بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

المعروف به

جلد اول

الم ۱ـ سیقول ۲ـ تلک الرسل ۳

[illegible]خ الاسلام المسلمین

نام کتاب: ’سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی‘ ﴿جلد اول﴾
مفسر اول: الٓمّٓ ۱ محدث اعظم ہند، حضرت علامہ سید محمد اشرف جیلانی قدس سرہ
مفسر دوم: سیقول ۲ تلک الرسل ۳ شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی
کورڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾
اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء
ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس: 042-37238010
9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212

بسم اللہ الرحمن الرحیم



سید محمد مدنی اشرفی جیلانی



اجازت نامہ، طباعت و اشاعت برائے اردو تفسیر قرآن، بنام سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی (کامل)

[illegible]

فہرست

نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡكَرِیۡمِ ۔۔۔ اَمَّا بَعۡدُ

عرض ناشر

اس اقرار کے بعد کہ نہیں ہے کوئی اِلٰہ سوائے اَللّٰہ کے، تمام تعریفیں اسی کیلئے ہیں جو رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ ہے، جو الرَّحۡمٰنِ ہے، جو الرَّحِیۡمِ ہے، جسکے بہترین نام ہیں، اور بعد اس اقرار کے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، رَحۡمَةٌ لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ہیں، رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ہیں اور خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ہیں، اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں کہ رضائے الٰہی کے بغیر کوئی ہدایت پا سکے اور حب مصطفیٰ ﷺ کے بغیر کسی کا ایمان کامل ہو سکے، یہ ممکن نہیں۔ اُخروی نجات بھی غلامی رسول ﷺ ہی کا ثمرہ ہے۔

اس میں بھی شک نہیں کہ بلا تائید الٰہی و توفیق الٰہی دین کی ادنیٰ سی بھی خدمت کوئی انجام دے سکے، یہ ممکن نہیں۔ نفوس قدسیہ رکھنے والوں کو براہِ راست اور نہ رکھنے والوں کو انکے وسیلے اور انکی دعاؤں سے جب تائید الٰہی حاصل ہو جاتی ہے، تو پھر دین اسلام کی مشکل ترین خدمت انجام دینا بھی انکے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ وہ کوئی بھی قربانی دینے سے دریغ نہیں کرتے اور خدمت دین کیلئے ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔ اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ ایسوں کے ذریعے امت مرحومہ کی رہنمائی فرماتا رہے۔ ﴿آمین﴾

بفضلہٖ تعالیٰ اراکین گلوبل اسلامک مشن نے بزرگانِ دین یعنی علماء حق کے قدموں سے وابستہ رہتے ہوئے دین اسلام یعنی کلام الٰہی، احادیث نبوی اور فقہ اسلامی کی ترویج و اشاعت کا ایک بیڑا اٹھایا۔ گیارہ سال قبل جب ہم نے نیو یارک، امریکہ میں اس ادارے کی بنیاد رکھی، تو ظاہری طور پر کسی بزرگ ہستی یا علماء کرام کی سرپرستی حاصل نہ تھی۔۔۔ البتہ اپنے پیر و مرشد، قبلہ چودھری محمد اقبال حمید سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں گزارے ہوئے بچپن کے کچھ لمحات مشعل راہ ضرور تھے۔

ادھر مشن کو قانونی شکل دی، اُدھر فیضان سہروردیہ نے دستگیری کی اور دیکھتے ہی دیکھتے بالترتیب مسعود ملت، حضرت ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب علیہ الرحمہ، قائد اہلسنت، حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی علیہ الرحمہ، رئیس المحققین، شیخ الاسلام، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی، شیخ الحدیث، حضرت علامہ مفتی نصر اللہ خان صاحب افغانی دامت برکاتہم، حضرت علامہ مفتی محمد اطہر نعیمی صاحب مدظلہ العالی

شیخ الحدیث جناب علامہ غلام جیلانی اشرفی صاحب، جناب علامہ مفتی محمد الیاس رضوی اشرفی صاحب اور دیگر بزرگانِ دین ومقتدر علماء اہلسنّت کے قدموں سے وابستگی ہوتی چلی گئی۔

ان پیکرانِ اخلاص اور بزرگانِ عظام کی صحبت، شفقت، سرپرستی اور فیضانِ نظر کا ثمرہ یہ ظاہر ہوا کہ اس مشن نے تھوڑے ہی عرصے میں کافی کام کرلیا۔ ان بزرگوں سے جب ہم نے یہ بات سیکھ لی اور اس حقیقت کو جان لیا کہ اللہ ﷻ کے حبیب ﷺ نے مقامِ محبوبیت پر فائز ہونے کے باوجود ہر مشکل کا سامنا کیا اور خدا کے دین کو خدا کے بندوں تک پہنچایا، تو اب اگر ہم حضور ﷺ کی سچی غلامی کا دم بھرتے ہیں، تو زندگی کا کوئی لمحہ بھی دین اسلام کی ترویج واشاعت کے بغیر نہیں گزاریں گے۔

رب تعالیٰ نے کرم فرمایا اور ہم نے حضور شیخ الاسلام کی اجازت سے آپ کے والد بزرگوار حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا اردو ترجمۂ قرآن بنام 'معارف القرآن' شائع کیا اور ہزاروں کی تعداد میں علماء کرام اور عوام المسلمین کی خدمت میں تحفۃً پیش کیا۔ حضور شیخ الاسلام کے قدموں سے وابستگی، آپ سے والہانہ محبت اور حد درجہ قربت اس بابرکت کام کیلئے ایک معاون ضرور بنی لیکن اصل محرک حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کا وہ عظیم کارنامہ تھا جو آپ نے اس ترجمۂ قرآن کے تحت انجام دیا۔ امت مسلمہ پر یہ احسانِ عظیم اور اسکی افادیت ہماری نظروں میں ہمیشہ پیش پیش رہی اور ہمارے لئے اسکی ترویج واشاعت ایک فرضِ عین بن کر رہ گئی جسے سب ہی نے سراہا۔

اس ترجمۂ قرآن کی شان، اسکی اہمیت اور اہلسنّت کو اسکی ضرورت، کا اندازہ صرف اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب اعلیٰ حضرت عظیم البرکت، مجدد دین وملت، حضرت علامہ الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہٗ نے اس ترجمہ کا ابتدائی حصہ ملاحظہ فرمایا، تو ارشاد فرمایا کہ 'شہزادے آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو'۔۔۔

یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ کلامِ الٰہی کی معرفت حبِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔ حبِ مصطفیٰ ﷺ کی کیفیت جیسے جیسے ترقی کرتی جائیگی، اسکی روشنی میں کلامِ الٰہی کی معرفت بھی اتنی ہی بڑھتی جائیگی۔ قدرتی نظاروں کے ادراک کیلئے سورج کی چمکدار اور شفاف شعاؤں کے ساتھ ساتھ آنکھوں کی بینائی کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ دونوں میں سے کسی ایک کی بھی عدم موجودگی یا کمی کی صورت میں صحیح ادراک حاصل نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح ہدایت کاملہ کیلئے کلامِ الٰہی اور حضور سرورِ کائنات ﷺ کی سچی محبت دونوں درکار ہیں۔

چونکہ کلامِ الٰہی لازوال ہے، اسکی ہدایت کبھی مدہم نہ پڑے گی اور اسکی حفاظت کی ذمہ داری بھی خود کلام والے ہی نے لے رکھی ہے، لہٰذا سارا معاملہ اب ہمارے ہی عشق نبوی ﷺ کے درجات پر منحصر ہے۔ یعنی جتنا زیادہ ہم اپنے آپ کو حب مصطفیٰ ﷺ میں فنا کرتے چلے جائینگے، کلامِ الٰہی کی اتنی ہی معرفت سے بہرہ ور ہوتے چلے جائیں گے۔۔۔ یہاں سے ایک نکتہ اور سامنے آیا کہ جب خود کلامِ الٰہی کی معرفت حاصل کرنے کیلئے حب رسول ﷺ کی اعلیٰ سے اعلیٰ منازل کو طے کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، تو دوسروں کو کلامِ الٰہی کے مفہوم سے متعارف کرانے کیلئے حضور ﷺ سے کس قدر محبت و الفت درکار ہوگی، اس بات کا اندازہ صرف اہل محبت، اہل درد و اہل نظر ہی لگا سکتے ہیں۔

جو اہل محبت اور اہل درد نہیں، انکی نظر مصحف قرآنی کے صفحات پر تحریر الفاظِ قرآنی اور انکے ظاہری معنوں تک پہنچ کر رک جاتی ہے۔ جبکہ عشق نبوی سے سرشار غلامانِ رسول اور امت کا درد رکھنے والے وارثین رسول ﷺ، کلامِ الٰہی کی اتھاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہوکر ہدایت کے بیش بہا موتیوں کو برآمد کرتے ہیں۔ انہی سے کلامِ الٰہی کی معرفت اور ایمان کی دولت ہمارے ہاتھ آتی ہے۔ جو دونوں جہانوں کی کامیابی و کامرانی سے ہمیں ہمکنار کرتی ہے۔

آیئے ایسے ہی صاحبانِ قلب و نظر کے قلموں سے نکلے ہوئے ان گوہر بیش بہا کا لفظوں کے جامے میں ہم بھی نظارہ کریں۔ پھر اگر ہم بھی صحیح معنوں میں عشق نبوی ﷺ سے سرشار ہوکر غلامی رسول ﷺ کی مبارک منزل تک پہنچ گئے تو کلام الٰہی کی اصل معرفت ہمیں بھی حاصل ہو جائیگی اور کلام الٰہی کی وہ معرفت جو حب نبوی ﷺ کے طفیل ہمارے نصیب میں آئیگی، وہ ہمارے حب میں دائمی پختگی کا باعث بنے گی اور ہمیں کمال ایمان کے درجہ تک پہنچا دیگی۔ پھر ہم اس دنیا کو صرف بقدر ضرورت استعمال کریں گے اور اسکے استعمال میں آنے سے بچ جائیں گے۔

اسی لئے رئیس المتکلمین، حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اٹھائیس ۲۸ سال محنت کر کے اردو ترجمہ قرآن مکمل فرمایا۔ میرے ادنیٰ خیال میں یہ ترجمہ قرآن، ترجمہ ہونے کے ساتھ ساتھ بیک وقت تفسیر قرآن بھی ہے۔ معارف القرآن میں حضرت قبلہ کا ہی کا انداز بیان اور شان الٰہی اور عظمت مصطفیٰ ﷺ کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے لفظوں کا استعمال، کلام الٰہی کو سمجھنے میں حتی الامکان مدد دے رہا ہے۔ اور ترجمہ پوری آب و تاب کے ساتھ قرآن کریم کے مفہوم کو بیان کر رہا ہے۔

اسکے باوجود، ترجمہ قرآن مکمل فرمانے کے بعد محدث صاحب نے امت مسلمہ کی مزید

رہنمائی، اردو زبان کے قارئین کی آسانی، اور قرآنِ کریم کے مفہوم کو ذرا تفصیل اور ایک نئے انداز سے سمجھانے کیلئے تفسیر قرآن قلمبند کرنا شروع کر دی۔ تفسیر کا مطالعہ کرنے والا فوراً ہی حضرت کے منفرد انداز کا خود قائل ہو جاتا ہے۔ تفسیر میں ترجمہ کے الفاظ (قوسین میں رکھتے ہوئے) پرونے کا منفرد انداز کلامِ الٰہی کے دل میں اتر جانے اور دماغ میں سما جانے کا سبب بنتا ہے۔ بلکہ قاری واقع کو چشم دید سا جان لیتا ہے۔ اس طرح آپ نے تین پارے اور چوتھے کے چند رکوع کی تفسیر ہی فرمائی تھی کہ اس دارِ فانی میں آپ کے قیام کا وقت پورا ہو گیا اور آپ مالک حقیقی سے جا ملے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو یہی منظور تھا کہ ایک عجیب اور منفرد انداز میں تفسیری کام کی داغ بیل تو محدث صاحب کے مبارک ہاتھوں سے ڈلوا دی جائے مگر اسکو آگے بڑھانے اور (انشاء اللہ) پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے شہزادۂ محدث اعظم ہند، حضور شیخ الاسلام کو چن لیا جائے۔ بہر حال تلاش کے باوجود محدث صاحب کے تفسیر شدہ تین پاروں میں سے صرف پہلا پارہ ہی دستیاب ہو سکا جس کو اسی ادارے نے ۲۰۰۳ء میں شائع کیا۔

جب سے معارف القرآن اور تفسیر اشرفی (پہلا پارہ) شائع ہو کر منظر عام پر آیا، تو علماء کرام اور احباب کی دیرینہ خواہش پھر سے جاگ اٹھی کہ تفسیری کام کو محدث صاحب ہی کے انداز میں مکمل کر کے منظر عام پر لایا جائے۔ یہ جانتے ہوئے۔۔۔ یا یوں سمجھئے۔۔۔ اپنے اندازے کے مطابق یہ خیال کرتے ہوئے، کہ اس تفسیری کام کو محدث صاحب ہی کے انداز میں آپ کے جانشین حضور شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی سے بہتر کوئی انجام نہیں دے سکتا، ہم نے حضرت کی نا ختم ہونے والی اور نا کم ہونے والی مصروفیات کو مدنظر رکھتے ہوئے، محتاط انداز میں حضرت سے گزارش شروع کر دی کہ آپ ہی اس مبارک کام کیلئے وقت نکالیں۔

یہ حضرت کی ہم پر شفقت ہی ہے کہ ہماری درخواست کو آپ نے شرف قبولیت بخشا اور آپ کی بالغ نظری بھی کہ تفسیری کام کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، اپنی مصروفیات کم سے کم کرتے کرتے وقت نکال ہی لیا، اور حضور محدث صاحب کے قلم کی یاد تازہ کرتے ہوئے، یعنی اپنے والد بزرگوار ہی کے تفسیری انداز میں، ترجمہ کو تفسیر قرآن میں پروتے ہوئے، اس مشکل کام کا آغاز کر ہی دیا۔

صرف پیکرانِ اخلاص، صاحبانِ قلب ونظر اور اہل علم ودانش ہی خوب جانتے ہیں کہ یہ کام آسان نہیں ہے۔ کئی تفاسیر قرآن کو یکجا کر کے، موجودہ دور کے طلباء اسلام اور عوام المسلمین کی علمی

قابلیت اور قرآن فہمی کی دور حاضر کی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے، انکو آسان الفاظ میں اور ترجمہ قرآن کو درمیان میں پروتے ہوئے کسی آیت کا مفہوم اسطرح بیان کر دینا کہ قاری کے دل و دماغ میں نقش ہوتا چلا جائے اور واقع کا منظر نظروں کے سامنے آتا دکھائی دے اور قاری تصور میں اپنے آپ کو واقع کے دوران حاضر سمجھتے ہوئے اسطرح مطالعہ کرتا چلا جائے کہ اسے یہ معلوم ہی نہ ہو سکے کہ کب تفسیر پڑھنی شروع کی اور کب اختتام کو پہنچا۔۔۔ یہ کمال نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

اسکے باوجود حضرت کا یہ فرمانا کہ 'بس صرف یہ پرو دینے والا عمل میرا ہے'، حقیقت کے کتنا قریب ہوتے ہوئے بھی کسر نفسی کے کس درجہ پر ہے، اسکا اندازہ لگانا میرے جیسے طالب علم کیلئے مشکل ہے۔

'پرو دینے والا عمل' ہی خوبصورت، خوش رنگ، خوشبو دار اور نازک پھولوں کو کبھی کلائی کے گہنوں، کبھی گلے کی مالاؤں اور کبھی ماتھے کے سہروں میں بدل دیتا ہے۔ یہ صرف پرونے والا ہی بہتر جانتا ہے کہ اسے ان پھولوں سے کلائی کا گہنا تیار کرنا ہے، گلے کی مالا بنانی ہے یا ماتھے کا سہرا، تو پھر وہ اپنے حساب ہی سے کہیں گلاب، کہیں موتیا، کہیں چنبیلی اور کہیں گیندا پروتا چلا جاتا ہے اور ان کو استعمال کرنے والا 'پرونے کے اس اہم عمل' سے بے خبر اس محنت کی وجہ سے اپنی زندگی کے لمحات میں خوشیاں سمیٹ لیتا ہے۔۔۔ یہی پرو دینے والا عمل موتیوں اور قیمتی پتھروں میں بھی کارفرما رہتا ہے جو جوہری کی دکانوں سے ہوتا ہوا خریداروں کو زینت بخشتا ہے۔۔۔ اور یہی پرو دینے والا عمل یہاں بھی کارفرما ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں پھولوں کی جگہ اردو میں مفہوم قرآنی یعنی تفصیلات کلام ربانی ہے جبکہ کلائی، گلے اور ماتھے کی جگہ مومنین کے قلوب و اذہان ہیں جن کو منور و مجلی کرنا ہے۔

ایک طرف معارف القرآن ہے۔۔۔ جو محدث صاحب نے اردو ترجمہ قرآن کی شکل میں ڈھال کر رکھ دیا ہے جبکہ دوسری طرف مستند تفسیروں کا مجموعہ ہے جن میں آیات قرآنی کے شان ہائے نزول سے لیکر کلام ربانی کی اتھاہ گہرائیوں سے نکالے ہوئے مسائل و فضائل کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ اب رئیس المتکلمین، حضور شیخ الاسلام والمسلمین کو اپنے قلم کو ہر بار کے ذریعے رب تعالیٰ کی شان الوہیت و ربوبیت، شان احدیت و صمدیت، شان کن فیکونی، شان رحیمی و شان کریمی، شان ستاری و غفاری، شان جلالی و شان جمالی اور شان بے نیازی وغیرہا۔۔۔ حضور ﷺ کی شان محبوبیت، شان بندگی، شان رسالت، شان رحمت، شان خاتمیت، شان اولیت و آخریت اور شان فضیلت وغیرہا۔۔۔ دیگر انبیاء کرام و رسولان عظام کی شان نبوت و شان رسالت، صدیقین، شہداء و صالحین کی عظمت، مومنین کے

مقامِ یقین اور انکے انعامات، کافرین کے انکار اور انکے ابدی نقصانات، منافقین کی منافقت، انکے اندازِ منافقت اور انکا حشر، سب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک ایسی تفسیر مرتب کرنی ہے جو اپنے نام 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' کے عین مطابق ہو، اور جو عوام الناس کیلئے رہنمائی و ہدایت کا ذریعہ، طالبانِ علم کیلئے مشعل راہ اور علماء اہلسنّت کیلئے منزل کا نشان بن جائے۔

مذکورہ بالا خصوصیات کی جامع تفسیر کا ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا اور ہم پر اللہ ﷻ کا احسان ہوا کہ اسکی توفیق سے حضور شیخ الاسلام نے دوسرے اور تیسرے پارے کی تفسیر مکمل فرمادی، اور ہمیں اسکی اشاعت کی اجازت مرحمت فرما کر دین اسلام کی مزید خدمت کا موقع دیا۔ اب انشاء اللہ قارئین خود بھی فیصلہ فرمالینگے کہ پرونے کے اس عمل میں حضرت، اور اس کو خوبصورت انداز میں شائع کرنے میں ہم، کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں۔ کتاب میں قارئین اور خاص کر طلباء کیلئے ہم نے ہر ہر آیاتِ قرآنی کی تفسیر کو ترتیب قرآنی کے ساتھ علیحدہ علیحدہ کر کے رکھ دیا ہے تاکہ مطالعہ میں آسانی رہے۔ درمیانِ تفسیر میں ترجمہ قرآن ﴿معارف القرآن﴾ کے الفاظ جو (قوسین) میں رکھے گئے ہیں، انھیں ہم نے گہرا کر کے اجاگر کر دیا ہے تاکہ تفسیر میں ترجمہ پرونے کا منفرد انداز ذرا اور واضح ہو جائے۔

دورِ حاضر میں تو حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اور حضور شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی بابرکت شخصیات تعارف کی محتاج نہیں، مگر معتبر تفسیراتِ قرآنیہ صرف اپنے اپنے دور ہی میں نہیں بلکہ آنے والے ادوار میں بھی مینارۂ نور ہوتی ہیں اور انکا مطالعہ جاری رہتا ہے، مگر اگر انکے مصنفین کا تعارف ان کتابوں میں نہ ہو، تو ان شخصیات کی پہچان ماند پڑ سکتی ہے۔ اسلئے ہم نے تفسیر اشرفی کی اسی پہلی جلد میں اسکے مفسرین کرام کا مختصر اذکر کر دیا ہے، تاکہ آنے والی نسلیں بھی ان بزرگوں سے متعارف رہیں۔

تفسیر کی سمجھ کو آسان بنانے کیلئے، ترجمہ و تفسیر کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کرنے کیلئے، معتبر و غیر معتبر اندازِ تفسیر سے متعارف کرانے کیلئے، تفسیر کے تعلق سے جن ضروری باتوں کا جاننا ضروری ہے انکو سمجھانے کیلئے اور زیر نظر تفسیر کی خصوصیات کی ایک جھلک دکھانے کیلئے اور اسکا اندازِ بیان روشناس کرانے کیلئے، ہم نے ایک دلچسپ اور پر مغز مضمون 'مقدمہ' کی صورت میں اس کتاب میں شامل کیا ہے، جسے نیو جرسی، امریکہ میں مقیم، نوجوان عالم دین، حافظ و مفتی، حضرت علامہ سید محمد فخر الدین علوی اشرفی صاحب جو دار العلوم اہل سنت فیض الرسول، براؤں شریف، یوپی، انڈیا سے فارغ التحصیل ہیں، نے قلمبند فرمایا ہے۔ آپ مفسر مکرم حضور شیخ الاسلام والمسلمین مدظلہ العالی سے خلافت یافتہ بھی ہیں۔

ہمیں پوری امید ہے کہ قارئین کرام کو یہ بات ذہن نشین ہوگئی ہوگی کہ تفسیر اشرفی کی اشاعت ہمارے لئے کتنی بڑی سعادت ہے۔ اس سے پیشتر حضور شیخ الاسلام ہی کی کئی کتابیں ہم شائع کر چکے ہیں۔ اسکے علاوہ ہم اردو اور انگلش کا مزید اہم لٹریچر شائع کر رہے ہیں تاکہ آنے والی نسلوں کی رہنمائی ہو سکے اور امریکہ ویورپ وغیرہ کے غیر مسلموں میں تبلیغ اسلام کا کام با آسانی انجام دیا جا سکے۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ قارئین تک ہم یہ تفسیر پہنچائیں مگر امریکہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے، شاید یہ جلدی ممکن نا ہو کہ انڈیا، پاکستان، برطانیہ، ساؤتھ افریقہ اور کینیڈا کے کتب خانوں پر یہ کتاب دستیاب ہو سکے۔ لہٰذا ہم دلچسپی رکھنے والے قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ صفحہ ۲ پر دیئے گئے اداروں سے رابطہ قائم کر کے اس کتاب اور اسکی آئندہ جلدوں کے تعلق سے معلومات حاصل کریں۔

ہم ایک بار پھر حضور شیخ الاسلام والمسلمین دامت برکاتہم العالیہ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے تفسیر قلمبند کرنے کیلئے وقت نکالا اور ہمیں اسکی اشاعت کی اجازت عطا فرمائی۔ ہم اللہ ﷻ سے دعا گو ہیں کہ حضور مفسر مکرم کی عمر اور صحت میں برکت ہو اور اس تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق عطا ہو۔۔ ﴿آمین﴾۔۔ ہم غازیٔ ملت، شہزادۂ حضور محدث اعظم ہند، حضرت علامہ سید محمد ہاشمی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ العالی، اور نبیرۂ حضور محدث اعظم ہند، جناب سید محمد عربی میاں اشرفی جیلانی کے بھی شکر گزار ہیں کہ آپ ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں اور قیمتی مشوروں سے نوازتے ہیں۔۔۔ یہاں اماں جان، یعنی حضور شیخ الاسلام کی اہلیہ صاحبہ سیدہ، جنکا تقریباً ۸ ماہ قبل وصال ہو چکا، ذکر کرنا ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ پروردگار عالم انکے درجات بلند فرمائے کہ آپ وقتاً فوقتاً حضور شیخ الاسلام سے گزارش فرماتی رہتی تھیں کہ تفسیر کا کام شروع کیا جائے۔ اس پہلی جلد کی اشاعت پر آج اماں جان کی روح بہت خوش ہوگی۔

ہم اس تفسیر پر شاندار مقدمہ تحریر فرمانے کا وقت نکالنے کیلئے علامہ نصر الدین علوی صاحب کے بھی بیحد شکر گزار ہیں۔ اسکے علاوہ، ہم مرہون منت ہیں: مولانا مفتی محمد ایوب اشرفی صاحب (بولٹن، یو کے) کے جنھوں نے پروف ریڈنگ میں ہماری مدد کی، اور جناب علامہ رضوان احمد صاحب نقشبندی کے اور جناب علامہ حب علی نعیمی صاحب کے، جنکے قیمتی مشورے ہمارے لئے مشعل راہ ہوتے ہیں۔

اسکے علاوہ سید ریاض علی اشرفی صاحب (معلم صوت الشرق پبلک اسکول شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان)، جناب سرور علی قریشی صاحب (نگران اشاعت، امگپورر)، جناب حلیم الدین صاحب (پرنٹر)، اور جناب

عبد القادر صاحب بمعہ اہل خانہ اور جناب عزیز علی خان بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جو پاکستان میں طباعت سے لیکر پیکنگ اور ایکسپورٹ کے مراحل تک ہماری مدد کرتے ہیں۔

چونکہ یہ ادارہ ٹیم ورک کے اصولوں پر کام کرتا ہے، اسلئے یہ ضروری ہے کہ جناب شبیر اسماعیل پٹیل صاحب (بولٹن، یوکے) اور انکے صاحبزادے شریف پٹیل کا بھی شکریہ ادا کردیا جائے جو انگلینڈ میں مشن کیلئے مستعد رہتے ہیں۔ ہم مشن کے تمام اراکین جنکے ناموں کی لسٹ کافی طویل ہے، مگر خاص طور پر منصور احمد اشرفی جنھوں نے اس کتاب کی کمپیوٹر کتابت اور ڈیزائنگ کی، کے بے حد شکر گزار ہیں۔ اللہ ﷻ ان سب کی محنت کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے دارین کی فلاح نصیب فرمائے۔

ہمیں پوری امید ہے کہ بزرگانِ دین، علماء اہلسنّت، طلباء اسلام اور دیگر قارئین کرام ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں گے کہ رب تبارک وتعالیٰ ہمیں دین اسلام کی بیش از بیش خدمت کرنے کے مواقع عطا فرماتا رہے اور حضور ﷺ کی سچی غلامی ہمیں نصیب فرمادے۔

﴿ امین! بِجَاهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ﴾

ناچیز

محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

[redacted]

[redacted]

نَحمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ

قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ (البقرہ ۳۲)

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ

مُقَدِّمَۃ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! تفسیر اشرفی کی جلد اول جو پارہ الٓمّٓ، سیقول، تلک الرسل کی تفسیر پر مشتمل ہے کی زیارت سے مشرف ہوا۔ جس میں پہلے پارے کی تفسیر مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند رضی اللہ عنہ کی عظیم الشان یادگار تفسیر قرآن ہے جبکہ دوسرے اور تیسرے پارے کی تفسیر حضور قبلہ گاہی ہی کے جانشین، حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی نے آپ ہی کے انداز کو جاری رکھتے ہوئے کی ہے۔ شہزادۂ حضور محدث اعظم ہند، شیخ الاسلام والمسلمین مدظلہ العالی نے اس عالی شان تفسیر کا نام 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' تجویز فرمایا، جو کہ نہایت ہی موزوں اور شان تفسیر کے عین مطابق ہے۔

عالی جناب محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی صاحب، چیئرمین، گلوبل اسلامک مشن انک، (نیویارک، یوایس اے) کے گزارشات کو حکم سمجھ کر تفسیر کے چند اجزاء کا مطالعہ کیا اور موصوف ہی کے توسط سے زیر نظر تفسیر قرآن پر اپنے تاثرات قلمبند کرنے کا شرف حاصل ہورہا ہے۔

اس سے قبل محدث اعظم ہند، سید محمد کچھوچھوی علیہ الرحمہ ہی کا محیر العقول، اور نادر روزگار ترجمہ بنام 'معارف القرآن' کے تفصیلی مطالعہ کا موقعہ ملا، جسے مترجم قدس سرہ نے ۲۸ سالہ محنت شاقہ کے بعد قوم مسلم کو ایک بہترین تحفہ کے طور پر دیا۔ جس کے ابتدائی حصے کو دیکھ کر امام اہلسنت، اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب، فاضل بریلوی قدس سرہ' نے فرمایا تھا کہ:

شہزادے! اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔

۔۔۔محدثِ بریلوی علیہ الرحمہ کا یہ ارشاد آپ کے ترجمہ قرآن کو اعلیٰ خصوصیات کی سند دے رہا ہے۔جو کہ شانِ ترجمہ کے عین مطابق ہے۔۔۔'معارف القرآن' کے حسنِ کلام کو ذہن نشین رکھتے ہوئے،زیر نظر تفسیر کا مطالعہ کرتے وقت،ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قاری اردو میں 'تفسیر جلالین' پڑھ رہا ہے۔

تفسیر مذکور پر گفتگو کا آغاز کرنے سے پیشتر چاہتا ہوں کہ فن تفسیر سے متعلق کچھ ضروری باتیں اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کردوں تاکہ متعلقہ بحث کے سمجھنے میں آسانی رہے۔علم تفسیر ایسا علم ہے جس میں الفاظِ قرآن کی کیفیت نطق،ان کے مدلولات،ان کے مفرد اور مرکب ہونے کے احکام، حالت ترکیب میں ان کے معانی اور ان کے تمات سے بحث کی جاتی ہے۔اس کا موضوع کلام اللہ لفظی ہے کیوں کہ موضوع وہ ہوتا ہے جس کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جائے اور علم تفسیر میں کلام لفظی کے عوارض ذاتیہ سے بحث کی جاتی ہے۔

وَقِيلَ مَوْضُوعُهُ آيَاتُ الْقُرْآنِ مِنْ حَيْثُ فَهْمِ مَعَانِيهَا ﴿صاوی﴾

علم تفسیر حاصل کرنا واجب کفایہ ہے جس سے مطلوب سعادت دارین ہے۔اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھنا بہت ضروری ہے۔تفسیر القرآن،تاویل القرآن،تحریف القرآن۔آیئے اب ان اصطلاحات کو لغوی،عرفی اور شرعی معنوں کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

مصباح اللغات،۶۳۳: 'فَسَّرَ'۔۔۔واضح کرنا،ظاہر کرنا۔التفسیر (مصدر)،تاویل، کشف،وضاحت،بیان شرح۔

المنجد،۵۸۹ : 'فَسَّرَ'۔۔۔واضح کرنا،مراد بتانا۔التفسیر (مصدر)،تاویل،پردہ ہٹانا، وضاحت کرنا،بیان واضح۔

مصباح اللغات،۲۴: 'اَوَّلَ'۔۔۔لوٹنا،واپس کرنا۔تاویل (مصدر) تفسیر کرنا،خیرو صلاح محسوس کرنا۔

المنجد،۶۸: 'اَوَّلَ'۔۔۔لوٹنا۔تاویل (مصدر) کسی کی طرف واپس کرانا،کلام کی تفسیر کرنا۔

مصباح اللغات،۱۴۷: 'حَرَّفَ'۔۔۔پھیرنا،جھکانا۔التحریف (مصدر) قول کو اسکے موقع سے پھیر دینا۔

المنجد،۲۰۱: 'حَرَّفَ'۔۔۔پھیر دینا،جھکا دینا۔التحریف (مصدر) اور بات کو بدل دینا، تبدیل کرنا۔

میر سید شریف لکھتے ہیں: تفسیر کا لغوی معنی ہے، کشف اور ظاہر کرنا۔۔۔اور اصطلاح میں، واضح لفظوں کے ساتھ آیت کا معنی، مسائل کا استنباط، متعلقہ احادیث اور شانِ نزول بیان کرنا۔

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں: کہ 'فَسْـرٌ' کا معنی ہے، معقول کا اظہار کرنا۔ مفردالفاظ کی تفسیر اور مشکل معنی کے بیان کو تفسیر کہتے ہیں۔۔۔اور کبھی تفسیر پر تاویل کا بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اسی لئے خواب کی تعبیر بیان کرنے کو تفسیر و تاویل کہتے ہیں۔

علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں: کہ کسی چیز کو 'جہالت' کی تاریکی سے نکال کر 'علم' کی روشنی میں لانا 'تفسیر' ہے۔ اور کسی لفظ کو اسکے اصل معنی سے دوسرے معنی پر محمول کرنا 'تاویل' ہے، جسکی وجہ ایسی دلیل ہو کہ اگر وہ دلیل نہ ہوتی تو اس لفظ کو اس کے ظاہر سے ہٹایا نہ جاتا۔

تفسیر و تاویل کا فرق:

جس لفظ کا ایک معنی ہو اسکو بیان کرنا تفسیر ہے، اور جس لفظ کے متعدد معانی ہوں تو دلیل سے کسی ایک معنی کو بیان کرنا تاویل ہے۔

امام ماتُریدی فرماتے ہیں: کہ قطعیت سے یہ بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ نے اس لفظ سے یہ معنی مراد لیا ہے، یہ 'تفسیر' ہے۔ تو اگر کسی دلیل قطعی کی بناء پر یہ شہادت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے۔ ورنہ 'تفسیر بالرّائے' ہے، جو کہ منع ہے۔ اور لفظ کے کئی احتمالات ہیں۔ کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شہادت کے متعین کرنا 'تاویل' ہے۔

ابوطالب ثعلبی فرماتے ہیں: کہ تفسیر، لفظ کی حقیقت و مجاز کو بیان کرنا ہے۔ جیسے 'صراط' کی تفسیر راستہ ہے اور 'صَیِّب' کی تفسیر بارش۔ اور 'تاویل' لفظ کے باطن کو بیان کرنا ہے۔۔۔ مثلاً

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿الفجر ۱۴﴾

بیشک تمہارا رب ضرور گھات میں ہے۔

۔۔۔اسکی تاویل یہ ہے کہ اللہ نافرمانوں کو دیکھ رہا ہے اور اس سے انکو نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے۔ تاویل میں 'دلیل قطعی' سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ یہاں لفظ کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے یعنی 'رب کا گھات میں ہونا' امر محال ہے، اسلئے اسکی تاویل 'دیکھنے' سے کی گئی۔

مندرجہ بالا تعریفوں کو بہ غور مطالعہ کرنے سے تفسیر و تاویل کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اب مختصراً تحریف قرآن کو بھی سمجھ لیں۔۔۔ 'تحریف قرآن'۔۔۔ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کے ایسے معانی و مطالب کو بیان کرنا جو کہ 'اجماعِ امت' یا 'عقیدۂ اسلامیہ' یا 'اجماعِ مفسرین' کے خلاف ہو، یا خود تفسیر، قرآن کے خلاف ہو اور 'معنیٔ مشہورہ متواترہ' کو چھوڑ کر نیا معنیٰ تجویز کرے۔ جیسے کہ مولوی قاسم نانوتوی نے 'خاتم النبیین' کے معنیٰ بیان کئے 'اصلی' اور 'عارضی'۔۔۔

حالانکہ امت کا اجماع اور احادیث متواترہ کا اتفاق اس پر ہے کہ 'خاتم النبیین' کے معنیٰ 'آخری نبی' کے ہیں۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد، کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ 'خاتم النبیین' کے معنیٰ 'آخری نبی' کے علاوہ کچھ اور معنیٰ تجویز کرنا، تحریف قرآن ہے جو کہ بقولِ فقہاء کفر ہے۔۔۔ علیٰ ھٰذا القیاس۔۔۔ موجودہ دور میں بے شمار ایسے نادار مترجمین و مفسرین ملیں گے جنھوں نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں تحریف و تبدیل کے ایسے ایسے گل کھلائے ہیں کہ یہود و نصاریٰ جیسے باغیانِ مذاہب نے بھی شرم سے اپنا منہ چھپالیا۔ بہتر ہے کہ ہم تفسیر و تاویل کے چند مراتب، ذہن نشین کر لیں تا کہ بعد کے مباحث میں دشواری نہ ہو۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن بالقرآن:۔۔۔ قرآنِ کریم کی تفسیر خود آیاتِ قرآنی سے کرنا۔ یہ سب سے مقدم ہے۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن بالاحادیث:۔۔۔ احادیثِ رسول ﷺ سے قرآنی آیات کی تفسیر کرنا۔ حضور ﷺ صاحبِ قرآن ہیں، آپ کی تفسیر نہایت ہی اعلیٰ ہے۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن باقوال الصحابۃ۔۔۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال سے، بالخصوص خلفائے راشدین کی روایات سے تفسیر کرنا۔۔۔ بارگاہِ رسالتمآب ﷺ سے بلاواسطہ اکتسابِ فیض و برکت کی وجہ سے ان نفوسِ قدسیہ کی تفاسیر بھی نہایت معتبر ہیں۔

☆۔۔۔ تفسیر القرآن باقوال التابعین۔۔۔ تابعین یا تبع تابعین کے اقوال سے قرآنِ کریم کی تفسیر کرنا، اگر بروایت صحیح ہے تو معتبر، ورنہ نہیں۔

۔۔۔ 'جمل علی الجلالین' میں ہے:

اَصْلُ التَّفْسِيْرِ اَلْكَشْفُ وَاَصْلُ التَّاوِيْلِ اَلرُّجُوْعُ وَعِلْمُ التَّفْسِيْرِ عِلْمٌ عَنْ اَحْوَالِ الْقُرْآنِ مِنْ حَيْثُ دَلَالَتِهٖ عَلٰى مُرَادِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِحَسْبِ الطَّاقَةِ الْبَشَرِيَّةِ ثُمَّ هُوَ قِسْمَانِ تَفْسِيْرٌ وَهُوَ مَا لَا يُدْرِكُ اِلَّا بِالنَّقْلِ كَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَتَاوِيْلٌ وَهُوَ مَا يُمْكِنُ اِدْرَاكُهٗ بِالْقَوَاعِدِ الْعَرَبِيَّةِ وَهُوَ مِمَّا يَتَعَلَّقُ بِالدِّرَايَهِ وَالسِّرُّ فِيْ جَوَازِ التَّاوِيْلِ بِالرَّاْيِ بِشُرُوْطِهٖ دُوْنَ التَّفْسِيْرِ اِنَّ التَّفْسِيْرَ كَشَهَادَةٍ عَلَى اللّٰهِ قَطْعٌ بِاللّٰهِ عَنٰى بِهٰذَ اللَّفْظِ بِهٰذَا الْمَعْنٰى وَلَا يَجُوْزُ اِلَّا بِتَوْقِيْفٍ وَلِذَا جَزَمَ الْحَاكِمُ بِاَنَّ تَفْسِيْرَ الصَّحَابِيِّ فِيْ حُكْمِ الْمَرْفُوْعِ وَالتَّاوِيْلُ تَرْجِيْحٌ لَا حَدِ الْمُحْتَمِلَاتِ بِلَا قَطْعٍ

'تفسیر' کے لغوی معنی ہیں 'ظاہر کرنا' اور 'تاویل' کے معنی ہیں 'لوٹنا'۔۔۔علم تفسیر، قرآن پاک کے ان حالات کا جاننا ہے، جو اللہ کی مراد کو بتائیں، طاقت انسانی کے مطابق۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو تفسیر، اور تفسیر وہ ہے جو بغیر نقل کے معلوم نہ ہو سکے، جیسے اسباب نزول۔ اور دوسری تاویل، اور تاویل وہ ہے جس کو عربی قاعدوں سے معلوم کر سکیں۔ پس تاویل کا تعلق فہم سے ہے۔ اور تاویل کے رائے سے جائز ہونے میں اور تفسیر کے رائے سے ناجائز ہونے میں، راز یہ ہے کہ تفسیر تو خدائے پاک پر گواہی دینا ہے اور اس کا یقین کرنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کلمہ کے یہی معنی مراد لئے ہیں اور یہ بغیر بتائے جائز نہیں۔ اسی لئے حاکم نے فیصلہ کر دیا کہ صحابی کی تفسیر 'مرفوع حدیث' کے حکم میں ہے۔ اور تاویل چند احتمالات میں سے بعض کو ترجیح دینے کا نام ہے وہ بھی بلا یقین۔

۔۔۔'مرقات' 'شرح مشکوۃ' کتاب العلم، فصل دوم، 'مَنْ قَالَ فِی الْقُرْآنِ بِرَایِهٖ' کے تحت ہے:

اَیْ تَكَلَّمَ فِیْ مَعْنَاهُ اَوْ فِیْ قِرَاءَتِهٖ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهٖ مِنْ غَيْرِ تَتَبُّعِ اَقْوَالِ الْاَئِمَّةِ مِنْ اَهْلِ اللُّغَةِ وَالْعَرَبِيَّةِ لِلْقَوَاعِدِ الشَّرْعِيَّةِ بَلْ بِحَسْبِ مَا يَقْتَضِيْهِ عَقْلُهٗ وَهُوَ مِمَّا يَتَوَقَّفُ عَلَى النَّقْلِ كَاَسْبَابِ النُّزُوْلِ وَالنَّاسِخِ وَالْمَنْسُوْخِ

یعنی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے معنی یا اسکی قراءت میں اپنی طرف سے کلام کرے سلف اور زبان کے جاننے والے اماموں کے قول کی تلاش نہ کرے، شرعی قاعدوں کا

لحاظ نہ رکھے، بلکہ اس طرح کہہ دے جس طرح اس کی عقل چاہے، حالانکہ یہ معنی ایسے ہوں کہ جس کا سمجھنا نقل پر موقوف ہو، جیسے کہ شانِ نزول اور ناسخ و منسوخ۔

اب مختصراً، طبقاتِ مفسرین کا ایک سرسری طور پر جائزہ پیش خدمت ہے تا کہ زیرِ تبصرہ تفسیر کے صحیح خدوخال سامنے آسکیں۔

مفسرین کا پہلا طبقہ۔۔۔تفسیر قرآنِ کریم میں اِن مندرجہ ذیل اصحابِ رسول ﷺ کی شخصیات بہت زیادہ مشہور ہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابنِ عباس، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوموسیٰ اشعری، اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔۔۔خلفائے راشدین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تفسیری روایات دیگر خلفاء سے زیادہ ہیں۔ حضرت ابن مسعود کی روایات حضرت علی سے زیادہ ہیں، اور حضرت عبداللہ بن عباس کی مرویات بے شمار ہیں۔ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے آپ سے منسوب ایک تفسیر بنام 'تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس' چھاپی ہے، جو کہ اغلاط سے پُر ہے اور آپ کی ذاتِ والا صفات پر افتراء کے مترادف ہے۔ آپ کی تفسیری روایات وہ ہیں جو مستند کتب احادیث میں اسانید صحیحہ سے مروی ہیں۔

مفسرین کا دوسرا طبقہ۔۔۔'تابعین' کا ہے: جس میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں میں: مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، عکرمہ مولیٰ ابن عباس، طاوس بن کیسان، عطاء بن ابی رباح۔ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حسب ذیل تلامذہ: علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، ابراھیم نخعی، شعبی۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ کے تلامذہ میں: عبدالرحمٰن بن زید، مالک بن انس، حسن بصری، عطاء بن ابی مسلم خراسانی، محمد بن کعب قرظی، ابوالعالیہ رفیع بن مہران ریاحی، ضحاک بن مزاحم، عطیہ بن سعید، قتادہ بن دعامہ سدوسی، ربیع بن انس، اسمٰعیل بن عبدالرحمٰن سدی، وغیرہم ہیں۔

مفسرین کا تیسرا طبقہ۔۔۔ان بزرگوں کا ہے: جنھوں نے اقوالِ صحابہ وتابعین کو جمع کیا۔ منجملہ ان میں سفیان بن عینیہ، وکیع بن جراح کوفی، شعبہ بن حجاج، یزید ابن ہارون سلمی، عبدالرزاق، آدم ابن ابی ایاس، اسحاق بن راھویہ، روح بن عبادہ، عبداللہ بن حمید جمحی اور ابوبکر بن ابی شیبہ، وغیرہ شامل ہیں۔

مفسرین کا چوتھا طبقہ۔۔۔اس میں:ابوجعفر محمد ابن جریر طبری، علی ابن ابی طلحہ، ابن ابی حاتم عبدالرحمان بن محمد رازی، ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ قزوینی، ابن مردویہ ابوبکر احمد بن موسیٰ اصفہانی، ابراہیم بن مُنذر وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

مفسرین کا پانچواں طبقہ۔۔۔اس طبقہ میں وہ مفسرین شامل ہیں جنھوں نے اپنی تفسیروں میں اسانید کو حذف کردیا۔۔۔مثلاً:ابواسحاق زجاج ابراہیم بن السری نحوی، صاحب معانی القرآن، ابوعلی فارسی، ابوبکر محمد بن حسن المعروف بالنقاش الموصلی، مکی بن ابی طالب، ابوجعفر النحاس مصری، ابو العباس احمد بن عمار نہدوی۔

مفسرین کا چھٹا طبقہ۔۔۔یہ طبقہ درحقیقت ان بزرگوں کا ہے، جنھوں نے قرآن کی راہ سے اٹھنے والی ہر گمراہی کا مردانہ وار مقابلہ کیا، چاہے وہ مناطقہ وفلاسفہء یونان کے اعتراضات ہوں یا یہود ونصاریٰ کے تخیلاتی مذاہب؛ دہریوں کی لادینیت ہو یا ہندوؤں کی بے عقلی واصنام پرستی والا مذہب۔ ہر ایک میدان میں اپنے گراں قدر کارہائے نمایاں پیش کرکے رہتی دنیا تک کیلئے ایک ریکارڈ قائم کر گئے۔انہیں میں وہ تفاسیر بھی شامل ہیں جنھوں نے مذہب ائمہ اور مسلک صوفیاء کو اجاگر کرکے فقہاء اور متکلمین کے نظری اختلافات کی راہ سے اٹھنے والے تمام فتنوں کا سد باب کیا۔

اسلام کا ابر رحمت دنیا کے تمام براعظموں پر برسا اور مدتوں بعد لوگوں کے قلوب واذہان کو، ایک خدا کی عبادت، ایک نبی کی اطاعت، ایک قبلہ اور ایک قرآن کے ماننے کا شرف ارزانی ہوا۔ بدقسمتی سے چند ناعاقبت اندیش لوگوں نے اپنے مفاد کی خاطر یا بہ لفظ دیگر، اتحاد بین المسلمین، کو پارہ پارہ کرنے کیلئے قرآن کے ترجمہ اور تفسیر کی راہ لی۔نتیجہ کے طور پر پنڈت دیانند سرسوتی، بانیٔ آریہ سماج، جیسے لوگوں نے بھی طبع آزمائی کی۔کوئی ایک شخص 'راما سنگھم' بھی گزرا ہے جو ابتداً ہندو اور بعد میں نصرانی ہوگیا تھا، اس نے بھی اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ اسلام اور بانی اسلام ﷺ کی ذات اقدس واطہر کو نشانہ تنقید بنایا۔تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو، فتاویٰ رضویہ (جلد۱۱صفحہ۱۰۸)۔

اسکے علاوہ جاراللہ زمخشری کی 'تفسیر کشاف' پر بھی ایک نظر ڈالیں۔مصنف چونکہ 'معتزلی' ہے اس لئے پوری تفسیر پر 'رنگِ اعتزال' غالب ہے۔اس سے قبل 'تفسیر' منسوب بہ سیدنا ابن عباس، کی طرف اشارہ کرچکا ہوں، مسلمانوں کو گمراہ کرنے یا عالم اسلام میں ایک نیا رخنہ ڈالنے کیلئے اس کی نشرو

اشاعت بڑی شدومد سے کی جارہی ہے۔ نہ تو وہ آپ کی کتاب ہے اور نہ ہی وہ آپ سے ثابت۔اَسناد میں محمد بن مروان عن الکلبی عن ابی صالح مروی ہے، جس کے بارے میں ائمہءدین کی صراحت ہے کہ یہ سلسلہء کذب (جھوٹ) ہے۔۔۔ایضاً۔ یہی وہ وجوہات تھیں کہ جن کی بناء پر علماء حق، اہلسنت وجماعت نے۔۔۔

۔۔۔ع۔۔۔ 'نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری'

۔۔۔پر عمل پیرا ہوکر، نوکِ زبان وقلم سے ایسا حدِ فاصل کھینچ دیا کہ باطل آج بھی اپنے مرگھٹ میں سسک رہا ہے۔۔۔اس خصوص میں:

☆۔۔۔امام راغب اصفہانی نے قرآن کریم کے الفاظ کی لغوی تفسیر، بنام 'المفردات' کی اور ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فرّاء نے تین جلدوں میں، بنام 'معانی القرآن' تفسیر کی ہے۔

☆۔۔۔بعض علماء نے قرآن کریم کے صرفی اور نحوی مباحث کو موضوع بنایا ہے۔'زُجاج' کی تفسیر بنام 'معانی القرآن'، علامہ واحدی نیشاپوری کی 'البسیط' اور علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی کی 'البحر المحیط'، نو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔'البحر المحیط' نحو کے علاوہ، دیگر علوم اور مباحث کی بھی جامع ہے۔

☆۔۔۔بعض علماء نے واقعات وقصص کی طرف توجہ کی اور عوام الناس میں رائج، رطب ویابس واقعات کو حقائق کی کسوٹی پر پرکھ کر باطل افکار کی دھجیاں اڑادیں۔ان کو عقل وشرع کی عدالت میں لاکر حق کا رخِ زیبا نکھار دیا۔ان مشاہیر میں علامہ خازن، اور علامہ ابواسحاق احمد بن محمد ثعلبی، صاحب تفسیر 'الکشف والبیان من تفسیر القرآن' بہت زیادہ مشہور ہیں۔

☆۔۔۔فقہی مسائل کے استنباط واستخراج میں علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی کی تفسیر 'احکام القرآن' اور علامہ ابوعبداللہ محمد ابن احمد مالکی قرطبی کی 'الجامع لاحکام القرآن' ہے جو بیس جلدوں پر مشتمل ہے۔علامہ ابوالحسن ماوردی شافعی علیہ الرحمۃ کی 'النکت والعیون' چھ جلدیں ہیں، اور علامہ احمد جیون کی 'تفسیرات احمدیہ' بہت زیادہ مشہور ہیں۔

☆۔۔۔عقائد ونظریات کے مباحث۔۔۔نیز۔۔۔گمراہ فرقوں کے رد میں، امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر الرازی کی 'تفسیر کبیر' مشہور ترین تفسیر ہے۔اس میں معتزلہ، جبریہ، قدریہ، رافضیہ، اور خارجیہ وغیرہم فرقہائے باطلہ کا زبردست رد، بہت ہی عمدہ طریقہ پر کیا ہے۔امام رازی سے پہلے

ایسی جامع تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔ آپ کے انتقال کو آٹھ سو سال گذر گئے اور بعد میں بہت ساری تفسیریں لکھی گئی، لیکن امام رازی کی تفسیر کو کوئی تفسیر نہیں پہنچ سکی۔

☆۔۔۔چند علماء نے صوفیاء کی حکایات، پند و موعظت، اور آداب وفضائل پر زور دیا۔ ان میں علامہ اسماعیل حقی کی 'روح البیان' بہت مشہور ہے۔ بعض علماء نے طریقت ومعرفت کے رموز واسرار کی طرف اشارہ کیا جو ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں۔ ان میں محی الدین ابن عربی کی تفسیر 'عرائس البیان' بہت مشہور ہے۔

☆۔۔۔متاخرین میں: علامہ سید محمود آلوسی حنفی کی 'روح المعانی' بہت عمدہ اور جامع تفسیر ہے جس میں صَرف، نحو، بلاغت، قراءت، شانِ نزول اور عقائد سے بحث کی ہے۔ نیز فقہی مسائل میں فقہ حنفی کو ترجیح دی ہے۔ سید محمد قطب شہید نے 'فی ظلال القرآن' لکھی اور اس میں مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں۔ علامہ طنطاوی نے 'الجواہر فی تفسیر القرآن' لکھی اور مضامینِ قرآن کو سائنس کے مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔

☆۔۔۔اردو تفسیروں میں تفسیر اشرفی (زیرِ تبصرہ)، علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ کی تفسیر 'البیان' (جو نہایت جامع تفسیر ہے۔ مگر اس کا صرف ایک پارہ لکھا جاسکا، کاش یہ تفسیر مکمل ہوگئی ہوتی تو یہ تفسیر تمام تفاسیر پر فائق ہوتی)، پیر محمد کرم شاہ صاحب الازہری کی 'ضیاء القرآن' (جو پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں صوفیاء کے مسلک کو اجاگر کیا گیا ہے)، حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ کی 'تفسیر نعیمی' (جو بہت مبسوط تفسیر ہے۔ وہ گیارہویں پارے پر پہنچے تھے کہ داعیٔ اجل کو لبیک کہا)، علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مدظلہ کی تفسیر 'تبیان القرآن' (دورِ آخر میں لکھی گئی تفاسیر میں سب سے فائق ہے۔ موصوف نے مذاہب اربعہ، احکام، عقائد، شانِ نزول، اور دیگر کئی ضروریات ومباحث پر سیر حاصل گفتگو کی ہے)۔

اردو مترجمین ومفسرین میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جنکے تراجم وتفاسیر کی بوالعجبیاں نا قابل بیان ہیں۔ تاہم انکا مختصر تذکرہ، زیرِ تبصرہ تفسیر کے حسنِ کلام وآداب کو سمجھنے کیلئے، خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

۔۔۔ابوالاعلیٰ مودودی کی 'تفہیم القرآن' چھ جلدوں پر محیط ہے۔ اس میں کئی مقامات پر مقام نبوت کے آداب واحترام کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ اس طرح ایک امتی کو اپنے نبی سے جو عقیدت ومحبت

ہونی چاہئے، اس کا مصنف اس سے محروم ہے۔ یہ وہابی عقائد کی زبردست ترجمان ہے۔

۔۔۔ مفتی محمد شفیع کی 'معارف القرآن' آٹھ جلدوں میں ہے، جو درحقیقت اکابر علماءِ دیوبند کا شاہکار ہے۔ ترجمہ، شیخ محمود الحسن کا ہے۔ اور خلاصہء تفسیر، شیخ اشرف علی تھانوی کا 'بیان القرآن' ہے۔ بنام 'معارف ومسائل' تفسیر خود مفتی محمد شفیع کی ہے۔ اس میں دیوبندی رنگ کو خوب اجاگر کیا گیا ہے۔

۔۔۔ امین احسن اصلاحی نے 'تدبرِ قرآن' سے موسوم، 'فہم القرآن' کو نو جلدوں میں واضح کیا ہے۔ ادبِ جاہلیت کو بہت زیادہ اہمیت دیتے نظر آرہے ہیں۔ احادیث، آثارِ صحابہ، اقوال تابعین اور متقدمین کی تفسیروں کا ذکر نہیں۔ صرف اور صرف، اپنی ذاتی رائے کو اہمیت اور باوزن بنانے میں ساری صلاحیت بروئے کار لا کر یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ۔۔۔

ع۔۔۔ مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

اس طویل وعریض تمہید کے بعد آیئے زیرِ تبصرہ تفسیر مسمّٰی بہ 'تفسیر اشرفی' کو بہ نظر غائر ملاحظہ فرمانے سے پہلے یہ جان لیں کہ تفسیر قرآن کیلئے کم از کم کتنے علوم وفنون کی ضرورت ہے؟۔۔۔

﴿۱﴾۔۔۔علم لغت ﴿۲﴾۔۔۔صرف ونحو ﴿۳﴾۔۔۔معانی (بیان وبدیع)
﴿۴﴾۔۔۔علم حدیث ﴿۵﴾۔۔۔اصولِ فقہ ﴿۶﴾۔۔۔علم کلام
﴿۷﴾۔۔۔علم القراءۃ ﴿۸﴾۔۔۔ناسخ ومنسوخ کا علم

۔۔۔ یعنی آیاتِ قرآنیہ کے وضعی معنی، اعراب وحرکات، فصاحت وبلاغت، حقیقت ومجاز، شانِ نزول، عام وخاص، مطلق ومقید، اوامر ونواہی اسکے ساتھ ہی آدابِ بارگاہِ الوہیت ورسالت کا ہونا اور جاننا از حد ضروری ہے، کیونکہ مندرجہ بالا علوم سے ناآشنائی کی صورت میں بزعمِ خویش 'مترجم ومفسر' خود گمراہ ہوگا اور قارئین کو بھی گمراہ کرے گا۔

قرآنِ کریم کے ترجمہ وتفسیر سے متعلق امام احمد رضا قادری، بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں 'قرآنِ عظیم کا پورا سمجھنا اور ہر جزئیہ کا صریح حکم اس سے نکالنا، عام کو نا مقدور ہے۔ اسلئے قرآنِ کریم نے دو مبارک قانون ہمیں عطا فرمائے'۔۔۔ (اوّل)

۔۔۔ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۔۔۔ ﴿الحشر:۷﴾

'جو کچھ دیدیا تم کو رسول نے، تو لے لو اور جس سے روک دیا تمہیں، تو رک جاؤ' ﴿معارف القرآن﴾

---اقول: لو، صیغہ امر کا ہے۔ اور امر، وجوب کیلئے ہے۔ تو پہلی قسم واجباتِ شرعیہ ہوئی ---اور باز رہو، نہی ہے۔ اور نہی، منع فرمانا ہے۔ یہ دوسری قسم، ممنوعات شرعیہ ہوئی۔ حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآنِ مجید میں سب کچھ ہے----

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴿النحل:۸۹﴾

'اے محبوب، ہم نے تم پر کتاب اتاری جس میں ہر شئے، ہر چیز، ہر موجود کا روشن بیان ہے' ﴿معارف القرآن﴾

---مگر امت اسے بے نبی کے سمجھائے نہیں سمجھ سکتی---ولہٰذا فرمایا---

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴿النحل:۴۴﴾

'اے محبوب، ہم نے تم پر یہ قرآن مجید اتارا کہ تم لوگوں کیلئے بیان فرمادو جو کچھ انکی طرف اترا ہے' ﴿معارف القرآن﴾

---یعنی اے محبوب تم پر تو قرآن حمید نے ہر چیز روشن فرمادی، اس میں جس قدر امت کے بتانے کو ہے وہ تم ان پر روشن فرمادو۔ لہٰذا آیہ کریمہ اولیٰ میں، نَزَّلْنَا عَلَيْكَ فرمایا، جو خاص حضور کی نسبت ہے۔ اور کریمہ ثانیہ میں، نُزِّلَ اِلَيْهِمْ فرمایا، جو نسبت امت ہے---

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿النحل:۴۳﴾

'علم والوں سے پوچھو جو تمہیں نہ معلوم ہو' ﴿معارف القرآن﴾

---حاشیہ میں فرمایا اس آیہ کریمہ کے متصل ہی کریمہ ثانیہ ہے---

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ ---الآیہ ﴿النحل ۴۴-۴۳﴾

---معالم التنزیل کے حاشیہ پر تحریر فرمایا:

اَقُوْلُ هٰذَا مِنْ مَحَاسِنِ نَظْمِ الْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ اَمَرَ النَّاسَ اَنْ يَّسْئَلُوْا اَهْلَ الْعِلْمِ بِالْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَاَرْشَدَ الْعُلَمَاءَ اَنْ لَّا يَعْتَمِدُوْا عَلٰى اَذْهَانِهِمْ فِىْ فَهْمِ الْقُرْآنِ بَلْ يَرْجِعُوْا اِلٰى مَا بَيَّنَ لَهُمُ النَّبِىُّ ﷺ فَرَدَّ النَّاسَ اِلَى الْعُلَمَاءِ وَالْعُلَمَاءَ اِلَى الْحَدِيْثِ وَالْحَدِيْثَ اِلَى الْقُرْآنِ وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى فَكَمَا اَنَّ الْمُجْتَهِدِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا

الْحَدِيْثَ وَرَجَعُوْا اِلَى الْقُرْآنِ فَضَلُّوْا كَذٰلِكَ الْعَامَّةُ لَوْ تَرَكُوا الْمُجْتَهِدِيْنَ وَرَجَعُوْا اِلَى الْحَدِيْثِ فَضَلُّوْا وَلِهٰذَا قَالَ الْاِمَامُ سُفْيٰنُ بْنُ عُيَيْنَةَ اَحَدُ اَئِمَّةِ الْحَدِيْثِ قَرِيْبُ زَمَنِ الْاِمَامِ الْاَعْظَمِ وَالْاِمَامُ الْمَالِكُ الْحَدِيْثُ مُضِلَّةٌ اِلَّا لِلْفُقَهَاءِ نَقَلَهُ عَنْهُمُ الْاِمَامُ ابْنُ الْحَاجِ مَكِّيٌّ فِيْ مَدْخَلٍ

یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ عبارت قرآن عظیم کی خوبیوں سے ہے۔لوگوں کو حکم دیا کہ علماء سے پوچھو جو قرآن مجید کا علم رکھتے ہیں۔اور علماء کو ہدایت فرمائی کہ قرآن کے سمجھنے میں اپنے ذہن پر اعتماد نہ کریں بلکہ جو کچھ نبی ﷺ نے بیان فرمایا اسکی طرف رجوع لائیں۔تو لوگوں کو علماء کی طرف پھیرا اور علماء کو حدیث کی طرف۔اور حدیث کو قرآن کی طرف اور بیشک تیرے رب ہی کی طرف انتہا ہے۔تو جس طرح مجتہدین اگر حدیث چھوڑ دیتے اور قرآن کی طرف رجوع کرتے تو بہک جاتے۔یونہی غیر مجتہد اگر مجتہدین کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع لائیں تو ضرور ہی گمراہ ہو جائیں۔اسی لئے امام سفیان بن عیینہ نے کہا جو کہ امام اعظم و امام مالک کے زمانہ کے قریب، حدیث کے اماموں میں سے تھے، فرمایا کہ 'حدیث' بہت گمراہ کر دینے والی ہے مگر فقہاء کو' اسے ابن حاج مکی نے 'مدخل' میں نقل فرمایا۔

۱۸۵۷ء جس کو انگریز، غدر اور مسلمان، انقلاب کے نام سے جانتے ہیں، میدانِ سیاست میں مغلیہ خاندان کا آخری چراغ بھی بجھ چکا تھا۔لیکن اتنے مصائب وآلام کے باوجود مسلمانوں کا رشتہءغلامی گنبد خضراء کے مکینِ مقدس ﷺ سے بہت گہرا تھا۔یہ وہی مضبوط رشتہ تھا جہاں ہر مسلمان اپنی ساری تلخیاں بھلا کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو جایا کرتا تھا۔مسلمان، جو سیاسی طور سے ٹوٹ چکے تھے، لیکن اتحادِ مذہب، اور اتحادِ فکر کی وجہ سے، کسی بھی وقت ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے تھے۔انگریز کی شاطرانہ چالیں محسوس کر رہی تھیں کہ اب اگر مسلمان متحد ہو گئے، تو ان کے عروج واقبال کی ساری کہانیاں، قصہءپارینہ بنکر بکھر جائیں گی۔

لہٰذا 'divide and rule' کے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے، نہ یہ کہ سیاسی، بلکہ مذہبی اور فکری طور پر بھی انہیں توڑنے لگا۔قرآنِ کریم کے اہم مقامات پر علماء دیوبند اور ان کے متبعین، تحریف وتبدیل کر کے انگریزوں کے دست وبازو بنے۔نام نہاد علماء کے زبان وقلم سے امکانِ کذبِ باری

تعالیٰ، امتناعِ نظیرِ رسالت، علمِ غیب اور حاضر و ناظر، وغیرہ کے مسائل اٹھائے گئے۔ جس سے انگریز کو اپنی پالیسی کے بروئے کار لانے میں تقویت ملی اور وہ مسلمانوں کو آپس میں دست بہ گریباں کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن ایک فریق ایسا تھا جو انگریزوں کے قابو نہ آسکا اور اس کے سارے منصوبے خاک میں ملانے لگا۔۔۔ وہ کون لوگ تھے؟ وہ کیسے لوگ تھے؟۔۔۔ آیئے۔۔۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی زبانی معلوم کریں۔۔۔

۔۔۔'تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی قدیم روش پر قائم رہا۔ اور اپنے کو اہل السنۃ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا، زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے'۔

﴿حیات شبلی: از علامہ سید سلیمان﴾

ان میں امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ اور دیگر علماء، سرفہرست ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی زبان و قلم سے ایمان و عقائد کا زبردست تحفظ فرمایا۔ بہ ذاتِ خود میدان عمل میں اتر کر مسلمانانِ ہند کیلئے خضر طریق بنے۔ اور علماء، صوفیاء، مریدین، اور شاگردوں کی ایک جماعت تیار کی۔ اس خصوص میں آپ کے ہونہار تلامذہ نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے انہیں خطوط کی نشاندہی فرمائی جو آقائے کائنات ﷺ اور آپ کے آل و اصحاب کا ہے۔

خداوند قدوس کی ہزاروں رحمتیں ہوں، حضور محدثِ اعظمِ ہند قدس سرہٗ پر، کہ آپ نے مسلک اعلیٰ حضرت یا بہ لفظ دیگر مذہب اسلام پر اٹھنے والے ہر فتنوں کا، اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ، مردانہ وار مقابلہ کیا۔ آپ جان جوکھوں میں ڈال کر، آرام و آسائش سے کوسوں دور رہ کر، قوم مسلم کی فلاح و بہبودی کیلئے کوشاں رہے۔ چاہے وہ میدانِ علم و حکمت ہو یا تدبر و سیاست، ہر جگہ اور ہر موڑ پر آپ مؤید من اللہ ہی رہے۔ تائید الٰہی کا ہی ثمرہ تھا کہ تقریباً پانچ ہزار غیر مسلموں نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔ آپ نے لوگوں کے ایمان و عقائد کو سنوارنے کیلئے ترجمہ و تفسیر قرآن کی شکل میں ایک بہترین سرمایہ دیا، جو ضروریات دین کی مکمل تعلیم ہے۔

ذیل میں آپ سے پیشتر کے نادار مترجمین و مفسرین کا، جنھوں نے رسول دشمنی میں کھلم کھلا قرآن کریم کی تحریف کی مختصراً ذکر کر دیا ہے۔ جن میں قاسم نانوتوی صاحب، بانیٔ دارالعلوم دیوبند، سرفہرست ہیں۔ اور ان کے متبعین میں مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی عبدالماجد دریابادی، ڈپٹی نذیر

احمد، اور مودودی صاحب وغیرہ بہت ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنے مزعومات کو اسی نہج پر قائم رکھا ہے، جس پر بانئ دار العلوم دیوبند، رہ چکے ہیں۔ اساطین اہلسنت نے کئی بار انکی توجہ مبذول کرائی کہ اپنی ان حرکتوں سے باز آجائیں، اور اپنی تحریروں کو واپس لے لیں۔ اپنی کتابوں سے گستاخانہ اور کفریہ تحریریں حذف کر کے اللہ اور اسکے رسول سے معافی مانگ لیں۔ بجائے ندامت و پشیمانی کے، وہ تاویلاتِ باطلہ کا سہارا لے کر بیٹھ گئے اور آج تک اپنے انہیں جرموں پر ثابت اور قائم ہیں۔ ان متاخرین میں سب سے زیادہ بے باک، اور مسائل کی غلط بیانی میں سب سے زیادہ جری، ابوالاعلیٰ مودودی صاحب ہیں۔

بہتر تو یہ تھا کہ ہم اِن نادار مترجمین و مفسرین قرآن کا ذکر ہی نہ کرتے، مگر دل یہ چاہتا ہے کہ اگر حقائق سامنے رکھ دیئے جائیں تو انصاف پسند قاری کیلئے حق کو پہچاننا مشکل نہ ہوگا اور زیرِ تبصرہ ترجمہ و تفسیر کی حسن و خوبی ابھر کر خوب سامنے آسکے گی۔ چونکہ ہم امریکہ کے ماحول میں رہ کر یہ تحریر پیش کر رہے ہیں اور اسی امریکہ میں ایسے نادار مترجمین و مفسرین قرآن کے آلۂ کار اور دائرۂ اثر میں رہنے والے لوگ، جس طرح سے لوگوں کے ایمان و عقائد کو مجروح کر رہے ہیں، اسکو سامنے رکھ کر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ، صبر کی آہ بھرتے ہوئے، انکے چند اقتباسات، ذیل میں ہم اپنے قارئین کے سامنے رکھتے چلیں۔ تاکہ ناداروں کی ذہنی ساخت اور لوگوں کو گمراہ کر دینے والی تحریروں سے عوام الناس آگاہ ہوسکیں۔۔۔لہٰذا۔۔۔

مودودی صاحب کی تحریروں کے کچھ اقتباسات ملاحظہ ہوں:

☆۔۔۔سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں توہین آمیز الفاظ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: 'کہ فرعون کا مطلب یہ تھا، کہ اگر واقعی موسیٰ علیہ السلام کو آسمان کے بادشاہ نے اپنی جانب سے اسکے ہاں اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا، تو اسے خلعتِ شاہی ملا ہوتا اور فرشتوں کے پرے کے پرے اسکے ساتھ آئے ہوتے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ، 'ایک ملنگ ہاتھ میں لاٹھی لیے آکھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں رب العلمین کا رسول ہوں'۔ ﴿ترجمان القرآن: مئی ۱۹۶۵﴾

☆۔۔۔سیدنا یونس علیہ السلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے: 'قرآن کے ارشادات اور صحیفۂ یونس کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ

رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہوگئیں تھیں۔اور غالبًا انھوں نے بے صبر ہوکر،قبل از وقت، اپنا مستقر بھی چھوڑ دیا تھا۔﴿تفہیم القرآن: جلد دوم،صفحہ۳۹۲﴾

☆۔۔۔انبیاء کرام علیہم السلام کی بارگاہ میں کچھ اس طرح گویا ہوئے: 'کہ اللہ نے بالا رادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت، اپنی حفاظت اٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں۔تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں۔'﴿تفہیمات: جلد دوم،صفحہ ۵۷﴾

☆۔۔۔مقامِ نبوت ورسالت، دوسری جگہ ان لفظوں میں سمجھایا جا رہا ہے: 'کہ شیطان کی شرارتوں کا ایسا کامل سدِّ باب کہ اسے کسی طرح سے گھس آنے کا موقع نہ ملے، انبیاء علیہم السلام بھی نہ کر سکے۔ ہم تو کیا چیز ہیں کہ اس میں پوری طرح کامیاب ہونے کا دعویٰ کر سکیں۔'﴿ترجمان القرآن: جون ۱۹۶۴ء﴾

☆۔۔۔قرآن کریم کے تعلق سے اپنے موقف کی وضاحت اسطرح کی: 'قرآن حکیم نجات کیلئے نہیں بلکہ ہدایت کیلئے کافی ہے۔'﴿تفہیمات: صفحہ ۳۲﴾

☆۔۔۔صاحب قرآن ﷺ کے تعلق سے اپنے نظریہ کا اظہار: 'محمد ﷺ ہی وہ ایلچی ہیں جن کے ذریعہ سے خدا نے اپنا قانون بھیجا۔'﴿کلمہ طیبہ کا معنی: صفحہ ۹﴾

☆۔۔۔حضور ﷺ کے تعلق سے دوسری جگہ لکھا: 'یہ قانون جو ریگستان عرب کے ایک ان پڑھ چرواہے نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے اس میں کہیں کوئی منطقی بے ربطی اور کسی تناقض کی جھلک پائی جاتی ہے؟'۔﴿پردہ: صفحہ ۱۵۰﴾

مودودی حقائق: صفحہ ۱۲۶ پر لکھا ہے: 'ہر شخص خدا کا عبد ہے، مومن بھی اور کافر بھی۔حتیٰ کہ جس طرح ایک نبی، اسی طرح شیطان رجیم بھی۔'

مندرجہ بالا اقتباسات کی عبارتوں سے مودودی ذہنیت، ان کی شریعت، عبادت، اور اعتقاد کے بارے میں کافی وضاحت ہو جاتی ہے۔مزید تفصیلات کیلئے شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ کے رسائل (اسلام کا تصور الٰہ اور مودودی صاحب، اسلام کا نظریہ عبادت اور مودودی صاحب، اور دین اور اقامت دین) کا مطالعہ قارئین کیلئے بہت ایمان افروز ثابت ہوگا۔ میں نے 'نادار' کا لفظ اسلئے استعمال کیا ہے تاکہ مذکورہ بالا حوالوں کی روشنی میں آپ ان کی شخصیت کا بھرپور جائزہ لے سکیں۔بہتر تو یہی تھا، کہ جو شخص اللہ ورسول، ایمان اور عقائد۔۔۔نیز۔۔۔ضروریات

دین کو سمجھتا ہی نہیں، اسے کم از کم ان مباحث نفیسہ سے کنارہ کش ہو کر، اپنے ایمان وعقائد کی خیر منانی چاہئے تھی۔ لیکن اپنی غلطیوں پر ندامت کے بجائے، اصرار دیکھ کر، سمجھ میں آرہا ہے کہ۔۔۔

۔۔۔ع۔۔۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔۔۔

خیال رہے کہ مودودی صاحب خود ہی نیم چڑھے وہابی ہیں لیکن ان کی شوخیاں یا۔۔۔

دیکھ کر اکابر علماء وہابیہ نے ان سے کنارہ کشی کر لی۔ ممکن ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد اور دیگر افراد بھی انکی کشتیوں سے چھلانگ لگا دیں۔

۔۔۔سردست مودودی صاحب کے تعلق سے چند اکابر علماء دیوبند کے بیانات ملاحظہ فرمالیں:

﴿۱﴾۔۔۔مولوی اشرف علی صاحب تھانوی فرماتے ہیں کہ: 'میرا دل اس تحریک کو قبول نہیں کرتا' ﴿اشرف السوانح: صفحہ۱۴﴾

﴿۲﴾۔۔۔حسین احمد مدنی صاحب فرماتے ہیں کہ: 'اب تک ہم نے مودودی صاحب اور ان کی جماعت، نام نہاد جماعت اسلامی کی اصولی غلطیوں کا ذکر کیا ہے جو انتہائی درجہ میں گمراہی ہیں۔ اب ہم ان کی قرآن شریف اور احادیث صحیحہ کی کھلی ہوئی مخالفتوں کا ذکر کریں گے جن سے صاف ظاہر ہو جائیگا کہ مودودی صاحب کا کتاب وسنت کا بار بار ذکر فرمانا محض ڈھونگ ہے۔ وہ نہ کتاب کو مانتے ہیں اور نہ سنت کو مانتے ہیں۔ بلکہ وہ خلاف سلف صالحین ایک نیا مذہب بنا رہے ہیں اور اسی پر لوگوں کو دوزخ میں ڈھکیلنا چاہتے ہیں' ﴿مودودی دستور اور عقائد: صفحہ۲۶﴾

﴿۳﴾۔۔۔قاری محمد طیب، مہتمم دار العلوم دیوبند فرماتے ہیں: 'جماعت اسلامی کے جدید فقہیات اور تفقہ کی فرعیات پڑھ کر افسوس ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نیا فقہ تیار ہو رہا ہے اور پرانے فقہ کا لباس اتار کر پھینکا جا رہا ہے' ﴿جماعت اسلامی کا شیش محل: صفحہ۱۱﴾

ایسی زہر آلود فضا میں ایمان وعقیدہ کا شجر کبھی بار آور نہیں ہو سکتا، جب تک کہ کوئی شخص ان علماء راسخین کی تحریروں کو نہیں پڑھ لیتا جنکے سینے، محبت رسول ﷺ کا مدینہ ہیں۔ اور وہ منشاء خدا و رسول۔۔۔نیز۔۔۔منشاء قرآنی پر مکمل آگاہی رکھتے ہوں۔ آیات کی مراد، مطالبہ اور مفاہیم کی واقفیت ۔۔۔نیز۔۔۔ذخیرۂ احادیث وتفاسیر بھی ذہن نشین ہو، تا کہ 'مفسر ومترجم' ان آیات کا منشاء ومراد قارئین تک پہنچادے۔ یہ خیال رکھنا از حد ضروری ہے کہ ترجمہ نگار کے قلم وزبان سے ایسی بات نہیں نکلنی چاہئے

کہ جس سے آیات واحادیث کا اختلاف، یا آیات کا آیات سے تناقض، یا ترجمہ کی وجہ سے آیات و عقائد کا تصادم ہوتا ہو۔ ان تمام مقامات پر ایک موید من اللہ مترجم یا مفسر ہی ثابت قدم رہ سکتا ہے۔

۔۔۔آیئے زیر بحث تفسیر، تفسیر اشرفی کے چند ایمان افروز حصوں کو پڑھیں:

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

'آؤ اس سے کہیں، اے میرے اللہ! اے میرے پروردگار! اے میرے مہربان! اے میرے بخشنے والے! اے میرے مالک! ہم اقرار کرتے ہیں کہ (**تجھی کو ہم پوجیں**) یہ ہے ہمارا وہ عقیدۂ توحید جس کو ہم نے کلمہ توحید سے پایا اور مانا۔ اور اسکے خلاف کو ہم شرک جانتے ہیں۔ بس توحید یہی ہے کہ تجھی کو ہم پوجیں۔ توحید نہ اس سے کم ہے نہ زیادہ۔ یا اللہ! ہمارا بھروسہ تجھی پر ہے (**اور تیری ہی مدد چاہیں**) یہ ہے ہمارا وہ توکل جو تو نے اپنے کرم سے عطا فرمایا۔ ہر مدد کرنے والے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہمیں صاف نظر آتا ہے۔ اولیاء، انبیاء نے جو کچھ مدد فرمائی اور فرما رہے ہیں اور فرماتے رہیں گے، لیکن ہم نے ہر مدد میں تیری ہی مدد دیکھی۔ جس سے مدد مانگی تیرا سمجھ کر، تیری مدد کا مظہر جان کر۔ جو اس کے خلاف ہے تجھ پر توکل نہیں رکھتا'۔

۔۔۔**اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** کے تحت آپ فرماتے ہیں:

یا اللہ! ہمارا چلنا کیا اور ہم چل ہی کیا سکتے ہیں، بس اپنے کرم سے (**چلا ہم کو**) اس (**راستہ**) پر جو تجھ تک پہنچا ہے، موجود بھی ہے۔ بالکل (**سیدھا**) بھی ہے۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ اس آیت کے تحت، کوئی کہتا ہے: ہمیں سیدھا راستہ دکھا (مودودی)، کسی نے کہا: بتلا ہم کو راہ سیدھی (محمود الحسن)، کسی نے لکھا: دکھا ہم کو راہ سیدھی (شاہ رفیع الدین)، کوئی بولا: ہم کو دین کا سیدھا راستہ دکھا (ڈپٹی نذیر احمد)۔۔۔ ہمیں تسلیم کہ ھدایۃ کے معانی میں ایصال الی المطلوب اور اراءۃ الطریق دونوں ہیں، مگر چونکہ یہاں ھدایۃ کی اضافت پروردگار کی طرف کی جارہی ہے جہاں زیادہ مناسب ایصال الی المطلوب یعنی 'چلانا' ہے۔ یعنی جب ہم اسلام پر ہوتے ہوئے خدا سے دعا کریں گے، تو یوں کہنا کہ 'دکھا ہم کو سیدھا راستہ' یا 'دکھا ہم کو

راہ سیدھی' کے کیا معنی ہوں گے؟ ہمارا اسلام پر ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ہمیں اپنے کرم سے سیدھا راستہ دکھا چکا۔ ہاں البتہ یہ دعا کرنا کہ اب' ہمیں اس سیدھے راستہ پر' چلا' بھی، تاکہ ہم منزل مقصود تک پہنچ جائیں، بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی حضرت کی تفسیر مذکورہ سے ظاہر ہے۔

۔۔۔ **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ** کے تحت فرماتے ہیں:

(نہ ان) یہودیوں اور یہود منشوں (کا) راستہ (کہ) قتل ناحق، توہین انبیاء، اور ظلم کی وجہ سے (غضب فرمایا گیا جن پر)۔

یہود دنیا کی ایک تاجر قوم ہیں، تجارت کے علاوہ رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ بالعموم مفسرین **اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ** کی تفسیر میں یہود اور **ضَآلِّيْنَ** کی تفسیر میں نصاریٰ کو لاتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کون سا جرم ہے جسکی وجہ سے یہ قوم مستحق غضب ہوئی؟ نادار مفسرین اسکے جواب میں خاموش ہیں۔ جبکہ محدثِ اعظم قدس سرہ مطالعہ قرآنی واحادیث نبوی ﷺ کا عطرِ تحقیق یوں پیش کرتے ہیں کہ، قتلِ ناحق، توہین انبیاء اور ظلم کی وجہ سے غضب فرمایا گیا۔ آپ پوری تفسیر پڑھتے چلے جائیں، مابین قوسین ترجمہ اور بقیہ حصہ تفسیر کا ہے۔ لیکن اس مختصری تفسیر میں ضروریات دین کا ہر مسئلہ ہمیں مل جاتا ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔ سورہ بقرہ میں منافقین کے احوال وواقعات قرآن کریم کچھ اسطرح بیان فرماتا ہے:

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾
﴿البقرہ:۱۴، ۱۵﴾

اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لا چکے ہیں اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض (بنا رہے تھے) انھیں۔ اللہ بنا رہا ہے اور وہ انھیں ڈھیل دے رہا ہے تو وہ اپنی سرکشی میں سرگرداں ہو رہے ہیں۔ ﴿مولوی عبدالماجد دریابادی﴾

تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں کہ 'مطلب یہ ہوا کہ عوامِ منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم دل وجان سے تو آپ ہی کے ساتھ ہیں، باقی مسلمانوں کے

بنانے کیلئے، ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔۔۔ استہزاء کے معنی تمسخر کرنے ہنسی اڑانے، اور بنانے کے، ہیں۔۔ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ یعنی ان کے تمسخر کوانھیں پر پلٹے دیتا ہے۔ مجازات، سزا، معاوضہ کے موقع پر لغت عرب میں یہ محاورہ عام ہے کہ جزائے فعل کو اصل فعل ہی کا نام دیدیا جاتا ہے۔ اَیْ یُجَازِیْھِمْ جَزَاءَ لَھْزْوِ (راغب) مثل قول نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ اَیْ جَازَا ھُمْ جَزَاءَ النِّسْیَانِ (ابن قتیبہ) جَزَا الاِسْتِھزاء بِاِسْمِہ کَمَا جَزَٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ (بیضاوی)۔۔۔

ہنسی اور تمسخر کا انتساب ذات باری تعالیٰ کی جانب قدیم صحیفوں میں برابر موجود ہے۔۔۔'تو اے خداوندان پر ہنسے گا تو ساری قوموں کو مسخرہ بنادیگا' ﴿زبور:۹:۵۹:۸﴾ میں تمہاری پریشانی پر ہنسوں گا اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی تو میں ٹھٹھے ماروں گا ﴿امثال:۱:۲۶﴾'۔۔۔ یہ تھے جناب عبد الماجد دریابادی صاحب، جو ذات باری عَلَّا کی طرف 'بنانے' کی نسبت کررہے ہیں۔ اور اپنے دعویٰ کو صحیح ثابت کرنے کیلئے دیگر آسمانی صحیفوں کا حوالہ بھی دے رہے ہیں۔

موصوف ہی کو نہیں بلکہ آپ کے دیگر ہم مذہب وہم مشرب علماء کو یہ خیال ضرور رکھنا چاہیے تھا کہ آپ ترجمہ وتفسیر قرآن کررہے ہیں اردو زبان میں، جہاں ان لفظوں کا استعمال ایک شریف اور مہذب آدمی بھی اپنے لئے پسند نہیں کرتا، اسے آپ بارگاہ رب العزۃ کیلئے کیوں استعمال کررہے ہیں؟ اور بجائے ندامت وپشیمانی کے، گستاخی میں اتنی جراءت! کہ دیگر صحائف کا حوالہ بھی دے رہے ہیں۔ جن کے بارے میں آپ کے بھی سارے علماء متفق ہیں کہ وہ صحائف محرف ہیں۔

اسی جماعت کے ایک دوسرے ذمہ دار مترجم ومفسر جناب ڈپٹی نذیر احمد صاحب دہلوی ہیں۔ انھوں نے بھی اسی سے ملتا جلتا ترجمہ کیا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک نے دوسرے کا چربہ کیا ہے۔ ترجمہ کی عبارت کچھ یوں ہے کہ۔۔۔'اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لاچکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لاچکے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف بناتے ہیں' (یہ لوگ مسلمانوں کو کیا بنائیں گے حقیقت میں) اللہ انکو بناتا ہے اور انکو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے ٹامک ٹوئے مارا کریں۔'

محترم قارئین! مندرجہ بالا حصہ کو پڑھ کر اپنے خیالات کا اظہار کریں اور بتائیں کہ یہ چربہ ہے یا سرقہ؟ یا کچھ اور؟ خط کشیدہ عبارت کو پڑھیں اور۔۔۔

ع--- کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

---کہاں قرآنِ مجید، فرقانِ حمید، کلامِ رب العزۃ اور کہاں ٹامک ٹوئے مارنا اور اللہ کا 'بنانا'؟

اب ذرا محدث اعظم ہند قدس سرہ کو ملاحظہ فرمائیں: آیات کے حقائق سے پردہ اٹھاتے ہیں کہ:

'(اور جب) کعب بن اشرف، ابو بردہ، ابن السواد شامی، عبد الدار جہنی، اور عوف ابن عامری وغیرہ منافقین (ملے) صدیقِ اکبر، فاروقِ اعظم، علی مرتضٰی، وغیرہ (مسلمانوں کو) اور کہا کہ آپ تو صدیق ہیں، پیغمبر اسلام کے یارِ غار، بڑی شان والے ہیں۔ کیا کہنا ہے عمر کا، فاروق ہیں، کفرو کفار سے بیزار ہیں۔ اللہ اللہ! علی شیر خدا ہیں، حیدرِ کرار ہیں۔ اور علی مرتضٰی کے کہنے پر، کہ تم بھی واقعی مسلمان ہو جاؤ (بولے ہم) تو سچائی کے ساتھ (ایمان لاچکے)۔ ہمارے اور آپ کے ایمان میں کوئی فرق نہیں (اور جب) وہی منافقین (اکیلے ہوئے) اور تنہائی میں (اپنے شیطانوں) شریر سرداروں (کے پاس) پہنچے تو (کہنے لگے کہ) ہماری ان باتوں سے اثر نہ لو تم خوب جانتے ہو کہ (بیشک ہم تمھارے) ہی (ساتھ ہیں) اور ہمیشہ کے ساتھی ہیں۔ تم کو ہماری مذاق کی عادت معلوم ہے۔ مسلمانوں میں جو باتیں ہوئیں اس میں (بس ہم تو) ان سے اپنی عادت کے موافق (ہنسی مذاق کرنے والے ہیں) اور جو کچھ کہا مذاق میں کہا۔ یوں لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسی، مذاق کر کے مسلمانوں کو ذلیل کر رہے ہیں (حالانکہ اللہ خود ذلیل کرتا ہے انہیں) کہ دنیا میں مسخرے کہلائیں اور آخرت میں مسلمانوں کی جنت دیکھ دیکھ کر ذلیل ہوں (اور) اللہ ہنسی مذاق نہیں کرنے دیتا بلکہ (ڈھیل دیتا ہے انہیں کہ اپنی) بدزبانی، چھیڑ چھاڑ اور (سرکشی میں بھٹکتے رہیں) اور اپنی ذلت کا سامان زیادہ سے زیادہ جمع کرتے رہیں۔

کیا اس کو تائید الٰہی نہ کہا جائے؟ کہ آپ لفظ استہزاء کی اتنی حسین توضیح پیش فرمارہے ہیں کہ جس سے نہ تو بارگاہِ الوہیت میں کہیں گستاخی ہو رہی ہے اور نہ ہی کہیں لفظوں کا غلط استعمال ہوا ہے۔ منظر کشی کچھ اس طرح فرما رہے ہیں جیسے کہ لوگوں کو چشم دید سا بتا اور سنا رہے ہیں۔ جس سے آیت کا حسن اور کلام کی معنویت کا نکھار دوبالا ہو گیا ہے اور دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ بارگاہ رسالت کے بارے میں ان حضرات کا نظریہ کیا ہے؟ مندرجہ ذیل سطور کو پڑھ لیں اور اندازہ لگائیں کہ

ع--- یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود۔

وَقُلْنَا يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ ﴿البقرہ ۳۵﴾

'اور ہم نے کہا اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم گنہ گاروں میں سے ہو جاؤ گے' ﴿عبدالماجد دریابادی﴾

ترجمہ مذکورہ کے بعد تفسیر میں آیۃ کے آخری حصہ سے بحث کرتے ہوئے موصوف فرماتے ہیں مِنَ الظّٰلِمِيْنَ یعنی ان لوگوں میں سے جو اپنے آپ پر ظلم کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی سے بڑھ کر کون سا ظلم اپنے آپ پر ہوگا؟ اسی غلطی والے مفہوم کا ایک اور مقام پر اعادہ کر رہے ہیں۔ ---من جملہ ان میں سے---

وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ﴿طٰہٰ ۱۲۱﴾

اور ادم سے اپنے پروردگار کا قصور ہو گیا سو وہ غلطی میں پڑ گئے ﴿عبدالماجد دریابادی﴾

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ﴿طٰہٰ ۱۱۵﴾

'اور بہت زمانہ قبل ہم ادم کو ایک حکم دے چکے تھے سو ان سے غفلت ہو گئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی'

مذکورہ بالا ترجمہ اور تفسیر پڑھ کر ایک عام قاری کیا یہ رائے قائم نہیں کرے گا کہ معاذ اللہ! انبیاء کرام بھی گنہگار ہوتے ہیں؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ترجمہ میں لفظ 'گنہگار' کا اضافہ، چہ معنی دارد؟ لفظ 'گنہگار' مذکورہ بالا آیت میں کس حصہ کا ترجمہ ہے؟ یہ خود ہی سورہ طٰہٰ کے ترجمہ و تفسیر میں واقعہ سیدنا آدم علیہ السلام میں لکھتے ہیں کہ ہم نے 'ان میں ارادہ ہی نہ پایا' یعنی' گناہ کا قصد انھوں نے کیا ہی نہیں' ---یعنی جب تک عزم و ارادہ مفقود ہو اس فعل کو گناہ نہیں کہا جا سکتا۔ بقول عارف رومی

---ع--- بود آدم دیدۂ نور قدیم ۔۔موئے در دیدہ بود کوہ عظیم

یعنی آدم علیہ السلام نور قدیم کی آنکھ تھے اور آنکھ میں اگر ایک بال بھی گر جائے تو آنکھ کی نزاکت اسکو برداشت نہیں کر سکتی بلکہ وہ ہلکا سا بال یہاں پہاڑ سے بوجھل محسوس ہونے لگتا ہے۔

لیکن اسے کیا کہا جائے کہ بارگاہ نبوت کے آداب کو سمجھنے اور سمجھانے کیلئے ان حضرات کو شرک کا آزار ستانے لگتا ہے۔

اس مقام پر یہ خیال بے ساختہ پریشان کرتا ہے کہ، کیا انبیاءِ کرام سے بھی گناہ سرزد ہوتا ہے؟ اس سلسلہ میں مختصراً عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ علامہ قرطبی نے بڑی عمدگی سے اس مسئلہ کو حل کیا ہے ۔۔۔فرماتے ہیں کہ:

اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ مِنَ الصَّغَائِرِ كُلِّهَا كَعِصْمَتِهِمْ مِنَ الْكَبَائِرِ اَجْمَعِهَا

یعنی تمام فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء جس طرح کبیرہ گناہوں سے پاک ہوتے ہیں اسی طرح صغیرہ گناہوں سے بھی پاک ہوتے ہیں۔

۔۔۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ان کی مطلق اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اگر ان سے گناہ کا ارتکاب ہو سکے تو ان کے گناہوں کی بھی اطاعت لازم آئیگی۔ جس سے ہدایت کا سارا نظام درہم برہم ہو جائیگا۔ اس پر بعض لوگ یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ قرانِ کریم، احادیث اور روایات میں کئی مقامات پر ایسی چیزیں منسوب ہیں جو گناہ ہیں، اور پھر ان امور پر انبیاء کی شدید ندامت اور استغفار بھی منقول ہے، ایسی صورت میں عصمتِ انبیاء کا قول کیوں کر صحیح ہوگا؟

جواباً عرض ہے کہ روایاتِ احادیث میں سے تمام واقعات، 'اخبارِ آحاد' سے مروی ہیں۔۔۔ اور یہ روایات ضعیف، و ساقط الاعتبار ہیں۔ لیکن قرآنِ کریم میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی طرف جو عصیان، غوایت، یا ذنب، کی نسبت ہے وہ سہو، نسیان، ترکِ اولیٰ یا اجتہادی خطاء پر محمول ہے۔ اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کا توبہ اور استغفار، درحقیقت ان کا کمالِ تواضع، انکسار، اور امتثالِ امر پر محمول ہے۔ کیونکہ انبیاءِ کرام علیہم السلام معصوم ہیں۔ عصمت انبیاء، کے تعلق سے مختصراً قرآنِ کریم کا مطالعہ کریں تو مندرجہ ذیل امور سمجھ میں آتے ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔اگر انبیاءِ کرام سے عیاذاً باللہ! صدورِ گناہ ہوتا، تو ان کی اتباع حرام ہوتی۔ جبکہ ان کی اتباع واجب ہے۔۔۔ارشادِ ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ ﴿ال عمران:۳۱﴾

'اعلان کردو کہ اگر دوست رکھتے ہو اللہ کو تو پیچھے پیچھے چلو میرے، دوست رکھے گا تم کو اللہ اور بخشدے گا تمہارے گناہوں کو اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۲﴾۔۔۔جس شخص سے گناہ کا صدور ہو اس کی شہادت بلا تحقیق، قبول کرنا جائز نہیں۔ جبکہ اس پر اجماع امت ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شہادت کو بلا تحقیق قبول کرنا واجب ہے۔

۔۔۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا ﴿الحجرات: ۶﴾

'اے ایمان والو اگر لے آیا تمہارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کو، تو خوب تحقیق کرلو' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۳﴾۔۔۔فاسق نبوت کا اہل نہیں۔۔۔ارشاد ہے:

قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿البقرۃ: ۱۲۴﴾

'فرمایا، نہ پہنچے گا میرا مضبوط عہد، اندھیر والوں کو' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۴﴾۔۔۔اگر نبی سے، معاذ اللہ، گناہ صادر ہوں تو ان کو ملامت کرنا جائز ہوگا اور اس سے نبی کو ایذا پہنچے گی۔ جبکہ انبیاء کرام کو ایذا پہنچانا حرام ہے۔۔۔ارشاد خداوندی ہے کہ:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ ﴿الاحزاب: ۵۷﴾

'بلاشبہ جو دکھ دیں اللہ اور اسکے رسول کو، پھٹکار دیا انہیں اللہ نے دنیا و آخرت میں' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۵﴾۔۔۔انبیاء کرام اللہ کے مخلص بندے ہیں۔۔۔ارشاد ہے کہ:

وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَ الْاَبْصَارِ۝ اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ ﴿ص: ۴۵﴾

'اور یاد کر و ہمارے بندے ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کو، ہاتھوں والے
اور آنکھوں والے، بیشک کندن کردیا تھا انہیں' ﴿معارف القرآن﴾

۔۔۔دوسرے مقام پر ارشاد ہے کہ:

قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ۝ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۝ ﴿ص: ۸۲-۸۳﴾

'بولا پھر تو تیری عزت کی قسم، ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو مگر تیرے کھرے بندوں کو' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۶﴾۔۔۔گنہگار لائق مذمت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کی عزت افزائی فرمائی ہے:

وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿ص:۴۷﴾

'اور بیشک وہ ہمارے یہاں چنے ہوئے بہتر لوگوں سے ہیں' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۷﴾۔۔۔انبیاء کرام لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں۔ اگر وہ خود گناہ کریں، تو اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوگا۔۔۔ارشاد ہے:

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿الصف:۳﴾

'نہایت ناگوار ہے اللہ کے نزدیک کہ کہو وہ جسے خود نہ کرو' ﴿معارف القرآن﴾

۔۔۔حالانکہ اللہ رب العزۃ، انبیاء علیہم السلام سے راضی ہے۔۔۔ارشاد فرماتا ہے:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴿الجن:۲۶﴾

'وہ غیب کا جاننے والا ہے۔تو نہیں مکمل آگاہی دیتا غیب پر کسی کو، مگر جسے چن لیا رسول سے' ﴿معارف القرآن﴾

۔۔۔اس آیۃ میں واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ سب رسولوں سے راضی ہے اور نیکی کا حکم دے کر خود عمل نہ کرنے والے سے وہ راضی نہیں۔

﴿۸﴾۔۔۔معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، اگر انبیاء کرام علیہم السلام سے گناہوں کا صدور ہوتا، تو وہ مستحق عذاب ہوتے۔۔۔ارشاد ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ﴿النساء:۱۴﴾

اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اس کے رسول کی، اور بڑھ جائے اس کی حد بندیوں سے،
ڈال دے گا اس کو جہنم میں، ہمیشہ رہنے والا اس میں ﴿معارف القرآن﴾

۔۔۔اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام جہنم سے محفوظ اور مامون ہیں، اور ان کا مقام جنت خلد ہے۔

﴿۹﴾۔۔۔انبیاء کرام علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں اور فرشتوں سے گناہ صادر نہیں ہوتے تو انبیاء علیہم السلام سے بطریق اولیٰ گناہ صادر نہیں ہونگے۔فرشتوں سے افضلیت کی دلیل یہ ہے کہ فرشتے عالمین میں داخل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے۔۔۔ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۝

﴿آل عمران ۳۳﴾

'بیشک اللہ نے چن لیا آدم کواور نوح کواورابراہیم کی آل اور عمران کی آل کوسارے جہان پر' ﴿معارف القرآن﴾

﴿۱۰﴾۔۔۔معاذ اللہ اگر انبیاء علیہم السلام معصیت کریں تو ہم پر معصیت کرنا واجب ہوگی، کیونکہ انکی اتباع واجب ہے۔ جبکہ دوسرے دلائل سے ہم پر معصیت کرنا حرام ہے۔ سولازم آئیگا کہ ہم پر معصیت کرنا واجب بھی ہواور حرام بھی۔اور یہ اجتماع ضدین ہے، جوکہ باطل ہے۔

'تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ'

ان تمام اعتراضات اور جوابات سے بالاتر ہوکر، حضرت محدثِ اعظم قدس سرہٗ کا یہ ترجمہ اور تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

(اور) حضرت آدم کا ادھر یہ واقعہ ہوا کہ (فرمایا ہم نے کہ اے آدم رہو) بسو (تم) خود (اور تمہاری بی بی) حوا بھی (جنت) سدا بہار باغ (میں)، یہ تم دونوں کا گھر ہے۔ (اور دونوں کھاتے رہو اس) جنت (سے بے کھٹکے) کوئی روک ٹوک نہیں ہے (جہاں چاہو) یہ سارا باغ تمہارا ہے (اور) اسکا خیال رکھو کہ (قریب نہ جانا) اور سایہ سے بچتے رہنا (اس) خاص گیہوں یا انگور کے (شجر کے) تم کو اسکی ہوا نہ لگنے پائے کیوں (کہ) اسکے پاس پھٹکے تو (ہوجاؤ) گے (اندھیر والوں سے) تم نبی، معصوم ہو، نافرمانی تم سے متصور نہیں، مگر اپنے آرام کو چھوڑ دینا تمہارے لیے کیا کم اندھیر کی بات ہے؟

﴿تفسیر اشرفی﴾

۔۔۔انصاف سے بتائیں کہ کیا کوئی اعتراض بارگاہ الوہیت، یا بارگاہ رسالت میں وارد ہوتا ہے؟ اور اس حُسنِ تفسیر کی تعبیر کیلئے، نصرت خداوندی اور تائید ربانی سے، نیچے کا کوئی لفظ لغت میں ہے؟ ترجمہ وتفسیر قرآن میں جو چیز بہت ہی اہمیت کی حامل ہے وہ ہے نصرت خداوندی۔ اگر مترجم یا مفسر تائید ربانی سے محروم ہے تو وہ عربی سے اردو تو بنالیگا، لیکن مطالعہ قرآنی اور روح ترجمہ سے بہت دور ہوگا۔ اور ایسی تفسیروں کے مطالعہ سے قارئین کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ پہنچے گا۔۔۔۔

پوری امید ہے کہ تفسیر ھذا کے قارئین اس تفسیر اشرفی کی خصوصیات کے قائل ہو چکے ہونگے۔

اتنی شاندار تفسیر صرف پہلے پارے تک محدود رہتی، یہ تفسیر کے تعلق سے اردو زبان کے قارئین کی بدنصیبی ہی ہوتی کیونکہ تفسیر کا کام مکمل کرنے سے پہلے ہی حضور محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے۔۔۔

یہ ہماری اور اہل اسلام کی خوش نصیبی ہے کہ 'تفسیر اشرفی' کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے پروردگارِ عالم نے اسی خانوادہ سے اس مقدس شخصیت کا انتخاب فرمایا جس کو دنیا نے نہ صرف شیخ الاسلام اور رئیس المحققین مانا بلکہ عملاً یہ مشاہدہ کرلیا کہ حضرت مفسر موصوف عصر حاضر کے نائبِ غوث اعظم قدس سرہ ہیں۔۔۔ تفسیری مراحل کو اس عمدگی سے نبھایا جارہا ہے جو حضرت محدث اعظم ہند قدس سرہ کا ہے۔

چنانچہ تفسیر کے مطالعہ کے دوران قاری کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ 'تفسیر اشرفی' کے دونوں مقدس مفسرین کی تفسیروں کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا جس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ حضرت مفسر زیدمجدہ بیک وقت جانشین ابوحنیفہ، فن حدیث کے بالغ نظر محدث، اور ساتھ ہی ساتھ غواص بحر معرفت ہیں۔۔۔ یہ سطور کسی جوش عقیدت کے تحت سپرد قرطاس نہیں کی گئیں ہیں۔

۔۔۔ آیئے چند مناظر کی سیر کرتے ہیں:

۔۔۔﴿۱﴾۔۔۔

﴿۱﴾۔۔۔ وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ ۔۔۔ الی آخر الایۃ ﴿البقرہ: ۱۴۵، ۱۴۶﴾: عبدالماجد دریابادی صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔۔۔

'اور اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جنھیں کتاب مل چکی ہے، ساری ہی نشانیاں لے آئیں، جب بھی یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کو ماننے والے ہیں ۔۔۔ اور اگر کہیں آپ انکی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں بعد اسکے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے، تو یقیناً آپ بھی ظالموں میں شمار ہونگے۔' ﴿صفحہ ۴۶﴾

﴿۲﴾۔۔۔ دیوبندی دنیا کے حکیم الامت شیخ اشرف علی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:۔۔۔

'اور اگر آپ انکے نفسانی خیالات کو اختیار کرلیں، آپ کے پاس علم آنے پیچھے تو یقیناً آپ ظالموں میں شمار ہونے لگیں۔' ﴿صفحہ ۵۶﴾

﴿۳﴾۔۔۔ابوالاعلیٰ مودودی صاحب فرماتے ہیں:۔۔۔

'اور اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے، انکی خواہشات کی پیروی کی، تو یقیناً تمہارا اشمار ظالموں میں ہوگا۔۔۔تفسیر میں موصوف رقم طراز ہیں، تمہارا کام تو یہ ہے کہ جو علم ہم نے تمہیں دیا ہے، سب سے بے پرواہ ہوکر صرف اسی پرسختی کے ساتھ قائم ہو جاؤ، اس سے ہٹ کر کسی کو راضی کرنے کی فکر کروگے تو اپنے پیغمبری کے منصب پر ظلم کروگے اور اس نعمت کی ناشکری کروگے جو دنیا کا امام بنا کر ہم نے تمہیں بخشی ہے۔' ﴿تفہیم القرآن: صفحہ ۱۲۲﴾

کاش یہ مفسرین اپنی تفسیری کاوشوں کو منظر عام پر لانے سے پیشتر معتمد اور مستند تفاسیر سے تائیدی عبارت لے لیتے تو بہت اچھا ہوتا۔۔۔لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔۔۔وجہ ظاہر ہے۔۔۔کیونکہ آیاتِ مذکورہ کے تعلق سے اگر تائیدی روایات لاتے، تو دنیائے اسلام پھر عشق رسول ﷺ کے سہارے ایک مرکز پر مجتمع ہو جاتی۔۔۔لیکن ان حضرات کو وہ سب کچھ کرنا تھا جس سے امت مسلمہ افتراق و انتشار کا شکار رہے۔۔۔آیئے چند معتمد تفاسیر کا مطالعہ کرتے چلیں۔

تفسیر جلالین۔۔۔مذکورہ آیت کے تحت مفسر فرماتے ہیں:

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ ای محمدا **کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَہُمۡ** بنعتہ فی کتبہم قال ابن سلام: لقد عرفتہ حین رایتہ کما اعرف ابنی و معرفتی لمحمد اشد **وَ اِنَّ فَرِیۡقًا مِّنۡہُمۡ لَیَکۡتُمُوۡنَ الۡحَقَّ** نعتہ **وَ ہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ** ھذالذی انت علیہ ﴿صفحہ ۲۸﴾

۔۔۔صاوی علے تفسیر الجلالین قولہ:

(ومعرفتی لمحمد اشد) سئل عن ذلک فقال لان معرفتی بابنی ظنیۃ لانہ یحتمل ان یکون من غیری وانما معرفتی بمحمد فھی عن اللہ، وای خبر اصدق من خبر اللہ؟ ﴿صفحہ ۱۲۵﴾

۔۔۔حاشیہ الجمل علی الجلالین:

'قال ذلک لما سالہ عمر بن الخطاب قال لہ: ان اللہ تعالی انزل علی نبیہ **اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ** الایۃ فکیف ھذہ المعرفۃ فقال عبد اللہ یا

عُمَرُ لَقَدْ عَرِفْتُهُ حِيْنَ رَأَيْتُهُ كَمَا أَعْرِفُ ابْنِيْ وَمَعْرِفَتِيْ بِابْنِيْ بِمُحَمَّدٍ أَشَدُّ مِنْ مَّعْرِفَتِيْ بِابْنِيْ فَقَالَ عُمَرُ: فَكَيْفَ ذٰلِكَ؟ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا وَقَدْ نَعَتَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ كِتَابِنَا، وَلَا أَدْرِيْ مَا تَصْنَعُ النِّسَاءُ فَقَبَّلَ عُمَرُ رَأْسَهُ وَقَالَ: وَفَّقَكَ اللّٰهُ يَا ابْنَ سَلَامٍ فَقَدْ صَدَّقْتَ قَوْلَهُ: (وَمَعْرِفَتِيْ لِمُحَمَّدٍ أَشَدُّ) أَيْ مِنْ مَعْرِفَتِيْ لِابْنِيْ لِأَنِّيْ لَسْتُ أَشُكُّ فِيْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَمَّا وَلَدِيْ فَلَعَلَّ وَالِدَتَهُ خَانَتْ ﴿صفحہ۱۷۹﴾

۔۔۔ان تمام معتمد اور مستند تفاسیر کو مدنظر رکھتے ہوئے، حضرت مفسر زیدمجدہ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں:

(اور اگر لاتے تم ان) بغض وعناد رکھنے والے یہودیوں (کے پاس جن کو) اللہ تعالیٰ (کتاب دے چکا ہی ہے) پہلے ہی سے دے چکا ہے اور انھیں پوری حقیقت سے آگاہ فرما چکا ہے، اسکے باوجود جو تم سے روبہ کعبہ ہونے کی حقیت وحقیقت سمجھنے کی بات کرتے ہیں اور سمجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے، ایک دو نہیں ساری کی (ساری نشانی) خواہ وہ از قسم معجزہ ہو۔۔۔یا۔۔۔حجت وبرہان قاطع، اسکے باوجود وہ (نہ پیروی کرتے تمہارے قبلہ کی) اسلئے کہ وہ جو تمہاری پیروی نہیں کررہے ہیں اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ کسی شبہ میں ہیں، جسکو حجت ودلیل سے زائل کردیا جائے، بلکہ وہ جو کچھ کررہے ہیں، از راہ عناد، دشمنی کے طور پر کررہے ہیں۔۔۔حالانکہ۔۔۔انھیں اپنی کتابوں سے یہ علم حاصل ہوچکا ہے کہ آپ حق پر ہیں۔

اپنے کو ناحق سمجھنے کے باوجود انکو یہ لالچ ہے کہ آپ انکے قبلے کو اپنا قبلہ بنالیں، یہاں تک کہ انکے بعض نبی کریم ﷺ سے کہہ پڑے کہ اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت ہوجائیں تو ہم آپ کو وہ نبی تسلیم کرلینگے جسکے ہم منتظر ہیں۔ مگر انکے اس طمع کی جڑ اس فرمان سے کاٹ دی گئی کہ نہ تو وہ تمہارے قبلہ کے پیرو ہیں (اور نہ تم انکے قبلہ کے پیرو ہو)، گو یہودیوں کا قبلہ اور تھا۔۔۔اور۔۔۔نصاریٰ کا اور۔ لیکن باطل ہونے میں دونوں متحد ہیں، گویا دونوں ایک ہیں۔ اب جو کسی باطل قبلہ کا پیرو نہیں تو وہ دونوں میں سے کسی کے قبلہ کا پیرو نہیں ہوسکتا (اور نہ خود ان میں سے ایک دوسرے کے قبلہ کا پیرو ہے)۔

یہود، نصاریٰ کے قبلہ کی طرف رخ نہیں کرتے اور نصاریٰ، یہود کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے۔ جب یہ اپنے عناد ومخالفت پر اتنے متصلب ہیں کہ آپس ہی میں قبلہ کے معاملے میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، تو انکی مخالفت صرف آپ ﷺ ہی سے نہیں رہ گئی۔

۔۔۔لہٰذا۔۔۔اے محبوب آپ انکی مخالفت کا خیال نہ فرمائیں اور اپنے کو رنجیدہ خاطر نہ کریں۔ اے محبوب قبلہ کا معاملہ اتنا اہم اور نازک ہے کہ اگر۔۔۔بفرض محال۔۔۔اس معاملے میں آپ نے بھی انکی خواہشوں کی پیروی کی تو آپکا بھی شمار اپنے اوپر زیادتی کرنے والوں میں ہو جائے گا۔۔۔مگر چونکہ۔۔۔ آپ نبی ہیں اور نبی کی ذات صغائر سے بھی معصوم ہوتی ہے، تو اس سے ایسا جرم سرزد ہو، یہ تو ناممکن ہے۔

۔۔۔لہٰذا۔۔۔آیت کریمہ میں اگر چہ خطاب کا رخ آپ کی طرف ہے، مگر مخاطب آپ کی امت ہے، جسکے آپ والی و مالک و نگہبان ہیں۔(اور) اب (اگر کوئی تمہارا ہو کر) آپ کو اپنا نبی و رسول مان کر، آپ کا امتی ہو کر اور آپ کے دین پر ایمان لا کر (پیروی کرے ان) یہودیوں (کی خواہشوں کی) اور انکے کہنے پر کعبہ سے رخ پھیر کر بیت المقدس کو قبلہ بنالے (بعد اسکے کہ آیا تمہارے پاس) کعبہ کے قبلہ ہونے اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا (علم) جسکو آپ نے سب تک پہنچا بھی دیا اور دلائل و براہین کے ساتھ واضح بھی فرما دیا، (تو بیشک وہ تمہارا) امتی (اس صورت میں) اطاعت رسول کی (حد سے) نکل کر نافرمانی کی حد میں داخل ہو جانے والوں اور خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے (بڑھ جانے والوں سے ہے)۔

(جن کو ہم نے کتاب دی ہے) علماء اہل کتاب (پہچانتے ہیں پیغمبر اسلام کو) کہ وہ نبی برحق ہیں، امام قبلتین ہیں، تمام آسمانی صحیفوں کی بشارتوں کا مرجع ہیں اور یہ پہچان ایسی ویسی پہچان نہیں، بلکہ ایسا پہچانتے ہیں (جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں) اسی لئے انھیں آپ ﷺ کی رسالت پر کسی طرح کا اشتباہ نہیں، جیسے انھیں اپنے بچوں کے تعلق سے کسی طرح کا شک و شبہ نہیں۔

> انسان خود اپنے آپ کو بڑی مدت کے بعد پہچانتا ہے بخلاف اپنی اولاد کے، کہ انھیں پیدا ہوتے ہی پہچان لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ ہم اپنے بچوں سے زیادہ نبی کو جانتے ہیں، اسلئے کہ ہمیں محمد ﷺ کے نبی ہونے میں کبھی بھی شک نہیں ہوا۔ اسکے برخلاف بچوں کے تعلق سے ماں کی طرف سے خیانت کا امکان شک کا باعث ہوسکتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آپکی اس بات پر آپکی پیشانی کو چوم لیا۔

(اور بے شک ان) علماء اہل کتاب (میں سے ایک) بڑا (گروہ) جس نے اسلام قبول نہیں کیا، وہ حسد و عناد کے سبب بے وقوف عوام اور جاہل لوگوں سے (حق) نبی کے نبی برحق ہونے، کعبہ کو رب کا مقرر کردہ قبلہ قرار دینے، اور اپنی آسمانی کتاب میں مذکور نبی کریم کے اوصاف حمیدہ

(کوضرور چھپاتا ہے)۔وہ بھی لاعلمی میں نہیں بلکہ (جانتے بوجھتے)۔

---﴿ ب ﴾---

وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِۚ ---حرام فرمادیا ہے اس جانور کو---جو ذبح کیا گیا غیر خدا کا نام لیتے ہوئے---ترجمہ اور حسن تفسیر پر گزارشات پیش کرنے سے پیشتر میں یہ چاہوں گا کہ آیت مذکورہ میں مترجمین اور نادار مفسرین کی ناداریاں ملاحظہ ہوں---

﴿۱﴾---اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو---
﴿ترجمہ: مودودی صاحب﴾

---اس آیت کی تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں کہ 'اس کا اطلاق اس جانور کے گوشت پر بھی ہوتا ہے جسے خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہے۔اور اس کھانے پر بھی ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر بطور نذر کے پکایا جائے---حقیقت یہ ہے کہ جانور ہو یا غلہ یا کوئی اور کھانے کی چیز، در اصل اسکا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اللہ ہی نے وہ چیز ہم کو عطا کی ہے۔لہٰذا اعترافِ نعمت، یا صدقہ یا نذر و نیاز کے طور پر اگر کسی کا نام ان پر لیا جاسکتا ہے تو وہ صرف اللہ ہی کا نام ہے---اس کے سوا کسی دوسرے کا نام لینا، یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم خدا کے بجائے یا خدا کے ساتھ اسکی بالاتری بھی تسلیم کر رہے ہیں۔اور اس کو بھی منعم سمجھتے ہیں۔﴿صفحہ ۱۳۵﴾

﴿قارئین کرام مذکورہ بالا عبارت اور آیت کریمہ کے حکم میں تضاد واضح طور پر محسوس کر سکتے ہیں﴾

---شیخ اشرف علی تھانوی صاحب اپنے ترجمۂ قرآن میں اس مقام کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'اور ایسے جانور کو جو غیر اللہ کیلئے نامزد کر دیا گیا ہو'۔مولوی عبدالماجد دریابادی صاحب اس مقام پر اپنے شیخ کی موافقت میں لفظ بلفظ ساتھ دے رہے ہیں، ملاحظہ ہو: 'اور جو جانور غیر اللہ کیلئے نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے'---﴿یہ عبارت بہ نسبت پہلی کے زیادہ واضح ہے۔﴾

قارئین کرام مذکورہ بالا عبارات اور عبارت سے مستفاد احکام، مندرجہ بالا مفسرین کے ذہن و فکر کی مکمل عکاسی کر رہے ہیں---

تفسیر جلالین ﴿صفحہ۲۴﴾ اسی آیت کریمہ کے تحت ہے:

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اَیْ ذُبِحَ عَلٰی اِسْمِ غَیْرِہٖ وَالْاِھْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَکَانُوْا یَرْفَعُوْنَہٗ عِنْدَ الذَّبْحِ لِاٰلِھَتِھِمْ

جلالین کی مذکورہ بالا عبارت کے تحت جمل میں ہے ﴿صفحہ۲۰۷﴾:

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ مَا مَوْصُوْلٌ بِمَعْنَی الَّذِیْ وَمَحَلُّھَا النَّصْبُ عَطْفًا عَلَی الْمَیْتَۃِ، وَبِہٖ قَائِمٌ مُقَامَ الْفَاعِلِ لِاُھِلَّ اَلْبَاءُ بِمَعْنٰی فِیْ، وَلَا بُدَّ مِنْ حَذْفِ مُضَافٍ اَیْ فِیْ ذِبْحِہٖ لِاَنَّ الْمَعْنٰی وَمَا صِیْحَ فِیْ ذِبْحِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ

آیت مبارکہ کا ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

'وآنچہ آواز بلند کردہ شود در ذبح وے بغیر خدا'۔

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس سے مراد وہ ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ ﴿احکام القرآن، جلد اول، صفحہ۱۲۵﴾

ان معتمد تفاسیر کی روشنی میں حضرت مفسر مدظلہ کی تفسیر، آیت کریمہ کا صحیح محل، اور قادرالکلامی ملاحظہ ہو۔ (یہ یاد رہے کہ حضرت مفسر مدظلہ کی تفسیر کی تائید سورہ الانعام آیت ۱۱۸ وغیرہ سے بھی ہو رہی ہے)۔

حضرت فرماتے ہیں: (اور) اسکے سوا حرام فرما دیا (اس جانور) کے گوشت (کو جو ذبح کیا گیا) بتوں، دیوی دیوتاؤں۔۔۔ الغرض۔۔۔ ذبح کے وقت ذبح کرتے ہوئے کسی بھی (غیر خدا کا نام لیتے ہوئے)۔

مختصر لفظوں میں حضرت مفسر مدظلہ کا معنی خیز مطلب اور اس سے مستفاد حکم بیان کرنا آپ کا وہ عظیم کارنامہ ہے جسکا خراج ہر اہل علم وقلم سے آپ لیتے رہیں گے۔

---﴿ ج ﴾---

قرآن کریم کی تفہیم کیلئے حضرت مفسر مدظلہ کا ایک اور دلنشین انداز بیان ملاحظہ ہو:

(اے ایمان والو! داخل ہو) جاؤ (اسلام میں پورے پورے) یعنی شریعت اسلامیہ کے جملہ احکام کو دل سے قبول کرلو اور ان کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ شریعت کے انھیں احکام کو اپناؤ اور ان پر عمل کرو جو تمہاری طبیعت کے موافق اور تمہاری خواہش کے مطابق ہوں اور ان

احکام کونظر انداز کر دواوران پر عمل نہ کرو جوتمہاری خواہش کے مطابق نہیں۔

یادرکھو کہ اسلام ایک مکمل دستور زندگی ہے، اس کے اپنے عقائد ہیں، اسکا اپنا دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اپنے نظریات ہیں، اور یہ انسان کی ذہنی ،روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب ہی رونما ہوسکتی ہیں، جبکہ اسے ماننے والے اسے پورا کا پورا اپنالیں، اوراس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہوجائیں۔ یہاں اس بات کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام کوقبول کر لینے کے بعد بعض باتوں پر عمل کرنے کے تعلق سے سابق شریعتوں میں سے کسی شریعت کالحاظ کیا جائے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن سلام جیسے عظیم صحابی بھی حضور آیہء رحمت ﷺ سے ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور اسکے دودھ کی تحریم کے تعلق سے شریعت موسویہ پر عمل کرنے کی اجازت حاصل نہ کرسکے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اے ایمان والو! مکمل اسلام کواپنالواوراس پر ثابت قدم ہو (اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی) ان راستوں پر نہ چلو جوشیطان کے ہیں اور نہ اسکی اطاعت کرو کیونکہ وہ اپنے ٹیڑھے راستوں کی طرف تمہیں بلاتا ہے اور گندے وسوسے ڈالتا ہے اور وہ ایسا کیوں نہ کرے، اسلئے کہ (بیشک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے)۔

۔۔۔﴿ د ﴾۔۔۔

سورہ مذکورہ کی آیت ۲۲۱ کے ضمن میں ملاحظہ ہو:۔۔

(اور) فرمایا (مت نکاح کروشرک والیوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں) وہ مشرکہ حسن وجمال والی ہو۔۔۔یا۔۔۔دولت وثروت والی ہو۔۔۔یا۔۔۔آزاد ہو۔۔۔الغرض۔۔۔کچھ بھی ہومگر جب تک ایمان نہ لائے اس سے نکاح نہ کرو، (اور) اسکے برعکس (یقیناً ایمان والی لونڈی) خواہ وہ غریب ہو، خوبصورت نہ ہو، بایں ہمہ وہ (بہتر ہے) اس خوبصورت مالدار اور آزاد (شرک والی) کافرہ (سے، گو) وہ (شرک والی) کافرہ حسن وجمال اور کثرت مال کی وجہ سے، (تمہیں اچھی لگے)۔۔۔یونہی ۔۔۔محتاط ہوجاؤ (اوراپنی لڑکیوں کومشرکین کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کریں) سچے دل سے مسلمان نہ ہوجائیں (اور) جان لو کہ (بلاشبہ مسلمان غلام بہتر ہے) خواہ وہ خوبصورت نہ ہو اور مالدار نہ ہو (ہر مشرک سے گووہ تمہیں) اپنے حسن وجمال اور مال ومنال کی وجہ سے (اچھا لگے)۔

اس حقیقت کا سمجھ لینا تو ایک عام آدمی کیلئے بھی دشوار نہیں کہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے عقائد، نظریات، افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں، اسلئے کہ یہ خدشہ ہے کہ مشرک شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا مشرکہ عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر ہو اسلئے اسلام نے یہ راستہ ہی بند کر دیا۔ اگرچہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان شوہر یا بیوی سے مشرک شوہر یا بیوی متاثر ہو جائے، لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو، تو نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے۔ اسلئے اسلام نے مسلمانوں اور سارے کافروں کے درمیان مناکحت کا معاملہ بالکل ہی منقطع کر دیا۔ ایمان کی سلامتی اور کفر کے خطرات سے بچنے کا یہی صاف اور سیدھا راستہ اور مناسب طریقہ ہے۔

اس میں جو حکمت ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ میاں بیوی میں وہ کون ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو اپنا ہم خیال بنانا نہ چاہتا ہو، تو شادی ہو جانے کی صورت میں (وہ) شرک و کفر والیاں اور شرک و کفر والے (لوگ) اپنی باتوں سے ۔۔۔یا۔۔۔اپنی محبت میں اسیر کر کے ۔۔۔یا۔۔۔اپنی صحبت و قربت کا اثر ڈال کر اس کفر و شرک کی طرف (بلائیں) گے، جو تم کو (جہنم کی طرف) لے جانے کا سبب ہوگا۔ اور جب تک تم انکے پورے طور پر ہم خیال نہیں ہو جاؤ گے، اس وقت تک وہ لوگ مختلف نرم ۔۔۔یا۔۔۔گرم طور وطریقہ اپنا کر تم کو کافر بنانے کی جدو جہد کرتے رہیں گے، (اور اللہ) تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے نبی اور پھر اپنے اولیاء کے ذریعہ تم کو (بلائے) اور بلاتا رہے گا اور ان عقائد حقہ اور اعمال صالحہ کی دعوت دے بھی رہا ہے اور دیتا بھی رہے گا، جو تمہیں (جنت اور بخشش کی طرف) لے جانے کے اسباب ہیں، خود اسکے (اپنے حکم) ارادہ (سے اور) اپنی شان کریمی سے (صاف صاف بیان فرمائے) حلال و حرام کے احکام کو واضح کر دینے والی (اپنی آیتوں کو لوگوں) کے فائدے (کیلئے) تا (کہ اب) تو وہ کچھ (سبق لیں) اور نصیحت و ہدایت حاصل کریں۔

آیت مبارکہ کی توضیح و تشریح میں اسلاف کرام سے لیکر اب تک بہت ہی گرم و سرد، علمی اور قلمی معرکہ آرائی ہوتی رہی ہے۔۔۔ بعض علماء نے اس آیت کے عموم سے اہل کتاب کو نکال دیا ہے، لقولہ تعالیٰ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ چنانچہ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں رہنے والے بہت سے حضرات نے اپنی رشتہ داریاں، شادی بیاہ وغیرہ شہریت کے حصول یا اپنی خواہشات کے پیش

نظر، غیر مسلموں سے کر رکھی ہے۔اس سلسلہ میں شریعت مطہرہ کی واضح ہدایات کے باوجود ان حضرات نے تاویل کا سہارہ لیا اور آج تک اسی پر قائم ہیں۔حضرت مفسر مدظلہ نے قرآنِ کریم کی تعلیمات کے پیش نظر جو اصلاحی طریقہ اختیار فرمایا ہے، وہ قابل رشک ہی نہیں، لائق تقلید بھی ہے۔

ملاحظہ ہو تفسیر کا صفحہ نمبر ۲۶۴۔اس حقیقت کا سمجھ لینا تو ایک عام آدمی کیلئے بھی دشوار نہیں کہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے۔۔۔ خطرات سے بچنے کا صرف یہی سیدھا راستہ اور مناسب طریقہ ہے۔

﴿ ۵ ﴾

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔۔۔الخ (کوئی زبردستی نہیں دین میں) اس مقام پر علماء تفسیر نے بڑی طول طویل بحثیں فرمائی ہیں۔عصر حاضر کے نابغہ روزگار محقق علامہ سعیدی مدظلہ نے یہ بحث بہت ہی عمدگی سے طے کی ہے۔آپ فرماتے ہیں:

'کیا دین اسلام قبول کرنے میں جبر کا نہ ہونا مشروعیت جہاد کے خلاف ہے؟ میں اس اشکال کے جواب پر کئی دن غور کرتا رہا، میں نے اس سوال کے جواب کی تلاش کیلئے قدیم اور جدید معتمد تفاسیر کو دیکھا، لیکن میں نے دیکھا کہ کسی نے بھی اس کو حل نہیں کیا اور مدافعانہ جنگ اور جزیہ کے اختیار سے اصل اشکال کو ٹالنے، دفع وقتی اور فرار کی کوشش کی۔بہر حال میرے ذہن میں جو جواب آیا، وہ میں نے لکھ دیا ہے۔اگر یہ صحیح ہے، تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے، تو یہ میری فکر کی کمی ہے اور آئندہ آنے والے علماء کیلئے دعوت فکر ہے۔' ﴿تبیان القرآن: صفحہ ۹۸۲﴾

حضرت مفسر مدظلہ نے تفاسیر قدیمہ معتبرہ کو مدنظر رکھ کر جو فیصلہ فرمایا، وہ اپنی مثال آپ ہے، چنانچہ حاشیہء جلالین زیر بحث آیہء کریمہ:

هٰذِهِ الْاٰيَةُ دَلِيْلٌ وَاضِحٌ عَلٰى اَنَّ الْاِسْلَامَ لَمْ يَقُمْ بِالسَّيْفِ وَاِنَّمَا قَامَ بِالدَّلِيْلِ وَالْبُرْهَانِ وَالسَّيْفُ كَانَ لِمَنْ لَمْ يُسْلِمْ مِنَ الْوَثْنِيِّيْنَ اَوْلِمَنْ لَمْ يَدْفَعْ بِهٖ مَعَ يُسْلِمُ الْجِزْيَةِ وَ يُنْقِذُ لِاَحْكَامِ الذِّمَّةِ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ قَالَ تَعَالٰى وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ۔۔۔الخ

۔۔۔مختصر لفظوں میں حضرت مفسر مدظلہ کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیں:۔۔۔

'اس مقام پر قابل غور بات یہ بھی ہے کہ کسی کو زبردستی کسی ایسے کام کیلئے آمادہ کرنا اور اسکو مجبور کرنا جس میں درحقیقت اس کیلئے کوئی بھلائی نہ ہو، یہی وہ اکراہ ہے جو ناپسندیدہ ہے۔اب اگر کسی ایسے کام کیلئے مجبور کیا جائے جس میں خیر ہی خیر ہے، تو یہ بظاہر صورتاً اکراہ تو ہے، مگر حقیقتاً اکراہ نہیں اور ظاہر ہے کہ دین اسلام از اول تا آخر خیر ہی خیر ہے، تو اس خیر کل کیلئے حقیقی اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ یوں بھی اس خیر کل کیلئے حقیقی اکراہ کی ضرورت نہیں۔۔۔

ناظرین کرام! مذکورہ بالا گزارشات کو مدنظر رکھ کر اگر آپ حضرت کی اس مبارک تفسیر کا مطالعہ کرینگے، تو آپ حسن قرآنی کے جلوہ ہائے رنگارنگ سے اپنے قلوب واذھان کو منور ومجلی فرمائیں گے۔ اور کیوں نہ ہو کہ اس تفسیر کے مفسر مدظلہ نے آیت قرآنی کو اپنے لفظوں میں اس طرح بیان فرمایا جس سے ایک عالم، منتہی طالب علم، ایک مفکر اور دانشور، ماہر وکیل، نکتہ شناس جج، قادرالکلام خطیب اور نباض فطرت شاعر، ہر شخص اپنے حسب استعداد استفادہ کرسکتا ہے۔۔۔اور کرتا ہے۔۔۔ بانی، ادارہ گلوبل اسلامک مشن، محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی کو پروردگار عالم جزائے خیر سے نوازے جنھوں نے وقت کی اس اہم ترین ضرورت کو محسوس کیا اور عالم اسلام کیلئے عموماً اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے طلبہ کیلئے خصوصاً اپنی گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر اس مایہ ناز تفسیر کی اشاعت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا بیڑہ اٹھایا۔۔۔

اس خصوص میں حضور شیخ الاسلام کی تحریروں کو جمع کرنا، کمپیوٹر کی کتابت کیلئے عزیزم منصور احمد اشرفی سلمہ کو تاکید ابٹھا کر، ترجمہ، قرآن اور تفسیر قرآن کو حسین ترین ڈیزائنوں میں تبدیل کرنا اور طباعت کے مراحل کو طے کرنے کیلئے بنفس نفیس پاکستان کا سفر کرنا، امریکہ کے دینی اور مذہبی حلقوں میں اہلسنت وجماعت کی نمائندگی کرنا یا بالفاظ دیگر حضور شیخ الاسلام کی نیابت کرنا، یہ وہ مہمات ہیں جنھیں سر کرنا عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔۔۔علاوہ ازیں۔۔۔جیلوں میں قیدیوں کو کتابوں کے ذریعے اسلام سے روشناس کرانا اور اپنے پُر از حکمت خطبات سے دعوت اسلام دینا۔ اسلام اور بانیٔ اسلام ﷺ پر اٹھنے والے سوالات کے مثبت اور دندان شکن جواب دینا، یہ موصوف کے وہ کارہائے نمایاں ہیں جو

لائق تعریف ہی نہیں، قابل تقلید بھی ہیں۔

درحقیقت حضور شیخ الاسلام کی عبقری شخصیت اور روحانی نیابت کیلئے ایسی ہی اہم شخصیت درکار تھی جسے ہم آسمانِ غیب سے پروردگارِ عالم کا عطیہ کہہ سکتے ہیں۔ ہم وابستگانِ سلسلہ کی دلی آرزو ہے کہ حضور شیخ الاسلام کا سایہء عاطفت تا قیامِ قیامت ہمارے سروں پر دراز رہے اور تفسیر کی تکمیل نیز آپ کے فیوض و برکات فزوں تر ہوں۔۔۔

اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ بِجَاہِ حَبِیْبِكَ طٰه وَ یٰس

فقیر، ابوالفضل
محمد فخر الدین علوی

مختصر تذکرہ حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ

نام: سید محمد اشرفی جیلانی لقب: محدث اعظم ہند

ولادت: ۱۵ ذوالقعدۃ ۱۳۱۱ھ ۔۔۔ بمطابق ۔۔۔ ۱۸۹۴ء یوم چہار شنبہ

جائے ولادت: قصبہ جائس، رائے بریلی، یوپی، انڈیا

والدگرامی: رئیس الحکماء، حضرت علامہ سید نذر اشرف فاضل کچھوچھوی قدس سرہ

والدہ ماجدہ: سیدہ محمدی خاتون بنت اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ

جدمکرم: حضرت مولانا سید شاہ فضل حسین اشرفی جیلانی قدس سرہ

ناناجان: محبوب ربانی، مرشد الانام، اعلیٰ حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ

آپ کی رسم بسم اللہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۱۵ھ میں ہوئی۔ والدہ ماجدہ نے صرف چھ ۶ مہینے ہی میں بغدادی قاعدہ اور پارہ عم ختم کروایا۔ پھر انتیس ۲۹ دن ہی میں باقی پارے بھی پوری روانی سے ختم کرا دیئے۔ پانچ ۵ سال کی عمر میں آپ نے قرآن کریم ختم فرمالیا۔ مزید بنیادی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی جو درس نظامیہ کے اعلیٰ پائے کے معلم تھے اور مشہور ترین طبیب حاذق بھی۔

آپکی ذہانت اور فہم وادراک باعث حیرت تھی جس پر اہل علم انگشت بدنداں تھے۔ آپ نے اعلیٰ تعلیم برصغیر کے مشہور مدرسہ نظامیہ فرنگی محلی لکھنؤ میں پائی اور صرف چودہ ۱۴ سال کی عمر میں تمام درسیات نظامی وعلوم عربیہ کی تحصیل سے فارغ ہوکر سند فضیلت حاصل کی۔ وہاں سے علیگڑھ، پیلی بھیت، بریلی شریف اور پھر بدایوں کا رخ فرمایا۔ یوں آپ نے بحرالعلوم حضرت علامہ مولانا عبدالباری علیہ الرحمہ فرنگی محلی، استاذ زمن حضرت علامہ مفتی لطف اللہ صاحب علی گڑھی، حضرت علامہ مولانا وصی احمد صاحب محدث سورتی قدس سرہ، اور حضرت علامہ مولانا مقتدر اعظم شاہ مطیع الرسول قادری قدس سرہ سے اکتساب فیض کیا۔ اور پھر علمی تشنگی آپکو قافلہ سالار عشق ووفا، اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کی بارگاہ تک لے آئی، جہاں آپ نے جملہ علوم وفنون میں مہارت تامہ حاصل کی۔ بطور تحدیث نعمت آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ یہی گھڑیاں میرے لئے سرمایہ حیات ہوگئیں۔

علیگڑھ میں منطق وفلسفہ کی کتابیں پڑھیں، پیلی بھیت اور بدایوں سے سند حدیث حاصل کی اور صرف سترہ ۱۷ سال کی عمر میں محدث اعظم ہند کا لقب حاصل کیا۔ آپ اپنے ماموں جان، سلطان المناظرین، شہزادۂ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں، حضرت اقدس مولانا سید احمد اشرف، اشرفی جیلانی قدس سرہ سے بیعت وخلافت یافتہ تھے۔ ۱۹۱۵ء میں بائیس ۲۲ سال کی عمر میں اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ کی پوتی اور اپنے ماموں جان اور مرشد برحق کی شہزادی کے ساتھ عقد نکاح ہوا۔

آپ نے عقلیات ونقلیات کے جملہ علوم وفنون میں امتیازی شان حاصل کرنے کے بعد ۱۹۱۳ء میں دلی میں علامہ سید محمد میر صاحب علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں 'مدرسۃ الحدیث' قائم فرما کر بارہ ۱۲ سال وہاں درسِ حدیث کا فریضہ انجام دیا۔ یہاں رسالہ قشیریہ، قانونِ شیخ جیسی کتابوں کے ساتھ ہی تصوف و طب کی بھی تدریس جاری رکھی۔ پھر آپ دہلی سے کچھوچھہ مقدسہ تشریف لائے اور اپنے نانا قدس سرہ کے قائم کردہ جامعہ اشرفیہ میں منصب شیخ الحدیث پر مسند نشین ہوئے اور زمانہ طویل تک درس دیتے رہے۔ ساتھ ہی فتاویٰ لکھتے رہے۔ آپ نے ہر فن میں کسی نا کسی انداز میں اپنی شان کے جوہر دکھائے۔

آپ نے پانچ ۵ مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کی۔ اسکے علاوہ روحانی وتبلیغی سرگرمیوں کے تحت عراق، بیت المقدس، دمشق، مصر، یمن، عدن، سیلون، رنگون، برما، ڈھاکہ، کلکتہ، پاکستان، غزنی، کابل، اور ہندوستان کے کونے کونے کا طویل ترین سفر فرمایا۔ سال کے گیارہ ماہ مسلسل سفر میں گزارتے، صرف ماہِ رمضان المبارک اور محرم الحرام کے آخری عشرہ میں کچھوچھہ شریف قیام فرماتے۔

آپ نے دینی وقومی خدمات کے ضمن میں الجمہوریۃ الاسلامیہ آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس، جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی شریف، آل انڈیا سنی جمیعۃ العلماء، الجمیعۃ الاشرفیہ کی صدارت اور الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور، دارالعلوم اشرفیہ بہرائچ، دارالعلوم فاروقیہ بنارس جیسے سینکڑوں تعلیمی اداروں کی تاسیس وسرپرستی فرمائی۔ جنوری ۱۹۲۲ء میں کچھوچھہ شریف سے 'ماہنامہ اشرفی' جاری فرمایا اور شدھی، قادیانی اور وہابی تحریکات کی بیخ کنی کی۔ پانچ ہزار سے زائد غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کیا اور لاکھوں بندگانِ خدا کو چہار سلاسل مقدسہ سے منسلک کیا۔ سو سے زیادہ کتابیں ورسالے تصنیف فرمائے۔ آپکا سب سے بڑا کارنامہ قرآن عظیم کا سلیس اردو میں ترجمہ فرمانا ہے۔ اسکے علاوہ آپکی پہلے پارے کی تفسیر بھی ہے جو منظر عام پر آچکی ہے اور یہاں بھی پیش نظر ہے۔

اس سے پہلے کہ آپ تفسیر قرآن مکمل فرماتے، ۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۱ھ بمطابق ۲۵ دسمبر ۱۹۶۱ء بروز دوشنبہ، آپکا وصال ہوگیا۔ آپکی نماز جنازہ امام اہلسنت، غوث زماں، شیخ المشائخ علامہ مولانا سید محمد مختار اشرف، سجادہ نشین، خانقاہ اشرفیہ، کچھوچھہ شریف، نے پڑھائی۔ آپ کچھوچھہ شریف ہی میں آرام فرما ہیں۔ آپکا سالانہ عرس ہر سال کچھوچھہ شریف میں پورے وقار و احترام کے ساتھ ۱۶،۱۵ رجب المرجب کو منایا جاتا ہے۔ رئیس المحققین، حضور شیخ الاسلام والمسلمین، علامہ مولانا سید محمد مدنی اشرفی جیلانی دام ظلہم وقلبہ علینا آپ کے جانشین ہیں۔

سید الواعظین، امام الخطباء، حضرت علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ اپنے زمانے میں فائق الاقران رہے۔ عالم باعمل، حب نبوی ﷺ سے سرشار اور علمی وجاہت کا کوہ گراں تھے۔ معاصرین نے بالاتفاق آپ کو 'محدث اعظم ہند' کا خطاب دیا۔ خدائے پاک نے اس لقب کو اتنی شہرت بخشی کہ آپکا لقب آپ کے نام سے زیادہ مشہور رہا۔ آپ شعر و سخن میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ آپکا مجموعہ کلام 'فرش پر عرش' آپکی فصاحت و بلاغت کی منہ بولتی تصویر اور عشق رسول ﷺ اور بزرگان دین کے ساتھ آپ کی والہانہ عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہندوستان کے گوشے گوشے میں تبلیغ دین کیلئے تشریف لے گئے مگر ساتھ ہی ساتھ تصنیف و تالیف کا کام جاری رکھا۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ 'قرآن کے صحیح مفہوم و مطلب سے دنیا والوں کو خبردار کرنے کی ضرورت کو سید محمد محدث علیہ الرحمہ نے شدت کے ساتھ محسوس کیا۔ اور دینی و تبلیغی مصروفیتوں کے باوجود قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کا قصد فرمالیا۔ ترجمہ فرمانے کا کیا نرالا انداز تھا، تبلیغی پروگرام میں کوئی کمی نہیں، ایک عالم اپنے ساتھ رکھے ہوئے ہیں، مستند و معتمد علیہ تفاسیر کا اچھا خاصا ذخیرہ جو انکے ساتھ رہتا ہے نگاہوں کے سامنے ہے، ترجمہ بولتے جارہے ہیں، وہ لکھتا جارہا ہے۔ ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے ترجمہ لکھا رہے ہیں، گاڑی پر سفر کر رہے ہیں ترجمہ بول رہے ہیں، اور رمضان کے موقع پر مکان آئے ہوئے ہیں اور اس دینی کام میں مصروف ہیں۔ چہ ذلقعدہ ۱۳۶۶ھ میں پورے قرآن کا ترجمہ ختم فرما کر تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ ﴿ماہنامہ آستانہ کراچی ۱۹۹۵ء محدث اعظم نمبر﴾

آپ نے مسلمانوں کی رہنمائی کیلئے ملکی سیاست میں بھی حصہ لیا۔ ۱۳۶۵ھ میں بالاتفاق آل انڈیا سنی کانفرنس کے صدر چنے گئے۔ کانفرنس کے تحت اجمیر شریف کے ایک خطبہ میں آپ نے فرمایا

'میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سنیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سنی کانفرنس ہی کریگی۔ اس میں سے کوئی بات بھی نہ مبالغہ ہے، نہ شاعری، اور نہ سنی کانفرنس سے غلو کی بناء پر ہے۔ پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کی چڑ ہے، اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے۔ اور اپنا اپنا وظیفہ کون سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے پورا نہیں کرتا؟ اب رہا پاکستان، کار سنیاں است'۔ ﴿مولانا محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس: مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۸ء، صفحہ ۳۰۶﴾

معارف القرآن پر تقدیم قلمبند فرماتے ہوئے، حضور مسعود ملت قدس سرہ فرماتے ہیں: 'اس وقت محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ کا سراپا سامنے ہے، آیئے ماضی کے جھروکے سے انکی زیارت کریں۔ خاندانی جاہ وجلال، بادشاہوں کی اولاد، مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کے چشم وچراغ، بلند و بالا قامت، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں، بھرواں داڑھی، سر پر تاج نما کلاہ سمنانی، تن بدن پر عبا اور قبا، ہاتھ میں عصائے دراز، زرنگار، مستانہ چال، جھوم کر چلتے ہوئے جب جلسہ گاہ میں تشریف لاتے تو معلوم ہوتا تھا کہ شیر کچھار سے نکل رہا ہو۔ بھیڑ چھٹتی چلی جاتی اور وہ آگے بڑھتے چلے جاتے۔ آواز ایسی جیسے ہاتف غیبی عالم بالا سے بول رہا ہو، گفتگو کا ٹھہراؤ، تقریر کا رچاؤ، باتوں کی گھن گرج اور گونج، جیسے بادل گرج رہا ہو، جیسے بجلی کڑک رہی ہو، جیسے مینہ برس رہا ہو۔۔۔ دور سے دیکھئے تو رعب ودبدبے سے دیکھا نہ جائے، پاس بیٹھئے تو باتوں سے پھول جھڑتے دیکھئے۔ محبان رسول کیلئے شبنم کی ٹھنڈک، گستاخان رسول کیلئے نشتر کی چبھن۔۔۔ تقریر میں قرآنی اسرار ومعارف کا دریا بہاتے، لوگ سن سن کر حیران وششدر رہ جاتے۔ تقریر سے پہلے اپنے خاص انداز میں عربی خطبہ ارشاد فرماتے، ٹھہر ٹھہر کر، آہستہ آہستہ۔ نعت منثور کا سماں بندھ جاتا، دل کھنچنے لگتے۔ روح پر کیف وسرور کا عالم تاری ہو جاتا۔ پھر تلاوت فرماتے، تقریر فرماتے، دھیرے دھیرے آگے بڑھتے یہاں تک کہ تقریر سے علم ودانش کے فوارے پھوٹنے لگتے۔ جب وہ تقریر کرتے محفل پر سناٹا چھا جاتا۔ کوئی باتیں کرتا نظر نہ آتا، سبھی انکو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے رہتے، گستاخان رسول ﷺ پر ہیبت طاری ہو جاتی، بلاشبہ سید محمد محدث کچھوچھوی علیہ الرحمہ معنوی جلال وجمال کا حسین پیکر تھے۔ پھر ان جیسا نہ پایا، پھر ان جیسا نہ دیکھا۔

﴿معارف القرآن، تقدیم، ۲۰۰۰ء، از ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ﴾

محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی

مختصر تذکرۂ حضور شیخ الاسلام والمسلمین دامت برکاتہم العالیہ

حضور شیخ الاسلام اپنے مجموعۂ کلام کو اپنے والد بزرگوار کے نام انتساب کرتے وقت فرماتے ہیں۔۔۔ انکے نام جنکے فیضانِ نظر نے آداب زندگی اور خدمت لوح وقلم کا شعور عطا کیا۔۔۔ حضور شیخ الاسلام کی پوری حیات کا مطالعہ کرتے چلے جایئے، آپ محدث صاحب کے اسی فیضانِ نظر کو کارفرما پائینگے۔ تو آیئے ملاحظہ ہو مختصر تذکرۂ حضور شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ۔

نام: سید محمد مدنی اشرفی جیلانی　　　القاب: شیخ الاسلام والمسلمین ورئیس المحققین

ولادت: یکم رجب، ۱۳۵۷ھ۔۔۔ بمطابق۔۔۔ ۲۸ اگست ۱۹۳۸ء

جائے ولادت: کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد، یوپی، انڈیا

والد بزرگوار: حضور سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ محدث اعظم ہند قدس سرہ

والدہ محترمہ: مخدومہ سیدہ فاطمہ بنت سلطان المناظرین قدس سرہ

نانا: سلطان المناظرین، شہزادہ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں، حضرت اقدس مولانا سید احمد اشرف، اشرفی جیلانی قدس سرہ

دادا: رئیس الحکماء، حضرت علامہ سید نذر اشرف، فاضل کچھوچھوی علیہ الرحمہ

کچھوچھہ شریف، علم وعرفان اور طریقت ومعرفت کے اعتبار سے ایک ایسا علاقہ ہے، جہاں ایک سے ایک صوفی وعارف پیدا ہوئے جنکے فیوض وبرکات کے قصے آج بھی زبان زد خاص وعام ہیں۔ اسی سرزمین سے سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کی شخصیت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے۔

آپکا سلسلۂ نسب حضور غوث الاعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ہوتا ہوا مولائے کائنات حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کا گھرانہ ولیوں کا گھرانہ ہے، جہاں ظاہری علوم کے بیشمار عالم اور باطنی علوم کے ان گنت بحر بیکراں موجود ہیں۔ شجاعت حیدری، وفائے حسینی، شان دستگیری، قوت جہانگیری، وصف بادشاہی، تاج سلطانی، کلاہ سمنانی، سیاحت کے انداز، اور اشرفی لقب جہاں سے وراثت میں ملتے ہیں۔ خانوادۂ اشرفیہ کے ہر فرد کو لیتے چلے جایئے، حقیقت کی روشنی میں جب انکے فضائل وکمالات کا مطالعہ کرینگے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی جائیگی کہ یہ گھرانہ جہاں شیخ الاسلام نے آنکھ کھولی، بہت ہی غیر معمولی طور پر روحانی اور علمی اہمیت وافادیت کا حامل اور تصوف وطریقت اور

معرفت وحقیقت کا مرکز رہا ہے۔ آپکے والد ہوں یا دادا، آپکے نانا ہوں یا انکے والد بزرگوار، آپکی والدہ محترمہ ہوں یا دادی صاحبہ، سب آسمانِ اشرفیہ کے وہ چاند تارے ہیں جنکی چمک کبھی ماند نہ پڑیگی۔

خدائے علیم وخبیر جب اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے دین کی خدمت کیلئے کسی کو چن لیتا ہے، تو انکو مددگار ومعاون رفیق حیات بھی عطا فرماتا ہے۔ اللہ ﷻ کو محدث صاحب سے جب دین کی وہ خدمت لینا منظور ہوئی، جس میں وہ شروع سے لیکر حیات کے آخری لمحہ تک مصروف رہیں گے، تو انکو ایک ایسی رفیقہ ءحیات عطا فرمائی جائیں جو آپکی اولادِ امجاد کی اسطرح تربیت و پرورش فرماسکیں کہ جو اپنے والد کا مشن لیکر کامیابی سے آگے بڑھیں۔۔۔ اور پھر ایسا ہی ہوا۔۔ لہٰذا والدہ محترمہ کی آغوش میں حضور شیخ الاسلام کی تعلیم وتربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپکی والدہ محترمہ انتہائی جاہ وجلال اور فضل و کمال کی خاتون تھیں۔ شہزادگان کی تعلیم وتربیت اور نظم وضبط کی پاسداری میں مخدومہ سیدہ فاطمہ صاحبہ کا کلیدی رول رہا ہے۔ محدث صاحب تبلیغی سرگرمیوں کے تحت زیادہ وقت سفر میں یعنی گھر سے باہر رہتے مگر بچوں کی نگہداشت اور تربیت میں محترمہ مخدومہ صاحبہ نے کبھی کمی نہ آنے دی۔

یوں آغوشِ مادری سے ہوتے ہوئے آپ نے ابتدائی تعلیم جامعہ اشرفیہ، کچھوچھہ شریف میں پائی اور پھر چودہ سال کی عمر میں والد بزرگوار نے دارالعلوم اشرفیہ، مبارکپور میں داخل کروادیا۔ یہاں آپ نے درس نظامی کے علاوہ عربی، فارسی، اردو کی بیشمار کتابیں پڑھیں اور اپنے استاد حضرت حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پورا پورا اکتسابِ فیض کیا۔ اسکے علاوہ آپ نے اسلامی فلسفہ اور سائنس کا بھی گہرا مطالعہ جاری رکھا۔ اس سلسلہ میں جامع معقولات حضرت علامہ عبدالرؤف صاحب علیہ الرحمہ اور مفکر اسلام علامہ مظفرحسن ظفرادیبی صاحب علیہ الرحمہ آپکے استاد رہے۔

طالب علمی کے زمانے کا ہرلمحہ آپ نے گہرے مطالعے میں صرف کیا اور دوسرے معاملات سے کوئی خاص شغف نہیں رکھا۔ شعبان ورمضان کی چھٹیوں میں گھر آجانے کے باوجود آپکے مطالعہ میں کوئی کمی نہ آتی تھی۔ ماہِ رمضان میں حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی گھر میں موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انکی زیرنگرانی تحصیل علم ہی میں اپنا وقت گزارتے تھے۔

اس مقام پر قارئین کو بزرگوں کی دور اندیشی، دین اسلام کی خدمت کو جاری رکھنے کی خواہش اور حقیقت حال کے انکشاف کا ذکر کرتے ہوئے ہم ایک اہم بات یاد کرانی ضروری سمجھتے ہیں جو 'حیات محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ مولانا ذاکر حسین اشرفی' میں بحوالہ 'الخطبۃ الاشرفیہ' موجود ہے:

اعلیٰ حضرت اشرفی میاں نے فرمایا:'۔۔۔ میری اسی ۸۰ برس کی کمائی میں صرف 'دو' چیزیں' ہیں جنکی قیمت کا اندازہ اگر آپ میری نگاہ سے کرینگے تو ہفت اقلیم کی تاجداری ہیچ نظر آئیگی، یہ میری بڑی قیمتی کمائی ہے جس پر مجھ کو دنیا میں ناز ہے اور آخرت میں فخر ہوگا جسکو میں کبھی بھی اپنے سے جدا نہیں کر سکتا تھا لیکن آج اعلان حق کیلئے میں اپنی ساری کمائی نذر کر رہا ہوں۔ میرا اشارہ پہلے اپنے لخت جگر اور نور العین مولانا الحاج ابو المحمود سید احمد اشرف اشرفی جیلانی، پھر اپنے نواسہ وجگر پارہ مولانا الحاج ابو الحامد سید محمد محدث اشرفی جیلانی کی طرف ہے۔ ان دونوں کی ذات میری ضعیفی کا سرمایہ ہے۔ آج ان جگر کے ٹکڑوں کو نذر پیش کرتا ہوں کہ اعلانِ حق میں آخری ساعت تک سنت واہلسنت کی خدمت جو سپرد کی جائے اس میں میری تربیت وحقوق کا حق ادا کریں۔'

محدث اعظم ہند قدس سرہ نے خود بھی اس تربیت کا حق ادا کیا، اور اس کام کو مزید آگے بڑھانے کیلئے اپنے ہونے والے جانشین کو، کوہ ہمالیہ بنا کر کھڑا کر دیا اور وہ تمام آدابِ زندگی سکھا دیئے جنکی کل انکو 'لوح وقلم' کی خدمت میں ضرورت پیش آنے والی تھی۔ والد بزرگوار نے حضور شیخ الاسلام کو اپنی سنت پر عمل کرنیکا حکم دیتے ہوئے آپکے ماموں، نبیرۂ اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ حضرت سید مختار اشرف، اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ المعروف بہ سرکار کلاں سے بیعت کا حکم دیا۔ اس بیعت کی بشارت حضور شیخ الاسلام بھی خواب میں پا چکے تھے۔ حضور سرکار کلاں قدس سرہ نے آپکو خلافت سے بھی نوازا۔۔۔ پھر کیا تھا۔۔۔ زمانے نے تھوڑے ہی عرصے میں ان دو عظیم ہستیوں 'محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ اور سرکار کلاں علیہ الرحمہ' کا حسین سنگم حضور شیخ الاسلام کے پیکر میں ملاحظہ فرمالیا۔

ابھی آپکی طالب علمی ہی کا زمانہ تھا کہ ۱۶ رجب ۱۳۸۱ھ کو والد ماجد نے اس جہانِ فانی سے کوچ فرمالیا۔ اتنے بڑے سانحے کے باوجود صبر ورضا کے اس پیکر نے آغوشِ مادر میں ایک مرتبہ پھر پناہ لیتے ہوئے نہ صرف یہ کہ اپنے کو سنبھالا، بلکہ پورے خانوادۂ محدث اعظم ہند کی سرپرستی کو بخیر وخوبی انجام دیا۔ والد بزرگوار کے جہلم پر انکی جانشینی کا تاج زیب تن کرنے کے باوجود، آپ اپنی تعلیم کی تکمیل کیلئے جامعہ اشرفیہ مبارکپور رلوٹے اور جنوری ۱۹۶۳ء میں وہاں سے فراغت پر سند حاصل کی۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۶۴ء کو آپکا نکاح دوست پور، ضلع سلطان پور کے سید اختر حسین صاحب کی صاحبزادی مخدومہ سیدہ شمیمہ خاتون مدظلہا سے ہوا۔ آپکا نکاح آپکے ماموں جان وپیر ومرشد حضور سرکار کلاں قدس سرہ نے پڑھایا۔

اپنے والد بزرگوار کی طرح حضرت نے اپنی حیات کا ہر لمحہ دین اسلام کیلئے وقف کر دیا جسکی

پوری تفصیل بیان کرنے کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔۔۔جیسا کہ شہزادہ اور جانشین محدث اعظم ہند ہونے کی شان کے لائق تھا، آپ ایک ہی وقت میں منقولات و معقولات پر کامل دسترس رکھنے والے عالم، بین الاقوامی سطح کے خطیب اور تفقہ فی الدین میں منفرد، مسند رشد و ہدایت کی زینت اور معتبر ادیب و شاعر بھی ہیں۔ جب آپ نے تبلیغ اسلام و خدمت مسلک حقہ کی غرض سے دنیائے خطابت میں قدم رکھا تو فن خطابت کو چار چاند لگاتے ہوئے جلد ہی اپنے کو صف اول کے خطیبوں میں شمار کروالیا۔

خانقاہی ذمہ داریاں، انتظامات معمولات آستانۂ عالیہ، اندرون و بیرون ملک جس میں امریکہ، کینیڈا، برطانیہ، ہالینڈ، ساؤتھ افریقہ، وغیرہ ممالک شامل ہیں کے سفر کی سالانہ مصروفیات، مریدین و معتقدین کے ایک جم غفیر کی ظاہری و باطنی تربیت کے انتظامات اور خاص طور پر انڈیا اور برطانیہ میں قائم شدہ محدث اعظم مشن کی سرپرستی اور دیکھ بھال، یہ وہ مصروفیات ہیں کہ جنہیں تمام تر خوش اسلوبیوں کے ساتھ سرانجام دینا، آج کے دور میں ایک بہت ہی بڑی کرامت ہے جو فضل خداوندی بوسیلۂ حُبِّ مصطفیٰ ﷺ آپ کو حاصل ہے۔

تبلیغی مساعی میں خطابت اور سفر کی مصروفیات کے ساتھ ساتھ جب جب ضرورت پیش آئی اور موقع ملا، حضرت نے نوکِ قلم سے بھی دین متین اور مسلک حقہ کی خدمت کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور نہایت ہی محققانہ انداز میں معاملات کو سلجھا کر مسائل کا شرعی حل علماء امت اور عوام اہلسنّت کے سامنے پیش کیا۔۔۔چنانچہ غزالیٔ دوراں، حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ (بانیء مدرسہء انوار العلوم، ملتان، پاکستان) نے آپکی تصنیف، 'وڈیو اور ٹی وی کا شرعی استعمال' کے سلسلے میں آپ کو رئیس المحققین کے خطاب سے نوازا۔

۱۹۷۲ء میں آپ نے برطانیہ کا تبلیغی دورہ شروع کیا۔ برسہا برس کی انتھک محنت کے بعد، جسکا ذکر یہاں طوالت کا باعث ہوگا، آپ نے دین اسلام کے تعلق سے برطانیہ کے بے آب و گیاہ صحراء کو سنت و اہلسنّت کے ایک نخلستان میں تبدیل کردیا۔ جہاں سنیوں کی ایک مسجد اور مرکز بھی نہیں تھا اور وہابیت اور نہ جانے کیا کیا، لوگوں کے دلوں کی زمین کو بنجر بنانے میں لگی ہوئی تھی، وہاں آپ نے ہزاروں نہیں، لاکھوں کے دلوں کو پھر سے حضور ﷺ کی محبت کا گنجینہ بنادیا اور انکا رشتہء غلامی ہمیشہ کیلئے مضبوطی سے گنبد خضریٰ سے منسلک کردیا۔ آج سنی مراکز و مساجد جگہ جگہ بیشمار نظر آتے ہیں۔ انگلینڈ میں رہنے والے اور اس کاوش سے متاثر ہوکر یورپ کے دوسرے ملکوں کے مسلمان اور انکی نسلیں تادم

آخر حضور شیخ الاسلام کی مرہونِ منت رہیں گی۔۔۔ اسطرح آپ نے ہم شبیہ غوث الاعظم اعلیٰ حضرت اشرفی میاں قدس سرہ کی اس تربیت کا جو آپکے والد بزرگوار سے ہوتی ہوئی آپکے حصے میں آئی، کما حقہ حق ادا کر دیا۔ محدث اعظم مشن جسکی شاخیں انگلینڈ میں جا بجا ہیں، آپکی سرپرستی میں دین اسلام کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں جنکے ذریعے محدث صاحب کا فیضانِ نظر حضور شیخ الاسلام کی دوراندیش تربیت کے وسیلے سے آپکے مریدین و معتقدین تک پہنچتا رہیگا۔

امریکہ اور کینیڈا ایک وسیع و عریض براعظم پر مشتمل ہے جہاں کام کرنے کیلئے علیحدہ سے ایک عمر خضر درکار ہے۔ حضور شیخ الاسلام نے ۱۹۹۰ء سے یہاں کا دورہ شروع کیا اور بڑے بڑے شہروں میں جا کر اپنی خطابت کا لوہا منواتے ہوئے یہاں بھی سنیت کا گلشن آباد کرنے کیلئے تخم ریزی کر دی ہے اور اسی فیضانِ نظر سے جس سے آپکو خدمت لوح و قلم کا شعور ملا، ایسے خلفاء کو سیراب کر دیا ہے جو انشاء اللہ ایک دن یہاں ایک نئی دنیا بسا دینگے۔ گلوبل اسلامک مشن پر حضور شیخ الاسلام کے کرم کی تفصیل آپ عرضِ ناشر میں پہلے ہی ملاحظہ کر چکے ہیں۔۔۔ اس مضمون کا عنوان 'مختصر تذکرہ شیخ الاسلام' ہے ورنہ آپکے تعلق سے حقیقت کی روشنی میں دفتر پُر کئے جا سکتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ آپکی خطابت سے دل کو منور و مجلیٰ فرمانے کے ساتھ ساتھ آپکی کتابوں سے بھی اپنے ایمان و عقیدہ کو تقویت بخشے۔

وہ کون سی نگاہیں ہوتی ہیں جن سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔۔ وہ کون سا حسن ہوتا ہے جو ہمیشہ کیلئے آنکھوں میں سما جاتا ہے۔۔ وہ کون سا اخلاق ہوتا ہے جو دل میں ہمیشہ کیلئے گھر کر لیتا ہے۔۔ وہ کون سا کردار ہوتا ہے جو انسان کو ہمیشہ کیلئے اپنا گرویدہ بنا لیتا ہے۔۔ وہ کون سا رنگ ہوتا ہے جس میں ہر ایک اپنے کو رنگ لینے کی خواہش کرتا ہے۔۔ وہ کون سا کلام ہوتا ہے جو انسان سنتے ہی کلام والے پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔۔۔ وہ شان والا کون ہوتا ہے جسکی غلامی شاہی سے افضل ہوتی ہے۔۔۔ اور وہ کون سا چہرہ ہوتا ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آ جاتا ہے۔۔۔ ان سب سوالات کے جوابات حاصل کرنے کیلئے حضور شیخ الاسلام والمسلمین کی دست بوسی و قدم بوسی ضروری ہے۔ اللہ ﷻ ہماری عمریں بھی آپکے نصیب کر دے کہ بیکار چیزیں کسی کام آ جائیں۔۔۔ دعا ہے کہ اللہ رب العزۃ حضور شیخ الاسلام کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور تفسیر ھذا کی تکمیل کے راستے سے ہر مشکل کو دور فرما دے۔

﴿ آمین! بجاہ النبی الکریم ﷺ وآلہ واصحابہ اجمعین ﴾

محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

منظور ہے گذارش احوال واقعی

حَامِدًا وَّ مُصَلِّيًا وَّ مُسَلِّمًا

والد بزرگوار مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ العزیز نے اپنے ترجمہ قرآن الموسوم بہ معارف القرآن کی تکمیل کے بعد اس پر خود ہی تفسیری حاشیہ نگاری کا ارادہ فرمایا اور پھر حاشیہ نگاری میں بھی ایک جدید اسلوب کی طرح ڈالی اور اسطرح تین پارے مکمل فرمالئے۔ اس میں سے بھی ہمیں صرف ایک ہی پارہ مل سکا۔ باقی دو پارے کیا ہوئے؟ کہاں گئے؟ کس نے دبالیا؟ یہ خدا ہی بہتر جانے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کم از کم ایک پارہ کا تفسیری حاشیہ ہم کو حاصل ہو گیا۔ جس کو گلوبل اسلامک مشن، انک ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾ نے شائع کر کے ہمیشہ کیلئے محفوظ کر لیا۔

اس ایک پارہ ہی کا دیکھ لینے والا حاشیہ نگاری کے سلسلے میں حضور قبلہ گاہی قدس سرہ کی طرز تحریر اور اسلوب نگارش سے اچھی طرح واقف ہو جاتا ہے۔ پھر اسکی روشنی میں کوئی صاحب علم اس کام کو آگے بڑھا سکتا ہے اور پورے معارف القرآن کی اس نہج پر تفسیر مکمل کر سکتا ہے۔۔۔ہاں۔۔۔یہ ضرور ہے کہ یہ محنت کا کام ہے اور اس کیلئے کافی فرصت درکار ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔اپنی عدیم الفرصتی اور کثرت مشاغل کے باعث میں نے اس کام کو بحسن وخوبی انجام دے سکنے والے جن جن دوسرے مقتدر علماء کرام سے اس کام کی گزارش کی، تو سب نے اپنی عدیم الفرصتی کے سبب اس عرض کو قبول کرنے سے اپنی معذرت پیش فرمادی۔

میں نے اپنے برادر طریقت، عزیز القدر، محمد مسعود احمد، سہروردی، اشرفی سلمہ کو بھی ذمہ داری دی کہ آپ پاکستانی جلیل القدر علماء کرام میں سے کسی سے بھی یہ کام کرا سکیں تو ضرور کرائیں۔ مگر وہ تو میرے ہی پیچھے پڑ گئے اور مجھ جیسے عدیم الفرصت خانہ بدوش اور پرندوں کی زندگی گزارنے والے جو کبھی اس شاخ پر، کبھی دوسری شاخ پر اڑتا پھرنے سے اصرار کرنے لگے کہ یہ کام میں ہی شروع کروں اور اپنی بات میں زور پیدا کرنے کیلئے یہ بھی کہہ گئے کہ پاکستان کے بھی بہت سارے علماء

کرام کی خواہش ہے کہ یہ کام میں ہی انجام دوں۔انھوں نے صرف زبانی عرض ہی پر اکتفانہیں کیا، بلکہ اپنی اس بات کو 'تفسیر اشرفی' ﴿پہلا پارہ﴾ میں چھپوا بھی دیا۔

اب جو اسکو دیکھتا ہے تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ 'تفسیر کا کام کہاں تک ہوا؟' سب کو میں یہی جواب دیتا رہا کہ ابھی تو میں نے شروع بھی نہیں کیا۔آخر میں مجھے سوچنا پڑا کہ یہ جواب میں کب تک دیتا رہونگا، پھر میں نے اس کام کیلئے فضا بنانی شروع کردی۔۔۔چنانچہ۔۔۔میں نے اپنے طوفانی سفر کو کافی حد تک مختصر کردیا اور دھیرے دھیرے اور بھی مختصر کردینے کا موڈ بنالیا ہے۔۔۔فی الحال۔۔۔جلسہ و جلوس سے اپنے کو الگ کرلیا ہے۔اب سوچ لیا ہے کہ ادھر اُدھر کا خاموش اور صرف احباب سے ملنے ملانے والا دورہ بھی اس انداز سے کرنا ہے کہ اپنے تحریری کام میں رکاوٹ نہ ہو۔

یہ تو رہا گفتگو کا ایک رخ، جس سے میری عدیم الفرصتی اور پھر اس سے کسی نہ کسی حد تک چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کا اظہار ہوتا ہے۔۔۔مگر۔۔۔اسکا دوسرا رخ جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ میری علمی بے بضاعتی ہے۔مجھ جیسا ایک عوامی خطیب، جس کے مخاطبین میں علوم دینیہ سے بے بہرہ لوگوں کی کثرت ہوتی ہے، اس سے ان مدرسین اور مصنفین کا کام لینا 'پڑھنا پڑھانا، لکھنا لکھانا، جن کی فطرت ثانیہ بن گئی ہو اور جن کے شب و روز علوم و فنون پر مشتمل کتابوں کے مطالعہ میں گزر رہے ہوں' یقیناً ایک حیرتناک اور پوری نا ہوسکنے والی خواہش کے سوا کچھ نہیں۔

ایسی صورت میں احباب کے اصرار کے جواب میں میرے لئے صرف یہی گوشہ نکلتا ہے کہ میں بنام تفسیر اپنی طرف سے نئی تحقیقات و تاویلات کرنے سے گریز کروں اور صرف معتبر تفاسیر سے نقل اقوال پر اکتفاء کروں۔۔۔چنانچہ۔۔۔اس تفسیری حاشیہ نگاری میں میں نے مندرجہ ذیل باتوں کا لحاظ کر رکھا ہے۔

﴿۱﴾۔۔۔کہیں کہیں معتبر تفاسیر کا خلاصہ پیش کیا ہے اور کہیں کہیں اسکا پورا اقتباس من وعن نقل کردیا ہے۔۔۔الغرض۔۔۔اس میں جو کچھ ہے وہ کسی نہ کسی تفسیر سے ماخوذ ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔فقہی، کلامی اور فنی بحثوں کو نہیں چھیڑا۔اسلئے کہ بنیادی طور پر یہ کاوش ان کیلئے ہے جو ارباب فضیلت نہیں ہیں۔۔۔بلکہ۔۔۔متوسط درجے کی علمی صلاحیت رکھتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔بالکل ہی علم نہیں رکھتے۔

﴿۳﴾۔۔۔اختلافی احکام و مسائل میں حنفی فقہ کو سامنے رکھ کر وضاحت کی گئی ہے۔دلائل،

براہین سے حتی الامکان گریز کیا گیا ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔مقصد صرف قرآن کریم کی تفہیم ہے۔۔۔لہٰذا۔۔۔اس قدر اختصار نہیں کہ بات واضح نہ ہو سکے اور اس درجہ تفصیل نہیں کہ آیات کو سمجھنے کے تعلق سے جسکی ضرورت نہیں۔

۔۔۔الختصر۔۔۔میرا یہ تفسیری حاشیہ دراصل معتبر کتب تفاسیر کا میرا حاصل مطالعہ ہے، جسکے گہر ہائے آبدار کو میں نے مخدوم الملت قدس سرہ کے اسلوب نگارش کی پیروی کرتے ہوئے ترجمہ معارف القرآن کی لڑیوں میں پرو دیا ہے۔بس صرف یہ 'پرو دینے والا عمل' میرا ہے، باقی اس میں جو کچھ ہے وہ سب جلیل القدر مفسرین کی تحقیقات وارشادات ہیں۔

میں نے کتب تفاسیر میں سے جن جن سے استفادہ کیا ہے، اس میں سے کسی بھی کتاب کا حوالہ نہیں پیش کیا ہے۔ اسلئے کہ انکی تحقیقات پر مکمل اعتماد کر لینے کے بعد اور ان کو اپنے قلم سے پیش کر دینے کے بعد اب وہ خود، ہمارے اپنے مسلک کا حصہ ہو گئیں۔تو جو مجھ پر اعتماد کریں گے وہ بغیر حوالہ اسے قبول فرمالینگے اور جن کو اس تفسیری حاشیہ کی کسی بات پر اعتراض ہوگا، تو انکے اعتراض کا تیر براہ راست میرے سینے پر لگے گا اور وہ خود اکابرین سے نامزد کر کے بدگمان ہونے سے بچ جائینگے۔

اب میں اپنے تمام قارئین اور احباب و اکابرین سے گزارش کرونگا کہ وہ میری صحت و عافیت کیلئے دعا فرماتے رہیں تا کہ جو کام میں نے شروع کیا ہے وہ ہوتا رہے اور اسکی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ آئے۔۔۔نیز۔۔۔رب کریم جو کچھ میں کر چکا ہوں اسے قبول فرمائے اور میرے لئے توشۂ آخرت بنائے اور آگے باقی کام کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ﴿امین﴾

يَا مُجِيْبَ السَّائِلِيْنَ بِحَقِّ طٰه وَ يٰس بِحَقِّ نٓ وصٓ وَ بِحُرْمَتِ حَبِيْبِكَ وَنَبِيِّكَ سَيِّدِنَاوَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وِآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

فقط

فقیر اشرفی وگدائے جیلانی

ابوالحمزہ محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ

جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ

قرآن پاک کی سب سے پہلی سورہ، جس کا نزول مکہ معظمہ میں ہوا، اور کہا جاتا ہے کہ مدینہ منورہ میں بھی ہوا۔ اس میں سات آیتیں، ستائیس کلمے اور ایک سو چالیس حروف ہیں۔ جس کی کوئی آیت نہ ناسخ ہے نہ منسوخ۔

اس کا نام سورۂ فاتحہ ہے۔۔۔ کہ ایک روایت میں وحی کا سلسلہ اسی سے شروع ہوا ہے۔

دوسرا نام: فاتحۃ الکتاب ہے۔۔۔ کیونکہ قرآن کریم اسی سے شروع کیا گیا ہے۔

تیسرا نام: ام القرآن ہے۔۔۔ کیونکہ سارے قرآن کے مضامین کی بنیاد اس میں لکھی گئی ہے۔

چوتھا نام: سورۂ کنز ہے۔۔۔ کیونکہ سارے قرآن کی دولت کا خزانہ یہی ہے۔

پانچواں نام: سورۂ کافیہ ہے۔۔۔ یعنی نماز میں دوسری سورتوں کے بدلے میں اس کو پڑھنا کافی ہے، لیکن اسکے بدلے میں کسی سورہ کو نہیں پڑھا جاسکتا۔

چھٹا نام: سورۂ وافیہ ہے۔۔۔ کہ جب یہ سورہ نماز میں پڑھی جائے گی تو پوری پڑھی جائے گی، صرف دو تین آیتوں پر اکتفا نہ کیا جائے گا۔

ساتواں نام: سورۂ شافیہ ہے۔۔۔ کہ اس کو پڑھ کر دم کرنے سے بیماریاں دور ہوتی ہیں۔

آٹھواں نام: سورۂ شفا ہے۔۔۔ وجہ یہ ہے کہ اس سے شفا ملتی ہے۔

نواں نام: سبع مثانی ہے۔۔۔ کیونکہ سات آیتیں ہیں اور نماز کی ہر رکعت میں انکی تکرار ہوتی رہتی

ہے۔دسواں نام:سورۂ نور ہے۔۔۔کہ اس کے سارے مضامین نور ہی نور ہیں۔
گیارھواں نام:سورۂ رقیہ ہے۔۔۔کیونکہ زہر کے اتارنے میں یہ سورۂ کریمہ منتر کا کام کرتی ہے۔
بارھواں نام:سورۂ حمد ہے۔۔۔کیونکہ اسکی ابتداء حمدِ الٰہی سے ہے۔
تیرھواں نام:سورۂ دعا ہے۔۔۔کیونکہ اس میں بہترین دعاء سکھائی گئی ہے۔
چودھواں نام:سورۂ تعلیم المسئلہ ہے۔۔۔کیونکہ بے شمار مسائل عقائد و اعمال کے اس میں موجود ہیں۔اور تمامی مسائل کی اس میں بنیاد رکھی گئی ہے۔
پندرھواں نام:سورۂ مناجات ہے۔۔۔کیونکہ اس سورہ کریمہ کا سارا مضمون بندے کی اپنے رب سے مناجات ہے۔
سولھواں نام:سورۂ تفویض ہے۔۔۔کیونکہ اس سورۂ کریمہ میں بندہ اپنے آپ کو بالکل اپنے رب کے سپرد کردیتا ہے۔
سترھواں نام:سورۂ سوال ہے۔۔۔کیونکہ بندہ اس سورۂ شریفہ کی تلاوت کے وقت پوراسائل ہوجاتا ہے۔
اٹھارھواں نام:ام الکتاب ہے۔۔۔کیونکہ ہر آسمانی کتابوں کا جوہر اس میں ہے۔
انیسواں نام: فاتحۃ القرآن ہے۔۔۔کیونکہ قرآن کی ابتداء اسی سے ہے۔یہ نام اوردوسرانام فاتحۃ الکتاب ایک ہی وجہ سے ہے۔
بیسواں نام:سورۃ صلواۃ ہے۔۔۔کیونکہ نماز اس کے بغیر نہیں ہوتی ہے۔

آیاتھا ۷ ۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ رکوعھا ۱

آیات سات ۔ نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا ۔ رکوع ۱

اپنی نامور سورۂ شریفہ کو یا یوں کہئے کہ قرآنِ پاک کی تلاوت کو، میں شروع کرتا ہوں (نام سے اللہ کے) جو بہت (بڑا مہربان) اپنے سب بندوں پر ہے۔اور مسلمانوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔اس نے اپنے کرم سے ہم کو یہ سکھلایا اور سورۂ کریمہ کو یوں شروع فرمایا کہ کہا کرو کہ:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۝۱

ساری حمد اللہ ہی کیلئے پروردگار سارے جہانوں کا •

(ساری) خوبیاں، اچھائیاں، برتریاں، (حمد) صرف مخصوص (اللہ ہی کیلئے) ہے۔خواہ وہ میری حمد ہو یا دوسروں کی، گناہ گاروں کی ہو یا نیکوکاروں کی، اولیاء کی ہو یا انبیاء کی، یا پیکر حمد سید الانبیاء کی۔وہ اللہ جو پالنے والا اور (پروردگار) اس جہاں کا، اُس جہاں کا، غرض (سارے جہانوں کا) ہے۔

الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝۲

بڑا مہربان بخشنے والا •

اور اپنے سب بندوں پر (بڑا مہربان) ہے اور مومن ہو یا کافر، سب پر مہربانی فرماتا ہے اور قیامت کے دن مسلمانوں میں گناہ گاروں کو وہی (بخشنے والا) ہے۔

مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ۝۳

مالک روز جزا کا •

وہی ہے جو قیامت کے دن سب کو دکھائی پڑے گا کہ وہی اور صرف وہی (مالک روز جزا کا) ہے اور کوئی اس دن ملکیت کا دعویدار نہیں ہے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝٤

تجھی کو ہم پوجیں اور تیری ہی مدد چاہیں •

آ ؤ! اس سے کہیں، اے میرے اللہ، اے میرے پروردگار، اے میرے مہربان، اے میرے بخشنے والے، اے میرے مالک، ہم اقرار کرتے ہیں کہ (تجھی کو ہم پوجیں) یہ ہے ہمارا وہ عقیدۂ توحید جس کو ہم نے کلمہ توحید سے پایا اور مانا۔ اور اسکے خلاف کو شرک جانتے ہیں۔ [redacted] کو ہم پوجیں۔ توحید [redacted] یااللہ! ہمارا بھروسہ تجھ ہی پر ہے (اور تیری ہی مدد چاہیں) یہ ہمارا وہ توکل ہے جو تو نے اپنے کرم سے عطا فرمایا۔ [redacted] ہمیں صاف نظر آتا ہے [redacted]

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝٥

چلا ہم کو راستہ سیدھا •

یااللہ! ہمارا چلنا کیا اور ہم چل ہی کیا سکتے ہیں [redacted]

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝

راستہ اُن کا کہ انعام فرمایا تو نے جن پر •

وہ (راستہ انکا) راستہ ہے جو آج نیا نہیں ہے۔ اس پر چلنے والے چلا کیے۔ اور ایسا سیدھا ہے، کہ وہ تجھ تک پہنچے اور ایسا پہنچے (کہ انعام فرمایا تو نے جن) کے خدارسیدہ ہونے (پر) اور [redacted]

غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ ع

نہ اُن کا کہ غضب فرمایا گیا جن پر اور نہ گمراہوں کا●

(نہ ان) یہودیوں اور یہود منشوں (کا) راستہ (کہ) قتل ناحق، توہینِ انبیاء اور ظلم کی وجہ سے (غضب فرمایا گیا جن پر) (اور نہ) عیسائیوں اور عیسائیت نواز، اللہ کو چھوڑ دینے والے (گمراہوں کا) اور تیرے غضب فرمانے اور گمراہ قرار دینے سے ہی، ہم نے جانا کہ یہ راستہ برا ہے۔

[redacted]

۲۸۶ آیاتہا | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | ۴۰ رکوعاتہا

آیات ۲۸۶ | نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا | رکوع ۴۰

قرآنِ کریم کی اس سورہ کو جو مدینہ طیبہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی، سوا اتَّقُوْا یَوْمًا سے تُرْجَعُوْنَ تک کہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ معظمہ میں نازل ہوئی، اس میں (۲۸۶) دوسو چھیاسی آیتیں، (۴۰) چالیس رکوع، (۶۱۲۱) چھ ہزار ایک سو اکیس کلمے، (۲۵۵۰۰) پچیس ہزار پانچ سو حروف ہیں۔ اس میں ہزار کاموں کا حکم ہے، ہزار باتوں سے روکا گیا ہے، ہزار حکمتیں سکھائی گئی ہیں اور ہزار خبریں دی گئی ہیں، جسکے پڑھنے میں بڑی برکت ہے، شیطان اس سے بھاگتا ہے، اسکے پڑھنے سے قرآن ہمیشہ یاد رہتا ہے، جسکی آیتیں قبر کے سرھانے اور پائینتی پڑھنے کا حکم ہے۔ اور زمانہ حجاج ابن یوسف میں دوسری سورتوں کے ساتھ اس کا بھی نام رکھا گیا اور اس کو سورۂ بقرہ کہا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں گائے کا ایک ایسا اہم واقعہ موجود ہے جو دوسری سورتوں میں نہیں ہے۔ ایسی مبارک سورہ کی تلاوت کی جاتی ہے (نام سے اللہ کے) جو بہت (بڑا مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کو (بخشنے والا) ہے۔

الٓمّٓ ۝۱

ال م ●

جسکی ابتدا یوں ہے کہ عربی زبان میں حروف ہجا میں سے (ال م) بھی ہے۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

وہ کتاب کہ کسی قسم کا شک نہیں جس میں، ہدایت ہے ڈر جانے والوں کیلئے ●

اور رسول کریم ﷺ سے جو وعدہ فرمایا گیا تھا، کہ تمہیں ایک انمٹ کتاب دوں گا اور بنی اسرائیل سے بھی یہ وعدہ ہو چکا تھا جس کے وہ منتظر تھے، اور مدینہ طیبہ میں بہت آباد تھے۔ بس (وہ) شاندار (کتاب) یہی قرآنِ کریم ہے اور یہی ایک ایسی کتاب ہے (کہ) جسکے کلامِ الٰہی ہونے میں، تحریف سے پاک ہونے میں، تبدیل سے مبرا ہونے میں، حد اعجاز تک پہنچنے میں، معجزہ ہونے میں (کسی قسم

کا شک نہیں) شک کا کوئی جنس اس میں نہیں پایا جاتا۔ جو اس میں کسی قسم کا شک رکھتا ہے، تو یہ شک رکھنے والے کا جرم ہے۔ یہی کتاب ہے (جس میں) شک کی کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ فرمانِ ہدایت ہے، بلکہ خودسراپا (ہدایت ہے) ہر اللہ سے (ڈر جانے والے کیلئے) خواہ وہ آج موجود ہوں یا آئندہ ڈر جانے والے ہوں۔

اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَیُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ

جو مان جائیں بے دیکھے اور ادا کرتے رہیں نماز کو

وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ﴿۳﴾

اور اس سے جو دے رکھا ہے ہم نے، خرچ کریں ●

انکی پہچان یہ ہے کہ (جو مان جائیں) اللہ کو، فرشتوں کو، جنت و جہنم کو، آسمانی کتابوں کو، تمام اللہ کے رسولوں کو، قیامت کے دن کو، حشر کو نشر کو، ثواب وعذاب کو (بے دیکھے) [redacted] لیکن ایمان ہی پر اکتفا نہ کریں بلکہ نیک کام بھی کریں (اور ادا کرتے رہیں نماز کو) (اور) صرف جسمانی عبادت ہی کافی نہ سمجھیں، بلکہ (اس) مال (سے جو دے رکھا ہے ہم نے) جس کو ہم نہ دیتے تو وہ کسی تدبیر سے نہ پاتے، ہماری راہ میں (خرچ کریں) زکوٰۃ دیں، صدقہ دیں۔

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۚ

اور جو مان جائیں جو کچھ اتارا گیا تمہاری طرف اور جو کچھ اتارا گیا تمہارے پہلے۔

وَبِالۡاٰخِرَةِ هُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ﴿۴﴾

اور آخرت پر وہی یقین بھی رکھیں ●

(اور جو) اسے بھی (مان جائیں جو کچھ اتارا گیا تمہاری طرف) اے میرے رسول! یعنی قرآن شریف کے کسی نقطے سے [redacted] نہیں انکار نہ ہو (اور) اُسے بھی مان لیں (جو کچھ اتارا گیا تمہارے پہلے) کہ وہ سب اللہ کا نازل کردہ ہے۔ گو اس میں تحریف کر دی گئی ہے، اور

قرآنِ کریم انکا ناسخ ہوگیا ہے (اور) ان میں یہ خصوصیت بھی ہو کہ (آخرت پر) کہ قیامت ہوگی، حساب وکتاب ہوگا، ثواب وعذاب ہوگا، اور اسکی ساری تفصیلات پر (وہی یقین بھی رکھیں)۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾

وہ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے، اور وہی کامیاب ہیں •

(وہ) ہی (ہیں) جو (ہدایت پر) ہیں۔ اور یہ دولت انہیں کا حصہ ہے (اپنے پروردگار کی طرف سے) اور ان پر خدا کا یہ فضل ہے کہ (وہی کامیاب ہیں) نجات پائے ہوئے ہیں اور بامراد ہیں۔ یہ ساری خوبیاں عبداللہ ابن سلام اور انکے اصحاب ہی میں نہیں، بلکہ تمام اصحابِ رسول ﷺ میں پائی جاتی ہیں۔ اور یہی اہل جماعت کا دین ومذہب ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾

بیشک جنھوں نے جنم کا کفر کمایا یکساں ہے ان پر، کیا ڈرایا تم نے انہیں یا نہ ڈرایا انہیں، وہ ماننے والے ہی نہیں •

(بیشک) مدینہ کے یہودیوں میں سے کعب ابن اشرف اور یحییٰ ابن اخطب، وجدی ابن اخطب وغیرہ اور مکہ کے بت پرستوں میں سے عتبہ وشیبہ وولید وغیرہ، غرض (جنھوں نے) بھی (جنم کا کفر کمایا) کہ کافر ہی جئیں اور کافر ہی مریں (یکساں ہے ان پر) کوئی حالت ہو (کیا ڈرایا تم نے انہیں یا نہ ڈرایا انہیں) خواہ اللہ کا ڈر انہیں سناؤ، خواہ نہ سناؤ، تمہیں تو تبلیغ کا ثواب ملا، لیکن وہ نفع پانے سے محروم ہی رہے۔ کہ (وہ ماننے والے ہی نہیں) ماننے کی اہلیت وہ کھو چکے ہیں اور سچائی قبول کرنے کی صلاحیت برباد کر چکے ہیں۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ

مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر، اور ان کی آنکھوں پر گہرا پردہ ہے،

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾ ع

اور انہیں کیلئے عذاب ہے بہت بڑا •

ان کو سمجھ لو کہ (مہر لگادی اللہ نے اُن کے دلوں پر) کہ دل قبولِ حق سے محروم ہوگیا ہے (اور

اُنکی سماعت پر) کہ آوازِ حق سننے سے بہرے بن گئے ہیں (اور اُن کی آنکھوں پر گہرا پردہ ہے) اندھوں کو حق سوجھائی نہیں پڑتا (اور انہی) جیسوں (کیلئے) خدا کا (عذاب ہے) وہ بھی معمولی عذاب نہیں، بلکہ (بہت بڑا) جسکی سختی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

اور عامیوں میں سے کوئی کوئی کہتا ہے کہ "مان چکے ہم لوگ اللہ کو اور پچھلے دن کو" حالانکہ نہیں ہیں وہ ماننے والوں سے ●

(اور) جاہلوں (عامیوں میں سے) جو سوجھ بوجھ نہیں رکھتے (کوئی کوئی) مثلاً عبداللہ ابن ابی اور جد بن قیس اور معتب ابن قشیر وغیرہ بکتا رہتا ہے، اور یہ زبان سے (کہتا ہے کہ مان) تو (چکے ہم لوگ اللہ کو) اس پر ایمان لے آئے (اور پچھلے دن کو) قیامت پر بھی ایمان لا چکے (حالانکہ) سچ یہ ہے کہ (نہیں ہیں وہ ماننے والوں سے) [redacted]

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور مسلمانوں کو۔ اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنے آپ کو، اور محسوس نہیں کرتے ●

وہ تو بس (دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ کو) اور سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے رسول پاک کو دھوکا دیدیا، تو بس، اللہ کو دھوکا دیا (اور مسلمانوں کو) صدیق اکبر، فاروق اعظم و دیگر صحابہ کو (اور) واقعہ یہ ہے کہ وہ (نہیں دھوکا دیتے مگر اپنے آپ کو) اپنے فریب میں خود ہی پھنستے ہیں (اور) پلے سرے کے احمق ہیں کہ وہ اسکو (محسوس) ہی (نہیں کرتے) کہ اللہ 'عالم الغیب والشہادۃ' ہے، اس سے انکی دل کی باتیں کیسے چھپ سکتی ہیں۔ اپنے پیغمبروں کو اس نے انکے دلوں کے خطرے سے آگاہ کر رکھا ہے، تو انہیں بھی کیا دھوکا ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کو انکے رسول ﷺ نے انکا سارا حال بتادیا ہے۔ تو جب وہ کچھ چھپا دھکا رکھتے نہیں، تو دھوکا کس کو دیں گے۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝

انکے دلوں میں بیماری ہے تو بڑھا دیا انکو اللہ نے بیماری میں۔ اور انہیں کیلئے عذاب ہے دکھ والا، کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ●

بات یہ ہے کہ (انکے دلوں میں) کفرونفاق کی (بیماری ہے) جنم سے، (توبڑھنے دیا انھیں اللہ نے) انکے جی بھر (بیماری میں) کہ بیمار رہنا ہی چاہتے ہیں، تو خوب بیمار رہیں (اورانہیں) جیسوں (کیلئے) خدا کا (عذاب ہے)۔ کیسا؟ کہ (دکھ والا) دردناک، یہ سزا بالکل ٹھیک ہے، کیوں (کہ وہ جھوٹ بولتے) رہتے (تھے) اور بالکل غلط اپنے کو مسلمان کہتے تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جب بھی کہا گیا ان کے بھلے کو کہ نہ فساد ڈالو زمین میں، بولے کہ "ہمیں تو درستی کرنے والے ہیں" •

(اور جب بھی کہا گیا) یہودیوں وغیرہ سے (ان) ہی (کے بھلے کو) کہ امن وامان سے رہیں (کہ نہ فساد ڈالو) اپنی (زمین میں) اور آبادی میں۔ تو جواب میں (بولے کہ ہمیں تو) امن کے حامی اور لیڈر اور وطن کی (درستی کرنے والے ہیں)۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

سن لو کہ بیشک! وہی فسادی ہیں، لیکن وہ محسوس نہیں کرتے •

خبردار، (سن لو کہ بیشک وہی) اور صرف وہی (فسادی ہیں) گڑبڑ مچاتے رہتے ہیں (لیکن وہ محسوس نہیں کرتے) سوجھ بوجھ بالکل نہیں رکھتے۔ جانور کیا، پتھر کی طرح بے حس محض ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ

اور جب بھی کہا گیا انکے بھلے کو کہ "مان جاؤ جیسا مان چکے سب لوگ" بولے "کیا ہم مانیں جیسا کہ مانا ہے بیوقوفوں نے؟"

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

سن رکھو! کہ بلاشبہ وہی بیوقوف ہیں، لیکن نادانی کرتے ہیں •

(اور جب بھی کہا گیا) اور سمجھایا گیا (انکے بھلے کو) کہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں (کہ) اب تم بھی (مان جاؤ) ایمان قبول کرلو (جیسا مان چکے) عبداللہ ابن سلام اور انکے ساتھی (سب لوگ) تو جواب میں (بولے) کہ (کیا ہم مانیں) ایمان لے آئیں اسی طرح، (جیسا کہ مانا ہے) ان سب (بیوقوفوں نے) عقل وعلم والوں کو بیوقوف قرار دے رہے ہیں۔ کان کھول کر

(سن رکھو کہ بلاشبہ وہی) اور ہاں وہی (بیوقوف) واحمق (ہیں، لیکن) وہ خود ہی (نادانی کرتے ہیں) اور اپنی جہالت دکھاتے ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ

اور جب ملے مسلمانوں کو، بولے "ہم ایمان لاچکے" اور جب اکیلے ہوئے اپنے شیطانوں کے پاس،

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝

کہنے لگے کہ "بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں بس ہم تو ہنسی مذاق کرنے والے ہیں"●

(اور جب) کعب ابن اشرف، ابو بردہ اسلمی، ابن السواد شامی، عبدالدار جہمی اور عوف ابن عامری وغیرہ منافقین (ملے) صدیق اکبر، فاروق اعظم، علی مرتضیٰ وغیرہ (مسلمانوں کو) اور کہنے لگے کہ اخاہ! آپ تو صدیق ہیں، پیغمبر اسلام کے یار غار، بڑی شان والے ہیں۔ کیا کہنا ہے عمر کا، فاروق ہیں، کفر و کفار سے بیزار ہیں۔ اللہ اللہ علی شیر خدا ہیں، حیدر کرار ہیں۔ اور علی مرتضیٰ کے کہنے پر کہ تم بھی واقعی مسلمان ہو جاؤ (بولے ہم) تو سچائی کے ساتھ (ایمان لاچکے) ہمارے اور آپ کے ایمان میں کوئی فرق نہیں (اور جب) وہی منافقین (اکیلے ہوئے) اور تنہائی میں (اپنے شیطانوں) شریر سرداروں (کے پاس) پہونچے تو (کہنے لگے کہ) ہماری ان باتوں سے تم اثر نہ لو، تم خوب جانتے ہو کہ (بیشک ہم تمہارے) ہی (ساتھ ہیں) اور ہمیشہ کے ساتھی ہیں۔ تم کو ہماری مذاق کی عادت معلوم ہے۔ مسلمانوں میں جو باتیں ہوئیں اس میں (بس ہم تو) ان سے اپنی عادت کے موافق (ہنسی مذاق کرنے والے ہیں) اور جو کچھ کہا مذاق میں کہا۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہنسی مذاق کر کے مسلمانوں کو ذلیل کر رہے ہیں۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

اللہ خود ذلیل کرتا ہے انھیں اور ڈھیل دیتا ہے انھیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ●

حالانکہ (اللہ خود ذلیل کرتا ہے انہیں) کہ دنیا میں مسخرے کہلائیں اور آخرت میں مسلمانوں کی جنت دیکھ دیکھ کر ذلیل ہوں (اور) اللہ ہنسی مذاق نہیں کرنے دیتا، بلکہ (ڈھیل دیتا ہے انہیں کہ اپنی) بدزبانی، بکواس بہانہ بازی (سرکشی میں بھٹکتے رہیں) اور اپنی ذلت کا سامان زیادہ سے زیادہ جمع کرتے رہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ

یہ وہ ہیں جنھوں نے خرید اگمراہی کو ہدایت کے بدلے، تو نہ فائدہ دیا اُن کی تجارت نے

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝١٦

اور نہ تھے وہ اس راہ سے آگاہ ●

(یہ) سارے کافر (وہ ہیں جنھوں نے خریدا) کفراور (گمراہی کو، ہدایت کے بدلے) اللہ نے جو ہدایت فرمائی اس کو دے ڈالا اور جس کو گمراہی بتایا اسے خرید لیا (تو) اس کا انجام یہ ہوا کہ (نہ فائدہ دیا ان کی تجارت نے) اور بالکل خسارے میں پڑ گئے (اور) خسارہ کی وجہ ظاہر ہے کہ (نہ تھے وہ اس) تجارتی (راہ سے آگاہ) نہ ان کو یہی معلوم تھا، کہ ہدایت کتنی قیمتی چیز ہے اور نہ اس کا اندازہ تھا، کہ گمراہی میں کتنے عیب ہیں۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ

اُنکی مثال جیسے اُسکی مثال، جس نے روشن کی آگ، تو جب خوب روشن کر دیا اُسکے سب گرد و پیش کو، چھین لیا اللہ نے اُنکی روشنی کو

وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝١٧

اور چھوڑ دیا انھیں اندھیریوں میں کہ انھیں کچھ نہ سوجھے ●

(ان کی مثال جیسے) بالکل (اس) شخص (کی مثال) ہے (جس نے) اندھیرا مٹانے کیلئے (روشن کی آگ) کہ اسکی روشنی میں چلے (تو) اس روشنی نے (جب خوب روشن کر دیا) اور اچھی طرح چمکا دیا (اس کے سب گرد و پیش کو) ہر طرف روشنی ہی روشنی پھیل گئی، جس طرح کہ اسلام نے اپنے نور سے سارے عالم کو منور فرما دیا، کہ اچانک (چھین لیا) اور ضبط کر لیا (اللہ نے ان کی روشنی کو) (اور) ہر طرف سیاہی دوڑ گئی اور اندھیرا چھا گیا، تو (چھوڑ دیا انھیں) اللہ تعالیٰ نے اسی (اندھیریوں میں) تا (کہ انہیں) راستہ (کچھ) بھی (نہ سوجھے) فتح اسلام پر کچھ رائے ہو اور عارضی شکست پر کچھ رائے، حق بات پر جمے رہنا نہ بھائے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝١٨

بہرے، گونگے، اندھے، تو وہ نہیں ہیں باز آنے والے ●

ان کے کان ہیں، لیکن جب پیغام حق سننے کا حق ادا نہیں کرتے، تو (بہرے) ہیں۔ حق کا سچا اقرار نہیں کرتے، تو (گونگے) ہیں۔ حق کو دیکھ نہیں سکتے، تو (اندھے) ہیں (تو وہ) سچائی کی طرف آنے کی استعداد کھو چکے ہیں اور کبھی بھی اپنی گمراہیوں سے (نہیں ہیں باز آنے والے)۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ

یا جیسے بارش ہو آسمان سے، جس میں تاریکیاں ہیں اور کڑک ہے اور چمک ہے، ٹھونسے لیتے ہیں اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں

مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ⑲

کڑکے سے موت سے بچنے کو، اور اللہ گھیرے میں لیے ہوئے ہے کافروں کو●

(یا) اسے یاد کرو! کہ دو شخص مدینہ طیبہ سے مرتد ہو کر مکہ مکرمہ بھاگے اور راستے میں بارش، بجلی، کڑک اور تاریکی میں پھنس گئے۔ اور لوٹ کر اپنی پریشانیاں بیان کیں۔ کہ کان میں انگلیوں کی ڈاٹ لگانے پر بھی پناہ نہ ملتی تھی۔ اور ہم اگر اپنے کفر پر رہتے تو موت سے چھٹکارا نہ ملتا اور اسی حال میں مرجاتے۔ بس یہود، منافقین اور کفار کی یہی مثال ہے، کہ (جیسے بارش ہو آسمان سے) جیسے اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی بارشِ رحمت ہے (جس میں تاریکیاں ہیں) جس کو کفر و ضلالت کی تفصیل سمجھو (اور کڑک ہے) حق میں ہیبت ہوتی ہے (اور چمک ہے) کہ ہدایت کی راہ روشن ہوتی ہے۔

اب جو کفار اس میں پھنسے، تو انکا یہ حال ہے کہ (ٹھونسے لیتے ہیں اپنی انگلیوں کو) ڈاٹ لگانے کیلئے (اپنے کانوں میں) بار بار کے (کڑکے سے) ہیبت اسلام اور شوکت دین کی برداشت نہیں کر سکتے۔ اس میں انھیں اپنی موت نظر آتی ہے۔ اسی لئے وہ بدحواسی کی حرکت کرتے ہیں (موت سے بچنے کو) ڈر لگا ہے، کہ کہیں مر نہ جائیں (اور اللہ) اپنے (گھیرے میں لئے ہوئے ہے) اور اس طرح سے (کافروں کو) گھیرے ہے کہ انکے نکل بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا

بجلی چھینے لیتی ہے اُنکی آنکھوں کو، جب تیز روشنی ڈالی اُن کیلئے چل پڑے اُس میں، اور جب اندھیرا ڈالا اُن پر کھڑے رہ گئے،

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑳ ع

اور اگر چاہتا اللہ جھپٹ چھین لیتا اُنکی سماعت اور اُنکی آنکھیں۔ بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

وہ اس حال میں ہیں کہ (بجلی چھینے لیتی ہے ان کی آنکھوں کو) چکاچوند سے آنکھیں اندھی ہوئی جارہی ہیں (جب) بجلی کوندی اور (تیز روشنی ڈالی، اُن) کے دکھائی پڑنے (کیلئے) تو وہ قدم (چل پڑے اس) کی روشنی (میں اور جب) کوند جاتی رہی اور بجلی نے بجھ کر (اندھیرا ڈالا) اور تاریکی چھا گئی (ان پر) تو کھڑے کے (کھڑے رہ گئے) (اور) یقیناً انکی بے ایمانیاں اور بداعمالیاں انکی

مستحق تھیں، کہ (اگر) ان کو سزا دینے کیلئے (چاہتا اللہ) تو (یقینا چھین لیتا) اور ختم کر دیتا سخت کڑکوں سے (ان کی سماعت) کو، تو وہ بہرے ہو جاتے (اور) بجلیاں کوندا کر (اُن کی آنکھیں) تو وہ اندھے ہو جاتے۔ کیونکہ اللہ کے چاہنے پر کونسی روک ہو سکتی ہے۔ جبکہ [redacted] پچھ وہ چاہے [illegible] [redacted] بے اُسکے چاہے، کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور اسکے چاہنے پر سب کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ [illegible] وغیرہ کا عیب ہو، تو ایسا ہونا محال ہے۔ [illegible] وہ چاہتا ہے کہ یکتا رہے، ہر عیب سے پاک رہے، تو ایسا ہونا ضروری ہے۔

يَآيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

اے لوگو، پوجو اپنے پروردگار کو جس نے پیدا فرمایا تمہیں اور اُنھیں جو تمہارے پہلے ہوئے، کہ امید رکھ سکو کہ ڈرنے لگو گے●

(اے) مومن و کافر سب (لوگو پوجو) اور صرف (اپنے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کو) پوجو، کہ اسکے سوا کوئی الٰہ و معبود نہیں ہے۔ نہ ہو سکتا ہے۔ معبودیت کا اعتقاد رکھ کر، اُس کا قرب چاہنے کیلئے جو کرو، وہی تمہاری پوجا ہے۔ تم اپنے پالنے والے اللہ کے احسانات تو دیکھو، کہ وہی ہے (جس نے پیدا فرمایا تمہیں) (اور) صرف تمہیں کو نہیں بلکہ (اُنھیں) بھی (جو تمہارے پہلے) ساری کائنات میں پیدا (ہوئے) ہیں۔ اس عبادت کی بدولت، تم اس قابل ہو گے (کہ امید رکھ سکو، کہ ڈرنے لگو گے) اور خدا کا خوف تمہارے دل میں پیدا ہو جائے گا۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش اور آسمان کو قبہ، اور اتارا آسمان سے پانی کو،

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

پھر نکالا اس سے کئی پھل غذا تمہارے لیے، تو نہ بناؤ اللہ کیلئے مد مقابل جب کہ تم خوب جان رہے ہو●

یہ تمہارا پروردگار ہی ہے (جس نے بنایا) اپنے لئے نہیں، اُسے کیا ضرورت ہے؟ بلکہ (تمہارے لئے) اپنے کرم سے (زمین کو فرش) کہ ساری زمین تمہاری آنکھوں کے سامنے بچھی ہوئی ہے (اور آسمان کو قبہ) بے ستون کا گنبد (اور) پھر کرم پر کرم ہے، کہ (اُتارا) برسایا بادلوں کو بنا کر

(آسمان) کی طرف (سے پانی کو) اور اتنا ہی نہیں بلکہ (پھر نکالا) پیدا فرمایا (اُس) بارش (سے کئی) طرح طرح کے مختلف (پھل) تاکہ کھانا اور (غذا) مہیا فرمادے (تمہارے لئے) (تو) دانائی سے کام لو۔ اور ہرگز (نہ بناؤ) اپنی من گڑھت سے (اللہ کیلئے) کوئی بھی (مدِ مقابل) برابری والا (جب کہ تم) خود بھی اچھی طرح سے (خوب جان رہے ہو) کہ خالق کی برابری کا کوئی مخلوق ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جس کو تم برابر والا بنائے ہو، سب اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوق ہیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

اور اگر ہو تم کسی شک میں اس سے جو اتارا ہم نے اپنے خاص بندہ پر، تو لے آؤ ایک ہی سورت اس کی طرح،

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

اور دہائی دو اپنے ساختہ مددگاروں کی، اللہ کو چھوڑ کر، اگر تم ہو سچے ●

(اور اگر ہو تم) اے منکرو! کسی قسم کے (کسی شک میں اُس) قرآن کی طرف (سے) (جو اتارا) ہے (ہم نے اپنے خاص بندہ) محمد، رسول اللہ ﷺ (پر) جو اپنے بندہ ہونے میں بے مثل [illegible] (تو) پھر سامنے آؤ، اور ذرا (لے) تو (آؤ) پورا قرآن نہیں، بلکہ بس (ایک ہی سورت) فصاحت و بلاغت، حکمت و روحانیت، تقدیس رفعت، غیب کی خبر دینے میں (اُس) قرآن کی کسی سورت (کی طرح) (اور) تمہاری جان، اپنی طاقت سے، یہ باہر ہو تو اس مشکل میں خوب (دہائی دو) اور معبود جان کر پکارو، فریاد کرو، اور مدد مانگو (اپنے ساختہ) معبودوں (مددگاروں کی) جن کو تم نے اپنا معبود بنا رکھا ہے (اللہ کو چھوڑ کر) اُس معبودِ برحق کی معبودیت سے منحرف ہو کر۔ (اگر) قرآن و رسول و معبود پر جب سے انکار کر دینے میں (تم ہو) اے دنیا بھر کے کافرو (سچے)۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ

پس اگر تم نہ کر سکے۔۔۔ اور ہرگز نہ کر سکو گے، تو ڈرو آگ کو۔۔۔ جس کا ایندھن انسان

وَالْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ●

اور پتھر کی مورتیاں ہیں، تیار کر رکھی گئی ہے کافروں کیلئے ●

(پس) یاد رکھو کہ (اگر تم نہ کر سکے) (اور) یہ بھی یاد رکھو، ہم صاف بتائے دیتے ہیں کہ قیامت

تک تم (ہرگز نہ کرسکو گے) (تو) تم خود ہی اپنی ہڈیوں، بوٹیوں پر رحم کھاؤ اور (ڈرو) جہنم کی (آگ کو) جو بھڑک رہی ہے۔ (وہ) جہنم (جسکا) جلانے کیلئے (ایندھن) تم (انسان) ہو (اور) تمہاری (سنگین مورتیاں ہیں) جن کو پوجنے کیلئے تم نے تراش لیا ہے۔ اس جہنم کی آگ کو یہ نہ سمجھنا، کہ ابھی آئندہ پیدا کی جائیگی۔ بلکہ وہ تو پہلے ہی سے (تیار کررکھی گئی ہے) تم سب (کافروں کیلئے)۔ [redacted]

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور خوش خبری دو انھیں جو مان گئے اور کیے کرنے کے لائق کام، کہ بیشک انھیں کیلئے ہیں جنتیں، بہہ رہی ہیں جن کے نیچے نہریں۔

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ

جب دیے گئے اس میں سے کوئی پھل غذا کو، کہہ پڑے کہ یہ وہی ہے جو دیے گئے تھے ہم پہلے سے،

وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

حالانکہ دیے گئے تھے وہ ہم شکل۔ اور انھیں کیلئے اس میں بیبیاں ہیں پاک دامن، اور وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ●

اس موقع پر کافر لوگ بھی سن لیں (اور) خاص طور پر (خوش خبری) سنا (دو) مسلمانوں کو (انہیں جو مان گئے) اللہ اور رسول کو (اور) اسی پر نہیں رہ گئے۔ بلکہ کام (کئے) اور کیسے کام کئے؟ جو (کرنے کے لائق کام) ہیں۔ جس میں نالائقی اور بدی نہ ہو۔ بلکہ نیک ہی نیک ہو۔ ایسے لیاقت والوں سے کہہ دو (کہ بیشک) وشبہ (انہیں کیلئے ہیں) بغیر کسی پریشانی کے (جنتیں) سدابہار باغ، کیسے شاداب، کہ (بہہ رہی ہیں جن کے) درختوں اور مکانات کے (نیچے) شراب، شہد، دودھ، پانی، کی بے مثل (نہریں) اسکے پھلوں کا یہ حال ہے کہ (جب دیئے گئے) اور انھوں نے پایا (اُس) جنت (میں سے کوئی پھل) اور یہ پھل دیا گیا انکی (غذا کو) کہ خوب جی بھر کے کھائیں اور مزے پائیں، تو بے ساختہ وہ (کہہ پڑے کہ یہ) پھل تو بالکل ٹھیک (وہی) پھل (ہے جو) ابھی ابھی (دیئے گئے تھے ہم) اور ہم اُسکو کھا چکے ہیں، (پہلے) ہی (سے) (حالانکہ) واقعہ یہ ہے کہ جو پہلے (دیئے گئے تھے وہ) اور وہ کھا بھی چکے، وہ اور تھا اور یہ اور ہے۔ البتہ دونوں (ہم شکل) ہیں تا کہ نئی نئی شکل کو دیکھ کر کسی پھل کے کھانے میں از راہِ بشریت جھجک نہ ہو اور نیا نیا ذائقہ پا کر اور زیادہ خوشی ہو۔ اور جنت میں مکانات، نہریں، پھل، یہی نہیں ہیں، بلکہ (اور) بھی ساز و سامان ہے۔

چنانچہ (اُنہی) جنتیوں (کیلئے اُس) جنت (میں بیبیاں ہیں) حوریں اور اُنکی دنیا والی نیک بیبیاں، سب کی سب خوبصورت، نیک سیرت، پاکیزہ، زنانہ نجاستوں سے (پاکدامن) (اور) جنت کو کبھی فنا نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ رہے گی۔ اور (وہ) جنتی بھی فنا نہ ہوں گے بلکہ (اُس) جنت (میں) یہ جنتی لوگ (ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

بے شک اللہ قابلِ شرم نہیں قرار دیتا اس کو کہ ضرب المثل بیان فرمائے مچھر کی، بلکہ اس سے بڑھ کی۔ کہ پس جو مسلمان ہیں

فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا

وہ تو جانتے ہیں کہ بیشک یہ ٹھیک ہے انکے پروردگار کی طرف سے، اور جو کافر ہے تو وہ پوچھا کرتے ہیں کہ کیا مطلب رکھا اللہ نے اس

مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿۲۶﴾

ضرب المثل سے وہ گمراہی میں رہنے دیتا ہے اس سے بہتیروں کو اور ہدایت دیتا ہے بہتیروں کو، اور نہیں گمراہی میں رہنے دیتا، مگر نافرمانوں کو ●

اور اے یہودیو، منافقو، کافرو! قرآن میں ضرب المثل دیکھ کر منہ کیا بگاڑتے ہو؟ اور اعتراض کیوں کرتے ہو؟ ضرب المثل بیان کرنا، موعظ و نصیحت اور تعلیم و حکمت اور درس و عبرت میں مؤثر اور اہل بیان کا دستور چلا آرہا ہے۔ اور (بیشک اللہ) تعالیٰ بھی (قابل شرم نہیں قرار دیتا) اور قابل جھجک نہیں جانتا، (اس) بات (کو کہ ضرب المثل بیان فرمائے) بڑی چیز کی، یا چھوٹی چیز کی، یہاں تک کہ (مچھر کی، بلکہ اس سے) بھی (بڑھ کی) چڑھی کی، روشنی بارش کی، خواہ مکھی مکڑی کی، (کہ پس) اسکے سننے والوں میں (جو مسلمان ہیں) اللہ و رسولوں کو مان چکے ہیں (وہ تو) بغیر کسی شک، شبہ کے (جانتے ہیں کہ بیشک، یہ) مثال بالکل (ٹھیک ہے) اور یہ (انکے پروردگار) ہی (کی طرف سے) ہے۔

(اور جو کافر رہے) اور اللہ و رسول کے انکار پر ہی جمے رہے، ان سے اسکا کچھ جواب تو ہو نہیں سکتا۔ (تو وہ) منہ بگاڑ کر (پوچھا کرتے ہیں کہ کیا مطلب رکھا) ہے (اللہ نے اس ضرب المثل) کے بیان کرنے (سے)۔ ضرب المثل میں کیا رکھا ہے؟ یہ تو بیکاری بات ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ (وہ) اللہ تعالیٰ (گمراہی میں رہنے دیتا ہے)، (اس) قرآن کے انکار کردینے کی وجہ (سے بہتیروں کو) کہ اپنی گمراہی میں پڑے ہیں۔ (اور ہدایت) بھی (دیتا ہے بہتیروں کو) جو ہدایت کی تڑپ رکھتے ہیں (اور) دستور الٰہی یہ ہے کہ (نہیں گمراہی میں رہنے دیتا مگر) بس (نافرمانوں کو) جو نہ کہا سنیں اور نہ سنا قبول کریں۔ اللہ ہر فرمان کا انکار ہی کرتے رہیں اور اُس کے خلاف ہی چلیں۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ

جو توڑتے رہیں اللہ کے عہد کو اس کے مضبوط ہونے کے بعد، اور کاٹتے رہیں

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اس کو، حکم دیا اللہ نے جسکے لئے کہ ملایا جائے، اور فساد ڈالیں زمین میں، وہی خسارہ والے ہیں●

اور (جو توڑتے رہیں) دوسروں ہی کے نہیں بلکہ خود (اللہ کے عہد کو) اللہ سے عہد کریں اور پھر توڑ بھی دیں (اس کے مضبوط ہونے) اور پکا عہد کرلینے (کے بعد) یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے بڑی تاکید شدید فرمائی ہے۔ (اور) یہ بدعہد، اسی پر صبر نہ کریں بلکہ (کاٹتے رہیں) (اس) چیز (کو) (حکم دیا اللہ نے جس کیلئے کہ ملایا جائے)، نہ رشتوں کی پرواہ، نہ مسلمانوں کی دوستی کا لحاظ، نہ انبیاء علیہم السلام اور کتب آسمانی کا۔ جمعیت بندی، فرقہ تراشی ہی کرتے رہیں (اور) ان سب پر، ان کا مشغلہ یہ ہے کہ (فساد ڈالیں زمین میں) شورش اور فتنہ سے، سنسنی پیدا کر کے امن عامہ میں خلل ڈالیں، کہ اہل وطن رسول پاک تک نہ جائیں، اور قرآن نہ سنیں، اور تباہ بنے رہیں۔ وہ سب کا نقصان چاہتے ہیں حالانکہ وہ کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ وہ اپنی ان حرکتوں کے سبب سے بس خود (وہی خسارہ والے ہیں) نہ دنیا میں چین پائیں، نہ آخرت میں نجات ملے، تو سارا نقصان اُنھیں کا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

کیسے منکر ہو اللہ کے، حالانکہ تم بے جان تھے، تو حیات دی تمہیں، پھر موت دے گا تمہیں، پھر جلائے گا تم کو

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے●

اے کافرو! بڑے تعجب کی بات ہے کہ آخر تم لوگ (کیسے منکر ہو اللہ کے) (حالانکہ) تم کو سوچنا چاہئے اور دیکھ بھی رہے ہو کہ (تم) مردہ اور جسم (بے جان تھے) آگ، پانی، مٹی، ہوا، میں تھے۔ پھر غذا بنے۔ پھر خلطوں کی صورت پائی۔ پھر نطفہ کی شکل ہوئی۔ لوتھڑا سے بوٹی اور بوٹی سے سارا جسم ہوا۔ مگر کیا اللہ کی قدرت ہے کہ جسم میں جان نہ تھی (تو) اس نے جان عطا کی اور (حیات دی تمہیں) اور ظاہر ہے کہ جو زندہ کرسکتا ہے، وہ مار بھی سکتا ہے۔ چنانچہ (پھر) وہی (موت دے گا تمہیں) اور بے مارے جلانے والا مار کر بھی جلا سکتا ہے۔ چنانچہ قبر میں سوال کرنے کیلئے، اور حشر میں حساب

کتاب کیلئے (پھر) اللہ تعالیٰ (جلائے گا تم کو)۔
غرض (پھر) پھرا کر (اسی کی طرف) تم لوگ سب کے سب (لوٹائے جاؤ گے) یہ ہونا ہے۔ خواہ تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے۔ اور بھلا مسلمانو! تم کیسے ان اندھے کافروں کی طرح اللہ کا انکار کر سکتے ہو۔ ان کافروں کو سوجھے یا نہ سوجھے، مگر اللہ کے فضل سے تم کو تو صاف نظر آ رہا ہے، کہ جسم بے جان تھے، تو زندہ ہوئے، پھر مرنا ہے، پھر زندہ ہو گے اور اپنے رب کے پاس لوٹو گے۔ اور اسکی نعمتوں کو جی بھر کر خوب لوٹو گے۔ تم سے انکار کی امید رکھنا کافروں کی بڑی حماقت ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ

وہ ہے جس نے پیدا فرمایا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب۔ پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف، تو ہموار کیا انہیں

سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾

سات آسمان۔ اور وہ ہر معلوم کا علم والا ہے ●

سب کو یاد رکھنا چاہئے، کہ اللہ تعالیٰ (وہ ہے جس نے پیدا فرمایا) اپنے لئے نہیں، بلکہ (تمہارے لئے جو کچھ) جمادات، نباتات، حیوانات، وغیرہا (زمین میں ہے) سب کا (سب) اور (پھر) اسنے چاہا کہ آسمان پیدا فرمائے، تو (توجہ فرمائی آسمان) کے پیدا کرنے (کی طرف) اور پیدا فرمایا (تو) یونکہ (ہموار کیا انہیں) ٹھیک ٹھیک گنتی میں (سات آسمان) (اور) اب کس کو شبہ ہو سکتا ہے کہ ساری مخلوق کو ایسی حکمتوں کے ساتھ پیدا فرمانے والا، اتنی عظیم قدرت والا، جو ہے (وہ) یقیناً (ہر معلوم کا) جس سے علم متعلق ہو سکے، جاننے والا اور اس کا (علم) رکھنے (والا ہے)۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا

اور جب فرمایا تمہارے پروردگار نے فرشتوں کیلئے کہ "بیشک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ" عرض کرنے لگے کہ "کیا بنانے گا

مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ

تو اس میں جو فساد مچائے اس میں اور خون ریزی کرے۔ حالانکہ ہم پاکی بیان کریں تیری حمد کے ساتھ

وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾

اور تقدیس کرتے رہیں تیری" فرمایا "بیشک میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے" ●

(اور) اگر بھولے ہو تو یاد کرو (جب) کہ (فرمایا) تھا (تمہارے پروردگار) اللہ تعالیٰ (نے)

اوراعلان فرمادیا تھا(فرشتوں کیلئے) کہ وہ جان لیں اور جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لیں۔اعلان یہ تھا(کہ بیشک میں) اب پیدا فرمانے والا ہوں اور(بنانے والا ہوں زمین میں) برسرزمین (ایک خلیفہ)، جو میرے احکام کو جاری کرے اور حکومت وتصرف میں میری نیابت کرے۔تو سارے فرشتے دریافت حکمت کیلئے (عرض کرنے لگے) کہ یہ اعلان ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔کیوں (کہ کیا بنائے گا) اور پیدا فرمائے گا(تو اس) زمین (میں) ایسے کو(جو فساد مچائے اور خوں ریزی کرے)؟ جیسا کہ تونے پہلے جنوں کو پیدا فرمایا تھا،جن کی فسادانگیزی وخون ریزی پر تیرا عذاب نازل ہو چکا ہے،اور تیرے حکم سے ہم انکو پہاڑوں اور جزیروں میں ڈھکیل کر کر چکے ہیں۔اسکا تو ہمیں خیال بھی نہیں ہوسکتا۔اور خلیفہ تو وہ ہوسکتا ہے جو ہر وقت تیری یاد میں لگا رہے۔تسبیح وتقدیس اور تیری حمد کے سوا اسکا کوئی کام نہ ہو۔تو پھر ہمارے ہوتے،کون خلیفہ ہوگا؟(حالانکہ) ہمارا دائمی شغل یہ ہے کہ(ہم پاکی بیان کریں تیری حمد کے ساتھ) سبحان اللہ،الحمدللہ،ہمارارات دن کا وظیفہ ہے(اور) ہر گھڑی ہم (تقدیس کرتے رہیں تیری) 'سبوح،قدوس' کی رٹ لگاتے رہیں۔فرشتوں کے اس بیان پر اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) کہ خلافت کا استحقاق صرف عبادت ہی پر ہے یا علم ودانائی پر بھی ہے؟اور میرے خلیفہ سے کیسے کیسے شاندار کام ہوں گے،اسکا علم تم سے کتنا زیادہ ہوگا،اسکی خبر تم کو نہیں ہے۔اور (بیشک میں جانتا ہوں جو کچھ) بھی (تم نہیں جانتے)۔

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ

اور سکھادیا آدم کو سب کے نام،سارے کے سارے،پھر پیش کیاان کو فرشتوں پر،پھر فرمایا کہ "بتاتو دو مجھے ان سب کے نام

هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اگر ہو سچے"۔

چنانچہ اس حقیقت کو نمایاں فرمانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم پر کرم فرمایا۔(اور) اُنکی برتری کیلئے (سکھادیا آدم کو) جمادات،نباتات،حیوانات،انسان،آسمان وزمین کی تمام چھوٹی بڑی چیزوں کے(سب کے نام) ایک ایک چیز دکھا کر،کیانام ہے اسکا،کیا کام ہے اسکا،کیاانجام ہے،ہر ایک کے خواص (سارے کے سارے) بتادیا،یاد کرادیا،(پھر) اپنی قدرت کاملہ سے (پیش کیاان سب (کو فرشتوں پر)) ان کو سب دکھایا(پھر فرمایا کہ) ذرا(بتاتو دو مجھے ان سب) چیزوں(کے نام) الگ الگ (اگر) اس خیال میں،کہ تم سے زیادہ علم والا مخلوق میں کوئی نہ ہوگا تم لوگ (ہو سچے)۔

قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳۲﴾

عرض کرنے لگے "پاکی ہے تیری، نہیں ہے کچھ علم ہمیں مگر جو کچھ سکھادیا تو نے ہمیں بے شک تو ہی علم والا حکمت والا ہے" ●

سارے فرشتے (**عرض کرنے لگے**) یا اللہ (**پاکی ہے تیری**) ہر عیب سے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ (**نہیں ہے کچھ علم ہمیں**) نہ علم پر ہم کو ناز ہے۔ ہمیں کسی بات کی خبر نہیں (**مگر جو کچھ سکھادیا تو نے ہمیں**) ہم کو جو کچھ معلوم ہوا وہ تیری تعلیم سے معلوم ہوا۔ تو کچھ نہ بتاتا، تو ہم کچھ بھی نہ جانتے۔ تو نے جو کچھ بتادیا، اس کو تیری عطا سے ہم نے جانا (**بیشک تو ہی علم والا**) ہے کہ سارا علم تیرا ہے۔ اور تعلیم تیری مرضی پر ہے۔ جس کو جو چاہے تو سکھادے، بتادے اور علم والا بنائے، اس بارے میں تیرا انتخاب حکمت سے خالی نہیں۔ اور تو ہی (**حکمت والا**) بھی (ہے)۔

قَالَ يٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ

فرمایا کہ "اے آدم بتا تو دو انہیں ان سب کے نام"۔ تو جب بتادیا انھیں ان سب کے نام، فرمایا "کیا نہیں فرمادیا تھا میں نے تمہیں کہ

اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

بلاشبہ میں ہی جانتا ہوں غیب کو آسمانوں اور زمین کے، اور جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو" ●

اب اللہ تعالیٰ نے (**فرمایا کہ اے آدم**) تم (**بتا تو دو انہیں**) اور فرشتوں کو سکھادو (**ان سب**) چیزوں (**کے**) مفصل، الگ الگ (**نام**) اور کام وغیرہ۔ چنانچہ حضرت آدم نے بتایا (**تو جب بتادیا انہیں ان سب**) چیزوں (**کے نام**) وغیرہ۔ **اس وقت اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) کہ اے فرشتو (کیا نہیں فرمادیا تھا میں نے) پہلے ہی (تمہیں) کہ کسی کو غیب کا علم کسی اور طریقہ سے ہو ہی نہیں سکتا۔ جب تک میں نہ بتادوں۔ کیوں (کہ بلاشبہ میں ہی جانتا ہوں غیب کو آسمانوں) کے (اور زمین کے) جس کو میں نے نہیں بتایا، اس کا غیب دانی کا دعویٰ جھوٹا ہے**، وہ نجومی ہوں، یا کاہن ہوں، کچھ بھی ہوں۔ اور جن کو واقعی غیب کا علم حاصل ہوا، جیسے حضرت آدم کو دیکھ رہے ہیں، تو وہ میرے سکھانے، بتانے، عطا فرمانے سے ہوا (**اور**) اے فرشتو! میں اسے بھی (**جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو**) صاف صاف زبان سے کہہ کر، کہ انسان فتنہ فساد ڈالے گا (**اور جو کچھ چھپاتے ہو**) دل میں، یہ سوچ کر کہ خلافت کے مستحق تم ہی ہو سکتے ہو، تم سے افضل کوئی نہیں ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ

اور جب حکم دیا ہم نے فرشتوں کیلئے سجدہ کرو آدم کو، تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے،

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۗ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اُس نے انکار کیا اور بڑا بنا، اور ہو گیا کافروں سے ●

(اور) ہاں تم یاد کرو اس واقعہ کو (جب حکم دیا) تھا (ہم نے فرشتوں) کو، انکی بہتری (کیلئے)، اور فرمایا تھا کہ (سجدہ کرو آدم کو، تو سب نے سجدہ کیا) فرشتوں میں سے کسی ایک نے بھی سرتابی نہ کی۔ اور سو یا پانچ سو برس تک سجدہ میں پڑے رہے (سوا ابلیس کے) کہ ملائکہ تک پہنچنے کو پہنچا، مگر جب یہ حکم سنا، تو کھڑا کا کھڑا رہ گیا اور سجدہ کرنے سے صاف (اس نے انکار کیا اور) [redacted]

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠

اور فرمایا ہم نے کہ اے آدم، رہو تم اور تمہاری بیوی جنت میں اور دونوں کھاتے رہو اس سے بے کھٹکے جہاں چاہو،

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور قریب نہ جانا اس شجر کے، کہ ہو جاؤ اندھیر والوں سے ●

فرشتوں اور ابلیس کا اس طرف یہ واقعہ ہوا (اور) حضرتِ آدم کا ادھر یہ واقعہ ہوا کہ (فرمایا ہم نے کہ اے آدم رہو) سہو (تم) خود (اور تمہاری بی بی) حوا بھی (جنت) سدا بہار باغ (میں) یہ تم دونوں کا گھر ہے (اور دونوں کھاتے رہو اس) جنت (سے بے کھٹکے) کوئی روک ٹوک نہیں ہے (جہاں چاہو) یہ سارا باغ تمہارا ہے (اور) اس کا خیال رکھو کہ (قریب نہ جانا) اور سایہ سے بچتے رہنا (اس) خاص گیہوں یا انگور کے (شجر کے) تم کو اس کی ہوا نہ لگنے پائے۔ کیوں (کہ) اس کے پاس پھٹکے، تو (ہو جاؤ) گے (اندھیر والوں سے)۔ [redacted]

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ

پس پھسلا دیا دونوں کو شیطان نے اس سے۔ تو نکالا دونوں کو اس گھر سے جس میں وہ تھے۔ اور حکم دیا ہم نے کہ نیچے اُتر جاؤ،

لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مُسۡتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيۡنٍ ۝

تمہارا بعض بعض کیلئے دشمن ہے۔ اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانہ اور رہن سہن ہے کچھ مدت تک ●

ابلیس سے حضرت آدم کا آرام میں رہنا دیکھا نہ گیا، اس کی برداشت سے باہر ہوگیا، کہ حضرت آدم کو رفیقۂ حیات، بی بی حوا ملیں اور دونوں جنت کی بہاروں میں عیش کررہے ہیں۔ اس نے ان دونوں سے ملنے کی راہ نکالی اور دروازۂ جنت پر دونوں کو اپنی ترکیبوں سے پالیا۔ اور پہلے بی بی حوا، پھر حضرت آدم سے، گندم نما جوفروش بن کر، بولا کہ آپ اس درخت کا پھل کھالیں۔ اسکا پھل کھانے والا ہمیشہ جنت میں رہے گا اور صفِ ملائکہ میں داخل ہوجائے گا۔ ورنہ آپ لوگ 'ملاءِ اعلیٰ' سے دور کردیئے جائیں گے اور مقامِ قرب چھن کر، مبتلائے فراق ہوں گے۔ اس پر اس نے اللہ کے نام پاک کی قسم بھی کھالی۔ حضرت آدم کی شانِ پاک کے خلاف تھا کہ وہ 'ملاءِ اعلیٰ' کے فراق کو پسند فرماتے اور یہ بھی پسند نہیں ہوسکتا تھا کہ کسی قسم کھانے والے کو جھوٹا فرمادیں۔ چنانچہ معصومانہ نیک نیتی کے ساتھ ابلیس کے کہے کو خیر خواہی پر مبنی قرار دیا۔

اس طرح ابلیس اپنی چال چلا گیا **(پس پھسلادیا)** پھسلا پھسلا کر (دونوں کو شیطان مردود (نے)) (اس) جنت یا شجر (سے) **حضرت آدم تو بے گناہ کے بے گناہ ہی رہے۔ انکی نیت کسی گناہ کی نہ ہوئی، نہ ہوسکتی تھی۔** یہ **(تو)** شیطان کی حرکت نے **(نکالا دونوں کو اس گھر)** جنت (سے) **(جس میں وہ تھے)** مگر شیطان اپنے اصل مقصد میں ناکام رہا۔ اُسکی اس آرزو کو خاک میں ملادیا گیا کہ وہ جھوٹ بول کر سچا حضرت آدم وحوا کی نگاہ میں رہ جائے۔ اس بات کو دکھادیا گیا **(اور حکم دیا ہم نے کہ نیچے)** زمین پر تم سب لوگ، جو اس کہنے میں شریک تھے، کہ درخت کا پھل کھانے والا ہمیشہ یہیں رہے گا۔ اور جس نے اسکو کسی وجہ سے مان لیا تھا، اب یہاں سے نکل کر **(اتر جاؤ)** اور اپنی آنکھوں سے شیطان کا جھوٹ دیکھو۔ اور اپنی زندگی کے واقعات میں خود تجربہ ومشاہدہ کرلو، کہ **(تمہارا بعض بعض کیلئے دشمن ہے)** تاکہ کبھی اس جھوٹ، شیطان کے کہے کو نہ مانو۔

ابلیس کی یہ آرزو بھی پوری نہ ہوئی کہ حضرت آدم کو کہیں بھی ٹھکانہ نہ ملے اور نہ یہی آرزو پوری ہوئی کہ انھیں جنت میں آنا میسر نہ ہو (اور) صاف کہہ دیا گیا کہ **(تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے)** سارے آسمان اور تارے زمین ہی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور زمین، آدم و بنی آدم کیلئے پیدا کی گئی

ہے (اور) یہ خیال نہ کرنا کہ زمین پر ہمیشہ رہنا ہے اور جنت سے آدم و بنی آدم کی ہمیشہ کے لئے محرومی ہے۔ بلکہ وہاں بس (رہن سہن ہے) برائے نام، صرف (کچھ) قدرے قلیل (مدت تک) کیلئے۔

چاردن کی زندگی کے [redacted]

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

پس پالیا آدم نے اپنے پروردگار سے خاص کلمے۔ تو درگزر فرمادیا انھیں۔ بے شک وہی درگزر فرمانے والا بخشنے والا ہے ●

حضرت آدم تو زمین پر پہلے وہاں اترے جس کو لوگ جزیرۂ 'سراندیپ' یا 'لنکا' کہتے ہیں اور بی بی حوا وہاں اتریں جس کو جدہ کہا جاتا ہے۔ اور فراقِ 'ملاءِ اعلیٰ' میں حضرت آدم اتنا روئے۔۔۔ اتنا روئے کہ دنیا میں سب سے زیادہ رونے والے حضرت یعقوب اور سارے دنیا بھر کے رونے والوں کے مجموعہ سے بھی زیادہ روئے، جس پر صدیاں گزر گئیں۔ تین سو برس تک آسمان کی طرف آنکھ نہ اٹھائی۔ انکے قدم سے زمین کی بار بڑھ گئی اور زمین کے پھول مہکے، مگر حضرت آدم کا جی نہ بہلا۔

یہ ادا بندگی کی ایسی پسندیدہ ہوئی کہ انکی مقبولیت ظاہر کردی گئی (پس پالیا آدم نے) اچھی طرح سے سیکھ لیا اور یاد کرلیا (اپنے پروردگار سے) تھوڑے سے چند (خاص کلمے) اور کہنے لگے کہ:

رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ (الاعراف-٢٣)

[redacted]

انھیں یاد آگیا تھا کہ جب انکے بدن میں روح داخل ہوئی اور آنکھ کھلی [redacted] ہذا انکی وجاہت وکرامت کا وسیلہ پکڑا (تو) اپنے محبوب کا وسیلہ سن کر اللہ تعالیٰ نے (درگزر فرمادیا انھیں) جمعہ کے دن انکی توبہ سچی تھی، خوشامد، ندامت، عزمِ ترک کے ساتھ توبہ بھی، اور ایسی توبہ پر (بیشک وہی) اللہ تعالیٰ (درگزر فرمانے والا) اور (بخشنے والا ہے)۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ

ہم نے حکم دیا کہ نیچے اتر جاؤ اس جنت سے سب کے سب۔ پھر اگر آئے تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت تو جس نے

تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

پیروی کی میری ہدایت کی، تو نہ کوئی خوف ہے اُس پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں ●

اتارنے کے موقع پر (ہم نے) یوں (حکم دیا) تھا (کہ نیچے) زمین پر (اتر جاؤ اس جنت) کی بلندی (سے) صرف حضرت آدم و بی بی حوا ہی نہیں، بلکہ انکے دشمن بھی (سب کے سب) (پھر) یاد رکھو ہم قانونِ ہدایت برابر بھیجتے رہیں گے۔ لہٰذا (اگر آئے تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت) جو میرے انبیاء لاتے رہیں گے (تو) یاد رکھو کہ (جس نے پیروی کی) غلام بن کر نبی کے پیچھے رہا، اور تعمیل کرتا رہا (میری ہدایت کی، تو نہ کوئی) آئندہ کیلئے (خوف ہے اس پر) کسی خطرہ کا اندیشہ ہی نہیں (اور نہ وہ) کسی گذشتہ بات پر (رنجیدہ ہوں) انکی دنیا بھی بھلی اور آخرت بھی بھلی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع

اور جنھوں نے انکار کر دیا اور جھٹلایا ہماری آیتیں، وہ جہنم والے ہیں، وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ●

(اور جنھوں نے انکار کر دیا اور جھٹلایا ہماری آیتیں) احکام و کتب، صحیفوں، انبیاء اور رسولوں، انکے معجزوں کو نہ مانا تو وہ کافر ہیں۔ اور جتنے کافر ہیں (وہ جہنم والے ہیں) اور صرف چند روزہ نہیں بلکہ (وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں) ان کی نجات ہی نہ ہو سکے گی۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ

اے اولاد یعقوب یاد کرو میری نعمت کو! جو انعام فرمایا تھا میں نے تم پر، اور پورا کرو میرا عہد،

اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۴۰﴾

کہ میں پورا کروں تمہارا عہد۔ اور بس مجھی کو ڈرا کرو ●

(اے اولاد یعقوب) یہودیو، میرا احسان مانو اور (یاد کرو میری) دی ہوئی (نعمت کو) (جو) محض اپنے کرم سے (انعام فرمایا تھا میں نے تم) یہودیوں (پر) اب بھی اگر تم اپنا فائدہ اور کارہ ہی ...ل دو (اور پورا کرو میرا عہد) جو میں نے مضبوطی کے ساتھ تم سے لیا تھا تو یاد رکھو (کہ میں) بھی (پورا کروں

تمہارا عہد) جو میں نے تم سے وعدہ فرمایا تھا۔ (اور) تمہاری ساری بدعہدی کی بنیاد اس پر ہے کہ مجھ سے نڈر ہو چکے ہو۔ اگر وفادار بننا منظور ہو تو (بس مجھ ہی کو تو ڈرا کرو) پھر تمہیں کسی کا ڈر نہ رہ جائیگا۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ

اور مان جاؤ جو کچھ اتارا میں نے تصدیق کرنے والا اسکا جو تمہارے پاس ہے، اور نہ ہو سب سے پہلے انکار کرنے والے اس سے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝

اور نہ لو میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت۔ اور مجھی کو تو ڈرتے رہو ●

(اور) کب تک انکار پر ضد کرتے رہو گے۔ اگر اپنا بھلا چاہو، تو (مان جاؤ جو کچھ اتارا میں نے) یہی قرآن جو میرے رسول پر اتارا گیا۔ کیسا قرآن؟ جو (تصدیق کرنے والا اس) توریت (کا جو تمہارے پاس) حضرت موسیٰ کا دیا ہوا (ہے)۔ دونوں میں توحید الٰہی ونعت رسول پاک برابر موجود ہے اور شرعی قوانین ملتے جلتے ہیں (اور) تمہارے لئے مناسب یہی ہے کہ (نہ ہو سب) کافروں (سے پہلے) محض دشمنی کی بنا پر (انکار کرنے والے اس) قرآن وتوریت وپیغمبر اسلام وغیرہ (سے)۔

مشرکین مکہ نے انکار کیا تو نادان تھے، ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہ تھی۔ تم جان بوجھ کر انکار کرو گے، تو دانستہ منکرین کی ابتدا کرو گے۔ اور اپنی ٹولی میں جو تمہاری وجہ سے انکار کریں گے، انکی فہرست کا سرنامہ تمہارا نام ہوگا۔ اور اپنی نسل کیلئے، جو تمہاری وجہ سے کفر پر رہ جائیں گے، تم پہلی بنیاد بنو گے (اور) یہ تمہارا رویہ کتنا برا ہے کہ چار چار سیر جو اور چار چار چادروں کیلئے توریت میں تحریف کرو۔ نعت رسول پاک نکال دو اور میرے رسول کو دجال بتا کر توریت میں جو ذکرِ دجال ہے اس کا مصداق ٹھہراؤ۔ امیروں کی خاطر سے قانونِ شریعت بدل کر ان سے آسانی برتو۔ اور غریبوں پر سختی کرو۔ اور صرف چندہ وصول کر کے پیٹ بھرنے کی لالچ میں پیغمبر اسلام کا کہنا نہ مانو۔ اور ڈر جاؤ کہ اس طرح تمہاری چندہ خوری جاتی رہے گی۔

اس کمینہ پن اور مجرمانہ زندگی کو چھوڑ دو، [redacted]

(اور) [redacted]

اے کعب ابن اشرف اور اے سارے یہودیو، تم ایک دوسرے کو ڈرو اور نہ بھوک اور منصب کو ڈرو، تم اپنا بھلا چاہو تو بس، (مجھی کو تو) ہمیشہ (ڈرتے رہو) [redacted]

[redacted]

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور نہ ملاؤ حق کو باطل سے۔ اور نہ چھپاؤ حق کو، جب کہ تم جان بوجھ رہے ہو●

(اور) ہوش سے کام لو۔ اور کبھی (نہ ملاؤ حق) میرے رسول (کو باطل) دجال (سے) (اور) حق پوشی بہت بڑا جرم ہے۔ تم لوگ (نہ چھپاؤ حق) نعتِ رسول (کو) (جب کہ) بے خبر نہیں ہو بلکہ (تم جان بوجھ رہے ہو) اور ایسا جانتے ہو کہ ان ہی رسول کے وسیلہ سے اپنی فتحمندی کی دعائیں کرتے تھے اور فتحمند ہوتے تھے۔ اب انکے قدم آگئے تو تم نادانی کرنے لگے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور ادا کرتے رہو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ کو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ●

(اور) اللہ کے فرائض اب سے پورا کرتے رہو، یوں کہ (ادا کرتے رہو) پابندی کے ساتھ (نماز کو) (اور) سال بسال (دیتے رہو زکوٰۃ کو) نماز تو پڑھو (اور رکوع کرو) مگر تنہا مناسب نہیں، بلکہ (رکوع کرنے والوں) کی جماعت (کے ساتھ)۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا حکم دیتے ہو لوگوں کو نیکی کا اور بھول جاتے ہو خود اپنے کو، حالانکہ تم تلاوت کرو کتاب کی، تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے●

تم لوگ بھی عجیب ہو۔ جب اے کعب ابن اشرف اور سارے یہودیو تم سے پوچھا گیا، رسول پاک کے بارے میں تو پہلا جواب تمہارا یہ تھا کہ لوگو یہ رسول برحق ہیں، انکی اتباع کرو۔ اور جب تمہارے اتباع کی نوبت آئی تو مکر گئے۔ تو (کیا حکم دیتے ہو) دوسرے (لوگوں کو نیکی کا) کہ اتباعِ رسول کریں اور نیک ہوجائیں (اور) اپنے حق میں (بھول جاتے ہو خود اپنے کو) اور اتباع کے بجائے انکار کرتے ہو (حالانکہ) تم جاہل نہیں ہو بلکہ (تم تلاوت) کیا (کرو) اپنی (کتاب) توریت (کی)۔ اس نادانی کا کیا ٹھکانا ہے (تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے)؟ معمولی انسان کی سمجھ بوجھ بھی کھو چکے ہو۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور مدد مانگو صبر سے اور نماز سے۔ اور بے شک وہ ضرور بوجھ ہے مگر خشوع والوں پر●

(اور) یادرکھو کہ تم کو ہر حال میں مددگار کی ضرورت ہے۔تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ ہر حال میں (مدد مانگو) خواہش کو دبا کر، پابندئ شریعت کو برداشت کر کے، گناہوں سے بچنے کی مشقت قبول کر کے، روزہ رکھ کر، اور ہر قسم کے (صبر سے اور نماز) کی پابندی (سے) خواہ کتنا ہی گراں گزرے۔ [redacted]
نماز کو اپنا مددگار بنالیا اور [redacted]
تلاش نہ ہوگی بلکہ مدد کے متلاشی تم کو تلاش کریں گے۔ (اور) نماز میں گرانی کون سی ہے؟ ہاں (بیشک وہ ضرور) گراں گزرتی ہے اور (بوجھ ہے) کاہلوں اور بےخوفوں کے حق میں (مگر خشوع والوں پر) بالکل آسان اور پھول کی طرح ہے۔ انکی بندگی فروتنی و عجز پسندی کو بھلی لگتی ہے۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ ع

جو سمجھیں کہ بےشک وہ ملنے والے ہیں اپنے پروردگار کے اور بےشک وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں●

یہ خشوع والے وہ ہیں (جو) خوب اچھی طرح سے (سمجھیں) بوجھیں، یقین کریں (کہ بیشک) انھیں مرنا ہے، پھر حشر کے دن اٹھنا ہے، اور اس دن (وہ ملنے والے ہیں) لذتِ دیدار پانے کیلئے (اپنے پروردگار کے) حضور (اور) انھیں اس دنیا کی تنگی میں ہمیشہ گرفتار رہنا نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے فضل سے (بیشک وہ) بالآخر (اسی) اللہ تعالیٰ (کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میری نعمت کو، جو انعام فرمایا تھا میں نے تم پر اور بےشک میں نے ہی بڑھایا تھا تم کو زمانہ بھر پر●

(اے اولادِ یعقوب) یہودیو! (یاد کرو میری) اس (نعمت) و احسان (کو) بھی (جو انعام فرمایا تھا میں نے تم) لوگوں کے بزرگوں (پر) (اور) تمہارے پاس 'پدرم سلطان بود' کی جو حکایتیں ہیں، تو خوب سمجھ لو کہ (بیشک میں نے ہی بڑھایا تھا) اور بلند رتبہ کیا تھا (تم) لوگوں کے بزرگوں (کو) انکے (زمانہ بھر پر) کہ انبیاء و سلاطین ہوتے تھے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

اور ڈرو اس دن کو کہ نہ بدلہ ہو کوئی کسی ناکس کا کچھ، اور نہ قبول کی جائے کسی ناکس کی سفارش،

وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝

اور نہ لی جائے اس ناکس سے رشوت، اور نہ وہ مدد دیے جائیں ●

(اور ڈرو) اور سوچ کر ٹھہراؤ (اس) قیامت کے (دن کو) جس دن مسلمانوں کو کیا پڑی ہے کہ تمہاری کوئی بگڑی بنائے۔ تمہارے عوض کچھ بھگتے۔ تم خود اپنی آنکھ سے دیکھ لوگے (کہ) قیامت کے دن (نہ بدلہ ہو کوئی) مسلمان (کسی ناکس) کافر (کا کچھ) اور اگر تم میں سے ایک نے دوسرے کی سفارش کی، تو تم سب لوگ ناکس کے ناکس ہو (اور) تم دیکھو گے کہ قیامت کے دن (نہ قبول کی جائے کسی ناکس) کافر (کی) کوئی (سفارش)، کہ ہر کافر شفاعت کرنے اور شفاعت کیے جانے سے (اور) اگر تم اپنی کچہریوں کا انداز دیکھ کر خیال کرو کہ رشوت سے کام چل جائے گا، تو یاد رکھو قیامت کے دن تم خود دیکھو گے، کہ (نہ لی جائے اس ناکس) کافر (سے) کوئی (رشوت) گو اپنے بمابر کا ہیرا، یا قیمتی سے قیمتی چیز دینا چاہے، (اور) اسکا بھی موقع نہ ہوگا کہ تمہیں مددگاروں کی کمک پہنچے، کیونکہ کافروں کیلئے یہ طے ہے، کہ نہ کسی کی مدد کر سکیں اور (نہ وہ مدد دیے جائیں)۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

اور جب نجات دلائی تھی ہم نے تم کو فرعونیوں سے۔ جو دیا کریں تم کو برا دکھ، ذبح کر دیا کریں تمہارے بیٹوں کو

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

اور زندہ رکھ چھوڑیں تمہاری عورتوں کو۔ اور تمہاری اس حالت میں آزمائش رہی تمہارے پروردگار کی طرف سے، بہت بڑی ●

اے یہودیو! یاد کرو (اور) میرا احسان مانو۔ کتنا بڑا ہمارا کرم تھا (جب نجات دلائی تھی ہم نے تم) لوگوں کے مورثوں (کو) ظالم اور بے رحم (فرعونیوں) ولید ابن مصعب، شاہ مصر کے حوالی موالی (سے) تمہیں معلوم ہے کہ فراعنہ مصر میں سے اس فرعون نے، جو حضرت موسیٰ کے زمانہ کا فرعون کہلاتا ہے اور جس کی عمر چار سو برس کی ہوئی، اس نے خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ چلی جس نے قوم فرعون، قبطیوں کے گھر پھونک دیے اور بنی اسرائیل، اولاد یعقوب کے گھر محفوظ رہے اور اس کو تعبیر دی گئی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ہوگا، جو قوم فرعون کو تباہ کر دے گا۔ اور بنی اسرائیل کو بامندہ نجبہ بنا دے گا۔

چنانچہ اپنے کرتا دھرتا لوگوں سے مشورہ کر کے، اس نے چاہا کہ اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو وہ قتل کر دیا جائے۔ ایک سال کے بچے چھوڑے جائیں تو دوسرے سال کے بچے مار ڈالے جائیں۔ چنانچہ اس نے یہی کیا۔ اور ساری قوم کی یہ پہچان ہوگئی کہ (جو دیا کریں تم کو برا دکھ) دکھ تو سبھی برے ہیں، مگر وہ ہر دکھ سے برا دکھ پہنچاتے رہے۔ انکے اس بے رحمانہ ظلم کو دیکھو کہ (ذبح کر دیا کریں) بے دریغ (تمہارے بیٹوں کو) اور ترس نہ کھائیں (اور زندہ رکھ چھوڑیں) اپنی لونڈی بنانے کیلئے (تمہاری) قوم کی (عورتوں کو) (اور) سمجھ لو کہ (تمہاری اس) سب (حالت میں) وہ زمانۂ عیش وعشرت ہو یا عہد تکلیف ومصیبت ہو (آزمائش) تمہاری ہوتی (رہی) (تمہارے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کی طرف سے) اور آزمائش معمولی نہیں، بلکہ (بہت بڑی)، اندازہ سے باہر۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝

اور جب پھاڑ دیا تھا ہم نے تمہارے سبب دریا کو تو بچا لیا ہم نے تمہیں اور ڈبو دیا ہم نے فرعونیوں کو، اور تم دیکھ رہے ہو●

(اور) اے یہودیو! ہمارا کتنا بڑا احسان ہوا تھا (جب) بنی اسرائیل کو لے کر حضرت موسیٰ مصر سے ہجرت کر کے چلے جا رہے تھے اور فرعونیوں نے انکو پکڑنے کیلئے فرعون کی سرکردگی میں دھاوا کیا تھا۔ اور راستہ میں جب وہ دریا پڑا، جسکا نام 'بحر قلزم' 'دریائے اساف' ہے، بنی اسرائیل ڈر رہے تھے کہ پیچھے فرعون کی لاکھوں فوج ہے اور سامنے دریا ہے اور حکم الٰہی سے حضرت موسیٰ نے اپنا عصا مارا، تو سب نے دیکھا کہ اس وقت (پھاڑ دیا تھا ہم نے تمہارے) موروثوں کے (سبب) کہ بے خوف نکل جائیں اور ایسا پھاڑا تھا (دریا کو) کہ دونوں جانب پانی کی دیوار تھی جسکے درمیان خشک زمین چار فرسخ کی نکل آئی تھی (تو بچا لیا ہم نے تمہیں)۔ فرعون اور سارے فرعونی، جو لاکھوں تھے، سامانِ جنگ کے ساتھ گھوڑوں پر سوار تھے، دریا کا یہ نقشہ دیکھ کر فرعون نے ڈینگ ماری کہ میری ہیبت سے دریا پھٹ گیا ہے۔ مگر کسی کی ہمت اس میں اترنے کی نہ پڑتی تھی۔ جبرئیل امین ایک مادہ گھوڑی پر نمودار ہوئے اور دریا میں اترے، تو فرعون کا گھوڑا بھی روکے نہ رکا اور پھاند پڑا۔ پھر بے تحاشہ سارے فرعونیوں کے گھوڑے بھی کود پڑے (اور) دریا کے دونوں کناروں کو ملا کر (ڈبو دیا ہم نے) سارے (فرعونیوں کو) وہ کچھ بہت دور نہیں جا چکے تھے۔ اتنے فاصلہ پر وہ ڈبوئے گئے تھے کہ تمہاری نگاہ ان تک پہنچے (اور تم) انھیں ڈوبتے ہوئے اپنی آنکھ سے خود (دیکھ رہے ہو)۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور جب کہ وعدہ دیا ہم نے موسیٰ کو چالیس رات کا۔ پھر بت بنالیا تم نے گئو سالے کو ان کے بعد، اور تم اندھیر والے ہو●

(اور) اے یہودیو اس واقعہ کو بھی سوچو اور یاد کرو (جب کہ وعدہ دیا) تھا (ہم نے موسیٰ کو) کہ (چالیس رات کا) چلہ کر کے کوہِ طور پر آؤ اور ہمارا فرمان لے جاؤ (پھر) قبیلہ، سامرہ کا سنار 'میخا' نام نے سب کے زیورات کو جو قبطیوں سے ملے تھے کہہ کہہ کرا کٹھا کیا کہ یہ مالِ غنیمت ہے اور شریعت موسیٰ میں مالِ غنیمت کا استعمال حرام ہے۔ اوراس گئو سالہ پرست قوم کے آدمی نے زیورات کو گلا کر گئو سالہ کا بُت بنایا۔ اس نے ایک مرتبہ یہ بھی دیکھا کہ روح الامین گھوڑے پر سوار ہیں اور گھوڑے کی ٹاپ جہاں پڑتی ہے، زمین کا ذرہ ذرہ زندگی پا جاتا ہے۔ وہ خاک اسکے پاس تھی جس کو گئو سالہ کے بت میں ڈال دی، تو وہ آواز دینے لگا۔ اور اُس کو اُس نے الٰہ موسیٰ قرار دیکر، حضرت ہارون اور اُنکے بارہ ہزار رفیقوں کے سوا (بت بنالیا تم) سب (نے) اس (گئو سالے کو) حضرت موسیٰ کی موجودگی میں نہیں، بلکہ (انکے) طور پر جانے کے تیسرے یا چوتھے عشرہ کے (بعد) (اور تم) خود اپنے ہی حق میں بڑے ہی (اندھیر) ڈال دینے (والے ہو)۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر معاف فرما دیا ہم نے تم سے اس کے بعد۔ کہ اب شکر گزار ہو●

اب ہمارا کرم دیکھو کہ (پھر) جب حضرت موسیٰ کوہِ طور سے معٔ الواحِ توریت کے لوٹے اور اس واقعہ کو دیکھا اور جلال سے بھر گئے اور ہمارے حکم سے تمہارا قتل عام ہونے لگا تو حضرت موسیٰ سے دیکھا نہ گیا اور دست بدعا ہوئے تو (معاف فرما دیا ہم نے) اور سزا اٹھالی (تم سے اس) تمہارے جرم شدید، بت پرستی (کے بعد) (کہ) بارہا نافرمانی کر چکے اور سزا پاتے رہے، (اب) تو (شکر گزار) ہو جاؤ۔

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور جب کہ دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و ناحق کا امتیاز، کہ تم لوگ اب راہِ راست پر آ جاؤ●

(اور) اے یہودیو اس سلسلہ میں اس واقعہ کو یاد کرو (جبکہ دی) تھی (ہم نے) کوہِ طور پر بلا کر (موسیٰ کو کتاب) توریت، جس میں ہدایت و ضلالت کی تفصیل ہے (اور حق و ناحق کا امتیاز) ہے (کہ) ابھی تک (تم لوگ) بھٹکتے رہے ہو۔ تو (اب راہِ راست) پا کر اس (پر آ جاؤ)۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا

اور جب کہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے کہ اے میری قوم بے شک تم نے اندھیر کردیا خود اپنے لیا اپنے بت بنالینے سے گوسالہ کو، تو متوجہ ہو جاؤ

اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ

اپنے پیدا کرنے والے کی طرف، کہ قتل کرڈالو اپنوں کو۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

پس توبہ قبول فرمائی تمہاری، بیشک وہی توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اور) اسی واقعہ کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ (جب کہ) کوہ طور سے واپسی پر گئوسالہ پرستی دیکھی تھی تو (کہا) تھا (موسیٰ نے اپنی قوم کے) فائدہ کے (لئے) اور اعلان کیا تھا (کہ اے میری قوم بیشک تم نے) بہت بڑا (اندھیر کردیا خود اپنے لئے) کسی کا کچھ نہ بگڑا، خود تمہارا بگڑا، تمہارے (اپنے بت بنالینے سے) تصویر (گئوسالہ کو) ایسا مشرکانہ جرم کرڈالا ہے (تو) اس کے سوا نجات کی کوئی صورت نہیں کہ (متوجہ ہو جاؤ اپنے پیدا کرنیوالے) اللہ تعالیٰ (کی طرف)۔ سچے دل سے توبہ کرو اور اسکے حکم کے سامنے گردن ڈالدو۔ (کہ قتل کرڈالو) اپنے ہاتھ میں تلوار لیکر خود (اپنوں کو)۔ ہر گئوسالہ پرست گردن جھکا کر کھڑا ہو جائے اور جو اس جرم میں نہ تھا وہ گردن کاٹتا چلا جائے۔

توبہ کا (یہ) طریقہ رہ گیا ہے جو نہایت (بہتر ہے تمہارے لئے) اسی میں تمہارا بھلا ہے کسی اور کے نہیں، بلکہ خود (تمہارے پیدا کرنے والے) اللہ تعالیٰ (کے نزدیک) کیونکہ ایمان لانے کے بعد تم گئوسالہ پرستی کے سبب مرتد ہو چکے۔ [redacted]

ہے۔ چنانچہ مجرموں نے ایسا ہی کیا اور دوزانوں بیٹھ کر گردن جھکادی اور قتل عام ہوتا رہا۔ مگر کسی نے سر نہ اٹھایا نہ جنبش کی، یہاں تک کہ ستر ہزار کو، ان بارہ ہزار نے، جو حضرت ہارون کے ساتھی تھے اور گئوسالہ پرستی میں شریک نہ تھے، قتل کرڈالا۔ اس منظر سے حضرت موسیٰ وحضرت ہارون کے رحم وکرم میں جوش آ گیا۔ دست بہ دعا ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اب بچے ہوؤں پر رحم فرمائے (پس) بنی اسرائیل کے اس توبہ کے انداز اور حضرت موسیٰ وہارون کی دعا کی بدولت (توبہ قبول فرمائی تمہاری) اللہ تعالیٰ نے۔ مقتولوں کو شہادت کا درجہ بخشا اور جو بچ گئے انھیں معاف فرمادیا اور بخش دیا (بیشک وہی) اللہ تعالیٰ (توبہ قبول فرمانے والا، بخشنے والا ہے) جسکی توبہ وہ نہ قبول فرمائے تو پھر کون قبول کرے اور جسکی توبہ وہ قبول فرمائے اُسے کوئی رد نہیں کرسکتا۔

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی نَرَی اللّٰہَ جَہْرَۃً

اور جب تم لوگ بولے تھے کہ اے موسیٰ ہرگز نہ مانیں گے ہم آپ کو، یہاں تک کہ ہم دیکھ لیں اللہ کو علانیہ،

فَاَخَذَتْکُمُ الصّٰعِقَۃُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝

پس پکڑا تم لوگوں کو کڑک کی بجلی نے، اور تم دیکھ رہے ہو●

(اور) اس واقعہ کا اہم حصہ وہ بھی ہے (جب) اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ نے ستر آدمیوں کو چنا تھا۔ اوران سے روزہ رکھوا کر، کپڑے پاک صاف کرانے کے بعد، کوہ طور پر لیکر چلے کہ گئوسالہ پرستوں کیلئے عذرخواہ ہوں۔ وہاں پہنچتے ہی ایک ابر کا پایہ کھڑا ہوگیا جس میں حضرت موسیٰ داخل ہوگئے اوران ستر لوگوں کو بھی بلایا جو اس میں داخل ہوئے اور سجدہ میں گر پڑے۔۔۔ حضرت موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا۔

اس وقت انکے چمکتے چہرہ پر نگاہ ڈالنا بشر کی طاقت سے باہر تھا، لہٰذا پردہ ڈال لیا۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سب نے سنا، مگر اے یہودیو کتنی بڑی یہ تمہاری شرارت آبائی ہے کہ (تم لوگ بولے تھے کہ اے موسیٰ) آج ہم اس مقام میں ہیں جہاں پہنچ کر کوئی آدمی دل سے مان جانے کے سوا آپ کے خلاف شک بھی عمر بھر نہیں کر سکتا۔ مگر ہم لوگوں کو پوچھئے تو صاف بات یہ ہے کہ (ہرگز نہ مانیں گے ہم آپ کو)۔ اے حضرت موسیٰ (یہاں تک کہ) اپنی انہی آنکھوں سے اسی مقام پر اچھی طرح (ہم دیکھ لیں) گے (اللہ) تعالیٰ (کو علانیہ) صاف صاف، جیسے ہم ایک دوسرے کو دیکھا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کلام الٰہی سن کر بھی، حضرت موسیٰ کے نہ ماننے کی دھمکی انتہا درجہ کی مجرمانہ بغاوت اور سرکشی تھی۔ (پس) اس جرم کی سزا میں (پکڑا تم لوگوں کو کڑک کی) ڈراؤنی، جھلسا دینے والی (بجلی نے) جس میں پڑ کر تم لوگ اس طرح مر گئے، کہ ایک ایک مرتے جارہے ہو (اور تم) ایک دوسرے کو مرتے ہوئے (دیکھ) بھی (رہے ہو)۔

ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۝

پھر اٹھایا ہم نے تمہیں بعد تمہاری موت کے، کہ اب شکرگزار رہو●

تم تو اس قابل نہ تھے کہ تم پر ترس کھایا جاتا۔ مگر حضرت موسیٰ کو خیال آیا کہ یہاں سے تنہا قوم کے پاس جاکر کیا صورت ہوگی۔ انہوں نے انکاری کافرانہ دھمکی کا کچھ خیال نہ کیا اور رحم سے کام لیکر

دست بہ دعا ہوئے۔ یہ دعا مقبول بندہ کی دعا تھی۔ چنانچہ قبول ہوئی (پھر) کیا تھا۔ حضرت موسیٰ کے کہنے سے (اٹھایا) زندہ کھڑا کر دیا (ہم نے تم کو بعد تمہاری موت کے) کہ بالکل مر چکے تھے، حکمت یہ تھی (کہ) ابھی تک کفرانِ نعمت کرتے رہے ہو۔ تو (اب) کسی طرح (شکر گزار ہو) جاؤ۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ

اور سائبان کیا ہم نے تم پر ابر کو، اور اُتارا تم پر من اور سلویٰ کو، کہ کھاؤ

طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

پاکیزہ چیزوں سے جو دیا ہم نے تمہیں، اور انھوں نے نہیں اندھیر میں ڈالا ہم کو، لیکن وہ لوگ خود اپنے کو اندھیر میں ڈالتے تھے •

(اور) مصر سے دوبارہ نکلنے، دریا سے پار ہونے پر یہ واقعہ کا حصہ بھی خاص ہے کہ جب تم لوگ اے یہودیو! ایک چٹیل گرم میدان میں پہنچے، جہاں نہ کوئی سایہ تھا، نہ کچھ کھانے کو تھا۔ تم اس سفر سے یوں ہی گھبرائے ہوئے تھے اور مصر کی جدائی کا قلق رکھتے تھے، کہ فرعونیوں کے بعد اس پر مفت کا قبضہ کر چکے تھے، اور چیں کر رہے تھے۔ چنانچہ قدم قدم پر حضرت موسیٰ سے ایسے سوالات کرتے تھے کہ کسی طرح یہ سفر ملتوی ہو جائے۔ اس عذابی گرم چٹیل کو پا کر تم کو موقع ملا کہ واپسی کیلئے عذر کرو۔ کہ نہ یہاں سایہ ہے نہ کچھ کھانے کو ہے۔

چنانچہ تم نے یہ کہہ بھی ڈالا (اور) تمہارے عذر کو ختم کرنے کیلئے حضرت موسیٰ کی دعا سے (سائبان) کی طرح سایہ گستر (کیا ہم نے تم) لوگوں کے مورثوں (پر) سفید رنگ کے (ابر کو)۔ یوں دھوپ سے پناہ دی (اور) تمہارے کھانے کو کچھ نہ تھا تو (اتارا تم) لوگوں کے مورثوں (پر) بے مشقت کی غذا (من) ترنجبین شیریں کی طرح ایک چیز (اور) بٹیر وغیرہ کی طرح پرند (سلویٰ کو) اس حکم کے ساتھ (کہ کھاؤ) اور بس کھاؤ (پاکیزہ چیزوں) من وسلویٰ (سے جو دیا ہم نے تمہیں) اور کھانے کے سوا کچھ اٹھا کر نہ رکھو۔ روز جو ملے کھا جایا کرو۔ ہاں سنیچر کے دن تم کو کچھ نہ ملے گا۔ مگر جمعہ کو اتنا ملے گا کہ سنیچر کیلئے رکھ دو گے، تو تمہارا کام چل جائے گا۔ اور کسی دن بھی دوسرے دن کیلئے مت رکھنا۔ مگر اے یہودیو! تم سے اس بارے میں بھی صبر نہ ہو سکا اور تمہارے مورثوں نے روزانہ جمع کرنا شروع کر دیا۔ جو دوسرے دن سڑ جاتا تھا اور کھانے کی سڑنے کی ابتدا انہی سڑی لوگوں سے پڑی۔

بالآخر من وسلویٰ کی نعمت بے مشقت سے محروم ہو گئے۔ کتنی بڑی بات اندھیر کی ان سے ہوئی،

لیکن ہمارا کیا بگڑا (اور) سچ یہ ہے، کہ (انھوں نے) اس حرکت سے (نہیں اندھیر میں ڈالا ہم کو) اور وہ ہمیں کیا نقصان پہنچا سکتے ہیں (لیکن) ہاں (وہ لوگ خود اپنے کو) اپنے کرتوت سے (اندھیر میں ڈالتے تھے) اور خود اپنی ہی کو بگاڑتے تھے۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اور جبکہ حکم دیا ہم نے کہ داخل ہو جاؤ اس آبادی میں پھر کھاتے رہو اس سے جہاں چاہو بے کھٹکے، اور داخل ہو دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے،

وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطَايَاكُمْ ۚ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

اور عرض کرو کہ معافی ہو، ہم بخش دیں گے تمہیں تمہاری خطاؤں کو، اور قریب ہے کہ ہم زیادہ دیں احسان والوں کو●

(اور) اس سفرنامہ کا یہ حصہ یاد رکھو کہ حضرت موسیٰ کا منشاء تھا کہ شہر 'اریحا' کو جس پر قوم عاد میں سے بچے ہوئے 'عمالقہ' آباد تھے اور 'عوج بن عنق' انکا حکمراں تھا۔ اسکو بنی اسرائیل فتح کر کے وہاں سے کفر کو مٹا کر آباد ہو جائیں اور سرزمین شام کے سبزہ زاروں میں چین کریں۔ اور یہ بھی منشاء تھا کہ شہر بیت المقدس میں، جو ان کا قبلہ تھا، حاضر ہوں اور آج تک شامت اعمال سے جو خطائیں کرتے رہے ہیں اس پر مغفرت کے طالب ہوں۔ چنانچہ یاد کرو (جب کہ) اس منشاء کی تکمیل کیلئے (حکم دیا ہم نے کہ) اے بنی اسرائیل بے دھڑک (داخل ہو جاؤ اس) شہر کی (آبادی میں) (پھر) مالکانہ شان سے (کھاتے رہو اس) کی پیداوار (سے) جس وقت اور (جہاں چاہو بے کھٹکے) کوئی روک ٹوک نہیں (اور داخل ہو) توبہ کے (دروازہ میں) عاجزانہ شکل میں (سجدہ کرتے ہوئے) (اور) یوں (عرض کرو) دعا مانگو (کہ معافی ہو)۔ یہی لفظ کہو یا استغفار ایسی کرو، بسم اللہ شریف، کلمہ، توحید، پڑھو کہ تمہاری معافی ہو جائے۔ تمہارے اس انداز بندگی کو دیکھ کر (ہم بخش دیں گے تمہیں) اور معاف کر دیں گے (تمہاری خطاؤں کو) اتنا ہی کرم نہیں بلکہ اگر تم لوگ سراپا اخلاص و پیکر احسان ہو گئے تو ہم یہ کرینگے کہ (اور) زیادہ کرم فرمائیں گے۔ اسے یاد رکھو کہ (قریب ہے کہ ہم زیادہ دیں احسان والوں کو)۔

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ

تو بدل ڈالا جنھوں نے اندھیر کر رکھا تھا بات کو اس کی دوسری بولی سے جو سکھائی گئی تھی انھیں، تو اتارا ہم نے ان پر

ظَلَمُوا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾

جنھوں نے اندھیر مچایا تھا عذاب کو آسمان سے، کہ وہ نافرمانی کرتے جا رہے تھے●

مگر بنی اسرائیل شرارت پر اتر آئے (تو) اس وعدہ وکرم سے کوئی فائدہ حاصل نہ کیا بلکہ سرکشی کرتے ہوئے (بدل ڈالا جنھوں نے اندھیر کر رکھا تھا) ہماری (بات کو) ہماری تعلیم کے خلاف (اسکی دوسری بولی سے جو سکھائی گئی تھی انھیں)۔ حکم ہوا تھا 'حِطَّۃٌ' کا، وہ مسخروں کی طرح 'حِنطَۃٌ، حَبَّۃٌ فِیْ شَعْرَۃٍ'، گیہوں گیہوں بالیوں کے دانے بکنے لگے (تو) اس نافرمانی پر (اتارا ہم نے ان ظالموں (پر) (جنھوں نے) اس قسم کا (اندھیر مچایا تھا عذاب)، طاعون (کو آسمان سے) جس سے ستر ہزار بنی اسرائیل مر گئے۔ یہ سزا اسلئے دی گئی (کہ وہ نافرمانی کرتے جارہے تھے) بار بار نافرمانی کرتے جارہے تھے۔ بار بار نافرمانی کرتے، حکم کے خلاف چلتے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا

اور جبکہ پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے، تو فرمایا ہم نے کہ مارو اپنے عصا سے پتھر کو۔ پس پھوٹ نکلے اس سے

عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ

بارہ چشمے۔ ٹھیک جان لیا سب لوگوں نے اپنے اپنے گھاٹ کو۔ کھاتے رہو اور پیتے رہو

رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝

اللہ کی روزی سے، اور نہ پھرتے رہو زمین میں فساد مچاتے ●

(اور) اس ناپاک حرکت سے کسی طرح باز نہیں آتے تھے۔ ریگستان میں پانی نہ تھا۔ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا کہ ہم پیاس سے مرے جارہے ہیں، تو یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی درخواست سن کر (جب کہ پانی مانگا موسیٰ نے) اور پانی کیلئے دعاء کی (اپنی قوم کیلئے) کہ انھیں پانی دیا جائے (تو فرمایا ہم نے کہ) یہ تمہارے پاس بارہ اُبھار رکھنے والا پتھر ہے تم (مارو اپنے عصا سے) اس (پتھر کو) حضرت موسیٰ نے ایسا ہی کیا۔

(پس پھوٹ نکلے اس) پتھر (سے) ہر اُبھار سے ایک ایک، کل (بارہ چشمے) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اور فطرت ایسی تھی کہ ایک گھاٹ سے سب پانی پینے پر اکٹھا نہیں ہو سکتے تھے۔ لہٰذا حضرت موسیٰ کے معجزے سے ہر قبیلہ کیلئے عصا مارنے پر پانی نکل آتا اور پھر خشک ہو جاتا تھا۔ جب پانی پہلے ٹپکے، پھر بہنے لگے، تو بغیر کسی اختلاف کے (ٹھیک جان لیا) تھا (سب) بنی اسرائیل کے (لوگوں نے) ہر ہر قبیلہ نے (اپنے اپنے گھاٹ کو) جہاں سے وہ پانی لیا کریں۔ ان سے کہہ دیا گیا تھا

کہ من وسلویٰ کو خوب (کھاتے رہو) (اور) اپنے اپنے گھاٹ سے سیراب ہوکر پانی (پیتے رہو) اس میں تمہاری تو کچھ بھی کمائی اور مشقت کا دخل ہی نہیں ہے، بلکہ یہ سب کچھ (اللہ کی روزی سے) ہے (اور) اپنی چال چلن ٹھیک کرلو اور آئندہ (نہ پھرتے رہو زمین میں فساد مچاتے) کہ جہاں جاؤ سنسنی پیدا نہ کرو، اور بھلے مانسوں کی طرح زندگی گزارو۔ مگر اے یہودیو! تم اس کھانے پینے کی بے مشقت نعمت کی قدر نہ کرسکے۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا

اور جب عرض کیا تھا تم نے کہ اے موسیٰ ہرگز نہ صبر کریں گے ہم ایک غذا پر، تو پکاریے ہمارے لیے اپنے پروردگار کو کہ نکالے

تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ

ہمارے لیے جو اگایا کرتی ہے زمین، ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ

انھوں نے کہا کہ کیا بدل کرلینا چاہتے ہو اس کو جو کمتر ہے اس سے جو بہتر ہے؟ اترو مصر کسی شہر میں تو بے شک

لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ

تمہارے لیے ہے جو کچھ تم نے مانگا۔ اور چھاپ دی گئی ان پر رسوائی اور غربت، اور لوٹے وہ غضب الٰہی میں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ

یہ اس لیے کہ بلاشبہ وہ انکار کرتے رہے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے انبیاء

بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۟ ع ۶

کو ناحق۔ یہ غضب اس لیے کہ گناہ کیا انھوں نے اور حد سے بڑھ جاتے تھے ●

(اور) تم کو یاد کرنا چاہیے (جب عرض کیا تھا) اس عیش وعشرت کے خلاف (تم) لوگوں کے مورثوں (نے) [redacted] اسی بدتمیزی اور بے تعظیمی کے ساتھ پکارا اور کہا کہ (ہرگز نہ صبر کریں گے ہم ایک قسم کی (غذا پر) کہ بس اسی پر ہمیشہ اکتفا کریں (تو) دعا کیجیے اور (پکاریے ہمارے) فائدہ کے (لیے) اللہ تعالیٰ (اپنے پروردگار کو کہ) پیدا فرمایا کرے اور (نکالے ہمارے لیے) وہ کھانے کی چیزیں (جو) آسمان سے نہیں گرتی ہیں، بلکہ اسے (اگایا کرتی ہے زمین) وہ کہ پیداوار ہو، جیسے

(ساگ) پات (اور ککڑی) کھیرا (اور گیہوں) جو (اور مسور) ماش (اور پیاز) لہسن وغیرہ۔ حضرت موسیٰ کو تمہاری جدت پسندی کیسے پسند آتی (انھوں نے) تمہاری اصلاح کیلئے (کہا کہ) ذرا سوچو تو کہ کیا مانگ رہے ہو؟

(کیا بدل کرلینا چاہتے ہو اس) زمین کی پرمشقت پیداوار (کو جو) پسینہ بہا کر، بوٹی گلا کر، دھوپ سہ کر، بھوکے رہ کر، پیدا کی جاتی ہے۔ اور (کمتر ہے اس) مفت آسمانی نعمت (سے جو) بالکل بے مشقت ہے اور (بہتر) بھی (ہے)۔ تم لوگوں کا دماغ ایسا ہی ٹل گیا ہے تو جاؤ (اترو) ہمارے (مصر) میں غرض (کسی شہر میں) (تو) ہل بیل سے لگو، کھیت جوتو، (بیشک) وہاں محنت ومشقت کرنے پر (تمہارے لئے) وہ ترکاری، اناج پیدا ہونے والی (ہے جو کچھ) زمین کی پیداوار مجھ سے (تم نے مانگا) ہے۔

ایسے بدبخت، بدتمیز، آسمانی برکتوں سے گھبرا اٹھنے والی قوم، یہود، کو سخت سزا دی گئی (اور چھاپ دی گئی ان) یہودیوں (پر) دنیا میں (رسوائی)۔ عالم کی نظر میں ذلیل رہیں۔ اور جو کام کریں اس میں رسوا ہوں۔ بے کسی سہارے کے کہیں پناہ نہ پائیں (اور غربت) کہ فتنوں پر کمائی اڑا دیں اور چین کی روٹی نہ کھا سکیں (اور) اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنے بُرے کرتوت سے (لوٹے وہ) یہودی (غضب الٰہی میں) ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے (یہ) سزا انکو (اسلئے) دی گئی (کہ بلاشبہ وہ) ہمیشہ سے (انکار کرتے رہتے تھے) اور اب بھی انکار کرتے رہتے ہیں (اللہ کی آیتوں کا) حضرت موسیٰ سے لے کر پیغمبر اسلام تک، اور توریت سے لیکر قرآنِ پاک تک، کسی کو بھی نہ مانا اور نہ مانتے ہیں۔

(اور) کیسے ظالم ومجرم ہیں کہ، ماوشما کا کیا ذکر ہے، یہ لوگ (قتل کرتے) رہتے تھے (انبیاء کو) مثلاً حضرت یحییٰ، حضرت زکریا، حضرت شعیب وغیرہ کو۔ حد ہوگئی کہ ایک دن میں ستر ستر انبیاء کو شہید کر ڈالا (ناحق)۔ جو کسی طرح حق ہو ہی نہیں سکتا اور جسکے حق وجواز کیلئے کوئی راہ نہیں نکل سکتی (یہ) اللہ کا (غضب اسلئے) ہے (کہ) اللہ وانبیاء کا (گناہ کیا) تھا (انہوں نے)۔ اللہ کے حکم کو ٹالتے تھے اور انبیاء کو اپنے جیسا بشر قرار دے کر پکارتے، انکے قتل کو عوام کے قتل کے برابر جانتے، انکی نبوت کی برتری معمولی چیز سمجھتے (اور) ہر ہر بات میں (حد سے بڑھ جاتے تھے)۔

یہودیوں کی شرارتوں اور کافرانہ خباثتوں کا جو کچھ تذکرہ ہو چکا ہے یا قرآن میں آئندہ ہو، اسکو سن کر کافروں کا کوئی طبقہ یہ نہ سمجھ لے کہ اب ان کیلئے رحمت خداوندی سے مایوس

ہو جانے کے سوا کوئی راہ نجات کی باقی نہیں رہی ہے۔ یہ تذکرے صرف اسلئے ہیں کہ اس قسم کی کافرانہ جراُتوں سے کوئی دوبارہ کام نہ لے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ سب کیلئے کھلا ہوا ہے، جو چاہے مستحق بنکر رحمت کو حاصل کرلے اور نجات پا جائے۔ یہ اسلام اور اسلام کے پیغمبر، اسی رحمت ونجات کا پیغام اور پیغمبر ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـِٕیۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ

بے شک مسلمان قوم اور یہودی قوم اور عیسائی قوم اور صابی قوم، جواب واقعی مان گیا اللہ اور پچھلے دن کو

وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۲﴾

اور کئے کرنے کے لائق کام، تو انھیں کیلئے ہے انکا ثواب انکے رب کے پاس، اور نہ کوئی خوف ہے ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں ●

چنانچہ (**بیشک مسلمان قوم**) نام کے مسلمان ہوں یا کام کے (**اور یہودی قوم**) سچے ہوں یا جھوٹے (**اور عیسائی قوم**) پکے ہوں یا کچے (**اور صابی قوم**) نیچری، لامذہب ہوں یا کوئی کفری دین کے پابند ہوں، غرض کوئی کسی طبقے سے تعلق رکھتا ہو ان میں سے (**جو**) (**اب**) پیغمبر اسلام کے آنے کے بعد، ان کا پیغام سن کر، قبول کرکے اسی کی روشنی میں (**واقعی**) سچے دل سے (**مان گیا اللہ**) تعالیٰ کو، جو اسلام کا سب سے پہلا سبق ہے اور جس پر سارے اسلام کی تعمیر ہے (**اور پچھلے دن**) روز قیامت (**کو**) جو اسلامی تعلیم میں باب عقائد کا آخری مسئلہ ہے۔ غرض اسلام کی تعلیم کو اول سے آخر تک قبول کرلیا۔ اور یقین کرلیا کہ اللہ واحد و یکتا ہے، اسکے سوا کوئی نہ قدیم ہے، نہ معبود ہے، اس نے ہماری ہدایت کیلئے انبیاء بھیجے۔ انبیاء تک اس کا پیغام لے کر فرشتے آتے ہیں۔

انبیاء کے پاس صحیفے، کتابیں اتریں، نیکی و بدی کا پیدا کرنے والا وہی اللہ تعالیٰ ہے۔ سب کو مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور قیامت کے دن حساب کتاب ہوگا۔ جنتی جنت، جہنمی جہنم پائیں گے۔ مگر ان ایمانیات کو مان کر نہیں رہ گیا بلکہ اس نے حسن عمل دکھایا (**اور کئے**) تو (**کرنے کے لائق کام**) کئے جیسے حضرت سلمان فارسی، کہ تلاش حق کو نکلے، تو یہودیوں میں بسے، عیسائیوں میں گھسے، دہریوں سے ملے، یہاں تک کہ اسلام کو پایا۔ اور پکے سچے مسلمان ہوگئے۔

اسی طرح جو اہل باطل سے پلٹتے مسلمان ہوجائے اور جو پلٹتے ہی مسلمان ہو، وہ ایمان ہی پر موت پا جائے، کہ مدار نجات سب کیلئے اسی خاتمہ بالخیر پر ہے (**تو**) اس کی گذری ہوئی بے دینی یا

بد دینی کی پکڑ نہ ہوگی اور اس کی بدی وفتنہ پردازی کی سزا نہ دی جائے گی بلکہ انکے اسلام قبول کرنے کے بعد (انھیں کیلئے ہے ان کا ثواب) ایمان وحسن عمل کا (ان کے رب کے پاس) اسلام انکے نامہء اعمال کی سیاہی کو اس طرح دھودے گا کہ اب انکے زمانہء جاہلیت کے کرتوت کا تذکرہ کرنا بھی جائز نہ رہے گا (اور) اب (نہ کوئی) آئندہ کا (خوف ہے ان پر) کہ قیامت کے دن کچھ بھگتنا پڑے (اور نہ) اب (وہ) کسی گذری زندگی کے خیال سے (رنجیدہ ہوں) اور جن لوگوں نے پیغمبر اسلام کو پایا، جیسے حضرت سلمان فارسی وحضرت ابوذر غفاری وغیرہ انکی خوش نصیبی تو ظاہر ہی ہے۔

لیکن جس نے نہ پایا تھا اور مر گیا، مگر تلاشِ حق میں وہ اس نتیجہ پر پہونچا کہ اللہ تعالیٰ کو مان گیا۔ اور قیامت کے دن کو تسلیم کرلیا اور کسی پیغمبر سے باخبر نہ ہوسکا، جیسے حبیب نجار، قیس ابن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، بحیرا راہب وغیرہ۔ جو لوگ اس تقریباً چھ سو برس کے اندر تھے، جبکہ وحی کا آسمان سے اترنا یک قلم بند تھا تو وہ جس حد تک پہنچے اس کا تقاضہ ہے کہ بابِ نجات ان کیلئے بند نہیں ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ

اور جبکہ لیا تھا ہم نے تم لوگوں کا مضبوط عہد اور اٹھا کر کردیا تمہارے اوپر طور کو، کہ لو جو کچھ دے رکھا ہے ہم نے تمہیں مضبوطی سے

وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝

اور یاد کرلو جو کچھ اس میں ہے، کہ تم ڈرنے لگو●

(اور) اے یہودیو! یاد کرو (جب کہ) تمہارے مورثوں سے (لیا تھا ہم نے تم لوگوں) کے مورثوں (کا مضبوط) تاکید شدید کے ساتھ (عہد) (اور) عہد لینے کا طریقہ یوں اختیار کیا کہ (اٹھا کر کردیا) فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ اٹھائیں اور کردیں (تمہارے) مورثوں کے سروں کے (اوپر طور کو) فرشتے پہاڑ کو اٹھائیں اور سروں پر لٹکائیں (کہ) اگر اے بنی اسرائیل اپنا بھلا چاہتے ہو اور پہاڑ سے پس جانا نہیں چاہتے، تو بس ابھی ابھی لے (لو جو کچھ دے رکھا ہے ہم نے تمہیں) کتاب توریت وشریعت موسیٰ کو پوری (مضبوطی سے) کہ نہ کبھی ایمان میں خلل آنے پائے، اور نہ عمل میں کوئی خامی ہو (اور) اچھی طرح سے (یاد کرلو) رٹ لو، سمجھ لو، سیکھ لو، (جو کچھ اس میں) موجود (ہے) اس میں تمہارا ہی بھلا ہے (کہ تم) اسکی برکت سے اللہ تعالیٰ سے (ڈرنے لگو)۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُۥ لَكُنتُم مِّنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٦٤﴾

پھر پلٹ گئے تم اس کے بعد۔ تو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت، ضرور تم ہوتے خسارہ والوں سے●

اس وقت تو اے یہودیو، تم نے اپنی جان بچانے کیلئے عہد کرلیا، لیکن (پھر پلٹ گئے تم اس) عہد و معاہدہ (کے بعد) نہ توریت کی پرواہ کی، نہ شریعت کا پاس کیا، اور غنڈہ پن کرنے لگے۔ اس جسارت پر اگر تم کو فوراً جہنم میں جھونک دیا جاتا تو تم اس کے پورے مستحق ہوچکے تھے مگر یہ (تو) جب ہوتا کہ (اگر نہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا) یہ (فضل تم پر) بھی کہ عذاب جہنم کو حشر پر رکھ دیا ہے۔ اور دنیا میں توبہ کی توفیق ہوجاتی ہے۔ [redacted] خاتم الانبیاء ورحمۃ للعالمین کی ذات، [redacted] تو (ضرور) اے یہودیو (تم ہوتے) نہایت بدتر (خسارہ والوں سے)۔ تم سے بڑھ کر کوئی گھاٹے میں نہ ہوتا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ ٱلَّذِينَ ٱعْتَدَوْا۟ مِنكُمْ فِى ٱلسَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا۟ قِرَدَةً خَٰسِـِٔينَ ﴿٦٥﴾

اور یقیناً تم جان چکے ہو انھیں، جو حد سے بڑھ گئے تھے تم میں سے سنیچر کے بارے میں، تو فرمایا ہم نے انھیں کہ "ہو جاؤ بندر ذلیل"●

(یقیناً تم جان چکے ہو انھیں) اور تمہیں انکا علم یقین حاصل ہے (جو حد) قانون (سے بڑھ گئے تھے تم میں سے) اور قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، جس سے کھیلا کرتے تھے (سنیچر کے بارے میں)۔

قانون تھا کہ سنیچر کے دن مچھلی کا شکار نہ کھیلو، انھوں نے دیکھا کہ سنیچر ہی کے دن مچھلیاں دریا کے کنارے آ کر اچھلتی ہیں اور پھر دوسرے دن سے جمعہ تک پانی کی تہہ میں چھپی رہتی ہیں۔ انھوں نے جمعہ کے دن دریا کے کنارے کنارے گڈھے کھودے اور دریا سے گڈھوں تک نالیاں بنادی۔ سنیچر کے دن مچھلیاں اچھلتی نالیوں کے راستہ سے گڈھوں میں گرتی تھیں اور اتوار کے دن وہ لوگ جاکر مچھلیوں کو پکڑتے اور کام میں لاتے۔ انکی بستی کا نام ایلہ تھا۔ اُس میں اس مسئلہ میں تین جماعتیں تھیں۔ ایک ان نیکوکاروں کی، جو خود شکار اس طرح نہ کھیلتے اور کھیلنے والوں کو منع کرتے تھے۔ دوسری ان بزدلوں اور غفلت شعاروں کی، کہ گو خود نہ کھیلتے، مگر کھیلنے والوں کو منع نہ کرتے۔ تیسری ان لفنگوں اور نافرمان سرکشوں کی، جو بے دھڑک یہ شکار کھیلتے، اور سمجھتے کہ ہم قانون کے اندر اندر جرم کررہے ہیں۔ ابتداء میں تو وہ چاہتے رہے کہ قانون کے اندر ہی یہ جرم رہے، لیکن جرم نے اپنی خاصیت دکھائی تو اب یہ دیکھ کر کہ انکی کوئی پکڑ نہ ہوئی، سنیچر کے دن ہی آزادانہ شکار کھیلنے لگے۔ اس پر حضرت داؤد نے دعائے عذاب کی۔

اور بالآخر ہوا (تو) یہ ہوا کہ (فرمادیا ہم نے انھیں) ان دس ہزار کو چھوڑ کر جونیکوکار تھے (کہ) تم انسانیت چھوڑ بیٹھے ہو [redacted] اور (ہو جاؤ) اسی وقت (بندر) کی شکل میں (ذلیل) رسوائے عالم لوگ، تمہاری ذلت پر انسانیت کو شرم آتی ہے۔

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

تو بنادیا ہم نے اس کو عبرت ان کیلئے جو موجود ہوں اور جو بعد کو ہوں اور نصیحت ڈر جانے والوں کیلئے●

وہ لوگ بندر ہو گئے اور تین دن تک زندہ رہ کر مر گئے (تو بنادیا ہم نے اس) واقعہ مسخ صورت (کو) درس و (عبرت ان) بستیوں (کیلئے جو) اس وقت (موجود) و آباد (ہوں اور جو) اس عہد کے (بعد کو) آباد (ہوں) (اور) اس میں بہت بڑی (نصیحت) ہے اللہ تعالیٰ سے (ڈر جانے والوں)، سچے مسلمان ہو جانے والوں (کیلئے) [redacted] یا توڑنے والوں کو منع نہ کریں

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ

اور جبکہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے کہ بیشک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں کہ "ذبح کرو گائے کو"، بولے، کیا آپ بناتے ہیں ہمیں مسخرہ؟"

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

جواب دیا، کہ "پناہ مانگتا ہوں اللہ سے کہ میں ہو جاؤں نادانوں سے"●

(اور) اور یہودیو، عامیل کا واقعہ مشہور ہی ہے، کہ جس عورت سے اس نے شادی کی، اس کا چچازاد بھائی بھی اسے اپنے لئے چاہتا تھا، اپنی ناکامی پر جھلایا اور عامیل کو بے گناہ قتل کر ڈالا۔ اسے اس بات کی بھی لالچ تھی کہ عامیل سرمایہ دار ہے، اس کی دولت کا وہ اس کے بعد حقدار ہے۔ جس سے خوب عیش کرے گا۔ اس قتل نے تمام بنی اسرائیل میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ قاتل خود تو مدعی بن گیا، اور سارے قبیلوں میں ایک دوسرے پر الزام رکھنے کا فتنہ بڑھ گیا۔

بالآخر معاملہ حضرت موسیٰ کے فیصلہ میں آیا۔ تو تم کو یاد ہوگا (جبکہ) فیصلہ کیلئے (کہا موسیٰ نے اپنی قوم) کی بھلائی (کیلئے کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (حکم دیتا ہے تمھیں) اے سارے بنی اسرائیل (کہ ذبح کرو گائے کو) اور اسکی بوٹی مقتول کے جسم سے مس کر دو، وہ خود زندہ ہو کر قاتل کا پتہ بتادے گا۔ بنی

اسرائیل یہ سن کر اچنبھے میں پڑ گئے اور زبانِ نبوت کی پاکیزگی کے خلاف (بولے) کہ (کیا آپ بناتے ہیں ہمیں مسخرہ)؟ مذاق کر رہے ہیں؟ گائے اور اسکی بوٹی سے، اور قاتل کے پتہ چلانے سے کیا واسطہ ہو سکتا ہے؟ حضرت موسیٰ نے انکی اس شوخی کا مقدس (جواب دیا) (کہ) معاذ اللہ (پناہ مانگتا ہوں اللہ تعالیٰ (سے) اس بات سے (کہ میں ہو جاؤں نادانوں سے) اور مذاق کرنے لگوں اور فیصلے کے موقع پر سوال کا اسکے موافق جواب نہ دوں۔ تم لوگ یقین رکھو کہ تمہارے سوال کا وہی جواب ہے، جو خدا کا حکم میں نے تم کو سنا دیا ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ

سب کہنے لگے کہ پکاریئے ہمارے لیے اپنے پروردگار کو کہ بیان فرمادے ہمیں کہ وہ کیسی ہو۔ جواب دیا کہ بیشک وہ فرماتا ہے کہ

عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾

وہ ایسی گائے ہے کہ نہ بڈھی بہلا ہے اور نہ بچھیا اوسر ہے، جوان دونوں کے درمیان۔ اب کر ڈالو جو کچھ حکم دیے گئے ہو ●

اگر بنی اسرائیل میں اطاعت کی سعادت ہوتی تو وہ کسی گائے کو ذبح کر کے حضرت موسیٰ کے اس معجزہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تماشہ دیکھ لیتے۔ مگر روح اطاعت کے مردہ ہونے اور گائے ذبح کرنے سے بچ نکلنے کی شامت سوار ہوئی تو (سب کہنے لگے کہ پکاریئے ہمارے لئے) اور کہیے (اپنے پروردگار کو کہ) گائے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے، تو یہ بھی صاف صاف (بیان فرمادے ہمیں کہ وہ) گائے (کیسی ہو)؟ سوال کا انداز ظاہر کرتا ہے کہ جواب میں کچھ مزید پابندی بڑھادی جائے تا کہ بیجا سوال کی عادت چھوٹے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اس سوال کا (جواب دیا کہ بیشک وہ) اللہ تعالیٰ (فرماتا ہے کہ وہ) جسکے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے (ایسی گائے ہے کہ نہ بڈھی بہلا ہے) کہ جوانی سے اتر گئی ہے اور بچہ نہ دیا (اور نہ بچھیا اوسر ہے) کہ ابھی گابھن ہونے کے قابل نہ ہو۔ بلکہ (جوان دونوں کے درمیان) بہت زیادہ پوچھ گچھ چھوڑ و اور (اب کر) ہی (ڈالو جو کچھ تم حکم دیے جاتے ہو) اور حیلے بہانے سے باز آجاؤ۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ

سب نے عرض کیا کہ پکاریئے ہمارے لئے اپنے پروردگار کو کہ بیان فرمادے ہمیں کہ کیا رنگ ہے اس کا۔ جواب دیا کہ

فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾

بیشک وہ فرماتا ہے کہ بیشک وہ گائے ہے زرد رنگ والی، تیز ہے اسکا رنگ، بھلی لگتی ہے دیکھنے والوں کو●

کاش وہ کسی جوان گائے کو ذبح کر ڈالتے تو وہی کافی ہوتا۔ مگر شامت اس کو کہتے ہیں کہ پھر ایک سوال نکالا اور (سب نے عرض کیا کہ پکاریئے) اور دوبارہ کہیے (ہمارے لئے اپنے پروردگار کو) تا (کہ) وہ (بیان فرمادے ہمیں کہ) جوان گائیں بہتیری ہیں۔ ہمیں جسے ذبح کرنے کا حکم ہے، آخر (کیا رنگ ہے اسکا)؟ ایسے ضدیوں کو مزید پابند کرنے کیلئے حضرت موسیٰ نے (جواب دیا کہ بیشک وہ) اللہ تعالیٰ (فرماتا ہے کہ بیشک وہ) گائے ایسی (گائے ہے) کہ رنگت میں وہ (زرد رنگ والی) ہے اور زردی میں (تیز) گہرا (ہے اس کا رنگ) جو کوئی اسے دیکھتا ہے تو (بھلی) خوبصورت (لگتی ہے دیکھنے والوں کو)۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ

سب بولے کہ پکاریئے ہمارے لئے اپنے پروردگار کو کہ بیان فرمادے ہمارے لئے کہ کون سی وہ گائے ہے،

وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

بیشک گائے مشتبہ ہوگئی ہے ہم پر، اور یقیناً ہم اگر اللہ نے چاہا ٹھیک راہ پاجانے والے ہیں●

اگر اس موقع پر کسی زرد رنگ کی گائے وہ ذبح کر ڈالتے تو کام ہو جاتا۔ مگر شامت پر شامت آئی، تو پھر سہ بارہ سوال کی سوجھی اور (سب بولے کہ پکاریئے ہمارے لئے اپنے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کو) (کہ) ہم سے گائے ذبح کروانی ہے تو بالکل صاف (بیان فرمادے ہمارے لئے کہ) آخر (کون سی وہ گائے ہے) جس کو ہم ذبح کریں۔ کیونکہ زرد تیز رنگ کی بھی کئی گائیں ہیں اور (بیشک) جس کو ذبح کرنا ہے وہ (گائے مشتبہ ہوگئی ہم پر) ہمیں اس خاص گائے کا ایسا مکمل پتہ دے دیا جائے کہ پھر دوسری گائے میں اسکا نشان نہ ملے (اور یقیناً) اگر اس خاص گائے کا نشان مل گیا تو (ہم، اگر اللہ نے چاہا، ٹھیک راہ) کو جلد (پاجانے والے ہیں) اور جو حکم دیا گیا ہے اسکی تعمیل کرنے والے آپ ہم کو دیکھیں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِی الْحَرْثَۚ مُسَلَّمَةٌ

جواب دیا کہ بیشک وہ فرماتا ہے - وہ گائے ہے نہ جفاکشی والی کہ جوتے زمین اور نہ سینچے کھیت کو، تندرست،

ع ۸ لَّا شِیَةَ فِیْهَاؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّؕ فَذَبَحُوْهَا وَ مَا كَادُوْا یَفْعَلُوْنَ۠ ﴿۷۱﴾

کوئی داغ نہیں جس میں، سب بولے اب لائے آپ ٹھیک بات، پھر سب نے ذبح کیا اُسے، اور تیار نہ تھے کہ کریں ●

ان سوالات کی بھرمار اور شوخیوں کا جواب یہی تھا، کہ انکو ایسا پابند کر دیا جائے کہ سوال کرنے کا مزہ پا جائیں اور چونکہ اس سوال میں 'انشاء اللہ' بھی انکی زبان پر آ گیا ہے، اسکی برکت سے اب جو جواب دیا جائے وہ ایسا آخری جواب ہو کہ پھر انھیں کوئی سوال سوجھائی نہ دے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ نے (جواب دیا کہ **بیشک وہ**) اللہ تعالیٰ (فرماتا ہے کہ وہ) صرف ایک ہی گائے ہے جو اپنی بیان کردہ عمر اور رنگت کے باوجود ایسی (**گائے ہے**) جو (نہ) تو (جفاکشی والی) ہل میں چلنے والی ہے (کہ جوتے زمین) کو (اور نہ) سینچائی اور آبپاشی کے کام میں لگائی گئی ہے کہ (**سینچے کھیت کو**) بالکل تیار (تندرست) ہے۔ اسکے جسم میں ایک رنگ کے سوا (کوئی داغ) دوسرے رنگ کا (نہیں) ہے (جس میں)۔

یہ گائے صرف ایک تھی اور وہ ایک مرد صالح کے یتیم کی تھی۔ جب اس کا آخری وقت ہوا اور بچہ کی یتیمی میں کام آنے کیلئے اسکے پاس اس گائے کے سوا کچھ نہ تھا۔ تو اس نے اسے اللہ کے سپرد اس بچہ کو کیا اور کہا کہ یا اللہ یہ گائے اس بچہ کیلئے چھوڑ کر اس کو تیرے حوالے کرتا ہوں۔ وہ بچہ ماں کی پرورش میں رہا اور ماں کی اطاعت میں بے مثل ثابت ہوا۔ اسکے بڑے ہونے پر ماں نے بتایا کہ جنگل میں جا کر اپنی اس گائے کو لے آئے، جو اسکے باپ نے اس کیلئے چھوڑا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ بچہ جنگل گیا اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر گائے کو آواز دی، تو وہ آ گئی۔ گائے کی آواز ظاہر کرتی تھی کہ وہ بچے کو اوپر سوار کرانا چاہتی ہے۔ مگر چونکہ ماں نے اس کا حکم نہ دیا تھا، لہٰذا وہ سوار نہ ہوا۔ اسکی اس ادا نے گائے کو مسخر کر دیا۔ ایک دن ماں نے لڑکے سے کہا کہ اس گائے کو نرغ بازار پر تین دینار میں بیچ ڈالو۔ مگر جو خریدار ہو اس سے کہہ دینا کہ ماں کی مرضی پر اس خرید و فروخت کا دار و مدار ہے۔

بازار میں ایک فرشتہ ملا اس نے تین کے بجائے چھ دینار قیمت لگائی، مگر اس شرط پر کہ

ماں کی مرضی پر موقوف نہ رکھے۔لڑکے نے نہ مانا، اور ماں سے سارا حال جا کے کہا،اس نے کہا کہ چھ دینار میں بیچو، مگر پھر بھی معاملہ میری مرضی پر ختم ہوگا۔بازار میں پھر فرشتہ ملا اور بارہ دینار قیمت لگائی۔مگر اس شرط پر کہ ماں کی مرضی پر موقوف نہ رکھو۔لڑکے نے اس کو نہ مانا اور پھر ماں سے سارا ماجرا جا کر کہہ دیا۔ماں نے کہا،اب تم اس فرشتے سے جا کر کہو کہ میں اس گائے کو بیچوں یا نہ بیچوں؟ چنانچہ لڑکے نے یہی کیا اور فرشتے نے بتایا کہ اس کو بنی اسرائیل خریدیں گے، حضرت موسیٰ کی ضمانت میں بیچو اور قیمت میں اس قدر سونا لو جو گائے کی کھال کو بھر دے۔

اس گائے کو بنی اسرائیل نے پایا تو (سب بولے) کہ اے حضرت موسیٰ (اب لائے آپ ٹھیک) ایسی (بات) کہ ہم ذبح کی جانے والی گائے کو بغیر کسی شبہ کے پا گئے۔انھوں نے دام پوچھا، تو اس کی کھال بھر سونا لڑکے نے بتایا۔وہ کرتے تو کیا کرتے، ساری قوم کی دولت اکٹھا کی اور خود فقیر ہو گئے اور کھال کو سونے سے بھر دینے کو منظور کر لیا، جس کی ضمانت حضرت موسیٰ نے لی۔اس طرح وہ گائے بنی اسرائیل کی ملکیت ہو چکی تو (پھر سب نے ذبح کیا اُسے) حالانکہ ان کے بار بار کے سوال سے (اور) گائے کی قیمت حد سے زیادہ بڑھ جانے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ (تیار نہ تھے کہ) اس کام کو (کریں)۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾

اور جبکہ قتل کر ڈالا تھا تم نے ایک جان کو پھر ایک دوسرے پر ٹھیلا تم نے اس بارے میں، اور اللہ ہے ظاہر فرمانے پر اسے جو تم چھپاتے تھے●

(اور) اے یہودیو! یہ واقعہ قتل 'عامیل' ہی کا ضروری حصہ ہے کہ (جب کہ قتل کر ڈالا تھا تم) لوگوں کے ایک فرد 'عامیل' کے چچازاد بھائی (نے) اُسی 'عامیل' کی (ایک جان کو) پھر قاتل ہی نے خون کا دعویٰ کیا اور دوسروں کو قاتل بتایا۔جن کو قاتل بتایا تھا وہ اوروں کو قاتل بتانے لگے اور بنی اسرائیل کے تمام قبیلوں میں یہ نزاع فتنہ بن گئی۔کیسی مجرمانہ چال تھی، کہ قتل کیا (پھر ایک دوسرے پر ٹھیلا تم نے)۔ ہر ایک جرم سے بری بننے لگا اور دوسرے کو مجرم بتانے لگا (اس) قتل کے (بارے میں) انکا مقصد تو یہ تھا کہ قاتل چھپا کا چھپا رہ جائے (اور اللہ ہے ظاہر فرمانے پر اسے جو تم) لوگ (چھپاتے تھے)۔

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ

پس حکم دیا ہم نے کہ مارو مقتول کو اسکے ایک ٹکڑے سے، اسی طرح زندہ فرمادے اللہ مردوں کو،

وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

اور دکھاتا ہے تمہیں اپنی نشانیاں کہ اب تم عقل سے کام لو●

منشاءِ الٰہی تھا کہ قاتل کو ظاہر ہی کر دیا جائے (پس حکم دیا ہم نے کہ) گائے کو ذبح کر کے (مارو مقتول) کی لاش (کو اس) گائے (کے) گلے، زبان، دمچی یا کسی عضو کے (ایک ٹکڑے) اور بوٹی (سے)۔ جب بنی اسرائیل نے یہی کیا تو عامیل زندہ ہو گیا اور اپنے قاتل، چچازاد بھائی کا نام بتایا اور سب نے دیکھ لیا کہ مردہ زندہ ہو جاتا ہے۔ جو لوگ مرنے کے بعد زندگی کو نہیں مانتے، بنی اسرائیل کی عینی شہادت سے یقین کرلیں کہ (اسی طرح زندہ فرمادے اللہ) تعالیٰ (مردوں کو) انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات سے دنیا میں اور اپنی قدرتِ کاملہ سے حشر کیلئے (اور) اللہ تعالیٰ (دکھاتا ہے تمہیں) اے یہودیو، اس قسم کی (اپنی نشانیاں کہ) ابھی تک حماقت کرتے رہے تو (اب) سے (تم عقل سے کام لو) اور بے عقلی چھوڑ کر اس کے وفادار کامل ہو جاؤ۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِىَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ

پھر سخت ہو گئے تمہارے دل اس کے بعد تو وہ جیسے پتھر ہیں، بلکہ اور زیادہ سخت۔ اور بے شک کچھ پتھر ہیں

لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا

کہ پھوٹ نکلتی ہیں جن سے نہریں۔ اور بیشک کچھ پتھر ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں تو نکل پڑتا ہے اس سے پانی۔ اور بیشک کچھ پتھر

لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

ہیں کہ گر پڑتے ہیں اللہ کے خوف سے۔ اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو تم کرو●

مگر اے یہودیو کیسی بدبختی تمہاری ہے کہ سب کچھ آنکھوں سے دیکھا مگر (پھر) بھی (سخت ہو گئے تمہارے دل اس کے بعد تو وہ) دل نہیں بلکہ (جیسے پتھر ہیں) اور پتھر کیا (بلکہ اور زیادہ سخت)۔

... اسلام چاہا ایمان لایا ان کا گھر بچ جانا ان پر صلوٰۃ وسلام عرض

(اور) اتنا تو ساری دنیا دیکھتی ہے کہ (بیشک کچھ پتھر ہیں) اس قسم کے فیض رساں (کہ پھوٹ نکلتی ہیں جن سے نہریں) پتھر میں شگاف پڑا، اس سے پانی کا دہانہ کھلا، اور بڑھ کر نہر کی صورت میں ہو گیا

(اور بیشک کچھ پتھر) اس قسم کے (ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں) اور شگاف پڑ جاتا ہے (تو) رِس رِس کر (نکل پڑتا ہے اس سے پانی) اور اس سے بھی لوگ کچھ نہ کچھ فائدہ پاتے ہیں (اور بیشک کچھ پتھر) اس قسم کے (ہیں) کہ گو پانی کا کوئی فیض ان میں نہ ہو مگر وہ اپنے خالق و مالک کو ایسا ڈرتے رہتے ہیں (کہ) اس کا حکم پا کر (گر پڑتے ہیں) چوٹی سے وادی میں گرتے پڑتے آجاتے ہیں (اللہ کے خوف سے) (اور) تمہارے دل ایسے گئے گذرے ہیں کہ جن میں سوا غفلت، کچھ نہیں ہے۔ اے غافلو! تم غفلت سے کام لو تو اس کو سمجھ رکھو کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ ہرگز (غافل اس سے جو) بھی (تم) کیا (کرو) وہ تمہاری ہر چال کو جانتا ہے۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ

تو کیا تم لوگ لالچ کرتے ہو اسکی کہ یہ سب مان جائیں تمہیں؟ حالانکہ بیشک انکی جمعیت والے تھے کہ سنا کریں اللہ کے کلام کو،

ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

پھر کچھ کا کچھ کر دیں اس کو اسکے بعد کہ وہ سمجھ چکے ہیں اسے، اور وہ دانستہ کیا کریں●

اے مسلمانو! بولو (تو) کہ (کیا) اپنے پیغمبر کی امید کی طرح (تم لوگ) بھی (لالچ کرتے ہو اسکی) اور جی جان سے چاہتے ہو (کہ یہ سب) یہودی لوگ (مان جائیں تمہیں) اور تمہاری طرح سے مسلمان ہو جائیں (حالانکہ) حضرت موسیٰ کے ساتھ طور پر جو ۷۰/ستر لوگ گئے تھے ان سے لیکر آج تک یہودیوں کی خمیر دیکھ رہے ہو کہ (بیشک ان) ہی (کی جمعیت) اور پارٹی (والے تھے) اور ہیں (کہ) سننے کو تو (سنا کریں اللہ کے کلام) توریت (کو) مگر۔

(پھر) جس سے رشوت پائیں اسے اسکی جیسی بتائیں اور جس سے کچھ نہ پائیں اسکو دھمکی کی بات سنائیں اور توریت والی بات سب سے چھپا ڈالیں۔ یوں (کچھ کا کچھ کر دیں اس) توریت (کو) اور یہ حرکت ناسمجھی میں نہیں، بلکہ (اس کے بعد کہ وہ سمجھ) بھی (چکے ہیں اسے) کہ توریت میں کچھ ہے اور وہ کچھ اور بک رہے ہیں (اور) انکا یہ رویہ کسی غلط فہمی سے بھی نہیں ہے بلکہ (وہ) یہ سب (دانستہ) خوب جان بوجھ کر ان حرکتوں کو (کیا کریں)۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۷۶﴾

اور جب ملے مسلمانوں کو کہنے لگے کہ ہم ایمان لاچکے۔ اور جب اکیلا ہوا انکا کوئی کسی کے پاس، بکنے لگے کہ کیا بتادیا کرتے ہو انھیں جو کچھ کھولا اللہ نے تم پر، تاکہ ہرادیں تم کو اس سے تمہارے پروردگار کے یہاں، تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے •

(اور) زمانہ، نزولِ قرآن میں سب کا چشم دید ہے کہ (جب) یہ یہودی کہیں بھی (ملے مسلمانوں) صحابہ رسول (کو) تو (کہنے لگے کہ ہم) تو تمہاری طرح (ایمان لاچکے) اور پیغمبر اسلام کو مان لیا، وہ حق ہیں، تم لوگ حق پر ہو، انکے فضائل وخصائص صاف صاف توریت میں موجود ہیں، جن سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ تو مسلمانوں سے کہا (اور جب اکیلا ہوا انکا کوئی کسی کے پاس) تو اس تنہائی کی صحبت میں انکے سردار لوگ (بکنے لگے کہ) توریت میں پیغمبر اسلام کے جو فضائل ہیں اس کو تم کیوں ان لوگوں سے کہہ دیا کرتے ہو، یہ تمہاری کتنی بڑی غلطی ہے۔ سوچو کہ (کیا بتادیا کرتے ہو انھیں جو کچھ کھولا) صاف صاف (اللہ) تعالیٰ (نے تم پر تاکہ) وہ لوگ حجت پکڑیں اور دلیل لائیں اور (ہرادیں تم کو اس سے) اس دنیا سے لیکر (تمہارے پروردگار کے یہاں) تک (تو کیا) ہار خود چاہتے ہو، اور (عقل سے کام نہیں لیتے)۔

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۷﴾

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپائیں اور جو کچھ ظاہر کریں •

کوئی ان یہودیوں سے پوچھے کہ (کیا یہ لوگ) اتنا بھی (نہیں جانتے کہ) وہ چھپائیں یا ظاہر کریں، اگر کوئی نہیں جانتا تو (بیشک اللہ) تعالیٰ تو (جانتا ہے جو کچھ) بھی (وہ چھپائیں) فضائل محمدیہ ﷺ کو (اور جو کچھ) بھی عوام اسے (ظاہر) کردیا (کریں)۔ اسی اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو ان باتوں کی اطلاع دیدی اور پیغمبر نے مسلمانوں کو آگاہ کردیا، تو اب یہودیوں کے چھپانے سے کیسے کچھ چھپ سکتا ہے۔ وہ صرف اپنے جاہل عوام ہی کو دھوکے میں رکھ سکتے ہیں۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

اور انکے بعض ان پڑھ ہیں، نہیں سمجھتے کتاب کو مگر رٹے ہوئے الفاظ اور اوہام اور وہ نہیں ہیں مگر یہ کہ وہم پرستی کریں●

(اور اُن) یہودیوں (کے) اندر (بعض) ایسے بھی ہیں جو بالکل (ان پڑھ ہیں)، نہ لکھنا جانیں نہ پڑھنا وہ لوگ ذرا بھی (نہیں سمجھتے کتاب) توریت (کو)، کہ آخر اس میں کیا فرمایا گیا ہے اس بارے میں۔ اُن کے پاس کچھ بھی سرمایہ نہیں ہے، (مگر) بس زبان پر (رٹے ہوئے) بعض توریت کے (الفاظ) (اور) چالاک سرداروں کے دماغ میں ڈالے ہوئے (اوہام) جسکی کوئی سند نہیں، محض بے تحقیق باتیں ہیں۔ (اور وہ) جاہل لوگ کچھ بھی تو (نہیں ہیں مگر) اُن کا کام (یہ) رہ گیا ہے (کہ) بے دلیل سنی سنائی باتوں پر (وہم پرستی) کیا (کریں)۔ یہ جاہل تو اپنی جہالت کی سزا ضرور ہی بھگتیں گے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا

تو ہلاکی ہے انکے لیے جو لکھیں کتاب کو اپنے ہاتھوں سے، پھر دعویٰ کریں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ لیں اسکے بدلہ

بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾

تھوڑی سی قیمت، تو ہلاکی ہے انکے لیے اس سے جو لکھا انکے ہاتھوں نے، اور ہلاکی ہے انکے لیے اس سے جو کمائی کریں●

مگر جن لوگوں نے فریب دے رکھا ہے۔ اُنکا حشر (تو) سخت عذاب اور (ہلاکی ہے اُن کے لئے جو) توریت کے اصل الفاظ کو بدل دیں اور اس کے بجائے (لکھیں) اپنے جی سے (کتاب) توریت (کو اپنے) ہی (ہاتھوں سے) جس کو ان سے پہلے کسی ہاتھ نے توریت میں نہیں لکھا تھا۔ مثلاً۔ توریت میں تو یہ مضمون لکھا تھا کہ پیغمبر آخر الزماں کا حلیہ ہے، موزوں قد، روشن خد، چشم سرگیں، زلف عنبریں، یہودیوں نے اس کو توریت سے کاٹ کر یہ مضمون لکھ دیا کہ، دراز قد، کنجی آنکھ، پریشان بال، جو توریت میں دجال کا حلیہ بتایا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ دجالی حلیہ پیغمبر کا ہو ہی نہیں سکتا۔ عوامِ یہود چونکہ اُس حلیہ کو، پیغمبر اسلام میں نہیں پاتے تھے، لہٰذا آپ کو پیغمبر آخر الزماں نہیں سمجھ سکتے تھے۔ اور یہی یہودی سرداروں کا، اس تحریف سے منشا بھی تھا۔ مگر کتنی بڑی جسارت تھی کہ لکھیں خود ہی اپنے دل سے (پھر دعویٰ کریں کہ یہ) ہماری من گڑھت نہیں ہے، بلکہ (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) ہی کہا گیا (ہے)۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے عوام ان کے قابو سے باہر نہ ہوسکیں، اور وہ اپنے دستور کے موافق

ان سے چندہ وغیرہ خوب کماتے کھاتے رہیں۔

[redacted] لئے جس (تا کہ لیں اسکے بدلہ) دنیا کی (تھوڑی سی) ذلیل
[redacted] پیٹ پالنے اور روپیہ کمانے کا یہ کتنا بُرا طریقہ ہے (تو) سخت عذاب اور (ہلاکی ہے اُن کیلئے اُس) مضمون کی وجہ (سے جو) بالکل غلط (لکھا اُن) یہودیوں (کے ہاتھوں نے) (اور) سخت عذاب و (ہلاکی ہے اُن) یہودیوں (کیلئے اُس) اُن کی آمدنی (سے جو) وہ اس طریقہ سے (کمائی کریں)۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا

اور کہہ گزرے کہ ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو آگ، مگر چند دن کو، پوچھو کہ کیا لے رکھا ہے تم لوگوں نے اللہ سے یہاں کوئی عہد؟

فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

تو اب ہرگز نہ خلاف فرمائے گا اللہ اپنے عہد کو، یا بک رہے ہو اللہ پر جس کو تم خود نہیں جانتے ●

حرکتیں تو اسی قسم کی کمینہ پن کی ہیں (اور) اس پر مزاج ایسا ہے کہ اپنے لئے ڈینگ لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ بھی (کہہ گذرے کہ ہرگز نہ چھوئے گی ہم کو) جہنم کی (آگ) (مگر) بس گنتی کے (چند دن کو) جو کم سے کم 'سات دن' اور زیادہ سے زیادہ 'چالیس دن'۔

سات دن اس حساب سے، کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے، ہر ہزار میں سے ایک دن لیا جائے گا۔ اور چالیس دن اس حساب سے، کہ ہمارے مورثوں نے جس چلہ میں گئو سالہ پرستی کی تھی وہ چالیس دن تھی۔ لہٰذا زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہم کو جہنم میں رہنا ہوگا۔ پھر اس سے نکال لئے جائیں گے۔ بعض چالیس کا حساب یوں بتاتے تھے کہ ہمارے مورثوں کی ایک خطا پر اللہ تعالیٰ نے چالیس دن تک عذاب دینے پر قسم کھالی ہے۔ بس اسی قسم کو اتارنے کیلئے، وہ ہم کو صرف چالیس دن جہنم میں رکھے گا اور پھر جنت دے دیگا۔

ان فرضی حساب بتانے والوں سے ذرا یہ تو (پوچھو کہ) اے یہودیو! یہ تو بتاؤ کہ (کیا لے رکھا ہے) اور اقرار کر لیا ہے (تم لوگوں) اور تمہارے مورثوں (نے اللہ) تعالیٰ (کے یہاں کوئی) وعدہ، و (عہد) و پیمان۔ توریت بھر میں کہیں کوئی اس کا نشان بھی ہے، شریعت موسیٰ میں کہیں اس کا پتہ بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے عہد کر لیا (تو اب ہرگز نہ خلاف فرمائے گا اللہ) تعالیٰ (اپنے عہد کو)۔ وہ

میں شک نہیں کہ عہدِ الٰہی کے خلاف

بھی وعدۂ الٰہیہ میں نہیں ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ وعدہ وعہد، تم کو کس دلیل سے معلوم ہوا؟ (یا) سچی بات تو یہ ہے کہ (بک رہے ہو) محض بے دلیل، بے ثبوت (اللہ) تعالیٰ (پر) ایسی من گڑھت بات، (جس) کے ٹھیک ہونے (کو تم خود) بھی (نہیں جانتے)۔ جاہلوں کو تو کسی بات کا بھی علم نہیں اور جو علم والے ہیں وہ اپنی من گڑھت کو خوب جان رہے ہیں۔ اور ڈینگ کی درستگی کے بارے میں وہ علم کہاں سے رکھیں۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

ہاں ہاں جس نے کمایا برائی کو اور گھیر لیا اُسے اس کے جرم نے، تو وہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

جہنم والے ہیں۔ وہی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے ●

(ہاں ہاں) جنتی، جہنمی، کو اللہ تعالیٰ سے سننا چاہتے ہو، تو اسکا فرمان سنو، کہ (جس نے) اپنے کسب وخواہش سے (کمایا) شرک وکفر کی (بُرائی کو) (اور) اس سے کبھی باز نہ آیا، بلکہ (گھیر لیا اسے اسکے جرم) کفر وشرک (نے) جس سے مرتے دم تک چھٹکارا نہ ملا، اور شرک وکفر کی وجہ سے اسکے کسی فعل کو نیک نہ قرار دیا گیا (تو) اے یہودیو! اپنے انجام کو کہ (وہ جہنم والے ہیں)۔ اور ایسے نہیں کہ چندروز اس میں رہ کر پھر نکل پڑیں، بلکہ (وہی ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے)۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

اور جو مسلمان ہوگئے اور کیے کرنے کے قابل کام، وہ جنت والے ہیں۔ وہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ●

(اور) اے یہودیو! سنو کہ تم کو جنت سے کیا واسطہ، وہ تو ان کیلئے ہے (جو مسلمان ہوگئے) یہودیت، نصرانیت، بت پرستی اور ہر قسم کے کفر وشرک کو ٹھکرایا [redacted] ان کو مانا (اور) ان کی ہدایت پر چلے اور (کئے) ایسے کام جو (کرنے کے قابل کام) ہیں۔ ایسے نیکیوں والے (وہ) ہیں، جو صحیح طور پر (جنت والے ہیں) (وہی) اور صرف وہی (اس) جنت (میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَیْنِ

اور جب کہ لیا ہم نے مضبوط عہد اولاد یعقوب کا کہ نہ پوجیں اللہ کے سوا، اور ماں باپ سے

اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِیْمُوا

بھلائی کرنے کا، اور قرابت والوں اور یتیموں اور مسکینوں سے، اور بولا کرو لوگوں کی بھلائی کیلئے اچھی بولی، اور ادا کرتے رہو

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

نماز کو، اور دیتے رہو زکوۃ کو۔ پھر پلٹ گئے تم لوگ مگر تھوڑے تم میں سے، اور تم لوگ روگردانی کرتے رہنے والے ہو ●

(اور) اے یہودیو! یاد کرو (جبکہ لیا) تھا (ہم نے) پختہ اور (مضبوط عہد) سارے (اولاد یعقوب کا)۔ عہد قدیم سے لیکر آج تک، یہودیوں کو سخت تاکید کے ساتھ حکم دیا تھا (کہ نہ پوجیں اللہ کے سوا)۔ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے، اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

(اور) معبودِ برحق کے اس حق کو ادا کرنے کے ساتھ، حکم دیا گیا تھا کہ (ماں باپ سے) جو تمہاری پیدائش اور وجود کے وسیلہ ہیں (بھلائی کرنے کا)۔ غلام بنے رہو، فرماں برداری کرو، حاضر خدمت رہو، ادب آداب بجالاؤ، حاجتیں پوری کرتے رہو، انکے غم وغصہ کو سہو، اور خود انکی کسی سختی پر اف نہ کرو، فرائض وواجبات کے سوا، جسکو وہ چھوڑنے کو کہیں چھوڑ دو، اگر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو، تو انکے ہر فرمان کی تعمیل کرو، وہ گنہگار ہوں تو سلیقہ کے ساتھ انکو گناہ سے بچنے کی تلقین کرو، وہ معاذ اللہ کافر ہوں، تو نرمی کے ساتھ انکو مسلمان بنانے کی ہر کوشش کو انجام دو، (اور) انھیں ماں باپ کی وجہ سے جو رشتہ دار ہوں، ان رشتہ داروں اور (قرابت والوں) سے بھی نیک برتاؤ کرو، کہ تمہارے ماں باپ کے رشتہ دار ہیں۔ (اور) اسی کے ساتھ (یتیموں) سے اچھا سلوک کرو۔ جو نابالغ ہیں اور باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا ہے۔ اب اسکا کوئی باپ جیسا مربی وخیر خواہ نہ رہا، تو تم لوگ سب اسکے باپ بن جاؤ۔

(اور) اسی کے ساتھ (مسکینوں سے) بھی نیک سلوک کرتے رہو، کہ وہ تو اب خانماں برباد اور نادار ہو چکے ہیں۔ ان کی خبر گیری تم سب کو کرنی ہے (اور) یہ بھی ضروری ہے کہ اپنی بولی پر قابو رکھو۔ اور (بولا کرو) تو (لوگوں کی بھلائی کیلئے) بولا کرو۔ جس بولی کو کہا جائے کہ (اچھی بولی) ہے، مثلاً ایسی کہ اللہ اور رسول کی بولی ہو، تعظیم شعائر اللہ کی بولی، خوف الٰہی پیدا کرنے والی بولی، نیکی کی طرف جھکا دینے والی بولی، بھائیوں سے الفت پیدا کر دینے والی بولی۔ اللہ تعالیٰ کا نام لو تو صرف اللہ صاحب نہ کہا کرو کہ تمہارا کوئی اسی کہہ سکتا۔ بلکہ کم سے کم اللہ تعالیٰ تو کہو۔ رسول کا نام لو تو صرف نبی صاحب

نہ کہو، کہا تنا اور کار

انکی خوبیوں کی برتری

(اور) بھلائی کرنا اور اچھی بولی بولنا اس کو تو تم خود بھی جانتے ہو، اسکی تفصیل تمہارے عرف ورواج میں موجود ہے، اور تمہارا عرف ہی حجت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بارے میں تمہارا جاہلانہ دستور، بالکل غلط ہے۔ اسکا طریقہ یہی ہے کہ (ادا کرتے رہو نماز کو) جس طرح انبیاء ادا کرتے رہے۔ (اور دیتے رہو زکوٰۃ کو) جس طرح ہماری شریعتوں میں حکم ہے۔ تم لوگوں نے ان احکام کو پایا اور عہد بھی کیا، مگر (پھر پلٹ گئے تم لوگ) سب کے سب، (مگر تھوڑے تم میں سے) جیسے عبداللہ ابن سلام اور انکے رفقاء (اور) تمہاری سرشت کی تاریخ ہے۔ ظاہر ہے کہ (تم لوگ) ہمیشہ سے (روگردانی کرتے رہنے والے ہو) بغیر روگردانی کے تمہارا جی نہیں بھرتا۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ

اور جبکہ لیا ہم نے مضبوط عہد تمہارا کہ نہ بہاؤ خون اپنوں کا، اور نہ نکال باہر کردیا کرو تم اپنوں کو اپنی

دِيَارِكُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ۝

آبادیوں سے۔ پھر اقرار کرلیا تم نے اور تم خود چشم دید سا جانتے ہو●

(اور) اے یہودیو! یاد کرو (جب کہ لیا) تھا (ہم نے) تاکید شدید کے ساتھ (مضبوط عہد تمہارا) تمہارے مورثوں کے زمانے سے اب تک، (کہ نہ بہاؤ خون اپنوں کا)۔ ایک دوسرے کو قتل نہ کرو (اور نہ نکال باہر کردیا کرو تم اپنوں کو) نہ تو کسی کو اسکے گھر سے زبردستی نکالو، نہ ایسا ظلم کرو کہ وہ مجبور ہو کر نکل جائے (اپنی آبادیوں سے)۔

اگر باہم خونریزی و ظلم پر اتر آؤ گے تو اتفاق کی جگہ باہمی نفاق پیدا ہوگا، اور قومی شیرازہ بکھر جائے گا۔ پھر جو دشمن چاہے گا اس سے فائدہ اٹھا کر ساری قوم کو دبا لے گا، اور تم سے کچھ کرتے نہ بنے گا۔ تم نے ان احکام کو سنا (پھر اقرار) بھی (کرلیا تم نے) کہ ان احکام کی پوری پابندی کی جائے گی (اور) اے یہودیو! یہ واقعہ ایسا ہے کہ اپنے بارے میں (تم خود) ہی دیکھ رہے ہو اور اپنے مورثوں کے بارے میں اس کو (چشم دید سا جانتے ہو) اس کی روایت تمہارے پاس تواتر کے ساتھ موجود ہے: جس سے انکار کرنا، آنکھ دیکھے سے انکار کرنے کے، برابر ہے۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِیَارِهِمْ٘

پھر تمہیں وہ ہو کہ قتل کرواپنوں کو، اور نکال باہر کرتے رہو ایک فریق کو اپنے ان کی بستیوں سے۔

تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِؕ وَ اِنْ یَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ

مدد کرتے رہو ان کے خلاف گناہ اور ظلم میں۔ اور اگر آئیں تمہارے پاس قیدی، مال دے کر چھڑا لیتے ہو انھیں، حالانکہ

مُحَرَّمٌ عَلَیْكُمْ اِخْرَاجُهُمْؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍۚ

حرام ہے تم پر ان کا نکال باہر کرنا۔ تو کیا مانا کرو کچھ کتاب کو، اور انکار کر دیا کرو کچھ کا؟

فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَاۚ وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

تو کیا سزا ہے اس کی جو کرے یہ تم میں سے، مگر رسوائی دنیاوی زندگی میں، اور قیامت کے دن

یُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝

دھکیل دیے جائیں سخت تر عذاب کی طرف۔ اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو کرتے رہو●

مگر اب یہ دیکھو کہ (پھر تمہیں وہ ہو) کہ مدینہ میں دو جمعیۃ قائم ہے۔ ایک بنی اوس کی، دوسری بنی خزرج کی۔ اور دینی طور پر تم کو ان دونوں سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔ تم اہل کتاب ہو، وہ بت پرست ہیں۔ تمہارا دین انبیاء لے کر آئے، ان کا دین ان کے دماغی اوہام کی پیداوار ہے۔ ایسے کھلے ہوئے اغیار سے محض نفع دینا، اور تمنائے نمائندگی کیلئے تمہارا طریقہ یہ ہے کہ تم میں کچھ لوگ بنی نضیر ہیں اور کچھ لوگ بنی قریظہ ہیں۔ ان میں سے بنی نضیر، خزرج کی پارٹی کے ممبر بن گئے اور بنی قریظہ نے بنی اوس کی پارٹی میں داخلہ کرالیا۔ بنی اوس اور بنی خزرج میں دھینگا مشتی، جھگڑا لڑائی، اٹھا پٹک، پہلے ہی جاری تھا۔

جب دیکھو میدان جنگ سامنے ہے اس میں تم لوگ اپنی اپنی پارٹی کے حق میں، اپنے دین کو بھلا کر رہے اور جنگ میں تم نے اس کی پرواہ نہ کی، کہ۔۔۔ تمہارے ہاتھ سے تمہارے دین کو ماننے والا قتل نہ ہو۔ بلکہ مشرکین کے ساتھ تم بھی عادی ہو گئے (کہ قتل کرو اپنوں کو) اپنے ہاتھ سے خود اپنے دین والے کو قتل کر ڈالو (اور نکال باہر کرتے رہو ایک فریق کو) جو خود تمہارے (اپنے) دین کا ہے (ان کی بستیوں) اور گھروں (سے) اور مجرمانہ عادت کے مطابق (مدد کرتے رہو) اپنی اپنی مشرک پارٹی کی (ان) تمہارے اپنے دین والوں (کے خلاف گناہ) حکم الٰہی توڑنے (اور) ان مشرکین کے (ظلم) کرنے (میں)۔

مشرکین کے رنگ میں رنگ اٹھے ہو اور انکے جور و ستم کے آلہ کار بن چکے ہو (اور) خاتمہ۔

جنگ پر (اگر آئیں تمہارے پاس قیدی) کوئی یہودی جس کا دین تمہارا دین ہے، اور جس کو چھڑانا تمہارے لئے دینی حکم ہے، تو اس وقت تم کو اپنا دین یاد آتا ہے، اور (مال دے کر چھڑا لیتے ہو انھیں)۔ اور ڈینگ مارتے ہو کہ حکم توریت سے یہ مالی قربانی کرتے ہو (حالانکہ) اگر تم میں کتاب الٰہی کا کچھ بھی پاس ہوتا، تو اس میں تو صاف موجود ہے کہ (حرام ہے تم پر انکا) سرے سے (نکال باہر کرنا) ہی۔ تو پھر تم نے انھیں کیوں ستایا اور ظلم کرنے لگے، کہ انھیں قیدی ہونا پڑا (تو) اے یہودیو (کیا) تم لوگوں نے یہی رویہ پسند کرلیا ہے کہ (مانا کرو کچھ) مسئلوں میں (کتاب) توریت (کو) جس کے ماننے اور کرنے میں تمہارے ذاتی مفاد اور جمعیۃ کے مفاد کو چنداں نقصان نہ ہو، (اور انکار کردیا کرو کچھ) مسائل (کا) جس میں تمہیں اپنی ذاتی غرض اور جمعیۃ کی غرض بگڑتی نظر آئے۔

یہ طریقہ اسی کا ہوسکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حرامِ قطعی کو حلال جانے، اور حرامِ قطعی کو حلال جاننا کفر ہے۔ (تو) اے یہودیو تم ہی بتاؤ کہ (کیا سزا ہے اس) مجرم کافر (کی جو) کافروں کے میل جول سے حرامِ قطعی کو حلال جان کر (کرے یہ) خطرناک جرم (تم) یہودیوں آسمانی دین رکھنے والوں (میں سے) انکی سزا کیا ہوسکتی ہے؟ (مگر) یہ کہ (رسوائی) میں پڑے رہیں اپنی (دنیاوی زندگی میں)، نگاہوں سے گرجائیں اور کافروں کی خوشامد، غلامانہ کرتے رہیں۔

چنانچہ بنی قریظہ کی جمعیۃ قتل ہوئی اور قید میں ڈالی گئی۔ اور بنی نضیر کی پارٹی جلاوطن ہوگئی۔ یہ حشر تو دنیا میں ہوا (اور قیامت کے دن) ان کی سزا یہی طے ہے، کہ (ڈھکیل دیئے جائیں) جہنم کے (سخت تر عذاب کی طرف) (اور) اے یہودیو! تم کس بھول میں پڑے ہو اور کیا سمجھ رہے ہو، کہ تمہارے کرتوت پر اللہ تعالیٰ کی نظر نہیں ہے؟ یاد رکھو! کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبر اس) تمہارے کردار (سے جو) بھی تم (کرتے رہو)۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ

وہ ہیں جنھوں نے مول لیا دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے، تو نہ ہلکا کیا جائے گا

عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾

اُن سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں •

اس کو تمہارے ایک ایک کام کی پوری خبر ہے۔ سب لوگ اچھی طرح پہچان لیں، کہ ایسے

نامۂ اعمال والے (وہ ہیں جنھوں نے مول) لے (لیا دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلے)۔ دنیا کی لذت اور آخرت کی لذت جمع کیسے ہو۔ انھوں نے آخرت کی لذت کو چھوڑ دیا اور دنیا کی لذت کو خریدا۔ یہاں کا آرام واقتدار پسند کیا اور وہاں کی راحت سے بے پرواہ ہوگئے۔ (تو) جو انکا جی چاہتا ہے وہی برتاؤ ان سے آخرت میں کیا جائے گا۔ کہ (نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب) آخرت کو (اور) چونکہ وہ کفر پسندی سے کافر ہو چکے اور کافر اس دن نہ کسی کی مدد کرسکیں اور (نہ وہ مدد کئے جائیں) لہٰذا بے یار و مددگار رہیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ

اور یقیناً ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور لگاتار بھیجے ہم نے ان کے بعد بہت رسول۔ اور دیں ہم نے عیسیٰ فرزند

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى

مریم کو روشن نشانیاں اور تائید فرمائی ہم نے انکی روح القدس سے۔ تو کیا جب لایا تمہارے پاس کوئی رسول وہ جس کو نہیں چاہتا

اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

تم لوگوں کا نفس، تم لوگ غرور کرنے لگے۔ تو کسی کو تم نے جھٹلا دیا، اور کسی کو شہید کر ڈالو●

(اور) اے یہودیو! ہمارا اکرم بالائے کرم دیکھو، کہ (یقیناً ہم نے دی موسیٰ کو کتاب) توریت، ایک ایک آیت یا ایک ایک سورت کی طرح نہیں، بلکہ ایک ہی دفعہ میں پوری توریت دیدی (اور) انکی شریعت کو چلاتے رہنے کیلئے (لگاتار بھیجے ہم نے) یکے بعد دیگرے آتے رہے (ان کے بعد) حضرت یوشع بن نون اور حضرت اشموئیل وحضرت داؤد اور حضرت سلیمان وحضرت الیاوحضرت حزقیل وحضرت الیاس وحضرت یونس وحضرت زکریا وحضرت یحییٰ وغیرہ (بہت)، تقریباً چار ہزار (رسول) اور جب وقت آیا کہ شریعت موسیٰ کی مدت ختم کردی جائے اور دوسری شریعت بھیجی جائے تو ہم نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰ کو پیدا فرمایا۔

(اور دیں ہم نے) انھیں حضرت (عیسیٰ فرزند مریم کو) مردوں کو زندہ کرنے، اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کرنے [redacted] انجیل کی برکت لانے کی (روشن نشانیاں اور تائید فرمائی ہم نے ان کی) اور قوت بخشی (روح القدس سے)۔ انکا 'روح اللہ' لقب ہوا، اور روح الامین انکے ہر وقت، یوم ولادت سے تینتیس برس کی عمر تک، جب کہ وہ آسمان پر اٹھالئے گئے، ساتھ رہے۔

مگر اے ظالم یہودیو! تم اپنی شامت پر شامت دیکھو کہ کسی طرح تم اپنے انکار کی عادت کو نہ چھوڑ سکے۔
(تو) تمہارے موروثی نامہء اعمال سے خود یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ (کیا جب) بھی (لایا تمہارے پاس کوئی) بھی (رسول وہ) خدا کا پیغام (جس کو) کسی طرح (نہیں چاہتا تم لوگوں کا نفس) تو (تم لوگ) عادی ہو گئے ہو کہ بس فوراً (غرور کرنے لگے) اور پیغام لانے والوں کو دیکھا (تو کسی کو تم نے جھٹلا دیا اور) زیادہ زور دکھانے پر آؤ تو (کسی کو شہید کر ڈالو؟)۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

اور بکنے لگے کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں۔ بلکہ ملعون کیا ان کو اللہ نے انکے کفر کی وجہ سے تو کچھ ہی انکے ایمان لائیں●

(اور) ہر نبی کے پیغام کو اور پیغمبر اسلام کے پیغام کو سن کر کچھ نہیں تو، یہی (بکنے لگے کہ) ہمیں آپ اپنا پیغام کیوں بیکار سناتے ہیں۔ کیونکہ (ہمارے دل) تو (غلاف میں ہیں)، وہاں تک کسی پیغام کے گھسنے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے اور اس میں خود سارے علم بھرے ہوئے ہیں۔ انکی یہ بکواس تو بے معنی ہے (بلکہ) سچ تو یہ ہے کہ (ملعون کیا) اور اپنی رحمت سے محروم قرار دیا (انکو اللہ) تعالیٰ (نے) خود (انکے کفر) کی کمائی (کی وجہ سے) (تو) ہمیشہ یہی ہوگا کہ دوسری قوموں کے اعتبار سے، تعداد میں، یہودیوں میں سے (کچھ ہی انکے ایمان لائیں) تو لائیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ

اور جب آگئی انکے پاس کتاب، اللہ کے پاس سے تصدیق کرنے والی اسکی جو انکے پاس ہے، اور وہ تھے پہلے سے کہ فتح طلب کیا کریں

عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾

ان پر جنھوں نے کفر کیا تھا، تو جب آگیا انکے پاس جن کو پہچان چکے تھے تو انکار کر دیا انکا۔ تو پھٹکار ہے اللہ کی انکار کر دینے والوں پر●

(اور) یہودی فطرت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ (جب آگئی ان کے پاس کتاب) قرآن کریم (اللہ) تعالیٰ (کے پاس سے)، وہ ایسی کتاب ہے جو (تصدیق کرنے والی) ہے (اس) توریت (کی جوان) یہودیوں (کے پاس) حضرت موسیٰ کی دی ہوئی (ہے)۔ (اور وہ) یہودی (تھے) اس زمانے کے (پہلے) ہی (سے کہ) جنگ کے وقت ہر مصیبت میں (فتح) و نصرت (طلب کیا کریں ان) سارے اپنے دشمن قبائل، اسد و غطفان و مزینہ و جھینیہ وغیرہم مشرکین (پر) (جنھوں

نے کفر کیا تھا) اور یوں دعا کرتے تھے کہ **یااللہ! ہماری مدد فرما، نبی آخرالزماں کے وسیلہ سے، جنکی نعت شریف توریت میں موجود ہے۔ یااللہ! ہماری مدد فرما، اور فتح دے، نبی امی کے صدقہ میں۔** اور مشرکین کو دھمکیاں دیتے تھے کہ نبی آخرالزماں جلد تشریف لا رہے ہیں، تاکہ ہماری تصدیق فرمادیں۔ اس وقت ہم تم کو اس طرح قتل کر ڈالیں گے جیسے قوم عاد وارم قتل کیے گئے تھے۔

یا تو ان کا یہ اچھا حال تھا کہ پیغمبر اسلام کا وسیلہ پکڑتے، انکا صدقہ مانگتے، ان کی آمد آمد کا تذکرہ علی الاعلان کرتے، یا (تو) اب یہ بُرا حال ہے کہ (جب آگیا) پیغمبر اسلام (انکے پاس جن کو) یہ یہودی پہلے ہی سے خوب **(پہچان چکے تھے تو)** دیدہ ودانستہ (انکار کر دیا انکا) (تو) ایسے نانہجاروں کو اسکے سوا کیا کہا جائے، کہ **(پھٹکار ہے اللہ)** تعالیٰ (کی) ان سب (انکار کردینے والوں) اور ہٹ دھرم یہودیوں (پر)۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ

کتنا برا دام ہے وہ کہ خریدا انھوں نے جس سے اپنے نفس کو، یہ کہ انکار کردیا کریں اسکا جو اتارا اللہ نے! حسد میں اسکے کہ اتارتا ہے اللہ

مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ

اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں سے۔ تو ہو گئے غضب بالائے

عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

غضب میں۔ اور انکار کردینے والوں ہی کیلئے عذاب ہے رسوائی والا●

یہودیوں کا **(کتنا برا دام ہے)** یہ کیسی بدقسمتی ہے، کون سا دام **(وہ کہ خریدا انھوں نے جس)** دام **(سے اپنے نفس کو)** اور اسکی قیمت میں **(یہ)** کیا کریں **(کہ انکار کردیا کریں اسکا جو اتارا اللہ)** تعالیٰ **(نے)** محض بے دلیل، صرف اس **(حسد میں)** اور (اس) جلن **(کے)** سبب **(کہ)** وہ چاہتے کہ جو نبی ہو، وہ انہیں کی قوم بنی اسرائیل میں ہو۔ اور بنی اسماعیل وغیرہ میں کبھی نہ ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کو اسکا پابند بنانا چاہتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کو کسی بات کا کوئی کیسے پابند کرسکتا ہے۔ اسکا دستور یہ ہے کہ **(اتارتا ہے اللہ)** تعالیٰ اپنے پیغام کو **(اپنے فضل سے جس پر)** بھی وہ **(چاہے اپنے بندوں)** میں **(سے)**۔

یہودیوں کے اس کافرانہ بے وجہ انکار میں، ایک تو اللہ تعالیٰ کو پابند کرنے کا کفر ہے، دوسرے صرف اسی وجہ سے کلام الٰہی کا انکار، کافرانہ طرز عمل ہے۔ پھر پیغام الٰہی کا انکار کسی وجہ سے بھی ہو، خود

کفر ہے۔ پھر اس میں نبی کی نبوت کا انکار ہے، وہ بھی خود کفر۔۔۔ نبی میں ایک نہیں کتنے انبیاء کا انکار ہے، جو کفروں کا ایک بڑا مجموعہ ہے۔ (تو) ان کفر بالائے کفر کی وجہ سے سارے یہودی (ہو گئے غضب بالائے غضب میں) دنیا و آخرت میں۔ (اور) یوں تو عذاب فاسقوں پر بھی ہو سکتا ہے، لیکن ان (انکار کر دینے والوں ہی کیلئے) اس قسم کا (عذاب ہے) جو (رسوائی والا) ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ

اور جب کہا گیا انکے بھلے کو کہ مان جاؤ جو کچھ اتارا ہے اللہ نے، جواب دیا کہ ہم مانتے ہیں جو کچھ اتارا گیا ہم پر اور انکار رکھتے ہیں

بِمَا وَرَاءَهُ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ

جو کچھ اسکے سوا ہے، حالانکہ وہ حق ہے تصدیق کرنے والا اسکے لئے جو انکے پاس ہے۔ جواب دو کہ پھر کیوں شہید کرنے کے عادی ہو

أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾

اللہ کے نبیوں کو پہلے سے، اگر تم تھے بڑے ایمان والے؟●

(اور) اس ڈھٹائی کو کیا کہا جائے کہ (جب) بھی (کہا گیا ان) یہودیوں (کے بھلے کو) اور سمجھایا گیا (کہ) تم بھی (مان جاؤ) سب مسلمانوں کی طرح (جو کچھ) قرآن میں (اتارا ہے اللہ) تعالیٰ (نے)۔ تو اللہ تعالیٰ سے نڈر ہو کر یہودیوں نے (جواب دیا کہ ہم) بس وہی (مانتے ہیں جو کچھ) توریت میں (اتارا گیا) ہے (ہم) بنی اسرائیل (پر) (اور انکار رکھتے ہیں) قرآن سے اور (جو کچھ) بھی (اس) توریت (کے سوا ہے)۔ (حالانکہ وہ) قرآن، بلاشک وشبہ (حق ہے) یہودی لوگ خود بھی دیکھ رہے ہیں کہ قرآنِ پاک (تصدیق کرنے والا) ہے (اس) توریت و شریعت موسیٰ (کیلئے جو انکے پاس) حضرت موسیٰ کے زمانے سے (ہے)۔ اے پیغمبر اسلام انکی اس بولی کا (جواب دو کہ) بڑے توریت و شریعت موسیٰ کے ماننے والے رہے ہو، تو یہی بتا دو کہ (پھر کیوں) زمانہ موسیٰ سے (شہید کرنے کے عادی ہو اللہ) تعالیٰ (کے نبیوں کو پہلے) ہی (سے) (اگر) واقعی (تم) اپنے دعویٰ کے مطابق (تھے بڑے ایمان والے)۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾

اور یقیناً لائے تمہارے پاس موسیٰ روشن نشانیاں، پھر بت بنا لیا تم نے گئو سالہ کو ان کے بعد، اور تم لوگ اندھیر والے ہو●

(اور) اے یہودیو کیا بھول گئے کہ (یقیناً لائے تمہارے پاس موسیٰ) ہماری دی ہوئی (روشن نشانیاں) کھلے کھلے احکام، صاف صاف معجزات، تو (پھر) کیا تم نے کسی کو مانا؟ تم نے تو یہ کیا کہ (بت بنالیا تم نے گئوسالہ کو انکے) طور پر جانے کے (بعد) تم تو حضرت موسیٰ کے بھی کافر ہی رہے (اور) تمہاری موروثی تاریخ سے ظاہر ہے کہ (تم لوگ) عادی طور پر (اندھیر والے ہو) بے اندھیر مچائے تمہارا جی نہیں بھرتا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا

اور جبکہ لیا ہم نے مضبوط عہد تمہارا اور اٹھا کر کردیا تمہارے اوپر طور کو، کہ لو جو کچھ دیا ہے ہم نے تمہیں مضبوطی سے اور کان لگاؤ،

قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ

سب بولے کہ سنا ہم نے اور نہیں مانا، اور پلا دیے گئے اپنے دلوں میں گئوسالہ اپنے کفر کی وجہ سے۔

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ

کہہ دو کہ کتنا برا ہے حکم دیتا ہے تمہیں جس کا تمہارا ایمان، اگر تم ایمان والے ہو●

(اور) اے یہودیو! کتنے بڑے ڈھیٹ ہو، یاد کرو (جب کہ لیا) تھا (ہم نے) تاکید شدید کے ساتھ (مضبوط عہد تمہارا اور) طریقہ یہ برتا کہ (اٹھا کر کردیا تمہارے) مورثوں کے سروں کے (اوپر طور کو کہ) اپنی خیریت چاہتے ہو تو بس لے (لو جو کچھ دیا ہے ہم نے تمہیں) حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے، خوب اچھی طرح (مضبوطی سے اور) ہمارے پیغام پر اچھی طرح (کان لگاؤ) غور سے سنو، اس پر عمل کرو، ورنہ ابھی تم کو پیس کر رکھ دیا جائے گا۔ یہ سر پر فرشتوں کا پہاڑ کو اٹھا کر لے آنے کا نقشہ، ایسا تھا کہ کوئی اور ہوتا تو اس کا دل ہل جاتا، اور وہ مخلص بندہ بن جاتا، مگر اے یہودیو! ذرا اپنے باپ دادا کو دیکھو، کہ اس موقع پر بھی (سب بولے) تو یہ بولے (کہ) پہاڑ کے ڈر سے سننے کو تو خوب (سنا ہم نے) (اور) اگر ماننے کو کہیے، تو ہمارے قول وفعل سے ظاہر ہے کہ ہم نے (نہیں مانا) (اور) اصل بات تو یہ تھی کہ (پلا دیے گئے) تھے بنی اسرائیل (اپنے دلوں میں) گویا انکی گھٹی میں (گئوسالہ) پرستی پڑ گئی تھی محض (اپنے کفر کی وجہ سے)۔ یہودیوں سے یہ بھی ان کی ایمانی ڈینگ کے جواب میں (کہہ دو کہ) اگر تمہارا یہ طرز عمل، بہ تقاضائے ایمان تھا، تو (کتنا برا) کام (ہے)، وہ کام، (حکم دیتا ہے تمہیں جس کا تمہارا ایمان، اگر تم ایمان والے) بنے (ہو)۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ

پوچھو کہ اگر ہے تمہارے ہی لیے دارِ آخرت اللہ کے پاس خالص، سب کو چھوڑ کر،

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝

تو آرزو کرو مرنے کی، اگر ہو سچے ●

یہ یہودیوں نے خوب بے پر کی اڑا رکھی ہے کہ آخرت کی نجات صرف انھیں کیلئے ہے۔ اور کوئی نجات نہ پائے گا۔ بھلا ان سے (پوچھو کہ اگر ہے) صرف (تمہارے ہی لئے دارِ آخرت) کا عیش (اللہ) تعالیٰ (کے پاس) بلا شرکتِ غیرے (خالص) تمہارے لئے (سب) لوگوں (کو چھوڑ کر) تو پھر موت کا نام سن کر کیوں جھجک جاتے ہو؟ کیوں اس دعا پر، مسلمانوں کے سامنے آ کر راضی نہیں ہوتے۔ کہ یا اللہ! جو ناحق پر ہو اسکی موت آ جائے اور کیوں نہیں موت کی تڑپ رکھتے ہو، تا کہ عیش آخرت جلد پا جاؤ۔ تمہیں (تو) چاہیے کہ (آرزو کرو مرنے کی اگر) اپنے دعوے میں تم لوگ (ہو سچے)۔ مرنے کا شوق مسلمانوں میں دیکھو کہ راہِ خدا پر مرنے کیلئے ہر وقت آمادہ رہتے ہیں اور اس کیلئے دعائیں کرتے ہیں۔ اور زندگی صرف اتنے کیلئے پسند کرتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ نیکیاں جمع کر لیں اور زیادہ سے زیادہ توبہ کی دولت حاصل کر لیں۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ۝

اور ہرگز آرزو نہ کریں گے اسکی کبھی ان جرموں کے سبب جو پہلے کر چکے انکے ہاتھ۔ اور اللہ جاننے والا ہے اندھیر مچانے والوں کو ●

(اور) رہے اس بارے میں یہودی، تو ہم غیب کی خبر دیئے دیتے ہیں کہ (ہرگز) وہ لوگ (آرزو نہ کریں گے اس) موت (کی کبھی) کیوں؟ تو (ان جرموں کے سبب جو پہلے) ہی (کر چکے تھے، (ان کے ہاتھ) (اور) وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ کو نہیں ہے۔ وہ یاد رکھیں کہ (اللہ جاننے والا ہے) ان سب (اندھیر مچانے والوں کو)۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ

اور ضرور پاتے رہو گے تم انکو سب سے زیادہ لالچی زندگی پر۔ اور ان سے جنہوں نے شرک کر رکھا ہے، چاہتا ہے ہر ایک انکا کہ کاش زندہ رکھا جائے

سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾ ع

ہزار سال۔ حالانکہ دور کرنے والا نہیں ہے اس کو عذاب سے معمر ہو جانا۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے جو کچھ کرتوت کریں ●

(اور) یہ بھی غیب کی خبر سن لو، کہ اے مسلمانوں ہمیشہ (ضرور پاتے رہو گے تم ان) یہودیوں (کو سب) جہان بھر (سے زیادہ لالچی زندگی پر) (اور) یہ لالچ زندگی کی (ان) بت پرستوں (سے) بھی ہوتی رہے گی (جنھوں نے شرک کر رکھا ہے)۔ ان دونوں قوموں کا حال یہ ہے کہ (چاہتا ہے ہر ایک) شخص (ان کا کہ کاش) وہ کبھی نہ مرے اور (زندہ رکھا جائے) کم از کم (ہزار سال) تک۔ مشرکین عجم نے تو اپنا سلام بنا رکھا تھا کہ 'زہ ہزار سال' (حالانکہ) وہ کتنا بھی جئیں، پھر بھی (دور کرنے والا نہیں ہے اس کو عذاب) الٰہی (سے) محض اس کا (معمر ہو جانا)۔ (اور) زیادہ جینے سے کیا ہوتا ہے، کیا وہ اللہ تعالیٰ سے چھپ جائیں گے؟ یاد رکھیں کہ (اللہ) تعالیٰ (دیکھنے والا ہے) انکی عمر کو نہیں بلکہ (جو کچھ) وہ (کرتوت کریں)۔ سارا مدار عمل پر ہے، عمر پر نہیں ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا

کہہ دو کہ کون ہے دشمن جبرئیل کا، کہ بے شک اس نے تو اتارا اس کو تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے، جو تصدیق کرنے والا ہے

بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٩٧﴾

اس کا جو اسکے آگے ہے، اور ہدایت اور خوش خبری ہے مان جانے والوں کیلئے ●

کیسے احمق ہیں یہودیوں میں سے، عبداللہ ابن صوریا اور اسکی بات ماننے والے لوگ، جو حضرت جبرئیل کو اپنا دشمن اس بنا پر کہتے ہیں کہ قوم یہود پر جتنے عذاب آئے، وہ حضرت جبرئیل ہی لائے۔ یہودیوں نے اپنے نبی سے سن لیا تھا کہ بیت المقدس کی فلاں قوم میں ایک شخص پیدا ہوگا جو لوٹ لیگا، اور یہودیوں کا قتل عام کرے گا۔ وہ لڑکا پیدا ہوا، اسکا نام 'بخت نصر' تھا۔

یہودیوں نے چاہا کہ اسکو بچپن ہی میں مار ڈالیں، لیکن جب سب یہ ارادہ قتل اس تک پہنچے، تو جبرئیل تھے جنھوں نے اس کو قتل سے بچالیا۔ اور ہالآخر اسکے ظلم سے یہودی خانماں برباد ہوگئے۔ اب بھی وہ جبرئیل ہی ہیں جو پیغمبر اسلام کے پاس آ کر ہماری رسوائی کی داستان سناجاتے ہیں، اور ہمارے بھید کو کھول دیتے ہیں۔ ہم لوگ تو میکائیل کو پسند کرتے ہیں اور جبرئیل کو تو اپنا دشمن جانتے ہیں۔ چونکہ ہمارے ضد میں وہ قرآن لیکر آتے ہیں، تو ہم دشمن کی لائی ہوئی کتاب کو نہ مانیں گے۔

ان احمقوں سے اے پیغمبر اسلام (کہہ دو کہ) اے یہودیو! آخر تم میں سے (کون ہے دشمن جبرئیل) کی معصوم ذات (کا)۔ آج تک جبرئیل نے جو کچھ کیا، از خود نہیں کیا، اپنے اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاتے رہے اور اب بھی وہ اللہ تعالیٰ کے قاصد ہی ہیں۔ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کرتے بلکہ دیکھ لو (کہ بیشک اس) جبرئیل (نے تو اُتارا اس) قرآن (کو) پڑھتے، سمجھاتے، یاد کراتے ہوئے، (تمہارے دل) حفظ منزل (پر) اپنی خود رائی سے نہیں بلکہ (اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے)، تو ان سے دشمنی حماقت ہے۔ وہ تو اللہ تعالیٰ سے دشمنی ہوئی، اور پھر حضرت جبرئیل یہودیوں کے خلاف کیا لا رہے ہیں۔ وہ قرآن لائے تو ایسا (جو تصدیق کرنے والا ہے اس) توریت وانجیل وزبور وصحف انبیاء (کا جو اسکے) بہت (آگے) سے اللہ تعالیٰ کا اُتارا ہوا (ہے)۔

اپنی تصدیق کو لیکر آنے والے کو اپنا دشمن کہنا، پلّے سرے کی کافرانہ حماقت ہے (اور) اس قرآن میں کوئی گتھی اور تاریکی نہیں ہے، بلکہ وہ سراپا (ہدایت) ہے (اور) اس میں عذاب کا شائبہ بھی نہیں ہے، بلکہ عذاب سے بچانے کی ہر تدبیر اس میں ہے۔ وہ تو صاف صاف (خوشخبری ہے) سارے (مان جانے والوں کیلئے) ہدایت وبشارت کو عذاب سمجھنا، نرے پاگل کافر کا کام ہے۔ ذرا یہودیوں کی اس چالبازی کو دیکھو کہ اپنا دشمن نہ خدا کو زبان سے کہیں، نہ فرشتوں کو، نہ رسولوں کو، اور نہ میکائیل کو، صرف جبرئیل کو دشمن کہتے ہیں۔ حالانکہ جبرئیل کی دشمنی جس سبب سے بتاتے ہیں اس سے تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے بھی دشمن ہیں۔ اور فرشتوں، رسولوں، اور جبرئیل کے ساتھ میکائیل اور سارے مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے بھی دشمن ہیں۔ [redacted]

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ

جو ہوا دشمن اللہ اور اسکے فرشتوں اور اسکے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا،

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۝

تو بے شک اللہ دشمن ہے نہ ماننے والوں کا●

ان یہودیوں کو بتادو کہ تم میں سے (جو) بھی (ہوا دشمن اللہ) تعالیٰ (اور اسکے) تمام (فرشتوں اور اسکے) سارے (رسولوں اور) خاص طور پر (جبرئیل اور میکائیل کا) کہ ان میں سے ایک کی بھی دشمنی دوسرے کے ساتھ دشمنی ہے (تو) خوب سمجھ رکھو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ بھی (دشمن ہے نہ ماننے والوں کا)۔

اللہ والے جتنے ہیں سب ایسے کافروں کے دشمن ہیں۔ یہودیت، اولیاء اللہ کی عداوت پر چل رہی ہے اور اولیاء اللہ کی منزلت دشمنانِ اولیاء کی عداوت سے ہے۔ حضرت عمر کا یہ بیان بالکل ٹھیک ہے، جب کہ وہ حسب عادت اپنی جائداد کی نگرانی کو جاتے ہوئے راستہ میں یہودیوں کے مدارس کے پاس ٹھہر گئے۔ اور یہودی انکو دیکھ کر کہنے لگے کہ مسلمانوں میں ہمارا محبوب تم میں سے زیادہ کوئی نہیں، ہماری بڑی آرزو ہے کہ آپ یہودی ہوجائیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ میرے ٹھہرنے سے یہ نہ سمجھنا کہ مجھ کو تم سے کچھ بھی محبت، یا اسلام کی طرف سے ذرا بھی شبہ ہے۔ میں تو اسلئے ٹھہر جاتا ہوں کہ تم بولو اور میں سنوں، اور میرا ایمان بڑھتا جائے، کیونکہ تم کو نعت شریف بتانی پڑتی ہے اور پیغمبر آخرالزماں کا تذکرہ کرنا پڑتا ہے۔ اور ہم توریت کے ان مضامین پر مزید اطلاع پاجاتے ہیں۔ یہودیوں نے ان سے کہا کہ ہمیں قرآن وغیرہ سے کوئی بحث نہیں، ہم تو جبرئیل کے لائے ہوئے پیغام کو سننا بھی نہیں چاہتے، وہ ہمارے دشمن ہیں۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ جبرئیل کا دشمن، اللہ اور سارے اللہ والوں اور میکائیل کا بھی دشمن ہے۔ قرآن بھی انکے اس بیان کو ٹھیک قرار دیتا ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍۚ وَ مَا یَكْفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ﴿۹۹﴾

اور یقیناً اتارا ہم نے تمہاری طرف روشن آیتوں کو اور نہ انکار کریں ان کا مگر نافرمان لوگ ●

(اور) ابن صوریا، یہ کیا بکتا ہے؟ کہ قرآن میں کوئی پیغام ایسا نہیں، جو ہماری کتاب میں ہو، اور اس میں صاف صاف باتیں ہیں، حالانکہ (**یقیناً اتارا ہم نے تمہاری طرف**) قرآن میں صاف صاف (**روشن آیتوں کو**) کہ اندھوں کو بھی اسکی روشنی سوجھائی دے (**اور**) کسی کیلئے انکار کی کوئی گنجائش نہ رہے، یہاں تک کہ سارے جہاں میں (**نہ انکار کریں ان**) آیات (**کا مگر**) بس ضدی کافر (**نافرمان لوگ**) جو ہر فرمان کا انکار کردینے کے سوا شغل نہیں رکھتے۔

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴿۱۰۰﴾

اور کیا جب جب عہد کیا انھوں نے کسی معاہدے کا، تو ڈ پھینکا اس کو ایک جمعیت نے ان کی بلکہ ان کے بہتیرے مانتے ہی نہیں ●

(**اور**) مالک ابن صیف کس قدر منہ پھٹ بے شرم ہے، کہتا ہے کہ پیغمبر آخرالزماں کیلئے ہمارے

پاس کوئی عہد و معاہدہ نہیں ہے، کہ کوئی ان لوگوں سے پوچھے کہ (کیا) یہی طے کر رکھا ہے انھوں نے کہ (جب جب) کوئی (عہد کیا انھوں نے کسی) بھی (معاہدہ کا) تو بس یہی کرتے رہے کہ (توڑ پھینکا اس) عہد (کو) اس طرح کہ (ایک جمعیۃ) اور ٹولی (نے ان کی) تو معاہدہ جان کر، مان کر، توڑ ڈالا، جو باقی بچے انھوں نے یہی نہیں کیا (بلکہ ان کے) اندر جو (بہتیرے) اور اکثریت والے کہے جاتے ہیں، انکی بے ایمانی بھی بڑھی چڑھی ہے کہ وہ معاہدہ ہونے کو (مانتے ہی نہیں)۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ

اور جبکہ آ گیا انکے پاس رسول، اللہ کے یہاں سے، تصدیق کرنے والا اس کا جو انکے ساتھ ہے تو پھینک ڈالا ایک جمعیت نے جو

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

دیے جا چکے تھے کتاب، اللہ کی کتاب کو اپنے پس پشت، گویا وہ جانتے ہی نہیں●

(اور) سارے یہودی کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں اب آنے والے ہی ہیں، جو ہماری تصدیق فرمائیں گے، لیکن (جب کہ) اللہ تعالیٰ کے فضل سے (آ گیا) قدمِ پاک (انکے پاس رسول) کا (اللہ) تعالیٰ (کے یہاں سے) کیسا رسول؟ (تصدیق کرنے والا اس) توریت (کا جو ان) یہودیوں (کے ساتھ) اور پاس موجود (ہے) (تو پھینک ڈالا ایک جمعیۃ) اور ٹولی (نے) اس قوم یہود سے (جو دیئے جا چکے تھے کتاب)، اور اہل کتاب کہلاتے تھے۔

پھینکا تو کس کو پھینکا؟ (اللہ) تعالیٰ (کی) نازل کی ہوئی (کتاب کو، اپنے پس پشت) جنھوں نے توریت کے ان عہدوں کو توڑا جو نبی آخر الزماں کے بارے میں تھے۔ وہ توریت کے توڑنے والے بنے جنھوں نے قرآن کو یہ جانتے ہوئے، کہ اس میں توریت کی تصدیق ہے، نہ مانا۔ انھوں نے توریت جسکی تصدیق کی گئی ہے پھینک بہایا (گویا وہ) اس کو (جانتے ہی نہیں) کہ قرآن کتابِ الٰہی ہے اور توریت کی اس میں تصدیق ہے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ

اور پیروی کی اس کی جو لکھا پڑھا کریں شیطان لوگ سلیمان کی سلطنت ہونے پر، حالانکہ نہیں کفر کا کام کیا سلیمان نے، لیکن

الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

شیطانوں ہی نے کفر کا کام کیا۔ سکھایا کریں لوگوں کو جادو اور جو اُتارا گیا بابل میں دو فرشتوں

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

ہاروت اور ماروت پر۔ اور وہ نہ سکھایا کریں کسی کو یہاں تک کہ کہہ دیا کریں کہ ہم بس بلا ہی ہیں،

فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ

تو تم کفر کا کام نہ کرنا۔ تو وہ سیکھا کرتے ان سے جس سے جدائی ڈال دیں میاں اور اس کی بیوی کے درمیان۔ اور نہیں ہیں

بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ

وہ بگاڑ سکنے والے اس سے کسی کا، مگر اللہ کے حکم سے۔ اور وہ لوگ سیکھا کرتے وہ جو نقصان دے انھیں اور نفع نہ دے انھیں۔

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَلَبِئْسَ

اور یقیناً جان چکے تھے کہ بلاشبہ جس نے مول لیا اس کو، نہیں ہے اسکے لیے آخرت میں کچھ بھلائی۔ اور بیشک

مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

کتنا برا ہے وہ کہ خریدا جس سے انھوں نے اپنے نفس کو، اگر علم سے کام لیتے●

(اور) اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر یہودیوں نے (پیروی کی اس) جادو ٹونے (کی جو) بڑی دلچسپی کے ساتھ شوق سے (لکھا پڑھا کریں شیطان لوگ) بالکل من گھڑت (سلیمان کی سلطنت ہونے پر) انکا یہ شغل اسی زمانہ میں تھا۔ انھوں نے جادو ٹونے کی پوتھیاں لکھ ڈالی تھیں، جو شیطانوں سے سیکھا تھا۔ حضرت سلیمان نے ان پوتھیوں کو ضبط کر کے اپنے تخت کے نیچے دفن کرا دیا تھا۔ اور یہودیوں سے کیا دور، انھوں نے خود تخت کے نیچے دبا دیا ہو۔ کہ پھر وہاں سے نکال کر یہ شور مچا سکیں کہ یہ سب سحر سلیمانی ہے، جسکے ذریعہ وہ جنات اور انسان کو قابو میں لا کر سب پر حکومت و سلطنت کرنے لگے۔ چنانچہ یہودیوں نے ہمیشہ حضرت سلیمان کو نبی نہیں مانا اور جادوگر ہی کہتے رہے۔ انکے بڑے بڑے لوگوں نے زمانہ، نزول قرآن میں کہہ دیا، کہ سلیمان جادوگر کو سلیمان نبی کہنا، پیغمبر اسلام کیلئے مقام تعجب ہے۔

وہ کہتے تھے کہ کافرانہ جادو حضرت سلیمان کا فعل ہے (حالانکہ نہیں کفر کا) کوئی (کام کیا سلیمان) نبی معصوم (نے) (لیکن) جو کچھ کیا وہ صرف (شیطانوں ہی نے کفر کا کام کیا) وہ ایسا جادو کرتے تھے جس میں کفر کی بولی تھی اور کفری عقیدہ رکھنا پڑتا تھا۔ اور شیطانوں کا طریقہ یہ تھا کہ (سکھایا کریں) ان یہودی جادو پسند (لوگوں کو جادو) یہودیوں کے جادو سیکھنے کا ایک سبب تو یہ تھا (اور)

دوسرا ذریعہ وہ ہوا (جو اتارا گیا) بطورِ الہام وتعلیم کے شہر (بابل میں) جو عراق، عرب کے صوبہ، کوفہ میں واقع ہے (دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر) جن کو آسمان پر 'عزا' اور 'عزایا' کہا جاتا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے کفری جادو کو کفر قرار دیا ہے اور جس جادو میں کوئی کفر نہ ہو اس کو بھی حرام قرار دیا ہے اور ہر قسم کے جادو سے منع فرما دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ منع اس چیز سے کیا جاتا ہے جو موجود ہو اور جسکا ارتکاب ممکن ہو، اور پھر خوفِ خدا سے اس کا ارتکاب نہ کیا جائے، تو بندہ مستحق اجر ہو، اسلئے جادو کو ہاروت و ماروت کے ذریعے سے مخلوق فرما کر بھیجا (اور) انکا طریقہ یہ رہا کہ (وہ نہ سکھایا کریں) جادو (کسی کو) بھی، اسلئے کہ سیکھنے والا جادو کا ارتکاب کرے (یہاں تک کہ) سکھانے پر بڑی تاکید کے ساتھ سیکھنے والوں سے (کہہ دیا کریں کہ) سیکھتے تو ہو، مگر خوب سمجھ لو کہ تم لوگوں کیلئے (ہم بس بلا ہی ہیں)۔ اگر سیکھ کر اس سے بچنے کے بجائے اس کو کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ کی آزمائش میں بری طرح پھنس جاؤ گے (تو) خوب یاد رکھو کہ یہ کفری جادو ہیں (تم) خدارا (کفر کا کام نہ کرنا)۔

یہودی جو سیکھنے پر آئے (تو) بس (وہ سیکھا کرتے ان) دونوں فرشتوں، ہاروت و ماروت (سے) ایسا جادو (جس سے جدائی ڈال دیں میاں اور اسکی بیوی کے درمیان) (اور) وہ تو یہی مانتے تھے کہ یہ ہمارے جادو ہی کا زور اور اسکی اپنی تاثیر ہے، کہ ہم اس سے دو ملے ہوئے دلوں کو جدا کر دیتے ہیں۔ اور ہر ایک کی بنی کو بگاڑ سکتے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ (نہیں ہیں وہ بگاڑ سکنے والے اس) جادو (سے کسی کا) کچھ بھی، (مگر) جسکا کچھ بھی بگاڑ ہوتا ہے وہ (اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے) ہوتا ہے۔ (اور وہ لوگ سیکھا) بھی (کرتے) تو (وہ) جادو ٹونا سیکھتے (جو نقصان) تو (دے انہیں) (اور) ذرا بھی (نفع نہ دے انھیں) کہیں اور کبھی۔ (اور یقینا) سب سیکھنے والے اتنا اچھی طرح (جان چکے تھے کہ بلا) شک و (شبہ) ان میں سے (جس نے) بھی (مول لیا اس) جادو ٹونے (کو) تو (نہیں ہے اس کیلئے آخرت میں کچھ) بھی (بھلائی) اور اجر خیر (اور بیشک) معاذ اللہ (کتنا برا ہے وہ) کفری جادو (کہ خریدا جس سے انھوں نے) خود اپنے (اپنے نفس کو)۔ اپنی جان کی پرواہ نہ کی، اسکو دیا اور جادو لے لیا، مگر جان بوجھ کر بھی ان کا علم ان کے کام نہ آیا۔ وہ تو اس وقت کام کرتا (اگر) وہ اپنے (علم سے کام لیتے)۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ع

اور اگر بے شک وہ ایمان لاتے اور ڈرتے، تو ضرور ثواب بارگاہِ الٰہی کا بہتر ہے، اگر وہ جانتے ●

(اور اگر بیشک وہ) یہودی پیغامِ الٰہی پر (ایمان لاتے)، دل سے مان جاتے (اور) اللہ تعالیٰ سے (ڈرتے) رہتے، (تو) کھلی ہوئی بات ہے کہ (ضرور) بالضرور، وہ (ثواب) جو (بارگاہِ الٰہی کا) عطیہ ہے، دنیا بھر کی چیزوں سے بدرجہا (بہتر ہے)۔ یہ نیکی تو وہ اس وقت کرتے (اگر وہ) اس حقیقت کو (جانتے) ہوئے کہا مانے ہوتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا

اے مسلمانو! تم مت کہا کرو "راعنا" اور عرض کرو کہ "ہمیں دیکھئے" اور سنتے رہو۔

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اور کافروں کے لیے عذاب دکھ والا ●

(اے مسلمانو) تم لوگ مجلس نبوی میں جب تمہارے نبی کلام فرماتے اور کوئی لفظ تمہارے سننے سے رہ جاتا تو بڑے ادب کے ساتھ اور نیک نیتی کے ساتھ تم کہتے تھے کہ 'راعنا'، اے حضور ہماری رعایت فرمائیے۔ تمہارا یہ طریقہ بہت پسندیدہ تھا، لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس لفظ سے یہودیوں نے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے۔ ایک تو وہ زبان کو اینٹھ کر 'راعنا' کو 'رَاعِیْنَا' کہتے ہیں، جسکے معنی ہیں، ہمارے چرواہے۔ دوسرے: یہ لفظ 'رعونت' سے بھی بنتا ہے اور محاورہ میں 'بیوقوف' کو کہہ دیا جاتا ہے۔ تیسرے: لغت یہود، 'عبرانی و سریانی' میں یہی لفظ گالی کے معنی میں پایا جاتا ہے۔

یہودیوں نے اس لفظ کو پایا، تو خوش ہوئے، کہ چھپ چھپ کر تو پیغمبر اسلام کو گالیاں دیتے ہی تھے، اب بالاعلان گالی بکنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ وہ اسی لفظ 'راعنا' کو بدنیتی سے گالی کے معنی میں محفل نبوی میں کہنے لگے۔ اور تم انکے اس جرم کو عام طور سے پکڑ نہ سکے۔ یہ چیز سعد ابن معاذ کو اسلئے محسوس ہوئی کہ یہودیوں کی لغت سے واقف تھے۔ اور اسی لئے انھوں نے یہودیوں سے صاف کہہ دیا کہ اگر محفل نبوی میں تم نے لفظ 'راعنا' کہا تو تمہاری گردن اڑا دونگا۔

اب یہ لفظ ایسا، کہ تم نیک نیتی سے، ادب سے، کہا کرتے تھے، مگر پیغمبر اسلام کے دشمن اور گستاخ اسی لفظ کو بدنیتی سے، توہین کیلئے بولنے لگے۔ [redacted]

تم لوگ [redacted] میں استعمال کرنا
ایسا لفظ چھوڑ دو جس کو توہین رسول میں استعمال کسی دشمن نے بھی کیا ہو [redacted]
(راعنا) کو (اور) اگر اپنی طرف متوجہ کرنا ہو، تو یوں (عرض کرو کہ ہمیں دیکھئے) ہم پر نظرِ کرم فرمایئے،
ہم پر توجہ فرمائی جائے، (اور) حتی الامکان اسکی نوبت ہی نہ آنے دو۔ اور کان لگا کر شروع سے پوری
توجہ کے ساتھ اس طرح (سنتے رہو) کہ کوئی کلمہ سننے سے رہ نہ جائے (اور) توہین رسول کرنے والے
(کافروں کیلئے) قیامت کے دن (عذاب) رکھا ہوا ہے۔ وہ بھی کیسا؟ (دکھ والا)۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

نہیں چاہتے جنھوں نے کفر کیا ہے، اہل کتاب اور نہ بت پرستوں سے، یہ کہ اتاری جائے تم پر کوئی بہتری

خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

تمہارے پروردگار کی۔ اور اللہ چن لیا کرے اپنی رحمت سے جسے چاہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے ●

یہ یہودی اور بت پرست لوگ، اپنے مطلب کیلئے کسی کسی مسلمان سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم
کو آپ کی ذات سے کوئی اختلاف نہیں اور ہم مل جل کر رہنا چاہتے ہیں۔ ہم بھی خوش رہیں، آپ بھی
خوش رہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تمہاری خوشی و بہتری کے خیال سے یہ لوگ کڑھتے ہیں۔ چنانچہ ہرگز
(نہیں چاہتے) یہ لوگ (جنھوں نے کفر کیا ہے)، نہ تو (اہل کتاب) کعب ابن اشرف کی طرح یہودیوں
سے (اور نہ) ابوجہل کی پارٹی کے (بت پرستوں سے)، کیا نہیں چاہتے؟ (یہ کہ اتاری جائے تم پر کوئی
بہتری) قرآنِ کریم اور تمہارے پیغمبر کی نبوت اور ہر قسم کی، ان کی بدولت نعمت و رحمت، جو کچھ بھی
(تمہارے پروردگار کی) ہے۔ (اور) یہ لاکھ کچھ چاہیں تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ
کاملہ پر کسی کا کیا دباؤ پڑسکتا ہے۔ اسکا تو دستور ہے کہ (اللہ) تعالیٰ اپنی مرضی سے ہمیشہ ہی (چن لیا کرے،
اپنی رحمت سے جسے چاہے) کسی کا اس میں کوئی اجارہ نہیں ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ بڑے بڑے فضل
فرماتا رہتا ہے۔ کیونکہ وہی (بڑے فضل والا ہے)۔ جس پر جتنا بڑا فضل چاہے فرمادے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ

جب منسوخ قرار دیں ہم کوئی آیت یا بھلادیں اُسے، لے آئیں بہتر اس سے یا اُسی کے مثل۔ کیا معلوم نہیں کہ

أَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾

بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے؟ ●

یہ مشرکین کتنے بڑے احمق اور اندھے ہیں، ہر وقت دیکھا کرتے ہیں، کہ ہمارا کارخانہ، قدرت، نسخ سے بھرا ہے۔ رات کو دن سے اور دن کو رات سے، ہم منسوخ فرماتے رہتے ہیں۔ جاڑے کو گرمی سے اور گرمی کو جاڑے سے۔ اسی طرح خریف کو ربیع سے اور ربیع کو خریف سے۔ مرض کو تندرستی سے، تندرستی کو مرض سے۔ سایہ کو دھوپ سے اور دھوپ کو سائے سے، برابر منسوخ کرتے رہنا، دستورِ قدرت چلا آرہا ہے۔ اور جس وقت جس کو ہم منسوخ کرتے ہیں، تو اس وقت اس کا منسوخ ہونا اور ناسخ کا پایا جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔

یہ تو نظامِ عالم پر نظر کرنے سے صاف نمایاں ہوتا ہے۔ اب ہمارے قوانین میں دیکھو، تو حضرت آدم کی شریعت میں بھائی بہن کا نکاح جائز تھا، جب اس جواز کی مدت ختم ہوگئی، ہم نے اسکو منسوخ کردیا۔ حضرت نوح کی شریعت میں ہر جانور حلال تھا۔ حضرت موسیٰ کی شریعت میں کتنے جانور حرام کردیئے گئے۔ ایک رسول کے بعد دوسرے صاحبِ کتاب رسول آنے پر، برابر دینِ سابق کے کچھ نہ کچھ احکام منسوخ ہوتے رہے، اور اس پر بھی وہ کچھ نہ بولے۔

اب جو قرآن میں دیکھا کہ آیاتِ منسوخہ بھی ہیں، جن کو دوسری آیتوں نے منسوخ کردیا ہے، خواہ صرف تلاوت منسوخ ہو، خواہ صرف عمل کے حق میں منسوخ ہو، خواہ دونوں کیلئے منسوخ ہو، جیسے سورۂ احزاب کی کئی آیتیں۔ ابوامامہ ابن سہل اور کئی صحابہ ایک سورۃ کو اس طرح بھول گئے تھے کہ ایک حرف بھی یاد نہ رہا، اور ان کو پیغمبرِ اسلام نے بتادیا کہ اسکی تلاوت بھی منسوخ ہوگئی۔ اور یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ شریعت اسلامیہ عجیب ہے۔ آج کچھ حکم ہے اور کل کچھ حکم ہے۔

حالانکہ اس قسم کی تبدیلی پر ساری دنیا قائم ہے اور کارخانہ، عالم دیکھو یا قرآن کی آیتوں ہی کو دیکھو تو صاف ہمارا یہ دستور نظر آئیگا۔ کہ (جب منسوخ قرار دیں ہم کوئی آیت) کہ اب سے اس کا حکم یا تلاوت کرنا اٹھالیا گیا ہے (یا بھلادیں اسے) کہ کسی کو یاد ہی نہ رہ جائے، تو ہمارا طریقہ یہ ہے کہ اس منسوخ کے بجائے، (لے آتے ہیں بہتر) آسانی اور ثواب میں (اس) منسوخ (سے) (یا اسی) منسوخ (کے مثل) ثواب آخرت میں۔ (کیا) تم کو اور تمہاری امت کو اور جہان بھر کو (معلوم نہیں کہ بیشک) ایسا کرنا محض اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اسکی قدرت کا اظہار ہے۔ اور (اللہ) تعالیٰ اپنے (ہر چاہے

پر) جو کچھ وہ چاہے (قدرت والا ہے) اسے کرسکتا ہے اور کردیتا ہے۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُم مِّن
کیا معلوم نہیں کہ بے شک اللہ، اسی کی ہے حکومت آسمانوں اور زمین کی؟۔ اور نہیں تمہارا کوئی
دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠٧﴾
اللہ کا مدمقابل یاور اور نہ مددگار●

(کیا) کوئی ہے جس کو (معلوم نہیں کہ بیشک اللہ) تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ (اسی کی ہے حکومت) وسلطنت وملکیت وشاہی سارے (آسمانوں اور زمین) بھر (کی)۔ (اور نہیں) ہے (تمہارا) اے کافرو (کوئی) بھی ان معبودوں میں سے جن کو تم نے (اللہ کا مدِّ مقابل) گڑھ رکھا ہے کوئی (یاور اور نہ) کوئی (مددگار) قیامت کے دن۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۗ
یا کیا چاہتے ہو کہ پوچھ گچھ میں رکھو اپنے رسول کو، جس طرح سوال کیے گئے موسیٰ پہلے؟۔
وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾
اور جو بدل کرلے لے کفر کو ایمان سے، تو بے شک گم کردیا اس نے ہموار راستہ●

(یا) (کیا) سب کچھ جان بوجھ کر، پھر بھی چاہتے ہو کہ پیغمبر اسلام سے یہ کہہ کہہ کر کہ ہمیں آسمانی کتاب ایسی لاکر دیجئے جو یکبارگی اتری ہو۔ ہمارے سامنے فرشتے اور اللہ کو اس طرح لے آیئے کہ ہم صاف صاف دیکھ لیں، ورنہ ہم ایمان نہ لائیں گے۔ پیغمبر اسلام کی نبوت، روشن دلیلوں سے واضح ہو جانے پر بھی ایسے واہی اور بے معنی سوال سے تم یہ (چاہتے ہو کہ) بس (پوچھ گچھ) ہی (میں رکھو اپنے) ان (رسول کو) جو سارے جہان کیلئے رسول ہیں۔ (جس طرح) تمہارے اگلوں کا ڈھنگ تھا۔ چنانچہ (سوال کیے گئے) خود (موسیٰ) بھی (پہلے) زمانے میں۔ اور ان سے کہا گیا کہ ہم تم کو نہ مانیں گے جب تک علانیہ تمہارے اللہ کو دیکھ نہ لیں۔ اس رویے سے تم یہ چاہتے ہو کہ مسلمانوں میں عام طور پر ان سوالات سے شکوک پیدا ہوسکیں۔ اور وہ بھی اس قسم کے، سوال لایعنی، پر سب کے سب اتر آئیں۔ لیکن خوب سمجھ رہے ہو کہ ایسے مہمل سوالات جو کرے (اور) اس جسارت کی بناء پر (جو بدل کرلے لے کفر کو ایمان سے) ایمان دے ڈالے اور اسکے بدلے میں کفر لے لے (تو بیشک گم کردیا اس) کفر کے خریدار (نے) سیدھا (ہموار راستہ) اسلام کا۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ

چاہا بہتیروں نے اہل کتاب سے کہ کاش پھیر کر کر دیں تمہیں، تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر، حسد میں

عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا

اپنے، بعد اس کے کہ روشن ہو چکا انکے لئے حق۔ تو ہٹاؤ، اور درگذر رو،

حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا حکم۔ بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

مسلمانو! کافروں کی یہ بدنیتی کہ تمہارے اسلام کو ختم کر دیں کوئی راز نہیں ہے۔ حذیفہ ابن یمان اور عمار ابن یاسر کو یہودیوں نے جنگ اُحد کے بعد انہیں مرتد کرنے کیلئے کہا تھا کہ اس لڑائی میں تمہاری شکست صرف اسلئے ہوئی، کہ تم حق پر نہ تھے۔ ہمارا دین حق ہے اس کو قبول کرلو۔ اس پر عمار ابن یاسر نے کہا کہ عہد توڑنے کے بارے میں تمہاری شریعت کیا کہتی ہے؟ وہ بولے یہ تو بڑا سخت جرم ہے۔ عمار نے کہا کہ ہم نے اپنے پیغمبر سے عہد کرلیا کہ زندگی بھر آپ سے کافر نہ ہوں گے۔ حذیفہ نے صاف کہہ دیا کہ ہم نے اپنے اللہ کو پروردگار، اور اپنے رسول کو رسول، اور اپنے اسلام کو اپنا دین ہونا، خوشی سے قبول کر رکھا ہے، وہ کسی عارضی شکست سے متاثر نہیں ہوسکتا۔

اس طرح (چاہا بہتیروں نے اہل کتاب) یہودیوں میں (سے) (کہ کاش پھیر کر کر دیں تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد، کافر) ومرتد محض جلن اور (حسد میں اپنے) اور یہ سب حرکت (بعد اسکے) ہے (کہ) صاف صاف (روشن ہو چکا) خود (ان کیلئے) بھی امر (حق) جس سے انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوسکتی (تو) تم انکی کچھ پرواہ نہ کرو۔ (ہٹاؤ اور درگزر کرو) اور انتظار کرتے رہو (یہاں تک کہ لائے اللہ) تعالیٰ (اپنا حکم) اور عذاب اور ان سے جہاد کرنے کا فرمان۔ کہ بنی قریظہ کو قید اور قتل کی سزا دی گئی اور بنی نضیر کو ملک بدر کرا دیا گیا۔ (بیشک) جو کچھ ہوا وہ اللہ کی مشیت سے ہوا۔ اس نے چاہا کیا۔ اور (اللہ) تعالیٰ اپنے (ہر چاہے پر قدرت والا ہے) جو اس نے چاہا اسی کو کر دکھایا۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ

اور ادا کرتے رہو نماز کو اور دیتے رہو زکوٰۃ کو، اور جو کچھ پہلے کر رکھو گے اپنے بھلے کو کوئی نیکی، پا ؤ گے اس کو

عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

اللہ کے یہاں۔ بے شک اللہ جو کچھ کرو دیکھنے والا ہے●

اور اے مسلمانو! تم ان کافروں کو جھک مارنے دو، (اور) اپنی بہتری کی فکر کرو۔ یونکہ (ادا کرتے رہو نماز کو) پانچوں وقت (اور) پابندی کے ساتھ (دیتے رہو) سال بہ سال (زکوۃ کو) بھی۔ اوراس بات کو بنی اسرائیل کیلئے رہنے دو کہ جب وہ یہودی کوئی گناہ کرتے تو انکوانکے دروازوں پر وہ گناہ لکھاہوا مل جاتا۔ جس سے اگر توبہ کرتے تو بھی انکے گناہ کو لوگ جان جاتے، اور وہ رُسوا ہو جاتے۔ اور توبہ نہ کرتے تو عذاب الٰہی ان پر اترتا [redacted]

تم خود اپنے گناہ پر نادم ہو جایا کرو (اور) تم اپنی نیکی بھی اپنے ہی تک رکھو، اوراس کو چھپاؤ اور خوب یقین کرلو کہ (جو کچھ) بھی تم نیکی (پہلے) سے (کررکھو گے) اوراپنے رب کے پاس بھیجے رہو گے، خود (اپنے) ہی (بھلے) اور فائدے (کو)، تو اس میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوئی، وہ (کوئی) بھی (نیکی) بڑی ہو یا چھوٹی ہو، تم ضرور (پاؤ گے اس) نیکی کے ثواب (کو اللہ) تعالیٰ (کے یہاں) آخرت میں۔ اس کو کہیں لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ (بیشک اللہ) تعالیٰ تم (جو کچھ) بھی نیکی (کرو) سب کا ہر وقت (دیکھنے والا) اور نگرانی فرمانے والا (ہے)۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ۭ

اور دعویٰ کر دیا کہ ہرگز نہ داخل ہونگے جنت میں مگر وہ، جو ہو گئے یہودی یا عیسائی لوگ۔ یہ ان کی خیالی گپیں ہیں۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

جواب میں کہو کہ لاؤ اپنی دلیل، اگر ہو تم سچے●

(اور) کتنے بڑے یہ ڈھیٹ، یہ یہودی اور عیسائی ہیں۔ حد ہو گئی کہ یہ بھی (دعویٰ کر دیا کہ) اور مسلمان بھی خواہ کچھ ہو جائیں، پھر بھی (ہرگز نہ داخل ہوں گے جنت میں) قیامت کے دن۔ کسی کو جنت نہ ملے گی (مگر) جنت پائیں گے تو (وہ جو ہو گئے یہودی) اور یہودیت پر مر گئے (یا) عیسائیوں کے نزدیک جو بن گئے (عیسائی لوگ)۔ یہ وحشیوں کی طرح الجھن والے سوالات کرنا، اپنے لئے جنتی ہونے کی ڈینگ مارنا، (یہ) جنتی باتیں ہیں، بس (ان) یہودیوں اور عیسائیوں (کی) بس (خیالی گپیں) اور بے دلیل باتیں اور دل خوش کن تمنائیں اور من گھڑت بکواسیں (ہیں)۔ ان لوگوں کے (جواب

میں کہو کہ) جنت کے تنہا اجارہ دار بنتے ہو، تو (لاؤ) تو سہی (اپنی دلیل) اور اجارہ داری کا پروانہ (اگر) اپنے خیال میں، اس بے بنیاد دعویٰ میں، (ہو تم) بڑے (سچے)۔

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠

لیکن ہاں، جس نے جھکا دیا اپنے رخ کو اللہ واسطے اور وہ مخلص ہے، تو اسی کیلئے ہے اسکا ثواب اسکے پروردگار کے یہاں،

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

اور نہ کوئی ڈر ہے ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوں●

تمہارے پاس سند کہاں اور تم سچے کہاں کے؟ (لیکن ہاں) اگر سند والے سچے جنتیوں کو دیکھنا چاہتے ہو، تو سنو، کہ (جس نے) بھی عرب کا ہو یا عجم کا، اونچا سمجھا جاتا ہو یا نیچا، (جھکا دیا) اور نیاز مندی کے ساتھ، پوری یکسوئی سے سونپ دیا (اپنے رُخ) اور جذبۂ پرستاری (کو) مگر دکھاوے یا کسی دنیاوی لالچ میں نہیں، بلکہ محض (اللہ کے واسطے) اسکے [redacted] (اور) پھر بھی [redacted]

(تو) اے ڈینگ مارنے والو! سچ یہ ہے کہ (اسی کیلئے ہے اس) کی اس اسلامی زندگی (کا) سارا (ثواب) (اس) مسلمان (کے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کے یہاں) قیامت کے دن۔ (اور) وہی ہیں کہ (نہ) تو (کوئی ڈر ہے ان پر) قیامت میں (اور نہ وہ) دنیا میں کسی چیز کے ہونے، نہ ہونے، سے (رنجیدہ ہوں)۔ [redacted]

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ

اور بولے یہودی لوگ کہ نہیں ہیں عیسائی لوگ کچھ۔ اور بولے عیسائی لوگ کہ نہیں ہیں یہودی

عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ

لوگ کچھ۔ حالانکہ وہ سب تلاوت کریں کتاب کی۔ اسی طرح بول پڑے، وہ جو علم نہیں رکھتے

قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

ان کی بولی جیسی۔ تو اللہ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن، جس چیز میں وہ جھگڑا کیا کرتے تھے●

(اور) ان یہودیوں اور عیسائیوں کی باہمی کشمکش دیکھی جائے کہ مقام نجران کے عیسائی

لوگ بزم پیغمبر اسلام میں حاضر ہوئے تو ان سے مناظرہ کے نام پر لڑنے کو مقامی یہودی دوڑ پڑے۔ اور دونوں میں کج بحثیاں چل پڑیں۔تو (بولے یہودی لوگ) کے نمائندے (کہ نہیں ہیں عیسائی لوگ کچھ) نہ حضرت عیسیٰ نبی تھے، نہ انجیل آسمانی کتاب ہے۔ساری عیسائیت بے بنیاد ہے۔(اور) اسی طرح (بولے عیسائی لوگ) بھی (کہ نہیں ہیں یہودی لوگ کچھ) بھی۔نہ حضرت موسیٰ نبی تھے، نہ توریت آسمانی کتاب ہے۔ساری یہودیت بے بنیاد ہے۔(حالانکہ) یہ چوٹ چلنے والے (وہ) ہیں کہ (سب) کے سب برابر (تلاوت) کیا (کریں)، کسی نہ کسی شکل میں، جو اللہ کی (کتاب) انکے پاس بہ نامزد توریت وانجیل موجود ہے، ان دونوں (کی)۔

انجیل والے خود انجیل میں برابر دیکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کی نبوت کا بیان اور ان کی شریعت کی پابندی کا ان کیلئے حکم موجود ہے۔توریت والے توریت میں پاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ کی، بحیثیت نبی آنے، اور ان کی اطاعت واجب ہونے کا ذکر، صاف صاف موجود ہے۔اس سے بڑھ کر ان چوٹ کی باتیں کرنے والوں کی باطل پرستی کیا ہوسکتی ہے۔(اسی طرح) انکی دیکھا دیکھی یہاں تک نوبت آئی کہ (بول پڑے وہ) وہی بت پرست لوگ بھی (جو) سرے سے یقین سے خالی اور کسی بات کا کچھ (علم) ہی (نہیں رکھتے، ان) اہل کتاب (کی بولی جیسی) اور کہنے لگے ہمارے سوا کسی کو، 'بیکنٹھ' نہ ملے گا۔(تو) اب اس ڈھٹائی اور بدلگامی اور منہ زوری کا (اللہ) تعالیٰ ہی (فیصلہ فرمائے گا اُن) سب (کے درمیان قیامت کے دن) جس (جس چیز) اور بات (میں) وہ لوگ اپنی زندگی میں خوامخواہ (جھگڑا) بکھیڑا (کیا کرتے تھے)۔جنت اسی دن جس کو ملنی ہے ملے گی، تو سب آنکھ سے خود دیکھ لیں گے کہ انکا سارا دعویٰ انھیں کو جہنم لے گیا۔اور جن مسلمانوں کا جنت میں جانا گوارہ نہ تھا، وہی مسلمان جنت میں جا کر بسے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ

اور اس سے زیادہ اندھیر والا کون ہے جس نے روک دیا اللہ کی مسجدوں کو کہ یاد کیا جائے ان میں اس کا نام، اور کوشش کی ان کی

خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ

ویرانی میں۔وہی ہیں کہ نہیں ہے اُن کو حق کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ڈرتے۔انھیں

فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور انھیں کے لیے آخرت میں عذاب ہے بہت بڑا ●

اوران اہل کتاب کا، یہودی ہوں یا عیسائی، اسی طرح ان مشرکین کا کیا منہ ہے کہ وہ دین کا یا جنت کا نام لیں۔ ان سب کو معلوم ہے کہ طَطلوس رومی نے بنی اسرائیل سے بیت المقدس میں جنگ کی تو انکے جوانوں کو قتل کرڈالا اور بچوں کو قیدی بنالیا۔ توریت کو جلاڈالا۔ بیت المقدس کو کھود کر گرادیا۔ یہاں تک کہ اسلام آنے کے بعد، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں نئے سرے سے اسکی تعمیر کی گئی۔ اور جب بابل والا 'بخت نصر' مجوسی نے اپنے زمانے میں بنی اسرائیل سے جنگ کی تھی اور بیت المقدس کو ڈھایا تھا۔ تو چونکہ یہودیوں نے حضرت یحییٰ نبی ابن زکریا نبی کو ان کے عہد میں شہید کرڈالا تھا۔ اسی ضد میں بخت نصر کی مدد یہودیوں کے خلاف، بیت المقدس کو ڈھانے میں، عیسائیوں نے کی تھی، ابھی کتنے دن کی بات ہے کہ مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو کعبہ میں نماز ادا کرنے نہیں دیتے تھے۔ حج سے روک دیا تھا۔ یہ بھی تو عبادت گاہ کی ویرانی ہے کہ اس میں کسی کو عبادت سے روک دیا جائے۔

یہ ہیں اعمال ان اہل کتاب اور بت پرستوں کے۔ (اور) اب ان سے کہنے کی بات ہے؟ کہ (اس سے زیادہ اندھیر والا) غدار سرکش (کون) ہوسکتا (ہے) (جس) ظالم (نے) بالکل (روک دیا) خود (اللہ) تعالیٰ (کی مسجدوں) اور عبادت گاہوں (کو)۔ کس چیز سے روکا؟ اس سے (کہ یاد کیا جائے اُن) مسجدوں (میں اس) اللہ تعالیٰ (کا نام)۔ اس کا ذکر جلی ہو یا خفی۔ حلقہ میں ہو یا تنہا درس قرآن ہو، یا تعلیم حدیث، بیانِ موعظت وعبرت ہو یا تبلیغ فقہ وشریعت **تو حید الٰہی کا بیان ہو یا نعت [illegible] اللہ تعالیٰ کی وہ عبادت ہے اور اسی کے حکم [illegible] ہے۔** جس نے کسی عبادت سے روکا

(اور) اس طرح (کوشش کی ان) مسجدوں (کی ویرانی میں، وہی ہیں کہ) جنت میں جانا تو بہت دور رہا، (ممکن ہے ان) ظالموں (کو) اس امر کا (حق کہ داخل ہوں ان) مسجدوں (میں) بھی (مگر) بس (ڈرتے ڈرتے)، چھپ کر کہ کوئی پہچان نہ لے ورنہ قتل کردیے جائیں گے۔

چنانچہ یہ واقعہ کہ بیت المقدس کے ڈھانے کے بعد، باوجود اسکے قبلۂ اہل کتاب اور مقام حج اہل کتاب ہونے کے، اب تک کوئی رومی اور عیسائی آزادی کے ساتھ اس میں نہ جاسکا۔ ٹیکس کا خوف، قتل کا خوف، انکے بلادِ قسطنطنیہ وروم وعمور یہ نکل جانے کا ہراس، الگ سے مسلط رہا۔ اور کعبہ سے تو بت پرست ایسا نکالے گئے، کہ اب ان کا وہاں سایہ بھی نہیں جاتا۔ ان حرکتوں پر جنت کی ٹھیکیداری کتنی بڑی

ڈھٹائی ہے۔ انھیں جنت سے تو واسطہ نہیں البتہ (انھیں کیلئے) یہاں (دنیا میں) غلامی وقتل وقید وگمنامی اور طرح طرح کی (رسوائی ہے اور) آخرت کی پوچھو، تو (انھیں کیلئے آخرت میں) وہاں کا (عذاب ہے)۔ کیسا؟ (بہت) ہی (بڑا) جسکا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾

اور اللہ ہی کا ہے پورب اور پچھم، تو جدھر تم رخ بقبلہ ہو تو ادھر اللہ کا رخ ہے۔ بے شک اللہ وسعت دینے والا علم والا ہے●

(اور) اے مسلمانو! تمہارے قبلہ اور نماز کے بارے میں یہودی بکواس کریں تو تم کچھ نہ سنو۔ اگر ہم تمہارا قبلہ کچھ بھی مقرر نہ کریں اور عام اجازت دیں کہ جدھر چاہو اپنا رُخ کر کے مجھے پوجو، یا ہم ایک قبلہ مقرر کر دیں اور پھر بدل دیں یا تم قبلہ مقرر شدہ کو معلوم کرنے کی کوشش میں ناکام رہو اور غلط رُخ پر قبلہ جان کر نماز پڑھ لو یا دعا تم جس سمت چاہو ہاتھ اٹھا کر کرلیا کرو یا نمازِ نفل سواری پر پڑھو اور جدھر اسکا رُخ ہو اسی طرح پڑھتے رہو، تو یہودیوں کا اس میں کیا اجارہ ہے۔ تم خوب جانتے ہو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے) خواہ (پورب) ہو (اور) خواہ (پچھم) اور تم کو اسی کی عبادت کرنی ہے (تو) اب کسی رُخ کو قبلہ جانتے ہوئے (جدھر تم رخ بقبلہ ہو) تم کو اگر اس کا یقین ہو چکا کہ تمہارا منہ قبلہ کی طرف ہے (تو) خواہ وہ رخ قبلہ کا رخ واقع میں نہ بھی ہو، پھر بھی تمہاری نیت اور کوشش کا یہ پھل ہے، کہ جدھر تمہاری توجہ ہے، (اُدھر) ہی (اللہ) تعالیٰ (کا رخ) اور توجہ (ہے)۔ اصل قبلہ کوئی درودیوار نہیں ہے بلکہ ہمارا حکم اصلی قبلہ ہے۔ یہ آسانی اور گنجائش اگر تم کو اے مسلمانو ہم نے دی، تو یہودیوں سے نہ گھبراؤ اور بالاعلان کہو کہ (بیشک) ہمارا (اللہ) تعالیٰ ہم کو بہت بڑی (وسعت) اور سہولت (دینے والا ہے) اور ان وسعتوں کی حکمتوں کا (علم) رکھنے (والا) وہی (ہے)۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿١١٦﴾

اور کہہ پڑے کہ رکھ لیا ہے اللہ نے اولاد، سبحان اللہ، بلکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسکے پجاری ہیں●

ذرا ان یہودیوں کو دیکھو کہ حضرت عُزیر کو کہتے ہیں کہ اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں اور عرب کے بت پرست کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ کفری بول کے بولنے والے کیا بولے (اور) کس طرح (کہہ پڑے کہ رکھ لیا ہے اللہ نے اولاد) اسکے بیٹے

بھی ہیں اور بیٹیاں بھی ہیں (سبحان اللہ) وہ پاک ہے کہ اسکے بیٹے یا بیٹیاں ہوں (بلکہ اسی) اللہ تعالیٰ (کا) سب کچھ مخلوق و مملوک (ہے) (جو کچھ) بھی (آسمانوں اور زمین میں ہے سب) اسی اللہ تعالیٰ کے بندے، مخلوق، مملوک، فرمانبردار، اور (اسکے پجاری ہیں)۔ اگر اللہ تعالیٰ کے بیٹا بیٹی مانے جائیں تو وہ ایسے کیوں ہونے لگے، وہی سارے جہانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

بے اصل و بے مثل ایجاد فرمانے والا آسمانوں اور زمین کا۔ اور جب طے فرما لیا کسی امر کو، تو بس حکم دیتا ہے اسے کہ "ہوجا" تو وہ ہوجاتا ہے●

اس طرح نہیں کہ دنیا کا کوئی تخم تھا، کوئی بنیاد تھی، اسکو بڑھا کر سارا جہان بنا دیا۔ اور اس طرح بھی نہیں کہ آسمان و زمین کوئی پہلے سے موجود تھا، اس کو نقل کر کے اس آسمان و زمین کو پیدا کیا۔ بلکہ وہ تو (بے اصل و) بنیاد اور (بے مثل) سابق کہ بالکل نیست سے ہست کر کے (ایجاد فرمانے والا) ہے (آسمان اور زمین کا)۔ [redacted]۔ اور اولاد کا ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کا تخم موجود ہو۔ اور جب کوئی شئے ہے کہ اس کا تخم نہ ہو تو پھر کوئی شئے اسکی اولاد نہیں ہوسکتی۔ اولاد ہونے کی صورت یہ ہے کہ وہ باپ کے نطفے سے درجہ بدرجہ بڑھتے بڑھتے پیدا ہو، اور تدریجی ترقی کرتا رہے۔ (اور) اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کارخانہ یہ ہے، کہ (جب) اس نے (طے فرمالیا کسی امر کو) اور ارادہ کرلیا کہ فلاں چیز ہوجائے (تو) آہستہ آہستہ تدریجی طور پر نہیں، بلکہ (بس حکم) دینے (دیتا ہے اسے کہ ہوجا تو وہ) جسکے ہونے کا حکم دیا جاتا ہے اسکی مشیت کے مطابق (ہوجاتا ہے) جب ساری مخلوق کا ہونا اس طرح پر ہے، تو اسکی اولاد کوئی نہیں ہوسکتی۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ

اور بولے جو علم نہیں رکھتے کہ کیوں نہیں مخاطب فرماتا ہمیں اللہ یا آملتی ہم کو کوئی پہچان۔ اسی طرح

قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۭ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ

بولے تھے جو ان کے پہلے سے ہوئے انھیں کی بولی جیسی۔ ملے جلے رہے ان سب کے دل۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

بیشک ظاہر فرما دیا ہم نے آیتوں کو اس قوم کیلئے جو یقین رکھیں●

(اور) یہود تو یہود عیسائیوں اور بت پرستوں میں سے بھی یہ کفری بول (بولے) یہ سب کے

سب (جو) سرے سے (علم) ہی (نہیں رکھتے)۔ یہودیوں کو اپنے توریت ہی کی خبر نہیں اور عیسائیوں کو اپنی انجیل ہی کی خبر نہیں اور بت پرستوں کو علم سے کیا واسطہ ہوسکتا ہے۔ انکی ایک کفری بولی یہ ہے (کہ) اے پیغمبر اسلام، اللہ تعالیٰ آپ سے کلام فرماتا ہے تو ایسا (کیوں نہیں) ہوتا کہ وہ (مخاطب فرماتا ہمیں) بھی، اور براہِ راست ہم سے بھی بات چیت کرتا (اللہ) تعالیٰ، اور کہہ دیتا کہ ہمارے پیغمبر ہیں، تو آپ پر ہم ایمان لے آتے (یا) یہی ہوتا کہ (آملتی ہم کو) صاف صاف آپ کی (کوئی) ایسی (پہچان) کہ پھر آپ کے رسول ہونے میں ہمیں کوئی شک نہ رہ جاتا۔ اگر ہم دیکھ پاتے کہ نہ مانیں گے، تو ابھی ہم پر یہ عذاب اترنے والا ہے، تو پھر ہمیں ماننے کے سوا کیا چارۂ کار تھا۔

یہ اللہ تعالیٰ سے براہِ راست بات چیت کرنے کا مطالبہ اور اسکے عذاب کی فرمائش کوئی نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ (اسی طرح) سے وہ کفار بھی (بولے تھے جو ان کے پہلے سے ہوئے) انکی بھی بولی (انھیں کی بولی جیسی) تھی۔ انھوں نے بھی حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم آپ کو نہ مانیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو اعلانیہ نہ دیکھ لیں گے۔ ایک عذاب کے بعد دوسرے عذاب کی فرمائش ان کا بھی دستور تھا۔ کفر نے اِن کو اور اُنکو ہم رنگ بنا رکھا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ آج کے کافر پہلے کے کافروں سے، گو ایک دوسرے سے زمانہ میں دور ہیں، لیکن جہاں تک کفر کا اثر ہے، (ملے جلے) اور یکساں (رہے ان سب کے دل) جیسے مشترکہ سازشوں میں ہر سازشی کے دل ملے جلے رہتے ہیں۔ [redacted]

پہچاننے کا شوق ہوتا، تو ایک نشانی کیا، بلکہ [redacted]

تمہاری پہچان کیلئے بے شمار [redacted] مگر یہ واہمی و شکی تو اندھے ہیں۔ انکے پاس وہم و شک کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ہماری ظاہر کی ہوئی نشانیوں سے فائدہ پانا (اس قوم کیلئے) ہے (جو) وہم و شک کے شیطان سے دور رہیں۔ اور اپنے پاس (یقین) کی دولت (رکھیں)۔ جس بات کا یقین ہو جائے، اسکے خلاف خواب تک نہ دیکھیں۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ﴿۱۱۹﴾

بیشک ہم نے بھیجا تم کو بالکل حق، خوش خبری سنانے والا، اور ڈرانے والا، اور نہ پوچھے جاؤ گے اہل جہنم کے بارے میں ●

[redacted]

جوآیت ونشانی تمہاری تائید کرے تو اسکی وجہ سے سچ ہوجائے اور جوآیت یانشانی تمہارے خلاف ہووہ خود جھوٹ ہے۔تم اب کسی تائید کے محتاج نہیں ہو بلکہ ہرنشانی اپنے سچ ہونے کیلئے تمہاری تائید کرنے کی محتاج ہے۔ اگرانکے پاس یقین ہوتا تو تم کو مانتے۔اور بجائے اسکے تم سے نشانیاں مانگتے، یہ جس نشانی کوتمہاری تائید میں پاتے اسکواسلئے سچ جانتے کہ وہ حق کی تائید میں ہے۔ ہم نے تم کوکسی تائید سے بالاتر رکھا ہے۔ اوراپنے فرمانبرداروں، چاہنے والوں کو(خوش خبری سنانے والا)۔

(اور) اللہ تعالٰی کے نافرمانوں کو(ڈرانے والا) بنا کر بھیجا ہے(اور نہ) تو قیامت کے دن تم (پوچھے جاؤ گے اہل جہنم کے بارے میں) کہ تمہاری تبلیغ کے باوجود انھوں نے کیوں نہ مانا اور کیوں جہنمی ہوئے؟ اور نہ تمہیں سے کسی کوحق ہے کہ کسی کے بارے میں یہ سوال کرے کہ وہ جہنم میں گیا کہ نہیں؟ جب تم نے تبلیغ کردی تو ماننے والا خود ہی جنتی ہوگیا اور جس نے نہ مانا وہ آپ ہی جہنم میں گیا۔ اس بارے میں کسی قسم کا سوال بالکل بیکار ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ

اور ہرگز نہ خوش ہونگے تم سے یہود اور نہ عیسائی لوگ، یہاں تک کہ پیروی کرو ان کے دین کی۔ کہہ دو کہ بیشک اللہ کی ہدایت

هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ

ہی ہدایت ہے۔ اور بے شک اگر پیروی کر سکتے تم ان کی خواہشوں کی، بعد اس کے جو آ ماتم کو

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

علم، نہ ہوتا تمہارے لیے اللہ والوں سے کوئی یار اور نہ کوئی مددگار ●

(اور) یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ کہنا کہ آپ ہمارے ساتھ مروّت برتیں اوراپنی سختیاں ڈھیلی کردیں اور مل جل کر رہیں، رواداری سے کام لیں تو ہم ایک قوم بن کر امن وامان سے رہیں۔ یہ بالکل فریب اور دھوکہ کی باتیں ہیں۔ یادرکھو کہ (ہرگز خوش نہ ہونگے تم سے یہود اور نہ عیسائی لوگ) زندگی بھر قیامت تک (یہاں تک کہ) تم خود ہی (پیروی کروانکے دین) اور دھرم (کی)۔

وہ تو اس فکر میں لگے رہیں گے کہ تم کو مرتد بنائیں، شدھی کریں، تو انکے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے۔ ورنہ لاکھ ان سے ملنے کیلئے ناک رگڑتے رہو، وہ کبھی خوش نہ ہوں گے۔ ان سے تم انکی اس بے جا خواہش کے جواب میں صاف صاف (کہہ دو کہ) تم جس لالچ میں پڑے ہو اس سے منہ دھو رکھو۔ تم

گمراہ ہو۔تمہارے پاس ہدایت کہاں۔ ہمارے پاس تو اللہ کی ہدایت موجود ہے اور (بیشک اللہ کی ہدایت ہی، ہدایت ہے) وہ اس قسم کی بیجا تمنا خواہ تم سے رکھیں، خواہ تمہاری برسر ہدایت امت سے، سب حماقت (اور) نری حماقت ہے [redacted]

تمہاری ذات میں تو اس کا امکان بھی نہیں ہے

[redacted]

کیونکہ [redacted]

سے محال نہ ہوتا۔اور یہ پیروی ہوئی کب [redacted]

سے بھی ممکن نہیں کہ [redacted]

والوں سے) جو اللہ کی طرف سے آئے ہیں، جو نفوس قدسیہ اللہ کی طرف اور اس کی اجازت سے خلق میں تصرف کرتے رہتے ہیں، بے یاروں کی یاوری کرتے ہیں، بے مددگاروں کی مدد کرتے ہیں، اور جن کو قرآن کی زبان میں مِنَ اللّٰهِ کہا جاتا ہے وہ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہلانے والی ہستیوں سے نہیں ہیں، جو سب کی سب جہنم کے ایندھن ہیں۔ بلکہ وہ مِنَ اللّٰهِ یعنی اللہ کی طرف سے ہیں۔ 'شعائر اللہ' یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت رکھتے ہیں۔

ان [redacted] کیونکہ کافروں کی یاوری کرنا اور انکی مدد کرنا انکا کام ہی نہیں۔ خصوصاً قیامت کے دن، کہ وہاں بے یار و مددگار رہنا صرف کافروں ہی کیلئے ہے۔ [redacted]

کہ جن سے دین کفر کے [redacted] اب یہود و نصاریٰ نے جو خواہش کی ہے وہ ایک محال سی چیز ہے۔ یہ کتنی بڑی حماقت کی بات ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ

جن کو دی ہم نے کتاب، تلاوت کیا کریں جو اس کی تلاوت کا حق ہے۔ وہی مانیں اسے۔

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

اور جو انکار کردے اس کا، تو وہی خسارہ والے ہیں ●

ان یہودیوں اور عیسائیوں میں سے وہ (جن کو دی) تھی (ہم نے کتاب) اور وہ عادی تھے

کہ (تلاوت کیا کریں) اس کتاب کی بغیر کسی حرف کو بدلے ہوئے (جو اس) کتاب (کی تلاوت کا حق ہے) کہ ایک زیر، زبر نہ بدلنے پائے اور ایک حرف اِدھر سے اُدھر نہ ہونے پائے۔ کسی لفظ میں کاٹ چھانٹ نہ کی جائے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور وہ چالیس اہل سفینہ جو جعفر ابن ابی طالب کی سرکردگی میں حاضرِ دربارِ نبوی ﷺ ہوئے تھے، جن میں بتیس حبشہ کے تھے اور آٹھ شام کے راہب تھے۔ جن میں 'بحیرا راہب' بھی تھے (وہی) لوگ ہیں جو اپنے اس رویہ کے بدولت (مانتے اسے اور جو) اس چال کا نہیں ہے اور (انکار کردے اس کا) (تو) تمہارا کیا بگڑا؟ (وہی) خود (خسارہ والے ہیں)۔

توریت جاننے والا جو پیغمبر اسلام پر ایمان لایا، کیونکہ توریت میں ان کا بیان ہے اور ان پر ایمان لانے کا حکم ہے اور مسلمان کیلئے تو ظاہر ہے کہ جو قرآن کریم کی تلاوت کا حق ادا کرے [redacted]

يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے اولادِ یعقوب! یاد کرو میری نعمت کو، جو انعام فرمایا میں نے تم پر،

وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۴۷﴾

اور بے شک میں نے ہی بڑھا دیا تھا تم کو زمانہ بھر پر ●

(اے) مدینہ میں رہنے والے (اولادِ یعقوب) تم سن چکے کہ تمہارے موروثوں پر ہمارے کیسے کیسے احسانات ہوئے اور وہ کیسی کیسی غداریاں کرتے رہے۔ اب پھر ان سب کا خلاصہ اور نچوڑ مختصر طور پر یاد رکھنے کیلئے، آخر میں سن لو کہ (یاد) کیا (کرو میری) ہر اس (نعمت کو جو انعام فرمایا) تھا (میں نے تم) لوگوں کے موروثوں (پر) (اور) یاد رکھو کہ (بیشک میں نے ہی بڑھا) چڑھا (دیا تھا تم) لوگوں کے موروثوں (کو) انکے (زمانہ بھر پر)۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ

اور ڈرو اس دن کو کہ نہ بدلہ ہو کوئی کسی نا کس کا کچھ، اور نہ قبول کی جائے کسی نا کس کی رشوت،

وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۸﴾

اور نہ کام آئے کسی نا کس کے کوئی سفارش، اور نہ وہ مدد دیے جائیں ●

(اور) اس نصیحت کو نہ فراموش کرنا کہ (ڈرو اس) قیامت کے (دن کو)۔ ایسا دن (کہ نہ بدلہ ہو کوئی) ناکس (کسی ناکس کا کچھ) بھی کہ کوئی بھی کافر کسی بھی کافر کا عوض ہو سکے (اور نہ قبول کی جائے) قیامت کے دن (کسی ناکس) کافر (کی) کوئی (رشوت) کہ مال دے کر جان بچا سکے (اور نہ کام آئے کسی ناکس) کافر (کے کوئی) اور کسی کی بھی (سفارش اور نہ وہ) ناکس کافر کسی قسم کی (مدد دیے جائیں)۔ لہٰذا اے یہودیو! جب تک اپنے کفر سے باز آ کر اسلام کو قبول نہ کرو گے، بالکل امید نہ رکھو کہ کسی صورت سے بھی آخرت کے عذاب سے نجات پا سکو گے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ

اور جبکہ جانچا ابراہیم کو انکے پروردگار نے چند باتوں میں، تو سرانجام دیا انہیں، فرمایا کہ بیشک میں کر دینے والا ہوں تمہیں لوگوں کیلئے پیشوا۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۞

عرض کی "اور میری نسل سے؟" فرمایا نہ پہنچے گا میرا مضبوط عہد اندھیر والوں کو●

بنی اسرائیل کے واقعات سے اب ذرا یہ دیکھو کہ وہ ابراہیم جو بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل، سب کے مورثِ اعلیٰ تھے، اور جن سے یہودیوں، نصرانیوں، بلکہ مشرکوں کو بھی عقیدت مندی ہے۔ جن کو اپنی اپنی زبان میں کوئی ابراہیم، کوئی 'ابرہام' اور کوئی 'برہما' کہتا ہے۔ انکی پیدائش تو مقامِ 'سوس' کی ہے، جو سرزمین 'اہواز' کی ایک مشہور آبادی ہے۔ انکے والد انہیں اپنے ہمراہ 'بابل' لے گئے تھے جہاں 'نمرود' کی حکومت تھی اور وہیں بس گئے۔ انکے حالات کو سنو اور دیکھو، کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ تمام کفار ان سے، باوجود عقیدت کے، کس قدر دور ہیں۔ اور مسلمان اور مسلمانوں کا ایمان ان سے کتنا قریب ہے، کہ اسلام نے انہی باتوں کا حکم دیا ہے۔

(اور جب کہ جانچا) حضرت (ابراہیم کو ان کے پروردگار نے) گنتی کی (چند باتوں میں)

اور نبوت کے بعد اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو اپنے پروردگار کے حکم سے قربان کرنے کا حکم بجالانا۔ اور انہیں حکم دیا گیا تھا کہ عجمیوں کے انداز سے ممتاز رہنے کیلئے مونچھ کترایا کریں اور داڑھی لٹکی رکھیں، کہ مردانہ شکل وصورت میں زیبائش پیدا ہو۔ مسواک کریں، کلی کریں، ناک میں پانی ڈال کر صاف کریں، تاکہ منہ اور ناک میں صفائی رہے۔ منہ کی صفائی سے کھانا اپنی لذت دے اور بیماریوں سے حفاظت ہو۔ ناک کی صفائی سے میل دور رہے۔

یہ بھی حکم دیا تھا کہ ناخن ترشوالیں، کہ اس میں انگلیوں کی آرائش ہے۔ ناخن بڑھنے سے میل جمتی ہے اور دیکھنے والے کو اس سے گھن لگتی ہے۔ یہ بھی حکم تھا کہ ہاتھ، پاؤں، گھائیوں کو دھولیا کریں اس میں آرائش بھی ہے اور گندگی سے حفاظت بھی ہے۔ یہ بھی حکم دیا تھا کہ بغل کے بال صاف کرالیں اور موئے زیر ناف کو بھی دور کرتے رہیں، کہ اس سے طبیعت کی پاکیزگی اور احساس کی لطافت ظاہر ہوتی ہے۔ پانی سے استنجا کا حکم ہوا تھا تاکہ بدن گندگی سے پاک صاف رہے۔ ختنہ کا حکم دیا گیا تھا کہ وہاں ختنہ نہ ہونے پر جو میل اور گندگی جمع ہوتی ہے، ایسی صورت نہ ہونے پائے۔ اور سر میں مانگ نکالنے کا بھی حکم دیا تھا، کہ چہرے کی زیبائش بڑھ جائے۔ ان حکموں کو حضرت ابراہیم اس طرح بجا لاتے تھے جس طرح فرض کو ادا کرنے کا حق ہے۔

اپنے رب کا حکم پایا (تو سرانجام دیا انھیں) اور پوری تعمیل کر کے دکھا دیا۔ اب اے غیر مسلمو! دیکھو کہ حضرت ابراہیم کو تم اپنا کہتے ہو، لیکن جوان کا طریقہ تھا وہ تمہارا طریقہ نہ رہ گیا۔ اور مسلمانوں کو دیکھو کہ ان تمام چیزوں کو انجام دینا اپنے لئے سنت جانتے ہیں اور اپنے دین کو ابراہیمی ملت قرار دیتے ہیں۔ انھیں حضرت ابراہیم کا واقعہ ہے کہ ان سے (فرمایا) تھا اللہ تعالیٰ نے (کہ) اے ابراہیم (بیشک) وشبہ (میں کردینے والا ہوں) اور بنانے والا ہوں (تمہیں) عام (لوگوں کیلئے) ایسا (پیشوا) جسکی اطاعت واجب ہو۔ اور بغیر اس کی پیروی کے نجات آخرت نہ حاصل ہو۔ اس خوشخبری کو سن کر حضرت ابراہیم کو اولاد یاد آئی۔ چنانچہ (عرض کی) کہ مجھ پر تو بڑا کرم ہوا (اور) جو (میری نسل سے) ہوں گے، ان کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) کہ جو میرا مضبوط عہد تم سے ہے وہ تمہاری خاطر سے تمہاری نسل سے بھی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ (نہ پہنچے گا) یہ (میرا مضبوط عہد) تمہاری نسل میں (اندھیر) مچانے (والوں کو) کہ امامت کافروں کو نہیں مل سکتی۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۖ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ

اور جب کہ بنا یا ہم نے اس گھر کو مرکز ثواب لوگوں کیلئے اور پناہ۔ اور بنالو مقام ابراہیم کو

مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ

جائے نماز۔ اور تاکیدی حکم بھیجا ہم نے ابراہیم و اسمٰعیل کی طرف، کہ تم دونوں پاک صاف رکھو میرے گھر کو طواف کرنے والوں

لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝

اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع والوں سجدہ والوں کیلئے ۝

(اور) یہ زمانہ تھا (جب کہ بنایا) تھا (ہم نے) خدا کے (اس گھر) کعبہ شریف اور اسکے سارے حرم (کو) ہر طرف سے آنے والوں، حج کرنے والوں، اور اہل ذوق وشوق کیلئے ایسا (مرکز)، جہاں آئیں اور (ثواب) لوٹیں۔ ایک بات تو یہ یہاں حاصل ہو (لوگوں کیلئے اور) دوسری بات یہ ہو کہ یہی گھر ان کیلئے دارالامن اور (پناہ) گاہ ہے۔ اے پیغمبر اسلام [illegible] رہے ہیں کہ مقام ابراہیم کو جائے نماز [illegible] شوق سے (بنالو مقام ابراہیم کو جائے نماز) یہیں ہر طواف کے بعد دو رکعت واجب ادا کیا کرو۔ اور ساری نمازیں مقام ابراہیم کے حرم میں ادا کرتے رہو۔

اسی حرم میں کعبہ ہے، ہر نماز میں اسی کی طرف رُخ رکھو۔ اسی حرمِ ابراہیمی میں عرفات، مزدلفہ، منیٰ وغیرہ ہے۔ یہ دعاؤں کے قبول ہونے کی جگہیں ہیں، یہاں دعا کرتے رہو اور مناسک حج ادا کرو۔ سارے حرمِ ابراہیمی میں قیامِ امن کا اتنا لحاظ رکھو کہ نہ کسی چرند وپرند کا شکار کھیلو، اور نہ وہاں کے درختوں اور کانٹوں کو توڑو۔ صرف مکہ والے اپنی ضرورت سے 'اِذخر' نام کی گھاس کو کاٹیں تو کاٹیں، ورنہ نباتات، حیوانات، سب کیلئے یہ حرم، پناہ گاہ ہے۔

خاص طور پر اس پتھر کی عزت سمجھ لو جو مقامِ ابراہیم کے نام سے دروازۂ کعبہ کے سامنے ایک گنبد کے اندر رکھا ہوا ہے۔ جب حضرت ابراہیم کعبہ بنا رہے تھے اور دیواریں اونچی ہونے لگیں، کہ اب وہاں پتھروں کا پہنچانا دشوار ہو گیا، تو یہی پتھر تھا جو زینے کا کام دیتا تھا۔ پتھر اٹھاتے وقت وہ زمین کے قریب ہو جاتا اور دیوار پر رکھتے وقت اسی مقدار میں اونچا ہو جاتا تھا۔ اس پر قدمِ ابراہیم کا نشان آ گیا تھا۔ جو اب چھوتے چھوتے مٹا مٹا سا رہ گیا ہے۔ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم کو گرد وغبار میں اٹا ہوا دیکھ کر حضرت اسماعیل کی زوجہ نے اس پتھر پر انھیں نہلایا بھی تھا۔ [redacted]

[illegible]

بنائے کعبہ کا پورا واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت اسماعیل کی، والدہ کو مع حضرت اسماعیل کے، حضرت ابراہیم لے کر وہاں پہونچے جہاں آج کعبہ ہے۔ اور کچھ کھجوریں اور ایک مشک پانی سے بھرا دے کر وہاں چھوڑ آئے۔ جب وہ سامان ختم ہو گیا تو حضرت اسماعیل کی تڑپ کو انکی ماں برداشت نہ کر سکیں۔ دوڑی ہوئی 'صفا' پہاڑ پر چڑھیں، وہاں کوئی نشان کسی کا نہ ملا تو وہ 'مروہ' کی طرف چلیں اور

نشیبی حصے میں قدم کو تیز کر دیا اور 'مروہ' پر چڑھ گئیں۔اس طرح سات بار کی چال اور دوڑ سے، آخر میں مروہ پہنچیں۔تو آواز سنی اور پھر ایک فرشتہ انھیں ملا جو حضرت اسماعیل کے پاس انھیں لے گیا اور وہاں زمین کو کریدا تو وہ چشمہ پھوٹ نکلا جس کو 'زم زم' کہتے ہیں۔فرشتہ نے ان سے کہا کہ یہ پانی خوب پیو، چین کرو، عنقریب حضرت ابراہیم یہاں آئیں گے اور باپ بیٹے مل کر کعبہ شریف بنائیں گے۔

ان ہی دنوں میں مقامِ کداء سے ایک قبیلہ عرب کا یہاں آیا جسکا نام قبیلہ، جُرہم تھا، وہ اجازت لیکر یہاں بس گیا۔حضرت اسماعیل نے ان سے عربی زبان سیکھی اور انھیں میں جوان ہوئے، ان ہی میں انکی شادی ہوئی۔انکی ماں انتقال کر چکی تھیں کہ حضرت ابراہیم آئے اور پوچھتے پوچھتے زوجہ، اسماعیل کو پایا، خیریت پوچھی تو اس زوجہ نے کہا کہ اسماعیل شکار کو گئے ہیں اور ہم لوگ بڑی دشواری سے زندگی کاٹ رہے ہیں۔حضرت ابراہیم نے کہا کہ اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ نکال دے۔ وہ تو چلے گئے، اور جب حضرت اسماعیل گھر آئے تو اپنی زوجہ سے سارا حال سُنا اور کہا کہ وہ میرے باپ تھے، ان کا حکم ہے کہ تم کو طلاق دیدوں۔چنانچہ طلاق دے کر دوسری شادی کی۔

ایک دن حضرت ابراہیم پھر آ گئے اور اس زوجہٗ ثانیہ سے ملے، خیریت پوچھی، وہ بولیں کہ حضرت اسماعیل شکار کو گئے ہیں اور ہم لوگ بخیر وخوبی زندگی گزار رہے ہیں۔گوشت کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں۔حضرت ابراہیم نے دُعا دی اور فرمایا کہ اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ اپنے گھر کی چوکھٹ کو مضبوط باقی رکھیں۔حضرت اسماعیل نے اس واقعہ کو واپس آ کر سنا اور خوش ہوئے۔پھر حضرت ابراہیم ایک دن آئے اور حضرت اسماعیل سے ملے، عجیب منظر تھا جب باپ بیٹے ملے تھے۔حضرت ابراہیم نے کہا کہ بیٹا مجھے ایک کام کرنا ہے، جسکا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔تم اُس میں مدد کرو گے؟ عرض کی کہ ضرور، مدد میں حاضر ہوں۔فرمایا: یہاں بیت اللہ شریف بنانا ہے (اور) ہمارے حکم کا لب ولہجہ یہ تھا کہ جواہی (تاکیدی حکم بھیجا ہم نے ابراہیم واسماعیل کی طرف) دونوں کو تاکیدی حکم دیا (کہ) کعبہ شریف بنا کر (تم دونوں) ہر قسم کی نجاست اور مجرمانہ حرکت سے (پاک صاف رکھو)۔اپنی نسل کو تاکید کردو کہ وہ بھی پاک رکھیں (میرے) اس (گھر) کعبہ شریف (کو) عام طور پر (طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور) نماز میں (رکوع) کرنے (والوں سجدہ) کرنے (والوں کیلئے)۔ تاکہ سے تمام پجاری ہماری پوجا یہاں آزادی سے کرتے رہیں۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ

اور جبکہ دعا کی ابراہیم نے کہ "اے پروردگار کردے اس کو پناہ دینے والا شہر اور روزی دے یہاں والوں کو پھلوں سے

مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ

جو مان گیا ان میں سے اللہ اور پچھلا دن"۔ فرمایا اور جس نے انکار کیا تو برتنے دوں گا اُسے کچھ،

قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ۝

پھر مجبور کردوں گا اسے عذابِ جہنم کی طرف۔ اور وہ برا ٹھکانہ ہے ●

(اور) عجیب منظر تھا (جب کہ) مکہ کی سوکھی پہاڑیوں اور بے آب وگیاہ وادیوں اور ناقابل کاشت اراضیوں کو دیکھ کر (دعا کی تھی) حضرت (ابراہیم نے) (کہ اے) میرے (پروردگار) تو اپنے کرم سے (کردے اس) آبادی (کو) بے پناہوں کیلئے ایک (پناہ دینے والا شہر)۔ سارا جہاں یہاں پناہ پائے (اور) خوب (روزی دے) فراغت کے ساتھ (یہاں) بسنے (والوں کو) ہر قسم کے عمدہ (پھلوں سے)۔ [redacted]

اللہ تعالیٰ کو مان کر اُس کے سارے انبیاء وغیرہم جنکے ماننے کا اس نے حکم دیا ہے سب کو ماننا پڑے گا۔ عذاب وثواب، روزِ حشر کو مان کر، نیک راہ پر چلنا پڑے گا۔ [redacted]

اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) کہ مسلمانوں کے حق میں تمہاری دُعا بالکل مقبول ہے۔ (اور) یہاں بس کر (جس نے انکار کیا) اور کفر ہی کمایا (تو) اس مقام کی برکت سے اس کو بالکل محروم نہ رکھوں گا۔ اسکو کھانے پینے (برتنے) کا موقع (دوں گا اُسے کچھ) نہ کچھ زندگی کا سہارا عطا کروں گا۔ مگر بس اسی زندگی تک یہ کرم رہے گا۔ جب وہ مرجائے گا تو (پھر مجبور کروں گا اُسے) کہ اپنے کفر کا مزا چکھے اور (عذابِ جہنم کی طرف) کھینچ کر اس طرح لاؤں گا کہ اُس کا کوئی قابو بچنے کیلئے نہ ہوسکے گا (اور وہ) جہنم، اللہ محفوظ رکھے، بہت ہی (برا ٹھکانہ ہے)۔

وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ

اور جب کہ اٹھا رہے ہیں ابراہیم بنیادوں کو اس گھر کی اور اسمٰعیل کہ

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

"اے ہمارے پروردگار قبول فرمالے ہم سے، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے"●

(اور) قابل تذکرہ ہے وہ وقت (جب کہ) تعمیر کعبہ کیلئے (اٹھا رہے ہیں) حضرت (ابراہیم بنیادوں) اور دیواروں (کو) (اُس) خدا کے (گھر) کعبہ شریف (کی) (اور) اُنکے ساتھ حضرت (اسمٰعیل) بھی یہی کررہے ہیں۔ اور اُن کی زبان پر یہ دُعا جاری ہے (کہ اے ہمارے پروردگار) ہماری ان خدمتوں کو، تو (قبول فرمالے ہم سے)، (بیشک تو ہی) ہماری دعاؤں کا (سننے والا) اور ہماری حالتوں کا (جاننے والا ہے)۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا

"اے ہمارے پروردگار اور کردے ہم کو نیازمند اپنا اور ہماری نسل سے ایک جماعت نیازمند تیری، اور سامنے رکھ دے

مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾

ہماری عبادت کے طریقوں کو، اور توجہ رکھ ہم پر، بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اے ہمارے پروردگار) ہماری ہر فریاد کو سن لے (اور کردے ہم) نیازمندوں (کو) اور زیادہ دوامی (نیازمند اپنا)۔ تیری نیازمندی سے ہمارا جی نہیں بھرتا (اور) یہ دولت ہماری نسل میں بھی عطا ہوتی رہے، کہ (ہماری نسل سے ایک جماعت) ہمیشہ (نیازمند تیری) رہے، اور مسلمان بنی رہے۔ (اور) صاف صاف تعلیم کرکے، بالکل چشم دید کی طرح، (سامنے رکھ دے ہماری عبادت کے طریقوں کو) جن کو تو اپنی عبادت قرار دے، اور جس جس طریقہ کو تو پسند فرمالے۔ کیوں کہ عبادت کیا ہے؟ کس طرح ہوتی ہے؟ تو کس سے راضی ہے؟ یہ تیرے بتائے بغیر کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا۔ (اور) اے میرے پروردگار تو اپنی (توجہ رکھ ہم) سب (پر) اور ہماری توبہ قبول کیا کر (بیشک) ایک (تو ہی) ہے جو (توبہ) کا (قبول فرمانے والا)، مسلمانوں کو قیامت کے دن (بخشنے والا ہے)۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

اے ہمارے پروردگار اور بھیج دے ان میں ایک رسول ان میں سے کہ تلاوت کرے ان پر تیری آیتیں، اور سکھائے انھیں کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

اور حکمت، اور پاک صاف فرمادے ان کو۔ بے شک تو ہی غلبہ والا حکمت والا ہے"●

(اے ہمارے پروردگار) ان سب باتوں کے ساتھ (اور) یہ بھی کر، کہ (بھیج دے ان) ہم

دونوں کی اولاد (میں) ایک عظیم الشان (ایسا رسول) جو (ان) ہم دونوں کی اولاد (میں سے) ہو، بنی اسماعیل سے ہو، کہ یہی نسل [redacted] اُس رسول پاک کی شان یہ ہو (کہ تلاوت) کیا (کرے ان) سب (پر تیری آیتیں)۔ اُس رسول کے پاس تیری ایسی کتاب ہو جسکی، بلا کسی تحریف کے، تلاوت کی جایا کرے (اور) وہ رسول (سکھائے اُنھیں کتاب) نقطہ نقطہ، حرف حرف یاد کرادے [redacted] (اور) دانش مندی و(حکمت) کہ حقیقت نمایاں ہو، احدواسرار کھل جائیں۔ اپنے قول وعمل سے سوچنے اور حق تک پہنچنے کے ڈھنگ سکھادے (اور) ہر زنگ سے (پاک صاف) آئینہ کی طرح مجلّٰی (فرمادے اُن) کے دلوں (کو)۔ ایسے عزت وغلبہ والے، حکمت والے، رسول کیلئے [redacted] صرف (تو ہی غلبہ والا) غلبہ عطا فرمانے والا، [redacted]

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ

اور کون بے رغبتی کرے دینِ ابراہیم سے، مگر جس نے بیوقوف بنالیا خود اپنے کو۔ اور بے شک یقینا چن لیا ہم نے ان کو

فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

دنیا میں اور بے شک وہ آخرت میں یقینا لائقوں سے ہیں●

(اور) میرے مخلص بندہ، عبداللہ ابن سلام کو دیکھو کہ انھوں نے اپنے دونوں بھتیجے مہاجر اور سلمہ سے کہا کہ تم لوگ جانتے ہو کہ توریت میں صاف صاف آیا کہ بنی اسماعیل سے وہ نبی پیدا ہوگا جنکا نام احمد ہوگا۔ جو انہیں مانے گا، ہدایت پائے گا۔ جو نہ مانے گا، اس پر خدا کی پھٹکار ہوگی۔ سلمہ نے تو اسلام قبول کرلیا اور مہاجر نے انکار کردیا۔ حالانکہ وہ اور سارے یہود ونصاریٰ، بلکہ مشرکین بھی جان رہے ہیں کہ دینِ ابراہیمی سے، جس پر وہ سب ناز کیا کرتے ہیں، ان کو دور کا بھی تعلق نہیں رہا اور پیغمبر اسلام نے ملت ابراہیمی کو بالکل اپنالیا۔

اب اسلام کا انکار، دینِ ابراہیمی ہی کا انکار ہے (اور) ظاہر ہے کہ (کون) بدرستی ہوش حواس (بے رغبتی) کا اظہار ایسی صورت میں بھلا (کرے) اور انکار و بیزاری سے کام لے (دینِ ابراہیم سے، مگر) ہاں اسی احمق سے ہوسکے گا (جس نے) دیدہ ودانستہ اپنی حماقت سے (بے وقوف بنالیا خود اپنے کو) اور احمقوں کی طرح سے یہ کہتے ہوئے کہ ہم کو دینِ ابراہیم چاہئے، پھر بھی اس دین

کو پا کر نہ لے۔ اور حضرت ابراہیم جس رسول کیلئے دُعا کرتے تھے اس کو پا کر قبول نہ کریں۔

کاش یہ لوگ صحیح طور پر حضرت ابراہیم کو پہچانتے، تو ایسی حماقت نہ کرتے۔ حضرت ابراہیم کو ہم نے اپنا خلیل و دوست بنایا تھا۔ (اور **بیشک**) وشبہ (**یقینا چن لیا**) تھا (**ہم نے ان کو دنیا میں**) بھی (**اور بیشک**) وشبہ (**وہ آخرت میں**) بھی (**یقینا**) ہمارے برگزیدہ (**لائقوں**) بڑی لیاقت رکھنے والوں (سے ہیں) کمالات کی اہلیت بڑی رکھتے ہیں۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۳۱﴾

جب حکم دیا انھیں ان کے پروردگار نے کہ "سر جھکاؤ" عرض کیا کہ "سر جھکا دیا میں نے سارے جہان کے پروردگار کیلئے" ●

ان کو بلند مرتبہ بنانے کیلئے ایک وقت تھا (**جب حکم دیا**) تھا (**انہیں انکے پروردگار**) اللہ تعالی (**نے کہ**) سربلندی کیلئے ہمارے سامنے اپنا (**سر جھکاؤ**)، انھوں نے (**عرض کیا کہ**) تعمیل حکم میں لیجئے (**سر جھکا دیا میں نے سارے جہاں کے پروردگار**) اللہ تعالی کی رضامندی (**کیلئے**)۔

وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

اور وصیت کی اسی نیازمندی کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے، کہ اے بچو بیشک

لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اللہ نے چن لیا تمہارے بھلے کو دین۔ تو ہرگز نہ مرو مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ●

(**اور**) دم آخرت تک (**وصیت کی**) (**اسی نیازمندی**) وسجدہ ریزی (**کی ابراہیم نے**) بھی (**اپنے بیٹوں کو اور**) انکے بیٹے (**یعقوب نے**) بھی۔ ان کی وصیت یوں تھی (**کہ اے**) میرے (**بچو**) اور وارثو! اس کو خوب سمجھ لو اور گرہ باندھ لو، کہ (**بیشک**) وشبہ (**اللہ**) تعالی (**نے**) بڑا ہی کرم فرمایا کہ (**چن لیا**) اور وہ بھی (**تمہارے**) ہی (**بھلے کو**) کہ خوب نفع میں رہو (**دین**) اور تمہارے دستور زندگی اور فلاح کو (**تو**) یاد رکھو کہ کچھ ہو جائے مگر تم لوگ (**ہرگز نہ مرو**)۔ اور جس ساعت کو موت کی ساعت کہتے ہیں وہ تمہارے پاس نہ آنے پائے (**مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو**)۔ ایک منٹ کو بھی اسلام کا دامن چھوٹنے نہ پائے۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ

کیا نہیں تھے تم گواہ جب کہ آئی یعقوب کو موت، جب کہ پوچھا تھا اپنے بیٹوں کے بھلے کو کہ کس کو پوجو گے

مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ

میرے بعد۔ سب نے جواب دیا کہ پوجیں گے آپ کے معبود کو، اور آپ کے باپ دادا ابراہیم واسمٰعیل

وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝

واسحٰق کے معبود کو، معبودِ یکتا۔ اور ہم اسی کے نیازمند ہیں ●

ان یہودیوں کو دیکھو کیسی بے پر کی اڑاتے ہیں کہ حضرت یعقوب نے مرتے دم وصیت کی تھی کہ ہمیشہ ہمیشہ یہودی رہنا۔ انکو کہتے ہوئے یہ بھی نہیں سوجھتا کہ اس وقت یہودیت کا وجود کہاں تھا؟ ہاں یہودیوں کے مورث لوگ تھے۔ انہیں سے پوچھ لیا ہوتا کہ حضرت یعقوب کی وصیت کے ساتھ (کیا نہیں تھے تم) لوگوں کے مورث لوگ (گواہ)، ضرور تھے۔ (جب کہ آئی) تھی (یعقوب کو موت) کی گھڑی۔ حضرت یعقوب دیکھ رہے تھے کہ مصر والے کوئی بُت پوجتے ہیں، کوئی آگ پوجتے ہیں، اُن کو اپنی اولاد کو اِن فتنوں سے بچانا تھا۔ چنانچہ کیسی مبارک گھڑی تھی (جب کہ پوچھا تھا اپنے بیٹوں) ہی (کے بھلے کو) کہ انکا مستقبل تباہ نہ ہو۔ سوال یہ کیا تھا (کہ) میرے سامنے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے خدا پرست ہو، یہ بتاؤ (کہ) میں نہ رہوں تو (کس کو پوجو گے میرے بعد)؟ کہیں خدا پرستی چھوڑ تو نہ دو گے؟ انکے بارہ بیٹے اور پوتوں، (سب نے) اس سوال کا (جواب دیا کہ) جیسے اب پوجتے ہیں، اسی طرح آئندہ، آپ کے بعد بھی (پوجیں گے آپ کے معبودِ) برحق (کو) (اور آپ کے باپ دادا) حضرت (ابراہیم اور) ان کے بڑے بیٹے حضرت (اسماعیل اور) چھوٹے بیٹے حضرت (اسحاق کے معبودِ) برحق (کو)، جو (معبودِ یکتا) ہے۔ اسکی معبودیت میں کوئی بھی اسکا شریک نہیں ہے۔ (اور ہم) ہمیشہ ہمیشہ کیلئے (اسی) اللہ تعالیٰ (کے نیازمند) اور پجاری (ہیں)۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ

یہ وہ امت ہے جو گذر چکی۔ اسکے لئے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے کمایا۔

وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۝

اور تم جواب دہ نہ ہوگے اس کے جو وہ کرتے تھے ●

ان بزرگوں پر جھوٹ گڑھنے سے کیا فائدہ؟ اب تو اے یہودیو! ان بزرگوں کو جو ہونا تھا، ہو چکے۔ اور سمجھ لو کہ (یہ وہ امت ہے جو گذر چکی)۔ انکا عہد ختم ہو گیا۔ جو پہلے گذر چکا (اس کیلئے وہ) بدلہ (ہے جو اس نے کمایا) (اور) اب رہے تم، تو (تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے کمایا)۔ (اور) جس طرح وہ تمہارے ذمہ دار نہ تھے، (تم) بھی (جواب دہ نہ ہو گے اُس) عمل (کے جو وہ) کیا (کرتے تھے)۔ تو پھر انکا نام لینا اور ان پر جھوٹی تہمت لگانا چھوڑ دو۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرٰهِمَ

اور بولے کہ ہو جاؤ یہودی یا عیسائی تو راہ پا جاؤ۔۔۔ جواب دو بلکہ دین ابراہیم کو،

حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

جو یکسوئی سے خدا پرست تھے، اور نہ تھے مشرکوں سے ●

ذرا کعب ابن اشرف و مالک ابن صیف و وہب ابن یہودا و ابو یاسر ابن اخطب، سرداران یہود، اور نجران کے عیسائیوں میں سے سید اور عاقب اور انکے ساتھیوں کی جرأت اور جسارت دیکھو، کہ اپنے کم، اپنے دین کی باہم ڈینگ مارا کئے۔ اپنے کو دوسرے سے بڑھایا چڑھایا کئے۔ (اور) اب ایسی جرأت بڑھ گئی ہے کہ مسلمانوں سے بھی (بولے) یہود اور عیسائی لوگ (کہ ہو جاؤ یہودی یا عیسائی)۔ یہودی کہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور عیسائی کہیں کہ عیسائی (تو) (راہ) حق (پا جاؤ)۔

تم انہیں (جواب دو) کہ یہودی حضرت عیسیٰ کو نہیں مانتے، اور عیسائی حضرت موسیٰ کے بارے میں یہودی تلقین قبول نہیں کرتے۔ اور حضرت ابراہیم کو دونوں مان رہے ہو، تو یہودیت و عیسائیت کو چھوڑ دو۔ ان کو نہیں (بلکہ دین ابراہیم کو) کہ کہو، کہ راہ حق اسی میں ہے۔ ایسے حضرت ابراہیم (جو یکسوئی سے) سارے معبودان باطل سے بیزار ہوتے ہوئے صرف (خدا پرست تھے) (اور) مشرکین، جو انہیں مشرک بنانے میں لگے رہتے ہیں، وہ بھی تمہاری طرح احمق ہیں۔ حضرت ابراہیم ہرگز (نہ تھے مشرکوں)، بت پرستوں (سے)۔

قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلٰى إِبْرٰهِمَ وَإِسْمٰعِيلَ

کہہ دو کہ ہم مان گئے اللہ کو، اور جو کچھ اتارا گیا ہماری طرف، اور جو کچھ اتارا گیا ابراہیم اور اسمٰعیل

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ

اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی نسل کی طرف اور جو کچھ دیے گئے موسیٰ اور عیسیٰ، اور جو کچھ دیے گئے سارے

النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

انبیاء اپنے پروردگار کی طرف سے، ہم نہیں چھوڑتے کوئی ان کا، اور ہم اسی کے نیاز مند ہیں●

ان غلط بولی والوں سے، اے مسلمانو! (کہہ دو کہ) اب ہماری بولی سنو، وہ یہ کہ (ہم مان گئے اللہ) تعالیٰ کو، وہی معبودِ برحق، اور قدیم بالذات وصفات میں یکتا ہے (اور) قرآنِ پاک میں (جو کچھ) بھی حکم وغیرہ (اتارا گیا ہماری طرف اور) ہمارے پیغمبر، جو ہماری ہدایت کیلئے بھیجے گئے، ہم نے سب کو مان لیا۔ (اور) نبی وقرآن کے حکم سے ہم نے وہ بھی مان لیا (جو کچھ) بھی، دس صحیفوں میں (اتارا گیا) تھا، حضرت (ابراہیم اور) حضرت (اسمٰعیل اور) حضرت (اسحٰق اور) حضرت (یعقوب اور ان کی) آل اولاد پوری (نسل کی طرف)۔ کہ اس نسل میں انبیاء بھی ہوئے اور حضرت ابراہیم کے سارے صحیفے ان سب کی ہدایت کیلئے تھے۔ اور انبیاء بھی انھیں صحیفوں کی تبلیغ فرماتے تھے، تو وہ صحیفے ان سب کی طرف اتارے گئے کہے جائیں گے۔

(اور) ان صحیفوں ہی پر محدود نہیں، بلکہ ہم لوگ تو وہ بھی مان گئے (جو کچھ) بہ نامزد توریت (دیئے گئے) تھے حضرت (موسیٰ اور) بہ نامزد انجیل دیئے گئے تھے حضرت (عیسیٰ) (اور) اتنا ہی نہیں بلکہ (جو کچھ) بھی (دیئے گئے) تھے (سارے انبیاء اپنے پروردگار) اللہ تعالیٰ (کی طرف سے)۔

یہودیوں کا خیال [redacted] ہیں۔ عیسائیوں کا بھی یہی حال [redacted]

ان دونوں کا طرف [redacted] اور اس ماننے میں (ہم) کسی طرح بھی (نہیں چھوڑتے کوئی) بھی جز (اُن) انبیاء (کا) فرد ہے۔ ہر نبی کو نبی مانتے ہیں اور اس نبی کے ہر پیغام کو انکے عہد کا پیغامِ الٰہی جانتے ہیں۔

اور گو یہود ونصاریٰ نے اپنی اپنی آسمانی کتاب میں تحریف کر دی اور عربی زبان میں ترجمہ کرتے وقت کچھ کا کچھ کر دیا، مگر انجیل وتوریت کا نزول ہوا تھا، اس پر ہمارا ایمان ہے۔ یہ سارے صحیفے اور کتابیں گو قرآنِ کریم سے منسوخ ہیں، مگر ہم اتنی بات برابر مانتے ہیں کہ یہ آسمانی کتابیں ہیں

اوراس بارے میں ہمیں یہود ونصاریٰ کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ ہمارا یہ ایمان اپنے اللہ کے حکم سے ہے۔ (اورہم) یہود ونصاریٰ کی چال نہیں چلتے کہ اللہ تعالیٰ کی بھی نہ سنیں، بلکہ ہم لوگ (اسی) اللہ تعالیٰ (کے نیازمند)، مخلص، فرماں بردار، اور پجاری (ہیں)۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

تو اگر وہ لوگ مان گئے، جیسے تم مان چکے ہواسے، تو بے شک انھوں نے راہ پالی۔ اور اگر پھرے رہے تو بس

هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۳۷﴾

وہ ہٹ دھرمی میں ہیں۔ تو اب کافی ہے تمہیں ان کے بارے میں اللہ، اور وہی سننے والا جاننے والا ہے●

اے مسلمانو! تمہارے اس بیان کو یہود ونصاریٰ نے سنا (تو) یا مان لیں گے یا انکار کردیں گے۔ (اگر وہ لوگ مان گئے) تمہارے پیغمبر اور قرآن وغیرہ، جو کچھ تم مانتے ہو، مگر زبانی نہیں، بلکہ دل سے (جیسے تم) مسلمان لوگ (مان چکے ہواسے تو بیشک) وشبہ (انھوں نے) بھی (راہ پالی) اور ہدایت پر آ گئے۔ (اور اگر) اس کہنے سننے پر وہ بدستور (پھرے رہے تو بس) سمجھ لو کہ (وہ) ضد، دشمنی اور (ہٹ دھرمی میں ہیں)۔ جب ایسا ہے (تو) (اے پیغمبر اسلام تم مطمئن رہو، تمہاری ذمہ داری ختم [illegible] کا تمہاری (ان) ضدیوں، یہودیوں، [illegible] وہ تمہارا ایک بال بیکا نہ کرسکیں گے۔ تم اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں رہو گے، اور تمہارا پیغام مٹائے نہ مٹے گا۔ تم غالب رہو گے۔ یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔ اور پوری ہوتے دنیا نے دیکھا، کہ بنی قریظہ قتل کردیئے گئے اور بنی نضیر قید ہوئے، ملک بدر ہوئے، اور یہود ونصاریٰ کو بالآخر جزیہ دینا پڑا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی کفایت۔ (اور وہی) تو ہے ہر بولی کا (سننے والا) اور وہی ہر حال کا (جاننے والا ہے)۔ باطل پرستوں کے اقوال واحوال اس سے پوشیدہ ہیں اور نہ حق پرستوں کے اقوال واحوال اس سے چھپے ہیں۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اللہ کے رنگے ہوئے، اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے رنگنے میں، اور ہم اسی کے پجاری ہیں●

ذرا عیسائیوں کی اس رسم کو دیکھو کہ لڑکا جب پیدا ہوا تو ایک ہفتہ کے بعد یوں کرتے ہیں کہ

پانی میں زرد رنگ ڈال کر اسکو نہلاتے ہیں اور اس وقت کہتے ہیں کہ اب لڑکا ٹھیک طور پر عیسائی ہوا۔ جس طرح مسلمان ختنے کے دن بچے کا خون نکلنے پر کہتے ہیں کہ یہ مسلمان ہوا۔ اور اس خونریزی کو مسلمانی کہتے ہیں [redacted]

[redacted] تم ان سے کہو کہ اے زرد رُو، ہمیں دیکھو کہ ہم (اللہ) تعالیٰ (کے رنگے ہوئے ہیں) اس نے ہم کو اپنے دین اور اپنی پاک گرمی سے اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے۔ کپڑے کا رنگ اس میں گھستا ہے مگر دھوتے دھوتے ہلکا پڑ جاتا ہے اور ہم نے اللہ تعالیٰ کے جس رنگ کو پایا ہے وہ اس طرح ہم میں نافذ ہو گیا ہے کہ وہ کسی طرح ہلکا بھی نہیں ہوسکتا۔ ہمارا رنگنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے۔ (اور) بھلا (کون زیادہ اچھا) اور بہتر ہوسکتا (ہے اللہ) تعالیٰ (سے رنگنے میں)؟ رنگ ہے تو اسی کا رنگ ہے۔ اور سب رسمی ڈھکوسلا ہے۔ (اور) یہ رنگ ہمارے سوا کسی کے نصیب میں نہیں ہے، کیونکہ بس (ہم) ہی ہیں کہ صرف (اسی کے پجاری ہیں)۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ

کہہ دو کیا کٹ حجتی کرتے ہو ہم سے اللہ کے بارے میں، حالانکہ وہ ہمارا پروردگار ہے اور تمہارا پالنہار ہے۔

وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۙ

اور ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے کرتوت ہیں اور ہم محض اسی کیلئے ہیں ●

ذرا ان یہودیوں کی جاہلانہ بحثیں دیکھو، کہتے ہیں کہ ہمارا دین اسلام سے پہلے کا ہے، ہم 'سناتن دھرم' والے ہیں۔ ہمارے دین پر انبیاء رہے اور انبیاء ہم میں ہوتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ہم مسلمانوں سے زیادہ بہتر ہیں، اور نبی بھیجتا تو ہم میں بھیجتا۔ جیسا انھوں نے نبوت کا ٹھیکہ لے رکھا ہو، اور اللہ تعالیٰ کو پابند کر رہے ہوں کہ نبوت ان کے گھرانے سے باہر نہ ہونے پاوے۔ اس کج بحثی پر تم (کہہ دو) کہ (کیا) مہمل (کٹ حجتی کرتے ہو ہم سے اللہ) تعالیٰ کی شانِ بے نیازی (کے بارے میں) (حالانکہ) بالکل ظاہر ہے کہ (وہ) اللہ تعالیٰ (ہمارا) بھی (پروردگار ہے) (اور تمہارا) بھی (پالنہار ہے)۔

اور اسکے یہاں نسل اور باپ دادے کا کوئی سوال نہیں۔ وہاں صرف ایمان و عمل پر مدارِ قرب

ہے۔(اور) اسکے یہاں (ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں) کہ ہمارے حسن عمل کو عزت بخشے اور ہر نعمت سے مالا مال فرمائے (اور تمہارے لئے) اللہ تعالیٰ کے یہاں (تمہارے) کیے ہوئے (کرتوت ہیں) کہ بداعمالی کی بنیاد پر ہر نعمت تم سے چھین لی گئی (اور) اب تم کو اس سے کوئی واسطہ نہیں رہا۔ لیکن (ہم) مسلمان (محض اسی کیلئے ہیں)۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا

کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی نسل

هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

یہودی تھے یا نصاریٰ؟ پوچھو کہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ اندھیر والا کون ہے جس نے چھپایا

شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

گواہی کو جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے۔ اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو کچھ کرو●

اے یہودیو اور عیسائیو! (کیا تم) بلاتردد (کہتے) رہے (ہو کہ بیشک) وشبہ حضرت (ابراہیم اور) حضرت (اسمٰعیل اور) حضرت (اسحٰق اور) حضرت (یعقوب اور انکی نسل) کے آل، اولاد سب کے سب، یا (یہودی تھے یا نصاریٰ) تھے۔ اے میرے پیغمبر! ان سے (پوچھو) کہ (کیا تم زیادہ جانتے ہو) بڑے علم رکھنے والے (یا اللہ) تعالیٰ زیادہ جاننے والا ہے؟ اللہ تعالیٰ تو یہی جانتا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے اور اندھیر مچا رہے ہو۔ (اور) تمہیں بتاؤ (اس سے زیادہ اندھیر) مچانے (والا کون ہے جس نے چھپایا) اس (گواہی کو) اور اس حقیقت کو (جو اسکے پاس) موجود (ہے اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے)۔ تم لوگوں کو گواہ بناتے ہوئے، پیغمبر اسلام کا تذکرہ تمہاری کتابوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا اور یہ بتادیا تھا کہ حضرت ابراہیم وغیرہ نہ یہودی تھے نہ عیسائی تھے، بلکہ مسلمان تھے، جس کو تم لوگ چھپا رہے ہو۔ یاد رکھو (اور) خوب سمجھ لو کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (غافل اس سے جو کچھ) بھی تم لوگ کیا (کرو)۔ وہ سب کچھ جانتا ہے اور تم کو اپنے کرتوت بھگتنا پڑیں گے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ

یہ وہ امت ہے جوگزر چکی۔۔۔اس کے لیے ہے جو کچھ اس نے کمایا، اور تمہارے لیے ہے جو کچھ تم نے کمایا۔

وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور نہ پوچھے جاؤ گے اُس سے جو کچھ وہ کرتے تھے ●

اے یہودیو! نصرانیو! باپ دادا کی رشتہ داری پر اترانے والو! تم سے نصیحت کی جاتی ہے اور سارے مضمون کا خلاصہ پھر دوبارہ تمہارے [illegible] (یہ) تمہارے آباء واجداد (وہ امت ہے جو گذر چکی، اس کیلیے ہے جو کچھ اس نے کمایا)۔ انکی نیکی تمہارے کام نہ آئیگی اور انکی بدی کے تم ذمہ دار نہیں۔ (اور تمہارے لئے ہے جو کچھ تم نے کمایا)۔ دوسرے کی کمائی [illegible]۔ (اور) سمجھے رہو، کہ (نہ پوچھے جاؤ گے) تم لوگ (اس) عمل (سے جو کچھ وہ) پہلے کے لوگ (کرتے تھے)۔ تم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ چھ ذوالحجۃ ۱۳۶۶ھ میں پورے قرآن مجید کا اردو ترجمہ مکمل فرما چکے تھے۔
اور پھر اسکے بعد تفسیر لکھنے کیلئے قلم اٹھایا۔ آپ نے اپنے وصال یعنی ۱۶ رجب ۱۳۸۱ھ تک تین پارے اور چوتھے کے چند رکوع ہی کی تفسیر قلمبند فرمائی تھی۔ لہٰذا قطعی طور پر اس پہلے پارے کی تفسیر کی تکمیل کی تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مدنی تاجدار ﷺ اہل کتاب کے قبلہ 'بیت المقدس' کی طرف بحکم ربانی رخ کر کے، باختلاف روایات ۹۔۔یا۔۔۱۰۔۔یا۔۔۱۳۔۔یا۔۔۱۶۔۔یا۔۔۱۷۔۔ مہینے تک نماز پڑھتے رہے۔ مگر آپ کی دلی آرزو یہی تھی کہ کعبہ شریف کو، جسکی تعمیر آپ کے جد کریم سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں سے ہوئی، امت مسلمہ کا قبلہ یعنی حالت نماز میں مرکز توجہ بنا دیا جائے۔

رب کریم نے جب اپنے محبوب کی اس خواہش کو پورا کرنا چاہا، تو پورا کرنے سے پہلے ان اعتراضات کو ظاہر فرما دیا جو علمی ذہن وفکر کے لوگ کرنے والے تھے، جو ارادۂ الٰہی اور حکم خداوندی کی اہمیت وعظمت سے ناآشنا تھے اور جنھوں نے 'بیت المقدس' میں بھی اپنی اپنی پسند کی سمتوں کو حالت نماز میں اپنا قبلہ بنا رکھا تھا۔ 'بیت المقدس' کی سمت مغرب 'یہودیوں' کا قبلہ تھا اور سمت مشرق 'عیسائیوں' کا۔ اب اگر نبی کریم کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا جائے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا قبلہ ہے، خود حضور آیۂ رحمت ﷺ کی جائے ولادت ہے اور اللہ کا 'حرم' اور 'بیت اللہ' ہے۔ پھر رب کریم نے اپنے حبیب ﷺ کی خواہش پوری فرما دی تو اس میں کون سی حیرت کی بات تھی اور اعتراض کا کیا محل تھا۔

ان اعتراض کرنے والے بیوقوفوں نے خیال کر لیا تھا کہ 'بیت المقدس' کی کوئی ذاتی خصوصیت ہے جو دوسری سمتوں کو حاصل نہیں۔۔۔ حالانکہ۔۔۔ 'بیت المقدس' کسی خاص خصوصیت کی وجہ سے قبلہ نہیں بنایا گیا تھا، بلکہ حکم خداوندی ہی سے قبلہ قرار دیا گیا تھا۔ تو اب یہ حکم جس سمت کیلئے ہو اور جب بھی ہو اُسے قبلہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ تبدیلی قبلہ سے پہلے ہی اس پر ممکنہ اعتراضات کو ظاہر کر دینے سے تبدیلی کے بعد ان اعتراضات کو سن کر مسلمان کسی ذہنی انتشار اور قلبی اضطراب کا شکار نہیں ہونگے بلکہ سکون واطمینان کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں لگے رہیں گے۔ **کسی امر کے واقع ہونے سے پہلے نبی کریم کا اسکی خبر دینا غیب کی خبر دینا ہے، جو آپ کی نبوت کی روشن دلیل ہے۔ مگر بیوقوفوں کی نظر ان دوامع حکمتوں تک کہاں پہنچ سکتی ہے اُکے لئے تو احمقانہ اعتراض کرنا ہی آسان ہے۔**

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ

اب بکیں گے بیوقوف لوگ کہ کس نے پھیر دیا ان مسلمانوں کو انکے اس قبلہ سے، جس پر تھے۔

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝

کہہ دو کہ اللہ ہی کیلئے ہے پورب پچھم۔ چلائے جسے چاہے سیدھا راستہ ●

تو اے محبوب (اب) عنقریب بکواس کریں گے اور (بکیں گے) کم عقل، ہلکے اذہان رکھنے والے (بیوقوف) ایسے عامی، عقل وشعور سے جنکا کوئی واسطہ نہیں۔۔۔یعنی۔۔۔یہود و منافقین مدینہ اور مشرک (لوگ کہ کس نے پھیر دیا ان مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے) بیت المقدس سے (جس پر تھے) آج تک جس کو اپنی نمازوں میں قبلہ بناتے رہے۔ اے محبوب ان سے (کہہ دو) اور واشگاف انداز میں اس حقیقت کو ان پر واضح کر دو (کہ اللہ ہی کیلئے ہے پورب) خانہ کعبہ جدھر واقع ہے اور (پچھم) 'بیت المقدس' جس طرف ہے۔۔۔الغرض۔۔۔جملہ جہات اور ساری سمتیں اُسی کیلئے ہیں اور وہی سب کا مالک ہے، مختار ہے۔ (چلائے) راستہ دکھائے (جسے چاہے سیدھا راستہ) دین اسلام کا راستہ اور قبلۂ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا راستہ۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ وہ اپنے بندے کی توجہ جدھر چاہے کرے اور جسکو چاہے سیدھا راستہ دکھائے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ

اور اسی طرح کر دیا ہم نے تم کو بہتر امت، تا کہ ہو جاؤ گواہ لوگوں پر۔ اور رسول تم پر گواہ ونگراں

عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۗ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ

ہو جائیں۔ اور ہم نے نہیں بنایا تھا اس قبلہ کو جس پر تم تھے مگر اسلئے تھا کہ الگ معلوم کرا دیں جو غلامی کرے رسول کی

مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللّٰهُ ۗ وَمَا

ان سے جو الٹے پاؤں لوٹے۔ گو یہ بات گراں ہوئی مگر ان پر جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ اور نہیں ہے

كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝

اللہ کہ بے کار کر دے تمہارے ایمان کو۔ بے شک اللہ لوگوں پر بے حد مہربان رحمت والا ہے ●

(اور اسی طرح) جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ کو سارے قبلوں پر فضیلت دے رکھی ہے **(کر دیا ہم نے تم کو)** عادل امتوں میں صدر نشیں، اپنے جملہ عقائد و نظریات اور اعمال وافعال میں معتدل، جن میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ نہ تم میں نصاریٰ کا غلو ہے، جنھوں نے حضرت مسیح کو الوہیت سے موصوف کر دیا اور نہ ہی یہودیوں کی تفریط و تقصیر، جنھوں نے معاذ اللہ حضرت مریم علیہا السلام پر تہمت لگادی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ناجائز بیٹا قرار دیا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔تمہارا قبلہ سارے قبلوں سے بہتر اور تم ساری امتوں میں برگزیدہ **(بہتر امت، تا کہ ہو جاؤ)** روز قیامت انبیاء کرام کے **(گواہ) اُن (لوگوں پر)** جو انبیائے کرام علیہم السلام کی تبلیغ نبوت کا انکار کر دینے والے ہونگے اور انبیائے کرام اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کہ ان حضرات علیہم السلام نے خدا کا پیغام اپنے امتیوں تک بخوبی پہنچا دیا، تم کو بارگاہ خداوندی میں اپنے گواہ کی حیثیت سے پیش کریں گے۔ اور گواہ جسکا گواہ ہوتا ہے اسکا محبوب اور اسکی عنایات کا مرکز توجہ بھی ہوتا ہے۔ اسطرح تم کو محبوب الانبیاء ہونے کا شرف بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ گو صرف تمھاری گواہی پر بات تمام نہ ہوگی۔۔۔کیونکہ۔۔۔ منکرین اعتراض کر بیٹھیں گے کہ یہ امت ہمارے زمانے میں نہیں تھی تو اسکی گواہی کیسی؟

اس صورت میں اس امت کو یہ عرض کرنا پڑے گا کہ ہماری گواہی کی بنیاد وہ خبریں ہیں جو اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ کی زبان مقدس کے ذریعہ ہم تک پہنچائیں ہیں۔ اسی لئے ضرورت ہوگی کہ حضور آیہ رحمت ﷺ تمہاری عدالت اور لائق شہادت ہونے کی شہادت سے سرفراز فرمائیں۔۔۔تاکہ۔۔۔ واضح ہو جائے کہ عادل اور لائق شہادت جماعت، مشہور و معروف چیزوں کی گواہی سنکر بھی دے سکتی ہے۔ اسکی گواہی قابل قبول ہوگی۔

رب تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے امت محمدیہ کو انبیائے کرام کا گواہ بنایا اور خود نبی کریم کو خود اپنی ہی امت کی عدالت و لائق شہادت ہونے کا گواہ قرار دیا، تاکہ منکرین نے جو اعتراض امت کی گواہی کے تعلق سے کیا، رسول کریم کی گواہی میں اس اعتراض کی صورت ہی نہ نکل سکے۔ امت محمدیہ کی عدالت و دیانت کا تقاضہ ہے کہ جس طرح وہ آخرت کی گواہ ہے اسی طرح وہ دنیا میں بھی لوگوں پر ان امور میں گواہ ہو، جنکا ثبوت عادلین کی شہادت ہی پر موقوف ہے اور نبی کریم ان شاہدین کی عدالت و دیانت کے شاہد ہوں۔۔۔الغرض۔۔۔تم انبیاء کے بھی شاہد اور دوسرے لوگوں کے بھی، مگر رسول کریم صرف تمہارے شاہد۔

۔۔۔المختصر۔۔۔تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ (اور رسول) میرے فرستادہ، محمد ﷺ (تم پر گواہ اور نگران ہو جائیں)۔ تمہاری عدالت کو ظاہر فرمائیں، تمہارا تزکیہ فرمائیں اور ہر وقت تمہیں اپنی نظر کرم کے سائے میں رکھیں۔۔۔الغرض۔۔۔تمہارا رسول تم پر گواہ ہوگا، کیونکہ وہ اپنے نور نبوت سے اپنے ہر ماننے والے امتی کے دینی مرتبہ سے واقف ہے کہ وہ دین کے کس درجے پر ہے اور اسکے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کون سا حجاب ہے جو اسکی ترقی میں حائل ہے۔۔۔المختصر۔۔۔وہ تمہارے گناہوں، تمہارے ایمانی درجوں، تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص و نفاق، سبھی سے باخبر ہیں۔

نبی کریم ﷺ ابتداءً مکہ کے قیام کے دوران نماز فرض ہونے کے بعد، بحکم خداوندی اپنے جد کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔ وہ بھی اس خوبی کے ساتھ کہ 'بیت المقدس' بھی آپکے سامنے ہو جاتا۔۔۔اور۔۔۔'کعبہ شریف' آپکے اور 'بیت المقدس' کے درمیان رہتا۔

ہجرت کے بعد رب تبارک وتعالیٰ نے یہودیوں کی تالیف قلب کیلئے خاص کر کے 'بیت المقدس' کو قبلہ قرار دیدیا۔۔۔چنانچہ۔۔۔حکم خداوندی کے پیش نظر آپ ﷺ 'بیت المقدس' کی طرف رخ کر کے نماز ادا فرمانے لگے۔ مگر آپ کی دلی خواہش یہی رہتی کہ کعبہ ہی کو ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا جائے۔ اس میں عرب کی عزت افزائی کے ساتھ ساتھ یہودیوں کی مخالفت بھی ہے۔ رب کریم نے اپنے فضل وکرم سے اپنے محبوب کی آرزو پوری فرمادی اور کعبہ کو قیامت تک کیلئے مسلمانوں کا قبلہ قرار دے دیا۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔فرما دیا کہ اے محبوب۔۔۔فی الحال۔۔۔تو اصل حکم یہی ہے کہ آپ کعبہ کو اپنا قبلہ بنائے رکھیں (اور) اب رہ گیا 'بیت المقدس' کو قبلہ بنا دینے کا معاملہ، تو (ہم نے) تمہاری عبادتوں کا قبلہ (نہیں بنایا تھا) عارضی مدت کیلئے 'بیت المقدس' کو۔۔۔یعنی۔۔۔(اس قبلہ کو جس پر) مدینہ منورہ میں جسکی طرف رخ کر کے (تم) سب کلمہ پڑھنے والے نماز پڑھتے (تھے) اور عبادت کرتے تھے، (مگر) اس میں یہ حکمت تھی اور وہ (اسلئے تھا کہ) ممتاز کریں، ظاہر کر دیں، سب کو دکھا دیں اور الگ (الگ معلوم کرادیں) اسکو (جو) ہر حال میں محبت واطاعت سے بھرپور مخلصانہ سچی (غلامی کرے) اس مخصوص عظیم المرتبت (رسول کی)، (ان) بدبختوں، کمزور ایمان والوں اور دل میں نفاق رکھنے والوں (سے)، (جو) اپنے دل کی کجی۔۔۔یا۔۔۔ضعف ایمانی کے سبب صراط مستقیم سے (الٹے پاؤں

لوٹے)اور راہ حق سے عدول کر کے ناحق کی طرف چلے گئے۔

---چنانچہ---بیت المقدس کو قبلہ بنا کر، پھر اسکی تحویل، بعض لوگوں پر ایسی شاق گزری کہ وہ مرتد ہوگئے۔انکا یہ طرزِ عمل ضد اور ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا---کیونکہ---انکی آسمانی کتابوں نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ تحویلِ قبلہ ہونی ہی ہے، جو اللہ کی طرف سے ہے اور حق ہے۔

(**گو**) اگرچہ (**یہ بات**) قبلہ کی تحویل، کعبہ کو قبلہ بنانا اور اسکا قبلہ ہونا (**گراں ہوئی**) جان بوجھ کر بیجا ضد کرنے والوں پر، (**مگر اُن**) حق شناس، حق پسند اور نفوس قدسیہ رکھنے والوں (**پر جن کو اللہ**) تعالیٰ (**نے**) اپنے فضل وکرم سے (**ہدایت دی**)، احکام شرعیہ جو تفصیلاً اور اجمالاً حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں، انکے اسرار ورموز سمجھادئے، وہ اپنے ایمان پر ثابت رہے اور اتباع رسول میں سچے رہے، ان پر واضح ہوگیا کہ یہ ایک قبلے سے دوسرے قبلے کی طرف، درحقیقت رب تعالیٰ کی ایک اطاعت سے اُسی کی دوسری اطاعت کی طرف منتقل ہونا ہے۔تو اس میں کون سی ایسی بات ہے جو گراں بار ہو۔

اس موقعہ پر بیوقوفوں کا بطور استہزاء یہ کہنا، کہ اگر کعبہ کو قبلہ بنانا صحیح تھا تو پھر بیت المقدس کو کیوں قبلہ بنایا---اور---اگر بیت المقدس کا قبلہ ہونا حق تھا تو پھر اس سے کیوں پلٹ گئے؟ اس الٹ پلٹ سے تو اپنے باپ دادا کے دین کی طرف پلٹ جانے کا بھی اشارہ ملتا ہے۔ان نادانوں کو کیا خبر کہ اطاعت رسول پر ثابت قدم رہنے والے اپنے نفس کے غلام نہیں، انھیں تو صرف خدا اور رسول کی اطاعت ہی مطلوب ہے۔

تحویل قبلہ کے بعد یہودی لوگ مختلف انداز سے مسلمانوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے---چنانچہ---بعض یہودیوں نے کہا کہ اگر قبلہ حق، جہت کعبہ ہی ہے، پھر تو وہ صحابہ جو تحویل قبلہ سے پہلے وصال کر چکے تو انکی وفات گمراہی پر ہوئی۔ یہودیوں کے اس جاہلانہ پروپیگنڈے کے پیش نظر سرکار رسالت مآب ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حضور ہمارے وہ ایمانی بھائی جنھوں نے اپنی نمازیں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے ادا کیں اور تحویل قبلہ سے پہلے ہی وفات پاگئے تو انکی اُن نمازوں کا کیا حال ہوگا؟

---اس پر ارشاد ربانی ہوا۔

(**اور نہیں ہے**) بے پناہ فضل وکرم فرمانے والا (**اللہ**) تعالیٰ (**کہ بیکار کردے**) اسکو قبول نہ فرمائے اور اس پر اجر نہ عطا کرے (**تمہارے ایمان**) وعبادت ونماز (**کو**)۔نماز ایمان والوں ہی پر

فرض ہے۔ایمان والے ہی ادا کریں تو قبول ہے اور جماعت کے ساتھ جسکی ادائیگی ایمان کی دلیل ہے ۔۔۔الغرض۔۔۔قبلہ منسوخہ کی طرف رخ کر کے پڑھی جانے والی مسلمانوں کی نمازیں بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اسکی اطاعت ہی کا ثمرہ ہیں،تو وہ بھی گویا عین ایمان ہیں،جن کو رب کریم اپنے فضل وکرم اور اجر عظیم سے محروم نہ فرمائے گا۔(بیشک اللہ) تعالیٰ فرمانبردار،اطاعت شعار،ایمان والے (لوگوں پر بے حد) جسکی کوئی حد نہیں،خصوصی مہربانی فرمانے والا (مہربان)،خصوصی بخشش سے نوازنے والا (رحمت والا ہے)،تو پھر وہ نکوکاروں کی نیکیوں کو کیسے ضائع فرمادے گا؟

یہودیوں کا 'تحویل قبلہ' پر طنز وتعریض کرنے اور اعتراضات پیش کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں تھی، بلکہ بلا وجہ تمسخر واستہزاء کرنے کو انھوں نے اپنا شیوہ بنالیا تھا۔اسی لئے بیت المقدس کو اپنا قبلہ بنالینے کی صورت میں بھی وہ اپنی عادت سے باز نہ آسکے تھے اور طنزاً کہنے لگے تھے کہ مسلمان ہماری مخالفت کرتے ہیں اور ہمارے دین سے الگ دین رکھتے ہیں مگر نماز ہمارے ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھتے ہیں۔

[redacted] ۔۔۔مثلاً: کعبہ ہی حضرت ابراہیم کا قبلہ تھا اور سب سے پہلا قبلہ تھا۔۔۔نیز۔۔۔اہل عرب کو اسلام کی طرف مائل کرنے کیلئے یہ ایک موثر ذریعہ تھا۔۔۔کیونکہ۔۔۔کعبہ عرب کا سرمایۂ افتخار اور انکی مخصوص زیارت گاہ اور مرکز طواف ہے۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔حضور ﷺ نے ایک بار حضرت جبرائیل علیہ السلام سے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام سن کر اپنے مقام پر واپس آگئے۔ [redacted] ۔۔۔جسکا۔۔۔خوشگوار نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت کریمہ لیکر حاضر ہوگئے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ

ہم ملاحظہ کر رہے ہیں تمہارے چہرہ کے بار بار اٹھنے کو آسمان کی طرف، تو ضرور پھیر دیں گے ہم تم کو تمہارے پسندیدہ قبلہ کی طرف،

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِیْنَ

تو اب پھیر دو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف، اور تم لوگ جہاں کہیں ہو اپنا اپنا رخ اسی کی طرف کرو۔ اور بے شک جو دیے گئے

اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝

تھے کتاب، ضرور جانتے ہیں کہ بیشک یہ حق ہے انکے رب کی طرف سے، اور نہیں ہے اللہ بے خبر انکے کرتوتوں سے ●

(ہم ملاحظہ کر رہے ہیں) اے محبوب (تمہارے چہرے کے بار بار اُٹھنے کو) اور بار بار (آسمان کی طرف) تمہارے متوجہ ہونے کو، اور ہم جان رہے ہیں کعبہ کو قبلہ بنا دینے کی تمہاری دلی خواہش کو، (تو) یقین جان لو (ضرور) بالضرور (پھیر دیں گے) عنایت فرمائیں گے، رخ کرنے کی قدرت دینگے (ہم تم کو تمہارے پسندیدہ قبلہ کی طرف) جسکی محبت آپ کے دل میں ہے اور آپ جسکے قبلہ ہونے کے مشتاق ہیں۔ اور یہ محبت واشتیاق بھی کچھ نفسانی خواہش یا طبعی غرض سے نہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ مقاصد دینیہ کی وجہ سے ہے۔ (تو اب) بغیر کسی تاخیر کے فوراً ہی (پھیر دو اپنا) اور اپنے پورے بدن کا (رخ) جہت کعبہ (مسجد حرام کی طرف)۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ نصف رجب ۲ھ بروز دوشنبہ، جبکہ آپ 'مسجد بنی سلمہ' میں بوقت ظہر نماز پڑھ رہے تھے، اور دو رکعت ادا بھی فرما چکے تھے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ حکم خداوندی لیکر نازل ہوئے۔ اسکو سنتے ہی آپ فوراً مسجد بیت المقدس سے پھر گئے اور میزاب کعبہ کی طرف متوجہ ہو گئے اور باقی دو رکعت نماز جہت کعبہ کی طرف رخ کر کے ادا فرمائی۔

اُس دن سے مذکورہ مسجد کا نام ہی 'مسجد قبلتین' ہو گیا اور سابقہ آسمانی کتابوں کی یہ بات واضح ہو کر سامنے آ گئی کہ [redacted]

[redacted] اولاً نبی کریم کو خاص طور پر مخاطب فرما کر تحویل قبلہ کا حکم دیا، اسکے بعد تمام امتیوں کو جہت کعبہ مسجد حرام کی طرف پھر جانے کو اور اسکو اپنا قبلہ بنا لینے کا عمومی حکم نازل فرمایا،

۔۔۔ اور ارشاد فرمایا:

(اور) اے امت محمدیہ (تم لوگ) بحر و بر، نرم و ہموار زمین۔۔۔ یا۔۔۔ بلند و بالا پہاڑ، اور شرق و غرب۔۔۔ الغرض۔۔۔ (جہاں کہیں ہو) جب نماز کا ارادہ کرو تو (اپنا اپنا) اور اپنے اپنے پورے

بدن کا (رخ اسی) جہت کعبہ، مسجد حرام (کی طرف کرو)۔ اب اگر تم ایسی جگہ ہو جہاں سے بیت اللہ کا مشاہدہ کر رہے ہو تو تم پر بعینہٖ کعبہ کی طرف منہ کرنا فرض ہے [redacted]
'سمت کعبہ' کی طرف رخ کر لینا فرض ہوگا۔

---الختصر---کعبہ اہل مسجد کا قبلہ ہے، مسجد حرام مکہ کا قبلہ ہے، مکہ حرم کا قبلہ ہے اور حرم ساری دنیا کا قبلہ ہے---کیونکہ---حالت نماز میں جہت کعبہ کی طرف رخ ہو جانا مذکورہ بالا تمام صورتوں میں حاصل ہے---'جہاں کہیں ہو'---فرما کر واضح کر دیا کہ یہ صرف مدینہ والوں ہی کا قبلہ نہیں بلکہ بیت المقدس والوں کا بھی ہے۔

(اور بے شک جو دیئے گئے تھے کتاب)---یعنی---یہود و نصاریٰ (ضرور جانتے ہیں)، انکے نبیوں نے انکو بخوبی طور پر آگاہ فرما دیا ہے (کہ بے شک یہ) تحویل یا کعبہ کی طرف متوجہ ہونا (حق ہے ان کے رب کی طرف سے) کیونکہ وہ توریت میں پڑھ چکے ہیں کہ پیغمبر آخر الزماں دو قبلوں کی طرف نماز ادا فرمائیں گے اور آخری قبلہ کعبہ ہوگا اور انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ ہی وہی آخری نبی ہیں، انکی کتابوں میں جنکی بشارت ہے، جو باطل کا حکم نہیں دے سکتے۔ (اور نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبر ان) یہودیوں (کے) انکار قبلہ جیسے نالائقی والے افعال اور (کرتوتوں سے)، تو انکو اللہ کی گرفت سے بے خوف نہیں ہو جانا چاہیے۔

---یونہی---اے ایمان والو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال صالحہ اور جذبات اطاعت رسول سے بھی بے خبر نہیں کہ تم میں سے جو نماز میں رسول کریم کے ساتھ تھے، انھوں نے تو آپ ﷺ کے ساتھ ہی تحویل قبلہ کر لیا، لیکن تمہارے سوا جو دوسرے لوگ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے تو جیسے ہی اُنکو خبر ملی کہ رسول کریم نے قبلہ بدل دیا ہے اور بیت المقدس کی طرف سے رخ پھیر کر کعبہ کی طرف کر لیا ہے، تو ان لوگوں نے بھی کسی پس و پیش کے بغیر ہی اپنا چہرہ بیت المقدس سے پھیر کر کعبہ کی طرف کر لیا۔ یہ بھی نہ سوچا کہ اپنے اس عمل سے پہلے نبی کریم ﷺ سے تحقیق حال تو کر لیں---صرف ایک انسان کی خبر کی بنیاد پر ان سب پر واجب نہیں تھا کہ وہ ایسا کرتے [redacted] تسلیم و رضا کے اس بے مثال نمونے سے تمہارا رب کریم بے خبر نہیں ہے---یقیناً---تم سب کیلئے اسکی طرف سے وعدۂ اجر عظیم ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو تسلی دے رہا ہے کہ اے محبوب آپ ان یہودیوں کے اعتراضات سے پریشان خاطر نہ ہوں۔ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں ضد اور ہٹ دھرمی میں کر رہے ہیں۔۔۔حالانکہ۔۔۔انھیں خوب معلوم ہے کہ آپ حق پر ہیں۔ جو جان بوجھ کر کسی چیز کا انکار کرے، کوئی دلیل اسکو مطمئن نہیں کرسکتی۔ کوئی طے ہی کرلے کہ میں سمجھونگا ہی نہیں، تو پھر کوئی اُسے کیسے سمجھا سکتا ہے۔

وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ بِکُلِّ اٰیَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ

اور اگر لاتے تم انکے پاس جن کو کتاب دے چکا ہی ہے ساری نشانی نہ پیروی کرتے تمہارے قبلہ کی، اور نہ تم ہی انکے

بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ

قبلہ کے پیرو ہو، اور نہ خود ان میں ایک دوسرے کے قبلہ کا پیرو ہے۔ اور اگر کوئی تمہارا ہو کر پیروی کرے انکی خواہشوں

اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۘ﴿۱۴۵﴾

کی بعد اسکے کہ آیا تمہارے پاس علم، تو بیشک وہ تمہارا اس صورت میں حد سے بڑھ جانے والوں سے ہے●

(اور اگر لاتے تم ان) بغض وعناد رکھنے والے یہودیوں (کے پاس جن کو) اللہ تعالیٰ (کتاب دے چکا ہی ہے) پہلے ہی سے دے چکا ہے اور انھیں پوری حقیقت سے آگاہ فرما چکا ہے، اسکے باوجود جو تم سے روبقبلہ ہونے کی حقیت وحقیقت سمجھنے کی بات کرتے ہیں اور سمجھنے کا ارادہ نہیں رکھتے، ایک دو نہیں ساری کی (ساری نشانی) خواہ وہ از قسم معجزہ ہو۔۔۔یا۔۔۔حجت وبرہان قاطع، اسکے باوجود وہ (نہ پیروی کرتے تمہارے قبلہ کی) اسلئے کہ وہ جو تمہاری پیروی نہیں کر رہے ہیں اسکی وجہ یہ نہیں کہ وہ کسی شبہ میں ہیں، جسکو حجت ودلیل سے زائل کردیا جائے، بلکہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، ازراہ عناد ودشمنی کے طور پر کر رہے ہیں۔۔۔حالانکہ۔۔۔انھیں اپنی کتابوں سے یہ علم حاصل ہو چکا ہے کہ آپ حق پر ہیں۔

اپنے کو ناحق سمجھنے کے باوجود انکو یہ لالچ ہے کہ آپ انکے قبلے کو اپنا قبلہ بنالیں، یہاں تک کہ انکے بعض نبی کریم ﷺ سے کہہ پڑے کہ اگر آپ ہمارے قبلہ پر ثابت ہو جائیں تو ہم آپ کو وہ نبی تسلیم

کر لینگے جسکے ہم منتظر ہیں۔ مگر انکے اس طمع کی جڑ اس فرمان سے کاٹ دی گئی کہ نہ تو وہ تمہارے قبلہ کے پیرو ہیں (اور نہ تم انکے قبلہ کے پیرو ہو)، گو یہودیوں کا قبلہ اور تھا۔۔۔اور۔۔۔نصاریٰ کا اور۔ لیکن باطل ہونے میں دونوں متحد ہیں، گویا دونوں ایک ہیں۔ اب جو کسی باطل قبلہ کا پیرو نہیں تو وہ دونوں میں سے کسی کے قبلہ کا پیرو نہیں ہوسکتا (اور نہ خود ان میں سے ایک دوسرے کے قبلہ کا پیرو ہے)۔

یہود، نصاریٰ کے قبلہ کی طرف رخ نہیں کرتے اور نصاریٰ، یہود کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے۔ جب یہ اپنے عناد و مخالفت پر اتنے متصلب ہیں کہ آپس ہی میں قبلہ کے معاملے میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں، تو انکی مخالفت صرف آپ ﷺ ہی سے نہیں رہ گئی۔

۔۔۔لہٰذا۔۔۔اے محبوب آپ انکی مخالفت کا خیال [illegible]

اے محبوب قبلہ کا معاملہ اتنا اہم اور نازک ہے کہ اگر۔۔۔بفرض محال۔۔۔اس معاملے میں آپ نے بھی انکی خواہشوں کی پیروی کی تو آپکا بھی شمار اپنے اوپر زیادتی کرنے والوں میں ہوجائے گا [illegible]

آپ نبی ہیں اور نبی کی ذات حفاظت سے [illegible]

۔۔۔لہٰذا۔۔۔آیت کریمہ میں اگرچہ خطاب کا رخ آپ کی طرف ہے، مگر مخاطب آپ کی امت ہے [illegible] (اور) اب (اگر کوئی تمہارا ہوکر) آپ کو اپنا نبی ورسول مان کر، آپ کا امتی ہوکر اور آپ کے دین پر ایمان لاکر (پیروی کرے ان) یہودیوں (کی خواہشوں کی) اور انکے کہنے پر کعبہ سے رخ پھیر کر بیت المقدس کو قبلہ بنالے (بعد اسکے کہ آیا تمہارے پاس) کعبہ کے قبلہ ہونے اور اسلام کے دین اللہ ہونے کا (علم) جسکو آپ نے سب تک پہنچا بھی دیا اور دلائل و براہین کے ساتھ واضح بھی فرمادیا، (تو بیشک وہ تمہارا) امتی (اس صورت میں) اطاعت رسول کی (حد سے) نکل کر نافرمانی کی حد میں داخل ہوجانے والوں اور خدا کی مقرر کی ہوئی حد سے (بڑھ جانے والوں سے ہے)۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

جن کو ہم نے کتاب دی ہے پہچانتے ہیں پیغمبر اسلام کو جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ؈

اور بیشک ان میں سے ایک گروہ حق کو ضرور چھپاتا ہے جانتے بوجھتے ●

(جن کو ہم نے کتاب دی ہے) علمائے اہل کتاب (پہچانتے ہیں پیغمبر اسلام کو) کہ وہ نبی برحق ہیں، امام قبلتین ہیں، تمام آسمانی صحیفوں کی بشارتوں کا مرجع ہیں اور یہ پہچان ایسی ویسی پہچان نہیں، بلکہ ایسا پہچانتے ہیں (جیسے لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں) اسی لئے انھیں آپ ﷺ کی رسالت پر کسی طرح کا اشتباہ نہیں، جیسے انھیں اپنے بچوں کے تعلق سے کسی طرح کا شک وشبہ نہیں۔

انسان خود اپنے آپ کو بڑی مدت کے بعد پہچانتا ہے بخلاف اپنی اولاد کے، کہ انھیں پیدا ہوتے ہی پہچان لیتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام ﷺ نے تو یہاں تک فرمادیا کہ ہم [illegible] نبی کو جانتے ہیں، اسلئے کہ ہمیں محمد ﷺ کے نبی ہونے میں کبھی بھی [illegible] بخلاف بچوں کے تعلق سے ماں کی طرف سے خیانت کا امکان شک کا [illegible] حضرت فاروق اعظم ﷺ نے آپکی اس بات پر آپکی پیشانی کو چوم لیا۔

(اور بے شک ان) علمائے اہل کتاب (میں سے ایک) بڑا (گروہ) جس نے اسلام قبول نہیں کیا، وہ حسد وعناد کے سبب بے وقوف عوام اور جاہل لوگوں سے (حق) نبی کے نبی برحق ہونے، کعبہ کو رب کا مقرر کردہ قبلہ قرار دینے، اور اپنی آسمانی کتاب میں مذکور نبیٔ کریم کے اوصاف حمیدہ (کو ضرور چھپاتا ہے)۔ وہ بھی لاعلمی میں نہیں بلکہ (جانتے بوجھتے)۔

ع

اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ۝

یہ حق ہے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے، تو ہرگز شک نہ کرنا●

کہ (یہ حق ہے لوگو) سایہ دامن رسالت میں رہنے والو (تمہارے رب کی طرف سے) کسی غیر کی طرف سے نہیں۔ یہی اسکے حق ہونے کی دلیل ہے۔ اسلئے کہ حق وہی ہے جسکا خدا کی طرف سے ہونا ثابت ہوا اور جسکا خدا کی طرف سے ہونا ثابت نہ ہو وہ باطل ہے (تو) اسکے منجانب اللہ ہونے میں (ہرگز شک نہ کرنا)۔

وَلِكُلٍّ وِّجۡهَةٌ هُوَ مُوَلِّيۡهَا فَاسۡتَبِقُوا الۡخَيۡرٰتِ ؕ اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا

اور ہر ایک کیلئے ایک رخ ہے کہ اسکی طرف متوجہ ہے تو نیکیوں میں آگے بڑھنے کی خواہش کرو، جہاں کہیں ہوگے

یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝

تم سب کو اللہ لے آئے گا۔بیشک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے ●

جس طرح کسی کی جہت عبادت اُسکا قبلہ ہے اُسی طرح اسکی خاص توجہ کا مرکز بھی اسکا قبلہ ہے تو مسلمان جہاں بھی، جس طرف بھی ہوں، کعبہ ہی انکا قبلہ عبادت ہے۔ جو کعبہ سے شمال میں ہیں انکے قبلہ کی سمت جنوب ہے۔۔۔یونہی۔۔۔جنوب والوں کا قبلہ جانبِ شمال۔۔۔مغرب والوں کا قبلہ جانبِ مشرق۔۔۔اور مشرق والوں کا قبلہ جانبِ مغرب ہے۔اور سب عبادت کیلئے قبلہ کی اپنی اپنی سمتوں کی طرف رخ کرتے ہیں۔(اور) صرف یہی نہیں بلکہ تمام خدا پرست گروہوں اور ارباب شریعت رسولوں میں سے ہر ایک کا الگ الگ قبلہ ہے جسکی طرف وہ رخ کرتے ہیں۔

مقربین کا قبلہ عرش ہے۔۔۔روحانیین کا قبلہ کرسی ہے۔۔۔کرّ وبین کا قبلہ بیت المعمور ہے ۔۔۔انبیاءِ سابقین کا قبلہ بیت المقدس ہے۔۔۔اور آپ ﷺ کا قبلہ کعبہ ہے۔۔۔ [redacted] میں جسم رسول کا قبلہ کعبہ ہے۔۔۔اور [redacted] خاص توجہات کا مرکز اور قبلہ ذات مصطفی [redacted]

۔۔۔الغرض۔۔۔(ہر ایک) امت، خواہ وہ امت محمدی ہو۔۔۔یا۔۔۔اسکے سوا دوسری امت (کیلئے ایک رخ) کرنے کی سمت قبلہ (ہے) تاکہ حالتِ عبادت میں اسکی طرف متوجہ ہوا کرے۔ یہی وجہ ہے (کہ) ہر عبادت گزار، حالتِ عبادت میں اپنے اپنے (اس) قبلہ (کی طرف متوجہ) ہو جاتا (ہے)۔

اور اب جب صورت حال یہ ہے کہ اہل کتاب اپنے عناد وحسد کی وجہ سے قبلہ کے تعلق سے نبیٔ کریم کی ہدایت کو ماننے والے نہیں ہیں اور نہ ہی آپ کے قبلہ کی طرف رخ کرنے والے ہیں۔۔۔بلکہ۔۔۔وہ خود بھی ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں۔ایسی صورت میں اے ایمان والو انکی ضد وہٹ دھرمی سے اُلجھنے میں اور جہت کعبہ کے قبلہ ہونے کی حقانیت کے تعلق سے، بحث ومباحثہ کرنے میں کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اپنے قیمتی اوقات کو بلاوجہ ضائع کرنا ہے۔

(تو) تم ان گمراہ جماعت والوں کو نظر انداز کر دو اور ان سے کنارہ کش ہو جاؤ اور (نیکیوں میں)

آپس میں ایک دوسرے سے (آگے بڑھنے کی خواہش کرو) اور اپنے رخ کو جہاں تک ممکن ہو عین کعبہ کی طرف کرنے کی کوشش کرو اور اگر یہ سعادت وفضیلت نہ حاصل ہو سکے تو اتنا تو ضرور ہو کہ قبلہ کی جہت سے رخ ہٹنے نہ پائے۔

تمہیں یہ سوچ کر فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں کہ تمہاری بھی تو جہتیں مختلف ہیں، یہاں بھی تو جنوبی، شمالی، مشرقی اور مغربی کا اختلاف موجود ہے، اسلئے کہ تمہارے مختلف جہتوں میں رہنے کے باوجود رب کریم تم سب کو ایک جگہ اکٹھا فرمائے گا اور تم سب کی نمازوں کو اجر وثواب کے لحاظ سے ایسا بنا دے گا گویا ساری نمازیں ایک جہت کی طرف ادا کی گئیں ہیں۔ ایسا لگے گا کہ تم سب نے ایک ساتھ مسجد حرام میں حاضر ہوکر، کعبہ کو سامنے رکھ کر نماز ادا کی ہے۔

اہل کتاب جو قبلہ کے معاملے میں رسول کریم کی اطاعت سے پیچھے رہ گئے ہیں تم انکو نہ دیکھو ۔۔۔ بلکہ ۔۔۔ امر قبلہ کے تعلق سے نبی کریم کی اطاعت میں آگے بڑھو اور پیچھے رہ جانے والے کتابیوں کو پیچھے رہ جانے دو۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ اہل کتاب جہاں کہیں بھی ہونگے اور تم (جہاں کہیں ہوگے، تم سب کو) تم کو بھی، تمہارے دشمنوں کو بھی، (اللہ) تعالیٰ (لے آئے گا) اور اکٹھا فرمائے گا تاکہ حق وباطل کے درمیان فیصلہ فرمادے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔ جب تک چاہے تمہیں زندہ رکھے، پھر وفات دے دے اور پھر زندہ فرما کے اکٹھا بھی کردے۔

رب کریم نے اپنے کلام بلاغت نظام کے اس رکوع میں تین بار اپنے محبوب کو کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

پہلی بار تو یہ ظاہر فرمانے کیلئے کہ یہ کام، میں نے اپنے محبوب کی عظمت ظاہر کرنے اور انکی رضا جوئی کیلئے کیا ہے۔۔۔ اور دوسری بار خود اپنی سنت قدیمہ اور عادت جاریہ کی وضاحت کیلئے کہ ہر قوم کا الگ الگ قبلہ بنانا خود اسکی سنت رہی ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اس نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا ہے۔۔۔ اور تیسری بار یہ واضح کرنے کیلئے کہ ہم نے کعبہ کو مسلمانوں کا قبلہ اسلئے بنایا ہے کہ یہود، مسلمانوں کے خلاف حجت نہ قائم کرسکیں۔ اسلئے کہ انکی کتابوں میں مذکور تھا کہ آخری نبی کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھے گا اور یہ تو بیت المقدس کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں تو پھر یہ وہ نبی نہیں ہماری کتابوں میں جنکی بشارتیں ہیں۔

۔۔۔ الغرض ۔۔۔ تین آیتوں میں جو ایک ہی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور بے مصلحت تکرار

نہیں، اسلئے کہ تینوں حکموں کی علتیں الگ الگ ہیں۔۔۔یا۔۔۔یہ کہ نمازیوں کی تین حالتیں ہو سکتی ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔وہ مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوں۔

﴿۲﴾۔۔۔مسجد حرام سے باہر شہر مکہ میں نماز پڑھتے ہوں۔

﴿۳﴾۔۔۔شہر مکہ سے باہر کسی اور جگہ نماز پڑھی جارہی ہو۔

تو اب پہلا حکم پہلی حالت سے۔۔۔دوسرا حکم دوسری حالت سے۔۔۔اور تیسرا حکم تیسری حالت سے متعلق ہوگا۔ ساتھ ہی ساتھ الگ الگ تین حکموں سے تین طرف اشارہ ہو جاتا ہے:

﴿۱﴾۔۔۔کعبہ کی طرف رخ کرنے کا علم، علمائے اہل کتاب کو پہلے ہی سے تھا۔

﴿۲﴾۔۔۔خدا نے جب کعبہ کو قبلہ بنادیا تو پھر اسکا قبلہ ہونا برحق ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔اس حکم میں ملت ابراہیمی کی طرف ہدایت ہے۔

عرب اپنے تمام افعال میں حضرت ابراہیم کی اتباع کو پسند کرتے ہیں تو کعبہ کی طرف رخ کرنا ان کیلئے ایک نعمت تھا جو ان کیلئے باعث افتخار تھا۔۔۔یا۔۔۔یہ کہ پہلے حکم سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اپنے محبوب کی رضا کیلئے کعبہ کو قبلہ بنایا۔۔۔دوسرے حکم سے یہ بتانا ہے کہ آپ کی رضا کے علاوہ فی نفسہٖ یہ تحویل برحق ہے۔۔۔اور تیسرے حکم سے یہ واضح کرنا کہ حکم عارضی نہیں بلکہ دوامی ہے، جو تمام علاقوں اور تمام زمانوں کیلئے ہے۔

۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔پہلی آیت تمام احوال کیلئے۔۔۔دوسری آیت تمام علاقوں کیلئے۔۔۔اور تیسری آیت تمام زمانوں کیلئے ہے۔

۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔پہلی آیت حالت اختیار میں قلب و بدن کے ساتھ تحقیقاً کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے۔۔۔اور دوسری آیت اشتباہ قبلہ کی صورت میں اپنے ظن کے مطابق کعبہ کی طرف منہ کرنے پر محمول ہے۔۔۔اور تیسری آیت حالت اضطرار میں۔۔۔مثلاً: جب سواری پر ہو، جیسے ٹرین و جہاز پر سفر کر رہا ہو، [redacted]

اس سلسلے کی آخری بات یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تحویل قبلہ کی صورت میں پہلی بار نسخ کا حکم مسلمانوں میں متعارف ہوا اور۔۔۔چونکہ۔۔۔یہود نسخ کا انکار کرتے تھے، اسلئے یہ حکم ایک مہتم بالشان امر تھا، لہٰذا اس حکم کو بار بار دہرا کر اسکی تاکید کی گئی۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

اور جہاں سے نکلو اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف رکھو،

وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور بیشک وہ ضرور حق ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے، اور نہیں ہے اللہ بے خبر تمہارے کئے عملوں سے ●

(اور) دوسری بار ارشاد فرمایا گیا سفر کیلئے (جہاں سے) جس شہر سے (نکلو) نماز پڑھتے وقت (اپنا منہ مسجد حرام کی طرف رکھو اور) اپنے قول وعمل سے اس بات کو واضح کردو کہ (بے شک وہ)۔۔۔ یعنی۔۔۔ کعبہ کو قبلہ قرار دینا (ضرور حق) صحیح اور پسندیدہ (ہے) جسکا حکم اے نبی (تمہارے پروردگار کی طرف سے) نازل ہوا ہے (اور نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبر) لاعلم (تمہارے) کاموں (کئے عملوں سے) جنھیں تم نے آج کیا ہو یا کل کرنے والے ہو۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ

اور جہاں سے سفر کرو تو اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف کیا کرو۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ

اور جہاں بھی رہو اپنا اپنا منہ اسی طرف پھیرا کرو، تا کہ نہ رہ جائے لوگوں کو تم پر کوئی حجت،

اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۚ

مگر وہ جو حد سے بڑھ چکے ہیں، تو ان سے نہ ڈرو مت اور مجھی کو ڈرو،

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ۙ

اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کردوں، اور ایسا ہو کہ تم ہدایت پاؤ ●

اور اے محبوب مسجد حرام سے باہر ہوتے ہوئے، آپ جس وقت بھی (اور جہاں سے) بھی (سفر کرو تو) نماز کی ادائیگی کے وقت (اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف کیا کرو) اور رخ بہ کعبہ ہو جایا کرو۔ اور اے مسلمانو! تم لوگ بھی اسکا ہمیشہ خیال رکھو (اور جہاں بھی رہو) نماز ادا کرتے وقت (اپنا اپنا منہ) اور پورا بدن (اسی) مسجد حرام کی (طرف پھیرا کرو)۔ حالت نماز میں رخ بہ کعبہ ہو جانے کا یہ کام اسلئے ضرور کرلیا کرو، (تا کہ نہ رہ جائے لوگوں) یہودیوں اور مشرکوں (کو تم پر کوئی حجت) اور بہت

دھرمی والی بکواس، جسے وہ بطور حجت پیش کرتے ہیں اور اس نامعقول کٹ حجتی کو دلیل سمجھتے ہیں۔

تمہارے رخ بہ کعبہ ہو جانے میں نہ تو یہودیوں کو یہ گنجائش ملے گی کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ مسلمان بھی عجیب ہیں کہ ہمارے دین کے منکر ہیں اور ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ بنائے ہوئے ہیں۔۔۔۔نہ ہی مشرکوں کو اس بکواس کا موقع ملے گا کہ وہ کہہ سکیں کہ یہ ذات بھی کیسی نرالی ہے، جس نے اپنے جد کریم ابراہیم کے قبلہ سے رخ پھیر لیا اور دوسرے کے قبلہ کو اپنا قبلہ بنالیا۔ تمہارے رخ بہ کعبہ کر لینے والے عمل سے سمجھدار لوگ تو خاموش ہو جائیں گے اور بے جا طعن و تشنیع سے باز آجائیں گے (مگر وہ) ظالم لوگ۔۔۔یعنی۔۔۔یہود مدینہ اور بت پرستان مکہ (جو حد سے بڑھ چکے ہیں) وہ کہاں خاموش رہنے والے، انھیں تو۔۔۔از راہِ عناد و مکابرہ۔۔۔کچھ کہنا ہی ہے۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔یہود یہ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے صرف اپنے آباؤ اجداد کی محبت میں انکے قبلہ کو اپنا قبلہ بنالیا، اسکا تعلق کسی قدرتی ہدایت سے نہیں۔ جب ہی تو انبیاء کرام کے قبلہ کو چھوڑ دیا اور باپ دادا کے قبلہ کو اپنا لیا۔۔۔یونہی۔۔۔مشرکین بکنے لگے کہ محمد (ﷺ) کو پتہ چل گیا کہ ہم حق پر ہیں۔۔۔لہٰذا۔۔۔ہمارے قبلہ کو اپنا قبلہ قرار دے دیا۔ اب امید ہے کہ وہ ہمارا دین بھی قبول کر لینگے۔

(تو) اے مسلمانو! اپنے قبلہ کے تعلق سے تم (ان) کی طعن و تشنیع (سے ڈرومت)۔ اس سے تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ انکی یہ خفیف الحرکاتیاں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتیں (اور مجھی کو ڈرو)، میرے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو۔

اے مسلمانو! تمہارے کعبہ کو قبلہ بنالینے سے ایک بڑا فائدہ تو یہی ہوا کہ غیروں کی کٹ حجتیوں سے تم کو نجات مل گئی۔۔۔الغرض۔۔۔میں نے تحویل کعبہ کا حکم اسی لئے دیا کہ تاکہ لوگوں کو تم پر کوئی حجت نہ رہ جائے (اور تاکہ) کعبہ کو قبلہ بنانے کی ہدایت فرما کر (میں اپنی) خاص (نعمت) جو ملت حنیفہ کے ساتھ خاص ہے (تم پر پوری کردوں اور) پھر (ایسا ہو) تا (کہ تم) شرائع و احکامِ دین کے جاننے کی اور قبلہ، سیدنا ابراہیم کو قبلہ قرار دینے کی رہنمائی حاصل کرو اور (ہدایت پاؤ)۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔حکم تحویل قبلہ کی حکمت یہ ہے تاکہ میں آخرت میں ثواب و اجر عظیم عطا فرما کے تم پر اپنی خاص رحمت پوری کردوں،

[redacted]

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ

جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول، تم میں سے، تلاوت کریں تم پر ہماری آیتیں اور پاک کریں تم کو

وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور سکھائیں تم کو کتاب، اور حکمت، اور بتائیں جو تم جانتے ہی نہ تھے●

پس اے لوگو (جیسا کہ بھیجا) مبعوث فرمایا (ہم نے تم) لوگو (میں ایک) عظیم (رسول تم میں سے) **عربی النسل، شریف النسب، اعلیٰ حسب، (تاکہ تلاوت کریں تم پر ہماری)** کتاب، قرآن کی (آیتیں **اور پاک کریں تم کو**) گناہوں سے، اپنے استغفار اور دعائے مغفرت کے ذریعہ، اور پاک کردیں کفر و شرک سے، اپنی ہدایت پر ایمان لانے کے ذریعہ (**اور سکھائیں تم کو کتاب**) قرآن کریم (**اور حکمت**) سنت و فقہ (**اور بتائیں**) وہ (**جو تم جانتے ہی نہ تھے**) جسکی معرفت، وحی الٰہی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔

۔۔۔الحتصر۔۔۔ اے لوگو! جب میں نے تم کو فراموش نہیں کیا، ہر حال میں تمہیں یاد رکھا **اور عظیم رسول کو بھیج کر تمہاری ہدایت کا راستہ کھول دیا۔۔۔**

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

تو میرا ذکر کرو، میں تمہارا چرچا کردوں گا اور میرے شکرگزار رہو، اور کفرانِ نعمت نہ کرو●

(**تو**) تم بھی مجھے فراموش نہ کرو اور (**میرا ذکر کرو**) معذرت و استغفار، حمد و ثنا، سوال و دعا، توبہ، اخلاص اور مناجات کے ذریعہ۔ تو میں تمہارا ذکر کرونگا، مغفرت، فضل و عطا، بخشش و نوال، عفو و درگزر، خلاصی و رہائی اور نجات کے ذریعہ اور صرف یہی نہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ ساری دنیا میں، سارے زمانے میں (**میں تمہارا چرچا کردوں گا**)۔ اور جب میں تمہارا چرچا کردونگا تو بحر و بر، خشک و تر، دشت و جبل، ہر ہر جگہ، ہر ہر زبان میں تمہارا چرچا ہوگا۔

کہیں تمہارے لئے مغفرت و ترقی، درجات کی دعا ہو رہی ہوگی، کہیں تمہاری عمر کی

ع ۱۸

درازی کی تمنا کی جارہی ہوگی، کہیں تمہارے [illegible]
وسلام میں شریک کیا جارہا ہوگا اور کہیں تمہارا جشن منایا جارہا ہوگا۔ جس میں تمہاری سیرت و کردار کے روشن پہلوؤں سے لوگوں کو روشناس کرایا جارہا ہوگا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ جہاں جہاں میرا ذکر ہوگا، وہاں وہاں [illegible] تک کہ حالت نماز میں بھی، قیام کی صورت میں بھی [illegible] شکل میں بھی تمہاری دین ودنیا کی سلامتی کی دعا کی جائیگی۔

تمہارا حال ایسا ہوگا کہ تم کو دیکھنے والا خود مجھے یاد کرنے لگے گا۔۔۔الختصر۔۔۔ میرے ذکر وفکر میں ڈوب جانے کی وجہ سے خود تمہارا یہ حال ہوجائے گا کہ تم خود ذکر اللہ ہوجاؤ گے۔ مگر یہ مقام صرف زبانی ذکر سے حاصل نہیں ہوگا۔۔۔ بلکہ۔۔۔ یہ مرتبہ اس وقت حاصل ہوگا جب زبان کے ساتھ ساتھ دل و جان بھی میرے ذکر میں مشغول ہوں، ایسا کہ ایک لمحہ بھی ذکر سے غافل نہ ہوں۔ فَاذْكُرُونِيٓ أَذْكُرْكُمْ والی نعمت وہ نعمت ہے کہ اگر میں نے جبرائیل و میکائیل کو بھی دی ہوتی تو ان پر بھی ایک عظیم اور بڑی نعمت مکمل کردیتا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ میرا ذکر اور میری اطاعت وفرمانبرداری کرو (اور) اس مخلصانہ اطاعت و فرمانبرداری کے ذریعہ عملی طور پر (میرے شکرگزار)، میری نعمتوں کا اپنے کردار وعمل سے اعتراف کرنے والے ہوجاؤ اور ہمیشہ اسی پر قائم (رہو اور کفرانِ نعمت) میری نعمتوں کا انکار (نہ کرو) [illegible] رکھو یہ بھی کفرانِ نعمت [illegible]

یہ ساری نعمتیں دراصل اس وقت تک نعمتیں رہیں گی جب تک تم ان کو میری ہدایت کے مطابق استعمال کروگے۔ تم ان نعمتوں کے مالک نہیں ہو، بلکہ امین ہو اور ہر امین پر فرض ہے کہ وہ خیانت نہ کرے اور ان نعمتوں کو استعمال کرتے وقت خود مالک کی رضا وخوشنودی کا لازمی طور پر خیال رکھے۔

اے ایمان والو! اس مقام پر یہ نقطہ بھی ذہن نشین کرلو کہ تم نے جس قبلہ کو اختیار کرلیا ہے اور تم کو جس ذکر وشکر کی ہدایت کی گئی ہے، ان پر ہمیشہ کیلئے ثابت قدم رہنے کیلئے تم کو جس معاون ومددگار کی ضرورت ہے اسکو بھی سمجھ لو۔ یہ معاون ومددگار وہ ہے جسکے بغیر تم دنیا کی امامت کا وہ فریضہ بھی ادا نہیں کرسکتے جسکا انجام دینا تمہاری ذمہ داری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۝

اے ایمان والو! مدد چاہو صبر اور نماز سے، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے●

پس (اے ایمان والو) نبیٔ کریم کی مخلصانہ، والہانہ فرمانبرداری کرنے والو (مدد چاہو)، حقوقِ الٰہی ادا کرنے کیلئے اور معاصی وخواہشاتِ نفسانیہ سے بچنے کیلئے، (صبر) سے، جونجات کی کنجی ہے۔۔۔تو۔۔۔حقوقِ الٰہی ادا کرنے میں جو دشواری پیش آئے۔۔۔یونہی۔۔۔ترکِ معاصی اور نفسانی خواہشات کو چھوڑنے میں کوئی تکلیف محسوس ہوتو تم ان دشواریوں اور تکلیفوں کو اپنالو، انہیں برداشت کرلواور صبر کرواور ہر حال میں رب کریم کی نافرمانی اور نفس کی تابعداری سے اپنے کو دور رکھو۔

(اور) صبر کے ساتھ ساتھ مدد طلب کرو (نماز سے) جو'افضل العبادات' ہے۔ جو تمام رذائل سے پاک صاف کردینے والی ہے۔اور ہر ایمان والے مکلف پر فرض ہے۔

صبر، باطنی عبادات میں بدن کیلئے بہت سخت ہے اور نماز، ظاہری طور پر بدن پر زیادہ سخت، کیونکہ نماز کئی قسم کی طاعات۔۔۔مثلاً: ارکان وسنن ومستحبات اور خشوع وخضوع اور توجہ وسکون اور دیگر جملہ عبادات شاقہ کا مجموعہ ہے، جسکی ادائیگی توفیق الٰہی کے بغیر ناممکن ہے۔ اسی لئے صبر وصلوٰۃ کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا گیا اور چونکہ خطاب تمام ایمان والوں سے ہے، اسلئے خصوصی طور پر اس عبادت کا ذکر کیا گیا جو تمام ایمان والے مکلفین پر فرض ہے۔ 'گناہوں سے بچنا' جسکی تعبیر صبر سے کی گئی ہے، ہر مومن پر فرض ہے۔ اسی طرح نماز بھی سب پر فرض ہے بخلاف زکوٰۃ کے، جو صرف صاحب نصاب پر فرض ہے اور بخلاف حج کے، جو صرف صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ رہ گیا روزہ، تو وہ کھانے پینے کی خواہشات سے روکتا ہے اور ترکِ خواہشات، 'صبر' ہی کا ثمرہ ہے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) جنکی حفاظت وحمایت، نصرت ومعونت اس نے اپنے ذمہ کرم میں لے رکھی ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝

اور مت کہو اس کو جو قتل کیا جائے اللہ کی راہ میں مردہ، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں شعور نہیں●

اب اگر صبر ونماز نے ۱۴ اصحاب رسول غزوہ بدر میں شہید ہو گئے اور سرزمین بدر پر

خدا اور سول کی سچی وفاداری کا نقش دوام ثبت کر گئے، تو ان کو مردہ نہ سمجھ لینا اور یہ نہ کہنے لگنا، کہ بے چارے نے اپنی جانِ شیریں کو قربان کر دیا اور دنیوی زندگی کی نعمت اور دنیا کی نعمتوں کی لذت سے اپنے کو محروم کر دیا۔

۔۔۔لہٰذا۔۔۔سمجھداری اور حقیقت پسندی سے کام لو (اور مت کہو) اپنی زبان سے (اس کو جو قتل کیا جائے)، شہید کر دیا جائے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ) جہاد (میں) کہ وہ (مردہ) ہیں۔ (بلکہ وہ) ہماری بارگاہ میں (زندہ ہیں)۔ باحیات ہیں، جنہیں مسلسل رزق دیا جاتا ہے۔ جنت کی خوشبو، جنتی پھل اور بہشتی لباس سے وہ بے پناہ راحت و فرحت میں ہیں، (لیکن تمہیں) انکی حیات کا (شعور نہیں) اسلئے کہ انکی حیات کی کیفیت کا ادراک عقل سے متصور نہیں اور حواس اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

یہ بھی یاد رکھو کہ آزمائش کرنا اور امتحان لینا ہمیشہ سے ہماری سنت رہی ہے۔ کھرے کھوٹے کو الگ الگ کر کے ظاہر کر دینا ہمارا طریقہ رہا ہے۔ [redacted]

نہیں ہے بلکہ دوسروں پر [redacted]

تو ہم آزمائش و امتحان کی اپنی اس سنت قدیمہ کو باقی رکھیں گے۔

وَلَنَبۡلُوَنَّكُم بِشَيۡءٖ مِّنَ ٱلۡخَوۡفِ وَٱلۡجُوعِ وَنَقۡصٖ مِّنَ ٱلۡأَمۡوَٰلِ

اور ضرور ہی آزمائیں گے ہم تم کو کچھ ڈر اور بھوک سے، اور کچھ مالوں

وَٱلۡأَنفُسِ وَٱلثَّمَرَٰتِۗ وَبَشِّرِ ٱلصَّٰبِرِينَ ۝

اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور خوشخبری دے دو صبر کرنے والوں کو●

(اور ضرور ہی آزمائینگے ہم تم کو) آزمائش کی جتنی صورتیں اور قسمیں ہیں، انہی میں سے کسی ایک صورت اور کسی ایک قسم سے آزمائش لی جاسکتی ہے۔

اب یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص سے ہر قسم کی آزمائش لی جائے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر شخص کی ایک ہی طرح کی آزمائش کی جائے۔ کس سے کتنی، کس طرح کی، اور کب کب آزمائش لینی ہے، اسکا فیصلہ صرف مجھی کو کرنا ہے۔ میں جب جس کیلئے جو چاہونگا ویسا کرونگا۔

جب ہم آزمائش کرنا چاہیں گے تو کبھی (کچھ) ایسی چیزوں سے، جس سے دل میں خوف اور

(ڈر) طاری ہو جائے۔۔۔مثلاً: جہاد میں دشمنوں کا خوف۔۔۔یا۔۔۔اللہ کا خوف۔(اور بھوک سے)، وہ بھوک خواہ قحط کا نتیجہ ہو۔۔۔یا۔۔۔رمضان کے روزے کا۔(اور کچھ مالوں) کے نقصان سے، یہ نقصان جانوروں کی موت سے ہو۔۔۔یا۔۔۔زکوٰۃ کی ادائیگی سے۔(اور جانوں) سے وابستہ پریشانی سے۔۔۔خواہ۔۔۔یہ پریشانی قتل، موت، مرض اور ضعیفی میں سے کسی وجہ سے ہو۔(اور پھلوں کے نقصان سے) ۔۔۔یعنی۔۔۔کھیتی کے پھلوں، جو زمین سے پیدا ہوں۔۔۔یا۔۔۔دل کے پھلوں، جو دل کی نیک خواہشات اور دعاؤں کا ثمرہ ہوں۔۔۔یعنی۔۔۔اولاد۔ان دونوں میں سب کو۔۔۔یا۔۔۔کسی ایک کو لے لینے اور اٹھا لینے کی وجہ سے جو نقصان ہوتا ہے، وہ ذریعہ آزمائش ہوگا۔۔۔تو۔۔۔اے محبوب ان اپنی اپنی [illegible] کی عزت وکرامت کو اپنی زبان فیض ترجمان سے [illegible] اور تکلیفوں پر (صبر کرنے والوں کو)۔

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۞

جن کو جب مصیبت پہنچی، تو بولے کہ بیشک ہم اللہ کیلئے ہیں اور بیشک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں●

(جن کو جب) بھی کوئی تکلیف وحادثہ پیش آیا اور کسی طرح کی (مصیبت پہنچی تو) حکم الٰہی اور قضائے ربی کے سامنے تسلیم ورضا کا پیکر بنکر (بولے کہ بے شک ہم اللہ کیلئے ہیں) وہی ہمارا مالک ہے اور مالک اپنی ملک میں جس طرح کا چاہے تصرف کرے، اسے پورا اختیار ہے۔۔۔الغرض۔۔۔ہم اس کے بندے ہیں (اور بے شک ہم) سب بعث ونشور کی شاہراہ سے (اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)۔

تکالیف ومصائب پیش آنے کی صورت میں اس 'کلمہ استرجاع'۔۔۔یعنی۔۔۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ادا کرنے والے صاحبان تسلیم واذعان اور اصحاب یقین وایمان ہیں۔ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اس کلمہ مبارک کی برکتوں اور خوبیوں کے تعلق سے خود نبی کریم کا ارشاد سننے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔

سرکار فرماتے ہیں کہ جس نے کسی مصیبت پیش آنے پر کلمہ استرجاع ادا کیا تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس مصیبت سے اسکا جو نقصان ہوتا ہے اسے پورا فرما دیتا ہے اور اسکی آخرت کو بہتر وشاندار بنا دیتا ہے اور اسکو ایک ایسا نعم البدل عطا فرماتا ہے جو اسے راضی

کردیگا' حضور کے فرزند کا وصال ہوا، آپ نے ارشاد فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ،لوگوں نے عرض کیا کہ کیا یہ بھی مصیبت ہے، فرمایا۔ ہاں۔ ہر وہ چیز جو کسی مومن کو اذیت پہنچائے اور تکلیف دے وہ مصیبت ہی ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ 'کلمہ استرجاع' ایک مبارک کلمہ اور بابرکت وظیفہ ہے جو اس امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ کسی اور امت کو یہ کلمہ عطا نہیں فرمایا گیا۔ اسی لئے فرزند کی جدائی میں حضرت یعقوب نے يٰاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ تو فرمایا لیکن اِنَّا لِلّٰهِ نہیں کہا۔

اُولٰٓىِٕكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝

یہی لوگ ہیں جن پر بار بار درود ہے انکے پروردگار کی طرف سے اور رحمت ہے۔ اور یہی ہیں ہدایت یافتہ ●

۔۔۔المختصر۔۔۔ مصائب پر صبر کرنے والوں اور بلاؤں پر استرجاع فرمانے والوں کی بڑی شان ہے اور (یہی لوگ ہیں جن پر بار بار) مسلسل بہ کثرت (درود) مخصوص رحمت و رافت اور تحسین وآفرین (ہے ان کے پروردگار کی طرف سے اور رحمت) خاص لطف واحسان (ہے اور یہی) وہ خوش بخت اور سعادت مند لوگ ہیں جو (ہیں ہدایت یافتہ)۔

ان نیک بختوں کو صبر وشکر کے بدلے میں صلوٰۃ ورحمت کی شکل میں کیا ہی اچھا بدلا عطا فرمایا گیا۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ان کے ہدایت یافتہ ہونے کی سند بھی عطا فرمادی۔ اب اگر ایک طرف یہ درود کی شکل میں آخرت کی جمیع برکات وعنایات ان کیلئے ہیں، تو دوسری طرف مخصوص رحمت کی صورت میں دنیا کے نقصانات سے حفاظت بھی ان کیلئے ہے۔

ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کس قدر کرم پر کرم فرماتا جارہا ہے کہ تحویل قبلہ کے تعلق سے مخالفین کے طعن وتشنیع سے مسلمانوں کو جو اذیت پہنچی تھی، صبر کی ہدایت دے کر اور اس کے ثمرات کو بیان فرماکے ساری تکلیفوں کو راحت سے بدل دیا اور پھر حج وعمرہ کا ذکر شروع فرمادیا، تاکہ کعبہ کو اپنی نمازوں میں قبلہ بنانے والے حج وعمرہ کے وسیلے سے کعبہ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کرلیں۔ ویسے بھی صبر میں نفس کو مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور حج وعمرہ میں بھی جسم کو مشقت جھیلنی پڑتی ہے۔

۔۔۔نیز۔۔۔ اس سے چند آیات پہلے بناء کعبہ کا ذکر تھا جن میں حضرت ابراہیم وحضرت

اسماعیل کو خانۂ کعبہ کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، رکوع وسجود کرنے والوں کیلئے پاک رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اور ظاہر ہے بناء کعبہ کا سب سے عظیم مقصد حج وعمرہ ہی ہے، تو پہلے طواف کا ذکر فرما کر اسکی طرف اشارہ کیا اور اب صراحۃً اسکا ذکر فرمادیا۔۔۔الحتصر۔۔۔ حضرت ابراہیم نے جن مناسک واحکام حج کو جاننے کی دعا کی تھی، ان احکام میں سے صفا اور مروہ کی سعی کا حکم بیان فرمادیا۔ حدیث شریف سے جسکا وجوب ثابت ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ

بیشک صفا و مروہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں پس جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا، تو اس پر کوئی الزام نہیں

أَن يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَن تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ۝

کہ صفا مروہ کے پھیرے کانے، اور جس نے نفل کے طور پر ادا کیا نیکی کو، تو بیشک اللہ اجر دینے والا جاننے والا ہے●

۔۔۔تو۔۔۔اے ایمان والو! بطور خاص تم سمجھ لو کہ (بے شک صفا) خانۂ کعبہ کے سامنے گوشۂ جنوب ومشرق کی صاف وشفاف، چکنے پتھر والی پہاڑی، جس پر حضرت آدم صفی اللہ رونق افروز ہوئے (اور مروہ) سفید وملائم پتھر والی پہاڑی جو صفا کے بالکل سامنے شمالی سمت میں تقریباً ۷۶۰ ہاتھ کے فاصلے پر ہے جس پر امرأۃ سیدنا آدم علیہ السلام یعنی آپ کی زوجہ پاک حضرت حوا تشریف فرما ہوئیں۔ یہ دونوں پہاڑیاں اور ان کے درمیان کی سعی، یہ سب کچھ (اللہ) کے دین، اسلام اور اسلامی عبادات کی خصوصیات اوران (کی نشانیوں سے ہیں)۔

یہ دو مقدس پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان اللہ کی مقبول بندی حضرت ہاجرہ، زوجہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور مادر سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسماعیل کیلئے پانی کی تلاش میں سعی فرمائی اور سات چکر لگا [redacted]

ایک زمانے میں صفا پر 'اساف' نام کا بت اور مروہ پر 'نائلہ' نام کی مورتی رکھ دی گئی تھی تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں کہ وہ جرم نہ کرسکیں، جسکے نتیجہ میں ان دونوں کا یہ

حشر ہوا ہے۔ ان دونوں میں 'اساف' مرد تھا اور 'نائلہ' عورت۔ اہل کتاب کی روایت کے مطابق جنھوں نے خانہ کعبہ میں اپنا منہ کالا کیا، اور پھر دونوں فوراً پتھر کے بت بن گئے۔
ایک زمانہ گزرنے کے بعد لوگوں نے انہیں معبود بنالیا اور پوجنا شروع کردیا اور انکے درمیان سعی کرنے لگے، 'صفا' پر آتے تو 'اساف' کو ہاتھ لگاتے اور 'مروہ' پر پہنچتے تو 'نائلہ' کو چھوتے۔ جب اسلام کو غلبہ حاصل ہوا تو خانہ کعبہ ہی کیا، پورے جزیرۃ العرب سے بتوں کا صفایہ ہوگیا اور شرک و بت پرستی کی جڑیں کٹ گئیں۔

۔۔۔تو۔۔۔اے ایمان والو! اگر ماضی میں ایسا ہوا تو تم اس کو سوچ کر کبیدہ خاطر نہ ہو اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کو گناہ سمجھ کر کسی طرح کی قلبی کراہت و ناپسندیدگی کا مظاہرہ نہ کرو اور سمجھ لو کہ ماضی میں کافروں نے ان مقدس مقامات پر جو کچھ کیا ان سے ان مقدس مقامات اور انکے درمیان کی مقدس سعی کے تقدس پر کوئی آنچ نہیں آئی۔۔۔الغرض۔۔۔ان مقدس پہاڑوں کے درمیان حج و عمرہ کرنے والوں کی سعی میں گناہ تو بڑی بات، گناہ کا شائبہ بھی نہیں ہے (پس جس نے) زمانہ حج میں احرام باندھ کر حج کے مخصوص اعمال کے ساتھ (بیت اللہ کا) قصد کیا اور (حج کیا) (یا) عمرہ کے مخصوص اعمال کے ساتھ کعبہ شریف کی زیارت کی طرف متوجہ ہوا اور (عمرہ کیا تو اس پر) کوئی گناہ (کوئی الزام نہیں کہ) ان دونوں یعنی (صفا و مروہ کے) درمیان (پھیرے کاٹے) سعی کرے اور دوڑ لگائے (اور جس نے نفل کے طور پر ادا کیا نیکی کو) اور خوش دلی کے ساتھ کوئی نیک کام کیا۔۔۔نیز۔۔۔نفلی طواف و حج و عمرہ بار بار بکثرت کرتا رہا (تو) وہ سمجھ لے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ قبول فرمانے والا (اجر دینے والا) خوب (جاننے والا ہے)۔۔۔الغرض۔۔۔اس کے علم و خبر سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اب اگر کوئی سوچے کہ اسکی نازل کردہ ہدایات کو وہ چھپالیجائے گا تو یہ اسکی خام خیالی ہے۔ ہاں چھپانے کے وبال سے ضرور اسے دوچار ہونا پڑے گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ

بیشک جو لوگ چھپائیں وہ جو اتارا ہم نے روشن باتوں اور ہدایت کو بعد اسکے کہ بیان فرما دیا ہم نے

لِلنَّاسِ فِی الْكِتٰبِ اُولٰٓىٕكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَۙ(۱۵۹)

اس کولوگوں کیلئے کتاب میں، وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ کی پھٹکار اور سارے لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے●

(بے شک) علمائے یہود میں سے (جولوگ) اپنے بغض وحسد کے سبب (چھپائیں وہ جو اتارا ہم نے) تورات میں (روشن باتوں) واضح دلیلوں کو۔۔۔مثلاً حکم رجم (اور) اسکے سوا (ہدایت) نعت مصطفیٰ، صفات محمدیہ، آپ کی حقانیت کی نشانیاں، اور اسلام کا برحق ہونا اور سابقہ سارے ادیان کا ناسخ ہونا۔۔۔الختصر۔۔۔اسی طرح دوسری ہدایتوں (کو) اور وہ بھی (بعد اسکے کہ بیان فرمادیا ہم نے) صاف صاف واضح طور پر (اس کولوگوں کیلئے کتاب) توریت (میں) جسکے اولین مخاطب بنی اسرائیل ہی ہیں۔

کتنی جرأت کی بات ہے کہ ہم تو ظاہر فرمائیں اور یہ اسے چھپانے پر لگے ہیں اس کو بیان نہ کر کے۔۔۔یا۔۔۔اس حصے کو ضائع کر کے۔۔۔یا۔۔۔اس میں تحریف کر کے، اسکی جگہ اپنی طرف سے بنایا ہوا دوسرا مضمون شامل کر کے۔ تو ہر سننے والا سن لے اور سمجھ لے کہ یہی (وہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ) تعالیٰ (کی پھٹکار) ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے دور فرمادے گا اور دور رکھے گا (اور) یہی کیا کم تھا، مگر اسکے سوا بھی ان (سارے لعنت کرنے والوں) فرشتوں، ایمان والے جنوں اور مسلمانوں (کی لعنت ہے)۔ یہ سب دعائیں کرینگے کہ مولیٰ تعالیٰ تو اپنے ان سرکش اور باغی بندوں کو اپنی رحمت سے دور رکھ۔ یہ ساری جماعت لعنت کی سزاوار ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَیَّنُوْا فَاُولٰٓىٕكَ اَتُوْبُ عَلَیْهِمْۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ(۱۶۰)

مگر جس نے توبہ کرلی اور اصلاح کر دی اور کھول کر رکھ دیا، تو وہ لوگ ہیں کہ میں قبول فرمالوں گا انکی توبہ کو۔

اور میں ہی توبہ کا بڑا قبول فرمانے والا رحمت والا ہوں●

(مگر جس نے) ایمان لاکر کفر وشرک سے اور نعت مصطفیٰ کو چھپانے سے (توبہ کرلی اور) اپنے فاسد احوال کو درست کر کے اپنے افراط وتفریط سے باز آکر، اپنی کی ہوئی ساری زیادتیوں کا تدارک کر کے خود ہی اپنے کو صحیح راستے پر لگالیا اور اپنی (اصلاح کردی اور) جو کچھ چھپایا تھا اس کو

(کھول کر رکھ دیا) اور صاف صاف بیان کر دیا (تو وہ لوگ ہیں کہ میں قبول فرمالونگا انکی توبہ کو)۔ اور ان پر اپنی رحمتوں اور نوازشوں کا نزول کرتا رہونگا (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (میں ہی) تو (توبہ کا بڑا قبول فرمانے والا) اور بخشش و (رحمت والا ہوں)۔ میں سزا دینے میں عجلت نہیں کرتا بلکہ بندے کو توبہ واستغفار کی پوری مہلت دیتا ہوں اور جب بندہ سچے دل سے توبہ کر لیتا ہے تو میں اسے معاف کر دیتا ہوں۔ وہ ایسا ہو جاتا ہے گویا اس نے کوئی گناہ ہی نہیں کیا۔

رب کریم نے پہلے نبی کریم کی نعت چھپانے والوں کا ذکر کیا اور ان پر لعنت فرمائی اور پھر ان میں توبہ کرنے والوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب ان کا ذکر ہے جنھوں نے اپنے اس کفر سے توبہ نہیں کری اور کفر ہی پر مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان پر اللہ کی اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ

بیشک جنھوں نے کفر کیا اور مرے کافر ہی، وہ لوگ ہیں جن پر

لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝

اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی ●

---چنانچہ--- ارشاد ہے کہ (بے شک) وہ یہودی ---یا--- ان کے سوا دوسرے لوگ (جنھوں نے) نبوت مصطفیٰ کا انکار کر کے (کفر کیا اور مرے) حق چھپانے کی وجہ سے (کافر ہی) انہیں توبہ نصیب نہ ہو سکی، تو یہ (وہ لوگ ہیں جن پر) زندگی میں تو لعنت تھی ہی، جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، مرنے کے بعد بھی ان پر (اللہ کی لعنت) ہے۔ لہٰذا یہ اپنی موت کے بعد بھی ہمیشہ کیلئے اللہ کی رحمت سے دور رہیں گے (اور فرشتوں کی) پھٹکار ہے،--- چنانچہ--- فرشتے ان کو رحمت سے دور رکھنے کی دعا کرتے رہیں گے (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ان پر (انسانوں کی)، وہ بھی چند انسانوں کی نہیں بلکہ (سب) انسانوں (کی) لعنت برستی رہے گی۔

یہاں انسان سے مراد مومنین ہیں جو صحیح معنوں میں انسان کہے جانے کے لائق ہیں اور اپنی انسانیت سے نفع اٹھانے والے ہیں۔ کفار تو جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ

ان سے بھی گئے گزرے ہیں۔ یہاں انسان سے عام لوگ بھی مراد لئے جاسکتے ہیں، اسلئے کہ قیامت میں کافر بھی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے، پھر ان پر فرشتے لعنت کرینگے، پھر باقی لوگ۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

ہمیشہ رہنے والے اسی میں، نہ ہلکا کیا جائے گا ان پر عذاب اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے●

یہ سارے کفر پر مرنے والے (ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اسی) لعنت (میں) جہنم کے اندر اوران کا حال یہ ہوگا کہ (نہ ہلکا کیا جائیگا ان پر عذاب اور نہ وہ مہلت دیے جائینگے)۔

---نیز---انکو اسکا بھی موقع نہیں دیا جائیگا کہ عذر ومعذرت کرسکیں اور رحمت الٰہی کے منظور نظر ہوسکیں۔ جس کیلئے جو عذاب مقرر کیا جاچکا ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔ انکے کفر نے جہنم سے نجات کے سارے راستے بند کردئے ہیں۔ اب اگر نبی کریم کی [redacted]

---الغرض---عام کافروں کے عذاب میں تخفیف نہ کرنا، یہ خدا کا ضابطہ، عدل ہے اور دوشنبہ کے دن ابولہب کے عذاب میں تخفیف فرمادینا اسکا فضل ہے---یا یہ کہ---کافروں کے عذاب کی غیر متناہی مدت میں کمی نہیں کی جائیگی۔ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ کسی کیلئے رب کریم اپنے فضل وکرم سے عذاب کی شدت میں کمی کردے---الغرض---مدت عذاب میں کمی نہیں کی جائیگی۔ اب اگر رب تعالیٰ چاہے تو اپنے فضل سے شدت عذاب میں کمی کردے---یا یہ کہ---ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ عذاب آخرت میں تخفیف نہیں کی جائیگی۔ ہاں عذاب برزخ میں تخفیف کی جاسکتی ہے۔

سابقہ آیات میں حضور رحمت ﷺ کی نبوت کا ذکر تھا اور یہ بیان تھا کہ یہود اپنی کتابوں میں آپ کی نبوت کو چھپاتے تھے---مگر---یہود صرف اتنا ہی نہیں کرتے بلکہ خدا کی توحید کو بھی چھپاتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ کوئی توحید الٰہی کے حقیقی مفہوم سے آگاہ نہ ہونے پائے اور یہ جاننے نہ پائے کہ الوہیت میں کوئی خدا کا شریک نہیں

اور عبادت کا مستحق ہونے میں وہ منفرد و تنہا ہے۔اس کی کسی صفت میں کوئی اسکا مثیل وشبیہ اور نظیر نہیں۔توحید کے جس مفہوم کو یہودی چھپاتے تھے،اس کو رب کریم یوں واضح فرمارہا ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝

اور تم لوگوں کا معبود،ایک معبود ہے۔کوئی معبود نہیں سوا اسی بڑے مہربان رحمت والے کے●

(اور) ارشاد فرمارہا ہے کہ(تم لوگوں) اور ساری مخلوقات (کا معبود،ایک معبود ہے) الہیت میں جسکا کوئی شریک نہیں،اس کے سوا کسی کیلئے 'الٰہ' کا لفظ استعمال کرنا صحیح نہیں ہوسکتا تو (کوئی معبود نہیں) جو مستحق عبادت ہو،جو اپنی ذات میں شان احدیت اور اپنے کمال صفات میں جمال وحدانیت رکھتا ہو۔۔۔الغرض۔۔۔اپنی ذات وصفات میں 'وحدہ لاشریک' ہو (سوا اسی) اشخاص وذوات کی تربیت فرمانے والے،اور بتدریج ان کو درجہء کمال تک پہنچانے والے، (بڑے مہربان) ارواح کو تقویت عطا فرمانے والے،ان کو عروج بخشنے والے، (رحمت والے کے)۔

جب مشرکوں نے یہ سنا تو انہیں حیرت ہوئی کہ ساری کائنات کا خدا ایک ہی کیسے ہوسکتا ہے،تو انہوں نے اس دعویٰ پر دلیل وآیت کا مطالبہ کیا،اس پر ارشاد ہوا۔

اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش،اور رات دن کے الٹ پھیر،اور کشتیاں جو دریا میں

تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ

لے چلتی ہیں اس کو جو لوگوں کو نفع دے،اور جو اتارا اللہ نے آسمان کی سمت سے پانی،پھر اس سے

فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ

زندگانی دے دی زمین کو اسکے مرجانے کے بعد اور پھیلا دیا اس میں سبھی طرح کے جانور،اور ہواؤں کی مختلف چال،

وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

اور وہ ابر جو آسمان وزمین کے درمیان پابند ہے،ان سب میں ضرور نشانیاں ہیں اس قوم کیلئے جو عقل سے کام لے●

(بے شک آسمانوں) جو بے ستون خیموں کی طرح بغیر کسی سہارے فضاء میں معلق ہیں (اور زمین) ایک طویل وعریض فرش رہنے کی جگہ، نرم ایسی کہ سوئی سے سوراخ بنا لیجئے اور سخت ایسی کہ پہاڑوں کو سینے پر لئے ہوئے ہے۔ بے شمار خصوصیات کی حامل (کی پیدائش) میں (اور رات دن کے الٹ پھیر) میں رات ودن کا ایک دوسرے کا تعاقب کرنے، رات کے تاریک اور دن کے روشن رہنے اور مختلف موسموں میں دونوں کے ایک دوسرے سے کم زیادہ ہونے اور گردشِ لیل ونہار کے نظام میں کبھی بھی فرق نہ آنے (اور) وہ (کشتیاں جو دریا میں لئے چلتی ہیں) اور مسافروں کو اور (اس) تجارتی مال و اسباب (کو جو لوگوں کو نفع دے) تو لوگ اس میں سفر بھی کرتے ہیں اور قیمتی فائدہ بخش سامان بھی اپنی ضرورت کے پیش نظر ادھر سے اُدھر منتقل کرتے رہتے ہیں (اور) اس کے علاوہ (جو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے آسمان کی سمت) اوپر سے نیچے برسنے والے ابر باراں (سے پانی، پھر اس) پانی (سے زندگانی دے دی) سرسبز وشاداب کردیا، قابل کاشت بنادیا (زمین کو اسکے مرجانے) خشک بنجر اور ناقابل کاشت ہوجانے (کے بعد اور پھیلادیا اس) زمین (میں) پرند، چرند، درند، وحشی، گھریلو، صحرائی اور دریائی۔۔۔الغرض۔۔۔(سبھی طرح کے جانور اور ہواؤں کی مختلف چال) ڈھال جو اپنے چلنے کی سمت آگے پیچھے اور شمال وجنوب چکر کاٹتی رہتی ہیں اور یہ کبھی گرم ہوتی ہیں کبھی ٹھنڈی، کبھی خشک، کبھی تر، کبھی درختوں کیلئے بارآور ہے اور کبھی ان کو ثمرات سے محروم کردینے والی، کبھی باعث رحمت اور کبھی عذاب بن جانے والی (اور وہ ابر جو آسمان اور زمین کے درمیان) حکم الٰہی کے آگے سرنگوں اور مشیت خداوندی کا (پابند ہے) جدھر جانے کا حکم الٰہی ہوتا ہے وہ اُدھر ہی جاتا ہے (ان سب میں ضرور) خدا کے وجود، اس کی وحدانیت واحدیت، اسکی قدرت وحکمت اور اسکی الٰہیت والوہیت کی معرفت کی بے شمار روشن (نشانیاں ہیں) مگر سب کیلئے نہیں، بلکہ (اس قوم کیلئے جو عقل سے کام لے)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ

اور لوگوں سے ایسے بھی ہیں جو بنا لیتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر کئی معبود، اور ان کی محبت رکھیں جیسے خدا کی محبت، اور جو ایمان

اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ

لائے سب سے زیادہ محبت والے ہیں اللہ کیلئے، اور کیا اچھا ہو کہ دیکھ لیں یہ ظالم لوگ اس وقت جبکہ دیکھیں گے کہ

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ

عذاب کو کہ بلاشبہ زور اللہ کیلئے ہے سب، اور بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے●

عقل سلیم رکھنے والوں کو یہ سمجھنا دشوار نہیں کہ اوپر ذکر کی ہوئی چھ٦ نشانیوں میں سے ہر ایک نشانی خدا کے وجود وقدرت اور اس کے علم وحکمت ۔۔۔ نیز ۔۔۔ اس کی رحمت ورافت پر برہان ساطع اور دلیل قاطع ہے ۔۔۔ الغرض ۔۔۔ 'آیات کتاب' ہوں ۔۔۔ یا ۔۔۔ 'آیات کون' صرف انہی کیلئے ہیں، جو اپنی خواہشاتِ نفسانیہ سے پرے ہوکر اپنی عقلوں کے صحیح استعمال کے خوگر ہیں۔ اگرچہ سابقہ آیات قرآنیہ نے اس بات کو دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے ثابت کردیا کہ اللہ تعالیٰ ہی سارے انسانوں کا رب، سب کا معبود برحق ہے۔

مگر اس قدر واضح بیان اور روشن وضاحت کے باوجود بے عقلوں، ناسمجھوں (اور عام) نادان (لوگوں سے ایسے بھی ہیں) جو اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنی نفسانی، شیطانی خواہشات کی دنیا سے نکلنا نہیں چاہتے اور اللہ کے غیروں کو اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں ۔۔۔ چنانچہ ۔۔۔ وہ ایسے ہیں (جو بناتے ہیں) ایک معبود برحق (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر کئی معبود) خدا کے شریک (اور) ان باطل معبودوں کے ساتھ ان کی شیفتگی کا عالم یہ ہے کہ (انکی محبت رکھیں) انکو اپنا معبود سمجھ کر (جیسے خدا کی محبت) اپنا معبود سمجھ کر (اور جو ایمان لاچکے) ہیں، رب کے محبوب ﷺ کو دل وجان سے مان کر، باپ بیٹے عزیز واقارب ۔۔۔ الغرض ۔۔۔ سارے لوگوں سے زیادہ، بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں، چونکہ [redacted]

[redacted] اسلئے (وہ سب سے زیادہ متوالے ہیں اللہ کیلئے) اسکی محبت میں ازخود رفتہ ہیں۔

[redacted]

رہ گئے غیر خدا کو خدا کے شریک قرار دینے والے، اگر وہ دنیا میں عذاب ومصائب دیکھتے وقت جان لیتے کہ سب قوت اللہ ہی کیلئے ہے اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے، تو اللہ کیلئے شریک نہ بناتے ۔۔۔ یونہی ۔۔۔ اگر یہ قیامت کا عذاب دیکھ لیں گے تو اتنا تو سمجھ ہی

لیتے کہ تمام قدرت اللہ ہی کیلئے ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔۔۔یا۔۔۔ اگر یہ دنیا ہی میں اس عذاب کو دیکھ لیں جسے قیامت میں دیکھنا ہے، تو اللہ کو تمام قوت و قدرت والا اور سخت عذاب دینے والا سمجھ لیتے اور اسکا اقرار کر لیتے۔۔۔اسی طرح۔۔۔اگر مشرکین جان لیتے کہ تمام قدرت اللہ کو ہے، نہ کہ ان کے خود ساختہ معبودوں کو، اور یہ بھی جان لیتے کہ ظالموں کو کس شدید عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، تو ان کی حسرت و ندامت کی انتہا نہ ہوتی۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔اگر ظالم، اللہ کی قدرت اور اسکے عذاب کی شدت جان لیتے، تو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراتے۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔قیامت کے دن کے عذاب کا مشاہدہ کرتے کہ اس وقت جس عاجزی سے انہیں دوچار ہونا ہے، اگر اپنی اسی عاجزی کو سمجھ لیتے تو ضرور کہتے کہ تمام قدرت اللہ ہی کو ہے اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔ظالم دنیا ہی میں عذاب آخرت دیکھ لیتے تو ضرور جان لیتے کہ تمام قوت اللہ ہی کیلئے ہے۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔اگر یہ ظالم، اللہ کی قدرت اور اس کے عذاب کی شدت کو حقیقتاً جان لیتے، تو خدا کا شریک بنانے کے نقصان سے بچ جاتے۔

(اور) اپنے کو خدائی گرفت سے بچا لیتے مگر اب (کیا فائدہ اگر دیکھ ہی لیں) اور اچھی طرح جان لیں (یہ ظالم) غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرا کر اپنے اوپر ظلم کرنے والے (لوگ)، اور وہ بھی (اس وقت جبکہ دیکھیں گے) خود اپنی کھلی (آنکھ سے) خدا کے (عذاب کو) اور پھر اچھی طرح جان لیں (کہ بلاشبہ دور) قوت و قدرت (اللہ) تعالیٰ (کیلئے ہے سب) کی سب (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (کا عذاب سخت ہے) جس سے چھٹکارا نہیں۔

یہ سب کچھ جب جاننا تھا اور جب جاننے کا اثر عمل و کردار پر پڑ سکتا تھا جب تو نہیں جانا،
تو قیامت کے روز حساب کتاب کے دن اس علم و مشاہدے کا نتیجہ ہی کیا؟

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ

جس وقت کہ بیزار ہو گئے جن کی پیروی کی گئی ان سے جنہوں نے پیروی کی تھی۔ اور آنکھوں سے دیکھ لیا عذاب کو

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝

اور کٹ گئے ان کے رشتے ۝

اے محبوب آپ یاد فرماؤ اس وقت کو (جس وقت کہ بیزار ہو گئے) وہ رؤساء اور سردار لوگ

(جن کی پیروی کی گئی اُن) نادانوں اور نا سمجھوں (سے جنھوں نے پیروی کی تھی اور) وہ ایسا کیوں نہ کرتے اور اظہارِ بیزاری کر کے اپنے کو بے قصور ظاہر کرنے کا تماشا کیوں نہ رچاتے، اسلئے کہ انھوں نے اپنی کھلی (آنکھوں سے دیکھ لیا) خدا کے (عذاب کو اور) یہ بھی دیکھ لیا کہ (کٹ گئے ان کے) ساری دنیوی (رشتے) رابطے۔ وہاں کافروں، مشرکوں اور اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں میں کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں اور نہ ہی کسی کو کسی کی پرواہ ہے۔ نہ ان کا آپس میں ہم مذہب ہونا کام آیا اور نہ ہی ایک خاندان والا ہونا ہی نفع بخش ہوا۔

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ

اور بولے وہ جنھوں نے پیروی کی تھی "کاش ہماری دنیا دوبارہ ہو تو ہم ان سے بے زار ہوں جس طرح انہوں نے ہم سے

يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ۞ ﴿۱۶۷﴾

بے زاری کی ہے"۔ اسی طرح دکھاتا ہے انکو اللہ انکے کرتوتوں کو سامان حسرت بنا کر ان پر۔ اور نہیں ہیں وہ نکلنے والے جہنم سے●

یہ تو رہا سرداروں کا حال جو اظہارِ بیزاری کر کے کنارے ہو گئے (اور) اپنے سرداروں کی یہ حرکت دیکھ کر (بولے وہ) تابعدار لوگ (جنھوں نے پیروی کی تھی) اور آنکھ بند کر کے ان سرداروں کی ساری باتیں مان لی تھیں (کاش ہماری دنیا دوبارہ ہو) اور ہم سب کو دنیا میں دوبارہ رہنے کا موقع مل جائے (تو ہم ان) سرداروں (سے بیزار ہوں) اور بری الذمہ ہوں (جس طرح انھوں نے ہم سے بیزاری کی ہے) اور اپنے بری الذمہ ہونے کا اظہار کیا ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ تابعین اپنے متبوعین کے جواب میں بصد حسرت و یاس کہیں گے، کہ کاش دنیا میں دوبارہ لوٹ کر جانا ہو تو ہم بھی ان سے اسی طرح بری الذمہ ہو جائینگے جس طرح آج یہ ہم سے بری الذمہ ہو گئے (اسی طرح دکھاتا ہے ان کو اللہ) تعالیٰ (انکے کرتوتوں) بداعمالیوں (کو سامان حسرت بنا کر ان پر)۔

جب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے برے اعمال دکھائے گا تو ان کو بے حد حسرت اور پشیمانی ہوگی اس بات پر کہ انھوں نے برے عمل کیوں انجام دئے اور کیوں نہیں اچھے عمل کئے تا کہ وہ عذاب سے نجات پا جاتے (اور) اب کیا ہو سکتا ہے جبکہ ان کے تعلق سے خدائی فیصلہ ہو چکا ہے کہ (نہیں ہیں

نکلنے والے جہنم سے) ان کو جہنم سے کبھی نہ نکالا جائیگا اور وہ۔۔۔ نیز۔۔۔ ان کے متبوعین سب کے سب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں اپنے کرتوتوں کی سزا پاتے رہیں گے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ سے امور دین کی تفصیل بیان فرمائی تھی اور اب یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ سے دنیاوی امور کو بیان فرمارہا ہے۔ دین روح کی غذا ہے اور کھانا پینا جسم کی غذا۔ روح کی غذا کے تفصیلی بیان کے بعد جسم کی غذا کا تفصیلی بیان فرمارہا ہے تاکہ روح کی ترقی اور بدن کے نشو نما دونوں کے صحیح ذرائع میسر ہو جائیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ٘ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں سے ہے حلال پاکیزہ، اور نہ چلو

خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝

قدم بہ قدم شیطان کے۔ بیشک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے ●

(اے لوگو) تمہیں بالکل اجازت ہے کہ تم (کھاؤ جو کچھ زمین) کی پیداوار (میں سے) کھانے کے لائق (ہے) مگر اسکا خیال رہے کہ جو بھی کھاؤ وہ (حلال) ہو، خدا نے جسے کھانے کی اجازت دیدی ہو اور اسے کھانے سے روکا نہ ہو۔ اور نجاستوں، کثافتوں اور شبہات سے (پاکیزہ) اور پاک صاف ہو۔

[redacted] کی روزی ہوں۔ ظاہری طور پر صاف اور طیب ہونے کی صورت میں جسمانی صحت پر کوئی برا اثر نہیں پڑے گا اور حقیقی طور پر پاکیزہ اور حلال ہونے کی صورت میں انسان کا باطن پاک وصاف رہے گا اور اسکا ضمیر مردہ نہ ہوگا۔۔۔ الغرض۔۔۔ حرام سے بچو، وہ چیز خواہ حرام جانور، شراب اور مردار کی طرح ذاتی طور پر حرام ہو۔۔۔ یا۔۔۔ شریعت کے حرام کردہ طریقوں۔۔۔ مثلاً چوری، جوا، رشوت اور سود وغیرہ وغیرہ سے حاصل کی گئی ہو۔

اور یاد رکھو کہ حلال وہ ہے جسے خدا نے حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جسے خدا نے حرام قرار دیا، تو

تم خدا کے حلال کو حرام اور خدا کے حرام کو حلال قرار دینے میں مشرکین عرب کی روش نہ اختیار کرو (اور نہ چلو) جیسے کہ مشرکینِ عرب شیطانی وسوسوں کی پیروی کرتے ہوئے چلے اور شیطان کی بات مانتے گئے اور اپنی طبیعت سے جس جانور کو چاہا حلال کرلیا اور جسکو چاہا حرام قرار دے دیا۔ مگر اے لوگو تم نہ چلو (قدم بہ قدم) اپنے ازلی دشمن (شیطان کے) جسکی دشمنی کچھ ڈھکی چھپی نہیں، جس میں کچھ شک وشبہ ہو (بے شک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے) جس نے وسوسہ ڈال کر تمہیں جنت سے باہر کرادیا۔ اور اب چاہتا ہے کہ فریب و وسوسہ کے ذریعے تمہیں جہنم تک پہنچادے۔ وہ ایمان والوں کا دشمن تو ہے ہی، مگر یہ نا سمجھو کہ وہ حقیقی معنوں میں کافروں کا دوست ہے۔ حقیقتاً تو وہ سارے انسانوں کا دشمن ہے لیکن بظاہر وہ کافروں سے اپنی دوستی و موالات جتاتا ہے اور انکی بداعمالیوں اور بداعتقادیوں کو انکے سامنے آراستہ و مزین کر کے اچھا بنا کر پیش کرتا ہے اور انکو انکی اپنی اس بے راہ روی اور غفلت سے باہر آنے نہیں دیتا۔۔۔ الغرض۔۔۔ بظاہر دوست بنا ہوا ہے مگر بباطن انہیں ہلاک کردینے پر تلا ہوا ہے۔

إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَأَن تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٦٩﴾

بس وہ یہی حکم دیتا ہے برائی اور بے شرمی کا اور یہ کہ جوڑ دو اللہ پر وہ جس کو تم جانتے ہی نہیں ●

(بس) اسکے سوا کچھ بھی نہیں کہ (وہ) کھلا ہوا دشمن سب کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور سب کو واضح طور پر محسوس نہ ہوسکنے والے انداز میں (یہی حکم دیتا ہے)۔ وہ ذہن وفکر پر ایسا مسلط ہو جاتا ہے کہ جو وسوسہ دیتا ہے وہ وسوسہ ایک حاکم کے حکم کی صورت اختیار کرلیتا ہے چونکہ وہ برائیوں اور بے حیائیوں کا داعی ہے۔۔۔ لہٰذا۔۔۔ وہ بذریعہ وسوسہ جو حکم دیتا ہے وہ (برائی اور بے شرمی کا) اور ہر طرح کے معاصی کا، صغائر ہوں کہ کبائر، چھپے ہوں کہ کھلے، نفس بد کی متابعت ہو یا دنیا کی طرف میلان۔ (اور) ساتھ ہی ساتھ وہ (یہ) بھی حکم دیتا ہے (کہ جوڑو) اپنے دل سے گڑھو اور افتراء کرو اور بہتان باندھو (اللہ) تعالیٰ (پر) کہ خدا نے خبائث کو حلال کردیا اور طیبات کو حرام فرمادیا۔۔۔ یا۔۔۔ خدا تعالیٰ کی طرف ان امور کی نسبت کردی جن کو خدا کی طرف منسوب کرنا جائز نہ تھا۔۔۔ یونہی۔۔۔ اپنے جی سے حلال کرلیا اور جس کو چاہا حرام کرلیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ شیطان بذریعہ وسوسہ، اللہ تعالیٰ کے تعلق سے تم کو (وہ) بات کہنے پر اکساتا ہے (جس کو تم جانتے ہی نہیں) اور تمہاری لاعلمی کے باوجود جیسی چاہتا ہے تم سے بکواس کراتا رہتا ہے۔

وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَاۤ اَلۡفَیۡنَا

اور جب ان سے کہا گیا کہ پیروی کرو جس کو اللہ نے اتارا ہے، تو بولے بلکہ ہم تو اسکی پیروی کرتے ہیں جس پر

عَلَیۡہِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾

ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ کیا گو انکے باپ دادا نہ کچھ عقل ہی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت●

ان جاہلوں، بے عقلوں کی دیدہ دلیری اور موشگافیوں کا عالم یہ ہے (اور) ان کے ذہنی فتور کی حالت یہ ہے کہ (جب ان سے) خواہ وہ مشرکین ہوں۔۔۔یا۔۔۔یہودیوں کی وہ جماعت جس کو اللہ تعالیٰ کے رسول نے ایمان اور اتباع قرآن کی دعوت دی تھی (کہا گیا کہ) حلال وحرام کے تعلق سے (پیروی کرو) اس قرآن اور اس کے حلال وحرام کی (جس کو اللہ) تعالیٰ (نے) تمہاری ہدایت کیلئے (اتارا ہے تو) 'بنی اسد عبد الدار' والے چپ نہ رہ سکے اور (بولے) کہ ہم قرآن کی طرف پھرنے والے اور اسکی پیروی کرنے والے نہیں، (بلکہ ہم تو) اپنے اندر رائج ان مراسم اور (اس) عمل (کی پیروی کرتے ہیں جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا)۔

یہ بات اگر اس صورت میں کہتے کہ ان کے باپ دادا رشد و ہدایات والے اور علم و آگہی والے ہوتے تو سمجھداری کی بات ہوتی، جس طرح کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے قید خانے میں فرمایا تھا وَاتَّبَعۡتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیۡۤ میں اپنے آباؤ اجداد کے دین کا پیرو ہوں۔ حضرت یعقوب، حضرت اسحاق اور حضرت ابراہیم علیہم السلام جیسے جن کے آباؤ اجداد ہوں، ان کیلئے تو آباؤ اجداد کی پیروی ہی میں دارین کی اصلاح وفلاح ہے۔ اس کے برخلاف یہ مشرکین ۔۔۔یا۔۔۔یہ یہودی اپنے جن آباؤ اجداد کی پیروی کی بات کر رہے ہیں، ان کو تو عقل و دانش اور رشد و ہدایت سے کوئی تعلق ہی نہیں، پھر ان کی پیروی کیا معنی رکھتی ہے؟

اب کوئی ان بے عقلوں سے پوچھے کہ (کیا گو) اگر چہ (انکے باپ دادا نہ کچھ عقل ہی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت) جب بھی یہ انھیں کے پیچھے چلیں گے؟ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ علم و آگاہی اور رشد و ہدایت والوں کی اتباع کو چھوڑ کر گمراہوں اور جاہلوں کی پیروی کی جائے؟

وَ مَثَلُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کَمَثَلِ الَّذِیۡ یَنۡعِقُ بِمَا لَا یَسۡمَعُ اِلَّا دُعَآءً

کافروں کی مثال اس کی جیسی ہے جو آواز دے اس کو جو کچھ سنتا ہی نہیں سوائے

وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

اور پکار کے، بہرے گونگے اندھے، انہیں تو عقل ہی نہیں ●

ان (کافروں) داعیانِ کفر اور ان کو نصیحت کرنے والوں (کی مثال اسکی جیسی ہے جو) پکارے اور (آواز دے اس) جانور جیسے حیوان صفت (کو، جو کچھ سنتا ہی نہیں سوا چیخ اور پکار کے)۔ دعا تو کبھی سنی جا سکتی ہے، کبھی نہیں، لیکن نداء یعنی چیخ تو ہر ایک کے کانوں تک پہنچتی ہے، مگر چیخ کو سن کر بھی کچھ سمجھتا نہیں کہ اس سے کیا کہا جا رہا ہے۔ اسکو نصیحت کی جارہی ہے یا فضیحت۔ اسے کسی چیز کی خوشخبری دی جارہی ہے یا ڈرایا جارہا ہے۔

یہی حال ان داعیان کفر کا ہے جو داعیانِ حق کی آواز کو تو سنتے ہیں مگر انکے ارشادات کی حقیقت تک ان کے ذہن کی رسائی نہیں ہو پاتی۔ بظاہر ایسا لگتا ہے گویا وہ کچھ سنتے ہی نہیں۔ ویسے بھی اگر دیکھا جائے تو بیشک یہ (بہرے) ہیں حق سننے سے، جبھی تو کلامِ حق نہیں سن پاتے اور (گونگے) ہیں حق بولنے سے، جبھی حق و درست بات کہہ نہیں پاتے اور (اندھے) ہیں حق دیکھنے سے، جبھی تو راہِ راست انہیں نظر نہیں آتی اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (انہیں تو عقل ہی نہیں) جو پیغمبر اسلام کی بات سمجھ سکیں اور آپ کی ہدایت کو قبول کر سکیں۔

اگر کوئی اصل عقل رکھتے ہوئے نظر و استدلال سے اپنے کو دور رکھتا ہے اور اپنے کو اندھوں اور بہروں کی طرح بنالیتا ہے کہ نہ دلائل دیکھے نہ سنے، تو وہ کیسے حق پر استدلال کر سکتا ہے۔ اسکی عقل اس کے کس کام کی۔ ایسوں کیلئے یہ کہنا صحیح ہے کہ اسے عقل ہی نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ

اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تم کو روزی فرمادی

وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝

اور شکر گزار رہو اللہ کے، اگر تم اسی کو پوجتے ہو ●

۔۔۔الحاصل۔۔۔(اے ایمان والو!) مشرکین نے اپنے طور پر جن چیزوں کو حرام قرار دیدیا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہیں پاکیزہ ہیں، تو بے روک ٹوک (کھاؤ) ان (پاکیزہ) حلال وطیب (چیزوں

سے جو ہم نے تم کو روزی فرمادی اور) اس فضل وکرم اور ان نعمتوں پر (شکر گزار رہو) اپنے حلال رزق عطا فرمانے والے (اللہ) تعالیٰ (کے اگر تم) سچے دل سے کمال اخلاص کے ساتھ (اسی کو پوجتے ہو)، اسکی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرتے اور اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ وہی ساری نعمتوں کا والی ومولیٰ ہے، جس نے تم پر خاص فضل فرمایا اور رزق حرام سے بچا کر رزق حلال عطا فرمایا۔

حلال وطیب چیزوں کے کھانے کی ہدایت فرمادینے اور اپنے آباؤ اجداد کی تقلید میں شرک کرنے والوں اور اللہ تعالیٰ نے جن جانوروں کے کھانے کو حلال فرمادیا ہے، ان کو حرام قرار دینے والے کافروں کا حال بیان کردینے کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے ارشاد فرماتا ہے کہ اے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور معبود مان لینے والو، اسلام کو اپنا دین تسلیم کرلینے والو اور محمد عربی ﷺ کو دل کی تصدیق کے ساتھ اپنا رسول کہنے والو تم کسی بھی قلبی تردد کے بغیر اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ حلال وطیب جانوروں کا گوشت نوش کرو اور رب کریم کی اس عطا پر اسکے شکر گزار رہو اور مشرکین نے جس طرح ان کو حرام سمجھ لیا ہے، تم اسے حرام قرار نہ دو۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ

اور بس یہی حرام فرمادیا ہے تم پر مردار کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اس جانور کو، جو ذبح کیا گیا غیر خدا کا نام لیتے ہوئے،

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾

تو جو بے قرار ہو گیا نہ خواہشمند بے اور نہ حد سے بڑھنے والا ہے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور) جان لو کہ کھانے والی چیزوں میں (بس یہی) اسکے سوا نہیں (حرام فرمادیا ہے تم پر) ماکول اللحم جانوروں میں ذبح کے لائق، مگر بغیر ذبح کے اپنی طبعی موت مرجانے والے (مردار) کے گوشت (کو)۔ مچھلی اور ٹڈی میں چونکہ رگوں کے اندر بہنے والا خون ہوتا ہی نہیں، جس کو نکالنے کیلئے عمل ذبح انجام دیا جائے، لہٰذا یہ دونوں جانور ذبح کا محل ہی نہ رہے، اسی لئے عرف میں انہیں مردار کہا بھی نہیں جاتا۔

[redacted]

(اور) مردار کے سوا اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا بہتے ہوئے (خون کو)، جگر اور تلی چونکہ جمے

ہوئے خون ہیں اوران کوعرف میں خون کہا بھی نہیں جاتا ہے اسلئے یہ دونوں حلال ہیں (اور) ان کے سوا (سور کے گوشت کو) جو اصل ہے، باقی اس نجس العین کے سارے اجزاء حرمت میں اس کے تابع ہیں۔ گوشت کا ذکر صرف اسلئے ہے کہ وہی کھانے میں مقصود اصلی کی حیثیت رکھتا ہے (اور) اسکے سوا حرام فرمادیا (اس جانور) کے گوشت (کو جو ذبح کیا گیا) بتوں، دیوی دیوتاؤں کے [redacted]

ہاں اگر کوئی شخص مجبور ہو جائے اور اسکی زندگی خطرے میں پڑ جائے تو ان حرام چیزوں سے وہ بقدر ضرورت استعمال کرسکتا ہے۔ (تو جو بے قرار ہوگیا) اور صورت حال ایسی ہے کہ وہ (نہ خواہشمند ہے) کہ لذت وشہوت کی تسکین کیلئے ایسا کررہا ہو (اور نہ) ہی (حد سے بڑھنے والا ہے) کہ مقدارِ حاجت سے زیادہ استعمال کرلے۔ اسلئے کہ جو چیز ضرورتاً مباح ہوتی ہے، وہ ضرورت کی حد تک ہی مباح رہتی ہے۔

---المختصر--- اگر جان بچانے کیلئے لقمہ، حرام استعمال کرنا پڑے تو اتنا ہی کیا جائے جس سے جان بچ جائے۔ لہٰذا اس سے بھوک مٹانا اور پیٹ بھرنا حرام ہی رہے گا۔ ارشادِ رسول کریم میں لائق ذبح جانوروں کے بدن کے اس ٹکڑے کو بھی مردار قرار دیا گیا ہے جسے حالتِ حیات ہی میں اس کے بدن سے کاٹ لیا گیا ہو، اسلئے کہ ذبح شرعی سے پہلے اسے الگ کرلیا گیا ہے اور لائق ذبح ماکول اللحم جانوروں کے گوشت کو ذبح شرعی کے بعد ہی طیب وپاکیزہ قرار دیا جائے گا۔

---الغرض--- مذکورہ بالا حرام کردہ جانوروں کے گوشت کو اگر کوئی حالت اضطرار میں بقدر ضرورت کھائے (تو اس پر) اس کھانے کی وجہ سے (کوئی گناہ نہیں) جو رب کریم بڑے گناہ اپنے فضل کرم سے معاف کردیتا ہے، تو صورت اضطرار میں بقدر ضرورت مردار کا گوشت کھانے پر کیونکر مواخذہ فرمائے گا۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ وقت ضرورت ان محرمات سے بقدر حاجت کھالینے کو اپنے کرم سے (بخشنے والا) اور اپنے بندوں پر (رحمت والا ہے) جس نے اپنے بندوں کو محرمات کو نوش کرنے کی یہ رخصت عطا فرمائی ہے، اس رخصت سے فائدہ اٹھانے والوں پر مواخذہ تو الگ رہا بھی بعض حالات میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اس رخصت سے فائدہ نہ اٹھانے والا گنہگار قرار دیا جائے۔

[redacted]

[redacted]

[redacted] ۔۔۔مگر۔۔۔ یہودی
لیڈران اوران کے علماء،توریت میں مذکورآپ ﷺ کی صفات عالیہ کا ذکر نہیں کرتے اور
انھیں پوشیدہ رکھتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔ان کو بدل کران کی جگہ کوئی دوسری بات پیش کر دیتے
ہیں اور جن باتوں کو ظاہر کر دینا ان پر لازم تھا اور پوشیدہ رکھنا جرم تھا ان باتوں کو ظاہر نہیں
کرتے۔۔۔اور ظاہر ہے۔۔۔اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے ان کو کھانا اور پاک
وصاف چیزوں کو نہ کھانا ،جس طرح گمراہی اور گناہ ہے [redacted]

[redacted] دنیا کی متاع تو ویسے بھی قلیل ہی ہے اوراس سے فائدہ
اٹھانے کی مدت بھی قلیل ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا
بیشک جولوگ چھپائیں جس کو اتارا اللہ نے کتاب سے اوراس سے حاصل کریں تھوڑی قیمت،
أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ
وہ لوگ نہیں کھاتے اپنے پیٹ میں مگر آگ ،اور نہ کلام فرمائے گا ان سے
يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝
اللہ قیامت کے دن اور نہ ان کو پاک فرمائے گا اوران کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے●

تو (بے شک جولوگ) علماء یہود سے ہیں (چھپائیں) خواہ پوشیدہ رکھ کر اور خواہ اسکو دوسرے
بیان سے بدل کر (جس کو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے) اپنی نازل فرمودہ (کتاب) تورات میں احکام الٰہی
اور اوصاف محمدی (سے اور) اپنے (اس) کتمان حق کی وجہ (سے) اپنی جاہل عوام اور نادان پیروکاروں
سے (حاصل کریں) وصول کریں بالکل حقیر فنا ہو جانے والی، باقی نہ رہنے والی (تھوڑی قیمت)۔
ایسوں کو یہ خوف لگا رہتا ہے کہ اگر ہم نے حق باتیں یعنی احکام الٰہی اور اوصاف محمدی جو
ہماری آسمانی کتاب میں ہیں، ان سب کو من وعن ظاہر کرنا شروع کر دیا تو ہم ان سے

بیوقوف بنا کر جو مال حاصل کر لیتے ہیں، اسے حاصل نہ کر سکیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ (وہ لوگ نہیں کھاتے) اور نہیں ڈالتے (اپنے پیٹ میں مگر آگ) ان رشوت کے لقموں کی گرمی وسوزش سے ہمیشہ انکا وجود جلتا رہے گا۔ بالآخر یہ حرام لقمے انکو دوزخ کی آگ تک پہنچا دینگے (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (نہ کلام فرمائے گا ان سے اللہ) تعالیٰ (قیامت کے دن)۔

ایسا کلام جو ان کیلئے باعث رحمت ہو، جس سے انھیں آسانی وراحت میسر ہو۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔رب قہار اپنے کمالِ غضب کے سبب ان سے بالکلیہ خطاب نہ فرمائیگا، بلکہ ملائکہ کے ذریعہ سوال ارشاد فرمادیگا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اللہ عزوجل نہ انھیں اپنے کلامِ رحمت سے نوازے گا (اور نہ) ہی گناہوں کی میل کچیل سے (ان کو پاک فرمائے گا)، آتش جہنم بھی ان کی بداعمالیوں کو جلا کر انھیں پاک نہ کر سکے گی (اور ان کیلئے) ہمیشہ ہمیش کیلئے (دکھ دینے والا) جہنم کا (عذاب ہے)۔

۔۔۔الختصر۔۔۔انکا فنا ہو جانے والی خبیث چیزوں کا کھانا گویا جہنم کی آگ کو شکم میں ڈالنا ہے اور حق کو چھپانا اور اپنے کلام سے اسے ظاہر نہ کرنا خود خدائے عزوجل کے کلام وخطاب سے محروم ہونا ہے۔ [redacted]

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ

وہ لوگ ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو ہدایت کے بدلے، اور عذاب کو بخشش کے بدلے۔

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾

بڑے عجیب صبر کرنے والے ہیں آگ ہی پر●

۔۔۔الغرض۔۔۔اس طرح کے کردار والے جہنم کے دردناک عذاب کے بجا طور پر مستحق ہیں۔

(وہ) ناسمجھ، کوتاہ فکر اور عقل سے کورے (لوگ ہیں جنھوں نے) دنیا میں دنیوی اغراض اور حقیر مال ومتاع کیلئے حق کو چھپایا اور یہودیت پر جو محض گمراہی ہے قائم رہ کر (خریدا) اختیار کر رکھا ہے (گمراہی کو)۔

اپنی ہی تسلیم شدہ کتاب الٰہی توریت میں موجود اوصاف محمدی اور احکامِ خداوندی کو دیدہ

دوانستہ ظاہر نہ کرنا اور انکو عوام سے پوشیدہ رکھنا، جھوٹی شہادت سے اپنے گمراہ کن موقف کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا، یہ سب گمراہی نہیں تو اور کیا ہے؟

۔۔۔الغرض۔۔۔ان علماء یہود نے گمراہی کو اپنا لیا اور وہ بھی (ہدایت کے بدلے) یعنی ایمان ومعرفت کے بدلے۔ چنانچہ خود بھی گمراہ رہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے رہے۔ یہ تو رہا دنیا کا معاملہ۔اب رہا آخرت کا معاملہ، تو وہاں کیلئے بھی ان کا سودا خسارے ہی کا سودا رہا (اور) وہ نقصان ہی میں رہے، اسلئے کہ انھوں نے وہاں کیلئے اپنالیا، پسند کرلیا ہمیشہ کے (عذاب کو) اللہ تعالیٰ کی (بخشش کے بدلے) آمرزش ربانی پر عذاب جاودانی کو ترجیح دینا فکر ودانش کا فتور نہیں تو اور کیا ہے؟ بغیر کسی پرواہ کے، کھلم کھلا سینا زوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جہنم رسید کردینے والے موجبات کا ارتکاب کرنا یقیناً مومنین کی نظر میں ایک عجیب سی حرکت ہے، لہٰذا جب مومنین ان کی حالت پر غور کرتے ہیں تو یہ (بڑے عجیب) نظر آتے ہیں جو (صبر کرنے والے ہیں) قناعت کر بیٹھے ہیں اپنے ان کرتوتوں پر جو جہنم رسید کردینے والے ہیں۔ایسا لگتا ہے کہ یہ جہنم کی (آگ) کے عذاب (ہی پر) قناعت کرچکے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا

یہ یوں کہ اللہ نے اتاری کتاب حق کے ساتھ، اور بیشک جنہوں نے اختلاف پیدا کیا

فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝

کتاب میں، ضرور دور پلے درجے کے ضد میں ہیں●

(یہ) سب جو اوپر مذکور ہوا یعنی آگ کھانا، رب تعالیٰ کا کلام نہ فرمانا، ان کو پاک وصاف نہ کرنا اور حق کو چھپانے کی وجہ سے ان کو دردناک عذاب دینا (یوں) ہی دنیا وآخرت کا خسارہ ان کو ملنے ہی والا ہے۔اسلئے (کہ اللہ) تعالیٰ (نے اتاری کتاب) توریت (حق کے ساتھ) جس میں از اول تا آخر سب حق ہی تھا، مگر انھوں نے اس کے احکام کو اور اس میں ذکر کردہ اوصاف محمدی کو چھپانے کی کوشش کی اور چھپاتے رہے۔

ایسی کتاب، حق جسکے ساتھ وابستہ ہوا، یا کہ اس میں باطل کا شائبہ بھی نہ ہو، اسکی تکذیب

کرنی اور اسکے احکام کو پوشیدہ رکھنا اور پھر جب قرآن کریم نازل فرمایا گیا تو اسکی بھی پیروی نہ کرنی، بلکہ زور وشور سے اسکی مخالفت پر اتر آنا اور اختلاف کی مختلف صورتیں اپنانا۔۔۔مثلاً: اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتابوں میں بعض پر ایمان لانا اور بعض کا منکر ہو جانا۔۔۔یا۔۔۔ تورات میں جو حق باتیں ہیں ان کو نہ ماننا اور جس راہ حق پر چلنے کی اس میں ہدایت ہے اس پر نہ چلنا بلکہ اسکی جگہ خود انھوں نے جو تحریف کی ہے۔اسی محرف کو اصل کا بدل قرار دے دینا ۔۔۔یا۔۔۔قرآن کریم کے تعلق سے مختلف خیالات پیش کرنا، کوئی اسکو جادو کہتا ہے، کوئی اسے شعر قرار دیتا ہے اور کوئی اسے صرف اساطیر الاولین کا نام دیتا ہے۔

تو اس مقام پر اچھی طرح جان لو (اور) سمجھ لو کہ (بے شک جنھوں نے) وہ خود یہود ہوں، خواہ مشرکین ہوں، جان بوجھ کر اپنی طرف سے خواہ مخواہ کا (اختلاف پیدا کیا) خدا کی نازل فرمودہ کسی بھی (کتاب میں، تو وہ ضرور پرلے درجہ کی ضد میں ہیں)۔ایسی ضد جو حق و ہدایت سے بہت دور کر دینے والی ہے۔

جب اس ارشاد کو ان ضدی مخالفین نے سنا تو کہنے لگے کہ، ہماری ذات میں ضلالت و شقاوت نہیں ہے، ہم بھی خدا پر ایمان لانے والے ہیں۔نمازیں پڑھتے ہیں اور یہ سب بھی تو نیکیاں ہیں۔اس پر حق سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بیت المقدس کی جہت مشرق کو اپنا قبلہ بنا لینے والے نصرانیوں اور اس کی جہت مغرب کو اپنا قبلہ قرار دینے والے یہودیوں! تم نے اپنے اپنے قبلوں کی طرف رخ پھیر لینے ہی کو نیکی سمجھ رکھا ہے اور اسکے سوا دوسرے دینی اور ایمانی فرائض وواجبات کو پس پشت ڈال کر صرف قبلہ کی طرف چہرہ کر لینے کو اصل نیکی سمجھ رکھا ہے اور اتنا ہی کر لینے سے اپنے کو نکوکار تصور کرنے لگے ہو۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ

نہیں ہے نیکی یہی کہ منہ کرلو پورب پچھم کی طرف، لیکن نیکی اس کی ہے

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى

جو مان گیا اللہ اور پچھلے دن اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں کو، اور مال دیا

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ

اللہ کی محبت میں قرابت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافر کو، اور منگتا لوگوں کو

وَفِی الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ

اور گردن آزاد کرانے میں، اور قائم رکھا نماز کو، اور دیا زکوۃ کو، اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جب معاہدہ کر چکے،

وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ؕ

اور صبر کرنے والے تنگی اور سختی میں اور جہاد کے وقت، یہی لوگ ہیں جو سچے نکلے۔

وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

اور یہی لوگ پرہیز گاری کرنے والے ہیں ●

تو غور سے سن لو کہ (نہیں ہے) اصل (نیکی) صرف (یہی کہ) اپنی عبادت میں (منہ کر لو پورب) کی طرف جیسا کہ نصاریٰ کرتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔(پچھم کی طرف) جو یہودیوں کی روش ہے اور اس صورت میں جبکہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہو چکا ہے، تو اب اس کی طرف اپنی خواہش نفسانی سے رخ کرنے کو کسی معنی میں بھی نیکی نہیں قرار دیا جا سکتا (لیکن) اچھی طرح ذہن نشیں کر لو کہ (نیکی اس) نکوکار (کی ہے جو) دل کی سچائی کے ساتھ (مان گیا اللہ) تعالیٰ کو کہ وہ ایک ہے، بے عیب ہے۔ اپنی تمام صفات میں قدیم ہے۔ اسکی ذات اور صفات میں کوئی اسکا شریک نہیں۔ اسکے سوا نہ کوئی واجب ہے نہ قدیم۔ اسکے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرح حضرت عزیر و حضرت عیسیٰ کو الوہیت میں، شریک نہ کرے۔ اسکے فرستادہ سارے انبیاء و رسول برحق ہیں۔ ان میں حضرت سیدنا محمد ﷺ اس کے آخری نبی ہیں اور آپ ہی کی شریعت آخری شریعت ہے۔

(اور) مان گیا (پچھلے دن کو) یعنی قیامت کے دن کو، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کو، عذاب قبر اور قیامت کے بعد جزا و سزا، حساب و کتاب کو، صراط و میزان اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کو (اور) مان گیا (فرشتوں) کو یعنی اسکے معصوم ہونے کو۔۔۔نیز۔۔۔رسل ملائکہ کی رسالت اور کراماً کاتبین کے اعمال کو لکھنے کی اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق ان کے عمل کرنے کی تصدیق کرے اور تذکیر و تانیث سے فرشتوں کو بری مانے اور یہودیوں کی طرح حضرت جبرائیل کو اپنا دشمن نہ قرار دے۔

(اور) مان گیا اللہ تعالیٰ کی (کتاب) قرآن کریم کو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جسے حضرت جبرائیل نے قلب مصطفیٰ ﷺ پر نازل فرمایا۔ یہ آخری کتاب ہے جس میں کسی طرح کی کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی اس کی ایک سورت کی مثال لا سکتا ہے۔ یونہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے

نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان لائے۔ علماء یہود کی طرح نہیں جو بعض پر ایمان لائے (اور) مان گیا (پیغمبروں کو) کہ تمام انبیاء و مرسلین برحق ہیں تمام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ یہودیوں کی طرح ان میں بعض پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے۔

چونکہ ایمانِ کامل میں اعمال بھی داخل ہیں تو اس لئے ایمان کے بعد اعمال کا ذکر شروع فرمایا

(اور) ارشاد فرمایا کہ نکوکار وہ ہے جس نے مذکورہ بالا ایمانی اور اعتقادی ضروریات کو اپناتے ہوئے (مال دیا) صدقہ ء نافلہ کے ذریعہ خیر وخیرات کیا (اللہ) تعالیٰ (کی محبت میں)، گو اس مال سے بھی محبت ہے اور اسکی ضرورت بھی ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ اسے جو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے وہ دوسری محبتوں پر غالب ہے۔

ویسے بھی جس چیز سے محبت ہو اور اسکی ضرورت بھی ہو، اسکو راہِ خدا میں دے دینا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ ایک غریب نادار کا انفاق فی سبیل اللہ، ایک مالدار تونگر کے راہ خدا میں خرچ کرنے سے افضل ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہی کا ثمرہ ہے کہ اس نے خدا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جس مال ودولت سے اسے محبت تھی اسکو اس نے دے دیا (قرابت داروں) عزیزوں، رشتہ داروں (کو) [illegible] دار اس کے موافق ہوں یا مخالف۔۔۔ بالفرض۔۔۔ اگر وہ مخالف ہوں، پہلو تہی کرنے والے ہوں تو ایسوں کو صدقہ دینا اور بھی افضل ہے (اور یتیموں کو)، ان نابالغ بچوں کو جن کے سر سے ان کے باپ کا سایہ اٹھ چکا ہے، (اور مسکینوں کو) ایسے محتاجوں کو جن کے پاس گزارے کیلئے کچھ نہیں ہو اور وہ سوال بھی نہ کرتے ہوں، بظاہر ایسے پرسکون نظر آتے ہوں کہ انکی مسکینی کا پتہ بھی نہیں چلتا (اور مسافر کو) جو حالتِ سفر میں ضرورتمند ہو، اور اس کے پاس ضرورت پوری کرنے کی کوئی چیز بھی نہ ہو، (اور منگتا لوگوں کو) خوراک چاہنے والوں اور ضرورتاً سوال کرنے والوں کو۔۔۔ مثلاً: وہ شخص جو مقروض ہو اور صرف اتنی مقدار کا سوال کرے کہ اسکا قرض ادا ہو جائے یا جسکے مال کو کوئی ناگہانی آفت آ پہنچی ہو جس سے اسکا مال تباہ ہو گیا اور صرف اتنی مقدار کا سوال کرے جس سے اسکا گزارہ ہو سکے۔۔۔ یا۔۔۔ ایسا شخص جو فاقہ زدہ ہو اور وہ صرف اپنا فاقہ کو دور کرنے کیلئے سوال کرے۔ ایسے ہی وہ لوگ جنہیں ناگہانی طور پر کوئی ضرورت پیش آ گئی ہو اور وہ لوگ بذاتِ خود اس ضرورت کو پوری کرنے کی سکت نہ رکھتے ہوں۔

(اور) مذکورہ بالا لوگوں کو مالی مدد دینے کے ساتھ ساتھ غلامی میں جکڑی ہوئی (گردن آزاد کرانے میں) خرچ کیا، خواہ غلام خرید کر آزاد کر دیا جائے یا جو غلام مکاتب ہوا سے بدل کتابت دیکر آزاد کرا دیا (اور قائم رکھا)، کما حقہ ادا کرتا رہا فرض (نماز کو) اسکی ادائیگی میں کسی طرح کی کاہلی سستی اور کوتاہی نہیں برتی اور صاحب نصاب ہونے کی صورت میں مذکورہ بالا صدقات واجبہ کے مصارف میں خرچ کیا (اور دیا) سال بسال، اپنے اوپر فرض ہو جانے والی (زکوٰۃ کو)۔

اولاً: مصارف زکوٰۃ کا ذکر فرما کر صراحتاً زکوٰۃ کا بھی ذکر فرما دیا اس سے مقصود صاحبان نصاب کو فریضہ ادائیگی زکوٰۃ پر برانگیختہ کرنا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک اس خاص مقام پر زکوٰۃ سے فرض زکوٰۃ مراد ہے اور اس سے پہلے جو ذکر ہے وہ صدقات نافلہ کا ذکر ہے۔

مذکورہ بالا ان خوبیوں کے سوا ان نکوکاروں کی یہ شان بھی ہے (اور) وہ یہ خوبی بھی رکھتے ہیں کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ۔۔۔یا۔۔۔ کسی مخلوق سے کوئی عہد کرتے ہیں تو ضرور بالضرور (پورا کرنے والے) ہیں (اپنے عہد کو جب معاہدہ کر چکے) ایفاء عہد میں وقت معاہدہ کا پورا خیال رکھتے ہیں اور معاہدہ کرنے میں بھی اس بات کا لازمی طور پر لحاظ رکھتے ہیں کہ وہ کسی مخلوق سے ایسا عہد نہیں کرتے جو کسی شرعاً حرام کو حلال یا شرعاً حلال کو حرام کر دے۔ اس طرح کے معاہدے نہ کرنے کے لائق ہیں اور نہ ہی ایسے غیر شرعی معاہدوں پر عمل درآمد واجب ہے۔ بلکہ اس طرح کے معاہدوں کو پورا کرنا حرام ہے۔۔۔الغرض۔۔۔ اوپر جن کا ذکر ہو رہا ہے، وہ ایفاء عہد میں پکے ہیں (اور) یہ پیکران سعادت اور حاملان خیر و برکت (صبر کرنے والے) ہیں فقر و محتاجی، شدت و (تنگی اور) بیماریوں اور ناگہانی آفتوں اور رنج و غم کی (سختی میں) (اور) صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ صرف انہی باتوں پر صبر کرنے والے ہیں بلکہ اعلاء کلمۃ الحق کیلئے (جہاد) اور اعداء دین سے قتال (کے وقت) ایسے نازک وقت میں یہ پوری طور پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نہ ان کے حوصلے پست ہوتے ہیں اور نہ ہی یہ پیچھے ہٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی جان عزیز کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔۔۔المختصر۔۔۔ انکا صبر بتدریج شدید سے شدید تر کی طرف رواں دواں رہتا ہے۔

اس کلام بلاغت نظام میں اس ترتیب کی طرف واضح اشارہ ہے، اسلئے کہ مرض پر صبر کرنا فقر پر صبر کرنے سے زیادہ سخت ہے۔ اور قتال پر صبر کرنا مرض پر صبر کرنے سے زیادہ شدید ہے۔۔۔ اس مقام پر جس فقر و مرض کا مقام مدح میں ذکر ہے وہ وہی ہے جو عارضی اور

وقتی نہ ہو، اسلئے کہ یہ تو اکثر لوگوں کو پیش آنے والی چیز ہے۔۔۔بلکہ۔۔۔وہ صابرین قابل تعریف ہیں جنکا فقر ومرض دائمی ہو۔۔۔یا۔۔۔کم ازکم طویل مدت کو گھیرے ہوئے ہو۔ایسا لگے کہ فقر ومرض انکا ظرف اور انکے رہنے کی مستقل جگہ ہوگئی ہے، اسکے باوجود وہ نہ تو ناشکری کا کوئی کلمہ زبان پر لاتے ہیں اور نہ ہی کسی طرح کی بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا اوصاف وکمالات سے آراستہ ہونے والے (یہی لوگ ہیں جو) اپنے ایمان اور نیکیوں کی طلب میں (سچے نکلے اور یہی لوگ) ہر ناشائستہ امور سے (پرہیزگاری کرنے والے ہیں)۔

کمالات انسانیہ کی شاخیں تو بہت ہیں مگر وہ سب کی سب صرف تین چیزوں پر منحصر ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔صحت اعتقاد۔

﴿۲﴾۔۔۔حسن معاشرت۔

﴿۳﴾۔۔۔تہذیب نفس۔

حق سبحانہ وتعالیٰ اور سارے ضروریات دین وایمان کی تصدیق کا تعلق 'صحت اعتقاد' سے ہے اور تمام ارباب استحقاق کے حقوق کو کما حقہ ادا کردینا 'حسن معاشرت' ہے۔۔۔نیز ۔۔۔اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ، ایفاء عہد اور صبر 'تہذیب نفس' سے ہے۔ان ساری خوبیوں کا مجموع اس آیت کریمہ میں موجود ہے تو یہ آیت کریمہ جامع کمالات انسانی ہوگئی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد: من عمل بھذہ الآیتہ فقد استکمل ایمانہ جس نے اس آیت کریمہ پر عمل کرلیا، اس نے اپنے ایمان کو مکمل کرلیا، اسی حقیقت کو واضح کررہا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ

اے مسلمانو! فرض کردیا گیا تم پر خون کا بدلہ لینا ناحق قتل کیے گئے لوگوں کے بارے میں۔آزاد کے بدلے آزاد اور غلام

بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ ۢ

کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ہاں جس کیلئے اسکے بھائی کی طرف سے کچھ معافی دے دی گئی تو دیت کا تقاضہ کرنا ہے

بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ

عمدگی کے ساتھ اور اس کا ادا کردینا ہے خوشی کے ساتھ۔یہ تخفیف سزا تمہارے رب کی طرف سے ہے، اور رحمت،

فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

ہے تو جو حد سے بڑھا اسکے بعد تو اسکے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے ●

(اے مسلمانو!) اب تک تمہیں عبادات و معاملات سے متعلق احکامات کا علم دیا گیا، اب بعض فوجداری کے معاملات سے متعلق احکامات بھی جان لو۔ وہ یہ کہ (فرض کر دیا گیا تم پر خون کا بدلہ لینا) اب خواہ اس فرض کو تمہارے حدِ شرعی نافذ کر سکنے والے حکام حدِ شرعی نافذ کر کے پورا کریں، خواہ تم خود اپنے اوپر حدِ شرعی لاگو کرنے کیلئے اپنے کو حکام کے آگے پیش کر دو۔ حد نافذ کرنے کا اختیار [redacted] کسی شخص کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ از خود قصاص لے۔ قصاص لینے کیلئے ضروری ہے کہ حاکم کے پاس شکایت لیکر حاضر ہو، پھر حاکم خود قصاص لے گا یا کسی شخص کو قصاص لینے کیلئے مقرر کر دیگا۔ [redacted]

یہ بھی خیال رہے کہ صرف انہی کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے جو (ناحق) کسی شرعی تقاضے کے بغیر ظلماً اور عمداً (قتل کیے گئے) ہیں تو ایسے (لوگوں کے بارے میں) یہ حکم ہے کہ قتل کر دیا جائے (آزاد کے بدلے آزاد) کو (اور غلام کے بدلے غلام) کو (اور عورت کے بدلے عورت) کو۔۔۔ الغرض۔۔۔ بدلہ لینے میں عدل و مساوات کا لحاظ ضروری ہے اسلئے ایک مرد کے عوض دو مرد، ایک عورت کے عوض دو عورتیں یا ایک مرد اور ایک غلام کے عوض دو غلام یا ایک آزاد کو نہیں قتل کیا جائے گا، جیسا کہ ایام جاہلیت والوں کا دستور تھا۔ ان کے معزز قبیلے والے پسماندہ قبیلے والوں سے ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں اگر قاتل ایک ہے، تو صرف اس سے قصاص لیا جائے گا اور اگر بہت سے لوگوں نے مل کر قتل کیا ہے تو ان سب سے قصاص لیا جائیگا۔۔۔ ہاں۔۔۔ ارشاد رسول کریم کی روشنی میں اگر قاتل باپ ہے، تو اس سے اس کے بیٹے کے خون کا بدلا نہیں لیا جائیگا، یوں ہی اگر قاتل مقتول کا شرعی مالک ہے تو اس سے بھی اپنے مملوک کا قصاص نہیں لیا جائیگا۔ ان دو کے سوا سبھی سے بدلہ لیا جائیگا (ہاں جس) قاتل (کیلئے اس کے) اسلامی (بھائی) مقتول (کی طرف سے کچھ معافی دے دی گئی) اور اسلامی اخوت کا پاس و لحاظ کرتے ہوئے نرمی اور مہربانی کی روش اختیار کی گئی ہے۔ اب خواہ مکمل معافی ہو۔۔۔ بایں طور۔۔۔ کہ تمام ورثا مقتول کے حق کا مطالبہ نہ کریں، خواہ معافی نامکمل ہو کہ بعض

ورثاً معاف کریں اور بعض کا مطالبہ ابھی قائم ہو، ان ہر دو صورتوں میں قاتل سے قصاص ساقط ہوجائیگا ۔۔۔الغرض۔۔۔ ایسی عفو و کرم کی صورت پیش آئے (تو) مقتول کے وارث کو (دیت) خون بہا (کا تقاضہ کرنا ہے) مگر (عمدگی) اور خوش اسلوبی (کے ساتھ اور) اسی طرح قاتل پر (اس کا) اس میں کسی طرح کی کمی بیشی کے بغیر جلد از جلد (ادا کردینا ہے) کمال کشادہ خاطری، اور (خوشی کے ساتھ) اور جان لو کہ (یہ) دیت کو قصاص کا بدل اور قائم مقام قرار دینا (تخفیف) اور ہلکا کرنا ہے، سخت اور کڑی (سزا) کو جو (تمہارے) بے پایاں کرم فرمانے والے (رب) کریم (کی طرف سے ہے اور) سراسر (رحمت ہے)۔

توریت میں قتل کے بدلے قتل کرنا ہی لازم تھا اور انجیل میں بغیر عوض لئے معاف کردینا ہی ضروری تھا۔ اس صورت حال میں مسلمانوں کیلئے قصاص اور دیت یعنی بطریق صلح مال لیکر معاف کردینا۔۔۔الغرض۔۔۔ دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرلینے کی گنجائش عطا فرمانا کرم نہیں تو اور کیا ہے۔ [redacted]

[illegible] اس مقام پر قاتل کو قتل جیسے گناہِ کبیرہ کے باوجود مومن قرار دیا، ایمانی اخوت کو باقی رکھا اور اس کو تخفیف و رحمت کا مستحق بتایا۔ یہ سب رحمت نہیں تو اور کیا ہے؟

(تو) اب جو کوئی معاف کردینے اور دیت لے لینے کے بعد اس قاتل کو یا اس کے غیر کو قصاص کے نام پر قتل کردے یا قاتل ہی اس ظلم وستم پر اتر آئے کہ ایک کو دیت دے کر دوسرے کو قتل کردے۔۔۔الغرض۔۔۔ شرعی حدود کو تجاوز کرتے ہوئے (جو حد سے بڑھا اس) مذکورہ بالا ہدایت (کے بعد تو اس کیلئے) آخرت میں (دکھ دینے والا عذاب ہے)۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔ دنیا ہی میں اسے لازمی طور پر قتل کردیا جائیگا اور اب اس سے دیت بھی نہیں قبول کی جائیگی۔۔۔الغرض۔۔۔ دیت لیکر قتل کرنے والے کو ہرگز معاف نہیں کیا جائیگا۔

اے ایمان والو! تم قانونِ قصاص کو ظالمانہ اور بہیمانہ قانون نہ سمجھ لینا۔ ذرا غور تو کرو اگر ایک قاتل کو چھوٹ دے دی گئی اور اس کو اسکی قرار واقعی سزا نہیں دی گئی تو پھر اس سے دوسرے مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی ہوگی، اور وہ بے خوف وخطر ہوکر قتل وغارت کا بازار گرم کردینے سے باز نہ آئینگے۔۔۔ہاں۔۔۔ اگر قاتل کو اسکے جرم کے بدلے قتل کردیا گیا، تو دوسرے مجرم اپنا بھیانک انجام دیکھ کر باز آجائینگے اور اس طرح ایک قاتل کے قتل سے بے شمار جانیں قتل وغارت سے بچ جائینگی۔

• جس ملک کے قانون کی آنکھیں ظالم قاتل کے گلے میں پھانسی کا پھندا دیکھ کر پرنم ہوجائیں، وہاں مظلوم و بے کس کا خدا ہی حافظ۔ وہ اپنی آغوش میں ایسے مجرموں کو ناز ونعم سے پال رہا ہے جو اسکے چمنستان کے شگفتہ پھولوں کو مسل کر رکھ دیں گے۔ وہ دین جو دین فطرت ہے، جو ہر قیمت پر عدل وانصاف کا ترازو برابر رکھنے کا مدعی ہے، اس سے ایسی بے جا بلکہ نازیبا ناز برداری کی توقع عبث ہے۔۔۔الغرض۔۔۔اے ایمان والو! تم قانونِ قصاص کو عدل وانصاف ہی کا قانون باور کرو۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۝

اور تمہارے لئے خون کے بدلہ لینے میں زندگانی ہے اے عقل والو! کہ اب سے تم ڈرو●

(اور) اچھی طرح سمجھ لو کہ (تمہارے لئے خون کا بدلہ لینے میں) دنیا میں امن وامان کی ضمانت اور بے شمار مظلوموں اور بے کسوں کی (زندگانی ہے)۔قصاص کے خوف سے جب ظالم اپنے ظلم سے اپنے کو بعض رکھے گا تو قتل ناحق کا دروازہ بھی بند ہوجائے گا۔(اے عقل والو) طبع سلیم اور فہم مستقیم رکھنے والو قانونِ قصاص کی حکمت بالغہ یہی ہے (کہ) ایام جاہلیۃ میں جو کچھ ہو چکا، وہ ہو چکا، مگر (اب سے تم ڈرو) اپنے رب سے اور ان تمام گناہوں سے پرہیز کرو جو تمہیں عذاب کی طرف لے جانے والے ہیں یا قصاص کے خوف سے قتل ناحق کرنے سے اپنے کو بچاتے رہو۔

اے ایمان والو سابقہ بیان میں تم سے قتل وقصاص کے تعلق سے گفتگو کی گئی جسکے ضمن میں موت کا بھی ذکر آگیا اور تمہاری یہ عادت ہے کہ عموماً موت ہی کے وقت وصیت کرتے ہو تو اس کے متعلق بھی بعض احکام ذہن نشین کرلو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ

تم پر فرض کیا گیا جب کہ آجائے تم میں سے کسی کی موت اگر چھوڑے مال، وصیت کرنا ماں باپ

وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ۭ

اور قرابت مندوں کے لئے ٹھیک دستور کے موافق۔ یہ حق ہے پرہیزگاروں کے ذمہ پر●

(تم پر فرض کیا گیا) اور ضروری قرار دیا گیا ہے (جبکہ آجائے تم میں سے کسی کی موت) یعنی

اسکے اسباب کا حضور اور اسکی علامتوں اور نشانیوں کا ظہور ہو جائے، لا علاج امراض وعلل کی شکل میں جن کو عام طور پر مرض الموت گمان کیا جاتا ہے (اگر چھوڑے کچھ سرمایہ کو)۔۔۔الغرض۔۔۔اسکے پاس اتنا مال ہو کہ اسے سرمایا دار کہا جاسکے تو اس پر فرض ہے (وصیت کرنا)۔کن کیلئے وصیت کرنا؟ (ماں باپ اور قرابت مندوں کیلئے) ایامِ جاہلیت والوں کی طرح نہیں، جو ان کے سوا دوسروں کیلئے وصیت کر دیا کرتے تھے۔اور اپنی اس ریا کاری اور دکھاوے کے عمل کو سخاوت قرار دیا کرتے تھے۔تو اے عقل والو، غور کرو کہ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ اپنے والدین اور رشتہ داروں کو نادار رکھا جائے اور دوسروں کیلئے وصیت کر کے ان کو مالدار کر دیا جائے۔تو تم وہی کرو جو (نیک رواج کے موافق) اور عدل وانصاف کا تقاضہ ہو (یہ حق ہے)۔لازم ہے ان (پرہیزگاروں کے بازو پر) جو تقویٰ کی طرف مائل اور اسکے حصول میں کوشاں ہیں۔

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ

تو جس نے وصیت بدل دی بعد اس کے کہ اس کو سن لیا، تو اس کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدل ڈالیں۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝

بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

(تو) وصی اور شاہد میں سے (جس نے) بھی (وصیت بدل دی) خواہ وصیت سے بالکلیہ انکار کر کے۔۔۔یا۔۔۔اس میں کچھ کمی کر کے۔۔۔یا۔۔۔اس کی صفت کو تبدیل کر کے۔۔۔یا۔۔۔ان کے سوا کوئی صورت اپنا کے (بعد اس کے کہ اس کو سن لیا) اور جان لیا، اچھی طرح اسکی تحقیق کر لی (تو اس) تبدیل کرنے (کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدل ڈالیں)۔۔۔الغرض۔۔۔خود وصیت کرنے والے کے سر کوئی گناہ نہیں۔وہ تو وصیت کر کے اپنا فرض ادا کر چکا (بے شک اللہ) تعالیٰ وصیت کرنے والوں اور اس کے بدل دینے والوں دونوں کے اقوال کا (سننے والا) اور دونوں کی نیتوں کا (جاننے والا ہے) تو وہ ان کی نیتوں کے مطابق انھیں جزا یا سزا عطا فرمائیگا۔

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ

ہاں جو ڈرا وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی بے انصافی یا گناہ کو، پھر ان میں صلح کرادی

ع ۲۲

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۟

تو اس پر کوئی گناہ نہیں ۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے●

(ہاں) وارث یا وصی یا امام یا قاضی میں سے (جو) کوئی بھی (ڈرا) اور اسے اندیشہ لگا ۔۔۔نیز۔۔۔یقینی طور پر یا بطور گمانِ غالب اس نے سمجھ لیا (وصیت کرنے والے کی طرف سے کسی بے انصافی) وصیت میں خطا کی وجہ سے سہواً حق اور انصاف سے انحراف۔۔۔یا۔۔۔قریبی رشتہ داروں کو نظر انداز کر دینا (یا) جان لیا اسکی طرف سے جان بوجھ کر ظلم و زیادتی۔۔۔یا۔۔۔ایک تہائی مال سے زیادہ وصیت کرنے کے (گناہ کو) جو شریعت کی خلاف ورزی کرنے کا نتیجہ ہے (پھر ان میں) یعنی جن کیلئے وصیت کی گئی اور جو وصیت کرنے والے کے وارثین ہیں، ان دونوں میں۔۔۔یا۔۔۔اگر وصیت کرنے والا باحیات ہو تو خود اس کے اور جس کیلئے وصیت کی ہے، اس کے درمیان (صلح کرادی) اور شریعت حقہ کے احکام کا اجراء فرما کر سب کو شریعت کے مطابق عمل کرنے کیلئے آمادہ کر لیا اور پھر اس صورت حال کے پیش نظر اگر وصیت میں کوئی تبدیلی ہوگئی، (تو اس) تبدیلی کی وجہ سے کسی (پر کوئی گناہ نہیں)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔وصیت میں ایسی تبدیلی پر جس میں شریعت اسلامیہ کا پاس و لحاظ ہو اور سارے متعلقہ افراد کے اتفاق سے ہو، کسی طرح کا کوئی مواخذہ نہیں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (بڑا بخشنے والا) ہے ان وصیت کرنے والوں کا جو وصیت میں حق سے انحراف کر دینے کی صورت میں صدق دل سے تائب ہو جائیں۔۔۔یونہی۔۔۔ان اصلاح کرنے والوں سے اصلاحی کوششوں کے درمیان اگر بالفرض کوئی ناکردنی اعمال یا ناگفتنی اقوال صادر ہو جائیں تو رب کریم ان کو بھی معاف فرما دینے والا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اوصیاء جو وصیت کے مضمون میں کوئی تحریف نہ کریں اور من وعن اس کے مطابق عمل کریں تو اللہ تعالیٰ ایسے دین و دیانت والوں پر بہت ہی (رحمت) فرمانے (والا ہے)۔

سابقہ آیات میں پہلے قصاص کا حکم دیا گیا پھر وصیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اب روزہ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور فرمایا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ۔ قصاص کا حکم شدید ترین تھا اسلئے اس کا تقاضہ یہ تھا کہ قاتل خود اپنے کو حکام اور مقتول کے ولی کے حوالے کر دے تا کہ وہ اسے قتل کر دے۔ پھر اسکے بعد وصیت کا حکم دیا گیا جو نسبتاً پہلے حکم سے ہلکا ہے، اسلئے کہ اس میں صرف اپنے مال کو اپنی ملکیت سے نکال کر دوسروں

کے حوالے کر دینا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ مال دے دینا جان دینے سے آسان ہے۔
ان دونوں حکموں کے بعد اب روزے کا حکم دیا گیا جو ان دونوں سے آسان تر ہے اسلئے کہ روزہ رکھنے سے انسان کے صرف کھانے پینے کے معمولات بدل جاتے ہیں۔ اب وہ طلوع فجر سے پہلے سحری کرے گا، پھر وہ دن بھر بھوکا پیاسا وغیرہ، پھر مغرب کے بعد افطار کرے گا۔۔۔ الغرض۔۔۔ رات بھر کھانے پینے وغیرہ کی اجازت ہوگی اور دن بھر بھوکا پیاسا رہنے کی پابندی رہے گی، کیونکہ مکلف اور بالغ شخص کا ثواب کی نیت سے طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع کو ترک کرنے اور اپنے نفس کو تقویٰ کے حصول کیلئے تیار کرنے ہی کا نام روزہ ہے۔
۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان ارشادات میں احکامات بیان کرنے میں یہ ترتیب رکھی گئی ہے کہ پہلے حکم شدید تر۔۔۔ پھر۔۔۔ حکم شدید اور پھر حکم خفیف، بیان فرمایا گیا ہے۔۔۔ قصاص اور روزے میں ایک مناسبت یہ بھی ہے کہ قصاص میں نفسِ انسان کو حسی طور پر قتل کیا جاتا ہے، جبکہ روزے میں شہوت کو قتل کیا جاتا ہے۔ قصاص میں اگر معنوی طور پر اجسام کی حیات ہے تو روزے میں ارواح کی حیات ہے۔ روزہ ذہن کو پاکیزہ، دل کو مصفی اور بندوں کو فرشتہ خصلت بنا دیتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ روزہ دار روزہ کے جملہ حقوق ادا کرے۔
روزہ اگر چہ قصاص و وصیت کے مقابلے میں آسان ہے لیکن بعض دوسرے احکام کے پیش نظر یہ سخت بھی ہے۔ ہجرت کے ڈیڑھ سال اور تحویلِ قبلہ کے بعد ۱۰ شعبان کو روزہ فرض کیا گیا۔ روزہ سے پہلے زکوٰۃ اور زکوٰۃ سے پہلے، نماز فرض کی گئی۔ چونکہ احکام میں سب سے سہل اور آسان نماز ہے اسلئے اسکو پہلے فرض کیا گیا اور پھر اس سے زیادہ مشکل اور دشوار زکوٰۃ ہے، کیونکہ مال کو اپنی ملکیت سے نکالنا انسان پر بہت شاق ہوتا ہے، لہٰذا اس کو حکم نماز کے دل و دماغ اور عمل و کردار میں راسخ ہو جانے کے بعد فرض کیا گیا۔
نماز و زکوٰۃ کے احکام پر عمل جب ایمان والوں کی زندگی میں راسخ ہو گیا تو ان دونوں حکموں سے زیادہ سخت، روزے کا حکم نازل فرما دیا گیا۔ روزے میں چونکہ نفس کو کھانے، پینے اور عمل تزویج سے روکا جاتا ہے، اسلئے یہ انسانی نفوس پر بہت شاق اور دشوار ہے۔ روزے کی مشقت اور اسکی سختی کو کسی قدر ہلکا کر دینے کی غرض سے خطاب میں بہت ہی پیارا انداز اختیار فرمایا گیا ہے۔ اور مخاطبین کو 'ایمان والا' کہہ کر یاد کیا گیا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ

اے ایمان والو! فرض کیا گیا تم پر روزہ، جس طرح فرض کیا گیا

عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

ان پر جو تم سے پہلے تھے، کہ اب پرہیزگار ہو جاؤ●

یہ خطاب کہ (اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ) ایمان والوں کو ایسا سرور بخشتا ہے کہ وہ رب تعالٰی کی رضا کیلئے بڑی سے بڑی مصیبتوں کو گلے لگا لیتے ہیں اور صرف اسی خطاب پر اکتفاء نہیں فرمایا گیا بلکہ تسلی دینے کیلئے یہ بھی فرما دیا گیا، کہ اے ایمان والو تم پر جو روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے یہ کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ یہ فرض کیا جانا بالکل اسی طرح ہے (جس طرح فرض کیا گیا ان پر جو تم سے پہلے تھے)، حضرت آدم سے لیکر تمہارے زمانے تک کے سارے انبیاء اور ان کی ساری امتیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ اس عبادت کے فرض ہونے میں تم سے پہلی امتیں بھی تمہاری شریک ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز عام ہو جاتی ہے اس میں مشقت کا احساس بھی کم ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی روزے کا حکم نازل فرمانے میں جو حکمت ہے، وہ بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ دل اسکی طرف کامل طور پر راغب ہو جائے۔۔۔ الغرض۔۔۔ روزہ اسی لئے فرض کیا گیا ہے تا (کہ اب پرہیزگار ہو جاؤ) اپنے ذہن و فکر کو پاکیزہ کر لو اور اللہ تعالٰی کی صفات اور اسکی نعمتوں اور اپنی بری عادتوں اور کوتاہیوں میں غور و فکر کرو، تا کہ تمہیں ندامت حاصل ہو، توبہ کی توفیق ملے اور دل میں خوف خدا پیدا ہو، جسکی وجہ سے تم گناہوں سے بچو، دنیا کی رنگینیوں کو ترک کر دو، اور فرشتوں کے اوصاف سے متصف ہو جاؤ۔

أَيَّامًا مَّعْدُودَٰتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ

چند گنتی کے دن۔ پس جو تم میں سے بیمار ہو گیا، یا سفر پر ہے، تو شمار ہے

أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى ٱلَّذِينَ يُطِيقُونَهُۥ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن تَطَوَّعَ

دوسرے دنوں میں۔ اور ان پر جو طاقت رکھتے ہیں روزہ کی فدیہ ہے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا، تو جس نے نفل کی طرح

خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُۥ ۚ وَأَن تَصُومُوا۟ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

نیکی کی تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم سے کام لو●

پس تم روزہ رکھتے رہو ہر سال (چند گنتی کے دن) تم سے پہلوں پر بھی پورے سال کے روزہ فرض نہیں کئے گئے اور تم پر بھی پورے سال کا روزہ رکھنا فرض نہیں۔ ان کیلئے بھی سال میں چند ہی دن کے روزے فرض کئے گئے تھے اور تمہارے لئے بھی سال میں صرف رمضان شریف کے مہینے کے ۲۹ یا ۳۰ دن ہی کے روزے فرض کئے گئے اور پھر رب کریم کا کرم تو دیکھو کہ اسنے اپنے اس حکم میں بھی تمہارے مریضوں اور مسافروں کو ایک خاص رعایت بھی عطا فرمائی ہے۔

چنانچہ اس نے انہیں رخصت مرحمت فرماتے ہوئے فرمایا کہ (پس جو تم) مکلفین (میں سے بیمار ہوگیا) ایسا کہ روزے سے حاملہ، دودھ پلانے والی کو غلبہ ظن سے اپنی جان۔۔۔یا۔۔۔ اپنے بچے کی جان کا خوف ہو۔۔۔یا۔۔۔ مرض بڑھنے کا خوف ہو۔۔۔یا۔۔۔ تندرست آدمی کو غلبہء ظن، تجربہ علامات یا طبیب حاذق کے بتانے سے مرض پیدا ہونے کا خوف ہو۔۔۔یا۔۔۔ خادمہ کو ضعف کا خوف ہو۔۔۔(یا)۔۔۔ کوئی مکلف (سفر پر ہے) اور ایسا مسافر ہے جسے نماز قصر کی اجازت ہے، یعنی تین شب و روز کا سفر جو ۱/۲ ۵۷ میل اور کلومیٹر کے حساب سے ۹۲ کلومیٹر ہوتا ہے (تو) ایسے معذورین جو اپنے عذر کی بنا پر روزہ نہیں رکھ سکے ہیں وہ اپنے چھوڑے ہوئے روزوں کی پوری گنتی کرلیں، اور اس کو شمار کرلیں اور سمجھ لیں کہ ان کیلئے یہی (شمار ہے) اور یہی گنتی ہے (دوسرے دنوں میں) روزہ رکھنے کی۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ فرض روزے جتنے چھوٹ گئے، اتنے ہی روزوں کی دوسرے دنوں میں قضاء لازم ہے (اور ان پر جو طاقت کھو چکے ہیں) ایسے بوڑھے ضعیف جواز کار رفتہ ہو چکے ہیں، جنھیں ایک ہلکی مشقت بھی برداشت کرنے کی طاقت نہیں، ان کیلئے (روزے کی فدیہ ہے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا) یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو، وغیرہ کسی غریب کو دے دینا (تو جس نے نفل کی طرح) بطور نفل (نیکی کی) اور ایک مسکین کے بجائے دو۔۔۔یا۔۔۔ اس سے زیادہ مسکینوں کو فدیہ دے دیا۔۔۔یا۔۔۔ ایک مسکین کو جتنا دینا چاہئے تھا اسکو اس سے زیادہ دے دیا۔۔۔یا۔۔۔ فدیہ بھی دیا اور روزہ بھی رکھا (تو یہ اس کیلئے بہتر ہے) اسلئے کہ یہ سب کچھ اسکے اجر میں زیادتی کا سبب ہے۔

۔۔۔بایں ہمہ۔۔۔ جن جن حالات میں تم کو روزہ نہ رکھنے کی رخصت دی گئی ہے، اگر تم ان حالات میں مشقت اٹھا کر بھی روزہ رکھ سکو (اور) پھر روزہ رکھ لو تو یہ (روزہ رکھنا تمہارے لئے) دین و دنیا کی

صلاح وفلاح کیلئے (بہتر ہے)۔ اسکی بہتری کو سمجھ لینا تمہارے لئے دشوار نہیں (اگر تم علم سے کام لو) اور روزے کی دنیوی اوراخروی فوائد سے آگاہ ہو جاؤ۔ روزے کی فضیلت کا علم حاصل ہو جانے کے بعد فدیہ، خیر وخیرات اور قضاء وغیرہ، ہرایک سے بہتر تم روزہ رکھ لینے ہی کو قرار دو گے۔

آیت سابقہ کے ذریعہ روزے کی فرضیت کا حکم ظاہر کر دینے کے بعد اور یہ بتا دینے کے بعد کہ یہ فرضیت پورے سال کیلئے نہیں بلکہ گنتی کے چند دنوں کیلئے ہے، یہ بھی واضح فرما دیا کہ وہ کس مہینے کے دن ہیں۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى

مہینہ رمضان کا وہ کہ اتارا گیا جس میں قرآن، ہدایت انسانوں کیلئے اور روشن باتیں ہدایت

وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى

اور فیصلہ کی، تو جس نے پالیا تم میں سے اس مہینہ کو تو اسکے روزے رکھے، اور جو بیمار ہے یا بحالت سفر ہے،

سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

تو اسکے لئے شمار ہے دوسرے دنوں سے۔ چاہتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کو اور نہیں پسند فرماتا تمہارے لئے دشواری کو،

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اور اسلئے کہ مہینے کی گنتی پوری کر لو اور اللہ کی تکبیر بولو جو تمہاری ہدایت فرمائی، اور اب تو شکر گزار ہو جاؤ●

چنانچہ فرمایا گیا وہ (مہینہ رمضان کا) ہے، جس کے انتیس ۲۹ یا تیس ۳۰ دن کے روزے فرض کئے گئے ہیں۔

یہ ایسا مقدس مہینہ ہے جسکی پہلی رات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحائف، چھٹیں ۶ تاریخ کو توریت، تیرھویں ۱۳ تاریخ کو انجیل اور چوبیسویں ۲۴ تاریخ قرآن کریم نازل فرمایا گیا۔

ویسے پہلے مکمل قرآن کریم ایک ساتھ لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے 'بیت العزۃ' میں شب قدر میں نازل فرمایا گیا، پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا حکمت خداوندی اور مشیت الٰہی کے مطابق نبی کریم پہ اسکا نزول ہوتا جسکا سلسلہ ۲۳ سال تک چلتا رہا۔

نبی کریم پر قرآن کریم کے نزول کی ابتداء بھی رمضان شریف ہی میں ہوئی۔ کتب الٰہیہ کے نزول کے سبب ماہ رمضان شریف کو جو عظمت ملی ہے وہ اس بات کی متقاضی تھی کہ روزہ

جیسی عظیم عبادت، جس میں ریاء کا دخل نہیں، جسکا اجر خود رب کریم نے خاص طور پر اپنے ذمہ کرم میں رکھ لیا ہے۔۔۔بلکہ۔۔۔اپنی ذات ہی کو از راہ کرم روزے کا صلہ قرار دے دیا ہے، جو ایک طرف اگر بندے کی عبودیت و بندگی کی واضح نشانی ہے، تو دوسری طرف ان بشری علائق کے ازالے کا سبب قوی ہے جو انسانی قلب و روح میں انوار صمدیہ کے جلوہ افروز ہونے کیلئے رکاوٹ بنتے ہیں۔تو یہ نہایت مناسب بات رہی کہ ایسی عظیم عبادت کو ایسے عظیم مہینے کیلئے مخصوص کر دیا گیا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ یہ عظیم مہینہ (وہ) ہے (کہ اتارا گیا جس میں قرآن) جو (ہدایت) ہے سارے (انسانوں کیلئے)۔سارے انسانوں کو دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح، کمال و خوبی اور سعادت و فیروز بختی کا راستہ دکھانے والا ہے (اور) اتنا ہی نہیں بلکہ اس میں ایسی (روشن باتیں) ہیں، جو انسانوں کیلئے (ہدایت) کا راستہ ظاہر کر دیتی ہیں۔اور فوز و نجات کے طریقوں کو واضح کر دیتی ہیں (اور) ان کیلئے انکے ہر ہر شعبہ ء زندگی میں حق و باطل کے درمیان (فیصلہ) کر دینے (کی) واضح ہدایات ہیں، جو ان کے درمیان فرق کو نمایاں کر دیتی ہیں، اور ظاہر کر دیتی ہیں کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟۔۔۔سچ کیا ہے؟، جھوٹ کیا ہے؟۔۔۔ثواب کیا ہے؟۔۔۔خطاء کیا ہے؟۔۔۔مناسب کیا ہے؟ نامناسب کیا ہے؟ (تو جس نے پالیا تم) مکلفین (میں سے اس) رمضان شریف کے (مہینہ کو)، یعنی رمضان شریف کے چاند ہو جانے کا علم و یقین حاصل کر لیا ہو، خواہ اپنی رویت سے ۔۔۔یا۔۔۔ثبوت ہلال کے دوسرے شرعی طریقہ ہائے موجبہ میں سے کسی طریقے سے، اور حال یہ ہے کہ وہ مسافر نہیں ہے (تو) وہ (اس کے روزے رکھے) اسلئے کہ قرآن کریم ملنے والے اس مبارک مہینے کا ہر ہر لحہ اس لائق ہے کہ رب کریم کی شکر گزاری میں صرف کر دیا جائے اور اس کی بہترین صورت یہی ہے کہ دن میں روزہ رکھا جائے اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔نفس کی تربیت کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا صورت ہے۔

سابقہ آیت میں ایک گوشہ یہ بھی نکلتا تھا کہ اگر کوئی طاقت رکھتے ہوئے بھی روزہ نہ رکھے تو وہ اس کے بدلے میں فدیہ دے دیا کرے۔ایسی صورت میں زیر تفسیر آیت، اسکی ناسخ ہو جائیگی اور وہ فدیہ سے متعلق پہلا حکم منسوخ ہو جائیگا۔اور چونکہ وہاں مریضوں اور مسافروں کا بھی ذکر ہے تو ان سے متعلق جو حکم ہے کہیں اسے بھی منسوخ نہ سمجھ لیا جائے،

اس لئے ان دونوں کے ذکر کا اعادہ فرمایا گیا۔

(اور) ارشاد فرمایا گیا کہ (جو بیمار ہے یا بحالت سفر ہے تو اس کیلئے شمار ہے دوسرے دنوں سے)۔۔۔الغرض۔۔۔رمضان شریف میں بیماری یا مسافری کی وجہ سے جتنے روزے نہیں رکھ سکا ہے، ان اعذار کے ختم ہو جانے کی صورت میں دوسرے کسی مہینے میں ان سب روزوں کی قضا کر لے۔ (چاہتا ہے اللہ) تعالیٰ اپنی وسعت رحمت اور کمال رافت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے (تمہارے ساتھ آسانی کو) اسی لئے حالت سفر اور حالت مرض میں افطار یعنی روزہ نہ رکھنے کو مباح فرمادیا (اور نہیں پسند فرماتا تمہارے لئے دشواری کو) یہی وجہ ہے کہ مسافر و مریض کیلئے افطار کو فرض بھی نہیں قرار دیا کہ اگر روزہ رکھ لیں تو مجرم قرار پائیں اور ان روزوں کے اعادہ کی مشقت کا شکار ہو جائیں (اور) یہ بھی سمجھ لو کہ حالت سفر اور حالت مرض میں چھوڑے ہوئے روزوں کو دوسرے دنوں میں پورا کرنے کی جو ہدایت دی گئی ہے، (وہ اس لئے) ہے تا (کہ) تم (مہینہ کی گنتی پوری کرلو)۔ رمضان کے روزوں کو شمار کرلو کہ کتنے روزے چھوٹے۔۔۔یا۔۔۔رمضان کے دنوں کو شمار کرلو کہ عذر کے سبب کتنے دن افطار کیا اور روزہ نہیں رکھا (اور) صرف یہی نہیں بلکہ رمضان شریف کے روزوں سے فارغ ہوکر ہلال عید کی رویت سے لیکر نماز عید سے واپسی تک (اللہ کی تکبیر بولو) اور اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ کہتے رہو، اس نعمت کے بدلے (جو) اس نے تمہیں عطا فرمائی اور روزے کے تعلق سے اہم اور ضروری احکام کا تمہیں علم دے دیا تا کہ تم مریض و مسافر ہونے کی صورت میں بھی روزے کے انوار و برکات سے بالکلیہ محروم نہ رہ جاؤ۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔اس نے واضح طور پر (تمہاری ہدایت فرمائی اور) رخصیں و مراعات کا قانون دیکر تم پر احسان فرمایا کہ (اب تو شکر گزار ہو جاؤ) اور اس محسن حقیقی کی کامل اطاعت اور اسکے محبوب ﷺ کی مخلصانہ پیروی کیلئے تیار ہو جاؤ اور اچھی طرح یقین کرلو کہ تمہارا ماہ رمضان میں روزہ رکھنا، اسکی گنتی کی حفاظت کرنا، اسکی راتوں میں جاگنا، اس میں رب تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنا، اسکی عظمت و بڑائی بیان کرتے رہنا، اور اسکا شکر ادا کرنا، رب تعالیٰ تمہارے ان جملہ حالات سے باخبر ہے، تمہارے ذکر و شکر پر مطلع ہے، تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہاری دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ

اور جب پوچھیں تم سے میرے بندے مجھے، تو بیشک میں نزدیک ہوں، پکارنے والے کی دعا قبول فرماتا ہوں جب بھی

اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝

مجھے پکارے۔ تو ان کا کام ہے کہ میرے فرمان کی تعمیل کرتے رہیں اور مجھ پر ایمان لے آئیں کہ اب تو نیک ہوں●

(اور) بکمال لطف وکرم اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے، کہ اے محبوب تمہارے صحابہ اگر تم سے یہ سمجھنا چاہیں کہ ہم اپنے رب کو کیسے یاد کریں۔۔۔یا۔۔۔تم سے سوال کرنے والے اعرابی کی طرح کوئی یہ پوچھ لے کہ کیا ہمارا رب ہم سے قریب ہے۔۔۔یا۔۔۔بعید ہے۔ قریب ہونے کی صورت میں ہم اس سے راز دارانہ انداز میں مناجات کریں اور دور ہونے کی صورت میں بلند آواز سے معروضات پیش کریں۔۔۔الختصر۔۔۔(جب پوچھیں تم سے میرے بندے مجھے) میری صفات کے بارے میں۔۔۔یا۔۔۔وقت دعا ان کے ساتھ میرا کیا معاملہ ہوگا، اس کے تعلق سے (تو) تم میری طرف سے جواباً کہہ دو کہ رب کریم ارشاد فرماتا ہے [illegible] اعتبار سے، (میں) اپنے بندوں سے [illegible] ہوں، کوئی کہیں سے بھی مجھے [illegible] ہوں) پکارنے والا [illegible] دعا قبول [illegible]

۔۔۔خواہ۔۔۔بندے نے جو مانگا، وہی عطا فرما کر۔۔۔خواہ۔۔۔اسکا نعم البدل دے کر، جس میں بندے کیلئے بہتری ہو۔۔۔خواہ۔۔۔اس دعا کو بندے کے حق میں توشۂ آخرت بنا کر، جو قیامت کی مشکل گھڑی میں کام آئے۔۔۔الغرض۔۔۔بندے کی دعا کسی حال میں بھی ضائع نہیں کی جاتی (تو) ان بندوں کی بھی ذمہ داری ہے اور (ان کا) بھی یہ، (کام ہے کہ) وہ (میرے فرمان کی تعمیل کرتے رہیں اور مجھ پر ایمان لے آئیں کہ اب تو نیک ہوں) دل کی سچائی کے ساتھ مجھے مانیں اور جب میں انہیں ایمان واطاعت کیلئے بلاؤں تو وہ اسے قبول کریں، جیسے کہ میں انکی بات مانتا ہوں جبکہ وہ اپنے مقاصد کیلئے مجھے پکارتے ہیں، حالانکہ میں غنی اور بے پرواہ ہوں۔

بندوں میں تو روزہ دار بندوں کا ایک مخصوص مقام ہے جنکی دعاؤں کیلئے درِ اجابت کھلا ہی رہتا ہے۔ روزہ داروں پر رب کریم کے فضل خاص کا سایہ ہے۔ شروع میں جو ان کیلئے

پابندیاں تھیں، اس میں کمی کر دی گئی۔ ابتداءِ اسلام میں دستور تھا کہ روزہ میں شام کے وقت افطار کا کھانا پینا اور جماع وغیرہ صرف عشاء کی نماز تک جائز تھا۔۔۔یا۔۔۔جب تک نیند نہ آتی، اسکے بعد کھانا پینا، جماع وغیرہ حرام ہو جاتا۔ جب عشاء کی نماز پڑھی جاتی۔۔۔یا۔۔۔کوئی سو جاتا، تو اس پر کھانا پینا اور جماع آئندہ شام تک کیلئے حرام ہو جاتا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ بعض صحابہ کرام خواہش نفسانی کے غلبہ کے سبب صبر نہ کر سکے اور جس وقت ان کیلئے مباشرت حرام تھی، وہ اسکا ارتکاب کر بیٹھے، فوراً ہی غلطی کا احساس ہوا، سب مضطرب و بے چین ہو کر توبہ و استغفار کرنے لگے، پھر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا، سرکار نے بھی اس عمل کو نامناسب قرار دیا۔ ایسے وقت میں رب کریم نے اپنے فضل و کرم سے سابقہ حکم کو منسوخ فرمایا اور رخصت عطا فرمائی۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ

حلال کر دیا گیا تمہارے لئے روزوں کی رات کو اپنی عورتوں کے پاس جانا۔ وہ لباس ہیں تمہاری اور تم لباس ہو انکے۔

لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ

جان چکا تھا اللہ کہ بیشک تم خیانت کر رہے تھے خود اپنی، تو توبہ قبول فرمائی تم پر اور معاف فرما دیا تم سے۔

فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ

پس اب صحبت کرو ان سے اور خواہش کرو اسکی جو اللہ نے مقدر فرما دیا ہے تمہارے لئے۔ اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ

لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ

ظاہر ہو جائے تمہارے لئے آسمان کا سفید ڈورا، سیاہ ڈورے سے پو کے پھٹنے سے، پھر پورا کرو روزوں کو

إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ

رات تک، اور نہ صحبت کرو بیبیوں سے جب کہ تم اعتکاف کر رہے ہو مسجدوں میں۔ یہ قانون الٰہی کی سرحدیں ہیں،

فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

تو ان کے قریب نہ جاؤ۔ اسی طرح ظاہر فرماتا ہے اللہ اپنی نشانیوں کو لوگوں کیلئے کہ اب تو ڈریں ●

چنانچہ ارشاد فرمایا (حلال کر دیا گیا) اے روزہ دارو! (تمہارے لئے) تمہارے بشری تقاضوں کے پیش نظر (روزوں کی رات کو اپنی عورتوں کے پاس جانا) اسلئے کہ ایک جگہ اکٹھے رہنے کی صورت

میں اس عمل سے اپنے کو بچالینا بہت مشکل ہے اور صورت حال یہ ہے کہ تمہیں اکٹھا رہنا ہی ہے، کیونکہ (وہ لباس ہیں تمہاری اور تم لباس ہو انکے) بوقت جماع ایک دوسرے پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ---یا--- اسلئے کہ ایک دوسرے کا حال چھپاتے ہو---یا--- اسلئے کہ ایک دوسرے کو غلط کاری سے بچاتے ہو، اور ایسی خرابیوں سے ایک دوسرے کو محفوظ رکھتے ہو جنکا صدور انکے نا مناسب ہے ---یا--- اس لئے کہ تم دونوں ایک دوسرے کا سکون ہو۔

ان حالات میں اے روزہ داروں تمہارے لئے، روزہ کی راتوں میں یہ رخصت ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ تم سے جو غلطی ہوگئی، وہ علم الٰہی سے باہر نہیں تھی بلکہ اپنے علم ازلی سے (جان چکا تھا اللہ) تعالیٰ (کہ بے شک تم خیانت کررہے تھے خود اپنی) اپنے مالک سے معاہدہ کرلینے کے بعد، تمہاری یہ خفیہ نافرمانی خود تمہارے لئے ہی نقصان دہ تھی۔ اپنے نفسوں پر ظلم کرکے انہیں عذاب الٰہی کا مستحق بنانا، رمضان کی راتوں میں جماع کرکے نفس کے ثواب کو گھٹانا، ان سب میں نفس کا خود اپنا ہی تو خسارہ ہے (تو) رب کریم نے کرم فرمایا اور رجوع برحمت ہوا اور (توبہ قبول فرمائی تم پر اور عفو فرمادیا تم سے) معاف فرمادیا، اس خیانت کو جو تم سے سرزد ہوئی اور روزے کی راتوں میں مفطرات کے ارتکاب کی رخصت عطا فرمادی۔ (پس اب) اگر چاہو تو روزے کی راتوں میں بھی (صحبت کروان سے) ایسی پاکیزہ صحبت، جس میں صرف قضاء شہوت کی نیت نہ ہو (اور) اچھی طرح یہ سمجھ لو کہ شہوت کی تخلیق اور نکاح کی مشروعیت میں ایک حکمت یہی ہے کہ اولاد بڑھے اور نسل انسانی میں اضافہ ہو، نہ کہ صرف شہوت رانی۔

اسی لئے حضور آیہ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نکاح کرکے نسل انسانی بڑھاؤ اور انسانی افراد کی کثرت کرو تاکہ میں تمہاری وجہ سے امتوں پر فخر کرسکوں تو (خواہش کرو) طلب کرو، دعا کرو (اس کی جو) لوح محفوظ میں (اللہ) تعالیٰ (نے) لکھ دیا ہے اور (مقدر فرمادیا ہے تمہارے لئے) اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کرو اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مَا کَتَبْتَ لَنَا اے اللہ تو نے اپنے کرم سے ہمارے مقدر میں جو اولاد لکھ دی ہے، وہ ہمیں عطا فرما۔

اب اگر تمہارے مقدر میں اولاد نہیں ہے تو ایسی صورت میں بھی رب تعالیٰ کی رحمت سے امید لگائے رکھو، وہ اس دعا کی برکت سے تمہیں اس کا نعم البدل عطا فرمائیگا---یا--- اس دعا کو

تمہارے لئے توشہ آخرت بنادیگا (اور) اچھی طرح یاد رکھو کہ جس طرح روزے کی راتوں میں اپنی بیویوں سے صحبت تمہارے لئے مباح فرمادی گئی ہے، اسی طرح ازراہِ کرم تمہیں ان راتوں میں کھانے پینے کی بھی چھوٹ دے دی گئی ہے تو (کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے تمہارے لئے آسمان کا سفید ڈورا) یعنی وہ سفیدی جو صبح صادق کے آغاز میں ظاہر ہوتی ہے اور باریک دھاگے کی طرح ابتداءً پھیلتی ہے (سیاہ ڈورے سے) یعنی رات کی اس سیاہی سے جو دن کے غروب ہونے کے بعد سپیدی میں ملکر آسمان میں پھیل جاتی ہے، اسلئے کہ جب صبح صادق کا آغاز ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سفید دھاگہ افق آسمان میں پھیلا ہوا ہے اور اس میں شک نہیں کہ صبح صادق کے وقت رات کی سیاہی سپیدی میں ملی ہوئی ہوتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سیاہی سپیدی میں ہے اور سپیدی سیاہی میں، اسلئے کہ صبح کا نور رات کی اندھیریوں کو چیر کر نکلتا ہے (پو کے پھٹنے سے) یعنی صبح کے عمود کے انشقاق سے (پھر پورا کرو روزہ کو) اور دن کے تمام اجزاء میں کھانے پینے اور جماع سے رک جاؤ (رات) کے داخل ہونے کے وقت (تک)، یعنی سورج کے پوری طور پر چھپ جانے کے بعد تاکہ کوئی گمان نہ کرے کہ سورج غروب ہوا یا نہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ سورج کے چھپ جانے کا پورا اطمینان کر لینے کے بعد افطار کرو۔ یہ بھی خیال رہے کہ روزہ صرف کھانے پینے وغیرہ سے رک جانے کا نام نہیں، بلکہ اس کے ساتھ نیت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

روزوں کی راتوں میں مذکورہ بالا رخصت کو دیکھ لینے کے بعد یہ گمان ہو سکتا تھا کہ اعتکاف کا حال بھی روزے کی طرح ہوگا۔۔۔ بایں معنی۔۔۔ کہ اپنی عورت سے جماع کو دن کو تو حرام ہو، لیکن رات کو جائز ہو۔ اسکی وضاحت فرمائی کہ اعتکاف والے کو جس طرح دن کو بھی حرام ہے، اسی طرح رات کو بھی۔

۔۔۔ چنانچہ فرمایا (اور نہ صحبت کرو بیبیوں سے جبکہ تم اعتکاف کر رہے ہو مسجدوں میں)۔

اس حکم سے پہلے مسجدوں میں بعض اعتکاف کرنے والوں کو جب جماع کی خواہش ہوتی، تو مسجد سے نکل کر اپنی عورت سے جماع کر لیتا اور غسل کر کے مسجد میں لوٹ جاتا۔ اس آیت کے بعد مسلمان اعتکاف کی حالت میں جماع سے روک دئے گئے۔ ویسے بھی یہ سمجھنے کی بات ہے کہ اعتکاف شریعت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اسکے تقرب کیلئے مسجد میں ٹھہرنے کو کہتے ہیں۔
نیت کے اخلاص کے ساتھ اعتکاف سے قلب، ماسوی اللہ سے فارغ ہو جاتا ہے۔

معتکف کے شر سے دوسرے اور دوسروں کے شر سے معتکف محفوظ ہو جاتا ہے۔ معتکف کو نفس کشی نصیب ہوتی ہے، دنیا سے اعراض کا سبق ملتا ہے۔ اعتکاف طریق صدق اور اخلاص کا پہلا باب ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات کا قرب حاصل ہوتا ہے، توکل الی اللہ کی دولت نصیب ہوتی ہے، قناعت پر راضی رہنے کا درس ملتا ہے، تنہا رہنے والا لوگوں کے لڑائی جھگڑے سے بچ جاتا ہے اور بہت سارے وہ گناہ جو کہ عام طور پر اختلاط سے صادر ہوتے ہیں، ان میں مبتلا نہیں ہوتا۔

اللہ کے گھر میں ایسی پاکیزہ حضوری جس میں معتکف اللہ تعالیٰ کے گھر میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے، اے میرے مولیٰ میں تیرے در سے اس وقت تک نہیں جاؤنگا جب تک میرے گناہ بخش نہ دیئے جائیں۔ ایسے پاکیزہ خیالات کب اس بات کے متحمل ہونگے، کہ ان کے ساتھ نفسانی وشہوانی خواہشات کی بھی آمیزش ہو جائے؟

اب تک روزہ اور اس کے متعلقات کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے (یہ قانونِ الٰہی کی سرحدیں ہیں) اور حق وباطل کے درمیان کی حد فاصل (تو) ان حدود کے آگے قدم بڑھانا اور اس سے تجاوز کر جانا تو بڑی بات ہے (ان کے قریب) بھی (نہ جاؤ)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے احکام حدود مشروع فرمائے، تاکہ وہ حق وباطل کے درمیان آڑ بنیں اور اسلئے کہ ان حدود کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت اور ان حدود سے تجاوز کرنے سے بچ جائے (اسی طرح) کا واضح بیان جسے تم نے پڑھا اور سنا (ظاہر فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (اپنی نشانیوں) اپنے امر و نہی، وعدہ وعید (کو) تمام عام (لوگوں کیلئے) تا (کہ اب تو ڈریں) اور دین کے دلائل اور احکام کے نصوص سے ہدایات حاصل کر کے پرہیزگاری اختیار کریں۔ اپنے کو محرمات شرعیہ سے بچائیں اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کریں، بلکہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔

آیت سابقہ میں جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دیدی کہ وہ اپنے دین کے احکام کو کھول کر واضح طور پر بیان فرماتا ہے، تاکہ لوگ اس کے اوامر کی بجا آوری اور منہیات سے اجتناب کر کے پرہیزگاری اختیار کرلیں، تو اب وہ آگے کی آیت کریمہ میں غلط اور باطل طریقے سے اموال مسلمین کے کھانے کا حکم ظاہر فرما رہا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ کسی مسلمان کیلئے حلال نہیں ہے کہ اپنے مسلمان بھائی کا مال اسکی مرضی کے خلاف غلط طریقے سے حاصل کر کے کھائے۔ آگے چل کر باطل طریقے سے حاصل کرنے کی جتنی قسمیں ہیں، اس

میں سب سے زیادہ بدتر جو قسم ہے اسکو ظاہر فرما دیا اور وہ ہے حاکموں اور قاضیوں کو رشوت دیکر اپنے حق میں ناحق فیصلہ کرانا۔۔۔ الغرض۔۔۔ احکام الٰہیہ کو واضح طور پر بیان کر دینے کی حکمت یہ ہے کہ تم ان پر عمل کر کے پرہیزگاری اختیار کرو۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا

اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا اور نہ اس کا مقدمہ لے جاؤ حکام تک

فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾ ع ۷

بایں غرض کہ لوگوں کا کچھ مال ناحق کھالو، جان بوجھ کر●

(اور نہ کھاؤ اپنے آپس کے مال کو بے جا) غصب کر کے، چوری کر کے، چھین کر، جھوٹی قسم کھا کر، جوا کھیل کر، رشوت دے کر، کاہن کے پاس جا کر، لہو ولعب کا مظاہرہ کر کے، نوحہ کر کے، غلط حیلوں سے، خیانت کر کے اور مختلف ناجائز اور باطل طریقوں سے۔

تم حاکم کے پاس جھوٹی قسم کھا کر اور چالاکی سے حجت قائم کر کے اپنے حق میں فیصلہ تو کرا لو گے اور حاکم تمہارے حق میں فیصلہ کر بھی دے گا، لیکن اگر حقیقت میں اس پر تمہارا حق نہیں تھا، بلکہ اسکا صحیح حقدار تمہارا مقابل تھا، تو یقین کر لو کہ حاکم تمہیں تمہاری چیز نہیں دے رہا ہے، بلکہ آگ کا ٹکڑا دے رہا ہے، جو تمہاری آخرت کو خاکستر کر دیگا۔

تم پر لازم ہے کہ اپنے معاملات میں حق وانصاف کو ملحوظ خاطر رکھو، (اور) غلط اور ناحق طریقے سے **(نہ اس کا مقدمہ لے جاؤ حکام تک بایں غرض کہ لوگوں کا کچھ مال)** حاکم کو رشوت دے کر، اس سے جھوٹ بولکر، اسکے سامنے جھوٹی گواہی دے کر، **(ناحق کھالو)**، وہ بھی **(جان بوجھ کر)** اسلئے کہ تمہیں تو بخوبی معلوم ہے کہ سچائی کیا ہے؟ اور تم جس پر اپنا حق جتا رہے ہو اس پر تمہارا کوئی حق نہیں۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ اپنے مقدمات ایسے حکمرانوں کی طرف مت لے جاؤ جنکا کام ظلم کرنا ہو اور رشوت لے کر غلط فیصلہ کرنے کی جنکی عادت ہو۔ اور یاد رکھو گناہ کو گناہ جانتے ہوئے اسکا ارتکاب بہت زیادہ قبیح ہے۔ دنیا میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔ حلال۔ ﴿۲﴾۔۔۔ حرام۔ ﴿۳﴾۔۔۔ مشتبہ۔

'حلال' ثواب کا موجب ہوتا ہے، 'حرام' سزا کا مستحق بناتا ہے اور 'مشتبہ' عتاب کا سبب

بنتا ہے۔ [redacted]
اجتناب کریں۔ اور نبی کریم سے انہی احکام شرعیہ کے تعلق سے سوال کریں جنکا بیان کرنا نبی کا منصب اور فرائض نبوت میں داخل ہے، جنکا جواب نبی کے سوا کوئی نہ دے سکے۔ رہ گئے علم ہیئت، علم نجوم اور علم الافلاک کے مسائل کا بیان کرنا نبی کا منصب نہیں۔ ان کو سمجھنے کیلئے انسانی عقل وشعور کو آزاد کردیا گیا ہے۔ اوران کو اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ، اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ اور اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ کے پیغام جانفزا سنادیا گیا ہے۔ نبی سے ان امور کے بارے میں سوال کرو جہاں انسانی عقل وادراک کی رسائی ناممکن ہو۔ اب چونکہ آیاتِ سابقہ میں روزے کا حکم اور ماہِ رمضان کا ذکر آچکا ہے اور 'صُوْمُوْا لِرُؤْیَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْیَتِهٖ' کے ارشاد کے پیش نظر صوم وافطار کے بیان سے ہلال کی بحث کو ایک طرح کی مناسبت ہے تو۔۔۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ

تم سے پوچھتے ہیں چاند کی مختلف شکلوں کے بارے میں، کہہ دو یہ لوگوں کیلئے اور حج کیلئے تاریخ کی پہچان ہے۔

وَلَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ

اور نہیں ہے نیکی اس میں کہ گھروں میں آؤ پچھواڑے سے، ہاں نیکی اس کی ہے جس نے پرہیزگاری کی،

وَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اور آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے، اور اللہ سے ڈرو کہ اب کامیابی پاؤ●

اے محبوب اب اگر تمہارے بعض صحابہ۔۔۔یا۔۔۔بعض دوسرے لوگ تمہارے بعض صحابہ کے توسط سے (تم سے پوچھتے ہیں چاند کی مختلف شکلوں کی بارے میں)، کبھی بڑھتا ہے، کبھی گھٹتا ہے، کبھی باریک لکیر کی طرح نظر آتا ہے، کبھی موٹی لکیر کی طرح اور کبھی پورا دکھائی دیتا ہے اور کبھی آدھا ۔۔۔الغرض۔۔۔اس کی کیفیت اور حقیقت کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو جواباً ان پر واضح کردو کہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے سے تمہارے دینی اور دنیاوی کاموں کی جو غرض متعلق ہوتی ہے، تمہیں صرف اس سے سروکار رکھنا چاہیے۔۔۔چنانچہ۔۔۔ان سے (کہہ دو یہ لوگوں کیلئے اور حج کیلئے تاریخ کی پہچان ہے)۔ اسلام کے بہت سے احکام اس کے طلوع پر موقوف ہیں۔۔۔مثلاً: قربانی اور حج، عید الفطر اور رمضان، عدت وفات کی گنتی، چار ماہ، دس دن، اور جسکے حیض کی مدت تین ماہ ہو اور زکوٰۃ کی ادائیگی

کیلئے ایک سال کا تعین، ایلاء کیلئے چار ماہ کا تعین، کفارہ کے روزے رکھنے کیلئے، دو ماہ کا تعین، ان تمام امور میں مدت کا تعین ہلال کے طلوع سے ہوتا ہے، یہ تو دین کے احکام ہیں اور دنیا کے احکام میں ۔۔۔مثلاً: چار ماہ بعد کسی کو قرض کی ادائیگی کرنی ہو یا اسی طرح کا کوئی اور معاملہ ہو۔

اس مقام پر یہ غور کرنا چاہئے کہ سوال کرنے والوں کو جو سوال کرنا چاہئے تھا، وہ نہیں کیا بلکہ ایک غیر ضروری سوال کر بیٹھے اور ہلال کی حقیقت کے بارے میں پوچھ بیٹھے۔ پوچھنا تھا تو یہ پوچھتے کہ جنھوں نے اپنی ذاتی سوچ کی بنیاد پر یہ اصول بنالیا تھا کہ حج کی واپسی میں دروازے سے اپنے گھر میں داخل نہیں ہوتے تھے، بلکہ پیچھے کے راستے سے داخل ہوتے تھے۔ اگر پیچھے راستہ نہ ہوتا تو فوری طور پر دیوار توڑ کر بنا لیتے اور اس عمل کو وہ بہت بڑی نیکی تصور کرتے تھے۔ اپنے اس نامناسب عمل کے بارے میں نہیں پوچھا کہ آخر یہ نیکی ہے بھی یا نہیں؟ گویا انھوں نے اپنے اس عمل کے تعلق سے سوال کرنے کو اہمیت نہیں دی اور ایک نا مناسب اور غیر ضروری سوال کر بیٹھے۔ ہلال کی حقیقت کے تعلق سے ان کا سوال اگر انکا ایک نامناسب قول تھا، تو حج کی واپسی پر گھر میں دروازے سے نہ داخل ہونے کو نیکی قرار دینا انکا نامناسب فعل تھا۔

اس نامناسب عمل کو انجام دینے والے (اور) انجام نہ دینے والے دونوں سن لیں (نہیں ہے نیکی اس میں کہ گھروں میں آؤ پچھواڑے سے، ہاں نیکی اس کی ہے) اور نکوکار وہ ہے (جس نے پرہیزگاری کی)، شریعت محمدیہ کی پاس داری کی، تو اپنی طبیعت سے بنائے ہوئے قانون کو چھوڑ دو (اور آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے اور اللہ سے ڈرو)۔ اپنی زندگی رسول کریم کی ہدایت کے مطابق گزارو تا (کہ آپ) اپنے تقویٰ و پرہیزگاری کے سبب دنیا و آخرت میں سرخروئی اور (کامیابی پاؤ)۔

اس سے پہلے روزے کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ اب جہاد کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ روزہ اور جہاد میں یک گونہ مناسبت ہے۔ دونوں میں دنیا کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ [redacted] روزے اور جہاد کے ایک ساتھ آگے پیچھے ذکر کرنے کی ایک دوسری مناسبت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اصل اور اہم عبادت میں سے بعض کی ادائیگی کیلئے اوقات مخصوصہ مقرر ہیں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اور بعض اہمات عبادت کی ادائیگی کیلئے کوئی مخصوص وقت مقرر نہیں ہے، جیسے جہاد اور ذکر۔ پہلے عبادات موقتہ کا ذکر فرمایا۔ اب عبادات غیر موقتہ میں سے جہاد کا ذکر شروع فرمایا۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا

اور لڑو اللہ کی راہ میں جو تم سے لڑیں اور کوئی زیادتی نہ کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ۝

بیشک اللہ پسند نہیں فرماتا زیادتی کرنے والوں کو●

(اور) ان مظلوموں اور ستم رسیدوں کو طاقت کا جواب طاقت سے دینے کی اجازت مرحمت فرمائی، جن پر بارہ تیرہ برس مسلسل ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے رہے اور تسلیم و رضا کے مجسمے خاموشی سے برداشت کرتے رہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ فرمایا (لڑو اللہ کی راہ میں) اعلاء کلمۃ الحق اور دین کے غلبہ و اعزاز کیلئے ان سے (جو تم سے لڑیں)۔ تمہاری لڑائی، لوٹ مار، تجارتی اور صنعتی رقابت، وطنی یا نسلی عداوت و تعصب یا اس طرح کے سفلی مقاصد کیلئے نہیں ہونی چاہئے، بلکہ تمہاری لڑائی صرف حق کی سربلندی ہی کیلئے ہو، اور وہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ ہو جو تمہارے ساتھ جنگ کر رہے ہوں اور تم پر یلغار کرنے کیلئے پر تول رہے ہوں (اور) ایسوں پر بھی (کوئی زیادتی نہ کرو) ایسا نہ ہو کہ انتقام کے جوش میں جذبات پر قابو نہ رکھ سکو اور جنگ میں نہ شریک ہونے والے بوڑھوں، کسانوں، مزدوروں، راہبوں، عورتوں، بچوں، اپاہجوں کو بھی قتل کرنے لگو۔۔۔ الغرض۔۔۔ جنگی حالات میں بھی تمہیں عدل و انصاف کا پاس و لحاظ رکھنا ہوگا۔

[redacted] اور اولاً تم پر لازم ہے کہ جنگ میں ابتداء نہ کرو اور جب جنگ شروع ہو ہی جائے تو مذکورہ بالا بے قصوروں پر ہاتھ نہ اٹھاؤ اور جس مقابل کو تم قتل کر دو اسکا بھی مثلہ نہ کرو اور اس کی ناک کان وغیرہ نہ کاٹو۔ اسلئے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (پسند نہیں فرماتا) اس طرح کی (زیادتی کرنے والوں کو) [redacted]

وَاقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ

اور ان کو مار ڈالو جہاں پا جاؤ ان کو، اور نکال دو جہاں سے نکالا تھا تم کو، اور ان کا فتنہ زیادہ سخت ہے

مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ

مارڈالنے سے۔ اور نہ لڑو ان سے مسجد حرام کے پاس یہاں تک کہ تم سے لڑنے کی ابتدا حرم میں وہ کر گزریں

فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۝

تو اگر وہ خود تم سے لڑ پڑے تو مار دو ان کو، یہی سزا ہے کافروں کی●

معاہدہ حدیبیہ کے مطابق زیارت کعبہ کے لئے جانے والے مسلمانو، اپنے دل میں یہ خیال بھی نہ لاؤ کہ اگر بالفرض کفار مکہ نے عہد شکنی کر کے ہم پر حملہ کر دیا تو ہم حالت احرام میں حدود حرم میں ان سے کیونکر جنگ کر سکیں گے، اسلئے کہ کعبہ کا مالک تم کو اجازت دیتا ہے کہ اگر وہ آمادہ جنگ ہوں (اور) تمہارے سامنے لڑنے کیلئے آجائیں تو تم (ان) مشرک قریشیوں (کو مار ڈالو جہاں) بھی (پاجاؤ ان) ظالموں اور عہد شکنوں (کو) اس صورت میں ان کی کوئی رعایت نہ کرو۔ (اور نکال دو) تم انہیں اپنے اس شہر مکہ سے (جہاں سے) خود انھوں نے (نکالا تھا تم کو) ان کافروں کا تمہارے غریبوں اور کمزوروں کو دین سے برگشتہ کرنے کیلئے سخت ترین سزائیں دینا، اور یہ کوشش کرنا کہ وہ اپنے پسندیدہ عقائد سے جن کی صداقت اور سچائی پر انہیں پورا یقین ہے باز آجائیں، یہ قتل سے بھی زیادہ خوفناک جرم ہے۔ (اور ان) ظالمین (کا) یہ ظلم اور (فتنہ زیادہ سخت ہے مار ڈالنے سے)۔

دیسے اے مسلمانو تم یہ بھی سمجھ لو کہ جب تم انہیں ان کے وطن شہر مکہ سے نکال دو گے تو یہ چیز خود ان پر موت سے زیادہ گراں ثابت ہوگی۔ ہر وہ تکلیف جو آئے تو لوگ موت کی دعا مانگنے لگیں، موت سے زیادہ سخت ہوتی ہے۔۔۔ یونہی۔۔۔ اگر دیکھا جائے ان کا غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرانا بدتر ہے، ان کے قتل ہو جانے سے۔ جہاں ان کو پاؤ قتل کر دو، کے حکم قرآنی سے تو ظاہر یہی ہوتا ہے کہ حل و حرم میں کہیں بھی مشرکین کو قتل کیا جائے وہ جائز ہے۔

لیکن مسلمانو حرم شریف کی حرمت کو ملحوظ خاطر رکھو (اور نہ لڑو) قتال نہ کرو، (ان) مشرکین (سے) عزت و حرمت والی (مسجد حرام کے پاس) پورے حرم شریف میں تمہاری طرف سے قتال میں ابتدا نہیں ہونی چاہئے (یہاں تک کہ تم سے لڑنے کی ابتداء حرم میں وہ) مشرکین ہی (کر گزریں تو اگر وہ خود تم سے لڑ پڑے تو مار دو ان کو) اور قتل کر دو (یہی) واجبی (سزا ہے کافروں کی) یعنی ان کے ساتھ وہی کیا جائے جو انھوں نے اپنے غیروں سے کیا۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ حرمت والے مہینوں میں حرم شریف کے سوا کہیں بھی ان سے قتال کیا

جاسکتا ہے۔ ہاں حرم شریف میں اسی صورت میں قتال کی اجازت ہے، جبکہ کفار حرم شریف کی حرمت کو پامال کر کے خود ہی قتال شروع کردیں اور بیت اللہ شریف میں بھی تمہارے ساتھ لڑنے لگ جائیں، تو تم بھی ان سے لڑو اور یہ پرواہ نہ کرو کہ بیت اللہ تو امن کی جگہ ہے، ہم کیسے لڑیں؟ اسلئے کہ یہاں کی لڑائی، بیت اللہ کی ہتک [illegible] کیا ہے۔ لہٰذا اب وہ سخت سے سخت عذاب کے مستحق ہیں اور [illegible] کہ تم انہیں جہاں پاؤ، مار ڈالو۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

پھر اگر باز آگئے تو بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(پھر اگر) وہ کافرین ومشرکین اپنے کفر وشرک سے (باز آگئے) اور جنگ سے رک جائیں (تو بیشک اللہ) تعالیٰ ان کی سابقہ سرکشیوں زیادتیوں کو (بخشنے والا) ہے اور ان کی توبہ وایمان کو قبول فرما کر ان پر (رحمت) فرمانے (والا ہے)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔صرف جنگ روک دینے سے وہ مغفرت ورحمت کے مستحق نہیں ہوتے۔ اس سے وہ صرف مسلمانوں کی جوابی کاروائی سے محفوظ ہوجاتے ہیں۔ رہ گیا مغفرت و رحمت کا استحقاق، تو اس کیلئے توبہ وایمان ضروری ہے۔ مسلمانو تم ہر اس مشرک اور کافر کے خلاف جو دعوت اسلام کو مسترد کردے اور اسلامی نظام کو برپا کرنے کی مہم میں مزاحم ہو، جہاد کرتے رہو۔

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ

اور ان کو مارو یہاں تک کہ نہ رہ جائے کوئی فتنہ اور سب کا دین اللہ کے واسطے ہو جائے۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

پس اگر وہ باز آگئے تو زیادہ سختی نہیں ہے مگر ظالموں پر●

(اور ان کو مارو) نیست ونابود کردو (یہاں تک کہ نہ رہ جائے) شہر مکہ میں (کوئی فتنہ) ۔۔۔الغرض۔۔۔دین کے معاملہ میں مداخلت اور جبر کرنے کی قوت ٹوٹ جائے اور ہر شخص آزادی سے

دینِ حق کو قبول کر سکے اور فتنۂ شرک کا بالکلیہ خاتمہ ہو جائے (اور سب کا دین اللہ) تعالیٰ (کے واسطے ہو جائے)، جس میں کوئی شیطانی مداخلت نہ ہو اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی پرستش کی جائے۔ (پس اگر وہ) مشرکین اپنے کفر و شرک سے (باز آگئے) اور اسلام قبول کر لیا (تو) اب ان سے جنگ نہ کرو اور ان کو قتل کرنے سے رک جاؤ، اسلئے کہ ان کے تعلق سے جو سخت احکام دئے گئے تھے، یہ ان کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے تھے اور عدل و انصاف کے تقاضے تھے۔ رہ گیا (زیادہ سختی) والا حکم تو وہ (نہیں ہے **مگر ظالموں پر**) اور اب جب وہ ایمان لا چکے تو اب ظالم ہی کہاں رہے۔

مسلمانو! سابقہ آیات میں کفار کے تعلق سے تم کو 'جیسے کو تیسا' والے اصول کو اپنانے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سال حدیبیہ میں کفار کی طرف سے جو کچھ ہوا کہ انہوں نے ماہ ذی القعدہ، جو حرمت والے مہینوں میں سے ایک ہے، اسکا بھی لحاظ نہیں کیا اور تیروں اور پتھروں سے تم پر حملہ کر دیا، جبکہ انکا ہمیشہ کا پرانا دستور تھا کہ وہ ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب، ان چار حرمت والے مہینوں میں جنگ و جدال سے باز رہتے تھے، مگر اس موقع پر کافروں نے حرمت والے مہینے کا پاس و لحاظ نہیں کیا اور اب جب کہ تم عمرہ کیلئے نکلے ہو تو یہ بھی اتفاق سے ذی القعدہ ہی کا مہینہ ہے۔ ایسی صورت میں تمہیں خیال آسکتا ہے کہ کہیں اس وقت بھی یہ کفار حرمت والے مہینے کی حرمت کو پامال کر کے جنگ نہ کر بیٹھیں اور ہم اس کی حرمت کا پاس و لحاظ کر کے انکا جواب نہ دے سکیں۔ تو مسلمانو، اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو کہ اب اگر بالفرض اس مہینے کی حرمت کو پامال کر کے تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جائیں تو پھر تم بھی اسی حرمت والے مہینے میں پوری قوت کے ساتھ ان کا جواب دو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم کو اس جوابی کاروائی کی پوری اجازت ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا

ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہے اور آداب برتنے میں ادلا بدلا ہے۔ تو جس نے زیادتی کی تم پر تو تم بھی زیادتی

عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝

کرو اس پر جیسی اس نے زیادتی کی تھی تم پر۔ اور اللہ سے ڈرو اور یقین جانو کہ بیشک اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے ●

اسلئے کہ سابقہ (ماہ حرام) ذی القعدہ (کا بدلا) موجودہ (ماہ حرام) ذی القعدہ (ہے)۔ ماہ

حرام کی بے حرمتی کی ابتداء کافروں نے کی ہے، تو اب تمہاری جوابی کاروائی بے حرمتی نہیں قرار پائی، کافروں نے جو کیا، وہ انکا ظلم اوران کی زیادتی ہے، اوراسکے جواب میں تم جو کروگے، وہ تمہارا عدل ہوگا، جو سرکشوں کی سرکشی کو دبانے کیلئے ضروری ہے۔ رہ گئے حرمت والے مقام، حرم شریف، حرمت والے مہینے، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب اور حرمت والی حالتِ احرام کے آداب (اور) انکا احترام، تو سن لو کہ (آداب برتنے میں ادلا بدلا ہے) تو جو تم میں سے ماہِ حرام میں قتال کرے، تو تم بھی اس سے ماہِ حرام میں قتال کرو۔ اور جو تم سے حرم میں قتال کرے، تو تم بھی اس سے حرم میں قتال کرو۔

۔۔۔یونہی۔۔۔ جو تم سے ایسی حالت میں قتال کرے کہ تم حالت احرام میں ہو، تو تم بھی اسی حالت میں اس سے قتال کرو، کہ وہ بھی حالت احرام میں ہو۔۔۔الغرض۔۔۔ان حرمتوں کے درمیان آپس میں مساوات ہے اور یہ ایک دوسرے کا بدل ہیں ۔۔۔الغرض۔۔۔تمہارا 'ترک حرمت'، کافروں کے 'ترک حرمت' کا بدل اوراسکا جواب ہے۔

(تو جس نے) بھی جنگ کی ابتداء کر کے (زیادتی کی تم پر تو) اس کی زیادتی کے جواب میں (تم بھی زیادتی کرو اس پر جیسی اس نے زیادتی کی تھی تم پر)۔ اس کی زیادتی حقیقی زیادتی ہے لیکن تمہاری زیادتی چونکہ صرف ایک جوابی کارروائی کے طور پر ہے اسلئے صرف صورتاً ظاہری طور پر زیادتی ہے۔ مقصد وارادہ کے لحاظ سے دونوں زیادتیوں کی حقیقت الگ الگ ہے، مگر صورتاً دونوں ایک ہی جیسی نظر آتی ہیں ۔۔۔المختصر۔۔۔ کفار کے مقابلے میں تم جوابی کاروائی کرو (اور) انکا خوف دل میں نہ لاؤ بلکہ (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو) پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو (اور یقین جانو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (ڈرنے والوں کے ساتھ ہے)۔ ان کے حال کو درستگی پر رکھنے والا ہے اوران کی نصرت ومعونت فرمانے والا ہے۔

اب تک اس جہاد کا حکم دیا جس میں جان کی قربانی پیش کرنی ہوتی ہے اور اب مال خرچ کرنے کا حکم مرحمت فرمایا جارہا ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں۔

وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

اور احسان کرو۔ بیشک اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو●

اے صاحبان استطاعت ایمان والو! اپنے ان بھائیوں کا خیال کرو جو عمرہ قضا ادا کرنے کیلئے اللہ کے رسول ﷺ کی معیت میں مکہ جانا چاہتے ہیں، لیکن غربت کی وجہ سے زادِ راہ کا انتظام کرنے سے قاصر ہیں، تو ان کی مدد کرو (اور) صرف یہی نہیں بلکہ (خرچ کرو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کیلئے، ہر اس کام کیلئے مالی قربانیاں پیش کرو، جس میں دین کا اعزاز ہو، کلمہ حق کی سربلندی ہو، احکام الٰہیہ کی بجا آوری ہو، خواہ وہ حج کا معاملہ ہو یا عمرے کا، خواہ وہ کفار سے جہاد کے امور ہوں ---یا--- صلہ رحمی کے، مساکین وفقراء کی مدد کرنی ہو---یا--- اہل و عیال، آل واولاد اور دیگر اہل حقوق کی رعایت۔ غرض یہ ہے کہ قرب الٰہی میں خرچ کے جو معاملات ہیں، وہ تمام اس آیت میں داخل ہیں۔ تو نشاط طبع اور انشراح صدر کے ساتھ راہ خدا میں خرچ کرتے رہو (اور نہ ڈالو خود کو اپنے ہاتھوں سے) اپنی ہی زبوں کرداری، بے عملی اور بد عملی سے (ہلاکت میں) ---الغرض--- اے لوگو! اپنے نفسوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ غزوات سے کنارہ کش ہو کر اور دین کیلئے جنگ کی ضروریات میں نہ خرچ کر کے، کیونکہ اس سے تمہارے دشمن کو تقویت ملے گی اور وہ تم پر مسلط ہو جائے گا۔

حضرت ابوب انصاری نے جب اس آیت کریمہ کو سنا، اسی وقت سے جہاد فی سبیل اللہ میں زندگی بسر کی، یہاں تک کہ آپ کے آخری لمحات بھی مسافری اور جنگ میں ختم ہوئے۔ [redacted] جہاد وتبلیغ مسلمانوں کی زندگی ہے، اعلاء کلمۃ الحق کا ذریعہ ہے، ان سے منہ موڑ لینا ذلت ورسوائی کے سوا کچھ نہیں اور یقیناً یہ موت سے بدتر ہے--- یوں--- فضول خرچی اور معاش کے اسباب کو ضائع کر دینا بھی ہلاکت ہے، تو اس سے بھی بچو---الغرض---

اے ایمان والو! ہر اس کام سے اپنے کو بچاؤ جس میں تمہارے دین و دنیا کی تباہی و بربادی ہے (اور احسان کرو) غریبوں، خاص کر کے مجاہدین سے حسن سلوک کرو اور اللہ کی اطاعت اور اس کے احکام کی بجا آوری کر کے اپنے اعمال میں حسن و خوبصورتی کے جوہر کو نمایاں کرو اور اپنے کو بخیل و خسیس ہونے سے بچاؤ (بے شک اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو) اور انہیں بے پایاں اجر و ثواب عطا فرماتا ہے۔

سابقہ ارشادات میں حرمت والے مہینوں، حرمت والے مقام اور حرمت والی حالت کے تعلق سے گفتگو کی گئی تھی، اور اب حرم شریف میں ہونے والی خاص عبادت یعنی حج اور عمرہ کا بیان شروع کیا گیا ہے۔ فریضہء حج ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رکن ہے۔ صاحبانِ استطاعت، ایمان والوں پر جس کی فرضیت کا حکم باختلاف روایت ۵ ہجری یا ۶ ہجری یا ۹ ہجری کو نازل فرمایا گیا۔ ۸ ہجری فتح مکہ کے سال میں حضرت عتاب بن اسید نے مسلمانوں کو حج کرایا۔ ۹ ہجری میں حضرت ابو بکر صدیق نے اور ۱۰ ہجری میں خود رسول ﷺ نے حج کرایا۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا

اور پورا کرو حج و عمرہ کو اللہ کیلئے، پس اگر روک دیئے گئے تم تو بھیجو جو آسانی سے قربانی کا جانور ملے اور نہ

تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ

منڈاؤ اپنے سروں کو یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی اپنی جگہ، تو جو تم میں سے بیمار ہوا یا اس کے

اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ٝ فَمَنْ

سر میں کچھ تکلیف ہے تو اسکے لئے بدلہ ہے روزے، یا خیرات، یا قربانی۔ پھر جب خیر و عافیت سے ہوئے، تو جس نے

تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ

حج سے عمرہ کو ملا دینے کا فائدہ اٹھایا تو اس پر ہے جو میسر آئے قربانی۔ پر جس نے نہ پائی قربانی تو روزے ہیں تین

اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ

دن کے زمانہ حج میں، اور سات دن کے جب حج سے تم وطن لوٹے، یہ پورے دس ہیں۔ یہ اسکے لئے جسکے اہل و عیال

حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ع ۸

مسجد حرام کے پڑوسی نہیں ہیں۔ اور اللہ کو ڈرو اور جان رکھو کہ بیشک اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے●

تو اے مسلمانو! جب تم حج و عمرہ کے ارادے سے نکلو، تو حج اور عمرہ کے تمام شرائط، فرائض اور واجبات کو ادا کرو (اور پورا کرو حج و عمرہ کو) ایسا کہ وہ کامل ہوں ناقص نہ رہیں۔ [redacted]

خطابت اور فصاحت و بلاغت کا جوہر دکھانے کیلئے نہ ہو، جیسا کہ قدیم زمانے کے عربوں نے اپنا دستور بنالیا تھا۔ان کے نزدیک حج ایک میلہ اور مکہ شریف ایک تجارتی منڈی بنکر رہ گیا تھا۔عبادت کا پہلوتو بالکل ختم ہوگیا تھا۔۔۔یا۔۔۔اتنا غیر اہم ہوگیا تھا کہ اسکا کوئی اثر ہی محسوس نہیں کیا جاتا تھا۔

اے مسلمانو تم ان کافروں کی راہ پر نہ چلو بلکہ حج وعمرہ کو اللہ کی عبادت سمجھ کر، اسکی رضا جوئی کیلئے پورے آداب وشرائط اور پورے اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ ادا کرو۔اب تمہیں اختیار ہے کہ حج کے مہینے میں صرف حج کا احرام باندھو اور اس کے ساتھ عمرہ نہ ملاؤ، یہ 'حج افراد' کی صورت ہوگی ۔۔۔یا۔۔۔تم حج کو عمرہ سے ملادو، اس کی تین صورتیں ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔پہلے صرف حج کا احرام باندھا جائے اور پورے شرائط کے ساتھ حج کو مکمل کرلیا جائے۔جب حج پورا ہوجائے تو حرم سے باہر جاکر حل سے عمرہ کا احرام باندھا جائے اور اس کے اعمال کی بجا آوری کی جائے۔امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک یہ افضل ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔بطور قران: احرام کے وقت حج وعمرہ کی ایک ساتھ نیت کی جائے اور حج وعمرہ دونوں کیلئے ایک ساتھ لبیک کہی جائے اور پھر صرف اعمال حج پر اقتصار واکتفا کیا جائے، اسلئے کہ عمرہ اس صورت میں حج میں اسی طرح داخل ہے جس طرح وضو غسل میں داخل ہوتا ہے۔امام اعظم کے نزدیک یہ قسم افضل ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔بطور تمتع: جب حج کے موسم میں میقات پر پہنچے تو وہاں صرف عمرہ کی نیت سے احرام باندھے اور پھر مکہ آکر عمرہ کے تمام اعمال سے فارغ ہوجائے اور احرام سے باہر ہوجائے اور جب 'یوم ترویہ' آئے تو مکہ شریف ہی سے حج کیلئے احرام باندھ لے۔امام احمد کے نزدیک یہ بہتر ہے۔۔۔عمرہ اگرچہ 'احناف' کے نزدیک سنت ہے، لیکن اسکی نیت کرلینے اور اسکا احرام باندھ لینے کے بعد اب اس کو پورا کرنا واجب ہے، **جس طرح کہ نفل نماز جب تک نیت نہ کرو، نفل ہے، لیکن نیت کرتے ہی واجب ہوجاتی ہے، اور اب اس کو پورا کرنا لازم ہے۔**

(پس اگر) حج وعمرہ۔۔۔یا۔۔۔ان میں کسی ایک کی نیت سے احرام باندھنے کے بعد **(روک دیئے گئے تم)** بوجہ مرض۔۔۔یا۔۔۔دشمنی۔۔۔یا۔۔۔عجز۔۔۔یا۔۔۔خرچ ختم ہونے۔۔۔یا۔۔۔سواری نہ

ہونے سے۔۔۔یا۔۔۔کسی اور عوائق سے۔۔۔المختصر۔۔۔بیت اللہ شریف پہنچنا تمہارے لئے ممکن نہ رہا اور تم احرام سے فارغ ہونا چاہو (تو بھیجو) حرم شریف میں ذبح کرانے کیلئے، تم کو (جو آسانی سے قربانی کا جانور) اونٹ۔۔۔یا۔۔۔گائے۔۔۔یا۔۔۔بکری۔۔۔یا۔۔۔ان میں سے کسی ایک کی قیمت (ملے اور) اس وقت تک احرام سے فراغت پانے کیلئے (نہ منڈاؤ اپنے سروں کو یہاں تک کہ) یقینی طور پر (پہنچ جائے قربانی) کا جانور حرم شریف میں (اپنی جگہ) پر جہاں اسکی قربانی ہونی ہے اور جب اسے بخوبی اندازہ ہو جائے کہ اب میری قربانی حرم شریف میں پہنچ کر ذبح ہوگئی یا جو میں نے جانور خریدنے کی قیمت دی، تاکہ حرم شریف میں خرید کر ذبح کر دیا جائے تو اسکا ذبیحہ ہوگیا، تو اب احرام سے فارغ ہو جائے۔۔۔۔الغرض۔۔۔حج کا احرام باندھ لینے والو، حرم شریف کا سفر نہ کر سکنے کی صورت میں بھی اپنے احرام میں ثابت رہو اور سر نہ منڈاؤ، یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ تمہاری قربانی ذبح کر دی گئی۔

اس مقام پر مجبوروں اور معذوروں کیلئے کافی رعایت ہے (تو جو تم میں سے) حالت احرام ہی میں (بیمار ہوا) اسے ایسا مرض لاحق ہوگیا جو ادائیگی فرض میں احرام کے وقت حرج پیدا کرتا ہے (یا اس کے سر میں) زخم ہونے، جوئیں پڑ جانے، پورے یا آدھے سر میں شدید درد ہونے کی وجہ سے (کچھ تکلیف ہے) جس کی وجہ سے وہ سر منڈانے۔۔۔یا۔۔۔کپڑا پہننے۔۔۔یا۔۔۔سر چھپانے کیلئے مجبور و مضطر ہے (تو) یہ سب کچھ کر لینے کی اسے اجازت ہے، مگر ان میں سے کوئی کام کر لینے کی صورت میں (اس کیلئے) بطور کفارہ (بدلہ ہے) اور تین دن کے (روزے) اس پر واجب ہیں (یا) صدقہ فطر کے مقدار میں چھ ۶ مسکینوں کو (خیرات) کرے اور ہر ہر مسکین کو ایک ایک صدقہ دے (یا) کم از کم ایک بکری کی (قربانی) کر دے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔روزہ، صدقہ اور قربانی، ان تینوں کاموں میں سے کوئی ایک کام انجام دے دے۔ (پھر جب) تم (خیر و عافیت سے ہوئے) اور دشمنوں کی طرف سے کسی طرح کی رکاوٹ، ان کے خوف، بیماری اور صحت کی خرابی اور تنگدستی وغیرہ سے نجات پا گئے (تو) تم میں سے ساکنین حرم کے سوا (جس نے) بھی حج سے تقرب الی اللہ حاصل کرنے سے پہلے عمرہ سے تقرب الی اللہ پانے کیلئے اپنے ایک ہی سفر میں بطور تمتع (حج سے عمرہ کو ملا دینے کا فائدہ اٹھایا)۔

۔۔۔یا۔۔۔وہ شخص جو کہ عمرہ کے احرام سے فراغت پا کر احرام کے ممنوعات کے مباح ہونے

سے نفع پائے، یہاں تک کہ وہ حج کا احرام باندھ سکے (تو اس پر) واجب (ہے) بکری، گائے اور اونٹ میں سے (جو میسر آئے) اس کی (قربانی)، یہی تمتع کی قربانی ہے۔ اسکے گوشت کا حکم وہی ہے جو عید قرباں کی قربانی کے گوشت کا ہے (پر جس نے نہ پائی قربانی) کرنے کی گنجائش (تو) اس پر دس (روزے) لازم (ہیں تین دن کے) روزے (زمانہء حج میں) یعنی حج کے ایام میں اور اسکے مہینوں میں حج و عمرہ کے دو احرام کے درمیان پہلی ذی الحجہ سے ۹ ذی الحجہ تک میں یہ روزے، چاہے متفرق رکھے، چاہے پے در پے۔ ساتویں، آٹھویں، نویں ذی الحجہ یہ روزے رکھنا مستحب ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ تین روزے مذکورہ بالا ہدایت کے مطابق رکھے (اور سات دن کے) روزے (جب حج) کے اعمال (سے) فارغ ہو کر (تم) اپنے (وطن لوٹے) یعنی اپنے شہر میں آگئے ۔۔۔الختصر۔۔۔ (یہ پورے دس) روزے (ہیں) یہ ہر اس حاجی کو رکھنے ہیں جس نے تمتع ۔۔۔یا۔۔۔ قران کر کے عمرہ کو حج سے ملا دیا ہے اور اسے قربانی کرنے کی استطاعت نہیں ہے۔۔۔الغرض۔۔۔ یہ روزے اس قربانی کا بدل ہیں۔

مذکورہ بالا ۔۔۔(یہ)۔۔۔ تمتع (اس کیلئے) ہے (جس کے اہل و عیال مسجد حرام کے پڑوسی نہیں ہیں) یعنی وہ خود مکہ کا شہری نہیں ہے۔ اسلئے کہ مکہ شریف کے قرب و جوار کے لوگوں کیلئے ضروری ہے، کہ حج کے مہینوں کے سوا کسی دوسرے مہینوں میں عمرہ کرے اور حج کے ایام میں صرف 'حج افراد' کیا کریں۔ اسلئے کہ 'قران و تمتع' صرف آفاقیوں، یعنی مکہ شریف سے دور رہنے والوں کیلئے ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ جس شخص کا مسکن مواقیت کے اندر ہے، اس کیلئے 'تمتع' ہے، نہ 'قران'۔۔۔ مسلمانو! ان احکامات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو (اور اللہ کو ڈرو) اسکے اوامر کی بجا آوری اور اسکی شریعت کے احکام کی پیروی کرو اور اس کے حکم کو نظر انداز کر دینے اور پس پشت ڈال دینے سے اپنے کو بچاؤ اور اسکی شریعت کا استخفاف اور اس کو ناقابل التفات قرار دینے کی جرأت نہ کرو (اور) اس کو صرف اتنا ہی نہیں کہ جان لو اور پھر فراموش کر دو بلکہ ہمیشہ کیلئے (جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ ان لوگوں پر جو اس کے اوامر و نواہی کا پاس و لحاظ نہیں رکھتے (سخت عذاب فرمانے والا ہے)۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کو پورا کرنے کا حکم دیا تھا اور عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ حج کا وقت متعین ہے اور اسکے مہینے معروف، مشہور ہیں۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ

حج جانے بوجھے چند مہینے ہیں۔ تو جو فریضۂ حج ادا کرنے لگا ان میں، تو نہ عورتوں سے جماع کا تذکرہ ہے،

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا

اور نہ کوئی گناہ ہے، اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا ہے، اور تم جو نیکی کرو اللہ کو اس کا علم ہے۔ اور توشہ جمع کرو کہ

فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝

بیشک سب سے بہتر توشہ خوف خدا ہے۔ اور مجھ کو ڈرا کرو اے عقل والو●

چنانچہ ارشاد فرمایا (حج) کا وقت جس میں فریضۂ حج ادا کیا جاسکے وہ صرف (جانے بوجھے چند مہینے ہیں) حج انہی ایام میں ادا ہوسکتا ہے اور بس۔ اور وہ مہینے یہ ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔شوال، ﴿۲﴾۔۔۔ذی القعدہ، ﴿۳﴾۔۔۔ذی الحجہ

۔۔۔کا پہلا عشرہ یعنی ابتدائی دس دن۔۔۔یہی حج کے ایام ہیں، اسکو پہلے ہی سے لوگ جانتے پہچانتے تھے، کیونکہ ان کا علم انہیں توارثاً چلا آرہا تھا، پھر شریعت اسلامیہ نے بھی ان کی توثیق کردی، یعنی جسے پہلے وہ جانتے تھے شریعت نے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں فرمایا، بلکہ جوں کا توں رہنے دیا (تو جو فریضۂ حج ادا کرنے لگا) اور (ان) ایام (میں) حج کی نیت سے احرام باندھ لیا اور لبیک پکار لیا۔۔۔نیز۔۔۔ قربانی کا جانور ساتھ ہونے کی صورت میں جانور کے گلے میں چرڑہ وغیرہ باندھ لیا۔۔۔الغرض۔۔۔اپنی نیت اور اپنے عمل سے ظاہر کردیا کہ وہ حج کے اعمال کا آغاز کرچکا ہے تو وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ اس حالت میں اسکے لئے اب (تو نہ عورتوں سے جماع کا تذکرہ) اور مباشرت کی باتیں کرنے کی گنجائش (ہے) بلکہ اس کے سوا وہ افعال جو جماع کا سبب بنتے ہیں۔۔۔مثلاً: بوسہ وغیرہ، تو یہ سب بھی حالت احرام میں حرام ہیں (اور نہ) ہی اس کو (کوئی گناہ) والا عمل کرنا (ہے) یہاں تک کہ اس کو اس بات کی بھی اجازت نہیں کہ وہ گالیاں بکے اور دوسروں کو گندے اور برے القاب سے یاد کرے (اور نہ) ہی حاجی کو (حج میں) حج کے دوران اپنے خادموں، ساتھیوں اور برائی کرنے والوں سے (لڑائی جھگڑا) کرنا (ہے)۔ اسلئے کہ لڑائی جھگڑا، بغض و عداوت کو بڑھانے اور محبت و الفت کے کم کرنے کا سبب ہے۔ گناہ والے اعمال اور لڑائی جھگڑا یہ تو ایسی چیزیں ہیں جو حالت احرام میں نہ رہنے والوں کیلئے بھی ناپسندیدہ و ناجائز ہیں، پھر حالت احرام میں ان کی قباحت و شناعت کا کیا عالم ہوگا؟

مثال کے طور پر یوں سمجھئے کہ شراب نوشی اور دوسرے اعمال شنیعہ وقبیحہ جن سے ہوں اور جس جگہ پر ہوں، وہ حرام و ناجائز ہی ہیں۔۔۔مگر۔۔۔یہی امور اگر مسجد میں انجام دے جائیں تو یہ اور بھی بدترین صورت حال ہوگی۔۔۔الختصر۔۔۔جو امور دیگر اوقات میں حرام ہیں وہ دوران حج بہت زیادہ برے ہیں، جیسے ریشم پہننا ویسے بھی حرام ہے، لیکن حالت نماز میں پہننا اس سے زیادہ برا ہے۔شر سے روکنے کے بعد اب نیکیوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

(اور) ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ (تم جو نیکی کرو) وہ ضائع ہونے والی نہیں، کیونکہ (اللہ) تعالیٰ (کو اسکا علم ہے) جو نکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا وہ اپنے فضل وکرم سے تمہیں ضرور اجر عطا فرمائے گا۔لہٰذا نیکی کے حاصل کرنے میں کمال درجے کی رغبت کا مظاہرہ کرو اور یاد رکھو کہ اچھا کلام کرنا برے کلام کے عوض، اور تقویٰ کا عمل فسق کے بدلے، اور عوام سے موافقت اور اخلاق حسنہ کا مظاہرہ جدال کی بجائے، بہتر ہے۔

اے حج کا ارادہ کرنے والو تم اہل یمن کی نقل نہ کرو، جو حج کیلئے روانہ ہو جاتے لیکن زادراہ ساتھ نہ لے جاتے اور کہتے ہم تو متوکل علی اللہ ہیں، جب ہم بیت اللہ کو جارہے ہیں تو پھر وہی ہم کو کھلائے گا اور پھر وہ لوگوں پر بوجھ بن جاتے۔پہنچتے ہی لوگوں کے آگے دست سوال اٹھانے لگتے یہاں تک کہ لوٹ کھسوٹ بھی کرنے لگتے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔یہ طریقہ صحیح نہیں ہے تو تم ایسا نہ کرو (اور) حج کے سفر میں روانہ ہونے سے پہلے ہی اپنی ضرورت کے مطابق (توشہ جمع کرو) خواہ دنیا کا سفر ہو، خواہ آخرت کا۔۔۔دنیا کے سفر کا توشہ یہ ہے کہ اپنا خرچ اپنے ساتھ لیجاؤ اور وہاں جا کر لوگوں سے کھانا نہ مانگو، ان پر بوجھ نہ بنو اور نہ ہی ان کو تنگ کرو، کیوں (کہ بے شک سب سے بہتر توشہ خوف خدا ہے) جب تم میں خوف خدا ہوگا تو تم لازمی طور پر بے جا دست سوال دراز کرنے اور لوٹ کھسوٹ سے اپنے کو بچاؤ گے اور کوئی ایسا عمل نہ کرو جس میں خدا کی ناراضگی ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔دنیا کے سفر کیلئے زادراہ ضروری ہے۔یہاں یہ بھی سمجھو لو کہ جس طرح دنیا کے سفر کیلئے زادراہ کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح آخرت کے سفر کیلئے بھی زادراہ کی ضرورت ہوتی ہے۔آخرت کے سفر کیلئے بہترین زادراہ پرہیزگاری ہے اور پرہیزگاری حاصل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی معرفت سے اور اسکی معرفت یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے

روگردانی کرے اور اسکی طاعت میں مشغول رہے اور اس کے احکام کی پابندی کرے اور اسکی مناہی کی مخالفت کرے۔

آخرت کے مسافر کی زادِراہ دنیا کے مسافر کی زادِراہ سے افضل ہے۔ اسلئے کہ دنیا کا زادِراہ چندروز کے دکھ سے بچاتا ہے جبکہ آخرت کا زادِراہ دائمی عذاب سے محافظت کرتا ہے۔ علاوہ ازیں دنیا کا زادِراہ فانی ہے اور آخرت کا زادِراہ دائمی لذت کی طرف پہنچاتا ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔خوف خدا اور پرہیزگاری ہی سے دنیا وآخرت کی صلاح وفلاح وابستہ ہے تو پھر تقویٰ و پرہیزگاری کی عادت بنالو (اور) صرف (مجھ) ہی (کو ڈرا کرو اے عقل والو) تم عقلمند ہو تو تم پر لازم ہے اپنی عقل تمام غلط ملاوٹوں سے دور رکھو اور نفس کے تزکیہ میں لگے رہو اور اسے بلند مراتب اور اعلیٰ مناصب تک پہنچانے کی جدوجہد کرتے رہو اور اچھی طرح سے سمجھ لو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ ایسا ہے گویا اسے عقل کی دولت نصیب نہیں ہوئی۔

اس مقام پر یہ بھی سمجھ لو کہ اگر تم نے حج کا سفر خالصاً لوجہ اللہ کیا ہے اور اس سفر سے مستقلاً ۔۔۔یا۔۔۔تبعاً وضمناً کوئی اور غرض نہیں ہے، بلکہ صرف حج کرنا ہی مقصود ہے۔۔۔الغرض۔۔۔تجارت، سیر وتفریح اور احباب سے ملنا ملانا سفر کا مقصود نہیں ہے، لیکن مکہ شریف پہنچ کر حج کے ایام میں تجارت کے معاملات پیش آجائیں تو یہ نہ سمجھ لینا اس سے حج نہیں رہتا اور تم حج کے ثواب سے محروم ہو جاؤ گے، اگرچہ بہتر یہی ہے کہ وہاں ان ایام میں تجارت نہ کرو اور اپنے کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں مصروف رکھو۔

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ

نہیں ہے تم پر کوئی الزام کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو، پس جب واپس ہو تم عرفات سے

فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ۪ وَ اذۡکُرُوۡہُ کَمَا ہَدٰىکُمۡ ۚ

تو ذکر کرو اللہ کا مشعر حرام کے پاس اور اس کا ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو بتایا ہے،

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الضَّآلِّیۡنَ ﴿۱۹۸﴾

گو پہلے سے تو تم گمراہوں سے تھے●

مگر بایں ہمہ (نہیں ہے تم پر کوئی) شرعی (الزام کہ) ان ایام میں تجارت کے ذریعہ (اپنے

رب کا فضل تلاش کرو) اور اس مقام پر یہ خیال نہ کرو کہ ایام حج میں جدال اور بے جا بحث وتکرار سے منع کیا گیا ہے، تو ہوسکتا ہے کہ ایامِ حج میں تجارت بھی ممنوع ہو، اسلئے کہ اس میں بھی خرید وفروخت کے وقت بحث وتکرار ہوہی جاتی ہے (پس جب واپس ہوتم عرفات) نام والی جگہ (سے) یعنی اس مقام سے جہاں پر حضرت آدم، حضرت حواء علیہما السلام ایک دوسرے سے بچھڑ جانے کے بعد ملے تھے اور ایک دوسرے کی پہچان اور معرفت حاصل کی تھی، وہ دن بھی عرفہ کا تھا، اس پہنچاننے کی وجہ سے اس جگہ کو عرفات کہا جانے لگا۔۔۔یا۔۔۔اس جگہ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو پہچان کرائی گئی تھی اور اس کے اوصاف سے انہیں آگاہ کیا گیا تھا جب وہ آئے تو اسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اس معرفت کی وجہ سے اس جگہ کو عرفات کہا جانے لگا۔۔۔الغرض۔۔۔اس مقام کو عرفات کہنے کی وجہ کوئی بھی ہو لیکن اسکی عظمت وتقدس کا عالم یہ ہے کہ ۹ ذی الحجہ زوال کے بعد ہر حاجی کیلئے وہاں کا وقوف فرض ہے، جس کے بغیر حج ہوہی نہیں سکتا۔ 'عرفات سے واپسی' خود اس بات کا واضح اشارہ ہے کہ عرفات کا وقوف لازمی وضروری ہے، اسلئے کہ جو وہاں گیا ہی نہیں وہ وہاں سے واپس کیسے ہوگا۔ یہ بات ادنیٰ تامل سے بھی سمجھی جاسکتی ہیں۔

اب جبکہ تم عرفات سے واپس ہوگئے (تو ذکر کرو اللہ) تعالیٰ (کا) اور تلبیہ وتہلیل وتکبیر اور حمد وثناء اور مغرب وعشاء کی نمازوں کی ادائیگی اور دعاؤں میں مصروف ہوجاؤ، اور فجر کے وقت نماز فجر ادا کرلینے کے بعد وقوف کیلئے پہنچ جاؤ (مشعر حرام) حرمت وتقدس والے عباداتوں کی علامت (کے پاس) قزح پہاڑی کے قریب، جہاں امام حج وقوف کرتا ہے۔ اب اگر وہاں تک تمہاری پہنچ ہوجائے، پھر تو بہت بہتر ہے، بصورت دیگر فکر مت کرو، اسلئے کہ 'مشعر حرام' مزدلفہ کی پوری وادی کا نام ہے۔ یہ ایسی مقدس زمین ہے جہاں حضرت آدم حضرت حواء کے ساتھ اکٹھا ہوکر اس کے قریب آئے جہاں دو نمازوں کے ملادینے کا حکم ہے اور جہاں کے وقوف سے لوگ قرب الٰہی حاصل کرتے ہیں۔ مزدلفہ کی زمین پر کہیں بھی وقوف کیا جاسکتا ہے۔۔۔ہاں۔۔۔قزح پہاڑی کے پاس وقوف کرنا افضل ہے جیسے عرفات کی ساری زمین ٹھہرنے کیلئے ہے لیکن جبل رحمت کے قریب ٹھہرنا افضل واعلیٰ ہے۔

اب تک تمہیں عرفات کی واپسی پر ذکر الٰہی کرنے کی جگہ کے تعلق سے ہدایت کی گئی ہے
اور اب تمہیں ذکر کی کیفیت اور طریقے کی تعلیم دی جارہی ہے۔

(اور) ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ (اسکا ذکر کرو) اللہ تعالیٰ کا، کمال حسن وخوبی والا ذکر (جس طرح اس نے تم کو) بحسن وخوبی (بتایا ہے) اور ہدایت فرمادی ہے، بس ویسا ہی ذکر کرو اور اس میں اپنی طرف سے کسی طرح کی نامناسب من مانی، کمی بیشی نہ کرو (گو) اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے (پہلے سے تو تم) ناواقفوں، اس طریقہ حمد وثناء سے بے خبروں اور (گمراہوں سے تھے)۔ تمہیں اسکا علم نہیں تھا کہ ہم خدا کی عبادت اور اس کی حمد وثنا کیسے کریں اور مناسک حج کس طرح ادا کریں، جس سے وہ ہمیں اپنے قرب اور اپنی رضا سے سرفراز فرمائے۔

اس مقام پر اے حاجیو! اس بات کا بھی خیال رہے کہ تم ان مغروران قریش، ان کی آل اور ان کے ہم خیال لوگوں کی پیروی نہ کرو جو ہر وقت احساس برتری کے نشے میں ڈوبے رہتے تھے اور عام لوگوں سے اپنے کو منفرد سمجھتے تھے۔ انھوں نے حضرت ابراہیم کی سنت کو بھی پس پشت ڈال دیا تھا، اپنے کو خدام حرم قرار دیکر سارے لوگوں کی قدیم روش کے خلاف اپنا راستہ بنالیا تھا۔ چنانچہ ان کے سوا سارے لوگ عرفات میں وقوف کر کے پھر مزدلفہ آتے تھے، لیکن یہ لوگ عرفات جاتے ہی نہیں تھے اور مزدلفہ میں ٹھہر جاتے تھے اور یہیں سے واپس ہوجاتے تھے۔۔۔تو۔۔۔فریضہ حج کو ادا کرنے میں رضائے الٰہی کے طلبگار رہو اور اپنے رب کی ہدایت کا مکمل پاس ولحاظ کرنے کا جذبہ رکھنے والو تم ایسا نہ کرو۔

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۹۹﴾

پھر لوٹ پڑو جہاں سے سب لوگ لوٹے اور بخشش مانگو اللہ سے، بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

بلکہ اولاً عرفات میں جاؤ، وہاں وقوف کرو (پھر) وہاں سے مزدلفہ کیلئے (لوٹ پڑو) کیونکہ یہی وہ جگہ ہے (جہاں سے) حمس یعنی مغروران قریش کے سوا دوسرے (سب لوگ) صرف حضرت ابراہیم ہی نہیں بلکہ حضرت آدم کی بھی سنت پر عمل کرتے ہوئے ہمیشہ (لوٹے) اور آج تک عرفات جاکر ہی مزدلفہ واپس آنا اسلامی ہدایات کی روشنی میں صحیح ہے۔ اب تم نے ایام جاہلیت میں مناسک حج میں جو ترمیم کردی تھی تو بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہو جاؤ (اور بخشش مانگو) مغفرت طلب کرو (اللہ) تعالیٰ (سے) اور یقین کرلو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ مخلصانہ طور پر دل کی سچائی کے ساتھ توبہ واستغفار کرنے والوں کا (بخشنے والا) ہے ان پر اپنا انعام اور (رحمت) خاص فرمانے (والا ہے)۔

فَاِذَا قَضَیۡتُمۡ مَّنَاسِکَکُمۡ فَاذۡکُرُوا اللّٰهَ کَذِکۡرِکُمۡ اٰبَآءَکُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِکۡرًا ؕ

پس جب تم ارکان حج پورے کر چکے تو اللہ کا ذکر کرو جیسے تذکرہ تم میں رہتا ہے اپنے باپ دادا کا، بلکہ اس سے کہیں زیادہ۔

فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا وَمَا لَهٗ فِی الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ۝

تو کوئی عامی یوں کہتا ہے کہ اے ہمارے رب دے ہم کو دنیا میں اور نہیں ہے اسکے لئے آخرت میں کچھ بھی حصہ●

(پس جب تم ارکان حج پورے کر چکے) تو زمانہ، جاہلیت کے لوگوں کی نقل مت کرو، جو حج کی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد حرم کے سامنے۔۔۔یا۔۔۔منیٰ اور جبل رحمت کے مابین کھڑے ہوتے اور اپنے آباؤ اجداد کے حسب ونسب کی رفعت وشہرت پر باہم فخر کرتے اور انکے مراتب ومناقب بیان کرتے، (تو) تم ایسا نہ کرو بلکہ آباؤ اجداد کے ذکر کی بجائے (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر کرو) اور اس والہانہ انداز سے رب کریم کا تذکرہ کرو (جیسے تذکرہ) اے اشراف عرب (تم میں رہتا ہے اپنے باپ دادا کا) ان کے مراتب ومحاسن کا، (بلکہ) اتنا کرنے سے بھی ذکر الٰہی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ تمہارے باپ دادا کے مراتب وکمالات جس ذات وحدہ لاشریک کی عطا ہے، اس کا ذکر باپ دادا کے ہی ذکر کے جتنا اور جیسا، یعنی دونوں کی کمیت وکیفیت ایک ہی جیسی ہو، تو یہ بھی تو مناسب نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ذکر (اس سے) باپ دادا کے ذکر سے کمیت وکیفیت میں (کہیں زیادہ) ہونا چاہیے۔

عامیوں اور جاہلوں کا بھی حال عجیب ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے صرف دنیا ہی چاہتے ہیں (تو کوئی عامی) ناسمجھ، کم فہم، جاہل (یوں کہتا ہے اے ہمارے رب دے ہم کو) صرف (دنیا میں)۔ یہ لوگ صرف دنیا کی ناچیز پونجی مانگتے ہیں اور خدا سے صرف اونٹ، بکری، بارش، اور اسی طرح کی چیز چاہتے ہیں (اور) ظاہر ہے کہ (نہیں ہے اس) طرح کی سوچ رکھنے والے (کیلئے آخرت) کی نعمتوں (میں کچھ بھی حصہ)۔ ایسوں کو رب کریم جو کچھ دینا چاہتا ہے، دنیا ہی میں دیدیتا ہے۔ اب اگر مانگنے والا کافر ہے، تو اس جہاں کی نعمت سے بے نصیب پڑا ہے اور اگر مومن ہے تو اور مومنوں کی طرح اسکا حصہ نہیں۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً وَّ فِی الۡاٰخِرَةِ

اور کوئی یوں کہتا ہے کہ پروردگار ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں

حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

بھلائی، اور ہم کو بچالے عذاب جہنم سے●

(اور کوئی) صاحب فہم وفراست، طالب خیر وسعادت (یوں کہتا ہے کہ) اے میرے (پروردگار ہم کو) اس (دنیا میں) جو اچھائی، بہتری ہے مثلاً عافیت، نیک بیوی، علم، عبادت، پاکیزہ مال، نیک اولاد، صحت، دشمنوں پر فتح، نیک لوگوں کی رفاقت، اسلام پر ثابت قدمی اور ایمان پر خاتمہ جیسی (خوبی دے) عطا فرما (اور) اے میرے پروردگار صرف یہی نہیں بلکہ (آخرت میں) بھی وہاں کی (بھلائی) یعنی جنت، حساب اور محشر کے خوف سے سلامتی، حورعین، [redacted] رفاقت اور دیدار الٰہی کی لذت (اور) اپنے فضل وکرم سے (ہم کو بچالے) اپنے عفو و مغفرت کے ذریعہ (عذاب جہنم سے) اور ہمیں ان لوگوں میں شامل کردے، جو تیرے فضل وکرم سے بغیر عذاب جنت میں جانے والے ہیں۔۔۔نیز۔۔۔ہماری ذات کی ان گناہوں اور نفسانی خواہشات سے حفاظت فرما، جو جہنم میں لے جانے کے اسباب سے ہوں۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

وہی ہیں جن کے لئے حصہ ہے ان کی کمائی سے۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے●

وہ گروہ جو دنیا وآخرت کی بھلائی مانگتے ہیں (وہی ہیں جن کیلئے حصہ ہے ان کی کمائی سے) یعنی ان سے جو اعمال صالحہ صادر ہوتے ہیں اسکا ثواب ان کی نیکیوں کے منافع ہیں۔ اسلئے کہ وہ اس ثواب حسن کے انہی اعمال کی وجہ سے مستحق ہوئے۔۔۔نیز۔۔۔ان کی بارگاہِ خداوندی میں دنیا وآخرت کی بھلائی کی دعا کرنا، یہ اگرچہ ایک درخواست ہے لیکن چونکہ یہ بندے کی طرف سے پیش کی گئی ہے، تو اسکو خود بندے کا عمل قرار دینا بھی صحیح ہے، یہی بندے کی وہ کمائی ہے، دین وآخرت کے حسنات جس کے ثمرات ہیں۔ اعمال خیر وخیرات انجام دینے والو اور رب تعالیٰ سے دنیا وآخرت کی بھلائی چاہنے والو، قیامت قریب ہے (اور اللہ) تعالیٰ (جلد حساب کرنے والا ہے) لہٰذا تم بکثرت ذکر الٰہی کرنے میں مشغول ہوجاؤ اور اپنے اعمال کو ایسا بنائے رکھو جس سے تم آخرت کی بھلائی کے مستحق قرار پاؤ۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ

اور اللہ کا ذکر کرو گنتی کے دنوں میں۔ تو جس نے جلدی کی دو ہی دن میں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝

اور جس نے دیر کردی تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں اسکے لئے جو اللہ سے ڈرا، اور اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ بیشک تم اسکی طرف اٹھائے جاؤ گے ●

قدرت الٰہی کا عالم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کثرت اور انکے بکثرت اعمال کے باوجود ایک لمحہ میں حساب لے لے گا، اسلئے کہ اسے ہاتھ کی گنتی اور قلب کی یادداشت اور نظر وفکر کی محتاجی نہیں ہے۔ اسی لئے اے لوگو جسکی اتنی بڑی شان ہے اس کی اطاعت میں کمی نہ کرو اور اس سے ڈرتے رہو۔ (اور) نمازوں، قربانیوں کے ذبح اور رمی جمار وغیرہ کے بعد (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر کرو) اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔

ایام تشریق کے چند (گنتی کے دنوں میں) مفتی بہ قول کے مطابق یوم عرفہ کی صبح سے لیکر آخر ایام تشریق تک تکبیرات پڑھے (تو جس نے جلدی کی) اور ایام منیٰ میں سے صرف دس اور گیارہ تاریخ کو منیٰ میں فقط (دو ہی دن) ٹھہرا اور صرف ان ہی دنوں (میں) رمی کی اور تیسرے دن رمی نہیں کی اس پر کوئی حرج نہیں، اس نے کوئی غلطی نہیں کی (تو) اس تعجیل کی وجہ سے (اسپر کوئی گناہ نہیں اور) یوں ہی (جس نے دیر کردی) اور تیسرے دن بھی رمی کی (تو) اس تاخیر کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں اور (اس) تاخیر کرنے والے (پر بھی کوئی گناہ نہیں)، لہٰذا وہ بھی غلطی پر ہیں جنھوں نے تعجیل کو گناہ سمجھ لیا ہے اور وہ بھی غلطی پر ہیں جو تاخیر کو غلط قرار دے رہے ہیں۔ شریعت نے حاجیوں کو دونوں مذکورہ بالا صورتوں میں کسی بھی ایک صورت کو اپنا لینے کا پورا اختیار دیا ہے اور یہ اور بات ہے تاخیر والی صورت تعجیل والی صورت سے افضل ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ تعجیل اگر خوب ہے تو تاخیر خوب تر ہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ حج کی ساری برکتیں اور فضیلتیں (اسکے لئے) ہیں (جو اللہ) تعالیٰ (سے ڈرا)، پرہیزگاری کی زندگی اختیار کی، اور مرتے دم تک متقی اور پرہیزگار رہا۔ صرف ایام حج میں تقویٰ شعار بنا رہنا، نجات ورضائے الٰہی کیلئے کافی نہیں، تو سمجھ سے کام لو (اور) اپنے تمام معاملات میں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو) اور ساری عمر ڈرتے رہو (اور جان رکھو) پورے یقین کے ساتھ (کہ بے شک تم اسکی طرف اٹھائے جاؤ گے) اور اپنی جزا کو پہنچو گے۔

سابقہ آیات میں دوطرح کے لوگوں کا تعارف کرایا گیا۔ایک وہ جوصرف دنیا کی بھلائی چاہتا ہے اوراسی کیلئے دعا کرتا ہے۔اور۔ دوسرا وہ جو دنیا وآخرت دونوں کے حسنات کی رغبت رکھتا ہے، اور دونوں جہاں کی بھلائی کیلئے دعا گو ہے۔ان دونوں سے ہٹ کر ایک تیسرے قسم کے لوگ وہ ہیں کہ نہ تو انھیں دنیا کی بھلائی سے رغبت ہے اور نہ ہی آخرت کی بھلائی سے، ایسے لوگ اپنی ظاہری شیریں کلامی اور چرب زبانی سے اپنے دلی نفاق کو چھپائے رکھتے ہیں۔ ہر سننے والے کوانکی گفتگو اچھی لگتی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ

اور بعض لوگ وہ ہیں کہ اچھی لگے تم کو اسکی بات چیت دنیاوی زندگی میں اور وہ گواہ بنائے اللہ کو اس پر جو اسکے دل میں ہے،

وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝

حالانکہ وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے●

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اوپر ذکر کردہ دوطرح کی ذہنیت رکھنے والوں کے سوا، اخنس بن شریف ثقفی (اور) اسکے علاوہ (بعض لوگ وہ ہیں کہ اچھی لگے تم کو) اے سننے والے (اسکی بات چیت دنیاوی زندگی میں)۔ اسکا دعویٰ محبت کا اظہار صرف حصول دنیا کی خاطر ہے۔۔۔الغرض۔۔۔تم کو اس کا قول جو اچھا لگتا ہے اسکی وجہ صرف اسکے کلام کی حلاوت وفصاحت ہے اور وہ بھی صرف دنیوی لحاظ سے، ورنہ آخرت میں تو اسکے کلام کا کذب اور قبح ظاہر ہو جائے گا۔ایک طرف تو وہ جھوٹ بولتا ہے (اور) دوسری طرف یہ جرأت کہ (وہ گواہ بنائے اللہ) تعالیٰ (کو اس پر جو اسکے دل میں ہے) اور کہے کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ شاہد ہے کہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور میں اسلام کا شیدائی ہوں اور یہی میرا قلبی کلام ہے، جس کی ترجمان میری زبان ہے، یعنی میری زبانی بات میرے قلب کے موافق ہے۔(حالانکہ وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے) اور سب سے بڑا دشمن ہے۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ

اور جہاں پیٹھ پھیری تو زمین میں دوڑ دھوپ کرنے لگا، تا کہ اس میں فساد مچائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کردے۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝

اور اللہ نہیں پسند فرماتا فساد کو●

محبت کا دم بھرنا اور خلوص کا دعوی کرنا اب اگر اس میں صحیح طور پر موافقت نہ ہو، صرف منافقت ہی منافقت ہو، تو یہ 'ملاحدہ' اور 'زنادقہ' کا شیوہ ہے، ورنہ سچی محبت کرنے والا اور اصلی حقیقی مسلمان وہی ہے جو وہی کرے جس سے اسکا محبوب راضی ہو۔

رہ گئے یہ جھوٹے منافقین انکا تو حال یہ ہے کہ سامنے کچھ کہا (اور جہاں پیٹھ پھیری) اور اسے کچھ غلبہ اور قدرت حاصل ہوگئی (تو) اپنی شرپسند طبیعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے (زمین میں دوڑ دھوپ کرنے لگا تاکہ اس میں فساد مچائے اور کھیتی اور نسل کو تباہ کردے) جیسا کہ اخنس بن شریف نے کر کے بھی دکھایا کہ ثقیف میں رات گزاری تو انکے جانوروں کو ہلاک کردیا اور انکی کھیتی کو جلا دیا۔ یہ کام اس نے اس عداوت کی بنا پر کیا جو اس کے اور ثقیف کے درمیان تھی، اسی طرح ظالم حکام کی بھی عادت ہے کہ وہ اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں اور ان کے بچوں کو مروا دیتے ہیں اور ان کے اموال کو ضائع کرا دیتے ہیں۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔ظالم پر ظلم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش بند کردیتا ہے، تو ان کی کھیتی اور نسل میں نقصان پڑ جاتا ہے۔ فساد کا ارادہ کرنے والو سن لو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا فساد کو) یعنی اس سے راضی نہیں اور اسے مبغوض رکھتا ہے بلکہ جو اس کا مرتکب ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کا مبغوض ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۚ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اور جب اس سے کہا گیا کہ اللہ سے ڈر، تو اسکی نخوت نے ابھار دیا اس کو گناہ کیلئے، تو کافی ہے اس کو جہنم، اور وہ ضرور برا بستر ہے ●

اللہ تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ اور قدرت کاملہ سے اشیاء میں جو تغیر و تبدل فرماتا ہے، وہ کسی غرض فاسد کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کا ہر فعل محمود ہے اور کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہے۔۔۔الغرض۔۔۔فساد، اشیاء میں اس تغیر و تبدل کا نام ہے، جسے غرض فاسد کیلئے انجام دیا جائے، جیسا کہ منافقین اور سارے ظلم کرنے والوں کی روش ہے۔

ایسے منافقین اور ظالمین کے ہر فرد کی یہ حالت ہے کہ جب بھی اسکی ہدایت کی گئی (اور جب) جب (اس سے کہا گیا کہ اللہ) تعالیٰ (سے ڈر) اور اپنے گندے قول و فعل اور منافقانہ رویے سے باز آ (تو اس کی نخوت) عار، غرور (نے ابھار دیا) اور آمادہ کردیا (اس کو گناہ کیلئے) یعنی دور جاہلیت کے جاہلانہ رسومات، معاصی پر قائم رہنے کیلئے (تو) ایسوں کیلئے یہ سزا (کافی ہے) کہ (اس کو) ہمیشہ کیلئے

(جہنم) میں داخل کردیا جائے گا (اور وہ ضرور) آگ کا (برا بستر ہے)۔

ان لوگوں کے ذکر کے بعد [redacted]

نفوس قدسیہ رکھنے والوں کا [redacted]

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۝

اور بعض آدمی ہیں جو بیچ ڈالتے ہیں اپنی جان کو اللہ کی خوشی چاہنے میں۔ اور اللہ بے حد مہربان ہے بندوں پر ●

چناچہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ (اور بعض آدمی) مثلاً حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ جو کچھ رکھتے تھے مکہ میں کافروں کو دے ڈالا اور ان سے مدینے میں ہجرت کرنے کی اجازت لی۔ اس طرح خدا کی رضا اور رسول کی خوشنودی کو مال کے عوض مول لیا۔۔۔ یونہی۔۔۔ وہ سارے نفوس قدسیہ رکھنے والے جنھوں نے اللہ و رسول کی رضا کیلئے اپنی جان، اپنا مال سب کچھ قربان کردیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ یہ سارے لوگ وہ (ہیں جو بیچ ڈالتے ہیں) کسی تامل و تردد کے بغیر (اپنی جان کو اللہ) تعالیٰ (کی خوشی چاہنے) اور اس کی رضا حاصل کرنے (میں) [redacted]

مہربان ہے [redacted]

یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہی تو ہے کہ اپنے بندوں کو تقویٰ کا مکلف بناتا ہے اور انکے ثواب کیلئے احکام نازل فرماتا ہے، جن کی بجا آوری کا حکم دیتا ہے، یہ بھی خدا کی کتنی بڑی مہربانی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے نفوس و اموال کا مالک حقیقی ہونے کے باوجود اپنے بندوں کے نفوس و اموال کو خریدتا ہے اور اپنا بے بہا فضل اور اپنی بے پایاں رحمت عطا فرماتا ہے، یہاں تک کہ اپنی رضا اور اپنی خوشنودی حاصل کرنے کے طریقوں سے بھی خود ہی ہدایت فرماتا ہے، چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اے ایمان والو! داخل ہو اسلام میں پورے پورے، اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی۔

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۝

بیشک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے ●

(اے ایمان والو! داخل ہو) جاؤ (اسلام میں پورے پورے) یعنی شریعت اسلامیہ کے

جملہ احکام کو دل سے قبول کرلو اور ان کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ شریعت کے انہیں احکام کو اپناؤ اور ان پر عمل کرو جو تمہاری طبیعت کے موافق اور تمہاری خواہش کے مطابق ہوں اور ان احکام کو نظر انداز کردو اور ان پر عمل نہ کرو جو تمہاری خواہش کے مطابق نہیں۔

یاد رکھو کہ اسلام ایک مکمل دستور زندگی ہے، اس کے اپنے عقائد ہیں، اسکا اپنا دیوانی اور فوجداری قانون ہے۔ سیاسیات اور معاشیات کے متعلق اپنے نظریات ہیں، اور یہ انسان کی ذہنی، روحانی اور مادی ترقی کا ضامن ہے۔ لیکن اس کی برکتیں تب ہی رونما ہوسکتی ہیں، جبکہ اسے ماننے والے اسے پورا کا پورا اپنالیں، اور اس کے تمام ضابطوں اور قوانین پر عمل پیرا ہوجائیں۔ یہاں اس بات کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ اسلام کو قبول کرلینے کے بعد بعض باتوں پر عمل کرنے کے تعلق سے سابق شریعتوں میں سے کسی شریعت کا لحاظ کیا جائے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ بن سلام جیسے عظیم صحابی بھی حضور آیہء رحمت ﷺ سے ہفتہ کی تعظیم اور اونٹ کے گوشت اور اسکے دودھ کی تحریم کے تعلق سے شریعت موسویہ پر عمل کرنے کی اجازت حاصل نہ کرسکے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اے ایمان والو! مکمل اسلام کو اپنالو اور اس پر ثابت قدم رہو (**اور نہ پیروی کرو شیطان کے قدموں کی**) ان راستوں پر نہ چلو جو شیطان کے ہیں اور نہ اسکی اطاعت کرو کیونکہ وہ اپنے ٹیڑھے راستوں کی طرف تمہیں بلاتا ہے اور گندے وسوسے ڈالتا ہے اور وہ ایسا کیوں نہ کرے، اسلئے کہ (**بیشک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے**)۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝

پس اگر تم ڈگمگائے اسکے بعد کہ آگئیں تمہارے پاس صاف صاف باتیں، تو جان رکھو کہ بیشک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے ●

اور وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے وساوس کے ذریعے تمہارے اسلام میں رخنہ ڈالے (**پس**) اب (**اگر تم ڈگمگائے**) اور عقائد حقہ اور اعمال صحیحہ سے روگردانی کرگئے اور حق سے بھٹک کر علماً اور عملاً حد سے تجاوز کرگئے اور یہ بھی (**اس کے بعد کہ آگئیں تمہارے پاس**) دین حق کی حقانیت کے تعلق سے دلائل و شواہد اور (**صاف صاف باتیں**) جسکی بنیاد پر تم خود اپنے داخل فی الاسلام ہونے کا دعویٰ کرتے ہو (**تو جان رکھو کہ بیشک اللہ**) تعالیٰ اپنے امر پر (**غلبہ والا**) ہے، تمہارے انتقام سے عاجز نہیں ہے،

یونہی وہ (حکمت والا ہے)، حکیم ہے، حق ہی کا واجبی انتقام لیتا ہے، اچھے اور برے میں تمیز رکھنے والا ہے، تو جیسے وہ بُرے کو سزا دیتا ہے تو اس سے امید رکھی جاتی ہے کہ وہ اچھے کو انعام واکرام سے نوازے، بلکہ یہ بات اسکی حکمت کے لائق اور اسکی رحمت سے زیادہ قریب ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔حق واضح ہو چکا، اسلام کی حقانیت کے دلائل وشواہد کے روشن چراغ سے شک وشبہات کی تاریکیاں معدوم ہو چکیں۔ حجت قائم اور حقانیت واضح ہو جانے کے بعد، اسلام کو پورے کا پورا اپنا لینے میں کسی کیلئے بھی کوئی عذر باقی نہیں رہ گیا۔ ایسی صورت میں اسلام کو قبول کر لینے میں کسی کو ذرّہ برابر پس وپیش نہیں ہونا چاہئے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ

انہیں کچھ انتظار نہیں مگر اس کا کہ آلے ان کو عذاب الٰہی بادل کے سائبان میں،

وَالْمَلَٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ

اور فرشتے، اور معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے●

ع۹

۔۔۔آخر۔۔۔ان دلائل وشواہد کے آجانے کے بعد اسلام قبول کرنے سے اعراض کرنے والے اور اس دین برحق کو اپنانے میں تامل وپس وپیش کرنے والے کیا چاہتے ہیں۔ انکے طرز فکر سے یہ اندازہ لگتا ہے کہ (انہیں کچھ انتظار نہیں مگر اسکا کہ آلے انکو عذاب الٰہی) گھٹا ٹوپ، مہیب آوازوں کے ساتھ، گرجدار گھرے (بادل کے سائبان میں اور) نازل کر دئے جائیں اُن پر بادلوں پر مقرر عذاب کے (فرشتے) جو عذاب پر مامور ہیں۔۔۔یا۔۔۔قیامت ہی آجائے (اور) ان پر عذاب نازل کر دیا جائے۔۔۔نیز۔۔۔ان کو ہلاک کر دیا جائے پھر اس طرح انکا جو (معاملہ) ہے اس (کا فیصلہ کر دیا جائے)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔عذاب کی پکڑ میں آنے کے بعد۔۔۔یا۔۔۔قیامت کی شدت دیکھ لینے کے بعد وہ ایمان لائیں گے۔ ان نادانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس وقت انکا یہ اضطراری ایمان ان کے کسی کام نہیں آئیگا۔ اور قضائے الٰہی۔۔۔نیز۔۔۔ عدل خداوندی سے ان کے لئے عذاب دائمی لازم کر دیا جائے گا (اور) اچھی طرح سے جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ کی جزا اور اس کے فیصلے (ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے) خواہ وہ کسی کے عذاب کا معاملہ ہو۔۔۔یا۔۔۔کسی کو ہلاک کر دینے کا۔

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ

پوچھ لو بنی اسرائیل کو کہ کتنی کھلی نشانی ہم نے ان کو دی تھیں۔ اور جو بدل ڈالے

نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ

اللہ کی نعمت کو اس کے آنے کے بعد، تو بیشک اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے●

۔۔۔یونہی۔۔۔ بادشاہ اور حاکم لوگ آج رعایا پر جو حکم کر رہے ہیں قیامت کے دن یہ سب باطل اور زائل ہو جائیں گے۔ اور اُس دن خدا کے سوا اور کسی کا حکم نہ ہوگا۔ مسلمانو! تمہیں اس بات کا خیال رہنا چاہیے کہ رب کریم، شان بے نیازی رکھنے والا ہے، جس کو چاہتا ہے اسکو عزت اور اپنی امانت سونپ دیتا ہے، مگر اگر اس نے اس کی قدر نہ کی اور اسکا غلط استعمال شروع کر دیا تو اس سے دنیاوی عزت بھی چھین لیتا ہے اور دین حق کی امانت بھی واپس لے لیتا ہے۔

اس کو سمجھنا ہو تو اس کیلئے قدیم کتب خانوں کی ورق گردانی کرنے اور سال ہا سال پرانے کھنڈرات میں سرگرداں محو فکر کھڑا رہنے کی ضرورت نہیں (پوچھ لو) اپنے پڑوس میں رہنے والی قوم (بنی اسرائیل کو) وہ اپنی کج بحثی اور حق پوشی کی پرانی عادت کے باوجود ان تاریخی واقعات کا انکار نہیں کر سکتی اور انہیں اعتراف کرنا پڑے گا (کہ کتنی کھلی نشانی ہم نے ان) کے آباؤ اجداد (کو دی تھیں)۔

عصائے موسوی، ید بیضا، من وسلوی، خیر و عافیت کے ساتھ دریا سے عبور، ایک پتھر سے بارہ چشمے، اور کتاب توریت جس کی روشن آیات میں دین اسلام کی حقانیت، اسکے آخری دین اور سارے سابقہ ادیان کے منسوخ ہونے، نبی کریم کے آخری نبی ہونے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اللہ کے آخری رسول ﷺ کے اپنی ذات اور اپنی جملہ ہدایت میں صادق اور امین ہونے کے تعلق سے واضح ہدایات ہیں۔

اب اگر علمائے یہود میں سے کوئی سچائی کو چھپائے (اور جو بدل ڈالے اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو) یعنی صفات محمدی اور حقانیت دین اسلام کو، توریت میں (اسکے) تعلق سے مکمل اور واضح طور پر ذکر (آ) جا (نے کے بعد) جسکی صحت و سچائی کو بخوبی پہچانتے ہیں اور جان بوجھ کر اپنے نادان لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں اور ان سے حقائق کو چھپاتے ہیں، تو ان کی اس دھاندلی سے کسی اور کا کیا نقصان، وہ خود اپنے کو عذاب الٰہی کا مستحق بنا رہے ہیں (تو بیشک اللہ) تعالیٰ ان جیسے سارے مستحقین عذاب پر (سخت عذاب فرمانے والا ہے)۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا

خوبصورت نگاہ میں کردی گئی انکے جنہوں نے کفر کیا دنیاوی زندگی، اور وہ مذاق اڑاتے ہیں ایمان والوں سے، اور جو پرہیزگار

فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۞

ہوئے ان سے بلند و بالا ہونگے قیامت کے دن۔ اور اللہ روزی دے جس کو چاہے ان گنت ●

اور جب انھوں نے ہدایت کے انعام کی قدر نہ کی تو انکی نظریں حقیقت سے پھر کر دنیا کی زیب و زینت میں گم ہو کر رہ گئیں اور وہ الٹا ان لوگوں کا مذاق اڑانے لگے جو حق کی خاطر زندگی کی ساری عشرتوں سے دستبردار ہو کر افلاس اور تنگی پر قانع ہو گئے تھے۔ قیامت کے دن جب حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو پتہ چلے گا کہ یہ مسکین لوگ جنھیں تم حقیر سمجھتے تھے، مالکِ حقیقی کے نزدیک کتنی عزت و کرامت کے مستحق ہیں۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ (خوبصورت نگاہ میں کردی گئی ان) ناشکروں اور حق چھپانے والوں (کے جنہوں نے کفر کیا دنیاوی زندگی)، دنیا کی زندگی ہی انکے لئے سب کچھ ہے جس پر وہ فریفتہ ہو جاتے ہیں اور مغرور ہوتے ہیں (اور وہ مذاق اڑاتے ہیں) ٹھٹھا کرتے ہیں، افسوس کا اظہار کرتے ہیں (ایمان والوں سے)۔

قریش کے امیر لوگ غریب صحابہ جیسے حضرت بلال اور حضرت عمار وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ہنستے اور کہتے، بھلا یہ لوگ اس لائق ہیں کہ جن کے ذریعہ سے دنیا کا کام سدھر جائے اور ٹھیک ہو جائے اور شرفاء عرب کی عظمت اور ان کے رسوم و عادات کی بنیاد اکھڑ جائے۔ اگر محمد عربی ﷺ اپنے دعویٰ نبوت میں حق ہوتے تو عرب کے سردار اور قبیلوں کے سرگروہ انکے تابع ہوتے۔

ان نادانوں کو کیا معلوم، یہ حضرت بلال و حضرت عمار (اور) ان جیسے (جو) دوسرے (پرہیزگار رہوئے) وہ سب (ان) مغرورین (سے بلند و بالا) عزت و کرامت کی مسند پر رونق افروز (ہونگے قیامت کے دن)۔ مسلمان لوگ جنت میں اونچے سے اونچے درجوں پر ہونگے اور کافر لوگ نیچے سے نیچے گڑھے اور قید خانوں میں قید ہونگے۔ [redacted]

[redacted] رب کریم نے رزق رسانی کیلئے اپنے پرائے کی تقسیم نہیں فرمائی ہے، بلکہ اپنے ذمہ کرم میں ہر مرزوق کا رزق لے رکھا ہے، تنہا وہ رازق

(اور) باقی سب مرزوق، تو (اللہ) تعالیٰ (روزی دے جس کو چاہے ان گنت) بے حساب۔ روزی دینے میں اس کی حکمت قارون کو بھی ایک بہت بڑے خزانے کا مالک بنادیتی ہے، تو اگر یہ کوئی کرامت ہوتی تو یہ ایمان والوں ہی کا حصہ بنتی اور کفار اس سے ہمیشہ کیلئے محروم رہتے۔

الغرض۔۔۔ دنیاوی دولت و ثروت حقیقی عزت کی دلیل نہیں اور ایسے دنیاوی افلاس، تنگدستی، عظمت و کرامت کے منافی نہیں۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ

سارے انسان ایک ہی امت تھے۔ پھر بھیجا اللہ نے پیغمبروں کو بشارت سنانے والے اور ڈرانے والے۔ اور اتارا انکے ساتھ

الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ

کتاب کو بالکل حق، تاکہ وہ فیصلہ فرمادیا کرے لوگوں کے درمیان اس میں جس میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اور کتاب میں کسی نے اختلاف نہیں کیا

أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا

مگر انہوں نے جن کو کتاب دی گئی بعد، اسکے کہ آگئیں صاف صاف باتیں آپس کی ہٹ دھرمی سے، تو ہدایت فرمادی اللہ نے انکی جو

اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾

ایمان لاچکے، اس بارے میں جس میں وہ مختلف ہوئے ٹھیک بات کی اپنے حکم سے، اور اللہ ہدایت فرمائے جسکی چاہے سیدھی راہ ●

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لوگ دنیا کی محبت میں کفر پر اصرار کرتے ہیں اور اب یہ بیان فرمایا ہے کہ کفر اور گمراہی کا سبب نیا نہیں ہے، بلکہ پہلے بھی یہی سبب تھا۔ تمام لوگ پہلے دین حق پر تھے، پھر دنیا کی محبت کی وجہ سے انھوں نے ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کی اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔

۔۔۔الحتصر۔۔۔ حضرت آدم سے لیکر تقریباً دس قرنوں تک جس کا ہر قرن اسی ۸۰ سال کا تھا (**سارے انسان ایک ہی امت تھے**)، دین اسلام کے ماننے والے، توحید کا عقیدہ رکھنے والے، اور شرک سے پاک وصاف، یہاں تک کہ شیطان نے ان میں سے بعض کو کفر و شرک میں مبتلا کردیا۔

چنانچہ وہ لوگ غیر خدا کی پرستش میں لگ گئے اور عقیدۂ توحید سے دور ہوگئے۔ پھر ایک دور ایسا آیا موحدین اور مومنین خال خال نظر آنے لگے اور ہر طرف شرک و کفر و بت پرستی کا غلبہ ہوگیا۔ پھر طوفان نوح کا واقعہ پیش آیا جس میں غرق ہونے سے مردوں اور عورتوں پر مشتمل صرف وہی اسی ۸۰ نفوس بچ سکے جو حضرت نوح کی کشتی پر سوار تھے اور وہ سب کے

سب ایمان اور عقیدہ توحید الٰہی والے ہی تھے۔ پھر حضرت نوح اور انکے بیٹے حام، سام اور یافث اور انکی ازواج کے سوا باقی لوگ بھی وفات پاگئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے مذکورہ بالا فرزندان، حضرت نوح ہی کے دین وشریعت کے ماننے والے تھے اور جب پھر انکی اولادیں بڑھیں تو ایک عرصہ دراز کے بعد شیطان نے انکے اندر بھی اختلاف پیدا کر دیا اور انکے بعض کو کفر وشرک میں مبتلا کر دیا۔ اسطرح پھر دنیا میں جگہ جگہ کفر وشرک کے بادل منڈلانے لگے۔

مگر یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ جب جب اور جہاں جہاں ایسے حالات ظہور پذیر ہوئے اور لوگ ہدایت ربانی کے محتاج ہوئے تو (پھر بھیجا اللہ) تعالیٰ (نے پیغمبروں کو) ایمان والوں کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے پایاں اجر وثواب کی (بشارت سنانے والے اور) کافروں، مشرکوں کو جہنم اور عذاب الٰہی سے (ڈرانے والے) اپنے پیغمبروں کو (اور) انکو خالی ہاتھ نہیں مبعوث فرمایا بلکہ (اتارا انکے ساتھ) یعنی نازل کیا ان پر ہدایت کی (کتاب کو) جو از اوّل تا آخر (بالکل حق) ہی حق ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ ہر نبی کے ساتھ کتاب الٰہی رہی۔ اب خواہ وہ اس پر نازل ہوئی ہو۔۔۔یا۔۔۔ نازل کسی اور نبی پر ہوئی ہو مگر اسکو اس کتاب کی شریعت وہدایت کی تبلیغ پر معمور کر دیا گیا ہو۔ یہ اسلئے کیا گیا (تاکہ وہ) نبی اس صحیفہ ہدایت کی روشنی میں (فیصلہ فرمایا کرے لوگوں کے درمیان اس میں جس میں انہوں نے اختلاف کیا) اور وہ بھی اس سے اتفاق کر لینے کے بعد اب خواہ انکا اختلاف دین الٰہی کی حقانیت سے۔۔۔یا۔۔۔ دین کے اوامر میں سے کسی امر سے ہو۔۔۔یا۔۔۔ خود کتاب کی ہدایتوں میں سے کسی ہدایت سے متعلق ہو، ہر دور کا نبی اپنے دور کے لوگوں کی اختلافی باتوں کا فیصلہ فرماتا رہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین کر لینا چاہئے (اور) سمجھ لینا چاہئے کہ (کتاب میں کسی نے اختلاف نہیں کیا مگر انہوں نے جن کو کتاب دی گئی بعد اسکے کہ آگئیں صاف صاف باتیں)۔۔۔الغرض۔۔۔ کتاب سے اختلاف کرنے والے اپنے عہد کے جاہلوں، نادانوں، اور بے خبروں میں سے نہیں تھے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ انہیں کتاب اسلئے دی گئی ہے کہ انکا اختلاف مٹ جائے اور وہ راہ راست پر آجائیں، مگر انہوں نے اسکے برعکس اپنے اختلاف کو اور بھی مضبوط اور راسخ کر دیا اور کتاب الٰہی میں تحریف وتاویل کا ایسا سلسلہ شروع کر دیا کہ عوام الناس کیلئے حقائق حجاب اندر حجاب ہوگئے انکا مذکورہ بالا طرز عمل، فکر ودانش اور حق وصداقت کی بنیاد پر نہیں ہے بلکہ صرف (آپس کی ہٹ دھرمی سے)

ہے، جو حسد، ظلم، دنیا ہی پر انحصار اور انصاف کے فقدان کا نتیجہ ہے۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ اختلاف وتفریق اور کتاب الٰہی میں تاویل وتحریف، یہ کام ان کے سرداروں اور ان کے رؤساء کا تھا، مگر انکا تابع ہونے اور انکی پیروی کرنے کے سبب ان کاموں کی نسبت سب کی طرف کردی گئی۔

۔۔۔المختصر۔۔۔'اختلاف فی الحق' دین کا ایک قدیمی معاملہ ہے (تو ہدایت فرمادی) اپنے فضل وکرم سے (اللہ) تعالیٰ (نے انکی جو ایمان لاچکے اس بارے میں جس میں وہ مختلف ہوئے ٹھیک بات کی، اپنے حکم) یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن اور امر اور آسان کردینے اور نیک ارادہ اور رحمت (سے)۔ سمجھ لو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ مالک ومختار ہے تو وہ (ہدایت فرمائے جسکی چاہے) انبیاء اور اولیاء کی (سیدھی راہ کی)۔

۔۔۔المختصر۔۔۔انسانیت کی ابتداء نور اور ہدایت سے ہوئی تھی، پھر لوگوں نے شیطانی راستوں اور نفسانی خواہشوں کی بناء پر ان نور کو ظلمت سے بدل دیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے جسے چاہا صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی اور انہیں جنت کا مستحق بنادیا۔ جنت کے حصول کیلئے صراط مستقیم پر چلنا کچھ آسان نہیں اس راہ میں بہت مشکلیں برداشت کرنی پڑتی ہیں، بہت مصیبتیں اٹھانی پڑتی ہیں، بہت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے اور بہت قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔

تو اے ایمان والو یہود ونصاریٰ اور مشرکین کی مخالفت، انکے ساتھ آئے دن کی لڑائیوں، ان کے طعنوں، استہزاء اور انکی فتنہ سامانیوں سے گھبرانہ جانا ابھی تو تمہارا ایسی آزمائشوں سے سابقہ نہیں پڑا ہے، جن آزمائشوں سے تم سے پہلے مسلمان گزر چکے ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔مسلمانوں کی ترقی اور انکی ہمت افزائی کیلئے باختلاف روایت ہجرت کے ابتدائی ایام میں۔۔۔یا۔۔۔جنگ احد کے موقع پر۔۔۔یا۔۔۔جنگ خندق کے موقع پر اس ارشاد الٰہی کا نزول ہوا کہ۔۔۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

کیا تم نے گمان کرلیا کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں، اور ابھی نہیں آئی تمہارے پاس وہ حالت جو آئی تھی کہ گزر چکے تم سے پہلے۔

مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

پہنچی ان کو سختی اور تنگی، اور اس قدر ہلا ڈالے گئے کہ کہہ پڑا خود رسول، اور جو اس کو مان چکے تھے، ابھی

مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ۝

کہ کب ہو گی اللہ کی مدد۔ آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد نزدیک ہے ●

اے ایمان والو (کیا تم نے گمان کرلیا کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور) حال یہ ہے کہ (ابھی نہیں آئی تمہارے پاس وہ حالت جو انکی تھی) جو (کہ گزر چکے تم سے پہلے) انبیاء وصدیقین اور انکے اتباع کرنے والے (پہنچی انکو سختی اور تنگی) اور وہ ایسی ویسی، ہلکی پھلکی نہیں، بلکہ کسی کے سروں پر آرا چلا دیا گیا اور اسکے دو ٹکڑے کر دیئے گئے اور کسی کے جسم کو لوہے کی کنگھی سے بے دردی کے ساتھ چھیل دیا گیا (اور) وہ نا قابل برداشت مظالم کے ذریعہ (اس قدر ہلا ڈالے گئے کہ کہہ پڑا خود رسول اور جو اسکو مان چکے تھے وہ بھی) اپنے پیغمبر سے اتفاق کرتے ہوئے بول پڑے (کہ کب ہو گی اللہ) تعالیٰ (کی) وہ (مدد) جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ آخر ہمیں دشمنوں پر کب فتح حاصل ہو گی۔ اللہ کا وعدہ پورا ہو گا اس میں ایمان والوں کو ذرہ برابر بھی شک نہیں تھا، لیکن چونکہ وہ فتح ونصرت جلد چاہتے تھے اسی لئے شدید ترین مصائب وآلام کا جب دباؤ ہوا تو انکی زبان سے بے اختیارانہ طور پر یہ بات نکل گئی۔ پس اے بعجلت نصرت الٰہیہ کے طلبگارو خوش ہو جاؤ اور (آگاہ رہو کہ اللہ) تعالیٰ (کی مدد) اب تمہارے بالکل ہی (نزدیک ہے)۔

چنانچہ رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا اور ایمان والوں کو خوف وغم سے نجات عطا فرمائی۔ اس سورۂ مبارکہ میں انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت کے پیش نظر اسکا ذکر خاص اہتمام سے فرمایا گیا ہے۔۔۔ اسلئے۔۔۔ جانی قربانی کے ساتھ ساتھ مالی قربانی کی بھی ایک خاص اہمیت ہے اور مالی نقصان پر بھی صبر کرنا جنت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ

تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو کار خیر میں تم نے لگانا چاہا تو وہ ماں باپ اور قرابت داروں

وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝

اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کا حق ہے۔ اور جو نیکی کرو، تو بیشک اللہ اس کو جاننے والا ہے ●

تو اے محبوب تمہارے ایک چاہنے والے عمرو بن جموح نے دریافت کیا ہے کہ وہ اپنے مال سے کیا خرچ کریں، تو انکے اور ان جیسے ان تمام کو جو (تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا کیا خرچ کریں) تو جوابا

انکو آگاہ کردو کہ انکے مالوں پر کتنوں کا حق ہے۔اس سے یہ سمجھ لینگے کہ ان کو کس کو دینا اور کیا دینا ہے۔تو اے محبوب ایسا سوال کرنے والوں سے (**کہہ دو کہ جو کار خیر میں تم نے لگانا چاہا تو وہ**) انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ ساتھ تمہارے (**ماں باپ اور**) تمہارے (**قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کا حق ہے**)۔۔۔الغرض۔۔۔ان کو دینے میں انکے حقوق کی ادائیگی بھی ہے۔سب مصارف میں ماں باپ کا نفقہ اہم ترین ہے اور قرابتداروں کے ساتھ جو کیا جائے گا اس میں صلہ رحمی بھی ہے۔

رہ گئے یتیم جو اپنا خرچ کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔۔۔یونہی۔۔۔مسکین وفقیر جو اپنی معاش کی تدبیر نہیں کرسکتے،ایسے ہی مسافر جو حالت سفر کی وجہ سے بے بس ہو جاتے ہیں، ان سب پر خرچ کرنا بنیادی طور پر ان پر احسان کرنا نہیں ہے، بلکہ ان کو انکا حق دے کر خود اپنے کو انکی حق تلفی سے بچانا ہے اور پھر انفاق فی سبیل اللہ کا بھی اجر وثواب حاصل کر کے اپنے کو جنت کا بھی مستحق بنانا ہے۔

اس مقام پر یہ بات ذہن نشین رہے کہ جو کچھ کرو وہ خیر کے دائرے سے باہر نہ ہونے پائے، لہٰذا جس کو جو کچھ دو خیر ہو،یعنی حلال وطیب ہو، جو حلال ذرائع سے حاصل ہوئی ہو۔پس جان لو (اور) یقین کرلو کہ تم (**جو نیکی کرو**) گے (**تو بیشک اللہ**) تعالیٰ (**اسکو جاننے والا ہے**) چنانچہ وہ اپنے فضل وکرم سے اسکا صلہ عطا فرمائے گا۔

پہلے ارشاد فرمایا گیا کہ جنت میں داخل ہونے کیلئے سختیاں اور مشقتیں برداشت کرنی پڑیں گی پھر اسکے بعد مال خرچ کرنے کا حکم دیا گیا یہ بھی ایک مشقت ہے اور اب جہاد کی مزید مشقت برداشت کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اور فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ

فرض کیا گیا تم پر جہاد اور وہ ناگوار ہے تم کو، اور کیا دور کہ تم ناگوار رکھو کسی چیز کو حالانکہ وہ بہتر ہے تمہارے لئے،

وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾

اور قریب ہے کہ پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ بری تمہارے لئے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ●

منزل ۱

اے ایمان والو! (**فرض کیا گیا تم پر جہاد**) یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے کفار سے جنگ میں اپنی پوری طاقت اور وسعت کو خرچ کرنا۔تو اب اگر ایسی صورت ہو کہ کسی اسلامی شہر پر کافر حملہ

کریں تو اس شہر کے مسلمانوں پر شہر کے دفاع کیلئے جہاد کرنا فرضِ عین ہے۔

اب اگر ایک اسلامی ملک اپنے دفاع کی استطاعت نہ رکھے تو اس کے قریب کے ملک پر جہاد کرنا فرض عین ہوگا۔۔۔یونہی۔۔۔اگر جہاد کیلئے روانہ ہونے کا مسلمانوں کو عام حکم دیا جائے تو اس صورت میں بھی جہاد فرضِ عین ہے۔ان کے سوا دوسری صورتوں میں۔۔۔مثلاً: اسلام کی تبلیغ کیلئے، کافروں کو اسلام کی دعوت دینا، اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو ان کو جزیہ ادا کرنے کیلئے کہنا، اب اگر اسکو بھی قبول نہ کریں تو ان سے جہاد کرنا۔۔۔یونہی۔۔۔مسلمانو کو عام حکم نہ ملنے کی صورت میں جہاد کرنا، ان دونوں صورتوں میں جہاد فرض کفایہ ہے۔

اگر چہ حکم خداوندی ہونے کے لحاظ سے ایمان والے کو جہاد سے کراہت نہیں ہوسکتی لیکن انسانی فطرت اور آدمی کی طبیعت کا مقتضا یہ ہے کہ ہر شخص اپنا مال تلف ہونے اور اپنی جان ہلاک ہونے کو ناپسند کرتا ہے تو یہ ایک طبعی کراہت ہے (اور) اسی وجہ سے (وہ) یعنی جہاد طبعاً (ناگوار ہے تم کو) اس جہاد کے سوا وہ جہاد، جسے 'جہاد اکبر' کہا گیا ہے، جس میں انسان کے سب سے بڑے خارجی دشمن 'شیطان' اور داخلی دشمن 'نفس' سے جہاد کیا جاتا ہے، اچھا کھانا، اچھا پہننا، خوب سونا، کس کو اچھا معلوم نہیں ہوتا۔اب اگر ان سب کو صرف خدا کی رضا کیلئے چھوڑنا پڑ جائے اور ان امور میں نفس کی خواہش کے خلاف کیا جائے، یہ بھی بہت بڑا جہاد ہے، اگر چہ یہ انسانی طبیعت کو ناگوار ہی۔

لیکن یہ بھی تو سچ (اور) ایک حقیقت ہے کہ (کیا دور) ہے کچھ بعید نہیں (کہ تم) اپنی طبیعت کے اقتضاء اور طبعی نفرت کی بنیاد پر (ناگوار رکھو کسی چیز کو حالانکہ وہ بہتر ہے تمہارے لئے) دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔دنیا میں فتح، دشمنوں پر غلبہ اور دین کی سربلندی کی شکل میں اور آخرت میں مرتبہ شہادت، اعلیٰ علیین میں قیام، اور جنت کی دائمی راحت کی صورت میں یہ بھی بعید نہیں (اور قریب ہے) ممکن ہے (کہ) تم (پسند کرو کسی چیز کو حالانکہ وہ بری) ثابت ہو (تمہارے لئے) مثلاً طبیعت کی کسل اور کاہلی کی وجہ سے جہاد سے منہ پھیر لینا بظاہر تو اچھا لگتا ہے، مگر اسکے نتیجہ میں دشمنوں کے غلبہ کی وجہ سے ذلت کی زندگی بسر کرنا اور آخرت میں جہاد کے ثواب سے محروم رہنا، اور شہدا کا درجہ ومقام نہ حاصل کرسکنا، یہ کتنے بڑے نقصان اور خسارے کی بات ہے۔خبردار ہوجاؤ (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ تمہاری بہتری کس میں ہے وہ (جانتا ہے اور تم) اس مصلحت کو (نہیں جانتے) تمہارا پیدا کرنے والا بخوبی جانتا ہے کہ تمہاری بھلائی کس چیز میں ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر قتال اور جہاد کو فرض کر دینے کے متعلق آیات نازل کی تھیں، لہٰذا اس سوال کی گنجائش تھی کہ آیا حرمت والے مہینے میں بھی قتال جائز ہے کہ نہیں؟ ادھر دو ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کے احوال پر نظر رکھنے کیلئے حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں ایک لشکر بھیجا تھا، اس لشکر میں سے ایک شخص نے عمرو بن حضرمی نام کے ایک مشرک کو قتل کر دیا اور یہ قتل رجب میں ہوا جو حرمت والا مہینہ ہے، اس پر مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ ایک طرف تو پیغمبر اسلام اللہ کے دین پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں ادھر انکے پیروکاروں کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ماہ حرام میں ایک شخص کو قتل کر دیا، حالانکہ حرمت والے مہینہ میں قتال کرنا ملتِ ابراہیم کے مطابق حرام ہے۔ چنانچہ بہت سارے لوگوں نے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم، آیا کہ وہ حلال ہے یا حرام؟ معلوم کرنا چاہا۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ

پوچھتے ہیں تم سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم۔ کہہ دو اس میں لڑنا بڑا جرم ہے۔ اور اللہ کے راستے سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ

روکنا، اور اس سے انکار کر دینا، اور مسجد حرام سے روک دینا، اور وہاں کے لوگوں کو حرم سے نکال دینا بہت بڑا جرم ہے

اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ

اللہ کے نزدیک۔ اور فتنہ گروں کا فتنہ انکے قتل سے بڑھ کر ہے۔ اور وہ ہمیشہ ہی تم سے لڑتے بھڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ

عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ۭ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَھُوَ كَافِرٌ

ہو سکے تو تم کو تمہارے دین سے پھیر دیں۔ اور جو پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے، پھر مر جائے اس حال میں کہ کافر ہے،

فَاُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

تو وہ لوگ ہیں جن کا کیا دھرا جاتا رہا دنیا اور آخرت میں۔ اور وہ جہنم والے ہیں۔

ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

تو اے محبوب! جو لوگ بھی (پوچھتے ہیں) خواہ وہ ایمان والے ہوں ۔۔۔ یا ۔۔۔ کفر والے (تم سے ماہ حرام میں لڑنے کا حکم) تو ان سے (کہہ دو) اگر چہ (اس) ماہ (میں لڑنا) ایک (بڑا جرم

ہے) مگر اس سوال کا حق ان کو نہیں جو اس سے بہت بڑے جرم کا ارتکاب کئے بیٹھے ہیں۔ایک طرف تو وہ اپنے بڑے بڑے جرم کو عملاً جرم ہی نہیں سمجھتے، اور دوسری طرف اگر کسی سے کوئی غلطی نادانستہ طور پر ہو جائے۔۔۔یا۔۔۔صورت حال کی نزاکت کے پیش نظر وہ فکری خطا کر بیٹھے تو اس کو ایک سنگین مسئلہ بنا کر شور و غوغہ پر اُتر آتے ہیں۔

تو اے محبوب صاف صاف واضح طور پر فرما دو کہ لوگو ہوش سے کام لو (اور) اچھی طرح جان لو کہ تمہارا (اللہ) تعالیٰ (کے راستے سے روکنا) اور مسلمانوں کو ایمان سے باز رکھنے کیلئے ظالمانہ طرز عمل اختیار کر لینا (اور اس سے انکار کر دینا) یعنی خدا کا منکر ہو جانا (اور مسجد حرام سے روک دینا) وہاں طواف نہ کرنے دینا، نماز نہ پڑھنے دینا، (اور وہاں کے لوگوں) یعنی وارثین حرم، رسول کریم اور آپ کے صحابہ (کو حرم سے) جبراً (نکال دینا) اور ایسا ماحول پیدا کرنا کہ وہ ہجرت پر مجبور ہو جائیں، تو یہ جرم، حرم میں قتال والے جرم سے کہیں زیادہ سنگین اور (بہت بڑا جرم ہے) اور وہ بھی (اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک)۔ایسے مجرمین کیلئے کڑی سزا اور دردناک عذاب ہے۔

اب اگر کوئی مسلمان کسی حضرمی۔۔۔یا۔۔۔ان جیسے فتنہ گروں کو قتل کر دے تو یہ کوئی بہت بڑا جرم نہیں (اور) نہ ہی ان شر پسندوں کے شر سے بڑھ کر ہے بلکہ ان (فتنہ گروں کا فتنہ ان کے قتل سے بڑھ کر ہے)۔۔۔الغرض۔۔۔انکا فتنہ جتنا بڑا جرم ہے خود ان کو قتل کر دینا اتنا بڑا جرم نہیں۔مجرمین کا قتل جرم نہیں بلکہ انسدادِ جرم کی ایک تدبیر ہے۔اسلئے کہ جب تک یہ رہیں گے فتنہ برپا کرتے رہیں گے (اور وہ ہمیشہ ہی تم سے لڑتے بھڑتے رہیں گے) اور یہ سلسلہ جاری رکھیں گے (یہاں تک کہ ہو سکے تو تم کو تمہارے دین) اسلام (سے پھیر دیں) اور کفر میں پہنچا دیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔مسلمانوں سے کافروں کی عداوت دائمی ہے۔یہ اس وقت تک رہنے والی ہے جب تک کہ مسلمان، معاذ اللہ، کفر نہ اختیار کر لے۔مسلمانو! اچھی طرح سُن لو (اور) جان لو کہ (جو پھر جائے تم میں سے اپنے دین) اسلام (سے) کافروں کے دین کی طرف اور (پھر مر جائے اس حال میں کہ کافر ہے تو) وہ اور اسکے بعد اس جیسے لوگ (وہ لوگ ہیں جن کا کیا دھرا جاتا رہا دنیا اور آخرت میں) مرتد ہو جانے کے بعد وہ واجب القتل ہو گئے، اب انہیں کسی طرح کی امان نہیں ۔۔۔نیز۔۔۔مال، زوجہ اور میراث ہر ایک پر سے انکا استحقاق جاتا رہا اور آخرت میں بھی نہ انکے لئے کوئی ثواب ہے اور نہ ہی حسن خاتمہ کے ثمرات (اور وہ جہنم والے ہیں) اور ایسا بھی نہیں کہ دخول جہنم

کے کچھ دنوں کے بعد انکی رہائی ہوجائے گی اور جہنم سے باہر کر دیا جائے گا، بلکہ (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا بیان فرمایا تھا جن کیلئے قطعی طور پر جہنم ہے، اب ان لوگوں کا بیان فرمارہاہے جو جنت کی امید رکھنے کے حقدار ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

بیشک جو ایمان لائے، اور جنہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا،

أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

وہ امید رکھیں اللہ کی رحمت کی۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

کہ (بیشک) عبداللہ بن جحش اور انکے رفقاء جیسے (جو) لوگ بھی (ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی)، اپنا وطن چھوڑا (اور) کافروں سے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں جہاد کیا، وہ) اس بات کے حقدار ہیں کہ (امید رکھیں اللہ) تعالیٰ (کی رحمت کی)۔ سن لو (اور) یقین کرلو کہ (اللہ) تعالیٰ مومنوں اور مجاہدوں کو (بخشنے والا) اور ان پر (رحمت) فرمانے (والا ہے)۔

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا بیان کیا گیا تھا اور عربوں میں شراب پینے کا عام رواج تھا اور شراب اور جہاد دونوں ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے، کیونکہ شراب کے نشے میں انسان کو اپنے پرائے کی تمیز نہیں رہتی تو ایسا شخص کافروں سے جہاد کب کرسکتا ہے۔ نیز وہ شراب کے نشے میں جوا کھیلا کرتے تھے اور جیتی ہوئی رقم غریبوں میں تقسیم کردیا کرتے تھے اور بظاہر یہ اچھا کام تھا، مگر وہ نفوس قدسیہ رکھنے والے لوگ جنکے قلب و دماغ نبی کریم کی پاکیزہ تربیت وصحبت کے نتیجے میں مجلی ومصفی ہوچکے تھے، انہوں نے ان دونوں کے ہونے والے نقصان کی اہمیت کو محسوس کرلیا تھا، وہ خاموش نہ رہ سکے، چنانچہ حضرت فاروق اعظم اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت میں عرض کر ہی دیا، کہ سرکار آپ ہمیں شراب اور جوئے کے حکم سے آگاہ فرمائیں، ساتھ ساتھ ان دونوں میں جو نمایاں خرابی ہے اسکا بھی ذکر کردیا، جس سے واضح ہوگیا کہ وہ انکے جواز کا حکم نہیں چاہتے، بلکہ انکی خواہش یہ ہے کہ ان دونوں کی حرمت کا حکم نازل فرمادیا جائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ

پوچھتے ہیں تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں۔ کہہ دو دونوں میں گناہ تو بڑا ہے اور فائدے ہیں عام لوگوں کیلئے

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ

اور ان کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان کے فائدہ سے۔ اور پوچھتے ہیں تم سے کہ کیا خرچ کریں۔

قُلِ الْعَفْوَ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

کہہ دو جو تمام خرچ سے بچے۔ اسی طرح بیان فرمادیتا ہے اللہ تمہارے لئے آیتیں، کہ اب سوچ اور غور سے کام لو●

تو اے محبوب تمہارے چاہنے والے (پوچھتے ہیں تم سے شراب) یعنی انگور سے نچوڑا ہوا کچا شیرا جو پڑے پڑے جوش کھانے لگا اور جھاگ چھوڑ دیا (اور جوئے) یعنی ہر وہ کھیل جس میں یہ شرط ہو کہ مغلوب کی کوئی چیز غالب کو دے دی جائے (کے بارے میں)، تو (کہہ دو) ان (دونوں میں گناہ تو بڑا ہے اور) کچھ (فائدے) بھی (ہیں، عام لوگوں کیلئے) مثلاً: سرور و مستی، کمزور کو تقویت، کھانا ہضم کرنا، قوت مردانگی میں مدد کرنا، غمگین کو خوشی دلانا، بزدل کو بہادر بنانا، بخیل کو سخی کرنا، جسم کے رنگ کو نکھارنا، بچے کو بولنے پر قدرت دینا اور ارادے بلند کرنا، یہ تو رہے شراب نوشی کے ظاہر میں فائدے۔

رہ گیا جوا تو اس سے ایک فائدہ تو یہ ہے کہ اسکے ذریعے نہایت آسانی سے بغیر کچھ خرچ کئے بلا تکلف ایک انسان دوسرے انسان کی دولت کو حاصل کر لیتا ہے، بغیر کسی محنت کے اسکا مالک بن جاتا ہے۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔ ذہن نشین کرلو (اور) جان لو کہ (انکا گناہ زیادہ بڑا ہے انکے فائدے سے) اسلئے کہ شراب نوشی سے آپس میں بغض و عداوت بڑھتی ہے، یہ اللہ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے، انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے، حالت نماز میں 'لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ' میں نہیں پوجتا جس کو تم پوجتے ہو، کی جگہ 'اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ' میں پوجتا ہوں جس کو تم پوجتے ہو، کا کفریہ جملہ زبان سے نکلوا دیتی ہے۔

۔۔۔نیز۔۔۔ شراب نوشی آدمی کو بے حوصلہ اور اس قدر بے خوف اور احمق بنا دیتی ہے کہ بسا اوقات شرابی خود اپنے پیشاب سے کھیلنے لگتا ہے، گندی نالیوں میں پڑا رہتا ہے۔ خود اپنی غلاظت سے لہو و لعب اسکا مشغلہ ہو جاتا ہے۔

۔۔۔یونہی۔۔۔ قمار بازی کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ جس کسی کا مال بغیر کاروبار کے چلا گیا، تو وہ اپنے بالمقابل کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور اسکی دشمنی کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ اپنے بالمقابل کو زک نہیں پہنچاتا اُسے چین نہیں آتا۔ ویسے بھی قمار بازی انسان

کو کاہل اور ناکارہ بنادیتی ہے، محنت وکسب کی اسکی ساری صلاحیتیں ضائع ہوجاتی ہیں۔

---المختصر---شراب نوشی اور قمار بازی میں روحانی اور جسمانی دونوں طرح کی بیماریاں ہیں اوران میں پیسہ خرچ کرنالائق مذمت ہے۔تو اب سوال پیدا ہوا کہ کس چیز میں پیسہ خرچ کرنالائق تحسین ہے۔

تو اے محبوب اس تعلق سے سوال کرتے ہیں (اور پوچھتے ہیں تم سے کہ کیا خرچ کریں) چونکہ اس کلام کا سیاق جہاد ہے اور جہاد کا عظیم ستون اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس سوال کو پھر دھرایا کہ کیا چیز خرچ کریں۔تو اے محبوب (کہہ دو جو) تمہارے، تمہاری اہل وعیال اور تمہاری زیر پرورش رہنے والوں کے (تمام خرچ سے بچے) اور تم کو اسکی احتیاج نہ رہے، ایسا بھی نا ہو کہ تم سارا کا سارا مال خیرات کر کے خود محتاج ہوجاؤ اور بھیک مانگتے پھرو---یا---تمہارے بعد تمہارے بچوں اور تمہاری کفالت میں رہنے والوں کیلئے کچھ نہ بچے اور انکو دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑ جائے۔

---ہاں---اگر تمہارے پاس بے حساب دولت ہے جو تمہاری ضرورت سے زیادہ ہے تو اس زیادہ سرمایہ سے اپنے گرد ونواح اور پڑوس میں رہنے والے غریب مسکین اور محتاج، اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں جو زندگی کی اہم ضروریات کیلئے بھی ترس رہے ہوتے ہیں، اوراس مقام پر یہ خیال نہ کریں کہ وہ زکوٰۃ ادا کر کے ہر قسم کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے ہیں، بلکہ انکی ضرورت سے زیادہ جو سرمایا ہے، اس سے اپنے اسلامی بھائیوں کی ضرور مدد کریں۔

یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ زکوٰۃ فرض کردینے، ان کے مصارف کو متعین کردینے اور اسکے تعلق سے ضروری ہدایت دیدینے کے بعد نفلی صدقات کرنے کی ترغیب وتحریص میں حکمت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس میں یہی حکمت ہے کہ جو بے حساب اور اپنی ضرورت سے زیادہ دولت کے مالک ہیں وہ صرف اپنی سالانہ زکوٰۃ ادا کر کے مطمئن نہ ہوجائیں، بلکہ نفلی صدقات کے ذریعہ بھی انفاق فی سبیل اللہ کرتے رہیں۔

رب کریم کی مہربانی ہے کہ جس طرح نفقہ دینے کے شرعی احکام واضح طور پر بیان فرمادیئے ہیں (اسی طرح بیان فرمادیتا ہے) اور ظاہر کردیتا ہے (اللہ) تعالیٰ (تمہارے لئے آیتیں) اپنی مہربانی کی نشانیاں تا (کہ تم سوچ اور غور سے کام لو)۔

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَاِنْ

دنیا وآخرت میں۔ اور پوچھتے ہیں تم سے یتیموں کے بارے میں۔ کہہ دو انکے بہتری کا کام کرنا بہتر ہے، اور اگر

تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ

اپنا ان کا مال ملا جلا کر رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ معلوم کرا دیتا ہے فسادی کو الگ خیر خواہ سے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾

اور اگر اللہ نے چاہا ہوتا تو تم کو ضرور گرفتار مصیبت کر دیتا بیشک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

فنا ہو جانے والی (دنیا) (و) باقی رہنے والی (آخرت میں) یعنی دنیا سے محبت نہ رکھو اور آخرت کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔ دنیا وآخرت کے امور میں انہیں کو اپناؤ جو دینی نقطۂ نظر سے تمہارے لئے بہتر ہوں، باقی رہ سکنے والے اور زیادہ نفع بخش ہوں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تھا اور اب مال خرچ کرنے کا ایک مصرف اور محل بتایا جا رہا ہے کہ جو چیزیں تمہاری ضرورت سے زائد ہیں، ان کو یتیموں پر خرچ کرو اور بحسن وخوبی یتیموں کی کفالت کرو اور جان لو کہ جو یتیم تمہاری کفالت میں ہے، اسکا کھانا اپنے کھانے سے الگ کر کے کھانے کی ضرورت نہیں، بلکہ خیر خواہی کی نیت سے اپنا انکا کھانا مشترک رکھو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

یتیم کا کھانا اپنے کھانے سے الگ پکانے میں اگر ایک طرف دو دو سالن پکانے کی مشقت و دشواری پیش آتی ہے تو دوسری طرف یتیم کا کھانا بچ جانے کی صورت میں سڑ جانے کی وجہ سے پھینکنا پڑتا ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ یتیم کی خیر خواہی کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے نقد مال اور باقی رہنے والی چیزوں کو الگ اس کے حساب میں رکھو اور جو چیزیں جلد خراب ہونے والی ہیں ان میں اپنا اور یتیم کا کھانا بقدر حساب مشترک رکھو۔

مذکورہ بالا احکام کے تعلق سے واضح علم نہ ہونے کے سبب یتیموں کا مال اپنے پاس رکھنے والے اور ان کے معاملات میں صرف کرنے والے، مال یتیم میں خیانت کے تہدیدی حکم کے پیش نظر اپنے کو یتیموں کی کفالت، انکی نگرانی اور انکے ضروری امور سے بری الذمہ اور کنارہ کش ہو جانے کی خواہش رکھنے والے، اے محبوب تمہاری بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں (اور پوچھتے ہیں تم سے یتیموں) سے نباہ کرنے کی کیفیت (کے بارے میں)، تو اے محبوب ان سے (کہہ دو) کہ (انکے بہتری کا کام

کرنا بہتر ہے)،ان سے پرہیز اور کنارہ کش ہونے کی بہ نسبت (اور) جب صورت حال یہ ہے تو اب (اگر اپنا) اور (انکا مال ملا جلا کر) ایک جگہ (رکھو تو) اس میں کوئی جرم نہیں، اسلئے کہ (وہ تمہارے) دینی (بھائی ہیں) اور بھائی کا یہ حق ہے کہ اس کا بھائی اسکے ساتھ مل جل کر رہے۔

غور سے سنو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ خود تو جانتا ہی ہے، دوسروں کو بھی (معلوم کرا دیتا ہے) اور ان پر ظاہر کر دیتا ہے (فسادی) یتیموں کے مال میں خیانت کرنے والے اور بے جا تصرف کرنے والے (کو الگ) کر کے (خیر خواہ سے)۔۔۔الغرض۔۔۔اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں کہ تم میں فسادی کون ہے اور مصلح کون ہے، وہ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزاء دیگا، تو تم ایسی غلطیوں سے بچو اور اصلاح کے سوا باقی اقدام نہ کرو (اور) سن لو کہ (اگر اللہ) تعالیٰ (نے چاہا ہوتا تو تم کو ضرور گرفتار مصیبت کر دیتا) اور یتیموں کے اموال کے ساتھ تمہارے اپنے مالوں کا اکٹھا رکھنا حرام فرما دیتا اور یتیموں کے معاملات کو تمہارے اپنے معاملات سے الگ رکھنے کا حکم فرما دیتا اور یتیموں سے میل جول رکھنے سے روک دیتا۔ اس صورت حال میں یتیموں کی کفالت کس قدر دشوار اور مشقت میں ڈال دینے والی چیز ہوتی۔ اب اگر اس مشقت میں ڈالنا چاہتا، تو اس کیلئے کیا مشکل تھی، اسلئے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے۔ وہ عاجز نہیں۔ جو چاہے کرے اور (حکمت والا ہے)، لہٰذا وہ وہی کرتا ہے جو اسکی حکمت کا تقاضہ ہوتا ہے۔ اسلئے کسی پر وہ اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ مخالطت کا جواز بیان فرمایا تھا، جسکا تقاضہ یہ تھا کہ یتیم کے مال کے ساتھ اپنا مال مخلوط کرنا بھی جائز ہے اور یتیم لڑکے یا یتیم لڑکی کے ساتھ اپنا۔۔۔یا۔۔۔اپنی اولاد کا نکاح کرنا بھی جائز ہے، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعض مسائل بیان فرمائے۔

وَلَا تَنكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتَّىٰ يُؤْمِنَّ ۚ وَلَأَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ

مت نکاح کرو شرک والیوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں، اور یقیناً ایمان والی لونڈی بہتر ہے شرک والی سے گو شرک والی

أَعْجَبَتْكُمْ ۗ وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّن مُّشْرِكٍ

تمہیں بھلی لگے۔ اور مت بیاہ کرو (اپنی لڑکیوں کو) مشرکین کے نکاح میں یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کریں، اور یقیناً مسلمان غلام بہتر ہے ہر مشرک سے،

وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۗ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ ۖ

گو تمہیں بھائے۔ وہ لوگ بلائیں جہنم کی طرف، اور اللہ بلائے جنت اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے۔ اور صاف صاف بیان فرمائے

ع ۲۷

وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۟

اپنی آیتوں کو لوگوں کے لئے کہ اب سبق لیں●

(اور) فرمایا (مت نکاح کرو شرک والیوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں) وہ مشرکہ حسن و جمال والی ہو۔۔۔یا۔۔۔دولت و ثروت والی ہو۔۔۔یا۔۔۔آزاد ہو۔۔۔الغرض۔۔۔کچھ بھی ہو مگر جب تک ایمان نہ لائے اس سے نکاح نہ کرو، (اور) اسکے برعکس (یقیناً ایمان والی لونڈی) خواہ وہ غریب ہو، خوبصورت نہ ہو، بایں ہمہ وہ (بہتر ہے) اس خوبصورت مالدار اور آزاد (شرک والی) کافرہ (سے، گو) وہ (شرک والی) کافرہ حسن و جمال اور کثرت مال کی وجہ سے، (تمہیں اچھی لگے)۔۔۔یونہی ۔۔۔محتاط ہو جاؤ (اور اپنی لڑکیوں کو مشرکین کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کریں) سچے دل سے مسلمان نہ ہو جائیں (اور) جان لو کہ (بلاشبہ مسلمان غلام بہتر ہے) خواہ وہ خوبصورت نہ ہو اور مال دار نہ ہو (ہر مشرک سے گو وہ تمہیں) اپنے حسن و جمال اور مال و منال کی وجہ سے (اچھا لگے)۔

اس حقیقت کا سمجھ لینا تو ایک عام آدمی کیلئے بھی دشوار نہیں کہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے عقائد، نظریات، افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں، اسلئے کہ یہ خدشہ ہے کہ مشرک شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا مشرکہ عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر ہو اسلئے اسلام نے یہ راستہ ہی بند کر دیا۔ اگر چہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمان شوہر یا بیوی سے مشرک شوہر یا بیوی متاثر ہو جائے، لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو، تو [redacted] نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے۔ [redacted]

اس میں جو حکمت ہے وہ بالکل ظاہر ہے۔ میاں بیوی میں وہ کون ہے جو آپس میں ایک دوسرے کو اپنا ہم خیال بنانا نہ چاہتا ہو، تو شادی ہو جانے کی صورت میں (وہ) شرک و کفر والیاں اور شرک و کفر والے (لوگ) اپنی باتوں سے۔۔۔یا۔۔۔اپنی محبت میں اسیر کر کے۔۔۔یا۔۔۔اپنی صحبت و قربت کا اثر ڈال کر اس کفر و شرک کی طرف (بلائیں) گے، جو تم کو (جہنم کی طرف) لے جانے کا سبب ہوگا۔ اور جب تک تم ان کے پورے طور پر ہم خیال نہیں ہو جاؤ گے، اس وقت تک وہ لوگ

مختلف نرم۔۔۔یا۔۔۔گرم طور وطریقہ اپنا کرتم کو کافر بنانے کی جدوجہد کرتے رہیں گے، **(اور اللہ) تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے نبی اور پھر اپنے اولیاء کے ذریعہ تم کو (بلائے)** اور بلاتا رہے گا اور ان **عقائد حقہ اور اعمال صالحہ کی دعوت دے بھی رہا ہے اور دیتا بھی رہے گا،** جو تمہیں **(جنت اور بخشش کی طرف) لے جانے کے اسباب ہیں،** خود اسکے **(اپنے حکم)** ارادہ (سے اور) اپنی شان کریمی سے **(صاف صاف بیان فرمائے)** حلال وحرام کے احکام کو واضح کردینے والی **(اپنی آیتوں کو لوگوں) کے** فائدے **(کیلئے) تا (کہ اب)** تو وہ کچھ **(سبق لیں)** اور نصیحت وہدایت حاصل کریں۔

اس سے پہلی آیت میں نکاح کا ذکر کیا گیا تھا اور نکاح کے لوازمات میں بیوی کے ساتھ جماع کرنا ہے۔اب آگے کے ارشاد میں یہ وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ کس حالت میں عورت کے ساتھ جماع کرنا ہے اور کس حالت میں نہیں کرنا۔اور آگے یہ بھی ہدایت فرمائی جارہی ہے کہ جماع کا مقصد صرف قضائے شہوت ہی نہیں، بلکہ حصول اولاد بھی ہے،تو جس جگہ سے حصول اولاد ہو سکے وہاں تخم ریزی کرو یعنی عمل معکوس نہ کرو۔۔۔۔ہاں۔۔۔اس عمل تخم ریزی کیلئے کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتے ہو، چنانچہ ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ۔۔۔۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۙ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا

اور پوچھتے ہیں تم سے حیض کے بارے میں۔ کہہ دو وہ گندگی ہے،تو ہٹائے رکھو عورتوں کو ایام حیض میں ،اور ان کی

تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ

قربت نہ کرو یہاں تک کہ پاک ہو جائیں۔ پھر جب پاک ہوگئیں تو جاؤ ان کے پاس اس مقام سے کہ حکم دیا تم کو اللہ نے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝

بیشک اللہ محبوب بنالیتا ہے بہت توبہ کرنے والوں اور دوست رکھتا ہے صاف ستھرے رہنے والوں کو●

اے محبوب تیری خدمت میں کچھ لوگ حاضر ہوئے ہیں **(اور پوچھتے ہیں تم سے حیض کے بارے میں)** تو جواباً **(کہہ دو)** کہ **(وہ گندگی ہے تو ہٹائے رکھو عورتوں کو)** مگر ایسا بھی نہیں کہ یہودیوں کی طرح انکو گھر سے نکال دو،ان کے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دو ان کا چہرہ تک دیکھنا گوارہ نہ کرو۔۔۔بلکہ۔۔۔ان سے دوری اور علیحدگی صرف اسی حد تک رکھو کہ **(ایام حیض میں)** ان سے صحبت **(اور)** جماع کیلئے **(انکی قربت نہ کرو)** اور یہ بھی کب تک اور کہاں تک **(یہاں تک کہ پاک ہوجائیں)**۔

---الغرض---وہ بھی نہ کرو جو یہودیوں نے کیا کہ ایام حیض میں عورتوں کو گھر سے نکال باہر کر دیا اور نہ وہی کرو نصاریٰ نے جس کی عادت بنالی ہے کہ وہ حالت حیض میں بھی اپنی بیویوں سے ہم بستری نہیں چھوڑتے۔

---بلکہ---تم انکے پاک ہونے کا انتظار کرو (پھر جب) وہ (پاک ہوگئیں تو) صحبت کیلئے (جاؤان کے پاس) اوران سے ہم بستری کرو مگر (اُس مقام سے کہ) جس مقام سے جماع کرنے کا (حکم دیا) ہے (تم کواللہ) تعالیٰ (نے)، وہ صرف 'فرج' ہے تواس کے سوا کسی اور جگہ اپنا تخم ضائع نہ کرو اور جان لو کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (محبوب بنالیتا ہے) اور اپنا قرب عطافرماتا ہے محرمات اور ممنوعات شرعیہ سے، بکثرت اور (بہت) زیادہ (توبہ کرنے والوں) کو (اور دوست رکھتا ہے) پاکیزہ اور (صاف ستھرے رہنے والوں کو)۔

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَ

تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیت ہیں تو جاؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو، اور پیشگی بھلائی کرلو اپنے لئے۔اور

اتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾

اللہ کو ڈرو اور جان رکھو کہ بیشک تم اس سے ملنے والے ہو۔ اور بشارت دے دو ایمان والوں کو●

اور جان لو کہ (تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیت) کی طرح (ہیں) اور کھیتوں میں تخم ریزی غلہ واناج حاصل کرنے کیلئے ہوتی ہے اور جب وہ تمہارے کھیت کی طرح ہے (تو جاؤ اپنے کھیت میں جس طرح چاہو) چت کر کے، پٹ کر کے---یا---گود میں اُٹھا کر---یا---جس آسن سے چاہو جبکہ تخم ریزی کی جگہ ایک ہی ہو، اور وہ اولاد پیدا کرنے کی جگہ ہو، بیج ضائع ہونے کا مقام نہ ہو۔

قربت سے پہلے ہی اپنے نفس کو حرام سے محفوظ رکھنے کا قصد کرلو، دل میں نیک اولاد کی خواہش رکھو---الغرض---اس عمل سے بھی تمہاری غرض رضائے الٰہی کا حصول اور حکم الٰہی کی تعمیل ہی ہو، پھر اس حسن نیت اور عزم وارادے کی پاکیزگی کے ذریعہ عمل قربت سے پہلے (اور پیشگی) ہی (بھلائی) حسن نیت کا ثواب جمع (کرلو)، (اپنے لئے) دین ودنیا کے فائدے کیلئے (اور) امر الٰہی کی مخالفت اور نہیٔ خداوند کے ارتکاب میں (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو اور جان رکھو کہ) تم جسکے عبادت گزار ہو، جسکی رضا کے طالب ہو (بے شک تم اس سے) اپنے جملہ اعمال کے ساتھ (ملنے والے ہو) اوراسکی بارگاہ میں

پیش ہونے والے ہو، اور اسکے فضل وکرم سے اسکا دیدار بھی کرنے والے ہو۔تو اے محبوب سنا دو (اور بشارت دے دو) بہشت اور دیدار الٰہی کی (ایمان والوں کو)۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری عورتیں، تمہاری کھیتیاں ہیں اور تم جس طرح چاہو اپنی کھیتیوں میں آؤ، پھر فرمایا ایام حیض میں اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات میں جماع کی ممانعت تھی۔بعض لوگ ازخود چار ماہ مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا کر اپنے آپ کو عورتوں سے روک لیتے تھے۔اس خاص قسم کو 'ایلاء' کہتے ہیں۔'ایلاء' کا حکم بیان کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عام قسموں کا بھی حکم بیان فرما دیا۔ بعض لوگ نیکی، پرہیزگاری اور لوگوں کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی نہ کرنے کی قسم کھا لیتے تھے، پھر اگر کوئی انکو ٹوکتا کہ تم یہ کار خیر کیوں نہیں کرتے؟ تو وہ کہتے کہ ہماری قسم ٹوٹ جائے گی، ہم نے ان کاموں کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ایسوں کو ہدایت دی جارہی ہے کہ۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا

اور نہ بناؤ قسم کھا کر اللہ کو اپنی قسموں کا ہدف، احسان کرنے اور پرہیزگاری کرنے اور لوگوں میں صلح

بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

کرانے میں۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ●

لوگو سمجھ سے کام لو (اور نہ بناؤ) خدا کی (قسم کھا کر اللہ) تعالیٰ کے نام (کو اپنی قسموں کا ہدف) نشانہ، بہانہ، سند اور (احسان کرنے اور پرہیزگاری کرنے اور لوگوں میں صلح کرانے) کی راہ (میں) رکاوٹ۔اب اگر بالفرض تم نے کسی اچھے کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، تو صرف اسلئے کہ تم نے اس کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی ہے، اس کام کو نہ چھوڑو، بلکہ وہ نیک کام کرلو اور قسم کا کفارہ ادا کردو اور دس مسکینوں کو کھانا کھلادو۔۔۔یا۔۔۔کپڑے دے دو، یا پھر تین روزے رکھ لو (اور) سن لو کہ بے شک (اللہ) تعالیٰ تمہارے اقوال اور تمہاری قسموں کا (سننے والا) ہے اور تمہارے احوال اور تمہاری نیتوں کا (جاننے والا ہے)۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

نہیں گرفت فرماتا تمہاری اللہ تمہاری بے معنی قسم پر۔ لیکن ہاں گرفت فرماتا ہے اس قسم کی جس کو تمہارے دلوں نے کمایا ہے۔

قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۝

اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے●

اس کریم کا کرم تو دیکھو کہ (نہیں گرفت فرماتا تمہاری اللہ) تعالیٰ (تمہاری بے معنیٰ قسم پر) ---مثلاً تم نے کسی بات کو سچ سمجھ کر قسم کھائی اور وہ جھوٹ نکلی---یا---قسم کا ارادہ کئے بغیر جلدی میں ---یا---عادتاً تکیہ کلام کے طور بے اختیارانہ طور پر زبان سے 'واللہ' کا لفظ نکل گیا، تو اس طرح کی لغو قسم کا کوئی کفارہ نہیں اور نہ ہی حق تعالیٰ اس پر مواخذہ فرمائے گا۔ (لیکن ہاں گرفت فرماتا ہے اس قسم کی جس کو تمہارے دلوں نے کمایا ہے) یعنی تمہارے دل نے جسکا ارادہ کیا ہو اور جس کے تعلق سے تمہاری زبان تمہارے دل سے متفق ہو۔ اس فضل الٰہی کو دیکھو (اور) شکر کرو کہ بے شک (اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے، جو اپنے بندوں کی انکی لغو قسم پر پکڑ نہیں کرتا اور (حلم والا ہے) جبھی تو قصداً جھوٹی قسم کھانے والوں کو سزا دینے اور ان کو عقوبت و وبال سے دوچار کرنے میں جلدی نہیں فرماتا اور موقع عطا فرماتا ہے کہ مجرم سچی اور کھری توبہ کر کے اپنے کو پاک وصاف کر لے۔

زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ جس شخص کو اپنی بیوی کی طرف میلان نہ ہوتا اور وہ غیرت رکھتا کہ اُسے کیونکر چھوڑ دوں کہ وہ دوسرا شوہر کر لے، تو وہ شخص قسم کھالیتا کہ اتنے برس تک اسکے ساتھ نزدیکی نہ کرونگا اور پھر اتنی مدت اُسے مقید اور سرگرداں چھوڑ دیتا، وہ بیچاری عورت اُس مدت دراز تک نہ تو بیوہ شمار کی جاتی اور نہ ہی اپنے خاوند سے اپنے دل کی مراد پاتی۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ

انکے لیے جو قسم کھا جائیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کے بارے میں مہلت ہے چار مہینہ کی،

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝

پس اگر انھوں نے رجوع کرلیا تو بے شک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

حق تعالیٰ نے یہ بات ناپسند فرمائی اور حکم کیا (ان کیلئے جو قسم کھا جائیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کے بارے میں) چنانچہ وہ اپنی عورتوں سے یہ کہہ دیں کہ اللہ کی قسم میں تم سے مقاربت نہیں کرونگا ---یا--- یہ کہہ دیں کہ اللہ کی قسم میں تم سے چار مہینے مقاربت نہیں کرونگا، تو ان کیلئے (مہلت ہے چار مہینے کی)، اگر وہ چاہیں تو اس مدت کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کر کے اپنی قسم توڑ دیں اور اسکا کفارہ ادا کر دیں۔ اس صورت میں 'ایلاء' ساقط ہو جائیگا۔ اب اگر اس نے بے عذر چار مہینے کے اندر رجوع

نہیں کیا، جماع کر کے یا جماع کا وعدہ کر کے، تو اسکی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (پس اگر انھوں نے رجوع کرلیا تو بے شک اللہ) تعالیٰ اس صورت میں قسم توڑنے والے کو (بخشنے والا) اور اس کی غلطی کو معاف فرمادینے والا ہے۔۔۔نیز۔۔۔قسم کے خلاف کرنے کو مباح قرار دیکر اور اسکا کفارہ مقرر فرما کر اس طرح کے قسم کھانے والوں پر (رحمت) اور مہربانی فرمانے (والا ہے)۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اور اگر پکا ارادہ کرلیا طلاق کا تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

(اور) اب (اگر) اس نے پہلے ہی سے (پکا ارادہ کرلیا) تھا (طلاق کا) اور اپنی اس سوچ اور اپنے ارادے کو برقرار و مستمر بھی رکھا (تو) وہ جان لے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ اس خاوند کے دل کی باتوں کو (سننے والا) ہے اور اس کے قصد و ارادہ کا (جاننے والا ہے)۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اگر خاوند بیوی کو طلاق دے دے تو بیوی کو اجازت نہیں کہ وہ وہاں سے اٹھے اور جھٹ سے دوسرے شخص سے جا کر بیاہ رچالے، جیسا کہ یہود کے یہاں قاعدہ تھا۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں روکے رہیں اپنے آپ کو تین ماہواری، اور حلال نہیں ہے ان کا چھپانا

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ

اس کا کہ پیدا فرمادیا اللہ نے ان کے رحم میں، اگر مانتی ہیں اللہ اور پچھلے دن کو۔ اور ان کے شوہر زیادہ

اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ

حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر ارادہ کرلیا اصلاح کا۔ اور عورتوں کا حق اسی طرح ہے جس طرح ان پر حق ہے

ع بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

باضابطہ۔ اور مردوں کو ان پر بڑائی ہے۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

حق تعالیٰ بہ عجلت دوسرا نکاح کر لینے سے روکتا ہے (اور) فرماتا ہے کہ (طلاق دی ہوئی عورتیں) صبر سے کام لیں، دوسرا نکاح کرنے میں عجلت سے کام نہ لیں۔۔۔بلکہ۔۔۔(روکیں رہیں

اپنے آپ کو تین ماہواری) مکمل تین حیض گزر جانے تک۔ یہ مدت ان عورتوں کیلئے ہے جو جوان ہوں، ان سے جماع کیا گیا ہو، اور وہ حاملہ نہ ہوں۔ اس مقام پر مطلقہ عورتیں سن لیں (اور) جان لیں کہ (حلال نہیں ہے ان کو چھپانا اسکا) جو (کہ پیدا فرمادیا اللہ) تعالیٰ (نے ان کے رحم میں)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ حاملہ ہونے کی صورت میں اپنا حمل ۔۔۔یا۔۔۔ حائضہ ہونے کی صورت میں اپنا حیض ظاہر نہ کرنا اور انکو چھپالینا ان کیلئے حرام ہے۔ چھپانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں حاملہ ۔۔۔یا۔۔۔ حائضہ نہیں ہوں، حالانکہ وہ حاملہ ۔۔۔یا۔۔۔ حائضہ ہو۔ یہ چھپانے والی صورت اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ عورت چاہے کہ وہ جلد ہی اپنے شوہر سے گلوخلاصی کرلے۔ اسلئے وہ حمل کو چھپاتی ہے تاکہ طلاق کے بعد وضع حمل کا انتظار نہ کرنا پڑے اور بسا اوقات اسی خوف سے حمل گر بھی جاتا ہے ۔۔۔یا۔۔۔ حمل اسلئے چھپاتی ہے تاکہ اسکا شوہر بچے کی لالچ میں از راہ شفقت رجوع نہ کرلے اور اس طرح عورت کی تمنا پوری نہ ہو ۔۔۔یونہی۔۔۔ وہ حیض اسلئے چھپاتی ہے تاکہ اسے دوسری طلاق جلد حاصل ہو، اسلئے کہ طلاق السنۃ کا قاعدہ ہے وہ طہر میں واقع ہوگئی ہے۔

چونکہ ایسے معاملات میں عورت کا قول معتبر ہے، اثبات ہو ۔۔۔یا۔۔۔ نفی۔ تو عورتوں پر لازم ہے، اسکو پردۂ خفا میں نہ رکھیں بلکہ ظاہر کریں (اگر مانتی ہیں اللہ) تعالیٰ کو (اور پچھلے دن) یعنی یوم آخرت (کو)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانے والی عورتیں مذکورہ بالا غلطی کا ارتکاب نہیں کرسکتیں۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عدت کی مدت میں بیوی نکاح سے باہر نہیں ہوتی تو اسکا شوہر، شوہر ہی رہتا ہے (اور) بااختیار بھی، چنانچہ (ان کے شوہر زیادہ) پورا (حق رکھتے ہیں) رجوع کرکے (انکے لوٹا لینے کا) عدت کی (اس مدت میں اگر ارادہ کرلیا) انکی (اصلاح کا) یعنی انکی خیر خواہی اور ان کی حالت سدھارنے کا۔

گو اس نیت کے بغیر بھی رجعت ہوسکتی ہے، مگر اہل ایمان کی شان یہ ہے کہ اصلاحی نقطۂ نظر کو اپنے دوسرے نامناسب خیالات پر غالب رکھیں۔ اب جب اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ عورتوں کو طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے سے مقصود صرف اصلاح ہو، نہ کہ عورتوں کو ضرر دینا، تو اب یہ واضح فرمادینا چاہتا ہے کہ مرد و عورت کے ایک دوسرے پر

حقوق کیا ہیں؟ اگر چہ دونوں کے حقوق کی نوعیت الگ الگ ہے، لیکن دونوں کو اپنے اپنے حقوق کے مطالبے کا استحقاق ہے۔ بس اسی مطالبہ، حقوق کے استحقاق میں دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔ اب حاصل کلام یہ ہوا کہ جس طرح مردوں کو یہ حق ہے کہ وہ عورتوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔۔۔ بالکل اسی طرح۔۔۔ عورتوں کو بھی یہ حق ہے کہ وہ مردوں سے اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔

سن لو (اور) یاد رکھو کہ اسلام میں مردوں پر (عورتوں کا حق اسی طرح ہے جس طرح) خود مردوں کا (ان پر حق ہے باضابطہ) دستور کے مطابق۔

لہٰذا مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور حسن سلوک کے ساتھ رہیں۔ ان کو ضرر نہ پہنچائیں۔ ہر فریق اس معاملہ میں اللہ سے ڈرے۔ بیوی خاوند کی اطاعت کرے اور ہر ایک، ایک دوسرے کیلئے بن سنور کر رہے۔ ضرورت کے وقت ہر فریق دوسرے کے کام آئے اور بیماری میں ہر فریق دوسرے کا علاج اور خدمت کرے۔

(اور) اگر چہ صاحب حق ہونے میں دونوں یکساں ہیں اور ایک طرح ہیں لیکن (مردوں کو) اپنی (ان) بیویوں (پر) رب کریم کی عطا کردہ ایک خاص طرح کی فضیلت اور (بڑائی ہے) مثلاً:

﴿۱﴾۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو جسمانی اور عقلی قوت زیادہ عطا فرمائی ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔ مرد کو عورت کے اخراجات کا کفیل اور اس کے گھر کا منتظم بنایا ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔ مرد کو عورت پر حاکم بنایا ہے اور عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا پابند کیا ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔ مرد کو عورت پر یہ فوقیت دی ہے کہ وہ اس کو اس کی نافرمانی پر تادیباً مار سکتا ہے۔

﴿۵﴾۔۔۔ عورت کو اسکا پابند کیا ہے کہ وہ مرد کی غیر حاضری میں اسکی عزت کی حفاظت کرے اور اپنی پارسائی کو مجروح نہ کرے اور شوہر کی غیر حاضری میں اسکے مال کی بھی حفاظت کرے۔

غرضیکہ جسمانی قوتیں، کھانے پینے، رہائش اور لباس کے اخراجات اور شوہر کے احکام کی تعمیل اور اس کے مال اور اپنی عفت کی حفاظت ہر اعتبار سے عورت کو مرد کا تابع اور محکوم قرار دیا ہے۔

(اور) یہ سب کچھ اس خدائے قدیر کی طرف سے ہے جس کو یہ سب کچھ کرنے کا اختیار ہے

اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ (اللہ) تعالیٰ بڑے ہی (غلبہ والا) اور بڑی ہی عزت والا ہے، جو مردوں کو عورتوں پر غالب کرتا ہے اور بزرگی دیتا ہے اور وہی بڑی (حکمت والا ہے) جو بڑی حکمت کے ساتھ بندوں پر خود انکی صلاح وفلاح کے احکام نازل فرماتا ہے۔ایسے حکیم کے احکام پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۗ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ

طلاق رجعی دوبار ہے، پھر خوبی کے ساتھ روک لینا ہے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا اور نہیں حلال ہے تمہیں

اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ فَاِنْ

یہ کہ لے لو جو دے چکے ہو انہیں کچھ، مگر یہ کہ دونوں ڈریں کہ نہ پابندی کرسکیں گے اللہ کے قوانین کی تو اگر تمہیں ڈر لگے

خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۗ تِلْكَ

کہ نہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کے حدود کو، تو ان پر کچھ الزام نہیں اس میں جو عورت نے اپنے چھٹکارے کیلئے دیا۔یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

اللہ کے حدود ہیں تو ان سے نہ بڑھو، اور جو بڑھے اللہ کے حدود سے تو وہی ظالم ہیں●

جان لو کہ (طلاق رجعی) جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے (دوبار ہے) جسکا مسنون طریقہ یہی ہے کہ ان کو ایک ہی 'طہر' میں جمع نہ کیا جائے، بلکہ الگ الگ دو دفع میں دیا جائے۔پہلی طلاق کے بعد، عدت کی مدت میں رجوع کیا جاسکتا ہے۔اس طرح اسکے بعد والی دوسری طلاق کے بعد بھی عدت کے اندر رجعت کی جاسکتی ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ان دو طلاقوں میں عدت کے اندر بیوی نکاح سے نہیں نکلتی، لہٰذا ان دونوں صورت میں بغیر نکاح کے رجوع کیا جاسکتا ہے، تو پھر بہتر صورت جس میں کوئی گناہ نہ ہو یہی ہے کہ شوہر احسن۔۔۔یا۔۔۔حسن طریقے پر الگ الگ دو دفعہ میں طلاق دے۔ اب اگر وہ عدت کے اندر رجوع کرنا چاہے۔

تو (پھر خوبی کے ساتھ) رجعت کرکے (روک لینا) نکاح سے نہ نکلنے دینا اس کے اختیار میں (ہے)۔رجعت اذیت پہنچانے کی نیت سے نہ ہو بلکہ تعلقات خوش گوار بنانے کیلئے ہو۔

۔۔۔الغرض۔۔۔عدت کی مدت میں بغیر نکاح رجعت صرف مذکورہ بالا دو طلاقوں کے

بعد ہوسکتی ہے۔

ان دوطلاقوں کے بعد یا تو بہ حسن وخوبی رجوع کر لینا چاہئے (یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا) چاہئے، تاکہ اس کی عدت گزر جائے اور اس کے بعد اگر چاہے تو تازہ نکاح کر لے۔ اب اگر اس نے دوطلاقوں کے بعد تیسری طلاق دے دی، تو اب وہ عورت اس کے نکاح سے ایسا نکل جائیگی کہ بغیر 'حلالہ شرعی' کئے اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔

(اور نہیں حلال ہے تمہیں) اے شوہروں۔۔۔یا۔۔۔فریقین کے درمیان لین دین کا فیصلہ کر سکنے والے حاکموں، (یہ کہ لے لو جو دے چکے ہوا نہیں کچھ) مہر وغیرہ دوسرے عطیات۔ (مگر یہ کہ) ایسی صورت میں کہ زن وشوہر (دونوں ڈریں کہ نہ پابندی کر سکیں گے اللہ) تعالیٰ (کے قوانین کی)۔ یعنی حقوق زوجیت، کی رعایت نہ کر سکیں گے (تو اگر) ان کے ظاہری حالات، قرائن اور طرز روش کو دیکھ کر (تمہیں ڈر لگے) اے حاکمو! فیصلہ کرنے والو! (کہ) زوجین (نہ قائم رکھ سکیں گے اللہ) تعالیٰ (کے حدود کو) یعنی ان حقوق کو جو نکاح کی وجہ سے ان پر مقرر ہوئے ہیں (تو ان پر کچھ الزام نہیں اس میں جو عورت نے اپنے چھٹکارے کیلئے دیا) خواہ وہ مہر ہو یا کوئی دوسری جائداد وغیرہ، اور پھر اسکے عوض میں طلاق چاہے، تو چونکہ زیادتی عورت کی طرف سے ہے اور طلاق وہ خود چاہ رہی ہے، تو اسکا مال لیکر طلاق دینے میں شوہر پر کوئی گناہ نہیں۔

ایسے ہی مال دیکر بذریعہ 'خلع' طلاق حاصل کر لینے کی عورت کو بھی اجازت ہے، لہذا اپنے اس عمل سے وہ بھی، گنہگار نہیں ہوئی۔ اور اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو اسے جائز نہیں کہ وہ عورت سے مال لیکر طلاق دے۔ اور جان لو کہ (یہ) یعنی نکاح، یمین، ایلاء، طلاق اور خلع وغیرہ سے متعلق خداوندی اوامر ونواہی (اللہ) تعالیٰ (کے حدود ہیں تو) ان کی مخالفت کر کے ان احکام کو چھوڑ کر (ان حدود (سے) آگے (نہ بڑھو) اور ان سے تجاوز نہ کرو (اور جو بڑھے) اور جس نے تجاوز کیا (اللہ) تعالیٰ (کے حدود سے تو وہی) خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والے (ظالم ہیں)۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ

پس اگر آخری طلاق دے دی دوبارہ کی مطلقہ کو تو وہ عورت حلال نہیں اس مرد کیلئے یہاں تک کہ نکاح کرے کسی دوسرے شوہر سے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا

پھر اگر دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے تو اب ان پر کوئی حرج نہیں کہ باہم مل جائیں، اگر دونوں نے طے کرلیا ہو کہ قائم رکھیں گے

حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

اللہ کے حدود کو، یہ ہیں اللہ کے حدود، بیان فرماتا ہے ان کو اُس قوم کیلئے جو دانا ہیں●

(پس اگر آخری طلاق دے دی، دو بار کی مطلقہ کو، تو وہ عورت حلال نہیں اس مرد کیلئے یہاں تک کہ ذائقہء نکاح چکھیں) نکاح کے بعد ہم بستری کر کے طلاق دہندہ کے سوا کسی (دوسرے) بعد عقد ہو جانے والے (شوہر سے پھر اگر) ہم بستری کر لینے کے بعد (دوسرا شوہر بھی طلاق دے دے تو) عورت کی عدت کی مدت گزر جانے کے بعد (اب ان پر کوئی حرج نہیں کہ) نکاح کر کے (باہم مل جائیں)۔

تیسری طلاق کے بعد 'حلالہ' کے بغیر پہلے شوہر کی طرف واپس نہ ہو سکنے کا قانون بڑا ہی حکیمانہ قانون ہے۔ اس سے ایک طرف طلاق دینے والے کی سرزنش ہوتی ہے کہ اس نے طلاق کے تعلق سے شرعی ہدایت کا پاس ولحاظ نہیں کیا، تو اس کے بعد کے سارے حالات کا ذمہ دار وہ خود ہے۔ اور دوسری طرف یہ قانون بے سمجھے بوجھے عجلت میں طلاق دے دینے کی راہ میں ایک زبردست رکاوٹ بھی ہے، اسلئے کہ عام طور پر کسی شوہر کی غیرت اس بات کو گوارہ نہیں کرتی کہ، اس بیوی کے ساتھ جو اس کے نکاح سے نکل گئی تھی اور وہ پھر اسے اپنے ہی نکاح میں لانا چاہتا ہے، کوئی دوسرا ہم بستری کرے۔

مذکورہ بالا باہم مل جانے میں کوئی مضائقہ نہیں (اگر دونوں نے) اپنے طور پر آپس میں (طے کرلیا ہو کہ قائم رکھیں گے اللہ) تعالیٰ (کے حدود کو) احکام الٰہی کو اور دونوں ایک دوسرے کا حق پہچانیں گے اور جان لو کہ یہ جو کہا گیا حرام کر دینا، حلال کر دینا۔ تو (یہ ہیں اللہ) تعالیٰ (کے حدود)۔ حق تعالیٰ کے احکام کے اندازے اور متعینہ سرحدیں (بیان فرماتا ہے ان کو اس قوم کیلئے جو دانا ہیں) اور جانتے ہیں کہ یہ احکام حق تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اور پھر ان پر ایمان لاتے ہیں۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ

اور جب تم نے طلاق دے دی عورتوں کو پھر وہ اپنی عدت کی مدت تک آپہنچیں تو ختم مدت سے پہلے انکو عمدہ طریقہ سے روک لو یا مہربانی سے ا[illegible]

بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ

چھوڑ دو، اور ان کو نہ روکو ستانے کو کہ حد سے بڑھ جاؤ۔ اور جو یہ کرے تو بے شک اپنے اوپر ظلم کیا۔

نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور نہ بناؤ اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا۔ اور ذکر کرو اللہ کی نعمت کا اپنے اوپر،

وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

اور جو اتارا تم پر کتاب اور حکمت، نصیحت فرماتا ہے تمہاری اس سے،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

اور ڈرو اللہ کو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے●

(اور) اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین کرلو کہ (جب تم نے طلاق دے دی عورتوں کو پھر وہ اپنی عدت کی مدت تک آپہنچیں تو ختم مدت سے پہلے) رجوع کر کے بھلائی کے ارادے سے، نہ کہ اذیت پہنچانے کیلئے، (ان کو عمدہ طریقہ سے روک لو یا مہربانی سے ان کو چھوڑ دو) تا کہ ان کی عدت پوری ہو جائے اور وہ اپنی ذات کی مالک ہو جائیں۔ ایسا ہرگز نہ کرو کہ عدت کی مدت ختم ہونے میں چند دن باقی ہوں تو رجوع کرلو، پھر طلاق دے دو، پھر عدت کی مدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کرلو، اسکے بعد پھر طلاق دے دو۔

ظاہر ہے کہ یہ طریقہ کار صرف عورت کو اذیت پہنچانے کیلئے ہے، تو ایسا نہ کرو (اور ان کو نہ روکو ستانے کو) کیوں (کہ) جب تم ایسا کرو گے تو تم اپنی اس (حد سے بڑھ جاؤ) گے، جو شریعت اسلامیہ نے تمہارے لئے بنا دی ہے، جس سے تجاوز کر جانا تمہارے لئے جائز نہیں، تو اس حکم الٰہی کا خیال رکھو (اور) جان لو (جو) کوئی (یہ کرے) گا اور کسی مسلمان کو ضرر پہنچائیگا (تو) اس نے در حقیقت (بے شک اپنے اوپر ظلم کیا) اور اپنی جان کو خدا کے غضب میں ڈال دیا۔ کیونکہ عورتوں کو ایذا پہنچانے والا صاحب شریعت کے نزدیک ملعون ہے۔ آزار پہنچانا اور ایذا دینا جسکا شیوہ اور پیشہ ہوتا ہے وہ بہت جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔

اب آگے ان لوگوں کی تنبیہ کی جارہی ہے جو نکاح وطلاق کے احکام کو ہلکا اور نا قابل التفات سمجھتے تھے اور کہتے تھے ہم تو ہنسی اور کھیل کرتے تھے۔

لوگو سمجھ سے کام لو(اور نہ بناؤ اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو ٹھٹھا) یعنی احکام الٰہیہ کا، ان کا انکار کر کے۔۔۔یا۔۔۔ان پر عمل نہ کر کے۔۔۔یا۔۔۔عمل میں سستی برت کر، مذاق نہ بناؤ (اور ذکر کرو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کا) جو تمہارے (اپنے اوپر) نازل فرمائی گئی ہے،

خصوصاً نکاح کرنے کے باب میں، اس واسطے کہ اگلی امتوں کی شریعت میں پیغمبروں کے سوا کسی کیلئے ایک عورت سے زیادہ نکاح میں رکھنا درست نہ تھا، جبکہ یہاں چار آزاد عورتیں تک ایک آدمی کو نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے۔۔۔یونہی۔۔۔اگلی امتوں میں طلاق کے بعد رجوع کرنا جائز نہیں تھا، اس کے برخلاف یہاں درست ہے۔ ایسے ہی۔۔۔جب تک طلاق دی ہوئی عورت زندہ رہتی، مرد کو اس کے سوا دوسری عورت سے نکاح کرنا حلال نہ تھا اور اس شریعت میں حلال ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔تم کو رب کریم نے دینی اور دنیوی سعادتوں کو حاصل کرنے کیلئے جس رستے پر چلنے کی ہدایت دی ہے اور جن جن انعامات واکرامات سے نوازا ہے ان نعمتوں کا شکر ادا کرو اور انکے حقوق ادا کرو (اور) خاص کر کے ذکر کرو اس عظیم نعمت کا حق تعالیٰ نے (جو اتارا) ہے (تم پر) تمہاری ہدایت اور تمہارے دین و دنیا کی صلاح وفلاح کیلئے عظیم المرتبت (کتاب) یعنی قرآن کریم (اور حکمت) یعنی سنت رسول اور (نصیحت فرماتا ہے تمہاری) اپنی طرف سے نازل کردہ (اس) کتاب و سنت (سے)، تو تم پر لازم ہے (اور) ضروری ہے کہ (ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) اس کے حقوق کی محافظت اور اسکے حقوق واجبہ کی ادائیگی کر کے (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر چیز کا جاننے والا ہے) اس سے کوئی شے مخفی نہیں جو تم عمل میں لاتے ہو۔۔۔یا۔۔۔چھوڑتے ہو۔

ایسی صورت میں لازم ہے کہ ہر شخص کتاب وسنت کی حکمرانی کو دل و جان سے قبول کرلے اور اپنی انا کی تسکین کیلئے کوئی فیصلہ نہ کرے۔ عہد رسالت میں ایک ایسا واقعہ ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ بیوی کی عدت کی مدت بھی گزر گئی، پھر سابق شوہر اور سابقہ بیوی دونوں کی خواہش ہوئی کہ دونوں آپس میں نکاح کرلیں لیکن بیوی کے بھائی اسکے لئے راضی نہیں ہورہے تھے۔۔۔یونہی۔۔۔عہد رسالت میں ایسا بھی ہوتا تھا، ایک شخص طلاق دینے کے بعد یہ بھی کوشش کرتا تھا کہ اس کی مطلقہ کے ساتھ کوئی شادی نہ کرسکے۔ چونکہ مذکورہ بالا حالات میں دوسرے نکاح سے روکنا ایک اذیت پہنچانے والی ظالمانہ روش تھی، اسلیئے شوہروں اور عورتوں کے ولیوں کو ہدایت کی گئی۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ

اور جب طلاق دیدی تم نے عورتوں کو پھر انھوں نے پوری کر لی اپنی مدتِ عدت کو، تو تم ان کو نہ روکو اس سے کہ نکاح کر لیں

اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اپنے چنے ہوئے شوہروں سے جبکہ باہم رضامند ہو گئے باقاعدہ۔ یہ نصیحت دی جاتی ہے اس کو جو تم میں سے مانے اللہ کو

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اور پچھلے دن کو۔ یہ تمہارے لیے زیادہ پاک وصاف ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ●

(اور) ارشاد فرمایا گیا کہ اے سابق شوہرو! (جب) ایک۔۔۔یا۔۔۔دو (طلاق دیدی تم نے) اپنی (عورتوں کو پھر انھوں نے پوری کر لی اپنی مدت عدت کو، تو تم) اے اس مطلقہ کو دوسرے نکاح سے روکنے کی خواہش رکھنے والو خواہ تم اسکے سابقہ شوہر ہو۔۔۔یا۔۔۔اس کے ولی (ان) اپنا دوسرا نکاح کرنے کی خواہش رکھنے والیوں (کو نہ روکو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے چنے ہوئے شوہروں سے) خواہ وہ اسکا سابق شوہر ہو یا کوئی اور (جبکہ) وہ ہونے والے میاں بیوی (باہم رضامند ہو گئے باقاعدہ) دستورِ شرع کے مطابق۔ (یہ) منع کرنے اور باز رکھنے کی ممانعت جو ہم نے کی ہے اس طرح کی (نصیحت دی جاتی ہے، اسکو جو) بوجہ خلوص (تم میں سے مانے اللہ) تعالیٰ (کو اور پچھلے دن) قیامت (کو) جس دن سب کو بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر جوابدہ ہونا ہے۔ (یہ) تمہارا نصیحت مان لینا یا ممانعت اور رنج پہچانے سے باز آنا (تمہارے لئے زیادہ پاک وصاف ہے) اپنی مکمل رضامندی سے پہلے ہی شوہر کی طرف پلٹ آنا، جو پہلے ہی سے دیکھا بھالا ہے، نہایت مناسب طرزِ عمل ہے۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔ کسی دوسرے سے بھی نکاح کر لینا حرام کے خیال اور فسق فجور کی فکر سے بدرجہا بہتر ہے اور صاف ستھرا عمل ہے (اور اللہ) تعالیٰ اس عمل کی صفائی اور اسکی پاکیزگی اور زوجین کی دلی کیفیات کو خوب (جانتا ہے اور) ان باتوں کی نزاکتوں کو (تم نہیں جانتے)۔

یہاں طلاق کے بعد یہ سوال طبعاً سامنے آتا ہے کہ اگر طلاق والی عورت کی گود میں شیرخوار بچہ ہو تو اس جدائی کے بعد اسکی پرورش کا کیا طریقہ ہوگا۔ اسلئے ضروری تھا کہ پرورش کی ذمہ داریاں جو ماں باپ پر ہیں انہیں اس موقع پر بیان فرمایا جائے۔ لہٰذا یہاں ان مسائل کا بیان ہوا۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو برس کامل اسکے لیے جس نے طے کرلیا دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کو۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ

اور جس باپ کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا کپڑا ہے حسب دستور۔ نہیں تکلیف دیا جاتا کوئی مگر اس کی سکت بھر۔

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ

نہ ستائی جائے ماں اپنے بچہ کی وجہ سے اور نہ باپ اپنی اولاد کی وجہ سے۔ اور باپ کے وارث پر اسی طرح واجب ہے

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ

پس اگر ماں باپ نے طے کرلیا دودھ چھڑانے کو باہمی خوشی اور مشورہ سے، تو دونوں پر کوئی الزام نہیں۔ اور اگر تم نے چاہا

اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

کہ دائی سے دودھ پلواؤ اپنے بچوں کو، تو تم پر کوئی الزام نہیں، جب کہ دے دیا ہو تم نے جو کچھ ٹھہرالیا تھا باقاعدہ۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

اور ڈرو اللہ کو اور جان رکھو کہ بے شک اللہ تمہارے کئے کو دیکھنے والا ہے●

(اور) ارشاد فرمایا گیا کہ (مائیں) خواہ مطلقہ ہوں۔۔۔یا۔۔۔نہ ہوں (دودھ پلائیں اپنی اولاد کو) اور یہ دودھ پلانا مندرجہ ذیل صورتوں میں ان پر واجب ہے۔

﴿۱﴾۔۔۔باپ کو اجرت پر دودھ پلوانے کی قدرت واستطاعت نہ ہو۔

﴿۲﴾۔۔۔کوئی دودھ پلانے والی میسر نہ آئے۔

﴿۳﴾۔۔۔بچہ ماں کے سوا کسی اور کا دودھ قبول نہ کرے۔

۔۔۔ہاں۔۔۔اگر یہ باتیں نہ ہوں یعنی بچے کی پرورش خاص ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو، تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے (دو برس کامل)، ایسا نہ ہو کہ ایک برس تو پورا ہو لیکن دوسرے سال کا کچھ حصہ ہو۔۔۔الغرض۔۔۔مکمل دو برس ہونا چاہیے۔

یہاں یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مدت رضاع یعنی دو سال تک باپ پر دودھ پلانے کی مزدوری دینا ضروری ہے، یہاں تک کہ اسکے بعد باپ کو مزدوری دینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

مگر یہ مکمل دوسال دودھ پلانا (اس کیلئے) ہے (جس نے طے کرلیا دودھ پلانے کی مدت پوری کرنے کو)۔ یہ بھی خیال رہے کہ (اور) اس پر پورا دھیان رہے کہ یہ شیر خوار بچہ (جس باپ کا بچہ ہے اس) باپ پر یعنی اس کے والد (پر) دودھ پلانے والی (عورتوں کا کھانا) اور (کپڑا ہے) جو (حسب دستور) انصاف واعتدال کا تقاضہ پورا کرتا ہو اور اس کی طاقت واستطاعت کے مطابق ہو۔ اسلئے کہ (نہیں تکلیف دیا جاتا کوئی مگر اسکی سکت بھر)۔

اسکا ہمیشہ خیال رہے کہ (نہ ستائی جائے ماں اپنے بچہ کی وجہ سے) بایں طور کہ دودھ پیتے بچے کو جبراً اس سے لے لیا جائے اور اس کے باپ کو دیدیا جائے۔۔۔یا۔۔۔دودھ پلانے کے واسطے اس پر جبر کیا جائے۔۔۔یا۔۔۔ یہ کہ اگر وہ بخوشی دودھ پلانے پر راضی ہو جائے تو مرد اسے کھانا کپڑا دینے سے انکار کردے۔۔۔یونہی۔۔۔نہ ستایا جائے (اور نہ) ہی پریشان کیا جائے (باپ اپنی اولاد کی وجہ سے) کہ عورتیں کھانے کپڑے کے سوا بھی اس سے کچھ اور مانگنے لگیں (اور باپ کے وارث پر اسی طرح واجب ہے) یعنی بچہ کے باپ پر دودھ پلانے والی عورت کا نان ونفقہ اور لباس وخوراک کا خرچہ جتنا واجب ہے اب اس کے نہ ہونے کی صورت میں وارث ادا کرے۔

(پس اگر ماں باپ نے طے کرلیا دودھ چھڑانے کو باہمی خوشی اور مشورہ سے) ان میں سے صرف ایک کی رضا کافی نہیں، اسلئے کہ ممکن ہے کہ دودھ چھڑانے سے بچہ کو تکلیف دینا مطلوب ہو ۔۔۔مثلاً: عورت دودھ پلانے سے تھک گئی ہو۔۔۔یا۔۔۔مرد خرچ دینے سے بخل کرتا ہے بسا اوقات قبل از وقت دودھ چھڑانے سے بچے کو جسمانی تکلیف لاحق ہو جاتی ہے۔۔۔لہٰذا۔۔۔دونوں میاں بیوی جو طے کریں، وہ سارے احوال کے مطابق پورے طور پر تفتیش وتشخیص کے بعد طے کریں اور پھر اس پر دونوں متفق ہو جائیں۔ اس کام کیلئے باپ کی رضا اسلئے ضروری ہے کہ وہ بچے کا ولی ہے اور ماں کی رضا اسلئے ضروری کہ وہ بچہ پر زیادہ شفقت رکھتی ہے اور اسکے حال کو بہت اچھا جانتی ہے ۔۔۔الغرض۔۔۔جب دونوں ہی دودھ چھڑانے پر راضی ہوں، جبکہ دونوں کی رائے اس مسئلہ میں متفق ہوگئی ہو اور دونوں نے سوچ بچار کے بعد طے کرلیا ہو کہ بچے کی بہتری دودھ چھڑانے ہی میں ہے (تو دونوں پر) دودھ چھڑا دینے کی وجہ سے (کوئی الزام نہیں)۔ انھوں نے جو کیا وہ کوئی گناہ نہیں، اس میں کسی طرح کا جرم نہیں۔

اے بچوں کے باپ! اور وہ لوگو جو دودھ پلوانے کے محتاج ہو، غور سے سنو (اور) یاد رکھو کہ (اگر تم نے چاہا کہ دائی سے دودھ پلواؤ اپنے بچوں کو تو تم پر کوئی الزام نہیں) اسلئے کہ باپ کو حق پہنچتا ہے کہ غیر عورت کو دودھ پلانے کو کہے اور بچہ کی ماں کو دودھ پلانے سے روک دے، خواہ اس ماں کو دودھ پلانے سے کوئی امر مانع ہو۔۔۔یا۔۔۔نہ ہو، مگر یہ اس وقت (جبکہ دے دیا ہو) یعنی دینے کا پکا ارادہ کرلیا ہو (تم نے) بطور عطیہ (جو کچھ) بغیر تنگی وترشی کے، بلکہ اپنی رضا اور خوشی سے (ٹھہرالیا تھا) اور آپس میں طے کرلیا تھا (باقاعدہ) بھلائی اور حسن سلوک کے نقطۂ نظر سے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔انہیں ایسی چیز دو جو شرعاً وعرفاً ان کیلئے اچھی اور مستحسن ہو۔ اسکی شکل یہ ہے کہ حلال کمائی سے دودھ پلانے والی کو مزدوری دیجائے اسلئے کہ دودھ پلانے والی اگر حلال کا رزق کھائیگی تو بچے کو نفع ہوگا اور اس کی تربیت کیلئے زیادہ مفید ہوگا، کیونکہ فطرت کا تقاضہ ہے جو بچہ کسی عورت کا دودھ پیتا ہے، تو اسکے اخلاق کا اثر اس بچے پر پڑتا ہے۔ اچھے اخلاق ہوں۔۔۔یا۔۔۔برے۔ اسلئے کہا گیا ہے کہ بچے کو ایسی عورت کا دودھ پلانا چاہئے جو اچھے اخلاق وصلاحیت کی مالک ہو۔ اسلئے کہ بیوقوف اور غلط کار عورت کا دودھ بچے کے اخلاق پر برا اثر ڈالتا ہے، جسکا ظہور کسی نہ کسی وقت ضرور ہوگا۔

اس مقام پر یہ بھی خیال رہے کہ یہ عطیہ دودھ پلانے کیلئے شرط نہیں ہے۔۔۔بایں ہمہ ۔۔۔دائیوں کو دودھ پلانے کے عوض کچھ دے دینا نہایت مناسب ومستحسن ہے، اسلئے کہ دودھ پلانے کی مزدوری۔۔۔یا۔۔۔عطیہ اگر عورتوں کو نقد اور دست بدست دیدیا جائے تو بچوں کو دودھ پلانے میں انہیں آسانی ہوگی اور بچوں کی اصلاح وتربیت احسن طریقے سے ہوگی۔

تو لوگو! مذکورہ احکام کی رعایت کرتے رہو (اور) بچوں کے دودھ پلانے اور دودھ پلانے والی عورتوں کے حقوق کے بارے میں۔۔۔نیز۔۔۔مزدوروں کی مزدوری دبالینے کے تعلق سے (ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو)۔ خدا کو ناراض کردینے والے اعمال سے اپنے کو بچاؤ (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (تمہارے کئے کو دیکھنے والا ہے) کہ تم بچے کو دودھ پلوانے، دودھ چھڑانے اور دائی رکھنے کے تعلق سے کس طرح کا طرز عمل اپناتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ تم جیسا کروگے ویسا بھروگے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کی عدت کا ذکر فرمایا تھا اور اب بیوہ کی عدت کا ذکر فرما رہا ہے۔ وہ مدت جس میں عورت شوہر کے گھر میں بغیر نکاح کے ٹھہری

رہے اور بغیر عذر شرعی کے، گھر سے باہر نہ نکلے تا کہ اس کے رحم کا استبراء ہو جائے اور اس بات کی جانچ ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے یا نہیں۔۔۔یا۔۔۔شوہر کی موت پر سوگ ہو، مطلقہ کیلئے یہ مدت تین حیض ہے اور بیوہ کیلئے یہ مدت چار ماہ دس دن ہے اور جو عورت حاملہ ہو اسکی عدت وضع حمل ہے، خواہ شوہر کی موت کے ایک ساعت بعد وضع حمل ہو جائے۔ عدت وفات میں 'مدخول بہا' اور 'غیر مدخول بہا' کا کوئی فرق نہیں۔ چار ماہ دس دن تک سوگ کرنا صرف شوہر کی موت کے ساتھ خاص ہے اور کسی عزیز یا رشتہ دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ

اور جن کو وفات دی جائے تم میں سے اور وہ چھوڑیں بیبیاں، تو عورتیں اپنے کو روک رکھیں چار مہینہ

وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ

دس دن۔ پس جب پوری کر لی اپنی مدت عدت کو تو تم پر کچھ حرج نہیں اس میں جو وہ کر گزری ہوں اپنے بارے میں،

بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

قانون کے موافق۔ اور اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرو●

۔۔۔الغرض۔۔۔جن لوگوں نے اپنی عمر کی مدت پوری کر لی (اور جن کو وفات دی جائے تم میں سے اور وہ چھوڑیں بیویاں تو) انکی وہ (عورتیں اپنے کو روک رکھیں) عقد ثانی سے (چار مہینہ دس دن) بشرطیکہ وہ عورتیں حاملہ نہ ہوں اور لونڈی نہ ہوں، اسلئے کہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور لونڈی کی عدت دو مہینے پانچ دن ہے۔ (پس جب پوری کر لی) بیوہ عورتوں نے (اپنی مدت عدت کو، تو تم پر) اے مسلمانو!۔۔۔یا۔۔۔اے وارثو اور عورتوں کی ولیو (کچھ حرج نہیں اس میں جو وہ) کر گزری ہوں (اپنے بارے میں) اپنا شوہر کر کے باقاعدہ عادل گواہوں کی موجودگی میں، ایجاب وقبول کے ساتھ شرعی (قانون کے موافق)۔۔۔یا۔۔۔مثال کی طور پر نکاح کی غرض سے زیب و زینت اور نکاح کے طالبین سے میل جول، اس طرح وہ امور جو عدت کے دوران حرام ہیں۔ اے مردو! اور عورتو! سن لو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے اس سے جو تم کرو)۔

تو اے اطاعت کرنے والے جب تم نے جان لیا ہے کہ خدا تیرے کام کو جانتا ہے تو غم نہ کر اس واسطے کہ وہ جزاءِ خیر تم کو دیگا۔ اور اے گناہ کرنے والے تو بھی سن لے کہ جب تو یہ جانتا ہے کہ خدا تیرے گناہ سے واقف اور خبردار ہے تو گناہ کرنا چھوڑ دے تا کہ رب تعالیٰ تجھے عذاب سے رہائی دے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ

اور تم پر کچھ الزام نہیں اس میں کہ پردہ پردہ میں عورتوں کی منگنی کا تم نے پیغام دیا، یا تم نے خواہش نکاح کو اپنے دل میں چھپالیا،

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا

اللہ کو معلوم ہے کہ بے شک تم عورتوں کو یاد کروگے، لیکن ہاں نہ وعدہ کرنا ان سے خفیہ مگر یہ کہ بات چیت کرو

قَوْلًا مَعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ

ایسی جو قاعدہ کی ہو، اور نہ عزم کرو عقد نکاح کا، یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت مقررہ اپنی مدت کو اور جان رکھو

اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے اندر ہے، تو اس کو ڈرو۔ اور جان رکھو کہ بے شک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے●

اس مقام پر اے عدت والی عورتوں سے نکاح کی رغبت کرنے والو! تم سن لو (اور) سمجھ لو کہ (تم پر کچھ الزام نہیں) گناہ نہیں (اس میں کہ پردہ پردہ میں) یعنی اشارہ وکنایہ میں عدت والی (عورتوں کی منگنی کا تم نے پیغام دیا یا تم نے خواہش نکاح کو اپنے دل میں چھپالیا) مگر (اللہ) تعالیٰ (کو) بخوبی (معلوم ہے کہ بے شک تم) ان (عورتوں کو) لامحالہ (یاد کروگے)، اس رغبت کی وجہ سے جو تمہیں ان کی ذات سے ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ بات کرنے سے باز نہ آؤ گے تو خیر تم انکا ذکر کرو (لیکن ہاں نہ وعدہ کرنا ان سے خفیہ) ایسے کام کا جو چھپاتے ہو، یعنی ان سے مباشرت و کثرت مجامعت کا وعدہ نہ کرو (مگر یہ کہ) شریعت کے موافق ان سے (بات چیت کرو ایسی جو قاعدہ کی ہو) شریعت کے خلاف نہ ہو، وہ بھی اشارۃً وکنایتاً نہ کہ صراحتاً۔ ان سے اس طرح کی گفتگو کر سکتے ہو۔۔۔ مثلاً: تو بے شوہر نہ رہے گی۔۔۔ یا۔۔۔ مجھے تجھ جیسی جورو چاہئے۔۔۔ یا۔۔۔ جب تیری عدت گزر جائے تو مجھے خبر کرنا۔ ۔۔۔ المختصر۔۔۔ نکاح کا صاف صاف پیام دینے سے احتراز لازم ہے مگر اس میں کچھ گناہ نہیں

کہ اشارۂ نکاح کی بات کہیں (اور) اچھی طرح یاد رکھو (نہ عزم کرو) یعنی ایسا پختہ ارادہ نہ کرو جس میں جانب مخالف کی بالکل گنجائش ہی نہ ہو۔ (عقد نکاح کا) اور وہ بھی (یہاں تک کہ پہنچ جائے) کتاب الٰہی کی طرف سے فرض کی ہوئی (عدت مقررہ اپنی) آخری (مدت کو اور) (جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے جو کچھ تمہارے) دلوں کے (اندر ہے) یعنی ایسے کام کا ارادہ جو جائز نہیں (تو اس کو ڈرو) اور اس کے عذاب وعقاب سے اپنے کو بچاؤ (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے، اسے جو اس کے عذاب سے ڈرے۔ اور (حلم والا ہے) اسلیۓ عذاب کی جلدی نہیں فرماتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ

نہیں ہے کوئی مہر کی ذمہ داری تم پر اگر تم نے طلاق دیدی اس عورت کو جس کو چھوا بھی نہیں اور کوئی مہر مقرر نہیں کیا،

وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ

اور انھیں برتنے کو کچھ دے دو صاحب وسعت پر اس کے موافق اور تنگدست پر اس کے موافق جوڑا دینا،

مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝

باقاعدہ حق ہے، بھلائی کرنے والوں پر●

نکاح کر لینے والو اس مقام پر تم یہ بھی سمجھ لو کہ (نہیں ہے کوئی مہر کی ذمہ داری تم پر اگر تم نے طلاق دیدی اس عورت کو جسکو چھوا بھی نہیں) اور جس سے خلوت صحیحہ نصیب ہی نہ ہوئی ہو (اور) ساتھ ہی ساتھ اسکا (کوئی مہر) بھی (مقرر نہیں کیا) گیا ہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ یہی ایک صورت ایسی ہے جس میں طلاق دینے والے پر بنام مہر کچھ دینا لازم نہیں۔۔۔ ہاں۔۔۔ مگر ایسی مطلقہ کی دلجوئی کیلئے اور کسی نہ کسی حد تک طلاق سے پیدا شدہ اسکی کبیدہ خاطری کو کم کر لینے کیلئے۔ اے طلاق دینے والو! انکو بالکلیہ محروم نہ چھوڑ دو (اور انکیں برتنے کو کچھ دے دو) جو اس عورت کے نصف مہر مثل سے زائد نہ ہو۔

یاد رکھو کہ (صاحب وسعت) مالدار (پر اس) کی حیثیت (کے موافق اور تنگدست) غریب (پر اس) کی استطاعت (کے موافق جوڑا دینا)۔ ایسا جوڑا جو عورت کو فائدہ پہنچا سکے۔ اس مقام پر 'متعہ' کی مقدار مقرر کرنا حاکم شرع کی رائے پر موقوف ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ 'متعہ' کی مقررہ مقدار مذکورہ بالا مطلقہ کو دینا لازم وواجب ہے اور شرع وعرف کے لحاظ سے (باقاعدہ حق ہے) ان (بھلائی کرنے والوں پر) جو اپنے نفسوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں نیکی کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِيۡضَةً

اور اگر طلاق دی تم نے ان کو قبل اس کے کہ ان کو چھوا، اور مقرر کر دیا تھا تم نے ان کا حصہ مہر، تو آدھا ہے اس کا جو تم نے مقرر

فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّكَاحِ‌ؕ وَاَنۡ

کیا تھا، مگر یہ کہ عورتیں وہ بھی معاف کر دیں، یا رعایت نہ لے کر شان عفو دکھاوے شوہر وہ جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے۔ اور مردوں کا شان

تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى‌ؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ بَيۡنَكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۳۷﴾

عفو دکھانا پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے اور بھول نہ جاؤ آپس کے فضل و کرم کو۔ بے شک اللہ تمہارے کئے کو دیکھنے والا ہے●

(اور اگر) ایسی صورت ہے کہ (طلاق دی تم نے ان کو قبل اسکے کہ) تم نے (انکو چھوا) یعنی خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دیدی (اور) صورت حال یہ تھی کہ (مقرر کر دیا تھا تم نے انکا حصہ مہر تو) تم پر مطلقہ کو (آدھا) دینا لازم (ہے اس) مقدار (کا جو تم نے مقرر کیا تھا مگر یہ کہ عورتیں) جو عاقلہ اور بالغہ ہوں اور شرعاً معاف کر دینے کا اختیار رکھتی ہوں (وہ بھی معاف کر دیں)، یہ خیال کر کے کہ یہ مرد مجھ تک نہیں پہنچا اور میرے وصال سے فائدہ مند نہیں ہوا۔ بہتر یہی ہے کہ اس سے کچھ نہ لوں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔عورت معاف کر دے (یا رعایت نہ لیکر شان عفو دکھاوے شوہر وہ جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے) یہ سوچ کر کہ یہ عورت میرے نکاح میں تھی اور اب میرے وصال سے محروم و مایوس ہوئی تو لاؤ جتنا مہر مقرر کیا تھا اسے پورا کا پورا دیکر اس عورت کو خوش کر دوں (اور) ظاہر ہے کہ مردوں کا اس طرح کی (شان عفو دکھانا) جفا کاری کے بہ نسبت (پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے)۔

تو اے مردو! اور عورتو! تم اپنے خیر خواہی اور حسن سلوک کے جذبات کو بے دار رکھو (اور بھول نہ جاؤ آپس کے فضل و کرم کو) اور جان لو کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (تمہارے کئے کو دیکھنے والا ہے)۔ دوسروں پر تمہاری مہربانیاں تمہاری بخششیں، تمہاری عنایتیں اور تمہارے احسانات، رب کریم سب کچھ دیکھ رہا ہے اور وہ اپنے فضل و کرم سے احسان کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

سابقہ آیات میں بگڑے ہوئے حالات میں بھی حسن خلق کے مظاہرہ کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور احسان و مروت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اب اس قوت کی نشاندہی کی جارہی ہے جس سے انسان بخوشی شریعت کے تمام قوانین پر عمل کر سکتا ہے۔ اسی لئے قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے کہ جہاں جہاں قوانین و احکام کی وضاحت فرماتا ہے، وہیں

کار خیر انجام دلانے والی اس قوت کی طرف بھی راغب کردیتا ہے جس سے لوگ احکام کی پابندی آسانی سے کرسکیں۔

یہاں بھی خانگی زندگی سے متعلق احکام طلاق، خلع، عدت وغیرہ بیان کرکے نماز کو پابندی سے ادا کرنے کا حکم دیا۔ اسلئے کہ نماز ہی ذکرالٰہی کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ ہے۔ اس میں جسم وروح، دل ودماغ، سب مصروف عبادت ومناجات ہوتے ہیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ حقوق العباد کے ذکر کرنے کے بعد حقوق اللہ کی ادائیگی کو لازمی قرار دینے کی ہدایت اور اس کے بعد پھر عائلی احکام کی طرف رہنمائی، یہ سب کچھ اسلئے ہے تاکہ تنبیہ ہوجائے کہ انسان کیلئے یہ جائز نہیں کہ بیوی بچوں کے ساتھ تعلق، محبت اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں اس قدر مشغول ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کو بھول جائے۔۔۔ الغرض۔۔۔ امور خانہ داری اور دنیاداری میں اس قدر منہمک ہوجائے کہ نمازوں کے اوقات میں بھی بیوی بچوں کے گورکھ دھندوں میں پڑا رہے اور خدا کی یاد کو بالکل فراموش کر بیٹھے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝

نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور درمیانی نماز کی۔ اور کھڑے ہو اللہ کے لیے باادب ●

تو اے ایمان والو (**نگہبانی کرو سب**) فرض (**نمازوں کی**) ان کو ان کے اوقات میں کماحقہ ان کے متعلق احکام کی رعایت کرتے ہوئے، دائمی طور پر ادا کرتے رہو اور ہمیشہ کیلئے اس پر ثابت قدم رہو (**اور درمیانی نماز کی**) محافظت سے غافل نہ ہوجاؤ، چونکہ اس نماز کا وقت ایسا ہے کہ اس میں عموماً لوگ کاروبار میں مصروف ہوتے ہیں اور بعض کی مشغولیت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے سے غافل ہوجاتا ہے اور اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہیں رہتا [redacted]

اس مقام پر اپنے ذہن کو اس غیر ضروری تحقیق میں نہ لگاؤ کہ درمیانی نماز سے مراد کیا ہے؟ اسلئے کہ جب پانچوں وقت کی نماز فرض عین ہے، سب کو ادا کرنے والوں کیلئے وعدہ۔۔۔ اور۔۔۔ ترک کرنے والوں کیلئے وعید ایک ہی طرح کے ہیں، تو کسی نماز کو اہم اور کسی کو غیر اہم سمجھنا، یہ کوئی اچھی سوچ نہیں۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ غافلوں کیلئے ہر نماز کے وقت رکاوٹ کی کوئی نہ کوئی وجہ موجود ہے۔۔۔ مثلاً نماز فجر کے وقت اس کے خاص سونے کا

وقت ہے۔نماز ظہر اور نماز عصر کے اوقات میں کاروباری مصروفیات ہیں، نماز مغرب کے وقت کھانے پینے اور فیملی کے ساتھ گپ شپ کے لمحات ہیں اور نمازِ عشاء کے وقت سے پہلے ہی سو جانے کی عادت ہے۔۔۔۔

ان حالات میں ہر ہر نماز کی نگرانی اور اسکی محافظت سعادت مندوں اور خشیت الٰہی رکھنے والوں کا حصہ ہے۔جس نماز کی ادائیگی جتنی مشقت اٹھا کر کی جائیگی، یقیناً اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بقدر محنت ومشقت ہوگا۔اس مقام پر یہ بھی قابل غور بات ہے کہ درمیانی نماز سے مراد کیا ہے؟ اسکے تعلق سے اقوال بہت ہیں، جس نے جو قبول کیا، اسکو درمیانی ثابت بھی کردیا۔۔۔چنانچہ۔۔۔کسی نے کہا اس سے مراد ظہر کی نماز ہے کیونکہ دن کے وسط میں پڑھی جاتی ہے۔کسی نے کہا اس سے مراد عصر کی نماز ہے کیونکہ یہ دن کی دو نمازوں اور رات کی دو نمازوں کے درمیان پڑھی جاتی ہے۔کسی نے کہا اس سے مراد مغرب کی نماز ہے، کیونکہ یہ چار رکعت اور دو رکعت کی نمازوں کے درمیان متوسط ہے۔کسی نے کہا کہ اس سے مراد عشاء کی نماز ہے اسلئے کہ یہ مغرب اور فجر کی نمازوں کے درمیان ہے، جن میں قصر نہیں اور کسی نے کہا اس سے مراد فجر کی نماز ہے اسلئے کہ یہ دن رات کی نمازوں کے درمیان ہے۔۔۔نیز۔۔۔یہ وہ منفرد نماز ہے جو دوسری نماز کے ساتھ ملا کر نہیں پڑھی جاتی۔انکے علاوہ بھی بہت سارے اقوال واحتمالات ہیں۔

مذکورہ بالا اقوال میں نمازِ عشاء کے قول کے علاوہ، ہر قول کو جلیل القدر آئمہ، وفقہاء کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔اس سلسلے میں امام اعظم کا مسلک کیا ہے؟ اس میں بھی اختلاف ہے۔بقول صاحب مدارک، امام اعظم کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ عصر کی نماز ہے اور بقول صاحب روح المعانی آپ کے نزدیک صلاۃ وسطیٰ سے ظہر کی نماز مراد ہے۔فجر، ظہر اور عصر کے تعلق سے کچھ روایتیں بھی ملتی ہیں جن میں ان اوقات کی نمازوں کو صلاۃ وسطیٰ کا مصداق قرار دیا گیا ہے۔اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان بھی صلاۃ وسطیٰ کے تعین کے تعلق سے اختلاف تھا۔حضرت سعید ابن میسب کے قول سے اس اختلاف کی نشاندہی ہوتی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اگر صلاۃ وسطیٰ کے تعین کے تعلق سے رسول کریم ﷺ کا کوئی قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ارشاد گرامی ہوتا تو صحابہ کے مابین یہ اختلاف نہیں ہوسکتا تھا۔

اب یہ سارے مختلف اقوال ان حضرات قدسی صفات کے اجتہادات کے مابین اختلافات کا ثمرہ ونتیجہ ہیں۔**ان حالات میں صلاۃ وسطی کا معاملہ شب قدر اور جمعہ کے دن وقت اجابت دعا سے ملتا جلتا ہوگیا۔** جسے شب قدر کے انوار وبرکات سے مالا مال ہونا ہو، وہ پورے سال۔۔۔یا۔۔۔رمضان شریف کے پورے مہینے۔۔۔یا۔۔۔کم از کم رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرتا رہے۔۔۔یونہی۔۔۔جمعہ کے دن اجابت دعا کے مخصوص وقت کے طلبگار پر لازم ہے کہ وہ اپنے پورے دن کو ذکر الٰہی اور دعاوالتجا میں گزار دے۔۔۔اس طرح۔۔۔**صلاۃ وسطی کی عظمت والی نماز سے فیضیاب ہونا ہو تو پانچ وقت کی ہر ہر نماز میں اسکو ڈھونڈا جائے۔۔۔یعنی۔۔۔کسی صورت میں بھی کسی نماز سے غفلت نہ برتی جائے** کیونکہ پانچ وقت کی نماز اگر ایک طرف فرض عین ہے تو دوسری طرف توانہیں میں ایک فضیلت والی نماز بھی مستور ہے جو سر الٰہی ہے۔

۔۔۔المختصر۔۔۔اپنی تمام نمازوں کو باقاعدہ بحسن وخوبی ادا کرتے رہو (اور) نماز میں (**کھڑے ہو اللہ**) تعالیٰ (**کیلئے باادب**) جیسا ایک اطاعت شعار اور خشیت الٰہی والے کو کھڑا ہونا چاہئے۔حالت نماز میں نہ ادھر اُدھر توجہ ہو اور نہ ہی کسی باہر والے سے بات چیت، بلکہ کھڑے ہوکر ادب واحترام کے ساتھ ذکر الٰہی میں لگے رہو۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا

پس اگر کسی خوف میں تم آگئے تو پیدل یا سوار، پھر جب امن میں آگئے تم اللہ کا ذکر کرو

اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝

جس طرح اس نے تم کو سکھا دیا وہ، جس کو تم نہ جانتے تھے ●

(**پس اگر کسی**) لڑنے والے دشمن۔۔۔یا۔۔۔ضرر پہنچانے والے درندے۔۔۔یا۔۔۔ایذاء دینے والے کیڑے کے (**خوف میں تم آگئے تو**) اس حال میں بھی نماز نہ چھوڑو، بلکہ اگر ٹھہرنا ممکن نہ ہو تو (**پیدل**) چلتے ہوئے (**یا**) سواری پر (**سوار**) رہتے ہوئے نماز پڑھ لو اور لڑائی کی صورت میں جس طرح میسر آئے قبلہ کی طرف رخ کرکے، خواہ پیٹھ کرکے، ہر حال میں نماز ادا کرلو اور کسی صورت میں نماز نہ چھوڑو اور (**پھر جب امن میں آگئے تم**) اور دل میں کسی طرح کا کوئی خوف نہیں رہا، سارے خطرات دور ہوگئے تو (**اللہ**) تعالیٰ (**کا ذکر کرو**) اور نماز پڑھو اور وہ بھی اس طریقے سے پڑھو (جس

طرح اس نے) اسکے آداب وشرائط (تم کو سکھا دیا وہ) ادب وطریقہ (جس کو) اسکے بتانے سے پہلے (تم نہ جانتے تھے)۔۔۔المختصر۔۔۔تم اللہ تعالیٰ کا شکر کرو ان نعمتوں کے عوض کہ اس نے تم کو احکام شرائع کی تعلیم دی کہ تم انہیں نہیں جانتے تھے، من جملہ انکے بوقت امن وخوف اقامت صلوٰۃ ہے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ معاشرت، ان کے حقوق اور فرائض، انکے طلاق اور عدت کے احکام بیان فرمائے تھے اور چونکہ انکے ساتھ زیادہ اشتغال عبادات میں حارج ہے، اسلئے ان احکام کے درمیان نماز کی حفاظت اور اسکی تاکید کو بیان فرمایا، حتی کہ عین جنگ میں بھی نماز ساقط نہیں ہوتی۔ اور پا پیادہ۔۔۔یا۔۔۔سواری پر جس حال میں اور جس طرح بھی بن پڑے نماز پڑھی جائیگی۔ اس تنبیہ کے بعد پھر عورتوں کے ساتھ معاشرت کے احکام بیان فرمائے۔ اور چونکہ پہلے ازدواج، طلاق، وفات، مطلقات، غیر مدخولہ کے مہر اوران کی متاع کا ذکر کیا تھا اسلئے ان احکام کو اب شوہر کی موت کے ذکر پر ختم کیا اور شوہر کی موت کے بعد بیوہ کی عدت کا ذکر فرمایا اور چونکہ پہلے مطلقات غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کا ذکر فرمایا تھا تو اب مطلقات مدخولہ کے مہر اورانکی عدت کا ذکر فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ

اور جو وفات دے جائیں تم میں سے اور چھوڑیں بیبیاں، وہ کریں وصیت اپنی بیبیوں کیلئے نان نفقہ کا سال بھر تک

غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ

بغیر گھر سے نکالنے کے پھر اگر عورتیں خود نکل جائیں تو تم پر کوئی الزام نہیں اس میں جو انھوں نے کرلیا

فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

اپنے متعلق کوئی مناسب امر۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

۔۔۔چنانچہ۔۔۔ارشاد فرمایا کہ غور سے سنو (اور) جان لو کہ (جو وفات دے جائیں تم میں سے اور) وہ (چھوڑیں بیبیاں) ان پر لازم ہے کہ قریب الرگ ہونے کی شکل میں موت کی آہٹ محسوس کرتے ہی (وہ کریں وصیت اپنی بیبیوں کیلئے نان نفقہ کا سال بھر تک) کیلئے (بغیر گھر سے نکالنے کے)۔۔۔الحاصل۔۔۔ان لوگوں کیلئے ضروری ہے کہ جو فوت ہونے والے ہیں کہ مرنے سے پہلے اپنی عورتوں کیلئے وصیت کر جائیں کہ ہماری موت کے بعد ہماری عورتیں ہمارے گھروں میں

پورے سال تک ٹھہری رہیں اورانہیں نان نفقہ ملتا رہے اورانہیں گھروں سے باہر نہ نکالا جائے (پھر اگر عورتیں) عدت کی مدت یعنی ایک سال بعد۔۔۔یا۔۔۔اپنی مرضی اور اپنے اختیار سے عدت کی مدت کے درمیان ہی گھر سے (خود) ہی (نکل جائیں تو) اے شوہر کے قرابت والوں (تم پر کوئی الزام نہیں) اورتم پر کوئی گناہ نہیں (اس میں جو انھوں نے کرلیا اپنے متعلق کوئی مناسب امر) جو شریعت کے موافق ہو۔۔۔مثلاً: بناؤسنگھاراورشوہر کی تلاش وانتخاب،اورنکاح کے خواہشمندوں سے بات چیت کرتے رہناوغیرہ۔

یہ ابتداء اسلام کے احکامات ہیں جبکہ شوہروں کے گھروں میں رہناان کیلئے ضروری نہیں تھااورنہ سوگ واجب، بلکہ انہیں ان امور پر اختیار تھا کہ شوہروں کے گھر میں رہکر نان نفقہ لیں۔۔۔یا۔۔۔پھر گھروں سے چلی جائیں اور پھر نان نفقہ کا کوئی مطالبہ نہ کریں۔
خیال رہے کہ مذکورہ بالا وصیت کا وجوب' آیت میراث' کے نزول سے پہلے کا حکم ہے۔
جب' آیت میراث' نے اسکوشوہر کاوارث بنادیااوراولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی اوراولاد ہونے کی صورت میں آٹھویں کا حقدار بنادیا،تواب سال بھر کا قیام وطعام کا حکم منسوخ ہوگیا۔۔۔یونہی۔۔۔جب چار مہینے دس دن کو عدت وفات مقرر کردیا گیا،تو پھر سال بھر کی عدت والاحکم بھی منسوخ ہوگیا۔

اس مقام پرسن لو(اور) یادرکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہےاور جب وہ غالب ہےتو جواس کے حکم کے خلاف کرتا ہےتواس سے بدلہ لینے کی قدرت رکھتا ہے۔غالب ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عظیم (حکمت والا ہے) اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں اورجس معاملہ میں جوحکم فرماتا ہےاس حکم کی پختگی میں کوئی کمی نہیں رہتی۔۔۔الغرض۔۔۔اسکا کوئی کام ناقص اورحکمت کے خلاف نہیں۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کوفائدہ پہنچانے کا ذکر فرمایا تھا کہ انہیں ایک سال کا نفقہ اور رہائش مہیا کی جائے اوراب اس آیت میں ان مطلقہ عورتوں کا ذکر فرمایا جوطلاق یافتہ اور مدخول بہا عورتیں ہیں کہ اگران کا مہر پہلے مقرر تھاتو طلاق کے وقت ان کوانکا پورامہرادا کیا جائے اوراگر پہلے انکا مہر مقرر نہیں تھاتو ان کو مہر مثل دیا جائے اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کے حقوق کے بعد،مطلقہ عورتوں کے حقوق کا ذکر فرمایا ہے،اس میں اشارہ یہ ہے کہ طلاق بھی بہ منزلہ موت ہے کیونکہ جس طرح شوہر کی موت کے بعد شوہر سے علیحدگی ہوجاتی ہے،اسی طرح طلاق کے بعد بھی شوہر سے علیحدگی ہوجاتی ہے۔وہ

مطلقات جن کو مباشرت سے پہلے طلاق دی گئی ہو، ان کا حکم پہلے ہی بیان کیا جا چکا ہے، لہٰذا اس آیت میں مطلقات سے وہ عورتیں مراد ہیں جن کو مباشرت کے بعد طلاق دی گئی ہو۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کیلئے بھی نان نفقہ ہے مناسب طریقہ سے، واجب ہے پرہیزگاروں پر●

تو سن لو (اور) جان رکھو کہ مباشرت کر لینے کے بعد (طلاق دی ہوئی عورتوں کیلئے بھی) مہر کے علاوہ عدت کی مدت میں (نان نفقہ) بھی (ہے مناسب طریقے سے) اوسط درجہ کا، نہ زیادہ نہ کم، اور یہ بھی (واجب ہے) شرک وکفر سے پرہیز کرنے والے (پرہیزگاروں پر) یعنی مسلمانوں پر۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ع ۱۵

اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتوں کو کہ اب عقل سے کام لو●

جس طرح یہ احکام بیان کئے (اس طرح بیان فرماتا ہے) اور ظاہر کرتا ہے (اللہ) تعالیٰ (تمہارے) فائدہ کے (لئے) اپنے احکام پر مشتمل (اپنی آیتوں کو) تاکہ تمہارے ہر ہر عمل کے تعلق سے حسب ضرورت احکام الٰہی کی شکل میں رب کریم کی ہدایتیں ملتی رہیں تا (کہ اب عقل سے کام لو) اور ان احکام کو قبول کر لینے اور ان میں غور وفکر کرنے میں مصروف ہو جاؤ۔

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ طلاق بہ منزلہ موت ہے اور طلاق سے رجوع کرنا بہ منزلہ حیات ہے، گو ان پر موت وحیات کا اطلاق بطور مجاز ہے۔۔۔ الحتصر۔۔۔ پہلی آیات میں دنیاوی اور معاشرتی زندگی کے حساب سے موت وحیات کا ذکر کیا گیا تھا اور اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ دینی اور اخروی اعتبار سے موت اور حیات کا ذکر فرما رہا ہے اور چونکہ قریب ترین امت بنو اسرائیل تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے جہاد کے معاملے میں بنو اسرائیل کے احوال بیان فرمائے۔

یہ لوگ طاعون کی صورت میں موت کے ڈر سے بھاگے۔ اللہ نے ان پر موت طاری کی اور پھر ان کو زندہ کیا۔ اس میں بھی موت وحیات کا ذکر ہے۔ پھر ان کو جہاد کا حکم دیا۔ اس میں بھی موت وحیات کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل کے یہ سارے قصے اور ان کے پہلوں کے

تعلق سے یہ ساری خبریں اہل کتاب کے ہر خاص و عام لوگوں پر ظاہر تھیں اور انکی اتنی شہرت تھی کہ انکی حیثیت چشم دید حالات کی طرح ہوگئی، لہٰذا ایسے مشہور و معروف واقعات سے لاعلمی حیرت واستعجاب کا باعث ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ

کیاتم نے دیکھا نہیں انھیں جو نکلے تھے اپنے گھروں سے، اور وہ کئی ہزار تھے موت کے خوف سے،

فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ

تو فرمایا اُن کو اللہ نے کہ مرجاؤ۔۔۔ پھر زندہ فرمادیا ان کو۔ بے شک اللہ ضرور لوگوں پر فضل

عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ۝

فرمانے والا ہے۔ لیکن زیادہ لوگ ناشکر گزار ہیں ۝

تو (کیاتم نے) اے دیکھنے والے اور سوچ بوجھ رکھنے والے اپنی چشم علم وادراک سے بھی (دیکھا نہیں انہیں) اور تعجب کے ساتھ نگاہ نہیں ڈالی ان پر (جو) شہر واسط کے داوردان قریہ کے رہنے والے تھے اور وہ سب کے سب اپنے طاعون زدہ شہر سے (نکلے تھے) اور باہر ہوگئے تھے (اپنے گھروں سے اور وہ) بھی بہ اختلاف روایات چار ہزار۔۔۔یا۔۔۔آٹھ ہزار۔۔۔یا۔۔۔دس ہزار۔۔۔یا۔۔۔تیس ہزار۔۔۔یا۔۔۔چالیس ہزار۔۔۔یا۔۔۔ستر ہزار۔۔۔الغرض۔۔۔(کئی ہزار تھے)۔ اس شہر میں جب پہلی بار طاعون آیا، کچھ لوگ جو باہر جانے کی استطاعت رکھتے تھے وہ باہر نکل گئے، باقی شہر میں رہ گئے۔ باہر نکلنے والے سب بچ گئے مگر شہر کے رہنے والے بہت سارے لوگ طاعون کا شکار ہوگئے۔ اسلئے جب دوسری بار طاعون کا حملہ ہوا تو پھر سب کے سب (موت کے خوف سے) شہر سے نکل گئے اور شہر سے دور دو پہاڑوں کے درمیان ایک میدان میں ٹھہر گئے۔

انکے اس طرز عمل نے تقدیر الٰہی پر ان کے ایمان کی کمزوری ظاہر کردی۔۔۔نیز۔۔۔انکے کردار سے ایسا لگا کہ انھوں نے بیماری ہی کو موثر حقیقی سمجھ لیا ہے۔ رب علیم وخبیر انکے دلی خیالات واحساسات کا جاننے والا تھا۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے بطور سزا، ان سب کو کسی بیماری آزاری کے بغیر ہی اسی موت سے ہمکنار کردیا جس سے وہ بھاگے تھے اور پھر سات آٹھ دنوں ہی میں انکی وہ حالت ہوگئی کہ قریب کے گاؤں والے آکر ان کی تدفین نہ

کر سکے اور صرف ان کے چاروں طرف دیوار کھڑی کردی تاکہ وہ جنگلی درندوں کا لقمہ نہ بن سکیں ایک عرصہ گزر جانے کے بعد ان کی ہڈیوں کے ڈھانچے بھی منتشر ہو گئے۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ طاعون زدہ شہر سے باہر آ کر انھوں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم اب موت سے بچ گئے، (تو) ایسی صورت میں (فرمایا ان) سب (کو اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے دو فرشتوں کی زبان سے (کہ مر جاؤ)، چنانچہ وہ سب کے سب مر گئے اور ظاہر ہو گیا کہ کوئی شخص بیماری سے نہیں مرتا بلکہ حکم الٰہی سے مرتا ہے۔

چونکہ یہ موت طبعی نہیں تھی جس کے بعد زندگی نہیں عطا فرمائی جاتی، بلکہ یہ موت سزا کے طور پر ان کے نظریات و خیالات کی اصلاح کیلئے تھی، تاکہ جب انہیں زندگی دے دی جائے تو پھر وہ ایسی غلطی نہ کریں اور کسی بیماری کو موت کیلئے موثر حقیقی نہ سمجھ لیں۔

ایک عرصہ دراز کے بعد اُدھر سے باختلاف روایات حضرت حزقیل المعروف بہ ابن العجوز، خلیفہ کالب بن یوقنا، خلیفہ یوشع بن نون۔۔۔یا۔۔۔ حضرت شمعون۔۔۔یا۔۔۔ حضرت شمویل ذوالکفل۔۔۔یا۔۔۔ حضرت یوشع بن نون کا گزر ہوا۔ وہاں کی صورت حال دیکھ کر آپ بہت حیرت زدہ ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی فرمائی، اور ان کی زبان کو اپنا حکم نافذ کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے جب ہڈیوں سے کہا کہ اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ کا حکم ہے تو تم اکٹھا ہو جاؤ، یہ سنتے ہی سب اکٹھا ہو گئیں۔ پھر ارشاد فرمایا کہ خداوند کا حکم ہے کہ اے ہڈیوں کے ڈھانچو تم گوشت و پوست کا لباس پہن لو، یہ سن کر سارے ڈھانچے گوشت و پوست والے ہو گئے۔ پھر پیغمبر نے ارشاد فرمایا کہ حکم الٰہی ہے کہ اب تم سب زندہ ہو کر کھڑے ہو جاؤ تو سب سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

تو اس طرح (پھر زندہ فرما دیا) اللہ تعالیٰ نے (انکو)۔ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے بحکم خداوندی پہلے ان مرنے والوں کی بوسیدہ ہڈیوں سے خطاب کیا، پھر انکے بے روح ڈھانچوں کو مخاطب فرمایا، اور پھر انکے بیجان گوشت و پوست کے پیکر کو حکم دیا [redacted]

اب اس خطاب کی دو ہی صورت بنتی ہے:

﴿۱﴾۔۔۔ اگرچہ پیغمبر نے براہ راست انہیں کو مخاطب بنا کر حکم الٰہی ظاہر فرمایا، لیکن ان کے توسط سے درحقیقت خطاب انکی ارواح سے تھا اور چونکہ سننا، دیکھنا، سمجھنا یہ سب کچھ

روح کی صفات ہیں تو ان کی روحوں نے سنا، سمجھا اور اپنے خداداد تصرفات کو بروئے کار لاکران کی بوسیدہ ہڈیوں کو چلتے پھرتے پیکر انسانی میں بدل دیا۔

﴿۲﴾۔۔۔ پیغمبر کا خطاب انہیں بوسیدہ ہڈیوں، بے جان ڈھانچوں اور بے روح گوشت و پوست کے پیکروں ہی سے تھا، جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پیغمبر کا خطاب سنا، سمجھا اور انکے حکم کی تعمیل کی۔۔

پہلی صورت میں ظاہر ہوگیا کہ مردے بھی سنتے، دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔۔۔ اسلئے کہ دیکھنا سننا اور سمجھنا، یہ سب کچھ روح کی صفات ہیں۔۔۔تو۔۔۔ مردوں سے وابستہ ارواح کا سننا دیکھنا اور سمجھنا ہی مردوں کا سننا، دیکھنا اور سمجھنا قرار پایا۔۔۔ اور دوسری صورت میں واضح ہوگیا کہ سننے، دیکھنے، سمجھنے وغیرہ کیلئے روح صرف سبب عادی ہے، سبب حقیقی و لازمی نہیں، اسلئے کہ بے روح اشیا بھی دیکھنے سننے اور سمجھنے کی خدا داد صلاحیتیں رکھتی ہیں اور خدا کی قدرت کاملہ سے یہ چیز باہر نہیں کہ وہ بے روح چیزوں کو جو چاہے سنا دے، جو چاہے دکھا دے اور جو چاہے سمجھا دے۔۔۔ بے روح اشیاء کا سننا، دیکھنا، سمجھنا۔۔۔ بلکہ۔۔۔ درد محبت سے آشنا ہونا، یہ صرف ممکن نہیں بلکہ واقعہ ہے۔ جسکی بے شمار مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ استن حنانہ اور جبل احد کی مثالوں سے تو ہر صاحب علم باخبر ہے۔

مذکورہ بالا واقعہ سے ظاہر ہوگیا کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور لوگوں پر فضل فرمانے والا ہے) ان لوگوں کو اسلئے زندہ کیا تا کہ وہ عبرت پکڑیں اور پھر سعادت عظمیٰ حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہیں اور ان کے سوا دوسرے لوگ جو اس واقعہ کو سنیں، انہیں بھی عبرت اور غور و فکر کی جانب ہدایات ملے (لیکن زیادہ) اکثر و بیشتر (لوگ ناشکر گزار ہیں) خصوصاً بنی اسرائیل، کہ انھوں نے ایسے ایسے معجزے دیکھے اور حکم الٰہی نہ مانا۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

اور لڑو اللہ کی راہ میں، اور جان رکھو کہ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

۔۔۔تو۔۔۔ مسلمانو! تم عبرت حاصل کرو (اور) اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے (لڑو) جہاد کرو (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اس کی رضا اور خوشنودی کیلئے، اسکے دین کو بلند کرنے کیلئے۔ جس طرح طاعون سے بھاگنے والوں نے دیکھ لیا کہ بھاگنے کے بعد بھی وہ موت سے نہیں بچ سکے۔ اسی

طرح جہاد سے بھاگنے والے بھی سمجھ لیں کہ بھاگنے سے انہیں موت سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہو کر رہے گی، پھر کیوں نہ وہ راستہ اختیار کرو جو ہر حال میں کامیابی و سرخروئی کا راستہ ہے، اور وہ ہے خدا کی راہ میں جہاد، جس میں بچنے والا غازی ہو کر نصرت الٰہی اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے ۔۔۔اور۔۔۔ مرنے والا شہید ہو کر حیات دائمی اور نجات اخروی حاصل کر لیتا ہے۔

تو مسلمانو راہِ خدا میں جہاد کرو (اور جان رکھو کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے۔ وہ اسکی بات بھی سنتا ہے جو کسی دوسرے کی ترغیب سے جنگ پر حاضر ہوا اور اسکی بات بھی جو کسی دوسرے کی نفرت دلانے سے جنگ پر نہ جاسکا اور یونہی وہ (جاننے والا ہے) تمہارے ان اعمال کو جنھیں تم اپنے دلوں میں چھپاتے ہو اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ جنگ سے محروم رہنے والا جنگ پر کیوں نہ حاضر ہو سکا ۔۔۔نیز۔۔۔ وہ مجاہد کے جہاد اور اسکی غرض اور نیت کو بھی جانتا ہے کہ وہ جنگ پر حاضر ہوا تو کیوں؟ دینی مفاد مد نظر تھا ۔۔۔یا۔۔۔ دنیوی۔ اب اگر اسکی دنیوی غرض ہے تو اسے اخروی ثواب حاصل نہیں ہوگا۔

اس سے پہلی آیت میں جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد مال کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ جہاد کیلئے سواریاں، آلات حرب اور خوراک و رسد کو مال کے بغیر حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ اسلئے اگلی اس آیت میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور اللہ کے دین کی سربلندی کیلئے مال خرچ کرنے کو اللہ کو قرض دینے کے ساتھ تعبیر فرمایا ہے اور اس میں بتایا ہے کہ یہ مال ضائع نہ ہوگا بلکہ آخرت میں کئی گنے اجر و ثواب کے ساتھ تمہیں مل جائیگا۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ

کوئی ہے جو دے اللہ کو قرضِ حسنہ، تو بڑھادے اللہ اس کو کئی زیادہ گنا۔

وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اور اللہ ہی تنگی ڈالے اور وہی فراخی بخشے، اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تو (کوئی ہے جو) اللہ تعالیٰ کی اور اسکے دین کی سربلندی کی محبت میں (دے اللہ) تعالیٰ کے ضرورتمند بندوں (کو) ان کے طلب کرنے پر اپنے پاک اور حلال مال سے (قرض حسنہ) یعنی ایسا قرض جسے دینے میں ٹال مٹول نہ کرے اور جلدی کرے ۔۔۔یا۔۔۔ قرض دیکر احسان نہ رکھے ۔۔۔یا۔۔۔ عوض کا طالب نہ ہو۔

[redacted] یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں قرض سے مراد راہِ خدا میں صدقہ دینا ہے۔صدقہ کی تعبیر قرض سے اس لئے کی گئی کہ جس طرح قرض دینے والے کو زرِ قرض ملنا لازم ہے، اسی طرح خدا کی راہ میں صدقہ دینے والے کو صدقہ کا عوض ملنا لازم ہے۔ [redacted]

[redacted]

اس ارشاد میں دراصل اس تمنا کا اظہار کیا جارہا ہے کہ کوئی سعادت مند آگے بڑھے اور راہ خدا میں اپنا حلال وطیب مال خرچ کرے (تو بڑھادے اللہ) تعالیٰ (اس) کے مال کے اجر (کو) دس گنا، ستر گنا، سات سو گنا، چودہ سو گنا، بلکہ اس سے بھی (کئی زیادہ گنا) صدقہ کرنے والے ہرگز یہ خیال نہ کریں ک[redacted] تنگی وکشادگی یہ کسی کے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ بلکہ یہ دونوں خدا ہی کی طرف سے ہیں تو جان لو (اور) یادرکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی) جس پر چاہے (تنگی ڈالے اور وہی) جسکو چاہے (فراخی بخشے) یہ دونوں کام رب کریم اپنے علم وحکمت اور اپنی تدبیر وتقسیم کے مطابق انجام دیتا ہے۔

---الغرض---جس بندے کے ساتھ جو کرتا ہے، اس بندے کے حال کی درستی اور بھلائی اسی میں ہے۔اس دنیا میں بھی کو چند روز رہنا ہے (اور) پھر بالآخر اے لوگو تم سب (اسی کی) جزا (کی طرف لوٹائے جاؤگے) [redacted]

اس سے پہلے آیتوں میں مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کرنے کیلئے پچھلی امتوں میں سے ان لوگوں کے احوال کو بیان فرمایا تھا جو موت سے ڈر کر بھاگے تھے، پھر بھی ان کو موت نے آلیا تاکہ مسلمان یہ غور کریں کہ جب موت سے مفر نہیں تو کیوں نہ شہادت کے آئینہ میں موت کا استقبال کیا جائے۔ اوراب ان آیتوں میں یہ بتایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کو جو جہاد کا مکلف کیا ہے، وہ ان پر کوئی پہلا اور نیا حکم نہیں ہے۔ان سے پہلے بھی بنواسرائیل کو جہاد کا مکلف کیا گیا تھا اور جب کسی حکم کے بارے میں یہ معلوم ہوجائے کہ وہ کسی ایک جماعت کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ

ہر زمانے میں ہر امت کو اس حکم کا مکلف کیا جاتا رہا ہے تو اس حکم کا بارِ مشقت کم ہو جاتا ہے۔

[redacted] اور

آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ایک نبی کے زمانے میں بنو اسرائیل کی ضد اور ہٹ دھرمی کی طرف متوجہ فرمایا، کہ یہ ضد اور ہٹ دھرمی ہمیشہ سے بنو اسرائیل کا وطیرہ رہا ہے اور یہ ان کے عمل کا ایک تسلسل ہے جو آپ کے زمانہ کے بنو اسرائیل میں بھی پایا جاتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا

کیا تم دیکھ نہیں چکے بنی اسرائیل کی ایک جمعیت کو بعد زمانہ موسیٰ کے، جب کہ وہ بولے اپنے نبی کو کہ ہمارے لیے کسی کو بادشاہ

مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ

بنا کر کھڑا کر دو کہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں۔ کہا کچھ دور نہیں تم سے، کہ اگر فرض کر دیا جائے تم پر لڑنا، یہ کہ نہ لڑو۔

قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ

سب بولے اور ہمارے لیے کیا وجہ ہے کہ نہ لڑیں اللہ کی راہ میں، حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں اپنے گھروں اور بچوں سے ---

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝

پھر جب فرض کیا گیا ان پر لڑنا تو منہ پھیر لیا مگر ان کے تھوڑوں نے، اور اللہ ظالموں کو جاننے والا ہے●

[redacted] (بنی اسرائیل کی ایک جمعیت کو) یعنی ایک گٹ بنا کر رہنے والے بنی اسرائیلی اشراف و صاحبانِ عقل و دانش کی جماعت کو، جن کا زمانہ (بعد زمانہ) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (کے) ظہور پذیر ہوا (جب کہ وہ بولے اپنے نبی) حضرت اشموئیل ---یا--- حضرت الیسع ---یا--- حضرت یوشع بن نون ---یا--- حضرت شمعون ---الغرض--- اس عہد میں موجود اپنے پیغمبر (کو) اور ان کی خدمت میں درخواست پیش کی (کہ) آپ اللہ تعالیٰ کے حکم سے (ہمارے لئے کسی کو بادشاہ بنا کر کھڑا کر دو) تا (کہ ہم) اسکی قیادت میں اور اسکی مدد و نصرت سے (لڑیں) اور جہاد کریں (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) جالوت اور اسکی قوم عمالقہ کے ساتھ۔

یہ قوم، قوم عاد کے باقیات سے تھی جو بت پرست اور شرک کرنے والی تھی۔ اسکو بنی اسرائیل سے پوری عداوت تھی، بنی اسرائیل اس سے عاجز تھے، چونکہ ان میں کوئی بادشاہ اور حاکم نہ رہا تھا جسکی قیادت میں وہ اس قوم کا مقابلہ کر سکتے، اسلئے انھوں نے اپنے پیغمبر سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست پیش کر دی کہ اسکی مدد سے جہاد کر سکیں۔ چونکہ اس دور کے پیغمبر کے علم وخبر میں سابقہ قوم بنی اسرائیل کی سرکشیاں، منہ زوریاں اور بداعمالیاں تھیں اسی کے پیش نظر انھوں نے جواباً ان سے (کہا) ارشاد فرمایا کہ (کچھ دور نہیں تم سے) تمہارے اسلاف کے رویوں کو دیکھتے ہوئے (کہ اگر فرض کر دیا جائے تم پر لڑنا) اور جہاد کرنا تو (یہ) متوقع ہے (کہ نہ لڑو) اور مد مقابل کی ظاہری قوت وشوکت کو دیکھ کر جہاد سے منہ موڑ لو اور بھاگ کھڑے ہو۔

یہ سن کر (سب بولے اور) کہہ پڑے کہ (ہمارے لئے کیا وجہ ہے کہ نہ لڑیں) اور وہ بھی (اللہ کی راہ میں حالانکہ) یعنی اب صورت حال یہ ہے کہ ان ظالموں کے ظلم وستم سے (ہم نکالے گئے ہیں اپنے گھروں) سے (اور) دور کر دئے گئے ہیں اپنے (بچوں سے)۔ جالوت نے اپنے زمانہ کے بادشاہوں کی اولاد میں سے چار سو چالیس آدمی قید کئے تھے اور کتنے گروہوں کو ان کے گھروں سے نکال دیا تھا۔ اسی سبب سے وہ لڑائی کرنے میں مبالغہ اور اصرار کرتے تھے۔

تو (پھر جب فرض کیا گیا ان پر) دین کے دشمنوں کے ساتھ (لڑنا) بھڑنا اور جہاد کرنا (تو) دشمنوں کو دیکھنے کے بعد انکی ظاہری قوت وشوکت سے ایسا مرعوب ہوئے کہ جہاد سے (منہ پھیر لیا) اور بھاگ کھڑے ہوئے (مگر ان کے تھوڑوں نے) یعنی اہل بدر کی تعداد کے مطابق صرف تین سو تیرہ آدمیوں نے پوری ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔

خود ہی جہاد کیلئے اپنی آمادگی ظاہر کرنے والو! اور پھر خود اس سے منہ موڑ لینے والو اور اپنے نبی کی اطاعت سے انکار کر دینے والو، غور سے سنو (اور) جان رکھو (اللہ) تعالیٰ جہاد سے منہ پھیر لینے والے (ظالموں کو) خوب (جاننے والا ہے) اور ان کو قرار واقعی سزا دینے والا ہے۔

---الغرض--- جب بنی اسرائیل نے اپنے پیغمبر سے ایک بادشاہ مقرر کر دینے کی درخواست پیش کی جو جہاد میں ان کی قیادت کر سکے، پھر پیغمبر نے جوانھیں الزام دیا اسکا انھوں نے معقول جواب پیش کر دیا اس کے بعد پیغمبر نے بارگاہ الٰہی میں درخواست پیش کر دی کہ وہ ایک بادشاہ اس قوم کے واسطے مقرر فرما دے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی

درخواست قبول فرمائی اور نبی کے پاس ایک عصا اور ایک روغن سے بھرا ہوا برتن پہنچا دیا اور فرمادیا کہ تمہارے گھر میں جس کے آنے سے یہ روغن جوش مارنے لگے۔۔۔نیز۔۔۔یہ عصا جس کے قد کے برابر ہو، وہی شخص اس قوم پر سلطنت کرنے کے لائق ہے۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔آپ نے اسکا اعلان فرمایا، پھر لوگوں کا آپ کے مکان پر آنا جانا شروع ہوگیا۔ اتفاقاً حضرت طالوت ایک دن اپنے باپ کے حکم سے ان کے گم شدہ اونٹوں کو تلاش کرتے ہوئے پیغمبر کے مکان پر حاضر ہوئے۔ انکی مالی حیثیت بہت کمزور تھی۔ کھال صاف کرنا اور ایک سقّا کا کام انجام دینا، یہی انکا پیشہ تھا۔ مگر مشیت الٰہی دیکھئے کہ انکے آتے ہی برتن کا روغن جوش کھانے لگا اور جب پیائش کی گئی تو عصا انکے قد کے مطابق اترا۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوٓا أَنّٰى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ

اور انکو کہا انکے نبی نے کہ بیشک اللہ نے کھڑا کیا ہے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ۔ سب بولے کس طرح ہوگی اسکی حکومت

عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ

ہم پر، حالانکہ ہم زیادہ حق دار ہیں حکومت کے، اور اس کو تو مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی۔

قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللّٰهُ يُؤْتِي

کہا بے شک اللہ نے اس کو تم پر چن لیا ہے اور علم و جسم میں اس کی کشادگی بڑھادی۔ اور اللہ اپنا

مُلْكَهُ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾

ملک جس کو چاہے دے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے●

۔۔۔چنانچہ۔۔۔حکم ربانی (اور) امر الٰہی کے پیش نظر پہلے جوش مارنے والے روغن سے کچھ لیکر حضرت طالوت کے سر پر لگایا اور پھر (ان کو کہا ان کے نبی نے کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (نے کھڑا کیا ہے) مقرر کردیا ہے (تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ)۔ مگر حضرت طالوت کی غربت و افلاس سے لوگ حیرت میں پڑ گئے اور سوچنے لگے کہ جس کے پاس مال و دولت نہیں، وہ دشمنوں کے مقابل میں ہماری کیا مدد کرسکتا ہے۔ لہٰذا کچھ لوگوں نے انکار کی نیت سے اور کچھ لوگوں نے صرف حکمت معلوم کرلینے کی غرض سے۔۔۔الغرض۔۔۔(سب بولے کس طرح ہوگی اس کی حکومت ہم) جیسے مال و دولت رکھنے والوں اور سرمایہ داروں (پر حالانکہ ہم) ان سے (زیادہ حق دار ہیں حکومت کے اور) رہ

گیا وہ، تو وہ ایک غریب اور نادار انسان ہے۔ قیادت کیلئے، دوسرے لازمی امور تو ایک طرف (اس کو تو مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی)۔

اس پر (کہا) پیغمبر نے (بے شک اللہ) تعالیٰ (نے اس کو تم پر چن لیا ہے) اور جب یہ خدائی [redacted] ویسے بھی قیادت و امارت اور امورِ سلطنت کو انجام دینے کیلئے علم و دانش کی فراوانی اور جسمانی قوت و توانائی کی کثرت درکار ہوتی ہے، تو خدا نے تمہارے لئے جس کو بادشاہ منتخب فرمایا ہے اس کو امور سلطنت کے انجام دینے کی پوری صلاحیت فرما دی ہے (اور علم و جسم) دونوں (میں اس کی کشادگی بڑھا دی) ہے۔ چنانچہ اگر ایک طرف وہ لڑائی کے فن، امور سیاست اور تدبیر مملکت میں دانا و بینا ہے، تو دوسری طرف جسمانی حیثیت سے بہت خوبصورت، سر بلند، حسین گردن والا اور اپنے زمانے کے لوگوں میں قد آور ہے (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ جو مالک الملک علی الاطلاق ہے وہ (اپنا ملک جس کو چاہے دے اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) ہے اور بڑا فضل کرنے والا ہے، اس امر میں کہ جسے چاہتا ہے اس کے قبضہ قدرت میں اختیار دیدیتا ہے اور اسے سلطنت کرنے کی صلاحیت عطا فرما دیتا ہے اور (علم والا ہے) وہ خوب جانتا ہے کہ سلطنت کرنے کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟

اس دور کے بنی اسرائیل بھی عجیب تھے کہ خود اپنے پیغمبر کی زبان سے حکم الٰہی سننا، حضرت طالوت کی آمد پر روغن کا جوش مارنا اور لکڑی کا حضرت طالوت کے قد کے مطابق ہونا، ان تمام باتوں کو دیکھنے سننے کے بعد بھی، وہ حضرت طالوت کے منجانب اللہ بادشاہ مقرر ہو جانے پر پوری طور پر مطمئن نہ ہو سکے، چنانچہ وہ اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کی بحث و تکرار کی پرانی روش اور حجت و حیلہ کی پرانی عادت کے موافق عاجزی اور فروتنی کے ساتھ اپنے پیغمبر کی بارگاہ میں گزارش پیش کی کہ طالوت کے برگزیدہ ہونے پر ہمیں کوئی دلیل اور علامت چاہئے، تاکہ ہمارے دلوں میں اس کی فرمانبرداری اور خیر خواہی کی رغبت پیدا ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ

اور کہا ان کو ان کے نبی نے کہ بے شک اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں سامان سکون ہے

رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ

تمہارے رب کی طرف سے اور بچا ہوا تبرک ہے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا۔ اٹھائے ہیں اس کو فرشتے۔

ع ۱۶

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿۲۴۸﴾

بے شک اس میں ضرور نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ماننے والوں سے ہو●

اس عرض کو سن کر ارشاد فرمایا (اور کہا ان کو انکے نبی نے کہ بے شک اس کی حکومت کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت)، سکینہ جس کو عمالقہ بنی اسرائیل سے چھین کر اپنی ولایت میں لے گئے تھے، پھر وہ جس جگہ اسے رکھتے تو وہاں کوئی نہ کوئی آفت آجاتی۔ آخر انھوں نے ایک گھورے کے قریب دفن کر دیا، جسکی وجہ سے وہ اور بھی مبتلائے آفت ہوگئے۔ بالآخر عاجز آکر دو بیلوں کی گاڑی پر تابوت کو رکھ کر بنی اسرائیلیوں کی طرف روانہ کر دیا۔ ان بیلوں کو فرشتوں نے ہانکتے ہوئے ان کی منزل تک پہنچادیا۔۔۔یا۔۔۔خود فرشتوں ہی نے دفن کی ہوئی جگہ سے اسے نکال کر اور اپنے سروں پر اٹھا کر بنی اسرائیل تک پہنچا دیا۔

ایسے بابرکت تابوت (جس میں سامانِ سکون ہے تمہارے رب کی طرف سے) اس میں ایسی چیزیں ہیں جن سے تمہارے دلوں کو تسکین ہو۔ کسی بھی معرکہ میں اسکا ساتھ رہنا تمہارے اطمینان و سکون کی ضمانت ہے کہ فتح وظفر تمہیں کو نصیب ہوگی۔ (اور) اس میں (بچا ہوا تبرک ہے حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا) [redacted]

---الختصر--- بابرکت نفوس قدسیہ رکھنے والوں کے برکت والے آثار و منسوبات اس صندوق میں محفوظ تھے جس کی برکت سے بنی اسرائیل فائدہ اٹھاتے رہے اور ان کے صدقہ و طفیل میں اپنے دشمنوں پر کامیاب ہوتے رہے۔ بنی اسرائیل جب کسی معرکہ کیلئے نکلتے تو ان کے آگے یہ تابوت رہتا اور وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ (اٹھائے) ہوئے (ہیں اس کو فرشتے) اپنے سروں پر (بے شک اس) صندوق کے تمہارے پاس پہنچنے (میں ضرور نشانی ہے تمہارے لئے) یعنی واضح دلیل ہے تمہارے واسطے اس امر پر کہ سلطنت طالوت کے باب میں پیغمبر کی بات سچی ہے (اگر تم ماننے والوں) اور باور کر لینے والوں (سے ہو)۔

---چنانچہ--- جب بنی اسرائیل کے پاس تابوت پہنچ گیا تو وہ لوگ حضرت طالوت کے مطیع و فرمانبردار ہوگئے اور جالوت سے لڑنے کا ارادہ کر لیا۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ

پس جب الگ کرلیا طالوت نے لشکروں کو کہا بے شک اللہ آزمانے والا ہے تم کو ایک نہر سے، تو جس نے اس سے پی لیا تو وہ مجھ

مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا

سے نہیں۔ اور جو اس کو نہ چکھے تو بے شک وہ مجھ سے ہے مگر وہ جو چلو بھر لے لے اپنے ہاتھ میں۔ تو لشکریوں نے پی لیا نہر سے مگر

قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ

ان کے تھوڑوں نے، پس جب پار کرلیا نہر کو طالوت نے اور اس کے صاحب ایمان ساتھیوں نے، بولے کہ نہیں ہے طاقت ہم میں آج

بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ

جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابل، کہا ان لوگوں نے جو سمجھتے ہیں کہ بے شک وہ ملنے والے ہیں اللہ سے، کہ کتنی چھوٹی

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

جماعت ہیں کہ غالب آچکی ہیں بڑی جمعیت پر اللہ کے حکم سے، اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے●

---چنانچہ---ستر---یا---اسی ہزار آدمی آپ کے ہمراہ ہوگئے۔ اس دن ہوا بہت تیز اور گرم چل رہی تھی (پس جب الگ کرلیا طالوت نے لشکروں کو) اور اپنے نبی کے حکم سے اپنے آراستہ کیے ہوئے لشکروں کو لیکر شہر ایلیا سے باہر آگئے تو (کہا) طالوت نے الہام ربانی سے---یا---اپنے نبی سے اطلاع پاکر کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ اس گرم ہوا میں (آزمانے والا ہے تم کو) اردن اور فلسطین کے درمیان ظاہر ہونے والی (ایک نہر سے) تاکہ تمہیں دکھائے کہ مطیع کون شخص ہے اور عاصی کون ہے، (تو جس نے) تشنگی کے غلبہ کے سبب صبر نہیں کیا اور نبی کے فرمان کا خیال نہ کیا اور سیر ہوکر (اس سے پی لیا تو وہ مجھ سے) میرے دین و مذہب کو ماننے والوں میں سے (نہیں)۔ اس کے برخلاف جو اپنے نبی کی ہدایت کا پاس و لحاظ رکھے (اور جو اس کو نہ چکھے) اور اس سے نہ پیئے (تو بے شک وہ مجھ سے) میرے دین و مذہب کو ماننے والوں میں سے (ہے)۔ یہ پینے کی پابندی اس کیلئے ہے جو ایک چلو سے زیادہ پینا چاہے (مگر وہ جو چلو بھر لے لے اپنے ہاتھ میں) اسکو اتنا کرنے کی رخصت ہے---بہر---ایک چلو پر قناعت کر لینا ہی اس کیلئے کافی ہے۔

---الغرض---حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کی راہ میں ایک نہر پیدا کر دی اور جب لشکر اس گرم ہوا میں بہت شدت سے پیاسا اس نہر پر پہنچا (تو لشکریوں نے پی لیا نہر سے) خوب سیر

ہوکر (نگران کے تھوڑوں نے)۔

صرف تین سو تیرہ افراد نے اپنے نبی کی ہدایت کا پاس ولحاظ رکھا اور نبی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک ہی چلو پانی پر قناعت کرلی۔۔۔مگر۔۔۔ یہ چلو ان کیلئے اتنا بابرکت ثابت ہوا کہ ہرایک اپنے ایک چلو پانی ہی سے سیراب ہوگیا، بلکہ ہرایک چلوؤں میں پینے کے بعد جو پانی بچا اس سے انکی چھاگلیں اور مشکیں بھی بھر گئیں۔ انکے برخلاف جنھوں نے نبی کی ہدایت کو نظر انداز کردیا اور ایک ایک چلو سے زیادہ پی لیا، انکے ہونٹ کالے ہوگئے اور پیاس حد سے زیادہ بڑھ گئی کہ جتنا زیادہ پانی پیتے، زیادہ پیاسے ہوتے تھے۔

چنانچہ وہ نہر کے کنارے ہی پڑے رہ گئے دشمن کے لشکر سے ملاقات تک نہ کی۔ اور ایک قول کے مطابق ان کے لشکر کے چھیاسٹھ ہزار آدمی نہر کے پار نہ اترے، اس میں سے صرف چار ہزار آدمی پار اترے تھے (پس جب پار کرلیا نہر کو طالوت نے اور اس کے صاحب ایمان ساتھیوں نے) یعنی ان ساتھیوں نے جو حضرت طالوت کی بات مان چکے تھے تو وہ لوگ جو خلاف کر کے پار نہ اترے تھے ۔۔۔یا۔۔۔ چار ہزار آدمی جو پار اترے تھے جب انھوں نے جالوت کا لشکر دیکھا تو ان میں سے تین ہزار چھ سو ستاسی آدمی ڈر کر اور بیدل ہوکر (بولے کہ نہیں ہے طاقت ہم میں) کہ (آج جالوت اور اسکے لشکروں کے) مد (مقابل) ہوکر اس سے لڑسکیں۔

۔۔۔المختصر۔۔۔ ہم جالوت سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس وقت (کہا ان) تین سو تیرہ نفوس قدسیہ رکھنے والے (لوگوں نے جو سمجھتے ہیں) اور یقینی طور پر جانتے ہیں (کہ بے شک وہ ملنے والے ہیں اللہ) تعالیٰ (سے) اور اسکی طرف سے بہترین صلہ اور اچھی جزا سے فیضیاب ہونے والے ہیں کہ ایسا بہت ہوا (کہ کتنی چھوٹی جماعت ہیں کہ) جو اللہ تعالیٰ کی نصرت واعانت سے (غالب آچکی ہیں بڑی جمعیت پر اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ ایمان والوں کی کامیابی لشکر وسپاہ کی مرہونِ منت نہیں، بلکہ ان کی کامیابی اور فیروزبختی صرف حکم الٰہی اور نصرت خداوندی کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم کے ساتھ جس کے ساتھ ہے، کامیابی بھی اس کے ساتھ ہے (اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) وہ صابرین جو اپنی نفسانی خواہشات کیلئے کچھ نہیں کرتے، انکا ہر عمل صرف رضائے الٰہی اور حکم خداوندی کی تعمیل کیلئے ہوتا ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ

اور جب کھل کر آگئے جالوت اور اس کے لشکروں کے لیے عرض کیا، اے ہمارے پروردگار انڈیل دے ہم پر صبر،

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؇

کو اور جمادے ہمارے قدموں کو، اور مدد فرما ہماری کافروں پر●

(اور جب) حضرت طالوت کی معیت میں تین سو تیرہ نفوس قدسیہ والے (کھل کر) سامنے (آگئے) اور (جالوت) جیسے گراں ڈیل، بظاہر رعب دار، حالت جنگ میں ایک ہزار رطل لوہے کے لباس میں غرق، سر پر تین سو رطل کا خود رکھنے والے۔

'خیال رہے کہ بارہ اوقیہ کا ایک رطل ہوتا ہے، جو ملک شام میں پانچ پونڈ کا اور مصر میں پونے سولہ اونس کا ہوتا ہے'۔

---الغرض---سر سے پیر تک لوہے کے لباس میں ڈوبے ہوئے جالوت (اور اس کے) آٹھ لاکھ سوار جرار، خنجر کش، تیغ زن، نیزہ دار (لشکروں) سے مقابلہ (کیلئے) صف بندی کری تو بارگاہِ خداوندی میں اپنی پوری شان بندگی کے ساتھ عاجزانہ طور پر (عرض کیا اے ہمارے پروردگار انڈیل دے ہم پر صبر کو) ایسا صبر جو درجہ کمال تک پہنچا ہوا ہو اور ہمیں ان صابرین میں کر دے خود تیری ذات اور تیری نصرت واعانت جن کے ساتھ ہے (اور جمادے ہمارے قدموں کو) یعنی میدان جنگ میں ہمیں ثابت قدم رکھ (اور مدد فرما ہماری کافروں) کے گروہ (پر)۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ

تو شکست دیدی ان کو اللہ کے حکم سے، اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور دیا ان کو اللہ نے حکومت اور حکمت

وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاۗءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ

اور سکھا دیا ان کو جو چاہا۔ اور اگر نہ ہو دفع کرنا اللہ کا لوگوں کو بعض کو بعض سے، البتہ تباہ ہو گئی ہوتی

الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

زمین۔ لیکن اللہ فضل وکرم والا ہے دنیا بھر پر●

(تو شکست دیدی) ایمان والوں نے (ان) کافروں (کو اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے) اور

اسکی مدد اور اسکی توفیق سے (اور قتل کیا داؤد) بن یسّا (نے جالوت کو) ایک پتھر اس کے خود پر مارا وہ خود اس کے سر میں ٹوٹ کر دھنسا اور اسکا بھیجا بکھر گیا اور پھر اسکا لشکر تتر بتر ہو گیا۔

اس مقام پر یہ واقعہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت داؤد کے والد بزرگوار اپنے بیٹوں کے ساتھ حضرت طالوت کے لشکر میں تھے ان تمام بیٹوں میں حضرت داؤد ساتویں نمبر پر اور سب سے چھوٹے تھے۔ اس عہد کے پیغمبر نے یہ حکم الٰہی حضرت طالوت تک پہنچا دیا کہ جالوت کے قتل کر دینے والے حضرت داؤد ہی ہیں، چنانچہ حضرت طالوت نے ان کے والد کے ذریعہ انہیں طلب کر لیا۔ حضرت طالوت نے یہ شرط کر لی تھی کہ جو شخص جالوت کو قتل کرے گا اسے اپنی بیٹی دونگا اور اسے اپنی سلطنت میں شریک کر لونگا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ انھوں نے حسب وعدہ اپنی بیٹی حضرت داؤد کے نکاح میں دیدی اور آدھی سلطنت بھی ان کے حوالے کر دی، آخر کو تمام سلطنت کے وہی مالک ہو گئے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ فضل خداوندی ہوا (اور) دے (دیا ان کو) یعنی حضرت داؤد کو (اللہ) تعالیٰ (نے) جالوت کو قتل کر دینے کے بعد (حکومت) اور بادشاہی (اور حکمت) نبوت وزبور (اور سکھا دیا ان کو) زرہ بنانے کی صنعت، پرندوں کی زبان، انبیاء کرام کو کام آنے والے علوم اور اس کے سوا (جو چاہا)۔ پس سمجھ لو (اور) جان رکھو کہ (اگر نہ ہو دفع کرنا اللہ) تعالیٰ (کا لوگوں کو بعض کو بعض سے) یعنی اگر اللہ تعالیٰ مشرکوں کو جہاد کرنے والے مومنوں کے ذریعے دفع نہ کر دیتا، تو (البتہ تباہ ہو چکی ہوتی زمین)، کفر کی سیاہی کے سبب سے اور زمین کی منفعتیں زائل ہو جاتیں۔ (لیکن) چونکہ (اللہ) تعالیٰ (فضل وکرم والا ہے) صرف مومنین ہی پر نہیں بلکہ (دنیا بھر پر)، اسلئے اس نے انسانوں کے ذریعہ سرکش انسانوں کو دفع کر دینے کا جو قانون بنایا ہے اس میں حکمت ہی حکمت ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۝

یہ ہیں آیتیں اللہ کی پڑھتے ہیں ان کو تم پر بالکل ٹھیک۔ اور بے شک تم رسولوں سے ہو●

تو اے محبوب! یہ سارے قصے جو ہم نے تمہیں سنائے ہیں۔۔۔ مثلاً: موت سے بھاگنے والوں کا ذکر، پھر انکا مرنا اور جینا، طالوت کی بادشاہت اور ایک بچے کے ذریعہ ظالم وجابر قوموں پر غالب آنا، وغیرہ (یہ) سب (ہیں آیتیں) نشانیاں (اللہ) تعالیٰ (کی، پڑھتے ہیں ان کو تم پر)

جبرائیل کے توسط سے (بالکل ٹھیک)۔ یہ ساری باتیں بالکل صحیح اور واقع کے مطابق ہیں۔ ان کے یقینی ہونے میں خود اہل کتاب کو بھی شک نہیں، اسلئے کہ خود ان کی کتابوں میں بھی اسکا ذکر ہے (اور بے شک تم رسولوں سے ہو) جبھی تو تم ان تمام واقعات کے تعلق سے صحیح صحیح خبریں دے رہے ہو۔ کسی کتاب میں پڑھے بغیر اور کسی اہل کتاب سے سنے بغیر اس طرح کے بیانات پیش کرنا یہ رسولوں ہی کا کام ہے جن کو حق تعالیٰ کی طرف سے علوم عطا کئے جاتے ہیں۔۔۔الغرض۔۔۔یہی وہ ہیں جن کے علوم ومعارف وحی الٰہی سے ہم رشتہ ووابستہ ہیں۔

اس پارہ کی تفسیر بحمدہٖ تعالیٰ ۱۰ شوال ۱۴۲۸ھ / ۲۰ اکتوبر ۲۰۰۷ء کو مکمل ہوئی

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ

یہ سارے رسول، بڑائی دی ہم نے ان کے بعض کو بعض پر۔ انھیں سے وہ ہے جس سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند فرمایا

بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ

بعض کو درجوں۔ اور دی ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو کھلی نشانیاں، اور تائید فرمائی ہم نے ان کی روح مقدس سے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

اور انشاءاللہ نہ لڑتے وہ جو ان کے بعد ہوئے بعد اس کے کہ آچکی تھیں روشن باتیں،

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

لیکن وہ مختلف ہوگئے۔ تو ان میں سے کسی نے مانا اور ان میں سے کسی نے انکار کردیا۔ اور انشاءاللہ

مَا اقْتَتَلُوْا ۗ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

وہ نہ لڑتے۔۔۔۔ لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ●

---**اے محبوب ﷺ (یہ سارے رسول) جنکے ہر ہر فرد سے بفضلہ تعالیٰ آپ باخبر ہیں**---یا---

اس سورۃ مبارکہ میں جن میں بعض کا نام لیکر۔۔۔صراحتاً، اور بعض کا نام لئے بغیر۔۔۔اشارتاً، ذکر کیا جاچکا ہے اور خود آپ بھی جن میں شامل ہیں، اگرچہ ان میں سے ہر نبی، صفت نبوت میں دوسرے نبیوں کے ---یونہی--- ہر رسول، صفت رسالت میں دوسرے رسولوں کے مساوی ہے---الغرض---صفت نبوت میں ایک نبی کو دوسرے نبی پر اور صفت رسالت میں، ایک رسول کو دوسرے رسول پر کوئی امتیازی شان حاصل نہیں، لیکن (بڑائی دی ہم نے ان کے بعض کو بعض پر)۔ کسی کو صرف ایک مخصوص فرقے کی طرف مبعوث کیا، کسی کو بہت سارے فرقوں کی طرف بھیجا، کسی کی دعوت ایک محدود زمانے والوں کیلئے تھی اور کسی کی دعوت سارے زمانے والوں کیلئے تھی۔ کوئی صرف انسانوں کا رسول بن کر آیا اور کوئی جن وانس بھی کیلئے۔۔۔بلکہ۔۔۔ساری مخلوق کیلئے رسول بنا کر مبعوث کیا گیا۔

(**انھیں سے وہ ہے جس سے کلام فرمایا اللہ**) تعالیٰ (**نے**) عرش معلی پر اور وہ ہیں حضور آیہ رحمت ﷺ اور جنت میں جیسے حضرت آدم علیہ السلام۔۔۔نیز۔۔۔کوہ طور پر جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود طالب کلام الٰہی تھے اور ان کی درخواست واستدعا پر رب کریم نے کوہ طور پر خصوصیت کے ساتھ بلا کر انھیں اپنی ہم کلامی کے شرف سے مشرف فرمایا اور **وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا** ارشاد فرما کر اس کو ظاہر بھی فرمادیا، اسلئے حضرت موسیٰ

علیہ السلام کو کلیم اللہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا اور یہی آپ کے کلمے کا دوسرا جز ہو گیا۔

[redacted]

شان عارفین [redacted]

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

[redacted]

کا ذکر کیا جائے [redacted]۔۔۔فضیلت جو علم وتقویٰ سے حاصل ہوتی ہے، عظمت جو کسی عظیم کی ذات سے بلا واسطہ یا بالواسطہ نسبت کا نتیجہ ہے، شرافت جو اعلیٰ نسبی کا ثمرہ ہے اور کرامت جو حکم الٰہی اور فضل ربانی کی نوازش ہے [redacted] کی ذات [redacted]۔۔۔نیز۔۔۔لغت میں کوئی ایسا کلمہ نہ ہو جو اس رفیع الدرجات کے آخری درجہ کی معرفت کرا سکے۔

[redacted] تقریب فہم کیلئے یہ سمجھ لیا جائے کہ جس طرح اعداد محدود ہیں، مگر کوئی ایسا عدد نہیں جس پر کوئی اضافہ نہ کیا جا سکے۔ ہر اضافے کے بعد وہ فی نفسہ محدود ہو جائے گا، مگر دوسرے اضافے کی گنجائش باقی رہے گی۔ [redacted]

چونکہ اس سورۂ مبارکہ کا اکثر حصہ بنی اسرائیل کے احوال پر مشتمل تھا تو انکے دو عظیم رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس انداز سے کیا گیا کہ ذہن انہی کی طرف جائے۔ ان میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں اتنی صراحت نہیں ہے جو حضرت

عیسیٰ کے ذکر میں ہے، اسلئے کہ آپ کا نام لیکر بات کی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ:
(اور دی ہم نے عیسیٰ فرزند مریم کو) یعنی انکو جو حضرت مریم کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، خدا۔۔۔یا۔۔۔خدا کے بیٹے اور اس کے شریک نہیں، جیسا کہ عیسائیوں نے ان کے تعلق سے گمان کر رکھا ہے۔

صراحت کے ساتھ نام لیکر 'فرزند مریم' کہہ کر تعارف کرانے میں عیسائیوں کے باطل خیال کا رد بلیغ ہے۔

حضرت مریم کے یہ فرزند جمیل بڑی شان والے تھے، ہماری نوازشات کا مرکز تھے۔ چنانچہ عطا کی ہم نے انکو (کھلی نشانیاں) زیادہ تر حسی معجزات۔۔۔مثلاً: مُردوں کو زندہ کرنا، مادرزاد اندھوں کو بینا کرنا اور برص اور کوڑھ کے مریضوں کو تندرست کرنا وغیرہ (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (تائید فرمائی ہم نے ان کی روح مقدس) جبرائیل امین (سے) جنھوں نے ابتداء میں نفخ روح کے ذریعہ مدد کی، پھر آپ کو علوم سکھائے اور آپ کے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کرتے رہے اور جہاں جہاں آپ جاتے وہ آپ کے ساتھ ساتھ رہتے، یہاں تک کہ آخر میں جب یہودیوں نے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کو آسمان پر اٹھا کر لے گئے۔

اس بیان سے یہودیوں کا رد بلیغ ہوگیا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی ماننا تو الگ رہا، ایک شریف انسان ماننے کیلئے بھی تیار نہ تھے۔ ان پر واضح کر دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک عظیم المرتبت رسول، صاحب آیات واضحہ ومعجزات عظیمہ تھے۔ حضرت جبرائیل امین کی تائید ہر ہر وقت انکے ساتھ تھی۔۔۔الغرض۔۔[redacted]

اس مقام پر سننے والو سن لو (اور) یقین کرلو کہ (انشاء اللہ) یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو آپس میں اختلاف کر کے (نہ لڑا) پڑ (تے وہ) لوگ (جو) اپنے اپنے (ان) ہر ہر رسولوں (کے بعد ہوئے) اور وہ بھی (بعد اس کے کہ) انکے پاس پہلے ہی سے (آچکی تھیں) انکے رسولوں کی طرف سے (روشن باتیں)، یعنی معجزات باہرہ اور آیات ظاہرہ جو حق کی حقیقت کو واضح کر رہی تھیں اور جن کی مخاصانہ پیروی، بلا وجہ باطل کی حمایت کرنے کیلئے آپس میں لڑنے جھگڑنے اور اختلافی ماحول بنانے سے بالکلیہ کنارہ کش ہو جانے کی داعی اور اسکے لئے موجب تھیں۔ (لیکن) بالآخر اللہ تعالیٰ کی رضا کا خیال

کیے بغیر اپنی نفسانیت کے دباؤ میں اہل باطل اہل حق سے اختلاف کر بیٹھے چنانچہ (وہ مختلف ہوگئے، توان میں سے کسی نے) جو اہل حق تھے، راہ راست کو اپنائے رکھا اور (مانا) اپنے اپنے رسولوں کی جملہ ہدایات کو اور وہ اپنے ایمان پر ثابت رہے اور ایمانی تقاضے کے مطابق نیک عمل کرتے رہے۔

(اور ان میں سے کسی نے) جو اہل باطل تھے، رسولوں کی ہدایات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے سے (انکار کردیا)۔ اسطرح حق و باطل کا اختلاف سامنے آگیا، جو اہل حق اور اہل باطل کے درمیان عادتاً لڑنے کا سبب بن گیا۔

۔۔۔المختصر۔۔۔ رسولوں کے امور و معاملات کے تعلق سے ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اسکی سنت قدیمہ یہی رہی ہے کہ جن لوگوں کی طرف وہ مبعوث کیے جاتے ہیں، انکا ہر ہر فرد ان پر ایمان لانے والا اور ان کی اطاعت کرنے والا نہیں ہوتا، نہ ان کی حیات میں اور نہ ان کی وفات کے بعد۔۔۔ بلکہ۔۔۔ اگر کچھ ماننے والے ہوتے ہیں تو کچھ انکار کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ [redacted]

[redacted] اگر کچھ لوگ آپ پر ایمان نہیں لا رہے ہیں اور آپ کی ہدایت کو قبول نہیں کر رہے ہیں، تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، آپ سے پہلے آنے والے رسولوں کے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہوا ہے۔ [redacted]

(اور) مشیت الٰہی کو منظور نہ ہوتا تو (انشاء اللہ وہ) سب کے سب دین حق کو قبول کر لیتے اور ان کے عہد میں دین اسلام کے ماننے والوں کے سوا کوئی نہ ہوتا۔ اور جب سب کا دین و مذہب ایک ہوجاتا تو پھر دین و مذہب کے نام پر کسی اختلاف، کسی لڑائی اور کسی تصادم کا سوال ہی نہیں اٹھتا، تو پھر وہ آپس میں دین کے نام پر (نہ لڑتے) اور نہ ہی انکے بیچ بنام مذہب کوئی اختلاف ہوتا۔ (لیکن) ایسا کیسے ہوتا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ سب کے ارادوں پر غالب ہے اور (اللہ) تعالیٰ (جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ رب کریم نے بندوں کو بھی قدرت واختیار سے نوازا ہے بندوں کا دوسرے بندوں سے اختلاف کرنا، ان میں بعض کا ایمان لانا اور بعض کا اپنے کفر پر جما رہنا، اور یہ سب کچھ اپنے ہی ارادہ سے کرنا، یہ سب قدرت واختیار ہی کا تو ثمرہ ہے۔ اور یہ

سارے مذکورہ بالا امور بھی ایسے ہیں جنکا تعلق اعضاء و جوارح کے اعمال و افعال سے نہیں
کہ اس میں جبر و قہر کا گوشہ نکل سکے، یہ سارے اعمال خود عامل کی دلی تحریک کا نتیجہ ہیں۔
۔۔۔الغرض۔۔۔قادر مطلق اپنے بندوں کو قدرت و اختیار دے دینے کے بعد خود ان
بندوں کے تعلق سے بے اختیار اور بے قدرت نہیں ہو جاتا۔ [redacted] کسی بندے کو اگر کھڑا کر کے کہا جائے کہ اپنا داہنا پاؤں اٹھاؤ،
وہ فوراً اٹھالے گا اور ظاہر ہے کہ یہ کام اس نے اپنے اختیار ہی سے کیا ہے لیکن اگر اسی سے
کہا جائے کہ دایاں پیر اٹھا رہنے دو اور اب بایاں پیر اٹھاؤ، تو وہ نہیں اٹھا سکتا۔ اس سے یہ
بات واضح ہوگئی کہ انسان مجبور محض نہیں ورنہ ایک پیر بھی نہیں اٹھا سکتا۔۔۔یونہی۔۔۔وہ مختار
محض بھی نہیں ورنہ دونوں ہی پیر اٹھالیتا۔
۔۔۔المختصر۔۔۔اسکا معاملہ رب کریم نے جبر و اختیار کے درمیان رکھ چھوڑا ہے۔ رب
کریم کی سنت قدیمہ نے اپنے بندوں کو فکر و دانش اور عقل و سمجھ سے سرفراز فرمایا اور انہیں
عمل کی قوت عطا فرمائی، نیک و بد سمجھنے کا شعور دیا۔ اور پھر ان پر انبیاء کرام کے ذریعہ ہدایت و
نجات کا راستہ واضح اور روشن فرما دیا اور اسکو اختیار دیا کہ وہ اپنی مرضی سے ہدایت و ضلالت،
دونوں میں سے جو راستہ چاہے اپنا لے، تو کسی نے اپنی فکر سلیم اور عقل مستقیم سے کام لیتے
ہوئے راہ راست اختیار کی اور بعض دوسروں نے نفسانی شہوات اور دنیاوی خواہشات پر
اپنی مرضی سے اپنی روحانی ترقی کو قربان کر دیا۔
۔۔۔المختصر۔۔۔انسانوں کو جو اختیار دیا گیا ہے اس سے وہ قدرت خداوندی کے باہر نہیں
نکل گیا۔ اللہ تعالیٰ کی طاقت اتنی زبردست اور ہمہ گیر ہے کہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ جس
طرح اس نے انسان کو عمل کرنے کی آزادی دی ہے، وہ اس سے یہ آزادی سلب کر کے اسکو
صرف راہ راست پر چلنے کیلئے مجبور کر سکتا ہے اور اسی طرح اختلاف کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔
لیکن مصلحت عامہ اور حکمت بالغہ کا تقاضہ یہی ہے کہ حق و باطل کی یہ آویزش جاری رہے اور
ہر شخص اپنی مرضی سے حق و باطل میں سے جسے چاہے اختیار کرلے۔
رب علیم و حکیم نے اس کائنات کو مجموعہ اضداد بنایا ہے۔ موجودات میں صرف ذات
خداوندی ہی ایک ایسی ذات ہے جو:

لَانِدَّلَہٗ اور لَاضِدَّلَہٗ

۔۔۔کی شان رکھتی ہے، نہ اسکی کوئی ضد ہے اور نہ ہی اسکا کوئی شریک ہے۔ کائنات میں اضداد کو ایک دوسرے کی پہچان کا ذریعہ بنانا، ضابطہ معرفت کی ایک اہم کڑی ہے۔ ایک ضد کو دوسری ضد سے پہچاننا ایسا معروف ومتعارف ہے کہ ایک عام آدمی بھی اس سے بے خبر نہیں:

تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا

چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔

۔۔۔کے قاعدے سے ہر باشعور باخبر ہے۔ غور کیجئے کہ اگر آفتاب ہمیشہ سے اور ہمیشہ کیلئے ہمارے نصف النہار پر رہتا تو ہم نور آفتاب کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہتے۔ اور ان سوالات کا واضح جواب دینا ہمارے بس میں نہ ہوتا کہ نور آفتاب کیا ہے؟۔۔۔کہاں ہے؟۔۔۔اس سے فائدہ کیا؟۔۔۔ہمیں یہ نور کیوں نہیں دکھائی دے رہا ہے؟۔۔۔شجر، حجر، زمین، آسمان۔۔۔المختصر۔۔۔حیوانات، نباتات، جمادات، عمارتوں کے درودیوار، انکے نقش ونگار اور رنگ وروغن سب نظر آرہے ہیں، مگر اس میں وہ کون سی چیز ہے جسے نور کہا جاسکے؟ رہ گیا آفتاب تو وہ تو آفتاب ہے، اسکو نور کہنے کی کیا وجہ ہے؟ ہماری آنکھیں ہم کو سب کچھ دکھارہی ہیں، آخر یہ نور کیوں نہیں نظر آتا؟۔۔۔وغیرہ۔۔۔وغیرہ۔

۔۔۔المختصر۔۔۔آفتاب کی دائمی موجودگی کی صورت میں ہر خاص وعام کو ان سوالات کے جوابات سے مطمئن کردینا اور 'نور کی کما حقہ معرفت' کرادینا ایک دشوار امر ہے۔ لیکن جیسے ہی آفتاب غروب ہوا اور ہر طرف تاریکی چھاگئی، مذکورہ بالا سارے سوالات کے جوابات خود بخود ذہن میں آنے لگے اور ایک عام ذہن بھی سوچنے لگے کہ آفتاب کے ساتھ ساتھ ایک ایسی چیز بھی غائب ہوگئی جسکی وجہ سے ہمیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔ ہماری آنکھ کی روشنی ہمارے لئے بیکار ہوگئی ہے۔ کائنات کی ساری چیزیں اپنی حالت میں موجود ہیں، عمارتوں کے نقش ونگار فنا نہیں ہوگئے، مگر اب ہماری حالت ایسی ہوگئی ہے کہ نہ تو عمارتوں کے درودیوار نظر آرہے ہیں اور نہ ہی انکے نقش ونگار۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ کس دیوار پر سفیدی کتنی ہے اور سیاہی کتنی ہے؟ اسکا کون سا حصہ سرخ ہے اور کون سا سبز، وغیرہ وغیرہ۔

ہماری وہ آنکھیں جن سے ہم سب کو دیکھتے تھے، وہ اس اندھیرے گھپ میں ایسا بے نور

ہوگئی ہیں، خود اپنے ہی جسم کو نہیں دیکھ پا رہی ہیں۔اس سے واضح ہوگیا کہ نور آفتاب وہ ہے، جو رہے تو سب نظر آئے اور نہ رہے تو کچھ بھی نہ دکھائی دے۔**نور آفتاب کا کام موجودات کا بنانا اور مٹانا نہیں، بلکہ انکو واضح طور پر دکھا دینا ہے تاکہ دیکھنے والا دھوکا نہ کھائے اور سفیدی کو سیاہی اور سیاہی کو سفیدی نہ سمجھ لے۔**

اس مقام پر یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ خود ہماری آنکھوں کا نور اسی صورت میں ہمارے کام کا ہے، جب ایک دوسرا نور بھی اسکا معاون و مددگار اور اسکا رفیق ہو۔اب **اگر آفتاب کا نور نہ ہو تو، آنکھ کا نور کیا دیکھ سکے؟۔۔۔یونہی۔۔۔آنکھ کا نور نہ ہو، تو پھر آفتاب کے نور میں کیا نظر آسکے؟**۔۔۔الختصر۔۔۔ظلمت شب نے نور آفتاب کی قدر و قیمت، اسکی اہمیت وضرورت اور اسکی حقیقت و ماہیت کو جس قدر اجاگر کیا ہے، اگر یہ ظلمت نہ ہوتی، تو اس پر پردے ہی پڑے رہتے۔

رب علیم وحکیم نے باطل کی ظلمتوں کی تخلیق فرمائی اور ان ظلمتوں کو باقی رکھنے اور ان کو بڑھاوا دینے والے عناصر کو بھی چھوٹ دے رکھی ہے اور ان سب کو اپنے غیر متناہی، لامحدود اور بے پناہ اختیارات وقدرت کے باوجود، اپنی کائنات میں رہنے دے رہا ہے تاکہ یہ ظلمتیں نور حق کی معرفت کراتی رہیں۔اور نور حق کی قدر و قیمت اور اسکی اہمیت وضرورت کو ظاہر کرتی رہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔باطل نے حق کی خوب خوب پہچان کرادی۔اب اگر بالفرض یہ حق و باطل کی آویزش نہ ہوتی، پوری کائنات میں ازاول۔۔۔تا۔۔۔آخر حق اور اہل حق کے سوا کسی کا وجود نہ ہوتا، پھر تو اس کائنات میں انبیاء کرام ومرسلین عظام کی تشریف آوری ضروری نہ رہ جاتی۔اس صورت میں انکا ظہور ایک غیر ضروری امر قرار پاتا اور پھر یہ دنیا خدائی صحیفوں کے انوار وبرکات سے محروم رہ جاتی۔

اس مسئلے پر یوں بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ ارشاد خداوندی ہے کہ:

'میں ایک خزانہ مخفی تھا تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں

'فخلقت الخلق' تو میں نے ساری مخلوق کو پیدا فرما دیا۔'

۔۔۔اور ظاہر ہے کہ خدائے عزوجل کی ذات۔۔۔یا۔۔۔اسکی کسی صفت کی حقیقت و ماہیت کو سمجھنا تو 'محالات خرد' میں سے ہے اور کائنات کی عقل وادراک سے

وراءالوریٰ ہے۔تواب اسکی معرفت صرف اُس کے مظاہر کی معرفت ہی سے ہوگی اور وہ بھی ہر عارف کو اسکی اپنی فہم ودانش کے مطابق ظاہر ہے کہ آفتاب کو براہِ راست دیکھ کر سمجھنا اور ہے،اوراسے آئینے کے اندر دیکھ کر سمجھنا اور ہے۔

خدائے علیم وحکیم کی ہر ہر صفت درجہء کمال والی ہے،جس کے اوپر کمال کا کوئی درجہ نہیں ---الغرض---وہ کمال کا وہ نقطہ ہے جس پر اضافہ نہ کیا جاسکے۔تواب نہ خدا کی رحمت و مغفرت کی کوئی انتہا ہے اور نہ ہی قہر وجبر کی۔اور یہی حالت دوسری صفات کمال کی بھی ہے، توجہاں ایک طرف خدا کی بے پناہ رحمت ومغفرت اوراسکے فضل وکرم کی معرفت کیلئے مرحومین ومغفورین اوران پر بے پناہ نوازشات الہیہ کی معرفت کی ضرورت ہے،تو وہیں دوسری طرف خدائی قہر وجبر اوراسکے عدل وانصاف کی معرفت کیلئے مقہورین وضالین و **مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ** اوران پر خداوندی قہر وغضب کی نوعیت کی معرفت کی بھی ضرورت ہے۔

---الغرض---خدا قادر مطلق ہے کہ وہ اپنی معرفت جس طرح چاہے،جس کو چاہے، اور جتنا چاہے کرائے---نیز---اپنی جس صفت کا مظہر جس کو چاہے بنائے۔[redacted]

[redacted]

---وہ بھی کوئی مالک ہے جو اپنے بندوں کی بے جا خواہشات اورانکے خودساختہ اصولوں کا پابند ہواوراپنے معاملات میں بندوں کے مشوروں کا محتاج ہو ---المختصر---حق وباطل کے درمیان کی آویزش مصلحت خداوندی اور حکمت ربانی کے بالکل مطابق ہے۔اب جبکہ حق وباطل کے درمیان اختلاف ایک ناگزیر امر ہے،اور یہ ہوکر ہی رہے گا،تواس کیلئے اہل حق کو جہاد کرنے کی بھی ضرورت پیش آسکتی ہے اور ظاہر ہے کہ اسکی تیاری کیلئے سرمایے کی بھی ضروری پڑے گی تو---

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

اے ایمان والو! خرچ کرواس مال سے کہ روزی دی ہم نے تم کو، پہلے اسکے کہ آئے وہ دن جس میں نہ ہرایک کیلئے تجارت ہے

وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اور نہ دوستی ہے اور نہ سفارش ہے۔ اور انکار کرنے والے آپ ہی ظالم ہیں●

(اے ایمان والو) جہاد وقتال کی صورت حال پیش آجانے کی صورت میں ---یا--- فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آجانے کی شکل میں ---یا--- فی سبیل اللہ صرف رضائے الٰہی کے حصول کیلئے (خرچ کرواس مال سے کہ روزی دی ہم نے تم کو) اس کام میں تاخیر نہ کرواور مرنے سے پہلے ہماری ہی عطا کردہ دولت سے جس قدر نیکیاں جمع کرسکو، کرلو۔ اور اس طرح جب تک تم دنیا میں ہوآخرت کیلئے منافع حاصل کرلو، کیونکہ ان منافع کا آخرت میں حاصل کرنا ممکن نہیں ہے، اسلئے (پہلے اسکے کہ آئے وہ دن جس میں نہ ہرایک) کس وناکس (کیلئے تجارت ہے) جس طرح دنیا میں انسان اپنے آپ کو مصیبت اور تکلیف سے بچانے کیلئے بعض چیزیں خرید لیتا ہے، قیامت میں کسی کیلئے اس کی گنجائش نہیں رہے گی (اور نہ) ہی اس دن پرہیزگاروں کے سوا ان کافروں کے دنیا میں گہرے دوستوں کی کام آنے والی (دوستی ہے) اسلئے کہ یہ لوگ اس دن آپس میں ایک دوسرے سے دشمن ہونگے (اور) ان کافروں کیلئے (نہ) ہی کسی سفارش کرنے والے کی (سفارش ہے) --- [redacted]

[redacted]

---المختصر--- کافروں کی سفارش کیلئے نہ کسی کو اذن خداوندی ملے گا اور نہ ہی بغیر اذن کوئی سفارش کرسکے گا ---المختصر--- [redacted]

[redacted] (اور) ان کافروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسے اپنے اوپر ظلم قرار دیں، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ توحید ورسالت، قیامت و آخرت ---الغرض--- دین حق کا (انکار کرنے والے آپ ہی) اپنے اوپر اندھیر کرنے والے (ظالم ہیں)۔ ان دین حق سے انکار پر اٹل رہنے والوں پر بار بار صاف وشفاف انداز میں فصیح وبلیغ پیرائے میں واضح کیا جاچکا ہے کہ---

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

اللہ، نہیں کوئی معبود سوا اسکے۔ خود زندہ، سب کا قائم رکھنے والا۔ نہ آئے اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں

وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون وہ ہے جو سفارش کرے اس کے پاس، مگر اس کے حکم سے۔ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے

وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے۔ اور نہیں گھیر میں لا سکتے کچھ اسکے علم سے، مگر جس قدر اس نے خود چاہا۔ گنجائش دے دی اسکی کرسی

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

نے آسمانوں اور زمین کو۔ اور نہیں بار ہوتی اس کو نگہبانی دونوں کی۔ اور وہی بلند و برتر ہے●

(اللہ) تعالیٰ کی ذات جو واجب الوجود، قدیم بالذات، تمام صفات کمالیہ کی جامع ہے اور تمام نقائص سے بری ہے، وہی اور صرف وہی عبادت کی مستحق ہے اور (نہیں) ہے (کوئی معبود سوا اس کے) جو ہمیشہ سے (خود زندہ)، اپنی حیات میں کسی کا محتاج نہیں اور ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ اس پر کبھی موت طاری نہ ہوگی۔ جو از خود قائم ہے اور (سب کا) سارے عالم کا (قائم رکھنے والا) ہے اور اسکے نظام کی تدبیر فرماتا ہے۔ اور (نہ آئے اس کو اونگھ) جو نیند کا مقدمہ ہے، چونکہ اسکی ذات تھکاوٹ اور سستی سے پاک ہے، تو غفلت کی جو کیفیت تھکاوٹ و سستی کا ثمرہ ہے، اس سے بھی پاک ہے۔

(اور) یونہی (نہ) ہی آئے اسکو (نیند) اسلئے کہ نیند سے دماغ کے اعصاب ڈھیلے پڑ جاتے ہیں جسکے بعد علم و ادراک معطل ہو جاتا ہے اور حواس کا شعور و ادراک بھی موقوف ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں یہ معنی محال ہے، کیونکہ وہ اس عظیم کائنات کا موجد اور اسکے نظام کو جاری رکھنے والا ہے اور ہر لحہ اور ہر آن اس کائنات میں تغیر واقع ہو رہا ہے اور اس کے علم اور اسکی توجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ ہر وقت ہر چیز کے ہر حال کا عالم ہے، بے خبر اور سونے والا نہیں ہے۔ (اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے) تمام آسمانوں اور زمینوں کی مخلوق، سب اس کے بندے اور اسکی ملکیت ہیں، ہر چیز اسکی قدرت اور اس کی مشیت کے تابع ہے۔ اور (کون وہ ہے جو سفارش کرے) کسی کی (اس کے پاس، مگر اس کے حکم سے) اللہ تعالیٰ کی جلالت، عظمت اور اسکی کبریائی کا یہ تقاضہ ہے کہ اسکی اجازت کے بغیر کوئی شخص اسکے حضور شفاعت نہ کر سکے گا۔ (جانتا ہے) اللہ تعالیٰ (جو کچھ

ان) آسمان والوں اورزمین والوں (کے آگے) یعنی سامنے یا گزر چکے اس دنیا کے امور سے (اور) جانتا ہے (جو کچھ ان کے پیچھے ہے) ان کے بعد آنے والا ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اللہ تعالیٰ انکے ماضی و مستقبل دونوں سے باخبر ہے (اور) یہ کائنات والے (نہیں گھیر میں لاسکتے) احاطہ نہیں کر سکتے (کچھ) بھی (اس کے علم) یعنی اسکی معلومات (سے، مگر جس قدر اس نے خود چاہا)۔۔۔المختصر۔۔۔تمام کائنات کا علم تو الگ رہا، ایک ذرہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم کتنا وسیع ہے کہ انسانی عقل اسکا تصور بھی نہیں کر سکتی۔مخلوق کو اتنا ہی علم ہوتا ہے جتنا وہ عطا فرماتا ہے۔

— (گنجائش دے دی اسکی کرسی نے) یعنی اسکے علم نے۔۔۔یا۔۔۔اسکی عظمت نے۔۔۔یا۔۔۔اسکی قدرت وملکیت نے۔۔۔یا۔۔۔اسکی وہ عظیم ووسیع اور طویل وعریض مخلوق نے جو عرش کے نیچے ہے اور آسمانوں کے اوپر ہے اور کرسی کے نام سے موسوم ہے۔۔۔یا۔۔۔اس نے جسکی حقیقت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں، (آسمانوں اور زمین کو)۔۔۔الحاصل۔۔۔اسکے علم، اسکی عظمت اور اسکی قدرت و حکمت۔۔۔یا۔۔۔اسکی وہ پراسرار عظیم وجلیل مخلوق جو آسمانوں اور زمینوں کا احاطہ کئے ہوئے اور اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے جسکے دائرے سے نہ آسمان باہر اور نہ ہی زمین (اور نہیں بار ہوتی اس کو نگہبانی دونوں کی)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ کو نہیں تھکاتی بلکہ یہ حفاظت اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت سہل اور آسان ہے۔وہ ہر چیز کا قائم رکھنے والا اور ہر چیز کا محافظ ونگہبان ہے۔وہ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، اسکا ارادہ اٹل ہے اور جسکا ارادہ کرلے، اسکو ضرور کر گزرتا ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ وہ ہر چیز پر غالب ہے (اور وہی) ہر شے سے (بلند وبرتر ہے) کبریائی اور بڑائی اسی کو زیبا ہے [redacted]

[redacted] ہر ہر نماز کے بعد اس آیت کریمہ کا تلاوت کرنے والا دوسری نماز تک رب کریم کی حفاظت میں رہتا ہے اور وفات پاتے ہی جنت کی بہاروں کے حوالے کردیا جاتا ہے۔اس آیت کی حفاظت کی سعادت صدیقین وشہداء ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ کو رات کو پڑھ کر سونے والا خدا کی حفاظت خاص میں آجاتا ہے اور صبح تک شیطان اسکے قریب نہیں آسکتا۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ

کوئی زبردستی نہیں دین میں۔۔۔۔ یقیناً چھٹ گئی ہدایت گمراہی سے۔ تو جو انکار کردے، شیطان کا۔

وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ

اور مان جائے اللہ کو، تو واقعی اس نے مضبوط کڑا تھام لیا۔

لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

نہیں ہے اسے کسی قسم کی شکستگی۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

آیت الکرسی میں مذکور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو جان لینے کے بعد انسان کو ازخود اس پر ایمان لانا چاہئے، اس کیلئے کسی جبرواکراہ کی ضرورت نہیں۔

۔۔۔ تو اے محبوب اپنے چاہنے والے انصاری حصین۔۔۔یا۔۔۔ابوالحصین سے جن کے دو بیٹوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔۔۔یا۔۔۔ مسلمان ہونے کے بعد پھر نصرانی ہو گئے [redacted]

اوراسطرح ان [redacted] تو

اب اگر مجوس اور اہل کتاب یہود ونصاریٰ جزیہ دینا قبول کرلیں تو انھیں اسلام لانے پر مجبور نہ کیا جائے، کیونکہ وہ الوہیت اور رسالت کے کسی نہ کسی طور پر قائل ہیں، آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، جزاسزا اور حلال وحرام کے اصولی طور پر معترف ہیں اور جب وہ جزیہ دے کر مسلمانوں کے باج گزار ہو جائینگے اور انکا مسلمانوں کے ساتھ میل جول ہوگا تو مسلمانوں کو ان میں تبلیغ کے مواقع میسر ہونگے اور انہیں بھی اسلام کی تعلیمات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور وہ جلد۔۔۔یا۔۔۔بدیر اسلام کو قبول کرلیں گے اور انکا اسلام کو قبول کرلینا برضاورغبت ہوگا جس میں جبر کا کوئی دخل نہیں ہے۔

ظاہر ہے کہ جہاد کی اس شکل پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں لیکن اگر ایسی شکل ہو کہ مسلمانوں کے شہر پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ کرنی پڑ جائے، پھر تو یہ جہاد فرض عین ہے، جیسا کہ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق اسکی مثالیں ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ بھی لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے خلاف نہیں، اسے مدافعانہ جنگ قرار دیا جائیگا۔ اسی مدافعانہ جنگ میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ اگر کفار کے تعلق سے یہ علم ہو جائے کہ وہ حملہ کرنے کی پوری تیاری کررہے ہیں اور ایک عظیم طاقت اکٹھا کررہے ہیں تو ایسی صورت میں خود ہی سبقت کرکے ان پر حملہ کردینا اور انکی طاقت کو منتشر کردینا، ایسا کہ پھر وہ حملہ کرنے کے لائق ہی نہ رہ جائیں، تو یہ عمل بھی اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کے دائرے میں نہیں آتا۔

اب رہ گئی یہ شکل جس میں اعلاء کلمۃ الحق کیلئے اللہ کی بنائی ہوئی زمین پر' خودرب قدیر نے صالحین کوجسکا وارث قرار دیا ہے' اللہ کے دین کو قائم کرنے کیلئے اور خدائی ضابطہ، امن وامان کو نافذ کرنے کیلئے خدا کی بنائی ہوئی زمین کو فتنہ وفساد سے پاک وصاف کردینے کیلئے۔۔۔الغرض۔۔۔اس کائنات ارضی پر ہر حیثیت سے دین خداوندی کو غالب کردینے کیلئے اور مفسدین کو اس درجہ مجبور ومقہور کردینے کیلئے کہ وہ کہیں فتنہ وفساد برپا کرنے کو سوچ بھی نہ سکیں، جیسے کہ فتح مکہ، فتح طائف، فتح خیبر۔ ۔۔۔یونہی۔۔۔مصر، شام، عراق، اور ایران وغیرہ کی فتوحات، یہ سب بھی حقیقی معنوں میں اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ نہیں ۔۔۔بلکہ۔۔۔ یہ ان حقیقی مجرمین کی سزا ہے جو خدا کی زمین پر رہتے ہیں، اسکی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسکا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، اس کے باوجود اسکی اطاعت و فرمانبرداری نہیں کرتے، بلکہ اسکی زمین پر فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں۔ یہ خدا کے باغی ہیں اور ساری دنیا کے عقلاء کا فیصلہ ہے کہ باغیوں کی سزا ہی قتل کردینا ہے۔ کوئی حکومت اگر باغی کو قتل کراتی ہے، تو اس حکومت کو جابر وظالم نہیں کہا جاسکتا۔۔۔الغرض۔۔۔ جہاد کی یہ آخری شکل جو بہ شرط استطاعت صرف 'فرض کفایۂ ہے، یہ بھی اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ کے خانے میں نہیں آتی۔

اس مقام پر قابل غور بات یہ بھی ہے کہ کسی کو زبردستی کسی ایسے کام کیلئے آمادہ کرنا اور اس کو مجبور کرنا جس میں درحقیقت اسکے لئے کوئی بھلائی نہ ہو، یہ وہی اِكْرَاهَ ہے جو ناپسندیدہ ہے [redacted] اور ظاہر ہے کہ دین اسلام، از اول تا آخر، خیر ہی خیر ہے، تو اس 'خیر کل' کیلئے 'حقیقی اکراہ' کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یونہی اس 'خیر کل' کیلئے اِكْرَاهَ کی ضرورت بھی نہیں۔

کیونکہ (چھنٹ گئی) ممتاز ہو کر الگ ظاہر ہوگئی (ہدایت)، سیدھی راہ جو خدا تک پہنچاتی ہے (گمراہی) خدا سے دور کردینے والی راہ (سے)۔۔۔یعنی۔۔۔کفر، اسلام سے اور حق، باطل سے متمیز ہوگیا۔ حق کے اس قدر واضح ہوجانے کے بعد اور باطل کو اچھی طرح پہچان لینے کے بعد، کسی صاحب شعور سے یہ متصور نہیں کہ وہ باطل کا انکار نہ کرے اور حق پر ایمان نہ لائے۔

(تو) اب (جو) ٹیک بجنت (انکار کردے) بتوں، کاہنوں، ساحروں، معبودان باطل، ہر ہر سرکش اور حد سے تجاوز کرنے والوں اور تمام شرارتوں کا سرغنہ (شیطان کا) اور صرف اس انکار پر ٹھہرنہ

جائے بلکہ ایمان لائے (اور) دل کی سچائیوں کے ساتھ (مان جائے اللہ) تعالیٰ (کو) اوراسکی نازل فرمودہ جملہ ہدایت کو، (تو واقعی اس نے مضبوط کڑا تھام لیا) اوراسکے ہاتھ میں ایمان، قرآن، کلمہ اخلاص، اعتقادِ حق، ایسا سبب جو رضاءِ الٰہی تک پہنچادے، خدا سے عہد وفاداری، اتباعِ سنت، خداوندی اوامر کے امتثال اور اس کے نواہی سے اجتناب کا عزم۔۔۔الغرض۔۔۔توفیق خیر اور سعادت دارین، کی ایسی مضبوط زنجیر آگئی ہے کہ (نہیں ہے اسے کسی قسم کی شکستگی) ٹوٹنا، کٹنا (اور اللہ سننے والا ہے) اسکی بات جو عُروۃ وُثقیٰ کے ساتھ توسل رکھتا ہے اور (جاننے والا ہے) اس شخص کی نیت خالص جس نے اس عُروۃ وُثقیٰ یعنی 'مضبوط پکڑ' کو پکڑ رکھا ہے۔ روح سعادت رکھنے والوں کو کہ۔۔۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اللہ مددگار ہے اُن کا جو مان گئے، نکالتا ہے ان کو تاریکیوں سے نور کی طرف۔ اور جنھوں نے انکار کیا،

اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ

ان کے مددگار شیطان ہیں، نکالتے ان کو نور سے تاریکیوں کی طرف۔

اُولٰٓـــئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۟ ع

وہی ہیں جہنم والے، وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(اللہ) تعالیٰ (مددگار ہے) معین و ناصر ہے، محبت فرمانے والا ہے اور کارساز ہے (انکا جو مان گئے) بالفعل۔۔۔یا۔۔۔مان لینے کا پکا ارادہ کرلیا ہے۔۔۔یا۔۔۔علم الٰہی میں جن کا ایمان ثابت ہے (نکالتا ہے ان کو) اپنی ہدایت وتوفیق سے کفر ومعاصی کی (تاریکیوں سے)، ایمان وایقان اور طاعت واستقامت کے (نور کی طرف اور) انکے برخلاف (جنھوں نے انکار کیا) بالفعل۔۔۔یا۔۔۔انکار کرنے کا عزم کرلیا ہے۔۔۔یا۔۔۔علم الٰہی میں جنکا انکار ثابت ہے (انکے مددگار شیطان) اور راہ حق سے بھٹکا دینے والے، کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب اور ان جیسے سارے مضلین وگمراہ گر افراد اور اصنام (ہیں)، ان کے دلوں میں باطل وسوسے اور شبہات ڈالکر، نفع وضرر کے تعلق سے انکے خود ساختہ نظریات کو دلوں میں راسخ کر کے اور ان کو اس خام خیالی میں مبتلا کر کے کہ بتوں کی پرستش ہی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوگا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اس طرح (نکالتے) ہیں (انکو) یعنی ان میں کھلے کافروں کو فطرت اسلامیہ

کے اس (نور سے) جن پر انسان کی تخلیق فرمائی گئی ہے۔۔۔یا۔۔۔دین برحق کی حقانیت کے دلائل و بینات کی اس روشنی سے، جس نے انکے فہم وادراک کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے۔۔۔الغرض۔۔۔ ان کو ایمان لانے سے روکتے ہیں اور جو ایمان لا چکے، ان کو نکالتے ہیں نور ایمان سے کفر وضلالت اور ان میں انہماک کی (تاریکیوں کی طرف)۔ جان لو کہ (وہی) کفر کرنے والے، اپنے طاغوتوں کے ساتھ (ہیں جہنم) میں رہنے (والے) اور صرف چند دن نہیں بلکہ (وہ) سب (اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے اور کفار کے دوست شیطان ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ایک مثال مومن کی اور ایک مثال کافر کی بیان فرمارہا ہے تاکہ اس قاعدے کی وضاحت ہو اور اس قاعدے پر دلیل قائم ہو۔

مومن کی مثال میں حضرت ابراہیم کو بیان کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اپنی ذات اور صفات پر دلیل پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور انہوں نے کافر کے شبہات کا قلع قمع کر دیا اور کافر کی مثال میں نمرود بن کنعان بن سام بن نوح علیہ السلام کو بیان کیا۔ یہ زمین پر پہلا بادشاہ تھا جس نے بابل میں قلعہ بنایا تھا، اپنے سر پر شاہی تاج رکھا تھا اور سرکشی کر کے ربوبیت کا دعویٰ کیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد زمین پر لاجواب وحیران ہوا۔ اس سے پیشتر کسی سے یہ امور صادر نہیں ہوئے۔ **اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کو** [redacted]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَۘ اِذْ قَالَ

کیا تم نے دیکھا نہیں اسے جس نے حجت لڑائی تھی ابراہیم سے انکے رب کے بارے میں کہ دے رکھی تھی اسکو اللہ نے حکومت، جب کہا

اِبْرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُۙ قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَ اُمِیْتُؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

ابراہیم نے میرا رب ہے جو زندہ کرتا اور مارا کرتا ہے، بولا کہ میں جلاتا مارتا ہوں۔ کہا ابراہیم نے

فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ

تو بیشک اللہ لاتا ہے سورج پورب سے، تو لے آ پچھم سے۔

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَۚ

تو بھونچکا کر دیا گیا وہ جس نے کفر کیا تھا۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا ظالم قوم کو●

[redacted] اس کم عقل، نا سمجھ، فہم و فراست سے عاری، کٹ حجتی کرنے والے کو، (جس نے حجت لڑائی تھی) اور بظاہر مناظرانہ طور وطریق اپنانا چاہا تھا، اسے یہ بھی خبر نہیں کہ مناظرہ کا معنی ہے فریقین کی دلائل میں نظر کرنا۔۔۔الختصر۔۔۔انانیت ہٹ دھرمی، کج بحثی اور اپنی ضد پر قائم رہنا اور اپنے موقف پر اڑے رہنا مناظرہ نہیں ہے۔۔۔الحاصل۔۔۔ اس کٹ حجتی کرنے والے نے کٹ حجتی بھی کی تو کس سے؟ حضرت (ابراہیم سے) اور وہ بھی کس کے بارے میں (انکے رب کے بارے میں) چوں (کہ دے رکھی تھی اس کو اللہ) تعالیٰ (نے حکومت)۔ بادشاہی ملتے ہی اس نے حجت بازی شروع کر دی، اس پر اسے اس کے کبر نے ابھارا، چنانچہ وہ سرکشی میں پڑ گیا اور حجت باز بن بیٹھا۔

اس کو تو چاہیئے یہ تھا کہ جب اسے بادشاہی ملی تھی، تو وہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا، لیکن اس نے اسکے برعکس کیا۔ یعنی جو اس پر واجب تھا، اس کے خلاف کیا۔۔۔چنانچہ۔۔۔اپنی قید سے نکال کر آتش کدہ میں ڈالنے سے پہلے۔۔۔یا۔۔۔آتش کدہ سے صحیح وسلامت نکل آنے کے بعد اس نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تمہارا رب کون ہے؟ جسکی طرف تو ہم کو بلاتا ہے؟ تو اے محبوب کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نمرود کے اس سوال کے جواب میں (جب کہا ابراہیم نے میرا رب ہے) وہ (جو زندہ کرتا) ہے اور جان کی صلاحیت رکھنے والے بے جان جسم میں روح ڈالتا ہے (اور) روح رکھنے والے اجسام سے انکی روح نکال کر انھیں (مار ڈالتا ہے)۔

نمرود اس قدر کم عقل تھا کہ وہ مار ڈالنے اور زندہ کرنے کے مفہوم کو سمجھنے سے قاصر رہا ۔۔۔الغرض۔۔۔در حقیقت احیاء کیا ہے؟ اور اماتت کیا ہے؟ وہ سمجھ ہی نہ سکا اور اس نے خیال کیا کہ کسی گناہ گار مجرم کو جرم سے بری کر دینا اور اسے چھوڑ دینا اسکو زندہ کر دینا ہے۔ اور یونہی کسی بے گناہ کو قتل کر دینا، یہ اس کو مردہ کر دینا ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم کے کلام کے جواب میں وہ (بولا کہ میں) بھی (جلاتا) اور (مارتا ہوں)۔

نمرود نے یہ کہہ کر دو مرد بلائے جنھیں اس نے جیل میں ڈال رکھا تھا۔ اس میں ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے کو رہا کر دیا۔ پھر کہنے لگا کہ دیکھئے اے ابراہیم میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔

حضرت ابراہیم کا جواب نہایت خوبی والا تھا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نہیں ہو سکتی جب تک اس کی صفات کا علم حاصل نہ ہو اور ساتھ ہی اسکے افعال بھی معلوم ہوں کہ وہ ایسے افعال

کا مالک ہے کہ اسکے افعال کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں، خواہ وہ بزعم خویش کتنی ہی قدرت رکھتا ہو۔ احیاء و اماتت یعنی مارنا اور جلانا اسی قبیل سے ہے۔ حضرت ابراہیم نے نمرود کو سمجھانے کیلئے قدرت الٰہی کو بطور دلیل پیش کیا اور اس کو سمجھانے کیلئے بطور مثال احیاء و اماتت کو پیش کیا۔ نمرود اپنی کم عقلی کے سبب قدرت الٰہی کی اس مثال کو سمجھنے سے قاصر رہا، تو پھر فوراً ہی حضرت ابراہیم نے قدرت الٰہی کی دوسری مثال پیش فرمادی۔

اور نمرود کے جواب میں (کہا) حضرت (ابراہیم نے، تو بیشک اللہ) تعالیٰ (لاتا ہے) نکالتا ہے، ظاہر فرماتا ہے روزآنہ (سورج) کو (پورب) کی جانب سے، آفتاب طلوع ہونے والی جگہ (سے) تو اگر (تو) بھی خدائی قدرت رکھنے والا ہے تو (لے آ) سورج کو اسکے غروب ہونے والی جگہ، (پچھم) کی جانب (سے)۔ اس مثال کو پیش کر کے اس کم عقل کی کٹ حجتی کے سارے دروازے بند کردئے گئے (تو) اس مثال سے (بھونچکا کردیا گیا وہ) یعنی نمرود (جس نے) کٹ حجتی کر کے (کفر کیا تھا) ---الغرض--- وہ مبہوت و متحیر و مدہوش ہوگیا اور اسکی حجت منقطع ہوگئی (اور اللہ) تعالیٰ (راہ پر نہیں لاتا) کٹ حجتی کرنے سے (ظالم قوم کو) اور انہیں ہدایت کی توفیق نہیں عطا فرماتا۔

اب تک حضرت ابراہیم کے تعلق سے جو واقعہ بیان کیا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کو ثابت کرنے کا بیان تھا اور اب جو واقعہ پیش کیا جارہا ہے اس میں قیامت کے بعد زندہ کرنے اور حشر کو ثابت کرنے کا بیان ہے---نیز--- یہ دوسری مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کا والی و ناصر ہے جو انھیں ہر طرح کی تاریکی سے نکال کر نورانی دنیا میں پہنچادیتا ہے۔ کسی چیز کا 'علم الیقین' اسکے 'عین الیقین' اور 'حق الیقین' کے اعتبار سے ایک طرح کی تاریکی ہی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت عزیر کو 'علم الیقین' سے نکال کر 'عین الیقین' بلکہ 'حق الیقین' کی روشنی تک پہنچادیا۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي

یا جیسے وہ، جو گزرا آبادی پر جو گری پڑی تھی اپنے چھتوں پر۔ کہا کیسے جلائے گا ان کو،

هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ

اللہ ان کے مرجانے کے بعد۔ تو موت دی ان کو اللہ نے سو برس کو، پھر اٹھا کھڑا کردیا ان کو۔ فرمایا کتنا تم ٹھہرے،

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ

عرض کیا میں ٹھہرا ایک دن یا اس سے کم۔ فرمایا بلکہ تم ٹھہرے رہے سو برس، تو دیکھو اپنے کھانے

طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ

کی طرف اور پانی کی طرف کہ سڑا نہیں، اور دیکھو اپنے گدھے کو، اور ہماری حکمت ہے کہ بنادیں تم کو نشانی لوگوں کیلئے

وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ

اور دیکھو ان ہڈیوں کی طرف، کیسا اٹھاتے ہیں ہم انکو، پھر پہناتے ہیں انکو گوشت، تو جب ظاہر ہوگیا واقعہ ان پر،

قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

کہا میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے ●

تو اے محبوب! کیا نہیں ملاحظہ فرمایا تم نے حضرت ابراہیم سے کٹ حجتی کرنے والے کا واقعہ مذکورہ بالا (یا) قدرت الٰہی کو سمجھانے کیلئے اس (جیسے) کا حال۔ کون؟ (وہ) یعنی فقہائے صحابہ اور اکثر تابعین کے بقول حضرت عزیر، اور دوسرے اہل علم حضرات کے مختلف اقوال کی روشنی میں الگ الگ کوئی فرد (جو گزرا) ایک تباہ شدہ برباد ہوجانے والی (آبادی پر) یعنی بیت المقدس پر جسے بخت نصر نے تباہ و برباد کردیا تھا اور (جو گری پڑی تھی اپنے چھتوں پر)۔

ایک روایت کے مطابق بنی اسرائیل جب شر اور فساد برانگیختہ کرنے میں حد سے گزرے تو اللہ تعالیٰ نے بخت نصر بابلی کو ان پر مسلط کردیا، جو چھ لاکھ جھنڈا لیکر ان پر چڑھائی کیلئے روانہ ہوا، شام کے علاقوں پر حملہ کرتا ہوا بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بنی اسرائیل کے تین گروہ بنائے، ایک کو قتل کیا، دوسرے گروہ کو شام میں ٹھہرایا اور تیسرے گروہ کو قید کیا، وہ ایک لاکھ تھے۔ ان کو اپنے ساتھ لاکر بادشاہوں میں تقسیم کردیا۔ ہر ایک کے حصے میں چار چار سو غلام آئے۔

حضرت عزیر علیہ السلام بھی انہی میں سے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کو ان سے نجات بخشی تو وہ اپنے گدھے پر سوار ہو کر بیت المقدس سے گزرے تو اسے نہایت زبوں حالی میں دیکھا جو اپنے اہل سے خالی ہوگئی تھی۔ پہلے اسکی چھتیں گریں پھر ان پر اسکی دیواریں گر پڑیں۔

اسطرح کی ویران آبادیوں کو پھر آباد کردینا قدرت الٰہی سے بعید نہیں، اسکا پختہ عقیدہ رکھتے ہوئے صرف عادت کے طور پر ایک عام ناظر کی سوچ کے مطابق انہوں نے خیال کیا اور زبان سے

(کہا، کیسے جلائے گا) آباد و معمور فرمائے گا (ان کو) ان برباد و خانہ خراب ہو جانے والوں کو (اللہ) تعالیٰ (ان کے مرجانے) برباد و نیست و نابود ہو جانے (کے بعد، تو موت دی ان کو اللہ) تعالیٰ (نے سو برس کو) عبرت والی موت، جیسے ان لوگوں پر عبرت والی موت طاری کی تھی جو طاعون کے خوف سے اپنے گھروں سے نکل پڑے تھے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ یہ وہ موت نہ تھی جو انقضائے اجل اور مدت عمر پوری ہو جانے کے بعد طاری کی جاتی ہے۔ (پھر) سو برس بعد ان کو حیات عطا فرما کر ان کے سابقہ اوصاف و کمالات کے ساتھ (اٹھ کھڑا کر دیا) اور (ان کو) ایک فرشتہ کے ذریعے (فرمایا) کہ (کتنا تم ٹھہرے، عرض کیا میں ٹھہرا ایک دن۔۔۔یا۔۔۔اس سے کم)۔

چونکہ دن کے ابتدائی حصے میں ان پر موت طاری ہوئی تھی اور دن کے آخری حصے میں انکو زندہ کیا گیا اور پھر جب انھوں نے دیکھا کہ سورج ابھی غروب نہیں ہوا، تو انھوں نے گمان کیا کہ انھوں نے دن کے کچھ حصے میں قیام کیا ہے۔۔۔المختصر۔۔۔ [redacted]

انھوں نے اپنے گمان سے جو کچھ کہا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس فرشتے کے ذریعہ (فرمایا) تم اتنا ہی نہیں ٹھہرے جتنا تمہارا خیال ہے، (بلکہ تم ٹھہرے رہے سو برس)۔ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھنا ہو (تو دیکھو اپنے کھانے) کیلئے اپنے جھولے میں محفوظ کی ہوئی انجیر (کی طرف اور) اپنے پینے کیلئے مشکیزے میں محفوظ کردہ (پانی) کی طرح شیرۂ انگور (کی طرف) جو (کہ) اتنی مدت گزر جانے کے بعد بھی (سڑا نہیں)، بلکہ دونوں اپنی اسی حالت میں ہیں اور انکی تازگی کی کیفیت وہی ہے جو ان کو محفوظ کر لینے کے وقت تھی اور ظاہر ہے کہ یہ چیز عادتاً نہیں ہونی چاہئے تھی۔

اس منظر کو دیکھنے سے بظاہر یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تم نے اپنی مدت قیام کا جو اندازہ لگایا ہے، وہ صحیح ہے۔ مگر اسی کو دیکھ کر ابھی کوئی فیصلہ نہ کرو (اور دیکھو اپنے گدھے) کی حالت (کو) جس کے جسم کے سارے اجزاء سڑگل کے مٹی میں مل گئے تھے، صرف ہڈیاں باقی رہ گئیں تھیں اور وہ بھی بہت ہی خستہ حالت میں۔ اس منظر کو دیکھ کر اس بات کی سچائی ظاہر ہو جاتی ہے کہ فرشتے کے ذریعے رب تعالیٰ نے جو فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے کہ اے عزیر تم "سو" برس ٹھہرے۔

اب موجودہ شہر کا جائزہ لینے کے بعد تم پر یہ حقیقت اور بھی روشن ہو جائیگی۔ جان لو (اور)

اچھی طرح سمجھ لو کہ اپنی قدرت کاملہ کے اس مظاہرے میں (ہماری) یہ (حکمت ہے) اور یہ راز ہے (کہ بنادیں تم کو نشانی) خود تمہارے لئے نہیں، اسلئے کہ تم تو نبوت والے ہو اور حشر ونشر پر یقین واذعان رکھنے والے ہو، بلکہ ان (لوگوں کیلئے) جو اس عہد میں موجود تھے جنھیں آپ کے حالات دیکھنے اور سننے کا موقع ملا۔

چنانچہ جب آپ اپنے مکان کی تلاش میں نکلے اور اندازے سے وہاں تک پہنچ گئے تو وہاں ایک بڑھیا سے ملاقات ہوئی جو نابینا تھی اور اٹھنے بیٹھنے سے عاجز تھی۔ اس بڑھیا نے حضرت عزیر کا زمانہ پالیا تھا۔ حضرت عزیر گھر میں داخل ہوتے ہی فرمانے لگے یہ گھر تو عزیر کا ہے۔ بڑھیا بولی ہے تو انہی کا، لیکن عزیر علیہ السلام کے ذکر سے تمہیں کیا غرض۔ انھیں تو اس وقت پوری صدی گزر گئی۔ اب انکا نشان تک باقی نہیں رہا اور یہ کہہ کر خوب روئی۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا بی بی! عزیر (علیہ السلام) میں ہی ہوں۔ بڑھیا بولی سبحان اللہ، یہ کیا کہہ رہے ہو؟ کہاں عزیر علیہ السلام اور کہاں تم۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے فرمایا، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں، مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک صدی تک موت دے دی تھی اور اب اس نے مجھے پھر زندہ فرمایا ہے۔ اگر ایسی بات ہے اور واقعی تم عزیر ہو تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ 'مستجاب الدعوات' تھے۔ تو اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو میرے لئے دعا مانگئے کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی واپس لوٹا دے۔ اس پر مجھے یقین ہوگا کہ تم واقعی عزیر علیہ السلام ہو۔

حضرت عزیر علیہ السلام نے اس بڑھیا کیلئے دعا مانگی اور اپنا ہاتھ اسکی آنکھوں پر پھیرا تو وہ بڑھیا بینا ہوگئی، پھر آپ نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑے اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو، چنانچہ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور بالکل صحیح وسالم اور تندرست ہوگئی۔ پھر بڑھیا نے غور سے دیکھا، تو واقعی وہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے، تو فوراً کہا:

'میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ واقعی عزیر علیہ السلام ہیں۔'

پھر وہ بڑھیا بنی اسرائیل کے محلوں میں چل پڑی۔ بنی اسرائیل اپنی مجلسوں کے مختلف مشاغل میں مصروف تھے۔ ان میں حضرت عزیر علیہ السلام کے صاحب زادے بھی تھے جو اس وقت ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ سال کے تھے، بلکہ انکے پوتے اور پڑپوتے بھی بوڑھے ہو چکے تھے۔ بڑھیا نے زور سے پکارا، لوگو آجاؤ، دیکھو عزیر علیہ السلام تمہارے ہاں تشریف لائے ہیں۔ ابتداءً لوگوں نے بڑھیا کی ایک نہ سنی، مگر جب اس نے اپنا واقعہ سنایا اور اپنی بینائی کی تندرستی

کی بات کی، تو لوگوں نے یقین کرلیا اور حضرت عزیر علیہ السلام کی طرف ٹوٹ پڑے۔

عزیر علیہ السلام کے صاحب زادہ صاحب نے فرمایا کہ میرے باپ کے دو بازوؤں کے درمیان ہلال کی طرح ایک سیاہ تل تھا۔ اگر وہ ہے، تو میں سمجھوں گا کہ واقعی آپ میرے باپ ہیں۔ چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام نے دونوں بازو دکھولے تو واقعی وہ تل موجود تھا۔ ان باتوں کے علاوہ، آپ کے عزیر علیہ السلام ہونے کی ایک نشانی یہ بھی سامنے آگئی، وہ یہ کہ بخت نصر نے اپنے دور میں چالیس ہزار تورات کے حفاظ کو قتل کرادیا تھا۔ اسکے بعد انکے پاس تورات کا ایک نسخہ بھی نہیں رہ گیا۔ لیکن حضرت عزیر علیہ السلام نے تمام تورات ان سب کو سنادی اور ایسی صحیح کہ زیر وزبر اور نقطے کا بھی فرق نہ آنے دیا۔

جن لوگوں کو بخت نصر نے قیدی بنایا تھا، انکی اولاد میں سے ایک وہاں موجود تھا جو بخت نصر کے مرنے کے بعد بیت المقدس میں آکر مقیم ہوگیا، وہ کہنے لگا کہ میرے باپ نے مجھے دادا کی بات سنائی کہ ہم نے بخت نصر کی قید کے دوران میں تورات کو انگور کے باغ میں دفن کردیا تھا۔ اگر مجھے اپنے دادا کے باغ کی نشاندہی کراؤ، تو میں تمہیں وہ تورات نکال دونگا۔ چنانچہ وہ لوگ اس باغ میں پہنچے، تو وہاں سے تورات کو نکال کر حضرت عزیر علیہ السلام کی قرأت کا مقابلہ کیا تو حرف بہ حرف صحیح نکلا، تب انھیں یقین ہوا کہ واقعی یہی عزیر علیہ السلام ہیں۔

---المختصر--- حضرت عزیر کے ان واقعات میں لوگوں کیلئے خداوندی حکمت وقدرت کی واضح نشانیاں ہیں۔ اب رہ گیا حضرت عزیر علیہ السلام کا یہ اشتیاق کہ وہ دیکھ لیں کہ رب تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ فرماتا ہے، تو رب تعالیٰ نے انکی یہ خواہش بھی پوری فرمادی۔

(اور) فرمایا، اے عزیر! (دیکھو) تم اپنے گدھے کی (ان ہڈیوں کی طرف)۔ اپنی قدرت کاملہ سے (کیسا اٹھاتے ہیں ہم ان کو)، کیونکر حرکت دیتے ہیں ہم انھیں، اور ایک کو دوسرے پر جماتے ہیں (پھر پہناتے ہیں ان) ہڈیوں (کو گوشت) اور چمڑے کا لباس۔ حضرت عزیر کو ان امور کا 'علم الیقین' پہلے ہی سے حاصل تھا (تو) اب (جب) اسکا مشاہدہ فرمالینے کے بعد 'عین الیقین' کی شکل میں (ظاہر ہوگیا) یہ (واقعہ ان پر) تو (کہا میں جانتا ہوں کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جس نے صرف یہی نہیں کہ میرے 'علم الیقین' کو 'عین الیقین' تک پہنچادیا بلکہ خود مجھ پر موت طاری کر کے اور پھر سو برس کے بعد زندہ فرما کر، میرے اس 'عین الیقین' کو 'حق الیقین' کا مرتبہ عطا فرمادیا۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ کے تعلق سے اسطرح بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ جب

حضرت عزیر علیہ السلام کا ایک برباد اور تباہ شدہ بستی کی طرف سے گزر ہوا تو اس یقین کے باوجود کہ قادرِ مطلق اس کو پھر نئے سرے سے آباد کردینے کی قدرت رکھتا ہے، انکے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت کاملہ کا کرشمہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھ لیں۔ چونکہ نبی 'مستجاب الدعوات' ہوتا ہے، اسلئے رب کریم نے انکی خواہش کو پورا کرنے کا ارادہ فرمالیا۔ پھر اپنی قدرت کاملہ کا ایسا مظاہرہ فرمایا جس نے عقل انسانی کو حیران و ششدر کردیا۔

---چنانچہ---اس نے، اکثر مفسرین کے اختیار کردہ قول کے مطابق، ان پر حقیقی طور پر موت طاری کردی---اور---بعض مفسرین کے بقول ان کو گہری نیند سلادیا اور ایک سو" سال تک ان سے حس اور حرکت کو سلب کرلیا، پھر ان میں دوبارہ حس اور حرکت کو لوٹادیا۔ گویا وہ سوئے ہوئے تھے، پھر بیدار ہوگئے۔ انکے حواس معطل ہونے کے ستر" سال بعد وہ بستی دوبارہ تعمیر ہوگئی تھی اور اس میں بنو اسرائیل لوٹ آئے تھے۔ حضرت عزیر کے اٹھنے اور اپنی سابقہ حالت میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کے ذریعہ ان سے سوال کیا ---یا---ہاتف غیبی نے ندا کی کہ آپ کتنی دیر ٹھہرے؟

چونکہ انھوں نے اپنے بدن میں اندر باہر کسی طرح کا کوئی معمولی تغیر بھی ملاحظہ نہیں فرمایا اور اپنے کو ظاہری باطنی اوصاف کے لحاظ سے بالکل ویسا ہی پایا جیسا کہ وہ سو برس گزرنے سے پہلے تھے، انکی عمر بھی وہی رہی جو پہلے تھی، اسلئے کہ سن وسال گزرنے کا ان پر کوئی اثر نہ تھا---جبکہ انکے بیٹے اور پوتے بوڑھے ہوچکے تھے۔ اور پھر انھوں اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو بھی دیکھا۔ اس میں بھی کسی طرح کا تغیر نظر نہیں آیا۔ بلکہ اس کو بالکل تروتازہ پایا۔ ان حالات کے پیش نظر، انھوں نے ہاتف غیبی کے جواب میں فرمادیا کہ میں ایک دن---یا ---اس سے بھی کم ٹھہرا---اس پر ہاتف غیبی نے کہا کہ اے عزیر آپ اپنے پورے ساز و سامان کے ساتھ کم وبیش صرف ایک ہی دن نہیں ٹھہرے، بلکہ سو برس ٹھہرے۔

[redacted]

[redacted] اگر آپ کو اپنی بات کی سچائی دیکھنی ہو تو، آپ اپنے کو دیکھئے اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھئے جو بالکل تروتازہ ہیں جو دلیل ہیں کہ آپ پر اور آپ کے کھانے پینے والی چیزوں پر کم وبیش صرف ایک ہی دن گزرا۔ اسکے

برعکس، اب ذرا اپنے گدھے کو ملاحظہ کیجئے۔

۔۔۔نیز۔۔۔اپنے اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کے سوا کائنات کی دوسری چیزوں پر نظر ڈالئے تو آپ پر صاف ظاہر ہوجائیگا، کہ ان سب پر سو برس گزر گئے۔ آپ کیلئے اور آپ کی خوراک کیلئے وہ دن کم وبیش ایک ہی دن تھا، جبکہ آپ کے گدھے کیلئے اور عالم کی دوسری اشیاء کیلئے وہ سو برس تھا، اور [redacted] یعنی۔۔۔کسی کے سو برس کو کسی اور کیلئے ایک [redacted]

قیامت کا پچاس ہزار سال کا دن، اگر کسی بندے کیلئے صرف دو رکعت نفل پڑھنے کی مدت کے مطابق ہوجائے۔۔۔یا۔۔۔سفر معراج جو مکہ سے بیت المقدس، وہاں سے آسمانوں، اور وہاں سے عرش معلی وغیرہ تک کا ایک تفصیلی سفر تھا جو ایک طویل وعریض مدت کو حاوی تھا، اسے اگر مکہ شریف کے لحاظ سے تھوڑی سی رات کا سفر بنادیا جائے، ایسا کہ سفر شروع کرنے سے پہلے، گھر کے دروازے کی جو زنجیر ہلی تھی، وہ ہلتی ہی رہ جائے۔۔۔یا۔۔۔بستر جو گرم تھا، اسکی گرمی ختم نہ ہونے پائے اور سفر مکمل ہوجائے۔ یہ سب چیزیں بھی اللہ کی قدرت کاملہ سے باہر نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کو 'حیات بعد الموت' کا مشاہدہ کرانے کے بعد اب آگے کی آیت میں حضرت ابراہیم کو 'حیات بعد الموت' کا مشاہدہ کرانے کا ذکر ہے، [redacted] ۔۔۔چنانچہ۔۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى

اور جبکہ ابراہیم نے عرض کی اے میرے پروردگار مجھ کو دکھادے کہ کیسے تو جلاتا ہے مردوں کو فرمایا کہ کیا تم نے نہیں مانا۔ عرض کیا مانا کیسے نہیں۔

وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ

مگر اسلئے کہ میرا دل مطمئن ہو۔ فرمایا، تو لو چار پرند، پھر ان کو اپنے سے ہلالو، پھر رکھ دو

عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ

ہر پہاڑ پر ان کی ایک ایک بوٹی، پھر انھیں بلاؤ، وہ تمہارے پاس

ع۳۵

سَعۡیًا ؕ وَ اعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ۝

دوڑے آئیں گے، اور جان رکھو کہ بے شک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

اے محبوب یاد کیجئے (اور) ذہن میں حاضر کر لیجئے اس وقت کو (جبکہ کہا ابراہیم نے کہ میرے پروردگار، مجھ کو دکھا دے کہ) اپنی قدرت کاملہ سے (کیسے تو جلاتا ہے مردوں کو)۔ مجھے تیرے مردہ زندہ کرنے کی اصل میں شبہ نہیں، میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ تو مجھے مردے زندہ کرنے کی کیفیت کا مشاہدہ کرا دے۔ اس پر قادر مطلق نے (فرمایا کہ) اے ابراہیم (کیا تم نے نہیں مانا)، تم تو اس کو پہلے ہی مان چکے ہو، جب ہی تو نمرود سے تم نے کہا تھا، رَبِّیَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ کہ میرا رب وہ ہے، جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔

اس پر حضرت ابراہیم نے (عرض کیا، مانا کیسے نہیں) اے رب تو بخوبی جانتا ہے کہ میں اس پر ایمان لا چکا ہوں (مگر) میری یہ عرض (اسلئے) ہے (کہ میرا دل مطمئن ہو) جائے اور جسکا مجھے 'علم الیقین' حاصل ہے، اسکا 'عین الیقین' بھی حاصل ہو جائے۔

[redacted] ۔۔۔اسکے برخلاف حضرت عزیر نے اپنے حیرت واستعجاب کو جس انداز سے ظاہر فرمایا، اسکے نتیجے میں خود ان پر موت طاری کر دی گئی ۔۔۔نیز۔۔۔ انکے گدھے کے مردہ ہونے اور پھر زندہ ہونے میں سو برس لگ گئے، پھر کہیں جا کر ان کو 'احیاء موتی' کا عینی مشاہدہ ہو سکا۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مودبانہ گزارش پر اللہ تعالیٰ نے (فرمایا) اے ابراہیم تم 'احیاء موتی' اپنے سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کرنا چاہتے ہو (تو لو چار پرند) اور (پھر ان کو اپنے سے ہلا لو) اپنے سے اچھی طرح مانوس کر لو اور خود بھی انکو اچھی طرح پہچان لو، اسکے بعد انھیں ذبح کر کے انکے پروں کو الگ کر کے، انکے ٹکڑے کر کے، انکی بوٹی بوٹی کر دو اور پھر سب کو ایک ساتھ ایسا ملا دو اور آپس میں خلط ملط کر دو کہ امتیاز نہ رہ جائے کہ کس کی بوٹی کدھر ہے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جانوروں کو ذبح کیا اور انکے ٹکڑے پارچے، گوشت، خون، رگ، پٹھے، ہڈی، تلی اور بازوؤں کو ٹکڑے کر کے باہم ملا دیا اور ایک روایت کے مطابق

ہاون دستہ میں کوٹ ڈالا یہاں تک کہ وہ باریک ہوکر خوب مل گئے۔

یہ سب کچھ کر لینے کے بعد (پھر رکھ دو ہر) ہر اس (پہاڑ پر) جو تم سے قریب ہو اور جس پر رکھنا ممکن ہو سکے (ان) پرندوں (کی) کم از کم (ایک ایک بوٹی)، چنانچہ انھوں نے باختلاف روایات ان بوٹیوں کو مختلف حصوں میں بانٹ دیا اور پھر ان میں سے ایک ایک حصے کو چار۔۔۔یا۔۔سات۔۔۔یا۔۔دس پہاڑوں پر رکھ دیا اور ان سب کے سروں کو اپنے پاس رکھا۔ اور پھر حکم الٰہی کے مطابق کہ جب ذبح کر کے سب کو ایک دوسرے میں ملا کر پہاڑوں پر رکھ چکو، تو (پھر انہیں بلاؤ، وہ) پرندے تمہارے بلانے کے جواب میں (تمہارے پاس دوڑے آئینگے)۔ اڑ کر نہیں آئینگے، تاکہ ظاہر ہو جائے کہ سر سے پیر تک انکا ہر ہر عضو صحیح و سالم ہے اور وہ سب اپنی سابقہ حالت ہی میں واپس آ گئے ہیں۔

حضرت ابراہیم نے چار پرندوں کا انتخاب فرمایا تھا۔ وہ وہی ہیں جو انسانوں سے نسبتاً زیادہ مانوس ہیں اور ان سے قریب رہنے والے ہیں۔ ایک روایت کے مطابق جن کے نام یہ ہیں: ﴿۱﴾۔۔۔کبوتر ﴿۲﴾۔۔۔مرغ ﴿۳﴾۔۔۔کوا ﴿۴﴾۔۔۔مور۔۔۔بعض روایتوں میں کبوتر کی بجائے گدھ اور بعض میں اسکی جگہ بطخ کا ذکر ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان چاروں کے سروں پر ہاتھ رکھ کر آواز دی، اے کبوتر، اے مرغ، اے مور، اے کوے، اپنے سروں کی طرف دوڑو، خدا کے حکم سے۔ یہ سننا تھا ہر ایک کے اجزاء دوسرے سے جدا ہو کر اپنے میں مل گئے اور انکے بدن درست ہو گئے، پھر وہ جانور زمین میں اپنے سروں کی طرف دوڑنے لگے، چونکہ اڑنے میں جانور کی کیفیت کم دکھائی دیتی ہے اور زمین پر چلنے میں بہت اچھی طرح نظر آتی ہے، اسلئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں تک، وہ بے سر کے بدن دوڑ کر آئے اور وہاں سے اڑ کر اپنے اپنے سروں سے، جو حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تھے، لپٹ گئے۔

تو اے ابراہیم سن لو (اور جان رکھو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے۔ جو تو نے مانگا، اس میں عاجز نہیں اور (حکمت والا ہے) اپنے ہر کام میں۔ جو کچھ کرتا ہے وہ نہایت ہی محکم ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسی واقعہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مردہ سنتا بھی اور بکتا بھی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ دوڑ بھی سکتا ہے اور پرواز بھی کر سکتا

[redacted]

[redacted]

اب اگر بالفرض کسی میں روح والی زندگی نہیں ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ کسی معنیٰ میں بھی زندہ نہیں۔ ایسے زندگانی کے آثار واطوار کا ظہور از روئے عقل محال نہیں، بلکہ ممکن ہے۔ اور صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے جسکا مشاہدہ حضرت ابراہیم کے واقعہ میں مذکور پرندوں نے کرادیا۔

حضرت ابراہیم یہی مشاہدہ فرمانا چاہتے تھے کہ کسی روح والے جسم سے روح کے نکل جانے کے بعد اس میں روح کیسے واپس آتی ہے؟ عام طور سے عرف میں اسی کو 'احیاء موتی' کہا جاتا ہے کیونکہ عرف وعادت میں کسی جسم کی وہ زندگی جسکا سبب روح ہو، اسکو حیات کہا جاتا ہے اور پھر اس جسم سے روح کے نکل جانے کو اسکی موت قرار دیا جاتا ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی معروف ومتعارف معنیٰ میں حیات وموت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے تھے۔

چنانچہ خود انھیں کے ہاتھوں سے پرندوں کو ذبح کرایا گیا تاکہ جانے پہچانے معنیٰ میں پرندوں کے مردہ ہونے کا 'عین الیقین' حاصل ہو جائے اور پھر ان پرندوں کے اجزاء بدن کو اس حال میں بلانے کا حکم دیا گیا کہ وہ سب کے سب بے روح تھے۔ صدائے ابراہیمی پر انکی دوڑ بھی اس حالت میں ہوئی کہ سب کے سر کٹے ہوئے تھے، سارے سر حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تھے، لہٰذا یہاں کسی کیلئے اس گمان کی بھی گنجائش نہیں رہ گئی کہ یہ دوسرے پرندے آگئے۔

اگر یہ دوسرے پرندے ہوتے، تو انکے اپنے سر کہاں گئے؟ اور یہ دوسرے پرندوں کے سروں سے کیسے جڑ گئے؟ جبکہ حالت یہ تھی کہ ان میں سے ہر ایک پرندے کی بوٹیاں الگ الگ ہو جانے کے باوجود اپنے اپنے ہی سابقہ جسم سے جا کر مل گئیں تھیں۔

اب اگر بالفرض یہ مان ہی لیا جائے یہ سر کٹے پرندے پہلے والے نہیں تھے بلکہ دوسرے تھے، اس صورت موہومہ میں بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ جب وہ سر کٹے تھے تو معروف و متعارف میں بے روح ہونے کی وجہ سے مردہ ہی تھے اور ان کو بھی روح والی زندگی سروں

سے جڑ جانے کے بعد ہی ملی۔۔۔المختصر۔۔۔حضرت ابراہیم نے پرندوں کے مردہ ہونے کو بھی دیکھا اور زندہ ہونے کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ چنانچہ آپ کو انکے مردہ ہونے اور زندہ ہونے دونوں کا 'علم الیقین' حاصل ہوگیا۔

سابقہ آیات کے ذریعہ حضرت عزیر اور حضرت ابراہیم کے حالات معلوم ہوجانے کے بعد [redacted] یہ سمجھنا ضروری ہوگیا کہ اس دوسری زندگی میں کیا چیز انسان کے کام آسکتی ہے اور کون سا عمل وہاں نفع دے سکتا ہے اور ظاہر ہے وہ صدقہ وخیرات ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ

ان کی مثال جو خرچ کریں اپنے مال کو اللہ کی راہ میں، ایسی جیسے ایک دانہ، جس نے اگائے سات بالیوں کو،

فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

ہر بالی میں سو دانہ۔ اور اللہ بڑھائے جس کے لیے چاہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے●

خالصاً لوجہ اللہ صدقہ وخیرات کرنے والوں کی خوش نصیبی اور فیروز بختی دیکھنی ہو تو غور سے سنو کہ (ان) خوش بختوں کے نفقات یعنی خرچ کئے ہوئے مال (کی مثال جو) بے شائبہ غرض اور بے قصد عوض نکالیں اور (خرچ کریں)، صرف کریں (اپنے مال کو) خود اس مال کو اپنے فضل وکرم سے عطا کرنے والے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) صرف اسی کی رضا کیلئے، (ایسی) ہے (جیسے ایک دانہ) جس کو اچھی زمین میں بویا گیا ہو اور (جس نے اگائے سات بالیوں کو) اسطرح کی سات شاخیں اسکی جڑ سے پھوٹیں اور ہر شاخ پر ایک بالی ظہور پذیر ہوئی اور پھر (ہر بالی میں سو دانہ) نمودار ہوئے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ایک دانہ سے سات سو دانے حاصل ہوئے (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (اللہ) تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے (بڑھائے) سات سو کو سات ہزار کردے، بلکہ اس سے بھی زیادہ کردے (جس) خیر وخیرات کرنے والے (کیلئے چاہے) اسکی نیت خیر کے مطابق۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) ہے اور وسیع پیمانے پر بخشش فرمانے والا ہے۔ اسکی عطا کی کوئی انتہا نہیں اور خرچ کرنے والوں کو، انکی نیتوں کو، اور انکے ارادوں کو بخوبی جاننے والا ہے۔ او ران سب کا (علم) رکھنے (والا ہے)۔

مذکورہ بالا مثال سے جہاں ایک طرف یہ ظاہر کرنا ہوا کہ زیادتی کی صورت کیا ہے؟ وہیں یہ رغبت دلانا بھی مقصود ہے کہ لوگ یہ خیال کر کے کہ 'ایک کا بدلہ سات سو ہے'، ہمیشہ خیر وخیرات کرنے میں مشغول رہیں۔اب رہا یہ سوال کہ اجر کے مختلف مدارج کس حساب سے ہیں؟۔۔۔اسکا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں حساب سے خرچ کرنے والے کو اجر حساب سے ملے گا اور جو بے حساب کرے گا، اسے بے حساب اجر عطا فرمایا جائیگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اجر وثواب کے مدارج کا فرق خود خرچ کرنے والے کی نیت اور اسکے اخلاص کے مدارج کے اعتبار سے ہے۔زیادہ اخلاص والے کو زیادہ اجر ملے گا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرق حالات کے اعتبار سے ہے۔کسی سرمایادار و دولتمند کا کسی غریب کو دو روٹی دے دینا۔۔۔یا۔۔۔کسی متوسط الحال کا کسی کو دو روٹی دے دینا، یہ سب نیکیاں ہی ہیں، لیکن وہ شخص جو صرف دو روٹی ہی رکھتا ہے، تو وہ اگر اسکو کسی غریب کو دیدے اور خود بھوکا رہ جائے، اسکی نیکی اس ارب پتی اور کھرب پتی کی نیکی کے برابر ہے جو اپنا سارا مال راہِ خدا میں دیدے اور اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھے۔

اجر کی زیادتی صبر کا بھی ثمرہ ہوتی ہے۔اچانک تکلیف پہنچنے اور نقصان ہو جانے کی صورت میں صبر کرنا اور زبان پر حرفِ شکایت نہ لانا، یہ بھی انسان کو بڑے اجر کا مستحق بنا دیتی ہے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ یہ سارے اجر وثواب اس صورت میں حاصل ہونگے جب صدقہ دینے کے بعد احسان نہ جتایا جائے اور جس کو صدقہ دیا، اس کو طعنہ دے کر اذیت نہ پہنچائی جائے۔

اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا

جو خرچ کریں اپنے مال کو اللہ کی راہ میں، پھر نہ پیچھا کریں اس کا جو خرچ کیا، احسان جتا کر

وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۶۲﴾

اور نہ دکھ دے کر، تو انکے لیے اجر ہے انکے رب کے پاس۔اور نہ ان پر کوئی خوف اور نہ رنجیدہ ہوں ●

تو (جو خرچ کریں اپنے مال کو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) یعنی جہاد۔۔۔یا۔۔۔کسی بھی کارِ خیر میں (پھر نہ پیچھا کریں اسکا جو خرچ کیا، احسان جتا کر) ادھر دیا اور پھر اسکے بعد احسان بھی جتا دیا اور یہ بھی نہیں سوچا کہ حقیقت میں اس نے کیا دیا؟ جو دیا وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ ہی کی عطا فرمودہ

توفیق سے اس نے دیا، وہ تو اللہ تعالیٰ کے بندے تک اللہ کی عطا کردہ نعمت کا پہنچا دینے کا ایک ذریعہ ہی تو تھا، پھر اس نے کیا دیا؟ جس کا وہ احسان جتا رہا ہے اور لینے والے کو ذہنی طور پر دکھ پہنچا رہا ہے۔ ایسے لوگ کسی اجر کے مستحق نہیں، اسلئے جس خوش بخت نے عمل خیر وخیرات کا انجام دیا اور اپنا عمل ضائع نہیں کیا احسان جتا کر (اور نہ) ہی (دکھ دیکر، تو ان) ایسے روح سعادت رکھنے والوں (کیلئے اجر) عظیم (ہے انکے رب) کریم (کے پاس اور نہ ان پر کوئی خوف) کہ کہیں انکا اجر وثواب کم نہ ہو جائے (اور نہ) ہی وہ (رنجیدہ) خاطر (ہوں) یہ سوچ کر کہ کہیں انکے ثواب ضائع نہ ہو جائیں۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝

اچھی بولی اور معاف کر دینا، بہتر ہے اس صدقہ سے کہ پیچھے لگائے جس کے دکھ کو۔ اور اللہ بے پرواہ علم والا ہے ●

۔۔۔الغرض۔۔۔اے ایمان والو، ضرورتمند، فقیر اور سوال کرنے والے کے ساتھ (اچھی بولی) خوش کلامی، نرم گفتگو اور نیک وعدہ (اور) اگر انکی طرف سے کوئی نہ خوش گوار حرکت ہوگئی ہو جس سے دل کو تکلیف پہنچی ہو، تو تم انکے کلام کی سختی اور درشتی اور ان کے گڑگڑانے اور تنگ کرنے سے پہنچنے والی تکلیف کو درگزر کرتے ہوئے انکے ساتھ خوش کلامی کے ساتھ پیش آؤ اور انکا نرم لب ولجہ میں جواب دینا، تو تمہارا یہ (معاف کر دینا) یا انکے جواب میں تمہاری خوش گفتاری کی وجہ سے خود رب کریم کا تمہاری مغفرت فرما دینا تمہارے لئے (بہتر ہے) تمہارے (اس صدقے سے) جو (کہ) تمہارے نامناسب تکلیف دہ قول وفعل کے سبب اذیت پہنچانے والا ہو جائے۔

وہ بھی کوئی قابل تعریف صدقہ ہے کہ ادھر صدقہ دے اور پھر فوراً ہی (پیچھے لگائے جس کے دکھ) پہنچانے والی حرکت (کو)۔ سمجھ لو (اور) اچھی طرح یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (بے پرواہ) ہے۔ انکے ان صدقوں سے، جو اپنے صدقوں کو احسان جتا کر اور ایذاء پہنچا کر خراب کرتے ہیں (اور علم والا ہے) تحمل والا ہے، احسان جتانے والوں اور ایذاء پہنچانے والوں کو عقوبت اور عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا تو۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ

اے ایمان والو! نہ ضائع کردو اپنے صدقات کو احسان رکھ کر اور دکھ دے کر، جیسے وہ جو خرچ کرے اپنے مال کو

مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

لوگوں کے دکھاوے کو اور نہ مانے اللہ کو اور پچھلے دن کو، تو اس کی مثال ہے اس چکنے پتھر کی

عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا

جس پر مٹی ہے، پھر پڑے اس پر زوردار مینہ، تو چھوڑ دے اس کو صاف پتھر، نہ متصرف ہوں گے کسی چیز پر جو کمایا انھوں نے،

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا کافر قوم کو●

(اے ایمان والو نہ ضائع کردو) اور نہ باطل کردو (اپنے صدقات) کے اجر وثواب (کو) لینے والے محتاج پر (احسان رکھ کر، اور) اسے (دکھ دے کر) جسمانی ۔۔۔یا۔۔۔ ذہنی طور پر تکلیف پہنچا کر، زبان سے اسے بھک منگا کہہ کر، ترش روی کے ساتھ اس سے پیش آکر، تیوری بھنویں چڑھا کر۔ [redacted] یاد رکھو کہ مال اللہ کی ملک ہے، اللہ ہی اسکا مالک حقیقی ہے۔

امیر آدمی کی حیثیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ وہ اس مال کا حمال اور بار بردار ہے اور احسان مالکِ مال کا ہے، تو پھر جو حمال اور مال بردار کی طرح ہو اور خدا کی دی ہوئی دولت کو اسی کی عطا فرمودہ توفیق سے اسی کے بندوں تک پہنچانے کا محض ایک ذریعہ ہو، کم از کم اسکو تو اپنے کو محسن سمجھنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں اگر نعمت پانے والا از خود بطیب خاطر اس ذریعہ کا شکر گزار ہو اور نعمت اس تک پہنچانے کی وجہ سے اسکا احسانمند ہو، تو اس کو اسکی اعلیٰ نفسی اور سعادت مندی پر محمول کیا جائے گا [redacted]

۔۔۔الغرض۔۔۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور ایذاء دے کر ضائع نہ کرو اور ان کے اجر وثواب سے محروم نہ ہو جاؤ اور ویسے نہ بنو (جیسے وہ) منافق (جو خرچ کرے اپنے مال کو) لیکن اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا کیلئے نہیں، بلکہ (لوگوں کے دکھاوے کو) لوگ دیکھیں اور اسکی سخاوت کی تعریف کریں (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (نہ مانے اللہ) تعالیٰ (کو) تو پھر جو خدا ہی کو نہ مانے، تو وہ خدا کی رضا و خوشنودی کا تصور کیسے کر سکتا ہے؟

(اور) یونہی نہ مانے (**پچھلے دن**) یعنی روز حساب و کتاب، قیامت (کو) اور ظاہر ہے کہ جب حساب و کتاب اور جزاء و سزا والے دن پر ایمان ہی نہیں تو وہ وہاں کے کسی اجر و ثواب کا کیا خیال کر سکتا ہے۔ (**تو اسکی**) اور اسکے نفقہ کی (**مثال ہے اس چکنے پتھر کی جس پر مٹی ہے**)، تو چکنا پتھر ہوا منافق اور مٹی ہوئی اس کے وہ صدقات جو صرف لوگوں کو دکھانے کیلئے دیئے گئے (**پھر پڑے اس پر زوردار مینہ**) بڑی بڑی بوندوں والی تیز بارش (**تو**) وہ بارش مٹی کو بالکل بہا لے جائے اور (**چھوڑ دے اس کو صاف پتھر**) ایسا کہ اس پر مٹی کا اثر بھی نظر نہ آئے۔

الغرض۔۔۔ جب حساب ربانی کے ابر سے عدل کا مینہ برسے گا تو ان صدقوں کا اثر بالکل دھل جائیگا اور ریاکار صدقہ دینے والا، پتھر کی طرح صاف اور بے حاصل ہو جائیگا۔ اور ریاکاروں کے سب کاموں کا یہی حال ہے۔

اس مقام پر دو صورتیں قابل غور ہیں، ایک ہے ریاکاری کے طور پر کوئی عمل کرنا۔۔۔ اور۔۔۔ دوسری ہے نیک عمل کر لینے کے بعد احسان جتانا اور تکلیف پہنچانا۔ پہلی صورت میں عمل کرنے والا سرے ہی سے کسی اجر کا مستحق نہیں ہوتا۔ تو اسکا پتھر عمل کرنے سے پہلے جیسے بے مایہ تھا، اسی طرح عمل کر لینے کے بعد بھی تہی دامن رہتا ہے اور دوسری صورت میں عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے نیک اعمال کا اجر و ثواب پاتا ہے۔ مگر پھر احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے کی وجہ سے عدل خداوندی اسکے اجر و ثواب کو مٹا دیتا ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں بندوں کو روکا کہ ایسے برے اعمال کا ارتکاب کر کے اپنے نیک عمل کو باطل نہ کرو۔ رب کریم نے جگہ جگہ پر نیک اعمال پر اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے، مگر بندہ اس اجر موعود کے پانے کا مستحق اسی وقت قرار دیا جاتا ہے جبکہ وہ محض عبادت اور اطاعت کے طور پر اعمال انجام دے اور اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہے۔

اب اگر کسی کیلئے کسی نیک عمل پر برانگیختہ کرنے والا اسی اجر کا حصول ہو، رب کریم نے اپنے مخلص بندوں کیلئے جسکا وعدہ فرمایا ہے، تو اسکے لئے بھی اپنے عمل کو ریاکاری سے بچانا ہوگا، ایسا کہ اخلاص فی العمل کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، رہ گئے وہ مخلص بندے اور روح سعادت رکھنے والے نفوس قدسیہ جو کسی لالچ و تمنا میں خدا کی عبادت نہیں کرتے بلکہ صرف اس کو راضی رکھنے کیلئے عبادت کرتے ہیں، انکی شان ہی نرالی ہے اور انکی بولی بھی کچھ اس طرح کی ہوتی ہے کہ الٰہ العالمین! میں نے تیری جنت کی لالچ میں۔۔۔ یا۔۔۔

تیرے جہنم کے خوف سے تیری عبادت نہیں کی ہے، بلکہ میں نے صرف تجھی کو عبادت کے لائق پایا، اسی لئے تیری ہی عبادت کی۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ایسے ریا کار جو صرف ریاء کے طور پر خرچ کرتے ہیں (نہ متصرف ہونگے کسی چیز پر جو کمایا انھوں نے) یعنی جو چیز صدقہ دی ہو دکھانے کو۔۔۔الغرض۔۔۔وہ نہیں قدرت پائینگے اس بات کی کہ وہ اپنے ریا کارانہ اعمال سے کوئی فائدہ اٹھا سکیں (اور) سمجھ رکھو کہ (اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا) یعنی ہدایت پانے کا مقصد دل ہی میں نہیں ڈالتا (کافر قوم کو) یعنی کافروں کو خیر وارشاد کا راستہ نہیں دکھاتا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا

اوران کی مثال، جو خرچ کریں اپنا مال اللہ کی مرضی چاہنے کو اور اپنے کو ثابت قدم رکھنے کو،

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ

ایسی ہے جیسے، باغ ہو ٹیلے پر، جس پر پڑی زور کی بارش تو باغ دونے پھل لایا۔

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

پھر اگر اس پر بارش نہ ہوئی تو شبنم ہے۔ اور اللہ جو کچھ کرتے ہو دیکھ رہا ہے●

اس سے پہلے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں انکے صدقات کی مثال ان دانوں کی طرح ہے جنھوں نے سات سات ایسے خوشے اگائے کہ ہر ہر خوشے میں سو سو دانے ہیں۔

(اور) اب فرمایا جارہا ہے (ان) لوگوں (کی مثال جو خرچ کریں اپنا مال، اللہ) تعالیٰ (کی مرضی چاہنے کو اور) اسلام پر اپنا دل مضبوط رکھنے کیلئے اور (اپنے کو ثابت قدم رکھنے کو)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اسلام پر اپنے دل کو مضبوط رکھنے کیلئے خرچ کرتا ہے، اپنے کو احکام شریعت پر عمل کرنے کا عادی بناتا ہے اور اپنے نیک اعمال کو ایسی نیتوں اور ایسے کاموں سے محفوظ رکھتا ہے، جن سے وہ نیک اعمال فاسد ہو جائیں اور اپنے دل کو ثابت قدم رکھنے کیلئے ذکر الٰہی کرتا رہتا ہے۔ اور جس پر یہ حقیقت بالکل واضح ہو کہ جو شخص اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتا ہے، اس کا دل اسلام پر اس وقت تک مضبوط نہیں ہوتا جب تک اسکا خرچ کرنا محض اللہ کی رضا جوئی کیلئے نہ ہو۔

تو ایسے پیکران اخلاص کے اعمال خیر وخیرات کی مثال (ایسی ہی جیسے باغ ہو) مناسب اونچائی رکھنے والے (ٹیلے پر) جو سردی کے نقصان سے محفوظ ہو اور لطافت کی وجہ سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے نقصان نہ پہنچا سکیں۔۔۔الغرض۔۔۔نہ وہ بہت نیچے کی زمین میں ہو کہ سردی اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسے تباہ کردیں اور نہ ہی اتنے بلند و بالا پہاڑ پر ہو، کہ وہاں کی سرد اور تیز ہواؤں کی شدت کو برداشت نہ کرسکیں، بلکہ وہ درمیانی جگہ ہو، نہ بہت اونچی، نہ بہت نیچی (جس پر پڑی زور کی بارش تو باغ) اپنے مالک اور صاحب باغ کیلئے (دونے پھل لایا)۔

ایک سال میں اتنا پھل دیا جتنا اور زمینیں دو برس میں دیں (پھر اگر اس پر) زوردار (بارش نہ ہوئی تو) اس پر معمولی بارش بلکہ (شبنم) کافی (ہے)۔ چونکہ وہ زمین اچھی ہے، اسکی ہوا خوشگوار ہے، ایسے میں بیج اچھا اثر کرتا ہے۔۔۔الختصر۔۔۔مخلصین جو کچھ خدا کی رضا کیلئے صدقہ دیتے ہیں، وہ اچھے بدلے سے خالی نہیں، وہ صدقہ خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔

اس مقام پر یہ لطیف نکتہ بھی ذہن نشیں رہے کہ جس نے اللہ کی راہ جہاد میں خرچ کیا، اسکی مثال دانوں سے دی ہے اور جس نے اللہ کی رضا جوئی اور اسلام پر اپنا دل مضبوط رکھنے کیلئے خرچ کیا ہے، اسکی مثال باغ سے دی ہے۔ جس طرح باغ میں درختوں کی جڑیں زمین میں پیوست اور مضبوط ہوتی ہیں، اسی طرح اس خرچ کرنے والے کے سینے میں اسلام کی جڑیں پیوست اور مضبوط ہیں۔ اسکے برخلاف غلے کے دانے کھیتوں سے حاصل ہوتے ہیں اور کھیت کی جڑیں زمین میں مضبوط نہیں ہوتیں۔

۔۔۔نیز۔۔۔کھیت میں پانی لگانے کی ہر کھیتی کے وقت ضرورت ہوتی ہے، اور باغ پانی لگانے سے مستغنی ہوتا ہے۔ سو اسی طرح جہاد کیلئے ہر مرتبہ جہاد کے وقت مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے اور جو اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کرتا ہے، اس کیلئے کسی وقت اور موقع کی قید نہیں۔ وہ ہر وقت اللہ کی رضا جوئی کیلئے خرچ کرسکتا ہے۔

(اور) جان رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ تم (جو کچھ کرتے ہو) اسے (دیکھ رہا ہے) نہ کسی کا اخلاص اس سے چھپا ہے اور نہ ہی کسی کی ریاکاری۔

اب آگے ریاکاروں کے صدقہ کی دوسری مثال پیش کی جارہی ہے۔۔۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کیا تمہارا کوئی چاہے گا کہ اسکے ایک باغ ہو کھجور اور انگوروں کا جس کے نیچے نہریں جاری ہوں،

الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ

اسکے لیے اس میں ہر طرح کے پھل ہیں، اور اس کو پہنچا بڑھاپا، اور بچے ہیں کمزور،

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

پھر پہنچا اس باغ کو بگولا جس میں آگ ہے، تو باغ جل گیا۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ

لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

تم کو آیتیں کہ اب غور و فکر کرو ●

(کیا تمہارا کوئی چاہے گا) ظاہر ہے کہ نہیں چاہے گا (کہ اسکے ایک باغ ہو کھجور اور انگوروں کا) جس کو اس نے بڑی محنت سے لگایا ہو اور اچھی طرح اسکی نگہداشت کرتا رہا ہو اور وہ باغ بھی ایسا کہ (جسکے نیچے نہریں جاری ہوں) اور حالت یہ ہے کہ (اس) باغ والے (کیلئے اس) باغ (میں) صرف کھجور و انگور ہی نہیں جنکا ذکر انکی بہتری اور کثرت کے سبب سے کر دیا گیا ہے، بلکہ (ہر طرح کے) ۔۔۔الغرض۔۔۔ طرح طرح کے (پھل) دینے والے درخت (ہیں اور) اب صورت حال یہ ہوگئی کہ (اس) باغ کے مالک (کو پہنچا بڑھاپا) وہ بالکل ضعیف ہو گیا کہ اب کسی محنت کے لائق نہ رہ گیا (اور) اس بڑھاپے میں اس کے بال (بچے) بھی (ہیں) جو چھوٹے ہیں اور بے حد (کمزور) ہیں جو کوئی کام اور کسی طرح کی محنت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے (پھر) ایسے وقت میں (پہنچا اس باغ کو) گرم ہواؤں کا (بگولا)، ایسی لُو (جس میں آگ ہے تو) اسکی وجہ سے شاداب و سرسبز (باغ جل گیا) اور خاکستر ہو گیا اور باغ والا حیران و غمگین رہ گیا۔

[redacted]

(اسی طرح) یعنی اس بیان کے مانند جو کہ بیان کیا گیا ہے جہاد کے بارے میں اور 'انفاق فی سبیل اللہ' کا مسئلہ اور حضرت عزیر علیہ السلام کا قصہ وغیرہ وغیرہ۔ (بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ تمہارے لئے (تم کو) مخاطب فرما کر توحید کی تحقیق اور دین کی تصدیق کے متعلق واضح دلائل اور اپنی روشن (آیتیں) تا (کہ) تم ان میں (اب) تو (غور و فکر کرو) اور انکے اندر جو نصیحتیں ہیں، ان سے عبرت

حاصل کر کے ان پر عمل کرو۔

اور اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ مومن کو بہتر بدل اور بزرگی نصیب ہوگی۔ مومن کی سعی رنگ لائے گی اور مومن نے اپنے اعمال کو جلاء اور رونق بخشی، اسکے برخلاف منافق کو تباہی و بربادی نصیب ہوگی۔ منافق کی کوششیں رائگاں جائینگی اور منافق کے اعمال اکارت اور ضائع ہوئے اور اسکے اموال گھاٹے اور خسارے میں پڑے اور اسکا خاتمہ برباد ہوا اور اس پر آخرت کا وبال بڑھا اور سخت ہوا۔

۔۔۔الختصر۔۔۔مومن کا حال ایسا ہے جیسے ایک کھیتی۔ آگے پھر اسکی جڑ بھی مضبوط اور پھل بھی شیریں اور شاخیں بھی خوش نما اور منافع بھی بے شمار۔ اسکے برعکس منافق کا حال یہ ہے جیسے کسی کی تجارت گھاٹے میں اور سامان چوری ہو جائے اور بڑھاپا گھیر لے۔ کوئی یار و مددگار نہ ہو جس سے حال تباہ ہو جائے اور پھر ہر طرف سے دکھ اور رنج کے سامان بہم پہنچیں۔ غور کیجئے کہ کیا یہ دونوں برابر۔۔۔یا۔۔۔کسی بات میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو سکتے ہیں۔

سابقہ آیاتِ کریمہ نے ظاہر فرما دیا کہ صدقہ کرنے والے کی نیت میں اخلاص ہونا چاہئے اور لوگوں کو دکھانے اور سنانے کی غرض نہیں ہونی چاہئے اور نہ ہی فقراء پر احسان جتا کر اور طعنے دیکر انھیں اذیت پہنچانی چاہئے۔۔۔الختصر۔۔۔صدقہ و خیرات کا مقصود اصلی صفاء باطن اور تزکیہ نفس ہونا چاہئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ

اے ایمان والو! دو پاکیزہ مال جو کہ تم نے کمایا، اور جو کہ ہم نے نکالا تمہارے لیے زمین سے۔

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ

اور بے مصرف چیز کا ارادہ نہ کرو، کہ اس سے خرچ کرو، حالانکہ ملے تو تم نہ لوگے اس کو، بلکہ اس میں آنکھ دبانے۔

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

اور جان رکھو کہ بے شک اللہ بے پرواہ لائق حمد ہے●

تزکیہ و تطہیر قلب کے اس جوہر نایاب کے حصول کیلئے (اے ایمان والو) دل کی سچائی کے ساتھ اسلام کو قبول کر لینے والو (دو) خرچ کرو خدا کی رضا کیلئے اپنا (پاکیزہ مال) جو ردی ناکارہ اور ناقابل استعمال نہ ہو خواہ وہ مال وہ ہو (جو کہ تم نے) تجارت اور دستکاری کے ذریعہ (کمایا اور) خواہ وہ مال وہ

ہو (جوکہ ہم نے نکالا تمہارے) فائدے کے (لئے زمین سے) غلہ اور میوہ دار درخت کی شکل میں۔

اے ایمان والو! اگر پیروی ہی کرنی ہے تو ان مخلصین مالدار انصار کی پیروی کرو جو کھجور پکنے کے وقت جو بہت پکّی پکّی چنی ہوئی ہوتی تھیں، ایک دوسرے سے چھپا کر مسجد نبوی کے کونے میں رکھ جاتے تھے تاکہ مہاجرین میں سے جو محتاج لوگ ہیں، اسے نوش فرمالیں۔ تم دنیا سے محبت کرنے والے اس مالدار کی نقل نہ کرو جو دو سو صاع خراب کھجوریں علانیہ لایا اور انھیں اچھی کھجوروں میں ملادیا، تو تم ایسا نہ کرو۔

(اور بے مصرف) خراب، ردی اور نا قابل استعمال (چیز کا ارادہ نہ کرو)۔ ایسا (کہ) اس کو اکٹھا کر کے (اس) میں (سے خرچ کرو) [illegible] کرو، خراب اور ردی مال سے نہیں اور نہ ہی اپنے [illegible] کو ذریعہ بنا کر [illegible] اور کیسے تم خراب مال دوسروں کو دینے پر راضی ہوتے ہو (حالانکہ) جب صورتِ حال یہ ہے کہ اگر بالفرض اسطرح کا خراب مال کسی دینے والے کے ہاتھ سے تمہارے حقوق کی ادائیگی میں خود تمہیں (ملے تو تم نہ لوگے) اور نہ قبول کروگے (اس) مال (کو) آنکھ کھول کر ہوش وحواس کی صحت وسلامتی کی صورت میں۔ اب ایسے مال کو قبول کر لینے کی تمہارے پاس یہی ناپسندیدہ صورت رہ جاتی ہے کہ تم سستی اور سہولت سے کام لو اور صاف ستھرے مال سے صرف نظر کرلو اور خرابی وبرائی دیکھنے سے آنکھیں بند کرلو۔

---الغرض--- (بغیر اس میں آنکھ دبائے) اصل صورت حال سے صَرفِ نظر کئے اور جان بوجھ کر انجان بنے، تو خود ایسا مال قبول کر لینے پر راضی نہیں ہوسکتے۔ تو تم یقین کرلو (اور جان رکھو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (بے پرواہ) ہے اس شخص سے جو برا مال صدقہ دیتا ہے اور وہ بذاتِ خود (لائق حمد ہے)---نیز--- تعریف کرنے والا ہے۔ اس شخص کی جو پاکیزہ مال میں سے صدقہ دیتے ہیں۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ یَعِدُکُمْ

شیطان دھمکی دیتا رہتا ہے تم کو محتاج ہوجانے کی اور حکم دیتا رہتا ہے تم کو بے شرم ہوجانے کا اور اللہ وعدہ فرماتا ہے

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۚ

اپنی طرف سے بخشش وفضیلت کا۔ اور اللہ وسعت والا دانا ہے ●

رہ گیا (شیطان) کا معاملہ، خواہ وہ شیاطین جن سے ہو خواہ شیاطین انس سے ۔۔۔یا۔۔۔ نفس امارہ ہو، اسکا معاملہ تو یہ ہے کہ وہ (دھمکی دیتا رہتا ہے تم کو محتاج ہو جانے کی) اور ڈراتا رہتا ہے کہ اگر تم ایسے ہی خیر و خیرات میں خرچ کرتے رہو گے، تو محتاج ہو جاؤ گے (اور) شیطان صرف یہی نہیں کرتا بلکہ (حکم دیتا رہتا ہے تم کو بے شرم ہو جانے کا)، صدقہ دینے سے روکتا ہے اور بخل و امساک پر ابھارتا ہے (اور اللہ) تعالیٰ (وعدہ فرماتا ہے) صدقہ دینے پر (اپنی طرف سے) آخرت میں تمہارے گناہوں کی (بخشش) فرما دینے کا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ دنیا میں نیک بدلہ دینے کا اور روزی میں زیادتی و فراوانی (وفضیلت کا)، تو تم خبردار ہو جاؤ (اور) جان رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) اور بہت فضل فرمانے والا ہے صدقہ دینے والوں پر، اور بخوبی (دانا) اور جاننے والا (ہے) اس بات کا کہ صدقہ دینے والے فضل و مغفرت کے زیادہ مستحق ہیں۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ

دے حکمت جسے چاہے۔ اور جس کو حکمت دی گئی، بے شک اس کو بڑی دولت دی گئی۔

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

اور نصیحت نہیں مانتے مگر ہوش مند لوگ ●

جو (دے) دیتا ہے صدقہ دینے کی (حکمت) اپنے بندوں میں سے (جسے چاہے) تاکہ وہ جان لے کہ کیا صدقہ دینا چاہئے؟ اور کسے دینا چاہئے؟ ۔۔۔نیز۔۔۔ اپنے اس باطنی شعور سے بندہ القاء رحمانی اور وسوسہ شیطانی میں امتیاز کر سکے (اور) ظاہر ہے کہ (جس کو) اس شعور عرفانی اور فراست ایمانی سے نوازا گیا اور (حکمت دی گئی) تو (بیشک اسکو) بہت زیادہ نیکی اور خیر کثیر ۔۔۔الغرض۔۔۔ بہت (بڑی دولت) دے (دی گئی) ہے۔

حق تعالیٰ نے [illegible] فرما کر دیا کہ مال و متاع کو تھوڑا قرار دیا اور [illegible] اس صورت میں عالم کو چاہئے کہ وہ دعا اور [illegible] [redacted] ۔۔۔مگر۔۔۔ اس حقیقت کو سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں، اسلئے کہ ان نعمتوں کو دریافت نہیں کرتے۔

(اور) ان سے (نصیحت نہیں مانتے مگر ہوشمند لوگ) جو صاف اور تیز عقل والے ہوتے ہیں، جن کی عقول خالص ہیں، جو وہم اور خواہشاتِ نفسانی کی طرف جھکاؤ سے محفوظ ہیں۔

[redacted]

[redacted]

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ

اور جو بھی تم نے خرچ کیا یا کوئی بھی منت مانی، تو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿٢٧٠﴾

اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار●

اس مقام پر اے ایمان والو، یہ بھی ذہن نشین رکھو (اور) اچھی طرح سمجھ لو کہ (جو) کچھ (بھی تم نے خرچ کیا) خواہ تھوڑا۔۔۔یا۔۔۔زیادہ، چھپا کر۔۔۔یا۔۔۔کھلے عام، فرض کے طور پر یا مستحب طریقے سے، ریاکاری کی راہ سے یا خالص نیت سے اور خدا کی راہ میں یا غیر خدا کی راہ میں (یا کوئی بھی منت مانی) اور اس طرح ایک غیر واجب کام کو اپنے اوپر واجب کرلیا، وہ نذر معیّن ہو یا غیر معیّن، طاعت میں۔۔۔یا۔۔۔معصیت میں، بالشرط ہو۔۔۔یا۔۔۔بلا شرط، مال سے متعلق ہو۔۔۔یا۔۔۔افعال سے، جیسے نماز، روزہ وغیرہ وغیرہ (تو بے شک اللہ) تعالیٰ (اس کو جانتا ہے، اور) فراموش نہیں فرمادیتا، تو سن لو کہ (نہیں ہے ظالموں کیلئے) جو دکھانے کو خرچ کرتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔مال حرام سے صدقہ کرتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔گناہ کے ساتھ نذر کرتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔نذر تو طاعت ہی کے ساتھ کرتے ہیں، مگر اسے وفا نہیں کرتے (کوئی مددگار) جو آخرت میں انکی مدد کرے اور ان سے آخرت کے عذاب کو روک لے۔۔۔الحاصل۔۔۔رضائے الٰہی کیلئے راہِ خدا میں صدقہ نکالنا ہر حال میں بہتر ہے۔

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِىَ‌ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ

اگر علانیہ دو صدقات، تو بھی کیا خوب، اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو دو، تو یہ

خَيۡرٌ لَّكُمۡ‌ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ﴿٢٧١﴾

بہتر ہے تمہارے لیے۔ اور دور کردے گا تم سے تمہارے کچھ گناہ۔ اور اللہ تمہارے کیے سے باخبر ہے●

تو (اگر) کھلے عام ظاہر کرکے (اعلانیہ دو) اپنے (صدقات، تو) یہ عمل (بھی کیا خوب) ہے

اس واسطے کہ اوروں کو اسکے سبب سے رغبت ہوگی، بخیلوں پر الزام ہوگا اور بے گانوں کے دل اہل حق کے ساتھ آشنائی اور دوستی کرنے پر مائل ہونگے **(اور اگر)** خفیہ طور پر صدقہ دینے والے اپنے **(اس) عمل (کو چھپاؤ اور)** چھپا کر **(فقیروں کو دو، تو یہ)** بھی **(بہتر ہے تمہارے لئے)** اسلئے کہ تمہارا یہ صدقہ دکھانے اور سنانے کی آفت سے دور رہتا ہے اور فقیر بھی لینے کی ذلت اور بے عزتی سے محفوظ رہتا ہے۔

عہد رسالت مآب میں صحابہ کرام صدقات چھپا کر دینے کے واسطے بڑا اہتمام اور مبالغہ فرماتے تھے، خواہ وہ صدقات فرض ہوں۔۔۔یا۔۔۔نفل۔۔۔لیکن بعد کے بعض علماء کرام کا مختار یہ ہے کہ فرض صدقوں۔۔۔مثلاً: زکوٰۃ وغیرہ میں ظاہر کر کے دینا اولیٰ ہے تاکہ لوگ یہ گمان نہ کریں کہ یہ زکوٰۃ نہیں دیتا، تو یہ اعلانیہ زکوٰۃ وغیرہ نکالنا خدا کا حکم بجالانے میں جلدی کرنے کی دلیل ہے۔۔۔نیز۔۔۔یہ عمل زکوٰۃ ادا کرنے میں دوسرے مال داروں کو رغبت اور ان میں شوق پیدا ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ ہاں مگر نفلی صدقوں میں چھپا کر دینا اولیٰ ہے، بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، چھپا کر نفلی صدقہ دینا ظاہر کر کے دینے سے ستر درجہ اولیٰ اور افضل ہے۔ حدیث شریف میں اسی پوشیدہ صدقے کے بارے میں ارشاد ہے:

"پوشیدہ صدقہ رب کے غضب کو فرو کر دیتا ہے۔"

یہ رب کریم کا کتنا بڑا کرم ہے کہ صدقے کے تعلق سے فرمایا کہ اگر اخفاء کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

(اور) وہ رب کریم **(دور کر دے گا تم سے تمہارے کچھ گناہ)** جو مظالم اور حقوق العباد سے نہ ہوں۔ جان لو **(اور)** یاد رکھو کہ **(اللہ)** تعالیٰ صدقہ میں اظہار۔۔۔یا۔۔۔اخفاء کے تعلق سے تم جو کرتے ہو، اس **(تمہارے)** ہر **(کئے سے باخبر ہے)**۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ صدقات واجبہ کافروں کو نہیں دیے جا سکتا، خواہ وہ کافر 'حربی' ہوں یا 'ذمی'۔۔۔لیکن۔۔۔نفلی صدقہ ذمی کافر کو دینے میں کوئی حرج نہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

نہیں ہے تمہارے ذمہ ان کی ہدایت، ہاں، اللہ ہدایت دے جسے چاہے۔ اور جو اچھی چیز خرچ کرو تو وہ تمہارے آپ کیلئے

فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا

فائدہ مند ہے۔ اور نہیں ہے راہ خدا میں دینا تمہارا مگر یہ کہ اللہ کی مرضی چاہنے کو۔ اور جو اچھا مال دو

مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۝

تم کو پورا پورا دیا جائے گا، اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا●

تو اے محبوب! تمہارے دامن کرم سے وابستہ ہو جانے والے اور دل کی سچائی کے ساتھ اسلام قبول کر لینے والے انصار نے خلعت ایمان سے سرفراز ہونے اور نبوی کلام ہدایت التیام سے عقل و معرفت حاصل کر کے ممتاز ہونے کے بعد، اپنے مشرک رشتے داروں اور بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہودی قرابت داروں کو جو نفقہ دینا بند کر دیا ہے۔۔۔یا۔۔۔نفقہ دینے میں کراہت محسوس کر رہے ہیں اور وہ بھی اسلئے تا کہ وہ ہدایت قبول کر لیں۔

تو اے محبوب! [illegible]

منزل مقصود تک پہنچا دینا [illegible] تو پھر صرف انکی ہدایت کی خواہش کر لینے سے انکا ہدایت یافتہ ہونا کب ضروری ہے (ہاں اللہ) تعالیٰ اپنی عنایت سے (ہدایت دے) اور ایمان والا بنا دے (جسے چاہے)۔

[illegible]

سے [illegible]، تو پھر ہدایت نا قبول کرنے کی صورت میں بھی تم اپنے ذمی کافر رشتے داروں کو نفقہ دے سکتے ہو۔ (اور) یاد رکھو (جو) بھی (اچھی چیز) مال وغیرہ تم (خرچ کرو) گے (تو وہ تمہارے آپ کیلئے فائدہ مند ہے) اسکا ثواب تمہاری طرف رجوع کرنے والا ہے، جس پر تو نے خرچ کیا، وہ کافر ہو، خواہ مسلمان (اور) بھلا اس خرچ کرنے کا فائدہ تم کو کیوں نہ پہنچے، اسلئے کہ (نہیں ہے راہِ خدا میں دینا) خرچ کرنا (تمہارا، مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (کی مرضی) اور اسکی خوشنودی (چاہنے کو)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔تمہارا کام ریاکاری کے طور پر نہیں ہے، بلکہ جو کچھ کیا ہے، وہ ثواب حاصل کرنے کیلئے کیا ہے۔ (اور) جب تمہاری نیت خالص ہے، تو سن لو کہ (جو) بھی (اچھا) پاکیزہ طیب و طاہر، حلال (مال دو) گے تو (تم کو) اسکا (پورا پورا) اجر و ثواب (دیا جائیگا، اور) تمہارے مخلصانہ اعمال کے ثواب میں کچھ کم کر کے بفضلہٖ تعالیٰ (تم پر ظلم نہ کیا جائیگا)۔۔۔الغرض۔۔۔تم مظلوم نہ ہو گے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ

یہ صدقے ان فقیروں کیلئے ہیں جو اللہ کی راہ میں معروف کر دیے گئے، زمین میں کہیں آ جا نہیں سکتے،

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ

بےخبر خیال کرے کہ مالدار ہیں انکے سوال سے بچنے سے۔ تم پہچان لوگے انکوانکی روپ رنگت سے۔ نہیں سوال کرتے

إِلْحَافًا وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ع ۳۷

لوگوں سے گڑگڑا کر۔ اور تم جو خیرات میں دو، تو بےشک اللہ اس کا جاننے والا ہے●

اور اچھی طرح جان لو کہ (یہ صدقے) کم وبیش ان چار سو فقراء، اہل صفہ یا قریش کے فقراء مہاجرین، جو مختلف غزوات میں زخمی ہو کر اپاہج ہو گئے تھے اور مرض کی وجہ سے زندگی کے کام کاج اور سفر کرنے سے معذور ہو گئے تھے یا کفار کے حصار میں گھر جانے والوں اور نکلنے کی صورت نہ پاسکنے والوں ---یا--- خود کو جہاد کیلئے وقف کرنے والوں ---مگر--- فقر کی وجہ سے جہاد نہ کر سکنے والوں ---یا--- ان محتاج لوگوں، جو اپنی بلند ہمتی اور خودداری کی وجہ سے صرف اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے اور کسی کے آگے دست سوال دراز نہیں کرتے تھے ---یا--- جو فقراء جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ سے تجارت کرنے کیلئے زمین میں سفر نہیں کر سکتے تھے۔

---الختصر--- یہ صدقے (ان فقیروں کیلئے ہیں جو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) جہاد وعبادت وغیرہ میں (مصروف کر دیے گئے) ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ لڑائی میں مشغول رہنے ---یا--- ہمیشہ عبادت میں مصروف رہنے کے سبب (زمین میں) تجارت کے واسطے ---یا--- روزی تلاش کرنے کیلئے (کہیں آجا نہیں سکتے) جیسے حضرت عمار ابن یاسر، حضرت بلال، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور ان جیسے دوسرے وہ نفوس قدسیہ والے، مدینہ شریف میں جنکا کوئی مکان نہیں تھا جہاں وہ رات گزار سکتے۔

---چنانچہ--- وہ مسجد نبوی کے گوشے میں شب بسر کرتے اور دن کو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر رہتے، کسی کی طرف متوجہ وملتفت نہ ہوتے، نہ کسی سے کچھ سوال کرتے اور نہ کسی طرح اپنی روزی ڈھونڈتے، ایسا کہ اگر کوئی انکے حال سے ناواقف (بےخبر) انہیں دیکھے تو (خیال کرے کہ) یہ لوگ (مالدار ہیں)۔ یہ گمان (انکے سوال سے بچنے) اور کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرنے کی وجہ (سے) ہوتا ہے۔

[redacted] چنانچہ جب جب یہ تمہاری بارگاہ میں حاضر ہونگے، تو (تم) بخوبی (پہچان لوگے انکوانکی روپ) و (رنگت سے) ---الغرض--- انکے چہرے کی زردی، ضعف

جسمانی، پشت کی خمیدگی اور آنسوؤں کی کثرت، یہ وہ علامتیں اور نشانیاں ہیں، جو انکی حالت کی معرفت کرا دیتی ہیں۔ انکی شان عجیب ہے، یہ بہت ہی غیور طبیعت کے مالک ہیں، اسی لئے (نہیں سوال کرتے لوگوں سے گڑگڑا کر)، منت و عاجزی سے پیچھے پڑ کر، خوشامد کر کے، اسلئے کہ یہ لوگ 'صفت تعفف' سے موصوف ہیں اور 'تعفّف' کہتے ہی ہیں سوال نہ کرنے کو۔ انکا ترک سوال کرنا بھی شفقت و مہربانی کی وجہ سے ہے، اسلئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سوال کریں اور سامنے والا اسکو رد کر دے۔ اور پھر وہ:

مَآ اَفْلَحَ مَنْ رَدَّ السَّائِلَ

نہیں فلاح پائی اس نے جس نے سائل کو رد کر دیا

۔۔۔کی وعید کا مستحق ہو جائے۔ جان لو (اور) یاد رکھو کہ (تم) اصحاب صفہ اور دیگر مستحقین کو (جو خیرات میں دو) گے (تو بے شک اللہ) تعالیٰ (اسکا جاننے والا ہے) کہ کسے دیتے ہو اور کس واسطے دیتے ہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ تمہارا کوئی نیک عمل رب کریم ضائع نہیں فرمائیگا اور اپنے فضل و کرم سے اسکا بھرپور اجر عطا فرمائیگا۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

جو لوگ خرچ کریں اپنے مال کو رات دن، پوشیدہ اور علانیہ، تو ان کے لیے ان کا اجر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾

ان کے رب کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خوف اور نہ وہ رنجیدہ ہوں ●

وقف منزل

آیاتِ سابقہ میں صدقہ کرنے کی بار بار ترغیب کے بعد اب یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ صدقہ کرنے کیلئے کوئی وقت متعین نہیں ہے۔ دن اور رات کے کسی بھی وقت میں، خفیہ ۔۔۔یا۔۔۔ اعلانیہ صدقہ کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک موقع پر اپنے پاس موجود چار درہموں کو اس طرح صدقہ کرنا کہ ایک درہم انھوں نے رات میں خرچ کیا، ایک دن میں، ایک خفیہ اور ایک اعلانیہ۔

اور جب سرکار رسالت مآب نے انکو اپنے اس عمل کی حکمت ظاہر کرنے کو ارشاد فرمایا تو انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ، کہ صدقے دینے کا طریقہ ان چار صورتوں کے سوا اور کوئی مجھے نظر نہ آیا، تو میں نے چاروں صورتوں کو لازم پکڑا، اس آرزو میں کہ انہی میں سے کم از کم ایک تو قبول ہو کر محل رضا میں پہنچ جائے۔

---یونہی---حضرت صدیق اکبر ﷜ نے بھی ایک بار اپنے چالیس ہزار دینار میں سے دس ہزار چھپا کر، دس ہزار ظاہر کر کے، دس ہزار دن میں اور دس ہزار رات میں، فی سبیل اللہ خرچ کر دیا۔

---تو---یہ دونوں حضرات اور ان کے سوا وہ سارے خدا کے مخلص بندے (جو لوگ خرچ کریں) راہِ حق میں مستحقین پر (اپنے مال کو رات دن پوشیدہ اور علانیہ)---یا---ان میں سے کسی وقت بھی کسی طریقے سے، (تو ان) سب (کیلئے انکے) صدقوں (کا اجر ہے) ہمیشہ رہنے والی جنت، اور نہ ختم ہو سکنے والی نعمت کی شکل میں (انکے رب کے پاس، اور) مزید براں (نہ ان پر) کبھی کسی کا اور کسی طرح کا مضرت رساں (کوئی خوف) ہوگا (اور نہ) ہی (وہ رنجیدہ) خاطر (ہوں) گے۔

ان کیلئے خوف وغم کا سوال ہی کیا کیونکہ وہ 'عند ربہم' کے 'مقام عندیت' سے سرفراز کئے جانے والے ہیں اور منصب قرب الٰہی پر فائز المرام ہو جانے والے ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ یَاۡكُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا كَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیۡطٰنُ

جو کھائیں سود کو، نہ کھڑے ہوں گے حشر میں مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ، جس کو خبطی بنا دیتا ہے آسیب

مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَیۡعَ

چھو کر۔ یہ اس سبب سے کہ انھوں نے کہا کہ بیع بس سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ حلال فرمایا اللہ نے بیع کو

وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَهٗ مَوۡعِظَةٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ فَانۡتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ

اور حرام فرمادیا سود کو۔ تو آگیا جسکے پاس پیغام نصیحت اسکے رب کی طرف سے، پھر وہ باز آگیا، تو اسی کا جو پہلے لے چکا۔

وَاَمۡرُهٗۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝

اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ اور جس نے پھر کیا تو وہ جہنم والے ہیں، اس میں مدتوں رہنے والے ●

آیاتِ سابقہ میں راہِ خدا میں صدقہ دینے کا ذکر تھا اور اب اسکی ضد یعنی سود کا ذکر فرمایا جارہا ہے تاکہ ایک ضد سے دوسری ضد کی اچھی طرح معرفت ہو جائے۔

---صدقہ و سود کے درمیان مندرجہ ذیل فرق نمایاں ہیں:

﴿۱﴾---صدقہ میں انسان کسی ظاہر اور دنیاوی معاوضہ کے بغیر ضرورتمند کو اپنے مال سے کچھ دیتا ہے اور اپنے مال کو کم کرتا ہے۔ اسکے برعکس، سود میں انسان ضرورتمند کو قرض دیکر ایک مدت معہود کے بعد اس سے اصل رقم سے ایک معین زیادتی کو وصول کرتا ہے اور

اپنے مال کو بڑھاتا ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔صدقہ دینے والا بلا معاوضہ اپنا مال دیتا ہے، جبکہ سود کھانے والا بلا معاوضہ دوسرے کا مال لیتا ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔صدقہ دینے والے کے مال میں اللہ برکت دیتا ہے اور سود کھانے والے کی برکت مٹاتا ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔صدقہ دینے والے کی نظر صرف آخرت کی بھلائی پر ہوتی ہے اور سود لینے والے کی نظر، صرف دنیا کی ظاہری بہتری پر ہوتی ہے۔

﴿۵﴾۔۔۔صدقہ کا باعث خدا ترسی اور ہمدردی ہے اور سود کا محرک خدا سے بے خوفی اور خود غرضی ہے۔

﴿۶﴾۔۔۔صدقہ دینے والا مشکلات میں مبتلاء لوگوں کو سہارا دیتا ہے اور سود کھانے والا مصیبت کے مارے لوگوں کی رگوں سے خون نچوڑتا ہے۔

۔۔سود کھانا، صدقہ دینے کی مکمل ضد ہے اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔اس وجہ سے قرآن مجید، ایمان کے بعد کفر، نور کے بعد ظلمت، اور جنت کے بعد دوزخ کا ذکر فرماتا ہے اور یہاں پر صدقے کے بعد سود کا ذکر فرمارہا ہے۔ [redacted]
تعبیر فرمایا ہے، اسلئے کہ [redacted]
جائے، مانگی واپس [redacted] اس سے کسی چیز کی وصولیابی کا شدید ہونا ظاہر ہوتا ہے۔۔۔المختصر۔۔۔سودی کاروبار ایک لعنت ہے، جو سود خوار کو حشر میں مخبوط الحواس کردینے والا ہے۔

تو (جو کھائیں سود) کے مال (کو) سودی معاہدے سے حاصل کردہ اس زیادتی کو جو بلا معاوضہ ہو، تو یہ سود خوار بعث ونشر کے واسطے جب اپنی قبروں سے اٹھیں گے، تو ان کے ہوش وحواس گم ہونگے، پیروں میں لرزہ ہوگا اور انکی کیفیت یہ ہوگی کہ وہ (نہ کھڑے ہونگے حشر) کے میدان (میں مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ، جس کو مخبطی بنادیتا ہے آسیب چھوکر)۔

اہل عرب کا گمان تھا کہ جب جن، آدمی کو مس کرتا ہے، تو اسکی عقل کو پریشان اور دماغ کو پراگندہ کردیتا ہے۔اس پر ایک جنونی کیفیت طاری ہوجاتی ہے، وہ مرگی زدہ لگنے لگتا ہے۔ مذکورہ جنونی کیفیت تو ہر دیکھنے والے کیلئے جانی پہچانی ہے اور مقصودِ کلام صرف اسی کیفیت

کی معرفت ہے۔۔یہ جنونی صورت حال کیوں پیدا ہوئی۔اسکے تعلق سے مختلف لوگوں کا گمان کیا ہے؟ سے قطع نظر یہاں مقصودِ کلام صرف اسی کیفیت کی معرفت ہے جولوگوں کے عام مشاہدے میں ہے۔۔۔الغرض۔۔۔میدانِ قیامت میں سودخوروں کی حالت دیوانوں جیسی ہوگی۔یہی دیوانگی انکی پہچان ہوگی،اسی کو دیکھ کراہل محشر سمجھ لیں گے کہ یہ سودخوار ہے۔

(یہ) دیوانگی اور مخبوط الحواسی **(اس سبب سے)** ہوگی کیوں **(کہ انھوں نے کہا بیع،بس سود ہی کی طرح ہے)**۔اپنے اس کلام میں ان لوگوں نے سود کی حلت میں کس قدر مبالغہ سے کام لیا اور سود کی حلت کو اصل اور مشبہ بہ قرار دیا۔۔۔نیز۔۔۔بیع کی حلت کو سود کی حلت پر قیاس کیا،اب اگر بالفرض وہ یوں کہتے کہ سود بیع کی طرح ہے تو یہ بات بھی اگرچہ پوری طور پر صحیح نہ ہوتی،مگر اتنا تو ہوتا کہ بیع کی حلت کے اصل ہونے کا اعتراف ہوجاتا۔یہاں تو معاملہ ہی الٹ دیا ہے اور سود کو حلت میں اصل قرار دے دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ،نہ بیع سود کی طرح ہے اور نہ ہی سود بیع کی طرح۔دونوں ایک طرح کیسے ہوسکتے ہیں۔

(حالانکہ حلال فرمادیا اللہ) تعالیٰ **(نے بیع کو،اور حرام فرمادیا سود کو)** تو خدا کا حلال فرمودہ خدا ہی کے حرام کردہ کی طرح کیسے ہوسکتا ہے۔ویسے بھی دیکھا جائے تو بیع وسود بہ چند وجوہ ایک دوسرے کی طرح نہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔تجارت کرنے والا تاجر منڈی سے تھوک فروشوں سے تھوک کے حساب سے سامان خریدتا ہے،وہاں سے کسی گاڑی میں سامان لاد کر لاتا ہے۔۔۔الغرض۔۔۔اپنا وقت،محنت،اور ذہانت کو استعمال کرتا ہے،پھر اس کو کسی کے ہاتھ کچھ زیادہ میں فروخت کردیتا ہے۔یہ زیادتی خود اسکی نظر میں اور اسکے خریدار کی نگاہ میں،اسکی محنت اسکی ذہانت اور اسکے وقت کا بدل قرار پاتی ہے۔اسکے برعکس سودخور۔۔۔مثلاً دس ہزار روپے پر ایک ماہ بعد جو دو روپے زیادہ لے رہا ہے،اسکے لئے اسکے وقت،محنت اور ذہانت میں سے کوئی چیز خرچ نہیں ہوتی۔

﴿۲﴾۔۔۔تاجر کیلئے تجارت میں نفع ونقصان دونوں کا امکان ہے۔اسکے برخلاف،سودخور جو اپنے روپے پر سود وصول کررہا ہے،اسکو نقصان کا کوئی خطرہ نہیں۔

﴿۳﴾۔۔۔تجارت میں مال اور قیمت کے تبادلے کے بعد بیع مکمل ہوجاتی ہے،لیکن سود میں اصل رقم واپس کردینے کے بعد بھی،اس پر سود در سود کا سلسلہ عرصہ دراز تک قائم رہتا ہے۔

ہر صاحب فہم مستقیم بآسانی فیصلہ کرسکتا ہے کہ حرکت وعمل کی تعلیم دینے والا، رشتے داروں کے ساتھ حسن سلوک، ہمسایوں سے ہمدردی، فقراء اور مساکین اور دیگر ضرورتمندوں کے ساتھ شفقت، اور ایثار کی تلقین کرنے والا دین اسلام، کسی ایسے کسب کی اجازت کیسے دے سکتا ہے، جس میں انسان کی کوشش اور جدوجہد کا دخل نہ ہو۔

وہ صدقہ کرنے اور قرض حسن دینے کی ترغیب دیتا ہے اور ضرورتمندوں کے استحصال سے منع کرتا ہے اور مال کو صرف جائز اور مشروع طریقے سے لینے کی اجازت دیتا ہے، جس میں کسی پر ظلم نہ ہو۔ اسلام چند ہاتھوں میں دولت کی مرتکز ہوجانے کو ناپسند کرتا ہے۔ ان اصولوں کی روشنی میں 'ربا' کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں۔۔۔ المختصر۔۔۔ 'ربا' کی حرمت میں حسب ذیل حکمتیں ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔ سود میں بغیر کسی عوض کے نفع ملتا ہے اور شریعت نے بغیر حق شرعی مال لینے کو ناجائز قرار دیا ہے اور کمزوروں اور ناداروں کے استحصال سے منع کیا ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔ سود خوری کی وجہ سے انسان بغیر کسی عمل کے پیسہ کمانے کا عادی ہوجاتا ہے۔ کیونکہ سود کے ذریعہ تجارت یا صنعت حرفت میں کوئی جدوجہد کئے بغیر پیسہ حاصل ہوجاتا ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔ سود خوری کی وجہ سے مفلسوں اور ناداروں کے دلوں میں امراء اور سرمایاداروں کے خلاف کینہ اور بغض پیدا ہوجاتا ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔ سود خوری کی وجہ سے صلہ رحمی کرنے، صدقہ وخیرات کرنے اور قرض حسن دینے والے مکارم اخلاق مٹ جاتے ہیں۔ پھر انسان ضرورتمند غریب کی مدد کرنے کے بجائے اس کو سود پر قرض دینے کو ترجیح دیتا ہے۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ سود اور بیع دونوں ایک طرح نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام فرمادیا ہے اور بیع کو حلال کردیا ہے۔

(تو) اب **(آگیا جسکے پاس)** سود کی حرمت کے تعلق سے **(پیغام، نصیحت اسکے رب کی طرف سے)** اور اس پر واضح ہوگیا کہ اسکے رب کریم نے سود لینا منع فرمادیا ہے **(پھر)** رب کی اس ہدایت کے بعد **(وہ باز آگیا)** اور فوراً ہی ہمیشہ کیلئے سودی کاروبار سے کنارہ کش ہوگیا اور سود لینے سے رک گیا **(تو)** وہ مال **(اسی کا)** ہے، **(جو)** مال سود کی حرمت کا حکم آنے سے پہلے، وہ **(لے چکا)** ہے، لہٰذا وہ مال اس سے واپس نہیں لیا جائیگا اور صرف یہی نہیں بلکہ رب کریم اپنے کرم سے اسکے سابقہ گناہ بخش

دے گا (اور اسکا معاملہ اللہ) تعالیٰ (کے سپرد ہے)۔

یعنی اسکے آنے والے زمانے کے مہمات اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگہبانی سے متعلق ہیں کہ وہ توفیق کو اسکی رفیق کرے گا، تاکہ وہ شخص اس گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور آئندہ سودخوری سے محفوظ رہے۔۔۔نیز۔۔۔جو شخص نصیحت پہنچنے کے بعد سودخوری چھوڑ دیگا، اسکو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جزا عطا فرمائیگا۔۔۔یا۔۔۔اپنے عدل سے جو چاہے گا، کرے گا، کسی کو اس پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ مالک اور حاکم علی الاطلاق ہے۔

(اور جس نے) سود کی حرمت جان لینے کے بعد اسکو حلال سمجھتے ہوئے **(پھر کیا)**، یعنی دوبارہ سود لے لیا۔۔۔الغرض۔۔۔اپنے قول وعمل سے اسکی حرمت کا منکر ہوگیا، **(تو وہ جہنم والے ہیں)** اور **(اس میں مدتوں رہنے والے)** ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کی حرمت کا انکار کفر ہے اور کافر کیلئے دائمی جہنم ہے۔

اب اگر کوئی سود کی حرمت کا انکار نہ کرے، پھر بھی سود لے، تو یہ بھی اگرچہ دائمی عذاب جہنم کا مستحق ہے، لیکن چونکہ اسکے پاس ایمان کی نیکی ہے اور رب کریم اپنے بندوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا، تو ان جیسوں کا معاملہ رب کریم کی مشیت کے حوالے ہے، وہ چاہے تو انھیں مدت دراز تک، عذاب میں مبتلا رکھے اور چاہے تو بالکل معاف فرمادے۔ عرصہ دراز تک دوزخ میں رکھنے کی تعبیر مجازاً لفظ 'دوام' سے بھی کردی جاتی ہے۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ۝

مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو۔ اور اللہ نہیں پسند فرماتا کسی ناشکرے گنہگار کو●

[redacted] کیونکہ **(مٹاتا ہے)** اور گھٹاتا ہے **(اللہ) تعالیٰ** **(سود)** کے مال **(کو)**، یعنی کتنا ہی زیادہ ہو، اسکا انجام نقصان وخسران ہی کی طرف کھینچتا ہے، اسلئے کہ سود کے مال سے اگر کوئی شخص صدقہ دے اور حج یا جہاد میں خرچ کرے، وہ قبول نہیں ہوتا، اس سے بڑھ کر نقصان اور کیا ہوگا؟

[redacted]

مہلک بیماری، آزاری، ناگہانی آفات [redacted] ہیں، کہ اس دولت سے [redacted] مثال کے طور پر اگر کسی کی آمدنی یومیہ ایک لاکھ روپے ہو، لیکن اسکے لازمی اخراجات ایک لاکھ سے زیادہ ہوں، تو کیا یہ اس شخص سے زیادہ بہتر اور مطمئن ہوسکتا ہے، جسکی یومیہ آمدنی صرف سو روپے ہے مگر اسکا یومیہ خرچ پچاس روپے سے زیادہ نہیں۔

ایک لاکھ کمانے والے کے مال کی بے برکتی اور سو روپے کمانے والے کے مال میں برکت، وہ ان کمانے والوں کی محنت۔۔۔یا۔۔۔عدم محنت کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ یہ سب قادرِ مطلق کے قبضہ واختیار کی بات ہے، جس نے طے فرمادیا ہے کہ وہ حرام کمائی کو اسکے نتیجہ وثمرہ کے لحاظ سے برباد فرماتا رہے گا اور حلال روزی میں برکتیں عطا فرمائیگا۔

چنانچہ وہ برکت عطا فرماتا ہے (**اور بڑھاتا ہے صدقات کو**) صدقے کتنے ہی کم ہوں اسکا ثواب زیادہ ہی ہوگا۔ اچھی طرح سے سن لو (**اور**) یاد رکھو کہ (**اللہ**) تعالیٰ (**نہیں پسند فرماتا**) سود کو حلال ٹھہرانے والے (**کسی ناشکرے**) کافر کو۔۔۔یونہی۔۔۔سود کھانے پر مصر رہنے والے (**گنہگار کو**)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

بے شک جو ایمان لائے اور نیک کام کیے، اور نماز قائم رکھی، اور زکوٰۃ دیا کیے، ان کے لیے ان کا اجر ہے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

اُن کے رب کے پاس۔ اور نہ اُن پر کوئی خوف اور نہ وہ رنجیدہ ہوں●

اللہ تعالیٰ کے مقبول ومحبوب بندے وہ ہیں (**بے شک جو ایمان لائے**) اللہ تعالیٰ کے امر ونہی پر (**اور نیک کام کیے**) حکم الٰہی کے مطابق کام انجام دیتے رہے (**اور نماز قائم رکھی**)، یعنی کما حقہ دائمی طور پر اسے ادا کرتے رہے (**اور**) صاحب نصاب ہونے کی صورت میں سال بسال قانون کے مطابق (**زکوٰۃ دیا کیے**) اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں برتی، تو یہ وہ نفوس قدسیہ والے ہیں کہ (**ان کیلئے انکا اجر ہے**) قیامت کے دن (**انکے رب کے پاس، اور نہ ان پر**) آنے والی کسی تکلیف کا (**کوئی خوف ہے**) (**اور نہ**) ہی (**وہ**) اپنی محبوب شے کے فوت ہوجانے پر (**رنجیدہ**) خاطر (**ہوں**) گے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۷۸﴾

اے ایمان والو! ڈرو اللہ کو اور چھوڑ دو جو بقایا ہے سود کا، اگر تم ایمان والے ہو●

اور اب جب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام فرما دیا ہے اور وہ سود خور کو پسند نہیں فرماتا، تو ایمانی مزاج کا تقاضہ یہ ہے کہ اگر اسلام قبول کرنے سے پہلے۔۔۔یا۔۔۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد، مگر سود کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے قبل، کسی نے کسی سے سودی لین دین کا معاہدہ کر لیا ہے، جیسا کہ بنی عمرو اور قبیلہ ثقیف والوں نے بنی مغیرہ مخزومی اور دوسرے قریشیوں سے کر رکھا تھا، تو اب سود کی حرمت کا حکم نازل ہو جانے کے بعد، ان پر لازم ہے کہ جس سے انھیں اپنے معاہدے کے حساب سے سودی رقم وصول کرنی ہے، وہ اس سے صرف اپنی دی ہوئی اصل رقم ہی وصول کریں۔ اور سودی رقم کو چھوڑ دیں اور اس کو حاصل کرنے کیلئے زور زبردستی کا مظاہرہ نہ کریں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔(اے ایمان والو! ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی اپنے نفسوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچاؤ (اور چھوڑ دو جو بقایا ہے سود کا)، یعنی جس سے تم نے سودی کاروبار کیا ہے اور اسکے پاس تمہاری جو سودی رقم بچ رہی ہے اور جس پر تمہارا قبضہ نہیں ہوا، تو اب تم اس کو پورے طور پر چھوڑ دو (اگر تم) حقیقی طور پر (ایمان والے ہو)، کیونکہ حقیقی ایمان کو مستلزم ہے کہ حکم الٰہی پر عمل کیا جائے۔

فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ

پس اگر تم نے یہ نہ کیا، تو تیار ہو جاؤ لڑائی کیلئے اللہ اور اس کے رسول سے۔ اور اگر تائب ہو گئے، تو تمہارے لیے تمہاری

أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۹﴾

اصل رقم ہے۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ●

(پس اگر تم نے یہ نہ کیا) جسکا تمھیں حکم دیا گیا ہے، یعنی حرام سے بچنے کا، تو اب اگر تم عمل نہیں کرو گے اور بقایا سود کو وصول کرو گے۔۔۔یا۔۔۔ سرے سے اسکی حرمت کا انکار کرو گے۔۔۔یا۔۔۔ حرمت کا اقرار تو ہے، لیکن پھر بھی اسکا ارتکاب کرو گے (تو) ان تمام صورتوں میں (تیار ہو جاؤ لڑائی کیلئے) ایک مخصوص قسم کی جنگ کیلئے، اتنی بڑی جنگ جسکا کسی کو اندازہ معلوم نہیں اور وہ بھی کس کی طرف سے، (اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول) کی طرف (سے)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب جہنم کے ذریعہ اور اسکے رسول کی طرف سے حق کی حمایت میں اٹھنے والی تلوار و جہاد کے ذریعہ۔

(اور) پھر تم (اگر تائب ہو گئے) جیسا کہ بنی عمرو اور قبیلہ ثقیف والے تائب ہو گئے اور بول پڑے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں، (تو تمہارے لئے تمہاری اصل رقم ہے)۔ تم انھیں مکمل طور پر اپنے مقروضوں سے لے لو اور (نہ) زاید مال لیکر (تم) اپنے مقروضوں پر (ظلم کرو اور نہ) ہی ایسا ہو کہ (تم ظلم کئے جاؤ) اور تم مظلوم ہو جاؤ۔۔۔ الغرض۔۔۔ انکی وجہ سے تمہارے لئے بھی کمی نہیں کی جائیگی کہ تمہیں اصل سے کم دیا جائے۔۔۔ یا۔۔۔ تمہارے مال میں خسارہ ڈالا جائے۔

یہ اسکے لئے ہے جو اپنی غلطی سے تائب ہوا اور اگر وہ تائب نہیں ہوا اور مومن ہو کر اس سوذی کاروبار سے باز نہیں آتا، تو اگر وہ عامی آدمی ہے تو قید کر کے اسے تعزیر کیا جائے اور قید میں بند رکھا جائے، یہاں تک کہ وہ اس غلطی سے سچے دل سے توبہ کر لے اور اگر وہ عامی آدمی نہیں، بلکہ ظاہری شان وشوکت کا مالک ہے، تو اس کے ساتھ امام وقت جنگ کا اعلان کرے، رب کریم کی اس اجازت کے پیش نظر کہ سود چھوڑ کر اصل رقم قرضدار سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا

اور اگر قرضدار تنگدست ہے تو حق مہلت ہے آسانی سے ادا کر سکنے تک۔ اور قرض معاف کردو

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

تو زیادہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر دانائی سے کام لو●

(اور اگر) صورت حال یہ ہے کہ تمہارا (قرضدار تنگ دست ہے) جیسا کہ ثقیف کے ساتھ یہی پیش آگیا تھا کہ جب انھوں نے اپنی اصل رقوم کا بنو مغیرہ سے مطالبہ کیا، تو بنو مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور کہا کہ اس وقت ہمارے پاس مال نہیں ہے اور کہا جس وقت ہمارے پھل اتریں گے، ہم اس وقت ادائیگی کر دیں گے۔ اب اگر ایسی صورت حال پیش آجائے (تو حق مہلت ہے آسانی سے ادا کر سکنے تک)۔ ایسی صورت میں اسکی فراخ دستی تک مہلت دینا واجب ہے (اور) اگر مہلت دینے کے بجائے (قرض معاف کردو تو) یہ (زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر دانائی سے کام لو) اور اس حقیقت کو سمجھ لو جو کچھ حق تعالیٰ فرماتا ہے اس میں دونوں جہاں کی مصلحت اور ہمیشہ کیلئے کامیابی ہے۔ معاف کر دینا اگرچہ مستحب ہے مگر اجر میں واجب سے زیادہ ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ إِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ

اور ڈرو اس دن کو کہ لوٹائے جاؤ گے جس میں اللہ کی طرف۔ پھر پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر ایک

مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

جو اس نے کمار کھا ہے اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے●

اے ایمان والو! آیات ربا میں مذکور ہدایات کو معلوم کر لینے کے بعد آخر میں اس بلیغ نصیحت کو ہوش وحواس کی کمال بیداری کے ساتھ سن لو (اور ڈرو اس دن کو کہ) جس دن تم سب لوگ اللہ سے ملاقات کرو گے اور (لوٹائے جاؤ گے جس) دن (میں اللہ) تعالیٰ کی بارگاہِ عظمت (کی طرف)۔اس دن تمہارے وہ برے اعمال سامنے آئینگے جو تم کو ہلاک کر دینگے اور تمہیں لوگوں کے سامنے شرمندہ ورسوا کرینگے۔ وہ اعمال کی جزا کا دن ہے۔ اس دن کوئی نیک عمل ہو سکے گا اور نہ کسی برے کام پر توبہ ہو سکے گی۔ وہ ثواب، عتاب اور محاسبہ کا دن ہے۔ اس دن ہر شخص کو اسکے کئے ہوئے کاموں میں پوری پوری جزا دی جائیگی۔ خواہ اسکے عمل نیک ہوں یا بد، خیر ہوں یا شر، اس دن ہر عمل سامنے آجائیگا اور کوئی چھوٹا یا بڑا عمل باقی نہیں بچے گا (پھر) اللہ تعالیٰ ان اعمال کی جزا دے گا۔۔۔ الغرض۔۔۔(پورا پورا بدلہ دیا جائیگا ہر ایک) کو اسکا (جو اس نے کمار کھا ہے اور وہ ظلم نہ کیے جائینگے) اور ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کی جائیگی۔

غور کرو اس ذات سے ظلم کیسے متصور ہو سکتا ہے جو برائی پر صرف اتنی ہی سزا دیتا ہے جتنی وہ برائی ہو اور نیکی کا دس گنا اجر بڑھا کر دیتا ہے، بلکہ کبھی ایک نیکی پر سات سو گنا، کبھی اس سے بھی زیادہ اور کبھی بے حساب اجر دیتا ہے۔ اے بدکار! وہ تجھ پر عدل کرے گا، تو اس دن کے آنے سے پہلے توبہ کر لے اور اپنے آپ کو اسکے فضل وکرم کا سزاوار کر لے اور اے نیکوکار! اس دن کے آنے سے پہلے اپنی نیکیوں کو اور بڑھا لے، وہ تجھ پر فضل کریگا۔

[redacted]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۗ وَلْيَكْتُبْ

اے ایمان والو! جب لین دین کا معاملہ کرو قرض کی صورت میں مدت مقرر تک، تو اس کو لکھ لو۔ اور لکھے والے کو چاہیے

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ فَلْيَكْتُبْ

کہ تمہارے درمیان انصاف سے لکھے، اور کاتب کتابت سے انکار نہ کرے جیسا کہ اس کو اللہ نے سکھادیا، تو اس کو لکھنا چاہیے۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا فَإِنْ

اور لکھے لکھائے وہ جس پر حق ہے، اور وہ ڈرے اللہ اپنے رب کو، اور کم نہ کرے اس حق سے کچھ۔ پس اگر

كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ

جس پر حق ہے، وہ بے وقوف یا کمزور ہو یا لکھ لکھا نہ سکتا ہو،

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا

تو اس کا ولی لکھاوے انصاف سے۔ اور گواہی کرالو دو گواہوں کی اپنے مردوں سے۔ پھر اگر

رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا

دو مرد نہ ہوں، تو ایک مرد اور دو عورتیں جو مرضی مطابق ہوں گواہوں سے، ان عورتوں میں ایک بھول جائے تو یاد

فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ

دلا دے ایک دوسری کو۔ اور نہ انکار کریں گواہ لوگ جب بلائے جائیں۔ اور سستی نہ کرو، چھوٹا معاملہ ہو

صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا

یا بڑا، اس کی میعاد تک لکھنے میں یہ اللہ کے نزدیک بڑا انصاف اور گواہی کیلئے زیادہ مضبوط، اور تمہارے شک میں نہ پڑنے کیلئے

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

زیادہ قریب ہے، مگر یہ کہ دکانداری نقد ہو کہ باہم ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہو تو تم پر کوئی الزام نہیں

أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ وَإِنْ

اس کے نہ لکھنے کا۔ اور گواہ کرلیا کرو جب خرید و فروخت کرو۔ اور نہ نقصان پہنچے پہنچائے کاتب، اور نہ گواہ۔ اور اگر یہ

تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

کیا، تو بے شک یہ تمہاری نافرمانی ہے، اور اللہ کو ڈرو، اور سکھاتا ہے تم کو اللہ، اور اللہ ہر ایک کو جاننے والا ہے●

اس سے پہلی آیتوں میں صدقہ دینے اور سود نہ لینے کا حکم دیا تھا اور ان آیتوں میں کاروبار اور تجارت میں لین دین کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ صدقہ دینا اور سود نہ لینا، مال میں کمی کا سبب ہے اور تجارت مال میں افزائش کا سبب ہے۔ اس سے پہلے رکوع میں سود کا ذکر تھا اور اس رکوع میں کاروبار میں ادھار کے تحفظات کا ذکر ہے۔ سود قرض کی ناجائز صورت

ہے اور کاروبار میں 'بلاسود قرض' قرض کی جائز صورت ہے۔

صدقہ اور قرض میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور تعاون ہے اور سود میں سنگدلی ہے اور سرکشی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر کے مال میں اضافہ کرنے کے ناجائز طریقہ سے روکا اور تجارت کو حلال کر کے مال میں اضافہ کرنے کے جائز طریقے کی طرف رہنمائی کی۔ اور شرعی عقود میں جس عقد کا بدل قرض ہو، اسکے تحفظات اور معاملات میں صفائی کیلئے یہ ہدایات فرمائی کہ۔۔۔

(اے ایمان والو! جب لین دین کا معاملہ کرو قرض کی صورت میں) کسی **(مدت مقررہ تک)** کیلئے جس میں مہینہ۔۔۔یا۔۔۔برس نامزد کردیا گیا ہو **(تو اس)** سے متعلق ضروری تفصیلات یعنی معاملہ کے وصف، معاملہ کرنے والوں کے نام، مبلغ حق اور مقدار مدت، ان ساری باتوں **(کو)** دستاویز میں **(لکھ لو اور لکھنے والے کو چاہیئے کہ تمہارے درمیان انصاف سے لکھے)** اور درستی وسچائی کا طرز عمل اپنائے۔ لکھنے میں مدت اور مال میں کمی زیادتی نہ کرے **(اور)** کوئی بھی **(کاتب)** جسے کتابت کیلئے طلب کیا جائے وہ **(کتابت سے انکار نہ کرے)**۔ فراغت وفرصت ہونے کی صورت میں یہ کتابت بعض کے نزدیک فرض عین ہے۔ ایک قول پر پہلے فرض عین تھا، پھر **وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ** سے منسوخ کردیا گیا۔

ایک دوسرے قول پر یہ فرض کفایہ ہے اور بعضوں کے نزدیک مستحب ہے، یعنی جب اس سے لکھنے کیلئے کہا جائے، تو اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ وہ انکار نہ کرے اور مہربانی کا مظاہرہ کرے **(جیسا کہ)** اس پر مہربانی فرماتے ہوئے **(اس کو اللہ)** تعالیٰ **(نے)** لکھنا **(سکھادیا)** ہے **(تو اسکو)** بھی **(لکھنا چاہیئے)** اور لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیئے۔

(اور) یہ بھی خیال رہے کہ از خود **(لکھے)** یا کسی سے **(لکھائے)** یہ کام **(وہ)** کرے **(جس پر حق ہے)**، یعنی جس نے قرضہ لیا ہے کیونکہ وہی 'مشہود علیہ' ہے۔ پس ضروری ہے کہ تحریر میں اسکا اقرار تحریر کرے **(اور)** چاہیئے کہ **(وہ)** لکھنے والا۔۔۔یا۔۔۔لکھانے والا **(ڈرے)** **(اللہ)** تعالیٰ **(اپنے رب کو اور کم نہ کرے)** اقرار کے وقت **(اس حق سے)** جو اس پر ہے **(کچھ)** بھی۔

چونکہ اس میں منھیٌ عنہٗ کے ارتکاب کے اسباب پائے جاتے ہیں، اسلئے کہ انسان فطری طور پر چاہتا ہے کہ ضرر ونقصان سے بچے اور جو اسکے ذمہ ہے یا تو سرے سے نہ ہو یا ہو تو بالکل کم، اسلئے مذکورہ ارشاد میں لکھانے والے پر سخت پابندی کی گئی ہے اور ایک طرف اسے اللہ تعالیٰ

سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہے اور دوسری طرف بَخسْ یعنی کمی کرنے سے روکا گیا ہے۔

(پس اگر) وہ (جس پر حق ہے وہ بے وقوف) ناقص العقل، فضول خرچ اور حد سے زیادہ خرچ کرنے والا ہو (یا کمزور ہو)۔۔۔مثلاً: لڑکا ہو۔۔یا۔۔بوڑھا بے کار ہو (یا لکھ لکھا نہ سکتا ہو) یعنی خود بخود لکھانے سے عاجز ہو، مثلاً: گونگا ہو۔۔یا۔۔دستاویز نویسی سے ناواقف وجاہل ہو۔۔یا۔۔اسی طرح کے دوسرے عوارض ہوں (تو) چاہئے کہ (اسکا ولی) جو اس کے جملہ امور کا منتظم ہو۔۔یا۔۔اسکے قائم مقام ہو مثلاً: بااختیار متولی۔۔یا۔۔وکیل۔۔یا۔۔مترجم وغیرہ وغیرہ، اس کی طرف سے (لکھادے انصاف سے) جس میں نہ کمی ہو نہ زیادتی۔

(اور) ان سے دو گواہ طلب کرو تاکہ وہ صحیح صحیح باتیں بتا سکیں جو تمہارے درمیان لین دین کا معاملہ طے ہوا۔۔۔المختصر۔۔۔(گواہی کرالو دو گواہوں کی) تم (اپنے مردوں سے) جو دیندار، آزاد، بالغ اور مسلمان ہوں، اسلئے کہ یہ کلام الٰہی معاملات سے متعلق ہے۔ (پھر اگر دو مرد) گواہ (نہ ہوں) یعنی بروقت کسی وجہ سے دو مرد گواہی کیلئے نہ مل سکیں (تو) چونکہ یہ معاملہ حدود و قصاص سے متعلق نہیں ہے، اسلئے (ایک مرد اور دو عورتیں جو) تمہاری پسند اور (مرضی) کے (مطابق ہوں گواہوں سے) یعنی جنھیں تم گواہ بنانا چاہتے ہو۔ ظاہر ہے کہ ان میں بعض ایسے ہونگے جنھیں تم گواہی کیلئے پسند کروگے، اسلئے کہ ان کی اہلیت اور ان پر تمہارا اعتماد صرف تمھیں کو معلوم ہے۔

اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے معاملہ کو لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ یہ حکم استحبابی ہے جس میں ہمارے لئے بہتری اور خیر خواہی ہے اور یہ دین ودنیا میں احتیاط کیلئے ہے۔۔۔الغرض۔۔۔اس میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں۔ اب رہ گئی یہ بات کہ عورتوں کی گواہی میں تعدد کی علت کیا ہے؟ تو یہ اسلئے کہ عام طور پر عورتیں ناقص العقل ہوتی ہیں اور عموماً وہ بھول کا شکار ہو جاتی ہیں۔

تو احتیاطاً ان کے ساتھ دوسری عورت کو شامل کر دینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر بالفرض (ان عورتوں میں) سے (ایک بھول جائے، تو یاد دلادے) ان میں سے (ایک) یاد رکھنے والی (دوسری) بھول جانے والی خاتون (کو)۔

اس مضمون کے بعد اب گواہوں کو گواہی دینے پر ترغیب دی جارہی ہے۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔ارشاد ہے جسے سنو (اور) یاد رکھو کہ (نہ انکار کریں گواہ لوگ، جب) گواہی

کے ادا کرنے۔۔۔یا۔۔۔گواہ بننے کیلئے وہ (بلائے جائیں)۔

۔۔۔الختصر۔۔۔جب مدعی شاہد کو بلائے تو شہادت کو چھپانا جائز نہیں بلکہ شہادت ادا کرنا فرض ہے۔۔۔ہاں۔۔۔تحمل شہادت کرنا مستحب ہے۔۔۔الغرض۔۔۔ادائے شہادت اور ہے اور تحمل شہادت اور ہے۔

تو اے شاہدو! جب تمہیں گواہی کیلئے طلب کیا جائے، تو تم انکار نہ کرو۔۔۔الختصر۔۔۔اس طرح کے معاملات قلمبند کرلیا کرو (اور) کسی طرح کی (سستی) کا مظاہرہ (نہ کرو)۔۔۔نیز۔۔۔کسی طرح کا ملال ظاہر نہ کرو۔ اگرچہ قرض کے معاملات بکثرت ہوں، (چھوٹا معاملہ ہو یا بڑا) قلیل ہو۔۔۔یا۔۔۔کثیر۔ مجمل ہو یا مفصل، یعنی مقروض کے جو کچھ ذمہ ہے اسے اسکے اقرار کے مطابق (اسکی) مقرر کردہ (میعاد تک لکھنے میں)۔۔۔الحاصل۔۔۔اسطرح کے معاملات کو لکھ کر محفوظ کر لینے ہی میں بہتری ہے۔ اے ایمان والو! (یہ) تمہارا مقرر کردہ میعاد کو لکھ لینا (اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک) یعنی اسکے حکم میں زیادہ اچھا، موزوں اور (بڑا انصاف) ہے اور (گواہی) دینے اور اسے قائم رکھنے (کیلئے زیادہ) ثابت، معین و مددگار (مضبوط اور تمہارے شک میں نہ پڑنے کیلئے زیادہ قریب ہے)۔

۔۔۔الختصر۔۔۔تمہارے شک کو دور کرنے کیلئے، یہی طریقہ قریب تر ہے کہ اس میں یقین ہوگا کہ قرضہ کون سی شے ہے؟ اور اس کی کتنی مقدار ہے؟ اور اسکی میعاد کیا ہے؟ اور اسکے کون کون گواہ ہیں؟ وغیرہ، وغیرہ۔

ہاں (مگر یہ کہ دکان داری نقد ہو کہ باہم ہاتھوں ہاتھ پھراتے ہو) یعنی وہ تجارت جو تمہارے درمیان چلتی رہتی ہے، دونوں بدل حاضر و موجود ہوتے ہیں اور لین دین دست بدست ہوتی ہے (تو تم پر کوئی الزام نہیں اس کے نہ لکھنے کا) چونکہ یہ نقدی سودا ہے۔ تو اس میں نہ جھگڑے کا خطرہ ہے اور نہ ہی بھولنے کا۔ (اور) خیال رکھو کہ (گواہ کرلیا کرو جب) جب (خرید و فروخت) کیا (کرو) بیع کا لین دین ہو۔۔۔یا۔۔۔کسی قسم کا لین دین ہو، گواہ بنانا احتیاطاً ہے (اور) یہاں اس بات کا بھی لحاظ رہے کہ (نہ نقصان پہنچائے کاتب اور نہ گواہ)، یعنی نہ تو کاتب یا گواہ کسی کو نقصان پہنچائے اور نہ ہی کاتب و گواہ کو کوئی تکلیف دے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔جب کاتب کو لکھنے کو طلب کیا جائے، تو وہ آئے اور کام بنا دے۔ اور بلانے والے کو نہ لکھ دینے سے ضرر نہ پہنچائے اور کتابت مقصودہ کو لکھنے سے باز نہ رہے۔۔۔

یونہی۔۔۔گواہ شہادت معلومہ کے ادا کرنے سے نہ رکے۔۔۔یونہی۔۔۔اگر کاتب وگواہ کسی کام میں مشغول ومصروف ہوں اور دوسرا کاتب وگواہ بہ آسانی مل جاتا ہو، تو پھر خواہ مخواہ کیلئے پہلے والے کاتب وگواہ کا وقت ضائع کر کے انھیں دکھ نہ پہنچائے۔

(اور اگر یہ کیا) یعنی جس کام سے روکا گیا، اسی کا ارتکاب کر بیٹھے، (تو بیشک) تمہارا (یہ) عمل (تمہاری) کھلی (نافرمانی ہے) اور اطاعت الٰہی سے باہر ہونا اور فاسقوں میں شامل ہونا ہے، لہٰذا ایسا نہ کرو (اور اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) اور اس کے اوامر ونواہی کی مخالفت سے بچو، جس میں سے ایک یہ نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا بھی ہے۔ باخبر کرتا ہے (اور سکھاتا ہے تم کو اللہ) تعالیٰ اپنے احکام کو جن میں بے شمار حکمتیں ہیں (اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک) شے (کو جاننے والا ہے)۔ تمہارے احوال اس سے مخفی نہیں اور تمہیں ان کی جزا دے گا۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔حقوق العباد کی رعایت واجب ہے۔ امور دینی ہوں یا دنیوی، اموال پر احتیاط لازم ہے۔ جو شخص حق کیلئے سعی کرتا ہے، وہ نجات پا گیا ورنہ گمراہی کے گڑھے میں پھنسا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ

اور اگر تم مسافر ہو اور کسی کاتب کو نہیں پایا، تو رہن باقبضہ ہو پھر اگر امین بنایا تم میں سے بعض نے

بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ

بعض کو، تو ادا کرے جو امین بنایا گیا اس کی امانت کو، اور ڈرے اللہ اپنے رب سے۔ اور نہ چھپاؤ گواہی کو۔

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع

اور جو اس کو چھپائے تو اس کا دل گنہگار ہے۔ اور اللہ تمہارے کئے کو جاننے والا ہے●

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ جس طرح کاتب وشاہد اعتبار واعتماد کے ذرائع میں سے ہیں۔۔۔یونہی۔۔۔اعتبار واعتماد کی ایک صورت اور بھی ہے۔

(اور) وہ یہ کہ (اگر تم مسافر) یا عازم سفر (ہو)، سفر کی طرف متوجہ ہو اور تمہیں دَین پر مبنی کوئی معاملہ کرنا ہو (اور) صورت حال یہ ہو کہ تم نے (کسی) دستاویز نویس (کاتب کو نہیں پایا) یا فوری طور پر کاغذ، قلم اور دوات میسر نہیں کہ کتابت کرائی جا سکے، (تو) پھر ایسے (رہن) جو (باقبضہ ہو) کی بنا پر دَین کا معاملہ کرو (پھر اگر امین بنایا تم میں سے بعض نے بعض کو) اور اس پر اعتبار کیا اور اسکے تعلق سے

سے نیک گمان کیا (تو) چاہئے کہ وہ (ادا کرے جو امین بنایا گیا) اور جس پر اعتبار واعتماد کیا گیا (اس) امین بنانے والے (کی امانت کو)۔

۔۔۔المختصر۔۔۔ اگر تم سفر میں ہو اور تم کو کسی شخص سے کوئی چیز ادھار خریدنی ہے اور 'بائع' کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے تمہیں دورانِ سفر کاتب یا گواہ دستیاب نہ ہوں، تو پھر ایسی صورت میں، 'بائع'، کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے، اپنی کوئی چیز اسکے پاس رہن رکھ دو، جس پر 'بائع' صرف قبضہ کرے گا، وہ اس میں تصرف کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کا مجاز اور مختار نہیں ہے۔

اس مقام پر رہن رکھنے کیلئے سفر میں ہونے کی قید اتفاقی ہے، اسلئے کہ 'احکام القرآن للجصاص' کی تصریح کے مطابق تمام شہروں کے فقہاء، اور عامۃ السلف کے نزدیک شہر میں بھی کسی چیز کا گروی رکھنا جائز ہے۔۔۔الحاصل۔۔۔ امین پر لازم ہے کہ اس پر جو اعتماد کیا گیا ہے، اسکا پاس ولحاظ رکھے اور امانت کو ادا کردینے میں کسی خیانت کا مظاہرہ نہ کرے۔

(اور) ایسا کرنے سے (ڈرے اللہ) تعالیٰ (اپنے رب) معبود (سے)۔ یہ امر وجوب کیلئے ہے اور اس پر اجماع ہے کہ قرضوں کا ادا کرنا واجب ہے۔ حاکم کو چاہئے کہ وہ مقروض کو قرض ادا کرنے کا حکم دے۔ اور مقروض کو قرض ادا کرنے پر مجبور کرے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے ظاہر ہوگیا کہ اعتماد کی صورت میں 'وثیقہ' لکھوانے، گواہ بنانے اور گروی رکھنے کو ترک کرنے کی رخصت ہے۔

اے گواہو! جب تمہیں حاکم کی طرف بلایا جائے، تو تم گواہی کو صحیح طریق سے ادا کرو، (اور نہ چھپاؤ گواہی کو) بایں طور کہ گواہی ادا کرنے سے اپنے کو روک لو۔ اچھی طرح یاد رکھو، اگر تمہاری گواہی نہ دینے سے صاحبِ حق کا حق ضائع ہوجاتا ہو، تو تمہارا یہ گواہی چھپانا حرام ہے، جس پر سخت وعید نازل فرمائی گئی ہے، تو اچھی طرح سن لو (اور) یاد رکھو کہ (جو اس کو چھپائے، تو اس کا دل گنہگار ہے) اور ظاہر ہے کہ جب دل فاسد ہوگیا تو سارا جسم فاسد ہوگیا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ گواہی چھپانے کا تعلق فقط زبان کے گناہوں سے نہیں، بلکہ اسکا تعلق دل سے بھی ہے۔ دراصل گناہ کا اصلی تعلق تو قلب ہی سے ہے۔ دل ہی اسکا ارتکاب کرتا ہے، زبان تو صرف دل کی ترجمان ہوتی ہے۔

اس مقام پر اچھی طرح جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (تمہارے) گواہی چھپانے

۔۔۔یا۔۔۔گواہی ظاہر کرنے کے ہر ہر عمل اور ہر ہر (کئے کو جاننے والا ہے)۔تو اے لوگو! ہوش وحواس کی صحت وسلامتی کا مظاہرہ کرواور اچھی طرح یقین کرلو کہ۔۔۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اگر علانیہ کرگزرو جو تمہارے دلوں میں ہے،

اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

یا دل میں ہی رکھ کر چھپالو، جواب طلب کریگا تم سے اسکا اللہ۔ تو جس کو چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں) میں ہے (اور جو کچھ زمین میں ہے) آسمان اور زمین کی حقیقت میں امور داخلہ ہوں یا خارجہ، جوانہی سے حاصل ہونے والے ہیں، وہ 'ذوی العقول' ہوں کہ 'غیر ذوی العقول' سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ پیدائش وملک وتصرف کے لحاظ سے کسی وجہ سے بھی کوئی اسکا شریک نہیں۔ لہٰذا اسکے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کرو (اور اگر علانیہ کرگزرو) اور ظاہر کردو قولاً وفعلاً عزم بالجزم کر کے اس برائی کو (جو تمہارے دلوں میں ہے یا دل ہی میں رکھ کر چھپالو) یعنی اسے لوگوں سے ایسا پوشیدہ کرو کہ کسی کو بھی اسکی اطلاع نہ ہوسکے اور ہر طرح سے ان سے مخفی رہے جیسے گواہی چھپانا، مشرکین سے دوستی کرنا اور دیگر مناہی کا خفیہ ارتکاب۔

[redacted]

۔۔۔المختصر۔۔۔قیامت کے دن (جواب طلب کرے گا تم سے اس) تمہارے ظاہر و پوشیدہ ہر ہر عمل (کا اللہ) تعالیٰ، (تو) اب اسے پورا پورا اختیار ہے کہ وہ (جس کو چاہے بخشے)، خواہ وہ گناہِ کبیرہ ہی کیوں نہ ہو (اور جسے چاہے عذاب دے)، خواہ وہ گناہِ صغیرہ والے ہی کیوں نہ ہوں۔ (اور) بیشک (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) تو مغفرت۔۔۔یا۔۔۔تعذیب، جسکے ساتھ جو چاہے کرے۔

مغفرت اگر اسکا فضل ہے تو تعذیب اس کا عدل ہے اور وہ قادر مطلق اپنے ہر چاہے پر

قدرت والا ہے۔ یہ بھی رب کریم کا فضل ہے کہ اگر کسی کے دل میں اچانک برائی کا خیال آجائے جسے 'هاجس' کہتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔برائی کا بار بار خیال آئے جسے 'خاطر' کہتے ہیں ۔۔۔یا۔۔۔جس برائی کا خیال آئے، ذہن اسکی طرف راغب ہو اور اسکے حصول کیلئے منصوبہ بنائے، جسے 'حدیث نفس' کہتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔اس برائی کو حاصل کرنے کا رجحان غالب ہو، ساتھ ہی ساتھ کسی اندیشے کے پیش نظر ایک مغلوب خیال یہ بھی کہ اسکو حاصل نہ کیا جائے، اسکو 'هم' کہتے ہیں۔ ان تمام صورتوں میں مواخذہ نہیں ہوتا، لیکن اگر 'مغلوب جانب' بھی زائل ہو جائے اور اس چیز کے حصول کا پختہ ارادہ ہو جائے اور وہ اپنے نفس کو اسکے حصول پر آمادہ کرلے اور اسکی نیت کرلے جسے 'عزم' کہا جاتا ہے، تو وہ مستحق مواخذہ ہے، خواہ اسکے بعد گناہ کا فعل نہ کرے۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز کا مالک ہے، خالق ہے اور ہر چیز اسکی مملوک و مخلوق ہے، تو مالک کو حق ہے کہ اپنی مملوک کو جس چیز کا چاہے مکلف کرے۔ چنانچہ اس نے ہمیں توحید و رسالت اور قیامت اور جزا اور سزا کے ماننے کا مکلف کیا اور اس سورۃ مبارکہ میں بہت سارے اسلامی عقائد و اعمال کے اصول و فروع کو بیان فرما کر ان عقائد کو ماننے اور اعمال پر عمل کرنے کی تکلیف دی اور پھر اپنے ان ماننے والوں کی عظمتوں کو ظاہر فرمانے کیلئے، انکا ذکر خیر کیا اور فرمایا کہ۔۔۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

مان لیا رسول نے جو کچھ اتارا گیا ان کی طرف انکے رب کی جانب سے اور سب ایمان والے، ہر ایک نے مان لیا اللہ کو

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا

اور اسکے فرشتوں کو اور اسکی کتابوں کو اور اسکے رسولوں کو کہ ہم فرق نہیں کرتے اللہ کے رسولوں سے کسی کے ماننے میں، اور سب نے کہا کہ

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝

ہم نے سنا اور اطاعت کی تیری۔ بخشش ہو اے ہمارے پروردگار اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے ●

(مان لیا رسول نے) منصب رسالت کے تحمل اور تبلیغ کے ساتھ **(جو کچھ اتارا گیا ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے)**، یعنی قرآن کی آیتیں، دین کے احکام اور شرع کے حقوق۔ رسول کریم تو پہلے ہی سے ایمان والے تھے، لیکن کلام الٰہی کا نزول جیسے جیسے ہوتا گیا، آپ تفصیلی طور پر علم و تصدیق

والے ہوتے گئے (اور) آپ ہی کی ہدایت کی روشنی میں (سب ایمان والے) بھی مانتے چلے گئے۔ ہاں ایمان والوں کا ماننا اقرار و تصدیق کے ساتھ رہا۔

[redacted]

اور ارشاد فرمایا کہ پیغمبر اور انکے متبع الغرض (ہر ایک نے مان لیا اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی اسکے وجود ازلی وابدی کو، اسکے اسماء حسنیٰ اور صفات جلال و جمال کو۔۔۔نیز۔۔۔اسکے مضبوط افعال اور کامل احکام کو (اور اس کے فرشتوں کو) کہ حضرت کبریا کے مقرب ہیں، اسکی بیٹیاں نہیں ہیں اور حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں انبیاء کے پاس اور رسولوں کے وحی آنے کا سبب ہیں (اور اسکی کتابوں کو) جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہیں، وہ سب حق ہیں اور اللہ کا کلام ہیں، مخلوق نہیں ہیں۔ (اور اسکے رسولوں کو) کہ سب پاک ہیں، معصوم ہیں اور برگزیدہ ہیں اور وحی الٰہی پڑھنے والے اور راہِ حق کی طرف بلانے والے ہیں۔

۔۔۔نیز۔۔۔ نبی کریم اور سارے مسلمان لوگ کہتے ہیں (کہ ہم فرق نہیں کرتے اللہ) تعالیٰ (کے رسولوں سے کسی کے ماننے میں) کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، بلکہ ہم سب پر ایمان لاتے ہیں بخلاف یہود و نصاریٰ کے، کہ حسد کی وجہ سے بعض رسولوں کے منکر ہیں۔ یہ مسلمان ان سرکش لوگوں کی طرح نہیں ہیں، جو کلام الٰہی سن کر کہتے ہیں 'سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا' ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور نہیں تسلیم کیا، بلکہ ان اطاعت شعاروں نے سعادت مندی کا مظاہرہ کیا (اور سب نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی تیری) پھر کمال شان بندگی اور غایت عجز و انکساری کے ساتھ سب نے التجا کی کہ ہم پر تیری (بخشش) کا نزول (ہو) اور تو ہماری مغفرت فرما۔ (اے ہمارے پروردگار) تیرے سوا ہمارے لئے کوئی ملجاء و ماویٰ اور مفر و مقر نہیں (اور) بالآخر ہمیں (تیری ہی) بارگاہِ عظمت و رحمت کی (طرف لوٹنا ہے)۔

[redacted]

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا

نہیں حکم دیتا اللہ کسی کو مگر اس کی سکت بھر، اسی کا نفع ہے جو نیکی کمائی، اور اس پر وبال ہے جو بدی حاصل کی، پروردگارا

لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

ہم پر گرفت نہ کر اگر ہم بھول گئے یا چوک گئے۔ پروردگارا اور نہ رکھ ہم پر بوجھ، جس طرح

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ

تو نے رکھا تھا ان پر جو ہم سے پہلے تھے۔ پروردگارا نہ بوجھل کر ہم کو اس سے جس کی ہم کو سکت نہیں، اور معاف فرمادے ہم کو۔

وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؁

اور بخش دے ہم کو۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا مولی ہے تو ہماری مدد فرما، قوم کفار پر ●

(نہیں حکم دیتا اللہ) تعالیٰ (کسی کو مگر اسکی سکت بھر) یعنی اسی کام کا حکم دیا جائے جس کو انجام دے سکنے کی اس میں قدرت ہو تو (اسی) ذات مکلف (کا نفع) اور فائدہ (ہے) اس میں (جو نیکی) اس نے (کمائی) یعنی بآسانی کار خیر انجام دے کر حاصل کی (اور اس پر) ہی (وبال ہے) برا انجام ہے اس برائی کا (جو بدی) اس نے بڑی محنت ومشقت سے (حاصل کی) ہے۔

اس مقام پر سعادت مندوں اور اطاعت شعاروں کے دلوں سے یہی التجا نکلتی ہے کہ (پروردگارا)، اے ہمارے رب (ہم پر گرفت نہ کر) اور ہم پر کوئی عذاب نازل نہ فرما۔ (اگر ہم بھول گئے) اور کوئی نیک کام ہم سے فوت ہو گیا، (یا چوک گئے) یعنی بے قصد وارادہ کسی ممنوع کام کے مرتکب ہو گئے۔ یونہی (پروردگارا) (اور)، اے ہمارے رب (نہ رکھ ہم پر) ہمارے اوپر بھاری (بوجھ) (جس طرح) کا بھاری بوجھ (تو نے رکھا تھا) ان پر (جو ہم سے پہلے تھے) یعنی یہود ونصاری جن پر تکالیف شاقہ اور سخت احکام نازل فرمائے گئے تھے۔

۔۔۔نیز۔۔۔ (پروردگارا) اے ہمارے رب (نہ بوجھل کر ہم کو اس سے جسکی ہم کو سکت نہیں) ہمارے سروں پر وہ وزن نہ رکھ جو ہم اٹھا نہ سکیں۔۔۔الغرض۔۔۔ وسوسوں اور دلوں میں بے قصد وارادہ آجانے والے خیالات پر ہماری گرفت نہ فرما، اسلئے کہ اپنے کو ان سے بچانا ہمارے بس سے باہر ہے (اور معاف فرمادے ہم کو) ہماری خطاؤں اور ہماری بھول چوک کو، (اور بخش دے ہم کو) ہمارے چھوٹے بڑے گناہوں کو، (اور ہم پر رحم فرما) ہماری عبادت قبول فرما کر۔ (تو ہمارا مولی ہے) ناصر ومددگار ہے، کام بنانے والا ہے (تو ہماری مدد فرما) اور فتح ونصرت عطا فرما (قوم کفار پر) کافر لوگوں پر۔۔۔۔ ﴿آمین﴾

﴿۱﴾۔۔۔حضرت عطا راوی ہیں کہ 'سورۃ بقرہ' کی ان دو آیتوں کو جب حضرت جبرائیل نے نبی کریم کے سامنے پڑھا، تو آپ نے کہا۔۔۔﴿ امین﴾

﴿۲﴾۔۔۔حضرت عبداللہ ابن مسعود کی روایت ہے کہ جس نے رات میں سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو پڑھا وہ اسکے لئے کافی ہے۔

﴿۳﴾۔۔۔حضرت عقبہ ابن عامر راوی ہیں کہ سورۃ بقرہ کی آخری دو آیتوں کو بار بار پڑھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وجہ سے اپنے نبی علیہ السلام کو فضیلت دی ہے۔

﴿۴﴾۔۔۔حضرت ابوذر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورۃ بقرہ کی دو آیتیں عرش کے نیچے سے دی گئی ہیں۔ مجھ سے پہلے یہ کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔

﴿۵﴾۔۔۔حضرت شداد بن اوس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب لکھی، اس میں سے دو آیتیں نازل کیں اور سورۃ بقرہ کو ان پر ختم کیا۔ جس گھر میں تین راتیں ان دو آیتوں کو پڑھا جائیگا، اس گھر میں شیطان نہیں ٹھہرے گا۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج ۲۸ اپریل ۲۰۰۸ء بروز دوشنبہ۔۔۔سورۃ البقرۃ کی تفسیر مکمل ہوگئی

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ ۳

یہ سورت 'ترتیب مصحف' کے اعتبار سے 'تیسری سورت' ہے اور نزول کے اعتبار سے 'سورہ انفال' کے بعد ہے۔ یہ سورت مدنی ہے اور اسکیں بالاتفاق دوسو آیتیں ہیں اور بیس رکوع ہیں۔ اس سورۃ کا نام ال عمران ہے کیونکہ اس سورت میں ال عمران یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت مریم اور انکی والدہ محترمہ کو فضیلت دینے کا ذکر ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے مندرجہ ذیل دوسرے بھی نام ہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔زہراء: جس کا معنی ہے صاف، روشن، چمک دار اور روشن کرنے والی چیز۔ چونکہ یہ سورہ نور وہدایت پر مشتمل ہے اسلئے اسکو 'زہراء' فرمایا گیا۔

﴿۲﴾۔۔۔سورۃ الکنز: کنز کے معنی ہے خزانہ۔ اس سورت کو کنز اسلئے فرمایا گیا کہ اس میں عیسائیت کے اسرار کا خزانہ ہے، اور نبی کریم نے نجران کے عیسائیوں سے جو مباحثہ فرمایا تھا، اس سے متعلق آیات اس سورہ میں زیادہ ہیں۔

﴿۳﴾۔۔۔سورۃ طیبہ: چونکہ تورات میں ال عمران کا نام 'طیبہ' ہے۔۔۔نیز۔۔۔اس سورت میں طیبین کے تمام اوصاف کو جمع کر کے ذکر فرمایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ آل عمران مدنیہ — نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا — آیات ۲۰۰ رکوع ۲۰

ایسی مبارک سورہ کی تلاوت کی جاتی ہے (نام سے اللہ کے) جو بہت (بڑا مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کو (بخشنے والا) ہے۔

الٓمّٓ ۝۱

الم ●

(الم) جسکی ابتداء یوں ہے کہ عربی زبان میں 'حروف ہجا' میں سے 'ال م' بھی ہے، جسکا ہر کلمہ اسرار الٰہی کا گنجینہ اور علوم ومعارف کا گنجینہ ہے۔

ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے؟ یہ تو وہی رب علیم وخبیر جانے کہ ان حروف سے

اسکی اپنی مراد کیا ہے۔۔۔یا۔۔۔اس کے بتانے اور خبر دینے سے وہ رسول جانے جن پر ان کلمات کونازل فرمایا گیا ہے۔ [redacted] اسلئے کہ ایسی صورت میں یہ نزول فرمانا ہی 'کار عبث' ٹھہرے گا، اللہ تعالیٰ کی ذات جس سے پاک وصاف ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس مقام پر یہ بات بھی عقلاً مستبعد نہیں کہ رسول کریم کی شان تو بڑی ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنے رسول کے توسط سے ان کلمات کے اسرار ورموز میں سے جتنا چاہے اس سے اپنے کسی بھی نفوس قدسیہ رکھنے والے نیک بندوں کو بھی باخبر فرمادے۔

کیا تعجب ہے کہ اسکے 'الف' سے حق تعالیٰ کے اس 'آلائے عمیم' کی طرف اشارہ ہو جو دنیا میں علی العموم سب کو شامل ہیں اور اسکے 'لام' سے اسکے اس 'لقائے کریم' کی خبر دی جارہی ہو جو آخرت میں خاص لوگوں کو پہنچے گی۔۔۔یونہی۔۔۔اسکے 'میم' سے خدا کی اس 'محبت قدیم' کی معرفت کرائی جارہی ہو، جو دونوں جہاں میں 'اخص الخواص' لوگوں کو حاصل ہے۔

۔۔۔المختصر۔۔۔کلمہ جلالت 'اللہ' کا 'الف'، لفظ 'لطیف' کا 'لام'۔۔۔نیز۔۔۔کلمہ 'مجید' کا 'میم' آپس میں مل جانے کے بعد معارف ومعانی، جلالت وعظمت اور رحمت ورافت کا ایک ایسا بحر ناپیدا کنار بن جاتے ہیں جن کو کماحقہ سمجھ لینا انسانی ذہن وفکر کے بس کی بات نہیں۔ [redacted]

اللّٰہُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ

اللہ، نہیں کوئی معبود سوا اسکے، ہمیشہ زندہ، سب کو قائم رکھنے والا●

(اللہ) تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے کیونکہ (نہیں) ہے (کوئی معبود) برحق (سوا اسکے) جو (ہمیشہ زندہ) ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے اور وہ بھی ایسا کہ ہر زندہ کی زندگی اسی سے ہے اور وہی خود قائم رہتے ہوئے (سب کو قائم رکھنے والا) ہے، ایسا کہ ہر قائم رہنے والے کا قیام اسی کے سبب سے ہے۔

اس مقام پر یہ واقعہ بھی ذہن نشین رہے کہ ایک مرتبہ نجران کے بعض نصاریٰ کو خیال ہوا

کہ وہ مدینہ منورہ آ کر حضور آیۂ رحمت ﷺ سے مناظرہ کریں، چنانچہ وہ آئے۔ نبی کریم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ ان لوگوں نے اس کو قبول کرنے کے بجائے، بحث شروع کر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا منوانے پر لگ گئے۔

نبی کریم ﷺ نے بڑے سلجھے ہوئے انداز میں داعیانہ کر وفر کے ساتھ انکے سوالات کا ایسا جواب دیا کہ وہ ساکت وصامت رہ گئے اور چپ ہو کر مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور آیۂ رحمت ﷺ کے جواب کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ نے انکے سوالات کے جوابات خود انہی کے دین و مذہب کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں عطا فرمائے۔

ان سے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارے مذہب میں خدا کو فنا ہو جاتا ہے؟ انھوں نے کہا، نہیں۔ اللہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ پھر آپ نے پوچھا، تمہارا حضرت عیسیٰ کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ان پر موت طاری ہوگی یا نہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، ان پر موت طاری ہوگی۔ اس کے بعد دریافت فرمایا کہ کیا حضرت عیسیٰ کی تصویر شکم مادر میں بنائی گئی، انھوں نے اسکا بھی اقرار کیا اور پھر جب یہ دریافت کیا کہ کیا خدا کی بھی کہیں صورت گری کی گئی ہے؟ تو جواب دیا نہیں، ایسا نہیں کیا گیا۔

پھر معلوم فرمایا کہ کیا تم لوگ حضرت عیسیٰ کے شکم مادر سے پیدا ہونے، ان کے کھانے پینے، چلنے پھرنے، سونے جاگنے کے قائل ہو؟ ان لوگوں نے اس کا بھی اقرار کیا۔ اس کے بعد آپ نے پوچھا کہ کیا تمہارا عقیدہ یہ نہیں ہے کہ خدا ان تمام چیزوں سے پاک وصاف اور منزہ ومبرا ہے؟ ان لوگوں نے اپنے اس عقیدے کا بھی اعتراف کرلیا۔

ظاہر ہے کہ اس گفتگو کے بعد ان کیلئے اس اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ حضرت عیسیٰ کسی طرح سے بھی خدا۔۔۔یا۔۔۔خدا کے بیٹے نہیں ہو سکتے اور وہ بھی انھیں کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں۔ نبی کریم کی اس گفتگو کی سب سے واضح خوبی یہ تھی کہ ان کو خود انہی کی کتابوں اور انہی کے نبی کی ہدایتوں کی روشنی میں ان کو قائل فرمادیا۔

اس سورۂ آل عمران کی ابتدائی نواسی ۸۹ آیتیں خاص طور پر انہی کیلئے نازل فرمائی گئیں۔ ان نصاریٰ کا جھگڑا کبھی حضرت عیسیٰ کی الوہیت سے متعلق رہا اور کبھی رسول کریم کی نبوت ورسالت سے۔ تو سورت کی ابتداء میں حق تعالیٰ کی الوہیت اور حیات اور قیومیت کا ذکر نازل فرمایا گیا۔ بعدہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی نبوت کا بیان فرمایا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ آپ علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳

اتارا تم پر کتاب کو حق کے ساتھ، تصدیق فرماتی اس کی جو آگے ہو چکی، اور اُتارا توریت اور انجیل کو ●

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ ۔۔۔

اس سے پہلے ہدایت لوگوں کیلئے، اور اتارا حق و باطل کا امتیاز۔

اللہ تعالیٰ نے بتدریج آہستہ آہستہ (اتارا تم پر) نازل فرمایا۔ اپنی عظیم بلند رتبہ (کتاب کو)

کتابیں تو اور بھی نازل کی گئی ہیں لیکن کمالات اور بلند رتبہ ہونے کے لحاظ سے یہی ایک کتاب ہے جسے علی الاطلاق کتاب کہا جاسکے۔۔۔الغرض۔۔۔ جہاں مطلقاً کتاب کا ذکر کیا جائیگا تو ذہن ایسی کتاب عظیم کی طرف جائیگا۔

اس کتاب میں کوئی بات ناحق نہیں ہے بلکہ یہ از اوّل تا آخر (حق کے ساتھ) ہے۔ اسکے احکام میں عدل ہے، اسکی خبروں میں سچائی ہے، وہ خبریں توحید سے متعلق ہوں۔۔۔یا۔۔۔اسکے دوسرے متعلقات سے۔۔۔نیز۔۔۔اسکے وعدے بھی حق ہیں اور وعیدیں بھی۔۔۔الغرض۔۔۔اسکی ساری ہدایتیں حق ہی حق ہیں۔ اس حال میں کہ وہ (تصدیق فرماتی اسکی جو آگے) پہلے نازل (ہو چکی) اپنے سے پہلی کتابوں میں یعنی گزشتہ نازل شدہ کتابوں میں مذکورہ دین کے اصول۔۔۔مثلاً: توحید، نبوت، معاد، سچی خبریں اور گزری ہوئی شریعتوں کے بعض مسائل۔۔۔المختصر۔۔۔ یہ نبی کریم ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب اپنے سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتابوں کی تصدیق فرمانے والی ہے۔

پہلی امتوں کی ہدایت کیلئے بھی حق تعالیٰ نے کرم فرمایا (اور) یکبارگی (اتارا) حضرت موسیٰ پر (توریت) کو، (اور) حضرت عیسیٰ پر (انجیل کو، اس) عظیم کتاب (سے پہلے ہدایت) کرنے والی اسرائیلی (لوگوں کیلئے)۔

یہ دونوں کتابیں یہودیوں اور عیسائیوں کو راہِ حق دکھانے والی تھیں۔ دونوں کتابوں میں خدا کے سوا کسی اور کی معبودیت کی نفی مذکور ہے۔ اور اس نفی سے یہود کے اس قول کا بطلان ثابت ہے جو وہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی شان میں کہتے ہیں۔۔۔المختصر۔۔۔رب کریم نے کرم فرمایا۔۔۔

(اور) ان تمام کتب سماویہ کی شکل و صورت میں یا آخری کتاب قرآن عظیم کی شکل میں (اتارا حق و باطل کا امتیاز)۔

ان مقدس کتابوں میں حق و باطل کو ایسا واضح طور پر الگ الگ کر دیا ہے کہ ایک عام سمجھ دار انسان کیلئے بھی ان کو سمجھ لینا زیادہ دشوار نہیں رہ گیا۔ فرقان سے قرآنِ کریم مراد لینے کی صورت میں اس کا ذکر مکرر ہو جاتا ہے لیکن چونکہ اس تکرار سے تعظیم اور اظہارِ فضل مقصود ہے، اسلئے کوئی مضائقہ نہیں۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم لوحِ محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف رمضان شریف کی لیلۃ القدر میں یکبارگی نازل کیا گیا اور پھر اسکو بتدریج زمین کی طرف اتارا گیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ قرآن کریم میں دو جہتیں ہیں 'انزال' کی بھی اور 'تنزیل' کی بھی، تو اسکے لئے یہ دونوں کلمات استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝۴

بے شک جو منکر ہو گئے اللہ کی آیتوں سے، ان کیلئے سخت عذاب ہے۔ اور اللہ غلبہ والا بدلہ لینے والا ہے ●

بخوبی یاد رہے کہ حق و باطل کے امتیاز کے آجانے کے بعد (بیشک جو) لوگ (منکر ہو گئے اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں سے)، یعنی ان میں سے، کسی سے جنکا ہر ایک ہدایت کرنے کی راہ میں علامت اور نشان ہے۔۔۔ مثلاً: قرآن کریم، انبیاء کرام، انکے معجزات اور نبی آخر الزماں علیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہم، (ان کیلئے سخت عذاب ہے) جسکا کسی کو اندازہ نہیں ہو سکتا (اور اللہ) تعالیٰ سب پر (غلبہ والا) ہے۔ اس پر کوئی غالب نہیں ہو سکتا، جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔ جس طرح کا حکم کرتا ہے، وہی ہوتا ہے اور وہ (بدلہ لینے والا ہے)، صاحب انتقام ہے۔ اس جیسا کوئی انتقام نہیں لیتا، وہ کافروں پر عذاب اور غضب نازل فرمانے والا ہے۔ اور اچھی طرح سمجھ لو کہ۔۔۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفٰى عَلَیْهِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ ؕ۝۵

بے شک اللہ، نہیں پوشیدہ ہے اس پر کچھ، زمین میں اور نہ آسمان میں ●

(بیشک اللہ) تعالیٰ ایسی شان والا اور علم و خبر والا ہے کہ (نہیں پوشیدہ ہے اس پر کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں) یعنی تمام اشیاء اسکے علم میں ہیں۔ وہ کافروں کے کفر کو، مومنوں کے ایمان کو اور انکے تمام اعمال کو اچھی طرح جانتا ہے۔ اس پر انھیں قیامت میں جزا دے گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو بعض غائب چیزوں کا علم تھا، وہ حق تعالیٰ کے علم دینے ہی سے تھا، تو یہ عطائی علم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ربوبیت اور معبودیت پر دلیل نہیں ہو سکتا۔

هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

وہی ہے جو شکل وصورت بخشتا ہے تم کو ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے۔ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا، غلبہ والا حکمت والا ●

غور تو کرو کہ (وہی ہے جو شکل وصورت بخشتا ہے تم کو) تمہاری (ماؤں کے پیٹ میں) اپنی مرضی کے مطابق (جیسی چاہے) مرد وعورت، سیاہ وسفید، کامل وناقص، طویل وقصیر، حسین وقبیح، وغیرہ وغیرہ۔

خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت انکی مادر مہربان کے شکم مبارک میں بنی تھی اور ظاہر ہے کہ جسکی صورت بنے، وہ خود اپنی صورت بنانے والا نہیں ہوسکتا۔ اس واسطے کہ جسکی صورت بنی، وہ مخلوق ہے، اور مخلوق خالق کی محتاج ہوتی ہے اور خدا کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔۔۔ الغرض ۔۔۔ جسکی رحم میں تصویر کھینچی جائے، وہ خدا اور خدا کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے؟ اسلئے کہ وہ مرکب ہوتا ہے۔۔۔ یا۔۔۔ مرکب میں حلول کرنے والا ہوتا ہے۔ اور معرض فنا وزوال میں ہوتا ہے۔ اور خدا، فنا وزوال سے پاک ہے۔ اسلئے وہ قطعی طور پر اس بات سے منزہ ہے کہ حضرت عیسیٰ ۔۔۔ یا۔۔۔ کوئی بھی اسکے بیٹے ہوں اور خدا کے ہم جنس ہوکر، اسکی الوہیت میں شریک ہوکر عبادت کے مستحق ہوجائیں۔

کیونکہ (نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا) یہ تکرار، وحدانیت کی تحقیق کے واسطے ہے اور نصاریٰ کے قول 'ثالث ثلاثۃ' کو باطل قرار دینے کیلئے ہے۔ اور ظاہر ہے کہ پوجنے کے لائق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو (غلبہ والا) بے مثل وبے مانند ہے اور (حکمت والا) دانا مضبوط ومحکم کام والا ہے، جو اپنی مخلوق کو عجیب وغریب طریقے سے پیدا فرماتا ہے۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ

وہی ہے جس نے اتارا تم پر اس کتاب کو، اسکی کچھ آیتیں صاف صاف مطلب کی ہیں، وہی کتاب کی بنیاد ہیں، دوسری کئی معنی رکھنے والی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ

تو وہ جن کے دلوں میں کجی ہے، تو پیچھے لگ جاتے ہیں اس کے، جو کئی معنی کی آیت ہوئی کتاب سے، فتنہ کے شوق

وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِى الْعِلْمِ

اور کتاب سے اپنی بات بنانے کی خواہش میں۔ حالانکہ نہیں جانتا کتاب کے اصل مطلب کو، اللہ کے سوا۔ اور مضبوطی رکھنے والے علم میں

يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

کہتے ہیں ہم اس کو مان گئے، سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر عقل مند لوگ ●

اور اے محبوب (وہی) غلبہ وحکمت والا (ہے جس نے اتارا تم پر) اپنی (اس) حکمت والی (کتاب کو) جس کی شان یہ ہے کہ (اس کی کچھ آیتیں صاف صاف مطلب کی ہیں) جو عبارت کے لحاظ سے مضبوط اور احتمال واشتباہ کے اعتبار سے محفوظ ہیں۔ اور اس قدر 'واضح المراد' ہیں کہ انکا معنی سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی۔ انکے کلمات سے جو ظاہر ہوتا ہے، وہی مراد ہے اور جو مراد ہوتی ہے، وہی ظاہر ہے۔

یہاں یہ بات بھی فائدے سے خالی نہیں کہ لفظ دو طرح کے ہوتے ہیں۔

﴿۱﴾---جس میں ایک معنی کے سوا دوسرے معنی کا احتمال ہی نہ ہو۔ اسکو 'نص' کہتے ہیں۔

﴿۲﴾---دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو، اسکی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ لفظ کی دلالت دو معنوں پر ہو اور دوسرے یہ کہ دو سے زیادہ معنی پر ہو۔ اور پھر یہ دلالت ہر معنی پر مساوی ہوگی---یا---نہیں۔ تو جس میں دو معنوں کا احتمال ہو، تو اس کو عرف میں 'مجمل' کہا جائیگا۔ اور جس میں کئی معنی کا احتمال ہو، تو یہ دیکھا جائے کہ ان کا وہ معنی کون سا ہے جس کا احتمال 'راجح' ہے، تو اگر اس 'راجح' کی طرف نسبت ہو تو اسے 'ظاہر' کہیں گے اور اگر 'مرجوح' کی طرف نسبت ہو، تو اسے 'مؤول' قرار دیجئے۔

ایسی صورت میں جو 'نص' اور 'ظاہر' ہے، وہ 'محکم' ہے اور جو 'مجمل ومؤول' ہے، وہ 'متشابہ' ہے---قرآن کریم میں بعض مقامات پر قرآن کریم کی تمام آیات کو 'محکم' قرار دیا ہے۔ بعض دوسرے مقام پر تمام آیات کو ایک دوسرے کے 'مشابہ' بتایا گیا ہے۔ ان مقامات پر محکم ومتشابہ کا یہ اصطلاحی معنی مراد نہیں، بلکہ وہاں 'محکم' کا معنی یہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیات مضبوط اور پختہ ہیں۔ ان میں کسی قسم کا شک نہیں اور نہ ہی ان کو آپس میں تناقض ہے اور یہ خلل اندازی سے بالکل پاک اور محفوظ ہیں---یا---یہ مطلب ہے کہ اب آیات قرآن منسوخ ہونے سے محفوظ ہیں---اسی طرح---وہاں 'متشابہ' کا معنی یہ ہے کہ قرآنی آیتیں صحیح المعنی، بہترین نظم ونسق، فصاحت وبلاغت کے انتہائی درجہ پر ہونے اور شان اعجازی رکھنے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

---الحاصل---اس کتاب مقدس میں صاف صاف مطلب رکھنے والی 'محکم' آیتیں ہیں (وہی کتاب کی بنیاد ہیں) یعنی قرآن کریم کی اصل اور اسکا ملجا ہیں اور وہی قرآن کریم کی اصولی آیات ہیں اور انکی عمدہ ہیں کہ باقی آیات تاویل کر کے انھیں کی طرف راجع کی جاتی ہیں۔ ان کے سوا

(دوسری) آیتیں جو (کئی معنی رکھنے والی) ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ان میں چند معنی کا احتمال ہوتا ہے، جس میں کسی معنی کو مراد لینے میں دوسرے پر ترجیح نہیں۔ ان کے معنی مراد کو سمجھنے کیلئے کمال غور وفکر اور زبردست نظر دقیق کی ضرورت پڑتی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ، اسکا جو ظاہر ہوتا ہے، وہ مراد نہیں ہوتا اور جو مراد ہوتا ہے، وہ ظاہر نہیں ہوتا، بلکہ کچھ ایسی صورت حال ہوتی ہے کہ اگر اس سے جو ظاہر ہو، وہی مراد لے لیا جائے، تو وہ کسی نا کسی محکم آیت سے ضرور ٹکرا جائیگی اور اسکے خلاف ہو جائیگی۔

متشابہ کے تعلق سے عطر تحقیق یہ ہے کہ متشابہ کی تین قسمیں ہیں:

﴿اول﴾۔۔۔جسکی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو جیسے وقت وقوع قیامت اور دابۃ الارض کے نکلنے کا وقت۔

﴿ثانی﴾۔۔۔جسکی معرفت کا انسان کیلئے کوئی ذریعہ ہو، جیسے مشکل اور غیر مانوس الفاظ اور مجمل احکام۔

﴿ثالث﴾۔۔۔وہ جو ان دونوں کے درمیان ہو، علماء راسخین کیلئے اسکی معرفت حاصل کرنا ممکن ہے اور عام لوگوں کیلئے ممکن نہیں ہے۔

[redacted]

(تو) نجران کے عیسائی، حی بن اخطب اور اس کے اصحاب جیسے یہودی علماء، منکرین بعثت، مبتدعین۔۔۔الغرض۔۔۔ہر (وہ) فرقہ والے (جنکے دلوں میں کجی ہے) کھوٹ ہے، یعنی انکے دل حق سے منہ موڑ کر خواہشات نفس کی طرف لگ جائیں۔۔۔یا۔۔۔کلامِ الٰہی میں شک کرنے لگیں (تو) یہ لوگ (پیچھے لگ جاتے ہیں اسکے) اور پیروی کرنے لگتے ہیں۔۔۔نیز۔۔۔باطل تاویل کرنے لگتے ہیں، انکی (جو کئی معنی کی) گنجائش رکھنے والی (آیت ہوئی کتاب) الٰہی کے متشابہات (سے)۔

یہ سب وہ اسلئے نہیں کرتے کہ وہ حق کے متلاشی ہیں اور اس بات کو ماننے والے ہیں کہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، بلکہ وہ لوگ یہ سب کچھ (فتنہ) برپا کرنے (کے شوق اور کتاب سے اپنے) گڑھی ہوئی (بات بنانے) اور اس کو منوانے (کی خواہش میں) ایسا کرتے ہیں تاکہ اپنی قوم

کے جاہلوں کو شک میں ڈالدیں۔ (حالانکہ) صورت حال یہ ہے کہ (نہیں جانتا کتاب کے) متشابہات ومقطعات کے (اصل مطلب کو اللہ) تعالیٰ (کے سوا) کوئی بھی، اور جو لوگ علم پر ثابت قدم ہیں (اور) آیات کے مضامین کو نص قطعی کی طرف راجع کرتے ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔(مضبوطی رکھنے والے) ہیں اپنے (علم میں)۔ وہ آیات متشابہات کی من مانی معنی آفرینیوں سے اپنے کو باز رکھتے ہیں اور (کہتے ہیں) کہ فضول لایعنی تاویلات سے ہمیں کیا غرض۔ ہمارا کام تو صرف کلام الٰہی کو دل کی سچائی کے ساتھ مان لینا ہے تو (ہم) خلوص دل کے ساتھ (اس) سچائی (کو مان گئے) ہیں کہ یہ محکمات ومتشابہات۔۔۔الغرض۔۔۔پورا کلام الٰہی، سب کا (سب ہمارے پروردگار کی طرف سے) نازل فرمودہ (ہے)۔ اس حقیقت کو نہیں سمجھ پاتے (اور نصیحت نہیں قبول کرتے مگر عقلمند لوگ)، یعنی وہ لوگ جن کی عقول غلط خواہشات کی طرف مائل نہیں اور وہ 'جودت ذہن' اور 'حسن نظر' رکھنے والے ہیں۔ یہ صاحبان فکر ونظر اور پیکران علم وعمل، بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے رہے کہ۔۔۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ

پروردگارا نہ کج فرما ہمارے دلوں کو بعد اس کے، کہ ہدایت بخشی تو نے ہم کو۔ اور دے ہمیں اپنے پاس سے رحمت۔

اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۞

بیشک تو ہی بڑا دینے والا ہے●

(پروردگارا نہ کج فرما) نہ پھیر اور نہ ٹیڑھا کر (ہمارے دلوں کو)، یعنی ہمارے قلوب کو حق کے راستے سے ہٹا کر متشابہات کی ایسی تاویل کرنے کے شوق میں نہ لگا، جس سے تو راضی نہ ہو (بعد اسکے کہ) ہمیں حق۔۔۔یا۔۔۔تاویل صحیح۔۔۔یا۔۔۔ایمان کی طرف (ہدایت بخشی تو نے ہم کو اور) اے رب کریم (دے ہمیں) عطا فرما اپنے فضل سے، (اپنے پاس) اپنی بارگاہ کرم (سے) اپنی خاص اور وسیع (رحمت) جو ہمیں تیرے قریب کردے، اور ہم اسکے ذریعے تیرے قرب حقیقی سے کامیابی حاصل کریں۔ (بیشک تو ہی بڑا دینے والا ہے) ہر عطیہ کا تو ہی عطا فرمانے والا ہے۔۔۔نیز۔۔۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۞ ع

پروردگارا بیشک تو اکٹھا کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن، جس میں کوئی شک نہیں۔ بیشک اللہ نہیں کرتا خلاف وعدہ●

(پروردگارا بے شک تو اکٹھا کرنے والا ہے لوگوں کو) انکی موت کے بعد (ایک دن)، یعنی قیامت کے دن جو حساب و جزا کا دن ہے، (جس) کے وقوع (میں کوئی شک نہیں) اور اس میں ہونے والے واقعات مثلاً: حشر ونشر اور حساب و جزا کے واقعہ ہونے میں بھی کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں کرتا خلاف وعدہ) جو اس نے بعث ونشر کے بارے میں کیا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ 'خلف وعد' الوہیت کے منافی ہے جب وہ [illegible] ان سب کو اٹھانا ہے اور انکی دعا کو قبول کرنی ہے تو یہ ہو کر رہے گا۔ اس مقام پر یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ 'متشابہات' اور 'مقطعات' کے تعلق سے مذکورہ بالا گفتگو کی روشنی میں جو سب سے 'محتاط' اور 'اسلم' راستہ نکلتا ہے، وہ یہی ہے کہ اسکی کوئی تاویل نہ کی جائے اور اسکو 'منجانب اللہ' مانتے ہوئے اسکے کلام الٰہی اور برحق ہونے پر ایمان رکھا جائے اور اپنے اس ایقان واذعان کا مظاہرہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکامات وارشادات کی شکل میں جو بھی نازل فرمایا گیا ہے، ہم ان سب کو آنکھ بند کر کے ماننے والے ہیں، خواہ ان احکامات کی حکمتوں اور ان ارشادات کے معنی ومفاہیم تک ہماری عقلوں کی رسائی ہو یا نہ ہو۔

اسلئے کہ جس نے یہ طے کرلیا ہے کہ ہم قرآن کریم کی وہی بات مانیں گے جو ہماری سمجھ میں آجائے۔ اسی طرح ہم اس خدائی حکم کو تسلیم کریں گے، جسکی حکمت ہماری عقلیں سمجھ لیں، تو اس شخص کو یقین کرلینا چاہئے کہ وہ خدا پر ایمان لایا ہی نہیں۔ وہ تو اپنی عقل اور اپنی سمجھ اور شعور پر ایمان لایا ہے۔

۔۔۔المختصر۔۔۔ 'مقطعات' و 'متشابہات' کو کلامِ الٰہی کا حصہ بنا دینے میں ایک فائدہ یہ بھی نظر آتا ہے کہ اس سے ایمان والوں کے ایمان کا امتحان ہو جاتا ہے، کہ آیا وہ خدا پر ایمان لانے والے ہیں۔۔۔یا۔۔۔ اپنی عقل پر۔ 'متشابہات' کی تاویلات کے تعلق سے 'محتاط روش' اور 'اسلم' طریقہ تو وہی رہا جسکا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔۔۔مگر۔۔۔ جب دل میں کجی رکھنے والوں نے 'مقطعات' و 'متشابہات' میں بے جا معنی آفرینیاں شروع کردیں اور اسطرح لوگوں کو راہ حق سے ہٹانے کی جدوجہد کرنے لگے۔

یہاں تک کہ یَدُاللہ، وَجْہُ اللہ وغیرہ وغیرہ کی ایسی تاویل کرنے لگے، جس نے خدا کو بھی مجسم بلکہ ایک طرح کا بت بنا کے رکھ دیا۔ ساتھ ہی ساتھ کسی بھی کلام کو بے سمجھے ماننے کے جذبے کو مضمحل کردیا۔ ان حالات میں 'علمائے ربانیین' اور 'ارباب حق ویقین' نے 'متشابہات'

وغیرہ کی تاویل کے سلسلے میں ایک 'سالم طریقے' کی رہنمائی فرمائی اور اسکے لئے 'کتاب و سنت' اور 'ائمہ اعلام' کے ارشادات کی روشنی میں مندرجہ ذیل اصول مرتب فرمائے:

﴿۱﴾۔۔۔'حروف مقطعات' اور 'کلمات متشابہات' کی تاویل ایسی کی جائے جو کسی 'محکم آیت' سے نہ ٹکرائے۔

﴿۲﴾۔۔۔وہ تاویل ایسی نہ ہو جو کسی مسلمہ شان والے کی شان اور عظمت والے کی عظمت کو داغدار کرے۔

﴿۳﴾۔۔۔یہ معنی آفرینی زبان و بیان کے معروف و متعارف ضابطوں کے خلاف نہ ہو۔

﴿۴﴾۔۔۔'دلائل شرعیہ' سے اس معنی آفرینی کی صحت و درستگی کی پشت پناہی ہو رہی ہو۔

۔۔۔تو یہ ہے متشابہات کی تاویلات صحیحہ کے تعلق سے صالحین کی روش۔
رہ گئے دلوں میں کجی رکھنے والے زائغین، تو انھوں نے تو صرف سادہ لوح انسانوں کو بہکانے اور راہ حق سے دور رکھنے کیلئے فاسد تاویلات کا سہارا لینا چاہا۔ اور جب انھیں اس حرکت سے خاطر خواہ فائدہ نہیں حاصل ہوا، تو وہ نبی کریم ﷺ کی ذات مقدس کو اپنے جاہلانہ اعتراضات کا نشانہ بنانے لگے اور سوچنے لگے کہ شاید ہم ایسے ہی لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی ذات سے دور رکھنے میں کامیاب ہوجائینگے۔

چنانچہ یہود قریظہ اور نضیر ۔۔۔یا۔۔۔ کفار قریش، رسول مقبول کے تعلق سے بکنے لگے۔ یہ تو محتاج و فقیر ہیں، لاولد ہیں، اسکے برعکس ہم مال و متاع والے اور آل و اولاد والے ہیں ۔۔۔الغرض۔۔۔ یہ لوگ اپنے مال و آل پر فخر و ناز کرتے تھے، تو اے محبوب، واضح لفظوں میں ارشاد فرمادو کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم

بیشک جنھوں نے کفر کیا، ہرگز ان کو بے پرواہ نہ کرسکیں گے ان کے مال، اور نہ ان کی اولاد

مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿١٠﴾

اللہ سے کچھ بھی، اور وہی ہیں جہنم کا ایندھن ●

(بیشک) مذکورہ بالا لوگ اور ان جیسے دوسرے (جنھوں نے کفر کیا ہرگز ان کو بے پرواہ نہ کرسکیں گے)، انھیں ہرگز بچا نہ سکیں گے اور ہرگز نفع نہ دے سکیں گے (ان کے مال) جس کو وہ نافع

کے حصول اور دفع نقصانات کیلئے خرچ کرتے ہیں (اور نہ) ہی (ان کی اولاد) اپنے دکھ درد میں جن پر یہ بھروسہ کرتے ہیں اور جن کے سبب سے وہ فخر و مباحات کرتے ہیں، یہ سب انھیں نہ بچاسکیں گے (اللہ) تعالیٰ کے عذاب (سے کچھ بھی اور وہی) کفر سے موصوف لوگ (ہیں جہنم کا ایندھن) جن سے جہنم کی آگ کو بھڑکایا جائیگا۔

---الغرض---کفر و عدم نجات اور اللہ تعالیٰ کی گرفت اور عذاب میں انکا وہی حال ہے جو فرعونیوں اور ان سے پہلے والے سرکشوں کا تھا۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

مثل انداز فرعونیوں کے، اور جو ان سے پہلے تھے۔ جھٹلایا ہماری آیتوں کو، تو گرفت فرمائی انکی

بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

اللہ نے انکے گناہوں کی وجہ سے۔ اور اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے●

---المختصر---انھوں نے روش اختیار کی (مثل انداز) وعادت (فرعونیوں کے اور) قوم ثمود، قوم نوح اور قوم لوط وغیرہ کے (جو ان سے پہلے تھے)۔ جس طرح انھوں نے جھٹلایا اسی طرح اُن لوگوں نے بھی (جھٹلایا) تھا (ہماری آیتوں) ہماری کتابوں اور ہمارے پیغمبروں (کو، تو گرفت فرمائی انکی اللہ) تعالیٰ (نے، انکے گناہوں) اور انکے انکار و تکذیب (کی وجہ سے اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ ایسوں پر (سخت عذاب فرمانے والا ہے)۔ تو جس طرح پہلے کافروں پر سخت عذاب نازل فرمایا گیا، اسی طرح بعد والے کفار کیلئے بھی اسی طرح کا عذاب ہے۔

مدینہ شریف کے یہودیوں نے بدر کے دن کفار و مشرکین پر جب نبی کریم کا غلبہ مشاہدہ کیا تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی قسم، یہ وہی نبی ہیں جنکی خوشخبری حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سنائی، تورات میں جن کی تعریف موجود ہے یہ سن کر بہت سے یہودی آپ ﷺ کی تابعداری پر آمادہ ہوگئے۔ مگر بعض شرپسندوں نے کہا عجلت سے کام نہ لو، انکے تعلق سے دوسری نشانیاں بھی دیکھ لی جائیں۔

---پھر---غزوہ احد میں جب اہل اسلام کی شکست ہوئی، تو پھر ان یہودیوں نے آپ کی نبوت میں شک کیا اور سوچا کہ اگر نبی ہوتے تو شکست نہ ہوتی، بلکہ انھوں نے یہاں تک کیا کہ حضور علیہ السلام سے جو پہلے معاہدہ کرلیا تھا اسے بھی توڑ دیا۔ کعب بن اشرف تو

ساٹھ سواروں کو لیکر اہل مکہ سے جاملا، اس کے بعد سب نے مل کر حضور ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کا اتفاق کیا۔۔۔تو اے محبوب:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

کہہ دو ان کو جنھوں نے کفر کیا، کہ نزدیک ہے کہ تم مغلوب ہوگے اور ہانکے جاؤ گے جہنم کی طرف۔ اور وہ نہایت برا بستر ہے●

(کہہ دو انکو) یعنی یہودیوں سے (جنھوں نے) جنگ احد میں شماتت اور زبان درازی کی اور (کفر کیا کہ نزدیک ہے کہ تم) دنیا میں (مغلوب ہو) جاؤ (گے)۔

چنانچہ اللہ تعالی نے یہ وعدہ پورا فرمادیا کہ بنو قریظہ مارے گئے، بنو نضیر جلا وطن ہوئے اور خیبر مفتوح ہوا، انکے ماسوا دوسرے اہل کتاب پر جزیہ مقرر کیا گیا۔ یہ حضور ﷺ کے بین اور واضح معجزات میں سے ہے۔

۔۔۔تو۔۔۔اے یہودیو! یہ تو رہا تمہارا دنیا میں حال (اور) رہا تمہارا حال آخرت میں، تو تم وہاں (ہانکے جاؤ گے) ذلت کے ساتھ تمہیں لیجایا جائیگا۔ (جہنم کی طرف اور وہ نہایت برا بستر ہے) برا ٹھکانہ اور گندی قرارگاہ ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اُخْرٰى

بیشک تمہارے لیے نشانی تھی ان دو گروہوں میں جو باہم بھڑ گئے تھے، ایک گروہ لڑ رہا تھا اللہ کی راہ میں، اور دوسرا

كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَ اللّٰهُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ

گروہ کافر کہ دیکھیں ان کو اپنے سے دونا چشم خود۔ اور اللہ قوت دے اپنی مدد سے جسے چاہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

بیشک اس میں ضرور عبرت ہے سوجھ بوجھ والوں کیلئے●

اے اپنی اور کفار کی گنتی کو دیکھ کر دھوکا کھانے والے یہودیو! تمہیں مغلوب ہونا ہے اور محمد عربی ﷺ نبی برحق ہیں۔ ان دونوں باتوں کی سچائی سمجھنے کیلئے (بے شک تمہارے لئے) واضح (نشانی تھی ان دو گروہوں میں جو باہم بھڑ گئے تھے)، بدر میں جنگ کیلئے آپس میں مل گئے تھے، اگرچہ کفار کو اپنی کثرت پر ناز اور اپنے غلبہ کا یقین تھا لیکن انھیں منہ کی کھانی پڑ گئی اور خود اے یہودیو تمہیں بھی نقصان اٹھانا پڑا۔

ان دوگروہوں میں (ایک گروہ لڑرہا تھا اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)، اسکی رضا کیلئے، اس کے دین کی بقا کیلئے، اور 'اعلاء کلمۃ الحق' کیلئے (اور دوسرا گروہ کافر) اللہ ورسول سے کفر کرنے والوں کا تھا اور صورت حال یہ تھی (کہ دیکھیں ان کو اپنے سے دونا بچشم خود) یعنی کفار کھلی آنکھوں سے مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔

۔۔۔یا۔۔۔خود مسلمانوں کی اصلی تعداد سے انھیں دوگنا محسوس کررہے تھے یعنی ان کو تین سو تیرہ ۳۱۳ مسلمان، چھ سو چھبیس ۶۲۶ نظر آرہے تھے۔۔۔یا۔۔۔خود مسلمان لوگ کافروں کو اپنی تعداد سے دوگنا ملاحظہ فرمارہے تھے۔

ایک ارشاد میں یہ بھی وضاحت فرمائی گئی ہے **يُقَلِّلُكُمْ فِىٓ اَعْيُنِهِمْ** یعنی تم انھیں قلیل نظر آرہے تھے اور یہاں فرمایا گیا کہ تم انھیں دوگنے محسوس ہورہے تھے، دراصل بات یہ تھی ان کو مسلمانوں کی کثرت وقلت مختلف اوقات میں دکھائی گئی۔ انکا گاہے قلیل اور گاہے کثیر نظر آنا قدرت کاملہ کے آثار اور معجزہ نبوی کے اظہار کیلئے زیادہ بلیغ ہے۔

اسکے اندر حکمت یہ نظر آرہی ہے کہ ابتدائے جنگ میں کفار کو اہل اسلام معمولی اور چند گنتی کے محسوس ہوئے، اس پر مسلمانوں سے لڑائی کیلئے انکے دل بندھ گئے، بلکہ اپنی کثرت وقوت کے غرور سے انکی جرأت میں اضافہ ہوا، لیکن جب میدان جنگ میں ایک دوسرے کے سامنے ہوئے، تو مسلمانوں کی تعداد انھیں دگنی محسوس ہوئی۔ اس سے انکے حوصلے پست ہوگئے، یہاں تک کہ وہ مغلوب بھی ہوگئے اور ادھر خود مسلمانوں نے کافروں کو اپنے سے دوگنا دیکھا، حالانکہ وہ سہ گنا سے زیادہ تھے۔ مسلمان صرف تین سو تیرہ اور کفار تقریباً ایک ہزار ۱۰۰۰ تھے۔

مگر وہ کفار مسلمانوں کو اپنے سے صرف دوگنا نظر آئے، اس میں راز یہ تھا کہ رب کریم نے وعدہ فرمالیا تھا کہ ہم ایک مسلمان کو دو کافروں پر غالب کردیں گے۔۔۔

مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ﴿الانفال:۶۶﴾

ایک سو صابر ہوں تو جیتیں گے دو سو کو

۔۔۔تو اپنے مقابل کی تعداد اپنے سے دگنی محسوس کرنے کی صورت میں خدا کے وعدہ پر بھروسہ کرتے ہوئے مسلمان کسی کم ہمتی اور مایوسی کا شکار نہیں ہونگے اور لڑائی پر پوری توجہ مرکوز رکھیں گے اور بالآخر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے غلبہ حاصل کرلیں گے۔

غزوہ بدر میں کافروں کی نظر میں مسلمانوں کا اپنی اصلی تعداد سے زیادہ نظر آنا۔۔۔اور۔۔۔
مسلمانوں کی نظر میں کافروں کا انکی اصلی تعداد سے کم نظر آنا، یہ سب قدرت الٰہیہ کی کھلی
نشانیاں ہیں اور نبی کریم ﷺ کا روشن معجزہ ہے۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (قوت دے) دیتا ہے (اپنی مدد سے) اور اپنی خاص نصرت وعنایت سے (جسے چاہے) اسباب عادیہ کے بغیر ہی مدد فرمادے۔ (بیشک اس) قلیل کو کثیر اور کثیر کو قلیل کردینے میں اور بہت زیادہ ساز وسامان اور آلات حرب۔۔۔نیز۔۔۔افرادی قوت رکھنے والوں کو ایک چھوٹی سی جماعت، وہ بھی بے سروسامان سے مغلوب کردینے (میں ضرور عبرت) ونصیحت (ہے سوجھ بوجھ والوں کیلئے) جو دل کی بینائی رکھنے والے صاحب بصیرت ہیں۔

جو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ دنیا کی ساری چیزیں یہاں کے مال، متاع سب کو فنا ہونا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس دائمی اجر وثواب ہے جس کیلئے فنا نہیں۔ فانی چیزوں کیلئے باقی رہنے والی نعمتوں کو ترک کردینا سمجھداری کی بات نہیں ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ابو حارثہ بن علقمہ نصرانی جیسی سوچ رکھنے والے ہیں، جو اللہ کے رسول کو حق جانتے ہوئے بھی اسلئے ایمان نہیں لاتے کہ روم کا بادشاہ مجھ سے خفا ہو جائیگا اور جو کچھ مجھے مال ودولت دے رکھا ہے وہ سب مجھ سے واپس لے لیگا۔ اسی طرح کی ناقص سوچ رکھنے والے ہیں وہ لوگ کہ۔۔۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ

نظر فریب بنادی گئی لوگوں کیلئے خواہشات کی محبت، عورتوں اور بیٹوں اور تہ بہ تہ

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ

سونے چاندی کے ڈھیروں، اور نشان دیے ہوئے گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی سے۔

ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (۱۴)

یہ اس زندگی کی پونجی ہے۔ اور اللہ اسی کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ ●

(نظر فریب بنادی گئی) ہے جن مشرک (لوگوں کیلئے) دنیاوی مال ومتاع کی (خواہشات کی محبت) کس سے کس سے محبت؟ (عورتوں) سے، شیطان انہی کے ذریعہ مردوں کو بہت جلد پھانستا ہے (اور بیٹوں) سے، انہی کیلئے انسان مال ودولت جمع کرنے کا حریص ہو جاتا ہے، پھر حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتا۔ انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حدود کی حفاظت نہیں ہو پاتی۔ بے شک اولاد ایک عظیم ترین

فتنہ ہیں، اگر زندہ رہیں تو آزمائش میں ڈالتے ہیں اور مرجائیں تو غمگین کرتے ہیں۔ (اور تہہ بہ تہہ سونے چاندی کے ڈھیروں) سے، یعنی اکٹھا کئے ہوئے یا گاڑے ہوئے خزانوں سے، (اور نشان دیئے ہوئے) آراستہ، خوب تیار۔۔۔یا۔۔۔ابلق (گھوڑوں) سے، (اور مویشیوں) یعنی اونٹ گائے اور بکریوں سے، (اور کھیت سے) یعنی کاشتکاری سے۔

یہ تمام اشیاء لوگوں کو فتنہ و آزمائش میں ڈالنے والی ہیں۔ بال بچے سب کیلئے، سونا چاندی تاجروں کیلئے، گھوڑے بادشاہوں کیلئے۔ دوسرے جانور دیہاتیوں کیلئے، انکے پالنے والوں کیلئے اور کھیتی باڑی کسانوں کیلئے، فتنہ و آزمائش ہیں۔

(یہ) ساری چیزیں جو اوپر مذکور ہوئیں (اس) دنیوی (زندگی کی پونجی ہے) اس سے صرف دنیاوی زندگی ہی میں فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ہر انسان کو یہاں کی یہ ساری چیزیں یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ ہی جانا ہے۔ اچھی طرح جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (اسی کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ) اور ہمیشہ رہنے کی جگہ بہشت، جس کیلئے فنا نہیں۔

دنیا کے مال و متاع سے متوقع خطرات اور ان کی بے وقعتی اور بے ثباتی ظاہر فرمادینے کے بعد اب اس سے اعراض و بے رغبتی کی ہدایت فرمائی جارہی ہے۔ چنانچہ محبوب کی زبان سے یہ پیغام پہنچایا جارہا ہے، کہ اے محبوب صرف اپنے غریب اصحاب ہی سے نہیں بلکہ صاف لفظوں میں سب سے۔۔۔

قُلْ أَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ

کہہ دو کیا ہم بتادیں تم کو اس سے بہتر۔ انکے لئے جو پرہیزگار ہوئے انکے رب کے پاس جنتیں ہیں

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَأَزْوٰجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ

کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور پاکیزہ بیبیاں ہیں،

رِضْوٰنٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

اور اللہ کی طرف سے خوشنودی ہے۔ اور اللہ دیکھنے والا ہے بندوں کو●

(کہہ دو) کہ اے دنیاوی مال و متاع رکھنے والو!۔۔۔یا۔۔۔اسکو حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والو! (کیا ہم بتادیں تم کو اس سے بہتر؟) یعنی تمہیں ان دنیا کی لذیذ اشیاء سے بہتر کا پتہ دے دیں؟ مگر یہ اعلیٰ اور ارفع چیز ہر ایک کا مقدر نہیں ہے۔۔۔بلکہ۔۔۔یہ (ان) خوش بختوں (کیلئے) ہے

(جو پرہیزگار رہوئے) اور اپنے کو کفر و شرک سے بچایا، جیسے عام مسلمان۔۔۔یا۔۔۔وہ جو بری باتوں سے درگزرے۔۔۔یا۔۔۔متاع دنیا سے ہاتھ دھولیا، جیسے کہ 'اصحاب صفہ' تو ایسوں کیلئے (انکے رب کے پاس جنتیں ہیں) باغات ہیں۔ایسے باغات (کہ جنکے نیچے نہریں جاری ہیں) وہ (اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اور) اس میں ان کیلئے (پاکیزہ بیبیاں ہیں) جو ظاہری عیوب۔۔مثلاً حیض، ناک کے گندے پانی اور اپنی پارسائی کو داغدار کرنے سے۔اور باطنی عیوب۔۔۔مثلاً حسد، غضب اور اپنے ازواج کے غیر کی خواہش رکھنے سے۔۔۔الغرض۔۔۔ہر عیب سے پاک وصاف ہیں۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں، ان کیلئے (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے خوشنودی ہے) ایسی رضامندی جسکا اندازہ کرنا محال ترین ہے۔

جب کوئی محبت الٰہی میں مستغرق ہوجاتا ہے تو اسکا پہلا مقام یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ سے راضی ہوتا ہے اور آخری مقام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہوجاتا اور وہ اللہ تعالیٰ کا رضی اللہ عنہ ہوجاتا ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (دیکھنے والا ہے) اپنے سارے (بندوں کو) اور ان کے اعمال واحوال کو بھی۔اس وجہ سے ان کو نیکیوں پر ثواب دیگا اور برائیوں پر جس سزا کے وہ لائق ہیں وہ سزا دے گا۔اب اگر کوئی جاننا چاہتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں، جو اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھتے ہیں اور پھر ان کو بہترین کرامات سے نوازا جاتا ہے، تو وہ سن لے کہ۔۔۔

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ﴿١٦﴾

وہ جو کہیں کہ پروردگارا بیشک ہم مان گئے، تو بخش دے ہمارے گناہوں کو، اور بچا ہم کو عذاب جہنم سے ●

یہ (وہ) لوگ ہیں بارگاہ خداوندی میں (جو) یہ عرض کریں اور (کہیں کہ پروردگارا بیشک ہم مان گئے) اور تجھ پر اور تیرے نبی ﷺ پر اور تیرے نبی ﷺ کے ذریعہ تیری جو جو ہدایتیں ملیں اور جو جو احکامات موصول ہوئے، ان سب پر ایمان لا چکے اور اس ایمان لانے سے تیری مغفرت کے مستحق ہو چکے (تو بخش دے) اپنے فضل وکرم سے (ہمارے گناہوں کو اور بچا ہم کو عذاب جہنم سے) ان اعمال سے ہم کو دور رکھ جو جہنم کی طرف لیجانے والے ہوں، مذکورہ بالا عرض پیش کرنے والے ہیں۔

اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ

یہ صبر کرنے والے، اور سچ بولنے والے، اور ادب کرنے والے، اور خرچ کرنے والے،

وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

اور بخشش مانگنے والے پچھلی رات میں●

طاعت کی تکالیف اور دکھ درد اور جنگ کے خطرات کے وقت (یہ صبر کرنے والے) اپنے اقوال و نیات وعزائم کے سچے (اور) ہر حال میں (سچ بولنے والے) طاعت پر مداومت، عبادت پر مواظبت (اور) شریعت کا (ادب کرنے والے اور) اپنے اموال کو اللہ ورسول کی خوشنودی پر (خرچ کرنے والے اور بخشش مانگنے والے پچھلی رات میں) صبح کو تڑکے، کہ وہ دعا قبول ہونے کا وقت ہے ---یا--- شب کے آخری تیسرے حصہ میں نوافل ادا کرنے والے ---یا--- فجر کی نماز، جماعت سے پڑھنے والے۔

---الختصر--- متقی وہ ہیں جو ریاضت کا بوجھ اٹھانے میں صابر ہیں اور سچے ہیں ارادت کی سیدھی راہیں چلنے میں، اور فرمانبردار ہیں اللہ کی طرف چلنے اور اللہ کی راہ میں بے قصور اور بے فتور سیر کرنے میں اور قربان کردینے والے اپنے جان ومال کو محبت کی وجہ سے اور استغفار کرنے والے ہیں، اپنے دلی اور قلبی گناہ سے۔ ان نفوس قدسیہ والوں کی نظر میں غیر خدا کی طرف توجہ بھی گناہ ہے، تو وہ اس گناہ کیلئے استغفار کرتے رہتے ہیں۔

دو یہودی عالم ملک شام سے مدینہ منورہ میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے بزرگ کلمہ اور سب سے بڑی شہادت کلام الٰہی میں کیا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ---

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِؕ

اللہ گواہ ہے کہ بے شک نہیں کوئی معبود اس کے سوا۔ اور فرشتوں نے گواہی دی اور علم والوں نے انصاف پر قائم رہ کر، کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُؕ ﴿۱۸﴾

نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے، غلبہ والا حکمت والا●

(اللہ) تعالیٰ (گواہ ہے کہ بیشک نہیں) ہے (کوئی معبود اسکے سوا)، ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہونے کی شہادت اللہ تعالیٰ کی اپنی شہادت ہی ہے، جو تمام شہادتوں کی بنیاد ہے۔ اگر وہ نہ ہو

تو تمام مخلوق کی شہادتیں غیر معتبر ہوں۔۔۔الغرض۔۔۔شہادت وہی ہے جو خود خدا نے دی ہے (اور) پھر (فرشتوں نے گواہی دی)۔یعنی خدا کی گواہی پر اسکی وحدانیت کا اقرار کیا۔(اور علم والوں نے) بھی گواہی دی اور اسکی وحدانیت پر ایمان لا کر اس وحدانیت پر دلیلیں قائم کیں۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔انسانوں کے نفوس میں توحید پر دلائل پیدا کرنا، یہ خدائے عزوجل کی گواہی ہے، اسکی وحدت کا اقرار کرنا یہ فرشتوں کی گواہی ہے اور اسکی وحدت کو مان کر اس پر دلائل قائم کرنا، یہ علمائے ربانیین کی گواہی ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اللہ تعالیٰ (انصاف پر قائم رہ کر) یعنی انصاف قائم کر کے عدل کے ساتھ نظام قائم کرنے والا ہے۔یعنی وہ رزق واجل اور جزا وسزا دینے میں اپنے بندوں سے عدل وانصاف فرماتا ہے، بلکہ انھیں بھی عدل کا حکم فرماتا ہے۔۔۔یا۔۔۔جن امور سے روکتا ہے ان میں بھی عدل وانصاف ہوتا ہے تاکہ ان میں برابری رہے اور ایک دوسرے پر ظلم نہ کر سکیں۔رب تعالیٰ کی اپنی توحید کی گواہی انصاف پر مبنی ہے کیوں (کہ) فی الواقع (نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے) بے شک وہ (غلبہ والا) ہے۔تو یہ محال ہے کسی اور کی شہادت اسکی شہادت پر۔۔۔یا۔۔۔کسی اور کی تعریف اسکی خود اپنی کی ہوئی حمد پر غالب آجائے۔

دوسرے لوگ تو صرف اسلئے گواہی دیتے ہیں اور صرف اسلئے حمد وثنا کرتے ہیں کہ ایسا کرنے پر انھیں مامور کیا گیا۔۔۔نیز۔۔۔انہیں حکم دیا گیا ہے کہ توحید کا اقرار کریں اور خدا کی تعریف وتوصیف کرتے رہیں۔

رہ گیا اپنی شہادت اور اپنے وصف میں غالب رہنا وہ اسی رب کریم کی شان ہے جو (حکمت والا) ہے اور اپنی وحدانیت کی گواہی دینے میں دانا ہے۔

اس مقام پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی تکرار توحید کی تاکید کی وجہ سے ہے، تاکہ وہ بندے اللہ تعالیٰ کی توحید کا حق ادا کریں اور شرک سے بچیں، اسلئے کہ توحید کے منکر پر اتنی زیادہ سخت سزا ہے کہ اس جیسی اور کوئی سزا نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر جس طرح چاہتا ہے، حکم دیتا ہے، لیکن ایسا بھی نہیں کہ وہ اپنے غلبہ وقدرت کی وجہ سے کسی سے ناانصافی کرے۔

اس سے پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور علماء نے یہ شہادت دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔یہی توحید ہی دین حق ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے

لیکر حضرت خاتم النبیین ﷺ تک ہر ہر نبی برحق کے پیغام وہدایت کا بنیادی حصہ رہا ہے۔
ہر دور میں دین برحق کی نسبت اس دور کے نبی کی طرف کی جاتی رہی۔۔۔مثلاً: دین ابراہیمی، دین موسوی اور دین عیسوی وغیرہ اور اب صورت حال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے عہد سے لیکر آج تک اسلام کے سوا اور کوئی دین توحید کا داعی نہیں ہے۔صرف اسلام ہی ہے جسکی دعوت وہدایت کا اصل الاصول نظریہ، توحید الٰہیت والوہیت ہے۔اس سے یہ نتیجہ واضح طور پر سامنے آگیا کہ۔۔۔

إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

بے شک دین اللہ کے نزدیک، اسلام ہی ہے۔۔۔اور نہیں اختلاف کیا جن کو دی گئی ہے کتاب

إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ

مگر بعد اس کے کہ آگیا ان کو علم، باہمی چڑھاؤ اتار میں۔ اور جو انکار کرے اللہ کی آیتوں کا،

فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩﴾

تو بے شک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے●

(بیشک دین) برحق (اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک) دین (اسلام ہی ہے)۔اسلام کے سوا دوسرے سارے ادیان باطل ہیں۔۔۔الغرض۔۔۔اسلام ہی خدا کا پسندیدہ دین ہے، یہودیت اور نصرانیت نہیں۔ سننے والو سنو (اور) یاد رکھو کہ (نہیں اختلاف کیا) دین اسلام کے دین برحق ہونے میں اور رسولِ اسلام کے رسولِ برحق ہونے میں، ان یہود ونصاریٰ نے (جن کو دی گئی ہے کتاب) ان کے رسولوں پر نازل فرما کر (مگر بعد اس کے کہ آگیا ان کو) حقیقت امر اور صحیح صورت حال کا (علم)۔

یعنی دلائل و براہین سے انھیں پورا یقین حاصل ہو چکا تھا کہ حقیقت الامر کیا ہے؟ وہ اچھی طرح سے جان چکے تھے کہ دین اسلام اور نبوت محمدی حق ہے، جسے ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ پھر بھی انکار کرنا، یہ انکی انتہا درجہ کی گمراہی تھی۔ عقل وشعور اور علم وخبر رکھتے ہوئے انھیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ مذکورہ بالا آیت میں اہل کتاب کے اختلاف کے مصداق کے تعلق سے مندرجہ ذیل اقوال بھی ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔اس سے مراد یہود ہیں۔اور انکے اختلاف کا بیان یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی وفات قریب ہوئی، تو انھوں نے تورات کو ستر علماء کے سپرد کیا اور ان کو تورات پر امین

بنایا اور حضرت یوشع علیہ السلام کو خلیفہ مقرر کیا، پھر کئی قرن گزرنے کے بعد ان ستر علماء کی اولاد در اولاد نے تورات کا علم رکھنے کے باوجود باہمی حسد وعناد کے باعث ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔

﴿۲﴾۔۔۔اس سے مراد نصاریٰ ہیں۔ جنھوں نے باوجود انجیل کی تعلیمات کے، حضرت عیسیٰ کے متعلق اختلاف کیا اور انھیں 'عبداللہ' کے بجائے 'ابن اللہ' کہا۔

مذکورہ بالا سارے اختلافات، اختلاف کرنے والوں نے اخلاص اور حق پسندی میں نہیں کئے ہیں، بلکہ (باہمی اتار چڑھاؤ میں) کئے ہیں۔ حسد وعناد، عمارت وریاست کی چاہت، ایک دوسرے پر برتری کی خواہش اور دنیوی مفادات کو زیادہ سے زیادہ تنہا حاصل کر لینے کا جذبہ، یہ سب تھے ان کی آپسی رسہ کشی کے اسباب۔ اب سب اچھی طرح سے سن لیں (اور) سمجھ لیں کہ (جو انکار کرے اللہ تعالیٰ (کی آیتوں کا) یعنی قرآنی ہدایات اور نبی کریم کے معجزات کا اور دلائل وبراہین سمجھ لینے کے بعد دین اسلام کے خدا کا پسندیدہ دین ہونے کا، (تو) وہ اچھی طرح سے جان لے کہ (بے شک اللہ تعالیٰ (جلد) اسکا (حساب کرنے والا ہے) اور صرف کسی ایک فرد کا نہیں، بلکہ ساری مخلوق کا جلد تر حساب لینے والا ہے۔

یوم حساب یعنی قیامت کا دن بالکل قریب ہے۔ ہمارے اور قیامت کے درمیان اب کسی اور نبی کا زمانہ حائل نہیں۔ ایسا بھی نہیں کہ حساب لینے میں اسے کافی وقت لگے گا، بلکہ وہ بہت تھوڑی دیر میں ہی سب کا حساب لے لیگا۔ یہاں تک کہ ہر ایک کا گمان یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف میرا ہی حساب لیا ہے۔۔۔

فَاِنْ حَاجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ

پھر اگر کٹ حجتی کی انھوں نے تو، کہہ دو کہ میں اپنا رخ جھکا چکا اللہ کیلئے، اور جنھوں نے میری پیروی کی۔ اور کہہ دو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ

اہل کتاب اور ان پڑھوں سے، کہ کیا تم نے بھی جھکایا۔ پس اگر انھوں نے جھکا دیا، تو بے شک راہ پا گئے۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝

اور اگر منہ پھیر لیا، تو تم پر بس پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے ●

ان تمام حقائق کو جان لینے کے بعد (پھر اگر کٹ حجتی کی انھوں نے) اس مسئلہ میں کہ پسندیدہ

دین اللہ تعالیٰ کا اسلام ہی ہے (تو) اے حبیب ان سے صاف لفظوں میں (کہہ دو کہ میں اپنا رخ) دل، دماغ اور قلب وروح سب کچھ (جھکا چکا) خالصاً لوجہ اللہ، (اللہ) تعالیٰ (کیلئے اور) صرف میں نے ہی نہیں، بلکہ ان سارے لوگوں نے بھی (جنھوں نے میری پیروی کی) ان سبھوں نے بھی خدا کے آگے سرِ تسلیم خم کرلیا ہے۔

اے محبوب ساتھ ہی ساتھ سوالیہ انداز میں فرمادو (اور کہہ دو اہل کتاب) یعنی یہود ونصاریٰ سے، (اوران پڑھوں سے) یعنی مشرکین عرب سے جنکے پاس کوئی کتاب نہیں (کہ کیا تم نے بھی جھکایا) ۔۔۔یعنی۔۔۔کیا تم بھی سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے میری تابعداری کرتے ہو؟ جیسے کہ اہل ایمان نے تابعداری کی ہے۔غور کرو کہ تمہارے پاس ایسے دلائل موجود ہیں جو اسکے مقتضی ہیں اور تم پر لازم کرتے ہیں، کہ تم مجھ پر لازماً ایمان لاؤ، تو جواب دو کہ کیا تم ایمان لائے ہو؟ اور ان دلائل کے مطابق عمل کرتے ہو؟۔۔۔یا۔۔۔ویسے ہی ابھی کفر پر ڈٹے ہوئے ہو۔

(پس اگر انھوں نے) آپ کے آگے اپنا سرِ تسلیم (جھکا دیا) اور پورے اخلاص کے ساتھ تمہیں مان گئے، (تو بے شک راہ پا گئے)۔اب وہ یقیناً ہدایت کے حظّ وافر سے محفوظ ہونگے اور ہلاکتوں سے محفوظ ہو جائیں گے (اور اگر منہ پھیر لیا)، یعنی آپ کی اتباع سے روگردانی کی اور اسلام کو قبول کرنے سے انکار کردیا، (تو) وہ اس سے آپ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے اسلئے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ ہے اور احکامِ الٰہی پہنچا دینا ہے۔

۔۔۔المختصر۔۔۔اے محبوب، تم صرف رسالت کے احکام پہنچانے پر معمور ہو۔تمہارا جو فریضہ تھا، وہ تم نے بخوبی کما حقہ ادا کردیا۔۔۔الغرض۔۔۔(تم پر بس پہنچا دینا ہے) کسی کو منوانا اور اسکی ذات میں ہدایت کی تخلیق کرنا نہیں ہے۔(اور اللہ) تعالیٰ (اپنے بندوں) کی تصدیق اور تکذیب دونوں (کو دیکھنے والا ہے)۔تو تصدیق کرنے والے مومنین کیلئے جزا ہے اور تکذیب کرنے والے کافروں کیلئے سزا ہے۔

اوپر دین سے اعراض کرنے والوں کا ذکر تھا، اب انکے تعلق سے فرمایا جارہا ہے کہ۔۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ

بیشک جو انکار کریں اللہ کی آیتوں کا، اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو ناحق،

وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

اور قتل کریں ان کو جو لوگوں میں انصاف کا حکم دیں، تو متوجہ کر دو ان کو دکھ دینے والا عذاب کی طرف ●

(**بیشک جو انکار کریں اللہ**) تعالیٰ (**کی آیتوں کا**)، کسی بھی ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے، خواہ بظاہر لفظوں میں انکار نہ کیا جائے، اسلئے کہ دونوں انکار کا انجام ایک ہی ہے۔

جس طرح ساری آیتوں کا منکر کافر ہے، بالکل اسی طرح ایک آیت کا بھی منکر کافر ہی ہے۔ تو جس نے کسی ایک آیت کا بھی انکار کیا تو اس نے گویا ساری آیتوں کا انکار کر دیا، اسلئے کہ ایمان کیلئے ضروری ہے کہ ہر ہر آیت کی تصدیق کی جائے، مگر کفر کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر آیت کی تکذیب کی جائے، تب کہیں جا کر کفر ہو۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔ جو آیات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں (**اور قتل کرتے ہیں انبیاء کو**) یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ قتل (**ناحق**) ہے اور ظالمانہ ہے، کسی ایسی وجہ سے نہیں ہے، جس سے اس قتل کو حق شرعی قرار دیا جائے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ بھی کر گزریں (**اور قتل کریں ان کو جو لوگوں میں انصاف کا حکم دیں**) اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کریں۔

ان یہودیوں کی سرکشی اور زیادتی کا عالم یہ تھا کہ صرف ایک گھنٹے میں تینتالیس[43] انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کر ڈالا۔ اس پر بنی اسرائیل کے غلاموں جن کی تعداد ایک سو بارہ تھی، نے انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کہ تم نے انبیاء علیہم السلام کو ناحق شہید کر ڈالا۔ اس پر ان یہودیوں کو غصہ آ گیا اور اسی دن کی شام کو ان سب کو بھی شہید کر دیا۔

یہ قاتلین اگرچہ حضور ﷺ کے ہم زمانہ نہ تھے بلکہ آپ کے ہم عصر اہل کتاب کے مورثین تھے، مگر چونکہ یہ ہم عصر اپنے مورثین کے اس عمل کو صحیح سمجھنے والے ہیں، انکی تعریف و تحسین کرنے والے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اپنے مورثین کے عمل کی پیروی کرتے ہوئے نبی کریم کو شہید کر دینے کی تدبیر میں بھی لگے رہتے تھے۔ غزوۂ خیبر میں نبی کریم کو زہر دینا اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

ایسے ہی مومنین بھی ہمیشہ انکی آنکھوں کا کانٹا رہے۔ لہٰذا سارے ایمان والوں کو شہید کر دینے کی آرزو بھی انکے دلوں میں ہمیشہ رہی۔ اگر رب کریم اپنی عصمت اور اپنے فضل و کرم سے انکی حفاظت نہ فرماتا، پھر تو وہ لوگ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو جاتے۔

(**تو**) اے محبوب (**متوجہ کر دو ان**) ظالموں (**کو دکھ دینے والے عذاب کی طرف**) اور جان لو کہ۔۔۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

یہ وہ ہیں کہ غارت ہو گئے ان کے اعمال دنیا و آخرت میں،

وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۲۲﴾

اور نہیں ان کیلئے کوئی مددگار●

(یہ) جنکے اوصاف قبیحہ اوپر بیان کئے گئے ہیں (وہ ہیں کہ غارت) یعنی ضائع واکارت (ہو گئے انکے اعمال دنیا و آخرت میں اور نہیں ان کیلئے کوئی مددگار) جو اللہ کے عذاب سے نجات دلانے میں مدد دے سکے دنیا میں نہ آخرت میں۔ دنیا میں نہ ان کی کوئی تعریف وتوصیف کرنے والا ہوگا اور نہ ہی آخرت میں ان کے اعمال کا کوئی ثواب ملے گا۔

سابقہ آیت میں بتایا گیا کہ یہودیوں کا اسلام قبول کرنے سے انکار عناداً تھا اور اب یہ وضاحت کی جارہی ہے کہ انکا عناد اس درجہ کو پہنچا ہوا تھا کہ اگر انھیں خود انکی آسمانی کتابوں کی طرف عمل کی دعوت دی جائے، تو اس سے بھی اعراض کرتے ہیں۔۔۔چنانچہ۔۔۔ایک مرتبہ رسول کریم یہودیوں کے مدرسے میں گئے اور انھیں اللہ کی طرف دعوت دی، تو ان یہودیوں میں سے نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے آپ سے پوچھا، اے محمد (ﷺ) آپ کس دین پر ہیں؟ آپ نے فرمایا حضرت ابراہیم کے دین اور انکی ملت پر۔ انھوں نے کہا کہ، ابراہیم تو یہودی تھے۔ آپ نے فرمایا، تورات لاؤ۔ اس مسئلہ میں وہ ہمارے اور تمہارے درمیان فیصل ہے، انھوں نے اس سے انکار کیا تو ارشاد ربانی ہوا۔۔۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ

کیا تم دیکھ نہیں چکے ان کو، جنھیں دیا گیا ایک حصہ کتاب سے، وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾

کی طرف تو وہ ان میں حکمرانی کرے، پھر ان میں سے کچھ پھرتے ہیں بے رخی کے ساتھ●

اے محبوب! (کیا تم دیکھ نہیں چکے ان) یہودیوں (کو جنھیں دیا گیا) علوم واحکام، حضور ﷺ کی شان مبارک کے قصے، اسلام کی حقیقت۔۔۔الغرض۔۔۔(ایک) اچھا خاصا (حصہ کتاب) تورات (سے)، اور پھر جب (وہ بلائے جاتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی کتاب کی طرف) تا کہ جب وہ آئیں (تو

وہ) کتاب (ان) کے مسائل (میں) فیصلہ کرے اور حَکم کا کردار ادا کر کے اور اپنی (حکمرانی) کا مظاہرہ (کرے)، تو (پھر) اس دعوت پر انکار دیہ یہ ہوتا ہے کہ (ان میں سے کچھ پھر) جا (تے ہیں بے رخی کے ساتھ)، کتاب کے حکم سے اعراض کرتے ہوئے گفتگو کی مجلس سے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودٰتٍ

یہ اسلئے کہ وہ کہا کیے کہ نہ چھوئے گی ہم کو آگ، مگر چند دن۔

وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾

اور دھوکا دیا ان کو ان کے دین میں اس نے جو جھوٹ افترا کرتے تھے●

انکی (یہ) سرکشی (اسلئے) تھی (کہ وہ) اپنے گمانِ فاسد کی بنیاد پر (کہا کئے) دعویٰ کرتے رہے، (کہ نہ چھوئے گی ہم کو) جہنم کی (آگ، مگر چند دن) یعنی ہم پر صرف چالیس دن عذاب ہوگا، جتنے دنوں تک ہمارے مورثوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی۔

کبھی وہ کہتے ہیں ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے محبوب ہیں اور کبھی یہ بکتے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں، اسلئے ہم سے گناہوں کا مواخذہ نہیں ہوگا اور انبیاء کرام سفارش کر کے ہم کو بچالینگے۔

کبھی کہتے کہ ہم حضرت یعقوب کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ انکی اولاد کو عذاب نہ ہوگا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ بہکا دیا (اور دھوکا دیا ان کو ان کے) اپنے (دین میں) گھڑے ہوئے خود ساختہ (اس) خیال (نے جو) سراسر (جھوٹ) تھے، جسکا بہتان اللہ تعالیٰ پر باندھتے تھے اور خدا کی ذات پر (افتراء کرتے تھے)۔

فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ

پس کیسا حال ہوگا جہاں ہم نے اکٹھا کر دیا انکو اس دن کہ جس میں کوئی شک نہیں۔۔۔ اور پورا پورا دیا گیا ہر ایک

مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٥﴾

جو اس نے کمایا، اور وہ ظلم نہیں کیے جاتے●

تو عقل وشعور والو! غور کرو، (پس کیسا حال ہوگا) انکا اس جگہ (جہاں ہم نے اکٹھا کر دیا ان کو

اس دن کہ جس) دن کے واقع ہونے (میں کوئی شک نہیں)، مکمل انصاف کیا گیا (اور پورا پورا) اجر (دیا گیا ہر ایک) کو، اسکا (جو اس نے کمایا) یعنی ان کے اعمال کی انھیں پوری جزا ملے گی، اس میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوگی (اور وہ) یعنی میدانِ حشر میں حساب وکتاب کیلئے اکٹھا کیے جانے والے، عذاب بڑھا کر۔۔۔یا۔۔۔ثواب میں کمی کر کے (ظلم نہیں کیے جاتے)، بلکہ ہر ایک کو انکے اعمال کی پوری جزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کی شان سے بعید ہے کہ وہ اپنے بندوں پر ظلم کرے اگر چہ ذرہ برابر ہی۔ پس مومن کو اس کے ایمان کی جزا ملے گی اور کافر کو اس کے کفر کی سزا۔۔۔اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ عنقریب کفار مغلوب ہونگے اور بظاہر ایسا ہونا معلوم نہیں ہوتا تھا، کیونکہ کفار کی تعداد بہت زیادہ تھی اور دنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں کافروں کی حکومت تھی [redacted]

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ

کہو یا اللہ، ہر ملک کے مالک، تو جس کو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین

مِمَّنْ تَشَآءُ ۖ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۗ

لے۔ اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے رسوائی دے۔

بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۗ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

تیرے ہی قبضہ ہر بھلائی ہے۔ بے شک تو ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے●

اور (کہو یا اللہ ہر ملک کے مالک) تیرے تصرفات کا عالم یہ ہے کہ (جس کو چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے) دنیا و آخرت میں اپنی نصرت وتوفیق عطا فرما کر (عزت دے اور جسے چاہے) اسکے سر سے اپنے فضل وکرم کا سایہ ہٹا کر دونوں جہاں میں اسے (رسوائی دے)، تو مالک ومختار ہے، تیرا کوئی مانع ہے نہ مدافع، (تیرے ہی قبضہ) قدرت میں (ہر بھلائی ہے) کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ جس طرح تیری مشیت کا تقاضہ ہوتا ہے، تو اسی طرح تصرف فرماتا ہے۔ اے اللہ (بیشک تو ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے) جو چاہے کرے، جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کر دے۔

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ

تو رات کو دن میں اور دن کو رات میں سمادے۔ اور تو زندہ کو مردہ سے

وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

اور مردہ کو زندہ سے نکالے۔ اور جس کو چاہے ان گنت روزی دے●

تیری قدرت کاملہ کا عالم تو یہ ہے کہ جب چاہے (**تو رات کو دن میں**) داخل کردے، ایسا کہ دن بڑھ کر پندرہ گھنٹے کا ہو جائے اور رات اس میں گم ہو کر، ایسا کم ہو کہ نو گھنٹے کی ہو کر رہ جائے۔ (**اور**) یوں ہی جب چاہے (**دن کو رات میں سمادے**)، ایسا کہ رات پندرہ گھنٹے کی ہو جائے اور دن نو گھنٹے کا رہ جائے۔ (**اور**) کیا ہی عظیم ہے تیری یہ شان قدرت، کہ (**تو زندہ کو مردہ سے**) نکالے، خواہ مادی طور پر جیسے بیج سے درخت، نطفہ سے انسان اور انڈے سے پرندے وغیرہ وغیرہ۔۔۔ یا۔۔۔ معنوی طور پر جیسے جاہل سے عالم اور کافر سے مومن، وغیرہ وغیرہ پیدا فرمائے (**اور**) یونہی (**مردہ کو زندہ سے نکالے**) جیسے بیج کو درخت سے، نطفہ کو انسان سے، جاہل کو عالم سے اور کافر کو مومن سے پیدا فرمائے۔ (**اور جس کو چاہے ان گنت روزی دے**) اور بے حساب رزق عطا فرمائے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ اے میرے مالک الملک جب تو ان سارے حیرت انگیز امور پر قدرت رکھتا ہے، تو تجھے یہ بھی قدرت ہے کہ عجمیوں سے ملک چھین کر انھیں ذلیل کردے اور عربوں کو عنایت فرما کر انھیں معزز فرمادے۔ اور یوں ہی بنو اسرائیل سے نبوت لیکر بنو اسماعیل کو عطا فرمادے۔ یہ سارے کام تیرے نزدیک بہت ہی آسان ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی سمجھ لینے کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی مالک الملک اور قادر مطلق ہے تو ایمان والوں کو چاہیے اسی کی رضا کے طالب رہیں اور اسی کے احکام کی پیروی کریں۔

لہٰذا مدینہ منورہ کے انصار کی ایک جماعت کا رؤسائے یہود کے ساتھ دوستی اختیار کرلینا اور آپس میں بھائی چارہ قائم کرلینا اور ایک دوسرے کا ولی بن جانا اور ان یہودیوں سے اپنا قلبی لگاؤ کا مظاہرہ کرنا، یہ سب کچھ ایک مومن کی شان کے خلاف ہے، اسلئے۔۔۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ

نہ بنائیں ایمان والے، کافروں کو دوست، ایمان والوں کو چھوڑ کر۔ اور جو ایسا کرے،

ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ

تو نہیں ہے اللہ سے وہ کسی علاقہ میں، مگر یہ کہ خوف ہو تم کو ان سے کچھ۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنی ہیبت سے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے●

(نہ بنائیں ایمان والے کافروں کو دوست ایمان والوں کو چھوڑ کر)، یعنی صرف ایمان والوں ہی کو دوست بنائیں، ایسا نہ ہو کہ جب دوست بنانے پر آئیں تو ایمان والوں کو نظر انداز کر دیں اور ان کی بجائے کسی کافر کو دوست بنالیں۔ کافروں کو دوست بنا لینے میں اندیشہ ہے کہ کہیں جنگ کے وقت ان سے نہ مل جائیں۔۔۔یا۔۔۔انکے خلاف کسی عملی اقدام سے کنارہ کش نہ ہو جائیں۔۔۔یا۔۔۔امور دینیہ میں انکا ساتھ نہ دے بیٹھیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔کافروں اور مشرکوں کے ساتھ 'موالات' جائز نہیں۔ البتہ ان کے ساتھ 'مواسات'، یعنی 'انسانی ہمدردی کا معاملہ'، 'مدارات' یعنی 'گفتگو اور برتاؤ میں نرمی کا مظاہرہ' اور 'مجرد معاملہ'، یعنی 'معاشرتی برتاؤ کرنا' جائز ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اس مقام پر جس موالات کو حرام قرار دیا گیا ہے، اس سے مراد وہ معاملات ہیں، جو انسان محبت کی بنیاد پر اپنے محبوب کے ساتھ کرتا ہے، جسے کرنا اسکی محبت کا تقاضہ ہوتا ہے۔۔۔مثلاً: محبوب کی تعظیم وتوقیر کرنا، محبوب کے حکم کو باقی احکام پر ترجیح دینا، اسکی تعریف و توصیف کرنا، اسکا بکثرت ذکر کرنا، اسکی رضا جوئی کی کوشش کرنا، دین اور عبادت کے معاملہ میں ان سے مدد حاصل کرنا۔ انکو اپنا ہمراز بنانا، انکے ساتھ شادی بیاہ کے تعلق استوار کرنا، یہ تمام امور انکے ساتھ جائز نہیں۔

البتہ کفار کو اپنا نوکر اور غلام بنانا اور ان سے اس طرح مدد لینا جیسے مالک نوکروں سے لیتا ہے اور تفوق و برتری کے ساتھ ان سے تعلق رکھنا، یہ سب امور جائز ہیں۔ رہ گیا کسی کی طرف وہ غیر اختیاری جھکاؤ اور دلی لگاؤ جو خونی تعلق، رشتہ داری، پرانی دوستی یا نئی شناسائی کی وجہ سے ہوتی ہے، تو چونکہ اس پر کوئی اختیار نہیں، اسلئے شرعاً معاف ہے اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے

۔۔۔المختصر۔۔۔کفار سے دلی محبت کی بنیاد پر کئے جانے والے دوستانہ معاملات جائز نہیں۔

(اور) اب (جو ایسا کرے) یعنی کفار سے دوستی جوڑے (تو نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (سے وہ کسی علاقہ میں) یعنی کسی معاملہ میں جسے کہا جا سکے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور دوستی کا شائبہ ہے۔

یعنی کفار سے تعلق جوڑنے والا ہر طرح سے اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے اور عقل بھی مانتی ہے کہ دوست اور اس کے دشمن کی دوستی یکجا نہیں ہو سکتی، (مگر یہ کہ خوف ہو تم کو ان سے کچھ)۔ یعنی اے مومنو، ہر لحاظ سے اور ہر حال میں کفار کو ظاہری و باطنی دوست نہ بناؤ، مگر اس حال میں کہ تم ڈرتے ہو اور ان سے کسی قسم کا جانی، مالی، اور عزت و آبرو کے نقصان کا خطرہ ہو۔ وہاں کفار کے غلبہ کی وجہ سے۔۔۔یا۔۔۔ مومن کے انکے درمیان مقیم ہونے کے سبب، اسلئے ان سے دوستی اور تعلق کے سوا چارہ کار نہیں، تو ان سے ظاہری دوستی کے اظہار میں حرج نہیں، بشرطیکہ دل کفار کے بغض و عداوت سے بھرپور ہو۔ بظاہر انکے ساتھ رہے، لیکن سیرتاً اور عملاً ان سے دور رہے، اور ان سے دوستوں کی طرح خلط ملط نہ کرے اور نہ ہی انکے طور و اطوار اپنائے۔

یہ مذکورہ بالا حکم رخصت کے طور پر ہے۔ اب اگر کوئی صبر کرے یہاں تک کہ شہید ہو جائے تو بہت زیادہ اجر و ثواب پائے گا۔

(اور ڈراتا ہے تم کو اللہ) تعالیٰ (اپنی ہیبت سے) یعنی اپنی ذات مقدسہ سے۔۔۔الغرض۔۔۔ اسکے دشمنوں سے دوستی کر کے اسکی ناراضگی کو چیلنج نہ کرو (اور) اچھی طرح سے ذہن نشین کر لو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف لوٹنا ہے)، یعنی تمام مخلوق کا مرجع اسکی طرف ہے۔ وہ ہر ایک کو اسکے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ تو۔۔۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ

کہہ دو کہ اگر چھپا لو جو تمہارے سینوں میں ہے، یا ظاہر کر دو، اللہ سب کو جانتا ہے۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں

وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۹

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے ●

اے محبوب (کہہ دو کہ اگر) تم (چھپا لو جو تمہارے سینوں میں ہے) اپنے دل کے رازوں کو منجملہ انکے، کفار کی دوستی بھی ہے (یا ظاہر کر دو) جو تمہارے مابین ہے اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اسلئے کہ نہ تمہارے چھپانے سے کوئی چیز چھپ سکتی ہے اور نہ ہی کسی راز کو عیاں کرنے کیلئے تمہارا اظہار کرنا ضروری ہے۔ اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (سب کچھ جانتا ہے)۔ پس تمہارا مواخذہ ہوگا جب اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوگے (اور) صرف تمہارے دلوں کے رازوں ہی کو نہیں بلکہ (وہ جانتا ہے جو کچھ

آسمانوں) میں ہے (اور جو کچھ زمین میں ہے) اس سے کوئی شے مخفی نہیں، اسلئے اس سے نہ تمہارا ظاہر چھپا ہوا ہے اور نہ باطن۔

اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے جو ساری معلومات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اسکے علم کے دائرے سے نہ کوئی باہر ہے اور نہ ہی باہر ہوسکتا ہے۔ (اور) صرف جملہ معلومات کا عالم ہی نہیں بلکہ (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے)۔ اسکی قدرت بھی ذاتی ہے کوئی مقدور اسکی قدرت کے دائرے سے باہر نہیں، تو اگر تم اللہ تعالیٰ کے منہیات کے ارتکاب سے باز نہیں آؤ گے، تو اسے تمہیں سزا دینے پر بھی قدرت ہے۔ بہر صورت جزا وسزا کا دن آنے ہی والا ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوٓءٍ ۚ

جس دن کہ پائے گا ہر ایک جو کمائی ہے بھلائی سامنے موجود، اور جو کر رکھی ہے برائی،

تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا ۢ بَعِيْدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ

ہر ایک چاہیگا کاش برائیوں کے کمانے اور اسکی ذات کے درمیان، دور کا فیصلہ ہوتا۔ اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنی جلالت سے

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ ۢ بِالْعِبَادِ ۝

اور اللہ بے حد رحمت والا ہے اپنے بندوں کیلئے●

(جس دن کہ پائیگا ہر ایک) نفس مکلفہ اپنی وہ کمائی (جو کمائی ہے) یعنی ہر شخص اپنی کمائی ہوئی (بھلائی) کو اپنے (سامنے موجود) اپنے اعمال کے صحیفے میں۔۔۔یا۔۔۔اسکی جزاء کی صورت میں پائیگا (اور) یونہی (جو کر رکھی ہے برائی) وہ بھی نامہ اعمال کی صورت میں سامنے ہوگی۔ جس دن انکے نامہ ہائے اعمال، نیکیاں۔۔۔یا۔۔۔برائیاں یا انکی جزائیں انکے سامنے لائے جائینگے۔

اس دن (ہر ایک) یہی (چاہے گا) اور سب کے دل کی یہی آرزو ہوگی کہ اے (کاش برائیوں کے کمانے) یعنی برے اعمال انجام دینے (اور اسکی ذات کے درمیان دور کا فاصلہ ہوتا)، یعنی کاش یہ برائیاں میرے سامنے نہ ہوتیں۔۔۔یا۔۔۔یہ کہے گا کہ کاش میں ایسے برے عمل نہ کرتا (اور ڈراتا ہے تم کو اللہ) تعالیٰ (اپنی جلالت سے)، اپنی عظمت وجلالت والی ذات سے، اور فرماتا ہے اے لوگو، اپنے آپ کو مجھ سے یعنی میرے غضب سے بچاؤ اور یہ ڈرانا بھی اسکی رحمت ورافت کا تقاضہ ہے (اور) بیشک (اللہ) تعالیٰ (بے حد رحمت والا ہے اپنے بندوں کیلئے) جبھی انھیں ڈرانے میں مبالغہ واصرار فرماتا ہے۔

کیونکہ جب بندے یقین کرلیں گے کہ ہمارا رب اتنی بڑی قدرت والا ہے اور اتنا زیادہ علم والا ہے، تو اسکا خوف اور اسکی خشیت انکے قلوب پر اثر انداز ہوگی، اس سے وہ اسکی رضا کی طلب کے در پے ہوجائینگے اور اسکی ناراضگی سے بچ جائینگے۔ تو یہ اسکا کرم نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ کہ وہ ہماری ہلاکت کے اسباب سے ہم کو دور رکھنا چاہتا ہے۔۔۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ

اعلان کردو کہ اگر دوست رکھتے ہو اللہ کو، تو پیچھے پیچھے چلو میرے، دوست رکھے گا تم کو اللہ، اور بخش

لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

دیگا تمہارے گناہوں کو۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے ●

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے محبت اور دوستی رکھنے سے منع فرمادیا تھا اور صرف اہل اللہ کے ساتھ محبت کرنے کی اجازت دی تھی اور جبکہ بعض کفار بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے تھے، تو ضروری تھا کہ واضح کردیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت و پہچان کیا ہے؟ چنانچہ ارشاد ربانی ہوا کہ۔۔۔

اے محبوب (اعلان کردو) اور سنادو ان یہود و نصاریٰ کو جنھوں نے:

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ

ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اسکے دوست ہیں

۔۔۔ کا شہرہ تمام عالم میں پھیلا رکھا ہے۔ ایسے ہی آگاہ کردو قریش کے ان مشرکین کو جو کہتے ہیں کہ ہم خدا سے محبت کرنے والے ہیں، ہمارا بتوں کا پوجنا خدا تک پہنچنے ہی کیلئے ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان سب محبت الٰہی کے دعویداروں سے کہہ دو (کہ اگر) واقعی طور پر تم (دوست رکھتے ہو اللہ) تعالیٰ (کو تو) صرف زبانی دعویٰ سے کچھ نہیں ہوتا، بلکہ اسکا عملی ثبوت پیش کرو اور میری مخلصانہ پیروی کرو۔۔۔ الغرض۔۔۔ (پیچھے پیچھے چلو میرے)، میری اتباع کا تمھیں یہ فائدہ ہوگا کہ خود دوست بنالے گا اور ہمیشہ (دوست رکھے گا تم کو اللہ) تعالیٰ (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (بخش دیگا تمہارے گناہوں کو اور) [illegible] (اللہ) تعالیٰ میری پیروی پر ثابت قدم رہنے والوں [illegible] ان پر اپنی (رحمت) کا نزول فرمانے (والا ہے)۔

اے محبوب! عبداللہ ابن ابی جیسے منافقین کو بھی آگاہ کردو جنھوں نے **فَاتَّبِعُوْنِیْ** والا ارشاد سنا تو بطور استہزاء بکنے لگے کہ محمد (ﷺ) اپنی اطاعت، اللہ کی اطاعت کے مثل قرار دیتے ہیں اور یہ حکم دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت کی جائے جیسے عیسیٰ بن مریم سے کی گئی تھی۔ تو ان جیسوں سے واشگاف انداز میں کہہ دو کہ [redacted] ہی ہے۔ اس معنی میں کہ جو اللہ کی اطاعت ہے، وہی رسول کی اطاعت ہے اور جو رسول کی اطاعت ہے، وہی اللہ کی اطاعت ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اللہ و رسول کی فرمانبرداری ایک ہی ہے۔ ان میں کسی ایک کا فرمانبردار، دوسرے کا بھی فرمانبردار ہے۔ تو۔۔۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اعلان کردو کہ فرمانبردار ہوجاؤ اللہ اور رسول کے۔ پھر اگر انھوں نے بے رخی کی، تو بیشک اللہ نہیں دوست رکھتا نہ ماننے والوں کو●

اے محبوب (اعلان کردو کہ) اے لوگو (فرمانبردار ہوجاؤ اللہ) تعالیٰ (اور) اسکے (رسول کے)، انکی طرف سے پیش کردہ اوامر و نواہی اور احکام شرع میں۔ (پھر اگر انھوں نے بے رخی کی) اور خدا و رسول کی اطاعت سے انکار کردیا (تو) وہ سن لیں کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں دوست رکھتا نہ ماننے والوں کو) تو ایسے کافروں کو حق نہیں پہنچتا وہ خدا کی دوستی کا دعویٰ کریں اور اپنے کو خدا کا دوست بتائیں۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

بیشک اللہ نے چن لیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو، سارے جہان پر●

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت، رسولوں کی اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی فضیلت اور انکے درجات کی بلندی کو بیان فرمایا ہے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی دو قسمیں ہیں:

﴿۱﴾۔۔ مکلفین ﴿۲﴾۔۔ غیر مکلفین

۔۔۔ اس پر اتفاق ہے کہ مکلفین غیر مکلفین سے افضل ہیں۔ رہ گئے مکلفین یعنی ملائکہ، جن، شیطان اور انسان، تو اس پر بھی اجماع ہے کہ بشر شیاطین و جنات دونوں سے افضل ہیں۔ اب رہ گئے بشر اور ملائکہ تو اہلسنّت کے نزدیک رسل ملائکہ عوام بشر سے افضل ہیں اور رسل بشر رسل ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور عوام بشر، یعنی مومنین، صالحین، عوام ملائکہ سے افضل ہیں۔

رہ گئے انسانوں میں کفار وفساق، توان سے 'بالا جماع' ملائکہ افضل ہیں۔۔۔اور چونکہ انسانوں میں انبیاء ومرسلین ہی وہ فضیلت یافتہ اوز بزرگ ہستیاں ہیں جنکی اتباع کرنا واجب ہے اور جن کی اتباع کرنے سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے، اسلئے انکا ذکر خیر کرتے ہوئے، ارشاد فرمایا گیا کہ۔۔۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ (نے چن لیا آدم کو)۔انھیں ابولبشر، بلکہ ابوالانبیاء بنایا، زمین پر اپنا خلیفہ قرار دیا۔فرشتوں سے انکا تعظیمی سجدہ کرایا اور کائنات کے تمام اسماء، اور مسمیات کا علم دیا (اور) چن لیا (نوح کو)، ان کو طویل عمر عطا فرمائی، ان کی کشتی کو سفینۂ نجات بنا دیا اور انکی شریعت کو اس سے پہلے کی شریعت کا 'جس میں محارم سے بھی نکاح جائز تھا' ناسخ قرار دیا اور پھر اس معنی میں انھیں آدم ثانی بنا دیا، کہ آج ساری دنیا میں جو انسان ہیں وہ سب کے سب انہی کی اولاد ہیں۔

(اور) چن لیا (ابراہیم کی آل) کو، انکے دو بیٹوں یعنی حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کی نسل میں انبیاء کرام کو معبوث فرما کر، ذات سیدنا ابراہیم کو اپنی خلت کی مسند پر بٹھا کر، انکو آتش نمرود سے نجات دے کر، انکو اور انکی نسل کو سارے انسانوں کی امامت وقیادت عطا فرما کر، اور خانہ کعبہ کی بنیاد رکھنے کا شرف مرحمت فرما کر۔ (اور) چن لیا (عمران) بن ماثان بن العاد (کی آل) حضرت عیسیٰ کو کتاب ورسالت عطا فرما کر اور حضرت مریم کو پاکدامنی، طہارت اور بہت ساری کرامتوں سے نواز کر۔۔۔الحتصر۔۔۔ان تمام مذکورہ بالا نفوس قدسیہ رکھنے والوں (کو سارے جہاں پر)، یعنی انکے ہم عہد اور ہم زمانہ سارے لوگوں پر منتخب کرلیا۔۔۔

ذُرِّیَّۃً بَعۡضُہَا مِنۡۢ بَعۡضٍ ؕ وَ اللّٰہُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿ۚ۳۴﴾

ایک خاندان کے ایک دوسرے سے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ●

جو (ایک) ہی (خاندان کے) ہیں۔حضرت آدم کے سوا سب حضرت آدم ہی کی اولاد ہیں اور بزرگ باپوں کے نیک بیٹے ہیں۔۔۔نیز۔۔۔توحید، اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت اور اخلاص میں (ایک دوسرے) کے تبع ہیں۔غور (سے) سنو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ یہود ونصاریٰ کے باطل اقوال اور واہیات باتوں اور یوں اپنے سارے بندوں کے اقوال کا (سننے والا) ہے۔ اور ان باتوں سے جو انکی غرضیں تھیں۔۔۔الغرض۔۔۔انکے ظاہری اور باطنی اعمال کو (جاننے والا ہے)۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ آیت کریمہ میں مذکور آل عمران میں، عمران سے مراد وہ عمران نہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے والد بزرگوار تھے۔ یعنی عمران بن یصہر بن فاہث بن لاوی بن یعقوب۔۔۔ بلکہ۔۔۔ وہ عمران مراد ہیں جو حضرت مریم کے والد اور حضرت عیسیٰ کے نانا تھے۔ دونوں عمران کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ رہ گیا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی برگزیدگی کا ذکر تو وہ آل ابراہیم میں آ ہی گیا۔ لہٰذا ارشادِ ربانی میں آل عمران سے مراد حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم ہی ہیں۔

قرآنِ کریم کے آگے کے بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقام پر حضرت مریم ہی کا ذکر ہے جن کی والدہ محترمہ حضرت حنہ کو مدت العمر کوئی بچہ بچی پیدا نہ ہوئی، یہاں تک کہ آپ ضعیف ہوگئیں۔ ایک دن درخت کے سائے کے تلے بیٹھی تھیں، کہ ایک پرندے کو دیکھا کہ اپنے چھوٹے بچے کو دانہ وغیرہ کھلا رہا تھا تو آپ کے دل میں بچے کی آرزو پیدا ہوئی۔ اس پر دعا مانگی کہ الٰہ العالمین میں تیرے لئے منت مانگتی ہوں کہ اگر مجھے تو نے بچہ عنایت فرمایا، تو اسے تیرے گھر بیت المقدس کا خادم بناؤنگی۔ انکی شریعت میں اسطرح کی نذر جائز تھی۔

اور یہ بھی انکی شریعت کا مسئلہ تھا کہ جب بچہ خدمت کے لائق ہو جاتا، تو اس پر والدین کی خدمت فرض ہو جاتی، ایسی صورت میں بچوں کو اپنی خدمت سے آزاد کر کے مسجد بیت المقدس کی خدمت کیلئے آزاد کر دیتے تھے۔ مگر یہ بھی قاعدہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے صرف لڑکے ہی آزاد ہوتے تھے، لڑکیاں اس خدمت کی اہل بھی نہ تھیں۔ اسلئے کہ انھیں حیض اور دیگر نسوانی عوارض لاحق ہوتے، اس بنا پر انھیں مسجد سے باہر نکل جانا ضروری ہو جاتا۔۔۔ الختصر۔۔۔ حضرت مریم کی والدہ کی دعا قبول ہوگئی اور انھیں حمل ٹھہر گیا جس سے بی بی مریم پیدا ہوئیں۔ لیکن بی بی مریم کی پیدائش سے پہلے ہی حضرت عمران کا وصال ہوگیا۔

إِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا

جب کہ کہا عمران کی اہلیہ نے "اے پروردگار میں نے تیری منت مان لی کہ جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لیے آزاد رہیگا،

فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۳۵

تو قبول فرمالے مجھ سے، بے شک تو ہی سننے والا جاننے والا ہے"۔

(جبکہ کہا عمران کی اہلیہ [redacted]

نے، اے پروردگار، میں نے تیری منت مان لی) ہے اور اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، (کہ جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لئے آزاد رہے گا) اس پر میرا کسی قسم کا قبضہ نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے میں اپنی کوئی خدمت کراؤنگی اور نہ کسی کام میں مشغول رکھونگی۔ وہ خالص تیرے لئے اور تیری عبادت کیلئے زندگی گزارے گا۔ دنیا کا کوئی کام نہ کرے گا یہاں تک کہ شادی بیاہ بھی، صرف عمل آخرت کیلئے وقف رہے گا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔وہ صرف بیت المقدس کی خدمت ہی کیلئے رہے گا۔ (تو) اے رب میری یہ نذر اپنی رضا وخوشی کے ساتھ (قبول فرمالے مجھ سے)۔ یہ قبولیت کی دعا حسن طلب کا ایک شاندار مظاہرہ تھا اسلئے کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے لڑکی نہیں قبول کی جاتی تھی، تو اس دعا کی قبولیت نرینہ اولاد عطا کرنے پر موقوف تھی، کیونکہ سابقہ سنت کے پیش نظر فرزند ہی کو بیت المقدس کی خدمت کیلئے قبول کیا جاسکتا تھا۔ (بے شک) اے میرے پروردگار (تو ہی سننے والا) ہے تمام مسموعات کا اور انہی میں سے میری یہ دعا اور میرا عجز و نیاز بھی ہے۔ یوں ہی تو ہی (جاننے والا ہے) تمام معلومات کا انہی میں سے وہ بھی ہے جو میرے دل میں ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ

تو جب جنا اس کو، بولی "پروردگارا میں نے تو لڑکی جنی"۔ اور اللہ خود ہی زیادہ جانتا ہے جو وہ جنی ہے۔

وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ

اور نہیں ہے اسکا مانگا لڑکا مثل اس برگزیدہ لڑکی کے"۔ اور میں نے اسکا نام مریم رکھا ہے، اور میں اسکو اور اسکی نسل کو،

وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝

تیری پناہ میں دیتی ہوں، شیطان مردود سے۔

(تو جب جنا اس کو) اور اسے اپنے مطلب کے خلاف پایا اور اپنے مقصد میں بظاہر بہ گمان خویش کامیاب نہ ہوئیں، تو حسرت کے طور پر (بولی) عرض کیا (پروردگارا میں نے تو لڑکی جنی، اور اللہ) تعالیٰ (خود ہی زیادہ جانتا ہے جو وہ جنی ہے، اور نہیں ہے اسکا مانگا لڑکا مثل اس برگزیدہ لڑکی کے)۔ چونکہ بی بی حنہ اس بچی کی شان عظمت، اسکی قدر و منزلت سے ناواقف تھیں، اسلئے اظہار تحسّر کیا اور غمگین ہوئیں۔ ان کو کیا خبر کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے وہ جس فرزند کی خواہشمند تھیں، وہ اس بچی کے مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا تھا جو وہ عطا کی گئیں۔ اسلئے کہ اس بچی کا دائرۂ علم اور اسکے اقتدار

منازل بہت بلند ہیں اور اتنے وسیع کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی انھیں احاطہ نہیں کرسکتا۔

---علاوہ ازیں---اسکے اندر بہت بلند قدر امور ہیں---الغرض---یہ بی بی حنہ کے مطلوب بچے سے بدر جہا افضل ہے اور بی بی حنہ انکے اتنے اعزاز واکرام کو نہیں جانتیں ---المختصر---بی بی حنہ کو کیا معلوم کہ انھوں نے کس باعظمت اور بابرکت ہستی کو جنا، یہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔

---الغرض---بچی کی ولادت کے بعد بی بی حنہ نے خود اسکا نام تجویز کیا (اور) عرض کیا کہ (میں نے اسکا نام مریم رکھا ہے) اور مریم عابدہ اور خادمہء رب کو کہا جاتا ہے، تا کہ اسکے ذریعہ مجھے قرب الٰہی نصیب ہو اور وہ دنیا کی غلط کاریوں سے محفوظ رہے---الغرض---بنیادی طور پر مجھے یہ فکر نہیں کہ بچی کیوں پیدا ہوئی؟---یا---وہ بیت المقدس کی خدمت کے لائق ہے کہ نہیں؟---بلکہ ---اس بچی کے تعلق سے میری نیت یہ ہے کہ وہ بچی عابدہ صالحہ ہو۔

تو اے میرے کارساز! (اور) میرے پروردگار (میں اس) بچی (کو اور اسکی نسل کو تیری پناہ میں دیتی ہوں)، تا کہ (شیطان مردود) کی اذیت رسانی (سے) محفوظ رہے۔ اس خصوصی دعا کی برکت سے ساری اولاد آدم میں حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو یہ خصوصیت حاصل ہوگئی کہ شیطان ہر نوزائدہ بچے کے پہلو میں جو انگلی چبھوتا ہے، وہ حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کے پہلو میں نہیں چبھو سکا۔ ایک قول کے مطابق ان دونوں مقدس ہستیوں کے پہلو اور شیطان کی انگلیوں کے درمیان قدرتی طور پر ایک حجاب حائل ہوگیا، چنانچہ شیطان کی انگلیاں اس حجاب سے ٹکرا کے رہ گئیں اور انکے مبارک بدن تک نہ پہنچ سکیں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ شیطان کے انگلی چبھونے کا مقصد اگر چہ بہکانا اور گمراہ کرنا ہی ہوتا ہے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جس جس کو وہ انگلی چبھوئے، وہ گمراہ ہی ہوجائے---الغرض--- اسکی اس حرکت سے انبیاء ومرسلین متاثر نہیں ہوتے۔ یہ بھی انبیاء کرام کی ایک فضیلت ہے کہ شیطان کے انگلی چبھونے کے باوجود اسکے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔

---الحاصل---حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ کو یہ شرف ملا کہ شیطان انکے پہلو میں اپنی انگلی چبھو ہی نہ سکا اور دیگر انبیاء کو یہ خصوصیت حاصل ہوئی کہ انگلی چبھونے کے باوجود انکا کچھ بگاڑ نہ سکا۔ اب رہ گیا یہ سوال کہ کیا سرکار رسالت مآب ﷺ کے ساتھ بھی شیطان نے یہ حرکت کی تھی تو اس سلسلے

میں انگلی چھونے والی حدیث کے بعض شارحین کی یہ بات قرین قیاس ہے کہ 'جب متکلم اس قسم کا کلام کرتا ہے، تو اسکی ذات عموماً کلام سے خارج ہوتی ہے اور ذوق اور حال اسکا قرینہ ہوتا ہے۔' چونکہ حضرت حنہ نے بی بی مریم کیلئے گڑگڑا کر دعا مانگی تھی کہ اللہ تعالی اس بچی کو چھوٹی ہونے کے باوجود، بیت المقدس کی خدمت کیلئے قبول فرمالے۔۔۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ

تو اچھی طرح قبول فرمالیا اسکو اسکے پروردگار نے، اور بڑھایا اسکو خوب، اور کفیل بنایا اسکا زکریا کو۔ جب جب داخل ہوئے

عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ

ان پر زکریا محراب میں، تو پایا ان کے پاس کھانے کا سامان، کہا "اے مریم یہ تیرے لیے کہاں سے ہورہا ہے"

قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

بولی "یہ اللہ کے پاس سے ہے"۔ بیشک اللہ جسے چاہے بے حساب روزی دے ●

(تو اچھی طرح قبول فرمالیا اس کو اسکے پروردگار نے) حالانکہ اس شریعت کا قانون یہ تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کیلئے لڑکے، عاقل اور بیت المقدس کی خدمت پر قدرت رکھنے والے ہی کو قبول کیا جاتا تھا۔ انکے سوا کو قبول کرنا جائز نہ تھا۔ مگر یہاں حضرت مریم کیلئے اللہ تعالی نے اس قانون کو منسوخ فرمادیا اور اپنے فضل وکرم سے حضرت مریم کو قبول فرمالیا۔ **(اور بڑھایا اس کو خوب)** اور انکی اچھی تربیت فرمائی۔ ان کی تربیت میں، انکے ہر معاملے میں خصوصی توجہ فرمائی گئی اور شاندار طریقے پر انکا نشو ونما فرمایا گیا۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔صدق وصفا اور خلوص وحیا میں وہ درجہ کمال تک پہنچ گئیں باوجودیکہ اس زمانے میں بیت المقدس کی خدمت کیلئے چار ہزار لڑکے اور بھی موجود تھے، لیکن جتنی شہرت حضرت مریم کو نصیب ہوئی، اتنی کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی۔۔۔ الختصر۔۔۔ حضرت مریم کی ولادت کے بعد آپکی والدہ محترمہ آپکو کپڑے میں لپیٹ کر بیت المقدس میں لے آئیں۔

اس وقت وہاں حضرت ہارون کی نسل کے ستائیس "علماء" موجود تھے، جو سب کے سب بیت المقدس کے نگراں تھے، تو بی بی حنہ نے حضرت مریم کو انکے سپرد کر کے فرمایا کہ یہی ہے منت، یعنی اسے لے لو اور تربیت کرو، اسلئے کہ یہ تمہارے صاحب قربان کی بچی ہے۔ کیونکہ بنو ماثان، بنو اسرائیل کے سردار اور انکے بادشاہ ہوتے تھے۔

حضرت زکریا نے فرمایا، انکی تربیت کیلئے صرف میں ہی مستحق ہوں، اسلئے کہ انکی خالہ میری منکوحہ ہے۔ انھوں نے کہا نہیں، بلکہ قرعہ اندازی کرتے ہیں۔ اس پر سب راضی ہوگئے۔ اس پر عمل کرنے کیلئے کسی نہر کی طرف بقول بعض، نہر اردن کی طرف چل پڑے۔ سب نے اپنی وہ قلمیں جس سے وحی ربانی لکھا کرتے تھے نہر میں ڈالدیں۔ شرط یہ لگائی کہ جسکا قلم پانی پر تیرنے لگے گا، وہی مریم کا کفیل ہوگا۔ چنانچہ تین بار قلم نہر میں ڈالے گئے سب کے قلم پانی کی تہ میں بیٹھ گئے۔ صرف حضرت زکریا کا قلم پانی پر تیرنے لگا، اسلئے بی بی مریم کے وہی کفیل ہوئے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اسطرح فیصلہ ہوگیا۔

(اور) ہم نے (کفیل بنا) دیا اسکا زکریا کو)، یعنی حضرت مریم کو حضرت زکریا کی ضمانت میں دے دیا اور انھیں بی بی مریم کا کفیل اور اسکی مصالح کا ضامن اور اسکے امور کی تدابیر پر قائم فرمایا۔

حضرت زکریا انھیں اپنے گھر لے گئے۔ انھیں دودھ پلانے کے واسطے دائی مقرر فرمائی۔ جب حضرت مریم بچپنے کی حد سے بڑھیں تو انھیں مسجد میں لائے اور ایک اونچی کوٹھری انکے واسطے بنائی، ایسی کہ جس پر بغیر سیڑھی لگائے نہ چڑھا جاسکے۔ جب حضرت زکریا انکی خبر گیری اور خدمت گزاری سے فراغت پاتے، تو کوٹھری کے دروازہ میں مضبوط قفل لگا کر اسکی کنجی اپنے ساتھ لیجاتے۔۔۔ الغرض۔۔۔ انکی حفاظت وحراست میں کمال درجہ کی کوشش فرماتے تھے، یہاں تک کہ حضرت مریم بڑی ہوئیں اور انوار ولایت ان پر طاری ہوئے۔

(تو جب جب داخل ہوئے) تشریف لائے (ان پر)، یعنی حضرت مریم کے پاس حضرت (زکریا) ان کی رہائش وعبادت کیلئے مخصوص کی ہوئی کوٹھری (محراب) عبادت (میں، تو پایا انکے پاس کھانے کا سامان) اور وہ بھی اس محیر العقول انداز سے کہ، گرمیوں میں جاڑے کے میوے ہوتے تھے اور جاڑوں میں گرمیوں کے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے جب چند مرتبہ یہ حال دیکھا اور ہر موسم کی صورت حال کا جائزہ لے لیا تو (کہا اے مریم یہ تیرے لئے) بے فصل اور بے موسم کے میووں کا انتظام (کہاں سے ہورہا ہے، بولی یہ اللہ) تعالیٰ (کے پاس سے ہے) پھر اس میں حیرت وتعجب کی کیا بات ہے، (بیشک اللہ) تعالیٰ (جسے چاہے بے حساب روزی دے)، اتنی روزی دے کہ اسے بندوں سے شمار نہ کیا جاسکے ۔۔۔ یا ۔۔۔ شمار تو کیا جاسکے، لیکن بوجہ کثرت نہ شمار کیا جائے ۔۔۔ یا ۔۔۔ ایسی روزی دے جسکا کوئی حساب

ہی نہ لے۔۔۔یا۔۔۔ایسوں کو بھی روزی دے جسے اسکا استحقاق نہ ہو۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے ملاحظہ فرمایا کہ حضرت بی بی مریم کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا بڑا مرتبہ ہے اور وہ ایسی بڑی صاحب کرامت ہیں۔۔۔نیز۔۔۔انھوں نے بے فصل کے تروتازہ میوے دیکھے، تو باوجود بڑھاپے کے، انھیں آرزو ہوئی اور رغبت ہوئی کہ، انکی زوجہ ایشاع کو بھی ایسا بچہ عطا ہو، جیسے انکی بہن حنہ کو، صاحب نجابت وصاحب کرامت بچی عطا ہوئی ہے، اگرچہ وہ اس وقت بانجھ اور بوڑھی ہو چکی ہیں۔لیکن انکی بہن بھی تو بوڑھی اور بانجھ تھیں، مگر انھیں اللہ تعالیٰ نے صاحب اولاد بنادیا۔اور کچھ تعجب نہیں کہ آپ نے یہ بھی محسوس کیا ہو کہ حضرت مریم کی وجہ سے اس جگہ اور اس محراب عبادت کے تقدس وعظمت کا یہ عالم ہو گیا ہے کہ یہاں سے جو بھی دعا مانگی جائیگی، بارگاہ خداوندی میں، اسے قبولیت کا شرف حاصل ہوگا۔چنانچہ۔۔۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ

اس محل پر دعا کی زکریا نے اپنے رب سے۔عرض کیا "پروردگارا مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد دے۔

إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾

بے شک تو دعا کا سننے والا ہے"●

(اس محل پر دعا کی) حضرت (زکریا نے اپنے رب سے) اور (عرض کیا پروردگارا مجھ کو اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد دے) جو صالح، مبارک، پرہیزگار، برگزیدہ اور گناہ کی آلائشوں سے پاک و صاف ہو۔(بیشک تو دعا کو سننے والا ہے) یعنی اسکو قبول فرمانے والا ہے۔

اس مقام پر یہ یادر ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو خدا کی قدرت کا علم، حضرت مریم کی کرامت کو دیکھ کر نہیں ہوا۔۔۔بلکہ۔۔۔آپ پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو جاننے ماننے اور پہچاننے والے تھے۔ویسے بھی خدا کی بارگاہ میں اپنی دعا مقبول کرانے کیلئے انھیں اس طرح کے موقع ومحل کے اہتمام کی ضرورت نہ تھی، وہ خدا کے نبی برحق تھے اور نبی کہتے ہی ہیں اسی کو جو مستجاب الدعوات ہو۔

ہر نبی کی خصوصی دعاؤں کیلئے دراجابت الٰہی ہر وقت کھلا رہتا ہے، مگر اب تک اس شاکر وصابر اور متوکل بندے نے اپنی زبان نہیں کھولی۔پتو اچانک ایک صورت حال پیش

آ گئی، کہ انھوں نے حضرت مریم کے محراب میں فضل عظیم والے کے فضل بے پایاں کی بارش دیکھی۔ ساتھ ساتھ بے موسم پھلوں اور میووں کا مسلسل نزول ملاحظہ فرمایا، توانکے دل میں اچانک رغبت پیدا ہوئی کہ انہی بے موسم انعامات میں سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک گرانقدر انعام ہماری گود میں بھی آجائے تو کیا کہنا۔ چنانچہ انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں اپنی عاجزانہ درخواست پیش کردی۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى

تو آواز دی اس کو فرشتوں نے، اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں، کہ بیشک اللہ خوش خبری سناتا ہے تم کو یحییٰ کی،

مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۹

تصدیق کرنے والے ایک کلمہ کے، جو اللہ کی طرف سے ہے، اور سردار، اور عورتوں سے بالکل محفوظ، اور نبی نیکوکار ●

(تو آواز دی اس کو فرشتوں) کے سردار حضرت جبرائیل (نے اور وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں)۔۔۔یا۔۔۔وہ نماز کے وقت نماز کے ارادے سے بی بی مریم کی بیٹھک میں کھڑے تھے۔ اے زکریا! (بے شک اللہ) تعالیٰ (خوش خبری سناتا ہے تم کو یحییٰ کی) یعنی ایک بچے کی ولادت کی جسکا نام یحییٰ ہے، جسکی برکت سے ان کے پدر بزرگوار کا نیک نام اور انکا دین ہمیشہ زندہ رہے گا۔ بلکہ جو مردہ دل ہیں، ان کے وعظ سے ان کے دل بھی زندہ ہوجائیں گے۔ وہ ایمان لانے والے اور (تصدیق کرنے والے) ہونگے، لفظ 'کن' سے پیدا ہونے والے (ایک کلمہ کے)۔ جسکا ظہور عادی اور جاری اسباب کے تحت نہیں ہوا بلکہ (جو اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے) یعنی حضرت عیسیٰ کلمۃ اللہ پر ایمان لانے والے اور ان کی تصدیق فرمانے والے۔

چنانچہ سب سے پہلے حضرت عیسیٰ کی تصدیق حضرت یحییٰ ہی نے فرمائی، بلکہ ایک روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ اپنی ماؤں کے شکم ہائے مبارک میں تھے اور دونوں مائیں جب اکٹھا ہوتی تھیں تو شکم مادر ہی میں حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ کی طرف رخ کرکے انکا تعظیمی سجدہ کیا کرتے تھے، گویا یہ پیدائش سے پہلے ہی حضرت عیسیٰ پر ایمان لاچکے تھے۔

(اور) صرف یہی نہیں بلکہ وہ (سردار) ہوگا، اپنی ساری قوم پر فوقیت رکھے گا اور بزرگی میں اعلیٰ و بالا ہوگا، اور تمام لوگوں سے قطعی طور پر افضل ہوگا (اور عورتوں سے بالکل محفوظ)، ہر قسم کی قوت و

توانائی حاصل ہونے کے باوجود شہوات نفسانیہ سے محفوظ ومعصوم ہونگے، تو اب اگر یہ نکاح بھی کریں تو اسکا مقصد صرف آنکھ وغیرہ کو زنا وبدکاری سے بچانا ہوگا، نہ کہ نفسانی خواہشات کو پورا کرنا۔

(اور) انکی شان یہ ہوگی کہ انھیں (نبی) بنایا جائیگا اور جب وہ اس منصب کے دور کو پہنچیں گے، تو انکی طرف وحی بھیجی جائیگی، وہ (نیکوکار) ہونگے اور نیکوکاروں ہی میں پرورش پائینگے اسلئے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کی پشت سے ہیں۔

یہاں 'صلاح' ہر خیر کو شامل ہے، لہٰذا یہاں پر 'صلاح' کا ہر وہ اونچے سے اونچا مرتبہ مراد ہے جو منصب نبوت کے لائق ہو۔ فرشتوں نے حضرت زکریا کو فرزند کی جب خوشخبری دی تو، یا تو آپ نے ظاہری حیثیت کو مدنظر رکھا کہ بڑھاپے میں، 'جبکہ میری عمر ناوے سال کی ہے اور میری اہلیہ کی عمر اٹھانوے سال کی ہے'، بچہ پیدا ہوگا؟ چنانچہ تعجباً فرمایا۔۔۔یا یہ کہ ۔۔۔اظہار مسرت کی بنا پر، کہ الحمد اللہ بڑھاپے میں بچہ عنایت ہورہا ہے۔۔۔الغرض۔۔۔ حکمت الٰہی کو ظاہر کرانے کیلئے اور قدرت الٰہی کے مزید جلوے دکھانے کیلئے اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا۔ اور۔۔۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ

کہا "پروردگارا کہاں سے ہوگا میرے لڑکا، اور مجھ تک پہنچ گیا بڑھاپا، اور میری عورت بانجھ ہے"

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝

ارشاد ہوا اسی طرح اللہ جو چاہے کرے●

(کہا پروردگارا کہاں سے ہوگا میرے لڑکا) اسلئے کہ عادی اسباب مفقود ہو چکے ہیں (اور مجھ تک پہنچ گیا بڑھاپا اور میری عورت بانجھ ہے) جو بچہ جننے کی اہلیت نہیں رکھتی، (ارشاد ہوا اسی طرح اللہ) تعالیٰ امور عجیبہ سے بطور خرق عادت (جو چاہے کرے)۔

اس وقت حضرت زکریا کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کوئی ایسی علامت بتادے جسکے ظاہر ہوتے ہی ہمیں اسکا علم ہوجائے کہ واقعی میری اہلیہ حاملہ ہوگئی ہے تاکہ اس بہت بڑی نعمت کے حصول پر شکرانے کی نوافل کا سلسلہ شروع کردوں۔ رہ گئی فرزند کی ولادت تو وہ اگر حسب دستور ہوسکے نو ماہ بعد پیدا ہوتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۔۔۔چنانچہ انھوں نے:

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ

عرض کیا "پروردگارا کردے میرے لیے کوئی نشانی" فرمان ہوا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بولو لوگوں سے تین دن،

اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ ع ۱۲

مگر اشارہ سے، اور یاد کرو اپنے رب کو بہت، اور اُس کی تسبیح کرو پچھلے دن میں اور صبح تڑکے ●

(عرض کیا پروردگارا کردے میرے لئے کوئی نشانی)، جو مقصود کی تحقیق پر دلالت کرے۔۔۔ یا۔۔۔اس بات پر دلالت کرے کہ واقعی میری اہلیہ حاملہ ہوگئی ہے۔ (فرمان ہوا تیری نشانی یہ ہے کہ نہ بولو لوگوں سے تین دن، مگر اشارہ سے) اس تین دن میں انکی تین راتیں بھی شامل ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ان تین دنوں میں آپ کو زبان سے کلام کرنے کی قدرت بھی نہ ہوگی اور پھر جب لوگوں سے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہو جائیگا، تو پھر انہی ایام میں اللہ تعالیٰ کے ذکر و شکر کا بے فکری سے موقع مل جائیگا تاکہ وہ اس عطا کردہ نعمت کا کسی نہ کسی حد تک حق ادا کرسکیں۔ رہ گیا ان ایام میں کلام کی جگہ اشارہ سے کام لینا تو وہ اشارہ ہاتھ، سر، یا جسم کے کسی حصہ سے ہو یا انگلی سے، زمین پر لکھ کر ہو۔۔۔مگر۔۔۔زبان سے نہ ہو، یہ رمز دراصل کلام کے قائم مقام ہے۔ اس سے وہی مطلب ظاہر ہوسکتا ہے جو کلام سے حاصل ہوسکتا ہے اور اس سے وہی سمجھا جاتا ہے جو کلام سے سمجھا جاتا ہے۔ ان ایامِ ممنوعۃ عن الکلام میں اگرچہ دیگر کلام سے ممانعت ہے، لیکن ذکر الٰہی سے رکاوٹ نہیں۔

تو اے زکریا ذکر کرو (اور یاد کرو اپنے رب کو بہت اور اسکی تسبیح کرو پچھلے دن میں) زوال شمس سے لیکر غروب تک (اور صبح تڑکے) وقت طلوع فجر سے لیکر نصف النہار سے پہلے تک۔

۔۔۔المختصر۔۔۔اللہ تعالیٰ نے انہی ایام میں امور دنیا سے ان کی زبان کو روکا۔ صرف اشارہ کی اجازت بخشی، لیکن ذکر و تحمید کا حکم دیا، اسلئے کہ ان کی زبان نہایت فصیح و بلیغ تھی اور بیان کے روشن معجزات میں سے تھا۔ اس آیت کی تفسیر میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ آیت میں ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے، اسلئے کہ اللہ والے جب معرفت الٰہی کے دریا میں مستغرق ہوتے ہیں، ان کی عادت ہوتی ہے کہ اولاً ایک مدت تک ذکر لسانی میں مصروف رہتے ہیں، جب انکا دل ذکر اللہ کے نور سے بھر جاتا ہے تو ان کی زبان ذکر سے رک جاتی ہے اور دل جاری رہتا ہے۔

اسلئے عرفاء میں مشہور ہے کہ جو اللہ کو پہچان لیتا ہے، تو اسکی زبان گونگی ہوجاتی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام زبان سے بولنے سے تو روکے گئے، لیکن ذکر ومعرفت میں دل کو لگانے اور اس پر مداومت کرنے پر مجبور ہوئے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے ذکر کے بعد اب خود حضرت مریم کا ذکر فرمایا جارہا ہے جنکی انھوں نے کفالت فرمائی تھی۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ۔۔۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ

اور جب کہا فرشتوں نے، اے مریم، بے شک اللہ نے چن لیا تم کو، اور خوب پاکیزہ فرمایا،

وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور اپنی خصوصیت میں دنیا بھر کی عورتوں میں تم کو منتخب کیا●

(اور جب کہا فرشتوں) کے عظیم المرتبت سردار حضرت جبرائیل (نے، اے مریم بیشک اللہ) تعالیٰ (نے چن لیا تم کو) اپنی طاعت وعبادت کے واسطے، اپنی مسجد بیت المقدس کی خدمت کے واسطے، چنانچہ آپکو حضرت زکریا کی تربیت میں دے دیا۔ جنتی غذاؤں سے نوازا اور بہترین کرامتیں عطا فرمائیں (اور خوب پاکیزہ فرمایا) کفر ومعصیت، افعال ذمیمہ، عادات قبیحہ اور مردوں کے جماع اور حیض و نفاس سے، (اور اپنی خصوصیت میں دنیا بھر کی عورتوں میں تم کو منتخب کیا) یعنی تجھے عیسیٰ جیسا بیٹا بغیر باپ کے عطا فرمایا، اور تم دونوں ماں بیٹے کو عالمین کیلئے اپنی ربوبیت کی دلیل بنایا۔ تو۔۔۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اے مریم باادب رہو اپنے رب کیلئے، اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ●

(اے مریم) تم بھی حسب معمول (باادب رہو اپنے رب کیلئے) اسکی فرمانبرداری کرتی رہو اور اس کو راضی رکھنے کیلئے نماز کا قیام طویل کرو (اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرو) باجماعت (رکوع کرنے والوں کے ساتھ)۔

سجدہ و رکوع میں سجدہ کا ذکر مقدم فرمایا ہے، اسلئے کہ سجدہ خشوع وخضوع کا انتہائی مقام ہے اور نماز میں اعلیٰ درجات کا حامل ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ تمام ارکان پر فضیلت رکھتا ہے، اسی لئے اسکا ذکر رکوع سے پہلے کیا گیا ہے۔ اس سے نماز کی خارجی ترتیب کی تعلیم مقصود نہیں۔۔۔ اگرچہ۔۔۔ اس مقام پر یہ بھی عجیب حسن اتفاق ہے کہ انکی شریعت میں نماز کے ارکان کی ترتیب یونہی تھی کہ پہلے سجدہ پھر اسکے بعد رکوع۔۔۔ الخ۔۔۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ

یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ذریعہ وحی بتاتے ہیں ہم تم کو، اور نہ تھے تم پاس ان کے، جب کہ وہ قلمیں پھینکتے تھے

اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

کہ کون کفیل ہو مریم کا، اور نہ تھے تم ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے ●

اے محبوب، (یہ) ساری باتیں جو اوپر مذکور ہوئیں، یعنی بی بی مریم، بی بی حنہ، حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات (غیب کی خبریں ہیں)، ان پر مشاہدہ۔۔۔یا ۔۔۔کسی کتاب یا کسی کتاب سے پڑھے بغیر واقفیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ ہاں کسی عالم دین سے حاصل کیا جائے۔۔۔یا۔۔۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئے۔

پہلی تینوں تو حضور سرور عالم ﷺ کیلئے ناممکن تھیں، لامحالہ چوتھی متعین ہوگئی، یعنی یہ قصص وحی ربانی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتے۔

جس کو (کہ) یہ (ذریعہ وحی بتاتے ہیں ہم تم کو)، تاکہ آپ کی نبوت کی تصدیق ہو اور کفار پر حجت قائم ہوجائے جو خواہ مخواہ کیلئے آپ سے جھگڑتے ہیں۔

یہ جھگڑنے والے جو حضور آیہ رحمت ﷺ کی وحی اور آپ کی نبوت کے منکر ہیں۔ اگر ذرا بھی عقل سے کام لیتے تو خود سمجھ سکتے تھے، اسلئے کہ جب یہ مانتے ہیں کہ یہ واقعات اللہ کے محبوب نے صحیح وسچ بیان فرمائے ہیں، تو پھر یہ آپ کی نبوت کا انکار کیسے کرسکتے ہیں۔

ہاں اگر تم یہ حربہ استعمال کرو اور یہ دعویٰ کر بیٹھو حضور سرور عالم ان واقعات کے وقت وہاں موجود ہونگے، تو یہ تمہارے پرلے درجے کی بیوقوفی اور کھلی گمراہی کی واضح دلیل ہوگی۔ جو چیز روشن معجزات اور واضح دلائل و براہین سے ثابت ہو، اسکا انکار پر انکار کرتے جاؤ اور اس کے برخلاف ایسے احتمال کو اپناؤ جو سراسر موہوم ہے، جسکا نہ کوئی سر نہ منہ اور جسے کوئی ذی شعور قبول کرنے کو تیار نہ ہو۔

ان بے عقلوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اگر یہ سارے واقعات جو اللہ کے رسول نے بالکل صحیح صحیح بیان فرمائے ہیں، اگر یہ سب ان کو وحی کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتے، تو پھر کیسے حاصل ہوئے؟ تو کیا آپ وہاں موجود تھے اور سب کچھ اپنے سر کی آنکھ سے ملاحظہ فرما رہے تھے؟ اگر ایسی بات ہے تو اس وقت وہاں پر آپ کی جسمانی موجودگی ثابت کرو اور ظاہر ہے کہ یہ ان کیلئے عقلاً ونقلاً محال ہے۔

حقیقت تو یہی ہے کہ اے محبوب، آپ اُس عہد میں اپنی ظاہری حیات کے ساتھ نہ تھے (اور نہ) ہی (تھے تم پاس ان کے) موجود (جبکہ وہ قلمیں پھینکتے تھے)، جن قلموں سے وہ تورات لکھا کرتے تھے، اس کو متبرک سمجھتے ہوئے اسی سے قرعہ اندازی کی اور اتفاق رائے سے نہر اردن میں ڈالا اور یہ پہلے ہی سے طے کرلیا تھا کہ جسکا قلم نہر کے پانی کے اوپر رہے گا، اسکی کفالت میں حضرت مریم کو دیا جائیگا ۔۔۔ الغرض۔۔۔ انھوں نے یہ قرعہ اندازی اسلئے کی تا (کہ) وہ جان لیں (کون کفیل ہو) گا (مریم کا) اے محبوب (اور) اس وقت بھی (نہ تھے تم انکے پاس) موجود حضرت مریم کی کفالت کے واسطے (جب وہ جھگڑتے تھے)۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ

جب کہا فرشتوں نے اے مریم بے شک اللہ مژدہ دیتا ہے تم کو ایک کلمہ کی اپنے پاس سے جس کا نام ہے مسیح

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٤٥﴾

عیسیٰ، فرزندِ مریم، جاہ وعزت والا دنیا اور آخرت میں، اور نزدیکوں سے ●

اے محبوب حضرت مریم کی ذات سے متعلق اس دوسری بات کو بھی یاد کرو کہ (جب کہا فرشتوں) کے سردار حضرت جبرائیل (نے) مریم سے، (اے مریم بیشک اللہ) تعالیٰ (مژدہ دیتا ہے تم کو ایک کلمہ،) 'کن' کے مقدس و بابرکت ثمرہ (کی) جو اس نے (اپنے پاس سے) عطا فرمایا ہے (جسکا نام ہے مسیح عیسیٰ فرزندِ مریم)۔

حضرت جبرائیل نے ابن مریم کہہ کر بشارت دی، اس بشارت ہی سے ظاہر کردیا کہ آپ بے باپ ہونگے، جبھی تو ماں کی طرف ابنیت کی نسبت کی گئی ہے۔ اگر بالفرض باپ والے ہوتے تو نسبت باپ کی طرف کی جاتی۔ اس مقام پر یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ عالم خلق ہو۔۔۔ یا۔۔۔ عالم امر، دونوں ہی کا عدم سے وجود میں آنا خدائے قادر مطلق کے ضابطہ کن فیکونی کے ہی ماتحت ہے، مگر عالم خلق میں وسائل واسباب کی بھی کارکردگی ہوتی ہے، بخلاف عالم امر کے امور کے، جو ظاہری اسباب و وسائل کے بغیر صرف لفظ 'کن' سے ظہور پزیر ہوجاتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ کا معاملہ بھی ایک جہت سے عالم امر کی مخلوق سے ملتا جلتا ہے، چونکہ وہ بے باپ تھے اور انکی ولادت معروف ومتعارف اور عادی اسباب کے تحت نہیں ہوئی۔۔۔ الغرض

۔۔۔وہ صرف کلمہ رب، لفظ کن' کا نتیجہ ہیں اور یہی انھیں 'کلمۃ اللہ' لقب دینے کی وجہ ہے۔
دوسرا لقب آپ کا مسیح ہے، جسکا معنی عبرانی زبان میں مبارک ہے۔
۔۔۔المختصر۔۔۔ یہ فرزند مریم بڑی (جاہ و عزت والا) ہے۔ (دنیا) میں عبادت یا نبوت یا محافظت یا بے باپ پیدا ہو جانے کے سبب سے۔۔۔یا۔۔۔آسمان پر اٹھالئے جانے۔۔۔یا۔۔۔آخر زمانہ میں دین محمدی پر عمل کرنے۔۔۔یا۔۔۔دجال کو قتل کرڈالنے کی وجہ سے (اور) یونہی وہ عزت و وجاہت والا ہے (آخرت میں)، شفاعت کی وجہ سے یا علو مرتبت کے سبب سے۔ (اور) کرامت الٰہی سے سرفراز، خدا کے مقربین اور اسکے قریب ترین (نزدیکوں) میں (سے) ہے۔۔۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

اور وہ کلام کرے گا لوگوں سے گہوارہ میں، اور بڑھاپے میں اور نیکوکار ہوں گے ●

(اور) اسکی شان یہ ہوگی کہ (وہ کلام کرے گا لوگوں سے گہوارے میں)، یعنی اے مریم وہ بچہ، لوگوں سے تمہاری گود میں بات کرے گا۔ یہی گود اسکے لئے گہوارہ ہوگی۔۔۔یا۔۔۔بچپنے میں جب وہ گہوارے میں جُھلانے کے قابل ہوگا، تو وہ اسی گہوارے میں بات کرے گا (اور) صرف بچپنے ہی میں نہیں، بلکہ وہ لوگوں سے کلام کرے گا اپنے (بڑھاپے میں) بھی جبکہ وہ ادھیڑ ہو جائیگا اور اسکے بال کھچڑی ہو جائینگے۔ گہوارے میں اسکی باتیں معجزہ ہونگی جس میں اسکی نبوت کا اعلان ہوگا اور اسکی مادر مہربان کی طہارت و پاکیزگی کی شہادت ہوگی اور بڑھاپے میں جو گفتگو ہوگی، وہ دعوت ہوگی، یعنی لوگوں کو راہِ حق کی طرف بلائے گا (اور نیکوکار ہونگے) یعنی وہ انبیاء کرام میں سے ہونگے۔

چونکہ بشریت کی فطرت ہے کہ اگر کوئی چیز عادت کے خلاف دیکھے۔۔۔یا۔۔۔سنے، تو اسکو حیرت و استعجاب لاحق ہو جاتا ہے، تو ایسی صورت میں اظہار عظمت کیلئے زبان سے بطور تعجب سوالیہ معروضہ نکل سکتا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

بولی "پروردگارا کہاں سے میرے لڑکا ہوگا، حالانکہ نہیں چھوا مجھ کو کسی شخص نے۔" فرمایا اسی طرح اللہ پیدا

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

فرمادے جو چاہے۔ جب کسی امر کا حکم دیا تو بس اس کو فرمادیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ●

چونکہ حضرت مریم نے پہلی بار سنا کہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوگا، تو وہ (بولی پروردگارا، کہاں سے میرے لڑکا ہوگا، حالانکہ نہیں چھوا مجھ کو کسی شخص نے)۔

اور یہ بات خلاف عادت ہے کہ بے شوہر عورت لڑکا جنے۔ حضرت مریم کا یہ معروضہ بطور استفسار واستفہام بھی ہوسکتا ہے، جواباً اللہ تعالیٰ نے۔۔۔

(فرمایا اسی طرح اللہ) تعالیٰ (پیدا فرمادے جو چاہے)، اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کہ عجیب و غریب انداز سے مخلوق پیدا فرمائے، تو وہ ویسے ہی پیدا فرمادیتا ہے۔۔۔ مثلاً: بچے کو باپ کے بغیر پیدا کرنا، یہ بھی اسکی مشیت میں داخل ہے اور یہ اس کیلئے کوئی مشکل کام نہیں، اسلئے کہ اسکی قدرت کاملہ کا عالم یہ ہے کہ اس نے (جب کسی امر کا حکم دیا) اور اسکے کرنے کا ارادہ فرمالیا (تو بس اس کو فرمادیتا ہے کہ ہوجا، تو وہ ہوجاتا ہے) اور اس کی پیدائش میں کسی قسم کی تاخیر نہیں ہوتی۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ جس طرح وہ اسباب ومواد کے ساتھ اشیاء پیدا کرنے پر قادر ہے، اسی طرح بے کسی سبب اور بغیر مادے کے بھی اشیاء کو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔۔۔ المختصر ۔۔۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے بے باپ حضرت عیسیٰ کو پیدا فرمائے گا۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾

اور اللہ اس کو کتاب وحکمت اور توریت وانجیل سکھائے گا●

(اور) پھر (اللہ) تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے (اس کو کتاب) جو اسکے پہلے اتاری گئیں جیسے حضرت شیث اور حضرت ابراہیم کے صحیفے (وحکمت) یعنی حرام وحلال کا علم جو حکمت وشریعت ہے (اور تورات وانجیل سکھائے گا) یعنی تورات وانجیل کی تعلیم دے گا۔

آپ تعلیم تو سارے صحیفوں کی دیں گے، رہ گیا توریت وانجیل کا خصوصی طور پر ذکر، انکی فضیلت کی جہت سے ہے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ

اور رسول آل یعقوب کی طرف کرے گا، کہ میں لایا تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے، کہ میں

اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

بناتا ہوں تمہارے واسطے، جیسے پرند کی صورت، پھر پھونکتا ہوں اس میں، تو وہ پرند ہی ہوجاتا ہے اللہ کے حکم سے۔

وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ

اور تندرست کر دیتا ہوں پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو، اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو، اللہ کے حکم سے۔ اور بتا دیتا ہوں تم کو

وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ﴿۴۹﴾

جو کچھ تم کھاتے اور جو کچھ جمع کر کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں۔ بیشک اس میں ضرور نشانی ہے تمہارے لیے اگر تم ایمان والوں سے ہو●

(اور) مزید برآں ان کو رب تعالیٰ (رسول) بنا کر (آل یعقوب کی طرف) مبعوث (کرے گا) جن سے آپ فرمائینگے (کہ میں لایا تمہارے پاس) اپنی رسالت کی حقانیت وصداقت کی (نشانی، تمہارے رب کے طرف سے)۔ جو پانچ نشانیاں میں لیکر آیا ہوں، اس میں پہلی یہ ہے (کہ میں بناتا ہوں تمہارے واسطے) مٹی سے (جیسے پرند کی صورت، پھر پھونکتا ہوں اس میں، تو وہ پرند ہی ہو جاتا ہے اللہ کے حکم سے)۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ مٹی سے چمگادڑ کی شکل کا مجسمہ بناتے اور پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ مٹی کا جانور اڑنے لگتا تھا اور زمین وآسمان کے بیچ میں اڑا کرتا اور جب تک لوگوں کی نظروں میں رہتا، اڑا کرتا اور جیسے ہی نظروں سے اوجھل ہو جاتا، مردہ ہو کر زمین پر گر پڑتا تھا۔

(اور) دوسری نشانی یہ کہ (تندرست کر دیتا ہوں پیدائشی اندھے اور کوڑھی کو)۔

آپ کے عہد میں یہ دونوں بیماریاں لاعلاج تھیں۔ ایسا کہ انکا تندرست کر دینا خوارق عادات میں سے تھا۔ ویسے بھی حضرت مسیح کا جو طریقہ علاج تھا، اس طریقے سے تندرست کرنا آج بھی خرق عادت ہی ہے۔

(اور) تیسری نشانی یہ ہے کہ (زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے)، یعنی جو کچھ میں بطور اعجاز کرتا ہوں، اس میں میری ذاتی قدرت ومشیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ کہ کوئی مجھ میں الوہیت کا گمان کرنے لگے، بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسکی مشیت وقدرت سے ہوتا ہے ---ہاں--- اسکی قدرت کا ظہور میرے ذریعہ ہوتا ہے--- الغرض--- میں اسکی قدرت کا مظہر ہوں، نہ کہ خود قادر حقیقی۔

بعض مفسرین کے بقول، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چودہ ۱۴ مردے زندہ فرمائے، انہی میں ایک سام بن نوح تھے، جن کو وفات پائے چار ہزار برس کے قریب گزرے تھے۔

(اور) پانچویں نشانی یہ ہے کہ (بتا دیتا ہوں تم کو جو کچھ تم کھاتے) ہو (اور جو کچھ جمع کر رکھتے

ہوا پنے گھروں میں)۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام انھیں اس طعام کی خبر دیتے جو انھوں نے کل کھایا۔۔۔یا۔۔۔ آئندہ کھائینگے اور بچوں کو مدرسہ میں خبر دیتے کہ تمہارے گھر یہ ہو رہا ہے اور گھر میں کیا اور کہاں چھپا رکھا ہے۔ جب بچے واپس گھر لوٹتے، تو وہ اپنی منہ مانگی چیز لیتے اور اگر نہ ملتی تو روتے اور خود بتاتے کے فلاں چیز فلاں جگہ رکھی ہوئی ہے اور فلاں شے فلاں جگہ، اس پر گھر والے بچوں کو منہ مانگی چیز دینے پر مجبور ہو جاتے اور وہ لوگ حضرت عیسیٰ کو جادوگر قرار دیتے۔

(بیشک) جس جس معجزہ کا الگ الگ تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اس (اس) کے ہر ایک (میں ضرور نشانی ہے) اور میرے دعویٰ کی سچائی کی دلیل ہے (تمہارے لئے، اگر تم ایمان والوں سے ہو) یعنی اگر تم اُن امور کو معجزہ باور کرنے والے ہو۔۔۔یا۔۔۔ مجھے پیغمبر ماننے والے ہو۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

اور میں ہوں تصدیق کرتا اسکی جو میرے آگے ہے، توریت، اور تا کہ حلال کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیز جو حرام کی گئی تھی

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰

تم پر، اور لایا ہوں میں نشانی تمہارے رب کی طرف سے۔۔۔ تو اللہ کو ڈرو اور میری اطاعت کرو●

سن لو (اور) یاد رکھو کہ (میں ہوں تصدیق کرتا اسکی جو میرے آگے ہے) یعنی (توریت) جسے میرے پہلے حضرت موسیٰ پر نازل کیا جا چکا ہے، جسکی میں تصدیق کرتا ہوں اور اسکے کلامِ الٰہی ہونے کی شہادت دیتا ہوں۔ (اور) اس تصدیق وشہادت کا سوا، میری بعثت اسلئے بھی ہے (تا کہ حلال کردوں تمہارے لئے بعض وہ چیز جو حرام کی گئی تھی تم پر)۔۔۔مثلا: مچھلی، اونٹ کا گوشت، گائے بکری کی چربی اور بعض پرند (اور لایا ہوں میں نشانی تمہارے رب کی طرف سے) جو واضح برہان ہے اور میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے (تو) رسالت کے دلائل کو قبول نہ کرنے اور اسکے مدلول سے مخالفت کرنے پر (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو اور) ان امور میں جنکا میں تمہیں حکم دیتا ہوں اور جن برائیوں سے میں روکتا ہوں، ان میں (میری اطاعت کرو) اور اچھی طرح سے یقین کرلو۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝۵۱

بے شک اللہ میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار ہے تو اسی کو پوجو۔ یہ سیدھا راستہ ہے●

(بیشک اللہ) تعالیٰ ہی (میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار ہے) اور پھر جب ایسا ہے اور یقیناً ایسا ہے، تو پھر پوجنے کیلئے صرف اسی کی ذات ہے (تو اسی کو پوجو)، (یہ) بلکہ یہی (سیدھا راستہ ہے) جو اپنے چلنے والے کو بہشت تک پہنچاتا ہے اور ہلاکت سے بچاتا ہے، یہی وہ حق صریح ہے جس پر تمام انبیاء کرام کا اتفاق ہے اور یہ رسول یعنی حضرت عیسیٰ بھی منجملہ انھیں سے ہیں، تو یہ بھی انھیں کی طرح اللہ تعالیٰ کی واضح برہان ہیں۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ

پس جب دیکھا عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار کو، کہا کون میرا مددگار ہے اللہ کی طرف، حواری لوگ

نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

بولے، "ہم مددگار ہیں اللہ کیلئے۔ ہم مان گئے اللہ کو۔ اور گواہ ہو جایئے کہ ہم بے شک مسلمان ہیں●

حضرت عیسیٰ کے تعلق سے حضرت جبرائیل نے جو بشارتیں دیں، وہ ہو کر رہیں اور پھر جب وہ سب بالکل ہو کر کھل کر سامنے آگئیں۔۔۔ نیز۔۔۔ بعض لوگوں کی حضرت عیسیٰ کے شہید کر دینے کی ریشہ دوانیاں بھی جاری رہیں۔

(پس جب) مکمل علم یقین حاصل ہو گیا، ایسا کہ کسی قسم کا شک وشبہ نہیں رہ گیا اور ایسا محسوس کیا کہ گویا چشم سر سے (دیکھا عیسیٰ نے) اور پوری طور پر محسوس کر لیا اپنے اوپر (ان) بعض ایمان نہ لانے والوں اور آپ کو شہید کر دینے کا پکا ارادہ کر لینے والوں (کی طرف سے انکار کو)۔

ان بدبختوں کے سر، انکار نبوت کا جادو ایسا چڑھ گیا کہ اب انھیں عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ ایسی صورت حال جب سامنے آئی تو حضرت عیسیٰ نے اپنے ان بارہ عدد مخلصین کو جنکی آپ سے محبت اور آپ کی اطاعت ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر تھی، اپنی اور دین الٰہی کی نصرت کیلئے دعوت دی۔ ان بارہ نفوس میں بعض مچھلیوں کے شکاری تھے اور بعض دھوبی، بعض رنگ ریز۔

چنانچہ آپ نے دعوت دی اور (کہا کون میرا مددگار ہے، اللہ) تعالیٰ (کی طرف) کہ میرے وہ مددگار جن کی مدد سے میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور التجا کر سکوں، یعنی اقامت دین میں تم میں سے کون میری مدد کرے گا۔ (حواری لوگ بولے ہم مددگار ہیں، اللہ) تعالیٰ کے دین کے وجود و بقا اور اس کے فروغ و ارتقا (کیلئے)، کیونکہ (ہم) پہلے ہی سے (مان گئے) اور مان چکے ہیں (اللہ) تعالیٰ

(کو) اور ظاہر ہے جو ایمان والا ہوگا وہی دین و رسول کی مدد کرے گا اور اسکے اولیاء کو انکے دشمنوں سے بچائے گا اور اسکے دین کے دشمنوں سے جنگ کرے گا۔

(اور) اے پیغمبر آپ بھی (گواہ ہو جائیے کہ ہم بیشک مسلمان ہیں) اور خدا اور رسول کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں اور اس سے ہمارا مقصود صرف اخروی سعادت کا حصول ہے۔

پیغمبر کی بارگاہ میں اپنے کو پیش کر دینے کے بعد اب خود بارگاہ الٰہی میں اپنے کو پیش کر رہے ہیں اور عرض کر رہے ہیں۔۔۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۝

پروردگار! مان گئے ہم جو تو نے اتارا، اور فرماں بردار ہو گئے رسول کے، تو ہم کو حق کے گواہوں میں لکھ لے●

(پروردگار! مان گئے ہم جو تو نے) اپنے پیغمبر پر (اتارا) یعنی ہم انجیل پر ایمان لا چکے (اور فرمانبردار ہو گئے رسول کے) یعنی ہم حضرت عیسیٰ کے دین پر ہیں۔۔۔یا۔۔۔وہ جو احکام ہماری طرف لائے ہیں۔۔یا۔۔جن امور سے وہ روکتے ہیں، ہمارا ان سب پر پختہ ایمان ہے۔ تو اے پروردگار (تو ہم کو حق کے گواہوں میں لکھ لے) جو تیری وحدانیت کی گواہی دیتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔ان انبیاء علیہم السلام کے ساتھ لکھ دے جو اپنے تابعداروں کی گواہی دینگے۔۔۔یا۔۔۔ہمیں حضرت محمد ﷺ کی امت میں لکھ دے، جو یقینی طور پر شہداء علی الناس ہیں۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ۝

اور سب فریب کھیلے اور اللہ نے اسکا جواب دیا، اور اللہ فریبیوں کو سب سے بہتر جواب دینے والا ہے●

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن یہودیوں کے کفر و سرکشی سے آگہی ہو گئی تھی، ان یہودیوں نے آپ کو انواع و اقسام کے حیلوں سے گرفتار کر لیا اور گھر میں قید کر کے رات بھر پہرہ رکھا اور صبح تڑکے اکٹھا ہو کر اپنے سردار یہودا کو گھر میں بھیجا تا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو باہر لائے۔

اسی شب حق تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا تھا، چنانچہ جب یہودا گھر میں گیا، تو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں پایا۔۔۔اور۔۔۔حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی شبیہ اس پر ڈال دی، پھر جب وہ باہر نکلا اور یہ کہنا چاہا کہ عیسیٰ یہاں نہیں ہیں، تو باہر جو لوگ تھے اس سے لپٹ گئے، ہر چند وہ کہتا رہا کہ میں فلاں شخص ہوں، کسی نے کچھ خیال نہ کیا، وہ نالہ و فریاد

کرتا رہا، مگر لوگوں نے اسے سولی پر چڑھادیا اور اس پر تیر برسانا شروع کردیا۔اس طرح ذلت ورسوائی کے ساتھ اسے قتل کرڈالا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ان مکر کرنے والوں نے مکر کیا (اور سب فریب کھیلے، اور اللہ) تعالیٰ (نے) ان کے (اس) فریب (کا جواب دیا) کہ ان لوگوں نے خود اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے دوست کو سولی چڑھادی۔

اور پھر جب یہ غور کیا کہ جسکو ہم نے قتل کردیا اسکا چہرہ تو حضرت عیسیٰ کے چہرے کی طرح ہے، لیکن اسکا باقی جسم ان کے اس فرستادہ کی طرح ہے جس کو حضرت عیسیٰ کو شہید کرنے کیلئے۔۔۔یا۔۔۔گھر سے باہر لانے کیلئے انھوں نے گھر میں بھیجا تھا۔اس پر انکا آپس میں سخت جھگڑا ہوا۔

فریبیوں کو ان کے فریب کا عبرتناک بدلہ مل گیا (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (فریبیوں کو سب سے بہتر جواب دینے والا ہے)۔یہ بدطینت یہود بھلا حضرت عیسیٰ کو کیسے شہید کرسکتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ آپ کو دشمنوں سے بچانے والا ہے۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ

جبکہ فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ بیشک میں پوری عمر دینے والا ہوں تمکو، اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اور صاف ستھرا بچانیوالا ہوں تم کو ان سے جو

كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

انکار کر بیٹھے ہیں، اور بلند کرنے والا ہوں ان کو جنھوں نے تمہاری پیروی کی ان پر جنھوں نے انکار کردیا قیامت تک۔

ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

پھر میری طرف ہے تمہارے لوٹنے کی جگہ، تو میں فیصلہ کروں گا تم لوگوں کا جس میں تم اختلاف رکھتے تھے●

چنانچہ اے محبوب یاد کرو اس وقت کو (جبکہ) ارشاد (فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے) حضرت عیسیٰ سے، کہ (اے عیسیٰ بے شک میں پوری عمر دینے والا ہوں تم کو)، اس میعاد تک جو میں نے تیرے لئے لکھی ہے۔۔۔الغرض۔۔۔تم اپنی طبعی موت ہی سے وفات پاؤگے، نہ کہ کسی سے مقتول ہوکر، (اور) تمہارے اعزاز واکرام کیلئے (اپنی طرف) یعنی اپنے فرشتوں کی قرارگاہ وطیرانگاہ کی طرف (اٹھانے والا) اور آسمانوں کی بلندیوں پر پہنچانے والا (ہوں، اور صاف ستھرا بچانے والا ہوں تم کو ان) کی

گندی صحبت، بری ہمسائیگی اور خراب معاشرت (سے، جو) تمہارے قتل کا ارادہ اور تم سے مکر کر کے تم سے کفر اور تمہارا (انکار کر بیٹھے ہیں)۔۔۔الغرض۔۔۔میں ایسوں سے تم کو نجات دینے والا ہوں (اور بلند کرنے والا ہوں) تمہارے (ان) ایمان والوں (کو جنھوں نے تمہاری پیروی کی، ان) یہودیوں (پر جنھوں نے) تم پر ایمان لانے اور تمہاری پیروی کرنے سے (انکار کر دیا)۔ ان کی یہ برتری اور یہ غلبہ ہمیشہ یعنی (قیامت تک) رہے گا۔

چنانچہ حضرت عیسیٰ کی نبوت ثابت کرنے میں دلائل و براہین کی روح سے عیسائی ہمیشہ یہودیوں پر غالب رہیں گے۔۔۔یا۔۔۔قیصروں کی مدد کے باعث تلوار کی رو سے نصاریٰ یہودیوں پر غالب آئے اور ہمیشہ غالب رہیں گے۔ (پھر) قیامت میں (میری) ہی (طرف ہے) تمہاری اور (تمہارے) متبعین۔۔۔نیز۔۔۔منکرین کے (لوٹنے کی جگہ) تو جب تم میری طرف رجوع کرو گے (تو میں فیصلہ کرونگا تم لوگوں کا) ان امور دین میں (جس میں تم اختلاف رکھتے تھے)۔

یہودی حضرت موسیٰ کو ماننے والے ہیں اور حضرت عیسیٰ کے منکر ہیں۔ نصاریٰ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ دونوں کی تصدیق کرتے ہیں، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کے منکر ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ [redacted] تو جب یہ سارے لوگ میری بارگاہ عدالت میں حاضر ہونگے تو میں صاف صاف واضح کر دونگا کہ حق والے کون ہیں؟ اور باطل کدھر ہے؟

ویسے تو ہمارے رسول اور ہماری کتابوں نے حق و باطل کو خوب خوب واضح کر دیا ہے لیکن قیامت میں اس سچائی کو ہر ایک اپنی آنکھوں سے دیکھ لیگا، ایسا کہ کسی کیلئے اسکے خلاف لب کشائی کی گنجائش ہی نہیں رہ جائیگی۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

پس جنھوں نے انکار کر دیا ہے تو ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا اور آخرت میں،

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۝

اور نہ ہوگا ان کا کوئی مددگار●

(پس) یہود و نصاریٰ بخوبی جان لیں کہ یہ خود اور ان کے سوا وہ سب (جنھوں نے انکار کر دیا

ہے) ان سب کو میری پکڑ میں آنا ہی ہے (تو) میں (ان کو سخت عذاب دونگا، دنیا) میں مجاہدین کی تلواروں کے ذریعہ، قید وبند اور جزیہ دینے کی ذلت ورسوائی مسلط کرکے اور مختلف بیماریوں، مصیبتوں اور بلاؤں میں مبتلا کرکے۔۔۔

خیال رہے کہ دنیاوی تکالیف ومصائب اور بیماریاں وآزاریاں کافر کیلئے سزا ہیں، لیکن مومن کے حق میں جزاء ہیں، جو مومن کیلئے دافع سیئات اور رافع درجات ہوتی ہیں۔

۔۔۔کافروں کو سزا دنیا میں بھی دونگا (اور آخرت میں) بھی جہنم کے عذاب میں مبتلا کرکے، (اور نہ ہوگا) میرے عذاب سے (انکا) چھڑانے والا (کوئی مددگار) اور کوئی حامی وناصر۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ

لیکن جو مان گئے اور نیک کام کیے، تو پورا پورا دے گا ان کو ان کا اجر۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ نہیں پسند فرماتا ظالموں کو●

(لیکن) وہ لوگ (جو مان گئے اور نیک کام کیے) یعنی امت مرحومہ محمدی ﷺ، (تو پورا پورا دیگا انکو انکا اجر) وثواب دنیا میں نیک نامی اور آخرت میں درست کامی کی شکل میں۔ رہ گئے وہ لوگ جو ایمان ہی نہیں لائے اور نیک عمل انجام نہیں دئے تو وہ اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں، تو وہ کان کھولکر سن لیں (اور) یادرکھیں کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا ظالموں کو) اور ان سے راضی نہیں ہوتا۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

یہ ہم پڑھتے ہیں تم پر کچھ آیتیں اور حکمت بھری نصیحت●

اے محبوب! (یہ) کلام جو انبیاء کرام کے قصوں میں مذکور ہوا، میرے حکم سے جبرائیل امین نے آپ کے پاس حاضر ہوکر آپ کو پڑھ کر سنایا، تو چونکہ انکا پڑھنا اور جو کچھ پڑھ کر سنایا، وہ سب میرے ہی حکم سے تھا اور اسے آپ کو سنانا میں نے ہی چاہا تھا، تو اب جبرائیل امین کی تلاوت اور انکا آپ کے روبرو پڑھنا، گویا خود میرا ہی پڑھنا ہے، تو گویا خود (ہم پڑھتے ہیں) اور تلاوت کرتے ہیں (تم پر) تمہارے روبرو (کچھ آیتیں) جو آپ کی رسالت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں، اسلئے کہ یہ

وہ علامات ہیں کہ سوائے کتاب اللہ کے قاری کے اور کسی کو معلوم نہیں ہوسکتیں۔۔۔یا۔۔۔وہ جان سکتا ہے جسکی طرف یہ آیات اتریں۔اور ظاہر ہے کہ آپ نہ لکھتے ہیں نہ کسی سے جا کر پڑھتے ہیں، تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ واقعی یہ آیات وحی ربانی ہیں۔(**اور حکمت بھری نصیحت**)، یعنی قرآن ایسا محفوظ کلام ہے کہ اس میں خلل ونقصان کا شائبہ تک نہیں۔

قرآن کریم نے اگر حضرت عیسیٰ کو عبداللہ، کلمۃ اللہ، رسول اللہ کہا ہے، تو یہ ایک سچی حقیقت ہے۔نجران کے نصاریٰ اگر اس کو حضرت عیسیٰ کے حق میں گالی سمجھتے ہیں، تو یہ انکی پرلے درجے کی نادانی ہے۔نجرانی نصاریٰ نے صرف اس وجہ سے کہ حضرت عیسیٰ کے باپ نہیں تھے، انھیں خدا کا بیٹا سمجھ لیا، یہ کتنی نامعقول بات ہے کہ جو بے باپ کا ہو تو وہ خدا کا بیٹا ہوجائے۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ

بے شک عیسیٰ کی مثال، اللہ کے نزدیک، جیسے آدم کی مثال ہے،

خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

پیدا فرمایا ان کو مٹی سے پھر حکم دیا اس کو کہ ہوجا فوراً ہوجاتا ہے●

تو اے محبوب! ان نادانوں کو سنادو کہ (**بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ**) تعالیٰ (**کے نزدیک جیسے آدم کی مثال ہے**) باپ نہ ہونے میں، یعنی دونوں کا کوئی باپ نہیں، دونوں کی تخلیق انسانوں کی تخلیق کے تعلق سے جو عادت مستمرہ ہے اس سے خارج ہے، دونوں کے پیکر انسانی کے اجزائے مادیہ کو کسی انسان کی صلب کی راہ سے گزرنا نہیں پڑا اور دونوں ہی کی تخلیق لفظ 'کن' سے فرمائی گئی۔ چنانچہ (**پیدا فرمایا ان کو**) یعنی آدم کو (**مٹی سے**)، یعنی اوّلاً مٹی کا ایک مجسمہ تیار کردیا (**پھر حکم دیا اس**) پیکر خاکی (**کو کہ ہوجا**) تو اس حکم کو پاکر وہ (**فوراً ہوجاتا ہے**)۔۔۔الختصر۔۔۔اللہ تعالیٰ نے خاک کو کہا آدم ہوجا، وہ آدم ہوگئی، اور ہوا سے کہا عیسیٰ ہوجا، تو وہ عیسیٰ ہوگئی۔

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝

بالکل حق ہے تم سب کے رب کی طرف سے تو نہ ہو شک کرنے والوں سے●

یہ جو حضرت عیسیٰ کے تعلق سے بات [redacted]

کہی گئی ہے یہ (بالکل حق ہے تم سب کے رب کی طرف سے، تو نہ ہو شک کرنے والوں سے) اس بات میں کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم علیہ السلام کی مثال کی طرح ہے، تو مسلمانو، تم نصاریٰ کی طرح شک میں نہ پڑو۔ چونکہ وہ تو ظن وتخمین کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس تمثیل کے نور کی چمک وہ نہیں دیکھ سکے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

تو جس نے بھی حجت نکالی ان کے بارے میں بعد اس کے کہ آچکا تم تک علم، تو کہہ دو کہ لو اب آجاؤ، ہم بلالیں

أَبْنَآءَنَا وَأَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ

اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنے اپنوں اور تمہارے اپنوں کو۔۔۔

ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿۶۱﴾

پھر مباہلہ کریں، تو مانگیں اللہ کی پھٹکار، جھوٹوں پر●

(تو) اے محبوب! (جس نے بھی حجت نکالی) اور کٹ حجتی کی (انکے) حضرت عیسیٰ کے (بارے میں بعد اس کے کہ آچکا تم تک علم) حضرت عیسیٰ کے تعلق سے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اسکے رسول ہیں۔۔۔ نیز۔۔۔ آپ کے پاس ایسے دلائل ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ حق پر ہیں چونکہ ضلالت وگمراہی نے انکو اندھا کر دیا ہے اسلئے یہ حجت بازی پر تلے ہوئے ہیں۔

(تو کہہ دو لو اب آجاؤ ہم بلالیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنے اپنوں اور تمہارے اپنوں کو، پھر مباہلہ کریں تو مانگیں اللہ) تعالیٰ (کی پھٹکار جھوٹوں پر)۔

پھر نبی کریم میدان مباہلہ کی طرف اس شان سے نکلے کہ امام حسین آپ کی گود میں، امام حسن آپکا ہاتھ تھامے ہوئے، حضرت فاطمہ زہراء، آپکے پیچھے اور حضرت علی انکے پیچھے۔

آپ نے سب کو ہدایت کردی تھی کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔

جب ان نورانی چہروں پر نصرانیوں کے سردار کی نظر پڑی، وہ چیخ پڑا کہ اے میرے ساتھیو! ان بزرگواروں کی دعائے ہلاکت سے بچو۔ قسم خدا کی میں دیکھتا ہوں کہ اگر یہ خدا سے چاہیں تو پہاڑوں کو بھی ان جگہوں سے ہٹا دیں اور میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر تم نے انکی تجویز منظور کرلی اور انکے ساتھ مل کر انکو دعائے ہلاکت کا موقع دے دیا اور پھر انھوں نے ہلاکت کی دعا کر بھی دی، پھر تو تمام روئے زمین میں ایک نصرانی بھی زندہ نہ رہے گا۔

پس اگر تم اپنے دین پر قائم ودائم رہنا چاہتے ہو تو چھوڑو جھگڑا اور کرو کوچ اور چلو اپنے اپنے گھروں کو۔ اور یہ صرف نصرانیوں کے سردار کا خیال نہیں تھا۔۔۔ مگر۔۔۔ حضور آیۂ رحمت ﷺ [redacted] اگر وہ مباہلہ کرتے تو فوراً بندر اور خنزیر کی صورتوں میں تبدیل ہو جاتے اور انکی وادی میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھتے اور انہیں وہ تباہی نصیب ہوتی کہ نہ صرف وہ مٹ جاتے بلکہ انکے اہل وعیال کے ساتھ انکے درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندوں کی بھی بیخ کنی ہو جاتی اور صرف ایک سال کے اندر اندر ان کا ستیاناس ہو جاتا۔

ابتداءً مباہلے کیلئے آمادگی ظاہر کر کے پھر مکر جانا، انکے تمام مذہبی اور سیاسی سربرآوردہ لوگوں کی طرف سے خود انکے اپنے باطل ہونے کا کھلا اعتراف ہے۔ اسلئے کہ اگر وہ سب اپنے دینی نظریات میں جھوٹے نہیں تھے، تو جھوٹوں کی ہلاکت کی دعا سے خوفزدہ کیوں ہو گئے اور وہ بھی ایسا خوف، بڑی ہی آسانی سے جزیہ دینا منظور کر لیا اور اسلامی حکومت کی سیاسی ماتحتی قبول کر لی۔ اور دنیا میں ذلیل وخوار ہو کر رہنے کو منظور کر لیا۔۔۔ الحاصل۔۔۔ حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام وغیرہ کے واقعات کے تعلق سے جو بیان کیا گیا۔۔۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ

بے شک یہی ہے ٹھیک بیان اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا،

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾

اور بیشک ضرور اللہ ہی غلبہ والا حکمت والا ہے●

(بے شک) وہ (یہی ہے) بالکل (ٹھیک) اور حق (بیان)، یہ جھوٹی اور من گھڑت کہانیاں نہیں، جو نصاریٰ بیان کرتے ہیں۔ نصاریٰ کا تین خدا ماننا بھی انکا ایک باطل نظریہ ہے، اسلئے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے (اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ) تعالیٰ (کے سوا اور بے شک ضرور اللہ) تعالیٰ (ہی غلبہ والا) اور (حکمت والا ہے)۔

یعنی جمیع مقدورات پر قادر اور جمیع معلومات کو محیط ہے، نہ کوئی اسکا قدرت میں شریک ہے اور نہ ہی حکمت میں تو پھر اسکی الوہیت میں کسی کے شریک ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِالۡمُفۡسِدِيۡنَ ۝ ع

پھر اگر انھوں نے بے رخی کی، تو بلاشبہ اللہ فساد مچانے والوں کو جاننے والا ہے●

(پھر اگر انھوں نے بے رخی کی) توحید اور اس حق کو قبول کرنے سے جسکے دلائل ظاہرہ اور براہین کا معائنہ بھی کر چکے ہیں اور مباہلہ کرنے سے بھی انکار کریں تو انکی مذکورہ بالا بے رخی اور انکار ہی فساد کی حقیقت ہے۔ (تو) ایسے فسادی کان کھول کر سن لیں کہ (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (فساد مچانے والوں کو جاننے والا ہے) اور وہ ان کے قلبی ارادوں پر بھی مطلع ہے اور اسے معلوم ہے کہ انکے اغراض فاسدہ کیا ہیں اور پھر انکو سزا دینے پر بھی قادر ہے۔

قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ تَعَالَوۡا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰهَ

کہہ دو کہ اے اہل کتاب، آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں تم میں برابر ہے، یہ کہ نہ پوجیں مگر اللہ کو،

وَلَا نُشۡرِكَ بِهٖ شَيۡـــًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ؕ

اور نہ شریک مانیں اس کا کسی چیز کو، اور نہ بنائے ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب، اللہ کو چھوڑ کر

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُوۡلُوا اشۡهَدُوۡا بِاَنَّا مُسۡلِمُوۡنَ ۝

پھر اگر منہ پھیریں تو تم لوگ کہہ دو کہ گواہ رہو، کہ ہم سب مسلمان ہیں●

اے محبوب یہ فسادی حق کو قبول کرنے میں کتنی بھی بے رخی کا مظاہرہ کیوں نہ کرتے ہوں، مگر تم اپنا فریضہ نبوت ادا کرتے رہو اور ان کتابیوں سے صاف لفظوں میں (کہہ دو کہ اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں برابر ہے)۔

یعنی اے اہل کتاب نصرانیوں اور مدینہ کے کتابی یہودیو! آؤ ہم سب آپس میں ان نظریات پر اتفاق کرلیں جن پر ہمارے اور تمہارے پاس موجود خدا کی طرف سے نازل کردہ کتابیں متفق ہیں۔

۔۔۔الغرض۔۔۔۔اس نظریہ پر نہ کسی رسول کو اختلاف ہے اور نہ ہی کسی خدائی کتاب کو۔ ظاہر ہے کہ جس نظریہ کے صحیح اور درست ہونے پر سارے رسولوں اور ساری آسمانی کتابوں کا اتفاق ہو، اس نظریہ کو، اس رسول کو، اپنا رسول اور اسکی لائی ہوئی آسمانی کتاب کو اپنی کتاب ماننے والے کو لازمی طور پر قبول کرلینا چاہئے، اسلئے کہ رسول و کتاب پر ایمان لانے کے

بعد انکی ہدایت کو من وعن قبول نہ کرنا، بلکہ اسکی خلاف ورزی کرنا، یہ منافقت اور سرکشی کی بد ترین صورت ہے۔

ان متفقہ نظریات میں پہلا نظریہ (یہ) ہے (کہ نہ پوجیں مگر اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی عبادت کا مستحق سوائے اُسکے اور کسی کو نہ سمجھیں۔ اس میں ہم اور تم پرخلوص ہو جائیں (اور) دوسری بات یہ ہے کہ (نہ شریک مانیں اسکا کسی چیز کو) یعنی استحقاقِ عبادت میں اسکا کوئی شریک نہ بنائیں (اور) تیسری بات یہ ہے کہ (نہ بنائے ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)۔۔۔ مثلاً: معاذ اللہ، یہ کہیں عزیر ابن اللہ، عیسیٰ ابن اللہ، اور نہ ہم علماء کی وہ باتیں مانیں جو انھوں نے از خود دین میں نکالی ہیں۔ اپنی مرضی سے جس کو چاہا حلال کر دیا اور جس کو چاہا حرام قرار دیا، اپنے خود ساختہ قوانین کو خدائی قوانین کی طرح ماننے اور منوانے لگے۔

(پھر اگر) وہ (اپنا منہ پھیریں) اور روگردانی کریں اس سے کہ جسکی طرف آپ انھیں بلاتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید، ترک اشراک (تو) اے مومنین (تم لوگ کہہ دو کہ گواہ رہو کہ ہم سب مسلمان ہیں) یعنی اب تم پر حجت قائم ہو چکی اور معترف ہو جاؤ کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں۔

یہ یہود و نصاریٰ بھی عجیب تھے جن امور پر انھیں غور وفکر کرنا چاہیے، جو روش اپنانی چاہیے، اس سے پہلو تہی کرتے اور غیر ضروری مباحث و مسائل میں شعوری۔۔۔یا۔۔۔غیر شعوری طور پر دوسروں کو الجھانے کی کوشش کرتے، اور پھر اس سلسلہ میں ایسے احمقانہ دعوے کر جاتے جس سے ایک عام آدمی بھی انھیں عقل وشعور سے عاری خیال کرنے پر مجبور ہو جاتا۔

چنانچہ انھوں نے ایک بحث عجیب چھیڑ دی کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے۔۔۔یا۔۔۔ نصرانی؟ یہودی انھیں یہودی بتاتے اور نصاریٰ نصرانی کہتے، حالانکہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ سے ایک ہزار برس اور حضرت عیسیٰ کے دو ہزار برس قبل تھے، اس وقت نہ توریت تھی نہ انجیل، تو پھر اس عہد والے کا موسوی۔۔۔یا۔۔۔عیسائی، بلفظ دیگر یہودی۔۔۔یا۔۔۔ نصرانی ہونا چہ معنی دارد۔ اس طرح کے دعوں کے مدعی خود اپنی ہی رسوائی کا سامان فراہم کر لیتے ہیں۔

يَٰٓأَهۡلَ ٱلۡكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِيٓ إِبۡرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوۡرَىٰةُ

اے اہل کتاب کیوں حجتیں کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں، حالانکہ نہیں اتاری گئی توریت

وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾

وانجیل مگران کے بعد، تو کیا عقل نہیں رکھتے●

تو (اے اہل کتاب) یہود و نصاریٰ! تم دونوں گروہ (کیوں) جھگڑتے ہو اور (حجتیں کرتے ہو) حضرت (ابراہیم کے) دین کے (بارے میں) کہ وہ یہودی تھے۔۔۔یا۔۔۔نصرانی؟ (حالانکہ) انکے عہد میں (نہیں اتاری گئی توریت)، یہود جسکی شریعت پر عمل کرنے کے مدعی ہیں (و) نہ ہی نازل فرمائی گئی (انجیل) نصاریٰ جس کے حکم کی تعمیل کے دعویدار ہیں۔ بلکہ یہ کتابیں یعنی توریت وانجیل ضرور نازل فرمائی گئیں (مگر) علی الترتیب (انکے) ایک ہزار اور دو ہزار سال کے (بعد، تو) اے کتابیو! (کیا) تم تھوڑی سی بھی (عقل نہیں رکھتے)، دیکھو حق تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ

سنو، تم وہی ہو کہ حجتیں نکالیں اس میں جس کا تم کو علم ہے، تو اس میں کیوں کٹ حجتی کرتے ہو جس کا تمہیں

بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

کچھ علم نہیں۔ اور اللہ علم رکھتا ہے اور تم سب بے علم ہو●

غور سے (سنو تم وہی ہو) جو (کہ) اپنی کٹ حجتی کی عادت سے مجبور ہو کر (حجتیں نکالیں) اور بلاوجہ کی بحثیں کریں، (اس) شئے (میں جسکا تم کو علم ہے) اور وہ ہے نعت مصطفیٰ ﷺ، جو توریت و انجیل میں تم نے پڑھی تھی اور اسے پھر تم نے بدل دیا تھا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔جو باتیں معلوم ہوں، اس کو چھپانا، اس میں تحریف کر دینا اور اسکے تعلق سے عادلانہ اور منصفانہ گفتگو نہ کرنا۔۔۔الغرض۔۔۔جانی بوجھی باتوں کے تعلق سے تمہاری کج بحثی تو رہتی ہی تھی، جس پر تم اپنے اہل کتاب اور صاحب علم ہونے کی دھونس جمایا کرتے تھے۔ مگر اب تم نے ایسی باتوں کے تعلق سے بھی بحث شروع کر دی جسکا تمہاری کتابوں میں ذکر ہی نہیں۔ غور کرو کہ حضرت ابراہیم کے یہودی۔۔۔یا۔۔۔نصرانی ہونے کا جب تمہاری کتاب میں ذکر ہی نہیں، تو تمہیں کیسے علم ہوا کہ وہ کیا تھے؟

(تو اس میں کیوں کٹ حجتی کرتے ہو جسکا تمہیں کچھ علم نہیں) غور سے سنو (اور) یاد رکھو کہ جس بات میں تم جھگڑتے ہو (اللہ) تعالیٰ ہی اسکا (علم رکھتا ہے اور) حقیقت حال و محل نزاع سے (تم سب بے علم ہو)۔ حقیقت حال یہی ہے کہ۔۔۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ

نہ تھے ابراہیم یہودی، اور نہ نصرانی، لیکن تھے

حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٦٧﴾

حق پرست، مسلمان۔ اور نہ تھے مشرکوں سے ●

(نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ) ہی (نصرانی، لیکن تھے حق پرست) پاک، موحد اور برے عقائد سے منحرف (مسلمان)، خلوص رکھنے والا اور بارگاہِ الٰہی میں سرِ تسلیم خم کردینے والا (اور نہ تھے مشرکوں سے)۔

اسکے برخلاف اے کتابیو! تم حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کی الوہیت کے اعتقاد کے سبب مشرک ہوگئے، تو تم سب اور تمہارے سوا دوسرے مشرکین عرب جو اپنے کو دین ابراہیمی والا کہا کرتے تھے۔ کسی کو بھی یہ حق نہیں کہ وہ اپنے کو ابراہیمی ۔۔۔یا۔۔۔ دین ابراہیمی والا قرار دیں۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ

بے شک سب سے زیادہ حق دار ابراہیم کے وہ ہیں، جنھوں نے ان کی پیروی کی تھی، اور یہ نبی

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٨﴾

اور جو ان کو مان گئے۔ اور اللہ والی ہے ایمان والوں کا ●

غور سے سن لو کہ (بے شک سب سے زیادہ حق دار ابراہیم کے وہ ہیں جنھوں نے انکی پیروی کی تھی) اور ان پر ایمان لاکر ان کے حکم کی اطاعت کی تھی (اور یہ نبی) ﷺ جو ملت ابراہیمی والا ہے (اور جو انکو مان گئے) خواہ وہ اہل شرک سے رہا ہو۔۔۔یا۔۔۔ اہل کتاب سے، پیغمبر اسلام پر ایمان لانے کے بعد، وہ اس بات کا مستحق ہوجاتا ہے کہ اپنے کو ابراہیمی قرار دے، اسلئے کہ پیغمبر اسلام اور آپ کے سارے ماننے والے امتی اصولی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے احکام کے موافق ہیں۔ (اور اللہ والی ہے ایمان والوں کا)، انکا دوست اور انکا کام بنانے والا ہے اور انکے ایمان کی وجہ سے انکے نیک اعمال کی جزاء عطا فرمانے والا ہے۔

اور جب ایمان و نیک عمل والوں کا یہ مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ انکا دوست اور انکا والی و ناصر

[redacted] جس طرح پہلے بھی بعض کتابیوں نے
حضرت حذیفہ اور حضرت عمار کو گمراہ کرنے اور اپنے دین میں لانے کی کوشش کی تھی۔ ایسے
ہی ہر ایمان والوں کے تعلق سے۔۔۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ
آرزو بنالیا ایک جمعیت نے اہل کتاب سے، کہ کاش تم لوگوں کو گمراہ کردیں۔ اور نہیں گمراہ کرتے
اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾
مگر خود کو، اور نا سمجھ ہیں●

(آرزو بنالیا ایک جمعیت نے اہل کتاب سے) جنھوں نے اسلام قبول نہیں کیا، (کہ کاش تم لوگوں کو گمراہ کردیں) راہِ راست سے ہٹا کر، اسلام سے برگشتہ کردیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نہیں بھٹکاتے (اور نہیں گمراہ کرتے مگر خود کو)، اسلئے کہ گمراہ گری کا وبال خود انہی کی طرف لوٹے گا۔ انکے جہنم کے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ لیکن یہ اسقدر نادان (اور نا سمجھ ہیں) کہ سمجھتے ہی نہیں کہ وہ وبال اور عذاب اور ان کے کردار کا ضرر انہی کے گلے پڑے گا۔ دوسروں کو گمراہ کرنے کی آرزو رکھنے والو، خود کو ہدایت سے کیوں دور کر رکھا ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾
اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا، حالانکہ تم خود مشاہدہ کررہے ہو●

جواب دو (اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا) جن پر توراۃ و انجیل شاہد ہیں اور جو نبوت محمدی پر دلالت کرتی ہیں (حالانکہ تم خود مشاہدہ کررہے ہو) اور تم اس پر شاہد ہو کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع
اے اہل کتاب، کیوں ملاتے ہو حق کو باطل سے، اور چھپاتے ہو حق کو، جان بوجھ کر●

اور (اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو حق کو باطل سے، اور چھپاتے ہو حق کو جان بوجھ کر)۔

کتنی بڑی زیادتی اور گمراہی کی بات ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ پر نازل ہونے والی کتابوں میں تحریف کرکے، اپنے باطل کو ان کتابوں کے حق کے ساتھ ملادیتے ہو اور اس طرح حق و باطل کو گڈمڈ کردیتے ہو، اور اپنی خود غرضی سے جو تحریفات کی ہیں، اس باطل کو حق کے رنگ میں پیش کرتے ہو۔

۔۔۔الغرض۔۔۔آسمانی کتابوں کے حق کے ساتھ اپنے گڑھے ہوئے باطل کو ایسا خلط ملط کردیا کہ حقیقت وسچائی حجاب اندر حجاب ہوگئی۔ یہ جانتے ہوئے کہ حضور نبی کریم کی نبوت اور آپ کی نعت اور خوبیاں سب حق ہیں اور اسکا ذکر تمہاری کتابوں میں بھی ہے۔۔۔الختصر۔۔۔ اے کتابیو، جان بوجھ کر تمہاری یہ حرکتیں تمہاری دنیا و آخرت کی رسوائیوں کا سبب ہیں۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ

اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے کہ مان لیا کرو اس کو جو اتارا گیا ہے

اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

ایمان والوں پر صبح سویرے اور مرتد ہوجاؤ اس سے شام کو، شاید مسلمان لوگ بھی مرتد ہوجائیں●

اے کتابیو! تم نے مکر و فریب کی بھی حد کردی۔ چنانچہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے تم نے ایک نرالی چال چلی (اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب سے)، اور وہ بارہ آدمی تھے (کہ مان لیا کرو اس کو جو اتارا گیا ہے ایمان والوں پر صبح سویرے) (اور مرتد ہوجاؤ اس سے شام کو، شاید مسلمان لوگ بھی مرتد ہوجائیں)۔ کتابیوں نے یہ کتنا بڑا جال پھیلا دیا تھا کہ پہلے ایمان لانے کا ڈھونگ رچائیں، پھر یہ کہہ کر کہ ایمان لانے میں ہم سے بھول ہوگئی، بعد میں ہم نے تحقیق کی اور اپنے علماء سے بحث و تمحیص کیا، تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ہماری کتابوں میں جس نبی کی بشارت دی گئی ہے، وہ محمد عربی ﷺ نہیں ہیں۔ ہم کو جو نشانیاں بتائی گئی ہیں، وہ سب ان میں نہیں پائی جارہی ہیں، اسلئے ہم اپنے دین پر واپس آگئے اور انکے دین کو چھوڑ دیا۔

یہ سب کچھ انھوں نے اس خیال سے کیا کہ شاید کچھ لوگ اس سے متاثر ہوجائیں اور وہ بھی کھل کر مرتد ہوجائیں۔۔۔یا۔۔۔کم از کم دین اسلام کی حقانیت سے مشکوک ہوجائیں۔

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰٓى

اور تم لوگ نہ مانو مگر اس کو، جس نے تمہارے دین کی پیروی کر لی۔ کہہ دو کہ بیشک ہدایت اللہ کی ہدایت ہے۔ اور یہ کہ کوئی دیا

اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ

جائے ویسا جو تم کو دیا گیا، یا دوسرے لوگ تم سے جیت جائیں تمہارے پروردگار کے پاس۔ کہہ دو بیشک فضل

بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۚۙ

اللہ کے قبضہ میں ہے۔ جس کو چاہے اس کو دے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے●

جن لوگوں کو اس کام کیلئے تیار کیا تھا کہ صبح کو ایمان لانا اور رات کو انکار کر دینا، ان کو یہ ہدایت بھی کر دی تھی کہ یہ ایمان لانا محض دکھاوے کیلئے ہو، (اور تم لوگ) پر لازم ہے کہ دل سے (نہ مانو مگر اس کو جس نے تمہارے دین کی پیروی کر لی) یعنی ظاہری طور پر رسول عربی پر ایمان کا مظاہرہ کرنا، لیکن قلبی طور پر صرف اپنے دین والوں کو ماننا، نہ کہ حضور کے ماننے والوں کو۔

لیڈروں نے یہ بھی ہدایت کر دی تھی کہ ہماری آپس کی ان ساری باتوں کو صیغہ راز میں رکھنا کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔

اے محبوب (کہہ دو کہ بے شک ہدایت اللہ) تعالیٰ (کی ہدایت ہے)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ اور رسول سیدنا محمد ﷺ پر جو آیات نازل کی ہیں، اللہ تعالیٰ جس کو انکی طرف ہدایت دینا چاہے، اسے کوئی روکنے والا نہیں اور اسلام اور رسول عربی کے خلاف تمہاری ساری سازشیں۔ مکر و فریب، دجل و تلبیس کوئی اثر نہیں کر سکتا۔

یہودیوں کے سرداروں نے اپنوں کے سوا کسی کو نہ ماننے کی ہدایت کے ساتھ یہ بھی کہا کہ تم اپنوں کے سوا کسی کی نہ مانو (اور یہ) بھی نہ مانو (کہ کوئی دیا جائے) گا (ویسا جو تم کو دیا گیا) ہے (یا دوسرے لوگ تم سے جیت جائیں گے تمہارے پروردگار کے پاس) قیامت میں، یعنی قیامت میں حجت قائم کر کے تمہارے اوپر غالب ہو جائینگے۔ اسلئے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اسے حق پہنچتا ہے کہ اپنے مخالفین کے خلاف اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت قائم کرے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ تمہیں جو علم و فضل دیا گیا، وہ اور کسی کو نہیں دیا جائیگا، اور یونہی تمہارے رب کے پاس تمہارے خلاف کوئی حجت بھی نہ پیش کرے گا کہ تم کو وہاں کوئی شرمندگی اٹھانی پڑے۔۔۔ الغرض۔۔۔ مکر و فریب اور گمراہ گری کے ہر طریقے کو بروئے کار لایا گیا۔

اے محبوب ان کی خام خیالیوں کے جواب میں (کہہ دو بیشک فضل اللہ) تعالیٰ (کے قبضہ قدرت (میں ہے، جس کو چاہے اسکو دے اور اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) بہت رحمت والا ہے اور (علم والا ہے) اور مستحقین پر فضل فرمانے والا ہے۔

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

مخصوص فرمالے اپنی رحمت سے جسے چاہے۔ اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ●

(مخصوص فرمالے اپنی رحمت) اسلام، قرآن، نبوت (سے جسے چاہے اور اللہ) تعالیٰ (بہت بڑے فضل والا ہے) مومنوں پر۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ فضل یعنی ہدایت وتوفیق اور علم وکتاب کی عطا اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت میں ہے۔ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، عطا فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس پر [redacted] اپنے محبوب کی مخلصانہ [redacted] اپنی نجی زندگی میں بھی وہ امانت ودیانت کا پیکر ہوجاتا ہے۔ اب اگر وہ پہلے اہل کتاب ہی کا ایک فرد رہا ہو، لیکن اسلام قبول کر لینے کے بعد اس میں شان اسلام صاف نظر آنے لگتی ہے۔

وَمِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْھُمْ مَّنْ

اور کوئی کتابی وہ ہے کہ اگر امین بناؤ اس کو ایک انبار کا، تو اس کو ادا کردے تمہارے پاس، اور کوئی وہ ہے کہ

اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَاۗىِٕمًا ۭ

اگر امین بناؤ اس کو محض ایک اشرفی کا، تو اس کو ادا نہ کرے تمہارے پاس، مگر جبکہ ہمیشہ اس پر ڈٹے کھڑے رہو،

ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ

یہ اس سبب سے کہ ان لوگوں کا قول ہے کہ امی لوگوں کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

اور لگاتے ہیں اللہ پر جھوٹ، دیدہ و دانستہ ●

(اور) اے محبوب تم تو بخوبی واقف ہو کہ (کوئی کتابی وہ ہے کہ اگر امین بناؤ اس کو ایک انبار کا)، یعنی اسکے پاس بطور امانت کثیر مال رکھ دو (تو) وہ (اسکو) حسب وعدہ تمہیں (ادا کردے) گا اور

(تمہارے پاس) بخوشی پہنچادے گا، جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام جنکے پاس کسی قریشی نے ایک ہزار دوسواوقیہ سونا بطور امانت رکھا اور پھر جب قریشی نے طلب کیا تو آپ نے ادا کردیئے۔

(اور) انکے برعکس (کوئی) کتابی (وہ) بھی (ہے کہ اگر امین بناؤ اس کو محض ایک اشرفی کا تو) طلب کرنے پر (اس کو) بھی (ادا نہ کرے تمہارے پاس) بآسانی خوشی خوشی۔ ہاں (مگر جبکہ ہمیشہ اس پر ڈٹے کھڑے رہو) تقاضے پر تقاضہ کرتے رہو۔ ایسا مسلط ہوجاؤ کہ وہ بھی تنگ آجائے، مگر اتنا کچھ کرنے کے بعد ضروری نہیں کہ وہ تم کو امانت دے ہی دے، جیسا کہ کعب بن اشرف نے کہا جسکے پاس ایک قریشی نے صرف ایک دینار امانت رکھا تو، کعب بن اشرف نے اسے مانگنے پر واپس نہ دیا بلکہ سرے سے منکر ہوگیا۔

کتابیوں میں (یہ) بدویانتی اور خیانت (اس سبب سے) آگئی (کہ ان لوگوں کا قول ہے کہ امی لوگوں کے بارے میں ہم پر کوئی گرفت نہیں)، یعنی ہم پر آخرت میں کوئی عذاب ہوگا اور نہ ہی کوئی گناہ۔ ان کے اس اعتقاد کی بنیاد دراصل انکا یہ خیال تھا کہ جو کوئی تورات نہ جانے، وہ امی ہے اور امیوں کا مال وہ اپنے واسطے حلال جانتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ توریت نے ہمارے لئے یہ امر درست کردیا ہے کہ ہم اپنے دین کے مخالفوں کے ساتھ خیانت کریں (اور) یہ کیسے جری و بے باک ہیں کہ (لگاتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ) اور وہ بھی (دیدہ ودانستہ)۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ خیانت حرام ہے اور تمام شریعتوں اور سب ملتوں میں امانت ادا کرنے کا حکم ہے۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾

ہاں ہاں جس نے پورا کردیا اپنے عہد کو اور پرہیزگار رہا تو، بیشک اللہ دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو●

(ہاں ہاں) یہ کس خام خیالی میں ہیں، یقیناً عرب سے بھی خیانت کرنے میں ان کی گرفت ہوگی۔ ہاں بے شک اس کی گرفت نہیں ہوگی (جس نے پورا کردیا اپنے عہد کو) جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا اور یہ تھا کہ اے اہل کتاب تم محمد ﷺ پر ایمان لانا اور امانتیں ادا کرنا (اور) جو (پرہیزگار رہا) شرک وخیانت سے، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے پرہیزگاروں کو) جو دھوکا کرنے، خیانت اور عہد شکنی سے ڈرتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ

بیشک جو لیتے ہیں اللہ کے عہد اور اپنے قسموں کے بدلے بے حقیقت چیز قیمت، وہ ہیں کہ نہیں کوئی حصہ

لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

انکے لیے آخرت میں، اور نہ ان سے کلام فرمائے اللہ، اور نہ نظر کرے انکی جانب قیامت کے دن،

وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۷﴾

اور نہ پاک فرمائے ان کو، اور انکے لیے عذاب ہے دکھ والا ●

ان کے برعکس (بے شک جو لیتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے بے حقیقت چیز) بطور (قیمت)، اللہ تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں ان سے عہد لے لیا تھا کہ یہ رسول پاک پر ایمان لائیں گے اور امانتوں کو ادا کرتے رہیں گے اور انھوں نے بھی قسم کھا کر کہا تھا کہ ہم ان پر ایمان لائیں گے اور انکی مدد کریں گے۔

ان میں سے جو لوگ اس عہد کو پورا نہیں کرتے اور وہ جھوٹی قسمیں کھا کر لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور اس عہد شکنی اور جھوٹی قسموں کے ذریعہ دنیا کا تھوڑا حقیر مال خریدتے ہیں۔ ایک طرف تو انھوں نے رسول عربی پر ایمان نہ لا کر عہد شکنی کی، دوسری طرف رسول عربی کے جو اوصاف ان کی کتابوں میں مذکور ہیں، انکو چھپالیا، اور ان کتابوں میں بیان کردہ جو خدائی احکام ہیں، انکو بدل ڈالا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اپنی طرف سے قوانین گڑھ کے اسکو اپنی کتاب میں شامل کرلیا اور پھر مزید شرمناک جرأت وجسارت کا مظاہرہ کیا اور قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو باور کرانے لگے کہ ہم جو کہہ رہے ہیں وہ ہی صحیح ہے اور ہم پر نازل فرمودہ کتابوں کی ہدایات کے مطابق ہے۔

یہ سب کچھ کرنے کے بدلے میں کسی سے ایک صاع جو لے لیا اور کسی سے چند گز کپڑے حاصل کرلئے۔ کعب بن اشرف اور اس جیسے یہ سودا بازی کرتے رہے۔

یہ جن کے اوصاف قبیحہ اوپر بیان کئے جاچکے ہیں (وہ ہیں کہ نہیں کوئی حصہ انکے لئے آخرت میں) جو ان کے کام آسکے، انکی قسمت میں نہ تو آخرت کا ثواب ہے اور نہ ہی آخرت کی نعمتیں (اور) ان سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور اس پر اللہ تعالیٰ کے غضب کا عالم یہ ہوگا کہ (نہ ان سے کلام فرمائے) گا (اللہ) تعالیٰ (اور نہ) ہی (نظر) رحمت (کرے) گا (انکی جانب، قیامت کے دن اور نہ پاک فرمائے) گا گناہوں اور ان کی بداعمالیوں کی آلائشوں سے (ان کو، اور)

صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (ان کیلئے عذاب ہے دکھ والا)، جسکا دکھ دائمی ہے جو کبھی کاٹنے سے نہ کٹے۔ قیامت میں انکی سخت اہانت کی جائیگی۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ

اور بیشک ان میں ایک جماعت ہے کہ توڑ موڑ کرتے ہیں اپنی زبان کو کتاب میں، تاکہ تم لوگوں کو خیال ہو کہ یہ کتاب ہی کا جز ہے،

وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ

حالانکہ وہ کتاب سے نہیں، اور بک دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور وہ اللہ کی جانب سے نہیں ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

اور افتراء کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ، جان بوجھ کر ●

(اور بیشک ان) توریت میں تحریف کرنے والوں، حضور نبی پاک کی نعت بدل ڈالنے والوں اوران باتوں کوانجام دینے کیلئے رشوت لینے والوں (میں) کعب بن اشرف اور اس جیسے اس کے ساتھیوں کی (ایک جماعت ہے کہ توڑ موڑ کرتے ہیں اپنی زبان کو کتاب) پڑھنے کی صورت (میں)، اور اپنی زبانوں کو نازل کردہ حکم سے محرف کی طرف پھیرتے ہیں، یعنی اصل جو کتاب کا نازل فرمودہ حکم ہے، اس کو دبا لیتے ہیں۔ اور اسکی جگہ خود اپنا تحریف کردہ حکم پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور یہ بددیانتی بلا تکلف ایک جھٹکے میں کر جاتے ہیں (تاکہ تم لوگوں کو خیال ہو، یہ کتاب ہی کا جز ہے۔ حالانکہ وہ کتاب سے نہیں) ہے۔

(اور) اس پر انکی بے شرمی کا عالم یہ ہے کہ وہ (بک دیتے ہیں کہ یہ اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) نازل فرمودہ کتاب توریت سے (ہے)۔ (اور) حقیقت حال یہ ہے کہ (وہ اللہ) تعالیٰ (کی جانب سے) نازل کردہ کتاب تورات سے (نہیں ہے)۔ تو جب صورت حال یہ ہے کہ انکا تحریف کردہ خدا کا کلام نہیں (اور) یہ اسے خدا کا کلام باور کرانا چاہتے ہیں تو انکا اس کلام کو خدا کا کلام قرار دینا جو فی الواقع خدا کا کلام نہیں ہے، تو اپنے اس طرز عمل سے یہ (افتراء کرتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، یعنی گڑھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی باتیں منسوب کر رہے ہیں جو قطعاً جھوٹ ہیں اور یہ کام کچھ نادانی اور لاعلمی میں نہیں کر رہے ہیں بلکہ دیدہ و دانستہ (جان بوجھ کر) کر رہے ہیں۔ انھیں خوب معلوم ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہے اور انھیں اس بات کی بھی بخوبی خبر ہے کہ خیانت حرام ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

کسی بشر کو حق نہیں کہ اللہ تو اس کو دے کتاب، اور حکم، اور پیغمبری، پھر وہ لوگوں سے یہ کہے

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ

کہ ہو جاؤ تم میرے ہی بندے اللہ کو چھوڑ کر، لیکن کہے گا، کہ ہو جاؤ اللہ والے،

بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾

کہ تم کتاب کی تعلیم دیتے رہے اور خود پڑھتے رہے ●

سابقہ آیات میں یہودیوں کے افتراء کا ذکر تھا اور اب آگے نصاریٰ کے افتراء کا ذکر فرمایا جارہا ہے، جو انھوں نے انبیاء علیہم السلام پر تراشا۔ نجران کے نصاریٰ کہتے تھے کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام نے حکم فرمایا تھا کہ ہم انکو اپنا رب سمجھیں، حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے افتراء سے پاک تھے، نہ انھوں نے خدائی کا دعویٰ کیا اور نہ ہی اپنی عبادت کا حکم دیا اور ایسا کیسے ہوسکتا ہے جبکہ۔۔۔

(کسی بشر کو) خواہ وہ عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں (حق نہیں)، اور اسے لائق نہیں (کہ اللہ) تعالیٰ (اس کو دے کتاب)۔۔۔مثلاً: انجیل (اور حکم) یعنی قضیوں کے فیصلے اور معاملات کو حل کرنے کی سمجھ، (اور پیغمبری) یعنی نبوت و رسالت کی ذمہ داری، تو وہ خدا کی طرف دعوت دینے کی بجائے خود اپنی طرف دعوت دینے لگے اور خدا سے بے نیاز کر کے اپنا نیازمند بنا لے۔

اور جب یہ سب نعمتیں اسے مل جائیں (پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ ہو جاؤ تم میرے ہی بندے، اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)۔

[redacted]

۔۔۔الغرض۔۔۔ نبی کبھی بھی نہیں کہے گا کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے ہو جاؤ (لیکن) یہ ضرور (کہے گا کہ) مجھ پر ایمان لا کر اور میرے اطاعت شعار بن کر (ہو جاؤ اللہ) تعالیٰ (والے) اور اللہ والا

ہونا ہی تمہاری شایان شان ہے کسی غیر خدا کو اپنا معبود اور اپنا رب بنا لینے سے۔ کیوں (کہ تم) اپنے نبی پر نازل شدہ (کتاب کی تعلیم دیتے رہے اور خود) بھی اسے (پڑھتے) پڑھاتے (رہے)۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُمْ

اور نہ حکم دے گا تم کو کہ بنالو فرشتوں اور پیغمبروں کو رب۔ کیا حکم دے گا تم کو

بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کفر کا؟ اس کے بعد کہ تم مسلمان ہو●

(اور) یونہی (نہ حکم دے گا) وہ کتاب ونبوت والا (تم کو، کہ بنالو فرشتوں اور پیغمبروں کو رب)، بھلا وہ اسطرح کا حکم کیسے دے سکتا ہے؟ اور اسطرح کا حکم دینا اس سے کیسے ممکن ہے؟ (کیا) وہ (حکم دیگا تم کو کفر کا، اسکے بعد کہ تم مسلمان ہو؟) جسکا کام کفر وشرک کی ظلمتوں سے نکالنا ہو، جو ہر طرح کی گمراہیوں کے دلدل سے نکالنے کیلئے مبعوث کیا جاتا ہو، اسکی طرف ایسی باتوں کو منسوب کرنا جس سے کفر وشرک کی دعوت دیتا ہوا نظر آئے، کہاں کا انصاف ہے؟ بلکہ یہ افتراء کی بدترین شکل ہے۔

اب اگر بعض مشرکوں نے فرشتوں کی عبادت کی اور یہود ونصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ کی عبادت کی، تو یہ سب کچھ کسی نبی برحق کی ہدایات سے نہیں کی ہے، بلکہ اپنے طاغوتوں کی اطاعت میں کیا ہے۔۔۔الختصر۔۔۔نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ پر یہ الزام لگانا کہ انھوں نے حکم دیا کہ انھیں رب اور معبود بنالیا جائے سراسر باطل ہے۔

یہ یہود ونصاریٰ بھی عداوت وحسد میں حد سے گزر گئے تھے۔ انکی کتابوں نے ان پر خوب واضح کر دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں سے عالم ارواح میں۔۔۔یا۔۔۔بذریعہ وحی یہ عہد لے لیا ہے کہ، اگر ان کے زمانے میں سیدنا محمد ﷺ مبعوث ہوگئے تو وہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی تصدیق کریں گے اور آپ کی نصرت کریں گے اور سارے نبیوں کو یہ ہدایت بھی کر دی گئی کہ وہ اپنے امتیوں سے یہ عہد لیتے رہیں گے۔۔۔الغرض۔۔۔اس عہد میں ہر ہر نبی کا امتی اپنے اپنے نبی کا تابع ہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ

اور جبکہ لیا اللہ نے پیغمبروں کا حتمی وعدہ، کہ جب میں نے دے دیا ہو تم کو کتاب وحکمت،

ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ

پھر آ گیا تمہارے پاس رسول سچ بتاتا ہوا، جو تمہارے پاس ہے، تو ضرور اسکو مان جانا اور اسکی ضرور مدد کرنا،

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ

فرمایا کہ تم لوگوں نے کیا اقرار کیا، اور اپنے اس اقرار پر میری بھاری ذمہ داری لی، سب بولے ہم نے اقرار کیا۔

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾

فرمایا تو سب گواہ ہو جاؤ اور میں خود تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں ●

[illegible] سے دیکھو (اور) یاد کرو اس عظمت والے واقعہ کو (جبکہ) لے (لیا اللہ) تعالیٰ (نے پیغمبروں کا) ان کی امت کو انکا تابع رکھتے ہوئے ایسا عہد، جو ٹل نہ سکے یعنی (حتمی وعدہ) اس وقت (کہ جب میں نے دے دیا ہو تم کو کتاب وحکمت) یعنی حلال وحرام کے احکام اور حدود کے بیانات۔۔۔الغرض۔۔۔کتاب بھی اور اسکی سمجھ بھی، (پھر آ گیا تمہارے پاس) میرا عظیم (رسول) محمد ﷺ (سچ بتاتا ہوا) اور تصدیق کرتا ہوا اس کتاب وحکمت کی (جو تمہارے پاس ہے، تو ضرور) بالضرور (اس کو مان جانا)، دل کی سچائی کے ساتھ اس پر ایمان لانا، (اور اسکی ضرور مدد کرنا)۔

اور اگر تمہارے زمانے میں نہ آئے تو اسکی صفتیں اور نعتیں بیان کر کے اپنی اپنی امتوں کو اسکی یاری اور مددگاری کا حکم کرتے رہنا اور سب سے ان پر ایمان اور ان کی نصرت کا عہد لیتے رہنا۔

پھر (فرمایا) رب تعالیٰ نے (کہ تم لوگوں نے کیا اقرار کیا، اور اپنے اس اقرار پر میری بھاری ذمہ داری لی)۔ موقع پر (سب بولے ہم نے اقرار کیا) پھر (فرمایا) رب تعالیٰ نے (تو سب گواہ ہو جاؤ) انبیاء کے اقرار پر (اور میں خود) بھی (تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں) انکے اس اقرار پر۔

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

تو پھر جو پھرا اس کے بعد، تو وہی نافرمانوں سے ہے ●

(تو پھر جو پھرا) یعنی منہ پھیر لیا اس رسول پر ایمان لانے سے اور اسکی مدد کرنے سے، (اس) عہد و پیمان (کے بعد، تو) بیشک (وہی نافرمانوں سے ہے)۔ یعنی فرمان اور ایمان۔۔۔نیز۔۔۔عہد و

پیمان کے دائرے سے باہر نکل جانے والوں میں سے ہے۔۔۔

جس میثاق کا اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ میثاق اہل کتاب کی کتابوں میں مذکور تھا اور وہ اسے بخوبی جانتے تھے اور انھیں یقین تھا کہ حضور نبی کریم ﷺ اپنی نبوت کے دعوے میں سچے ہیں، انکے کافر ہونے کا کوئی سبب ہی نہیں تھا سوائے عداوت وحسد کے [redacted] پس انھیں اللہ تعالیٰ نے جتلایا کہ جب اہل دنیا اس نہج کو پہنچ جائینگے تو سمجھ لینا کہ وہ ایسے دین کو طلب کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دین کا غیر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔۔۔

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

تو کیا اللہ کے دین کے سوا چاہتے ہیں؟ حالانکہ اسی کیلئے سر ڈال دیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے

طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝

خوشی خوشی اور دباؤ سے، اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے●

(تو کیا) یہ نافرمان اور حق سے انحراف کرنے والے عہد شکن لوگ (اللہ) تعالیٰ (کے دین کے سوا) کوئی دوسرا دین (چاہتے ہیں) اور کسی اور کے آگے سر تسلیم خم کرنا چاہتے ہیں (حالانکہ) ساری کائنات اسی کے آگے سرنگوں ہے اور (اسی کیلئے سر ڈال دیا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے)۔ اس میں اہل آسمان رغبت سے (خوشی خوشی، اور) اہل زمین کی اکثریت کراہت سے اور (دباؤ سے) مجبور ہوکر، یا جن وانس کے سوا ساری مخلوق رغبت سے خوشی خوشی اور جن وانس کی اکثریت کراہت سے مجبور ہوکر، بارگاہِ خداوندی میں یہ سرنگوں ہونے والے کیوں نہ سر جھکائیں، اسلئے کہ انھیں بخوبی پتہ ہے (اور) معلوم ہے کہ زمین اور آسمان کے اندر رہنے والے سب (اسی کی طرف لوٹائے جائینگے)۔

یعنی جو آج اللہ تعالیٰ کی خلاف ورزی کرتا ہے تو آخر اسے بھی اسکے حضور پیش ہونا ہے اور پھر سب کو معلوم ہے کہ اسکے سوا ذاتی طور پر نفع ونقصان کا کوئی مالک نہیں۔ اس میں دین حق کے مخالف کیلئے بہت بڑی سخت وعید ہے۔

اس آیت سے متصل پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرتے ہیں؟ اس میں اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرنے کی مذمت فرمائی گئی، تو پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ اللہ کا دین کون سا ہے؟ اور کون سا دین اختیار کیا جائے؟

تو اے محبوب اسکے جواب میں واضح کردو کہ تم پر جو کتاب نازل کی گئی اور تم سے پہلے انبیاء کرام پر جو کتابیں اور احکام نازل کیے گئے ان سب پر ایمان لانا، یہی اللہ کا دین ہے اور یہی اسلام ہے۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

کہہ دو کہ ہم نے مان لیا اللہ کو، اور جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ

ویعقوب اور آل یعقوب پر، اور جو دیے گئے موسیٰ وعیسیٰ، اور تمام پیغمبر اپنے رب کی طرف سے ہیں،

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝

نہیں تفریق کرتے ماننے میں انکے کسی میں، اور ہم اس اللہ کے فرماں بردار ہیں●

تو اے محبوب صاف لفظوں میں دین خداوندی کی وضاحت کرتے ہوئے (کہہ دو ہم نے مان لیا اللہ) تعالیٰ (کو)، وہ یکتا ہے ذات میں اور بے ہمتا ہے صفات میں (اور) مان لیا اس کو (جو اتارا گیا ہم پر) یعنی قرآن کریم کو (اور) مان لیا اس کو (جو اتارا گیا ابراہیم واسماعیل واسحٰق ویعقوب اور آل یعقوب پر) یعنی حضرت ابراہیم پر نازل شدہ صحیفے، اسلئے کہ یہ سارے بزرگوار شریعت ابراہیمی پر تھے اور صحائف ابراہیمی ہی کی تبلیغ پر مامور تھے۔

(اور) ہم نے مان لیا ان کو (جو دیے گئے موسیٰ وعیسیٰ) یعنی توریت وانجیل (اور) جو عطا کیے گئے (تمام پیغمبر اپنے رب کی طرف سے ہیں)۔۔۔ مثلاً: حضرت شیث، حضرت ادریس، حضرت داؤد اور حضرت شعیب وغیرہم علیہم السلام پر نازل شدہ صحیفے۔۔۔ المختصر۔۔۔ ہم سب کو مان گئے چنانچہ ہم (نہیں تفریق کرتے ماننے میں، انکے کسی میں) بلکہ ہم سارے انبیاء کرام کو ماننے والے ہیں۔

رہ گئے یہود ونصاریٰ تو انکا حال اسکے بالکل برعکس ہے۔ یہ لوگ بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے، (اور ہم) تو (اس اللہ) تعالیٰ (کے فرمانبردار ہیں) جسکے رسولوں اور جسکی نازل فرمودہ ساری کتابوں پر ایمان لائے بغیر کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا اور اسلام کا ماننے والا نہیں کہلا سکتا ہے، اور یہ بھی نہیں ہوسکتا کہ اسلام کو چھوڑ کر کسی دین کو اپنا لیا جائے۔ اسلئے کہ نجات اسلام ہی میں ہے۔

وَمَنۡ يَّبۡتَغِ غَيۡرَ الۡاِسۡلَامِ دِيۡنًا فَلَنۡ يُّقۡبَلَ مِنۡهُ

اور جو چاہے اسلام کے سوا کسی دین کو، تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

وَهُوَ فِي الۡاٰخِرَةِ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ۝۸۵

اور وہ آخرت میں ٹوٹے والوں سے ہے●

(اور) اب اسلام کی موجودگی میں (جو چاہے اسلام کے سوا کسی دین کو، تو اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا)۔ اسکا اپنایا ہوا دین، (اور وہ) دین اسلام ترک کرنے کی وجہ سے (آخرت میں ٹوٹے والوں سے ہے)، آخرت میں اسکے لئے خسارہ ہی خسارہ ہے۔

یہ ارشاد انکے لئے جو دین اسلام کے سوا اور کسی دین کے طالب ہیں تہدید ہے۔ جو لوگ دین اسلام کی دولت سے مشرف ہو کر اسکے دامن کو چھوڑ دیتے ہیں اور مرتد ہو جاتے ہیں، انکے تعلق سے ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ۔۔۔

كَيۡفَ يَهۡدِى اللّٰهُ قَوۡمًا كَفَرُوۡا بَعۡدَ اِيۡمَانِهِمۡ وَشَهِدُوۡۤا اَنَّ الرَّسُوۡلَ

کس طرح ہدایت بخشے اللہ ایسی قوم کو جس نے انکار کیا مان جانے کے بعد، اور گواہی دے چکے تھے کہ رسول

حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الۡبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ۝۸۶

حق ہے اور آچکی تھیں ان کے پاس روشن نشانیاں۔ اور اللہ ہدایت نہیں بخشا ظالم قوم کو●

(کس طرح ہدایت بخشے اللہ) تعالیٰ (ایسی قوم کو جس نے انکار کیا مان جانے کے بعد اور) اسکے بعد کہ (گواہی دے چکے تھے کہ رسول) بر (حق ہے اور)۔۔۔نیز۔۔۔اسکے بعد کہ (آچکی تھیں انکے پاس روشن نشانیاں) قرآن کریم اور نبی کریم کے معجزات۔

یہ بارہ آدمی تھے کہ دین اسلام سے منہ موڑ کر پھر کافروں میں مل گئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے لوگ جو حق اور ہدایت کے بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہونے اور پھر اسکو قبول کر لینے کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں، تو ایسے لوگوں کو اگر اللہ تعالیٰ بطور سزا از خود ہدایت نہیں دیتا اور پھر اگر وہ ارتداد پر نادم اور تائب ہو جائیں، تو اللہ تعالیٰ انکی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ تو یہ سب بڑے ہی عدل و فضل کے فیصلے ہیں۔

جو لوگ اسلام کی حقانیت کو دلائل اور کھلی کھلی نشانیوں سے جان چکے اور پھر اس کو مان بھی چکے، اسکے بعد وہ کسی باطل غرض کی بنا پر مرتد ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ انکو جبراً ہدایت نہیں دیتا کہ

انکو بزورِ طاقت اسلام میں داخل کردے۔۔۔ہاں۔۔۔جواز خود نادم اور تائب ہواور اسلام کی طرف پلٹ آئے، تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اسکی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔جان بوجھ کر اپنے کفر پر ڈٹے اور اڑے رہنے والے ہدایت خداوندی کے مستحق نہیں۔اور اگر وہ کفر ہی پر مرگئے، پھر تو انھیں جنت کے راستے کی ہدایت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔۔۔تو۔۔۔جان لو(اور) یادرکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہدایت نہیں بخشتا ظالم قوم کو) یعنی ان لوگوں کو جنھوں نے اپنی نظر کی کوتاہی سے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، کہ ایمان کی بجائے کفر کو اختیار کیا۔ جب وہ ایسے ظالم سے محبت نہیں کرتا تو پھر اس سے کیسے محبت کرے گا جو ایمان لاکر پھر کافر ہوجائے، یعنی مرتد ہوجائے۔

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿٨٧﴾

وہ ہیں جن کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی●

ایمان لاکر کافر ہوجانے والے لوگ (وہ ہیں، جنکا بدلہ یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ) تعالیٰ کی وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور رہیں گے (اور فرشتوں) کی، یعنی فرشتے ہمیشہ ان سے بیزار رہیں گے اور دعا کرتے رہیں گے، کہ رب تعالیٰ انھیں اپنی رحمت سے دور رکھے (اور سب لوگوں کی)، یعنی سب مومن لوگ انکی مذمت کرتے رہیں گے اور انکے لئے رحمت الٰہی سے دور رہنے کی دعا مانگتے رہیں گے۔

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٨﴾

اس میں ہمیشہ رہنے والے، نہ تخفیف کی جائے گی ان سے عذاب کی، اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے●

وہ (اس) لعنت اور اسکے اثر یعنی عذاب الٰہی (میں ہمیشہ رہنے والے ہیں) نیز (نہ تخفیف کی جائیگی) دوزخ میں (ان سے عذاب کی)، وہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے، اس سے کبھی نہیں نکالے جائینگے۔دوزخ کے عذاب میں تو فرق ہوسکتا ہے، مگر رہیں گے وہ دوزخ ہی کے عذاب میں، اور جسکے لئے جو عذاب مقدر کیا جاچکا ہے اسکو ہلکا نہ کیا جائے گا (اور نہ) ہی (وہ مہلت دیئے جائینگے) کہ وہ دنیا کی طرف رجوع کرسکیں۔۔۔یا۔۔۔ایک وقت سے دوسرے وقت تک کیلئے عذاب میں تاخیر کردی جائے۔

اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡا ۟ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۸۹﴾

مگر جو تائب ہو چکے اس کے بعد، اور اپنی اصلاح کر لی۔ تو بے شک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے ●

(مگر) وہ لوگ جناب احدیت اور حضرت ربوبیت میں (جو تائب ہو چکے اسکے بعد)، یعنی حق سے انحراف کے بعد (اور اپنی اصلاح کر لی) یعنی عقائد واعمال میں جو خرابی پیدا کر لی تھی اسے درست کرلیا، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے گنہ گاروں کا اور (رحمت والا ہے) سیہ کاروں کیلئے۔

جب حارث بن سوید جو مرتد ہونے والے بارہ افراد میں سے ایک تھا، کے بھائی نے ایک شخص کے بدست یہ آیت اپنے بھائی حارث کے پاس بھیجی۔ حارث نے آیت پڑھ کر اس آدمی سے کہا کہ میں نے ہرگز کبھی تجھ سے جھوٹ نہیں سنا اور میرا بھائی بھی رسول خدا پر افتراء نہیں کرتا اور رسول بھی خدا پر جھوٹ نہیں جوڑتا اور خدا سب سے زیادہ سچا ہے، پس میں کیوں ناامید ہوں۔

۔۔۔المختصر۔۔۔وہ توبہ کرتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوا اور رجوع کرتے وقت یہی آیت، ان گیارہ آدمیوں پر پڑھی۔ انھوں نے توبہ سے انکار کر کے جواب دیا کہ اب تو ہم مکہ میں رہتے ہیں اور راہ دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ اور انکے یار و مددگار مغلوب ہو جائیں۔ اگر ہمارا یہ مطلب حاصل ہو گیا، تو یہی ہماری مراد ہے ورنہ ہم جب چاہیں گے دین اسلام کی طرف رجوع کر لیں گے اور ہماری توبہ بھی ہو جائیگی۔ ایسوں کیلئے ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بَعۡدَ اِیۡمَانِہِمۡ ثُمَّ ازۡدَادُوۡا کُفۡرًا لَّنۡ تُقۡبَلَ تَوۡبَتُہُمۡ ۚ

بے شک جنھوں نے کفر کیا ایمان لانے کے بعد، پھر بڑھے کفر میں، تو نہ میسر ہوگی ان کو مقبول توبہ،

وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الضَّآلُّوۡنَ ﴿۹۰﴾

اور وہی گمراہ لوگ ہیں ●

(بیشک جنھوں نے کفر کیا) خدا اور رسول کے ساتھ ان پر (ایمان لانے کے بعد، پھر بڑھے کفر میں) اپنے کفر پر ثابت قدم رہ کر۔۔۔نیز۔۔۔اس توبہ کی آیت کا بھی انکار کر کے، (تو نہ میسر ہوگی انکو مقبول توبہ)۔ ان سے ایسی توبہ کی توفیق ہی چھین لی جائیگی جو بارگاہ خداوندی میں مقبول ہو (اور وہی) کفر پر قائم رہنے والے لوگ (گمراہ لوگ ہیں) جو راہِ ہدایت سے ہٹے ہوئے ہیں اور بدبختی کے میدان میں ہلاک ہونے والے ہیں۔

اس مقام پر کافروں کو اس خام خیالی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ جب وقت آئیگا تو ہم فدیہ دیکر اپنے کو عذاب سے بچالیں گے اسلئے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم

بے شک جنھوں نے کفر کیا، اور مرے اس حال میں کہ وہ کافر ہیں، تو ہر گز قبول نہ کیا جائے گا ان میں سے کسی سے

مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

زمین بھر سونا، گو اس کو وہ اپنی رہائی کیلئے دے۔ وہ ہیں جن کے لیے دکھ دینے والا عذاب،

أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝٩١

اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار●

ع ۹ / ۱۱ / ۱۶

(بیشک جنھوں نے کفر کیا اور مرے اس حال میں کہ وہ کافر ہیں) یعنی مرنے سے پہلے اپنے کفر سے توبہ نہیں کی (تو ہرگز قبول نہ کیا جائیگا ان میں سے کسی سے زمین بھر سونا) یعنی اس قدر سونا جس سے مشرق سے مغرب تک تمام سطح زمین بھر جائے، اگر کوئی کافر عذاب جہنم سے چھوٹنے کے واسطے بطور فدیہ دے، تو اس سے ہرگز نہ قبول کیا جائیگا (گو اس کو وہ اپنی رہائی کیلئے دے)۔ یہ کافر ہو کر مرنے والے لوگ (وہ ہیں جنکے لئے دکھ دینے والا عذاب) ہے، جس میں بے حساب رنج والم ہے (اور نہیں ہے انکا کوئی مددگار) جو عذاب سے بچانے میں انکی مدد کرے۔

اس پارہ کی تفسیر بحمدہٖ تعالیٰ آج ۱۰ جمادی الاول ۱۴۲۹ھ / ۱۶ مئی ۲۰۰۸ء کو مکمل ہوئی

گلوبل اسلامک مشن کی دیگر مطبوعات

اردو ترجمہ قرآن بنام معارف القرآن
مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد ﴿۶۴ صفحات﴾
تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ ﴿۲۰۷ صفحات﴾
شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

محبت رسول ﷺ روح ایمان ﴿۹۵ صفحات﴾
(حدیث محبت کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)
شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین ﴿۱۱۰ صفحات﴾
(حدیث جبرائیل کی فاضلانہ تشریح)
شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

مقالات شیخ الاسلام ﴿۱۴۰ صفحات﴾
تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ﴿۳۲ صفحات﴾
حدیث نیت کی محققانہ تشریح
شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہ ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶صفحات﴾
مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہ دعوت و تبلیغ' ﴿۳۶صفحات﴾
مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲صفحات﴾
مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'درود تاج' (قرآن وحدیث کی روشنی میں) ﴿۵۸صفحات﴾
'فتح مبین' ﴿۵۸صفحات﴾ ---- 'تعظیم کتاب اللہ' ﴿۱۸صفحات﴾
مصنف: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمۃ اللہ علیہ

'Decisive Decision' (185 pgs.)
A Brief Study of the Dispute between Wahabis / Deobandis and Sunnis in the Indian Subcontinent

Translated by:
Mohammad Masood Ahmed (Suharwardy, Ashrafi)

'Essentials of Islam' (208 pgs.)
The Least We Should Know

Written by:
Mohammad Masood Ahmed (Suharwardy, Ashrafi)

'G.I.M.'s Quranic Primer' (100 pgs.)
Teaching & Learning the Holy Qur'an Made Easy

Compiled by:
Mohammad Masood Ahmed (Suharwardy, Ashrafi)

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد اول﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔۔ کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

RES AHE... ...STRATION OFFICER
AUQAI GOVT OF SINDH
KARACHI

سید محمد عظمت علی

ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر

(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

المعروف بہ

جلد دوم

لن تنالوا ۴ — والمحصنٰت ۵ — لا یحب اللہ ۶

شیخ الاسلام والمسلمین

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد دوم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کورڈینیشن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212



فہرست

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم۔۔۔۔۔اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

تمام تعریفیں اللہ ﷻ کیلئے ہیں، جو تمام عالموں کا رب ہے، اور بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ جو تمام خلق کا خالق، تمام ملک کا مالک، اور اپنے ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں میں جسکو چاہے، ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ہم پر اسکا احسانِ عظیم ہے کہ اس نے ہمیں پیدا فرما کر اپنے حبیب ﷺ کی امت میں رکھا۔ اسی کے کرم اور توفیق سے ہم اپنے نیک کاموں کے خیالات کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے قابل ہوتے ہیں اور اسی کی مدد سے اپنے جائز پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا پاتے ہیں۔

ہمارے خیالات اور پروگراموں کا تعلق اگر اسلام اور مسلمانوں کی کسی عظیم خدمت سے وابستہ ہو، تو ان خیالوں کا حقیقت کے رنگ میں ظاہر ہونا۔۔یا۔۔ان پروگراموں کا تکمیل کے مراحل طے کرنا، اور پایۂ تکمیل تک پہنچنا، تائید الٰہی ہی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، اور توفیق الٰہی ہی کا ثمرہ ہوتا ہے ۔۔یہ بھی یاد رہے۔۔کہ یہ تائید اور توفیق رب تبارک وتعالیٰ کے پیارے حبیب اور آقائے دو جہاں ﷺ کی سچی غلامی اور پر اخلاص نسبت کے بغیر شامل حال نہیں ہوسکتی۔ اسی تائید الٰہی کے شامل حال ہونے اور مفسر مدظلہ کے نائبین رسول میں سے ایک ہونے، کا جیتا جاگتا ثبوت تفسیر اشرفی کی صورت میں ہمارے سامنے آیا۔

اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ مفسر مکرم کے مبارک قلم سے ہوتے ہوئے، پر اخلاص محنت کرنے والوں کی محنت کے ذریعے، آج تفسیر اشرفی کا آپکے ہاتھوں میں ہونا تائید الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا، کہ اتنے تھوڑے سے عرصہ میں اتنا کام ہوگیا۔ ہم اپنے اوپر اس کرم کیلئے اللہ ﷻ کے شکر گزار ہیں کہ پروردگارِ عالم نے ہمیں اس خدمت سے وابستہ فرمایا۔۔۔اور ہماری دعا ہے کہ اب اس خدمت کے وسیلے سے ہمیں اپنے حبیب ﷺ کی محبت اور سچی غلامی پر قائم فرمادے۔ ﴿آمین﴾

۹، اکتوبر ۲۰۰۸ء کو احمد آباد، انڈیا میں منعقد ہونے والے حضرت مفسر مدظلہ العالی کی اہلیہ مرحومہ مغفورہ کے پہلے عرس مبارک کے موقع پر تفسیر اشرفی ﴿جلد اول﴾ جو تین پاروں پر مشتمل تھی، کا تعارف کرایا

گیا، جسے گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، امریکہ) نے حضور شیخ الاسلام کی اجازت بہ سعادت سے شائع کیا تھا۔۔ بعدازاں۔۔ تفسیر اشرفی ﴿جلد اول﴾ کو انڈیا میں شائع کرنے کا آغاز شیخ الاسلام ٹرسٹ (احمد آباد، انڈیا) کی طرف سے کیا گیا اور پھر ۲۳ دسمبر ۲۰۰۸ء کو ہونے والی بورسد، گجرات کی محدث اعظم ہند کانفرنس میں حضور شیخ الاسلام ہی کے مبارک ہاتھوں سے اسکا باضابطہ، اجرا عمل میں آیا۔۔۔

باضابطہ، اجرا کے فوراً بعد تفسیر اشرفی ﴿جلد اول﴾ ہزاروں ہاتھوں میں پہنچتی چلی گئی اور یہ سلسلہ صرف انڈیا تک ہی محدود نہ رہا، بلکہ گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، امریکہ) کے تحت، پہلی اشاعت اور اسکے فوراً بعد، تصحیح شدہ ایڈیشن کی اشاعت کے ذریعے چند ہی مہینوں میں یہ کتاب پاکستان کے مقتدر علماء، قابل قدر اساتذہ، مختلف طبقاتِ زندگی سے تعلق رکھنے والے ماہرین اور طلباء وطالبات کے ہاتھوں اور اہلسنّت و جماعت کے دار العلوموں، بڑے بڑے شہروں کی لائبریریوں اور مدرسوں تک پہنچتی چلی گئی۔۔۔ امریکہ، کینیڈا، انگلینڈ، ہالینڈ، ساؤتھ افریقہ، بنگلا دیش اور دیگر کئی ممالک میں بھی اس تفسیر کو بے حد پسند کیا جا رہا ہے اور اسکی ترسیل برابر جاری ہے۔

مفسر مکرم حضور قبلہ شیخ الاسلام، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی کو اس عظیم کام کا بیڑا اٹھانے پر صحت اور درازیٔ عمر کی دعاؤں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور جسکے بھی ہاتھوں میں یہ کتاب پہنچتی ہے، بے اختیار، آنکھوں سے لگا کر، لب پر دعائیہ کلمات کے ساتھ، وہ حضرت کا شکر گزار بھی ہوتا ہے، کہ وقت کی ایک اہم ضرورت، کہ عوام الناس کو ایک سادہ انداز اور آسان اردو میں، اختصار کے ساتھ قرآن کریم کے مفہوم ومطلوب سے متعارف کرایا جائے، کو آپ پورا فرما رہے ہیں۔

ساتھ ہی امریکہ، انگلینڈ، انڈیا اور پاکستان میں رہنے والے وہ خادم بھی دعاؤں میں شامل ہوتے ہیں جن کی انتھک محنت سے اردو کی یہ انوکھی تفسیر، ایک خوبصورت اور منفرد انداز میں شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں تک پہنچی ہے۔۔۔ دعاؤں کے ساتھ ساتھ قارئین کے قیمتی تاثرات سن کر اور پڑھ کر، کتاب کی افادیت کا اور بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ جس عظیم مقصد کے تحت اس کام کا آغاز کیا گیا، وہ حاصل ہو رہا ہے۔ یہ جان کر اس کام سے وابستہ افراد کو خوب خوب تقویت حاصل ہو رہی ہے، جو بارگاہ الٰہی اور دربارِ حبیب ﷺ میں اس کام کی مقبولیت کی طرف ایک واضح اشارہ ہے۔

ہم حضور شیخ الاسلام کے بے حد شکر گزار ہیں کہ آپ عمر کے اس حصے میں، اور تمام تر مصروفیات

سے وقت نکال کر، اس عظیم کام کو آگے بڑھانے اور انشاء اللہ پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں شب و روز مصروف ہیں۔ پوری عمر دنیائے سنیت کی مختلف انداز میں خدمت کرنے کے بعد ماشاء اللہ ۷۰ سال کی عمر میں اللہ رب العزت پر کامل بھروسہ رکھتے ہوئے اس عظیم تفسیری کام کا آغاز کرنا، آپ کے 'توکل الی اللہ' پر قائم ہونے، اور امت مسلمہ۔۔۔ نیز۔۔ مسلک حقہ کی آخری دم تک خدمت کرتے رہنا، 'نیابت رسول' پر فائز ہونے اور مجسم پیکر اخلاص ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔

اِدھر پہلی جلد شائع ہو کر ۹، اکتوبر ۲۰۰۸ء کو ہاتھ میں آئی، اُدھر شیخ الاسلام نے دوسری جلد کیلئے اپنا قلم اٹھالیا اور ماشاء اللہ دیکھتے ہی دیکھتے چند مہینوں ہی میں تین اور پاروں یعنی چوتھے، پانچویں اور چھٹے پارے کی تفسیر مکمل فرمادی۔۔۔ دوسری جانب گلوبل اسلامک مشن (نیو یارک، امریکہ)، شیخ الاسلام ٹرسٹ (احمد آباد، انڈیا)، محدث اعظم مشن، (انڈیا اور انگلینڈ) کی شاخوں اور ساتھ ہی مدنی آفسیٹ پرنٹرز، (کرجن، گجرات)۔۔۔ کے خادمین کی ٹیمیں پہلی جلد کی مزید طباعت اور ڈسٹری بیوشن کے ساتھ ساتھ جلد دوم کی اشاعت کیلئے بھی مستعدی کے ساتھ کوشاں رہیں، جسکے نتیجے میں اب تفسیر اشرفی ﴿جلد دوم﴾ قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔

ہم ہندوستان اور پاکستان کے مقتدر علماء کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس کوشش کو تحریری اور زبانی طور پر سراہا اور دعاؤں سے نوازا۔۔۔ خاص طور سے شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں گلوبل اسلامک مشن (نیو یارک، امریکہ) کے منصور احمد اشرفی جو اس کتاب کو خوبصورت شکل میں ڈھالتے ہیں۔ جناب علامہ مفتی محمد ایوب صاحب اشرفی جو مسجد نور الاسلام (بولٹن، انگلینڈ) اور اسکے مدرسے کی مصروفیات سے اپنا قیمتی وقت نکال کر نہایت ہی عرق ریزی کے ساتھ کمپیوٹرائزڈ متن تفسیر کی پروف ریڈنگ فرماتے ہیں، جناب علامہ مفتی محمد فخر الدین علوی اشرفی (نیو جرسی، امریکہ) جو کتاب کی تیاری میں اہم معاملات میں مشن کی معاونت فرماتے ہیں، اور جناب سلیم الدین صاحب جو سخت محنت کر کے کتاب کی طباعت کا کام انجام دیتے ہیں۔

۔۔مزید برآں۔۔ ہم نہایت مشکور و ممنون ہیں، شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام جیلانی خان اشرفی صاحب، جناب حاجی حنیف طیب صاحب اور دیگر مقتدر علماءِ اہلسنّت و جماعت کے جنھوں نے ہماری کوششوں کو سراہتے ہوئے اس کتاب کا تعارف کرانے اور ڈسٹری بیوشن میں ہماری مدد فرمائی۔۔۔ جن اصحاب و افراد کے بغیر گلوبل اسلامک مشن کے کاموں کا خاصہ حصہ کراچی، پاکستان میں تکمیل کے مراحل

طے نہیں کرسکتا، انکے ذکر کے بغیر ہماری بات مکمل نہیں ہوسکتی۔ ہم جناب سید ریاض علی اشرفی صاحب، جناب عبدالقادر صاحب بمعہ اہل خانہ، جناب مسرور علی قریشی صاحب اور جناب عزیز علی خان صاحب کے بھی بے حد شکر گزار ہیں۔

اللہ ﷻ تمام اصحاب جنکا ذکر اوپر کیا گیا اور جنکا ذکر باعث طوالت زیر تحریر نہ آسکا، ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضور مفسر محترم اور اہلسنّت و جماعت کی تمام مقتدر ہستیوں اور علماءِ کرام کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور ان سب کا سایہ تادیر دنیائے سنیت پر قائم و دائم رکھے۔ اسکے ساتھ ہی حضور ﷺ کے سچے ماننے والوں کی زمانے کی گردشوں سے حفاظت فرمائے۔۔ نیز۔ گلوبل اسلامک مشن ﴿نیویارک، امریکہ﴾ کو دین کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ امین! بِجَاهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ﴾

ناچیز
محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

۱۸ شوال ۱۴۳۰ھ ۔۔ بمطابق ۔۔ ۷ اکتوبر ۲۰۰۹ء

ایک اہم اضافہ:

متن تفسیر کے چند ایک مشکل الفاظ کے معانی کو قارئین کی آسانی کیلئے کتاب کے آخیر میں شامل کردیا گیا ہے، تاکہ قاری کو فی الفور، کسی مشکل لفظ کے معنی معلوم کرنے کیلئے کہیں دور کسی لغت تک جانا نہ پڑے۔۔۔ امید ہے اس کوشش کو پسند کیا جائیگا۔۔ ﴿ادارہ﴾

ایک دلچسپ نوٹ: تفسیر اشرفی کی اس جلد دوئم کے متن تفسیر میں ۱۱،۹۰،۷۶۹ (گیارہ لاکھ، نوے ہزار، سات سوانہتر) حروف۔۔۔ ۱،۲۸،۴۷۶ (ایک لاکھ، اٹھائیس ہزار، چار سو چھہتر) الفاظ ۔۔۔ ۹،۳۳۷ (نو ہزار، تین سوسینتیس) سطریں۔۔۔ اور ۳،۵۸۵ (تین ہزار، پانچ سو پچاسی) پیراگراف شامل ہیں۔۔۔ کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے، تو ہمیں اطلاع دیکر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں۔۔۔ ﴿ادارہ﴾

نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ۔۔۔۔اَمَّا بَعۡدُ

محاسن تفسیر اشرفی

اس میں کوئی شک نہیں کہ رب تبارک وتعالیٰ دعا کرنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے۔۔۔تو یہ اسکا کرم ہے۔۔۔اسکے بندے جس طرف اپنا رخ کر لیتے ہیں، وہ انھیں اسی طرف پھیر دیتا ہے۔۔۔تو یہ اسکا طریقہ ہے۔۔۔نیکوں کی تھوڑی نیکی پر بھی انھیں زیادہ اجر عطا فرماتا ہے۔۔۔تو یہ اسکا فضل ہے۔ ۔۔۔اور اگر وہ کسی کو 'منعم علیہم' کا قرب نصیب فرمادے، تو یہ اسکی طرف سے نعمت عظمیٰ ہے۔

تفسیر اشرفی لکھے جانے اور اسکی اشاعت کے تعلق سے اللہ ﷻ نے دعاؤں کو قبول فرمایا، جو اسکا کرم ہے۔اس کام کی چاہت رکھنے والوں کا رخ اسی طرف موڑ کر آسانی فراہم کی، یہ اسکی مدد ہے۔تھوڑی محنت پر بہت مقبولیت، عزت اور کامیابی عطا فرمائی، یہ اسکا فضل ہے۔اب اس محنت کے طفیل دعا ہے کہ دین کے سچے خادموں کو اپنے محبوبین کی قربت بھی عطا ہو، تو یہ اسکی طرف سے نعمت عظمیٰ ہوگی۔

کلامِ الٰہی کے ہر ہر حرف کے حق ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے پیارے نبی ﷺ کا ہر ہر فرمان بھی حق ہے۔قرآن کریم کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنی سنت مبارکہ کے ذریعے ہمارے لئے صراطِ مستقیم پر چلنے کو آسان بنانے کا انتظام کیا۔۔۔اپنے اہل بیت سے ہماری غلامی کا رشتہ جوڑ کر اور انھیں نوح علیہ السلام کی کشتی کی طرح فرما کر، آپ نے ہمیں گمراہی سے بچانے کا انتظام کیا۔۔۔اپنے اصحاب کو تیار کر کے اور انھیں ستاروں کی طرح فرما کر، آپ نے ہماری رہنمائی کا بھرپور انتظام فرمایا ۔۔۔اور یہ سارے انتظامات اسی لئے ہیں کہ آپ ہادیٔ برحق ہیں۔اور یہ سب بندوبست اسی لئے ہے تاکہ آپ کی امت میں آنے والے انسان، کلامِ الٰہی اور کلامِ رسول کو تھام کر اور اہل بیت رسول اور اصحاب رسول کا دامن پکڑ کر اس منزل کو پالیں، جہاں تک آپ انھیں پہنچانے کے خواہشمند ہیں۔

یہ تھامنا اور پکڑنا تو ہم جیسے گنہگاروں کیلئے ہے۔مگر وہ، جو خود اہل بیت رسول اور اصحابِ رسول سے خونی نسبت رکھتے ہیں، اور کلامِ الٰہی اور کلامِ رسول کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبے رہتے ہیں، تو پھر ایسے برکت والوں ہی کو نائبین رسول ﷺ کے مقامِ عظمیٰ پر فائز فرما کر امت کی ہدایت اور رہنمائی

کیلئے چن لیا جاتا ہے۔۔۔ یہ بندوبست ہر دور میں ہوتا رہا ہے اور قیامت تک ہر دور میں ہوتا رہیگا۔۔۔ یہ انعام والے ہر دور میں آتے رہے ہیں اور ہر دور میں آتے رہیں گے، تاکہ روشنی اور ہدایت کے خواہاں، انکے دامانِ کرم سے وابستہ ہوکر اندھیرے اور گمراہی سے نکلنے کیلئے انکی مدد لیتے اور اپنے عقائد کی حفاظت کرتے رہیں۔ امت رسول ﷺ کا درد رکھنے والے یہ حضرات کبھی تقریر، کبھی تحریر اور کبھی دوسرے مختلف انداز میں تبلیغ دین کرکے امت مسلمہ کی ظاہری اور باطنی رہنمائی اور ٹریننگ کا بندوبست فرماتے رہتے ہیں۔

آج مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے۔ عقائد کو بگاڑ کر، سوچ میں ایک نیا رنگ پیدا کرکے، غیر ضروری مسائل میں انھیں الجھا کر، ضروری باتوں سے دور کرکے، اور پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے، اور دوسرے ہر ممکن طریقوں سے، انھیں گمراہ کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے۔ سیدھے سادھے عوام الناس کو یہ سمجھ نہیں آرہا ہے، کہ کون اپنا ہے اور کون پرایا، کس کی سنی جائے اور کس کی رد کردی جائے، کس کی مانی جائے اور کس کی طرف سے منہ موڑ لیا جائے۔

ایسے میں سچائی کا علم حاصل کرنے کی خواہش رکھنے والوں میں سے ایک طبقے نے اپنا رخ قرآن کریم کے تراجم اور تفاسیر کی طرف موڑا ہے، کہ وہ علم حاصل کرکے خود ہی اپنی رہنمائی کریں۔ اس طبقہ میں خواص کے ٹھکرائے ہوئے عوام، علماء و اساتذہ سے نالاں طلبا و طالبات، نام نہاد پیروں اور شیوخ کے چکروں سے نکلے ہوئے مریدین و معتقدین، اور اخلاق و کردار سے خالی اماموں سے باغی ہونے والے نوجوان شامل ہیں۔

ایسے میں اس بات کو شدید طور پر محسوس کیا گیا کہ قرآن کریم کے مفہوم و مطلوب کو نہایت ہی آسان انداز اور سادہ زبان میں بصورت ایک مختصر تفسیر، پیش کرکے اس طبقے کی رہنمائی کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ اسکا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اردو زبان میں قرآن کریم کی تفاسیر کی کوئی کمی ہے۔ ماشاءاللہ آپ گنواتے چلے جایئے، علماءِ حق، علماءِ اہلسنت کی شاندار تفاسیر آپ کے سامنے آتی چلی جائینگی، مگر کوئی بہت مختصر اور کوئی بہت ضخیم۔۔۔ کسی کا انداز بہت شاندار، مگر ان سے استفادہ صرف علماء اور اساتذہ کے ہی بس کی بات۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمیں ان تفاسیر کی بھی ضرورت ہے، مگر فی الوقت عوامی سطح پر ایک

تفسیر قرآن ایسی بھی ہونی چاہئے، جسے لوگ ایک کتاب کی طرح آسانی سے پڑھتے چلے جائیں اور عوامی انداز میں سادہ الفاظ کے ذریعے جتنا قرآنی مفہوم ومطلوب انکے لئے سمجھنا ضروری ہو، انکو ملتا چلا جائے۔۔۔ایسی تفسیر کے مطالعے کے بعد اب انکے لئے دوسری ضخیم تفسیروں کا مطالعہ کرنا بھی آسان ہوجائیگا اور وہ اس قابل بھی ہوجائینگے کہ اپنے عقائد کا دفاع اور اپنے اعمال کو درست کرنے کیلئے صحیح راہ متعین کرسکیں اور 'گندم نما جوفروشوں' کے فتنوں سے اپنے کو بچاسکیں۔

اسی ضرورت کے پیش نظر راقم الحروف اور دوسرے مقتدر احباب واصحاب نے حضور شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں صاحب اشرفی جیلانی، مدظلہ العالی سے بالواسطہ اور بلاواسطہ مودبانہ درخواست کی، کہ آپ نے خطابت کے ذریعے دین اسلام اور مسلک حقہ کی خوب خوب خدمت کی، اب کچھ تحریری کام کیلئے بھی وقت نکالیں اور ایک آسان اردو میں مختصر، مگر جامع تفسیر قرآن قلمبند فرمادیں، تو عوام اہلسنت وجماعت پر ایک احسان ہوگا۔ حضرت نے اس درخواست کو منظور فرمایا اور وقت نکالتے ہوئے، جسکی پوری تفصیل تفسیر اشرفی ﴿جلداول﴾ میں موجود ہے، تفسیر قرآن قلمبند فرمانے کا آغاز کردیا اور اللہ رب العزت کے کرم اور توفیق سے، پہلی جلد جو پہلے تین پاروں پر مشتمل ہے، قارئین کی نذر ہوچکی ہے اور دوسری جلد کی بھی بس آمد آمد ہی ہے۔

تفسیر اشرفی ﴿جلداول﴾ بہت تیزی سے جب ہندوستان، پاکستان اور دوسرے ممالک میں علماء، طلباء اور دوسرے بے شمار قارئین تک پہنچی اور تفسیر کے تعلق سے تاثرات کا تانتا بندھا، تو اُس خیال کو، جسکے تحت ایسی تفسیر لکھنے کی درخواست اور اسکا آغاز کیا گیا، حقیقت کے آئینے میں دیکھنے کا موقع ملا۔ قارئین کو اس کامیابی کی اطلاع دینے اور دوسروں کو اس تفسیر کے مطالعے کی رغبت دلانے کیلئے ہی اس مضمون کو قلمبند کیا جارہا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ افرادِ امت، جن کی مادری زبان اردو ہے، اسکے مطالعے سے فیضیاب ہوسکیں اور کلامِ الٰہی کے لامتناہی سمندر میں غوطہ زن ہونے سے پہلے سطح پر پیراکی کرنا سیکھ لیں اور علم کے وہ موتی جو بعض دوسرے، برسوں میں چن پاتے ہیں، چند ہی دنوں میں اپنے دامن میں سمیٹ لیں، کہ انھیں علمی مفلسی کی حالت میں آگے کی منزلیں طے نہ کرنی پڑیں۔ اس سلسلے میں چند مقتدر علماءِ کرام کے تاثرات بھی انشاءاللہ اس مضمون میں شامل کرلئے جائینگے۔

یہ بات بالکل بجا ہے اور جو مفسر تفسیر ھٰذا مدظلہ العالی نے بھی تفسیر کے تعلق سے اپنے مضمون 'منظور

ہے گزارش احوال واقعی' میں تحریر فرمائی ہے، جسے قارئین جلد اول میں پہلے ہی ملاحظہ فرما چکے ہیں، کہ اس تفسیر میں جو کچھ ہے، وہ کسی نہ کسی مستند تفسیر سے ماخوذ ہے جسے ترجمہ معارف القرآن کی لڑیوں میں پرودیا گیا ہے۔اس بیان کے بعداب تفسیر ھٰذا کے محاسن بیان کرنے والے کیلئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ آیا حضرت مفسر کے قلم کی تعریف کرے، یا ماخذ کی۔۔۔چونکہ ماخذ پر ہرایک کی نظر نہیں اور ہمارے ہاتھ میں تفسیر اشرفی ہی ہے، اسلئے اسی کے مفسر کے قلم ہی کی ہم تعریف کرینگے جسکے ذریعے یہ پیغام ہم تک پہنچا ہے۔۔۔ویسے بھی تعریف کیلئے اگر پیچھے کی جانب کا سفر کیا جائے، تو ہرایک پیچھے کے پیچھے جاتے ہوئے، یہ سفر اسی ذات پر ختم ہوگا جو اللہ عزوجل کی ذات ہے۔اور تمام تعریفیں اسی کیلئے ہیں۔۔لہٰذا۔۔ مفسر محترم یا انکے ماخذ کے مفسرین کرام کی تعریف، دراصل اللہ ﷻ ہی کی تعریف ہے۔

۔۔بہر حال۔۔مستند تفاسیر قرآن سے اپنا حاصل مطالعہ قلمبند کرتے اور ترجمہ معارف القرآن کی لڑیوں میں پروتے وقت، حضرت نے جس شان سے کلام الٰہی کے مفہوم ومطلوب کو آسان انداز اور سادہ اردو میں ظاہر فرمایا ہے، وہ قاری کیلئے کسی قسم کا ذہنی یا قلبی بوجھ نہیں بنتا اور وہ تیزی سے تفسیری مضامین کا مطالعہ کرتا چلا جاتا ہے۔۔مزید برآں۔۔غور کرنے والوں کیلئے جن مقامات پر بات کو سمجھنے میں تھوڑی سی بھی کسی رکاوٹ کا اندیشہ ہو، وہاں حضرت کسی تفصیل میں جائے بغیر، صرف چند ہی کلمات میں مطلب کو واضح کر کے، قارئین کے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کا اٹھنے سے پہلے ہی جواب تحریر فرمادیتے ہیں۔

ایک آیت کی تفسیر کو دوسری آیت کی تفسیر سے اس طرح مربوط فرمادیتے ہیں کہ بعض جگہ آیتوں کا پیغام الگ الگ ہونے کے باوجود، قاری روانی سے مضمون کو پڑھتا چلا جاتا ہے اور اسے یہ محسوس بھی نہیں ہوتا کہ کس مقام پر مضمون کا رخ بدل گیا ہے۔۔یا۔۔جو مضمون کافی پہلے چل رہا تھا، اب دوبارہ اسکا سلسلہ وہیں سے جڑ گیا ہے، جہاں کسی مصلحت کی وجہ سے بیان کو روکا گیا تھا۔اسطرح مختلف واقعات اور اسلامی قوانین، ایک ہی مضمون بن کر قاری کے ذہن میں پنہا ہوتے چلے جاتے ہیں اور قاری کا ذہن تفسیر کے مطالعے سے جدا ہونا پسند نہیں کرتا۔

بار بار یہ بتائے بغیر کہ کس آیت کا شانِ نزول کیا ہے اور کیا نہیں، اسپر کس نے کیا تبصرہ کیا ہے اور کیا نہیں، اور کس کے اقوال کیا ہیں اور کیا نہیں، آیت کی تفسیر کو اسطرح بیان کردیا جاتا ہے، کہ شانِ نزول اور اسکے تعلق سے مختلف روایات واقوال، اور ان آیات سے جو شرعی قوانین وضع ہوئے اور ہوسکتے

ہیں، اور کون سی آیت آیا کسی آیت کی ناسخ ہے یا منسوخ وغیرہ، سارے خود بخود سامنے آتے چلے جاتے ہیں، جس سے صرف مفہوم و مطلوب کی طلب رکھنے والا قاری بھی بغیر کسی رکاوٹ کے، اپنے مطلوب سے بہرور ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری ضروری معلومات بھی حاصل کرتا چلا جاتا ہے۔

تفسیر میں اردو کے الفاظ کے استعمال کا اسطرح اہتمام کیا گیا ہے اور اسطرح ان کو تفسیری مضمون میں مناسب مقامات پر پرویا گیا ہے کہ شانِ خداوندی اور مقامِ نبوت پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ جن آیات میں کوئی شرعی قانون بیان کیا گیا ہے، انکی تفسیر میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ عام قاری بھی اُس قانون کو پوری طرح سے، جتنا کہ ایک عام قاری کو ضرورت ہے، سمجھ لے۔ اور ساتھ ہی اُس قانون کی مصلحت، اسپر عمل کرنے کے فوائد، اسکے خلاف کرنے کے نقصانات اور دورِ حاضر کے مطابق اسکے تعلق سے مثالیں، اور دوسری ضروری باتیں، سبھی اس آیت کی تفسیر میں رقم کردی جاتی ہیں۔۔۔ بیان کا انداز استاد لچسپ اور انوکھا ہے، کہ ایسا معلوم ہوتا ہے قاری عالم بالا میں تفسیر کی سماعت کر رہا ہو۔۔۔

چند صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد پاکستان میں ایک طالبہ نے مجھ سے کہا، مسعود ماموں، تفسیر پڑھنے سے پہلے ہی سمجھ میں آرہی ہے۔ یعنی اگلی آیت پر نظر جانے سے پہلے ہی، پچھلی آیت کو پڑھ کر محسوس ہوجاتا ہے کہ آگے یہ پیغام ہونا چاہئے اور جب نظر آگے جاتی ہے، تو تقریباً وہی بات درج ہوتی ہے، جو چند لمحوں پہلے ذہن میں وارد ہوئی تھی۔۔۔ یعنی آگے جانے سے پہلے ہی پچھلا حصہ پڑھنے کی وجہ سے ذہن کے خلئے اتنے کھل چکے ہوتے ہیں کہ آگے کی بات سمجھ میں آنا شروع ہوجاتی ہے۔۔۔ یعنی تفسیر پڑھنے سے پہلے ہی سمجھ میں آتی چلی جاتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ غور کرنے والے قاری کو تفسیر کا مطالعہ کرتے وقت جہاں جہاں بات کو سمجھنے میں کسی رکاوٹ کا اندیشہ ہوتا ہے، وہاں چند ہی لفظوں کا اضافہ کر کے مناسب وضاحت کردی جاتی ہے اور اسطرح رکاوٹ کا اندیشہ ہی رفع ہوجاتا ہے۔۔۔ محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمۃ جنکا ترجمۂ قرآن اس تفسیر میں استعمال کیا گیا ہے، کا مطالعہ کرتے وقت، چوتھے پارے میں سورۃ آلِ عمران، آیت ۹۹ کے مفہوم کو سمجھنے میں کچھ رکاوٹ پیش آئی۔۔ ملاحظہ ہو:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

کہو کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اس کو جو ایمان لاچکا،

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۹۹

تم راہِ خدا کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ اور نہیں ہے اللہ بے خبر تمہارے کرتوتوں سے●

۔۔۔یہاں سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا واقعی کوئی خدا کی راہ کو ٹیڑھا کرسکتا ہے؟۔۔۔چاہے اہل کتاب، ایمان والوں کو اللہ کی راہ سے پھیرنے میں خدانخواستہ کتنے ہی کامیاب ہوجائیں۔۔یا۔۔مسلمان خود ہی اللہ کی راہ سے پھر جائیں، تو بھی خدا کی راہ تو ٹیڑھی نہیں ہوتی۔۔۔کافی سوچ بچار کے باوجود بات سمجھ میں نہیں آئی۔۔۔خوش قسمتی سے چند ہی دنوں میں حضور شیخ الاسلام کی چوتھے پارے کی تفسیر موصول ہوئی تو دل باغ باغ ہوگیا، کہ ایک ہی لفظ کو محدث صاحب کے ترجمہ میں پرو کر حضرت نے بات کو سمجھادیا۔
۔۔۔ملاحظہ ہو:

(کہو کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو) اور باز رکھنا چاہتے ہو (اللہ) کی طرف لیجانے والی سیدھی (راہ سے اسکو جو ایمان لاچکا)، یعنی عمار ابن یاسر اور انکے رفقاء۔۔یہود انکو اپنے دین کی طرف بلاتے تھے۔۔تو اے یہودیو! کیا (تم راہ خدا کو) جس پر ایمان والے ثابت قدم ہیں (ٹیڑھا) ثابت (کرنا چاہتے ہو) اور مسلمانوں کو یہ یقین دلانا چاہتے ہو کہ انکے دین میں کجی ہے؟

۔۔۔اب جب ہم یہ بات سنتے ہیں کہ '(تم راہ خدا کو ٹیڑھا) ثابت (کرنا چاہتے ہو)'، تو صرف ایک لفظ یعنی 'ثابت' کو ترجمہ کے درمیان پرونے سے بات پوری طور پر واضح ہوگئی، کہ یہودیوں کی کوشش راہ کو، ٹیڑھا، ثابت کرنے کی تھی۔۔۔راہ کو ٹیڑھا تو وہ کر نہیں سکتے تھے، البتہ ٹیڑھا ثابت کرنے کی کوشش انھوں نے ضرور کی۔۔۔مزید دلچسپی کیلئے دیکھئے سورۃ آلِ عمران، آیت ۱۶۹:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ

اور خیال بھی نہ کرنا جو شہید کیے گئے اللہ کی راہ میں ان کو مردہ،

بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝۱۶۹

بلکہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس روزی دیے جاتے ہیں●

۔۔۔عام قاری پڑھ کر گزر جائیگا، کہ شہداء اپنے رب کے پاس ہیں اور روزی دیے جاتے ہیں۔مگر غور کرنے والا قاری سوچے گا، کہ 'رب کے پاس ہیں'، سے کیا مراد ہے۔۔۔حضرت نے مختصر سے

جملوں میں سمجھادیا۔۔۔کہ:

'یہاں معیت سے مراد، معیت تشریف وتکریم ہے، اسلئے کہ معیت مکانی اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے۔ کلام کا حاصل صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں، بہت مکرم ومعظم ہیں۔'

۔۔۔علامہ مفتی سید محمد فخرالدین علوی اشرفی فرماتے ہیں:

حضرت مفسر مدظلہ کی تفسیری کاوش پر اگر طائرانہ نگاہ ڈالی جائے تو آپکی تحریر، بیک وقت رومی کا ساز، رازی کا پیچ وتاب، غزالی کی حکمت، خواجہ اجمیر کی دعوت، غوث صمدانی کی نصیحت و موعظت اور امام احمد رضا کا علمی طمطراق۔۔۔نیز۔۔۔اکابر واسلاف کی پرسوز داعیانہ تڑپ، قاری کو ہر موڑ پر دعوت علم وفکر دیتی ہوئی نظر آئیگی۔۔۔اس دور میں اگر میں یہ کہوں کہ یہ تفسیر سب سے بہتر اور عمدہ تفسیر ہے، تو شاید ہمارے اپنے حلقہء احباب ہی میں تملق و چاپلوسی یا اور دیگر الزامات سے نواز دیا جاؤنگا۔۔۔لیکن ایک صاحب بصیرت عالم جب مسائل کی کثیر ترین روایات میں راجح اور معتمد روایات کو تلاش کرنا چاہے، تو یہ تفسیر اپنی فقیہانہ نگارش کے ساتھ ضرور دعوت فکر دیگی۔۔۔دورانِ تفسیر حضرت مفسر زیدمجدہ کے پر از حکمت جملے تعلیماتِ اسلام کیلئے سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں۔

۔۔۔دارالعلوم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ (احمدآباد، انڈیا) سے علامہ مفتی مطیع الرحمٰن نعیمی مدظلہ نے فرمایا:

عربی زبان میں قرآنِ پاک کے مفسرین کرام کا طرز تفسیر یہ ہے کہ پہلے آیت کریمہ کا سہل الفاظ سے ترجمہ، پھر تفسیر احادیث کریمہ، اقوالِ صحابہ وغیرہ سے کیا کرتے ہیں۔ تفسیر جلالین، تفسیر مدارک، تفسیر بیضاوی میں یہی اندازِ تفسیر ہے۔۔۔اردو مترجمین ومفسرین کا تقریباً یہی طریقہ ہے کہ اولیٰ آیت کریمہ کا ترجمہ، پھر کہیں کہیں نمبر ڈال کر بعض الفاظ کی نحوی، صرفی، لغوی تحقیق کرتے ہوئے شانِ نزول، احادیث، اقوال صحابہ وعلماء سے مزید تفسیر کرتے ہیں۔

لیکن سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی میں تفسیر وترجمہ کو جدید اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والوں کے ذہن میں فوراً آیت کا ترجمہ، تفسیر، واضح و روشن ہوجاتا ہے۔ عربی داں حضرات کیلئے مزید انکشاف ہوتا ہے کہ ایک ایک لفظ کا ترجمہ سمجھ میں آتا ہے۔۔۔نیز۔۔۔تفسیر اشرفی زیادہ طویل بھی نہیں ہے کہ پڑھتے پڑھتے ماقبل کو بھول جائے اور اتنا مختصر و مغلق بھی نہیں کہ قاری آیت کے واضح معنی ومطلب سے تشنہ رہے۔۔۔خیر الامور اوسطہا۔۔۔

پھر شیخ المفکرین، عمدۃ المحققین، مصباح المفسرین، مراۃ المشائخین، منیر المرشدین، شیخ الاسلام

والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں قبلہ کی طرز تحریر نہایت سلیس وآسان وعام فہم تقریر کی طرح ہے۔ جس طرح تقریر علماء وعوام میں مقبول ہے، تحریر بھی خواص وعوام میں مقبول عام ہے۔ انداز تحریر وتفہیم ہی کچھ ایسا نرالا ہے کہ بڑی سے بڑی مشکل بات اور الجھے ہوئے علمی مسائل کو سہل الفاظ میں سمجھا دیتے اور تحریر فرماتے ہیں کہ فوراً بہ آسانی ذہن ودماغ میں اتر جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کے تلمیذ رشید سید الخطباء حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ نے جس عظیم ترجمہ وتفسیر کا آغاز فرمایا، اسکا اختتام کرنا آسان کام نہ تھا۔ حضرت شیخ الاسلام ہی کی جرأت وحوصلہ اور خداداد صلاحیت ہے کہ اس عمر شریف میں یہ عظیم ترین کام کو انجام دینے میں مصروف ہیں۔۔۔ جسم شریف اگرچہ شیخ ہے، مگر علوم واعمال پر شباب ہیں۔۔۔ ہمہ جہتی علوم سے سینہ مبارک معمور ہے۔ شریعت، طریقت، معارفت، حقیقت، منطق وفلسفہ، جس فن میں بھی سوال کیا جائے، ہر ایک کے تسلی وتشفی بخش جواب سے سائل مسرور ومطمئن ہو جاتا ہے۔ یہ عظیم شخصیت ہے، برسوں میں ایسے گوہر نایاب نمودار ہوتے ہیں۔ جس نے سمجھا، دامن بھر لیا۔۔۔ مَنۡ جَدَّ وَجَدَ۔۔۔

مت سہل اسے سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں　　تب خاک کے پردے سے انسان نکلتا ہے

۔۔۔ جامعہ نصرۃ العلوم (کراچی، پاکستان) سے شیخ الحدیث، علامہ غلام جیلانی خان اشرفی مدظلہ نے فرمایا:

تفسیر اشرفی میں قبلہ مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ نے قرآنی آیات کو انتہائی اختصار کے ساتھ سمجھانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور کامیابی سے ایک عام مسلمان قاری کو قرآن کا پیغام پہنچایا ہے ۔۔۔ فی زمانہ مسلمانوں میں بدقسمتی سے کچھ ایسے لوگ سامنے آئے اور آرہے ہیں جو قرآن کی تفسیر محض اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق کر رہے ہیں جو احادیث وسنن، آثار صحابہ واسلاف کے طریقے کے بالکل خلاف ہے۔۔۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ قرآن کی وہ تفسیر جو اسلاف کے طریقہ کار کے مطابق ہو، اسے عام مسلمانوں تک پہنچایا جائے اور انھیں گمراہی کی دلدل میں پھنسنے سے بچایا جائے۔

گلوبل اسلامک مشن کے تحت جتنی بھی تصانیف اشاعت پذیر ہوتی ہیں، انکو پیش کرنے اور دست بوسی کی سعادت حاصل کرنے کیلیے میں کراچی میں نمونہ اسلاف علامہ مفتی محمد اطہر نعیمی مدظلہ ابن تاج العلماء حضرت مفتی محمد عمر نعیمی قدس سرہٗ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا ہوں۔۔۔ اس دفعہ حضرت کو تفسیر اشرفی ﴿جلد اول﴾ پیش کی تو حضرت نے اس پر اپنے کچھ تاثرات سے نوازا۔ آپ فرماتے ہیں:

۔۔۔اس مرتبہ مسعود میاں سلمہ جو علمی تحفہ لیکر آئے، وہ کتاب ہدایت، قرآن کے تین پاروں کی تفسیر ہے۔ پہلا پارہ حضرت محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کا علمی شاہکار ہے جبکہ بقیہ پاروں کی تفسیر کی ذمہ داری کو حضرت مولانا مدنی میاں نے اپنی ذمہ داریوں میں شامل کرلیا ہے۔ 'پدر نتواند پسر تمام کند' پر عمل پیرا ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکے حوصلے بلند رکھے، انشاء اللہ یہ تفسیر مکمل ہوکر ملت مسلمہ کی طرف علمی تحفہ ہوگی۔

ہمارے سامنے کنز الایمان، نور العرفان، ضیاء القرآن اور دیگر تراجم و تفاسیر موجود ہیں لیکن محدث اعظم علیہ الرحمۃ کا ترجمہ اپنے انداز کا انوکھا ہے۔ ترجمہء قرآن کا حق ادا کرنے کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کا جو انداز ہے، اسکے بارے میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں، 'مشک آنست کہ خود ببوید، نہ کہ عطار بگوید' تفسیر اشرفی کا بالاستیعاب مطالعہ نہ کرسکا، جستہ جستہ نظر ڈالی ہے، پڑھ کر بے ساختہ زباں وزیر قلم یہ جملہ آگیا۔۔۔ اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

تفسیر پر تبصرہ تو اہل علم حضرات ہی کرسکتے ہیں۔ ہمیں تو اسی بات پر فخر ہے کہ ہمارے پیر خانے سے قرآن و حدیث کی خدمت کا جو بیڑا اٹھایا گیا، قدرت کاملہ نے اسکی اشاعت کا بھی بہترین انتظام فرمایا۔ مفسر گرامی اور محدث بن محدث نے جو علمی خدمات انجام دیں، اسپر وہ قابل تحسین ہیں اور وابستگانِ سلسلہ کیلئے باعث اعزاز، کہ ہم اس قابل قدر خاندان سے روحانی طور پر وابستہ ہیں جو روحانی اور علمی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو شاد و آباد رکھے۔۔۔ آمین بجاہِ سید المرسلین۔۔۔

آج جہاں مسلمان، دنیا کے کونے کونے میں پہنچ کر آباد ہو چکے ہیں، وہیں انکی دینی تربیت اور رہنمائی کا انتظام کرنے کیلئے دین کے سچے خدمت گزار بھی ان سے پیچھے نہیں رہے۔ انہیں میں ایک نام مفتی محمد ایوب صاحب کا بھی ہے، جو عرصہء دراز سے مسجد و مدرسہ نور الاسلام، بولٹن، انگلینڈ میں دین متین اور مسلک حقہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔۔۔ اپنے مشہور و معروف درسِ شفاء شریف کی چھبیسویں ماہانہ نشست کے دوران، تفسیر اشرفی کے تعلق سے علامہ مولانا مفتی محمد ایوب صاحب اشرفی فرماتے ہیں:

تفسیر اشرفی کے مفسر مکرم، مرجع العلماء والصلحاء، رئیس المحققین، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ و مولانا سید مدنی میاں صاحب قبلہ اشرفی جیلانی مدظلہ عالی نے تفسیر قرآن قلمبند کرتے وقت اپنے مخصوص انداز میں جس خوبصورتی کے ساتھ اپنے جچے تلے، عقدہ کشا، سلیس اور رواں دواں

جملوں کے ذریعے ہر خاص و عام قاری کے ذہن میں اٹھ سکنے والے ضروری سوالات کے جوابات دیئے ہیں، اسکا اندازہ لگانا کوئی مشکل بات نہیں۔تھوڑی سی بھی معلومات رکھنے والے اس بات کا بآسانی اندازہ لگالینگے کہ تفسیر اشرفی کے ان بظاہر سیدھے سادھے جملوں کی اوٹ میں کیسی کیسی مشکلات کا حل ہے اور یہ جملے اپنے تلے کیسی کیسی بہاریں لئے ہوئے ہیں۔۔۔اختصار کے پیش نظر میں سب کو تو نہیں سمیٹ سکتا، ہاں مگر چلو صرف ایک جملے ہی کے گلستان کی کچھ سیر کرتے ہیں۔حضرت نے مذکورہ آیت کریمہ(۱) کی تفسیر کے تحت شروع میں لکھا:

'اور صاحب اذان و مستجاب الدعوات حضرت عبداللہ انصاری جیسے شکستہ دلانِ فراق کو یہ مژدۂ وصال مبارک ہو۔۔۔الآیۃ'

۔۔میں سوچنے لگا کہ جب پوری کتاب میں، اختصار، حضرت مصنف کے پیش نظر ہے، تو پھر صحابئ رسول، حضرت عبداللہ انصاری کے ساتھ، 'صاحب اذان و مستجاب الدعوات' کے تعارفی الفاظ بڑھا کر، عبارت کو طویل کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟۔۔۔غور کرنے پر پتہ چلا کہ الاصابة فی تمیز الصحابة ﴿جلد چہارم﴾ کے مطابق جماعتِ صحابہ میں 'عبداللہ' نامی، کل ۵۱۴ حضرات کرام ہیں اور اسد الغابة فی معرفة الصحابة ﴿جلد سوم﴾ کے مطابق ۴۴۹۔ ان حضرات کرام میں کچھ انصاری ہیں اور اکثر غیر انصاری۔اور ان میں بھی 'عبداللہ بن زید' نامی خاص سات حضرات کرام ہیں۔۔چنانچہ۔انکو دیگر 'عبداللہ' اور 'عبداللہ بن زید' سے موسوم حضرات کرام کے درمیان تمیز دینے کیلئے انکا نام اسطرح ذکر کیا جاتا ہے:

'عبد الله بن زید بن ثعلبه بن عبد ربه انصاری حارثی'

(نسیم الریاض، صفحہ ۳۴۹، جلد ۳)

اس مقام پر تفسیر میں صاحب تفسیر اشرفی کی جدت فکر اور اندازِ بیان ملاحظہ فرمائیں، کہ آپ نے بجائے 'عبدالله بن زید بن ثعلبه بن عبد ربه انصاری حارثی' لکھنے کے، انکے نام 'حضرت عبداللہ انصاری' سے قبل 'صاحب اذان و مستجاب الدعوات' کے القابات کا اضافہ کر دیا، تاکہ قارئین کو بن، بن، بن، کہہ کر اتنا لمبا نام یاد نہ رکھنا پڑے، اور انکے دو ایسے وصف بھی زیر بیان آجائیں جو کثیر عبادلہ کرام کے درمیان انہیں ممتاز بھی کردیں اور انکی حیات و خدمات کے دو عظیم واقعات کی طرف ایک تلمیحی اشارہ بھی ہوجائے۔

(۱)۔۔یعنی جس آیت کریمہ کا ذکر اسوقت درسِ شفاء شریف میں چل رہا تھا۔یعنی سورۃ النساء، آیت ۶۹، جس میں انعام والوں کا ذکر ہے۔دیکھئے تفسیر اشرفی، جلد دوم، صفحہ ۲۰۶۔

۔۔چنانچہ۔۔فرمایا،'صاحب اذان ومستجاب الدعوات حضرت عبداللہ انصاری'۔
اس میں لطف عجیب یہ ہے کہ ان ۱۴ ۵ حضرات کرام میں ایسے مستجاب الدعوات عبداللہ انصاری، جوصاحب اذان (۱) بھی ہوں، سوائے انکے کوئی اور ہے ہی نہیں۔۔۔سبحان اللہ!

یوں تو مقبول الدعاء ہونے کا شرف دیگر اور صحابہء کرام کے درمیان بھی ظہور پزیر تھا، مگر استجابت دعا کا جو منظر یہاں دیکھنے کو ملتا ہے، اسے پڑھ کر بدن پر ایک رقت سی طاری ہو جاتی ہے؛ گویا کہ یہ بھی ایک نمایاں وصف ہے۔اور بہ حوالہء تفسیر قرطبی، قبولیت دعا کا یہ واقعہ خاص اسی مذکورہ آیت کریمہ سے متعلق ہے۔۔۔تو اب خوبی یہ ٹھہری کہ خاص اس مقام پر حضرت عبد اللہ انصاری کے ساتھ'مستجاب الدعوات' پڑھتے ہی، واقف کار کا تبادرِ ذہنی فوراً انکی حیات مقدسہ کے اس عظیم واقعہ کی طرف بھی ہو جاتا ہے کہ جو بظاہر یہاں تحریر نہیں۔۔۔سبحان اللہ!

۔۔مزید برآں۔۔یہاں تفسیر اشرفی میں واقعہ شانِ نزول درج نہیں۔۔۔مگر واہ رے لطافت حسن ادا، اور قوت دلالت الفاظ، کہ اس صورت مین بھی وہ طائر خیال کو اِدھر اُدھر بھٹکنے نہیں دیتی، بلکہ بڑی ہی سرعت سے صحیح مقام کی طرف اسکی رہنمائی کر دیتی ہے۔۔۔مثلاً: اسکے بعد آنے والا ایک اور جچا تلا حقیقت آگاہ جملہ ملاحظہ فرمائیں۔۔۔فرماتے ہیں:

'ان جیسے جملہ شکستہ دلانِ فراق کو یہ مژدہ وصال مبارک ہو'۔

۔۔۔اس میں خاص طور سے'شکستہ دلانِ فراق' کہہ کر غم ہجر نبی سے نڈھال، حضرت عبداللہ انصاری کی اس دیدنی کیفیت کو اور تصور فراقِ یار سے اشکبار اور جدائیگی محبوب کے خیال سے رنجیدہ وغمدیدہ، انکی اس حالت زار کو بیان فرمایا گیا ہے، کہ جو در حقیقت وجہ نزولِ آیت کریمہ بنی۔تفسیر میں پورا واقعہ تو موجود نہیں، مگر سمجھنے والوں کیلئے واقعہ کو سمجھنے کیلئے اشارہ لطیف ضرور موجود ہے۔۔۔سبحان اللہ!

ادائے خاص سے اختر ہوا ہے نکتہ سرا ۔۔۔ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے
ع قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

یہ تو گویا'مشتے از خروارے' فقط ایک بات تھی، جو ضمناً درسِ شفاء شریف میں آئی، ورنہ تفسیر اشرفی میں بہت سے مقامات ہیں کہ جن پر سیر حاصل گفتگو کی جا سکتی ہے۔

کہتے ہی کہتے عمر گزر جائیگی مری ۔۔۔ انکا بیاں ہے یہ کوئی داستاں نہیں

(۱)۔۔صاحب اذان، یعنی جنھوں نے خواب میں حضرت جبرائیل امین کو اذان پڑھتے سنا اور پھر حضور صاحب شرع علیہ التحیہ والثنا نے اس خواب کی تائید فرماتے ہوئے، اذان کو قبل نماز ہمیشہ کیلئے مشروع فرما دیا۔

اس تفسیر اشرفی کی پروف ریڈنگ کی خدمت کے دوران ہر سطر میں الفاظ کی ظاہری صورت اور انکے خد وخال پر نظر جانے کے علاوہ ایسے مقامات بھی سامنے آئے، جنکی انفرادیت، جاذبیت و خصوصیت نے، اور بعضوں میں نزاکت مضمون کی مناسبت سے رواں دواں سادے جملوں کے حسن بیان نے، اور کہیں پر قرآن واسلام پر اٹھائے جانے والے بیجا اعتراضات کے اسلوب جدید کی مناسبت سے جوابات نے، اور پھر اس زمانے میں انکی ضرورت واہمیت نے، دل کو اوّل نظر ہی میں متاثر کرلیا۔

اگر توفیق سعید رفیق کار ہے، توانشاء المولیٰ القدیر کبھی بعد میں ان پر بھی کچھ تفصیلی گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کرونگا۔ آخیر میں دعا ہے کہ رب ذوالعطا اپنے مصطفیٰ ﷺ کے صدقے، مفسر محترم، حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کو صحت وامن وعافیت میں رکھے۔۔نیز۔اشاعت وطباعت کے تعلق سے جتنے بھی محبین ومخلصین کوشاں ہیں، ان سب کو اللہ رب تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے صدقے دین ودنیا کی سعادتیں نصیب فرمائے۔۔۔﴿امین﴾

مولانا ایوب صاحب نے تاثرات کے دوران اس بات کا بھی اعادہ کیا کہ انکے سامنے کئی باذوق صاحبانِ علم ونظر نے تفسیر کے اس اسلوبِ جدید کو سراہا۔ استاذ العلماء حضرت علامہ ومولانا مفتی اشرف القادری صاحب (شیخ الحدیث وتفسیر دارالعلوم قادریہ، نیک آباد، گجرات، پاکستان) نے اس تفسیر کو تھوڑی سی بھی اردو سے سمجھ بوجھ رکھنے والے حضرات۔۔نیز۔۔طلباء علوم اسلامیہ کیلئے بڑا مفید بتایا۔

۲۳ دسمبر ۲۰۰۸ء کو ہونے والی محدث اعظم ہند کانفرنس (بورسد، گجرات، انڈیا) جہاں تفسیر اشرفی ﴿جلداوّل﴾ کا باضابطہ اجرا بھی عمل میں آیا، میں کانفرنس کے مہمانِ خصوصی، استاذ العلماء، حضرت علامہ ومولانا مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی صاحب مدظلہ العالی (صدر مفتی: جامعہ سجادیہ رضویہ، گھوسی، اعظم گڑھ، یوپی، انڈیا) نے اپنے خصوصی خطاب میں تفسیر اشرفی کا مفصل ذکر فرمایا۔ آپ نے تفسیر اشرفی کی کئی ایک مقامات سے سامعین کو سیر کراتے ہوئے، حضور محدث اعظم ہند قدس سرہٗ کے اسلوبِ جدید اور حضور شیخ الاسلام کے اسی تفسیری انداز کی، جوانھوں نے اپنے والد بزرگوار کی پیروی کرتے ہوئے اختیار فرمایا، خوب خوب تعریف فرمائی۔

اپنے چالیس منٹ کے خطاب کو ایک جملے میں سمیٹتے ہوئے، صدر مفتی صاحب نے فرمایا کہ 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' کا اردو تفاسیر قرآن میں وہی مقام ہے، جو عربی زبان کی تفاسیر قرآن

میں جلالین شریف کا ہے۔آخیر میں آپ نے حضرت مفسر کی درازیٔ عمر وصحت کی دعا فرمائی۔

انڈیا، اور پاکستان کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن میں، تفسیر اشرفی ﴿جلد اوّل﴾ ۱۴ ہزار کی تعداد میں شائع ہوکر قارئین تک پہنچ چکی ہے، جن میں تقریباً ۱۰۰۰ سے زائد علماء کرام اور اہل علم حضرات اور ہزاروں طلباء وطالبات شامل ہیں۔ انڈیا، پاکستان، انگلینڈ، کینیڈا اور امریکہ کے علماءِ کرام کے تمام زبانی اور قلمی تاثرات کو یکجا کرنے کیلئے علیحدہ سے ایک کتاب کی ضرورت پیش آئیگی۔۔لہٰذا۔۔تفسیر اشرفی کی شان کواجاگر کرنے کیلئے اور قارئین کی مزید رغبت کے واسطے، میں نے چند ایک تاثرات یہاں شامل کئے۔۔۔میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضور شیخ الاسلام والمسلمین کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور اس عظیم تفسیری کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ہر قسم کی آسانی اور کامیابی سے ہمکنار کرے۔اور اس تفسیر کو ہر ایک کیلئے مینارۂ نور وہدایت بنائے۔

﴿ اٰمین! بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ﴾

ناچیز

محمد مسعود احمد سہروردی، اشرفی

۱۸ شوال ۱۴۳۰ھ ۔۔بمطابق۔۔ ۷ اکتوبر ۲۰۰۹ء

۴

لن تنالوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سابقہ آیاتِ کریمہ میں واضح کیا جاچکا ہے کہ کفر پر مرنے والے جہنم کے عذاب سے چھٹکارا پانے کیلئے، اگر مرنے سے پہلے ہی دنیا میں زمین بھر سونا بطور فدیہ صدقہ کردیں ---یا--- میدانِ قیامت میں جہاں وہ کھجور کی ایک گٹھلی کے بھی مالک نہ ہونگے، فرض کرلیجئے کہ زمین بھر سونے کے مالک ہوجائیں، اور پھر وہ سب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کیلئے فدیہ دینا چاہیں، دونوں صورتوں میں انکا یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائیگا---الحتصر--- وہ کسی طور پر جہنم کے عذاب سے بچ نہیں سکتے۔ اور ہر حال میں انکا صدقہ نامقبول رہے گا، اب اگر یہ سمجھنا ہو کہ کس کا صدقہ مقبول ہوگا؟ کب مقبول ہوگا؟ کون سے صدقہ کی مقبولیت کی زیادہ امید کی جاسکتی ہے؟ تو غور سے سنو کہ---

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ؕ۬ وَمَا تُنۡفِقُوۡا

ہرگز نہ پاؤگے نیکی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس سے جس کو پسند کرتے ہو، اور جو خرچ کرو

مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾

تم کچھ، تو بیشک اللہ اس کا جاننے والا ہے●

(ہرگز نہ پاؤگے) تم اس (نیکی) کی حقیقت (کو) جس تک پہنچنے کی تمہاری خواہش اور رغبت ہے، اور نہ ہی اسکے اصلی منشاء تک تمہاری رسائی ہوسکتی ہے۔ اور نہ ہی تم نیک لوگوں کے زمرے میں شمولیت کا حق رکھ سکتے ہو---یا---تم اللہ تعالیٰ کے احسان اور اسکے ثواب اور رحمت ورضا و جنت کو نہیں پاسکتے۔ اور اس 'بِرّ تک' جوایک بلند وبالا مقام ہے' نہیں پہنچ سکتے (یہاں تک کہ خرچ کرو اس) مال (...) محبوب رکھتے ہو۔ جسکا اپنے سے جدا کرنا تمہارے نفس پر گراں ہو (...) اور لائق استعمال ہو، ردی اور ناکارہ نہ ہو۔

---الحتصر---اگر تم مال والے ہو، تو راہِ خدا میں اپنا بہترین مال صدقہ واجبہ---نیز---صدقہ نافلہ کے طور پر نکالتے رہو اور اگر تم جاہ ومرتبہ والے ہو، تو اپنی قوت وطاقت سے عاجز اور درماندہ لوگوں کی اعانت کرتے رہو۔ بدن کی توانائی کو اسلامی فرائض وواجبات وموکدات کی ادائیگی میں لگادو اور شرعی محرمات ومنہیات ومکروہات سے اپنے کو بچاتے رہو۔ دل کو محبت الٰہی کی راہ میں وقف

کردو، رضائے حق کی راہ میں جان پر کھیل جاؤ اور باطن کو ماسوا اللہ کی آلایش سے پاک رکھو ۔۔الغرض۔۔ دنیا میں اپنی مرغوب ومحبوب چیز کو خرچ کردو تا کہ عقبیٰ میں اپنے مطلوب کو پہنچو اور اگر ہو سکے تو دنیا وعقبیٰ دونوں سے درگزر رو، تا کہ حضرت مولیٰ کے قریب پہنچ جاؤ۔۔الحقر۔۔ راہ خدا میں اپنا پسندیدہ مال خرچ کر کے اپنی مطلوبہ نیکی تک وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو شریعت اسلامیہ کے جملہ اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہیں۔

(اور جو خرچ کرو تم کچھ)، خواہ وہ اچھا مال ہو جو تمہیں محبوب ہے ۔۔یا۔۔ خبیث اور خراب مال ہو جس سے تم خود کراہت کرتے ہو، (تو) یہ نہ سمجھ لو کہ اسکا کوئی دیکھنے والا جاننے والا نہیں، کیونکہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (اسکا جاننے والا ہے) وہ تمہیں پوری جزا دیگا۔ اگر اچھا مال ہے تو اچھی جزا ہوگی اور اگر خراب اور ردی مال ہوگا، تو اسکی سزا ملے گی۔ کیونکہ وہ کریم جل شانہ ہر شے کو جانتا ہے۔ تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اسکا بھی اسے علم ہے اور اسکا علم اتنا کامل ہے کہ اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ شے کی حقیقت اور اسکی ذات وصفات کو ہر طرح جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی خوشنودی کیلئے اپنی محبوب اور مرغوب چیزوں سے اپنے کو کنارہ کش کر لینا حضرت یعقوب علیہ السلام کی سیرت طیبہ سے بھی ظاہر ہے۔ آپ علیہ السلام کو اونٹ کا گوشت اور اسکا دودھ بہت مرغوب تھا، مگر ایک بار جب آپ شدید بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر اس بیماری سے رب کریم نے مجھے نجات دیدی، تو میں نہ اونٹ کا گوشت کھاؤنگا اور نہ ہی اسکا دودھ نوش کرونگا۔۔ چنانچہ۔۔ آپ کو صحت کاملہ حاصل ہوگئی، اور پھر آپ نے ان دونوں چیزوں کا استعمال ترک کر دیا۔

اب ان دونوں چیزوں کا اپنے اوپر حرام کر لینا، حضرت یعقوب کے تشریعی اختیارات اور نبوی اجتہاد کی بنیاد پر ہو۔۔یا۔۔ خود انکی شریعت میں ایفائے نذر کے وجوب کے قانون کی وجہ سے ہو۔۔یا۔۔ یہ تحریم، 'شرعی تحریم' نہ ہو بلکہ 'عرفی تحریم' ہو، جس میں کسی حکمت بالغہ کے تحت انسان کسی ایسے جائز کام کو جو واجب نہ ہو، انجام دینے سے اپنے کو کنارہ کش کر لیتا ہے۔ اسکی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ گویا اس نے اس کام کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہو۔ اس مقام پر یہودیوں کی سرکشی اور بے جا کٹ حجتی کو سمجھنے کیلئے اس واقعہ کا علم فائدہ سے خالی نہیں کہ۔۔۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ

سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کیلئے، مگر وہ جس کو حرام کرلیا تھا خود یعقوب

عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۗ قُلْ فَأْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ

نے اپنے اوپر قبل اس کے کہ اتاری جائے توریت۔ کہدو کہ لاؤ توریت،

فَاتْلُوْهَآ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۹۳

پھراس کو پڑھو، اگر سچے ہو●

۔۔۔وہ کھانے جنکے متعلق یہود نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی شریعت سے لیکر آج تک چلے آرہے ہیں، وہ (سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کیلئے)۔ ان میں خنزیر اور مردار شامل نہیں، اسلئے کہ حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی شریعت میں ان دونوں کی حلت ثابت نہیں۔۔نیز۔۔ یہ محل نزاع بھی نہیں تھے۔ (مگر وہ) یعنی اونٹ کا گوشت اور اسکا دودھ (جسکو حرام کرلیا تھا خود یعقوب نے اپنے اوپر)، پھر یہودی بھی انکی پیروی کی راہ سے ان چیزوں سے پرہیز کرکے، بولے کہ توریت میں ان چیزوں کی حرمت کا حکم ہے۔

حالانکہ یہودیوں کی یہ بات غلط تھی اور حقیقت کے خلاف تھی، جیسا کہ ارشاد خداوندی سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان چیزوں کو حرام نہیں فرمایا تھا بلکہ یعقوب علیہ السلام نے نذر کی وجہ سے وہ چیزیں اپنے اوپر حرام کرلیں تھیں۔۔علاوہ ازیں۔۔ جب ارشادِ خداوندی ہوا کہ۔۔۔"یہود کے ظلم ومعصیت کی نحوست اور وبال سے بعض پاک اور حلال کھانے، جیسے مچھلیوں کے گوشت اور گائے بکری کی چربیاں وغیرہ ان پر ہم نے حرام کردیں" ۔۔یہ سن کر یہودی بے حد خفا ہوئے اور دعویٰ کر بیٹھے کہ یہ چیزیں تو ہمیشہ سے حرام چلی آرہی ہیں۔حق تعالیٰ نے انکے اس قول کی تکذیب فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

۔۔۔کھانے کی سب چیزیں یعقوب علیہ السلام اور انکی اولاد پر حلال تھیں، ان دو کے سوا، جنھیں آپ علیہ السلام نے نذر کی وجہ سے خود ہی اپنے اوپر حرام فرمالیا تھا (قبل اسکے کہ اتاری جائے توریت)۔

۔۔الحتصر۔۔یہودیوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ اونٹ کے گوشت اور اسکے دودھ کی حرمت پہلے ہی سے چلی آرہی ہے۔جیسا کہ انکا یہ کہنا غلط ہے کہ جن حلال چیزوں کو انکی سرکشی اور انکے تمرد کی وجہ سے ان پر حرام فرمادیا گیا تھا، وہ ہمیشہ سے حرام تھیں، کبھی حلال نہیں تھیں۔

تو اے محبوب! واشگاف انداز سے ان یہودیوں کو چیلنج کر دو اور (کہہ دو کہ لاؤ) غیر محرف اور صحیح (توریت، پھر) اس کی (اس) آیت (کو پڑھو) جس میں یہ چیزیں حرام کی ہیں، (اگر) تم اپنے مذکورہ بالا دعویٰ میں (سچے ہو)۔ تمہارے صدق کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ تم اپنی کتاب ہی سے اپنا دعویٰ ثابت کر دو۔

یہودی اس چیلنج کو سن کر حضور ﷺ کے سامنے تورات سے دلیل پیش کرنے سے عاجز آ کر مبہوت ہو گئے اور ذلیل وخوار ہو کر لوٹے۔ اور ہر خاص وعام پر انکا بہتان اور افتراء کھل گیا۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

تو جس نے جھوٹ افترا کیا اللہ پر اس کے بعد، تو وہی ظالم لوگ ہیں ●

(تو جس نے) کسی چیز کے حلال وحرام کر دینے کے تعلق سے (جھوٹ افتراء کیا اللہ) تعالیٰ (پر، اس) حقیقت (کے) واضح ہو جانے کے (بعد) کہ حرام کر لینا خود یعقوب علیہ السلام سے ہوا تھا، جناب الٰہی سے حرمت کا حکم نہیں آیا تھا، (تو وہی) افتراء کرنے والے (ظالم لوگ ہیں) جو عدل و انصاف کے تارک ہیں، اور ظاہر ہے کہ ترک انصاف سے بدتر کوئی ظلم نہیں۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ

کہہ دو کہ سچ فرمایا اللہ نے۔۔۔ تو پیروی کر دو دین ابراہیم کی، حق پرست باطل شکن کی،

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

اور وہ مشرک نہ تھے ●

اے محبوب! فرما دو اور واضح طور پر (کہہ دو کہ) تحریم کی خبر میں جو کچھ فرمایا یقیناً (سچ فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے) اور اس سلسلے میں یہود کا کلام سراسر جھوٹ تھا۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے ضمناً یہ بھی واضح ہو گیا [redacted]

جاری تھا۔ لہذا۔۔۔ یہودیوں کا ضابطہ نسخ کو باطل قرار دینا خود باطل ہے۔

اے محبوب! ان یہودیوں کی ذیدہ دلیری تو دیکھو جو شرک جیسی لعنت میں مبتلا ہو کر حضرت ابراہیم کی وراثت کا دم بھرتے ہیں، حالانکہ حضرت ابراہیم کا تو شرک سے دور کا بھی واسطہ

نہیں تھا۔اے یہودیو! سن لوکہ تمہیں حضرت ابراہیم سے ذرہ برابر بھی نسبت نہیں، حضرت ابراہیم کے حقیقی وارث میرے محبوب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں، جو توحید کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام معبودانِ باطلہ سے بیزاری کا اظہار فرماتے ہیں۔ جنکی شان یہ ہے کہ انکا ہر ہر عمل ظاہر کرتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کے سچے جانشین اور حقیقی وارث ہیں اور ملت ابراہیمی والے ہیں۔

(تو) اے محبوب! تم حسب معمول (پیروی کرو دین ابراہیم کی، حق پرست باطل شکن) دین اسلام پر ثابت قدم رہنے والے اور ہر باطل دین سے بالکلیہ کنارہ کش ہوجانے والے (کی)، جنکی عادت کریمہ یہ رہی ہے کہ مہمانوں پر مال و دولت لٹادیا کرتے تھے۔ آزمائش کے وقت بڑی سے بڑی قربانی کیلئے تیار رہتے تھے۔ خدا سے قریب تر ہونے کیلئے ہر گھڑی سر تسلیم و رضا کو خم رکھتے تھے (اور) بلاشبہ (وہ مشرک نہ تھے)۔ نہ اصول میں مشرکین کے ساتھ تھے، نہ ہی فروع میں۔۔۔

حضرت ابراہیم اور ملت ابراہیمی کے ذکر کے بعد اس مرکز توحید کا ذکر بے حد مناسب ہے دعائے ابراہیمی نے جسکو انوار و تجلیات کا مرکز بنادیا، تو سن لوکہ۔۔۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾

بیشک سب سے پہلا گھر جو بنایا گیا لوگوں کو عبادت کرنے کیلئے ضرور وہ ہے جو مکہ میں ہے،

برکتوں سے بھرا اور دنیا بھر کیلئے مرکز ہدایت ●

[illegible] گھر جو بنایا گیا لوگوں کو عبادت) اور زیارت (کرنے کیلئے، ضرور وہ ہے جو مکہ میں ہے)۔

زمین پر لوگوں کے رہنے کیلئے پہلے اور بھی گھر بنے ہوئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کیلئے جو گھر سب سے پہلے زمین پر بنایا گیا، وہ مکہ مکرمہ میں کعبہ تھا۔ ابتداءً حضرت آدم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور اسکے چالیس سال بعد انھوں نے ہی بیت المقدس کو بنایا۔ طوفانِ نوح کے بہت بعد جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عہد آیا، تو آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم و ہدایت کے مطابق کعبہ کے آثار تلاش کر لینے کے بعد، اسکو پہلے کی پرانی بنیادوں پر تعمیر کیا۔

[illegible] بڑے فائدے اور بہت خیر کا مکان ہے اور اسکی برکت اس درجہ ہے کہ بے طواف و نماز کے [illegible] میں سال بھر کی نماز کے برابر ہے۔

(اور دنیا بھر کیلئے مرکز ہدایت) ہے، جو تمام جہانوں کو ہدایت دینے والا ہے، کیونکہ منجانب اللہ وہ انکی عبادت گاہ اور انکا قبلہ ہے۔۔نیز۔۔مسلمانوں کو بہشت کی راہ دکھانے والا ہے۔۔اور۔۔

فِيهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ

اس میں روشن نشانیاں ہیں مقام ابراہیم، اور جو اس میں داخل ہوا امان میں ہو گیا،

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ

اور اللہ کی پرستش کیلئے لوگوں پر اس بیت اللہ کا حج کرنا ہے، جو سکت رکھے اس تک راہ پانے کی،

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۞

اور جس نے انکار کیا تو اللہ بے پرواہ ہے دنیا بھر سے ●

(اس میں روشن نشانیاں ہیں) [redacted]

یعنی وہ پتھر جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر بیت اللہ شریف کی تعمیر فرمائی،

تو اس پتھر پر آپکے قدموں کے نشان پڑ گئے۔ [redacted]

۔۔الغرض۔۔کثرت اعدا کے باوجود وہ مبارک پتھر محفوظ ہے۔

(اور) دوسری نشانی یہ ہے کہ (جو اس میں داخل ہوا) وہ (امان میں ہو گیا) اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ ہو گا۔

۔۔چنانچہ۔۔حرم شریف کے احاطے کے باہر 'حل' میں جس پر قصاص واجب ہوا اور وہ حرم شریف میں آکر پناہ لے لے، تو اسے حرم میں سزا نہ دی جائیگی جب تک کہ وہ حرم شریف کے احاطے سے خود باہر نہ نکل جائے۔البتہ اسکے ساتھ ایسا سلوک کیا جائے کہ وہ احاطۂ حرم سے باہر نکلنے پر مجبور ہو جائے۔۔مثلاً: اسے نہ کھانا دیا جائے اور نہ ہی پانی اور نہ ہی رہنے سہنے کی کوئی جگہ۔۔یونہی۔۔اس سے بیع وشرا بھی نہ کی جائے، یہاں تک کہ مجبور ہو کر وہ احاطے سے باہر نکلے۔

یہ اسکے حق میں ہے جو قصاص کے موجب کا ارتکاب 'حل' یعنی حرم کے احاطے سے باہر

کر کے حرم میں پناہ لے۔ لیکن جو شخص 'حد' کے موجب کا ارتکاب احاطہء حرم میں کرے، تو اسے سزا دی جائیگی۔۔ مثلاً: حرم میں چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ لیا جائیگا۔۔ یونہی۔۔ حرم میں قتل کرنے والے کو قتل کر دیا جائیگا۔۔ الختصر۔۔ یہ گھر دار الامان ہے، جو کوئی اس گھر میں آ گیا قتل و غارت سے بے خوف ہو گیا اور جب تک اس میں رہا ہر طرح کے تعرض اور دار و گیر سے بچ گیا۔

اے محبوب! آیت الذی کے ان فضائل کو واشگاف انداز میں ظاہر فرمادو، تاکہ ساری دنیا پر واضح ہوجائے کہ کعبہ بیت المقدس سے افضل ہے، لہذا ہمیشہ کیلئے کعبہ کو قبلہ بنا دینا گھروں میں سب سے افضل گھر کو قبلہ بنانا ہے۔۔ لہذا۔۔ اہل کتاب کا یہ خیال کہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ کو قبلہ قرار دینا مفضول کو افضل پر ترجیح دینا ہے، بالکل باطل ہے۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں کہ یہ گھر دار الامن، ہے بلکہ اسکو سارے انسانوں کی توجہات کا مرکز بھی بنا دیا گیا۔۔ چنانچہ۔۔ (اللہ) تعالیٰ (کی پرستش کیلئے) اور اسکی عبادت کی غرض سے عاقل و بالغ ایمان والے (لوگوں پر) اسلئے کہ کفار شرائع کی ادائیگی کیلئے مخاطب نہیں۔ اگرچہ کعبہ کی طرف قصد کرنے کیلئے اعلانِ ابراہیمی انکے حال و مستقبل کے سبھی انسانوں کیلئے تھا، لیکن انکی آواز پر صرف ایمان والوں کی روحوں نے لبیک کہا۔

چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور ﷺ نے تمام ادیان والوں کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا تو حج کرو، اس پر صرف مسلمان ہی ایمان لائے۔ باقی نے ایمان لانے، کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے، اور کعبہ کا حج کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اب رہا یہ سوال کہ جو ایمان والے نہیں تھے، انھیں حج کرنے کا حکم کیوں دیا گیا؟ اسکا جواب یہ ہے کہ انکو 'حج معتبر' کا حکم دیا گیا اور حج بغیر ایمان کے معتبر نہیں، اور جو عمل معتبر اور سودمند ہی نہ ہو، پیغمبر کی شان نہیں کہ ایسے لایعنی کام کا حکم دیں، تو ضمناً اسی ارشاد میں انھیں ایمان لانے کی بھی دعوت دیدی گئی۔ اور یہ بات ان مخاطبین نے سمجھ بھی لی، جبھی انھوں نے پہلے ایمان لانے اور اسلامی عبادت کو انجام دینے سے انکار کیا اور پھر حج سے انکار کیا۔

۔۔ الختصر۔۔ جہاں جہاں اللہ و رسول نے کافروں کو نیک عمل انجام دینے کا حکم دیا ہے، ان سب میں عمل سے پہلے ایمان لانے کی ہدایت لازمی طور پر ملحوظ رہتی ہے۔ [redacted]

۔۔الغرض۔۔صرف ایمان والوں پر (اس بیت اللہ کا حج کرنا) اور اسکا قصد کرنا عمر میں ایک بار فرض (ہے، جو سکت رکھے اس تک راہ پانے کی)۔

یعنی جسے زادراہ، سواری، صحت بدنی اور امن طریق حاصل ہو تو اسی کو استطاعت کہتے ہیں۔کعبہ کا حج ملت ابراہیمی کا ایک اہم شعار ہے، تو پھر یہودیوں اور عیسائیوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ دعویٰ کریں کہ وہ ملت ابراہیمی والے ہیں، اسلئے کہ کعبہ کے حج کے دونوں ہی منکر ہیں۔تو صرف مسلمان ہی ملت ابراہیمی والے ہیں۔

اے محبوب! سنادو (اور) سب کو خبر دار کردو کہ (جس نے) حج کی فرضیت کا (انکار کیا)۔۔یا ۔۔صحت جسمانی اور کشادگیٔ رزق ۔۔الغرض۔۔استطاعت کے باوجود، حج کا فریضہ نہ ادا کر کے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی، (تو) وہ جان لے کہ (اللہ) تعالیٰ (بے پرواہ ہے دنیا بھر سے)۔نہ تو دنیا والوں کی عبادت کا محتاج ہے اور نہ ہی دنیا والوں کی شکر گزاری سے اسکو کوئی فائدہ پہنچے۔

۔۔الغرض۔۔کسی کے کفر و ناشکری سے ذاتِ خداوندی کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، بلکہ ترکِ حج کا سارا وبال تارکِ حج ہی کیلئے ہے۔حج فرضِ عین ہے، اسکی فرضیت پر پردہ نہیں ڈالا جاسکتا۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ

کہہ دو کہ اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا،

وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ۝

حالانکہ اللہ شاہد جو تم کر رہے ہو●

تو اے محبوب! کتابیوں سے (کہہ دو کہ اے اہل کتاب کیوں) چھپاتے ہو اور ایمان نہیں لاتے اور (انکار کرتے ہو اللہ) تعالیٰ (کی) نازل فرمودہ ان (آیتوں کا) جو اللہ تعالیٰ نے حج فرض ہونے کے باب میں بھیجی ہیں، (حالانکہ اللہ) تعالیٰ (شاہد ہے) تمہاری اس حق پوشی و کفران و ناشکری پر (جو تم کر رہے ہو)۔۔نیز۔۔اے محبوب! ان توریت والوں سے فرمادو۔۔۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

کہو کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اس کو جو ایمان لاچکا،

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

تم راہِ خدا کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ اور نہیں ہے اللہ بے خبر تمہارے کرتوتوں سے●

اور (کہو کہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو) اور باز رکھنا چاہتے ہو (اللہ) تعالیٰ کی طرف لیجانے والی سیدھی (راہ سے اسکو جو ایمان لا چکا)، یعنی عمار ابن یاسر اور انکے رفقا۔

یہود انھیں اپنے دین کی طرف بلاتے تھے۔

تو اے یہودیو! کیا (تم راہ خدا کو) جس پر ایمان والے ثابت قدم ہیں (ٹیڑھا) ثابت (کرنا چاہتے ہو) اور مسلمانوں کو یہ یقین دلانا چاہتے ہو، کہ انکے دین میں کجی ہے؟ اور جس پیغمبر پر وہ ایمان لائے ہیں، وہ وہ پیغمبر نہیں ہیں، جنکا خدا نے وعدہ فرمایا ہے؟ اور پھر اس پر اپنی تحریف کردہ توریت سے سند لاتے ہو، (حالانکہ تم خود گواہ ہو) اس بات پر کہ راہِ راست اور دین مقبول اسلام ہی ہے۔ تمہاری آسمانی کتابوں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیتوں سے تمہیں یہ سب کچھ اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے، تو سن لو (اور) اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (بے خبر تمہارے کرتوتوں سے)۔ وہ تمہاری فریب کاریوں سے اہل ایمان کو باخبر فرماتا رہے گا اور تمہارے مکر وفریب کے شر سے انہیں بچاتا رہے گا۔

مذکورہ بالا ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راہِ حق سے روکنے والے اہل کتاب کو زجر وتوبیخ فرمائی، تو ضروری ہوا کہ مومنین کو راہِ حق سے روکنے والے لوگوں کی اتباع سے منع کیا جائے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اے ایمان والو! اگر کہنے پر چلے تم کسی کے جن کو

الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

کتاب دی گئی ہے، تو پھر کر دیں گے تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر●

(اے ایمان والو! اگر کہنے پر چلے تم) شاش بن قیس یہودی۔۔ یا۔۔ اس جیسے (کسی کے، جن کو کتاب دی گئی ہے، تو) وہ (پھر کر دینگے تم کو تمہارے ایمان لانیکے بعد کافر) اور تمہیں مرتد بنا دینگے۔
شاش بن قیس ایک بوڑھا یہودی تھا اور کٹر کافر تھا جو مسلمانوں سے سخت بغض رکھتا تھا۔

ایک دن اس نے دیکھا کہ اوس اور خزرج کے کچھ لوگ آپس میں بیٹھے الفت اور محبت سے باتیں کر رہے ہیں۔ وہ انکی الفت ومحبت دیکھ کر غصے سے جل بھن گیا۔ اس نے ایک یہودی کو وہاں بٹھالیا اور اسکے سامنے پرانے قصے چھیڑ دیۓ اور جنگ بعاث کے متعلق اشعار پڑھنے لگا۔ اس دن اوس اور خزرج میں زبردست جنگ ہوئی تھی اور اوس فتحیاب ہوۓ تھے، اس نے اس راکھ میں سے چنگاریاں نکال کر آگ بھڑکادی، جسکے نتیجہ میں اوس اور خزرج ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرنے لگے اور ایک دوسرے کے خلاف ہتھیار نکل آئے۔

قریب تھا کہ خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔ دونوں فریق اپنے اپنے حمایتیوں کو بلا چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ خبر پہنچ گئی، آپ چند مہاجرین صحابہ کے ساتھ آئے، آپ نے فرمایا اے مسلمانو، اللہ سے ڈرو! کیا تم زمانہ جاہلیت کی طرح چیخ وپکار کر رہے ہو، حالانکہ تمہارے پاس اللہ کی ہدایت آچکی ہے اور اللہ تمہیں دولت اسلام سے مشرف کر چکا ہے اور تمہاری گردنوں سے جہالت کا جوا اتار پھینکا ہے اور تم کو کفر سے نجات دی ہے اور تم کو ایک دوسرے کا بھائی بنادیا ہے، کیا تم پچھلی جاہلیت اور کفر کی طرف لوٹ رہے ہو؟

تب مسلمانوں کو احساس ہوا، کہ یہ شیطان کا وسوسہ تھا اور انکے دشمنوں کا مکر تھا۔ انھوں نے ہتھیار پھینک دیۓ اور رونے لگے۔ اوس اور خزرج نے ایک دوسرے کو گلے لگایا، پھر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اطاعت اور موافقت کرتے ہوۓ چلے گۓ اور اللہ کے دشمن شاش بن قیس نے جو انکے دلوں میں عداوت کی آگ بھڑکائی تھی، اسکو اللہ تعالیٰ نے بجھادیا۔ تب اللہ تعالیٰ نے شاش بن قیس کی اس ناکام سعی کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی، کہ اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کے ایک گروہ کی اطاعت کروگے، تو وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹادینگے۔۔ الختصر۔۔ ایمان والوں کو ایمان کے دشمنوں سے ہر حال میں چوکنا رہنا چاہئے اور مکر وفریب سے اپنے کو بچاتے رہنا چاہئے، حالانکہ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے۔۔۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ

اور تم کیسے کفر کروگے حالانکہ تم ہو کہ تلاوت کی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں، اور تم میں اللہ کا رسول ہے،

وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٠١﴾

اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو، تو بے شک اس کو سیدھی راہ کی ہدایت دی گئی●

(اور) ایک سچائی ہے کہ بھلا (تم کیسے کفر کروگے حالانکہ تم ہوکہ تلاوت کی جاتی ہیں تم پر اللہ) تعالیٰ (کی آیتیں) جنکا اللہ تعالیٰ کا کلام ہونا اور جنکا معجزہ ہونا تم سب پر روشن ہے۔ گوکہ گمراہی سے بچنے کیلئے قرآن کریم کی ہدایت کا پاس ولحاظ رکھنا ہی کافی ہے، لیکن تم پر اللہ تعالیٰ کی یہ نوازش (اور) اسکا فضل عظیم ہے کہ (تم میں اللہ کا رسول ہے) جس کی ذات مقدسہ پر دن رات انواع واقسام کے معجزات ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور ان معجزات کو دیکھتے ہوئے کوئی صاحب عقل اور صاحب انصاف، رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے روگردانی نہیں کرسکتا۔

عہد رسالت کے بعد والے مسلمان بھی تنہا نہیں۔ آسمانی صحیفۂ ہدایت، قرآن کریم کی شکل میں انکے پاس موجود ہے۔۔یوں۔۔رسول کریم کے اقوال وافعال واحوال کا مکمل اور مستند سرمایہ، سنت رسول کی صورت میں انکے پاس موجود ہے۔۔الغرض۔۔کتاب وسنت کے ارشادات سے انکی مخلصانہ وابستگی اور ان دونوں کی پرخلوص پیروی، انھیں انشاء المولیٰ تعالیٰ کبھی بھٹکنے نہ دے گی۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (جومضبوط پکڑے اللہ) تعالیٰ کی رسی، قرآن کریم وسنت محمدی (کو، تو بیشک اسکو سیدھی راہ کی ہدایت) دے (دی گئی) اور وہ کسی کے مکروفریب کا شکار ہونے والا نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اہل کتاب کی گمراہ کرنے کی کوشش سے خبردار کردینے کے بعد تمام عبادات اور جملہ خیرات کے جامع احکام کو ظاہر فرمادیا، جن میں پہلا حکم یہ ہے کہ۔۔۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ

اے ایمان والو! اللہ کو ڈرو، جو اس سے ڈرنے کا حق ہے،

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور مت مرو مگر اس حال میں کہ تم لوگ مسلمان ہو●

[redacted] ڈرنے کا حق ہے) یعنی اسکی اطاعت کرو، نافرمانی نہ کرو۔۔۔اسے یادرکھو فراموش نہ کردو۔۔۔اسکا شکر ادا کرتے رہو، ناشکری نہ کرو۔۔۔اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کی صورت میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال نہ کرو، ہر حال میں عدل وانصاف قائم رکھو، خواہ تمہارا فیصلہ تمہارے ماں باپ، آل اولاد، بھائی برادر کے خلاف ہو

۔۔الغرض۔۔حق بات کہنے میں کسی کی پرواہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی اطاعت اور تمام نافرمانیوں سے اجتناب کرتے رہو۔۔المختصر۔۔تمہاری اپنی استطاعت کے مطابق خدا سے جس طرح کا ڈرنا تم پر لازم ہے، اسی طرح کا اسکا خوف دل میں قائم رکھو اور ہر حال میں اسکے اوامر ونواہی کی مخلصانہ پیروی کرتے رہو اور اسکے عذاب وعتاب سے اپنے کو بچانے کی کوشش کرتے رہو۔۔نیز۔۔کسی حال میں بھی اس سعی جمیل سے پہلوتہی، غفلت اور سستی نہ برتو۔ [illegible] قدم رہو۔

(اور مت مرو مگر اس حال میں کہ تم لوگ مسلمان ہو) [illegible] اپنی زندگی کا ہر لمحہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے [illegible] آنے والی [illegible]۔۔المختصر۔۔ہر آنے والی گھڑی کو موت کی گھڑی گمان کرتے ہوئے، اک آن کیلئے بھی اسلام سے اپنی سچی وابستگی کا رشتہ نہ توڑو۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور مضبوط پکڑ لو اللہ کی رسی سب کے سب، اور الگ الگ نہ ہو۔ اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو

اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ

جب کہ تم باہم دشمن تھے، تو الفت پیدا کی تمہارے دلوں میں، تو ہو گئے تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی۔

وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ

اور تھے تم کنارے پر ایک غار جہنم کے، تو نکالا تم کو اس سے۔

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ ۱۰۳

اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں کہ اب تو ہدایت پا جاؤ●

(اور) دوسرا حکم یہ ہے [redacted]

وہ قرآن حکیم، بقول رسول کریم جسکی شان یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی مضبوط رسّی ہے، جسکے عجائبات ومعجزات نا ختم ہونے والے ہیں۔ جسکی شادابی وتازگی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ جسکی بکثرت تلاوت سے کسی طرح کی اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔ سچا وہی ہے، جو قرآن

کریم کی روشنی میں بات کرے اور ہدایت یافتہ وہی ہے، جو اسکے احکام پر عمل کرے۔ بیشک جس نے اسے مضبوطی سے پکڑا، وہ صراط مستقیم تک پہنچ گیا۔

۔۔یوں۔۔اطاعت محمدی جسکی شان یہ ہے کہ خود قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ بیشک قرآن کریم ایک ایسی عظیم کتاب ہے جس میں ہر شے کا واضح بیان ہے، مگر کس کیلئے؟ اس عظیم ذات کیلئے جس پر وہ نازل کیا گیا ہے۔لہٰذا قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے ساری مخلوق رسول کریم کی محتاج رہے گی۔

۔۔الغرض۔۔سید انام علیہ السلام کی متابعت کا دامن خوب مضبوط پکڑنے میں تم (سب کے سب) مجتمع رہو، (اور الگ الگ نہ ہو) دین اسلام اور سنت مصطفوی کی خدمت انجام دینے میں۔اس واسطے کہ جب تک آنحضرت ﷺ کی اتباع ظاہری و باطنی خوب مضبوطی کے ساتھ مل جل کر نہ کرو گے، منزل مقصود کی راہ نہ پاسکو گے اور مطلوب حقیقی تک نہ پہنچ سکو گے۔

اب اس سلسلے کا تیسرا حکم یہ ہے جس میں نعمتوں کو یاد کرنے کی ہدایت ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب وہ کسی کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے، تو اسکی دو وجہ ہوتی ہیں۔ایک اسکے عذاب و عتاب سے اپنے کو محفوظ رکھنے کیلئے اور دوسری اس سے ملنے والی نعمتوں کے شوق میں، اور چونکہ دفع ضرر حصول نفع پر مقدم ہے، اسلئے خوف و خشیت پر مشتمل ارشاد کو مقدم رکھا گیا ہے اور نعمتوں کے ذکر کو مؤخر کر دیا گیا۔اور ارشاد فرمایا گیا کہ۔۔۔

(اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو جبکہ تم) ایام جاہلیت میں (باہم دشمن تھے) آپس میں برابر جنگ کیا کرتے تھے، (تو) اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت و نجات کیلئے رسول کریم کو تم میں مبعوث فرما کر اور اسلام و قرآن کی دولت سے تمہیں نواز کر، تمہاری ہدایت فرمائی اور پھر اسطرح اسلام کی برکت اور رسول کی بدولت (الفت پیدا کی تمہارے دلوں میں) اپنے کھلے دشمنوں سے بھی، (تو ہو گئے تم اللہ) تعالیٰ (کے فضل) اور اسکی رحمت (سے بھائی بھائی)، بے مثال اخوت و محبت والے، حالانکہ تمہارا حال یہ تھا کہ ضلالت (اور) جہالت کے سبب (تھے تم کنارے پر ایک غار جہنم کے)۔قریب تھا کہ تم اس میں گر پڑو۔

اگر اسی حال میں تمہاری موت آتی، تو یقینی طور پر تم جہنم میں چلے جاتے، (تو) اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور (نکالا تم کو اس) جہنم کے گڈھے (سے) اور بچالیا تم کو دوزخ کی آگ میں گرنے سے۔

اور سنو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی تمہارے حال میں قدیمی نفرت اور نئی محبت، (اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارے) فائدے اور تمہاری ہدایت کے (لئے اپنی آیتیں) اور ظاہر فرماتا ہے اپنی وحدانیت کی دلیلیں، تا (کہ اب تو ہدایت) پر ثابت قدمی (پا جاؤ)، اور ادھر اُدھر بھٹکنے سے بچے رہو۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار اہل کتاب کی دو وجہ سے مذمت فرمائی تھی۔ ایک تو یہ کہ وہ خود کافر و گمراہ ہیں، اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی جدوجہد صرف اپنی ہی نجات و فلاح کیلئے مخصوص نہ رکھیں بلکہ ہدایت کی جن نعمتوں سے وہ [illegible] سارے انسانوں تک پہنچانے کی سعی جمیل کریں۔ خود بھی ہدایت پر قائم رہیں اور دوسروں کو بھی ہدایت پر لانے کی کوشش کرتے رہیں۔

رحمۃ للعالمین کی امت کو ساری انسانیت کیلئے رحمت بنانے اور ایک ایسی امت ہونا ہے جو دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، کرنے والی ہو۔ ہر فرد مسلم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ان کاموں کو انجام دے، مگر چونکہ یہ بات اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے کہ ہر فرد میں دعوت و تبلیغ کی صلاحیت نہیں، اسلئے کہ دعوت و تبلیغ کے بھی کچھ لازمی آداب و شرائط ہیں جنکے بغیر یہ فریضہ صحیح طور پر ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ بے صلاحیت افراد کو عقلاً اور شرعاً حق نہیں، کہ وہ مسند دعوت و تبلیغ کے تقدس کو پامال کریں۔ انکی دعوتی و تبلیغی کوششوں سے صرف منفی اثرات ہی مرتب ہونگے۔

دعوت و تبلیغ ایک مہتم بالشان کام ہے اور اسطرح کے اہتمامی امور کو علماءِ کرام ہی انجام دے سکتے ہیں، کیونکہ عالم دین کو مراتب احتساب و کیفیت ادائے تبلیغ معلوم ہوتے ہیں۔۔نیز۔۔وہ خوب سمجھتے ہیں کہ خیر کیا؟ شر کیا ہے؟ عقلاً و شرعاً معروف کیا ہے؟ اور منکر کیا ہے؟ کس وقت کس سے نرم گفتگو کی جائے؟ اور کس وقت سخت لب و لہجہ اختیار کیا جائے؟۔۔الغرض۔۔مختلف حالات میں کیا کیا حکمت تبلیغ اپنائی جائے، یہ صاحب فراست عالم دین ہی کے سمجھنے کی چیز ہے۔

ہر دور میں صرف تین قسم کے لوگ ہی یہ فریضہ بحسن و خوبی ادا کرتے رہے:

﴿۱﴾۔۔سلطان اسلام

﴿۲﴾۔۔ مامور من السلطنت: یعنی سلطان اسلام اس کام کیلئے جسکو مامور فرمادیں، اور وہ لوگ بھی کوئی بے علم نہیں ہوا کرتے تھے، بلکہ صاحب علم اور صاحب فراست ہوا کرتے تھے۔

﴿۳﴾۔۔ مامور من اللہ: یعنی علماء اور اولیاء۔۔ نیز۔۔ مجاہدین اسلام جنھیں خود رب تعالیٰ نے دعوت الی الحق اور اعلاء کلمۃ الحق کے فریضے کی ادائیگی پر مامور فرمایا ہے۔ علماء اپنے اقوال سے، اولیاء اپنے کردار سے، اور مجاہدین اپنی تلوار سے، دین حق اور صراط مستقیم کی دعوت دیتے رہے۔

یہ دور ایسا ہے کہ ہم جہاں ہیں وہاں کوئی حاکم اسلام نہیں اور جب اسلامی حکومت ہی نہیں، تو پھر مامور من السلطنت کے ہونے کا کیا سوال۔ اب صرف مامور من اللہ، یعنی علماء واولیاء ہی رہ گئے، جو اس فریضے کے ادا کرنے کے اہل ہیں، لہٰذا انہیں کو یہ فریضہ ادا کرنا ہے۔ اب اگر انکے سوا کوئی دعوت وتبلیغ کا کام انجام دیتا ہے، تو اسکے لئے ارشادِ رسول میں 'مختال' کا لفظ استعمال کیا گیا، جسکا معنی ہے 'متکبر'، یعنی اپنی بڑائی چاہنے والا اور 'طالب ریاست' یعنی اپنی امارت وقیادت کا خواہشمند۔

اس مقام پر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب سب اس کام کی صلاحیت نہیں رکھتے، تو پھر اسے پوری امت مسلمہ کا فرض کیوں قرار دیا گیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کا کام ساری امت کیلئے نماز روزے کی طرح 'فرض عین' نہیں کہ ہر ہر فرد پر اسکی ادائیگی لازم ہوجائے۔۔ بلکہ۔۔ 'فرض کفایہ' ہے۔ اب اگر امت محمدیہ کے بعض باصلاحیت افراد اس فرض کو ادا کردیتے ہیں، تو ساری امت سبکدوش ہوجاتی ہے۔ اور اگر خدانخواستہ کسی نے بھی اس فرض کو ادا نہ کیا، تو ساری امت گنہگار قرار پاتی ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور تمہاری ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بلائیں بھلائی کی طرف اور حکم دیں نیکی کا،

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

اور روکیں برائی سے۔ اور وہی کامیاب لوگ ہیں●

(اور) سب کو ہی بارگاہِ الٰہی میں اسکے تعلق سے جوابدہ ہونا پڑے گا۔۔ الحاصل۔۔ اے مسلمانو! [redacted]

ہونا قرآن وسنت سے [redacted]

(اور روکیں برائی سے) [redacted] ، تو سن لو (اور) یاد رکھو کہ (وہی کامیاب لوگ ہیں)۔

اور وہ کیوں نہ کامیاب ہوں، جبکہ خود سرکار نے فرمایا ہے کہ 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کرنے والا زمین پر اللہ ورسول کا اور کتاب الٰہی کا خلیفہ ہے۔ بقول مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہ الکریم 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' سب سے افضل جہاد ہے۔ تو اے مسلمانو!۔۔۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ

اور مت ہو ان کی طرح جو الگ الگ ہوگئے اور جھگڑ پڑے، بعد اس کے کہ آچکی تھیں

مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٥﴾

ان کے پاس کھلی نشانیاں۔ اور وہی ہیں جنکے لیے بڑا عذاب ہے●

اپنے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو (اور مت ہو) جاؤ (ان) یہودیوں اور نصرانیوں (کی طرح، جو الگ الگ ہوگئے) یعنی مختلف فرقوں میں بٹ گئے، ہر فرقہ دوسرے فرقے کو اپنا دشمن سمجھتا رہا۔ (اور جھگڑ پڑے) یعنی اختلاف کیا اپنے دین میں یہود نے حضرت موسیٰ کے وصال کے پانچ سو برس کے بعد۔۔۔ یونہی۔۔۔ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھ جانے کے تین سو برس کے بعد، اور یہ سارے اختلافات (بعد اسکے کہ آچکی تھیں انکے پاس کھلی نشانیاں)، واضح دلیلیں اور ہدایت انکی کتابوں میں، (اور وہی) مخالف ومتفرق لوگ (ہیں، جن کیلئے بڑا عذاب ہے)۔

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ

جس دن کہ گورے ہونگے کچھ چہرے، اور کالے ہونگے کچھ منہ۔ تو جن کے منہ کالے ہیں۔۔۔

أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾

کیا تم نے کفر کیا تھا ایمان لانے کے بعد؟ تو چکھو عذاب، بدلہ اس کا جو کفر کرتے تھے●

اس دن (جس دن کہ گورے) روشن وتابناک (ہونگے کچھ چہرے) انکے ایمان کے نور سے

(اور کالے) سیاہ فام کریہہ المنظر (ہونگے کچھ منہ) کفر کی تاریکی کے سبب، (تو جنکے منہ کالے ہیں) خواہ وہ عام کفار ہوں یا منافقین ۔۔یا۔۔ کفار اہل کتاب، ان سب سے بطور ملامت کہا جائیگا، جسکا مقصد انکو مزید دکھ پہنچانا اور رسوا کرنا ہوگا، کہ اے کافرو! (کیا تم نے کفر کیا تھا) یوم میثاق میں (ایمان لانے کے بعد)۔۔یا۔۔ اے منافقو! کیا تم نے اپنے دلوں میں انکار کیا تھا، بظاہر زبانوں سے ایمان کا اقرار کرنے کے بعد۔۔یا۔۔ اے کتابیو! کیا تم نے نبی آخر الزماں کی تکذیب کی تھی انکے ظہور سے پہلے انکا مکمل اعتراف کر لینے کے بعد؟ (تو چکھو) جہنم کا (عذاب، بدلہ) نتیجہ وثمرہ (اسکا جو کفر کرتے تھے) اور نبی برحق کی اطاعت سے روگردانی کرتے تھے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور وہ جن کے چہرے گورے ہوگئے، وہ اللہ کی رحمت میں ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(اور وہ) ایمان صحیح اور عمل صالح ۔۔الغرض۔۔ اپنے نبی علیہ السلام کی پرخلوص غلامی کے نتیجے میں (جنکے چہرے گورے) روشن وتابناک (ہوگئے)، تو (وہ) جنت میں (اللہ) تعالیٰ (کی رحمت) کے سائے (میں ہیں) اور (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں) نہ وہ اس سے کبھی نکالے جائینگے اور نہ ہی ان پر کبھی موت طاری ہوگی۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم جس کو پڑھتے ہیں تم پر بالکل ٹھیک۔ اور اللہ نہیں چاہتا ظلم اہل دنیا پر●

(یہ) ارشادات جن میں نیک لوگوں کو نعمتوں سے نوازنے اور کفار کو عذاب میں مبتلا کیے جانے کا بیان ہے، (اللہ) تعالیٰ (کی آیتیں ہیں کہ ہم جس کو) اے محبوب! جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے سناتے ہیں تم کو، اور بالواسطہ (پڑھتے ہیں تم پر)، وہ (بالکل ٹھیک) حق وعدل سے ملی ہوئی ہیں، اور حق وعدل سے ملانے والی ہیں۔

۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں عدل ہی عدل ہے۔ اسکے فیصلوں میں جور وستم کا شائبہ بھی نہیں، کہ کسی نیک کی نیکی میں کمی کردے ۔۔یا۔۔ مجرم کی سزا میں زیادتی فرمادے ۔۔یا۔۔ کسی غیر مجرم کو مجرمانہ سزا دے، بلکہ ہر ایک کو اسکے حق کے مطابق جزا وسزا دیتا ہے۔ جیسے اعمال ہونگے، ویسے ہی وعدہ ۔۔یا۔۔ وعید ہونگے۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں چاہتا ظلم اہل دنیا پر)۔
اب اگر ظلم کا معنی یہ لے لیا جائے کہ شئے کو غیر محل میں استعمال کرنا، تو اسکی دونوں صورتیں یعنی مستحق کو استحقاق سے مانع ہونا۔۔یا۔۔ ممنوع امر کو محل عمل میں لانا، خدا کی ذات کیلئے غیر متصور ہیں۔ اور اگر ظلم کا معنی یہ لیا جائے کہ غیر کی ملکیت میں تصرف کرنا، تو یہ بھی خدائے عزوجل کی ذات سے کیسے ممکن ہوسکتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف رجوع کرائے جاتے ہیں سارے کام●

(اور) اسکی بھی اسکی ذات سے کیسے گنجائش نکل سکتی ہے، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے)۔

۔۔الغرض۔۔ وہ اکیلا ہی تمام آسمانی زمینی اشیاء کا مالک ہے، کوئی بھی اسکا ان میں شریک نہیں، کیونکہ تمام املاک کی ملکیت 'ملکا وخلقا' اس سے مختص ہیں۔ زندگی اور موت دینے میں۔۔یونہی۔۔ ثواب وعذاب دینے میں، وہی واحد مالک ہے۔ دنیا میں تو تدبیر کے لحاظ سے ہر شئے کسی نہ کسی کے مِلک میں ضرور تھی اور خدائے کریم نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت دنیا والوں کو بھی، بعض چیزوں پر تصرف کا حق دیکر انھیں مجازی طور پر ایک متعینہ وقت تک کیلئے مالک بنادیا تھا۔ مگر۔۔ دنیا میں یہ ہونے والے سارے امور مٹادیئے جائینگے ۔۔پھر۔۔ بعد ہلاکت اس کی طرف جائینگے۔

تو جان لو (اور) اس حقیقت کو یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ کی قضا اور اسکے حکم (ہی کی طرف) نہ کہ اسکے غیر کی طرف، کہ کسی کو اسکے ساتھ شرکت ہو یا کسی دوسرے کو استقلالاً ملکیت حاصل ہو (رجوع کرائے جاتے ہیں) لوٹا دیئے جائینگے (سارے کام)، تو وہ جسے چاہے عزت سے سرفراز کرے اور جسے چاہے ذلیل فرمادے، جسکو چاہے ہدایت بخشے اور جسکو چاہے، گمراہ رہنے دے۔

سابقہ ارشادات میں مومنین کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کرنے کے بعد اب مومنین کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ تم اپنی اس فضیلت کو ضائع نہ کرو، جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے تمہیں حاصل ہے۔۔المختصر۔۔ اپنی سیرت محمودہ کو زائل ہونے سے بچاتے رہو۔ غور کرو کہ اللہ کے فضل وکرم سے تمہاری کیا شان ہے۔ ہر جگہ تمہارا ذکر خیر ملتا ہے، اور صرف علم

خداوندی ہی میں نہیں، بلکہ لوحِ محفوظ، انبیاء سابقین پر نازل فرمودہ کتابوں، اور صحیفوں، اور پہلی امتوں کے تذکروں میں۔۔۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

تم ان ساری امتوں میں بہتر ہو جو لوگوں کیلئے ظاہر ہوئیں، کہ بھلائی کا تو تم حکم دو

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۗ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ

اور برائی سے روکو، اور اللہ پر یقین رکھو۔ اور اگر ایمان لے آتے اہل کتاب، تو ضرور

خَيْرًا لَّهُمْ ۗ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ان کے لیے بہتر تھا۔ ان میں کچھ ایمان لانے والے ہوئے اور ان کے زیادہ لوگ سب نافرمان ہیں●

(تم ان ساری امتوں میں بہتر ہو، جو) غیب کے خلوت خانہ سے **(لوگوں کیلئے ظاہر ہوئیں)** 'خیر الانبیاء' کی ذات پاک سے نسبت غلامی نے تم کو 'خیر الامم'، تمہارے دین کو 'خیر الادیان'، تمہارے لئے نازل شدہ کتاب کو 'خیر الکتب' اور تمہارے زمانے کو 'خیر القرون' بنادیا۔ تو تمہارے 'خیر الامم' ہونے کی ایک سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ تم 'خیر الانبیاء' کے امتی ہو، اور دوسری اہم وجہ یہ ہے کہ تم اپنے نبی علیہ السلام کی نیابت و وراثت کا فریضہ ادا کرتے ہو۔

---چنانچہ---تمہاری شان یہ ہے **(کہ بھلائی کا تو تم حکم دو اور برائی سے روکو اور اللہ)** تعالیٰ **(پر یقین رکھو)** اور ایمان باللہ پر تاحیات ثابت قدم رہو---الغرض---ایمان کی سلامتی کے ساتھ ایمان اور طاعت رسول کی دعوت دیتے رہنا، اور کفر و ممنوعات سے روکتے رہنا ہی، تمہیں دوسری ساری امتوں سے ممتاز کرتا ہے اور تمہیں 'خیر الامم' قرار دیتا ہے، اسلئے کہ دوسری امتیں ان خصوصیات کی حامل نہیں تھیں۔

چونکہ دعوت الی اللہ، 'امر بالمعروف' اور 'نہی عن المنکر' کا تعلق 'حقوق العباد' سے ہے، اسلئے کہ اسکا رشتہ بندوں کی صلاح و فلاح اور انکی دنیا و آخرت کی کامیابی اور فیروز بختی سے ہے۔ اسی لئے ذکر میں اسکو مقدم رکھا اور ایمان کے ذکر کو مؤخر کر دیا، حالانکہ ایمان ہر نیک عمل پر مقدم ہے۔ اسکے باوجود اسکو ذکر میں مؤخر کرنا شاید اسلئے ہو، کہ ایمان کا تعلق حقوق اللہ سے ہے جس سے بندے کی خود اپنی صلاح و فلاح اور نجات و مغفرت وابستہ ہے۔ بخلاف دعوت

وتبلیغ کے، جس سے سارے انسانوں کیلئے ہدایت ونجات کے راستے کھلتے ہیں۔
اے ایمان والو! تم جیسے مومنین (اور) مخلصین کی طرح (اگر ایمان لے آتے اہل کتاب) محمد عربی ﷺ پر اور دل کی سچائی کے ساتھ انھیں مان جاتے، (تو ضرور ان کیلئے بہتر تھا)۔
انھوں نے اپنی ریاست وامارت کو برقرار رکھنے کیلئے، جاہل عوام کو اپنے پیچھے چلانے کیلئے، دین اسلام پر اپنے دین کو ترجیح دی، لیکن اگر ایسا ہوتا کہ وہ ایمان لاکر اسلام قبول کر لیتے، تو انکا یہ عمل انکی مطلوبہ ریاست، اتباع عوام، اور دنیاوی آسائش حیات سے جنکے لئے انھوں نے دین باطل کو اپنا رکھا' بہتر ہوتا۔ اسلئے کہ ایمان لے آنے کی صورت میں عظیم الشان کامیابی انھیں حاصل ہوتی اور وہ دگنے اجر کے مستحق قرار پاتے۔ ایک خود اپنے نبی برحق پر ایمان لانے کا، دوسرے نبی آخرالزماں پر ایمان لانے کا۔
ایسا بھی نہیں کہ سارے اہل کتاب نے ایمان لانے سے انکار کر دیا، بلکہ (ان میں) حضرت عبداللہ ابن سلام اور انکے اصحاب کی طرح (کچھ ایمان لانے والے ہوئے)، اگر چہ یہ بھی صحیح (اور) درست ہے کہ (انکے زیادہ لوگ سب) اپنے کفر میں بے پناہ سرکش و (نافرمان ہیں)۔ مگر مسلمانو! تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔۔۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

یہ لوگ تم لوگوں کا کوئی نقصان نہ کرسکیں گے مگر بس ستانا، اور اگر لڑیں تم سے تو پھیر لیں گے تم سے پیٹھ۔۔ پھر کوئی مدد نہ دیئے جائینگے●

یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہ پائینگے۔۔ نیز۔۔ (یہ لوگ تم لوگوں کا کوئی نقصان نہ کرسکیں گے، مگر بس ستانا)۔ کبھی تم کو کفر کی دعوت دیکر رنج دینگے، کبھی کسی مسلمان پر بہتان باندھیں گے اور کبھی ایمان والوں کو قتال سے ڈرائینگے۔۔ الغرض۔۔ زبانی تیر ونشتر چلانے کے سوا یہ کچھ نہ کرسکیں گے۔ انکی کم ہمتی (اور) بزدلی کا عالم یہ ہوگا کہ (اگر) بالفرض (لڑ) پڑ (یں) یہ (تم سے تو) اسکے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا ان کیلئے کہ (پھیر لینگے تم سے) اپنی (پیٹھ) اور فرار ہو جائینگے اور پھر شکست کے بعد (پھر کوئی مدد نہ دیئے جائینگے)۔ نہ مخلوق انکی یار ہوگی اور نہ حق تعالیٰ مددگار ہوگا۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ

سوار کر دی گئی ان پر ذلت غلامی جہاں بھی رہیں، مگر یہ کہ تھام لیں رسی اللہ کی،

وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ

اور لوگوں کی رسی، اور لوٹ گئے وہ اللہ کے غضب میں، اور چھاپ دی گئی ان پر بے مسکنی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ

یہ اس لیے کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ کی آیتوں کا، اور شہید کرتے تھے پیغمبروں کو

بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

ناحق۔ یہ سزا ہے انکی جو نافرمانی کی اور سرکشی کرتے تھے●

(سوار کردی گئی) ہے (ان پر ذلت غلامی)، اسطرح کہ ہرگز ان سے جدا ہی نہ ہو، اور یہ ذلت یہ ہے کہ ہمیشہ جزیہ دیتے رہیں اور اسکے بغیر کہیں رہ نہ سکیں۔۔۔الغرض۔۔ (جہاں بھی رہیں) یہ ذلت انکے ساتھ ہوگی، (مگر یہ کہ تھام لیں رسّی اللہ) تعالیٰ (کی) اور جزیہ ادا کرنے کا عہد کرلیں (اور) تھام لیں اذن الٰہی کے بعد فیصلہ کرنے والے (لوگوں کی رسّی)، یعنی مسلمانوں سے جو عہد ہوجائے، اس پر قائم رہیں اور مسلمانوں کی سیاسی ماتحتی میں رہیں اور جزیہ وغیرہ ادا کرتے رہیں، مسلمانوں کے سامنے کبھی سر اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔۔۔

جزیہ لینا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، تو اسکو قبول کرلینا گویا اللہ تعالیٰ کی رسّی کو تھام لینا ہے۔۔ مگر۔۔کس پر کتنا جزیہ نافذ کیا جائے۔۔یا۔۔کسی حکمت ومصلحت کے پیش نظر کس کو رعایت دیدی جائے، اسکا فیصلہ حاکم وقت اپنی صوابدید پر کریگا۔ جسکا اسے اذن الٰہی حاصل ہے۔۔ الحاصل۔۔حاکمان وقت سے اس سلسلے میں جو عہد کیا جائیگا، اس عہد کو قبول کرلینا گویا لوگوں کی رسّی کو تھام لینا ہے۔۔الغرض۔۔'حبل اللہ' اور 'حبل الناس' میں صرف اعتباری فرق ہے، حقیقت میں دونوں ایک ہی ہیں۔

اس مقام پر اس ناچیز کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ 'اللہ کی رسّی' سے اسلامی حکومت کی سیاسی ماتحتی قبول کرکے جزیہ ادا کرتے رہنا مراد لیا جائے، اور 'لوگوں کی رسّی' سے غیر اسلامی حکومت کو مستقل طور پر اپنا پشت پناہ قرار دینا اور انکی غلامی اور انکی مدد کے بغیر اپنی حکومت، سلطنت قائم کرنے اور پھر اسکے قائم رکھنے کی طاقت سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم رہنا مراد لیا جائے، جیسا کہ آج کل عہد حاضر کے یہودیوں کا حال ہے، کہ اگر آج امریکہ اور دوسری طاغوتی طاقتیں ان کو سہارا دینا چھوڑ دیں تو یہ یا تو صفحۂ ہستی سے فنا کردیئے جائیں۔۔یا۔۔ان

کیلئے مجبور و مقہور ہو کر دوسروں کا طوق غلامی گلے میں پہن کر رہنے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہ جائے۔ میری اس ذکر کردہ توجیہہ پر 'حبل اللہ' اور 'حبل الناس' میں فرق 'اعتباری' نہیں رہ جاتا، بلکہ 'حقیقی' ہو جاتا ہے۔

۔۔الغرض۔۔ذلت و دائمی رسوائی کی ان پر چھاپ لگادی گئی (اور لوٹ گئے وہ اللہ) تعالیٰ (کے غضب میں)، اپنے کو عذاب الٰہی کا مستحق بنالیا (اور) پھر (چھاپ دی گئی ان پر بے مسکنی) در بدر پھرنا انکا مقدر بنادیا گیا۔

اپنے بل بوتے پر یہودی ریاست قائم کرنا انکے بس کی بات نہ رہی۔ وہ کرۂ ارض پر ہر خطہ میں ذلیل و خوار ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس زمانہ میں انگلینڈ، امریکہ اور روس نے باہمی اشتراک سے فلسطین میں اسرائیل کے نام سے ایک یہودی ریاست قائم کردی ہے اور آج کل امریکہ انکا پشت پناہ ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ کی مدد نے انکو ایٹمی قوت والا بنادیا ہے مگر۔۔باایں ہمہ۔۔فقر و محتاجی اور ذلت و رسوائی کی قدرتی چھاپ ان پر لگ گئی ہے۔ ان کے نشانات انکے چہروں سے اور انکے حالات سے صاف ظاہر ہیں۔

مال و دولت رکھنے کے باوجود، وہ فقیرانہ صورت ہی میں نظر آتے ہیں اور خود بھی اپنے کو محتاج اور مسکین ہی سمجھتے ہیں، جبھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لینے کی فکر میں رہتے ہیں اور ہر وقت خوف و ہراس کے عالم میں رہتے ہیں، کہ اگر ان سہارا دینے والوں نے اپنا سہارا ہٹالیا اور انکا دست تعاون ہمارے سروں سے اٹھ گیا، تو ہم اپنا غاصبانہ قبضہ کیسے بچا سکیں گے، اور پھر اس وقت در بدر کی ٹھوکر کھانے کے سوا، ہمارے لئے کوئی اور چارۂ کار نہ ہوگا۔ اسی مذکورہ بالا خدائی چھاپ کا اثر ہے کہ یہودی اکثر مسکینی میں گزارتے ہیں، اب خواہ وہ نفس الامر میں مسکین ہوں۔۔یا۔۔اپنے کو مسکین ظاہر کرنے کی عادت ہو۔

(یہ) ذلت و رسوائی اور در بدری و بے مسکنی (اسلئے) ہے، کیوں (کہ وہ انکار کرتے تھے اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا) جو آیتیں حضور نبی پاک ﷺ کی نبوت پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں، بلکہ تمام آیاتِ الٰہیہ میں تحریف کرتے ہیں (اور) انکے مورثین (شہید کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق)۔

حیرت و تعجب کی بات تو یہ ہے کہ علماءِ یہود بھی اسکو ناحق ہی سمجھتے تھے، مگر بغض و حسد اور خبث باطنی کے سبب اپنی قوم کے جاہلوں کو اس کام کیلئے ورغلا کر ان سے اسطرح کے کام انجام دلاتے تھے۔ انھوں نے اپنی عوام کو سمجھا دیا تھا کہ انبیاء کرام کو شہید کر دینا، ان پر واجب

ہے۔ عہد حاضر کے یہودیوں سے اگر چہ یہ امر شنیع سرزد نہیں ہوا، مگر چونکہ یہ لوگ اپنے مورثین کے اس کام کو حق و صحیح سمجھتے ہیں، تو یہ بھی اسی لعنت و ملامت اور عذاب و رسوائی کے مستحق ہوئے جو انکے مورثین کیلئے مقدر کردی گئی تھی۔ اسلئے کہ اگر یہ بھی اس دور میں ہوتے، تو وہی کرتے جو ان کے مورثین نے کیا۔

یہ کفر اور قتل انبیاء علیہم السلام جیسے افعال قبیحہ ان سے اسلئے سرزد ہوئے، کہ ان لوگوں نے نافرمانی اور اللہ تعالیٰ کے حدود سے تجاوز کرنے کی اپنی عادت بنالی تھی۔ ظاہر ہے کہ چھوٹا گناہ لاشعوری طور پر بڑے گناہ کی طرف لیجاتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔۔ جو شخص صغیرہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے، اور اس پر مداومت کرتا ہے، تو اسکے قلب پر رفتہ رفتہ گناہوں کی ظلمتیں ہجوم کرنے لگتی ہیں اور اسکے دل کا نور آہستہ آہستہ بجھتا رہتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد اسکے قلب سے نور ایمان چھن جاتا ہے اور اس پر کفر کی ظلمتیں چھا جاتی ہیں۔۔ الحاصل۔۔ گناہِ صغیرہ پر اصرار کبیرہ ہو جاتا ہے اور کبیرہ پر مداومت کرنے سے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ بعض عارفین کا کہنا ہے کہ جس شخص کو مستحبات کے ترک کرنے کی عادت ہوتی ہے اس سے لامحالہ سنتیں چھوٹنے لگتی ہیں، اور جب سنتوں کے ترک کی عادت پڑ جاتی ہے، تو اس سے فرائض کے چھوٹنے کے امکانات پیدا ہو جاتے ہیں، اور پھر جب فرائض کے ترک کی عادت بن جاتی ہے، تو ایسا شخص شرعی امور کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، اور پھر جس سے شریعت کے امور کی حقارت سرزد ہوتی ہے، اسکی کفر تک نوبت پہنچتی ہے۔

۔۔ الغرض۔۔ کسی گناہ کو چھوٹا سمجھ کر کرنا نہیں چاہئے اور کسی نیکی کو چھوٹی سمجھ کر چھوڑنا نہیں چاہئے۔ چھوٹے گناہ بڑے بڑے گناہوں تک پہنچادیتے ہیں۔۔ یونہی۔۔ چھوٹی نیکیاں بڑی بڑی نیکیوں تک پہنچنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ حضرت مترجم قدس سرہ کے ارشاد کے مطابق۔۔۔

(یہ) یعنی مذکورہ بالا ذلت و مسکنت اور رسوائی و محتاجی دنیا ہی میں (سزا ہے انکی، جو نافرمانی کی اور سرکشی کرتے تھے)۔

حضرت مترجم قدس سرہ نے یہ پہلو شاید اسلئے اختیار کیا ہو، کہ انکی بے راہ روی، کفر و قتل انبیاء کا ایک امکانی سبب تو ہوسکتا ہے، لیکن لازمی سبب نہیں۔ اسکے برخلاف انکا کفر و قتل انبیاء بطور سزا انکی ذلت و رسوائی کا یقینی اور لازمی سبب ہے۔۔۔ اس مقام پر یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ سارے ہی اہل کتاب ایسے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ۔۔۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ

سب برابر نہیں ہیں، کہ اہل کتاب ہی میں ایک وہ کمر بستہ جماعت ہے جو تلاوت کریں اللہ کی آیتوں کی

اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

رات کی گھڑیوں میں، اور وہ سجدہ کریں●

(سب برابر نہیں ہیں)، کیوں (کہ اہل کتاب ہی میں ایک وہ) دین حق پر قائم رہتے ہوئے اعمال صالحہ انجام دینے کیلئے (کمر بستہ جماعت ہے)۔۔مثلاً: حضرت عبداللہ ابن سلام اور انکے اصحاب، نجران کے چالیس[۴۰] آدمی، حبشہ کے بتیس[۳۲] اور روم کے آٹھ[۸] لوگ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے، اور پھر آخری نبی ﷺ پر بھی ایمان لائے اور شریعت محمدیہ اور قرآنی احکام کی تعلیم حاصل کی، اور (جو تلاوت کریں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی) یعنی قرآنِ کریم کی (رات کی گھڑیوں میں)، مغرب وعشاء کے درمیان ۔۔یا۔۔ رات کو عشاء کی نماز میں جو صرف دین اسلام ہی میں ہے دوسرے دینوں میں نہیں، قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں (اور وہ) اُسی نماز میں قیام ورکوع کے ساتھ خشوع وخضوع کے ساتھ (سجدہ) بھی (کریں)۔۔الغرض۔۔وہ پکے عبادت گزار ہیں۔اور انکی شان یہ ہے کہ:۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

مانیں اللہ کو اور پچھلے دن کو، اور حکم دیں نیکی کا اور روکیں

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

برائی سے، اور تیزی کریں نیک کاموں میں۔ اور وہی لوگ نیکوکار ہیں●

وہ (مانیں اللہ) تعالیٰ (کو) جیسا ماننے کا حق ہے (اور) مانیں (پچھلے دن) یوم آخرت (کو) شریعت اسلامیہ کی ہدایت کے مطابق، نہ کہ کفار یہود کی طرح، کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان کا دعویٰ تو کرتے ہیں، مگر انکے ایمان کا حال یہ ہے کہ وہ حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور بعض نبیوں اور کتابوں کو بھی نہیں مانتے ۔۔یونہی۔۔ یوم آخرت کا مفہوم بھی کچھ ایسا ظاہر کرتے ہیں، جو اسلامی نقطۂ نظر کے خلاف ہے۔اس صورت میں انکا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانا، نہ لانے کے برابر ہے۔ (اور) انکی شان یہ ہے کہ وہ (حکم دیں نیکی کا اور روکیں برائی سے)۔

کفار یہود کا حال بالکل اسکے برعکس ہے، کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، انھیں سیدھے راستے سے روکتے ہیں۔۔الغرض۔۔ برائی کا حکم دیتے ہیں اور اچھائی سے روکتے ہیں، پھر ان یہودیوں کا معاملہ ایمان والوں کی طرح کیسے ہوسکتا ہے؟

(اور) یہ وہ لوگ ہیں جو (تیزی کریں نیک کاموں میں)، چونکہ انھیں نیک کام انجام دینے کی کمال درجہ کی رغبت ہے، تو ہر کام کا جو صحیح وقت ہوتا ہے، اسی وقت اسکو انجام دینے میں تیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کسی طرح کی سستی اور غفلت کو قریب نہیں آنے دیتے۔۔ہاں۔۔ یہ ضرور ہے کہ وہ کسی کام کو انجام دینے میں ناپسندیدہ اور ممنوع عجلت سے کام نہیں لیتے اور جس نیک کام کا وقت مؤخر ہوتا ہے اسکو اسکے وقت سے پہلے نہیں انجام دے لیتے۔

ذہن نشین رہے کہ جس کام کو مؤخر کرنا چاہئے، اگر اس کو مقدم کردیا جائے تو یہ ہے وہ 'عجلت' جو ممنوع اور ناپسندیدہ ہے، اسکے برعکس جس کام کو پہلے کرنا چاہئے، اسکو پہلے کیا جائے، یہ ہے 'سرعت' جو ممدوح و پسندیدہ ہے۔

[redacted] ساتھ ہروقت نیکی کے امور [redacted] برخلاف۔۔۔یہودیوں کے، جو نیکی کا کام انجام دینے میں کوئی رغبت نہیں رکھتے اور اگر کسی میں اسکی رغبت ہو بھی، تو وہ اسکے حصول اور اسکو انجام دینے میں کافی سست رفتاری اور بے دلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ رہ گیا شر پھیلانے کا معاملہ، تو اس میں سارے یہودی استاد نظر آتے ہیں، جن میں ہر ایک اپنے غیر پر سبقت لیجانے کی پوری جدوجہد کرتا ہے۔۔۔ الحاصل۔۔۔ جو مذکورہ بالا اوصاف حمیدہ **(اور)** صفات محمودہ والے ہیں، **(وہی لوگ نیکوکار ہیں)**، جنکے احوال اللہ تعالیٰ کے یہاں صلاحیت سے مزین اور اسکی رضا و ثنا کے مستحق ہیں۔

وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٥﴾

یہ لوگ جو بھلائی کریں تو ہرگز اس سے محروم نہ کیے جائیں گے، اور اللہ پرہیزگاروں کو جاننے والا ہے●

اور انکی یہ شان ہے کہ **(یہ لوگ جو بھلائی کریں، تو ہرگز اس سے محروم نہ کیے جائینگے)** انکے نیک اعمال کی ناقدری ہرگز نہ کی جائیگی۔ یعنی ان لوگوں کو انکے نیک اعمال کی جزا سے ہرگز محروم نہ کیا جائیگا۔ نہ تو ایسا ہوگا کہ انھیں انکے نیک اعمال کی جزا ہی نہ دی جائے، اور نہ یہی ہوگا کہ ثواب ملے، مگر کم ملے۔ اللہ تعالیٰ شاکر ہے یعنی نیکیوں کی جزا عطا فرمانے والا ہے۔

جب شکر نیکی کی جزا دینے کا نام ہے تو اسکے مقابل میں کفر اس جزا کو نہ دینے کا نام ہوا۔
چونکہ کفر کا معنی چھپانے کے بھی ہیں، تو اب نیکی کی جزا نہ دینا اسکے چھپانے کے مترادف ہوا۔
تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ایسا نہیں کریگا (اور) نیکو کاروں کو کبھی بھی ثواب سے محروم نہیں فرمائیگا۔ کیونکہ (اللہ) تعالیٰ (پرہیزگاروں کو) اچھی طرح (جاننے والا ہے) اسکی بارگاہ میں لاعلمی کا گزر نہیں، لہٰذا جو جتنے ثواب کا بفضلہٖ تعالیٰ مستحق ہے وہ ثواب اسکو انشاء المولیٰ تعالیٰ ملنے والا ہے۔
آیات سابقہ میں مومنین کے صفات بیان کر دینے کے بعد، اب ان آیتوں میں کفار کے احوال بیان فرما رہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ

بے شک جنھوں نے کفر کیا تو نہ بے پرواہ کرے گا ان کو ان کا مال، اور نہ ان کی اولاد،

مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾

اللہ سے کچھ بھی۔ اور وہی جہنم والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(بیشک) کعب ابن الاشرف، اسکے یار لوگ اور انکے سوا (جنھوں نے) بھی (کفر کیا)، قرآن کریم اور صاحب قرآن حضور ﷺ پر ایمان نہیں لائے، (تو نہ بے پرواہ کرے گا انکو انکا مال) جو بطورِ رشوت اپنے عالموں کو دیتے ہیں۔۔یا۔۔بطورِ رشوت اپنی قوم کے لوگوں سے لیتے ہیں۔۔یا۔۔حق کی آواز کو دبانے کیلئے اور باطل کو پھیلانے کیلئے اپنے پاس سے نکالتے ہیں، (اور نہ انکی اولاد)، جنکی اعانت اور امداد پر انھیں بھروسہ ہے (اللہ) تعالیٰ کے عذاب (سے کچھ بھی)۔۔الغرض۔۔مال و دولت کی کثرت کو اپنی حقانیت کی دلیل سمجھنا اور یہ سوچنا کہ مال و دولت خرچ کر کے ہم عذاب الٰہی سے بچ جائینگے، یہ انکی خام خیالی ہے۔ انھیں سمجھ لینا چاہئے (اور) بخوبی جان لینا چاہئے کہ (وہی جہنم والے ہیں)۔۔نیز۔۔(وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔ اب اگر وہ کچھ ایسے کام انجام دیں، جو بظاہر کار خیر معلوم ہوتے ہوں، تو چونکہ یہ خود ایمان والے نہیں، اور کسی عمل کا حقیقی معنوں میں نیک عمل ہونا ایمان پر موقوف ہے، تو عدم انتفاع وغیر مفید ہونے میں۔۔یا۔۔تباہ و ہلاک ہو جانے میں۔۔۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا

مثال اس کی جو خرچ کریں دنیاوی زندگی کے بارے میں جیسے ہوا، جس میں

مِّرٍّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ

پالا ہے، وہ پہنچی ایک قوم کی کھیتی پر جنہوں نے خود اپنا بگاڑ رکھا تھا تو، اسکی کھیتی کو تباہ کر دیا اس ہوا نے،

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور ان پر اللہ نے ظلم نہیں فرمایا لیکن وہ خود اپنے اوپر ظالم ہیں●

(مثال) انکے (اس) مال (کی جو) وہ (خرچ کریں) اپنے باطل اغراض۔۔نیز۔۔نام و نمود اور دکھاوے کیلئے (دنیاوی زندگی) کے مزعومہ مفادات کو حاصل کرنے (کے بارے میں) ایسی ہے، (جیسے ہوا، جس میں پالا ہے، وہ پہنچی ایک) ایسی (قوم کی کھیتی پر جنھوں نے) شرک و معاصی کی وجہ سے (خود اپنا بگاڑ) کر (رکھا تھا)، اپنی جانوں پر ظلم کر کے اور خدا کا حق نہ ادا کر کے، (تو اسکی کھیتی کو تباہ) و برباد (کر دیا اس) سرد (ہوا نے)۔

۔۔الختصر۔۔کفر و معاصی کی سرد ہوا نے انکے اعمال کی کھیتیوں کو ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ انکے ہاتھ مایوسیوں اور ناکامیوں کے سوا کچھ نہیں لگا۔ اب اگر خود انکی بداعمالیوں اور زبوں کرداریوں کے نتیجے میں انکے اعمال کی کھیتی نیست و نابود ہو گئی اور وہ محروم ہو کر رہ گئے، تو اس حالت کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

(اور) یہ حقیقت ہے کہ (ان پر اللہ) تعالیٰ (نے ظلم نہیں فرمایا، لیکن وہ خود اپنے اوپر ظالم ہیں) اور ایسے کام انجام دیتے ہیں جو انھیں عقوبت کا مستحق بنا دیتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ واجبی طور پر خدائی گرفت میں آجاتے ہیں۔

[illegible]۔۔بے موقع خرچ کیا جائے۔۔یا۔۔ناپسندیدہ امور میں صرف کیا جائے۔۔یا [illegible] معلوم ہونے والے کاموں میں خرچ کیا جائے، یہ تمام صورتیں [illegible] جیسے مہلک ہوا کھیتی کو تباہ اور نیست و نابود کر دیتی ہے۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی فتنہ انگیزیوں، رسول کریم سے انکی عداوت اور مسلمانوں سے انکی مخالفت کو تفصیلی طور پر بیان فرما دیا، اسکے باوجود بعض صحابہء کرام اپنی نیک نفسی کے سبب اپنے معاملات میں یہودیوں سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ اس خیال سے کہ اگرچہ یہودیوں سے ہمارا دینی اختلاف ہے، لیکن وہ اسکے باوجود دنیاوی معاملات اور معاشرتی امور میں ہماری خیرخواہی کرینگے، کیونکہ ایام جاہلیت میں ہمارے حلیف بھی رہ چکے ہیں، اسلئے

وہ ہم کو غلط مشورہ نہیں دینگے۔

ایسے ہی بعض صحابہء کرام منافقین سے رازداری کے تعلقات قائم کئے ہوئے تھے، کیونکہ وہ منافقوں کی ظاہری باتوں سے دھوکا کھا جاتے تھے اور انکو انکے دعویٰ ایمان میں سچا تصور کرتے تھے۔۔حالانکہ۔۔وہ مسلمانوں سے انکی راز کی باتیں سن کر انکے دشمنوں تک پہنچا دیتے تھے۔اسی طرح بعض سیدھے سادھے مسلمان اپنی قرابت ورضاعت ورشتہ داری کی بنیاد پر بعض مشرکین کیلئے اپنے دلوں میں نرم گوشہ رکھتے تھے، چنانچہ ان سے میل وملاپ میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے۔

اب آگے کے ارشادِ ربانی نے سارے اہل ایمان کو چوکنا کر دیا اور ہر طرح کے کافروں کے باطنی حالات کو واضح کر دیا اور واشگاف انداز میں ظاہر کر دیا، کہ یہ مسلمانوں کے کبھی خیر خواہ نہیں ہو سکتے، لہٰذا مسلمانوں کو بھی ان پر اعتماد وبھروسہ نہیں کرنا چاہئے، اور ہر حال میں ان سے ایک مناسب دوری بنا کر رہنا چاہئے۔ چند شرطوں کے ساتھ ان سے، وہ بھی کھلے کافروں سے، نہ کہ مرتدین سے، دنیاوی معاملات رکھنے کی اجازت ہے۔لیکن کسی حال میں بھی ان سے دلی دوستی وموالات کی اجازت نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ

اے ایمان والو! نہ بناؤ رازدار اپنے کسی غیر کو، وہ نہ چھوڑ رکھیں گے کچھ

خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا

بدخواہی میں۔ ان کی تو آرزو ہے، جتنی دشواری تمہیں ہو۔ان کے منہ سے ان کا بغض ظاہر ہو چکا۔ اور وہ

تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

جو ان کے سینے چھپائے ہیں بہت بڑا ہے، ہم نے ساری نشانیاں تمہارے لیے بیان کر دیں، اگر تم عقل سے کام لو●

تو (اے ایمان والو!) صرف اپنے ذاتی حسن ظن کی بنیاد پر دھوکا نہ کھاؤ اور (نہ بناؤ) اپنے دینی۔۔یا۔۔دنیوی معاملات میں (رازدار) مسلمانوں کے سوا' جو تمہارے ابنائے جنس ہیں' (اپنے کسی غیر کو)، خواہ وہ یہودی ہو۔۔یا۔۔منافق۔۔یا۔۔انکے علاوہ عام کافر۔کیونکہ وہ تمہارے خیر خواہ کبھی نہیں ہو سکتے۔چنانچہ (وہ) ہرگز (نہ چھوڑ رکھیں گے کچھ بدخواہی میں)۔فساد وتباہی کے جتنے حربے ہیں، وہ

سب تم پر استعمال کر کے ہی دم لینگے۔ (انکی تو) دلی (آرزو ہے) اور وہ چاہتے ہی ہیں ان امور کو جو تم کو رنج و مشقت میں ڈالدیں ۔۔الغرض۔۔ (جتنی دشواری تمہیں ہو) اور جو چیز تمہیں رنج و تکلیف پہنچائے، وہ سب انکا مدعائے دل اور منتہائے تمنا ہے۔

فضل خداوندی دیکھو، وہ اپنا خبث باطنی چھپا نہ سکے۔ خود (انکے) ہی (منہ سے انکا بغض ظاہر ہو چکا) اور خود انھیں کی باتوں سے مسلمانوں سے انکی عداوت کی علامتیں کھل کر سامنے آگئیں۔

یہودیوں کا ہمیشہ مسلمانوں کا عیب ڈھونڈنا اور منافقوں کا رسول کریم سے ایسی باتیں کرنا جن سے فتنہ وفساد برپا ہو، یہ واضح نشانیاں ہیں کہ مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں۔ انکی عداوتوں کو سمجھنے کیلئے انکی باتوں سے جو کچھ ظاہر ہوا، وہ تو بہت ہی کم ہے۔۔۔

(اور) تھوڑا ہے، اسکے برعکس (وہ جوانکے) لوگ اپنے (سینے) میں (چھپائے ہیں)، وہ تو (بہت) ہی (بڑا ہے) جن سے مسلمانوں سے انکی عداوتیں اظہر من الشمس ہو جاتی ہیں۔

(ہم نے) آشناؤں سے دوستی اور بیگانوں سے دشمنی رکھنے کے تعلق سے (ساری نشانیاں تمہارے لئے بیان کردیں)، جس سے تم بآسانی نفع ونقصان کے موقعوں کو سمجھ سکتے ہو۔ (اگر تم عقل سے کام لو) تو معمولی غور وفکر سے ہی تم پر یہ واضح ہو جائیگا، کہ نفع کے محل دوستان جانی ہیں اور ضرر کے مقام دشمنانِ دلی ہیں ۔۔تو۔۔

هَٰٓأَنتُمْ أُوْلَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِٱلْكِتَٰبِ كُلِّهِۦ

سنو کہ ایک تو تم ہو تو تم ان کو دوست رکھتے ہو اور وہ تم کو دوست نہیں رکھتے اور تم کل کتاب کو مانتے ہو

وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَإِذَا خَلَوْا۟ عَضُّوا۟ عَلَيْكُمُ ٱلْأَنَامِلَ مِنَ ٱلْغَيْظِ

اور وہ جب تم سے ملے، تو کہدیا کہ ہم بھی مان چکے۔ اور جب الگ ہوئے تو چباڈالا تم پر انگلیوں کو غصہ سے۔

قُلْ مُوتُوا۟ بِغَيْظِكُمْ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ ٱلصُّدُورِ ﴿١١٩﴾

کہدو کہ مرجاؤ اپنی جلن میں۔ بے شک اللہ جانتا ہے سینوں والی باتوں کو●

(سنو) اور خبردار ہو جاؤ کہ جفا کاروں سے دوستی کی طرح ڈال کے تم نے زبردست بھول کی۔ تمہاری اپنی سادہ لوحی سے سرزد ہونے والی تم اپنی خطا کاری پر غور تو کرو اور ذرا سوچو تو، (کہ ایک تو تم ہو تو تم انکو دوست رکھتے ہو، اور) حال یہ ہے کہ (وہ تم کو دوست نہیں رکھتے)۔ انکا رویہ تمہارے حق

میں منافقانہ ہے۔ بھلا یہ کیسے دوست ہیں، جو سب سے بدتر چیز یعنی کفر کی طرف تمہیں بلاتے ہیں۔
سوچو (اور) غور کرو کہ تمہارا حال تو یہ ہے کہ (تم) انکے انبیاء کرام پر، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہر ہر کتاب پر ایمان رکھتے ہو، اور ایسا نہیں کہ کتاب کے بعض حصے کو مانتے ہو اور بعض کو نہیں ۔۔۔ بلکہ ۔۔ (کل کتاب کو) یعنی ہر ہر کتاب الٰہی کے ہر ہر حکم کو اللہ تعالیٰ ہی کا حکم اور اسی کا فرمان (مانتے ہو، اور) ان منافقین کا حال یہ ہے کہ بعض کتب الٰہیہ کے منکر ہونے کے باوجود، (وہ جب تم سے ملے تو کہہ دیا کہ ہم بھی) تمہاری طرح تمام کتب الٰہیہ کو (مان چکے) اور ان پر ایمان لا چکے، (اور جب الگ ہوئے) یعنی خلوت میں سب اکٹھا ہوئے، (تو) مسلمانوں کے خلاف شدید غیظ وغضب کا مظاہرہ کیا۔
اپنی حالت اس شخص کی طرح بنالی جو غصے کی شدت میں اپنی انگلیاں چبانے لگتا ہے، تو انکا بھی حال کچھ ایسا ہی ہے، گویا انھوں نے (چباڈالا تم پر) اپنی (انگلیوں کو غصے سے)۔ اس سے انکی اپنی بے کسی اور بے بسی کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، سوائے اسکے کہ بغض و حسد سے اپنے دل کو جلاتے رہیں۔ تو اے محبوب! (کہہ دو کہ مرجاؤ اپنی جلن میں)، اور تمہارا غیظ و غضب اسقدر زیادہ ہو جائے کہ تم اسکی زیادتی سے ہلاک ہو جاؤ۔

یہ ان کے خلاف بظاہر دعائے ضرر ہے اور حقیقت میں یہ اسلام اور مسلمانوں کی عزت و کرامت میں زیادتی اور انکی سربلندی و سرفرازی کی دعا ہے، کیونکہ انکے غیظ وغضب کا سبب اسلام اور مسلمانوں کی ترقی ہے، اور جوں جوں یہ ترقی زیادہ ہوگی انکا غیظ وغضب زیادہ ہوگا، حتیٰ کہ مسلمانوں کی بہت زیادہ سربلندی اور سرفرازی سے وہ جل بھن کر مرجائینگے۔
اب حاصل ارشاد یہ ہوا کہ اے منافقو! تمہارا غصہ بڑھتا رہیگا، جبکہ اسلام کی ترقی ہوتی رہے گی اور اسلام کے ماننے والے ایسے ہی بڑھتے رہیں گے یہاں تک کہ اے منافقو! تم فنا ہو جاؤ گے ۔۔ یا ۔۔ انکی یہ ترقی تمہیں اے منافقو! برباد کرڈالے گی ۔۔ الختصر ۔۔ اس سے انکی لعنت اور پھٹکار کا اظہار ہے، نہ یہ کہ یہ امر ایجابی ہے اور ۔۔ بالفرض ۔۔ یہ انکے مرجانے کا حکم ہوتا، تو وہ اس جملہ کے بعد فوراً مرجاتے۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے سینوں والی باتوں کو) اے منافقو! اللہ تعالیٰ تمہارے دل کے بغض وعداوت کو خوب جانتا ہے اور اسے علم ہے کہ تمہارے دل مسلمانوں کیلئے بغض وعداوت سے بھرے ہوئے ہیں۔ اے ایمان والو! اپنے اسی دلی بغض وعداوت کے سبب تمہارا دشمنوں پر فتحیاب ہونا

کفار پر فتح ونصرت کے بعد مال غنیمت کا حاصل ہونا، لوگوں کا تمہارے دین میں جوق در جوق داخل ہونا اور تمہاری خوشحالی۔۔۔نیز۔۔انکے سوا کوئی فائدہ بخش کام۔۔۔

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ

اگر تم کو فائدہ ہو تو برا لگے ان کو، اور اگر تم کو کوئی نقصان پہنچے تو اس سے وہ خوش ہوں۔ اور اگر

تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۱۲۰﴾

تم صبر کرو اور پرہیزگاری سے کام لیتے رہو، تو نہ بگاڑ سکے گا تمہارا انکا مکر کچھ۔ بیشک اللہ انکے کرتوتوں کو گھیرنے والا ہے●

(اگر تم کو) اس میں (فائدہ) حاصل (ہو، تو برا لگے ان) منافقین (کو، اور) اسکے برخلاف (اگر تم کو کوئی نقصان پہنچے)۔۔مثلاً: تمہارے جنگی فوجی کہیں مقید ہو جائیں، تمہیں اپنے دشمنوں سے کوئی دکھ پہنچے، تمہارا آپس میں اختلاف ہو جائے اور تم قحط اور تنگدستی کا شکار ہو جاؤ، وغیرہ وغیرہ (تو اس سے وہ خوش ہوں) اور تمہاری پریشانیوں کی داستانیں سن کر شادیانے بجائیں۔

مسلمانو سنو! (اور) یاد رکھو! کہ (اگر) انکی عداوت اور تکالیف ومشقتوں پر (تم صبر کرو) گے (اور پرہیزگاری سے کام لیتے رہو) گے، اور اپنے کو شرعی محرمات ومنہیات سے بچاتے رہو گے، (تو) یقین کرلو کہ (نہ بگاڑ سکے گا تمہارا انکا مکر کچھ)، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اسکے اس وعدے 'کہ صابرین ومتقین کی حفاظت کی جائیگی' کی وجہ سے منافقین کا داؤں پیچ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا، اسلئے کہ حکم الٰہی کا پابند اور انقاد صبر کا خوگر، دشمن پر حملہ کرنیکی بہت بڑی جرأت رکھتا ہے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (انکے) جو تمہارے ساتھ دشمنی اور مکر وفریب کر رہے ہیں (کرتوتوں کو گھیرنے والا ہے)، علم الٰہی کے احاطے سے وہ باہر نہیں۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر تم صبر سے کام لیتے رہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے، تو انکا مکر وفریب تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اب اگلی آیتوں میں جنگ بدر اور احد کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جنگ احد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور وہ جنگ کی تیاری بھی کر کے گئے تھے، لیکن چونکہ بعض مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی، تو وہ شکست کھا گئے اور جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد بھی کم تھی اور وہ چالیس آدمیوں کے ایک تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کیلئے نکلے تھے، کسی بڑے لشکر سے معرکہ آرائی

کرنے کیلئے گھروں سے نہیں نکلتے تھے، لیکن چونکہ سب نے رسول اللہ ﷺ کے احکام پر پورا پورا عمل کیا تھا، اسلئے اللہ تعالیٰ نے انھیں فتح ونصرت سے نوازا۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ فتح کا مدار عددی کثرت اور اسلحہ کی زیادتی پر نہیں ہے، بلکہ اسکا مدار صبر اور تقویٰ ہے، غزوہ بدر میں جسکا لحاظ کیا گیا اور جنگ احد میں جس سے ایک وقت بعض لوگوں سے بے اتفاقی برتنے کی خطا سرزد ہوگئی۔۔ چنانچہ۔۔تم اپنی توجہ جنگ احد کے واقعات کی طرف مبذول کرو۔۔۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ

اور یاد کرو جب تم صبح کو نکلے اپنے گھر سے کہ بٹھاؤ مسلمانوں کو جنگ کے مورچوں پر،

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

(اور یاد کرو)۔۔نیز۔۔اپنے ساتھیوں کو یاد کراؤ (جب تم) صحیح ترین اور مشہور قول کے مطابق جنگ احد کے ارادے سے ۷ شوال ۳ ہجری کی (صبح کو نکلے) اپنی اہل بیت یعنی حضرت عائشہ کے مکان، بلفظِ دیگر (اپنے گھر سے) مہاجرین وانصار پر مشتمل ایک ہزار کی جماعت لیکر چلے۔

اس میں سے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کچھ آگے چل کر اپنے تین سو پیروکاروں کو لیکر واپس ہوگیا اور حوصلہ شکن باتیں کرنے لگا۔ اس صورت حال کے پیش آجانیکی وجہ سے اب آپکی خدمت میں صرف سات سو اصحاب رہ گئے۔ آپ انھیں کو لیکر احد کی طرف روانہ ہوگئے۔ اس جنگ کیلئے آپ ﷺ کو اسلئے نکلنا پڑا کہ آپ کو معتبر ذرائع سے یہ اطلاع مل چکی تھی، کہ ابوسفیان نے مدینہ منورہ پر حملہ کرنیکی غرض سے سوار و پیادے ملا کر تین ہزار افراد لیکر، 'جن میں سات سو آدمی زرہ پوش اور دو سو گھوڑ سوار تھے' میدانِ احد میں پڑاؤ ڈال دیا ہے۔

ابتداءً نبی کریم نے خیال فرمایا کہ ہم مدینہ ہی میں ٹھہرے رہیں، پھر جب وہ اس شہر میں داخل ہوں، تو ان سے قتال فرمائیں۔ کچھ لوگوں نے اسکی رائے بھی دی تھی، لیکن وہ بہادر صحابہ جو جنگ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے، انھوں نے نکلنے میں اصرار ومبالغہ کیا۔ سرکارِ رسالت نے بھی انکے پرخلوص جذبات کو ملاحظہ فرما کر یہی طے فرمالیا، کہ شہر سے باہر ہوکر ہی ان سے مقابلہ کرنا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ منافقین کے نکل جانے کے بعد باقی ماندہ افراد

کو لیکر میدانِ احد میں تشریف لے آئے۔

اے محبوب! تمہارا گھر سے نکلنا اسلئے تو تھا (کہ بٹھادو مسلمانوں کو) کفار کے مقابلے میں (جنگ کے مورچوں پر)۔

--چنانچہ-- آپ نے مکمل مورچہ بندی فرمادی، وہ اسطرح کہ میمنہ لشکر زبیر بن عوام کے نامزد فرمایا اور میسرہ مقداد بن اسود کو دیا اور قلب حضرت حمزہ کو سپرد کیا اور حضرت علی کو اپنی ملازمت میں متعین کرلیا۔

تو اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو اپنے اعمال و افعال اور اپنے ارادوں اور نیتوں سے بے خبر نہ سمجھو، اسلئے کہ تم لوگوں نے مدینہ میں رہ کر قتال کرنے --یا-- مدینہ سے باہر ہو کر جہاد کرنے کے تعلق سے جو جو کہا ہے (اور) مشورہ دیا ہے، (اللہ) تعالیٰ ان سب کا (سننے والا) ہے اور مشورہ دینے میں تمہاری نیتیں کیا تھیں اور ارادے کیا تھے، ان سب کا (جاننے والا ہے) اپنے علم قدیم سے۔

اِذْ هَمَّتْ طَّآىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ

جبکہ قصد کرلیا تھا تمہارے دو گروہوں نے، کہ بزدلی کر جائیں جبکہ اللہ ان دونوں کا مددگار ہے،

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور اللہ ہی پر ایمان والے بھروسہ رکھیں●

اے محبوب! اس وقت کو بھی یاد کرو اور اپنے اصحاب کو بھی یاد دہانی کرادو (جبکہ) عبداللہ ابن ابی کے اپنے گروہ کے ساتھ پلٹ جانے کو دیکھ کر (قصد کرلیا تھا)، قبیلہ اوس کے بنو حارثہ اور قبیلہ خزرج کے بنو سلمہ --الغرض-- (تمہارے دو گروہوں نے) پست ہمتی کا، اور سوچنے لگے (کہ بزدلی کر جائیں) حالانکہ منافقین کے طرز عمل کو دیکھ کر انھیں بھاگنے اور پھر جانے کا خیال بھی نہیں آنا چاہئے (جبکہ اللہ) تعالیٰ (ان دونوں کا مددگار ہے) اور انکا یار اور نگہبان ہے۔ (اور) جب اللہ تعالیٰ سارے مومنین کا یار و مددگار ہے، تو شایانِ شان بات یہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی پر ایمان والے بھروسہ رکھیں)، اور اسی کی ذات پر توکل کریں، تاکہ وہ انھیں فتح و نصرت سے نوازے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اور بے شک مدد دی تم کو اللہ نے بدر میں، جب کہ تم بے سروسامان ہو۔ تو ڈرو اللہ کو کہ اب شکر گزار ہو جاؤ●

اہل ایمان کے دلوں میں خدائے تعالیٰ کی کامل خشیت (اور) اسکی ذات پر پورا توکل کرنے ہی کا یہ ثمرہ تھا، کہ (بیشک مدد دی تم کو اللہ) تعالیٰ (نے) فرشتوں کے ذریعہ (بدر میں)، اس وادی میں جہاں بدر بن کلدہ نے ایک کنواں کھدا رکھا تھا، جس کنویں کا نام ہی بدر پڑ گیا اور پھر پوری وادی ہی کو بدر کہا جانے لگا، ۱۷ رمضان المبارک ۲ ہجری کو جب اس میدان میں اس حال میں (جبکہ تم بے سرو سامان ہو) تمہارا نزدل ہوا۔

مال واسباب اور آلات حرب وضرب کی قلت کا یہ حال تھا، کہ تمہارے پاس معمولی چند سواریاں تھیں جن پر باری باری تم سوار ہوتے تھے، صرف حضرت مقداد بن الاسود ہی تھے جنکے پاس ایک گھوڑا تھا۔ یہ پہلا وہ خوش بخت گھوڑا تھا جس پر سوار ہو کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ لڑی گئی۔ اسکے سوا ستر اونٹ، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔۔۔نیز۔۔۔کل تین سو تیرہ نفوس مقدسہ تھے، ان میں چھہتر ۷۶ مہاجرین، باقی سب انصار تھے اور انکے بالمقابل دشمنوں کا یہ حال تھا کہ انکے ایک ہزار جنگی فوجی تھے، انکے ساتھ ایک سو گھوڑے اور پھر ساز و سامان کی فراوانی تھی۔ اس غزوۂ بدر میں حضور ﷺ کا جھنڈا، حضرت علی کے دست پاک میں تھا اور انصار کا جھنڈا حضرت سعد بن عبادہ کے مبارک ہاتھ میں تھا۔ الختصر۔۔غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے مسلمانوں کی ثابت قدمی، اور نبی کریم کی اطاعت نے انھیں کامیابی سے ہمکنار کردیا۔

(تو) اے ایمان والو! (ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) اور مشرکوں کی کثرت اور منافقوں کی مراجعت سے بددل نہ ہوجاؤ، بلکہ رسول پاک کے ساتھ ثابت قدم رہو، جیسے تم نے غزوۂ بدر میں خوف خدا دل میں رکھ کر ثابت قدمی کا ثبوت دیا تھا، تا (کہ) تمہارے تقویٰ وتوکل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں نعمتوں سے خوب خوب نوازے، اور تم اسکا شکر ادا کرکے (اب شکرگزار ہوجاؤ)۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ

جب تم کہہ رہے تھے مسلمانوں کو کہ کیا تمہیں کافی نہیں کہ مدد فرمائے تمہاری

رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ۝

تمہارا پروردگار، تین ہزار فرشتوں سے، جو اتارے گئے ہوں ●

اے محبوب! یاد کرو اس وقت کو (جب تم کہہ رہے تھے مسلمانوں کو) جب انھوں نے جنگ کرنے پر عاجزی کا اظہار کیا، (کہ کیا تمھیں کافی نہیں) ہے (کہ مدد فرمائے تمہاری تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتوں سے، جو اتارے گئے ہوں) آسمان کی بلندیوں سے۔

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

ہاں ہاں اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو، اور سب دشمن آپڑیں تم پر اسی دم، تو مدد کریگا تمہاری

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

تمہارا رب پانچ ہزار نشانی والے فرشتوں سے●

(ہاں ہاں) کیوں نہیں کفایت فرمائیگا، بشرطیکہ تم دشمنوں کے ملنے اور انکے مقابلے کے وقت (اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو)، یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے ڈرو، (اور) سن لو کہ اگر اب (سب دشمن آپڑیں تم پر اسی دم)، یا جب بھی آئیں، (تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار نشانی والے فرشتوں سے)، جو اپنی خاص شناخت اور اپنے گھوڑوں کی پہچان کیلئے، انکی مخصوص علامت اور نشان کے ساتھ اتریںگے۔

ملائکہ کے نزول کے وعدہ کو پہلے بیان کرنے میں یہ حکمت ہے، کہ خوش خبری سن کر انکے دل مضبوط ہو جائیں اور ثابت قدمی کا عزم بالجزم کر کے اللہ تعالیٰ کی مدد سے قوت پالیں ۔۔۔ الغرض ۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے ذریعے کھلم کھلا مدد فرمائی۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۚ

اور نہیں کیا اسکو اللہ نے مگر خوش کرنے کو تمہیں، اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کے پاس سے، غلبہ والا حکمت والا●

(اور نہیں کیا) ملائکہ کے ذریعے (اس) مدد (کو اللہ) تعالیٰ (نے مگر خوش کرنے کو تمہیں اور) اسلئے (تاکہ تمہارے دل مطمئن ہو جائیں) جیسے نزول سکینہ بنی اسرائیل کے دلوں کا سکون بنا۔ ملائکہ کی غائبانہ مدد، وہ بھی تمہارے ساتھ رہ رہ کر، یقیناً تمہیں اپنی فتح و کامیابی کا یقین دلاتی ہے، جو حالت

جنگ میں تمہاری ثابت قدمی کا سبب ہے۔

بنیادی طور پر ملائکہ کرام کو مومنین کی اسی سکون قلبی، ثابت قدمی کی ترغیب اور یقینی طور پر فتح وکامیابی حاصل ہوجانیکی بشارت ہی کیلئے نازل فرمایا گیا۔ انکے نازل کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ وہ سارے کافروں کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے میدان کو صاف کر دیں اور مسلمانوں کو قتال کرنیکی زحمت ہی نہ دیں، اور اگر یہی مقصود ہوتا تو پھر اس کام کیلئے ایک فرشتہ ہی کافی تھا۔

مومنین نے بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا کہ فرشتوں کی امداد کی نوعیت کیا ہوگی، جبھی فرشتوں کے نزول کی خوشخبری سننے کے بعد انھوں نے حضور ﷺ سے یہ عرض نہیں کیا کہ سرکار جب قتال وجہاد کیلئے فرشتے ہی آرہے ہیں، پھر ہماری کیا ضرورت کہ ہم میدانِ جنگ میں اتریں؟ وہ خوب سمجھ رہے تھے قتال وجہاد ہم ہی پر فرض ہے اور ہم ہی کو یہ کام انجام دینا ہے۔۔ہاں۔۔ فرشتوں کے نزول سے ہمیں یہ یقین حاصل ہوگیا، کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ ہے، تو انشاء المولیٰ تعالیٰ فتح وکامرانی ہمارا ہی مقدر ہے۔

اب اگر صرف بعض غیر معروف کافروں کو قتل کر دینے کا اذن الٰہی بعض فرشتوں کو مل گیا ہو اور پھر انھوں نے انھیں قتل بھی کر دیا ہو، تو اس میں بھی حکمت یہی ہے کہ دیکھنے والوں کا سکون و اطمینان دوبالا ہوجائے، اور انھیں فرشتوں کے ذریعے خدائی مدد کا یقین ہی نہیں بلکہ عین الیقین حاصل ہوجائے۔۔علاوہ ازیں۔۔یہ بات ظاہر ہے کہ اگر کوئی جماعت کسی کو قتل کرنے کو نکلے، تو اسکا ہر ہر فرد اپنے ارادۂ قتل کے سبب۔۔یا۔۔کم از کم قتل کی حمایت کی وجہ سے قاتل ہی قرار دیا جائیگا۔ خواہ قتل کسی نے بھی کیا ہو۔

اسی لئے قاتلین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ میں ان تمام لوگوں کو شمار کیا جاتا ہے، جنھوں نے آپکو شہید کر دینے کے ارادے سے آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا، گو شہید کرنے والا شخص ایک ہی تھا، جو اتفاق سے سب سے پہلے آپ تک پہنچ گیا۔۔بالفرض۔۔اگر اس گروہ کا دوسرا فرد وہاں پہنچ جاتا، تو وہ بھی یہی کرتا جو پہلے نے کیا۔ [redacted]

غزوۂ بدر میں فرشتوں کا کردار تو ان واقعات سے زیادہ واضح اور صاف ہے کہ اگر انھوں نے ایک طرف قتال کرنے والے مجاہدین کے ساتھ رہ رہ کر انکی ہمنوائی اور حوصلہ افزائی کی، تو دوسری طرف حکمت الٰہی کے پیش نظر، اذن خداوندی سے چند کفار کو اپنے حرب وضرب کا نشانہ بنا کر نصرتِ الٰہی کو مومنین کا چشم دید بنادیا۔۔الغرض۔۔وہ غزوۂ بدر میں جنگ کرنے میں مومنین کے شریک رہے۔۔بایں ہمہ۔۔یہ بات صحیح ہے کہ اکثر و بیشتر کافروں کو مومنین ہی نے قتل کیا اور انکو انکے کیفر کردار تک پہنچایا، خاص کر کفار کے ان متکبرین کو جنکا شمار سرداران قریش میں ہوتا تھا۔

مذکورہ بالا وضاحت سے ان تمام احادیث و روایات کی صحت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے جن میں غزوۂ بدر کے موقع پر فرشتوں کے حرب وضرب کا ذکر ہے۔اب اس بات کی ضرورت نہیں رہ جاتی، کہ عقلی موشگافیوں کا سہارا لیکر اس تعلق سے جمہور علماء وائمہ کرام کے مسلک سے عدول کیا جائے۔یہ مسلک قرآن کریم کی ہدایت کے بھی خلاف نہیں۔۔بلکہ۔۔سورہ انفال کی آیت ۱۲ کے ظاہری معنی سے اسی مسلک کی تائید ہو رہی ہے۔اس مقام پر آیت قرآنی کی ظاہری عبارت سے جو سمجھا جارہا ہے، اس سے ہٹ کر ظاہر کے خلاف تاویلی معنی کو منوانے کی کوشش میں قرآن کریم کو اپنے ذاتی نظریہ کے مطابق کرنیکی بو آرہی ہے۔اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ فرشتوں کے نزول کی حیثیت، فتح ونصرت کے اسباب میں صرف ایک سبب کی ہے۔

(اور) حقیقی طور پر (نہیں ہے) کوئی اور کسی طرح کی (مدد) ہونے والی (مگر اللہ) تعالیٰ (کے پاس) اور اسکی جانب (سے) نہ کہ ساز وسامان سے اور نہ ہی لشکر کی کثرت سے۔

یادرہے کہ اللہ تعالیٰ مدد دینے کیلئے کسی سبب کا محتاج نہیں، وہ بغیر سبب بھی مدد فرماسکتا ہے۔ اب اگر کوئی سبب بنایا گیا ہے، تو تمہارے خوش کرنے کیلئے ہے، تاکہ تمہارے دل مضبوط ہو جائیں، یعنی اسباب اسلئے بنائے گئے ہیں کہ عوام کے دل اسباب دیکھ کر ہی خوش ہوتے ہیں۔ مومن کو چاہئے کسی سبب پر سہارا نہ کرے۔اللہ تعالیٰ کی مدد بغیر سبب کے بھی پہنچ سکتی ہے۔

بیشک وہ (غلبہ والا) ہے۔ ایسا غالب جو مغلوب ہوتا ہی نہیں۔اسکے حکم اور فیصلے کے آگے سبھی کو سرنگوں ہونا پڑتا ہے **اور بڑا ہی (حکمت والا) ہے۔** اسکا ہر کام مبنی برحکمت ہوتا ہے، خواہ وہ غزوۂ بدر کی فتح ہو یا غزوۂ احد کی شکست۔اب اگر اس نے تمہیں جنگ بدر میں کامیابی عطا فرمائی تو وہ اسلئے۔۔۔

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنقَلِبُوا خَآئِبِينَ ﴿۱۲۷﴾

تاکہ کاٹ دے ایک کنارہ ان کا جنھوں نے کفر کیا، یا ان کو ذلیل وخوار کردے تو وہ لوٹیں نامراد ہوکر●

(تاکہ) نیست و نابود کردے، ہلاک کردے، گھٹادے اور **(کاٹ دے ایک کنارہ انکا جنھوں نے کفر کیا)**، یعنی کفار کے ایک گروہ کو قتل کر کے، یا قید کر کے۔۔چنانچہ۔ایسا ہی ہوا کہ انکے ستر بڑے سردار مارے گئے اور ستر قیدی ہوئے **(یا انکو ذلیل وخوار کردے، تو وہ لوٹیں نامراد ہوکر)** اپنے غیظ وغضب میں جل بھن کر، سینہ کوبی کرتے ہوئے، اپنی ساری آرزوؤں سے ناامید ہوکر۔

حق تعالیٰ نے احد کے قصے میں بدر کا قصہ اس واسطے ذکر فرمایا کہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین صبر وشکر دونوں کریں، اسلئے کہ ان دونوں قصوں میں سے ایک میں تو فتح ہوئی اور غنیمت ہاتھ لگی، اس پر شکر کرنا چاہئے اور دوسرے میں قتل اور ہزیمت ہوئی، اس پر صبر چاہئے۔

جنگ احد کا حال مجملاً یہ ہے کہ جب مجاہدین اسلام صفیں برابر کر کے لڑنے کیلئے کھڑے ہوئے، تو قریش کے علمدار ایک کے بعد ایک قتل ہوگئے اور مکہ کے لشکر نے ہزیمت پائی۔ اہل مدینہ انکے لشکر گاہ میں گھسے اور لوٹنا شروع کیا اور تیراندازوں کی وہ جماعت جس سے درّہ کوہ کی حفاظت متعلق تھی، باوصف اسکے کہ جناب رسالتمآب ﷺ نے کمال اصرار اور تاکید سے انھیں فرمادیا تھا کہ ہم غالب ہوں خواہ مغلوب، زنہار تم یہاں سے قدم نہ اٹھانا، مگر مال غنیمت کی امید پر لشکر گاہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

ہر چند کہ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے باصرار تمام منع کیا اور حضرت ﷺ کی تاکید یاد دلائی، مگر ان لوگوں نے ایک نہ سنی، اور تھوڑے آدمی جو دس سے کم تھے انکے ساتھ ٹھہرے، باقی لوگوں نے اپنے امیر کی بات پر التفات نہ کی۔اور لوٹ کی طرف متوجہ ہوگئے۔

حکم نبوی کے خلاف کرنے کی شامت لشکر اسلام پر آپہنچی اور خالد ابن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل جو بھاگ جانے کا ارادہ رکھتے تھے، انھوں نے جب درّہ کوہ کو نگہبانوں سے خالی دیکھا، تو گروہ کفار کے ساتھ عبداللہ بن جبیر کے سر پر آپڑے اور انھیں انکے ساتھیوں سمیت شہید کر ڈالا اور پشت کی جانب سے لشکر اسلام پر آپڑے اور فتح الٹی ہوگئی۔ یہ خبر بھاگے ہوئے کافروں کو پہنچی، وہ سب لوٹ پڑے اور مسلمانوں کو گھیر لیا اور سیدالشہداء حضرت حمزہ اور بعضے اصحاب نے جام شہادت پیا اور کچھ صحابہ کے قدم اکھڑ گئے اور صحابہ کی ایک جماعت حضرت سرور عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر رہی اور جانثاری پر آمادہ ہوگئی۔

القصہ لڑائی کا یہ انجام ہوا کہ ان بدگوہروں کے پتھر سے رسول مقبول ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوگیا۔ اور حضرت ﷺ شہیدوں میں گر پڑے اور پھر صحابہ کی ایک جماعت کی مدد سے اُحد کے ایک طرف تشریف لے گئے اور کفار لوٹ کر مکہ کی جانب چلے۔ حضرت ﷺ نے جب اپنے چچا کی شہادت اور انکی لاش سے کفار کی بے ادبیوں کی خبر پائی اور بعض شہیدوں کا یہی حال سنا، تو آپ کے دل مبارک میں گزرا کہ ان گمراہوں پر نفریں اور دعائے ہلاکت کریں، تو بارگاہِ خداوندی سے، اس آیت نے نزول اجلال فرمایا کہ۔۔۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ

نہیں ہے تمہاری ذمہ داری اس بارے میں کچھ کہ یا اللہ توبہ کرالے ان سے یا

يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

عذاب دے ان کو، کیوں کہ وہ سب ظالم ہیں●

(نہیں ہے تمہاری ذمہ داری اس بارے میں کچھ) یعنی اس گروہ کو تباہ کر دینا۔۔یا۔۔ صلاحیت پر لانا، تمہارے اختیار میں نہیں ہے کیوں (کہ) یہ دونوں باتیں خدا ہی کے اختیار میں ہیں، تو اب (یا) تو (اللہ) تعالیٰ چاہے اور (توبہ کرالے ان سے۔۔یا۔۔عذاب دے انکو) اگر وہ اپنے کفر پر مصر رہیں (کیونکہ وہ سب ظالم ہیں) کہ جسکی عبادت نہیں کرنی چاہئے، اسکی عبادت کر رہے ہیں۔

۔۔الختصر۔۔نصرت الٰہی سے صنادید قریش کے قتل ہو جانے سے کفار کا پایۂ دولت ٹوٹ جانا۔۔یا۔۔کفار کا لشکر اسلام کے سامنے سے فرار ہو جانا۔۔یا۔۔رب کریم کا انھیں توبہ کی توفیق عطا فرمانا اور انکا مسلمان ہو جانا۔۔یا۔۔کفر پر مصر ہونے کی صورت میں ان پر عذاب نازل فرمانا، ان میں ہر ایک شکل اہل اسلام کی فتح و کامیابی کی ہے، جو رب کریم کی طرف سے ہے۔ اور اسی کی مشیت کے تحت ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ خالق کل، مالک کل، قادر مطلق وہی ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ بخشے جسے چاہے، اور عذاب دے

مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

جس کو چاہے۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے) پیدائش اور ملکیت کے لحاظ سے (جو کچھ) اور جتنے موجودات ہیں (آسمانوں) میں (اور) یوں ہی (جو کچھ) از قسم موجودات (زمین میں ہے)۔۔ الغرض۔۔ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہیں، اسکے سوا ذاتی طور پر کسی کو بھی دخل نہیں۔ تمام امور اسی کے، ہیں تو وہ (بخشے جسے چاہے)۔ جسے بخشنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے بخش دیتا ہے۔ اسکی مشیت ہزاروں حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہوتی ہے (اور عذاب دے جس کو چاہے)۔

مغفرت کو عذاب پر اسلئے مقدم کیا ہے

(اور اللہ) تعالیٰ اپنے دوستوں کو (بخشنے والا) ہے اور اپنے بندوں پر (رحمت) نازل فرمانے (والا) بڑا مہربان (ہے)۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے لیکن اسکی رحمت و مغفرت کو غلبہ حاصل ہے، وہ بھی 'علی سبیل الوجوب' یعنی لازمی طور پر نہیں، بلکہ 'علی سبیل الفضل والاحسان' یعنی فضل وکرم کے طور پر ہے، [redacted]

یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ غزوۂ احد میں شکست کی وجہ مال دنیا کی محبت تھی جبھی تو مال غنیمت لوٹنے کیلئے مجاہدین خود رسول اللہ ﷺ کے حکم کی بھی تعمیل نہ کر سکے اور مال غنیمت لوٹنے میں لگ گئے، تو ضرورت تھی انکو ہوشیار کر دیا جائے اور حفظ ما تقدم کے طور پر انہیں خبردار کر دیا جائے، کہ جس طرح غزوۂ احد میں مال کی محبت میں تم رسول کریم کے حکم کا پاس و لحاظ نہ کر سکے، تو کہیں ایسا نہ ہو کہ مال کی محبت تمہیں غلط طور پر مال حاصل کرنے پر آمادہ نہ کر دے، اور تم سودی کاروبار نہ شروع کر دو، اور پھر اسکے لئے سودی کاروبار کرنے والے کافروں سے راہ و رسم نہ بڑھا لو۔۔ تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰٓوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠

اے ایمان والو! مت کھاؤ سود دونا دون۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور اللہ کو ڈرو کہ اب مراد کو پا جاؤ●

(اے ایمان والو امت کھاؤ) اور نہ استعمال کرو (سود) کے ذریعہ حاصل کردہ مال کو، خواہ وہ سود مفرد ہو جس میں اصل رقم مثال کے طور پر سو روپے ہو اور قرض خواہ اس رقم پر مقروض سے دس فیصد سالانہ کے حساب سے سود وصول کرے، اور خواہ وہ سود (دونادون) ہو، یعنی سود مرکب ہو۔

جسکی شکل یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو۔۔مثلاً: ایک سال کی مدت کیلئے دس روپے کی زیادتی پر سو روپے قرض دے اور اگر ایک سال کے بعد مقروض قرض ادا نہ کر سکے، تو اب قرض خواہ ایک سو دس روپے پر، دس روپے فیصد کے حساب سے سالانہ سود مقرر کر دے اور اسی طرح ہر سال کرتا رہے۔۔یا۔۔یہ کہے کہ تمہیں ایک سال کی مزید مہلت دیتا ہوں، مگر تمہیں سو روپے کے بجائے دو سو روپے دینے ہونگے۔ اسی طرح عدم ادائیگی کی صورت میں ہر سال سو روپے کا اضافہ کرتا چلا جائے۔ یہی 'سود در سود' ہے اسی کو 'سود مرکب' کہتے ہیں۔ آیت زیر تفسیر بنیادی طور پر اسی سود مرکب کی حرمت کیلئے نازل فرمائی گئی۔ رہ گئی مطلقاً سود کی حرمت، خواہ وہ مفرد ہو یا مرکب ہو، تو اسکا ذکر سورہ بقرہ آیت ۲۷۶ میں واضح طور پر کیا جا چکا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔اے ایمان والو! سمجھ سے کام لو (اور اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) جن جن باتوں سے اس نے منع فرمایا ہے انکے قریب نہ جاؤ اور اپنے کو ان سے بچاتے رہو، تا (کہ اب) تم اپنی (مراد) اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت کی نجات (کو پا جاؤ)۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے●

[illegible] خرام خوریوں اور حرام کاریوں سے مکمل طور پر بچاکر (بچو [illegible] (تیار کی گئی ہے کافروں کیلئے) انکو دائمی عذاب دینے کیلئے۔ لیکن بداعمال [illegible] اس میں ڈالا جاسکتا ہے۔ تو پھر ایسے برے اعمال سے اپنے کو بچانا ضروری ہے جو اس آگ میں جانے کا مستحق بنا دیں۔ اس کیلئے ضروری ہے۔۔۔

وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ

اور فرماں برداری کرو اللہ اور رسول کی کہ اب تم رحم کیے جاؤ●

(اور) لازمی ہے کہ (فرمانبرداری کرو اللہ) تعالیٰ کی، قرآن کے جملہ اوامر و نواہی اور اسکے جملہ احکام کی پیروی کر کے، (اور) اطاعت کرو اسکے (رسول کی) جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اوامر و نواہی کے پیغامات لائے ہیں، تا (کہ اب تم) اس اطاعت و فرمانبرداری کے نتیجہ میں (رحم کئے جاؤ) یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہو جاؤ۔

اے ایمان والو! اللہ و رسول کی اطاعت کی توقع تمہیں سے کی جاسکتی ہے، اسلئے کہ وہ کفار جو سودی کاروبار اور سودخوری میں اسقدر منہمک ہیں کہ اسکو چھوڑنا ہی نہیں چاہتے، ان سے تو طاعت الٰہی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، تو اے ایمان والو! اللہ و رسول کی اطاعت کرتے رہو، اور کسی حال میں بھی اس سے غفلت نہ برتو۔ [redacted] کے باوجود ایسے گناہ میں مبتلا ہو گیا تو اس [redacted] اسلئے اسطرح کے گناہ میں مبتلا ہونے والے [redacted] والو! ہوش و حواس سے کام لو۔

وَسَارِعُوۡۤا اِلٰى مَغۡفِرَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَجَنَّةٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَۙ

اور تیزی کرو بخشش کی طرف اپنے رب کی، اور جنت کی طرف، جسکی چوڑائی ہے سارے آسمان اور زمین، تیار رکھی گئی ہے پرہیزگاروں کیلئے●

(اور تیزی) کا مظاہرہ (کرو بخشش) اور مغفرت کی جانب لیجانے والی راہ (کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف)، یعنی ایسے اعمال کی طرف عجلت کرو جو تمہیں مغفرت و جنت کا مستحق بنادیں ۔۔۔ مثلاً: ایمان کی سلامتی کے ساتھ توبہ و اخلاص، ادائے واجبات اور ترک منکرات میں سستی اور غفلت سے کام نہ لو۔ کون سی [redacted] ہاں یہ ضرور ہے کہ جس شے کا عرض یہی عالم ہو، لازم ہے کہ وہ اس عالم سے خارج ہو۔ یہ جنت (جسکی چوڑائی ہے سارے آسمان اور زمین) یعنی اگر سات آسمانوں اور سات زمینوں کے تمام طبقات کو پھیلا دیا جائے تو وہ جنت

کا عرض ہوگا، اور جسکے عرض کی اسقدر وسعت ہے، اسکے طول کا کیا عالم ہوگا۔

کوئی صاحب فہم اپنے فہم مستقیم سے اسکا اندازہ لگانا بھی چاہے تو نہیں لگا سکتا۔ یہ سارا بیان بطور تمثیل ہے۔ ظاہر ہے اس دنیا والوں کو سمجھانے کیلئے مثال میں اسی چیز کو پیش کیا جاسکتا ہے جو کسی نہ کسی حد تک انکے علم وادراک کے دائرے میں ہو۔۔۔الغرض۔۔۔عالم غیب کی کسی چیز کی مثال عالم شہادت کی کسی چیز سے دینا، صرف تقریب فہم کیلئے ہوتا ہے، اس سے اس شے کی حقیقت وماہیت سے باخبر کرنا مقصود نہیں۔ اس مقام پر صرف یہ سمجھ لینا کافی ہے کہ جس طرح گردش فلک سے عالم کے ایک کنارے دن ہے اور دوسرے کنارے رات واقع ہے اسی طرح چودہ طبقات کی بلندی کے کنارے بہشت ہے، تو نیچے کے کنارے جہنم ہے۔

۔۔۔الختصر۔۔۔یہ جنت جسکا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے **(تیار رکھی گئی ہے پرہیزگاروں کیلئے)** جو کفر وشرک سے اپنے کو بچائے ہوئے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ

جو خرچ کریں خوشحالی میں اور تنگدستی میں، اور پی جانے والے غصہ کو،

وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور معافی دینے والے لوگوں کو، اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو●

(جو خرچ کریں خوش حالی میں اور تنگدستی میں)۔۔۔الغرض۔۔۔تونگری ہو یا درویشی، صحت ہو یا مرض، گرانی ہو یا ارزانی اور خوشی ہو یا رنج، ہر حال میں خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے ہیں **(اور پی جانے والے)** ہیں **(غصے کو)**، یعنی غصے کو روکنے والے ہیں، باوجود اسکے کہ اسکو جاری کرنیکی قدرت رکھتے ہیں [redacted] جن سے انکو چھوٹی۔۔۔یا۔۔۔بڑی کوئی تکلیف پہنچی، [redacted]، **(اور)** وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو)**، اور انھیں بہت بڑا اجر وثواب اور بہت ہی بڑا مرتبہ عطا فرماتا ہے۔

[redacted]

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ

اور وہ جو کر گزرے کوئی بے حیائی یا ظلم کر بیٹھے اپنے اوپر، تو یاد کیا اللہ کو

فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۠

پھر بخشش چاہی اپنے گناہوں کی، اور کون بخشے گناہ سوا اللہ کے۔۔۔

وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور اصرار نہ کیا اس پر جو کر گزرے دیدہ ودانستہ●

(اور وہ جو کر گزرے کوئی بے حیائی) ناشائستہ کام، گناہ کبیرہ، سہواً گناہ اور بدکاری کر کے (یا ظلم کر بیٹھے اپنے اوپر) عمداً گناہ، گناہ صغیرہ، غیر شریفانہ بات اور بدکاری کی طرف لیجانے والے وہ امور جو اس سے مقدم ہوتے ہیں۔۔۔مثلاً: بوس و کنار اور بدنظری وغیرہ کو انجام دے کر۔۔الغرض۔۔اولاً اپنے اوپر ظلم کیا، (تو) پھر (یاد کیا اللہ) تعالیٰ کے عذاب وعتاب (کو) جو ظالم بندوں کے ساتھ ہوگا، کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اور پھر یاد کیا رب کریم کے اس وعدہ مغفرت کو جو استغفار کے ساتھ لگا ہوا ہے، (پھر بخشش چاہی اپنے گناہوں کی) طلب مغفرت کیلیے، بارگاہِ خداوندی میں آنے کے سوا چارۂ کار ہی کیا ہے، کیونکہ (اور کون) ہے جو (بخشے گناہ سوا اللہ) تعالیٰ (کے)۔

اس میں بندے کو توبہ کی ترغیب اور رحم وفضل پر امید کی تحریص اور یاس وناامیدی سے اپنے کو دور رکھنے کا سبق دیا گیا ہے۔۔المختصر۔۔مذکورہ بالا مغفرت چاہنے والے بندوں نے اپنے گناہوں سے مغفرت چاہ لی۔

(اور) پھر (اصرار نہ کیا اس پر جو کر گزرے دیدہ ودانستہ)، یعنی پھر دوبارہ اس کام کے قریب نہیں گئے اور اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کیا۔

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

وہ ہیں کہ بدلہ اُن کا بخشش ہے ان کے پروردگار کی اور جنتیں ہیں، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں اس میں

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ؕ

ہمیشہ رہنے والے۔ اور کیا خوب اجر ہے کارگزاروں کا●

یہی (وہ) لوگ (ہیں کہ بدلہ) دل کی سچائی کے ساتھ (ان) کے توبہ واستغفار (کا) عفو

درگزر اور (بخشش ہے انکے پروردگار کی)۔ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کا سایہ ہے۔(اور) آخرت میں ان کیلئے (جنتیں ہیں) شاندار باغات ہیں (بہتی ہیں جنکے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں)۔وہ خوش نصیب لوگ (اس میں ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اور) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ مغفرت وجنت (کیا) ہی (خوب اجر ہے) ایمان کی سلامتی کے ساتھ نیک اعمال انجام دینے والے (کارگزاروں کا)۔انھیں ایسا ذخیرہ نصیب ہوگا جس میں کبھی کمی نہیں ہوگی، ایسا اجر ملے گا جس میں کسی طرح کا نقص نہیں ہوگا، ایسے باغات حاصل ہونگے جنکی کوئی انتہا نہ ہوگی اور ایسی لذات پائینگے جو کبھی ختم نہ ہونگی۔

اس مقام پر یہ بھی خیال رہے کہ صرف زبانی استغفار کا دل پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ہی اس سے گناہ زائل ہوتے ہیں، وہ تو صرف زبان کی لذت کیلئے ہوتا ہے، اسکو کذابوں کی توبہ یعنی جھوٹی توبہ کہا جاتا ہے۔لہٰذا توبہ جو رب کریم کے فضل وکرم کا مستحق بناتی ہے، وہ وہی ہے جو دل کی سچائی کے ساتھ ہو، جس میں اپنے گناہوں پر کامل ندامت ہو اور آئندہ اس گناہ کو نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو۔اس سے پہلے مسلمانوں کی وہ لغزشیں بیان فرمائیں تھیں جنکی وجہ سے مسلمانوں کو جنگ احد میں شکست ہوئی تھی اور آئندہ کیلئے اس قسم کے کاموں سے منع فرمایا تھا اور ایسے کاموں کی ترغیب دی تھی، جن کے کرنے سے مسلمان اپنی شجاعت کے جوہر دکھائیں اور جہاد میں کافروں کے خلاف فتح حاصل کریں۔

اب اس سلسلے میں مزید ہدایت دینے کیلئے فرمایا ہے کہ جو لوگ اسلام کی صداقت کے متعلق شکوک وشبہات کا شکار ہیں، وہ زمین پر چل پھر کر دیکھ لیں کہ جن لوگوں نے گزشتہ زمانوں میں اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی، وہ کس طرح عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور انکی ہلاکت والی زمین میں آن پر گئے ہوئے عذاب کے آثار موجود ہیں۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور معصیت سے توبہ کرنے والوں سے مغفرت اور جنت کا وعدہ فرمایا تھا، اب اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ پچھلی امتوں میں سے اطاعت گزاروں اور نافرمانوں کے احوال اور آثار کا مشاہدہ کرو، تاکہ اللہ کی اطاعت کرنے اور اسکی معصیت سے بچنے کی مزید ترغیب اور تحریک ہو۔تو اچھی طرح جان لوکہ۔۔۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا

ہو چکے ہیں تم سے پہلے بھی کچھ طریقے، تو زمین کی سیر کرو، پھر دیکھو کہ

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۳۷﴾

کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا●

(ہو چکے ہیں تم سے پہلے بھی) گزشتہ انبیاء کرام کے زمانے میں جھٹلانے والی قوموں کی تباہی و بربادی کے معاملات سے متعلق اللہ تعالیٰ کے مبنی بر حکمت (کچھ طریقے)، جو ان قوموں کے مطابق تھے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے حکمت سے اپنا حکم نافذ فرمایا اور ان پر عذاب نازل فرمایا اور اب اگر کسی کو ان پر عذاب الٰہی نازل ہونے میں شک ہو اور گھر بیٹھے انکے حالات کے جاننے کا اسکے پاس کوئی معتبر ذریعہ نہ ہو۔

(تو) اس سے کہو کہ چلو (زمین کی سیر کرو) اور جا بجا ان پر ہونے والے عذاب الٰہی کے آثار و باقیات کا مشاہدہ کرو، (پھر) اسطرح اپنی چشم علم و ادراک سے (دیکھو کہ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والونکا)

اب تک جو احد اور بدر کے قصے میں گزرا۔یا۔گزری ہوئی امتوں اور زمانہ کے واقعوں کی یہ تشریح جو ہم نے بیان کی۔۔۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۸﴾

یہ صاف بات ہے لوگوں کیلئے اور ہدایت ونصیحت ہے پرہیزگاروں کیلئے●

(یہ) سارا کلام واضح اور (صاف بات ہے) عام (لوگوں کیلئے) جس سے عام آدمی پر بھی حق بات ظاہر ہو جاتی ہے اور انکے سارے شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ نظر کرنے اور سیر کرنے کا حکم صرف مومنوں کو ہے، لیکن اسکے موجب پر عمل کرنا کسی مخصوص جماعت کے ساتھ خاص نہیں۔ اس میں خود مکذبین کو بھی عبرت کی دعوت ہے کہ ان سے پہلے لوگوں کا جو بدانجام ہوا، انکا بھی ایسے ہی ہوگا، تاکہ انکی تباہی و بربادی دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔ اگرچہ یہ کلام ان کیلئے بیان نہیں کیا گیا۔

۔۔الختصر۔۔یہ کلام حق ظاہر کرنے والا ہے۔ (اور ہدایت) یعنی بصیرت کی زیادتی کا سبب ہے اور یہ مخصوص، اس دلالت و ارشاد سے، جو دین قدیم اور صراط مستقیم کی طرف رہبری کرے، تاکہ

سالک صرف اس راہ پر گامزن ہو اور اپنی سیرت کو ڈھالے، (ونصیحت) دین کے خلاف عمل کرنے سے زجر وتوبیخ (ہے پرہیزگاروں کیلئے)۔ اسلئے کہ انکی ہدایت وموعظہ کا دارومدار انکے تقویٰ پر ہے، اسلئے جو اہل تقویٰ نہیں، وہ نہ کسی ہدایت پر دھیان دیتے ہیں اور نہ ہی کسی کی نصیحت سنتے ہیں۔ تو اے ایمان والو! جو زخم تمہیں غزوۂ احد میں پہنچے ہیں انکی وجہ سے جہاد میں کمزوری نہ کرو۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾

اور نہ سست ہو اور نہ رنج کرو اور تم ہی بلند اور غالب ہو، اگر ہو تم ایمان والے ●

(اور نہ) ہی (سست ہو) جاؤ اور نہ ان اپنے لوگوں کا جو غزوۂ احد میں شہید ہو گئے غم کھاؤ (اور نہ رنج کرو)، بلکہ صبر وضبط سے کام لو۔

اس ارشاد سے صبر کی تلقین مقصود ہے، حزن سے روکنا مطلوب نہیں۔ اسلئے کہ حزن فطری اور غیر اختیاری چیز ہے۔

۔۔۔ الختصر۔۔ اے ایمان والو! تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں (اور) رنجیدہ ہونے کی حاجت نہیں، کیونکہ (تم ہی بلند اور غالب ہو)، نہ کہ تمہارے دشمن کافر۔ اسلئے کہ انکا انجام بربادی و تباہی ہے، جیسا کہ تم نے انکے اسلاف کو دیکھا اور سن پایا، کیونکہ آخرکار باطل مٹ کر رہتا ہے۔

اس ارشاد میں اس بات کی بشارت ہے کہ تم لوگ غالب ہو گے اور وہ مغلوب ہو جائینگے۔

(اگر ہو تم ایمان والے) تو کمزوری کا مظاہرہ نہ کرو اور نہ ہی غم کھاؤ، اسلئے کہ ایمان قوت قلبی میں اضافہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے کاموں پر بھروسہ رکھنے کی اعانت کرتا ہے، اور بتاتا ہے کہ تمہارے اعدا تمہاری نظروں میں کچھ بھی نہیں۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا

اگر لگے تم کو زخم تو بیشک لگ چکا ہے قوم دشمن کو بھی اسی طرح کا زخم۔ اور یہ ایام ہم باری باری پھیرتے ہیں

بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ

انکو لوگوں میں، اور تاکہ معلوم کرا دے اللہ انکو جو ایمان لائے۔ اور بنائے تم میں سے کچھ شہادت والے۔

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ

اور اللہ نہیں پسند فرماتا ظالموں کو ●

غور کرو کہ (اگر لگے تم کو زخم) اور پہنچا تمہیں صدمہ، (تو) یہ بھی تو دیکھو کہ غزوۂ بدر میں (بیشک لگ چکا ہے قوم دشمن کو بھی اسی طرح کا زخم)۔ اگر غزوۂ احد میں کافروں نے ستر مسلمانوں کو شہید کر دیا، تو اس سے پہلے تم نے بھی تو غزوہ بدر میں بھی ستر کافروں کو قتل کر دیا اور مزید براں ستر کافروں کو قیدی بھی بنالیا۔ تو اب اگر احد کی جنگ میں تمہیں کچھ تکلیف پہنچی ہے، تو تم نے بھی غزوۂ بدر میں انھیں اسی قدر پہلے تکلیف پہنچائی تھی، پھر تم ضعف قلبی کا شکار کیوں ہو رہے ہو، اور کیوں کفار کے ساتھ جنگ کرنے سے گھبرائے ہوئے ہو، بلکہ تم اولیٰ واعلیٰ ہو، لہٰذا کمزوری مت دکھاؤ اسلئے کہ تمہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت پر لاکھوں امیدیں ہیں، اور وہ بیچارے تو رحمت ایزدی پر امید ہی نہیں رکھتے۔

(اور یہ ایام) جو گردش لیل ونہار کا ثمرہ ہیں اور جن پر زندگی کا دارومدار ہے (ہم باری باری پھیرتے ہیں ان کو لوگوں میں)۔ کوئی دن دولت وعشرت کے ساتھ گزرتا ہے، تو کوئی دن مصیبت اور عسرت کی نذر ہو جاتا ہے۔ کبھی غلبہ کی تمہاری باری اور کبھی تمہارے دشمنوں کی۔ ایک ہی دن اگر کسی کیلئے باعث راحت ہے، تو کسی کیلئے رنج وغم والا ہے۔

کبھی ہمیں دکھ پہنچتا ہے اور کبھی فتح ونصرت، کیونکہ ایام، رنج وراحت کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ فتح ونصرت الٰہی ایک عظیم منصب ہے جو صرف مومنین کیلئے ہے، لہٰذا ظاہری طور پر کسی جنگ میں کافروں کو مسلمانوں پر جو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے جسے وہ اپنی کامیابی سمجھتے ہیں، وہ مسلمانوں کیلئے سخت دن تو ضرور ہوتے ہیں، مگر اس حال میں بھی نصرت الٰہی مسلمانوں ہی کے شریک حال رہتی ہے اور مسلمانوں پر آنے والی یہ سختی نصرت خداوندی ہی سے مسلمانوں کیلئے رافع درجات اور کفارہ سیئات ہو جاتی ہے اور انھیں صابرین کے مقدس گروہ میں شامل کر دیتی ہے۔ اسکے برعکس کفار اپنی ظاہری کامیابی کے نشے میں اپنے کو شدید ترین غضب الٰہی کا مستحق بنا لیتے ہیں۔

۔۔۔المختصر۔۔۔ حقیقی نصرت الٰہی مومنین ہی کیلئے ہے۔ اب رہ گیا کافروں کو بھی ایمان والوں کے مقابلے میں ظاہری کامیابی دے دینا، تو اس میں بڑی حکمت ہے اور وہ یہ کہ اگر ایسا ہو کہ ہر وقت کفار پر سختی ہی سختی اور اہل ایمان پر غلبہ ہی غلبہ ہو، تو پھر یہ امر بدیہی ہو جائیگا کہ اسلام حق ہے اور کفر باطل۔ ظاہری طور پر یونہی ہو تو اسلام کا مکلف بنانا اور سزا وجزا کا نظام معطل ہو کر رہ جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اہل اسلام کو دکھ میں مبتلا کرتا ہے اور

کبھی اہل کفر کو، تاکہ شبہات کا باب کھلا رہے اور انسان ان شبہات کو دلائل سے سمجھے کہ اسلام حق ہے اور کفر باطل۔ اس اعتبار سے اسے ثواب کا وافر حصہ نصیب ہوگا۔

۔۔۔الغرض۔۔۔گردش ایام اور فتح وشکست مذکورہ بالا قدرتی اصول کی کئی علتیں (اور) حکمتیں ہیں۔ من جملہ انکے یہ ہے کہ مومن کو اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں، جنکا اسے علم تک نہیں۔ اس گردش ایام کی ایک حکمت یہ بھی ہے (تاکہ معلوم کرا دے اللہ) تعالیٰ اور ظاہر فرما دے (انکو جو سچے دل سے (ایمان لائے اور) پھر (بنائے تم میں سے کچھ) لوگوں کو شہداء احد کی طرح منصب (شہادت) پانے (والے)۔۔یا۔۔ یہ کہ تم میں سے ایک دوسرے کا گواہ بنائے کہ معرکۂ جہاد میں کس نے جان دی اور کس نے منافقین کی طرح بھاگنے کی راہ نکالی۔ سنو (اور) یاد رکھو! کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا) ان (ظالموں کو) جنکی سرشت یہ ہے کہ انکا ظاہر کچھ ہے ۔۔اور۔۔ باطن کچھ ۔۔یونہی۔۔اللہ تعالیٰ نہیں دوست رکھتا کھلے ہوئے کافروں کو، اور درحقیقت کفار کی مدد نہیں فرماتا۔ اب اگر کسی وقت وہ غلبہ پا جاتے ہیں، یہ انکے لئے استدراج ہے اور انکو غفلت میں رکھنا ہے۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور تاکہ خالص کھرا کر دے اللہ انکو جو ایمان لائے اور مٹا ڈالے کافروں کو●

(اور) یہ چیز اہل ایمان سے آزمائش کے طور پر ہے، (تاکہ خالص کھرا کر دے اللہ) تعالیٰ (انکو جو ایمان لائے) اور انھیں گناہوں سے پاک وصاف کر دے۔۔یا۔۔انکے درجات کو بلند سے بلند تر کر دے، کیونکہ [illegible] ہیں وہ گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں اور بے [illegible] ہیں۔ یہ تو رہا مومنین پر کفار کے غالب آنے کی صورت میں ۔۔مگر ۔۔اس صورت میں جب مومنین غالب ہوں اور کفار مغلوب ہوں، تو اس میں یہ حکمت (اور) مصلحت ہے تاکہ (مٹا ڈالے) اللہ تعالیٰ (کافروں کو) اور انھیں نقصان میں ڈالدے ۔۔نیز۔۔ انھیں ہلاک کر دے۔۔الغرض۔۔ [illegible] لیے امتحان اور آزمائش کا گھر ہے۔ ہر حال میں انکی آزمائش ہوتی [illegible] تو غزوۂ احد میں شکست کھانے والو! کہ۔۔۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا

کیا تم نے خیال کر رکھا ہے کہ جنت میں جاؤ گے اور ابھی معلوم کرائے گا اللہ انھیں، جنھوں نے تم میں سے جہاد

مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۝

کیا ہے، اور ابھی معلوم کرائے گا صبر کرنے والوں کو●

(کیا تم نے) یہ (خیال کر رکھا ہے کہ جنت میں) بغیر آزمائش وامتحان چلے (جاؤ گے) حالانکہ تاحال جہاد اور شدائد پر صبر تمہارے میں جمع نہیں ہوئے۔ پس مناسب صورت حال یہی ہے کہ تم جنت میں داخلہ کا گمان مت کرو، جیسے وہ لوگ بہشت میں داخل ہوئے، جو اللہ کی راہ میں شہید ہوئے اور اپنی اپنی جان و مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دی، اور ہر دکھ درد پر ثابت قدم رہے۔ جب تک تم انکی طرح وہ راستہ اختیار نہ کرو گے اور انکی طرح صبر نہیں کرو گے، انکے مراتب کو نہیں پہنچ سکتے۔ اور یہ تو بعید از قیاس ہے کہ انسان سعادت اور بہشت کو ان اعمال کے بغیر حاصل کر لے۔

۔۔الختصر۔۔مجاہدین کون ہیں؟ اور صابرین کون ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکو پردۂ خفاء میں نہیں رکھے گا (اور ابھی) معرکہ کارزار سامنے آتے ہی (معلوم کرا) د(یگا) اور ظاہر فرمادیگا (اللہ) تعالیٰ (انھیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور)۔۔نیز۔۔(ابھی معلوم کرا) د(یگا) اور ظاہر فرمادے گا (صبر کرنے والوں کو)۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ

اور تم بڑی آرزو رکھتے تھے مرنے کی، قبل اس کے کہ موت سے ملو،

فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۝

تو اب تو تم نے اس کو دیکھ لیا اپنی نظر سے●

اے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکنے والو! یاد کرو لقائے الٰہی کے اشتیاق کی وجہ سے (اور) اعلاء کلمۃ الحق کے مقصد حسن کے پیش نظر (تم بڑی آرزو رکھتے تھے مرنے کی)، یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں شہید ہونے کی۔۔الختصر۔تمہاری یہ تمنا تھی کہ تم اللہ کے دین کو سربلند کرو اور اللہ کے دشمنوں کو قتل کرو، خواہ اس راہ میں تمہاری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ تم نے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کردیا (قبل اسکے کہ موت سے ملو) اور اسکے اسباب کا مشاہدہ کرو، (تو اب تو تم نے اسکو دیکھ لیا اپنی نظر سے) مقاتلہ کفار کو جو تم چاہتے تھے، اور پھر اسکے نتیجہ میں اپنے بھائیوں اور دوستوں کو شہید ہوتے۔

تو ایسی صورت حال میں تم میں سے بعض کا حال یہ ہو گیا کہ رسول کریم کو اکیلا چھوڑ کر خود اپنے بچاؤ کی کوشش میں لگ گیا۔ اور جب دندانِ مبارک شہید ہونیکے سبب آنحضرت ﷺ کو زخم پہنچا اور آپ پھر شہیدوں میں پوشیدہ ہو گئے۔۔۔نیز۔۔۔ ابلیس لعین نے ہر خاص و عام میں یہ آواز پھیلا دی کہ آگاہ ہو جاؤ، بیشک محمد ﷺ مقتول ہو گئے۔ تو جنکا ایمان ضعیف تھا، ان لوگوں کے ایک گروہ نے چاہا کہ عبداللہ ابن ابی کی طرف رجوع کر کے التماس کریں کہ ابوسفیان سے انکے امان کی تحریر لے لے اور دوسرا گروہ بھاگ گیا۔

بعد میں جب حضور ﷺ نے ان شکست خوردہ بھاگنے والوں کو ملامت فرمائی اور ان سے دریافت کیا کہ تم بھاگے کیوں؟ ٹھہرے کیوں نہ رہے؟ میدانِ جنگ سے منہ کیوں پھیرا؟ انھوں نے عذر شروع کیا اور کہنے لگے کہ ہم نے آپ کی شہادت کا آوازہ سنا، زمانہ ہم پر سخت ہو گیا، خوف کے مارے ہم بھاگے۔ انکے اس عذر کو دفع کرنے کیلئے اور اسکی غیر معقولیت کو واضح کرنے کیلئے، ارشادِ ربانی ہوا کہ۔۔۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول۔ بیشک گزرے ان سے پہلے سارے رسول۔ تو کیا اگر وہ انتقال کریں یا شہید کر دیے جائیں

انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ

تو تم پلٹ جاؤ گے الٹے پاؤں؟ اور جو الٹے پاؤں پلٹے تو کچھ نہ

يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

بگاڑ سکے گا اللہ کا۔ اور اللہ جلد جزا دے گا شکر گزاروں کو●

اچھی طرح سے سن لو (اور) سمجھ لو کہ (نہیں ہیں) میرا وہ بندہ جنکی مسلسل تعریف کی جاتی ہے یعنی (محمد، مگر) میری طرف سے بھیجے ہوئے (ایک رسول)، اور یہی صرف ایک میرے فرستادہ نہیں، بلکہ (بیشک گزرے ان سے پہلے) جن جن کو رسول بنا کر بھیجنا تھا سارے کے (سارے رسول)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ رسالت ایک عظیم الشان منصب ہے، اشرف المخلوقات نوع انسانی کیلئے اس سے بلند و بالا اور کوئی منصب نہیں۔ 'رسالت' کے اوپر بس 'الوہیت' کا درجہ ہے، جو صرف خدائے وحدہ لاشریک ہی کیلئے مخصوص ہے، اور کسی بھی مخلوق کو نہ حاصل ہے اور نہ حاصل ہو سکتا ہے۔ کوئی مخلوق کتنی ہی عظیم الشان کیوں نہ ہو، لیکن اسکا الوہیت والا یعنی اپنی ذات و

صفات میں واجب الوجود، مستقل بالذات، قدیم ولازوال ہونا، محالات خرد میں سے ہے۔
اور یہ بھی الوہیت والے ہی کی شان ہے کہ ہمیشہ سے رہے اور ہمیشہ رہے، جسکا عدم محال ہے۔ اس ذات وحدہ لاشریک کے سوا موجودات میں کوئی بھی ایسا نہیں جو واجب الوجود ہو، اور جسکا وجود ضروری نہ ہو۔ وہ اپنے وجود سے پہلے عدم میں تھا، پھر خالق کائنات نے اپنی مرضی سے ایک مقرر وقت تک کیلئے اسکو وجود بخشا، اور جب اسکی حیات کے ایام پورے ہوگئے پھر اس پر موت طاری ہوگئی۔ ساری کائنات میں یہی ضابطہء فطرت رائج ہے۔
مخلوقات میں سب سے زیادہ باعظمت، حضرات انبیاء ومرسلین بھی اس ضابطے کے دائرے سے باہر نہیں۔۔ہاں۔۔ یہ ضرور ہے چونکہ انبیاء ومرسلین کورب ذوالجلال نے ایک عظیم الشان منصب پر فائز کیا ہے جسکے کچھ فرائض ہیں۔ ہر نبی اور ہر رسول جب اپنے منصب سے متعلقہ فرائض کو مشیت الٰہی کے مطابق پورا کرلیتا ہے، تورب کریم اس پر موت طاری فرماکراسے اپنے قرب خاص میں طلب فرمالیتا ہے۔
۔۔مگر۔۔اسکے وصال سے خود اسکے پیغام کی موت نہیں ہوجاتی، وہ آنکھوں سے اوجھل ہوجاتا ہے، لیکن اسکالایاہوادین باقی رہتا ہے اوراسکے ماننے والوں پر ویساہی واجب القبول اور لازم العمل ہوتا ہے، جیساکہ اسکی ظاہری حیات میں تھا۔ توجس طرح تمام رسولوں کا دین انکے وصال کے بعد باقی اور موجود رہا، اوران مرسلین کے سچے ماننے والے اس پر اپنا ایمان باقی رکھتے ہوئے اسکی ہدایات پر تاحیات عمل کرتے رہے، اور کسی کے دل میں یہ خیال بھی نہیں گزرا، کہ جب ہمارا رسول ہی نہ رہا، تواسکے لائے ہوئے دین کو مان کر ہمیں کیا حاصل ہوگا؟
بالکل اسی طرح محمد عربی ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے عظیم رسول ہیں، اگر بالفرض وفات پاجائیں، تو اس سے آپ کالایاہوادین کہاں باطل ہوجاتا ہے؟ جس سے آپکے ماننے والوں کو بے دین ہونے کی گنجائش نکل آئے؟۔۔۔الختصر۔۔۔ [redacted] بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ [redacted] رہیں۔ توبس یہی شان ہے محمد عربی ﷺ کی، جو اپنے سے پہلے مبعوث ہونے والے رسولوں کے ہم منصب رسول ہیں۔
(توکیا اگر وہ) اپنے خانہء اقدس میں (انتقال کریں یا) میدانِ جہاد میں (شہید کردیے جائیں، توتم پلٹ جاؤگے الٹے پاؤں) اوران کے دین سے پھر جاؤگے، حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ ان

سے پہلے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے پھر انکا وصال ہوا، اسکے باوجود انکی امتیں انکے دین پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں، تو خبردار ہو جاؤ (اور) غور سے سن لو، کہ (جو) کوئی مرتد ہو کر۔۔یا۔۔ جہاد چھوڑ کر (الٹے پاؤں پلٹے) گا، (تو) وہ (کچھ نہ بگاڑ سکے گا اللہ) تعالیٰ (کا)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔اسکا برگشتہ ہو جانا اور عملی اور اعتقادی طور پر خلاف کرنا اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کا نقصان نہیں دیگا، بلکہ اسکا نقصان وہ خود اٹھائیگا، کہ اس نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے غضب اور اسکے عذاب کے سامنے خود کو پیش کر دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کو کیا نقصان پہنچا سکتا ہے، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نفع ونقصان سے منزہ ہے۔ رہ گئے اللہ تعالیٰ کے وہ بندے جو مشکل سے مشکل وقت میں بھی دین اسلام پر ثابت قدم رہتے ہیں، تو انکی یہ ثابت قدمی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں اور نہایت ہی اعلیٰ نیکیوں سے ہے۔

(اور) اپنے فضل وکرم سے (اللہ) تعالیٰ (جلد) از جلد (جزا) ئے خیر (دے گا) ان نیک شعاروں اور (شکر گزاروں کو)۔ اے ایمان والو! منافقین کی یہ بکواس کہ اگر شہید ہونے والے ہمارے یہاں رہ جاتے، تو نہ وہ مرتے اور نہ ہی مارے جاتے، انکی کم عقلی اور سوء فہمی کی روشن دلیل ہے، اسلئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ نہ کوئی اپنے وقت سے پہلے مرتا ہے نہ ہی اپنے وقت معین سے مہلت ملتی ہے۔ نہ وہ جنگ سے بھاگنے سے رکتی ہے، اور نہ ہی جنگ میں لڑنے سے آتی ہے۔۔الغرض۔۔ مجاہد اپنی موت سے پہلے نہیں مرتا اور نہ ہی جہاد سے منہ موڑنے والا آئی ہوئی موت سے بچ سکتا ہے۔ تو سنو!۔۔۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ

اور کسی جان کو حق نہیں کہ مر جائے بغیر حکم اللہ کے، لکھا ہوا ہے وقت مقرر کردہ۔ اور جو چاہے

ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ

دنیا کا پھل تو ہم اسکو اس سے دیں۔ اور جو چاہے آخرت کا ثواب

نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

تو ہم اسکو اس سے دیں۔ اور جلد ہم جزا دیں گے شکر والوں کو●

(اور) یاد رکھو کہ (کسی جان کو) اللہ تعالیٰ نے یہ (حق نہیں) دیا ہے (کہ) وہ اپنی مرضی سے

(مرجائے بغیر حکم اللہ) تعالیٰ (کے)، وہ حکم جو (لکھا ہوا ہے) لوح محفوظ میں جسکا (وقت) خود اللہ تعالیٰ کا (مقرر کردہ) ہے۔

اس ارشاد میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب وتحریص ہے اور معرکہ ٔقتال میں انھیں دشمنوں پر دلیر کردینا ہے، اسلئے کہ جو کوئی یہ جانے گا کہ اسکی عمر مقرر ہے اور اسکی اجل کا اندازہ ٹھہرا ہوا ہے، یقیناً لڑائی کے معرکہ میں دلیر ہوکر تہلکہ مچادیگا۔۔الغرض۔۔موت وحیات کا دارومدار صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے، اس میں کسی کو کسی قسم کا دخل نہیں۔۔ہاں۔۔اعمال کے ثمرات میں کسی نہ کسی حد تک اپنے ارادوں اور اپنی نیتوں کا دخل ہے۔لہٰذا انھیں چاہئے کہ اعمال کے ثمرات کو اغراض دنیا سے ہٹا کر، بہترین مطالب میں لگادیں اور جس طرح حالات کے تقاضے کو نظر انداز کر کے غزوۂ احد میں بعض لوگ مال غنیمت کے حصول کے درپے ہوگئے، اس طرز عمل سے اپنے کو بچائیں۔

۔۔الحاصل۔۔اعمال کے ثواب کا دارومدار نیتوں (اور) اپنے ارادوں پر ہے تو ہم سے (جو چاہے) گا (دنیا کا پھل) اور دنیا کی بھلائی (تو ہم اسکو اس سے دیں) گے۔۔الغرض۔۔جو صرف مالِ غنیمت کیلئے جہاد کرتا ہے، تو اسے یہ مال حاصل ہوجائیگا اور بس ایسے کو اپنے اس عمل سے آخرت کی بھلائی میں کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔ (اور) اسکے برخلاف (جو چاہے) گا (آخرت کا) قسم قسم کا اجرو (ثواب، تو ہم اسکو اس سے دیں) گے (اور جلد) از جلد (ہم جزا) ئے خیر (دینگے)۔مشکل سے مشکل وقت میں اسلام پر ثابت قدم رہنے والوں، غزوۂ احد میں شہید ہوجانے والوں، اور اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والوں۔۔المختصر۔۔سارے (شکر والوں کو)۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ

اور کتنے پیغمبروں نے جہاد کیا جن کے ساتھ بکثرت اللہ والے تھے، تو وہ سست نہ ہوئے اس مصیبت سے جوان کو پہنچی

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اللہ کی راہ میں، اور نہ کمزور پڑے، اور نہ دبے، اور اللہ دوست رکھتا ہے صبر کرنے والوں کو●

مسلمانوں ذرا غور تو کرو، کہ غزوۂ احد میں کفار کا غلبہ دیکھ کر سست ہوجانے والے، مشرکین کے ساتھ مقابلہ کرنے میں ڈھیلے پڑجانے والے، اور انکے سامنے عجز وانکسار کا مظاہرہ کرنے والے،

عبداللہ ابن ابی، رئیس المنافقین کو اپنا سفارشی بنا کر ابوسفیان سے اپنے امان کی تحریر چاہنے والے، یہاں تک کہ جب کفار آنحضرت ﷺ کو شہید کرنے پر آمادہ ہوں، آپکو چھوڑ کر بھاگ نکلنے والے، انھیں خوب معلوم تھا، کہ اپنے نبی کے ساتھ جہاد میں شریک ہونے میں انھوں نے کوئی پہل نہیں کی ہے۔

(اور) ایک دو نہیں بلکہ (کتنے پیغمبروں نے) اللہ تعالیٰ کی راہ میں (جہاد کیا، جنکے ساتھ) فقہا، علماء، حکماء، اتقیا۔ الختصر۔۔ (بکثرت اللہ) تعالیٰ (والے تھے، تو) انکی شان یہ تھی کہ دورانِ جہاد (وہ سست نہ ہوئے)، نہ ڈھیلے پڑے، اور نہ ہی ہمت ہارے، (اس مصیبت سے جو انکو پہنچی اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)۔ ہر مصیبت کا انھوں نے مردانہ وار مقابلہ کیا اور کسی طرح کی بزدلی کا مظاہرہ نہ کیا (اور نہ کمزور پڑے) وہ دشمنوں سے۔۔یا۔۔ جہاد سے۔۔یا۔۔ اپنے دین کے معاملات میں۔۔ الغرض۔۔ کسی طرح کی کمزوری نہیں دکھائی (اور نہ) ہی (دبے) یعنی دشمنوں کے آگے جھکے بھی نہیں۔۔ بلکہ۔۔ شدائد و مصائب میں صبر کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں دکھ اور تکلیف کو سر آنکھوں پر رکھتے رہے، تو اللہ تعالیٰ انکی عزت و عظمت کو بڑھاتا رہا۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے صبر کرنے والوں کو)۔ وہ حضرات دشمنوں کے مقابلہ اور جنگ کی سخت سے سخت کارروائیوں اور شدائد و مصائب کے وقت جو کہ جنگ کے باعث ان پر پہنچتیں، صرف یہی کہتے۔۔۔

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيٓ

اور نہ تھا انکا کچھ کہنا، سوا اسکے کہ دعا کی پروردگارا ہم کو بخش دے، ہمارے گناہوں کو اور ہماری زیادتی

أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَٰفِرِينَ ﴿١٤٧﴾

کو اپنے کام میں، اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہماری مدد فرما کافر قوم پر ●

(اور نہ تھا انکا کچھ کہنا سوا اسکے، کہ دعا کی پروردگارا ہم کو بخش دے، ہمارے) صغیرہ گناہوں کو اور) عفو و مغفرت کے دامن میں چھپالے، ہمارے کبیرہ گناہوں اور (ہماری زیادتی کو) جو (اپنے کام میں) ہم سے ہوگئی ہے۔

ان نفوسِ قدسیہ والوں کی بارگاہِ خداوندی میں تواضع اور انکی کسرِ نفسی تو دیکھئے، کہ جو گناہ ان سے سرزد بھی نہیں ہوئے، اس سے بھی مغفرت چاہی۔۔یا۔۔ انھوں نے اپنے طور پر خود کو

قصوروار گمان کر کے بخشش چاہی۔۔یا۔۔یہ کہ مصائب وآلام کو خود اپنی کسی نہ کسی کمی اور تقصیر کا ثمرہ گمان کیا اور اس سے مغفرت چاہی۔ ویسے بھی مغفرت کی دعائیں بندے کی عاجزی، محتاجی، بے بسی، اور شانِ بندگی کا اظہار ہوتا ہے، اسی لئے نفوسِ قدسیہ رکھنے والے، قطع نظر اس سے کہ وہ معصوم ہیں۔۔یا۔۔غیر معصوم، اپنے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں، اسلئے کہ یہ دعا ایک طرف اگر دافع سیئات ہے، تو دوسری طرف رافع درجات بھی ہے۔

(اور) انکی عرض یہ بھی ہے کہ (ہم کو ثابت قدم رکھ) دین حق پر۔۔یا۔۔میدانِ جنگ میں، کہ ہمارے ہاتھ سے تقویٰ کا دامن نہ چھوٹے اور ہر وقت تیری طرف سے تائید غیبی ہمارے شامل حال رہے، (اور ہماری مدد فرما کافر قوم) یعنی ہمیں قوم کفار (پر) فتح ونصرت عطا فرما۔

۔۔الغرض۔۔وہ حضرات ایسی دعا پر مواظبت کرتے اور ان سے ایسا کوئی کلمہ ہرگز نہیں صادر ہوتا تھا، جس میں میدانِ جنگ۔۔یا۔۔دین کے امور میں کسی قسم کی جزع۔۔یا۔۔تزلزل کا شائبہ ہو۔۔الغرض۔۔وہ شکست کھا کر بھاگنے والوں میں نہیں تھے۔

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ

تو دیا انکو اللہ نے دنیا کی بھلائی اور ثوابِ آخرت کی خوبی

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

اور اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو ●

(تو دیا انکو) انکی اس دعا کی وجہ سے (اللہ) تعالیٰ (نے دنیا کی بھلائی)، یعنی فتح ونصرت اور عزت ونیک نامی (اور ثوابِ آخرت کی خوبی)، یعنی بہشت اور دائمی نعمتیں، جس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور جس میں خصوصی طور پر فضل الٰہی شامل رہتا ہے۔ (اور) سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے (اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو)، یعنی اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہتا ہے اور انکے ساتھ خصوصی بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ دراصل یہی ہر سعادت کا مبدا ہے۔

غزوۂ احد میں شکست کے وقت منافقین اہل ایمان سے بول پڑے، کہ اب اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ اور روٹھے ہوئے بھائیوں سے مل جاؤ، اگر نبی سچے ہوتے، تو وہ مغلوب ہوتے، نہ شہید۔۔یونہی۔۔بعض ضعیف الاعتقاد نے مرتد ہو کر ابوسفیان سے امان چاہی، تو انکے تعلق سے ارشاد ہوا کہ۔۔۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تُطِيعُواْ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يَرُدُّوكُمْ

اے ایمان والو! اگر کہے پر چلو گے ان کے جو کافر ہیں، تو لوٹا دیں گے تم کو الٹے قدم،

عَلَىٰٓ أَعْقَٰبِكُمْ فَتَنقَلِبُواْ خَٰسِرِينَ

تو تم ہی الٹے گھاٹا اٹھاؤ گے●

(اے ایمان والو! اگر کہے پر چلو گے ان) منافقین (کے، جو) چھپے ہوئے (کافر ہیں)۔۔یا ۔۔ان مرتدین کے، جو ابوسفیان سے امان چاہنے والے ہیں۔۔المختصر۔۔ان دو میں سے کسی کے بھی کہے پر چلو گے (تو) وہ (لوٹا دینگے تم کو الٹے قدم)، اپنے دین میں داخل کر کے، اسی کفر کی طرف رب کریم نے اپنے حبیب کے ذریعے جس سے تمہیں نجات دی ہے۔اب اگر خدانخواستہ یہ صورت پیش آگئی (تو تم ہی الٹے گھاٹا اٹھاؤ گے)۔

وہ اسطرح کہ تم سے دنیا کی عزت بھی چھن جائیگی اور آخرت کی سعادت سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔دنیا کی عزت اسلئے سلب ہو جائیگی، کہ انسان کو اس سے بڑھ کر اور کون سی ذلت ہوگی کہ وہ اپنے دشمن کا تابع ہو کر زندگی گزارے، ہمیشہ اسکا نیازمند رہے اور ہر ضرورت کیلئے اسکے آگے ہاتھ پھیلائے۔رہ گئی آخرت کی سعادت سے محرومی تو وہ یہی ہے کہ وعدہ دیئے ہوئے ثواب سے محروم ہو کر دائمی عذاب میں مبتلا رہو گے۔تم ان کافروں کو اپنا مددگار نہ سمجھو۔اگر۔۔بالفرض۔۔تم انکی اطاعت بھی کر دگے، جب بھی یہ جھوٹے بدعہد مکار لوگ تمہاری مدد کرنے والے نہیں ہیں۔۔۔

بَلِ ٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلنَّٰصِرِينَ

بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے، اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے●

(بلکہ اللہ) تعالیٰ (تمہارا مولیٰ) اور تمہارا مددگار (ہے، اور وہ) ایسا ویسا کوئی معمولی مدد فرمانے والا نہیں، بلکہ (سب سے بہتر مددگار ہے)۔تو صرف اسی کی اطاعت کرو اور اسکی مدد پر بھروسہ کر کے دوسروں سے مستغنی ہو جاؤ۔

غزوۂ احد میں مال غنیمت کی لالچ اور اطاعت رسول سے انحراف کا نتیجہ دکھا کر، فوراً ہی رب کریم نے اپنے کرم کی شان دکھائی، اور اپنا فیصلہ سنا دیا کہ۔۔۔

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ

جلد ڈال دیں گے ہم دلوں میں انکے جو کافر ہیں رعب کو، کیونکہ انھوں نے شریک بنایا اللہ کا اس کو جس کی اللہ نے کوئی

یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۵۱﴾

سند نہیں اتاری۔ اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور کتنا برا ہے ٹھکانہ ظالموں کا●

(جلد) ہی (ڈالدیں گے ہم دلوں میں انکے جو کافر ہیں رعب کو)۔

--چنانچہ--حق تعالیٰ نے جنگ احد کے دن کفار کے دلوں میں ایسا خوف ڈالدیا کہ باوجود فتح اور غلبہ کے، بے سبب لڑائی چھوڑ کر پھر گئے۔

اور انکے دلوں میں یہ خوف کیوں ڈالا، (کیونکہ انھوں نے شریک بنایا اللہ) تعالیٰ (کا اسکو جس) کے شریکِ خدا ہونے (کی اللہ) تعالیٰ (نے کوئی سند نہیں اتاری)، اسلئے کہ اسکی کوئی سند موجود ہی نہیں --بالفرض-- اگر اسکی کوئی سند اور دلیل موجود ہوتی، تو وہ ضرور نازل فرماتا--الغرض--دلیل وہی مفید ہے جو منجانب اللہ ہو، نہ کہ اپنے خیالات فاسدہ اور قیاسات باطلہ سے۔

ان مشرکین کو سمجھ لینا چاہئے (اور) یقین کر لینا چاہئے کہ (انکا ٹھکانہ جہنم ہے)۔ ان کیلئے جہنم کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہوگی، (اور کتنا برا ہے ٹھکانہ) کفر و شرک میں مبتلا رہ کر خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے (ظالموں کا)۔ کفر پر مرنے والوں کا یہ ٹھکانہ کوئی عارضی نہیں، بلکہ وہ ہمیشہ اسی میں رہنے والے ہیں۔

جنگ احد سے واپسی میں بعض مسلمانوں کو خیال ہوا کہ اس جنگ میں ہمیں شکست کیوں ہوئی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک سے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا، وہ یہ کہ حضور علیہ السلام نے تیراندازوں کو فرمایا کہ تم یہیں ٹھہرے رہنا، انشاء اللہ تعالیٰ فتح و نصرت ہمیں حاصل ہوگی، بشرطیکہ تم اس جگہ سے نہ ہٹنا۔ اسکے بعد ہوا بھی ایسا ہی۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ

اور بیشک ضرور سچ کر دکھایا تم کو اللہ نے اپنے وعدہ کو، جبکہ تم قتل کر رہے تھے انکو اسکے حکم سے، یہاں تک کہ جب تم بزدل ہوگئے

وَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ وَعَصَیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

اور تعمیل حکم میں جھگڑنے لگے، اور نافرمانی کی، بعد اس کے کہ دکھا دیا تم کو جو تم چاہتے ہو۔

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ

تم میں کوئی چاہے دنیا کو اور کوئی چاہے آخرت کو۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ

پھر تو پھیر دیا تم کو ان کی جانب سے، تاکہ آزمائے تم کو، اور بے شک اس نے تم کو معافی دے دی،

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور اللہ فضل والا ہے ایمان والوں پر●

(اور بے شک ضرور سچ کر دکھایا تم کو اللہ) تعالیٰ (نے اپنے وعدہ کو)۔۔الغرض۔۔خدا نے جو وعدہ فرمایا، اسے پورا بھی فرما دیا (جبکہ تم قتل کر رہے تھے انکو اسکے حکم) اور اسکی مدد (سے)۔۔چنانچہ۔۔ کچھ دن چڑھے تمہاری فتح تھی تو جس فتح کا تم سے وعدہ کیا گیا اور جس شرط پر کیا گیا، جب تک تم نے اس شرط کا لحاظ کیا، وہ فتح تم کو حاصل ہوگئی اور تم فاتح ہو گئے (یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے) اور تمہاری رائے کمزور پڑ گئی ۔۔یا۔۔ یہ کہ تم مالِ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، اسلئے کہ حرص، ضعف قلبی کی وجہ سے ہوتا ہے، (اور) صرف یہی نہیں بلکہ (تعمیل حکم میں جھگڑنے لگے) اور تمہارے بعض افراد یہ کہنے لگے، اب کفار شکست کھا کر راہِ فرار اختیار کر چکے ہیں اور ہمارے مسلمان بھائی انکا پیچھا کیے ہوئے ہیں اور انکی گردنیں اڑا رہے ہیں، پھر ہمارا یہ ٹھہرنا بے سود ہے۔

ان لوگوں نے یہ سوچا (اور) پھر اپنے امیر عبداللہ بن جبیر کی (نافرمانی کی) اور انکا کہنا نہ مانا (بعد اسکے کہ دکھا دیا تم کو) فتح و نصرت، مالِ غنیمت اور کفار کی شکست۔۔الختصر۔۔(جو تم چاہتے ہو) تمہارے یہ سارے مطلوب تمہیں نظر آئے، تو تم اپنے امیر کے حکم کی تعمیل کا خیال نہ کر سکے اور یہ بھی سنجیدگی کے ساتھ نہ سوچ سکے، کہ یہی حکم رسول بھی ہے۔اس سے انحراف خود اطاعت رسول سے انحراف ہے۔

چاہئے یہ تھا کہ جب انھیں یقین ہو گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا ہے، تو
انکا فرض منصبی تھا کہ وہ گناہ سے بچ جاتے، نہ کہ الٹا گناہ کا ارتکاب کرتے۔

اور ایسا اسلئے ہو گیا کہ (تم میں کوئی) وہ ہے جو (چاہے دنیا) کے مال واسباب (کو)، یہ وہی لوگ تھے جنھوں نے حکم نہیں مانا اور لوٹنے کو دوڑ پڑے (اور) تم ہی میں سے (کوئی) وہ ہے جو (چاہے آخرت) کی بھلائی (کو) اور شہادت کی سعادت کو، یہ وہ لوگ ہیں جو ثابت قدم رہے اور مرکز پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

(پھر تو پھیر دیا تم کو انکی جانب سے) اور باز رکھا تمھیں انکے قتل سے اور دوبارہ ان پر حملہ کرنے کا حکم نہیں دیا، (تاکہ) اس تخفیف کے ذریعہ (آزمائے تم کو) اور یہ ظاہر فرمائے کہ تم میں سے کتنے لوگ دوبارہ جہاد میں ثابت قدم رہتے ہیں، (اور) اس بار جو تم سے چوک ہوگئی اس پر تمہاری ندامت وشرمندگی کی وجہ سے (بیشک اس نے تم کو) اپنے فضل وکرم سے (معافی دے دی، اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ بڑا ہی (فضل) وکرم (والا ہے ایمان والوں پر)۔ حکم رسول کی مخالفت کی نحوست سے یہ ہوسکتا تھا، کہ کفار تم سب کو قتل کرڈالتے، مگر اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں میں تمہارا رعب ڈال کر تمھیں بچالیا اور تم کو ہلاک نہیں کیا، بلکہ تمھیں شکست فاش سے بچاکر، بالآخر فاتح وغالب بنادیا۔ ذرا غور تو کرو اپنی اس حالت پر۔۔۔کہ۔۔۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُنَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ

جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور مڑتے نہ تھے کسی پر، اور رسول تم کو بلارہے تھے تمہاری پچھلی جماعت میں،

فَأَثَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا

تو غم کے بدلے تم کو غم دیا، تاکہ رنج کرو اس پر جو جاتارہا تم سے، اور نہ

مَا أَصَابَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٣﴾

اس پر جو آپڑے تم پر، اور اللہ باخبر ہے جو تم کرو●

(جب تم چڑھے چلے جاتے تھے) اور ہزیمت کے سبب میدانِ جنگ سے، بہت دور نکل چکے تھے (اور مڑتے نہ تھے کسی پر)۔۔۔ الغرض۔۔۔ پیچھے کی طرف تم مڑکر دیکھتے بھی نہیں تھے، اور نہ پیچھے والوں کی طرف تمہاری کوئی توجہ تھی۔ تمہارا کوئی اپنے کسی دوسرے ساتھی کیلئے ٹھہرتا بھی نہیں تھا (اور) تمہارے (رسول تم کو بلارہے تھے) کہ اے اللہ کے بندوں میرے پاس آجاؤ، میں ہی اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اور زندہ ہوں۔ جو شخص واپس لوٹے گا، اسے انعام میں بہشت نصیب ہوگی۔ اس وقت تمہارا حال یہ تھا کہ تم رسول کو کوئی جواب بھی نہیں دے رہے تھے۔

رسول کریم کا یہ بلانا خود اپنی ضرورت کے پیش نظر نہیں تھا، اور نہ ہی آپ ان سے اپنے لئے کسی مدد کے طلبگار تھے۔۔۔ بلکہ۔۔۔ جب وہ شکست کھا کر بھاگ رہے تھے اور کفار سے جنگ کرنے کو چھوڑے جارہے تھے، تو ایسی صورت میں رسول کریم کا فرض تھا کہ اس 'منکر'

سے روک کر انھیں 'معروف' کی دعوت دیں۔ اسلئے کہ 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' ہر نبی کے اہم فرائض میں سے ہے۔

بلاتے وقت رسول کریم (تمہاری پچھلی جماعت) یعنی آخری صف (میں) تھے، یعنی بھاگنے والے بھاگتے ہوئے آپ سے آگے نکل گئے اور آپ پیچھے ہی کھڑے رہ گئے، اور وہیں سے انھیں آواز دیتے رہے۔ (تو) اللہ تعالیٰ نے تمہارے کیئے ہوئے عمل کی جزا میں (غم کے بدلے تم کو غم دیا)۔

ایک غم تو رسول مقبول کی شہادت کی خبر ہے اور دوسرا غم بعض صحابہ کے شہید ہونے کی خبر

۔۔یا یہ کہ۔۔ایک غم ہزیمت اور دوسرا غم فوت غنیمت۔

اور یہ جزا تمہیں اس واسطے دی کہ شدتوں اور سختیوں میں تمہیں صبر کی عادت ہوجائے (تاکہ) نہ (رنج کرو اس پر جو جاتا رہا تم سے)، یعنی فتح و غنیمت۔ (اور نہ) ہی (اسپر جو آپڑے تم پر) قتل و زخم و ہزیمت وغیرہ۔ (اور اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے جو تم کرو)، یعنی وہ تمہارے اعمال و مقاصد کو بخوبی جانتا ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ

پھر اتارا تم پر غم کے بعد پرسکون نیند جو تم میں سے ایک جماعت پر چھارہی تھی، اور ایک جمعیت

قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ

ان کو غم میں ڈال دیا تھا ان کی جانوں نے، گمان رکھتے تھے اللہ سے ناحق، جاہلیت کا گمان۔

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ

کہیں کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار ہے۔ کہہ دو کہ اختیار تو بالکل اللہ کا ہے،

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ

چھپاتے ہیں اپنے اندر وہ جو ظاہر نہیں کرتے۔ تم سے کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ اختیار ہوتا،

شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ

تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔ کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے ضرور نکل آتے وہ، لکھ دیا گیا ہے

عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ

جن پر قتل ہو جانا اپنی اپنی قتل گاہ میں، اور تاکہ آزمائے اللہ جو تمہارے سینوں میں ہے

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١٥٤﴾

اور تا کہ چھانٹ کر رکھ دے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ سینوں کی بات کو جانتا ہے●

(پھر اتارا تم پر غم کے بعد پرسکون نیند، جو تم میں سے) حقیقی مسلمانوں اور سچے ایمان والوں میں سے (ایک جماعت) یعنی مہاجرین میں سے حضرت صدیق اکبر، فاروق اعظم، علی مرتضی شیر خدا، حضرت طلحہ، حضرت سعد ابن وقاص اور حضرت زبیر اور انصار میں سے حضرت حارث بن صمہ اور حضرت سہیل ابن حنیف (پر چھارہی تھی)۔ اس ہلکی سی نیند کا فائدہ یہ تھا کہ قوت پھر آجائے اور ملال دفع ہو جائے۔ (اور) اسکے برعکس منافقین کی (ایک جمعیت، انکو غم میں ڈالدیا تھا انکی جانوں نے) اور انکی ذاتی خام خیالیوں نے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ (گمان رکھتے تھے اللہ) تعالیٰ (سے ناحق)، نازیبا، (جاہلیت) والوں (کا گمان)، کہ محمد ﷺ کی مہم اتمام کو نہ پہنچے گی۔

یہ منافقین وہ ہیں جو (کہیں)، کہہ پڑے (کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار ہے) موعودہ فتح و نصرت کے معاملے میں، کیا ہمارا بھی کچھ حصہ ہے؟ صورت حال تو دیکھنے میں یہ آرہی ہے کہ ابوسفیان کے لشکر پر غالب ہونے کی ہم آرزو رکھتے تھے وہ پوری نہیں ہوئی، اور غلبہ میسر نہیں ہوا۔ (کہہ دو کہ اختیار تو بالکل اللہ) تعالیٰ (کا ہے)، بیشک سب کام خواہ وہ غنیمت ہو۔۔یا۔۔ ہزیمت، وہ اسی کے حکم سے ہیں۔ بالآخر غلبہ اللہ تعالیٰ اور اسکے اولیاء کو ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ یہ منافقین (چھپاتے ہیں اپنے اندر وہ جو ظاہر نہیں کرتے تم سے) مسلمانوں کی تلوار کے خوف سے۔۔یا۔۔ اس ڈر سے کہ انکے برے کام اور خراب نیتیں کھل جائینگی، دل میں انکار و تکذیب رکھتے ہیں اور بظاہر ایسا لگتا ہے کہ وہ ہدایت حاصل کرنے کیلئے سوال کر رہے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ یہ منافقین تنہائی میں آپس میں ایک دوسرے سے سرگوشیاں کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے سے چپکے چپکے (کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ اختیار ہوتا)، اور فتح و نصرت میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا۔۔یا۔۔ ہمارا دین اسلام برحق ہوتا، (تو ہم) یعنی ہمارے لوگ (یہاں مارے نہ جاتے)۔ اے محبوب! ان ناسمجھوں سے واضح لفظوں میں (کہہ دو) کہ (اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے) تو (ضرور نکل آتے) تم میں سے (وہ) لوگ (لکھ دیا گیا ہے) لوحِ محفوظ میں روزِ ازل ہی سے (جن پر قتل ہوجانا اپنی اپنی قتل گاہ میں)۔

۔۔۔الغرض۔۔۔وہ لوگ جنکے متعلق لوحِ محفوظ میں لکھا جاچکا ہے، کہ یہ غزوۂ احد میں مرینگے، تو کوئی نہ کوئی سبب انھیں غزوۂ احد کیلئے حاضری میں مجبور کردیتا۔ یہ منافقین کی خام خیالی ہے کہ اگر شہید ہونے والے لوگ مدینہ میں ہوتے، تو قتل سے بچ جاتے۔ اسلئے کہ تقدیر الٰہی ہرگز نہیں ٹلتی اور نہ ہی اسکے حکم میں کوئی خلاف ہوتا ہے۔

اب مسلمانوں سے خطاب ہوتا ہے کہ۔۔۔

اے ایمان والو! جوغم والم تم پر تھا، ایسے غم والم کے بعد امن وآرام تم کو بھیجا، تا کہ اسکے وعدہ پر یقین کامل رکھو (اور) اس میں یہ بھی حکمت ہے (تاکہ آزمائے اللہ) تعالیٰ (جو تمہارے سینوں میں ہے) اخلاص وغیرہ۔۔۔الغرض۔۔۔دلوں کے اسرار اور مخفی بھید واضح ہوکر باہر آجائیں (اور تاکہ چھانٹ کر رکھ دے) اور خالص کردے (جو تمہارے دلوں میں ہے) تمہارے دلوں کا ہر بھید، ہر معاملہ کھرے سونے کی طرح صاف وشفاف اور بے داغ ہوجائے، جان لو (اور) یقین کرلو کہ (اللہ) تعالیٰ (سینوں کی بات کو جانتا ہے) یعنی وہ اسرار اور بھید جو کہ سینوں میں چھپے ہوئے ہیں، ایسا کہ کسی وقت اس سے جدا نہیں ہوتے، بلکہ ہر وقت اسکے ساتھ ملازمت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے علم وخبر سے باہر نہیں۔

مسلمانوں اپنے دلوں کو اس اندیشے سے پاک کرلو کہ نصرت الٰہی تمہارے ساتھ نہیں۔ غزوۂ احد میں تمہیں جو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا، اس میں شیطانی وسوسوں کا دخل ہے، جس نے تمھیں کوتاہ فکری اور سوء عملی کی راہ دکھادی اور پھر تم اس پر عمل کر بیٹھے۔ غور کرو کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ

بے شک جو لوگ پھر گئے تم میں سے جس دن ملیں دونوں فوجیں، انکو شیطان ہی نے ڈگمگادیا،

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۖ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥٥﴾

بسبب اسکے جو بعض کمائی کی تھی انھوں نے۔ اور بیشک ضرور اللہ نے معاف فرمادیا ان سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے●

(بیشک جو لوگ پھر گئے تم میں سے) اور ہزیمت اٹھائی اس دن، **(جس دن ملیں)** مسلمانوں اور کافروں **(دونوں)** کی **(فوجیں)** جنگ احد میں، تو **(انکو شیطان ہی نے ڈگمگادیا)** یا ان سے لغزش چاہی کہ انھوں نے اس امر کی اسکی فرمانبرداری **(بہ سبب اس)** شامت اعمال **(کے، جو بعض)** تھی اس **(کمائی)** کی، جو **(کی تھی انھوں نے)**، یعنی حکم رسول کی تعمیل نہ کرنا۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ بے حد فضل فرمانے والا ہے

(اور) کرم فرمانے والا ہے، لہٰذا (بیشک ضرور اللہ) تعالیٰ (نے معاف فرمادیا ان سے) انکی اس فرو گذاشت کو، انکے عذر وتوبہ اور کمالِ ندامت کی وجہ سے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) اور (حلم والا ہے)۔ گنہگار کے گناہ کے سبب اسکے عذاب میں عجلت نہیں کرتا، بلکہ توبہ کرنے کا موقع عنایت فرماتا ہے اور پھر صدق دل سے توبہ کرنے والوں کی توبہ، قبول بھی فرمالیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ

اے مسلمانو! مت ہوانکی طرح جنھوں نے کفر کیا، اور اپنے بھائیوں کیلئے کہا

إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا

جب کہ وہ سفر گئے زمین میں یا مجاہد تھے کہ اگر ہوتے ہمارے پاس تو نہ مرتے

وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ

اور نہ قتل کئے جاتے تاکہ کردے اللہ اس کو حسرت ان کے دلوں میں۔

وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

اور اللہ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اور اللہ جو کرو دیکھ رہا ہے●

(اے مسلمانو!) تم نے شیطانی وسوسوں کا تو حال دیکھ ہی لیا، جسکی وجہ سے غزوۂ احد میں تمہیں ہزیمت اٹھانی پڑی، تو اب منافقین جو شیطان کے مددگار ہیں، کے وسوسوں سے بھی خبردار اور ہشیار ہو جاؤ اور (مت ہو) جاؤ اپنے عقائد ونظریات اور اعمال وکردار میں (ان) منافقین (کی طرح جنھوں نے) کئی ایک (کفر کیا)، جن میں ایک تقدیر الٰہی کا انکار بھی ہے۔ جبھی تو وہ مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کرنے سے عار دلاتے تھے اور جو مسلمان انکے نسبی یا بظاہر دینی بھائی تھے' کیونکہ منافق بھی بظاہر مسلمان تھے' جب وہ کسی دور دراز سفر پر جاتے۔۔یا۔۔کافروں کے خلاف جہاد کرنے کیلئے جاتے اور اس سفر میں فوت ہوجاتے۔۔یا۔۔قتل کردیئے جاتے، تو وہ انکے متعلق کہتے کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے، تو نہ مرتے اور نہ ہی قتل کئے جاتے۔

۔۔الختصر۔۔ایک طرف تو انھوں نے کفر کیا (اور) دوسری طرف (اپنے) نسبی۔۔یا۔۔سمی (بھائیوں کیلئے کہا) اور انکے متعلق اظہارِ خیال کیا (جبکہ وہ) تجارت کیلئے یا اپنے دوسرے اہم مقاصد

کیلئے (سفر) میں (گئے) اور اپنے گھروں سے (زمین میں) سفر کرتے ہوئے دور چلے گئے، (یا) وہ (مجاہد تھے) اور جہاد کی غرض سے نکلے تھے، پھر وہ وفات پاگئے یا شہید ہو گئے (کہ اگر) وہ (ہوتے ہمارے پاس) ہمارے شہر مدینہ میں، (تو نہ مرتے، اور نہ) ہی (قتل کئے جاتے)۔

تو اے مسلمانو! منافقین کے ان شبہات پر توجہ نہ دو اور اس سلسلے میں وہ اپنی بکواس کرتے رہیں، مگر تم انھیں درخور اعتناء نہ سمجھو اور انکی فریب دہی کی کوششوں کو رائگاں کر دو، (تاکہ کر دے اللہ) تعالیٰ انکی (اس) بکواس (کو) سامان (حسرت انکے دلوں میں)، اور سوچنے لگیں کہ کاش کہ ہم نے ایسی بات نہ کہی ہوتی، جو ان سچے ایمان والوں پر اثر نہ کرسکی اور پھر اس وقت انکا کیا حال ہوگا، جب وہ دیکھیں گے کہ مسلمان انکے بزدلانہ پروپیگنڈے کے باوجود، جہاد کیلئے نکل رہے ہیں اور جہاد کر کے سلامتی کے ساتھ مال غنیمت لیکر واپس لوٹ رہے ہیں۔

اب اگر بالفرض انکے چکر میں کوئی آ بھی گیا ہوگا، تو وہ بھی سوچے گا کاش اس نے ان منافقین کا کہنا نہ مانا ہوتا اور جہاد میں چلا گیا ہوتا۔ یہ تو رہی دنیا کی بات، آخرت میں قیامت کے دن جب منافقین دیکھیں گے، کہ مجاہدین اور شہداء کو اللہ تعالیٰ کس قدر انعام واکرام سے نواز رہا ہے، اور انکو بے پناہ اجر وثواب مل رہا ہے، اور منافقوں کو اپنے اس قول کی بنا پر ذلت اور رسوائی کے عذاب کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، تو وہ حسرت سے کہیں گے، کہ کاش ہم نے یہ نہ کہا ہوتا۔ ویسے دنیا میں بھی ان مسلمانوں پر جو انکے فریب میں آگئے تھے، جب انکے مکر وفریب کا حال کھل جائیگا اور پھر وہ ان سے بیزار ہو جائینگے، تو پھر وہ منافقین حسرت سے کہیں گے، کہ کاش ہم نے یہ نہ کہا ہوتا۔

تو مسلمانو! منافقین کی بکواس پر کان نہ دھرو (اور) [illegible] (اللہ) تعالیٰ ہی (جلاتا ہے) [illegible] بلکہ وہی (مارتا ہے) اور وفات دیتا ہے۔ ان میں اقامت وسفر کا کسی قسم کا دخل نہیں۔ بسا اوقات مسافر وغازی کو زندہ رکھتا ہے، باوجود اسکے کہ موت کے بادل انکے سروں پر منڈلا رہے ہیں اور مقیم اور جنگ پر نہ جانے والوں کو موت دیتا ہے باوجود اسکے کہ انکے پاس عافیت وسلامتی کے اسباب موجود ہوتے ہیں۔ سنو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (جو کرو) سے (دیکھ رہا ہے)، لہٰذا تم اپنے عقیدہ ونظریہ اور قول وفعل میں ان منافقین کی طرح نہ ہو جاؤ۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللَّهِ

اور بے شک اگر تم شہید کردئے گئے اللہ کی راہ میں یا مرے، تو اللہ کی بخشش

وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾

اور رحمت ضرور زیادہ بہتر ہے اس سے جو وہ کافر جمع کریں●

(اور) اچھی طرح سمجھ لوکہ (بیشک اگر تم شہید کردیئے گئے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں، یا) خدا ہی کی رضا وخوشنودی کی حالت میں (مرے)، یعنی زندگی دین کی تبلیغ میں گزاری، قرآنِ کریم کو پڑھتے پڑھاتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو لوگوں تک پہنچاتے رہے، اب اگر اس دوران میں موت آگئی تو یہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنا ہے۔۔المختصر۔۔خدا تک جو راہ لیجاتی ہے، اسی پر چلتے ہوئے مرنا ہی 'موت فی سبیل اللہ' ہے۔

تو جو خدا کے عذاب سے بچنے کیلئے خدا کی راہ پر چلا، (تو) اسکے لئے (اللہ) تعالیٰ (کی بخشش) ہے (اور) جو جنت اور اس کی نعمتوں کی خواہش میں صراط مستقیم پر چلتا رہا، تو اسکے لئے اللہ تعالیٰ کی (رحمت) ہے اور یہ مغفرت ورحمت (ضرور زیادہ بہتر ہے اس سے جو وہ کافر جمع کریں)۔

اسلئے کہ دنیا کے مال ومتاع کی حیثیت ہی کیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جمع کرنے والا اسے جمع کرے اور اسکو استعمال کرنے سے پہلے فوت ہوجائے۔ یہ سارا مال کسی اور کا ہوجائے اور وہ خالی ہاتھ قبر میں چلا جائے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مال جمع کرنے والا تو زندہ رہے، لیکن اسکے پاس یہ مال نہ رہ جائے، اور ناگہانی حادثے میں سب ضائع اور برباد ہوجائے۔ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ مال تو رہ جائے، لیکن وہ خود کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہوجائے اور اسکے لئے کوئی اندوہ گیں حادثہ پیش آجائے، جسکے سبب وہ مال استعمال نہ کرسکے۔

ویسے بھی دنیاوی لذتوں کے ساتھ ہزاروں پریشانیاں لگی رہتی ہیں اور ہر نعمت خطرات کے غلاف میں لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔ اگر ان سب باتوں سے صرف نظر کرلیا جائے، تو بھی یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ دنیا اور اسکی ساری نعمتیں اور لذتیں فانی ہیں، جن کو بقا نہیں۔۔۔اسکے برخلاف۔۔۔[redacted]

ہے، وہ اگر اس راہ میں [redacted]

اب اگر اس نے ایک ذرہ کے برابر بھی نیکی کی ہے، تو وہ اسکا اجر پائیگا، آخرت کی خیرات

ختم نہیں ہوتی۔ آخرت میں صاحبانِ مغفرت ورحمت کیلئے ایسا اندوہ گیں حادثہ بھی پیش آنے والا نہیں، جو ان کو آخرت کی نعمتوں سے فائدہ نہ اٹھانے دے، اور آخرت ہی کی نعمتیں ہیں جنکے ساتھ کوئی غم نہیں ہوتا۔ ساتھ ہی ساتھ آخرت کی نعمتیں اور لذتیں ہمیشہ باقی رہیں گی۔ ظاہر ہے کہ جس نعمت اور لذت کے ساتھ ہر وقت اسکے ختم ہوجانے۔۔یا۔۔چھن جانے کا خوف ہو، تو انسان عین حصولِ لذت کے عالم میں بھی ملول اور پریشان رہتا ہے ۔۔الحتصر۔۔غور وفکر کے بعد ہر انسان پر منکشف ہوجائیگا کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت دنیاوی لذتوں سے بہت بہتر ہے۔

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور بیشک تم اگر مرے یا شہید کیے گئےتو ضرور اللہ ہی کی طرف اٹھائے جاؤ گے●

(اور بیشک تم اگر مرے یا شہید کیے گئے)۔۔الغرض۔۔جس طرح بھی تمہاری موت واقع ہوئی، وہ ارادۂ الٰہیہ ہی سے ہوئی، اسکے بغیر موت واقع نہیں ہوسکتی۔۔الغرض۔۔فی سبیل اللہ وفات پانے کے بعد تم (تو ضرور اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف اٹھائے جاؤ گے) جو معبودِ برحق، عظیم الشان واسع الرحمۃ اور جزیل الاحسان ہے۔ اسکے غیر کی طرف تمہیں نہیں لے جایا جائیگا، پھر وہ اجر وثواب پورے طور پر عطا فرمائیگا اور بہت بڑے عطیات سے نوازے گا۔ اگر مغفرت، عذاب سے بچنے کی خواہش رکھنے والے عبادت گزاروں کیلئے ہے اور رحمت، جنت کی تمنا رکھنے والے عابدین کیلئے ہے، تو یہ مرتبۂ خاص، یعنی قربِ الٰہی میں حاضری، تو یہ ان خوش بخت ایمان اور نیک عمل والوں کیلئے ہے، جنھوں نے صرف رضائے الٰہی، قربِ خداوندی اور اپنی شانِ بندگی کے اظہار کیلئے ہی عبادت کی ہے۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ کی رحمتِ کاملہ کے مناظر بہت سارے ہیں۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ

تو اللہ کی رحمت ہی کا سبب ہے کہ تم نرم دل ہوئے ان کیلئے۔ اور اگر ہوتے تم طبیعت کے تند اور دل کے سخت،

لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۪ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

ضرور وہ سب ادھر اُدھر ہوجاتے تمہارے گرد سے، تو ان کو معاف کرو اور انکے لیے بخشائش چاہو، اور کام میں ان سے

فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ

مشورہ لیا کرو، پھر جب تم نے مضبوط ارادہ کر لیا تو اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک اللہ دوست رکھتا ہے توکل والوں کو●

(تو) یہ بھی (اللہ) تعالیٰ (کی رحمت ہی کا سبب ہے کہ تم نرم دل ہوئے انکے لئے)۔
یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی رحمت ہیں۔ مومنین کیلئے آپ نرمی کرتے ہیں۔
آپ انھیں اپنے سینے سے لگاتے ہیں اور اپنے مکارم اخلاق سے مخصوص رکھتے ہیں اور آپکی ہر نرمی کا پہلو انہی کی طرف ہوتا ہے، باوجودیکہ کبھی کبھی ان سے آپ کی حکم عدولی ہو جاتی ہے اور آپکے دشمنوں سے ساز باز کر لیتے ہیں، لیکن آپ ان سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ غزوۂ احد میں ہزیمت کھا کر مسلمان جب پھرے، تو رسولِ مقبول ﷺ نے ان سے کدورت اور شدت نہ فرمائی، بلکہ دلجوئی اور خوش خوئی کے ساتھ آپ ان سے پیش آئے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہاری میٹھی باتیں اور نیک خوئی میری رحمت کے سبب سے تھی۔

(اور اگر) بالفرض (ہوتے تم طبیعت کے تند)، بدخو۔۔ یا سخت گو۔۔ یا ظالم (اور دل کے سخت) شقی القلب، (تو ضرور وہ سب اِدھر اُدھر ہو جاتے تمہارے گرد سے)، یعنی آپکے اصحاب بکھر جاتے اور آپ کے قریب کوئی نہ آتا اور نہ ہی کوئی آپ کے پاس ٹھہرتا، (تو انکو معاف کر) د(و)، انکی تقصیر جو انھوں نے تمہاری خدمت میں کی ہے (اور ان کیلئے بخشائش چاہو) مجھ سے، اس سستی کی جو میرے حقوق ادا کرنے میں انھوں نے کی ہے، اور کفار سے محاربہ و مقاتلہ کے تعلق سے۔

(اور) ہر اس (کام میں) جس میں حق تعالیٰ کی طرف سے حکم قطعی نہیں ہے، (ان سے مشورہ لیا کرو) اسطرح سے انکے دل بھی خوش ہو جائینگے اور اس سے انکے مراتب کی بلندی بھی سب کو معلوم ہو جائیگی۔۔۔ علاوہ ازیں۔۔۔ امت کیلئے سنت کا اجراء بھی ہو جائیگا۔ (پھر جب تم نے) مشورہ کر لینے کے بعد اور تمہیں اطمینان قلبی حاصل ہو جانیکے بعد، کسی کام کے کرنے کا (مضبوط ارادہ کر لیا، تو) اس بات کے اجراء پر (اللہ) تعالیٰ (پر بھروسہ رکھو) نہ کہ مشورہ پر، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر توکل آپ کی شان کے لائق اور مناسب ہے، اسلئے کہ آپ کیلئے زیادہ موزوں اور زیادہ بہتر کیا ہے، اسے صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، نہ کہ یہ مشورہ دینے والے۔ متوکلین کی عظمت کیلئے یہی کافی ہے کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے) اس پر (توکل) کرنے (والوں کو)۔ غزوۂ بدر کے متوکلین نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا اور سمجھ لیا کہ۔۔۔

اِنۡ یَّنۡصُرۡکُمُ اللّٰہُ فَلَا غَالِبَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ یَّخۡذُلۡکُمۡ فَمَنۡ ذَا الَّذِیۡ

اگر مدد فرمائے تم لوگوں کی اللہ، تو کوئی تمہارے اوپر غالب نہیں، اور اگر چھوڑ دے تم لوگوں کو، تو کون وہ ہے

یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ عَلَی اللّٰہِ فَلۡیَتَوَکَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۶۰﴾

جو تمہاری مدد کرے اس کے بعد۔ اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ایمان والے●

(اگر مدد فرمائے تم لوگوں کی اللہ) تعالیٰ (تو کوئی تمہارے اوپر غالب نہیں) جیسا کہ غزوۂ بدر میں ہوا (اور) اسکے برخلاف (اگر چھوڑ دے تم لوگوں کو، تو کون وہ ہے جو تمہاری مدد کرے اسکے بعد) جیسا کہ غزوۂ احد میں دیکھا گیا۔۔ الختصر۔۔ فتح و کامرانی اور سربلندی و سرفرازی کیلئے لائق و فائق (اور) مناسب بات یہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی پر بھروسہ رکھیں ایمان والے)۔

[illegible] کسی سے ڈرنے اور نہ امید رکھے۔

اے ایمان والو! سابقہ ارشادِ الٰہی میں تم نے جہاد کے احکام سنے اور جہاد کے احکام میں ایک حکم مالِ غنیمت تقسیم کرنا ہے اور مالِ غنیمت کی تقسیم میں خیانت سے خود کو بچانا ہے اور ظاہر ہے کہ مالِ غنیمت کی عادلانہ تقسیم نبی سے بہتر اور کون کر سکتا ہے، چونکہ۔۔۔

وَ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّغُلَّ ؕ وَ مَنۡ یَّغۡلُلۡ یَاۡتِ بِمَا غَلَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ۚ

ممکن نہیں نبی کیلئے کہ کچھ دبا بیٹھیں۔ اور جو شخص کچھ دبا لے وہ لائے گا جو کچھ دبا لیا ہے قیامت کے دن۔

ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۱۶۱﴾

پھر بھرپور دیا جائے گا ہر ایک جو کما رکھا ہے، اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے●

(ممکن) ہی (نہیں) کسی (نبی کیلئے) چہ جائیکہ وہ سید الانبیاء ہو، (کہ کچھ دبا بیٹھے) یا کسی مستحق کو اسکا حصہ نہ دے۔۔ یا۔۔ اشراف کو زیادہ حصہ دے اور کمزوروں کو کم عطا فرمائے۔۔ تو۔۔ غزوۂ بدر کے موقع پر ایک سرخ رنگ کی چادر گم ہو جانے کی صورت میں، منافقین کا یہ سوچنا کہ اسے نبی کریم نے لے لیا ہوگا۔۔ یا۔۔ غزوۂ احد میں ایک مقام خاص پر متعین بعض تیر اندازوں کا خیال کرنا، کہ اگر ہم نے مالِ غنیمت نہیں حاصل، تو شاید اس میں سے ہمیں حصہ نہ دیا جائے، اسی لئے وہ اسکی طرف کو دوڑ پڑے۔

آیت کریمہ نے ان تمام خیالات کا رد فرما دیا، کہ خیانت کرنا کسی نبی کی شان نہیں ہے، تو

جوسید الانبیاء اورامام المرسلین ہیں،انکے متعلق یہ گمان کس طرح صحیح ہوسکتا ہے۔آپ ﷺ کی شان رفیع تو یہ ہے کہ آپ قرآنِ کریم کی تلاوت فرمایا کرتے تھے جس میں مشرکین کے دین کی مذمت تھی اورانکے باطل خداؤں کا بطلان ظاہر کیا گیا تھا۔آپ ان آیتوں کو برملا تلاوت فرماتے رہے اور مشرکین کی اس خواہش کو کہ آپ ان آیات کو نہ پڑھا کریں' لائق اعتناء نہیں سمجھا۔ظاہر ہوگیا کہ نبی کریم کسی طرح کی خیانت کرنے والے نہیں،خواہ وہ مالِ غنیمت کی تقسیم ہو۔۔یا۔۔احکامِ الٰہی کا اظہار ہو۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ نبی سے بہتر اس حقیقت کو کون سمجھ سکتا ہے کہ (جو شخص کچھ دبالے) مال غنیمت میں سے، (وہ لائے گا جو کچھ دبالیا ہے)، یعنی اس چیز کو جس میں خیانت کی ہے ۔۔یا۔۔خیانت کرنے کے گناہ کا بوجھ (قیامت کے دن)۔۔الغرض۔۔وہ اس دن سب کے سامنے رسوا اور ذلیل ہوگا، خیانت کا مال خواہ ایک سوئی۔۔یا۔۔تاگا ہی کیوں نہ ہو۔

۔۔چنانچہ۔۔ایک شخص نے غنیمت تقسیم ہونے کے قبل، ایک پرانی رسّی اٹھالی تھی اور غنیمت تقسیم ہوچکنے کے بعد جناب رسالت مآب ﷺ کے پاس لایا۔حضرت نے اس رسّی کو قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ رکھ چھوڑ، تاکہ قیامت میں تو لائے۔

(پھر بھرپور دیا جائیگا ہر ایک) اس دن بدلہ، اسکا (جو کمار کھا ہے) اچھا۔۔یا۔۔برا (اور) جزا دیتے وقت (وہ ظلم نہ کئے جائینگے)۔اس وقت خوش نصیب وہی لوگ ہیں، جو اپنے کو خیانت اور ہر ایسے کام سے بچاتے ہیں، جس سے خدا راضی نہ ہو۔

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ

تو کیا جس نے پیروی کی اللہ کی مرضی کی وہ اس کی طرح ہے جو لوٹ آیا اللہ کے غضب میں

وَمَأْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔اور کیا بری پھرنے کی جگہ ہے●

(تو کیا جس نے پیروی کی) خیانت وغیرہ برائیوں سے اپنے کو بچا کر (اللہ) تعالیٰ (کی مرضی کی، وہ اسکی طرح ہے جو لوٹ آیا) خیانت وغیرہ کر کے (اللہ) تعالیٰ (کے غضب میں، اور اسکا ٹھکانہ جہنم ہے)۔(اور) غور کرو، کہ دوزخ (کیا) ہی (بری پھر) جا (نے کی جگہ ہے)۔رہ گئے۔۔۔

هُمۡ دَرَجٰتٌ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۶۳﴾

وہ اللہ کے یہاں درجہ درجہ ہیں اور اللہ ان کے کئے کو دیکھنے والا ہے●

(وہ) یعنی انبیاء کرام اور دوسرے امانت دار لوگ جو رضائے الٰہی کے تابع ہیں، ان کیلئے (اللہ) تعالیٰ (کے یہاں درجہ) پر (درجہ) یعنی درجات (ہیں)، اور وہ بلند درجوں والے ہیں (اور اللہ) تعالیٰ (انکے کئے) ہوئے امانت داری کے کام (کو دیکھنے والا ہے)۔ یونہی خیانت کرنے والوں کی خیانت گزاری کا بھی مشاہدہ فرمانے والا ہے۔۔لہٰذا۔۔انسان کو چاہئے کہ گھڑی بھر بھی غفلت [illegible] رضائے الٰہی کے مطابق اپنی زندگی گزارنے والوں کی آخرت میں جو شان ہوگی، وہ تو ہوگی ہی، خود اس دنیا میں بھی انعاماتِ الٰہیہ سے سرفراز کئے گئے ہیں۔۔چنانچہ۔۔

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ

البتہ بے شک احسان فرمایا اللہ نے ایمان والوں پر جو بھیجا ان میں رسول، انھیں سے، تلاوت کرے

يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيۡهِمۡ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ ۚ

ان پر اللہ کی آیتیں، اور پاک کرے ان کو، اور سکھائے ان کو کتاب و حکمت،

وَاِنۡ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۱۶۴﴾

ورنہ ضرور وہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے●

(المنصف)

(البتہ بیشک احسان فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ایمان والوں پر)۔

اگرچہ رسولِ کریم کی بعثت سارے انسانوں، جنوں بلکہ ساری مخلوق کیلئے ہے، لیکن اس احسانِ عظیم سے کما حقہ فائدہ اٹھانے والے صرف مومنین ہی ہیں، اسلئے خاص طور پر انکا ذکر کردیا گیا اور فرمادیا گیا، یہ مومنین پر اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان ہے۔

(جو بھیجا) انکی ہدایت کیلئے (ان میں) ایک عظیم (رسول) جو (انھیں) کی طرح نوع انسانی [illegible] انکی شان یہ ہے کہ (تلاوت کرے ان پر اللہ) تعالیٰ کے نازل فرمودہ قرآنِ کریم (کی آیتیں) اور توحید کی نشانیاں۔ (اور) احکامِ شریعت یا احکامِ زکوٰۃ جاری فرماکر، (پاک کرے ان کو) طبیعت کی خواہشوں کی میل اور نجاست سے۔۔یا۔۔انکے کاموں کی اصلاح کرے، اور انکی پاکی [کی گ]واہی دے۔

(اور سکھائے انکو کتاب)، قرآن وعلوم شرعیہ (وحکمت) سنت اور شریعت کے اسرار ومعارف ۔۔یا۔۔شریعت کے بیان کردہ وہ اصول جن پر عمل کرنے سے ایک فرد، ایک خاندان اور ایک ملک کی اصلاح ہوتی ہے، جسکو تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کہا جاتا ہے۔رسول کریم کی بعثت ان کیلئے اسلئے بھی احسان عظیم ہے کہ اسی بعثت رسول کی برکت سے وہ ہدایت یافتہ ہوئے (ورنہ ضرور وہ لوگ) آپ کے مبعوث ہونے کے (پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے)۔نہ حق جانتے تھے، نہ ہی باطل سے دور رہ سکتے تھے۔

اس سے پہلی آیتوں میں مسلمانوں کو نبی کریم کے ساتھ جہاد کرنے کی تلقین کی تھی۔اس آیت میں یہ بتایا کہ اس عظیم رسول کی بعثت تم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، سو تم پر لازم ہے کہ تم اپنی تمام تر قوتوں سے انکے ساتھ ملکر جہاد کرو اور کسی حال میں بھی نبی کریم کی حکم عدولی نہ کرو۔اور یاد کرو حکم نبوی سے انحراف کا نتیجہ۔اور غور کرو کہ۔۔۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ

کیا جب پہنچی تم کو ایسی مصیبت کہ تم خود مصیبت دے چکے تھے اس سے دونی، تو تم کہنے لگے کہ یہ کہاں سے؟

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾

جواب دو کہ وہ خود تمہاری طرف سے ہے۔ بے شک اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

(کیا جب پہنچی تم کو ایسی مصیبت) یعنی دشمنوں کی طرف سے قتل وزخم اور ہزیمت غزوۂ احد میں (کہ تم خود مصیبت دے چکے تھے اس سے دونی) غزوۂ بدر میں۔یعنی اگر جنگ احد میں تمہارے ستر افراد شہید ہوگئے، تو تم نے بھی تو غزوۂ بدر میں ستر کافروں کو قتل کیا اور ستر کافروں کو قیدی بنایا اور جب تم پر مصیبت پڑی (تو تم کہنے لگے کہ یہ) مصیبت (کہاں سے) آ گئی۔اے محبوب! ایسوں کو (جواب) دے (دو، کہ وہ خود تمہاری طرف سے ہے)۔تم نے رسول کریم کے حکم کی تعمیل کیوں نہیں کی؟ اور جس مقام پر تمہیں متعین کردیا گیا تھا، اسکو چھوڑ کر غنیمت لوٹنے کیلئے کیوں نکل پڑے؟ اپنے امیر کی ہدایت کو کیوں نظر انداز کردیا؟ اچھی طرح جان لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قدرت والا ہے)، جس کو چاہے فتح وغنیمت سے نوازے اور جسکو چاہے قتل وہزیمت سے دوچار کردے۔

[illegible] اسے [illegible] کے اسباب کے قریب کردیتا ہے اور جسے
[illegible] کے اسباب کے قریب کردیتا ہے

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور جو کچھ مصیبت آئی تم پر جس دن ملی دونوں فوجیں تو یہ اللہ کے حکم سے، اور تاکہ معلوم کرادے ایمان والوں کو ●

(اور) یادرکھو کہ (جو کچھ مصیبت آئی تم پر) یعنی جو کچھ پہنچا تمھیں ان چیزوں میں سے جو تمہاری طبیعتوں کو مکروہ اور ناگوار تھیں، معیبت کس دن پہنچی؟ (جس دن ملیں دونوں فوجیں) ایک طرف مسلمانوں کی فوج اور دوسری طرف ابوسفیان کالشکر، (تو یہ) جو کچھ ہوا، یہ سب (اللہ کے حکم) اور اسکی قضاوقدر (سے) ہوا۔ (اور) اس میں حکمت یہ تھی (تاکہ) اللہ تعالیٰ (معلوم کرادے ایمان والوں کو) انکی ثابت قدمی اور اطاعت شعاری کو۔

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور تاکہ معلوم کرادے ان کو جو منافق ہوئے، اور ان کو حکم دیا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو،

اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ

یا دشمنوں کو ہٹاؤ، بولے اگر ہم جان لیتے لڑائی ہونے کو، تو ضرور تمہاری پیروی کرچکے ہوتے۔ وہ لوگ علانیہ کفر سے آج زیادہ

اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ

نزدیک ہیں بہ نسبت ایمان کے۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ہے

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

ان کے دل میں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں ●

(اور تاکہ معلوم کرادے)، ظاہر فرمادے (انکو جو منافق ہوئے)، یعنی منافقین کی اہل اسلام سے خصومت وعداوت کو نمایاں کردے۔

---چنانچہ--- عبداللہ ابن ابی اور اسکے تین سو ساتھی جنگ احد کے دن نبی ﷺ کی نصرت سے انحراف کرکے لشکر اسلام سے نکل گئے تھے، ان کے پیچھے حضرت جابر کے والد عبداللہ بن عمرو بن حزام گئے، اور ان سے کہا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنے نبی کا ساتھ نہ چھوڑو۔ اللہ کی راہ میں قتال کرو یا کم ازکم اپنے شہر کا دفاع کرو۔ تمہارے یہاں ٹھہرنے سے کم ازکم اتنا تو

فائدہ ہوگا، کہ دشمن کو ہماری کثرت محسوس ہوگی۔ اسطرح سے وہ گھبرائیں گے اور ان کے دلوں میں رعب پڑیگا، تو عبداللہ ابن ابی نے کہا کہ میرے خیال میں جنگ نہیں ہوگی اور محمد ﷺ اپنے قرابت والوں سے صلاح کر لینگے۔ اگر ہمیں جنگ کا یقین رہتا، تو ہم تمہارے ساتھ رہتے۔ جب حضرت عبداللہ ان سے مایوس ہوگئے، تو انھوں نے کہا، کہ اے اللہ کے دشمنوں، عنقریب اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تم سے مستغنی کر دیگا، اور پھر نبی کریم کے ساتھ گئے اور شہید ہوگئے۔

۔۔الغرض۔۔انکو سمجھایا گیا (اور ان کو) نبی کریم کا (حکم) پہنچا (دیا گیا، کہ آؤ اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں جہاد کرو یا دشمنوں کو) جو مدینہ والوں کو قتل اور غارت کرنے کا داعیہ رکھتے ہیں، اپنے شہر سے (ہٹاؤ) اور انھیں دفع کردو۔ یہ سن کر منافقین اپنے رئیس عبداللہ ابن ابی کے توسط سے بطور استہزاء (بولے، اگر ہم جان لیتے) کہ (لڑائی ہونے کو) ہے، (تو ضرور تمہاری پیروی کر چکے ہوتے)، اور تمہیں کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، مگر چونکہ ہمارا گمان غالب ہے کہ یہ جنگ ہونے والی ہی نہیں، تو ہم کو اسلامی لشکر کا ساتھ دینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔

۔۔یوں بھی۔۔اگر یہ قتال ہو بھی جائے تو یہ اس لائق نہیں کہ اسے راہِ خدا میں جہاد کا نام دیا جائے، اسلئے کہ اس میں تو صرف اپنی جان کی ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اپنے انھیں خیالات اور انھیں بے ہودہ اقوال کی بناپر (وہ لوگ علانیہ کفر سے آج زیادہ نزدیک ہیں بہ نسبت ایمان کے)، یعنی انکا آج کے دن ایمان کے بجائے کفر میں اضافہ ہوا، کہ اس سے قبل وہ منافقت سے کفر کو مخفی رکھتے تھے اسلئے بظاہر کفر سے دور تر تھے اور جب انھوں نے کفر کو ظاہر کر دیا، تو کفر کے قریب تر ہوگئے۔۔یا۔۔مدد دینے میں مسلمانوں کی بہ نسبت کافروں سے اقرب ہیں۔

(کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ہے انکے دل میں)۔ وہ خوب جانتے ہیں کہ لڑائی ہوگی، مگر زبان سے کہتے ہیں نہیں ہوگی۔۔یونہی۔۔ان پر اچھی طرح واضح ہے کہ یہ قتال جہاد فی سبیل اللہ ہے، مگر زبان سے اسکو وہ صرف اپنی جان کی ہلاکت قرار دے رہے ہیں، تو سن لو (اور) یقین رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں)۔ انکی منافقت، تنہائی میں ان کے آپس کے مشورے اور سرگوشیاں، اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔

منافقین کی یہ دلی خواہش تھی، کہ جس طرح ہم گھر بیٹھے رہ گئے اور جنگ کیلئے نہیں نکلے اور

لشکر اسلام سے بغاوت کر لی، اسی طرح ہمارے رشتہ دار لوگ بھی جنگ سے علیحدگی اختیار کر لیں، اور بغاوت کر جائیں۔۔ الختصر۔۔ عبداللہ ابن ابی کے اصحاب یا انکے سوا۔۔۔

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ

جنھوں نے کہا اپنے رشتہ کے بھائیوں کیلیے اور خود بیٹھ رہے کہ اگر ہمارے کہے پر چلے ہوتے تو قتل نہ کیے جاتے۔

قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾

جواب دو کہ تمھیں ہٹا لو اپنے سے موت کو اگر سچے ہو●

(جنھوں نے کہا اپنے رشتہ کے بھائیوں کیلیے) جنکا تعلق خزرج سے تھا اور جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے (اور خود) وہ (بیٹھ رہے) یعنی شریک جہاد نہیں ہوئے، (کہ اگر ہمارے کہے پر چلے ہوتے) اور اپنے ہی گھر میں رہ جاتے اور شریک جہاد نہ ہوتے، (تو قتل نہ کیے جاتے)، جس طرح ہم لوگ اپنے گھروں میں رہنے کی وجہ سے قتل سے محفوظ رہے۔ اے محبوب! انکی اسی کوتاہ فکری کا (جواب دو، کہ) اگر موت کا اختیار تمہارے ہی ہاتھ میں ہے، تو ذرا (تمھیں ہٹا لو اپنے سے موت، کو اگر) تم اس بات میں (سچے ہو)، کہ گھر بیٹھنے میں قضا و قدر ٹل جاتی ہے۔

منافقین نے جس دن یہ بات کہی، اسی دن انکے ستر آدمی مر گئے، تو پھر گھر بیٹھنا ان کو موت سے کہاں بچا سکا۔ وہ مرے اور مر کر مٹی میں مل گئے۔

وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ

اور خیال بھی نہ کرنا جو شہید کیے گئے اللہ کی راہ میں ان کو مردہ،

بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

بلکہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس روزی دیے جاتے ہیں●

(اور) اسکے برعکس اے دامن رسول علیہ السلام سے وابستہ ایمان والو! (خیال بھی نہ کرنا) انکے تعلق سے (جو شہید کیے گئے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں انکو مردہ، بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزی دیے جاتے ہیں)۔

[illegible] مکانی اللہ تعالیٰ سے کتی

میں محال ہے۔کلام کا حاصل صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں [illegible] ۔۔نیز

۔۔اگر چہ بظاہر یہ خطاب حضور ﷺ سے ہے، مگر اسکا مخاطب آپکا ہر امتی ہے۔اس خطاب سے مخاطب فرما کر انھیں مشرف کیا گیا اور انھیں جہاد کی رغبت دلائی گئی۔۔نیز۔۔انھیں یہ یقین دلا دیا گیا کہ جہاد کی جزا بہتر واعلیٰ نصیب ہوتی ہے۔انھیں ہر سال جہاد کا ثواب پہنچتا ہے، زمین انھیں نہیں کھاتی، مردوں کی طرح انھیں غسل نہیں دیا جاتا، زندوں کی طرح اپنے زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں، اور بہشت کے پھلوں اور میووں سے انھیں رزق دیا جاتا ہے۔۔الغرض۔۔اس خطاب سے آپ ﷺ کی امت کو گمان سے روکنا مطلوب ہے۔رہ گئی نبی کریم کی شان۔تو آپ کی ذات [illegible] صاف ہے۔ان شہداء کرام کی شان یہ ہے کہ۔۔۔

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ

خوش خوش اس سے جو دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے۔اور شاد ہورہے ان سے،

لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

جو ابھی نہیں ملے ان سے بعد والے۔کہ نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ ہوں۔۔۔ ●

وہ (خوش) اور بہت ہی (خوش) ہیں (اس) اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی خوشنودی (سے، جو دیا ہے انکو اللہ) تعالیٰ (نے اپنے فضل سے)۔ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اتنی بڑی دولت، ایسی عظیم عطا ہے، جس سے بڑھ کر کسی اور چیز کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا (اور شاد ہورہے) ہیں، اپنے (ان) عزیزوں (سے) جن سے متعلق انھیں بشارت سنادی گئی اور (جو ابھی) دنیا ہی میں باحیات ہیں اور (نہیں ملے) ہیں (ان) پہلے شہید ہو جانے والوں (سے)، جو (بعد) میں آنے (والے) ہیں۔جن کے تعلق سے بتا دیا گیا ہے کہ تم جن بھائیوں کو چھوڑ آئے ہو، انکا حال یہ ہے کہ جب وہ وفات پائینگے ۔۔یا۔۔شہید ہونگے، تو وہ بھی حیاتِ ابدیہ سے فائز ہو کر بزرگی میں تمہارے شریک ہونگے، کیوں (کہ نہ) تو (ان پر) قیامت میں آنے والے خطرات میں سے کسی بھی خطرے کا (کوئی خوف ہے اور نہ) ہی دنیا کی لذات اور دنیاوی نعمتوں کے چھوٹنے سے (وہ رنجیدہ) خاطر (ہوں) گے۔انکی شادمانی کی وجہ صرف یہی نہیں ہے کہ وہ خوف وحزن کا شکار نہیں ہونگے۔۔بلکہ۔۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٧١﴾

شادشاد ہورہے ہیں اللہ کی نعمت وفضل سے۔ اور یہ کہ بے شک اللہ نہیں بیکار کرتا ایمان والوں کے اجر کو●

وہ (شادشاد ہورہے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی) ان پر ہونے والی مخصوص (نعمت وفضل) خاص (سے)، جن نعتوں کوصرف وہی قادر مطلق جانتا ہے [redacted] (اور) شہیدوں اوراطاعت خداوندی کے سایہ میں وفات پانے والوں کی مسرت کی وجہ (یہ) بھی ہے، کیونکہ انھیں معلوم کرادیا گیا ہے (کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں بیکار کرتا ایمان والوں کے اجر کو)۔ لہٰذا ایمان والے مجاہدین کا اجر بھی ضائع نہیں فرمایا جائیگا، بلکہ انکے اعمال صالحہ اورانکی سرفروشی کا انھیں پورا پورا اجر ملے گا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ یہ وہ لوگ ہیں۔۔۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِيْنَ

جو بلانے پر حاضر ہوگئے اللہ ورسول کے بعد اس کے کہ پہنچ چکا تھا ان کو زخم، انکے لیے جنھوں نے

اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٢﴾

اچھے کام کیے ان میں سے اور پرہیزگار ہوئے بڑا ثواب ہے●

(جو بلانے پر حاضر ہوگئے اللہ) تعالیٰ (ورسول کے)، اس وقت جبکہ مدینہ سے باہر نکلنے کا حکم کیا اور وہ بھی (بعد اسکے کہ پہنچ چکا تھا انکو زخم)۔

وہ اسطرح پر تھا کہ ابوسفیان جب احد سے واپس ہوگیا، تو اسی دن کہ ہفتہ کا روز اور شوال کی ساتویں تاریخ تھی، اخیر وقت سید عالم ﷺ مدینہ کو تشریف لائے اور اتوار کی صبح کو حکم فرمایا کہ احد کے لشکری دشمنوں کا پیچھا کریں اور جو شخص جنگ احد میں حاضر نہ تھا، وہ اس لڑائی میں باہر نہ آئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس حکم نبوی کی اطاعت کی اور تھکے ماندے اور زخمی ہونے کے باوجود، مکہ کی راہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور حمراء الاسد میں لشکر ہمایوں پیکر کا قیام ٹھہرا۔ شب کو بہت سی آگ روشن کی، تاکہ لشکر اسلام کی عظمت کا آوازہ قبائل عرب کے سرداروں کو پہنچے اور وہ اچھی طرح جان لیں کہ مسلمان کچھ کمزور اور عاجز نہیں ہوگئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان اطاعت شعاروں کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے انکے لئے فرماتا ہے کہ:

(ان کیلئے جنھوں نے اچھے کام کئے، ان) وفا شعاروں (میں سے) اور نبی کریم سے جو عہد کیا، اسے پورا فرمادیا۔۔نیز۔۔حکم پیغمبر کی مخالفت میں غضب خدا سے ڈرے (اور پرہیزگار ہوئے)، ایسے خوش نصیبوں اور فیروز بختوں کیلئے بہشت کی شکل میں (بڑا ثواب ہے)۔

ابوسفیان کو اپنے واپس ہوجانے سے بڑی ندامت ہوئی اور لشکر اسلام کے استیصال کی نیت سے پھر سے دوبارہ لشکر اسلام پر حملہ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ناگاہ حمراء الاسد میں آنحضرت ﷺ کے پہنچنے کی خبر لوگوں نے اس کو دیدی، جس سے ان لوگوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا ہوگیا، تو جہاں تھے، وہیں سے مکہ معظّمہ کی طرف بھاگ چلے۔ راہ میں مدینے کی طرف آتے ہوئے تاجروں یا بدّوؤں کے جو قافلے ان کو ملتے، ان سے بڑی تاکید اور بڑے ہی اصرار کے ساتھ کہہ دیتے کہ اسلامی لشکر جہاں دیکھنا، ہماری طرف سے ڈرا دینا، اور یہ ظاہر کردینا وہ لوگ اپنا لشکر نئے سرے سے آراستہ کر کے تمہاری طرف آنے کیلئے تیار ہیں، اور تم سے جدال وقتال کرنے اور تمہارا بالکلیہ استیصال کردینے کیلئے کمربستہ ہیں۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ جب لوگ حمراء الاسد میں مسلمانوں سے ملے، تو ابوسفیان کے سکھائے ہوئے حربے کو استعمال کیا، تو نبی کریم کے۔۔۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ بے شک لوگوں نے ایک جمعیت بنالی ہے تمہارے لیے تو ان کو ڈرو، تو اس خبر نے

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۝

بڑھادیا ان کو ایمان میں، اور بولے کہ کافی ہے ہمارے لیے اللہ، اور کیسا اچھا کارساز ہے●

(وہ) اطاعت شعار لوگ (جن سے) ابوسفیان کے مخبر (لوگوں نے کہا کہ بیشک) مکہ کے مشرک (لوگوں نے) ابوسفیان کی قیادت میں (ایک جمعیت بنالی ہے تمہارے لئے)، تم کو تباہ وبرباد کردینے کیلئے، (تو ان کو ڈرو)۔

۔۔الغرض۔۔ابوسفیان کے کہنے کے مطابق ان تاجروں یا بدّوؤں نے مسلمانوں کو ڈرانا اور دھمکانا شروع کیا، مگر چونکہ عنایت الٰہی مسلمانوں کے شامل حال تھی، اسلئے کسی طرح انکے خلوص میں تزلزل اور فتور نہ پڑا۔

(تو اس خبر نے بڑھادیا انکو ایمان میں) انکا یقین واذعان اور بھی بڑھ گیا۔

اسلئے کہ وقت گزرنے کے ساتھ جوں جوں انسان کا شرح صدر ہوتا ہے اور وہ دلائل پر مطلع ہوتا ہے، تو اسکا ایمان اور پختہ اور قوی ہوکر ایمانِ کامل ہو جاتا ہے۔ تو پھر ایسے لوگ بفضلہٖ تعالیٰ ذرہ برابر خوف زدہ نہیں ہوئے۔

(اور) نہ ڈرے، بلکہ (بولے کہ کافی ہے ہمارے لئے اللہ) تعالیٰ، جو ہماری مدد فرمانے والا ہے اور کفایت کرنے والا ہے (اور) وہ (کیسا اچھا کارساز ہے)۔

بعضوں کے نزدیک یہ آیت اور اسکے بعد جو آیت ہے، وہ جنگ بدر صغریٰ سے متعلق ہے۔ روایت ہے کہ ابوسفیان نے جنگ بدر کے روز یہ بات ٹھہرائی کہ ہماری لڑائی کی میعاد دوسرے برس موضع بدر رہے، اور پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ اسکے جواب میں کہہ دو کہ ایسا ہی ہوگا۔ دوسرے برس جب وعدہ قریب آیا، تو ابوسفیان نے پشیمان ہوکر نعیم بن مسعود کو مقرر کیا کہ وہ مدینے میں جائے اور لشکر اسلام کو قریش سے ڈرائے اور ایسا کرے کہ وہ سفر بدر کا قصد ملتوی رکھیں۔

نعیم مدینے میں آیا اور ہر چند خوف دلانے کے واسطے باتیں بنائیں، کہ لشکر کفار بہت ہے اور ہتھیار انکے پاس کثرت سے ہیں، اور باہم بڑا اتفاق ہے۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کے سوا کوئی جواب نہ پایا اور آنحضرت ﷺ احد کے غازیوں اور دوسری جماعت کے ساتھ کہ سب ڈیڑھ ہزار آدمی تھے، بدر کو تشریف لے گئے اور آٹھ دن وہاں قیام فرمایا۔ بازاریں لگ گئیں اور خرید وفروخت میں بڑا نفع ہوا، اور اہل اسلام کے خوف سے کفار وہاں نہ آئے اور حق تعالیٰ نے یہ آیتیں بھیجیں۔ وہ لوگ کہ پہلی آیت میں جن سے قافلہ مراد لیا تھا، اس صورت میں یہاں نعیم بن مسعود ہوگا اور بہر تقدیر دوسری جگہ 'ناس' کے لفظ سے ابوسفیان اور اسکے اتباع مراد ہیں۔ اور مسلمانوں کے حال کا تتمہ یہ ہے کہ۔۔۔

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ

تو وہ لوٹے اللہ کی نعمت وفضل کے ساتھ۔ نہ چھوا ان کو کسی برائی نے۔

وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

اور وہ چلے اللہ کی مرضی پر۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے●

(تو وہ لوٹے) پہلے قول کے مطابق 'حمراء الاسد' سے اور دوسرے قول کے مطابق 'موضع بدر' سے (اللہ) تعالیٰ (کی نعمت وفضل کے ساتھ)، یعنی عافیت تمام اور ثواب لاکلام کے ساتھ، (نہ چھوا انکو) قتل،

جرح اور ہزیمت جیسی (کسی برائی نے)، بلکہ صحیح وسلامت گئے۔ بزرگی اور کرامت کے ساتھ واپس آئے، (اور وہ چلے اللہ کی مرضی پر) رسول خدا کی فرمانبرداری کر کے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (بڑے) ہی (فضل والا ہے) اور یہ اسکا فضل ہی ہے کہ اس نے مومنوں سے مشرکوں کو دفع فرمادیا۔ ابوسفیان کے مخبر، خواہ وہ تاجر ہوں۔۔یا۔۔بدّو ہوں۔۔یا۔۔نعیم ہو، درحقیقت یہ سب شیطان کے دوست ہیں۔۔تو۔۔

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ

بس یہ شیطان ہی ہے ڈرواتا ہے اپنے دوستوں سے، تو تم ان کو نہ ڈرو۔

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

تم تو مجھ سے ڈرو اگر ایمان والے ہو●

(بس یہ شیطان ہی ہے) جو (ڈرواتا ہے اپنے) انہی (دوستوں سے) یعنی شیطان نے انکے دلوں میں القاء کیا تھا کہ ڈرائے منافقوں کو تا کہ پیغمبر اسلام کے لشکر سے منافق پھر جائیں اور اس سبب سے مسلمانوں کو شکست ہو جائے، (تو) اے مسلمانو! (تم ان) شیطان کے دوستوں (کو نہ ڈرو) بلکہ (تم تو) صرف (مجھ سے) ہی (ڈرو)، اور میرے احکام کی مخالفت سے بچتے رہو (اگر) تم (ایمان والے) اور میرے وعدہ ووعید کی تصدیق کرنے والے (ہو)۔ یعنی تمہاری ایمانی شان متقاضی ہے کہ تمہارے دلوں میں میرے خوف اور میری خشیت کے سوا کسی کا خوف نہ ہو، اور اس خوف وخشیت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ تم میرے اطاعت شعار بنے رہو۔

اے محبوب! یہ کفار قریش آپ سے جنگ کرنے کیلئے جو منصوبے بنا رہے ہیں اور بار بار مدینہ پر لشکر کشی کر رہے ہیں۔۔۔یونہی۔۔۔یہ منافقین جنگ احد کے بعد اسلام کے خلاف جو پروپیگنڈہ کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں، کہ اگر نعوذ باللہ 'سیدنا محمد ﷺ' سچے نبی ہوتے تو جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست نہ ہوتی۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک بادشاہ کی طرح ہیں، جس طرح بادشاہ کو کبھی فتح اور کبھی شکست ہوتی ہے، انکا بھی یہی حال ہے۔۔اسی طرح۔۔وہ کافر جو مسلمان ہوگئے اور پھر کفار قریش سے ڈر کر مرتد ہوگئے، تو مذکورہ بالا کفار ومنافقین اور مرتدین کی حرکتیں بنیادی طور پر دکھ پہنچانے والی اور رنجیدہ خاطر کر دینے والی ہیں۔۔مگر۔۔ اے محبوب! آپ فکر نہ کریں، پورے طور پر مطمئن رہیں۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

اور نہ رنجیدہ کریں تم کو جو دوڑ کر رہے ہیں کفر میں۔ بلاشبہ وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اللہ چاہتا ہے کہ نہ رکھے ان کے لیے کوئی حصہ آخرت میں۔ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے●

(اور) تمہاری یہ شان رہے کہ (نہ رنجیدہ کریں تم کو) انکے اسلام دشمنی پر مشتمل اعمال (جو دوڑ کر رہے ہیں کفر میں، بلاشبہ وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ) تعالیٰ (کا)۔ یہ کفار قریش لاکھ چاہیں، مگر یہ اللہ تعالیٰ کے دین اور اسکی نشر و اشاعت کو مٹا نہیں سکتے۔ ان جنگوں کے نتیجے میں جو مسلمان زخمی۔۔یا۔۔شہید ہو جاتے ہیں، اس سے نہ تو دین اسلام کو کوئی ضرر پہنچتا ہے، اور نہ ہی مسلمانوں کا کوئی نقصان ہوتا ہے، کیونکہ وہ آخرت میں بہت اجر و ثواب کے مستحق ہوتے ہیں۔ ایسے ہی منافقین کی مخالفانہ باتیں اسلام اور مسلمانوں کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔

۔۔الغرض۔۔ بلاشبہ یہ سارے کے سارے کفار و منافقین و مرتدین، جو دین الٰہی کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں، وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ تعالیٰ کے دین کا اور اسکے دوستوں کا۔

۔۔چنانچہ۔۔ آخر کار دنیا والوں نے دیکھ لیا کہ کفار اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے، اور ایک وقت وہ آیا کہ سرزمین عرب میں اسلام کے سوا کوئی اور دین باقی ہی نہیں رہا، اور آج تک وہاں ایسا ہی ہے۔ اور اسکے بعد مسلمان دنیا کے کئی براعظموں میں فتوحاتِ اسلام کے جھنڈے گاڑتے رہے، سو اللہ تعالیٰ کی پیش گوئی پوری ہوئی۔

اس تعلق سے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو تسلی دی کہ آپ کفار کی مخالفت سے آزردہ نہ ہوں۔ انکی مخالفت دین اسلام کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی۔۔گو۔۔ بنیادی طور پر کافر کے کفر اور فاسق کے فسق پر، رنج اور افسوس کرنا دین کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، اور یہ عین عبادت ہے۔۔لیکن۔۔ [redacted] ۔۔الغرض۔۔ یہاں 'نہی تشریعی'

نہیں ہے، کہ سوال ہو کہ جو چیز عین عبادت ہو، اس سے منع کیوں فرمایا گیا؟

اب رہ گیا دنیا میں کافروں کو جو [illegible]
نکل رہے ہیں۔ صنعت و تجارت، آلات [illegible]
یہ گمان نہ کرے، کہ ان کا دین اور ان کا [illegible]
بلکہ یہ سب کچھ صرف اسلئے ہے کہ۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ (چاہتا ہے کہ نہ رکھے انکے لیے کوئی حصہ آخرت میں، اور انکے لیے بڑا عذاب ہے) وہاں وہ صرف ذلت و خواری کے عذاب میں مبتلا رہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کا دنیا میں شوکت اور قوت کے ساتھ رہنا اور مسلمانوں کا ان سے کم آسودگی سے رہنا، انکے مقبول اور مسلمانوں کے نامقبول ہونے کو مستلزم نہیں۔ اس مقام پر یہ ذہن نشیں کرلیا جائے کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ

بے شک جنھوں نے خریدا کفر کو ایمان کے بدلے، ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ،

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

اور انکے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(بیشک) منافقین و مرتدین اور یہود۔۔ الغرض۔۔ (جنھوں نے خریدا)، راغب ہوئے اور پسند کیا (کفر کو ایمان کے بدلے)۔ ایمان لانا انکے اختیار میں تھا اور اسکے محرکات بھی موجود تھے، تو گویا ایمان انکے قبضے میں تھا، انھوں نے اس کو خرچ کر کے کفر خرید لیا۔ منافقین مسلمانوں کے ساتھ رہے، نبی کریم کے معجزات کو دیکھا، انکے لئے موقع تھا کہ وہ اخلاص کے ساتھ ایمان لے آتے، لیکن انھوں نے یہ موقع ضائع کردیا اور اپنے باطنی کفر پر قائم اور مصر رہے۔ مرتدین نے تو اور بھی غضب کیا کہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے۔

یہودیوں کا حال بھی عجیب رہا جو آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ پر ایمان لاچکے تھے اور آپ کے وسیلے سے فتح کی دعائیں کرتے تھے، اور آپ کے ظہور کے بعد توراۃ میں درج علامتوں کی وجہ سے آپ کو پہچانتے تھے، لیکن انھوں نے بغض اور عناد کی وجہ سے آپکا

کفر کیا اور انکار کیا، کیونکہ آپ بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسماعیل سے مبعوث ہوئے تھے، سو اسطرح ایمان کے بدلے میں کفر کو خرید لیا۔ وہ چاہتے تو ایمان والے ہو جاتے، مگر انھوں نے کفر ہی میں رہنا پسند کیا اور ایسے شدید کفر اور گستاخیوں پر اتر آئے جسکے نتیجے میں، اللہ تعالیٰ نے بطور سزا انکے دلوں پر مہر لگا دی اور انکو ڈھیل دی، تاکہ وہ زیادہ گناہ کریں اور زیادہ عذاب کے مستحق ہوں، یہ بھی انکی سزا کا ایک حصہ ہے۔

۔۔الغرض۔۔انکی طویل عمر اور اس میں انکا زیادہ گناہ کرنا گو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کے مطابق نہیں، لیکن قضا و قدر کے مطابق ہے، انکے لئے تقدیر الٰہی یہی تھی۔۔الحاصل۔۔ان بدبختوں کا کفر پر قائم اور مصر رہنا، منافقوں کا پر خلوص ایمان نہ لانا اور یہودیوں کا جان بوجھ کر رسول کریم پر ایمان لانے سے انکار کر دینا، تو یہ سارے لوگ اپنی ان حرکتوں سے **(ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے اللہ) تعالیٰ کے دوستوں (کا کچھ)**، بلکہ اسکا نقصان انہیں کو اٹھانا پڑے گا **(اور)** ایسا کیوں نہ ہو؟ اسلئے کہ **(ان کیلئے دکھ دینے والا عذاب ہے)** جس عذاب کا صدمہ انکے دل تک پہنچے گا۔ اس مقام پر لازم ہے کہ غور کریں، سوچیں۔۔۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ ۚ

اور نہ گمان کریں کافر لوگ، کہ جو ہم ڈھیل دیتے ہیں ان کو یہ بہتر ہے انکے لیے،

إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿١٧٨﴾

ہم ڈھیل دیتے ہیں ان کو صرف اس لیے کہ خوب بڑھیں گناہ میں، اور انکے لیے رسوا کن عذاب ہے●

(اور نہ گمان کریں کافر لوگ کہ جو ہم ڈھیل دیتے ہیں انکو یہ بہتر ہے ان کیلئے)۔طویل العمری اور آسائش حیات کی فراوانی سے وہ دھوکا نہ کھائیں اور سمجھ لیں کہ **(ہم ڈھیل دیتے ہیں انکو صرف اسلئے کہ خوب بڑھیں گناہ میں اور)** یہ اسلئے کہ **(انکے لئے رسوا کن عذاب ہے)**۔

۔۔۔المختصر۔۔۔عدل خداوندی کا تقاضہ یہ ہے کہ انکے لئے جو دردناک اور رسوا کن عذاب مقدر کیا جا چکا ہے، ان کی بداعمالیاں بھی اتنی ہو جائیں جو انھیں اس عذاب کا مستحق بنا دیں۔ منافقین کس خوش فہمی میں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ انکا نفاق ہمیشہ چھپا رہے گا۔ انھیں سمجھ لینا چاہئے کہ۔۔۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ

نہیں ہے اللہ، کہ چھوڑ دے تم مدعیان اسلام کو جس پر ہو، یہاں تک کہ الگ کر دے خبیث کو

مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

اچھے سے۔ اور نہیں ہے اللہ، کہ آگاہی بخشے تم سب کو غیب پر، لیکن اللہ

يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے، تو مان جاؤ اللہ اور اس کے رسولوں کو۔

وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اور اگر مان جاؤ اور پرہیز گاری کرو تو تمہارے لیے بڑا اجر ہے●

(نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (کہ چھوڑ دے تم مدعیان اسلام کو جس پر) تم (ہو، یہاں تک کہ الگ کر دے خبیث کو اچھے سے)۔

چنانچہ اس نے غزدۂ احد کے موقع پر مومنین کی جماعت سے منافقین کو الگ کر کے ممتاز کر دیا۔ جبھی تو عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لیکر مسلمانوں کے لشکر سے نکل گیا، تو مومن اور منافق الگ الگ ہوگئے۔۔ اسی طرح۔۔ جب معلوم ہوا کہ 'حمراء الاسد' کے مقام پر ابو سفیان دوبارہ مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے، تو آپ نے مسلمانوں کو اسکا تعاقب کرنے کا حکم دیا۔ اس وقت مسلمان زخمی اور دل شکستہ ہونے کے باوجود آپکے حکم کی تعمیل میں چل پڑے اور منافقوں نے آپکا ساتھ نہیں دیا۔ اسطرح مومن اور منافق الگ الگ ہوگئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کا ساتھ دینے والے تمام صحابہ کو مومن اور طیب فرمایا اور یہ سات سو صحابہ تھے اور ان میں خلفائے راشدین، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی ہیں۔ [redacted] عہد رسالت کے منافقین کی کھوپڑی بھی عجیب تھی، وہ نبی کریم کی چشم پوشی اور صرف نظری کو آپ کی لاعلمی پر محمول کرتے تھے، تو ضرورت تھی کہ انکے دلی خیالات سے بذریعہ وحی نبی کریم کو واقف کر کے اور انکا راز کھول کر انکو مومنین کی جماعت سے الگ کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک بار [redacted]

[redacted] کی شکل وصورت دکھادی گئی ہے اور مجھے معلوم [redacted] گااور کون گمراہی میں پھنسا رہے گا۔

جب یہ بات منافقین نے سنی، تو آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ بطورِ استہزاء کہنے لگے کہ محمد ﷺ دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ انھوں نے مومن وکافر کو جان لیا، حالانکہ ہم انھیں کے ساتھ ہیں، مگر وہ ہمیں نہیں پہچان سکے، چنانچہ وہ ہمیں مومن ہی سمجھتے ہیں۔ وہ ہمارے دلِ متزلزل کے حال سے غافل ہیں۔ اگر سچ کہتے ہیں تو صاف صاف ایک ایک کا حال ہم سے بیان کردینا چاہیئے اور واضح کردینا چاہیئے کہ کون شخص مخلص ہے اور کون منافق۔

جبکہ صورت حال یہ تھی کہ ہر ہر منافق اپنے نفاق سے بخوبی واقف تھا۔ ایسے ہی اہل اخلاص کے اخلاص کا عملی مظاہرہ دیکھ کر انکے اخلاص کو بھی سمجھ چکا تھا۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ وہ ایک طرف رسول کے علم غیب کا انکار کرتا ہے، کہ رسولِ کریم ہم کو نہیں پہچانتے ۔۔تو۔۔ دوسری طرف خود اپنے لئے غیر شعوری طور پر غیب جاننے کا دعویٰ کرتا ہے، اسلئے کہ رسولِ کریم کے تعلق سے یہ کہنا کہ 'وہ ہمیں نہیں پہچانتے' یہ بھی تو غیب ہی ہے، پھر اسکا علم [redacted] رب کریم کے فضل وعطا سے رسولِ کریم منافقین کو ایسا پہچانتے تھے کہ جب انھیں حکم الٰہی ملا، کہ اے محبوب! اب طیب وخبیث کو ایک دوسرے سے ایسا الگ الگ کردو کہ ہر عام وخاص انکو پہچاننے لگے۔

[redacted] ہوکر سامنے حاضر ایک ایک منافق کا نام [redacted] سرکار جس جس کا نام لیتے گئے، وہ [redacted] سرکار سے سوال کرتا کہ نفاق تو دل کی [redacted]؟ اسوقت رسولِ کریم کے علم کی تکذیب نہ کرسکنا ظاہر کررہا ہے کہ منافقین اچھی طرح سمجھ رہے تھے، کہ اللہ کے رسول سچ فرمارہے ہیں۔ اور عجب نہیں کہ انکے دماغ میں یہ بات بھی آگئی ہو کہ جو رسول ہمارے نفاق سے واقف ہے، وہ یقیناً ہمارے دوسرے عیوب سے بھی باخبر ہوگا، تو بہتری اسی میں ہے کہ خاموشی سے مسجد سے باہر ہوجاؤ، اسلئے کہ اگر کٹ حجتی کی، تو دوسرے عیبوں کے بھی کھل جانیکا امکان ہے۔

[redacted]، آج [redacted]

غالباً سوچتے ہونگے کہ جسکی محفل سے ہمارے مورثین ذلیل کرکے نکال دیئے گئے اب اسکی محفل میں ہم کیسے جائیں؟ اس مقام پر سارے مدعیانِ اسلام سن لیں۔۔۔

(اور) یاد رکھیں کہ (نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (کہ آگاہی بخشے تم سب کو غیب پر، لیکن اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے)۔

چنانچہ خدا پر نہ تو یہ لازم ہے کہ ہر ہر رسول کو ہر ہر غیب کا علم دیدے اور نہ ہی یہ لازم ہے کہ جس غیب کا علم کسی ایک رسول کو دے، اسے دوسرے رسول کو بھی عطا فرمائے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسماء اور اسکے مسمیات کا علم عطا فرمایا، جو حضرت آدم علیہ السلام ہی کے ساتھ مخصوص رہا۔ اس سلسلے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے واقعات سے کافی روشنی ملتی ہے۔ رہ گئے اللہ کے محبوب ﷺ تو اللہ تعالیٰ نے [illegible] کا علم عطا فرمایا۔ لوح وقلم کا علم آپ کے علم کا بعض رہ گیا۔ اولین وآخرین کے علوم کو اگر جمع کردیا جائے تو اسکی حیثیت علم رسول عربی کے آگے ایسی ہوگی جیسا ایک قطرہ [illegible] سمندر کے سامنے ہوتی ہے، بلکہ اس سے بھی کم۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس رسول کو جس غیب کا علم دینا چاہتا ہے اور جب دینا چاہتا ہے، تو وہ اپنے فضل وکرم سے اسے عطا فرمادیتا ہے۔۔بنیادی طور پر۔۔اللہ تعالیٰ کے سارے رسول چنے ہوئے اور برگزیدہ ہیں اور سبھی کو بہت سارے غیبوں کا علم دیا گیا ہے، لیکن ان میں کسی رسول کو کسی خاص غیب کا علم عطا فرمانے کیلئے چن لینا، یہ اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ کرم میں ہے۔ رہ گئے اولیاءِ کرام اور صاحبانِ کشف صحیح، تو انکو بھی غیب کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔۔مگر۔۔انبیاء کرام کے واسطے سے۔۔اور۔۔انبیاء کرام کو جو عطا فرمایا گیا ہے، وہ بلاواسطہ ہے۔

(تو) اے ایمان والو! حقیقی طور پر (مان جاؤ اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسولوں کو)، یعنی اللہ ورسول پر اپنے ایمان کو برقرار رکھو، کیونکہ حقیقی طور پر ماننا یہی ہے۔ (اور) سنو کہ (اگر مان جاؤ) گے (اور پرہیزگاری کرو) گے، یعنی اپنے ایمان وتقویٰ پر رہو گے، اور اپنے کو منافقت سے بچا رکھو گے، (تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے)، جسکی حقیقت کو سمجھا نہیں جاسکتا اور اس اجر کی عظمت، تقویٰ کی عظمت کی وجہ سے ہے اسلئے کہ اعلیٰ مقاصد اور برگزیدگی کی منزلوں کو تقویٰ وطہارت کے قدموں سے طے کیا جاسکتا ہے۔

اب اگر خطاب منافقین سے ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ اے منافقو! دل کے اخلاص کے ساتھ، اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولوں کو مان جاؤ۔ اب اگر تم سچے دل سے ایمان لائے، اور پرہیز گاری کی، تو تمہارے لئے بڑا اجر ہے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اللہ کی راہ میں اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرنیکا حکم دیا تھا، اور اب اللہ تعالیٰ نے انکو مال کے ساتھ جہاد کا حکم دیا ہے، اور جو لوگ اللہ کی راہ میں بخل کرتے ہیں، انکے لئے شدید وعید بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا۔۔۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ

اور نہ خیال کریں جو کنجوسی کرتے ہیں اس میں جو دے دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے، کہ وہ

خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

بہتر ہے انکے لیے، بلکہ وہ برا ہے انکے لیے، جلد طوق پہنائے جائینگے اسکا جس میں کنجوسی کی ہے قیامت کے دن۔

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۸۰ ع

اور اللہ ہی کیلئے وارثی آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ تمہارے سب کیے سے باخبر ہے●

(اور) ظاہر فرمادیا کہ (نہ خیال کریں جو) لوگ پست ہمتی سے (کنجوسی کرتے ہیں اس میں جو دے دیا ہے انکو اللہ) تعالیٰ (نے اپنے فضل) وکرم (سے، کہ وہ بہتر ہے ان کیلئے، بلکہ) حقیقت حال یہ ہے کہ (وہ) بہت ہی (برا ہے انکے لئے)، دنیا میں بھی، کیونکہ مال سے برکت جاتی رہتی ہے اور آخرت میں بھی، کہ شدائد اور دردناک تکالیف کے مستحق ہونگے۔ اور قریب ہے کہ (جلد طوق پہنائے جائینگے اس) چیز (کا جس میں کنجوسی کی ہے قیامت کے دن)۔

یعنی جس مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کی ہے، تو قیامت کے دن اسکے مال کو سانپ کی صورت پر بنائیں گے، ایسے سانپ کہ زہر کی شدت اور حدت سے اسکے سر پر بال نہ رہے ہونگے اور سیاہ دو نقطے اسکی آنکھوں کے نیچے ظاہر ہونگے۔ ایسا کالا سانپ سب سانپوں سے بدتر ہوتا ہے۔ وہ سانپ آیگا اور اس بخیل کے دونوں کلے پکڑ کر کہے گا، کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، یعنی میں وہ تیرا مال دنیا ہوں، جسکے سبب تو ڈینگیں مارتا تھا اور میں تیرا خزانہ ہوں، جسکے سبب سے تو فخر کرتا تھا اپنے زمانے کے لوگوں پر۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے کہ جہاں خرچ کرنا واجب ہو، وہاں خرچ نہ کرنا 'بخل' ہے۔ اور جہاں خرچ نہ کرنا واجب ہے، وہاں خرچ کرنا 'اسراف' و 'تبذیر' ہے۔ اوران دونوں کے درمیان جو متوسط کیفیت ہے، وہ محمود ہے۔ اسی کو 'جود و سخا' کہتے ہیں۔

بخیلوں کو سوچنا چاہئے (اور) سمجھنا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کیلئے) ہے (وارثی آسمانوں اور زمین کی)، یعنی جو کچھ زمین و آسمان میں ہے، اسکا حقیقی وارث اور مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

چنانچہ جب سارے اہل آسمان اور اہل زمین مرجائینگے، تو زمین و آسمان کی ملکیت مدعیوں کے دعوے، اور جھگڑنے والوں کے جھگڑے سے چھوٹ کر، اسی کے واسطے مسلم ہوگی۔ اور پھر اس وقت کی اس آواز کہ 'کون ہے آج کے دن کا مالک'، کا جواب یہی ہوگا کہ 'آج کے دن کی ملکیت اللہ واحد قہار ہی کیلئے ہے'۔ مجازی ملکیت کا نام ونشان بھی نہیں ہوگا۔ تو جب یہ بات واضح ہے، کہ زمین و آسمان اوران میں جو کچھ ہے، ان سب کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، اوراسی نے دنیا والوں کو چند دن کیلئے مجازی مالک بنادیا ہے، تو پھر زمین و آسمان میں بخیل کا تو کچھ ہے ہی نہیں۔ اور جو کچھ اسکے پاس ہے، حق تعالیٰ کی ملک ہے، تو خدا کا مال، حکم خدا کے مطابق نہ خرچ کرنا اور بخل کرنا، کتنی بڑی شقاوت ہے۔

اس مقام پر یہ سمجھ لینا بھی بہت مفید ہے، کہ خرچ کرنا کہیں شرعاً واجب ہوتا ہے اور کہیں عرف وعادت کے اعتبار سے لازم ہوتا ہے۔۔ مثلاً: [redacted]
عیال کی ضروریات پر [redacted]
بخیل ہے۔ اور دوستوں، [redacted]
واجب ہے۔ جو ان پر [redacted]

بخل کی ایک تیسری قسم بھی ہے [redacted]
لیکن نفلی صدقات، عام فقراء [redacted]
نہیں کرتا اور باوجود [redacted]
ہے۔ [redacted]

غور سے سنو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (تمہارے سب کئے سے باخبر ہے) وہ تمہارے کسی بھی نیک و بد اعمال سے بے خبر نہیں۔۔ تو۔۔ یہودی لوگ اس گمان میں نہ رہیں، کہ انکے طنز تعریض بھرے جملوں کو خدا سنتا نہیں۔۔ تو۔۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ

بے شک ضرور سنا اللہ نے ان کی بولی، جو بولے کہ اللہ محتاج ہے اور ہم تونگر ہیں۔۔۔

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ

اب ہم ان کے کہے کولکھ رکھیں گے اور ان کا قتل کرنا پیغمبروں کو ناحق،

وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

اور کہیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب●

(بیشک ضرور سنا اللہ) تعالیٰ (نے ان) بنو قینقاع کے یہودیوں **(کی بولی)**۔۔۔ جنھیں سرکارِ دوعالم ﷺ کی تحریری ہدایت کے مطابق صدیق اکبر نے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم صادر فرمایا، اور ان سے اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دینے کی بات کی، اسکے جواب میں وہ۔۔

(جو بولے) وہ یہی تھا **(کہ اللہ) تعالیٰ (محتاج ہے اور ہم تونگر ہیں)** اسلئے کہ محتاج ہی قرض مانگتا ہے۔۔نیز۔۔بولے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے قرض مانگتا ہے اور اس پر اصل رقم سے زیادہ اجر دینے کا وعدہ فرماتا ہے اور یہ بعینہٖ سود ہے۔ وہ مسلمانوں کو سود سے منع کرتا ہے اور خود سود دیتا ہے ۔۔نیز۔۔اسکا قرض مانگنا اسکے احتیاج کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسی بکواس کرنے والے اچھی طرح جان لیں کہ **(اب ہم انکے کہے کولکھ رکھیں گے، اور)** ساتھ ہی ساتھ **(انکا قتل کرنا پیغمبروں کو ناحق)**، اس کو بھی محفوظ کر رکھیں گے، نگراں فرشتوں کے صحیفوں میں ۔۔یا۔۔ہم انھیں محفوظ کر کے رکھ دینگے ۔۔یا۔۔ہم سے اپنے علم میں ثابت رکھیں گے، کہ وہ کسی وقت بھی نہ مٹائی جائیگی۔

یہودیوں کی یہ غلط کاریاں اور دیگر جرائم بہت ہیں، مگر انکے ذکر کی ضرورت اسلئے نہیں رہی کہ یہ سمجھنا اب کوئی مشکل نہیں رہا، کہ جو قرآنِ کریم کا استہزاء اور انبیاء کرام کے قتل جیسا جرم کرسکتے ہیں، وہ اور کیا نہیں کرسکتے۔ چونکہ قرآنِ کریم کا استہزاء اور انبیاء کرام کا قتل یہ دونوں جرم میں ہم پلہ ہیں، اسلئے ان دونوں کا اکٹھا ذکر کردیا۔ الغرض۔۔اللہ تعالیٰ سے کوئی بات مخفی نہیں اور قاتلین کیلئے ایسا دردناک عذاب تیار ہے جو ایسی باتیں بکنے کا مزا چکھائے گا، انکی موت کے وقت ۔۔یا۔۔ قیامت میں ۔۔یا۔۔ جب انکے اعمال پر مشتمل کتاب انکے سامنے پڑھی جائیگی۔

۔۔الغرض۔۔انکے کردار کولکھ کر (اور) انہیں دکھا کر، بطورِ بدلہ (کہیں گے، کہ چکھو آگ کا عذاب)۔تم نے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو قتل کے کڑوے گھونٹ چکھائے، تو تم بھی جلا دینے والا عذاب چکھو۔۔۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡكُمۡ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيۡسَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِيۡدِ ۝

یہ بدلہ اُس کا جو پہلے کررکھا ہے تمہارے ہاتھوں نے، اور بے شک اللہ نہیں ہے ظلم فرمانے والا بندوں کیلئے●

(یہ بدلہ اسکا جو پہلے کررکھا ہے تمہارے ہاتھوں نے) انبیاء کرام کو ناحق شہید کیا اور دوسرے بکواسات بکے۔۔نیز۔۔یہ سزا اسلئے بھی ہے، کہ یہی عدل خداوندی کا تقاضہ ہے، (اور بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں ہے ظلم فرمانے والا بندوں کیلئے)، چونکہ تم لوگ عذاب کے مستحق ہو تو عدل کی رو سے تم پر عذاب کرے گا۔اے محبوب! سنو، کعب بن اشرف، مالک بن صیف، حی بن اخطب، فحاص بن عازوراء، وھب بن یہودا اوران جیسوں کا قول۔۔۔

اَلَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيۡنَاۤ اَلَّا نُؤۡمِنَ لِرَسُوۡلٍ حَتّٰى يَاۡتِيَنَا

جنھوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ نہ مانیں کسی رسول کو، یہاں تک کہ وہ لے آئے

بِقُرۡبَانٍ تَاۡكُلُهُ النَّارُ ؕ قُلۡ قَدۡ جَآءَكُمۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِىۡ بِالۡبَيِّنٰتِ

ایسی قربانی جس کو کھا جائے آگ۔تم جواب دو کہ لائے تمہارے پاس بہتیرے رسول مجھ سے پہلے روشن نشانیوں کو،

وَبِالَّذِىۡ قُلۡتُمۡ فَلِمَ قَتَلۡتُمُوۡهُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝

اور وہ جس کو تم نے کہا، تو کیوں شہید کرڈالا تم نے ان کو اگر تم سچے تھے●

(جنھوں نے کہا کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (نے ہم سے عہد لیا ہے، کہ نہ مانیں کسی رسول کو یہاں تک کہ وہ لے آئے ایسی قربانی جسکو کھا جائے آگ)۔

بنی اسرائیل کو قربانی کھانا حلال نہ تھا۔قربانی کو کھلے مکان کے بیچ میں رکھ دیتے، اور پیغمبر وقت اس گھر کے بیچ کھڑے ہوکر مناجات کرتا، اور بنی اسرائیل کے بڑے لوگ گھر کے باہر سر جھکا کر متوجہ ہوتے۔جب تک قربانی مقبول نہ ہوجاتی، یہی حال رہتا۔قربانی قبول ہوجانے کی علامت یہ تھی کہ سفید آگ بے دھویں کی مہیب آواز کے ساتھ آسمان سے اتر کر

قربانی میں لگ جاتی اور قربانی جل جاتی، تو یہودی کہتے تھے کہ توریت میں مذکور ہے، کہ اس پیغمبر کے سوااور کسی پر ایمان نہ لانا، جو قربانی اسطرح پر لائے۔

تواے محبوب!(تم جواب دو کہ لائے تمہارے) اسلاف کے (پاس بہتیرے رسول مجھ سے پہلے روشن نشانیوں کو، اور) ان نشانیوں اوران معجزات میں **(وہ)** 'آگ کا قربانی کو جلا دینے والا' معجزہ بھی تھا، **(جسکو تم نے کہا)** اور جسکا تم نے مطالبہ کیا، **(تو)** تم ان صاحبانِ قربانی یعنی حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پر **کیوں نہیں ایمان لائے، اور (کیوں شہید کر ڈالا تم نے ان کو، اگر تم سچے تھے)** کہ صاحب قربانی پیغمبر پر ایمان لانا چاہئے اور انکی اطاعت کرنی چاہے۔

ویسے بھی ان کوتاہ فکروں کو سوچنا چاہئے تھا، کہ قربانی کو آگ کا جلا دینا چونکہ بطورِ خرق عادت تھا، تو اسکو صرف ایک معجزہ کی حیثیت حاصل تھی، جس سے کسی نبی کے دعوۂ نبوت کی صداقت ظاہر ہوتی ہے، تو جو کام اس معجزہ کا ہے وہی کام دوسرے معجزات کا بھی ہے۔ چنانچہ کوئی نبی اپنے دعوۂ نبوت کو صحیح ثابت کرنے کیلئے کوئی بھی معجزہ پیش کرے، وہ اس نبی کی نبوت کی صداقت پر روشن دلیل ہے۔۔لہٰذا۔۔معجزات میں تفریق کرنا، کہ فلاں معجزہ دکھائیں گے تب مانیں گے، انکی کج فکری کی دلیل ہے۔

ان یہودیوں کا حال تو اور بھی گیا گزرا ہے کہ وہ پیغمبر پر ایمان لانے کیلئے جس معجزہ کا مطالبہ کر رہے ہیں، وہی معجزہ پیش کرنے والے بعض انبیاء کرام کو انکے اسلاف نے شہید کر ڈالا، تو پھر وہ اپنے اس قول میں کہاں سچے رہے، کہ ہم تو صاحب قربانی پیغمبر پر ایمان لانے والے ہیں۔تو اے محبوب! آپ ان کوتاہ فکروں کی باتوں سے آزردہ خاطر نہ ہوں، اور مکمل طور پر تسلی رکھیں۔انھوں نے آپ کی دعوت سنی۔۔۔

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوا بِالْبَيِّنٰتِ

پھر اگر انھوں نے تکذیب کردی تمہاری، تو بے شک تکذیب کئے گئے بہتیرے رسول تم سے پہلے، جو لائے تھے روشن نشانیاں

وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

اور صحیفے اور روشن کتاب●

(پھر اگر انھوں نے تکذیب کردی تمہاری، تو) یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ **(بیشک تکذیب**

کیے گئے بہتیرے رسول تم سے پہلے، جو لائے تھے روشن نشانیاں) دلائل واضحہ اور معجزات ظاہرہ (اور) احکامِ شرعیہ اور زجر کرنے والی نصیحتوں پر مشتمل (صحیفے اور روشن کتاب)، جیسے زبور اور انجیل جو حلال وحرام کو ظاہر کردینے والی تھیں۔

نبی کریم کی تصدیق کرنے والے ہوں۔۔یا۔ تکذیب کرنے والے، اس دنیا میں وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں۔ یہ ضابطہء قدرت سب کا دیکھا بھالا اور ہر ایک کیلئے معروف و متعارف ہے کہ۔۔۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ

ہر ایک چکھنے والا ہے موت کا۔ اور پورا پورا دیے جاؤگے اپنا سارا اجر قیامت ہی کے دن۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ

تو جو بچا لیا گیا جہنم سے اور داخل کیا گیا جنت میں تو بے شک کامیاب ہوا۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝

اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر دھوکے کی پونجی●

(ہر ایک چکھنے والا ہے موت کا) ہر جان کو موت کا شربت پینا ہے اور موت جب آنی ہے اور جہاں آنی ہے، اسی وقت وہاں آکر رہے گی۔ کسی بھی تدبیر سے اسکے وقت کو ٹالا نہیں جاسکتا۔۔ہاں۔۔ یہ ضرور ہے کہ یہ موت ایمان والوں اور اطاعت رسول والوں کیلئے بے شمار نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔

ویسے تو ایمان والوں کو دنیا ہی میں بہت ساری نعمتوں سے نوازا گیا۔ مثلاً: غزوۂ بدر میں فتح، مکہ شریف میں کافروں کے بیچ میں رہنا اور قتل سے محفوظ رہنا، ہجرت کر کے مدینہ شریف کی پرسکون فضا میں آجانا، جہاد میں فتح وظفر، مالِ غنیمت اور دشمنوں پر تسلط حاصل کر لینا۔

مگر یہ سب تو تھوڑا سا اجر ہے، (اور پورا پورا دیے جاؤگے اپنا سارا اجر، قیامت ہی کے دن) قبروں سے اٹھنے کے بعد۔ اسی طرح کفار کو جو مسلمانوں کے ہاتھوں شکست کا سامنا ہوتا ہے اور ان کا جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے، یہ بہت تھوڑا عذاب ہے، انکو تو پورا پورا عذاب آخرت میں دیا جائیگا جو دائمی عذاب ہوگا، (تو جو بچا لیا گیا جہنم سے اور داخل کیا گیا جنت میں، تو بیشک کامیاب ہوا) دنیا سے اسے چھٹکارا مل گیا اور وہ اپنی مراد کو پہنچ گیا۔

سنو (اور) یادرکھو کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں، اسلئے کہ (نہیں ہے دنیاوی زندگی، مگر دھوکے کی پونجی) یہ دنیا کی زندگی لوگوں کو فریب دیتی ہے اور دنیاوی کاروبار میں الجھا کر آخرت فراموش کر دیتی ہے۔ اسکے مال ومتاع حاصل کرنے والے کو غرور ہو جاتا ہے۔ تاحیات انسان اسکے حصول میں رہتا ہے، پھر اچانک اسکی موت آجاتی ہے اور یہاں کا سب کچھ یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ یہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔ کتنا زبردست دھوکا کہ جب تک زندہ رہتا ہے، اسے خیال بھی نہیں آتا کہ اسے مرنا ہے۔ ایک پل کی خبر نہ ہونے کے باوجود، سو برس کیلئے سامان اکٹھا کرنے میں لگا رہتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔ اگر دنیا کی حقیقت سے لوگ واقف ہو جائیں، تو انھیں اعتراف کرنا پڑ جائے کہ دنیا کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ دنیا کی زندگی میں کامیاب صرف وہی ہیں، جو ایمان والے اور نیک عمل والے ہیں۔ ہر دور میں انکو کھرا سے کھرا اپنانے کیلئے۔۔۔یا۔۔انکے کھرے پن کو ظاہر کرنے کیلئے، انکی آزمائش ہوتی رہی ہے۔ اور آئندہ بھی۔۔۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۗ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے اپنے مال اور جان میں۔۔۔۔ اور ضرور سنو گے ان سے جن کو

اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ

کتاب دی گئی تم سے پہلے، اور ان سے جنھوں نے شرک کیا ہے، بہت کچھ موذی باتیں۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

اور اگر تم لوگ صبر کرو اور متقی رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے●

(ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے اپنے مال اور جان میں)۔ مال کے تعلق سے تو آزمائش اس وقت ہوئی، جبکہ مہاجر لوگ مدینے کو ہجرت کر گئے اور مکہ میں اپنا سارا مال چھوڑ گئے، تو مشرکین ہر ایک کا مال ضائع کرنے پر لگ گئے اور بیچنے لگے اور جس مہاجر کو راہ میں پا جاتے، اس پر سختی کرتے۔۔۔ یونہی۔۔ فی سبیل اللہ جہاد کا حکم دیکر انکی جان کی آزمائش کی گئی۔

(اور) اے ایمان والو! یہ بھی تمہاری آزمائش کا ایک حصہ ہے کہ (ضرور سنو گے ان) یہود و نصاریٰ (سے جن کو کتاب دی گئی تم سے پہلے، اور ان سے جنھوں نے شرک کیا ہے) اور مشرک ہو گئے ہیں (بہت کچھ) تکلیف دہ اور (موذی) اذیت پہنچانے والی (باتیں)، تو یاد رکھو (اور) یقین جان لو

کہ اس گروہ کی ایذا رسانی پر (اگر تم لوگ صبر کرو) گے، (اور متقی رہو) گے، ان سے کسی طرح کا بدلہ نہ لوگے بلکہ اپنے معاملے منتقم حقیقی کے حوالے کردوگے، (تو) جان لو کہ (یہ) صبر واتقا (بڑی ہمت کا کام ہے) اس سے دینی امور میں مضبوطی ایمان کی درستگی ظاہر ہوتی ہے جو ایمان کے حقائق میں ہے۔

۔۔الغرض۔۔ یہ پختہ امور میں سے ہے، یعنی وہ بہترین امر جسکی طرف ہر رغبت کرنے والا رغبت کرے اور جس سے ہر پختہ کار محبت رکھے، اسلئے کہ اس میں بہت بڑا کمال اور بہت بڑی بزرگی ہے۔۔یا یہ۔۔ من جملہ ان امور میں سے ہے کہ جسے حق تعالیٰ بھی محبوب رکھتا ہے اور حکم دیتا ہے، بلکہ تاکید فرماتا ہے، یعنی یہ امر اللہ تعالیٰ کی 'عزیمت' ضروریہ میں سے ایک ہے۔لہٰذا لازم ہے کہ اس پر صبر اور پرہیز گاری کرو۔۔۔

اس سے پہلی آیات میں حق تعالیٰ نے نبی کریم کی نبوت میں یہود کے طعن اور انکے طعن کا جواب ذکر فرمایا، اور اب اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں کی عہد شکنی اور حق پوشی کی یاددہانی کرا رہا ہے۔۔اے محبوب یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور جبکہ لیا تھا اللہ نے مضبوط وعدہ ان کا جن کو کتاب دی گئی کہ ضرور بیان کردوگے تم لوگوں سے،

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ

اور نہ چھپاؤ گے اس کو۔تو پھینک دیا انھوں نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے، اور لیا اس کے بدلہ میں

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ۝

قیمت ذلیل چیز۔ تو کتنا برا ہے جو وہ لیتے ہیں●

(اور) ذہن میں حاضر کرلو (جبکہ لیا تھا اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے انبیاء کے ذریعہ (مضبوط وعدہ ان) علمائے یہود ونصاریٰ (کا، جن کو کتاب دی گئی) اور توریت وانجیل سے سرفراز کیا گیا۔ کیا عہد لیا؟ یہی (کہ ضرور بیان کردوگے تم لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے اسکو) ان احکام کو جو ان کتابوں میں ہیں اور وہ چیزیں جو اس میں محمد ﷺ کی شان میں بیان کی گئی ہیں۔ان آسمانی کتابوں میں مذکور نعت مصطفیٰ کو من وعن بیان کردینا اور اسکو نہ چھپانا۔۔یا۔۔اس میں اپنی طرف سے کتر بیونت نہ کرنا، اس عہد کا مطلوب اصلی تھا۔ (تو) باوجودیکہ ان سے طرح طرح کی تاکید کر کے وعدے لئے گئے تھے

لیکن پھر بھی (پھینک دیا انھوں نے اسے اپنی پیٹھ پیچھے)، یعنی اسے پس پشت ڈالدیا اور بدعہدی کر بیٹھے اور انھوں نے نہ تو اس وعدہ کی حفاظت کی اور نہ ہی اسکی طرف ذرا بھی متوجہ ہوئے۔

سابقہ آیات میں یہودیوں کی جن ایذا رسانیوں پر صبر کی تلقین فرمائی گئی ہے، انھیں ایذاء رسانیوں میں سے انکی ایک ایذاء رسانی یہ بھی تھی کہ توریت اور انجیل میں آپ ﷺ کی نبوت کے جو دلائل تھے، وہ انکو چھپا لیتے تھے۔

(اور) اپنی جاہل عوام سے (لیا اس) حق پوشی (کے بدلہ میں) بطور رشوت دنیا کے اسباب و اعراض میں سے (قیمت)، اور وہ بھی نہایت حقیر و (ذلیل چیز)۔ انھیں خطرہ تھا کہ اگر ہم ایمان لائینگے، تو ہم کو عامی لوگوں سے کچھ نہیں ملے گا، تو اسلئے صرف یہی نہیں کہ جو جانتے تھے اسے چھپا دیا بلکہ عامی لوگوں کو حکم دیدیا کہ، وہ اسکی تکذیب کریں (تو کتنا برا ہے جو وہ لیتے ہیں)۔

یہ آیت اگرچہ بظاہر ان یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی، جو اخفائے حق کرتے ہیں، تاکہ اسکے ذریعے دنیا کا تھوڑا سا مال حاصل کرلیں، لیکن اسکا حکم عام ہے۔ ان مسلمانوں پر بھی یہ حکم لاگو ہوتا ہے جو اشرف الکتب یعنی قرآنِ کریم کے احکام دنیا کی لالچ میں چھپاتے ہیں، کیونکہ یہ لوگ اہل کتاب سے اشرف و اعلیٰ ہیں، تو جب ادنیٰ کی حق پوشی کو گوارا نہیں کیا گیا، تو پھر جو اعلیٰ ہے، وہ اگر حق پوشی کرتا ہے، تو اسے کیسے پسند کیا جاسکتا ہے۔۔ الغرض۔۔ اس [illegible] چھپاتا ہے، تو اے محبوب!۔۔۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا

ہرگز خیال نہ کرو، کہ جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے سے اور چاہتے ہیں کہ تعریف کئے جائیں اس سے جس کو کیا ہی نہیں،

فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

تو ان کو یہ نہ خیال کرو کہ عذاب سے بچاؤ میں ہیں۔ اور انھیں کیلئے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(ہرگز خیال نہ کرو کہ جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے سے) آپ کی نعت پوشی سے (اور چاہتے ہیں کہ تعریف کئے جائیں، اس سے جسکو کیا ہی نہیں)۔

ایک بار آنحضرت ﷺ نے یہود سے ایک بات پوچھی، یہود نے اسکا جواب چھپا کر دوسری طرح پر بات شروع کی اور ایسی بات بنا کر ظاہر کی، کہ گویا سچا جواب دیا اور اپنے اس جھوٹے جواب پر تحسین کے خواہاں بھی تھے۔۔ یونہی۔۔ جن منافقین نے لڑائی سے منہ پھیر

لیا تھا، جب انکا رسولِ مقبول سے سامنا ہوا، تو عذر کرنے لگے اور اپنی تعریف وتحسین کے متوقع ہوئے۔ یہ منافقین ایمان کا اظہار کرتے اور انکے قلوب کفر سے مطمئن تھے، اور وہ اپنی اس کارگزاری سے بہت خوش تھے، اور وہ اس انتظار میں رہتے کہ ایمان کے اظہار سے اہل اسلام ہماری تعریف کرینگے۔ بظاہر اہل اسلام کی محبت کا دم بھرنے والے، اور حقیقت میں اہل اسلام کے جانی دشمن۔

(تو) اے محبوب! اور دامنِ محبوب سے وابستہ ایمان والو! (ان کو یہ نہ خیال کرو کہ) یہ سارے یہود اور منافقین (عذاب سے بچاؤ میں ہیں اور) ایسا اسلئے ہے کہ (انھیں کیلئے) تو (دکھ دینے والا عذاب ہے)، خواہ وہ قیامت کا عذاب ہو۔۔یا۔۔قتل، جلائے وطن، ذلت اور قبول جزیہ کی صورت میں دنیا کا عذاب ہو۔ آخرت کا عذاب تو انھیں ملنے ہی والا ہے، رہ گیا دنیا کا عذاب تو وہ اس پر مستزاد ہے۔ کیا ان کو خبر نہیں۔۔۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی ملکیت۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے●

(اور) اس سچائی کا علم نہیں کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کی ملکیت)۔

یعنی وہ قاہر حکومت جو ان میں ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ کسی کو پیدا کرنا یا مٹا دینا۔۔۔زندگی دینا یا موت طاری کرنا۔۔۔کسی کو ثواب دینا یا کسی پر عذاب نازل فرمانا۔۔۔یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے، اس میں کسی غیر کو کسی معاملہ میں کسی وجہ سے دخیل ہونے کا شائبہ تک بھی نہیں، وہی انکے امور کا مالک ہے، جو وہ عمل کرتے ہیں اسی پر وہی انھیں عذاب دیتا ہے، اسکے قبضہ قدرت سے کوئی بھی نہیں نکل سکتا اور نہ ہی اسکے عذاب سے کوئی نجات پا سکتا ہے، انکی گرفت فرماتا ہے جب چاہتا ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (ہر چیز پر قدرت والا ہے) خواہ وہ نیکوں کا ثواب ہو یا بروں کا عذاب ہو۔ خدا کی ملکیت، اسکی قدرت کو سمجھنے اور اسکی توحید کی نشانیوں کو دیکھنے کی خواہش رکھنے والو، آؤ اور دیکھو۔۔۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ

بے شک! آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں،

لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

ضرور نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے ●

(بیشک آسمانوں) اور جو کچھ اس میں ہے، (اور زمین) اور جو کچھ اس پر ہے، ان سب (کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ادلنے بدلنے میں)، کہیں دن ہے تو رات نہیں اور کہیں رات ہے، تو دن نہیں۔ جہاں سے دن نکل گیا وہاں رات پہنچ گئی اور جہاں سے رات نکل گئی وہاں دن پہنچ گیا۔ کہیں رات گھٹتی ہے اور دن بڑھ جاتا ہے۔۔ یوں۔۔ کبھی دن گھٹتا ہے تو رات بڑھ جاتی ہے۔ رات تاریک ہے تو دن روشن۔ ان میں کا ہر ایک دوسرے کا پیچھا کیے ہوئے ہے۔۔ الختصر۔۔ اس گردش لیل ونہار میں (ضرور نشانیاں ہیں عقل والوں کیلئے)، جنکی عقلیں حس اور وہم کے شائبوں سے پاک وصاف ہیں، اور دقائق اسرار اور حقائق آثار پہچاننے میں کامل ہیں۔ یہ صاحبان عقل وہ لوگ ہیں۔۔۔

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ

جو یاد کیا کریں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر، اور غور وفکر کریں

فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں۔ پروردگارا نہیں پیدا فرمایا تونے اس کو بیکار۔

سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

پاک ہے تو، تو بچالے ہم کو جہنم سے ●

(جو یاد کیا کریں اللہ) تعالیٰ (کو) ہمیشہ ہر حال میں (کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں پر)، یعنی ہمیشہ خدا کی یاد میں اور ہمیشہ اسکی محبت کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں، اسلئے کہ جو شخص جس [illegible] یاد کرتا ہے۔ یہ وہ عبادت گزار لوگ ہیں جو اپنی استطاعت اور طاقت کے موافق کھڑے، بیٹھے، اور لیٹے، ہر طرح سے نماز پڑھتے ہیں اور کسی مجبوری میں بھی نماز سے غفلت نہیں برتتے۔

اور یہ وہ شکر گزار لوگ ہیں کہ اپنے کھڑے ہونیکی قدرت پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اس واسطے کہ اسی پر معاش کا قیام ہے۔۔ یوں۔۔ بیٹھنے کی نعمت پر شکر ادا کرتے ہیں، اسلئے کہ

صحبت کی پائیداری اسی سے ہے، اوراسی طرح کروٹ پر لیٹنے اور سونے پر شکر کرتے ہیں، کہ اسی کے سبب سے بڑی آسائش ہے۔ یہ وہ ذکر کرنے والے ہیں، جو صرف زبان کے ذکر پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ انکا دل ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتا ہے۔ ویسے بھی زبانی ذکر ہمیشہ ممکن نہیں اور دلی ذکر میں نہ تو کچھ فطور ہوتا اور نہ ہی قصور۔

۔۔الغرض۔۔ یہاں ذاکرین سے وہ صاحبانِ دل مراد ہیں جو دل وجان سے ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتے ہیں، اس حال میں کہ کھڑے ہیں یعنی امر الٰہی کی طرف متوجہ ہیں۔۔یا۔۔ بیٹھے ہیں، یعنی لہو ولعب سے منہ پھیر کر بیٹھے ہیں ۔۔یا۔۔ کروٹ لئے ہوئے ہیں، یعنی ارتکاب منہیات کو پس پشت ڈال کر اس سے پھر کر لیٹ گئے ہیں ۔۔یا۔۔ کھڑے ہیں آستانۂ خدمت پر، بیٹھے ہیں فرش قربت پر اور لیٹے ہیں بارگاہِ وجد وحال میں، اور وہم و غرور وخیال سے دور ہیں۔

(اور) یہی وہ لوگ ہیں جو (غور وفکر کریں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں) تاکہ وہ فکر صانع قدیم کی طرف راہ دکھائے، دوری اور محرومی کے پردے انکے دیدۂ دل پر سے اٹھ کر غیبت سے حضور میں آئیں، اور مشاہدہ کر کے زبانِ نیاز سے کہیں (پروردگارا نہیں پیدا فرمایا تو نے اس) مخلوق (کو) جو آسمان وزمین میں ہے، (بیکار) بے فائدہ۔ (پاک ہے تو) اس بات سے کہ کسی چیز کو تو باطل پیدا کرے۔ نہ تو تیری تخلیق باطل ہے اور نہ ہی تیری پیدا کردہ کوئی مخلوق بیکار و بے فائدہ۔ (تو بچالے) اپنی مہربانی کی بدولت (ہم کو) آتش (جہنم) کے عذاب (سے)۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ

پروردگارا بے شک جسے ڈال دے جہنم میں تو تو نے رسوا کر دیا اس کو۔

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾

اور نہیں ہے ظالموں کیلئے کوئی مددگار●

(پروردگارا بیشک جسے ڈال دے جہنم میں) ہمیشہ ہمیش کیلئے، (تو تو نے) عذاب کے ساتھ ساتھ (رسوا کر دیا اس کو اور نہیں ہے) مشرکین اور یہود ونصاریٰ جیسے (ظالموں کیلئے کوئی مددگار)، جو ان سے اس خدائی عذاب کو دفع کر دے۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ

پروردگارا بیشک ہم نے سناایک منادی کو، کہ اعلان کرتے ہیں ایمان کیلئے کہ لوگو اپنے پروردگار کو مان جاؤ، تو ہم تو مان گئے۔

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۚ﴿۱۹۳﴾

پروردگارا بخش دے ہمارے گناہوں کواور مٹادے ہمارے گناہوں کو، اور وفات دے ہم کو نیک کرداروں کے ساتھ●

(پروردگارا، بیشک ہم نے سناایک منادی کو) یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کو، جو (کہ) اپنی صحبت کا شرف حاصل کرنے والوں اور اپنی بارگاہ میں حاضر ہونے والوں کو براہِ راست اپنی زبانِ فیض ترجمان سے۔۔اور۔۔اپنے سے غائب یا بعد میں قیامت تک آنے والوں کو، قرآنِ کریم کی زبان و بیان کے واسطے سے، (اعلان کرتے ہیں ایمان کیلئے کہ لوگو اپنے پروردگار کو مان جاؤ، تو ہم) نے (تو) قبول کرلیا پکارنے والے کی پکار کو، اور (مان گئے) اور دل کی سچائی کے ساتھ ایمان لائے۔تو (پروردگارا) اس ایمان کے صدقہ میں (بخش دے ہمارے) سارے گزرے ہوئے (گناہوں کو) اپنے فضل و کرم سے، (اور) اپنی رحمت کاملہ اور شان ستاری سے (مٹادے)، دور کردے ہم سے (ہمارے) آئندہ ہونے والے (گناہوں کو)، یعنی ہماری برائیوں پر پردہ ڈال دے اور انھیں چھپاڈال اور ہمیں تاحیات نیکی کرنے کی توفیق عطا فرما، (اور) پھر (وفات دے ہم کو نیک کرداروں کے ساتھ)، یعنی نیک کرداری ہی پر ہماری موت ہو، تاکہ نکوکاروں کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ

پروردگارا دے ہم کو جو تو نے ہم سے وعدہ فرمایا اپنے رسولوں پر، اور نہ رسوائی دے ہم کو قیامت کے دن

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

بے شک تو نہیں خلاف کرتا وعدہ کا●

(پروردگارا دے ہم کو جو تو نے ہم سے وعدہ فرمایا اپنے رسولوں پر) ایمان لانے اور اسکی تصدیق کرنے کی صورت میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں۔۔یا۔۔فتح کا وہ وعدہ جو رسولوں کی زبان سے مومنوں کیلئے فرمایا۔۔یا۔۔وہ مغفرت جسکو طلب کرنے کی ہدایت تو نے اپنے محبوب بندوں کو دی ہے،

یعنی تیرے محبوب بندے یعنی حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سرکارِ دوعالم ﷺ نے تیری بارگاہ میں مومنین ومومنات کیلئے جو مغفرت چاہی ہے، وہی مغفرت اپنے فضل وکرم سے اوران محبوبوں کی دعاؤں کے صدقے میں ہمیں عطا فرما، (اور نہ رسوائی دے ہم کو قیامت کے دن)، حشر کے روز، اہلِ محشر کے سامنے ہمیں رسوائی سے بچالے۔ ہمیں یقین ہے کہ تو اپنے کرم سے اپنے وعدہ کو ضرور پورا فرمائیگا، کیونکہ (بیشک تو نہیں خلاف کرتا وعدہ کا)۔

اس یقین کے بعد کہ حق تعالیٰ سے وعدہ خلافی قطعاً محال ہے، اس سے اشاروں اور کنایوں میں دبے لفظوں میں وعدہ خلافی نہ کرنے کا معروضہ پیش کرنا، اس بنا پر ہے کہ انھیں اپنا خوف ہے، کہ کہیں ہم اس کے نااہل نہ ہوں اور ہمارا خاتمہ برا اور خراب نہ ہو۔ یہ کلام انکے تضرع اور عاجزی کی دلیل ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ

تو قبول فرمالیا ان کی دعا کو ان کے رب نے، کہ بے شک میں ضائع نہیں کرتا کام کسی کامی کا تم میں سے،

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا

مرد ہو یا عورت، تم میں سب ایک دوسرے سے ہیں۔ تو جنھوں نے ہجرت کی اور نکالے گئے

مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ

اپنے گھروں سے، اور ستائے گئے میری راہ میں، اور وہ لڑے اور شہید کیے گئے، ضرور مٹادوں گا

عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

ان سے ان کے گناہوں کو، اور ضرور داخل کروں گا ان کو جنتوں میں، کہ بہا کریں جن کے نیچے نہریں،

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

اللہ کی طرف سے ثواب۔ اور اللہ، اسی کے پاس ثواب کا حسن ہے●

(تو قبول فرمالیا انکی دعا کو انکے رب نے) اور انکا جو مطلوب تھا، انکی طلب کے مطابق انھیں عطا فرمادیا، کیونکہ اسکا فضل وکرم بہت بڑا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے (کہ بیشک میں ضائع نہیں کرتا کام کسی کامی) یعنی نیک کام کرنے والے (کا تم میں سے)، خواہ وہ (مرد ہو یا عورت

اے محبوب! بی بی ام سلمہ نے، آپ سے جو یہ سوال پوچھا ہے کہ کیا وجہ ہے؟ قرآنِ پاک میں ہجرت کے متعلق مردوں کا ذکر ہے مگر ہجرت کرنے والی عورتوں کا ذکر نہیں؟ تو انکو جواب عطا فرما دو، کہ بیشک اللہ تعالیٰ کسی نکوکار کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔ جس عمل کا جو اجر ہے، اسکو جو بھی کرے، اسے اسکا اجر ملے گا، خواہ وہ عورت ہو یا مرد۔

۔۔الحاصل۔۔مہاجر مردوں کی تعریف انکے عمل ہجرت کی وجہ سے کی گئی، تو یہ عمل ہجرت جو بھی انجام دے، وہ قابل تعریف ہے، تو ہجرت کرنے کی جو بھی تعریف کی گئی اور انکے لئے، جو بھی اجر کا وعدہ کیا گیا، انکا روئے سخن ہر ایک ہجرت کرنے والوں کی طرف ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا عورت۔ اب رہ گیا اس مقام پر قرآن کریم میں بظاہر عورتوں کا ذکر نہ ہونا، تو یہ صرف اسلئے ہے کہ انکو مردوں کا تابع کر دیا گیا اسطرح انکا بھی حکماً ذکر ہو گیا جس طرح بہت ساری آیات میں۔۔۔مثلاً: اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وغیرہا میں بظاہر مردوں کو خطاب فرمایا گیا ہے، لیکن انکے مخاطبین میں عورتیں بھی شامل ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔نماز و زکوٰۃ صرف مردوں ہی پر فرض نہیں، بلکہ عورتوں پر بھی فرض ہے۔۔
الغرض۔۔ نیک عمل کرنے والے کوئی بھی ہوں، بفضلہٖ تعالیٰ انھیں انکا پورا اجر عطا فرمایا جائیگا۔ اسلئے کہ فضل خداوندی کو یہ گوارا نہیں، کہ کسی نیک عمل کے اجر دینے میں مردوں اور عورتوں میں فرق فرمائے۔۔مثلاً: مردوں کو زیادہ دے اور عورتوں کو کم۔ اور ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔۔جبکہ۔۔

(تم میں سب ایک دوسرے سے ہیں) عورتیں مردوں سے، اور مرد عورتوں سے یعنی مروجہ قانون قدرت یہی ہے کہ مرد کی اصل عورت ہے، اور عورت کی اصل مرد ہے، تو اگر فضیلت 'اصل' کو دی جائے، تو دونوں ہی ایک دوسرے کی 'اصل' ہیں۔ اور فضیلت 'فرع' کو دی جائے، تو دونوں ہی ایک دوسرے کی 'فرع' ہیں۔

۔۔المختصر۔۔صرف مرد ہونے سے کوئی افضل نہیں، اور صرف عورت ہونے سے کوئی مفضول نہیں، بلکہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بعض مرد عورت سے اور بعض عورت مرد سے اچھے ہوتے ہیں۔ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ 'تمہارا بعض طاعت پر ثواب کے لحاظ سے اور معصیت پر سزا کے لحاظ سے بعض کی طرح ہے'۔

(تو جنھوں نے ہجرت کی) شرک سے۔۔یا۔اپنے وطن سے (اور نکالے گئے اپنے گھروں سے)، جیسے سرکارِ دو عالم ﷺ اور آپ کے اصحاب، جنھیں مشرکوں نے مکہ معظمہ سے باہر کر دیا (اور ستائے گئے میری) اطاعت کی (راہ میں)، جیسے کہ حضرت بلال جنھیں مشرکین مسلسل اذیت پہنچاتے رہے اور حضرت صہیب رومی، جنکا مال واسباب لوٹ کر مشرکین نے تکلیف دی اور انکے علاوہ وہ عوام مہاجرین جو جہاد کیلئے نکلے، (اور وہ) مشرکین سے (لڑے اور) پھر (شہید کئے گئے)، تو (ضرور مٹادونگا) اور معاف کر دونگا (ان) سب (سے انکے گناہوں) اور انکی برائیوں (کو)۔

اور صرف اسی قدر نہیں، بلکہ (ضرور داخل کرونگا انکو جنتوں میں) جنکی شان یہ ہے (کہ بہا کریں جنکے) درختوں یا مکانوں کے (نیچے نہریں)۔۔۔ المختصر۔۔۔ جو لوگ راہِ خدا میں قسم قسم کی آزمائشوں، محنتوں، تکلیفوں اور فتنوں سے گزرنے والے ہیں، ان سب کیلئے ہے (اللہ) تعالیٰ کی ذات (کی طرف سے) عظمت والا اجر و (ثواب)۔

سنو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ کی ہی ذات، وہ ذات ہے کہ (اسی کے پاس ثواب کا حسن ہے) یعنی ایسا ثواب جو اسکی ذات کے ساتھ مخصوص ہو، جس پر دوسرا قادر نہ ہو۔ یہی وہ ثواب مطلق ہے جو اس لائق ہے کہ اسکے سوا دوسری چیز کو ثواب بھی نہ کہا جاسکے۔ گویا یہ ثواب ایک تحفہ ہے اس ذات کی طرف سے جو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ رب کریم کی طرف سے ملنے والے ان انعامات کے سامنے، کیا مقام ہے دنیا کی چندروزہ ان راحتوں کا جنھوں نے اہل دنیا کو اپنے چنگل میں لے رکھا ہے، تو اے محبوب!۔۔۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾

ہرگز نہ دھوکہ دے تمہارے لوگوں کو اینٹھتے پھرنا کافروں کا شہروں میں ●

(ہرگز نہ دھوکہ دے تمہارے) تنگدست اور تکالیف میں مبتلا (لوگوں کو) تکبر و غرور کے نشے میں (اینٹھتے پھرنا کافروں کا) مختلف (شہروں میں) تجارت کی غرض سے اور پھر تجارت کے ذریعے حاصل کردہ مال سے اپنی محفل عیش و عشرت سجانا۔ اسلئے کہ انکے یہ سارے مال و متاع اور انکی ساری عیش و آرام کی گھڑیاں، بالکل عارضی ہیں اور معمولی اسباب اور۔۔۔

مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

تھوڑا برتنا ہے۔۔ پھران کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور کیسا برا بستر ہے●

(تھوڑا برتنا ہے) جنکا فائدہ چندروزہ ہے، جو بہت جلد ضائع ہو جائیگا (پھر انکا) ہمیشہ کیلئے (ٹھکانہ جہنم ہے)۔ یہ دنیا اگر چہ قلیل الاسباب ہے لیکن وہ جہنم میں ابدالآباد داخل ہونے کا سبب ہے غرض۔۔دنیا کی وہ تھوڑی سی نعمت جو بہت بڑے نقصان کا سبب بن جائے، اس لائق نہیں کہ اسے نعمت کہا جائے، تو کفار و مشرکین جہنم کا جو بچھونا اپنے لئے بچھائینگے، وہ کتنا تکلیف دہ (اور کیسا برا بستر ہے) جس پر ہمیشہ انھیں رہنا ہے۔

لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ

لیکن جو ڈرا کئے اپنے رب کو، ان کیلئے جنتیں ہیں، بہہ رہی ہیں ان کے نیچے نہریں،

خٰلِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

ہمیشہ رہنے والے اس میں، مہمانی اللہ کی طرف سے۔ اور جو اللہ کے پاس ہے زیادہ بہتر ہے نیکو کاروں کیلئے●

(لیکن) انکے برخلاف وہ نفوسِ قدسیہ والے لوگ، (جو) ہمیشہ (ڈرا کئے اپنے رب کو)، اسکے حکم کے خلاف کچھ بھی کرنے سے خوفزدہ رہتے ہیں، تو انکی بڑی شان ہے اور آخرت میں (انکے لئے جنتیں ہیں، بہہ رہی ہیں انکے) مکانوں یا درختوں کے (نیچے) صاف وشفاف (نہریں)، وہ لوگ اس میں (ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔ (اس میں) یہ (مہمانی) اور خاص پیش کش ہے (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) اور ظاہر ہے کہ وہ پوشیدہ مہربانی (اور) فضل لا فانی (جو اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے)، وہ کہیں زیادہ بہتر ہے نکو کاروں کیلئے) کفار و مشرکین کے فنا ہو جانے والے عیش و آرام سے۔

اب تک مومنین، صالحین اور مہاجرین کیلئے جن انعامات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ صرف انھیں کیلئے نہیں۔۔۔

(النصف)

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا

اور بے شک بعض اہل کتاب ہیں کہ مانیں اللہ کو، اور جو اتارا گیا تم پر، اور جو

أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا

اتارا گیا ان پر، دبے لچے اللہ کے سامنے، نہیں لیتے اللہ کی آیات کے بدلے قیمت کم حقیقت۔

أُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

وہ ہیں جن کیلئے ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس۔ بے شک اللہ جلد حساب فرمانے والا ہے●

(اور) صرف انھیں کے ساتھ مخصوص نہیں، کیونکہ (بیشک بعض اہل کتاب)۔۔مثلاً: حضرت عبداللہ ابن سلام اور انکے اصحاب۔۔یا۔۔نجاشی اور اسکے اتباع۔۔یا۔۔نجران کے چالیس، حبشہ کے د اور روم کے آٹھ افراد جو نصرانی عقیدہ رکھتے تھے، پھر اسلام قبول کرلیا، یہ سب وہ لوگ (ہیں) جن کی شان یہ ہے (کہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو، اور) اس قرآن کو (جو اتارا گیا تم پر اور) توریت وانجیل کو، (ج اتارا گیا ان) کے رسولوں (پر)، انکی ہدایت کیلئے، (دبے لچے اللہ) تعالیٰ (کے سامنے)۔ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے بھی ہیں اور اسکے ثواب کی امید پر سر جھکاتے بھی ہیں۔

وہ (نہیں لیتے اللہ) تعالیٰ (کی آیات)، جن میں نعت مصطفیٰ اور آپ ﷺ کے اوصاف ذکر ہے، (کے بدلے) یہود کے رشوت خور علماء کی طرح حقیر (قیمت)، اور وہ بھی جو (کم حقیقت ہو جسکی کوئی خاص قدر و قیمت ہی نہ ہو۔ تو یہ متدین مومنین خاشعین (وہ ہیں) مہاجرین کی طرح، (ج کیلئے انکا اجر ہے انکے رب کے پاس) بلکہ انھیں دوہرا اجر ملنے والا ہے۔ ایک تو اس ایمان کا جوا پہلے رسولوں پر لا چکے اور دوسرا اجر اس ایمان کا جو نبی آخر الزماں پر لائے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (حساب فرمانے والا ہے)۔

یعنی جب وہ حساب فرمانا شروع کرے گا، تو مومنوں کا حساب بالکل آسانی کے ساتھ جھٹ پٹ کردیگا۔۔یوں بھی۔۔اس کیلئے جلد حساب کردینے میں دشواری ہی کیا ہے؟ اسلئے کہ اسکا علم تمام اشیاء کو حاوی ہے اور وہ ہر ایک عمل کرنے والے کے اجر کا علم رکھتا ہے کہ وہ کس قدر اجر کا مستحق ہے، اسے تامل کی ضرورت ہی نہیں، اور نہ اسے یاد رکھنے کی ضرورت ہے، اور نہ ہی اسے یادداشت کیلئے کسی تحریر کی حاجت ہے۔۔الغرض۔۔جن سے جو وعدہ کیا گیا، وہ انھیں جلد تر نصیب ہوگا۔ اس میں کسی طرح کی تاخیر نہ ہوگی۔۔۔

سورۂ آلِ عمران میں جو مضامین تفصیلی طور پر ذکر کیے گئے ہیں، وہ تمام مضامین اجمالی طور پر اسکی آخری آیت میں ذکر کردیئے گئے ہیں۔ اس آیت میں عبادات کی مشقتوں کو

برداشت کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسکی طرف اصْبِرُوْا میں اشارہ ہے۔ اور مخالفین کی ایذاء رسانیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اسکی طرف صَابِرُوْا میں اشارہ ہے اور کفار ومشرکین کے خلاف جہاد کیلئے تیار رہنے کا حکم دیا گیا ہے اسکی طرف رَابِطُوْا میں اشارہ ہے، اور اصول وفروع میں یعنی عقائد اور اعمال سے متعلق احکام پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس کی طرف وَاتَّقُوا اللّٰہَ میں اشارہ ہے۔۔۔تو۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا

اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں بڑھ جاؤ۔ اور حفاظت ملک اسلامی کیلئے کمربستہ رہو۔۔۔۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۲۰۰

اور اللہ کو ڈرو کہ امیدوار کامیابی ہو جاؤ۔ ●

(اے ایمان والو! صبر کرو) اور قدرتی مصائب۔۔ مثلاً: مرض، فقر، قحط اور احکامِ شرعیہ کی تعمیل ی مشقتوں پر ضبطِ نفس سے کام لو (اور) دشمنوں کے قتال میں اور میدانِ جہاد میں قدم مضبوط رکھو۔۔ نیز ھر والوں پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی طرف سے جو ایذائیں پہنچتی ہیں، ان پر صبر کرو، بلکہ ان میں ے کسی سے انتقام نہ لیکر اپنے (صبر میں بڑھ جاؤ اور) صرف اسی قدر نہیں بلکہ (حفاظت ملک اسلامی لئے) ہر وقت (کمربستہ) اور چاق چوبند (رہو) اس کیلئے آلاتِ حرب تیار رکھو۔

[redacted] مگر۔۔ ہر حال میں [redacted] کی زیادتی اور عدل وانصاف [redacted] اور) اپنی زندگی کے ہر ہر لمحہ میں (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) تا (کہ امیدوار یابی ہو جاؤ)۔ ہر طرح کی کامیابی، خوش نصیبی، اور فیروز بختی، کی امید اسی کی شان کے لائق ہے، جو نے دل میں خشیت الٰہی رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اپنے کو بچائے رکھتا ہے۔

۔۔بحمدہٖ تعالیٰ سورۂ آلِ عمران کی تفسیر آج بروز سنیچر۔۔

۱۹ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ ۔۔بمطابق۔۔ ۲۰ ستمبر ۲۰۰۸

۔۔کو مکمل ہو گئی۔۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ

سُوْرَةُ النِّسَآءِ ۴ مَدَنِیَّةٌ — اٰیَاتُہَا ۱۷۶ رُکُوْعَاتُہَا ۲۴

اس سورۂ مبارکہ میں ایک سوچھہتر ۱۷۶، اور ایک قول کے مطابق
ایک سوستہتر ۱۷۷ آیتیں ہیں اور چوبیس ۲۴ رکوع ہیں۔

اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بیویوں، بچوں، یتیموں اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنے، ان پر شفقت کرنے، اور انکے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔۔نیز۔۔یتیموں کے مال کی حفاظت اور وراثت کا حکم دیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ طہارت حاصل کرنے، نماز پڑھنے اور مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے۔ انسانی صلاح وفلاح کیلئے واضح ہدایات دینے والی اور عورتوں کے تعلق سے خاص ارشادات کی حامل ایسی مبارک سورۃ النسآء کو۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

شروع کرتا ہوں (نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے سارے انسانو[ں] بلکہ ساری مخلوقات پر، اور خاص طور پر مومنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

اس سورۃ مبارکہ میں مذکور تمام احکام پر عمل صرف خوف خدا سے ہوسکتا ہے، اسلئے اس سورۃ کے شروع ہی میں ہدایت فرمادی گئی کہ۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَ[قَ]

اے لوگو ڈرو اپنے پروردگار کو، جس نے پیدا فرمایا تم کو ایک جان سے، اور پیدا فرمایا

مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِ[يْ]

اس جان سے اس کا جوڑا، اور پھیلا دیا ان دونوں سے بہتیرے مرد اور عورتیں۔ اور ڈرو اللہ کو جس کے نام پر

تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

مانگتے رہتے ہو، اور اپنے رشتوں کو، بے شک اللہ تم پر نگراں ہے●

(اے لوگو ڈرو اپنے پروردگار) کے غضب اور عذاب (سے جس نے پیدا فرمایا تم کو)

اپنی قدرت کاملہ سے، رنگوں، شکلوں اور زبانوں کے اختلاف کے باوجود (ایک جان) یعنی سیدنا آدم علیہ السلام (سے، اور پیدا فرمایا اس جان) کی بائیں پسلی (سے اسکا جوڑا)، یعنی حضرت حوا کو تاکہ وہ اسی کے جسم کا حصہ ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس رہیں، (اور) پھر 'توالد وتناسل' کے ذریعہ (پھیلا دیا) ہے (ان دونوں سے بہتیرے مرد اور عورتیں)۔

یعنی ان دونوں کے ذریعے بلا واسطہ۔۔نیز۔۔بالواسطہ بکثرت مردوں اور عورتوں کی تخلیق فرما کر انھیں ظاہر فرما دیا، اور بات بالکل واضح ہے کہ جو خالق و مالک ہو، اسکی ہر مخلوق اور اسکے ہر مملوک پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک کے احکام کی اطاعت کرے۔ چونکہ تمام احکام کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ پہلی خالق کی عظمت، دوسری مخلوق پر شفقت۔ اسی لئے پہلے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا اور پھر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی ہدایت دی اور ان سے قطع تعلق کرنے سے منع فرمایا۔

۔۔چنانچہ۔۔اے لوگو! احکام خداوندی کا پاس ولحاظ کرو (اور ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) وہ خدا (جسکے نام پر) تم ایک دوسرے سے (مانگتے)، سوال کرتے (رہتے ہو)، اور مہربانی کرنے کا مطالبہ کرتے رہتے ہو، اور حاجت مانگتے وقت جس خدا کی ایک دوسرے کو قسم دیتے ہو، اور یوں کہا کرتے ہو کہ 'میں تجھ سے اللہ کیلئے سوال کرتا ہوں'۔۔یونہی۔۔لحاظ کرو اپنے رشتہ داروں کا، (اور) ڈرو (اپنے رشتوں کو) کہیں وہ ٹوٹ نہ جائیں۔۔الحاصل۔۔اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو اور ان میں تفرقہ پیدا نہ کرو۔

اچھی طرح سے جان لو، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (تم پر نگراں ہے) اور تھا۔۔نیز۔۔رہے گا۔۔وہ تمہارا ایسا نگہبان ہے جو تمہارے سب اقوال اور افعال پر مطلع ہے، اور جب کوئی یہ جان لے کہ خدا اسکا نگہبان ہے، تو اسے چاہئے کہ اپنے حرکات اور سکنات میں احتیاط کرے اور ناپاکی و بے باکی کے قصد کے وقت اس سے شرم کرے۔۔تو۔۔اے یتیموں کے سرپرستو! جب یتیم بالغ ہو جائیں تو انکو دے دو۔۔۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا

اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال کو، اور بدلے میں نہ لو ناپاک کو پاک کے، اور مت کھا جایا کرو

اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ، بے شک یہ گناہ کبیرہ ہے●

(اور دے ڈالو یتیموں کو انکے مال کو)۔اور غطفان کے اس شخص کی طرح نہ ہو جاؤ، جسکے پاس اسکے یتیم بھتیجے کا بہت سارا مال تھا، جب وہ بھتیجا بالغ ہوا، تو اس نے اپنا مال طلب کیا، لیکن اسکے چچا نے اسکو مال دینے سے انکار کر دیا۔

تو اسکی اور ان جیسوں کی ہدایت کیلئے حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔ جب نبی کریم نے اسے یہ آیت سنائی، تو اس نے برجستہ عرض کیا، ہم اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرتے ہیں اور بہت بڑے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں، چنانچہ اس نے اپنے بھتیجے کو اسکا سارا مال دے دیا۔ وہ بھتیجا بھی بڑا ہی نیک بخت تھا، کہ اس نے اس مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔

اس ارشادِ خداوندی میں 'دے ڈالو' فرما کر فوراً ہی دے ڈالنا مقصود نہیں، کیونکہ اسکے لئے رشد و بلوغت کا پایا جانا شرط ہے۔ یعنی یتیم بالغ ہو جائے اور اس میں اپنے مال کی حفاظت کا شعور آ جائے۔ یہ 'دے ڈالنے' والی بات صرف اسلئے فرمائی گئی ہے، تاکہ یتیموں کے کفیلوں کو یہ معلوم رہے کہ یہ مال یتیموں کو لامحالہ دینا ہے، ان تک لازمی طور پر پہنچانا ہے۔ لہٰذا ان مالوں کی حفاظت کرتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری بے توجہی سے وہ مال ضائع ہو جائے، تم یہ کہہ کر کنارہ کش ہونے کی کوشش کرو، کہ ہم نے تو اس میں کوئی تصرف کیا نہیں، تو اگر وہ برباد ہو گیا کسی وجہ سے بچ نہ سکا، تو ہم کیا کریں؟

[redacted]

(اور بدلے میں نہ لو ناپاک کو پاک کے)، یعنی مالِ یتیم جو تمہارے لئے ناپاک و حرام ہے اسکو اپنے مال سے جو تمہارے لئے حلال و پاک ہے، نہ بدلو۔۔نیز۔۔اپنے ردی مال کو انکے اچھے مال سے تبدیل نہ کرو، کیونکہ تمہارا اپنا مال اگرچہ خراب ہو، مگر تمہارے لئے حلال ہے۔اسکے برعکس جو تمہارا مال نہیں ہے، وہ اگرچہ اچھا ہو، مگر وہ تمہارے لئے حرام ہے۔

۔۔الحتصر۔۔یتیموں کے مال سے۔۔مثلاً: اچھی کھجوریں نکال لیں اور اسکی جگہ اپنے مال

کی خراب کھجوریں رکھ دیں، تو یہ بھی خیانت ہے، تو اس سے بھی اپنے کو بچانا لازمی ہے۔ یاد رکھو کہ اموالِ یتامیٰ میں خیانت ایک امرِ خبیث ہے اور انکی حفاظت ایک امرِ طیب ہے، تو تم امر [illegible]

(اور مت کھاجایا کرو انکے مال کو اپنے مال کے ساتھ) یعنی اپنے مال کو انکے مال کے ساتھ ملا کر اپنے اور انکے مال میں فرق کئے بغیر خرچ نہ کرو۔۔ کیونکہ۔۔ ممکن ہے کہ اپنی لاپرواہی سے تم بے جا تصرف کر جاؤ، جس سے یتیم کا مال تباہ و برباد ہو جائے۔

یہ صحیح ہے کہ اگر یتیم کا متولی فقیر اور محتاج ہو، تو بقدر خدمت یتیم کے مال سے اپنے اوپر خرچ کرسکتا ہے۔۔ مگر۔۔ اس میں اسطرح کا تصرف اسکے لئے حرام ہے، جو یتیم کو نقصان پہنچائے۔ چونکہ تصرف کے جتنے طریقے ہیں، اس میں کھانے کو اہمیت و عظمت حاصل ہے، اسلئے آیت کریمہ میں اسکا ذکر کر دیا گیا۔

(بیشک یہ)، یعنی یتیم کا مال کھا جانا، بدل لینا۔۔ یا۔۔ اس میں خیانت کرنا، خدا کے نزدیک **(گناہ کبیرہ ہے)**۔

زمانہء جاہلیت میں عادت تھی کہ بعض لوگ یتامیٰ کی جن ماؤں سے ان کیلئے جائز ہوتا، اس سے نکاح کر لیتے اور یتامیٰ کی پرورش کی نیت سے نہیں، بلکہ انکے ملک و مال کی لالچ میں۔ پھر جن سے نکاح کرتے، ان عورتوں کو ذلیل و خوار کرتے، اور انکا معاشرہ تنگ کر دیتے اور پھر اس تمنا میں رہتے کہ یہ مر جائیں تاکہ ہم انکی وراثت سنبھالیں۔۔ یونہی۔۔ کچھ لوگ یتیم لڑکیوں کے نکاح کے شوق میں رہتے، خواہ ان لڑکیوں کا سن ان سے مطابقت بھی نہ رکھتا ہو۔ ایسوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر یتامیٰ کی ماؤں سے نکاح کرو، تو ان یتیموں کے مال کو ہڑپ کرنے کی نیت سے نہ کرو، اور اپنی منکوحہ عورتوں کو ذلیل و خوار نہ کرو۔۔ نیز۔۔ انکا معاشرہ تنگ نہ کر دو۔ تمہاری بدبختی یتیموں کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔

اب رہ گئے کم سن یتیم بچیوں سے شادی کرنے والے اور ان کو پورا مہر بھی نہ دے سکنے والے، اور انکو انواع و اقسام کی مشقت میں مبتلا کر دینے والے، اور ان سے ایسا سلوک کرنے والے، جو انھیں گوارا نہ ہو، اور خود انکا مال نہ ادا کرنے والے۔۔ نیز۔۔ جن کو انکے ساتھ مجرمانہ کردار کر بیٹھنے اور انکی عصمت کو مجروح کر دینے کا اندیشہ ہو، تو ایسے لوگ سن لیں۔۔۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

اور اگر تم ڈرے کہ انصاف نہ کرسکو گے یتیموں میں، تو نکاح میں لے آؤ جو تمہاری پسندیدہ ہو عورتوں سے

مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

دو دو، تین تین، چار چار۔ پھر اگر تم ڈرے کہ برابر کا برتاؤ نہ کرسکو گے، تو ایک بیوی کرو

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳

یا تمہاری مملوکہ لونڈیاں۔ یہ طریقہ اس امید کو قریب کرنے والا ہے کہ تم زیادتی نہ کرسکو گے●

(اور) ذہن نشین کرلیں کہ (اگر تم ڈرے کہ انصاف نہ کرسکو گے یتیموں میں) اور کسی نہ کسی غلطی کا ارتکاب کر بیٹھو گے، اور ان یتیم بچیوں کو اپنی ناانصافیوں سے نہ بچا سکو گے۔۔نیز۔۔اپنی خواہش نفسانی پر قابو نہ پاسکو گے، (تو) پھر تم ان یتیم بچیوں کے سوا (نکاح میں لے آؤ جو تمہاری پسندیدہ ہو) اور جن سے تمہارا نکاح جائز ہو، دوسری (عورتوں) میں (سے)، خواہ وہ (دو دو) ہوں۔۔یا۔۔(تین تین)۔۔یا۔۔(چار چار)۔

۔۔الغرض۔۔نکاح کرنے والے کو اختیار ہے کہ ان عددوں میں سے جتنے چاہے نکاح کرلے، مگر چار سے زیادہ کسی حال بھی نہیں۔۔الغرض۔۔پاکیزہ طبع اور گنتی کی چند عورتوں سے نکاح کرے۔ ایامِ جاہلیت کی طرح نہیں جنکا کوئی اصول وضابطہ نہیں تھا، جو چاہتا اور جتنی عورتوں کے ساتھ چاہتا، نکاح کرلیتا۔ دورِ جاہلیت کے نظام کثرت ازدواج کو اسلام نے ختم کردیا اور لاکر ایک حد پر محدود کردیا، اور وہ بھی چند اہم شرائط کے ساتھ۔

اسلام دین فطرت ہے، [redacted]
بدکاری کو دور کرنا چاہتا ہے [redacted]
پانچویں کی قطعی ضرورت نہیں رہتی۔۔ہاں۔۔اگر صرف تین تک اجازت ہوتی، تو اس سے بدکاری کا مکمل سدباب نہیں ہوتا۔ اس اجمال کی ایک مختصر سی تفصیل یہ ہے۔

۔۔مثلاً: کسی صحتمند انسان نے کسی صحتمند خاتون سے نکاح کیا، تو اگر دونوں مکمل صحتمند ہیں، تو اغلب یہی ہے کہ پہلی ہی قربت میں بیوی حاملہ ہوجائے۔ حاملہ ہوجانے کی صورت میں تین ماہ تک اس سے قربت، حاملہ کیلئے طبی نقطۂ نظر سے مضر نہیں، مگر تین مہینے کے بعد احتیاط برتنی ہوگی اور شوہر کو اسکی صحبت سے خود کو بچانا ہوگا۔

اب اس حال میں شوہر کی نفسانی خواہش پوری کرنے کیلئے اور اسکو بدکاری سے بچانے کیلئے، دوسری شادی کی اجازت دیدی ہے۔ وہ بھی اگر پہلی ہی قربت میں حاملہ ہوگئی، تو اسکے ساتھ بھی تین ماہ تک شوہر کے مشغول رہنے میں مضائقہ نہ رہا۔ تین ماہ کے بعد شوہر کو حسب سابق اس سے بھی الگ ہوجانا پڑا، تو اسکو تیسری شادی کی اجازت مل گئی، اور پھر اس نے تیسری عورت سے نکاح کرلیا، اسکا بھی یہی حال رہا کہ پہلی ہی صحبت میں حاملہ ہوگئی، اور اسکے قریب بھی شوہر احتیاطاً تین ہی مہینے رہ سکا۔ تین مہینے کے بعد، اسکو چوتھے نکاح کی رخصت مل گئی، اور پھر وہ بھی پہلی ہی قربت میں حاملہ ہوگئی اور شوہر کو اس سے قربت بھی تین ہی مہینہ طبی نقطہء نظر سے مناسب رہی ۔۔ چنانچہ۔۔ تین مہینے کے بعد اسے اسکی قربت سے الگ ہوجانا پڑا۔

۔۔مگر۔۔اسکے باوجود اب اسے پانچویں بیوی کی ضرورت نہیں، اسلئے کہ اس چوتھی کے تین مہینے پورے ہونے تک، اسکی سب سے پہلی بیوی بچے سے فارغ ہوچکی ہوگی اور اس پر مزید تین مہینہ گزر چکا ہوگا۔ اب اس سے قربت کرنے میں کسی طرح کا کوئی مضائقہ نہ ہوگا۔ اور جب اس پہلی کا تین مہینہ پورا ہوگا، تو دوسری فارغ ہوکر تین مہینے گزار چکی ہوگی ۔۔ یونہی ۔۔ جب دوسری کا تین مہینہ پورا ہوگا، تو تیسری اس منزل میں آچکی ہوگی کہ اس سے قربت کی جاسکے۔ تیسری کے بعد چوتھی کا بھی یہی حال ہوگا۔

اسطرح ایک دور پورا ہوجاتا ہے اور پھر دوسرے دور کیلئے پہلی بیوی اپنی سابقہ حالت پر آچکی ہوگی ۔۔ المختصر ۔۔ چوتھی کے بعد کسی حال میں بھی پانچویں کی ضرورت نہیں ۔۔ اور ۔۔ صرف تین سے مکمل طور پر ضرورت پوری نہیں ہوتی، اور پوری طور پر بدکاری کا سد باب نہیں ہوتا۔

۔۔الحاصل۔۔ اسلام دین فطرت ہے اور کسی حال میں بھی، ایک پل کیلئے بھی، کسی انسان کو بدکاری کی اجازت نہیں دے سکتا، اور نہ ہی ایسی صورت حال پیدا ہونے دیگا کہ انسان بدکاری کیلئے بہانے تلاش کرے۔ اب اگر کوئی سوچے کہ جس صورت حال کی تصویر کشی کی گئی ہے، کہ وہ شاذ ونادر ہی پیش آسکتی ہے، تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ ایک جامع قانون و ضابطہ بنانے کیلئے شاذ ونادر حالت پر ہی نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ [redacted]

۔۔الغرض۔۔ جو شخص مالی اور جسمانی طور پر متعدد بیویاں رکھ سکتا ہو، وہ بشرط عدل و انصاف چار بیویوں کو اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے، اور اگر وہ عدل وانصاف کے تقاضے پورے نہ کرسکے، تو وہ صرف ایک بیوی کو نکاح میں رکھے۔۔چنانچہ۔۔

(اگر تم ڈرے کہ برابر کا برتاؤ نہ کرسکو گے تو ایک بیوی کرو)، اب اگر ان میں سے کسی ایک کی طرف طبعی رجحان زیادہ ہو، جو ایک غیر اختیاری کیفیت ہے، مگر اسکے باوجود دوسری بیویوں میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہورہی ہو، سب کے حقوق پورے انصاف کے ساتھ ادا کئے جارہے ہوں، ہر ایک کے جملہ حقوق زوجیت کی ادائیگی میں مکمل یکسانیت برتی جارہی ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

•۔المختصر۔۔عدل نہ کرسکنے کی صورت میں صرف ایک ہی بیوی کرو (یا) جو (تمہاری مملوکہ لونڈیاں) ہیں۔ انکو داخل حرم کرلو، کیونکہ ملکیت کی وجہ سے تمہیں اس میں تصرف کا حق ہے۔ ایک عورت کو اختیار کرنا۔۔یا۔۔اپنی مملوکہ کو حرم بنالینا، (یہ طریقہ اس امید کو قریب کرنے والا) اور اس بات سے پر امید کردینے والا (ہے، کہ تم) کسی پر (زیادتی نہ کرسکو گے) اور بدراہ ہونے اور ظلم کرنے سے بچ جاؤ گے۔

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ طِبۡنَ لَـكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ

اور دے ڈالو عورتوں کو ان کا سارا مہر، خوش خوش۔ ہاں اگر وہ خوش دلی سے دے دیں کچھ

مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓـئًـا مَّرِیۡٓـئًـا‏ ﴿۴﴾

مہر سے، تو اس کو کھاؤ، جائز درست ●

(اور) یاد رکھو کہ بیویوں کے ساتھ عدل وانصاف کرنے میں، انکے حقوق کی ادائیگی بھی ہے اور حقوق کی ادائیگی میں، انکا مہر ادا کرنا بھی ہے (تو دے ڈالو عورتوں کو انکا سارا مہر خوش خوش) جو انھیں حق تعالیٰ کی طرف سے بخشا ہوا ایک عطیہ ہے، جسے ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر فرض ہے، تو اسے از روئے شریعت، بطور فرض، پوری خوشدلی کے ساتھ ادا کرو اور ذرا بھی تنگدلی کا مظاہرہ نہ کرو۔

(ہاں اگر وہ خوش دلی سے دیدیں) جو (کچھ) کل۔۔یا۔۔بعض حصہ اپنی مقررہ (مہر سے، اسکو) مزے مزے سے (کھاؤ) اور مالک ہو کر جس طرح چاہو تصرف کرو۔ یہ تصرف تمہارے (جائز) اور (درست) ہے۔ جس میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ہی دکھ درد کی بات، لیکن یہ خیال رہے کہ

اسی صورت میں جائز ہے، جب بیویاں خوشدلی کے ساتھ دیں۔۔یا۔۔معاف کردیں۔اسلئے کہ انکی خوشی [redacted] اس سلسلے میں اسکی خوشی اور رضا سمجھنے کیلئے صرف لفظوں کو معیار نہ بنائے، بلکہ اسکے لئے دیگر قرائن کو بھی دیکھنا ضروری ہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ سابقہ ارشادات میں جو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ یتیموں کا مال انکے حوالے کردو اور عورتوں کا مہر انکے سپرد کردو، یہ حکم اس وقت ہے جب یتیم۔۔یا۔۔تمہاری منکوحہ عاقل بالغ ہو، اور اگر وہ عاقل بالغ نہ ہوں، تو پھر اپنی زیرنگرانی رہنے والے انکے اموال کو اپنے ہی پاس حفاظت سے رکھو۔۔۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ

اور نہ دے ڈالو بے وقوفوں کو اپنے زیرنگرانی مال کو جس کو بنادیا اللہ نے تمہارے لیے معاش، اور دیتے رہو ان کو

فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا۝

اس میں سے اور پہناتے رہو ان کو، اور بولا کرو ان سے خوش گوار بولی●

(اور نہ دے ڈالو بیوقوفوں کو) ناپختہ عقل والوں کو، اپنے اموال کی کماحقہ نگرانی نہ کرسکنے والوں کو (اپنے زیرنگرانی مال کو، جسکو بنادیا اللہ) تعالیٰ (نے تمہارے لئے معاش) اور تمہاری گزراوقات کا ذریعہ، جو تمہاری معیشت دنیا کے قیام کا بھی سبب ہے، اور جسکا امور دین، جیسے حج، جہاد، زکوٰۃ، صدقے، نفقے، اور دیگر خیر وخیرات کے انتظام سے بھی رابطہ ہے، تو اب اگر تم اسے ضائع کردوگے، تو خود ضائع ہوجاؤگے، للہٰذا اس مال کو اپنا مال سمجھ کر محافظت کرو۔

(اور دیتے رہو انکو اس میں سے) حسب ضرورت، ان نادانوں کا حصہ مقرر کردو۔ان مالوں میں اتنا حصہ جس سے انکی گزراوقات ہوسکے، (اور پہناتے رہو انکو)، انکی ضرورت کے مطابق انھیں کپڑا دیتے رہو، (اور بولا کرو ان سے خوش گوار بولی) جو اچھی اور پسندیدہ ہو۔۔مثلاً: یتیم سے کہو کہ یہ مال تیرا ہے اور میں تیرا امانت دار ہوں، جب تو جوان ہوگا، تو یہ تیرا مال تجھے سپرد کردونگا۔۔یونہی۔۔عورتوں سے بھی وعدہ کرو کہ انکا دل خوش رہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا

اور جانچتے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ جب نکاح کو پہنچیں تو اگر تم نے مانوس دیکھا ان کو سمجھ بوجھ سے،

فَادْفَعُوْٓا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ

تو دے ڈالو ان کو ان کا مال۔ اور نہ کھاؤ اس کو حاجت سے زیادہ اور جلدی جلدی، کہ بڑے ہو جائیں گے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ

اور جو خود مالدار ہو تو وہ بچا کرے۔ اور جو محتاج ہو تو وہ کھا لیا کرے

بِالْمَعْرُوْفِ ؕ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَیْهِمْ ؕ

بقدر مناسب۔ پھر جب تم ان کو ان کا مال واپس کرو، تو گواہ بنالو اُن پر۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِیْبًا ۝۶

اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا●

(اور جانچتے رہو یتیموں کو) اگر وہ لڑکے ہیں، تو عقل و تمیز، حفاظت مال اور خرید و فروخت کی باریکیوں سے انکی آزمائش کرتے رہو، اور اگر وہ یتیم لڑکیاں ہیں، تو بات کرنے، سینے پرونے اور گھر گرہستی کرنے میں انکی صلاحیتوں کو پرکھتے رہو، (یہاں تک کہ جب) وہ (نکاح) کی حد (کو پہنچیں) یعنی بالغ ہو جائیں (تو اگر تم نے مانوس دیکھا انکو، سمجھ بوجھ سے)، یعنی ان میں سمجھداری کے آثار موجود نظر آئے اور وہ دینی حیثیت سے صالح اور امورِ دنیا کو درست رکھنے والے، اہلیت والے ہو گئے، (تو دے ڈالو انکو انکا) وہ (مال) جو بطورِ امانت تمہارے پاس محفوظ ہے۔

(اور) اے وصیو! اور اے ولیو! (نہ کھا) جا (ؤ اس کو حاجت سے زیادہ) فضول طور پر اور حد سے تجاوز کر کے، یعنی اس سے زیادہ جو قاضی نے مقرر کر دیا ہو۔۔یا۔۔فقر و احتیاج کی صورت میں حفاظت و نگرانی کی واجبی اور مروجہ اجرت سے زیادہ ہو، (اور) نہ ہی (جلدی جلدی) استعمال کر کے اسے ختم کر دو، اس خیال سے (کہ) یہ بچے (بڑے ہو جائینگے) تو سارا مال انکے سپرد کر دینا ہوگا، تو جلد از جلد کھا پی کر اسے ختم کر دو، تاکہ کچھ نہ بچے، جسے انکے حوالے کرنا پڑ جائے۔

(اور) اب رہ گیا وہ، (جو خود مالدار ہو، تو) اسکو چاہئے کہ (وہ) یتیم کے مال میں بذاتِ خود اپنے لئے۔۔یا۔۔اپنوں کیلئے۔۔یا۔۔جسکا مال ہے، اسکے سوا کسی کیلئے تصرف کرنے سے (بچا کرے)۔ ہاں (اور جو) کوئی ان لوگوں میں سے جنکے قبضے میں یتیم کا مال ہے، فقیر اور (محتاج ہو تو وہ کھا لیا کرے بقدر مناسب)، یعنی انصاف کے ساتھ بقدر حاجت۔ اسی قدر جتنی اسکی محنت کی مزدوری ہو کھانے اور کپڑے

کے نام پر لے لیا کرے۔ (پھر جب تم انکو انکا مال واپس کرو، تو گواہ بنالو ان پر) یعنی انکے اس اقرار پر کہ ہم نے اپنا مال پالیا، تاکہ تم میں اور ان میں جھگڑا نہ پیدا ہو۔۔الغرض۔۔اپنے معاملات کو درست رکھو، (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (کافی ہے حساب لینے والا)، یعنی قیامت کے روز ان سب کا حساب لے گا۔۔یا۔۔انھیں انکے اعمال کی جزا دیگا۔

ایامِ جاہلیت میں عرب کی ایسی عادت تھی کہ عورتوں کو تو مطلقاً میراث نہ دیتے تھے، ایسے ہی کمسن بچوں کو بھی محروم رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ مال اسی کے واسطے ہوتا ہے، جو دشمن کے ساتھ قتال کر سکے، نیزے چلا کر اور تلوار مار کر مالِ غنیمت قبضہ وتصرف میں لا سکے۔ جب جناب رسالت مآب ﷺ نے مدینہ میں ہجرت فرمائی، تو میراث کا طریقہ اسی قانون پر جاری تھا۔

یہاں تک کہ ایک روز ایک خاتون ام کحہ، آپ ﷺ کی خدمت سراپا رحمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی، یارسول اللہ ﷺ، اوس بن صامت کی جو مشرف بہ اسلام تھا، وفات ہو گئی۔ میں اسکی ایک بیوہ ہوں اور میری اس سے تین لڑکیاں ہیں اور انھوں نے کافی مال چھوڑا ہے، جس پر اسکے چچیرے بھائی قابض ہو چکے ہیں، اور ان بھائیوں نے مجھ کو اور میری چھوٹی چھوٹی بچیوں کو محروم کر دیا ہے۔

اس درخواست کو سماعت فرمانے کے بعد نبی کریم نے اوس کے چچیرے بھائیوں کو طلب فرمایا اور اس بیوہ کی دادخواہی کا حال ان سے بیان فرمایا۔ انھوں نے وہی زمانہء جاہلیت کا قانون پیش کیا اور چاہا کہ اپنے آباؤ اجداد کے ظالمانہ اصول کو برقرار رکھیں، اس پر آیت کریمہ نازل فرمادی گئی اور واضح کر دیا گیا کہ جب یتیم بچوں کے ماں باپ اور قرابت دار مال چھوڑ جائیں، تو وہ ترکہ کے مستحق ہونے میں برابر ہیں، اس میں مرد عورت کا کوئی فرق نہیں اور نہ ترکہ کے کم۔۔یا۔۔زیادہ ہونے سے کوئی فرق پڑتا ہے، ہر چند کہ حصے کی مقدار میں فرق ہوتا ہے۔

اسی طرح میت کے ساتھ لاحق ہونے میں بھی فرق ہوتا ہے۔ تو جو میت کے ساتھ بلاواسطہ لاحق ہو، اسکے ہوتے ہوئے، وہ محروم ہو جاتا ہے جو کسی واسطے کے ساتھ، میت کے ساتھ لاحق ہوتا ہے۔۔مثلاً: میت کا ایک بیٹا ہو اور ایک یتیم پوتا ہو، تو بیٹا میت کے ساتھ بلاواسطہ لاحق ہے، اور یتیم پوتا اسکے فوت شدہ دوسرے بیٹے کے واسطے سے لاحق ہے، اسلئے بیٹے کے ہوتے ہوئے یتیم پوتا محروم رہے گا۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ نبی کریم نے فرمایا کہ فرائض اہل فرائض کو یعنی ان ورثاء کو جنکے حصے قرآن مجید میں مقرر فرمادئے گئے ہیں، لاحق کردو۔اسکے بعد جوترکہ باقی بچے، وہ میت کے سب سے قریب مرد کو دیدو۔۔الحاصل۔۔'وارث اقرب' کے ہوتے ہوئے 'وارث ابعد' محروم ہوجاتا ہے۔۔المختصر۔۔اے ایمان والو! دورِجاہلیت کے ظالمانہ قانون کی پیروی نہ کرو، اورآؤ اسلام کے عادلانہ قانون کی برکتوں سے مالامال ہوجاؤ، توسنو۔۔۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ

مردوں کیلئے حصہ ہے جوچھوڑ گئے ان کے ماں باپ اورقرابت دار۔اورعورتوں کیلئے حصہ ہے

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْكَثُرَ

جوچھوڑ گئے ان کے ماں باپ اورقرابت مند، کم ہو یازیادہ۔

نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا ۝

مقررحصہ●

(مردوں کیلئے) وہ چھوٹے ہوں یا بڑے (حصہ ہے) اس مال میں سے (جوچھوڑ گئے ا[ن کے] ماں باپ اورقرابت دار، اور) یونہی (عورتوں کیلئے) بھی (حصہ ہے) اس مال میں سے (جوچھوڑ [گئے] انکے ماں باپ اورقرابت مند)، وہ مال (کم ہو یازیادہ)، اوریہ حصہ خوداللہ تعالیٰ کی طرف سے (مقر[ر] کردہ (حصہ) ہے۔

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ

اوراگر موجود ہوں بانٹنے کے وقت عزیزلوگ، اوریتیم اورمسکین لوگ،

فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

تودے دیاکرو کچھ انہیں اس سے، اوربولوان سے اچھی بولی●

اے ایمان والو! حکم الٰہی کی روشنی میں وارثین اپنی میراث کوتوپائینگے ہی، لیکن اس کرداری (اور) رحم دلی کا بھی مظاہرہ کروکہ (اگرموجودہوں) میراث (بانٹنے کے وقت) غیرو[ارث] (عزیزلوگ) جومیراث نہیں پاتے (اوریتیم) جوبے گانے ہوں، (اورمسکین لوگ) جوفقیرمحتاج

تو دے دیا کرو کچھ انھیں) بھی (اس) مال میں (سے، اور) ان سے سخت لب و لہجے میں بات نہ کرو، بلکہ (بولو ان سے اچھی بولی) جو خیر خواہانہ ہو، اور انکی خوشدلی کا موجب ہو۔۔ مثلاً: ان سے یہ کہو کہ 'تم یہ مال لے لو، تمہیں اللہ تعالیٰ برکت دے' وغیرہ وغیرہ۔

پہلے یہ حکم وجوب کے طور پر تھا، مگر میراثوں اور وصیتوں کی آیت سے منسوخ ہو گیا۔۔ الغرض۔۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ

اور ڈریں جو اگر چھوڑ جائیں اپنے بعد کمزور اولاد، تو ان پر ڈریں،

فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿۹﴾

تو وہ ڈریں اللہ کو اور بولیں ٹھیک بولی ●

وہ لوگ غربا پروری (اور) مسکین نوازی کرتے وقت یہ سوچ کر (ڈریں) وہ (جو) بالفرض اگر چھوڑ جائیں اپنے) مرنے کے (بعد کمزور) اور بے سہارا (اولاد)، تو انھیں مرتے وقت کیسا اندیشہ ہوتا ہے، اور یہ فطری بات ہے کہ ایسا وقت آئے (تو) وہ (ان پر) اور انکے تعلق سے انکی بے معاشی اور انکے ضائع ہو جانے کے خیال سے (ڈریں)۔

۔۔ الحاصل۔۔ وارثوں کو چاہئے کہ ضعیف اور عاجز قرابت والے اور یتیم اور محتاج جو ترکہ تقسیم ہونے کی مجلس میں حاضر ہوں، انکے ساتھ مرحمت اور شفقت کریں اور یہ بات سوچیں کہ اگر خود ان وارثوں کے لڑکے چھوٹے اور عاجز ہوں اور انکے مرنے کے بعد ایسی مجلس میں جائیں، تو انھیں محروم رکھنا، انکے نزدیک پسندیدہ عمل ہے۔۔ یا۔۔ نہیں؟ یقیناً انکی عقل کا فیصلہ یہی ہوگا کہ یہ کام ناپسندیدہ و ناجائز ہے۔ پس چاہئے کہ جو بات اپنے واسطے روا رکھیں اوروں کی نسبت بھی روا رکھیں۔

(تو وہ) یتیموں کے متعلق (ڈریں اللہ) تعالیٰ (کو، اور بولیں ٹھیک بولی) یعنی جو بات ہو وہ بہت اور درست ہو۔ اگر عذر کرنا ہو، تو خوبی کے ساتھ عذر کریں اور اچھا وعدہ کر لیں۔

[redacted] ہیں، اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی [redacted] حالانکہ اللہ تعالیٰ بہت رحیم و کریم ہے۔ اور معاف فرمانے والا اور درگزر کرنے والا ہے اسکے باوجود، ظلماً مال یتیم کھانے والوں پر سخت ترین وعید نازل فرمائی، کیونکہ یتیم انتہائی درجہ کے بے بس اور بے سہارا تھے، اسلئے ان پر ظلم کرنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ کی وعید بھی سخت ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ

بےشک جولوگ کھائیں یتیموں کا مال ناحق، وہ کھائیں

فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ⑩

اپنے پیٹ میں نری آگ اور جلد پہنچیں گے جہنم●

(بیشک جولوگ کھائیں) اور تلف کریں (یتیموں کا مال) ظلم وستم کی راہ سے (ناحق، وہ کھائیں اپنے پیٹ میں نری آگ، اور) وہ (جلد پہنچیں گے جہنم) کی آگ میں۔

چنانچہ ارشادِ نبوی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کچھ لوگوں کو قبر سے اٹھائے گا، توان لوگوں کے منہ سے آگ نکلتی ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہونگے؟ فرمایا کہ کیاتم نہیں دیکھتے کہ خدا فرماتا ہے، کہ بیشک جولوگ ناجائز طریقے سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں اور وہ اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھر رہے ہیں۔ چنانچہ یتیم کا مال کھانے والے جب میدانِ محشر میں آئینگے، توانکے جسم کے اندر آگ بھری ہوگی، اسکی لواٹھ رہی ہوگی اور اسکا دھواں انکے منہ ناک کان اور آنکھ سے نکلتا ہوگا۔ اس علامت سے سب اہل محشر پہچان لینگے، یہ لوگ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام اجمالی طور پر بیان فرمائے اور اب تفصیلی طور پر ارشاد فرمارہا ہے۔ چونکہ انسان کا سب سے زیادہ تعلق اپنی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے اسلئے اولاد کے ذکر سے احکام شروع فرمائے۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ

حکم دیتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں، کہ بیٹے کیلئے حق دو بیٹیوں کے حصے کے برابر ہے۔ پھر اگر

كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ

صرف بیٹیاں ہوں، دو سے زیادہ، توانکے لیے دوتہائی ہے ترکہ کا، اور اگر

وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِ

ایک ہو تو اس کیلئے آدھا ہے۔ اور اس کے ماں باپ کیلئے ہر ایک کیلئے

تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِ

چھٹا حصہ ترکہ کا، اگر کوئی اس کی اولاد ہو۔ اور اگر اس کی اولاد نہ ہو، اور وارث ہوں ماں باپ، تو اس کی ماں کا

الثُّلُثُ ۚ فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي

تہائی حصہ ہے۔ اور اگر اس کے بھائی بہنیں ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے، وصیت پوری کرنے کے بعد جو وہ

بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۚ

کرے، اور ادائے قرض کے بعد۔ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں کون تمہارے نفع کے نزدیک ہے۔

فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ⑪

حصہ مقررہ اللہ کی طرف سے، بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(حکم دیتا ہے تم کو اللہ) تعالیٰ (تمہاری اولاد) کی وراثت (کے) حصوں کے (بارے میں کہ) میت کے ایک (بیٹے کیلئے حق) اور حصہ (دو بیٹیوں کے حصے کے برابر ہے)۔

کیونکہ مرد کے بہ نسبت عورت کے اخراجات کم ہوتے ہیں۔ کیونکہ مرد پر اپنی بیوی، بچوں اور اپنے بوڑھے والدین کے مصارف کی ذمہ داری ہوتی ہے، اسکے برخلاف عورت پر کسی کی پرورش کی ذمہ داری نہیں۔ اور جب عورت کی بہ نسبت مرد کے اخراجات زیادہ ہیں، تو مرد کا حصہ بھی عورت سے دگنا ہونا چاہئے۔۔ نیز۔ سماجی کاموں کے لحاظ سے مرد کی ذمہ داری زیادہ ہوتی ہے۔۔ مثلاً: وہ امام اور قاضی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے، ملک اور وطن کے نظم ونسق چلانے کی ذمہ داریاں رکھتا ہے، اور ملک اور وطن کے دفاع کیلئے جہاد کی ذمہ داری بھی مرد پر ہے۔ حدود وقصاص میں وہی گواہ ہوسکتا ہے اور کاروباری معاملات میں بھی مرد کی گواہی عورت سے دگنی ہے، تو جسکی ذمہ داریاں زیادہ ہیں، اسکا وراثت میں حصہ بھی دوگنا ہونا چاہئے۔

(پھر اگر صرف بیٹیاں ہوں) دو یا (دو سے زیادہ، تو ان کیلئے) حصہ (دو تہائی ہے) کل (ترکہ کا، اور اگر) صرف (ایک) بیٹی (ہو، تو اسکے لئے) کل ترکہ کا (آدھا ہے اور اسکے ماں باپ کیلئے) یعنی ان میں سے (ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ) ہے (ترکہ کا، اگر اس) میت (کی کوئی اولاد ہو، اور اگر اسکی اولاد نہ ہو اور وارث ہوں) صرف اسکے (ماں باپ، تو اسکی ماں کا تہائی حصہ ہے) اور باقی سب باپ کا ہے، (اور اگر اسکے بھائی بہنیں ہوں، تو اسکی ماں کا چھٹا حصہ ہے) ترکہ کا۔ یہ تقسیم اسکی اس (وصیت) کو (پوری کرنے کے بعد، جو) مرنے سے پہلے (وہ) کسی کیلئے (کرے) (اور) اگر اس پر کوئی قرض ہے تو (ادائے قرض کے بعد) کی جائے۔

اے وارثو! (تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے، تم نہیں جانتے کہ ان میں) سے (کون تمہارے نفع کے نزدیک ہے) یعنی تمہارے وہ اصول وفروع جو فوت ہو چکے ہیں، تم نہیں جانتے ہو ان میں تمہارے لئے کون زیادہ مفید ہے۔

۔۔مثلاً: ایک وہ ہے کہ مرتے وقت اپنے مال کے تہائی حصے کو صدقہ کرنے کی وصیت کر جاتا ہے، تو اسطرح وہ تمہیں آخرت کے ثواب کا مستحق بنا گیا ہے، کہ اگر اسکے تہائی مال سے صدقہ کرو گے تو ثواب پاؤ گے۔ دوسرا وہ ہے کہ مرتے وقت اس نے کسی قسم کی وصیت نہیں کی، تو اسکی وصیت نہ کرنے سے، تمہیں ترکہ سے وراثت کا مال کچھ زیادہ ملے گا، لیکن ثواب نہیں۔

ان دونوں میں سے اگر انصاف سے جواب دو، تو تمہارے لئے زیادہ مفید پہلا ہے، جس نے مرتے وقت اپنے تہائی مال کے صدقہ کرنے کی وصیت کی ہے، اسلئے کہ تمہیں مرتے ہی اجرائے وصیت کا ثواب نصیب ہوگا اور پھر اسکے ثواب کے حصول سے منفعت بھی بے حد۔ اسلئے کہ مورث اور وارث کے مابین چنداں مدت بھی نہیں، یعنی دنیا میں رہنے کا تھوڑا وقفہ نصیب ہوتا ہے۔۔علاوہ ازیں۔۔دنیوی منفعت جو اسے ملی ہے، وہ چند روزہ ہے، پھر جلد تر ختم ہونے والی ہے، بلکہ معمولی سے وقفے سے وہی مال ختم ہو جائیگا۔۔الختصر۔۔تقسیم وراثت کے تعلق سے جو حصے بیان کئے گئے ہیں۔۔۔

انکا ہر ہر (حصہ مقررہ) اور فرض کیا ہوا ہے (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے)۔۔الغرض۔۔تقسیم وراثت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے اوپر فرض ہے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، اور اپنی مخلوق اور انکی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔۔نیز۔۔(حکمت والا ہے) جو فیصلہ کرے، جس کیلئے جو مقدر فرمائے اور جس طرح کی تدبیر فرمائے، اسکی شان کے لائق ہے، اسلئے کہ وہ بڑی حکمتوں کا مالک ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ

اور تمہارے لیے آدھا ہے جو ترکہ چھوڑا تمہاری بیبیوں نے اگر ان کے اولاد نہیں۔ اور اگر

لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا

اولاد ہے تو تمہارا حصہ چوتھائی ہے، جو انکا ترکہ ہو وصیت پوری کرنے کے بعد، جو وہ وصیت کر جائیں

أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ

اور ادائے قرض کے بعد۔ اور بیبیوں کا حصہ چوتھائی جو تم لوگوں کا ترکہ ہو، اگر نہ ہو

كُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ

ری اولاد۔ پس اگر تمہاری اولاد ہو، تو انکا حصہ آٹھواں ہے تمہارے متروکہ کا، بعد پوری کرنے وصیت کے جو تم وصیت کر جاؤ

اَوْ دَيْنٍ ۗ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ

اداے قرض کے بعد۔ اور اگر کوئی مورث بے ماں باپ کا اور لاولد مرد ہو یا عورت، اور اسکے ماں جایا بھائی یا بہن ہے،

وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ

تو ان میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے۔ اور اگر اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب شریک ہیں

فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ

ایک تہائی میں، وصیت پوری کرنے کے بعد جس کی وصیت کی جائے اور اداے قرض کے بعد بے ضرر۔

وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝١٢

قانون اللہ کی طرف سے۔ اور اللہ علم والا حلم والا ہے●

وراثت کے تعلق سے ان مسائل (اور) احکام کو بھی ذہن نشین کرلو کہ (تمہارے لئے) اسکا دھا ہے) مرنے کے بعد (جو ترکہ چھوڑا تمہاری بیبیوں نے، اگر انکے اولاد نہیں)۔

یعنی نہ انکی اپنی صلبی اولاد ہو، نہ انکے بیٹوں ۔۔یا۔۔ پوتوں کی، 'اسی طرح نیچے تک' کی اولاد ہو، خواہ نرینہ ہو یا مادہ۔ ایک ہو یا ایک سے زائد اور تمہارے سے ہو۔۔یا۔۔ تمہارے غیر سے ۔۔ المختصر۔۔ مذکورہ بالا صورت میں بیوی کے ترکہ کا آدھا تمہارا ہو گیا۔ باقی آدھا اسکے ذوالفروض اور عصبات وغیرہم کو ملے گا اور اگر کوئی بھی اسکا وارث نہ ہو تو بیت المال کو دے دیا جائیگا۔

(اور اگر) مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق انکی (اولاد ہے، تو) اے شوہرو! (تمہارا حصہ) (چوتھائی ہے) اس کا (جو) تمہاری (ان) بیبیوں (کا ترکہ ہو)، باقی دوسرے وارثوں کیلئے مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں ترکہ کی تقسیم انکی وہ (وصیت پوری کرنے کے بعد جو) مرنے سے وہ وصیت کر جائیں اور اداے قرض کے بعد)، یعنی ان پر جو قرض ہے اسکی ادائیگی کر لینے کے بعد کہ وہ قرضہ بینہ سے ثابت ہو۔۔یا۔۔ وہ خود اقرار کر کے مریں۔

(اور) تمہاری (بیبیوں کا حصہ چوتھائی) ہے، اسکا (جو تم لوگوں کا ترکہ ہو) یعنی جو کچھ تم مرتے وقت چھوڑ جاؤ اور وہ تمہارے بعد زندہ بچ جائیں (اگر نہ ہو) مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق (تمہاری کوئی (اولاد)۔ (پس اگر تمہاری) بتفصیل مذکور (اولاد ہو، تو ان) بیبیوں (کا حصہ آٹھواں ہے تمہارے متروکہ کا)۔ باقی ترکہ دوسرے وارثوں کیلئے ہے، (بعد پوری کرنے وصیت کے، جو تم وصیت کر جاؤ اور ادائے قرض کے بعد)، یعنی ترکہ کی تقسیم سے پہلے وہ تمہاری وصیت کو پوری کریں اور تم پر جو قرض ہے، اسے ادا کردیں۔

ذہن نشین رہے کہ وراثت کے یہ احکام اس وقت لاگو ہونگے جب کہ وراثت سے محروم کردینے والی کوئی چیز نہ پائی جائے۔ مندرجہ ذیل صورتیں وراثت سے محروم کردیتی ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔قتل: اگر وارث نے مورث کو قتل کردیا، تو اب اسکو وراثت سے کچھ نہیں ملے گا۔

﴿۲﴾۔۔۔اختلاف دین: جیسے مسلمان کے وارث وہ نہیں ہوسکتے جو مرتد ہوچکے ہوں۔

﴿۳﴾۔۔۔شرعی غلام ہونا: بندہ مملوک اپنے آقا و مالک کا وارث نہیں۔

﴿۴﴾۔۔۔اختلاف دار: یعنی دارالاسلام کا باشی دارالحرب میں رہنے والے کا وارث نہیں ہوسکتا۔

(اور اگر کوئی مورث بے ماں باپ کا اور لا ولد مرد ہو یا) بے ماں باپ کی لا ولد (عورت) (اور اسکے ماں جایا) یعنی ماں کی طرف سے (بھائی یا بہن ہے، تو ان میں سے ہر ایک کا حصہ چھٹا ہے) 'کلالہ' یعنی 'بے ماں باپ کا لا ولد مرد یا عورت' کی میراث میں سے اس صورت میں مرد و عورت دونوں یکساں ہیں۔ (اور اگر) ماں کی اولاد (اس سے) یعنی ایک بھائی۔۔یا۔۔ایک بہن سے (زیادہ ہوں وہ سب) مرد ہوں۔۔یا۔۔عورتیں۔۔یا۔۔مرد عورت دونوں ہوں (شریک ہیں ایک تہائی میں)۔

تقسیم میں مردوں اور عورتوں کو برابر دیا جائیگا۔ ایسا نہیں کہ مردوں کا حصہ عورتوں سے زیادہ ہو، اسلئے کہ یہاں میت کی طرف قرابت کی نسبت عورت یعنی ماں کی وجہ سے ہے۔ انکے بعد باقی ترکہ اصحاب الفروض والعصبات کو ملے گا۔

یہ تقسیم حسب ہدایت سابق، میت کی وہ (وصیت پوری کرنے کے بعد جسکی وصیت کی جا... اور ادائے قرض کے بعد) وہ وصیت و قرض جو (بے ضرر) ہو۔ یعنی تہائی مال سے زیادہ کی وصیت ۔۔۔یونہی۔۔۔وہ کسی ایسی شخص کے قرض کا اقرار و اعتراف کرلے، جسکا کچھ قرض اسکے ذمے نہ ہو رکھو یہ (قانون) ہے (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے اور) بیشک (اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، جو...

نفع وضرر پہنچانے والی نیتوں کو خوب جانتا ہے اور (حلم والا ہے)، عاصیوں کو عقوبت کرنے میں جلدی نہیں کرتا، اور توبہ کے سبب انکے گناہ معاف کردیتا ہے۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ

یہ ہیں اللہ کی حدبندیاں اور جو حکم چلائے اللہ اور اس کے رسول کا تو داخل کرے گا اس کو جنتوں میں، بہہ رہی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾

جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اس میں۔ اور یہ بلندی بڑی کامیابی ہے●

(یہ) احکام جو پہلے گزرے یتیموں کے امور میں، نکاح کے باب میں، اور ترکہ کی تقسیم میں، یہ سب کے سب (ہیں اللہ) تعالیٰ (کی حدبندیاں)، تو اس سے تجاوز کرنا نہیں چاہئے اور اللہ ورسول کی مکمل اطاعت کرنی چاہئے (اور) یقین کرلینا چاہئے کہ (جو حکم چلائے) یعنی اپنے اوپر نافذ کرے اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول کا، تو داخل کریگا) اللہ تعالیٰ (اسکو جنتوں میں بہہ رہی ہیں جنکے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں)، اور حال یہ ہے کہ جو ان میں داخل ہونے والے ہیں، وہ (ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اس میں، اور یہ بلندی) اور سرفرازی یعنی فرمانبرداروں کو جنت میں داخل کرنا، اور پھر انکا اس میں ہمیشہ رہنا، (بڑی کامیابی ہے)، اور ابدالآباد کیلئے تمام مصائب وآلام سے چھٹکارا ہے۔

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا

اور جو نافرمانی کرے اللہ اور اسکے رسول کی اور بڑھ جائے اسکی حدبندیوں سے، ڈال دیگا اسکو جہنم میں،

خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۱۲

ہمیشہ رہنے والا اس میں، اور اس کیلئے عذاب ہے رسوا کرنے والا●

(اور) اسکے برخلاف (جو نافرمانی کرے اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول کی)، جیسے عیینہ بن حصن فزاری جو کہ لڑکوں اور عورتوں کی میراث پر راضی نہ ہوا، اور بولا کہ میں میراث نہ دونگا، مگر اسی شخص کو جو مرکب کی پشت پر مقاتلہ کرسکے، تو جو اسکی طرح نافرمانی کرے (اور بڑھ جائے اسکی حدبندیوں سے)، یعنی گزر جائے اسکی حدوں سے، جو حلال حرام اور میراث، بلکہ سب احکام میں مقرر ہوئیں اور سرکشی کا عالم یہ ہو، کہ وہ حرام کو حلال ماننے لگے، تو (ڈال دے گا) اللہ تعالیٰ (اسکو جہنم میں، ہمیشہ

رہنے والا) ہے (اس میں، اور اسکے لئے عذاب ہے رسوا کرنے والا)۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم دیا تھا اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی بدکاری پر انھیں سزا دینے کا حکم دیا ہے، اور یہ بھی درحقیقت انکے لئے حسن سلوک ہے، کیونکہ سزا ملنے کے بعد جب وہ بدکاری سے باز آجائینگی، تو آخرت کی سزا سے بچ جائینگی۔۔یوں بھی۔۔عورتوں سے حسن سلوک کا مطلب یہ نہیں، کہ انھیں بے حیائی کیلئے بے لگام چھوڑ دیا جائے۔ احکام شرعی اعتدال پر مبنی ہیں، ان میں افراط اور تفریط نہیں، لہٰذا نہ یہی پسندیدہ بات ہے کہ عورتوں کو بالکل دبا کے رکھا جائے اور انکے حقوق سلب کرلئے جائیں اور نہ یہی اچھی بات ہے کہ انکو بالکل آزاد چھوڑ دیا جائے گا اور بے راہ روی پر بھی ان سے کوئی محاسبہ یا مواخذہ نہ کیا جائے۔ تو اے ایمان والو! غور سے سن لو۔۔۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً

اور جو بدکاری کریں تمہاری عورتوں سے، تو ان پر گواہ بنالو چار

مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی

اپنوں سے۔ تو اگر انھوں نے گواہی دی، تو ان کو بند کردو گھروں میں، یہاں تک کہ

یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾

پوری مدت کردے ان کی موت یا نکال دے اللہ انکے لیے راہ●

(اور) یاد رکھو کہ (جو) خواہش نفسانی کی متابعت کے سبب سے (بدکاری کریں) اور فعل قبیح کا ارتکاب کریں (تمہاری عورتوں سے، تو) تم اے حکام شریعت (ان) کے فعل قبیح (پر گواہ بنالو) اور شاہد طلب کرو، (چار) مرد عاقل بالغ جو (اپنوں سے) ہوں یعنی ایمان والے ہوں، تاکہ وہ چاروں مرد ان عورتوں پر زنا کی گواہی دیں۔ (تو اگر انھوں نے) اپنی چشم دید (گواہی) دے (دی تو)، ان پر نگاہ رکھو اور (انکو بند کردو گھروں میں) ایسا کہ نکل نہ سکیں، (یہاں تک کہ پوری مدت کردے انکی موت) یعنی وہ وفات پا جائیں، (یا نکال دے) اور پیدا کردے (اللہ) تعالیٰ (انکے لئے) چھٹکارے کی (راہ)۔

چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے گھروں میں قید رکھنے کو منسوخ فرمادیا اور گواہی دینا اور گواہی لینا باقی رہا، اور یہ حکم نازل فرمایا گیا کہ اگر کوئی بیوی والا شوہر والی سے زنا کرے تو دونوں کو سنگسار کرنا ہے اور اگر کنوارا کنواری سے کرے، تو سو کوڑے مارنا اور شہر بدر کردینا ہے۔

وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ

اور جو تم میں سے بدکاری کریں تو دونوں کو ستاؤ۔ پس اگر توبہ کرلی اور ٹھیک ہوگئے تو ان کو چھوڑ دو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

بے شک اللہ توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اور جو تم میں سے بدکاری کریں) درآنحالیکہ، وہ دونوں غیر شادی شدہ ہوں، (تو) ان (دونوں کو ستاؤ) زبان سے ملامت کرو، زجر و توبیخ سے پیش آؤ، ان کو رنج پہنچاؤ، ان پر لعن طعن کرتے رہو۔ مناسب انداز سے ایک خاص حد تک ہاتھ سے بھی اذیت پہنچاؤ، اور یہ سلسلہ اسوقت تک جاری رکھو جب تک وہ اس فحش کام سے دل سے توبہ نہ کرلیں۔ (پس اگر توبہ کرلی اور ٹھیک ہوگئے) یعنی اس فعل قبیح سے باز آگئے (تو ان کو چھوڑ دو) اور ان دونوں سے دست بردار ہوجاؤ۔

یہ حکم بھی کوڑے مارنے اور مار ڈالنے کے حکم سے منسوخ ہوگیا۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ بندوں کی (توبہ قبول فرمانے والا) ہے، اور توبہ کرنے والوں پر مہربان ہے اور انکو (بخشنے والا ہے)۔ یہ بھی یاد رکھو کہ۔۔۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

توبہ قبول فرمالینا اللہ پر انھیں کیلئے ہے جو کر بیٹھیں گناہ انجانی میں، پھر

يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ

توبہ کرلیں جلدی سے، تو وہ ہیں کہ توبہ قبول فرمالے اللہ ان کی

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

اور اللہ ہے علم والا حکمت والا●

(توبہ قبول فرمالینا اللہ) تعالیٰ کے ذمہ کرم (پر انھیں کیلئے ہے جو کر بیٹھیں گناہ انجانی میں)۔

جسکی صورت یہ ہے کہ ایک کام فی نفسہٖ گناہ کا تھا، مگر انھوں نے اسکو گناہ کا کام نہیں سمجھا ۔۔۔یا۔۔۔ کسی گناہ پر جو عقوبت اور سزا ہے، اسکا انھیں علم نہیں ہوسکا، تو انھوں نے اس کام کو ہلکا خیال کرلیا۔۔۔یا۔۔۔ وہ گناہ کرتے وقت اسکے انجام سے غافل، لاپرواہ اور بےفکر رہے، گویا

یہ لوگ گناہ کرتے وقت اسکے انجام سے بے خبر اور لاعلم رہے۔ ویسے بھی غور کیا جائے، تو جو مسلمان ہے، اسے خدا کی ذات وصفات میں شک ہو۔۔یا۔۔اس سے عناد ہو۔۔یا۔۔اسکا اور اسکے احکام سے انکار ہو۔۔یا۔۔تکبر کی وجہ سے حکم خداوندی کی تعمیل نہ کرے، یہ ساری کی ساری باتیں، اس ایمان والے سے متصور ہی نہیں، تو پھر اب اسکی لغزش اور بے راہ روی اسکی جہالت و نادانی ہی کا ثمرہ ہو سکتی ہے۔

اس مقام پر جب یہ بات سامنے آتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک معصیت کا ارتکاب ہی جہالت ہے، خواہ وہ معصیت جان بوجھ کے کی جائے۔۔یا۔۔بے جانے بوجھے۔۔چنانچہ ۔۔اس پر اجماع صحابہ کا قول کیا گیا ہے، کہ ہر معصیت جہالت ہے، خواہ عمداً ہو۔۔یا۔۔بغیر عمد کے۔۔تو۔۔اس صورت میں آیت کریمہ میں 'جہالت' کی قید 'اتفاقی' ہوگی، نہ کہ 'احترازی'۔تو ایسے لوگ جو جہالت اور نادانی میں گناہ کر بیٹھیں۔۔۔

(پھر توبہ کرلیں جلدی سے) جیسے ہی اپنی غلطی کا علم ہو، تو فوراً توبہ کرلیں اور تاخیر سے کام نہ لیں۔ایسا نہ ہو کہ انکے دل میں گناہ کی محبت پیدا ہو جائے۔توبہ کیلئے اپنی صحت وتندرستی کے ختم ہونے کا انتظار نہ کریں، اور اسکے پہلے کہ موت کے آثار طاری ہو جائیں، جنابِ الٰہی میں صدق دل سے توبہ کرلیں، **(تو)** یہ لوگ **(وہ ہیں کہ توبہ قبول فرمالے)** گا **(اللہ)** تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے **(انکی**، اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(ہے علم والا)**۔وہ توبہ کرنے والوں کی توبہ کو خوب جانتا ہے اور **(حکمت والا)** ہے اور اسکی حکمت بالغہ کا تقاضہ، ہے کہ وہ حکم کرے کہ توبہ کرنے والوں پر عذاب نہ ہو۔

یہ ذہن نشین رہے کہ آیت کریمہ کے پہلے جزء میں توبہ کی توفیق مراد ہے۔اور دوسرے جزء میں اللہ کا اپنے کرم سے حتماً توبہ کا قبول فرمانا مراد ہے اور یہ صرف اللہ کے کرم سے ہے۔ اس میں بندے کا کوئی استحقاق نہیں اور اسکا خلاصہ یہ ہے کہ، توبہ کی توفیق دینا صرف ان لوگوں کیلئے ہے، جو جہالت سے گناہ کر بیٹھیں، پھر عنقریب توبہ کرلیں، تو یہ وہ لوگ ہیں جنکی توبہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے حتماً قبول فرماتا ہے۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰىٓ اِذَا حَضَرَ اَحَدَ

اور توبہ انکے لیے نہیں ہے جو برائیاں کرتے رہیں یہاں تک کہ جب آگئی کسی کو

هُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّیْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ

موت تو لگا کہنے کہ میں نے تو اب بے شک توبہ کرلی۔ اور نہ انکے لیے جو مریں کافر۔

اُولٰٓىٕكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۸﴾

جن کیلئے ہم نے تیار کر رکھا ہے عذاب دکھ دینے والا●

(اور توبہ) کی قبولیت (ان کیلئے نہیں ہے جو برائیاں کرتے رہیں) اور اسی پر مصر رہیں (یہاں تک کہ جب آگئی) ان میں سے (کسی کو موت) اور اس نے فرشتہء موت کو دیکھ لیا، (تو لگا کہنے) منافقین کی طرح (کہ میں نے تو اب بیشک توبہ کرلی)۔

۔۔الغرض۔۔امورِ غیبیہ کا مشاہدہ کرلینے اور فرشتہء موت کو دیکھ لینے کے بعد، اضطراری طور پر اللہ تعالیٰ کے حق ہونے کا یقین ہوجاتا ہے، لیکن یہ ایمان اضطراری اور غیر اختیاری ہے، لہٰذا یہ مقبول نہیں، کیونکہ اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کو حق ماننے اور توبہ کرنیکا نام ایمان ہے۔۔المختصر ۔۔۔بے دیکھے ایمان لانا مقبول ہے، اور مشاہدہ کرلینے کے بعد ایمان لانا نامقبول ہے۔

(اور نہ انکے لئے) توبہ مقبول ہے، (جو) اس حال میں (مریں) کہ وہ (کافر) ہیں۔یعنی دم نکلنے کے وقت کسی کافر اور منافق کا ایمان مقبول نہیں۔اسلئے کہ وہ ایمان باس ہے اور اس سے کچھ فائدہ نہیں۔یاد رکھو کہ یہ منافقین اور یہ کفر پر مرنے والے لوگ وہی ہیں، (جنکے لئے ہم نے تیار کر رکھا ہے) آخرت میں (عذاب) دردناک اور (دکھ دینے والا)۔۔۔

اس سورت کی ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مسائل اور احکام بیان فرمائے تھے۔ درمیان میں ایک مناسبت سے توبہ کا ذکر آگیا، اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اس موضوع کو شروع فرمادیا۔زمانہء جاہلیت میں لوگ عورتوں پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے، اور انکو ایذا پہنچاتے تھے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انکو ایذارسانی اور ظلم سے منع فرمایا ہے۔

ایام جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جب کوئی مرد مرجاتا اور اسکی زوجہ زندہ ہوتی، تو مرد متوفی کا جو بیٹا دوسری عورت سے ہوتا۔۔یا۔۔متوفی کا کوئی قرابت دار جو میراث کا استحقاق رکھتا، مصیبت کے وقت کپڑا اس بیوہ کے سر پر ڈالتا، اور یہی کام کرکے اسے اپنے تصرف میں لاتا۔پھر اگر چاہتا تو اسی مہر پر جو متوفی نے مقرر کیا تھا اس عورت کو اپنے نکاح میں لاتا، ورنہ اور کسی کے ساتھ نکاح کرکے اسکے مہر معجل کو خود تصرف کرتا۔۔یا۔۔اس عورت کو نکاح کرنے سے منع کرتا اور محبوس

رکھتا، یہاں تک کہ مرد متوفی کے ترکے میں سے جو حصہ اسے پہنچتا اس شخص کیلئے چھوڑ دیتی ۔۔یا۔۔مرجاتی۔ پھر اسکی میراث یہ شخص لے لیتا۔۔اور۔۔اگر وہ عورت کپڑا ڈالنے سے پہلے ہی اپنے لوگوں میں مل جاتی، تو زوج متوفی کے وارث کواس پر دسترس نہ ہوتی۔ عورتوں کواس مظلومیت سے آزاد کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے ازراہِ فضل وکرم ارشادفرمایا۔۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا

اے وہ جو ایمان لا چکے، نہیں حلال ہے تمہارے لیے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی اور نہ

تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ

روکو ان کو اس نیت سے کہ کچھ لے لو جو ان کو مہر دے ڈالا تھا، مگر ان کی کھلی

بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ

بدکاری پر۔ اور اُن سے برتاؤ اچھا رکھو۔ پھر اگر برا جانا تم نے ان کو،

فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ⑲

تو قریب ہے کہ تم ناپسند کرو کچھ، اور کردے اللہ اس میں بڑی بھلائی●

(اے وہ) لوگ (جو ایمان لا چکے، نہیں حلال ہے تمہارے لئے کہ وارث بن جاؤ عورتوں کے زبردستی)۔

زبردستی کی قید سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے، کہ اگر وہ عورتیں خوشی سے راضی ہوں، تو انکا وارث بنا جاسکتا ہے۔ اور انکو بطورِ میراث لے سکتے ہیں۔ جس طرح کہ ارشادِ الٰہی ہے کہ 'نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر سے' کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ افلاس کا ڈر نہ ہونے کی صورت میں قتل اولاد جائز ہے۔ اسی طرح یہاں بھی بالجبر وارث بن جانے کی ممانعت سے یہ مطلب نہیں نکالا جاسکتا، کہ انکی رضا سے وارث بنا جاسکتا ہے۔ اب حاصل کلام یہ ہوا کہ جس طرح افلاس کا خوف ہو۔۔یا۔۔نہ ہو، دونوں صورتوں میں قتل اولاد جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جبر ہو ۔۔یا۔۔نہ ہو، دونوں صورتوں میں عورتوں کا وارث بن جانا، جائز نہیں۔

۔۔الختصر۔۔ان پر ظلم کرنے سے باز آجاؤ اور نہ منع کرو ان عورتوں کو نکاح کر لینے سے، (اور نہ روکو ان کو اس نیت سے کہ کچھ لے لو جو ان کو مہر دے ڈالا تھا)۔۔الغرض۔۔انھیں اس واسطے تنگ اور انھیں کسی جگہ بند کر کے نہ رکھو، کہ وہ اپنے مہر سے درگزریں، (مگر انکی کھلی بدکاری پر) جو عادل گواہی سے ظاہر ہو چکی ہو۔

کھلی بدکاری سے زنا مراد ہے۔ زمانہء جاہلیت میں اور ابتداء اسلام میں زنا کار عورت کا مہر واپس لے لیتا تھا اور اب یہ حکم منسوخ ہے۔ اس آیت میں فاحشہ سے نشوز بھی مراد لیا جاسکتا ہے، یعنی عورت کا مرد کی صحبت سے انکار کرنا اور فحش اور بدزبانی سے پیش آنا۔ مرد کے رشتہ داروں اور عزیزوں کو غلیظ گالیاں دینا۔ المختصر۔ ان برائیوں کے ارتکاب کے وقت انکی اصلاح کیلئے انکو تنگ کرنا، تاکہ وہ اپنی غلط کاریوں سے باز آئیں، اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسلئے کہ اب جوان پر سختی ہوگی، اسکا سبب انھوں نے خود ہی اپنے لئے بنایا ہے۔ لیکن اگر ان میں خرابیاں اور نافرمانیاں نہ ہوں، تو اے زور زبردستی سے کام لینے والے شوہرو! اپنی عورتوں پر زور، زبردستی سے باز آجاؤ۔

(اور ان سے برتاؤ اچھا رکھو) اپنے گھروں میں ٹھہراؤ، انھیں خرچ دیا کرو، اور ان سے نرم لب لہجے میں گفتگو کیا کرو تا کہ وہ تمہارے ساتھ خوش وخرم رہ کر زندگی بسر کرسکیں، (پھر اگر) صرف اپنی طبعی کراہت سے نہ بوجہ امور مذکورہ بالا، (برا جانا تم نے انکو)، تو صبر سے کام لو اور انکو طلاق دیکر اپنے سے جدا نہ کردو۔ اب اگر انکے ساتھ زندگی گزارنے میں تم صبر سے کام لوگے، (تو قریب ہے کہ تم ناپسند کرو کچھ اور کردے اللہ) تعالیٰ (اس میں بڑی بھلائی)، یعنی مکروہات پر تحمل کرنے میں بڑا ثواب ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ

اور اگر ارادہ کرلیا تم نے دوسری بیوی لانے کا، بجائے پہلی کے، اور دے ڈالا تم نے ان میں سے کسی کو

قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُھْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝۲۰

بہت زیادہ مہر، تو نہ لو اس سے کچھ۔ کیا اس کو لوگے بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ سے ●

(اور اگر ارادہ کرلیا تم نے) اپنی عورتوں کی صحبت سے کراہت کے باعث انکی طرف سے برائی ۔۔۔یا۔۔۔ صحبت سے انکار نہ ہونے کے باوجود (دوسری بیوی لانے کا، بجائے پہلی کے، اور دے ڈالا تم نے ان میں سے کسی کو) یعنی جسے طلاق دینے کا ارادہ ہے (بہت زیادہ مہر، تو نہ لو اس سے کچھ) یعنی معمولی چیز بھی اس سے نہ لو، چہ جائیکہ اس سے بہت سا سامان لے لو، (کیا اسکو لوگے بہتان باندھ کر)۔۔۔

اہل جاہلیت کی عادت کے مطابق جنکی روش یہ تھی کہ اگر کسی عورت سے شادی کرلینے کے بعد ان میں کسی دوسری عورت سے شادی کی رغبت پیدا ہوجاتی، تو پھر پہلی عورت پر بہتان تراشی شروع کردیتے اور قسم قسم کے الزام اور فواحش کی نسبت سے اسے تنگ کردیتے، تاکہ وہ مجبور ہوکر کچھ دیکر ۔۔۔یا۔۔۔ کم ازکم وہی حق مہر معاف کرکے طلاق کی خواہشمند ہوجائے،

تا کہ اسے طلاق دیکر اس جدید عورت سے 'جسکے ساتھ اسے رغبت ہے' نکاح کر لے۔ اسطرح سے بہتان باندھ کر کسی سے کچھ حاصل کرنا، کیا ظلم صریح نہیں؟

تو کیا تم ایک طرف بہتان تراشی سے (اور) دوسری طرف (کھلے گناہ سے) ایسا کر کے کھلم کھلا گناہ کرنے والے بننا چاہتے ہو؟

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ

اور تم کیسے لوگے اسے حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے پردہ ہو چکے،

وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

اور وہ لے چکی ہیں تم سے گاڑھا عہد●

ذرا غور کرو (اور) سوچو کہ (تم کیسے لوگے اسے)، یعنی کس وجہ سے اور کس جہت سے لوگے اپنی عورتوں سے مال کو، (حالانکہ تم ایک دوسرے سے بے پردہ ہو چکے) اور آپس میں مباشرت کر لی ہے، (اور وہ) تمہاری عورتیں نکاح کے وقت بذریعہ ایجاب وقبول (لے چکی ہیں تم سے گاڑھا عہد) مضبوط قول اور پکا عہد، جسکی وجہ سے حکم الٰہی سے انکے ساتھ مباشرت اپنے لئے حلال کر لی، اور حق مہر تم پر ثابت ہو چکا اور انکی خدمت کے حقوق تمہارے لئے واضح ہو چکے وغیرہ وغیرہ۔

زمانہء جاہلیت میں جہاں بہت ساری بے حیائیاں تھیں، وہاں ایک بے حیائی یہ بھی تھی کہ بعض لوگ خود اپنے باپوں کی بیویوں سے نکاح کر لیتے تھے۔ حق تعالٰی نے انھیں اس سے منع فرمایا کہ۔۔۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ

اور مت نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ، بجز اس کے جو پہلے گزر گیا۔

اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

بے شک یہ بے شرمی اور غصہ دلانے والا کام، اور بری راہ ہے●

(اور مت نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے نکاح کر چکے تمہارے باپ، بجز اسکے جو گزر گیا) یعنی حرام کرنے سے پہلے جو گزر گیا، وہ معاف ہے۔ انشاء المولٰی تعالٰی، اسپر کوئی گرفت ہوگی۔ (بیشک یہ بے شرمی اور غصہ دلانے والا کام اور بری راہ ہے)۔

یعنی اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لینا ممانعت سے پہلے اور پھر حرام کر دینے کے بعد، دونوں ہی صورتوں میں برا اور ناپسندیدہ کام رہا، جو خدا اور مسلمانوں دونوں کے غصے کا باعث ہے۔ یہ کام خود عرب کے شرفاء کے نزدیک بھی مکروہ اور مبغوض تھا۔۔ چنانچہ۔۔ جو لڑکا اپنے باپ کی بیوی سے کسی کے یہاں پیدا ہوتا، شرفاء عرب اسے 'مقیت' یعنی قابل نفرت کہتے۔۔ الغرض۔۔ مبغوض و مکروہ ہونے کے ساتھ ساتھ یہ راہ ایک بری راہ اور ناپسندیدہ روش ہے۔

خیال رہے کہ برائی کے تین مرتبے ہیں۔ ایک تو عقلی برائی لفظ 'فاحشۃ' سے جسکی طرف اشارہ ہے۔۔۔ دوسری شرعی برائی، لفظ 'مقت' سے جو مراد ہے اور تیسری عرفی برائی 'ساء سبیلا' میں جسکا ذکر ہے۔ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنے میں ایک ساتھ یہ تینوں برائیاں اکٹھا ہو جاتی ہیں۔۔۔ ایمان والو، آؤ! اور تفصیل کے ساتھ سن لو کہ کن کن سے نکاح حرام ہے، تو جان لو کہ جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام کیا گیا ہے، انکی تین قسمیں ہیں: پہلی قسم وہ ہے جن سے نسب اور نسل کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا ہے، اور دوسری قسم وہ ہے جسکے ساتھ رضاعت اور دودھ شریک ہونے کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا ہے اور تیسری قسم وہ ہے، جنکے ساتھ نکاح کے رشتے کی وجہ سے نکاح حرام کیا گیا، اسکو عربی میں 'مصاہرت' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اولاً نسبی رشتوں کی حرمت کے تعلق سے ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ

حرام کر دی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں

وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں، اور وہ مائیں جنھوں نے دودھ پلایا تم کو اور تمہاری بہنیں

مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ

دودھ شریکی، اور تمہاری ساس، اور تمہاری وہ پالک جو تمہاری گود میں ہے

نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ

ان بیبیوں سے جن سے تم نے صحبت کی ہے، پس اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے تو پھر کوئی مضائقہ نہیں،

عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوْا

اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیبیاں، اور اکٹھا کرنا

بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۲۳﴾

دو بہنوں کو، مگر جو پہلے گزر گیا۔ بے شک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں) ان سے نکاح کرنا، صحبت کرنا اور کسی قسم کا کوئی بھی شہوانی عمل کرنا دائماً حرام ہے۔

اسلئے کہ عرف میں شے کی حرمت کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اس شے سے جو اصلی غرض اور مقصود ہے، وہ حرام ہے۔ جس طرح کہتے ہیں کہ شراب حرام ہے یعنی اسکا پینا حرام ہے۔۔ یونہی۔۔ خنزیر حرام ہے، یعنی اسکا گوشت کھانا حرام ہے۔ ماؤں میں دادی، پردادی، نانی، پرنانی اور ان سے بھی اوپر کی دادیاں اور نانیاں داخل ہیں۔ مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ عورت سے وطی ایک ذلیل اور اہانت والا عمل ہے۔ اسی لئے انسان کو طبعی طور پر اسکے ذکر سے شرم و حیا محسوس ہوتی ہے، اور اسکا ارتکاب بھی وہاں ہوسکتا ہے جہاں کوئی بھی نہ ہو، یعنی تنہائی میں وہ بھی شرم و حیا کی بنا پر، اور گالی بھی کسی کو دی جاتی ہے، تو ماں، بہن اور لڑکی کے نام لیکر، تو وہ بھی اسی بنا پر، گالی دینے والا بطورِ اہانت اسی سلوک کا ذکر کرتا ہے۔

جب یہ امور مسلمات سے ہیں، تو واجب ہے کہ ایسی باتوں سے امہات کو محفوظ رکھا جائے، اسلئے کہ ماؤں کے احسانات اولاد پر ان گنت ہیں۔ اسی لئے ماں کو مذکورہ بالا ذلتوں اور اہانتوں سے محفوظ رکھا جانا واجب ہے۔ اور لڑکی انسان کا جزء ہے، گویا وہ اس کے جسم کا ٹکڑا ہے، پھر اسے بھی مذکورہ بالا ذلتوں اور اہانتوں سے بچایا جائے۔ اسلئے کہ اس سے بھی وطی کرنے سے مذکورہ بالا ذلتیں اور اہانتیں لازم ہونگی۔ اسی طرح باقی محرمات کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔

تو تم پر تمہاری مائیں حرام کردی گئیں (اور تمہاری بیٹیاں) بیٹیوں میں اسکی اپنی بیٹی، اسکی پوتی پرپوتی اور اس سے نچلے درجہ کی بیٹیاں سب داخل ہیں، (اور تمہاری بہنیں) اس میں تمہاری 'عینی'، یعنی سگی بہنیں، 'علاتی' یعنی باپ کی طرف سوتیلی بہنیں، اور 'اخیافی' یعنی ماں کی طرف سے سوتیلی بہنیں، سب داخل ہیں، (اور تمہاری پھوپھیاں) پھوپھیوں میں اسکے باپ کی عینی، علاتی اور اخیافی، ساری بہنیں داخل ہیں، اسی طرح اسکے باپ اور دادا کی پھوپھیاں اور اسکی ماں اور اسکی نانی کی پھوپھیاں داخل ہیں، اور ان سے اوپر کے درجے کی بھی اور عینی اور علاتی پھوپھی کی پھوپھی بھی حرام ہے۔۔ ۔۔اخیافی پھوپھی کی پھوپھی، یعنی باپ کی اخیافی بہن کی پھوپھی حرام نہیں۔

(اور تمہاری خالائیں) خالاؤں میں ماں کی سگی بہن اور اسکی علاتی اور اخیافی بہنیں سبھی داخل ہیں۔۔یونہی۔۔عینی خالہ کی خالہ اور اخیافی خالہ کی خالہ بھی حرام ہیں۔البتہ علاتی کی خالہ کی خالہ حرام نہیں۔(اور بھتیجیاں اور بھانجیاں) بھتیجیوں اور بھانجیوں میں ان سے نچلے درجے کی بھی داخل ہیں۔

(اور وہ مائیں جنھوں نے دودھ پلایا تم کو اور تمہاری بہنیں دودھ شریکی)، یعنی تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ نے رضاعی مائیں اور بہنیں ایسے حرام فرمائی ہیں، جیسے کہ تمہاری نسبی مائیں اور بہنیں حرام فرمائی ہیں۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ نے 'رضاع' کو بمنزلہ 'نسب' مقرر فرمایا ہے، تو وہ ساری رشتہ داریاں جو 'نسب' سے ثابت ہوتی ہیں، وہ 'رضاع' سے بھی ثابت ہوتی ہیں۔۔الغرض۔۔جو 'نسب' میں حرام ہے وہ 'رضاع' میں بھی حرام ہے۔یہ حکم کلی ہے جو اپنے عموم پر ہی ہے۔

(اور تمہاری ساس) یعنی تمہاری بیوی کی ماں۔وہ حقیقی ماں ہو یا رضاعی۔بیوی کی نانیاں اور دادیاں بھی اس میں داخل ہیں۔(اور تمہاری وہ پالک جو تمہاری گود میں ہے، ان بیبیوں سے جن سے تم نے صحبت کی ہے) اور ان سے مباشرت کر لی ہے۔(پس اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی ہے) اور وہ تمہاری مدخولہ نہیں ہے، (تو پھر) ان لڑکیوں سے نکاح کر لینے میں (کوئی مضائقہ نہیں، اور) حرام ہیں تم پر (تمہارے صلبی بیٹوں کی بیبیاں) یعنی تمہارے نطفہ سے جو بیٹا ہو، اسکی زوجہ منکوحہ تم پر حرام ہے۔رہ گئی تمہارے منہ بولے بیٹے کی زوجہ، تو وہ تم پر حرام نہیں، بلکہ اس منہ بولے بیٹے سے اسکی شرعی جدائی ہو جانے کے بعد، وہ تمہارے نکاح میں آسکتی ہے۔

(اور) تمہارے لئے حرام ہے (اکٹھا کرنا دو بہنوں کو) ایک نکاح میں، (مگر جو) اس منع و حرمت کے حکم نازل ہونے سے (پہلے گزر گیا) وہ معاف ہے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔کیونکہ (بیشک اللہ) تعالیٰ جن مسلمانوں نے زمانہء جاہلیت میں ایسا کیا ہو، انکے اس عمل کو معاف فرمادینے (والا بخشنے والا) ہے اور (رحمت والا ہے) ان لوگوں پر، جنھوں نے زمانہء اسلام میں یہ عمل کیا ہے اور اسکے بعد توبہ کر لی ہے۔۔۔اللہ تعالیٰ کی بے پایاں شانِ غفوری اور اسکی بے نہایت شانِ رحیمی پر غور کرنا انسانِ بے بضاعت کے واسطے سرمایہء کامل ہے۔

۔۔بحمدہٖ تعالیٰ آج، بروز جمعۃ المبارک۔۔

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۲۹ھ۔۔۔مطابق۔۔۔ ۲۶ ستمبر ۲۰۰۸ء

۔۔چوتھے پارے کی تفسیر مکمل ہوگئی۔۔

٥

وَالْمُحْصَنٰتُ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نکاح کے سبب جو عورتیں دائما حرام ہیں ان میں بعض کا ذکر سابقہ پارہ میں ہو چکا ہے۔ انہیں میں بیوی کی بیٹیاں اور بیٹیوں کی اولاد، پوتے اور نواسے کی بیویاں ۔۔نیز۔۔ باپ دادا کی عورتیں خواہ وہ علاتی ہوں ۔۔یا۔۔ اخیافی، سب شامل ہیں ۔۔یونہی۔۔ جس طرح دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، اسی طرح ارشاد رسول کریم کی روشنی میں پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسلئے کہ یہ رحم کے رشتے ہیں اور سوکنوں میں عداوت اور حسد عام طور پر معروف و مروّج ہے، جسکے خلاف شاذ و نادر ہی ہوا کرتا ہے۔ تو اگر دو بہنوں یا خالہ بھانجی یا پھوپھی بھتیجی کو ایک نکاح میں جمع کرلیا جائے، تو یہ صلہ رحمی کے منافی ہے اور قطع رحم کو مستلزم ہے۔

۔۔۔الختصر۔۔۔ ان دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے جن میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کرلیا جائے، تو اسکا نکاح دوسری سے حرام قرار پائے ۔۔مثلاً: پھوپھی بھتیجی میں اگر پھوپھی کو مرد فرض کرلیا جائے تو وہ دوسری عورت کا چچا قرار پاتا ہے ۔۔یونہی۔۔ اگر بھتیجی کو مرد فرض کرلیا جائے تو وہ دوسری عورت کا بھتیجا قرار پاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ پھوپھی کا بھتیجے سے اور چچا کا بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح خالہ اور بھانجی۔ اگر خالہ کو مرد فرض کرلیا جائے تو وہ ماموں ہو جاتا ہے اور اگر بھانجی کو مرد فرض کرلیا جائے تو وہ بھانجہ ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ خالہ اور بھانجے ۔۔یونہی۔۔ ماموں اور بھانجی کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ رہ گیا دو بہنوں کا معاملہ، تو ان میں کسی کو بھی مرد فرض کرلیا جائے تو وہ دوسری عورت کا بھائی ہو جاتا ہے اور بھائی بہن کی آپس میں نکاح کی حرمت ظاہر کی جا چکی ہے۔

وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ۚ

اور شوہر والی عورتیں مگر جن پر تمہارے ہاتھوں نے قبضہ مالکانہ کرلیا،

کِتٰبَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ ۚ وَ اُحِلَّ لَکُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِکُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِکُمۡ

لکھا اللہ کا تم پر، اور حلال کردی گئیں تم پر ان کے سوا ساری، کہ تلاش کرو اپنے مال کے عوض

مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ‌ؕ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ

قلعہ بسانے کیلئے، نہ کہ مستی بہانے کیلئے۔ تو جب تم نے ان سے نفع اٹھانا چاہا تو دے ڈالو ان کو ان کا معاوضہ

فَرِيۡضَةً‌ ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا تَرٰضَيۡتُمۡ بِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِيۡضَةِ‌ ؕ

مقررہ۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں جس مقدار پر تم سب راضی ہو جاؤ مہر مقرر کے بعد۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۲۴﴾

بے شک اللہ دانا حکیم ہے●

---الختصر--- مذکورہ بالا ساری عورتیں--- (اور) انکے سوا تم پر حرام کی گئی ہیں وہ (شوہر والی عورتیں) جنہوں نے عقد و نکاح کے ذریعہ اپنے کو عفت و پاکدامنی کے قلعہ میں محفوظ کرلیا ہے (مگر) وہ عورتیں جو دارالکفر سے مقید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں اور انکے شوہر دارالکفر میں زندہ موجود ہوں---الغرض--- (جن پر تمہارے ہاتھوں نے قبضہء مالکانہ کرلیا) ہو، ایسی عورتیں جنگ کرنے والے غازیوں کیلئے حلال ہیں، اگرچہ شوہر دار ہوں۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ شریعت مطہرہ نے ایسی عورتوں کے حیض کا انتظار کر کے 'استبراء' واجب کیا ہے۔ اسطرح انہیں اشتراک کے پنجے سے چھڑالو اور نسب اولاد کے فساد اور نطفے کے اختلاط سے انہیں بچالو۔

شوہر دار عورتوں سے نکاح حرام فرمانے کی حکمت یہی ہے تاکہ بچوں کی تربیت میں حفاظت اور نسب کی صحت اور مردوں کی عزت بحال ہو، کہ حقوق زوجیت میں غیر کا اشتراک نہ ہو۔ یہی مردوں کی بلند ہمتی کا تقاضہ ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ بلند ہمتی کو محبوب اور کمینہ پن کو مبغوض رکھتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عقد نکاح میں ہر عورت اپنے اختیار سے عقد کرتی ہے، اسکے برعکس جب باندی کو ہبہ کیا جاتا ہے---یا--- اسکو فروخت کیا جاتا ہے، تو اسمیں اسکا کوئی اختیار نہیں ہوتا، کیونکہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی پاداش میں اسکا یہ اختیار سلب کرلیا گیا ہے۔ ویسے بھی جب سے دنیا میں لونڈی اور غلام بنانے کا رواج ہوا، لونڈیوں کے ساتھ یہی معاملہ روا رکھا گیا ہے، اسلئے اگر کافر مسلمانوں کے ساتھ یہ معاملہ کریں، تو انکے ساتھ بھی عمل مکافات کے طور پر یہی معاملہ روا رکھا گیا۔

ہ کو آزاد کرنے کیلئے بہت بشارتیں دی ہیں۔ انہیں اقدامات میں سے لونڈیوں کی آزادی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ انکا مالک ان سے مباشرت کرے، جسکے نتیجے میں وہ صاحب اولاد ہو کر ام ولد ہو جائے۔ یہ اولاد مالک کی حقیقی اولاد اور اسکی وارث ہوتی ہے اور اس مالک کے انتقال کے بعد وہ باندی آزاد ہو جاتی ہے۔

یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ جنگی قیدیوں کے ساتھ روس، جرمنی اور یورپی ممالک میں جو وحشیانہ مظالم کیے جاتے رہے، ان سے جو جبری مشقتیں لی جاتی رہیں، اسکے مقابلے میں اسلام نے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ جس حسن سلوک کی ہدایت دی ہے اور انکو آزاد کرنے میں جو اجر و ثواب کی بشارتیں دی ہیں ۔۔نیز۔۔ انکو آزاد کر دینے کو بہت سارے گناہوں کا کفارہ قرار دیا ہے، ان ہی کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا سے لونڈی اور غلاموں کا چلن ختم ہو گیا۔ اسلام کا یہ حکیمانہ انداز تھا کہ اولاً: دستورِ زمانہ کا لحاظ کرتے ہوئے غلام و باندی بنانے کا رواج باقی رکھا، اور پھر اسطرح انکو اپنے قریب رکھ کر اسلام کے انوار و برکات کا مشاہدہ کرنے کا موقع فراہم فرمایا، جسکے نتیجے میں وہ اسلام کی دولت سے مشرف ہوتے گئے اور انکے بعض کو یہ اعزاز ملا کہ قریش کے فاروق اعظم نے انھیں اپنا سردار فرمادیا اور انہیں میں سے بعض کو خود رسول کریم ﷺ کی اہلبیت ہونے کا شرف حاصل ہو گیا۔

۔۔الختصر۔۔ اسلام نے غلاموں کے ساتھ جس حسن سلوک کا مظاہرہ کیا ہے اسکی کہیں نظیر نہیں مل سکتی۔ ویسے بھی اسلام نے یہ لازمی طور پر نہیں کہا، کہ جنگی قیدیوں کو لونڈیاں اور غلام بنا کر ہی رکھا جائے، بلکہ اسلام نے یہ حکم دیا ہے کہ انکو بلافدیہ آزاد کر دیا جائے ۔۔یا۔۔ جسمانی فدیہ کے بدلے میں آزاد کر دیا جائے ۔۔یا۔۔ انکو لونڈی اور غلام بنالیا جائے اور انکے ساتھ ہمیشہ حسن سلوک کے ساتھ پیش آیا جائے ۔۔چونکہ۔۔ اس زمانے میں جنگی قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنانے کا رواج تھا، اسلئے مسلمانوں کو یہ اجازت دی کہ اگر وہ تمہارے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنائیں، تو تم بھی انکے قیدیوں کو لونڈی اور غلام بنا سکتے ہو۔

اگر وہ تمہارے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلے میں آزاد کریں، تو تم بھی انکے قیدیوں کو مالی فدیہ کے بدلہ میں آزاد کر دو۔ اور اگر تمہارے جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کریں، تو تم بھی انکے جنگی قیدیوں سے اپنے قیدیوں کا تبادلہ کر لو۔ اور اگر وہ تبرع اور احسان کر کے تمہارے جنگی قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دیں، تو مسلمان مکارم اخلاق اور تبرع اور

احسان کرنے کے زیادہ لائق ہیں۔اور کافر مسلمانوں کے جنگی قیدیوں کولونڈی یاغلام بنائیں، تو مکافات عمل کے طور پر انکے جنگی قیدیوں کولونڈی اور غلام بنانا جائز ہے۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے، کہ آزادعورتوں سے نکاح کے بعد مباشرت اور لونڈیوں سے بغیر نکاح کے مباشرت، یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی اجازت ہی سے معمول ہیں۔۔لہٰذا۔۔اس میں کسی ایک کو باعث شرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔اس مقام پر یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ آزادعورت سے مباشرت کی وجہ صرف نکاح، یعنی گواہوں کے سامنے طرفین کا ایجاب وقبول ہے، کیونکہ نکاح میں رہنے کے باوجود حالت حیض ونفاس میں مباشرت حرام ہے،اسلئے کہ اس حالت میں صحبت کرنے کیلئے اذن الٰہی حاصل نہیں،توجب معاملہ اجازت ربانی ہی پر موقوف ہوا،تو پھر یہ اجازت جسکے لئے اور جس وقت کیلئے ہوگی اس پر عمل درآمد ہرگز معیوب نہیں۔بیشک نکاح ایک عقد ہے، جوعورتوں سے نفع حاصل کرنے ہی کیلئے موضوع ہے،مگر نفع کی نوعیت کے اختلافات سے اسکے عوض کی نوعیت بھی مختلف قراردی گئی ہے۔

۔۔مثلاً: گواہوں کے روبرو ایجاب وقبول کے بعد عورت کی طرف سے مرد کو یہ اختیار مل جاتا ہے کہ اگر کوئی طبعی۔۔یا۔۔عرفی مانع نہ ہو،تو وہ اس سے مباشرت کرسکے۔اب اگر۔۔بالفرض۔۔خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق واقع ہوجائے، جب بھی مذکورہ بالا اختیار دینے کے عوض میں، مقررہ مہر کا آدھا عورت کو دینا مرد پر لازم ہے۔اور اگر کہیں دونوں کو خلوت صحیحہ حاصل ہوجائے اور وہاں اسوقت کوئی ایسی صورت بھی نہ ہو جوعرفاً۔۔یا۔۔طبعاً مباشرت سے مانع ہو، پھر تو مرد کو پوری مقررہ مہر دینا واجب ہے،خواہ اس نے صحبت کی ہو ۔۔یا۔۔نہ کی ہو۔کیونکہ عورت کی طرف سے اُسے مباشرت کا پورا اختیار مل چکا تھا اور اس عمل کوانجام دینے میں کوئی مانع بھی نہیں تھا۔

۔۔الختصر۔۔عورت کی طرف سے مباشرت کا پورا اختیار پاجانے اور پھر اسکے لئے خلوت صحیحہ میسر آجانے کا نفع ہی ایک ایسا نفع ہے، جسکے عوض میں مرد پر پوری مہر کی ادائیگی واجب ہو جاتی ہے اور ایسی صورت میں خلوت صحیحہ ہی کو مباشرت کا قائم مقام قرار دیدیا جاتا ہے۔۔ الختصر۔۔مذکورہ بالا ارشادِ خداوندی میں جن جن عورتوں کوتمہارے لئے حرام قرار دیا گیا ہے، ان تمام عورتوں کی تحریم تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ نے مکمل طور پر لکھ دی ہے۔

تو یہ حکم (لکھا) ہوا ہے (اللہ) تعالیٰ (کا تم پر) اور تمہارے اوپر اسی کا فرض کیا ہوا ہے (

اس حکم کے برعکس (حلال کردی گئیں تم پر انکے سوا ساری) عورتیں یعنی مذکورہ عورتوں کے سوا باقی تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں، ایک کے ساتھ نکاح کرو۔۔یا۔۔دو دو، تین تین، چار چار سے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مذکورہ بالا عورتوں سے نکاح حرام اور انکے ماسوا سے نکاح حلال فرمایا ہے۔

تا (کہ تلاش کرو اپنے مال کے عوض) یعنی انکا مہر ادا کرو۔۔یا۔۔اگر وہ لونڈیاں ہیں، تو انکی قیمت ادا کرو۔ان سے تمہارا نکاح کا ارادہ (قلعہ بسانے کیلئے) ہو، یعنی اپنی پاکدامنی اور اپنے نفس کو ایسے امور سے بچانے کیلئے، جو ملامت اور عقاب کا سبب بنتے ہیں (نہ کہ مستی بہانے کیلئے)، یعنی زانیہ عورتوں سے زنا کرکے صرف منی خارج کرنے کیلئے نہ ہو۔۔الغرض۔۔نکاح کا مقصد اپنی پاکدامنی کی حفاظت، نسل انسانی کا فروغ اور بدکاری سے اجتناب ہی ہونا چاہئے، نہ کہ جانوروں کی طرح صرف خواہش نفسانی کی تکمیل۔(تو جب تم نے ان سے نفع اٹھانا چاہا) اور ان عورتوں سے نکاح صحیحہ، جماع، خلوت صحیحہ۔۔یا۔۔اسی طرح اور معاملات وغیرہ سے نفع پاؤ (تو دے ڈالو انکو انکا معاوضہ مقررہ)۔

مہر معجّل ہو، تو فوراً نکاح کے بعد خلوت سے پہلے، ورنہ بعد میں جب چاہو، مگر مہر کی ادائیگی لازمی ہے۔یہ شوہر کے سر پر بیوی کا ایک قرض ہے۔۔بالفرض۔۔اگر وہ زندگی میں نہ دے سکا، تو مرنے کے بعد بھی اسکے چھوڑے ہوئے مال سے، پہلے یہ قرض ادا کیا جائیگا، پھر کہیں جاکر وراثت کی تقسیم کی جائیگی۔(اور) یہ بھی ذہن نشین کرلو کہ (تم پر کوئی گناہ نہیں، جس مقدار پر تم سب راضی ہو جاؤ مہر مقرر کے بعد)۔۔بالفرض۔۔اگر تم بخوشی ورضا اپنی عورت کو بنام مہر، مقرر کردہ مہر سے زائد دینا چاہو تو دے سکتے ہو، یہ تمہارے لئے بالکل جائز ہے۔۔یونہی۔۔اگر عورت اپنے حق مہر سے اپنے شوہر کو کچھ معاف کردے۔۔یا۔۔تمام حق مہر معاف کردے، تو اسکے لئے بھی اسکی شرعاً گنجائش ہے۔

۔۔الغرض۔۔زوجین ایک دوسرے پر جتنا بھی احسان کرسکیں دونوں ہی کیلئے احسان کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔آپس میں انکا یہ حسن سلوک انہیں آخرت کے اجر کا بھی مستحق قرار دیتا ہے (بیشک اللہ) تعالیٰ (دانا) ہے، جو اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور (حکیم ہے) جو احکام مشروع فرمائے انکی حکمتوں کا مالک ہے، اسی لئے تمہاری لیاقت کے مطابق احکام مشروع فرمائے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ

اور جو سکت نہ لا سکا مال کی، کہ نکاح میں لائے آزاد پاک دامن ایمان والیوں کو، توان سے جن پر تمہارے

مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ

ہاتھوں کا مالکانہ قبضہ ہو چکا، لونڈیاں ایمان والیاں۔ اور اللہ اچھی طرح جانتا ہے تمہارے ایمان کو،

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

تم میں سے ایک دوسرے سے ہے، توان لونڈیوں سے نکاح کرلو اجازت سے انکے مالکوں کی اور دے ڈالو انکو انکے مہر کو

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ

حسب دستور، عفت کے قلعہ کی رہنے والیاں، نہ کہ مستی بہانے والیاں اور نہ چھپے یار بنانے والیاں۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى

توجب وہ بس جائیں، پھر اگر کوئی بدکاری لائیں، توان پر آدھی ہے

الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ

آزاد عورتوں کی سزا سے۔ یہ نکاح اس کیلئے ہے جو تم میں ڈر گیا گناہ میں پڑنے کو۔

وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور تمہارا صبر کرنا بہت اچھا ہے تمہارے لیے۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور جو سکت نہ لا سکا مال کی، کہ نکاح میں لائے آزاد پاکدامن ایمان والیوں کو)، یعنی جسکی مالی حالت اتنی کمزور ہے کہ وہ آزاد پاکدامن مومن عورتوں سے نکاح کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، (تو وہ اگر چاہے تو (ان سے) نکاح کر سکتا ہے (جن پر) اے ایمان والو! (تمہارے ہاتھوں کا مالکانہ قبضہ ہو چکا) ہے، یعنی تمہاری (لونڈیاں ایمان والیاں)۔ نکاح کے معاملات میں اسلام و ایمان والی عورتوں کو ترجیح دینا ہر حال میں مستحسن ہے۔

سن لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (اچھی طرح جانتا ہے تمہارے ایمان کو)، لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے مانوس ہونے اور انکے ساتھ نکاح کرنے سے نفرت کو، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ یعنی تمہارے عبد اور تمہاری باندیوں کے متعلق اسلامی شعور کی تفصیل کو وہی جانتا ہے۔ بسا اوقات اس

معاملات لونڈیوں میں بہ نسبت آزاد عورت کے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات عورتوں
ی مردوں سے اسلامی طور واطوار زیادہ بہتر ہوتے ہیں۔

یہ جان لو کہ (تم میں سے) ہر ایک (ایک دوسرے سے ہے)۔ تم سب حضرت آدم علیہ السلام
اولاد سے ہو، اور تم سب کا دین اسلام ہی ہے۔ تمہارے اور تمہارے مملوکوں یعنی غلاموں اور کنیزوں
ے مابین ایمانی، دینی اور اسلامی بھائی چارہ ہے۔ آزاد بندے کو اگر کچھ فضیلت ہے، تو وہ بعض دینی و
امور کے لحاظ سے ہے، ورنہ دونوں برابر ہیں۔

۔۔لہٰذا۔۔ تم لونڈیوں کو حقیر نہ سمجھو اور ان سے نکاح کرنے میں نفرت نہ کرو۔ (تو) اگر تمہارے
ں میں ان میں اچھا معاملہ دیکھ کر، ان سے نکاح کرنے کی خواہش پیدا ہو جائے اور پھر تم ان سے نکاح
رنے کا ارادہ کر لو، تو بیشک (ان لونڈیوں سے نکاح کر لو)۔ لیکن یہ خیال رہے کہ یہ کام (اجازت سے
نکے مالکوں کی) انجام دو۔ انکی اجازت کے بعد یہ نکاح تم جب چاہو خود بخود کر سکتے ہو، یہ تمہارے
لئے جائز رہیگا (اور) نکاح کے بعد (دے ڈالو) بلا تاخیر (انکو انکے مہر کو حسب دستور)۔ انہیں دکھ اور
کلیف پہنچائے بغیر انکا حق مہر دیدو اور انکے لئے ایسی تنگی پیدا نہ کرو کہ وہ عاجز ہو کر مہر، فدیہ کے طور پر
ینے پر مجبور ہو جائیں۔

نکاح سے پہلے ہی سمجھ لو کہ جن سے نکاح کرنا چاہتے ہو، وہ عورتیں پاکدامن ہوں اور (عفت
قلعہ کی رہنے والیاں) ہوں (نہ کہ مستی بہانے والیاں)، اور کھلم کھلا زنا کرنے والیاں اور اپنی بدکاری
ست و سرشار رہنے والیاں نہ ہوں، (اور نہ) ہی (چھپے یار بنانے والیاں) ہوں۔

جاہلیت کے زمانے میں زنا دو طریقوں سے ہوتا تھا: ایک بطریق 'سِفَاح' یعنی جو شخص کسی
عورت سے زنا کی رغبت کرتا، تو اسے اجر و مزدوری دیکر زنا کرتا، دوسرے بطریق 'مخادنت'
یعنی کسی مخصوص دوست سے زنا کرنا۔ پہلا طریقہ یعنی کھلم کھلا زنا ہوتا ہے اور دوسرے طریق [redacted] اسے وہ اپنی اصطلاح میں زنا میں بھی شمار نہ کرتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ
نے ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ بیان فرما کر واضح فرما دیا، کہ یہ دونوں ہر طرح سے زنا ہیں اور
[redacted]

(تو جب) نکاح کر کے (وہ) لونڈیاں (بس جائیں)، اور شوہر والی ہو جائیں، (پھر اگر کوئی
لائیں) اور زنا کا ارتکاب کر گزریں، (تو ان پر آدمی ہے آزاد عورتوں کی سزا سے)۔

بے شوہر والی آزاد عورت کی 'حد زنا' سو کوڑے ہیں، تو لونڈی کی 'حد زنا' پچاس کوڑے ہوئی۔۔ یونہی۔۔ آزاد عورت کو سال بھر کیلئے شہر بدر کردینا ہے، تو اس صورت میں لونڈی کو چھ مہینے کیلئے شہر بدر کیا جائیگا۔ مگر ان دونوں سزاؤں کو یعنی کوڑے مارنا اور شہر بدر کردینا اکٹھا نہ کرینگے، مگر سیاست اور کسی خاص مصلحت کے تقاضے سے۔ رہ گئی سنگساری کی سزا، تو اسکا نصف متصور نہیں۔ تو کسی بھی مذہب میں یہ 'سزا شرعی' غلاموں اور لونڈیوں کیلئے نہیں۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ (یہ) لونڈیوں سے (نکاح) کی رخصت (اُسکے لئے ہے جو تم میں ڈر گیا گناہ میں پڑنے کو) اور جسے یہ اندیشہ ہوگیا کہ بیوی نہ رہنے کی صورت میں وہ اپنے نفس کو بدچلنی اور بدکرداری سے بچا نہیں سکتا۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر ہے کہ ان سے نکاح نہ کرنے میں پاک دامن ہوکر (اور) اپنے نفسوں کو انکی خواہشات پوری کرنے سے روک کر (تمہارا صبر کرنا بہت اچھا ہے تمہارے لئے)۔

اسلئے کہ لونڈیوں سے جو بچے پیدا ہونگے، انہیں مملوکیت کی عار دی جائیگی۔۔ علاوہ ازیں ۔۔ لونڈیوں میں مولیٰ کے حقوق کی ادائیگی شوہر کیلئے خالص نہیں ہونے دیتی۔ جیسے آزاد عورتیں صرف اور صرف اپنے شوہروں کی ہوتی ہیں۔ پھر مولیٰ کی مرضی کہ اپنی لونڈی سے ہر طرح خدمت لے، سفر وحضر کا اسکے لئے فرق نہیں ہوتا۔۔ نیز۔۔ مولیٰ جب چاہے اور جہاں چاہے اپنی لونڈی کو بیچ سکتا ہے، خواہ وہ اسے دیہات میں بیچ ڈالے یا شہر میں۔

یہ وہ اسباب ہیں کہ جن سے لونڈی کے شوہر اور اسکی اولاد کو تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔۔ مزید براں ۔۔ خرابی یہ ہے کہ لونڈیاں ہمیشہ ذلیل وخوار اور دوسروں کی دست نگر اور دائمی طور پر اپنے مالکوں کے سامنے سرِخم رکھتی ہیں۔ یہی وہ اسباب ہیں جن سے لونڈی کی ذلت و خواری کی انتہائی حیثیت سمجھی جاتی ہے اور یہی ذلت وخواری اسکے شوہر میں بھی سرایت کرتی ہے ۔۔ حالانکہ ۔۔ مومن کی شان ہے کہ وہ ہمیشہ باعزت وباوقار رہے۔ پھر ایک خرابی یہ بھی ہے کہ لونڈی کے حق مہر کا مالک اسکا مولیٰ ہوگا۔ نہ وہ خود اپنے حق مہر پر تصرف کی مالک ہے اور نہ ہی اپنے شوہر کو ھبہ کرسکتی ہے۔ اسطرح سے گھر کا نظم ونسق متزلزل رہیگا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے: "آزاد عورتیں گھر کو آباد کرتی ہیں اور لونڈیاں گھر کو اُجاڑتی اور برباد کرتی ہیں" اوکما قال ﷺ۔

غور سے سنو! (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ ہر اس شخص کو (بخشنے والا) ہے جو مصائب وتکا

صبر کرتا ہے اور (رحمت والا ہے) کہ بندوں کو آسان امور کیلئے رخصت دیتا ہے اور ہر معاملہ میں وسیع فرماتا ہے۔

۔۔مثلاً: آزاد عورت سے نکاح کرنے پر قدرت کے باوجود لونڈی سے نکاح جائز فرمادیا
۔۔الغرض۔۔جب تک اُسے آزاد عورت میسر نہ آئے وہ لونڈی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔
اے ایمان والو! مذکورہ بالا ارشادات کا نزول اسلئے فرمایا گیا ہے کہ۔۔۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اللہ کی مرضی ہے کہ صاف صاف تم سے بیان فرمادے اور دکھادے تم کو طریقے تمہارے اگلوں کے،

وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾

اور تمہاری توبہ قبول فرمالے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (کی مرضی ہے کہ صاف صاف تم سے بیان فرمادے) وہ امور جو تم سے مخفی ہیں، یعنی تمہاری وہ مصلحتیں اور تمہارے وہ بہترین اعمال جنہیں تم نہیں جانتے ہو۔۔یا۔۔حلال وحرام کے وہ احکام جنکا تمہیں علم نہیں (اور دکھادے تم کو طریقے تمہارے اگلوں کے)، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پاکیزہ روش سے آگاہ فرمادے۔۔یا۔۔اگلے اہل حق اور اہل باطل کا جو چلن تھا ان سے باخبر کردے (اور تمہاری توبہ قبول فرمالے)، یعنی تمہارے گناہ معاف فرمادے اور توبہ اور نیکی کی توفیق بخشے، یعنی جن غلطیوں پر تم تھے ان سے ہٹا کر نیکی کی راہ دکھائے۔

ظاہر ہے کہ یہ خطاب تمام مکلفین کیلئے نہیں، بلکہ صرف اسی گروہ کیلئے ہے، جنہیں توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ پس اگر بعض مکلفین توبہ کرنے کی سعادت سے محروم رہیں، تو یہ نہیں کہا جائیگا کہ اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ کا ارادہ فرمایا مگر وہ پورا نہ ہوا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف ہونا محال ہے۔

(اور) بیشک (اللہ) تعالیٰ (علم والا) اور جاننے والا ہے تم کو اور تمہاری مصلحتوں کو، اور وہ حکمت والا ہے) اور تمہارے جن امور کا ارادہ فرماتا ہے، انکی حکمتوں کو خوب جانتا ہے۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ جس چیز کے بارے میں جو حکم کرتا ہے اس میں درست کام اور راست کلام والا ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ

اور اللہ چاہتا ہے توبہ قبول فرمالینے کو تم پر۔ اور چاہتے ہیں وہ جو شہوت کی غلامی کرتے ہیں،

اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

کہ تم بڑی ٹیڑھی راہ چلو●

(اور اللہ) تعالیٰ (چاہتا ہے توبہ قبول فرمالینے کو تم پر) یہ کہ توبہ عنایت کرے تمہیں۔۔یا۔۔ایسی چیز بتادے جو تمہاری توبہ کا سبب ہو جائے۔

اس سے پہلے کی آیت میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کی قبولیت کا ارادہ کرتا ہے، اور اس آیت میں بندوں کیلئے جن امور کا ارادہ کرتا ہے، اسکے کمال منفعت کو بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ فاسق وفاجر لوگ جو توبہ نہیں کرتے، اُنکے نقصان کا اظہار مطلوب ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اسمیں تکرار نہیں۔

(اور) غفلت کی وجہ سے۔۔یا۔۔عداوت کی وجہ سے (چاہتے ہیں وہ) فاسق وفاجر لوگ (جو شہوت کی غلامی کرتے ہیں) نفسانی خواہشات کی تابعداری کرتے ہیں اور شرعی جواز کا پاس ولحاظ نہیں رکھتے اور مجوسیوں کی طرح پدری یعنی علاتی بہنوں، بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح جائز سمجھتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔جب اللہ تعالیٰ نے انہیں محرمات میں شامل فرمایا تو انہوں نے کہا کہ اگر پھوپھی اور خالہ کی لڑکیوں سے نکاح جائز ہے۔۔حالانکہ۔۔تمہارے اوپر پھوپھیاں اور خالائیں حرام ہیں، تو ہم حکم دیتے ہیں کہ تم بھانجیوں اور بھتیجیوں سے نکاح کرو۔۔تو۔۔

اسطرح کی کٹ حجتی سے وہ چاہتے ہیں (کہ تم بڑی ٹیڑھی راہ چلو) اور شہوت کے تابع ہو کر انکی موافقت کر کے اور محرمات کو حلال سمجھ کر، میانہ روی اور حق سے ہٹ کر انہیں کی طرح زانی اور بدکردار ہو جاؤ، اور تم گناہوں کے بوجھ تلے ایسا دب جاؤ کہ کبھی اس سے نکل نہ سکو۔۔اسکے برخلاف۔۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

اللہ چاہتا ہے کہ ہلکا کردے تم سے، اور پیدا کیا گیا انسان کمزور●

(اللہ) تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے (چاہتا ہے کہ) وہ (ہلکا کردے تم سے) ان بڑی بڑی مشقتوں اور تکلیفوں کو، جو تمہارے ذمے ہیں۔ اسی لئے تمہیں شریعت حنفیہ واضح اور آسان عنایت

رمائی ہے اور بہت سی تنگیوں سے نجات دیکر آسانی کی رخصت عطافرمائی ہے۔ اسی میں لونڈیوں سے نکاح کرنا وغیرہ بھی شامل ہے۔ انسانوں کیلئے یہ منجانب اللہ تخفیف (اور) آسانی اسلئے ہے کہ (پیدا کیا گیا انسان کمزور) ناتواں اور عاجز۔ وہ اپنی خواہشات کی مخالفت سے عاجز ہے اور نہ ہی شہوات کے اسباب اور انکی قوتوں سے مقابلہ کی طاقت رکھتا ہے۔

غرضیکہ وہ خواہشات نفسانیہ کی اتباع میں صبر نہیں کرتا اور نہ ہی اپنی طاقتوں کو طاعات کی مشقتوں پر صرف کرسکتا ہے۔ یہ قوت نہیں رکھتا کہ عورتوں کی طرف میل کرنے سے اپنے کو باز رکھ سکے۔ یہ نہ تو بہت بڑی سختی ومصیبت کو برداشت کر پاتا ہے اور نہ ہی بہت بڑی خوشی اور نعمت کو بھی ٹھکانے سے سنبھال پاتا ہے۔۔ الغرض۔۔۔نہ مصیبت سہہ پاتا ہے اور نہ ہی نعمت کا حق ادا کر پاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ضعیف وناتواں کہہ کر اپنے بندوں پر اپنے عظیم فضل وکرم اور کمال مہربانی کو ظاہر فرمایا ہے کہ اگر کوئی بندہ عبادت میں کچھ تقصیر کرے۔۔یا۔۔خواہش نفسانی کی متابعت کے سبب اسکے حال میں کچھ نقصان پیدا ہو، تو جو ضعیفی اسکے شامل حال کر دی ہے اُسے پیش کر کے معذرت کرلے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے جسموں اور بدنوں میں تصرف کرنے کی ہدایت دی تھی۔ زنا اور عمل قوم لوط سے منع فرمایا تھا۔ اسی طرح محرمات کے ساتھ نکاح سے منع فرمایا تھا اور اب آگے کی آیت میں مسلمانوں کو انکے اموال میں تصرف کے متعلق ہدایت دی ہے۔ بیع وشراء کے ذریعے دوسرے کا مال حاصل کرنے کی اجازت دی ہے۔ اسی طرح ہبہ، وراثت وغیرہ کے ذریعہ کسی کا مالک ہونا جائز ہے۔ لیکن جوا، سٹہ، غصب، چوری، ڈاکہ، خیانت، جھوٹی قسم کھا کر اور جھوٹی گواہی کے ذریعہ اور رشوت سے دوسرے کا مال کھانا ناجائز ہے۔۔تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ

اے وہ جو ایمان لاچکے! نہ کھاؤ اپنے مالوں کو باہم ناحق، مگر یہ ہو

تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ

کاروباری طور پر تم سب کی رضامندی سے۔ اور نہ قتل کرو تم اپنے کو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

بے شک اللہ تم کو بخشنے والا ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے!) اور دین اسلام کے جملہ احکام کو دل سے مان چکے، (نہ کھاؤ اپنے مالوں کو باہمی ناحق) جسکی وضاحت ابھی ابھی اوپر کی جا چکی ہے، (مگر) تصرف کا سبب (یہ ہو) کہ تم نے آپس میں تجارت کی اور (کاروباری طور پر) لینا دینا جو کچھ ہوا، وہ (تم سب کی) آپس کی (رضامندی سے) ہوا۔

یہ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ باطل طریقے سے کسی کا مال کھانا، ایک طرح سے اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے اور ہلاکت میں ڈالدینے والی کسی صورت کو بھی اپنانا ایمان والوں کے شایان شان نہیں۔ لہٰذا ہر ہلاک کردینے والی حرکتوں سے بچو۔ (اور نہ قتل کرو تم اپنے کو) یعنی مصائب و آلام سے تنگ آ کر خودکشی نہ کر بیٹھو۔۔۔یا۔۔۔اپنے مسلمان قرضداروں سے عاجز آ کر انہیں قتل نہ کردو، اسلئے کہ سب مومن حقیقت میں نفس واحدہ ہیں، تو کسی مومن کو ناحق قتل کردینا، گویا خود اپنے کو قتل کردینا ہے۔

جسم کے کسی حصے کو بھی تکلیف پہنچتی ہے، تو جسم کا ہر ہر حصہ مضطرب و بیقرار ہو جاتا ہے۔ ایک آنکھ کا درد دوسری آنکھ کو بھی سونے نہیں دیتا۔۔۔یا۔۔۔اپنے کو ہلاکت و خطرات کے محل میں نہ ڈالو۔۔۔یا۔۔۔ایسے کام کے مرتکب نہ ہو، جسکے سبب سے قتل کیے جاؤ۔۔۔یا۔۔۔گناہوں کے ارتکاب سے۔۔۔یا۔۔۔حرام مال کھانے کے سبب سے۔۔۔یا۔۔۔خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہوئے۔

۔۔۔الغرض۔۔۔جو کام غضب الٰہی کا سبب ہوں انکو انجام دیکر اپنے [illegible]۔۔۔المختصر۔۔۔ہر حال میں شرع محمدی کی شمشیر سے قتل ہونے سے اپنے کو بچاتے رہو اور یقین کرلو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ تمہاری توبہ قبول فرمانے والا اور (تم کو بخشنے والا ہے)۔ وہ جو امر و نہی فرماتا ہے یہ بھی اسکی نہایت مہربانی ہے، تاکہ بندہ اسپر عمل کرکے اپنے کو کسی نہ کسی حد تک اسکی بخشش کا مستحق بنالے۔۔۔

وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ عُدۡوَانًا وَّظُلۡمًا فَسَوۡفَ نُصۡلِيۡهِ نَارًا ؕ

اور جو کرے یہ سرکشی اور ظلم سے، تو ہم جلد پہنچا دیں گے اس کو جہنم۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا ۝

اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے●

(اور) اب (جو کرے یہ) ممنوع کام (سرکشی) اور تعدی کی راہ سے اور حدوں سے تجاوز

کے (اور ظلم) وستم کی راہ (سے، تو ہم جلد پہنچا دینگے اسکو جہنم) کی آگ میں۔ (اور) ایسوں کو (یہ) جہنم رسید کر دینا (اللہ) تعالیٰ (کیلئے) بہت (آسان ہے)، اسلئے کہ اس کام کیلئے اُسے کسی کی، کسی وقت، کسی طرح کی، کسی مزاحمت کا کوئی اندیشہ نہیں۔۔بلکہ۔۔اسطرح کی مزاحمت کا امکان نہیں جو خدائے عزوجل کے اپنے ارادے کو نافذ نہ ہونے دے۔ایک طرف تو خدا کی گرفت کی یہ شان کہ وہ پکڑنا چاہے تو کوئی بچا نہ سکے، اور دوسری طرف اسکے فضل وکرم اور بخشش وعطا کا یہ حال کہ۔۔۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ

اگر بچتے رہے تم کبیرہ گناہوں جن سے تم کو روکا گیا ہے، تو میٹ دیں گے ہم تم سے تمہاری دوسری برائیوں کو،

وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ﴿۳۱﴾

اور داخل کریں گے تم کو ذی عزت محل میں●

(اگر بچتے رہے تم کبیرہ گناہوں سے جن سے تم کو روکا گیا ہے) یعنی ممنوعات میں جو کبائر ہیں ان سے اپنے کو بچاتے رہے (تو) وہ فرماتا ہے کہ (میٹ دینگے ہم تم سے)، دور کر دینگے اور معاف کر دینگے (تمہاری دوسری) صغیرہ (برائیوں کو)۔ایک نماز سے دوسری نماز تک، ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک جن صغائر کا ارتکاب ہوا ہے، حاضر وموجود نماز وجمعہ اور رمضان کے اعمال صالحہ کی برکت سے ان سب کو معاف کر دیا جائیگا (اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (داخل کرینگے تم کو ذی عزت محل) یعنی بہشت بریں (میں)۔

۔۔المختصر۔۔جو شخص کبیرہ گناہوں سے پرہیز کریگا، اسکے گناہ صغیرہ معاف ہو جائینگے۔ یہ معاف ہو جانا واجب ہونے کے طور پر نہیں ہے، بلکہ جائز ہونے کے طور پر ہے۔اسلئے کہ اللہ تعالیٰ شان بے نیازی رکھتا ہے اور اگر چاہے تو گناہ کبیرہ معاف فرمادے اور گناہ صغیرہ پر گرفت کرلے۔اور اگر چاہے تو اسکے برعکس کرے۔۔الغرض۔۔اسپر کچھ بھی لازم وواجب نہیں۔

[redacted]

اے ایمان والو! اچھی طرح سے جان لو کہ جس طرح تمہارے لئے ناجائز طریقے سے دوسرں کا مال کھانا جائز نہیں، تو اسی طرح تمہارے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل وکرم سے جو کچھ دے رکھا ہے اسکی طمع اور خواہش کرنے لگو۔

اور اگر کہیں اس خواہش میں یہ جذبہ بھی شامل ہوگیا، کہ وہ ساری خدائی عطائیں تمہارے ہی ساتھ ہوں اور کسی اور کے ساتھ نہ ہوں۔۔۔یا۔۔۔وہ نعمتیں تمہیں ملیں یا نہ ملیں، مگر فلاں کو نہ ملیں، تو یہ اور بھی بدترین صورت ہوگئی۔ اسے 'حسد' کہا جائیگا جو قلب کی ایک مہلک بیماری ہے جو خود حاسد کو اسی کی آگ میں جلاتی رہتی ہے۔۔۔ہاں۔۔۔اگر یہ جذبہ ہو کہ دوسروں پر خدائی نعمت دیکھ کر انسان یہ دعا کرے کہ اسکے پاس جو نعمت ہے وہ بدستور رہے، مگر رب کریم مجھے بھی اُس نعمت سے نوازے، تو یہ ایک محمود جذبہ ہے، جس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اسے 'رشک' کہا جائیگا جو ایک جائز جذبہ ہے۔ اور سب سے بہتر چیز تو یہ ہے کہ انسان اچھی طرح سے یقین کرلے، کہ اللہ تعالیٰ مالک ومختار اور علیم وخبیر ہے، وہ جس کو جو چاہتا ہے نعمت عطا فرماتا ہے۔ اسلئے سمجھداری سے کام لو۔۔۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ

اور تمنا نہ کرو اس کی جس سے بڑائی دی اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر۔ مرد کیلئے حصہ ہے

مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

جوانھوں نے کمائی کی اور عورت کیلئے حصہ ہے اس سے جوانھوں نے کمائی کی۔ اور سوال کرو اللہ سے اس کے کرم کو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

بے شک اللہ ہر موجود کا جاننے والا ہے●

(اور تمنا نہ کرو اس کی) نعمت اور [illegible] ایک کو دوسرے پر) لہذا یہ مناسب نہیں کہ کوئی شخص یہ کہے کہ کاش میرے پاس فلاں مال ہوتا یا فلاں نعمت ہوتی یا فلاں حسین عورت ہوتی۔۔۔یا۔۔۔کوئی عورت یہ سوچے کے کاش وہ مرد ہوتی اسطرح مردوں کو حاصل ہونے والے دوگنے مال کی حقدار بن جاتی۔۔۔یا۔۔۔کوئی مرد خیال کرے کہ کاش وہ عورت ہوتا اور مردوں پر جو ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں ان سب سے سبکدوش ہوجاتا۔۔۔یا۔۔۔کچھ نیک طینت خواتین

یہ خواہش کر بیٹھیں کہ کاش ہم کو بھی جہاد کرنے کی اجازت مل جائے، تاکہ ہم مردوں کی طرح جہاد کریں اور ہمیں بھی انکی طرح اجر ملے۔۔یا۔۔مرد یہ کہنے لگیں کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو وراثت میں دوگنا حصہ دیا جاتا ہے، اسی طرح ہماری عبادتوں کا بھی ہم کو عورتوں سے دوگنا اجر ملے، اور پھر جواباً عورتیں یہ کہنے لگیں، کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے آدھے گناہ مردوں پر ڈال دیئے جائیں، وغیرہ وغیرہ ۔۔اسطرح کی خیالی باتیں اور دلی خواہشات بے نتیجہ ہیں۔۔اسلئے کہ۔۔۔

(مرد کیلئے حصہ ہے جو انہوں نے کمائی کی) جہاد اور دوسرے نیک کام انجام دیکر (اور)۔۔ یونہی۔۔(عورت کیلئے حصہ ہے اس سے جو انھوں نے کمائی کی) اپنی پاکدامنی کی حفاظت کر کے اور اپنے شوہر کی اطاعت کر کے۔ پھر جب تم میں کا ہر ایک اپنا اپنا ایک مقررہ اور واجبی حصہ رکھتا ہے، تو وہ دوسرے کے حصے کی آرزو نہ کرے۔۔ہاں۔۔اگر آرزو کرنا ہی ہے اور سوال پیش کرنا ہی ہے، تو اللہ تعالیٰ سے اپنے اعمال کا مقرر بدلہ کو (اور) وہی اللہ تعالیٰ سے اسکے عدل کی بنا پر سوال کرو، بلکہ (سوال کرو) اللہ سے (اللہ) تعالیٰ (سے اسکے) فضل و (کرم کو)۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ اس سے سوال کیا جائے اور افضل عبادت کشادگی کا انتظار کرنا ہے۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ (ہر موجود کا جاننے والا ہے) پس جو کچھ دے اور جسے دے وہی دینا چاہے اور اسکے سوا نہ چاہے۔۔الغرض۔۔جسکو اس نے تمہیں مفلس۔۔یا۔۔تونگر بنایا ہے وہ تمہاری دینی اور دنیوی مصلحتوں کو تم سے بہتر جانتا ہے۔۔چنانچہ۔۔اس نے وراثت کا ایک ضابطہ مقرر فرمایا اور متعین فرمادیا کہ کس کے ترکے سے کس کو کیا ملنا چاہیئے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ

اور سب کیلئے بنادیا ہم نے حق دار، جو ترکہ کریں ان کے ماں باپ اور قرابت مند۔ اور وہ جنہیں تمہارے حلفوں نے

اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝۳۳ ع۴

پابند کردیا، تو ان کو ان کا حصہ دو۔ بےشک اللہ ہر موجود کو سامنے رکھنے والا ہے●

(اور) اسی لئے ارشاد فرماتا ہے کہ (سب کیلئے بنادیا ہم نے حق دار جو ترکہ کریں) اور چھوڑیں (انکے ماں باپ اور قرابت مند۔ اور وہ جنہیں تمہارے حلفوں) قسمیہ پختہ معاہدوں (نے پابند

کردیا)۔تو اگر کسی شخص نے کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا اور انہوں نے عہد کیا کہ وہ اسکی دیت ادا کریگا اور اسکا وارث ہوگا، تو اسکی دیت ادا کرنا صحیح ہے اور اگر اسکا کوئی اور نسبی وارث نہ ہو، تو پھر وہ شخص اسکا وارث ہوگا۔۔الغرض۔۔یہ حکم اب بھی باقی ہے، البتہ عصبات اور ذوی الارحام اس شخص پر مقدم ہیں جس سے عہد کیا گیا، وہ نہ ہوں (تو) اسکو عہد کرنے والے کی وراثت ملے گی۔لہٰذا (ان) سب (کو انکا حصہ دو)۔۔ہاں۔۔اگر کسی سے تم نے وراثت کے علاوہ مدد کرنے اور خیر خواہی کا معاہدہ کیا ہے تو اس معاہدہ کو پورا کرو۔

کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں صرف ایک دوسرے کی مدد کرنے کا معاہدہ ہوتا تھا، اسکے سوا نہیں ہوتا تھا۔تو اسلام نے اسکو متغیر نہیں کیا بلکہ اور پختہ کردیا ہے۔۔المختصر۔۔غیر شرعی باتوں اور ایک دوسرے کو وارث بنانے پر حلف برداری ممنوع اور ناجائز ہے، لیکن آپس میں ایک دوسرے کا امور خیر میں تعاون کرنے کا معاہدہ اور اس کیلئے حلف برداری درست اور جائز ہے۔

یاد رکھو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ تمہارے عہدوں اور تمہاری باہمی قسموں۔۔الغرض۔۔(ہر موجود کو سامنے رکھنے) اور اسکا مشاہدہ فرمانے (والا ہے)۔کوئی موجود اس سے پوشیدہ نہیں۔

اس مقام پر ایمان والی عورتیں تمنا [illegible] پر جو فضیلت دی ہے، یہ بھی اسکے بدلہ [illegible] رب کریم نے اپنے فضل وکرم سے مردوں کو جن خصوصیات اور جن جن صلاحیتوں سے نوازا ہے وہ اسکی برتری کا سبب ہیں۔ نبوت، رسالت، حکومت، امامت، اذان، اقامت اور تکبیرات تشریق وغیرہ مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔۔المختصر۔۔اپنی انہی خصوصیات کی بناپر۔۔۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

مرد لوگ حکمران ہیں عورتوں پر، یوں کہ فضیلت دی اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر،

وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ

اور یوں کہ خرچ کیا مردوں نے اپنے مال کو، پس نیک بیبیاں فرمانبردار ہیں پیٹھ پیچھے، نگرانی رکھنے والے ہیں جسکو

بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ

حفاظت میں لے لیا اللہ نے۔ اور ایسی کہ تم کو خطرہ ہو جن کی نالائقی کا، تو انہیں سمجھاؤ بجھاؤ اور ان کو بستروں میں تنہا

الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۚ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ

چھوڑ دو، اور انھیں مارو، پھر اگر وہ فرماں بردار ہوگئیں تمہاری، تو نہ ڈھونڈو ان پر الزام رکھنے

سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿٣٤﴾

کی راہ۔ بے شک اللہ بڑا بلند ہے●

(مرد لوگ حکمران ہیں عورتوں پر) یعنی عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں، انکی ضروریات کو پوری کرنے والے ہیں، اور انکا خرچ برداشت کرنے والے ہیں۔ اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ انکی عصمت و پاکیزگی کے محافظ ہیں۔

اسی لئے بڑے سے بڑا بادشاہ، دنیاوی جاہ وجلال کا مالک، اور بے پناہ مادی قوت وتوانائی رکھنے والا بھی مجبور ہے کہ اپنی بیٹی کو دوسرے کے نکاح میں دے، خواہ وہ اسکے مقابلے میں کتنی ہی کم حیثیت کا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ اسکی بیٹی کی عصمت و پاکیزگی کی حفاظت اسکا شوہر ہی کرسکتا ہے، خواہ اسکے مقابل میں کتنے ہی کم درجے کا کیوں نہ ہو۔

۔۔الختصر۔۔ حقیقت (یوں) ہی ہے کیوں (کہ فضیلت دی اللہ) تعالیٰ (نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر)، یعنی مرد کو عورت پر (اور) ایسا (یوں) ہی اور اسی لئے ہے (کہ خرچ کیا مردوں نے اپنے مال کو) اپنی عورتوں پر اور انکے نان ونفقہ اور انکی مکمل کفالت ونگرانی کی پوری ذمہ داری اپنے سر لے لی۔ (پس) اب جو انکی (نیک بیبیاں) ہیں وہ انکی اطاعت شعار اور (فرمانبردار ہیں)۔ قائم [illegible] والی ہیں شوہروں کے حقوق پر اور (پیٹھ پیچھے) یعنی غائبانہ طور پر بھی (نگرانی رکھنے والی ہیں) [illegible] وعفت کی اور رعایت رکھنے والی ہیں شوہر کی امانت کی (جس) کی ان (کو) توفیق خیر عطا فرما کے اپنی (حفاظت میں لے لیا اللہ) تعالیٰ (نے)۔

(اور) اب رہ گئیں تمہاری (ایسی) بیبیاں (کہ تم کو خطرہ) اور اندیشہ (ہو جن) کے طرز عمل طور طریقہ۔۔ نیز۔۔ باغیانہ اطوار کو دیکھ کر ان (کی نالائقی) اور نافرمانی (کا) اور صرف نافرمانی کا [illegible] ہو، ابھی اسکا ظہور نہ ہوا ہو، (تو انہیں سمجھاؤ بجھاؤ) ایسے الفاظ سے جو انکے دلوں کو نرم کردیں۔۔ انہیں تعلیم کرو اور اس بات سے آگاہ کردو کہ شوہروں کے تم پر بڑے حقوق ہیں، شوہر کی نافرمانی اور [illegible] کے نتیجے میں دنیا وآخرت دونوں میں خسران ووبال [illegible] اور خدا کا عذاب مول لینا کوئی دانشمندی کی بات نہیں۔ اگر عورت شریف طینت ہے تو

اس کیلئے اتنا ہی کافی ہوگا، اس میں شوہر کو یہ تعلیم ہے کہ فوراً غصہ میں آ کر کوئی کاروائی نہ کرے۔

(اور) اگر اب بھی اصلاح نہ ہو، تو سزا کی دوسری منزل یہ ہے کہ (انکو بستروں میں تنہا چھوڑ دو) اور کچھ عرصے کیلئے ان سے بات چیت ترک کر دو اور انہیں خوابگاہوں میں تنہا رہنے دو۔ یعنی اس صورت میں بھی انکو گھر سے باہر نہ کر دو، بلکہ تم خود باہر ہو جاؤ اور انہیں گھر میں تنہا چھوڑ دو اور انکے ساتھ ایک اوڑھنے بچھونے میں نہ رہو۔ اور اگر کسی کے پاس بچھانے اور اوڑھنے کیلئے ایک کے سوا دوسرا انتظام نہ ہو، تو وہ اسی بستر میں اسکی طرف پیٹھ کر کے سوئے، اور اسطرح اس سے اپنی بے تعلقی کا مظاہرہ کرے۔ اس جدائی کا مظاہرہ اسوقت کیا جائے جبکہ نافرمانی کا صرف اندیشہ ہی نہ رہے، بلکہ اسکا ظہور ہو جائے۔

اب اگر یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو اور عورت اپنی سرکشی اور نافرمانی پر قائم رہے اور نافرمانی پر نافرمانی کرتی جائے، جیسا کہ بعض رذیل طبقوں میں دیکھا جاتا ہے، تو اب تیسرا علاج یہ ہے کہ ان پر تھوڑی سختی بڑھا دو (اور انہیں) تادیباً ہلکی مار (مارو)۔ ایسی مار جس سے نہ انکی جلد پر نشان ہو، نہ ان کی ہڈی ٹوٹے، اور نہ ہی انکا کوئی عضو بے کار ہو جائے۔ عورت کیسی ہی بے غیرت کیوں نہ ہو، معمولی مار سے راہِ راست پر آ جاتی ہے۔

یہ اسلام کا تدریجی تربیتی نظام ہے، اسکا مقصد بنیادی طور پر کسی کو اذیت پہنچانا نہیں ہے، بلکہ ایک سرکش کے اصلاح حال کیلئے اور اسکو ادب و تہذیب کے دائرے میں لانے کیلئے اپنی حاکمانہ اور مربیانہ ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔ اسی لئے تعلیم و تربیت کیلئے کسی دور میں بھی 'مارنے' کو برا نہیں سمجھا گیا۔ باپ کا بیٹوں کو مارنا اور اُستاد کا شاگردوں کو مارنا، ہمیشہ بہ نظر استحسان دیکھا گیا۔

آجکل جن جن ملکوں میں استاد کا شاگردوں کو مارنا۔۔یا۔۔باپ کا بیٹوں کو مارنا معیوب سمجھا جا رہا ہے اور مارنے سے انہیں قانوناً روک دیا گیا ہے، ان ملکوں کے ادب و تہذیب کا شیرازہ ہی بکھر گیا ہے، نہ شاگرد استاد کا پاس و لحاظ کر رہا ہے اور نہ ہی بیٹا باپ کا۔ ادب و تہذیب کے ایک موثر ذریعے پر غیر معقول پابندی لگا کر انسانیت ہی کا جنازہ نکال دینے کی راہ ہموار کر دی گئی ہے۔ ذرا بھی عقل ہو، تو یہ بات بآسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے جو طریقہ اپنایا جاتا ہے وہ بُرا نہیں ہوتا۔ اسکو برا سمجھنا فہم و دانش سے تہی دامن ہونے کی نشانی ہے۔

سزا کے طور پر مارنا ساری دنیا میں رائج ہے۔ اب اگر یہ اعلیٰ مقاصد کے حصول کی غرض

سے ظالمانہ روش سے ہٹ کر اعتدال کے دائرے میں رہ کر ہو تو کبھی بھی، کسی بھی دین و مذہب میں اسے معیوب نہیں سمجھا گیا۔۔ہاں۔۔یہ ضرور ہے کہ سزا جرم کے اعتبار سے متعین کی جائیگی۔۔لہٰذا۔۔ہاتھ کاٹ لینا، کوڑے لگانا، تلوار سے گردن اڑا دینا، سنگسار کر دینا، شہر بدر کر دینا اور ایک معینہ۔۔یا۔۔غیر معینہ مدت کیلئے قید کر دینا، وغیرہ وغیرہ ہر ہر مجرم کیلئے نہیں بلکہ مجرم کا جرم جتنا سنگین ہوگا، اسی کے مطابق اسکی سزا تجویز کی جائیگی۔ کسی مجرم کے جرم کی سنگینی کو سمجھ لینے کے بعد اس کیلئے کڑی سزا کو کوئی سمجھدار معیوب نہ سمجھے گا۔

۔۔الحتصر۔۔عورتوں کو بعض حالات میں تادیباً ہلکی ضرب لگانا، صرف انکے اصلاح حال کیلئے اور ایک پورے گھریلو نظام کو چین وسکون سے بدلنے کیلئے ہے، اسی لئے اسکو کسی نہج سے بھی برا نہیں کہا جاسکتا۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ مذکورہ بالا حالت میں بھی عورتوں کو ہلکی مار مارنے کی صرف 'رخصت' ہے اور مرد پر یہ 'واجب ولازم' نہیں کہ وہ ایسا ہی کرے۔ بلکہ بیوی کی اذیتوں کو برداشت کرنا اور ان پر صبر کرنا مارنے سے افضل ہے۔ الاّ یہ کہ کوئی ناقابل برداشت معاملہ ہو۔

(پھر اگر وہ فرمانبردار ہوگئیں تمہاری، تو نہ ڈھونڈو ان پر الزام رکھنے کی راہ)۔ خواہ مخواہ کیلئے انہیں زجر وتوبیخ اور سزا دینے کی کوئی صورت نہ تلاش کرو۔۔الغرض۔۔انکے پیچھے نہ لگ جاؤ اور انہیں ایسے سمجھو کہ گویا ان سے کوئی فعل سرزد نہیں ہوا۔ اسلئے کہ توبہ کر لینے کے بعد گویا گناہ ہوا ہی نہیں۔ جان لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (بڑا بلند ہے) یعنی جتنا تم ان عورتوں پر قدرت رکھتے ہو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان پر قدرت رکھتا ہے۔ تو ان پر ظلم ہونے سے راضی ہو اور مظلوم کو بے دست وپا چھوڑ دے اس سے وہ برتر وبالا ہے۔۔لہٰذا۔۔اللہ سے ڈرو اور جب وہ عورتیں اپنی غلطیوں سے باز آجائیں تو تم انہیں معاف [illegible] اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہو۔ لیکن جب تم گناہوں سے توبہ کرتے ہو، تو وہ تمہیں معاف فرما دیتا ہے۔ تمہیں بھی چاہئے کہ تم بھی اپنے نافرمان کو معاف کر دو، جبکہ وہ اپنی غلطی سے باز آجائے۔

بعض بد خصلت عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ وہ کسی تدبیر سے درست ہی نہیں ہوتیں اور اپنی سرکشی ونافرمانی میں حد سے تجاوز کر جاتی ہیں، تو اب شریک زندگی کے نبھاؤ کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ اس روز روز کی چیخ وپکار کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گھر گھر رسوائی ہوتی ہے اور مرد وعورت دونوں کیلئے یہ دنیا جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔ تو جہاں میاں بیوی میں

ناموافقت اور ایسی کشمکش پیدا ہو جائے جسے وہ باہم نہ سلجھا سکیں، تو اے زوجین کے دلیو! اور خاندان کے بااثر ورسوخ اور باوقار لوگو! تم اپنے دامن سمیٹ کر الگ تھلگ نہ ہو جاؤ، جیسے کہ انکا تم سے کوئی تعلق ہی نہیں، بلکہ اس خانگی نزاع کو تم اپنا ہی معاملہ سمجھو اور اپنی سی کوشش میں کوئی کمی نہ کرو۔۔۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا

اور اگر تمہیں اندیشہ ہوا میاں بیوی کے جھگڑے کا، تو بھیجو ایک پنچ مرد والوں سے اور ایک پنچ

مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ

عورت والوں سے۔ اگر یہ دونوں ارادہ کرلیں صلح کرانے کا، تو اللہ توفیق دے گا انکے درمیان۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے●

(اور اگر تمہیں اندیشہ ہوا) حالات کا جائزہ لینے کے بعد (میاں بیوی کے جھگڑے کا) آپس میں نہ حل ہو سکنے کا (تو بھیجو ایک پنچ مرد والوں سے اور ایک پنچ عورت والوں سے) جو حالات کا تحقیقی جائزہ لیں اور معلوم کریں کہ زیادتی کس کی طرف سے ہو رہی ہے۔ مرد کی طرف سے جو حکم ہو، وہ مرد کے دل کے حالات معلوم کرے کہ آخر اسے عورت سے رغبت ہے یا نفرت؟ ایسے ہی عورت کا حکم عورت کے دل کے راز کو سمجھنے کی کوشش کرے کہ آخر اُسے شوہر کی صحبت منظور ہے یا وہ اس سے مفارقت چاہتی ہے۔

دونوں کے دلی حالات معلوم کرنے کے بعد اور یہ جان لینے کے بعد کہ دونوں کے اختلاف کی نوعیت کیا ہے، ان صلح کرنے والوں کو صلح کا طریقۂ کار متعین کرنے میں آسانی ہوگی، اور پھر جب سب کچھ سمجھ بوجھ لینے کے بعد (اگر یہ دونوں ارادہ کرلیں صلح کرانے کا، تو اللہ) تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے (توفیق دیگا انکے درمیان) یعنی میاں بیوی کے درمیان نباہ کی صورت نکال دیگا۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ میاں بیوی کی مصلحتوں اور انکے درمیان فیصلہ کرنے والوں کے ارادوں کو (جاننے والا) ہے۔۔نیز۔۔ اُسے معلوم ہے کہ انکا اختلاف کس طرح دور ہوگا اور ان میں موافقت کس طرح پیدا ہوگی۔۔نیز۔۔صلح کے طریقوں کو، فیصلہ کرنے والے ذمہ داروں کو (بتانے والا ہے)۔ یعنی فیصلہ کنندگان کے دلوں میں القاء فرمانے والا ہے، جنکے حسن تدبیر سے زوجین کے درمیان موافقت والفت پیدا کر دیگا اور انکے دلوں میں محبت ومودت ڈال دیگا۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ

اور پوجو اللہ کو، اور نہ شریک بناؤ اس کا کسی کو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی اور

بِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ

قرابت واروں اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار پڑوسی اور اجنبی پڑوسی

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ

اور پہلونشین اور مسافر، اور جن پر مالکانہ دسترس ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۟ۙ

بے شک اللہ نہیں پسند فرماتا جو ڈینگ ہانکنے والا، شیخی بگھارنے والا ہو●

۔۔الغرض۔۔تمہاری صلاح (اور) فلاح اسی میں ہے کہ (پوجو اللہ) تعالیٰ علیم وخبیر اور علی وکبیر (کو) اور اسکے احکام کی تعمیل کرتے رہو۔۔نیز۔۔اسکے حقوق کا پاس ولحاظ کرتے رہو (اور نہ شریک بناؤ اسکا کسی کو)، خواہ وہ اصنام ہوں یا انکے سوا کوئی۔ساتھ ہی ساتھ بندوں کے حقوق کا بھی لحاظ کرتے رہو۔ ان میں سب سے زیادہ مقدم ماں باپ ہیں جو اپنے بچوں پر شفقت خداوندی اور رحمت الٰہی کا مظہر ہیں۔

غور کرو کہ انسان کے حق میں سب سے بڑی نعمت اسکا وجود اور اسکی تربیت اور پرورش ہے تو اگر اسکے وجود کا سبب حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، تو ظاہری سبب اسکے والدین ہیں۔یہی حال تربیت وپرورش کا ہے کہ انکا بھی اگرچہ حقیقی سبب اللہ تعالیٰ ہی ہے، لیکن ظاہری سبب والدین ہیں۔سوچو کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو نعمتیں دیکر ان سے کوئی عوض نہیں چاہتا، اسی طرح والدین بھی اولاد کو بلاعوض نعمتیں دیتے ہیں۔

جس طرح اللہ تعالیٰ بندوں کو نعمتیں دینے سے تھکتا اور اکتاتا نہیں، والدین بھی اولاد کو نعمتیں دینے سے تھکتے اور اکتاتے نہیں۔اور جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے گنہگار بندوں پر بھی اپنی رحمت کا دروازہ بند نہیں کرتا، اسی طرح اگر اولاد نالائق ہو، پھر بھی ماں باپ اسکو اپنی شفقت سے محروم نہیں کرتے۔اور جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دائمی عذاب اور دائمی ضرر سے بچانے کیلئے ہدایت فراہم کرتا ہے۔۔یونہی۔۔ماں باپ بھی اپنی اولاد کو ضرر سے بچانے کیلئے نصیحت کرتے رہتے ہیں۔

ماں باپ کے ساتھ اہم نیکیاں یہ ہیں کہ انسان انکی خدمت کیلئے کربستہ رہے، انکی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرے، انکے ساتھ سختی سے بات نہ کرے، انکے مطالبات پورے کرنے کی کوشش کرے۔ اپنی حیثیت اور وسعت کے مطابق ان پر اپنا مال خرچ کرے۔ انکے ساتھ عاجزی اور تواضع کے ساتھ رہے۔ انکی اطاعت کرے اور انکو راضی رکھنے کی کوشش کرے، خواہ اسکے خیال میں وہ اسپر ظلم کر رہے ہوں۔ انکی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دے۔ ماں کے بلانے پر نفل نماز توڑ دے۔ البتہ فرض نماز کسی کے بلانے پر نہ توڑے۔

(اور) ہمیشہ (ماں باپ کے ساتھ نیکی) اور حسن سلوک کرتا رہے (اور قرابت داروں) یعنی رشتہ داروں جو کہ قرابت کے لحاظ سے قریب ہوں، جیسے بھائی چچا اور ماموں وغیرہ، انکے ساتھ بھی حسن سلوک کرتا رہے۔ اور صلہ رحمی کی بنا پر اور ان پر رحم کرتے ہوئے اگر انہیں ضرورت ہو تو انکے لئے وصیت کی جائے اور ان کا خرچ دیا جائے (اور یتیموں) سے بھی اچھا برتاؤ کرے۔ انکو ضرورت ہو، تو ان پر خرچ کرے اور اگر انکے یہاں مال ہے اور اُسے انکے مال کا وصی مقرر کیا گیا ہے، تو اسکی حفاظت کا حق ادا کرے۔

(اور مسکینوں) کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرے۔ بوقت ضرورت انکو صدقہ دے، کھانا کھلائے اور انکے سوالات کے جوابات نرمی سے دے (اور رشتہ دار پڑوسی) یعنی وہ ہمسایہ جو سکونت کے لحاظ سے قرب رکھتا ہے۔۔یا۔۔ ہمسائیگی کے علاوہ وہ اسے نسب اور دین کے لحاظ سے بھی تمہارے ساتھ قرابت ہے، انکے ساتھ بھی حسن سلوک کرتا رہے (اور اجنبی پڑوسی) یعنی وہ ہمسایہ جو بعید ہے۔۔یا۔۔ وہ ہمسایہ جس سے قرابتی تعلق نہیں، ان سے بھی اچھا برتاؤ کرے۔

(اور پہلو نشین) یعنی وہ دوست جو کسی اچھے معاملہ کی وجہ سے تعلق رکھتا ہے۔۔ مثلاً: پڑھنے میں ساتھی ہے یا کسی کام کو انجام دینے کیلئے ایک ساتھ ہو گئے ہوں۔۔یا۔۔ کاروبار کے شریک ہوں۔۔یا۔۔ ایک ساتھ سفر کر رہے ہوں۔۔یا۔۔ مسجد میں نماز کیلئے قریب ہو گئے ہوں۔۔یا۔۔ کسی مجلس میں ساتھ بیٹھ گئے ہوں، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کو حق ہمسائیگی حاصل ہوتا ہے۔۔ الغرض۔۔ معمولی سی مناسبت سے بھی حق ہمسائیگی بن جاتا ہے، اسی حق کی بنا پر اسکے حقوق کا خیال رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس مناسبت سے اسکے ساتھ لطف و کرم اور احسان ضروری ہے۔

ہمسایہ کے ساتھ حق ہمسائیگی کے سوا مندرجہ ذیل صورتوں میں دوسرے حقوق بھی وابستہ ہوجاتے ہیں انکا بھی پاس ولحاظ ضروری ہے:

﴿۱﴾۔۔ہمسایہ عزیز بھی ہو، ہم مذہب بھی۔ ﴿۲﴾۔۔صرف عزیز ہو، ہم مذہب نہ ہو۔

﴿۳﴾۔۔صرف ہم مذہب ہو، عزیز نہ ہو۔ ﴿۴﴾۔۔صرف ہمسایہ ہو، نہ عزیز ہو اور نہ ہم مذہب۔

پہلے کو حق ہمسائیگی، حق قرابت اور حق اسلامی سب حاصل ہیں۔دوسرے کو حق ہمسائیگی کے علاوہ صرف حق قرابت حاصل ہے۔تیسرے کو حق ہمسائیگی کے علاوہ صرف حق اسلامی حاصل ہے اور چوتھے کو صرف حق ہمسائیگی ہی حاصل ہے۔

۔۔المختصر۔۔ان تمام حقوق والوں کے ساتھ انکے حقوق کی مناسبت سے نیکی اور حسن سلوک کرتے رہو۔(اور) انکے علاوہ (مسافر) جو اپنے شہر اور ملک ومال سے دور ہو، اسکے ساتھ بھی اچھا سلوک کرو۔اسکے ساتھ احسان یہ ہے کہ اسے ہر طرح سے ممکنہ آسودگی پہنچاؤ اور حتی الامکان اسکی ضروریات پوری کرو، اب اگر وہ مسافر تمہارے ہاں مہمان ہونے کی حیثیت سے ٹھہرے، تو اسکے حقوق میں سے یہ ہے کہ اسے تین دن مہمانی دی جائے۔اسکے بعد اسکے ساتھ جو کچھ احسان اور مروت کی جائیگی وہ صدقہ میں شمار ہوگا۔مہمان کو بھی چاہئے کہ وہ میزبان کے یہاں زیادہ سے زیادہ تین دن ٹھہرے، ایسا نہ ہو کہ اُسے کہنا پڑے کہ اب معاف کرو۔

(اور) یونہی (جن پر) تمہیں (مالکانہ دسترس) حاصل (ہے)، اپنے ان غلاموں اور باندیوں پر بھی احسان کرو۔انہیں آداب سکھاؤ، انکی طاقت سے زیادہ ان سے کوئی کام نہ لو، اور نہ ہی سارے دن [illegible] سے پیش آؤ اور انکو انکی ضرورت کا طعام اور [illegible] بلکہ اپنے مملوکہ جانوروں کے ساتھ بھی رعایت کرو اور اُن سے وہی کام لو جو انکے لائق ہوں۔انکے کھانے پینے کا خیال رکھو اور انہیں خواہ مخواہ کیلئے اذیت وتکلیف نہ پہنچاؤ اور جان لو کہ۔۔۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا) اسکو (جو ڈینگ ہانکنے والا، شیخی بگھارنے والا ہو)، اور متکبر ہو۔اپنے رشتہ داروں، ہمسایوں اور دوستوں سے نفرت کرتا ہو، انکی طرف توجہ نہ کرتا ہو، اور اہل حقوق کے حقوق نہ ادا کرتا ہو، اور ایسا فخر کرنے والا ہو جو اسکی شان کے لائق نہیں۔ یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔۔الغرض۔۔نہ تو وہ حقوق اللہ ادا کرتا ہے اور نہ ہی حقوق العباد، صرف اپنے منہ سے بڑی بڑی باتیں کرکے دوسروں پر رعب جمانا چاہتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ

جو کنجوسی کریں اور لوگوں کو کنجوسی کا حکم دیں، اور چھپائیں جو دے رکھا ہے

مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝

انھیں اللہ نے اپنے فضل سے۔ اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کیلئے عذاب رسوا کرنے والا●

یہ وہی یہودی لوگ ہیں (جو) خود بھی (کنجوسی کریں اور) دوسرے (لوگوں کو) بھی (کنجوسی کا حکم دیں)۔

--چنانچہ--اہل اسلام کو خرچ کرنے سے روکتے اور کہتے کہ تمہارے اس خرچ کرنے سے ہمیں تمہارے فقیر اور محتاج ہو جانے کا خطرہ ہے۔

(اور) خود ان بخیلوں کا حال یہ ہے کہ (چھپائیں جو) مال و دولت (دے رکھا ہے انہیں اللہ تعالیٰ (نے اپنے فضل سے) تاکہ ضرورتمند لوگ انکو محتاج و فقیر سمجھیں اور ان سے کوئی مطالبہ نہ کریں۔ --یونہی--چھپائیں ان اوصاف محمدیہ کو جو توریت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان تک پہنچادیے ہے اور انکو باخبر کردیا ہے، تاکہ انکی عوام راہ حق پر آنہ سکے اور گمراہی میں بھٹکتی رہے۔ تو سن لو (اور) یاد رکھو! (تیار کر رکھا ہے ہم نے) ان یہودی (کافروں کیلئے) جنہوں نے ایک طرف عطائے الٰہی میں بخل اختیار کیا اور دوسری طرف خاتم الانبیاء ﷺ کے اوصاف چھپائے، (عذاب، رسوا) اور ذلیل (کرنے والا)۔

عطائے خداوندی میں بخل اختیار کرنا اور اسکو حق سمجھنا اور روا شمار کرنا اور نبی کریم کے اوصاف کو چھپانا اور اپنے اس طرز عمل کو درست گمان کرنا، انکو اہانت کا مستحق بنادیتا ہے کہ انکو اہانت آمیز سزا کیلئے جہنم رسید کردیا جائیگا

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

اور جو خرچ کریں اپنے مال کو، لوگوں کو دکھانے کو اور نہ مانیں اللہ کو،

وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝

اور نہ پچھلے دن کو، اور وہ کہ شیطان جس کا یار ہوا تو برا یار ہوا●

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان مشرکین مکہ، منافقین (اور) خود غرض، مطلب پرست یہودیوں کو پسند نہیں فرماتا (جو خرچ کریں اپنے مال کو لوگوں کو دکھانے کو)۔

ان میں سے۔۔اول الذکر۔۔حضور اکرم ﷺ کی دشمنی پر بہت لشکر جمع کرتے تھے اور اپنا مال ان پر خرچ کرتے تھے۔۔ثانی الذکر۔۔یعنی منافقین صرف دوسروں کو دکھانے کیلئے خرچ کر دیا کرتے تھے اور۔۔آخر الذکر۔۔یعنی یہودی اپنی قوم سے اپنی کسی غرض کی وجہ اور ان سے بدلے کے طور پر کچھ حاصل کر لینے کی طمع میں ان پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔

ان سب کی صرف لوگوں کو دکھانے (اور) سنانے کی روش کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ان لوگوں میں سے ہیں جو (نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو، اور نہ) ہی حساب کتاب کیلئے قائم کئے جانے والے (پچھلے دن کو) اپنے نبی برحق اور پھر نبی آخر الزماں ﷺ کی ہدایت وارشادات کے مطابق، تو بھلا ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسکی خوشنودی۔۔نیز۔۔آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی غرض سے کوئی نیک کام کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ لوگ تو جو بھی کریں گے وہ دکھاوے ہی کیلئے کرینگے اور اسکا بدلہ دنیا ہی میں لے لینا چاہیں گے۔اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اسلئے کہ ان سے شیطان نے دوستی کر رکھی ہے (اور) ظاہر ہے کہ وہ کہ شیطان جسکا یار ہوا، تو) اچھا یار نہیں ہوا، بلکہ (برا یار ہوا) جسکی دوستی نجات دینے والی نہیں ہوتی بلکہ ہلاک کر دینے والی ہوتی ہے اور جب انکا دوست شیطان ہے اور یہ شیطان کی اطاعت کرنے والے ہیں، پھر انہیں شیطان اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے قریب کیسے جانے دیگا؟ ان بدبختوں کو یہ سوچنا چاہئے تھا کہ۔۔۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ

اور کیا ہو جاتا ان پر اگر مان جاتے اللہ کو اور پچھلے دن کو اور خرچ کرتے جو روزی دی تھی اللہ نے انہیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۝۳۹

اور اللہ ان کو جاننے والا ہے●

انکا کیا نقصان ہو جاتا (اور کیا ہو جاتا ان پر)، کون سی مصیبت آجاتی (اگر) نبی برحق کی ہدایت کے مطابق (مان جاتے اللہ) تعالیٰ (کو اور پچھلے دن) روز قیامت (کو)، اور تصدیق کرتے کہ اس دن جزائے اعمال پائینگے (اور) بے غرض اور بے ریا (خرچ کرتے) اس میں سے (جو روزی دی تھی اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے فضل وکرم سے (انہیں)۔انکو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے (اور) یاد رکھنا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ (انکو) اور انکے اقوال وافعال واحوال کو اچھی طرح (جاننے والا ہے)۔۔چنانچہ۔۔ انکے موافق جزا دیگا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَ اِنۡ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفۡهَا

بے شک اللہ نہیں ظلم فرماتا ذرہ بھر، اور اگر تم سے ایک نیکی ہو تو اس کو دوگنا کر دیتا ہے

وَ یُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾

اور دیتا ہے اپنی طرف سے بڑا اجر●

(بیشک اللہ) تعالیٰ عدل فرمانے والا ہے، تو وہ ہرگز (نہیں ظلم فرماتا) کسی پر (ذرہ بھر) یعنی اس لال چیونٹی کی مقدار میں جو بہت غور کرنے کے بعد ہی نظر آتی ہے ۔۔یا۔۔ مٹی کے اس جزء کی مقدار میں جو آفتاب کی شعاعوں کے ساتھ کھڑکیوں سے گرتا ہے اور ہوا میں ظاہر ہو جاتا ہے، اسکا کوئی وزن نہیں ہوتا جسے تولا جاسکے۔

اس کلام کا حاصل درحقیقت ظلم نہ کرنے میں مبالغہ ہے، یعنی نہ تو 'ثواب معین' ذرہ برابر کم ہو جائیگا اور نہ ہی 'عذاب مقررہ' میں ذرہ برابر زیادتی ہوگی۔ اور بہت صحیح بات یہ ہے کہ منافق اور کافر کے عمل میں ذرہ برابر ظلم واقع نہ ہوگا۔ رہ گیا بندۂ مومن کا معاملہ تو اے ایمان والو! سنو۔۔۔

(اور) شکر کرو کہ تم پر خدا کا فضل ایسا ہے کہ (اگر تم سے ایک نیکی ہو) جاتی ہے (تو) اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے (اس) کے ثواب (کو دوگنا کر دیتا ہے)۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ثواب میں اپنی مشیت کے مطابق اضافے پر اضافہ فرماتا رہتا ہے (اور دیتا ہے) صرف اپنے فضل سے اس بندۂ مومن کے استحقاق کے بغیر (اپنی طرف سے بڑا اجر)، بڑی عطا جسکی بڑائی اور عظمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔

یہاں عطاء کو اجر فرمایا گیا۔ حالانکہ۔ عطاء کو اجر سے کوئی مناسبت نہیں۔۔ چونکہ۔۔
عطاء بالتبع اجر پر زائد عنایت ہوتی ہے، اسی لئے اُسے اجر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَكَیۡفَ اِذَا جِئۡنَا مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِیۡدٍ وَّ جِئۡنَا بِكَ عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ شَهِیۡدًا ﴿۴۱﴾

تو کیسا حال ہوگا جب کہ ہم لے آئے ہر امت سے گواہ، اور بنا دیا تم کو ان سب پر گواہ●

یہ یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار اس گمان میں نہ رہیں، کہ وہ بارگاہ عدالت خداوندی میں حاضر ہونے سے بچ جائینگے۔ اس بارگاہ میں انہیں حاضر ہونا ہی پڑیگا (تو) بروز قیامت (کیسا حال ہوگا) ان کافروں اور ظالموں کا (جبکہ ہم لے آئے ہر امت سے) انکے نبی کو ان پر (گواہ) بنا کر، تا کہ

نکے برے عقائد اور انکے برے اعمال پر گواہی دیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ ہر ہر نبی اپنی اپنی امتوں کے اقوال اور افعال پر گواہی دیگا۔ یہ سب کچھ رب علیم وخبیر کچھ اپنی معلومات کیلئے نہیں کریگا، بلکہ سارے اہل محشر پر اس حقیقت کو واضح فرمانے کیلئے کریگا، کہ جسکے تعلق سے جو خداوندی فیصلہ ہوگا، وہی عدل وانصاف کا تقاضہ ہے جس میں کسی پر ظلم کا شائبہ بھی نہیں۔

تو اس موقع پر اے محبوب! ہم نے آپکی عظمت شان اور محبوبیت کبریٰ کو بھی ظاہر کردیا (اور بنادیا تم کو ان سب) نبیوں (پر گواہ) کہ یہ سارے انبیاء نے اپنی اپنی امتوں کے تعلق سے جو گواہی دی ہے اس میں یہ سچے ہیں۔

گواہ جسکے حق میں گواہی دیتا ہے اسکا محبوب ہوتا ہے، تو اسطرح رسول کریم کا محبوب الانبیاء ہونا ظاہر ہوگیا۔۔یا یہ کہ۔۔

'بنادیا تم کو ان سب کافروں پر گواہ'

۔۔۔جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی آپ انکے کفر اور غلط کاریوں کی گواہی دینگے، جیسے کہ خود انکے انبیاء نے انکے کفر اور غلط کاریوں کی گواہی دی۔ اس مقام پر یہ خیال رہے کہ انبیاء کرام کی صداقت اور کافروں کی سرکشی کی گواہی پہلے رسول کریم ﷺ کی امت پیش کریگی، جس پر کفار اعتراض کرینگے۔ پھر اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کی صداقت اور انکے لائق شہادت ہونے کی گواہی پیش فرمائینگے۔ چونکہ امت کی گواہی کی بنیاد وہ معلومات اور ارشادات ہیں، جو اپنے رسول کریم سے انہیں حاصل ہوئے، اسلئے انکی گواہی دراصل بالواسطہ رسول کریم ہی کی گواہی ہوئی، اسلئے یہاں صرف رسول کریم کو گواہ بنانے کا ذکر ہے۔

۔۔قیامت کا دن کفار کیلئے ہی خاص طور پر قیامت کا دن ہوگا۔۔۔

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ

اس دن پسند کریں گے جنھوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، کاش برابر کردی جائے ان پر زمین۔

وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے ایک بات●

(اس دن پسند کرینگے) اور آرزومند ہونگے (جنہوں نے کفر کیا اور) باوجود سمجھانے بجھانے

کے (رسول) کریم ﷺ (کی نافرمانی کی) اور دوسرے معاصی کا ارتکاب کرتے رہے یہاں تک
اپنے کفر پر ڈٹے رہے، کہ (کاش برابر کردی جائے ان پر زمین)، یعنی انہیں مُردوں کی طرح دفن کر
جائے اور پھر اٹھایا نہ جائے۔۔یا۔۔انکو خاک کرکے مٹی میں ملا دیا جائے۔ اسوقت انکا حال یہ ہوگا (اور
یہ کیفیت ہوگی کہ (نہ چھپا سکیں گے اللہ) تعالیٰ (سے) اپنی (ایک) بھی (بات) اسلئے کہ اُن پر خود ا
اعضائے بدن گواہی دینگے۔ تو اگر وہ سوچتے ہیں کہ زمین میں دفن ہوجانے سے۔۔یا۔۔مٹی میں مل
مٹی ہوجانے سے، انکے کفر وشرک اور معصیت ونافرمانی پر پردہ پڑ جائیگا، تو یہ انکی خام خیالی ہے۔۔تو۔۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا

اے وہ جو ایمان لاچکے! پاس نہ پھٹکو نماز کے جب تم نشہ میں مست ہو، یہاں تک کہ جان سکو

مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ

جو منہ سے کہو، اور نہ غسل واجب ہونے کی حالت میں، مگر مسافری کرتے ہوئے، یہاں تک کہ نہالو۔ اور اگر تم ہوگئے

مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآ

بیمار، یا بر سر سفر، یا تم میں سے کوئی آیا استنجے سے، یا عورتوں کا لمس کیا،

فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ

پھر نہ پایا پانی کو، تو تیمم کرلو پاک مٹی سے، تو مسح کرلو اپنے چہروں کا

وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳

اور اپنے ہاتھوں کا۔ بے شک اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے!) تم پر بھی لازم ہے کہ بارگاہِ علیم وخبیر میں مکمل ہوش وحواس کی سلا
کے ساتھ حاضری دو اور ایسے وقت میں (پاس نہ پھٹکو نماز کے)، یعنی نماز کے ارادے سے جا
تک بھی نہ جاؤ، (جب تم) شراب کے (نشے میں مست) اور گم کردہ ہوش (ہو)۔۔الغرض۔۔نماز پڑ
کیلئے ہوش وحواس ضروری ہے اور وہ بھی اس قدر اور (یہاں تک کہ) تم (جان سکو جو) اپنے (منہ
کہو)۔ ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ اپنے کو جہاں تک ہوسکے شراب نوشی سے بچاتے رہ
اگر۔۔بالفرض۔۔اُسے استعمال بھی کرو تو پنج وقتہ نماز کے اوقات کا خیال پیش نظر رہے۔ ایسا نہ ہو
کے غلبہ کی وجہ سے حالت نماز میں تمہاری زبان اور تمہارا دماغ تمہارے قابو سے باہر ہوجائے ا

مثلاً سورۃ کافرون کی تلاوت کے وقت اسمیں جو چار مقامات پر 'لا' کا لفظ ہے اسکو پڑھنا ہی بھول جاؤ،
جس سے آیات کریمہ کا مفہوم ہی کچھ کا کچھ ہو جائے۔

(اور) یونہی (نہ) قریب جاؤ نماز کے (غسل واجب ہونے کی حالت میں) یعنی جب تم
ناپاک ہو اور غسل کی حاجت رکھتے ہو (مگر مسافری کرتے ہوئے)، جبکہ تم حالت سفر میں ہو اور
تمہارے پاس پانی نہ ہو، اُس محل پر تیمم سے نماز پڑھ سکتے ہو۔ سوا اسکے جنابت کی حالت میں اور کسی
طرح پر نماز پڑھنا روا نہیں (یہاں تک کہ نہالو)۔ حالت جنابت میں تو مسجد ہی میں جانا ممنوع ہے
بشرطیکہ اسمیں کوئی گزرگاہ نہ ہو۔

(اور اگر تم) ناپاکی کی حالت میں (ہو گئے بیمار، یا برسر سفر، یا تم میں سے کوئی آیا) چھوٹے یا
بڑے (استنجے سے، یا عورتوں کا لمس کیا)۔

ایسا کہ بقول امام اعظم مرد و عورت کے عضو مخصوص بے حائل کے اِستادگی کے ساتھ مل
گئے۔۔یا۔۔ بقول امام شافعی مرد کے بدن کا کوئی بھی حصہ نامحرم، اجنبی عورت کے بدن سے
مل جائے، خواہ شہوت کے ساتھ ملا ہو یا بے شہوت۔۔یا۔۔ بقول امال مالک اور امام احمد اگر
شہوت کے ساتھ ملا ہو، ان تمام صورتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

بہر تقدیر جب تم مذکورہ بالا صورتوں میں کسی صورت کی وجہ سے ناپاک اور بے وضو ہو گئے
(پھر نہ پایا پانی کو) کہ وضو کرسکیں۔ اب خواہ اسکی صورت یہ ہو کہ وہاں پانی ہی موجود نہ ہو۔۔یا۔۔ ہو مگر
اسکے استعمال کی قدرت نہ ہو۔۔ مثلاً: پانی کنویں میں ہے مگر نکالنے کا سامان نہیں۔۔یا۔۔ کنویں کے پاس
کوئی اژدھا بیٹھا ہے اسلئے وہاں جانا خطرے سے خالی نہیں۔۔یا۔۔ پانی تو قریب ہے اور استعمال کی
قدرت بھی ہے، مگر مریض کو پانی استعمال کرنے سے موت کا خطرہ ہو۔۔یا۔۔ کم از کم مرض کے بڑھ
جانے کا گمان غالب ہو، وغیرہ وغیرہ، (تو) ان تمام صورتوں میں (تیمم کرلو پاک مٹی) کی جنس (سے)
قصد کرو زمین کے اجزاء میں سے کسی پاک جزء کا۔

۔۔چنانچہ۔۔ اگر کوئی اس پتھر پر تیمم کرے جس پر مٹی وغیرہ ہی نہ ہو، تو ایسے پتھر سے تیمم جائز ہے۔
۔۔الحقصر۔۔ جب بوقت ضرورت تیمم کرنا چاہو، (تو) پھر اس مٹی یا زمین کی جنس پر دونوں ہاتھ مار کر
(مسح کرلو اپنے چہروں کا)، یعنی پورے چہرے پر ہاتھ پھیرلو (اور) پھر دوبارہ اسی پتھر وغیرہ پر ہاتھ مار کر
(مسح کرلو (اپنے) دونوں (ہاتھوں کا) یعنی کہنیوں سمیت دونوں ہاتھوں تک، اپنے ہاتھوں کو پھیرلو۔ اے

ایمان والو! وضو نہ کر سکنے کی صورت میں تم کو جو تیمّم کی رخصت دی جارہی ہے اور تمہارے لئے آسانی کی صورت نکالی جارہی ہے، تو وہ اسلئے ہے کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (معاف فرمانے والا) اور تخفیف کرنے والا ہے اور (بخشنے والا ہے) ان لوگوں کو جو تیمّم کریں۔

اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کی ہمیشہ سے یہی عادت کریمہ ہے کہ وہ خطا کاروں کی خطاء معاف کرتا ہے اور گنہگاروں کو بخش دیتا ہے۔۔الغرض۔۔وہ اپنی مخلوق کو آسانی بخشتا ہے، دکھ اور درد میں مبتلا نہیں کرتا۔ تو اے ایمان والو! اپنے مہربان بخشنے والے اور دکھ درد کو دور فرمانے والے رب کریم کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگے رہو اور اسکی نافرمانی سے اپنے کو بچاتے رہو اور ان سے دور رہو جو تم کو راہ مستقیم سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ یہ گمراہ کرنے والے خود تو گمراہ ہوتے ہی ہیں، دوسرں کو بھی گمراہ کر دینا چاہتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔اے محبوب!۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ

کیا تم نے ان کی طرف نظر نہ کی جن کو ایک حصہ کتاب کا دیا گیا، خریدیں گمراہی کو

وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾

اور چاہیں کہ تم بھی گم کر دو راہ کو●

(کیا تم نے) اور تم پر ایمان لانے والوں نے (ان) یہودی عالموں میں ریشہ دوانیوں نیز۔۔خود گمراہ رہنے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوششوں (کی طرف نظر نہ کی)، جو اسقدر مشہور و معروف تھیں کہ گویا وہ دیکھنے والوں کے سامنے ہیں (جن کو ایک حصہ کتاب) توریت (کا دیا گیا) اور انہیں علم کتاب عطا فرمایا گیا جس سے وہ بخوبی عظمت مصطفیٰ، صفات محمدیہ اور صداقت نبوت خاتم الانبیاء سے واقف ہو چکے، مگر اسکے باوجود انکی روش یہ ہے کہ (خریدیں گمراہی کو) ہدایت کے بدلے۔

انکی ہدایت یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ کی نعت اور صفت اچھی طرح جانتے تھے اور ضلالت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد انکار کر گئے۔۔الغرض۔۔جس ہدایت کا انہیں کتاب توریت میں حکم دیا گیا تھا اسکو پس پشت ڈالدیا اور توریت میں مذکور نبی کریم کے اوصاف حمیدہ پر پردہ ڈالنے لگے۔

۔۔الغرض۔۔وہ خود تو گمراہ تھے ہی (اور) اب اس پر طرہ یہ ہے کہ (چاہیں) اور خواہش کریں (کہ تم بھی گم کر دو) خدا تک جانے والی سیدھی (راہ کو)۔ انکے حسد اور عداوت کا یہ عالم ہے کہ وہ تم کو بھی ہدایت یافتہ دیکھنا نہیں چاہتے، مگر اے ایمان والو! تم فکر مت کرو۔۔۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو۔ اور کافی ہے اللہ یاور، اور کافی ہے اللہ مددگار●

(اور) مطمئن رہو اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے تمہارے) سارے (دشمنوں کو) [...]ں میں یہ یہودی بھی ہیں جن کی نصرت کی تم توقع رکھتے ہو۔ بھلا یہ یہودی تمہاری مدد کیا کرینگے۔ [...]لک اللہ تعالیٰ کی حمایت اور اسکی نصرت تم کو دوسروں سے مستغنی کر دیگی۔۔ الغرض۔۔ یہود اور دوسرے [...]فروں کی دشمنی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی جبکہ اللہ تعالیٰ کی حمایت اور نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ [...]ور کافی ہے اللہ) تعالیٰ تمہارا (یاور) دوست اور تمہارے امور کا متولی، (اور کافی ہے اللہ) تعالیٰ [...]ہارا (مددگار) اور تم کو تمہارے دشمنوں کے شر سے بچانے والا۔ دشمنوں کی دشمنی اور اپنی قلبی عداوت [...]ے اظہار کے بھی عجیب عجیب رنگ ہیں۔۔ چنانچہ۔۔

[...]مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

بعض یہودی الٹتے پلٹتے ہیں کلام کو اس کے مقام سے، اور کہتے ہیں

[...]سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا

کہ سنا اور مانا نہیں، اور تم سنو تمہاری نہ سنی جائے، اور راعنا اپنی زبانوں کو اینٹھ کر، اور

[...] الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ

دین میں چوٹ کرنے کیلئے۔ اور اگر انھوں نے کہا ہوتا کہ ہم نے سنا اور مانا، اور ہماری سنیے اور ہم پر نظر کرم کیجیے،

[...]رًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

[...]تو بہتر ہوتا انکے لئے اور بہت ٹھیک۔ لیکن ملعون کر دیا انکو اللہ نے انکے کفر کی وجہ سے، تو مانتے ہی نہیں مگر کچھ کچھ●

(بعض) دین یہود پر متدین ہو جانے والے اور اس پر راسخ ہو جانے والے (یہودی الٹتے [...]ہیں کلام کو اسکے مقام سے)، کبھی اوصاف محمدیہ میں من مانی تبدیلی لاکر، کبھی توریت کے الفاظ میں [...]یعت کے موافق تاویل وتحریف کر کے، کبھی آیت رجم وغیرہا بعض احکام پر پردہ ڈال کر، اور کبھی [...]ول مقبول کے کلام کی غلط ترجمانی کر کے، یعنی آپکا ارشاد کچھ ہوتا، مگر وہ اسکو بدل کر کچھ کا کچھ کر [...] اور پھر دوسروں کو آپ کا کلام کہہ کر سناتے۔۔ المختصر۔۔ یہ یہود خود آپ ﷺ کے کلام کو اسکے موقع [...]سے بدل ڈالتے۔

۔۔چنانچہ۔۔جب آپ ان سے کچھ ارشاد فرماتے ہیں تو یہ عجیب روش اختیار کرنے لگتے ہیں (اور) ازراہِ عناد برملا اس بات کا اظہار کردینا چاہتے ہیں کہ ہم نے تو آپکی بات سن لی، لیکن ہم آپکے حکم کو تسلیم نہیں کرتے، لیکن ایمان والوں کے روبرو برجستہ ایسا کہہ سکنے کی ہمت نہ ہوسکنے کی وجہ سے ۔۔نیز۔۔اپنے نفاق کی پردہ پوشی کی مصلحت سے صرف زبان سے تو (کہتے ہیں کہ) ہم نے آپکا ارشاد (سنا اور) دل میں سوچتے ہیں کہ سن تو لیا لیکن (مانا نہیں) یعنی قبول نہیں کیا۔اور ظاہر ہے تسلیم وقبول یہ تو دل کی کیفیت ہے۔۔الغرض۔۔انکا ظاہر اور ہے باطن اور ہے۔۔چنانچہ۔۔وہ اپنی زبان قال سے اَطَعْنَا لیکن زبان حال سے عَصَيْنَا کہتے ہیں۔

یہودیوں کی بھی عجیب روش تھی، وہ بارگاہ رسول ﷺ میں ذوالوجہین اور پہلودار کلام پیش کرتے، جس میں ایک رخ 'مدح' کا ہوتا تو دوسرا رخ 'ذم' کا۔ایسے کلمات سنا کر بظاہر مدح کا اظہار کرتے، لیکن دل میں دوسرے معنی کے آرزومند رہتے۔انکا مقصود نبی کریم ﷺ کی مذمت ہوتی اور مدح کے رخ کو صرف نفاق کے پردے کے طور پر استعمال کرتے، کیونکہ وہ آپ ﷺ کی ہیبت وحشمت اور مومنین کی غیرت وحمیت کے خطرہ سے صریح سب وشتم کی جرأت نہیں رکھتے تھے۔

۔۔چنانچہ۔۔انہوں نے آپکی بارگاہ میں 'اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ' کا لفظ استعمال کیا، اسکا ایک معنی یہ ہوا کہ 'سن لے اے مخاطب کوئی ناگوار اور تکلیف دہ بات تمہیں سننے میں نہ آئے'۔ ظاہر ہے کہ یہ دعائیہ کلمہ مدح کا پہلو لئے ہوئے ہے، لیکن یہ سنانے والوں کا اصل مقصود نہیں بلکہ وہ اس کلمے کے ذم کے پہلو کو اپنے دل میں رکھ کر مذمت کی نیت سے بولتے ہیں۔اس کلمے میں ذم کے پہلو مندرجہ ذیل ہیں۔

﴿۱﴾۔۔اے مخاطب تو سن لے۔۔۔لیکن خدا کرے تم کسی کی بات نہ سن سکو۔۔۔بوجہ بہرہ پن کے۔۔یا۔۔بوجہ موت کے، یعنی تمہارے حق میں ہماری دعا ہے کہ تمہیں کسی کی بات کا سننا نصیب نہ ہو۔اور جب سنو گے ہی نہیں تو بولو گے کیا؟۔۔المختصر۔۔اس جملے میں دبے لفظوں میں آپ ﷺ کے گونگے، بہرے ہوجانے اور وفات پاجانے کی آرزو کا اظہار ہے، تو یہ کلمہ بددعائیہ ہوا۔

﴿۲﴾۔۔اے مخاطب تو جو کہتا ہے اس کو تو ہی سن اور قبول کر۔اب رہ گیا تیرا یہ دعویٰ کہ تو جو کہتا ہے وہ وحی الٰہی ہے جسکو خدائے تعالیٰ نے تمہیں بالواسطہ۔۔یا۔۔بلاواسطہ تم تک پہنچایا

ہے اور تمہیں سنایا ہے اور تم خدا کے سنائے ہوئے ہو۔۔تو یہ۔۔ہمیں تسلیم نہیں، بلکہ خدا نے تم کو کچھ بھی نہیں سنایا اور نہ ہی اپنا رسول بنایا۔اس پہلو میں رسالت محمدی ہی سے انکار ہے۔

ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ کے گونگا، بہرا ہو جانے۔۔یا۔۔وفات پا جانے اور رسالت محمدی کے خدائی ہدایات سے بے تعلق ہو جانے کی صورت میں نبی کریم ﷺ کی کون سنے گا اور آپ ﷺ کسی کو کیا سنائیں گے؟۔

تو اے محبوب! یہودی لوگ یہی تو چاہتے ہیں کہ وہ اپنے ان باطل خیالات اور فاسد مزعومات ...دا اپنے لوگوں کے دلوں میں راسخ کر دیں تو انکی منافقانہ (اور) شاطرانہ باتوں کو (تم) تو (سنو)، ...ن (تمہاری) اپنے رب کی طرف سے سنی ہوئی بات (نہ سنی جائے) اور لوگ خدائی ہدایت کو جاننے ...ے محروم رہیں۔

ان یہودیوں کی شاطرانہ روش کا عالم یہ تھا کہ جب انہوں نے صحابہء کرام ﷺ کو بارگاہِ رسول میں رَاعِنَا ۔۔یعنی۔۔'حضور ہماری رعایت فرمائیں اور براہ کرم دوبارہ ارشاد فرمائیں' ۔۔کہتے سن لیا، تو انہیں اس لفظ کو استعمال کرنے کا موقع مل گیا اور انہیں ایک طرح سے اپنی ذہنی بے راہ روی اور قلبی کثافت کے اظہار کیلئے ایک پردہ میسر آ گیا۔۔چنانچہ۔۔جو فعل زبان عرب میں 'مراعات' سے مشتق ہے اُسے اپنی زبان کے لحاظ سے 'رعونیت' کی طرف پھیر دیا ۔۔یا۔۔زبان عرب کی فصاحت کو نظر انداز کر کے بطور لحن 'عین' کے زیر کو دراز کر کے 'راعینا' کہنے لگے اور اسطرح در پردہ آنحضرت ﷺ کی مذمت کرنے لگے اور آپ کو بطور طعن و تعریض گائے اور بکری کا چرواہا کہنے لگے۔بہر تقدیر وہ گستاخی پر اتر آئے۔۔۔

(اور راعنا) بولنے لگے، وہ بھی (اپنی زبانوں کو اینٹھ کر) تا کہ وہ 'راعینا' بن جائے یہ سب ...نبی کریم ﷺ کی توہین (اور دین میں چوٹ کرنے کیلئے) کرتے تھے جس سے انکا مقصود یہ تھا کہ ...دین کا پیغمبر ایک چرواہا ہو تو اس دین کا کیا حال ہوگا؟۔۔حالانکہ۔۔وہ خود اس بات کے مقر تھے کہ ...ت موسیٰ علیہ السلام چرواہے کا کام کرتے تھے۔

ان خفیف الحرکاتیوں کی بجائے سمجھ سے کام لیا ہوتا (اور اگر انہوں نے کہا ہوتا کہ ہم نے) آپکے ...و (سنا اور مانا) یعنی آپکے حکم کی اطاعت کی (اور ہماری سنئے اور ہم پر نظر کرم کیجئے، تو) آنحضرت ...ہنسنے اور دین اسلام پر طعن و تعریض کرنے سے (بہتر ہوتا ان کیلئے اور بہت ٹھیک) اور سیدھی بات ...ی۔(لیکن) وہ ایسا کیسے کر سکتے تھے اسلئے کہ (ملعون کر دیا) یعنی اپنی رحمت سے دور کر دیا (انکو

اللہ) تعالیٰ (نے انکے کفر کی وجہ سے)۔ رحمت الٰہی سے دوری دنیا ہی میں انکے کفر کی سزا ہے۔
خیال رہے کہ نبی کی توہین اتنا بڑا کفر ہے کہ توہین کرنے والے سے توبہ کی توفیق ہی چھین لی جاتی ہے۔
(تو مانتے ہی نہیں مگر کچھ کچھ) جن سے نبی کی توہین نہیں ہوئی ہے۔۔مثلاً: حضرت عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم۔

اس مقام پر بارگاہِ نبوی کے آداب سے متعلق ایک اہم ضابطہ سامنے آ گیا کہ اگر ایک کلمہ کے کئی معنی ہوں۔۔یا۔۔کوئی جملہ پہلودار ہو، اس میں تو کچھ تو نبی کریم ﷺ کی شایانِ شان ہوں اور کچھ آپکی شان کے لائق نہ ہوں اور ان سے آپکی تخفیف شان ہوتی ہو، تو نبی کی بارگاہ میں اور آپکی ذات کیلئے انکا بولنا اسکے لئے بھی حرام ہے جسکی نیت میں کوئی فتور نہ ہو اور اسکا نقطۂ نظر اور مقصود اچھا پہلو اور اچھا معنی ہی ہو۔۔تاکہ۔۔دشمنوں کیلئے اسکے برے پہلو کی نیت سے اسے بولنے اور در پردہ توہین کرنے کا مکمل سدباب ہو جائے۔

اسی لئے جب یہودیوں نے لفظ رَاعِنَا بری نیت سے بولنا شروع کیا، تو صحابہ کرام کو بھی اس لفظ کے استعمال سے روک دیا گیا، حالانکہ وہ اچھی ہی نیت سے استعمال کرتے تھے۔ان نفوس قدسیہ والوں سے بری نیت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ

اے وہ جن کو کتاب دی جا چکی! مان جاؤ جو ہم نے اتارا تصدیق کرنے والا اس کا جو تمہارے پاس ہے،

قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا

اس سے پہلے کہ ہم بگاڑ دیں چہروں کو، تو ان کو پلٹ دیں ان کی پشت پر یا ملعون کر دیں ان کو، جس طرح

لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝

ملعون کر دکھایا سبت والوں کو۔ اور حکم خدا ہو کر رہتا ہے●

(اے وہ) لوگ (جن کو کتاب دی جا چکی) ہے اور جو ان کتابوں سے بخوبی جان چکے کہ دین اسلام برحق ہے اور نبی کریم ﷺ اپنی دعوت میں سچے ہیں، تو اب انکو زیب نہیں دیتا اسلام قبول نہ کریں اور ضد اور عناد کی بنیاد پر اپنے کفر پر اصرار کریں۔۔نیز۔۔عبداللہ بن صوریا بن اشرف اور ان جیسے دیگر علمائے یہود کی طرح دین اسلام کی حقانیت کے تعلق سے خود اپنی کتابو

ارشادات سے بالکلیہ لاعلمی کا اظہار کریں۔

۔۔الختصر۔۔اے اہل کتاب! سمجھ سے کام لو اور (مان جاؤ جو ہم نے اتارا) رسول عربی ﷺ پر اور جو (تصدیق کرنے والا) ہے (اس) اصل کتاب (کا جو تمہارے پاس ہے) یعنی توحید، رسالت، مبداء، معاد اور بعض احکام شرعیہ میں تورات کے موافق ہے (اس سے پہلے کہ ہم بگاڑ دیں) بعض (چہروں کو، تو انکو پلٹ دیں انکی پشت پر) اور چہروں کے نقوش مٹا دیں، یعنی آنکھوں اور ناک کی بناوٹ کے ابھار کو دھنسا کر چہرے کو بالکل سپاٹ بنا دیں۔۔یا۔۔ چہرے کو گُدی کی جانب لگا دیں۔

یہ دنیا میں بھی ہوسکتا ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ جسکے ساتھ جہاں چاہے اور جو چاہے کرے، وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔ اس آیت کا بطور اشارہ یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ:۔۔۔'اے اہل کتاب قرآن مجید پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ تم کو ہدایت سے پھیر کر گمراہی کی طرف لوٹا دیا جائے'۔۔۔اور پھر اسطرح تمہارا ایمانی چہرہ بگڑ کر الٹ پلٹ ہو جائے اور اپنا حسن و جمال کھو بیٹھے۔

(یا ملعون کر دیں ان) بگڑے ہوئے چہرے والوں (کو)، یعنی اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیں۔۔نیز۔۔انہیں بندر و خنازیر بنا کر رسوا کر دیں (جس طرح ملعون کر دکھایا) گزشتہ دور میں (سبت والوں کو) جنہوں نے حکم الٰہی سے انحراف کیا اور ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار میں مشغول ہوئے۔۔چنانچہ۔۔وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے اور انہیں بندر و خنزیر بنا کر رسوا کر دیا گیا۔۔ہاں۔۔ان میں سے وہ بعض لوگ جن کو دولت ایمان نصیب ہوگئی وہ اس وعید مذکور سے محفوظ ہوگئے، کیونکہ ہر وعید کا وقوع اسی کیلئے ہے جو ایمان والا نہ ہو۔ ایمان والا ہو جانے کی صورت میں وہ وعید اس ایمان والے کیلئے نہیں رہ جاتی۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ایک ہے کفار پر لعنت، دوسری ہے مومنین پر انکے کسی عمل کی خرابی کی وجہ سے لعنت۔ تو پہلی لعنت کا معنی یہ ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بالکلیہ دور کر دیا جائے اور دوسری لعنت کا معنی یہ ہے کہ مومنین کو مقربین اور ابرار کے درجہ سے دور کر دیا جائے۔

۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو وعید نازل فرمائی جاتی ہے (اور) جو (حکم خدا) کا ہونا ہے وہ واقع (ہو کر رہتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب ضرور بالضرور ہونے والا ہے۔ تو اے ایمان والو!

تمہیں ایسی وعید سے ڈرنا چاہئے اور ایمان پر ثابت قدم رہنا چاہئے اور ہر وقت توبہ واستغفار میں مشغول رہنا چاہئے تا کہ تمہارا وہ حشر نہ ہو جو اصحاب سبت کا ہوا۔

اس مقام پر بحر بن عمر، نعمان بن رونی جیسے بعض یہودی علماء کی یہ خوش فہمی:۔۔'کہ وہ بچوں کی طرح مرحوم ومغفور ہیں۔انکے رات کے گناہ دن میں، اور دن کے گناہ رات میں بخش دیئے جاتے ہیں'۔۔یا۔۔تو انکی کوتاہ فکری اور لاعلمی کا ثمرہ ہے۔۔یا پھر۔۔انکی ہٹ دھرمی، گمراہی کا نتیجہ ہے۔انکی نظر اپنے اُن صغائر وکبائر پر تو ہے، جو کفر وشرک سے نیچے درجے میں ہیں۔۔مگر۔۔وہ اپنی گوسالہ پرستی اور حضرت عزیر کی عبادت و پرستش اور انکے سوا دوسرے کفری نظریات واعمال کی سنگینی کو سمجھنے سے قاصر ہیں، جنکی وجہ سے انکی مغفرت ہو ہی نہیں سکتی۔تو اے میرے محبوب! انہیں واشگاف انداز میں سنا دو کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ

بے شک اللہ نہ بخشے گا اس کے ساتھ کفر کیے جانے کو، اور بخش دے گا اس سے کم کو جسے چاہے۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدِ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ۝

اور جو شریک ٹھہرائے اللہ کا، تو بے شک اس نے بڑے گناہ کی تہمت لی●

(بیشک اللہ) تعالیٰ (نہ بخشے گا اسکے ساتھ کفر کئے جانے کو)، کسی غیر خدا کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح واجب الوجود، ازلی، ابدی اپنی ہر ہر صفت میں مستقل بالذات، غنی علی الاطلاق اور مستحق عبادت سمجھنا ایسا عظیم کفر ہے، جس سے بڑھ کر کوئی کفر نہیں۔ یہ وہ کفر ہے جسکی تعبیر شرک سے بھی کی جاتی ہے اور اس کفر والے کو مشرک بھی کہا جاتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔جسکی موت کفر پر ہو جائے، کفر کی نوعیت کچھ بھی ہو، وہ اس لائق ہی نہیں رہ جاتا کہ مغفرت خداوندی اسکی طرف متوجہ ہو سکے، بلکہ کفار ومشرکین کو انکے کفر وشرک کی سزا کے علاوہ ا[ن کے] گناہوں کی سزا بھی بھگتنی پڑیگی۔ جیسے کہ انکے کفر وشرک کو معاف نہیں کیا جائیگا، ایسے ہی انکے صغائر کبائر بھی معاف نہیں ہونگے۔

رہ گئے وہ ایمان والے جو کفر وشرک سے بچتے رہے تو معاف کر دیگا اللہ تعالیٰ (اور بخش د[یگا]) کفر وشرک کے سوا (اس سے) یعنی کفر وشرک سے (کم) درجہ رکھنے والے جملہ صغائر وکبائر (کو...

چاہے)۔جس گناہ کو چاہے اور جس ایمان والے کیلئے چاہے اور جب چاہے۔۔الختصر۔۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کفر وشرک کی لعنت سے بچا کر انہیں کفر وشرک کی سزا کے عذاب سے بچالیا ہے، ایسے ہی انہیں کفر وشرک کے ماسوا دوسرے گناہوں کے عذاب سے محفوظ فرما کر مغفرت سے نوازیگا،تو اچھی طرح جان لو(اور) یادرکھو کہ (جو) اس کفر عظیم کا مرتکب ہو اور (شریک ٹھہرائے اللہ تعالیٰ (کا تو بیشک اس نے بڑے گناہ کی تہمت لی)۔اسکے سبب وہ بڑے عذاب کا مستحق ہو جائیگا۔اور ایمان والوں کے ساتھ مخصوص یہ مغفرت،تو یہ صرف اسکے فضل واحسان کی وجہ سے ہوگی،عبادت و عرفان کے ذریعہ سے نہیں۔

اس مقام پر جس بخشش کا ذکر ہے اس سے مراد وہی مغفرت ہے جو عذاب سے پہلے ہی رب کریم اپنے فضل وکرم سے جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔کیونکہ عذاب کے بعد تو سبھی گنہگاروں کو بخش دیگا۔جب یہودیوں نے سنا کہ کفر وشرک نہ بخشا جائیگا،تو انکو بڑی وعید اور سخت تہدید حاصل ہوئی تو وہ اپنے شرک ہی سے منکر ہو کر بولے، کہ ہم تو مشرک نہیں ہیں بلکہ ہم تو خدا کے خاص بندے اور اسکے مقرب ہیں۔ہمارے باپ دادا ممالک نبوت کے مالک اور مسالک فتوت یعنی سخاوت،مروت اور کرم کے راستوں کے سالک تھے اور ہم انہی کے طور پر معزز اور مکرم ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ خودستائی ناپسند فرمائی اور ارشاد فرمایا،اے محبوب!۔۔۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُم ۚ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ

کیا تم نے نہ دیکھا ان کی طرف جو مقدس جتائیں اپنے کو، بلکہ اللہ پاکیزہ بنا دیتا ہے جس کو چاہے،

وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٤٩﴾

اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے دھاگ بھر●

(کیا تم نے) اپنے دیدۂ بصیرت سے (نہ دیکھا ان) لوگوں (کی طرف جو) اپنی مفاخرت بڑائی کی رو سے (مقدس جتائیں اپنے کو) اور خود ہی اپنی تعریف وتوصیف کرنے لگیں اور اپنے کو بے گناہ بتانے لگیں۔یہ سارے نادان لوگ یا تو اس حقیقت کو سمجھ نہیں سکے ہیں۔۔یا۔۔سمجھ کر نا سمجھ بنے بیٹے ہیں، کہ کسی کو خود اپنے تئیں اپنے کو پاک وصاف کہنے کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔۔الختصر۔۔کوئی خود

سے پاکیزہ نہیں بنتا (بلکہ اللہ) تعالیٰ (پاکیزہ بنادیتا ہے جسکو چاہے)۔ اُسے پاکیزگی کی راہ پر چلنے اور ہمیشہ اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرماتا ہے۔۔یا۔۔پاکیزگی کی صفت کے ساتھ اسکا ذکر فرماتا ہے اور اسکی تعریف کرتا ہے جسے اسکا مستحق جانتا ہے۔

۔۔لہٰذا۔۔جو لوگ اپنی بے جا خودستائی کرتے ہیں اور بگمان خویش، اپنے کو پاک وصاف سمجھتے ہیں اور پھر اسکا برملا اظہار کرتے ہیں، وہ اپنے کو اللہ تعالیٰ کے عقاب وعذاب کا مستحق بنا رہے ہیں (اور وہ ظلم نہ کئے جائینگے دھاگ بھر) اس باریک تاگے کے قدر جو خرمے میں ہوتا ہے۔۔یا۔۔مَیل کی اس بتی کے برابر جو مَلنے سے دو انگلیوں میں پیدا ہوتی ہے۔یعنی جو لوگ اپنے طور پر اپنے کو ناحق پاک بتاتے ہیں اسکی عقوبت کھینچیں گے۔اور انکی مکافات اور پاداش میں ذرہ برابر بھی کمی نہ ہوگی۔۔۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۖ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

دیکھو کیسا طوفان برپا کرتے ہیں اللہ پر جھوٹ کا، اور یہ کافی کھلا گناہ ہے●

(دیکھو) ان یہودیوں کو کہ عناد کی وجہ سے (کیسا طوفان برپا کرتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ کا) جو کہتے ہیں کہ خدا ہمارے دن رات کے گناہ بخش دیتا ہے۔(اور یہ) افتراء اور جھوٹ انکا (کافی) اور (کھلا) ہوا (گناہ ہے) جو کسی پر پوشیدہ نہ رہیگا۔

اس مقام پر یہ خیال رہنا چاہئے کہ جس خودستائی کو ارشاد مذکور میں ممنوع ومعیوب قرار دیا گیا ہے یہ اس وقت ہے جب انسان کسی پر اپنا تفوق اور برتری ظاہر کرنے کیلئے اپنی بڑائی بیان کرے۔۔لیکن۔۔جب اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار مقصود ہو۔۔یا۔۔کسی عیب اور الزام سے اپنی برأت بیان کرنا مطلوب ہو۔۔یا۔۔کسی جگہ اپنی پاکدامنی کا اظہار کرنا مقصود ہو۔۔یا۔۔اپنا حق اور اپنا مقام حاصل کرنے کیلئے اپنے محامد بیان کرنے مقصود ہوں، تو پھر اپنے محامد، اپنے فضائل، اپنی برأت اور اپنی پاکیزگی کو بیان کرنا جائز ہے۔

یہودیوں کی روش بالکل اس سے الگ تھی۔وہ صرف دوسروں پر اپنی برتری اور اپنا تفوق جتانے کیلئے اپنی بڑائی بیان کیا کرتے تھے۔ارشاد مذکور میں اسی طرح کی خودستائی کو معیوب وممنوع قرار دیا گیا ہے۔

اے محبوب! یہ اپنی بے جا خودستائی کرنے والے بھی عجیب طرز عمل والے لوگ تھے۔۔تو۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

کیا تم نے نہ دیکھا ان کی طرف جن کو کتاب سے ایک حصہ دیا گیا وہ مانتے ہیں بت

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى

اور شیطان کو، اور کہتے ہیں جنھوں نے کفر کیا وہ راہ راست پر ہیں،

مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

ان سے جو ایمان قبول کر چکے●

(کیا تم نے نہ دیکھا) اور توجہ نہ فرمائی حی بن اخطب وکعب بن اشرف جیسے (ان) یہودیوں (کی طرف جن کو کتاب) توریت کے علم (سے ایک حصہ دیا گیا) جو ایک جماعت کے ساتھ مکہ شریف آئے اور کفار مکہ کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی پلاننگ کرنے لگے اور کافروں کو جنگ پر آمادہ کرنے لگے، تو کافروں نے کہا کہ ہمارے نزدیک تم لوگ بھروسے کے لائق نہیں، اسلئے کہ تم بھی اہل کتاب ہو اور محمد ﷺ بھی اہل کتاب ہیں، تو تم دونوں ایک دوسرے سے نسبتاً زیادہ قریب ہو، تو ہوسکتا ہے کہ عین وقت میں تم انکے ساتھ ہو جاؤ۔

اب اگر تم ہم کو اپنی طرف سے مطمئن کرنا چاہتے ہو تو اسکی شکل صرف یہی ہے کہ تم ہمارے بتوں کا سجدہ کرو۔۔چنانچہ۔۔انہوں نے بتوں کا سجدہ کر کے ظاہر کر دیا کہ کفار مکہ کی طرح (وہ) بھی (مانتے ہیں بت اور شیطان کو)۔ انکا بتوں کو سجدہ کرنا اور اپنے ان اعمال میں ابلیس کی اطاعت کرنا، دونوں باتیں ظاہر کر دیتی ہیں کہ وہ 'جبت اور طاغوت' پر ایمان لانے والے ہیں۔ اور صرف یہی نہیں کہ کفار کو اعتماد میں لینے کیلئے اس عمل کو باطل سمجھتے ہوئے بطور نفاق انجام دیا ہو۔۔۔ بلکہ۔۔۔ وہ واشگاف انداز میں اقرار کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) ان لوگوں کے بارے میں (جنہوں نے کفر کیا وہ) سب زیادہ راہ راست پر ہیں ان سے جو ایمان قبول کر چکے) یعنی رسول کریم ﷺ اور انکے اصحاب کے ایمان و اخلاق سے کہیں زیادہ بہتر کافروں کا ایمان و کردار ہے۔ اسی طرح کی بکواس کرنے والے یہ۔۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾

وہ ہیں جن کو ملعون بنا دیا اللہ نے، اور جس کو ملعون کر دے اللہ، تو نہ پاؤ گے اس کیلئے کوئی مددگار●

(وہ) لوگ (ہیں جن کو ملعون بنا دیا) اور اپنی رحمت سے دور کر دیا (اللہ) تعالیٰ (نے)،

(اور) ظاہر ہے کہ (جس کو ملعون کر دے اللہ) تعالیٰ (تو نہ پاؤ گے اسکے لئے کوئی مددگار) جو اس سے عذاب الٰہی دفع کر دے۔

یہود کو یہ زعم تھا کہ وہ اپنے غیروں کے بہ نسبت سلطنت اور نبوت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اسی سبب سے عرب کی متابعت سے ننگ و عار رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ آخر نبوت، سلطنت اور حکومت کا منصب ہم ہی کو پہنچے گا۔۔۔ان سے سوال کرو کہ۔۔۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ۝

کیا انہیں کا کوئی حصہ ملک میں ہے؟ پھر تو اب نہ دیں گے لوگوں کو کچھ بھی ●

(کیا) صرف (انہیں کا) کسی اور دوسرے کا نہیں (کوئی حصہ) دنیا کے (ملک میں ہے) جہاں تک استحقاق کی بات رہی تو انکے لئے نہ ہی دنیا کے ملکوں میں کوئی حصہ ہے اور نہ ہی آخرت میں۔ یہ صرف انکا گمان ہے کہ اسطرح جدوجہد سے انہیں تمام ملک پر قبضہ جمانے کا موقع مل جائیگا اور اگر۔۔بالفرض۔۔ یہ ملک و مال سے بہرہ مند ہوں بھی (پھر تو) اپنے کمال بخل اور خساست طبع کی وجہ سے انکی روش یہ ہوگی کہ (اب) یعنی بہرہ مند ہو جانے کے بعد بھی (نہ دینگے لوگوں کو کچھ بھی) یعنی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کسی کو کچھ نہیں دینگے۔ اور جب وہ بادشاہ ہو کر بھی کسی کو ایک حقیر چیز اور معمولی چھلکا دینے کے بھی روادار نہیں، تو پھر وہ بحالت غربت اور تنگدستی کیا کسی کو کچھ دینگے۔۔المختصر۔۔کافروں کا نبی کریم ﷺ کی نبوت کو تسلیم نہ کرنا یا تو انکی اپنی برتری کے احساس کا نتیجہ ہے۔۔۔

اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ

یا حسد کر رہے ہیں لوگوں کی جو دے رکھا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے۔ تو

اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝

ہم نے تو ابراہیم کی نسل کو کتاب اور حکمت دی اور ان کو بڑا ملک دیا ●

(یا) پھر وہ لوگ (حسد کر رہے ہیں) انعام یافتہ عظیم المرتبت یعنی پیغمبر اسلام اور ان پر ایمان لانے والے (لوگوں کی)۔ وہ لوگ (جو) اس شان کے ہیں کہ (دے رکھا ہے انکو اللہ) تعالیٰ (اپنے فضل سے) نبوت، کتاب اور اعزاز دین۔ اسطرح اپنے محبوب بندوں کو اپنے فضل خاص

مشرف کرنا کوئی نئی چیز نہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ نے (تو) فرمادیا کہ (ہم نے تو ابراہیم کی نسل)، یوسف علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام (کو کتاب) توریت، زبور، انجیل (اور حکمت دی) یعنی حلال و حرام کا علم دیا (اور) مذکورہ امور کے علاوہ (ان) میں بعض حضرات یعنی حضرت یوسف، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام (کو) بہت (بڑا ملک دیا) جسکا اندازہ غیر معلوم ہے۔تو یہ حسد کرنے والے اگر نبوت و کتاب کی وجہ سے پیغمبر اسلام سے حسد کرتے ہیں، تو انہیں چاہئے کہ انبیاء سابقین سے بھی انہیں امور کی وجہ سے حسد کریں۔۔الغرض۔۔انبیاء سابقین پر ایمان لانا اور پیغمبر اسلام پر ایمان نہ لانا، یہ انکی کمال درجہ کی ضد، ہٹ دھرمی اور بغض و عناد ہی کا ثمرہ ہے۔۔۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿٥٥﴾

تو کوئی تو ان کو مان گیا، اور کوئی باز رہا۔اور جہنم کافی ہے دہکتی آگ●

(تو) یہودیوں میں سے (کوئی تو) نبی آخرالزماں کی نبوت اور ان پر ایمان لانے کے تعلق سے آل ابراہیم نے جو ہدایت فرمائی تھی (ان) جملہ ہدایات (کو) مان کر نبی آخرالزماں کو (مان گیا) اور آپ ﷺ پر ایمان لایا (اور کوئی) آپ پر ایمان لانے سے (باز رہا) اور اپنے نبی کی ہدایت و حکم کا پاس و لحاظ نہیں کیا۔ایسوں کو دنیوی عذاب کی عجلت کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ ان کیلئے آخرت کا عذاب (اور جہنم کافی ہے) اور وہ بھی کوئی معمولی عذاب نہیں ہے بلکہ (دہکتی) ہوئی (آگ) ہے جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔اس مقام پر کفار کان کھول کر سن لیں کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ

بیشک جنھوں نے انکار کردیا ہماری آیتوں کا، جلد پہنچادیں گے ہم ان کو جہنم، کہ جب پک گیا ان کا چمڑا،

بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٦﴾

تو بدل دیا ہم نے دوسرا چمڑا، تاکہ چکھیں عذاب کو۔بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے●

(بیشک جنہوں نے انکار کردیا ہماری آیتوں کا) اور حق چھپایا۔۔نیز۔۔قرآن اور نبی کریم ﷺ کے معجزات پر ایمان نہ لائے تو (جلد پہنچادیں گے ہم انکو جہنم) میں، یعنی آگ میں۔کیسی آگ؟ (کہ

جب پک گیا) اور جل گیا اس میں (انکا) جسمانی (چمڑا، تو بدل دیا ہم نے دوسرا چمڑا)۔ یہ بدل دینا ہر ساعت میں سو بار ہوگا اور دن رات میں ستر ہزار بار کھالیں بدلی جائینگی۔

اس مقام پر بدلنے کے تعلق سے تحقیق یہ ہے کہ اس سے جلن لے کر پھر اسکو پہلی حالت پر لائینگے، تو یہ تبدیلی وصف کی ہے، اصل کھال کی تبدیلی نہیں۔ اور اس حالت کی تجدید عذاب کرنے اور عذاب محسوس ہونے کے واسطے ہے، یعنی ہر لحظہ انکی کھال کو تازہ کردینگے۔

(تاکہ چکھیں عذاب کو)۔ اور یہ عذاب چکھنا ہمیشہ ہوگا (بیشک اللہ) تعالیٰ (غالب) ہے۔ کوئی اسے عذاب کرنے سے منع نہ کرسکے گا۔ اور (حکمت والا ہے) وہ بخوبی جانتا ہے کہ دوزخیوں کی عقوبت کیسے کی جائے جو اسکی حکمت کے موافق ہو۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ اسلوب ہے کہ وعد کے بعد وعید اور وعید کے بعد وعد کا ذکر فرماتا ہے۔ اسلئے پہلے آخرت میں کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا اور اب آخرت میں مومنوں کے ثواب کا ذکر فرما رہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے کہ۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور جو ایمان لائے اور نیک کام کیے، انھیں بہت جلد داخل کریں گے ہم جنت میں، کہ بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫

جن کے نیچے نہریں، رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیش۔ ان کی اس میں پاکیزہ بیبیاں ہیں۔

وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝

اور داخل کریں گے ہم ان کو سایہ گستر سایہ میں●

(اور جو) محمد ﷺ، قرآن حکیم اور تمام آیات و معجزات پر (ایمان لائے) اور صدق دل سے ان سب کی تصدیق کی (اور) ساتھ ہی ساتھ (نیک کام کیے) یعنی جن اعمال صالحہ کیلئے حکم دیے گئے ہیں انہیں بجالائے (انہیں بہت جلد داخل کرینگے ہم جنت میں کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں) اس میں انکا قیام عارضی نہیں ہوگا، بلکہ (وہ رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیش) نہ تو وہ اس سے نکالے جائینگے اور نہ ہی ان پر موت آئیگی۔ (انکی اس میں پاکیزہ بیبیاں ہیں) جو دنیا کی عورتوں کے حالات سے پاک و صاف ہونگی، یعنی امور بدنیہ کہ جس سے طبیعت کو نفرت ہو۔۔ مثلاً حیض

ونفاس وغیرہ اور عادات وخصائل قبیحہ کہ جن سے جی اکتا جائے۔۔ مثلا: حسد اور بغض وکینہ وغیرہ سے منزہ اور پاکیزہ ہونگی۔ (اور داخل کرینگے ہم انکو) راحت وفرحت کے (سایہ گستر سایہ میں)۔ یعنی ایسے خوشگوار ماحول میں ہونگے کہ جہاں ملال کا سوال ہی نہیں ہوتا اور وہ سائے بادلوں کے نہیں بلکہ باغات کے گھنے دار درختوں کے ہونگے، جنہیں سورج کی کرنیں نہیں چھوسکیں گی اور نہ ہی وہ مٹ سکیں گے۔ جنت میں دھوپ ہوگی ہی نہیں، تو پھر وہاں سورج اور اسکی کرنوں کا سوال ہی کیا ہے۔

۔۔الغرض۔۔ وہاں کے درختوں کا سایہ دنیاوی درختوں کے سائے کی طرح نہیں جو سورج کی کرنوں کے رہین منت ہیں اور جہاں اگر دائمی طور پر سایہ رہے اور سورج کی کرن نہ پہنچ سکے، تو وہاں کی ہوا بدبودار فاسد اور مہلک ہو جائے۔

۔۔المختصر۔۔ جنت میں چونکہ سورج اور اسکی دھوپ ہی نہیں ہوگی، تو وہاں کے درختوں کے سائے سے مراد وہ آرام وراحت اور فرحت وسکون ہے، جو جنتی درختوں کے نیچے میسر آنے والے ہیں۔۔الغرض۔۔ جنت میں بہار کا خوشگوار موسم ہوگا، جہاں نہ گرمی نہ سردی اور ایسے بہترین کمرے ہونگے جہاں نہ سختی نہ نرمی اور جہاں کسی طرح کے ملال کا گزر نہیں۔۔الحاصل ۔۔'ظل ظلیل' سے حمایت الٰہی اور عنایت خداوندی کی طرف اشارہ ہے کہ ہمیشہ جنتیوں کے سر پر مبسوط رہے گی اور یہ سایہ زوال سے مبرا اور نقص وانتقال سے منزہ اور مبرا ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے بعض احوال بیان فرمائے اور وعید اور وعد کا ذکر فرمایا، اسکے بعد پھر احکام تکلیفیہ کا ذکر شروع فرمایا۔۔نیز۔۔اس سے پہلے یہود کی خیانت کا ذکر فرمایا تھا کہ انکی کتاب میں سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر جو دلائل ہیں وہ انکو چھپا لیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے، تو اسکے مقابلے میں مسلمانوں کو امانت داری کا حکم دیا، خواہ مذاہب میں ہو، عقائد میں ہو، معاملات میں ہو۔۔یا۔۔عبادات میں ہو۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ اے ایمان والو!۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ

بیشک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو دے دو۔ اور جب فیصلہ کیا

بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ

لوگوں میں، تو فیصلہ کرو انصاف سے۔ بیشک اللہ، کیا ہی خوب ہے جس کی اللہ نصیحت فرماتا ہے تم کو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۝

بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے●

(بیشک اللہ) تعالیٰ (تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں امانت والوں کو دیدو) اور امانت امانت والے تک پہنچانے میں اسوۂ رسول کریم ﷺ کی اتباع کرو، جنہوں نے فتح مکہ کے دن جب بیت اللہ میں داخل ہوئے، تو عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ سے۔۔ 'جن کے پاس موروثی طور پر کعبہ کی چابیاں رہا کرتی تھیں'۔۔ ان سے چابیاں لے لیں اور پھر بیت اللہ کے باہر اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے آئے، اور عثمان کو طلب کر کے انہیں چابیاں دیدیں۔ امانت کو امانت والے تک پہنچانے کی اس ادا کو دیکھ کر عثمان مشرف با سلام ہو گئے۔

نجدی تسلط کے ظالمانہ عہد سے پہلے تک یہ چابیاں حضرت عثمان بن طلحہ ہی کی نسل کے قبضے میں رہیں۔ سرکار آیہ رحمت ﷺ نے حضرت عثمان سے اس تعلق سے فرمادیا تھا کہ اے عثمان! لو یہ کنجی اور اے بنی طلحہ سن لو! کہ نہ چھینیگا یہ کوئی تم سے مگر ظالم۔

۔۔الغرض۔۔اے ایمان والو! تم اپنے کو خیانت و ناانصافی کے اعمال سے بچاتے رہو (اور جب فیصلہ کیا) کرو (لوگوں میں، تو فیصلہ کرو انصاف سے) جس میں کسی کی حق تلفی نہ ہو۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (کیا ہی خوب ہے) اور کیا ہی اچھی ہے وہ (جسکی اللہ) تعالیٰ (نصیحت فرماتا ہے تم کو) یہ کہ امانتیں ادا کرتے رہو اور ناانصافی کرنے سے خود کو بچاتے رہو اور جان لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ خزانہ داروں کی باتیں (سننے والا) ہے اور امانت داروں کے ہر عمل کو (دیکھنے والا ہے)۔۔ چنانچہ۔۔اپنے تمام اعمال کو اسکے وعظ و نصیحت کے مطابق ڈھال لو۔۔ کیونکہ۔۔وہ تمام مسموعات و مبصرات کو جانتا ہے، پھر تمہیں ہر اس عمل کی سزا دیگا جو اسکی ہدایت کے خلاف تم سے صادر ہوگا۔ تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ

اے جو ایمان لا چکے! کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا، اور حکومت والوں کا تم

مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ

میں سے۔ پھر اگر جھگڑے میں پڑ گئے تم کسی چیز میں، تو سپرد کردو اسے اللہ و رسول کے، اگر تم

تُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾ ع ۹ ۵

مانتے ہو اللہ اور پچھلے دن کو۔ یہ نہایت خوب اور خوش انجام ہے●

(اے) وہ لوگ (جو ایمان لا چکے!) عدل و انصاف پر قائم رہنے، ہر طرح کی خیانت سے اپنے کو بچانے، اور اپنے ہر عمل کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق بنانے کیلئے، دل کی سچائی کے ساتھ (کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا اور کہا مانو) اسکے عظمت والے مخصوص (رسول کا)، (اور) اُن (حکومت والوں) اور صاحبان امر (کا)، جو (تم میں سے) ہیں۔ بشرطیکہ وہ خود عالم فقیہ ہوں ۔۔یا۔۔ اپنے ہر فیصلے میں اپنے عہد کے کسی جید عالم اور شان امامت رکھنے والے فقیہ کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر چکے ہوں، تا کہ انکا کوئی حکم کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو۔ اسلئے کہ اللہ ورسول کی معصیت اور نافرمانی میں کسی کی بھی پیروی نہیں کی جاسکتی۔

۔۔المختصر۔۔ فرائض میں اللہ تعالیٰ کی، سنتوں میں رسول کریم ﷺ کی اور حکومت سے متعلق دوسرے جائز امور میں اپنے حاکموں کی اطاعت و پیروی کرتے رہو۔ (پھر اگر) ۔۔بالفرض۔۔ تم آپس میں ۔۔یا۔۔ تم اور تمہارے حکام کسی دینی معاملے میں اختلافِ رائے کا شکار ہو گئے اور اسطرح (جھگڑے میں پڑ گئے تم کسی) دینی (چیز) کے تعلق سے خدا اور رسول ﷺ کی رضا کے مطابق فیصلہ کرنے (میں، تو سپرد کر دو اسے اللہ ورسول کے) یعنی قرآن کریم اور ذات رسول کو اپنا حکم بناؤ اور آپ ﷺ کے حیات نہ ہونے کی صورت میں آپکی سنت کی طرف رجوع کرو اور کتاب وسنت کا جو فیصلہ ہو، اسے بسروچشم قبول کر لو۔ (اگر تم) صدق دل سے (مانتے ہو اللہ) تعالیٰ (اور پچھلے دن کو) اس واسطے کہ خدا اور روز قیامت کا ایمان، اس بات کا مقتضی ہے کہ امور متنازع فیہ میں خدا و رسول کی طرف رجوع کریں اور اعمال واقوال میں اپنی ناقص رائے پر مغرور نہ رہیں۔ (یہ) رجوع تمہارے لئے (نہایت خوب اور) عافیت کی جہت سے بہت ہی (خوش انجام ہے)۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ تمام مکلفین کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کریں اور ان آیتوں میں یہ بتا رہا ہے کہ منافقین رسول اللہ کی اطاعت نہیں کرتے اور آپکے فیصلے پر راضی نہیں ہوتے۔ اور اپنے مقدمات یہودی عالم کعب بن اشرف جیسے طاغوت یعنی سرکش کافر کے پاس لے جاتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ایک منافق اور ایک یہودی کا جھگڑا ہوگیا۔ یہودی نے کہا میرے اور تمہارے درمیان ابوالقاسم ﷺ فیصلہ کرینگے۔ اور منافق نے کہا کہ میرے اور تمہارے درمیان کعب بن اشرف فیصلہ کرینگے۔ چونکہ کعب بن اشرف رشوت خور تھا اور اس مقدمہ میں یہودی حق پر تھا اور منافق باطل تھا، اس وجہ سے یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ مقدمہ لیجانا چاہتا تھا، اور منافق کعب بن اشرف کے پاس یہ مقدمہ لے جانا چاہتا تھا۔ جب یہودی نے اپنی بات پر اصرار کیا تو وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی کے حق میں اور منافق کے خلاف فیصلہ کردیا۔

منافق اس فیصلے پر راضی نہیں ہوا اور کہا کہ میرے اور تمہارے درمیان حضرت عمر فیصلہ کرینگے۔ دونوں حضرت عمر کے پاس گئے۔ یہودی نے بتادیا کہ رسول اللہ ﷺ اسکے حق میں اور اس منافق کے خلاف فیصلہ فرماچکے ہیں، لیکن یہ مانتا نہیں ہے۔ حضرت عمر نے منافق سے پوچھا کیا ایسا ہی ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمر نے فرمایا ٹھہرو، انتظار کرو میں ابھی آتا ہوں۔ گھر گئے، تلوار لے کر آئے، اور اس منافق کا سر قلم کردیا۔ پھر اس منافق کے گھر والوں نے نبی کریم سے حضرت عمر کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر سے پوری تفصیل معلوم کی۔ حضرت عمر نے عرض کیا، یارسول اللہ اس نے آپ کے فیصلے کو مسترد کردیا تھا، اسی وقت حضرت جبریٔل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا عمر فاروق ہیں۔ انہوں نے حق اور باطل کے درمیان فرق کردیا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا تم فاروق ہو۔ اس قول کی بنا پر طاغوت سے مراد کعب بن اشرف ہے۔ اس موقع پر ارشاد فرمایا گیا کہ اے محبوب!۔۔۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو ڈینگ لیتے ہیں کہ وہ مان چکے جو تم پر اتارا گیا اور جو

أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا

تم سے پہلے اتارا گیا، چاہتے ہیں کہ فیصلہ کرائیں شیطان سے، حالانکہ وہ حکم دیے گئے تھے کہ

أَن يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَن يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۞

اس کو نہ مانیں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا دے دور●

(کیا تم نے نہیں دیکھا) اور نظر نہیں کی ان لوگوں کی طرف (کہ جو ڈینگ لیتے ہیں) اور اپنے ایمان والا ہونے کی ڈینگ ہانکتے ہیں اور اپنے گمان فاسد کی بنیاد پر اپنے تعلق سے خیال کرتے ہیں (کہ وہ مان چکے) ہیں (جو تم پر اتارا گیا) یعنی قرآن کریم پر ایمان لا چکے (اور) وہ مان چکے (جو تم سے پہلے اتارا گیا) یعنی انبیاء کرام پر نازل فرمودہ صحیفے ان سب کو بھی مان چکے۔ یہ لوگ باوجود ایمان کا دعویٰ کرنے کے (چاہتے ہیں کہ) اپنے مقدمات و معاملات کا (فیصلہ کرائیں) کعب بن اشرف جیسے (شیطان) سرکش کافر (سے، حالانکہ وہ حکم دیئے گئے تھے) اور اس بات کے مکلف کئے گئے تھے (کہ اسکو نہ مانیں) آج بھی سارے مکلف اسکے مامور ہیں۔

۔۔الغرض۔۔منافقین تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنا فیصلہ طاغوت سے کرائیں (اور) ان طاغوتوں کا استاد (شیطان) یہ (چاہتا ہے کہ ان) طاغوت کی طرف مائل اور راغب ہونے والوں (کو بہکا دے) اور پھر راہ حق سے اتنا (دور) پہنچا دے کہ پھر وہ صراط مستقیم تک واپس نہ آسکیں۔ان منافقین کی سرکشی کا حال یہ ہے کہ۔۔۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

اور جب ان کو کہا گیا کہ آؤ جسے اللہ نے اتارا اس کی اور رسول کی طرف،

رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾

تو تم نے دیکھا منافق لوگوں کو، کہ رخ پھیرتے ہیں تم سے بے رخی سے●

(اور) انکی نافرمانی کا عالم یہ ہے کہ (جب انکو کہا گیا کہ آؤ جسے اللہ) تعالیٰ (نے اتارا) ہے اسکی اور) اسکے (رسول کی طرف) یعنی اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کرو، وہ جو حکم دیں اس پر پوری یکسوئی کے ساتھ عمل کرو (تو تم نے دیکھا منافق لوگوں کو) اور اچھی طرح محسوس کرلیا (کہ) اپنے عناد کی وجہ سے کیسا (رخ پھیرتے ہیں تم سے) تمہارے حکم کی بطیب خاطر تعمیل سے، اور وہ بھی کمال بے رخی سے)۔ایسا لگتا ہے کہ آپکے حکم کی تعمیل کی انہیں کوئی پرواہ نہیں۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ

تو کیسی پڑے جب ان پر کوئی مصیبت آپڑے ان کے ہاتھوں کے کرتوت سے، پھر وہ حاضر ہوں

يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا۝

تمہارے پاس قسم کھائیں اللہ کی، ہمارا ارادہ صرف احسان اور اتحاد کا تھا●

(تو کیسی پڑے) گی اور وہ کیا کرسکیں گے (جب ان پر کوئی مصیبت آپڑے) گی (انکے ہاتھوں کے کرتوت سے) اوران بداعمالیوں اور فکری کجی کے نتیجے میں۔وہ مصیبت کسی بھی شکل میں ہو، جسکی ایک صورت وہ قتل بھی ہے جو حضرت فاروق کے ہاتھ سے ایک منافق کا ہوا۔الحتصر۔۔مصیبت نازل ہوجانے کے بعد (پھر) اے محبوب! (وہ حاضر ہوں تمہارے پاس) عذر و معذرت کرنے کیلئے ۔۔یا۔۔مقتول کی دیت مانگنے کیلئے۔

پھر (قسم کھائیں اللہ) تعالیٰ (کی) کہ آپکے فیصلے کے بعد حضرت عمر کے پاس فیصلے کیلئے جانا کچھ بُری نیت سے نہیں تھا، اور نہ ہی آپکے حکم کی تعمیل سے انکار کیلئے تھا، بلکہ آپکے فیصلے کے بعد حضرت عمر کے پاس فیصلہ کرانے کیلئے جانے میں (ہمارا ارادہ صرف احسان اور اتحاد کا تھا) کہ ہوسکتا ہے کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے جس سے ہمیں بھلائی حاصل ہوجائے اور ہم متخاصمین میں موافقت اور ہمارے مخالف کی تالیف قلب کی کوئی شکل ظاہر ہوجائے۔۔یا یہ کہ۔۔ہم طاغوت کی طرف اسلئے فیصلہ کیلئے گئے تاکہ ہمارے مخالفین کو معلوم ہو کہ ہم متعصب نہیں بلکہ ہم صلح پسند ہیں۔اس سے ہمارا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ ہم آپ ﷺ کی مخالفت کریں اور نہ ہی ہمیں آپکے فیصلے سے کوئی ضد تھی، اسلئے اے نبی اکرم ﷺ ہمارے کیے پر مواخذہ نہ کیجیے۔۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ

ان سب کو اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔تو تم ان سے آنکھ بچالیا کرو، اور انہیں سمجھاتے رہو

وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا۝

اور بولو ان کے دلوں میں اتر جانے والی بولی●

(ان) جھوٹی قسمیں کھانے والے منافقین (سب کو) معلوم ہوجانا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ بخوبی (جانتا ہے جو انکے دلوں میں ہے)۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ انکے نفاق اور جھوٹ سب ہی سے واقف ہے، اسلئے انہیں اپنی منافقت کو چھپانا غیر مفید ہے۔اور نہ ہی جھوٹی قسمیں انہیں عذاب الٰہی سے بچا

یں۔تو اے محبوب! ایسے لوگ جب تمہارے پاس آئیں (تو تم ان سے آنکھ بچا لیا کرو) اور انکی طرف بے التفاتی سے دیکھو اور انکا عذر قبول نہ کرو اور نہ ہی انکے لئے دعا کر کے انکی مشکل کشائی فرماؤ۔

(اور انہیں سمجھاتے رہو)۔۔نیز۔۔برملا انہیں جھوٹ اور نفاق سے منع کرتے رہو (اور بولو نکے دلوں میں اتر جانے والی بولی) ایسا کلام بلیغ جو انکے دلوں میں موثر ہو۔ایسا جو انہیں غم میں مبتلا کردے، خواہ وہ قتل کی دھمکی ہو۔۔یا۔۔توبہ نہ کرنے کی صورت میں مصائب کا نازل ہونا ہو۔اور اعلان کردو کہ اے لوگو! اچھی طرح سے سن لو۔۔۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ‌ؕ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اِذۡ ظَّلَمُوۡۤا

اور ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر تا کہ اس کے کہے پر چلا جائے اللہ کے حکم سے۔اور اگر وہ جب ظلم کر بیٹھے

اَنۡفُسَهُمۡ جَآءُوۡكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللّٰهَ وَاسۡتَغۡفَرَ لَهُمُ

اپنی جانوں پر چلے آئے تمہارے پاس، پھر بخشش مانگی اللہ کی، اور مغفرت چاہی ان کیلئے

الرَّسُوۡلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيۡمًا ﴿۶۴﴾

رسول نے، تو پالیا اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا●

(اور) یاد رکھو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ (ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر) صرف اسلئے (تا کہ سکے کہے پر چلا جائے) اور اسکے ہر حکم کی تعمیل کی جائے (اللہ) تعالیٰ (کے حکم) اور اسکے اذن (سے)۔

تو ان منافقین کو ہر صورت میں اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کرنی چاہیے تھی۔۔کیونکہ ۔۔رسولوں میں سے ہر رسول کو معاملات میں سے ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے اذن کے سبب سے 'مطاع' بنایا گیا ہے کہ اسکی اطاعت اور اسکا ہر امر فرض ہے ان لوگوں پر جن کی طرف وہ مبعوث ہوئے، کہ وہ لوگ اپنے رسول کی اطاعت اور انکی تابعداری کریں۔اسلئے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب بنا کر بھیجا ہے کہ اسکی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اور اسکی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سمجھی جائیگی۔

(اور اگر وہ جب) آپ ﷺ کی اطاعت چھوڑ کر، آپ سے روگردانی کر کے، طاغوت کے پاس فیصلہ لیجا کر، اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دیکر، (ظلم کر بیٹھے اپنی جانوں پر) پھر اپنی منافقت سے تائب ہو کر (چلے آئے تمہارے پاس)، (پھر) اس دروازۂ رحمت و مغفرت خداوندی پر حاضر ہو کر

(بخشش مانگی اللہ) تعالیٰ (کی اور مغفرت چاہی) اللہ تعالیٰ سے (ان کیلئے رسول نے)، یعنی انکے توبہ واستغفار کے وقت اللہ کے رسول نے انکی شفاعت فرمائی اور سفارش کی، اور اللہ تعالیٰ سے انکی مغفرت کا سوال کیا (تو پالیا) ان توبہ کرنے والوں نے (اللہ) تعالیٰ (کو) بہت بڑا (توبہ قبول فرمانے والا) اور اپنی ساری مخلوق پر بہت بڑا رحم فرمانے والا، اور انکے گناہوں کا (بخشنے والا)۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ

تو نہیں کیا تمہارے پروردگار کی قسم وہ ایمان نہیں لائے، یہاں تک کہ اپنا فیصلہ کنندہ مانیں تم کو، ہر معاملہ جس میں انکے

بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

درمیان جھگڑا ہو، پھر پائیں اپنے دلوں میں کھٹک جو تم نے فیصلہ کردیا، اور جی جان سے مان لیں ●

(تو) اے محبوب! اِس سچائی میں (نہیں) کی گنجائش ہی (کیا) ہے، کہ نہیں ہے حقیقت ایمان کی جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ یہ قسم ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب! (تمہارے پروردگار کی قسم وہ ایمان نہیں لائے یہاں تک کہ اپنا فیصلہ کنندہ مانیں تم کو ہر معاملہ میں جس میں انکے درمیان جھگڑا ہو)، یعنی وہ اس وقت مومن کہلانے کے حقدار ہیں، جب وہ اپنے تمام معاملات میں آپ کو اپنا حکم مانیں اور اپنے ہر معاملہ کا فیصلہ آپ سے کرائیں (پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں کھٹک جو تم نے فیصلہ کردیا اور جی جان سے مان لیں) یعنی آپکے فیصلے سے دل وجان سے راضی ہوں اور بطیب خاطر اسے قبول کرلیں اور اس فیصلے سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی اور بوجھ محسوس نہ کریں۔۔الغرض۔۔ معاملہ یوں نہیں جیسا منافقین کے گمان میں ہے کہ وہ مومن ہیں۔ یہ صرف انکی خام خیالی ہے۔اسلئے کہ رسول کریم کی [redacted]۔۔منافقین بھلا کہاں ماننے والے۔۔۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ

اور اگر ہم نے ان پر لکھ دیا ہوتا کہ اپنے کو قتل کرو، یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ،

مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ

تو وہ نہ کرتے مگر تھوڑے ان میں سے، اور اگر انھوں نے کرلیا جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے،

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾

توان کیلئے بہتری ہے اورایمان کی بڑی مضبوطی●

(اور) کہاں اطاعت کرنے والے۔۔چنانچہ۔ارشادِ ربانی ہے کہ (اگر ہم نے ان) منافقین (پرلکھ دیا ہوتا) اورفرض کردیا ہوتا (کہ) خود ہی (اپنے کوقتل کرویااپنے گھروں سے نکل جاؤ) جیسے کہ ہم نے بنی اسرائیل سے کہاجب انہوں نے ہم سے توبہ قبول کرنے کی گزارش کی، (تو) اس حکم کی تعمیل (وہ نہ کرتے مگرتھوڑے ان میں سے) جومخلصین کی روش اپنا لینے والے ہوں اور جنکے دلوں میں حضرت ثابت بن قیس، حضرت عماراورحضرت ابن مسعود جیسوں کے جذبہء اطاعت نے جگہ بنالی ہو۔

یہ سارے منافقین جنہوں نے نافرمانی (اور) سرکشی کی راہ اپنالی (اگر) ایسا ہو کہ (انہوں نے) مان کرعمل (کرلیا) ان احکام پرجس پروہ مامور کیئے گئے اورقبول کرکےعمل پیرا ہوگئے، ہر ہر بات پر (جو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے (انکونصیحت کی جاتی ہے،توان کیلئے بہتری ہے)۔اسلئے کہ انکی عاقبت اوردارین میں انکی صلاح وفلاح اسی میں ہے (اور) اس میں (ایمان کی بڑی مضبوطی) ہے۔۔ الختصر۔۔انکے ایمان کی زیادہ ثابت قدمی اورایمان کے اضطراب کا بچاؤانہیں مواعظ واحکام پرعمل کرنے سےنصیب ہوتا ہے۔اب رہا یہ سوال کہ اگرمنافقین ان مواعظ پرعمل کرلیتے توان کا کیا فائدہ ہوتا؟۔۔۔تو سن لو!۔۔۔

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾

اورایسا ہوتو سمجھ لیں کہ ہم نے دے ڈالاان کوبڑااجر●

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

اورچلادیا سیدھی راہ●

(اور) یقین کرلو کہ اگر (ایسا ہو) یعنی اپنے دین برحق کی تصدیق وتحقیق کے حصول کے ساتھ ساتھ ان احکام ومواعظ پرعمل کرلیں (توسمجھ لیں کہ ہم نے دے ڈالاان کوبڑااجر) یعنی آخرت میں ثواب کی کثرت جن کے انقطاع کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جاسکتا۔(اورچلادیا سیدھی راہ) جس پر چلنے والا عالم قدس تک پہنچ جاتا ہے اوراسکے لئے عالم غیب کے دروازے کھل جاتے ہیں اوروہ بہشت بریں میں پہنچادیا جاتا ہے۔۔۔

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰۤـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ

اور جو کہا مان لے اللہ کا اور رسول کا، تو وہ لوگ ان کے ساتھ ہیں انعام فرمایا اللہ نے جن پر،

مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ۚ

انبیاء اور صدیقوں اور شہیدوں اور نیکوں سے،

وَحَسُنَ اُولٰۤـئِكَ رَفِيۡقًا ؕ۝۶۹

اور وہ اچھے ساتھی ہیں●

(اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ حضرت ثوبان اور صاحب اذان و مستجاب الدعوات حضرت عبداللہ انصاری جیسے جملہ شکستہ دلان فراق کو یہ مژدۂ وصال مبارک ہو کہ (جو کہا مان لے اللہ) تعالیٰ (کا اور رسول کا) اوامر و نواہی اور دین کے حدود و احکام میں اور خدا اور رسول کی مکمل فرمانبرداری اور تابعداری کو وظیفہء حیات بنالے، (تو وہ لوگ) اپنے اعمال خیر و خیرات کے لحاظ سے جنت میں جس مقام پر بھی ہوں لیکن (انکے ساتھ) رہنے والے (ہیں، انعام فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے) یعنی اپنی مخصوص نعمتوں کی تکمیل فرمادی (جن پر) یعنی (انبیاء) جو کمال علم و عمل سے سرشار ہیں، بلکہ درجات کمال کے آگے نکل کر مراتب تکمیل تک پہنچے ہیں۔

(اور صدیقوں) جنکے افعال و اقوال میں صدق و اخلاص کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ جو حجج و دلائل میں بھی یکتا ہیں اور تصفیہ و تزکیہ اور ریاضات سے بھی عرفان کی انتہائی منزل تک پہنچے ہوئے ہیں، اسی عرفان کی بدولت انہیں اشیاء کے حقائق کا علم ہے، جو انہیں ذات الٰہی سے عطا ہوا ہے (اور شہیدوں) جنہیں انکے خیر و صلاح اور فوز و فلاح حاصل کرنے کی فطری حرص اور جبلی رغبت نے طاعات اور اظہار حق کیلئے ایسا اُبھارا کہ اعلاءِ کلمتہ اللہ کیلئے جان دینے تک سے گریز نہ کیا (اور نیکوں سے) وہ نیک بخت حضرات جنکی زندگی اطاعت الٰہی میں صرف ہوئی اور جنکے مال اللہ تعالیٰ کی رضا میں خرچ ہوئے۔

ذہن نشین رہے کہ اس معیت سے نہ تو درجات میں تساوی مراد ہے اور نہ ہی بہشت کے داخلے میں اشتراک، بلکہ اسکا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ ایسے مقامات پر ہونگے کہ وہ جب چاہیں گے تو ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اگرچہ انکے درمیان کتنا ہی بڑا بُعد کیوں نہ ہو۔

۔۔۔(اور وہ) کیا ہی (اچھے ساتھی) اور رفیق (ہیں)۔

ظاہر ہے کہ انبیاء کرام میں سید الانبیاء سیدنا محمد ﷺ، صدیقین میں صدیق اکبر، شہداء میں حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور صالحین میں جملہ صحابہ کرام، یہ سب وہ نفوس قدسیہ والے ہیں جنکا 'منعم علیہم' یعنی انعام والا ہونا ہر طرح کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے، تو جو اپنے عقیدہ وعمل میں دنیا میں انکا ساتھی ہے، وہ جنت میں بھی انکے قرب سے محروم نہ کیا جائیگا، اور جب جب چاہیگا انکو اپنے روبرو ہی پائیگا۔ اور یہ خود اسکے اعمال خیر کا لازمی نتیجہ نہ ہوگا بلکہ۔۔۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝

یہ فضل الٰہی ہے اور اللہ کافی علم والا ہے●

(یہ) عطیہ خاص جو مطیعین کو ہدایت کے ذریعے اور منعم علیہم کی رفاقت کے طفیل حاصل ہوگا، سراسر (فضل الٰہی ہے) تو اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنے فضل سے نواز دے (اور اللہ) تعالیٰ (کافی علم والا ہے) وہ سب کی نیتوں اور انکے مقاصد کو بخوبی جاننے والا ہے اور جزا و فضل کا اہل و مستحق کون ہے؟ ۔۔۔اسے اسکا پورا علم ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق وعید نازل فرمائی تھی اور انکو اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا تھا اور اب آگے کی ان آیتوں میں دین کی سربلندی کیلئے جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور کافروں سے جہاد کیلئے سامان جنگ تیار رکھنے کا حکم دیا ہے، تاکہ کہیں کفار اچانک حملہ نہ کردیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کا حال بیان فرمایا ہے، جو جہاد کی راہ میں روڑے اٹکانے والے تھے۔

۔۔نیز۔۔اس سے پہلی آیات میں مسلمانوں کے ملک کے داخلی اور اندرون ملک کی اصلاح کیلئے آیات نازل فرمائی تھیں، اور اب بیرون ملک اور میدان جنگ کے سلسلہ میں ہدایات نازل کی ہیں۔ اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ کفار سے دفاع اور اپنی حفاظت کیلئے اسلحہ اور ہتھیار استعمال کریں۔ اور دشمن جس طرح کے ہتھیار استعمال کر رہا ہے، ویسے ہی ہتھیار استعمال کریں۔ اب دنیا میں اپنی بقا کیلئے ایٹمی طاقت بننا ضروری ہے اور دشمنان اسلام سے مقابلہ اور جہاد کیلئے سائنس اور ٹیکنالوجی میں مہارت حاصل کرنا ضروری ہے۔۔تو۔۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا۝

اے وہ جو ایمان لاچکے! اپنا بچاؤ بنالو پھر نکلو اِکّا دُکّا، یا نکلو اکٹھا●

(اے وہ جو ایمان لاچکے! اپنا بچاؤ بنالو) اور دشمنوں کو ایسا موقع نہ دو کہ وہ تم پر غالب ہوجائیں اور اپنے تحفظ وغلبہ کا سامان کر لینے کے بعد (پھر) دشمن سے جہاد کیلئے (نکلو اکا دکا) متفرق جماعتیں بنا کر۔ایک چھوٹی جماعت یعنی 'سریہ' پہلے روانہ ہوا سکے بعد دوسری اور بھی مختلف جہتوں سے۔

ذہن نشین رہے کہ 'سریہ' ہراس مختصر جنگی جماعت کو کہا جاتا ہے جس میں پیغمبر اسلام تشریف نہ لے جاتے ہوں۔

(یا نکلو اکٹھا) ایک بڑی جماعت تیار کر کے۔لیکن بزدلی کا مظاہرہ نہ کرو۔تاکہ۔دشمنوں کے مقابلے سے پسپا ہو کر ہلاکت کے گڑھے میں نہ جا پڑو۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ

اور بے شک تم میں وہ ہے جو ضرور دیر لگادیتا ہے، پھر اگر تم کو مصیبت پہنچی، تو بولنے لگا کہ انعام فرمایا اللہ نے

عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا۝

مجھ پر کہ میں ان کے ساتھ حاضر نہ تھا●

(اور بیشک تم) لشکر اسلام میں شریک ہونے والوں (میں وہ ہے جو ضرور دیر لگادیتا ہے) لڑائی پر باہر جانے میں، اور تاخیر کرتا ہے جہاد میں۔۔مثلاً: عبداللہ ابن ابی اور اسکے اصحاب، جنہوں نے جنگ احد کے دن مخالفانہ روش اپنائی۔ (پھر اگر تم کو) اے مسلمانو! قتل۔۔یا۔۔ہزیمت کی (مصیبت پہنچی تو) وہ دیر کرنے والا منافق (بولنے لگا کہ انعام فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے مجھ پر) اور بڑا احسان فرمایا (کہ میں انکے ساتھ حاضر نہ تھا)۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ

اور اگر ملاتم کو فضل خداوندی، تو ضرور کہے گا اس طرح کہ تمہارے

وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا۝

اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہیں کہ کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی پاتا●

(اور اگر ملاتم) مخلصین (کو فضل خداوندی) فتح و مال غنیمت کی شکل میں (تو ضرور کہے گا
طرح) گویا (کہ تمہارے اور اسکے درمیان) جان پہچان، اٹھنا بیٹھنا اور حقیقی مودت کا تو سوال ہی کیا،
ری طور پر بھی کسی طرح کی (کوئی دوستی) تھی ہی (نہیں) کہ وہ تمہارے ساتھ تمہاری اعانت کیلئے
یک جہاد ہوتا اور فتح کا سبب بنتا۔۔الغرض۔۔اپنے کو اپنے طور پر علیحدہ کر لیتا ہے اور بات اسطرح
کرتا ہے گویا اس نے تمہیں دیکھا ہی نہیں، اور تمہاری صحبت میں پہنچا ہی نہیں۔اور اب جب فتح و کامیابی
کو دیکھا، تو بڑی ہی حسرت و یاس کے ساتھ بول پڑا (کہ کاش میں ان) مجاہدین مخلصین (کے ساتھ
ہوتا تو بڑی کامیابی پاتا) اور مال غنیمت میں بڑے حصے کا مستحق ہو جاتا۔

اسکی گفتگو نے ظاہر کر دیا کہ اس صورت میں بھی اسکا شریک جہاد ہونا مسلمانوں کی مدد کیلئے نہیں ہوتا، بلکہ اسکا مقصد صرف مال غنیمت کا حاصل کرنا ہوتا۔اس سے پہلی آیتوں میں جہاد سے منع کرنے والوں کی مذمت تھی اور اس آیت سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد کی طرف راغب کر رہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ہدایت دی جارہی ہے کہ جو لوگ آخرت کی بھلائی اور وہاں کی کامیابی چاہتے ہیں انہیں منافقین کی روش اختیار کرنے سے اپنے کو بچانا چاہئے اب اگر کوئی منافق جہاد کیلئے نہیں نکلتا۔۔یا۔۔پیچھے رہ جاتا ہے اور منافقانہ طرز عمل اختیار کرتا ہے۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

تو لڑیں اللہ کی راہ میں جو بدل دیں دنیاوی زندگی کو

بِالْاٰخِرَةِ ۗ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ

آخرت سے۔اور اللہ کی راہ میں جو لڑے، پھر مار ڈالا جائے،

اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

یا جیت جائے، تو ہم جلد دیں گے اس کو اجر عظیم●

(تو) اسکو اسکے حال پر رہنے دیں لیکن خود (لڑیں) اور (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) جہاد کیلئے
پڑیں وہ مخلصین (جو بدل دیں) ناپائدار (دنیاوی زندگی) کے فنا ہو جانے والے عیش و عشرت (کو
نت) کی لازوال اور ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں (سے)۔

یاد رکھو کہ جہاد فی سبیل اللہ میں تمہارا فائدہ ہی فائدہ ہے، خواہ تم غالب رہو۔۔یا۔۔مغلوب۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو؟ اسلئے کہ خود ارشادِ الٰہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں جو لڑے) اور جہاد کرے (پھر مارڈالا جائے) شہید کردیا جائے (یا جیت جائے تو) دونوں صورتوں میں (ہم جلد دینگے اسکو اجر عظیم) قتل ہوجانے کی صورت میں شہادت کا عظیم درجہ اسے حاصل ہوجائیگا اور دنیا کی فانی زندگی کو قربان کرکے وہ آخرت کی لافانی زندگی والا ہوجائیگا، ایسا کہ اسے مردہ کہنا تو بڑی بات مردہ گمان کرنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ اور غالب ہوجانے کی صورت میں اخروی اجر کے ساتھ ساتھ دنیاوی منفعت بھی حاصل ہوگی۔ اور جب جہاد فی سبیل اللہ کی عظمتیں اور اسکے فوائد بے شمار ہیں، تو اے ایمان والو! سوچو۔۔۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ

اور تمہیں کیا کہ اللہ کی راہ میں نہ لڑو، اور کمزوروں کیلئے، مردوں

وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ

اور عورتوں اور بچوں میں سے، جو دعائیں کرتے ہیں کہ پروردگارا ہمیں نکال لے چل اس

الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا

آبادی سے، ظالم ہیں اس کے رہنے والے، اور بنادے اپنے کرم سے ہمارا کوئی یاور،

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ۝

اور بنادے اپنی عطا سے ہمارا کوئی مددگار●

(اور) بتاؤ کہ آخر (تمہیں کیا) چیز روکتی ہے (کہ) دین کی سربلندی کیلئے، شرک کے اندھیروں کی جگہ نور توحید پھیلانے کیلئے، اور شر اور ظلم کی بجائے خیر اور عدل کا دور دورہ کرنے کیلئے، اور اپنے اسلامی بھائیوں مردوں، عورتوں اور بچوں کو کفار کے ظلم وستم سے بچانے کیلئے، (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں نہ لڑو اور کمزوروں) کو کفار کے جور وستم سے بچانے (کیلئے) یعنی سلمہ بن ھشام، ولید بن ولید، عباس بن ابی ربیعہ اور ابو جندل بن سہیل وغیرہم جیسے مظلوم (مردوں) میں سے (اور) ام شریک جیسی مظلوم (عورتوں) میں سے (اور) ابن عباس جیسے بے بس ونا چار (بچوں میں سے)۔۔۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ان سب کو نجات دلانے کی کوشش نہ کرو (جو) عاجزی وتضرع کی راہ سے بارگاہ خداوندی میں (دعائیں کرتے ہیں کہ پروردگارا ہمیں نکال لے چل) مکہ کی (اس آبادی سے) کیونکہ (ظالم ہیں اسکے رہنے والے) بنیادی طور پر اپنے کفر وشرک کے سبب سے۔ اسلئے کہ شرک بہت بڑا

ہے اور ظاہری طور پر اپنی ان زیادتیوں کی وجہ سے جو وہ کمزوروں پر کر رہے ہیں۔ (اور بنادے اپنے کرم سے ہمارا کوئی یار اور بنادے اپنی عطا سے ہمارا کوئی مددگار) جو دشمنوں کا شر ہم پر سے دفع کرے۔

حق تعالیٰ نے انکی دعا قبول فرمائی جسکے سبب بعضوں کو مکہ معظمہ سے نکلنا ممکن ہوگیا اور بعضے جو وہاں رہ گئے تھے انکے واسطے رسول مقبول جیسا دوست بھیج دیا، کہ فتح مکہ کے دن سبھوں کی دلنوازی کر کے انکے مہمات سرانجام فرمادیئے اور انکے واسطے حامی اور مددگار مقرر کردیا یعنی عتاب بن اسید کو آنحضرت ﷺ نے مکہ کا حاکم کردیا اور وہ ان ضعیفوں اور بے چاروں کا یار و مددگار رہا۔ اس مقام پر یہ یاد رکھو۔۔۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ

جو ایمان قبول کر چکے وہ لڑتے ہیں راہ میں اللہ کی۔ اور جنھوں نے انکار کردیا وہ لڑتے ہیں

فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ

شیطان کی راہ میں، تو لڑو شیطان والوں سے۔

اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾

بے شک شیطان کی چال کمزور ہے●

(جو ایمان قبول کر چکے) ہیں (وہ لڑتے ہیں) اللہ تعالیٰ کی (راہ میں)، (اللہ کی) رضا اور خوشنودی کیلئے۔ انکے سامنے اخروی مقاصد ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور اسکے دین کی سربلندی کیلئے لڑتے ہیں۔ وہ بت پرستی، کفر و شرک، شر و فساد کو مٹانے اور نظام اسلام کو قائم کرنے، خیر کو پھیلانے اور عدل و انصاف کو نافذ کرنے کیلئے لڑتے ہیں۔ انکا مقصد زمین کو حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنا ہوتا ہے۔ وہ اپنے استعمار اور آمریت قائم کرنے کیلئے اور دوسروں کی زمین پر قبضہ کرنے اور لوگوں کو اپنا محکوم بنانے کیلئے نہیں لڑتے، بلکہ انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے آزاد کرا کر سب لوگوں کو خدائے واحد کے حضور سر بہ سجود کرانے کیلئے جہاد کرتے ہیں۔

(اور) اسکے برخلاف وہ بت پرست اور یہود و نصاریٰ (جنہوں نے) خدا سے بغاوت کردی اور دین خداوندی یعنی اسلام کو قبول کرنے اور ایمان لانے سے (انکار کردیا وہ لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں) یعنی اس راہ میں جسکا طاغی باغی شیطان نے انکو حکم دیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ صرف

مادی مقاصد کے حصول کیلئے جنگ کرتے ہیں، تاکہ بت پرستی کا بول بالا ہو اور اپنی قوم کی حمایت ہو۔ انکے پیش نظر زمین اور مادی دولت ہوتی ہے۔ وہ اپنے نام ونمود، اپنی بڑائی اور دنیا میں اپنی بالادستی قائم کرنے کیلئے لڑتے ہیں۔

(تو) اے خدا کے دوستو! جب یہ سرکش افراد اپنی سرکشی کا مظاہرہ کسی نہ کسی ڈھنگ سے کرنے لگیں، تو تم خاموش بیٹھے نہ رہو، بلکہ (لڑو) اور جہاد کرو ان (شیطان) کے حکم پر چلنے (والوں) اور ان شیطان کے دوستوں اور اسکے فرمانبرداروں (سے) اور انکے مکروفریب سے اپنے کو بچاتے رہو، اور یقین کرلو کہ (بیشک شیطان کی چال) اور اسکا فریب باطل اور بے دلیل ہونے کی وجہ سے (کمزور) اور سست و بے زور (ہے)۔ یہ تو صرف دین اسلام ہی ہے جو اپنے دلائل و براہین کے لحاظ سے سارے ادیان باطلہ پر غالب ہے۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَیْدِیَكُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ

کیا ان کی طرف نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ اپنے ہاتھ روکو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو،

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ

پھر جب لازم کیا گیا ان پر قتال، اس وقت ان کی ایک ٹولی ہے جو لوگوں سے ڈرتی ہے،

كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ

جیسے اللہ سے ڈرے، بلکہ حد سے زیادہ ڈر۔ اور بولے پروردگارا کیوں ضروری کردیا تو نے ہم پر لڑنے مرنے کو،

لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ

کیوں نہ مہلت دے دی تو نے ہم کو تھوڑی سی زندگی کی۔ تم کہہ دو کہ دنیاداری چندروزہ ہے، اور آخرت

خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ۝

بہت بہتر ہے اس کیلئے جو ڈرا۔ اور نہ ظلم کئے جاؤ گے دھاگ بھر●

اے محبوب! (کیا) تم نے عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، مقداد بن اسود رضی اللہ عنہم اور (ان) جیسوں (کی طرف نہیں دیکھا) اور انکے جذبات خیر کی طرف توجہ نہیں فرمائی، جو مکہ شریف میں کفار کے مظالم سے تنگ آکر اصرار و مبالغہ کے ساتھ عرض کرتے تھے کہ یارسول اللہ ﷺ ہمیں اجازت دیجئے کہ مشرکوں سے ہم لڑیں، اس واسطے کہ انکی ایذارسانی اور تکلیف دہی حد سے گزر گئی ہے (جن

جیسے) انکی اس خواہش کے جواب میں حکم الٰہی سے (کہا گیا کہ) ابھی صبر کرو اور جب تک حکم الٰہی نہ آجائے اسوقت تک کفار کی لڑائی سے (اپنے ہاتھ روکو اور) کافروں سے جہاد شروع نہ کرو۔

۔۔بلکہ۔۔جو احکام تم پر فرض کئے جاچکے ہیں انہیں پر عمل کرتے رہو۔۔چنانچہ۔۔پابندی کے ساتھ (نماز قائم کرو) باضابطہ کما حقہ اسے ادا کرتے ہوئے (اور) صاحب نصاب ہونے کی صورت میں مستحقین کو (زکوٰۃ دو) فی الحال انہی فرائض پر عمل کرلینا تمہارے لئے کافی ہے اور (پھر جب) وہ ہجرت کر کے مدینہ میں آئے اور (لازم کیا گیا ان پر) کافروں کے ساتھ (قتال)، تو (اس وقت انکی ایک ٹولی ہے) جسکا حال اس جماعت جیسا ہے (جو) بوجہ ضعف قلب۔۔یا۔۔بوجہ نفاق (لوگوں سے ڈرتی ہے) یا ان میں بعض بوجہ ضعف قلب، فوت اور موت سے بالطبع ڈرنے والے تھے اور بعض بوجہ نفاق خوف زدہ بن کر اپنے کو جہاد سے بچانا چاہتے تھے۔اور انکا خوف کچھ ہلکا پھلکا خوف نہیں تھا، بلکہ ایسا ڈرتے (جیسے) کوئی (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرے بلکہ حد سے زیادہ ڈر) ان میں کمزوردل والوں کا خوف بشری تقاضے اور ضعف بشریت کی وجہ سے تھا، حکم خدا کو مکروہ جاننے کی وجہ سے نہیں تھا۔

۔۔الختصر۔۔حکم خدا کے آگے انکا سر تسلیم جھکا ہوا تھا۔لیکن۔۔بشری کمزوری کے سبب موت و فوت کے خیال سے خوفزدہ تھے۔رہ گئے اہل نفاق تو وہ اپنی بزدلی، کم ہمتی اور اسلام دشمنی، کی وجہ سے جہاد سے کترانا چاہتے تھے اور موت سے گھبراتے تھے۔۔کیونکہ۔۔انکے کفر و نفاق نے انکو کمزور بنادیا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا فائدہ تو ہماری زندگی سے وابستہ ہے، مرنے کے بعد ہمیں کیا ملنے والا ہے؟ وہ مومن تھے ہی نہیں تو پھر شہادت کی موت کی عظمت کا ادراک کیسے کر سکتے تھے؟۔۔الختصر۔۔انکا مرنے سے ڈرنا انکے کفر و نفاق کی فطرت کا تقاضہ تھا۔

۔۔الغرض۔۔یہ ڈرنے والے خاموش نہ رہ سکے (اور بولے پروردگارا کیوں ضروری کر دیا تو نے ہم پر لڑنے مرنے کو، کیوں نہ مہلت دے دی تو نے ہم کو تھوڑی سی زندگی کی) کفار سے مقابلہ ہم پر واجب قرار دیکر مزید کچھ دنوں کیلئے امن وامان اور بے خوفی کے ساتھ زندہ رہنے کا اور زندگی سے لطف اندوز ہونے کا موقع عطا نہیں فرمایا۔

اگر منافقوں سے یہ سوال صادر ہوا تو کچھ عجب نہیں اسلئے کہ انکے نفاق کا تقاضہ یہی تھا کہ جہاد سے پہلوتہی کیلئے وہ اسطرح کا سوال کر بیٹھیں۔۔اور۔۔اگر بعض مسلمانوں سے بھی یہ سوال واقع ہوا ہو، تو صرف طبعی خوف اور بد دلی سے انہوں نے ایسی بات کہی اور پھر

توبہ کر لی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ آیت قتال نازل ہونے کے بعد منافق ہوگیا اور جہاد سے انکار کردیا۔ یہ ان ہی کا قول تھا۔ اور صحیح تر بات یہ ہے کہ اس سوال کو تخفیف تکلیف کی تمنا پر محمول رکھیں، وجہ انکار پر نہیں۔۔ الغرض۔۔ سوال کرنے والے جہاد کے منکر نہیں تھے، بلکہ وہ صرف اپنے لیے کسی آسان صورت حال کے خواہشمند تھے، جس سے انہیں فی الحال جہاد کرنے سے رخصت مل جائے۔

تو اے محبوب! (تم) ان ڈرنے والوں سے جنہوں نے دنیا کے ساتھ اپنا دل اٹکا رکھا ہے (کہہ دو کہ دنیاداری) جس سے دنیا میں فائدہ اٹھاتے ہیں، آخرت کے سامنے (چندروزہ ہے، اور آخرت بہت بہتر ہے اس کیلئے جو ڈرا) اور پرہیز کرتا رہا شرک سے اور بری باتوں سے (اور) اے مجاہدین فی سبیل اللہ! سن لو کہ (نہ ظلم کئے جاؤ گے دھاگ بھر)۔ یعنی تمہارے جہاد کے ثواب کے درجوں میں خدا کچھ کم نہ کریگا، اس ڈورے کے برابر بھی جو کھجور پر ہوتا ہے۔ پس پورا ثواب پانے کے وعدہ پر بھروسہ کئے رہو اور موت جو ضرور آنے والی ہے اس سے نہ ڈرو، اس واسطے کہ کسی گردن کو اس کمند سے رہائی میسر نہیں اور کسی آڑ میں اس واقعہ سے چھٹکارا متصور نہیں۔۔ تو۔۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَاِنْ

جہاں کہیں رہو لے لے گی تم کو موت، گو تم مضبوط قلعوں میں رہو۔ اور اگر

تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا

پہنچی ان کو بھلائی، کہہ دیں یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اگر پہنچی برائی، تو کہیں کہ

هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ

یہ آپ کی طرف سے ہے۔ کہہ دو سب اللہ کی طرف سے ہے۔ تو کیا ہوا ہے اس قوم کو

لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ۝

کہ بات سمجھیں، اس کے قریب نہیں پھٹکتے •

(جہاں کہیں) بھی (رہو) گے (لے لے گی تم کو موت گو تم مضبوط قلعوں میں رہو)۔۔ [redacted]

آراستہ محلوں میں رہو۔۔ یا۔۔ آسمان کے بارہ برجوں کے بیچ میں رہو [redacted]

کو موت سے [redacted]

نہیں۔ یہ منافقین بھی عجیب ہیں (اور) انکی سوچ بھی عجیب ہے۔۔ کیونکہ۔۔ (اگر پہنچی انکو)۔۔ مثلاً

غنیمت اور فتح کی صورت میں (بھلائی) جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا، تو (کہہ دیں) گے (یہ اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے اور اگر پہنچی برائی) تنگ دستی، قحط اور ہزیمت کی صورت میں، جیسا کہ جنگ احد میں ہوا (تو کہیں کہ) اے محمد ﷺ '(یہ آپکی طرف سے ہے) یعنی آپکی ان تدبیروں کی وجہ سے ہے جو درست نہ تھیں۔

ایسے ہی آنحضرت ﷺ نے جب مکہ سے مدینہ شریف کیلئے ہجرت فرمائی اور اس سال پچھلے سال کی طرح میوے نہ ہوئے، اور نرخ گراں ہونے لگی تو یہود اور منافقوں نے اس حال کو رسول مقبول ﷺ کے آنے کی جانب منسوب کیا۔ حق تعالیٰ انکا قول جھوٹا کرنے کو حکم فرماتا ہے کہ۔۔۔

اے محمد ﷺ ' ان سے (کہہ دو) کہ تنگی اور کشایش، گرانی اور ارزانی اور ہزیمت اور غنیمت (سب) کا سب (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے) جو کچھ ہوتا ہے اسی کے ارادے سے ہوتا ہے۔ (تو کیا ہوا ہے اس قوم) یہود اور گروہ منافقین (کو کہ) اتنی واضح اور روشن (بات سمجھیں)۔ وہ کیا سمجھیں گے جبکہ حال یہ ہے کہ وہ (اس) سمجھنے (کے قریب) بھی (نہیں پھٹکتے)۔۔الغرض۔۔جانوروں کی طرح سنتے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں۔ جن باتوں میں انکی خیر خواہانہ نصیحتیں ہیں اسپر بھی دھیان نہیں دیتے اور اسے بھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔۔الحقصر۔۔اے انسان! تو اس حقیقت کو سمجھ لے کہ۔۔۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ

جو تم کو پہنچی بھلائی تو اللہ کی طرف سے ہے، اور جو پہنچی برائی،

فَمِنْ نَّفْسِكَ ۚ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝

تو یہ تیری شامت ہے۔ اور ہم نے بھیجا تم کو ہر انسان کیلئے رسول۔ اور اللہ کافی گواہ ہے●

[redacted] لہذا اسکے فضل وکرم
[redacted] اعمال
[redacted]

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اس آیت کریمہ میں جس اچھائی اور برائی وغیرہ کی طرف اشارہ ہے، اسکا تعلق 'امور تکوینیہ' سے ہے 'امور تشریعیہ' سے نہیں ہے۔ 'امور تکوینیہ'

سے مراد وہ امور ہیں جو بندوں کے دخل کے بغیر وقوع پذیر ہوتے ہیں، جیسے پیدا ہونا، مرنا، صحت، بیماری، بارش کا ہونا نہ ہونا، طوفانوں اور زلزلوں کا آنا وغیرہ وغیرہ اور 'امور تشریعیہ' سے مراد وہ کام ہیں جن کے کرنے یا انکے نہ کرنے کا بندوں کو حکم دیا ہے۔۔مثلاً: نیک کام کرنا اور بُرے کاموں کو ترک کرنا۔ نیک اور بد کاموں میں سے جسکا بندہ قصد وارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسکو پیدا فرما دیتا ہے۔

بندہ کے ارادے کو 'کسب' اور اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے کو 'خلق' اور 'ایجاد' کہتے ہیں اور بندے کو اسکے کسب کی وجہ سے جزا۔۔یا۔۔سزا ملتی ہے۔کسب اور خلق کے فرق کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ انسان نہ تو پتھروں کی طرح مجبور محض ہے، اور نہ ہی ایسا بااختیار کہ اس کو اسکے افعال کا خالق کہا جاسکے۔ جبر واختیار کے مذکورہ بالا نظریات اور اسکے آثار اب بھی بعض لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ ہر نبی کے فرائض نبوت کا تعلق 'امور تشریعیہ' سے ہوتا ہے نہ کہ 'امور تکوینیہ' سے۔

تو اے محبوب! آپ تو اس حقیقت سے واقف (اور) اچھی طرح باخبر ہیں کہ (ہم نے بھیجا تم کو ہر انسان کیلئے رسول) بنا کر تا کہ تم میرے نازل فرمودہ احکام ان تک پہنچا دو۔ رہ گیا 'امور تکوینیہ' میں دخل اندازی کرنا، تو یہ تمہاری ذمہ داری نہیں اور نہ ہی تم اس کیلئے مبعوث کئے گئے ہو۔لہٰذا 'امور تکوینیہ' کے تحت ہونے والی کسی بھلائی۔۔یا۔۔برائی کی نسبت تمہاری طرف کرنا کوتاہ فکری اور کج فہمی کی نشانی ہے ۔۔المختصر۔۔تم اللہ کے رسول ہو (اور اللہ) تعالیٰ تمہاری رسالت پر (کافی گواہ ہے) ۔۔لہٰذا۔۔کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ۔۔نیز۔۔منافقین کے انکار سے تمہارے منصب رسالت پر آنچ نہیں آتی۔

ذہن نشین رہے کہ رسول کا کام خدا ہی کے حکم سے خدا ہی کی عبادت واطاعت کی طرف بلانا ہے، تو رسول کی فرمانبرداری خود خدا ہی کی فرمانبرداری ہے۔۔چنانچہ۔۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى

جس نے کہا کیا رسول کا، اس نے کہا مانا اللہ کا۔ اور جس نے بے رخی کی،

فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝

تو ہم نے نہیں بھیجا ہے تم کو ان کی حفاظت کا ذمہ دار●

(جس نے کہا کیا رسول کا) اور رسول کے کہنے پر عمل کیا، تو (اس نے کہا مانا اللہ) تعالیٰ (کا)

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم پر ایمان لایا (اور جس نے بے رخی کی) اور پھر گیا تمہارے حکم سے۔۔الغرض۔۔ تمہارے حکم کو جان بوجھ کر دل سے نظر انداز کر دیا، (تو) اے محبوب! تم اس کیلئے فکر مند نہ ہو، اسلئے کہ (ہم نے نہیں بھیجا ہے تم کو انکی حفاظت کا ذمہ دار) بنا کر، کہ آپ انکی گناہوں سے محافظت کریں۔۔الغرض ۔۔یہ حفاظت آپکے فرائض رسالت میں نہیں ہے۔ یہ منافقین بھی عجیب سرکش ہیں، جب آپکی بارگاہ میں ہوتے ہیں تو اپنی منافقت کا رنگ دکھاتے ہیں۔۔۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

اور کہہ تو دیتے ہیں کہ سرتسلیم خم ہے، پھر جب نکل گئے تمہارے پاس سے، رات بھر کرتی رہی انکی ایک ٹولی اپنے کہے

غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ

کے خلاف۔ اور اللہ لکھ رکھتا ہے جو رات بھر منصوبے گانٹھتے ہیں۔ تو ان سے آنکھیں بچالو

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور اللہ کافی بھروسہ ہے ●

(اور) کہنے کو (کہہ تو دیتے ہیں کہ) آپکے حضور (سر تسلیم خم ہے) یعنی آپکا کام حکم فرمانا ہے اور ہمارا کام فرمانبرداری کرنا ہے (پھر جب نکل گئے تمہارے پاس سے، رات بھر کرتی رہی انکی ایک ٹولی اپنے کہے کے خلاف) یعنی جو دن میں آپکے سامنے کہتے ہیں، رات میں اپنی جماعت کے درمیان اُسی کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور اسکے خلاف منصوبے بناتے ہیں۔۔یا۔۔آپ جو ان سے کہتے ہیں وہ اپنی ٹولی میں اسکو بدل کر آپکی طرف سے پیش کرتے ہیں (اور) ان نادانوں کو خبر نہیں کہ (اللہ) تعالیٰ (لکھ رکھتا ہے) لوح محفوظ میں۔۔یا۔۔نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے خدا کے حکم سے لکھ لیتے ہیں (جو) کچھ وہ (رات بھر منصوبے گانٹھتے ہیں) اور تدبیریں کرتے ہیں۔

(تو) اے محبوب! ابھی ان پر عتاب نازل نہ کرو، نہ ہی فی الحال انہیں قتل کرو، بلکہ کچھ دنوں کیلئے انکو چھوٹ دے دو۔ اور (ان سے) صرف نظر کرتے ہوئے اپنی (آنکھیں بچالو) اور انہیں توبہ کرنے کی مہلت دیدو (اور اللہ) تعالیٰ (پر بھروسہ رکھو) اور اپنا کام اسی پر چھوڑ دو (اور) تم تو جانتے ہی ہو کہ (اللہ) تعالیٰ (کافی) ہے اور وہی (بھروسہ) کرنے کے لائق (ہے)۔ وہی بندوں کا کام بنانے والا، احوال میں تصرف کرنے والا، اور متوکلوں کی مہمات میں کفایت کرنے والا ہے۔ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہ سمجھ سکنے والے اور قرآنی احکام کو حکم الٰہی باور نہ کرنے والے۔۔۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ

کیا سوچ سے کام نہیں لیتے قرآن میں؟ اگر یہ ہوتا اللہ کے سوا کسی کی طرف سے،

لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

تو پاتے اس میں بہتیرے اختلاف●

(کیا سوچ سے کام نہیں لیتے قرآن میں)؟ تا کہ اعجاز کے آثار سے انہیں ظاہر ہو جائے کہ یہ حق تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔ انہوں نے اتنا بھی غور نہ کیا کہ (اگر یہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کے سوا کسی) اور (کی طرف سے) جیسا کہ کافروں اور منافقوں کو گمان ہے (تو پاتے) عقل وفہم والے (اس میں بہتیرے اختلاف) یعنی معنی میں تناقض اور نظم میں تفاوت۔ اسلئے کہ آدمی تفاوت اور خلل سے خالی نہیں، خواہ بحسب لفظ خواہ بحسب معنی۔

جب حق تعالیٰ نے معصومین سے بھی انکی شان کے لائق سہو ونسیان اور خطاء ولغزش صادر ہونے دیا، تو پھر کسی غیر معصوم کے کلام اور اسکے افعال واقوال میں خطاء ونسیان کو عادتاً محال قرار دینا، اگر ایک ناحق اور غیر دانشمندانہ فکر ہے، تو اسے عقلاً ناممکن قرار دینا کلام انسانی کو کلام الٰہی کے ہم پایہ کرنے کی ایک بہت بڑی جسارت ہے۔

منافقین۔۔یا۔۔ضعفائے مسلمین میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو مسلمانوں کے لشکر میں تو شامل ہو جاتے تھے، لیکن انکی عادت یہ تھی کہ اسلامی لشکر کو شکست ہوتی۔۔یا۔۔اسے مال غنیمت حاصل ہوتا، دونوں صورتوں میں وہ نبی کریم کو اسکی خبر دینے سے پہلے ہی اس خبر کو اڑا دیتے تھے تا کہ شکست کی خبر سے مسلمانوں کے دل کمزور ہوں اور نبی کریم کو اذیت پہنچے۔۔یا۔۔بصورت دیگر اسلامی لشکر کی کامیابی کی صورت میں کفار کے دلوں میں جذبۂ انتقام پیدا ہو اور وہ پھر مسلمانوں سے لڑنے بھڑنے کی تیاری میں لگ جائیں۔ دونوں پہلو سے ان خبر اڑانے والوں کا مقصود مسلمانوں کو ضرر پہنچانا ہی ہے۔۔المختصر۔۔ان خبر اڑانے والوں کی عادت۔۔۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى

اور جب آئی ان کے پاس کوئی بات امن یا ڈر کی، تو چرچا مچا دیا اس کا، اور اگر سپرد کر دیتے اسے

الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ

رسول کے، اور اپنے بڑوں کی طرف، تو ساری بات جان جاتے جو ان میں چھانٹ لیتے ہیں حقیقت کو،

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت، تو ضرور پیچھے لگ جاتے تم شیطان کے مگر تھوڑے●

(اور) روش یہی رہی کہ (جب آئی انکے پاس کوئی بات امن) کی ۔۔مثلاً: نبی کریم ﷺ کا کسی قوم سے مصلحت کا قصد فرمانا ۔۔یا۔۔لشکر اسلام کا کامیاب ہو جانا (یا ڈر کی) جیسے دشمنوں کا اجتماع ۔۔یا۔۔مسلمانوں کے لشکر میں کسی لشکر کی کمی، (تو) تحقیق کرنے سے پہلے ہی (چرچا مچا دیا اسکا) (اور اگر سپرد کر دیتے اسے رسول) کی اصابت رائے (کے)، تو سرکار جب چاہتے اپنی صوابدید سے اس خبر کو ظاہر فرماتے۔ (اور) بصورت دیگر یہ بھی کرتے تو مناسب ہوتا کہ اس خبر کو (اپنے بڑوں) یعنی صاحبان علم و تدبر صحابہء کرام ۔۔یا۔۔اپنے لشکر کے حاکموں (کی طرف) پہنچا کر انہیں باخبر کر دیتے (تو ساری بات جان جاتے) وہ لوگ (جو ان میں) اپنی فکر سلیم اور عقل مستقیم سے کام لیکر ۔۔نیز۔۔نبی کریم سے مشورہ کر کے اور آپ سے ہدایت حاصل کر کے (چھانٹ لیتے ہیں حقیقت کو)، یعنی خبر کا تجزیہ کر کے صحیح نتیجے تک پہنچ جاتے ہیں، اور انہیں اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ کس خبر کو ظاہر کر دینا چاہئے اور کس خبر کو پوشیدہ رکھنا چاہئے۔

اے ایمان والو! سن لو (اور) اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بن جاؤ، اسلئے کہ (اگر نہ ہوتا) ذات رسول اور بعثت رسول کی شکل میں ۔۔نیز۔۔اسلام کی صورت میں (اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر) (اور) قرآن کریم اور توفیق خیر کی شکل میں (اسکی رحمت) اور اگر تم رسول کریم، اسلام اور قرآن کی برکتوں سے محروم رہتے (تو ضرور پیچھے لگ جاتے تم شیطان کے) اور اسکی پیروی کر لیتے (مگر) تم میں (تھوڑے) چند لوگ شیطان کی اطاعت سے محفوظ رہتے۔

۔۔الغرض۔۔چند مخصوص ترین لوگوں کے سوا سب بہک جاتے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اپنے رسول کو مبعوث فرما کر تمہاری ہدایت کا سامان فراہم فرما دیا۔۔چنانچہ۔۔وہ رسول اعلاء کلمۃ الحق کیلئے بوقت ضرورت خود بھی جہاد فرماتا رہا اور دوسروں کو بھی اسکی ترغیب دیتا رہا اور حکم الٰہی سے انکی مذمت فرماتا رہا جو جہاد فی سبیل اللہ سے روکتے تھے اور لوگوں کو منع کرتے تھے۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ نے خود اپنے رسول کو مخاطب فرما کر صاف صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! آپ ان لوگوں کے منع کرنے کی طرف توجہ اور التفات نہ کیجئے اور جہاد کیلئے نکل پڑیئے خواہ تنہا ہی نکلنا پڑے۔۔۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ

پس لڑو اللہ کی راہ میں۔ اور تم ذمہ دار نہیں کیے گئے مگر اپنے، اور ابھار و اپنے ماننے والوں کو،

عَسَى اللَّهُ أَن يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا

قریب ہے کہ اللہ روک دے جنگ کافروں کی، اور اللہ طاقت جنگ میں سب سے زیادہ زوردار اور سب سے بڑا ہے سزا دینے میں

(پس) اے محبوب! بوقت ضرورت (لڑو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)۔

--چنانچہ--اس حکم الٰہی کے پیش نظر بدر الصغریٰ میں جہاں ابوسفیان نے آپ سے مقابلہ کا وعدہ کیا تھا آپ ستر مسلمانوں کو لے کر نکل پڑے اور اس موقع پر جن بعض مسلمانوں نے وہاں جانا ناپسند کیا تھا، آپ نے انکی طرف اور انکی ممانعت کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی --بالفرض--اگر یہ ستر بھی ساتھ نہ ہوتے، جب بھی آپ تنہا روانہ ہوجاتے اور اپنے عمل سے ظاہر فرمادیتے کہ کسی بھی معرکہ میں کامیابی کی بنیادی وجہ صرف نصرت الٰہی ہے، جو کسی ایک فرد کو بھی حاصل ہوسکتی ہے۔ اس کیلئے افرادی قوت کو صرف ثانوی درجہ حاصل ہے۔ یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ شجاع اور دلیر تھے۔ اور قتال کے احوال کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے، کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف نبی کو قتال کا مکلف کیا ہے۔

(اور) قتال کا حکم دیکر فرمادیا کہ اے محبوب! (تم ذمہ دار نہیں کیے گئے مگر اپنے)--بایں ہمہ--مسلمانوں کو بھی بالکل نظر انداز نہ کرو (اور ابھار و اپنے ماننے والوں کو) بھی تا کہ وہ بھی اس فضل سے محروم نہ رہیں--المختصر--آپ کے ذمہ صرف ترغیب ہے [illegible] اور اپنے ان چاہنے والوں کو مطمئن کردو کہ یقیناً (قریب ہے کہ اللہ) تعالیٰ (روک دے جنگ کافروں کی) اور کافروں کے دل میں خوف ڈال دے۔

--چنانچہ--بدر صغریٰ میں یہی ہوا کہ ابوسفیان ڈرا اور بدر کے میدان میں نہیں آیا۔

--الغرض--یہ ایک حقیقت (اور) روشن سچائی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (طاقت جنگ) ہیبت وصولت (میں سب سے زیادہ زوردار) ہے۔ اسکی ہیبت وصولت کے آگے کفار کی طاقت شمار میں ہے؟ (اور سب سے بڑا ہے سزا دینے میں) عقوبت اور عذاب کرنے میں۔

تو اگر ڈرنا ہے تو خدا کے عذاب سے ڈرو اور اسکی عقوبت سے اپنے کو بچاؤ۔ کفار اس لائق کہاں ہیں کہ ان سے ایسا خوفزدہ رہا جائے جو دین اسلام ہی سے دور کردے۔۔الغرض۔۔خدا سے جس طرح ڈرنا چاہئے بالکل اسی طرح غیر خدا سے ڈرنا ایمان والوں کی شان نہیں۔

منافقین کی بھی عجیب روش تھی کہ اپنے بعض منافقین کو جہاد میں شریک ہونے سے بچانے کیلئے حضور کی بارگاہ میں سفارش کرتے تھے کہ انکو فلاں فلاں عذر ہے۔۔لہٰذا۔۔انکو جہاد میں نہ شریک ہونے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ چونکہ یہ سفارش بدنیتی پر مبنی ہوتی تھی اسلئے یہ بری شفاعت ہے اور اس شفاعت میں جہاد میں نہ شریک ہونے کا گناہ دونوں کو ہوگا۔ انکو بھی جو جہاد میں شریک نہیں ہوا اور انکو بھی جنہوں نے انکے لئے اسکی سفارش کی۔ تو سفارش کرنے والے غور سے سن لیں کہ۔۔۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

جو سفارش کرے اچھی، تو اس کا حصہ اس سے ہے۔ اور جو سفارش کرے

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

بُری، اس کے لیے اس میں سے حصہ ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قوت رکھنے والا ہے●

(جو سفارش کرے اچھی) کہ اس سے کوئی حق ثابت ہو اور کسی کو نفع پہنچے اور کسی سے ضرر دفع ہو (تو اس) درخواست کرنے والے (کا حصہ اس) درخواست کے ثواب میں (سے ہے اور) اسکے برخلاف (جو سفارش کرے بری) کہ اسکے سبب سے حقوق میں سے کوئی حق فوت ہو اور کسی کو ضرر پہنچے اور کسی کی بھلائی رک رہے، تو (اس) سفارش کرنے والے (کیلئے اس) کے وبال (میں سے حصہ ہے)۔ پہلی صورت میں ثواب دینے (اور) دوسری صورت میں وبال و ہلاکت میں مبتلا کردینے۔۔الحاصل۔۔ (اللہ) تعالیٰ (ہر چیز پر قوت رکھنے والا) توانا اور صاحب قدرت (ہے)۔۔نیز۔۔سب چیزوں کا نگہبان اور سب چیزوں پر گواہ ہے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد کے احکام میں سے یہ بھی ہے کہ جب فریق مخالف صلح کرنے پر تیار ہو تو تم بھی اس سے صلح کرلو، اسلئے کہ اسلام صلح و سلامتی اور امن و شانتی کا دین ہے، تو اگر جہاد سے یہ مقصد حاصل ہو تو جہاد کرو اور اگر صلح سے حاصل ہو تو صلح کرلو۔۔۔

وَاِذَا حُیِّیْتُمْ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ

اور جب سلام کیا جائے تم پر کسی لفظ سے، تو تم جواب دو اس سے بہتر، یا اسی کو دہرا دو۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا ﴿۸۶﴾

بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے●

(اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (جب سلام کیا جائے تم پر کسی لفظ سے تو تم جواب دو اس سے بہتر)۔۔مثلاً: السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہے۔ اسلامی سلام یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ تمام آفتوں، بلاؤں اور مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کی دعا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے، تو وہ اسکو اپنی طرف سے ضرر اور خوف سے مامون اور محفوظ رہنے کی بشارت دیتا ہے۔۔الغرض۔ یہ سلام کا جواب سلام کرنے والے کے سلام سے بہتر دو۔ (یا) کم سے کم (اسی کو دہرا دو) اور السلام علیکم کے جواب میں وعلیکم السلام کہہ دو۔ اسطرح ابتداء بھی سلامتی کی دعا سے ہوئی اور انتہا بھی سلامتی کی دعا پر ہوئی۔

اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر سلام کرنے والا مسلمان ہو، تو اسے بہتر جواب دینا چاہئے اور اگر مسلمان نہ ہو، تو علیک کے لفظ سے اسے پھیر دینا چاہئے۔

اچھی طرح جان لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (ہر چیز کا حساب لینے والا ہے)، تو تم سے سلام اور اسکے جواب کا حساب لیگا۔

سلام کرنا اگر چہ مستحب ہے مگر اسکا جواب دینا واجب ہے۔ آج اگر چہ مسلمانوں کے درمیان سلام اور جواب سلام ایک عام طریقہ ہے، لیکن سلام کرنے والے اور جواب دینے والے دونوں کا ذہن اسکے حقیقی مفہوم اور اس مفہوم کے صحیح تقاضے سے ناآشنا ہے۔۔یا۔۔ سمجھ بوجھ کر، ناسمجھ بنے ہوئے ہیں اور ناسمجھوں کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ اور اگر سارے لوگ اسکو سمجھ کر ادا کریں اور اسکے تقاضے پر مکمل طور پر عمل کرنے لگیں پھر تو مسلمانوں کے درمیان صلح و سلامتی کا وہ ماحول پیدا ہو جائے کہ سارے انتشار وافتراق اور نفسانی جنگ و جدال کی جڑ ہی کٹ جائے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اگر جماعت مسلمین کو سلام کیا تو ہر ایک پر جواب دینا فرض کفایہ ہے لیکن جب کسی ایک نے جواب دیدیا تو باقیوں سے جواب دینے کا فرض ساقط

ہوجائیگا۔منافق اور فجار کو پہلے سلام نہیں کرنا چاہئے۔اگر کوئی اجنبی عورت کسی مرد کوسلام کرے، تو اگر وہ بوڑھی ہو،تو اسکو اسکے سلام کا جواب دینا چاہئے اور اگر جوان ہو،تو اسکے سلام کا جواب نہ دے،یعنی اسکو جواب دینا واجب نہیں۔ بلکہ جواب دینے سے احتراز بہتر ہے۔اب اگر موجودہ عام روش۔۔یا۔۔کسی نیت خیر کی بنیاد پر جواب دے دیا تو گنہگار نہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے سلام کا احسن طریقے سے جواب دینے کا حکم دیا تھا،اسکا تقاضہ یہ ہے کہ جو اجنبی شخص تم کوسلام کرے،تو اسکو مسلمان جانو اور یہ نہ سمجھو کہ اس نے جان بچانے کیلئے سلام کیا ہے اور اسکے دل میں کفر ہے۔کیونکہ باطن کا حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور جس نے اسلام کو ظاہر کیا اور باطن میں وہ کافر تھا،اسکا حساب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لیگا،اسلئے اسکے بعد قیامت کا ذکر کیا۔۔الغرض۔۔اسکی گرفت سے کوئی باہر ہونے والا نہیں اور اسکی پکڑ سے کوئی کیسے بچ سکتا ہے اسلئے کہ وہ شان کبریائی رکھنے والا۔۔۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

اللہ، کہ نہیں کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا،ضرور جمع کریگا تم لوگوں کو قیامت کے دن،جس میں ذرا شک نہیں۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾

ع ۸

اور کون زیادہ سچا بات کا ہوگا اللہ سے●

(اللہ) تعالیٰ (کہ نہیں کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا)۔خدا کی قسم وہ (ضرور جمع کریگا تم لوگوں کو قیامت کے دن،جس) دن کے ہونے۔۔یا۔۔اس جمع ہونے (میں ذرا شک نہیں اور) جب اللہ تعالیٰ نے فرما ہی دیا ہے،تو شک کا سوال ہی کیا۔اسلئے کہ (کون زیادہ سچا بات کا ہوگا اللہ) تعالیٰ (سے)۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی سچا نہیں۔یعنی اللہ تعالیٰ کی بات اور وعدہ میں جھوٹ کو راہ نہیں،اس واسطے کہ جھوٹ نقص ہے اور حق تعالیٰ نقص سے پاک ہے۔

اس سے پہلے ہدایت دی جاچکی ہے کہ اگر کوئی بھی تم کوسلام کرے تو اسکے تعلق سے کسی بدگمانی کا شکار نہ ہو اور اسکے سلام کا جواب اچھے اور بہتر طریقے پر دو،لیکن اسکا مطلب یہ نہیں کہ جنکا کفر ونفاق حالات وتجربات کی روشنی میں تم پر واضح ہو چکا ہو،انکے تعلق سے آپس میں مختلف الرائے ہوجاؤ۔لہٰذا وہ قوم جس نے مکہ سے ہجرت کی اور پشیمان وشرمندہ ہوکر راہ سے پھر آئے اور رسول مقبول ﷺ کو اپنے اسلام کا پیام بھیج دیا۔۔یا۔۔وہ لوگ جنہوں نے مدینہ

کی ہوا ناموافق ہونے کا بہانہ کیا اور آنحضرت ﷺ سے اجازت چاہی کہ ہم لوگ جنگل میں رہیں، پھر مدینہ سے باہر نکل کر مکہ کے مشرکوں سے مل گئے، تو ایسوں پر اسلام۔۔یا۔۔کفر کا حکم نافذ کرنے میں تم تردد کا شکار ہو گئے، یہاں تک کہ بعض نے انہیں مسلمان سمجھ لیا۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ

توتمہیں کیا ہوا منافقوں کے بارے میں دو پارٹی، حالانکہ اللہ نے اوندھا کر دیا انکوانکے کرتوتوں کے سبب۔کیا تم چاہتے ہو

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

کہ راہ پر لے آؤ جسکو بے راہ بتا دیا اللہ نے، اور جسکو اللہ نے بے راہ بتایا، تو تم اسکے لئے راہ نہ پاؤ گے●

(تو) ذرا غور کرو کہ (تمہیں کیا ہوا) کہ تم ہو گئے (منافقوں) پر حکم کفر نافذ کرنے (کے بارے میں دو پارٹی)۔ایک کافر سمجھتی ہے اور دوسری مسلمان۔آخر تم ان لوگوں کے نفاق کے بارے میں اتفاق کیوں نہیں کر لیتے (حالانکہ) یعنی جبکہ صورت حال یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے اوندھا کر دیا انکو انکے کرتوتوں کے سبب) یعنی انکے مشرکین کے ہاں مرتد ہو کر چلے جانے اور حضور ﷺ سے دغابازی کرنے کی وجہ سے۔۔چنانچہ۔۔انہیں کفار کی طرف لوٹا دیا۔اب انکے اور کافروں کے احکام برابر ہونگے۔۔لہٰذا۔۔ذلت ورسوائی، قید وبند اور قتل کئے جانے میں یہ کافروں کے شریک ہونگے۔

تو اے سراپا اخلاص ایمان والو! (کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لے آؤ) اور اسے ہدایت یافتہ بنا دو (جسکو بے راہ بتا دیا اللہ) تعالیٰ (نے) اور اسکی گمراہی ظاہر فرما دی (اور) راہِ مستقیم پر آنے کی توفیق اس سے چھین لی ہے۔تو اچھی طرح سن لو کہ (جسکو اللہ) تعالیٰ (نے بے راہ بتا) د(یا) ہے، (تو تم اس) کو ہدایت یافتہ بنانے (کیلئے) کوئی (راہ نہ پاؤ گے)۔اور اسکو راہِ ہدایت پر لانے کیلئے تمہاری ساری کوششیں رائیگاں جائینگی۔تو تم اس گمان میں نہ رہو کہ تم منافقوں کو راہِ راست پر لا سکو گے۔

غور کرو کہ تم ایسے فعل کی کوشش کر رہے ہو جو بالکل محال ہے، کہ جسے اللہ تعالیٰ نے دروازے سے ہٹا دیا ہے تو پھر کسی کیلئے کیسے ممکن ہے کہ ایسے گمراہ کو راہ ہدایت پر لا سکے۔اسلئے ایسے لوگوں کو مومن سمجھنا یا ہدایت یافتہ بنانا وہم وخیال کی باتیں ہیں۔۔المختصر۔۔جو لوگ ایمان وہدایت سے کوسوں دور ہو چکے ہوں، ان کیلئے سعی وارادۂ ہدایت خام خیالی ہے۔ایمان والو! ذرا انکے حال پر غور تو کرو کہ وہ اپنے کفر میں کس حد تک پہنچ چکے ہیں اور کتنا غلو اختیار کر چکے ہیں۔تم تو یہ چاہتے ہو کہ وہ ہدایت یافتہ ہو جائیں۔۔۔اسکے برخلاف۔۔۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
انکی آرزو ہے کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ، جس طرح انھوں نے کفر کیا تو تم لوگ برابر ہو جاؤ۔ تو نہ بناؤ ان میں سے
اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ
دوست، یہاں تک کہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں۔ پھر اگر رُوگردانی کی تو گرفتار کرلو ان کو اور مار ڈالو ان کو
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾
جہاں پالیا انھیں، اور نہ بناؤ ان میں سے یار اور نہ مددگار●

(انکی آرزو ہے کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ، جس طرح انہوں نے کفر کیا، تو تم لوگ) کفر و طغیان، گمراہی و سرکشی میں انکے (برابر ہو جاؤ، تو) ایسے بدخواہوں، بداندیشوں اور گمراہوں کو اپنے سے دور رکھو اور (نہ بناؤ ان میں سے) کسی کو اپنا (دوست)۔ ان سے ہر طرح کی یاری اور دوستی ختم کردو (یہاں تک کہ) وہ سچے دل سے ایمان لائیں۔ ایسا پختہ، سچا، اور کھرا ایمان، جو بوقت ضرورت انہیں بخوشی ہجرت پر مجبور کردے اور پھر وہ (ہجرت کریں اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) صرف اللہ و رسول کی رضا کیلئے۔ اس میں دنیاوی غرض کا معمولی شائبہ بھی نہ ہو۔ یہاں پر یہ واضح ہو گیا کہ جو کسی دوسرے کیلئے کافر ہونے کی آرزو رکھتا ہے، وہ اس بات کا مقتضی ہے کہ وہ اندرونی طور پر کافر ہے، اگرچہ وہ لاکھ بار کہے کہ میں مسلمان ہوں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد رسول ﷺ ہے کہ۔۔۔

'کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے۔'

۔۔ اولاً تم انہیں ایمان کے نتیجے میں ہونے والی ہجرت کی دعوت دو اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں (پھر اگر روگردانی کی) اس ایمان سے جو خدا کی رضا کیلئے ہجرت اور رسول کریم ﷺ کی سچی محبت سے متعلق ہو، (تو) اب انکی کوئی رعایت نہ کرو اور گرفتار کر سکنے کی طاقت رکھنے کی صورت میں (گرفتار کرلو انکو اور) پھر (مار ڈالو انکو) حرم کے باہر یا حرم کے اندر۔۔ الغرض۔۔ (جہاں پالیا انہیں) اسلئے کہ قید اور قتل کرنے کے حکم میں، یہ دوسرے مشرکوں اور کافروں کے حکم میں ہیں (اور) ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ (نہ بناؤ ان میں سے یار اور نہ مددگار)۔

۔۔ الغرض۔۔ انہیں تم اپنے کسی معاملہ میں متولی نہ بناؤ اور نہ ہی حمایتی اور مددگار، یعنی ان سے کلی طور پر کنارہ کش ہو جاؤ اور ان سے کسی طرح کی یاری، دوستی اور حمایت قبول نہ کرو اور ہمیشہ کیلئے اسی دستور پر قائم رہو۔۔۔

إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ

مگر جو لگے ہیں ایسی قوم سے کہ تمہارے اوران کے درمیان کوئی معاہدہ ہے، یاآئے تمہارے پاس

حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَن يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

کہ سینہ تنگ ہو چکا کہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں، اور اگر اللہ چاہتا

لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ ۚ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ

ضرور چڑھادیتا ان کو تم پر، پھر وہ ضرور لڑ جاتے تم سے۔ تو اگر وہ تم سے کنارے ہوگئے، چنانچہ تم سے نہ لڑے

وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾

اور صلح کی بات ڈالی، تو نہیں دی اللہ نے تمہیں ان پر راہ ●

(مگر جو) لوگ پناہ لیکر جاملے اور (لگے ہیں ایسی قوم سے کہ تمہارے اور انکے درمیان کوئی معاہدہ ہے)۔۔مثلاً قبیلہ خزاعہ۔۔یا۔۔بنی بکر۔۔یا۔۔بنی اسلم کے، کہ رسول مقبول ﷺ نے ان سے اقرار کرلیا تھا کہ جو شخص انکے جوار اور انکی پناہ میں آجائے، وہ خود رسول کریم ﷺ کے جوار و پناہ میں آگیا۔ ایسے لوگ قید وبند اور قتل سے مستثنیٰ رہیں گے۔ (یا) وہ مستثنیٰ رہیگا جو (آئے تمہارے پاس کہ سینہ تنگ ہو چکا) خواہ جنگ بندی کا معاہدہ کرلینے کی وجہ سے۔۔یا۔۔خوف وہیبت کی وجہ سے (کہ تم سے لڑیں یا) اپنے بھائی برادری ہونے کے ناطے (اپنی قوم سے لڑیں)۔ جیسا کہ بنومدلج نے کیا۔ اسلئے کہ انہوں نے مسلمانوں سے معاہدہ کرلیا تھا کہ وہ تادم زندگی انکے ساتھ جنگ نہیں کرینگے۔۔اسی طرح۔۔انہوں نے قریش سے معاہدہ کرلیا تھا کہ وہ انکے ساتھ بھی نہیں لڑیں گے۔

۔۔الختصر۔۔ان لوگوں نے یہ عہد کرلیا تھا کہ وہ نہ تو اپنی قوم کی مدد کیلئے مسلمانوں سے جنگ کرینگے اور نہ ہی مسلمانوں کی مدد کیلئے اپنی قوم سے جنگ کرینگے۔ تو یہ لوگ بھی جب معاہدہ کرنے والوں کی پناہ میں آگئے، تو وہ گویا انہیں کے حکم میں ہیں۔ اسی لئے خون کی حفاظت میں وہ معاہدین کے حکم میں ہیں۔ مسلمانو! شکر ادا کرو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی مہربانی ہے کہ اس نے کافروں کے دل میں تمہارا رعب ڈال دیا۔۔یا۔۔خود ان کافروں کو اپنی ہی ذاتی مصلحتوں کا اسیر کردیا کہ وہ طے کر بیٹھے کہ انہیں مسلمانوں سے جنگ نہیں کرنی ہے۔

(اور اگر)۔۔بالفرض۔۔اسکے برخلاف، اپنی حکمت بالغہ کے تحت بطور آزمائش (اللہ) تعالیٰ (چاہتا) تو (ضرور چڑھادیتا انکو تم پر) انکے دلوں سے تمہارا خوف نکل جاتا (پھر وہ ضرور لڑ جاتے تم سے

مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ایسا نہیں کیا (تو اگر) بفضلہٖ تعالیٰ (وہ تم سے کنارے ہوگئے) تم سے لڑنے کا ارادہ دل سے نکال دیا (چنانچہ تم سے نہ لڑے اور) تمہارے بیچ (صلح) ومصالحت (کی بات ڈالی) اور پوری طور پر صلح پر آمادہ ہوگئے، (تو) اچھی طرح جان لو کہ اس صورت حال میں (نہیں دی ہے (اللہ) تعالیٰ (نے تمہیں ان پر) یعنی انکی جانیں مارنے اور انکے مال لوٹنے پر (راہ)۔

--الختصر--اگر وہ تم سے علیحدگی اختیار کر کے تمہارے ساتھ لڑائی کا ارادہ نہ رکھیں باوجودیکہ تم جانتے ہو کہ تمہارے اوپر غلبہ رکھتے ہیں، پھر بھی تمہارے ساتھ صلح وصفائی بلکہ سر تسلیم خم کریں، تو انہیں نہ تو قیدی بناؤ اور نہ قتل کرو، اگرچہ وہ اپنی قوم سے نہ لڑیں--نیز--اگرچہ وہ تمہارے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ بھی نہ کریں، مگر چونکہ معاہدہ کرنے والوں کی پناہ میں ہیں، تو انکا بھی شمار معاہدہ کرنے والوں میں کیا جائیگا۔

اس صورت میں اس آیت کو 'آیت قتال وسیف' یعنی **فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ** --الایۃ سے منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں رہ جاتی، کیونکہ جن مشرکوں سے مسلمان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر چکے ہوں، انکے حق میں یہ آیت منسوخ نہیں۔تو اب جو ان معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ ملحق ہو جائیں وہ بھی اس حکم میں انکے ساتھ شریک ہونگے۔لیکن جنہوں نے کسی طرح کا کوئی معاہدہ نہ کیا ہو اور نہ ہی معاہدہ کرنے والوں سے ملحق ہوئے، صرف مسلمانوں سے قتال نہ کرنے کی وجہ سے محفوظ رکھے گئے، انکے حق میں یہ آیت، 'آیت قتال' سے منسوخ قرار دی جائیگی۔

--بایں ہمہ--اہل اسلام کو ان سے بالکل بے پرواہ نہیں ہو جانا چاہئے، بلکہ انکی حرکتوں پر نظر رکھنی چاہئے، کہ کہیں وہ اسلام اور اہل اسلام کے خلاف کوئی خفیہ ریشہ دوانی تو نہیں کر رہے ہیں۔کہیں ایسا نہ ہو کہ جس مجبوری کے سبب آج سر جھکائے ہوئے ہیں، اسکے ختم ہوتے ہی وہ سر اٹھالیں اور انکی طرف سے ہماری غفلت وبے فکری کے سبب یہ ناجائز فائدہ اٹھالیں اور اچانک اہل اسلام پر ہلّہ بولدیں اور انکے اہل وعیال اور آل واولاد کو نقصان پہنچائیں--لہٰذا--اہل اسلام پر ضروری ہے کہ انکی اس ٹیڑھی چال کا خاص خیال رکھیں۔ سر تسلیم خم کر دینے کی مذکورہ بالا صورتحال میں ان سے جنگ تو نہیں کی جائیگی لیکن جب اہل اسلام کو ان پر غلبہ حاصل ہو جائیگا، تو ان سے جزیہ ضرور لیا جائیگا جسکا مقصد انکے جان ومال کی حفاظت بھی ہے۔

آگے کی آیت میں منافقین کی ایک اور قسم بیان کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے سامنے اسلام کو ظاہر کرتے تھے تا کہ وہ قتل کئے جانے، گرفتار ہونے اور اموال کے چھن جانے سے محفوظ رہیں۔ لیکن در حقیقت وہ کافر تھے اور کافروں کے ساتھ تھے۔ اور جب بھی کفار انکو شرک اور بت پرستی کی طرف بلاتے، تو غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے، انکے مصداق میں اختلاف ہے۔

۔۔۔ایک قول یہ ہے کہ وہ مکہ میں رہتے تھے اور بہ طور تقیہ اسلام لے آئے تھے، تا کہ اپنے آپ کو اور اپنے رشتہ داروں کو قتل کئے جانے سے محفوظ رکھیں اور جب کفار انکو بت پرستی کی طرف بلاتے، تو وہ چلے جاتے تھے۔۔۔ اس تقدیر پر آیت میں مذکور لفظ 'فتنہ' سے مراد شرک اور بت پرستی ہے۔

۔۔۔دوسرا قول یہ ہے کہ تہامہ کا ایک قبیلہ تھا، انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ کے نبی، نہ ہم آپ سے قتال کرینگے اور نہ ہماری قوم آپ سے قتال کریگی۔ اور انکا ارادہ یہ تھا کہ وہ نبی ﷺ سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی۔ اسکے باوجود جب بھی مشرکین فتنہ اور فساد کی آگ بھڑکاتے، تو وہ اسمیں کود پڑتے تھے۔ کافروں کے ساتھ فتنہ وفساد برپا کرنے اور مسلمانوں سے قتال کرنے کیلئے آمادہ ہو جاتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ وَ یَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ

اب پاؤ گے کچھ دوسروں کو، چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے اور امن میں اپنی قوم سے،

كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَ یُلْقُوْۤا

جب وہ پھیرے گئے فتنہ کی طرف تو اوندھے منہ گرے اس میں، تو اگر وہ باز نہ رہے تم سے اور صلح

اِلَیْكُمُ السَّلَمَ وَ یَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ

کی بات نہ ڈالی، اور نہ اپنا ہاتھ روکا، تو پکڑ وان کو، اور مار ڈالو جہاں پا گئے ان کو۔

وَ اُولٰٓىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ۠﴿۹۱﴾

یہ لوگ ہیں کہ ہم نے تمہیں جن پر کھلا ہوا قابو دے دیا●

اے محبوب! (اب) عنقریب (پاؤ گے) قبیلہ غطفان ۔۔یا۔۔ بنی اسد کے منافقین میں سے عجیب وغریب (کچھ) یعنی بعض (دوسروں کو) جو یہ (چاہتے ہیں کہ) تمہارے ساتھ بھی (امن

رہیں تم سے)۔۔چنانچہ۔۔یہ مدینہ آکر اپنا اسلام ظاہر کرینگے(اور)۔۔نیز۔۔(امن میں)رہیں
پنی قوم سے)بایں طور کہ جب مدینہ سے واپس ہوکر اپنی قوم میں آجائیں،تو کافر ہوجائیں یعنی کفر
ظاہر کردیں اور مشرکین کے شریک کار ہوجائیں۔۔چنانچہ۔۔(جب وہ پھیرے گئے)اور بلائے
ئے(فتنہ)وفساد برپا کرنے(کی طرف)یعنی کفریہ اعمال انجام دینے۔۔یا۔۔مسلمانوں سے قتال
رنے کی جانب،(تو)انکا ہر فرد بے سوچے سمجھے اپنی بے عقلی کا ثبوت دیتے ہوئے(اوندھے منہ)
بے تحاشہ(گرے)گا(اس)فتنہ(میں)۔

(تو)اے محبوب!ایسی صورت میں(اگر وہ باز نہ رہے تم سے)اور تمہارے قتال سے کنارہ
ہی اختیار نہیں کی(اور صلح کی بات نہ ڈالی)،یعنی تم سے صلح وامان کے طالب نہیں ہوئے،(اور نہ)
تمہارے قتال سے(اپنا ہاتھ روکا)(تو)اب انکی کوئی رعایت نہ کرو اور(پکڑو انکو اور مار ڈالو
ں)جہاں(پاگئے)ان پر قابو۔(انکو)زندہ نہ چھوڑو۔اسلئے کہ فسادیوں اور فتنہ پروروں کو نیست و
ود کردینا ہی دنیا میں امن وامان اور سکون واطمینان قائم کرلینے کیلئے ضروری ہے۔اور ان فسادیوں
فتنہ پروروں سے زمین کو پاک وصاف کردینا ہی عدل وانصاف کا تقاضہ ہے۔(یہ)وہ(لوگ ہیں
ہم نے تمہیں جن پر کھلا ہوا قابو دیدیا)انکے کفر کا ظاہر ہوجانا اور ان سے غدر اور مکر کا واقع ہوجانا،
دونوں باتیں انکے قتل کردینے اور قید کرلینے کے جواز کی تمہارے پاس روشن دلیلیں ہیں۔تو انکے
ق سے تمہارا یہ عمل مبنی برانصاف ہی قرار دیا جائیگا۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے خلاف جہاد کرنے کی ترغیب دی تھی اور
کفار کے خلاف جہاد نہ کرنے والوں کی مذمت کی تھی۔اب آگے کی آیت میں جہاد کے
متعلق بعض احکام بیان کئے ہیں۔۔کیونکہ۔۔جب مسلمان کافروں پر حملہ کرینگے تو بلاقصد و
ارادہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان کے ہاتھوں مارا جائے۔ایسی صورت میں اللہ
تعالیٰ نے حکم بیان فرمایا ہے کہ اگر مسلمان مقتول دارالاسلام کا باشندہ۔۔یا۔۔کسی معاہد ملک
کا باشندہ ہو تو اسکے ورثاء کو اسکی دیت ادا کی جائیگی اور اسکی خطا کے کفارہ میں ایک مسلمان
غلام یا باندی کو آزاد کیا جائیگا اور اگر غلام یا باندی کو آزاد کرنے کی استطاعت نہ ہو،تو دو ماہ
مسلسل روزے رکھے جائینگے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ کافروں کو تو مذکورہ بالا صورت
حال میں قتل کردیا جائیگا۔۔۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

اور نہیں کسی مومن کیلئے کہ مارڈالے کسی مومن کو، مگر غلطی سے۔ اور جس نے مارڈالا کسی مومن کو

خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا

غلطی سے، تو اب ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے۔ اور خوں بہا ہے جو حوالہ کیا جائے مقتول کے لوگوں کو، مگر یہ کہ وہ بخش دیں

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

پھر اگر مقتول اس قوم سے ہے جو تمہاری دشمن ہے اور خود وہ مومن ہے، تو آزاد کرنا ہے ایک مسلمان غلام کو۔

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى

اور اگر وہ ایسی قوم سے ہے کہ تم میں اور اس میں کوئی معاہدہ ہے، تو خوں بہا ہے جو مقتول والوں کے

اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ

سپرد کی جائے اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے۔ تو جس نے نہ پایا، تو دو مہینے کا

مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

لگاتار روزہ رکھنا ہے۔ یہ طریقہ، توبہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور) اسکے برخلاف (نہیں) ہے (کسی مومن کیلئے) سزاوار اور درست (کہ) وہ (مارڈالے کسی مومن کو) ناحق (مگر) یہ کام اس سے نادانی اور بطورِ خطا۔۔نیز۔۔نادانستہ طور پر (غلطی سے) جائے۔ (اور جس نے مارڈالا کسی مومن کو غلطی) اور نادانی (سے)۔ خواہ فعل میں خطا ہوئی۔۔مثلاً: نشانہ لے رہا تھا ہرن کا اور گولی کسی مومن کو لگ گئی۔۔یا۔۔قصد و ارادہ میں خطا ہوئی۔۔مثلاً: گمان تھا کہ وہ شخص کافر ہے، لیکن وہ درحقیقت مسلمان تھا۔

جنگ اُحد میں حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان کا قتل۔۔یا۔۔حضرت عیاش بن ابی ربیعہ کا بنی عامر کے ایک شخص کو قتل کر دینا۔۔یا۔۔حضرت ابو درداء کا غلط فہمی میں ایک مسلمان کو قتل کر دینا۔۔یا۔۔حضرت اسامہ بن زید کا غلط فہمی سے مرداس بن عمر کو قتل کر دینا، یہ سب قتل خطا کی مثالیں ہیں۔۔یا۔۔کوئی ایسی صورت پیش آگئی اور ایسی خطا سرزد ہوگئی جو قتل خطا کے قائم مقام ہے۔۔مثلاً: کسی انسان کے ہاتھ سے اینٹ۔۔یا۔۔لکڑی گر گئی، جس سے دوسرا شخص ہلاک ہوگیا، اسکا حکم بھی قتل خطا کی طرح ہے۔

(تواب) ان صورتوں میں بطور کفارہ (ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا ہے) اور اسکو غلامی جو بمنزلہ موت ہے، سے نکال کر آزادی جو بمنزلہ حیات ہے، تک پہنچانا ہے تو ایک مسلمان کے مارنے کی تلافی اسطرح ہوگی کہ ایک مسلمان کو زندہ کیا جائے، مگر وہ غلام بھی غلاموں میں فرد کامل ہو۔ اندھا، لنگڑا، لولا اور مجنون نہ ہو۔۔اور۔۔انکے علاوہ چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت، کالا ہو یا گورا۔ الغرض۔۔کسی بھی صفت کا غلام آزاد کیا جاسکے گا۔ اور اب چونکہ اسلام کی تعلیمات کی اشاعت کی وجہ سے غلام بنانے کا دور ختم ہو چکا ہے، اسلئے اب قتل خطا کے کفارہ میں مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے جائینگے (اور) مذکورہ بالا صورت میں (خوں بہا) بھی (ہے، جو حوالہ کیا جائے) اور سپرد کیا جائے (مقتول کے) وارث (لوگوں کو، مگر یہ کہ وہ بخش دیں)۔ یعنی وارث تصدق کردیں قاتل پر اور دیت اسپر معاف کردیں۔

(پھر اگر مقتول اس قوم سے ہے جو تمہاری دشمن ہے) جن سے تمہاری جنگ چھڑی ہوئی ہے (اور) صورت حال یہ ہو کہ (خود وہ) مقتول (مومن ہے)، جسکے مومن ہونے کا قاتل کو علم نہیں تھا کہ وہ واقعی مومن ہے، اسلئے قاتل نے جب دیکھا کہ وہ دشمن کی صف میں ہے اور وہ اسلام قبول کر کے ہجرت نہ کرسکا اور دارالحرب ہی میں رہ گیا، تو قاتل کو یقین ہوگیا کہ اگر وہ مسلمان ہوتا تو ضرور ہمارے ہاں ہجرت کر کے آجاتا، حالانکہ وہ مسلمان ہو کر کفار کے ساتھ رہا، یا وہ مسلمان تو ہو چکا تھا، لیکن اسلامی امور سے بے خبر رہا۔

۔۔المختصر۔۔دارالحرب میں ایک مسلمان نے بے خبری کے عالم میں کسی مسلمان کو قتل کردیا (تو) اسکا کفارہ (آزاد کرنا ہے ایک مسلمان غلام کو) یعنی دارالحرب میں بھی کسی مسلمان کو بطور خطاء قتل کر دینے کی صورت میں بھی اس قاتل پر لازم ہے کہ کفارہ کے طور پر ایک مومن غلام کو آزاد کردے۔ ایسے مسلمان کو قتل کرنے پر صرف کفارہ ہے، دیت واجب نہیں ہے۔ اسلئے کہ اسکے دارالحرب میں رہنے کی وجہ سے اسپر وراثت کے قوانین کا اجرا نہیں۔ چونکہ دیت بطورِ وراثت دی جاتی ہے اور دارالاسلام اور دارالحرب کے رہنے والوں کے درمیان وراثت نہیں ہے۔

(اور اگر وہ ایسی قوم سے ہے کہ تم میں اور انمیں کوئی معاہدہ ہے) یعنی اگر وہ مقتول ایسی قوم کفار سے ہے کہ تمہارے اور انکے مابین ہمیشہ کیلئے۔۔یا۔۔ایک مدت تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو چکا ہے، (تو) قاتل پر (خوں بہا) لازم (ہے جو مقتول والوں) یعنی مقتول کے مسلمان وارثوں (کے سپرد کی جائے) اگر اسکے وارثین اہل اسلام میں سے ہوں۔ (اور) مزید برآں (ایک مسلمان غلام کا

آزاد کرنا) بھی لازم (ہے) اسلئے کہ یہ بھی دوسرے کفاروں کی طرح ایک کفارہ ہے۔

(توجس نے نہ پایا) کوئی غلام اور نہ ہی اسکے پاس اہل وعیال کے نان ونفقہ اور حوائج ضروریہ اور گھریلو ضروریات وغیرہا سے زائد اتنا سرمایہ ہے کہ جس سے غلام خرید کر آزاد کر سکے، (تو) بطور کفارہ اسپر (دو مہینے کا لگاتار روزہ رکھنا) لازم (ہے)۔

تسلسل کی قید سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے دو ماہ کے درمیان کوئی ایک روزہ چھوڑ دیا۔۔ یا۔۔ کسی اور روزے کی نیت باندھ لی، تو اسپر کفارہ کیلئے از سر نو دو ماہ دیگر روزے رکھنے ضروری ہیں۔۔ لہٰذا۔۔ کفارے کا روزہ رکھنے میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ رمضان شریف کا مہینہ نہ ہو۔۔ نیز۔۔ شروع کرنے میں اس بات کا لحاظ کیا جائے کہ انکے دو مہینوں کے درمیان ان دنوں میں سے کوئی دن نہ آئے جس میں روزہ رکھنا حرام ہے۔۔ ہاں۔۔ حیض و نفاس اور اسطرح کی وہ ضرورت کہ جسکے سوا چارہ نہیں، تو ایسی مجبوری تسلسل کو قطع نہیں کرتی۔

یہاں یہ بھی واضح ہو گیا کہ ارشادِ الٰہی کی روشنی میں قتل خطا کا کفارہ صرف غلام آزاد کرنا۔۔ یا۔۔ مسلسل دو ماہ روزے رکھنا ہے۔ اسمیں کھانا کھلانے کا کوئی دخل نہیں۔

(یہ طریقۂ توبہ اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے) تو اے محبوب! قاتل کو خوشخبری سنا دو کہ اگر اس نے نادم ہو کر، مذکورہ بالا طریقے سے توبہ کی اور ایک غلام آزاد کر دیا۔۔ یا۔۔ بصورت دیگر مسلسل دو ماہ روزے رکھ لئے، تو اسکی اس توبہ کو رب کریم اپنے فضل و کرم سے ضرور قبول فرمائیگا۔ (اور) کیوں نہ قبول فرمائے کہ بیشک (اللہ) تعالیٰ (علم والا) اور قاتل و مقتول کے حال کا جاننے والا ہے اور (حکمت والا ہے)۔۔ چنانچہ۔۔ دیت اور کفارہ کے احکام دیکر اپنی حکمت بالغہ کو ظاہر فرما دیا۔

اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ قاتل کا ارادہ مقتول زیر بحث کو قتل کرنے کا نہیں تھا، اور نہ ہی اس نے یہ غلطی قصداً کی ہے۔۔ بایں ہمہ۔۔ اس غلطی کے سرزد ہونے میں اسکی کوتاہیوں اور لاپرواہیوں کا دخل ضرور ہے۔ اگر وہ لاپرواہی نہ کرتا، تو اتنی بڑی غلطی سرزد نہ ہوتی۔۔ الغرض۔۔ قاتل نے احتیاط سے کام نہیں لیا، لہٰذا اسکی اس بے احتیاطی اور لاپرواہی کی وجہ سے اس پر کفارہ لازم کر دیا گیا۔ [redacted]

اب تک یہ سارے احکامات قتل خطا سے متعلق تھے۔۔ اب آگے جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ قتل کر دینے کے احکامات ظاہر فرمائے جا رہے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ کسی مسلمان کو دیدہ و دانستہ اور عمداً قتل کرنا، جس پر قرآن کریم میں دوزخ کی وعید سنائی گئی ہے، یہی ہے کہ قاتل جان نکالنے کیلئے ایسے ہتھیار استعمال کرے جو زخم ڈالنے والا ہو، اور بدن کے ظاہر اور باطن میں موثر ہو۔۔ المختصر۔ جس قتل کو ہتھیار یا ہتھیار کے قائم مقام کے ساتھ کیا جائے، وہ قتل عمد ہے۔۔ مثلاً: بانس کی کھپچی یا لاٹھی کے ٹکڑے۔۔یا۔۔کسی اور دھار والی چیز کے ساتھ قتل کردے، جو ہتھیار کا کام کرتی ہو۔۔یا۔۔آگ سے جلادے، یہ تمام قتل عمد کی صورتیں ہیں اور ان میں قصاص واجب ہے۔۔الغرض۔۔ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَ

اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو دیدہ و دانستہ، تو اس کا بدلہ جہنم ہے۔ اس میں پڑا رہے لمبی مدت تک، اور

غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اس پر اللہ کا غضب ہوا، اور اللہ نے لعنت فرمائی اس پر، اور مہیا کر رکھا ہے اسکے لئے بڑا عذاب●

(اور جس نے قتل کیا کسی مومن کو دیدہ و دانستہ، تو اسکا بدلہ جہنم ہے)۔ اب اگر۔۔بالفرض۔۔اس قاتل نے مومن کے ایمان کی وجہ سے اُسے قتل نہ کیا ہو۔۔یا۔۔قتل مومن کی حرمت کا انکار کر کے اور اسکو حلال سمجھ کر، اسکا مرتکب نہ ہوا ہو، جب بھی **(اس)** جہنم **(میں پڑا رہے)** گا **(لمبی مدت تک)** جب تک عدل خداوندی اسکو اسمیں رکھنا چاہے۔ **(اور)** یقیناً **(اسپر اللہ)** تعالیٰ **(کا غضب ہوا)** اور وہ غضب الٰہی کا مستحق ہو گیا **(اور اللہ)** تعالیٰ **(نے)** اسے اپنی رحمت سے دور فرما کر **(لعنت فرمائی اسپر اور مہیا کر رکھا ہے اس کیلئے)** اسکے بڑے گناہ کے سبب **(بڑا عذاب)**۔

۔۔الغرض۔۔وہ اللہ تعالیٰ کے بڑے عذاب کا مستحق ہو گا۔ اب اگر اس نے اپنے اس گناہ سے سچی اور کھری توبہ نہ کی، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اسکی مغفرت نہ فرمائی، تو اس عذاب سے وہ اپنے کو نہیں بچا سکتا۔ اب اگر۔۔بالفرض۔۔وہ قاتل کافر ہو۔۔یا۔۔قتل کرنے کے بعد کافر ہو گیا ہو، اور پھر کفر ہی پر اسکی موت آ گئی ہو، پھر تو وہ ہمیشہ ہمیش کیلئے جہنمی ہو گیا، ایسا کہ اب اُسے کبھی جہنم سے نکلنا میسر ہی نہ ہو گا۔۔تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا

اے وہ جو ایمان لا چکے! جب تم مارکاٹ کو نکلے اللہ کی راہ میں، تو تحقیق کا سلسلہ جاری رکھو اور مت کہہ دیا کرو

لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؗ

اس کو جس نے تمہیں سلام کیا، کہ تو مومن نہیں ہے۔ تم چاہتے ہو دنیاوی زندگی کی پونجی،

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ

تو اللہ کے پاس، بہت ہی غنیمتیں ہیں۔ ایسے ہی تو تم خود ہی پہلے تھے، پھر احسان فرمایا اللہ نے تم پر،

فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا۝۹۴

تو تحقیق ضرور کرتے رہو، بیشک اللہ جو تم کرو خبردار ہے●

(اے وہ) لوگ (جو ایمان لاچکے!) اپنے کو عجلت میں کیے ہوئے اپنے عمل کے نتیجے کی پشیمانی وشرمندگی سے بچانے کیلئے (جب تم مار کاٹ) اور جہاد کرنے (کو نکلے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں اعلاءِ کلمہ الحق کیلئے (تو) کسی حالت میں بھی جذبات سے بے قابو نہ ہو جاؤ اور (تحقیق کا سلسلہ جاری رکھو) تاکہ غلط فہمی میں تمہارے ہاتھوں کسی بے گناہ انسان کا قتل نہ ہو جائے۔

جس طرح کہ مکہ اور یمامہ کے درمیان مقام اضم پر محلم بن جثامہ کے ہاتھ عامر اشجعی کا قتل ہو گیا، حالانکہ اس نے سلام کر کے اپنے مسلمان ہونے کی نشاندھی کر دی تھی۔۔۔یا۔۔۔جیسے کہ قبیلہء غطفان کے ایک شخص مرداس کو غالب لیثی کی قیادت میں فدک جانے والے لشکر نے غلط فہمی میں قتل کر دیا، حالانکہ وہ اپنے کو مومن کہتا رہا اور کلمہ طیبہ پڑھتا رہا، مگر مسلمانوں نے اسے اسکا مکر تصور کیا اور جان بچانے کا حیلہ باور کیا۔۔۔چنانچہ۔۔۔اُسے قتل بھی کر دیا اور اسکے اموال کو لوٹ بھی لیا۔ تو مسلمانو! یہ جو کچھ ہو گیا وہ صحیح نہیں ہوا۔ اسپر جس قدر افسوس کا اظہار کیا جائے بجا ہے۔۔۔لہٰذا۔۔۔اب تم ہوشیار ہو جاؤ۔۔۔

۔۔۔(اور) بے سوچے سمجھے (مت کہہ دیا کرو اسکو جس نے تمہیں سلام کیا، کہ تو مومن نہیں ہے)۔

کیونکہ اسلام میں احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر حال پر ہے اور کسی شخص کے باطن کی [illegible] سے ہم کو منع کیا گیا ہے۔ اور دل کے حال کو جاننا انسانوں کا منصب نہیں ہے۔ یہ صرف اللہ عزوجل کی شان ہے، جو علام الغیوب ہے۔ اور کسی شخص کے متعلق بدگمانی کر کے اسکا قتل کرنا ممنوع ہے۔۔۔اب رہ گئی یہ بات کہ عہد رسالت میں اسطرح کے جو قتل ہوئے کسی میں بھی قاتل سے قصاص نہیں لیا گیا، کیونکہ اول تو یہ ابتداء اسلام کے واقعات ہیں۔ ثانیاً یہ

ہے کہ انہوں نے تاویل سے قتل کیا تھا۔البتہ۔۔اس آیت کے نازل ہونے کے بعد اور اسکا حکم معلوم ہوجانے کے بعد جس نے کسی کے متعلق بدگمانی کرکے اُسے قتل کردیا، اس سے قصاص لیا جائیگا۔۔۔

بہرحال اس آیت سے فقہ کا یہ عظیم ضابطہ معلوم ہوا کہ:

'احکام شرعیہ کا مدار صرف ظاہر حال پر ہے۔'

۔۔۔اور ساتھ ہی ساتھ اس بات کی بھی وضاحت فرمادی گئی کہ مسلمانوں کا جہاد سے مقصود، صرف اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی ہونا چاہئے اور مال غنیمت حاصل کرنا انکا مطمح نظر نہیں ہونا چاہئے۔

تو اے مجاہدو! اپنے اس عمل سے اگر (تم چاہتے ہو) فنا ہوجانے والی (دنیاوی زندگی کی پونجی تو) مرداس کی بکریوں اور عامر اشجعی کے اونٹوں اور اسپر لدے ہوئے مالوں کی کیا حقیقت ہے، اور سے سن لو کہ (اللہ) تعالیٰ (کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں) جسے وہ تمہارے قبضے میں دیگا، تاکہ مال کے واسطے مسلمانوں کو قتل کرنے کی تمہیں حاجت نہ رہے۔

اور اگر۔۔بالفرض۔۔مرداس نے تلوار کے خوف ہی سے کلمہ پڑھا اور سلام کیا، تو ذرا غور کرو کہ ایسے ہی تو تم خود ہی پہلے تھے) یعنی تمہیں میں سے ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے ابتداءً اپنی جان ومال کی حفاظت ہی کیلئے کلمۂ شہادت کا وسیلہ پکڑا اور اپنا اسلام ظاہر کیا۔ (پھر احسان فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے تم پر) اسطرح کہ دین میں تم سب کو مضبوطی عطا فرمادی اور تم سب کو راسخ الایمان بنادیا۔ (تو) ہمیشہ ہوش وحواس سے کام لیتے رہو اور (تحقیق ضرور کرتے رہو) اور اپنے گمان پر لوگوں کو قتل کرڈالنے کی جلدی نہ کرو، اس واسطے کہ ہزار کافروں کو زندہ چھوڑ دینے کا وبال بہت کم ہے، ایک مسلمان کو مار ڈالنے کے وبال سے (بیشک اللہ) تعالیٰ (جو تم کرو) ان سب سے (خبردار ہے)۔

اب رہ گیا اعلاء کلمۃ الحق کیلئے اور خدا کی رضا حاصل کرنے کیلئے دشمنان اسلام سے جہاد کرنے کا معاملہ، تو اے محبوب! غزوۂ بدر میں شریک ہونے کا حکم سنکر تمہارے نابینا شیدائی عبداللہ ابن جحش اور عبداللہ بن عمرو بن ام مکتوب رضی اللہ تعالیٰ عنہما جہاد میں اپنی شرکت کے تعلق سے ہدایت چاہتے ہیں تو انکو اور اُن جیسے تمام ایسے عذر والوں کو جس عذر کے ساتھ جہاد کیا ہی نہ جاسکے، سنادو: کہ عذر والے اُس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ

اور برابر نہیں ہیں وہ مسلمان جو گھر بیٹھے رہے بلا عذر، اور وہ جو جہاد کرتے رہے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ

اللہ کی راہ میں اپنے جان ومال سے۔ فضیلت بخش دی اللہ نے جان ومال سے جہاد

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى

کرنے والوں کو، نہ جاسکنے والوں پر بڑے درجہ کی۔ اور سب کیلئے وعدہ فرمالیا اللہ نے حسن انجام کا،

وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۹۵

اور بڑائی دی اللہ نے مجاہدین کو نہ جاسکنے والوں پر بڑے اجر کی●

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۹۶

اللہ کی طرف سے متعدد درجے اور بخشش اور رحمت۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور) واضح کردو کہ (برابر نہیں ہیں وہ مسلمان جو گھر بیٹھے رہے بلا عذر) یعنی بغیر کسی ضرر او عذر کے غزوۂ بدر میں شامل نہیں ہوئے (اور وہ جو جہاد کرتے رہے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں اپنے جان مال سے)۔ عذر کی قید لگا کر یہ ظاہر کردیا کہ عذر کی وجہ سے جہاد نہ کرنے والے اجر وثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں۔

۔۔المختصر۔۔ جہاد میں شرکت کی نیت رکھنے والے مسلمان اگر جسمانی عذر کی وجہ سے شریک نہ ہوسکیں تو وہ اجر وثواب میں مجاہدین کے برابر ہیں۔۔ کیونکہ۔۔ اللہ تعالیٰ نے بلا عذر جہاد میں شرکت نہ کرنیوالوں کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ مجاہدین کے برابر نہیں، تو اب اسکا مطلب یہی ہوا کہ عذر والے، مجاہدین کے برابر ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔ (فضیلت بخش دی اللہ) تعالیٰ (نے جان ومال سے جہاد کرنے والوں کو) عذ کے سبب سے (نہ جاسکنے والوں پر بڑے درجہ کی) غنیمت، فتح اور نیک نامی کی شکل میں (اور سب کیلئے) جو عذر کے سبب گھر بیٹھے رہے اور جہاد کی رغبت رکھنے کے باوجود جہاد کر نہیں سکے۔۔یا۔۔ وہ جو مصرو جہاد رہے۔۔ الغرض۔۔ ان سب کیلئے (وعدہ فرمالیا اللہ) تعالیٰ (نے) جزاءِ خیر اور (حسن انجام کا) یع بہشت کا۔ مگر درجوں کا تفاضل اور مرتبوں کا تفاوت عمل کی زیادتی سے ہوگا۔

۔۔الغرض۔۔عاقبت بخیر (اور) بہشت میں رہائش تو دونوں ہی کیلئے ہے۔لیکن خصوصی طور پر (بڑائی دی اللہ) تعالیٰ (نے مجاہدین کو) جو مصروف جہاد رہے ان (نہ جاسکنے والوں پر) جنہیں کوئی عذر نہیں تھا۔لیکن جہاد میں جانے والے مجاہدین کی تعداد کافی ہونے کی وجہ سے نبی کریم نے انہیں ٹھہرنے کا حکم فرمادیا تھا، جہاد کے فرض کفایہ ہونے کے سبب (بڑے اجر کی)۔ ﴿۹۵﴾

(اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے متعدد درجے) آخرت میں۔یعنی ستر درجے، ہر دو درجوں میں تیز رو گھوڑے کی دوڑ سے ستر برس کی راہ ہے (اور) اسی کے ساتھ ساتھ (بخشش اور رحمت) بھی (اور اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے انکے گزرے ہوئے گناہوں کا اور (رحمت والا ہے)۔اور ان پر مہربان اور انکے لئے انکا اجر زیادہ فرمانے والا ہے۔

ان خوش بختوں کے برخلاف کچھ ایسے بھی کوتاہ فکر اور تاریک خیال لوگ بھی تھے، جنہوں نے اسلام تو قبول کرلیا۔لیکن۔۔مکہ سے ہجرت نہ کرسکے، جبکہ ان پر ہجرت فرض تھی۔ابتداءِ اسلام میں اسلام قبول کرلینے کے بعد مسلمانوں پر ہجرت فرض تھی۔جب نبی کریم نے مکہ کو چھوڑ دیا تو ان پر بھی فرض ہوگیا کہ وہ مکہ کو چھوڑ دیں۔۔ہاں۔۔فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔مکہ سے ہجرت فرض ہوجانے کے باوجود کچھ لوگ ایسے تھے کہ وہ مشرکین کے ساتھ ملکر بدر میں اہل اسلام کے ساتھ لڑے اور مارے گئے۔ ﴿۹۶﴾

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ

بے شک جن کی زندگی پوری کردی فرشتوں نے جبکہ وہ اپنے نفس پر ظالم تھے، بولے کہ 'تم کس حال میں تھے'،

قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ

جواب دیا کہ 'ہم زمین میں کمزور تھے'، وہ بولے کہ 'کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی؟

وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۹۷﴾

کہ اس میں تم ہجرت کرجاتے'۔تو وہی ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔اور بری پلٹنے کی جگہ ہے●

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ

مگر جو دبے لچے مرد عورت اور بچے ہیں کہ نہ بہانہ کرسکیں

حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿۹۸﴾

اور نہ کوئی راہ پائیں●

تو (بیشک) حکم الٰہی سے (جن کی زندگی پوری کردی) حضرت عزرائیل اور انکے شریک کا
(فرشتوں نے) اور انکی موت کا سبب بن گئے (جبکہ وہ) ہجرت نہ کرنے کی وجہ سے جوان پر فرض تھی
۔۔یا۔۔کافروں کی موافقت کر کے جوان کیلئے ممنوع تھی (اپنے نفس پر ظالم) اور اسکو اندھیر میں ڈال
دینے والے (تھے) باوجودیکہ فرشتے بخوبی واقف تھے کہ یہ اسلام کا اظہار کرنے والے اور احکام اسلام
یعنی نماز اور دیگر دینی امور کے پابند تھے، انکو وفات دینے کے بعد، ان سے سوال کرلیا اور بطور زجر و توبیخ
(بولے کہ تم کس حال میں تھے) تاکہ انہیں اپنی غلطی کا یقین ہوجائے۔

۔۔الختصر۔۔جب فرشتوں نے انہیں جھڑکا تو وہ بہانہ بازی پر اتر آئے اور (جواب دیا کہ ہم
زمین میں کمزور تھے) یعنی مکہ مکرمہ میں ہم ایسے لوگوں میں تھے جن کے سامنے ہم دینی امور کے
موجبات ادا کرنے سے عاجز تھے۔فرشتوں نے انکی عذرداری کو رد کرتے ہوئے انہیں جھڑکی دی اور
(وہ بولے کہ کیا اللہ) تعالیٰ (کی زمین وسیع نہ تھی کہ اسمیں تم ہجرت کر جاتے) جیسے کہ حبشہ اور مدینہ
کے مہاجرین نے ہجرت کی، جبکہ سرکار نے ان سے فرمایا تھا کہ تم لوگ کافروں میں نہ رہو، بلکہ تم کسی
اور جگہ جا رہو۔ پھر جب مجھے ہجرت کا حکم ہو، تو تم بھی آجاؤ۔ ان لوگوں میں سے بعض حبشہ کی طرف
ہجرت کر گئے اور بعض مدینے کی جانب چلے گئے۔اور پھر جب آنحضرت نے ہجرت فرمائی تو وہ سب
آکر حضرت سے مل گئے۔

۔۔الغرض۔۔جس گروہ کو ہجرت کا حکم ہوا اور اس نے ہجرت نہ کی، (تو) اس گروہ کے لوگ
(وہی ہیں جنکا ٹھکانہ جہنم ہے اور) یہ کس قدر (بری پلٹنے کی جگہ ہے) اور بہت بری رہائشگاہ ہے۔
عذاب ان سب لوگوں کے واسطے مقرر ہے جنہوں نے ہجرت ترک کی۔ دنیا میں انکا ٹھکانہ دارالکفر
کہ ترک واجب کر کے کافروں کے ساتھ رہے۔اور آخرت میں انکا ٹھکانہ جہنم ہے، تاکہ وہ اپنے عمل
کا نتیجہ دیکھ سکیں۔

۔۔الغرض۔۔مذکورہ بالا حالات پیش آنے کی صورت میں ہجرت کی استطاعت رکھنے والے غیر مکلف کیلئے لازمی ہے کہ وہ ہجرت کر جائیں۔ان کیلئے بھی ایسی صورت میں ہجرت کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں۔۔لہٰذا۔۔ان پر ضروری ہے کہ قبل بلوغ، ہجرت کی سعی کریں۔ان حالات میں بچوں کے سرپرستوں پر لازم ہے کہ جب بھی ہجرت کی استطاعت ہو تو بچوں کو ساتھ لیجائیں۔ ﴿۹۷﴾

(مگر جو بے لچے مرد و عورت اور بچے ہیں) اور فی الواقع کمزور اور عاجز ہیں، ایسا (کہ نہ بہانہ کرسکیں) اور کسی خفیہ تدبیر سے ہجرت کر جائیں، (اور نہ) ہی (کوئی راہ پائیں) یعنی ہجرت گاہ تک پہنچے والے راستے سے بے خبر ہو یا وہاں پہنچنے والے طریقے سے لاعلم ہوں۔۔۔ ﴿٩٨﴾

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾

تو وہ ہیں کہ عنقریب معاف کردے اللہ اُن سے۔ اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے●

(تو وہ) بے چارے ایسے (ہیں کہ عنقریب معاف کردے اللہ) تعالیٰ (ان سے) یعنی انہیں درگزر فرمادے اور انکا مواخذہ نہ فرمائے۔

اس ارشاد نے ظاہر فرمادیا کہ یہ امر بہت اہم ہے یہاں تک کہ مجبور محض پر بھی لازم ہے کہ اس امر سے بے خوف نہ رہے اور فرصت کو ملحوظ رکھ کر دل کو اس سے لگادے۔

رہ گئے لاچار (اور) مجبور لوگ، جو اپنی لاچاری اور مجبوری کے سبب ہجرت نہ کرسکے، تو بیشک (اللہ) تعالیٰ انہیں (معاف کرنے والا) اور انکے گناہوں کو (بخشنے ولا ہے)۔

ہجرت کی اہمیت وفضیلت کے پیش نظر اب اسکی ترغیب دی جارہی ہے جو آنے والے مضمون کی تمہید بھی ہے۔۔ چنانچہ۔۔سنو۔۔۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ

اور جو ہجرت کر جائے اللہ کی راہ میں، پالے زمین میں بڑی جگہ اور گنجائش۔

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

اور جو نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہوا اللہ اور اس کے رسول کی طرف پھر پالے اس کو موت،

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾ ع

تو اس کا اجر ہو گیا اللہ کے کرم پر۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور) یاد رکھو (جو ہجرت کر جائے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) خالصاً لوجہ اللہ صرف اسی کی رضا چاہنے کیلئے، تو وہ (پالے) گا (زمین میں بڑی جگہ اور گنجائش) یعنی مہاجر فی سبیل اللہ کو ہجرت کی ابتداء ہی سے اسکی موعودہ تمام خیرات و برکات سے نوازا جائیگا۔ جن لوگوں کو چھوڑ کر یہ ہجرت کیلئے نکلا ہے جب ان لوگوں کو بھی ان نوازشات کا علم ہوگا، تو انکو بھی عبرت حاصل ہوگی کہ اس بابرکت عمل

میں کتنے بے شمار انعامات ہیں۔

ہجرت اگر ایک طرف رزق وروزی کی کشادگی کا سبب ہوتی ہے تو دوسری طرف مہاجر کیلئے دین حق کے اظہار اور کلمہ توحید کے بلند کرنے کی راہیں بھی کشادہ ہوجاتی ہیں۔

۔۔الغرض۔۔ہجرت کے دامن سے دین ودنیا دونوں کی صلاح وفلاح وابستہ ہے۔جبھی قبیلہ خزاعہ۔۔یا۔۔قبیلہ بنولیث کے ایک بزرگ جو ایسے ضعیف تھے کہ سواری پر بھی نہ بیٹھ سکتے تھے، مزید برآں وہ بیمار بھی تھے، جب انہوں نے ہجرت کا حکم سنا، تو اپنے گھر والوں سے کہا کہ وہ ان کو چارپائی پرڈال کر مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلیں۔

۔۔چنانچہ۔۔وہ لوگ ان کو لیکر روانہ ہوئے، وہ ابھی مقام تنعیم' مکہ سے چھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جہاں سے اہل مکہ احرام باندھتے ہیں' پر پہنچے تھے کہ انکی وفات ہوگئی۔ یہ صاحب عزیمت بزرگ صاحب مال تھے جسکی وجہ سے وہ مدینہ تک جانے کے اخراجات بآسانی برداشت کر سکتے تھے اور مدینہ شریف کے راستے سے باخبر بھی تھے۔

۔۔نیز۔۔اپنے کو اتنا کمزور بھی نہیں سمجھ رہے تھے کہ اگر لوگ انھیں چارپائی وغیرہ پر اٹھا کر لیجائیں، تو وہ جا نہ سکیں۔اسلئے انہوں نے اپنے کو معذور نہیں سمجھا، بلکہ ان حالات میں بھی ہجرت نہ کرنے کو اپنے حق میں گناہ تصور کیا۔ جب یہ خبر مدینہ شریف پہنچی تو بعض صحابہ کرام کو خیال گزرا کہ اگر وہ مدینہ پہنچ جاتے تو انکا اسلام بہت کامل اور انکا اجر بہت زیادہ ہوتا۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔۔۔

(اور) یہ آیت نازل فرمائی (جو نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہوا اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول کی طرف) یعنی اللہ ورسول کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے، اللہ ورسول سے تقرب حاصل کرنے کے واسطے نکلے، (پھر پالے اسکو موت) اثنائے راہ میں۔اور ہجرت کی جگہ تک نہ پہنچ سکے، تو وہ اپنے کو اجر سے محروم نہ تصور کرے۔اسلئے کہ جو ہجرت کیلئے نکل پڑا (تو اسکا اجر) ثابت (ہوگیا اللہ) تعالیٰ (کے) ذمہ، (کرم پر)۔(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے اس شخص کے گناہ کو جس نے ہجرت میں تاخیر نہ کی اور (رحمت والا) مہربان (ہے) اُسے ثواب عطا فرمانے کے وعدہ میں اسکے ہر ہر نیک عمل پر۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ ہر وہ ہجرت جو نیک مقاصد کے حصول کیلئے کی جائے ۔۔مثلاً:علم دین کی طلب یا حج یا جہاد یا ایسے شہر کی سکونت، جہاں طاعت وقناعت اور زہد وورع کے ساتھ زندگی گزارنا آسان تر ہو۔۔یا۔۔حلال وطیب رزق حاصل کرنے کیلئے وغیرہ وغیرہ،

یہ ساری ہجرتیں 'ہجرت الی اللہ ورسول' ہی ہیں، توان ہجرتوں میں سے کسی ہجرت میں بھی اگر اثنائے راہ میں موت واقع ہو جائے، تو اسکا اجر بھی اللہ تعالیٰ کے ذمہء کرم پر ہے۔

ظاہر ہے کہ ہجرت یا جہاد کیلئے نکلنا دونوں کیلئے سفر کرنا ہی پڑتا ہے اور نماز ایسی ایک عبادت ہے، جسکو کسی حال میں بھی ترک نہیں کیا جا سکتا خواہ سفر ہو یا حضر، امن کا ماحول ہو یا خوف کا عالم، ایسی صورت میں یہ نہایت مناسب بات ہے کہ مسافروں کی نماز۔۔نیز۔۔صلوٰۃ خوف کے تعلق سے بنیادی احکام کی ہدایت فرما دی جائے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ ابتداءً ظہر، عصر اور عشاء کی نماز فجر کی نماز کی طرح دو دو رکعت فرض کی گئی، اور یہ حکم مقیم ومسافر دونوں ہی کیلئے یکساں تھا۔ پھر جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو ظہر، عصر اور عشاء کیلئے چار چار رکعت فرض کر دی گئی، اور سفر کی نماز اُسی پہلے فرض پر چھوڑ دی گئی۔ رہ گئی فجر کی نماز تو وہ ہر حال میں سب کیلئے دو رکعت ہی رہی۔ یونہی مغرب کی نماز ہر حالت میں ہر ایک کیلئے تین رکعت ہی رہی۔ تو اے ایمان والو! سنو۔۔۔

وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِی الۡاَرۡضِ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا

اور جب تم چل پڑے زمین میں تو اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں، کہ قصر کر دو

مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ

نماز میں، اگر تم کو خوف ہو کہ شرارت کریں گے تم سے جو کافر ہو گئے۔

اِنَّ الۡكٰفِرِيۡنَ كَانُوۡا لَـكُمۡ عَدُوًّا مُّبِيۡنًا ۝۱۰۱

بلاشبہ کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں ●

(اور) یاد رکھو کہ (جب تم چل پڑے زمین میں) اور وہ بھی ساڑھے ستاون میل بلفظ دیگر ...ے کلومیٹر کے ارادے سے، (تو اس میں تمہاری کوئی غلطی نہیں کہ قصر کر دو نماز میں) یعنی اپنے شہر ...یا۔ فنائے شہر سے نکل جانے کے بعد، چار رکعتیں جس میں ہیں ان میں دو ہی رکعتیں پڑھو۔۔الغرض ہجرت سے پہلے ابتداءً مذکورہ بالا نمازوں کی جو دو رکعتیں تم پر فرض کی گئی تھیں، مسافر ہونے کی صورت ...ں اسی پر عمل کرو۔ یہ رب کریم کیطرف سے تمہارے لئے ایک خاص عطیہ ہے، جسکا بطیب خاطر ...ل کر لینا تم پر لازم ہے اور اسکو رد کر دینا تمہارے لئے حرام ہے۔

[redacted]

خیمہ نہ ہو، اسلئے کہ جس کریم نے تمہارے اوپر چار رکعتیں فرض کی تھیں، اسی نے حالت سفر میں دو رکعتیں فرض فرمادی ہیں۔ اور صرف رکعتیں کم کی ہیں، ثواب میں کوئی کمی نہیں فرمائی ہے۔ مقیم چار رکعت سے جو ثواب پائیگا، مسافر دو ہی رکعت سے وہی ثواب حاصل کریگا۔

اگر چہ ارشاد رسول کی روشنی میں امن وامان حاصل ہونے کی صورت میں بھی مسافر کو قصر ہی کرنا ہے، لیکن یہ قصر کرنا تمہارے لئے اور بھی ضروری اور اہمیت کا حامل ہوجاتا ہے (اگر تم کو خوف ہو کہ شرارت کرینگے تم سے جو کافر ہوگئے)۔۔ چنانچہ۔۔ تمہیں نماز میں مشغول پاکر تم کو نقصان پہنچادینگے۔ تمہارا یہ خوف غالب احوال کو دیکھتے ہوئے غیر فطری بھی نہیں، اسلئے کہ اُس زمانے میں مدینہ منورہ کے اردگرد مسلمانوں کے بہت دشمن تھے اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ (بلاشبہ کافر لوگ تمہارے کھلے دشمن ہیں) اگر انہیں تمہیں اذیت ونقصان پہنچانے کا کوئی بھی موقع میسر آیا، تو وہ کیوں چوکنے لگے۔۔ لہٰذا۔۔ ہر حال میں ان سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔ تو اے محبوب! دشمنوں کے خوف کے وقت۔۔۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا

اور جب تم اپنوں میں ہو، پھر کھڑی کردی ہو ان کیلئے نماز، تو ایک جماعت ان کی کھڑی ہو تمہارے ساتھ اور لیے رہے

اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ

اپنے ہتھیار۔۔ تو جب سجدہ کرچکے تو تمہارے عقب میں ہوجائیں، اور دوسری جماعت آئے جس نے

يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

نماز کی نیت نہیں کی تو نماز ادا کریں تمہارے ساتھ، اور لیے رہیں اپنے بچاؤ اور اپنے ہتھیاروں کو۔ آرزومند ہیں جنھوں نے کفر کیا

لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا

کہ اگر غفلت برتو اپنے ہتھیاروں اور سامان سے، تو دھاوا بول دیں تم پر یکبارگی۔ اور تم پر

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا

کوئی گناہ نہیں کہ اگر تم کو تکلیف ہو بارش سے یا بیمار ہوگئے، کہ رکھ دو

اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

اپنے ہتھیار اور بنائے رکھو اپنا بچاؤ۔ بیشک اللہ نے تیار کررکھا ہے کافروں کیلئے عذاب رسوائی والا●

(اور) اس حال میں (جب) کہ (تم اپنوں میں ہو) اور ایسے وقت میں نماز کا وقت آ

چنانچہ۔۔تم نے (پھر کھڑی کردی ہوان کیلئے نماز) تو اس صورت حال کے پیش نظر، حکمت کا تقاضہ ہے کہ اے محبوب! تم اپنے لشکر کے دوگروہ فرمادو۔ (تو ایک جماعت انکی کھڑی ہو تمہارے ساتھ اور) احتیاطاً (لئے رہیں اپنے ہتھیار) تاکہ بوقت ضرورت فوری طور پر اسکا استعمال کیا جاسکے اور اسکے استعمال میں کسی طرح کی تاخیر نہ ہو۔

(تو جب سجدہ کرچکے) یعنی وہ جماعت جو آپکے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی، وہ جب ایک رکعت پڑھ لیں (تو) انہیں چاہئے کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری حفاظت کیلئے پیچھے ہٹ جائیں اور (تمہارے عقب میں ہوجائیں)۔۔نیز۔۔تمہارے دشمنوں کے سامنے ہوجائیں (اور) پھر انکے ہٹنے کے بعد (دوسری جماعت آئے جس نے نماز کی نیت نہیں کی) بلکہ لشکر کی نگہبانی کررہی تھی (تو) اب وہ (نماز ادا کریں تمہارے ساتھ) ایک رکعت جو آپ کی دوسری رکعت ہوگی مگر ان کی پہلی رکعت ہوگی۔

۔۔الختصر۔۔حضور سرور عالم ﷺ نے صلوٰۃ خوف پہلے گروہ کو ایک رکعت پڑھائی اور پھر دوسرے گروہ کو دوسری رکعت پڑھائی، جیسا کہ ارشادِ ربانی میں بیان ہوا، پھر پہلا گروہ اپنی نماز میں حاضر ہوا اور دوسرا گروہ دشمن کے بالمقابل کھڑا ہونے کیلئے چلا گیا۔ یہاں تک پہلے گروہ نے اپنی رکعت کو اکیلے ہوکر ادا کیا، لیکن انہوں نے قرأت نہ کی اسلئے کہ وہ گویا امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ جو امام کی پہلی رکعت کا ساتھی ہے، وہ حکماً دوسری رکعت کا بھی ساتھی ہے۔ اور پھر جب اس پہلے گروہ نے نماز سے سلام پھیرا تو دوسرا گروہ اپنی دوسری رکعت ادا کرنے کیلئے حاضر ہوگیا، لیکن انہوں نے اپنی اس رکعت میں قرأت کی، گویا ان سے امام کی قرأت رہ گئی۔اسطرح ان دونوں گرہوں نے اپنی اپنی دو رکعت نماز ادا فرمائی۔

صورت بالا اسکی نماز خوف کیلئے ہے جو مسافر ہو۔۔یا۔۔صبح کی نماز ادا کی۔ اسلئے کہ صبح کی نماز مسافر کی نماز کی طرح ہے۔ اور اگر وہ نماز مقیم ہو۔۔یا۔۔مغرب کی نماز پڑھنی ہے، تو اسکا طریقہ یہ ہے کہ امام گروہ اول کو دو رکعتیں پڑھائے، اسلئے کہ یہ دو رکعتیں ہی مسافر کی پہلی رکعت کا حصہ ہیں، باقی طریقہ وہی جو مذکور ہوا۔

نماز خوف ادا کرنے والوں پر احتیاطاً یہ لازمی (اور) ضروری ہے کہ (لئے رہیں اپنے بچاؤ) جسکے سبب دشمن سے بچ سکتے ہوں، جیسے سپر، خود اور زرہ وغیرہ (اور اپنے ہتھیاروں کو) جن سے لڑتے ہیں جیسے تلوار، تیر اور کمان وغیرہ۔ ایسا کرنا اسلئے ضروری ہے کیونکہ وہ لوگ (آرزو مند ہیں جنہوں نے

کفر کیا کہ اگر غفلت برتو اپنے ہتھیاروں اور سامان) واسباب سے جیسے کپڑے وغیرہ اور انکے سواوہ سامان، جنگ میں جنکی ضرورت پڑتی ہے۔۔الغرض۔۔جنگی ضروری سامان (سے تو دھاوا بولدیں تم پر یکبارگی) اور جو کچھ پائیں لوٹ لے جائیں۔

۔۔چنانچہ۔۔آنحضرت ﷺ نے ایک غزوہ کیلئے جاتے ہوئے ایک مقام پر ملاحظہ فرمایا کہ عرب کے مشرکین صف باندھے ہوئے جدال وقتال کیلئے تیار ہیں، تو آپ نے بھی حکم فرمادیا کہ لشکر اسلام بھی دشمن سے مقابلہ کیلئے صف بندی کرلے۔اسی حال میں نمازِ ظہر کا وقت آ گیا اور یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ کافروں کا لشکر قبلہ اور اہل اسلام کے لشکر کے بیچ میں تھا۔آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کے ساتھ نماز پڑھنا شروع فرمادی۔

کفار ان حضرات کے رکوع اور سجود کو دیکھتے رہے اور ساکت وصامت رہے۔کچھ عجب نہیں کہ جب کافروں نے ان اللہ والوں کی بے خوفی، اخلاص، للٰہیت، ہر طرح کے سود وزیاں سے بے نیاز ہوکر بارگاہِ خداوندی میں سربہ سجود ہوکر توحید الٰہی کا ڈنکا بجانا، کسی حال میں بھی خدا کو فراموش نہ کرنا، اپنے کو اور اپنے جملہ امور کو مکمل طور پر خدائے ذوالجلال کے فضل وکرم کے حوالے کردینا اور صرف نصرت خداوندی ہی پر بھروسہ کرنا، وغیرہ وغیرہ دیکھا، تو وہ حیرت واستعجاب میں ایسا ڈوب گئے، کہ ان میں حرکت کرنے کی جرأت نہ رہی۔

رب کریم نے ظاہر فرمادیا کہ جس پر خدائی فضل وکرم کا سایہ ہوتا ہے ایسے نازک وقت میں بھی اسکا کوئی بال بیکا نہیں کرسکتا۔جب لشکر اسلام نماز سے فارغ ہوگیا تو اب جا کر کفار افسوس کرنے لگے کہ ہم نے ایسے وقت میں ان پر دھاوا کیوں نہ کیا؟ اسوقت ایک کافر نے آواز دی کہ فکر نہ کرو ابھی تمہیں اسی طرح کا ایک موقع اور بھی ملنے والا ہے کہ اس نماز کے بعد ان لوگوں کیلئے ایک دوسری نماز اور بھی ہے، جس نماز کے اعزاز واکرام میں یہ لوگ بڑا اہتمام کرتے ہیں، دیکھتے رہو اسوقت ناگہانی طور پر انکے سر پر ہم جاپڑینگے اور دل کھولکر ان سے بدلہ لینگے۔

ابھی نماز عصر کا وقت نہ آیا تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور خوف کی حالت میں نماز پڑھنے کا طریقہ آنحضرت ﷺ کو تعلیم فرمادیا۔الغرض۔۔کفار کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ حالت نماز میں ہتھیار ساتھ رکھنا نماز کے اعمال میں داخل نہیں کہ اسکے بغیر نماز ہی نہ ہو۔۔ہاں۔۔احتیاطاً اسکا ساتھ رکھنا مستحب ہے۔۔لہٰذا۔۔آیت کریمہ میں اسکے تعلق سے جو امر ہے وہ 'امر استحبابی' ہے نہ کہ 'امر وجوبی'

اوراس میں بھی تمہارے لئے یہ رخصت۔۔۔
(اور) سہولت کہ (تم پرکوئی گناہ نہیں) اورکسی طرح کی کوئی گرفت نہیں (کہ اگر تم کو تکلیف ہو بارش سے) بایں طور کہ بارش کا پانی تمہارے ہتھیار کو بھاری اوروزنی کردے (یا) تم (بیمار ہوگئے) کہ ناتوانی کے سبب ہتھیار نہیں اٹھا سکتے، تواب حرج نہیں (کہ رکھدو) تم (اپنے ہتھیار اور بنائے رکھو اپنا بچاؤ) یعنی ہوشیاری کو ہاتھ سے جانے نہ دو، تاکہ کفار تم پر اچانک حملہ نہ کرسکیں۔
۔۔الختصر۔۔اپنی حفاظت کے آلات ہر حال میں اپنے قریب رکھو۔تم کو اسقدر ہوشیاری کا حکم اسلئے دیا جارہا ہے کہ تمہارے دشمن کفار ہیں، تو اللہ تعالیٰ بھی انہیں رسوا کرکے تمہیں ان پر فتحیاب فرمائیگا ۔۔لہٰذا۔۔تم اپنے معاملے میں ہوشیاری سے کام لو اور اپنے اسباب کو مضبوط رکھو، تاکہ تمہارے سبب سے اللہ تعالیٰ انہیں عذاب میں مبتلا فرمادے۔۔کیونکہ۔۔(بیشک اللہ) تعالیٰ (نے تیار کررکھا ہے کافروں کیلئے عذاب رسوائی والا) اور کافروں کو ذلیل کردینے والا۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ

پھر جب نماز تم پوری کرچکے تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے اور بیٹھے، اور کروٹ لیتے۔

فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ

پھر جب مطمئن ہوجاؤ تو نماز قائم رکھو، بے شک نماز

كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

ایمان والوں پر فرض ہے وقت کی پابندی سے●

(پھر جب نماز) خوف (تم پوری کرچکے) اور بطریق مذکورہ اس نماز کو پورے طور پر ادا کر چکے، (تو ذکر کرو اللہ) تعالیٰ (کا کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ لیتے) یعنی ذکر الٰہی میں مداومت کرو اور اللہ تعالیٰ کو ہر وقت علیم وخبیر ہونے کے تصور پر محافظت کرو، اور ہر وقت اُسی سے مناجات اور دعاؤں میں مشغول رہو، سکون کی حالت ہو یا جنگ کا ماحول۔ (پھر جب مطمئن ہوجاؤ) یعنی جنگ سے فارغ اور مطمئن ہوجاؤ اور تمہارے قلوب خوف اعداء سے سکون اور تسلی میں ہوں۔خلاصہ یہ کہ جنگ سے پوری فراغت ہوجائے، توجب جب نماز کا وقت آئے (تو نماز قائم رکھو) یعنی اسکے شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے کماحقہ اسکے ارکان کو ادا کرنے میں ہمیشگی برتو۔۔الختصر۔۔اسکو کماحقہ دائمی طور پر ادا کرتے رہو،

اسلئے کہ (بیشک نماز ایمان والوں پر فرض ہے وقت کی پابندی سے) اسکے وقتوں سے اُسے نکالدینا درست نہیں۔

یہ رب کریم کا بہت بڑا کرم ہے کہ اس نے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے اوقات، انکی ادائیگی کے طریقے اور ضابطے اور ان سے متعلق جملہ احکام کو خود متعین فرمادیا اور پھر اپنے کلام اور اپنے رسول کے ذریعہ ان سب سے ہمیں آگاہ فرمادیا۔ اگر۔۔بالفرض۔۔ایسا ہوتا کہ انکی ادائیگی کو ہماری صوابدید کے حوالے کردیتا، ایسا کہ ہم جس فرض کو جیسے اور جب چاہتے ادا کرتے، تو ہمیں حرص وہوا کبھی بھی انکی ادائیگی کا موقع نہ دیتے پھر نفسانی امور میں پھنس کر، نفس کے غلط رویہ کے تابع ہوکر۔۔یا۔۔دیگر خرابیوں کا شکار ہوکر ان جملہ فرائض کی ادائیگی سے محروم ہوجاتے۔

ویسے ہی اگر ہر شخص کو اپنی صوابدید پر عبادت کرنے اور اپنے خود ساختہ طریقہ ہائے عبادت کے مطابق عبادت کرنے کا اختیار مل جاتا، پھر تو بے شمار فتنوں کو سر اٹھانے کا موقع مل جاتا، ہر شخص اپنی پسند کے مطابق الگ الگ مذہب والا ہوتا۔ دنیا ہی نہیں بلکہ ہر ہر گھر کا امن وسکون غارت ہوجاتا۔ اسلام ہی ہے جو ہدایت دیتا ہے کہ تم خدا کو اپنے بنائے ہوئے اصولوں سے راضی نہیں کرسکتے، بلکہ خدائے عزوجل ہی سے پوچھو کہ وہ کیسے راضی ہوگا؟ اب وہ اپنے نبی کے ذریعہ اپنی رضا کی جوراہ متعین فرمادے، اسی راہ پر چل کر ہم اسکی رضا تک پہنچ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے جہاد کی ترغیب کیلئے آیات نازل کی تھیں۔ اسی کے ضمن میں جہاد کے دوران نماز پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے احکام نازل کیے۔ اسکے بعد پھر جہاد کی ترغیب دی اور فرمایا جہاد میں کفار کا پیچھا کرنے سے تم ہمت نہ ہارو۔ اگر تم زخمی ہوگیے ہو تو وہ کافر بھی زخمی ہوگئے ہیں، جبکہ تمہیں اپنے زخموں پر اللہ تعالیٰ سے جو اجر وثواب کی امید ہے کافروں کے ہاں اسکا تصور بھی نہیں ہے۔۔المختصر۔۔یہ کہ اے ایمان والو! جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ چاہتے ہیں کہ غزوۂ اُحد کے بعد، تم ابوسفیان کے لشکر کا تعاقب کرو۔۔۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ

اور مخالف قوم کی تلاش میں سستی نہ کرو۔ اگر تم کو دکھ ہوتا ہے تو وہ بھی دکھ پاتے ہیں جیسے تم کو دکھ ہوتا ہے۔

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

اور تم امید رکھتے ہو اللہ سے جو نہیں امید رکھتے وہ۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے ●

(اور مخالف قوم کی تلاش میں سستی نہ کرو) تو اس بات کا خیال بھی نہ کرو کہ تم تھکے ہوئے زخم خوردہ اور دکھ درد والے ہو، اسلئے کہ (اگر) کسی موقع پر (تم کو دکھ ہوتا ہے تو) پھر کسی دوسرے موقع پر ویسے ہی (وہ بھی) تو (دکھ پاتے ہیں جیسے تم کو دکھ ہوتا ہے) اگر غزوۂ اُحد میں تمہارے ستر۷۰ افراد شہید ہو گئے ہیں، تو وہ کافر لوگ بھی غزوۂ بدر میں ستر۷۰ سرداروں کے قتل کا زخم کھا چکے ہیں۔ (اور) تمہارے اور انکے احوال میں نمایاں فرق یہ ہے کہ، (تم امید رکھتے ہو اللہ) تعالیٰ (سے) دنیا میں فتح و نصرت اور آخرت میں ثواب شہادت کی۔ اور یہ وہ امور ہیں (جو) تمہارے لئے ہی خاص ہیں (نہیں امید رکھتے) جنکی (وہ) کافر، (اور) بیشک (اللہ) تعالیٰ (علم والا) اور تمہارے دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔۔ نیز۔۔ اپنے امر و نہی میں (حکمت والا) محکم کار (ہے)۔ اسکا امر ہو کہ نہی دونوں حکمت سے خالی نہیں۔

مسلمانو! یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رکھنے کے لائق ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے تم کو کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے، تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ انکے ساتھ بے انصافی کرو۔ بلکہ واجب یہ ہے کہ اگر انکا موقف صحیح ہو، تو انکے حق میں فیصلہ کیا جائے اور کسی شخص کے ظاہری اسلام کی وجہ سے کسی کافر کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے۔

اس سلسلے میں یہ واقعہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ انصار کے قبیلہ بنی ظفر کے ایک شخص طعمہ بن ابیرق نے اپنے ہمسایہ قتادہ بن نعمان کی زرہ چرا کر آٹے کی بوری میں رکھ کر زید بن سمین یہودی کے ہاں چھپائی۔ جب زرہ کی تلاش ہوئی اور طعمہ پر شبہ کیا گیا تو وہ انکار کر کے قسم کھا گیا۔ بوری پھٹی ہوئی تھی اور آٹا اسمیں سے گرتا گیا، اسکے نشان سے لوگ یہودی کے مکان تک پہنچے بوری وہاں پائی گئی۔

یہودی نے کہا کہ طعمہ میرے پاس رکھ گیا ہے اور یہودیوں کی ایک جماعت نے انکی گواہی دی، مگر طعمہ کی قوم بنی ظفر نے یہ عزم کر لیا تھا کہ یہودی کو چور بنا ئینگے اور اس پر قسم کھا لینگے تا کہ قوم رسوا نہ ہو۔۔ چنانچہ۔۔ انکی خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ طعمہ کو بری کر دیں اور یہودی کو سزا دیں۔ اسلئے انھوں نے حضور کے سامنے طعمہ کے موافق یہودی کے خلاف جھوٹی گواہی دی اور اس گواہی پر کوئی جرح و قدح نہ ہوئی۔

ایسی صورت حال میں ظاہر حال کا تقاضہ یہی تھا کہ آپ ﷺ طعمہ کی مدد فرمائیں اور اسکو بری فرمادیں۔ مدعی کی طرف سے 'بینہ' کا فقدان اور منکر کی طرف سے 'یمین شرعی' کے وجود کی وجہ سے طعمہ کو بری کر دینے کا آپکے دل میں خیال بھی پیدا ہوا، لیکن آپنے کوئی حکم صادر نہ فرمایا، بلکہ توقف فرما کر وحی ربانی کا انتظار فرمایا۔۔ چنانچہ۔۔ وحی ربانی کا نزول ہوا، اور آپ پر واضح فرمادیا گیا کہ طعمہ اور اسکے گواہ جھوٹے ہیں اور یہودی اس جرم سے بالکل بری ہے۔۔ الغرض۔۔ منافقین کی یہ خواہش کہ نبی کریم حق کے خلاف اور باطل کے موافق فیصلہ فرمائیں، شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکی اور منافقین کی قسموں کی بے اعتباری بھی کھل کر سامنے آگئی۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے محبوب!۔۔۔

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ

بیشک ہم نے اتاری تم پر ٹھیک کتاب تاکہ فیصلہ کرو تم لوگوں کا جیسا اللہ تمہیں دکھائے۔

وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ۝

اور فریبیوں کیلئے طرف دار نہ بنو●

(بیشک ہم نے اتاری تم پر ٹھیک کتاب) یعنی قرآن کریم جسکا ہر حکم راستی پر مبنی اور درست ہے (تاکہ) اسی کتاب اور وحی الٰہی کی روشنی میں (فیصلہ کرو تم لوگوں کا) بالکل اسی کے مطابق (جیسا اللہ تعالیٰ (تمہیں دکھائے) اور معرفت کرائے۔۔ چونکہ۔۔ اعتقاد و معرفت بھی قوت وظہور اور شک وشبہ سے پاک وصاف ہونے میں رویت کی طرح ہوتا ہے، اسلئے معرفت کی تعبیر رویت سے کی گئی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اے محبوب! تم حسب دستور حق فیصلہ ہی کرتے رہو (اور فریبیوں کیلئے طرفدار نہ بنو)۔۔ نیز۔۔ انکے فریب کارانہ رویوں سے ہوشیار رہو۔

اے محبوب! اگر چہ یہ صحیح ہے کہ طعمہ کے بری کردینے کا جو خیال تمہارے ذہن میں آیا، تو اس سے تم خاطی نہیں ہوئے ۔۔ ہاں اگر بالفرض ۔۔ تم اسکا ارتکاب کرلیتے تو ضرور تمہارے اس عمل کو خطا قرار دیا جاسکتا تھا۔ ویسے بھی تمہارے ذہن میں جو خیال بھی پیدا ہوا وہ بھی 'حکم شرعی' کے مطابق گواہیاں گزر جانے کی وجہ سے پیدا ہوا، تو اس خیال میں بھی آپ شرعاً معذور تھے۔۔ بایں ہمہ۔۔ 'حسنات الابرار سیئات المقربین' کے اصول کی پیش نظر تم اپنی اس سوچ۔۔۔

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ سے استغفار کرو۔ بیشک اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے●

(اور) ذہن میں پیدا ہونے والے اپنے اس خیال سے (اللہ) تعالیٰ (سے استغفار کرو) اور بخشش چاہو اللہ تعالیٰ سے اس بات کی، کہ یہودی کو سزا دینے کا تمہیں خیال آ گیا تھا۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (بخشنے والا) ہے اسے جو بخشش چاہے اور (رحمت) فرمانے (والا ہے) اسپر جو مخلصانہ طور پر مہربانی کا طالب ہو۔ تو اے محبوب! تم اپنی عادلانہ روش پر قائم رہو۔۔۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اوران کی جنبہ داری میں نہ جھگڑو جو اپنے کو فریب میں رکھتے ہیں۔ بے شک اللہ

لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾

نہیں پسند کرتا ہے جو بڑا فریبی گنہ گار ہو●

(اوران کی جنبہ داری میں نہ جھگڑو جو) طعمہ اور اسکی قوم کی طرح (اپنے کو فریب میں رکھتے ہیں) اور سوچ سمجھ کر خیانت کرتے رہتے ہیں۔ ایسی خیانتیں جسکا نتیجہ آخرت میں انہی کو بھگتنا ہے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند کرتا ہے) اسکو (جو بڑا فریبی) خیانت کا خوگر اور اسپر اصرار کرنے والا ہو نیز۔ اللہ تعالیٰ نہیں پسند فرماتا اسکو جو ایسا (گنہگار ہو) جو ہمیشہ اپنے گناہوں میں منہمک اور اسی میں مستغرق رہتا ہے۔ ان خیانت کرنے والوں کی ناسمجھی تو دیکھو کہ۔۔۔

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ

لوگوں سے تو منہ چھپاتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے، حالانکہ وہ ان کے پاس ہے جب رات بسر کر رہے

مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

ہیں ان باتوں میں جو ناپسندیدہ ہیں، اور اللہ جو وہ کرتے ہیں سب پر گھیرا ڈالے ہے●

(لوگوں سے تو منہ چھپاتے ہیں) شرم کرتے ہیں اور ان سے اپنی خیانتیں چھپاتے ہیں۔۔ غرض۔ انکی خواہش صرف یہ رہتی ہے کہ انکے خیانت آلود چہرے پر کسی کی نظر نہ پڑ سکے۔ لیکن یہ انکی کتنی بڑی بد دماغی ہے کہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں، (اور اللہ) تعالیٰ (سے نہیں چھپتے)۔ یعنی بندوں سے تو

شرم کرتے ہیں، مگر رب قدیر سے شرم نہیں کرتے (حالانکہ وہ انکے پاس ہی ہے) انکے دلوں کی چھپی باتیں اس سے پوشیدہ نہیں۔تو مناسب بات تو یہی تھی کہ اس سے شرم رکھیں، مگر یہ اس سے شرم نہیں رکھتے (جب رات بسر کررہے ہیں ان باتوں میں جو) خدا کے نزدیک (ناپسندیدہ ہیں)۔

بنوظفر آپس میں رات کو مشورہ کرتے تھے کہ طعمہ جھوٹی قسم کھالے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ اس قسم کو باور کرلینگے اسلئے کہ طعمہ بظاہر مسلمان ہے۔رہ گیا یہودی جو کھلا کافر ہے تو آپ ﷺ اسکی طرف التفات نہ فرمائینگے۔

ان بیوقوفوں نے یہ نہیں سوچا (اور) یہ خیال نہیں کیا کہ (اللہ) تعالیٰ (جو وہ کرتے ہیں سب پر گھیرا ڈالے ہے) یعنی انکے ظاہری اعمال ہوں ۔۔یا۔۔خفیہ حرکتیں، اللہ تعالیٰ کے علم قدیم کے دائرے سے باہر نہیں۔اللہ تعالیٰ انکے جملہ اعمال کا احاطہ فرمانے والا ہے۔

۔۔الغرض۔۔انکا کوئی بھی عمل اسکے علم کے دائرے سے باہر نہیں رہ جاتا۔اور پھر خدائے کریم اپنے محبوب کو انکی حرکتوں سے باخبر فرماتا رہتا ہے۔یہ بے وقوف بندوں سے ڈرتے ہیں اور جس ذات قادر مطلق سے ڈرنا چاہئے اس سے نہیں ڈرتے۔جبکہ آخرت کا حساب کتاب بندے نہیں لینگے، بلکہ وہی رب قدیر لیگا جو عالم الغیب والشہادہ ہے، تو اس صورت حال میں خدا سے شرم نہ کرنا اور بندوں سے شرم کرنا، فکرونظر کی کجی کی بدترین مثال ہے۔تو اے طعمہ اور لاعلمی کی بنیاد پر اسکے اہل ایمان طرفدارو! اور طعمہ کے منافق برادری والو!۔۔۔

هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا فَمَنۡ یُّجٰدِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ

سنو تم لوگ جھگڑتے رہے ان سے دنیاوی زندگی میں۔۔۔تو کون جھگڑے گا اللہ سے ان کے بارے میں

یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اَمۡ مَّنۡ یَّكُوۡنُ عَلَیۡهِمۡ وَكِیۡلًا ﴿۱۰۹﴾

قیامت کے دن، یا کون ان کا وکیل ہوگا●

(سنو! تم لوگ جھگڑتے رہے ان) کے تعلق (سے) اور ان کیلئے (دنیاوی زندگی میں) نیز۔۔لڑ جھگڑ کر خائنوں کی خیانت دور کرنے کی کوشش کرتے رہے لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ طعمہ اور برادری کی وجہ سے صرف دنیا میں جھگڑا کرسکتے ہو۔(تو) ذرا بتاؤ کہ (کون جھگڑیگا اللہ) تعالیٰ (سے) انکے بارے میں قیامت کے دن یا کون انکا وکیل ہوگا)۔یعنی جب اللہ تعالیٰ انکی گرفت فرمائیگا

سے انکے کرتوتوں کا بدلہ لیگا، تو تم میں سے کون ہے جو انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچائے اور انکی وکالت کرے۔ سارے وہ لوگ جن سے کوئی کبیرہ یا صغیرہ گناہ سرزد ہو گیا ہو، خاص طور سے طعمہ اور اسکی قوم کے لوگ غور سے سنیں۔۔۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾

اور جو گناہ کر گزرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ کی بخشش چاہے، تو پالیتا ہے اللہ کو بخشنے والا رحمت والا●

(اور) یاد رکھیں کہ (جو گناہ کر گزرے) جس سے کسی کو ضرر پہنچے، جیسے کہ طعمہ نے قتادہ یہودی سے کیا (یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے) جسکا وبال خود اسی کو سہنا پڑے، جیسے کہ جھوٹی قسم وغیرہ کا ارتکاب کرلے۔ اور (پھر) نادم ہو کر (اللہ) تعالیٰ سے اس (کی بخشش چاہے، تو پالیتا ہے اللہ) تعالیٰ (کو) گناہوں کا (بخشنے والا) اور (رحمت) فرمانے (والا) مہربان۔۔۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

اور جو کمائے گناہ، تو اپنے ہی اوپر اس کی کمائی ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور) اسکے برخلاف (جو کمائے گناہ) اور چاہے کہ کسی بے گناہ کو اسکی تہمت لگادے (تو) یہ اسکی خام خیالی ہے کیونکہ (اپنے ہی اوپر اس) گناہ کرنے والے (کی کمائی ہے)۔ یعنی اس گناہ کا وبال خود اسی کی جان کو پہنچنے والا ہے۔ اس گناہ کا ضرر اسکی جان سے دوسرے کی طرف تجاوز نہیں کرتا۔ (اور) بلاشبہ (اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، تو بھلا زرہ چور اس سے کیسے چھپ سکتا ہے اور (حکمت والا ہے) ۔ چنانچہ۔ اس نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس میں بڑی ہی حکمت ہے۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓـئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓـئًا فَقَدِ

اور جو کماتا ہے کوئی خطا یا گناہ اور پھر رکھ پھینکتا ہے کسی بے گناہ پر، تو بے شک

احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع

اس نے اٹھالیا بہتان اور کھلا گناہ●

(اور) ایسے ہی (جو کماتا ہے کوئی خطا) یعنی صغیرہ۔۔۔یا۔۔۔بے ارادہ کبیرہ کا ارتکاب کرتا ہے (یا گناہ) یعنی گناہ کبیرہ۔۔۔یا۔۔۔وہ گناہ صغیرہ جو عمداً کرتا ہے (اور پھر) ان دونوں میں سے کسی ایک سے

برأت کا اظہار کرتا ہے اور (رکھ پھینکتا ہے کسی بے گناہ پر) اور اپنے آپ کو بری الذمہ ظاہر کرتا ہے اور اپنا گناہ دوسرے کے سر تھوپ دیتا ہے، جیسے کہ طعمہ نے چوری کر کے یہودی کے سر تھوپ دیا (تو بیشک اس نے اٹھالیا بہتان)۔ ایسا بڑا بہتان جسکا اندازہ نہیں ہوسکتا (اور کھلا گناہ) ایسا فاحش گناہ جو سب کو معلوم ہے۔ اے محبوب! منافقین تو کیا کیا سوچتے تھے۔۔۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ

اور اگر نہ ہو فضل اللہ کا تم پر اور اس کی رحمت، تو ان میں سے ایک جمعیت نے قصد کیا تھا کہ تم کو

يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ

فریب دیں، اور وہ اپنے ہی کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور نہیں بگاڑ سکتے تمہارا کچھ۔

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ

اور اتارا اللہ نے تم پر کتاب وحکمت کو، اور سکھا دیا سب کچھ

تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝

جو نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ کا فضل تم پر بہت بڑا ہے●

(اور) کیسے کیسے منصوبے بناتے تھے، تو (اگر)۔۔۔ بالفرض۔۔۔ (نہ ہو) تا (فضل اللہ) تعالیٰ (کا تم پر اور اسکی رحمت، تو ان میں سے ایک جمعیت نے قصد کیا تھا کہ تم کو فریب دیں)۔

۔۔چنانچہ۔۔۔ بنی ظفر نے طعمہ کو سرقہ سے بری الذمہ بنانے کی پوری کوشش کر ڈالی، تا کہ آپکو صحیح فیصلہ کرنے سے باز رکھیں۔ اسی لئے وہ لوگ آپکے سامنے غلط سلط بیان دے رہے تھے۔۔۔ حالانکہ۔۔۔ انہیں معلوم تھا کہ انکے ساتھی طعمہ سے غلطی کا ارتکاب ہو چکا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔۔ آپ پر انکی غلط پالیسی کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، خواہ وہ کتنی ہی جدوجہد کریں۔ (اور) سچی بات تو یہ ہے کہ (وہ) خود (اپنے ہی کو دھوکہ دیتے ہیں) کہ اسکا وبال انہیں پر ہوگا (اور) اپنی ان خفیف الحرکاتیوں سے وہ لوگ (نہیں بگاڑ سکتے تمہارا کچھ)۔ وہ لوگ آپکو اسلئے ضرر نہیں پہنچا سکتے کہ خود خدا آپکا محافظ ہے۔ اور وہ جو فیصلہ میں طعمہ کی تائید کا آپکو خیال گزرا، وہ بھی صرف ظاہری اسباب کی وجہ سے تھا، نہ کہ طبعی طور پر آپکا میلان اسطرف تھا۔

یعنی آپکا طعمہ کے حق میں فیصلہ کرنے پر طبعی میلان نہیں تھا۔ اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا تھا؟ (اور

یہ بات کیسے ممکن تھی؟ اسلئے کہ (اتارا اللہ) تعالیٰ (نے تم پر کتاب) قرآن کریم (وحکمت کو) یعنی قرآن کریم میں مذکور احکام اور حلال وحرام کی تفصیل کو، (اور) بذریعہ وحی (سکھادیا سب کچھ) غیب کی باتیں اور پوشیدہ امور، (جو) تاوقت تعلیم (نہیں جانتے تھے اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر بہت بڑا ہے)۔ اسلئے کہ نبوت عامہ اور حکومت تامہ سے بڑھ کر اور کونسا بڑا فضل ہوگا۔

اس مقام پر فضل عظیم سے آپکو معصوم رکھنا اور 'ما کان وما یکون' کی تعلیم عطا فرمانا مراد ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے 'عالم ما کان وما یکون' بنادیا گیا ہو، اسے طعمہ کی قوم کی ان سرگوشیوں سے کیسے بے خبر رکھا جا سکتا ہے، جو وہ طعمہ کو چوری کے الزام سے بچانے کیلئے آپس میں کرتے رہے۔

۔۔۔اسطرح کی غلط سرگوشیاں کرنے والے کان کھول کر سن لیں۔۔کہ۔۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ

کوئی فائدہ نہیں ان کی کئی سرگوشیوں میں، مگر جس نے حکم دیا صدقہ کا، یا کسی نیکی کا،

أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ

یا لوگوں میں صلح کرانے کا۔ اور جو ایسا کرے اللہ کی رضامندی کی طلب میں،

فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾

تو جلد ہم دیں گے اس کو بڑا اجر●

(کوئی فائدہ نہیں) ہے (انکی کئی) یعنی اکثر وبیشتر (سرگوشیوں میں) اس سے انہیں کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔۔ہاں۔۔(مگر) سودمند، فائدہ بخش اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا کام اسکا ہے (جس نے حکم دیا صدقہ کا) یعنی صدقہ وخیرات (یا) اسکے سوا (کسی) دوسری (نیکی کا)۔۔مثلاً: قرض دینے کا، مظلوم کی فریادرسی اور عاجز بے چاروں کی دستگیری کا، وغیرہ وغیرہ (یا) حکم کرے (لوگوں میں صلح کرانے کا)، ایسی صلح جو انکے دلوں سے کدورت رفع کردے۔

ان تینوں باتوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر اسلئے ہے، کہ یہ ایسے امور ہیں جن کے منافع عامل سے متجاوز ہوکر دوسروں تک پہنچتے ہیں۔ کیونکہ اسمیں دوسروں کو فائدہ پہنچایا اور نقصان کو دفع کیا جاتا ہے۔

تو سن لو (اور) یاد رکھو (جو ایسا کرے) اور ان جملہ امور کو بجالائے اور وہ بھی ریاکاری کے

طور پر، دوسروں کو دکھانے کیلئے اور انکی واہ واہی حاصل کرنے کی غرض سے نہیں، بلکہ (اللہ) تعالیٰ (کی رضامندی کی طلب میں) کرے۔ اسلئے کہ بندوں کو چاہیے کہ اپنے جملہ امور میں رضائے الٰہی کو رکھیں۔ ایسوں کیلئے ارشادِ خداوندی ہے کہ اسطرح کے اعمال خیر و خیرات انجام دینے والے کو محروم رکھیں گے۔ (تو) جو بھی ایسا کریگا (جلد ہم دینگے) اپنے فضل و کرم سے (اسکو بڑا اجر) کہ اس سے نہ صرف طلب دنیا کی عادت دفع ہو جائیگی، بلکہ دنیا کے جمیع اسباب کو 'لاشیٔ' سمجھنے لگ جائیگا۔

ایسوں کا حال طعمہ کے حال کی طرح نہیں ہوگا، کہ اس نے ایک طرف چوری کی اور دوسری طرف رسول کریم ﷺ کے حکم کی مخالفت کی اور چوری کی سزا، یعنی قطع ید کے خوف سے مدینہ طیبہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ چلا گیا اور اپنے آباء کا پرانا دین کفر اختیار کر کے کافر ہو کر مرا۔ تو ۔۔لوگو! طعمہ کا حال وانجام دیکھ کر سبق حاصل کرو۔۔۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ

اور جو مخالفت کرے رسول کی اس کے بعد کہ اس پر ٹھیک راہ روشن ہو چکی، اور چل پڑے رواج

سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۱۱۵

دستور اہل ایمان کے خلاف، تو ہم رہنے دینگے جیسے رہے، اور ڈالدیں گے اسکو جہنم میں، اور وہ پلٹاؤ کی بری جگہ ہے●

(اور) اس ارشادِ خداوندی کو ہر وقت پیش نظر رکھو کہ (جو مخالفت کرے رسول کی) اور ان پر نازل ہونے والے الہامات ربانی کی، جو درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے بھیجے ہوئے ہیں (اسکے بعد کہ اسپر ٹھیک راہ روشن ہو چکی) یعنی اسکے سامنے ہدایت واضح ہو چکی اور اُسے معلوم ہو چکا کہ واقعی یہ الہام ربانی اور اسکا نور ہے (اور چل پڑے رواج و دستور اہل ایمان کے خلاف)۔ یعنی ہر دور میں مومنین صالحین جو امور انجام دیتے رہے اور جس کام کو اچھا سمجھتے رہے، ان اعمال و امور کو یہ بُرا کہنے لگے اور سارے اہل ایمان کو راہِ صواب سے بھٹکا ہوا تصور کرنے لگے اور خود خواہشات نفسانی اور شیطان کی راہ پر چلنے لگے، (تو ہم رہنے دینگے) اُسے (جیسے) وہ (رہے)۔ یعنی ہم اسکو اسی رسوائی کے سپرد کر دینگے جسکا وہ خود خواہاں ہے۔

جیسا کہ طعمہ کے حال سے ظاہر ہے جو مکہ کی طرف بھاگا اور مرتد ہو گیا۔ وہاں بھی کسی کے گھر میں نقب لگاتا تھا، تو اسپر دیوار پھٹ پڑی اور وہ اسکے نیچے دب گیا۔ دوسرے دن

لوگوں نے اُسے دیوار کے نیچے سے نکالا اور چاہا کہ مار ڈالیں۔بعض اہل مکہ نے سفارش کی کہ یہ مدینہ سے بھاگ کر آیا ہے اور یہاں پناہ لے لی ہے تو اسکو مار ڈالنا مناسب نہیں، پھر اُسے مکہ سے نکال دیا۔

قضاعہ کے تاجروں کے ساتھ اس نے شام کی طرف جانے کا ارادہ کیا اور ایک منزل میں قافلہ کو غافل پاکر انکے اسباب میں سے کچھ چرایا اور بھاگا۔آخر گرفتار ہوا اور لوگوں نے اُسے سنگسار کیا۔اور اسکے تعلق سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ جدہ سے کشتی پر سوار ہوا اور کشتی میں دینار کی ایک تھیلی چرائی۔یہ بات تحقیق ہونے کے بعد کشتی والوں نے اُسے دریا میں ڈالدیا۔ یہ تو دنیا کا عذاب تھا کہ عملاً جس ذلت و رسوائی میں اس نے رہنا چاہا، اُسے اسی ذلت و رسوائی میں رہنے دیا گیا۔۔الغرض۔۔اس نے کفر وارتداد کو دوست رکھا، تو اسکو عدل خداوندی نے کفار و مرتدین کے گروہ سے باہر نہیں ہونے دیا۔

(اور) اب رہا عذاب آخرت کا معاملہ، تو وہاں کا عذاب چکھنے کیلئے **(ڈالدینگے اسکو جہنم میں اور وہ پلٹاؤ کی بری جگہ ہے)** جہاں خواہش نفسانی کی اتباع اور شیطان کی پیروی اور اسکی تابعداری نے ایک قسم کے شرک میں مبتلا کر کے اُسے جہنم رسید کر دیا۔

کفر و شرک اور نبی کی مخالفت اور آپکی گستاخی کرنے والوں سے، توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ہاں اگر کفر و شرک کے سوا کوئی اور گناہ ہو چھوٹا یا بڑا تو اسکو بخش دیئے جانیکا امکان ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔جب ایک بوڑھے اعرابی نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں بوڑھا ہوں گناہوں میں ڈوبا ہوا، مگر جب سے میں نے خدا کو پہچانا کسی کو اسکا شریک نہیں کیا، اور اسکے سوا کسی کو میں نے دوست نہیں رکھا، اور خدا کے ساتھ جرأت اور بے ادبی کر کے میں نے گناہ نہیں کئے، اور کبھی میرے ذہن میں یہ خیال بھی نہیں آیا کہ پلک مارتے میں بھاگ کر خدا کو عاجز کر دونگا اور اسکی گرفت سے بچ جاؤنگا۔اب گناہوں سے پشیمان ہو کر اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں توبہ کرنے حاضر ہوا ہوں، اب آپ میرے تعلق سے کیا ارشاد فرماتے ہیں؟اس عرض پر ارشاد خداوندی ہوا کہ۔۔۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

بے شک اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے، اور بخش دے اس سے نیچے جرم کو جسے چاہے۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے، تو وہ دور کی گمراہی میں پڑا●

(بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں بخشتا کہ اسکے ساتھ کفر کیا جائے)۔

اس مقام پر شرک کی تعبیر کفر سے کی گئی ہے، اسلئے کہ شرک کی مغفرت نہ ہونے کی وجہ اسکا کفر ہونا ہی ہے اور کفر کسی درجہ کا ہو یا کسی رنگ وروپ میں ہو، وہ ایمان کی ضد ہے، بغیر توبہ جسکی مغفرت نہیں ہوسکتی۔ رہ گیا وہ عمل جس پر شرک کا اطلاق کیا گیا ہے، مگر وہ کفر نہیں۔۔مثلاً: ریاکاری کے طور پر کوئی عمل انجام دینا، یہ بھی شرک ہے مگر کفر نہیں۔۔لہٰذا۔اسکا شمار ان گناہوں میں ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بغیر توبہ بھی جن کی مغفرت ہوسکے۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ کو اس بات کا پورا اختیار ہے۔۔۔

(اور) وہ اس بات پر قادر ہے کہ (بخش دے اس سے نیچے جرم کو) جو کفر کے سوا ہو (جسے چاہے) ۔۔لہٰذا۔اچھی طرح سے یہ بات ذہن نشین رہے، **(اور)** ہمیشہ کیلئے یاد رہے کہ **(جو)** کسی غیر خدا کو **(اللہ) تعالیٰ (کا شریک ٹھہرائے)** اور اسکی ذات وصفات کو خدا کی ذات وصفات کی طرح سمجھے، **(تو وہ دور کی گمراہی میں پڑا)** یعنی گمراہی کے آخری درجہ پر پہنچ گیا اور ایسا کفر اختیار کرلیا جسکی مغفرت نہیں۔ یہ مشرکین فہم ودانش سے کتنے عاری ہیں کہ۔۔۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

نہیں پوجتے اللہ کو چھوڑ کر مگر زنانہ نام والوں کو، اور نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان کو●

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

اللہ کی مار ہو اس پر۔۔۔اور وہ بول چکا ہے کہ میں ضرور لے کے رہوں گا تیرے بندوں سے اپنا مقررہ حصہ●

(نہیں پوجتے اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اسکے باغی ہو کر (مگر زنانہ نام والوں کو)۔

۔۔مثلاً: لات، عزیٰ، منات اسطرح ہر قبیلہ کا بت تھا، اسکو کہتے تھے فلانے قبیلے کی عورت۔ چونکہ انکی مورتیاں عورتوں کی شکل میں ہوتی تھیں، اسلئے بھی انکو عورتوں کا پجاری قرار دیا گیا۔ایک طرف تو وہ عورتوں پر مردوں کی برتری کے قائل تھے اور دوسری طرف عورتوں کی شکل وصورت والی مورتیوں کے پجاری بھی بن گئے تھے۔ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے گمان فاسد کی بنیاد پر ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے اور پھر ان کو پوجتے تھے۔

اسطرح خود اپنے خیال کی روشنی میں وہ عورتوں کے پجاری تھے۔

(اور) صحیح بات تو یہ ہے کہ بتوں کی پرستش کی شکل میں وہ مشرکین (نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان کو)۔۔۔(اللہ) تعالیٰ (کی مار ہوا سپر)۔۔۔اور وہ رحمت الٰہی سے ہمیشہ دور رہے۔ اسلئے کہ یہی سرکش شیطان مشرکوں کو بت پرستی کا حکم کرتا ہے۔ اور مشرکین اسکی اطاعت کرتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ وہ اسی کی فرمانبرداری میں بتوں کے پجاری بن گئے۔

ابلیس کی ایسی اطاعت کو خود اسکی عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے جو بندوں کو غیر خدا کا پجاری بنادے۔ شیطانوں کے سردار ابلیس کی سرکشی اور حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کے نتیجے میں، جب اسکے گلے میں لعنت کا طوق پہنا دیا گیا، تو اس نے اسی وقت بنی آدم کو گمراہ کرنے کا ایک منصوبہ تیار کرلیا تھا۔

(اور) صرف ذہنی طور پر ہی منصوبہ نہیں بنایا، بلکہ **(وہ بول) بھی (چکا ہے کہ میں ضرور لیکے رہونگا تیرے بندوں سے اپنا مقررہ حصہ)** اور یہ وہ لوگ ہونگے جو میرے وسوسوں کو قبول کرینگے اور میری اتباع کرینگے۔

ارشاد الٰہی ہے کہ:

'میں جہنم کو انسانوں اور جنوں سے بھر دونگا'

۔۔۔کے پیش نظر اسکی امید بندھ گئی ہوگی کہ میرے پیروکاروں کی تعداد بے شمار ہوگی اور ظاہر ہے کہ انکو جہنم رسید کرانے میں میرے ہی کردار کا عمل دخل ہوگا، اسی لئے اس نے یہاں تک دعویٰ کرلیا کہ میں اولادِ آدم کو ضرور جڑ سے اکھاڑ دونگا، سوا قلیل لوگوں کے۔ اسکے سوا خود ارشاد الٰہی میں ہے کہ:

'اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی رحمت نہ ہوتی، تو
تم سب شیطان کی پیروی کرلیتے، سوا قلیل لوگوں کے'

۔۔۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قلیل انسانوں کے سوا سب شیطان کے پیروکار ہیں اور زیر تفسیر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسکے پیروکار بعض ہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ لاتعداد فرشتے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہیں اور انکے اعتبار سے، شیطان کے متبعین بعض ہی ہیں

۔۔۔الغرض۔۔ابلیس نے جو منصوبہ بنایا۔۔۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ

اور انہیں ضرور گمراہ کروں گا اور راہ ہوس پر انہیں لگاؤں گا اور ضرور انہیں حکم دوں گا، تو وہ چیریں گے چوپایوں کے کان،

وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ

اور میں انہیں حکم دوں گا تو وہ بدل دیں گے اللہ کی بنائی صورت کو۔ اور جو بنالے شیطان کو یار،

دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾

اللہ کو چھوڑ کر، تو بے شک وہ پڑ گیا کھلے گھاٹے میں ●

(اور) پروگرام تیار کیا ان میں پہلا یہ ہے کہ میں (انہیں ضرور گمراہ کرونگا) یعنی اگر چہ میرے اختیار میں یہ بات نہیں ہے، کہ میں کسی کے دل میں گمراہی پیدا کردوں۔۔ہاں ہم۔۔میں انکے دلوں میں وسوسہ ڈالکر، انہیں گمراہی کی دعوت دیتا رہونگا (اور) دوسرا یہ کہ (راہِ ہوس پر انہیں لگاؤنگا) اور انہیں غلط خیالوں میں مبتلا کردونگا اور انہیں باور کراتا رہونگا کہ مال ودولت، عمر کی درازی وغیرہ۔۔الغرض۔۔تم جو چاہتے ہو وہ تمہیں حاصل ہوگی۔۔لہٰذا۔تم یہ کرلو وہ کرلو۔۔یونہی۔۔میں انکو سمجھاؤں گا کہ زندگی بہت طویل ہے۔۔لہٰذا۔۔ابھی توبہ کی ضرورت نہیں، بعث ونشر کی کوئی حقیقت نہیں، دخول بہشت ایک خیالی بات ہے۔۔یونہی۔۔ارتکاب ذنوب سے گھبرانے کی ضرورت نہیں، وغیرہ وغیرہ۔

(اور) تیسرا یہ کہ (ضرور انہیں حکم دونگا تو وہ چیرینگے ان چوپایوں کے کان) اور اسمیں ذرا بھی تاخیر نہیں کرینگے اور نہ ہی اسپر کچھ سوچیں گے، صرف اپنی غلط رسم ورواج کا پاس ولحاظ کرکے اپنے بتوں کیلئے انکے کان چیر کر چھوڑ دینگے، اور پھر نہ انکا دودھ پئیں گے اور نہ ہی ان سے کوئی نفع اٹھائینگے۔۔الغرض۔۔ان تمام بکریوں، گایوں اور اونٹ کے کان چیر کران سے نفع اٹھانا اپنے اوپر حرام کرلینگے۔۔الغرض۔۔خدائی احکام کی تعمیل کو نظر انداز کرکے میری پیروی میں لگ جائینگے اور خدا نے جن جانوروں کو حلال فرمادیا ہے، انکو اپنے اوپر حرام کرلینگے۔

(اور) چوتھا یہ کہ (میں انہیں حکم دونگا تو وہ بدل دینگے اللہ) تعالیٰ (کی بنائی صورت کو) یعنی مخلوق خدا کی صورت یا صفت کو، جیسے آدمی کا خصی کرنا، دانت کالے کرلینا، مرد کا مرد سے مجامعت کرنا، عورت کا عورت سے مجامعت کرنا، ہاتھ پاؤں پر نیل گدوانا، عورتوں کا زینت کیلئے چہرے اور ابرو کے بال اکھاڑنا، عورتوں کا اپنے دانتوں کو لوہے کی کسی چیز سے گھس کر باریک بنانا، تاکہ نوجوان عورتوں سے مشابہت ہو،

اپنے بالوں کو دوسرے انسانوں کے بالوں سے ملانا، تاکہ بال لمبے نظر آئیں، عورتوں کا مردوں کے مشابہ ہونا۔۔یا۔۔مردوں کا عورتوں کے مشابہ ہونا۔۔یا۔۔فطرت اسلامیہ کو بدل دینا۔۔یا۔۔اعضاء وقویٰ کو امور باطلہ میں استعمال کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

۔۔الحاصل۔۔شیطان تو اپنے بنائے ہوئے منصوبے پر عمل کریگا ہی (اور) گمراہ کرنے کی ہر صورت کو اختیار کرتا ہی رہیگا، تو اب (جو بنالے شیطان کو یار، اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) یعنی شیطان اللہ تعالیٰ کے خلاف جس بات کی طرف بلائے، وہ اُسی بات کو ماننے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روگردانی کر کے شیطان کی پیروی قبول کرلے، (تو بیشک وہ پڑ گیا کھلے گھاٹے میں) کیونکہ اس نے اپنے راس المال اور پونجی کو بالکل ضائع کردیا اور بہشت میں جگہ لینے کی بجائے جہنم میں جگہ بنائی ۔۔باوجودیکہ شیطان۔۔۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾

انھیں وعدے دے اور امیدیں دلائے، حالانکہ شیطان نہیں وعدے دیتا مگر دھوکے کا●

(انھیں وعدے دے) وہ بھی ایسے وعدے جو پورے ہونے والے نہیں۔۔مثلاً: درازی عمر، دائمی عافیت، لذائذ دنیا، جاہ ومال اور شہوات نفسانیہ، یہ ساری چیزیں عارضی اور فنا ہونے والی ہیں (اور) ان وعدوں کے سوا (امیدیں دلائے)۔۔مثلاً: یہ کہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے، اور نہ ہی کوئی حساب ہے اور نہ ہی کوئی جزاوسزا۔۔یا۔۔یہ سمجھائے کہ آخرت کا ثواب عمل کے بغیر حاصل ہوگا۔ جہاں تک وعدہ دینے کا سوال ہے وہ بڑے بڑے وعدے دیتا ہے (حالانکہ شیطان نہیں وعدے دیتا مگر دھوکے کا)۔۔یعنی۔۔ضرر والی شے کو فائدہ مند بتاتا ہے، یہ کتنا بڑا دھوکہ اور فریب ہے۔ تو سن لو کہ شیطان کے یہ سارے دوست یار۔۔۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

وہ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور نہ پائیں گے اس سے رہائی●

(وہ ہیں جنکا ٹھکانہ جہنم ہے اور نہ پائینگے اس سے رہائی) بھاگ جانے کی جگہ کہ بھاگ کر وہاں چلے جائیں۔

شیطان کے وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ انکے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے اور اپنے دوستوں کے ذریعہ انہیں بہکاتا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شیطان کی پیروی کرنے والوں کا ذکر فرمایا اور پھر انکی سزا کو بیان فرمایا، اور اب اپنے اسلوب کلام کے مطابق وعید کے بعد وعدہ کا ذکر فرمارہا ہے۔۔الختصر۔۔کافروں کے بعد مومنوں کا، بدکاروں کے بعد نکوکاروں کا، اور شیطان کے جھوٹے وعدوں کے بعد اپنے سچے وعدہ کا ذکر فرمارہا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور جو ایمان لا چکے اور کیے اچھے کام، جلد ہم داخل کریں گے انھیں جنتوں میں کہ بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ

جن کے نیچے نہریں، اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔ اللہ کا وعدہ بالکل ٹھیک۔

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور کون بولی کا اللہ سے زیادہ سچا ہے●

(اور) واضح فرمایا جارہا ہے کہ (جو ایمان لا چکے اور) پورے خلوص کے ساتھ (کیے اچھے کام)، جس سے صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو۔ اسمیں وہ ساری عبادتیں اور اعمال صالحہ داخل ہیں جنکا وہ مکلّف ہے۔۔نیز۔۔وہ نیک اعمال بھی شامل ہیں جو تقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں اگرچہ انکی تکلیف نہیں دی گئی ہے۔ تو ایسے ایمان و نیک عمل والوں کو عنقریب اور (جلد ہم داخل کرینگے انہیں جنتوں میں کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں)۔ یہ خوش بخت لوگ (اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش) اس میں انکی رہائش کبھی ختم نہ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہمیشہ کیلئے جنت میں رکھنے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ اور بیشک (اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ بالکل ٹھیک) ہے، جسکا پورا ہونا قطعی اور یقینی ہے۔

سمجھ والو! غور کرو (اور) انصاف سے بتاؤ کہ (کون بولی کا اللہ) تعالیٰ (سے زیادہ سچا ہے)۔ [redacted] اسلئے کہ اگر بفرض محال اسکا کذب ممکن مان لیا جائے، تو پھر اسکا صدق واجب نہیں

رہ جاتا۔ ایسی صورت میں اسکے سارے وعدہ وعید اور اسکی ساری خبریں، یہاں تک کہ دین اسلام کی حقانیت بھی شک کے دائرے میں آجاتی ہے۔۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ۔۔

ارشاد زیر تفسیر میں ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کی قید لگا کر یہ واضح فرمادیا کہ ایمان کے بعد اعمال صالحہ کو غیر ضروری سمجھنا صحیح نہیں۔ کیونکہ جزا و ثواب ان دونوں پر مرتب ہوتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ایمان صرف خیالی باتوں کا نام نہیں، بلکہ سچا ایمان وہ ہے جسکے اثرات دل پر ہوں اور اسکی علامت عمل صالح ہے۔۔ المختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں سچائی اور ہر وعدے میں صدق و یقین ہے۔ اسکے برعکس شیطان کا ہر وعدہ جھوٹا اور اسکی ہر بات میں دھوکہ و فریب ہے۔ اس مقام پر مسلمانو! یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ثواب دینے کا وعدہ فرمایا ہے وہ صرف یہ اقرار کر لینے سے کہ:

'تمہارا نبی آخری نبی ہے، تمہاری کتاب آخری کتاب ہے، اور تم بہشت کے حقدار ہو'

۔۔۔ تم اُس ثواب تک نہیں پہنچ سکتے۔۔ اور۔۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ

نہ تمہارے خیالات اور نہ اہل کتاب کے اوہام، جو برائی کرے اس کا بدلہ لیا جائے گا،

وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾

اور وہ نہ پائے گا اپنے لیے مفید جن کو اللہ کو چھوڑ کر یار و مددگار قرار دے رکھا ہے●

(نہ) ہی (تمہارے) دوسرے (خیالات) اور آرزوئیں تمہیں اس ثواب کے حصول تک پہنچاسکتی ہیں (اور) ایسے ہی (نہ) تو (اہل کتاب کے اوہام) جسکی بنیاد پر انہوں نے خود کو خدا کا محب اور اسکا بیٹا قرار دے لیا ہے، انہیں اس ثواب موعود کا مستحق بنا سکیں گے۔

۔۔ بلکہ۔۔ سچی بات یہی ہے کہ جسکو ریاض بہشت چاہئے وہ ایمان کی سلامتی کے ساتھ اعمال صالحہ کی ریاضت میں لگا رہے۔۔ چونکہ۔۔ ایمان کے بغیر کوئی عمل جو بظاہر نیک عمل معلوم ہوتا ہو، حقیقتاً نیک عمل نہیں ہوتا، اسلئے یہود و نصاریٰ کے اپنی نجات کے تعلق سے سارے اوہام، اوہام ہی ہیں، جو کبھی شرمندۂ تعبیر ہونے والے نہیں۔۔ یونہی بے عمل ایمان [redacted]

اسلئے (جو) بھی (برائی کرے) اس سے (اسکا بدلہ لیا جائیگا)۔ خواہ بدلہ جلد لے لیا جائے ۔۔یا۔۔ کچھ تاخیر سے۔ خواہ دنیا ہی میں مصائب میں مبتلا کرکے۔۔یا۔۔ آخرت میں عذاب وعتاب فرما کر۔ یہی عدل خداوندی کا فیصلہ ہے۔ برائی کرنے والے ہرگز ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ قیامت میں انکو کچھ مددگار مل جائینگے جو خدا کے مدمقابل ہوکر انکو بچالینگے اسلئے کہ جو برائی کرنے والا ہے (اور) نیک عمل سے تہی دامن ہے (وہ نہ پائیگا اپنے لئے مفید) انکو (جن کو اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اور خدا کا باغی ہوکر اپنا (یار ومددگار قرار دے رکھا ہے)۔

آخر وہ کسی کیلئے کیسے مفید ہوسکتا ہے، جسکو بارگاہِ خداوندی میں کوئی قرب ہی نہ ہو، اور جسے رب کریم نے کسی کی مدد ونصرت اور شفاعت کیلئے اذن ہی نہ دیا ہو۔۔لہٰذا۔۔ جو'ماذون الشفاعۃ' ہوں جنہیں کسی شفاعت کیلئے اذن خداوندی مل چکا ہو، تو بیشک وہ شفیع ومفید بھی ہوگا اور کارآمد بھی۔۔الغرض۔۔ برائی کرنے والا اپنی بدعملی کا نتیجہ دیکھے گا۔۔۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جو نیکیوں کا کام کرے مرد ہو یا عورت، درآنحالیکہ وہ صاحب ایمان ہے،

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

تو وہ داخل ہوں گے جنت میں، اور نہ ظلم کئے جائیں گے کچھ بھی●

(اور) اسکے برعکس (جو نیکیوں کا کام کرے) وہ (مرد ہو یا عورت، درآنحالیکہ وہ صاحب ایمان ہے) اسلئے کہ ایمان کے بغیر عمل کا اعتبار نہیں (تو وہ) بفضلہٖ تعالیٰ (داخل ہونگے جنت میں اور) انکے اعمال کے ثواب میں کچھ کمی نہ کی جائیگی۔۔چنانچہ۔۔ وہ (نہ ظلم کئے جائینگے کچھ بھی) یعنی اس تِل کی مقدار میں بھی نہیں جو خرمے کے پشت پر ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا ایمان واعمال صالحہ والوں کی عظمت ورفعت اور انکی فیروز بختی وخوش بختی کا کیا کہنا؟ فکر ودانش والو! غور کرو۔۔۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ

اور اس سے اچھا کس کا دین، جس نے جھکا دیا اپنے کو اللہ کیلئے، اور وہ مخلص ہے، اور چل پڑا

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

ملت ابراہیم پر الگ تھلگ باطلوں سے۔ اور بنالیا اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست●

(اور) بتاؤ کہ (اس سے اچھا کس کا دین) ہے (جس نے) دین اسلام کو قبول کر کے (جھکا دیا اپنے کو اللہ) تعالیٰ (کیلئے)۔

یعنی اپنی ذات اور نفس کو صرف اللہ تعالیٰ کے حضور جھکایا اور خاص اسی کی طرف سپرد کر دیا۔ انمیں کسی غیر کا حق نہ سمجھا۔ نہ خالقیت وملکیت میں، اور نہ ہی عبودیت و بندگی میں۔ اس ارشاد میں بنیادی طور پر دین حق کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ لیکن اس سے ضمناً اس دین کو ماننے والوں اور اسپر مخلصانہ عمل کرتے رہنے والوں کی بھی برتری و بہتری ظاہر ہو جاتی ہے۔ یاد رکھئے کہ صرف دین برحق کو دل سے مان لینا ہی صلاح وفلاح کیلئے کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ اگر ایک طرف اسکی شان یہ ہے کہ وہ ایمان والا ہے۔۔۔

(اور) بارگاہِ الٰہی میں سرنگوں ہو جانے والا ہے، تو دوسری طرف (وہ مخلص ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام جو اسپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے واجب ہوئے، نہایت ہی عزت واحترام اور خشوع و خضوع سے بجالانے والا ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ نیکی کرنے والا اور برائیوں کو چھوڑنے والا ہے (اور) ایسا مخلص جو (چل پڑا ملت ابراہیم پر الگ تھلگ) ہو کر (باطلوں سے)۔

چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین وملت پر تمام دینوں کے لوگ متفق تھے اور سبھی اپنے ملت ابراہیمی میں ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، اسی لئے اسکا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا اور ملت موسیٰ اور ملت عیسیٰ کی بات نہیں کی گئی۔۔۔ کیونکہ۔۔۔ انکے دینوں میں اختلاف کیا گیا ہے۔۔۔ الحاصل۔۔۔ کسی بھی دین کے واجب القبول، برحق اور بہتر ہونے کی ایک پہچان تو یہ ہے کہ وہ ایمان باللہ اور اعمال صالحہ پر مشتمل ہو، اور جب انسان کسی کو معبود مان لیتا ہے تو اسکے آگے سر جھکا دیتا ہے۔

سو جس نے اپنے جسم کے اعضاء میں سے سب سے اشرف اور اعلیٰ عضو کو اللہ کے سامنے جھکا دیا، وہ اللہ پر ایمان لانے والا ہے اور اللہ پر ایمان اسی وقت صحیح ہوگا، جب اسکے رسولوں، اسکی کتابوں، اسکے فرشتوں اور اسکی فرمائی ہوئی تمام باتوں کو مان لیا جائے اور اسکے ارشادات پر سر تسلیم خم کر لیا جائے اور اللہ کے آگے سر جھکانا اسی وقت صحیح ہوگا، جب غیر اللہ کے آگے سر نہ جھکایا جائے اور کسی غیر خدا کی پرستش نہ کی جائے۔

اس پیمانے پر اگر دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ کے آگے سر جھکانے والوں کے مفہوم میں صرف مسلمان داخل ہیں۔۔۔ المختصر۔۔۔ یہ لفظ اختصار کے ساتھ اسلام کے تمام عقائد پر مشتمل

ہے۔اسی طرح لفظ 'محسن' اپنے اختصار کے ساتھ تمام اعمال کو بجالانے اور تمام برے کاموں سے اجتناب کو محیط ہے۔تو جب صرف دین اسلام ہی تمام عقائد صحیحہ اور تمام اعمال صالحہ پر مشتمل ہے، تو اس سے اچھا اور کون سا دین ہوگا۔تو اب اسی دین کو قبول کرنا واجب ہوا۔ دین اسلام ہی دین برحق ہے۔

اسکی دوسری پہچان یہ ہے کہ یہی ایک دین ایسا ہے جس میں ملت ابراہیمی اور شریعت ابراہیمی کے احکام موجود ہیں۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت مشرکین عرب اور یہود ونصاریٰ سب کے نزدیک مسلّم وواجب القبول تھی۔آپ سب کے نزدیک معزز ومکرم تھے اور چونکہ حضرت ابراہیم کی ملت اور انکی شریعت کے احکام۔۔مثلاً: ختنہ کرنا، ڈاڑھی بڑھانا، مونچھیں کم کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، ناک میں پانی ڈالنا، غرارہ کرنا اور دیگر طہارت کے احکام، یہ صرف دین اسلام ہی میں ہیں۔

۔۔یونہی۔۔دس ذوالحجہ کو قربانی کرنا، حج میں احرام باندھنا، صفاومروہ کی سعی کرنا، منیٰ میں جمرات پر شیطان کو کنکریاں مارنا اور کعبہ کا طواف کرنا، یہ تمام امور حضرت ابراہیم کی یادگار ہیں اور صرف دین اسلام میں بہ طور عبادت داخل ہیں۔پھر تو اسلام سے اچھا اور کون سا دین ہوگا۔۔لہٰذا۔۔اسی دین کو قبول کرنا سب پر واجب ہے۔اس آیت کے پہلے جز میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی ملت کی پیروی کا حکم دیا تھا اور اسکے بعد اسکی وجہ بیان فرمائی کہ۔۔۔

۔۔۔(اور بنالیا اللہ) تعالیٰ (نے ابراہیم کو خاص دوست)۔

دونوں ایک دوسرے سے بڑی ہی محبت فرماتے تھے۔۔چنانچہ۔۔حضرت ابراہیم ہر حال میں اپنے کو صرف اللہ ہی کا محتاج سمجھتے تھے اور جو کام کرتے تھے صرف اللہ ہی کی رضا کیلئے کرتے تھے اور ہر حال میں اس سے راضی رہتے تھے۔یہ تو رہی حضرت ابراہیم کی محبت خدا سے۔اب رہ گئی خدا کی محبت حضرت ابراہیم سے۔۔تو اسکا آپ پر خصوصی اکرام واحسان کرنا اور دنیا وآخرت میں آپکی ثناء جمیل کرنا، اسکی محبت کی خاص نشانیاں ہیں۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خاص دوست بنالیا اور انہیں برگزیدہ فرمایا اور ایسی کرامت کے ساتھ خاص کرلیا جو مشابہ ہے اس عنایت وکرامت کے جو دوست کو دوست کے ساتھ ہوتی ہے۔

اس مقام پر یہ بات فائدہ سے خالی نہیں کہ ایک ہے خلت اور ایک ہے محبت۔خلت کی شرط یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں ذوالجلال کا مطیع رہے اور یہ مقام ابراہیمی تھا۔۔چنانچہ۔۔ آپ لفظ خلیل سے ملقب ہوئے اور محبت کی شرط حبیب کا فنا ہو جانا ہے محبوب میں اور باقی

بالمحبوب' ہونا، اور یہ مقام محمدی ہے۔ اسی لئے اس مقام کے موافق آپکا اسم مبارک حبیب مقرر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی خلت کا ذکر **وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا** فرما کر واضح لفظوں میں فرمایا۔ اور ہمارے حبیب ﷺ کی محبت اشارہ اور کنایہ سے بیان فرمائی، اور **فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ** فرما کر اپنے محبوب کے فرمانبرداروں کو اپنا محبوب قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر اپنے آخری عظیم رسول کو اپنا محبوب فرمائے، تو اس میں حیرت کی بات کیا ہے۔ اسکا الطاف و کرم تو اتنا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے چاہنے والوں کو بھی اپنا محبوب قرار دے رہا ہے۔۔ المختصر۔۔ خلیل سالک تھے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا:

اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ ﴿الصّٰفّٰت:۹۹﴾

میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف

۔۔۔ اور حبیب مجذوب، جن کے جذب، کھینچ لینے، کی بشارت:

اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا ﴿بنی اسرائیل:۱﴾

لے گیا اپنے بندہ کو ایک رات۔

۔۔۔ سے عطا فرمائی۔ 'سلوک'، ہستی اور تفرقہ کی نشانی ہے اور 'جذب'، نیستی اور جمعیت کی علامت ہے۔

یقیناً جس جگہ حضرت ابراہیم کی نظر پہنچی:

نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ ﴿الانعام:۷۵﴾

ہم نے ابراہیم کو ملکوت سماوات کا نظارہ کرایا۔

۔۔۔ وہاں حبیب کا قدم پہنچا۔۔ چنانچہ۔۔ فرمایا:

دَنَا فَتَدَلّٰى ﴿النجم:۸﴾

قریب ہوا، پھر قریب تر ہوا۔

اس مقام پر کوئی یہ نہ سوچے کہ دنیا میں لوگ اپنی ضرورت کی وجہ سے کسی کو دوست بناتے ہیں تو حق تعالیٰ کو کون سی ضرورت پیش آ گئی جس کیلئے اس نے اپنا خلیل بنایا۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اسلئے خلیل نہیں بنایا کہ اُسے خلیل کی ضرورت تھی۔ بھلا اسکو کسی خلیل کی کیا ضرورت؟۔۔ کیونکہ۔۔ اسکی شان۔۔۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطًا

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر ایک کو گھیرے میں لیے ہے●

(اور) عظمت کا حال یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں) ہے (اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کو) اپنے علم وقدرت کے (گھیرے میں لئے) ہوئے (ہے)۔

اس آیت کریمہ کے ذریعہ لوگوں کو یہ ہدایت بھی مل رہی ہے کہ عموماً لوگ اطاعت اسکی کرتے ہیں جسکی قدرت کامل ہو اور کوئی شخص اسکی گرفت اور پکڑ سے باہر نہ ہو سکے۔۔نیز۔۔ اسکا علم کامل ہو، تا کہ کسی شخص کا کام اسکے علم سے مخفی نہ ہو سکے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اپنے علم وقدرت کے کمال کو بھی ظاہر فرمادیا جس سے واضح ہوگیا کہ اسکے سوا اور کوئی اطاعت اور عبادت کا مستحق نہیں۔

قرآن کریم کی ترتیب میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب یہ ہے کہ پہلے چند احکام بیان فرماتا ہے، پھر ان احکام کے عمل پر اجر وثواب کی بشارت دیتا ہے اور ان احکام کی معصیت کرنے پر عذاب کی وعید سناتا ہے اور اسکے ساتھ ساتھ اپنے علم اور قدرت کی کبریائی بیان فرماتا ہے، تا کہ واضح ہو کہ کسی کی معصیت اسکے علم سے باہر نہیں اور اس پر گرفت اسکی قدرت سے خارج نہیں۔

پھر اسکے بعد دوبارہ ان احکام کا بیان شروع فرمادیتا ہے۔ اور اس اسلوب کا فائدہ یہ ہے کہ مسلسل ایک ہی قسم کی عبارت سے بعض اوقات قاری کا ذہن اکتا جاتا ہے، اسلئے قاری کے ذہن کو اکتاہٹ، غفلت اور بے توجہی سے دور رکھنے اور اسکے ذہن کو بیدار، اسکے ذوق و شوق کو تازہ اور اسکی توجہ کو برقرار رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ کلام میں تنوع ہو اور ایک مضمون کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا جائے۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں اور یتیم بچوں کے حقوق کو بیان فرمایا تھا، پھر اسکے بعد اور مختلف نوعیت کے احکام بیان فرمائے، وعد اور وعید، ترغیب اور ترہیب اور اپنی عظمت وکبریائی کے متعلق آیات نازل فرمائیں، اسکے بعد اب پھر عورتوں کے حقوق کے متعلق احکام بیان فرمارہا ہے۔۔۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ وَمَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

اور دریافت کرتے ہیں تم سے عورتوں کے بارے میں، کہہ دو کہ اللہ خود بتاتا ہے تم کو انکے بارے میں، اور جو تلاوت کیا جاتا ہے تم پر

فِي الْكِتَابِ فِي يَتَامَى النِّسَاءِ اللَّاتِي لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ

قرآن میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں، جن کو نہیں دیتے تم جو مقرر کیا گیا ہے ان کا حق، اور بے رغبتی کرتے ہو

أَن تَنكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَأَن تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ

کہ ان سے نکاح کرلو، اور کمزور بچوں کے بارے میں یہ کہ قائم رہو یتیموں کے لیے

بِالْقِسْطِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۲۷﴾

انصاف پر۔ اور جو کرتے رہو بھلائی، تو بے شک اللہ اس کا علم رکھتا ہے●

(اور) ارشاد فرما رہا ہے کہ اے محبوب! عیینہ بن حصین کے توسط سے اسکے ہم خیال لوگ دریافت کرتے ہیں) اور جاننا چاہتے ہیں (تم سے عورتوں) کی وراثت (کے بارے میں)۔

کیونکہ یہ سائلین اپنے قدیم رواج کے مطابق اسی کو وراثت کا حقدار سمجھتے تھے جو جنگ میں شریک ہوسکے اور مالِ غنیمت حاصل کر سکے، اسلئے وہ عورتوں اور بچوں کو وراثت کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔۔چنانچہ۔۔جب آنحضرت ﷺ نے ہر میت کی لڑکی اور اسکی بہن کو وراثت کا حصہ دلوادیا، تو لوگ سوال کر بیٹھے۔

تو اے محبوب! ایسے سارے سوال کرنے والوں سے (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (خود بتاتا ہے) بیان فرماتا ہے (تم کو) اپنا حکم (ان) کی وراثت (کے بارے میں)۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ (اور) وہ کلام (جو تلاوت کیا جاتا ہے تم پر قرآن میں)، تمہیں وہی حکم سابق دیتا ہے (یتیم لڑکیوں کے بارے میں جن کو) اپنے رسم ورواج کے پیش نظر (نہیں دیتے تم جو مقرر کیا گیا ہے انکا حق)۔اگر وہ خوبصورت اور مالدار ہوں تو تم ان سے نکاح کر لینے کی رغبت رکھتے ہو (اور) اگر وہ خوبصورت نہ ہوں تو بے رغبتی کرتے ہو کہ ان سے نکاح کرلو)۔

۔۔چنانچہ۔۔اگر عورت خوبصورت اور مال دار ہوتی، تو اسکا سرپرست اس میں رغبت کرتا اور اس سے نکاح کر لیتا اور اگر وہ خوبصورت نہ ہوتی، تو وہ اس سے نکاح نہ کرتا اور کسی اور سے بھی اسکا نکاح نہ کرتا، بلکہ نکاح کرنے سے منع کرتا، کہ کہیں کوئی اور شخص اسکے مال کا وارث نہ بن جائے۔بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسکو تاحیات نکاح نہیں کرنے دیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ اسطرح کے مظالم سے تمہیں روکتا ہے (اور) حکم دیتا ہے (کمزور بچوں کے بارے میں) کہ انکو بھی وراثت کا حقدار سمجھو اور اپنے اس گمان فاسد سے باز آجاؤ کہ وراثت کے حقدار صرف وہ مرد ہیں جو کاروبار کرتے ہیں اور عورتوں اور بچوں کی ضروریات کے کفیل ہوتے ہیں۔ اور اچھی طرح جان لو کہ حکم الٰہی اُن بچوں کے تعلق سے (یہ) ہے (کہ قائم رہو یتیموں کیلئے انصاف پر) کبھی بھی ان کے ساتھ بے انصافی کا خیال بھی نہ کرو۔ نہ انکے اچھے مال کو اپنے خراب مال سے تبدیل کرو۔ اور نہ ہی ان کے مال کو اپنے مال میں ملا کر اور خلط ملط کر کے استعمال کرو۔

۔۔الغرض۔۔انکی مہر اور میراث کے تعلق سے عدل اور درستی والا طرز عمل اختیار کرو۔ بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں کچھ زیادہ ہی نیکی اور بھلائی کا مظاہرہ کرو (اور) یاد رکھو انکے ساتھ تم (جو کرتے رہو بھلائی) امور مذکورہ ہوں۔۔یا۔۔انکے علاوہ، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (اس) میں سے ہر ایک (کا) بخوبی (علم رکھتا ہے) اسی لئے تمہارے اعمال کے مطابق تمہیں جزا عطا فرمائیگا۔

عورتوں، یتیم لڑکیوں اور کمزور بچوں کے تعلق سے جو احکام اللہ تعالیٰ نے پہلے فرض کئے تھے، یہاں مسلمانوں کے سوال کے جواب میں پھر انہی احکام کی طرف متوجہ کیا، تاکہ مسلمان ان آیات پر غور وفکر کریں اور انکے تقاضوں پر عمل کریں۔ اسلام صلح وآشتی کا دین ہے، وہ ہر حال میں صلح کو پسند فرماتا ہے اور اسکی ترغیب دیتا ہے تاکہ ہر ہر گھر میں امن وسکون کا ماحول برقرار رہے۔۔چنانچہ۔۔ایسی صورت پیش آنے۔۔۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ

اور اگر کوئی عورت ڈری اپنے شوہر سے زیادتی کرنے کو یا بے توجہی کرنے کو، تو ان پر کوئی الزام نہیں کہ

اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ

باہمی صلح کرلیں۔ اور صلح بڑی اچھی چیز ہے۔ اور پھنسادی گئی ہیں نفس کی خواہشیں لالچ سے۔

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝١٢٨

اور اگر احسان کرو اور خوف خدا سے کام لو، تو بے شک اللہ جو کرو اس سے باخبر ہے●

(اور) لاحق ہونے کی حالت میں (اگر کوئی) شادی شدہ (عورت ڈری اپنے شوہر سے زیادتی کرنے کو یا بے توجہی کرنے کو) اور یہ خوف بعض قرائن کو دیکھنے سے اسکے دل میں پیدا

۔۔مثلاً شوہر اسکے ساتھ محبت آمیز سلوک نہ کرے، اسکی ضروریات کا خیال نہ رکھے، اس سے بات چیت کم کرے یا بالکل نہ کرے، نہ اسکے ساتھ عمل زوجیت کرے، خواہ اسکی وجہ اسکی بدصورتی ہو یا زیادہ عمر کی ہو یا اسکے مزاج میں شوہر کے ساتھ ہم آہنگی نہ ہو۔۔یا۔۔وہ مالی اعتبار سے شوہر کے معیار کی نہ ہو، یا جہیز کم لائی ہو، اور اب عورت کو یہ خطرہ ہو کہ اگر یہی صورت حال رہی تو شوہر اسکو طلاق دیکر الگ کردیگا، اور عورت یہ چاہتی ہے کہ نکاح کا بندھن قائم رہے **(تو ان) دونوں (پر کوئی الزام نہیں)** اور ان کیلئے کوئی مضائقہ نہیں **(کہ باہمی صلح کرلیں)**۔

اور عورت بعض حقوق کو ساقط کردے اور شوہر کو طلاق دینے سے منع کرے۔۔مثلاً: وہ اسکو دوسری شادی کی اجازت دیدے اور اگر اسکی دوسری بیوی ہو جس سے شوہر کو دلچسپی ہو، تو اسکے حق میں اپنی باری ساقط کردے یا اسکا خرچ جو شوہر کے ذمہ ہے، اسکو ساقط کردے اور اسطرح شوہر کے ساتھ صلح کرلے۔ شوہر اپنی پسند کی بیوی کے ساتھ وقت گزاریگا اور وہ مطلقہ ہونے سے بچ جائیگی۔

عہد رسالت میں بعض خواتین نے اسی طریقے کو اپنا کر اپنے شوہروں سے صلح کرلی اور اسلام نے انکے اس عمل کو جائز قرار دیا، جس سے ظاہر ہوگیا کہ شوہر اور بیوی جس چیز پر صلح کرلیں وہ جائز ہے۔ خود ازواج مطہرات میں سے ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ حضور آپ مجھے اپنے سے جدا کرنے کا خیال نہ فرمائیں اور میری باری حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کو دیدیں۔ اسطرح خانوادۂ نبوت ہی سے تمام مسلمان خواتین کو نمونۂ عمل بھی مل گیا۔ اب اگر ایسا کرنے والی عورتیں ام المومنین کی سنت پر عمل کرنے کی نیت بھی کرلیں، تو انکو الگ سے اسکا بھی اجر بفضلہ تعالیٰ حاصل ہوجائیگا۔ کسی بھی نقطۂ نظر سے سوچو۔۔۔

(اور) غور کرو، تو تم پر ظاہر ہوجائیگا کہ **(صلح بڑی اچھی چیز ہے)** خصومت اور مفارقت سے۔ یہ صحیح ہے کہ شوہر اور اسکی زوجہ دونوں میں سے ہر ایک مجامعت اور مروت میں بخل کرتا ہے **(اور)** ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ **(پھنسا دی گئی ہیں نفس کی خواہشیں لالچ سے)**۔۔لہٰذا۔۔نفسوں کو بخل ہر وقت حاضر اور انکے اندر گھسا ہوا ہے۔ نہ عورت اپنے حقوق مرد کو معاف کرتی ہے اور نہ مرد اپنی عورت کی شکل وصورت کی قباحت اور بڑھاپے پر حسن معاشرہ کی سوچتا ہے۔ نہ اسکے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں اچھا سلوک کرتا ہے اور نہ میٹھی گفتگو۔

ایسی حالت میں نفس کے خلاف کر کے (اور) نفسانی خواہشات کو پامال کر کے، (اگر احسان کرو) اور بھلائی کرنا اختیار کرو (اور خوف خدا سے کام لو)، یعنی ان پر ظلم کرنے سے بچو اور نہ ہی انہیں حقوق معاف کرنے پر مجبور کرو، (تو) سن لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (جو کرو اس سے باخبر ہے)۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ تمہارے ہر عمل۔۔مثلاً: تقویٰ واحسان کو خوب جانتا ہے اور تمہاری نیتوں سے بھی باخبر ہے اسکا تمہیں اجر وثواب عطا فرمائیگا۔اسلئے کہ وہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔اگر چہ اے چند بیویوں کے شوہرو! یہ بات بھی صحیح ہے جسے غیر فطری نہیں قرار دیا جاسکتا۔۔۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا

اور ناممکن ہے کہ پورا انصاف کرلو چند بیبیوں میں، گو تم خود اس کے حریص ہو، تو جھک بھی نہ جاؤ

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَاِنْ تُصْلِحُوا

بالکل ایک طرف، پھر چھوڑ دو دوسری کو، جیسے ٹنگی ہوئی ہو۔اور اگر تم صلح

وَتَتَّقُوا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٢٩﴾

وتقویٰ سے کام لو، تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(اور) اسکو بالکل نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ (ناممکن ہے کہ پورا انصاف کرلو چند بیبیوں میں گو تم خود اسکے حریص ہو)، یعنی انصاف کرنے کی تمہاری دلی خواہش بھی ہے اور بہ گمان خود تم اس انصاف کرنے پر قادر بھی ہو۔

اسلئے کہ حقیقی معنوں میں عدل یہ ہے کہ کسی طرف زیادہ میلان نہ ہو اور یہ متعذر و محال ہے۔ اسی واسطے آنحضرت ﷺ جب ازواجِ مطہرات میں تقسیم فرماتے، تو عدل کا لحاظ رکھتے اور کہتے اے اللہ! کہ یہ تقسیم تو اس چیز میں ہے، جسکا میں مالک ہوں یعنی صحبت اور نفقہ میں، اور جسکا تو ہی مالک ہے میں نہیں ہوں، اسمیں مجھ سے مواخذہ نہ کر یعنی بعض کے ساتھ محبت میں۔

جیسا کہ آنحضرت ﷺ حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سب بیبیوں سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔

۔۔الختصر۔۔اے شوہرو! اگر فطری تقاضے کی روشنی میں تم اپنی ساری بیویوں کو ایک طرح محبت نہ دے سکو (تو) اسمیں تمہیں معذور سمجھا جائیگا۔مگر اس صورت میں تم (جھک بھی نہ جاؤ بالکل ا

...رف، پھر چھوڑ دو دوسری کو جیسے ٹنگی ہوئی ہو) نہ مطلقہ ہو نہ شوہر والی ہو۔ یعنی تقسیم اور نفقہ میں اپنی محبوبہ ...طرف زیادہ نہ جھک جاؤ اور میلان دل کو میلان فعل کے ساتھ اکٹھا نہ کرلو۔۔المختصر۔۔ظاہری حقوق بھی ...ا کرتے رہو اور کسی کی حق تلفی نہ کرو (اور اگر تم صلح وتقوی سے کام لو) یعنی زمانہ گذشتہ میں تم نے ...رتوں کے جو امور بگاڑ رکھے ہیں، انہیں درست کرلو اور پھر زمانہ آئندہ میں ویسا کام کرنے سے پرہیز ...رو (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (غفور) پچھلے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور (رحیم ہے)، یعنی آئندہ اطاعت ...توفیق عطا فرمانے والا مہربان ہے اور اگر ۔۔بالفرض۔۔ بات یہاں تک پہنچ جائے، کہ صلح کی ساری ...بیریں ناکام ہو جائیں۔۔۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾

...اگر دونوں جدائی اختیار کرلیں تو غنی فرمادے گا اللہ ہر ایک کو اپنی کشائش سے۔ اور اللہ کشائش فرمانے والا حکمت والا ہے●

(اور) پھر (اگر دونوں) طلاق کے ذریعہ ایک دوسرے سے (جدائی اختیار کرلیں) تو فکر مند ...نے کی ضرورت نہیں، بس اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اسکے جود وعطا سے امیدیں وابستہ رکھیں۔ ایسا ...(تو) انشاء المولیٰ تعالیٰ (غنی فرمادیگا اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کو اپنی کشائش) اور وسعت رحمت (سے) ...ور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (کشائش فرمانے والا) اور تنگی دور فرمانے والا ہے اور بخشش ...مانے والا ہے۔۔نیز۔۔(حکمت والا ہے) یعنی اپنے افعال اور احکام میں محکم کار ہے۔

اس ارشاد میں زوجین میں سے ہر ایک کیلئے تسلی ہے، کہ انشاء المولیٰ تعالیٰ، بفضلہ تعالیٰ ہر ایک مرد کو دوسری زوجہ اور عورت کو دوسرے شوہر کی شکل بدل مل جائے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یتیموں اور کمزوروں کے ساتھ عدل اور انصاف کا جو حکم دیا، وہ اسلئے نہیں دیا ہے کہ اسمیں خود حق تعالیٰ کا کوئی فائدہ ہے۔۔یا۔۔اسکو اسکی کوئی احتیاج ہے، اسلئے کہ وہ تو قادر مطلق مختار کل ہے۔۔۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بے شک ہم نے کہہ دیا تھا ان کو جن کو

...تُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ

کتاب تم سے پہلے دی گئی اور تمہیں بھی، کہ ڈرو اللہ کو۔ اور اگر نہ مانو، تو بے شک اللہ ہی

مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِیًّا حَمِیْدًا ﴿۱۳۱﴾

کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے●

(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں) میں جواہر علوی ہیں (اور جو کچھ زمین میں) ازقسم کائنات سفلی (ہے) تو پھر اُسے کسی کی کیا ضرورت۔ وہ ہر چیز سے غنی ہے اور ہر چیز پر قادر ہے مگر یہ اسکا کرم ہے کہ بندوں کو نیکی اور خیر پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اے ایمان والو! یہ خدائی ہدایتیں صرف تمہارے ساتھ مخصوص نہیں (اور) ہمارے یہ احکام صرف تمہارے ہی لئے نہیں بلکہ (بیشک ہم نے دیا تھا) اور حکم دیا تھا (ان) یہود و نصاریٰ (کو جن کو کتاب تم سے پہلے دی گئی) اور احکام خداوندی سے آگاہ کیا گیا۔

۔۔الغرض۔۔وہ حکم جو تم سے پہلے والوں کو دیا گیا (اور تمہیں بھی) دیا گیا وہ یہی تھا، (کہ اللہ) تعالیٰ (کو) اور خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (اور) اب (اگر نہ مانو) گے (تو) سن لو (بیشک اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے) سب مخلوق اور مملوک اُسی کے ہیں پس تمہارے کفر اور گناہ سے خدا کو [illegible] فائدہ نہیں ہوتا۔ (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (بے نیاز) ہے اپنی ساری مخلوقات سے، وہ اسکا حکم مانے یا نہ مانے۔ اور (خوبیوں والا ہے) اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے، خواہ مخلوق اسکی حمد اور تعریف کرے یا نہ کرے۔۔۔

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰی بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۳۲﴾

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی کارساز ہے●

(اور) یہ بھی تو غور کرو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں) ہیں فرشتے دستارے وغیرہ (اور جو کچھ زمین میں ہے) ازقسم نباتات، حیوانات اور جمادات وغیرہ۔

اور یہ سب کے سب خدا کی تسبیح و تہلیل اور توصیف و تحمید میں لگے ہوتے ہیں۔ تو پھر مخلوقات کا ایک چھوٹا طبقہ جو جنوں اور انسانوں سے تعلق رکھتا ہے، اسکا حمد الٰہی نہ کرنا اور اپنے کو حق تعالیٰ کی تعریف و توصیف سے باز رکھنا، کس شمار و قطار میں ہے۔ اور یہ بھی تو اپنی جگہ حقیقت ہے کہ نقش کی تعریف دراصل نقاش کی تعریف ہوتی ہے۔

۔۔یونہی۔مخلوق کی تعریف اسکے خالق کی تعریف، مصنوع کی تعریف اسکے صانع کی تعریف قرار پاتی ہے۔اوراب کائنات میں کسی بھی شے کی تعریف کی گئی، تووہ خالق کائنات ہی کی تو حمد ہوگی اور اگر یہ سب کچھ بھی نہ ہوتو خدا کی کامل واکمل حمد تو وہی ہے جوخود اس نے اپنی فرمائی ہے۔چونکہ اسکی اپنی معرفت کامل، تواب اس معرفت کی بنیاد پر جوحمد ہوگی، وہ حمد بھی کامل ہوگی، تواب اسکی اپنی کی ہوئی حمد سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔۔لہٰذا۔۔وہ اس بات سے بے نیاز ہے کہ کوئی اسکی تعریف کرے، تب جاکے وہ محمود وحمید بنے۔

یادرہے کہ بندے جوخدا کی حمد کرتے ہیں اس سے خود اسکے کمالات میں کسی طرح کا کوئی اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ خودتعریف کرنے والا اپنے کو قابل تعریف بناتا ہے۔۔الغرض۔۔اس حمد و ثنا سے خودتعریف کرنے والے کا فائدہ وابستہ وہم رشتہ ہے۔اس ارشاد ربانی میں:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

۔۔۔کی تکرار بڑی ہی خوبیوں پر مشتمل ہے۔پہلی جگہ اسے اپنے مالک کل ہونے کی تمہید بنایا۔دوسری جگہ اپنے غنی اور حمید ہونے کا عنوان قرار دیا اور تیسری جگہ اپنے کارساز ہونے کو مدلل فرمایا۔۔۔

۔۔چنانچہ۔۔فرمایا (اور اللہ) تعالیٰ (کافی کارساز ہے) اور تمہارے امور کی تدبیر فرمانے والا سہارا وکیل ہے [illegible] تم اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کردو اور صرف اسی پر سہارا کرو، غیروں [illegible] سہارا ہوتو ایسے قادر مطلق کا جسکی قدرت کاملہ کا حال یہ ہے کہ۔۔۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ

اگر چاہے تو لے جائے تم کو اے لوگو! اور لے آوے دوسروں کو،

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝

اور اللہ اس پر قادر ہے●

(اگر چاہے تو لے جائے تم کو اے لوگو!) یعنی بالکل فنا کر کے مٹادے (اور لے آوے) تمہاری بجائے (دوسروں کو) ۔یعنی یکبارگی تمہاری بجائے دوسروں کو پیدا فرمادے۔۔یا۔۔تمہاری بجائے، انسانوں کے سوا دوسری مخلوق پیدا کردے۔۔المختصر۔۔اگر وہ تمہارا فنا کرنا اور دوسروں کو پیدا کرنا چاہے، تو تمہیں یکسر فنا کردے۔ [illegible]

اسی سے اندازہ لگائیے کہ وہ تمہاری عبادات و اطاعت کا محتاج نہیں اور وہ تمہیں مٹانے اور فنا کرنے سے عاجز ہے۔ اس آیت میں نافرمانوں کو زجر و توبیخ اور غافلوں کو دلیلوں پر متنبہ کیا گیا ہے۔

جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (اس) یکبارگی فنا کر دینے اور یکبارگی دوسروں کو پیدا کر دینے (پر قادر ہے) جو بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اُسے اپنی مراد سے کوئی روک نہیں سکتا، اسلئے صرف اسی کی اطاعت کرو اور اسکی نافرمانی سے بچو اور اسکے عذاب سے ڈرو اور ہوش مندی سے کام لو اور بارگاہِ خداوندی سے صرف دنیا ہی کے فائدے کے طلبگار نہ بنو اور جان لو کہ۔۔۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

جو چاہتا ہے دنیا کا فائدہ، تو اللہ کے پاس دنیا و آخرت کا ثواب ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

اور اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے●

(جو چاہتا ہے دنیا کا فائدہ)۔۔مثلاً: مجاہد، جہاد غنیمت کے واسطے کرے (تو) اُسے معلوم ہونا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ (کے پاس دنیا و آخرت) دونوں (کا ثواب ہے)۔ فرق یہ ہے کہ دنیا کا ثواب خسیس اور ناچیز ہے اور آخرت کا ثواب شریف اور عزیز ہے۔ پس وہ چیز جو سب سے زیادہ خسیس اور ناچیز ہے اُسے کیوں طلب کرے۔ اور جو چیز سب چیزوں سے زیادہ شریف اور عزیز ہے، اُس سے کیوں باز رہے۔

جبکہ صورت حال یہ ہو کہ اگر اشرف چیز کی طرف مائل ہوگا، تو خسیس اور کمتر چیز اسکے تابع ہوگی۔ اس واسطے کہ اگر مجاہد خدا کے واسطے جہاد کرے، تو اسکے واسطے آخرت میں اتنی نعمت ہے کہ دنیا کی غنیمت اسکے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتی اور نہایت حقیر چیز ہے اور دنیا کی غنیمت بھی اُسے ملے گی۔ پس اصل کی طرف توجہ کرنی چاہئے کیونکہ فرع تو خود اسکے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ اسی طرح جو مؤذن، امام، خطیب، واعظ، مفتی، محدث اور فقیہ اپنی دینی، تبلیغی اور تدریسی خدمات سے صرف دنیاوی وظائف اور نذرانوں کا ارادہ کرتے ہیں، وہ عارضی اور فانی اجر کے طالب ہیں۔ انکو چاہئے کہ وہ اپنی خدمات میں اجر اخروی کی نیت رکھیں اور

دنیاوی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے بہ قدر حاجت اور فراغت، وظائف حاصل کریں۔

(اور) ہر عمل کرنے والا اچھی طرح سے جان لے کہ (اللہ) تعالیٰ تمام مسموعات اور مبصرات کا (سننے والا دیکھنے والا ہے) اور انکے اغراض بھی اسے معلوم ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ انکی باتوں سے واضح کر دیتا ہے کہ انکی غرض۔۔مثلاً: صرف مالِ غنیمت ہے اور انکے کردار سے بھی واضح ہو جاتا ہے کیونکہ یہ جہاد کیلئے اسوقت تیار ہو جاتے ہیں جب انہیں یقین ہوتا ہے کہ اس جنگ میں ہمیں مال غنیمت حاصل ہوگا۔ اس ارشاد میں ریاکار منافقین کیلئے زجر و توبیخ بھی ہے۔ اس پورے رکوع میں عائلی اور خانگی معاملات میں عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور اب عمومی طور پر عدل و انصاف کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ

اے وہ جو ایمان لا چکے! قائم ہو جاؤ انصاف پر گواہی دینے والے اللہ واسطے، گو خود

أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ

اپنے پر، یا ماں باپ اور قرابت مندوں پر پڑے، اگر وہ دولت مند یا محتاج ہے، تو اللہ

أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا۟ ۚ وَإِن تَلْوُۥٓا۟ أَوْ تُعْرِضُوا۟

ان دونوں سے قریب ہے۔ تو ہوس کے پیچھے مت چلو کہ انصاف سے کنارے ہو جاؤ، اور اگر صاف نہ بولو یا انکار ہی کر دو،

فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾

تو بے شک اللہ جو کرو، اس سے باخبر ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے!) اب ایمان لانے کے تقاضے پر عمل کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ اور (قائم ہو جاؤ انصاف پر) یعنی عدالت کے مراسم قائم کرنے میں کوشش کرنے والے رہو اور ہو جاؤ (گواہی دینے والے) صرف (اللہ) تعالیٰ کی رضا کے (واسطے) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھ کر گواہی دو اور اسطرح حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ خود اللہ تعالیٰ کے حقوق کی بھی ادائیگی کرتے ہو اور [illegible] سمجھ لو کہ تمہاری سچی گواہی سے کسے فائدہ پہنچتا ہے اور کسے نقصان اٹھانا [illegible] (گو خود اپنے پر، یا ماں باپ اور قرابت مندوں پر پڑے)۔

اپنی ذات میں گواہی یہ ہے کہ جو حق اسکے ذمہ ہے اسکا اقرار کرے۔ اسی اقرار کو اپنے

اوپر شہادت دینا کہتے ہیں۔اب اگراس اقرار سے اسکوکوئی ضرر اور نقصان پہنچتا ہے،خواہ حاکم کی طرف سے یا عوام کی طرف سے،تو اسکی پرواہ نہ کرے اور صرف رضائے الٰہی کیلئے اپنے اوپر گواہی دے۔

۔۔یونہی۔۔اگرتمہارے والدین میں سے کسی پرکسی کا حق ہواوراسکاعلم تم کوہو،تو اسکی بھی گواہی دینے سے باز نہ رہواور سبق حاصل کرواس انصار کے واقعہ سے،جس نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ میرے باپ پرکسی کا حق ہے اور میں اسپر گواہ ہوں،لیکن باپ کی مفلسی اورمحتاجی مجھے اس گواہی سے باز رکھتی ہے۔تو یہ آیت نازل ہوئی،جس نے ظاہر کردیا کہ گواہی سے باز نہ رہو،اگر چہ خود اپنے یا اپنے والدین یا اپنے قرابتداروں پر گواہی دینی پڑجائے۔

(اگر) چہ (وہ) شخص جس پر گواہی دی گئی ہے۔۔یا۔۔وہ شخص جسکے واسطے گواہی دی گئی ہے، دونوں یاان میں کا کوئی ایک (دولت مند) ہے (یا محتاج ہے) یعنی غنی کی حرمت اورعزت اسکی مالداری کی وجہ سے نہ کرو اور فقیر پرصرف اسکی محتاجی کی وجہ سے رحم نہ کرو۔رہ گیاان میں سے کسی کے ساتھ مہربانی کا معاملہ،(تو) سن لوکہ (اللہ) تعالیٰ (ان دونوں سے قریب ہے) تو خدا کی مہربانی سے بڑھ کر ان دونوں پرکس کی مہربانی ہوسکتی ہے،تو اگر وہ جانتا ہے کہ ان پر۔۔یا۔۔انکے واسطے گواہی دینا مصلحت نہیں ہے،تو گواہی کا حکم ہی نہ فرماتا۔

۔۔الختصر۔۔حق وصداقت اورعدل وانصاف کی پاسداری کوملحوظ خاطر رکھواوراب جب تمہارے لئے ہرحال میں عدل وانصاف قائم رکھنا ضروری ہوگیا،(توہوس کے **پیچھے مت چلو**)اور خواہش نفسانی کی متابعت نہ کرو،اور وہ بھی ایسا (کہ انصاف سے کنارے ہوجاؤ) اور حق سے انحراف کرلو (اور) اچھی طرح سن لو گواہی دیتے وقت (اگر) بالفرض (صاف) صاف (نہ بولو) اور سچی گواہی سے اپنی زبان کو پلٹ لو (یا) گواہی دینے سے (انکار ہی کردو) اور حق بات چھپالیجاؤ (تو) اچھی طرح سے جان لوکہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (جو کرو) یا کروگے،خواہ عدل وانصاف کرو یا حق سے انحراف،(اس سے باخبر ہے)،تمہیں اسکی جزادیگا۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ حق وصداقت اورعدل وانصاف کی پاسداری وہی تو کریگا جو حقیقی معنوں میں ایمان والا اور خدا ورسول کا ماننے والا ہوگا۔[redacted]

[redacted]۔تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِىۡ نَزَّلَ عَلٰى

اے ایمان دار بننے والو! مان ہی جاؤ اللہ کو اور اس کے رسول کو اور اس کتاب کو جس کو اتارا اپنے

رَسُوۡلِهٖ وَالۡكِتٰبِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ مِنۡ قَبۡلُ ‌ؕ وَمَنۡ يَّكۡفُرۡ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓـئِكَتِهٖ

رسول پر، اور اس کتاب کو جسے اتارا پہلے سے، اور جو انکار کردے اللہ اور اس کے فرشتوں،

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۳۶﴾

اور کتابوں، اور رسولوں، اور پچھلے دن کا، تو بے شک وہ بہک گیا بہت دور●

(اے ایمان دار بننے والو) کافروں کی اس روش کو نہ اپناؤ جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے لات وعزیٰ پر اور اسی کو وہ صحیح معنوں میں ایمان والا ہونا سمجھتے ہیں اور نہ ہی منافقوں کے طرز عمل کو اپناؤ، جو صرف زبان سے ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دل سے نہیں مانتے اور نہ ہی مومنو اہل کتاب کی اس سادہ لوحی اور زلت فکری کے ہم نوا بنو، جو کہتے تھے کہ اے اللہ کے رسول ہم فقط آپ پر، قرآن پر اور موسیٰ اور عزیر۔۔نیز۔۔زبور اور توریت پر ایمان رکھتے ہیں اور کسی رسول اور کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ ۔۔المختصر۔۔جب تم اپنے کو ایمان والا کہہ رہے ہو اور کھلے عام اپنے مومن ہونے کا اظہار کر رہے ہو، تو اب تکلف کیا۔ (مان ہی جاؤ) ہمیشہ کیلئے دل کی سچائی کے ساتھ (اللہ) تعالیٰ (کو اور اسکے رسول) محمد ﷺ (کو اور اس کتاب کو) جو اس شان کی ہے کہ (جسکو اتارا) نازل فرمایا (اپنے) عظیم (رسول پر اور اس کتاب کو جسے اتارا پہلے سے) نزول قرآن سے پہلے انبیاء سابقین پر جو کتابیں اور صحائف نازل کئے گئے۔۔الغرض۔۔سب پر ایمان لاؤ ایسا نہیں کہ بعض پر ایمان لاؤ بعض کا انکار کردو۔

(اور) غور سے سن لو (جو انکار کردے اللہ) تعالیٰ (اور اسکے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور پچھلے دن کا، تو بیشک وہ بہک گیا بہت دور)، یعنی اسکی اس عظیم گمراہی نے اُسے اسکے مقصود سے بہت بعید اور مقصد سے بہت دور کردیا ہے۔اب آخرت کی صلاح وفلاح اور مغفرت ونجات کا اسکا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ وہ اللہ پر، رسول پر، اور آسمانی کتابوں پر ایمان برقرار رکھیں اور اسمیں ثابت قدم رہیں۔اور اب ایمان پر ثابت قدم نہ رہنے والوں اور انکے انجام کا ذکر فرما رہا ہے کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ

بے شک جو ایمان لائے، پھر انکار کردیا، پھر مان گئے، پھر انکار کردیا، پھر انکار میں بڑھ گئے،

اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا ﴿۱۳۷﴾

اللہ بخشے انہیں اور نہ راہ پر لاوے انہیں●

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳۸﴾

اور منہ پر کہہ دو منافقوں کے، کہ ان کیلئے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(بیشک جو) حضرت موسیٰ پر (ایمان لائے پھر) بچھڑے کی پرستش کرکے کافر ہوگئے اور ا(نکار کردیا پھر مان گئے) اور توبہ کرلی، (پھر) آگے چل کر حضرت عیسیٰ کی شان کا (انکار کردیا) اور آپ پر ایمان لانے سے منکر ہوگئے یہاں تک کہ انہیں قتل کردینے کا ارادہ کرلیا، یہیں تک نہیں بلکہ (پھر وہ اپنے (انکار میں بڑھ گئے) اور نبی آخرالزماں کی بعثت کے بعد ان سے بھی کفر کر بیٹھے اور ان پر بھی ایمان لانے سے انکار کردیا اور آپ سے حسد کرنے لگے۔

ان کھلے کافروں کی طرح چھپے ہوئے کافروں یعنی منافقین کی بھی حالت ان سے ملتی جلتی رہی جو بظاہر ایمان لائے، پھر کفر کی طرف لوٹ گئے اور گمراہی میں مرگئے۔ انہوں نے توبہ کا موقع ضائع کر دیا۔ یہ تو بعض کی حالت رہی۔ رہے بعض دوسرے منافقین جو اپنے ظاہری اسلام پر برقرار رہے اور درپردہ کافروں کے ہم نوا رہے، ان سب کا انجام یہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ نہ تو (بخشے) گا (انہیں اور نہ ہی (راہ) حق (پر لاوے) گا (انہیں) اے محبوب! صاف صاف آمنے سامنے۔۔۔

(اور منہ پر کہہ دو منافقوں کے، کہ ان کیلئے) آخرت میں (دکھ دینے والا عذاب ہے)۔

کیونکہ۔۔۔ یہ وہی ہیں۔۔۔

الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ

جو بنائیں کافروں کو دوست ایمان والوں کو چھوڑ کر۔

اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾

کیا چاہتے ہیں ان کے پاس عزت؟ تو بے شک عزت اللہ کیلئے ہے ساری●

(جو بنائیں کافروں کو دوست ایمان والوں کو چھوڑ کر) آخر یہ لوگ کافروں کی نزدیکی اور

کی دوستی سے (کیا چاہتے ہیں انکے پاس) سے (عزت) اور قوت چاہتے ہیں؟ (تو) واشگاف انداز میں سنادو کہ (بیشک) اصل غلبہ اور حقیقی (عزت) تو صرف (اللہ) تعالیٰ (کیلئے ہے ساری) کی ساری اور پھر وہ اپنی عنایت سے جسکو غلبہ عطا فرمادے اور عزت بخش دے، تو اسکے فضل وکرم سے اسے بھی غلبہ حاصل ہوجاتا ہے اور وہ بھی عزت والا ہوجاتا ہے، جیسے کہ رسول کریم اور مومنین صالحین۔

۔۔الحتصر۔۔ کفار نہ تو لائق اعزاز غلبہ والے ہیں اور نہ ہی قابل تعریف عزت والے ہیں، تو پھر یہ کسی کو حقیقی عزت اور لائق تحسین غلبہ کس طرح دے سکتے ہیں۔ یہ کفار و مشرکین تو اسقدر بے باک، منہ زور، اور شرم وحیاء سے عاری ہیں کہ، جو کتاب انکی ہدایت اور انکو راہ نجات دکھانے کیلئے نازل فرمائی گئی وہ اسکا برملا انکار کردیتے ہیں اور اسکا مذاق اڑاتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ مکہ شریف میں بھی انکی یہی روش تھی اور مدینہ شریف میں بھی انہوں نے اسی چلن کو اپنا رکھا ہے۔ منافقین بھی انکے ساتھ انکی ہنسی مذاق میں شریک ہوجاتے تھے۔ ایسوں سے اعراض اور انکی ہنسی مذاق والی مجلس سے دور رہنے کی ہدایت ایمان والوں کو انکی مکی زندگی میں بھی دی جاچکی ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا

اور بے شک اتارا تم پر کتاب میں، کہ جب سنا اللہ کی آیتوں کو کہ اس کا انکار کیا جاتا ہے

وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۔

اور مذاق کیا جاتا ہے اس سے، تو مت بیٹھوان لوگوں کے ساتھ، یہاں تک کہ لگ جائیں دوسری بات میں،

اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝۱۴۰

ورنہ تم بھی انھیں کی طرح ہو۔ بیشک اللہ ایک جگہ لائے گا سارے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ●

(اور) اے محبوب! (بیشک اتارا) جاچکا ہے (تم پر) انکے تعلق سے دور رہنے کا فرمان (کتاب)، یعنی قرآن کریم (میں)۔ جسکا حاصل یہ ہے (کہ) اے ایمان والو! (جب سنا اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو کہ اسکا انکار کیا جاتا ہے، اور مذاق کیا جاتا ہے اس سے، تو مت بیٹھوان لوگوں کے ساتھ، یہاں تک کہ لگ جائیں دوسری بات میں) اور قرآن کریم کی آیات کا مذاق اڑانا بند کردیں اور اسکا استہزاء کرنے سے باز آجائیں۔

اس ارشاد میں خاص کر کے ان کیلئے ہدایت ہے، جو قرآنی آیات سے یہودیوں کی ہنسی مذاق والی مجلس میں جان بوجھ کر بیٹھ جاتے۔۔یا۔۔برضا ورغبت سنا کرتے۔۔الغرض۔۔ ایسوں کی مجالس مخالفت سے روگردانی اوران سے مستقل طور پر دوری بنائے رکھنا، اہل ایمان کیلئے ضروری ہے۔۔۔

تو اے ایمان والو! کفار کے آیات سے کفر واستہزاء کے وقت تم انکے ساتھ ہرگز ہرگز نہ بیٹھو، (ورنہ تم بھی) عذاب کے استحقاق اور کفر میں (انہیں کی طرح ہو) جاؤ گے، اسلئے کہ کسی کے کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (ایک جگہ لائیگا سارے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں)۔

اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بیٹھنے والوں کو بھی کفر کی مجلس میں برضا ورغبت بیٹھنے سے کفر لازم ہو گیا۔۔لہٰذا۔۔اس استلزام پر وہ بھی عذاب میں انکے شریک ٹھہرے۔۔۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا

جو تاکا کرتے ہیں تم کو، تو اگر تمہاری فتح ہوئی اللہ کی طرف سے، بولے

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ

کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے، اور اگر کافروں کا حصہ ہوا، تو بولے وہاں کہ کیا ہم زور نہ رکھتے تھے

عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

تم پر، اور کیا ہم نے بچایا نہیں تم کو مسلمانوں سے۔ تو اللہ فیصلہ فرمادے گا تم سب کا قیامت کے دن۔

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۱۴۱

اور نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ●

یہ منافقین بھی عجیب ہیں (جو تاکا کرتے ہیں تم کو) اور تمہاری بھلائی برائی دونوں میں کسی ایک کے وقوع کے منتظر رہتے ہیں (تو اگر تمہاری فتح ہوئی) (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) تو (بولے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے) یعنی ہم بھی تو تمہارے ہی دین اسلام کے ماننے والے ہیں، تو مال غنیمت میں ہمارا بھی حصہ نکالو۔ (اور اگر کافروں کا حصہ ہوا) اور مسلمانوں پر کفار غالب آگئے، (تو بولے وہاں) کافروں کے پاس (کہ کیا ہم زور نہ رکھتے تھے تم پر) اور ہم تمہارے ساتھ مسلمانوں پر غلبہ کرنے والے نہ تھے؟ کیا ہم نے تمہارے ساتھ مل کر جنگ میں مسلمانوں کو قتل اور قید نہیں کیا؟ اور تمہاری طرفداری نہیں کی؟ (اور کیا ہم نے بچایا نہیں تم کو مسلمانوں سے)۔

ہم نے انہیں تمہارے اوپر حملہ کرنے سے روکا اور انکے دلوں میں طرح طرح کے وسوسے ڈالے کہ کسی طرح انکے دل پر رعب چھا جائے اور وہ تمہارے اوپر حملہ نہ کرسکیں، ورنہ وہ تمہیں قسم قسم کی تکالیف میں مبتلا کردیتے۔۔لہذا۔۔تمہیں جو کچھ جنگ سے مال واسباب حاصل ہوا ہے اس سے ہمارا حصہ بھی نکالو، **(تو اللہ) تعالیٰ (فیصلہ فرمادیگا)** مومنین ومنافقین۔۔الغرض۔۔**(تم سب کا قیامت کے دن)**۔

یعنی قیامت میں ہر ایک کیلئے اسکی شان کے لائق فیصلہ ہوگا۔مومن کو جزا اور کافر ومنافق کو سزا۔رہ گیا دنیا کا معاملہ تو اسمیں اسکو مہلت دی جاتی ہے جس نے زبان سے کلمۂ اسلام پڑھ لیا، تو اس کیلئے فیصلہ فرمایا، کہ اسپر نہ تلوار چلائی جائے اور نہ ہی اُسے مارا جائے۔

(اور) رہ گیا معاملہ قیامت کا، تو (نہ دیگا اللہ) تعالیٰ (کافروں کو مسلمانوں پر) غلبہ و برتری کی (کوئی راہ)۔

۔۔الختصر۔۔قیامت میں کوئی کافر کسی مومن پر فوقیت نہیں حاصل کرسکتا۔۔البتہ۔۔دنیا میں استدراجاً یعنی مہلت کے طور پر کبھی کافر کو غالب کرتا ہے اور کبھی مغلوب۔۔۔اللہ تعالیٰ قیامت میں مومن کے ایمان کا اثر یوں ظاہر فرمائیگا کہ مومن کے ساتھ کئے ہوئے وعدے پورے فرمائیگا۔ اسوقت کی لذتوں میں کفار شریک نہ ہونگے، جیسے کہ وہ آج کی نعمتوں میں اہل ایمان کے ساتھ شریک ہیں، تا کہ انہیں معلوم ہو کہ حق پر اہل ایمان ہیں۔ویسے بھی اس دنیا میں بھی اہل اسلام کی حجت تمام مذاہب پر غالب ہے۔اُن پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا۔

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کفار کا اہل اسلام پر کوئی چارۂ کار نہیں اسلئے کہ انکے مکرو فریب کا وبال اور اسکی سزا انہیں کی طرف لوٹتی ہے اور حق چونکہ منجانب اللہ اہل اسلام کو نصیب ہوا ہے، اسلئے حق کی مدد حق والوں کو نصیب ہوگی اور باطل والوں کو حق ذلیل وخوار کرتا ہے۔ باطل جتنا تیزی سے ابھرتا ہے، اتنا جلد تر مٹتا ہے۔

مومن پر لازم ہے کہ وہ دینی امور میں ہمت بلند کرے اور علم ویقین کے حصول میں جدوجہد کرے۔فتوحات اخرویہ سے غفلت کر کے فتوحات دنیویہ کا انتظار نہ کرے۔فتوحات دنیویہ کا انتظار، فتوحات غیب ومشاہدہ سے 'جن سے وصول الی الحق نصیب ہوتا ہے' محروم کردینے والا ہوتا ہے۔اس سے پہلی آیتوں میں منافقوں کی علامتیں اور انکے خواص بیان فرما کر اب بطور تتمہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ

بے شک! منافق دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور وہ دھوکے کا بدلہ دینے والا ہے۔ اور جب نماز کو کھڑے ہوئے

قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٤٢﴾

تو کھڑے ہوئے تھکے ہارے، دکھلاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر تھوڑا●

(بیشک منافق دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کو)۔

دراصل منافقین رسول عربی کی رسالت کے منکر تھے اور بگمان خود رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دیتے تھے، اسلئے کہ انکا بھی یہ عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مخفی نہیں، لہٰذا اُسے تو اپنے دل کی بات چھپا کر دھوکہ دیا نہیں جا سکتا۔ تو درحقیقت وہ رسول کریم ہی کو فریب دینا چاہتے تھے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خود اللہ تعالیٰ کو فریب دینے سے تعبیر کیا ہے۔

تا کہ ظاہر ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسطرح کا کوئی معاملہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ انکے دھوکے کی یہ سزا دیتا ہے کہ اپنے نبی کو انکے نفاق سے مطلع فرما دیا، اور آپ نے مسلمانوں کو یہ خبر دیدی۔ انکا راز فاش ہوگیا اور وہ دنیا میں رسوا ہوگئے۔ اسکے علاوہ آخرت میں اللہ تعالیٰ انکو الگ سزا دیگا۔ الختصر۔ منافقین بزعم خود اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

(اور وہ) خدائے عزوجل انکو انکے (دھوکے کا بدلہ دینے والا ہے) انکے مکر و فریب کی جزا دنیا میں تو یہ کہ انکے راز کو فاش کر دیا جائیگا، ایسا کہ وہ اپنا نفاق چھپا نہ سکیں گے اور سب کے روبرو رسوا ہو جائینگے۔ اور قیامت میں اسکی جزا یہ ہوگی کہ مومنوں کے ساتھ ساتھ انکو جو نور دیا جائیگا، پل صراط پر قدم رکھتے ہی وہ نور غائب ہو جائیگا اور وہ اندھیرے میں رہ جائینگے۔ پھر انکے پاؤں لغزش کھائینگے اور وہ دوزخ میں گر پڑینگے۔ انکے برعکس مومنوں کو جو نور دیا جائیگا وہ باقی رہ جائیگا اور اُسی نور میں مومنین پل صراط پر سے گزر جائینگے۔

ان منافقین کی پہچان (اور) انکی خاص نشانی یہ ہے کہ (جب نماز کو کھڑے ہوئے تو) ایسے (کھڑے ہوئے) لگتا ہے کہ بڑے ہی (تھکے ہارے) ہیں۔ بے حد کاہلی اور سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس کام کو انجام دینے میں کراہت محسوس کرتے ہیں۔ وہ صرف اپنا نماز

...ونا (دکھلاتے ہیں لوگوں کو) اصحاب میں سے کسی نے انہیں دیکھ لیا تو نماز پڑھ لیتے ہیں، نہیں تو نہیں
...ھتے۔ (اور نہیں ذکر کرتے اللہ) تعالیٰ (کا مگر تھوڑا) وہ بھی لوگوں کے سامنے، تنہائی میں نہیں۔۔یا
...۔زبان ہی سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ زبان کا ذکر دل کے ذکر کے بہ نسبت تھوڑا ہی
...ہے۔انکا ذکر اسلئے بھی تھوڑا ہے کیونکہ وہ خالص نہیں۔انھوں نے اپنے اس ذکر کو طمع دنیا کے ساتھ ملا
...کھا ہے اور دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے نہایت تھوڑا اور مختصر ہے۔اور خدا کا ہی ذکر سب چیزوں سے بڑا
...ہے۔منافقین کا حال یہ ہے کہ وہ کفر و ایمان کے درمیان متحیر و متردد ہیں۔۔۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ

ڈگ مگ ڈگ مگ بیچ میں، نہ اِدھر نہ اُدھر

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

اور جس کی گمراہی اللہ دکھادے، تو اس کیلئے کوئی راہ نہ پاؤ گے ●

(ڈگ مگ ڈگ مگ بیچ میں، نہ اِدھر نہ اُدھر اور) یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ (جسکی
...مراہی اللہ) تعالیٰ (دکھادے) اور واضح فرمادے، اسکی چال وچلن اور اسکے کردار وگفتار سے، (تو
...ں کیلئے) حق وصواب اور نجات کی (کوئی راہ نہ پاؤ گے)۔۔الغرض۔۔گمراہی میں پڑا رہنا ہی اسکا
...قدر ہے۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

اے وہ جو ایمان لے آئے! نہ بناؤ کافروں کو دوست

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

مسلمانوں کو چھوڑ کر۔کیا چاہتے ہو کہ بنالو اللہ کی اپنے اوپر کھلی حجت؟ ●

(اے وہ جو ایمان لے آئے!) منافقین کی روش سے دور رہو اور (نہ بناؤ کافروں کو دوست
...مانوں کو چھوڑ کر)۔اس واسطے کہ ان منافقین کا کام ہے کہ خدا کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہیں۔تو
...ے ایمان والو! (کیا) تم (چاہتے ہو کہ بنالو اللہ) تعالیٰ (کی اپنے اوپر کھلی حجت) اور وہ کافروں کی
...ہے جو عقوبت اور عذاب کا سبب ہے۔۔اور جان لو کہ۔۔۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۙ

بے شک منافق لوگ سب سے نیچے طبقہ میں ہیں جہنم کے۔ اور نہ پاؤ گے کوئی ان کا مددگار●

(بیشک منافق لوگ سب سے نیچے طبقے میں ہیں جہنم کے) جس طبقے کی آگ ایسوں کے دل کو جلانے کیلئے ہے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ انکے دل سے لپٹ جائیگی اور پھر وہ ابدالآباد عذاب ہی میں رہیں گے۔ (اور نہ پاؤ گے کوئی انکا مددگار) جو حمایت کر کے انہیں اس طبقہ سے نکالے۔۔ الغرض۔۔ سارے منافقین اسی عذاب میں رہیں گے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ

مگر جنھوں نے توبہ کر لی اور درست ہو گئے اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ کو، اور کھرا کر لیا اپنے دین کو اللہ کیلئے، تو وہ

مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝

مسلمانوں کے ساتھ ہیں۔ اور جلد دے گا اللہ مسلمانوں کو بڑا اجر●

(مگر جنھوں نے توبہ کر لی) نفاق سے (اور) اپنا بگڑا ہوا حال سدھار کر (درست ہو گئے اور مضبوطی سے پکڑ لیا اللہ) تعالیٰ کی رسّی یعنی دین الٰہی اور سنت نبوی (کو، اور کھرا کر لیا اپنے دین کو اللہ تعالیٰ (کیلئے)، یعنی محض رضائے الٰہی کے واسطے عبادت کرتے رہے، (تو وہ) توبہ و اصلاح اور اعتصام و اخلاص کی صفتوں سے موصوف لوگ (مسلمانوں کے ساتھ ہیں)۔۔ الغرض۔۔ دونوں جہان میں ان کا شمار مسلمانوں ہی میں ہوگا۔ (اور) پھر (جلد دیگا اللہ) تعالیٰ (مسلمانوں کو بڑا اجر) اور یہ لوگ بھی اس میں شریک ہونگے۔۔ اور ذرا سوچو تو کہ۔۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ۝

کیا کرے گا اللہ تم پر عذاب کر کے؟ اگر تم شکر گزار ہو جاؤ اور ایمان لے آؤ۔ اور اللہ شکر کا قبول فرمانے والا علم والا ہے●

(کیا کریگا اللہ) تعالیٰ (تم پر عذاب کر کے اگر تم) اسکی فرمانبرداری کے ساتھ (شکر گزار ہو جاؤ اور ایمان لے آؤ) یعنی اسکی وحدانیت کی تصدیق کرو تحقیق کی رو سے۔۔ یا۔۔ ایمان لاؤ

بات پر کہ تمہاری نجات اسکے فضل پر ہے، نہ کہ تمہارے شکر پر۔ (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (شکر کا قبول فرمانے والا) ہے۔ یعنی شاکروں کو اسکا ثواب دینے والا ہے اور (علم والا ہے) وہ شکر اور ایمان کے حقوق کو بخوبی جانتا ہے۔

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۳ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔ ۲۱ جنوری ۲۰۰۹ء

﴿بروز چہار شنبہ﴾

پانچویں پارے کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

٦

لا يحب الله

تمام احکام کا مدار دو چیزوں پر ہے: ﴿۱﴾۔۔خالق کی عظمت ﴿۲﴾۔۔مخلوق پر شفقت۔اس سے پہلے کی آیت میں خالق کی عظمت کا بیان فرمایا اور اس میں مخلوق پر شفقت کا ذکر ہے۔اور مخلوق پر شفقت بھی دو طرح سے ہے: ﴿۱﴾۔۔مخلوق سے ضرر دور کرنا۔ ﴿۲﴾۔۔ان کو نفع پہنچانا۔ضرر دور کرنا زیادہ اہم ہے، اسلئے اسکے ذکر سے آغاز فرمایا اور پھر نفع پہنچانے کی صورت ظاہر فرمائی۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، اے لوگو!۔۔۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ

اللہ پسند نہیں فرماتا علانیہ بدگفتاری، مگر جو مظلوم ہو،

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ۝

اور اللہ سننے والا علم والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (پسند نہیں فرماتا) یعنی غضبناک ہوتا ہے اس بات پر کہ کوئی (علانیہ بدگفتاری) کرے (مگر جو مظلوم ہو)، کیونکہ اسے درست ہے کہ ظالم کی برائی آشکارا کردے۔

۔۔یا۔۔اسکی فریاد کرے اس مرد مسافر کی طرح، جس نے ایک قوم سے ضیافت چاہی، اسے کسی نے کھانا نہ دیا، اس نے شکایت کرنی شروع کی۔ جہاں جاتا اس قوم کی بے مروتی کا حال زبان پر لاتا، بعض صحابہ نے اس پر اس شکایت کے سبب غصہ کیا، اسکے عذر میں یہ آیت نازل ہوئی کہ مظلوم کو ظلم کی شکایت درست ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ مظلوم کی بات (سننے والا) اور ظالم کے ظلم کا (علم) رکھنے (والا ہے)، اس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ۝

اگر تم دکھا کر نیکی کرو، یا چھپا کر، یا معاف کردو کسی کی بدزبانی، تو بیشک اللہ معاف فرمانے والا قدرت والا ہے●

(اگر تم دکھا کر نیکی کرو) وہ بھلائی عام ہے۔اقوال سے متعلق ہو یا افعال سے۔۔۔الغرض۔۔۔ بھلائی اور طاعت ظاہر کرو (یا چھپا کر) پوشیدہ بجالاؤ، یعنی انھیں مخفی رکھو (یا معاف کردو کسی کی بدزبانی) اور اسکی اس برائی کو، جس پر مواخذہ کرنے کا تمھیں حق پہنچتا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ برائی ظاہر کرنا۔۔یا۔۔چھپانا ان دونوں باتوں کا ذکر بطور تمہید ہے، اصل مقصود تو صرف یہ بتانا ہے کہ [redacted] بھی معاف کردے۔ کیا بندہ دیکھتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ بڑی قدرت رکھتا ہے، کہ بندوں سے انکے گناہوں کا مواخذہ کرسکتا ہے، تاہم انھیں معاف فرمادیتا ہے۔

(تو بیشک اللہ) تعالیٰ (معاف فرمانے والا) اور (قدرت والا ہے) [redacted] کے درگزر فرمادیتا ہے، تو بندوں کو بھی چاہیئے کہ [redacted]

اس میں مظلوم کی ترغیب ہے کہ باوجود اسکے کہ اسے ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت ہے، لیکن اسے معاف کردینا بہت اچھا ہے۔ اس میں مکارم اخلاق کی عادت ڈالنے کی ترغیب و تحریص ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کے قبائح وفضائح کا اظہار پسند نہیں فرماتا۔۔ہاں۔۔اس ظالم کے قبائح وفضائح کا اظہار جائز ہے جسکا ضرر، دجل، اور مکروفریب، حد سے بڑھ جائے۔

ارشاد رسول ہے کہ

فاسق کے فسق کو ظاہر کردیا [redacted]

اسلیئے ظالم حاکم، کھلم کھلا فسق وفجور کا عادی اور بدعت سیئہ کا مرتکب اور اسکی دعوت دینے والا۔۔نیز۔۔ایسا شریر جسکے شروفساد اور کذب وفریب سے دوسروں کو نقصان پہنچ سکتا ہو، تو دوسروں کو انکی حرکتوں کے شر سے بچانے کیلیئے انکی نقصان پہنچانے والی برائیوں کو ذکر کردینے کی رخصت ہے۔ اور صرف رخصت ہی نہیں، بلکہ بعض حالات میں ذکر کردینا ضروری ہے۔۔۔

اس مقام پر یہ ضابطہ ذہن نشین رہے کہ ہر انسان کے عیبوں اور برائیوں کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں: ایک وہ برائی جسکا دنیوی اور اخروی وبال اس فرد کے ساتھ مخصوص ہے، اس برائی سے کسی اور کا نہ دنیوی نقصان ہے اور نہ ہی اخروی، تو ایسوں کے ایسے عیبوں اور برائیوں کا دوسروں کے سامنے ذکر معیوب ہے، اسلیئے کہ اس سے صرف اس فرد کی تحقیر وتذلیل مقصود ہوتی ہے، اور یہ کوئی اچھا عمل نہیں۔۔۔دوسری وہ برائی جسکے شر کا شکار دوسرے افراد بھی ہوتے ہیں۔۔مثلاً: کذب وفریب، چوری، ڈکیتی اور بدکرداری وبدفعلی وغیرہ، تو ایسے کاذب وفریبی، چور وڈاکو اور بدکرداروں سے لوگوں کو ہوشیار رکھنا ضروری ہے، تاکہ کوئی انکے شر کا شکار نہ ہوجائے۔

۔۔یونہی۔۔مجروح راویوں پر جرح کرنا اور فاسق گواہوں کے عیوب نکالنا، ہرگز ہرگز معیوب نہیں، بلکہ ضرورت کی وجہ سے واجب ہے۔ایسے ہی اگر کوئی شخص سے کسی بھی [illegible] ہو تو مشورہ دینے والے پر [illegible] اسطرح کسی فاسق۔۔یا۔۔بدعتی معلم سے علم حاصل کرنے میں ضرر کا اندیشہ ہو، تو جانکار کو چاہئے کہ اس سے علم حاصل کرنے والے متعلّم کو اس معلم کی بدعت اور فسق سے متنبہ کردے، ایسے ہی نااہل۔۔یا غافل۔۔یا عیبی۔۔حاکم کی نااہلی اور اسکی غفلت شعاری۔۔نیز۔۔اسکے عیبوں سے اسکے حاکم اعلیٰ کو باخبر کردینا بالکل درست ہے، تاکہ اسکو برطرف کر کے کسی لائق کا تقرر کردے۔

اب اگر کوئی علی الاعلان فسق وفجور اور بدعات کا ارتکاب کرتا ہو، تو ایسے شخص کے ان عیبوں کو پس پشت بیان کرنا جائز ہے، جن کو وہ علی الاعلان کرتا ہو۔اسکے پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا رد فرمایا تھا اور اب یہود ونصاریٰ کا رد فرما رہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا

بے شک جو انکار کریں اللہ اور اس کے رسولوں کا، اور چاہیں کہ ماننے میں امتیاز رکھیں

بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ

اللہ اور اس کے رسولوں میں، اور کہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کا انکار کریں گے،

وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝

اور چاہیں کہ بنالیں درمیانی راستہ●

(بیشک جو انکار کریں اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسولوں) میں سے کسی بھی رسول (کا اور چاہیں کہ ماننے میں امتیاز رکھیں اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسولوں میں، اور کہیں ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کا انکار کریں گے)۔

جیسے کہ یہودیوں نے کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام اور توریت اور عزیر علیہ السلام کو مانتے ہیں اور انکے سوا کسی کو بھی نہیں مانتے۔۔یا۔۔جیسے عیسائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل پر ایمان لائے، لیکن قرآن اور رسول کریم ﷺ کے منکر ہوگئے۔یہی کفر باللہ والرسل ہے۔اور اسی کو

تفریق 'باللہ والرسل' کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا فرض فرمایا ہے۔ اب کسی ایک نبی کو بھی نہ ماننا، تمام انبیاء علیہم السلام کے نہ ماننے کے برابر ہے، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے کے مترادف ہے۔ یہودی ہوں یا عیسائی، دونوں نے اپنے اپنے رسولوں کی رسالت ونبوت کی دلیل انکے معجزات ہی کو قرار دیا ہے۔ تو۔ اب نبی آخرالزماں کے معجزات کو آپکی نبوت ورسالت کی دلیل نہ قرار دینا سراسر ہٹ دھرمی ہے۔

اولاً تو وہ بعض کو ماننے کا دعویٰ کریں اور بعض کو ماننے سے انکار کریں، (اور) اسپر مزید برا ان اپنے اس عمل سے (چاہیں کہ بنالیں درمیانی راستہ)، کفر وایمان اور حق وباطل کے درمیان۔ یہ انکی خام خیالی ہے، کہ وہ حق وباطل کے درمیان ایک تیسری راہ کے آرزومند ہیں، اسلئے کہ نہ تو کفر ایمان ہوسکتا ہے اور نہ ہی ایمان کفر، اور نہ ہی کوئی ایسی صورت نکلتی ہے کہ کوئی شے ایمان اور کفر دونوں ہی ہوں۔ اب ان ہٹ دھرموں کی ہٹ دھرمی دیکھ لینے کے بعد، انکی سزا سنو۔ یہ اوصاف مذکورہ قبیحہ والے لوگ۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾

وہی یقیناً کافر ہیں۔ اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کیلئے ذلت والا عذاب ●

(وہی) ہیں جو (یقیناً کافر ہیں) اگرچہ وہ اپنے کو اہل حق سمجھتے ہیں اور مومن ہونے کے مدعی ہیں، ان کے ایمان کے یہ دعوے بالکل باطل ہیں۔ اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ وہ یقیناً اپنے کفر میں یکتا ہیں۔ ویسے بھی صرف یہی کیا، بلکہ [redacted] تو یقین مانو کہ واقعی انھوں نے کفر کیا اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ [redacted]

اب ان سارے کافروں کی سزا سنو! (اور) عبرت حاصل کرو، کہ (ہم نے تیار کر رکھا ہے) ان سارے (کافروں کیلئے ذلت والا عذاب) جسے وہ عنقریب چکھیں گے، جب ان پر نازل ہوگا اس میں دائمی طور پر ذلیل وخوار ہونگے۔

رب کریم نے اپنے اسلوب کلام کے مطابق، کفار کی وعید بیان کرنے کے بعد، اب مومنین سے وعدے کا بیان فرمایا۔۔۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ

اور جو مان گئے اللہ اور اس کے رسولوں کو، اور ماننے میں ان میں کوئی امتیاز نہ رکھا، وہی لوگ ہیں

سَوْفَ یُؤْتِیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۵۲﴾

کہ جلد دے گا ان کو ان کا اجر۔ اور اللہ غفور رحیم ہے ●

(اور) ارشاد فرمایا کہ (جو مان گئے اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسولوں کو اور ماننے میں ان میں کوئی امتیاز نہ رکھا) کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں، جیسا کہ کافروں کا طریقہ ہے، تو یہ (وہی) خوش نصیب (لوگ ہیں کہ جلد دیگا انکو انکا اجر) وثواب۔ یعنی انکا یہ اجر وثواب اتنا یقینی ہے، جو انھیں مل کے رہے گا، اگرچہ دیر سے ہی۔ بیشک (اور) یقیناً (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے، اپنے بندوں کے گناہوں اور ان سے سرزد ہو جانے والی زیادتیوں کو بخشنے والا ہے، خواہ بندے کی توبہ کی وجہ سے یا کسی 'ماذون الشفاعۃ' کی سفارش سے۔۔یا۔۔خاص کر کے اپنے ہی فضل وکرم سے۔۔یا۔۔بعض آزمائشوں سے گزارنے کے بعد۔۔المختصر۔۔ایمان والے گنہگار بندے بھی اسکی مغفرت سے محروم ہونے والے نہیں۔۔۔رہ گئے نکو کار بندے، تو رب تعالیٰ انکے لئے (رحیم) اور ان پر بڑی مہربانی کرنے والا (ہے) کہ انکی نیکیوں پر ان کو کئی گنا زیادہ ثواب عطا فرمائیگا۔ اے محبوب! ذرا دیکھو تو کہ تمہارے پاس آکر۔۔۔

یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَیْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ

تم سے فرمائش کرتے ہیں اہل کتاب کہ اتار لاؤ لکھی لکھائی کتاب آسمان سے، تو ان لوگوں نے

سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ

فرمائش کی تھی موسیٰ سے اس سے بڑھ کر، چنانچہ کہا تھا کہ دکھا دو ہمیں اللہ کو کھلم کھلا، تو پکڑ لیا ان کو

الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ

کڑک نے ان کے ظلم کی وجہ سے۔ پھر انھوں نے بنا لیا بچھڑا، باوجودیکہ آچکی تھیں ان کے پاس روشن آیتیں،

فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا ﴿۱۵۳﴾

تو ہم نے اس کو معاف فرما دیا۔ اور دے دیا موسیٰ کو کھلا ہوا غلبہ ●

(تم سے فرمائش کرتے ہیں اہل کتاب) یہود ونصاریٰ، کہ ہم آپ کی دعوت کی اس وقت تک پیروی نہیں کرینگے، یہاں تک (کہ اتار لاؤ لکھی لکھائی کتاب آسمان سے)۔

جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انکے پاس 'الواح' لائے تھے۔۔یا۔۔کم ازکم ہماری جانب اللہ تعالیٰ کے پاس سے یہ مکتوب آئے، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور فلاں کے پاس بھی مکتوب آئے، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

تو اے محبوب! انکے ازراہ عناد کے سوالات [illegible]

اسلئے کہ اسطرح کے معاندانہ اور غیر معقول سوال کرنے [illegible] ۔۔چنانچہ۔۔جب عادت سے مجبور ہوئے **(تو ان لوگوں)** کے مورثین **(نے فرمائش کی تھی موسیٰ سے اس سے بڑھ کر،** چنانچہ کہا تھا کہ دکھادو ہمیں اللہ) تعالیٰ **(کو کھلم کھلا)** یہ سائلین ستر نقباء تھے جو حضرت موسیٰ کے ساتھ تھے اور انھوں نے پہاڑ پر یہ سوال کیا، جبکہ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوئے، تو انھوں نے سوال کردیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو ایسے کھلم کھلا دیکھنا چاہتے ہیں، جیسا کہ دیگر اشیاء کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔

(تو پکڑ لیا انکو کڑک نے انکے ظلم کی وجہ سے) وہ یہ کہ سرکشی کرکے ایسا سوال کردیا جو انکے حال کی مناسبت سے قطعاً محال تھا۔۔القصہ۔۔انکے اس گستاخانہ مطالبے کی وجہ سے کہ دنیا میں خدا کو دیکھنے کی درخواست کر بیٹھے، ان پر آسمان سے بجلی گری اور انھیں خاکستر کرگئی۔۔۔انکے مورثین کی یہ پہلی غلطی ہی کیا کم تھی، تو ان سے دوسری بڑی غلطی ہوگئی۔ اور **(پھر انھوں نے بنالیا بچھڑا)** کو اپنا معبود ۔۔الغرض۔۔اسکی پرستش کرنے لگے، اور یہ سب **(باوجودیکہ آچکی تھیں انکے پاس روشن آیتیں)**۔

ایک تو یہی آسمانی بجلی جو اللہ کو دیکھنے کا مطالبہ کرنے والوں پر گری اور حضرت موسیٰ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے پھر انکو زندہ کردیا۔ جس سے ایک طرف اللہ تعالیٰ کے کامل علم وقدرت کا پتہ چلتا ہے، تو دوسری طرف حضرت موسیٰ کی نبوت کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ اسکے علاوہ انھوں نے حضرت موسیٰ کا عصا دیکھا، ید بیضا دیکھا، دریا کو چیر کر اس میں ١٢ راستوں کو بنانا دیکھا، انکے تعاقب میں آنے والے فرعون اور ان کے لشکر کا انھیں راستوں پر ڈوبنا دیکھا، اور ان تمام معجزات کو دیکھ لینے کے بعد، انھوں نے گوسالہ کو اپنا معبود بنالیا اور اسکی پرستش کی۔

تو اے رسول مکرم! آپ سے انکا یہ مطالبہ کرنا کہ انکے پاس آسمان سے لکھی ہوئی کتاب آجائے انشراح صدر کیلئے نہیں ہے۔ یہ انکی وہ سرکشی اور ہٹ دھرمی ہے، جو ان میں نسل در نسل چلی آرہی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انکی گوسالہ پرستی کی سزا میں اس قوم کو بالکل صفحۂ ہستی سے نہیں مٹادیا، بلکہ اس پر کرم کیا اور فرمایا۔

(تو ہم نے اسکو معاف فرمادیا اور دے دیا موسیٰ کو) انکے مخالفین پر (کھلا ہوا غلبہ)۔ یعنی کفار پر تسلط اور بہت بڑا کھلم کھلا غلبہ عنایت فرمایا کہ انکی توبہ کی قبولیت کی خاطر انھیں خود اپنی قوم کے گوسالہ پرست لوگوں کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا، اور انھوں نے فرمانبرداری کی۔

نبی کریم کیلئے یہ رمز اور بشارت ہے کہ اگرچہ کفار آپ کی مخالفت کررہے ہیں اور آپ کے خلاف معاندانہ کارروائیوں میں مصروف ہیں، لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ آپ کو غلبہ اور فتح عطا فرمائیگا۔۔۔اب آگے آیت ۱۶۱ تک یہود کی باقی سرکشیوں اور انکی جہالتوں کا ذکر ہے، ان میں سے ایک جہالت اور سرکشی اس موقع پر ہوئی، جب انھوں نے توریت کی شریعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا

اور اٹھوا دیا ان کے سروں پر کوہ طور ان سے عہد لینے کیلئے۔ اور ہم نے انھیں حکم دیا کہ دروازہ میں داخل ہو سجدہ کرتے ہوئے،

وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا

اور انھیں حکم دیا کہ سنیچر کے بارے میں قانون نہ توڑ دو اور لے لیا ہم نے ان سے گاڑھا عہد●

(اور) اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل کے ذریعے (اٹھوا دیا انکے سروں پر کوہ طور ان سے عہد لینے کیلئے) تاکہ اس پہاڑ کے خوف سے توریت کی شریعت کو قبول کرنے کا عہد کرلیں۔۔چنانچہ۔۔ انھوں نے خوف میں آکر حضرت موسیٰ کے دین پر عمل کرنے کا عہد کرلیا، تو حکم الٰہی ہوا کہ اب یہ پہاڑ ان سے ہٹالو۔

۔۔یا۔۔صورت حال یہ رہی ہو، کہ اولاً ان سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ دین موسوی سے نہ پھریں، لیکن وہ دین سے پھر گئے، پھر انکے اوپر پہاڑ اٹھا کر عہد لیا گیا، کہ وہ عہد شکنی نہیں کرینگے، اور انھوں نے اپنے اوپر پہاڑ کے گرنے کے خوف سے عہد کرلیا۔ انکی دوسری جہالت اور سرکشی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

(اور ہم نے انھیں) یوشع علیہ السلام کی زبان سے (حکم دیا کہ) شہر 'اریحا' کے (دروازہ میں داخل ہو) جاؤ (سجدہ) شکر (کرتے ہوئے)، یعنی مطمئن ہو کر اور سر جھکا کر اس شکر گزاری میں، کہ تمہیں جنگل میں بھٹکنے سے بچالیا، تو انھوں نے اس حکم سے انکار کر دیا اور جو حکم ہوا تھا، اسکے برعکس

چوتڑوں پر گھسیٹ مار کر داخل ہوئے۔

ان سے تیسری سرکشی (اور) جہالت یہ ہوئی کہ جب ہم نے حضرت داؤد کی زبان سے (انھیں حکم دیا کہ سنیچر کے بارے میں قانون نہ توڑو، اور لے لیا ہم نے ان سے گاڑھا عہد)، مضبوط اور سخت وعدہ، اطاعت وفرمانبرداری کا۔۔چنانچہ۔۔انھوں نے وعدہ کرلیا اور کہہ دیا، **سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا** اور یہ بھی کہہ دیا کہ اگر انھوں نے دین سے روگردانی کی، تو اللہ تعالیٰ جیسا چاہے گا، عذاب میں مبتلا کریگا۔لیکن یہ بدبخت سنیچر کے دن جو صرف عبادت کیلئے مخصوص کردیا گیا تھا، عبادت ترک کرکے مچھلی کے شکار میں مصروف ہوگئے۔حالانکہ ان پر لازم کردیا گیا تھا کہ تلاشِ روزگار اور حصولِ معاش کیلئے، ہفتے کے دن کوئی کام نہ کرنا، خواہ وہ مچھلی کا شکار ہو یا کوئی اور کام۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ

پھر اپنے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے، اور اللہ کی آیتوں سے انکار کردینے، اور انبیاء کو ناحق

بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا

مارڈالنے، اور اس بکنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں، بلکہ چھاپ لگادی اللہ نے انکے دلوں پر

بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾

انکے کفر کی وجہ سے، تو یہ نہیں مانیں گے مگر تھوڑے ●

(پھر) یہ چند وجوہ کفر کے مرتکب ہوگئے (اپنے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے اور اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں)، یعنی توریت وقرآنِ کریم اور معجزاتِ انبیاء علیہم السلام (سے انکار کردینے) کی وجہ سے۔

[redacted]

(اور انبیاء)۔۔مثلاً: حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہم السلام (کو ناحق مارڈالنے)، یعنی شہید کردینے کی وجہ سے، جنکا شہید کردینا کبھی حق ہوتا ہی نہیں، بلکہ ناحق ہی ہوتا ہے۔(اور اس بکنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلاف میں ہیں)، جسکی وجہ سے ہم رسولِ عربی کے ارشادات کا اثر قبول نہیں کرتے آپکی باتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔آپکی باتیں ہمارے دل تک پہنچتیں ہی نہیں۔۔یا۔۔یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے دل علوم سے بھرے ہوئے ہیں۔اب کسی کے علم کی ہمیں احتیاج نہیں۔۔۔حالانکہ

بکواس کرتے ہیں، درحقیقت ایسا نہیں ہے، (بلکہ) سچی بات تو یہ ہے کہ (چھاپ لگادی اللہ) تعالیٰ (نے انکے دلوں پر) یعنی انکے دلوں پر مہر لگادی ہے (انکے کفر کی وجہ سے، تو یہ نہیں مانیں گے مگر تھوڑے)۔

جیسے کہ عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب۔۔یا یہ کہ۔۔انکا ایمان لانا تھوڑی باتوں پر ہے، اسلئے انکا ایمان لانا غیر معتبر ہے، کیونکہ انکا ایمان ناقص ہے، کیونکہ وہ بعض رسولوں اور بعض کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض سے انکار کرتے ہیں۔۔یا یہ کہ۔۔انکے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اس لائق نہیں کہ انھیں مومن کہا جائے، بلکہ وہ تو یقیناً کافر ہیں۔

۔۔علاوہ ازیں۔۔ہم نے انکو جو دوسری سزائیں دیں ہیں۔۔۔

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿١٥٦﴾

اور ان کے کفر کی وجہ سے اور ان کی بکواس سے مریم پر بڑے بہتان کی●

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا

اور ان کے اس ڈینگ کی وجہ سے کہ ہم نے قتل کرڈالا مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو۔ حالانکہ

قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ

نہ قتل کیا، نہ انھیں سولی دی۔ لیکن ایک ملتا جلتا بنادیا گیا ان کیلئے، اور بیشک جنھوں نے ان کے بارے میں اختلاف کیا،

شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿١٥٧﴾

تو وہ شک ہی شک میں ہیں۔ انھیں اس کا کچھ علم نہیں سوا گمان سے کام لینے کے۔ حالانکہ نہیں قتل کیا عیسیٰ کو یقیناً●

(اور) ان پر عذاب نازل فرمایا ہے، تو وہ (انکے کفر کی وجہ سے) جو انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا (اور) بسبب (انکی بکواس سے مریم پر بڑے بہتان کی)، یعنی بدکاری کے اتہام کی۔ (اور انکے اس ڈینگ کی وجہ سے، کہ ہم نے قتل کرڈالا مسیح عیسیٰ ابن مریم) بقول خود (اللہ) تعالیٰ (کے رسول کو)۔۔المختصر۔۔ہم نے ابن مریم کو قتل کرڈالا جو اپنے کو اللہ کا رسول فرمارہا تھا، (حالانکہ نہ قتل کیا) اور (نہ) ہی (انھیں سولی دی)۔۔۔پھر آخر کس کو قتل کیا؟

اس تعلق سے روایات مختلف ہیں، کسی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ کے حواریین ہی میں سے ایک نیک بخت تھے، جنھوں نے حضرت عیسیٰ کے فرمانے سے آپ کا ہم شکل بن کر آپ پر قربان ہونا قبول کرلیا، تو حضرت عیسیٰ کو تو آسمان پر اٹھالیا گیا اور انکے

ہم شکل کو عیسیٰ سمجھ کر شہید کر دیا گیا۔

دوسری روایت کا خلاصہ یہ ہے، کہ وہ حضرت عیسیٰ کے حوارییّن کے درمیان ایک منافق تھا جس نے مخبری کا کام انجام دیا۔۔ چنانچہ۔۔اسی مخبر کو حضرت عیسیٰ کا ہم شکل بنادیا گیا، پھر یہودیوں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا۔

تیسری روایت کا خلاصہ یہ ہے، کہ وہ خود یہودیوں کا سردار، یہودا تھا، جو حضرت عیسیٰ کی تلاش میں اس گھر میں داخل ہوا جس میں آپکے موجود ہونے کی خبر اسے ملی، مگر جب وہ گھر میں داخل ہوا، تو اسے کوئی نظر نہیں آیا اور پھر جب وہ باہر نکلا، تو خود وہی دوسروں کی نظر میں حضرت عیسیٰ کا ہم شکل دکھائی دیا۔۔ چنانچہ۔۔لوگوں نے عیسیٰ سمجھ کر اسے قتل کر دیا۔ وہ لاکھ کہتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، مگر کسی نے اسکی بات کا خیال نہیں کیا۔

اس واقعہ کے تعلق سے یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ جب یہود نے حضرت عیسیٰ کو قتل کرنے کا قصد کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انکو آسمان پر اٹھالیا۔ اب یہود کے سرداروں نے سوچا کہ اگر یہودی عوام کو معلوم ہو گیا کہ انکو آسمانوں پر اٹھالیا گیا ہے، تو وہ فتنہ میں پڑ جائینگے اور ممکن ہے کہ یہودیت ہی سے برگشتہ ہو جائیں، یونہی، اگر عیسائی انکو نہ پائینگے، تو وہ بھی ایک فتنہ برپا کر دینگے اور معلوم کرنا چاہیں گے کہ آخر وہ کہاں ہیں؟ تو انھوں نے ایک انسان کو جو غیر معروف تھا، پکڑ کر قتل کر دیا اور اسکو سولی پر لٹکا دیا، اور لوگوں کو اس مغالطہ میں رکھا کہ وہ مسیح ہیں۔

چونکہ حضرت مسیح لوگوں میں بہت کم مل جل کر رہتے تھے، آپکو گوشہ نشینی زیادہ پسند تھی، اسلئے عام لوگ آپکو صرف نام سے جانتے تھے، شکل سے نہیں پہچانتے تھے۔ ان تمام روایات کا حاصل یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ نہ شہید کئے گئے اور نہ ہی سولی دیئے گئے۔

(لیکن ایک ملتا جلتا بنا دیا گیا انکے لئے)۔۔ چنانچہ۔۔ انھیں تشابہ ہوا کہ نہ معلوم قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام تھے یا انکا اپنا آدمی۔ اور یہ شبہ ہر حال میں انکو لاحق رہا، خواہ قتل ہونے والا ہم شکل رہا ہو یا نہیں۔ اسلئے کہ یہودیوں نے ہر لاش کو حضرت مسیح کی لاش قرار دیکر ہی سولی دی۔

اب رہ گیا مذکورہ بالا روایات میں ہم شکل ہونے کا مسئلہ، تو وہ بطورِ خرقِ عادت ہوا ہے اور ایسے خوارق عادت کا دورِ نبوت میں ظہور ہونا، کوئی بڑی بات نہیں اور جو چیز نبی کے معجزہ کے طور پر ظاہر ہو، عام طور پر عادتاً اسکا ظہور محال ہی رہتا ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ سازشی لوگوں نے تو اپنے طور پر اپنا کام کر دیا، مگر اس واقعہ کے بعد خود ان ہی لوگوں

میں اختلاف پیدا ہو گیا، بعض کہتے ہیں کہ اگر یہ مقتول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر یہی ہمارا آدمی ہے، تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے۔ بعض نے کہا کہ اس مقتول کا چہرہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہے، لیکن اسکا جسم ہمارے آدمی کا ہے، اسلئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل اس شخص کو دی گئی، تو صرف چہرہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ہوا، باقی بدن ویسے کا ویسا رہا۔

اور جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سنا تھا کہ وہ آسمان پر اٹھائے جائینگے، وہ تو یقین رکھتے تھے، وہ آسمان پر اٹھالئے گئے ہیں (اور) اسکے سوا (بیشک جنھوں نے انکے بارے میں اختلاف کیا، تو وہ شک ہی شک میں ہیں۔ انھیں اسکا کچھ علم نہیں، سوا گمان سے کام لینے کے)۔ بالآخر انکے خیالات آپس ہی میں ٹکرا گئے۔ (حالانکہ) اگر وہ عقل سے کام لیتے اور حضرت مسیح کے ارشاد پر ایمان لاتے، تو ضرور اعتراف کر لیتے کہ (نہیں قتل کیا عیسیٰ کو یقیناً)۔

بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾

بلکہ اٹھالیا ان کو اللہ نے اپنی طرف۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(بلکہ اٹھالیا انکو اللہ) تعالیٰ (نے اپنی طرف) اور انھیں محل کرامت پر لے گیا (اور اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے۔ حضرت عیسیٰ کو اٹھالینا اور یہود سے انتقام لینا، دونوں اسکی قدرت و اختیار میں ہے، اور عظیم (حکمت والا ہے) جس نے حکمت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مہم میں تدبیر فرمائی اور یہود پر لعنت برسائی۔

یہ ذہن نشین رہے کہ اپنی اس حیاتِ ظاہری میں حضرت عیسیٰ کی شان میں کوئی کچھ بھی خیال ظاہر کرے اور کچھ بھی بکواس کرے ۔۔۔ لیکن بالآخر یہود ۔۔۔

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ

اور کوئی کتابی نہیں مگر ایمان لائے گا ان پر مرنے سے پہلے۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے●

(اور) نصاریٰ میں سے (کوئی کتابی نہیں، مگر ایمان لائیگا ان پر) اپنے (مرنے سے پہلے) چنانچہ نزع طاری ہونے کے بعد جبکہ امورِ آخرت سامنے ہوتے ہیں، ملائکہ یہودی سے پوچھیں گے کہ حضرت عیسیٰ نبی بن کر تشریف لائے، لیکن تم نے انھیں جھٹلایا۔ یونہی نصاریٰ سے پوچھیں گے کہ

تمہارے پاس حضرت عیسیٰ، اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول بن کر تشریف لائے، لیکن تم نے انکو 'اللہ' اور 'ابن اللہ' مانا۔ اس وقت یہودی بھی ایمان لائیگا اور عیسائی بھی کہے گا، کہ اب میں انھیں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور رسول مانتا ہوں، لیکن اس وقت کا ایمان لانا ان میں کسی کو بھی فائدہ نہ دے گا۔ بات تو اس وقت بنتی جب نزع کی کیفیت طاری ہونے سے پہلے اور امورِ آخرت کے ظہور سے پہلے وہ ایمان لاتے۔

تمام کتابیوں کے تعلق سے مرنے سے پہلے ایمان لانے کا مذکورہ بالا بیان لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ کے اصول کے مطابق ہے۔ یعنی اکثر و بیشتر کتابیوں کا یہی حال ہوگا، لیکن وہ کتابی جو اچانک دشمن کے حملے سے مرجاتا ہے۔۔یا۔۔خودکشی کرلیتا ہے۔۔یا۔۔کسی حادثہ کا شکار ہوکر مرجاتا ہے، وہ اس حکم سے مستثنیٰ رہے گا۔

ارشادِ ربانی کا یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے، کہ خود حضرت عیسیٰ کی وفات سے پہلے ان پر ہر کتابی ایمان ضرور لائیگا۔ اور یہ اس وقت ہوگا، جب حضرت عیسیٰ آسمان سے اتریں گے اور دجال کو قتل کرڈالینگے، تو سب اہل کتاب حضرت عیسیٰ پر ایمان لائینگے اور یقین جانیں گے کہ وہ پیغمبر تھے۔ اور حضرت عیسیٰ اہل کتاب کو دین اسلام کی طرف بلائینگے اور مختلف ملتیں لوگوں میں سے اٹھ جائینگی، اور ملت اسلامیہ کے سوا کوئی ملت نہ رہے گی۔ [illegible] عیسیٰ علیہ السلام ہمارے حضرت سرورِ انبیاء محمد ﷺ [illegible] کرینگے۔ اور چالیس برس زمین پر رہیں گے [illegible] پڑھیں گے۔ گنبد خضراء میں آپ کی آخری آرامگاہ ہوگی۔

(اور) پھر (قیامت کے دن وہ ان) کتابیوں (پر گواہ ہونگے)۔۔چنانچہ۔۔یہود پر تکذیب کی گواہی دینگے اور نصاریٰ پر اس بات کی گواہی دینگے کہ انھوں نے انھیں خدا کا بیٹا کہا ہے۔ چونکہ یہودی متعدد بداعمالیوں کا شکار ہوگئے تھے۔۔۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ

تو ان یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے حرام فرمادیا ہم نے پاکیزہ چیزیں جو حلال تھیں ان کو،

وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾

اور ان کے روک دینے کی وجہ سے اللہ کی راہ سے بہتوں کو●

(تو ان) دین یہود پر متدین رہنے والے (یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے)، یعنی ان مظالم کی [illegible]

سے جوان سے واقع ہوئے، بطور سزا (حرام فرمادیا ہم نے پاکیزہ چیزیں جوحلال تھیں انکو)، جیسے اونٹ کا گوشت اور اسکا دودھ اور چربی۔ انھیں جن بداعمالیوں کی یہ سزادی گئی ہے (اور) انکو پاکیزہ چیزوں سے محروم کردیا گیا ہے، تو اس پرادلاً (انکے روک دینے کی وجہ سے اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے بہتوں کو)۔

یعنی انھوں نے توریت کے حکم اور ہمارے رسول مقبول کی نعت میں تحریف کردی اور لوگوں سے کہنے لگے کہ اس شخص پر ایمان نہ لاؤ، اس واسطے کہ یہ وہ پیغمبر نہیں جسکا وعدہ کیا گیا ہے۔

وَّاَخۡذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدۡ نُهُوۡا عَنۡهُ وَاَكۡلِهِمۡ اَمۡوَالَ النَّاسِ بِالۡبَاطِلِ

اوران کے سود لینے کی وجہ سے، جس سے وہ منع کردئے گئے تھے، اوران کے کھانے کی وجہ سے لوگوں کا مال ناحق۔

وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ مِنۡهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۶۱﴾

اورہم نے تیار کر چھوڑا ہے ان میں سے کفر کرنے والوں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ●

(اور) ثانیاً (انکے سود لینے کی وجہ سے، جس سے وہ) توریت میں (منع کردیئے گئے تھے) (اور) ثالثاً (انکے کھانے کی وجہ سے لوگوں کا مال ناحق) رشوت لیکر، غصب کرکے، حالانکہ یہ ساری چیزیں ان پر حرام کردی گئی تھیں۔ ایسے سارے لوگ کان کھول کرسن لیں (اور) یادرکھیں، کہ (ہم نے تیار کر چھوڑا ہے ان میں سے کفر کرنے والوں کیلئے دکھ دینے ولا عذاب)، جسکے دکھ درد کی شدت ناقابل برداشت ہوگی۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ فِى الۡعِلۡمِ مِنۡهُمۡ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ

لیکن جوان میں ٹھوس ہیں علم میں، اورایمان دار ہیں، وہ مانتے ہیں جواتارا گیا

اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ وَالۡمُقِيۡمِيۡنَ الصَّلٰوةَ وَالۡمُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ

تم پر، اورجونازل کیا گیا تمہارے پہلے اورنماز کو قائم رکھنے والے، اورزکوٰۃ دینے والے،

وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤۡتِيۡهِمۡ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۶۲﴾ ع۲۲

اور ماننے والے اللہ کو، اورپچھلے دن کو۔ وہ ہیں کہ بہت جلد دیں گے ہم ان کو بڑا اجر ●

(لیکن جوان میں ٹھوس ہیں علم میں)، یعنی وہ لوگ جوعلم شریعت سیکھتے ہیں اور اخلاص کے ساتھ عمل میں لاتے ہیں، جیسے بنی اسرائیل میں عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب، (اور) مہاجرین و

انصار میں سے (ایمان دار ہیں)، جنکی خاص پہچان یہ ہے کہ (وہ مانتے ہیں جو اتارا گیا تم پر) یعنی قرآن کریم کو، (اور جو نازل کیا گیا تمہارے پہلے) یعنی سب کتب ربانی۔ ان سب پر ایمان کے ساتھ ساتھ دائمی طور پر (اور) کما حقہ (نماز کو قائم رکھنے والے) ہیں، (اور) باضابطہ (زکوٰۃ دینے والے) ہیں، (اور ماننے والے) ہیں (اللہ) تعالیٰ (کو اور پچھلے دن کو)، یعنی روزِ قیامت کو۔

ذہن نشین رہے کہ اس مقام پر مقصودِ کلام رسولوں اور ان پر نازل شدہ کتابوں پر ایمان ہے، کیونکہ اہل کتاب انھیں کے منکر تھے، اسلئے اسکا ذکر اہتمام کے ساتھ پہلے کیا گیا۔ رہ گیا اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان، تو اہل کتاب اسکے منکر نہ تھے، بلکہ بظاہر وہ اسکے قائل تھے، اسلئے اسکے ذکر کو موخر رکھا گیا۔

جن ایمان والوں اور نیک اعمال والوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، یہ تصدق اور تصدیق کرنے والے (وہ) لوگ (ہیں، کہ بہت جلد دینگے ہم ان کو بڑا اجر)، اسلئے کہ انھوں نے ایمان کی دولت کے ساتھ، نیک اعمال میں بھی جدوجہد کی۔

یادرہے کہ عمل صالح وہ ہے، جس [illegible]
سردار پانچ نمازیں ہیں جنھیں صحیح طریقے سے ادا کیا جاتا ہے

اے محبوب! یہودیوں کا آپ سے یہ کہنا، کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ پر بھی اسطرح یکبارگی کتاب نازل کی جائے، جس طرح حضرت موسیٰ پر کتاب نازل کی گئی تھی، ان کی کم عقلی کی دلیل ہے۔ اسلئے کہ۔۔۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَ

بے شک ہم نے وحی فرمائی تمہاری طرف جس طرح وحی فرمائی تھی نوح اور ان کے بعد کے انبیاء کی طرف، اور

أَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ

وحی کی تھی ہم نے ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب وآل یعقوب وعیسیٰ

وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ۝١٦٣

وایوب ویونس وہارون وسلیمان کی طرف، اور دیا ہم نے داؤد کو زبور ●

(بیشک ہم نے وحی فرمائی تمہاری طرف جس طرح وحی فرمائی تھی نوح اور انکے بعد کے انبیاء کی طرف، اور وحی کی تھی ہم نے ابراہیم واسماعیل واسحٰق ویعقوب وآل یعقوب وعیسیٰ وایوب ویونس

ہارون وسلیمان کی طرف)،اورتم نوح ،ابراہیم ،اسحٰق ،یعقوب ،ایوب ،ہارون ،اورسلیمان کو نبی مانتے ہو، حالانکہ ان پر بھی آسمان سے کوئی کتاب نازل نہیں کی گئی تھی۔تو تمہارا آسمان سے کتاب نازل کئے جانے کا مطالبہ کٹ حجتی کے سوااور کچھ نہیں۔

نبوت کا ثبوت صرف اظہارِ معجزہ پر موقوف ہے۔آپ سے پہلے نبیوں کی نبوت بھی معجزہ سے ثابت ہوئی اور آپ نے اپنی نبوت پر متعدد معجزات پیش کئے اور سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے،جسکی نظیر پیش کرنا۔۔یا۔۔جس میں کمی بیشی اورتحریف ثابت کرنا،آج بھی پوری دنیا کیلئے چیلنج ہے اور قیامت تک رہیگا،جبکہ باقی انبیاء کرام کے معجزات میں سے کسی نبی کا معجزہ انکے جانے کے بعد باقی نہیں رہا۔تو یہ کس قدر انصاف سے بعید ہے،جن نبیوں کے معجزات فانی تھے انکو نبی مانا جائے،اور جس عظیم الشان نبی کا معجزہ زندہ جاوید ہے،اسکی نبوت کا انکار کردیا جائے۔

انبیاء کے ذکر میں اس آیت میں سب سے پہلے حضرت نوح کا ذکر فرمایا،کیونکہ وہ سب سے پہلے نبی تھے جنھوں نے اپنی قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا اورانکے لئے دعائے ہلاکت فرمائی۔۔یا۔۔اسلئے کہ وہ سب سے پہلے نبی ہیں،جنھوں نے احکامِ شرعیہ بیان کئے۔۔یا۔۔اسلئے کہ جس طرح نبی ﷺ کی دعوتِ اسلام تمام روئے زمین کے انسانوں کیلئے تھی،اسی طرح حضرت نوح کی دعوت بھی تمام روئے زمین کے انسانوں کیلئے تھی۔

حضرت نوح کے ذکر کے بعد دوسرے نبیوں کا بالعموم ذکر فرمایا،پھر خصوصیت کے ساتھ حضرت ابراہیم کا نام لیا،یہ انکے شرف کی وجہ ہے،کیونکہ وہ تمام نبیوں کے سلسلہ آباء میں تیسرے اہم باپ ہیں۔پہلے حضرت آدم،دوسرے حضرت نوح،اور تیسرے آپ،یعنی حضرت ابراہیم۔۔۔حضرت عیسیٰ کا ذکر یہود کا رد کرنے کیلئے فرمایا،کیونکہ یہودی انکی نبوت کے منکر تھے۔اب رہ گیا قرآنِ کریم کو اسلئے نہ ماننا،کہ اسکا نزول قسط وار ہوا ہے،اس فضول گوئی کی بنیاد،صرف عناد اور کٹ حجتی ہے۔

(اور) یہ بات مہمل کیوں نہ ہو،اسلئے کہ (دیا ہم نے داؤد کو زبور) جس میں فقط حق تعالیٰ کی حمدوثنا تھی،اوامرونواہی نہیں تھے۔حضرت داؤد کی شریعت وہی توریت کی شریعت تھی۔۔بایں ہمہ۔۔ حضرت داؤد،صاحب کتاب نبی تھے اورانکی کتاب یعنی زبور بھی 'جوایک سو پچاس سورتوں پر مشتمل ہے'۔ قرآن کریم کی طرح قسط وار ہی نازل فرمائی گئی تھی،اسکو بھی یکبارگی نازل نہیں کیا گیا تھا،تواس پر ایمان

لانا اور قرآن پر ایمان نہ لانا، ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کیا ہے؟۔۔۔

قرآن کریم کے قسط وار نازل ہونے کو یہود نے اپنی کم عقلی سے نقص گردانا، حالانکہ اس میں ہمارے نبی کی بڑی فضیلت ہے۔ کیونکہ کتاب نازل کرنے کا جو رابطہ حضرت موسیٰ کی زندگی میں صرف ایک بار ہوا، وہ رابطہ نبی کریم کے ساتھ تا حیات رہا۔ حضرت موسیٰ تورات لینے کو طور پر گئے تھے۔ نبی کریم کو قرآن مجید کیلئے کہیں جانا نہیں پڑتا تھا، بلکہ آپ جہاں تشریف فرما ہوتے تھے، قرآن مجید وہیں نازل ہوجاتا تھا۔ جہاں آپ ﷺ سے کوئی سوال کیا جاتا۔۔یا۔۔یہود ونصاریٰ اعتراض کرتے، وہیں اسکے جواب میں آیت کا نزول ہوجاتا۔ یہ سہولت یکبارگی نزول میں کہاں؟

پھر اگر یکبارگی کتاب نازل ہوتی تو، تمام احکام یکبارگی فرض ہوجاتے، اور لوگوں پر ایک دم ان پر عمل کرنا اور پرانی عادتوں اور رسموں کو چھوڑنا مشکل ہوتا۔ بتدریج کتاب کے نزول سے لوگوں پر اسلام کا قبول کرنا آسان ہوگیا۔ قرآن مجید کو یکبارگی نازل نہ کرنے میں یہ فضیلت، باریکیاں، اور فوائد ہیں، جو یہود کی سمجھ میں نہیں آئے۔ اور جب ان کو سمجھایا گیا، تو انھوں نے اپنی ہٹ دھرمی سے مانا نہیں۔ اس مقام پر یہ بات بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ اگرچہ **النَّبِیّٖنَ** کے لفظ سے اجمالاً تمام انبیاء کرام کا ذکر کردیا گیا تھا، پھر بھی بعض برگزیدہ ومشاہیر انبیاء کرام کا انکی مخصوص شرافت، و بزرگی کی وجہ سے نام لیکر بھی ذکر کردیا گیا۔ اور پھر فرمایا گیا کہ اے محبوب بھیجا ہم نے مذکورہ بالا پیغمبروں۔۔۔

وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰهُمۡ عَلَيۡكَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ

اور چند رسولوں کو جنھیں ہم بتا چکے ہیں پہلے ہی، اور چند رسولوں کو

نَقۡصُصۡهُمۡ عَلَيۡكَ ‌ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوۡسٰى تَكۡلِيۡمًا ۚ‏

کہ ابھی نہیں بیان فرمایا تم سے، اور اپنا کلیم خاص بنایا اللہ نے موسیٰ کو ●

(اور) انکے سوا (چند رسولوں کو جنھیں ہم) آپکو (بتا چکے ہیں پہلے ہی)۔۔مثلاً: حضرت یوسف حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت الیسع، اور حضرت عزیر علیہم السلام وغیرہ کے واقعات وحالات (اور چند رسولوں کو، کہ ابھی نہیں بیان فرمایا تم سے) یعنی آج سے پہلے۔۔یا۔۔اس سورہ کے نزول سے پہلے بعض انبیاء کا قصہ آپ سے بیان نہیں فرمایا۔

ہاں بعض انبیاء کرام کے قصے اور حالات بیان نہ کرنے کی بات ہے۔رہ گیا ان انبیاء کرام کی تعداد سے باخبر کرنا۔یا۔نہ کرنا۔اسکا کوئی ذکر نہیں،اسلئے یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انکی خبروں سے مطلع نہ فرمایا ہو،لیکن یہ اطلاع دی ہو کہ کل نبی اتنے ہیں۔لہٰذا یہاں یہ گمان کرنا کہ اس آیت میں نبی ﷺ کے عدم علم کی تصریح ہے،صحیح نہیں۔اسلئے کہ نبی کریم اس سے منزہ ہیں،کہ آپ کو انبیاء کی تعداد کا علم نہ ہو۔

۔۔چنانچہ۔۔جب آپ سے انبیاء کرام کی تعداد کے متعلق سوال کیا گیا،تو ایک روایت کے مطابق آپنے ارشاد فرمایا،ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہیں اور تین سو تیرہ مرسلین کرام۔ اور ایک دوسری روایت میں پیغمبروں کی تعداد دولاکھ چوبیس ہزار ارشاد فرمائی،لیکن افضل یہی ہے اس آیت کریمہ کی رو سے کسی شمار پر عقیدہ نہ رکھا جائے۔اگرچہ حدیث شریف میں انکی گنتی بتائی گئی ہے،لیکن وہ 'خبر واحد' ہے،اور 'خبر واحد' صرف 'ظن' کا فائدہ دیتی ہے اور 'ظنیات' کو قطعی اعتقادیات میں دخل نہیں۔

مذکورہ بالا مرسلین (اور) مبعوثین ہی میں سے (اپنا کلیم خاص بنایا اللہ) تعالیٰ (نے موسیٰ کو)،

جن سے کوہِ طور پر بے واسطہ کلام فرمایا اور حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے حقیقتاً ہم کلام ہوئے۔

ارشادِ الٰہی میں **کَلَّمَ** کی تاکید **تَكْلِيمًا** یعنی مصدر سے فرما کر واضح فرمادیا کہ یہاں حقیقی کلام مراد ہے۔ہاں اگر وہ مصدر سے موکد نہ کیا جاتا اور انسان کو کسی اور طریق سے پہنچتا، تو اہل عرب اس کو مجازاً کلام تو کہتے،مگر حقیقی کلام نہ قرار دیتے،اسلئے کہ مجازات میں فعل کو موکد نہیں کیا جاتا۔

۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ کا بے واسطہ کلام فرمانا،مراتب وحی میں اعلیٰ درجہ کا مرتبہ ہے،اور یہ مرتبہ حضرت موسیٰ کو کوہِ طور پر حاصل ہوا۔اور ہمارے سرکار حضور آیہء رحمت ﷺ کو خلوت خانہ نور میں مقام **دَنَا فَتَدَلّٰى** پر حاصل ہوا۔حضرت موسیٰ پر جو وحی ہوئی،اسکا علم سارے بنی اسرائیلیوں کو ہوگیا،مگر جو آنحضرت ﷺ پر وحی فرمائی گئی،اسے **فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى** کے حجاب میں پوشیدہ کردیا گیا۔جس پر کسی عارف کامل نے بھی،بے تعلیم محمدی اطلاع نہیں پائی۔

۔۔۔یہ جن جن رسولوں کو ہم نے بھیجا،یہ سارے کے سارے۔۔۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ

رسول بشارت دینے والے اور ڈرانے والے،تاکہ لوگوں کو اللہ سے بولنے کی جگہ نہ رہ جائے ان رسولوں کے آنے کے بعد۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾

اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(رسول بشارت دینے والے) بہشت کی اہل ایمان کو (اور ڈرانے والے) جہنم سے کافروں اور منافقوں کو، (تاکہ لوگوں کو اللہ) تعالیٰ (سے بولنے کی جگہ نہ رہ جائے ان رسولوں کے آنے کے بعد)۔۔چنانچہ۔۔وہ کہہ نہ سکیں کہ ہمارے پاس پیغمبر نہیں آئے، جو ایمان کی طرف بلاتے اور ہم کو شرک سے باز رکھتے۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے انکے لئے کسی عذر کی گنجائش نہیں چھوڑی، (اور) نہ انھیں اس سلسلے میں کوئی معقول بات کرنے کا موقع دیا۔ اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے۔۔چنانچہ۔۔سرکشوں کے سوال کرنے پر جواب دینے سے اسے کوئی روک نہیں سکتا، اور نہ ہی وہ کسی معاملے میں کسی سے مغلوب ہوسکتا ہے۔ اور وہ (حکمت والا ہے)، اسکے تمام افعال میں ہزاروں حکمتیں ہیں، من جملہ انکے، رسولوں کا مبعوث فرمانا اور کتابوں کا نازل فرمانا بھی ہے۔

اے محبوب! کفار نے آپ سے جو آسمان سے کتاب نازل ہونے کا مطالبہ کیا تھا، یہ انکے سرکش ذہن کی پیداوار تھی اور جان بوجھ کر ایک طرح کی بہانہ بازی تھی۔ اپنے اس مطالبے کے پردے میں وہ کہنا چاہتے تھے، کہ ہم اسکی گواہی بالکل نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ہاں اس وقت آپ کو رسول مانیں گے اور آپکی رسالت کی شہادت دینگے، جبکہ ہمارے کہنے کے مطابق آسمان سے کتاب نازل ہو۔ تو اے محبوب! آپ پر نازل فرمودہ کتاب قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کی، یہ کفار شہادت نہیں دیتے۔۔۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ

لیکن اللہ گواہ ہے جو تم پر اتارا اس کو اپنے علم سے اتارا،

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾

اور فرشتے گواہ ہیں۔ اور اللہ کافی گواہ ہے●

(لیکن اللہ) تعالیٰ (گواہ ہے جو تم پر اتارا) یعنی قرآن مجید، جو آپکا معجزہ ہے اور آپکی نبوت پر دلالت کرتا ہے جبکہ لوگ آپ کی نبوت پر انکار اور آپکی تکذیب کرینگے، اسلئے کہ یہ قرآن فصاحت و بلاغت کی انتہا کو پہنچا ہوا ہے، کہ جسکی فصاحت و بلاغت پر اولین و آخرین حیران ہیں۔ اور اسکے معارضے

کی تو بات ہی کیا، اور نہ ہی اسکے مثل لانے کی کسی کو جرأت ہوئی، نہ ہوسکتی ہے اور نہ ہوگی۔
اس قرآن نے آنحضرت ﷺ کے دعویٰ رسالت پر آپکی نبوت ورسالت کی تصدیق کی۔
اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم کی شہادت کا معنی یہ ہے، کہ وہ قادر مطلق معجزات کے اظہار سے اپنے رسول پاک ﷺ کی نبوت کا اثبات فرماتا ہے، جیسے کہ اور دعاوی دلائل سے ثابت کیے جاتے ہیں۔
۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ نے (اسکو اپنے علم سے اتارا)، یعنی اسے اپنے علم خاص سے وابستہ و ملتبس کرکے نازل فرمایا ہے، کہ اسے صرف وہی جانتا ہے اور ایسے ایسے عجیب وغریب طریق سے مرتب کرکے نازل فرمایا ہے، کہ جسکے مقابلے سے ہر فصیح وبلیغ عاجز ہے۔
۔۔یا۔۔اسکا مطلب یوں ہے، کہ جن پر یہ قرآنِ کریم نازل فرمایا ہے، انھیں وہ خود جانتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ ان میں انوارِ قدسیہ کے اقتباس کی کتنی استعداد ہے۔ضمناً فرشتوں کی شہادت کا بھی ذکر آ گیا، اسلئے کہ فرشتوں کی شہادت اللہ تعالیٰ کی شہادت کے تابع ہے، تو جب اللہ تعالیٰ کی شہادت کی تصریح ہے، تو انکی شہادت کا ذکر بھی ضمناً آ گیا۔
(اور) ظاہر ہوگیا کہ (فرشتے) بھی حضور نبی کریم ﷺ کی نبوت کے (گواہ ہیں اور) حقیقت تو یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (کافی گواہ ہے)، اور اسی رب کریم کی شہادت ہی کافی ہے، کہ واقعی آپ اللہ تعالیٰ کے برحق نبی ہیں۔آپکی نبوت کی اس صداقت پر ایسے واضح معجزات اور کھلے دلائل قائم فرمائے، کہ آپکی نبوت کیلئے کسی دوسرے کی شہادت کی ضرورت ہی نہیں۔
گویا اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے میرے محبوب! اگر یہود آپ کی تکذیب کرتے ہیں، تو آپ انکی پرواہ نہ کیجئے، اسلئے کہ جب میں خود رب العالمین آپکی صداقت پر گواہی دیتا ہوں، اور عرش وکرسی اور ساتوں آسمانوں کے ملائکہ بھی آپ کی نبوت کے شاہد ہیں، تو پھر چند نکمے لفنگے یہودی آپکی تکذیب کرتے ہیں، تو کیا ہوا؟ انکی شہادت کی آپکو ضرورت ہی کیا ہے؟
اے محبوب! آپ اعلان فرمادیں کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾

بے شک جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا، تو وہ بہت دور بہک گئے۔●

(بیشک جنھوں نے کفر کیا) اور آپ پر نازل شدہ کتاب پر ایمان نہیں لائے باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اسکی گواہی دی ہے (اور) صرف یہی نہیں، بلکہ (اللہ) تعالیٰ (کے راستے سے روکا) ان اہل

اسلام کو، جو حضور علیہ السلام سے استفاضہ کرتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کو دین اسلام سے ہٹانے کی کوشش کرتے رہے اور بڑی ہی بے شرمی و بے باکی کا مظاہرہ کرتے رہے اور اپنے اس جھوٹ کی تشہیر کرتے رہے، کہ ہم تو اپنی کتابوں میں محمد ﷺ کے متعلق کچھ جانتے بھی نہیں، (تو وہ) راہِ حق سے روک کر اور کفر کر کے گمراہ ہوئے اور (بہت دور بہک گئے)، یعنی بہت سخت گمراہ ہو گئے، کیونکہ انھوں نے دوسروں کو گمراہ کیا، تو ہر گمراہ کن، گمراہی میں ایسا غرق ہوتا ہے، کہ اس سے نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ جان لو کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ

بے شک جنھوں نے کفر کیا اور ظلم کیا، اللہ ان کو نہ بخشے گا،

وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾

اور نہ راہ دے گا●

(بیشک جنھوں نے کفر کیا) جنکا ذکر ابھی گزرا ہے، (اور) جنھوں نے حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر کے، آپکے اوصافِ کریمہ کو چھپا کر، انکے بجائے اور غلط باتیں گھڑ کر، نبی کریم پر (ظلم کیا)۔۔ یا۔ لوگوں کو راہِ حق سے باز رکھ کر ان پر ظلم کیا۔۔یا۔۔ وہ لوگ جن میں دنیا و آخرت کی سعادت کے حصول کی صلاحیت تھی، لیکن انھوں نے ضائع کر دی اور اپنے اوپر زیادتی کی، تو ایسوں کیلئے ارادۂ خداوندی یہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (انکو نہ بخشے گا)۔ اسلئے کہ کافر کی بخشش محال ہے، (اور نہ) ہی (راہ دے گا)۔۔۔

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾

سوا راہ جہنم کے ہمیشہ ہمیش اس میں رہیں گے۔ اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے●

(سوا راہ جہنم کے) اسلئے کہ ان میں راہِ حق اور اعمال صالحہ کی استعداد بھی مفقود ہو چکی ہے۔ یعنی بہشت میں پہنچنے کے تمام راستے اب انکے لئے بند ہو چکے ہیں۔ صرف ایک جہنم ہی کا راستہ ہے، جو انکے لئے کھلا ہے۔

[redacted] ۔۔یا۔۔ اس سے قیامت کے دن کا معاملہ مراد ہے، کہ ملائکہ کرام انھیں جہنم کی طرف ہانک کر لے جائینگے۔

۔۔۔اور پھر وہ (ہمیشہ ہمیش اس میں رہیں گے)۔

لفظ خلود کبھی عرصہ دراز تک ٹھہرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اسلئے خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا فرما کر اس احتمال کو اٹھا دیا گیا ہے، تا کہ کوئی کافر یہ نہ سمجھ لے کہ اسے فقط چند روز جہنم میں ٹھہرایا جائیگا۔

(اور یہ) یعنی انکو دائمی طور پر جہنم میں ٹھہرانا (اللہ) تعالیٰ (کیلئے آسان ہے)، اسلئے کہ یہ محال ہے کہ وہ اپنے ارادوں کو پورا نہ کر سکے۔ اور وہ بھی بآسانی پورا نہ کر سکے۔۔۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دلائل کثیرہ کے ساتھ یہود کے قول باطل کا رد کیا، اور رسول عربی کی نبوت کے صادق اور برحق ہونے کو ظاہر کیا، اور اب اس آیت میں نبی کی نبوت کو ماننے کی عام دعوت دی جا رہی ہے۔ خواہ یہود ہوں یا غیر یہود ہوں، سب کو رسول عربی کی نبوت کو ماننے کی دعوت دی ہے۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا

اے لوگو! بے شک آگیا تم میں رسول تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر، تو مان جاؤ یہی

خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

تمہارے لیے بہتر ہے۔ اور اگر انکار کر دو گے تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اے لوگو! بیشک آگیا تم میں رسول، تمہارے رب کی طرف سے) یعنی یہ اللہ تعالیٰ ہی کے بھیجے ہوئے ہیں، اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے، (حق لیکر) یعنی قرآنِ کریم لیکر، جسکے اعجاز نے حضور [illegible] کیا۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ کی عبادت اور ماسوی اللہ سے اعراض کی دعوت لیکر، اسلئے کہ عقل سلیم بھی گواہی دیتی ہے کہ یہی بات حق ہے، (تو مان جاؤ) انکو اور جو احکام وہ ساتھ لائیں ہیں، ان پر ایمان لاؤ، کیونکہ (یہی تمہارے لئے بہتر ہے) دنیا و آخرت میں۔ (اور اگر انکار کر دو گے) اور کفر پر مداومت کرو گے اور اس پر اصرار کرتے رہو گے، تو [illegible] تم اپنے کفر سے اللہ تعالیٰ کو کوئی [illegible]

۔۔المختصر۔ حق تعالیٰ فائدہ حاصل کرنے۔۔یا۔۔نقصان سے بچنے کیلئے تمہارا محتاج نہیں، کیونکہ

وہی قادر مطلق اور مالک کل ہے، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) یعنی انکے اندر جتنے موجودات ہیں سب اسی کے ہیں، اور خود آسمان اور زمین بھی۔ اسلئے کہ جب انکے اندر والی اشیاء اسکی ملک ہیں، تو وہ خود بطریق اولیٰ اسکے ملک ہوئے۔ باقی رہیں وہ اشیاء جو ان سے خارج ہیں، وہ بھی اسی کی ملک ہیں۔ اسلئے کہ اگرچہ وہ ان سے خارج ہیں، لیکن انکا استقرار تو انھیں پر ہے، اسلئے صراحتاً ثابت ہوا کہ جمیع 'ذوی العقول' اور 'غیر ذوی العقول' سب اسی کی ملک ہیں۔

اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، کہ تمام اشیاء تخلیقاً، ملکاً اور تصرفاً اسی کی ملک ہیں۔ اسکی ملکیت اور تصرف سے کوئی شے باہر نہیں۔ جسکی یہ شان ہو، اسکے متعلق یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے، کہ وہ کافر کے کفر پر عذاب دینے پر قادر ہے۔ اور جسکا یہ مرتبہ ہے، اسے کسی کی ضرورت نہیں۔ اسکو نہ کسی کا کفر ضرر پہنچا سکتا ہے، اور نہ ہی کسی مومن کا ایمان نفع پہنچا سکتا ہے۔ اور جسکا یہ درجہ ہو کہ ساری خدائی اسی کی ہے، تو پھر سب اسی کی عبادت کریں اور اسی کے حکم کے آگے گردن جھکائیں۔

(اور اللہ) تعالیٰ بہت بڑے (علم والا) ہے، وہ سب کے حالات سے باخبر ہے۔ تمہارا کفر کرنا بھی اسکے علم میں ہے، اور وہ بہت بڑی (حکمت والا ہے)، اسکے اپنے جملہ امور میں سو سو حکمتیں ہیں۔ من جملہ انکے ایک یہ بھی ہے، کہ تمھیں تمہارے کفر پر عذاب دیتا ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کا رد کیا تھا، جو حضرت عیسیٰ کی شان میں کمی کرتے تھے۔ حضرت مریم پر بڑا بہتان باندھتے تھے اور کہتے تھے، کہ انھوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نزاہت اور وجاہت بیان فرمائی ۔۔ الحقر۔۔ ایک طرف یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کی شان میں [illegible] طرف عیسائیوں نے آپ کو حد سے بڑھا کر [illegible] تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کا رد کیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ

اے اہل کتاب حد سے نہ گھٹو بڑھو اپنے دین میں، اور مت بولو اللہ پر مگر ٹھیک۔

اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ

بات بس اتنی ہے کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں، جن کو مریم کی طرف بھیجا

وَرُوْحٌ مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ

اور اسکی طرف سے روح ہیں، تو مان جاؤ اللہ کو اور اسکے رسولوں کو، اور مت کہا کرو تین۔ باز آ جاؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔

اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

اللہ ہی بس ایک معبود ہے۔ پاک ہے کہ اس کے کوئی اولاد ہو۔۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں

وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ کافی کارساز ہے ●

(اے اہل کتاب! حد سے نہ گھٹو بڑھو اپنے دین میں) یعنی اے عیسائیوں، حضرت عیسیٰ کی شان بیان کرتے وقت، حد سے تجاوز نہ کرو اور انکے لئے 'الوہیت' کا دعویٰ مت کرو۔ (اور مت بولو اللہ) تعالیٰ (پر، مگر ٹھیک)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے وہ بات کہو جو حق ہو، یعنی اسکو ایسے صفات سے موصوف نہ کرو، کہ جن سے اسے موصوف کرنے سے محال لازم آتا ہو، جیسے حلول، اتحاد، بیوی، بیٹا، ثابت کرنا وغیرہ۔ بلکہ اسکی ان تمام امور سے تنزیہہ وتقدیس بیان کرو اور یاد رکھو کہ حضرت عیسیٰ کے تعلق سے سچی اور حق (بات بس اتنی ہے، کہ) وہ (مسیح عیسیٰ) یعنی مبارک (ابن مریم) ہیں، ابن اللہ نہیں ہیں۔ بلکہ (اللہ) تعالیٰ (کے رسول) ہیں، یعنی نہ خدا ہیں اور نہ اسکے بیٹے، اور یہی قول حق ہے (اور اسکے کلمہ ہیں)۔ یعنی وہ خوش خبری ہیں، جو حضرت مریم کو ہوئی تھی کہ تیرے لڑکا پیدا ہوگا بے کسی مرد کے ہاتھ لگائے ہوئے، اور نطفہ کے واسطے کے بغیر صرف امرِ 'کن' سے۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لفظ 'کن' کا تعلق انکی والدہ ماجدہ کے شکم شریف میں ہوا۔ انکے برعکس دوسری مخلوقات سے 'کن' کا تعلق وسائط سے ہوتا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ حضرت عیسیٰ، اللہ تعالیٰ کا کلمہ ہیں (جن کو) حضرت جبرائیل کی پھونک کے ذریعہ (مریم کی طرف بھیجا)، یعنی آپ تک پہنچایا (اور اسکی طرف سے روح ہیں)، یعنی صاحب روح ہیں۔ وہ روح جو حق تعالیٰ کی تخلیق وتکوین سے، باپ کے واسطے کے بغیر صادر ہوئی اور جنکی پھونک سے بے روح، روح والے ہو جاتے تھے، (تو) لوگو، سمجھ سے کام لو اور (مان جاؤ اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی صرف اسی کو 'اللہ' مانو (اور اسکے رسولوں کو) انھیں وصف رسالت کی حیثیت سے مانو۔ انھیں وصف رسالت سے نکالکر 'الوہیت' کے درجے میں نہ لے جاؤ۔ اور چونکہ حضرت عیسیٰ بھی تمام رسولوں میں سے ایک رسول ہیں، لہٰذا انھیں بھی صرف رسول ہی مانو، انھیں 'الٰہ' قرار نہ دو۔ (اور مت کہا کرو) کہ خدا (تین) ہیں۔

﴿۱﴾۔۔اللہ ﴿۲﴾۔۔عیسیٰ علیہ السلام ﴿۳﴾۔۔حضرت مریم

۔۔۔اور نہ ہی دوسرے نصاریٰ کے قول کے مطابق یہی کہو کہ اللہ تین چیزوں سے عبارت ہے۔

﴿ایک﴾۔۔اقنوم الاب: یعنی باپ کی ذات۔ ﴿دوسری﴾۔۔اقنوم الدین: یعنی علم۔

﴿تیسری﴾۔۔اقنوم الحیاۃ: یعنی روح القدس۔۔۔جنھیں وہ 'اقانیم ثلثہ' کہتے تھے۔

۔۔۔جان لو کہ دونوں خیالات باطل ہیں۔نہ خدا تین اور نہ ہی تین اقانیم، یعنی تین اصول یا تین ذاتوں کا مجموعہ ہے۔تو تین معبود ماننے اور عقیدۂ تثلیث سے (باز آجاؤ)، کیونکہ عقیدۂ تثلیث سے باز آنا (یہی تمہارے لئے بہتر ہے)۔

۔۔الغرض۔۔ بھلائی کی طرف آؤ۔ تین خدا ماننا چھوڑ کر، صرف ایک خدا کو مانو۔ اسلئے کہ درحقیقت (اللہ) تعالیٰ (ہی بس ایک معبود) برحق (ہے)۔وہ واحد بالذات اور 'تعدد' سے منزہ ہے۔ کوئی صورت اسکے لئے 'تعدد' نہیں۔ وہ 'الوہیت' اور 'الٰہیت' دونوں میں منفرد ہے، کوئی اسکا شریک نہیں۔(پاک ہے) اس سے (کہ اسکے کوئی اولاد ہو)، اسلئے کہ جسکی اولاد ہو، وہ فانی ہوتا ہے۔۔ثانیاً اولاد صرف اسلئے ہوتی ہے کہ وہ نسل ختم نہ ہو۔جیسے کہ ملائکہ کی اولاد نہیں اور اہل بہشت کی اولاد نہیں۔ اور ذات حق کو دائمی بقا ہے اور اولاد حادث اور فانی ہوتی ہے۔

غور کرو کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد کیسے ہو، جبکہ وہ ازلی وابدی ہے اور ہر طرح کی مثال سے منزہ اور تمام اشیاء سے مقدس ہے۔اور (اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے) یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ بھی ہے، اسکی ملکیت سے کوئی شے بھی خارج نہیں ہو سکتی۔انھیں اشیاء میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں، اور جب انکی یہ شان ہے کہ وہ خدا ہی کی مخلوق اور اسکے مملوک ہیں، تو پھر وہ خدا کے بیٹے کیسے ہو سکتے ہیں؟ کتنی جہالت کی بات ہے [illegible] اور اسکا مملوک بھی قرار دو اور بیٹا بھی کہو۔

غور کرو کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ خالق ومخلوق میں کسی قسم کی جنسیت کا تصور نہیں کیا جاسکتا بلکہ حقیقی مالک اور اسکے مملوک بھی جنسیت سے پاک ہیں۔پھر بھی اپنی جہالت سے نصاریٰ، اللہ تعالیٰ کیلئے ولد اور زوجہ ثابت کرتے ہیں (اور) یہ بھی نہیں سوچتے کہ (اللہ) تعالیٰ (کافی کارساز ہے) تمام مخلوق اپنے جملہ امور اسی کے سپرد کرتی ہے۔ اور وہ تمام عالم سے مستغنی ہے، پھر اسکے لئے اولاد کا تصور کس طرح ہو سکتا ہے، جبکہ اولاد کا ہونا عجز اور محتاجی پر دلالت کرتا ہے، اسلئے کہ اولاد کیلئے

تصور ہوتا ہے کہ اپنے آباء کے قائم مقام ہوکر انکے جملہ امور کو خوش اسلوبی سے سرانجام دینگے۔۔یا۔۔ کم از کم، انکی معاونت کرینگے۔۔الغرض۔۔بیٹا باپ کی مہمات کو کفایت کرنے کے واسطے چاہئے اور حق تعالیٰ تو خود بندوں کو مہمات کی کفایت کرنے کیلئے کافی ہے، جو بندوں کی حفاظت فرمانے والا ہے اور انکا کام بنانے والا ہے، تو اسے اولاد کی کیا ضرورت؟

۔۔الختصر۔۔حق تعالیٰ صاحب اولاد ہونے سے مستغنی ہے، اور یونہی وہ مستغنی ہے، یار اور مددگار سے۔اے محبوب! نجران کے نصاریٰ کا آپ پر یہ الزام، کہ آپ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بندہ کہہ کر ان پر عیب لگاتے ہو اور انکی شان گھٹاتے ہو، اسلئے کہ بندگی عیب ہے۔یہ انکی سراسر جہالت ہے، اسلئے کہ خدا کی بندگی عیب اور باعث عار نہیں۔کسی عقل سلیم والے نے اسے عیب نہیں شمار کیا۔۔چنانچہ۔۔آپ نے انکو جو جواب عطا کیا، کہ خدا کی بندگی عیب نہیں، بلکہ باعث فخر ہے، بالکل حق ہے۔۔۔عام سمجھ والوں کو تو ایک طرف رکھئے۔۔۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ

ہرگز برا نہ مانیں گے مسیح اس کو کہ بندہ ہیں اللہ کے اور نہ برگزیدہ فرشتے۔

وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾

اور جو برا مانیں اس کے بندہ ہونے سے اور غرور کریں، تو بہت جلد وہ ہانک کر لائے گا اُن سب کو اپنی طرف ●

(ہرگز برا نہ مانیں گے) اور اپنی کسر شان نہ سمجھیں گے، خود حضرت (مسیح) اپنے تعلق سے (اس) اعتراف کرنے (کو، کہ) وہ (بندہ ہیں اللہ) تعالیٰ (کے، اور نہ) ہی حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل، حضرت اسرافیل اور انکے ہم مرتبہ عرش کے قریب رہنے والے (برگزیدہ فرشتے) بھی اسے عار سمجھتے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، حالانکہ وہ عظیم علم اور قدرت کے حامل ہوتے ہیں۔انکو انبیاء کرام سے مفضول صرف اسلئے کہا جاتا ہے، کہ انکا اجر وثواب انبیاء کرام کے اجر وثواب سے کم ہوتا ہے۔اور فضیلت کا معیار اجر وثواب کی زیادتی ہی ہے۔تو جو زیادہ اجر وثواب والا ہوگا، وہی زیادہ فضیلت والا سمجھا جائیگا۔

اس مقام پر فرشتوں کے ذکر سے یہ بھی واضح کرنا مقصود ہے، کہ فرشتے جو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے، تو جب وہ اللہ کی عبادت میں عار نہیں سمجھتے، تو مسیح علیہ السلام جو

صرف باپ کے بغیر پیدا ہوئے، وہ عبادت کرنے کو کیسے باعث عار قرار دینگے؟ لہٰذا ملائکہ پرست لوگوں کا ان فرشتوں کو خدا کا فرزند قرار دینا، اسی طرح باطل ہے جس طرح نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہنا باطل ہے۔

خدا کی بندگی کو اپنے لئے کسرِ شان سمجھنے والے سن لیں (اور) یاد رکھیں! کہ (جو برا مانیں، اسکے بندہ ہونے سے) اور اس میں اپنی کسرِ شان سمجھیں (اور غرور کریں) اور سرکشی کا مظاہرہ کریں، (تو بہت جلد وہ ہانک کر لائیگا ان سب) ننگ وعار رکھنے والے مغروروں (کو اپنی طرف)، تاکہ جزا اور مکافات انھیں پہنچائے۔ چونکہ یہی مغرورین اور استنکاف والے، یعنی سرے ہی سے عبادت الٰہی کے استحقاق کا انکار کرنے والے، اور استکبار والے، یعنی استحقاق مان کر انکار کرنے والے، یہی سب وہ لوگ ہیں جو عذاب آخرت اور غضب خداوندی کی شدید گرفت میں ہونگے۔

اسلئے حشر میں انکو جمع کرنے کا خصوصی طور پر ذکر کر دیا گیا۔ ویسے حشر کے میدان میں سبھی کو اکٹھا ہونا ہے خواہ وہ 'مستنکف' ہو یا 'مستکبر'۔۔ 'مقر' ہو یا 'مطیع'، پھر سب کو سزا ۔۔یا۔۔ جزا دی جائیگی۔۔۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ

توجو ایمان لاچکے اور نیک کام کر لیے، تو پورا پورا دے گا انھیں ان کا اجر، اور زیادہ بھی دے گا

مِّن فَضْلِهِ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

اپنے فضل سے۔ اور لیکن جنھوں نے برا مانا اور غرور کیا، تو ان کو عذاب دے گا دکھ دینے والا عذاب۔

وَلَا يَجِدُونَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿١٧٣﴾

اور نہ پائیں گے اپنے کام کا جنھیں بنا رکھا ہے اللہ کو چھوڑ کر یا ورومددگار۔

(توجو ایمان لاچکے اور نیک کام کر لئے، تو) رب کریم (پورا پورا دیگا انھیں انکا اجر)، جس اجر کو عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ یعنی انکے اعمال کی انھیں پوری پوری جزا ملے گی، اس میں کسی قسم کی کمی نہ کی جائیگی۔ بلکہ (اور زیادہ بھی دیگا اپنے فضل سے)، جسکی کوئی حد متعین نہیں۔ (اور لیکن جنھوں نے برا مانا) اور اللہ کی عبادت کو ننگ وعار سمجھا، (اور غرور کیا)، سرکشی پر اتر آئے، (تو) انکے استنکاف و استکبار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ (انکو عذاب دیگا دکھ دینے والا) دردناک (عذاب)، جو کسی کے تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ (اور) یہ لوگ (نہ پائینگے اپنے کام کا جنھیں بنا رکھا ہے اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر

(یا ور و مدد گار) جو انکے معاملات کو سلجھائے اور نہ ہی کوئی حمایتی جو انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب اور خوف سے بچا کر انکی مدد کر سکے۔

اس سے پہلی آیات میں آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کے 'منزّل من اللہ' ہونے کے متعلق، کفار، منافقین اور یہود و نصاریٰ کے تمام شبہات کا ازالہ کیا، اور اب اس آیت میں اس وقت کے تمام فرقوں کو عمومی طور پر آپ کی دعوت قبول کرنے کا حکم دیا۔۔

چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا۔۔۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

اے انسان! بیشک آگئی تمہارے پاس دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے،

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ﴿۱۷۴﴾

اور اتار دیا ہم نے تمہاری طرف روشن نور●

(اے انسان! بیشک آگئی تمہارے پاس) توحید الٰہی اور رسالت محمدی کی حقانیت منوانے کیلئے ذات محمدی کی صورت میں قوی (دلیل)، اور وہ بھی (تمہارے پروردگار کی طرف سے)۔

اللہ تعالیٰ نے آپکے وجود مسعود اور آپکی ذات گرامی کو بجائے خود آپکی نبوت اور آپکی رسالت پر دلیل قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے نبیوں اور رسولوں نے اپنی نبوت اور رسالت پر خارجی معجزات پیش کئے اور حضور آیہ رحمت ﷺ نے اپنی نبوت اور رسالت پر اپنی زندگی پیش کی۔۔چنانچہ۔فرمایا کہ:

"میں تمہارے اندر نزول قرآن سے پہلے اپنی عمر کا ایک حصہ گزار چکا ہوں، تو کیا تم نہیں سمجھتے"۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت ابو بکر صدیق، حضرت علی مرتضیٰ، اور حضرت زید بن حارثہ، یہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں اور یہ سب بغیر کسی معجزہ کے ایمان لائے تھے، انکے لئے یہی دلیل کافی تھی، کہ انھوں نے آپکی زندگی کو دیکھا تھا، اور آپکی زندگی ہی [redacted]

(اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ذات محمدی کے علاوہ، اسی ذات ستودہ صفات کے توسط سے قرآن مجید کی شکل میں (اتار دیا ہم نے تمہاری طرف روشن نور) جو خود بھی ظاہر ہے اور دوسری چیزوں کو بھی ظاہر کرنے والا ہے۔

قرآن مجید اپنی فصاحت وبلاغت میں حد اعجاز کی وجہ سے خود ظاہر ہے، اور احکام شرعیہ، ماضی اور مستقبل کی خبروں، عقائد صحیحہ اور اسرار کونیہ کو بیان کرنے والا اور ظاہر کرنے والا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا والوں پر سیدنا محمد ﷺ کا رسول ہونا اور قرآن مجید کا کتاب الٰہی ہونا ثابت کر دیا، تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو آپ کی شریعت پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔۔ چنانچہ۔۔ فرمایا۔۔۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ

تو جنھوں نے مان لیا اللہ کو اور تھام لیا اس کو، تو بہت جلد داخل فرمائے گا انھیں اپنی رحمت

وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۱۷۵

وفضل میں، اور ہدایت فرمائے گا سیدھی راہ کی●

(تو جنھوں نے مان لیا اللہ) تعالیٰ (کو) اسکے موافق جس طرح انکے پاس آئے ہوئے برہان کا تقاضہ ہے، (اور) مضبوطی سے (تھام لیا اس) کتاب (کو)، یا نفس امارہ کی اتباع اور شیطان کے حملوں سے بچنے کیلئے، اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرلی، (تو بہت جلد داخل فرمائیگا) اللہ تعالیٰ (انھیں اپنی رحمت) میں، یعنی انکے ایمان وعمل صالحہ کے مطابق ثواب عنایت فرمائیگا، جیسا کہ اسکے حقوق واجبہ کا تقاضہ ہے اور اپنے کرم (وفضل میں)۔

یعنی اجر وثواب کے علاوہ ایک ایسا [illegible] احسان [illegible] ہی کسی بشر کے تصور میں آسکتا ہے۔

(اور ہدایت فرمائیگا) اسلام کی (سیدھی راہ کی)، یعنی دنیا میں طاعت اور آخرت میں راہ جنت کی۔

اس سورۃ کے شروع میں بھی اللہ تعالیٰ نے اموال اور میراث کے احکام بیان کئے تھے اور اسکے آخر میں بھی میراث کے احکام بیان کئے ہیں، تاکہ سورۃ کے اول وآخر میں مناسبت ہو اور اس سورۃ کے وسط میں یہود ونصاریٰ اور منافقین کا رد فرمایا ہے اور انکے شبہات کو زائل فرمایا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری فرماتے ہیں کہ میں بیمار ہوا، حضرت سید عالم ﷺ میری عیادت کے واسطے تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ، میرے پاس مال ہے اور میں کلالہ ہوں، یعنی نہ میرے والدین ہیں، اور نہ ہی کوئی اولاد۔ ہاں، بہنیں ہیں، تو میں اپنا مال بہنوں کو کس طرح تقسیم کروں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۗ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۚ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ

تم سے دریافت کرتے ہیں، کہدو کہ اللہ بتائے دیتا ہے یتیم وبیسر لاولد کے بارے میں، کہ اگر کوئی مرگیا

وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۚ

لاولد اور اس کی ایک بہن ہے، تو بہن کا نصف حصہ ترکہ میں ہے۔ اور وہ وارث ہوگا بہن کا اگر بہن بھی لاولد ہو۔

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۗ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا

پھر اگر بہن دو ہوں، تو دونوں کا حق دو تہائی ہے ترکہ سے۔ اور اگر کئی بھائی بہن مرد

وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۗ

وعورت سب ہوں، تو مرد کیلئے دو عورت کے حصے کے برابر ہے۔ صاف صاف بتادے دیتا ہے اللہ تمہیں کہ کہیں گمراہ ہو جاؤ۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اور اللہ ہر علم کا جاننے والا ہے●

(تم سے دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (بتائے دیتا ہے یتیم وبیسر لاولد کے بارے میں کہ اگر کوئی مرگیا لاولد) یعنی نہ ہو اسکے واسطے کوئی فرزند یعنی بیٹا، اس واسطے کہ اگر بیٹی ہوگی، تو بہن کو درجہ وراثت سے ساقط نہیں کرتی، (اور اسکی ایک بہن ہے، تو بہن کا نصف حصہ ترکے میں ہے، اور وہ وارث ہوگا بہن کا، اگر بہن بھی لاولد ہو۔ پھر اگر بہن دو ہوں، تو دونوں کا حق دو تہائی ہے ترکے سے۔ اور اگر کئی بھائی بہن مرد وعورت سب ہوں، تو مرد کیلئے دو عورت کے حصے کے برابر ہے) کس قدر فضل وکرم کی بات ہے کہ (صاف صاف بتادے دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہیں کہ کہیں) لاعلمی کی وجہ سے (گمراہ نہ (ہو جاؤ)۔۔یا یہ کہ۔۔ اللہ تعالیٰ بیان فرمادیتا ہے جو بات راست اور درست ہے تا کہ اس امر کو مکروہ جان کر کہیں تم گمراہ نہ ہو جاؤ، (اور) جان رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (ہر علم کا جاننے والا ہے)۔ زندگی اور موت میں بندوں کی جو مصلحتیں ہیں، ان سب سے وہ باخبر ہے۔

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ سے واضح ہوگیا کہ جو شخص 'کلالہ' ہونے کی حالت میں فوت ہوا، اسکے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت سے چار احوال ہیں:

﴿۱﴾۔۔ایک شخص فوت ہوا اور اسکی صرف ایک بہن ہو، تو اسکو اسکے ترکہ میں سے نصف ملے گا۔ پھر اگر اسکے 'عصبات' ہیں، تو باقی ترکہ انکو ملے گا، ورنہ وہ باقی نصف بھی اسی بہن کو مل جائیگا۔

﴿۲﴾۔۔ایک عورت فوت ہوجائے اور اسکا صرف ایک بھائی وارث ہو،تو اس عورت کا تمام مال اس بھائی کو مل جائیگا۔اسی طرح اگر ایک شخص فوت ہوجائے اور اسکا صرف ایک بھائی وارث ہو،تو وہ بھی اسکے تمام ترکہ کا وارث ہوگا۔

﴿۳﴾۔۔کوئی مرد۔۔یا۔۔عورت فوت ہو اور اسکے صرف دو۔۔یا۔۔دو سے زیادہ حقیقی یا علاتی بہنیں ہوں،تو ان بہنوں کو دو تہائی ملے گا۔

﴿۴﴾۔۔کوئی مرد یا عورت فوت ہو اور اسکے وارث صرف بھائی بہن ہوں،تو ان بہن بھائیوں میں اسکا ترکہ تقسیم کردیا جائیگا۔۔بایں طور۔۔کہ مرد کو دو حصہ اور عورت کو ایک حصہ دیا جائیگا۔

آخر میں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ترکہ کی تقسیم کیلئے نہ کسی ملک مقرب کو پسند فرمایا اور نہ ہی کسی نبی مرسل کو، یہاں تک کہ اسے اپنے لئے مخصوص فرمایا،اور ہر صاحب حق کا حق خود بتایا۔یاد رکھو کہ وارث کیلئے وصیت نہیں ہو سکتی۔اس میں حکمت یہ ہے کہ دنیا تمام لوگوں کیلئے جاذب نظر ہے اور مال انسان کی محبوب ترین شے ہے اور لوگوں کے دلوں میں اسکی محبت گھر کئے ہوئے ہے،لہٰذا لوگ اسکے لئے فطرتاً مائل رہتے ہیں۔

اگر اسکے متعلق اللہ تعالیٰ خود واضح طور پر نہ بتاتا، بلکہ اسکو اپنے محبوب کی طرف منسوب فرماتا،تو شیطان لوگوں کے دلوں میں حضور نبی کریم کے متعلق غلط خیال اور گندے وسوسے ڈالتا،جس سے وہ حضور ﷺ کی گستاخی و بے ادبی سے کافر ہوجاتے۔اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں کہ نبی کریم کی گستاخی کا ارتکاب کرکے ایمان والے کافر ہوجائیں۔

۔۔المختصر۔۔شیطان کا کام یہی ہے کہ انسان کے دل میں مال کے لطائف ونفائس کے وسوسے ڈالتا ہے۔پھر ترکہ کی تقسیم اگر حضور ﷺ کے سپرد ہوتی،تو شیطان کو رہتی دنیا تک امت کو حضور ﷺ پر بدگمان کرنے کا موقع مل جاتا،پھر آسانی سے اسکا ازالہ نہ ہوتا۔اس طرح امت زندگی میں،اور پھر بعد وفات اپنے نبی ﷺ کے قرب سے محروم ہوجاتی۔

[redacted] ساتھ یہ بھی بتادیا گیا کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے، کہ وہ ان سے عقل اور دین میں کم ہوتی ہیں۔اور پھر

اہل ایمان کو واضح طور پر مسائل بتادیئے گئے، تاکہ وہ اپنے نبی پاک ﷺ پر بدگمانی کر کے گمراہ نہ ہو جائیں۔

بعونہ تعالیٰ آج ۸ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔۴ فروری ۲۰۰۹ء بروز چارشنبہ سورہ نساء کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔
اور جو تفسیر ہو چکی، اس میں اگر بھول چوک اور لغزش ہوگئی ہو، تو اسے معاف فرمائے۔
اور آگے کے کام میں لغزشوں سے بچائے۔آمین یا مجیب السائلین بحرمت سید المرسلین ﷺ۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ ۹ صفر المظفر ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔ ۵ فروری ۲۰۰۹ء
بروز پنج شنبہ، سورہ المائدہ کی تفسیر شروع کر دی ہے،
رب کریم اسکی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔امین۔

یہ وہ مبارک سورۃ ہے جس میں دو مقام پر 'المائدۃ' یعنی خوان نعمت طعام کا ذکر کیا گیا ہے۔ایک آیت ۱۱۲ میں، اور دوسرا آیت ۱۱۴ میں۔قراء کوفیین کے نزدیک اس میں ایک سو بیس ۱۲۰ آیتیں ہیں۔ ہمارے پاس قرآنِ مجید کے جو نسخے ہیں، اس میں بھی یہی ہے۔ حجازیین کے نزدیک ایک سو بائیس ۱۲۲ اور بصریین کے نزدیک ایک سو تیئیس ۱۲۳ آیتیں ہیں۔ یہ اختلاف ہر ایک کے اپنے اپنے شمار کی وجہ سے ہے، ورنہ سب کے نزدیک سورۃ المائدۃ کی وہی آیتیں ہیں جو اس میں درج ہیں۔

اب رہ گئی یہ بات کہ کتنی آیتیں درج ہیں، تو بعض کے نزدیک یہ ایک سو بیس ۱۲۰ ہیں اور بعض کے نزدیک ایک سو بائیس ۱۲۲ ہیں، اور بعض کے نزدیک ایک سو تیئیس ۱۲۳ ہیں۔اور اس میں اتفاق ہے کہ سولہ ۱۶ رکوع ہیں۔سورہ المائدۃ مدنی ہے۔ہجرت کے بعد نازل ہوئی، اگرچہ اسکی بعض آیتیں حدیبیہ سے لوٹتے وقت مکہ میں نازل ہوئیں ۔۔۔الحتصر۔۔۔ حدیبیہ کی واپسی کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات تک، یعنی ۷ ہجری سے لیکر ۱۰ ہجری تک سورۃ المائدۃ کے نزول کا زمانہ ہے۔

اس سے پہلے مصحف میں مذکورہ سورۂ نساء کی طرح اس میں بھی اہل کتاب یہود و نصاریٰ، منافقین اور مشرکین کے اعتراضوں کے جوابات بیان کئے گئے ہیں اور انکے باطل عقائد اور نظریات کا رد کیا گیا ہے اور رسول عربی کی نبوت و رسالت کو ثابت کیا گیا ہے۔۔یونہی۔۔ان دونوں سورتوں میں عقود اور عہود کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔سورۂ نساء میں تحریم خمر، یعنی انگوری شراب کی حرمت کی تمہید بیان کی تھی اور سورۂ المائدۃ میں قطعی طور پر خمر کو حرام قرار دیا ہے۔

جس طرح سورۂ البقرہ اور سورۂ آل عمران، دونوں سورتوں میں توحید اور رسالت پر زیادہ زور دیا گیا ہے، اسی طرح سورۂ نساء اور سورۂ المائدۃ میں، مسائل فرعیہ اور احکامِ شرعیہ پر زور دیا گیا ہے۔وضو اور تیمم کے احکام ان دونوں سورتوں میں مشترک ہیں۔سورۂ نساء میں پاک دامن مسلمان عورتوں سے نکاح کے احکام بیان فرمائے ہیں اور سورۂ المائدۃ میں پاک دامن اہل کتاب عورتوں سے نکاح کے احکام بیان کئے ہیں۔اور عدل وانصاف کرنے اور تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم ان دونوں سورتوں میں ہے۔سورۂ المائدۃ کھانے پینے، شکار، احرام، چوروں اور ڈاکوؤں کی حد اور کفارہ، قسم کے احکام میں منفرد ہے۔جیسے سورۂ نساء خواتین کے حقوق، وراثت اور قصاص کے احکام میں منفرد ہے۔

سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ ۵ ۱۱۲ | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | آیاتہا ۱۲۰ رکوعاتہا ۱۶

سورۂ مائدہ مدنیہ — نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا — آیات ۱۲۰ اور کوع ۱۶

ایسی عظیم المرتبت سورۂ شریفہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے)، جو بہت (بڑا مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کو (بخشنے والا) ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ الْاَنْعَامِ

اے وہ جو ایمان لاچکے! اپنے عہد پورے کرو۔حلال کردئے گئے تمہارے لیے چوپائے، مگر جو تم کو آئندہ

اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ

بتایا جائے گا حلال نہ جانتے ہوئے خشکی کے شکار کو، جب کہ تم احرام میں ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ①

بے شک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے ●

(اے وہ جو ایمان لا چکے! اپنے عہد پورے کرو) ظاہر ہے کہ ایمان لا کر اور اسلام کو قبول کر کے تم نے اللہ تعالیٰ سے عہد کرلیا ہے، کہ تم اسکی طرف سے نازل فرمودہ جملہ احکامِ شرعیہ اور تکالیف دینیہ پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتے رہو گے، تو تم نے ایمان باللہ کے توسط سے خدا سے جو عہد کرلیا ہے، اسپر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور اس عہد کو پورا کرتے رہو، اور کسی حال میں بھی عہد شکنی نہ ہونے پائے۔۔ یونہی۔۔اگر تم میں سے کسی نے دوسرے بندوں سے آپس میں کوئی معاہدہ کیا ہو، تو اسکو بھی وفا کرو اور بے وفائی اور بدعہدی سے اپنے کو بچاؤ۔ وہ معاہدہ معاملات سے متعلق ہو۔۔یا۔۔امانات سے۔

۔۔الختصر۔۔عقود شرعیہ جیسے عقد شرکت، عقد نکاح اور عقد بیع وغیرہ ہوں۔۔یا۔۔آپس کے باہمی معاہدے جو تم پر پورے کرنے ضروری ہوں۔۔یا۔۔کم از کم مستحسن ہوں، انھیں پورا کرو۔ اے ایمان والو! جب تم تکالیف شرعیہ واحکامِ اسلامیہ جو تم پر واجب ہیں، انکی ادائیگی کا حکم سن چکے اور انکی تفصیل سے پورے طور پر آگاہ کئے جا چکے، تو اب مطعومات کی حلت وحرمت کے احکام کو بھی سن لو اور یاد رکھو کہ (حلال کردیئے گئے تمہارے لئے چوپائے) یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، ان چاروں کے نر و مادہ۔

اس اعتبار سے حلال چوپاؤں کی آٹھ قسمیں ہوئیں، جن کو 'ازواج ثمانیہ' بھی کہا جاتا ہے۔ ہرنی اور وحشی گائے وغیرہ 'انعام' کے لفظ سے ملحق ہیں۔

(مگر جو تم کو آئندہ بتایا جائیگا) آیت کریمہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ۔۔الآیہ میں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے المائدہ کی تیسری آیت میں جن چوپایوں کا استثناء فرمایا ہے، انکے علاوہ باقی تمام جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد ان کو کھانا اور ان سے بار برداری وغیرہ کے دیگر منافع حاصل کرنا جائز ہے۔

۔۔الختصر۔۔سب چارپائے تم پر حلال ہیں، لیکن (حلال نہ جانتے ہوئے خشکی کے شکار کو جبکہ تم احرام میں ہو)۔

یعنی حالتِ احرام میں شکار کو حلال نہ کھنا اور نہ ہی اسے حلال سمجھ کر کھانا۔۔الغرض۔۔ حالت احرام میں جنگل کے شکار کو حرام جانو، عملاً بھی اور اعتقاداً بھی بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ کی حلت بیان کر کے پھر اسے حالت احرام میں حرام قرار دینا، اس حکمت کی وضاحت کیلئے ہے کہ یہ اشیاء ہم نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔۔کیونکہ۔۔تمہیں انکی ضرورت بھی ہے اسلئے کہ بحالت احرام شکار کی حرمت دلالت ہے، کہ انھیں شکار کیلئے روکا گیا، تو باقی اشیاء کی ممانعت خود بخود واضح ہوگئی۔

گویا اب یہاں فرمایا گیا کہ تمہارے لئے مطلقاً تمام چوپائے حلال ہیں، لیکن بعض اوقات تمہیں اپنی حلال کردہ اشیاء سے بھی روکا جارہا ہے، جبکہ تم اس وقت سخت ضرورت رکھتے ہو کہ وہ تمام اشیاء حلال ہوں۔

یہ اسلئے کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے)۔ یعنی جس طرح اسکی حکمت کا تقاضہ ہوتا ہے، ویسے ہی حلت و حرمت کا حکم دیتا ہے اور ان دونوں سے ایفاء عہد کا تقاضہ ہے، کہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھیں اور اسی پر عمل کریں اور عقیدہ بھی اسی طرح رکھیں۔

یہاں یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ جب اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا حقیقی مالک ہے، تو اسے اختیار ہے کہ وہ جیسے چاہے اپنے ملک میں تصرف کرے۔۔چنانچہ۔۔وہ جو چاہتا ہے، حکم دیتا ہے۔ تو اسی کے حکم سے اور اسی کی اجازت سے جانوروں کو ذبح کرنا ان پر ظلم نہیں [illegible] کی ملکیت میں تصرف کرنا ظلم ہے، نہ کہ خود اپنے ملک میں تصرف کرنا [illegible] رہے ہیں، اسے انکی کوتاہ فکری قرار دیا جائیگا۔۔تو۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ

اے وہ جو ایمان لاچکے! نہ بے حرمتی کرو شعائر اللہ کی، اور نہ محترم مہینوں کی،

وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا

اور نہ قربانی کی اور نہ قلادہ والے قربانی کے جانوروں کی، اور نہ عازمین بیت اللہ کی، جو چاہتے ہیں

مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اپنے پروردگار کا فضل و خوشی۔ اور جب احرام کھول دیا تو شکار کھیلنا ہو تو کھیلو۔ اور نہ ابھارے تم کو

شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۘ

کسی قوم کی عداوت کہ روک دیا تھا تم کو مسجد حرام سے اس پر، کہ تم زیادتی کرو۔۔۔

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ

باہم مدد کرتے رہو نیکی اور تقویٰ پر۔ اور نہ مدد کرو گناہ اور زیادتی پر۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

اور اللہ کو ڈرو بے شک اللہ عذاب کرنے میں سخت ہے۔

(اے وہ جو ایمان لاچکے!) اپنے نفسانی جذبات کا دباؤ قبول کر کے کوئی فیصلہ نہ کر بیٹھو اور ہر

حال میں حکم الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھو اور **(نہ بے حرمتی کرو شعائر اللہ کی)**، یعنی اے مسلمانو! شعائر اللہ کی ہتک نہ کرو اور نہ ان لوگوں کے اعمال میں رخنہ ڈالو، جو بیت اللہ شریف کا حج کرتے ہیں اور مواقف حج کی تعظیم بجالاتے ہیں۔ اب اگر مشرکین بھی ان پر حج و قربانی کی پابندی لگنے سے پہلے حج کیلئے حاضر ہوں، اور اپنے رسم و رواج کے مطابق قربانیوں کو قلادے ڈال لیں، تو تم ان پر ہلہ بول کر انکی قربانیاں مت چھین لو، اسلئے کہ گو انکی قربانی اسلامی قربانی نہیں، لیکن اسکی نقل ہے، اور اس سے وہ لوگ بھی اپنا مقصود وہی ظاہر کرتے ہیں جو مسلمانوں کی قربانیوں کا مطلوب ہے۔

تو اے ایمان والو! ان کی قربانیوں کو چھین لینا اور انکے حج میں رخنہ ڈالنا، تمہاری شان کے لائق نہیں۔ **(اور)**۔۔ یونہی۔۔ **(نہ)** بے حرمتی کرو **(محترم مہینوں کی)** یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب، ان چار مہینوں میں قتل و غارت گاری نہ کرو، **(اور نہ قربانی کی)** یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر مکہ معظمہ میں بھیجی جائے۔ انکو انکے محل وقوع تک پہنچنے سے منع نہ کرو، **(اور نہ قلادہ والے قربانی کے جانوروں کی)** قربانیوں کے پیچھے پڑو۔

یہ خاص قربانی ہوتی ہے اور 'الھدی' سے اشرف و اعلیٰ سمجھی جاتی ہے۔ اب معنی یہ ہوا کے خصوصاً 'ذوات القلائد' سے بچ کر رہو۔ قلادۃ سے مراد ہر وہ شے، جو اونٹ وغیرہ کے گلے میں ڈالی جائے۔۔ مثلاً: جوتے کے ٹکڑے، کھجور کے درخت کی چھال، تا کہ معلوم ہو کہ یہ حج کی قربانی ہے، تا کہ کوئی اس جانور سے تعرض نہ کرے۔

(اور نہ عازمین بیت اللہ کی) بے عزتی کرو اور نہ ہی ان لوگوں کو چھیڑو، جو بیت اللہ شریف کی زیارت کیلئے حاضر ہوتے ہیں، کہ تم انھیں کوئی حیلہ بہانہ کر کے بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دو۔ ان زیارت کرنے والوں کو **(جو چاہتے ہیں اپنے پروردگار کا فضل)**، یعنی مومن ہونے کی صورت میں خدا سے ثواب کی زیادتی کے طالب ہیں، اور تجارت کے سبب، روزی کے بھی طلبگار ہیں ۔۔اور۔۔ اگر وہ کافر ہیں، تو وہ صرف روزی ہی چاہتے ہیں۔۔ نیز۔۔ انکے اپنے گمان میں حج کرنے سے رب تعالیٰ کی رضا **(وخوشی)** مدنظر ہوتی ہے۔

حالانکہ انکا یہ گمان فاسد ہے، اسلئے کہ اسلام کے دامن کے بغیر رضائے الٰہی کا حصول نا ممکن ہے، اگرچہ اپنے گمان میں کوئی لاکھ دعویٰ کرے کہ مجھے رضائے الٰہی مطلوب ہے۔ مگر چونکہ وہ بظاہر طالب رضائے الٰہی ہیں، تو کسی نہ کسی حد تک انکا بھی پاس و لحاظ کرو اور انکے

ساتھ ایسی چھیڑ چھاڑ نہ کرو، جو انھیں زیارت بیت اللہ شریف سے محروم کردے۔
آیت سابقہ میں شکار کرنے کی حرمت اس وقت تک کیلئے تھی، جبکہ تم حالت احرام میں رہو (اور جب) تم نے (احرام کھول دیا، تو) اب یہ پابندی ختم ہوگئی۔۔لہٰذا۔تم اب اگر (شکار کھیلنا) چا(ہو، تو کھیلو اور) ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو کہ (نہ ابھارے تم کو) کفار قریش۔۔یا۔۔ان جیسی خصلت رکھنے والی (کسی قوم کی عداوت) اور ان سے سخت دشمنی، (کہ روک دیا تھا تم کو مسجد حرام سے) سال حدیبیہ میں، یعنی کعبہ شریف کی زیارت اور عمرہ کے طواف سے۔
۔۔الحاصل۔۔انکی سابقہ اس زیادتی اور حرکت کا خیال تم کو (اس) بات (پر) برانگیختہ و آمادہ نہ کرے (کہ تم) بھی بدلے کے طور پر ان کے ساتھ (زیادتی کرو)، اور انکو بیت اللہ کی زیارت سے روک کر اپنے دل کی بھڑاس نکالو اور انکے مال لے لینے کا ارادہ کرلو۔۔المختصر۔۔جب تک وہ حالت احرام میں رہیں، ان کے ساتھ زیادتی نہ کی جائی۔مسلمانو! تمہارے ایمان کا تقاضہ ہے کہ تم ہمیشہ اعلیٰ کرداری کا مظاہرہ کرتے رہو، اور (باہم) ایک دوسرے کی (مدد کرتے رہو نیکی اور تقویٰ پر) یعنی درگزر اور چشم پوشی، اور ایک دوسرے کے معاملات سے مددگاری اور خواہشات نفسانی سے دوری، احکام شرعیہ کی اتباع، اور سنت رسول کی پیروی۔۔المختصر۔۔ہر نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں ایک دوسرے کی مدد کرتے رہو (اور نہ مدد کرو گناہ) یعنی ترک فرمانِ الٰہی۔۔یا۔۔حب دنیا۔۔یا۔۔کفر (اور زیادتی) ظلم و تعدی اور اتباع بدعت (پر)۔
۔۔الحاصل۔۔گناہوں اور حد سے تجاوز کرنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔۔یونہی۔۔ظلم کی بھڑاس نکالنے، بدلہ لینے کی غرض سے، گناہ اور ظلم کرنے میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو [illegible] جب کوئی کسی کو دوسرے پر تجاوز کرتا دیکھے [illegible] الامکان لازم ہے۔

فطرت کا تقاضہ ہے کہ پہلے شے کو خرابیوں سے پاک وصاف کیا جائے، پھر اسکو عمل میں لایا جائے۔'نہی' میں پہلے صفائی کی جاتی ہے، پھر'امر' سے اسپر عمل کا حکم ہوتا ہے۔ایسی صورت میں مناسب یہی لگتا ہے کہ پہلے لَا تَعَاوَنُوْا کی نہی کا ذکر فرمایا جاتا اور پھر تَعَاوَنُوْا کا امر ارشاد فرمایا جاتا۔اور یہاں پر معاملہ برعکس ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اس پورے ارشاد کا مقصود بالذات تعمیل حکم ہے، اور وہ امر میں نمایاں ہے، اسلئے اسکو مقدم رکھا گیا۔

۔۔علاوہ ازیں۔۔ نہی مذکور سے یہی مقصود ہے کہ گناہ اور تجاوز عن الحدّ پر تعاون نہ کرو اور یہی بعینہٖ تعاون عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ہے۔ اسلئے پہلے امر فرما کے تعاون عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کا اجمالی حکم ہوا، پھر نہی سے اسکی تصریح کر دی گئی۔ 'بِرّ' اور 'اثم' کی ایک جامع تفسیر یہ ہے کہ 'بِرّ' خلق حسن اچھے اخلاق کو کہتے ہیں اور 'اثم' یہ ہے کہ دل گواہی دے کہ واقعی یہ برا عمل ہے، اور لوگوں کے سامنے اس عمل کے اظہار کا بھی جی نہ چاہے۔

۔۔الغرض۔۔ ہوش سے کام لو (اور) جمیع امور میں (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) من جملہ انکے یہی ہے کہ اسکے جمیع اوامر ونواہی مذکورہ کی مخالفت نہ کی جائے۔ اور جان لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (عذاب کرنے میں سخت ہے) جو اس سے نہیں ڈرتا، وہ اسے سخت عذاب میں مبتلا فرماتا ہے۔

سورۂ مبارکہ کے شروع میں حلال چوپایوں کا ذکر کر کے جن جانوروں کا استثناء کیا گیا تھا، اب انکی تفصیل سے آگاہ کیا جارہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

حرام کر دیا گیا تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت، اور جس پر ذبح کے وقت نامزد کیا گیا غیر خدا،

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ

اور جھٹکا، اور چوٹ کھایا، اور گرا پڑا، اور سینگ مارا، اور جس کو کسی درندہ نے کھا لیا ہو، مگر ان میں سے جس کو تم نے مرنے سے

اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ

پہلے ذبح کر لیا۔ اور جو ذبح کیا گیا بتوں کے اڈوں پر، اور پانسوں کے ذریعہ بانٹنا،

ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

یہ گناہ ہے۔ آج ناامید ہو گئے جنھوں نے انکار کر دیا ہے تمہارے دین کا، تو ان کو مت ڈرو،

وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ

مجھے ڈرو۔ آج میں نے کامل کر دیا تمہارے لیے تمہارے دین کو اور تمام کر دی تم پر اپنی نعمت، اور پسند فرما لیا

لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ

تمہارے لیے دین اسلام۔ تو جو بے قابو ہو گیا بھوک پیاس میں حرام کھانے پر بغیر میلان گناہ کے،

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

تو بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(حرام کر دیا گیا تم پر مردار) یعنی اس جانور کا کھانا جسکی روح بے ذبح کئے نکل گئی ہو، (اور خون) جو رگوں میں جاری رہتا ہے، نہ کہ جگر اور تلی کا جمع ہوا خون۔
اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ خون کو آنتوں میں محفوظ کر لیتے تھے، پھر انہیں بھون کر کھاتے اور کہتے کے جو جانور ذبح کر لیا جائے، تو اس سے نکلا ہوا خون حرام نہیں ہوتا۔
۔۔۔(اور سور کا گوشت) اپنے سب اجزاء سمیت یعنی ہڈی چربی وغیرہ۔
سور چونکہ 'نجس العین' ہے اسلئے اگر۔۔۔بالفرض۔۔۔اسے ذبح بھی کر دیا جائے، جب بھی اسکا گوشت ناپاک ہی رہیگا، دوسرے درندوں کے برعکس۔ اسلئے کہ دوسرے حرام جانوروں کو جب ذبح کیا جائے، تو انکا گوشت پاک ہو جاتا ہے۔ اگرچہ انکا کھانا حرام ہوتا ہے، لیکن پاک ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ایسا گوشت پانی میں گر جائے، تو پانی ناپاک نہیں ہوگا، بخلاف خنزیر کے گوشت کے، جو ذبح کے بعد بھی ناپاک ہی رہتا ہے، اسلئے کہ وہ 'نجس العین' ہے۔
اس مقام پر خاص کر کے خنزیر کے گوشت کی حرمت کا ذکر اسلئے بھی ہے، کہ بہت سارے کفار خنزیر کے گوشت کے بہت خوگر تھے۔ یوں بھی سور [illegible] اشیاء کی بہت رغبت رکھتا ہے۔ اور اسکی بے غیرتی کا عالم [illegible] سور کو چڑھا ہوا دیکھتا ہے، تو [illegible] ہے کہ اسکے کھانے سے پرہیز کرے [illegible]
۔۔۔(اور) یونہی (جس) جانور (پر ذبح کے وقت نامزد کیا گیا غیر خدا)۔
جس طرح ذبح کے وقت کفار کہا کرتے تھے 'باسم اللات والعزیٰ' تو اس صورت میں مذبوحہ جانور حرام ہو جائیگا۔۔۔اور اگر ذبح کرتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر ہی کہہ کر ذبح کرے۔۔۔مگر۔۔۔ذبح کرنے سے پہلے اسکو فلاں کے عقیقہ کا جانور، فلاں کی قربانی کا جانور، فلاں کی ضیافت کا جانور اور فلاں کے ایصال ثواب کا جانور وغیرہ وغیرہ کہے، تو اس سے وہ جانور حرام نہیں ہوتا۔۔۔بلکہ۔۔۔اگر۔۔۔بالفرض۔۔۔کافروں نے کسی جانور کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیا ہو، اسکو بھی اگر کوئی مسلمان بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر کہہ کر ذبح کرے، تو اسکا بھی گوشت کھانا حرام نہیں ہوگا۔
۔۔۔الحاصل۔۔۔اس مقام پر حلت وحرمت کا معیار ذبح کے وقت خدا۔۔۔یا۔۔۔غیر خدا کا نام لیکر ذبح کرنا ہے۔ اب اگر خدا کے نام سے ذبح کیا، تو حلال ہے ورنہ حرام ہے۔
۔۔۔(اور جھٹکا) یعنی وہ جانور جسے گلا گھونٹ کر مارا جائے۔

گلا گھونٹا کسی انسان سے ہو یا کسی اور سبب۔۔مثلاً کسی جانور کا گلا اتفاقاً شکاری کے جال یا کسی چیز میں پھنس جائے اور وہ اس حالت میں مرجائے۔اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ بکریوں کا گلا گھونٹ کر مار دیتے، پھر انکا گوشت کھاجاتے۔چونکہ گلا گھونٹا ہوا جانور مردار کی ایک قسم ہے، اسلئے کہ جس طرح مردار کی روح نکل جانے کے بعد خون نہیں بہتا، اسی طرح اسکا خون بھی نہیں بہتا۔یہ اسی لئے حرام ہے کہ 'شرعی ذبح' کرنے کے بغیر مرگئی ہے۔'جھٹکے' کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ بغیر کسی کا نام لئے جانور کو گردن پر تلوار کا ہاتھ مار کر ذبح کردیا جائے۔ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی 'ذبح شرعی' نہیں پایا جاتا، اسلئے کہ 'ذبح شرعی' کیلئے ضروری ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نام سے ہی ذبح کیا جائے۔

۔۔(اور) لکڑی یا پتھر کی (چوٹ کھایا) ہوا، اور پھر وہ مرگیا ہو۔

اہل جاہلیت کا طریقہ تھا کہ جانوروں کو لکڑی۔۔یا۔۔پتھر سے مار کر جان نکال لیتے تھے، پھر انکا گوشت کھاتے تھے۔

(اور) اوپر سے نیچے (گرا) پھر 'ذبح شرعی' سے پہلے مرگیا اور (پڑا) رہا۔۔یا۔۔کنویں میں گر کر 'ذبح شرعی' سے پہلے مرجائے۔(اور) وہ جانور بھی حرام ہیں جسے کسی جانور نے (سینگ مارا) ہو ر وہ مرگیا ہو۔(اور)۔۔یونہی۔۔(جسکو کسی درندہ نے کھالیا ہو)، تو کھانے کے بعد جو بچ رہا وہ مردار ہے، جسکا کھانا حرام ہے۔۔۔اہل جاہلیت ایسے جانوروں کو بھی کھاجاتے تھے۔

۔۔الغرض۔۔جو شکار درندے ماریں اسکا کھانا حرام ہے۔(مگر ان میں سے جس کو تم نے رنے سے پہلے ذبح کرلیا) یعنی درندے نے جس جانور پر حملہ کیا، اسکے مرنے سے پہلے تمہیں اس پر بو مل گیا اور پھر اس میں جان باقی رہنے کی حالت میں اسکو ذبح کردیا، تو وہ تمہارے لئے حلال ہے۔

جان باقی رہنے کی علامت یہ ہے کہ اس میں ذبح کے وقت حرکت واضطراب پایا جائے، اس قدر بھی کہ اپنی آنکھیں پھیرے یا اپنی دم ہلائے۔

(اور) ایسے ہی وہ جانور بھی حرام ہے (جو ذبح کیا گیا بتوں کے اڈوں پر)، یعنی جو باطل عبودوں کے نشان پر پہنچ گیا ہو۔

وہ تین سو ساٹھ پتھر تھے بیت الحرام کے گرد، کہ اہل جاہلیت ان پتھروں کی تعظیم کیا کرتے تھے اور ان پر قربانی کیا کرتے تھے اور ان میں سے بعض پتھروں کو جنھیں 'نُصُب' کہا جاتا ہے اپنے مذبوحہ جانوروں کے خون سے لت پت کردیتے اور کچھ گوشت بھی اس پر رکھ

چھوڑتے تھے۔اس کو وہ قرب الٰہی سمجھتے تھے۔

اہل عرب کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ جب انھیں کوئی مہم پیش آتی، تو ان تیروں کی طرف رجوع کرتے جو بے پر اور بے پیکان، انکے پاس محفوظ تھے، جنھیں وہ ازلام: 'فال لینے کے تیر جن سے جاہلیت میں عرب تقسیم کیا کرتے تھے' اور اقداح: 'نوک اور پر کے بغیر تیر، جوئے کا تیر' کہتے تھے۔ یہ تین تیر تھے، جن کو ایک تھیلی میں ڈال کر اسے دیتے جو 'ھُبل' کا مجاور ہوتا۔۔ایک تیر پر لکھا ہوتا: اَمَرَنِیْ رَبِّیْ 'یعنی حکم کیا مجھ کو میرے رب نے' اور دوسرے پر لکھا ہوتا تھا: نَهَانِیْ رَبِّیْ 'یعنی منع کیا مجھ کو میرے رب نے' اور تیسرے پر کچھ نہیں لکھا ہوتا، اسکو 'منیح' کہتے تھے یعنی 'جوئے کا تیسرا تیر جسکا کوئی حصہ نہیں ہوتا'۔۔۔

پھر جب کوئی شخص کسی کام کا قصد کرتا تو 'ھُبل' کے مجاور کے پاس جاتا اور اسکے واسطے تحفہ اور ہدیہ لاتا اور تیروں کی اس تھیلی میں ہاتھ ڈالتا اور ایک تیر نکالتا۔ اگر اس تیر پر لکھا ہوتا 'اَمَرَنِیْ رَبِّیْ' تو فوراً اس کام میں وہ تیر نکالنے والا مشغول ہو جاتا۔ اور اگر تیر پر 'نَهَانِیْ رَبِّیْ' لکھا ہوتا، تو سال بھر تک اس کام کو ترک کرتا۔ اور اگر 'منیح' یعنی بے لکھا تیر نکلتا، تو وہ شخص، پھر تھیلی کی طرف رجوع کرتا اور دوبارہ قسمت آزمائی کرتا۔ ایک قول یہ بھی ہے، کہ کفار اپنے بتوں پر مذبوحہ جانوروں کی تقسیم تیروں کے ذریعہ کرتے۔

(**اور پانسوں کے ذریعے بانٹنا**) یعنی تمہارا جوئے کے تیروں سے اپنے حصے تقسیم کرنا (**یہ گنا ہے**) اور باہر نکل جانا ہے دائرہ اسلام سے۔اس واسطے کہ حق تعالیٰ پر 'افتراء' ہے، اگر رب کی طرف اسے منسوب اور مشہور کرتے ہیں۔ اور 'شرک' ہے، اگر غیر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

اے محبوب! یہ نہایت شکر کا مقام ہے کہ (**آج ناامید ہوگئے**) ہیں (**جنھوں نے انکار کر دیا ہے**) اور کفر پر اڑے ہوئے ہیں، کہ وہ (**تمہارے دین کا**) کچھ بگاڑ نہ سکیں گے اور اب وہ تمہارے دین کے ناکام اور مغلوب ہونے کی طرف سے مایوس ہو چکے ہیں، اور انھیں یقین ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دین کو تمام ادیان پر غالب فرمائیگا۔

بالآخر اس نے جو وعدہ فرمایا تھا، اب اس نے پورا کر دیا، (**تو**) مسلمانو (**ان کو مت ڈرو**) اور خالص و مخلص ہو کر (**مجھے**) ہی (**ڈرو**)۔ اب وہ تمہارا کچھ بگاڑ سکنے والے نہیں، اسلئے کہ میری مخصوص مہربانیاں تمہارے ہی ساتھ ہیں۔ (**آج**) سے (**میں نے**) مدد دیکر (**کامل کر دیا تمہارے لئے تمہارے دین کو**)، اور اسے تمام ادیان پر غالب کر کے مکمل کر دیا ہے۔

[illegible] کے اصول اور اجتہاد کے قوانین پر تمہیں پوری طور [illegible] واقف کر دیا ہے۔ اب اسکے احکام منسوخ نہ ہونگے۔ (اور تمام کردی تم پر اپنی نعمت) یعنی ہدایت و توفیق۔۔یا۔۔دین اور شرعی اصول کی تکمیل۔۔یا۔۔فتح مکہ اور اس میں امن والے اور غلبہ پا کر داخل ہونے سے۔۔یا۔۔جاہلیت کے گندے رسوم اور انکے مناسک کے غلط طریقے مٹا کر، تمہارے دین کو کامیاب کیا اور یہ بھی تمہارے دین کی تکمیل کی علامت ہے، کہ اب کوئی مشرک مکہ مکرمہ میں حج نہیں کر سکے گا، اور نہ ہی وہ ننگا ہو کر کعبہ معظمہ کا طواف کر سکے گا۔

۔۔الغرض۔۔سن لو (اور) یاد رکھو کہ ہم نے (پسند فرمالیا تمہارے لئے دین اسلام) کو، جو سب دینوں سے پاکیزہ تر ہے۔

یہ آیت حجۃ الوداع میں نویں ذی الحجہ کو بروز جمعہ، بوقت نماز عصر یا باثناء خطبہ، جمعہ نازل ہوئی۔ اس وقت آنحضرت ﷺ اپنی ناقہ شریف پر سوار تھے یا ممبر پر رونق افروز تھے۔ اس آیت شریفہ کے نازل ہونے کے بعد آپ اکاسی ٨١ دن اس ظاہری دنیا میں جلوہ افروز رہے۔

مذکورہ بالا ارشاد میں اولاً محرمات کا ذکر فرمایا گیا، پھر بعض ان امور کا ذکر کیا گیا جن سے بھی احتراز ضروری ہے، اسلئے کہ ان امور کا ارتکاب بھی فسق ہے۔ اور انکی تحریم بھی دین کامل میں شامل ہے اور ان سے بچنا بھی نعمت تامہ اور پسندیدہ اسلام ہے۔

(تو جو) شخص (بے قابو ہوگیا) جان لے لینے والی۔۔یا۔۔کم از کم موت کے قریب کر دینے والی (بھوک پیاس میں حرام) چیز (کھانے) پینے (پر، بغیر میلان گناہ کے)، یعنی جبکہ اسکا اس حرام کی طرف جھکاؤ اور میلان نہ ہو۔

۔۔الغرض۔۔نہ تو وہ اسے لذت کے طور پر استعمال کرے اور نہ ہی رخصت کی حد سے متجاوز ہو کر سدرمق سے زیادہ کھا جائے۔۔یا۔۔کسی مجبور محض سے چھین کے نہ کھالے۔

۔۔المختصر۔۔اسکا حال یہ ہو کہ گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ اسکے لئے (غفور) ہے۔ اسکے اس گناہ کو بخشنے والا ہے، کہ ایسی حالت میں حرام کھانے پر مواخذہ نہیں فرمائیگا اور (رحیم ہے)، یعنی بے حد رحم فرمانے والا ہے، اس پر کہ اس قدر کھانے کی اجازت مرحمت فرمادی ۔۔محرمات کے ذکر کے بعد اب بعض حلال چیزوں کا ذکر فرما رہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ اے محبوب!۔۔۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ

تم سے پوچھتے ہیں کہ انکے لئے کیا حلال ہے۔ کہہ دو کہ حلال ہے تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں۔ اور جو سدھار کھا ہے تم نے

الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ

اپنے شکاری شکار پر دوڑانے کو، تو انھیں سکھاتے ہو جو اللہ نے تمہیں علم دیا، تو کھالو جس شکار کو وہ تمہارے لیے پکڑیں۔

عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

اور اُس پر اللہ کا نام بھی لو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے●

(تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کیلئے کیا حلال ہے)، تو آپ ان سے (کہہ دو کہ حلال ہے تمہارے لئے سب) طیبات یعنی (پاکیزہ چیزیں) اور پاکیزہ جانور، جنھیں تم نے خدا کے نام کے ساتھ ذبح کیا ہو، (اور جو سدھار کھا ہے تم نے اپنے شکاری) درندوں۔۔ مثلاً: کتا، چیتا، وغیرہ یا پرندوں ۔۔ مثلاً: شکرا، باز اور عقاب وغیرہ کو (شکار پر دوڑانے کو)، تاکہ تم انھیں بوقت ضرورت شکار کیلئے دوڑا سکو (تو انھیں سکھاتے ہو، جو اللہ) تعالیٰ (نے تمھیں علم دیا)۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ جانوروں کا شکار تمہارے لئے اس وقت جائز ہے جبکہ تمہیں انکے سکھانے کی پوری مہارت ہو اور تم اس معاملے میں بہت بڑے حاذق سمجھے جاتے ہو، اور اس فن میں تم مشہور زماں ہو، اور یہ مہارت اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے کہ اسکا علم ایسے کامل الفن سے حاصل کرو، جو اس فن کی پوری مہارت رکھتا ہو اور اسکے جمیع حقائق ودقائق پر حاوی ہو۔۔ بلکہ۔۔ اس فن کی تمام گہرائیوں کا کامل غواص ہو، اگرچہ اسکے حصول کیلئے دور دراز کی مسافت طے کرنی پڑے۔

گو اس علم کیلئے بھی عقل کی ضرورت ہے اور کسی نہ کسی قدر اس میں بھی عقل کا دخل ہے، لیکن جب تک فضل الٰہی نہ ہو، تو کیسے کسی لاشعور کو شعور دیا جاسکتا ہے، اور وہ بھی ایسا شعور کہ مالک کے اشارے پر کام کرے۔ شکار کو پکڑ کر مالک کا انتظار کرے۔ اور یہ بھی ہو کہ جب اسے روکا جائے، تو رک جائے اور جب بلایا جائے، تو فوراً بھاگ کر لوٹ آئے اور شکار کرے، تو اس سے کچھ نہ کھائے، صرف پکڑ رکھے۔۔ الغرض۔۔ یہ علم بھی بنیادی طور پر الہامی ہے، جو بغیر فضل الٰہی حاصل ہونے والا نہیں۔

(تو کھالو) اس شکار سے (جس شکار کو وہ) سکھائے ہوئے شکاری جانور تمہارے حکم

(تمہارے لئے پکڑیں)، اور روک رکھیں۔ مگر ان جانوروں کو بھی ایسے ہی شکار پر نہ چھوڑ دو (اور) پورا خیال رکھو کہ شکار پر چھوڑتے وقت (اس) شکاری جانور (پر اللہ) تعالیٰ (کا نام بھی) ضرور (لو)۔ اور بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر شکار پر چھوڑو۔ عمداً بسم اللہ شریف ترک کرنے سے جانور حرام ہوجاتا ہے۔ اسلئے کہ وہ بسم اللہ کے عمداً ترک کرنے سے مردار ہوگیا۔ ہاں اگر بھول کر بسم اللہ چھوٹ جائے، تو وہ مذبوحہ جانور حلال ہے۔

اے ایمان والو! محرمات سے بچتے رہو (اور) خدا نے جس چیز کو حرام کردیا ہے، اسے کھانے میں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ) تعالیٰ (جلد حساب لینے والا ہے)۔ یعنی اسکا حساب عنقریب جلد تر آنے والا ہے۔۔۔یا۔۔ اسکا حساب جلد ختم ہوگا، جبکہ وہ حساب لینا شروع فرمائیگا، تو اسکا حساب لینا مختصر سے وقت میں ختم ہوجائیگا۔۔۔الحاصل۔۔۔تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب تھوڑے سے وقت میں ختم ہوجائیگا۔۔۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ

آج حلال کردی گئیں تمہیں پاکیزہ چیزیں۔ اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہیں حلال،

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ

اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال۔ اور مسلمان پارسا عورتیں، اور نیک چلن

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

کتابیہ عورتیں، جب کہ تم نے دے ڈالا ان کو ان کا مہر

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

ایک دوسرے کے پابند ہوکر، نہ کہ شہوت نکالنے اور نہ آشنائی کرنے کیلئے اور جو

بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۵ ع ۵

ایمان لاکر کفر کرے، تو بے شک ملیا میٹ ہوگیا اس کا عمل۔ اور وہ آخرت میں بڑے گھاٹے والوں سے ہے●

(آج) یعنی نزول آیت کے دن سے (حلال کردی گئیں تمہیں پاکیزہ چیزیں)۔ طیبات سے وہ اشیاء مراد ہیں، جن سے پاک طبائع نفرت و کراہت نہ کریں۔ اور پاک طبائع سے اہل مروّت و اخلاق حمیدہ سے مزین حضرات مراد ہیں۔۔یا۔۔طیبات سے مراد وہ امور ہیں، جن کی حرمت پر نہ

شارع کی 'نص' دلالت کرے اور نہ ہی مجتہد کا 'قیاس'۔ (اور اہل کتاب) یعنی یہود و نصاریٰ (کا ذبیحہ) جس پر راجح قول کی بنیاد پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیکر ذبح کیا ہو، (تمھیں حلال اور تمہارا ذبیحہ ان کو حلال) خود انکے دین میں، کیونکہ تم خدا کے نام کے ساتھ ذبح کرتے ہو۔ تمہیں کچھ حرج نہیں کہ انھیں اپنے ذبائح میں سے کچھ کھلاوَ۔۔۔یا۔۔انکے ہاتھ بیچو۔

اگر ہماری اشیاء انکے لئے حرام ہوتیں، تو نہ ان کیلئے ہمارا طعام حلال ہوتا اور نہ ہی ہماری بیع و شراء۔

(اور) یونہی غیر شادی شدہ (مسلمان پارسا عورتیں) بھی تمہارے لئے حلال ہیں، جن سے تم نکاح کر سکتے ہو۔

یہاں آزاد اور پاکدامن عورتیں مراد ہیں۔ انکے ذکر کی تخصیص صرف اسلئے ہے کہ وہی نکاح وغیرہ میں اصل ہیں، ورنہ لونڈیوں کی نفی مطلوب نہیں، اسلئے کہ مسلمان لونڈیوں سے بھی بالاتفاق نکاح جائز ہے، لیکن اولیٰ یہی ہے کہ آزاد عورت ہی سے نکاح کیا جائے۔ اگرچہ وہ اہل کتاب ہی ہو، بشرطیکہ آزاد عورتوں سے نکاح کی قدرت رکھتا ہو۔ اسلئے کہ لونڈیوں کی اولاد مملوک غیر رہے گی۔ کیونکہ اولاد آزاد اور مملوک ہونے میں ماں کے حکم میں ہوتی ہے، پھر جب وہ اپنے لئے مملوک ہونا پسند نہیں کرتا، تو چاہئے اپنی اولاد کیلئے بھی پسند نہ کرے۔ ہمارے امام کے نزدیک اہل کتاب کی لونڈیوں کا حکم مسلم عورتوں جیسا ہے۔

(اور) اسی طرح (نیک چلن کتابیہ عورتیں) بھی تمہیں حلال ہیں، جن سے تم نکاح کر سکتے ہو (جبکہ تم نے دے ڈالا) افضلیت کے پیش نظر (انکو) نکاح ہی کے وقت (انکا مہر)۔

گو فوراً نکاح ہی کے وقت مہر کی ادائیگی لازم نہیں، مگر نکاح کے وقت یہ تو ضروری ہے کہ مقررہ مہر کو قبول کرلے، اور پھر اس کو ادا کرنے کا عہد کرلیا۔

اور تمہارا حال یہ ہو کہ تم ان سے نکاح کر کے (ایک دوسرے کے پابند ہو کر)، اور ایک دوسرے کے حصار میں رہ کر، اپنی عفت و پاکیزگی کی حفاظت کرتے رہو۔ ایسا (نہ) ہو (کہ) صرف اپنی جنسی تسکین کیلئے اور صرف اپنی (شہوت نکالنے) کیلئے، بغیر نکاح ان سے زنا کرنے والے ہو جاوَ۔ (اور نہ) ہی (آشنائی کرنے کیلئے)، یعنی چوری چھپے عورتوں سے دوستی گانٹھنے کیلئے تمہارا کوئی عمل ہو، اسلئے کہ یہ بھی ایک قسم کا زنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو حرام فرما دیا ہے۔۔ہاں۔۔عورتوں سے نکاح کر کے ہر قسم کا نفع اٹھانا جائز ہے۔

(اور) اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے، کہ (جو ایمان لا کر کفر کرے) یعنی ضروریات دین ...سے کسی ایک کا بھی انکار کر دے، (تو بیشک ملیا میٹ ہو گیا اسکا) وہ نیک (عمل)، جو اس نے ...ت ایمان میں انجام دیا تھا۔

اس آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ جو ایمان کا منکر ہے، یعنی جن چیزوں پر ایمان لانا واجب ہے ان پر ایمان لانے سے انکار کیا، چنانچہ شرائع اسلام کو ماننے سے انکار کرتا ہے۔ من جملہ ان کے ایک یہ بھی ہے جس کے حلال و حرام کے احکام ابھی بیان کیے گئے ہیں۔ انکار کا ایک معنی یہ ہے کہ وہ ان احکام کو قبول نہ کرے، تو اسکے سارے اعمال اکارت جائینگے اور اعتبار کے قابل نہ رہیں گے، اور ظاہر ہے جو عمل غیر معتبر ہو، وہ اگر بظاہر نیک بھی ہو، تو باطل ہے۔ اس سے عمل کرنے والے کو کچھ ملنے والا ہے، تو اسکے اعمال کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے اسے مل نہ سکے اور وہ ضائع ہی ہو گئے۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (وہ آخرت میں بڑے گھاٹے والوں) میں (سے ہے) یعنی بردست نقصان اٹھانے والوں میں سے ہے۔

ذہن نشین رہے کہ انسان کے طبعی تقاضے دو چیزوں میں منحصر ہیں۔ کھانے پینے کی چیزیں اور عمل از دواج۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کھانے پینے کی چیزوں میں اسکے لئے کیا چیزیں حلال ہیں اور کیا چیزیں حرام، اور جنسی خواہشوں کی تکمیل کیلئے کون سی عورتیں اسکے لئے حلال ہیں اور کون سی حرام، اور اب اس آگے والی آیت میں یہ بتایا کہ ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کیلئے، اس پر اللہ تعالیٰ کی عبادات فرض ہیں۔ اور ان عبادات میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کی شرط طہارت ہے اور طہارت غسل اور وضو سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر پانی نہ مل سکے، تو طہارت تیمم سے حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے اس آیت میں وضو، غسل اور تیمم کا بیان فرمایا۔ تو۔۔۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ

اے وہ جو ایمان لا چکے! جب کھڑے ہونے لگے نماز کو، تو دھو ڈالو اپنے چہرے،

وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ

اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ، اور مسح کر لو اپنے سر کا، اور پاؤں کو گٹوں تک۔

وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ

اور اگر بے غسلے ہو تو غسل کر ڈالو۔ اور اگر بیمار ہو یا بر سر سفر ہو، یا کوئی

مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا

تمہارا آیا استنجے سے، یا تم نے لمس کیا عورتوں کا پھر پانی نہ پایا، تو تیمم کرو پاک

طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ ۚ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ

مٹی سے، تو مسح کرو اپنے چہروں کا اور ہاتھوں کا اس سے۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر

عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ

کوئی تنگی ڈال دے، لیکن چاہتا ہے کہ تم کو صاف ستھرا کر دے اور تاکہ تمام فرما دے

نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝٦

اپنی نعمت کو تم پر، کہ تم شکر گزار بنو●

(اے وہ) لوگ (جو ایمان لا چکے جب کھڑے ہونے لگے نماز کو) ادا کرنے کے ارادے سے اور تمہارا وضو نہ ہو، (تو) پہلے اچھی طرح وضو کر لو، جسکا پہلا فرض یہ ہے کہ (دھو ڈالو اپنے چہرے) کو اسکی حد، سر کے بالوں کے جمنے کی جگہ سے ٹھوڑی تک ہے بلحاظ طول کے، اور بلحاظ عرض کے، کان کی ایک لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔ (اور) اسکا دوسرا فرض یہ ہے کہ دھو ڈالو (کہنیوں تک اپنے دونوں (ہاتھ) کہنیوں سمیت۔ (اور) اسکا تیسرا فرض یہ ہے کہ (مسح کر لو اپنے سر کا)۔۔ المختصر۔۔ مطلق سر کا مسح فرض ہے اور مسلک امام اعظم میں چوتھائی سر کا مسح کرنا واجب ہے۔ (اور) چوتھا فرض یہ ہے کہ دھو ڈالو اپنے (پاؤں کو گٹوں تک) یعنی گٹوں سمیت۔ (اور اگر) غسل کی ضرورت پیش آجانے کے باوجود، تم ابھی (بے غسلے ہو، تو) خوب خوب پاکی حاصل کرنے کیلئے (غسل کر ڈالو)، کیونکہ ایسی صورت میں صرف وضو سے مکمل طہارت حاصل نہیں ہوتی۔

(اور اگر) تم (بیمار ہو) اور پانی کا استعمال تمہیں مضر ہو، (یا بر سر سفر ہو)، سفر طویل یا تھوڑا۔ (یا کوئی تمہارا آیا استنجے سے) رفع حاجت کر کے، (یا تم نے لمس کیا عورتوں کا)، یعنی ان سے صحبت کر لی ہے، (پھر) ان تمام صورتوں میں کسی صورت کو پیش آجانے پر طہارت کیلئے، (پانی نہ) ڈھونڈھنے کے باوجود۔۔ یا۔۔ پانی کی جگہ اور تم میں کوئی حائل ہو، دشمن یا درندہ کہ اس سے جان

کا یقین ہو۔۔یا۔۔پانی کنویں میں ہو، لیکن پانی نکالنے کا سامان مثلاً ڈول رسّی وغیرہ نہ پائی جائے ۔۔یا۔۔پانی بکتا ہے، مگر تمہارے پاس قیمت نہیں۔۔الختصر۔۔پانی نہ ملنے یا اس پر قدرت نہ رکھنے کی صورت پیش آئے (تو) طہارت حاصل کرنے کیلئے (تیمّم کرو پاک مٹی) یا اسکی جنس (سے) یعنی پتھر وغیرہ سے جو زمین ہی کی قسم سے ہو۔

اور جب تیمّم کرنا چاہو، (تو مسح کرو اپنے چہروں کا اور) دونوں (ہاتھوں کا، اس) مٹی (سے)، یعنی خاک پر دو بار ہاتھ مارنا ہے۔ پہلی بار منہ پر مسح کرنے کیلئے اور دوسری بار ہاتھوں پر مسح کرنے کیلئے۔ ایمان والو! یاد رکھو کہ نماز کی طہارت۔۔یا۔۔تیمّم کے حکم سے (اللہ) تعالیٰ (نہیں چاہتا) اور اسکا ارادہ یہ نہیں ہے (کہ تم پر کوئی تنگی ڈالدے) اور تمھیں خواہ مخواہ کیلئے پریشان کردے۔ (لیکن چاہتا ہے کہ تم کو صاف ستھرا کردے) بے وضو ہونے سے۔۔یا۔۔گناہوں سے، اس واسطے کہ وضو گناہوں کا کفارہ ہے۔ (اور تاکہ تمام فرمادے اپنی نعمت کو تم پر)، یعنی ایسے طریقے مشروع فرمائے، جن سے تمہارے اجسام بھی پاک وصاف ہوں، اور ان سے تمہارے گناہ بھی دھل جائیں۔

۔۔الختصر۔۔وہ نعمت جو دین سے متعلق ہے، وہ صرف تمہارے لئے مخصوص ہے۔۔یا۔۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ جو امور لازمی طور پر تمہیں ادا کرنے تھے، انھیں رخصت سے تبدیل کر کے تمہارے لئے موجب نعمت بنادیا گیا۔

(کہ تم شکر گزار بنو) اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری کے ذریعہ اسکی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو، اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کسی نعمت کو اسکی نافرمانی میں صرف نہ کرو۔ چونکہ نعمت کی یاد سے منعم یاد آجاتا ہے۔۔نیز۔۔نعمت کی یاد سے منعم کا شکر کرنے کی رغبت ہوتی ہے، اسلئے سمجھداری سے کام لو۔۔۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ

اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو، اور اس عہد کو جس کو اس نے تم سے مضبوطی سے لیا، جبکہ تم نے اقرار کرلیا تھا کہ

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

ہم نے سنا اور کہے کو مانا، اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ جانتا ہے سینوں کے راز کو●

(اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو) کہ اس نے تمھیں اسلام اور شرائع احکام کی

دولت عطا فرما کر اسے قبول کر لینے کی توفیق عطا فرمائی۔ (اور) ساتھ ساتھ (اس عہد کو) بھی یاد کرو (جسکو اس نے تم سے مضبوطی سے لیا) اور تم نے بھی قبول کر لیا (جبکہ تم نے اقرار کر لیا تھا کہ ہم نے سنا اور کہے کو مانا)۔

یہ وہی میثاق ہے، جو حضور [redacted]
سکے، اختیار واکراہ، میں [redacted]

بیشک اللہ) تعالیٰ بخوبی (جانتا ہے سینوں کے راز کو) اور سینے کے اندر پوشیدہ تمام امور کو [redacted]
کرنا کہ زبان سے [redacted] ۔۔۔تو۔۔۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا

اے وہ جو ایمان لا چکے! قائم ہو جاؤ اللہ کیلئے انصاف کے گواہ ہو کر۔ اور کبھی نہ

يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ

ابھارے کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر کہ انصاف چھوڑ دو۔ تم انصاف کرو۔۔۔ وہ تقویٰ سے بہت نزدیک ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۸

اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ جو کرو اس سے باخبر ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے) عدل وانصاف کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔ ۔۔چنانچہ۔۔ (قائم ہو جاؤ اللہ) تعالیٰ (کیلئے انصاف کے گواہ ہو کر) درآنحالیکہ تم انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو۔

[redacted] یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی ادائیگی ہے۔ حق پر مضبوطی سے قائم رہنے کا تعلق اللہ کی تعظیم کے ساتھ ہے اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے کا تعلق بندوں پر شفقت کے ساتھ ہے۔

۔۔الحتصر۔۔ تم ہر حال میں انصاف کا خیال رکھو (اور کبھی نہ ابھارے کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر کہ انصاف چھوڑ دو) اور حد سے تجاوز کر جاؤ، خواہ انھوں نے تمہارے ساتھ برائی کی ہو، مگر تم انکے ساتھ نیکی اور اچھائی کے ساتھ پیش آؤ، انکے ساتھ ظلم وزیادتی نہ کرو۔

یعنی ایسا کبھی نہ ہو کہ جب وہ اسلام لائیں، تو انکا اسلام قبول نہ کیا جائے، انکے بچوں کو قتل کیا جائے، بڑوں کا مثلہ کیا جائے اور ان سے کیے ہوئے معاہدوں کو توڑ دیا جائے۔
ایک تفسیر کی روشنی میں یہ آیت کفار مکہ کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ انھوں نے مسلمانوں کو چھ ہجری میں مسجد حرام میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روک دیا تھا اور حدیبیہ سے آگے نہیں جانے دیا تھا، سو اس وجہ سے تم ان پر ظلم وزیادتی نہ کرنا۔
۔۔الغرض۔۔(تم انصاف کرو) کیونکہ (وہ تقویٰ سے بہت نزدیک ہے)، اسلئے کہ اگر تقویٰ کا یہ معنی لیا جائے 'خوفِ خدا کی وجہ سے گناہوں سے اجتناب کرنا'۔۔ تو جو شخص عدل کرتا ہے وہ گناہوں سے اجتناب کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ اور اگر یہ معنی لیا جائے 'خوفِ الٰہی کی وجہ سے عذاب اخروی سے بچنا' تو جو شخص عدل کرتا ہے، وہ عذاب اخروی سے بچنے کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔۔الغرض۔۔ پرہیزگاری اپناؤ، (اور) ہر حال میں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو) اسلئے کہ تمام امور کا سرتاج اور آخرت کا [redacted] جان لو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (جو کرو اس سے باخبر ہے)۔ ان سب کی تمہیں جزا وسزا دیگا۔

[redacted] کے ساتھ بھی عدل کرنے کا حکم [redacted] کے ساتھ عدل کرنا واجب [redacted] ہوگا۔ چونکہ مضمون بالا وعدہ وعید کیلئے بمنزلہ 'علت' ہے، کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے، اسے بھلائی کا وعدہ ہے جو اسکے خلاف کرتا ہے، اسے جہنم کی وعید۔ اسلئے فرمایا۔۔۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝۹

وعدہ فرمالیا اللہ نے جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، اُن کیلئے بخشش اور بڑا اجر ہے●

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ ۝۱۰

اور جنہوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا، وہ جہنم کے لوگ ہیں●

(وعدہ فرمالیا اللہ) تعالیٰ (نے) ان سے (جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں) کہ (ان کیلئے) گناہوں کی (بخشش اور) پھر بہشت میں (بڑا اجر ہے، اور) انکے برعکس (جنھوں نے انکار کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا) من جملہ، انکے یہی ہے جو ابھی بیان ہوا، کہ وہ لوگ نہ عدل وانصاف کرتے ہیں

اور نہ ہی تقویٰ وطہارت، تو (وہ) کفر وتکذیب کا ارتکاب کرنے والے، جنکا ذکر ابھی گذرا، تو یہی (جہنم کے لوگ ہیں) جس میں وہ دائمی طور پر رہیں گے۔

اس میں مومنین کو مزید وعدہ سے نوازا گیا ہے، اسلئے کہ جب انکے دشمنوں کو اتنے بڑے ڈر سنائے گئے، تو انھیں خوشی نصیب ہوگی، اور وہ اپنے اندر جو حزن وملال رکھتے ہونگے کہ کافروں نے انھیں دکھ پہنچائے، انکے عذاب کی خبر سن کر دل ٹھنڈا کرینگے۔ اسلئے کہ فطرت انسانی ہے کہ انسان اپنے دشمن کی ذلت سے خوش ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ دشمنوں پر اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام پر اتنی مکمل نعمت عنایت فرمائی کہ جس میں دشمنوں کے خوف کا کوئی خطرہ نہیں تھا اور نہ ہی مخالفین کو ایسا موقع میسر ہوا جس سے وہ اہل اسلام پر ہاتھ کھڑا کر سکیں۔ بلکہ ہاتھ کھڑا کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو محفوظ فرمالیا۔۔ چنانچہ۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ

اے وہ جو ایمان لاچکے! یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر، جب کہ قصد کیا ایک قوم نے

اَنْ يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

کہ پھیلادیں تم پر اپنے ہاتھ، تو اللہ نے روک دیا انکے ہاتھوں کو تم سے، اور اللہ سے ڈرتے رہو،

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع

اور اللہ ہی پر ایمان والے بھروسہ رکھیں●

(اے وہ جو ایمان لاچکے یاد کرو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو اپنے اوپر جب)۔

جنگ غطفان کے موقع پر بنی ثعلبہ کے جنگجو لڑاکے اپنے سردار دعثور۔۔یا۔۔غورث کی معیت میں پہاڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے اور لشکر اسلام پر نظر رکھے ہوئے تھے، کہ اچانک سردار نے آنحضرت ﷺ کو دیکھا کہ آپ لشکر اسلام سے بہت دور ایک درخت کا تکیہ لگائے استراحت فرمارہے ہیں، اس موقع کو غنیمت جان کر غورث تلوار کھینچے ہوئے آیا اور آپ ﷺ سے بولا۔۔ کہ اب تمھیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ نے پورے اطمینان وسکون کے ساتھ فرمایا کہ۔۔۔ مجھے میرا رب بچائیگا۔ اس جواب سے اس پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اسکے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی، جسے اللہ کے رسول نے اٹھالیا اور غورث سے پوچھا کہ اب تو بتا کہ تجھے میرے ہاتھ سے کون بچائیگا، وہ بول پڑا، مجھے کوئی نہیں بچاسکتا۔ تو سرکار نے اسے معاف

کر کے، اسکی تلوار اسکو واپس کر دی اور وہ خود ایمان لے آیا اور اپنی قوم کو بھی جا کر اسلام کی دعوت دی۔۔یونہی۔۔جبکہ آنحضرت ﷺ بنی نضیر کے محاصرہ میں آ گئے تھے، اور انھوں نے آپ کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔۔الختصر۔۔جب جب ایسے حالات آئے۔

(کہ قصد کیا ایک قوم نے کہ پھیلا دیں تم پر اپنے ہاتھ) لڑنے کیلئے، **(تو اللہ) تعالیٰ (نے روک دیا ان کے ہاتھوں کو تم سے)** اور ان کے ضرر کو تمہاری طرف سے پھیر دیا۔تو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی اس عنایت کو یاد رکھو۔ **(اور اللہ) تعالیٰ ہی (سے ڈرتے رہو اور اللہ) تعالیٰ (ہی پر) چاہئے کہ (ایمان والے بھروسہ رکھیں)**۔۔۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا: اور تم پر جو اللہ کی نعمت ہے، اسکو یاد کرو اور اس عہد و پیمان کو جو اس نے پختگی کے ساتھ تم سے لیا ہے' اور آگے اب یہ فرما رہا ہے کہ، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے بھی پختہ عہد لیا تھا۔لیکن انھوں نے اس عہد کو فراموش کر دیا اور پورا نہیں کیا۔تو اے مسلمانو تم اس برائی میں یہود کے مثل نہ ہو جانا۔کہیں ایسا نہ ہو کہ عہد شکنی کی پاداش میں تم بھی اللہ کے غضب، اس کی لعنت کا مصداق نہ بن جاؤ اور تم پر بھی ذلت اور مسکینی ڈال دی جائے۔

۔۔نیز۔۔اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا تھا: 'تم پر جو اللہ کی نعمت ہے، اسکو یاد کرو جب ایک قوم نے تمہاری طرف ہاتھ بڑھانے کا ارادہ کیا، تو اللہ تعالیٰ نے تم سے انکے ہاتھوں کو روک لیا'، جیسا کہ اسکے تعلق سے دو واقعوں کی طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ مزید برآں یہ بھی ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں نے نبی کریم اور آپکے بعض صحابہ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور انکے اصحاب کو ان یہودیوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ سو اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی مزید شرارتیں اور خباثتیں بیان کیں، کہ انھوں نے صرف اللہ کے نبی کے ساتھ ہی خباثت نہیں کی، بلکہ انھوں نے خود اللہ کے ساتھ کئے ہوئے عہد و میثاق کو توڑ ڈالا تھا۔

اس آنے والی آیت کا، اس سے پہلی آیتوں سے ایک ربط یہ بھی ہے کہ پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا تھا، کہ وہ اللہ کے احکام کی اطاعت کریں اور اسکی نافرمانی اور سرکشی سے باز رہیں۔اس آیت میں یہ بتایا کہ یہ انکے لئے کوئی نیا حکم نہیں، بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کو بھی یہی حکم دیا تھا، کہ وہ اسکی اطاعت کریں اور سرکشی نہ کریں۔۔۔ تو غور سے سنو۔۔۔

وَلَقَدۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ‌ ۚ وَبَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَىۡ عَشَرَ نَقِيۡبًا‌ ؕ

اور بے شک لیا تھا اللہ نے اسرائیلیوں سے مضبوط عہد۔ اور بھیجا ان میں سے بارہ نقیب۔

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىۡ مَعَكُمۡ‌ ؕ لَئِنۡ اَقَمۡتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيۡتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنۡتُمۡ

اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم قائم کرتے رہے نماز کو، اور دیتے رہے زکوٰۃ، اور مانتے رہے

بِرُسُلِىۡ وَعَزَّرۡتُمُوۡهُمۡ وَاَقۡرَضۡتُمُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ

میرے رسولوں کو، اور تعظیم کرتے رہے ان رسولوں کی، اور اللہ واسطے قرض حسنہ دیتے رہے، تو ہم تمہارے گناہوں کا

عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ وَلَاُدۡخِلَـنَّكُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ‌ ۚ

کفارہ کردیں گے، اور تم کو داخل کریں گے ان جنتوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

فَمَنۡ كَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱۲﴾

تو جو کافر ہوا اس کے بعد تم میں سے، تو بے شک بھٹک گیا سیدھے راستہ سے●

(اور) ذہن نشیں رکھو کہ (بیشک لیا تھا اللہ) تعالیٰ (نے اسرائیلیوں سے مضبوط عہد اور بھیجا ان میں سے بارہ نقیب) جو اپنی قوم کے احوال کی نگرانی کریں (اور اللہ) تعالیٰ (نے فرمایا کہ) علم و قدرت ونصرت کے لحاظ سے (میں تمہارے ساتھ ہوں) تمہارے دشمنوں پر تمھیں فتح دونگا، البتہ (اگر تم قائم کرتے رہے نماز کو) اس کی شرطوں کے ساتھ، (اور دیتے رہے زکوٰۃ) انکے مستحقین کو، (اور مانتے رہے میرے رسولوں کو) دل کی سچائی کے ساتھ، (اور) نصرت آمیز (تعظیم کرتے رہے ان رسولوں کی) (اور اللہ) تعالیٰ (واسطے) یعنی فی سبیل اللہ (قرض حسنہ دیتے رہے)۔

قرض حسن سے وہ نفلی صدقات مراد ہیں، جو حلال، پسندیدہ اور بہترین مال سے دیئے جائیں۔ دلی رغبت سے، نہ کہ جبر واکراہ سے۔ اور خلوص سے، کہ اس میں ریاء اور شہرت کو ہرگز دخل نہ ہو۔ اور نہ ہی دیگر کسی کا دل دکھایا جائے۔

(تو ہم) ضرور (تمہارے گناہوں کا کفارہ کردینگے) یعنی تم سے تمہارے گناہ دور کردینگے (اور) ضرور (تم کو داخل کرینگے ان جنتوں میں جنکے) درختوں اور مکانوں کے (نیچے نہریں بہتی ہیں)۔

اس ارشاد میں پہلے گناہوں کی معافی کی خوشخبری سنائی گئی۔ اس سے بندے کی صفائی ہوگئی، پھر بہشت کا مژدۂ بہار سنایا گیا۔ اسطرح اسے گویا زیورات سے مزین کردیا گیا، اور قاعدہ ہے کہ پہلے صفائی ہوتی ہے، پھر تزئین۔

(تو جو کافر ہوا اس) عہد و پیان اور ان شرائط (کے بعد)، جن شرائط کی سخت تاکیدیں کی گئیں، انکے نہ کرنے پر سخت سزا ہے اور کرنے پر بہترین جزا ہے، جن سے ایمان کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ایسی تاکیدی شرائط کا بھی پاس و لحاظ نہیں کیا اور منکر ہو گیا (تم میں سے) اور ان شرائط پر عمل پیرا نہیں ہوا (تو) وہ (بیشک بہک گیا) اور واضح طور پر بھٹک گیا (سیدھے راستہ سے)۔۔الغرض۔۔وہ بہت بڑی غلط روی کا شکار ہو گیا۔ اس پر اسکا کوئی عذر مسموع نہیں ہوگا۔ بخلاف اس کے جو اس سے قبل غلطی کا مرتکب ہوا۔ اسلئے کہ اسکی وہ غلطی بوجہ اشتباہ کے تھی اور ایسے آدمی کا عذر بھی مسموع ہو سکتا ہے۔

بنی اسرائیل اپنی عہد شکنی اور بے وفائی سے کہیں باز نہیں آئے تھے۔۔چنانچہ۔۔جب یہ لوگ فرعون کے غرق ہونے کے بعد مصر میں رہنے سہنے لگے، تو انھیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ 'اریحا' جو شام میں واقع ہے، کی طرف ہجرت کر جائیں۔ اس 'اریحا' کو عرض مقدس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان میں کنعانی جبارین مقیم تھے۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے وہاں کی سکونت مقرر فرمائی ہے، تم وہاں چلے جاؤ اور ان جبارین سے جہاد کر کے انھیں وہاں سے نکال دو۔

انکی بڑی قوت و طاقت کے رعب میں مت آنا اور نہ ہی خوف کھانا، اسلئے کہ میں تمہاری مدد کرونگا۔ اور حضرت موسیٰ سے فرمایا کہ آپ انکی قوم میں بارہ سردار مقرر فرمائیں، جو کہ ہر برادری کا علیحدہ علیحدہ نمائندہ ہو۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دیانت دار ہو، اور ان سب کی ذمہ داری اسی کے سپرد ہو۔ اور جو احکام صادر کئے جائیں انکا اجراء انکے سرداروں کے ذمہ ہو ۔۔چنانچہ۔۔انھوں نے خود اپنے بارہ سردار منتخب کئے اور ان سرداروں نے اپنی اپنی برادری کی کفالت کا ذمہ لیا اور چل پڑے۔ جب ارض کنعان کے قریب پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سرداروں کو حالات کا جائزہ لینے کیلئے ارض کنعان میں بھیج دیا، تاکہ معلوم کریں انکا چال چلن کیسا ہے۔

ان سرداروں نے جب دیکھا کہ یہ کنعانی بڑے ہی موٹے، عظیم الجثہ اور قد آور لوگ ہیں اور بہت طاقتور ہیں، تو وہ لوگ یہ حالات دیکھ کر گھبرا گئے اور آتے ہی تمام حالات اپنی برادری میں پھیلا دیئے۔ حالانکہ انھیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے روکا تھا، کہ انکے حالات اپنی اپنی برادری کو نہ بتانا، لیکن انھوں نے عہد شکنی کی۔ صرف دو حضرات اس معاہدہ پر مستحکم رہے۔

﴿۱﴾۔۔حضرت کالب بن یوقنا جو کہ یہودا کی اولاد کے نقیب تھے۔

﴿۲﴾۔۔یوشع بن نون جو افرائم بن یوسف کی اولاد کے نقیب تھے۔

بنی اسرائیل میں دغدغہ پڑ گیا اور اضطراب پیدا ہوا کہ ہم ان جباروں سے کیونکر لڑیں گے ۔۔الختصر۔۔وہ خدائے قادر مطلق کی نصرت واعانت پر بھروسہ نہ کر سکے، بلکہ اپنی جسارت کا مظاہرہ کیا اور حضرت موسیٰ سے بول پڑے کہ اے موسیٰ! 'آپ اور آپ کا رب، دونوں جائیں، سووہ جنگ کریں، ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں'۔اور بیٹھ کر تماشہ دیکھنے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت موسیٰ کو ان جبارین پر غلبہ عطا فرما دیا اور یہ عہد شکن دیکھتے ہی رہ گئے۔انھوں نے صرف یہی ایک عہد شکنی نہیں کی بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے بعد انہوں نے بہت سارے رسولوں کو شہید کرڈالا اور آسمانی کتابوں میں تحریف اور احکامِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کی۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ

پس ان کے اپنے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے مردود بنادیاان کو، اور کردیاان کے دلوں کو سخت۔ الٹے پلٹتے ہیں لفظوں کو

عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ

ان کی جگہوں سے۔ اور بھول گئے بڑا حصہ جوان کو نصیحت کی گئی تھی۔ اور ہمیشہ آگاہ ہوتے رہو گے ان کی ایک نہ ایک خیانت پر

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

مگر تھوڑے ان میں سے، توان سے عفو سے کام لواور درگزر کرو۔ بے شک اللہ محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو●

(پس انکے اپنے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے مردود بنادیاان کو)۔یعنی ہم نے انکو اپنی رحمت سے محروم کردیا۔۔یا۔۔انھیں بندر وخنزیر بنادیا۔۔یا۔۔ہم نے ان پر جزیہ قائم کر کے ذلیل وخوار کردیا(اور کردیاانکے دلوں کو سخت)۔اس قدر کی نشانیاں دیکھنے اور خوف کی باتیں سننے سے انکے دل میں کچھ اثر نہیں ہوتا۔انکے دل اس پتھر کی طرح ہیں جن میں بالکل نرمی نہیں ہوتی جسے 'قاسیہ' کہا جاتا ہے۔انکی سخت دلی اور فکری گمراہی کا عالم یہ ہے، کہ یہ خدا کے کلام بلاغت نظام سے اثر قبول کرنے کی بجائے، خود اس کلام ہی کو بدل دینا چاہتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔(الٹے پلٹتے ہیں) کلامِ الٰہی کے (لفظوں کو انکی جگہوں سے)یعنی پھیرتے ہیں کلمات تورات کو۔۔یا۔۔آنحضرت ﷺ کی صفت کی جگہ پر دوسری صفت رکھ دیتے ہیں۔۔یا۔۔توریت کے کلمات میں تاویلات فاسدہ کرتے ہیں۔

[redacted] (اور)اس تحریف کی نحوست سے (بھول گئے بڑا حصہ، جوانکو نصیحت کی گئی تھی)

[redacted]

۔۔یا۔۔بھولنے سے مراد ہے ضائع کردینا۔اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوا کہ انھوں نے توریت سے۔۔یا۔۔حضور ﷺ کی اتباع سے روگردانی کرکے اپناوافرحصہ ضائع کردیا۔۔الحاصل۔۔انھوں نے توریت میں تحریف کی اور جوکچھ ان پرنازل ہوا انھوں نے ضائع کردیا، کیونکہ انھیں کچھ حاصل نہ ہوسکا۔دھوکا اور خیانت ان کی عادت بن چکی ہے۔ اور نہ صرف انکی عادت ہے، بلکہ انکے اکابر بھی یوں ہی تھے کہ دھوکا بازی اور غداری انکی عادت بن چکی تھی۔تو یہ لوگ اپنی خیانت اور دھوکا بازی کو لاکھ چھپانے کی کوشش کریں، لیکن چھپا نہ سکیں گے۔

(اور ہمیشہ آگاہ ہوتے رہوگے ان) یہودیوں (کی ایک نہ ایک خیانت پر) (مگر) عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب جیسے (تھوڑے ان میں سے) ہیں، جو خیانت نہیں کرتے۔۔بایں ہمہ۔۔اگر یہ خیانت کرنے والے توبہ کرکے ایمان قبول کرلیں (تو ان سے عفو سے کام لو، اور) اگر جزیہ دینے کا التزام کرلیں، توان سے (درگزر کرو)، اور انھیں ایذاء نہ دو۔

اس توجیہہ پر یہ آیت منسوخ نہیں ہوتی۔لیکن اگر یہ معنی لیا جائے کہ ان کو مطلقا معاف کردو اور انکو ایذاء پہنچانے سے ہر حال میں منہ پھیر لو۔ایسی صورت میں یہ 'آیت سیف' یعنی **قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** سے منسوخ ہے۔

ایمان والو! تمھیں درگزر کرنے کی ہدایت اسلئے دی جارہی ہے کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (محبوب رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو)۔

اس ارشاد میں درگزر کرنے کی علت کی وضاحت کے ساتھ ساتھ فرمانبرداری کی طرف ترغیب بھی مطلوب ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جب ایک کافر خائن سے درگزر کرنا مستحسن ہے تو پھر اسکے غیر سے تو بطریق اولیٰ درگزر کرنا چاہئے۔۔مذکورہ بالا بیان یہودیوں سے متعلق ہے۔۔۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰۤى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ

اور ان لوگوں سے جنھوں نے اپنے کو کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا تو بھول گئے حصہ، جسکی انھیں نصیحت کی گئی تھی،

فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

تو ڈال دی ہم نے ان میں باہمی دشمنی اور بغض، قیامت تک۔

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جلد اللہ انھیں بتادے گا جو کر چکے ہیں●

(اور) انکے سوا (ان لوگوں سے) بھی (جنھوں نے اپنے کو کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں)۔
تو خواہ انھوں نے اپنے تئیں خود کو نصرانی کہا۔۔یا۔۔نصران یا ناصر نام کے دیہات کی طرف اپنے کو منسوب کیا، جہاں اس وقت حضرت عیسیٰ قیام پذیر تھے۔۔یا۔۔اسلئے کہ وہ اپنے کو 'انصاراللہ' کہتے ہی تھے۔

بہر تقدیر (ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا) جس طرح یہود سے ہم نے لیا تھا، (تو) وہ بھی (بھول گئے) اور نظر انداز کر دیا وہ عظیم (حصہ) یعنی اتباع فارقلیط' بلفظ دگر احمد مرسل ﷺ کی پیروی، (جسکی انھیں نصیحت کی گئی تھی تو) عہد شکنی کی نحوست کے سبب (ڈال دی ہم نے ان میں باہمی دشمنی اور بغض) اور وہ بھی چندروز کیلئے نہیں، بلکہ (قیامت تک) کیلئے۔اور وہ اسطرح سے کہ نصاریٰ کے تین فرقے ہوگئے۔

﴿۱﴾۔۔نسطوریہ: جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔

﴿۲﴾۔۔ملکانیہ: جو کہتے ہیں کہ خدا تین ہیں، ایک خود اللہ، دوسرے حضرت عیسیٰ، اور تیسری انکی والدہ حضرت مریم۔

﴿۳﴾۔۔یعقوبیہ: جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ خود خدا ہیں۔۔۔ان میں ہر ایک فرقہ دوسرے فرقے کا جانی دشمن ہے۔

مذکورہ آیت زیر تفسیر کا یہ بھی معنیٰ کیا گیا ہے کہ ہم نے یہود و نصاریٰ میں عداوت پیدا کر دی، جسکے نتیجے میں ان میں آپس میں بڑی خونی معرکہ آرائیاں ہوتی رہیں اور اگر کبھی کہیں ان میں ظاہری میل ملاپ نظر آیا، وہ خالص منافقانہ تھا۔ ہر شخص دوسرے کو تباہ و برباد کرنے کی فکر میں مستقل لگا رہا اور اگر کسی کو اپنے مخالف کو نقصان پہنچانے کا ذرا بھی موقع میسر آیا، تو اس نے اسے ضائع نہیں ہونے دیا۔۔یہ سارے یہود و نصاریٰ اس خام خیالی میں نہ رہیں کہ ان کے کرتوتوں کی کہیں کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی، اور انکے گندے کردار جو انکی ذات میں ایسا راسخ ہوگئے، گویا یہ افعال انہی کی صنعت ہیں، انکو ظاہر نہ کیا جائیگا۔

وہ غور سے سنیں کہ عنقریب (اور) بہت ہی (جلد) بروز قیامت (اللہ) تعالیٰ (انھیں بتادیگا) اور آگاہ کردیگا کہ وہ (جو کر چکے ہیں)، اور جس گندے کردار کے مرتکب ہو چکے ہیں، اسکا بدلہ کیا ہے؟

اور اسکی سزا کیا ہے؟۔۔۔

اس سے پہلے آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا کہ یہود و نصاریٰ نے اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو توڑ دیا اور ان پر نازل کی ہوئی کتابوں کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ انکو پھر اسلام کی دعوت دے رہا ہے اور یہ فرمایا کہ ہمارا نبی تم کو تمہاری کتاب کی وہ باتیں بتاتا ہے جن کو تم چھپاتے ہو۔ حالانکہ [redacted] کسی درسگاہ میں تعلیم حاصل [redacted] انکے معجزات میں سے ہے۔

یہود رجم کی آیت کو چھپاتے تھے اور جن یہودیوں نے منع کرنے کے باوجود ہفتہ کے دن شکار کیا، اسکی پاداش میں انکو بندر بنا دیا گیا، اسکو بھی وہ چھپاتے تھے اور ہمارے نبی ﷺ نے ان امور کو بیان فرما دیا اور بہت سی ایسی باتیں جن کو یہود چھپاتے تھے انکو نبی نے نہیں بیان فرمایا، کیونکہ انکے بیان سے دین کی کوئی غرض وابستہ نہیں تھی۔ اب انھیں کتابیوں کو مخاطب فرما کر فرمایا جا رہا ہے۔۔۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ

اے اہل کتاب، بے شک آگیا تمہارے پاس ہمارا رسول جو ظاہر کر دیتا ہے، بہتیری چیزوں کو جن کو تم چھپاتے تھے

مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۟ ﴿۱۵﴾

کتاب سے، اور بہت کو معاف رکھتے ہیں۔ بے شک آگیا تم میں اللہ کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب●

(اے اہل کتاب) یعنی توریت و انجیل والے یہود و نصاریٰ! (بیشک آگیا تمہارے پاس ہمارا رسول) یعنی وہ رسول جس کو تشریفاً اپنی ذات کی طرف منسوب کر کے تعارف کرا رہے ہیں، اس میں اشارہ ہے کہ اسکی اطاعت واجب ہے۔ یہ آنے والا وہ ہے (جو) باقتضائے مصلحت تھوڑا تھوڑا کر کے (ظاہر کر دیتا ہے) ان (بہتیری چیزوں کو جن کو تم چھپاتے تھے) اپنی (کتاب) کے مضامین وارشادات (سے)، جیسے توریت میں مذکور نعت مصطفیٰ ﷺ اور آیت رجم، اور انجیل میں مذکور بزبان حضرت مسیح بشارت آمد احمد مجتبیٰ ﷺ۔ [redacted] پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو، ان [redacted]

ایک مرتبہ ایک یہودی نے آپ ﷺ سے دریافت کیا، کہ وہ بہتیری باتیں کون سی ہیں،

جس سے آپ نے درگزر کی؟ اس نے یہ سوچ کر سوال کیا تھا، کہ اگر اب رسول اسکو بتاتے ہیں، تو ہمیں کہنے کا موقع مل جائیگا، کہ کہاں آپ درگزر فرمارہے ہیں، آپنے ہم کو بتا تو دیا۔ اسطرح ہم قول وفعل میں تضاد دکھا کر انکو باطل قرار دے سکیں گے۔۔مگر۔۔سرکار نے اسکے اس سوال کا جواب نہیں دیا، بلکہ اپنا رخ پھیر لیا۔ اس نے دوبارہ، پھر سہ بارہ یہی سوال کیا، آپ نے ہر بار رخ پھیر لیا۔ یہودی نے جب ہر مرتبہ آپ کی یہ بے التفاتی دیکھی، تو اسے آپکی صداقت کا یقین ہوگیا اور وہ ایمان لے آیا اور ایسا کیوں نہ ہوتا، اسلئے کہ۔۔۔

(بیشک آگیا تم میں) گمراہی کے اندھیرے کو دور کرنے والا (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) شکل محمدی میں (ایک نور اور) اس نور کی معرفت کرانے اور اسکی لائی ہوئی خداوندی ہدایات کو پیش کرنے کیلئے (روشن کتاب) جس نے شرک اور شک کی ظلمتوں کو کافور کر دیا، اور بہت سی حق کی باتیں جو لوگوں پر مخفی تھیں، اسے ظاہر کر دیا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ سارے اقوال میں راجح یہی ہے کہ آیت کریمہ میں نور سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور یہ دونوں ہی ذریعہ ہدایت خداوندی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں ہی سے ہدایت فرماتا ہے۔ [redacted] دو ہیں، مگر مقصد کے لحاظ سے ایک ذات ہیں۔ [redacted] اسلئے دونوں کا حکم ایک ہے۔ [redacted] کا مقصد ہے۔ اسلئے کہ ایک رسول الٰہی ہیں اور دوسرا انکا معجزہ بن کر انکا موید ہے، اور جو کچھ وہ فرماتے ہیں انکی تصدیق قرآن مجید کرتا ہے۔۔بنابریں۔۔واحد کی ضمیر لانا موزوں ہے۔ اب اس بات کی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ آیت کریمہ میں مذکورہ واحد کی ضمیر کی صحت ثابت کرنے کیلئے اس ضعیف قول کا سہارا لیا جائے، کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن ہے۔۔الحاصل۔۔

يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ

ہدایت عطا فرماتا ہے اس سے اللہ اس کی جو چل پڑا اس کی خوشی کیلئے سلامتی کی راہوں کی، اور نکال دیتا ہے ان کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۶﴾

اندھیروں سے روشنی کی طرف اپنے حکم سے، اور راہ دے دیتا ہے سیدھی۔

(ہدایت عطا فرماتا ہے اس) مجمع البحرین، پیکر نوری، مشتمل بر ذات محمدی و معجزہ محمدی، بصورت قرآن کریم (سے)، (اللہ) تعالیٰ (اس کی، جو چل پڑا) حضور ﷺ پر ایمان لاکر (اسکی خوشی کیلئے) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے (سلامتی کی راہوں کی)، یعنی ان پر عذاب وعقاب سے نجات کے طریقے واضح کردئے جاتے ہیں۔

اس سے مراد شریعت مقدسہ ہے۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے (نکال دیتا ہے انکو) کفر وگمرہی اور جہل کے (اندھیروں سے)، ایمان وراستی وعلم ویقین کی (روشنی کی طرف اپنے حکم سے)۔ یعنی اسکے آسان کردینے اور اسکے ارادہ سے۔ (اور راہ دے دیتا ہے سیدھی) جو اللہ تعالیٰ کے قریب تر ہے۔ جس پر چل کر اسکی بارگاہ میں پہنچنا یقینی ہو۔ اس نور مبین کے ظہور سے پہلے ہر طرف جہالت کے ابر چھائے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی جہالت کی بنیاد پر۔۔۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ

بے شک کافر ہوگئے جو بولے کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ کہو

فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ

کہ کون قابو رکھتا ہے کچھ بھی اللہ سے اگر ارادہ فرمالیا کہ ہلاک کردے مسیح ابن مریم

وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور ان کی ماں اور زمین پر جو ہے سب کو۔ اور اللہ کیلئے ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی

وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۷

اور ان کے درمیان کی۔ پیدا فرمادے جو چاہے۔ اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

[illegible] اللہ) تعالیٰ (مسیح ابن مریم ہی ہے)۔ ان جاہلوں کی عقل [illegible] ہوا کرتی ہے، اور بیٹا حادث ہوا کرتا ہے۔ جو حادث ہو وہ [illegible] ہوتی ہے اور بیٹا چھوٹا، اور یہ بات بعید از قیاس ہے [illegible] پہلے موجود تھا خدا ہو۔۔۔ الغرض۔۔۔ نجران کے نصاریٰ کے فرقہ یعقوبیہ کی جہالت خود انہی کے قول سے ظاہر ہوجاتی ہے، کہ ایک طرف حضرت مسیح

کو خدا کہہ رہے ہیں، دوسری طرف ابن مریم بھی مان رہے ہیں۔

اے محبوب! انھیں خاموش کن جواب دیدو اور ان سے (کہو کون قابو رکھتا ہے کچھ بھی اللہ) تعالیٰ (سے، اگر ارادہ فرمالیا) اس نے (کہ) موت وفنا کے ذریعے (ہلاک کردے مسیح ابن مریم اور) بفرض حیات (انکی ماں اور زمین پر جو) جو موجود (ہے) ان (سب کو)۔۔۔

۔۔الختصر۔۔اگر اللہ تعالیٰ کا ان سب کو موت وفنا کے ذریعہ ہلاک کرنے کا ارادہ ہوجائے، تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارادے سے اسے روک سکے اور انھیں انکی ہلاکت سے بچاسکے، جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو موت دی، تو کوئی مانع نہ ہوا۔۔الغرض۔۔آیت کریمہ میں حضرت بی بی مریم صاحبہ کے ذکر سے نصرانیوں کے منہ بند کرنے کی تاکید مطلوب ہے اور واضح کرنا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو موت دینے کا ارادہ فرمالے، تو اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

تو اگر بالفرض اس وقت حضرت مریم باحیات ہوں اور پھر حق تعالیٰ ان پر وفات طاری کرنا چاہے، تو کسی میں یہ قدرت نہیں کہ انھیں موت سے بچاسکے۔۔الحاصل۔۔مسیح اور انکی ماں دوسرے سارے ممکنات کی طرح مغلوب ومقہور وقابل فنا ہیں اور ایسے کو خدا جاننا نہ چاہئے۔

تو اے نصرانیو! جب تم لوگوں نے بی بی مریم کی موت پر اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھ لی، تو پھر تم ہی غور کرو کہ باقیوں کی موت اس کیلئے کب ناممکن ہے؟

(اور) ناممکن ہونے کا سوال ہی کیا ہے، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ ہی (کیلئے ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی اور انکے درمیان کی)۔آسمانوں اور زمینوں اور انکے مابین جو کچھ ہے سب کا سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہے، وہ ان سب پر قدرت تامہ اور مکمل قبضہ رکھتا ہے۔وہی تمام اشیاء پر ایجاداً واعداماً واحیاءً واماتۃً، مطلقاً تصرف کا مالک ہے۔اسکے سوا کسی کو نہ استقلالاً تصرف کا حق ہے، نہ ہی اشتراکاً۔۔بنابریں ۔۔صرف وہی 'الوہیت' کا مستحق ہے۔کسی کو اس کے سوا یہ استحقاق نہ حاصل ہے، نہ ہوسکتا ہے۔وہ انواع مخلوق میں (پیدا فرمادے جو چاہے) اور جس طرح چاہے، (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے)۔وہ جو چاہے کرے۔

اگر چاہے تو اصل کے بغیر پیدا کرے، جیسے آسمان وزمین کے اندر کی چیزیں۔چاہے تو کسی اصل سے لیکن اسکے جنس سے نہیں، جیسے آدم علیہ السلام اور دیگر بہت سے حیوانات کی تخلیق۔اسی طرح کسی ایسی اصل سے، جو اسکی ہم جنس ہو، لیکن مادہ سے، جس میں نر کا دخل

نہ ہو، جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق ۔۔یا۔۔ دونوں کا دخل ہو جیسے باقی تمام انسانوں کی تخلیق ۔۔یا۔۔ اسکی تخلیق میں کسی غیر کا واسطہ نہ ہو۔ جیسے عام مخلوق کی تخلیق ۔۔یا۔۔ اپنی تخلیق میں کسی کو واسطہ بنائے، جیسے معجزے کے طور پر پرندوں کی تخلیق، اور مردوں کو زندہ کرنے، کوڑھیوں اور مادرزاد اندھوں وغیرہ کو اچھا کرنے میں عیسیٰ علیہ السلام کو واسطہ بنایا، لیکن ان سب کی نسبت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہوگی، نہ کہ کسی اور کی طرف۔

اوپر کے بیان سے ظاہر ہو چکا کہ یہود و نصاریٰ مسلسل عہد شکنی اور سرکشی کرتے رہے اور خدائی عذاب و عتاب کا شکار بھی ہوتے رہے، لیکن ان کو اپنے تعلق سے خوش فہمی بہت تھی ۔۔یا۔۔ وہ دوسروں کو بے وقوف بنانے کیلئے جان بوجھ کر ڈینگ ہانکنے کے عادی ہو چکے تھے ۔۔۔ چنانچہ ۔۔۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ

اور یہود و نصاریٰ بولے، کہ ہم اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں، کہو کہ پھر تم پر عذاب کیوں کیا

بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

تمہارے گناہوں کی وجہ سے، بلکہ تم بشر ہو اللہ کی مخلوقات سے۔ وہ بخش دے جسکو چاہے اور عذاب دے جس کو چاہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑱

اور اللہ ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان کے درمیان کی، اور اسی کی طرف پھرنا ہے●

(اور یہود و نصاریٰ بولے کہ ہم اللہ) تعالیٰ **(کے بیٹے)** ہیں اور وہ ہمارے واسطے شفقت و مہربانی میں باپ کے مثل ہے۔ اور ہم لوگ قرب و منزلت میں اسکی اولاد کے مثل ہیں ۔۔ چنانچہ ۔۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑا مرتبہ اور بہت بڑی فضیلت حاصل ہے، جو دوسروں کو نصیب نہیں۔ اب اگر کبھی کبھار وہ ہم سے ناراض ہوتا ہے، تو وہ ناراضگی صرف اسی طرح کی ہے، جس طرح کوئی باپ اپنے بیٹے سے ناراض ہوتا ہے **(اور)** ۔۔ یونہی ۔۔ وہ ۔۔ نیز ۔۔ بولے کہ ہم خدا کے **(پیارے ہیں)** اور اسکے چاہنے والے ہیں۔

تو اے محبوب! ان کو خاموش کن جواب دیدو اور ان سے **(کہو کہ)** اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو بتاؤ **(پھر تم پر عذاب کیوں)** نازل **(کیا)** گیا **(تمہارے گناہوں کی وجہ سے)**۔ کبھی تمہیں قتل کیا گیا، کبھی تم قیدی بنے، کبھی تمہاری شکلیں بدل گئیں، اور پھر اسکا بھی تمہیں اقرار ہے، کہ کل قیامت

میں تمھیں عذاب میں مبتلا کیا جائیگا، اگر چہ بقول شما، وہ گنتی کے دن ہی سہی، کہ جتنی تمہارے آباء و اجداد نے بچھڑے کی پرستش کی۔

بولو کہ اگر تم اپنے گمان فاسد میں سچے ہو، تو پھر تم سے ایسی غلطیاں کیوں سرزد ہوئیں اور تمھیں ایسے عذاب میں کیوں مبتلا کیا گیا۔ (بلکہ تم) عام (بشر) کی طرح (ہو، اللہ) تعالیٰ (کی مخلوقات سے) ---الغرض--- تم عام انسان ہو، جیسے دوسرے اللہ تعالیٰ کی عام مخلوق ہے۔ اور تمھیں کسی قسم کی بزرگی اور شرافت حاصل نہیں۔ (وہ) رب کریم اپنی مخلوقات میں سے (بخش دے جسکو چاہے اور عذاب دے جسکو چاہے)۔ لہٰذا وہ اپنے اوپر اور اپنے رسولوں پر ایمان لانے والوں کو اپنے فضل سے بخش دیتا ہے اور جو اسکو اور اسکے رسولوں کو نہیں مانتے، اپنے عدل سے ان پر عذاب نازل فرماتا ہے۔

---المختصر--- اللہ تعالیٰ خالق کل، قادر مطلق ہے (اور اللہ) تعالیٰ (ہی کیلئے ہے حکومت آسمانوں کی اور زمین کی اور انکے درمیان) جو کچھ ہے ان سب (کی، اور) بالآخر سب کو (اسی کی طرف پھرنا ہے) اور قیامت میں اسکی بارگاہ میں حاضری دینی ہے۔ اسکے سوا نہ کوئی استقلالاً مالک ہے اور نہ ہی اشتراکاً۔ قیامت میں جو ہر ایک کو جزا ---یا--- سزا ہوگی، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

محبت الٰہی کا دعویٰ کرنے والو! سن لو کہ صرف زبانی دعووں کا نام محبت نہیں [illegible] کی بھی چند علامتیں ہیں۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ تم اللہ [illegible] نافرمانی بھی کرتے ہو۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت میں سچے ہوتے، تو تم اسکی اطاعت کرتے، اسلئے کہ محب وہ ہوتا ہے جو اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے اور اسے راضی رکھتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ اگر خدا کو راضی رکھنا ہے، تو اسکے [illegible] کوشش نہ کرو، بلکہ اسی سے پوچھو کہ اے میرے رب [illegible] اس تعلق سے ارشاد خداوندی ہوتا ہے کہ۔۔۔

یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا يُبَيِّنُ لَـكُمۡ عَلٰى فَتۡرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ

اے اہل کتاب بیشک آگیا تمہارے پاس ہمارا رسول جو کھول کر ہمارا حکم ظاہر کردیتا ہے تم پر رسولوں کا سلسلہ ٹوٹ جانے پر،

اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا جَآءَنَا مِنۡۢ بَشِيۡرٍ وَّلَا نَذِيۡرٍ‌ فَقَدۡ جَآءَكُمۡ بَشِيۡرٌ وَّنَذِيۡرٌ

کہ کبھی کہیں کہہ ڈالو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی بشیر و نذیر۔ تو لو آگیا تمہارے پاس بشیر و نذیر۔

ع ۷ ۶

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾

اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(اے اہل کتاب) کان کھول کر سن لو کہ (بیشک آ گیا) ذریعہ رضائے الٰہی بن کر (تمہارے پاس ہمارا رسول، جو کھول کر ہمارا حکم ظاہر کر دیتا ہے تم پر)۔ بس اسی کی مخلصانہ اطاعت و پیروی کرو، میں خود تمھیں اپنا محبوب بنالونگا۔ اور یہ کتنی بڑی بات ہے۔ یاد رکھو کہ تمہارا خدا سے راضی ہونا کوئی خاص بات نہیں، بلکہ خاص بات تو یہ ہے کہ خود خدا تم سے راضی ہو جائے۔ اور یہ مقام اسی کو حاصل ہوتا ہے جو سراپا اخلاص ہو کر اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت و اتباع کرتا ہے۔ اور یہ وہ رسول ہے جو تم پر مبعوث کیا گیا (رسولوں کا سلسلہ ٹوٹ جانے پر)، یعنی حضور ﷺ ایسے وقت تشریف لائے کہ اس وقت رسل کرام علیہم السلام کی تشریف آوری اور وحی کی آمد بھی منقطع تھی۔ گویا آپ کے تشریف لانے کی اشد ضرورت تھی۔

ذہن نشین رہے کہ رفع حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک یہ سلسلہ رہا کہ انبیاء علیہم السلام سے جبکہ ایک واصل بحق ہوتے، تو دوسرے تشریف لاتے۔ مگر حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھالئے جانے کے بعد، سید الانبیاء کے عہد تک بر بنائے قولِ مشہور تقریباً ۶۰۰ سال گزر گئے لیکن کوئی صاحب وحی و کتاب نبی نہیں آیا۔ بعض روایات میں اس عہد میں چار نبیوں کی آمد کا ذکر ہے، تو زیادہ قرین قیاس بات یہی ہے کہ وہاں نبی کا اطلاق ان نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں پر کر دیا گیا ہے، جو مظہر شان نبوت تھے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر 'فترت' سے اپنا احسان جتلایا ہے۔ یہ اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد اور حضور سے پہلے کوئی اور نبی نہ ہو اور عرصہ دراز گزر جانے کے بعد انھیں سخت ضرورت محسوس ہوئی ہو، تاکہ انکی ضرورت کے پورا کرنے میں وہ سمجھیں کہ اب ہمارے اوپر نعمت و رحمت کا دروازہ کھلا ہے۔

'فترت' کا تقاضہ یہی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کیا ورنہ اگر درمیان میں کوئی اور پیغمبر ہوتا، تو انکو حجت بازی کا موقع کیسے ملتا اور ان کیلئے اس عذر کو پیش کرنیکی گنجائش کہاں سے نکلتی کہ ہمارے ہاں کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا، جس عذر کا دروازہ بند کرنے کیلئے نبی آخر الزماں کو مبعوث کیا گیا۔ ویسے بھی روایتوں میں اس 'عہد فترت' میں خالد بن سنان اور انکے سوا جن بزرگوں کیلئے نبی ہونے کا گمان کیا گیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی اپنے نبی ہونے کا دعویٰ

نہیں کیا۔ اور پھر اللہ کے رسول کا یہ فرمانا کہ: 'میں حضرت عیسیٰ ابن مریم کے قریب تر ہوں میرے اور انکے درمیان کوئی نبی نہیں'۔ میں نے جو عرض کیا، اسکو راجح وانسب قرار دینے کیلئے کافی ہے۔۔المختصر۔۔زمانہء فترت میں جبکہ رسولوں کی آمد کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا، اپنے رسول کو مبعوث فرمانا، اگر ایک طرف رب کریم کا احسانِ عظیم ہے، تو دوسری طور اس عہد میں رہنے والو! خدا کو یہ پسند نہیں تھا اور اسے یہ منظور نہیں تھا۔۔۔

(کہ کبھی کہیں) تم یہ نہ (کہہ ڈالو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی بشیر ونذیر، تو لو آ گیا تمہارے پاس بشیر ونذیر، اور) ایسا کیوں نہ ہو۔ اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔ وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو پے در پے بھیجے، جیسا کہ مروی ہے کہ موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام کے درمیان کم وبیش، ایک ہزار سات سو سال کا فاصلہ تھا۔ اس اثناء میں کم وبیش ایک ہزار انبیاء علیہم السلام تشریف لائے اور اس بات پر بھی قادر ہے، کہ سلسلہ نبوت کو ایک عرصے کیلئے منقطع فرما دے اور پھر ایک ذات ستودہ صفات کو آخری نبی بنا کر بھیجے اور آئندہ کیلئے دروازۂ نبوت بند کر دے، ایسا کہ قیامت تک پھر کسی کو نبوت کے منصب پر فائز نہ کرے۔ جیسے کہ حضرت عیسیٰ کے بعد ایک طویل عرصہ تک کسی کو مبعوث نہیں فرمایا، اور پھر آخر میں ہمارے نبی ﷺ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنا کر مبعوث فرمایا۔۔۔

سابقہ آیات میں فرمایا تھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان میں سے بارہ نگراں مقرر کیے، تو اس آیت میں بنو اسرائیل سے عہد اور میثاق لینے کا ذکر تھا اور اب آنے والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انکو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور اسکے مقابل میں بنو اسرائیل کی سرکشی کا ذکر فرمایا ہے، کہ ان کو ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور انھوں نے اس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا۔

سابقہ ارشادات سے دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے رکوع میں سیدنا محمد ﷺ کی رسالت اور نبوت پر دلائل قائم کیے تھے اور یہ بتایا تھا کہ یہود آپ کی نبوت کو نہیں مانتے۔ اس رکوع میں دو چیزیں بیان فرمائی ہیں۔ جو یہود کے عناد پر دلالت کرتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بکثرت نعمتوں کا انکار کرتے تھے، دوسرے یہ کہ انھوں نے ارض فلسطین میں داخل ہونے اور جبارین کے خلاف لڑنے سے انکار کیا۔

[illegible] نا تو ان کی سرشت ہے، یہ اس سے پہلے
بھی اللہ تعالیٰ کی اور حضرت موسیٰ کی نافرمانی کر چکے ہیں۔ تو اے میرے پیارے محبوب! ﷺ
[illegible] کرلو۔۔۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَٰقَوْمِ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَةَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو "اے قوم یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر، کہ پیدا کیا

فِيكُمْ أَنۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَءَاتَىٰكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٠﴾

تم میں انبیاء کو، اور تم کو بنادیا بادشاہ، اور تم کو دیا جو کسی کو نہ دیا آج سارے جہاں میں"●

(اور) یاد کرو (جب) کہ (کہا موسیٰ نے اپنی قوم) بنی اسرائیل (کو، اے قوم یاد کرو اللہ) تعالیٰ (کی) خاص (نعمت کو) جو اس نے تمہارے (اپنے اوپر) نازل فرمائی، وہ یہ (کہ پیدا کیا تم میں انبیاء کو) تاکہ تمہیں راہِ حق دکھائیں اور کسی امت میں اس قدر نبی مبعوث نہیں ہوئے، جتنے بنی اسرائیل میں ہوئے (اور تم کو بنادیا بادشاہ)، یعنی تمہاری برادری اور قوم ہی سے بادشاہ ہوئے۔

۔۔یا یہ کہ۔۔ایک دور تھا کہ تم غلام ومحکوم ہوکر فرعون والوں کے ملک وحکومت میں تھے اور تابع ہوکر انھیں جزیہ ادا کرتے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھیں آزاد وخود مختار بنادیا۔۔یا یہ کہ۔۔اللہ تعالیٰ نے تم کو خدم وحشم والا بنادیا کہ تم نے اپنے لئے خدام ونوکر مقرر کر لئے، ورنہ اس سے پہلے یہ رسم نہ تھی۔۔یا یہ کہ۔۔تمھیں آراستہ محلات اور بلڈنگوں والا بنادیا جہاں آکر سکون وقرار حاصل ہو، اور جہاں خدمت کیلئے خدام حاضر ہوں۔ان اشخاص کو بھی 'ملوک' کہا جاتا ہے جنکی بڑی بڑی کوٹھیاں ہوں، ان میں باغات لگے ہوں، اور ان میں ہر وقت پانی جاری رہتا ہو۔۔الختصر۔۔مذکورہ بالا تمام نعمتیں بنی اسرائیلیوں کو عطا فرمائی گئیں۔

(اور) اتنا نہیں بلکہ اے بنی اسرائیلیو! (تم کو) یعنی تمہارے مورثوں کو (دیا) اللہ تعالیٰ نے (جو کسی کو نہ دیا آج سارے جہاں میں)۔۔مثلاً: دریا کا پھٹ کر راستہ دے دینا، تمہارے دشمنوں کا ڈوب کر مر جانا، اور تمہارے سروں پر بادل کا سایہ کرنا، من وسلویٰ کا نزول، اور دیگر بڑے بڑے امور، اللہ تعالیٰ نے صرف تمھیں عطا فرمائے۔۔الختصر۔۔حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو ان ساری نعمتوں کو یاد دلایا اور ان سے فرمایا کہ۔۔۔

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

"اے قوم داخل ہو زمین پاک میں جس کو لکھ دیا اللہ نے تمہارے لیے،

وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾

اور نہ پلٹو اپنی پشت پر کہ پلٹ اٹھو گھاٹے میں"●

(اے) میری (قوم) کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا پاس ولحاظ رکھو اور شکر ادا کرو جسکی شکل یہ ہے کہ اسکی اطاعت کرو، جب اس نے حکم دے دیا ہے تو (داخل ہو) جاؤ (زمین پاک میں) یعنی بیت المقدس میں جہاں کی مقدس زمین شرک [redacted] گاہ ہے۔ وہ مقدس زمین (جسکو لکھ دیا اللہ) تعالیٰ (نے) لوحِ محفوظ میں (تمہارے لئے) کہ اگر تم ایمان لاؤ اور اطاعت کرو، تو وہ تمہارا مسکن رہے گی۔ [redacted]

پھر انھیں وہاں سے نکال دیا اور [redacted] انکو حکم تو یہی دیا گیا تھا کہ حکمِ الٰہی کی مکمل اطاعت کرو (اور نہ پلٹو اپنی پشت پر) یعنی جبابرہ کے خوف سے وہاں جانے سے پیچھے نہ ہٹو اور جس طرف سے آئے ہو، اسی طرف یعنی مصر کی طرف واپسی کا خیال ذہن سے نکال دو، کیونکہ اسطرح تم نافرمانوں میں ہو جاؤ گے۔۔ الحاصل۔۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے پیچھے نہ ہٹ جاؤ (کہ پلٹ اٹھو گھاٹے میں)، یعنی اگر تم نافرمانی کر کے لوٹو گے، تو تمہارا یہ حال ہوگا کہ تم خسارہ والے ہو گے اور ثوابِ دارین سے محروم ہو جاؤ گے۔

حضرت موسیٰ کے ارشادات سن کر نافرمانی کے ارادے سے۔۔۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى

سب بولے، "اے موسیٰ اس میں بڑے بڑے زبردست لوگ ہیں، ہم تو وہاں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ

يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

وہ وہاں سے نکل جائیں، ہاں اگر وہ نکل جائیں تو ہم ضرور پہنچیں گے"●

(سب بولے اے موسیٰ، اس میں بڑے بڑے زبردست لوگ ہیں)، وہ ایسے قوت والے ہیں کہ انکا مقابلہ کرنا ناممکن ہے۔۔ چنانچہ۔۔ (ہم تو وہاں داخل نہ ہونگے) اس زمین پر لڑنے کے واسطے

(یہاں تک کہ وہ) بےلڑے بھڑے (وہاں سے نکل جائیں) اور اپنی ولایت ہمیں دے دیں۔ (ہاں اگر وہ) ایسا کریں کہ ہم کو مکمل قبضہ دیکر وہاں سے (نکل جائیں، تو ہم ضرور پہنچیں گے)۔ اس مقام پر یہ گمان نہ کرلیا جائے کہ اس انکار میں سب متفق تھے اور کوئی بھی حضرت موسیٰ کا حامی بھرنے والا نہ تھا۔ اسلئے کہ جب اکثر لوگوں نے حضرت موسیٰ کی اطاعت سے انکار کیا، تو اسی وقت۔۔۔

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا

اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو شخصوں نے کہا، ان دونوں پر اللہ کا انعام ہوا، کہ "داخل ہو

عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ

دروازہ میں زبردستی"۔ پھر جب داخل ہو چکے تو بیشک تمہیں جیتے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾

اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر اسے مانتے ہو●

(اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والوں میں سے دو شخصوں نے کہا)، ایک حضرت یوشع اور دوسرے حضرت کالب، (ان دونوں پر اللہ) تعالیٰ (کا انعام ہوا)، جسکا یہ ثمرہ تھا کہ دونوں ہی اپنے ایمان اور اپنے عہد پر ثابت قدم رہے اور ان پر جبارین کا خوف طاری نہیں ہوا۔۔ چنانچہ۔۔ انھوں نے بنی اسرائیل کو مشورہ دیا (کہ داخل ہو) جاؤ ان جبارین کے شہر 'اریحا' کے (دروازہ میں زبردستی) اور اچانک، تاکہ وہ صحرا میں جانے کا موقع پا نہ سکیں اور تم انھیں تنگ راستے ہی میں گھیر لو۔ (پھر جب داخل ہو چکے) تم اس دروازہ سے اور اسی طریقہ پر جو ہم نے کہا (تو) یقین جان لو کہ (بیشک تمہیں جیتے) اور فتحیاب ہوئے، اسلئے کہ ہم نے انھیں غور وخوض سے دیکھا، وہ دل کے نہایت کمزور ہیں، اگرچہ جسموں کے لحاظ سے موٹے ہیں۔ ان سے بالکل نہ گھبراؤ، بلکہ ان پر تنگ راستوں میں حملہ کردو، اسطرح انھیں بچ نکلنے کی کوئی صورت نہ مل سکے گی۔۔ الغرض۔۔ انکا موٹاپا ان کیلئے بے فائدہ اور لاحاصل ہے۔

یہ بات انھوں نے الہام الٰہی سے جانی تھی۔۔۔یا۔۔ حضرت موسیٰ کے خبر دینے سے۔ ان مشورہ دینے والوں نے اس حقیقت کی طرف بھی توجہ دلادی، کہ جہاد فی سبیل اللہ میں اہل ایمان کی کامیابی خود انکے زور بازو کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ کامیابی اللہ تعالیٰ کی مدد اور اسی کی نصرت سے حاصل ہوتی ہے، تو پھر اپنی قوت وطاقت اور اپنے آلاتِ حرب وضرب پر بھروسہ نہ کرو، بلکہ دشمنوں سے بے خوف

ہو جاؤ! (اور اللہ) تعالیٰ (پر بھروسہ رکھو، اگر اسے مانتے ہو) اور اس کے وعدہ پر یقین رکھتے ہو، اسلئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تصدیق کرتے ہو، تو اسکا تقاضہ یہی ہے کہ اس پر لازما توکل کرو۔ مگر ان دونوں کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر اپنی بات پر اصرار کرتے ہوئے، باقی۔۔۔

قَالُوا يٰمُوسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ

سب بولے، "اے موسیٰ ہم تو کبھی داخل نہ ہوں گے جب تک وہ اس میں ہیں، تو چلے جاؤ تم

وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور تمہارا پروردگار، پھر دونوں مل کر جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہیں"●

(سب بولے اے موسیٰ ہم تو کبھی داخل نہ ہونگے) جبابرہ کے شہر میں (جب تک وہ اس میں) ٹھہرے ہوئے (ہیں)۔ ان سرکش لوگوں کے دل سے اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی قدر و منزلت اٹھ گئی ہے۔ اسلئے گستاخانہ لب و لہجے میں حضرت موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ! بارہ[۱۲] نقیبوں میں آپ صرف دو ہی کا مشورہ قبول کرتے ہیں اور انکے سوا دس[۱۰] کی بات نہیں مانتے، پھر بطور استہزاء بولے کہ اے موسیٰ جب تم ہماری بات نہیں مانتے، (تو چلے جاؤ تم اور تمہارا پروردگار، پھر دونوں مل کر جنگ کرو) تماشہ دیکھنے کیلئے (ہم یہاں بیٹھے ہیں)۔

اپنے اس کلام کے ذریعہ انھوں نے خدا اور رسول کی شان میں سخت بے ادبی کا مظاہرہ کیا ہے اور بدترین گستاخی کر بیٹھے ہیں۔

حضرت موسیٰ نے جب انکی یہ سرکشی اور ہٹ دھرمی دیکھی تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں رقیق القلب ہو کر نہایت ہی حزیں و غمگین ہو کر۔۔۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا

کہا موسیٰ نے، "پروردگارا میں نہیں ذمہ دار ہوں مگر اپنی ذات کا اور اپنے بھائی کا، تو الگ الگ کردے ہم کو

وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور نافرمان قوم کو"●

(کہا موسیٰ نے پروردگارا، میں نہیں ذمہ دار ہوں مگر اپنی ذات کا اور اپنے بھائی کا)۔۔ چنانچہ ۔۔صرف ہم دونوں تیرے ارشاد کی تعمیل کیلئے حاضر ہیں (تو الگ الگ کردے ہم کو اور نافرمان قوم کو

جو تیرے حکم سے باہر ہو گئے ہیں۔تو ہمارے ساتھ وہ کر جسکے ہم مستحق ہیں اور ان نافرمانوں کے ساتھ وہ کر، جس کے وہ مستحق ہیں۔حضرت موسیٰ کی اس گزارش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد۔۔۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيۡهِمۡ اَرۡبَعِيۡنَ سَنَةً ۚ يَتِيۡهُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ ؕ

فرمایا، "تو بے شک وہ اس زمین سے چالیس سال تک محروم ہوئے ٹاپتے پھریں گے زمین میں،

فَلَا تَاۡسَ عَلَى الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِيۡنَ ۝۲۶

تو افسوس مت کرنا ان نافرمانوں پر"●

ع ۸

(فرمایا، تو بیشک وہ اس زمین سے چالیس۴۰ سال تک محروم ہوئے) نہ اس میں داخل ہو سکیں گے اور نہ ہی اسکے مالک ہو سکیں گے، اپنی نافرمانی کی شامت کی وجہ سے۔۔الختصر۔۔چالیس۴۰ سال تک بیت المقدس میں انکا داخلہ حرام ہوگا، تو اس مدت میں نہ وہ اس میں داخل ہو سکیں گے اور نہ ہی اس کے کسی حصے کے مالک بن سکیں گے، بلکہ انھیں ان ایام میں کسی ایک جگہ سکون سے ٹھہرنا بھی نصیب نہ ہوگا اور اِدھر اُدھر (ٹاپتے پھریں گے زمین میں)۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت موسیٰ کی قوم زمین تیہ میں 'جو مصر سے بارہ میل کی دوری پر ہے' چالیس۴۰ برس سرگرداں رہی۔ہر صبح کو سفر کا قصد کرتے اور شام تک چلتے اور شب کو پھر وہیں ہوتے جہاں سے صبح کو چلے تھے۔یہ پوری قوم صرف اٹھارہ۱۸ میل کے احاطے والے میدان سے نکل نہیں پا رہی تھی۔گو حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بھی انکے ساتھ تھے، لیکن انکے لئے راحت و فرحت تھی اور دوسروں کیلئے سزا، جیسے نار نمرودی حضرت ابراہیم کیلئے گلزار اور سلامتی و راحت و سرور کا سبب بن گئی اور دوسروں کی نظر میں وہ آگ تھی۔

اس مقام پر نحوست و برکت دونوں کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون بنو اسرائیل کی نحوست سے انکے ساتھ چالیس۴۰ سال جنگل میں رہے اور بنو اسرائیل پر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی برکت سے بادلوں نے سائے کئے، ان پر من و سلویٰ نازل ہوا، تاکہ واضح ہو جائے کہ بزرگوں کی صحبت میں کیا برکت ہوتی ہے اور بدبختوں کی صحبت میں کتنی پریشانی ہوتی ہے۔جب حضرت موسیٰ نے اپنے قوم کے حق میں دعا کی اور حکم ہوا کہ یہ لوگ چالیس۴۰ سال تک سرگرداں اور حیران پھرا کرینگے تو حضرت موسیٰ پشیمان و شرمندہ ہوئے، تو

حق تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا کہ جب ہم نے انکی حیرانی اور پریشانی کا حکم کرہی دیا اور وہ اسلئے کہ یہ لوگ بجا طور پر اسکے مستحق تھے۔۔۔

(تو) اے موسیٰ! (افسوس مت کرنا ان نافرمانوں پر) انکی حیرانی و پریشانی دیکھ کر۔ اپنی بے ادبیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے وہ اپنے کو اس سزا کا حقدار بنا چکے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ خطاب ہمارے رسول کریم سے ہے، کہ موسیٰ کی قوم ایک مدت تک سرگرداں اور حیران رہی تھی۔ تو اے محبوب! آپ ان پر غم نہ کھاؤ، اسلئے کہ فسق و نافرمانی کی وجہ سے وہ حضرت موسیٰ کی دعائے قہر کے لائق ہوگئے تھے۔۔۔ یہود اپنے حسد اور بغض کی وجہ سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو ظالمانہ کاروائی کرتے تھے اور موقع بہ موقع آپکو آزار پہنچانے کی تگ و دو میں لگے رہتے تھے اور تورات کے ضمن میں انھوں نے آپ پر ایمان لانے کا جو عہد و میثاق کیا تھا، اسکو توڑ چکے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ السلام کو تسلی دینے کیلئے اس سے پہلی آیتوں میں یہود کی عہد شکنیوں کو بیان فرمایا کہ۔۔۔

یہود نے اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے توڑ دیا اور انھوں نے حضرت موسیٰ سے عہد کر کے اسکو توڑا۔ اب اللہ تعالیٰ ایک اور مثال بیان فرما رہا ہے، کہ جس طرح یہود نے حسد کی وجہ سے آپ کی نبوت کو نہیں مانا اور آپ کی مخالفت کی، اسطرح آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے ایک بیٹے قابیل نے حسد کی وجہ سے انکے دوسرے بیٹے ہابیل کو قتل کر دیا۔ تو اے محبوب! حسد، ضد اور حکم الٰہی سے بغاوت، کا کیا انجام ہوتا رہا ہے، اسکو سمجھانے کیلئے۔۔۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ

اور انھیں پڑھ کر بتاؤ آدم کے دونوں بیٹوں کا ٹھیک واقعہ۔۔۔ جب کہ دونوں نے اپنی اپنی نیاز کی، پھر

مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ

ان میں ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی نہ ہوئی۔ تو وہ بولا کہ "ہم تم کو مار ڈالیں گے ضرور۔"

قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾

جواب دیا کہ "اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اپنے ڈرنے والوں سے"●

(اور) واضح کر دینے کیلئے (انھیں) یعنی اہل کتاب کو (پڑھ کر بتاؤ آدم کے دونوں بیٹوں کا ٹھیک) یعنی سچا (واقعہ)۔

انکا قصہ مجمل طور پر یہ ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام ہر حمل میں ایک لڑکا ایک لڑکی جنتی تھیں۔ جب وہ بڑے ہوتے، تو حضرت آدم ایک حمل کی لڑکی دوسرے حمل کے لڑکے کے نکاح میں دیدیتے۔ جو لڑکی قابیل کے ساتھ پیدا ہوئی، اسکا نام اقلیما تھا اور وہ نہایت حسینہ جمیلہ تھی۔ اور ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی تھی، اسکا نام لیوذا تھا۔ وہ ایسی خوبصورت نہ تھی۔ جب یہ چاروں جوان ہوئے حضرت آدم علیہ السلام نے لیوذا کو قابیل کیلئے نامزد کردیا اور اقلیما کو ہابیل سے منسوب کیا۔ قابیل نے حضرت آدم کی اس تجویز سے انکار کیا اور کہا کہ میری بہن بہت خوبصورت ہے اور میرے ساتھ رحم مادر میں رہی ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ وہ میرے نکاح میں آئے۔

حضرت آدم نے فرمایا کہ حکم خدا یونہی صادر ہوا ہے، مجھے اس میں کیا اختیار۔ قابیل نے نہ مانا اور کہا کہ تم ہابیل کو مجھ سے زیادہ چاہتے ہو، اس وجہ سے جو لڑکی بہت خوبصورت ہے، وہ اسکے عقد میں دیا چاہتے ہو۔ حضرت آدم نے فرمایا میری بات باور نہیں کرتے ہو، تو تم دونوں سے جو کچھ ممکن ہو اسکی قربانی کرو، جسکی قربانی مقبول ہوجائیگی، اقلیما اسی کی ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔(جب کہ دونوں نے اپنی اپنی نیاز) پیش (کی) اور بارگاہِ الٰہی میں اس قربانی کے ذریعہ اپنا تقرب چاہا۔

ہابیل کے پاس بکریاں تھیں اور ایک خصی بہت فربہ جسے وہ نہایت دوست رکھتا تھا، لایا اور پہاڑ پر رکھا اور نیت کی کہ اگر میری قربانی قبول نہ ہوگی، تو میں اقلیما کو چھوڑ دونگا۔ اور قابیل کے کھیتی تھی، وہ اس میں سے ایک مٹھا گیہوں کا لایا اور وہ بھی ناقص، جس میں دانے کم اور پتلے پتلے تھے، چونکہ اسے رضائے الٰہی مطلوب نہیں تھی، اسلئے وہ اپنا پسندیدہ قیمتی اور اچھا مال قربانی کیلئے نہیں پیش کرسکا۔ ساتھ ہی ساتھ اسکی نیت کا فتور یہ تھا، کہ اس نے اپنے جی میں سوچا کہ اگر میری یہ قربانی قبول ہوجائے، پھر تو ٹھیک ہی ہے اور اگر نہ قبول ہوئی، جب بھی میں اپنی بہن سے دست بردار نہ ہونگا۔

(پھر ان میں ایک کی) قربانی (قبول ہوئی) اور وہ ہابیل کی قربانی تھی۔

اسکی قبولیت کی شکل یہ تھی کہ آسمان سے بے دھویں کی سفید آگ اتری اور خصی کو جلا گئی، چونکہ اس وقت کوئی محتاج اور فقیر نہ تھا، جسے ایسی قربانی کھانا روا ہو، اسلئے اسکی قبولیت کی علامت یہی تھی کہ آگ آئے اور اسے کھا جائے۔۔الغرض۔۔ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی۔

(اور دوسرے) یعنی قابیل (کی) قربانی قبول (نہ ہوئی)۔ چنانچہ آگ آئی اور اسکی قربانی کی طرف سے گزر گئی، لیکن اسکو جلانے کی طرف ملتفت نہ ہوئی۔ یہ دیکھ کر غصے کی آگ قابیل کے دل میں بھڑکی اور حسد کے دھویں نے اسکے دیدۂ بصیرت پر اندھیرا چھا دیا، (تو وہ بولا کہ) قسم خدا کی (ہم تم کو) قتل کر کے (مار ڈالیں گے ضرور) اس واسطے کہ تیری قربانی مقبول ہوئی اور میری مردود ہوئی۔ اسکی اس بات کو سن کر ہابیل نے (جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اپنے ڈرنے والوں سے) جنھوں نے قربانی میں اپنی نیت خالص کر لی ہے۔ اور اے قابیل سن لے کہ۔۔۔

لَئِنۢ بَسَطتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِى مَآ أَنَا۠ بِبَاسِطٍ يَدِىَ إِلَيْكَ

"اگر تو نے ہاتھ بڑھایا میری طرف کہ مجھ کو قتل کردے، تو بھی میں دست درازی نہ کروں گا، کہ تجھ کو

لِأَقْتُلَكَ ۖ إِنِّىٓ أَخَافُ ٱللَّهَ رَبَّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿٢٨﴾

مار ڈالوں۔ میں تو ڈرتا ہوں اللہ کو، پالنے والا سارے جہان کا"●

(اگر تو نے ہاتھ بڑھایا میری طرف کہ مجھ کو قتل کردے، تو بھی میں دست درازی نہ کرونگا کہ تجھ کو) قتل کر کے (مار ڈالوں)۔ اگرچہ حضرت ہابیل، قابیل سے بہت زیادہ قوی اور صاحب شوکت تھے، مگر انھوں نے راہِ عزیمت اختیار فرمائی۔

حضرت عثمانِ غنی نے بھی بلوائیوں سے مقابلے کی پوری طاقت وقوت رکھنے کے باوجود مقابلہ نہیں کیا اور شہید ہوگئے۔ اسطرح ان سے حضرت ہابیل کی سنت ادا ہوگئی، کہ اپنی ذات کیلئے انھوں نے بھی راہِ عزیمت ہی کو پسند فرمایا۔ الحاصل۔ اسطرح کی [illegible]

حضرت ہابیل نے قضائے الٰہی اور رضائے خداوندی کیلئے سر نیاز خم کر کے فرما دیا کہ۔۔۔

(میں تو ڈرتا ہوں اللہ) تعالیٰ (کو) جو (پالنے والا) ہے (سارے جہان کا) کہ کہیں وہ ہم سے ناراض نہ ہو جائے۔ اور اس میں دوسری حکمت یہ بھی ہے کہ۔۔۔

إِنِّىٓ أُرِيدُ أَن تَبُوٓأَ بِإِثْمِى وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَٰبِ ٱلنَّارِ ۚ

میں چاہتا ہوں کہ تو لے جائے میرے گناہ اور اپنے گناہ، کہ ہو جا جہنم والوں سے۔

وَذَٰلِكَ جَزَٰٓؤُا۟ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٢٩﴾

اور یہ ظالموں کا بدلہ ہے●

(میں چاہتا ہوں کہ تو لے جائے میرے) قتل کا (گناہ اور اپنے) حسد اور نبی کی نافرمانیوں کا (گناہ) دونوں کا بوجھ، تا (کہ ہو جا) ئے تو (جہنم والوں سے)، یعنی تو میرے قتل سے دو گناہوں میں ملوث ہوگا اور ان دونوں کا گناہ تیرے سر پر ہوگا۔ ایک تو تیرا وہ گناہ، جو تمہاری قربانی کے مردود ہونے کا سبب تھا اور دوسرا وہ گناہ، جو مجھے قتل کر دینے کی وجہ سے تمہارے نامہء اعمال میں آجائیگا۔ [redacted] کیونکہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے راضی نہ ہو، [redacted]

یہ بات بالکل واضح ہے کہ اپنے بھائی کو ناحق قتل کرنا شرعاً وعقلاً ناجائز ہے۔ بلکہ اس سے طبعی طور پر بھی بہت نفرت وکراہت ہوتی ہے، جس سے الٹا خود نفس ایسے کام کرنے سے دور بھاگتا ہے۔ لیکن نفس امارہ پر اگر درندگی کی صفت کا غلبہ ہو جائے، تو پھر وہ ایسے فعل کے [redacted] نہیں کرتا۔ پھر ایسا محسوس ہونے لگتا ہے، گویا اس فعل پر الٹا اسے نفس امارہ نے ابھارا ہے۔ چنانچہ بالآخر ایسا ہی ہوا۔۔اور۔۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

پھر لگا دیا اس کو اس کے نفس نے اپنے بھائی کے مار ڈالنے کو، تو اس کو مار ڈالا، تو ہو گیا گھاٹے والوں سے ●

(پھر) ابھارا اور (لگا دیا اسکو) یعنی قابیل کو (اسکے نفس نے اپنے بھائی) ہابیل (کے مار ڈالنے کو)۔

قتل کرنے سے پہلے وہ یہ بھی سمجھ نہیں پا رہا ہے کہ قتل کیسے کیا جاتا ہے۔ پھر اس نے دیکھا ایک انسان 'دراصل وہ ابلیس تھا جو انسانی بھیس میں آیا تھا' اسکے سامنے ایک پرندہ یا سانپ لایا، اسکا سر ایک پتھر پر رکھ کر دوسرا پتھر اسکے سر پر مارا، جس سے وہ مر گیا۔ یہ دیکھ کر قابیل نے سمجھ لیا کہ کسی کو یوں قتل کیا جاتا ہے۔ یہ ترکیب دیکھ کر وہ چپ رہا، یہاں تک کہ ایک دن۔۔۔ باختلاف روایات۔۔ جنگل میں بکریوں کو چراتے ہوئے۔۔یا۔۔ جبل ثور پر ۔۔یا۔۔ حراء کے پیچھے۔۔یا۔۔ بصرہ میں، کہ جہاں آج جامع مسجد ہے، جبکہ ہابیل کی عمر بیس سال تھی، اس نے دیکھا کہ ہابیل پتھر پر سر رکھ کر سو رہا ہے۔۔۔

(تو) ایک پتھر اسکے سر پر مارا، جس سے بھیجا بکھر گیا اور اسطرح (اسکو) قتل کر کے (مار ڈالا)۔ (تو) اپنے اس قبیح عمل کے سبب وہ (ہو گیا گھاٹے والوں سے)، [redacted]

مرد وزن با [redacted]

اپنے بھائی کو قتل کر دینے کے بعد قابیل کی سمجھ میں یہ نہیں آسکا، کہ اب اس لاش کے ساتھ کیا کرے۔ اگر کسی میدان میں چھوڑ دے، تو خطرہ تھا کہ کہیں درندے پھاڑ کر کھا نہ جائیں، تو اس نے ایک مشکیزہ میں بند کر کے پیٹھ پر رکھ لیا اور اسے چالیس۴۰ یوم۔۔یا۔۔ایک سال۔۔یا۔۔چالیس۴۰ سال اٹھا کر پھرتا رہا، یہاں تک کہ تھک گیا۔ پرندے اور درندے اس انتظار میں تھے، کہ کب وہ اسے نیچے پھینکتا ہے، تاکہ ہماری غذا بنے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِى الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِىْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ

تو بھیجا اللہ نے ایک کوا، کہ زمین کریدے تاکہ اسے دکھادے کہ کس طرح چھپائے اپنے بھائی کی لاش۔

قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ

بولا "ہائے رے، میں کیا اتنا بھی نہ ہوا کہ اس کوے کی طرح ہوں کہ اپنے

فَاُوَارِىَ سَوْءَةَ اَخِىْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ۛۚ

بھائی کی لاش تو چھپادوں"۔ تو کھسیانا ہوگیا●

(تو) ایسی صورت میں (بھیجا اللہ) تعالیٰ (نے ایک کوا کہ زمین کریدے، تاکہ اسے دکھادے کہ کس طرح چھپائے اپنے بھائی کی لاش)۔۔ چنانچہ۔۔دو کوے اس کے سامنے آکر لڑنے لگے، ایک نے دوسرے پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا، پھر گڑھا کھود کر زمین میں دبادیا۔ قابیل یہ ماجرا دیکھتا ہے، پھر اپنی عقل پر افسوس کرتا ہوا (بولا ہائے رے میں کیا اتنا بھی نہ ہوا کہ) ظاہر کرسکوں کہ میں کم از کم (اس کوے کی طرح ہوں) تا (کہ اپنے بھائی کی لاش تو چھپادوں)۔ جو بات ایک کوے نے کر کے دکھادی، میں اس بات کو بھی سمجھنے سے عاجز رہا۔۔چنانچہ۔۔جب کوے نے یہ کام کر کے دکھایا (تو) وہ (کھسیانا ہوگیا) اور یہ سوچ کر شرم سے پانی پانی ہوگیا، کہ ایک حقیر جانور نے جو کر کے دکھایا اسے میں سمجھنے سے قاصر رہا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکی ندامت کی وجہ یہ تھی، کہ اسکے ماں باپ اس سے بیزار ہوگئے تھے اور اسکا سارا بدن سیاہ ہوگیا تھا اور ایک آواز سنی کہ کوئی کہتا ہے "کُنْ خَائِفًا اَبَدًا" یعنی ہمیشہ خائف رہ۔ پھر یہ حال ہوگیا کہ قابیل جسکو دیکھتا تھا، ڈر جاتا تھا کہ کہیں یہ مجھے قتل نہ کردے

اور تھا اپنے سگے بھائی اور سگے بیٹے کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ قابیل کی ندامت اسکی اپنی پریشانی، کم فہمی اور اپنے رسوا کن حالات کی وجہ سے تھی۔۔۔ الغرض۔۔۔ اسکی یہ ندامت گناہ کے ارتکاب پر اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہیں تھی اور چونکہ یہ ندامت توبہ کے طور پر نہ تھی، اسلئے اسکی ندامت نے اسے کوئی فائدہ نہ دیا۔

قابیل و ہابیل کے قصے سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

﴿۱﴾۔۔۔ قتل کے فعل میں اللہ تعالیٰ کی شدید نافرمانی اور اسکی ناراضگی ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔ قتل کرنے والا دوزخی ہے، نقصان اٹھانے والا ہے، اور پچھتانے والا ہے۔

۔۔۔ تو چونکہ قتل کرنا ان خرابیوں کا سبب ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر قتل میں قصاص یعنی بدلہ لینے کو واجب کر دیا، تاکہ لوگ کسی کو ناحق قتل کرنے سے باز رہیں۔ یہی وہ اصل مقصد تھا، جسکو بیان کرنے سے پہلے ہابیل و قابیل کا قصہ بطور تمہید ذکر کر دیا گیا اور اسکو علت قرار دیا گیا، حکم قصاص کی۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا

اسی لیے۔۔۔ ہم نے آل یعقوب پر لکھ دیا، کہ جس نے کسی جان کو قتل کیا، نہ جان کے بدلے،

بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ

نہ زمین پر کسی مجرمانہ شورش کی سزا میں، تو اس نے گویا قتل کر ڈالا سب لوگوں کو،

وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا

اور جس نے مرنے سے، بچایا ایک جان کو، گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا، اور بیشک ان میں آئے ہمارے، بہت سے رسول

بِالْبَیِّنٰتِ ٘ ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

روشن دلیلوں کے ساتھ۔ پھر بھی ان کے بہتیرے زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں●

(اسی لئے ہم نے آل یعقوب پر لکھ دیا) انکی کتاب میں، اور حکم کیا ہم نے بنی اسرائیل کو۔۔۔ کہ قتل ناحق کی حرمت اور اس پر قصاص کا وجوب بنی اسرائیل سے پہلے کی امتوں پر بھی تھا، لیکن بنو اسرائیل کی خصوصیت یہ تھی، کہ یہ حکم پہلی بار انکی کتاب میں نازل فرمایا گیا۔ اس سے پہلے انبیاء زبانی طور پر قصاص کا ذکر فرما دیا کرتے تھے۔

(کہ جس نے کسی جان کو قتل کیا، نہ جان کے بدلے)، یعنی قتل بطور قصاص عمل میں نہیں آیا

(نہ زمین پر کسی مجرمانہ شورش)۔۔مثلاً: رہزنی، ارتداد اور شادی شدہ کا زنا میں مبتلا ہونے (کی سزا میں) قتل نہیں کیا گیا۔(تو) ایسا قتل ناحق کر کے (اس نے گویا قتل کرڈالا سب لوگوں کو)۔

اسلئے کہ ایک [redacted]
تمام انسانوں کو قتل کردینا۔ اسی [redacted]
مقرر کی ہے۔ اس پر اپنا غضب نازل کیا، لعنت کی اور اسکے لئے عذاب عظیم تیار کیا۔ اور اگر کوئی شخص تمام انسانوں کو قتل کردیتا، تب بھی اسکی یہی سزا ہوتی۔۔نیز۔۔اگر تمام انسان کسی ایک بے قصور انسان کے قتل میں عمداً شریک ہوں، تو ان سب کو قصاص میں قتل کردیا جائیگا۔
اس سے معلوم ہوا کہ کسی ایک [redacted]
انسانوں کے قتل کے برابر ہے۔

ویسے بھی کسی بے قصور انسان کو عمداً قتل وہی کرسکتا ہے، جسکی طبیعت پر غضب کا غلبہ ہے، اور جو اپنے جوش غضب سے مغلوب ہو کر ایک شخص کو قتل کرسکتا ہے، تو اسکے بعد دوسرے شخص کو پھر تیسرے شخص کو بھی قتل کرسکتا ہے۔ اور اگر۔۔بالفرض۔۔اس سے ممکن ہو، تو وہ اپنے جوش غضب میں تمام انسانوں کو بھی قتل کرسکتا ہے۔ جیسا کہ امریکہ کے ایک صدر نے ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے تھے، جس سے لاکھوں انسان ہلاک ہوگئے اور جیسے امریکہ ہی کے دوسرے صدر نے، افغانستان وعراق میں لاکھوں انسانوں کا قتل عام کرادیا۔

(اور) اسکے برخلاف (جس نے مرنے سے بچایا ایک جان کو، گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا)۔

[redacted]
سے آزاد کرالیا ہو۔

۔۔الختصر۔۔قتل وغارت کے افعال قبیحہ سے بچانے کیلئے، (اور) زمین پر قتل ناحق کو معمولی گنا[ہ] سمجھ کر حد سے بڑھ جانے والوں کی ہدایت کیلئے، (بیشک ان) بنو اسرائیلیوں (میں آئے ہمارے بہت) سے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ، پھر بھی انکے بہتیرے زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں)، جو اعتدال سے متجاوز ہیں۔۔یا۔۔قتل میں زیادتی کرنے والے۔۔یا۔۔اوامر ونواہی کے حدود سے گزر[نے]

ہوئے ہیں۔۔اور۔۔یہ بھی اس عالم میں کہ ان پر احکامِ الٰہیہ پر مشتمل کتاب نازل فرمائی جا چکی ہے اور ان میں اللہ کے رسول معجزات و بینات کے ساتھ مبعوث فرمائے جا چکے ہیں، یعنی احکامِ الٰہی ان تک بخوبی پہنچ چکے ہیں۔تو یہ ظالمین کان کھول کر سن لیں کہ۔۔۔

إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ

ان کا بدلہ جو جنگ کریں اللہ اور اس کے رسول سے اور کرتے پھریں زمین میں

فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

جھگڑے، یہ ہے کہ ایک ایک مار ڈالے جائیں یا پھانسی پر لٹکائے جائیں یا انکے ایک طرف کے ہاتھ تراش لیے

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ

جائیں تو دوسری جانب کے پاؤں، یا اپنی زمین سے نکال دیے جائیں۔ یہ تو ان کی

فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾

دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کیلئے بڑا عذاب ہے●

(انکا بدلہ جو جنگ کریں اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول) کے دوستوں، یعنی اہل اسلام (سے اور کرتے پھریں زمین میں جھگڑے) یعنی فساد کے واسطے راہ زنی اور لوٹ مار کرتے رہیں (یہ ہے، کہ ایک ایک) کر کے چن چن کر (مار ڈالے جائیں) اگر کسی کو انھوں نے قتل کیا ہو لیکن مال نہ لیا ہو۔ (یا پھانسی پر لٹکائے جائیں) اگر انھوں نے قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لیا ہو۔ (یا انکے ایک طرف کے ہاتھ تراش لئے جائیں تو دوسری جانب کے پاؤں) اگر مال لیا ہو اور کسی کو قتل نہ کیا ہو۔ (یا اپنی زمین سے نکال دیئے جائیں) اگر انھوں نے لوٹ مار نہ کی ہو، مگر ڈرایا اور دھمکایا ہو۔ بہتر یہی ہے کہ ایسوں کو شہر بدر کرنے کی بجائے قید کر کے رکھا جائے، تا کہ انکے شر سے دوسرے شہر کے مسلمان محفوظ رہیں۔

اگرچہ یہ آیت کریمہ خاص کر کے کافر ڈاکوؤں کے متعلق نازل فرمائی گئی، لیکن اسکا حکم عام [illegible] مسلمان سب کیلئے یہی حکم ہے۔ جب یہ حکم نازل ہوا تو آنحضرت ﷺ کے حکم سے قبیلہ بنی عرینہ کے ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے، اور انکی آنکھوں میں سلائی پھیری گئی۔۔نیز۔۔انھیں سولی پر چڑھا دیا گیا۔ جو لوگ مدینہ حاضر ہو کر اولاً مشرف باسلام ہوئے، پھر کچھ دنوں کیلئے مدینہ شریف ہی ٹھہر گئے، اس اثناء میں وہ

بیمار پڑ گئے اور جب صحیح اور تندرست ہو گئے، تو ایک دن صبح کو متفق ہو کر خاص آنحضرت ﷺ کے پندرہ اونٹ ہانک لے چلے اور اپنے قبیلے کی طرف روانہ ہو گئے۔

آپ ﷺ کے غلام یسار نے جب انکا پیچھا کیا، تو ان ظالموں نے یسار کو پکڑ لیا اور ہاتھ پاؤں کاٹ کر آنکھوں اور زبان میں کانٹے چبھوتے رہے، یہاں تک کہ یسار شہید ہو گئے۔ جب آپ ﷺ کو اسکی خبر ہوئی، تو کرز بن جابر کو بیس ۲۰ سواروں کے ساتھ انکے پیچھے بھیجا، انھوں نے جا کر سبھوں کو گرفتار کر کے انکے ہاتھ، گردنوں میں باندھے اور آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کر دیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے انکے تعلق سے مذکورہ بالا حکم ارشاد فرمایا۔

(یہ تو انکی دنیا میں رسوائی ہے) کہ انھیں ذلت کی موت نصیب ہوئی (اور آخرت میں انکے لئے) اس سے بھی کہیں (بڑا عذاب ہے)، ایسا کہ اسکا اندازہ نہیں ہو سکتا، اسلئے کہ انکا جرم سنگین ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ

مگر جنھوں نے توبہ کرلی قبل اس کے کہ تم انھیں گرفتار کرو،

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۴ ع ۹

تو جان رکھو کہ اللہ غفور رحیم ہے●

(مگر جنھوں نے توبہ کر لی قبل اسکے کہ تم انھیں گرفتار کرو)، تو اللہ تعالیٰ اپنے حقوق انھیں معاف کر دیگا۔ (تو) اچھی طرح (جان رکھو کہ اللہ) تعالیٰ (غفور) یعنی توبہ کے سبب سے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور توبہ کرنے والوں پر (رحیم) ومہربان (ہے)۔

حقوق العباد پھر بھی معاف نہیں، اسلئے کہ وہ توبہ سے معاف نہیں ہوتے۔ ڈاکو، باغی، جب کسی کو قتل کر دیں، پھر گرفتاری سے پہلے اپنی غلطی سے تائب ہو جائیں کہ آئندہ ایسے فعل کے مرتکب نہیں ہونگے، تو ان سے صرف حد قتل کی سزا معاف ہوگی، لیکن مقتول کے ورثاء کا حق بحال رہے گا، کہ اگر چاہیں تو قصاص لیں چاہیں معاف کر دیں۔ اسی طرح وہ کسی کا مال چھین لیں اور گرفتاری کے قبل تائب ہو جائیں، تو قطع ید کی سزا معاف ہو جائیگی، لیکن مالکان کا حق ادا کرنا واجب ہوگا۔

اسی طرح اس نے قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا، تو سولی نہ چڑھایا جائیگا، لیکن ورثاء کے حوالے کیا جائیگا، چاہے قصاص لیں چاہے معاف کر دیں اور مال بھی لیں [redacted]

اور ڈاکے ڈالیں، اور پھر توبہ کریں، تو اس وقت کی توبہ سے حد معاف نہیں ہوگی اور نہ ہی ان سے مالکان کا حق معاف ہوگا۔ البتہ آخرت کے عذاب عظیم سے بچ جائیں گے۔ یہ احکام مسلمان ڈاکوؤں کے ہیں۔

رہے مشرک ڈاکو، انکے متعلق تفصیل یہ ہے کہ ان کی گرفتاری سے قبل یا بعد کی توبہ قابل قبول ہے۔ مثلاً: ایسی غلطیوں کے ارتکاب کے بعد گرفتار ہو۔۔یا۔۔نہ ہو، لیکن اگر اس نے توبہ کرلی اور دولت ایمان سے نواز دیا گیا، تو اب اس سے کسی قسم کا مطالبہ نہ کیا جائیگا۔ یعنی اس کو سزا ہوگی اور نہ ہی مال کا مطالبہ ہوگا، اسلئے کہ ایمان اسکے لئے ہر طرح کے امن و سلامتی کا پیغام دیتا ہے۔

اس سے پہلے متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی سرکشی، عناد اور اللہ کی نافرمانی کرنے پر انکی جسارت اور دیدہ دلیری کو بیان فرمایا تھا اور اللہ کی اطاعت اور عبادت کرنے سے انکے بعد اور دوری کا ذکر فرمایا تھا۔ اللہ کے قرب کا وسیلہ اور ذریعہ، اسکے خوف سے گناہوں کا ترک کرنا اور عبادات کا بجالانا، یہود نے اس وسیلے کو حاصل نہیں کیا تھا۔ اسلئے مسلمانوں کو [illegible] ہونا چاہیے کہ تم اللہ کے خوف سے گناہوں کو ترک [illegible]

[illegible] ہے کہ مسلمانو تم یہود کی طرح اپنے باپ دادا کے اعمال پر فخر نہ [illegible] کے بجائے نیک اعمال میں کوشش کرو، اور عبادات [illegible] ۔۔۔ایمان والو! جب تم پر واضح ہوچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، تو قبولیت توبہ کیلئے اسکی بارگاہ میں وسیلہ تلاش کرو۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ

اے وہ جو ایمان لاچکے! اللہ کو ڈرو اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ،

وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵

اور جہاد کرو اس کی راہ میں، امید رکھو کہ کامیاب ہوجاؤ●

[redacted] کو اپنی آخری منزل عمر

[redacted] سارے اسلامی فرائض، واجبات اور

موکدات کا مخاطب ایمان والا ہی ہوتا ہے۔ ایمان کے بعد اعمال صالحہ کا [illegible] ہے تو (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) اور کسی حال میں بھی اسکی مخلصانہ اطاعت وفرمانبرداری سے منھ نہ موڑو۔ اور اس نے جو جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو، اور جس جس سے روکا ہے اس سے رکو، اور اسکے قریب تک نہ جاؤ۔

۔۔الختصر۔۔اپنے سر سے پیر تک یعنی پورے طور پر اسلام کو داخل کر لو [illegible] تم خود سر سے پیر تک اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ اپنے ظاہری اور باطنی ہر ہر حصے کو مسلمان بنا لو [illegible] کسی زاویے اور کسی بھی نظر سے دیکھے تم اسے مسلمان ہی نظر آؤ۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ سے [illegible]

۔۔مگر۔۔خیال رہے کہ ایمان واعمال صالحہ کو اپنا کر مطمئن نہ ہو جاؤ اور یہ نہ سمجھ لو کہ منزل تک پہنچ گئے، بلکہ اٹھو (اور تلاش کرو اس تک پہنچنے کا وسیلہ)، یعنی وہ چیز جسے اسکی بارگاہ میں قرب حاصل کرنے کے واسطے، وسیلہ کر سکیں۔

جامع بات اس باب میں یہ ہے کہ [illegible] نواہی کا لحاظ رکھنا وسیلۂ کلی ہے۔ اس سلسلے میں بعض عارفین کے بصیرت افروز اور چشم کشا ارشادات یہ ہیں۔

﴿۱﴾۔۔ریا سے اعمال کی تجرید، عجب سے احوال کی تفرید، اور طلب حظوظ سے انفاس کو خالص کر لینا، وسیلہ قرب الٰہی ہے۔

﴿۲﴾۔۔عابدوں کا وسیلہ فضائل ہیں، عالموں کا وسیلہ دلائل ہیں، اور عارفوں کا وسیلہ ترک وسائل ہے۔ عابد تو معاملہ سے توسل ڈھونڈھتا ہے اور عالم مکاشفہ سے راہ چلتا ہے اور عارف معائنہ سے راہ دیکھ لیتا ہے۔۔ عابد تو اس آیت میں فکر کرتا ہے کہ۔۔

يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا ﴿آل عمران:۱۹۱﴾

کھڑے بیٹھے ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں'

۔۔۔اور عالم اس آیت پر نظر کرتا ہے:

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ ﴿الاعراف:۱۸۵﴾

کیا ملکوت وسماوات میں غور وفکر سے کام نہیں لیتے

۔۔۔اور عارف اس بات سے درگزر نہیں کرتا:

قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ ﴿الانعام:۹۱﴾

بس اللہ کہو، پھر ماسوی اللہ کو نظر انداز کر دو۔

﴿۳﴾۔۔ایک عارف نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ الٰہی تیرے طرف وسیلہ بھی، تو ہی ہے۔اگر کسی نے طلب سے تجھے پایا، تو میں نے خود طلب تجھی سے پائی۔

۔۔الختصر۔۔ہر اس شخص پر جو الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کا مصداق ہے، وسیلہ کا طلب کرنا لازمی ہے۔ پس جو جس درجے کا مومن ہوگا، اسکا وسیلہ بھی اسکی شایان شان ہوگا۔۔۔جسکا مطلوب جتنا اعلیٰ ہوگا، اس مطلوب تک پہنچنے کیلئے اسکا وسیلہ بھی اتنا ہی اعلیٰ وارفع ہوگا۔۔۔جو اسے اس مطلوب تک پہنچا سکے۔رہ گیا ہم جیسے گنہگاروں اور غفلت شعاروں کا معاملہ جنکی زبانِ حال یہ کہنے پر مجبور ہے ؎

فقط تمہاری شفاعت کا آسرا ہے حضور
ہمارے پاس گناہوں کے ماسوا کیا ہے۔

ایسوں کیلئے انکے اپنے طور پر انجام دیئے ہوئے اعمال صالحہ یعنی 'امتثال اوامر' اور 'اجتناب نواہی' کا بذاتِ خود بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونا، خود انہی کے نزدیک غیر یقینی ہے، انکی ان فطری ممکنہ کوتاہیوں کے سبب، جو گویا انکے خمیر کا حصہ ہوگئی ہیں۔اور ظاہر ہے صرف نامقبول اعمال کو قربِ الٰہی کا وسیلہ بنانا اور اسی پر بھروسہ کرلینا، ہرگز ہرگز دانشمندی نہیں۔تو ہم جیسوں پر لازم ہے کہ ان نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں کو بھی اپنا وسیلہ اور سفارشی قرار دیں، جنکا مقبول بارگاہِ الٰہی ہونا یقینی ہے۔

اور وہ انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین ہیں۔ان سے قلبی تعلق، باطنی ربط وضبط، مخلصانہ عقیدت ومحبت، انکے ذکر کی کثرت، انکی پیروی واطاعت، اور انکی سچی ارادت کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں۔تاکہ اگر خدانخواستہ میدانِ حشر میں یہ ظاہر ہو کہ ہمارے اپنے سارے اعمال کسی بھی سبب سے نامقبول ہوگئے ہیں۔تو اس کٹھن گھڑی میں ان مقبولوں کی سفارش ہماری نجات کا سبب بن جائے۔اب ارشادِ قرآنی کا حاصل ہوا کہ خدا تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو خواہ وہ مقبول اعمالِ صالحہ کا وسیلہ ہو اور خواہ مقبول افراد صالحین کا وسیلہ ہو۔

(اور جہاد کرو اسکی راہ میں) ظاہری اعداء اور باطنی اعداء دونوں کے ساتھ پھر (امید رکھو کہ ان اعمال کے سبب بفضلہٖ تعالیٰ تم (کامیاب ہو جاؤ) گے۔۔۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے فلاح کو چار چیزوں سے متعلق کیا، کہ بے ان چار چیزوں کے، اصلی چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا۔

پہلے:۔۔ ایمان: کہ ابتداء خلقت میں نور پہنچاتا ہے، اور یہ بندہ کو شرک کی تاریکیوں کے پردوں سے خلاصی دیتا ہے۔

دوسرے:۔۔ تقویٰ: کہ اعمالِ شرعیہ کا منبع اور اخلاقِ مرضیہ کا منشا ہے، سالک اس کے سبب سے گناہ کی ظلمت سے نجات پاتا ہے۔

تیسرے:۔۔ وسیلہ ڈھونڈھنا، اور ظاہر ہے کہ فنائے ناسوت ہے بقائے لاہوت میں، اور عارف اس کے سبب ہستی کی تاریکی سے باہر آتا ہے۔

چوتھے:۔۔ جہاد: اور وہ انانیت کو مضمحل اور ہویت کو ثابت کرتا ہے۔ اور موحد اس مقام و مرتبہ پر پہنچ کر وجود کی تیرگی سے چھوٹ کر، شہود کے نور میں پہنچ جاتا ہے۔

[redacted] اب اگر کوئی اپنی مرضی سے اپنے مشرکانہ وکافرانہ اعمال کو بارگاہِ خداوندی میں پہنچنے کا وسیلہ گمان کرنے لگے، اور سمجھنے لگے کہ ہم اپنے کافر آباواجداد اور اپنے اموال اور سرمایہ کے وسیلے سے دوزخ کے دائمی درد دینے والے عذاب سے بچ جائینگے، تو یہ سب اسکی خام خیالی ہے۔۔۔ اسلئے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ

بے شک جنھوں نے کفر کیا اگر ان کا ہو جائے جو کچھ زمین میں ہے سب، اور اسی قدر اور،

لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ

کہ فدا کردیں قیامت کے عذاب سے بچنے کیلئے، تو ان سے قبول نہ کیا جائے گا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾

اور ان کیلئے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(بیشک جنھوں نے) بت، ملائکہ اور بچھڑا وغیرہ کو پوج کر (کفر کیا، اگر انکا ہو جائے جو کچھ زمین میں) مال واسباب (ہے سب، اور اسی قدر اور) یعنی جو کچھ نقد وجنس زمین پر ہے، اگر اسکا دونا بھی کافروں کے ملک میں ہو، تا (کہ) اپنی ذات کے فدیہ کے طور پر (فدا کردیں قیامت کے عذاب سے بچنے کیلئے، تو ان سے قبول نہ کیا جایگا) اور وہی عذاب انھیں لازم رہے گا۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (ان) جیسوں ہی (کیلئے) تو جہنم کا (دکھ دینے والا عذاب ہے)۔۔ ویسے تو وہ لاکھ۔۔۔

یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّخۡرُجُوۡا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمۡ بِخٰرِجِیۡنَ مِنۡهَا ؗ

چاہیں گے کہ نکل جائیں جہنم سے، اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں۔

وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ ﴿۳۷﴾

اور ان کیلئے ابدی عذاب ہے●

(چاہیں گے کہ نکل جائیں جہنم سے)، مگر اسی میں رہیں گے (اور وہ اس سے نکلنے والے نہیں، اور انکے لئے ابدی عذاب ہے)، ایسا دائمی عذاب جو نہ زائل ہوگا اور نہ ہی منقطع۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ ڈاکو کے ہاتھ اور پیر کاٹ دیئے جائیں اور اب اگلی آیت میں چور کے بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ اب اگر اس نے دوسری چوری کی، تو حدیث کے حکم سے اسکا پیر کاٹ دیا جائیگا۔ نیز۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسان کی جان کی اہمیت بیان کی تھی، کہ ایک انسان کو قتل کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک گویا سارے انسانوں کا قتل کرنا ہے۔ پھر فرمایا اگر یہی انسان ڈاکہ ڈالے، تو اسکو قتل کردیا جائیگا۔ اور اب آگے یہ فرمارہا ہے کہ یہی انسان چوری کرے تو اسکا ہاتھ کاٹ دیا جائیگا۔ تو کسی تامل۔۔۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَیۡدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا

اور چور مرد و عورت، ان کے ہاتھ کاٹ لو، بدلہ میں اس کے جو انھوں

كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ﴿۳۸﴾

نے کرتوت دکھایا، اور سزا میں اللہ کی طرف سے، اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(اور) کسی شش و پنج میں پڑے بغیر (چور مرد و عورت) خواہ مرد چور ہو یا عورت، (انکے ہاتھ کاٹ لو)۔ بشرطیکہ بقدر نصاب چوری کی ہو اور چوری کرنے والا عاقل بالغ ہو۔

جو کسی ایسی محفوظ جگہ سے کسی کے دس درہم یا اس سے زیادہ یا اتنی مالیت کی کوئی چیز چھپ کر، بغیر کسی شبہ دتاویل کے اٹھالے، جس جگہ کی حفاظت کا انتظام کیا گیا ہو، درآنحالیکہ وہ چیز جلدی خراب ہونے والی نہ ہو، اسے 'سرقہ' کہیں گے۔ اسکے برخلاف اگر کوئی یہ کام کھلم کھلا کرے، تو وہ 'اچکا اور لٹیرا' ہے اور اگر زبردستی چھینے تو 'غاصب' ہے [redacted] کیونکہ یہ جرائم چوری کی بہ نسبت معمولی ہیں۔ انکے خلاف گواہ قائم کیئے جاسکتے ہیں اور گواہوں کے ذریعہ عدالت سے اپنا حق آسانی سے وصول

کیا جاسکتا ہے۔اس کے برخلاف چور چھپ کر مال لے جاتا ہے۔۔لہٰذا۔اس پر گواہی قائم کرنا مشکل ہے،اسلئے اسکی سخت سزا رکھی،تاکہ اس سزا کو دیکھ کر لوگ عبرت پکڑیں اور چوری کرنے سے باز رہیں،اور مسلمانوں کے مال محفوظ رہ سکیں۔

۔۔الحاصل۔۔جو بھی چور ہو،مرد ہو یا عورت،اسکے ہاتھ کاٹ دو(بدلہ میں اسکے جوانھوں نے کرتوت دکھایا)اور مال مومن کی حرمت کا پاس ولحاظ نہیں کیا۔۔الغرض۔۔یہ ہاتھ کاٹنا ایک طرف بدلے میں ہے(اور)دوسری طرف(سزا میں)ہے(اللہ)تعالیٰ(کی طرف سے)،تاکہ چور نصیحت حاصل کرے اور پھر ایسا کام کرنے سے اپنے کو باز رکھے(اور اللہ)تعالیٰ(غلبہ والا)ہے،اپنے حکم میں جو چاہے حکم دے۔اور(حکمت والا ہے)جو اپنے حکم کی حکمت کو بخوبی جانتا ہے۔

فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ

تو جس نے توبہ کرلی اپنے ظلم کرنے کے بعد،اور اچھے چلن کا بن گیا،تو بیشک اللہ توبہ قبول فرماتا ہے اس کی۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

بیشک اللہ غفور رحیم ہے●

(تو جس نے توبہ کرلی اپنے ظلم کرنے کے بعد)،یعنی چوری کے بعد(اور اچھے چلن کا بن گیا)اور اپنے کام میں درستی اختیار کرلی،اس طور پر کہ مدعی کو راضی کردیا اور عزم صمیم کرلیا اس بات کا کہ پھر چوری نہیں کریگا،(تو بیشک اللہ)تعالیٰ اپنا حق معاف فرما کر(توبہ قبول فرماتا ہے اسکی)۔مگر ہاتھ کاٹنا ساقط نہ ہوگا،اس توبہ کرنے والے پر سے۔(بیشک اللہ)تعالیٰ(غفور)ہے،یعنی اسکے گناہ کو بخشنے والا ہے اور(رحیم ہے)اس پر مہربان ہے،محشر میں اسے رسوا نہ کرے گا۔اے سننے والے!۔۔۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ

کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ بےشک اللہ اسی کی ہے ملکیت آسمانوں کی اور زمین کی۔جسے چاہے عذاب دے

وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

اور جس کو چاہے بخش دے۔اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ بیشک اللہ)تعالیٰ کی وہ شان ہے کہ(اسی کی ہے ملکیت آسمانوں کی

اور زمین کی) اور جب وہی کائنات کی ہر چیز کا مالک ہے، تو (جسے چاہے عذاب دے اور جسکو چاہے بخش دے)۔ اسکا عذاب دینا بھی حسن اور حکمت پر مبنی ہے اور اسکا معاف فرمانا بھی حسن اور کرم پر مبنی ہے۔ اسکا عذاب دینا عدل ہے اور معاف کر دینا اور ثواب عطا فرمانا یہ اسکا فضل ہے، (اور) چونکہ (اللہ ہر چاہے پر قادر ہے) عدل کرنے پر بھی، اور معاف کر دینے اور ثواب عطا فرمانے پر بھی، مگر اس پر کوئی چیز واجب نہیں۔

لہٰذا ہم اسکے عذاب سے اسکی پناہ طلب کرتے ہیں اور اسکے عفو و درگزر اور رحم و کرم کو طلب کرتے ہیں۔۔۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ڈاکہ اور چوری کے بارے میں احکام شرعیہ ارشاد فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مخالفین بہت گرم جوشی کے ساتھ کفر کا اظہار کرینگے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو صبر کی تلقین کی اور ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْكُفْرِ مِنَ ٱلَّذِينَ

اے رسول تمہیں پرواہ بھی نہ ہو، جو کفر میں دوڑ دوڑ کرتے ہیں بعض وہ جو

قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِأَفْوَٰهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ ۛ

کہہ گئے اپنے منہ سے کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل نے مانا نہیں۔ اور بعض وہ جو یہودی ہیں۔

سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّٰعُونَ لِقَوْمٍ ءَاخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ

جھوٹ سننے کے بڑے شوقین، دوسرے لوگوں کی بات پر خوب کان دھرنے والے، جو تمہارے پاس نہیں آئے۔

يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا

الفاظ بدل دیتے ہیں انکی جگہوں کے ثابت ہو جانے کے بعد۔ کہتے ہیں اگر یہ حکم دیا گیا

فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَٱحْذَرُوا۟ ۚ وَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ فِتْنَتَهُۥ فَلَن

تو مان لینا اور اگر وہ حکم نہ دیا گیا تو بچنا۔ اور جس کی تباہی اللہ چاہے،

تَمْلِكَ لَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمْ يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ

تو اس میں تمہارا اللہ سے کچھ زور نہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں کہ نہیں چاہا اللہ نے کہ پاک فرما دے ان کے دل۔

لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾

ان کی دنیا میں رسوائی، اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے●

ع ۲

(اے رسول تمھیں پرواہ بھی نہ ہو جو کفر میں دوڑ دوڑ گرتے ہیں) عناد کی رو سے، اور کفر کی خندق میں اپنے کوڈالنے کیلئے تیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ان لوگوں میں سے (بعض وہ) ہیں (جو کہہ گئے) صرف (اپنے منہ سے کہ ہم ایمان لائے اور انکے دل نے مانا نہیں)۔دراصل یہ وہ منافقین ہیں، کافروں سے جنکی دوستی ہے اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں [redacted] اللہ عزوجل آپ کیلئے کافی ہے اور انکے مکر وفریب کے خلاف آپ کی [redacted] (اور بعض وہ) ہیں (جو یہودی ہیں)۔ان یہودیوں کی ریشہ دوانیوں کی بھی فکر نہ فرمائیں۔یہ دونوں فریق یہود کے احبار ورھبان سے دین اسلام کے متعلق (جھوٹ سننے کے بڑے شوقین) ہیں۔اور آپکی نبوت میں شبہات اور توریت میں تحریف پر مشتمل، اور (دوسرے لوگوں کی) اس (بات پر) جو آپ کی نبوت میں شبہات اور توریت میں تحریف پر مشتمل ہو، (خوب کان دھرنے والے) اور ان کو قبول کرنے والے ہیں۔ان دوسرے لوگوں کی بات پر (جو تمہارے پاس نہیں آئے)۔

یہ خیبر کے یہود تھے، مدینے کے یہودی جنکی جاسوسی کرتے تھے اور مدینے کی خبر خیبر پہنچاتے تھے۔مدینہ کے منافقین و یہود، خیبر کے یہودیوں کی باتوں کو بہت قبول کرتے تھے۔اس آیت کریمہ کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے، کہ جو یہودی آپ کے پاس نہیں آتے، مدینہ کے یہودی انکے جاسوس ہیں۔آپ پر جھوٹ باندھنے کیلئے، یہ آپ کی باتیں سنتے ہیں تاکہ جو کچھ آپ سے سنیں، اس میں تغیر وتبدل کرکے اور اپنے پاس سے جھوٹ ملا کر خیبر کے یہودیوں تک پہنچائیں۔

۔۔الختصر۔۔ان بدبخت یہودیوں کا حال یہ ہے کہ اپنی آسمانی کتاب کے (الفاظ بدل دیتے ہیں انکی جگہوں کے ثابت ہوجانے کے بعد)، جو لفظ توریت میں جس مقام پر ثابت تھا اسکو وہاں سے ہٹا کر اسکی جگہ دوسرا لفظ رکھ دیتے ہیں۔۔یا۔ [redacted]

اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ تھا کہ اہل خیبر کے شرفاء میں سے ایک مرد اور ایک عورت کو زنا میں گرفتار کیا گیا۔دونوں شادی شدہ تھے اور انکی حد توریت کے حکم سے سنگساری تھی۔یہود نے ان دونوں کی دنیاوی شرافت اور بزرگی کا لحاظ کرکے، نہ چاہا کہ ان پر وہ حد جاری کریں۔باہم مشورہ کیا کہ محمد عربی ﷺ کی کتاب میں سنگسار کرنے کا حکم نہیں، اور ہمی

قریظہ انکے ہمسایہ اورانکے حلیف ہیں۔کسی کوانکے پاس بھیجو،کہ شادی شدہ زانی کی حدان سے دریافت کریں۔اگر وہ کوڑے مارنے کوکہیں،توانکی بات مان لواوراگر سنگسار کرنے کا حکم کریں،توانکی بات نہ سنو۔

پس ان لوگوں میں سے کچھ لوگ دونوں زانیوں سمیت مدینہ آئے اور مدینہ کے یہود سے کیفیت واقعی بیان کردی۔۔چنانچہ۔۔اشراف یہود جیسے کعب،کنانہ اور مالک وغیرہم، آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آئے اور زنا کار شادی شدہ کی حد پوچھی۔حضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا میرے حَکم ہونے پرتم راضی ہو؟ وہ بولے ہاں۔فوراً حضرت جبرائیل امین سنگساری کا حکم لیکر نازل ہوئے اور آنحضرت ﷺ نے فرمادیا کہ سنگسار کرنا چاہئے۔یہود نے انکار کیا اور بولے کہ توریت میں خدا نے حکم کیا ہے، کہ ایک قسم کے روغن میں کوڑے کوتر کر کے اُسی کوڑے سے چالیس کوڑے مارنا چاہئے،تاکہ انکی پیٹھ سیاہ ہوجائے اور منہ کالا کر کے گدھے پر الٹا بٹھا کر مکانوں کے گرد پھرانا چاہئے۔

حضرت جبرائیل نے آنحضرت ﷺ کوخبر دی کہ یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں اورابن صوریا جو یہود کا بڑا عالم ہے،وہ جانتا ہے کہ توریت میں سنگساری کا حکم ہے،کوڑے مارنے کانہیں۔ آنحضرت ﷺ نے یہود سے پوچھا کہ تم لوگوں میں سے فدک میں کوئی جوان رہتا ہے، سادہ رو،سفید پوست کانا،کہ اسے ابن صوریا کہتے ہیں۔وہ بولے کہ ہاں،علم توریت میں تمام جہاں کے عالموں سے زیادہ دانا ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حکم توریت کے باب میں ہمارے تمہارے درمیان وہ حَکم ہو،کیا تمہیں منظور ہے؟ بولے کہ ہاں،ہم اسکے حَکم ہونے پرراضی ہیں۔چنانچہ آپ ﷺ نے اسے حاضر کرنے کاحکم فرمایا۔کئی دن کے بعد اسے لائے۔حضرت ﷺ نے اس سے پوچھا،توہی ابن صوریا ہے؟ اس نے کہا،ہاں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے اورلوگوں کے درمیان توحَکم ہو،اس واسطے کے یہود میں توبڑا عالم ہے۔ابن صوریا نے قبول کیا۔

پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تجھے قسم ہےاس خدا کی جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پرتوریت نازل فرمائی،اورتم لوگوں کے واسطے دریا پھاڑ دیا اور تمہیں فرعون کے لوگوں سے نجات دی،اورتمہارے واسطے من وسلویٰ بھیجا،سچ بتا کہ تمہاری کتاب میں شادی شدہ زانی کی حدسنگساری ہے یانہیں؟ ابن صوریا بولا کہ اگر جھوٹ بولونگا۔۔یا۔۔بدل کر بات کہوں

گا، تو توریت مجھے جلادیگی۔۔۔ اگر میں نہ ڈرتا تو اقرار نہ کرتا۔۔۔ تو بتا، کہ تیرے خدا کا کیا حکم ہے؟۔۔۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کہ میرے خدا نے تو یہ حکم کیا ہے کہ جب چار آدمی، 'محصن' یعنی شادہ شدہ مرد اور 'محصنہ' یعنی شادی شدہ عورت کی زنا پر گواہی دیں، تو ان دونوں کو سنگسار کرنا واجب ہے۔

ابن صوریا بولا قسم ہے موسیٰ کے خدا کی، توریت میں بھی یہی حکم فرمایا ہے۔ مگر ہمارے عالموں نے بنی اسرائیل کے اشرافوں کی طرف لحاظ کر کے انھیں کوڑے مارنا اور منہ کالا کرنا قرار دیا ہے۔ پھر آنحضرت ﷺ کے حکم فرمانے سے دونوں کو مسجد کے دروازے پر سنگسار کر دیا گیا۔ مذکورہ بالا ارشاد میں حق تعالیٰ نے یہود کی اسی طرح کی تحریفات کی خبر دی ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ انھیں جہاں سنگساری کا حکم دیا گیا ہے، وہاں وہ اسکے عوض کوڑے مارنا اور منہ کالا کرنا لکھتے ہیں، اور خیبر کے یہود (کہتے ہیں) کہ (اگر) محمد عربی ﷺ کی طرف سے (یہ) تبدیل شدہ یعنی کوڑے مارنے والا (حکم دیا گیا، تو مان لینا) اور اسے قبول کر لینا (اور اگر) انکی طرف سے (وہ) محرف (حکم نہ دیا گیا) اور وہ سنگسار ہی کرنے کا حکم کریں (تو) اسکو ماننے اور قبول کرنے سے (بچنا) بلکہ اسکو ماننے سے انکار کر دینا۔

[redacted]

اے محبوب! یہودیوں کے اس طرز عمل [redacted] نہیں، اسلئے کہ جسکے مقدر [redacted] (اور جسکی تباہی) ضلالت یا فضیحت یا ہلاکت (اللہ) تعالیٰ (چاہے) اور اسے گمراہ، رسوا، اور ہلاک ہونے دے، [redacted]

۔۔ الغرض۔۔ ارادۂ خداوندی اور مشیت ایزدی کے خلاف کوئی کام انجام دینا، آپ کے ہاتھ میں نہیں، اور نہ ہی ایسے امور کے انجام دینے کے آپ مالک ہیں، [redacted] فریضۂ نبوت میں ہے۔

(یہ لوگ) تو (وہ ہیں کہ) ازل ہی میں (نہیں چاہا اللہ) تعالیٰ (نے، کہ) کفر اور انکارِ حق میں ملوث ہونے سے (پاک فرمادے انکے دل)۔۔ چنانچہ۔۔ جزیہ اور مومنین سے خوف کی شکل میں (انکی دنیا میں رسوائی، اور آخرت میں انکے لئے بڑا عذاب ہے) کہ دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے۔

انکا حال یہ ہے کہ۔۔۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

گپ کے شوقین حرام خور۔ تو اگر وہ تمہارے پاس کبھی آئیں تو ان میں فیصلہ کردو

اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ؕ

یا بے رخی کرلو۔ اور اگر تم نے بے رخی کی، تو وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲

اور اگر فیصلہ کیا تو ان میں فیصلہ کرو انصاف سے۔ بیشک اللہ محبوب رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو●

(گپ کے شوقین) اِدھر اُدھر جھوٹ لگانے کیلئے باتیں سننے والے، اور (حرام خور) ہیں۔ رشوت کا حکم دیتے اور حرام کار ہیں، کہ کلام الٰہی میں تحریف کرتے ہیں اور اسکے عوض رشوت لیتے ہیں، اور حرام خوری کرتے ہیں۔ (تو) اے محبوب! (اگر وہ) محاکمہ کے واسطے (تمہارے پاس کبھی آئیں، تو) آپکو اختیار ہے خواہ (ان میں فیصلہ کردو، یا) فیصلہ فرمانے سے انکار کردو، اور انکے معاملے سے (بے رخی) اختیار (کرلو)۔ آپکی صوابدید پر جو چیز قرین مصلحت ہو، اسپر عمل فرمائیں (اور اگر)۔۔ بالفرض۔۔ (تم نے بے رخی کی) انکا حکم بننا قبول نہ فرمایا اور انھیں کوئی حکم نہیں دیا، (تو) بھی (وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے)۔ ایسوں کو حکم دینا آپ پر لازم بھی نہیں، اسلئے کہ جنکے تعلق سے اس بات کا ظن غالب نہ ہو، کہ وہ حکم کو سچے دل سے قبول کرلیں گے، انہیں حکم فرمانا کیا ضروری؟

۔۔باایں ہمہ۔۔ ازراہِ کرم (اور) انکے حَکَم بننے کے معروضے کو قبول فرما کر (اگر فیصلہ کیا) تم نے، (تو ان میں فیصلہ کرو انصاف سے) جس میں مکمل درستی اور سراپا عدل ہو، تو ویسا ہی فیصلہ فرمائیں جیسا آپ کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، جیسے آپ نے رجم کا فیصلہ فرمایا۔ کیونکہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (محبوب رکھتا ہے انصاف کرنے والوں کو)، جو حکم میں عدل وانصاف کے تقاضے کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہیں۔

اے محبوب! ان یہودیوں کی بے وقوفی اور جہالت تو دیکھئے، یہ نہ تو آپ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ ہی آپکی کتاب کو مانتے ہیں، تو پھر کیونکر آپ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہیں۔۔۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ

اور کیسے تم کو پنچ بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے، پھر پھرے جاتے ہیں

مِنۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ وَمَاۤ اُولٰٓىِٕكَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝

اس کے بعد۔ وہ لوگ ماننے والے ہی نہیں ہیں●

(اور کیسے تم کو جج بناتے ہیں، حالانکہ انکے پاس توریت ہے) جسکو، بلکہ صرف اسی کو، وہ ماننے کے مدعی بھی ہیں، اور (جس میں اللہ) تعالیٰ کا سنگسار کرنے (کا حکم موجود ہے) کھلے ہوئے الفاظ میں۔ (پھر، پھرے جاتے ہیں) اور انکار کرتے ہیں آپ کے اس فیصلے کا، جو آپ نے انہی کی کتاب کے موافق کیا ہے۔ اور وہ بھی (اسکے بعد) کہ انھوں نے آپ کو فیصل مان لیا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ (وہ) بدبخت، بے عقل، جھوٹے اور شاطر (لوگ، ماننے والے ہی نہیں ہیں)۔ نہ تو وہ اپنی کتاب پر سچے دل سے ایمان لا چکے ہیں، اور نہ ہی انھوں نے آپکو دل سے حکم تسلیم کیا ہے۔ وہ تو صرف اسلئے آپکی خدمت میں آئے کہ شاید کوئی سہولت مل جائے، خواہ اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہو یا ناراض۔۔۔ یہ اپنی جگہ روشن حقیقت ہے کہ۔۔۔

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰٮةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ

ہم نے اتارا توریت کو جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ فیصلہ کرتے رہے یہودیوں کا اسی پر انبیاء

اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا

جو پیغام اسلام لاتے رہے، اور اللہ والے، اور علماء، کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت کی

مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ

ضمانت طلب کی گئی تھی اور اس پر گواہ تھے۔ تو لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو،

وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

اور مت لو میری آیتوں کے بدلے ذلیل چیز قیمت۔ اور جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اس کے جسکو اتارا اللہ نے،

فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝

تو وہی لوگ کافر ہیں●

(ہم نے اتارا) ان بنی اسرائیلیوں پر (توریت کو، جس میں ہدایت) کی راہیں اور احکام ہیں، جو انھیں حق دکھاتے ہیں، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی ہدایت دیتے ہیں۔ (اور روشنی ہے) جو ان پر وہ امور

منکشف کرتی ہے، جنکی میں انھیں خبر دیتا ہوں۔ یعنی وہ نور، ظلماتِ جہل سے جو باتیں ان سے پوشیدہ ہیں، ان پر وہ ظاہر کرتا ہے۔ (فیصلہ کرتے رہے یہودیوں کا اسی پر) بنی اسرائیل کے (انبیاء جو پیغام اسلام لاتے رہے)، یعنی انکے فیصلے اسی تورات کے مطابق ہوتے اور اس پر عمل کرنے پر لوگوں کو رغبت دیتے۔ ایسے ہی دوسرے نیک (اور اللہ والے اور) وہ (علماء کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت کی ضمانت طلب کی گئی تھی اور) جو (اس پر گواہ تھے) اور اس پر پورے طور پر نگرانی کرتے تھے، کہ اس میں کسی لحاظ سے تحریف نہ ہونے دیتے۔

(تو) اے یہودیوں کے سردارو! اور عالمو! توریت کے احکام کا اجراء اور اپنے اسلاف اور انبیاء کی اقتدا کرو اور اس معاملے میں (لوگو سے مت ڈرو) بلکہ توریت کے احکام اور حقوق کی رعایت میں کمی کرنے میں میرا خوف کھاؤ (اور مجھ سے ڈرو)۔ اور یاد رکھو کہ جو بھی توریت کے بگاڑنے کے درپے ہوگا، اسے سخت سزا ملے گی۔ (اور مت لو میری آیتوں کے بدلے ذلیل چیز) بطور (قیمت)۔۔ مثلاً: رشوت لیکر یا جاہ و مرتبہ کیلئے۔۔یا۔۔ اپنی کسی بھی خواہش نفسانی کی تکمیل کیلئے۔۔ الختصر۔۔ دنیا کی لالچ میں ان آیتوں کو توریت سے مت نکالدو۔۔یا۔۔ ان پر عمل کرنا ترک کردو۔ یقین جانو کہ دنیا کی چیزیں اگرچہ بظاہر بہت اونچی نظر آتی ہیں، لیکن درحقیقت نہایت ہی حقیر ہیں۔ ان امور کے بالمقابل جن سے توریت پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے وہ محروم ہوگئے۔

چونکہ تحریف کا ارتکاب کبھی دفع ضرر کیلئے ہوتا ہے۔۔ مثلاً: کسی حکم کو کسی صاحب مرتبہ کے خوف سے چھپایا جائے اور کبھی نفع کمانے کیلئے ہوتا، جیسا کہ یہودیوں نے دنیوی منافع کیلئے کیا تھا۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو صراحتاً منع فرمادیا۔۔ الختصر۔۔ ہر حال میں کتاب [redacted] کسی کے خوف یا کسی لالچ کی وجہ سے، حکم الٰہی نہیں [redacted] احکامِ خداوندی کے موافق ہو۔

(اور جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اسکے جسکو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے، تو وہی لوگ) آیاتِ الٰہیہ کے انکار کی وجہ سے (کافر ہیں)۔

انہی کو آگے چل کر ظالم و فاسق بھی کہا ہے، کیونکہ یہ حکم الٰہی کے خلاف فیصلہ کرنے کی وجہ سے ظالم ہوئے اور حدودِ الٰہی سے متجاوز ہونے کی وجہ سے فاسق ہوئے۔۔۔ ہماری طرف سے مکمل ہدایت کردی گئی۔۔۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ

اور ہم نے لکھ دیا ان پر اس میں کہ بے شک جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے

بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ

بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور سب زخموں میں اس کا بدلہ ہے۔

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

تو جس نے صدقہ سے کام لیا تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ اور جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اس کے جس کو اتارا اللہ نے،

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

تو وہی ظالم ہیں ●

(اور ہم نے) واضح لفظوں میں (لکھ دیا) اور فرض کر دیا (ان) یہودیوں (پر اس) کتاب توریت (میں، کہ بیشک جان کے بدلے جان) یعنی نفس کا بدلہ نفس ہے، جب کوئی کسی کو جان بوجھ کر ناحق قتل کر دے۔ (اور آنکھ کے بدلے آنکھ) یعنی آنکھ پھوڑ دی جائے، آنکھ پھوڑنے کے بدلے میں، اگر کسی نے ظلماً کسی کی آنکھ پھوڑ دی ہو۔ (اور ناک) کاٹنے (کے بدلے) میں (ناک) کاٹی جائے، اگر کسی نے ظلماً کسی کی ناک کاٹ لی ہو۔ (اور کان) کاٹنے (کے بدلے) میں (کان) کاٹ لیا جائے، اگر کسی نے ظلماً کسی کا کان کاٹ لیا ہو۔ (اور) یونہی (دانت) توڑنے (کے بدلے) میں (دانت) توڑ دیا جائے، اگر کسی نے کسی کا دانت ظلماً توڑ دیا ہو۔

۔۔الغرض۔۔ زخم بھی صاحب قصاص ہیں، (اور سب زخموں میں اسکا بدلہ ہے) مگر ایسا زخم جسکا قصاص لینا ناممکن ہو، جیسے کسی ہڈی کا ٹوٹ جانا۔۔یا۔۔ گوشت کے اندر زخم کر دینا، جیسے شکم کے اندر نیزے کی ضرب وغیرہ کا زخم وغیرہ، ان کیلئے کوئی قصاص مقرر نہیں، اسلئے کہ انکے متعلق معلوم نہیں ہوسکتا ہے کہ کتنا زخم آیا ہے، تاکہ اسی کے مطابق قصاص مقرر کیا جاسکے۔۔ الختصر۔ [redacted] اسکے لئے (دیت کا حکم دیا جائیگا [redacted] (تو جس نے صدقہ سے کام لیا) اور شخص مستحق قصاص پر اپنی خوشی سے قصاص معاف کر دیا (تو وہ اسکے) گزشتہ (گناہ کا کفارہ ہے)۔ اللہ تعالیٰ بفضلہٖ اسکے گزرے ہوئے گناہوں کو معاف کر دے گا۔

۔۔یا۔۔ جس پر حملہ ہوا ہے، وہ اگر حملہ آور کو معاف کر دے، تو اسکا معاف کرنا جانی حملہ آور

گناہوں کا بھی کفارہ بن جاتا ہے۔ اسلئے قیامت میں اس سے اس گناہ کا مواخذہ نہ ہوگا۔ جیسے قصاص اسکے گناہوں کا کفارہ بنتا ہے۔ باقی رہا معاف کرنے والا اسکے اجر وثواب کا تو حساب ہی کیا، اسے اللہ تعالیٰ ہی اپنے فضل سے اجر عظیم عطا فرمائیگا۔ اس مقام پر معاف کرنے کی تعبیر تصدق سے کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے تاکہ معاف کرنے والوں کو اسطرف مزید رغبت ہو۔

اس بات کو اچھی طرح سنو (اور) ہمیشہ کیلئے ذہن نشین کرلو کہ (جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اس) قانونِ الٰہی (کے، جسکو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے، تو وہی ظالم ہیں) جو اللہ تعالیٰ کے متعین کردہ حدود سے تجاوز کرنے والے اور شئے کو اپنی اصلی جگہ سے ناموزوں جگہ پر رکھنے والے ہیں۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے دو قسم کے اعراض بیان فرمائے تھے، ایک یہ کہ انھوں نے زنا کی حد میں تحریف کردی، پھر وہ جرح میں مبتلا ہوئے اور اس معاملے میں نبی علیہ السلام کو حاکم بنایا۔ دوسرا یہ کہ انھوں نے قصاص کے حکم میں تحریف کردی اور بنو نضیر کے خون کی پوری دیت اور بنو قریظہ کے خون کی آدھی دیت مقرر کی۔ اور اب آگے کی آیت میں اللہ تعالیٰ ان کے تیسرے اعراض کو بیان فرمارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بنو اسرائیل کے نبیوں، ربانیین اور علماء کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا۔ حضرت عیسیٰ حضرت زکریا کے بعد مبعوث کئے گئے تھے۔ حضرت عیسیٰ تورات کے مصدق تھے، کیونکہ بنو اسرائیل نے تورات کے جن احکام پر عمل کرنا چھوڑ دیا تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان احکام کو زندہ کیا، یہ حقیقی تصدیق ہے۔ اور انجیل نے جو تورات کی تصدیق کی ہے، اسکا معنیٰ یہ ہے کہ انجیل کے احکام تورات کے موافق ہیں، ماسوا ان احکام کے، جن کو انجیل سے منسوخ کردیا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ اگلے پیغمبروں کے بعد۔۔۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰٓ ءَاثَٰرِهِم بِعِيسَى ٱبْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اور ان کے نقش قدم پر ان کے پیچھے ہم نے بھیجا عیسیٰ ابن مریم کو، تصدیق کرتے ہوئے اپنے سے آگے

مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ ۖ وَءَاتَيْنَٰهُ ٱلْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا

آئے ہوئے توریت کی، اور دیا ہم نے ان کو انجیل، جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اور وہ تصدیق کرنے والی ہے

بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ ٱلتَّوْرَىٰةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٤٦﴾

اپنے سے آگے توریت کی، اور ہدایت ونصیحت ہے ڈرنے والوں کیلئے●

(اور انکے نقش قدم پر) ان پیغمبروں کے پردہ فرمانے کے بعد، (انکے پیچھے ہم نے بھیجا عیسیٰ ابن مریم کو تصدیق کرتے ہوئے اپنے سے آگے آئے ہوئے توریت کی، اور) ان کو صاحب شریعت وصاحب کتاب رسول بنا کر، (دیا ہم نے انکو انجیل جس میں ہدایت) ہے توحید کی (اور روشنی ہے) راہِ حق کو بتانے اور اسپر چلانے کیلئے۔ (اور وہ تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے آگے) نازل شدہ (توریت کی، اور ہدایت ونصیحت ہے) حق تعالیٰ سے (ڈرنے والوں کیلئے)۔ گویہ کتاب سبھی کیلئے رہنما اور نصیحت کرنے والی ہے، لیکن اسکی رہنمائی اور پند ونصیحت سے وہی لوگ مستفیض ہونے والے ہیں، جو پرہیزگاری کی راہ پر چلنا چاہتے ہیں، اور نکوکار بن کے رہنا چاہتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی ان عنایات کا تقاضہ ہے کہ حکم الٰہی کا پاس ولحاظ رکھیں۔

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

اور فیصلہ کریں انجیل والے جو اتارا اللہ نے اس میں۔ اور جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اس کے

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

جو اتارا اللہ نے، تو وہی نافرمان ہیں●

(اور فیصلہ کریں انجیل والے) یعنی انکے علماء بالکل اسکے موافق (جو اتارا) ہے (اللہ) تعالیٰ (نے اس میں، اور) اب اس ہدایت کو پالینے کے بعد کہ ہم نے حکم دیدیا ہے کہ اہل انجیل اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق ہی فیصلہ کریں، (جس نے فیصلہ نہ کیا موافق اسکے جو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے، تو وہی نافرمان ہیں)۔ پس وہ لوگ نکل جانے والے ہیں حکم خدا سے اور اگر حکم کا انکار کردیں، تو نکل جانے والے ہیں ایمان سے۔

سابقہ کتب سماویہ کے ذکر کے بعد مناسب تھا کہ اس آسمانی کتاب کا بھی ذکر کیا جائے جو ان کتب سماویہ کی محافظ ونگہبان رہی اور اس بات کی مضبوط دلیل رہی کہ وہ آسمانی کتابیں واقعی طور پر آسمانی اور الہامی کتابیں ہیں۔ انکے منجانب اللہ ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ [redacted]

کتابیں جو جانب اللہ نازل کی گئی ہیں۔ اس میں وہ سارے حصے جو غیر محرف ہیں، وہ کلام خداوندی ہی ہیں۔

قرآن کریم کی یہ شہادت ایک ایسی کتاب کی شہادت ہے، جسکی مکمل حفاظت کو خود قادر مطلق نے اپنے ذمہ کرم میں رکھ لیا تھا اور اس میں کسی طرح کی کمی بیشی کرنے اور اسکی مثال ونظیر پیش کرنے کو ناممکن بنا دیا تھا۔ تو جب اس شان کی کتاب نے تورات وانجیل اور زبور کو آسمانی کتابیں قرار دیدیا، تو انکا بھی وجود ثابت ہوگیا، کیونکہ اگر قرآن مجید نہ ہوتا، تو محض ان کتابوں سے انکا آسمانی کتابیں ہونا ظاہر نہ ہوتا، کیونکہ ہر دور میں ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے، حتی کہ اب وہ عبرانی نسخے میں موجود نہیں ہیں، جس عبرانی زبان میں یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اے محبوب!۔۔۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ

اور اتارا ہم نے تم پر کتاب بالکل حق، تصدیق کرتی ہوئی اپنے سے آگے کی کتاب کی،

وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ

اور ان پر نگرانی رکھتی ہوئی، تو فیصلہ کرو ان میں جو اتارا تم پر اللہ نے، اور ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو چھوڑ کر

عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ

جو آ گیا ہے تمہارے پاس حق۔ ہر ایک کے لیے تم میں سے ہم نے بنا رکھی تھی شریعت وطریقت۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ

اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو کر دیتا ایک ہی امت۔ لیکن اس لیے کہ آزمائش میں ڈالے تم کو اس میں جو دیا تم کو،

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

تو لپکو نیکیوں کی طرف۔ اللہ تک سب کو لوٹنا ہے، تو وہ بتا دے گا

بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

جس میں تم جھگڑتے تھے●

(اور اتارا ہم نے تم پر کتاب) قرآنِ کریم (بالکل حق) جو درستی اور راستی کے ساتھ ہے۔ (تصدیق کرتی ہوئی اپنے سے آگے کی کتاب کی) یعنی ان کتابوں کی جو اس سے پہلے نازل ہوئیں

ہیں۔ یہ قرآن انھیں کے موافق نازل ہوا، اس میں توحید وعدل اور اصولِ شرائع، انہی پہلی کتابوں کے مطابق ہیں (اوران پر نگرانی رکھتی ہوئی)، یعنی انکی نگراں ہے اور تغیر وتبدیل سے انکی محافظت کرتی ہے، یعنی ان میں جو کچھ کمی بیشی کی جاتی ہے، اسے قرآن سے درست کرلیا جاتا ہے۔ گویا یہ پہلی کتابوں کے کتابِ الٰہی ہونے کی صحت پر گواہ ہے (تو) اے محبوب! (فیصلہ کروان میں) یعنی اہل کتاب کے درمیان بالکل اسکے مطابق (جو اتارا تم پر اللہ) تعالیٰ (نے)، یعنی سنگساری کا حکم اور قصاص میں برابری۔

یہ آیت اس حکم کی ناسخ ہے، جس میں رسولِ مقبول ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ تمھیں اختیار ہے، چاہے حکم کرو چاہے حَکَم بننے اور حکم کرنے سے انکار کردو۔ وہ آیت اس سے پہلے گزر چکی۔

(اور انکی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو، چھوڑ کر جو آ گیا ہے تمہارے پاس حق)۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے درست وراست حکم آجانے کے بعد آپ کے کسی کی خواہش کے مطابق فیصلہ کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ یہ بات تو آپ ﷺ کیلئے تو ناممکن ہے، [redacted]

تو اے لوگو! (ہر ایک کیلئے تم میں سے) جو گزر گئے یا موجود ہیں (ہم نے بنا رکھی تھی شریعت)، یعنی واضح راستہ، جس پر کتابِ الٰہی میں نص وارد ہوئی (وطریقت)۔ یعنی ایک کھلی ہوئی راہ جو حدیث نبوی سے ثابت ہو۔

۔۔الحاصل۔۔کوئی ایسی امت نہیں جسکی کوئی راہ متعین نہ ہوئی ہو، مثلاً: موسیٰ علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک تورات، پھر عیسیٰ علیہ السلام سے حضور سرورِ عالم ﷺ تک انجیل، اور اے موجودہ لوگو! تمہارے لئے اور قیامت تک آنے والوں کیلئے قرآن مجید ہے۔۔لہٰذا۔۔اسپر ایمان لاؤ اور اسپر عمل کرو۔

[redacted] احکام امم سابقہ پر عمل کرنے کے اسی صورت میں مامور ہیں، جبکہ ہماری شریعت انکی تائید کرے، پھر ان پر عمل کرنا بایں معنیٰ ہوگا، کہ وہ بھی ہماری شریعت کے احکام ہیں، نا کہ امم سابقہ کے۔ یاد رکھو کہ ہر ایک کیلئے الگ الگ شریعت ومنہاج بنانا اور ہر ہر امت کو ایک دوسرے سے مختلف احکام پر مامور کرنا، اس میں بڑی ہی حکمت ومصلحت ہے۔ [redacted]

[illegible] صلاحیت تھی، تو انھیں انکی صلاحیت اور اس دور کے تقاضے کے مطابق احکام دیے گئے۔

(اور اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا تو تم سب کو کر دیتا ایک ہی امت) تاکہ ہر زمانہ میں تم بلا اختلاف رہو، متفقہ طور پر ایک ہی جماعت میں رہو۔ سب کیلئے ایک ہی طرح کے احکام ہوں۔ جو احکام پہلے والوں کو دیدیئے گئے، اس میں بعد والوں کیلئے کوئی تبدیلی اور کسی طرح کی ترمیم و تنسیخ نہ ہو۔ (لیکن) اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ نے ایسا نہیں چاہا، (اسلئے) تا (کہ آزمائش میں ڈالے تم کو اس میں جو دیا تم کو) مختلف شرائع میں سے، جیسا کہ زمانے کے حال کے مناسب ہوتا ہے، اس میں تم یقین اور اس اعتقاد پر مضبوط ہو جاؤ، کہ یہ اختلافات مشیت الٰہی کے تقاضے کے مطابق ہیں، اور اس بات پر مبنی ہیں کہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور سیکڑوں مصلحتیں ہیں، جو تمہارے معاد و معاش کیلئے مفید ہیں۔

تو اگر تم مذکورہ یقین و اعتقاد پر رہے، تو آزمائش میں کامیاب ہوگئے اور اگر حق سے
اعراض کیا، خواہشات کے تابعدار ہوگئے، فوائد کے بجائے نقصانات کے پیچھے لگ گئے،
اور ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کر لی، تو سمجھ لو کہ آزمائش میں ناکام ہوگئے۔

اور جب بات وہی حق ہے جو مذکور ہوئی، (تو لپکو نیکیوں کی طرف) اور ان عقائد حقہ اور اعمال صالحہ جو قرآن کریم میں درج ہیں، کیلئے جدوجہد کرو۔ اس میں تمہارے لئے دارین کی بہبودی ہے۔ چند روزہ زندگی کی فرصت کو غنیمت سمجھ کر انکے حصول میں عجلت کرو، اور اس فضل کو حاصل کرنے میں سبقت کرو، اور جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (تک) تم (سب کو لوٹنا ہے) بالآخر تمہارا سب کا رجوع اللہ تعالیٰ فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون (تو وہ بتا دیگا جس میں تم جھگڑتے تھے) یعنی تمھیں اسکی خبر دے دیگا ان امور دین اور شریعت کے تعلق سے، جس میں تم اختلاف کرتے تھے کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ یعنی تمھیں ایسی جزا دیگا جو حق و باطل کا امتیاز کرے گی اور جس میں تم اختلاف کرتے تھے، اسکی اصلی حقیقت میں کسی قسم کا شک باقی نہ رہیگا۔

مذکورہ بالا ارشاد میں اسطرح سے تعبیر کرنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ سمجھدار لوگوں کیلئے
ایسی تعبیر سننے کے بعد وہم و گمان کا موقع نہیں رہتا۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ

اور یہ کہ فیصلہ کرو ان میں جو اتارا اللہ نے تم پر، اور مت لگو ان کی خواہشوں کے پیچھے۔ اور ان سے بچتے رہو،

أَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ

کہ فتنہ نہ بن جائیں تمہارے لیے بعض ان باتوں میں کہ اتارا اللہ نے تم تک۔ پھر اگر انھوں نے منہ پھرا رکھا، تو جان لو

أَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ

کہ اللہ یہی چاہتا ہے کہ دے دے ان کو سزا ان کے بعض گناہوں کی۔

وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور بے شک لوگوں کی اکثریت نافرمان ہے●

(اور) اے محبوب! بھیجا ہم نے تیری طرف (یہ) امر (کہ فیصلہ کروان) اہل کتاب (میں) اس نازل شدہ حکم خداوندی کی روشنی میں، (جو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے تم پر اور مت لگو انکی خواہشوں کے پیچھے) یہ یہودی ایک سازشی قوم ہے، تو ان کے علماء نے آپس میں صلاح کر کے آپ کی خدمت میں آ کر مکروفریب کا جو جال پھیلایا ہے اور ایک خاص پروگرام کے تحت آپ سے جو عرض کیا ہے، کہ اے محمد ﷺ تم جانتے ہو کہ ہم اپنی قوم کے اشراف اور علماء ہیں، جب ہم تمہاری پیروی کرینگے، تو کیا ارذال کیا اشراف، سب یہودی ہماری تصدیق کے سبب تمہاری پیروی کریں گے۔ بالفعل، ہم میں اور ہماری قوم میں خونوں اور مالوں کے بابت جھگڑے ہیں، ہم تمھیں حکم کرتے ہیں اور فیصل بناتے ہیں، بشرطیکہ قصاص میں ہماری مرضی کے موافق حکم دو، تو ہم تمہارا دین قبول کرتے ہیں۔

حق تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو خبر کردی اور انکی التماس کو قبول کرنے سے ڈرایا اور فرمایا کہ جو خدا نے بھیجا ہے، اسکے موافق حکم کرو۔

(اوران) فتنہ پروروں (سے بچتے رہو) تا (کہ) یہ (فتنہ نہ بن جائیں تمہارے لئے بعض ان باتوں میں کہ اتارا اللہ) تعالیٰ (نے تم تک) اور پھر تمھیں قرآنِ کریم کے بعض احکام کا اجراء نہ کرنے دیں، اگرچہ معمولی ہی سہی۔

اس مقام پر فتنہ سے، حق سے انحراف کر کے باطل میں پڑ جانا مراد ہے۔

۔۔الختصر۔۔اے محبوب! تم انکا فیصلہ حکم قرآنی کے مطابق ہی کرو۔ (پھر اگر انھوں نے) اس فیصلے کو قبول کرنے سے (منہ پھرا رکھا) اور قبول نہیں کیا، بلکہ اسکے برخلاف کوئی دوسرا حکم چاہیں، (تو جانلو کہ اللہ) تعالیٰ (یہی چاہتا ہے)، کہ اپنے نوشتۂ تقدیر کے مطابق وہ اعراض کریں تا (کہ دیدے انکو سزا انکے بعض گناہوں کی)، دنیا میں اور باقی کی عقبیٰ میں۔ دنیاوی عذاب تو اس طور پر کہ تمھیں ان پر

مسلط کردے اور پھر تم انھیں قتل کردو، یا جلاوطن کردو، یا ان پر جزیہ مقرر کردو۔ (اور) جان لو کہ (بیشک) عام (لوگوں) بالخصوص یہودیوں (کی اکثریت نافرمان ہے)، یعنی کفر میں منہمک ہے اور اسی پر اصرار کرنے والی ہے اور جو حدود شرع نے مقرر فرمائے ہیں، ان حدود سے تجاوز کرنے والی ہے۔
اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہود بولے کہ ہم تیرے حکم سے راضی نہیں۔۔۔

اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ

تو کیا جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے میں

حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

کون ہے، ان کیلئے جو یقین رکھیں●

(تو) ان بیوقوفوں سے پوچھو (کیا) یہ (جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں)، یعنی ایسا فیصلہ جسکا نہ کسی آسمانی کتاب میں ثبوت ہو اور نہ ہی اسے وحی ربانی سے کسی قسم کا تعلق ہو۔ ذرا غور تو کرو (اور) سوچو کہ (اللہ) تعالیٰ (سے بہتر فیصلہ کرنے میں کون ہے، انکے لئے جو یقین رکھیں)۔
۔۔الختصر۔۔جس قوم کے لوگ غور و فکر سے کام لیتے ہیں اور الٰہی امور پر بچشم بصیرت نظر ڈالتے ہیں، تو انھیں یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم تمام دنیا والوں کے احکام سے احسن و افضل ہے جن میں ہزاروں مصلحتیں اور بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکے حکم کے سامنے سر جھکائیں اور دل سے مانیں، نہ اس پر اعتراض کریں، نہ نکتہ چینی۔۔۔سابقہ ارشادات کی روشنی میں یہود و نصاریٰ کے مکر و فریب اور انکی فطری سرکشی اور اسلام دشمنی کو سمجھنے کے بعد کہ یہ قوم اس لائق نہیں، کہ اہل ایمان اس سے دوستی کا رابطہ قائم کریں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ

اے وہ جو ایمان لاچکے! نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست۔۔۔ان میں ایک

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

دوسرے کے دوست ہیں۔ اور جو دوستی رکھے ان کی تم میں سے، تو وہ انھیں میں سے ہے۔ بے شک اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

راہ نہیں دیتا ظالم لوگوں کو●

(تو اے وہ جو ایمان لا چکے) خواہ وہ عام مومنین ہوں۔۔یا۔۔مخلصین (نہ بناؤ یہود و نصاریٰ کو دوست)۔

یعنی ان سے ایسی دلی اور قلبی دوستی کا رشتہ نہ جوڑو اور انکے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرو، جو عموماً یاروں اور دوستوں سے قلبی دوستی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔۔ہاں۔۔اگر انکی دوستی کا معاملہ صرف کاروبار اور معاملات و معاشرہ تک محدود ہو۔۔یا۔۔ان سے صرف خرید و فروخت کا سلسلہ ہو۔۔یا۔۔کسی کام کی وجہ سے ان سے واسطہ پڑ گیا ہو، تو اگر کوئی ظاہری طور پر ان سے دوستی کا دم بھرتا ہے، لیکن نہ انکے اعتقادات سے اسکا تعلق اور نہ ہی انکے امورِ دینیہ سے اسے دلچسپی ہو، تو پھر وہ اسی آیت میں مذکور، آنے والی وعید میں داخل نہ ہوگا۔

اس آیت کریمہ نے نازل ہوکر حضرت عبادہ بن صامت [illegible] آپکے ایمان افروز کردار کو رضائے الٰہی کی سند عطا فرمادی، کہ انھوں نے ایک بار بارگاہِ رسالت میں عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول ﷺ اگر چہ یہودیوں میں میرے ان گنت دوست ہیں، لیکن میں ان سب کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول سے وابستہ ہوتا ہوں۔ یہ سن کر رئیس المنافقین، عبداللہ ابن ابی نے کہا تھا، کہ مجھے تو آئندہ کے حوادث اور فتنوں کا بڑا خطرہ رہتا ہے، لہٰذا میں تو اپنے یہودی دوستوں کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسلئے کہ حوادث اور فتنوں میں ان سے لازماً واسطہ پڑیگا۔ اس سے بنی قینقاع کے یہود مراد ہیں۔

اے ایمان والو! یہ یہود و نصاریٰ بڑے مکار اور فریبی ہیں۔ باوجودیکہ خود ان میں آپس میں شدید اختلاف ہے، دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں، دونوں ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں، لیکن دونوں اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ وہ تمہیں ہر طرح کا نقصان پہنچائیں، تو اس نکتے پر (ان) دونوں (میں) ہر (ایک دوسرے کے دوست) یعنی ہم خیال (ہیں)۔ اس صورت حال میں تمہارا اور انکا آپس میں مخلصانہ دوستی کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے، تو سن لو (اور) یقین کر لو کہ (جو) انکے دین کو اچھا سمجھتے ہوئے قلبی اور دلی (دوستی رکھے انکی تم میں سے، تو) جان لو اور اس سے کسی طرح کا فریب نہ کھاؤ، کہ (وہ انھیں میں سے ہے)۔

اب اگر وہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا ہے، تو وہ اسکی منافقت اور رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کی پیروی ہے، بے راہ روی جسکا مقدر ہے۔ اسلئے ک [redacted]

[redacted] جو اپنے دین کے دشمنوں سے قلبی تعلق رکھ کر اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں، اور اسے دارین کے عذاب کا مستحق بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو انکے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے، کہ کفر کے گڑھے میں پڑیں یا گمراہی میں مریں۔ اہل اسلام کی دوستی کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی یہود ونصاریٰ کی محبت اور دوستی کا دم بھرنے والوں کی اس سے بڑھ کر اور کون سی سزا ہو سکتی ہے؟ اے محبوب! سب کے حالات کا جائزہ لو گے۔۔۔

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ

تو دیکھو گے کہ جن کے دلوں میں کمزوری ہے، کہ دوڑ لگائیں گے ان یہود ونصاریٰ میں،

نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ

کہیں گے کہ ہمیں ڈر لگتا ہے، کہ ہمیں پہنچ جائے کوئی چکر۔ تو قریب ہے کہ اللہ فتح لائے گا

أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾

یا کوئی بات اپنی طرف سے، کہ ہو جائیں جو اپنے دل میں چھپا رکھا ہے اس پر کھسیانے ●

(تو دیکھو گے کہ) عبداللہ ابن ابی اور اسکے تابع لوگ۔۔ الغرض۔۔ جن (جنکے دلوں میں کمزوری ہے) یعنی منافقت کا مرض یا دینی امور میں سستی اور تکاسل ہے، (کہ دوڑ لگائینگے ان یہود ونصاریٰ) کی محبت اور دوستی اور انکے معاونت (میں)۔ یہ لوگ یہود ونصاریٰ کی محبت اور انکی دوستی پر ایسے ڈٹے ہوئے ہیں کہ انکا اس دوستی سے باز آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۔۔الغرض۔۔ عبداللہ ابن ابی اور اسکے تابع لوگ نجران کے یہود ونصاریٰ سے اپنی دوستی کا رشتہ کاٹ نہیں سکتے، مگر انکی دیدہ دلیری تو دیکھو کہ جب مومنین انکو انکی دوستی پر ٹوکتے ہیں، تو ان سے عذر کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ صرف خطرہ ٹالنے کیلئے دوستی ہے ورنہ ہمیں ان سے کیا واسطہ۔۔ المختصر۔۔ جب بھی کوئی ایمان والا انکی اس غلط روی پر انکو ٹوکے گا، تو جوابا (کہیں گے کہ ہمیں ڈر لگتا ہے کہ ہمیں پہنچ جائے کوئی چکر) اور ہم کسی گردش کا شکار ہو جائیں۔۔ مثلا: گردش روزگار کے نتیجہ میں، انھیں ایسی دولت اور غلبہ حاصل ہو، کہ وہ ہم پر غالب آجائیں، یعنی گردش زمانہ کے مصائب وتکالیف کا ہم شکار ہو جائیں۔۔ مثلا: قحط سالی وغیرہ، تو پھر وہ لوگ ہمیں نہ قرض دینگے اور نہ غلہ وغیرہ۔

[redacted]

دراصل جو کھٹکا تھا، تو یہ تھا کہ کہیں زمانہ پلٹ نہ جائے اور اہل [redacted]
کفار غالب ہوجائیں، تو اس وقت انکی دوستی کام آئیگی۔

حالانکہ اہل اسلام کے مغلوب ہونے کا انکا اندیشہ باطل ہے، اسلئے کہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ (تو) طے ہے کہ (قریب ہے کہ اللہ) تعالیٰ (فتح لائیگا) یا یہود کے منازل اور مواضع۔۔مثلاً: خیبر، تیماء اور فدک وغیرہ کی تسخیر عطا فرمائیگا۔

۔۔چنانچہ۔۔فتح مکہ کے علاوہ خیبر وغیرہ کو بھی مسلمانوں کے قبضہ میں دیدیا۔

(یا کوئی بات) یعنی کوئی حکم یہودیوں کے قتل یا جلاوطن کردینے کے تعلق سے (اپنی طرف سے) نازل فرمائیگا، تا (کہ ہوجائیں، جو اپنے دل میں چھپا رکھا ہے)، یعنی کفر کا غلبہ اور نبی کریم کی نبوت میں شک۔۔الغرض۔۔اپنی (اس) ناقص سوچ (پر) شرمندہ اور (کھسیانے)،۔۔نیز۔۔اپنے کرتوتوں پر پچھتانے والے۔

۔۔چنانچہ۔۔وہ وقت آہی گیا کہ خود منافقین نے مشاہدہ کیا کہ اب انکی امیدیں بے کار ہوگئی ہیں اور انکے عزائم کی پختگی ختم ہوگئی کہ جن باتوں کی انھیں امید تھی، انکے متعلق معاملہ برعکس ہوگیا۔ جن امور کیلئے وہ طرح طرح کی باتیں بناتے تھے، وہ بہر صورت پورا نہ ہوسکا۔ منافقین کی یہ صورت حال۔۔۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ

اور کہیں گے جو واقعی مان چکے ہیں، "کہ کیا یہی ہیں؟ جنھوں نے قسم کھائی تھی اللہ کی، بڑے زور کی

أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ۝٥٣

قسم پر قسم، کہ یہ جو تمہارے ساتھ ہیں" اکارت گئے ان کے سارے عمل، تو ہوگئے دیوالیے●

(اور) انکی یہ کیفیت دیکھ کر یہود و نصاریٰ کو مخاطب بنا کر (کہیں گے) وہ (جو واقعی مان چکے ہیں) اور سچے اور سراپا اخلاص ایمان والے ہیں منافقین کی طرف اشارہ کرکے، (کہ کیا یہی ہیں جنھوں نے قسم کھائی تھی اللہ) تعالیٰ (کی)، اور وہ بھی (بڑے زور کی قسم پر قسم کہ یہ جو) بقول خود (تمہارے ساتھ ہیں) واقعی تمہارے ساتھی ہیں جو تمہاری پوری نصرت و معاونت کرینگے۔

۔۔چنانچہ۔۔منافقین نے یہود و نصاریٰ سے کہا تھا کہ اگر تم جنگ کیلئے تیار ہوئے، تو ہم

تمہاری پوری مدد کرینگے۔

مگر اب انکا حال یہ ہے کہ (اکارت ہوگئے انکے سارے عمل، تو ہوگئے دیوالیے) یہود و نصاریٰ سے یاری دوستی کی جتنی جدوجہد کی سب ضائع ہوگئی، کیونکہ یہود ونصاریٰ سے انھیں کچھ نصیب نہ ہوا۔ بلکہ انکی تمام کارگزاری بیکار ہوئی اور بہت سے دکھ اور تکلیف سر پر اٹھائے۔

اس آیت زیرتفسیر کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا، کیا یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی پختہ قسمیں کھا کر ہمیں یقین دلایا تھا کہ تمہارے ساتھ ہیں، حالانکہ اب اللہ تعالیٰ نے نفاق پر پردہ چاک کردیا اور یہ نقصان اٹھانے والے ہوگئے، کیونکہ انھیں ثواب کے بدلے عذاب ہوگا اور دنیا میں یہودیوں کے قتل اور جلاوطن ہونے کے بعد انکا کوئی سہارا نہ رہا اور یہودیوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے انھیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔

[illegible] سے یہ [illegible] ملتا ہے کہ حقیقی اور لازوال دولت صرف حق کیلئے ہے، اور باطل کیلئے تو صرف ظاہری صولت اور محض زبانی جمع خرچی ہے، جو بعد کو مٹ جاتی ہے اور ایسی فنا ہوتی ہے کہ [illegible] نشان تک باقی نہیں رہتا۔ مومن پر لازم ہے کہ وہ باطل کی طرف بالکل نہ جھکے، [illegible] اچھا نظر آئے۔

[illegible] یہود ونصاریٰ سے میل ملاپ، انکی اسلام کو مٹانے کی مشترکہ [illegible] سارے حربے، ہرگز ہرگز دین اسلام مٹا نہ [illegible] نہیں گے۔

[illegible] لو کہ اگر۔۔۔ بالفرض۔۔۔ کسی دور کے مومنین [illegible] ۔۔۔تو۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ

اے وہ جو ایمان لاچکے! جو تم میں دین سے مرتد ہوجائے، تو جلد لائے گا اللہ

بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۡ

ایسی قوم جس کو اپنا محبوب بنادے، اور وہ اللہ کو محبوب مانیں۔ مسلمانوں پر نرم، کافروں پر خوف ناک،

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ

جہاد کریں اللہ کی راہ میں، اور نہ ڈریں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو۔

ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے جو تم میں دین سے مرتد ہو جائے) اور جھوٹے مدعیان نبوت۔۔مثلاً: مسیلمہ کذاب، طلیحہ رسیدی، اور سجاح کاہنہ، وغیرہ کا پیروکار ہو جائے۔۔یا۔۔بعض نجرانیوں کی طرح منکر زکوٰۃ ہو جائے۔۔الختصر۔۔کسی بھی طور سے اسلام چھوڑ کر ارتداد قبول کرلے، تو اس سے دین حق بے یار ومددگار نہیں ہو جائیگا، بلکہ جب کبھی ایسا ہوگا (تو جلد) از جلد (لائیگا اللہ) تعالیٰ اہل یمن۔۔یا۔۔اہل فارس ۔۔یا۔۔قبیلہ اشعری۔۔یا۔۔روز قادسیہ کے مجاہدین کی شکل میں، جن میں دو ہزار آدمی نخع کے تھے اور پانچ ہزار بجیلہ اور کندہ کے اور تین ہزار سب قبائل عرب یمن کے۔۔یا۔۔حضرت ابوبکر اور انکے ساتھ مرتدین سے جنگ کرنے والے سارے مہاجرین وانصار کی صورت میں۔ (ایسی قوم، جسکو) اپنی سچی اور مخلصانہ محبت کی سند عطا فرما کر (اپنا محبوب بنادے) اور اسی اعزاز پر ان کو قائم رکھے۔

(اور) ساتھ ہی ساتھ ان سب کو ایسی توفیق رفیق عطا فرمائے، جس سے (وہ اللہ) تعالیٰ (کو) ہمیشہ ہمیش اپنا (محبوب مانیں)۔ انکی خاص پہچان یہ ہوگی کہ یہ (مسلمانوں پر نرم) دل، خاکسار، اور مہربان ہونگے، لیکن (کافروں پر خوفناک) اور بے رحم ہونگے اور انکی کسی طرح کی کوئی رعایت نہیں کرینگے۔ اور ضرورت پیش آنے پر ان پر شدید ترین حملہ کرنے سے بھی گریز نہ کرینگے بلکہ انکا قلع قمع کردینے کی جدوجہد میں لگے رہیں گے۔ چنانچہ وہ بوقت ضرورت (جہاد کریں) گے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) خالصاً لوجہ اللہ۔ (اور نہ ڈریں) گے (کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو) اور نہ ہی کسی کی ملامت کا کچھ خیال کرینگے۔

یہ ان منافقوں کی طرح نہیں ہونگے، جو جب مسلمانوں کے لشکر میں چل نکلے، تو انھیں اپنے نصرانی اور یہودی یاروں اور دوستوں کا بھی دل میں اندیشہ تھا، کہ ہم کوئی ایسا کام نہ کرینگے جس سے وہ یار دوست ہمیں ملامت کریں۔

[redacted]

یہ صفتیں جو مذکور ہوئیں (یہ اللہ) تعالیٰ (کا فضل ہے)، اور اسکی کرم فرمائی ہے، وہ (جسے چاہے) اسکی توفیق رفیق (دے، اور) جسکو چاہے اس فضل خاص سے نوازے۔ اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) ہے اور بڑا فضل فرمانے والا ہے اپنی مخلوق پر۔۔۔نیز۔۔اس بات کا (علم والا ہے) کہ اسکے اس فضل کا مستحق کون ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ بندہ کے ساتھ خدا کی محبت کی صورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ دنیا میں بندہ کی توفیق خیر اور ہدایت کا ارادہ فرمائے، اور آخرت میں حسن ثواب اور کرامت بے حساب عطا فرمائے۔ اور خدا کے ساتھ بندے کی محبت یہ ہے خدا کی اطاعت کرتا ہے اور اسکی نافرمانی سے بچتا ہے۔

اہل طریقت کے نزدیک بندہ کے ساتھ خدا کی محبت یہ ہے کہ بندہ کو اپنی درگاہ کے قریب اور نزدیک کرلے اور خدا کے ساتھ بندے کی محبت یہ ہے کہ خدا کے واسطے غیر خدا سے اپنے دل کو خالص کرلے۔

سابقہ آیات میں کہا گیا کہ یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ، اسلئے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور ہم خیال ہیں، لیکن تمہارے دشمن ہیں۔۔اور۔۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ

تمہارے دوست صرف اللہ و رسول اور وہ ہیں جو ایمان لاچکے، قائم کریں

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿۵۵﴾

نماز کو اور دیں زکوٰۃ کو اور وہ جھکے ہیں●

(تمہارے دوست صرف اللہ) تعالیٰ (و) اسکے (رسول اور وہ ہیں جو ایمان لاچکے)۔ انکی شان یہ ہے کہ (قائم کریں) یعنی کماحقہ دائمی طور پر ادا کرتے رہیں (نماز کو) اور صاحب نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا وقت آنے پر (دیں زکوٰۃ کو، اور) نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے وقت انکا حال یہ ہے، کہ (وہ) اللہ تعالیٰ کے حضور میں خشوع اور خضوع کرنے والے ہیں، اور سراپا نیاز ہوکر بارگاہِ الٰہی میں (جھکے ہیں)۔

اور منافق کون؟ اسلیۓ کہ نماز وزکوٰۃ کی مواظبت کرنے سے اور انھیں خشوع اور رضائے الٰہی کیلیۓ ادا کرنے سے اخلاص اور منافقت کا پتہ چلے گا۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ

اور جو دوست بنائے اللہ اور اس کے رسول اور ان کو جو ایمان لاچکے، تو بے شک

حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۵۶ ع ۱۲

اللہ کا گروہ ہی غالب ہے●

(اور) یاد رکھو کہ (جو دوست بنائے اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول اور انکو جو ایمان لاچکے) یعنی مہاجرین وانصار کو، (تو بیشک) وہ اللہ تعالیٰ کے گروہ میں شامل ہوگیا، تو وہ جان لے کہ ہر حال میں اور ہر دور میں (اللہ) تعالیٰ (کا گروہ ہی غالب ہے)، جسے کوئی حقیقی طور پر مغلوب نہیں کرسکتا۔

کیا ہی عزت افزائی ہے اس ایمان والے کی، جو اللہ ورسول اور مومنین سے محبت رکھتے ہوئے فرائض اسلامی کی ادائیگی کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسکو اپنا گروہ ارشاد فرمارہا ہے۔ اسی طرح کس قدر بدنصیب ہے وہ، جو اللہ تعالیٰ اور رسول پاک اور مومنین کے غیر سے محبت کرتا ہے، اور اسطرح وہ شیطانی گروہ میں شامل ہوجاتا ہے۔۔۔تو مسلمانو! تمہاری دوستی کسی ایسے سے نہ ہونی چاہیۓ جو دین کا مدعی ہوکر، خواہش نفسانی پر عمل کرکے، حق اور صواب کی تحریف میں لگا رہتا ہے، جیسے کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ۔۔۔یا۔۔۔وہ کسی دین کا بھی پابند نہ ہو، جیسے مشرکین۔۔۔الحاصل۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا

اے ایمان والو! جنھوں نے بنالیا ہے تمہارے دین کو ہنسی

وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ

کھیل، جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اور کافر لوگ، انھیں نہ بناؤ دوست۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۵۷

اور اللہ سے ڈرو اگر اس پر ایمان رکھتے ہو●

(اے ایمان والو!) اچھی طرح خیال رہے کہ (جنھوں نے بنالیا تمہارے دین کو ہنسی کھیل

کہ وہ زبان سے اسلام کا دم بھریں لیکن دل میں کفر چھپائے رکھیں، ان لوگوں میں سے (جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور) انکے سوا دوسرے (کافر لوگ)، تو (انھیں) ہرگز (نہ بناؤ) اپنا (دوست اور) رفاعہ بن زید اور سوید بن حارث جو اسلام کا اظہار کرنے کے بعد منافق ہو گئے۔۔نیز۔۔ان جیسے دوسرے کافروں کو اپنا دوست و ہمراز بنانے سے (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو، اگر اس پر) سچا (ایمان رکھتے ہو)۔

۔۔الغرض۔۔اگر تم سچے ایمان والے ہو، تو ایسوں کو دوست بنا کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھ کر انکی دوستی اور یاری سے بچو۔اسلئے کہ ایمان تقویٰ کا مقتضی ہے۔ذرا غور تو کرو، کہ جو تمہارے دین کے ساتھ ٹھٹھا کرتا ہے، وہ تو اس لائق ہے کہ اس سے دشمنی کی جائے، نہ کہ اس سے دوستی اور یاری کا دم بھرا جائے۔ذرا ان کتابیوں کا طرز عمل تو دیکھو کہ جب رسولِ کریم کے مؤذن اذان دیتے، تو وہ آپس میں ہنستے اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے، تو انکی سفاہت و بیوقوفی کی طرف اشارہ کر کے ہنسی کھیل کرتے اور کہتے کہ انکی جہالت کا حال دیکھو کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں۔اس سے انکا صرف اہل اسلام سے نفرت دلانا مقصود تھا، اور چاہتے تھے کہ انکے لوگ دائمی طور پر اسلام سے متنفر ہو جائیں۔۔۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا

اور جب تم نے اذان دی نماز کے لیے تو انھوں نے بنالیا ہنسی کھیل۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

یہ اس لیے کہ وہ قوم عقل نہیں رکھتی •

(اور) اسی لئے اے ایمان والو! جب (جب تم نے اذان دی نماز کیلئے، تو انھوں نے بنالیا ہنسی کھیل)۔

۔۔چنانچہ۔۔جب مسلمان لوگ اذان سن کر نماز کیلئے اٹھتے، تو یہود لوگ آپس میں کہتے:
"قَامُوْا لَا قَامُوْا صَلُّوْا لَا صَلُّوْا" یہ کہتے اور قہقہہ لگاتے۔

انکا (یہ) استہزاء کرنا صرف (اسلئے) ہے (کہ وہ قوم عقل نہیں رکھتی) ہے۔اور وہ نرے بے عقل لوگ ہیں، ورنہ اگر انھیں عقل ہوتی، تو ایسے اعلیٰ ترین عمل پر ہنسی مذاق کرنے کی جرأت نہ کرتے۔

ان یہودیوں کی دشمنی اور بدکلامی کا عالم یہ تھا، کہ ایک بار ابو یاسر بن اخطب اور رافع بن

ابی رافع نے چند یہودیوں کے ساتھ آ کے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ پیغمبروں میں سے تم کس پر ایمان رکھتے ہو۔ آپ نے فرمایا میں خدا پر اور اپنے اوپر نازل شدہ قرآن کریم پر اور ان تمام آسمانی کتابوں پر جو انبیاء سابقین پر نازل فرمائی گئی ہیں۔

حضرات انبیاء کے ناموں کے ساتھ حضرت عیسیٰ کا بھی نام مذکور ہوا، تو ان لوگوں نے انکی نبوت کا انکار کر دیا اور بولے قسم خدا کی تمہارے دین سے بدتر کوئی دین ہم نہیں جانتے۔ اور کسی دین والے کو تم لوگوں سے زیادہ دنیا و آخرت میں کم نصیب ہم نہیں جانتے۔۔ الغرض ۔۔ یہ یہودی ایسا چڑھ گئے کہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ تو اے محبوب! ان چڑھنے والوں سے۔۔۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ

کہو، اے اہل کتاب کیا نہیں چڑھے تم ہم سے مگر اس لیے کہ ہم نے مان لیا اللہ کو، اور جو کچھ اتارا گیا

اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

ہماری طرف، اور جو اتارا گیا پہلے۔ اور بے شک تم میں زیادہ لوگ نافرمان ہیں●

(کہو) کہ (اے اہل کتاب! کیا نہیں چڑھے تم ہم سے مگر اسلئے کہ ہم نے مان لیا اللہ) تعالیٰ (کو، اور جو کچھ اتارا گیا ہماری طرف) یعنی قرآنِ کریم کو، (اور جو) کچھ (اتارا گیا پہلے) آنے والے انبیاء کرام کی طرف، یعنی توریت و زبور و انجیل وغیرہ کو۔ (اور) سن لو اے کتابیو! تم میں جو یہ چڑھ پیدا ہوئی ہے، اسکی بنیادی وجہ یہ ہے کہ (بیشک تم میں زیادہ لوگ نافرمان ہیں)، یعنی اکثر تمہارے سرکش اور مذکورہ امور پر ایمان نہ رکھنے کی وجہ سے خارج از اسلام ہیں۔

[redacted] چونکہ ان میں اکثر تمرد و فساد میں یکتا تھے اور دوسرے انکے تابعدار تھے، اسلئے خصوصیت کے ساتھ اکثر کا ذکر کر دیا گیا، ویسے تو وہ سب کے سب فاسق تھے۔۔ الحاصل ۔۔ اے یہودیو! ہم سے تمہارے چڑھنے کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم مومن ہیں اور تم خارج از ایمان ہو۔

اے محبوب! اگر یہ یہودی یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ بدتر کون ہے؟ اور کم نصیب کون ہے؟ تو ا... سے صاف صاف لفظوں میں۔۔۔

قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۚ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ

کہدو کہ کیا میں بتادوں جو اس سے برادرجہ ہے اللہ کے نزدیک، وہ جس کو مردود کردیا اللہ نے اور غضب

عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۚ

نازل کیا اس پر، اور بنادیا ان میں سے بندر، اور سور، اور پوجا شیطان کو۔

أُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّأَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيلِ ﴿٦٠﴾

وہ ہیں برے درجہ والے، اور سیدھی راہ سے بہت بہکے ہوئے●

(کہدو کہ) اے یہودیو! (کیا میں بتادوں جو اس سے برادرجہ ہے اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک)، تو کان کھول کر سن لو کہ بدتر اور کم نصیب بلکہ بے نصیب (وہ) ہے (جسکو مردود کردیا اللہ) تعالیٰ (نے، اور غضب نازل کیا اسپر)، یعنی اپنی رحمت سے دور فرمادیا اور انکے کفر کی وجہ سے ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

آیاتِ الٰہیہ کے علم وخبر کے باوجود معاصی میں منہمک رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں دھتکارا۔

۔۔۔(اور بنادیا ان میں سے) بعض کو حضرت داؤد کے عہد میں (بندر)۔

جب انھوں نے ہفتے کے متعلق حد سے تجاوز کیا، اور اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال سمجھا، اس پر حضرت داؤد نے ان پر دعائے قہر فرمادی تو وہ بندر بنادیئے گئے۔

(اور) حضرت عیسیٰ کے زمانے میں (سور) کی صورت تبدیل ہوئے، جبکہ انھوں نے نازل شدہ مائدہ سے کھا کر نافرمانی کی۔

۔۔الختصر۔۔جو جو لوگ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مشاہدہ کرنے کے باوجود کفر پر تلے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان سے ناراض ہو کر انکی شکلیں تبدیل کردیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ دونوں مسخ ہفتہ والوں میں واقع ہوئے، اسلئے نوجوانوں کی شکلیں بندروں کی اور بوڑھوں کی خنزیروں کی سی ہوگئیں۔

ان لوگوں سے وہ سرکشی (اور) نافرمانی جس وجہ سے انھیں بندر و سور اور ملعون و مردود بنادیا، یہ تھی، کہ انھوں نے (پوجا شیطان کو)، یعنی غیر خدا کی پرستش میں شیطان کی اطاعت کی اور اس نے ہی انھیں ان امور پر ابھارا۔ تو اے کتابیو! سن لو (وہ)، یعنی جنکے قبائح وفضائح بیان کئے گئے ہیں، یہی لوگ (ہیں برے) اور بدترین (درجہ والے)۔

معلوم ہوا کہ انکا دین بہت برا تھا، اسلئے انھیں یہ سخت سزا اسی وجہ سے ملی۔

(اور) وہ (سیدھی راہ سے بہت بھٹکے ہوئے) اور حق سے بعید تھے۔

اسلئے کہ اگر وہ برے نہ ہوتے، اور حق سے بعید تر نہ ہوتے، تو اس برے دین کو نہ اپناتے۔

اب دریافت کرو ان کتابیوں سے کہ جنکے قبائح وفضائح اوپر مذکور ہوئے ہیں، وہ تمہارے ہی تو مورثین تھے، جنکی اتباع کو تم نے اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے۔ اب جواب دو کہ تمہارے خانہ ساز دین سے بدتر اور تم سے زیادہ بدنصیب کون ہے؟۔۔۔ یہ منافقین یہود۔۔یا۔۔دوسرے اہل نفاق کس قدر اخروی نقصان اٹھانے والے بدنصیب وبدقسمت ہیں کہ یہ جب آپکے اور آپکے صحابہ کے سامنے نہیں ہوتے، تو انکی بولی کچھ اور ہوتی ہے۔۔۔

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ

اور جب آئے تمہارے پاس تو بولے کہ ہم ایمان لا چکے، حالانکہ آئے کفر کے ساتھ اور نکلے کفر کے ساتھ۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾

اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے تھے●

(اور جب آئے تمہارے) یعنی آپ اور آپکے صحابہ کے (پاس، تو بولے کہ ہم ایمان لاچکے) ہم تو تمہاری ہی طرح مومن ہیں۔ (حالانکہ) انکا ایمان سے کیا واسطہ، یہ تو (آئے کفر کے ساتھ) اور آپکی خدمت میں بیٹھے، آپکی باتیں سنیں، مگر آپکی تقریر کا انھوں نے کچھ اثر قبول نہیں کیا، تو جیسے آئے، ویسے ہی بیٹھے رہے۔ (اور) پھر ویسے ہی (نکلے کفر کے ساتھ)، یعنی کفر انکے ساتھ ہی رہتا ہے، آتے وقت بھی اور جاتے وقت بھی۔

[redacted]

(اور اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے تھے)، حضور ﷺ بھی انکی منافقت سے باخبر تھے، جیسا کہ انکی منافقت کی علامات بتاتے تھے، لیکن آپ صرف اس انتظار میں تھے کہ اللہ تعالیٰ انکی منافقت کے اظہار کا حکم کب عطا فرماتا ہے۔۔ اے محبوب! یہ یہود ومنافقین گناہ وسرکشی، کذب وفریب اور حرام خوری وحرام کاری کی کسی ایک حد پر پہنچ کر ٹھہر نہیں گئے تھے۔ چنانچہ۔ آپ ملاحظہ فرماؤگے۔۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ

اور دیکھو گے ان میں بہتوں کو کہ لپکتے ہیں گناہ میں، زیادتی کرنے میں، اور حرام خوری میں۔

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

بے شک برا ہے جو وہ کرتے رہے●

(اور دیکھو گے ان میں بہتوں کو) کہ انکا حال یہ ہے (کہ لپکتے ہیں گناہ) کا ارتکاب کرنے (میں)، اور ظلم و (زیادتی کرنے میں، اور حرام خوری میں) یعنی گناہ وظلم وزیادتی اور حرام خوری کے نچلے درجہ سے انکے اوپر کے درجہ تک پہنچنے کیلئے، سرعت وتیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ (بیشک برا ہے جو وہ کرتے رہے)، یعنی انکے وہ اعمال بہت برے ہیں جنکا وہ ارتکاب کرتے رہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ یہود ومنافقین جو کچھ کرتے رہے، وہ تو کرتے ہی رہے، آخر انکے مذہبی رہنماؤں کو کیا ہو گیا ہے؟۔۔آخر۔۔

لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ

ان کو روکتے کیوں نہیں؟ پادری اور علم والا طبقہ گناہ کی بات کرنے اور حرام خوری سے۔

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

بے شک برا ہے جو کرتے رہے●

(انکو) ان اعمالِ قبیحہ سے (روکتے کیوں نہیں) انکے (پادری اور) انکے علماء، یعنی انکا (علم والا طبقہ گناہ کی بات کرنے اور حرام خوری سے)۔۔الحاصل۔۔ 'نہی عن المنکر' جن پر فرض ہے، وہ اپنا فریضہ کیوں نہیں ادا کرتے؟ جبکہ 'نہی عن المنکر' واجب ہو، ایسی صورت میں اپنے لوگوں کو ان برے افعال کے ارتکاب سے نہ روکنا، اور انھیں منع کرنے میں مشغول نہ ہونا، (بیشک) یہ اس سے بھی زیادہ (برا ہے جو) وہ (کرتے رہے)۔

اسلئے اسکی تعبیر بجائے مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کے مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ سے فرمائی گئی ہے۔ اس میں راز یہ ہے کہ 'صنعت'، 'عمل' سے قوی تر ہے، کیونکہ 'عمل' اس وقت 'صنعت' سے موصوف ہوتا ہے جب بندہ اس عمل میں ماہر اور راسخ ہو جائے اور اسے اسکا پورے طور پر کمال حاصل ہو۔۔المختصر۔۔اِثم وَ عُدْوَانُ اور اَكْلِ حَرَامُ کو 'ذنب غیر راسخ' اور 'نہی

عن المنکر ' کے ترک کو 'ذنب راسخ ' کہا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ 'نہی عن المنکر ' کا ترک، عنداللہ، بہت بڑا جرم ہے۔

یہودیوں کی بداعمالیوں کے ساتھ ساتھ انکی بدکلامی اور بیہودہ گوئی بھی ترقی کرتی رہی ۔۔ چنانچہ ۔۔ جب انھوں نے رسولِ عربی ﷺ کی تکذیب ومخالفت کی، تو انکی روزی سے برکت اٹھالی گئی، جسکی وجہ سے انکی خوشحالی ختم ہوگئی، انکے عیش وآرام میں فرق آگیا، پھر وہ دولت وسرمایہ سے اپنی تہی دستی کو دیکھ کر بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے فخاص نامی ایک شخص نے کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ بندھا ہے۔ یعنی معاذ اللہ وہ رزق دینے اور خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے۔ اسکے اس قول پر کسی یہودی نے منع نہیں کیا، بلکہ راضی رہے۔ اسی لئے ان سب کا مقولہ قرار دیکر فرمایا گیا، کہ گستاخ ۔۔۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ

اور یہود بکنے لگے کہ اللہ کی مٹھی بندھی ہے۔ باندھے جائیں انکے ہاتھ، اور ایسا بولنے والوں پر خدا کی مار ۔۔۔ بلکہ اللہ کے

يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ

دونوں ہاتھ کھلے ہیں، لٹائے جیسے چاہے۔ اور ضرور بڑھتی رہے گی ان میں سے بہتوں کی شرارت وانکار کہ جو اتارا گیا

إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَ

تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے۔ اور ڈال دیا ہم نے ان میں دشمنی اور

الْبَغْضَاءَ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ

کینہ قیامت تک۔ جب انھوں نے جلائی جنگ کی آگ، بجھادے اللہ۔

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

اور لگے ہیں زمین میں فساد مچانے کو۔ اور اللہ نہیں پسند فرماتا فسادیوں کو●

(اور) بدلگام (یہود بکنے لگے کہ اللہ) تعالیٰ (کی مٹھی بندھی ہے) یعنی اسکا ہاتھ قبض کیا اور رکا ہوا ہے عطا سے۔ یہ فقرہ بخل کی طرف اشارہ ہے، یعنی حق تعالیٰ ہمیں کچھ نہیں دیتا اور ہم پر روزی تنگ کرتا ہے، اسی لئے وہ رزق دینے میں بخل سے کام لے رہا ہے۔ ایسوں کیلئے بددعا کی گئی کہ (باندھے جائیں انکے ہاتھ) کہ ان سے کسی طرح کا عمل خیر وخیرات ہونا سکے، اور قیامت تک بخل وامساک میں مبتلا رہیں ۔۔ الغرض ۔۔ انکے ہاتھ خرچ کرنے سے رک جائیں اور وہ دائمی طور پر بخیل رہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔دیکھا جارہا ہے کہ اس دنیا میں یہودیوں سے بڑھ کر کوئی بخیل نہیں۔ (اور ایسا) واھیات کلمہ (بولنے والوں پر خدا کی مار) اور خدا کی لعنت، اور وہ بھی ایسی کہ ہمیشہ کیلئے خدا کی رحمت سے دور کردیئے گئے۔ بکنے والوں نے جو بکا، وہ بالکل غلط ہے (بلکہ) صحیح اور حق بات یہی ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں، لٹائے جیسے چاہے) اسکا جود و کرم بہت ہی بڑا ہے۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے کہ ہاتھ خدا کی ذاتی صفتوں سے ایک صفت ہے، جیسے کہ سمع، بصر اور وجہ۔ ہمارے لئے ان صفات پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں اور اسکی کیفیت میں دخل دینا درست نہیں۔ یہ متشابہات سے ہے اور متشابہات کی تفسیر ظاہر میں نہ کرنا چاہیئے، بلکہ اسکے معنیٰ اسی کے حکم کے موافق ادا کرنا چاہیئے۔

۔۔چنانچہ۔۔اس محل پر یہ تمام کلام کمال جود و بخشش پر دلالت کرتا ہے اس واسطے کہ عطا کرنا ایک ہاتھ سے ہوتا ہے، یہاں پر عطا کو جو دونوں ہاتھوں کی طرف نسبت فرمائی ہے، یہ دلیل ہے اس بات پر کہ اسکی عطا بے حد اور بے شمار ہے، اور وہ روزی دیتا ہے جس طرح چاہتا ہے اپنی مشیت و حکمت کے موافق۔

رہ گیا یہود (اور) نصاریٰ کا معاملہ تو (ضرور بڑھتی رہے گی ان میں سے بہتوں کی شرارت و انکار) بہ سبب اسکے (کہ جو اتارا گیا تمہارے رب کی طرف سے)، یعنی قرآنِ کریم۔ اگرچہ قرآنِ کریم کفر و نافرمانی کو دفع کرنے کیلئے ہے، مگر اسے سن کر انکی سرکشی اور بڑھ جاتی ہے اور یہ کفر و طغیان اور نافرمانی اور سرکشی پر اتر آتے ہیں، جیسے صحیح اور تندرست لوگوں کو جو غذا مفید ہے، اس [illegible] ہے۔

اس مقام پر یہ خیال آسکتا ہے کہ جب یہ ایسے شریر و فسادی اور سرکش ہیں، تو یہ سب مجتمع ہوکر اہل اسلام کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اس خیال کا ازالہ یوں ہوجاتا ہے کہ انکا آپس میں مجتمع ہونا ناممکن۔۔۔

(اور) نہ ہوسکنے والی بات ہے۔ اسلئے کہ (ڈال دیا ہم نے ان میں دشمنی اور کینہ قیامت تک) کیلئے۔ انھیں یہودیوں کے دو قبیلے ۱۔۔ بنو قریظہ ۲۔۔ بنو نضیر۔۔۔ کے درمیان بغض و عداوت کی ایسی خلیج پیدا کردی گئی ہے، جسکی وجہ سے یہ دونوں اکٹھا ہو ہی نہیں سکتے۔ قیامت تک انکے دلوں میں موافقت اور باتوں میں مطابقت نہ رہے گی۔۔چنانچہ۔۔ اہل اسلام کے خلاف جب (جب انھوں نے جلائی

جنگ کی آگ) تو اسکو روشن ہونے سے پہلے ہی (بجھادے اللہ) تعالیٰ انھیں میں آپس میں منازعت ڈالکر، جسکی وجہ سے وہ دوسری طرف مشغول ہی نہ ہو سکے۔

۔۔بایں ہمہ۔۔اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کیلئے (اور) انکا شیرازہ منتشر کرنے کیلئے وہ سب کے سب (لگے ہیں) اور پورے طور پر تیار ہیں (زمین میں فساد مچانے کو)، تاکہ اہل اسلام کو پچھاڑ دیں اور انکے مابین ایسا شر پھیلائیں کہ انکے درمیان آپس میں پھوٹ پڑ جائے۔ (اور) صورت حال یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا فسادیوں کو) اسی لئے انکے شر اور فساد کو خاک میں ملا کر الٹا انھیں مصائب وآلام میں مبتلا فرما دیتا ہے۔

ان یہودیوں نے غلط روش اختیار کی اور اسلام کی مخالفت اور رسول عربی کی دشمنی پر اتر آئے، اسلئے دنیا ہی میں مبتلائے آفات ہوگئے اور آخرت کی بھی کسی بھلائی کے مستحق نہ رہ گئے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے، اور اللہ سے ڈرتے، تو ہم اتار دیتے ان سے ان کے گناہ

وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾

اور ضرور ہم داخل کرتے ان کو عیش کے باغوں میں●

(اور اگر) بالفرض ایسا ہوتا کہ (اہل کتاب) محمد ﷺ پر (ایمان لاتے اور اللہ) تعالیٰ (سے ڈرتے)، یعنی یہودیت ونصرانیت سے توبہ کر کے گناہوں سے پرہیز کرتے، (تو ہم اتار دیتے ان) کے سر (سے انکے گناہ) کا بوجھ (اور ضرور ہم داخل) کرنے کا حکم (کرتے انکو) ناز اور نعمتوں والے (عیش کے باغوں میں) جہاں صرف عیش ہی عیش ہے اور رنج وکلفت کا گزر نہیں۔

[redacted] جب تک [redacted] یہ تو ایسے بدنصیب ہیں کہ خود اپنی آسمانی کتابوں پر کماحقہ عمل نہ کر سکے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ

اور اگر انھوں نے قائم رکھا ہوتا توریت اور انجیل کو، اور جو اتارا گیا ان کی طرف ان کے پروردگار کی طرف سے،

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ

تو ضرور کھاتے سر کے اوپر اور پاؤں کے نیچے سے۔ کچھ ان میں معتدل ہیں،

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

اور زیادہ ہیں جن کے کرتوت برے ہیں●

(اور اگر انھوں نے قائم رکھا ہوتا توریت اور انجیل کو) اور انکے احکام و مضامین پر عمل کرتے۔۔مثلاً: ان میں ہے کہ حضور ﷺ کی تصدیق کرو اور اللہ تعالیٰ کے تمام معاہدوں کا ایفاء کرو (اور) قائم رہتے اس پر (جو اتارا گیا انکی طرف انکے پروردگار کی طرف سے)، وہ قرآنِ کریم ہے جس نے انکی کتابوں کی تصدیق فرمائی، (تو ضرور) اپنے لئے رزق کثیر کا مشاہدہ کرتے اور حسب ضرورت بارش ہونے اور کھیتی اگنے کے سبب۔۔نیز۔۔بہ کثرت میووں اور پھلوں کی پیداوار کی وجہ سے (کھاتے سر کے اوپر) درختوں میں لگے ہوئے پھلوں کو (اور پاؤں کے نیچے سے) زمین پر ٹپک پڑنے والے پھلوں کو۔۔الغرض۔۔آسمان و زمین کی برکات سے انھیں نوازا جاتا، بارش نازل کر کے اور میوے وغیرہ پیدا فرما کر۔اور انھیں جو پریشانی اور معاشی تنگی ہوئی، وہ انکی اپنی شامت اعمال تھی، نہ کے اس کریم نے اپنی طرف سے کچھ کمی فرمائی۔

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نہیں سمجھ لینا چاہئے کہ وہ سب کے سب ایمان و تقویٰ اور اقامت تورات و انجیل سے عاری تھے۔

بلکہ (کچھ ان میں) حضرت عبداللہ بن سلام اور انکے دو عدد ساتھی جو حضور علیہ السلام پر ایمان لائے (معتدل ہیں)، جو دینی امور میں نہ کوتاہی کرنے والے ہیں اور نہ ہی غلو کرنے والے۔(اور) انکے سوا دوسرے بہت (زیادہ ہیں جنکے کرتوت برے ہیں) اور جو عناد، مکابرہ، تحریف حق اور اعراض عن الحق کے پیکر ہیں۔

[redacted]۔۔۔سابقہ آیتوں میں یہود و نصاریٰ کے خبیث عقائد اور انکے باطل اقوال، دین میں انکی تحریفات اور انکی بداعمالیاں بیان کی گئی تھیں۔اس طرح مشرکوں کی خرابیوں کو بھی بیان کیا گیا تھا اور مشرکوں کے متعلق آیات نازل ہوئی تھیں۔اب آگے کے ارشاد میں آپ سے فرمایا جا رہا

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَالصّٰبِـُٔوۡنَ وَالنَّصٰرٰی مَنۡ اٰمَنَ

بیشک مسلمان، یہودی، اور ستارہ پرست، اور نصرانی میں سے، جو مان ہی جائے

بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۶۹﴾

اللہ کو اور پچھلے دن کو، اور کیا اچھے کام، تو نہ کوئی ڈر ہے ان پر اور نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں●

(بیشک مسلمان) جو صرف زبانی ایمان لائے ہیں اور (یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی میں سے جو مان ہی جائے) صاف دل اور خالص نیت سے (اللہ) تعالیٰ (کو اور پچھلے دن کو) یعنی یوم آخرت کو، (اور) ایمان کے مقتضیٰ پر (کیا اچھے کام تو) وہ بالکل کامیاب اور فلاح یافتہ ہیں۔۔۔اور (نہ کوئی ڈر ہے ان پر) ہجوم عذاب کا (اور نہ) ہی (وہ رنجیدہ) وغمگین (ہوتے ہیں) فوت ثواب سے۔

یہ ذہن نشین رہے کہ آخرت میں اہل ایمان کو جو خوف وحزن ہوگا وہ عارضی ہوگا اس کے بعد زائل ہوکر دائمی خوشی اور راحت وفرحت ہوگی۔ اسلئے نصوص میں کہیں کسی کیلئے اسکے اسی عارضی حزن وملال کا بیان ہے اور کہیں کسی کیلئے اسی کی نفی ہے۔۔۔آخرت کی صلاح و فلاح اور نجات ومغفرت کیلئے جن جن چیزوں پر دل کی سچائی کے ساتھ ایمان لانا ضروری ہے، اسکے تعلق سے عہد وپیمان لیا جاتا رہا اور لوگوں کو راہ ہدایت دکھانے کا اہتمام ہوتا رہا ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ربانی ہے کہ۔۔۔

لَقَدۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ وَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہِمۡ رُسُلًا ؕ کُلَّمَا

البتہ بے شک ہم نے مضبوط عہد لیا آلِ یعقوب کا، اور بھیجا ان کی طرف کئی رسول۔

جَآءَہُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَہۡوٰۤی اَنۡفُسُہُمۡ ۙ فَرِیۡقًا کَذَّبُوۡا وَفَرِیۡقًا یَّقۡتُلُوۡنَ ﴿۷۰﴾

جب آیا ان کے پاس کوئی رسول وہ لے کر جس کی خواہش ان کے نفس کو نہیں، تو کچھ کو جھٹلایا اور کچھ کو قتل کریں●

(البتہ بیشک ہم نے مضبوط عہد لیا آلِ یعقوب کا) توحید اور محمد ﷺ پر ایمان لانے کے باب میں، (اور) اسی عہد وپیمان کو حاصل کرنے کیلئے (بھیجا انکی طرف کئی رسول)۔

یعنی متعدد پیغمبر جن میں حضرت موسیٰ اور آخری حضرت عیسیٰ تھے۔

ان پیغمبروں کے پیغام کے تعلق سے ان بنو اسرائیلیوں کی روش یہ تھی کہ (جب آیا انکے پاس کوئی رسول وہ لے کر جسکی خواہش انکے نفس کو نہیں)۔

یعنی جب انبیاء کرام انکے پاس شرعی احکام، مشقت طلب ارشادات، لائے جو انکے

نفسوں کے خلاف تھے، تو وہ ان پیغمبروں کی نافرمانی کر بیٹھے اور سرکشی پر اتر آئے۔

۔۔۔(تو کچھ کو جھٹلایا)

جیسے حضرت عیسیٰ اور ہمارے نبی آخر الزماں کی تکذیب کی۔

(اور کچھ کو) جھٹلانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے کرلیا کہ انھیں (قتل کریں)۔

۔۔چنانچہ۔۔انھیں یعنی حضرت زکریا، حضرت یحیٰ اور حضرت شعیب کو شہید کردیا۔ یہ سارے پیغمبر اسی لئے آتے رہے کہ انھیں دین کی باتیں بتائیں اور انکی آسمانی کتاب میں جن امورِ دینیہ کو اپنی عملی زندگی میں داخل کرلینے کی ہدایت کی گئی ہے، اسکی یاددہانی کراتے رہیں، مگر ان لوگوں نے انبیاء کرام کی ہدایت کو نظر انداز کردیا اور ان پر ایمان لانے کی بجائے انکی تکذیب، بلکہ بعض کو شہید بھی کردیا، پھر اس خام خیالی میں رہے۔۔۔

وَحَسِبُوٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

اور گمان کیا کہ کچھ گڑبڑ نہ ہوگی۔ پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے، پھر اللہ نے انکی توبہ قبول کی،

ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے بہتیرے، اور اللہ دیکھنے والا ہے ان کے کرتوت کو●

(اور گمان کیا کہ) پیغمبروں کی تکذیب اور انکے قتل کرنے کی وجہ سے (کچھ گڑبڑ نہ ہوگی) اور ان پر کسی طرح کی کوئی بلا نازل نہ ہوگی، کیونکہ انکا اپنے تعلق سے یہ عقیدہ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور اسکے محبوب ہیں، اسلئے عذاب میں مبتلا نہ ہونگے۔

اگرچہ دل سے مانتے تھے کہ ہم خطاکار ہیں اور انبیاء کرام کے قتل اور انکی تکذیب میں غلطی پر ہیں، مگر اسکے باوجود ہمیں عذاب اسلئے نہیں ہوگا کہ ہمارے آباء واسلاف کی نبوت ہمیں عذاب سے بچالیگی، اگرچہ ہم قتل وتکذیب کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں۔

۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر کر ایمان لائے (پھر) شرارت وفساد کے فتون میں منہمک ہوکر (اندھے ہوگئے) اور راہِ حق دیکھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے (اور بہرے ہوگئے)، یعنی حق بات سننے کی بھی صلاحیت نہ رہ گئی۔

حضرت موسیٰ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو مبعوث فرما کر انکو توبہ وایمان کی دعوت دی۔

تو وہ اپنے کرتوتوں سے باز آئے اور توبہ کی، (پھر اللہ) تعالیٰ (نے انکی توبہ قبول کی پھر) جب آخری نبی کا عہد آیا، تو آپ کی نبوت کا انکار کر کے دوبارہ (اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے بہتیرے)۔

ان سعادتمند نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں کے سوا جو نبی آخر الزماں کی نبوت پر ایمان لائے، حق کو پہچانا، حق سنا اور حق دیکھا اور اسے قبول کیا اور اندھے اور بہرے ہونے سے محفوظ رہے۔

ان اندھوں کو معلوم ہونا چاہئے (اور) اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ (دیکھنے والا ہے انکے) ہر ہر (کرتوت کو) کیا ان اندھوں اور بہروں کو اسکا بھی شعور نہیں کہ۔۔۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ

بے شک کفر کیا جنھوں نے کہا کہ "اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں۔" اور مسیح نے کہا کہ

يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّى وَرَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ

"اے بنی اسرائیل پوجو اللہ کو، میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار۔" بے شک جو شرک کرے اللہ سے، تو بے شک

حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾

حرام کر دیا اللہ نے اس پر جنت کو، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ●

(بیشک کفر کیا جنھوں نے) اپنی جہالت اور بے بصیرتی کی وجہ سے (کہا کہ اللہ) تعالیٰ (مسیح ابن مریم ہی ہیں)۔ یہ تو رہی ایک طرف انکی بکواس (اور) دوسری طرف خود حضرت مسیح کا مبارک ارشاد۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ حضرت (مسیح نے کہا) اور ہدایت فرمائی (کہ اے بنی اسرائیل پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) جو (میرا پروردگار) ہے (اور تمہارا) بھی (پالنہار) ہے۔

یعنی میں تمہاری طرح مخلوق اور مربوب ہوں، جو پیدا کیا گیا اور پالا گیا، تو عبادت خالق اور رب کی چاہئے مخلوق اور مربوب کی نہیں۔

اور جان لو کہ (بیشک جو شرک کرے اللہ) تعالیٰ (سے) یعنی کسی غیر خدا کو اسکی ذات وصفات اور اسکی عبادت میں شریک ٹھہرائے (تو بیشک حرام کر دیا اللہ) تعالیٰ (نے اس پر جنت کو)، اس میں اسکو ہرگز داخل نہیں ہونے دیگا۔ الغرض۔۔۔ بہشت صرف مومنین کیلئے تیار کی گئی ہے، جو مشرک نہیں بلکہ موحد ہیں۔ (اور اس) مشرک (کا ٹھکانہ جہنم ہے) جس میں ہمیشہ انھیں رہنا ہے (اور) ان (ظالموں کا کوئی مددگار نہیں) جو انھیں جہنم سے بچا کر انکی مدد کر سکے، غلبہ پا کر۔۔۔ یا۔۔۔ شفاعت کر کے۔۔۔

اوپر کے بیان میں نصرانیوں کے جس فرقے کا ذکر ہے، اسکو 'یعقوبیہ' کہتے ہیں اور اب آگے

انکے دوسرے فرقوں کے عقیدوں کو بیان کیا جارہا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔

لَقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ‌ ۘ وَمَا مِنۡ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰـهٌ

بے شک ضرور کفر کیا جنھوں نے کہا کہ اللہ تین کا تیسرا ہے۔۔۔کوئی معبود نہیں مگر ایک

وَّاحِدٌ‌ ؕ وَاِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهُوۡا عَمَّا يَقُوۡلُوۡنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيۡنَ

معبود۔ اور اگر توبہ نہ کی اپنی اس بکواس سے، تو ضرور پہنچے گا ان میں جنھوں نے

كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ‏ ۝۷۳

یہ کفر کیا، دکھ دینے والا عذاب●

(بیشک) ان لوگوں نے بھی (ضرور کفر کیا) اپنی نادانی کی وجہ سے (جنھوں نے کہا کہ اللہ) تعالیٰ (تین کا تیسرا ہے)۔

ایسا کہنے والوں کا اعتقاد یہ تھا کہ 'الوہیت' مشترک ہے خدا، عیسیٰ اور مریم کے درمیان۔
اور تینوں میں سے ہر ایک 'الٰہ' ہے۔ تو خدا بھی ان تینوں 'الٰہ' میں سے ایک 'الٰہ' ہے۔

جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ (کوئی معبود نہیں مگر ایک معبود) یعنی صرف خدائے یگانہ ہی معبود ہے جو وحدانیت سے موصوف ہے اور 'توہم شرکت' سے برتر ہے۔ اسکے سوا دوسرا کوئی، نہ تو اپنی ذات و صفات میں 'مستقل بالذات' اور 'واجب الوجود' ہے، اور نہ ہی کوئی مستحق عبادت ہے۔ ان تمام بکواس کرنے والوں کو سمجھ لینا چاہئے (اور) یقین کر لینا چاہئے کہ (اگر) انھوں نے (توبہ نہ کی اپنی اس) مشرکانہ (بکواس سے)، اور باز نہ آئے اپنے اس کفر سے، (تو ضرور پہنچے گا ان میں جنھوں نے یہ کفر کیا) ایسا (دکھ دینے والا عذاب) جسکا دل پر گہرا اثر پڑیگا اور اسکا صدمہ ہمیشہ ہوگا۔

اَفَلَا يَتُوۡبُوۡنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسۡتَغۡفِرُوۡنَهٗ‌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ‏ ۝۷۴

تو کیوں نہیں توبہ کر ڈالتے اللہ سے اور اس کی مغفرت مانگتے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے۔●

(تو) کیا اب بھی انھیں ہوش نہیں آیا، آخر وہ (کیوں نہیں توبہ کر ڈالتے اللہ) تعالیٰ (سے)، تثلیث سے منکر ہوکر (اور) کیوں نہیں (اسکی مغفرت مانگتے) توحید کے معتقد ہوکر۔ کیا وہ نہیں جانتے (اور) انھیں معلوم نہیں کہ (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے، بخشنے والا ہے توبہ کرنے والوں کو اور (رحیم ہے) بڑی مہربان ہے مغفرت چاہنے والوں پر۔ لوگو! عقل و ہوش سے کام لو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ۔۔۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ

مسیح ابن مریم رسول ہی ہیں۔ بے شک گزرے ان کے پہلے بہت سے رسول۔

وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ

اور اس کی ماں صدیقہ ہیں۔ دونوں کھانا کھاتے تھے۔ دیکھو کہ ہم کس طرح صاف بتائے دیتے ہیں

لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ۝

ان کو نشانیاں، پھر دیکھو کہ وہ کیسے اوندھے کیے جاتے ہیں●

(مسیح ابن مریم) اللہ تعالیٰ کے (رسول ہی ہیں) اور یہ کوئی پہلے رسول نہیں بلکہ (بیشک گزرے انکے پہلے) بھی (بہت سے رسول)۔

یہ 'صفت رسالت' اگرچہ ساری مخلوقات میں سب سے زیادہ اعلیٰ وارفع ہے کوئی مخلوق جو 'صفت رسالت' سے متصف نہ ہو، وہ اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتی، لیکن 'صفت الٰہیت والوہیت' اس 'صفت رسالت' سے بھی کہیں زیادہ اعلیٰ وارفع ہے اور بے انتہا بلند وبالا ہے۔ تو کوئی بھی خواہ وہ کتنا ہی بلند مرتبہ والا رسول ہو، اپنی 'صفت رسالت' سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ہاں۔۔ ہر رسول کو رب کی طرف سے معجزات عطا فرمائے جاتے ہیں، جو انکی نبوت کی دلیل ہوتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔جس طرح حضرت مسیح کو معجزات عطا فرمائے گئے کہ انکی پھونک سے مردہ زندہ کیا گیا، تو ان سے پہلے حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں عصا اژدہا ہو گیا تھا۔ اور عصا کا اژدہا ہونا نسبتاً بڑے تعجب کی بات ہے۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے باپ کے پیدا ہوئے، تو حضرت آدم بے ماں باپ کے پیدا ہوئے اور یہ اس سے زیادہ عجیب بات ہے۔ [illegible] کرام کے معجزات انبیاء کرام کو [illegible]

(اور) یاد رکھو کہ (اس) صاحب کمال رسول، یعنی حضرت مسیح (کی ماں صدیقہ ہیں) جو بڑی ہی راست گو ہیں۔ صدق وصفا میں مداومت رکھنے والی، اپنا معاملہ صحیح اور درست رکھنے والی ہیں۔ ا[illegible] سے ایسی بات کبھی سرزد نہیں ہوئی، جو انکی عبودیت اور اطاعت الٰہی کے منافی ہو۔ ماں بیٹے (دونوں) [redacted] بشری تقاضوں کے تحت (کھانا) بھی (کھاتے تھے)۔۔الغرض۔ [redacted] دیکھنے والو! (دیکھو کہ ہم کس طرح) صاف (صاف بتائے دیتے ہیں ان کو) توحید کی (نشانیاں) اور انکی دلیلیں

انکوایسے روشن دلائل دکھاتے ہیں، جن سے ان کو یقین ہوسکتا ہے کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں سراسر غلط اور جھوٹ ہے۔

(پھر دیکھو کہ وہ کیسے اوندھے کیے جاتے ہیں) یعنی نہ حق کو سنتے ہیں اور نہ ہی اس میں غور وفکر کرتے ہیں، بلکہ بے تکی اور اوندھی باتیں کرتے ہیں اور انھیں حق بات سمجھنے اور قبول کرنے سے کیونکر پھیر دیتے ہیں، اور وہ کہاں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اگرچہ ہماری آیات کا بیان کرنا بھی عجیب ہے، لیکن انکا اس سے انکار کرنا عجیب تر، جبکہ انکے سامنے ایسے روشن دلائل و براہین کھل کرآ گئے ہیں، کہ اگر غور وفکر کریں تو انھیں انکار کرنے کی گنجائش بھی نہ ہو۔ اے محبوب! ان نصرانیوں اور انکے سوا ان لوگوں سے۔۔۔

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ

کہو کہ کیا پوجتے ہو اللہ کو چھوڑ کر اسے جو نہ کچھ بگاڑ سکے نہ بنا سکے؟

وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾

اور اللہ سننے والا علم والا ہے●

(کہو) جوانکے طریقے پر غیر اللہ کو معبود بناتے ہیں (کہ کیا پوجتے ہو اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر اسے جو) بذاتِ خود (نہ کچھ) تمہارا (بگاڑ سکے) اور (نہ) ہی (بنا سکے)، یعنی جو اپنی ذات سے تمہارے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔حضرت عیسیٰ کو ایسا تصرف حاصل نہیں تھا، کہ خدا کے مانند کسی کو بلا اور مفلسی میں مبتلا کر کے نقصان پہنچائیں۔۔۔یا۔۔۔صحت وتونگری عطا فرما کر نفع بخشیں۔ انکے جو فضائل وکمالات اور اختیارات ہیں، وہ سب کے سب عطائی ہیں، ایک بھی ذاتی نہیں، جو سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے عطا فرمودہ ہیں۔

کیا تمہاری عقل میں یہ بات نہیں آئی کہ جو خود صاحب احتیاج ہو، اور اپنے معبودِ برحق کی بارگاہ میں سر بہ سجود ہو، اسی کو پوجنے لگنا کہاں کی دانشمندی ہے۔ جان لو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ تمہاری واہیات اور باطل باتیں (سننے والا) ہے اور تمہارے فاسد عقائد کا (علم) رکھنے (والا ہے) تو وہ تمہارے انھیں اقوال وعقائد کی جزا دیگا۔ اگر اچھے ہیں تو نیک جزا، ورنہ سخت سزا۔ اے محبوب! کتابیوں سے۔۔۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ

کہو کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، اور اس

قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝۷۷ ع

قوم کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو، جو خود پہلے سے گمراہ ہو گئے اور بہتوں کو گمراہ کر ڈالا، اور سیدھی راہ سے بہک گئے●

(کہو کہ اے اہل کتاب!) ہوش سے کام لو اور (اپنے دین) اور اپنے نظریات (میں ناحق غلو نہ کرو)، یعنی نہ تو نصاریٰ کی طرح حضرت مسیح کی 'الوہیت' کا دعویٰ کرو اور انکو انکی 'حدِ رسالت' سے اوپر اٹھا دو اور نہ ہی یہودیوں کی طرح انکی شان گھٹاؤ، کہ انکے لئے رشد و ہدایت بھی نہ مانو۔۔ الغرض۔ حضرت مسیح کے تعلق سے نصاریٰ کی افراط اور یہودیوں کی تفریط سے اپنے کو بچاؤ۔ (اور) اس سلسلے میں (اس قوم کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو) اور انکی تابعداری نہ کرو (جو خود) تم سے (پہلے سے گمراہ ہو گئے)، یعنی تمہارے وہ گمراہ لیڈر اور مذہبی لوگ جو حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے گزر رہے ہیں، جو خود تو گمراہ ہی تھے (اور بہتوں کو گمراہ کر ڈالا)، جو انکی بدعات اور گمراہیوں کی اتباع کرتے تھے۔ (اور) پھر یہ سارے کے سارے گمراہ ہونے والے اور گمراہ کرنے والے، نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی تکذیب کر کے۔۔ نیز۔۔ آپ سے بغاوت اور حسد کر کے اسلام کی (سیدھی راہ سے بہک گئے)۔

بعثت رسول سے پہلے بھی اپنی سرکشیوں اور نافرمانیوں کے سبب یہودی کفار ہمیشہ مستحق لعنت ہی رہے۔۔ چنانچہ۔۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ

لعنت بھیجی گئی ان پر جنھوں نے کفر کیا اولادِ اسرائیل سے زبان پر داؤد

وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸

وعیسیٰ ابن مریم کے۔ یہ کیونکہ گناہ کر چکے تھے اور سرکشی کرتے تھے●

(لعنت بھیجی گئی ان پر جنھوں نے کفر کیا اولادِ اسرائیل سے)، یعنی یہود، (زبان پر داؤد و عیسیٰ ابن مریم کے)۔

یعنی حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ نے اپنے اپنے عہد کے یہودیوں پر انکی نافرمانیوں کے سبب اپنی اپنی مبارک زبان سے لعنت بھیجی۔۔چنانچہ۔۔حضرت داؤد نے 'اہل ایلہ' پر لعنت بھیجی، جبکہ انھوں نے سنیچر کے مسئلے میں تجاوز کیا، تو حضرت داؤد علیہ السلام نے دعا کی:

'اے اللہ تعالیٰ انھیں لعنتی بنادے اور اس سے اپنی مخلوق کیلئے عبرت اور مثال قائم فرما'

پس حضرت داؤد کی دعا سے وہ لوگ بندر بن گئے۔ یونہی حضرت عیسیٰ کی دعا سے 'اصحاب مائدہ' ملعون ہوئے، جنکے لئے آپ نے بارگاہِ الٰہی میں یہ معروضہ پیش کیا کہ:

'اے اللہ تعالیٰ انھیں سنیچر والوں کی طرح لعنتی بنادے اور انھیں اپنی مخلوق کیلئے مثال بنا'

۔۔چنانچہ۔۔وہ اسی وقت خنزیر کی شکلوں میں مسخ ہوگئے۔ وہ اس وقت پانچ ہزار مرد تھے، جن میں نہ کوئی عورت تھی اور نہ کوئی لڑکا۔ اب رہا یہ سوال کہ اتنی بڑی سزا انھیں کیوں ملی؟

اسکا جواب یہ ہے کہ (یہ) لوگ اپنے کو اس لعنت کا مستحق بنا چکے تھے (کیونکہ گناہ کر چکے تھے اور سرکشی کرتے تھے)۔۔چنانچہ۔۔یہ انکی نافرمانی حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرنے کا نتیجہ ہے۔

[redacted] ہوگئے جو برائیوں سے روکنے [redacted]

كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹

کسی کو منع نہیں کرتے تھے جو کر گزرتے کوئی برائی۔ بے شک برا تھا جو وہ کرتے تھے●

(کسی کو منع نہیں کرتے تھے) یعنی وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہ روکتے تھے۔ اور (جو) لوگ (کر گزرتے کوئی برائی) تو دوسروں نے انکی برائیوں کو دیکھ کر 'نہی عن المنکر' کا فریضہ نہ ادا کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ (بیشک برا تھا جو وہ کرتے تھے)۔

[redacted] جو منع کرسکتے ہیں، پھر بھی بری باتوں [redacted]

اے محبوب! تم کھلی آنکھوں سے۔۔۔

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ

اُن کے بہتیروں کو دیکھو گے کہ دوستی کرتے ہیں ان سے جو کافر ہو چکے۔ بیشک برا ہے جو پہلے کر چکے

لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُونَ ﴿٨٠﴾

ان کے نفس، یہ کہ غضب فرمایا اللہ نے ان پر، اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(انکے بہتیروں کو دیکھو گے) کہ مسلمانوں سے کمالِ حسد کی وجہ سے (دوستی کرتے ہیں ان سے جو) اپنے کافرانہ نظریات واقوال وافعال کی وجہ سے (کافر ہو چکے)۔

جیسے کعب بن اشرف جو کہ بدر کبریٰ کی لڑائی کے بعد مکہ کو گیا اور مشرکوں کو مسلمانوں سے لڑنے کی ترغیب دی اور انکے ساتھ خود اپنی قوم کے شریک جنگ ہونے اور ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا۔

ان سرکش لوگوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ (بیشک برا کیا جو پہلے کر چکے) اور پہلے ہی بھیج چکے اپنے لئے (انکے نفس)، اسلئے کہ قیامت میں اس برے عمل کا نتیجہ انھیں بھگتنا ہوگا اور وہ (یہ کہ) خود ان پر قیامت کے دن ظاہر ہو جائیگا کہ (غضب فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ان پر اور) انکے لئے جہنم کے دائمی عذاب کا فیصلہ فرما دیا ہے۔ لہٰذا جہنم کے (عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں) جس سے انھیں نکلنا نصیب نہ ہوگا۔

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ

اور اگر مان جاتے اللہ کو، اور نبی اسلام کو، اور جو نازل کیا گیا اسکی طرف، تو نہ بناتے ان کو

أَوْلِيَاءَ وَلٰكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فٰسِقُونَ ﴿٨١﴾

دوست، لیکن ان کی اکثریت نافرمان ہے●

(اور اگر) ایسا ہوتا کہ وہ اہل کتاب جو مشرکین سے دوستی جوڑتے ہیں (مان جاتے) دل کی سچائی کے ساتھ (اللہ) تعالیٰ (کو اور نبی اسلام کو)، آپکے مبعوث ہونے کے بعد۔۔۔یا۔۔۔آپکے مبعوث ہونے سے پہلے اپنے پیغمبر کو، (اور جو نازل کیا گیا اس) پیغمبر (کی طرف) بعثت رسولِ عربی سے پہلے، یعنی توریت وانجیل۔۔۔یا۔۔۔بعثت رسولِ عربی کے بعد، یعنی قرآنِ کریم، جسے آخری نبی پر نازل فرمایا گیا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے سارے پیغمبروں اور ان پر نازل شدہ کتابوں پر دل کی سچائی کے ساتھ ایمان لاتے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر یہ صورت حال ہوتی، (تو) وہ ہرگز ہرگز (نہ بناتے ان) مشرکین (کو) اپنا

(دوست)، اسلئے کہ مشرکین کی دوستی کی تحریم اور حرام ہونے کی صراحت سابقہ انبیاء کرام کی شریعتوں میں بھی ہے اور انکی کتابوں میں بھی ان مشرکین کی دوستی کو صاف لفظوں میں حرام قرار دیا گیا ہے۔۔المختصر اگر یہودی اپنے پیغمبروں کے احکام کا پاس ولحاظ رکھتے۔۔۔یا۔منافقین نبی آخرالزماں کے حکم کا خیال رکھتے، تو ہرگز ہرگز مشرکین سے دوستی نہ کرتے، (لیکن ان) یہودیوں (کی اکثریت) اور منافقین کی پوری جماعت (نافرمان) ہوکر دین وایمان کے دائرے سے خارج (ہے)۔اے محبوب!۔۔۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

ضرور پاؤ گے سب سے بڑھ کر دشمن مسلمانوں کا، یہودیوں کو اور مشرکوں کو۔

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ

اور ضرور پاؤ گے سب سے زیادہ نزدیک دوستی میں مسلمانوں کے، جنھوں نے کہا کہ ہم نصرانی ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ

یہ اس لیے کہ ان میں بعض علم دوست، اور درویش منش ہیں، اور وہ

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

غرور نہیں کرتے●

(ضرور پاؤ گے سب سے بڑھ کر دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو) اسی لئے آپ کی مخالفت میں یہ دونوں موافق ہیں۔ (اور) انکے برخلاف (ضرور پاؤ گے سب سے زیادہ نزدیک دوستی میں مسلمانوں کے، جنھوں نے کہا کہ ہم نصرانی ہیں)۔ کیونکہ انکے دل یہود کے دلوں سے بہت نرم ہیں اور یہ مشرکوں کی دوستی پر اعتماد نہیں رکھتے۔اور (یہ اسلئے) بھی (کہ ان میں بعض علم دوست اور درویش منش ہیں) سچے، عبادت گزار، آخرت کی بھلائی پر نظر رکھنے والے گوشہ نشین ہیں، (اور وہ غرور نہیں کرتے) یعنی حق بات ماننے میں تکبر نہیں کرتے۔

اوپر جن نصاریٰ کا ذکر کیا گیا ہے اور جنکی خوبیوں کو بیان کیا گیا، وہ خاص کر کے حبشہ کے نصاریٰ ہیں، ورنہ نصرانیوں میں بھی ایک گروہ ایسا ہے، جو مسلمانوں کے قتل اور انکے شہر کو خراب کرنے اور مسجد ڈھانے میں یہودیوں سے کم نہیں۔۔۔مگر حبشہ کے نصاریٰ، کہ انھوں نے جب حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کی زبان سے قرآن شریف سنا، تو انکے دل مسلمانوں کی طرف مائل ہوگئے اور نجاشی ان میں سے بہت لوگوں کے ساتھ ایمان لایا۔

یہ بھی روایت ہے کہ حضرت جعفر ملک حبشہ سے واپس ہوئے تو نجاشی نے اپنے ملک کے ستر ۷۰ عالم آنحضرت ﷺ کی خدمت سراپا ہدایت میں بھیجے۔ جب وہ علماء آستانہء حضرت رسالت پناہ ﷺ پر حاضر ہوئے، تو حضرت ﷺ نے انکے سامنے سورۃ یٰسین پڑھی۔ وہ سن کر بہت روئے اور اسلام و ایمان کے احکام کو قبول کر کے باہم کہنے لگے، قرآن شریف پوری مشابہت رکھتا ہے، اس کتاب کے ساتھ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ اور **اِنَّا نَصٰرٰی** کہنے والوں سے یہی علماء مراد ہیں۔

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ یہودیوں میں بھی حضرت عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب کی طرح بہت سے یہودی ہدایت پر تھے۔۔نیز۔۔عابد شب زندہ دار، اسلام پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے والے، اور کمال ایمان والے تھے۔ لیکن چونکہ وہ بکثرت نہیں تھے، بلکہ معدودے چند تھے، اسلئے یہ حکم صرف نصاریٰ کی طرف منسوب ہوا، انکی طرف نہیں ہوا۔

تشریحِ لغات

-- ﴿ ا ﴾ --

احترازی: احتراز سے متعلق، پرہیز۔۔کنارہ کشی۔۔علیحدگی۔
اختلاط: ایک چیز کا دوسری چیز سے مل جانا۔۔خلط ملط ہو جانا۔۔مکس ہو جانا۔
اخیافی: وہ بھائی بہن جن کے باپ الگ الگ اور ماں ایک ہو۔
ادیان: دین کی جمع۔۔مذاہب۔
اذن: حکم۔۔اجازت۔
ارتداد: پھر جانا۔۔مرتد ہو جانا۔
ازلی وابدی: ہمیشہ سے، ہمیشہ تک۔۔جسکی ابتداء اور انتہا نہ ہو۔
استادگی: کھڑا ہونا۔
استبراء: (فقہی اصطلاح) یہ یقین کر لینا کہ عورت حاملہ نہیں ہے۔
استحقاق: سزاوار ہونا۔۔مستحق ہونا۔
استدراج: خلاف معمول کام کرنا۔
استراحت: آرام۔
استعجاب: تعجب۔۔حیرانی۔۔حیرت۔
استعمار: نوآبادی قائم کرنا۔۔کسی آزاد ملک کو غلام بنا لینا۔
استفادہ: فائدہ حاصل کرنا۔۔نفع اٹھانا۔
استفاضہ: فیض پانا۔۔فائدہ اٹھانا۔
استقرار: ٹھہرنا۔۔قرار پکڑنا۔۔قائم ہونا۔
استلزام: لازم ہونا۔۔ضروری ہو جانا۔
اشتباہ: مشابہ ہونا۔۔دو چیزوں کا اسطرح ہم شکل ہونا کہ دھوکہ ہو جائے۔
اصابت: صحیح نتیجے پر پہنچنا۔
اظہر من الشمس: سورج سے زیادہ ظاہر۔۔سورج کی طرح ظاہر۔
اعتصام: مضبوطی سے پکڑنا۔۔(۲) پرہیزگار ہونا۔۔اپنے آپ کو گناہ سے بچانا۔

افترا: بہتان۔۔جھوٹا الزام۔۔اپنی طرف سے گڑھی ہوئی بات۔
اقرب: بہت نزدیک۔
التفات: متوجہ ہونا۔
القاء: غیب سے دل میں ڈالنا۔۔وہ بات جو خدا دل میں ڈالدے۔
امرونہی: حکم اور روکنا۔
آمریت: کل اختیار و اقتدار۔
امساک: کنجوسی۔
انانیت: خود بینی۔۔خودستائی۔۔مطلق العنانی۔
انتفاع: فائدہ اٹھانا۔۔نفع پانا۔
انحراف: انکار۔۔مخالفت۔۔نافرمانی۔
اندوہ گیں: رنجیدہ۔۔مغموم۔
انسب: زیادہ مناسب۔۔بہت ٹھیک۔
انقطاع: کٹ جانا۔۔ختم ہو جانا۔۔منقطع ہو جانا۔
ایجاب وقبول: قبول و منظور۔۔نکاح کے وقت دولہا دلہن کی میاں بیوی بننے کی منظوری۔۔دولہا دلہن کا ایک دوسرے کو قبول کرنا۔

-- ﴿ ب ﴾ --

باندی: لونڈی۔۔کنیز۔۔چھوکری۔
باندیوں: باندی کی جمع۔
برانگیختہ: آمادہ کرنا۔
بعث ونشر: جس روز انسان قبروں سے اٹھائے جائینگے اور پھر پھیلا دیئے جائینگے۔
بعید از قیاس: قیاس کے خلاف۔۔سوچ کے خلاف۔
بہ گمانِ خود: اپنے خیال میں۔
بہ گمانِ خویش: اپنے خیال میں۔

بطیب خاطر: خوشی خوشی۔
بہ نظر استحسان: بھلائی کی نظر سے۔
بیع وشراء: خرید وفروخت۔۔لینا اور بیچنا۔
بینہ: روشن دلیل۔۔گواہ۔۔(جمع) بینات۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پاداش: نتیجہ۔۔سزا۔۔بدلہ۔۔مکافات۔
پدری: باپ کی۔۔والد کی۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تادیباً: تنبیہ کیلئے۔۔نظم وضبط کیلئے۔۔اصلاح کے واسطے۔
تارک: چھوڑنے والا۔۔ترک کرنے والا۔
تاویل: شرح۔۔بیان۔۔(۲) ظاہری مطلب سے کسی بات کو پھیر دینا۔
تبرع: بخشنا۔۔دینا۔۔کسی کو ذاتی منفعت کی امید کے بغیر دینا۔
تحریص: حرص دلانا۔۔ترغیب۔۔لالچ۔
تحریف: بدل دینا۔۔تحریر میں اصل الفاظ بدل کر کچھ اور لکھ دینا۔ ترجمہ کرنے میں ارادۃً اصل معنی سے مختلف معنی کرنا۔
تحریم: حرام کرنا۔۔حرمت۔
تخصیص: خصوصیت۔
تخفیف: کمی۔۔گھٹاؤ۔۔(۲) ہلکا کرنا۔۔
تدریجی: درجہ بدرجہ۔۔زینہ بزینہ۔۔رفتہ رفتہ۔
تساوی: برابری۔۔ہمسری۔۔مطابقت۔۔یکسانیت۔
تشابہ: شبہ ہونا۔
تشریعی: جیسے حضور کے تشریعی اختیارات۔۔یعنی شرع وضع کرنے کے اختیارات۔
تصدق: صدقہ دینا۔۔قربانی۔۔صدقہ۔۔خیرات۔۔
تضرع: رونا۔۔گڑگڑانا۔۔آہ وزاری۔
تعدد: کثرت۔

تعدی: ظلم وستم۔۔جور۔۔جفا۔۔(۲) ناانصافی۔
تعریض: چھیڑنا۔۔(۲) اعتراض کرنا۔
تفاضل: قدر وقیمت بڑھانا۔۔ایک کا دوسرے سے افضل ہونا۔
تفاوت: فاصلہ۔۔دوری۔۔فرق۔
تفوق: برتری۔۔فوقیت۔۔فضیلت۔۔بڑائی۔
تقدیس: پاکیزگی۔۔پاکی۔۔تقدس۔
تقیہ: ڈر کی وجہ سے حق پوشی کرنا۔
تکرار: بار بار کہنا۔۔دہرانا۔
تکوین: پیدا کرنا۔۔وجود میں لانا۔
تمثیل: مثال۔
تمرد: سرکشی۔۔بغاوت۔۔گستاخی۔۔نافرمانی۔
تناقض: ایک دوسرے کی ضد یا مخالف ہونا۔
تنزیہہ: عیب سے پاک ہونا۔
تنوع: قسم قسم کا ہونا۔
تواضع: خاطر مدارات۔۔آؤ بھگت۔۔مہمان داری۔
تونگر: دولت مند۔۔امیر۔۔مالدار۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جبت: شیطان۔
جزع: بے صبری۔۔اضطراب۔۔گھبراہٹ۔
جماع: مرد کا عورت سے صحبت کرنا۔۔ہم بستر ہونا۔۔مباشرت

-- ﴿ ح ﴾ --

حادث: نئی چیز جو پہلے نہ ہو۔۔(۲) فانی۔
حجج: دلیل۔
حد: سزا جو شریعت اسلامیہ کے مطابق دی جائے۔
حزن: رنج۔۔ملال۔۔غم۔
حضر: ایک جگہ قیام۔۔پڑاؤ۔۔اقامت۔۔سفر کی ضد۔
حسنات الابرار سیئات المقربین: قربت والوں کی معمولی لغزشیں اور نیکوں کی نیکیاں۔
حکم: ثالث۔۔پنچ۔۔فیصلہ کرنے والا۔۔منصف۔

حل: حدود حرم سے باہر کی جگہ۔
حلت: حلال ہونا۔۔روا ہونا۔۔مباح ہونا۔۔حرمت کی ضد۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خاطی: جس سے کوئی خطا ہو جائے۔
خساست: کنجوسی۔
خسران: نقصان۔۔گھاٹا۔۔زیاں۔
خصائل قبیحہ: بری عادتیں۔۔ناز یبا سیرت۔۔معیوب عادتیں۔
خصومت: عداوت۔۔دشمنی۔۔(۲) جھگڑا۔
خفیف الحرکاتیوں: اوچھی حرکتیں۔۔کم ظرفی۔
خلوت: تنہائی۔۔علیحدگی۔۔عزلت۔۔گوشہ نشینی۔
خلوت صحیحہ: بیوی خاوند کا ہم بستری کیلئے تنہا ہونا۔۔
جائز جنسی تعلقات۔

-- ﴿ د ﴾ --

درخور اعتنا: توجہ کے قابل۔
دعاوی: دعوی کی جمع۔
دلیل قطعی: حتمی ثبوت۔۔کامل حجت۔
دیت: خون بہا۔۔خون کی قیمت۔۔وہ نقدی جو مقتول کے
وارث قاتل سے لیں۔

-- ﴿ ذ ﴾ --

ذم: مذمت۔۔ہجو۔۔برائی۔
ذنوب: ذنب کی جمع۔۔گناہ۔۔قصور۔۔جرم۔۔برا کام۔
ذوالوجہین: جسکے دو پہلو ہوں۔۔جس بات کے دو رخ ہوں۔
ذوی العقول: عقلمند لوگ۔۔دانا۔
ذوی الارحام: رحموں والے۔۔وہ رشتہ دار جو باپ کی طرف
منسوب نہ ہوں، ماں، بہن، بیوی یا لڑکیوں کی
طرف منسوب ہوں۔
ذوی الفروض: شرعی وارث جن کے حصے مقرر ہیں۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجح: قابل ترجیح۔۔بہتر۔۔غالب۔۔فائق۔۔پسندیدہ۔
راست: سچ۔۔ٹھیک۔۔درست۔
راسخ: پکا۔۔مضبوط۔۔اٹل۔
رفع: دور کرنا۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زجر وتوبیخ: ڈانٹ ڈپٹ۔
زلت: قدم کا بہک جانا۔
زوجین: میاں بیوی۔۔زن وشوہر۔

-- ﴿ س ﴾ --

سالک: راہ چلنے والا۔۔راہِ سلوک کا مسافر۔
سب وشتم: لعن طعن۔۔گالی گلوچ۔۔برا بھلا۔
ستودہ صفات: جس میں قابل تعریف خوبیاں ہوں۔۔
اچھے اوصاف والا۔
سدرمق: قلیل۔۔تھوڑی۔
سرایت: تاثیر کرنا۔۔سما جانا۔۔نفوذ کرنا۔
سرعت: جلدی۔۔پھرتی۔
سرقہ: چوری۔
سفاہت: بیوقوفی کرنا۔
سیئات: برائیاں۔۔بدیاں۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شدائد ومصائب: سختیاں۔۔تکلیفیں۔۔مصیبتیں۔
شرع: سیدھا راستہ۔۔قانون محمدی جو قرآن کے مطابق ہے۔۔
شرعاً: قانون اسلام کے مطابق۔
شہود: حاضر ہونا۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صامت: چپ۔۔خاموش۔۔(۲) بے جان۔
صانع: بنانے والا۔۔(۲) پیدا کرنے والا۔۔خالق۔
صحبت: ہم بستری۔
صراحۃً: صاف طور پر۔
صریح: ظاہر۔۔آشکار۔۔صاف۔۔علانیہ۔
صناوید: سردار۔
صولت: دبدبہ۔۔ہیبت۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طرفین: فریقین۔۔دونوں جانب۔۔مدعی ومدعاعلیہ۔
طغیان: بڑی زیادتی۔۔ظلم۔۔نافرمانی۔۔سرکشی۔
طمع: لالچ۔۔حرص۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظن: وہم۔۔گمان۔۔شبہ۔۔خیال۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عار: شرم۔
عبد: بندہ۔۔غلام۔
عزم صمیم: سچا ارادہ۔۔خالص نیت۔
عزیمت: عزم کرنا۔۔تیار ہونا۔۔ارادہ۔
عسرت: تنگی۔۔مفلسی۔۔دشواری۔
عصبات: شرعی وارثوں کو وراثت ملنے کے بعد بقیہ پورے مال کا وارث۔
عفت: پارسائی۔۔پاک دامنی۔
عقاب: دکھ۔۔تکلیف۔۔عذاب۔۔سزا۔
عقوبت: عذاب۔۔سزا۔
علاتی: سوتیلے بہن بھائی جنکا باپ ایک ہو اور ماں الگ الگ۔

-- ﴿ غ ﴾ --

غلو: حد سے گزر جانا۔۔بہت زیادہ مبالغہ۔
غیر محرف: جس میں کوئی تحریف یعنی تبدیلی نہ کی گئی ہو۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فتون: فتنے میں ڈالنا۔ فتنوں میں۔
فدیہ: نقد معاوضہ۔۔(۲) خون بہا۔۔(۳) مال یا روپیہ جسے دیکر قیدی رہا ہو۔۔یا چھٹکارا ملے۔
فرض عین: خاص فرض۔۔ضروری فرض۔
فرض کفایہ: وہ فرض جو چند آدمیوں کے کرنے سے سب کے سر سے اتر جائیگا، جیسے نماز جنازہ۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قبائح وفضائح: بری خصلتیں۔۔نیچ حرکتیں۔
قبیح: معیوب۔۔برا۔۔نازیبا۔۔شرمناک۔
قدح: مدح کی ضد۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کبائر: کبیرہ کی جمع۔۔بڑے۔
کتر بیونت: کاٹ چھانٹ۔
کٹ حجتی: بے جا حجت۔
کثافت: غلاظت۔۔نجاست۔
کلفت: تکلیف۔۔مصیبت۔
کوتاہ فکری: کم فہمی۔۔کم عقلی۔

-- ﴿ ل ﴾ --

لاھوت: ایک عالم کا فرضی نام۔
لطائف: لطیفہ کی جمع۔۔اچھی چیز۔

-- ﴿ م ﴾ --

مانع: منع کرنے والا۔۔روکنے والا۔۔سدِراہ۔۔
(۲) ممانعت۔۔روک۔۔اٹکاؤ۔
مباشرت: عورت مرد کی ہم بستری۔۔جماع۔۔صحبت۔
مبالغہ: کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔۔حد سے زیادہ تعریف یا برائی کرنا۔۔حد سے زیادہ بڑھانا۔۔(۲) زیادہ گوئی۔۔(۳) کسی کام میں سخت کوشش کرنا۔
مبدا: آغاز۔
مبرا: پاک۔۔بے عیب۔۔صاف۔۔منزہ۔
مبسوط: پھیلا ہوا۔۔کشادہ۔۔فراخ۔
مبصرات: دیکھے جانے والی چیزیں۔
مبغوض: قابل نفرت۔
متابعت: پیروی۔۔(۲) فرمانبرداری۔۔اطاعت۔
متحیر: متعجب۔۔حیرت زدہ۔۔حیران۔
متخاصمین: طرفین جو جھگڑا کریں۔۔فریقین۔۔باہم مخالف۔
متمسکین: قائم ہو جانے والے۔۔پکے ہو جانے والے۔۔پکڑ لینے والے۔
متردد: تردد کرنے والا۔۔پس و پیش کرنے والا۔۔سوچ میں پڑ جانے والا۔۔(۲) پریشان۔۔مضطرب۔
متعذر: مشکل۔۔دشوار۔۔محال کے قریب۔
مجازاً: فرضاً۔۔مراداً۔
محاکمہ: فیصلہ کرانے کیلئے حاکم کے پاس جانا۔۔انصاف طلبی۔۔
محال: غیر ممکن۔۔ناممکن۔۔جو ہو ہی نہ سکتا ہو۔
محالات خرد: عقل کیلئے ناممکن باتیں۔۔وہ چیزیں جنکا ہونا از روئے عقل دشوار ہو۔
محامد: اچھائیاں۔۔عمدہ اوصاف۔
محرف: تحریف کیا گیا۔۔مطلب سے پھیرا ہوا۔۔(۲) بدلا ہوا۔
محرمات: وہ باتیں جن سے روکا گیا ہو۔۔منع کی ہوئی چیزیں۔
مخادنت: دوستی کرنا۔۔ساتھی بنانا۔
مداومت: ہمیشگی۔۔ثبات۔۔دوام۔

مدح: تعریف۔۔توصیف۔
مراجعت: واپسی۔۔واپس ہونا۔۔لوٹنا۔۔رجوع۔
مربوب: پروردہ۔۔بندہ۔۔مملوک۔
مرضیہ: پسندیدہ۔
مروج: رواج دیا گیا۔۔رائج کیا گیا۔۔چلایا گیا۔۔جاری۔
مزعومات: دیکھئے اگلا لفظ مزعومہ۔
مزعومہ: گمان کیا ہوا۔
مزید برآں: اسکے سوا۔۔اس سے بڑھ کر۔
مستغنی: آزاد۔۔بری۔۔بے پرواہ۔
متکبر: اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا۔
مستلزم: لازم کرنے والا۔
مستنکف: انکار کرنے والا۔۔حکم عدولی کرنے والا۔۔غرور کرنے والا۔
مسموع: سنا گیا۔۔سنی ہوئی بات۔
مسموعات: سنائی دینے والی چیزیں یا باتیں۔
مشتق: نکلا ہوا۔۔وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہے۔۔وہ صیغہ جو مصدر سے بنا ہو۔
مشروع: شرع کے موافق۔۔جائز کیا گیا۔
مصائب وآلام: مصیبت و رنج و دکھ درد۔
مصدر: نحو میں وہ کلمہ جس سے فعل اور صیغے مشتق ہوں۔
مصنوع: صنعت کیا ہوا۔۔بنایا ہوا۔
مضطرب: بے چین۔۔بے قرار۔
مضمحل: آزردہ۔۔سست۔
مطاع: اطاعت کیا گیا۔۔وہ شخص جسکی اطاعت کی جائے۔
مطعومات: خوراک۔
مطیع: اطاعت کرنے والا۔۔فرمانبردار۔۔تابع۔۔حکم بردار۔
مطیعین: اطاعت کرنے والے۔۔فرمانبردار۔۔تابع۔۔حکم بردار۔
معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔۔واپس جانے کا مقام۔۔(۲) عقبیٰ۔۔آخرت۔۔قیامت۔۔حشر۔
معارضہ: نزاع۔۔مخالفت۔۔رکاوٹ۔۔مقابلہ کرنا۔
معاصی: معصیت کی جمع۔۔گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔پاپ۔

معراء: خالی۔۔(۲) پاک وصاف۔
معصیت: گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔نافرمانی۔۔انحراف۔
معمول: وہ بات جو روزمرہ کی جائے۔۔روٹین۔
مفاخرت: بڑائی۔۔شیخی۔۔ڈینگ۔۔فخر۔۔ناز۔۔گھمنڈ۔
مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔
مفضول: فضیلت دیا گیا شخص۔۔فضیلت دی گئی چیز۔
مفلس: غریب۔۔کنگال۔۔محتاج۔۔نادار۔۔فقیر۔۔بے زر۔
مقتضی: تقاضہ کرنے والا۔
مقر: اقرار کرنے والا۔۔اقراری۔۔معترف۔۔اعتراف کرنے والا۔۔ماننے والا۔۔تسلیم کرنے والا۔
مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہو۔
مقید: قید کیا گیا۔۔قیدی۔
مکافات: بدلہ۔۔(۲) پاداش۔۔سزا۔
مکلفین: تکلیف دیا گیا۔۔عاقل۔۔بالغ۔
ملتبس: پوشیدہ کیا گیا۔۔مبہم۔۔غیر واضح۔
ملتفت: متوجہ۔۔توجہ کرنا۔
مملوکیت: بادشاہت۔۔حکومت۔۔کسی چیز کا ملکیت میں ہونا۔۔مالک ہونا۔
منازعت: جھگڑا۔
منزہ: پاک۔۔مبرا۔
منعم: نعمت دینے والا۔
منہمک: کسی کام میں بہت مصروف۔
منہیات: منہی کی جمع۔۔منع کی گئی۔۔ممانعت کی گئی۔
مواضع: موضع کی جمع۔۔گاؤں۔۔جگہ۔
مواظبت: ایک کام ہمیشہ کئے جانا۔
موحد: خدا کو ایک ماننے والا۔۔(۲) پکا مسلمان۔۔سچا مسلمان۔
مؤخر: آخر کیا گیا۔۔آخری۔۔اخیر کا۔
مودت: دوستی۔
موشگافیوں: بال کی کھال اتارنا۔۔تنقید کرنا۔۔نکتہ چینی کرنا۔
مؤکد: تاکید کیا گیا۔
مہلک: ہلاک کرنے والا۔۔سخت ضرر رساں۔

-- ﴿ ن ﴾ --

ناسوت: ایک عالم کا فرضی نام۔
نافلہ: وہ نفل یا عبادت جو فرض نہ ہو بلکہ برائے حصول ثواب انجام دیا جائے۔
نزاع: تنازعہ۔
نزاہت: بری باتوں سے دوری۔۔(۲) عیب سے پاک ہونا۔
نسخ: منسوخی۔۔تنسیخ۔
نفائس: نفیسہ کی جمع۔۔نفیس چیزیں۔
نقباء: نقیب کی جمع۔۔قائد۔۔رئیس۔
ننگ وعار: غیرت۔۔شرم۔

-- ﴿ و ﴾ --

وراثت: ورثہ۔۔میراث۔۔ترکہ۔
وسائط: واسطہ کی جمع۔
وصف: خوبی۔۔اچھائی۔۔عمدگی۔۔
وصی: وہ شخص جسکو وصیت کی گئی۔۔(۲) وصیت پر عمل کرنے والا۔
وعید: سزا دینے کی دھمکی۔۔(۲) سزا دینے کا وعدہ۔

-- ﴿ ھ ﴾ --

ھبہ: عطا۔
ہزیمت: شکست۔۔ہار۔
ہویت: ہونا۔

-- ﴿ ی ﴾ --

یمین: قسم۔۔حلف۔
یمین شرعی: وہ قسم یا حلف جو اسلامی شرع کے مطابق ہو۔

گلوبل اسلامک مشن کی دیگر مطبوعات

اردو ترجمۂ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،

'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'سید تفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد اوّل﴾ ۴۴۸ صفحات

مفسر اوّل: [redacted] محدث اعظم ہند، حضرت علامہ سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہ

مفسر دوم: [redacted] شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

'مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۴۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾
('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالات شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَاالْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲ صفحات﴾
'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہء دعوت وتبلیغ' ﴿۳۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد دوئم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔۔ کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک و ملت کے خلاف نہیں ہے۔

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
سید محمد عظمت علی نوری محکمہ اوقاف سندھ کراچی

ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

المعروف بہ

جلد سوئم

واذا سمعوا ۷ — ولو اننا ۸ — قال الملا ۹

شیخ الاسلام والمسلمین

لاهور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد سوم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کور ڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے
ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس: 042-37238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

اجازت نامہ طباعت واشاعت برائے اردو تفسیر قرآن، بنام سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی (کامل)

میں کہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی ولد مخدوم اہلسنت حضرت مولانا سید محمد المعروف بہ محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان ساکن اشرف پور، کچھوچھا، پرگنہ برہ، تحصیل ٹانڈہ، ضلع امبیڈکر نگر، یو پی، کا ہوں۔ اردو تفسیر قرآن بنام سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی، کا مصنف ہوں۔ اس تفسیر کے جملہ حقوق انڈیا کے کاپی رائٹ قوانین کے تحت بحق مصنف محفوظ ہیں اور مصنف کی مرضی کے بغیر کوئی بھی اس تفسیر کو شائع کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ میں بطور مصنف محترمی ومکرمی جناب حفیظ البرکات شاہ صاحب ولد حضرت علامہ پیر کرم شاہ صاحب الازہری رحمۃ اللہ علیہ مینیجنگ ڈائرکٹر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، پاکستان کو اپنی تصنیف 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' کی مندرجہ ذیل تحفظات کے ساتھ پاکستان میں شائع کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔

(۱)۔ محترمی حفیظ البرکات شاہ صاحب مینیجنگ ڈائرکٹر ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، پاکستان کے علاوہ کوئی اور فرد یا ادارہ اس تفسیر کو شائع کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

(۲)۔ محترمی حفیظ البرکات شاہ صاحب ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے تحت صرف پاکستان میں اور پاکستان کی ضرورت کے لیے ہی اس تفسیر قرآن کو شائع کرنے کے مجاز ہوں گے، باہر کسی اور ملک میں ایکسپورٹ کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ وہ خود بھی کسی اور فرد یا ادارے کو تفسیر اشرفی شائع کرنے کی اجازت دینے کے مجاز نہ ہوں گے۔

(۳)۔ اس تفسیر قرآن کو جو کہ اردو زبان میں تصنیف کی گئی ہے کسی اور زبان میں ترجمہ کرنے، کرانے اور اسے شائع کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

(۴)۔ سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی کے شروع میں جو مضامین بنام مقدمہ، مصنفین کے احوال کے تعلق سے، اور مختصر سے گزارش احوال واقعی کے عنوان سے شامل کتاب ہیں انہیں حذف نہیں کیا جائے گا، اور ہمیشہ شامل اشاعت رکھا جائے گا۔ عرض ناشر وغیرہ میں تفسیر اشرفی کے محرکات ومحرکین کا ذکر بھی باقی رکھا جائے گا۔

(۵)۔ ملک پاکستان میں قارئین کی ڈیمانڈ جب تک جاری رہے گی اس کی طباعت واشاعت کو روکا نہ جائے گا۔ یعنی سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی قارئین کے حصول کے لیے ہمیشہ میسر رہے گی۔ اگر کسی وجہ سے اس کی طباعت واشاعت روک دی گئی تو مصنف کسی اور فرد یا ادارے کو اشاعت کی اجازت دینے کا مجاز ہوگا۔

(۶)۔ محمد منصور احمد سہروردی اشرفی (ڈائرکٹر گلوبل اسلامک مشن نیو یارک، امریکہ) امریکہ اور کینیڈا کے قارئین کی ضرورت کے لیے تفسیر اشرفی کا اپنا ایڈیشن اپنی طرف سے چھپوانے اور شائع کرنے کے مجاز رہیں گے۔

(۷)۔ اس اجازت طباعت واشاعت کے سلسلے میں مصنف یا ان کے بدلے میں کسی اور کی طرف سے کسی قسم کی رائلٹی یا منافع وغیرہ کی ڈیمانڈ نہیں کی جا رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو دین اسلام کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق رفیق مرحمت فرماتا رہے۔

فقط

سجادہ نشین ومتولی درگاہ مخدوم اہلسنت حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ
کچھوچھا شریف، ضلع امبیڈکر نگر، یو پی، انڈیا

فہرست

نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ ــــ اَمَّا بَعۡدُ

عرض ناشر

پروردگارِ عالم کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ اسکے احسانات اور کرم نوازیاں بہت اور ہماری حیثیت بہت ہی کم، مگر غلامیٔ رسول ﷺ پر ناز ہے، کہ آپ ہی کے وسیلے سے اللہ رب العزت نے اس تفسیری خدمت کی توفیق بخشی اور اسی کے کرم سے ہم اس کام کو بڑی ہی خوش اسلوبی سے لیکر آگے بڑھ رہے ہیں۔

ایک طرف مفسر محترم، حضور شیخ الاسلام والمسلمین اپنی جگہ اپنے قلم مبارک سے تفسیری گوہر بیش بہا حوالۂ قرطاس فرما رہے ہیں، جبکہ پر اخلاص محنت کرنے والے حضور قبلہ گاہی کے مسودے کو ایک خوبصورت کتاب میں ڈھال کر قارئین کی خدمت میں پیش کرنے میں مصروف ہیں اور دوسری طرف 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی'، علماءِ کرام، طلباءِ اسلام اور دیگر قارئین کی مرکزِ نگاہ بنی ہوئی ہے۔ دعاؤں، تجزیوں اور مشوروں کا ایک دفتر جمع ہوتا جا رہا ہے، اور یوں تفسیر اشرفی مقبولیت کا سفر بھی تیزی سے طے کر رہی ہے۔

جوں جوں تفسیر ھذا کی جلدیں قارئین تک پہنچ رہی ہیں، حضور محدث اعظم ہند قدس سرہ کے اردو ترجمۂ قرآن، بنام 'معارف القرآن' کی ڈیمانڈ بھی بڑھ رہی ہے۔۔ لہٰذا۔۔ ادارے نے ۲۰۰۱ء میں اپنی معارف القرآن کی پہلی اشاعت کے بعد، اب اسے مزید خوبصورت انداز میں شائع کرنے کا کام بھی مکمل کر لیا ہے۔ اس اشاعت میں نہایت ہی عرق ریزی سے 'رموزِ اوقافِ ترجمہ' کا ایک منفرد اضافہ کیا ہے، جس سے محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے پہلے ہی سے آسان اردو ترجمۂ قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کیلئے مزید آسان اور دلچسپ بنانے کا اہتمام بھی ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا جائیگا۔ تفسیر اشرفی کو انگریزی زبان میں منتقل کرنے کیلئے بھی انتظامات مکمل کر لئے گئے ہیں، بلکہ ایک پارے کا کام پایۂ تکمیل تک بھی پہنچ گیا ہے۔

گلوبل اسلامک مشن ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾ کے علاوہ انڈیا میں شیخ الاسلام ٹرسٹ بھی 'معارف القرآن' اور 'تفسیر اشرفی' کی نہایت شاندار اشاعت و ترسیل میں کوشاں ہیں۔ ساتھ ہی شیخ

الاسلام کے مریدین، معتقدین و دیگر محبان اہلسنّت انگلینڈ میں بھی انکی ترسیل میں دن ورات ایک کیئے ہوئے ہیں۔

یہ تمام کام توفیق الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ شیخ الاسلام کی برکت، علمائے اہلسنّت کی دعائیں، مخلصین کی انتھک محنت، اس ادارے کا یہی کچھ سرمایہ ہے، جو دین متین کی خدمت میں معاون ثابت ہورہا ہے جسکے نتیجے میں اب ہم 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد سوئم﴾ یعنی ساتویں، آٹھویں اورنویں پارے کی تفسیر کے ساتھ حاضر خدمت ہیں، جبکہ مفسر محترم کی جانب سے ۲۱ویں پارے تک تفسیری کام مکمل ہوچکا ہے جو انشاء اللہ جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کردیا جائے گا۔

ادارہ حضور شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی دامت برکاتہم العالیہ کا تہہ دل سے مشکور وممنون ہے، کہ آپ اپنے معمولات میں سے اس اہم کام کیلئے وقت نکالے ہوئے ہیں۔ اسی کے ساتھ ہم اللہ رب العزت سے دعاگو ہیں، کہ وہ حضور مفسر محترم کی صحت وعمر میں برکت عطا فرمائے اور اس تفسیری کام کو اپنی توفیق رفیق سے پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے ساتھ ساتھ حضور مفسر محترم کا سایہ تادیر ہم پر قائم ودائم رکھے۔

ہم ہندوستان اور پاکستان کے مقتدر علماء کرام کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اس کوشش کو تحریری اور زبانی طور پر سراہا اور دعاؤں سے نوازا۔۔۔ خاص طور سے شکریہ اور دعاؤں کے مستحق ہیں گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، امریکہ) کے منصور احمد اشرفی جو اس کتاب کو خوبصورت شکل میں ڈھالتے ہیں، جناب علامہ مفتی محمد ایوب صاحب اشرفی (بولٹن، انگلینڈ)، جناب علامہ سراج صاحب (جامعہ غوثیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی، پاکستان)، جناب علامہ مفتی محمد الیاس رضوی صاحب مدظلہ العالی (جامعہ نصرۃ العلوم، کراچی، پاکستان) جو اپنی مصروفیات سے قیمتی وقت نکال کر نہایت ہی عرق ریزی سے کمپیوٹرائزڈ متنِ تفسیر کی پروف ریڈنگ فرماتے ہیں۔۔۔ جناب علامہ مفتی محمد فخر الدین علوی اشرفی (نیوجرسی، امریکہ) جو کتاب کی تیاری میں اہم معاملات میں مشن کی معاونت فرماتے ہیں۔

۔۔مزید براں۔۔ ہم نہایت مشکور وممنون ہیں، شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام جیلانی خان اشرفی صاحب، جناب حاجی حنیف طیب صاحب اور دیگر مقتدر علماءِ اہلسنّت وجماعت کے، جنھوں نے ہماری کوششوں کو سراہتے ہوئے، اس کتاب کا تعارف کرانے اور ڈسٹری بیوشن میں ہماری مدد فرمائی۔۔۔ جن اصحاب وافراد کے بغیر گلوبل اسلامک مشن کے کاموں کا خاصہ حصہ کراچی، پاکستان میں تکمیل کے مراحل

طے نہیں کر سکتا، انکے ذکر کے بغیر ہماری بات مکمل نہیں ہوسکتی۔ہم جناب سید ریاض علی اشرفی صاحب، جناب عبدالقادر صاحب بمعہ اہل خانہ، جناب مسرور علی قریشی صاحب اور جناب عزیز علی خان صاحب کے بھی بے حد شکر گزار ہیں۔ساتھ ہی ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے جناب حاجی حفیظ البرکات شاہ صاحب کے بھی ہم ممنون ہیں کہ یہ کتاب اُن کے مطبع خانے میں چھپ کر اُن کے ادارے سے بھی دستیاب ہوگی۔

اللہ تعالیٰ تمام اصحاب جنکا ذکر اوپر کیا گیا اور جنکا ذکر باعث طوالت زیر تحریر نہ آسکا، ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔حضور مفسر محترم اور اہلسنّت و جماعت کی تمام مقتدر ہستیوں اور علماءِ کرام کی عمر اور صحت میں برکت عطا فرمائے، اور ان سب کا سایہ تادیر دنیائے سنیت پر قائم و دائم رکھے۔اسکے ساتھ ہی حضور ﷺ کے سچے ماننے والوں کی زمانے کی گردشوں سے حفاظت فرمائے۔۔نیز۔۔گلوبل اسلامک مشن ﴿نیویارک، امریکہ﴾ کو دین کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ اٰمین! بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمُ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ﴾

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

۱۲ربیع اوّل ۱۴۳۳ھ ۔۔بمطابق۔۔ ۵رفروری، ۲۰۱۲ء

حسبِ سابق:

متن تفسیر کے چند مشکل الفاظ کے معانی کو قارئین کی آسانی کیلئے کتاب کے آخیر میں 'تشریح لغات' کے عنوان سے درج کر دیا گیا ہے۔ ﴿ادارہ﴾

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیر اشرفی کی اس جلد سوئم کے متن تفسیر میں ۱۰،۸۸،۳۷۰ (دس لاکھ، اٹھاسی ہزار، تین سو ستر) حروف۔۔۔ ۱،۱۷،۷۴۵ (ایک لاکھ، سترہ ہزار، سات سو پینتالیس) الفاظ۔۔۔ ۸،۷۷۹ (آٹھ ہزار، سات سو اناسی) سطریں۔۔۔اور ۳،۵۰۵ (تین ہزار، پانچ سو پانچ) پیراگراف شامل ہیں۔۔۔کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے، تو ہمیں اطلاع دیکر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں۔۔۔ ﴿ادارہ﴾

۷

واذا سمعوا

بحمدہ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۲ رجب ۱۴۳۰ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۶ جولائی ۲۰۰۹ء

بروز پنج شنبہ ساتویں پارہ کی تفسیر شروع کردی۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

﴿امین﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جن عالموں اور عابدوں کا سابقہ آیت میں ذکر کیا گیا ہے، وہ کچھ ایسی روحِ سعادت رکھنے والے رقیق القلب ہیں، کہ جب حضرت نجاشی کے دربار میں انکے سامنے حضرت جعفر طیار نے سورۂ مریم اور سورۂ طٰہٰ کی بعض آیتیں سنائیں۔۔یونہی۔۔جب شاہ حبشہ موصوف کے فرستادہ ستر علماء بارگاہِ رسولِ کریم میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے انکے سامنے سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت فرمائی، تو سب کے سب کی آنکھیں بے تحاشہ چھلک پڑیں۔سبھی نے برملا اعتراف کیا کہ آپ پر نازل شدہ کتاب میں جو باتیں ہیں، وہ سب ہماری کتاب انجیل کے فرمودات کے بالکل مطابق ہیں۔۔المختصر۔۔شاہِ حبشہ حضرت نجاشی اور انکے سارے اصحاب اور درباری مشرف باسلام ہوگئے۔۔چنانچہ۔۔انہوں نے اپنے کو غرور وتکبر سے بچایا۔

وَاِذَا سَمِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَى الرَّسُوۡلِ تَرٰۤى اَعۡيُنَهُمۡ تَفِيۡضُ مِنَ الدَّمۡعِ

اور جہاں سن پایا وہ، جو نازل کیا گیا ہے رسولِ اسلام کی طرف، تو دیکھ لو ان کی آنکھیں، کہ آنسو بہا رہی ہیں،

مِمَّا عَرَفُوۡا مِنَ الۡحَـقِّ‌ۚ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكۡتُبۡنَا مَعَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۸۳﴾

کیونکہ انھوں نے حق پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں! اے ہمارے پروردگار ہم نے مان لیا، تو ہم کو لکھ لے گواہوں میں ●

(اور جہاں سن پایا) خواہ حضرت جعفر طیار کی زبان سے۔۔یا۔۔سید مختار ﷺ کے لب ہائے پاک سے (وہ، جو نازل کیا گیا رسولِ اسلام کی طرف، تو دیکھ لو) اپنی نگاہِ علم وادراک سے ان حبشہ والوں کی۔۔نیز۔۔اپنے سر کی آنکھوں سے اپنے دربار میں (ان) حاضر ہونے والوں (کی آنکھیں) جو (کہ آنسو بہا رہی ہیں)۔ان سے اس رقتِ قلبی اور اشکباری کا ظہور ہونا ہی تھا، (کیونکہ انہوں نے حق پہچان لیا)۔انکا یہ رونا حق وصداقت کی معرفت ہی کا نتیجہ ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب 'بعض حق' کی معرفت نے انھوں رُلا دیا، تو پھر انکی کیا حالت ہوتی اگر وہ 'کل حق' کی معرفت والے ہوجاتے اور پورے قرآن کریم کی سماعت فرمالیتے۔۔نیز۔۔رسولِ کریم کی سنت کا مکمل احاطہ کرلیتے جبکہ انکی مختصر سی معرفت نے انھیں مجبور کردیا کہ ایمان لائیں اور اسلام میں داخل ہوجائیں۔۔چنانچہ۔۔

(وہ کہتے ہیں) کہ (اے ہمارے پروردگار! ہم نے) اس رسولِ اسلام اور اس پر نازل شدہ کلام کو (مان لیا، تو ہم کو لکھ لے) اُن (گواہوں میں) جنھوں نے رسولِ کریم اور قرآنِ حکیم کی صداقت

وحقانیت کی گواہی دی ہے۔۔یا۔۔ہمیں امتِ محمدی میں شامل فرمادے، جن کی شان انجیل میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ قیامت کے دن ساری امتوں پر گواہ ہوں گے۔۔۔

جب حضرت جعفر کے رفقاء مدینے پہنچے، تو وہاں کے یہودیوں نے انکی ملامت کی کہ تم لوگ کیا جھٹ پٹ ایمان لائے، ہمیں دیکھو کہ مدت گزری ہمیں دعوتِ اسلام کرتے ہیں اور ہم نہیں مانتے۔۔یونہی۔۔اہلِ حبشہ نے نجاشی سے کہا کہ حیرت ہے، کہ تو اس شخص پر ایمان لایا جسے تو نے دیکھا تک نہیں۔تو ان ملامت کرنے والوں کو ان سب نے یہی جواب دیا، کہ ہم دینِ اسلام کے حضور سرِ تسلیم خم کیوں نہ کریں۔۔۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا

اور اللہ کو، اور جو ہمارے پاس حق آیا۔کیوں نہ مانیں جب کہ ہم اسکے لالچی ہیں کہ داخل کردے

رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

ہم کو ہمارا پروردگار نیکوں کے ساتھ ● تو اللہ نے ان کو ثواب بخشا جو انھوں نے کہا اس کا، جنتیں، کہ بہتی ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

نیچے نہریں، ہمیشہ اس میں رہنے والے۔ اور یہ مخلصوں کی جزا ہے ●

(اور اللہ) تعالیٰ (کو اور جو ہمارے پاس) رسول کریم اور قرآن حکیم کی صورت میں (حق آیا، کیوں نہ مانیں، جبکہ ہم اسکے لالچی) اور حریص (ہیں) اور اس بات کی آرزو رکھتے ہیں (کہ داخل کردے ہم کو ہمارا پروردگار) رسول و اصحابِ رسول، بالخصوص مہاجرینِ اولین اور امتِ محمدی کے (نیکوں کے ساتھ)۔

(تو اللہ) تعالیٰ (نے ان کو ثواب بخشا) اور بہ سبب اس قول کے (جو انہوں نے) اخلاص و اعتقاد کی راہ سے (کہا اسکا) اجر عطا فرمایا اور وہ بھی معمولی نہیں بلکہ (جنتیں، کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں) اور حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے (ہمیشہ اس میں رہنے والے) ہیں۔(اور یہ) کیا ہی اچھی (مخلصوں کی جزاء ہے) جو سراپا اخلاص ہو کر نیک کام انجام دیتے رہتے ہیں۔

خدائے کریم کے اس فضل و کرم کو سننے کے ساتھ اس قادرِ مطلق کے عدل کو بھی دیکھتے چلو۔۔۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۠﴿۸۶﴾

اور جنھوں نے انکار کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو، تو وہ جہنم والے ہیں●

(اور) اچھی طرح سے سن لو، کہ (جنھوں نے انکار کیا اور) اسکی یہ شکل اختیار کری کہ (جھٹلایا ہماری آیتوں کو) اور اسی پر انھیں موت آگئی، (تو وہ جہنم والے ہیں) جس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔جن عیسائیوں نے دینِ حق کو پہچان لیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے انکو انکے ایمان اور اعمالِ صالحہ کے صلے میں جنتیں عطا فرمائیں اور جن عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکین نے واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود تکبر اور ہٹ دھرمی سے اللہ تعالیٰ کے وجود، اسکی وحدانیت اور اسکے انبیاء کے صدق کا انکار کیا، اللہ تعالیٰ انکو اپنے عدل کے تقاضے سے دوزخ میں ڈال دیگا۔۔المختصر۔۔ثواب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور عذاب اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ دینِ حق پر ایمان لانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ماننے والا افراط وتفریط کا شکار ہوجائے۔۔تو۔۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ

اے وہ جو ایمان لاچکے! نہ حرام قرار دو پاکیزہ چیزوں کو، جو اللہ نے حلال کردیا تمہارے لئے، اور قانون نہ توڑو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ﴿۸۷﴾

بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا قانون شکنوں کو●

(اے وہ جو ایمان لاچکے!) نبی کریم کی زبانِ فیض ترجمان سے قیامت اور اس دن کی سختیوں کو سن کر بالکلیہ ترک دنیا کے رہبانیت زدہ غیر فطری اعمال کا اپنے کو پابند بنانے کے عزم وارادہ سے بعض آؤ۔

اسلام نے اسطرح کے غیر فطری ضابطوں کی حوصلہ افزائی کبھی نہیں کی۔۔چنانچہ۔۔عہد رسالت میں جب حضرت عثمان ابن مظعون کے مکان پر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت مقداد اور حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اکٹھا ہوکر اس بات پر متفق ہوگئے کہ جتنی عمر باقی ہے، اس میں دن کو روزہ رکھیں اور رات عبادت میں بسر کریں اور بچھونے پر نہ سوئیں اور گوشت اور چربی نہ کھائیں، اور عورتوں کے پاس نہ جائیں اور دنیا کو چھوڑ کر کملی اوڑھ کر سیاحی کریں اور اِدھر اُدھر گھومتے رہیں۔

انکے ارادے کی خبر جیسے ہی رسولِ کریم کو ہوئی، تو آپ نے ان صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگوں نے جو فکر کی ہے، میں اس بات پر مامور نہیں ہوں۔ بیشک تم پر تمہارے نفس کا حق ہے، تم روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، رات کو عبادت بھی کرو اور آرام بھی کرو۔ مجھے دیکھو، میں عبادت کے واسطے اٹھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں، روزہ رکھتا بھی ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، گوشت و چربی بھی کھاتا ہوں اور عورتوں کے پاس بھی جاتا ہوں، تو سن لو! جو کوئی میری سنت سے باز رہیگا اور اس سے اعراض کریگا، وہ مجھ سے نہیں ہے اور میرے پیش کردہ دینِ فطرت سے دور ہے۔

تو اے ایمان والو! (نہ حرام قرار دو پاکیزہ چیزوں کو جو اللہ) تعالیٰ (نے حلال کردیا تمہارے لئے)۔

یعنی وہ چیزیں جو اچھی ہیں اور ان سے تمہارے نفوس لذت پاتے ہیں حرام اشیاء سے رک جانے کی طرح حرام نہ کرو، کہ جس طرح حرام اشیاء سے مکمل اجتناب لازم ہے، اسی طرح کا اجتناب تم ان حلال اشیاء سے بھی کرنے لگو۔۔۔یا۔۔بطورِ تقشف و تزہد دنیاوی حلال لذتوں کے ترک کے عزم و ارادہ کو مبالغۃً اسطرح ظاہر کرو کہ 'ہم نے ان لذتوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا ہے'۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جن جن چیزوں کو حلال فرمادیا ہے، انکے ترک و اجتناب کو اپنے اوپر لازم نہ کرو (اور) خدا کے بنائے ہوئے (قانون نہ توڑو)۔ حلال کردہ اشیاء کی حدود سے متجاوز ہوکر ان اشیاء کی طرف نہ جاؤ جن کو تم پر حرام کیا گیا ہے۔۔الغرض۔۔نہ تو خدا کے حلال کردہ کو حرام قرار دو، اور نہ ہی اسکے حرام کردہ کو حلال سمجھو۔۔بلکہ۔۔طیبات کو کھاتے وقت بھی اسراف سے کام نہ لو، اسلئے کہ اسراف بھی حرام کھانے کی طرح حرام کی طرف متجاوز کرتا ہے اور اچھی طرح سے ذہن نشین کرلو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا قانون شکنوں کو)، جو اپنی خواہش کے مطابق خدا کے حرام کردہ کو حلال اور اسکے حلال کردہ کو حرام قرار دیکر خدائی قانون کو توڑنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اسطرح کے حدود سے تجاوز کرنے والوں کے عمل سے خوش نہیں ہوتا۔۔الختصر۔۔قانون شکنی سے اپنے کو باز رکھو۔

وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾

اور کھاؤ جو روزی فرمادیا تم کو اللہ نے حلال پاکیزہ۔ اور ڈرو اللہ کو جس کو تم لوگ مانتے ہو●

(اور کھاؤ جو روزی فرمادیا تم کو اللہ) تعالیٰ (نے حلال) یعنی جو جائز طریقے سے حاصل ہوکر

(پاکیزہ) یعنی جو غذا کے طور پر مستعمل ہو اور اس سے نشو ونما حاصل ہو۔۔الغرض۔۔حلال و پاکیزہ چیزیں کھاؤ (اور) اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام کر لینے میں (ڈرو) اس (اللہ) تعالیٰ (کو، جس کو تم لوگ مانتے ہو)۔اس نے جس جس کو حلال فرمادیا وہ حلال ہی ہے، خواہ وہ کھائی جاتی ہو۔۔یا۔۔نہ کھائی جاتی ہو۔لہٰذا صرف کھانے کی اشیاء کو حلال نہ سمجھے، اسلئے کہ اسکے سوا اور دوسری اشیاء بھی حلال ہیں، اگرچہ وہ کھائی نہیں جاتیں۔

۔۔الحاصل۔۔ایمان کا تقاضہ یہی ہے کہ انسان تقویٰ پیدا کرے، یعنی ان امور سے کنارہ کشی اختیار کرلے جن سے اسے روکا گیا ہے اور مقرر کردہ حد سے متجاوز نہ ہو۔۔۔اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہء کرام نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہم نے جو قسم کھائی ہے، اسے کیا کریں؟ تو ارشاد ہوا کہ۔۔۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ

نہیں گرفت کرتا تمہاری اللہ تمہاری بے خبری کی قسموں میں، لیکن پکڑے گا تم کو جو تم نے مضبوط عہد

الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

بنادیا قسموں کو، تو اس کا کفارہ ہے کھانا کھلانا دس مسکینوں کو، درمیانی درجہ کا، جو اپنے گھر والوں کو

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ

کھلاتے رہتے ہو، یا ان کو کپڑا پہنانا، یا ایک بردہ کو آزاد کرنا۔ تو جس نے نہ پایا، تو تین دن کا روزہ۔

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا کر رہ جاؤ۔ اور اپنی قسموں کا خیال رکھو۔ اس طرح بیان کرتا ہے اللہ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

تمہارے لئے اپنی آیتوں کو، کہ کہیں تم شکر گزار ہو جاؤ●

(نہیں گرفت کرتا تمہاری اللہ) تعالیٰ (تمہاری بے خبری کی قسموں میں)۔

۔۔مثلاً: دور سے کسی شے کو دیکھ کر کہے کہ یہ فلاں شے ہے اور پھر قسم کھا کے کہے کہ واقعی یہ وہی شے ہے حالانکہ وہ شے اسطرح نہ ہو جیسے وہ کہتا ہے، تو یہ قسم 'یمین لغو' ہے۔اس قسم پر اس شخص پر کوئی مواخذہ نہیں، نہ گناہ، نہ کفارہ۔اور اگر کوئی زمانہء ماضی یا حال کے متعلق جھوٹی

قسم کھائے ۔۔مثلاً: قسم کھا کر کہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، حالانکہ وہ کام نہ کیا ہو۔۔یا۔۔مثلاً: قسم کھا کر کہے کہ وہ مقروض ہے، حالانکہ اس پر کسی قسم کا قرض نہیں۔اس قسم کو 'یمین غموس' کہتے ہیں۔اسکا حکم یہ ہے کہ اس شخص پر گناہ ہے، کفارہ نہیں۔اور گناہ بھی کبیرہ، جس سے توبہ کرنا اسپر لازم ہے۔

۔۔الغرض۔۔یمین لغو پر اللہ تعالیٰ تمہاری گرفت نہیں فرمائیگا (لیکن پکڑیگا تم کو جو تم نے مضبوط عہد بنادیا قسموں کو) یعنی نیت اور ارادے سے تم نے ان قسموں کو زیادہ مضبوط اور پختہ کیا ہے۔اب اگر تم نے انکو توڑا، تو انکا مواخذہ ہوگا، اسلئے کہ تم نے جسکا معاہدہ کرکے اسے توڑا، تو اسکی سزا مقرر ہوئی۔

ذہن نشین رہے کہ زمانہ مستقبل میں کسی کام کو کرنے۔۔یا۔۔نہ کرنے سے متعلق قسم کو 'یمین منعقدہ' کہتے ہیں۔

تو اگر اُس قسم کو توڑ دیا گیا (تو اسکا کفارہ ہے) جس سے اسکی غلطی اور گناہ کا ازالہ ہوسکے (کھانا کھلانا دس مسکینوں کو)، خواہ دس مسکینوں کو ایک ساتھ بٹھا کے کھلائے۔۔یا۔۔کسی مسکین کو دس دن کھلائے ۔۔یا۔۔کسی مسکین کو دس دن کا کھانا یکدم دیدے۔ان تمام صورتوں میں کفارہ ادا ہوجائیگا۔خیال رہے کہ کھانا (درمیانی درجہ کا) ہونا چاہئے (جو اپنے گھر والوں کو کھلاتے رہتے ہو) یعنی نہ بہت اعلیٰ درجہ کا اور نہ ہی بہت ادنیٰ درجہ کا۔نوع میں بھی درمیانی ہے اور مقدار میں بھی۔مقدار میں درمیانی کی شکل یہ ہے کہ ایک صدقہء فطر کے مطابق ہو۔

کفارہ ادا کرنے کیلئے مذکورہ بالا ہدایت کے مطابق کھانا کھلانا ہے (یا ان) دس مسکینوں (کو کپڑا پہنانا) ہے۔

وہ لباس پہنائے جو انکے عام بدن کو ڈھانپتا ہو۔تو اگر کسی کو صرف شلوار دیدے، تو یہ پوشاک کے حکم میں نہ ہوگا۔کم ازکم اتنا تو دے جس سے سترِ عورت ہوجائے اور اسکو پہن کر وہ نماز پڑھ سکیں۔

(یا ایک بردہ) یعنی شرعی غلام (کو آزاد کرنا) ہے۔

خواہ وہ غلام مومن ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، لیکن سالم اور بے عیب ہو، نابینا اور بہرا نہ ہو۔ایسا بھی نہ ہو جس سے کسی قسم کا نفع نہ اٹھایا جاسکے۔۔چنانچہ۔۔وہ دائمی پاگل نہ ہو، کیونکہ نفع یابی عقل سے ہوتی ہے اور اسکی عقل مفقود ہے۔اور جس کے دونوں

ہاتھ یا دونوں انگوٹھے کٹے ہوئے ہوں یا دونوں پاؤں نہ ہوں۔۔یا۔۔ایک ہی جانب سے ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کٹ گیا ہو، تو ان سب کو بھی کفارہ میں دینا جائز نہیں۔

اسی غلام کو کفارہ میں دیا جاسکتا ہے جس میں مملوکیت کامل ہو، ناقص نہ ہو، اسی لئے 'مدبر' اور 'ام ولد' کو کفارہ میں نہیں دیا جاسکتا، اسلئے کہ یہ ایک جہت سے آزادی کے مستحق ہیں۔۔بنا بریں۔۔ان میں مملوکیت ناقص ہے۔اسی طرح وہ 'مکاتب' کہ جس نے کچھ حصہ رقم کا ادا کردیا اسے بھی کفارہ میں دینا ناجائز ہے، اسلئے کہ اسے عوض کے بدلے آزاد کیا جارہا ہے اور عوض کے بدلے آزادی ایک تجارت ہے اور کفارہ ایک عبادت ہے، اور عبادت میں تجارت کیسی؟ عبادت میں تو صرف رضائے الٰہی مطلوب ہوتی ہے، اور وہ اس میں مفقود ہے۔

۔۔الحاصل۔۔کفارہ ادا کرنے کیلئے ان تینوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے اور یہ کفارہ دینے والے کی مرضی پر ہے، نہ تو اسپر یہ تینوں واجب ہیں اور نہ ہی بالکل ترک۔جب ان میں سے کسی ایک کو ادا کریگا، تو اپنی ذمہ داری سے بری ہوجائیگا۔اب اگر کوئی ان مذکورہ بالا تینوں کی ادائیگی کی طاقت رکھتا ہو، تو اسے اختیار ہے کہ ان میں کوئی ایک ادا کردے۔

(تو جس نے نہ پایا) ان تینوں کفارہ میں سے ایک بھی، یعنی وہ شخص ان تینوں مذکورہ بالا میں سے کسی ایک کی ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتا، (تو) اسکا کفارہ، (تین دن کا روزہ) ہے، جو تین دن مسلسل طور پر رکھے جائیں۔(یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا کر رہ جاؤ) اور پھر اسکو توڑ ڈالو۔۔۔

اے ایمان والو! اپنی فراست ایمانی سے کام لو (اور اپنی قسموں کا خیال رکھو) ہر ہر بات میں قسم نہ کھاؤ بلکہ جہاں تک ہوسکے اس سے بچتے رہو، بشرطیکہ اس میں تمہارا نقصان نہ ہو۔اگر نقصان ہوتا دیکھو۔۔یا۔۔قسم کھا کر پھر پچھتاتے ہو کہ قسم نہ کھانے میں بھلائی تھی، تو اب 'حانث' ہوکر کفارہ ادا کردو، جیسے 'یمین منعقدہ' کا کفارہ ہوتا ہے۔

۔۔مثلاً: کسی نے ترک فرائض کی قسم کھائی۔۔یا۔۔کسی گناہ کے ارتکاب کی قسم کھائی، تو اس میں لازم ہے کہ ایسے امور کیلئے 'حانث' ہوکر کفارہ ادا کرے، یعنی گناہ نہ کرے اور کفارہ ادا کردے وغیرہ وغیرہ۔ذہن نشین رہے کہ بعض صورتیں ایسی ہیں ان میں 'حانث' ہونا ہی افضل ہے۔۔مثلاً: کسی مسلمان سے گفتگو ترک کرنے کی قسم کھائے، تو اسے چاہئے کہ اس سے گفتگو کرکے کفارہ ادا کردے۔ان کے علاوہ باقی صورتوں یعنی 'مباحات' میں قسم کھالے، تو 'حانث' نہ ہو اور اپنی قسم کو محفوظ رکھے۔

ایمان والو! رب کریم کی کرم فرمائی تو دیکھو کہ جس طرح اس نے قسم کا کفارہ عجیب ودل نشین انداز میں صاف صاف بیان فرمادیا (اسطرح) یعنی بالکل اسی طرح (بیان کرتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارے لئے اپنی آیتوں) یعنی اپنے دین کی نشانیوں اور اسکے احکام ومسائل (کو)، تا (کہ) اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ احکام کو آسان کرنے پر (کہیں تم شکر گزار ہوجاؤ) اور اسکی نعمت کا شکر کرو۔

اے ایمان والو! نبی کریم کی زبان مبارک سے قیامت کے دن کی سختیوں اور اس روز کی قہر سامانیوں کا حال سن کر اخروی عذاب وعتاب سے محفوظ رہنے کے خیال سے از خود اپنے اوپر غیر فطری پابندیاں نہ عائد کرلو، یہاں تک کہ اسکے لئے ان چیزوں کو اپنے اوپر حرام قرار دے لو جسے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمادیا ہے۔ غور کرو کہ اللہ تعالیٰ خود تم پر بے حد رحیم وکریم ہے، اسی لئے اخروی نجات اور دارین کی صلاح وفلاح کیلئے جن جن باتوں کی انجام دہی ضروری ہے۔۔یوں۔۔ ہر جن جن باتوں سے اپنے کو بچانا لازمی ہے اس رحیم و کریم نے خود ہی اپنے رسول کریم کے ذریعے ان تمام امور کو ظاہر فرمادیا ہے، بندوں پر نہیں چھوڑا کہ وہ اپنی مرضی سے جسکو چاہیں حرام گمان کرکے اس سے بالکلیہ کنارہ کشی اختیار کرلیں، اور جسے چاہیں حلال سمجھ کر اسکو اپناتے رہیں۔

۔۔الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کے حلال فرمودہ کو حرام سمجھنا۔۔یا۔۔ حرام کردہ کو حلال قرار دینا، بندوں کو ان باتوں کا اختیار نہیں۔ اللہ، قادر مطلق، مختارِ حقیقی، عالم الغیب والشہادہ، اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور وہ اپنے بندوں کو کسی دشواری میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا بلکہ بندوں کیلئے آسانی پسند فرماتا ہے، اسی لئے بہت سارے ایسے امور جن کو وہ حرام فرمانا چاہتا ہے یکبارگی حرام نہیں فرماتا، بلکہ بتدریج مرحلہ وار بندوں کی ذہن سازی فرماتے ہوئے ایسے وقت میں اسکی حرمت کا اعلان فرماتا ہے جو اس اعلان کا مناسب ترین وقت ہوتا ہے ایسا کہ اس پر عمل کرنا بندوں کیلئے دشوار نہیں رہ جاتا۔۔ چنانچہ۔۔ اعلان سنتے ہی بندے بلا کسی دشواری ودقت کے اس پر عمل کرنے کیلئے مستعد اور تیار ہوجاتے ہیں۔

شراب ہی کے تعلق سے جو احکام نازل فرمائے گئے ہیں، وہ بھی تدریجی اور مرحلہ وار ہی ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ نے شراب کے بارے میں چار آیتیں نازل فرمائیں:

☆۔۔ پہلی تو مکہ معظمہ میں:

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور میوہ سے کھجوروں کے اور انگوروں کے لیتے ہو تم اس سے نشہ کرنے والی چیزیں اور اچھا رزق۔

۔۔۔اور اس زمانے میں شراب حلال تھی۔

☆۔۔دوسری اس وقت جب حضرت فاروقِ اعظم اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم نے شراب اور جوا کے باب میں رسول مقبول ﷺ سے پوچھا، تو جواب نازل ہوا:

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ

اے محبوب! فرمادو کہ شراب و جوئے میں گناہ بڑا ہے اور کچھ منفعتیں ہیں لوگوں کے واسطے۔

۔۔۔یہ سن کر کچھ لوگوں نے بڑا گناہ ہونے کے خیال سے شراب خوری ترک کردی اور بعضے منفعت کے لحاظ سے شراب پینے میں مشغول رہے۔

☆۔۔تیسری اس وقت جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے یہاں ضیافت ہوئی اور بعض مسلمانوں نے شراب پی کر مغرب کی نماز شروع کی، تو امام نے نشے کی حالت میں قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ پڑھی اور تمام سورت میں لفظ لا نہ پڑھا، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ:

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى

نہ قریب جاؤ نماز کے اس حال میں کہ تم نشے میں ہو۔

۔۔۔اکثر صحابہ بولے، کہ جس چیز کا پینا نماز اور ہمارے درمیان میں حائل ہو، اُسے پینا مناسب نہیں اور دفعۃً بالکل ترک کردی۔

☆۔۔چوتھی اس زمانے میں جب عتبان بن مالک نے ضیافت کی اور بعضے مسلمانوں کو، کہ سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ بھی ان میں تھے مہمان بلایا، کھانے کے بعد شراب کا دور ہوا اور مستی کی حالت میں سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک شعر جس میں انصار کی ہجو تھی پڑھا، اہل مجلس میں سے ایک نے حضرت سعد کو اونٹ کی ہڈی مار کر زخمی کردیا۔ حضرت سعد کی اس بات کی شکایت رسول مقبول ﷺ کی مجلس عالی میں بیان کی، اس پر حضرت فاروق اعظم نے دعا کی:

اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا

'اے اللہ بیان فرمادے ہمارے واسطے شراب کے باب میں بیان شافی'

۔۔۔تو یہ آیت تحریم نازل ہوئی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ

اے وہ جو ایمان لا چکے! شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں،

عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾

شیطان کے کام، تو ان سے بچو کہ فلاح پاؤ●

(اے وہ جو ایمان لا چکے) یہی حقیقت ہے اور اسکے سوا نہیں، کہ (شراب) یعنی انگور کا وہ کچا شیرہ جو پڑے پڑے سڑ کر جھاگ چھوڑ دے۔۔ نیز۔۔ اسکے علاوہ ہر نشہ آور مشروب (اور جوا)، یعنی وہ سارے کھیل اور اعمال جن میں ہار جیت ہو (اور بت) جو عبادت کیلئے نصب کئے جاتے ہوں (اور پانسے) جسکے ذریعہ خیر و شر کیلئے قسمت آزمائی کی جاتی ہو۔۔ الغرض۔۔ یہ سب (ناپاک ہی ہیں)۔ اور دراصل یہ سب کے سب (شیطان کے کام) ہیں۔

یعنی یہ جملہ امور ان گندگیوں میں سے ہیں شیطان جنہیں سنوار کر ظاہر کرتا ہے۔ چونکہ شیطان انہی امور کا داعی، رغبت دہندہ، اور انکے ارتکاب کنندگان کے دلوں کے آگے مزین کر کے دکھانے والا ہے، تو بنیادی طور پر یہ اسی کا عمل قرار پایا۔۔۔

(تو ان سے بچو) یعنی ان پلید چیزوں سے لازمی طور پر پرہیز کرو اور اس رجس سے بالکلیہ کنارہ کشی اختیار کر لو (تا) کہ اس پرہیز کے سبب دنیا و آخرت میں (فلاح پا) جا (ؤ)، اور جان لو کہ۔۔۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَ

شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ ڈال دے تمہارے آپس میں دشمنی اور کینہ کو، شراب پینے و

الْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

جوا کھیلنے میں، اور روک دے تم کو ذکر الٰہی سے، اور نماز سے۔ تو اب کیا تم باز آئے؟●

(شیطان تو بس یہی چاہتا ہے کہ ڈال دے) شراب و جوا کا مرتکب بنا کر (تمہارے آپس میں دشمنی اور کینہ کو شراب پینے و جوا کھیلنے میں)۔

شراب پینے سے عداوت یوں اٹھتی ہے کہ شرابی لوگ جب شراب پی کر مخمور ہوتے ہیں تو آپس میں خوب جھگڑتے اور پھر لڑ مرتے ہیں، جیسے ایک انصاری نے شراب کے نشے میں حضرت سعد بن وقاص کو اونٹ کی ہڈی ماری تو وہ زخمی ہو گئے تھے۔۔۔ یونہی۔۔ قمار بازی میں

عداوت یوں پیدا ہوتی ہے، کہ ایسے مال، اہل وعیال کی بھی شرط لگادیتے ہیں اور جب ان میں ایک کامیاب ہوگیا، تو دوسرا اسپر کڑھتا رہا اور اپنے حریف کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے دشمن بن گیا۔

چونکہ شراب نوشی عرب کی فطرت ثانیہ بن چکی تھی۔۔۔ تو رب کریم نے کرم فرمایا اور یکبارگی شراب کی حرمت کا حکم نازل نہیں فرمادیا، بلکہ پہلے پہل مختلف انداز سے شراب نوشی کی قباحت وشناعت انکے دل ودماغ میں راسخ فرمادی۔۔۔ کہیں شراب کا ذکر جوئے کے ساتھ ملا کر کیا۔۔۔ کہیں اسے بت پرستی کے ساتھ بیان فرمایا۔۔۔ کہیں اسے پلید قرار دیا۔۔۔ کہیں اسے شیطان کے کاموں سے قرار دیا۔۔۔ کہیں اس سے کنارہ کشی کو بہتر فرمایا۔۔۔ کہیں مفاسد ومصائب سے چھٹکارے کو اس سے پرہیز پر موقوف ومتعلق رکھا۔۔۔ کہیں اسے دشمنی وخصومت کا سبب قرار دیا۔۔۔ کہیں اسے یادِالٰہی سے باز رکھنے والی چیز بتایا۔۔۔ کہیں اسے نماز سے مانع فرمایا۔

نبی کریم کی حکیمانہ دعوت اور آپ کی بابرکت صحبت کا اثر یہ ہوا کہ فاروقِ اعظم نے اپنی اس خواہش کا اظہار فرمادیا، کہ کاش کہ مولیٰ تعالیٰ اسکی حرمت کا حکم فرمادے، پھر کہیں جاکر رب کریم نے صاف صاف لفظوں میں شراب نوشی سے اجتناب کو فرض قرار دیکر اسکی حرمت کا اعلان فرمادیا۔ نبی کریم نے تو یہاں تک ارشاد فرمادیا کہ: مُدمِنُ الْخَمرِ کَعَابِدِالْوَثَنِ۔ ہمیشہ شراب پینے والا بت پرست کے مانند ہے۔

۔۔الختصر۔۔ شراب وقمار کے استعمال نے دنیا کے بڑے بڑے فسادات برپا ہوئے ہیں۔

مذکورہ بالا ارشاد میں صرف شراب وقمار سے 'نہی' مقصود ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ 'ازلام وانصاب'، جس سے اہل ایمان پہلے ہی سے دور تھے، کا ذکر صرف یہ ظاہر کرنے کیلئے کردیا گیا، کہ شراب وجوا بھی خرابیوں کے لحاظ سے 'ازلام وانصاب' سے کچھ کم نہیں۔ پس اے ایمان والو، جیسے تم 'ازلام وانصاب' کو برا سمجھتے ہو، ایسے ہی یہ شراب وقمار بھی ہیں۔ یہ شراب وقمار دینی امور میں بھی بہت خلل ڈالتے ہیں، اسلئے کہ شراب سے طرب ومستی پیدا ہوتی ہے اور لذت جسمانیہ اور شہوت نفسانیہ شراب سے نشو ونما پاتی ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کے ذکر، یہاں تک کہ افضل الذکر نماز سے روکتے ہیں۔

اسی طرح قمار بھی، کہ اسکا انہماک بھی عبادت سے غفلت کا سبب بنتا ہے، جبکہ اپنے حریف پر غلبہ پاجائے تو بھی اسے حرص ہوتی ہے کہ کام بن رہا ہے، اسے مکمل کرنا ضروری

ہے۔ اس طرح سے غفلت چھا جائیگی، تو عبادت و ذکر وفکر اور نماز چلی جائیگی۔ اور اگر مغلوب ہو رہا ہے، تو بھی چاہے گا کہ نماز و عبادت وغیرہ جاتی ہے تو جانے دو، میں اپنے حریف سے بدلہ لونگا۔ اسطرح سے نماز اور ذکر الٰہی سے محروم ہو جائیگا۔

(اور) شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ (روک دے تم کو ذکر الٰہی سے، اور) خصوصیت کے ساتھ سب سے زیادہ عظیم ذکر (نماز سے)۔ (تو) ایمان والو! ان بری باتوں کے عیبوں سے مطلع ہو چکنے، بلکہ اسکے مفاسد کو بچشم خود دیکھ لینے کے بعد، (اب کیا تم باز آئے)؟

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب شراب وقمار کے جملہ عیوب تم پر ظاہر ہو چکے، تو تم انکے قریب نہ ہو جاؤ اور انکو انجام دینے سے مکمل طور پر اپنے کو روک لو۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اور کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا، اور ڈرا کرو۔ تو اگر تم نے منہ پھیرا، تو جان رکھو

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

کہ ہمارے رسول پر صرف صاف صاف تبلیغ ہے ●

(اور) شراب وقمار سے پرہیز کرنے میں اور اُن جملہ امور میں جن کے تم مامور ہو (کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا، اور کہا مانو رسول کا، اور) خدا اور سول کے حکم کی مخالفت کرنے میں (ڈرا کرو)۔ یعنی ہر حال میں خدا ورسول کے احکام کی خلاف ورزی سے اپنے کو بچاتے رہو۔۔ الختصر۔۔ خدا ورسول کے 'اوامر ونواہی' کا ہر حال میں پاس ولحاظ رکھو۔۔۔

(تو) اچھی طرح سے سن لو کہ اب (اگر تم نے منہ پھیرا) اور خدا ورسول کی فرمانبرداری واطاعت سے اعراض کیا، (تو جان رکھو) اسکا ضرر تمہیں کو پہنچنے والا ہے، اس سے خود ہمارے رسول کا نقصان ہونے والا نہیں ہے۔ اسلئے کہ کسی حکم کو [redacted] کیوں (کہ ہمارے رسول پر صرف صاف صاف تبلیغ ہے) اور وہ اُسے سرانجام دے چکے۔ اب وہ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہیں اور تمہارے اوپر حجت قائم ہوگئی اور تمہاری عذرداریاں بیکار ہوگئیں، اب تمہارے لئے عذاب کے سوا اور کچھ نہیں۔۔۔ اے محبوب! تم اپنے ان صحابہ کو باخبر فرمادو، جو اپنے ان ایمان والے بھائیوں کا حال جاننا چاہتے ہیں، جو شراب پیتے تھے اور اسی حال میں فوت ہوگئے، کہ۔۔۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا

نہیں ہے ان پر جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کوئی گناہ، جو انھوں نے چکھ لیا تھا جب کہ وہ

اتَّقَوْا وَّآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا

ڈرے، اور ایمان لائے اور نیک کام کیے، پھر کانپے، اور خوب مان گئے، پھر تھرائے

وَّأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٣﴾ ع ۱۲ / ۲

اور نیک کردار ہو گئے۔ اور اللہ محبوب رکھتا ہے مخلص نیکوکاروں کو●

(**نہیں ہے ان پر جو ایمان لائے اور نیک کام کیے کوئی گناہ جو انھوں نے چکھ لیا تھا**)۔ یعنی اس چکھنے کی وجہ سے ان سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔۔۔ (**جبکہ وہ ڈرے**) یعنی کفر و شرک سے پرہیز کرتے رہے (**اور ایمان لائے**) اور اسپر ثابت قدم رہے (**اور نیک کام کیے**)، اچھے اعمال انجام دیتے رہے (**پھر**) خوف خدا سے (**کانپے**) اور تمام محرمات شرعیہ سے خود کو بچاتے رہے، (**اور خوب**) خوب (**مان گئے**) یعنی ان حرام کردہ امور کے حرام ہونے پر ایمان لائے (**پھر تھرائے**) شریعت کی خلاف ورزی کرنے سے، اور ثابت رہے ہمیشہ اپنی پرہیزگاری پر (**اور نیک کردار ہو گئے**)۔ یہاں تک کہ دوسروں پر بھی احسان کرنے لگے۔۔۔ ایسے صالحین و مخلصین سے کسی عمل کی تحریم سے پہلے اسکو انجام دے لینے پر کسی باز پرس کا سوال ہی کیا ہے؟ (اور) ایسے لوگ مذکورہ باز پرس سے محفوظ کیوں نہ رہیں، اسلئے کہ (**اللہ**) تعالیٰ (**محبوب رکھتا ہے مخلص نیکوکاروں کو**)۔

۔۔الختصر۔۔ شراب و قمار کی تحریم کی آیت نازل ہونے سے پہلے جن لوگوں نے شراب نوشی اور قمار بازی کی اور پھر وفات پا گئے، یہ لوگ بھی باز پرس نہ ہونے میں بالکل انھیں لوگوں کی طرح ہیں، جنہوں نے آیت تحریم نازل ہونے کے بعد ان سے بالکلیہ کنارہ کشی اختیار کر لی۔

سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جن پاکیزہ اور پسندیدہ چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے انکو حرام نہ قرار دو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کو مستثنیٰ فرمایا اور فرمایا کہ یہ حرام اور نجس ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحشی جانوروں کے شکار کو 'محرم' یعنی احرام والوں پر حرام فرمایا، اور شکار کرنے پر اسکی تلافی اور تدارک کیلئے تاوان بیان فرمایا۔۔۔

یہ بھی [illegible] آزمائش فرماتا ہے تاکہ ان

بندوں کیلئے انکا مقام ومرتبہ خود انکا اپنا چشم دید ہو جائے اور دوسروں کو بھی انکے جذبات و احساسات کا علم ہو جائے۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ

اے وہ جو ایمان لاچکے! ضرور جانچے گا تمہیں اللہ کچھ شکار سے، کہ پہنچ جائیں تمہارے ہاتھ

وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى

اور نیزے ان تک، تاکہ معلوم کرا دے اللہ، کہ کون ڈرتا ہے اس کو بے دیکھے۔ تو جو حد سے آگے ہوا

بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٩٤﴾

اس کے بعد، تو اس کے لئے عذاب ہے دکھ دینے والا●

(اے وہ جو ایمان لاچکے، ضرور جانچے گا تمہیں اللہ) تعالیٰ اور تمہارے ساتھ آزمائش کرنے والوں کا معاملہ فرمائیگا اور وہ بھی اس وقت کہ تم حالت احرام میں ہو (کچھ شکار سے)۔اور وہ بھی ایسے (کہ) بآسانی (پہنچ جائیں تمہارے ہاتھ) جبکہ وہ شکار چھوٹے ہوں اور ہاتھ سے پکڑے جاسکتے ہوں (اور نیزے ان تک) جبکہ وہ شکار بڑے ہوں اور ہاتھ سے نہ پکڑے جاسکتے ہوں۔

اگرچہ یہ آزمائش اتنی سنگین نہیں جسے سن کر تم گھبرا جاؤ۔۔یا۔۔اسکی تعمیل میں کوئی تکلیف ہو، جیسے بنی اسرائیل کی قتل نفس اور اتلاف مال سے آزمائش ہوئی، وہ بڑی آزمائش تھی۔اور تمہاری آزمائش تو 'اہل ایلہ' کی آزمائش کی طرح ہلکی ہے، جنھیں سنیچر کے دن مچھلی کے شکار سے روکا گیا تھا۔۔۔اس میں اشارہ ہے کہ اگر تم اس چھوٹی سی آزمائش میں کامیاب نہیں ہو سکتے، تو پھر تم اس سے سخت تر آزمائش میں کس طرح کامیاب ہوسکو گے۔

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مکہ معظمہ کی زیارت کا ارادہ فرمایا اور صحابہء کرام کو لیکر مدینہ طیبہ سے چل پڑے، اس وقت صحابہ کی جماعت ایک ہزار پانچ سو پینتالیس ۱۵۴۵ افراد پر مشتمل تھی، جب مکہ شریف کے قریب ایک جگہ حدیبیہ میں اترے، تو انہیں اللہ تعالیٰ نے شکار سے آزمایا، اسلئے کہ وہ اس وقت احرام باندھے ہوئے تھے۔وحشی جانوروں کی حالت یہ تھی، کہ وہ انکے سامان کے قریب آکر کھڑے ہوجاتے۔ان جانوروں کا ان سے اس قدر مانوس ہو جانا اسلئے تھا کہ انہیں آزمایا جائے۔۔چنانچہ۔۔صحابہء کرام کیلئے انکا پکڑنا آسان ہو گیا۔اگر انہیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔۔یا۔۔نیزہ مار کر شکار کر لیتے، تو انکے

لئے مشکل نہ تھا۔۔چنانچہ۔۔بعض حضرات نے اسکا ارادہ بھی کرلیا، تو یہ آیت اتری۔

خیال رہے کہ اس مقام پر شکار سے جنگل کے شکار مراد ہیں، خواہ وہ ماکول ہوں۔۔یا۔۔ غیر ماکول۔اُنکے ماسوا جنھیں شرعاً مستثنیٰ کیا گیا ہو جیسے: (۱)۔سانپ، (۲)۔بچھو، (۳)۔کوا، (۴)۔بھیڑیا، (۵)۔چوہا۔حدیث شریف میں ان پانچوں کو، حل وحرم، ہر جگہ مارنے کی اجازت ہے۔۔۔مومنین کی مذکورہ بالا آزمائش کس لئے؟

۔۔۔(تاکہ معلوم کرادے اللہ) تعالیٰ اپنے سارے احباب کو (کہ کون ڈرتا ہے اس) کے عذاب آخرت (کو بے دیکھے) غائبانہ۔

ظاہر ہے کہ یہ اسکی قوت ایمان کی دلیل ہے کہ باوجودیکہ وہ شکار کو آسانی سے پکڑ سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خوف سے شکار نہیں کرتا۔بخلاف اسکے کہ اُسے خوف خداوندی نہیں ۔۔چنانچہ۔۔وہ شکار کو پکڑتا ہے یہ اسکے ضعف ایمانی کی دلیل ہے۔

(تو جو حد سے آگے ہوا اس) جانکاری (کے بعد)، کہ شکار کو آسانی اور سہل الحصول صرف اسکی آزمائش کیلئے کیا گیا ہے، ورنہ شکار عموماً ڈر سے بھاگ جاتے ہیں اور کسی کے قریب نہیں آتے۔۔۔ تو پھر جب یہی بھاگ جانے کی عادت رکھنے والے وحشی ساتھ ساتھ پھرنے لگیں، تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں کوئی حکمت ہے، اور وہ وہی کہ اس سے انکا امتحان لینا مطلوب ہے۔اسکے باوجود پھر بھی کوئی شکار کرلیتا ہے، تو سمجھو کہ حد سے تجاوز کررہا ہے۔۔۔(تو اس) حد سے بڑھنے والے (کیلئے عذاب ہے دکھ دینے والا)، اسلئے کہ یہ شخص عمداً بغاوت کررہا ہے۔اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے لاپرواہی کی اور اُسے معمولی شئی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی طاعت سے نکل گیا۔

یہاں عذاب سے مراد عذابِ آخرت ہے۔ایک قول یہ بھی ہے کہ اسکو دنیا میں بھی سزا دی جائیگی اور وہ آخرت میں بھی عذاب کا مستحق ہوگا۔دنیا کی سزا میں اسکی پشت برہنہ کر کے اسپر کوڑے لگائے جائینگے۔۔تو۔۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ

اے وہ جو ایمان لاچکے! نہ مارو شکار جب کہ تم احرام باندھے ہو۔ اور جس نے مارا اس کو

مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ

تم میں سے عمداً، تو اس کی پاداش جو مارا ہے، اسکے برابر کا چوپایہ ہے، فیصلہ کریں اس کا دو منصف تم میں سے،

هَدْيًاۢ بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ

قربانی کعبہ کو پہنچنے والی، یا کفارہ ہے مسکینوں کی غذا، یا اس کے برابر روزے، تاکہ چکھے

وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ

اپنے کئے کا مزہ۔ اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا جو پہلے ہو چکا۔ اور جس نے اب کیا، تو بدلہ لے گا اللہ

مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

اس سے۔ اور اللہ غلبہ والا انتقام والا ہے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے، نہ مارو شکار) یعنی اس جانور کا شکار نہ کرو جو خلقی طور پر وحشی ہو، خواہ اسکا گوشت کھایا جاتا ہو۔۔یا۔۔نہ کھایا جاتا ہو، مذکورہ بالا ان جانوروں کے سوا جنکا استثناء کیا جاچکا ہے۔۔۔کب؟ (جبکہ تم احرام باندھے ہو) حج۔۔یا۔۔عمرہ کا۔ (اور) پوری توجہ کے ساتھ سن لو کہ (جس نے مارا اسکو تم میں سے عمداً)۔۔۔اصل حکم تو قتل عمد کیلئے ہے، لیکن اسی حکم میں قتل خطاء کو بھی زجراً اور توبیخاً شامل کردیا گیا ہے، تاکہ آئندہ اس حکم کی اہمیت معلوم ہوجائے۔۔الختصر۔۔عمداً قتل کرے۔۔یا۔۔خطاءً۔۔۔(تو اسکی پاداش) یعنی جزاء وفدیہ کی پہلی شکل (جو مارا ہے اسکے برابر کا چوپایہ ہے)۔۔۔خلقت وجثہ کے اعتبار سے نہیں، بلکہ باعتبار قیمت کے۔۔۔

جس شکار کو قتل کیا گیا ہے اسکی قیمت کا اعتبار اُسی علاقے کے مطابق ہوگا جہاں وہ شکار قتل کیا گیا ہے کہ اس حیثیت کا جانور کتنے میں بیچتے اور خریدتے ہیں۔ اگر شکار کردہ مقتول جانور کی قیمت، مکمل قربانی کی قیمت کے برابر ہوجائے، تو اب شکار کے قتل کرنے والے کو اختیار ہے، چاہے تو قربانی کا جانور خرید کر کے اس جانور کو حرم میں ذبح کرے، چاہے تو اسکی گندم۔۔یا۔۔جو۔۔یا کھجوریں خرید کر کے ہر ایک مسکین کو فطرانہ کے مطابق نصف صاع۔۔یا۔۔صاع کے برابر دیدے، اور اگر چاہے تو ہر مسکین کے طعام کے بجائے ایک ایک روزہ رکھے، لیکن جو طعام مسکین کے نصاب کو پورا نہیں ہوتا، بلکہ تھوڑا ہے، تب بھی اسکے لئے کامل روزہ رکھنا ہوگا۔

یعنی مثال کے طور پر اگر قیمت میں اتنا گیہوں حاصل ہوا کہ پانچ مسکینوں کو تو بالکل فطرہ کے مقدار میں مل سکتا ہے، مگر ایک مسکین کو اس مقدار سے کم مل رہا ہو، ایسی صورت میں بطور کفارہ چھ مکمل روزے رکھنے ہونگے۔۔۔یہ خیال رہے کہ قربانی تو صرف حرم ہی میں

کرنی ہوگی۔ رہ گیا صدقہ، تو وہ کہیں بھی دیا جاسکتا ہے۔۔ یونہی۔۔ روزہ بھی کسی بھی مقام پر رکھا جاسکتا ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ (فیصلہ کریں اسکا) کہ جو شکار مارا گیا ہے چوپایوں میں کون اسکے مثل ہوسکتا ہے (دو منصف تم میں سے)۔ یعنی تمہارے صاحب فہم وفراست، ارباب عدل وانصاف دینی بھائی ہوں۔۔ چنانچہ۔۔ یہ منصفین اس تعلق سے جو فیصلہ کردینگے تو تسلیم کیا جائیگا۔ منصفین کے فیصلے کے بعد جو قیمت بنتی ہو اس سے قربانی کا جانور لے سکنے کی صورت میں شکار کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ اس سے جانور خرید کر اسے (قربانی) قرار دے جو (کعبہ) کے آس پاس حرم (کو پہنچنے والی) اور وہیں ذبح ہونے والی ہو۔ (یا) اس شکار کرنے والے پر (کفارہ ہے) اس قتل کا (مسکینوں کی غذا، یا) اسکا کفارہ ہے (اس) کھانے (کے برابر) جو دینا ہے (روزے) رکھنا۔

مذکورہ بالا وضاحت کے مطابق اسپر جزاء اسلئے ہے (تاکہ) قاتل (چکھے اپنے کئے کا مزہ) اور اسے وہ تکلیف وضرر پہنچے جو اپنے نفس کی شامت اعمال کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اپنے فضل وکرم سے (اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادیا جو) 'نہی' کے نزول سے (پہلے ہو چکا)، خواہ زمانہء جاہلیت میں حالت احرام میں کسی نے شکار کرلیا ہو۔۔ یا۔۔ شکار حرام ہونے کے قبل کسی 'محرم' نے شکار کیا ہو (اور جس نے) حالت احرام میں شکار کی ممانعت آجانے کے بعد (اب) اس حالت میں شکار (کیا، تو بدلہ لے گا اللہ) تعالیٰ (اس سے) یعنی اُسے آخرت کے عذاب میں مبتلا فرمائیگا اور دنیا میں رسوا فرمادیگا۔

اس آیت میں گناہ کبیرہ پر اصرار کرنے والے کیلئے بہت سخت وعید ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کو دوبارہ کرنے پر انتقام لینے کی وعید سنائی ہے۔ بندہ کو چاہئے کہ ہر آن اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے، اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا رہے، اور کسی بھی گناہ کو دوبارہ کرنے سے اجتناب کرے، مبادا وہ اللہ تعالیٰ کے انتقام کا شکار ہوجائے۔

ایک قول کے مطابق اگر محرم نے دوبارہ شکار کو قتل کیا، تو اسکو کفارہ ادا کرنے کا حکم نہیں دیا جائیگا۔۔ مگر بعض کے نزدیک اس فعل میں اعادہ سے کفارہ واجب ہے۔۔۔ آیت کریمہ ایسوں کیلئے صرف انتقام خداوندی کے تعلق سے زیادہ صاف اور واضح ہے۔

۔۔ الختصر۔۔ ایسوں کو اچھی طرح سے جان لینا چاہئے (اور) یاد رکھنا چاہئے کہ (اللہ) تعالیٰ اپنے حکم میں (غلبہ والا) ہے۔ اسکے حکم اور فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔۔ نیز۔۔ وہ گناہ پر اصرار کرنے

والوں سے (انتقام) لینے (والا ہے)۔۔۔اور سن لو کہ۔۔۔

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

حلال کر دیا گیا تم کو دریائی شکار اور اس کو غذا بنانا، تمہارے فائدہ کے لئے اور مسافروں کیلئے۔ اور حرام کیا گیا تم پر

صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

خشکی کا شکار جب تک کہ تم احرام میں ہو۔ اور ڈرو اللہ سے جس کی طرف حشر کیے جاؤ گے●

(حلال کر دیا گیا تم کو دریائی شکار) وہ دریا میں ہو۔۔یا۔۔نہر۔۔یا۔۔چشمہ۔۔یا۔۔کنویں میں ہو۔ ہر وہ شے جو صرف پانی ہی میں رہ سکتی ہو، وہ ماکول ہو۔۔یا۔۔غیر ماکول۔۔المختصر۔۔دریا کا شکار تمہارے لئے حلال ہے، خواہ تم حالت احرام میں ہو۔۔یا۔۔نہ ہو۔ (اور) ایسے ہی وہ چیزیں جنھیں دریا کی موجیں باہر پھینک دیں۔۔یا۔۔دریا کے خشک ہو جانے کے بعد جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں، وہ سب تمہارے لئے حلال ہیں۔۔چنانچہ۔۔دریا وغیرہ سے حاصل شدہ (اس) چیز (کو) اپنی (غذا بنانا) تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے۔

جسکی قدرے تفصیل یہ ہے، کہ پانی کے جملہ حیوانات کی دو قسم ہیں، ا۔مچھلی، ۲۔اسکے ماسوا۔مچھلی مختلف اقسام کے باوجود حلال ہے، خواہ مری ہوئی ہو۔مگر۔۔یہ اس وقت جبکہ بلا سبب مری ہو۔اگر کسی سبب سے مرے، جیسے پتھر پر گر کر مرے۔۔یا۔۔پانی بند ہو جانے سے مر جائے وغیرہ، وغیرہ، تو ایسی صورت میں حرام ہے۔مچھلی کے علاوہ باقی چیزیں دو قسم کی ہیں۔ ا۔جو جنگل میں گزارتی ہیں جیسے مینڈک اور سرطان۔انکے جمیع اقسام حرام ہیں۔۲۔وہ جو صرف پانی میں گزارتی ہیں جنگل میں نہیں جاتیں، ان میں مچھلی کے سوا سب حرام ہیں۔

دریائی شکار کو حلال فرما دینا، رب کریم کا کرم ہے جو (تمہارے فائدے کیلئے) ہے (اور مسافروں) کی منفعت (کیلئے) ہے، تاکہ اسے شکار کر کے جہاں چاہیں لیجائیں۔اے حالت احرام میں رہنے والو! سنو (اور) یاد رکھو، کہ (حرام کیا گیا ہے تم پر خشکی کا شکار) یعنی ان پرندوں کا شکار جو انڈے دیتے ہیں، اگرچہ بعض اوقات وہ پانی میں بھی بسر کرتے ہیں، جیسے دریائی پرندے۔۔یونہی۔۔ جنگل کا ہر شکار (جب تک کہ تم احرام میں ہو)۔

اور جب یہ خطاب احرام والوں سے ہو گیا، تو اس حکم سے 'غیر محرم' کا شکار وغیرہ خارج ہے۔اب اگر کوئی 'غیر محرم' شکار کرے، جسکا محرم نے اشارۃً اور کنایۃً بھی حکم نہ دیا ہو اور نہ

اسکی رہبری کی ہو، نہ ہی اسکی طرف اشارہ کیا ہو، ایسا شکار 'محرم' کو بھی کھانا حلال ہے۔۔
یونہی۔۔احرام باندھنے سے پہلے جس شکار کو ذبح کیا ہو، بعد احرام اُسے کھانا جائز ہے۔۔
الختصر۔۔حالت احرام میں شکار کرنے سے بچو۔

(اور ڈرو اللہ) تعالیٰ کے عذاب وعتاب (سے) اور اللہ تعالیٰ کے تمام منع کردہ حرام ومعاصی سے بچو، من جملہ انکے احرام کی حالت میں شکار کرنا ہے۔ وہ رب ذوالجلال (جسکی طرف حشر کیئے جاؤگے) یعنی جسکی طرف تم جمع کیئے جاؤگے، اسکے غیر کی طرف نہیں کہ جس سے تمہیں پناہ مل سکے۔ تمہارا مرجع اور منتہی اسی کی طرف ہے، کہ جہاں اسکا حکم ہوگا فرشتے تمہیں ہانک کر لیجائینگے۔ اگر بہشت کی طرف فرمان ہوگا، تو بہشت کی طرف، ورنہ جہنم کی طرف۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ

بنادیا اللہ نے کعبہ حرمت والے گھر کو لوگوں کے قیام کا سبب، اور حرمت والے مہینہ کو

وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اور حرم جانے والی قربانی اور پٹے والے جانوروں کو، یہ اسلیئے کہ تم لوگ باور کرلو، کہ بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے،

وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے●

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے محرم پر شکار کرنے کو حرام فرمایا تھا، اب اس آیت میں بیان فرمارہا ہے کہ جس طرح حرم وحشی جانوروں اور پرندوں کیلیئے باعثِ امن ہے، اسی طرح وہ انسانوں کیلیئے بھی باعث امن ہے، اور دنیا اور آخرت کی بھلائیوں اور سعادتوں کے حصول کا سبب ہے۔ عرب میں کوئی امیر اور رئیس نہیں تھا جو ضعیف ومظلوم کا حق، قوی اور ظالم سے دلاسکے اور جو کوئی کسی بدکار کو سزا اور نکوکار کو جزاء دے سکے، تو اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو لوگوں کی معاملات کی درستگی اور اصلاح کا سبب بنادیا۔

چونکہ بیت اللہ کی تعظیم انکے دل ودماغ میں مستحکم ہوچکی تھی اور انکے رگ وپے میں سرایت کرچکی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ وہ اس شہر میں جنگ وجدال سے اجتناب کرتے تھے۔ سال کے چار حرمت والے مہینوں، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب میں بھی لڑائی جھگڑے

سے پرہیز کرتے تھے اور زائرین بیت کو بیت اللہ کی تعظیم کی وجہ سے مامون اور محفوظ رکھتے تھے۔ اسی طرح قربانی کے جو جانور حرم میں لے جائے جاتے تھے، جن کو **الھدی** اور **القلائد** کہا جاتا تھا، انکی بھی بیت اللہ کی وجہ سے تعظیم کرتے تھے۔

مناسک حج کی ادائیگی کی وجہ سے اس بے آب وگیاہ اور بنجر زمین میں تمام دنیا کے مسلمان ٹوٹ کر آتے ہیں اور ہر جگہ سے یہاں تجارتی سامان، پھل اور غلہ پہنچتا ہے اور اس بیت کی وجہ سے ساکنانِ حرم کیلئے اسباب زیست فراہم ہوتے ہیں۔ دور دور سے لوگ حرم میں آکر عبادت کرتے ہیں، دنیا کی زیب وزینت سے اجتناب کرتے ہیں۔ حرم میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ حرم میں نمازیں پڑھتے ہیں اور طواف کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ حج کا اجتماع دیکھ کر محشر کو یاد کرتے ہیں۔ انکے دلوں میں خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف زیادہ ہوتا ہے اور وہ برے کاموں سے باز رہنے اور بقیہ عمر میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ زائرین یہاں آتے ہیں اور واپس جاتے ہوئے اپنا دل یہیں چھوڑ جاتے ہیں اور ساری عمر یہیں آنے کی پیاس رہتی ہے۔

۔۔الحتصر۔۔ (بنادیا اللہ) تعالیٰ (نے) اس چوکور مخصوص بلند گھر، جسکو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے مکہ میں بنایا، یعنی (**کعبہ حرمت والے گھر کو لوگوں کے قیام کا سبب**)، جس چیز کے سبب سے لوگوں کے معاملات قائم اور درست ہوں۔

کعبہ کی زیارت کرکے اور اسکا طواف کرکے لوگ حج وعمرہ کی عبادات کو انجام دیتے ہیں، جس سے انکی آخرت درست ہوتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسکو امن کی جگہ بنادیا ہے اور تمام دنیا سے تجارتی سامان کھنچ کر کعبہ کی سرزمین پر چلا آتا ہے، اس سے انکی دنیا درست ہوتی ہے۔

(اور) کیا (**حرمت والے مہینہ کو**) بھی لوگوں کے امور قائم رہنے کا سبب۔۔۔ یعنی اس مہینے فریضہ حج کی ادائیگی کریں۔۔ یا۔۔ سب ماہِ حرام مراد ہیں، کہ لوگ اس میں لوٹ مار سے بے خوف رہتے ہیں۔۔۔ (**اور حرم جانے والی قربانی اور پٹے والے جانوروں کو**) بھی کاموں کے قیام کا سبب کیا ہے۔۔۔ یعنی انکے سبب سے چور وغیرہ کے تعرض سے لوگ محفوظ و مامون ہیں۔۔۔ اور (یہ) یعنی جو کیا گیا، وہ (اسلئے) ہے (**کہ تم باور کرلو کہ بیشک اللہ**) تعالیٰ (**جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے**) کہ مذکورہ بالا تمام امور مشروعہ دینی ودنیوی ضرروں کے دفیعہ اور انکے منافع

کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں، ان باتوں کو اللہ تعالیٰ ان امور مذکورہ کے وقوع سے پہلے ہی جانتا ہے ۔۔۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا شارع کتنی بڑی حکمتوں کا مالک ہے اور یہ اشیاء اسکے علم سے باہر نہیں ۔۔الغرض۔۔اسکا علم جمیع اشیاء کو محیط ہے۔یعنی صرف آسمان وزمین (اور) اس میں موجود اشیاء ہی نہیں، بلکہ کوئی معلوم ہو،یعنی جس میں کسی کے علم سے وابستہ ہونے کی صلاحیت ہو۔

(بیشک اللہ) تعالیٰ (سب کچھ جانتا ہے)۔۔تخصیص کے بعد، تعمیم محض تاکید کیلئے ہے۔۔۔ اس مقام پر اچھی طرح سے۔۔۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾

یقین مانو کہ بے شک اللہ عذاب دینے میں بڑا سخت ہے،اور بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(یقین مانو، کہ بیشک اللہ) تعالیٰ 'محارمِ ربانیہ' کی ہتک اور پھر اسپر اصرار کرنے والے کو (عذاب دینے میں بڑا سخت ہے) اسکے برعکس جو محارم کی محافظت کرتا ہے۔۔یا۔۔اسکے محارم کی ہتک کر کے پھر تائب ہو جاتا ہے،تو وہ مغفرت ورحمت کے سائے میں آجاتا ہے (اور بیشک) اسکے لئے (اللہ) تعالیٰ (غفور رحیم ہے) اور یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ کریمانہ ہے۔اچھی طرح سے جان لو کہ۔۔۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

رسول پر صرف تبلیغ ہے۔اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرو اور جو تم چھپاؤ●

(رسول پر صرف تبلیغ ہے) کہ وہ بتادیں،کہ ان امور کو بجالانے میں ثواب ہے اور ان امور کے ارتکاب پر عذاب۔ان پر جو واجب تھا،انہوں نے پہنچادیا۔وہ اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو گئے۔ اب تمہارے اوپر حجت قائم ہوگئی کہ اگر کوئی سرمو انحراف کریگا،سزا پائیگا۔اور پھر کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ (اور) یادرکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے جو تم ظاہر کرو اور جو تم چھپاؤ)۔

۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ تمہارے ہر ظاہر اور پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔یعنی جو قول وفعل ظاہر کرو اسے بھی جانتا ہے اور جو چھپا کر کرتے ہو،اسکو بھی جانتا ہے،جس پر تمہارا مواخذہ ہوگا،خواہ وہ تمہارا عمل تھوڑا اور نہایت قلیل ہی کیوں نہ ہو۔یہ تو ظاہر ہے کہ تمہارے اقوال و افعال میں بعض طیب ہیں اور بعض خبیث۔۔یونہی۔تمہارے افراد اور اموال وغیرہ میں بھی بعض طیب ہیں اور بعض خبیث،تو کہیں قول طیب کو قول خبیث کی طرح،فعل طیب کو

فعل خبیث کی طرح، مال طیب کو مالِ خبیث کی طرح اور فرد طیب کو فرد خبیث کی طرح نہ سمجھ لیا جائے۔۔اسلئے۔۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ

کہہ دو کہ برابر نہیں ہے گندہ اور پاکیزہ، گو تمہیں اچھی لگے گندے کا دَل۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع۱۳

تو اللہ سے ڈرو اے عقل مندو، کہ فلاح تو پاؤ●

اے محبوب! واضح لفظوں میں (کہہ دو کہ برابر نہیں ہے گندہ اور پاکیزہ، گو تمہیں اچھی لگے گندے کا دَل) خبیث خبیث ہی ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ اور طیب طیب ہی ہے، خواہ قلیل ہو یا کثیر۔۔ الختصر۔۔گندگی کی کمیت و کیفیت کچھ بھی ہو، وہ گندگی ہی ہے۔۔یوں۔۔ پاکیزگی کی مقدار اور اسکی شکل و ہیئت کیسی بھی ہو وہ پاکیزگی ہی ہے۔طیب و خبیث کے پہچاننے کی آسان شکل یہ ہے۔

﴿۱﴾۔۔شریعت جسے مامور فرمائے وہ طیب، اور جسکو حرام قرار دے وہ خبیث۔

﴿۲﴾۔۔ہر مومن طیب۔۔۔ہر کافر خبیث۔

﴿۳﴾۔۔ہر متقی طیب۔۔۔ہر فاسق خبیث۔

﴿۴﴾۔۔ہر رزقِ حلال طیب۔۔۔ہر رزق حرام خبیث۔

﴿۵﴾۔۔جملہ صفات حمیدہ اور اوصاف جمیلہ طیب، اسکے مقابلے میں جملہ اعمال رذیلہ اور افعال قبیحہ خبیث، وغیرہ وغیرہ۔۔الختصر۔۔اچھائی اور برائی معتبر ہے، کمی اور زیادتی نہیں۔

(تو) حرام چیزوں کو حلال کر لینے میں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو اے عقل مندو)! کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں خبیث و طیب سمجھ لینے کی عقل عطا فرمائی ہے، تو اس عقل سے کام لو۔نہ خود خبیث بنو اور نہ ہی کسی خبیث کو اپنے قریب آنے دو، تم خود بھی طیب بنے رہو اور اپنے اعمال واقوال واحوال کو بھی طیب بنا کے رکھو، تا (کہ) دنیا میں تکلیف ہی سہی، آخرت کی (فلاح تو پاؤ) اور وہاں کی رسوائی سے اپنے کو بچالو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا

اے وہ جو ایمان لا چکے! نہ پوچھا کرو ایسی چیزیں، کہ اگر صاف بتادی جائیں تم سے، تو بُرا لگیں تم کو، اور اگر پوچھ پڑے تم

عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

ایسی بات جس وقت قرآن اتارا جارہا ہے، تو صاف ظاہر کردیا جائیگا۔ اللہ اس سے معافی دے اور اللہ غفور حلیم ہے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے) غیر ضروری سوالات کرنا بھی کوئی اچھی چیز نہیں، تو اللہ تعالیٰ کے رسول سے غیر ضروری سوالات کرنے سے اپنے کو بچاؤ اور اس واقعہ کو یاد کرو، کہ جب فریضہء حج کے تعلق سے آیت نازل ہوئی، تو رسولِ کریم نے خطبہ میں حج فرض ہونے کا بیان فرمایا، اسپر حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، کہ کیا ہر سال فرض ہے؟ حضور نے سکوت فرمایا۔ سائل نے سوال کی تکرار کی، تو ارشاد فرمایا کہ جو میں نہ بیان کروں اسکے درپے نہ ہو۔۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا، تو ہر سال حج فرض ہوجاتا اور تم نہ کرسکتے۔ مجھے اس وقت تک کچھ نہ کہا کرو، جب تک میں تمہیں خود نہ کہوں۔ پہلے لوگ بھی اسلئے ہلاک ہوئے، کہ وہ اپنے انبیاء علیہم السلام سے سوال کی کثرت اور ہر بات میں خواہ مخواہ کا اختلاف رکھتے۔ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں، تو اسپر فوراً عمل کرو جس قدر تم میں استطاعت ہے، اور جن باتوں سے میں تمہیں روکوں اُن سے رک جاؤ۔

تو اے ایمان والو! **(نہ پوچھا کرو ایسی چیزیں، کہ اگر)** جواباً **(صاف بتادی جائیں تم سے، تو برا لگے تم کو)**، جن پر عمل کرنا تمہارے لئے گراں بار ہو **(اور)** یاد رکھو کہ جن چیزوں کا تمہیں حکم نہیں دیا گیا انکے تعلق سے **(اگر پوچھ پڑے تم)** مشقت و دشواری میں مبتلا کردینے والی **(ایسی بات)** کے تعلق سے حکم خداوندی، اور وہ بھی کس وقت؟ **(جس وقت قرآن اتارا جارہا ہے)** اور نزول قرآن کا سلسلہ جاری ہے، **(تو)** تمہارے پوچھنے کی وجہ سے صاف **(صاف ظاہر کردیا جائیگا)** اور اسکے تعلق سے جو حکم خداوندی ہے، اسکا تمہیں مکلف بنادیا جائیگا۔ اب خواہ اسپر عملدرآمد تمہارے لئے کتنا ہی گراں بار کیوں نہ ہو۔

غور کرو جس نے حج کے متعلق سوال کیا تھا، اس پر ہر سال اگر حج فرض ہوجاتا، تو وہ خود اپنے سوال سے کس قدر شرمسار ہوتا۔ اپنے فضل وکرم سے **(اللہ)** تعالیٰ **(اس سے معافی دے)** اور سوال کرنے والے سے کوئی مواخذہ نہ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اُسے معاف کر بھی دیا اور اسپر ہر سال حج فرض نہیں کیا، ورنہ اسے ہر سال اپنے سوال کرنے کا خمیازہ بھگتنا پڑتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ دنیوی معافی کے علاوہ آخرت کی سزا بھی اُسے معاف فرمادی، ورنہ اسکے عبث

سوالات کا تقاضا یہ تھا، کہ کم سے کم اُسے آخرت میں تو سزا ملتی، لیکن بفضلہٖ تعالیٰ وہ بھی معاف ہوئی۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے۔ یعنی بخشنے والا اور معاف فرما دینے والا ہے ۔۔نیز۔۔وہ (حلیم ہے) تحمل والا ہے، عقوبت اور عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ ایمان والو! غیر ضروری اور عبث سوالات صرف تم میں سے بعض افراد نے نہیں کیئے۔۔بلکہ۔۔

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ایسے ہی سوالات کیئے تھے تم سے پہلے لوگوں نے، پھر وہی اس کے منکر ہو گئے ●

(ایسے ہی) عبث اور لایعنی (سوالات کیئے تھے تم سے پہلے لوگوں نے)۔ گو انھوں نے بعینہٖ یہی سوال نہیں کیا تھا، بلکہ اسکی مانند تھا جس سے وہ مستحق سزا ہوئے، اسلئے کہ انھیں ایسے سوالات سے ممانعت بھی تھی (پھر وہی اسکے منکر ہو گئے)۔

پہلی قوموں نے اپنے نبیوں سے چند فرمائشی معجزات کا سوال کیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انکے سوالات کو پورا کر دیا اور ان نبیوں کو وہ معجزات عطا فرما دیئے، تو وہ ان نبیوں پر ایمان لانے کی بجائے اپنے انکار اور کفر میں پختہ ہو گئے، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اونٹنی کا سوال کیا تھا۔ اور جب وہ اونٹنی آ گئی، تو انہوں نے اسکی کونچیں کاٹ دیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے یہ سوال کیا تھا، کہ ان پر آسمان سے دسترخوان نازل کیا جائے۔ اور جب ان پر دسترخوان نازل کر دیا گیا، تو وہ کفر میں مبتلا ہو گئے۔

تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو انکے نبی کی وساطت اور انکی زبان سے تنبیہ کی، کہ وہ سوالات کرنے کے معاملے میں پہلی امتوں کے راستے پر نہ چل پڑیں۔ اسلئے فرمایا کہ تم فرمائشی معجزات کا سوال نہ کرو، نہ کسی کا پوشیدہ راز معلوم کرو، اور جو چیز تم پر فرض۔۔یا۔۔حرام نہیں کی گئی، اسکا سوال نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسکا بیان کیا جائے، تو تم کو ناگوار ہو۔۔یا۔۔تم کسی دشواری میں پڑ جاؤ۔ ایسے ہی نبی کریم کا امتحان لینے۔۔یا۔۔آپ سے استہزاء کے طور پر سوال کرنے سے اپنے کو بچاؤ۔۔ہاں۔۔اثناءِ وحی میں جو حکم مجمل ہو اسکی وضاحت کیلئے سوال کرنا، جو چیز سمجھ میں نہ آئے اسکو پوچھنا، کسی [illegible] جائز ہیں۔ اور اب بہرحال حصول علم کیلئے شرعی سوالات کرنا بالکل جائز ہے۔ اب یہ خوف نہیں، کہ کسی کے سوال کرنے کی وجہ سے کسی شے کی حرمت نازل ہو جائیگی۔

حلال وحرام نازل ہونے کا معاملہ وحی پر موقوف ہے اور نبی کریم کے پردہ فرمانے کے بعد، سلسلہء وحی ختم ہو چکا ہے۔ پس اگر کوئی شخص پیش آمدہ مسئلہ میں۔۔یا۔۔کسی نئے حادثہ میں۔۔یا۔۔کسی غیر منصوص صورت نازلہ میں، کسی مسئلہ کا حل دریافت کرنے کیلئے علماء سے سوال کرتا ہے، تو اسکا یہ سوال کرنا جائز ہے۔۔۔حکم قرآنی ہے:

فَسْئَلُوٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔۔'اگر تم کو علم نہیں تو علم والوں سے سوال کرو'

۔۔یونہی۔۔فرمانِ نبوی ہے: فَاِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ ۔۔'جہالت کی شفاء سوال کرنا ہے'۔

۔۔۔اور جو شخص کسی پر اپنا علمی تفوق ظاہر کرنے کیلئے سوال کرے، تاکہ اسکا جواب نہ آئے اور وہ عاجز ہو جائے۔۔یا۔۔جو شخص محض ضد اور ہٹ دھرمی کیلئے سوال کرے۔۔یا۔۔جو شخص عناداً سوال کرے سو ایسے سوال ناجائز ہیں، خواہ کم ہوں۔۔یا۔۔زیادہ۔ البتہ علماء کسی مسئلہ میں ایک دوسرے کی رائے معلوم کرنے کیلئے جو سوال کرتے ہیں اور مذاکرہ اور مباحثہ کرتے ہیں وہ جائز ہیں۔ اسی طرح کسی دلیل پر نقض وارد کرنا اور 'مسلمات بین الفریقین' سے معارضہ کرنا بھی جائز ہے اور احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کیلئے مناظرہ کرنا بھی جائز ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں کثرتِ سوال سے منع فرمایا تھا، کہ مبادا کوئی چیز حرام نہ ہو اور تمہارے سوال کی وجہ سے حرام کردی جائے، اور اب اگلی آیت میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ مشرکوں نے ازخود بعض جانوروں کو حرام کرلیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے حرام نہیں کیا، وہ بدستور حلال ہیں۔ سو جس چیز کو اللہ اور اسکے رسول نے نہ حرام کیا ہو، اسکو حرام قرار دے کر شریعت سازی نہ کرو۔ اور ذہن نشین کرلو کہ۔۔۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ

اللہ نے نہیں ٹھہرایا کان چرے ہوئے جانور اور نہ سانڈ کو، اور نہ وصیلہ بکری کو، اور نہ حامی اونٹ کو، لیکن جنھوں نے

كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

کفر کیا وہ بہتان رکھتے ہیں اللہ پر جھوٹ کا۔ اور ان کی اکثریت بے عقل ہے ●

(اللہ) تعالیٰ (نے نہیں ٹھہرایا) اور مشروع نہیں فرمایا، اور نہ ہی اسکی اجازت دی، اور نہ یہ طریقہ بتایا کہ (کان چرے ہوئے جانور)۔۔مثلاً: وہ اونٹنی جو پانچ بچے جن چکی ہوتی اور اسکا آخری

بچہ نر ہوتا، تو اہل جاہلیت اسکے کان کو چیر کر چھوڑ دیتے۔ نہ اس پر سوار ہوتے، نہ اسکا دودھ دوہتے، نہ اسے پانی سے روکتے اور نہ ہی چراگاہ سے۔ اسکو **بَحِيرَةٍ** کہتے (اور نہ سانڈ کو) جسکے تعلق سے اہل جاہلیت منت مانتے، کہ اگر میں سفر سے بسلامت لوٹا۔۔یا۔۔اپنی بیماری سے چھٹکارا پاکر تندرست ہوگیا، تو یہ میری اونٹنی **سَآئِبَةٍ** ہوگی، یعنی بتوں کیلئے مفت چھوڑ دی جائیگی، اور **بَحِيرَةٍ** کی طرح اس سے بھی کسی طرح کا فائدہ حاصل کرنا حرام ہوگا۔

(اور نہ وصیلہ بکری کو)، جسکے تعلق سے زمانہء جاہلیت کی رسم تھی، کہ اگر بکری سات بار جنتی اور ساتویں بار مادہ جنتی، تو اس سے خود نفع اٹھاتے اور اگر نر جنتی، تو وہ بتوں کیلئے ہوتا۔ اور اگر نر و مادہ ہر دونوں کو بیک وقت جنتی تو کہتے 'وَصَلَتْ اَخَاهَا' مادہ اپنے بھائی سے مل گئی۔ اسی وجہ سے اس نر کو بھی اس مادہ کی وجہ سے زندہ چھوڑ دیتے اور ذبح نہیں کرتے، اور اس مادہ کو **وَصِيلَةٍ** کہتے۔ (اور نہ حامی اونٹ کو)، جسکے تعلق سے زمانہء جاہلیت کی عادت تھی جب اونٹ، اونٹنی کو دس بار گابھن کر دیتا، تو کہتے:

قَدْ حَمِیَ ظَهْرَهٗ۔۔۔'اسکی پیٹھ محفوظ ہوگئی'

۔۔۔پھر اسپر سواری نہ کرتے اور نہ اسپر بوجھ لادتے اور نہ ہی اُسے پانی اور چارے سے روکتے اور اس اونٹ کو **حَامٍ** کہتے۔

۔۔الختصر۔۔مذکورہ بالا تمام جانور دین الٰہی میں حلال تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں حرام نہیں قرار دیا۔ (لیکن جنہوں نے کفر کیا) اور عمرو بن الحی خزاعی کی پیروی کی، جو ان تمام باتوں کا سب سے بڑا مفتری تھا، اس نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین کو بگاڑا اور اُسی نے ہی بہت بت گڑھے اور اوثان کھڑے کئے۔ اسی نے ہی **بَحِيرَةٍ، سَآئِبَةٍ، وَصِيلَةٍ** اور **حَامٍ** کے رسوم جاری کئے، تو وہ اور اسکے سارے پیروکار (وہ) ہیں جو (بہتان رکھتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ کا)۔ اپنی خودساختہ روش کو خدائی دین باور کرانا، یہ خدا کی ذات پر ایک کھلا ہوا افتراء ہے، جسکا سچ سے کوئی تعلق نہیں۔

سن لو (اور) اچھی طرح یاد رکھو کہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی پر اکسانے والے (ان) ذلیل ترین لوگوں (کی اکثریت بے عقل ہے)۔۔چنانچہ۔۔وہ نہیں سمجھتے کہ واقعی یہ فعل افتراء اور باطل ہے، اسی لئے وہ انکی مخالفت نہیں کر سکتے کہ اس باطل کو چھوڑ کر اپنے کو حق کی طرف لا سکیں، بلکہ مرتے دم تک وہ اس تقلید بد کی قید میں پھنسے رہتے ہیں۔ انکی بے عقلی کا عالم یہ ہے کہ از روئے ہدایت۔۔۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا

اور جب انھیں کہا گیا کہ آجاؤ اُسکی طرف جو نازل فرمایا اللہ نے اور رسول کی طرف، تو جواب دیا، کہ "ہمیں کافی ہے

مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا" کیا گو ان کے باپ دادے نہ کچھ جانتے ہوں نہ راہ پائی ہو؟ ●

(اور) رہبری، (جب انھیں)، یعنی انکے اکثر کو (کہا گیا کہ) اے سرگشتہ لوگو! (آجاؤ اسکی طرف) حرام وحلال کے تعلق سے (جو نازل فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے) کتاب مبین میں، (اور) آجاؤ اسکے (رسول کی طرف) جس پر یہ احکام نازل ہوئے، تا کہ تمہیں حقیقتِ حال معلوم ہو اور حلال وحرام کی تمیز کر سکو، (تو جواب دیا کہ ہمیں کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا، گو انکے باپ دادے نہ کچھ جانتے ہوں، نہ راہ پائی ہو)۔ یعنی وہ سب کے سب جہالت کے شکار اور راہِ صواب سے دور ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اقتداء اسکی ہونی چاہئے جس کے متعلق معلوم ہو، کہ وہ اہل علم ہے اور ہدایت پر ہے اور یہ حجت اور دلیل کے بغیر معلوم نہیں کیا جا سکتا۔

صراط مستقیم ودین حق، بلفظ دیگر اللہ تعالیٰ ورسول کی اطاعت کی طرف دعوت دینے کے باوجود کافروں کا اس دعوت کو قبول نہ کرنا اور ایمان نہ لانا، اسکا مسلمانوں کو بڑا صدمہ تھا جو حسرت کرتے تھے کافروں پر اور انکے ایمان کی تمنا رکھتے تھے۔ ایسوں کی تسلی کیلئے ارشاد فرمایا گیا۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

اے وہ جو ایمان لائے! اپنا اپنا خیال رکھو۔ نہ بگاڑے گا تمہارا وہ، جو گمراہ ہو گیا جب کہ تم نے ہدایت پالی۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اللہ کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے، تو وہ تمہیں بتا دے گا جو کرتے تھے ●

(اے وہ جو ایمان لائے اپنا اپنا خیال رکھو)۔ تم پر اولاً اپنی اور ثانیاً اپنوں کی اصلاح لازم ہے۔۔ الختصر۔۔ اپنے اور اپنوں کی ہدایت کرتے رہو اور گمراہی سے بچانے کی کوشش کرتے رہو۔ دوسروں کی ہدایت کی نیک خواہش بری چیز نہیں، مگر اگر وہ ہدایت پر نہیں آتا، تو اس کیلئے بہت زیادہ فکرمند اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ (نہ بگاڑیگا تمہارا وہ، جو گمراہ ہو گیا)۔ یعنی اسکی گمراہی تمہارے لئے نقصان

وہ نہیں (جبکہ تم نے ہدایت پالی)۔اور ہدایت پالینے میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بری بات سے آدمی دوسرے کوحتی المقدور منع کرے،اور یہ نہ کہے کہ دوسرے کی گمراہی سے میرا کچھ نقصان نہیں۔

۔۔الغرض۔۔ہدایت پر رہنے والے کیلئے یہ بھی لازم ہے، کہ وہ دوسرے کی گمراہی سے راضی نہ ہو،تو اے ایمان والو!تم اپنی اصلاح کرواور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔اسکے باوجود اگر لوگ برے کاموں سے باز نہ آئیں،توتم فکر نہ کرو۔جب تم ہدایت پر ہو،نیکی کررہے ہواور نیکی کا حکم دے رہے ہو،توکسی کی برائی سے تمہیں ضرر نہیں ہوگا۔

اس مقام پر وہ لوگ بھی سن لیں جوخداوندی عنایات بے پایاں سے راہِ حق پر ہیں اور وہ بھی سن لیں، جومکروفریب کی راہ پرقہر وعصیان کے سلاسل سے پابجولاں ہوکر گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں، کہ (اللہ) تعالیٰ (کی طرف تم سب کولوٹنا ہے،تو وہ تمہیں بتادیگا جو کرتے تھے) یعنی تمہارے اعمال کی تمہیں خبر دیگا۔۔بایں طور۔۔اعمال کے ثواب کی لذتیں تمہیں چکھائے گا اور برے اعمال والوں کو دردناک عذاب میں مبتلا کریگا۔

اے ایمان والو!اس مقام پر یہ ذہن نشین کرلو کہ دنیا میں بھی اگر رب کریم کسی حقیقت کے چہرے سے پردہ اٹھانا چاہتا ہےاور سچائی کوظاہر فرمادینا چاہتا ہے،تو اسکے اسباب فراہم فرمادیتا ہے،تا کہ کبھی جھوٹ کی حوصلہ افزائی نہ ہوسکےاور جھوٹے کے ہاتھ رسوائی کے سوا کچھ نہ لگ سکے۔اس تعلق سے ایک واقعہ ذہن میں رکھتے ہوئے اسکے تعلق سے قرآنی ارشادات وہدایات کوغور سے سنو۔۔۔

عاص بن وائل سہمی کے قبیلے میں ایک شخص تمیم داری اور عدی بن بداء کے ساتھ سفر میں گیا۔تمیم اور عدی یہ دونوں نصرانی تھے۔اور سہمی مسلمان تھا، جوحضرت عمرو ابن العاص کا غلام تھا،اسکا نام بدیل تھا۔جب یہ سب ملک شام میں پہنچے،توبدیل بیمار ہوگیا۔اس نے جوکچھ نقدوجنس اسکے پاس تھا،ایک کاغذ پرلکھ کراسباب میں پوشیدہ رکھ دیا۔جب اسکا مرض بڑھا اور موت کے آثار اسپر ظاہر ہوگئے،تو اس نے تمیم اور عدی کو وصیت کی، کہ اسکا ترکہ اسکے وارثوں تک پہنچادیں۔

ان دونوں نے اسکے مرنے کے بعد اسکے مال واسباب کو اپنے قبضے میں لے لیا۔اس میں ایک چاندی کا برتن تھا جس پرسونے کے نقش ونگار تھےاور جسکا وزن وہاں کے تول سے تین

سومثقال چاندی کا تھا، تو مذکورہ دونوں افراد نے اس چاندی کے برتن کو اسکے مال میں سے نکال لیا اور باقی مال مدینے میں لائے اور اسکے وارثوں کے سپرد کردیا۔

وارثوں نے اس اسباب میں بُدیل کی لکھی ہوئی فہرست پائی، اسباب کو اُس سے مطابق کیا، تو چاندی کا وہ ایک برتن کم تھا۔ جب برتن اس اسباب میں نہیں پایا، تو تمیم اور عدی کے پاس آئے، تو ان دونوں نے انکار کیا، تو انکا مقدمہ بارگاہِ نبوی میں پیش کیا گیا، تو اس آیت کا نزول ہوا۔۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ

اے وہ جو ایمان لاچکے! تمہاری آپس کی پوری گواہی، جب آگئی تم میں سے کسی کی موت، وصیت کے وقت، دو

ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ

معتبر ہیں۔ تمہارے یا دوسروں سے دو ہیں۔ اگر تم نے سفر کر رکھا ہے،

فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ

پھر پہنچی تمہیں موت کی مصیبت، کہ روکو دونوں کو نماز کے بعد، تو قسم کھائیں

بِاللَّهِ إِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ

اللہ کی۔ اگر تم کو شبہ ہوا، کہ ہم نہ لیں گے حلف کے بدلے کوئی دام، گو قرابت مند ہو۔

وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَمِنَ الْآثِمِينَ ﴿١٠٦﴾

اور نہ ہم چھپائینگے اللہ کی گواہی کو، کہ بیشک ہم ایسا کریں تو گناہ گاروں سے ہوں●

(اے وہ جو ایمان لاچکے! تمہاری آپس کی پوری گواہی، جب آگئی تم میں سے کسی کی موت وصیت کے وقت) یعنی جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ وصیت کر رہا ہو، تو تمہاری شہادت کا نصاب (دو معتبر ہیں تمہارے) صاحب عدل وانصاف، تمہارے قرابت داروں میں سے ۔۔یا۔۔ مسلمانوں میں سے گواہ ہوں (یا دوسروں سے دو ہیں، اگر تم نے سفر کر رکھا ہے، پھر) اس حالت سفر میں (پہنچی تمہیں موت کی مصیبت)۔

حاصل کلام یہ ہے کہ جب سفر میں تمہیں معلوم ہو، کہ تمہاری موت قریب ہے، تو اپنی وصیت پر دو آدمیوں کو گواہ کرلو مسلمانوں میں ۔۔یا۔۔ انکے سوا ذمیوں میں سے، اگر تم سفر میں

ہواور گواہ کی ضرورت ہو۔اب یہ حکم منسوخ ہےاور مسلمانو کے حق میں ذمی کی گواہی بالاجماع مسموع نہیں ہے۔ جب ذمیوں کی گواہی شرعاًلی جاسکتی تھی اس دور کے مسلمانوں کیلئے تھا اور انکو یہ ہدایت تھی کہ مسلمانو! گواہی کے تعلق سے انکوطلب کرو۔

تا(کہ روکو دونوں کو) یعنی ان دونوں کوروک رکھو جوتمہارے غیر ہیں (نماز) عصر(کے بعد، توقسم کھائیں اللہ) تعالیٰ (کی، اگرتم کوشبہ ہوا)۔

نمازعصر کے بعد ہی قسم کیوں لی جائے؟ اسلئے کہ تمام ادیان میں اس وقت کوعظیم گردانا جاتا ہےاور وہ اس وقت میں جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسم کھانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اس وقت میں دن کے فرشتے بندہ کے اعمال لکھ کر جارہے ہوتے ہیں اور رات کے فرشتے اعمال لکھنے کیلئے آرہے ہوتے ہیں، اور یہ وقت دونوں فرشتوں کے اجتماع کا ہوتا ہےاور اس وقت جوعمل کیا جائے، انکو دن کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں اور رات کے فرشتے بھی لکھ لیتے ہیں۔ اس وقت بندوں کے اعمال قبول کئے جانے کیلئے عرش کی طرف فرشتے لے جاتے ہیں، اسلئے اس وقت میں زیادہ سے زیادہ نیک عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہےاور برے اعمال سے حتی الامکان گریز کیا جاتا ہے۔ خصوصیت سے اس وقت میں جھوٹی قسم کھانا بہت بڑا گناہ ہے۔

اگرچہ قسم دلانے کیلئے ہر ہر جگہ کے عرف ورواج میں بعض مقامات اور بعض اوقات کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، لیکن بنیادی طور پر قسم دلانے کیلئے کسی خاص مقام اور کسی خاص وقت کی ضرورت نہیں۔ یہی بات زیادہ معقول اور ہر دور کیلئے قابل عمل ہےاور اگر قسم کھانے والا سچا پکا مسلمان ہے، تواس کا ایمان ہی اسکو جھوٹی قسم کھانے نہیں دیگا۔

قسم کھانے والا ان لفظوں میں قسم کھائے (کہ ہم نہ لینگے حلف کے بدلے کوئی دام، گوقرابت مند ہو) یعنی قریبی رشتہ دار ہو، ہم ان کی رعایت نہ کرینگے (اور نہ ہم چھپائینگے اللہ) تعالیٰ (کی گواہی کو) جسکے حفظ وتعظیم کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے، کیوں (کہ بیشک) اگر (ہم ایسا کریں) گے (تو گناہ گاروں سے ہوں) گے اور ہمارا شمار سخت گنہگاروں میں ہوگا۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ

پھر اگر پتا لگ گیا کہ دونوں نے جرم کا ارتکاب کیا، تو دو دوسرے ان کی جگہ کھڑے ہوں، ان میں سے

اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا

جن پر پہلے والے حق دار بنے تھے، تو یہ دونوں قسم کھائیں اللہ کی، کہ ہماری گواہی زیادہ درست ہے ان دونوں کی گواہی سے،

وَمَا اعْتَدَيْنَآ ۖ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور ہم نے زیادتی نہیں کی۔ بے شک ایسا کریں تو ظالموں سے ہوں ●

(پھر اگر پتا لگ گیا کہ دونوں نے جرم کا ارتکاب کیا) اور وہ دونوں گواہ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، **(تو دو دوسرے)** بحیثیت گواہ **(انکی جگہ کھڑے ہوں ان میں سے، جن پر پہلے والے حقدار بنے تھے)**، یعنی جن لوگوں کا حق ان گواہوں نے ضائع کیا ہے انکی طرف سے دو گواہ انکی جگہ کھڑے کئے جائیں **(تو یہ دونوں قسم کھائیں اللہ)** تعالیٰ **(کی، کہ ہماری گواہی زیادہ درست ہے ان دونوں کی گواہی سے، اور ہم نے زیادتی نہیں کی)**، **(بیشک)** اگر ہم **(ایسا کریں)** گے **(تو ظالموں سے ہوں)** گے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہماری شہادت ان وصیوں کی شہادت سے زیادہ برحق ہے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا اور نہ ہمارا اشمار ظالموں میں ہوگا۔

۔۔چنانچہ۔۔آنحضرت ﷺ نے عصر کی نماز کے بعد ممبر کے قریب تمیم اور عدی سے قسم لی اور انھوں نے یہ قسم کھائی کہ ہم نے بدیل کا مال لینے کا ارادہ نہیں کیا اور ہم یہ قسم سچ کھاتے ہیں، پس حضرت کے حکم کے موافق انھیں چھوڑ دیا گیا۔ پھر وہ برتن جو گم ہوا تھا وہ انھیں کے پاس ملا، پھر تو ان میں اور بدیل کے وارثوں میں حد سے زیادہ جھگڑا پڑا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم نے یہ برتن بدیل سے مول لیا تھا چونکہ ہمارے پاس وجہ ثبوت نہ تھی، اس واسطے ہم نے اقرار نہ کیا اور انکار کیا تھا۔ بارگاہِ رسالت میں یہ مقدمہ پیش کیا گیا، تو آپ کے حکم سے عمرو بن عاص بن مطلب بن وداعہ کھڑے ہوئے اور نماز عصر کے بعد انھوں نے خدا کی قسم کھائی کہ برتن بدیل کا حق تھا اور ان دونوں نے خیانت کی ہے۔ اسکے بعد آنحضرت ﷺ کے حکم سے وہ برتن بدیل کے وارثوں کو دے دیا گیا۔

ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ

یہ طریقہ قریب تر ہے کہ گواہی دیا کریں واقعہ کے مطابق، یا ڈرتے رہیں کہ مردود کردی جاتی ہیں کچھ قسمیں

ع ۴ ۱۴ اَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

انکی کچھ قسموں کے بعد۔ اور اللہ سے ڈرو اور سنو۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان قوم کو ●

(یہ طریقہ قریب تر ہے کہ گواہی دیا کریں) وصی (واقعہ کے مطابق، یا ڈرتے رہیں کہ مردود کردی جاتی ہیں کچھ قسمیں ان کی کچھ قسموں کے بعد) یعنی یہ طریقہ اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ وہ وصی اسطرح شہادت دیں جس طرح شہادت دینے کا حق ہے۔۔یا۔۔وہ اس بات سے ڈریں کہ ورثاء کی قسموں کے بعد انکی قسمیں مسترد کردی جائینگی۔تو گواہی دینے والو! سمجھ سے کام لو (اور اللہ تعالیٰ (سے ڈرو) اللہ تعالیٰ سے جھوٹی قسم کھانے میں، (اور سنو) اللہ تعالیٰ کے احکام کو اور انھیں قبول کرو (اور) جان لو کہ (اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا)، یعنی ہدایت کی راہ نہیں دکھاتا (نافرمان قوم کو)، یعنی ان فاسقوں کو جو خیانت کرنے والے اور جھوٹے گواہ ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا اسلوب یہ ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ احکام شرعیہ بیان فرماتا ہے، تو اس کے بعد اپنی ذات اور صفات کا ذکر فرماتا ہے۔۔یا۔۔انبیاء علیہم السلام کے احوال اور اوصاف کا ذکر فرماتا ہے اور۔۔یا۔۔احوال قیامت کا ذکر فرماتا ہے۔اس آنے والی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حج کے احکام بیان فرمائے، تو اب اسکے بعد اس آیت میں احوال قیامت کا ذکر فرمایا اور اسکے بعد دوسری آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احوال بیان فرمائے۔

دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت میں سفر میں وصیت پر گواہ بنانے کا ذکر تھا اور گواہی میں یہ ضروری ہے کہ وہ خیانت نہ کرے اور اپنے کسی فائدہ کی بنا پر ردو بدل نہ کرے اور نہ ہی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کی رعایت کرے، اسلئے اُس آیت کے بعد اِس آیت کا ذکر کیا جس میں قیامت کا ذکر ہے تاکہ انسان قیامت کی ہولناکیوں اور خدا کے سامنے پیش ہونے کے ڈر سے صحیح اور سچی گواہی دے اور اس میں خیانت نہ کرے۔۔تو۔۔یاد رکھو! کہ قیامت کا دن وہ دن ہوگا۔۔۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۗ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۗ

جس دن جمع کرے گا اللہ رسولوں کو، پھر کہے گا کہ کیا جواب دیئے گئے تم، سب کا جواب ہے کہ ہمارا علم کوئی چیز نہیں ہے

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

بیشک تو ہی علام الغیوب ہے●

(جس دن جمع کریگا اللہ) تعالیٰ اپنے (رسولوں کو) اور انھیں کے تابع ہونے کی حیثیت سے

نکے امتیوں کو، (پھر کہے گا) اپنے رسولوں سے، (کہ کیا جواب دیئے گئے تم)؟ یعنی جب تم نے توحید کی دعوت دی، تو انہوں نے کیا جواب دیا؟ اقرار وتصدیق کی۔۔یا۔۔انکار وتکذیب۔

اس سوال ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ سارے انبیاء کو انکے امتیوں کے جوابات کا علم ہے۔ اسلئے کہ اس علم کے بعد، کہ میرے سوال کا جواب مخاطب کے پاس نہیں ہے، سوال کرنا ایک جہالت ہے، جو ذات باری تعالیٰ سے ناممکن ہے۔ تو یہ سوال مبنی برحکمت ہے، خواہ یہ منکروں کو ذلیل ورسوا کرنے کے واسطے ہو۔۔یا۔۔اسواسطے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امت کے مسلمانوں کے اسلام پر گواہی دیں۔ تو جب یہ سوال مبنی برحکمت ہوا۔۔۔

تو اسکے تعلق سے (سب)، یعنی سارے انبیاء کرام (کا) جو (جواب ہے کہ ہمارا علم کوئی چیز نہیں ہے، بیشک تو ہی علام الغیوب ہے)، تو یہ جواب بھی مبنی برحکمت ہے۔

اسلئے کہ انبیاء کرام نے جان لیا تھا کہ ان کے کلام سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی کوئی نقصان دور ہوگا، اور ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ اسکے سامنے سکوت کیا جائے اور معاملہ اس حکیم اور عادل پر چھوڑ دیا جائے' جو حی وقیوم' اور 'لا یموت' ہے۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ایک یہ صفت بیان فرمائی تھی، کہ اللہ تعالیٰ اس دن تمام نبیوں سے سوال کریگا کہ تم کو کیا جواب دیا گیا تھا؟ اب اگلی آیت میں اس دن کی دوسری صفت بیان فرمارہا ہے کہ اس دن اللہ تعالیٰ بالخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمائیگا اور ان کو اپنی نعمتیں یاد دلائیگا اور اس سے مقصود عیسائیوں کی مذمت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے ان پر اتنے احسانات فرمائے اور انکی فرمائشیں پوری کیں، پھر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور اس کا شریک بنالیا۔

دوسری امتوں کے کافروں نے تو صرف اپنے نبیوں کا کفر کیا تھا اور انکی شان میں نازیبا باتیں کہی تھیں، یہ کفر میں ان سے بڑھ گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف بیوی اور بیٹے کی نسبت کی تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذَالِكَ۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت عیسیٰ اور انکی والدہ پر اپنی نعمتیں یاد دلائیں، تاکہ دنیا کے سامنے ان آیات کی تلاوت کی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے انکو کتنی عزت اور کرامت عطا فرمائی تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام تمام آسمانی مذاہب کے رہنماؤں کی تعظیم اور تکریم کرتا ہے اور تمام نبیوں کی شان اور ان کے بلند درجات بیان کرتا ہے، اس میں یہودیوں اور

عیسائیوں کیلئے سبق اور عبرت ہے جو پیغمبر اسلام علیہ السلام کی تنقیص اور توہین میں دن رات کوشاں رہتے ہیں۔۔الختصر۔۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ

جب کہ کہے گا اللہ اے عیسیٰ ابن مریم، یاد کرو میری نعمت کو اپنے اوپر، اور اپنی ماں کے اوپر۔۔۔

اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ

جبکہ تیرے ہاتھوں کو مضبوط کیا روح القدس سے۔۔کہ باتیں کرو لوگوں سے ماں کی گود میں، اور بڑھاپے میں بھی، اور جبکہ

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ

سکھا دیا میں نے تم کو کتاب اور حکمت اور توریت و انجیل۔ اور جبکہ بنا دیتے تم مٹی سے، جیسے چڑیا کی مورت میرے

بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ

حکم سے، پھر پھونکتے اس میں، تو وہ چڑیا ہو جاتی میرے حکم سے، اور تندرست کر دیتے تم پیدائشی اندھے کو اور سفید داغ والے کو، میرے حکم سے،

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

اور جب زندہ نکال دیتے تم مُردوں کو میرے حکم سے، اور جبکہ روک ڈال دی میں نے بنی اسرائیل کیلئے تم سے، جب کہ لائے تم انکے

فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۱۰

پاس معجزے، تو بولے وہ جو کافر تھے ان میں، کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے ●

اے محبوب! اپنی قوتِ علم و ادراک سے اُس آنے والے وقت کو یاد کرو حضرت عیسیٰ کو مخاطب بنا کر (جبکہ کہے گا اللہ) تعالیٰ (اے عیسیٰ ابن مریم یاد کرو میری نعمت کو اپنے اوپر اور اپنی ماں کے اوپر) اور ظاہر ہے کہ ماں اور بیٹے کا جو تعلق ہے اسکے پیش نظر جو بیٹے کیلئے بلا واسطہ نعمت ہے وہ اسکی ماں کیلئے بالواسطہ نعمت ہے، اے عیسیٰ ابن مریم خاص کر کے اپنے اوپر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی اس خصوصی نعمت کو تو یاد کرو (جبکہ تیرے ہاتھوں کو مضبوط کیا) اور تجھے تقویت مرحمت فرمائی (روح القدس) حضرت جبرائیل (سے) جو ہر وقت تیری تائید پر مامور تھے۔ اور یہی نہیں بلکہ تمہیں یہ معجزانہ شان بھی عطا فرمائی (کہ باتیں کرو لوگوں سے ماں کی گود میں) اور وہ ایسی عاقلانہ اور حکیمانہ باتیں جو کسی نبی ہی کی شایانِ شان ہے۔ (اور) پھر ویسا ہی کلام (بڑھاپے میں بھی) کرو۔

۔۔الختصر۔۔فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے آپ کے بچپنے اور بڑھاپے کے کلام میں کوئی

فرق نہیں۔ آپ کے بڑھاپے میں کلام کرنے میں معجزانہ شان اسلئے ہے کہ آپ کا بڑھاپا لوگوں پر عام طور سے عادتاً طاری ہونے والے بڑھاپے کی طرح نہیں، بلکہ آپ جوانی ہی میں آسمان پر اٹھالئے گئے اور پھر ہزاروں سال گزر جانے کے باوجود، جب زمین پر اتارے جائینگے، تو آپکی عمر وہی ہوگی جس عمر میں آپ اٹھائے گئے تھے۔ یعنی آپ کڑیل جوان اور سن رسیدگی کی جملہ علامات سے پاک ہونگے۔۔ پھر۔۔ یہاں پر رائج فطری دستور کے مطابق وہ بڑھاپے تک پہنچیں گے۔ تو یہ بڑھاپا وہ ہے، جو ایک نوجوان انسان پر ہزاروں سال کے بعد طاری ہوا، تو یہ بڑھاپا بھی ایک معجزہ ہی ہے۔

اس میں یہ واضح اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ آج بھی باحیات ہیں۔ نہ انھیں شہید کیا گیا اور نہ ہی انھیں سولی دی گئی۔۔ چنانچہ۔۔ قربِ قیامت تک وہی حیات ان سے وابستہ رہے گی اور ان پر وفات طاری نہیں کی جائے گی۔ جب اسی حیات کے ساتھ وہ زمین پر تشریف لے آئینگے اور زمین پر اپنی طبعی عمر شریف گزار لینگے، تو پھر ان پر وفات طاری کی جائیگی اور پھر گنبد خضریٰ میں انکی آخری آرام گاہ ہوگی۔۔ تو۔۔

اے عیسیٰ ابن مریم! مذکورہ بالا نعمتوں کے ساتھ ساتھ ان نعمتوں کو بھی یاد کرو (اور) ذہن میں حاضر کرلو **(جبکہ سکھا دیا میں نے تم کو کتاب)** یعنی خط و کتابت **(اور حکمت)**، یعنی چیزوں کی سمجھ **(اور توریت و انجیل)** کے معانی اور حقائق۔ **(اور جبکہ)** میری عطا فرمودہ قدرت و اختیار سے **(بنادیتے تم مٹی سے جیسے چڑیا کی مورت میرے حکم سے، پھر پھونکتے اس میں، تو وہ چڑیا ہوجاتی میرے حکم سے)**۔ اس سلسلے میں گو اسباب کو استعمال کرنا تمہارا فعل تھا، لیکن اسکا پرندہ بنکر اڑ جانا، یہ سب میری ہی قدرت سے ہوا۔

اسکی وجہ یہ ہوئی کہ بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے از راہِ بغاوت وتعنت سوال کیا کہ ایک چمگادڑ بناکر اس میں روح پھونک دیجئے، تاکہ معلوم کریں کہ آپ سچے نبی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے سوال پر گارا اٹھایا اور اسے چمگادڑ کی طرح بنا کر اس میں روح پھونکی، تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان اڑنے لگا۔

غالباً بنی اسرائیل نے آپ سے چمگادڑ اور پھر اس میں روح پھونکنے کا اسلئے سوال کیا تھا کہ چمگادڑ ایک عجیب الخلقت پرندہ ہے۔۔ مثلاً: وہ از سرتاپا، صرف گوشت یا خون ہے، اس میں ہڈیاں نہیں۔ اُڑتا ہے تو پروں کے بغیر۔ حیوانوں کی طرح بچے جنتا ہے، پرندوں کی طرح

انڈے نہیں دیتا۔ اُسکی مادہ کا پستان ہوتا ہے، جس سے دودھ نکلتا ہے۔ نہ وہ دن کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی رات کی تاریکی میں۔ صرف دو وقت دیکھتا ہے: ﴿۱﴾۔۔غروب آفتاب کے بعد ایک گھنٹہ۔ ﴿۲﴾۔۔طلوع فجر کے بعد صبح کی سفیدی تیز ہونے تک۔ وہ انسان کی طرح ہنستا ہے اور اسے عورتوں کی طرح حیض بھی آتا ہے۔ بنی اسرائیل نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چمگادڑ اڑتا ہوا دیکھا، تو ہنسنے لگے اور کہا کہ یہ تو جادو ہے۔

مذکورہ بالا اس اعجاز (اور) قدرت کے مظاہرہ کے ساتھ (**تندرست کردیتے**) تھے (**تم پیدائشی اندھے کو اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے**)۔ اس دور کے اطباء ان بیماریوں کے علاج سے عاجز تھے۔ (**اور جب زندہ نکال دیتے تم مردوں کو**) ان کی قبروں سے (**میرے حکم سے**) میری عطا کردہ قدرت سے۔

۔۔چنانچہ۔۔آپ نے سام بن نوح اور انکے سوا دو مرد ایک خاتون اور ایک لونڈی کو انکی قبروں سے باہر نکالنے کا اعجاز دکھایا۔

(**اور جبکہ روک ڈالدی میں نے بنی اسرائیل کیلئے تم سے**) جبکہ وہ تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے تھے اور تمہیں مار ڈالنے کا ارادہ رکھتے تھے، تو ان کے ارادے اور تمہاری ذات کے درمیان میرا ارادہ حائل ہو گیا اور وہ تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے اور نہ ہی قتل کر سکے۔ بنی اسرائیل میں تمہیں نقصان پہنچانے کی سوچ اس وقت پیدا ہوئی تھی (**جبکہ لائے تم ان کے پاس معجزے**) جن کے بعض کا ذکر اوپر ہوا، (**تو بولے وہ جو کافر تھے ان**) بنی اسرائیلیوں (**میں، کہ یہ بس کھلا ہوا جادو ہے**) یعنی یہ ایسا جادو ہے جسکا جادو ہونا ہم سب پر ظاہر ہو گیا۔

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ

اور جبکہ میں نے دل میں ڈال دیا حواریوں کے، کہ مجھ کو مانو اور میرے رسول کو،

قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سب بولے کہ ہم نے مانا، اور تو گواہ رہ، کہ ہم بیشک مسلمان ہیں ●

(**اور جبکہ میں نے دل میں ڈالدیا حواریوں کے**) یعنی حضرت عیسیٰ کے روشن جبیں اور پاکیزہ قلب و نظر رکھنے والے خاص مصاحبین کے اپنے پیغمبر کی زبانی، (**کہ مجھ کو مانو اور میرے رسول**) عیسیٰ

(کو)۔(سب بولے کہ ہم نے مانا) اور دل سے تصدیق کی، (اور تو گواہ رہ کہ ہم بیشک مسلمان ہیں) اور تیرے ہر ہر حکم کو ماننے والے ہیں۔

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا

جبکہ حواریوں نے کہا تھا کہ اے عیسیٰ ابن مریم، کیا تمہارا پروردگار یہ کرسکتا ہے کہ اتار دے ہم پر

مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

ایک خوان آسمان سے؟ جواب دیا کہ اللہ سے ڈرو، اگر اس کو مانتے ہو●

اے محبوب! اس مقام پر اپنے علم وادراک میں اس واقعہ کو حاضر کرلو اور یاد کرو (جبکہ حواریوں نے کہا تھا) اور نیک نیتی سے سوال کیا تھا (کہ اے عیسیٰ ابن مریم کیا تمہارا پروردگار) تمہاری دعا کو قبول فرما کر (یہ کرسکتا ہے کہ اتار دے ہم پر ایک خوان آسمان سے)۔۔۔یعنی کیا آپ اتنے مستجاب الدعوات ہیں، کہ آپکا رب آپ کی ہر ہر بات قبول فرمالے اور آپ اس سے جو طلب فرمائیں وہ عطا فرمادے؟۔۔۔(جواب دیا کہ اللہ) تعالیٰ (سے ڈرو، اگر اس کو مانتے ہو)۔۔۔یعنی جب تم اس پر ایمان لاچکے ہو، تو سمجھ لو کہ ایمان کا لازمی ثمرہ تقویٰ ہے اور تقویٰ کا یہ تقاضا ہے کہ تم ایسے سوال نہ کرو جس سے یہ پتا چلے، کہ تمہیں اللہ کی قدرت اور اسکے رسول کی محبوبیت پر ویسا یقین نہیں ہے، جیسا یقین کمالِ ایمان رکھنے والوں کو ہونا چاہئے۔

اسکے جواب میں انہوں نے واضح کردیا کہ انھیں اس سوال پر کس بات نے اُکسایا۔۔ چنانچہ۔۔انہوں نے کہا کہ ہم نے اسلئے سوال نہیں کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر شک وشبہ ہے۔۔یا۔۔ہم آپ کی نبوت سے بدگمان ہیں، بلکہ ہم اس آسمانی خوان کے جو خواہشمند ہیں، تو اسکی وجہ اس خوان سے صرف تبرک حاصل کرنا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ مائدہ نصیب ہو، جس سے ہمارے بیمار شفایاب ہوجائیں اور ہمارے تندرستوں کو قوت حاصل ہوجائے اور ہمارے فقراء کو استغناء نصیب ہو۔۔المختصر۔۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

سب نے کہا "کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہوجائیں اور یقین کرلیں کہ آپ نے ہم کو سچ بتایا،

وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾

اور ہم اُس پر گواہ ہو جائیں"●

(سب نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں) ہمارا علم الیقین، عین الیقین میں تبدیل ہو جائے۔(اور) ہم (یقین کرلیں کہ آپ نے ہم کو سچ بتایا) کہ آپ اپنی نبوت میں سچے ہیں اور یقین کریں کہ ہمارا رب ہماری بات مانتا ہے۔اگر چہ یہ ہمیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ماننے والوں کی بات مانتا ہے، تو ہم چاہتے یہ ہیں (اور) ہماری یہ خواہش ہے، کہ (ہم اس پر) چشم دید (گواہ ہو جائیں) تا کہ ان لوگوں کو بتا سکیں جو اس وقت موجود نہیں، تا کہ ہماری گواہی سے دوسرے اہل ایمان کے دل مضبوط ہو جائیں اور ہماری طرح وہ بھی یقین کرلیں، پھر کفار بھی ایمان لائیں۔اور ظاہر ہے دیکھنے سے جو یقین حاصل ہوتا ہے، وہ صرف سننے سے کہاں حاصل ہوسکتا ہے۔اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ 'شنیدہ کے بود مانند دیدہ' جب دیکھ لیا کہ انکی نیت صحیح ہے اور یہ اعتراض اور استہزاء کے طور پر ایسا نہیں کہہ رہے ہیں۔۔تو۔۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ

کہا عیسیٰ ابن مریم نے، "اے معبود ہمارے پروردگار، اُتار دے ہم پر خوان آسمان سے، کہ ہمارے لئے عید ہو جائے،

لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِينَ ﴿۱۱۴﴾

ہمارے اگلوں اور پچھلوں سب کیلئے، اور ایک نشانی تیری طرف سے۔اور ہمیں روزی دے اور تو سب سے بڑھ کر روزی دینے والا ہے●

(کہا عیسیٰ ابن مریم نے) اور دعا فرمائی کہ (اے معبود ہمارے پروردگار، اتار دے ہم پر خوان آسمان سے، کہ ہمارے لئے عید ہو جائے، ہمارے اگلوں اور پچھلوں سب کیلئے) یعنی اس خوانِ نعمت کے نزول کا دن ہمارے متقدمین ومتاخرین کیلئے خوشیوں کا دن قرار پائے جس میں ہم اس نعمت خداداد کا شکر ادا کرتے رہیں اور اپنے اوپر اس فضل ربانی کے نزول کی خوشیاں مناتے رہیں اور یہ دن ہمارے لئے عید کا دن ہو، جو بار بار خوشیاں لاتا رہے (اور) اسکے سوا یہ تیری قدرت کے کمال اور میری نبوت کی (ایک) عظیم (نشانی) اور وہ بھی (تیری طرف سے) ہو۔

۔۔الختصر۔۔ہم پر کرم فرما (اور) اپنے اس خوانِ نعمت کے ذریعے (ہمیں روزی دے) یا

اسکے شکر کی توفیق نصیب فرما۔۔یا۔۔تیری بارگاہ میں ہماری یہ عرض (اور) التجاء اسلئے ہے، کہ یہ حقیقت ہے (تو سب سے بڑھ کر روزی دینے والا ہے) یعنی تو دیگر تمام دینے والوں سے افضل و برتر ہے، کیونکہ ہر ایک کا رزق پیدا کرتا ہے اور ہر ایک کو بلاعوض عطا فرماتا ہے۔اس گزارش پر۔۔۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ

فرمایا اللہ نے، کہ "بیشک میں اتارتا ہوں اسے تم لوگوں پر، تو جس نے کفر کیا تم میں سے اس کے بعد، تو بلاشبہ اس کو

عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع ۱۵ ۵

وہ عذاب دوں گا کہ جہاں میں کسی کو وہ عذاب نہ دوں گا"●

(فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے، کہ بیشک میں اتارتا ہوں اسے تم لوگوں پر)۔۔۔یعنی تمہارے سوال پر تمہارے لئے مائدہ نازل فرماتا ہوں۔۔۔اور کیا شان تھی اس خوانِ نعمت کی کہ جس فقیر نے کھایا، تو زندگی بھر دولت مند رہا، جس مریض نے کھایا تا زیست تندرست رہا (تو) اچھی طرح سن لو کہ (جس نے کفر کیا) اور ناشکری کی (تم میں سے اسکے بعد، تو بلاشبہ اسکو) اسکے کفر کی وجہ سے (وہ عذاب دونگا) اسکے عہد کے لوگوں میں سے کسی اور کو، بل (کہ) سارے (جہاں میں کسی کو وہ عذاب نہ دونگا)۔

اور ہوا بھی ایسا ہی کہ بنی اسرائیلیوں کے منکرین وناشکرے خنزیر بنا دیئے گئے اور اس جیسا عذاب تمام جہانوں میں بنی اسرائیل کے سوا اور کسی کو نہ ہوا۔اور یہ اس عذاب کے مستحق اسلئے ہوئے، کہ انکو حکم دیا گیا تھا کہ اس میں سے نہ چھپائیں، نہ خیانت کریں اور نہ ذخیرہ کریں، لیکن ان لوگوں نے خیانت بھی کی، چھپایا بھی، اور ذخیرہ بھی کیا۔اور پھر بعض لوگوں نے نبی کے معجزے پر شک کیا اور اسے جادو قرار دیا، تو ایسے ناشکرے کفر کرنے والے تقریباً تین سو تیس آدمی مسخ ہو گئے خنزیر کی صورت میں، اور تین دن کے بعد وہ سب کے سب مر گئے۔ان سے توالد وتناسل کا سلسلہ نہ چلا۔کیونکہ مسخ شدہ سے توالد وتناسل کا سلسلہ قادرِ مطلق نے کبھی نہیں چلایا۔۔۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ

اور جب کہے گا اللہ، "اے عیسیٰ ابن مریم، کیا تم نے کہا تھا لوگوں کو کہ بنا لو مجھ کو اور میری ماں کو معبود

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ

اللہ کو چھوڑ کر؟" کہیں گے "سبحان اللہ! مجھے حق نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا مجھ کو حق نہیں۔۔۔

اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ

اگر میں نے کہا ہوتا، تو بیشک اس کو تو جانتا۔ تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

بیشک تو ہی علام الغیوب ہے●

(اور) اے محبوب! لوگوں کو حضرت عیسیٰ کا وہ وقت یاد دلا دو (جب کہے گا) ان سے (اللہ) تعالیٰ قیامت کے دن، تا کہ ان کی امت کو زجر و توبیخ ہو اور لوگوں کو معلوم ہو، کہ ایسا عقیدہ رکھنا بہت بڑا جرم تھا (اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے کہا تھا لوگوں کو، کہ بنا لو مجھ کو اور میری ماں کو معبود اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)؟

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو صحیح معنوں میں معبود ماننے کا لازمی تقاضا یہ ہے، کہ اسکے سوا کسی کو بھی معبود نہ مانا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور جب کسی نے اسکے سوا کسی کو بھی معبود مان لیا، تو اس نے حقیقی طور پر خدا کو معبود مانا ہی نہیں۔ اور یہی ہے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو معبود بنا لینا۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، اگر چہ بظاہر عیسائی حضرت مریم کو خدا نہیں کہتے تھے، مگر حضرت عیسیٰ کو خدا کہہ کر انھوں نے حضرت مریم کو بھی خدا قرار دے دیا، اسلئے کہ بیٹا ماں ہی کا جزء اور اسی کی جنس سے ہوتا ہے، تو جب صراحتاً بیٹے کو خدا قرار دیدیا تو التزاماً ماں کو بھی خدا مان لیا۔۔ نیز۔۔ یہ بھی خیال رہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ تو کافروں سے کلام فرمائیگا اور نہ ہی انھیں نظر رحمت سے دیکھے گا۔ تو اگر چہ یہ کلام کافروں کو لرزہ براندام کر دینے اور ان کی زجر و توبیخ کیلئے ہوگا، مگر خطاب کا رخ پیغمبر کی طرف ہوگا اور پھر پیغمبر کا جواب ان کافروں کو اور بھی ذلیل و رسوا کر دینے کیلئے ہوگا۔

۔۔چنانچہ۔۔ اس سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ (کہیں گے سبحان اللہ)! یعنی اے اللہ تعالیٰ میں تیری تنزیہہ بیان کرتا ہوں اور میں اس سے کوسوں دور ہوں کہ ایسا کہوں۔ (مجھے حق نہیں کہ وہ بات کہوں جسکا مجھ کو حق نہیں) میں صرف حق بولتا ہوں جو ایک نبی کی شان ہے۔ تو جو بات حق نہیں

اُسے میں کیسے کہہ سکتا ہوں؟۔۔الختصر۔۔راہ حق سے انحراف مجھ سے کیسے ہوسکتا ہے؟اس سلسلے میں مجھے کسی عذر کی ضرورت اور نہ ہی اپنی صداقت کو ظاہر کرنے کی حاجت ہے، اسلیئے کہ (اگر میں نے کہا ہوتا، تو بیشک اس کو تو جانتا) کیونکہ (تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے)۔۔۔یعنی تیری مخفی معلومات میں ہے۔

۔۔الختصر۔۔تو میرے غیب کو جانتا ہے اور میں تیرے غیب کو نہیں جانتا۔۔یا۔۔تجھے میری دنیا کے متعلق علم ہے اور مجھے تیرے اخروی امور کے متعلق علم نہیں ہے۔۔یا۔۔تجھے میرے اقوال وافعال کا علم ہے اور مجھے تیرے اقوال وافعال کا علم نہیں۔(بیشک تو ہی علام الغیوب ہے) تیری معلومات تک کسی کے علم کی رسائی نہیں۔

اب آگے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوپر دلالۃً جس بات کو فرما چکے ہیں، اب صراحتاً اسکا ذکر فرما رہے ہیں۔۔چنانچہ۔۔بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں، کہ۔۔۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ

میں نے نہیں کہا انھیں مگر جس کا حکم دیا تو نے، کہ پوجو اللہ کو، میرا پروردگار اور تم لوگوں کا پالنہار، اور میں انھیں

عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ

دیکھتا رہا، جب تک ان میں رہا، پھر جب تو نے پوری کردی ان میں میری مدت قیام کو، تو تو ہی نگہبان رہا۔

عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾

اور تو ہر ایک کا نگہبان ہے●

(میں نے نہیں کہا انھیں مگر جسکا حکم دیا تو نے، کہ پوجو) صرف (اللہ) تعالیٰ (کو) جو (میرا پروردگار اور تم لوگوں کا پالنہار) ہے۔۔الختصر۔۔میں انھیں توحید کا درس دیتا رہا اور شرک سے باز رہنے کی ہدایت کرتا رہا (اور میں انھیں دیکھتا رہا) اور انکی نگرانی کرتا رہا (جب تک ان میں رہا۔ پھر جب تو نے پوری کردی ان میں میری مدت قیام کو، تو تو ہی نگہبان رہا اور تو ہر ایک کا نگہبان ہے) یعنی انکے اعمال کی نگہبانی اور محافظت صرف تیرے سپرد ہوئی۔ جسکے لئے تو چاہتا اسے اپنی نافرمانی سے بچالیتا اور اسے ان دلائل کی رہبری فرماتا جن سے اُسے تیری نافرمانی سے بچاؤ نصیب ہوجاتا۔ رہ گیا وہ جو اپنی بدقسمتی سے گمراہ رہ گیا اور غلط باتیں کیں، اس میں اسکی شومئی قسمت کا دخل رہا۔۔الغرض۔۔ہدایت

پانے والوں سے ہدایت کے اسباب قریب ہو گئے اور گمراہی اپنانے والوں سے گمراہی کے اسباب متعلق ہو گئے۔۔المختصر۔۔مومنین اور کافرین میں وہ بٹ گئے۔تو اب۔۔۔

اِنۡ تُعَذِّبۡهُمۡ فَاِنَّهُمۡ عِبَادُكَ‌ۚ وَاِنۡ تَغۡفِرۡ لَهُمۡ فَاِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ۝۱۱۸

اگر عذاب دے ان میں سے جسکو، تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں۔اور اگر ان میں کسی کو تو بخش دے، تو بیشک تو ہی غلبہ والا حکمت والا ہے"●

(اگر عذاب دے) تو (ان) کافرین (میں سے جس) جس (کو، تو بیشک وہ تیرے بندے ہیں) تجھ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں، اسلئے کہ تو ہی مالک ہے اور مالک اپنی ملکیت میں جس طرح کا چاہے تصرف کرے۔۔۔کفر پر مرنے والے عذاب کے مستحق کو عذاب ملنا ہی چاہئے، یہی عدل خداوندی کا تقاضا ہے۔۔۔(اور اگر) جو مومنین ہیں (ان میں سے کسی کو تو بخش دے) صرف اپنے فضل وکرم سے، نہ کہ اسلئے کہ وہ اس کے حقدار ہیں، (تو بیشک تو ہی غلبہ والا) ہے، یعنی ثواب وعقاب کی قدرت رکھنے والا ہے۔نہ تیرے جیسا کوئی ثواب دینے والا ہے اور نہ ہی عذاب دینے والا ہے اور (حکمت والا ہے) تیرا ثواب وعذاب دونوں ہی مبنی بر حکمت ہیں۔

جب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنا معروضہ پیش کرینگے، تو اللہ تعالیٰ اپنے ارشاد میں مذکور الصّٰدِقِيۡنَ کے لفظ میں انکو شامل فرما کر انکی صداقت کی گواہی دیگا۔۔چنانچہ۔۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوۡمُ يَنۡفَعُ الصّٰدِقِيۡنَ صِدۡقُهُمۡ‌ؕ لَهُمۡ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ

فرمائے گا اللہ، "یہ دن ہے کہ فائدہ دے سچوں کو ان کی سچائی"۔ انکے لئے جنتیں ہیں، کہ بہتی ہیں جن کے

تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اَبَدًا‌ ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ‌ ؕ

نیچے نہریں۔ ہمیشہ ہمیش رہنے والے اس میں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔

ذٰ لِكَ الۡـفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۝۱۱۹

یہ بڑی کامیابی ہے●

لِلّٰهِ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا فِيۡهِنَّ‌ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ۝۱۲۰ ع ۱۶

اللہ ہی کی ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی، اور جو کچھ ان میں ہے۔ اور وہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(فرمائیگا اللہ) تعالیٰ، کہ (یہ) قیامت کا دن وہ (دن ہے، کہ فائدہ دے) گی (سچوں کو انکی

سچائی)۔انھیں سچوں میں حضرت عیسیٰ بھی ہیں،تو(انکے لئے)اور انکے علاوہ سارے سچوں کیلئے بفضلہٖ تعالیٰ(جنتیں ہیں،کہ بہتی ہیں جنکے)مکانوں اور درختوں کے(نیچے نہریں)جس میں وہ(ہمیشہ ہمیش رہنے والے)ہیں۔اور سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ(اس میں اللہ)تعالیٰ(ان)کے اعمال(سے راضی)ہوگا(اور وہ اللہ)تعالیٰ کی عطافرمودہ اکرامات(سے راضی)ہونگے۔

۔۔الختصر۔۔رضوان الٰہی کی صورت میں جنتوں پر ایک مزید فیض وفضل نصیب ہوگا۔ جسکے بعد کسی فیض وفضل کی ضرورت نہ ہوگی،اسی لئے فرمایا کہ۔۔

(یہ)سب سے(بڑی کامیابی ہے)۔۔۔یعنی نجات اور حقیقی فوز بھی یہی ہے کہ انسان اپنے مقصود کو حاصل کرلے اور وہ ہے حق تعالیٰ کی خوشنودی کیونکہ اسکے سوا مومن کا اور کوئی مطلوب و مقصود نہیں۔

اب سورۂ مبارکہ کے آخر میں نصرانیوں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرائی جارہی ہے،کہ تم لوگوں نے حضرت عیسیٰ وحضرت مریم کے تعلق سے جو عقیدہ گھڑا ہے،وہ بالکل باطل ہے،کیونکہ معبود برحق تو۔۔۔

(اللہ)تعالیٰ(ہی)ہے،جس(کی ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے)۔ انکے اندر جتنے عقلاء اور غیر عقلاء ہیں سب اسی کی ملک ہیں،وہی انکا حقیقی مالک ہے،کہ جس طرح کا ان میں تصرف کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔انھیں پیدا کرے،مٹائے،فنا کردے،زندہ رکھے،انھیں مارے ۔۔یا۔۔روکے۔ان میں سے کسی کو بھی کسی قسم کا دخل نہیں،اور ایسا کیوں نہ ہو،اسلئے کہ اللہ تعالیٰ عظیم و جلیل ہے(اور وہ ہر چاہے پر قادر ہے)جو چاہا کیا،جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو چاہے گا کریگا۔تو عبادت کی مستحق،اسکی ذات کے سوا کوئی نہیں۔

بحمدہٖ تعالیٰ سورۂ مائدہ کی تفسیر

آج ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ ۔۔مطابق۔۔ ۶،اگست ۲۰۰۹ء

بروز پنج شنبہ مکمل ہوگئی۔دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ آگے کے کام کو آسان فرمائے

اور پورے قرآن کریم کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ حَبِیْبِہٖ وَاٰلِہٖ ﷺ

سورۃ الانعام کی تفسیر کا آغاز

۱۶ شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۱۸ اگست ۲۰۰۹ء

بروز شنبہ کیا گیا۔ مولیٰ تعالیٰ اسکی تکمیل کی

توفیق عطا فرمائے۔ ﴿آمین﴾

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ ۶ مَكِّيَّةٌ ۵۵ — اٰيَاتُهَا ۱۶۵ رُكُوْعَاتُهَا ۲۰

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

باختلاف اقوال ایک ۔۔ یا ۔۔ دو ۔۔ یا ۔۔ تین ۔۔ یا ۔۔ چھ ۔۔ یا ۔۔ نو آیات کے سوا، جو مدنی آیات ہیں، باقی پوری سورۂ مبارکہ مکی ہے۔ جن کے قول کی بنیاد پر ۹ آیات مدنی ہیں وہ ان آیات کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ آیات ۲۰۔ ۲۳۔ ۹۱۔ ۹۳۔ ۱۱۴۔ ۱۴۱۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ رسول اللہ ﷺ نے ان آیتوں کو اس سورت میں اپنے اپنے مقام پر لکھوا دیا۔ یہ سورۂ مبارکہ یکبارگی رات کے وقت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی۔ اسکے نزول کے وقت ستر ۷۰ ہزار فرشتے تسبیح وتحمید وتمجید پڑھتے ہوئے نازل ہوئے۔ حضور ﷺ نے اُسی رات اُسے لکھ لینے کا حکم فرمایا۔ اس سورہ کو سورۂ انعام اسلئے کہتے ہیں کہ اس سورت میں اُن مشرکین کا رد کیا گیا ہے، جنھوں نے ازخود چند مویشیوں کو حلال کرلیا تھا اور چند مویشیوں کو حرام کرلیا تھا۔ اس سورت کی بڑی فضیلت ہے۔

۔۔ چنانچہ ۔۔ حضور علیہ السلام سے مرفوعاً مروی ہے جو شخص سورۂ ھذا کی اوّل سے تین آیات تَكْسِبُوْنَ تک ہر صبح کو پڑھ لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسکی حفاظت کیلئے ستر ۷۰ ہزار فرشتے بھیجتا ہے اور قیامت تک انکی تعداد کے مطابق اس کے اعمالنامے میں اجر وثواب لکھ لیا جاتا ہے اور خصوصی طور پر ایک فرشتہ ساتویں آسمان سے نازل ہوتا ہے، اسکے ہاتھ میں ایک چابک ہوتا ہے، جب کوئی شیطان اس شخص کے قریب آتا ہے، تو وہ اسے مار بھگاتا ہے پھر اسکے اور شیطان کے درمیان ستر ۷۰ ہزار پردے لٹکا دیتا ہے۔ جب قیامت کا دن ہوگا، تو اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیگا، اے ابن آدم آج میرے سایۂ رحمت میں چلتا رہ اور بہشت سے جو مرضی آئے پھل کھا اور حوضِ کوثر سے پانی پی اور سلسبیل کے پانی سے غسل کر، کہ تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں، آج تیرے لئے نہ حساب نہ عذاب۔

اس مقام پر یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ احادیث میں بیان کردہ ثواب کی امید پر

سورۂ انعام کی تین آیتیں پڑھنی چاہئیں، لیکن یہ یقین نہیں کرنا چاہئے کہ صرف انھیں تین آیتوں کا پڑھ لینا ہی نجات کیلئے کافی ہے، نہ فرائض وواجبات ومؤکدات اور سنن ومستحبات پرعمل کی ضرورت ہے اور نہ ہی محرمات ومکروہات سے اجتناب کی حاجت ہے۔

۔۔الختصر۔۔مذکورہ بالا فضائل بنیادی طور پر انہیں کیلئے ہیں، جو اصل ڈیوٹی ادا کرنے میں کوتاہی نہیں برتتے۔ تاہم اللہ تعالیٰ بہت کریم ہے اور نکتہ نواز ہے، وہ ایک پیاسے کتے کو پانی پلا دینے کی وجہ سے ساری عمر کے گناہوں کو بخش دیتا ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ سورۂ انعام کی پہلی تین آیتیں پڑھنے سے بخش دے، تو یہ اسکے فضل وکرم اور نکتہ نوازی سے کب بعید ہے؟ تو ایسی بابرکت نامور سورۂ شریفہ کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے)، جو بہت (بڑا مہربان) ہے سب بندوں پر اور مسلمانوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوۡرَ ۬ؕ

ساری خوبیاں اللہ کیلئے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنایا تاریکیوں اور روشنی کو۔۔

ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱﴾

پھر جنھوں نے کفر کیا، اپنے پروردگار کا برابر قرار دیتے ہیں●

بیشک وہ (ساری) حقیقی (خوبیاں) جن کی وجہ سے کوئی حقیقی معنوں میں حمد وثنا کا مستحق ہوتا ہے، وہ مخصوص ہیں (اللہ) تعالیٰ (کیلئے، جس نے پیدا فرمایا) ساری مخلوقات کو، بالخصوص اعظم المخلوقات سمجھے جانے والے (آسمانوں) جنکے طبقات ایک دوسرے سے الگ الگ ممتاز ہیں (اور زمین کو) جسکے طبقات آپس میں یکسانیت رکھتے ہوئے ایک دوسرے میں ایسا ملے ہوئے ہیں، گویا وہ ایک ہی شے ہیں۔ (اور بنایا تاریکیوں اور روشنی کو)۔

۔۔چنانچہ۔۔مجوسیوں کا یہ خیال باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف نور کا خالق ہے اور شیطان تاریکیوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ تاریکیاں کوئی بھی ہوں، محسوس ہوں۔۔یا۔۔جہالت وضلالت وغیرہ کی تاریکیوں کی طرح معقول ہوں، سبھی کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہ بات

سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی بظاہر کچھ محسنین ہیں جنکا شکرادا کرنے کی بھی ہدایت ہے، لیکن یہ سارے محسنین جن نعمتوں کے ذریعہ احسان کرتے ہیں، ان ساری نعمتوں کا خالق اور پھران محسنین کو انکا عارضی مالک بنانے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔۔بلکہ۔۔انکے دلوں میں کسی پر احسان کرنے کا جذبہ پیدا کرنے والا بھی خدا ہی ہے۔۔نیز۔۔وہ جو کچھ بھی بطورِ احسان کسی کو دیتے ہیں، وہ سب خدا ہی کا عطا کردہ ہیں۔وہ ایسا مالک حقیقی ہے جسکی ملکیت کو فنا نہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ کسی کو کسی چیز کا مالک بنا کے بھی اس چیز کا مالک رہتا ہے۔

وہی خالق ہے باقی سب مخلوق، وہی مالک حقیقی ہے باقی سب مملوک، وہی رب ہے باقی سب مربوب، اور وہی رازق ہے باقی سب مرزوق۔تو اب کسی بھی خوبی اور خوبی والے کی تعریف کی جائے، تو وہ درحقیقت خدا ہی کی تعریف ہے، اسلئے کہ نقش کی تعریف دراصل نقاش کی تعریف ہے، مصنوع کی تعریف حقیقۃً صانع کی تعریف ہے، اور مخلوق کی تعریف اسکے خالق کی تعریف ہے۔یہ بھی ذہن نشین رہے کہ خوبیوں والا ہر حال میں خوبیوں والا ہے، خواہ کوئی اسکی خوبیوں کا ذکر نہ کرے۔

۔۔الختصر۔۔ساری خوبیاں، حمد، برتریاں مخصوص ہیں اللہ تعالیٰ کیلئے، خواہ کوئی اسکی تعریف کرے۔۔یا۔۔نہ کرے۔وہ اس بات سے مستغنی ہے، کہ کوئی اسکی تعریف کرے تب جاکے وہ قابل تعریف کہلائے۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ بہت بڑی عزت وعظمت کا مالک ہے اور وہ عزت وعظمت صرف اسی کیلئے مخصوص ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ حمد وعبادت کا وہی مستحق ہے۔ان حقائق کے واضح ہوجانے کے بعد۔۔۔

(پھر جنھوں نے کفر کیا) انکا حال یہ ہے کہ وہ غیر خدا کو (اپنے پروردگار کا برابر قرار دیتے ہیں)۔۔یا۔۔عدول کرتے ہیں اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت سے، اسکے غیر کی پرستش کی طرف۔ اے لوگو ذرا غور تو کرو! کہ اللہ تعالیٰ۔۔۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ طِينٍ ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا ۖ وَأَجَلٌ مُّسَمًّى

وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے، پھر فیصلہ کیا ایک میعاد مقرر کا۔اور ایک نامزد کیا وعدہ اس کے

عِنْدَهُ ۖ ثُمَّ أَنْتُمْ تَمْتَرُونَ ۝۲

یہاں ہے، پھر تم لوگ شک کرتے ہو●

(وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو) ابتداءً (مٹی سے)، اسلئے کہ اس سے حضرت آدم کی پیدائش ہوئی اور وہ تمام انسانوں میں اصل ہیں۔

۔۔الغرض۔۔انسان کا ابتدائی مادہ مٹی ہی ہے۔ **طین** کہتے ہیں اُس مٹی کو جو پانی سے ملادی جائے۔سب سے پہلے انسان یعنی حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کرنے میں شاید یہ راز ہو کہ مٹی میں تواضع وانکسار ہے، اور تواضع سے رفع وثبات نصیب ہوتا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ 'جو تواضع کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے رفیع القدر بنادیتا ہے'۔خود سرکار ﷺ نے ہمیشہ متواضعانہ زندگی ہی بسر فرمائی۔

گو تخلیق انسانی کا اصل مادہ مٹی ہی ہے، لیکن اس میں دوسرے آتشی، آبی اور بادی عناصر کی بھی آمیزش کردی گئی ہے، تو جس میں جس مادہ کا غلبہ ہوتا ہے، اس سے اسی کی مناسبت والے اعمال واحوال کا ظہور ہوتا ہے۔۔مگر۔۔چونکہ اصل الاصول مٹی ہی ہے جسکی سرشت خاکساری ہے، اس خاکساری ہی میں انسان کیلئے سب سے زیادہ اچھائی ہے۔

۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا (**پھر فیصلہ کیا ایک میعاد مقرر کا**) جو ہر ایک کے لئے خصوصیت رکھتا ہے، یعنی اسکی وہ حد معین جو دنیا میں اسکے لئے مقرر ہے، جب وہ ختم ہوگی تو اُسکے لئے موت آجائیگی۔(**اور ایک نامزد کیا وعدہ اسکے یہاں ہے**)۔۔۔یعنی وہ حد معین جو قیامت میں اٹھنے سے پہلے ہر ایک کو دی گئی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں معین وثابت شدہ ہے، نہ اس میں تغیر ہے اور نہ ہی اسکے تعین سے کوئی واقف ہے۔۔نہ اجمالاً نہ تفصیلاً۔۔۔اس **اجل** سے قیامِ قیامت مراد ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے بذات خود بغیر تعلیم خداوندی اُسے کوئی نہیں جانتا۔۔۔(**پھر تم لوگ شک کرتے ہو**) قیامت کے وقوع میں، حالانکہ تمہیں دلائل سے سمجھا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا خالق ہے اور تمہیں تمہاری موت کے مقرر وقت تک زندگی بخشنے والا ہے۔

پھر وہ ذات جو تمہارے مادّوں کو پیدا کرنے اور انھیں جمع کرنے اور ان میں حیات پیدا کرنے پر قادر ہے اور اپنی مشیت کے مطابق جب تک چاہتا ہے ان کو باقی رکھتا ہے، تو اسے یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ تمہارے مرنے کے بعد تمہارے مادّوں کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کردے اور پھر میدانِ قیامت میں سب کو اکٹھا کردے۔منکرین کیلئے وقوع قیامت تو بڑی بات، بلکہ انکے نزدیک تو مرنے کے بعد اٹھنا ہی عقل وسمجھ میں آنے والی بات نہیں تھی۔ان بے عقلوں اور ناسمجھوں نے غور ہی

نہیں کیا اور خدا کی قدرت کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

اور وہی اللہ ہے سارے آسمانوں اور زمین میں۔ جانے تمہارے چھپے کو

وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

اور تمہارے ظاہر کو، اور جانے جو تم کماؤ●

ہر عقل سلیم (اور) فہم مستقیم رکھنے والوں پر واضح ہے کہ (وہی اللہ) تعالیٰ (ہے) جو عبادت کا مستحق ہے (سارے آسمانوں اور زمین میں)۔ نہ اجرام فلکیہ میں سے کوئی عبادت کے لائق ہے اور نہ ہی مخلوقات ارضیہ میں۔۔ الغرض۔۔ وہی معبود مطلق ہے اسکے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، نہ آسمانوں میں نہ ہی زمینوں میں۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔۔ چنانچہ۔۔ وہ (جانے تمہارے چھپے کو) یعنی تمہارے پوشیدہ اقوال کو، (اور تمہارے ظاہر کو) یعنی تم جو کھلم کھلا باتیں کرتے ہو انھیں بھی جانتا ہے (اور) وہ ایسی ہی شان والا ہے جو (جانے جو تم کماؤ)، یعنی جو تم نفع حاصل کرنے کیلئے۔۔یا۔۔نقصان سے بچنے کیلئے عمل کرتے ہو اپنے قلوب۔۔یا۔۔جوارح سے، وہ ان سب کو جانتا ہے۔ لہٰذا ان سب کی تمہیں جزاء اور سزا دیگا۔ اگر نیک کام کرتے ہو، تو جزاء ملے گی اور اگر برائی کرتے ہو، تو سزا ملے گی۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④

اور نہ آئی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے پروردگار کی نشانیوں سے، مگر ہو گئے اس سے روگرداں●

(اور) یہ کفار مکہ! انکا حال تو یہ ہے کہ (نہ آئی انکے پاس کوئی نشانی انکے پروردگار کی نشانیوں) میں (سے) جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے، خواہ وہ آیات قرآنیہ سے ہوں۔۔یا۔۔آیات تکوینیہ سے، یعنی اللہ تعالیٰ کی عجیب مصنوعات جس میں معجزات بھی شامل ہیں۔۔ مثلاً: چاند کے ٹکڑے ہو جانا، درخت کا جڑ سے اکھڑ آنا، وغیرہ (مگر ہو گئے اس سے روگرداں) یعنی اگر اہل مکہ کے سامنے آیات قرآنیہ میں سے کسی آیت کا نزول ہوتا۔۔یا۔۔معجزات نبوی میں سے کسی معجزے کا ظہور ہوتا، تو

وہ لوگ فوراً اسکی تکذیب واستہزاء پر اتر آتے اور اس پر ایمان نہ لاکر اپنے کو اس سے حاصل ہونے والی ہدایت سے کنارہ کش کر لیتے اور نظر صحیح سے کام نہ لیتے۔ اگر وہ نظر صحیح سے دیکھتے تو ان کو یقین ہو جاتا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے، پھر وہ ایمان کی دولت سے نوازے جاتے۔ حق کے انکار میں یہ جلد بازی سے کام لیتے تھے۔۔۔

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑤

تو بیشک انھوں نے جھٹلایا حق کو جب انکے پاس آیا۔ تو جلد آرہی ہیں انکے پاس خبریں جس سے ہنسی کر رہے تھے●

(تو) اسی جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے (بیشک انہوں نے جھٹلایا حق کو) یعنی قرآن کو، (جب انکے پاس آیا) یعنی جب جب ان پر آیتِ قرآنی کا نزول ہوا، بغیر سوچے سمجھے فوراً ہی اس کو ماننے سے انکار کر دیا۔

قرآن کریم کو حق سے تعبیر کرنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ اتنے بدبخت تھے، کہ ایسے کلام کا انکار کیا، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ یہ انکے کمال قبح کی دلیل ہے، اسلئے کہ حق کی تکذیب کسی فردِ بشر سے متصور ہی نہیں، لیکن ان بدبختوں نے اسکی تکذیب کر دی۔

(تو جلد آرہی ہیں انکے پاس خبریں جس سے ہنسی کر رہے تھے) جس حق کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اس استہزاء و تکذیب کا ثمرہ یہی تو ملا، کہ وہ سزاؤں کے مستحق ہو گئے۔ تو عنقریب اپنی ان سزاؤں کو جان لینگے جو انھیں آیات کے استہزاء اور تکذیب سے ملے گی۔

۔۔ چنانچہ۔۔ غزوہ بدر میں انھیں تلوار سے مزہ چکھا دیا گیا اور آخرت میں جس عذاب سے یہ گزریں گے اسکا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کا پرچم سربلند ہوا اور مومنین کی شوکت و قدرت میں اضافہ ہوا، ان منکرین کے ہاتھ کیا لگا، سوائے ذلت ورسوائی کے۔۔۔ اب تک تو اللہ تعالیٰ نے اُنکے قبائح۔۔۔ مثلاً: آیات سے اعراض، انکی تکذیب اور ان سے استہزاء کو بیان فرمایا، اور اب وعظ و نصیحت کے طور پر کچھ باتیں ارشاد فرما رہا ہے اور گزشتہ قوموں کے حالات سنا رہا ہے کہ کیا انھیں معلوم نہیں۔۔۔ اور۔۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہلاک کر دیئے ہم نے ان سے پہلے ایسوں کو، جنھیں ہم نے اتنا مضبوط کر دیا تھا زمین میں جو تم کو نہ کیا،

لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ

اور بھیجاان پرخوب برستابادل، اور ہم نے نہریں کردیں کہ بہیں انکے نیچے،

فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٦﴾

پھرہم نے ہلاک کردیاان کوانکے گناہوں کی وجہ سے، اوراٹھائی ہم نے انکے بعددوسری امت●

(کیاانہوں نے نہیں دیکھا) اورآثار قدیمہ کو دیکھ کراورانکے حالات سن کرمعلوم نہیں کیا (کہ) اپنی قہاریت کی قوت سے (ہلاک کردیئے ہم نے ان سے پہلے ایسوں کو، جنھیں ہم نے اتنا مضبوط کردیا تھازمین میں، جوتم کونہ کیا) اورصرف یہی نہیں کہ ہم نے انکوزمین پرقدرت دے رکھی تھی اورانھیں زمین پرایسے تصرفات بخشے جوتمہیں نصیب نہیں، بلکہ انکے لئے آسائش حیات کے اسباب بھی فراہم فرمادیئے تھے (اور بھیجاان پرخوب برستابادل) جوخوب خوب برسنے والا ہوتا (اورہم نے نہریں کردیں کہ بہیں انکے) محلوں، مکانوں اوردرختوں کے (نیچے)۔تو یہ نہریں جاری رہتی تھیں۔

خلاصہ یہ کہ ہم نے انکے اجسام میں تنومندی، صحت اورعمروں میں برکت اوراموال میں وسعت دی، یعنی دنیوی اسباب میں انھیں کسی قسم کی کمی نہیں تھی۔وہ جس طرح کے منافع کا حصول۔۔یا۔۔جس طرح سے نقصانات کادفعیہ چاہتے، انھیں ہرطرح کی سہولتیں میسرتھیں جوتمہیں اے مکہ والوانکاعشرعشیربھی نصیب نہیں۔لیکن انہوں نے اتنی وسعت کے باوجود اپنے کفران وعصیان کوحدِکمال تک پہنچادیا۔

تو (پھرہم نے ہلاک کردیاان کوان کے گناہوں کی وجہ سے)۔۔المختصر۔۔ہرزمانے کے لوگ اپنے مخصوص گناہوں کی وجہ سے تباہ وبربادہوئے۔نہ انھیں ان کی کثرت نے بچایااورنہ ہی وہ دنیوی اسباب کی فراوانی کی وجہ سے بچ سکے۔کچھ تمہاری حالت بھی یہی ہے، کہ انکی طرح تم پرعذابِ الٰہی کا نزول ہوگا۔۔المختصر۔۔جوہلاک کردیئے جانے کے مستحق ہوگئے تھے انھیں توہم نے ہلاک کردیا، (اور) پھر (اٹھائی ہم نے انکے بعددوسری امت)۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال قدرت کااظہارفرمایا، کہ ان لوگوں کے بارباتباہ وبرباد ہونے کے باوجوداللہ تعالیٰ کے مُلک۔۔یا۔۔مِلک میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی، بلکہ ایک قوم کی تباہی وبربادی کے بعدہم نے اورقوم پیدافرمادی، جوشہروں اورملکوں کوآبادکرتی رہی۔

اسلئے کہ یہ سنت الہیہ [illegible]

انصاف پیدا فرماتا ہے۔ اسی طرح 'اہل ریا وسمعہ' کو مٹا کر 'اہل صدق واخلاص' پیدا فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں اہل صدق واخلاص بھی پیدا ہوتے رہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اور اگر ہم نے اتارا ہوتا تم پر کسی نوشتہ کو کاغذ میں، پھر انھوں نے اپنے ہاتھوں سے چھولیا ہوتا، تو بھی کہتے جو کافر ہیں،

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا جادو●

اے محبوب! اس مقام پر مشرکین کا آپ سے مطالبہ کرنا بالکل لغو اور کذب صریح ہے کہ آپ ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ سے ایسی کتاب لا کر دکھائیں جسکی چار فرشتے گواہی دیں، کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی کتاب ہے اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، تب جا کے ہم ایمان لائینگے، اسلئے کہ یہ کسی صورت میں ماننے والے (اور) ایمان لانے والے نہیں ہو سکتے۔۔ چنانچہ۔۔ (اگر ہم نے اتارا ہوتا تم پر کسی نوشتہ کو کاغذ میں، پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں سے چھولیا ہوتا، تو بھی کہتے) وہ (جو کافر ہیں، کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا جادو)۔

۔۔الختصر۔۔ جو ازلی محروم ہوتا ہے اور وہ اگر غائبانہ حق کی تکذیب کرتا ہے، تو آنکھوں سے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد بھی انکار سے نہیں چوکتا۔ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی کٹ حجتی کرنے والے ضدی لوگ از راہِ عناد و سرکشی ایسا ہی کرنے کے خوگر ہوتے ہیں۔ ذرا ان کٹ حجتی کرنے والوں کو دیکھو، کہ اوّلاً نبی کی نبوت کی اشارتاً تکذیب کی، اور اب صراحتاً نبوت پر جرح وقدح کرنے پر اتر آئے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸

اور بولے، کہ "کیوں نہیں اتارا گیا اس پر کوئی فرشتہ"۔ اور اگر ہم اتار دیتے فرشتہ، تو کام ختم ہو گیا ہوتا۔ پھر ان کو مہلت نہ دی جاتی●

(اور بولے کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس) نبی (پر کوئی فرشتہ)، جسے ہم آنکھوں سے دیکھیں اور وہ براہِ راست ہم سے کہے، کہ یہ نبی علیہ السلام ہیں۔ ان نادانوں نے اتنا بھی نہیں سوچا (اور) یہ بھی نہیں سمجھا کہ (اگر ہم اتار دیتے فرشتہ، تو کام ختم ہو گیا ہوتا)۔۔۔ یعنی انکے مطالبے پر اگر ہم فرشتے کو اسکی اصل شکل وصورت پر اتاریں اور فرشتے کا نزول ہو، تو کفار کی تباہی و بربادی کا فیصلہ ہو جائیگا۔ اسلئے

کہ فرشتوں کو انکی اپنی اصل صورت پر دیکھنا عام آدمیوں کے بس سے باہر ہے۔۔الحاصل۔۔فرشتوں کے نزول کے بعد (**پھر انکو مہلت نہ دی جاتی**)، آنکھ جھپکنے سے پہلے ہی وہ تباہ و برباد ہوجاتے۔اس مقام پر غور سے سنو۔۔۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

اور اگر ہم بناتے نبی فرشتہ کو، تو بناتے اسے مرد، اور ضرور ان کو اسی شبہ میں رکھتے جس میں ہیں●

(اور) یاد رکھو کہ (**اگر ہم بناتے نبی فرشتے کو، تو بناتے اُسے مرد**) ہی کی صورت میں، اسلئے کہ اگر انکو انکی صورت اصلی میں ظاہر کیا جاتا، تو کوئی انکو دیکھنے کی تاب نہ لاتا اور جو دیکھتا وہ فنا ہوجاتا۔

خیال رہے کہ کفار کا مطالبہ نبی کو فرشتہ بنانے کا نہیں تھا بلکہ انکا مطالبہ کبھی فرشتے کو نبی بنانے کا رہا اور کبھی شاہدِ نبی، یعنی 'نبی کی نبوت کا گواہ' بنانے کا تھا۔اب خواہ فرشتوں کو نبی بنایا جائے۔۔یا۔۔شاہدِ نبی، دونوں صورتوں میں کفار اشتباہ والتباس سے محفوظ نہ رہتے۔

(**اور ضرور انکو اسی شبہ میں رکھتے، جس میں ہیں**)۔۔چنانچہ۔۔وہ فرشتوں کو بشری لباس میں دیکھ کر کہنے لگتے، یہ بھی تو ہماری طرح بشر ہیں۔جس طرح کفار 'نورِ محمدی' کو بشری لباس میں دیکھ کر بول پڑے، یہ تو ہماری ہی طرح بشر ہیں۔بعد کے بعض منافقین بھی انکے ہمنوا ہوگئے اور 'آیت متشابہ' کو اپنی دلیل بنانے لگے اور مذکورہ آیت میں مذکور لفظ **مِثْلُكُمْ** میں جو حقیقی طور پر وجوہ مماثلت ہے ان سے صرف نظر کر کے قولِ کفار میں مذکور **مِثْلُنَا** میں خود کافروں کے نزدیک جو وجوہ مماثلت ہیں، انکو اپنے عقیدے کا جزء بنا کر کفر وضلالت کا شکار ہوگئے۔

۔۔المختصر۔۔کافروں کا یہ مطالبہ کہ ہمارے ایمان لانے کی صورت صرف یہ ہے کہ فرشتے کو نبی بنا کر بھیجا جائے۔۔یا۔۔فرشتے کو نبی کے ساتھ انکی نبوت کا گواہ بنا کر نازل فرما دیا جائے، یہ انکی صرف کٹ حجتی ہے، اسلئے کہ اگر بالفرض ایسا کر بھی دیا جائے، جب بھی انکی بے جا زبان درازی کا راستہ مسدود نہیں ہوتا۔

اس مقام پر یہ بات بھی تو قابل غور ہے کہ کسی کو اشکال واشتباہ میں ڈالنا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔تو اب ارشاد الٰہی کا حاصل یہ ہوا، کہ اگر ہم اسطرح کرتے، تو وہ کرتے جو ہماری شان کے خلاف ہے، اور ہم اپنی شان کے خلاف کوئی کام کریں، یہ محال ہے۔۔لہٰذا۔۔ایسے

کام کا مطالبہ کفار و مشرکین کی غایت جہل کی دلیل ہے۔
آگے کی آیت میں حضور تاجدار انبیاء ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے، جبکہ اہل مکہ نے آپ کو بہت بہت پریشان کیا۔۔۔یعنی اے محبوب! غم نہ کھائیے۔۔۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا
اور بیشک ٹھٹھا کیا گیا تم سے پہلے کے رسولوں کے ساتھ۔ تو اتری انھیں پر جنھوں نے ہنسی کی تھی
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع
ان کی ہنسی●

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾
کہو، کہ "زمین میں گھومو! پھر دیکھو کہ کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا"●

(اور) بہت زیادہ کبیدہ خاطر نہ ہوئیے، کیونکہ یہ کوئی نئی بات نہیں جو تمہارے ساتھ پیش آئی، بلکہ (بیشک ٹھٹھا کیا گیا تم سے پہلے کے) کثیر التعداد انبیاء کرام اور اولوالعزم (رسولوں کے ساتھ)۔تو اپنے اس استہزاء کا خمیازہ انھیں کو بھگتنا پڑا (تو اتری انھیں پر جنھوں نے ہنسی کی تھی انکی ہنسی)۔۔الغرض۔۔وہ اپنے اسی استہزاء تمسخر کے سبب ہلاک وتباہ و برباد ہوگئے۔رسول کریم کے ساتھ استہزاء کا جواب انھیں غزوۂ بدر میں حاصل ہوگیا۔

اے محبوب! کافروں اور مشرکوں سے (کہو کہ) اگر مشرکوں پر عذاب ہونے کو تم نہیں مانتے ہو، تو (زمین میں گھومو) اور کبھی شام، کبھی یمن اور کبھی عاد اور ثمود کے مقاموں پر گزر کرو، (پھر) نظر عبرت سے (دیکھو کہ کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا) اور اے محبوب! ان منکرین سے سوالیہ لب و لہجے میں پوچھو۔۔اور۔۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ
کہہ دو، کہ "کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟" کہو اللہ کا۔ قرار دے لیا اپنے کرم پر رحمت کو۔
لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
تاکہ اکٹھا کرے تم کو روز قیامت، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ جنھوں نے گھاٹا کیا

اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

اپنے ساتھ، تو وہ نہیں مانتے●

(کہہ دو کہ کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے)۔

چونکہ اس قسم کے سوال کا جواب خود بخود متعین ہوتا ہے، اسی لئے جواب کے انتظار کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ اسطرح کے سوالات کیلئے ضروری ہے کہ انتظار کے بغیر فوراً اسکا جواب دیدیا جائے۔

تو اے محبوب! وہ کفار جواب دیں۔۔یا۔۔نہ دیں، تم خود ہی فوراً جواباً ارشاد فرمادو، اور (کہو) کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، وہ سب کچھ (اللہ) تعالیٰ ہی (کا) ہے، وہی سب کا مالک حقیقی ہے۔

اس میں اہل مکہ سے دلائل کا اعتراف کرایا جارہا ہے کہ وہ اقرار کریں کہ تمام عقلاء اور غیر عقلاء اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کردہ اور اسی کی ملک ہیں اور ان میں صرف وہی تصرف کرسکتا ہے۔ گویا ان سے سوال ہوا کہ بتاؤ اے کافرو ایسے واضح دلائل کے باوجود، اب بھی تمہیں اقرار ہے۔۔یا۔۔نہیں، جبکہ کسی کو انکار کی گنجائش ہی نہیں۔۔المختصر۔۔اس ساری کائنات کا مالکِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جس نے (قرار دے لیا اپنے کرم پر رحمت کو) گو اس پر کوئی چیز واجب نہیں، بس یہ اسکی نوازش ہے کہ اس نے بندوں پر رحمت کو اپنے ذمہ ءکرم میں رکھ لیا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔وہ بندوں پر بہت بڑا مہربان ہے اور ان پر سزا کیلئے عجلت نہیں کرتا۔ بلکہ توبہ کی مہلت عطا فرماتا ہے اور بہت جلد توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ اور جو اسکی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ فوراً اُسے اپنے دامن رحمت میں لے لیتا ہے، تو ایسے مالکِ **السمٰوٰت والارض** اور رحیم و کریم **رب العٰلمین** کا شریک ایسوں کو قرار دینا، جو کسی بھی شے کے حقیقی مالک نہیں اور نہ ہی بذات خود کسی طرح کا تصرف کرسکنے والے ہوں، کسی سلیم الطبع اور فکر مستقیم رکھنے والے سے کیسے ممکن ہے؟

تو مشرکین اچھی طرح سے سن لیں کہ قسم ہے خدائے برتر و بالا کی، فیصلہءخداوندی ہو چکا ہے (تا کہ) ضرور ضرور (اکٹھا کرے تم کو روز قیامت) وہ دن کہ (اس) کے واقع ہونے (میں کوئی شک نہیں ہے)، لہٰذا ان مشرکین کو انکے شرک کی سزا مل کر رہے گی، (جنھوں نے) کفر و شرک اختیار کرکے (گھاٹا کیا اپنے ساتھ) اور اپنے کو بہت بڑے خسارے میں ڈال دیا۔ اور اپنی فطرت اصلیہ

اور عقل سلیم کو ضائع کر دیا۔ یہی (تو) وجہ ہے کہ (وہ نہیں مانتے)۔

۔۔الختصر۔۔انھوں نے اپنی عقل کو حواس اور وہم کے تابع کر کے تقلید مذموم میں منہمک ہو کر اور نظر و فکر کو غفلت میں ڈال کر ضائع کر دیا، اسلیئے وہ کفر کے گڑھے میں جا گرے اور ایمان کی دولت سے محروم ہو کر رحمت خاصہ کے دائرے سے خارج ہو گئے۔۔چنانچہ۔۔نہ تو انھیں معرفت کی ہدایت ملی اور نہ توحید و کتب آسمانی کا علم حاصل ہو سکا، اور نہ ہی وہ اپنے کو کفر سے کنارہ کش کر سکے۔

اے محبوب! یہ ان کافروں کی نافہمی اور حق سے دوری کا نتیجہ ہی تو ہے، جو آپ کی بارگاہ میں آکر یہ عرض کرتے ہیں کہ "اے محمد ﷺ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فقر و فاقہ نے تنگ کر رکھا ہے اس وجہ سے آپ نئے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم آپ کیلیئے بڑے دور کے علاقوں اور اپنی طرف سے بہت بڑا چندہ کر دیتے ہیں، اسطرح آپ دنیا کے امیر ترین انسانوں سے گنے جائینگے، لیکن مہربانی فرما کر آپ ہمیں اس نئے دین کی دعوت نہ دیجئے"۔۔۔تو اے محبوب! ان نادانوں پر واضح کر دو۔۔۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾

اور اسی کا ہے جو کچھ بسا رات اور دن میں۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے●

(اور) بتادو کہ (اس) یعنی اللہ تعالیٰ ہی (کا ہے جو کچھ بسا) یعنی آرام لیتا ہے (رات اور دن میں)۔۔الغرض۔۔وہ زمان و مکان کا مالک ہے اور ان چیزوں کا بھی مالک ہے جن کو زمان و مکان گھیرے ہوئے ہیں (اور وہ سننے والا) ہے جو کچھ کافر کہتے ہیں اور (جاننے والا ہے) جو انکے ارادے ہیں۔۔الختصر۔۔وہ ہر مسموع شے کو بہت زیادہ سنتا ہے اور ہر معلوم شے کو بخوبی جانتا ہے۔ اس سے کسی کے اقوال مخفی ہیں نہ افعال۔ اور جب مالک السمٰوات والارض وہی ہے، تو اگر وہ چاہے تو اپنے پیغمبر کو اتنا مال دیدے کہ وہ تمام مخلوقات سے زیادہ مالدار ہو جائے۔ تو اے محبوب! ان بے وقوفوں سے سوالیہ انداز میں۔۔۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ

کہدو کہ "کیا اللہ کے سوا دوسرے کو معبود بنالوں؟ پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا، اور وہ کھلاتا ہے اور کھلائے جانے سے پاک ہے۔

قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۝۱۴

کہہ دو، کہ "بے شک مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ پہلا مسلمان ہونا، اور مشرکوں سے نہ ہونا"●

(کہہ دو کہ) احمقو! (کیا) تم یہ چاہتے ہو کہ میں (اللہ) تعالیٰ (کے سوادوسرے کو معبود بنالوں)؟ اسلئے کہ معبودانِ باطل کو باطل نہ سمجھنا اور انھیں باطل نہ قرار دینا، ایسے ہی کسی بھی غیر خدا کو اپنا حقیقی کارساز سمجھ لینا، انکو معبود بنالینا ہی ہے اور ان دونوں باتوں میں سے کسی کا بھی صدور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے ناممکن ہے۔ نادانو! یہ کون سی دانشمندی کی بات ہے، کہ میں اسکو چھوڑ دوں جو (پیدا کرنے والا) ہے (آسمانوں اور زمین کا اور) ایسا جواد وکریم ہے کہ (وہ) سب کو (کھلاتا ہے) یعنی رزق دیتا ہے (اور) خود (کھلائے جانے سے پاک ہے) کہ کوئی اسکو کھلائے اور رزق دے۔

وہ قادرِ مطلق ہے، مقدور نہیں۔۔۔ وہ مختار کلُ ہے، مجبور نہیں۔۔۔ وہ سب کا رازق ہے، کسی کا مرزوق نہیں۔۔۔ وہ مالک کلُ ہے، کسی کا مملوک نہیں۔۔۔ اور وہ رب العالمین ہے، کسی کا مربوب نہیں۔۔ تو۔۔ اے محبوب! ان کافروں سے واضح لفظوں میں (کہہ دو کہ) میں خدا کا پیغمبر ہوں (بیشک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ پہلا مسلمان ہونا اور مشرکوں سے نہ ہونا)۔ اس واسطے کہ نبی دین میں امت سے سابق اور پہلے ہوتا ہے۔ اور اے محبوب! یہ بھی۔۔۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ۝۱۵ مَنْ یُّصْرَفْ عَنْهُ

کہہ دو، کہ "بیشک میں تو ڈروں" اگر نافرمانی کی ہوتی اپنے پروردگار کی بڑے دن کے عذاب کو● جس سے پھیر دیا جائے

یَوْمَىٕذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِیْنُ۝۱۶ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ

عذاب اُس دن، تو بیشک رحم فرمادیا اُس پر۔ اور یہ کھلی کامیابی ہے● اور اگر اللہ تمہیں نقصان پہنچادے،

فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَؕ وَ اِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝۱۷

تو کوئی اس کا ہٹانے والا نہیں ہے، بجز اس کے۔ اور اگر بھلائی پہنچادے، تو وہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(کہہ دو کہ) میں نبی ہوں اور نبی خشیت الٰہی کا مجسمہ ہوتا ہے، تو میرا حال یہ ہے کہ (بیشک میں تو ڈروں) یعنی ڈرتا ہوں کہ (اگر) بفرض محال (نافرمانی کی ہوتی اپنے پروردگار کی) اور اسکے سوا کسی کی عبادت کرلیا ہوتا۔ کس سے ڈرتا ہوں؟ (بڑے دن) یعنی قیامت کے دن (کے عذاب کو)۔

اب اگر اے منکرو! اس عذاب کا سچا خوف تمہارے دل میں بھی آجائے، تو یقیناً اس عذاب سے بچنے کی فکر تمہیں بھی لاحق ہوجائے۔۔اور بیشک۔۔

(جس سے پھیر دیا جائے عذاب اُس دن، تو بیشک رحم فرمادیا) اللہ تعالیٰ نے (اس پر۔اور یہ) اللہ تعالیٰ کا رحم فرمانا، اسکی (کھلی کامیابی ہے)۔یادرکھو کہ کسی کی تکلیف یا غریبی دور کردینا۔۔یا۔۔ اُسے کسی طرح کے بھی نقصان سے بچانا۔۔یا۔اُسے کسی طرح کا بھی فائدہ پہنچانا، یہ انسانوں کے بس کی بات نہیں، یہ سب بھی مشیت الٰہی پر موقوف ہے۔صرف اللہ تعالیٰ ہی نفع ونقصان پہنچانے پر حقیقی طور پر قدرت والا ہے۔

(اور) اسی لئے (اگر اللہ) تعالیٰ (تمہیں نقصان پہنچادے، تو کوئی اسکا ہٹانے والا نہیں ہے بجز اسکے)۔خدا کی دی ہوئی غریبی اور تکلیف اسکے سوا کون ہٹا سکتا ہے۔(اور) یونہی (اگر بھلائی پہنچادے)۔۔مثلاً: مالداری اور صحت عطا فرمادے، (تو وہ ہر چاہے پر قادر ہے)، اُسے بھلائی کرنے سے کون روک سکتا ہے۔۔المختصر۔نفع ہو یا نقصان، اسکی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوسکتا۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١٨﴾

اور وہ زبردست ہے اپنے بندوں پر۔اور وہ حکمت والا خبردار ہے●

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (وہ) قدرت وقہر کے اعتبار سے (زبردست ہے اپنے بندوں پر) یہ اسکے کمال قدرت کی شان ہے۔(اور وہ حکمت والا) محکم کار ہے اپنی تدبیر میں۔اور (خبردار) جاننے والا (ہے) بندوں کے چھپے ہوئے احوال کو۔یہ اسکے کمال علم کی نشانی ہے۔

اے محبوب! قریش کے احمقوں کا آپ کی بارگاہ میں یہ عرض کرنا کہ "اے محمد ﷺ ہم کسی کو بھی نہیں دیکھتے کہ تیری تصدیق کرے۔۔چنانچہ۔۔احبار یہود اور علمائے نصاریٰ سے ہم نے پوچھا، کہ اس مرد کی صفت اپنی کتابوں میں تم نے کہیں دیکھی؟ تو ان سبھوں نے انکار کیا، تو اب ہمیں کوئی ایسا شخص دکھا جو تیری رسالت اور تیری کتاب کی حقیقت پر گواہی دے"۔تو اے محبوب! ان سے۔۔۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ

کہہ دو، کہ "سب سے بڑا گواہ کون؟" کہو، کہ 'اللہ'۔۔گواہ ہے، ہمارے تمہارے درمیان۔۔اور میری طرف وحی کیا گیا ہے

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً

یہ قرآن، تاکہ تم کو اس سے ڈراؤں اور جس جس کو پہنچے۔ کیا تم گواہی دیتے ہو، کہ اللہ کا شریک دوسرے معبود

اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۱۹

لوگ ہیں؟ کہو کہ میں تو گواہی نہیں دیتا۔ کہہ دو کہ اللہ صرف ایک معبود ہے۔ اور بیشک میں بیزار ہوں جن کو شریک بناتے ہو●

(کہہ دو کہ سب سے بڑا گواہ کون؟ کہو کہ اللہ) تعالیٰ (گواہ ہے ہمارے تمہارے درمیان)۔ مخلوق میں سے کسی کی بھی گواہی اسکی گواہی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسلئے کہ مخلوق کی شہادت اور انکے علوم حقائق اشیاء کا احاطہ نہیں کر سکتے اور حق سبحانہ تعالیٰ کا علم جمیع اشیاء کے حقائق کو محیط ہے۔

اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے سوال مذکور کے جواب میں اپنے محبوب ﷺ کو جواب کیلئے منتخب فرمایا، تاکہ معلوم ہو کہ اس سوال کے جواب کی نہ قدرت انھیں ہے اور نہ ہی وہ اسکے جواب کے اہل ہیں، بلکہ اس کے جواب کی صلاحیت صرف محبوب کردگار ﷺ کو ہے۔

۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ ہی گواہ ہے (اور) اسی کی جانب سے (میری طرف وحی کیا گیا ہے یہ قرآن) جو میری رسالت کی صحت پر شاہد ہے، اسکو مجھ پر نازل فرمانے کے جملہ مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے (تاکہ) اے میرے عہد میں موجود کافرو! (تم کو اس) کتاب عظیم میں مذکور وعیدوں (سے تمہیں ڈراؤں اور) ان کو بھی ڈراؤں (جس جسکو پہنچے) یعنی قیامت تک آنے والے انسانوں میں جن کے ہاں یہ قرآن پہنچے۔ اگرچہ اس میں خوش خبری بھی ہے، لیکن یہاں دوضدوں میں سے صرف ایک کے بیان پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

اس مقام پر اشارتاً یہ بھی معلوم ہو گیا، کہ جس کے ہاں قرآن کریم پہنچا، گویا اس نے حضور ﷺ کی زیارت کی اور ان سے گویا براہِ راست قرآن سنا۔۔۔اب آگے کی آیت میں بڑے لطیف سوالیہ انداز سے مشرکین سے انکے شرک کا اعتراف کرالیا گیا۔ اس اعتراف کے سوا انکے پاس چارۂ کار بھی نہیں تھا، اسلئے کہ اس عمل میں وہ بڑی شہرت رکھتے تھے۔۔۔ چنانچہ۔۔فرمایا۔۔۔

(کیا تم) وہی ہو جو (گواہی دیتے ہو) اور اپنے قول و عمل سے کہتے ہو (کہ اللہ) تعالیٰ (کا شریک دوسرے معبود لوگ ہیں)؟ تو اے محبوب! تم ان سے (کہو کہ میں تو) تمہاری اس بکواس میں تمہارا ساتھ نہیں دیتا اور جس بات کی گواہی تم دیتے ہو، اسکی (گواہی) میں (نہیں دیتا)۔ اور اے

محبوب! ان پر یہ بھی واضح کر دو اور (کہہ دو) کہ میں تو صرف اس بات کا گواہ ہوں (کہ اللہ) تعالیٰ ہی (صرف ایک معبود) یعنی مستحق عبادت (ہے۔ اور بیشک میں بیزار ہوں) ان سارے بتوں سے (جن کو تم) اللہ تعالیٰ کا (شریک بناتے ہو)۔۔۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

جن کو دے رکھی ہے ہم نے کتاب، پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسا کہ لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں۔۔۔

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

جنہوں نے گھاٹا کیا اپنا، تو وہ نہیں مانتے ●

سابقہ آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب مشرکین نے احبار یہود اور علمائے نصاریٰ سے پیغمبر اسلام علیہ السلام کے تعلق سے سوال کیا، تو انھوں نے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا اور اپنی آسمانی کتابوں میں آپ کے ذکر سے انکار کیا اور اپنی گفتگو سے یہ ظاہر کیا کہ ہم انھیں نہیں پہچانتے حالانکہ یہ انکا کذبِ صریح تھا۔۔ کیونکہ۔۔

(جن کو دے رکھی ہے ہم نے کتاب، پہچانتے ہیں اس نبی کو جیسا کہ لوگ اپنے بیٹوں کو پہچانیں) یعنی جس طرح لوگ اپنے بیٹوں کی صورت اور اوصاف سے ان کو اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں، اسی طرح اہل کتاب اپنی آسمانی کتابوں کے ذریعہ نبی کریم کے اوصاف و حالات سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جو تم پہچانتے ہو اور حق تعالیٰ اس سے خبر دیتا ہے، کہ وہ پہچان اپنے بیٹوں کی پہچان کے مثل ہے، یہ کس طور پر ہو سکتی ہے؟ حضرت عبداللہ ابن سلام نے کہا کہ اپنے بیٹے کی صحت نسب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر میں یقین رکھتا ہوں، اس واسطے کہ حضرت کی رسالت توریت سے مجھے معلوم ہوئی، اور اپنے بیٹے کے نسب کی صحت میں کیا جانوں کہ عورتوں نے کیا کیا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، خدا توفیق کو تیری رفیق کرے اے عبداللہ، تو بکی سمجھ والا اور سچا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ (جنھوں نے گھاٹا کیا اپنا) وہ اہل کتاب ہوں۔۔یا۔۔ مشرکین، انھوں نے اللہ

تعالیٰ کی فطرت کو ضائع کیا اور ان آیات بینات سے روگردانی کی، جو ایمان کی موجب ہیں، (تو وہ نہیں مانتے) اسلئے کہ انکے دلوں پر مہر ثبت ہو چکی ہے۔ چونکہ وہ فطرت سلیمہ کو ضائع کر کے عقل سلیم سے بھی محروم ہو گئے، اسی لئے ایمان قبول نہ کر سکے۔ عقل والو! ذرا غور کرو۔۔۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

اور اس سے زیادہ ظالم کون، جس نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹ کا، اور جھٹلایا اس کی آیتوں کو۔ بیشک ظالم نجات

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا

نہ پائینگے ● اور جس دن ہم ان سب کو اٹھا کر لائینگے، پھر ہم کہیں گے انھیں جنھوں نے شرک کیا،

اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾

کہ کہاں ہیں تمہارے شریک بنائے ہوئے جن پر گھمنڈ کرتے تھے ●

(اور) سوچو (اس سے زیادہ ظالم کون جس نے بہتان باندھا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ کا) اور توریت وانجیل سے حضور نبی کریم ﷺ کی صحیح تعریف کے خلاف غلط اوصاف عوام کو سنائے، یہ بھی اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے، اور یہ بھی کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اور یہ بھی بتایا کہ یہی ملائکہ قیامت میں ہماری سفارش فرمائینگے، وغیرہ وغیرہ (اور) مزید برآں (جھٹلایا اسکی آیتوں کو)۔۔ مثلاً: انھوں نے قرآن مجید کو نہیں مانا۔ حضور ﷺ کے معجزات کو جادو سے تعبیر کیا اور توریت کی تحریف کی، اور حضور نبی کریم کے اوصاف مبارکہ غلط سلط طریقے سے بتائے۔

۔۔الحتصر۔۔ یہ ظلم میں یکتا تھے اسلئے کہ جسکا اللہ تعالیٰ نے اثبات فرمایا، انھوں نے اسکی نفی کی اور جسکی اللہ تعالیٰ نے نفی کی، انھوں نے اسکا اثبات کیا۔

تو جان لو کہ (بیشک) یہ سارے (ظالم نجات نہ پائینگے)۔ نہ تو انھیں تکالیف سے نجات ملے گی اور نہ ہی یہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکیں گے۔

غور کیجئے کہ جب ظالم کا یہ حال ہوگا، تو پھر 'اظلم' کا کیا حشر ہوگا۔ یہاں ظلم سے مراد وہ صورت ہے، جو کفر وشرک کے ارتکاب کا نتیجہ ہے۔ مقام غور ہے کہ ان کافرین ومشرکین کے حق میں وہ دن بھی کیا دن ہوگا۔۔۔

(اور) اس دن ان پر کیا گزرے گی (جس دن ہم ان سب کو اٹھا کر لائینگے)، یعنی قیامت

کے میدان میں تمام لوگوں کو جمع کرینگے (پھر) برسر میدان عام مجمع میں زجر وتوبیخ کرتے ہوئے قیامت کی ہولناکیوں اور تباہیوں سے انھیں باخبر کر کے (ہم کہیں گے انھیں جنھوں نے شرک کیا کہ، کہاں ہیں تمہارے شریک بنائے ہوئے) تمہارے اپنے خودساختہ معبود (جن پر) تم (گھمنڈ کرتے تھے) کہ وہ تمہاری شفاعت کرینگے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾

پھر نہ رہ گئی ان کی کوئی شرارت، مگر یہ کہ بولے "قسم ہے اللہ کی ہمارا پروردگار، ہم تو مشرک نہ تھے" ●

(پھر نہ رہ گئی انکی کوئی شرارت، مگر یہ کہ بولے قسم ہے اللہ) تعالیٰ (کی) جو (ہمارا پروردگار) ہے (ہم تو مشرک نہ تھے)۔۔ المختصر۔۔ حلفیہ جھوٹا بیان دینے کے سوا انھیں کوئی مکر کی راہ نظر نہ آئی۔ یہ مکار لوگ قیامت کے دن جب ایمان والے موحدین کی بزرگیاں اور اُنکے بلند مراتب دیکھیں گے، تو آپس میں کہیں گے، آؤ شرک سے انکار کردیں، تا کہ ہم بھی نجات پا جائیں، تو سب خدا کی قسم کھا کر کہیں گے، کہ "ہم لوگ مشرک نہ تھے"۔

اُس وقت اللہ تعالیٰ انکے مونھوں پر مہر کر دیگا، پھر انکے ہاتھ پاؤں گواہی دینگے، پھر حکم الٰہی ہوگا کہ لیجاؤ انھیں جہنم میں۔ ظاہر ہے کہ مشرکین کا جواب کذب صریح تھا، جسے انھوں نے عمداً پیش کیا، حالانکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ وہ دنیا میں کفر وشرک میں منہمک رہے۔ یہ بھی ممکن ہے انھوں نے یہ جواب حیرت و مدہوشی کے عالم میں دیا ہو۔ پھر بھی کذب تو کذب ہی ہے، خواہ کوئی ہوش میں رہ کر بولے۔۔یا۔۔ مدہوش ہو کر۔۔ الحاصل۔۔ ہر حال میں انکا یہ جواب ان کا فتنہ اور انکی شرارت ہے۔۔تو۔۔ اے محبوب!

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

دیکھو کیسا اپنے اوپر جھوٹ بولے۔ اور گم ہو گئے ان سے جو گڑھا کرتے تھے ●

(دیکھو کیسا اپنے اوپر جھوٹ بولے) شرک سے منکر ہو کر۔ وہ بھی ایسے وقت میں جھوٹ بولے جبکہ بروز قیامت خدائے علیم وخبیر کی بارگاہ عدالت میں حاضر ہیں۔ اس وقت انکا جھوٹ بولنا کس قدر عجیب ہے۔ (اور گم ہو گئے ان سے جو گڑھا کرتے تھے)۔۔ الغرض۔۔ انکا وہ افترا جو وہ بتوں کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں، قیامت میں یکسر غلط ہو جائیگا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے انکا سفارشی بنانے کا عقیدہ اس لحاظ سے غلط نہیں تھا، کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنانا حرام ہے، بلکہ اس معنی میں غلط تھا کہ انھوں نے ایسی اشیاء کو خدا تعالیٰ کے ہاں سفارشی بنایا، جو سفارشی ہونے کے اہل نہیں، بلکہ مغضوب ومعتوب تھے اور ایسوں کا سفارشی نہ ہوسکنا کلام الٰہی میں منصوص ہے۔ ان مشرکین کے عوام تو عوام ہی تھے، یہ جنہیں بہت بڑا دانشور سمجھتے تھے۔۔ مثلاً: ابوسفیان، ولید، نضر، عتبہ، شیبہ، ابوجہل اور ان جیسے دوسرے لیڈر، ان سب کی بھی سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت ناکارہ ہوچکی تھی۔

۔۔چنانچہ۔۔ ایک مرتبہ وہ بہت لوگ جمع ہوکر قرآن شریف سنتے تھے۔ سب نے نضر سے کہا، "اسلئے کہ وہ بہت بڑا تاریخ داں اور قصہ گو تھا"۔ بتاؤ محمد ﷺ کیا پڑھتے ہیں؟ اس نے کہا! بخدا میں تو کچھ نہیں سمجھا، صرف اتنا محسوس ہورہا ہے کہ وہ اپنی زبان ہلارہے ہیں اور باتیں وہی ہیں جو پہلے لوگوں کے بناوٹی قصے اور من گھڑت داستانیں مشہور ہیں، جیسے میں تمہیں گزشتہ لوگوں کے واقعات وحالات سناتا ہوں، کچھ ایسے ہی وہ بھی پڑھتے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا، کہ مجھے تو انکی بعض باتیں حق معلوم ہوتی ہیں۔ ابوجہل نے کہا غلط کہتے ہو انکی کوئی بات حق ہوسکتی ہی نہیں۔ اس تعلق سے ارشاد ربانی ہے کہ اے محبوب!۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ

اور ان میں بعض وہ ہیں کہ کان لگائے تمہاری طرف، اور ڈال دیا ہم نے انکے دلوں پر غلاف کہ سمجھ سکیں، اور انکے کانوں

وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ

میں ڈاٹ۔ اور اگر وہ ساری نشانی دیکھ ڈالیں، تو بھی اسے نہ مانیں۔ یہاں تک کہ جب آگئے تمہارے پاس، تو بھی جھگڑتے ہیں

يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۵

تم سے کافر لوگ، کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ قرآن، مگر پہلوں کے قصے●

(اور) یہ بات صحیح ہے کہ (ان میں بعض وہ ہیں) جو (کہ کان لگائے) ہوتے ہیں (تمہاری طرف) کہ آخر آپ فرماتے کیا ہیں؟ (اور) ایسی بات بھی نہیں، کہ آپ کی آواز انکے کانوں کے پردوں سے نہیں ٹکراتی، لیکن وہ اس کو سمجھ نہیں پاتے، اسلئے کہ (ڈال دیا ہم نے انکے دلوں پر غلاف)، یعنی بڑے پردے جن کی مقدار خارجی طور پر محسوس نہیں ہوتی کہ جسے لوگ معلوم کرسکیں، تا (کہ) نہ (سمجھ سکیں) چونکہ بنیادی طور پر قرآن کریم کا سننا ہی انکے لئے مکروہ وناپسندیدہ ہے، اسلئے اس کراہت کی

وجہ سے وہ سمجھنے کی کوشش کیوں کرنے لگیں۔ تو آواز تو انکے کانوں تک پہنچتی ہے (اور) وہ اسکو ضرور سنتے ہیں لیکن وہ بات انکے دل میں نہیں اترتی، اسلئے کہ لگا دیا ہے ہم نے (انکے کانوں میں ڈاٹ)، تا کہ انھیں قبولیت کا استماع نصیب نہ ہو۔

ظاہر ہے جو نبی کریم کی شان اقدس سے جاہل ہو اور فہم قرآن کی دولت سے بہت دور ہو، اُسے قرآن مجید کا سماعِ قبول کیسے حاصل ہوسکتا ہے؟ بیشک اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے، کسی کا سینہ ہدایت کیلئے کھول دیتا ہے، تو کسی کے دل پر مہر ثبت کرتا ہے، تا کہ وہ کچھ نہ سمجھے اور نہ ہی دولت اسلام سے بہرہ ور ہو۔

انکا حال (اور) انکی ذہنی کیفیت یہ ہے کہ (اگر وہ ساری نشانی دیکھ ڈالیں) اور جن جن معجزات کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں ان سب کا مشاہدہ کرلیں، (تو بھی اسے نہ مانیں) گے اور ہر ایک کو جادو سے تعبیر کر کے ٹھکرا دینگے، بلکہ اپنے سخت عناد اور آباء واجداد کی کفری تقلید میں منہمک ہونے کی وجہ سے اُسے افتراء اور بناوٹی باتوں پر محمول کرینگے۔ انکے فہم قرآن سے دور ہونے کی نوبت (یہاں تک) ہے (کہ جب آگئے تمہارے پاس، تو بھی جھگڑتے ہیں تم سے کافر لوگ) اور بلا وجہ کی کٹ حجتی پر اتر آتے ہیں۔ اور جب کوئی معقول بات کہنے سے عاجز ہو جاتے ہیں، تو دفع الوقتی کیلئے یہی بک دیتے ہیں اور (کہتے ہیں، کہ نہیں ہے یہ قرآن مگر پہلوں کے قصے)۔ یعنی۔ اگلے لوگوں کی جھوٹی داستانیں اور بناوٹی باتیں۔

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ۚ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

اور وہ اس سے روکتے ہیں اور خود رکتے ہیں۔ اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو، اور پہچانتے نہیں●

(اور وہ) لوگوں کو (اس) کے سننے اور اس پر ایمان لانے (سے روکتے ہیں اور خود) بھی (رکتے ہیں)۔ نہ تو قرآن کریم کو سماعِ قبول سے سنتے ہیں، اور نہ ہی اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اپنی ان خفیف الحرکاتیوں (اور) گمراہ کن حرکتوں سے (نہیں ہلاک کرتے، مگر اپنے آپ کو) اسلئے کہ اسکا وبال انھیں پر آئیگا۔ (اور) غضب کی بات یہ ہے، کہ وہ (پہچانتے نہیں)۔ نہ وہ اپنے نفسوں کو خود بخود ہلاک کرنے کو جانتے ہیں اور نہ ہی انھیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ انکی کارروائیوں سے نہ قرآن پاک کو نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی رسول اکرم ﷺ اور اہل ایمان کو۔۔۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ

اور اگر دیکھو جب کہ کھڑے کر دیئے گئے جہنم پر تو چیخے، اے کاش ہم دوبارہ بھیجے جائیں، اور اپنے پروردگار کی

بِاٰیٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷﴾

نشانیوں کو نہ جھٹلائیں، اور مسلمان ہو جائیں●

یہ مشرکین اس وقت کچھ بھی بک رہے ہوں (اور) کسی بھی حرکت کا مظاہرہ کر رہے ہوں، لیکن اے مخاطب! کاش (اگر) ایسا ہو کہ تم (دیکھو) انکو اس حالت میں (جبکہ) یہ (کھڑے کر دیئے گئے) ہوں (جہنم پر)، خواہ اسطرح کہ دوزخ پر کھڑے ہوں اور دوزخ کا مشاہدہ کر رہے ہوں ۔۔یا۔۔ پل صراط پر کھڑے ہو کر دوزخ کو دیکھ رہے ہوں ۔۔یا۔۔ انھیں دوزخ میں ڈال دیا گیا ہو، اور وہ ہر طرف سے دوزخ کے شعلوں کی لپیٹ میں ہوں، (تو) وہ سب (چیخے) اور بآوازِ بلند بولنے لگے، (اے کاش ہم دوبارہ بھیجے جائیں) اور کسی طرح ہم دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں (اور) پھر (اپنے پروردگار کی نشانیوں) یعنی آیات قرآنیہ و معجزات انبیاء کرام (کو نہ جھٹلائیں اور) ان آیات کے تقاضوں پر عمل کر کے سچے پکے (مسلمان ہو جائیں)۔ درحقیقت ایسا نہیں ہے جو یہ کہیں گے کہ دنیا میں جائیں تو ایمان لائیں۔۔۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

بلکہ ظاہر ہو گیا ان کا جو پہلے چھپاتے تھے۔ اور اگر دوبارہ بھیجے گئے، تو دوبارہ کرینگے جس سے روکے گئے،

وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۲۹﴾

اور بیشک وہ جھوٹے ہیں● اور بولے کہ نہیں ہے یہ مگر ہماری یہی دنیاوی زندگی، اور ہم اٹھائے نہ جائینگے●

(بلکہ) یہ اسی کفر پر رہیں گے اور یہ توحید کا اقرار اُس وقت اِس واسطے ہوگا کیونکہ ان پر (ظاہر ہو گیا انکا) وہ کفر و گناہ (جو پہلے) دنیا میں (چھپاتے تھے)۔ چونکہ آج ہاتھ پاؤں کی گواہی سے وہ چیز ان پر ثابت ہو گئی تو عذر کرتے ہیں۔ (اور اگر دوبارہ بھیجے گئے تو دوبارہ کرینگے جس سے روکے گئے) ۔۔۔یعنی اگر وہ دنیا کی طرف لوٹا دیئے گئے، تو ان کو جس کفر، عناد، معصیت اور نفاق سے منع کیا گیا تھا وہ پھر اُسی طرف لوٹ جائینگے، کیونکہ کفر اور عناد ان کی طبیعت میں رچ چکا ہے۔ وہ دنیا کی رنگینیوں اور زیب و زینت کو دیکھ کر ایک بار پھر آخرت سے انکار کر دینگے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے، حساب و

کتاب اور جزاء وسزا کی پھر تکذیب کرینگے۔۔۔(اور بیشک وہ) پلے درجے کے (جھوٹے ہیں) دنیا میں واپس آکر ایمان لانے کے وعدہ میں۔

۔۔المختصر۔۔انکے تعلق سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر مبرم کو کون ٹالے؟ اور جو کچھ اس نے ازل سے لکھ دیا ہے اُسے کون موڑے؟ جو بات خدائے تعالیٰ کے علم ازلی میں ہے، وہ ہو کے رہے گی۔ ابلیس کے حال سے یہ بات ظاہر ہو چکی ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا معائنہ کیا، لیکن عناد وسرکشی کی لعنت میں مبتلا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت آدم علیہ السلام کی گستاخی کرنے کی وجہ سے اس سے توبہ کی توفیق چھین لی گئی۔ اسی لئے اس نے مہلت تو مانگی، لیکن مغفرت نہیں طلب کی۔ ان کافروں کی بدبختی کا حال یہ ہے کہ جب قیامت کی وعید میں آیتیں کافروں پر پڑھی گئیں، تو وہ بعث ونشر کے منکر ہو گئے۔

(اور بولے کہ نہیں ہے یہ) زندگی (مگر ہماری یہی دنیاوی زندگی، اور ہم اٹھائے نہ جائینگے) اپنی قبروں سے۔۔المختصر۔۔انہوں نے مرنے کے بعد کے احوال یعنی بعث ونشور کو کالعدم قرار دیدیا۔۔۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَیْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى

اور اگر دیکھو جبکہ کھڑے کئے گئے اپنے پروردگار کے حضور، فرمایا کہ "کیا یہ حق نہیں؟" بولے "ہاں حق ہے، قسم ہے

وَ رَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۳۰

اپنے پروردگار کی"۔ فرمایا "تو چکھو عذاب! جو انکار کیا کرتے تھے"●

ع ۹

دیکھنے والو (اور) نگاہ بصیرت رکھنے والو! (اگر) تم (دیکھو) انکی اس وقت کی بے کسی وبے چارگی (جبکہ) یہ (کھڑے کئے گئے) اور حاضر کئے گئے (اپنے پروردگار کے حضور) میں، پھر اس نے ارشاد (فرمایا کہ) بولو (کیا یہ) بعث ونشر سچ، درست اور (حق نہیں) ہے؟ (بولے ہاں حق ہے، قسم ہے اپنے پروردگار کی)۔۔الغرض۔۔اس وقت قسم کھا کر اقرار کرینگے۔ (فرمایا، تو چکھو) یہی (عذاب) جسے تم دیکھ رہے ہو، بہ سبب اسکے (جو) دنیا میں تم (انکار کیا کرتے تھے)۔ یعنی دنیا میں تم نے جو کفر و شرک کیا یہ اسی کا پھل ہے۔ جب اس پھل کو تم نے کمایا ہے، تو تمہیں چکھو اور ہمیشہ چکھتے رہو۔

عذاب کے درد کو ذوق سے اسلئے تعبیر کیا گیا ہے کہ جس طرح چکھنے والا شے کے ذائقہ کو ہر وقت زبان وحلق میں محسوس کرتا ہے، ایسے ہی وہ کفار عذاب الٰہی کو ہر وقت محسوس کرینگے

۔۔بلکہ۔۔ ہر دوسرے لمحے کا عذاب پہلے عذاب سے سخت تر محسوس ہوگا۔ کفر پر مرنے والوں کے مذکورہ بالا انجام سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ۔۔۔

قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ‌ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتۡهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً قَالُوۡا يٰحَسۡرَتَنَا
بیشک گھاٹے میں رہے جنھوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو، یہاں تک کہ جب آگئی انکے پاس قیامت، اچانک چلّائے کہ ہائے افسوس،
عَلٰى مَا فَرَّطۡنَا فِيۡهَا ۙ وَهُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ‌ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ ﴿۳۱﴾
اسپر کہ ہم نے کوتاہی کی اسکے بارے میں، اور وہ اٹھائے ہیں اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر۔ ارے کتنا برا بوجھ لادے ہیں●

(بیشک گھاٹے میں رہے جنھوں نے جھٹلایا اللہ) تعالیٰ (سے ملنے کو) اور مرنے کے بعد ثواب اور عذاب کا ملنا باور نہ کیا اور یہ انکی تکذیب کا سلسلہ انکی موت تک رہا' جو دنیا کے زمانوں سے آخری اور آخرت کا پہلا زمانہ ہے۔ تو ہمارا یہ کہنا صحیح قرار دیا جائیگا کہ تکذیب کی انتہاء کے بعد اسکے لئے قیامت ظاہر ہوگئی۔

ذہن نشین رہے کہ قیامت کی پہلی منزل یعنی موت، یہ انکی تکذیب کی انتہا ہے، خسران اور گھاٹے کی انتہا نہیں۔ اسلئے کہ انکے خسران کی کوئی حد نہیں، وہ ابدی اور دائمی ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ یہ تکذیب (یہاں تک) رہی (کہ جب آگئی انکے پاس قیامت اچانک) یعنی اسطرح جلدی سے واقع ہوگی کہ اسکا انسان کو شعور بھی نہ ہوگا جسکا علم اللہ تعالیٰ کے سوا۔۔یا۔۔اسکی عطا سے اسکے محبوبوں کے سوا، کسی کو بھی نہ ہوگا۔ تو کفار اسکے اچانک آجانے پر (چلائے) اور روز قیامت باآواز بلند بول پڑے، (کہ ہائے افسوس اسپر کہ ہم نے کوتاہی کی اسکے بارے میں)، یعنی قیامت کے ماننے میں کوتاہی کی اور اُسکے حقوق ادا نہ کیے۔۔نیز۔۔اس پر ایمان لاکر اسکے لئے تیاری نہ کی، یعنی نیک اعمال انجام نہ دیئے۔۔۔ایک طرف تو آخرت کی نعمتوں سے محروم ہوکر گھاٹے میں رہے (اور) دوسری طرف انکا حال یہ ہے کہ، (وہ اٹھائے ہیں اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر) یعنی انکے گناہ ان پر لازم رہیں گے، جدا نہ ہونگے۔۔۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا، تو اسکا نیک عمل حسین صورت اور نفیس خوشبو میں اسکا استقبال کریگا اور اس سے کہے گا کہ تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ وہ کہے گا نہیں، البتہ تمہاری خوشبو بہت نفیس ہے اور تمہاری صورت بہت حسین

ہے۔ وہ کہے گا تم بھی دنیا میں ایسے ہی تھے، میں تمہارا نیک عمل ہوں، میں دنیا میں بہت عرصے تک تم پر سوار رہا، آج کے دن تم مجھ پر سواری کرو۔ اور یہ آیت پڑھے گا۔

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾

'جس دن ہم متقین کو رحمٰن کی طرف بطور وفد جمع کرینگے'

اور کافر کا عمل نہایت بری صورت اور بدبو کے ساتھ اسکا استقبال کریگا اور اس سے کہے گا، تو دنیا میں اسی طرح تھا۔ میں تیرا برا عمل ہوں۔ تو دنیا میں بہت عرصہ مجھ پر سوار رہا، آج میں تجھ پر سواری کرونگا۔ پھر یہ آیت پڑھے گا۔

وَهُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ

'اور وہ اپنی پیٹھوں پر بوجھ اٹھائے ہوئے ہونگے'۔

۔۔۔یعنی اپنے گناہوں کا بوجھ جسکے وزن کا دباؤ اور اس سے ہونے والی شدید تکلیف وہ بذات خود اچھی طرح محسوس کررہے ہونگے۔

۔۔۔(ارے) سنو تو! وہ (کتنا برا بوجھ لادے ہیں)۔

جو لوگ قیامت اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کے منکر تھے، انکے نزدیک دنیا اور اسکی رنگینیاں، دلفریبیاں اور دنیا کی راحتیں اور لذتیں بہت بڑی چیز تھیں، سو اللہ تعالیٰ نے اگلے ارشاد میں دنیا کا خسیس اور گھٹیا ہونا اور اسکا رکیک اور بے وقعت اور بے مایہ ہونا بیان فرمایا:

وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ

اور نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر کھیل کود۔ اور بیشک آخرت والا گھر

خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

بہتر ہے انکے لئے جو ڈریں۔ تو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے ●

(اور) ارشاد فرمایا (نہیں ہے دنیاوی زندگی) کے وہ اعمال جو صرف دنیاوی عیش و عشرت کیلئے ہوں اور آخرت کی بھلائی سے انکا کوئی تعلق نہ ہو، بلکہ وہ آخرت کی دائمی لذات تک پہنچانے سے قاصر ہوں (مگر) بچوں کا (کھیل) تماشہ، جو نفس کو غیر مفید باتوں میں مشغول کر کے مفید باتوں سے نفرت پیدا کردے اور دیوانوں کی اچھل (کود)، جو نفس کو منافع کی جدوجہد سے پھیر کر کمزوری پیدا کردے۔ (اور بیشک آخرت والا گھر) جہاں اخروی زندگی بسر ہوگی جسے آخرت کی بھلائی کیلئے اعمال

صالحہ انجام دینے والوں کیلئے بنایا گیا ہے، تو یہ گھر (بہتر ہے انکے لئے جو ڈریں) اور کفر و معاصی سے اپنے کو بچاتے رہیں۔ چونکہ آخرت کے منافع ہر ضرر سے پاک ہیں اور انکی لذتیں ہر آلام اور صدمے سے محفوظ ہیں اور پھر وہ دائمی اور غیر منقطع ہیں، اسلئے انکی بہتری ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے (تو کیا تم لوگ نہیں سمجھتے)۔۔۔ یعنی کیا تم غفلت کے نشے میں ہو، اسی لئے نہیں سمجھتے کہ دو امروں سے کونسا امر اچھا ہے؟ حیات دنیا۔۔یا۔۔آخرت؟

اب کفار کی بے ہودہ گوئیوں سے نبی کریم کو جو حزن و ملال ہوتا، اسکو دور کرنے اور آپ ﷺ کی تسلی کیلئے ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ

ہم کو معلوم ہے، کہ بیشک تم کو رنج ہوتا ہے جو یہ لوگ بکتے ہیں۔ تو یقیناً یہ تم کو نہیں جھٹلاتے،

وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۳۳

لیکن ظالم لوگ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں●

(ہم کو معلوم ہے کہ بیشک تم کو رنج ہوتا ہے جو یہ لوگ بکتے ہیں) اور آپ کی۔۔نیز۔۔کلام الٰہی کی تکذیب میں کہتے ہیں 'جنکا ذکر جا بجا قرآن کریم میں کیا گیا ہے'۔ تو اے محبوب! آپ فکرمند نہ ہوں، اسلئے کہ سچی بات (تو) یہ ہے کہ (یقیناً یہ تم کو نہیں جھٹلاتے، لیکن ظالم لوگ اللہ) تعالیٰ (کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں) اور آیات خداوندی کی تکذیب کرتے ہیں۔

جبھی تو ابوجہل نے بالمشافہ آپ سے کہہ دیا، کہ "اے محمد ﷺ ہم نے ہرگز تجھ سے کبھی جھوٹ نہیں سنا اور ہم تجھے سچا جانتے ہیں، مگر دعویٰ نبوت میں ہم تیری تکذیب کرتے ہیں"۔

اور یہ انکار و تکذیب صرف عناد کے باعث ہے۔

۔۔الختصر۔۔اے محبوب! درحقیقت وہ تیری نہیں، بلکہ میری تکذیب کر رہے ہیں۔ یعنی وہ آپ کو کچھ نہیں کہتے۔ اگر بظاہر کچھ کہتے ہیں، تو درحقیقت مجھے کہتے ہیں، اسلئے کہ آپ فانی فی اللہ ہیں۔ اب میں ہی ان سے سخت تر انتقام لونگا۔

پھر حق تعالیٰ آپکی تسکین کے واسطے فرماتا ہے، کہ اے محبوب! صرف آپ ہی کی تکذیب نہیں کی گئی بلکہ۔۔۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ

اور بیشک جھٹلائے گئے رسول تم سے پہلے کے، تو سب نے صبر کیا اس پر کہ جھٹلائے گئے، اور دکھ دیئے گئے، یہاں تک کہ آ گئی انکے پاس

نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

ہماری مدد۔ کوئی نہیں بدلنے والا اللہ کی باتوں کا، اور بیشک آ چکی ہیں تمہارے پاس رسولوں کی خبریں●

یہ ایک حقیقت (اور) سچائی ہے کہ (بیشک جھٹلائے گئے رسول تم سے پہلے کے) حالانکہ وہ بھی آپ کی طرح بہت بڑے ذی شان تھے اور تعداد بھی انکی بہت زیادہ تھی۔ جب وباء پھیلتی ہے تو عام ہو جاتی ہے۔ یعنی کفار کی تکذیب کی وباء ہر نبی علیہ السلام کو پہنچی اور آپ کو بھی، (تو) انبیاء سابقین میں سے (سب نے صبر کیا اس پر کہ جھٹلائے گئے اور دکھ دیئے گئے)۔۔الحاصل۔۔انھوں نے انکے جھٹلانے اور انکی ایذاؤں پر صبر کیا (یہاں تک کہ آ گئی انکے پاس ہماری مدد)، یعنی انکی صداقت کے دلائل و براہین ظاہر ہو گئے۔۔یا۔۔دشمنوں پر انکو قہر و غلبہ نصیب ہو گیا۔۔یا۔۔انکے دشمن تباہ و برباد ہو گئے۔

۔۔الختصر۔۔ ہر دور میں انبیاء کرام کو انکے صبر کا پھل ملتا رہا اور ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے نصرت و غلبہ کا وعدہ فرمالے، تو (کوئی نہیں بدلنے والا اللہ) تعالیٰ (کی باتوں کا)، یعنی نصر و غلبہ کے وعدوں کو (اور بیشک آ چکی ہیں تمہارے پاس رسولوں کی خبریں) کہ ان کی امتوں نے کیا کیا تکلیفیں انھیں پہنچائیں اور انہوں نے صبر کیا بالآخر انھیں منجانب اللہ فتح و نصرت نصیب ہوئی اور دشمنوں پر غالب ہو گئے۔ یہ وہ خبریں ہیں جو آپ کیلئے تسکین و تسلی بخش ہیں۔ اے محبوب! آپ چونکہ رحیم الفطرت ہیں، دشمن کو بھی تباہ و برباد ہوتے دیکھنا آپ پر گراں ہوتا ہے۔۔۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِى الْاَرْضِ

اور اگر گراں گزرا تمہیں ان کا انکار، تو اگر تم از خود سکت رکھتے ہو کہ ڈھونڈھ نکالو کوئی سرنگ زمین میں،

اَوْ سُلَّمًا فِى السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ

یا سیڑھی آسمان میں، پھر خود سے لے آؤ انکے پاس کوئی نشانی۔ حالانکہ اگر اللہ چاہتا، تو سب کو

عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

ہدایت پر جمع کر دیتا۔ تو تم جاہلوں کے ساتھ مت رہو●

تو دشمنوں پر بھی آپکی اس شفقت (اور) مہربانی کی وجہ سے (اگر گراں گزرا تمہیں انکا انکار)۔
۔۔الغرض۔۔انکا منہ پھیر لینا آپ پر شاق گزرا، اور از راہ کرم پھر آپ یہ سوچنے لگے کہ کاش اللہ تعالیٰ ان معجزات کو ظاہر فرما دیتا کفار جنکا مطالبہ کر رہے ہیں، کیونکہ ایسا ہو جانے سے شاید یہ منکرین مسلمان ہو جائیں۔

(تو) اے محبوب! (اگر تم از خود سکت رکھتے ہو کہ) بغیر اذن الٰہی اپنی ذاتی قدرت و اختیار سے (ڈھونڈ نکالو کوئی سرنگ زمین میں یا سیڑھی آسمان میں) ۔۔الغرض۔۔زمین و آسمان چھان ڈالو (پھر خود سے لے آؤ انکے پاس) انکے مطالبے کے مطابق (کوئی نشانی)، یعنی ایسا معجزہ جسکو دیکھ کر وہ ایمان لاسکیں۔

اس ارشاد سے صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ حضور سرور عالم کو اپنی قوم کیلئے اسلام کا کتنا حرص تھا، اسلیئے اگر آپ کو انکے اسلام کی خاطر زمین۔۔یا۔۔آسمان سے کوئی چیز لانی پڑتی، تو بھی انکی خاطر کر گزرتے، تاکہ وہ ایمان قبول کرلیں۔ لیکن چونکہ آپ مامور من اللہ تھے، اسلیئے صرف تبلیغ تک یہ بات محدود رہی۔

تو اے محبوب! اپنے امتیوں کی ذہنی تربیت فرماؤ اور انکو سمجھادو، کہ وہ کسی کے ایمان و اسلام کیلئے کتنا بھی حریص کیوں نہ ہوں، مگر وہ آپ کی سنت کے مطابق صرف تبلیغ پر مامور ہیں، اسکے لئے انھیں کوئی دوسری مشقت جھیلنے کی ضرورت نہیں اور اس سے کچھ فائدہ بھی نہیں، (حالانکہ) یعنی جب صورت حال یہ ہو کہ (اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا، تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا)، لیکن وہ انہیں ہدایت دینا ہی نہیں چاہتا، اسلیئے کہ اپنے اختیار ہدایت سے روگرداں ہو گئے ہیں، باوجودیکہ انھیں ہدایت پانے کی قدرت ہے اور بہت بڑے دلائل براہین کا اپنی کھلی آنکھوں سے مشاہدہ و معائنہ بھی کر رہے ہیں، لیکن اپنے دل میں ایمان قبول کرنے کا خیال بھی نہیں لاتے۔

تو اے محبوب! آپ انکی ہدایت کیلئے ایسی جدوجہد نہ فرمائیں، جسکی آپ کو تکلیف نہیں دی گئی ہے اور اپنے ماننے والوں سے بھی فرما دیجئے کہ صراطِ مستقیم دکھا دینے ہی کے وہ مکلف ہیں، منزل تک پہنچا دینا یہ انکی ذمہ داری نہیں۔ (تو) اے دامن محبوب سے وابستہ رہنے والو! (تم جاہلوں کے ساتھ مت رہو) اور جاہلانہ فکر و عمل سے اپنے کو بچاتے رہو اور اچھی طرح سے یاد رکھو کہ کفر و ایمان میرے خذلان اور توفیق سے متعلق ہے۔۔۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ ۘ وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝

بات وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔۔۔ اوران مرے ہوؤں کو اٹھائے گا اللہ، پھراسی کی طرف لوٹائے جائینگے●

اے محبوب! آپ جوانھیں دینِ حق کی طرف بلاتے ہیں، تو آپ کی دعوت اور ہدایت کی یہ (بات وہی قبول کرتے ہیں جو) سمع قبول سے (سنتے ہیں) اورغوروتامل کرکے اسکو سمجھتے ہیں۔ مگر کافر لوگ مُردوں کے مثل ہیں، وہ ظاہری کان سے سن تو لینگے، مگر قبول کرنا ان سے ظاہر نہ ہوگا۔ جیسے کہ مُردے سنتے تو ہیں، مگر قبول کرنے اور جواب دینے کی سکت نہیں رکھتے۔ ایسا بھی نہیں کہ ان مُردہ صفت لوگوں کو سچائی کا علم کبھی نہ ہوگا، بلکہ ایک وقت آئیگا (اوران مرے ہوؤں کو اٹھائے گا اللہ) تعالیٰ، اس وقت وہ جانیں گے۔ مگراس وقت کا جاننا کچھ فائدہ نہ دیگا اور (پھر) جزاء اور مکافات کے واسطے (اسی کی طرف لوٹائے جائینگے)۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۚ قُلْ إِنَّ اللَّهَ

اورسب بولے کہ کیوں نہیں اتاری گئی ان پرکوئی عذاب کی نشانی انکے پروردگار کی طرف سے، کہہ دو کہ بیشک اللہ

قَادِرٌ عَلَىٰ أَن يُنَزِّلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝

قادر ہے اس پر کہ اتاردے نشانی عذاب کی، لیکن ان کے زیادہ لوگ بے علم ہیں●

ذرااس دیدہ دلیری کوتو دیکھو، کہ ماننے کیلئے نہیں، بلکہ عناد (اور) سرکشی کی بنیاد پر (سب) معجزہ طلب کرنے والے (بولے، کہ کیوں نہیں اتاری گئی ان پر کوئی عذاب کی نشانی انکے پروردگار کی طرف سے)۔ اے محبوب! ان سے (کہہ دو، کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (قادر ہے اسپر کہ اتاردے نشانی عذاب کی) یعنی تمہارے مطلوبہ معجزات جنکا آنا تمہارے حق میں عذاب کی نشانی ہی بن جائے۔ مطالبہ کرنے کو تو کردیا (لیکن انکے زیادہ لوگ) معجزہ آجانے کے بعد بھی اپنے ایمان نہ لاسکنے اور پھر عذاب الٰہی کا شکار ہوجانے سے (بے علم ہیں)۔ انھیں پتا ہی نہیں کہ اسکے بعد بھی وہ ایمان لائینگے۔۔۔یا۔۔اسکو بھی جادو کہہ کردامن جھاڑ لینگے، جیسا کہ سابقہ نافرمان لوگ اپنے عہد کے نبیوں کے ساتھ کرتے رہے۔

چونکہ سنت الٰہیہ ہے کہ جب کسی قوم نے اپنے نبی سے معجزے کا مطالبہ کیا اور پھراسکے مطالبے کے مطابق معجزہ عطا فرمادیا گیا، پھر بھی اس قوم نے نہیں مانا، تو عذاب الٰہی کا نزول ہوا، جس سے ساری قوم تباہ وبرباد ہوگئی اور مختلف قسم کے عذاب کا شکار ہوگئی۔ خدائے علیم و

خبیر کو علم تھا کہ اگر اس قوم پر ہم ان کا مطلوبہ معجزہ عطا فرما دیں، جب بھی یہ ماننے والے نہیں اور خدائے تعالیٰ کو اپنے فضل وکرم سے یہ منظور نہ تھا کہ اسکے حبیب ﷺ کے عہد میں اس طرح کا عذاب نازل فرمایا جائے، جو انبیاء سابقین کے عہد کے لوگوں پر نازل فرمائے گئے کہ جن پر عذاب ہوا اور قوم کی قوم تباہ وبرباد ہوگئی۔ اسی لئے رب کریم نے معجزے کا مطالبہ کرنے والوں کے خود اپنے انجام سے بے خبری اور لاعلمی کا اظہار کرکے ان کو سمجھنے اور سوچنے کی مہلت عطا فرما دی۔

اس مقام پر یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑا رحیم وکریم ہے، جو جانوروں اور پرندوں پر بھی اپنا فضل وکرم فرماتا ہے، تو اگر مذکورہ بالا مطالبہ کرنے والوں کے حق میں انکا فرمائشی اور مطلوبہ معجزہ نازل فرما دینے میں انکا بھلا ہوتا، تو رب کریم ضرور اسکو نازل کردینے کو اپنے ذمہ کرم میں لے لیتا۔ لیکن وہ بخوبی جانتا ہے انکا فرمائشی معجزہ نازل نہ فرمانا ہی ان پر بہت بڑا احسان ہے اور یہ بھی رب کریم کا ان پر بہت بڑا فضل ہے۔ چونکہ علم الٰہی میں تھا کہ کسی صورت میں بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے، اسلئے انکی حسب خواہش معجزہ نہ نازل فرما کر ان کو نیست ونابود ہونے سے بچا لیا۔۔ الختصر۔۔ انسان تو اشرف المخلوقات ہے، رب کریم نے تو جانوروں اور پرندوں تک کی حفاظت اور ان پر احسان فرمانے کو اپنے ذمہ کرم میں رکھ لیا ہے۔ تو اس سلسلے میں فرمانِ الٰہی سنو۔۔۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ

اور کوئی چرند نہیں زمین میں، اور کوئی پرند نہیں جو اپنے بازوؤں پر اڑتا ہے، مگر ایک ایک نوع تمہاری طرح۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

ہم نے نہیں چھوڑا کتاب میں کچھ، پھر اپنے پروردگار کی طرف یہ سب ہانکے جائینگے●

(اور) یاد رکھو کہ (کوئی چرند نہیں زمین میں) چلنے والا، (اور کوئی پرند نہیں جو) فضاؤں میں (اپنے بازوؤں پر اڑتا ہے)۔۔ الختصر۔۔ سارے جانور چرند وپرند نہیں ہیں (مگر ایک ایک نوع تمہاری طرح)، یعنی جیسے نوعِ انسانی ایک نوع ہے، اسی طرح ان جانوروں میں ہر ہر جانور اپنی ایک ایک نوع والا ہے۔ اور تمہاری طرح انکے احوال محفوظ اور انکے رزق اور اجل مقدر ہیں۔۔ الختصر۔۔ مرنے، جینے، ثنائے الٰہی کرنے اور حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور جمع ہونے میں، یہ سب تمہاری ہی طرح ہیں اور

جس طرح تم اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اسکے مملوک ومرزوق ومربوب ہو، اسی طرح یہ سارے جانور بھی اسکی مخلوق اور اسکے مملوک اور مرزوق ومربوب ہیں۔۔۔

یہاں کوئی اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ میں مثل کا لفظ دیکھ کر یہ حماقت نہ کر بیٹھے کہ اپنے کو مثلاً گدھوں کی طرح اور گدھوں کو اپنی طرح سمجھنے لگے، بلکہ غور کرے کہ کس وجہ مماثلت کی بنا پر یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، اور کس چیز میں تشبیہ دی گئی ہے؟ ظاہر ہے کہ دونوں کی حقیقت ایک نہیں ہوسکتی وِمِثْلُكُمْ۔۔یا۔۔ اَمْثَالُكُمْ کا لفظ ہی بتا رہا ہے، 'مشبه' اور 'مشبه به' ایک دوسرے کے عین نہیں ہیں، بلکہ غیر ہیں، تو اب وجہ تشبیہ وہی صحیح ہوسکتی ہے، جو دونوں کو ازروئے حقیقت غیر ہی رہنے دے، ایک دوسرے کا عین نہ بنائے۔ ان حقائق ودقائق کو سمجھنے کیلئے اِدھر اُدھر جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ قرآن کریم ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی ضرورت ہے، اسلئے کہ ارشاد الٰہی ہے، کہ۔۔۔

(ہم نے نہیں چھوڑا کتاب میں کچھ) چنانچہ اس کتابِ الٰہی یعنی قرآن کریم میں، ہر پیش آمدہ مسئلہ کیلئے روشن ہدایت اور واضح شرعی رہنمائی ہے۔

چونکہ قرآن مجید کا موضوع دین کی معرفت عقائد اور احکام شرعیہ کا بیان ہے، تو ان سب کے تعلق سے قرآن کریم سے ہدایت لی جاسکتی ہے۔۔۔ ذہن نشین رہے کہ قرآن کریم نے اطاعت رسول کا حکم دیا اور رسول کریم نے صحابہ کی پیروی کا امر فرمایا۔۔نیز۔۔قرآن کریم ہی نے اجماع وقیاس کو حجت قرار دیا اور احکام، خواہ صراحتاً قرآن کریم سے ملیں یا ارشاداتِ رسول کریم سے حاصل ہوں۔۔یا۔۔اقوالِ صحابہ سے معلوم ہوں۔ یا اجماع وقیاس سے ثابت ہوں، سب کی اصل قرآن کریم ہی ہے۔ تو اب یہ کہنا بالکل واقعہ کے مطابق ہے، کہ اس کتابِ مبین میں جملہ احکام دین موجود ہیں اس میں سے کچھ چھوٹا نہیں۔۔۔

پہلے بتایا جاچکا ہے کہ زمین پر چلنے والے چرند اور فضاؤں میں اڑنے والے پرند تمہاری طرح اپنی ایک ایک نوع سے متعلق ہیں، تو آج زمین پر چلنے والے زمین پر چل رہے ہیں، یونہی فضاؤں میں اڑنے والے فضاؤں میں اڑ رہے ہیں، مگر جس طرح تمہارا حشر ہوگا اور تمہیں میدانِ حساب وکتاب میں اکٹھا کیا جائیگا، ویسے انکا حشر ہوگا۔ آج یہ دنیا میں جیسا رہ رہے ہیں انھیں اسکی اجازت ہے۔۔

(پھر اپنے رب کی طرف یہ سب ہانکے جائینگے) اور رب تعالیٰ انکا فیصلہ فرمائیگا اور یہ ایک

دوسرے سے اپنا بدلہ لے لینگے۔

--چنانچہ--ارشادرسول ہے: 'سنو اُس ذات کی قسم جسکے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، قیامت میں ہر چیز اپنا مقدمہ پیش کرے گی، حتیٰ کہ وہ بکریاں بھی جنھوں نے ایک دوسرے کوسینگ ماری تھیں'۔--الختصر--قیامت کے دن بغیر سینگ والی بکری کا سینگ والی بکری سے، یہاں تک کہ چیونٹی کا چیونٹی سے قصاص لیا جائیگا۔--الغرض--میدان حساب و کتاب میں رب تعالیٰ کے حضور ہر ایک کو حاضر ہونا ہے، تو نیک بخت لوگ وہ ہیں جن کے کان حق سننے، زبان حق بولنے اور دل حق کو اپنانے کے خوگر ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ

اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، بہرے اور گونگے، اندھیریوں میں ہیں۔ جسے اللہ چاہے اسکی گمراہی ظاہر کردے۔

وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۳۹

اور جسے چاہے اس کو سیدھی راہ پر لگادے●

(اور) رہ گئے وہ لوگ، (جنھوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں) یعنی آیات قرآنیہ ومعجزات نبوی (کو)، تو انکی مثال ایسی ہے کہ وہ (بہرے) ہیں، جبھی تو قرآن کو تدبر وفہم سے نہیں سنتے، بلکہ وہ اس حیثیت سے سنتے ہیں، کہ وہ پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں ہیں--چنانچہ--وہ انکو آیات الٰہی سے شمار ہی نہیں کرتے، بلکہ انکے غیر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ (اور) صرف بہرے ہی نہیں، بلکہ (گونگے) بھی ہیں، جبھی تو حق کو بیان کرنے کی طاقت نہیں رکھتے--الحاصل--یہ نہ تو دلائل ربوبیت سنتے ہیں اور نہ ہی وحدانیت کے باب میں بات کرتے ہیں، بلکہ یہ سب کفر وجہل اور عناد وتقلید ضالین کی (اندھیریوں میں ہیں)۔ اب ایسی صورت میں (جسے اللہ) تعالیٰ (چاہے) اسکی ہدایت کی توفیق منقطع فرمادے اور (اسکی گمراہی ظاہر کردے، اور) یونہی (جسے چاہے اسکو سیدھی راہ پر لگادے) اور اسکو اس پر ثابت و قائم رکھے۔

--الختصر--اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے۔ وہ جس میں چاہتا ہے ہدایت پیدا فرمادیتا ہے اور جس میں چاہتا ہے گمراہی پیدا فرمادیتا ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے جانے سے اعراض کرتا ہے اور جو دلائل اللہ کی طرف رہنمائی کرتے ہیں

ان میں غور وفکر کرنے سے تکبر کرتا ہے، اس شخص میں اللہ تعالیٰ تکبر اور گمراہی پیدا فرما دیتا ہے، اور جو انسان اپنی سماعت، بصارت اور عقل سے کام لیکر صحیح نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرتا ہے اور وسیع کائنات میں اسکی قدرت اور اسکی وحدت پر پھیلی ہوئی نشانیوں سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ اس میں ہدایت پیدا کر دیتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے، کہ بندہ جس چیز کا کسب اور ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ وہی چیز اس میں پیدا کر دیتا ہے۔ اسلئے یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ گمراہی کو پیدا کرتا ہے، تو گمراہ کی مذمت کس لئے ہے؟ اور جب ہدایت اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے، تو ہدایت یافتہ کی تعریف کس سبب سے ہے؟۔۔الحاصل۔۔ہدایت یافتہ ہدایت حاصل کرنے کے کسب وارادہ سے قابل تعریف ہوا اور گمراہ راہ راست پر نہ آنے کے کسب وارادہ سے قابل مذمت قرار پایا۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کی جاہلیت کو واضح کیا اور یہ بتایا کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور اس کائنات میں وہی حقیقی متصرف ہے۔ اسکے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ جب ان کافروں پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے، تو پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ میں آتے ہیں اور اسکی اطاعت کرنے سے سرکشی نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی فطرت کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حقیقی مشکل کشا نہیں، اور نہ ہی کوئی حقیقی طور پر حاجت روا ہے۔ اور مصیبتوں اور تکلیفوں میں وہی واحد نجات دینے والا اور کارساز ہے۔ تو اے رسولِ مکرم آپ ان مشرکین سے۔۔۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ

پوچھو، کہ بتاؤ اگر آ گیا تم پر اللہ کا عذاب، یا آ گئی تم پر قیامت، کیا اللہ کے غیر کو پکارو گے؟

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾

اگر سچے ہو●

(پوچھو کہ بتاؤ) کہ جس طرح سابقہ امتوں پر عذاب آتے تھے، ان کو زمین میں دھنسا دیا جاتا تھا۔۔یا۔۔ان پر سخت آندھیاں آتیں۔۔یا۔۔بجلی کی کڑک آلیتی۔۔یا۔۔طوفان آتا، تو (اگر آ گیا تم پر) ان میں سے کوئی (اللہ) تعالیٰ (کا عذاب، یا آ گئی تم پر قیامت) یعنی عذاب آخرت، تو (کیا) تم اس وقت مدد کیلئے (اللہ) تعالیٰ (کے غیر کو پکارو گے) جو تم سے ان مصائب کو دور کریگا۔۔یا۔۔تم اپنے

ہاتھ سے بنائے ہوئے بتوں کو پکاروگے، جو تم کو ان تکلیفوں سے نجات دینگے۔ بتاؤ (اگر) تم ان بتوں کی عبادت میں (سچے ہو) اور اپنی اس عبادت کو حق بجانب سمجھتے ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ ازخود اس سوال کا جواب دیتا ہے کہ تم اپنے بتوں کو ہرگز نہیں پکاروگے۔۔۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ

بلکہ اسی اللہ کو پکاروگے، تو وہ دور کردے جس مصیبت کے لئے پکارتے ہو اگر چاہے،

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾

ع ۱۱/۱۰

اور جن کو اللہ کا شریک بناتے ہو انھیں بھول جاؤ گے●

(بلکہ اسی اللہ) تعالیٰ (کو پکاروگے)، اسلئے (تو) کہ (وہ دور کردے جس مصیبت) کو دفع کرنے (کیلئے) تم اُسے (پکارتے ہو) تا کہ اللہ تعالیٰ اسے دور فرمادے (اگر چاہے)۔ تو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مشیت کے مطابق اگر چاہتا ہے، تو تکلیف دور فرمادیتا ہے۔ نادانو! ذرا غور کرو اور عقل سے کام لو! کہ ایسی مصیبت کے وقت میں اور اس پریشانی کے عالم میں اپنی فطرت کے تقاضے کے مطابق تم اللہ تعالیٰ ہی کو مدد کیلئے پکاروگے (اور جن کو اللہ) تعالیٰ (کا شریک بناتے ہو انھیں بھول جاؤگے)۔

اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں اپنے خالق کی معرفت رکھی ہے اور اسکی فطرت کا تقاضہ یہ ہے کہ خدائے واحد کی پرستش کرے اور اُسی کو پکارے، اسلئے انسان پر جب کوئی سخت مصیبت اور پریشانی آتی ہے، تو اسکی امید کی نظریں اسکے سوا کسی اور طرف نہیں اٹھتیں۔۔۔

اس سے پہلی آیت میں کافروں کی ایک قوم کا حال بیان فرمایا تھا جو سختیوں اور مصیبتوں کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتی تھی اور اب اگلی آیت میں ان سے زیادہ سخت کافروں کا حال بیان فرمارہا ہے، جو سخت تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور بیشک بھیجا رسول ہم نے امتوں کی طرف تم سے پہلے، پھر پکڑا ہم نے ان کو خوف ناک بلا اور دردناک بیماری سے، کہ وہ

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ

کہیں گڑگڑا پڑیں • تو کیوں نہ جب آ گیا ان پر ہمارا عذاب تو گڑگڑا اٹھے۔ لیکن سخت ہو گئے ہیں انکے دل،

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور ہنر بنا دیا انکی نگاہ میں شیطان نے جو وہ عیب کرتے تھے •

(اور بیشک بھیجا رسول ہم نے امتوں کی طرف) جو (تم سے پہلے) کی تھیں، مگر انھوں نے کفر اختیار کیا اور اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی، (پھر پکڑا ہم نے انکو خوفناک) فقر و محتاجی کی (بلاء اور دردناک بیماری سے) تا (کہ وہ کہیں گڑگڑا پڑیں)، یعنی تا کہ وہ شاید نالہ وزاری کریں اور شرک سے منھ پھیر کر توبہ و استغفار کریں۔

(تو کیوں نہ جب آ گیا ان پر ہمارا عذاب، تو گڑگڑا اٹھے) یعنی جس وقت ان پر ہمارا عذاب آیا تو انھوں نے نالہ وزاری کیوں نہیں کی؟ اور تضرع و عاجزی کے ساتھ ہماری بارگاہ کی طرف کیوں نہیں متوجہ ہوئے؟ اگر میری بارگاہ کی طرف متوجہ ہو کر نالہ وزاری کرتے، تو بلا دفع ہو جاتی۔ (لیکن) وہ ایسا نہ کر سکے اور (سخت ہو گئے انکے دل)، اسلئے کہ تضرع وزاری نہ کرنا سخت دلی ہی تو ہے۔ (اور) ایسا نہ کر سکنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ (ہنر بنا دیا انکی نگاہ میں شیطان نے جو وہ عیب کرتے تھے)، یعنی شیطان نے انکے کام اور انکے کفر و معاصی کو بہتر کر دکھایا۔۔ بایں طور۔۔ کہ انھیں گمراہ کر دیا اور لذات و شہوات اور دنیاوی خوشی و راحت کی طرف بلایا اور انھیں فکر و تدبر سے دور رکھا۔ ان کو خیال تک نہ آنے دیا، کہ یہ دکھ درد اور فقر و فاقہ کیوں ہیں؟ وہ اپنے عیوب اور اپنی خود پسندی کو ہنر سمجھنے لگے اور گنہگار اگر اپنے گناہوں کو فن اور ہنر سمجھ لے، تو اسے اس گناہ سے توبہ کی توفیق کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

کاش وہ اس حقیقت سے متنبہ ہوتے کہ یہ مصائب اسلئے ہیں، کہ ہم اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔۔ الختصر۔۔ تنگ دستی اور بیماری میں مبتلا کر کے انکو نصیحت کی گئی تھی تا کہ اس نصیحت سے سبق حاصل کر کے وہ راہِ راست پر آ جائیں، لیکن فقر و بیماری سے چھٹکارا ملتے ہی یہ غافل ہو گئے۔۔ اور۔۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ

پھر جب بھول ہی گئے جو انکو نصیحت کی گئی تھی، تو کھول دیئے ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے،

حَتّٰۤی اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

یہاں تک کہ جب خوش ہوگئے اس سے جو دے دیا گیا انھیں، تو پکڑا ہم نے انکو اچانک، تو اب وہ بے آس ہیں ●

(**پھر جب بھول ہی گئے**) کفر وتکذیب کرنے والے (**جو انکو نصیحت کی گئی تھی**)۔۔الحاصل۔۔ جب بلا اور محنت کے سبب سے انھوں نے نصیحت نہ مانی، (**تو**) وسعت معیشت آسان کرکے بھی ہم نے انکا امتحان لیا۔۔چنانچہ۔۔(**کھول دیئے ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے**)، یعنی نعمتوں اور راحتوں کے دروازے انکے لئے کھول دیئے گئے۔(**یہاں تک کہ جب خوش ہوگئے اس سے جو دیا گیا انھیں**) اور اس میں دل کو ایسا اٹکایا اور نعمتوں اور اس سے حاصل شدہ عیش وعشرت میں ایسا منہمک ہوگئے، کہ نعمت عطا فرمانے والے 'منعم حقیقی' کو فراموش کردیا اور اسکے شکر گزار نہیں ہوئے اور اسکے باغی ہوگئے ۔۔الغرض۔۔ نعمت عطا فرما کر انکی جو آزمائش کی گئی تھی، اس میں بھی وہ کامیاب نہ ہوسکے اور انکی سرکشی حد سے زیادہ تجاوز کرگئی، (**تو پکڑا ہم نے انکو اچانک، تو اب وہ بے آس ہیں**) اور عذاب دیکھنے کے بعد پشیمان وناامید ہیں۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۵﴾

پھر کاٹ دی گئی جڑ ظالم قوم کی۔اور ساری خوبیاں اللہ کیلئے ہے پروردگار سارے جہان کا ●

(**پھر کاٹ دی گئی جڑ ظالم قوم کی**)، یعنی انکے چھوٹے بڑے سب ختم کردیئے گئے اور انکا ایک بھی باقی نہ رہا۔

ظالم قوم کہہ کر حکم کی علت کا اظہار فرمادیا گیا ہے۔یعنی ان کو تباہ وبرباد اسلئے کیا گیا ہے اور انھیں یہ سزا اسلئے دی گئی ہے، کہ انھوں نے نعمتوں پر شکر کی بجائے ناشکری کی اور نعمتوں کی خوشی میں طاعاتِ الٰہی بجالانے کی بجائے گناہ کیے۔۔۔چونکہ کفار اور گنہگاروں کی تباہی وبربادی سے اہل دنیا کو چھٹکارا نصیب ہوتا ہے، کیونکہ وہ انکے عقائد واعمال کی نحوست سے پریشان ہوتے ہیں، انکے تباہ وبرباد ہونے پر انھیں نجات ملتی ہے، تو ایسوں کو تباہ وبرباد کردینا بھی اہل جہان پر خدا کی وہ ایک نعمت ہے اور ہر نعمت پر شکر واجب ہے، بالخصوص وہ نعمت جس سے دین کا جھنڈا بلند ہو اور اسکی تمام رسولوں نے تعریف کی ہو۔

تو بے پناہ شکر (**اور ساری خوبیاں اللہ**) تعالیٰ (**کیلئے ہے**) جو (**پروردگار**) ہے (**سارے جہاں کا**)۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ

پوچھو، کہ "یہ بتاؤ کہ اگر لے لے اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر، تو کون معبود ہے

غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

اللہ کا غیر جو تمہارے لئے سب لادے؟" دیکھو کہ کس طرح سے ہم آیتیں پیش کرتے ہیں، پھر وہ لوگ روگرداں رہتے ہیں●

اے محبوب! تم ان سے **(پوچھو کہ)** اے مشرکو! **(یہ بتاؤ، کہ اگر لے لے اللہ)** تعالیٰ **(تمہارے کان)**، یعنی تمہارے کان کی شنوائی چھین لے اور تمہیں بہرا بنا دے **(اور تمہاری آنکھیں)**، یعنی تمہاری آنکھوں کی بینائی مٹا دے اور تمہیں بالکل اندھا بنا دے۔ **(اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر)**، یعنی تمہارے دلوں پر ایسا پردہ ڈال دے کہ جس سے تمہاری عقلیں زائل ہو جائیں اور تم میں سمجھنے کا مادہ ہی ختم ہو جائے یعنی تم پاگل ہو جاؤ، **(تو کون معبود ہے اللہ)** تعالیٰ **(کا غیر)**، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا **(جو تمہارے لئے سب لا دے)**۔ یعنی مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے اعلیٰ اعضاء سلب کر لے، پھر کون ہے اسکے سوا جو تمہیں وہی اعضاء واپس دے۔

اور یہ سب کو معلوم ہے کہ اسپر اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ ایسی قدرت والا ہی مستحق عبادت ہے اور عبادت کے رنگ میں تعظیم کے لائق بھی صرف وہی ہے۔

تو اے محبوب! **(دیکھو کہ کس طرح سے ہم آیتیں پیش کرتے ہیں)** یعنی بار بار انھیں اپنی آیات دکھاتے ہیں اور انکے افہام و تفہیم کیلئے نت نئے طریقے اختیار کرتے ہیں۔ کبھی انھیں عقلیات کے مناظر دکھاتے ہیں، کبھی ان کو ترغیب و ترہیب کے رنگ میں سمجھاتے ہیں، کبھی انھیں انکے متقدمین کے حالات سنا کر متنبہ کرتے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ 'تصریف' قرآنی اصطلاح میں ان اسباب کو کہا جاتا ہے، جنھیں بروئے کار لا کر مطلب کو واضح کیا جائے، کہ جس میں کسی طرح کا اخفا باقی نہ رہے۔

۔۔الختصر۔۔ ہم انھیں واضح انداز میں مختلف طریقے سے سمجھاتے ہیں **(پھر)** بھی **(وہ لوگ روگرداں رہتے ہیں)** اور ان آیات سے اعراض کر کے ایمان قبول نہیں کرتے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ

پوچھو، کہ "یہ بتاؤ کہ اگر آپڑا اللہ کا عذاب تم پر بے بتائے، یا کھلے بند، تو کون ہلاک کیا جائے گا

إِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

سوا ظالم قوم کے؟"●

اے محبوب! ان ظالموں سے (پوچھو کہ) اے ظالمو! (یہ بتاؤ کہ اگر آپڑا اللہ) تعالیٰ (کا عذاب تم پر بے بتائے) اچانک رات میں (یا کھلے بند) دن میں، تو مجھے بتاؤ تمہارا حال کیسا ہوگا؟ ۔۔الغرض۔۔جیسے تمہارے پہلوں پر عذاب آیا وہی عذاب اگر آجائے، (تو کون ہلاک کیا جائیگا سوا) تم جیسی (ظالم قوم کے)۔تمہارا ظلم ہی تم پر عذاب کا موجب ہے اور ایمان لانے کی بجائے کفر کرتے رہنا ہی تمہارا وہ ظلم ہے، جو تمہیں عذاب الٰہی کا مستحق بنا دیتا ہے۔

اس مقام پر مرسلین کرام سے آیات و معجزات کا مطالبہ کرنے والوں کیلئے یہ بات بھی قابل غور ہے کہ مرسلین کی بعثت کا مقصد صرف یہی نہیں ہے، کہ وہ قوم کے سامنے آیات ظاہر کریں۔۔یا۔۔ انکی غفلت دور کریں، تو کان کھول کر سن لیں کہ ہم نہیں مبعوث فرماتے۔۔۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ إِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو، مگر مژدہ سناتے اور ڈراتے۔تو جو مان گیا،

وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور درست بن گیا، تو نہ کوئی ڈر اسے، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں●

(اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو، مگر مژدہ سناتے اور ڈراتے)۔۔الغرض۔۔انکی بعثت کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ وہ ایمان والوں کو جنت کی خوشخبری سنائیں اور کافروں کو جہنم سے ڈرائیں، (تو جو مان گیا) یعنی ایمان لایا (اور) نیک عمل انجام دے کر (درست بن گیا، تو نہ کوئی ڈر اسے) یعنی جس عذاب سے انھیں ڈرایا گیا اس سے وہ بے خوف ہونگے۔نہ انھیں دنیا میں کوئی عذاب ہوگا نہ آخرت میں۔ (اور نہ) ہی (وہ رنجیدہ) خاطر (ہوں) گے۔یعنی جس خوشخبری سے انھیں خوش کیا گیا ہے، دنیا کی خوشخبری ہو۔۔یا۔۔آخرت کی، اسکے فوت ہونے کا انھیں غم لاحق نہ ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتیں، تو لپٹے گا انہیں عذاب، کیونکہ وہ نافرمان ہیں●

(اور) اسکے برخلاف (جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتیں) یعنی وہ بیانات جو انبیاء کرام نے خوشخبری دیکر اور ڈرا کر قوم کو بتائے اور انھوں نے اپنی قوم کو جو احکامات پہنچائے ان سب کی یا ان میں سے کسی ایک کی بھی تکذیب کر دی، (تو لپٹے گا انھیں عذاب)، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انکو عذاب پہنچے گا (کیونکہ وہ نافرمان ہیں)۔۔۔الغرض۔۔۔اپنے دائمی فسق اور تصدیق وطاعت سے نکل جانے کی وجہ سے ان پر عذاب نازل فرمایا جائیگا۔

کفار کا طریقہ تھا کہ وہ سید عالم ﷺ سے طرح طرح کے سوال کیا کرتے تھے۔کبھی کہتے کہ آپ رسول ہیں، تو ہمیں بہت سی دولت اور مال دیجئے کہ ہم کبھی محتاج نہ ہوں، ہمارے لئے پہاڑوں کو سونا کر دیجئے، کبھی کہتے کہ ہمیں گزشتہ اور آئندہ کی خبریں سنایئے اور ہمیں ہمارے مستقبل کی خبر دیجئے، کیا کیا پیش آئیگا تاکہ ہم منافع حاصل کرلیں اور نقصانوں سے بچنے کیلئے پہلے سے انتظام کرلیں۔کبھی کہتے ہیں کہ قیامت کا دن بتایئے کب آئے گی۔ کبھی کہتے آپ کیسے رسول ہیں جو کھاتے پیتے بھی ہیں اور نکاح بھی کرتے ہیں۔

انکی ان تمام باتوں کا اگلی آیت میں جواب دیا گیا جسکا حاصل یہ ہے کہ اے منکرو! تمہارا یہ کلام بے محل اور جاہلانہ ہے، جو شخص کسی امر کا مدعی ہو اس سے وہی باتیں دریافت کی جاسکتی ہیں جو اسکے دعوی سے تعلق رکھتی ہوں۔غیر متعلق باتوں کا دریافت کرنا اور اسکے دعویٰ کے خلاف حجت بنانا، انتہا درجہ کا جہل ہے۔اسلئے ارشاد ہوا کہ اے محبوب!۔۔۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ

کہہ دو، کہ "میں تم سے نہ یہ کہوں کہ میرے ہی پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ یہ کہ میں غیب ہی جانتا ہوں، اور نہ تم سے یہ کہوں کہ

اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى

میں فرشتہ ہوں۔نہیں ہے میرا کوئی فعل وقول مگر جو وحی بھیجی گئی مجھ تک"۔ پوچھو، کہ "کیا برابر ہیں اندھے

وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ۧ ۵۰

اور انکھیارے؟" تو کیا نہیں سوچتے۔

(کہہ دو کہ میں تم سے نہ یہ کہوں کہ میرے ہی پاس اللہ) تعالیٰ (کے خزانے ہیں) اور جب میرا یہ دعویٰ نہیں ہے، تو تمہارا مجھ سے مال ودولت کا سوال کرنا بے محل ہے۔تو اب اگر میں اسکی طرف

التفات نہ کروں، تو تم میری رسالت کے منکر ہو جاؤ، یہ تمہاری جہالت ہے۔ (اور نہ) میرا (یہ) دعویٰ ہے (کہ میں) بذاتِ خود (غیب ہی جانتا ہوں)۔ تو جب میرا ذاتی غیب دانی کا دعویٰ ہی نہیں، تو اب اگر میں تمہیں آئندہ کی خبریں نہ بتاؤں، تو میری نبوت کے ماننے میں عذر کرسکو، تمہارے لئے اسکی گنجائش نہیں۔ (اور نہ) ہی (میں تم سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں) کہ میرا کھانا پینا اور نکاح کرنا قابل اعتراض ہو جائے۔۔ الختصر۔۔ میں نے جن چیزوں کا دعویٰ ہی نہیں کیا، ان کا سوال بے محل ہے اور اسکا جواب دینا مجھ پر لازم نہیں۔ میرا دعویٰ نبوت اور رسالت کا ہے اور جب اس پر زبردست دلیلیں اور قوی براہنیں قائم ہو چکیں، تو غیر متعلق باتیں پیش کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

اور غور سے سن لو کہ (نہیں ہے میرا کوئی فعل و قول، مگر جو وحی بھیجی گئی مجھ تک)۔۔ الختصر۔۔ میں نہیں اتباع کرتا، مگر اس کی جو میرے پاس وحی کی جاتی ہے۔ اس میں میرا ذاتی طور پر کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا اور نہ ہی میں وحی کی استدعا کر کے اپنی طرف سے کسی قسم کا دخل دے سکتا ہوں، اور نہ ہی اور کوئی سلسلہ اس میں جاری ہو سکتا ہے۔

۔۔ الحاصل۔۔ آپ ﷺ حکم ربانی ہی کی اتباع فرماتے ہیں، خواہ وہ حکم فرشتے کی زبان سے آپ تک پہنچے۔۔ یا۔۔ فرشتہ زبان سے تو کچھ عرض نہ کرے، لیکن اشارہ و کنایہ سے کچھ کہے اور آپ کے دل میں حکم الٰہی کا القاء فرمائے۔۔ یا۔۔ براہِ راست نبی علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہو۔۔ بایں طور۔۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے نور سے اپنے نبی علیہ السلام کو کوئی بات ظاہر فرمائے۔ نبی کریم کے اجتہاد کو بھی وحی کا مرتبہ حاصل ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ 'وحی از اوّل تا آخر وحی ہے' اور 'اجتہاد ابتداء میں تو اجتہاد ہے اور اسکا مآل وحی ہوگا اور اُسے وہی مرتبہ حاصل ہوگا، کہ گویا وہ ابتداءً ہی وحی ہے'۔۔۔

جب حضور نبی پاک ﷺ نے اپنی ذات کریمہ کو وحی کی اتباع سے موصوف فرمایا، تو اس سے لازماً ثابت ہوا کہ آپ اپنے کو ہدایت یافتہ اور اپنے معاند کو گمراہ اور اسکے دعوی کو گمراہی سے تعبیر فرما رہے ہیں، اسلئے کہ ہر وہ عمل جو وحی کے بغیر ہو، وہ نابینا کے عمل کے مشابہ ہے۔ اور وہ عمل جو مقتضائے وحی ہو، وہ نابینا کے عمل کی طرح ہے۔ تو اے محبوب! ان نادانوں سے۔۔۔

(پوچھو کہ کیا برابر ہیں اندھے اور انکھیارے) یعنی کیا گمراہ اور ہدایت یافتہ برابر ہو سکتے ہیں؟ (تو کیا نہیں سوچتے) یعنی کلام الٰہی کو سن کر پھر تفکر کیوں نہیں کرتے، تا کہ اسکی اتباع کر کے ہدایت

پاجائیں اوروحی کے مقتضاء پر چلنے والے ہوجائیں۔

چونکہ توبیخ کا دارومدار دوامروں کے نہ ہونے پر ہے:

ا۔کلام حق کا نہ سننا۔ ۲:اس میں تفکر نہ کرنا۔

اسلئے کلام الٰہی کو بغور سننا اور پھراس میں تفکر کرنا نجات کے حصول کیلئے ضروری ہے۔۔

توخوف دلاؤ۔۔۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

اور ڈراؤاس سے انھیں جوخوف کریں، کہ حشر کیۓ جائیں اپنے پروردگار کی طرف۔ کہ نہیں ہے اس کے سواان کا کوئی

وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

مددگاراورنہ سفارشی، کہ وہ پرہیزگار ہوجائیں●

(اور ڈراؤاس سے) جس سے ڈرانے کی تم پر وحی کی گئی ہے **(انھیں، جوخوف کریں کہ حشر کیۓ جائیں)** گے **(اپنے پروردگار کی طرف)** جزاء کے دن۔

مسلمانوں کو یہ خوف لغزشوں کی کثرت اور عمل میں کمی کی وجہ سے ہوگا اور دوسرے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جوحشر ونشر کا عقیدہ رکھتے ہیں یہ خوف، انکے اپنے باطل نظریات اور انکی اپنی بداعمالیوں کے سبب ہوگا۔

۔۔الغرض۔۔انھیں روز قیامت سے ڈراؤ اوران پر واضح کردو **(کہ نہیں ہے اسکے سوا انکا کوئی مددگاراورنہ)** ہی کوئی **(سفارشی)**۔۔لہٰذا۔۔گنہگاروں کو یہ خیال بھی نہ آنا چاہئے، کہ قیامت کے میدان میں اذن الٰہی کے بغیر انکی کوئی سفارش کرسکے گا۔

جوُماذون الشفاعۃ ہوگا اور جسکے لئے اُسے اذنِ شفاعت ملا ہوگا، تو صرف وہی اور صرف اسی کیلئے سفارش کرسکے گا۔رہ گئے مشرکین وکافرین، تو انکا یہ خیال غلط ہے کہ انکے بت انکی سفارش کرینگے۔۔یا۔۔انکے آباء واجداد انکے سفارشی ہونگے۔اسلئے ان فرضی سفارشیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ اذنِ شفاعت ملا ہے اور نہ ہی قیامت تک ملنے والا ہے۔رہ گئے یہود ونصاریٰ جو اس خیالِ خام کا شکار ہیں، کہ وہ انبیاء کرام کی اولاد ہیں، تو انبیاء کرام انکی سفارش فرمائینگے، انکوذہن نشین کرلینا چاہئے کہ انبیاء کرام اور اللہ کے دوسرے محبوب بندوں کوصرف ایمان والے بندوں کی سفارش کا اذن عطا فرمایا جائیگا۔

۔۔لہٰذا۔۔کفار و مشرکین کیلئے یہ حضراتِ قدسی صفات میدانِ قیامت میں نہ تو مددگار ہونگے اور نہ ہی سفارشی۔جن جن کو ڈرانے کا حکم ملا ہے ان میں نصیحت قبول کرنے والا دل اور نصیحت سننے والے کان انھیں کے پاس ہیں جو ایمان والے ہیں، اگر چہ انکے اعمال اچھے نہ ہوں۔۔یا پھر۔۔وہ لوگ اس نصیحت سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن میں ایمان قبول کرنے کی صلاحیت ہے اور وہ سچے دل سے ہوش حواس کی کامل بیداری کے ساتھ حق کے متلاشی ہیں۔

تو اے محبوب! ان سب کو ڈراؤ، تا (کہ وہ پرہیزگار ہوجائیں)، تو ان میں جو برے اعمال کے ساتھ زندگی بسر کررہے ہیں وہ اُن سے باز آجائیں اور اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کر کے اسکی اطاعت کریں۔۔اور۔۔ان میں جو کفر و معاصی میں مبتلا ہیں، وہ کفر و معاصی سے بچیں اور نیک اعمال والے ہوجائیں۔

رہ گئے وہ سردارانِ قریش جو آپکی بارگاہ میں آکر اپنی شان وشوکت کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہیں اور اس شرط پر حاضر ہونا چاہتے ہیں کہ آپ ابن مسعود، بلال، مقداد، عمار، صہیب اور ان جیسے فقیروں اور غلاموں کو اپنی محفل میں حاضر نہ ہونے دیں۔۔یا۔۔کم از کم یہ سردارانِ قریش جب آئیں، تو انکو محفل سے اٹھادیا جائے، اسلئے کہ ان جیسوں کے ساتھ ہم نشینی انکے لئے باعثِ شرم و عار ہے۔اب اگر یہ نہیں رہتے، تو یہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے، آپ کی صحبت میں بیٹھنے اور کلام کو سننے کیلئے تیار ہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پھر اسکے بعد یہ اسلام کو قبول کرلیں۔

نبی کریم نے پہلے انکو یہ جواب دیدیا کہ میں مسلمانوں کو اپنی صحبت سے نہیں نکال سکتا۔ پھر فاروقِ اعظم نے عرض کیا ان کافروں کو ایک موقعہ دے دیجئے، تا کہ ظاہر ہوجائے کہ اس صورت میں یہ اپنے ایمان لانے کے عہد پر کہاں تک قائم رہتے ہیں، چونکہ اللہ کے رسول ﷺ اگر ایک طرف رحیم الفطرت تھے تو دوسری طرف انکے ایمان کے آرزومند بھی تھے، اسلئے انکے شرفاء کی درخواست قبول فرمالی۔اور جب ان لوگوں نے اس وعدہ پر دستاویز چاہی، تو حضور کے فرمانے سے لوگوں نے لکھنے کا سامان حاضر کردیا۔پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ اس گفتگو کو قلم بند کردو۔

آپ ﷺ کے کریمانہ طرزِ عمل سے کفار کیلئے یہ بھی گنجائش نہیں رہ گئی، کہ وہ کہہ سکیں کہ ہم نے تو اپنے ایمان لانے کی صورت کی پیشکش کی تھی، مگر وہ قبول نہیں کی گئی اور ہمارے احساسات کا لحاظ نہیں کیا گیا، تو ہم کیسے ایمان لاتے۔لیکن رب کریم کو یہ بات منظور نہ ہوئی

کہ رسول کریم کی اپنے سچے غلاموں کو اپنی محفل سے نہ اٹھانے کی دلی آرزو کو پورا نہ کیا جائے اور سرداران قریش کے احساسِ برتری اور انکے کبر وغرور کی حوصلہ افزائی کی جائے، تو اس سے پہلے کہ رسول کریم اس تعلق سے کچھ ارشاد فرماتے، اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم نازل فرمادیا، کہ اے محبوب! اپنے غلاموں کو اپنی بارگاہ سے نہ نکالنے کی آپ کی آرزو بالکل صحیح ہے۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ

اور نہ نکالو انھیں جو پکاریں اپنے پروردگار کو صبح وشام، طالب ذات ہوکر۔

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

نہ تم پر ان کا کچھ حساب ہے، اور نہ تمہارا کچھ حساب ان پر ہے۔

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اب ان کو نکال دو تو بیجا ہوگا●

(اور) رب کریم کی بھی رضا اسی میں ہے، کہ (نہ نکالو انھیں جو پکاریں اپنے پروردگار کو صبح و شام طالبِ ذات ہوکر) یعنی خالصاً لوجہ اللہ ذکر الٰہی کرتے ہیں اور نماز فجر ہو۔۔یا۔۔نماز عصر، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ادا کرتے رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دونوں جہان کے سر پر لات ماردی ہے اور ساری مخلوقات، یہاں تک کہ اپنی ذات سے بھی آزاد ہوگئے ہیں اور انھوں نے اپنی جملہ خواہشات کو حکم ربانی کا تابع کردیا ہے۔انکی ساری عبادتیں جنت کی خواہش۔۔یا۔۔جہنم کے خوف کی وجہ سے نہیں، بلکہ صرف رب تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے ہے۔

۔۔الختصر۔۔اے محبوب! آپ صبر سے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔اب اگر کفار اپنے گمانِ فاسد سے انکی عبادتوں کو، اور آپ کی صحبت میں انکے بیٹھے رہنے کو ریاکاری پر محمول کرتے ہیں اور صرف دنیاوی فائدہ حاصل کرنے کیلئے قرار دیتے ہیں، تو اس سے آپکا کیا نقصان؟ اسلئے کہ (نہ تم پر انکا کچھ حساب ہے، اور نہ) ہی (تمہارا کچھ حساب ان پر ہے)، اسلئے کہ انکو انکے اعمال کی جزاء دینا۔۔یا۔۔انکو رزق مہیا کرنا آپ کے ذمہ نہیں، بلکہ انکو رزق مہیا کرنا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ءکرم میں ہے۔اسی طرح آپ کا رزق اور آپ کی جزاء بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ذمہ ءکرم میں ہے، کسی اور کے ذمہ نہیں۔

۔۔لہٰذا۔۔ یہ مشرکین کی خام خیالی ہے، جو یہ سوچتے ہیں یہ غرباء مسلمین کھانے پینے کی لالچ میں آپ سے قریب ہوتے ہیں۔۔یا۔۔آپ اپنی دنیاوی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے انکو اپنے قریب رکھتے ہیں۔۔۔ان نادانوں کو نہیں معلوم کہ آپ پر ان غرباء مسلمین کے رزق اور انکے اعمال کے محاسبہ کی ذمہ داری نہیں، کہ آپ مشرکوں کی فرمائش پوری کرنے کے درپے ہوں۔آپ کا کام منصب رسالت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے اور اسکا تقاضا یہ ہے کہ آپ معاملات کے ظاہر پر عمل کریں اور انکے باطن کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کردیں، اور جب ان مسکین مسلمانوں کا ظاہر حال یہ ہے کہ یہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، سو آپ ان کی طرف متوجہ ہوں، انکے ساتھ مجلس میں بیٹھیں اور انکو اپنے سے دور نہ کریں۔

(اب) اگر بالفرض تم (ان کو) اپنی مجلس سے (نکال دو، تو) یہ عمل (بے جا ہوگا) جو آپکی شایانِ شان نہیں۔۔الغرض۔۔اس عمل کی ممانعت کے بعد اسکو کرنا۔۔یا۔۔اسکا ارادہ کرنا، دونوں ہی گناہ ہیں، جسکا صدور آپ سے محال ہے۔رہ گیا ممانعت سے پہلے اسکو کسی نیک مقصد کے پیش نظر انجام دینا۔۔یا۔۔اسکا عزم کرلینا، یہ آپکے لئے مباح تھا، تو اس وقت آپ کی یہ سوچ 'کہ آپکا منصب تبلیغ اور اشاعت اسلام ہے، تو اگر بڑے بڑے سرداران قریش اسلام قبول کرلیں، تو انکو دیکھ کر انکے متبعین بھی مسلمان ہوجائینگے، تو اگر ان مسکین مسلمانوں کو وقتی طور پر مجلس سے اٹھادیا جائے، تو ہر چند اس میں انکی دل شکنی ہوگی، لیکن یہ تھوڑا ضرر ہے اور اگر اسکے نتیجے میں یہ بڑے بڑے سردار تبلیغ سے مسلمان ہوگئے، تو یہ خیر کثیر اور عظیم فائدہ ہے۔اور زیادہ نفع کیلئے کم نقصان کو برداشت کرلیا جاتا ہے' بیشک برحق سوچ تھی اور آپ کا اجتہاد بالکل صحیح تھا۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ

اور اسی طرح سے ہم نے فتنہ قرار دے دیا ان میں سے ایک کو دوسرے کیلئے، تا کہ بکا کریں کہ یہی نادار ہیں جن پر

عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝

احسان فرمایا اللہ نے ہم میں سے۔کیا اللہ شکر گزاروں کو نہیں جانتا؟●

(اور) جس طرح تجھ سے پہلے آزمایا ہے ہم نے فقیروں کو مالداروں کے ساتھ (اسی طرح سے ہم نے فتنہ قرار دے دیا ان میں سے ایک کو دوسرے کیلئے)، یعنی بعض بعض کیلئے آزمائش ہوگئے

۔۔چنانچہ۔۔۔ہم نے بعض شرفاء قریش کو قریش کے بعض مالی حالات سے کمزوروں کے ساتھ امور دین میں آزمایا اور انھیں مقدم رکھا عرب کے قوی لوگوں پر ایمان لانے میں سبقت کرنے میں۔تو جو کمزور تھے اور جنکی مالی حالت اچھی نہ تھی، انھوں نے ایمان لانے میں سبقت کی اور دولت وثروت والے اور قوم میں معزز سمجھے جانے والے دیکھتے رہ گئے۔

ہم نے یہ آزمائش اسلئے کی، (تاکہ) یہ سرداران قریش فقراء مسلمین کو دیکھ کر حقارت سے اور حسد وجلن میں جل بھن کر (بکا کریں، کہ) کیا (یہی نادار ہیں) ایمان اور احسان کی نعمت۔۔۔یا۔۔۔ توفیق اور ہدایت کی وجہ سے (جن پر احسان فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ہم میں سے؟) آخر ان میں کون سی خوبی تھی جسکی وجہ سے ان کو ہم پر ترجیح دی گئی؟ تو اے منکرو! بتاؤ (کیا اللہ) تعالیٰ اپنے مخلص بندوں اور (شکر گزاروں کو) اچھی طرح (نہیں جانتا)؟ مومنانہ عزت وکرامت کی مسند ہر ایک کا نصیب نہیں، اور نہ ہی دنیوی شان وشوکت اور دولت وثروت سے یہ حاصل ہوسکتی ہے۔ یہ تو صرف مومنین ہی کا مقدر ہے، جو خالصا لوجہ اللہ عبادت گزاروں اور شکر گزاروں میں ہیں۔۔۔

۔۔الحاصل۔۔مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ ہر شخص اپنے بالمقابل کی بہ نسبت آزمائش میں مبتلا ہے۔ مالدار کافر فقراء صحابہ سے انکی اسلام میں سبقت پر حسد کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ اگر ہم اب مسلمان ہوگئے، تو ہم ان مسکینوں اور فقیروں کے تابع ہونگے اور یہ چیز ان پر سخت دشوار تھی۔ اور فقراء صحابہ ان مالدار کافروں کو عیش، راحت اور فراخ دستی میں دیکھتے تھے اور وہ سوچتے تھے کہ ان کافروں کو مال ودولت کی فراوانی اور وسعت کیسے حاصل ہوگئی؟ جبکہ ہم مال اور وسائل کی سخت تنگی اور مشکلات میں مبتلا ہیں۔ تو ایک فریق دوسرے فریق کو دین میں بلندی پر دیکھتا تھا، اور دوسرا فریق اسکو دنیا میں فراخی میں دیکھتا تھا۔

اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے سبب آزمائش میں مبتلا کیا۔
اور اس بنا پر کافر یہ کہتے تھے، کیا ہم میں سے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟

۔۔اور۔۔اہل حق جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ہر فعل حق اور درست ہے اور اسکے فعل میں حکمت ہے اور اسکے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔۔۔تو اے محبوب! آیت مذکورہ میں جن غرباء مسلمین کا ذکر ہے، انکو کافروں کی دلدہی کیلئے اپنی مجلس سے اٹھادینا تو بڑی بات ہے، انکے ساتھ کوئی ایسا سلوک بھی نہ کریں جس سے انکی دل شکنی ہو اور یہ کبیدہ خاطر ہوجائیں۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى

اور جب آ گئے تمہارے پاس وہ، جو ہماری آیتوں کو مانیں، تو کہو کہ تم پر سلام ہے۔ لکھ دیا تمہارے پروردگار

نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

نے اپنے کرم پر رحمت کو، کہ بلاشبہ جس نے تم میں سے کرلیا برا کام نادانی سے، پھر توبہ کرلی اس کے بعد،

وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

اور درست ہوگیا، تو بیشک اللہ غفور رحیم ہے●

چونکہ یہ آپکی نوازشات (اور) نگاہ کرم کے محتاج ہیں، تو ایسی صورت حال میں (جب آ گئے
ان میں سے کچھ لوگ (تمہارے پاس) یا انکے سوا (وہ) سارے لوگ (جو ہماری آیتوں کو مانیں) او
آپکی بارگاہ میں صرف اسلئے حاضر ہوں کہ آپ انکے لئے دعا واستغفار کریں، (تو) پوری کشادہ خاطر
کے ساتھ ان سے (کہو کہ تم پر سلام ہے)۔ خدا کرے تمہیں ہر دکھ تکلیف اور ہر آفت و مصیبت
سلامتی و عافیت ہو۔۔ الختصر۔۔ مولیٰ کریم تمہارے دین اور تمہارے نفوس میں سلامتی بخشے۔

اے محبوب! آپ کی وجاہت سے آنے والوں پر جو ہیبت چھا جاتی ہے، خود آپ کے سلا
کرنے میں سبقت کی وجہ سے اس ہیبت میں خاطر خواہ کمی ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں وہ آپ
پورے طور پر مستفید و مستفیض ہوسکیں گے۔

تو اے رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فضل خداوندی کے طلبگارو! غور سے سن لو کہ (لکھ دیا
ہے (تمہارے پروردگار نے اپنے کرم پر رحمت کو)۔۔۔ یعنی اس نے انکی بخشش و رحمت کا وعدہ فرمالیا
ہے۔ ایسا وعدہ جس میں خلاف ہونے کا شائبہ بھی نہیں۔۔۔ رب کریم نے کیا وعدہ فرمالیا ہے؟ وہ یہ
(کہ بلاشبہ جس نے تم میں سے کرلیا برا کام نادانی سے)، یعنی اس حال میں کہ اسکے انجام سے ناواقف
ہو اور اس پر کیا عذاب ہوگا؟ اس سے بےخبر ہو (پھر توبہ کرلی اسکے بعد) یعنی اس کام کو کرنے کے بعد
(اور) پھر پورے طور پر (درست ہوگیا) اور پختہ عزم کرلیا، کہ اب یہ گناہ کبھی نہ کرونگا (تو بیشک) اسکے
لئے (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے۔ یعنی اسکے گناہوں کا بخشنے والا اور اسکی توبہ کو قبول فرمانے والا ہے۔ اور
(رحیم ہے) یعنی اس پر خصوصی مہربانی فرمانے والا ہے۔ اور یہ بھی اسکی مہربانی ہے جو وہ یہ ارشاد فرما رہا
ہے کہ سننے والو! سنو۔۔۔

ع ٥ / ١٢

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۵۵

اور اسی طرح سے ہم آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں، اور تا کہ ظاہر ہو جائے مجرم لوگوں کا طریقہ●

(اور) یادرکھو کہ (اسطرح سے ہم آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں اور) توضیح کرتے ہیں (تا کہ ظاہر ہو جائے مجرم لوگوں کا طریقہ)، یعنی جس طرح ہم نے توحید اور رسالت اور قضاء و قدر کے دلائل ...ت آسان اور موثر طریقہ سے بیان کئے ہیں، قرآن مجید کی آیات کی تفصیل کی ہے اور حقائق شریعت ...ان کئے ہیں، اسی طرح ہم ہر اس حق کو بیان کرتے ہیں جسکا اہل باطل انکار کرتے ہیں، تا کہ مومنین ...لیلئے مجرمین کا طریقہ واضح ہو جائے اور جب مجرموں کا اور اہل باطل کا طریقہ واضح ہو جائیگا، تو اہل ...ق اور مسلمانوں کا طریقہ معلوم ہو جائیگا، کیونکہ باطل کی ضد حق ہے اور ایک ضد کی خصوصیت اسکے ...قابل ضد کی خصوصیت سے پہچانی جاتی ہے۔

اے محبوب! اس قدر حق کے واضح ہو جانے کے بعد کفار کی بے عقلی تو دیکھو، کہ آپ کو اپنے ...طل اور بت پرست آباء واجداد کے دین کی طرف بلاتے ہیں۔ ان سب کو صاف لفظوں میں ۔۔۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

بتادو کہ بیشک میں روکا گیا ہوں اس سے کہ پوجوں انھیں کہ تم جن کی دہائی دیتے ہو اللہ کو چھوڑ کر،

قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۵۶

کہہ دو، کہ "میں تمہارے خیالات کا تابع نہیں ہوں۔ کہ ایسا ہو تو میں بہک گیا، اور راہ پر نہ رہا"●

(بتادو کہ) میرے پاس توحید کے بہت بڑے مضبوط دلائل ہیں اور اس بارے میں متعدد ...رآنی آیات میرے اوپر نازل ہوئیں۔۔ چنانچہ۔۔ (بیشک میں روکا گیا ہوں اس سے کہ پوجوں انھیں کہ تم جن کی دہائی دیتے ہو اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اور اے کافرو، تم جو کچھ کہتے ہو یہ تمہاری اپنی ذاتی ...خواہشات ہیں اور (کہہ دو کہ میں تمہارے) ان باطل (خیالات کا تابع نہیں ہوں) کیوں (کہ) ...میں ہدایت پر ہوں، تو پھر اپنے خدا کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ تو اگر بفرض محال (ایسا ہو)، کہ میں تمہاری ...پیروی کرلوں، (تو میں بہک گیا اور) ہدایت یافتہ لوگوں کی (راہ پر نہ رہا)۔

اے محبوب! نضر بن حارث اور دوسرے رؤسائے قریش آپ سے جو یہ کہتے ہیں، کہ اے

محمد ﷺ' کہاں تک ہمیں عذاب الٰہی سے ڈراؤ اور دھمکاؤ گے، جو عذاب کر سکتے ہو وہ ہم پر کرو اور اس سے زیادہ ہمیں نہ ڈراؤ۔ ان سبھوں سے۔۔۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ

کہو، کہ "بیشک میں اپنے پروردگار کی روشن دلیل پر ہوں، اور تم نے اس کو جھٹلا دیا۔ میرے پاس وہ عذاب نہیں

مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝

جسکی تم کو جلدی ہے"۔ حکم ہے بس اللہ کا۔ بتا دیتا ہے حق، اور بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے●

(کہو کہ بیشک میں اپنے پروردگار کی روشن دلیل پر ہوں اور تم نے اسکو جھٹلا دیا)۔۔الغرض۔۔ اس روشن دلیل یعنی قرآن کریم اور وحی ربانی کے جتنے احکام ہیں ان سب کو تم نے پس پشت ڈال دیا۔ من جملہ انکے عذاب کے آنے کی وعید بھی ہے جسے تم کچھ نہیں سمجھے۔ حق کو سمجھنے اور ماننے کیلئے یہ روشن دلیل کافی ہے۔ عذاب الٰہی میں ہلاک ہو جانے کے بعد کوئی حق کو ماننے اور اپنانے کے لائق ہی کہاں رہ جاتا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ نضر بن حارث کا حطیم میں کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ 'اے اللہ اگر یہ وعدہ حق ہے، تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا۔۔یا۔۔ ہمارے اوپر دردناک عذاب نازل فرما'۔۔ یہ اسکی جہالت و بے عقلی ہے۔ اے محبوب! فرما دو کہ اے کافرو! (میرے پاس وہ عذاب نہیں، جسکی تم کو جلدی ہے)۔ یہاں تک کہ اسکے نہ آنے کو میری تکذیب کا ذریعہ بناتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ وہ میرے ذاتی حکم اور ذاتی قدرت کے تحت ہے، اسی لئے اسکو بچ کر دکھانے کا مجھ سے مطالبہ کرتے ہو۔

تو غور سے سنو کہ یہ امر میرے سپرد نہیں۔ اسلئے کہ (حکم ہے بس اللہ) تعالیٰ (کا)۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر مجھے اس میں ذاتی طور پر کسی طرح کا بھی دخل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اس میں جلدی۔۔یا۔۔ بدیر کا کوئی حکم نہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ (بتا دیتا ہے حق)، یعنی جمیع احکام کا بیان کرنے میں حق کی اتباع کرنے ہی کا حکم فرماتا ہے۔ بنابریں عذاب کی تاخیر بھی حق اور ثابت ہے اور حکمت بالغہ جاری ہے (اور) وہ (بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے)۔

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ

کہہ دو، کہ "اگر میرے ہی پاس ہوتا وہ عذاب جسکی جلدی مچا رہے ہو، تو اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا"

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ﴿۵۸﴾

اور اللہ زیادہ جانتا ہے ظالموں کو●

اے محبوب! (کہہ دو کہ) اے کافرو! (اگر میرے ہی پاس ہوتا وہ عذاب جسکی جلدی مچا رہے ہو)، یعنی وہ عذاب جسکے لئے وعیدیں وارد ہیں، اگر میری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد ہوتا، (تو) عذاب طلب کرتے ہی فوراً تمہارے اوپر نازل ہو جاتا اور پھر (اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا)۔ اس میں امر کی ہولناکی اور حسن ادب کی مراعات واضح اور ظاہر ہے۔ سنو (اور) یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (زیادہ جانتا ہے ظالموں کو)، یعنی اللہ تعالیٰ ظالموں کے حالات خوب جانتا ہے اور اسکے علم میں ہے کہ انھیں مہلت دینا استدراجاً ہے، تاکہ انھیں سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے میری طرف تمہارا معاملہ سپرد نہیں کیا اور نہ ہی جلدتر عذاب دینے کا فیصلہ فرمایا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بالذات علیم وخبیر ہے۔۔۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ

اور اسی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں۔ نہیں بتاتا مگر وہی۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے۔ اور نہیں گرتا

مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ

کوئی پتہ، مگر وہ اس کو جانتا ہے، اور نہ کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں، اور نہ تر

وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ﴿۵۹﴾

اور نہ خشک، مگر سب ایک روشن کتاب میں ہے●

(اور اسکے پاس ہیں غیب کی کنجیاں) غیب کے خزانے، یعنی جو کچھ پوشیدہ ہے خلق سے جیسے ثواب، عذاب اور وقتوں کا انقضاء اور اتمام، اور کاموں کا خاتمہ اور انجام (نہیں بتاتا) اور نہیں ظاہر فرماتا (مگر وہی)، تو عذاب میں جلدی۔۔۔ یا۔۔۔ دیر اُسی کی حکمت سے وابستہ اور اسی کی مشیت سے متعلق ہے۔

ارشاد رسول کریم سے ظاہر ہے کہ **مَفَاتِحُ الْغَیْبِ** دراصل وہ علوم خمسہ ہیں، سورۂ لقمان میں جنکا ذکر ہے، جن کو رب علیم وخبیر کے سوا بذات خود، کوئی نہیں جانتا۔ علوم خمسہ کا ذکر صرف انکی اہمیت کو ظاہر کرنے کیلئے کیا گیا ہے، ورنہ انکے علاوہ بھی جملہ غیوب کا علم بذات

خود خدا ہی کو ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی انکا علیم ہے اور خبیر ہے، یعنی جاننے والا اور خبردار فرمانے والا ہے، تو اپنے محبوبوں میں سے جسکو چاہتا ہے اسکو انکے بعض سے باخبر فرمادیتا ہے۔ یہ خبر فرمادینا قدرت الٰہی سے باہر نہیں، اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔

علم الٰہی کا عالم یہ ہے، غور سے سنو (اور) یاد رکھو (وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی) میں ہے۔۔مثلاً: نباتات اور حیوانات وغیرہ (اور تری میں ہے) یعنی دریا میں ہے۔۔مثلاً: جواہر اور پانی کے جانور وغیرہ۔۔یا۔۔جو کچھ عالم شہادت کے بیابان میں اور عالم غیب کے دریا میں ہے، وہ سبھی کا جاننے والا ہے (اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر وہ اسکو جانتا ہے) کہ کتنے پتے درخت سے گرے، کتنے باقی رہے۔ اور وہ گرا ہوا پتہ زمین میں کتنی بار الٹا پلٹا (اور نہ کوئی دانہ زمین کی اندھیریوں میں، اور نہ تر اور نہ خشک، مگر سب ایک روشن کتاب میں ہے) لوح محفوظ میں سبھی کا ذکر ہے۔

۔۔الحاصل۔۔جس طرح اللہ تعالیٰ تمام مغیبات کو جانتا ہے، اسی طرح خشکی اور سمندر کی ہر چیز کو جانتا ہے اور اسکا علم تمام موجودات کو محیط ہے۔ زمین و آسمان میں سے کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں، وہ غیب اور شہادت کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ جمادات، نباتات اور حیوانات کی تمام حرکات اور انکے تمام احوال اسکے علم میں ہیں، اور مکلفین میں سے جن اور انس کے ہر فعل سے وہ واقف ہے۔ زمین کے اندھیروں میں بوئے ہوئے بیج اور زمین کے اندر رہنے والے کیڑوں مکوڑوں اور زمین کے اوپر جانداروں اور بے جانوں کے تمام احوال میں سے کوئی چیز اسکے علم سے باہر نہیں۔ اسکے علم کو سمجھ چکے، تو آؤ اب اسکی قدرت کو بھی دیکھو۔۔۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰىكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ

وہ ایسا ہے، کہ وفات دیتا ہے تم کو رات میں، اور جانتا ہے جو تم دن میں کما چکے ہو، پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے،

لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۱۴

تا کہ پوری کردی جائے میعاد مقرر۔ پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر بتادے گا تم کو جو کر رہے تھے●

بیشک (وہ ایسا ہے کہ وفات دیتا ہے تم کو رات میں) یعنی تمیز اور حواس زائل کر کے تمہیں مردہ کی طرح بنا دیتا ہے۔ اور روح حیات کو جسم میں باقی رکھتے ہوئے، اس میں سے روح احساس نکال لیتا ہے (اور) ساتھ ہی ساتھ اسکو بھی (جانتا ہے جو تم دن میں کما چکے ہو)۔۔المختصر۔۔نیند طاری کرنے

سے پہلے بیداری میں جو اعمال تم انجام دے چکے ان سے بھی باخبر ہے اور (پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے) اور روح حساسہ کو تمہارے جسم میں پلٹا دیتا ہے اور مر کر زندہ ہونے کا ایک احساس تمہیں دلا دیتا ہے۔

یہ نیند اور پھر یہ بیداری اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، ہر انسان جس سے باخبر ہے۔

اس بیداری سے اسے بھی محروم نہیں کیا جاتا، جسکے تعلق سے اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ بیدار ہو کر پھر گناہوں کے کاموں میں لگ جائیگا۔

یہ نیند طاری کرنا، پھر بیدار کرنا، انکا سلسلہ مشیت الٰہی کے مطابق چلتا رہیگا (تاکہ پوری کردی جائے میعاد مقرر) یعنی نیند سے اٹھنے والا موت تک اپنی میعادِ زندگی پوری کر سکے۔ (پھر) موت سے (اسی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے، پھر بتا دیگا تم کو جو کر رہے تھے) یعنی وہ اعمال جو تم زندگی کے شب و روز میں کرتے رہے، انکی تمہیں جزاء سزا دیگا۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَ

اور وہ زبردست ہے اپنے بندوں پر، اور بھیجتا ہے تم پر نگراں کار، یہاں تک کہ جب آگئی

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ۝۶۱

تم میں سے کسی کی موت، تو عمر پوری کردی اسکی ہمارے قاصدوں نے، اور وہ کوتاہی نہیں کرتے ●

(اور وہ زبردست ہے اپنے بندوں پر) اسکے سوا بندوں کے جملہ امور کا ہر طرح سے اور کوئی متصرف نہیں۔ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے (اور بھیجتا ہے تم پر نگراں کار) جو تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس سے کراماً کاتبین مراد ہیں۔ انکو مقرر کرنے میں حکمت یہ ہے کہ جب بندے کو معلوم ہوگا کہ میرے اعمال لکھے جا رہے ہیں، جو قیامت میں برسر میدان عوام کے سامنے ظاہر ہونگے، تو برائیوں سے رک جائیگا۔ اور جسے یقین ہو کہ اسے بالآخر معاف فرمائیگا، تو اسے اپنے آقا سے اتنا خوف نہیں ہوتا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ کراماً کاتبین رات اور دن کیلئے علیحدہ علیحدہ جوڑا ہے۔ ایک نیکیاں لکھتا ہے دوسرا برائیاں۔ دایاں بائیں کا امیر ہے۔ جب بندہ نیکی کرتا ہے، تو اسے دائیں جانب والا فرشتہ ایک کی بجائے دس نیکیاں لکھتا ہے، اور جب بندہ برائی کرتا ہے، تو

بائیں جانب والا فرشتہ لکھنے کا ارادہ کرتا ہے، تو اسے دائیں جانب والا فرشتہ کہتا ہے کہ رک جا۔
وہ چھ سات ساعات رکا رہتا ہے، پھر اگر وہ برائی پر استغفار کرتا ہے، تو اسکی برائی نہیں لکھی جاتی۔
اگر استغفار نہیں پڑھتا، تو اسکے نامہء اعمال میں صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے۔
یہ فرشتے لوح محفوظ کے کاتبین اور اس پر مقرر فرشتوں سے لوح محفوظ پر لکھے ہوئے حالات کو معلوم کر لیتے ہیں اور لوح محفوظ میں چونکہ تمام حالات لفظ بلفظ لکھے ہوئے ہوتے ہیں خواہ انکا تعلق ظاہر سے ہو یا باطن سے۔ تو یہ کراماً کاتبین لوح محفوظ پر مقرر فرشتوں سے بندوں کے دلی ارادوں اور انکے عزائم کی بھی خبر حاصل کر لیتے ہیں اور پھر اسکو بندوں کے نامہء اعمال میں لکھ لیتے ہیں۔ تو رات والے فرشتے رات کو اور دن والے دن کو جس طرح بندوں سے گناہوں کا صدور ہوتا ہے ویسے ہی وہ لکھ لیتے ہیں، گو اسکے قبل بھی وہ انکے اعمال کو جانتے ہیں۔

۔۔الختصر۔ تمہارے اوپر نگراں فرشتے مقرر ہوتے ہیں، جو تمہاری زندگی بھر تمہارے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں (یہاں تک کہ جب آ گئی تم میں سے کسی کی موت) اور ختم ہو گئی اسکی مدتِ حیات (تو عمر پوری کر دی اسکی ہمارے قاصدوں نے)، یعنی ملک الموت اور انکے مددگار چودہ[۱۴] فرشتوں نے جن میں سات[۷] رحمت کے فرشتے ہیں اور سات[۷] عذاب کے۔۔الختصر۔۔اسکے بدن سے روحِ حیات نکال لی۔ پھر جب ملک الموت مومنوں کی روح قبض کرتے ہیں، تو رحمت کے فرشتوں کے سپرد کر دیتے ہیں اور جب کافروں کی جان نکالتے ہیں، تو عذاب کے فرشتوں کے حوالے کر دیتے ہیں (اور وہ) یعنی یہ فرشتے کسی طرح کی کوئی (کوتاہی نہیں کرتے) اور جب وقت آپہنچتا ہے، تو روح نکالنے میں تاخیر نہیں کرتے۔

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

پھر لوٹا دیئے گئے اللہ کی طرف، ان کا حقیقی مولیٰ۔ سن رکھو کہ حکم اسی کا ہے۔۔۔ اور وہ جلد حساب فرمانے والا ہے●

(پھر) موت کے بعد (لوٹا دیئے گئے) یہ سب کے سب (اللہ) تعالیٰ (کی طرف) یعنی اسکے حکم و جزا کی طرف حساب کے موقف میں۔۔یا۔۔یہ کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے حکم اور فیصلے کیلئے مطیع کر کے لائینگے، کہ ایسے مالک کی طرف انھیں لایا جاتا ہے کہ اب اسکے سوا انکا کوئی مالک نہیں اور نہ ہی اسکے سوا کوئی حاکم ہے اور وہی (انکا حقیقی مولیٰ) ہے۔ یعنی ایسا مالک جو علی الاطلاق جملہ امور کا مالک ہے، تو

(سن رکھو کہ حکم اسی کا ہے) اور اس دن اپنے بندوں کا فیصلہ صرف وہی فرمائیگا۔ وہاں صرف اسی کا فیصلہ چلے گا اور کسی کا حکم نہ ہوگا۔ (اور وہ جلد حساب فرمانے والا ہے)۔

اس دن تھوڑے سے وقت میں اپنی تمام مخلوق کا حساب لے لیگا اور یہ بھی ہے کہ اسکے لئے ایک کا حساب دوسرے سے مانع نہ ہوگا اور نہ ہی ایک شان دوسری کو حاجب ہو سکے گی۔ اسکا کلام کسی عضو سے نہ ہوگا اور نہ فکر و رویت کا محتاج ہوگا۔۔۔ کثیر جن وانس اور پھر انکے بے شمار اعمال، لیکن سب کا حساب اتنی دیر میں لے لینا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہا جاتا ہے، بلکہ اس سے بھی کم وقت میں، یہ حق سبحانہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی دلیل ہے۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت پر بعض دلائل بیان فرمائے تھے کہ اسکا علم ہر چیز کو محیط ہے اور اسکی قدرت ہر چیز کو شامل ہے اور وہ تمام مخلوق پر غالب ہے اور انکے اعمال کی فرشتوں سے حفاظت کراتا ہے، اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور قسم کی دلیل بیان فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اور اسکی رحمت، اسکے فضل اور اسکے احسان پر دلالت کرتی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ

پوچھو کہ کون نجات دیتا رہتا ہے تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے، جس سے دعا کرتے ہو گڑگڑا کر اور چپکے،

لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

کہ اگر اس بلا سے نجات دے دی، تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے●

اے محبوب! اہل مکہ سے (پوچھو کہ کون نجات دیتا رہتا ہے تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے)۔ خواہ وہ حسی اندھیرے ہوں۔۔ مثلاً: رات کا اندھیرا، گہرے بادلوں کا اندھیرا، بارش اور آندھیوں کا اندھیرا، اور سمندر میں موج و تلاطم کا اندھیرا۔۔یا۔۔ وہ معنوی اندھیرے ہوں۔۔ مثلاً: ان اندھیروں کی وجہ سے خوف شدید، نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ سے منزل کی ہدایت نہ پانے کا خوف، اور دشمن کے اچانک ٹوٹ پڑنے کا خوف۔

۔۔الغرض۔۔ ایسے اسباب جمع ہو جائیں جن سے بہت گھبراہٹ اور شدید خوف لاحق ہوتا ہے اور انسان کو نجات کی کوئی صورت نظر نہیں آتی اور وہ ہر طرف سے ناامید ہو جاتا ہے، تو اس وقت وہ

صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اس وقت وہ زبان اور دل دونوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت سلیمہ کا یہی تقاضا ہے کہ اس حال میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور اسی کے فضل وکرم پر اعتماد کیا جائے اور اسی کو ماویٰ وملجا اور جائے پناہ قرار دیا جائے۔اور جب اس حال میں وہی فریادرس اور دستگیر ہے،تو ہر حال میں صرف اسی کو پکارنا چاہئے،اسی سے مدد طلب کرنی چاہئے اور اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔

تو اے مکہ کے کافرو! کہ جب تم ان مذکورہ بالا مصیبتوں کا شکار ہوتے ہو،تو وہ کون نجات دہندہ ذات ہے(جس سے دعا کرتے ہو گڑگڑا کر اور چپکے)۔اس وقت تمہارا حال یہ ہوتا کہ اسے پکارتے ہو دھاڑیں مار کر،اور دل میں نہایت ہی عجز وانکسار سے اس وقت یہ کہتے ہو(کہ اگر) اللہ تعالیٰ نے ہم کو(اس بلا سے نجات دے دی،تو ہم ضرور شکر گزار ہونگے)اور اس نعمت کی وجہ سے اس پر مداومت کرنے والوں سے ہونگے۔

ظاہر ہے کہ شکر نام ہے اعترافِ نعمت کا،بشرطیکہ اس نعمت کے حقوق بھی قائم رکھے جائیں۔اللہ تعالیٰ کی نعمت کے حقوق یہ ہیں کہ اس منعم حقیقی کی اطاعت میں زندگی بسر کرے اور برائیوں سے بچے،نہ یہ کہ الٹا اسکے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک بنائے جنھیں کسی شے کی بھی قدرت نہیں۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

بتادو کہ اللہ نجات دیتا ہے تم کو اس سے اور ہر مصیبت سے، پھر تم شریک بناتے ہو●

اے محبوب! ان مشرکین کو(بتادو کہ) ایسے پرآشوب حالات میں(اللہ) تعالیٰ(نجات دیتا ہے تم کو اس سے اور ہر مصیبت سے) مگر تمہارا عجیب حال ہے کہ نجات پاجاتے ہو اور تمام نعمتوں کا مشاہدہ کرلیتے ہو،اسکے باوجود(پھر) بھی(تم شریک بناتے ہو) غیر خدا کو خدا کا۔الغرض۔تمہارا یہ شرک کرنا بھی ترک شکر الٰہی ہے،اسلئے کہ جو خدا کا حقیقی معنوں میں شاکر ہوگا،وہ مشرک نہیں ہوسکتا۔

۔۔اے مشرکو! کیا عذاب عذاب چلاتے ہو اور نزول عذاب الٰہی کا مطالبہ کرتے ہو! غور سے سن لو کہ مصائب وآلام میں تم جسکو پکارتے ہو اور وہ تمہیں نجات عطا فرماتا ہے،تو کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ وہ عذاب نازل نہیں فرماسکتا؟ ارے نادانو! عذاب نازل نہ فرمانے میں اسکی حکمت بالغہ ہوتی ہے۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ

کہہ دو کہ وہ قادر ہے اس پر کہ بھیج دے تم پر عذاب، اوپر سے اور

تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ

پاؤں تلے سے، یا کر دے تم کو شیعہ شیعہ، اور مزا چکھادے ایک کو دوسرے کی لڑائی کا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

دیکھو کہ ہم کس طرح، طرح طرح سے آیتیں بتاتے ہیں کہ وہ سمجھ سے کام لیں●

اے محبوب! ان نادانوں سے **(کہہ دو کہ وہ قادر ہے اسپر کہ بھیج دے تم پر عذاب اوپر سے)** جیسے نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آیا تھا۔۔یا۔۔لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسے تھے **(اور پاؤں تلے سے)** جیسے اہل فرعون دریا میں غرق ہوگئے۔۔یا۔۔قارون جو زمین میں دھنس گیا۔ اوپر کے عذاب کی ایک شکل یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تم پر ظالم حکام کو مسلط کردے۔۔یونہی۔۔نیچے کے عذاب کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ تمہارے ماتحت بدمعاش اور بدکردار غلام وخدمتگار کردے **(یا کر دے تم کو شیعہ شیعہ اور مزا چکھادے ایک کو دوسرے کی لڑائی کا)** یعنی ملادے تمہیں باہم گروہ گروہ اور ہر گروہ کی آرزو، تمنا اور مدعا، دوسرے گروہ کے خلاف ہو، کہ اس مخالفت کی وجہ سے باہم مقاتلہ ہو، آپس میں تلواریں چلیں اور ایک دوسرے کو قتل کرے۔ اسطرح ہر ایک اپنے مقابل سے رنج پائے اور اسکی طرف سے کی گئی سختی برداشت کرے۔

یہ ذہن نشین رہے کہ اس مقام پر شیعہ سے مراد وہ گروہ ہے، جو کسی امر مذموم پر مجتمع ہو۔ اسی لئے اس معنی میں شیعہ ہونا بھی ایک طرح کا عذاب الٰہی ہے۔۔الختصر۔۔رب قدیر اگر چاہے تو مذکورہ بالا عذاب میں سے کوئی۔۔یا۔۔سب ہی۔۔یا۔۔انکے سوا کوئی دوسرا عذاب ۔۔الغرض۔۔وہ قادر مطلق ہر طرح کے عذاب نازل فرمانے کی قدرت رکھتا ہے۔

اے محبوب! **(دیکھو ہم کس طرح، طرح طرح آیتیں بتاتے ہیں کہ وہ سمجھ سے کام لیں)** یعنی قرآنی آیات کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف، کبھی وعدوں سے، کبھی وعیدوں سے، یعنی کہیں وعید بیان کی گئی تو ساتھ وعدہ بھی۔۔الغرض۔۔مختلف وجوہ سے آیات کو وارد کیا گیا ہے۔ اول سورہ سے لے کر آخر تک یہی اسلوب رہتا ہے، تاکہ وہ سمجھ جائیں اور اپنے فطری امر سے واقفیت حاصل کر کے

مکابرۂ وعناد سے لوٹ کر ایمان واسلام کی طرف رجوع کریں۔ مگر صورتِ حال یہ رہی کہ کچھ بھی سمجھ سے کام نہیں لیا۔۔۔

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؀۶۶

اور جھٹلایا اس کو تمہاری قوم نے حالانکہ وہ حق ہے۔ صاف کہہ دو کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں●

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ؀۶۷

ہر بات کا وقت ہے۔ اور جلد تم جان لوگے●

(اور جھٹلایا اس) عذاب موعود (کو)۔۔یا۔۔قرآن کو، جو اس عذاب کی خبر دینے والا ہے (تمہاری قوم نے) جو تم سے عناد رکھتی ہے (حالانکہ وہ حق ہے) یعنی لامحالہ عذاب واقع ہوگا۔۔یا۔۔ یہ کہ جو کتاب اللہ نے بیان کیا ہے وہ حق ہے۔ اے محبوب! (صاف کہہ دو کہ میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں) کہ میرے ہاں تمہارے تمام امور سپرد کیے گئے ہوں، تاکہ میں تمہیں تکذیب سے روکوں اور انھیں تصدیق پر مجبور کروں۔ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں اور اب میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہوں، اسلیئے کہ میں تمہیں یہ تمام خبریں سنا چکا ہوں، جنھیں تم دیکھو گے اور اچھی طرح سے جان لو، کہ قرآن کریم میں خبروں کی شکل میں جو باتیں مذکور ہیں ان میں۔۔۔

(ہر بات) کے وقوع (کا) ایک (وقت) مقرر (ہے) (اور جلد تم جان لوگے) عذاب کے وقوع کو دنیا۔۔یا۔۔آخرت۔۔یا۔۔دنیا وآخرت دونوں میں۔ اس مقام پر جبکہ تکذیب، استہزا اور تمسخر کرنے والوں کا ذکر ہے، تو اسکے تعلق سے یہ نصیحت ملحوظ خاطر رہے۔۔۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا

اور جب تم دیکھ پاؤ ان کو، جو نکتہ چینی کریں ہماری آیتوں میں، تو منہ پھیر لو ان سے، یہاں تک کہ لگ جائیں

فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

کسی دوسری بات میں۔ اور اگر بھلا وادے تم کو شیطان، تو نہ بیٹھو

بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ؀۶۸

یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ●

(اور) ہر حال میں اسکا خیال رہے، کہ (جب تم) اے محبوب!۔۔یا۔۔تمہارے دامن کرم سے وابستہ تمہارا کوئی امتی (دیکھ پائے انکو جو نکتہ چینی کریں ہماری آیتوں میں) اور کفار قریش کی طرح انکا مذاق بنائیں، اسکی تکذیب کریں۔۔یا۔۔کسی طرح کی طعن و تشنیع کریں، (تو منہ پھیر لوان سے) اوران سے اعراض کرواورانکے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دو۔ اوراگر ساتھ بیٹھے ہوتو اٹھ جاؤ، (یہاں تک کہ لگ جائیں کسی دوسری بات میں) اور قرآنی آیات سے استہزاو غیرہ چھوڑ کر دوسری عام باتیں شروع کردیں۔اب انکے ساتھ کسی نیک مقصد کے پیش نظر بیٹھا جاسکتا ہے۔

(اور اگر) تم میں سے کسی کے ساتھ یہ صورتِ حال پیش آئے کہ (بھلاوادے دے تم کو شیطان)، یعنی ایسی محفل سے' جس میں آیات قرآنیہ کی تکذیب کی جارہی ہو' اٹھ جانے کا حکم یاد نہ رہے (تو نہ بیٹھو یاد آجانے پر ظالم قوم کے ساتھ)۔

ظالم کا لفظ استعمال فرما کر واضح فرمادیا گیا، کہ ان سے کنارہ کشی کے حکم کی علت انکا ظالم ہونا ہے۔اب جو بھی ظالم ہواوراسکے ظلم کی نوعیت کچھ بھی ہو، خواہ وہ کفروشرک کی وجہ سے ظالم ہو۔۔یا۔۔بدعتی اور گمراہ ہونے کی وجہ سے ظالم ہو۔ چونکہ دونوں میں اپنے نفسوں پر ظلم کرنیوالے ہیں، توان سے کسی طرح کے قلبی رابطے اور دلی محبت کی اجازت نہیں۔۔چنانچہ۔۔ ان سے اسطرح کے معاملات نہیں کئے جاسکتے، جو دلی رابطے اور قلبی محبت کے تقاضے ہیں۔

رہ گئے مسلمان فاسقین، توان کے گناہوں سے تو نفرت کی جائیگی، لیکن انکی ذات سے بالکلیہ بے تعلقی نہیں کی جاسکتی۔تو اب اگر ان سے کنارہ کشی میں انکے لئے ہدایت ہے، تو ان سے بے تعلق رہا جائیگا اور اگر انکے قریب آکر انکی ہدایات کے امکانات روشن ہوں، تو انکو اپنے قریب کیا جائیگا۔اور انکو اپنی صحبت میں رکھ کر اور اخلاقی قدروں سے متاثر کر کے گناہوں کی راہ سے ہٹانے کی کوشش کی جائیگی۔

یہ کام بھی انہیں کا ہے جو غیروں پر اپنا اثر ڈالنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور دوسروں کی صحبت کی برائی سے اپنے کو بچاسکتے ہوں۔۔لہٰذا۔۔عام لوگوں کیلئے یہی حکم ہے کہ وہ کفار و مشرکین اور فساق وفجار، ہر ایک کی صحبتوں اور قربتوں سے اپنے کو بچائے رہیں اور انکی صحبتوں کے برے اثرات سے اپنے دین وایمان کی حفاظت کرتے رہیں۔

مذکورہ بالا آیت سے ایمان والوں کو جو حکم ملا اس کے پیش نظر صحابہ کرام نے بارگاہ رسول ﷺ میں عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں کعبہ کا طواف اور مسجد حرام میں نشست

کرنا ضروری ہے اور مشرک بھی وہاں ہوتے ہیں اور برابر قرآن اور اہل ایمان کے ساتھ مسخرہ پن کرتے ہیں اور ہم کو انکی مجلس میں رہنا پڑتا ہے، اور صورت حال یہ ہے کہ ہم انھیں بحث کرنے اور طعن و تشنیع کرنے سے روک بھی نہیں سکتے۔ اب ایسی صورت میں کیا ہم گنہگار ہونگے؟ تو اے محبوب! ان کو سنادو۔۔۔

وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَلَٰكِن ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٦٩﴾

اور ان پر جو تقویٰ شعار ہیں کچھ سوال نہیں، لیکن نصیحت کر دینا، کہ وہ ڈر جائیں●

(اور) انھیں بتادو کہ (ان پر جو تقویٰ شعار ہیں کچھ سوال نہیں)، یعنی ان پرہیزگاروں سے ان ظالموں کے اعمال پر کوئی باز پرس نہیں ہوگی (لیکن) انکا فرض ہے انکو (نصیحت کر دینا) اور بس۔۔ چنانچہ۔۔ وہ ان کافروں کو نصیحت کریں اور انھیں اپنی وسعت کے مطابق سمجھائیں، کہ قرآنی آیات پر طعن و تشنیع اور انکی تکذیب نہ کریں۔۔ بلکہ۔۔ انکے سامنے ایسی برائیوں پر کراہت کا اظہار کریں، (کہ وہ ڈر جائیں)، یعنی اس کام سے پرہیز کریں اور شرمائیں۔ اور مسلمانوں کی ناراضگی کا خوف ان پر طاری ہو جائے۔ اے محبوب! اس سلسلے کی ایک بنیادی اور اہم بات یہ ہے کہ۔۔۔

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ وَذَكِّرْ بِهِ

اور انھیں چھوڑ دو جنھوں نے بنالیا اپنا دین کھیل کود، اور دھوکہ دے دیا ان کو دنیاوی زندگی نے، اور قرآن سے نصیحت دو

أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ

کہ کوئی ہلاکت میں ڈال دیا گیا اپنے کرتوت کی وجہ سے، نہ رہ گیا اسکا بنایا ہوا اللہ کو چھوڑ کر مددگار نہ سفارشی۔

وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا ۖ

اور اگر اپنا معاوضہ میں دے سارے بدلے تو لیا نہ جائے۔ وہ ہیں جو ہلاک کر دیے گئے اپنے کرتوتوں سے۔

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾ ع ۱۴

انکے لئے پینے کو کھولتا پانی اور دکھ دینے والا عذاب ہے۔ سزا ہے اسکی جو کفر کیا کرتے تھے●

آپ (اور) وہ مسلمان جو آپ کے پیروکار ہیں سب کے سب (انھیں چھوڑ) د(و)، یعنی ان

سے یک لخت دوری اختیار فرماؤ اور ان سے مکمل طور پر کنارہ کشی کرلو اور ان لوگوں سے حسن معاشرت اور ملنا جلنا چھوڑ دو (جنھوں نے بنالیا اپنا دین کھیل کود)، یعنی کھیل اور تماشے پر اپنے دین کی بناء رکھی ہے، جیسے بتوں کی عبادت، بحائر وثوائب کی حرمت، جس دین کی طرف پیغمبر انھیں بلاتے ہیں اس دین کے ساتھ مسخراپن اور ٹھٹھا کرتے ہیں۔۔یا۔۔میقات عبادت جو انکی عید ہے اُسے لھو 'یعنی ایسا عمل جو نفس کو صحیح امر سے بیکار باتوں میں لگادے' اور لعب 'یعنی وہ عمل جو نفس کو مفید امور سے پھیر دے'، میں گزارتے ہیں۔

۔۔المختصر۔۔انکا پورا دین ہی کھیل کود ہو گیا اور اسی کھیل کود کو انھوں نے اپنا دین سمجھ لیا (اور) اسکی وجہ یہ ہے کہ (دھوکہ دیدیا انکو دنیاوی زندگی نے)، چنانچہ یہ سمجھ بیٹھے کہ ہمیں ہمیشہ یہیں کے نقش ونگار اور عیش وعشرت میں رہنا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔دنیا ہی کی زندگی ہماری آخری زندگی ہے، اسکے بعد اب ہمیں کوئی اور زندگی ملنے والی نہیں۔۔چنانچہ۔۔بعث وحشر کا انکار کر بیٹھے۔اس مقام پر کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ رسول کریم کو کفار کو تبلیغ سے بھی روکا جا رہا ہے، اسلئے کہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے اے محبوب! انکو راہِ مستقیم دکھاتے رہو (اور قرآن سے نصیحت دو) تا (کہ) ایسا نہ ہو کہ قرآنی ہدایت نہ پانے کی وجہ سے (کوئی ہلاکت میں ڈال دیا گیا اپنے کرتوت کی وجہ سے) اور (نہ رہ گیا) اس نفس گرفتار کیلئے (اسکا) اپنا (بنایا ہوا) جسے (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) معبود بنالیا تھا اسکا (مددگار)، اور (نہ) ہی (سفارشی)۔

۔۔المختصر۔۔ان باطل معبودوں اور کفار کے خیالی سفارشیوں میں کوئی ایسا نہیں، جو اسکا دوست بن کر اسکی مدد کر سکے۔۔یا۔۔سفارشی بن کر اسے عذاب سے خلاصی دے سکے (اور اگر) عذاب سے چھٹکارے کیلئے وہ نفس گرفتار (اپنا معاوضہ میں دے سارے بدلے) یعنی ہر قسم کا فدیہ دے، (تو) اس سے (لیا نہ جائے) اور قبول نہ کیا جائے۔تو اے محبوب! آپ انکو قرآنی ہدایت کی تبلیغ فرماتے رہیں اور مذکورہ بالا ہلاکتوں سے باخبر فرماتے رہیں، ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ہدایت پاکر اسلام قبول کرلے اور مذکورہ ہلاکتوں سے اپنے کو بچا سکے۔

جس گروہ کی ہلاکت کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یہ (وہ) لوگ (ہیں جو ہلاک کر دیئے گئے اپنے کرتوتوں سے)۔۔چنانچہ۔۔انکی بدعقیدگی اور بداعمالی کی وجہ سے انھیں عذاب کے فرشتوں کے سپرد کردیا گیا۔دوزخ میں (انکے لئے پینے کو کھولتا پانی اور دکھ دینے والا عذاب ہے)۔پانی سے انکا اندر جلے گا اور عذاب سے انکا باہری حصہ جھلسے گا۔یہ (سزا ہے اسکی جو کفر کیا کرتے تھے)۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَ لَا یَضُرُّنَا وَ نُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ

کہہ دو کہ کیا ہم دہائی دیں تمہارے، اللہ کو چھوڑ کر، بنائے کو؟ جو نہ ہمارا بنا سکیں نہ بگاڑ سکیں، اور الٹے رخ پلٹا دیے جائیں، بعد اسکے

اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ

کہ ہدایت دے دی ہم کو اللہ نے، جیسے وہ جس کو پھسلا کر کر دیا شیطانوں نے زمین میں حیرت زدہ۔ اس کے کچھ لوگ ہیں

یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ

جو اسے بلا رہے ہیں ہدایت کی طرف، کہ ہمارے پاس آجاؤ۔ کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت ہی تو ہدایت ہے۔ اور ہمیں حکم دیا گیا،

لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَ اَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہ ہم گردن جھکا دیں سارے جہان کے پروردگار کیلئے ● اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔
وہ ہے جس کی طرف تمہارا حشر کیا جائے گا ●

اے محبوب! ان کافروں سے (کہہ دو) جو آپ کو اپنے آباؤ اجداد کے دین کی طرف آنے کی دعوت دے رہے ہیں (کہ کیا ہم دہائی دیں) یعنی معبود سمجھ کر پکاریں، (تمہارے، اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر بنائے کو)، یعنی جن کو اللہ تعالیٰ سے باغی ہو کر اور اسکے حکم کو نظر انداز کر کے تم نے اپنے طور پر معبود بنالیا ہے۔ تو اس تمہارے ہاتھ کے بنائے ہووں کو کیا ہم بھی معبود سمجھنے لگیں؟ حالانکہ انکا حال یہ ہے (جو نہ ہمارا بنا سکیں) بالفرض اگر ہم انکو اپنا سمجھ بھی لیں اور (نہ بگاڑ سکیں) اگر ہم اسے چھوڑ دیں۔۔الغرض ۔۔یہ کسی طرح کے نفع ونقصان پر قادر نہیں۔۔لہٰذا۔۔انکی جو عبادت کرے اسے کوئی فائدہ ہونیوالا نہیں ۔۔یونہی۔۔اگر کوئی انکی عبادت سے انکار کردے، تو اسے کوئی نقصان پہنچنے والا نہیں ہے۔

اے کافرو! آخر تم چاہتے کیا ہو؟ (اور) تمہارا مقصد کیا؟ کیا تمہاری یہ خواہش ہے کہ ہم (الٹے رخ پلٹا دیئے جائیں، بعد اسکے کہ ہدایت دے دی ہم کو اللہ) تعالیٰ (نے) ۔۔الغرض۔۔تم یہ چاہتے ہو کہ ہم مرتد ہوجائیں اور شرک کی طرف رجوع کریں، بعد اسکے کہ ہدایت دی ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف اور کفر وضلالت کے قید خانے سے نجات دی۔ اور اب اگر ہم دین حق سے پھر جائیں تو ہو جائینگے ویسے (جیسے وہ، جسکو پھسلا کر کردیا شیطانوں نے زمین میں حیرت زدہ) نہ جانتا ہے اور نہ کچھ تدبیر کرسکتا ہے۔ اور وہ زمین بھی ایسے بیابان میں ہو، جو سیدھی راہ سے دور ہو۔ (اسکے کچھ لوگ ہیں جو) ازراہِ شفقت (اسے بلا رہے ہیں ہدایت کی طرف کہ ہمارے پاس آجاؤ) اور شیطان اسے اپنی طرف بلاتے ہیں اور وہ اس امر میں متردد ہے کہ میں شیطانوں کے ساتھ جاؤں

۔۔یا۔۔یاروں کی طرف۔ پھر اگر وہ شیطان کا کہا مانتا ہے، تو ہلاکت میں پڑتا ہے اور اگر یاروں کی پکار کو سنتا ہے تو نجات پاتا ہے۔

اس تمثیل کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص مرتد ہو گیا، وہ اس شخص کے مثل ہے جسے شیطان مومنین کے لشکر میں سے بھگالے گئے ہوں اور خطرناک بیابان میں ڈال دیا ہو۔ لشکری رفیق جو مومن لوگ ہیں، صراطِ مستقیم یعنی شریعت اسلامیہ کی طرف آنے کیلئے اُسے پکارتے ہیں اور شیطان صفت لوگ فریب دینے والے اور ضلالت کے میدان کی طرف کھینچتے ہیں۔ اب اگر وہ شخص مومنین کی پکار پر پھر آئے، تو اپنے کو لشکر اسلام میں پہنچا کر اپنی اصل منزل پر آجائے اور اگر شیطانوں کے ساتھ رہے تو کفر اور بے دینی پر مرے۔

تو اے محبوب! (کہہ دو کہ) ہدایت وہ نہیں ہے جسکی طرف شیطان بلا رہا ہے، بلکہ بیشک (اللہ) تعالیٰ (کی ہدایت ہی تو ہدایت ہے) یعنی اسلام ہی دین صحیح اور راہ مستقیم ہے، جس میں ہمیں ہدایت دی گئی ہے۔ (اور ہمیں حکم دیا گیا) ہے (کہ ہم گردن جھکادیں سارے جہان کے پروردگار کیلئے) اور اسکے سچے مطیع و فرمانبردار ہو جائیں۔

(اور یہ) حکم دیا گیا ہے (کہ نماز قائم رکھو) اسے کما حقہ ہمیشہ ادا کرتے رہو (اور اللہ) تعالیٰ (سے ڈرتے رہو)، نہ کبھی اسکی نافرمانی کرو اور نہ ہی کبھی نماز کی ادائیگی میں سستی کرو اور اچھی طرح ذہن نشین رکھو، اللہ تعالیٰ (وہ ہے جسکی طرف تمہارا حشر کیا جائیگا)۔ قیامت کے دن اسکی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے، جہاں حساب کتاب ہوگا اور جزاء و سزا کے فیصلے صادر فرمائے جائینگے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬

وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھیک۔ اور جس دن فرمائیگا کہ ہو جا، تو ہو جائیگا جو نہ رہا ہوگا۔۔۔

قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ

اسکی بات حق ہے۔ اور اسی کی حکومت ہے جس دن پھونکا جائے گا صور میں۔ غیب و شہادت کا جاننے والا۔

وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

اور وہی حکمت والا خبردار ہے●

(وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو بالکل ٹھیک) صحیح و برحق یعنی علوی اور سفلی

عوالم اور جوان کے اندر ہے، سب اسی کا پیدا کردہ ہے۔ یہ ساری مخلوقات اور مصنوعات اسکی قدرت اور وحدانیت پر دلیل ہیں۔ انکو پیدا کرنا بے فائدہ، باطل، اور خطا نہیں ہے۔ **(اور) آگے بھی (جس دن فرمائیگا کہ ہوجا، تو ہوجائیگا، جو نہ رہا ہوگا)**۔۔الحتصر۔۔قیامت کے دن ایک لفظ کُنْ سے ہی سارے مرُدوں کو زندہ فرمادے گا، اس بات میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ اسلئے کہ **(اسکی بات حق ہے)** ایسا سچ ہے جسکو ہونا ہی ہے، اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ وہ بڑا ہی قادر مطلق ہے **(اور اسی کی حکومت ہے)** پوری کائنات میں اُسی کا حکم چلتا ہے، اسکے حکم کے بغیر ایک پتہ بھی ہل نہیں سکتا۔ اس دن بھی اسی کی حکومت ہوگی **(جس دن پھونکا جائے گا صور میں)**۔

صور ایک سینگ ہے جسکی گولائی اتنی بڑی ہے جتنی آسمانوں کی چوڑائی ہے۔ صور تین مرتبہ پھونکا جائیگا۔ پہلی مرتبہ پھونکنے سے لوگ دہشت زدہ ہوجائینگے اور انھیں یقین ہوجائیگا، کہ اب مرنے کا وقت قریب آچکا ہے۔ دوسری بار صور پھونکنے سے سب مرجائینگے اور تیسری بار صور پھونکنے سے سب رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوجائینگے۔ صور پھونکنے کے بعد صرف اسی کا ملک ہوگا۔ اس دن مجازاً بھی کسی طرف ملک وملکیت کی نسبت نہیں کی جائیگی۔

اور وہی **(غیب وشہادت کا جاننے والا)** ہے یعنی جو ہمارے حواس وادراک سے پوشیدہ ہے ۔۔یا۔۔ جنکا ہم مشاہدہ کرتے ہیں ان سب کا وہی عالم ہے۔ **(اور وہی حکمت والا)** ہے، جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے اور تمام جلی وخفی امور سے **(خبردار ہے)**۔

اس سے پہلے آیت ۷۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ آپ کہئے کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر انکی پرستش کریں، جو ہم کو نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں، تو اب اس اگلی آیت میں حضرت ابراہیم اور انکی قوم کا ذکر کیا۔ انکی قوم بھی بت پرستی کرتی تھی اور حضرت ابراہیم انکو بت پرستی سے منع کرتے تھے۔ سو اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کا کفار مکہ کو بت پرستی سے منع کرنا ایسا ہی ہے، جیسا کہ آپ کے جد محترم سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کو بت پرستی سے منع کرتے تھے اور اس میں یہ تنبیہ ہے، کہ اپنے نیک آباء واجداد کی پیروی کرنی چاہیئے۔

حضرت ابراہیم نے آزر اور اپنی قوم کے ساتھ بت پرستی کے ابطال اور توحید کے احقاق پر جو مناظرہ کیا اسکا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا، تاکہ اس سے مشرکین عرب کے خلاف استدلال کیا جائے، کیونکہ تمام مذاہب وادیان کے ماننے والے انکی بزرگی اور انکی فضیلت کا اعتراف

کرتے تھے اور سب انکی ملت کی طرف انتساب کے دعوے دار تھے۔یہود ونصاریٰ انکی ملت کی اتباع کے مدعی تھے اور مشرکین عرب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کہتے تھے، اسلئے انکی شخصیت اور سیرت سب پر حجت تھی۔تو اے محبوب! بتادو۔۔۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً

اور جبکہ کہا ابراہیم نے اپنے بابا آزر کو، کہ کیا بناتے ہو بتوں کو معبود؟

اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾

بیشک میری رائے میں تم اور تمہاری قوم کھلی گمراہی میں ہے●

(اور) یاددلادو حضرت ابراہیم کے اس واقعہ کی اہل مکہ کو جوانکی اولاد ہونے کے دعویدار ہیں، تاکہ وہ سمجھیں کہ انکے لئے مناسب طرز عمل یہی ہے، کہ توحید میں آپ کی پیروی کریں اور آپکی اتباع میں خدائے واجب الوجود کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔۔الختصر۔۔حضرت ابراہیم کا قصہ یہ ہے (جبکہ کہاابراہیم نے اپنے بابا) یعنی اپنے والد تارخ۔۔یا۔۔تارح کے بھائی (آزرکو)۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ ایک ہے لفظ 'والد' اور ایک ہے لفظ 'اَب' والدصرف اس کو کہاجائیگا جس نے جنا۔اسی لئے جننے والے کے سوا کسی پر لفظ والد کا اطلاق مجازاً بھی نہیں کیا جاتا۔اسکے برعکس 'اَب' یعنی باپ کا لفظ جننے والے کے سوا پر بھی بولا جاتا ہے۔۔چنانچہ۔۔قرآن کریم میں حضرت اسحاق کو رسول کریم کا 'اَب' یعنی باپ قرار دیا گیا ہے، یونہی سورۂ بقرہ میں حضرت اسماعیل کو حضرت یعقوب کا باپ ارشاد فرمایا گیا ہے، حالانکہ حضرت اسماعیل آپ کے چچا تھے۔ویسے بھی ہر پرورش کرنے والے، تربیت فرمانے والے کو بھی باپ کہہ دیا جاتا ہے۔والد کے بڑے بھائی کو بابا اور بڑے ابو اور چھوٹے بھائی کو چچا کہنا ہمارے علاقے میں بھی ایک عام سی بات ہے۔

بلکہ اَب کی نسبت کبھی کسی دوسری وجہ سے بھی دی جاتی ہے، جیسے ابو ہریرہ، ابوتراب، ابو الوقت، وغیرہ وغیرہ۔لیکن ہر مولود کا والد ایک ہی ہوتا ہے، اسکے سوا کسی اور کو اسکا والد نہیں کہا جاتا، تو کوئی بھی اس دعائے ابراہیمی سے دھوکا نہ کھائے کہ آپ نے دعا کی کہ:

'اے اللہ میری اور میرے والدین کی قیامت کے دن مغفرت فرما'۔۔۔

۔۔۔اسلئے کہ انکی یہ دعا اپنے والد کی مغفرت کیلئے ہے جو مشرک نہ تھے۔آپ کی یہ دعا آپ

کے چچا آزر' جو آپ کا اَبْ تھا، مگر والد نہیں تھا' کیلئے نہیں تھی۔ اسلئے کہ جسکی موت کفر پر ہوگئی ہو، اسکی مغفرت کی دعا کفر ہے۔ بھلا حضرت ابراہیم سے یہ غلطی کیسے ہوسکتی تھی۔۔ الختصر۔۔ جسکے لئے دعائے مغفرت کی گئی یعنی آپ کے والد تارح۔۔یا۔۔ تارخ، وہ کافر نہ تھے۔ اور جو کافر تھا، یعنی آپ کا چچا آزر، اس کیلئے دعا نہیں کی گئی۔

۔۔الحاصل۔۔ جب حضرت ابراہیم نے آزر سے کہا، (کہ کیا بناتے ہو بتوں کو معبود) جن کو تم نے خود ہی اپنے ہاتھوں سے تراشا ہے؟ (بیشک میری رائے میں تم اور تمہاری قوم) جو تمہاری تابع ہے (کھلی گمراہی میں ہے)، جن کی گمراہی طبع سلیم اور عقل مستقیم پر بالکل واضح ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۝

اور اسی طرح دکھاتے ہیں ہم ابراہیم کو مملکت آسمانوں کی اور زمین کی، اور تاکہ چشم دید یقین کرنے والوں سے ہوجائیں۔

(اور اسی طرح) جس طرح اسکی قوم کی گمراہی ہم نے دکھادی تھی (دکھاتے ہیں ہم ابراہیم کو مملکت آسمانوں کی اور زمین کی)، چنانچہ حضرت ابراہیم کو صخرہ پہ لاکر عرشِ معلیٰ سے تحت الثری تک سب ان پر کھول دیئے اور زمین و آسمان کے طبقات کے سارے حجابات ہٹادیئے، تاکہ آپ اسے ملاحظہ فرمالیں اور انکے سبب سے خدائے قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ پر دلیل پکڑیں (اور تاکہ) حضرت ابراہیم (چشم دید یقین کرنے والوں سے ہوجائیں)۔

ویسے تو انھیں قدرت الٰہی کا 'علم الیقین' پہلے ہی حاصل تھا۔ اب خدا نے چاہا کہ وہ ان امور کے تعلق سے 'عین الیقین' والے بھی ہوجائیں۔ حضرت ابراہیم کی والدہ نے نمرود کے خوف سے آپ کو آپ کی ولادت کے بعد ایک غار میں چھپادیا تھا۔ سات [۷] ۔۔یا۔۔ تیرہ [۱۳] ۔۔یا۔۔ سترہ [۱۷] برس غار میں رہنے کے بعد، جبکہ آپ مکمل طور پر سن شعور تک پہنچ چکے تھے، تو آپ کی والدہ نمرود کے دربار میں پیش کرنے کی نیت سے آپ کو لیکر شہر کی طرف چلیں۔۔ الختصر۔۔ حضرت ابراہیم اپنی ماں کے ساتھ شہر کو چلے۔۔۔

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ

پس جب چھا گئی ان پر رات، ایک تارہ کو دیکھا اور کہا، "یہ ہمارا پروردگار ہے"، پھر جب وہ ڈوب گیا، کہا "میں ڈوبنے والوں کو

الْاٰفِلِيْنَ ۝٧٦ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ

پسند نہیں کرتا● پھر جب دیکھا چاند کو چمکتا، کہا "اچھا یہ ہے ہمارا پروردگار"، پھر جب ڈوب گیا، تو کہا، کہ "بیشک اگر راہ نہ دیتا مجھ کو

رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۝٧٧ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ

میرا پروردگار، تو میں ضرور گمراہ قوم سے ہو جاتا"● پھر جب دیکھا آفتاب کو چمکتا ہوا، کہا "افوہ یہ ہے ہمارا پروردگار"،

هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝٧٨

"یہ بہت بڑا ہے"۔ پھر جب وہ ڈوب گیا" کہا اے قوم بیشک میں بیزار ہوں ان سے جنکو تم شریک ٹھہراتے ہو●

(پس جب چھا گئی ان پر رات، ایک تارہ کو دیکھا) اور کچھ ستارہ پرستوں کو اسکا سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، تو آپ خاموش نہ رہے (اور کہا، ایں یہ ہمارا پروردگار ہے) بے وقوفو! کیا تم نے اسکو اپنا پروردگار گمان کرلیا ہے؟ (پھر جب وہ ڈوب گیا) تو اپنی حقیقت پسندی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے (کہا) کہ (میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔ اس واسطے کہ جو پروردگارِ عالم ہے اسکے لئے زوال اور انتقال درست نہیں۔ پھر تھوڑی سی راہ اور چلے، اور چودھویں رات تھی، چاند نکلا۔۔۔

(پھر جب دیکھا چاند کو چمکتا) جسکے سامنے ماہتاب پرست سجدے میں گر پڑے (کہا) فکر و دانش سے تہی دامنو! تمہارے خیال میں (اچھا یہ ہے ہمارا پروردگار، پھر جب ڈوب گیا) یعنی افق سے مغرب کی طرف جھکا، (تو کہا کہ بیشک اگر راہ نہ دیتا مجھ کو میرا پروردگار) اور مجھ کو اپنی معرفت نہ کرادیتا، (تو میں ضرور گمراہ قوم سے ہو جاتا)۔ پھر وہاں سے چلے اور شہر کے قریب پہنچے، تو آفتاب طلوع ہوا۔۔۔

(پھر جب دیکھا آفتاب کو چمکتا ہوا) اسکے آگے بھی بہت لوگ متوجہ ہوکر سجدہ ریز ہوگئے، تو (کہا افوہ یہ ہے ہمارا پروردگار؟ یہ) تاراقرص اور روشنی میں (بہت بڑا ہے) دوسرے تاروں سے۔ تو آفتاب پرستوں نے اسکو ہمارا پروردگار خیال کرلیا ہے؟ (پھر جب وہ ڈوب گیا) اور زوال وانتقال کے آثار اس پر بھی ظاہر ہوگئے، تو اپنی سارے قوم کو مخاطب فرما کر (کہا، اے قوم بیشک میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم) اللہ تعالیٰ کا (شریک ٹھہراتے ہو)۔۔۔ اور سن لو کہ۔۔۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا

بیشک میں متوجہ کرچکا یکسو ہوکر، اپنے رخ کو اسکی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو،

وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔

(بیشک میں متوجہ کر چکا) خالصاً لوجہ اللہ (یکسو ہوکر اپنے رخ کو) قلبی جھکاؤ کے ساتھ (اسکی طرف جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو)۔ حال یہ ہے کہ میں سب باطل دینوں کی طرف سے مائل ہوں دین توحید کی طرف، (اور میں مشرکین سے نہیں ہوں)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب شہر میں آئے اور انھیں نمرود کو دکھانے لے گئے اور نمرود ایک بدصورت آدمی تھا، ابراہیم علیہ السلام نے اسے دیکھا کہ تخت پر بیٹھا ہے اور نہایت خوبصورت غلام اور لونڈیاں اسکے تخت کے گرد صف باندھے ہیں۔ انھوں نے پوچھا یہ کون شخص ہے جسے دکھانے مجھے لایا گیا ہے؟ جواب ملا کہ یہ سب کا خدا ہے۔ پھر پوچھا اسکے تخت کے گرد کون لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ یہ سب اسکی مخلوق اور اسکے پیدا کئے ہوئے لوگ ہیں۔ حضرت ابراہیم یہ جواب سن کر مسکرانے لگے، اور فرمایا یہ کیسا خدا ہے جس نے دوسروں کو اپنے سے بہتر بنایا ہے۔ چاہئے تو یہ تھا، کہ وہ ان سب سے بہتر ہوتا۔ غرضیکہ حضرت ابراہیم برابر بتوں کی مذمت کیا کرتے اور اس سلسلے میں ان کی قوم ان سے جھگڑتی رہتی --چنانچہ-- جب کٹ حجتی کی---

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ

اور حجت لڑائی ان سے ان کی قوم نے، تو کہا کہ کیا حجت بازی کرتے ہو مجھ سے اللہ کے بارے میں، حالانکہ وہ مجھے راہ دے چکا، اور میں ڈرتا ہی نہیں

بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

انکو جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی کچھ چاہے۔ چھا گیا ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر، تو کیا تم لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے؟

(اور حجت لڑائی ان سے انکی قوم نے، تو کہا) حضرت ابراہیم نے (کہ کیا حجت بازی کرتے ہو مجھ سے اللہ) تعالیٰ (کے بارے میں) اور اسکی وحدانیت کے تعلق سے؟ اور چاہتے ہو کہ مجھ پر غالب آجاؤ؟ (حالانکہ وہ مجھے راہ دے چکا) اور توحید کی طرف میری ہدایت فرما چکا۔ اورائے کافرو تم مجھے ڈراتے کیوں ہو؟ کہ تمہارے بتوں کے خلاف بولنے کی وجہ سے مجھ پر بلا نازل ہو جائیگی تو نادانو! سن لو (اور) یاد رکھو! کہ (میں ڈرتا ہی نہیں انکو، جن کو تم) اللہ تعالیٰ کا (شریک ٹھہراتے ہو)۔ انکو کسی کو

بنانے یا بگاڑنے کا کیا اختیار ہے۔
یہ پتھر تو چاہنے اور نہ چاہنے کی صلاحیت سے بھی عاری ہیں، تو ذہن نشین کرلو، کہ کسی کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا (مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی کچھ چاہے) اور مکروہات میں سے کوئی چیز کسی کو اسکی طرف سے پہنچے۔ (چھا گیا ہے ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر)۔ کوئی چیز اسکے دائرہ علم سے باہر نہیں، (تو کیا تم لوگ نصیحت نہیں حاصل کرتے) اور عاجز اور قادر، عالم اور جاہل میں تمیز نہیں کرتے۔ بے وقوفو! غور کرو۔۔۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ

اور میں کیسے ڈروں اسے جس کو تم نے شریک بنالیا ہے،؟ حالانکہ تم کو ڈر نہیں لگتا کہ تم نے اللہ کا شریک اس کو بنا رکھا ہے جس کی اس نے

(وقف لازم) عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

نہیں نازل فرمائی کوئی سند۔ "تو ہر دو فریق میں امن کا حق دار کون ہے؟" بولو "اگر علم کا دعویٰ رکھتے ہو"۔۔●۔۔

(اور) سوچو کہ (میں کیسے ڈروں اُسے جسکو تم نے خدا کا (شریک بنالیا ہے، حالانکہ تم کو ڈر نہیں لگتا کہ تم نے اللہ) تعالیٰ (کا شریک اس کو بنا رکھا ہے جسکی اس نے نہیں نازل فرمائی کوئی سند)، یعنی کوئی کتاب اور کوئی دلیل۔ (تو) اب تم ہی بتاؤ کہ (ہر دو فریق میں) یعنی موحدوں اور مشرکوں میں سے اصولی طور پر (اس کا حقدار کون ہے، بولو اگر علم کا دعویٰ رکھتے ہو) اور بتاؤ کہ کون اس بات کے بہت لائق ہے کہ وہ عذاب الٰہی سے بے خوف رہے۔

حضرت ابراہیم کے سوال کا جواب فکر و دانش سے عاری یہ لوگ کیا دیتے؟ خود رب تعالیٰ نے جواب عطا فرمادیا، کہ اس کے حقدار وہ ہیں۔۔۔

(منزل ۲ / ع ۱۵) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

جو لوگ ایمان لائے اور نہ ملایا اپنے ایمان کو باطل کے ساتھ، وہ کہ انھیں کیلئے امن ہے اور وہی راہ پائے ہیں●

(جو لوگ ایمان لائے اور نہ ملایا اپنے ایمان کو باطل کے ساتھ)۔ (وہ) وہی ہیں (کہ انھیں کیلئے امن ہے، اور وہی راہ پائے ہیں)، یعنی وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پانے والے ہیں اور دوسرا انکا بالمقابل گروہ، وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ تو جو ہدایت یافتہ ہیں، وہی اسکے مستحق ہیں کہ دوزخ

کے عذاب سے محفوظ و مامون رہیں۔ اور وہ گفتگو جو فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ سے شروع ہو کر وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ تک ختم ہوتی ہے، ہماری طرف سے مضبوط دلیل۔۔۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ

اور یہ ہماری جیتی بات ہے، جو دی تھی ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم پر۔ ہم بلند فرماتے ہیں درجے جسکے چاہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۞

بیشک تمہارا پروردگار حکمت والا علم والا ہے●

(اور یہ ہماری جیتی بات ہے)، یعنی جتا دینے والی اور کامیاب کر دینے والی بات ہے، جسکو سن کر حریف صامت و ساکت اور لاجواب ہو جاتا ہے۔ اور جس کلام کی یہ خصوصیت ہو، اسکو حجت کہتے ہیں، جو ہر طرح کی کٹ حجتی کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔۔ الختصر۔۔ یہ ہماری وہ مضبوط دلیل ہے (جو) دوستی کی راہ سے (دی تھی ہم نے ابراہیم کو)، تا کہ وہ اسکو بطور دلیل پیش کریں (انکی) اپنی (قوم پر) اور یہ تو ہماری سنت قدیمہ ایسی ہے کہ (ہم بلند فرماتے ہیں درجے جسکے چاہیں) علم و حکمت میں۔ (بیشک تمہارا پروردگار حکمت والا) ہے، بندوں کے درجے بلند اور پست کرنے میں اور (علم والا ہے) یعنی جاننے والا ہے کہ کونسا بندہ درجے بلند کرنے کا مستحق ہے اور کون سا نہیں۔۔ علاوہ ازیں۔۔ ہم نے ابراہیم پر بے حد نوازشیں کیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ انھیں ابوالانبیاء قرار دیا اور انکی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رکھا۔۔۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ

اور دیا ہم نے ان کو اسحٰق و یعقوب۔ سب کو راہ دی۔ اور نوح کو ہم راہ دے چکے تھے پہلے سے، اور ان کی

ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ

نسل سے داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ہارون کو۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۞

اور اسی طرح ہم اجر دیتے ہیں مخلص بندوں کو●

(اور دیا ہم نے انکو اسحاق) جیسا بیٹا، جو انبیاء بنی اسرائیل کا باپ ہے (اور یعقوب) جیسا

پوتا عطا کیا، جن کو اسرائیل کہا گیا اور ان (سب کو) ہم نے (راہ دی) اور ہدایت بخشی، یعنی ان دو میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ فضائل دینی اور کلماتِ علمی و عملی کی توفیق بخشی۔ (اور) انکے جدِ کریم (نوح کو ہم راہ دے چکے تھے پہلے سے)، تو پھر یہ ایک اولوالعزم رسول کے فرزند جلیل بھی ہوئے (اور) نوح کی شان رفیع یہ ہے کہ (انکی نسل سے داؤد و سلیمان و ایوب و یوسف و موسیٰ و ہارون) جیسے عظیم المرتبت انبیاء کرام (کو) ظاہر فرمایا (اور) جس طرح ہم نے ابراہیم کو اجر اور جزا دی انکے درجے بلند کر کے، (اسی طرح ہم اجر دیتے ہیں مخلص بندوں کو)، یعنی نیک کام کرنے والوں کو انکے استحقاق کے موافق محض اپنے فضل و کرم سے۔ گو وہ اعمالِ صالحہ والے ہیں، مگر ان پر ہماری نوازش انکے اعمالِ صالح کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ صرف اپنے فضل بے پایاں اور کرم بے نہایت کے سبب ہے۔۔۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ ۖ كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٥﴾

اور زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس، سب بڑی اہلیت والے ہیں●

وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٦﴾

اور اسماعیل و الیسع و یونس و لوط۔ اور ہم نے سب کو فضیلت دی تھی دوسروں پر●

(اور) علاوہ ازیں ہم نے ہدایت کی (زکریا و یحییٰ و عیسیٰ و الیاس) کی، جو (سب بڑی اہلیت والے ہیں)۔

حضرت عیسیٰ کو حضرت نوح ۔۔نیز۔۔ حضرت ابراہیم کی ذریت میں شمار کر کے ظاہر فرما دیا گیا، کہ نواسوں کا بھی شمار ذریت و اولاد میں ہے۔ اسلئے کہ حضرت عیسیٰ ان دونوں بزرگوں سے صرف ماں کے وسیلے سے نسبی وابستگی رکھتے ہیں۔ اب حضرات حسنین کو اولادِ رسول قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں رہ گیا۔ بلکہ بیٹی کی اولاد کا ذریت ہونا، نص قرآنی سے ثابت ہو گیا۔ یونہی ہم نے کرم فرمایا۔۔۔

(اور) ہدایت کی، (اسماعیل و الیسع و یونس و لوط) کی (اور) شرف نبوت سے مشرف کر کے (ہم نے سب کو فضیلت دی تھی) اپنے عہد کے (دوسروں پر)۔

گو ان میں سے بعض کا افضل اور بعض دوسرے کا مفضول ہونا حق ہے، مگر یہاں مقصود کلام صرف یہ ہے کہ انھیں ان کے معاصرین پر فضیلت بخشی۔

وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَیْنٰهُمْ وَهَدَیْنٰهُمْ

اور بعض ان کے باپ دادے اور اولاد اور بھائی لوگ، اور ہم نے انھیں مقبول بنایا اور چلا دیا

اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۸۷﴾

ان کو سیدھی راہ پر●

(اور) ہدایت وفضیلت بخشی (بعض ان) مذکورہ بالا انبیاء کرام (کے باپ دادے) کو۔۔مثلاً: آدم وشیث وادریس علیہم السلام یہ حضرات دوسرے پیغمبروں کے آباء ہیں۔

خیال رہے کہ بعض پیغمبروں کے آباء ایسے بھی تھے، جو نہ نبی تھے اور نہ ہی انھیں فضیلت علمی وعملی حاصل تھی۔

(اور) انکی (اولاد) کو جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور حضور سید عالم ﷺ جو اگرچہ ان کی ذریات میں ہیں لیکن تمام کائنات سے افضل واعلیٰ ہیں، (اور) انکے (بھائی لوگ) کو، جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائی۔۔نیز۔۔وہ لوگ جو انکے ساتھ ایمان لائے، تو وہ بھی ہدایت اسلام میں داخل ہوگئے۔۔الختصر۔۔یہ سب ہمارے منتخب تھے (اور ہم نے انھیں) اپنی بارگاہ کا (مقبول بنایا اور چلا دیا انکو سیدھی راہ پر)، ایسی سیدھی کہ جو بھی اسپر چلے گا، وہ گمراہ نہ ہوگا۔۔الغرض۔۔ہم نے ان سب کو راہِ راست پر ثابت قدم رکھا۔تو سن لو کہ۔۔۔

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یَهْدِیْ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا

یہ اللہ کی ہدایت ہے، کہ اس کی ہدایت فرمادے جسے چاہے اپنے بندوں سے۔ اور اگر شرک وہ کرتے،

لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

تو اکارت جاتے جو ان کے اعمال تھے●

(یہ) دین (اللہ) تعالیٰ (کی ہدایت ہے) تا (کہ اس) دین (کی ہدایت فرمادے جسے چاہے اپنے بندوں سے) جو ہدایت کی استعداد رکھتے ہیں (اور اگر) بفرض محال (شرک وہ کرتے) اور غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہراتے، (تو) باوجود اس فضل وکمال کے، (اکارت جاتے جو ان کے اعمال تھے) اس واسطے کہ کفر عملوں کو نیست ونابود کردیتا ہے۔

اس آیت سے مشرکوں کی تہدید مقصود ہے۔اوپر جن انبیاء کا ذکر ہوا ہے، یہ۔۔۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ

وہ ہیں جنھیں دی ہم نے کتاب اور حکومت اور نبوت، تو اگر انکار کردیں اسکا یہ لوگ،

وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾

تو ہم نے تیار کر رکھا ہے اسکے لئے ایسے لوگ، جو انکار کرنے والے نہیں●

(وہ ہیں جنھیں دی ہم نے کتاب)، تاکہ اسکے پیغام کو عام کریں (اور حکومت)، تاکہ حکمت و دانائی کے فیصلے فرمائیں (اور نبوت)، تاکہ براہِ راست آسمانی ہدایت کو بندوں تک پہنچائیں اور انھیں خدا کے قریب کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔۔ الختصر۔۔ ہم نے ان انبیاء کو کتاب کے ذریعہ جتنے حقائق واسرار تھے سب سمجھا دیا۔ ان حقائق واسرار سے متعلق ہر چھوٹا بڑا مسئلہ ان حضرات کے احاطہ علم میں آ گیا۔ خواہ وہ کتاب براہِ راست ان پر نازل ہوئی ہو، یا بطریق وراثت کسی نبی علیہ السلام سے ملی ہو۔ اسلئے کہ مذکورہ انبیاء کرام پر ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ کتابیں نازل نہیں ہوئیں۔ کتاب کے سوا ان کو حکم یعنی حکمت، اقتدار اور فصل خطاب جو حق وصواب کو مقتضی ہو، عطا کیا گیا۔۔ نیز۔۔ نبوت ورسالت سے سرفراز فرمایا گیا۔

(تو اگر انکار کردیں اسکا یہ) مکہ کے (لوگ، تو) اس سے دین حق مٹ نہیں جائیگا، بلکہ (ہم نے تیار کر رکھا ہے اس) دین برحق پر ایمان لانے (کیلئے)، خود مکہ کے اندر اور مدینے میں بھی، (ایسے لوگ جو انکار کرنے والے نہیں)۔ یہ مذکورہ بالا انبیاء کرام۔۔۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ

وہ ہیں جنھیں طریقہ پر رکھا اللہ نے، تو ان کے طریقہ پر چلا کرو۔ کہہ دو کہ ہم نہیں چاہتے تم سے اس پر کوئی اجرت۔

ع ۸ ۱۶ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٠﴾

یہ نہیں ہے مگر نصیحت سارے جہان کیلئے●

(وہ ہیں جنھیں) اصولِ دین اور بنیادی اعتقادیات میں، جن میں نسخ نہیں ہوتا، ایک (طریقہ پر رکھا اللہ) تعالیٰ (نے، تو انکے طریقے پر چلا کرو) اور اپنے بنیادی اور اصولی عقائد ونظریات میں انکی موافقت ومطابقت پر قائم رہو اور انکے محاسن اخلاق اور مکارم اوصاف۔۔ الغرض۔۔ انکے جملہ صفات حمیدہ اور خصائل مرضیہ جو جدا جدا سب انبیاء میں تھیں، ان سب کو اپنی ذاتِ ستودہ صفات میں جمع

فرما کر سب انبیاء سے افضل واکمل ہو جائیے۔

ان انبیاء کرام کی یہ عادت کریمہ تھی فریضہ دعوت وتبلیغ کیلئے کسی اجرت کے طلبگار نہیں تھے، تو پھر آپ بھی (کہہ دو کہ ہم نہیں چاہتے تم سے اسپر کوئی اجرت) اور یہی دوسرے انبیاء کی بھی سنت رہی ہے۔ ہماری دعوت وتبلیغ کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے اور جان لو کہ (یہ) کتاب الٰہی! (نہیں ہے مگر نصیحت سارے جہاں کیلئے)، یعنی قرآن مجید کسی مخصوص قوم کیلئے وعظ ونصیحت بن کے نہیں اترا بلکہ ہر ایک کیلئے برابر طور پر نازل ہوا۔ پھر نصیب اپنا اپنا۔

اس سے ظاہر ہو گیا کہ نبی کریم کی رسالت، رسالت عامہ ہے، وہ ہر قوم ہر جگہ اور ہر زمانے کے رسول ہیں۔ آپ رسول العالمین بھی ہیں، سید المرسلین بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی ہیں۔ قرآن مجید کا موضوع توحید، رسالت اور آخرت کو ثابت کرنا ہے۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان کردہ دلائل توحید کو نقل فرمایا، پھر انکو مزید مستحکم فرمایا، اور اب اللہ تعالیٰ رسالت کے اثبات کیلئے دلائل ذکر فرما رہا ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ

اور نہیں قدر کی اللہ کی جو قدر کرنے کا حق ہے، جب کہ وہ بول پڑے کہ نہیں اتارا اللہ نے کسی انسانی چہرہ والے پر کچھ۔ پوچھو کہ

اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ

کس نے نازل فرمائی وہ کتاب جس کو موسیٰ لائے، نور اور ہدایت لوگوں کیلئے، بناتے رہتے ہو اس کو جدا جدا کاغذ اسے

تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ

ظاہر کرتے ہو اور زیادہ حصہ چھپا ڈالتے ہو۔ اور بتائی گئیں تم کو وہ باتیں، جن کو نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادے۔ تمہیں جواب دو، کہ اللہ

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

پھر انھیں چھوڑ دو کہ اپنی ہٹ دھرمی کا کھیل کھیلا کریں●

(اور) ارشاد فرما رہا ہے کہ (نہیں قدر کی) یہود نے (اللہ) تعالیٰ (کی، جو قدر کرنے کا حق ہے)۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان نہ سکے اور کما حقہ اسکی تعظیم نہ کر سکے۔۔ نیز۔۔ اسکے احکام کی عظمت کا ادراک نہ کر سکے (جبکہ وہ بول پڑے کہ نہیں اتارا اللہ) تعالیٰ (نے کسی انسانی چہرہ والے پر کچھ)۔

۔۔ چنانچہ۔۔ جب حضور اکرم ﷺ یہود کے سردار مالک بن صیف سے جو آپ سے

بحث کرتا تھا' پوچھا، کہ تمہیں اس ذات کی قسم دیتا ہوں، جس نے موسیٰ پر توارت نازل کی ہے، کیا تم نے توارت میں یہ نہیں پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ موٹے عالم کو ناپسند کرتا ہے اور خود موٹا عالم تھا، اسلیئے غضبناک ہوگیا۔ پھر اس نے کہا کہ بخدا اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اسپر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ۔۔۔

(پوچھو کہ کس نے نازل فرمائی وہ کتاب جسکو موسیٰ لائے) جو **(نور)** یعنی روشنی دینے والی ہے۔خود بھی ظاہر اور دوسرے حقائق کو ظاہر فرمانے والی **(اور ہدایت)** دینے والی ہے **(لوگوں کیلئے)**۔ اور اے یہودیو! تمہارا تو حال یہ ہے کہ **(بنائے رہتے ہو اسکو جدا جدا کاغذ، اسے)** کچھ **(ظاہر کرتے ہو اور زیادہ حصہ چھپا ڈالتے ہو)**، یعنی تم کتاب توارت کو ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہو اور اسکے اوراق کو بدلتے رہتے ہو۔۔ نیز۔۔ اس میں سے صرف وہ ظاہر کرتے ہو، جس سے تمہیں محبت ہے، مگر اسکے سوا بہت سے حقائق۔۔ مثلاً: نعتِ مصطفیٰ، آپ کے مناقب وکمالات اور تصرفات ومعجزات وغیرہ کو چھپاتے ہو۔ اسی طرح آیت رجم اور اسکے علاوہ بھی بہت سے احکام چھپا رکھتے تھے، جو پوچھنے پر بھی نہیں بتاتے تھے۔ اے یہودیو ذرا غور کرو **(اور)** سوچو کہ **(بتائی گئیں)** پیغمبر اسلام کے ذریعہ **(تم کو وہ باتیں جن کو تم جانتے تھے، نہ تمہارے باپ دادے)**، یعنی وہ علوم اور شرعی احکام جنکا علم تم کو پیغمبر اسلام ہی سے ہوا ہے، اب بھی تم اس نبی کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے۔

۔۔الختصر۔۔ یہودیوں نے توارت کے احکام میں اور اسکے مضامین میں جو ہیرا پھیری اور الٹ پلٹ کی ہے، بہت برا کیا ہے۔ لیکن انکی بدبختی مزید برآں کہ وہ توارت جو انکے علم و معارف کا ماخذ تھی، اس سے استفادہ کی بجائے اس میں توڑ مروڑ کر کے کچھ کا کچھ کردیا۔

اے محبوب! یہ سرکش یہود کیا جواب دینگے، تو اس سوال 'کہ کس نے کتاب کو نازل فرمایا؟' کا **تمہیں جواب دو، کہ اللہ)** تعالیٰ نے اپنے خاص اہتمام سے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ اپنے محبوب کریم پر نازل فرمایا ہے۔ اور اسکی ہیئت کذائیہ، ترکیب الفاظ کی فصاحت و بلاغت سے نبی کریم کو کسی کا دخل نہیں، **(پھر انھیں چھوڑ دو کہ اپنی ہٹ دھرمی کا کھیل کھیلا کریں)**۔ دعوت تبلیغ کا آپ کا جو فریضہ آپ ادا کرچکے، اب آپ مطمئن ہوجائیں کہ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری فرمادی۔

یہود کے اس قول کے باطل فرمادینے کے بعد کہ 'اللہ تعالیٰ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی'، اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے تعلق سے بیان فرمارہا ہے۔۔۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ

اور یہ کتاب ہے اس کو ہم نے نازل فرمایا، برکت والی، تصدیق کرنیوالی، جو اس سے آگے تھیں، اور تاکہ ڈراد و انسانی

حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

آبادیوں کی بنیاد کو، اور اسکے ہر جانب والوں کو، اور جو آخرت کو مانیں، وہ اس کو بھی مانیں،

اور وہ اپنی نمازوں پر نگرانی رکھیں●

(اور) ظاہر فرمار ہا ہے، کہ (یہ کتاب ہے اسکو ہم نے نازل فرمایا) اپنے بندے پر جو بڑ (برکت والی) کثیر الفوائد کتاب ہے جو 'علوم نظریہ' اور 'علوم عملیہ' دونوں کو حاوی ہے۔ سب کو معلو ہے کہ 'علوم نظریہ' میں سب سے برگزیدہ علم معرفتِ ذات وصفات وافعال واحکام الٰہیہ ہے اور و بالاستیعاب قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں۔ یہی کیفیت 'علوم عملیہ' کی ہے، اسلئے کہ علوم عملیہ اعضاء سے متعلق ہیں۔۔یا۔۔قلب سے، ان ہر دونوں سے متعلق علوم کا دوسرا نام علم الاخلاق۔۔یا تزکیہ نفس ہے، اسکا بیان بھی قرآن کریم میں تفصیل کے ساتھ مثالیں دیکر جس طرح بیان کیا گیا ہے دوسری کتابوں میں اسطرح نہیں۔

اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے، کہ یہ (تصدیق کرنے والی) ہے ان تمام آسما کتابوں کی (جو اس سے آگے) اور اس سے پہلے نازل فرمائی گئی (تھیں)۔۔الغرض۔۔اس سے پہ جو کتابیں گزری ہیں، قرآن پاک انکی تصدیق کرتا ہے اور ان سب کے کتاب الٰہی ہونے کی شہادت دیتا ہے۔ اے محبوب! قرآن کریم میں برکات کے علاوہ کچھ اور باتیں بھی ہیں (اور) یہ ہدایت بھی ہے کہ قرآن کریم کو اسلئے نازل فرمایا گیا ہے (تاکہ ڈراد و انسانی آبادیوں کی بنیاد) جہاں زمین کے بچھانے کا آغاز ہوا، یعنی شہر مکہ کے رہنے والوں (کو، اور اسکے ہر جانب) شرقی غربی علاقوں میں رہنے (والوں کو، اور جو آخرت کو مانیں)۔

آخرت کی تصدیق سببِ خوفِ عاقبت ہے، اور یہ خوف اس بات میں غور وفکر کرنے کا سبب ہے، کہ پیغمبر اسلام اور قرآن کریم کی متابعت سے نجات حاصل ہوگی، تو ان پر لازم ہے کہ (وہ اس قرآن کریم (کو بھی مانیں) اور ظاہر ہے کہ قرآن کریم پر ایمان، نبی کریم پر ایمان لانے کے بعد ہو سکتا ہے، اسلئے کہ دونوں پر ایمان آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اب ایسا نہیں ہو سکتا، کہ قرآن کریم ایمان ہو، مگر نبی کریم پر ایمان نہ ہو۔۔یونہی۔۔ایسا بھی نہیں ہو سکتا، کہ نبی کریم پر ایمان ہو، مگر قرآن کر

ایمان نہ ہو۔اور یہ لوگ صرف ایمان ہی لا کر مطمئن نہ ہو جائیں، بلکہ نیک عمل کریں (اور) خاص طور پر (وہ اپنی نمازوں پر نگرانی رکھیں)، اسلئے کہ نماز ایمان کی علامت اور دین کا ستون ہے۔

اس سے پہلی آیت میں قرآنِ مجید اور نبی کی صفات بیان فرمائی تھی، اور اب اگلی آیت میں ان لوگوں پر وعید ہے جنھوں نے جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا۔۔ چنانچہ۔۔ مسیلمہ کذاب اور اسود بن عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور انکے اس جھوٹے دعوے کے سبب حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کو رنج ہوا، تو حق تعالیٰ نے ان دونوں کا خصوصاً اور ان جیسوں کا عموماً بیان فرما دیا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِىَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ

اور اس سے زیادہ ظالم کون؟ جو تہمت باندھے اللہ پر جھوٹ کا، یا بولا ہو کہ میری طرف وحی آئی، حالانکہ اسے کچھ وحی نہ کی گئی۔

شَیْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ

اور جس نے ڈینگ ماری کہ بہت جلد میں نازل کیے دیتا ہوں، جیسا کہ اللہ نے نازل کیا ہے، اور اگر دیکھتے تم جب کہ یہ ظالم

فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ

موت کی تلخیوں میں ہیں، اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہیں، کہ نکالو اپنی جانیں۔

اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا، جو بکا کرتے تھے اللہ پر

غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

ناحق۔ اور اس کی آیتوں سے شیخی مارتے تھے●

(اور) ارشاد فرمایا (اس سے زیادہ ظالم کون) ہے (جو تہمت باندھے اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ کا) یعنی یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں، (یا بولا ہو کہ میری طرف وحی آئی، حالانکہ اسے کچھ وحی نہ کی گئی)۔

۔۔چنانچہ۔۔ مسیلمہ کذاب جھوٹ اور افتراء باندھتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھ پر وحی آئی اور اسود بن عنسی بھی کہتا تھا، کہ ایک شخص مجھ پر ظاہر ہوتا ہے گدھے پر سوار ہو کر اور باتیں میرے دل میں ڈالتا ہے۔

(اور) علاوہ ازیں کون شخص بڑا ظالم ہے عبداللہ بن سعد کاتب وحی سے (جس نے ڈینگ

ماری کہ بہت جلد میں نازل کئے دیتا ہوں جیسا کہ اللہ) تعالیٰ (نے نازل کیا ہے)۔۔الغرض۔۔اپنے
اس افتراء سے وہ مرتد ہوگیا۔

اسکے مرتد ہونے کا قصہ یہ ہے، کہ عبداللہ بن سعد ابی سرح کتابت وحی کی خدمت پر مامور تھا، تو جب آیات **وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ** الایۃ اترنے لگیں اور **اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ** پر مضمون پہنچا، تو عبداللہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا **فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ** تو حضور ﷺ نے فرمایا اس عبارت کو بھی قرآن کریم میں لکھ دے، کیونکہ اسی طرح نازل ہوا ہے۔ عبداللہ شک میں پڑ گیا اور مرتد ہوگیا اور کہنے لگا، کہ اگر محمد ﷺ سچے ہیں، تو مجھ پر بھی وحی آئی ہے جس طرح ان پر آئی ہے اور اگر جھوٹے ہیں، تو میں نے بھی تو وہی کہا جو انھوں نے کہا۔ پھر فتح مکہ سے پہلے تائب ہوکر آپ نے مخلصانہ طور پر اسلام قبول کرلیا اور پھر تا حیات دین کی سربلندی و سرفرازی کیلئے عظیم خدمات دیتے رہے اور بالآخر ایمان واسلام کی حالت میں وصال فرمایا۔

اے محبوب! دعویٰ نبوت کر کے اپنے اوپر ظلم کرنے والوں (اور) انکے سوا کسی طرح کا بھی کفر کرنے والوں کو (اگر دیکھتے تم) انھیں، تو تمھیں بڑا کریہہ منظر محسوس ہوتا اس وقت (جبکہ یہ ظالم موت کی تلخیوں میں ہیں) اور ان پر حالت سکرات طاری ہے (اور) عذاب کے (فرشتے) روح قبض کرنے کیلئے (اپنے ہاتھ پھیلائے ہیں) اور خوفناک و گرجدار آواز میں بطور طنز کہتے ہیں (کہ نکالو اپنی جانیں)۔ خود بخود پھر نکال کر ہمارے حوالے کرو۔

کافروں، مشرکوں اور ظالموں کو اپنی جان نکالنے کی قدرت کہاں۔ تو یہ ایک طرح کا طنز ہے ان کی اس وقت کی بے کسی اور مجبوری پر، کہ اگر تمہارے اندر کچھ جان ہے، تو ہمارے عذاب سے نکل کر اپنی جان بچالو اور یہ بھلا تم سے کیسے ہوسکتا ہے۔ تو سنو! (آج) یعنی موت کے وقت۔۔یا۔۔اسکے بعد کا وقت، جسکی پھر کوئی انتہا نہیں ہے (تم کو ذلت کا عذاب دیا جائیگا)۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے (جو بکا کرتے تھے اللہ) تعالیٰ (پر ناحق)۔۔مثلاً: اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد اور اسکا شریک ثابت کرنا (اور اسکی آیتوں سے شیخی مارتے تھے)۔ نہ تو اس میں تامل سے کام لیتے اور نہ ہی اس پر ایمان لاتے۔

جب کافر پر نزع طاری ہوتی ہے، تو اسکے ہاں فرشتے دوزخ کے ٹاٹ لاتے ہیں، جن میں جہنم کے انگارے ہوتے ہیں۔ اسکی روح جسم سے سختی سے کھینچی جاتی ہے اور اُسے کہا

جاتا ہے، اے نفس خبیث نہایت ہی ترش روئی سے اپنے جسم سے نکل آ۔ تیرا رب تعالیٰ بھی تجھ پر سخت ناراض ہے اور تجھے شدید ترین عذاب کی طرف ڈھکیلا جائیگا۔ جب اسکی روح اسکے بدن سے نکالی جائیگی، تو اُسی انگارے میں بھرے ہوئے ٹاٹ میں لپیٹا جاتا ہے۔ اس وقت وہ کافر نہایت ہی گندی اور ڈراونی آواز سے چیخے گا، لیکن اُسے فرشتے ڈھکیلتے ہوئے **سجین** میں لے جائینگے۔۔۔

اسکے برخلاف جب اہل ایمان پر نزع طاری ہوتی ہے، تو اسکے ہاں رحمت کے فرشتے تشریف لاتے ہیں۔ جن کے پاس ریشمی پوشاک ہوتی ہے جسے عطر وکستوری سے معطر کیا جاتا ہے اور اس پر بہشتی گلاب اور ریحان کے گلدستے رکھے ہوتے ہیں۔ اسکی روح ایسے آسان طریقہ سے نکالی جاتی ہے، جیسے آٹے سے بال اور اُسے کہا جاتا ہے، اے پاکیزہ نفس! اپنے رب تعالیٰ سے راضی ہو کر حاضری دے اور تجھ سے تیرا رب کریم بہت خوش ہے۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ کے ہاں ہزاروں کرامتوں کے ساتھ روانہ ہو اور جب اسکی روح اس کے بدن سے نکال لی جاتی ہے، تو اُسے اُسی خوشبو اور گلدستوں میں اسی بہشتی پوشاک میں لپیٹ کر اعلیٰ **علیین** کی طرف پہنچایا جاتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔اہل ایمان کی موت کے وقت احوال، کفار کی موت کے وقت کے احوال سے جداگانہ ہیں، جن میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ کا فرق ہے۔ رہ گئی کافروں کی متکبرانہ گفتگو، جو انھوں نے فقراء مسلمین کو دیکھ کر تحقیراً اور افتخاراً کہا، کہ چونکہ ہم دنیا میں اموال واولاد کے لحاظ سے کثیر ہیں، اسلئے آخرت میں بھی ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔ اے کافرو! اپنی اس خام خیالی میں مت رہو۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ

اور بیشک تم لوگ آئے ہمارے پاس علیحدہ علیحدہ جس طرح سے کہ پیدا فرمایا تھا ہم نے پہلی بار۔ اور چھوڑ آئے جو ہم نے پونجی تم کو دی

وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا

تھی اپنے پیٹھ پیچھے۔ اور نظر نہیں آتے تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی، جن کو تم نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ تمہارے حق میں اللہ کے شریک ہیں۔

لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾

بیشک کٹ گئے آپس میں اور کھو گیا تم سے جو دعویٰ کرتے تھے●

(اور) یادرکھو کہ (بیشک تم لوگ آئے ہمارے پاس) حساب وکتاب، سزاوجزا کیلئے (علیحدہ علیحدہ)، یعنی آخرت میں تم اموال واولاد اور خدم وحشم ۔۔نیز۔۔یارومددگار کے ساتھ نہیں ہوگے، بلکہ اکیلے اکیلے حاضر ہوگے اور اس وقت تم سے دنیا کے سارے اسباب چھین لئے جائینگے (جس طرح سے کہ پیدا فرمایا تھا ہم نے پہلی بار) ماں کے پیٹ سے ننگے سر، برہنہ پا (اور) تمہاری یہ حالت ہے کہ دنیا ہی میں (چھوڑ آئے جو ہم نے پونجی تم کو دی تھی اپنے پیٹھ پیچھے)، یعنی نہ تو پہلے سے تم نے بھیج رکھا اور نہ ہی اپنے ساتھ اٹھالائے ۔۔یا یہ کہ۔۔جو کچھ دنیا میں حاصل کیا، وہ تمام کا تمام اپنی پیٹھ کے پیچھے ڈال دوگے، بال برابر بھی ساتھ نہیں لے جاؤ گے۔

بخلاف اہل ایمان کے، کہ انھوں نے دنیا میں اپنے عقائد صحیحہ کیلئے جدوجہد کی اور اعمال صالحہ میں مشغول رہے۔ اسلئے وہ اپنے عقائد حقہ اور اعمال صالحہ قبروں میں ساتھ لائے ہیں جو آج قیامت میں انھیں کام دے رہے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ آج اکیلے نہیں، بلکہ اعمال صالحہ اور عقائد صحیحہ انکے بہترین ساتھی ہیں۔

رہ گیا تمہارا حال، تو اے شیخی مارنے والے مشرکو! تمہاری بے کسی کی حالت تو یہ ہے کہ اموال واولاد کس شمار میں، آج نہیں دیکھتے (اور نظر نہیں آتے تمہارے ساتھ تمہارے) خودساختہ (وہ سفارشی جن کو تم نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ تمہارے حق میں) یعنی تمہارے تربیت کرنے، پرورش کرنے اور دنیا و آخرت کے مصائب سے بچانے میں اور استحقاق عبادت میں (اللہ) تعالیٰ (کے شریک ہیں)۔۔الغرض۔۔ ان بتوں نے بھی تمہارا ساتھ نہیں دیا۔ اور اب حالت یہ ہے کہ (بیشک کٹ گئے آپس میں) یعنی تمہارے اور تمہارے معبودوں کے درمیان جدائی واقع ہوگئی، اور اب جو تم کو ان سے محبت تھی وہ بھی منقطع ہوگئی (اور کھو گیا تم سے جو دعویٰ کرتے تھے) کہ یہ بت ربوبیت اور استحقاق عبادت میں خدا کے شریک ہیں ۔۔الغرض۔۔تم نے جن بتوں کو اپنا سفارشی گمان کر رکھا تھا، وہ تم سے عذاب الٰہی دور نہ کرسکے۔۔۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید ورسالت اور قرآن مجید کا بیان فرمایا تھا۔ اور اب اس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے الوہیت اور وجود باری کے دلائل دیئے ہیں۔ لہٰذا اب ان امور کا ذکر فرمایا ہے جو خدا ہی کے قدرت واختیار کے مظاہر ہیں۔ نہ یہ محض بخت واتفاق کا نتیجہ ہیں، اور نہ ہی انکے وجود میں بے جان بتوں کا کوئی دخل ہے۔ تو ہر سننے والا غور سے سنے کہ۔۔۔

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ

بیشک اللہ ہے پھاڑنے والا تخم اور گٹھلی کا۔ وہ نکالے زندہ کو مردہ سے،

مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾

اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے۔ یہ ہے تمہارا اللہ، تو کہاں منہ کے بل گرتے ہو●

(بیشک اللہ) تعالیٰ ہی (ہے پھاڑنے والا) تخم کا، تاکہ اس سے پودا نمودار ہو (اور) پھاڑنے والا ہے (گٹھلی کا) تاکہ اس سے درخت جمے۔ (وہ نکالے زندہ کو مردہ سے)، یعنی روح نباتی رکھنے والے پودوں اور درختوں کو بیج سے۔۔ یا۔ اولاد کو نطفہ سے اور پرندوں کو انڈوں سے اور مومن کو کافر سے اور عاقل کو جاہل سے وغیرہ، (اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے) یعنی درخت سے بیج، آدمی سے نطفہ، اور مرغی سے انڈا وغیرہ۔ تو ناد انو! (یہ ہے تمہارا اللہ) تعالیٰ جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ روح والے سے بے روح کو پیدا فرماتا ہے، اور بے روح سے روح والے کی تخلیق فرماتا ہے (تو) تم (کہاں منہ کے بل گرتے ہو) اور کہاں بھٹک رہے ہو۔ اللہ اکبر کیا شان ہے اس قادر مطلق کی جو۔۔۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ

پھاڑ کر صبح کو لانے والا، اور بنا دیا رات کو وقت سکون۔ اور سورج اور چاند کو وقت کا حساب۔

ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾

یہ باندھا ہوا ہے غلبہ والے علم والے کا●

(پھاڑ کر صبح کو لانے والا) ہے اور رات کی تاریکی دور فرما کر روشنی فرمانے والا ہے۔ (اور) جس نے (بنا دیا رات کو وقت سکون)، تاکہ ساری مخلوق دن کی حرکتوں کی تھکن سے آرام کرلیں اور پھر صبح کو تازہ دم ہو جائیں۔۔۔ یہ تو رہیں قدرتِ الٰہی کی وہ نشانیاں جن کا تعلق زمین سے ہے، اب آکر ذرا آسمان کا جائزہ لے لو (اور) کھلی آنکھ سے دیکھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے بنایا (سورج اور چاند کو وقت کا حساب)۔ انھیں مختلف گردشیں عطا فرمائیں، تاکہ اس سے سال اور مہینے متعین ہو جائیں۔ (یہ باندھا ہوا ہے) یعنی تقدیر ہے اس (غلبہ والے) خدائے واحد کی، جسکا حکم سب پر جاری ہے۔ اور یہ فیصلہ ہے اس (علم والے کا) جسے اپنی مملکت کی تدبیر کا بخوبی علم ہے۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ

اور وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے ستاروں کو کہ راہ پاؤ اس سے اندھیریوں میں، خشکی اور تری کی۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾

ہم نے تفصیل کر دی نشانیوں کی انکے لئے جو علم رکھتے ہوں●

(اور وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے ستاروں کو) تمہارا رہنما، جو منزل کی طرف جانے والی راہ کی نشاندہی کریں، تا(کہ راہ پاؤ اس سے اندھیریوں میں خشکی اور تری کی)۔۔الغرض۔۔خواہ بیابان کی تاریکیاں ہوں۔۔یا۔۔دریا کی، ان ستاروں کے سبب تمہیں منزل تک پہنچانے والے راستے کا پتا ملتا رہے۔

اس رہنمائی کے سوا ستاروں کے دوسرے بھی فائدے ہیں۔۔مثلاً: آسمان کی زینت ورونق ہونا اور شیطان پر رجم کرنا اور انہیں بھگانا۔ اللہ تعالیٰ نے ستاروں سے جس فائدے کا ذکر فرمایا، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں قدرت کی دلیل بالکل واضح ہے کہ باوصف اسکے کہ زمین اور آسمان میں بُعد مسافت ہے، مگر تاروں کو آسمان زمین کی راہیں پہچاننے کیلئے حق تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ ان سب کو بیان کر دینے کے بعد فرماتا ہے کہ۔۔۔

(ہم نے تفصیل کر دی نشانیوں کی) اور مفصل طور پر بیان کر دیا۔ لیکن یہ سب (انکے لئے) ہے (جو) طبع مستقیم، فکر سلیم اور (علم رکھتے ہوں)، اور خدا کی طرف سے پیش کردہ دلیل کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

زمین اور آسمانوں میں وجود باری اور اسکی توحید پر نشانیوں کو بیان کر دینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ نشانیاں بیان فرمائیں، جو خود انسان کے اندر پائی جاتی ہیں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جاتا ہے۔۔۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ۗ

اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا تم کو ایک جان سے، تو جائے قیام بھی ہے اور محل وداع بھی۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾

بیشک تفصیل فرما دی ہم نے آیتوں کی انکے لئے جو سمجھیں●

(اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا تم کو) تمہاری کثرت کے باوجود، صرف (ایک جان سے) یعنی اکیلے آدم علیہ السلام سے۔ اسلیئے کہ ہم تمام انھیں سے پیدا کیئے گئے ہیں، اور بی بی حواء بھی انکی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں۔

اس سے ثابت ہوا سارے انسان صرف ایک نفس سے پیدا ہوئے۔ یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بی بی مریم سے پیدا ہوئے، اور وہ اپنے آباء وامہات کی نسبت سے آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں اس میں اگر ایک طرف قدرتِ الٰہی کا مظاہرہ ہے، کہ اس نے ایک ہی اصل سے کروروں اور اربوں انسانوں کی تخلیق فرمائی اور تخلیق کا سلسلہ ابھی جاری ہے۔۔ نیز۔۔ بے شمار آدمیوں کے اجزاء مادیہ کو پشتِ سیدنا آدم میں رکھ دیا، جن کو انکے وقت پر ظاہر فرماتا رہا اور وہ بھی اس عجیب قدرت وحکمت کے ساتھ، کہ یہ اربوں انسان شکل وصورت، رنگ وروپ، قد وقامت، زبان وبیان، طبیعت ومزاج اور ذہن وفکر وغیرہ وغیرہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف وممتاز ہیں۔ یہاں تک کہ ان کروروں انسانوں کے انگوٹھے کا نشان بھی ایک دوسرے سے نہیں ملتا۔۔۔

دوسری طرف یہ اسکا عظیم احسان ہے، کہ اس نے ہم سارے انسانوں کا دادا صرف ایک کو بنایا، اسلیئے کہ جب کوئی کسی کے متعلق سمجھتا ہے کہ اسکا ہمارا دادا ایک ہے، تو پھر ایک دوسرے سے ناراض نہیں ہوتا اور اگر بعض لوگ ناراض بھی ہوں، تو محسوس نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں فطرت سلیمہ، انسانیت، کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک کا مطالبہ کرتی ہے۔

(تو) اے ایک جان یعنی ایک ذات سے پیدا ہونے والو! تمہارے واسطے پشت پدر۔۔یا۔۔ روئے زمین میں (جائے قیام بھی ہے اور) رحم مادر میں (محل وداع بھی) ہے، جہاں بطور امانت رکھا جاتا، پھر نکال لیا جاتا ہے۔

ایک قول کے مطابق قرار کی جگہ قبر ہے اور امانت کی جگہ دنیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جہاں آدمی کو قرار نہ ہو، امانت رہنے کی جگہ وہی ہے۔ تو اس حساب سے صلب پدر، رحم مادر اور قبر سب امانت کی جگہ ہے، جسکو بہرحال چھوڑنا ہوتا ہے۔ رہ گئی قرار کی جگہ، جہاں جاکر پھر نکلنا ہی نہ ہو، تو وہ ایمان والوں کیلیئے بہشت ہے اور کافروں کیلیئے دوزخ ہے۔

(بیشک) مذکورہ بیان سے (تفصیل فرمادی ہم نے آیتوں) یعنی اپنی وحدانیت کی نشانیوں

(کی، انکے لئے جو سمجھیں)، یعنی ان لوگوں کیلئے جو اپنی عقل وفکر اور گہری نظر سے پوشیدہ اور نہایت باریک نکتے سمجھتے ہیں۔

اس مقام پر یہ نکتہ ذہن میں رہے کہ جب ذکر نجوم اور آیات آفاق کا تذکرہ فرمایا، تو یہ کہا کہ یہ نشانیاں انکے لئے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔۔لیکن۔۔جب تخلیق انسانی میں آیات انفس کی طرف اشارہ فرمایا، تو یہ ارشاد فرمایا کہ 'یہ انکے لئے ہیں جو سمجھیں'۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آیات آفاق اظہر واجلی اور ظاہر وروشن ہیں، جن میں کوئی پوشیدگی نہیں، خاص طور سے اہل علم کیلئے۔ اسکے برخلاف آیات انفس ادق اور اخفی یعنی نہایت دقیق اور بہت زیادہ پوشیدہ ہیں، تو اسکو سمجھنے کیلئے فقہ کی ضرورت ہے، جس سے خفی معنی معلوم کئے جاتے ہیں، اسی لئے پہلی جگہ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ہے، تو دوسری جگہ لِقَوْمٍ يَفْقَهُوْنَ ہے۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کی نشانیوں سے وجود باری تعالیٰ اور توحید پر استدلال کیا۔ دوسری بار آسمان کی نشانیوں میں سے سورج اور چاند سے استدلال کیا۔ پھر تیسری بار ستاروں سے استدلال کیا۔ چوتھی بار نفس انسان سے استدلال کیا۔ اور اب پانچویں بار آسمان سے نازل ہونے والی بارش سے استدلال کیا۔ اس آنے والی آیت میں وجود باری اور اسکی توحید پر دلیل بھی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا بیان بھی ہے۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد ہے کہ اللہ قادر مطلق۔۔۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ

وہی جس نے برسایا آسمان سے پانی، پھر نکالا ہم نے اس سے ہر قسم کے پودے، پھر نکالا ہم نے اس سے

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ

ہرا بھرا، جس سے ہم نکالتے ہیں دانے تلے اوپر تلے۔ اور کھجور کے گابھے سے گچھے لپٹے ہوئے،

وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ

اور باغ، انگور اور زیتون اور انار کے، کسی بات میں یکساں اور کسی میں جدا۔

اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ ۹۹

تم لوگ دیکھو پھل کو جب پھلے اور اس کا پکنا۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں انکے لئے جو مانیں●

(وہی) ہے (جس نے برسایا) ابر سے یا (آسمان) کی طرف (سے پانی، پھر نکالا ہم نے

اس سے ہر قسم کی پودے)۔۔۔ پہلے مجمل ذکر فرمایا، اب اسکی تفصیل ارشاد فرماتا ہے۔۔۔ (پھر نکالا ہم نے اس سے ہرا بھرا) یعنی گھاس، جو کہ بیج سے اُگی ہے اور اس نے جڑ اور شاخ پیدا کی (جس سے ہم نکالتے ہیں دانے تلے اوپر تلے)، یعنی دانہ ایک پر ایک ملا ہوا یعنی خوشہ، (اور) نکالا ہم نے (کھجور کے گابھے) یعنی اسکے شگوفے اور غنچہ (سے گچھے لپٹے ہوئے)۔۔۔ بتانا یہ ہے کہ کھجور کے ثمرات ایک دوسرے پر لپٹے ہوئے ہوتے ہیں۔۔ (اور) نکالا ہم نے (باغ انگور اور زیتون اور انار کے)۔۔ الغرض ۔۔ان سب کے درختوں کو ہم نے زمین سے پانی کے سبب سے نکالا۔ ان کا حال یہ ہے کہ (کسی بات میں یکساں) یعنی ان کے پتے ایک دوسرے سے ہم شکل ہیں اور اوّل سے آخر تک ٹہنیوں سے بھرپور ہیں (اور کسی میں جدا)، یعنی کوئی میوہ نہایت ترش ہوتا ہے اور بعض خوب شیریں اور بعض کھٹ مٹھا۔

تو اے مخاطبو! غور وفکر کر کے (تم لوگ دیکھو پھل کو جب پھلے) یعنی جب پھلنا شروع ہو اور بہت چھوٹا اور کچے پن کے سبب سے بے مزہ ہو (اور) پھر دیکھو (اسکا پکنا) یعنی یہ دیکھو کہ پکنے اور ٹپکنے کے وقت اسکا کیسا رنگ، کیسی بو، کیسا مزہ اور کیسا فائدہ اس میں ظاہر ہوتا ہے۔ (بیشک اس میں) قادر حکیم کے موجود ہونے پر (نشانیاں ہیں انکے لئے جو مانیں)۔ اہل ایمان کی تخصیص اسلئے ہے کہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء سے استدلال کر کے نفع پاتے ہیں اور اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر پانچ دلیلیں قائم کیں اور اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کے نظریات بیان فرما رہا ہے اور انکے باطل نظریات کا رد فرما رہا ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهٗ بَنِيْنَ

اور بناڈالا انھوں نے اللہ کا شریک قوم جن کو، حالانکہ جنات کو اس اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے، اور ان لوگوں نے تراش لیا اللہ کیلئے بیٹے

ع ۱۲ ۱۸ **وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ** ﴿۱۰۰﴾

اور بیٹیاں نادانی سے۔ پاک اور بالا ہے وہ اس سے جو جھک مارتے ہیں●

اپنے گمانِ فاسد (اور) خام خیالی سے (بناڈالا انھوں نے) یعنی مجوسیوں نے (اللہ) تعالیٰ (کا شریک قوم جن کو)، اور کہہ پڑے کہ جو چیز نیک ہے، اُسے خدا پیدا کرتا ہے اور اسے 'یزداں' کہتے

ہیں، اور جو چیز بد ہے، اُسے شیطان پیدا کرتا ہے اور اُسے 'اہرمن' کہتے ہیں۔ (حالانکہ جنات کو اس اللہ) تعالیٰ (ہی نے پیدا فرمایا ہے) اور ان بے وقوفوں کا حال یہ ہے، کہ یہ مخلوق کو خالق کا شریک کہتے ہیں۔ انکے سوا بعض کافروں نے اپنی بے عقلی کا مظاہرہ کیا (اور ان لوگوں نے تراش لیا اللہ) تعالیٰ (کیلئے بیٹے اور بیٹیاں نادانی سے)، جیسے کہ یہودیوں نے کہا، عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور عیسائیوں نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔۔نیز۔۔نصاریٰ نے کہا کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ حالانکہ (پاک اور بالا ہے وہ) حق سبحانہ تعالیٰ (اس سے، جو جھک مارتے ہیں) اور عقل ودانش کے خلاف بات کرتے ہیں۔ حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین کی بتائی ہوئی صفتوں سے دور ہے، نہ اسکا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اسکی کوئی اولاد۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا تھا کہ مشرکین کے عقائد باطل ہیں اور اب اس اگلی آیت میں انکے باطل ہونے پر دلائل قائم کیے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے کہ۔۔۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ

بدعت فرمانے والا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں۔ اسکے اولاد کہاں؟ جبکہ اسکی کوئی زوجہ نہیں۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

اور پیدا فرمایا اسی نے ہر چیز۔ اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے●

اللہ تعالیٰ ایسا قادرِ مطلق ہے کہ وہ (بدعت فرمانے والا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں) یعنی بغیر کسی سابقہ مثال اور نمونہ کے انکو پیدا فرمانے والا ہے۔ تو اب عیسائیوں کا یہ سوچنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا، جسکی پہلے کوئی نظیر اور مثال نہیں تھی، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ کا باپ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دلیل کا رد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو ابتداءً بغیر سابقہ مثال اور نمونہ کے پیدا کیا، تو کیا اللہ تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ ہے۔ اور اگر اس وجہ سے وہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا باپ نہیں ہے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اس وجہ سے کیسے باپ ہوسکتا ہے؟۔۔اور۔۔اگر عیسائیوں کی مراد یہ ہے کہ جیسے انسانوں میں معروف طریقہ سے اولاد ہوتی ہے، اسطرح سے حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں، تو اللہ

تعالیٰ نے اسکا رد فرمایا کہ ذرا سوچو۔۔۔

(اسکے اولاد کہاں جبکہ اسکی کوئی زوجہ نہیں)۔یعنی جب اسکی بیوی ہی نہیں، تو اسکا بیٹا کیسے ہوگا؟۔۔نیز۔۔معروف طریقہ سے اولاد کے حصول میں وہ شخص محتاج ہوگا، جو علی الفور کسی چیز کو پیدا کرنے پر قادر نہ ہو، تو وہ نو ۹ ماہ کے انتظار کے بعد اولاد کو حاصل کریگا۔لیکن جس کی شان یہ ہو (اور) جو ایسا قادر ہو کہ (پیدا فرمایا اس نے ہر چیز) صرف لفظ کُنْ کہہ کر۔ادھر اس نے کُنْ فرمایا، اُدھر وہ چیز اسی وقت موجود ہوگئی۔تو جو ایسا قادر ہو، تو وہ اس معروف دنیاوی طریقے سے اولاد کو کیوں حاصل کریگا؟ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ علیم (اور) خبیر ہے (وہ سب کچھ جاننے والا ہے) یعنی اسکی شان یہ ہے کہ وہ مخلوق وغیر مخلوق کو ازلاً ابداً جانتا ہے۔اس سے کوئی شے مخفی نہیں، جو گزری۔۔یا۔۔آئیگی۔شے کی ذات ہو یا صفات یا احوال، من جملہ ان امور کے جو اللہ تعالیٰ کیلئے ممکن ہیں۔۔یا۔۔اسکے لئے وہ اشیاء محال ہیں اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے اولاد ثابت کرنا بھی محالات کے افراد کا ایک فرد ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ

یہ ہے اللہ تم سب کا پروردگار۔نہیں ہے کوئی معبود اسکے سوا۔ ہر چیز کا پیدا کرنے والا، تو اسی کو پوجو۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾

اور وہ ہر ایک کا کارساز ہے●

(یہ ہے اللہ) تعالیٰ جو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے اور (تم سب کا پروردگار) ہے (نہیں ہے کوئی معبود) مستحق عبادت (اسکے سوا) اور نہ ہی اسکا کوئی شریک ہے۔وہ (ہر چیز کا) جو ہو چکی۔۔یا۔۔ہے۔۔یا۔۔ہوگی، سب کا (پیدا کرنے والا) ہے، تو جو ان صفات کا جامع ہے، وہی عبادت کا مستحق ہے (تو اسی کو پوجو)۔اس بات کو غور سے سنو (اور) یاد رکھو کہ (وہ ہر ایک کا کارساز ہے)۔۔لہٰذا۔۔تم اپنے جملہ امور اسی کی طرف سپرد کرو اور اپنے جملہ دینی اور دنیوی امور کی کامیابی کیلئے اسی کی عبادت کو وسیلہ بناؤ، اور یوں تصور کرو کہ اس ذات کی تمہارے ہر عمل پر نگاہ ہے اور وہ تمہیں ہر عمل پر جزا۔۔یا۔۔سزا دیگا۔۔اور۔۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۖ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

نہیں پاتیں اس کو آنکھیں۔اور وہ خوب جانتا ہے ساری آنکھوں کو۔اور وہ لطافت والا باخبر ہے●

(نہیں پاتیں اسکو آنکھیں) یعنی آنکھیں نہ ہی اسکی ذات کی حقیقت سے واقف ہوسکتی ہیں اور نہ ہی اسکی ذات کا احاطہ کرسکتی ہیں۔

۔۔الختصر۔۔اس آیت میں 'ادراک' کی نفی ہے اور یہ 'رویت' کی نفی پر دلالت نہیں کرتی۔ اسلئے کہ 'رویت' عام ہے اور 'ادراک' خاص ہے۔اور ظاہر ہے کہ خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں۔تو 'رویت' بے 'ادراک' کے ممکن ہے۔۔یا۔۔مطلب یہ ہے کہ نہیں دیکھتی نظریں اُسے عام طور پر اس دنیا میں۔اس واسطے عقبٰی میں خدا کو دیکھنا قرآن اور حدیث سے صاف ثابت ہے۔ ہاں صرف اور صرف ایک نگاہ محمدی ہے، جس نے معراج کی رات رب تعالیٰ کو دیکھا۔ یاد رہے کہ دنیا میں دیکھنے کے جو اصول ہیں، آخرت میں رویت الٰہی کے ضابطے اس سے الگ ہیں، لہٰذا ان دونوں میں ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

(اور وہ خوب جانتا ہے ساری آنکھوں کو) یہاں جزء بول کر کل مراد لیا گیا ہے اور 'ادراک' سے 'علم' مراد لیا گیا ہے۔

اب حاصل ارشاد یہ ہوگا کہ اسکا علم تمام آنکھ والوں اور نظر والوں کو محیط ہے۔ایسی صورت میں 'آنکھ کے ادراک کی تخصیص' اسلئے ہے کہ آنکھ کا خاصہ ہے کہ اپنے سوا ہر شے کو دیکھ سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے غیر کو اپنی آنکھوں کا ادراک حاصل نہیں ہوتا۔اور نہ ہی اسکے لئے ممکن ہے۔ذہن نشین رہے کہ یہاں بصر سے وہ حقیقت مراد ہے جس سے بذریعہ آنکھ اشیاء کو دیکھا جاتا ہے۔

(اور وہ لطافت والا) نہایت باریک بیں ہے، کہ جن اشیاء کا آنکھ کو ادراک حاصل نہیں، ان اشیاء کو اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے اور وہ ہر ہر شے کے ہر ہر بھید سے (باخبر ہے)۔۔الختصر۔۔کوئی نہیں دیکھتا جو کچھ وہ دیکھتا ہے۔اور کوئی نہیں جانتا، جو کچھ وہ جانتا ہے، تو لوگو!۔۔۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ

بیشک آگئیں تمہارے پاس آنکھ کھولنے والی باتیں تمہارے رب کی طرف سے۔تو جس نے آنکھ کھولی تو اپنے بھلے کو۔

وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ۝۱۰۴

اور جو اندھا رہا تو اپنے برے کو۔ اور میں نہیں ہوں تم پر نگرانی کا ذمہ دار●

(بیشک آگئیں تمہارے پاس آنکھ کھولنے والی باتیں)۔ کھلی ہوئی نشانیاں یعنی توحید کے دلائل اور نبوت کی حقانیت کا بیان اور بعث ونشر، حساب وکتاب اور جزاء وسزا کی حقانیت کا ذکر (تمہارے رب کی طرف سے، تو جس نے آنکھ کھولی) اور ان نشانیوں کو دیکھا اور ایمان لایا (تو اپنے بھلے کو)۔ اسکا فائدہ اسی کو ملے گا (اور) اسکے برخلاف (جو اندھا رہا) اور ان کھلی ہوئی دلیلوں کو نہ دیکھا۔۔یا۔۔دیکھ کر اندھا بنا رہا، (تو اپنے برے کو)، یعنی اسکا نقصان اسی کو اٹھانا ہے (اور میں نہیں ہوں تم پر نگرانی کا ذمہ دار) کہ تمہارے اعمال کی محافظت کروں اور ان پر تمہیں جزا دوں۔ مجھ پر یہی تبلیغ ہے اور بس۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور اسی طرح ہے، طرح طرح سے ہم آیتیں بیان کرتے ہیں اور تاکہ سب کہہ پڑیں کہ تم نے تو لکھ پڑھ لیا،
اور تاکہ روشن کردیں ہم اس کو علم والی قوم کیلئے●

(اور اسی طرح سے طرح طرح سے ہم آیتیں بیان کرتے ہیں اور) یہ اسلئے (تاکہ سب) اہل مکہ (کہہ پڑیں، کہ تم نے تو لکھ پڑھ لیا) اور رومی قیدیوں یسار اور حسیر سے سیکھ لیا، اور علماء یہود سے مذاکرہ ومباحثہ کر کے اس بحث وتمحیص کے حاصل کو اکٹھا کیا اور پھر اسکو مختلف فقروں اور جملوں میں ڈھال دیا، پھر اسکو یاد کر کے ہمارے سامنے پڑھتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں، کہ آپ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ سب آپ کا لوگوں سے پڑھا ہوا اور حاصل کیا ہوا ہے، ورنہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا کلام ہوتا، تو ایک ایک جملہ کی شکل میں کیوں نازل ہوتا؟ یکبارگی پوری کتاب نازل ہوتی۔

انکے شبہ کا قرآن کریم نے متعدد بار جواب دیا ہے کہ اگر تمہارے گمان میں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہے اور کسی انسان کا سکھایا ہوا۔۔یا۔۔بنایا ہوا کلام ہے، تو تم اسکی کسی چھوٹی سورت ہی کی مثال بنا کر لے آؤ۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی ایک سورت کی بھی نظیر نہ لا سکا ۔۔الختصر۔۔ جابجا آیاتِ وعد کے آیاتِ وعید کی طرف ۔۔یونہی۔۔ آیاتِ خوف کے آیات امید کی طرف پھیرنے میں ایک مصلحت تو یہ ہے، کہ کفار کی جہالت واضح ہو جائے اور وہ اپنی بک جھک پر اتر آئیں۔

(اور) دوسری حکمت یہ ہے (تاکہ روشن کردیں ہم اسکو علم والی)۔۔۔اور طبع سلیم۔۔نیز۔۔ فہم مستقیم رکھنے والی (قوم کیلئے)، جو خوب جانتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے۔ علم والے کی تخصیص اسلئے کی کہ وہی اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔۔۔تو اے محبوب! کفار جو آپ کو اپنے آباء واجداد کے باطل

دین کی طرف بلاتے ہیں۔۔یا۔۔آپ پر طعن و تشنیع کرتے ہیں، ادھر آپ التفات نہ فرمائیں، بلکہ حسب معمول۔۔۔

اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ (۱۰۶)

چلو، جو وحی فرمائی جائے تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے۔ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اسکے سوا، اور رخ پھیر لو مشرکین سے●

(چلو جو وحی فرمائی جائے تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے) یعنی طریقہ توحید۔ اور جانے رکھو کہ (نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اس) رب ذوالجلال معبود برحق (کے سوا، اور) مشرکین کی طرف توجہ نہ فرماؤ، بلکہ (رخ پھیر لو) ان (مشرکین سے) جو ایمان و توحید کی طرف رغبت رکھ کر متوجہ ہی نہیں ہوتے اور اپنے اختیار کو ایمان پر صرف ہی نہیں کرتے، بلکہ لاکھ سمجھانے کے باوجود کفر پر ڈٹے ہوئے ہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ انکے ایمان و توحید کا ارادہ کیوں فرمانے لگا۔ تو ایسوں کو اللہ تعالیٰ انکی گمراہیوں ہی میں رہنے دیتا ہے، جن گمراہیوں پر وہ خود اپنے عزم وارادہ سے جمے ہوئے ہیں۔ اب اگر بالفرض وہ مذکورہ بالا ذہن وفکر اور ضد و عناد والے نہ ہوتے۔۔۔

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَ مَا جَعَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ۚ

اور اللہ کا چاہا ہوتا تو وہ مشرک نہ ہوتے۔ اور نہیں کیا ہم نے تم کو ان پر نگرانی کا ذمہ دار۔

وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ (۱۰۷)

اور نہ تم ان کے جواب دہ ہو●

(اور) پھر (اللہ) تعالیٰ (کا چاہا ہوتا، تو وہ مشرک نہ ہوتے) اور موحد ہو جاتے۔ مگر اے محبوب! آپ فکر مت کریں اور انکے تباہ کن حالات کو ملاحظہ فرما کر زیادہ رنجیدہ خاطر نہ ہوں (اور) یہ اسلئے کہ (نہیں کیا ہم نے تم کو ان پر نگرانی کا ذمہ دار)۔۔لہٰذا۔۔انکو کسی نقصان رساں چیز سے بچانا آپ پر لازم نہیں، (اور نہ) ہی (تم انکے جواب دہ ہو)، یعنی انکا کام تم پر نہیں چھوڑا گیا ہے۔۔چنانچہ۔۔ انکے لئے کسی طرح بھی نفع رسانی کی تدبیر بنانا آپ پر واجب نہیں۔

مشرکین مکہ بھی عجیب تھے، کہ جس کلام سے انھیں ہدایت حاصل کرنی چاہئے، اسکو سن کر وہ برہم ہو جاتے تھے۔۔چنانچہ۔۔جب ان سے کہا گیا اے کافرو! کہ 'تم اور تمہارے باطل معبود، جو خدا سے بیگانے ہیں، سب کے سب جہنم کا ایندھن ہیں'۔ یہ سن کر کفار چڑھ

گئے اور انھوں نے اسے گالی سمجھ لیا، حالانکہ کسی بھی لفظ کا اسکے صحیح مصداق پر استعمال کرنا، گالی نہیں۔ اسی لئے شیطان کو شیطان، کافر کو کافر، مشرک کو مشرک، مردود کو مردود، منافق کو منافق، مرتد کو مرتد، چور کو چور، شرابی کو شرابی، بدکار کو بدکار، یہود کو یہود، عیسائی کو عیسائی وغیرہ وغیرہ کہنا گالی نہیں۔

خود قرآن کریم میں کافر، مشرک، مردود، ملعون، منافق، زنیم جو بدکاری کا نتیجہ ہو، وغیرہ وغیرہ الفاظ کا اطلاق انکے صحیح مصادیق پر کیا گیا ہے، تو کیا قرآن کریم کو گالیوں کی کتاب قرار دے دیا جائیگا؟۔۔ الختصر۔۔ کفار گالی کی حقیقت نہ سمجھ سکے اور چیخ پڑے کہ اے محمد ﷺ ' ہمارے بتوں کو گالی دینے سے زبان بند کرو، ورنہ ہم بھی تیرے خدا کی، جسے تو صفاتِ کمال سے یاد کرتا ہے، ہجو کرینگے۔۔ تو۔۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ

اور مت برا کہو انھیں، جن کو اللہ کو چھوڑ کر معبود بنائے ہیں، کہ وہ بھی بے ادبی کرنے لگیں اللہ کی بڑھ بڑھ کر نادانی سے۔ اسی طرح

زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

خوب صورت دکھا دیا ہم نے ہر امت کو انکا کیا دھرا۔ پھر اپنے پروردگار کی طرف انکا پھرنا ہے، تو بتادیگا وہ ان کو جو کرتے دھرتے تھے ●

اے محبوب! ایمان والوں کو سمجھا دو (اور) ہدایت فرما دو کہ (مت برا کہو انھیں جن کو اللہ کو چھوڑ کر معبود بنائے ہیں) یعنی انکی برائیوں کا ذکر نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو (کہ وہ بھی) انتقاماً (بے ادبی کرنے لگیں اللہ) تعالیٰ (کی بڑھ بڑھ کر) حق سے درگزر کر کے ظلم کی رو سے (نادانی سے)، یعنی نادانی کی وجہ سے اپنی مزعومہ برائیوں کا ذکر کرنے لگیں۔۔ الختصر۔۔ جس طرح کافروں کے اعمال کو ان کی نظر میں ہم نے آراستہ کر دیئے (اسی طرح خوبصورت دکھا دیا ہم نے ہر امت کو انکا کیا دھرا)، یعنی جب طاعت اور معصیت میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا عزم کرتے، تو اللہ تعالیٰ انھیں انکی طرف طبیعت کا میلان پیدا کر دیتا اور پھر نیکی کی توفیق بخشتا۔۔ یا۔۔ برائی کا خوگر بنا دیتا۔ اور یہ آخر کب تک؟

(پھر) بالآخر (اپنے پروردگار کی طرف انکا پھرنا ہے)، یعنی اس رب کریم کی طرف جو جملہ امور کا مالک ہے اسکی بارگاہ میں حاضر ہونے کیلئے مرنے کے بعد اٹھنا ہے، (تو بتا دے گا وہ انکو جو کرتے دھرتے تھے) پھر ان برے اعمال کا نتیجہ سزا کی صورت میں انکے سامنے آجائیگا، جو دنیا میں انھیں اچھے لگتے تھے۔

ان کافروں کی ہٹ دھرمی تو دیکھئے، کہ نبی کریم کے عظیم الشان معجزات دیکھ لینے کے بعد کسی دوسرے معجزے کا مطالبہ کررہے ہیں ۔۔ چنانچہ ۔۔ اللہ تعالیٰ کے رسول سے کہتے کہ اے محمد ﷺ ' آپ ہی نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ نے پتھر پر عصا مار کر بارہ چشمے جاری کردیئے، حضرت عیسیٰ نے مردہ کو زندہ کردیا اور حضرت صالح نے پتھر سے اونٹنی نکال دی، وغیرہ وغیرہ، تو آپ بھی کوئی اس طرح کا معجزہ دکھائیں، تو ہم آپ پر ایمان لائیں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا، تم کون سا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو؟ بولے کوہ صفا کو آپ سونے کا بنادیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اگر یہ معجزہ ظاہر ہوجائے، تو تم مجھ پر ایمان لاؤ گے؟ سب نے ایمان لانے کا عہد کیا اور سخت قسمیں کھا کر عہد کو اور بھی پکا کیا، کہ اگر یہ معجزہ ہمیں دِکھا، تو مومنین کی طرح ہم بھی تم پر ایمان لائینگے اور آپ کی متابعت کرینگے۔ اس درمیان مومنین میں سے بھی بعض نے معروضہ پیش کردیا، کہ حضور انکا مطالبہ پورا ہی کردیجئے، تا کہ شاید یہ ایمان لے آئیں۔

ابھی حضور دعا فرمانے کو سوچ ہی رہے تھے، کہ حضرت جبرائیل وحی الٰہی لیکر حاضر ہوگئے اور آپ کو پیغام الٰہی سنایا، کہ اے محبوب! ہم تیری دعا سے پہاڑ سونے کا کردیں، مگر ہماری عادت اور مشیت اس بات پر جاری ہوتی ہے، کہ امتیں جب انبیاء سے انکی نبوت پر کوئی علامت اور معجزہ چاہیں اور وہ معجزہ ظاہر ہوجائے، پھر وہ ایمان نہ لائیں اور اپنا عہد پورا نہ کریں، تو ان سب کو ہلاک کردینے والا عذاب ان پر بھیجتے ہیں۔ اگر تمہیں یہ خواہش ہو، تو یہ معجزہ ہم ظاہر کردیں، مگر اسکے پیچھے عذاب لگا ہوا ہے، اسلئے کہ مجھے علم ہے کہ معجزہ دیکھ کر بھی یہ ماننے والے نہیں ہیں۔ تو اب اگر چاہو تو ان کو انکے حال پر چھوڑ دو تا کہ وہ توبہ کریں۔ کیونکہ ان میں بعض کو توبہ کی توفیق نصیب ہونے والی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے دوسری بات اختیار فرمائی اور پوری قوم کو ہلاکت سے بچالیا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی، کہ اے محبوب! ان کافروں کی لغو کلامی ۔۔۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ

اور قسم کھا بیٹھے اللہ کی، بڑے زور کی قسم، کہ اگر آگئی ان کے پاس عذاب کی نشانی، تو ضرور مان لینگے اس کو۔ کہہ دو،

عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

کہ "ساری نشانیاں اللہ کے پاس ہیں"، اور کیا پتہ کہ جب نشانی آتی تو نہ مانتے ●

(اور) دیدہ دلیری تو دیکھئے، کہ (قسم کھا بیٹھے اللہ) تعالیٰ (کی) اور وہ بھی (بڑے زور کی قسم کہ اگر آگئی انکے پاس عذاب کی نشانی) یعنی ایسی نشانی جسکو دیکھ لینے کے بعد بھی اگر کوئی ایمان نہ لائے، تو اسپر عذاب نازل فرمادیا جائے، (تو ضرور مان لینگے اسکو)۔ان سے (کہہ دو کہ ساری نشانیاں اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہیں)، یعنی سارے معجزات کا ظہور اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، تو وہ جو معجزہ ظاہر فرمانا چاہے اس پر قادر ہے۔ (اور) اے ایمان والو! تمہیں (کیا پتا کہ جب نشانی آتی تو نہ مانتے) اور پھر عذاب الٰہی کا شکار ہو کر نیست و نابود ہو جاتے۔ معجزے کے ظہور کے بعد بھی یہ ماننے والے نہیں۔

وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ

اور ہم الٹ پلٹ دیں گے ان کے دلوں اور آنکھوں کو، جیسا کہ انھوں نے نہیں مانا اس کو پہلی بار، اور چھوڑ دیں گے انھیں،

فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳ | ۱۹

کہ اپنی سرکشی میں چکراتے رہیں●

یہ جہنم کا کفر کمانے والے (اور) ایمان کی صلاحیت و استعداد کھو دینے والے، کیسے ایمان لا سکتے ہیں۔ اسلئے کہ (ہم الٹ پلٹ دینگے انکے دلوں کو) کہ وہ تصدیق نہ کرسکیں (اور) انکی (آنکھوں کو) تا کہ راہِ حق نہ دیکھ سکیں۔۔الحاصل۔۔وہ ماننے والے نہیں (جیسا کہ انھوں نے نہیں مانا اس کو) جو معجزات میں سے ظاہر ہوئی (پہلی بار) جیسے شق قمر وغیرہ۔ تو جس طرح ہم نے اہل ایمان کو نوازا ہے، وہ سلوک انکے ساتھ نہیں ہوگا۔ (اور) ہم (چھوڑ دینگے انھیں کہ اپنی سرکشی میں) تا کہ اپنی بے راہی میں (چکراتے رہیں)، یعنی سرگشتہ و حیران رہیں اور اسی حال میں مرجائیں۔۔الحاصل۔۔انکی استعداد ختم کردی گئی۔ وہ حق سے بہت دور ہو چکے۔ اور چونکہ انکی استعداد ہی خود انکے کرتوتوں سے اور انکی اپنی شیطانی سوچ کے نتیجے میں ختم ہو چکی ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے انھیں ہدایت بھی نہیں دی۔

بفضلہ تعالیٰ آج بتاریخ

۷ رمضان المبارک ۱۴۳۰ء۔۔مطابق۔۔ ۲۹ اگست ۲۰۰۹ء

ساتویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

۸

ولواننا

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۹ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۳۱، اگست ۰۹

بروز دوشنبہ آٹھویں پارہ کی تفسیر کا آغاز کردیا۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور دوسرے باقی پاروں کی تفسیر

کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ آمین

اس سے پہلے، آیت ۱۰۹ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا تھا، کہ تمہیں کیا معلوم کہ جب یہ نشانیاں آجائیں گی، تو یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائینگے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی کی تفصیل بیان فرمائی ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ انکے تمام مطلوبہ معجزات فراہم کردے، بلکہ اس سے بھی زیادہ مہیا کردے، کہ فرشتے نازل کردے اور مرُدے ان سے کلام کریں ۔۔۔بلکہ۔۔۔ ہر چیز ان کے سامنے جمع کر کے پیش کردی جائے، تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائینگے۔ یہ صحیح ہے معجزے سے نبی کے دعویٰ نبوت کے صدق پر دلالت ہوتی ہے، لیکن اس دلالت سے فائدہ اٹھانا ہر ایک کا نصیب نہیں۔ اسی لئے معجزات کی دلالت سے کفار فائدہ نہ اٹھا سکے اور اپنے کفر پر قائم رہے۔ مذکورہ بالا آیت ۱۰۹ میں جو بات اجمالاً ارشاد فرمائی گئی اب اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جارہا ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ

اور اگر ہم نے اتارا ہوتا ان کی طرف فرشتوں کو، اور باتیں کرتے ان سے مردے، اور ہانک کر کردیتے

كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

ہر چیز کو ان کے سامنے، تو بھی یہ لوگ نہ مانتے۔ مگر یہ کہ اللہ ہی کی مشیت ہوتی۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

لیکن ان کے بہتیرے تو جاہل ہیں ●

(اور اگر ہم نے اتارا ہوتا انکی طرف فرشتوں کو) جبکہ وہ کہتے ہیں، کہ 'کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے' (اور باتیں کرتے ان سے مردے)، جیسا کہ وہ درخواست کرتے ہیں، کہ 'ہمارے باپ دادا کو ہمارے پاس واپس لاؤ۔'

۔۔ چنانچہ۔۔ انھوں نے قصی بن کلاب اور جدعان بن عمرو کے زندہ کرنے کا سوال کیا جو انکی برادری کے سردار بھی تھے اور انکے نزدیک سچے بھی تھے۔۔ چنانچہ۔۔ کہا کہ اگر آپ انکو زندہ فرمادیں، اور وہ آپکی نبوت کی شہادت دیں، تو ہم آپ پر ایمان لے آئینگے۔

(اور ہانک کر، کردیتے ہر چیز کو انکے سامنے) اور حشر کا منظر پیش کردیتے، تا کہ وحدت الٰہی اور نبوت محمدی پر گواہی دیں، (تو بھی یہ لوگ نہ مانتے) اور اپنے کفر ہی پر اَڑے رہتے، (مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (ہی کی مشیت ہوتی)، یعنی انکا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ لیکن وہ تو

ہمیشہ گناہوں میں منہمک رہتے ہیں اور تمرد وطغیان میں یکتا ہیں، پھر انکے لئے انکے ایمان لانے کی مشیت الٰہی کس طرح ہوسکتی ہے؟

اب اگر اللہ تعالیٰ ان میں جبراً ایمان پیدا کردے، یہ تب ہی ایمان لائینگے۔لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔سنت الٰہیہ یہی ہے کہ جب کوئی اپنے اختیار سے ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اسمیں ایمان پیدا کردیتا ہے۔۔الحتصر۔۔ بندہ کسب اور ارادہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ خلق اور پیدا کرتا ہے۔

(لیکن انکے بہتیرے تو جاہل ہیں) وہ نوشتۂ تقدیر سے بے خبر ہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ نہیں جانتے ہیں کہ اگر سارے کے سارے معجزے انھیں دکھادیئے جائیں، جب بھی وہ ایمان نہ لائینگے۔۔یونہی۔۔ جب آیاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے، تو اہل ایمان کو یہ امید ہوجاتی ہے کہ شاید اب یہ کافر ایمان لائیں۔ انکو یہ امید اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بے خبری کے سبب ہوتی ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ

اور اسی طرح سے بنایا تھا ہم نے ہر نبی کا دشمن انسان اور جن کے شیطانوں کو، کہ ڈالیں

بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۚ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی باتوں کو دھوکا دینے کو۔اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا

مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

تو یہ ایسا نہ کرتے، تو چھوڑ دو انکو اور جو وہ افترا کرتے رہتے ہیں●

اے محبوب! جس طرح ابوجہل اور دیگر کفارِ مکہ آپ کے دشمن (اور) آپکے دلی بدخواہ ہیں، (اسی طرح سے بنایا تھا ہم نے ہر نبی کا دشمن، انسان اور جن کے شیطانوں کو)۔

شیاطین انس سے کفار مراد ہیں، جو رحمتِ الٰہی سے دور ہونے میں شیطان کی طرح ہیں۔۔الحتصر۔۔ اے محبوب! ان شیاطین کی عداوت صرف آپ کے ساتھ نہیں، بلکہ پہلے انبیاء کرام اور انکی امتوں کے ساتھ بھی یہ اپنی شیطنت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ انکی شیطنت یہ ہے، (کہ ڈالیں ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی ہوئی باتوں کو، دھوکہ دینے کو)۔۔الغرض۔۔ان شیاطین کا کام ہے دلوں میں وسوسہ ڈالنا، تاکہ جسکے دل میں وسوسہ ڈالا جائے، وہ اس خوبصورت انداز میں پیش کیے ہوئے جھوٹ سے فریب کھاجائے۔

وسوسہ ڈالنے کی ایک شکل یہ ہے کہ ایک جن دوسرے جن کے دل میں وسوسہ ڈالے، دوسری شکل یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے دل میں وسوسہ ڈالے۔ تیسری شکل یہ ہے کہ کوئی جن کسی انسان کے دل میں وسوسہ ڈالے۔ چونکہ ان باتوں کے اندر باطل ہوتا ہے، اسلئے اسکو ملمع کاری کر کے خوبصورت انداز میں پیش کیا جاتا ہے، تا کہ لوگ فریب کا شکار ہوجائیں۔ اس مقام پر یہ جاننا فائدہ سے خالی نہیں، کہ عام لوگوں کیلئے شیاطین جن سے زیادہ خطرناک، شیاطین انس ہیں۔ اسلئے کہ شیاطین جن کو 'لاحول' پڑھ کر ۔۔۔نیز۔۔۔ 'آیۃ الکرسی' کی تلاوت کر کے بھگایا جاسکتا ہے، لیکن شیاطین انس کو اپنے سے دور کردینا اتنا آسان نہیں۔

تو اے محبوب! ان خفیف الحرکاتیوں سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں، اور ان تک دین کا پیغام پہنچا کر فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہیں۔ یہ سچ ہے کہ تمام انبیاء کرام اور بالخصوص آپ سے انکی عداوت (اور) انکا جو بغض وعناد ہے، (اگر تمہارا پروردگار چاہتا، تو یہ ایسا نہ کرتے) اور کسی بھی پیغمبر کی دشمنی انکے دل میں نہ ہوتی۔ لیکن۔۔۔ جو چیز علم الٰہی میں انکا مقدر ہو چکی ہے، وہ تو ہو کے رہے گی۔ (تو چھوڑ دو انکو اور جو وہ افتراء کرتے رہتے ہیں)، یعنی جھوٹوں اور انکی جھوٹی باتوں کو، اور انکے کفر۔۔۔نیز۔۔۔ انکی تمام مکاریوں غداریوں کو نظر انداز فرمادو۔ چونکہ آپ سے انکی عداوت مشیت باری تعالیٰ کی وجہ سے ہے، اسلئے انکو انکے حال پر چھوڑ دو۔ کیونکہ انکے لئے ہم نے سخت ترین سزائیں تیار کر رکھی ہیں اور آپ کیلئے بہت اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب مقرر ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں لاتعداد حکمتیں مضمر ہیں۔ رہ گیا شیاطین کا وسوسہ ڈالنا۔۔۔

وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ

اور تا کہ مائل ہوں اس کی طرف ان کے دل جو نہیں مانتے آخرت کو، اور تا کہ وہ اس سے خوش ہوں،

وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور تا کہ بٹور لیں جو بٹورنا ہو●

(اور) خفیہ بات بطور راز دل میں ڈالنا، تو وہ اسلئے ہے (تا کہ مائل ہوں اس کی طرف انکے دل، جو نہیں مانتے آخرت کو)۔ رہ گئے اہل ایمان، تو وہ انکے بناوٹی اقوال کی طرف توجہ ہی نہیں

کرتے، اسلئے کہ انھیں معلوم ہے کہ یہ اقوال سراسر باطل اور انکا انجام بھی برا ہے۔ رہ گئے وسوسہ ڈالنے والے (اور) بناوٹی باتوں کو آراستہ کر کے دل میں ڈالنے والے، تو انکی غرض یہ ہے (تا کہ) جن کے دلوں میں وسوسہ ڈالا گیا ہے، (وہ اس سے خوش ہوں اور) صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ غرض بھی ہے (تا کہ) وہ (بٹور لیں جو بٹورنا ہو)۔ یعنی ان باتوں سے خوش ہو کر ان گناہوں اور نا قابل ذکر قبائح کا ارتکاب کریں جنکا ارتکاب کرنے والے ہیں۔۔ الختصر۔۔ اے محبوب! ان کو انکے حال پر چھوڑ دو، وہ خود اپنا انجام دیکھ لینگے۔ اے محبوب! ذرا انکی دیدہ دلیری تو دیکھو، کہ آپ سے درخواست کرتے ہیں 'اے محمد ﷺ' ہمارے اور اپنے مابین پوپوں اور نصاریٰ کے پادریوں کو حَکم مقرر فرمایئے، تا کہ وہ حق و باطل کا فرق بتادیں، اسلئے کہ انھوں نے سابقہ نازل شدہ آسمانی کتابوں کو پڑھا ہے'۔ تو اے محبوب! ان سے واشگاف انداز میں فرما دو۔۔۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ

تو کیا اللہ کے غیر کا ہم فیصلہ چاہیں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے اتارا تمہاری طرف کتاب مفصل۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ

اور جن کو ہم نے کتاب دی ہے جانتے ہیں، کہ بیشک یہ تمہارے پروردگار کا اتارا ہے، بالکل حق،

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

تو شکیوں کے ساتھ تم نہ رہا کرو●

(تو کیا اللہ) تعالیٰ (کے غیر کا ہم فیصلہ چاہیں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے اتارا تمہاری طرف کتاب مفصل) جس میں حق و باطل، حلال و حرام اور دیگر جملہ احکام کو ایسا مفصل طور پہ بیان کیا گیا ہے، کہ دینی باتوں میں اب کسی بات کا شک وشبہ اور ابہام نہیں رہا۔ جب ہمارے پاس ایسی کتاب موجود ہے، تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم غیروں کو اپنا حَکم اور فیصل قرار دیں۔ ویسے بھی اے محبوب! یہ علمائے یہود (اور) علمائے نصاریٰ (جن کو ہم نے) انکے انبیاء کے توسط سے (کتاب دی ہے) وہ بخوبی (جانتے ہیں کہ بیشک یہ تمہارے پروردگار کا اتارا ہے، بالکل حق) راستی اور درستی کے ساتھ، (تو شکیوں کے ساتھ تم نہ رہا کرو)۔ جب قرآن کی حقیت پر دلیلیں ظاہر ہو چکیں، تو کسی کو بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ قرآن کریم کی صداقت و حقانیت پر شک کرے اور شک کرنے والوں میں ہو جائے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

اور کامل ہے تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف۔ کوئی نہیں ہے بدل دینے والا اسکی بات کا۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾

اور وہ سننے والا علم والا ہے ●

اے محبوب! تم پر واضح (اور) روشن ہے کہ (کامل ہے تمہارے پروردگار کی بات سچائی) کی راہ سے خبروں اور وعدوں میں، اور توحید کی دلیل اور نبوت کے بیان میں، (اور) فیصلوں اور حکموں میں عدل و (انصاف) کی رو سے۔ (کوئی نہیں ہے بدل دینے والا اسکی بات کا)۔ جس طرح کہ توریت کی آیتیں بدل ڈالیں، اس طرح قرآن کریم میں کسی طرح کی تبدیلی کا امکان نہیں، اسلئے کہ ربِ کریم نے خود اسکی حفاظت کا وعدہ فرمالیا ہے (اور وہ سننے والا) ہے سب کی باتیں اور (علم والا ہے) یعنی جاننے والا ہے سب کے بھید۔

یہ اہل مکہ بھی کس قدر عقل سے کورے ہیں، کہ مردار کا کھانا حلال سمجھتے ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں، کہ جسے تم چھری سے ذبح کرتے ہو وہ حلال ہے، تو پھر جسے اللہ تعالیٰ ذبح کرے، وہ تو بطریق اولیٰ حلال ہوا۔ یہ بے وقوف 'ذبیحہ' اور 'میتہ' کا فرق سمجھنے سے قاصر رہے۔ اور اس پر انکی جسارت تو دیکھیئے، کہ مسلمانوں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ مسلمان تو بغیر اپنے رسول کی اجازت کے مردار خوری کیلئے دعوت قبول کرنے والے نہیں۔ تو اب اگر وہ رسول سے مردار خوری کے تعلق سے مسئلہ پوچھیں اور آپ۔۔ بالفرض۔۔ اسکی اجازت مرحمت فرمادیں، تو خواہ آپ خود دعوت میں شریک نہ ہوں، لیکن مردار خوری کی حلت کے تعلق سے کافروں کی بات ماننے والوں سے ہو جائینگے، تو بھلا رسول کریم ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟ تو آپ کا مردار خوری کی حرمت کا حکم دینا ہی کفار کی بات نہ ماننا ہے۔۔۔ تو اُے محبوب! آپ اپنے رب کے فضل و کرم سے ہمیشہ راہ راست پر رہنے والے ہیں۔۔۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

اور اگر کہنا مانتے تم آبادی کی بھیڑ کا، تو بے راہ کر دیتے اللہ کی راہ سے۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾

وہ لوگ صرف خیالات کے پیچھے لگے ہیں، اور محض اٹکل سے کام لیتے ہیں ●

(اور اگر)۔۔بالفرض۔۔(کہنا مانتے تم آبادی کی بھیڑ کا، تو بے راہ کر دیتے اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)۔

اسمیں خاص طور پر آپ کے امتیوں کیلئے درس ہے، کہ وہ اپنے کو گمراہوں، بے دینوں کی اتباع سے بچاتے رہیں۔

رہ گئے (وہ) گمراہ (لوگ) جنکا اوپر ذکر ہوا ہے، (صرف خیالات کے پیچھے لگے ہیں) اور اپنی خام خیالی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں، کہ انکے آباء واجداد حق پر تھے۔(اور) یہ لوگ مسائل واحکام بتانے میں (محض اٹکل سے کام لیتے ہیں) اور خدا پر افتراء کرتے ہیں کہ اس نے مردار کو حلال قرار دیدیا اور بَحائِرْ کو حرام۔۔یونہی۔۔خدا کی طرف فرزند کو منسوب کرنے اور خدا کی عبادت میں شریک پکڑنے کے باب میں صرف اپنے گمان فاسد سے کام لیتے ہیں۔اس پر طرہ یہ ہے کہ بہت یقین کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں، لیکن وہ جھوٹے ہیں۔اللہ تعالیٰ انکے دلوں کے احوال پر مطلع ہے۔ اسکو معلوم ہے یہ گمراہی کے راستے میں بھٹک رہے ہیں اور جہالت کی وادیوں میں سرگرداں ہیں ۔۔المختصر۔۔اے محبوب!

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

بیشک تمہارا پروردگار وہ خوب جانتا ہے جو اسکی راہ سے بھٹکیں، اور خوب جانتا ہے جو راہ پر چلنے والے ہیں●

(بیشک تمہارا پروردگار، وہ خوب جانتا ہے جو اسکی راہ سے بھٹکیں اور) انھیں بھی (خوب جانتا ہے جو راہ پر چلنے والے ہیں)۔ویسے بھی اے محبوب آپ تو باخبر ہو ہی چکے کہ حق کیا ہے؟ اور باطل کیا ہے؟ تو پھر آپ ان مخالفین کے درپے نہ ہوں، بلکہ انکا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے؟ وہ ہر شخص کو اسکے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے جزا دیگا۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

تو مسلمانو کھاؤ ذبیحہ کو جس پر اللہ کا نام لیا گیا، اگر تم اس کی آیتوں کو مانتے ہو●

(تو مسلمانو! کھاؤ ذبیحہ کو جس پر) ذبح کرتے وقت (اللہ) تعالیٰ (کا نام لیا گیا) ہو (اگر تم اسکی آیتوں کو مانتے ہو)۔اسلئے کہ آیاتِ قرآنیہ پر ایمان لانے کا یہی تقاضہ ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ

نے حلال کیا ہے، انکا کھانا مباح ہے۔ اور جنھیں حرام فرمایا ہے، ان سے اجتناب ضروری ہے۔۔ چنانچہ وہ نہ کھاؤ، جس پر ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔۔یا۔۔اسکے نام کے ساتھ دوسرے کا نام لیا گیا ہو۔۔یا۔۔اسکی ناک بند کر کے اسکی جان نکالی گئی ہو۔

ارشادِ مذکور کا حاصل یہ ہے، کہ اپنے کھانے کو صرف اس پر مقصور و منحصر رکھو جس پر بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے۔ رہ گئے کفار، تو انکا حال اسکے برعکس ہے، کہ وہ مردار کو بھی چٹ کر جاتے ہیں اور صرف ذبیحے پر اکتفاء نہیں کرتے۔ مسلمانو! ذرا غور کرو۔۔۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ

اور تمہیں کیا حق ہے کہ نہ کھاؤ وہ ذبیحہ، جو ذبح کیا گیا اللہ کا نام لے کر، جب کہ بیشک مفصل بتا دیا تم کو جو حرام فرما دیا

عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ

ہے تم پر، مگر جس کی طرف تم بے قابو ہو جاؤ۔ اور بیشک بہتیرے وہ ہیں کہ گمراہ کرتے ہیں وہمی باتوں سے،

بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

نادانی سے۔ بیشک تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے حد سے بیحد ہو جانے والوں کو●

(اور) سوچو، کہ (تمہیں کیا حق ہے کہ نہ کھاؤ وہ ذبیحہ جو ذبح کیا گیا) ہو (اللہ) تعالیٰ (کا نام لیکر، جبکہ بیشک مفصل بتا دیا) ہے (تم کو) اللہ تعالیٰ نے (جو حرام فرما دیا ہے تم پر)۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ نے جس کی حرمت نازل فرما دی ہے، اسکو کھانے سے لازمی طور پر اپنے کو بچاتے رہو۔ ہاں (مگر جسکی طرف تم بے قابو ہو جاؤ) ایسی حالتِ اضطرار میں جان بچانے کیلئے صرف اتنی ہی مقدار میں جس سے مقصود حاصل ہو جائے، یعنی جان بچانے کیلئے جتنا ضروری ہو، اتنا ہی استعمال کر کے اپنی جان بچالو۔

مگر یہ خیال رہے، کہ اس حالتِ اضطرار میں بھی ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا حرام ہی رہیگا۔

رہ گیا اپنے جی سے حلال سمجھنا (اور) حلال بتانا، یہ کافروں کا طریقہ ہے۔۔ چنانچہ۔۔(بیشک بہتیرے) کافر (وہ ہیں)، جو (کہ گمراہ کرتے ہیں) اپنی خودساختہ (وہمی باتوں سے) اور وہ بھی لاعلمی اور (نادانی) کی وجہ (سے)۔۔۔اس سے وہ علم مراد ہے جو شریعت مطہرہ سے حاصل اور وحی سے مستند ہو۔ ایسے علم سے چونکہ وہ کورے ہیں۔۔لہٰذا۔۔وہ جہالت کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ (بیشک تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے حد) شرع (سے بے حد ہو جانے والوں کو)، یعنی تمہارا رب حق سے باطل کی

طرف اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والوں کو جانتا ہے۔۔لہٰذا۔۔یہ اسکے عذاب اور اسکی
سے اپنے کو بچا نہ سکیں گے۔تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے اپنے کو بچاؤ۔۔۔

وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ

اور مسلمانو چھوڑ دو کھلا ڈھکا ہر طرح کا گناہ۔ بیشک جو گناہ کو کمائیں، بہت جلد بدلہ دیئے جائینگے

بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿١٢٠﴾

جو بٹورا ہے●

(اور) اے (مسلمانو! چھوڑ دو کھلا ڈھکا ہر طرح کا گناہ)۔گناہِ ظاہر سے مراد وہ برے کا
اور بری باتیں ہیں، جو اعضائے ظاہری سے ہوں، اور گناہِ باطن، فاسد عقیدے اور برے ارادے
ہیں۔تو اے مسلمانو! ظاہری اور باطنی، ہر طرح کے گناہوں سے اپنے کو بچاتے رہو۔کیونکہ (بیشک جو
گناہ کو کمائیں، بہت جلد بدلہ دیئے جائینگے) بہ سبب اس چیز کے (جو بٹورا ہے) اور کمایا ہے۔
مسلمانو! کفار جو سرکارِ دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں آکر یہ کہتے ہیں، کہ یہ کس قدر حیرت کی بات ہے
جس جانور کو خدا مارے وہ تو حرام ہو، اور جسکو مسلمان ماریں وہ حلال ہو۔اور وہ اس طرح سے بعض
مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالیں۔ یہ سب انکی کٹ حجتی ہے اور حکم الٰہی کے نہ سمجھ سکنے کا نتیجہ ہے
تو تم انکی ان خرافاتی باتوں کی طرف دھیان نہ دو۔۔۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ

اور مت کھاؤ جس پر ذبح کرتے اللہ کا نام یاد نہیں کیا گیا۔اور بیشک وہ نافرمانی ہے۔اور بیشک شیطان

لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾ ع

ضرور اپنے یاروں کے دل میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑتے رہیں۔اور اگر تم لوگ انکے کہے پر چلے، تو بیشک تم بھی مشرک ہو

(اور مت کھاؤ جس پر ذبح کرتے) وقت (اللہ) تعالیٰ (کا نام) بالقصد (یاد نہیں کیا گیا
ہو، (اور) جان لو کہ (بیشک وہ نافرمانی ہے)۔یعنی اسکا کھانا گناہ ہے۔جس جانور پر ذبح کے وقت
تعالیٰ کا نام عمداً نہ لیا گیا ہو، (اور بیشک شیطان ضرور اپنے) کافر (یاروں کے دل میں ڈالتے ہیں) اور
انھیں وسوسہ دیتے ہیں تا (کہ) وہ (تم سے جھگڑتے رہیں) اور کٹ حجتی کرتے رہیں، کہ جو بکری

خود مارڈالتے ہو اُسے تو کھاتے ہو، اور جو خدا مارڈالتا ہے اُسے نہیں کھاتے۔ مسلمانو سنو! (اور) دھیان رکھو! کہ (اگر تم لوگ انکے کہے پر چلے) اور حرام کو حلال قرار دینے میں انکے باطل خیالات کی موافقت کی، (تو) سمجھ لو (بیشک تم بھی مشرک ہو) گئے۔ اسلئے کہ جو طاعت الٰہی ترک کر کے غیر اللہ کی طاعت اختیار کرتا ہے، گویا اس نے دین حق کو چھوڑ دیا۔ اور اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا، اور غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ پر پسند کیا، اسلئے وہ بھی انھیں سے ہو گیا۔۔ تو۔۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَٰهُ وَجَعَلْنَا لَهُۥ نُورًا يَمْشِى بِهِۦ فِى ٱلنَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُۥ

کیا جو بے جان تھا، پھر ہم نے اس کو جان دی اور بنا دیا اسکے لئے روشنی، جس سے چلے پھرے لوگوں میں، اسکی مثال

فِى ٱلظُّلُمَٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَٰفِرِينَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۲﴾

اسکی طرح ہے جو اندھیریوں میں ہے؟ کہ اس سے نکلتا نہیں۔ اسی طرح بھلے دکھا دیئے گئے کافروں کو ان کے کرتوت●

(کیا) وہ شخص (جو) کفر یا جہالت یا ضلالت کے سبب (بے جان تھا) اور حیات ایمانی سے خالی تھا۔ مثلاً: سیدالشہداء حضرت حمزہ اور سیدنا فاروق اعظم، (پھر ہم نے اسکو جان دی) اسلام یا علم یا ہدایت کی وجہ سے، (اور بنا دیا اسکے لئے روشنی جس سے چلے پھرے لوگوں میں)، یعنی دیا ہم نے اُسے نور واضح دلیلوں کے سبب سے، تاکہ حق اور باطل میں تمیز کرے اور اس نور کے سبب لوگوں میں سیدھی راہ پر چلتا رہے۔ تو کیا (اسکی مثال اس) ابوجہل (کی طرح ہے، جو) کفر وطغیان کی (اندھیریوں میں ہے، کہ اس سے نکلنا) اسکی تقدیر میں (نہیں)۔۔ چنانچہ۔۔ ابوجہل اور اس جیسے لوگ کفر ہی پر مرے۔۔ الختصر۔۔ جس طرح مسلمانوں کے دلوں میں ایمان آراستہ کیا گیا، (اسی طرح بھلے) خوبصورت اچھے (دکھا دیئے گئے کافروں کو انکے کرتوت اور) ہم نے یہ بھی چھوٹ دیدی، کہ جس طرح مکے میں بڑے بڑے گنہگار اور سرکش موجود ہیں۔۔۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا فِى كُلِّ قَرْيَةٍ أَكَٰبِرَ مُجْرِمِيهَا لِيَمْكُرُوا۟ فِيهَا ۖ

اور اسی طرح بنایا ہم نے ہر آبادی میں جرائم پیشہ کے سردار، کہ دھوکہ دھڑی کرتے رہیں اس میں۔

وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲۳﴾

اور وہ داؤں نہیں کرتے، مگر خود اپنے سے، اور انھیں اس کا پتہ نہیں چلتا●

(اسی طرح بنایا ہم نے ہر آبادی میں جرائم پیشہ کے سردار)، تا (کہ دھوکہ دھڑی کرتے رہیں اس میں) اور وہاں کے لوگوں کو ایمان سے باز رکھیں۔ جس طرح رؤسائے مکہ نے چاروں راہوں پر لوگ ٹھہرا رکھے ہیں، کہ حج کے موسم میں کوئی آتا ہے اور نبی کریم کا حال پوچھتا ہے، تو کہہ دیتے ہیں کہ وہ تو شاعر اور ساحر اور کاھن ہیں۔ (اور) حقیقت یہ ہے کہ (وہ داؤں نہیں کرتے، مگر خود اپنے سے)۔ اسلئے کہ انکی داؤں بازی اور انکے مکر وفریب کا وبال انھیں پر پڑنے والا ہے۔ (اور انھیں اسکا پتہ نہیں چلتا)، یعنی وہ اتنی بات بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ، مکر کا وبال مکر کرنے والے ہی پر پڑتا ہے۔۔۔

اب رہ گیا ابوجہل اور اسکے پیروکاروں کا یہ کہنا ’کہ عبد مناف کی اولاد جو شرف رکھتی ہے، اس میں ہم بھی شریک ہیں، اب جو یہ بات کہتے ہیں کہ ہم میں ایک پیغمبر ہے کہ اسپر وحی آتی ہے، تو جب تک ہم پر بھی وحی نہ آئے ہم راضی نہ ہونگے۔‘ انکی اس بات کو قرآن کریم نے اسطرح بیان فرمایا ہے کہ۔۔۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ

اور جب آئی انکے پاس کوئی نشانی، تو بولے کہ ہم نہ مانیں گے، یہاں تک کہ خود ہم کو بلا واسطہ دیا جائے، جس طرح

اللّٰهِ ۘؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا

اللہ کے رسولوں کو دیا گیا۔۔۔ اللہ بہتر جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔ بہت جلد پہنچے گی انھیں، جنھوں نے جرم کیا،

صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

ذلت اللہ کے یہاں، اور سخت عذاب، جو داؤں کھیلتے رہے●

(اور جب آئی انکے پاس کوئی نشانی) یعنی کوئی آیت قرآن میں سے۔۔یا۔۔کوئی معجزہ نبی کی نبوت کے اثبات میں، (تو بولے کہ ہم نہ مانیں گے) اور نہیں ایمان لائینگے اس آیت پر۔۔یا۔۔معجزہ پر (یہاں تک کہ خود ہم کو بلا واسطہ دیا جائے، جس طرح اللہ) تعالیٰ (کے رسولوں کو دیا گیا)۔ یعنی وحی و کتاب ہم پر بھی نازل ہو، جیسے کہ رسولوں پر نازل ہوتی ہے۔

ولید ابن مغیرہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ’اے محمد ﷺ اگر نبوت حق ہے، تو میں تجھ سے زیادہ نبوت کا سزاوار ہوں، اسلئے کہ سن میں، تجھ سے بڑا اور مال میں زیادہ ہوں۔ اسپر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ نبوت سن اور مال سے نہیں، بلکہ فضل اور کمال سے ہے۔

اور (اللہ) تعالیٰ (بہتر جانتا ہے) اس ذاتِ ستودہ صفات کو، (جہاں اپنی رسالت رکھے)۔ ابوجہل اور ولید ابن مغیرہ جیسے مکاروں اور انکے سارے پیروکاروں کو بغور سن لینا چاہئے، کہ (بہت جلد پہنچے گی انھیں جنھوں نے) کفر وشرک کا ارتکاب کر کے (جرم کیا، ذلت) اور رسوائی (اللہ) تعالیٰ (کے یہاں) اور اسکے نزدیک، (اور سخت عذاب)، بسبب اسکے کہ (جو داؤں کھیلتے رہے) اور مسلمانوں کے ساتھ مکر کرتے رہے اور انھیں برا کہتے رہے۔ منکرو! اگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر فضل فرمایا اور انہیں ہدایت فرمائی، تو تم جلتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ اگر کسی پر فضل فرمانا چاہے، تو اسے کون روک سکتا ہے۔۔۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ

تو جسے اللہ چاہے کہ ہدایت دے، کھول دیتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کیلئے۔ اور جسے چاہے کہ

يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِؕ

اس کی گمراہی دکھاوے، تو کر دیتا ہے اس کے سینے کو تنگ بند، گویا زبردستی آسمان چڑھایا جاتا ہے۔

كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اسی طرح اللہ بنا دیتا ہے ناپاک، بے ایمانوں کو●

(تو جسے اللہ) تعالیٰ (چاہے کہ ہدایت دے) اسے طریق حق بتائے اور اُسے ایمان کی توفیق عطا فرمائے، تو (کھول دیتا ہے اسکے سینہ کو اسلام کیلئے)۔ اس میں وسعت اور کشادگی پیدا فرما دیتا ہے اور اُسے حق کو قبول کرنے کی استعداد مرحمت فرما دیتا ہے۔ (اور جسے چاہے کہ اسکی گمراہی دکھاوے) یعنی جسکی گمراہی کو ظاہر فرما دینا چاہے، تو (کر دیتا ہے اسکے سینے کو تنگ بند)۔ یعنی ایسا تنگ کہ ہر طرف سے اسکی بندش ہو جاتی ہے۔ فہم ودانش کے سارے راستے اسکے لئے مسدود ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ ایمان قبول کرنے سے حرج محسوس کرتا ہے۔ اس طرح اس کے اندر ایمان داخل نہیں ہوسکتا۔ مختصر۔ جسکے لئے اللہ تعالیٰ کفر پر رہنے دینے کا ارادہ کرتا ہے، تو اس کیلئے ایمان سے دوری اور کفر کے قرب کے اسباب تیار فرما دیتا ہے، تو ایمان لانا اسکے لئے اتنا دشوار ہو جاتا ہے، (گویا) اسے (زبردستی آسمان چڑھایا جاتا ہے)۔

یعنی ایمان لانا اسکے لئے اتنا ہی مشکل بلکہ ناممکن ہے، جس طرح آسمان پر چڑھنا مشکل اور ناممکن ہوتا ہے۔۔یا۔۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ حق بات ماننے سے بھاگتا ہے اور چاہتا ہے کہ آسمان پر چڑھ جاؤں اور بہت دور نکل جاؤں۔

جان لو کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کافروں کا دل تنگ کرتا ہے، (اسی طرح اللہ) تعالیٰ (بناد ہے) کفر کی نجاست سے (ناپاک)، عذاب یا لعنت کا مستحق (بے ایمانوں کو)۔

یعنی ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے اور توحید کی تصدیق نہیں کرتے۔۔یا یہ کہ۔۔بنا دیتا ہے بے ایمانوں کو ناپاک۔ ناپاک سے مراد عذاب۔۔یا۔۔رسوائی۔۔یا۔۔لعنت۔۔یا۔۔شیطان ہے، یعنی اسپر ان میں سے کسی کو مسلط کر دیتا ہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور یہ تمہارے پروردگار کی راہ ہے سیدھی۔ بیشک مفصل کر دیں ہم نے آیتیں سبق لینے والی قوم کیلئے●

(اور یہ) بیان جسے قرآن مجید لایا ہے (تمہارے پروردگار کی) وہی (راہ ہے) جس سے وہ راضی ہے اور یہ راہ بالکل (سیدھی) ہے اسکے لئے جو اس پر چلتا ہے، تو اُسے ٹیڑھا پن نظر نہیں آتا بلکہ یہاں تک کہ وہی راستہ اسے بہشت میں لیجاتا ہے۔ (بیشک مفصل کر دیں ہم نے آیتیں) یعنی انھیں واضح اور کھلے طور پر بیان کیا ہے، کہ اسکا ایک مضمون دوسرے سے مخلوط نہیں ہو جاتا، (سبق لینے والی قوم کیلئے) یعنی ان لوگوں کیلئے جو نصیحت پذیر ہوتے ہیں، اسلئے کہ صرف وہی اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ جو لوگ قرآنی آیات سے نفع پاتے ہیں، تو انھیں کن انعامات سے نوازا جاتا ہے؟ اسکا جواب یہ ہے، کہ۔۔۔

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

انکے لئے سلامتی کا گھر ہے انکے پروردگار کے یہاں، اور وہ انکا مددگار ہے، اجر میں اسکے جو وہ عمل کرتے تھے●

(انکے لئے سلامتی کا گھر ہے) جس سے ہر قسم کے درد، دکھ اور تکالیف دور رکھے گئے ہیں یعنی انکے لئے بہشت ہے (انکے پروردگار کے یہاں)۔۔۔یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہونگے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ آج ہم فلاں کے ہاں ہونگے، یعنی اسکی مہمانی اور کرم فرمائی سے سرشار ہونگے۔۔یا یہ کہ۔۔ایسے لوگوں کا قیامت میں اللہ تعالیٰ کفیل ہوگا۔۔۔(اور وہ انکا مددگار) یعنی مالک، محب اور دشمنوں

د فرمانے والا (ہے) (اجر میں اسکے جو وہ عمل کرتے تھے)، یعنی انکے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔
آیت مذکورہ میں مندرجہ ذیل امور کا بیان ہوا ہے۔ا۔۔ایمان کا حسن۔۲۔۔کفر کا قبح۔
۳۔۔سعادت منداور بدبخت کا انجام۔۴۔۔انبیاء واولیاء کے طریقوں پر چلنے کی ترغیب۔
۵۔۔وہ عمل صالح جوصرف رضائے الٰہی کی خاطر کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا سبب بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دارالسلام یعنی بہشت میں داخلے کا پروانہ ہے اور دارالسلام وہ قرار و اطمینان کا گھر ہے کہ جو اس میں داخل ہوگا، وہ ہر طرح کے عذاب سے مامون ومحفوظ ہو جائیگا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا ولی ہے اور انھیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لیجاتا ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ

اور اس دن جب یکجا کرے گا ان سب کو، کہ اے گروہ جن تم نے بہت اپنا لیا تھا انسانوں کو،

وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ

اور بولے انکے دوست انسان سے، کہ اے ہمارے پروردگار ہم میں سے ایک نے دوسرے سے اپنی غرض نکالی، اور پہنچ گئے

اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ

اس وقت کو، جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمادیا تھا۔ فرمان ہوا کہ "جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے"۔ ہمیشہ اس میں رہو،

اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۱۲۸

مگر جسے اللہ چاہے۔ بے شک تمہارا پروردگار حکمت والا علم والا ہے●

(اور) یاد کرو (اس دن) کو (جب یکجا کریگا) اللہ تعالیٰ جن وانس۔۔الغرض۔۔(ان سب کو)، پھر کہے گا (کہ اے گروہ جن) یعنی اے قومِ جن کے شیطانوں (تم نے بہت اپنا لیا تھا انسانوں کو) اور اغوا کر کے انھیں اپنا تابع بنالیا تھا، اس وقت خاموش نہ رہ سکے (اور بولے ان) شیاطین (کے دوست انسان سے) یعنی انسانوں میں سے جو لوگ شیطانوں کے فرمانبردار ہو گئے تھے بول پڑے، (کہ اے ہمارے پروردگار ہم میں سے ایک نے دوسرے سے اپنی غرض نکالی) یعنی شیاطین نے ہمیں نفس کی خواہشوں کی راہ بتائی، یہ ہمارا فائدہ رہا اور ہم ان شیاطین کے مطیع ومنقاد ہو گئے، تو یہ انکا فائدہ رہا۔۔المختصر۔۔ہم دونوں نے ایک دوسرے سے اپنی اپنی غرض پوری کرلی۔۔الغرض۔۔ہم گناہوں میں ایک دوسرے کے مددگار رہے۔

شیاطین ہم کو گناہ کی طرف بلاتے رہے ہیں اور ہم شیطانوں کا بلانا مانتے رہے (اور) سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ ہم (پہنچ گئے اس وقت کو جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمادیا تھا) یعنی قبر سے نکل کر ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اب آگے ہمارا کیا حال ہوگا؟۔۔۔ جواباً (فرمان ہوا کہ جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے، ہمیشہ اس میں رہو) گے۔ یعنی ہمیشہ تمھیں جہنم کی آگ میں رہنا ہے، (مگر جو اللہ تعالیٰ (چاہے) اسے جہنم کے 'طبقہء نار' سے نکال کر 'طبقہء زمہریر' یعنی ٹھنڈے طبقے میں پہنچادے ایسی ٹھنڈک میں جو ناقابل برداشت ہو۔۔ چنانچہ۔۔ وہاں بھی لوگ اسکی تکلیف کی شدت سے چیخ پڑینگے، تو اللہ تعالیٰ پھر انھیں آگ کے طبقے میں واپس کردیگا۔۔ الختصر۔۔ وہ ہر حال میں ایک عذاب سے دوسرے عذاب کی طرف منتقل ہونگے (بیشک تمہارا پروردگار حکمت والا) ہے اس بات میں جو کچھ جن اور آدمیوں کے ساتھ وہ کریگا، اور (علم والا ہے) انکے اعمال اور احوال کا، تو جس طرح چھوڑ دیتے ہیں ہم کفارِ جن وانس کو انکی مرضی پر۔۔۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾ ع ۱۵ ۸

اور اسی طرح حاکم بنادیتے ہیں ہم بعض ظالموں کو بعض پر۔۔۔ بدلہ اس کا جو کماتے تھے●

(اور) انکی طبیعت پر، (اسی طرح حاکم بنادیتے ہیں ہم بعض ظالموں کو بعض پر)، تاکہ وہ ظالم ان پر اپنی مرضی چلائیں اور ان سے اپنی طبیعت کے موافق جیسا چاہیں سلوک کریں (بدلہ اسکا جو کماتے تھے) یعنی یہ انکی بداعمالیوں کا نتیجہ ہے کہ جن گناہوں کو انھوں نے کمایا، اب انکا بدلہ بھی حاصل کرلیں۔ ۔۔ الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کبھی ظالموں اور بدکرداروں کو ظالموں ہی کے ذریعہ نیست و نابود کر دیتا ہے، اور کبھی اپنے دوستوں کے ذریعہ ظالموں کا صفایا کرادیتا ہے۔ یہ سب کچھ فرمانے کے بعد حق تعالیٰ ملامت کرنے کی راہ سے دوبارہ خطاب فرماتا ہے۔۔ کہ۔۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اے جن وانسان کے گروہ، کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے؟ بتاتے تم کو ہماری

اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا

آیتیں، اور ڈراتے تم کو آج کے دن ملنے سے۔ بولے، کہ "ہم اپنے خلاف خود گواہ ہیں"،

وَغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا وَشَهِدُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ اَنَّهُمۡ كَانُوۡا كٰفِرِيۡنَ ﴿۱۳۰﴾

اور دھوکا دے دیا تھا ان کو دنیاوی زندگی نے، اور گواہی اپنے اوپر دینی پڑی، کہ بے شک وہ کافر تھے●

(اے جن وانسان کے گروہ، کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے)؟ اگر چہ پیغمبر آدمیوں کے سوا اور کسی جنس میں نہیں ہوئے، مگر چونکہ انسانوں کو جنوں کے ساتھ حق تعالیٰ نے اس جگہ جمع کیا ہے، اسلئے یہ خطاب صحیح اور درست ہے۔ یہاں جنوں کے مبلغین اور منذرین کو بھی تغلیباً رسول کہہ دیا گیا ہے، جو خود اللہ تعالیٰ کے رسول تو نہیں ہوتے تھے، مگر خود اللہ تعالیٰ کے رسول کے رسول، یعنی اپنے عہد کے رسولِ انس کے پیغام کو اپنی قوم تک پہنچانے والے ہوتے تھے۔ اور انھیں عذاب الٰہی سے ڈرانے والے ہوتے تھے۔۔۔

تو اے انسانو! اور جنو! بولو تمہارے پاس کوئی ایسا نہیں آیا، جو (بتاتے تم کو ہماری آیتیں) یعنی ہماری کتاب، (اور ڈراتے تم کو آج کے دن ملنے سے) یعنی قیامت کے دن سے؟ اس پر وہ (بولے کہ ہم اپنے خلاف خود گواہ ہیں)، یعنی ہم اقراری مجرم ہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ ہم کافر تھے اور ہم عذاب کے لائق ہیں۔ (اور) حال یہ ہے کہ (دھوکا دیدیا تھا انکو دنیاوی زندگی نے)، تو انھیں اعتراف حق کرنا پڑا (اور گواہی) خود (اپنے اوپر دینی پڑی، کہ بیشک وہ کافر تھے)۔۔الحاصل۔۔دنیا کی زندگی سے وہ فریب کھا گئے اور سمجھا کہ ہمیشہ یہیں رہنا ہے، یہاں تک کہ بعث ونشر سب بھول گئے اور پھر جب میدان حشر میں آئے، تو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے۔ لوگو! ان رسولوں کو مبعوث کرنا۔۔۔

ذٰلِكَ اَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ رَّبُّكَ مُهۡلِكَ الۡقُرٰى بِظُلۡمٍ وَّاَهۡلُهَا غٰفِلُوۡنَ ﴿۱۳۱﴾

یہ یوں کہ تمہارا پروردگار، نہیں ہے آبادیوں کو اجاڑنے والا ظلم سے، جبکہ اسکے بسنے والے بے خبر ہیں●

(یہ یوں) ہے، یعنی اسلئے ہے، (کہ تمہارا پروردگار نہیں ہے آبادیوں کو اجاڑنے والا ظلم سے)، یعنی بسبب اس ظلم کے جو وہ کرتے ہیں، حق تعالیٰ شہروں اور دیہات کے رہنے والوں کو ہلاک نہیں کرتا (جبکہ اسکے بسنے والے بے خبر ہیں) اور کوئی پیغمبر انکے پاس نہ آیا ہو، اور انھیں خدا اور قیامت کی خبر نہ دی ہو۔۔الغرض۔۔کسی قوم کا بالکلیہ استیصال نہیں ہوتا، مگر پہلے وعید بھیج کر۔ اگر ایسا نہ ہو، تو کافروں کو یہ کہنے کی گنجائش مل جاتی کہ' کیوں نہیں رسول بھیجا تو نے ہماری طرف کہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی'۔ جاننا چاہیئے کہ مکلفین' خواہ وہ جنات ہوں، یا انسان، مومن ہوں یا کافر' ان میں۔۔۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾

ہرایک کا درجہ ہے جیسا عمل کیا۔ اور نہیں ہے تمہارا پروردگار غافل، جو وہ کرتے ہیں●

(ہرایک کا درجہ ہے جیسا عمل کیا)۔۔چنانچہ۔۔اعمال صالحہ کی وجہ سے نیکوں کو بہشت کے درجات نصیب ہونگے اور مشرکوں کو جہنم میں درکات نصیب ہونگے، جوایک دوسرے سے عذاب میں سخت تر ہیں (اور نہیں ہے تمہارا پروردگار غافل جو وہ کرتے ہیں) یعنی تیرا رب انکے اعمال سے غافل نہیں ہے، کہ اس پر انکے اعمال مخفی ہوں، نیکی ہو۔۔یا۔۔برائی۔تو ہرایک کو اسکے عمل پر جزا ۔۔یا۔۔سزا دیگا۔۔۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ

اور تمہارا پالنے والا بے پرواہ رحمت والا ہے۔ اگر چاہے تم لوگوں کو ہٹادے، اور تمہاری جگہ تمہارے بعد

مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾

جسے چاہے لائے، جس طرح تم کو پیدا فرمادیا دوسرے لوگوں کی نسل سے●

سنو(اور) یادرکھو! کہ (تمہارا پالنے والا) تمہاری عبادتوں سے (بے پرواہ) ہے۔وہ کسی کی عبادت کا محتاج نہیں، مگر انسان محتاج ہے کہ اسکی عبادت کرکے اور اسکے احکام کی اطاعت کرکے اپنی نجات کا سامان فراہم کرے، اور خود کو بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونے کے لائق بناسکے۔۔المختصر۔۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور (رحمت والا ہے) ان پر۔اور عبادت کی تکلیف دینا، ان ہی کی تکمیل کے واسطے ہے۔اس رب غنی اور خداوند کریم کی شان یہ ہے، کہ (اگر چاہے)، تو (تم لوگوں کو ہٹادے)، یعنی تم لوگوں کو لیجائے اور تم کو تباہ و ہلاک اور برباد کرڈالے۔ (اور) پھر (تمہاری جگہ تمہارے بعد جسے چاہے لائے)، یعنی ایسی مخلوق پیدا کردے جو بہ نسبت تمہارے اللہ تعالیٰ کی زیادہ مطیع ہو، (جس طرح تم کو پیدا فرمادیا دوسرے لوگوں کی نسل سے)، یعنی تمہیں ایسی قوم سے پیدا فرمایا جو تمہاری طرح نہ تھی، گو وہ تمہارے ہی آباواجداد تھے۔تو اگر ان نوح علیہ السلام کی کشتی والوں کو ہم نے نہ بچایا ہوتا، تو تمہارا وجود بھی نہ ہوتا۔تو سن لو اے مکہ والو!

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾

بے شک جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے اسے آنا ہے۔ اور تم کو بچنا نہیں ہے●

(بیشک جس) روزِ قیامت (کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، اسے) یقیناً (آنا ہے)۔ اسکے واقع ہونے میں کسی قسم کا خلاف نہیں (اور تم کو بچنا نہیں ہے)۔ یعنی کسی صورت میں تم بچ نہیں سکتے اگر چہ کتنا ہی جدوجہد کر کے دور بھاگو۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

کہدو، کہ "اے لوگو تم کام کیے جاؤ اپنی جگہ پر، میں اپنا کام کر رہا ہوں۔ تو جلد جان لوگے،

مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کہ جنت کی عاقبت کس کی ہوئی"۔ بے شک انجام بخیر نہ ہوں گے ظالم لوگ●

اے محبوب اہل مکہ سے (کہہ دو، کہ اے لوگوں تم کام کیے جاؤ اپنی جگہ پر) یعنی اپنی قوت و طاقت کو آزمالو، اور جتنی جدوجہد ہو سکتی ہے کرلو، اور اپنے کفر و عداوت پر ڈٹے رہو، اور (میں اپنا کام کر رہا ہوں) یعنی صبر و شکر کے ساتھ اعمالِ صالحہ انجام دیتا ہوں اور اسپر ثابت قدم ہوں۔۔ نیز۔۔ ان پر مداومت کرتا ہوں۔

مذکورہ بالا آیت میں امر، تہدیدی امر اور استعارہ کے قبیل سے ہے۔ یعنی کفار کے شر کو مامور بہ سے تشبیہ دی ہے اور واضح کیا ہے یہ ہو کر رہے گا، اسلئے کہ یہ انکی جبلی اور فطری عادت تھی۔

تو اپنی من مانی کرنے والو! کرتے رہو، ایک وقت آئیگا (تو جلد جان لوگے)۔ یعنی تمہیں سمجھنے میں دیر نہ لگے گی اور عنقریب تمہیں معلوم ہو جائیگا، کہ (جنت کی عاقبت کس کی ہوئی)۔ یعنی محمود اور اچھی عاقبت کس کو میسر ہوئی۔ یاد رکھو کہ (بیشک انجام بخیر نہ ہونگے) مکہ کے اور ان جیسے (ظالم لوگ)، یعنی کفار اپنی مراد کے حصول میں کامیاب نہیں ہونگے۔۔ المختصر۔۔ قیامت میں تمہیں معلوم ہوگا کہ دنیا کدھر گئی اور آج فلاح کسے نصیب ہوئی۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ ضعیفوں، کمزوروں اور درویشوں کو کرامت و شرافت نصیب ہوگی، انھیں بہشت کے محلوں میں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ لے جائینگے اور دنیا دار سرکشوں کو ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کو لے جائینگے۔

عرب کے جن مشرکین کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ عجیب و غریب ذہن و فکر والے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ انکا طریقہ تھا اپنی کھیتیوں میں ایک خط کھینچتے اور آدھے میں خدا کے واسطے اور

آدھے میں بتوں کیلئے نشان کردیتے۔ اور اسی طرح چوپایوں کی بھی تقسیم کردیتے۔ بعضے اللہ کے واسطے، بعضے بتوں کے واسطے۔ جو خدا کا حصہ مقرر ہوتا، وہ مہمانوں اور فقیروں کو دیتے اور جو بتوں کے نام کا مقرر کرتے، وہ بتخانوں کے خادموں کو بانٹ دیتے۔ پھر اگر خدا کا حصہ بہتر ہوتا، تو اسے اپنے معبودوں کے حصے سے بدل دیتے، اور اگر انکے معبودوں کا حصہ اچھا ہوتا، تو اُسے اپنے حال پر چھوڑتے۔ اور اگر خدا کے حصے سے کچھ بتوں کے حصے میں پڑ جاتا، تو اُسے نہ نکالتے اور کہتے کہ خدا غنی ہے، اسکی احتیاج نہیں رکھتا اور بتوں کے حصے میں سے کچھ خدا کے حصے میں اگر مل جاتا، تو نکال کر پھر بتوں کے حصے میں ملا دیتے اور کہتے کہ بت تو فقیر اور محتاج ہیں۔ حق تعالیٰ انکے اس حال سے خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ ان مشرکین عرب نے اپنی خام خیالی کا عجب مظاہرہ کیا۔۔۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ

اور کردیا اللہ کیلئے جو اس نے پیدا فرمایا کھیتی اور مویشی سے ایک حصہ، تو کہنے لگے کہ یہ اللہ کا ہے

بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ

ان کے نزدیک، اور یہ ہمارے بتوں کیلئے ہے۔ تو جو بتوں کا ہے نہیں پہنچتا اللہ کو۔

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

اور جو اللہ کا ہے تو وہ پہنچ جاتا ہے بتوں کو۔ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں●

(اور) مقرر (کردیا اللہ) تعالیٰ (کیلئے) اس میں سے (جو اس) خالق کائنات (نے) خود (پیدا فرمایا)۔ یعنی اپنی اپنی (کھیتی اور) اپنے اپنے (مویشی سے ایک حصہ) اور بتوں کے واسطے ایک حصہ۔ (تو کہنے لگے کہ یہ اللہ) تعالیٰ (کا ہے ان) کے گمان فاسد اور دعویٰ باطل (کے نزدیک، اور یہ) دوسرا حصہ (ہمارے بتوں کیلئے ہے) یعنی انکے لئے ہے جن کو ہم نے خدا کا شریک ٹھہرایا۔ (تو) وہ حصہ (جو) انکے زعم باطل میں انکے (بتوں کا ہے، نہیں پہنچتا اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی اس میں خدا کا حق نہیں بنتا۔۔ چنانچہ۔۔ اس میں کچھ تصرف نہیں کرتے کہ اس میں سے کچھ نکال کر خدا کے حصے میں ڈال دیں۔ اس کے برخلاف انکے نزدیک اس میں حق (اور) حصہ (جو اللہ) تعالیٰ (کا ہے، تو وہ پہنچ جاتا ہے بتوں کو)۔ غور کرو کہ بہتر چیز کو خدا کے حصے سے نکال کر بتوں کیلئے نامزد کردینے کا جو وہ فیصلہ

کرتے ہیں، تو (کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں)۔۔الختصر۔۔بتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے زائد محبت کرتے ہیں، جسکا انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں۔ظاہر ہے یہ عمل وہ لوگ صرف اپنے بتوں سے محبت کی وجہ سے کرتے تھے۔ان مشرکین کے ظلم وزیادتی کا عالم یہ تھا کہ جس طرح شیاطین نے اُس مذکورہ تقسیم کو انکے نزدیک پسندیدہ بنادیا ہے۔۔۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ

اور اسی طرح اچھا لگادیا بہتیرے مشرکین کو انکے معبودوں نے اپنی اپنی اولاد کو قتل کر ڈالنا،

لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ

تاکہ ان کو ہلاک کردیں اور ان پر انکے دین کو مشتبہ کردیں۔ اور اگر اللہ چاہتا، تو وہ یہ نہ کرتے۔

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾

تو ان کو اور ان کے افتراؤں کو چھوڑو●

(اور) انکو اس میں اچھائی نظر آنے لگی ہے۔(اسی طرح اچھا لگادیا) اور خوبصورت محسوس کرادیا (بہتیرے مشرکین کو انکے معبودوں) کے دوستوں نے، جو شیاطین جن میں سے ہیں۔۔یا۔۔ ان بتوں کے خادموں (نے، اپنی اپنی اولاد کو قتل کر ڈالنا) فقر کے خوف سے۔۔یا۔۔اس خیال سے کہ ہم کیوں داماد بنا کر اپنا ہمسر بنائیں۔۔یا۔۔اس خوف سے کہیں کوئی ان کو بچپنے میں اغواء کر کے قیدی نہ بنالے۔شیاطین جن۔۔یا۔۔شیاطین انس کے یہ سارے وسوسے صرف اسلئے تھے (تاکہ ان کو ہلاک کردیں) اور گمراہ کردیں (اور ان پر انکے دین کو مشتبہ کردیں)۔۔نیز۔۔انھیں دین اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر نئے دین پر چلادیں اور پھر انھیں معلوم نہ ہوسکے، کہ وہ کس دین پر ہیں؟۔۔الختصر۔۔ کھیتیوں اور مویشیوں کی مذکورہ تقسیم ہو۔۔یا۔۔قتل اولاد کے تعلق سے ان مشرکین کے احکام اور افعال، دونوں ہی لغو اور باطل ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

(اور اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا، تو وہ یہ نہ کرتے)۔یعنی شیطانوں کے وسوسہ سے بچوں کو قتل نہ کرتے۔اے محبوب! جب انکا یہ فعل مشیت الٰہی پر موقوف ہے، (تو انکو اور انکے افتراؤں کو چھوڑو) جو وہ یہ کہتے ہیں کہ بچیوں کا زندہ دفنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، حالانکہ یہ انکا صریح جھوٹ ہے اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ انھیں تباہ وبرباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن انھیں کچھ نہیں کہتا، تو آپ

بھی انھیں انکے حال پر چھوڑ دیجئے، اسلئے کہ انکے لئے حساب کا ایک وقت مقرر کیا گیا ہے، اس وقت ان سے پورا پورا حساب لیا جائیگا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ وہ اپنے امور میں ہزاروں حکمتیں رکھتا ہے۔ ان مشرکین نے اپنے دیگر باطل اور جاہلانہ خیالات کو ظاہر کیا۔۔۔

وَقَالُوا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ

اور بولے کہ یہ مویشیاں اور کھیتی اچھوتی ہیں۔ نہیں کھائیگا ان کو مگر جسے ہم چاہیں، اپنے خیال میں،

وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً

اور کچھ مویشیاں ہیں جن کی سواری حرام ہے، اور کچھ مویشی ہیں کہ جنکے ذبح ہونے پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔ اللہ پر یہ سب افتراء۔

عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾

بہت جلد بدلہ دے گا اللہ، جو افتراء باندھتے تھے●

(اور بولے کہ یہ مویشیاں اور کھیتی) جو ہمارے بتوں کا حصہ ہیں (اچھوتی ہیں)، یعنی نرالی حرمت رکھنے والی ہیں۔۔لہٰذا۔۔(نہیں کھائے گا ان کو مگر جسے ہم چاہیں)، یعنی بت خانوں کے خدام اور مَردوں کے سوا اسکو کوئی کھا نہیں سکتا اور اسکا کھانا عورتوں پر حرام ہے ان مشرکین کے (اپنے خیال میں، اور) یونہی (کچھ مویشیاں ہیں) یعنی بحائر، سوائب اور حوامی (جن کی سواری حرام ہے اور) ایسے ہی (کچھ مویشی ہیں کہ جن کے ذبح ہونے پر اللہ) تعالیٰ (کا نام نہیں لیتے) تھے، بلکہ ان کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے، اور دعویٰ یہ کرتے تھے کہ یہی خدا نے فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (پر یہ سب) کچھ انکا (افتراء) ہے۔ وہ کس خیال میں ہیں؟ (بہت جلد بدلہ دیگا اللہ) تعالیٰ انکو اس پر، (جو) اللہ تعالیٰ پر (افتراء باندھتے تھے)۔ ایسے ہی انکے احکام باطلہ میں سے یہ بھی ہے۔۔۔

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى

اور بولے کہ ان مویشیوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے صرف مردوں کا ہے، اور عورتوں پر

اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ

حرام ہے۔ اور اگر مرا ہوا پیدا ہو، اس میں سب برابر کے شریک ہیں۔ بہت جلد بدلہ دیگا اللہ انکے اس من گڑھت کا۔

اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

بیشک وہ حکمت والا علم والا ہے ●

(اور) یہ بھی انکی جہالت ہے، کہ (بولے کہ ان مویشیوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے صرف مَردوں کا ہے) یعنی بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ میں جو بچہ ہے، صرف مردوں کیلئے پاک اور حلال ہے (اور عورتوں پر حرام ہے) اگر زندہ پیدا ہو۔ (اور اگر مرا ہوا پیدا ہو)، تو (اس) کے کھانے (میں سب برابر کے شریک ہیں)۔ تو وہ کس گمان میں ہیں؟ (بہت جلد بدلہ دیگا اللہ) تعالیٰ (انکے اس من گھڑت کا) حرام وحلال کے تعلق سے، جسے انھوں نے خود ہی گڑھ لیا ہے۔ (بیشک وہ حکمت والا) ہے حلال و حرام کردینے میں، اور (علم والا ہے)۔ وہ بخوبی جانتا ہے بندوں کی مصلحتیں حلال اور حرام ہونے میں۔ نافرمانی کرنے والے کبھی فائدہ میں نہیں رہتے۔۔ چنانچہ۔۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا

بیشک گھاٹے میں پڑ گئے جنھوں نے مار ڈالا اپنی اولاد کو بے وقوفی میں نادانی سے، اور حرام قرار دے دیا جو

رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۚ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع ۱۶

اللہ نے انھیں روزی دی، اللہ پر بہتان لگاتے ہوئے۔ بیشک وہ گمراہ ہوگئے اور نہیں ہیں راہ پر ●

(بیشک گھاٹے میں پڑ گئے) ربیعہ، مضر اور دوسرے بعض اہل عرب، (جنھوں نے مار ڈالا اپنی اولاد کو بے وقوفی میں نادانی سے)، یہاں تک کہ قبر میں زندہ دفن کردیا، اس خیال سے کہ کہیں ایسا نہ ہو، کہ یہ عرب کے لوٹ مار کرنے والوں کے ہاتھ نہ لگ جائیں، جو انھیں اغوا کر کے قیدی بنالیں گے۔ یا۔ اس خیال سے کہ اگر یہ لڑکیاں بڑی ہوگئیں، تو انکے لئے جہیز اور شادی کے دوسرے اسباب کا بوجھ اٹھانا پڑیگا، وغیرہ وغیرہ۔۔۔ (اور) قتل اولاد کے ساتھ ساتھ، خواہ مخواہ کیلئے، (حرام قرار دیدیا) بحائر، سوائب وغیرہ کو، (جو اللہ) تعالیٰ (نے انھیں روزی دی، اللہ) تعالیٰ (پر بہتان لگاتے ہوئے) کہ خدا نے انھیں حرام فرمایا ہے۔ تو (بیشک وہ گمراہ ہوگئے) اور راہِ ضلالت میں کھو گئے (اور نہیں ہیں راہ) حق (پر) آنے والے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار کو سرزنش کی تھی جو شرک کرتے تھے۔ اسکے بعد اب پھر اصل کی طرف متوجہ کیا اور وجود باری اور توحید پر دلائل دیئے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا کہ۔۔

وَهُوَ الَّذِیٓ اَنۡشَاَ جَنّٰتٍ مَّعۡرُوۡشٰتٍ وَّغَیۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ وَّالنَّخۡلَ

اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا باغ، چھائی بیلیں، اور بے چھائے درخت۔ اور کھجور

وَالزَّرۡعَ مُخۡتَلِفًا اُکُلُهٗ وَالزَّیۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیۡرَ مُتَشَابِهٍ

اور کھیتی جدا جدا کھانے۔ اور زیتون اور انار، ملتے جلتے اور بے میل والے۔

کُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثۡمَرَ وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ یَوۡمَ حَصَادِهٖ

تم لوگ اس کا پھل کھاؤ جب سے پھلنے لگے، اور اسکی زکوٰۃ کو دو کٹائی کے دن۔

وَلَا تُسۡرِفُوۡا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾

اور بے محل خرچ نہ کرو۔ بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا بے محل خرچ کرنے والوں کو●

(اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا باغ) انگور کے، (چھائی بیلیں) ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئیں (اور بے چھائے درخت) زمین پر پڑے ہوئے۔۔یا۔۔ مَعۡرُوۡشٰتٍ سے مراد وہ ہیں، جو لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے بٹھلائے ہوں اور غَیۡرَ مَعۡرُوۡشٰتٍ سے مراد وہ ہیں، جو پہاڑ اور جنگل میں خود اُگے ہوں (اور کھجور) کا درخت (اور کھیتی)، یعنی وہ کھیت جس میں دانے پیدا ہوں۔ حال یہ ہے کہ (جدا جدا کھانے) والے پھل، جن کی ہیئت اور کیفیت ایک جیسی نہیں۔۔یا یہ کہ۔۔اپنی حالت اور ذائقے میں ایک جیسے نہیں۔۔چنانچہ۔۔بعض بہت شیریں، بعض بہت ترش اور بعض کھٹ مٹھے۔۔یونہی۔۔بعض اچھے اور بعض خراب، وغیرہ۔ (اور زیتون) کا درخت (اور انار) کا پیڑ۔ حال یہ ہے کہ (ملتے جلتے) ہیں بعض بعض سے اپنی پتیوں کے لحاظ سے، (اور) یہ (بے میل والے) بھی ہیں اپنے ذائقے کے لحاظ سے۔۔الختصر۔۔مثلاً: انار کے سارے درختوں کی پتیاں ایک جیسی ہیں، مگر ہر درخت کے پھل کا ذائقہ الگ الگ ہے۔ یہی حال سارے میووں کے درختوں کا ہے۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے تمہارے ہی لئے پیدا فرمایا ہے، تو (تم لوگ اسکا پھل کھاؤ جب سے پھلنے لگے)۔۔الحاصل۔۔اسکا پھل کھاؤ اگرچہ کچا ہی کیوں نہ ہو (اور اسکی زکوٰۃ کو دو کٹائی کے دن)، یعنی جس دن فصل کی کٹائی ہو، تو اسکی زکوٰۃ میں دسواں۔۔یا۔۔بیسواں، جو تم پر لازم ہو نکال کر زکوٰۃ کے مستحقین کو دیدو۔

یہ تفسیر بقول انکے ہے، جو آیت کریمہ کو مدنی قرار دے رہے ہیں۔ یہی حضرت مترجم قدس سرہ کے نزدیک راجح ہے۔ رہ گیے وہ لوگ جن کے نزدیک یہ آیت مکی ہے، تو یہاں صدقہ مراد ہے، زکوۃ مفروضہ نہیں۔ اس سلسلے میں یہی مشہور بھی ہے۔ صدقہ وخیرات کرنے میں اس بات کا خیال رہے، کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے جذبہء خیر کی نقل نہ کرو، جن کی ملک میں پانچ سو کے قریب خرمے کے درخت تھے، انھوں نے اس سے خرمے توڑے اور تصدق کردیئے، کچھ باقی نہ رکھے۔۔۔

تو تم ایسا نہ کرو، یعنی جو کچھ ہے اُسے ایک ہی بار تصدق نہ کردو، کہ تم خود محتاج ہوجاؤ۔ (اور) یہ بھی خیال رکھو کہ (بے محل خرچ نہ کرو۔ بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا بے محل خرچ کرنے والوں کو)۔ یعنی انکے اس طرزِ عمل کو پسند نہیں فرماتا۔

ذہن نشین رہے کہ ہر وہ خرچ بے محل اور نتیجہ کے لحاظ سے اسراف جیسا بیجا خرچ ہے، جو فی سبیل اللہ اور خدا کی رضا کیلئے نہ ہو، بلکہ صرف اور صرف حظ نفس کیلئے ہو، ایسا کہ آخرت میں کسی اجر وثواب کا مستحق نہ قرار پاتا ہو، خواہ وہ ایک تل کا دانہ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن جو کچھ خدا کے واسطے دے اور فی سبیل اللہ رضائے الٰہی کیلئے خرچ کرے، وہ اسراف نہیں، اگرچہ ہزار خزانے ہوں۔۔ بیشک۔۔

لَا خَیْرَ فِی الْاَسْرَافِ۔۔ فضول خرچی میں کوئی بھلائی نہیں۔۔

۔۔۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے، کہ۔۔

لَا اَسْرَافَ فِی الْخَیْرِ۔۔ نیکیوں کے کام میں کتنا بھی خرچ کرو فضول خرچی نہیں۔

۔۔۔ آؤ اور اللہ کی قدرت اور اسکی مزید کرم فرمائیاں دیکھو۔ بیشک اللہ تعالیٰ وہی ہے جس نے ہمارے فائدے۔۔۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا

اور مویشی میں بعض بار برداری والے ہیں، اور بعض چھوٹے کمزور، تم لوگ کھاؤ جو روزی دیدی تم کو اللہ نے، اور مت چلو

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۴۲﴾

قدموں پر شیطان کے۔ بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے●

(اور) نفع کیلئے پیدا فرمایا (مویشی) کو جن (میں بعض بار برداری والے ہیں) جیسے اونٹ بیل وغیرہ (اور بعض) انکے اعتبار سے (چھوٹے کمزور)، جیسے بکرا وغیرہ جنھیں ذبح کرنے کیلئے زمین پر بآسانی پچھاڑا جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ حمولۃ بڑے چار پائے ہیں اور فرش چھوٹے، کہ چھوٹے ہونے کی وجہ سے زمین کے قریب قریب ہیں فرش کی طرح۔ لوگو! یہ جانور خدا نے تم کو اپنے فضل سے عطا فرمائے ہیں اور انکا کھانا تمہارے لئے حلال فرمادیا ہے، تو (تم لوگ) بے دھڑک (کھاؤ جو روزی دیدی تم کو اللہ) تعالیٰ (نے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے) اور اسکے کہے سے حلال کو حرام نہ کرلو۔ (بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)۔ انسانوں سے جس کی دشمنی اظہر من الشمس اور دائمی ہے، وہ کبھی تمہارا دوست نہیں ہوسکتا۔

۔۔الحاصل۔۔ درخت یا کھیت ہوں یا مویشی، سب کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے منافع اور فوائد کیلئے پیدا کیا، تو اسکو چاہئے کہ ان سے نفع حاصل کرے اور شیطان کے بہکاوے میں نہ آئے۔ مشرکین عرب نے مویشیوں میں سے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام بنا رکھے تھے، اور عام لوگوں کیلئے ان پر سواری کرنا، بوجھ لادنا اور انکو کھانا اور انکا دودھ پینا حرام کردیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے رسول مکرم ﷺ' آپ ان سے پوچھئے، کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے دو نر حرام کئے ہیں، تو اگر اللہ تعالیٰ نے نر کی صنف حرام کردی ہے، تو تم نر جانور کیوں کھاتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے مادہ کی صنف حرام کردی ہے، تو تم مادہ کیوں کھاتے ہو۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے دونوں حرام کردیئے ہیں، تو پھر تم نر اور مادہ دونوں کو کیوں کھاتے ہو؟

اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے کسی صنف کو حرام نہیں کیا۔ یہ تحریم کے دعویٰ میں محض جھوٹے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس انکار کو مزید مؤکد کرنے کیلئے فرمایا، کہ کیا تم اس وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر تھے، جب اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حرام کرنے کی وصیت فرمائی تھی؟ سو یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے۔ اور اگر تم سچے ہو، تو بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے کس نبی کی کتاب میں ان جانوروں کی تحریم نازل کی تھی۔۔یا۔۔ کس نبی پر وحی آئی تھی؟ اگر تمہارے پاس کوئی نقل ہو، تو پیش کرو۔

مذکورہ بالا توضیح خلاصہ وحاصل ہے اس گفتگو کا، جو عوف بن مالک اور آنحضرت ﷺ کے درمیان ہوئی۔

۔۔چنانچہ۔۔ جب عوف نے آپ کی بارگاہ میں آکر یہ کہا، کہ اے محمدﷺ جو کچھ ہمارے باپ دادا نے حرام کیا تھا، وہ تو نے حلال کرلیا۔آپ نے فرمایا تمہارے باپ دادا کے حرام کرنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی۔اسپر عوف بولا وہ خدا نے حرام کیا ہے۔اسپر ارشادِ الٰہی ہوا، کہ اے محبوب! ان سے معلوم کرو کہ اللہ تعالٰی نے چوپایوں میں سے پیدا کیے۔۔۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ

آٹھ نرمادے، بھیڑ سے نرومادہ دو، اور بکری سے نرومادہ دو، پوچھو کہ کیا دونوں نرکو

حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ

حرام کیا، یا دونوں مادہ کو، یا اس کو جو دونوں مادہ کے پیٹ میں ہے؟

نَبِّـُٔوْنِىْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

بتا تو دو مجھے کسی علم سے بھی اگر سچے ہو●

(آٹھ) جوڑے (نرمادے) ملاکر۔

جوڑا اُسے کہتے ہیں جو اپنی جنس سے جفتی کرے، تو نر مادہ کا جوڑا، اور مادہ نر کا جوڑا۔ یہاں مراد یہی ہے۔اگرچہ دونوں کو بھی جوڑا کہتے ہیں مگر یہاں مراد نہیں۔

(بھیڑ سے نرومادہ دو، اور بکری سے نرومادہ دو)۔کل چار جوڑے ہوگئے۔تو ان سے (پوچھو کہ کیا دونوں نر کو حرام کیا، یا دونوں مادہ کو) یعنی تم سائبہ، بحیرہ، وصیلہ اور حام کو جو حرام کہتے ہو، تو بتاؤ یہ نر ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔۔یا۔۔مادہ ہونے کی وجہ سے۔۔۔

اس پر عوف خاموش رہا۔ پھر آنحضرتﷺ نے فرمایا کہ اگر تم کہتے ہو کہ نر ہونے کے سبب تحریم ہے، تو سب نر حرام ہونا چاہئے اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے تحریم ہے، تو سب مادائیں حرام ہونی چاہئیں۔

(یا اسکو جو دونوں مادہ کے پیٹ میں ہے) یعنی اگر تحریم اس وجہ سے ہے کہ رحم میں دونوں نر اور مادہ رہے ہیں، تو چاہئے کہ سب حرام ہوجائے، کیونکہ سب ہی مادہ کے پیٹ میں رہ چکے ہیں۔(بتا تو دو مجھے کسی علم سے بھی) جو اس بات پر دلالت کرے کہ خدا نے انکو حرام کیا ہے، (اگر) تم اس بات میں (سچے ہو) کہ انکو حرام کرنے کا حکم خدا کی طرف سے آیا ہے۔چار جوڑے تو وہ جو اوپر مذکور ہوئے۔۔۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ

اور اونٹ سے نر و مادہ دو، اور گائے سے نر و مادہ دو۔ پوچھو کہ دونوں نر کو حرام کیا،

الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ

یا دونوں مادہ کو، یا اس کو جسے دونوں مادہ کا پیٹ رکھے ہے؟ یا تم حاضر تھے،

اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا

جب حکم دیا تھا تم کو اللہ نے اس کا۔ تو اس سے زیادہ ظالم کون؟ جس نے من گڑھت باندھا اللہ پر جھوٹ۔

لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع

تا کہ گمراہ کر دے لوگوں کو بے علمی سے۔ بے شک اللہ، نہیں راہ دیتا ظالم قوم کو●

(اور اونٹ سے نر و مادہ دو اور گائے سے نر و مادہ دو)، تو یہ بھی چار جوڑے ہوئے، جو اوپر ذکر کردہ جوڑوں سے مل کر آٹھ ہو گئے، تو انکے تعلق سے بھی (پوچھو کہ دونوں نر کو حرام کیا، یا دونوں مادہ کو، یا اسکو جسے دونوں مادہ کا پیٹ رکھے ہے)۔ یہاں بھی اگر تحریم کا سبب نر ہونا ہے، تو سارے نر کو حرام ہونا چاہئے۔ ایسے ہی اگر تحریم کا سبب مادہ ہونا ہے، تو پھر سب مادائیں حرام ہو جانی چاہئیں۔ یونہی اگر تحریم کا سبب مادہ کے شکم میں رہنا ہے، پھر تو سارے نر و مادہ کو حرام قرار دیدو۔ رہ گیا تمہارا یہ دعویٰ کہ حرمت کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا، تو کیا یہ کسی غیر محرف آسمانی کتاب میں مذکور ہے؟ (یا تم حاضر تھے) اور مشاہدہ کرنے والے تھے اس وقت (جب حکم دیا تھا تم کو اللہ) تعالیٰ (نے اس) کی حرمت (کا)۔

عوف مسلسل خاموش رہا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا عوف! تو بولتا کیوں نہیں، تو اس نے کہا کہ آپ ہی کچھ فرمائیں، تا کہ میں سنوں۔ تو آپ نے اسکے سامنے یہ آیت پڑھی۔۔۔

(تو اس سے زیادہ ظالم کون، جس نے من گھڑت باندھا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ) اسکی طرف تحریم اور تحلیل کو منسوب کر کے (تا کہ) اپنی اس خود ساختہ گڑھی ہوئی بات سے (گمراہ کر دے لوگوں کو) انکی (بے علمی) کے سبب (سے)۔۔ یا۔ خود اپنی لاعلمی و جہالت کے سبب سے۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں راہ دیتا ظالم قوم کو)۔ یعنی جو دین جاہلیت پر مضبوط ہیں اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت نہیں فرماتا۔

مشرکوں نے جب یہ آیت سنی، تو بولے کہ سب چار پائے حلال ہو گئے، پھر حرام کون سے جانور ہیں۔ اس پر ارشاد ہوا کہ اے محبوب!۔۔۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ

کہدو کہ میں نہیں پاتا اس میں جو وحی بھیجی گئی ہے مجھ پر، کسی کھانے والے پر کوئی غذا حرام، مگر یہ کہ وہ

مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ

مردار ہو، یا بہتا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو، کہ یہ تو نجاست ہے، یا نافرمانی کا جانور، کہ ذبح کیا گیا اللہ کے سوا دوسرے

اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿١٤٥﴾

کے نام پر۔ پھر کوئی بے قابو ہوگیا، نہ تو خواہشمند ہے اور نہ حاجت سے زیادہ لینے والا، تو بیشک تمہارا پروردگار غفور رحیم ہے●

(کہدو کہ میں نہیں پاتا اس میں جو وحی بھیجی گئی ہے مجھ پر کسی کھانے والے پر کوئی غذا حرام، مگر یہ، کہ وہ مردار ہو۔۔یا۔۔بہتا خون ہو)۔

اس سے وہ خون مراد ہے جو ذبح کے وقت مذبوح کی رگوں سے بہے۔۔یا۔۔زندگی میں اسکے بدن کے کسی حصے سے نکلے۔کلیجی اور تلی اس میں داخل نہیں۔

(یا سور کا گوشت ہو) اور جو کچھ اس میں سے آدمی کھا سکے، کیوں (کہ یہ تو نجاست ہے) اور وہ بھی نجس العین، کہ جسکے کسی بھی حصہ سے نجاست دور ہی نہ ہو سکے۔ (یا) حکم الٰہی کو نظر انداز کر کے نافرمانی کا) مارا ہوا (جانور) جو (کہ ذبح کیا گیا) ہو بوقت ذبح (اللہ) تعالیٰ (کے سوا دوسرے کے نام پر۔ پھر) اگر (کوئی) شخص (بے قابو ہوگیا) یعنی اسپر ایسی بے بسی طاری ہوئی، کہ وہ حالت اضطرار کا شکار ہوگیا اور حالت یہ ہے، کہ وہ (نہ تو خواہش مند ہے اور نہ) ہی (حاجت سے زیادہ لینے والا)، تو اسکے لئے جان بچانے کیلئے، جس قدر میں جان بچ سکے، اتنا ہی حرام کردہ جانور سے کھانا حلال ہے۔ اور رب کریم کی طرف سے یہ رخصت کیوں نہ ہو؟ اسلئے کہ وہ (تو) بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔ (بیشک تمہارا پروردگار غفور) ہے بخشنے والا ہے۔۔چنانچہ۔۔اس سے مواخذہ نہ فرمایگا، جو بقدر ضرورت حرام چیزوں میں سے کھالے۔اور (رحیم ہے)، کہ بے بس اور حالت اضطرار میں پہنچ جانے والوں کو بھی اجازت دیتا ہے۔

چونکہ عوف نے پوچھ لیا تھا کہ اگر ہمارے حرام کردہ حرام نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے کس جانور کو حرام فرمایا؟ اسکے جواب میں پہلے ان حرام چیزوں کا ذکر فرمایا جسکو مسلمانوں پر حرام فرمایا گیا ہے۔ پھر اب ان حرام چیزوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر حرام فرمادیا تھا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے۔۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

اور جو یہودی تھے ان پر ہم نے حرام فرمادیا تھا، سب ناخن والے جانوروں کو۔ اور گائے اور بکری کی ہم نے حرام

عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ

کردیا تھا ان پر چربی۔ مگر جو پیٹھ اور آنتوں پر ہو، یا ہڈی سے لگی ہو۔

ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۴۶﴾

یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی سرکشی کی۔ اور بے شک ہم سچے ہیں●

(اور جو یہودی تھے)۔۔۔ یعنی یہ حکم صرف یہودیوں کیلئے ہے، نہ پہلے لوگوں کیلئے اور نہ ہی بعد والوں کیلئے۔۔تو۔۔**(ان پر ہم نے حرام فرمادیا تھا سب ناخن والے جانوروں کو)**۔

خیال رہے کہ ہر انگلی والا جانور **ذِي ظُفُرٍ** کہلاتا ہے، خواہ اُسکی انگلیوں کے درمیان کشادگی ہو، جیسے درندوں اور کتوں اور بلیوں کی تمام اقسام، یا نہ ہو، جیسے اونٹ، شتر مرغ، مرغابی اور بطخ۔ ان یہودیوں پر بعض ناخن والے جانور حلال تھے۔ پھر جب انھوں نے نافرمانی کی تو تمام **ذِي ظُفُرٍ** حرام ہوگئے۔

(اور گائے اور بکری کی ہم نے حرام کردیا تھا ان پر چربی)، نہ کہ گوشت۔ یعنی انکا گوشت انکے لئے حلال تھا، صرف چربی حرام تھی۔ **(مگر)** وہ چربی **(جو پیٹھ اور آنتوں پر ہو، یا ہڈی سے لگی ہو)**۔ یعنی وہ چربی جو انکی پیٹھوں اور کروٹوں پر ہے، یعنی دونوں مونڈھوں سے لیکر دونوں رانوں کے اندر اور باہر والی چربی انکے لئے حلال ہے اور آنتوں وغیرہ پر جو چربی ہے وہ بھی انکے لئے حلال ہے۔ اور وہ چربی جو ہڈیوں سے ملی ہوئی ہے یعنی رانوں کی ہڈیوں سے۔۔یا۔۔دُم کی ہڈیوں سے جو پیٹھ کی انتہا سے شروع ہوتی ہے ملی ہوئی ہو، یہ چربی بھی انکے لئے حلال ہے۔

یہ خیال رہے کہ ہم نے ان پر جو بعض حلال چیزیں حرام فرمادیں **(یہ ہم نے انکو سزا دی تھی انکی سرکشی کی)**۔۔مثلاً: انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا، سود لینا اور لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا۔۔الختصر۔۔گناہ کی سزا میں حلال اشیاء کو ان پر حرام کردیا جاتا تھا۔ چونکہ اب انکے منکر ہوگئے اور کہنے لگے ہیں کہ یہ اشیاء جیسے ہم پر حرام ہیں، گزشتہ امتوں پر بھی حرام تھیں، تو اللہ تعالیٰ نے حلال کر کے اُسے پھر مؤکد فرمایا **(اور بیشک ہم سچے ہیں)** انکی ہر بات کی خبر دینے میں۔۔اور۔۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ

اب اگر وہ لوگ تمہیں جھٹلائیں، تو کہہ دو کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے۔

وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور اس کا عذاب پلٹا نہ جائے گا مجرم قوم سے●

(اب اگر وہ) مشرکین اور یہودی (لوگ تمہیں جھٹلائیں) اور حلال وحرام کی تفصیل جو تم نے بیان فرمائی ہے، اسکا انکار کردیں اور اسکو تسلیم نہ کریں۔۔الغرض۔۔اسکو سچ نہ قرار دیں، (تو) ان سے کہہ دو کہ تمہارا پروردگار وسیع رحمت والا ہے) جو تمہاری تکذیب کے باوجود، تمہاری سزا میں عجلت نہیں فرماتا۔لیکن تمہیں اس سے دھوکے میں نہیں رہنا چاہئے۔اسلئے کہ وہ تمہیں مہلت دے رہا ہے کہ سنبھل جاؤ اور سچائی کا اعتراف کرلو۔۔لہٰذا۔۔اس تصور میں نہ رہو، کہ وہ تمہیں سزا بھی نہیں دیگا۔۔چنانچہ سن لو (اور) یاد رکھو کہ (اسکا عذاب پلٹا نہ جائیگا مجرم قوم سے)۔جبکہ نازل ہوگا تو مجرمین اسکو نازل ہونے سے روک نہ سکیں گے۔لہٰذا مجرمین اس مہلت سے فائدہ اٹھالیں اور عذاب نازل ہونے سے پہلے راہِ راست پر آجائیں، ورنہ پھر انھیں کوئی سہولت نہیں ملے گی۔اے محبوب! ان مشرکین کی دیدہ دلیری اور بے جا جسارت کا منظر عنقریب تمہیں دیکھنے کو ملے گا، کہ صرف یہ ثابت کرنے کیلئے کہ جو کچھ ہم کررہے ہیں خواہ وہ ہمارا شرک ہو۔۔یا۔۔حلال کو حرام کرنے کا عمل، ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہے۔۔عنقریب۔۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا

اب کہیں گے جنھوں نے شرک کیا ہے، کہ اگر اللہ چاہتا، تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم نے حرام

مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ

کیا ہوتا کچھ۔ اسی طرح جھٹلایا تھا انھوں نے جو ان سے پہلے ہوئے، یہاں تک کہ چکھ لیا ہمارا عذاب۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ

پوچھو کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے، کہ اس کو نکالو ہمارے لئے۔ تم لوگ تو صرف گمان سے کام

اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

لیتے ہو، اور تم لوگ محض انکل لگاتے رہتے ہو●

(اب کہیں گے) اور بکیں گے وہ، (جنھوں نے) غیر خدا کو خدا کا (شریک کیا ہے، کہ اگر
اللہ) تعالیٰ (چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے، اور نہ) ہی (ہمارے باپ دادے) شرک کرتے، (اور نہ ہم
نے) اور ہمارے مورثوں نے (حرام کیا ہوتا کچھ)۔

اس مقام پر قرآن کریم کا اعجاز بھی ظاہر ہو گیا، کہ جو بات وقوع میں نہ آئی تھی اسکی پیشگوئی کی
۔۔چنانچہ۔۔اس آیت کے نازل ہونے کے بعد، مشرکوں نے مذکورہ بالا بات کہی۔۔۔

تو اے محبوب! جس طرح یہ آپ کو جھٹلا رہے ہیں اور 'کہہ رہے ہیں کہ آپکی یہ بات غلط ہے
کہ اللہ تعالیٰ نے شرک سے روکا ہے اور ہمارے حرام کردہ کو حرام نہیں کیا ہے'، بالکل (اسی طرح جھٹلایا
تھا انھوں نے) یعنی انکے مورثین نے ان انبیاء کرام کو (جو ان سے پہلے ہوئے)، اور انکی اس تکذیب
کا سلسلہ چلتا رہا (یہاں تک کہ چکھ لیا ہمارا) وہ (عذاب) جو کہ انکی تکذیب پر ہم نے ان پر نازل کیا۔
اے محبوب! ان سے (پوچھو کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے)، یعنی کوئی امر معلوم ہے، کہ
اُسے اپنی بات کی سچائی پر بطور دلیل پیش کر سکو۔ اور اگر ہے، تا (کہ اس کو نکالو ہمارے لئے)، تو پھر دیر
کیا ہے؟ اُسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں، جس سے تم
اپنے باطل مزعومات کو حق ثابت کر سکو۔ اور حقیقت تو یہ ہے، کہ اس سلسلے میں (تم لوگ تو صرف گمان
سے کام لیتے ہو)۔ یعنی شرک کو صحیح کہنے اور حلال چیزوں کو حرام قرار دینے میں تم اپنے گمان کے
تابعدار ہو، حالانکہ وہ سراسر باطل اور جہالت پر مبنی ہے، ذرّہ بھر بھی اس میں یقین کا شائبہ نہیں ہوسکتا۔
(اور تم لوگ محض اٹکل لگاتے رہتے ہو) اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے میں، اور صرف ظن وتخمین کی بنیاد پر
اپنے ناشائستہ اور باطل امور کو اللہ تعالیٰ کا محبوب ومرغوب بتاتے ہو۔

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

کہہ دو، کہ دل نشین دلیل تو اللہ کیلئے ہے۔ تو وہ چاہتا، تو تم سب کو راہ پر لاتا●

اے محبوب! واشگاف لب ولہجے میں ان سے (کہہ دو، کہ دل نشیں دلیل تو اللہ) تعالیٰ (کیلئے
ہے) جو متانت اور ثبات کی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔۔نیز۔۔وہ ایسی دلیل ہے، جو مدعی کو اسکے دعویٰ پر صحیح
قرار دینے والی ہے۔ (تو) اگر (وہ) حجت بالغہ والا (چاہتا، تو تم سب کو راہ پر لاتا) اور تمہیں اسلام
لانے کی توفیق بخشتا۔۔نیز۔۔تمہارے لئے ہدایت کے اسباب تیار فرما دیتا، کیونکہ وہ جسے ہدایت دے

...تا ہے، تو اُسے طریق حق کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اور اگر کسی کو گمراہ رکھنا چاہتا ہے، تو اسکے ارادے ...لام کے خلاف کر دیتا ہے۔ تو اے محبوب! ان پر حجت قائم کرنے کیلئے تا کہ انھیں معلوم ہو جائے، کہ ...قعی وہ گمراہی میں ہیں اور انکے دعویٰ کی دلیل نہ انکے پاس ہے اور نہ ہی انکے لیڈروں کے پاس، انکو ...بلیغ کر دو، اور۔۔۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ

کہہ دو، کہ لاؤ تو اپنے گواہوں کو جو گواہی دیں، کہ بیشک اللہ نے حرام کیا اس کو۔

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پھر اگر وہ گواہی دے دیں، تو تم گواہی نہ دینا ان کے ساتھ۔ اور نہ مانو ان کے اوہام کو جو جھٹلا چکے

۱۸ ع ۵ بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

ہماری آیتوں کو، اور جو نہ مانیں آخرت کو، اور وہ اپنے پروردگار کا برابر گڑھیں●

(کہہ دو، کہ لاؤ تو اپنے گواہوں کو) یعنی اپنے ان لیڈروں کو جن کے اقوال و اعمال کو تم اپنا ...ب سمجھتے ہو۔۔الغرض۔۔اس سے وہ گواہ مراد نہیں، جو الٹی سیدھی مار کر انکا دعویٰ صحیح کر دکھائیں۔۔الختصر ...اپنے لیڈروں کو سامنے لاؤ (جو گواہی دیں، کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (نے حرام کیا) ہے (اسکو)۔اور ...ھر) (اگر) بالفرض (وہ) کذب وافتراء پر اتر آئیں اور جھوٹی (گواہی دے) ہی (دیں)، (تو ...) حسب معمول یعنی جھوٹوں کے ساتھ جو تمہارا طریقہ رہتا ہے (گواہی نہ دینا انکے ساتھ)۔یعنی ...ن گواہی کی تصدیق نہ فرمانا، اسلئے وہ جو کچھ کہتے ہیں خالص جھوٹ ہے اور واضح طور پر اسکا فساد بیان ...یا جا چکا ہے۔۔لہٰذا۔۔نہ تو تم تصدیق کرو (اور نہ مانو انکے) باطل (اوہام کو)، اور (جو جھٹلا چکے) عناد ...راہ سے (ہماری آیتوں کو اور جو نہ مانیں آخرت کو)۔

ظاہر ہے آیاتِ الٰہیہ کا جھٹلانا اور آخرت پر ایمان نہ لانا، یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جو ان میں سے کسی ایک کا مرتکب ہوگا، وہ دوسرے کا بھی مرتکب ہوگا۔

صرف یہی نہیں کہ وہ آیاتِ الٰہیہ کو جھٹلاتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ ان امور ...کے ساتھ ساتھ انکا حال (اور) طریقہ یہ ہے کہ (وہ اپنے پروردگار کا برابر گڑھیں) اور اپنے بتوں کو اللہ ...الیٰ کا ہمسر قرار دیں۔۔الغرض۔۔جو ایسے بدبخت ہیں، کہ ان جملہ امورِ مذکورہ کے جامع اور صفات قبیحہ ...سے موصوف ہیں، وہ اس لائق نہیں کہ انکے اوہام و خیالات کی تصدیق کی جائے۔۔۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ

کہہ دو، کہ آؤ میں بتادوں جو حرام فرمایا تھا تمہارے پروردگار نے تم پر، یہ کہ اس کا کوئی شریک نہ بناؤ، اور ماں باپ سے

اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا

احسان کا۔ اور نہ قتل کر ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے۔ ہم تمہیں بھی روزی دیں اور انھیں بھی۔ اور

تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ

قریب نہ جاؤ بے شرمیوں کے، جو ان میں ظاہر ہیں اور جو چھپی ہیں۔ اور نہ قتل کرو اس کو، جسے

حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

اللہ نے حفاظت میں لے لیا ہے، ناحق۔ یہ ہے جس کا حکم دیا تم کو کہ عقل سے کام لو●

اے محبوب! ان بے جا طور پر حلال کو حرام کرنے والوں سے (کہہ دو، کہ) اگر تم جاننا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کیا حرام فرمایا تھا، تو (آؤ) میری بارگاہ میں، تا کہ (**میں بتادوں جو حرام فرمایا تھا تمہارے پروردگار نے**)، تو سنو! نمبر ایک یہ کہ (**تم پر یہ**) لازم ہے (**کہ اسکا کوئی شریک نہ بناؤ**)، نمبر دو یہ کہ اللہ نے حکم دیا ہے (**اور**) 'امر' فرمایا ہے (**ماں باپ سے احسان کا**) یعنی ہمیشہ انکے ساتھ حسن سلوک کرتے رہو۔ انھیں تکلیف نہ پہنچاؤ۔ انکے اس حکم کے سوا جس میں خدا کی نافرمانی ہو، دوسرے سارے حکم کی اطاعت کرو اور انکی نافرمانی نہ کرو۔ جس چیز سے انھیں اذیت پہنچے، اس سے باز رہو۔ اور اگر بالفرض ظالم و جابر بھی ہوں، تو بھی انھیں اُف تک نہ کہو۔

اپنے مذکورہ بالا ارشاد میں والدین پر احسان کی اہمیت کو ظاہر کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اسکے بیان کو توحید کے بیان کے ساتھ ملا دیا ہے، اسلئے کہ ماں باپ وجود اور تربیت میں سبب قریب ہیں، اور یہ دو واسطے ہیں جنھیں حق تعالیٰ نے اپنی صفت ایجاد و ربوبیت کے آثار و انوار کا مظہر بنا دیا ہے۔

نمبر تین! یہ کہ ہوش سے کام لو (**اور نہ قتل کر ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے۔ ہم تمہیں بھی روزی دیں اور انھیں بھی**)۔ یعنی تم دونوں کے رازق ہم ہی ہیں، اور چونکہ تمہاری اولاد کا رزق ہمارے ہی ذمہء کرم میں ہے تمہارے ذمہ نہیں، تو تم کیوں انکے قتل ناحق کے مرتکب ہوتے ہو۔ نمبر چار! یہ کہ شرم و حیاء سے کام لو (**اور قریب نہ جاؤ بے شرمیوں کے**)۔ نہ ان بے شرمیوں کے (**جو ان میں ظاہر ہیں**) (**اور**) نہ ہی ان بے شرمیوں کے (**جو چھپی ہیں**)۔ یعنی ہر ایسے کاموں سے بچو جو شرم و حیاء کے

اضوں کے خلاف ہیں، خواہ وہ ظاہر ہوں۔یا۔خفیہ۔۔یا یہ کہ۔۔زنا اور بدکرداری سے بچو۔نہ تو رؤسائے عرب کی طرح چھپ کر زنا کرو، اور نہ ہی عرب کے اوباش اور بے باک لوگوں کی طرح کھلم کھلا زنا کرو۔

ایک قول یہ ہے کہ ظاہری فحش کام شراب نوشی ہے، اور باطنی فحش کام زنا کاری ہے۔۔یا یہ کہ۔۔ظاہری فحش کام زنا کاری وشراب نوشی وغیرہ اور باطنی فحش کام انکا ارادہ کرنا ہے۔

نمبر پانچ! یہ کہ رحم سے کام لو (اور نہ قتل کرو اسکو جسے اللہ) تعالیٰ (نے حفاظت میں لے لیا ہے) احکام اسلام کی رُو سے۔۔یا۔۔اس سے معاہدہ کی وجہ سے۔۔الختصر۔۔نہ کسی مسلمان کو قتل کرو اور نہ ہی کسی ذمی کافر کو (ناحق)۔یعنی اُسے کسی حال میں بھی نہ قتل کرو۔ہاں اگر شرع کا حق اس سے وابستہ ہو گیا ہے اور شرع نے اسکے قتل کر دینے کی اجازت دی ہے، تو اسے حاکم اسلام قتل کر دے اور وہ یہ ہیں۔﴿۱﴾۔۔مرتد ہونے کے بعد۔﴿۲﴾۔۔شادی شدہ کا زنا کرنا۔﴿۳﴾۔۔نفس معصومہ کو قتل کرنے کے بدلے میں۔یاد رہے کہ کسی کو ناحق قتل کرنے میں، 'امر حق' کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت کا ترک لازم آتا ہے اور یہ دونوں 'امر' دین کی بنیاد ہیں۔

تو سنو! کہ (یہ) چار 'نہی' اور ایک 'امر' وہ (ہے جسکا حکم دیا تم کو) اللہ تعالیٰ نے، تا (کہ عقل سے کام لو) اور اللہ تعالیٰ کے امر و نہی میں اسکی نافرمانی نہ کرو۔۔نمبر چھ٦ یہ ہے کہ بدنیتی سے کام نہ لو۔۔۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۚ

اور قریب نہ پھٹکو یتیم کے مال کے، مگر اس طرح جو اسکے لئے زیادہ بہتر ہو، یہاں تک کہ بالغ جوان ہو۔

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ

اور پورا رکھو ناپ کو، اور تول کو، انصاف سے۔ہم کسی سے کام نہیں لیتے مگر جو کر سکے۔

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ

اور جب بولو تو انصاف کی بات بولو، گو رشتہ دار ہو۔اور اللہ کا عہد پورا کرتے رہو۔

ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۲﴾

یہ ہے جس کا حکم دیا تم کو کہ نصیحت حاصل کرو●

(اور قریب نہ پھٹکو یتیم کے مال کے)۔یعنی اسکے مال کے جسکا سن بلوغت سے پہلے باپ فوت ہو جائے۔۔اور۔۔یہ خطاب تیموں کے متولیوں اور وصیوں کو ہے۔۔۔(مگر اسطرح جو اسکے

لئے زیادہ بہتر ہو)۔یعنی اسکے مال کی حفاظت کرتے ہوئے، بقدر ضرورت کچھ کھالیا جائے، تو کوئی حرج نہیں۔ یہ حفاظت کب تک؟ (یہاں تک کہ بالغ جوان ہو) جائے۔اور جب وہ بالغ اور سمجھدار ہو جائے، تو اسکا مال اسکے حوالے کردو۔

چونکہ پختہ عمری پچیس سال تک ہو جاتی ہے، تو جب لڑکا اس عمر کو پہنچے، تو اسکا مال اسکے حوالے کر دیا جائے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاگل نہ ہو۔ یتیم کے مال کی حفاظت کا حکم اسلئے دیا کہ یتیم عاجز ہوتا ہے، اسکے عجز کے پیش نظر اللہ تعالیٰ خود اسکا متولی ہوا اور اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس پر نظر شفقت فرما کر اسکے حقوق کی نگرانی کریں۔

نمبر سات ۷! یہ کہ بددیانتی نہ کرو (اور پورا رکھو ناپ کو) ناپی جانے والے چیزوں میں، (اور تول کو) ترازو پر تولی جانے والی چیزوں میں، (انصاف سے)۔یعنی عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھو۔یعنی دینے والے کو چاہئے کہ حق والے کو پورا پورا حق ادا کرے، اسی طرح لینے والے پر لازم ہے کہ وہ صرف اپنے حق کا مطالبہ کرے، لالچ کر کے زائد کا طالب نہ ہو۔

اس آیت کے نزول پر صحابہء کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اس بات پر قادر نہیں ہیں، کہ تول میں ترازو کی ڈنڈی دونوں طرف ایسی برابر ہو کہ بال برابر بھی نہ جھکے۔تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، کہ۔۔۔

(ہم کسی سے کام نہیں لیتے مگر جو کر سکے) یعنی اگر ناپ اور تول میں تمہارے قصد وارادہ کے بغیر کمی واقع ہو اور تمہارا قصد پورا رکھنے کا ہو، تو اس کمی کو معاف کر دینگے۔

نمبر آٹھ ۸! یہ کہ ہمیشہ سچائی سے کام لو (اور جب بولو) حکومت کے متعلق۔۔یا۔۔گواہی میں اور اسی طرح جملہ امور میں (تو انصاف کی بات بولو)، اور اس میں کسی طرح کی جانبداری سے کام نہ لو (گو) وہ شخص جسکے واسطے حکم کرو۔۔یا۔۔جس پر حکم کرو۔۔یا۔۔جسکے واسطے گواہی دو۔۔یا۔۔جس پر گواہی دو، (رشتہ دار ہو)۔۔الغرض۔۔ایسے مواقع پر حق شرع کی اتباع اور طلب رضائے الٰہی ملحوظ خاطر رہنا چاہئے، رشتہ داری اور قرابت داری کا پاس ولحاظ نہیں ہونا چاہئے۔۔۔

نمبر نو ۹! یہ کہ جرأت بے جا سے اپنے کو بچاتے رہو (اور اللہ) تعالیٰ (کا عہد پورا کرتے رہو)۔ یعنی احکام شرع ادا کرتے رہو اور جو نذر مانی ہے اُسے وفا کرو۔(یہ) تین امر اور ایک نہی وہ (ہے، جسکا حکم دیا) اللہ تعالیٰ نے (تم کو)، تا (کہ نصیحت حاصل کرو) یعنی انکی تاکید کو سمجھ کر انکے مقتضیٰ پر عمل کرو۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ

اور بے شک یہ میری راہ ہے سیدھی، تو اس پر چلو، اور دوسری راہیں نہ چلو، کہ تم کو دور کردیں اللہ

عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

کی راہ سے۔ یہ ہے جس کا حکم دیا کہ تم ڈر والے ہو جاؤ●

اس سلسلے کا دسواں حکم یہ ہے کہ اچھی طرح سے جان لو (اور) یاد رکھو کہ (بیشک یہ) یعنی جو کچھ اس سورہ میں مذکور ہوا، یعنی توحید کی دلیلیں، نبوت کا اثبات اور شریعت کا بیان (میری) بنائی ہوئی اور وضع کردہ وہ (راہ ہے) جو بالکل (سیدھی) ہے، اور سیدھے جنت میں لیجانے والی ہے جس میں کسی طرح کی کجی اور غیر فطری ٹیڑھا پن نہیں۔ (تو) تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ (اُس پر چلو) اور ہمیشہ چلتے رہو (اور دوسری) جو (راہیں) ہیں۔۔ مثلاً: یہودیت، نصرانیت اور دوسری گمراہ کن ملتیں اور باطل فرقے، وغیرہ وغیرہ: ان پر (نہ چلو)، بلکہ اسکو مڑ کر پسندیدہ نظر سے دیکھو بھی نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو (کہ) یہ ٹیڑھے میڑھے راستے (تم کو دور کردیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)۔۔ الختصر۔۔ پراگندہ راہوں اور مختلف دینوں کی اتباع سے اپنے کو بچاتے رہو۔ (یہ) راہ حق کی پیروی تمہاری وہی (ہے، جسکا حکم دیا) اللہ تعالیٰ نے تا (کہ تم ڈر والے ہو جاؤ) اور گمرہی اور راہِ حق سے دوری سے اپنے کو بچاتے رہو۔

سابقہ آیات میں نو۹ احکام ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس میں رمز یہ ہے کہ انبیاء کرام کی شریعتوں کے اختلاف سے ان احکام میں اختلاف نہیں ہوا، بلکہ یہ احکام تکلیف کے ابتدائی عہد سے لیکر قیامت تک ثابت اور مستمر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے توراۃ میں دین کی کیا نعمتیں رکھی ہیں؟ فرمایا اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے لہٰذا اس میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت اور رسالت کا بیان ہے اور آپکی نبوت کے تمام دلائل ہیں۔ اور یہ ہدایت اور رحمت ہے، تاکہ یہ لوگ اللہ سے ملاقات پر ایمان لائیں۔ اللہ کی ملاقات کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ثواب اور عتاب کا جو وعدہ کیا ہے، اس سے ملاقات پر ایمان لائیں۔ تو اے محبوب! مذکور بالا احکام جو ہر نبی کے عہد میں جوں کا توں رہے اور ان میں نسخ نہیں ہوا، کو واضح طور پر بیان کردینے بعد۔۔۔

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا

پھر دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب، پورا کرم کرنے کو اس پر جس نے نیکی کی، اور تفصیل

ع ١٩ ۶

لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٤﴾

ہر چیز کی، اور ہدایت ورحمت، کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے کو مان جائیں●

(پھر) یہ بھی انکو سنادیجئے، کہ (دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب) توریت (پورا کرم کرنے کو اس پر جس نے نیکی کی)۔ یعنی اسکے احکام پر خوب خوب مخلصانہ عمل کیا۔ توان نکوکاروں پر کرامت ونعمت کی تکمیل (اور) جو کچھ دین میں کام آئے اس سے متعلق (تفصیل ہر چیز کی)۔ یعنی انکا تفصیلی بیان فرمادیا (اور) وہ گمراہی سے بچا کر (ہدایت) دینے والا ہے (و) نیک عمل کرنے والوں کو عذاب سے نجات دلا کر (رحمت) عطا فرماتا ہے۔ ان خدائی انعامات اور کرم فرمائیوں کا بیان سن لینے کی وجہ سے شاید (کہ وہ) بنی اسرائیل (اپنے پروردگار سے ملنے کو مان جائیں)، اور مر کر اٹھنے پر ایمان لاکر ثواب و عقاب کی تصدیق کریں۔ منکرین کا یہ کہنا کہ پیغمبر اسلام نے اپنی طرف سے یہ کتاب بنالی ہے، یہ کلام الٰہی نہیں ہے۔۔۔ تو وہ غور سے سن لیں۔۔۔

وَهَٰذَا كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿١٥٥﴾

اور یہ کتاب ہے جس کو اتارا ہم نے برکت والی، تو اس کی پیروی کرو، اور ڈرو کہ تم رحم کیے جاؤ●

(اور) یاد رکھیں! کہ (یہ) عظیم المرتبت (کتاب ہے، جسکو اتارا ہم نے)۔ اسکو رسول اکرم نے اپنی طرف سے نہیں بنایا ہے۔ یہ (برکت والی) ہے۔ یعنی دینی اور دنیوی منافع سے پُر ہے۔ (تو اس) کے احکام (کی پیروی کرو اور) اسکی مخالفت سے (ڈرو)، تا (کہ تم رحم کیے جاؤ) اسکی متابعت کے سبب۔ ہم نے اس کتاب کو اسلئے بھی نازل کیا، کہ ہمیں اے مکہ والو! یہ چیز ناگوار و ناپسند تھی، کہ تم۔۔۔

أَن تَقُولُوا إِنَّمَا أُنزِلَ الْكِتَٰبُ عَلَىٰ طَائِفَتَيْنِ مِن قَبْلِنَا وَإِن كُنَّا

آئندہ یہ کہہ ڈالو کہ کتاب اتاری جاچکی ہے، صرف دو گروہوں پر ہم سے پہلے۔ اور ہم ان لوگوں

عَن دِرَاسَتِهِمْ لَغَٰفِلِينَ ﴿١٥٦﴾ أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَٰبُ لَكُنَّا

کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے● یا یوں کہ ڈالو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی، تو ہم ان سے

أَهْدَىٰ مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَاءَكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ ۚ

زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ لہٰذا آگئی تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی کھلی دلیل اور ہدایت ورحمت۔

فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنۡهَا ؕ سَنَجۡزِى الَّذِيۡنَ
تواس سے زیادہ ظالم کون ہے، جس نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو اور بے رخی برتی ان سے۔ ہم بہت جلد سزا دیں گے انھیں،
يَصۡدِفُوۡنَ عَنۡ اٰيٰتِنَا سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ بِمَا كَانُوۡا يَصۡدِفُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾
جو منہ پھیرتے ہیں ہماری آیتوں سے۔ بری سزا منہ پھیرنے کی●

(آئندہ) قیامت میں عذر پیش کرتے ہوئے (یہ کہہ ڈالو)، کہ ہم پر کتاب ہی کب اتری؟ کیوں (کہ) جو (کتاب اتاری جاچکی ہے) وہ ہم پر کب اتاری گئی؟ وہ تو (صرف) ان (دو گروہوں پر) نازل کی گئی جو (ہم سے پہلے) تھے (اور ہم ان لوگوں کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے)۔ اسلئے کہ جن یہود ونصاریٰ پر کتاب نازل کی گئی اسکو جب وہ پڑھتے تھے، تو ہماری سمجھ میں کچھ بھی نہیں آتا تھا، کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں اسلئے کہ وہ کتاب ہماری زبان میں نہیں تھی۔۔ (یا)۔۔عذر پیش کرتے ہوئے (یوں کہہ ڈالو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی، تو ہم ان سے زیادہ ہدایت پر ہوتے) یعنی حق، کہ وہی انسان کا مقصودِ اعظم ہے، کی طرف ہم زیادہ پہنچنے والے ہوتے۔۔یا۔۔ بڑے بڑے احکام اور شرائع اور دقائق کو ہم ان سے زیادہ سمجھتے، اسلئے کہ ہم ان سے ذہنی طور پر تیز اور ہمارے فہم ان سے زیادہ روشن ہیں۔

۔۔علاوہ ازیں۔۔ علمی فنون میں ہم ان سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں، ہم قصص واشعار اور خطابتوں کے زیادہ ماہر ہیں، اگرچہ ہم ان پڑھ ہیں۔ تم قیامت میں اسطرح کا عذر نہ کرسکو۔ چونکہ تمہارے عذر کے دروازہ کو بند کردینا مقصود تھا، (لہٰذا آگئی تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی کھلی دلیل) یعنی قرآن کریم، جو تمہاری ہی زبان میں اترا (اور ہدایت)۔ جو کوئی اسکی پیروی کریگا اپنے مقصد اور مقصود کو پہنچے گا، (۔و۔رحمت) مسلمانوں کے واسطے۔ قرآن 'بینہ' بھی ہے، 'ہدایت' بھی، اور 'رحمت' بھی ہے۔۔یوں۔۔ صاحب قرآن رسول کریم بھی، ان تینوں صفات کے حامل ہیں۔ آپ 'بینہ' ہیں: اسلئے کہ 'بینہ' کے معنی گواہ کے بھی ہیں، تو آپ اپنی امت کے گواہ ہیں۔ اور مسلمانوں کیلئے خصوصی طور پر صاحب ہدایت ورحمت ہیں۔

(تو اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے جھٹلایا اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو اور بے رخی برتی ان سے۔ ہم بہت جلد سزا دینگے انھیں جو منہ پھیرتے ہیں ہماری آیتوں سے، بری سزا منہ پھیرنے

کی)۔یعنی ایسا عذاب جو سارے عذابوں سے بدتر ہوگا، کیونکہ وہ گمراہ ہونے کے ساتھ ساتھ گمراہ
بھی تھے اور وہ حق کی طرف آنے سے لوگوں کو روکتے تھے۔ اور قرآن کریم۔۔نیز۔۔پیغمبر اسلام کی
تکذیب کیلئے ان لوگوں نے اپنی حالت ایسی بنا رکھی ہے، گویا۔۔۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ

وہ لوگ اسی انتظار میں ہیں کہ فرشتوں کے آنے کا وقت آجائے، یا تمہارے پروردگار کے دیدار کا وقت آجائے،

اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا

یا تمہارے پروردگار کی آخری نشانی آجائے، جس دن تمہارے پروردگار کی وہ نشانی آجائے، تو کسی کے کام اسکا ایمان

لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ إِيْمَانِهَا خَيْرًا ۗ

نہ آئے گا، جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا۔ یا اپنے ایمان میں نیکی نہ کمائی تھی۔

قُلِ انْتَظِرُوْٓا إِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

کہہ دو کہ خیر انتظار کیے جاؤ، ہم بھی منتظر ہیں ●

(وہ لوگ اسی انتظار میں ہیں کہ) روح نکالنے والے۔۔یا۔۔عذاب الٰہی لانے والے
(فرشتوں کے آنے کا وقت آجائے، یا تمہارے پروردگار کے دیدار کا وقت آجائے)۔یعنی حشر کے
دن آپ کا رب مخلوق کے سامنے اپنی شان کے مطابق آئے۔۔یا۔۔انکے عذاب کے واسطے۔۔یا۔۔
اپنی آیتوں کی تمامی کیلئے تیرے رب کا حکم آجائے۔

ان آیتوں سے علاماتِ قیامت مراد ہیں اور وہ بہت ہیں، جن میں چند بڑے واقعوں
میں سے 'دجال' اور 'دابۃ الارض' کا نکلنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا اور امام مہدی کا ظہور
اور یاجوج ماجوج کا ظاہر ہونا اور مغرب سے آفتاب کا نکلنا وغیرہ ہے۔

(یا تمہارے پروردگار کی آخری نشانی آجائے) جسکو دیکھ لینے کے بعد ایمان لانا سودمند نہ ہو۔
اور قیامت کی وہ آخری نشانی اکثر مفسرین کے بقول مغرب سے آفتاب کا طلوع ہونا
ہے۔ اور جس رات کی فجر کو آفتاب مغرب سے نکلے گا، وہ رات بہت طویل ہوگی، جسکی درازی
تہجد اور اوراد و وظائف پڑھنے والوں ہی کو معلوم ہو سکے گی، کہ جب وہ اوراد سے فارغ ہونگے
تو صبح کے منتظر رہیں گے اور صبح نہ ہوگی، تو وہ گمان اور شک میں پڑینگے اور پھر اوراد و وظائف

نئے سرے سے شروع کرینگے۔ جب دوبارہ اوراد و وظائف تمام ہونگے اور صبح کے آثار ظاہر نہ ہونگے، تو وہ لوگ سمجھ جائینگے کہ کوئی بڑی چیز ظاہر ہونے والی ہے۔ تو وہ تضرع وزاری اور توبہ واستغفار میں مشغول ہو جائینگے۔

یہاں تک کہ صبح کے آثار مغرب کی طرف نمایاں ہونگے اور آفتاب مغرب سے نکلے گا۔ اس میں کچھ روشنی نہ ہوگی، جیسے کہ گہن زدہ آفتاب کا حال ہوتا ہے اور تمام خلق اُسے دیکھے گی اور جب یہ بڑی نشانی ظاہر ہو جائیگی، تو غیب غیب نہ رہے گا اور وہ عین ہو جائیگا۔ اور اس وقت کا ایمان اضطراری ہوگا۔

۔۔الحاصل۔۔ (جس دن تمہارے پروردگار کی وہ نشانی آجائے) گی (تو) اس نشانی کو دیکھ لینے والوں میں سے (کسی کے کام اسکا ایمان نہ آئیگا)۔۔المختصر۔۔اس سلسلے میں صحیح تر اور اقوی قول کے پیش نظر توبہ و ایمان کی عدم قبولیت مخصوص ہے صرف ان لوگوں سے، جو مغرب سے طلوعِ شمس کا مشاہدہ کرینگے۔۔لہٰذا۔۔جو شخص طلوعِ شمس کے بعد پیدا ہوا ہو۔۔یا۔۔اس وقت موجود تو تھا، لیکن اُسے کفر و ایمان کی تمیز نہیں تھی، اگر یہ طلوعِ شمس کے بعد بھی ایمان لائیں، تو قابل قبول ہے۔۔الغرض۔۔

مغرب سے طلوعِ شمس کا منظر وہ دیکھنے والا (جو پہلے سے ایمان نہ لایا تھا) اور اب قیامت کی آخری نشانی دیکھ کر ایمان لاتا ہے، تو وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی نزع روح کے وقت موت کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لائے۔

۔۔الغرض۔۔دونوں ہی بے سود ہیں، اسلئے کہ ایمان بالغیب ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ومنظور ہے۔

(یا) یہ کہ ایمان تو پہلے لا چکا تھا، لیکن (اپنے ایمان میں نیکی نہ کمائی تھی) یعنی کوئی نیک کام نہیں کیا تھا۔۔یا۔۔اخلاص کے ساتھ کوئی کارِ خیر انجام نہیں دیا تھا، تو ایسوں کیلئے خاص اس دن کیلئے جو مخصوص حکم ہے، وہ یہ ہے کہ انکی بھی اس وقت کی توبہ انکے لئے نفع بخش نہ ہوگی۔

۔۔المختصر۔۔اس دن نہ کافر کا ایمان مقبول ہے اور نہ فاسق کی توبہ۔ اسلئے کہ آفتاب کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد، توبہ منقطع ہو جائیگی اور اسکا دروازہ بند کر دیا جائیگا۔

اے محبوب! ان انتظار کرنے والوں سے، یعنی اپنے کو منتظرین جیسا بنا رکھنے والوں سے (کہہ دو کہ خیر انتظار کئے جاؤ) اور انتظار کرنے والوں کی طرح بنے رہو (ہم بھی منتظر ہیں)، کہ جب یہ

نشانیاں ظاہر ہوں، تو تم غم واندوہ کا شکار ہو جاؤ اور تمہاری اس حالت میں ہماری خوشی اور رضا کا اظہار ہو۔ تو اے محبوب! آپ ان یہود ونصاریٰ۔۔یا۔۔اہل بدعت کی طرف سے فکر مند نہ ہوں۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

بیشک جنھوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اپنے دین کو، اور ہو گئے شیعہ شیعہ، تم کو ان سے کچھ سروکار نہیں۔

إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾

ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ سزا دے گا ان کو جو وہ کرتے تھے●

(بیشک جنھوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اپنے دین کو)۔۔چنانچہ۔۔یہود کے اکہتر [٧١]، نصاریٰ کے بہتر [٧٢]، اور اہل بدعت کے بکثرت فرقے۔۔الغرض۔۔وہ سب مختلف فرقوں میں بٹ گئے (اور ہو گئے شیعہ شیعہ)۔ ہر فرقہ نے اپنا ایک نیا دین بنالیا تھا اور اپنا علیحدہ امام بنالیا تھا۔ تو اے محبوب! (تم کو ان سے کچھ سروکار نہیں)، تو آپ انکے متفرق ہونے پر کسی بحث میں مت پڑیں، اور نہ ہی اپنے ہم عصر اہل کتاب سے انکے متعلق جھگڑا اور مواخذہ کریں۔ (انکا معاملہ اللہ) تعالیٰ (کے سپرد ہے)، وہی ایک انکے امور کا متولی ومتصرف ہے، اُنکے پہلے اور پچھلے سب اسی کے قبضہ واختیار میں ہیں۔ اپنی حکمت کے تقاضہ پر انکے امور کی تدبیر جس طرح چاہتا ہے فرماتا ہے۔ (پھر وہ سزا دیگا انکو جو وہ کرتے تھے) یعنی قیامت میں انکے کرتوتوں کو ان پر ظاہر کر کے اور انکو آگاہ کر کے اسکے مطابق ان کو سزا دیگا۔ وہ عادل حقیقی ہے، اسکا کوئی کام عدل وانصاف کے خلاف نہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔ اسکے فضل وعدل کا عالم یہ ہے، کہ۔۔۔

مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ

جو ایک نیکی کرے تو اس کیلئے دس گنا ہے۔ اور جو برائی کرے، تو سزا نہ دی

فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾

جائے گی مگر اس کے برابر، اور وہ ظلم نہ کیے جائینگے●

(جو) ایمان والا (ایک نیکی کرے، تو اسکے لئے) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے (دس گنا ثواب (ہے)۔ یعنی ایک نیکی پر دس [١٠] نیکی کا ثواب عطا فرماتا ہے۔ (اور) اسکے برخلاف، (جو

برائی کرے،(تو) بتقاضہ عدل خداوندی، اسے (سزانہ دیجائے گی، مگراسکے برابر)۔یعنی اگرایک برائی کی ہے تو اُسے ایک ہی برائی کی سزادی جائیگی۔(اوروہ ظلم نہ کیئے جائینگے)۔نہ کسی کے ثواب میں کمی کی جائیگی، اورنہ ہی کسی کے عذاب میں زیادتی۔تواے محبوب جنھوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالدیاہےان سے۔۔۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ

کہہ دو، کہ بیشک راہ دی مجھ کومیرے پروردگار نے سیدھی راہ کی طرف۔۔۔دین برحق، ابراہیم کی ملت،

حَنِیْفًا ۚ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾

جوہرباطل سے الگ تھے۔اورمشرک نہ تھے●

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾

کہوکہ بیشک، میری نمازاورحج اورزندگی اورموت اللہ کیلئے ہے، پروردگارسارے جہان کا●

(کہہ دو، کہ بیشک راہ دی مجھ کومیرے پروردگار نے سیدھی راہ کی طرف)۔یعنی (دین برحق) اورحضرت (ابراہیم کی ملت) کی طرف، (جوہرباطل سے الگ تھے)۔نہ وہ یہودی خیال تھے اورنہ ہی نصرانی مزاج، (اور) وہ بت پرست اور (مشرک) بھی (نہ تھے)۔تواے محبوب! سنادواوران سے۔۔۔

(کہوکہ) میں دین حنیف اورملت ابراہیمی والا ہوں، تو (بیشک میری نمازاورحج) قربانی بھی جس میں اِفرادکی صورت میں مستحب اورباقی صورتوں میں واجب ہے، (اورزندگی)۔یعنی میں زندگی میں جس کام پرہوں اورجومیرے معمولات ہیں (اورموت) یعنی وہ چیزجس پرمیں مردں ایمان وطاعت الٰہی میں سے، سب کا سب (اللہ) تعالیٰ (کیلئے ہے)، جو (پروردگار) ہے (سارے جہان کا)۔۔۔

لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

اس کا کوئی شریک نہیں۔اوراسی کا مجھ کوحکم دیاگیا، اورمیں پہلا مسلمان ہوں●

(اسکا کوئی شریک نہیں) یعنی میں اپنی عبادت میں بت پرستوں کی طرح کسی کواسکا شریک نہیں کرتاہوں، اورقربانی اُسی کے نام پرکرتاہوں اسکے غیرکے نام پرنہیں۔اورحج میں لبیک کہتے وقت،

اُسکے ساتھ اور کسی کو میں یاد نہیں کرتا، بخلاف اہل جاہلیت کے، جو کہا کرتے تھے کہ حاضر ہوں میں، نہ
شریک ہے کوئی واسطے تیرے، مگر ایک شریک کہ ہے وہ واسطے تیرے۔۔ چنانچہ۔۔انکی لبیک یہ تھی۔۔

'لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکٌ هُوَ لَکَ'

۔۔۔تو میں مشرکوں کی اس روش پر نہیں ہوں، بلکہ جو کچھ کرتا ہوں، کہتا ہوں اور رکھتا ہوں، وہ سب
سب خدا کے واسطے ہے اور اسی کی رضا و خوشنودی کیلئے ہے (اور اسی کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں پہ
مسلمان ہوں) اسلئے کہ امت کے اسلام پر نبی کا اسلام مقدم ہوتا ہے۔

اور چونکہ آپ اول مخلوقات بھی ہیں، تو اب یہ کہنا بھی صحیح ہوگا، کہ تمام مخلوقاتِ اولین وآخرین کے ایمان پر آپ کا ایمان مقدم ہے۔ تو اب آپ حقیقی معنوں میں 'اول المسلمین' ہوئے۔

اے محبوب! ذرا کافروں کی جسارت تو دیکھو کہ وہ مسلسل آپ کو اپنے دین کی طرف پلٹانے کی
کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ تو اے محبوب! ان سے صاف صاف لفظوں میں۔۔۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

کہہ دو کہ کیا اللہ کے غیر کو اپنا پروردگار بنانے کیلئے جستجو کروں؟ حالانکہ وہ سب کا پالنے والا ہے۔ اور نہیں کماتا کوئی

اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

مگر اسکا ذمہ دار وہی ہے۔ اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ پھر اپنے پروردگار کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۶۴

تو بتادے گا تمہیں جس میں جھگڑا کرتے تھے●

(کہہ دو کہ کیا اللہ) تعالیٰ (کے غیر کو اپنا پروردگار بنانے کیلئے جستجو کروں؟) اور عبادت کیلئے
اور خدا کا شریک بنانے کیلئے، کوئی اور رب ڈھونڈوں؟ (حالانکہ) اسکے سوا کوئی دوسرا رب ہے
نہیں، اور وہ صرف (وہ، سب کا پالنے والا ہے)۔ اسکے سوا جتنے ہیں سب مخلوق و مربوب ہی ہیں۔
مربوب ربوبیت کا سزاوار نہیں۔ اے محبوب! یہ ولید ابن مغیرہ بھی عجیب خرد ماغ ہے، جو کہتا ہے،
اے عرب کے سردارو! تم میری پیروی کرو اور تمہارے گناہ میری گردن پر ہیں، یعنی تم فکر نہ کرو اسے
کہ میری پیروی کرتے ہوئے، تم جو بھی گناہ کروگے، اسکا بوجھ میں اپنے سر لے لونگا۔
تو اے محبوب! سب پر یہ ظاہر کردو (اور) واضح کردو، کہ (نہیں کماتا کوئی مگر اسکا ذمہ

ی ہے اور کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا) یعنی ہر ایک اپنے گناہ کا بوجھ خود اٹھائیگا۔ اور (پھر) حالت میں (اپنے پروردگار کی طرف تمہارا لوٹنا) طے شدہ (ہے)۔۔ الغرض۔۔ ہر شخص اپنے نیک بد ہر طرح کے اعمال کا ذمہ دار ہے۔ خدا کی بارگاہ میں روز قیامت جب حاضری ہوگی، (تو) وہ بتادیگا تمہیں) دنیا میں (جس) کے بارے (میں) تم (جھگڑا کرتے تھے) اور آپس میں اختلاف کرتے تھے۔ تو ان دنیوی امور کے تعلق سے، کہ ان میں کیا حق ہے اور کیا باطل ہے، یہ ساری باتیں پر ظاہر کردیگا۔ تو اے لوگو! آج ہی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرو اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا شکر ادا کرو اور جان لو کہ معبود برحق۔۔۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَٰتٍ

وہی ہے جس نے بنایا خودتم لوگوں کو زمین میں خلیفہ، اور بلند فرمادیا ایک کو ایک سے کئی درجے،

لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ ءَاتَىٰكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ

تا کہ آزمالے تم کو اس میں جو دے دیا ہے تم کو۔ بیشک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے۔

وَإِنَّهُۥ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌۢ ﴿١٦٥﴾

اور بیشک وہ ضرور غفور رحیم ہے●

ع ۲۰ / ۱۱ — النصف

(وہی ہے جس نے بنایا خودتم لوگوں کو زمین میں خلیفہ) یعنی زمین میں نائب، جنات کے ۔۔یا۔۔ سابقہ امتوں کے بعد۔۔یا۔۔ تم اللہ تعالیٰ کے زمین میں نائب ہو، تو تم اسمیں تصرف کرتے ۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین پر اپنا نائب بنا کر، ہر ایسے تصرف واختیار کو بروئے کار لانے اجازت دیدی، جس میں خود اس سے بغاوت نہ ہو۔ (اور) اسکے علاوہ (بلند فرمادیا ایک کو ایک) بزرگی اور مالداری وغیرہ میں (کئی درجے، تا کہ آزمالے تم کو اس میں جو دیدیا ہے تم کو)۔ یعنی مال عطا کرنے میں جو فرق مراتب رکھا ہے، وہ صرف اسلئے ہے تا کہ مالداروں کا شکر اور فقیروں کھل کر ہر ایک کے سامنے آجائے، اور جو بے صبرے اور ناشکرے ہیں، وہ سن لیں، کہ (بیشک را پروردگار) بے صبروں اور ناشکروں کو (جلد عذاب دینے والا ہے اور بیشک وہ ضرور غفور رحیم) یعنی بخشنے والا ہے شکر گزاروں اور صابروں کو، اور خصوصی طور پر مہربان ہے ان دونوں پر۔۔۔

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پر

انسان کو اپنا نائب بنایا، تو فریضۂ نیابت انجام دینے کیلئے جن صفاتِ حمیدہ کی ضرورت ہے، اس سے بھی آراستہ کردیا۔۔بلکہ۔۔انسان کو اپنی صفات یعنی حی، قیوم، سمیع، بصیر، حکیم، علیم، قدیر، مختار، متکلم اور صاحب ارادہ وغیرہا کا مظہر بھی بنادیا ہے۔ یہ انسانوں کیلئے بہت بڑا شرف ہے، اسپر وہ جتنا شکرادا کریں وہ کم ہے۔حقیقت تو یہی ہے کہ انسان اپنے رب کریم کا کماحقہٗ شکرادا کرنے سے عاجز وقاصر ہے، تو کم ازکم یہ تو کرے کہ خدا نے جو جاہ ومال اُسے عطا فرمایا ہے، اسکو اسکی نافرمانی میں صرف نہ کرے، اور حتی المقدور اپنے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی میں لگائے رکھے اور اسکی نافرمانی سے اپنے کو بچاتا رہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
۱۵ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔ ۶ ستمبر ۲۰۰۹ء
بروز یک شنبہ سورۂ انعام کی تفسیر مکمل ہوگئی۔
مولیٰ تعالیٰ قرآن کریم کے باقی حصوں کی تفسیر کی
توفیق عطا فرمائے اور اسے آسان فرمادے۔
آمین یا مجیب السائلین بحرمة
حبیبك سید المرسلین سیدنا محمد ﷺ
ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
۱۶ رمضان المبارک ۱۴۳۰ء۔۔مطابق۔۔ ۷ ستمبر ۲۰۰۹ء
بروز دوشنبہ سورۂ اعراف کی تفسیر شروع کردی ہے۔
مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسکی تکمیل
کی سعادت عطا فرمائے۔
آمین یا مجیب السائلین بحرمة
حبیبك و نبیّك محمد ﷺ

سورۃ الاعراف ۷ مکیۃ ۳۹ — ایاتہا ۲۰۶ رکوعاتہا ۲۴

سُوْرَةُ الْاَعْرَاف

سورۂ اعراف مکیہ — آیات ۲۰۶ رکوع ۲۴

قرآن کریم کی ساتویں[۷] سورت اور ترتیب نزول کے اعتبار سے انتالیسویں[۳۹] سورت ہے، جس میں چوبیس[۲۴] رکوع اور دو سو چھ[۲۰۶] آیتیں ہیں۔ اور تین ہزار تین سو ستاسی[۳۳۸۷] کلمات۔۔ نیز۔۔ چودہ ہزار چھ سو پینتیس[۱۴۶۳۵] حروف ہیں۔ یہ سورت مکی ہے۔ بعض مفسرین اسکی آیت نمبر ایک سو تریسٹھ[۱۶۳] سے لیکر آیت نمبر ایک سو ستر[۱۷۰] تک کی آٹھ[۸] آیتوں کو مدنی قرار دیتے ہیں۔ یہ سورۂ ص کے بعد اور سورۂ جن سے پہلے نازل ہوئی۔ اس سورت کی تمام آیات محکم ہیں، ان میں کوئی منسوخ نہیں۔ قرآن کریم میں سورۂ انعام کے بعد اسکا ذکر اسلئے ہے، کہ جو امور سورۂ انعام میں اجمالاً بیان کئے گئے ہیں، اس سورت میں انکا ذکر بہت تفصیل سے کیا گیا ہے، جسکی وجہ سے سورۂ انعام اور سورۂ اعراف میں ایک خصوصی ربط پیدا ہو گیا ہے اور اس سورہ کو سورۂ انعام سے مناسبت حاصل ہو گئی ہے۔۔ المختصر۔۔ ایسی باعظمت اور مینارۂ نور و ہدایت سورۂ مبارکہ کو۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

شروع کرتا ہوں (نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے سب پر اور مومنین کو (بخشنے والا) ہے۔ جسکی ابتداء عربی زبان کے حروف ھجا۔۔۔

الٓمّٓصٓ ۝۱

ال م ص ●

(ال م ص) سے کی گئی۔

یہ حروف مقطعات ہیں، جن کے تعلق سے اسلم راہ یہی ہے، کہ کہہ دیا جائے کہ اپنے اس کلام سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟ اسے وہی حق تعالیٰ ہی جانے۔۔ یا۔۔ اسکے بتانے سے اسکا وہ رسول جانے جن پر ان کلمات کو نازل فرمایا گیا ہے۔ ان کلمات کو قرآن کریم میں رکھنے کی حکمت یہ ہو سکتی ہے، تاکہ ایمان والوں کے ایمان کا امتحان ہو جائے، کہ کیا وہ قرآن

کریم کی انھیں باتوں کو مانتے ہیں جوانکی سمجھ میں آجائیں۔۔یا۔۔ان باتوں کو بھی مانتے ہیں جوانکی سمجھ سے باہر ہیں۔

پہلی صورت میں وہ کتاب کی بجائے اپنی سمجھ پر ایمان لانے والے ہوئے۔کتاب الٰہی پر ایمان لانا تو یہ ہے، کہ اسکی ہر ہر بات پر ایمان لاؤ، خواہ وہ تمہاری سمجھ میں آئے۔۔یا۔۔نہ آئے۔ہم تو صرف اس بات کے مکلف ہیں کہ ان مقطعات کو کلام الٰہی مانیں، جنھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے اور بس۔رہ گیا اسکے اسرار ورموز کو سمجھنا؟ وہ ہمارے لئے ضروری نہیں۔اب اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور دوسرے نیک بندوں کو اسکے معانی اور خدائی مراد کا علم دیدے، تو یہ ایک دوسری بات ہے۔وہ قادر مطلق ہے جو چاہے کرے۔یہ تو رہا اسلم راستہ اور اس میں ہی زیادہ احتیاط ہے۔۔مگر۔۔ایک سالم راستہ یہ بھی ہے کہ اسکی ایسی تاویل کی جائے، جو کسی محکم آیت سے نہ ٹکرائے اور نہ ہی کسی شان والے کی شان گھٹائے۔۔نیز۔۔اس تاویل کو قبول کر لینے میں کوئی شرعی۔۔یا۔۔عقلی قباحت بھی نہ ہو۔

اسی نکتے کو سامنے رکھ کر کہا گیا ہے کہ **المٓصٓ** قرآن کریم۔۔یا۔۔اسی سورہ کا نام ہے ۔۔یا۔۔ان میں ہر ایک حرف اشارہ ہے خدا کے ناموں میں سے کسی ایک کی طرف، جیسے 'ا' سے الٰہ، 'ل' سے لطیف، 'م' سے ملک، اور 'ص' سے صبور۔۔یا۔۔ہر حرف کنایہ ہے ایک صفت سے، جیسے 'الف' سے اکرام، 'لام' سے لطف، 'میم' سے مجد اور 'صاد' سے صدق۔۔یا۔۔بعضے حروف ناموں پر دلالت کرتے ہیں اور بعضے افعال پر۔تو اصل میں یوں ہوگا۔۔

'اَنَا اللّٰهُ اَعْلَمُ وَاُفَصِّلُ'

۔۔یعنی۔۔میں خدا ہوں کہ جانتا ہوں اور بیان کرتا ہوں۔۔یا۔۔سب سے زیادہ جاننے والا ہوں اور حق کو باطل سے جدا کرتا ہوں۔۔المختصر۔۔

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ

کتاب جو اتاری گئی تم پر، تو نہ ہو تمہارے سینہ میں کوئی جھجک اس سے، تاکہ ڈراؤ تم اس سے،

وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲

اور نصیحت ہے مان جانے والوں کیلئے●

میں نے جبرائیل کے ذریعہ، اے میرے محبوب محمد عربی! آپ کی ذات مقدسہ اور صورت

شریعہ پر جو کلام نازل فرمایا، وہ ایک عظیم (کتاب) ہے (جو اتاری گئی تم پر)۔اسکی تبلیغ اور پیغام الٰہی پہنچانے کیلئے، (تو نہ ہو تمہارے سینہ میں کوئی جھجک اس سے) یعنی اس پیغام رسانی کے تعلق سے آپ دل تنگ نہ ہوں اور قوم کی تکذیب سے غمناک نہ ہوں۔۔المختصر۔۔یہ کتاب تم پر نازل ہی کی گئی اسلئے (تاکہ ڈراؤ تم اس سے) کافروں کو (اور) چونکہ یہ (نصیحت ہے مان جانے والوں کیلئے)، تو ان مومنین کی اس سے نصیحت کرتے رہو۔تو اے مکلّف لوگو!

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۗ قَلِيْلًا مَّا

تم لوگ چلو اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا تمہارے رب کی طرف سے، اور مت پیروی کرو جو قرآن کو چھوڑ کر حاکم ہیں۔تم لوگ کم نصیحت

تَذَكَّرُوْنَ ۝۳ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ۝۴

قبول کرتے ہو● اور کتنی بستیاں تھیں جن کو ہم نے تباہ کر دیا، تو وہاں آیا ہمارا عذاب رات کو سوتے میں، یا وہ دن میں قیلولہ کر رہے تھے●

(تم لوگ چلو اس پر جو تمہاری طرف اتارا گیا تمہارے رب کی طرف سے)۔یعنی اوامر و نواہی یاد رکھ کر قرآن کریم کی متابعت کرو اور صرف اسی کی پیروی کرو۔(اور مت پیروی کرو) انکی (جو قرآن کو چھوڑ کر حاکم ہیں) خواہ وہ شیاطین انس سے ہوں۔۔یا۔۔شیاطین جن سے۔جو خلق خدا کو گمراہی میں ڈالتے ہیں۔تو اب اگر تم نے غیر حق کی متابعت کی، تو ظاہر ہو جائیگا کہ (تم لوگ کم نصیحت قبول کرتے ہو) تھوڑی سی نصیحت پکڑتے ہو۔سنو! (اور) یاد رکھو کہ حق کی پیروی نہ کرنے والے کافروں اور فاجروں کی (کتنی بستیاں تھیں جن کو ہم نے تباہ کر دیا، تو وہاں) یعنی انکے دیہاتوں اور شہروں میں (آیا ہمارا عذاب رات کو سوتے میں) جیسے قوم لوط علیہ السلام پر آنے والا عذاب۔(یا) اس وقت جبکہ (وہ دن میں قیلولہ کر رہے تھے) یعنی دوپہر میں سو رہے تھے، جیسے کہ قوم شعیب پر آنے والا عذاب۔

مذکورہ بالا دو وقتوں کی تخصیص اس جہت سے ہے کہ یہ اوقات آسائش اور استراحت کے ہیں، ان میں عذاب کا نہ تصور ہوتا ہے اور نہ ہی توقع ہوتی ہے۔اور جو بلاءِ ناگہانی دفعتاً آجائے، وہ بہت سخت ہوتی ہے۔جیسے 'نعمت غیر مترقبہ' بہت خوب اور نہایت لذیذ و مرغوب ہوتی ہے۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۵

تو نہ تھی ان کی کوئی بولی بات، جبکہ آگیا ان پر ہمارا عذاب، مگر یہ کہ بولے کہ بے شک ہم ظالم تھے●

(تو نہ تھی انکی کوئی بولی بات جبکہ آگیا ان پر ہمارا عذاب) اور ہماری بلا، (مگر یہ کہ بولے کہ بیشک ہم ظالم تھے) اور رسولوں کی تکذیب کر کے اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔۔الغرض۔۔وہ اس وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کرلینگے، اور یہ گمان کرینگے کہ صرف اپنے گناہوں کا اعتراف کرلینا ہی عذاب سے نجات کا باعث ہوگا۔ حالانکہ عذاب کا نازل ہونا اور تکلیف طاعت کا اٹھ جانا، یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔تو نزولِ عذاب کے وقت توبہ واستغفار کچھ مفید نہیں ہوتی۔

۔۔ہاں۔۔حضرت یونس کی قوم اس حکم سے مستثنیٰ ہے، جسکا ذکر انشاء المولیٰ تعالیٰ آگے آئیگا۔

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَ لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ۝

تو ضرور ہم سوال کریں گے ان سے جن کی طرف رسول کیے گئے۔اور ضرور ہم پوچھیں گے رسولوں سے●

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَیْهِمْ بِعِلْمٍ وَّ مَا كُنَّا غَآئِبِیْنَ ۝ وَ الْوَزْنُ یَوْمَئِذِ

پھر ضرور ہم خود ہی بتادیں گے اپنے علم سے۔ اور ہم تو کہیں سے غائب نہیں● اور عمل کی تول اس دن

الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

ٹھیک ہے۔ تو جس کا وزن بھاری ہوا، وہی کامیاب ہیں●

(تو ضرور ہم) قیامت کے دن (سوال کرینگے ان سے، جن کی طرف رسول) روانہ (کیے گئے) تاکہ وہ پیغام رسالت کو قبول کریں اور رسولوں پر ایمان لائیں۔۔۔یہ سوال بھی ملامت اور عذاب کے طور پر ہوگا۔۔۔(اور) یونہی (ضرور ہم پوچھیں گے رسولوں سے) کہ کیا تم نے فریضہ رسالت ادا کردیا تھا اور حکم پہنچادیا ہے۔

ان سے یہ سوال سرفرازی اور تکریم کیلئے ہوگا، تاکہ انکے جواب سے اہل محشر پر انکی فضیلت وعظمت ظاہر کردی جائے۔۔یا یہ کہ۔۔امتوں سے یہ سوال ہوگا، کہ کیا تم نے انبیاء کرام کی فرمانبرداری کی تھی اور انبیاء سے یہ استفسار ہوگا، کہ کیا تم نے امت پر مہربانی کی تھی۔ لیکن وہ ایسا وقت ہوگا کہ خوف وہیبت کی وجہ سے امتی لوگ کچھ نہ بول سکیں گے۔۔نیز۔۔انبیاء کرام ادب ولحاظ کر کے خاموش رہیں گے۔۔تو۔۔

(پھر ضرور ہم خود ہی بتادینگے اپنے علم سے) کہ ہر ایک نے کیا کیا ہے اور انکا کہنا سننا کیا تھا۔

(اور) ہماری شان تو یہ ہے، کہ (ہم تو کہیں سے غائب نہیں)۔۔الغرض۔۔نہ ہم ان سے دور تھے، نہ ان سے غائب، اور نہ ہی ان کے افعال واقوال سے بے خبر۔ قیامت کا دن عدل وانصاف کے ظہور کا دن ہے۔۔۔

(اور عمل کی تول اس دن) بالکل (ٹھیک ہے) جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

'عمل کی تول' سے مراد یہ ہے، کہ اس دن واضح کردیا جائیگا، کہ راجح عمل کون ہے؟ اور کمزور کون ہے؟ اور ان میں کھرا کون ہے اور کھوٹا کون ہے؟۔۔۔

(تو جسکا وزن بھاری ہوا، وہی کامیاب ہیں)۔۔الغرض۔۔جس کے اعمال بھاری ہونگے، یعنی وہ نیکیاں جو تولی جائینگی اگر بوجھل ہونگی، تو ان نیکیوں کو انجام دینے والا کامیاب وسرفراز ہوگا۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور جس کا پلہ ہلکا پڑا، تو وہ ایسے ہیں کہ گھاٹے میں ڈالا خود اپنے کو۔ یہ بدلہ ہے

بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾

جو ہماری آیتوں سے زیادتی کرتے تھے●

(اور) اسکے برخلاف (جسکا) نیکیوں کا (پلہ ہلکا پڑا) گناہوں کی نحوست کی وجہ سے، (تو وہ ایسے ہیں کہ گھاٹے میں ڈالا خود اپنے کو) یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنی فطرت سلیمہ 'جس پر انکی تخلیق ہوئی تھی' ضائع کردیا، اور ایسے اعمال کا ارتکاب کیا جو عذاب کے سبب بنے، تو انھوں نے اپنے نفوس کو خسارے میں ڈالا۔

ظاہر ہے کہ جو اپنے راس المال یعنی اصل پونجی کو ضائع کردیتا ہے، وہ گھاٹے والا ہوتا ہے۔ تو انسان کی اصل پونجی اسکا اپنا نفس ہے، پھر جب وہ برے اعمال سے ہلاک وتباہ ہوا، تو گویا اس نے نفس کو ضائع کردیا اور خسارے کا شکار ہوگیا۔

اور (یہ) خسران اور گھاٹا، (بدلہ ہے) اسکا (جو ہماری آیتوں سے زیادتی کرتے تھے) یعنی انکی تصدیق کی بجائے انکی تکذیب کرتے تھے۔ تو اے خدا کی نافرمانی کرکے اپنے کو خسارے میں ڈالنے والو! اور اپنے نفس کو ہلاک کردینے والو! غلط روی اختیار کرتے وقت تمہیں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا بھی خیال نہیں رہا، تو اے قریشیو! آؤ۔۔۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ

اور ضرور بیشک ہم نے جماؤ دیا تم کو زمین پر اور پیدا کر دیا تمہارے لئے اس میں زندگی کے سامان۔

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۧ ۱۰

ع ۸

تم لوگ کم شکر گزار ہوتے ہو●

(اور) سنو (ضرور بیشک ہم نے جماؤ دیا تم کو زمین پر) اور قدرت دیدی تا کہ تم زمین پر مکان وغیرہ بنا کر اور کھیتی باڑی کر کے سکون سے اس پر رہ سکو۔ یہی ہماری عطا کردہ قدرت کا ثمرہ ہے، کہ تم گرمی اور جاڑے میں شام و یمن کی سیر کرتے رہتے ہو۔۔ الغرض۔۔ ہم نے تم پر احسان کیا (اور پیدا کر دیا تمہارے لئے اس میں زندگی کے سامان) کسب اور تجارت کے ذریعہ، اور انکے علاوہ جو وسعت معیشت کا سبب بن سکیں۔ مگر تمہارا حال یہ ہے کہ (تم لوگ کم شکر گزار ہوتے ہو) باوجود اسکے کہ ایسی نعمتیں تمہارے ساتھ مخصوص کر دی گئی ہیں۔۔ یا یہ کہ۔ تم میں کم لوگ ہیں جو شکر گزاری کے مراسم پر قائم رہتے ہیں۔ ذرا ہمارے احسانات کا جائزہ تو لو۔۔۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ

اور البتہ ہم نے پیدا فرمایا تم کو، پھر صورت بخشی تمہیں، پھر فرمایا ہم نے فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کا۔

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝۱۱

توسب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے۔ کہ وہ سجدہ کرنیوالوں میں نہ ہوا●

(اور) غور کرو کہ (البتہ ہم نے پیدا فرمایا تم کو) تمہارے باپ آدم کی پشت میں، (پھر صورت بخشی تمہیں) تمہاری ماؤں کے شکم میں۔۔ الغرض۔۔ باپوں کی پشت میں تمہیں پیدا کیا، اور پھر ماؤں کے شکم میں تمہاری صورت گری کی۔ اور تمہیں یہ اعزاز بھی بخشا کہ تمہارے وجود کی اصل الاصول تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی اور انکا پیکر تیار کر کے اسمیں روح ڈالی، جس سے وہ موجود ہو گئے۔ (پھر) انکو زمین کی خلافت عطا فرمائی اور انھیں عزت و کرامت کی مسند پر بٹھا دیا اور انکی عظمت کو ظاہر کرنے کیلئے (فرمایا ہم نے فرشتوں سے، کہ سجدہ کرو آدم کا) اور انکی تعظیم و تحیت بجالاؤ، (توسب) فرشتوں (نے) فرمانبرداری کی راہ سے (سجدہ کیا، سوا ابلیس کے) کیوں (کہ) عُجب اور حسد کی راہ

نے (وہ سجدہ کرنے والوں میں نہ ہوا)۔ یہ تھا ابلیس کا عمل جس نے اُسے خداوندی لعنت کا مستحق بنادیا

۔۔۔الختصر۔۔۔اللہ تعالیٰ نے اس سے۔۔۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ

فرمایا کہ "کس چیز نے روکا تجھ کو، کہ تو نے سجدہ نہ کیا؟ جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا"۔ بولا "میں بہتر ہوں اس سے"۔

خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

"مجھ کو تو نے آگ سے بنایا، اور ان کو مٹی سے پیدا کیا"●

(فرمایا کہ کس چیز نے روکا تجھ کو، کہ تو نے سجدہ نہ کیا، جبکہ میں نے تجھ کو حکم دیا)۔ تو وہ جواباً (بولا) کہ (میں بہتر ہوں اس سے)۔ اسلئے کہ (مجھ کو تو نے آگ سے بنایا اور ان کو مٹی سے پیدا کیا)۔

اور آگ جو ہر لطیف علوی نورانی ہے، اسکے برعکس مٹی جسم کثیف، سفلی، ظلماتی ہے۔ تو شیطان تعجب میں پڑ گیا اس بات سے، کہ مجھ جیسے کو اُس جیسے کے سجدہ کا حکم دیا جارہا ہے۔ تو شیطان کا خود کو حضرت آدم سے بہتر سمجھنا ہی سجدہ کرنے سے مانع ہوا۔ تو۔۔۔

'میں آدم سے بہتر ہوں'۔۔۔ یہ ہوا شیطان کا عقیدہ

جسکی وجہ سے وہ ہمیشہ کیلئے مردود و ملعون قرار دیدیا گیا اور نبی کی گستاخی کی اُسے یہ سزا ملی کہ اس سے توبہ کی توفیق ہی چھین لی گئی۔ اسی لئے اس نے مہلت تو مانگی، لیکن مغفرت نہیں مانگی۔ ویسے بھی شیطان نے زبردست مغالطہ کھایا، کہ عنصر کے اعتبار سے فضیلت کا لحاظ کیا۔۔۔ اگر فاعل کے اعتبار سے، کہ:

لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ۔۔۔

'واسطے اسکے کہ جسکو پیدا کیا میں نے دونوں ہاتھوں سے'۔۔۔ اس سے عبارت ہے

۔۔۔اور حقیقت کی نسبت سے، کہ:

نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔۔۔

'پھونکی میں نے اس میں اپنی روح میں سے'۔۔۔ اسکی طرف اشارہ ہے

۔۔۔دیکھتا، تو اُسے معلوم ہوجاتا کہ بہتری اور بزرگی آدم ہی کو ہے۔

اور آگ کے مٹی پر افضل ہونے میں بھی اسکا قیاس صحیح نہیں تھا۔ اس واسطے کہ آگ خائن ہے، جو کچھ اُسے دیجئے اسے نیست و نابود کردیتی ہے۔ اور خاک امین ہے، جو کچھ اُسے سپرد

کریں اسکی حفاظت کرتی ہے۔اور امین خائن سے بہتر ہے۔اور آگ متکبر اور سرکش ہے، اور مٹی متواضع اور فروتن ہے۔اور تواضع تکبر سے بہتر ہے۔خاک نقش کو قبول کرلیتی ہے، جیسے کہ حضرت آدم نے نقش معرفت قبول کرلیا:

كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ ---لکھا انکے دلوں میں ایمان۔

---اسکے برعکس آگ نقش کو جلادیتی ہے، جیسا کہ ابلیس نے نقش معرفت جلادیا:

فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ---پس نافرمانی کی اپنے خدا کے حکم سے۔

--الختصر--جب شیطان نے اپنی اس سرکشی کا مظاہرہ کیا، تو اسکو خدا کا---

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ

فرمان ہوا، "تو یہاں سے اتر جا" "تجھے حق نہ تھا کہ یہاں غرور کرے،" "نکل، بے شک

مِنَ الصَّاغِرِينَ ۝۱۳

تو کمینوں سے ہے"●

(فرمان ہوا) کہ (تو یہاں سے اتر جا) آسمان سے--یا--بہشت سے--یا--تیری عبادت کے صلہ میں تجھے جو بلند مرتبہ عطا کیا گیا ہے، عزت وکرامت کی اس مسند سے نیچے اتر جا، اس معصیت کے سبب جسکا تو مرتکب ہوا--الغرض--یہ حکم بھی عذاب الٰہی تھا اسکے گناہ پر۔

اے ابلیس! (تجھے حق نہ تھا) اور یہ کسی حال میں بھی تیرے لئے روانہ تھا (کہ یہاں غرور کرے) اور فرشتوں کو سجدۂ تعظیمی کرتے ہوئے دیکھنے کے باوجود تو اَڑا رہے۔کیا تیرا آتشی مادہ ان فرشتوں کی نورانی حقیقت پر بھی فضیلت رکھتا ہے، تو یہ تیرے ہی بنائے ضابطے سے تجھ سے افضل ہوئے، اسلئے کہ انکا مادہ تیرے مادے سے افضل ہے۔تو جب تجھ سے کہیں زیادہ فضیلت رکھنے والے جھک گئے، تو تو نے مفضول تر ہونے کے باوجود سجدہ کرنے میں کیوں عار محسوس کی؟ اچھا اب تو اس قابل نہیں رہا کہ عزت وکرامت کی جگہ بہشت میں رہ سکے--یا--آسمان کی بلندی پر تیرا ٹھکانا ہو، اسلئے کہ آسمان متواضعین کے رہنے کی جگہ ہے، نہ کہ مغرورین کی قیامگاہ۔

--لہٰذا--(نکل) جا، اسلئے کہ (بیشک تو کمینوں سے ہے) یہ تیری کتنی بڑی کمینگی تھی، کہ حکم کو تو دیکھا، لیکن حکم کرنے والے کو نہیں دیکھا اور اسکی عظمتوں کا خیال نہیں کیا [illegible]

ان پیکر آدم میں نہیں دیکھا۔ اگر تو پیکر آدم میں دیکھتا، تو نور محمدی کے جلوے نظر آتے، اور تجھ پر ظاہر ہو جاتا کہ دراصل پیکر آدم کی طرف رخ کرا کے اسی نور کی تعظیم کرانی مقصود تھی۔۔ علاوہ ازیں۔۔ اگر تو پیکر آدم میں دیکھتا، تو تجھے اس میں خلافتِ الٰہیہ اور نیابتِ خداوندی کی تجلیاں نظر آتیں۔۔۔ پھر اس مردود نے جسارت کا مظاہرہ کیا۔۔ اور۔۔

قَالَ اَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾

بولا، "میری جان بخشی کی جائے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں"●

(**بولا میری جان بخشی کی جائے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں**)، وہ حشر کا دن ہے اور اس دن کے بعد کسی کو موت نہیں آئیگی۔

تو اس گزارش میں ابلیس کی دبی ہوئی خواہش یہ تھی کہ اُسے موت ہی نہ آئے، اور وہ اس عمومی قاعدے سے بچ جائے کہ 'ہر شخص کو موت آنی ہے'۔۔ تو۔۔

قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۱۵﴾

فرمان ہوا، "بیشک تجھ کو مہلت ہے"●

اسکی اس عرض پر خدائی (**فرمان ہوا کہ بیشک تجھ کو مہلت ہے**) وقت معلوم تک کیلئے۔ یعنی نفخہ اولیٰ تک۔ اسلیئے کہ اس دن تمام مخلوق مر مٹے گی۔ اس میں ان کے ساتھ ابلیس بھی مرے گا۔

۔۔ الغرض۔۔ حق تعالیٰ نے، نہ تو یہ کیا کہ ابلیس کی درخواست کو بالکلیہ مسترد فرما دیا، اور نہ یہی کیا کہ اسکو کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے ضابطے سے مستثنیٰ فرما دیا۔۔ لہٰذا۔۔ اسکو صرف اتنی مہلت عطا فرمائی، جس سے مہلت مانگنے سے ابلیس کا جو مقصد ہے اسکے حصول کا ظاہری امکان باقی رہے۔ یہاں یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ استدراجاً کافر کی بعض دعا بھی قبول کر لی جاتی ہے۔ ابلیس ہی ایک تھا جسکو اس درخواست پر مہلت عطا فرمائی گئی، اسکے سوا اور کوئی مہلت یافتہ نہیں تھا۔۔ چنانچہ۔۔ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ۔۔ 'تو مہلت پانے والوں میں سے ہے'۔ تو یہ گویا آنے والوں کو مدنظر رکھ کر کہا گیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تجھ کو اتنی زندگی عطا فرمائی جائیگی، کہ تو ان لوگوں کا ساتھی ہو جائے، جن کی موت نفخہ اولیٰ سے ہوگی۔ اس مہلت کی خبر سننے کے بعد۔۔۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾

بولا، "تو چونکہ میری گمراہی تو نے ظاہر کردی، ضرور آسن جماؤں گا تیرے سیدھے راستہ میں جوانکے لئے ہے"●

ابلیس (بولا، تو چونکہ میری گمراہی تو نے ظاہر کردی) اور مجھے اپنی رحمت سے بے نصیب کردیا، تو (ضرور آسن جماؤں گا تیرے سیدھے راستے میں، جوان کیلئے ہے)۔ یعنی اولاد آدم کو سیدھے راستے سے باز رکھنے کیلئے اور انھیں دین اسلام سے دور کرنے کیلئے۔۔المختصر۔۔میں ہمیشہ اس بات کے درپے رہونگا کہ انکی رہزنی کروں اور صراط مستقیم پر چلنے نہ دوں اور اس کام کیلئے میں انکا چکر لگاتا رہونگا۔۔اور۔۔

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ

"پھر ضرور آؤں گا ان کے پاس، سامنے سے، پیچھے سے، اور داہنے سے،

وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور بائیں سے، اور تو ان کے بہتیروں کو شکر گزار نہ پائے گا"●

(پھر ضرور آؤنگا انکے پاس سامنے سے) یعنی امر آخرت میں، اور کہونگا بعث وحشر اور بہشت و دوزخ کچھ بھی نہیں، اور انکے دلوں میں حسد ڈالونگا اور اس طرح سے بہتر بنا کر انکے دلوں میں حسد پیش کرونگا، کہ وہ اپنے ہم عصر علماء ومشائخ پر حسد کر کے انکے احوال واعمال واقوال پر طعنہ زنی کرینگے۔ اور انکے (پیچھے سے) یعنی دنیوی جہت سے انھیں دنیوی امور کی رغبت دلاؤنگا۔۔یا۔۔از جہت تعصب کہ وہ صحابہ وتابعین اور سابقہ مشائخ واولیاء کرام پر طعن وتشنیع کرینگے، اور انکے بغض میں مبتلا ہونگے (اور داہنے سے) یعنی حسنات کی جہت سے، کہ انھیں عُجب وریاء میں مبتلا کرونگا۔۔یا۔۔ از جہت انبساط: کہ مریدین کو باوجودیکہ مشائخ وعلماء واولیاء کی صحبت میں گزارینگے، لیکن آداب مجلس سے محروم ہونگے، کہ انکی عظمت وہیبت انکے دلوں سے اٹھالونگا اور ایسا بے باک بنادونگا، کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر بلا تکلف کلام کرینگے اور ہنسی مذاق کرنے سے نہ رکیں گے۔ اس بنا پر وہ صحبت کے فیوض و برکات سے محروم ہوجائینگے (اور بائیں سے) یعنی مخالفت کی جہت سے، کہ اپنے علماء ومشائخ کے اوامر ونواہی کی صریح مخالفت کرینگے۔ میں انھیں انکی مخالفت پر سخت اکساؤنگا۔ وہ اگرچہ انکے ارشادات کے قبول کرنے کے مدعی ہونگے، لیکن درحقیقت وہ ہونگے پکے مخالف۔

ان چہار جہتوں کی تخصیص صرف اسلئے ہے، کہ دشمن کا حملہ ہمیشہ انھیں جہات سے ہوتا ہے۔اس سے شیطان کی سخت جدو جہد کا بیان مقصود ہے، کہ وہ انسان کو بہکانے اور سیدھی راہ سے ہٹانے میں یونہی جدو جہد کرتا ہے اور جس طرح سے اس سے بن پڑتا ہے وہ انسان کو راہِ حق سے ہٹا کر جہنم کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔اس میں تحت وفوق یعنی 'نیچے اور اوپر' کا ذکر نہیں۔اسلئے کہ عموماً دشمن کا حملہ ان دو جہتوں سے نہیں ہوتا۔اور اگر ہوتا بھی ہے، تو بہت کم۔آخر میں شیطان کہتا ہے کہ میری اس جدو جہد۔۔۔

(اور) بھر پور محنت کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ (تو انکے بہتیروں کو شکر گزار نہ پائیگا)۔

شیطان نے یہ بات بطور ظن وتخمین کہی۔اسلئے کہ جب اس نے اولادِ آدم کے اوصاف سنے اور متضاد عناصر سے انکے پیکر کی ترکیب دیکھی، تو اسے متعدد اوصاف ایسے دکھائی دیئے، جو شر وفساد کا مبدء تھے۔۔مثلاً: شہوت، غضب وغیرہ اور مبدء خیر، صرف عقل نظر آئی، تو اُسے خیال گزرا کہ متعدد کو اکیلے پر غلبہ ہوسکتا ہے۔۔چنانچہ۔۔اس نے وہی کہا جسکا ذکر اوپر ہوا۔۔پھر۔۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ

فرمان ہوا، "نکل یہاں سے، مردود۔ملعون۔جو ان میں سے تیری چال چلا،

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

تو بھر دوں گا جہنم کو، تم سب سے"●

(فرمان) الٰہی (ہوا، نکل) جا (یہاں سے)۔بہشت سے۔۔یا۔۔آسمان سے۔۔یا۔۔عزت وکرامت کے ایوان سے، کیونکہ تو سخت عیب دار اور (مردود) ہے اور دھتکارا ہوا (ملعون) ہے۔ایک طرف عیب کیا اور پھر اپنے کو اعلیٰ وافضل سمجھا؟۔۔۔اے ابلیس سن لے! کہ تجھے جو سزا ملی، وہ تو ملی ہی، میں نے طے کرلیا ہے کہ (جو ان میں سے) یعنی اولادِ آدم میں سے یا خود تیری اولاد میں سے ہو، اگر (تیری چال چلا) اور کفر وطغیان میں تیری پیروی کی، (تو بھر دونگا جہنم کو تم سب سے)۔یعنی تجھ سے اور تیری پیروی کرنے والوں سے۔۔۔ابلیس کو بہشت سے نکال دینے کے بعد ہم نے آدم کو مخاطب کیا۔

وَ يٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا

"اور اے آدم تم رہو اور تمہاری بی بی جنت میں، پھر کھایا کرو جہاں چاہو"

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾

"اور اس پیڑ کے قریب نہ جانا کہ اپنا بنا بگاڑ دو"●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ (اے آدم! تم رہو اور تمہاری بی بی) حواء (جنت میں، پھر کھایا کرو) جنت کے میووں اور نعمتوں میں سے جو چاہو، جب چاہو اور (جہاں) سے (چاہو)، مگر یہ خیال رہے (اور) دھیان رہے کہ (اس) گیہوں ۔۔یا۔۔ انگور کے (پیڑ کے) دانوں کو تناول کرنے کے (قریب نہ جانا)۔ اور اب اگر تم اس میں سے کھالو گے، تو اپنے نفس پر زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے، تو ایسا نہ کرو جس سے (کہ اپنا بنا بگاڑ دو)۔

بھلا شیطان کو کب گوارا ہو سکتا تھا کہ وہ حضرت آدم وحواء کی اس عزت وکرامت کو دیکھ سکتا، تو اس نے جس کام کیلئے مہلت چاہی تھی اسکا آغاز وہیں سے کر دیا، اور۔۔۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا

پھر وسوسہ ڈالا ان دونوں میں شیطان نے، تاکہ ظاہر کر دے ان پر جو پوشیدہ تھیں ان سے ان کی شرمگاہیں۔

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ

اور بولا "کہ نہیں روکا ہے تم کو تمہارے پروردگار نے اس پیڑ سے، مگر یوں کہ ہو جاؤ گے فرشتے،

اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾

یا ہمیشہ جنت میں رہا کرو گے"● "اور قسم کھائی کہ میں تمہارے خیر خواہوں سے ہوں"●

(پھر وسوسہ ڈالا ان دونوں میں شیطان نے)۔ اس سے شیطان کا مقصد یہ تھا (تاکہ ظاہر کر دے ان پر جو پوشیدہ تھیں ان سے)، یعنی (انکی شرمگاہیں)۔

اہل بہشت میں ان کی شرمگاہوں کو کوئی نہیں دیکھتا تھا اور حضرت آدم وحواء علیہما السلام بھی باہم ایک دوسرے کی شرمگاہ نہ دیکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ستر عورت کے واسطے ان دونوں کو کپڑے پہنائے تھے۔ ابلیس نے سمجھا کہ نافرمانی کے سبب سے وہ لباس ان سے دور ہو جائیگا، تو شیطان نے چاہا کہ انھیں خدا کی نافرمانی میں پھنسائے، تاکہ لباس ان سے اُتر

جائے اور شرمگاہ کھل جانے کی وجہ سے ملائکہ میں رسوا ہوں۔
۔۔الحتصر۔۔وہ کسی صورت سے بہشت میں آیا اور یہ بات اسی صورت میں ممکن ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ نے اُسے بہشت سے نکال دیا ہو، اور بہشت میں اسکا رہنا سہنا ختم فرما دیا ہو۔۔مگر ۔۔بالکلیہ کبھی کبھار اس میں داخل ہونے سے نہ روکا ہو۔ ورنہ پھر دوسری صورت یہ ہے، کہ وہ صرف بہشت کے دروازے تک آیا ہو، اور حضرت آدم وحواء سے بہشت کے دروازے سے باہر رہ کر بات کی ہو۔۔الحتصر۔۔شیطان اپنا شیطانی منصوبہ بنا کر آیا۔

(اور) حضرت آدم وحواء سے **(بولا، کہ نہیں روکا ہے تم کو تمہارے پروردگار نے اُس پیڑ سے، مگر یوں کہ)** اس سے کھالینے سے تم **(ہو جاؤ گے فرشتے)** علو منزل۔۔یا۔۔حسن صورت۔۔یا۔۔غذا سے مستغنی ہونے میں **(یا ہمیشہ جنت میں رہا کرو گے)** اور ہمیشہ زندہ رہو گے، تمہیں موت نہیں آیگی جیسے کہ ملائکہ بہشت میں ہیں۔

جب اس وسوسہ کے باوجود حضرت آدم نے درخت سے کھانے پر تامل فرمایا، تو شیطان نے دوسری تدبیر کی۔

(اور قسم کھائی) اللہ تعالیٰ کی **(کہ میں تمہارے خیر خواہوں سے ہوں)**۔۔الغرض۔۔میں تم سے جو کہہ رہا ہوں، وہ شفقت کی راہ سے کہہ رہا ہوں، تا کہ تم مرو ہی نہیں اور ہمیشہ جنت میں رہو۔ حضرت آدم نے خیال کیا کہ خدا کی جھوٹی قسم کوئی نہیں کھاتا۔۔چنانچہ۔۔قسم کی وجہ سے فریب میں آگئے۔۔۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا
تو اتار لایا ان کو دھوکہ سے۔ پھر جب چکھا دونوں نے اس پیڑ سے، تو برہنہ ہو گئیں ان کی شرمگاہیں۔ اور لگے دونوں

يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۗ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا
رکھنے پتہ سے پتہ جوڑ کر اپنے اوپر، جنت کے پتوں سے۔ اور ندا فرمائی دونوں کو ان کے پروردگار نے،

عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾
کہ "کیا ہم نے تم دونوں کو روکا نہیں تھا اس پیڑ سے، اور نہیں کہہ دیا تھا کہ بیشک شیطان تم لوگوں کا کھلا دشمن ہے؟"

(پھر) اس ترکیب سے شیطان **(اتار لایا انکو دھوکے سے)**۔۔چنانچہ۔۔انھیں بلند درجہ سے نچلے مرتبہ پر ڈالدیا۔۔الغرض۔۔ **(پھر جب چکھا)** ان **(دونوں نے اس پیڑ سے، تو برہنہ ہو گئیں انکی**

شرمگاہیں) اوران دونوں میں سے ہرایک نے دوسرے کی شرمگاہ دیکھی، اورانکے سواکسی نے شرمگاہ نہیں دیکھی۔ اور وہ دونوں اس صورت سے شرمندہ و منفعل ہوئے، (اور) ستر پوشی کے خیال سے (لگے دونوں رکھنے پتہ سے پتہ جوڑکر اپنے اوپر جنت کے پتوں سے)۔

قولِ مشہور کے مطابق جنتی انجیر کے پتوں سے۔ پتوں پر پتے اسطرح رکھے کہ ازار کی صورت ہوگئی اور اسطرح انھوں نے اپنی شرمگاہوں کو پتوں سے چھپایا اور ندامت وشرمندگی کی وجہ سے اِدھراُدھر بھاگنے لگے۔۔۔

اس وقت آواز دی (اور ندا فرمائی دونوں کوانکے پروردگار نے)، اے آدم وحواء بتاؤ (کیا ہم نے تم دونوں کو روکا نہیں تھا اس پیڑ سے) کچھ کھانے سے، (اور) کیا (نہیں کہہ دیا تھا، کہ بیشک شیطان تم لوگوں کا کھلا دشمن ہے)۔

ظاہر ہے کہ اسکی دشمنی اسی وقت کھل کر سامنے آگئی تھی، جب اس نے حضرت آدم کا سجدۂ تعظیمی کرنے سے انکار کردیا تھا اور اپنے کو ان سے بہتر قرار دیا تھا۔ اسکی عداوت سارے ملائکہ پر ظاہر ہوگئی تھی۔ جب حضرت آدم شرمندگی کے سبب اِدھر سے اُدھر بھاگ رہے تھے تو حق سبحانہ نے فرمایا، کہ۔۔۔'اے آدم مجھ سے بھاگتا ہے؟۔۔۔آپ نے عرض کیا۔۔۔'نہیں یا رب بلکہ یہ بھاگنا تجھ سے حیا کے سبب ہے'۔۔المختصر۔۔حضرت آدم نے اپنی لغزش کا اعتراف کیا اور حق سبحانہ کی بارگاہ میں اپنی عاجزانہ عرض پیش کردی، اور پھر آدم وحواء۔۔۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۗ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

دونوں کہنے لگے، "اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنا بنا بگاڑ ڈالا○ اور اگر تو نے نہ بخشا ہم کو اور رحم نہ فرمایا ہم پر، تو ہم ہوں گے

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ

گھاٹے والوں سے"● فرمان ہوا، "اترو، تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے۔ اور تمہارے لئے زمین میں

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ

ٹھہراؤ، اور کچھ وقت تک رہن سہن ہے"● فرمان ہوا، "اسی میں جیوگے،

وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

اور اسی میں مروگے۔ اور اسی سے نکالے جاؤگے"●

(دونوں کہنے لگے، کہ اے ہمارے پروردگار، ہم نے اپنا بنا بگاڑ ڈالا) اور اس نافرمانی کے

ب اپنے نفس پر زیادتی کی، (اور) اب (اگر تو نے نہ بخشا ہم کو) یعنی ہماری لغزشوں کو، (اور رحم نہ فرمایا ہم پر) اپنی بخشش سے نواز کر، (تو ہم ہونگے گھاٹے والوں سے)۔۔۔

پھر (فرمان ہوا) اے آدم وحواء اور اے ابلیس، تم سب (اترو) زمین پر، اور جان لو کہ (تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے)۔ تمہاری اولادوں کا بھی یہی حال ہوگا، کہ ان میں بعض بعض کا دشمن ہوگا۔

یہ فرمان سن کر حضرت آدم مغموم ومحزون ہوئے، کہ شاید اب انکی بہشت کی طرف واپسی نہ ہو۔

تو ارشاد ہوا (اور) فرمایا کہ (تمہارے لئے زمین میں ٹھہراؤ) ہے (اور کچھ وقت تک رہن سہن ہے) یعنی یہ زمین تمہاری قرارگاہ اور آرام کی جگہ ہے، ایک وقت تک۔ یعنی تمہاری عمروں کے ختم ہونے تک۔۔ نیز۔۔

(فرمان ہوا) کہ (اسی میں جیو گے) یعنی زندگی بسر کرو گے (اور اسی میں مَروگے)۔ یعنی اسی میں تمہاری قبر ہوگی جس میں تم مدفون ہوگے، (اور) پھر (اسی سے نکالے جاؤ گے) حساب و جزا کے واسطے۔

حضرت آدم نے اس خطاب کے مضمون سے سمجھ لیا کہ دوبارہ جنت میں جائینگے۔ حضرت آدم کے مذکورہ بالا حالات سے لباس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے اور ستر پوشی کی ضرورت کا علم ہوجاتا ہے۔ ستر پوشی انسانی حیا کا تقاضہ اور اسکی فطرت سلیمہ کا مطالبہ ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اللہ تعالیٰ تمام بنی آدم کو اور اہل عرب کو خصوصا جن کی عادت تھی، کہ وہ بیت اللہ شریف میں ننگے ہوکر طواف کرتے تھے اور کہتے، کہ ہم وہ لباس پہن کر طواف نہیں کرتے، جن سے ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی ہے۔۔ الغرض۔۔ ان سب کو مخاطب فرما کر ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ

اے اولادِ آدم! "بیشک اتارا ہم نے تم پر لباس، جو چھپالے تمہاری شرمگاہوں کو اور زیبائش والا۔ اور خوفِ خدا کا

التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۲۶

لباس سب سے بہتر ہے۔" یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ وہ لوگ نصیحت پائیں ●

(اے اولادِ آدم بیشک اتارا ہم نے تم پر لباس جو چھپالے تمہاری شرمگاہوں کو) یعنی آسمانی تدبیروں اور آسمان سے نازل ہونے والے سببوں سے ہم نے پیدا کیا۔ جسکا پہلا فائدہ تو وہی ہے جسکا

اوپر ذکر ہوا کہ اس سے ستر پوشی ہوتی ہے اور وہ لباس تمہاری شرمگاہیں چھپاتا ہے (اور) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ وہ (زیبائش والا) ہے، جس سے زینت وآرائش کی جاتی ہے۔

'لباس' اور 'ریش' میں کیا فرق ہے، اسکے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ایک قول کے پیش نظر 'لباس' وہ ہے جو شرمگاہ کو چھپائے اور جو کپڑا اس سے زیادہ ہو وہ 'ریش' ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ روئی سے جو بنا ہو، وہ 'لباس' ہے اور ریشم یا اون یا کتان سے جو بنا ہے، وہ 'ریش' ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک گھر کے اسباب کو 'ریش' کہتے ہیں۔

(اور) اچھی طرح سے جان لو کہ (خوف خدا کا لباس) ان مذکورہ بالا لباسوں میں (سب سے بہتر ہے)۔ کیونکہ لباسِ تقویٰ عفت والا بھی ہے اور حیا والا بھی، خوف الٰہی والا بھی ہے اور اطاعت الٰہی والا بھی۔۔ الختصر۔ 'لباسِ تقویٰ' آدمی کے عیوب کو ایسا چھپالیتا ہے، جیسے شرمگاہ کپڑے سے پوشیدہ ہوتی ہے۔۔ الحاصل۔۔ **(یہ اللہ) تعالیٰ (کی آیتیں ہیں)**۔ اور اللہ تعالیٰ کی عنایات ونوازشات ہیں، کہ ان سے آدمیوں کی شرمگاہیں چھپتی ہیں اور انھیں درخت کے پتے چپکانے سے مستغنی کردیتی ہیں۔ یہ فضل الٰہی اور عنایت خداوندی اسلئے ہے، تا **(کہ وہ لوگ نصیحت پائیں)** اور اس نعمت کی قدر جانیں۔

حضرت آدم اور ابلیس کے واقعات بیان کرنے کے بعد تمام انسانوں کو خصوصی طور پر متنبہ اور انھیں چوکنا کیا جارہا ہے، کہ وہ اس واقعہ سے سبق حاصل کریں اور شیطان کے مکرو فریب سے غافل نہ ہوں۔۔۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ

اے آدمیو! "نہ فتنہ میں ڈالے تم کو شیطان، جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو نکالا جنت سے، ان دونوں

عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ

کے لباس اتارے، کہ ان کو ان کی شرمگاہیں دکھلادے۔ بیشک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں دیکھتا ہے، ایسا کہ

حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔" ہم نے کردیا شیطانوں کو دوست ان کا جو ایمان نہ لائیں●

تو (اے آدمیو! نہ فتنہ میں ڈالے تم کو شیطان، جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو نکالا جنت سے) یعنی جنت سے نکلنے کا سبب ہوگیا۔ سوچو کہ جو حضرت آدم وحواء کے ساتھ مکر کرکے لغزش کرانے

قدرت پا گیا، تو وہ انکی اولاد کو گمراہ کرنے اور فریب دینے پر بطریق اولیٰ قدرت رکھتا ہے۔ اسلئے تمھیں واجب ہے کہ تم اسکے وسوسے سے احتراز کرتے رہو۔

اس آیت میں 'نہی' شیطان کی طرف منسوب ہے، لیکن مراد عوام ہیں۔ یعنی اے لوگو! تم شیطان کے فتنوں کا شکار ہونے سے اپنے کو بچاؤ اور اسکی پیروی نہ کرو۔

کیا تم نے نہیں سنا، کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا اور (ان دونوں کے لباس اتارے) یعنی انکے لباس اترنے کا سبب بن گیا۔ تا (کہ انکو انکی شرمگاہیں دکھلا دے)۔ اسلئے کہ اس سے پہلے نہ انھوں نے اپنا ستر دیکھا تھا اور نہ ہی کسی دوسرے کا۔ ستر کھلنے سے آپ کو حیاء دامن گیر ہوئی جیسا کہ اوپر اسکا بیان ہو چکا ہے۔۔۔ اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رکھو کہ (**بیشک وہ اور اسکا کنبہ تمھیں دیکھتا ہے ایسا کہ تم ان کو نہیں دیکھ سکتے**) انکی اصلی شکل میں۔ چونکہ تمہارے اجسام کثیف ہیں، اسلئے شیطان اور اسکی اولاد۔۔۔ الغرض۔۔۔ وہ سب تمھیں دیکھتے ہیں، مگر تمھیں شیطان اور اسکی اولاد نظر نہیں آتی، کیونکہ انکے اجسام باریک اور لطیف ہیں۔ جس طرح اپنی لطافت کی وجہ سے ہوائیں نظر نہیں آتیں۔ اور ظاہر ہے کہ جسکا دشمن چھپا ہوا ہو، وہ بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔۔۔ بنابریں۔۔۔ تمھیں اس سے زیادہ خوف رکھنا چاہئے۔

اب اس مقام پر یہ سوچنے کی بات ہے کہ جسے ہم دیکھتے ہی نہیں، تو اس سے مقابلہ کیسے کرسکتے ہیں؟ اور اس سے کیسے بچ سکتے ہیں؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہمیں انکی ذات سے لڑائی اور بچنے کا حکم نہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔ انکے وسوسوں کو دور کرنے اور انکے شر کو قبول نہ کرنے کا حکم ہے، جسکی صورت یہ ہے کہ جب وہ ہمارے دلوں میں وسوسے ڈالیں، تو ہم انکار کردیں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آکر اسکے شر سے بچیں۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے، کہ اگرچہ ہم تو شیطان کو نہیں دیکھتے، لیکن ہمارا رب تو اُسے دیکھتا ہے اور وہ رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ تو جسے ہم نہیں دیکھ سکتے، یعنی شیطان اور اسکی اولاد، تو انکے شر سے بچنے کیلئے اس ذات سے مدد طلب کی جائے، جسکو وہ نہیں دیکھتے اور ظاہر ہے، اسکا مکر اور شر اللہ تعالیٰ کے سامنے بیکار ہے اور نہایت کمزور ہے۔

شیطان کی بات سب سے زیادہ کفار قبول کرتے ہیں۔ جیسے ایک دوست اپنے دوسرے دوست کی بات بے چون وچرا مان لیتا ہے، ایسے ہی کفار بھی شیطان کی بات ایسے مان لیتے ہیں، جیسے کوئی دوست کسی دوست کی بات مانے۔ اسی لئے شیطانوں اور کافروں میں خذلان

محرومی اور غوایت وگمرہی امر مشترک ہوگئی، اور اس حیثیت سے دونوں کو ایک دوسرے سے مناسبت حاصل ہوگئی۔۔الغرض۔۔ یہ مناسبت پیدا کر کے۔۔۔
(ہم نے کر دیا شیطانوں کو دوست انکا جو ایمان نہ لائیں) ور اپنے کفر پر جمے رہیں۔۔۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ
اور جب انھوں نے کی کوئی بے حیائی، تو بولے کہ "اسی پر پاتے رہے ہم اپنے باپ دادوں کو، اور اللہ نے ہمیں اسکا حکم دے رکھا ہے"،
قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾
کہہ دو کہ "بیشک اللہ نہیں حکم فرماتا ننگ کاموں کا"۔ کیا اللہ پر وہ گڑھتے ہو، جس کو جانتے ہی نہیں؟●

(اور) ان بے ایمانوں کا حال یہ ہے کہ (جب انھوں نے کی کوئی بے حیائی) یعنی ایسا فعل جو برائی کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہو۔۔مثلاً: بت پرستی اور ننگے ہو کر طواف کرنا، وغیرہ وغیرہ: تو وہ نصیحت کرنے والوں کو جواب دیتے، تو اب اگر کسی نے انکی نصیحت کی اور انکے عمل کی قباحت کو ظاہر کیا، (تو) اسکے جواب میں (بولے کہ اسی پر پاتے رہے ہم اپنے باپ دادوں کو اور اللہ) تعالیٰ (نے ہمیں اسکا حکم دے رکھا ہے)۔

اس بیان میں کافروں نے اپنے بے حیائی کے کاموں کے جواز کی دو وجہیں بتائیں:
۱۔۔تقلید آباء ۲۔۔امر الٰہی۔ چونکہ تقلید آباء درحقیقت ایسی دلیل نہیں، جسے صحت فعل کیلئے حجت قرار دیا جائے، بالخصوص ایسے فعل کیلئے جسکے بطلان پر دلائل قاطعہ موجود ہوں۔۔المختصر ۔۔تقلید آباء کی حجت ایسی ظاہر البطلان ہے، جسکی تردید کی ضرورت ہی نہیں، لیکن چونکہ اسکی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف انکا افتراء تھا، اس بنا پر اسکی تردید میں فرمایا۔

اے محبوب! (کہہ دو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں حکم فرماتا ننگ کاموں کا) اسلئے کہ اسکی عادت کریمہ ہے، وہ صرف محاسن افعال کا حکم فرماتا ہے اور مکارم خصال کی ترغیب دیتا ہے، تو (کیا اللہ) تعالیٰ (پر وہ گڑھتے ہو جسکو) تم خود بھی (جانتے ہی نہیں)۔ جس امر کی غلط نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اسکی نفی کے بعد، اب مامور بہ کا بیان فرمایا۔ تو اے محبوب!۔۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۙ وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ
کہہ دو کہ حکم دیا ہے میرے پروردگار نے انصاف کا۔۔ اور سیدھا رکھو اپنے رخ کو ہر سجدہ والی عبادت میں،

وَّادۡعُوۡهُ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمۡ تَعُوۡدُوۡنَ ؕ۝۲۹

اوراس کی دہائی دواس کے کھرے دیندار ہوکر۔ جیسا تمہیں شروع میں بنایا پھرلوٹو گے●

(کہہ دو کہ حکم دیا ہے میرے پروردگار نے انصاف کا) ہراس عمل کا جوافراط وتفریط سے خالی ہو۔اسلئے کہ امور میں وہ امر بہتر ہوتا ہے، جودرمیانی ہو۔(اور) فرمادوا ے محبوب! کہ اے ایمان والو (سیدھا رکھواپنے رخ کو ہرسجدہ والی عبادت میں) جہاں بھی سجدہ کرنے کا وقت۔۔یا۔۔سجدہ کرنے کی متعین جگہ سامنے آجائے، توتم اپنے چہرے کواللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرکے خلوص قلب سے عبادت کرو۔۔یا یہ کہ۔۔تم اپنے چہرے کوقبلہ کی طرف متوجہ رکھو۔اور جب نماز پڑھنے کا وقت آجائے، تواس وقت تم جس مسجد میں ہواسی میں نماز پڑھ لواور یہ نہ کہو کہ ہم اپنی مسجد میں جاکرنماز پڑھیں گے۔اوراگر مسجد نہ ہواورنماز کا وقت ہوجائے، توجو بھی جگہ مل جائے اس میں نماز پڑھ لو۔

(اوراسکی دہائی دو) یعنی اسکومعبود سمجھ کرپکارو۔۔الغرض۔۔اسکی عبادت کرو(اسکے کھرے اورمخلص (دیندار ہوکر)۔یعنی سراپا اخلاص بندہ بن کراسکی بندگی کرو۔اوریادرکھو کہ (جیسا تمہیں) اللہ تعالیٰ نے (شروع میں بنایا) یعنی ابتداءً پیدافرمایا، اسی طرح اسکے طلب کرنے پر (پھر) اسی کی طرف (لوٹو گے)۔یعنی اپنے لوٹانے کواپنی پہلی پیدائش پرقیاس کرکے قیامت میں لوٹنے کاانکارنہ کرو، کہ جو ذات ابتدائی تخلیق پرقدرت رکھتی ہے، اُسےلوٹانے کی بھی طاقت وقدرت ہے۔اسے تمہاری تخلیق سے تمہارالوٹانا کوئی مشکل نہیں۔۔یا یہ کہ۔۔جس طرح تمہیں پہلے خاک سے پیدا کیااسی طرح خاک ہی کی طرف پھرجاؤ گے۔

فَرِيۡقًا هَدٰى وَفَرِيۡقًا حَقَّ عَلَيۡهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيۡنَ

ایک فریق راہ پر، اورایک فریق تھے جس پرگمراہی ٹھیک اتری، بیشک انھوں نے بنالیا شیطانوں کو

اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَيَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ۝۳۰

دوست اللہ کوچھوڑکر۔اورگمان یہ رکھتے ہیں کہ وہ ہدایت پائے ہیں●

تمہارا (ایک فریق راہ پر) رہا۔یعنی ہدایت یافتہ رہا، جسے اللہ تعالیٰ نے ایمان کی توفیق دیدی۔ (اورایک فریق) دوسرے (تھے) کہ مقتضائے قضاءِ سابق (جس پرگمراہی ٹھیک اتری)۔یعنی وہ قضا

وقدر کی روشنی میں اس بات کے سزاوار تھے، کہ انھیں انکی گمراہی ہی میں رہنے دیا جائے۔ اسکی وجہ یہ
کہ وہ روحِ سعادت سے بالکلیہ خالی تھے۔ تو (بیشک انھوں نے بنالیا شیطانوں کو دوست، اللہ) تعالیٰ
(کو چھوڑ کر)۔۔۔ الغرض۔۔۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہے اور شیاطین کی اطاعت وفرمانبرداری
میں لگ گئے۔ (اور) یہ بھی انکی ایک خام خیالی ہے کہ اپنے تعلق سے (گمان یہ رکھتے ہیں کہ وہ ہدایت
پائے) ہوئے (ہیں)۔ حقیقت یہ ہے کہ سراسر گمراہ اور کھلے کافر ہیں۔

تو اے مسلمانو! تم انکے افعال قبیحہ کی نقل سے اپنے کو بچاتے رہو، تو نہ تو بنو ثقیف وغیرہ
مشرکین کی عورتوں اور مردوں کی طرح برہنہ ہو کر کعبے کا طواف کرو، یہ گمان کرتے ہوئے کہ تم اسطرح
گناہوں سے پاک صاف ہو جاؤ گے۔ اور نہ ہی بنو عامر کی پیروی کرو، جو حالت احرام میں گوشت
کھانے سے پرہیز کرتے تھے، اور تھوڑے سے کھانے پر قناعت کر کے اس فعل کو طاعت جانتے تھے
اور سمجھتے تھے کہ یہی کعبہ کی تعظیم ہے، اور مسلمانوں سے کہتے، کہ اسطرح تعظیم وتکریم کرنا ہم کو بہت
سزاوار اور لائق ہے۔ تو مسلمانو! غور سے سنو اور ان نادانوں کو بتادو، کہ برہنہ ہو کر طواف کرنے میں
کعبہ کی تعظیم نہیں ہوتی، اور نہ ہی کم خوراکی اور گوشت کھانے سے پرہیز میں اسکی تکریم ہے۔ تو ان تک
یہ خدائی پیغام پہنچادو، کہ۔۔۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا

اے اولادِ آدم اختیار کرو اپنی آرائشگی، ہر بار مسجد آنے میں۔

وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۳۱ ع

اور کھاؤ اور پیو اور بے وجہ خرچ نہ کرو۔ بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا بے وجہ خرچ کرنیوالوں کو●

(اے اولادِ آدم) برہنہ ہونے سے باز رہو اور (اختیار کرو اپنی آرائشگی، ہر بار مسجد آنے میں)
وہ مسجد حرام ہو۔۔۔ یا۔۔۔ کوئی بھی مسجد۔ انسان کی زینت کپڑا پہننے اور ستر پوشی میں ہے، نہ کہ برہنہ ہونے
میں۔۔۔ الغرض۔۔۔ جب جب تم کسی مسجد آؤ، خواہ مسجد حرام میں طواف کیلئے۔۔۔ یا۔۔۔ کسی بھی مسجد میں نماز
کیلئے، تو پاکیزہ صاف ستھرا لباس پہن کر آؤ، اور صرف ظاہری آرائش پر اکتفاء نہ کرو، بلکہ خشوع وخضوع
اور اخلاص سے اپنے باطن کو بھی سنوار لو۔ اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمادیا ہے، تو اسے استعمال
کرو (اور کھاؤ) احرام کی حالت میں گوشت چربی وغیرہ کھانے کی چیزیں۔ (اور پیو) دودھ اور سب

پینے کی پاکیزہ چیزیں۔(اور بے وجہ خرچ نہ کرو۔ بیشک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا ہے بے وجہ خرچ کرنے والوں کو)۔۔الغرض۔۔نہ تو تم حلال کو حرام ٹھہرا کر حد سے گزرو اور نہ ہی کھانے پینے اور دوسرے کاموں میں فضول خرچی سے کام لو۔ یعنی ہر حال میں اپنے کو اسراف سے بچاؤ۔

یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ اسراف بے وجہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں، لیکن اگر کوئی مقصد حسن ہو، تو اسکے لئے کتنا بھی خرچ کیا جائے وہ بے وجہ نہیں۔۔لہٰذا۔۔اسراف بھی نہیں۔

اسلئے کہ اگر یہ ایک حقیقت ہے:

'لَا خَیرَ فِی الاَسرَافِ'

اسراف میں کوئی بھلائی نہیں،

۔۔۔تو یہ بھی اپنی جگہ ایک روشن حقیقت ہے، کہ

'لَا اَسرَافَ فِی الخَیرِ'

نیک کام کیلئے کتنا بھی صرف کردیا جائے وہ اسراف نہیں۔

۔۔۔اپنے کھانے پینے میں ضرورت سے زیادہ خرچ کردیا، تو اسراف ہے۔۔لیکن۔۔ اگر غرباء و مساکین میں اپنا پورا سرمایہ تقسیم کردیا، تو اسراف نہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔صدیق اکبر کا یہ عمل کہ ایک نیک مقصد کیلئے جو کچھ انکے پاس تھا سب لاکر بارگاہِ رسالت میں حاضر کردیا، ہرگز ہرگز اسراف نہیں۔ جب مسلمانوں نے کعبہ شریف کا طواف کپڑے پہن کر شروع کردیا اور حالتِ احرام میں گوشت اور گھی والی اشیاء کھانے لگے، تو مشرکین نے مسلمانوں کو عار دلائی اور مسلمانوں کے عمل کو غلط بتانے لگے، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا۔۔اے محبوب! ان سے۔۔

قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِيۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ‌ؕ

کہہ دو کہ کس نے حرام کیا اللہ کی پیدا کی ہوئی اس زینت کو، جو اس نے نکالی اپنے بندوں کیلئے، اور پاکیزہ روزی کو۔

قُلۡ هِىَ لِلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا خَالِصَةً يَّوۡمَ الۡقِيٰمَةِ‌ؕ

کہہ دو کہ یہ سب ان کیلئے ہے جو ایمان لاچکے دنیاوی زندگی میں، اور صرف انھیں کیلئے ہے قیامت کے دن۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝۳۲

اس طرح ہم آیتوں کی تفصیل کرتے ہیں اہل علم قوم کیلئے ●

(کہہ دو کہ کس نے حرام کیا اللہ) تعالیٰ (کی پیدا کی ہوئی اس زینت کو، جو اس نے نکالی ا
بندوں کیلئے)۔۔ مثلاً: کپڑے اور اسی طرح کی دوسری چیزیں، جن سے زینت اور سنگار کیا جاتا ہے
اور جنھیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے۔۔ مثلاً: نباتات
لباس کتان وغیرہ، حیوانات سے ریشم اور اون وغیرہ اور معادن سے۔۔ مثلاً: سونا چاندی وغیرہ۔ (اور
یونہی کس نے حرام کر دیا (پاکیزہ روزی کو)۔ یعنی حالت احرام میں گوشت وگھی وغیرہ کو۔

۔۔الختصر۔۔ خوراک و پوشاک میں ہر قسم کے کھانے اور لباس استعمال کرنا مباح ہے، جب تک کہ اس میں شرعی قباحت کی صراحت نہ ہو۔ یہ بھی خیال رہے طیبات کی تخلیق کا اصل مقصود یہی ہے کہ بندگانِ خدا کو عبادت الٰہی پر تقویت حاصل ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پاکر عبادت الٰہی میں مصروف ہوں اور کفر و معاصی سے بے زاری کا اظہار کریں۔

۔۔لہٰذا۔۔ اے محبوب! یہ (کہہ دو کہ یہ سب) نعمتیں (انکے لئے ہیں، جو ایمان لاچکے دنیاوی
زندگی میں)۔ رہ گئے کفار، تو وہ اہل ایمان کے طفیلی ہیں، تاکہ قیامت میں انکو کوئی عذر نہ ہو۔۔ الختصر۔
دنیاوی اور عارضی نعمتوں میں کفار و فجار بھی تابع ہو کر مسلمانوں کے شریک ہونگے، مگر آخرت کی جاودانی
اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں (اور) عنایتیں (صرف انھیں کیلئے) یعنی صرف مسلمانوں ہی کیلئے (ہے
قیامت کے دن)۔ جس طرح ہم نے اس حکم کی تفصیل کی، بالکل (اسطرح) ہی (ہم آیتوں) یعنی
نشانیوں اور احکام۔۔ یا۔۔ توحید کے دلائل (کی تفصیل کرتے ہیں)، یعنی مفصل طور پر بیان کرتے ہیں
(اہل علم قوم کیلئے)، یعنی انکے لئے جو علم و فہم رکھتے ہیں۔ اسلئے کہ ان نشانیوں کو وہی سمجھ سکتے ہیں۔
اے محبوب! ان خوگرانِ فواحش و کبائر سے خصوصاً اور باقی لوگوں سے عموماً۔۔۔

قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ

کہہ دو کہ حرام فرما دیا ہے ہمارے پروردگار نے بس بے شرمیوں کو، جو کھلی اور جو ڈھکی ہوں، اور گناہ،

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا

اور ناحق ظلم کو، اور یہ کہ شریک بناؤ اللہ کا اسے، جس کی نہیں اتری کوئی سند،

وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝٣٣

اور یہ کہ اللہ پر وہ لگاؤ جس کا تمہیں علم ہی نہیں●

(کہہ دو کہ حرام فرمادیا ہے ہمارے پروردگار نے بس بے شرمیوں کو)۔فواحش سے مراد وہ ہیں، جن کا قبح واضح اور ظاہر ہو۔یہاں ان سے کبائر مراد ہیں۔۔المختصر۔۔وہ بے شرمی بھی حرام ہے (جو کھلی) ہوئی اور کھلم کھلا انجام دی جاتی ہو، (اور) وہ بے شرمی بھی حرام ہے (جو ڈھکی ہوں) یعنی پوشیدہ طور پر کی جاتی ہوں۔(اور) وہ امور بھی حرام ہیں جو (گناہ) کا سبب بنیں خواہ صغائر ہوں۔۔یا۔۔ کبائر۔(اور) اللہ تعالیٰ نے حرام فرمادیا (ناحق ظلم) وزیادتی اور تکبر (کو)۔۔۔

خیال رہے کہ ظلم وتکبر ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے اس میں حق کا مفہوم پیدا ہوسکتا ہی نہیں۔۔۔ (اور یہ) بھی حرام ہے (کہ شریک بناؤ اللہ) تعالیٰ (کا اُسے جسکی نہیں اتری کوئی سند)۔یعنی ایسی چیزیں جنھیں اللہ تعالیٰ کیلئے شریک ماننے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اور نہ ہی انکی عبادت کا حکم دیا۔اس سے مشرکین کے ساتھ تحکم، ان سے استہزا مقصود ہے، اسلئے کہ اشراک باللہ کیلئے کوئی برہان ہو، تو اُسے نازل کیا جائے۔جب دلیل ہے ہی نہیں، تو اسکے نزول کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔(اور یہ) بھی حرام ہے (کہ اللہ) تعالیٰ (پر وہ لگاؤ جسکا تمھیں علم ہی نہیں)۔۔مثلاً: الحاد یا اللہ تعالیٰ پر افتراء اور بہتان تراشی وغیرہ۔جیسے کہ بول بیٹھے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسکا حکم دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کسی قسم کا امر نہیں فرمایا۔

اب آگے کی آیات میں انبیاء کرام کے جھٹلانے والے مشرکین کی تہدید کی جارہی ہے کہ اے مشرکو! اس خیال میں نہ رہو کہ تمھیں یہاں ہمیشہ رہنا ہے۔اور پچھلی امتوں کے حالات سے سبق لو، کہ جب انکی ہلاکت کا وقت آگیا، تو وہ ہلاک ہو کے رہیں اور اپنے کو ہلاکت سے بچا نہ سکیں۔تو اچھی طرح سمجھ لو اور سن لو، کہ جتنی امتیں ہلاک ہوئیں انکا ایک آخری وقت تھا، کہ جب وہ آگیا، تو ایک گھڑی کیلئے آگے پیچھے نہیں ہوا۔اور انکا کام تمام ہوگیا۔۔تو یوں جان لو۔۔۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً

اور ہر امت کا ایک وقت آخری ہے۔تو جب آگیا ان کا وہ وقت، تو نہ پیچھے ہوں ایک گھڑی

وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٣٤﴾

اور نہ آگے ہوں●

(اور) یقین رکھو کہ (ہر امت کا ایک وقت آخری ہے۔ تو جب آ گیا انکا وہ وقت، تو نہ پیچھے ہوں ایک گھڑی اور نہ آگے ہوں)۔

۔۔الختصر۔۔ موت کا جو وقت متعین و مقرر ہے، نہ اس سے پہلے کسی کی موت آ سکتی ہے اور نہ ہی اس وقت کے بعد کیلئے کوئی زندہ رہ سکتا ہے۔ اور چونکہ کسی کو اسکی موت کا وقت بتایا نہیں گیا، اسلئے وہ ہر وقت موت کا منتظر رہے اور حرام کاموں سے بچتا رہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی حرام کام میں مشغول ہو اور اسکی موت کا وہی وقت مقرر ہو۔۔۔ اس سے پہلی آیت میں انسانوں کی زندگی کے بعد انکی موت کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اور اب اگلی آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے، کہ اب اگر انھوں نے اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کی تھی، تو مرنے کے بعد انھیں کوئی خوف اور غم نہیں ہوگا۔ اور اگر انھوں نے اپنی یہ زندگی سرکشی اور انحراف میں گزاری تھی، تو پھر مرنے کے بعد انھیں دائمی عذاب کیلئے دوزخ میں ڈالدیا جائیگا۔۔ الحاصل۔۔

يَبَنِيٓ ءَادَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِي

اے نسل آدم! اگر آتے رہیں تمہارے پاس تم میں سے رسول، جو پڑھا کریں تم پر ہماری آیتیں،

فَمَنِ ٱتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۵﴾

تو جو ڈرا اور درست ہو گیا، تو نہ کوئی ڈر ان پر، اور نہ وہ رنج پائیں●

ارشاد ہوتا ہے کہ (اے نسل آدم! اگر آتے رہیں تمہارے پاس تم میں سے) یعنی تمہاری ہی نوع سے اور تمہاری ہی زبان میں گفتگو فرمانے والے (رسول، جو پڑھا کریں) اور تلاوت فرماتے رہیں (تم پر ہماری آیتیں) اور خبر دیتے رہیں احکام شریعت سے، (تو) پھر (جو ڈرا) اور پرہیز کیا شرک اور تکذیب سے، (اور درست ہو گیا)، یعنی اعمال صالحہ کو مخلصانہ طور پر انجام دے کر اپنے کاموں کی اصلاح کرلی، (تو نہ کوئی ڈر ان پر) یعنی جس سے ڈرتے ہیں اُس سے بے خوف ہو جائینگے (اور نہ وہ) کسی طرح کا (رنج پائیں) گے۔ اور جس کی وہ امید رکھتے ہیں وہ انھیں میسر ہوگی۔

وَٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِنَا وَٱسْتَكْبَرُوا۟ عَنْهَآ أُو۟لَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلنَّارِ

اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور غرور کیا اس سے، وہ جہنم والے ہیں۔

هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ﴿۳۶﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(اور) اسکے برخلاف (جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو)، یعنی ہماری آیتوں کو رد کر کے رسولوں کی تکذیب کی (اور غرور کیا)، یعنی سرکشی کا مظاہرہ کیا (اس سے) یعنی ایمان سے، ہماری وحدت کی دلیلوں کے ساتھ، تو (وہ جہنم والے ہیں) اور (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔ یعنی یہ وہ دوزخی ہیں، جو ہمیشہ دوزخ میں مقیم رہیں گے۔ ذرا سوچو تو، کہ یہ اللہ کا شریک اور اس کیلئے زوجہ اور اولاد ثابت کر کے اور اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتوں کی نسبت کر کے، اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے تھے۔۔۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۚ أُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ

تو کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے گڑھ لیا اللہ پر جھوٹ، یا جھٹلایا اس کی آیتیں، وہ ہیں جنھیں

نَصِيبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ۖ حَتّٰىٓ إِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ

ان کی تقدیر کا لکھا ملتا رہے گا۔ یہاں تک کہ جب آئے اسکے پاس، ہمارے بھیجے قاصدانِ موت، کہ زندگی پوری کر دیں،

قَالُوٓا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا

تو پوچھا، کہ "کہاں ہیں تمہاری پوجا پکار والے اللہ کو چھوڑ کر؟" بولے "وہ تو ہم سے گم گئے"، اور اپنے اوپر

عَلٰىٓ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كٰفِرِينَ ﴿۳۷﴾

گواہی دی، کہ بیشک وہ کافر تھے●

(تو) غور کرو کہ (کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے گڑھ لیا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت کی جو اُس نے نہیں فرمائی۔ (یا جھٹلایا اسکی آیتیں) یعنی جو کچھ اس نے فرمایا اُسے جھوٹا قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ پر افتراء اور اس کی آیات کی تکذیب دونوں کا گناہ برابر ہے۔ تو ایسے لوگ (وہ ہیں جنھیں انکی تقدیر کا لکھا ملتا رہیگا)، یعنی کتاب لوح محفوظ میں انکی زندگی اور انکے رزق کے تعلق سے جو بات لکھی ہے، وہ انکو ملتی رہے گی اور یہ کب تک؟ (یہاں تک کہ جب آئے اسکے پاس ہمارے بھیجے قاصدانِ موت) یعنی ملک الموت اور انکے خدام، تا (کہ) انکی (زندگی پوری کر دیں) یعنی انکی روحیں قبض کر لیں۔

(تو) پھر زجر و توبیخ کرتے ہوئے ان فرشتوں نے (پوچھا) ان مرنے والوں سے، (کہ کہاں ہیں تمہاری پوجا پکار والے) جنھیں تم نے (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اور اس سے بے نیاز ہو کر ۔۔نیز۔۔اسکی توحید سے انکار کرکے، معبود سمجھ کر پکارتے رہے۔اس جواب میں وہ لوگ (بولے، وہ ہم سے گم گئے)، یعنی ہم سے غائب ہو گئے۔اب ہم انھیں نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہیں۔اور پھر انھوں نے اپنے کفر کا اعتراف کیا، (اور اپنے اوپر گواہی دی کہ) دنیا میں (بیشک وہ کافر تھے)۔

بعض مقام پر ان کافروں کا یہ قول نقل کیا گیا ہے، کہ خدا کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔اس سلسلے میں اصل بات یہ ہے، کہ مختلف فرقے مختلف جواب دینگے۔کوئی اپنے کفر کا اعتراف کریگا، اور کوئی اپنے کفر سے انکار کریگا۔۔یا۔۔ایک ہی جماعت اپنی خبط الحواسی میں مختلف اوقات میں مختلف جواب دیگی۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ

فرمانِ الٰہی ہوا، کہ "داخل ہو جاؤ ان امتوں میں جو تم سے پہلے گزریں، جن وانس سے، جہنم میں"۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ

جب کوئی امت داخل ہوئی، تو لعنت بھیجی اپنی جیسی پر۔یہاں تک کہ جب اکٹھا ہو گئے جہنم میں سب،

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا

تو پچھلی نے پہلی کیلئے کہا، "کہ اے ہمارے پروردگار انھوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، تو انھیں دوگنا عذاب دے

مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

جہنم کا۔" فرمان الٰہی ہوا، کہ "ہر ایک کو دونا عذاب ہے،" لیکن تم بے علم ہو۔

ان سب کیلئے میدان قیامت میں فرشتوں کے ذریعہ (فرمانِ الٰہی ہوا کہ داخل ہو جاؤ ان امتوں میں، جو تم سے پہلے گزریں جن وانس سے) اور پھر ان میں شامل ہو کر اکٹھے ہو کر تم سب جاؤ (جہنم میں)۔

چونکہ جنات کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے پہلے ہے اسلئے 'جن' کے ذکر کو انسان کے ذکر سے مقدم رکھا۔۔الغرض۔۔اگلی پچھلی تمام امتیں جہنم میں داخل ہوں گی۔

تو (جب کوئی امت داخل ہوئی تو لعنت بھیجی اپنی جیسی پر)۔یعنی ہر امت اس دوسری امت

پر لعنت کریگی، جس نے اُسے گمراہ کیا ہوگا۔۔یا۔۔جسکی تقلید میں اس سے گمراہی، سرزد ہوئی ہوگی
۔۔الختصر۔۔کافروں کو گروہوں میں بانٹ دیا جائیگا، اور پھر گروہ در گروہ جہنم میں داخل ہونگے۔ جب
ایک گروہ داخل ہوگا، تو وہ دوسرے پر لعنت کرتا ہوا داخل ہوگا (یہاں تک کہ جب اکٹھا ہوگئے جہنم میں
سب تو پچھلی نے پہلی کیلئے کہا)، یعنی تابعداروں نے لیڈروں کے تعلق سے کہا، (کہ اے ہمارے
پروردگار انھوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، تو انھیں دوگنا عذاب دے جہنم کا)۔
اسپر (فرمان الٰہی ہوا کہ) لیڈر ہو۔۔یا۔۔اسکا پیروکار (ہر ایک کو دونا عذاب ہے) لیڈروں
پر بوجہ کفر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے، اور انکے مقتدیوں کو بوجہ کفر اور لیڈروں کی تقلید کرنے کی
وجہ سے (لیکن تم بے علم ہو) یعنی تمہیں معلوم نہیں ہورہا ہے کہ تمہیں کیا ہورہا ہے؟ اور تمہارے دوسروں
کو کس طرح عذاب میں مبتلا کیا جارہا ہے؟ اس وقت خاموش نہ رہ سکی۔۔۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

اور بولی پہلی دوسری کیلئے، "نہیں ہے تمہیں ہم پر کوئی فضیلت، پس تم بھی عذاب چکھو

ع ۸ / ۱۱ **بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۳۹**

جو تم کمائی کررہے تھے"●

(اور بولی پہلی) لیڈروں کی جماعت (دوسری کیلئے) یعنی اپنے پیروکاروں کی جماعت کیلئے،
یعنی جب وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سن لینگے، تو اپنے مقلدین سے کہیں گے، کہ (نہیں ہے تمہیں ہم پر کوئی
فضیلت)۔ نہ تم کفر سے دور رہے اور نہ ہی گمراہی سے کنارہ کشی کی، بلکہ تم کفر و گمراہی میں ہمارے برابر
کے شریک ہو۔ پھر اب کس خیال میں ہو کہ تمہیں بہ نسبت ہمارے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ یہ ہرگز
نہیں ہوسکتا کہ ہمیں تمہارے سے زیادہ عذاب ہو۔ ہم نے کب تمہیں کفر پر مجبور کیا تھا؟ بلکہ تم خود اس
میں مبتلا ہوئے، اسلیئے کہ وہ تمہاری خواہشات کے عین مطابق تھا۔ (پس تم بھی عذاب چکھو) بہ سبب
اسکے (جو تم کمائی کررہے تھے)۔۔الغرض۔۔کفر کا ارتکاب تم نے خود کیا اور اب اسکا عذاب دوسروں پر
ڈالنا چاہتے ہو۔ یہ سب کفار کے لیڈر اپنی دل کی تسلی کیلئے کہیں گے۔
اس سے پہلی آیتوں میں بھی کفار کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا۔ یہ آیت بھی اسی سلسلے سے
متعلق ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ

بیشک جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور بڑے بنے اس سے، نہ کھولے جائینگے انکے لئے آسمان کے

السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ

دروازے، اور نہ جائینگے جنت میں، یہاں تک کہ داخل ہو جائے اونٹ سوئی کے ناکے میں۔

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾

اور ایسی ہی سزا ہم دیتے ہیں جرائم پیشہ کو●

(بیشک جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو) یعنی ان دلائل کو جو اصول دین پر دلالت کرتے ہیں اور توحید الٰہی، نبوت اور بعثت کو ثابت کرتے ہیں (اور بڑے بنے) رہے (اس سے)۔ یعنی انھوں نے تکبر کیا آیات سے اور ان سے انکار کر کے ایمان سے محروم رہے اور انکے تقاضوں پر عمل نہیں کیا، تو (نہ کھولیں جائینگے انکے لئے آسمان کے دروازے)۔ یعنی نہ انکی دعائیں مستجاب ہونگیں اور نہ ہی انکے اعمال قبول کیے جائینگے، اور نہ ہی آسمان کی طرف انکی روحیں جاسکتی ہیں، جیسے کہ اہل ایمان کی شان ہے کہ انکی دعائیں بھی مستجاب ہوتی ہیں، اور انکے اعمال بھی مقبول ہوتے ہیں، اور انکی ارواح بھی آسمان پر جاتی ہیں۔

--چنانچہ-- مومن کی روح آسمان پر لے جائی جاتی ہے، تو اسکے لئے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں، پھر اُسے کہا جاتا ہے کہ مبارک ہو اس نفس کو جو پاکیزہ جسم کے اندر رہا۔ اسی طرح اسے ساتوں آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے، اور ہر آسمان پر فرشتے اسکا استقبال کرتے ہیں۔ اسکے برعکس کافر کی روح کیلئے جب آسمان کا دروازہ کھولنے کیلئے کہا جاتا ہے، تو اسکے لئے جواب آتا ہے، اے خبیث روح ذلیل وخوار ہو۔ واپس لوٹ جا اور پھر اسی طرح اسے سجین میں ڈھکیلا جاتا ہے۔ یہ ابلیس کے ٹھہرنے کی جگہ ہے، جو ساتوں زمینوں کے نیچے واقع ہے۔

یہ خیال رہے کہ تمام ارواح خواہ سعید ہوں --یا-- شقی، سب کی سب اپنے اجسام سے متعلق رہتی ہیں، اس بنا پر جب روح کو عذاب ہوتا ہے، تو جسم کو اس سے درد محسوس ہوتا ہے-- اہل ایمان گنہگاروں کی روحیں زمین وآسمان کے درمیان ہوا میں لٹکی رہتی ہیں۔

ان میں بعض اپنے قبور میں مقید ہوتی ہیں۔ کسی کو ہفتہ تک، کسی کو ایک مہینہ، کسی کو ایک سال اور کسی کو کم اور کسی کو زائد۔ لیکن انکو اس وقت نجات نصیب ہوتی ہے، جب انکے لئے ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور نیکیوں کے ذریعہ انکی امداد کی جاتی ہے، تب کہیں جا کے انھیں صرف آسمان دنیا کی کسی ایک اقامت گاہ میں جگہ ملتی ہے۔۔الحاصل۔۔

کفار کیلئے نہ تو آسمان کے دوازے کھولے جائینگے (اور) نہ ہی وہ (جائینگے جنت میں، یہاں تک کہ داخل ہوجائے اونٹ سوئی کے ناکے میں)۔۔۔اور یہ صورت ہرگز ہو ہی نہیں سکتی کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہوجائے، تو کافر بھی ہرگز ہرگز جنت میں جا ہی نہیں سکتے۔۔۔(اور ایسی ہی سزا ہم دیتے ہیں جرائم پیشہ کو)۔۔المختصر۔۔جو بھی جرم کفر کا مرتکب ہوگا، وہ ہر حال میں جنت سے محروم رہیگا۔۔بلکہ۔۔

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ

انھیں جہنم کی آگ کا نیچے بچھونا، اور اوپر سے اوڑھنا ہے۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

اور یوں ہی سزا ہم دیتے ہیں اندھیر مچانے والوں کو●

(انھیں جہنم کی آگ کا نیچے بچھونا اور اوپر سے اوڑھنا ہے)۔خلاصہ یہ ہے کہ جہنم انھیں ہر طرف سے گھیر لے گی اور انکے نیچے اوپر آگ ہی آگ ہوگی (اور یونہی سزا ہم دیتے ہیں اندھیر مچانے والوں کو)۔ بڑا جرم کرنے والے بڑے عذاب ہی کے مستحق ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وعد اور وعید دونوں ساتھ ساتھ ذکر فرماتا ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں کفار کیلئے عذاب کی وعید بیان فرمائی تھی اور اب اگلی آیت میں مسلمانوں کیلئے ثواب کا وعدہ بیان فرما رہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے، ہم حکم ہی نہیں دیتے مگر جس کی سکت ہو۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

وہ لوگ جنت والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(اور جو ایمان لائے) اللہ تعالیٰ کی آیات پر (اور نیک عمل کیے) یعنی ان اعمال صالحہ کو اپنا
اوران پر عمل کرتے رہے، جو آیات مذکورہ سے مشروع ہیں۔۔الختصر۔۔ایسے اعمال انجام دیتے رہے
جن میں رضائے الٰہی مطلوب ہو، ایسی بات بھی نہیں کہ ہم نے جن کاموں کا حکم دیا انھیں انجام
۔۔یا۔۔جن کاموں سے روکا ہے اُن سے خود کو بچائے رکھنا انسانی طاقت وقوت سے باہر ہے۔اسلئے
کہ یہ ہماری سنت ہے کہ (ہم حکم ہی نہیں دیتے مگر) وہی، کہ مکلف میں (جس) پر عمل کرنے (کی
سکت ہو) ۔۔الختصر۔۔ابھی جن صالحین کا ذکر کیا گیا ہے، وہی (وہ لوگ) ہیں جو (جنت والے ہیں)
اور (وہ اس میں ہمیشہ) ہمیش (رہنے والے ہیں)۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ

اور ہم نے کھینچ لیا جو ان کے سینوں میں تھا کینہ۔ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ

اور سب نے کہا کہ ساری خوبی اللہ کیلئے ہے، جس نے ہمیں اس کی راہ دی۔۔۔ اور نہ راہ پاتے

لَوْلَا أَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا

اگر نہ ہدایت فرماتا اللہ۔ بیشک آئے ہمارے پروردگار کے کئی رسول حق لے کر۔ اور انھیں ندا

أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۳﴾

دی گئی کہ یہ جنت ہے، جس کے تم وارث کیے گئے، جو تم عملِ صالح کرتے تھے●

اوران پر ہمارا کرم بالائے کرم (اور) خاص عنایت دیکھو کہ (ہم نے کھینچ لیا جو انکے سینوں
میں تھا) آپس میں ایک دوسرے سے (کینہ) اور سخت رنجش اور آپس کا بغض۔یعنی دنیا میں ایک
دوسرے پر جو کچھ بغض وعداوت کے اسباب انکے دلوں میں پیدا ہوئے، انھیں ہم نکال دینگے۔اسلئے
کہ وہ اسباب دنیا میں رہنے کی وجہ سے اوراس سے متعلق ہونے کی وجہ سے تھے۔اوراب جبکہ دنیا میں
نہ رہے، تو ان اسباب کا ہونا کس لئے؟

ذہن نشین رہے کہ حسد، بغض، کینہ وغیرہ دنیا میں شیطان کے وسوسے سے پیدا ہوتا ہے،
تو جب یہ دارِ آخرت میں پہنچیں گے، تو وہاں نہ شیطان ہوگا اور نہ کوئی وسوسہ ڈالنے والا ہوگا،
اسلئے کہ شیطان تو خود اپنے عذاب میں مبتلا ہوگا اور جب اُسے اس سے فراغت ہی نہ ہوگی،

تو قلب انسانی میں کس طرح وسوسہ ڈال سکے گا۔۔یا۔۔آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ ہم انکے قلوب سے حسد اور بغض وعداوت کو دھوڈالینگے۔تو جب انکے دلوں میں مادہ فاسد ہی نہیں رہا، تو وہاں آپس کی محبت کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔

اس ارشاد نے ظاہر فرمادیا، کہ دنیا میں حضراتِ ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، ابن مسعود، عمار بن یاسر، سلمان اور ابوذر، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مابین معمولی طور پر جو اختلافات ہوئے۔۔یا۔۔جنگیں ہوئیں، آخرت میں انکے تمام خیالات وتصورات مٹادیئے جائینگے اور بھائی بھائی ہوکر بہشت کے بلند تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے نظر آئینگے، اور حال یہ ہوگا کہ صاف نظر آئیگا، کہ۔۔۔

(**بہتی ہیں انکے**) درختوں اور بالا خانوں کے (**نیچے نہریں**)، تاکہ انکے سرور اور لذت میں اضافہ ہو۔ جب اہل جنت نے اپنی منزلیں دیکھیں، تو بول پڑے (**اور سب نے کہا، کہ ساری خوبی اللہ**) تعالیٰ (**کیلئے ہے، جس نے ہمیں اسکی راہ دی**) اور اپنے فضل وکرم سے ہمیں ہدایت بخشی اور اس دین حق کو قبول کرنے اور اعمالِ صالحہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائی۔ (**اور**) یہ حقیقت ہے کہ ہم جس بلند مرتبہ پر پہنچے، وہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی کی وجہ سے پہنچے، ورنہ ہم (**نہ راہ پاتے**) اس مرتبہء علیا تک پہنچنے کی، (**اگر نہ ہدایت فرماتا اللہ**) تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے۔

۔۔الختصر۔۔جب اہل جنت اپنے رسولوں کے دیئے ہوئے وعدوں کے مطابق نعمتوں کو آنکھوں سے دیکھیں گے، تو وہ خوشی اور سرور ومستی سے اقرار کرتے ہوئے، اپنی مسرت کا اظہار کرینگے اور اس بات کی شہادت دینگے، کہ (**بیشک آئے ہمارے پروردگار کے کئی رسول حق لیکر**) اور ہم نے انکی مدد سے راہِ توحید پائی۔ اہل بہشت کو ملائکہ دور سے خوشخبری دینگے۔۔چنانچہ۔۔انھیں ملائکہ کے توسط سے پکارا گیا (**اور انھیں ندا دی گئی**) اور خوشخبری سنائی گئی (**کہ یہ**) وہی (**جنت ہے**) جسکا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، اور آج (**جسکے تم وارث کیئے گیئے**) ہو، طریق شریعت اور سنت نبوی پر عمل کرنے کے سبب۔

حق تعالیٰ نے 'میراث' اس واسطے فرمایا کہ عطائے بے رنج ہے۔ وراثت حاصل کرنے کیلئے کسی مشقت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہر چھوٹے بڑے کو بغیر مشقت ہی مل جاتی ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ جنت میں مسلمان میراث لینے والے ہیں کافروں سے۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد رسول ہے، کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے، کہ اسکی ایک جگہ بہشت میں اور ایک جگہ دوزخ میں نہ ہو۔۔ہاں۔۔جنت میں اپنی اس جگہ پر پہنچنے کیلئے ایمان کی شرط ہے اور جہنم میں کسی کو

اسکی اپنی جگہ پر اسکا کفر لیجائیگا۔

کافروں کیلئے جنت میں اسلئے جگہ مقرر فرمائی گئی ہے، تا کہ کوئی کافر یہ نہ کہہ سکے، کہ جب جنت میں ہمارے لئے جگہ ہی نہیں تھی، تو پھر اگر ہم ایمان لاتے بھی تو کیا فائدہ تھا؟ ہمیں جنت میں کہاں رکھا جاتا؟ یونہی جہنم میں جو جگہیں مسلمانوں کیلئے نامزد تھیں، تو اس سے انکو یہ فائدہ ملے گا کہ ان جگہوں کے بدلے جنت میں کافروں کی جو جگہیں ہیں، انکے وہ وارث ہوجائینگے۔

۔۔الختصر۔۔مسلمانو! جنت کی یہ وراثت اسکا ثمرہ ہے **(جو تم عمل صالح کرتے تھے)**۔

جنت میں جانے کا حقیقی سبب تو صرف اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے، لیکن اسکا ظاہری سبب وہ اعمال صالحہ ہیں اللہ تعالیٰ کے کریمانہ وعدے جن سے وابستہ ہیں۔غور کیجئے کہ ہمارے اعمال کی حقیقت کیا ہے؟ انعامات الٰہیہ کے سامنے۔تو ہمارے سارے اعمال انھیں دنیوی نعمتوں کا بدل نہیں ہوسکتے۔۔بلکہ۔۔اگر بالفرض ایسا ہو کہ ہمارے بدن کا ہر بال زبان ہوجائے اور سب شکر الٰہی میں مصروف ہوجائیں اور اسکی ایک ہزار نعمتوں پر صرف ایک شکر ادا کرنے کا التزام کریں، جب بھی اسکی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنا ناممکن ہے۔

یہ بات تو ہر ایک سمجھ سکتا ہے، کہ کسی نے اگر کسی کو سو کروڑ روپے عطا کردیئے اور اسکے عوض اس لینے والے نے عطا کرنے والے کو۔۔بالفرض۔۔ پچاس ہزار دیدیا، تو کیا اس دینے والے کی عطا کا بدلہ ہوگیا؟۔۔الختصر۔۔ ہمارے جملہ اعمال جب خداوند کریم کے دنیاوی انعامات واحسانات کا بدل نہیں، تو وہ جنت کا بدل کیسے ہوسکتے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان اعمال صالحہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے کچھ کریمانہ وعدے وابستہ ہیں اور یقین ہے کہ رب کریم اپنے فضل وکرم سے ان وعدوں کو ضرور پورا فرمائیگا۔اور اپنے فضل وکرم سے جنت عطا فرمائیگا۔تو اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہی جنت میں پہنچنے کا حقیقی سبب ہے۔۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے جنتیوں کو بلند درجات عطا فرمائیگا، اور چونکہ اہل نار کے درجے جہنم میں نیچے ہونگے، تو ان دونوں کے درجات میں اتنا بڑا بُعد ہوگا، جسکی مقدار صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ جنتیوں کو جہنمیوں کے درجوں پر جھانکنے کی قدرت دیگا، تو جنتی جھانک کر جہنم کے وسط کو دیکھے گا اور اپنے حال پر مسرور ہوکر اور اعداء اسلام کا برا حال دیکھ کر انھیں حسرت میں ڈالنے کی غرض سے انھیں پکارے گا۔انکی خیریت لینے کیلئے نہیں، بلکہ انکو حسرت ویاس کا شکار بنانے کیلئے انھیں ندا کریگا۔تو ایسا ہوگا۔۔۔

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

اور آواز دی جنتیوں نے جہنمیوں کو، "کہ ہم نے تو پالیا جو وعدہ فرمایا تھا ہم سے ہمارے پروردگار نے حق،

فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَیْنَهُمْ

تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمہارے پروردگار نے حق؟" بولے ہاں، تو انکے بیچ میں ہاتف نے صدا دی،

اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

کہ "اندھیر والوں پر اللہ کی پھٹکار ہو"●

(اور) یہ صورت پیش آئیگی، کہ (آواز دی جنتیوں نے جہنمیوں کو، کہ ہم نے تو پالیا جو وعدہ فرمایا تھا ہم سے ہمارے پروردگار نے حق)۔۔الغرض۔۔جن جن ثوابوں کا ہم سے وعدہ کیا گیا، وہ سب ہمیں مل گیا اور وہ سارے وعدے سچ ثابت ہوئے، (تو کیا تم نے بھی پایا جو وعدہ کیا تھا تمہارے پروردگار نے) عذابوں کا (حق) یعنی سچ اور درست۔تو (بولے) دوزخی لوگ کہ (ہاں) یعنی ہم نے بھی وہ پایا جو کچھ حق تعالیٰ نے ہمارے تعلق سے فرمایا تھا۔(تو ان کے بیچ میں ہاتفِ) غیبی یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتہ۔۔یا۔۔حضرت اسرافیل (نے صدا دی) اور کافروں کو مزید حسرت و یاس میں ڈال دیا، (کہ اندھیر والوں پر اللہ) تعالیٰ (کی پھٹکار ہو) جو ظلم کے آخری درجہ یعنی کفر تک پہنچ چکے ہیں، اور یہ وہ ہیں۔۔۔

الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ

جو روکیں اللہ کے راستہ سے، اور کرنا چاہیں اس کو ٹیڑھا۔

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور وہ آخرت کے منکر ہیں●۔۔۔

(جو روکیں اللہ) تعالیٰ (کے راستہ سے) یعنی دینِ حق سے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ اور جنت کے داخلہ کا سبب تھا، (اور کرنا چاہیں اسکو ٹیڑھا) یعنی اس تلاش میں رہتے ہیں کہ کوئی بات مل جائے، جس سے ہم اللہ تعالیٰ کے واضح اور سیدھے راستے کو ٹیڑھا ثابت کردیں، کیونکہ اسکو وہ اپنے گمانِ فاسد سے حق سے بہت دور سمجھتے تھے۔(اور وہ آخرت کے منکر ہیں)۔۔چنانچہ۔۔انکا کہنا یہ ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں ہے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا

اور جنت وجہنم کے درمیان ایک پردہ ہے، اور اعراف پر کچھ لوگ ہیں کہ سب کو پہچان لیں گے انکے حلیہ سے۔ اور پکارا

أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾

جنتیوں کو "کہ آپ لوگوں پر سلام ہو"۔۔ یہ خود جنت گئے نہیں اور اسکی لالچ رکھتے ہیں●

ان دونوں فریقوں یعنی اہل جنت (اور) اہل نار۔۔یا۔۔(جنت وجہنم کے درمیان ایک پردہ ہے) جیسے دیوار اور شہر پناہ، کہ دوزخی جنت میں نہ جائیں۔ اُس حجاب اور آڑ کو 'اعراف' کہتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق 'اعراف' مشکِ سفید کا ایک ٹیکرا ہے (اور) اس (اعراف پر کچھ لوگ ہیں)۔ ان کی شان ایسی ہوگی کہ وہ بہشت اور دوزخ پر آگاہی رکھنے والے ہونگے۔ ایسا (کہ سب) جنتیوں اور دوزخیوں (کو پہچان لینگے ان کے حلیہ سے)۔ اس واسطے کہ جنتیوں کے چہرے سفید اور نورانی ہونگے اور دوزخیوں کے منہ کالے ہونگے۔

اس مقام کو 'اعراف' اسلئے کہتے ہیں، کہ وہاں کے رہنے والے دونوں فریق کے حال کے عارف اور پہچاننے والے ہونگے۔ اور یہ کون لوگ ہونگے، انکے تعلق سے بہت سارے اقوال منقول ہیں۔۔ المختصر۔۔ یہ لوگ انبیاء علیہم السلام ہونگے۔۔یا۔۔ شہید لوگ۔۔یا۔۔ بزرگ مسلمان۔۔یا۔۔ ملائکہ مردوں کی صورت میں، اور 'اعراف' پر انکا ہونا انکی بزرگی کی دلیل ہے۔ اس واسطے کہ وہاں سے بہشت میں اپنے مقام دیکھیں گے اور فرحت ولذت حاصل کرینگے، اور عذاب دوزخ کو بھی دیکھیں گے اور اس سے نجات اور خلاصی پانے پر خوش اور مسرور ہونگے۔

ایک قول کی بنیاد پر 'اعراف' موضع بلند ہے صراط سے، کہ حضرات عباس، حمزہ، علی اور جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس پر ہونگے اور خدا کے دوستوں کو پہچانیں گے، تروتازہ اور سفید نورانی چہرہ ہونے کی وجہ سے، اور خدا کے دشمنوں کو پہچانیں گے تیرگی اور روسیاہ ہونے کے سبب سے۔ ایک قول کے مطابق اعراف میں وہ لوگ جن کے نیک اور بد اعمال برابر ہونگے۔۔یا۔۔ جن کے ماں باپ میں ایک ان سے راضی ہوگا اور دوسرا راضی نہ ہوگا۔۔یا۔۔ یہ وہ موحد لوگ ہونگے، جنھوں نے عمل میں تقصیر اور کمی کی ہے اور اس قول پر اعراف پر لوگوں کا

ہونا، انکے ثواب کی کمی کی جہت سے ہوگا، کہ وہ بہشت میں داخل ہونے کے مستحق نہیں ہیں۔

ان 'اہل اعراف' نے اپنے مقام سے آواز دی (اور پکارا جنتیوں کو) تہنیت اور مبارکبادی پیش کرنے کے طور پر، (کہ آپ لوگوں پر سلام ہو) اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر سلامتی وتحیت ہو۔۔یا۔۔ خوشا حال تمہارا کہ دارالسلام میں سلامتی سے پہنچے۔ یہ اس وقت کی بات ہے کہ ابھی (یہ) اہل اعراف (خود جنت گئے نہیں) یعنی ابھی 'اہل اعراف' جنت میں نہ داخل ہوئے ہونگے (اور اسکی لالچ رکھتے ہیں) یعنی وہ طمع رکھتے ہونگے کہ جنت میں داخل ہوں۔ ایک روایت یہ ہے کہ سب کے بعد یہ لوگ جنت میں داخل ہونگے۔

یہ بھی روایت ہے کہ 'اہل اعراف' کی نیکیوں اور برائیوں کا پلہ برابر ہوگا۔ وہ بہشت میں بھی دیکھیں گے اور دوزخ میں بھی اور کسی میں داخل ہونے کے واسطے کوئی عمل ان کو ترجیح دینے والا نہ ہوگا۔ پھر جب خلق کو سجدہ کرنے کا حکم کرینگے اور وہ آخری تکلیف ہے قیامت کے دن، تو اہل اعراف سجدہ کرینگے اور ان کی نیکی کا پلہ بھاری ہو کر انھیں دخول جنت کے واسطے ترجیح دیگا اور وہ جنت میں داخل ہو جائینگے۔ یہ دراصل ایک بہانہ ہے ان بعض 'اہل اعراف' کی مغفرت کیلئے رب غفور رحیم کی طرف سے، کہ 'دارالجزاء' کو ایک ساعت کیلئے انکے حق میں 'دارالعمل' بنا دیا۔ اور اللہ تعالیٰ مالک کل، قادر مطلق ہے، جو چاہے کرے۔

وَاِذَا صُرِفَتۡ اَبۡصَارُهُمۡ تِلۡقَآءَ اَصۡحٰبِ النَّارِ ۙ

اور جب ان کی آنکھیں پھیر دی گئیں جہنمیوں کی طرف،

ع ۵ ۸ ۱۲ قَالُوۡا رَبَّنَا لَا تَجۡعَلۡنَا مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۷﴾

بولے "پروردگارا نہ کر ہم کو ظالم قوم کے ساتھ"●

ان اہل اعراف کے تعلق سے یہ واقعہ بھی سبق آموز (اور) انکی ذہنی سوچ کی معرفت کیلئے سننے کے لائق ہے کہ (جب انکی آنکھیں) ایک فرشتے کے ذریعہ (پھیر دی گئیں جہنمیوں کی طرف) ۔۔الغرض۔۔ جب حکم الٰہی پاکر فرشتے نے انکا رخ دوزخیوں کی طرف کر دیا، تو انکا حال دیکھ کر یہ کہہ پڑے اور (بولے پروردگارا، نہ کر ہم کو ظالم قوم کے ساتھ) یعنی ہمیں اور انھیں دوزخ میں اکٹھا نہ کر ۔۔الحاصل۔۔ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائے رکھ۔

وَنَادٰۤی اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا یَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِیۡمٰهُمۡ قَالُوۡا

اور آواز دی اعراف والوں نے، ان لوگوں کو جن کو پہچانتے ہیں، قیافہ سے بولے،

مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡکُمۡ جَمۡعُکُمۡ وَمَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَکۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾

"کیا بنادیا تمہارا تمہاری جتھابندی نے؟ اور جو تم بڑے بنا کرتے تھے"●

(اور) پھر (آواز دی اعراف والوں نے ان لوگوں کو جن کو پہچانتے ہیں قیافہ سے) اور انکے چہرے کی سیاہی سے۔

یہ وہ لوگ ہیں جو کافروں کے سردار تھے اور پہلے ہی سے جانے پہچانے تھے۔ یعنی ولید ابن مغیرہ، ابوجہل اور عاص بن وائل اور انکے سوا دوسرے مشرکین کے سردار لوگ، جو دنیا میں کہتے تھے کہ بلال، عمار، اور صہیب ایسے فقیر صحابہ کو خدا جنت میں داخل کرے اور ہمیں دوزخ میں، ہرگز ایسا نہ ہوگا۔ اور قسم کھاتے تھے کہ ہمارے غلاموں اور چرواہوں کو خدا ہم پر تفضیل نہ دیگا۔

ایسوں کو مخاطب کر کے (بولے) اعراف والے، (کیا بنادیا تمہارا تمہاری جتھابندی نے)؟ یعنی دنیا میں تمہارے ساتھ تمہارے یاروں اور مددگاروں کی گٹھ بندی آج تمہارے کام نہ آسکی اور تم نے جو گروہ بنا رکھا، وہ تمہارے لئے کارآمد ثابت نہ ہوسکا (اور جو تم بڑے بنا کرتے تھے) اور متکبرانہ گفتگو کیا کرتے تھے اس سے بھی تمہارا عذاب نہ رک سکا۔ پھر 'اہل اعراف' حضرات بلال، عمار، سلمان، خباب اور صہیب اور انکے مثل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف اشارہ کرینگے اور کافروں سے کہیں گے، کہ۔۔

اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِیۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا یَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ

کیا جو تم قسم کھایا کرتے تھے کہ ان کو اللہ نہ لیگا اپنی رحمت میں، یہی غریب جنت میں یوں جانیوالے ہیں کہ داخل ہو جنت میں،

لَا خَوۡفٌ عَلَیۡکُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۹﴾

نہ تمہیں کوئی ڈر ہے اور نہ تم رنجیدہ ہو●

(کیا جو تم قسم کھایا کرتے تھے کہ ان) نفوس قدسیہ والوں (کو اللہ) تعالیٰ (نہ لے گا اپنی رحمت میں)، تو اب دیکھو کہ خدا کی رحمت سے (یہی) جن کو تم نے (غریب) و نادار سمجھ رکھا تھا اور انھیں جنت کا مستحق نہیں خیال کیا تھا، ہاں وہی (جنت میں یوں جانے والے ہیں کہ) اللہ تعالیٰ اپنے

کرم سے ان سے کہے گا کہ (داخل ہو) جاؤ (جنت میں، نہ تمہیں کوئی ڈر ہے) خوفزدہ کرنے والی چیزوں اور شدتوں سے، (اور نہ) ہی (تم رنجیدہ) خاطر (ہو) نے والے ہو۔یعنی تمہیں اپنے مطلبوں اور مقصدوں کے فوت ہوجانے کا غم بھی نہ ہوگا۔۔۔

جب 'اہل اعراف' کو بہشت میں داخل کردیا جائیگا، تو دوزخیوں میں اسکے بعد امید اور فرحت پیدا ہوگی۔عرض کرینگے، کہ اے اللہ ہمارے قرابتی جنت میں ہیں، ہمیں اجازت دے کہ ان سے باتیں کریں۔حق تعالیٰ انھیں اجازت مرحمت فرمایگا اور صورت حال یہ ہوگی، کہ جب جنتی لوگ دوزخیوں کو دیکھیں گے، تو وہ اپنے قرابت داروں کو نہ پہچان سکیں گے، اسلئے کہ انکی خلقت اور صورت بدل گئی ہوگی، مگر دوزخی لوگ انھیں پہچان لینگے اور انکے نام اور کنیت سے انھیں پکاریں گے۔اور اُن سے جنت کا کھانا پینا مانگیں گے۔۔المختصر۔۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ

اور چلائے جہنمی لوگ جنتیوں سے، "کہ ہم پر کچھ پانی پھینک دو، یا جو روزی دی

اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾

تم کو اللہ نے"۔ جواب دیا جنتیوں نے، "کہ بے شک اللہ نے حرام فرمادیا دونوں کو کافروں پر" ●

اجازت ہم کلامی پاکر آواز دی (اور چلائے جہنمی لوگ جنتیوں سے، کہ ہم پر کچھ پانی پھینک دو، یا) اس میں سے کچھ حصہ (جو روزی دی تم کو اللہ) تعالیٰ (نے) انواع واقسام کے کھانے میں سے، تاکہ کھائیں ہم اور اپنی بھوک مٹائیں۔۔نیز۔۔پانی بھی اس مقدار میں ہو جو ہماری پیاس بجھا سکے۔(جواب دیا جنتیوں نے) ان دوزخیوں کو (کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (نے حرام فرمادیا) ہے جنت کے کھانے اور پینے۔۔الغرض۔۔ان (دونوں کو کافروں پر)۔

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ

جنھوں نے بنالیا اپنا دین کھیل کودکو، اور دھوکا دیا ان کو دنیاوی زندگی نے، تو آج ہم انھیں یاد سے محروم

نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

کردینگے، جیسا کہ وہ خود محروم رہے اپنے اس دن کے پانے کی یاد سے۔اور جو ہماری آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے ●

(جنھوں نے) دنیوی زندگی میں (بنالیا اپنا دین کھیل کودکو)۔۔چنانچہ۔۔عید کے دن وہ کعبے

کے گرد آتے تھے اور تالیاں بجاتے تھے اور کھیل تماشے میں لگ جاتے۔ تو انھوں نے اپنی خام خیالی سے کھیل کود ہی کو اپنا دین سمجھ رکھا تھا (اور) یہ اسلئے ہوا کہ (دھوکا) دے (دیا انکو دنیاوی زندگی نے اور طول مہلت نے، یہاں تک کہ خدا کو بھول گئے اور نہ سمجھے کہ دنیا غدار، مکار، اور فریب دینے والی ہے۔ (تو آج ہم انھیں) رحمت بھری (یاد سے محروم کردینگے) اور انکو ان کی بھول میں پڑا رہنے دینگے اور پھر انھیں جہنم رسید کردینگے (جیسا کہ وہ خود محروم رہے اپنے اس دن کے پانے کی یاد سے) یہاں تک کہ اس دن کے آنے کا خیال بھی ذہن میں نہیں لاتے تھے (اور) یہی وہ لوگ ہیں (جو) ہماری ربوبیت کی علامتوں اور (ہماری) کتاب کی (آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے)۔

آیاتِ سابقہ میں اللہ تعالیٰ نے 'اہل جنت'، 'اہل دوزخ' اور 'اہل اعراف' کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے اور یہ بیان کیا کہ وہ ایک دوسرے سے کیا گفتگو کرینگے تاکہ ان کے کلام میں غور وفکر کر کے ان کاموں اور ان چیزوں سے بچیں، جو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا موجب ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل میں غور وفکر کیلئے تیار ہوں۔

اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب کی خصوصیات بیان فرمائیں، کہ ہم نے ایسی کتاب نازل کی جس میں جدا جدا احکام بیان کئے ہیں۔ جن کی وجہ سے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو جاتی ہے اور انسان الجھن اور پریشانی سے محفوظ رہتا ہے۔۔یا۔۔اسکا معنی یہ ہے کہ ہم نے اپنی اس کتاب میں اپنی آیات کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے اور ان میں اجمال اور اغلاق نہیں ہے اور یہ کتاب ایمان والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ ہر چند کہ اس کتاب کی ہدایات تمام انسانوں کیلئے ہے، لیکن چونکہ اسکی ہدایت سے صرف مومن اور مسلمان ہی فائدہ اٹھاتے ہیں، اسلئے فرمایا کہ یہ کتاب ایمان والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى

اور بیشک لائے ہم ان کے پاس کتاب، جس کو ہم نے مفصل فرمایا اپنے علم سے، ہدایت

وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾

و رحمت ان کیلئے جو مانیں●

(اور بیشک لائے ہم) ان گروہ کفار کی ہدایت کیلئے (انکے پاس کتاب جسکو ہم نے مفصل

(فرمایا) اور اسمیں جو کچھ ضروری اور کام میں آنے والی باتیں تھیں، سب کی تفصیل بیان فرمادی (اپنے علم سے)۔ یعنی جن باتوں کی ہم نے وضاحت کی ہے ان سب کا تفصیلی علم ہمیں حاصل ہے۔ تو جو بات کہی گئی وہ علم کی بنیاد پر کہی گئی ہے۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ یہ (ہدایت) یعنی راہ دکھانے والی (اور رحمت) یعنی رحمت والی ہے، خصوصی طور پر (انکے لئے جو مانیں)۔ اسلئے کہ یہی ایمان والے ہی اس سے فائدہ اٹھانے والے ہیں۔ ان کافروں کا عجیب حال ہے کہ جس کتاب سے انھیں ہدایت لینی چاہئے وہ اس سے ہدایت نہیں لیتے اور خواہ مخواہ کے انتظار میں اپنے کو ڈال رکھا ہے۔۔ چنانچہ۔۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ ۚ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ

انھیں نہیں انتظار ہے مگر اس کے کہے کے انجام کا۔ جس دن اُس کا انجام آئے گا، تو چلّائیں گے وہ، جو اُسے بھولے تھے

مِن قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ

پہلے سے، کہ بیشک آئے ہمارے پروردگار کے کئی رسول حق لے کر۔ تو کیا ہمارے کچھ سفارشی ہیں، کہ ہماری شفاعت

فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ

کردیں، یا ہم واپس کیے جائیں، تو ہم کریں اسکے خلاف جو کیا کرتے تھے؟ بیشک گھاٹے میں ڈالا انھوں نے اپنے کو

وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٥٣﴾

اور بیکار ہو گیا جو گڑھی گڑھی بات بکا کرتے تھے●

(انھیں نہیں انتظار ہے، مگر اسکے کہے کے انجام کا) یعنی وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ اس کتاب میں خدا نے جو ثواب وعذاب کا جو وعدہ و وعید کیا ہے، دیکھیں کہ وہ سچ ہوتا ہے کہ نہیں۔ یہ بے خبر کیا جانیں کہ (جس دن اسکا انجام آیگا) اور اسکے وعدے اور وعید کے اثرات ظاہر ہونگے۔۔ الغرض جب قیامت قائم ہو جائیگی، (تو) پھر (چلّائیں گے وہ، جو اُسے بھولے تھے پہلے سے) یعنی دنیا میں تو ایمان نہ لائے اور جب قیامت کے دن کلام الٰہی کا صدق ظاہر ہو جائیگا، تو وہ اعتراف کرینگے اور کہیں گے، (کہ بیشک آئے ہمارے پاس پروردگار کے کئی رسول حق لیکر) اور ہم نے انکی تکذیب کی اور یہ ہماری بڑی خطا تھی، (تو کیا ہمارے کچھ سفارشی ہیں کہ ہماری شفاعت کردیں یا ہم واپس کیے جائیں) دنیا میں، (تو ہم کریں اس کے خلاف جو کیا کرتے تھے)، یعنی ہمیں دوبارہ دنیا میں بھیج کر نیک اعمال انجام دینے کا موقع دیا جائے، تاکہ انبیاء کرام کی تصدیق کریں، وحدت الٰہی کے قائل ہوں اور نبی

کریم کی پوری پوری اطاعت وفرمانبرداری کریں۔

انھیں کیا خبر؟ کہ یہ روز قیامت ہے، جو حساب وکتاب اور سزا وجزاء کا دن ہے، دنیا دوبارہ واپس کرنے کا دن نہیں ہے۔ انھیں ماننا تھا، تو دنیا ہی میں مان لیتے اور قیامت میں مان لینے وعدہ ان کیلئے مفید نہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ کفر وشرک نے گویا ان کو نجس العین بنادیا ہے۔ نجس پاک ہوسکتا ہے، مگر نجاست پاک نہیں ہوسکتی۔ تو اگر انھیں بالفرض دنیا میں بھیج بھی دیا جائے، تو یہ وہ کرینگے جواب تک کرتے رہے ہیں۔۔ الغرض۔۔ اپنے سارے وعدے فراموش کر کے اپنی پرانی روش اختیار کرلینگے۔

(بیشک گھاٹے میں ڈالا انھوں نے اپنے کو) یعنی اپنی عمر کا سرمایہ بتوں کی پرستش میں رائگاں کردیا (اور بیکار ہوگیا جو گھڑی گھڑی بات بکا کرتے تھے) کہ بت ہمارے شفیع ہیں خدا کے پاس وغیرہ وغیرہ۔۔۔

قیامت کے دن کی منظر کشی کے بعد، اب پھر عہد رسالت میں موجود لوگوں کی طرف خطاب کا رخ پھیرا جارہا ہے، جن میں وہ لوگ بھی تھے جنھوں نے بے شمار معبود بنارکھے تھے۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ

بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے، جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں،

ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ

پھر برابر مکمل کردیا عرش پر۔۔۔ وہ ڈھانپ دیتا ہے باہم رات دن کو، کہ باہم لگے رہتے ہیں

حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا

جلد جلد۔ اور سورج کو، اور چاند کو، اور تاروں کو، سب مسخر اسکے حکم کے۔ یاد رکھو!

لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

کہ اسی کی شان ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سارے جہان کا پالنے والا●

تو لوگو! جان لو کہ (بیشک تمہارا پروردگار اللہ) تعالیٰ (ہے)، جو جمیع کمالات کا جامع ہے۔۔ چنانچہ۔۔ (جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن میں) یعنی چھ وقتوں میں۔

چونکہ دن کا وجود گردش افلاک اور شمس وقمر کے دوروں سے وابستہ ہے اور انکا وجود بعد

میں ہوا، اسلئے یہاں دن سے وقت مراد لینا زیادہ مناسب ہے۔ چونکہ دن کی مقدار ہر ایک کیلئے جانی پہچانی ہے، تو اس سے لوگ وقت کی مقدار کا اندازہ لگاسکیں گے، تو تقریب فہم کیلئے وقت کی تعبیر دن سے کردی گئی۔ خالق مطلق، ایسا قادر مطلق ہے کہ اگر چاہتا، تو صرف ایک ہی دن میں بلکہ ایک ہی لمحے میں تمام کائنات کو پیدا فرمادیتا، لیکن چھ ۶ دنوں میں پیدا فرمانے کا ذکر کر کے اپنے بندوں کو بتادیا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے۔

ویسے بھی عام طور سے دفعتاً تو حادثات ہوا کرتے ہیں، تو تدریجی عمل سے بھی یہ ہی ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کی تخلیق کوئی حادثہ نہیں، بلکہ ایک علیم وحکیم کے بنائے ہوئے منصوبے اور اسکے علم وحکمت کے تقاضوں کا تدریجی عمل ہے۔ ویسے یہ بات بھی ہے کہ اشیاء کو صرف لفظ کُنْ سے پیدا کرنے کی قدرت ہوتے ہوئے، انھیں بتدریج پیدا کرنا دلیل ہے قادر مطلق کی قدرت کاملہ پر، اور اشارہ ہے کہ کاموں میں دیر کرنے کی رعایت کی جائے، اور عجلت واضطراب سے بچا جائے، جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے۔

۔۔الحتصر۔۔آسمانوں اور زمینوں کی چھ ۶ دنوں میں تخلیق فرمائی **(پھر برابر مکمل کردیا)** اپنی شان کے لائق اپنے غلبہ واستیلاء کو۔۔چنانچہ۔۔اپنی ربوبیت کے امر کو مستقر فرمادیا اور انکے امر کا اجراء ہوا اور اس نے اپنی حکمت کے تقاضہ پر اپنی مصنوعات میں تدبیر فرمائی **(عرش پر)**، جو سب سے بڑی مخلوق اور ساری کائنات کو محیط ہے۔ اسلئے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر فرمایا، کہ جو اس پر غالب ومستولی ہے، وہ ساری کائنات پر بدرجہ اولیٰ غالب ومستولی ہے۔ اب اسکا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے بعد، جس طرح چاہا اپنے ملک پر تصرف فرمایا۔۔مثلاً: افلاک کو حرکت اور ستاروں کو گردش اور راتوں اور دنوں کو باری باری بدلنے کی قوت بخشی، اور حکمت کاملہ کے تحت جس طرح چاہا اپنی مصنوعات کو تیار فرمایا۔

چونکہ مترجم قدس سرہ نے اپنے ترجمہ میں 'مسلکِ سالم' کی رعایت فرمائی ہے، تو اسکی تفسیر میں اسی کا لحاظ کیا گیا ہے۔ رہ گیا 'مسلک اسلم'، تو یہ آیت کریمہ متشابہات میں ہے، جس میں مذکور استواء معلوم ہے، اسکی کیفیت مجہول ہے، اسپر ایمان واجب ہے، اس سے انکار کفر ہے، اور اسکے تعلق سے سوال بدعت وگمراہی ہے۔ رب تعالیٰ ہی جانے۔۔یا۔۔اسکے بتانے سے اسکے محبوبین ہی جانیں، کہ کلام سے رب تعالیٰ کی خود اپنی مراد کیا ہے؟۔۔۔'استوائے عرش' پر اپنی قدرت کاملہ اور اپنے امور میں اجراء احکام کے تصرف کو بیان فرما کر، اپنی قدرت

وامر کے بعض دوسرے مناظر کا ذکر فرما رہا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ (وہ ڈھانپ دیتا ہے باہم رات دن کو) یعنی رات کو دن کیلئے بمنزلہ ایک حجاب کے بنایا، کہ وہ اور اسکی تاریکی پردوں کے طور پر دن کو چھپالے۔

اسی سے یہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی دن کو چھپالیتی ہے، اسی طرح دن کی روشنی رات کو غائب کر کے اسکی تاریکی کو چھپالیتی ہے۔ مذکورہ بات سمجھ میں آنے کی وجہ یہ ہے، کہ قاعدہ ہے کہ ضدین میں سے ایک کا ذکر کیا جائے، تو اسکی ضد اور اسکا مقابل خود بخود ذہن میں اُتر جاتا ہے، اسی لئے اسکی ضد کے ذکر کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

چونکہ دن اور رات کے گزر جانے کے بعد ایک دوسرے کا آنا بلا فصل ہوتا ہے، ایسا۔۔۔ (کہ باہم لگے رہتے ہیں جلد جلد)، تو ایسا لگتا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کی طلب میں ہیں۔ (اور) پیدا فرمایا (سورج کو اور چاند کو اور تاروں کو) جو (سب) کے سب (مسخر) ہیں (اسکے حکم کے)۔

یعنی وہ تمام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اسکی قضا و قدر کے تابع ہیں۔۔الغرض۔۔انکے طلوع و غروب کیلئے، جیسے وہ چاہتا ہے، یہ ویسے ہی سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ انکی حرکاتِ مقدرہ اور انکے احوال سب کے سب حکم الٰہی کے تحت ہیں۔

تو (یاد رکھو کہ اسی کی شان ہے پیدا کرنا) تمام مخلوقات کا (اور حکم دینا) یعنی ان پر اپنا حکم نافذ کرنا اور ان میں تصرف کرنا۔ اور کیوں نہ ہو؟ اسلئے کہ (اللہ تبارک وتعالیٰ) وحدانیت، الوہیت اور فردانیت کے ساتھ ساتھ ربوبیت کاملہ یعنی (سارے جہان کا پالنے والا) ہے۔

لوگو! سمجھ سے کام لو کہ جب خلق وامر صرف خدا ہی کیلئے ہے، تو کوئی بھی اس بات کا مستحق نہیں کہ اسکو معبود سمجھ کر کچھ مانگا جائے۔ خیال رہے کہ کسی کو معبود سمجھ کر پکارنا عبادت ہے۔۔ یونہی۔۔ معبود سمجھ کر کچھ طلب کرنا دعا ہے۔ اب اگر کسی کو معبود نہیں سمجھا، اور اس سے کچھ طلب کیا، تو یہ دعا نہیں بلکہ سوال ہے۔ اور سوال غیر خدا سے کیا جاسکتا ہے۔۔ الختصر۔۔

اُدۡعُوۡا رَبَّكُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الۡمُعۡتَدِيۡنَ ۚ۝

تم لوگ دعا کروا اپنے پروردگار سے گڑگڑا کر اور آہستہ۔ بیشک وہ نہیں پسند فرماتا حد سے نکل جانے والوں کو●

(تم لوگ دعا کروا اپنے پروردگار سے) عاجزی اور زاری کے ساتھ، یعنی (گڑگڑا کر اور آہستہ) پوشیدگی کے ساتھ یعنی ظاہر میں بھی اور باطن میں بھی اُسے پہچانو اور اسکی عبادت کرو۔

یادرکھو کہ تضرع آدمی کے محتاج ہونے کی نشانی ہے اور پوشیدہ رکھنا اخلاص کی دلیل ہے۔ اور جو محتاج مخلص ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید کیسے ہوسکتا ہے؟ اس مقام پر یہ بھی خیال رہے کہ دعا کرنے میں بھی حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہئے، اور ہر حال میں راہ اعتدال ہی کو اپنانا چاہئے۔ تو دعا کرنے کو کرلو، مگر کسی ایسے کیلئے دعائے بد نہ کرنا، جو بددعا کا مستحق نہیں ۔۔۔یا۔۔۔ دعا میں ریاکارانہ طور پر نالہ وفریاد نہ کرنا۔۔۔یا۔۔۔ خدا سے ایسی چیز نہ مانگنا جو تمہارے لائق نہیں۔۔۔ مثلاً: انبیاء کرام کا مرتبہ اور آسمانوں پر چڑھ جانا وغیرہ۔ اسلئے کہ۔۔۔

(بیشک وہ) رب کریم (نہیں پسند فرماتا حد سے نکل جانے والوں کو)، دعا تو بعد کی چیز ہے اپنے کو دعا کرنے کے لائق تو بنالو۔۔۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ

اور مت فساد ڈالو زمین میں، اسکے درست ہوجانے کے بعد۔ اور دعا کرو اس سے ڈرتے ہوئے، رحمت کے لالچی بن کر۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

بیشک اللہ کی رحمت نزدیک ہے، مخلص بندوں کے●

(اور) کفر وظلم کے سبب (مت فساد ڈالو زمین میں) ایمان وعدل کے سبب (اسکے درست ہوجانے کے بعد)۔۔۔ الختصر۔۔۔ اپنے معبود برحق کو پکارو (اور) اس سے (دعا کرو اس) کے عذاب سے ڈرتے ہوئے) اور اسکے ثواب کی امید پر اسکی (رحمت کے لالچی بن کر)۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے مخلص بندوں کے) جو نیک اعمال انجام دیتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔ خدا کی ذات سے نیک امید وابستہ کئے ہوتے ہیں۔۔۔ الختصر۔۔۔ نیک عمل والے ہوں۔۔۔یا۔۔۔ نیک امید والے دونوں کو اس کی رحمت بے غایت اور فضل بے نہایت سے امید ہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ اگر خدا کے وفادار لوگ اس سے امید رکھتے ہیں، تو ایمان والے جفا کار بھی اسکے سوا کوئی پناہ نہیں رکھتے۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہی کائنات میں حاکم اور تصرف کرنے والا ہے۔ اور اس نے انسان کیلئے کائنات کو مسخر کردیا ہے۔ اور اس نے انسانوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ وہ اپنی ہر ضرورت میں اور ہر آفت اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کریں۔ اور اس نے یہ بیان فرمایا کہ اسکی رحمت

نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔ اور اب اس پر متنبہ فرمایا ہے کہ وہی رزاق ہے، اور حصول رزق کا اہم ذریعہ آسمانی بارش ہے، جسکی وجہ سے دریاؤں چشموں اور کنوؤں سے، انسانوں اور جانوروں کیلئے پینے کا پانی اور کھیتوں کو سیراب کرنے کیلئے، پانی فراہم ہوتا ہے اور جس طرح وہ بنجر زمین کو بارش کے ذریعہ سرسبز اور زندہ فرماتا ہے، اسی طرح قیامت کے دن مُردوں کو زندہ فرمایگا۔۔ الحاصل۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۗ حَتّٰٓى اِذَآ

اور وہی ہے جو چلاتا ہے ہوا کو، خوش خبری کیلئے اپنی رحمت سے آگے۔ یہاں تک کہ جب

اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا

ہوائیں اٹھالائیں بھاری بھاری بادل، تو بھیج دیا ہم نے اس کو بے جان مقام کیلئے، پھر اتارا ہم نے اس سے پانی کو،

بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۗ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

پھر نکالا ہم نے اس سے قسم قسم کے پھل۔ اسی طرح ہم مُردوں کو بھی نکالیں گے۔ اب تو نصیحت قبول کرو●

(اور وہی ہے جو چلاتا ہے ہوا کو خوشخبری کیلئے اپنی رحمت سے آگے)۔ یعنی بارش جو رحمت الٰہی ہے اسکے آنے سے پہلے بادل اسکی آمد کی خوشخبری دے دیتے ہیں (یہاں تک کہ جب ہوائیں اٹھالائیں بھاری بھاری بادل) 'بادِ صبا' یعنی پوربی ہوا ابر کو زمین سے اٹھاتی ہے اور 'بادِ شمال' جمع کرتی ہے، اور 'بادِ جنوب' مینھ برساتی ہے اور 'بادِ دبور' یعنی پچھمی ہوا برسنے کے بعد تمام ابر کو متفرق کردیتی ہے۔ بہر تقدیر جب ہواؤں نے ابر کو اٹھایا (تو بھیج دیا ہم نے اس کو بے جان مقام کیلئے) تاکہ مردہ زمین زندہ ہوجائے۔

(پھر اتارا ہم نے اس سے پانی کو) یعنی اس ابر کے ذریعہ پانی برسایا اور (پھر) اس پانی کے ذریعہ (نکالا ہم نے اس سے) یعنی زمین سے (قسم قسم کے پھل) وغیرہ اور جس طرح مردہ زمین کو نباتات سے ہم زندہ کرتے ہیں (اسی طرح ہم مُردوں کو بھی نکالینگے) انکی قبروں سے زندہ کرکے۔۔ الغرض۔۔ زمین کو زندہ کرنا مُردوں کو زندہ کرنے کا ایک نمونہ ہے، تو یہ سب کچھ معلوم کرکے (اب تو نصیحت قبول کرو) اور قیامت پر ایمان لاؤ اور اس صورت سے اس معنی پر دلیل پکڑو۔ اور یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت۔۔۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ

اور اچھی جگہ کا سبزہ نکلتا ہے اپنے پروردگار کے حکم سے۔ اور جو خراب ہو چکی، نہیں پیداوار ہوتی اسکی،

إِلَّا نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ ع ۱۴

مگر بمشکل تھوڑی۔ اسی طرح سے ہم طرح طرح بیان کرتے ہیں آیتیں، شکر گزار قوم کیلئے●

(اور) صحیح بات ہے کہ **(اچھی جگہ)** یعنی وہ جگہ جو پتھر اور ریگ سے پاک ہو، تو اس **(کا سبزہ نکلتا ہے اپنے پروردگار کے حکم سے)** بخوبی اور بآسانی **(اور)** اسکے برخلاف **(جو)** زمین **(خراب ہو چکی)** اور بنجر ہوگئی، تو **(نہیں پیداوار ہوتی اسکی، مگر بمشکل)** اور وہ بھی **(تھوڑی)**۔۔الغرض۔۔ایسی زمین سے محنت و مشقت کے بعد اچھی پیداوار حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ اتنی تھوڑی ہوتی ہے، جس میں کچھ فائدہ نہیں ہوتا اور محنت بے کار جاتی ہے۔

اس مثال میں حق تعالیٰ نے مومن کے دل کو پاکیزہ زمین سے تشبیہ دی اور کافر کے دل کو بنجر زمین کے ساتھ۔ پھر جب نصیحتوں کی بارش کلام الٰہی کے ابر سے مومن کے دل پر برستی ہے، تو طاعت و عبادت کے انوار اسکے جسم ظاہری پر ظاہر ہوتے ہیں۔ اور جب کافر کلام الٰہی سنتا ہے، تو اسکے دل کی زمین نصیحت کا بیج قبول نہیں کرتی، اور جو کارآمد صفتیں ہیں اُن میں سے کوئی صفت اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ ارشاد خداوندی ہے کہ جس طرح یہ مثل ہم نے بیان کی۔۔۔

(اسی طرح سے ہم طرح طرح بیان کرتے ہیں آیتیں، شکر گزار قوم کیلئے) جو فہم و ادراک کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہیں اور مثالوں میں غور و فکر کر کے انکا اعتبار کرتے ہیں۔ ہماری مثالیں احوال کے موافق ہوتی ہیں، مگر اسکو سمجھنے کیلئے فکر سلیم اور طبع مستقیم کی ضرورت ہے۔

۔۔المختصر۔۔ بارش تو ساری زمین کیلئے ہے، لیکن سرسبز و شاداب ہونا ہر زمین کا مقدر نہیں ۔۔یوں۔۔ انبیاء کرام کے ذریعہ ہدایت و نصیحت کے ابر کرم تو ہر قوم پر برسے، لیکن ان سے فائدہ اٹھا کر حیات ابدی حاصل کر لینا ہر ایک کے نصیب میں نہیں رہا، جیسا کہ انبیاء کرام کے واقعات اور انکی قوم کے حالات سے ظاہر ہے، جنکا ذکر نصیحت و عبرت کیلئے قرآن کریم فرما رہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد ربانی ہے کہ۔۔۔

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖ فَقَالَ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ

البتہ بیشک بھیجا ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف، تو انھوں نے کہا "کہ اے میری قوم پوجو اللہ کو، نہیں ہے

مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿۵۹﴾

تمہارا کوئی معبود اس کے سوا۔ بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کو"●

(البتہ بیشک بھیجا ہم نے نوح کو انکی قوم کی طرف)۔۔۔آپ کی قوم کے اکثر لوگ قابیل کی اولاد سے تھے اور بت پرست تھے۔۔۔(تو انھوں نے) اپنی قوم کو مخاطب فرما کر (کہا، کہ اے میری قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) کیونکہ وہ یگانہ ولاشریک ہے، اور یاد رکھو، کہ (نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اسکے سوا) تو اسی کا حکم مانو اور اسکی عبادت میں دوسرے کو شریک نہ کرو۔ اور سن لو کہ (بیشک میں ڈرتا ہوں تم پر) اگر تم ایمان نہ لائے تو (بڑے دن کے عذاب کو)، وہ طوفان کا دن ہے۔۔یا۔۔قیامت کا روز۔ حضرت نوح کی بات سن کر۔۔۔

قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰٮكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ

بولے ان کی قوم کے چودھری لوگ، "کہ بیشک ہماری رائے میں تم کھلی گمراہی میں ہو"● انھوں نے جواب دیا

يٰقَوۡمِ لَيۡسَ بِیۡ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۶۱﴾

"کہ اے قوم مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے، لیکن میں رسول ہوں سارے جہاں کے پروردگار کا"●

(بولے انکی قوم کے چودھری لوگ، کہ) اے نوح (بیشک ہماری رائے میں تم کھلی گمراہی میں ہو) کہ ہمیں اپنے خداؤں کی عبادت سے منع کر کے ایک خدا کی راہ بتاتے ہو۔۔۔تو (انھوں نے جواب دیا کہ اے قوم مجھ میں کوئی گمراہی نہیں ہے) اور میں راہ حق، طریق صواب سے دور نہیں ہوں (لیکن میں رسول ہوں سارے جہاں کے پروردگار کا) اور یہ میرا فریضہ ہے، کہ میں۔۔۔

اُبَلِّغُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَاَنۡصَحُ لَكُمۡ وَاَعۡلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾

"تم لوگوں تک پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغاموں کو، اور تمہارا خیر خواہ ہوں اور اللہ کی عطا سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے"●

(تم لوگوں تک پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغاموں کو اور تمہارا خیر خواہ ہوں)۔۔چنانچہ۔۔ میں جو نصیحت کرتا ہوں اسکو قبول کر لینے ہی میں تمہاری بہتری ہے (اور اللہ) تعالیٰ (کی عطا سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے)۔۔الغرض۔۔وحی الٰہی نے مجھ پر سب کچھ ظاہر کر دیا ہے۔

چونکہ حضرت نوح کی قوم نے یہ نہیں سنا تھا، کہ جو قوم اپنے نبی کا انکار کرتی ہے اسپر عذاب الٰہی آجاتا ہے۔ پیغام خداوندی اور وحی الٰہی کے نام سے بھی وہ آشنا نہیں تھے۔۔لہٰذا۔۔ جب انھوں نے یہ سب کچھ حضرت نوح کی زبان سے سنا تو تعجب میں پڑ گئے، اسپر حضرت نوح نے فرمایا۔۔۔

أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ

کیا تم بھو چکے ہوگئے کہ آئی تمہارے پاس نصیحت، تمہارے پالنہار کیطرف سے ایک ایسے شخص پر، جو تم میں سے ہے، تاکہ وہ تمکو ڈرائے

وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٦٣﴾

اور تاکہ تم ڈرو، اور کسی طرح رحم کیے جاؤ●

(کیا تم بھو چکے ہوگئے کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پالنہار کی طرف سے ایک ایسے شخص پر جو تم میں سے ہے) یعنی آدمی ہے اور تمہارا ہم زبان ہے اور وہ تم میں سے ہے، تمہارے نسب میں شریک ہے، تم اُسے جانتے ہو، وہ تمہیں جانتا ہے اور اسپر نصیحت۔۔یا۔۔بیان اترنے کا سبب یہ ہے (تاکہ وہ تم کو ڈرائے) گناہ کے عقوبت وعذاب سے، (اور تاکہ تم ڈرو) غضب الٰہی سے اور تقوے کی زندگی اختیار کرو (اور کسی طرح رحم کیے جاؤ) یعنی رحمتِ خداوندی کے مستحق بن جاؤ اور بخشے جاؤ تم شرک سے پرہیز کرنے کے سبب۔۔۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ

توسب نے جھٹلایا انکو، تو ہم نے نجات دی انھیں ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں۔ اور ڈبو دیا انھیں، جنہوں نے ہماری

۸ ع ۱۵ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾

آیتوں کو جھٹلایا۔ بیشک وہ لوگ اندھے تھے●

(توسب نے جھٹلایا انکو)۔

اور پھر حضرت نوح نے قوم کے ہلاک ہوجانے کی دعا کی، اور خدا کے حکم سے ایک کشتی بنائی اور مومنوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہوگئے۔حق تعالیٰ نے طوفان بھیجا اور سب کافروں کو ہلاک کردیا۔اور حضرت نوح علیہ السلام ان لوگوں کے ساتھ سلامت بچے جو کشتی میں سوار تھے۔۔چنانچہ۔حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

(تو ہم نے نجات دی انھیں) ان (ساتھیوں کے ساتھ) جو (کشتی میں) انکے ساتھ سوار تھے (اور ڈبو دیا انھیں جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا) ہماری وحدانیت کی دلیلوں اور حضرت نوح کی نبوت کی تکذیب کی، (بیشک وہ لوگ اندھے تھے)۔ یعنی حق دیکھنے کی صلاحیت کھو چکے تھے۔۔ چنانچہ۔ وحدانیت کی نشانیاں نہ دیکھ سکے۔۔۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
اور عاد کی طرف ان کی برادری کے ہود کو۔ انھوں نے کہا، کہ "اے قوم پوجو اللہ کو، کوئی نہیں ہے
اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۶۵
تمہارا معبود اسکے سوا۔ تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں"●

جس طرح ہم نے نوح کو انکی قوم کی طرف بھیجا، اسی طرح (اور) ویسے ہی اپنی سنت کو جاری رکھتے ہوئے، بھیجا ہم نے قومِ (عاد کی طرف انکی برادری) یعنی ان (کے) ہم قوم (ھود کو)۔

عاد چوتھی پشت میں حضرت ھود کے دادا تھے، انھیں کی طرف نسبت کر کے انکے قبیلے کو قوم عاد کے نام سے جانا پہچانا جانے لگا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت ھود عاد کے چچا کی اولاد میں سے تھے۔ قبیلہ عاد کے لوگ دراز قد اور فربہ، اور اس زمانے میں تمام روئے زمین پر اُن سے بڑا کوئی قبیلہ نہ تھا۔ اور بہت لوگ تھے اور مال جمع رکھتے تھے اور بت پرستی میں عمر بسر کرتے تھے، تو حق تعالیٰ نے ھود علیہ السلام کو ان پر رسول کیا، یہاں تک کہ حضرت ھود اس قبیلے میں آئے اور انھیں حق کی طرف بلایا۔

اور (انھوں نے کہا کہ اے قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) کیونکہ (کوئی نہیں ہے تمہارا معبود اسکے سوا) اور بت عبادت کے مستحق نہیں، (تو کیا تم لوگ) عذاب الٰہی سے (ڈرتے نہیں)؟ یہ سن کر۔۔۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ
بولے چودھری ان کی قوم کے جو کافر تھے، "کہ بیشک ہماری رائے میں تم بیوقوف ہو۔ اور بیشک ہمارے خیال میں
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۶۶ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ
تم جھوٹے ہو"● جواب دیا، کہ "اے قوم، مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں ہے، لیکن رسول ہوں سارے

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ اَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾

جہان کے پالنے والے کا ● تم کو پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغام، اور میں تمہارا خیر طلب معتمد ہوں" ●

(بولے چودھری انکی قوم کے جو کافر تھے) اس واسطے کہ انکی قوم میں بعض اشراف مسلمان تھے، جیسے مرثد بن سعد اور انکے پیرو کار لوگ۔۔الغرض۔۔ان میں جو کافر تھے، وہ بولے (کہ) اے ھود (بیشک ہماری رائے میں تم بے وقوف ہو) کہ اپنے قدیم دین کو چھوڑ کر نئے دین کی طرف بلاتے ہو، (اور بیشک ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو) اس بات میں جو کہتے ہو۔۔۔اسپر حضرت ھود نے۔۔۔ (جواب دیا کہ اے قوم مجھ میں کوئی بیوقوفی نہیں ہے) نہ ہی مجھ میں عقل کی کمی ہے، (لیکن رسول ہوں سارے جہان کے پالنے والے کا) اور اہل عالم کے رب کی طرف سے۔ (تم کو پہنچاتا ہوں اپنے پروردگار کے پیغام) کو، (اور میں تمہارا خیر طلب معتمد ہوں) یعنی نصیحت کرنے والا سچا امانتدار ہوں۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ

کیا تم کو تعجب ہوا اسکا، کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے ایسے پر، جو تم میں سے ہے، تاکہ تم کو ڈرائے۔

وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ

اور یاد کرو، جب کہ بنادیا تھا تم کو جانشین قوم نوح کا، اور بڑھایا تمہارے ڈیل ڈول کے

بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

پھیلاؤ کو، تو یاد کرتے رہو اللہ کی نعمتوں کو، کہ کامیابی پاؤ ●

(کیا تم کو تعجب ہوا اسکا کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے ایسے پر جو تم میں سے ہے) یعنی تمہارا ہم زبان ہے، تمہارے نسب میں شریک ہے، تم اُسے جانتے ہو، وہ تمہیں جانتا ہے، اور یہ بیان اترنے کا سبب یہ ہے (تاکہ تم کو ڈرائے) عقوبت الٰہی سے، (اور) اے میری قوم تم (یاد کرو) اللہ تعالیٰ کی نعمت کو (جبکہ بنادیا تھا تم کو جانشین قوم نوح کا، اور بڑھایا تمہارے ڈیل ڈول کے پھیلاؤ کو) یعنی اس خدائی نعمت کو یاد کرو، کہ طوفان نوح سے قوم نوح کے تباہ ہوجانے کے بعد جس زمین میں وہ رہتے تھے، وہ تمہارے حوالے کردی اور زمین احقاف پر حضر موت سے عمان تک کے تم رہنے والے بن گئے۔ ایسے ہی تمہیں جسمانی قوت سے بھی نوازا اور دوسروں پر تمہیں غلبہ عطا فرمایا۔

۔۔چنانچہ۔۔جوان میں پستہ قد تھے، وہ ساٹھ ٦٠ گز کے تھے اور جو دراز قد تھے وہ سو ١٠٠ گز کے تھے۔

(تو) اے میری قوم کے لوگو! (یاد کرتے رہو اللہ) تعالیٰ (کی نعمتوں کو) تا (کہ کامیابی پاؤ) اور ان نعمتوں کے عملی طور پر شکر گزار ہو کر اپنے منعم حقیقی کی معرفت حاصل کرو، اور پھر کفر و شرک کی لعنتوں سے چھٹکارا حاصل کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کرلو۔۔اس پیغام کو سن کر۔۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

سب بولے" کہ تم ہمارے پاس اسلئے آئے ہو؟ کہ ہم ایک اللہ کو پوجیں اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے تھے ہمارے باپ دادے

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

تو جاؤ لے آؤ جس عذاب کا ہم سے وعدہ دیتے ہو، اگر سچے ہو"●

(سب بولے کہ) اے ھود، کیا (تم ہمارے پاس اسلئے آئے ہو، کہ ہم ایک اللہ) تعالیٰ (کو) پوجیں اور چھوڑ دیں جن کو پوجتے تھے ہمارے باپ دادے)، تو سن لو ہم کسی طرح انکی پرستش نہ چھوڑ ینگے۔اور تو ہمیں عذاب سے ڈراتا ہے (تو جاؤ لے آؤ جس عذاب کا ہم سے وعدہ دیتے ہو، اگر سچے ہو)۔عذاب نازل ہونے کی خبر دینے میں۔۔۔

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ

جواب دیا، کہ "بیشک واقع ہو گیا تم لوگوں پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نفرت و عذاب۔" "کیا تم جھگڑا نکالتے ہو مجھ سے

فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ

ان نام ہی نام پر، جو تم نے رکھ دیا اور تمہارے باپ دادوں نے؟ نہیں نازل فرمائی اللہ نے

بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝

جس کی کوئی سند۔ تو کرو عذاب کا انتظار، میں بھی ساتھ ساتھ نظر رکھتا ہوں"●

(جواب دیا، کہ بیشک واقع ہو گیا تم لوگوں پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نفرت) یعنی برے، ناپسندیدہ اور قابل نفرت فعل پر ہونے والا غضب (و عذاب)۔یعنی وہ غضب جو ارادۂ انتقام کا سبب ہو۔۔المختصر۔۔تم اسکے عذاب و غضب کے مستحق ہو چکے، اب اس عذاب کا نازل ہونا اتنا ہی یقینی ہے، گویا کہ وہ واقع ہو چکا۔ اور میری قوم کے لوگوں (کیا تم جھگڑا نکالتے ہو مجھ سے ان) اپنے خو

ساختہ بتوں کے (نام ہی نام پر)۔ایسے بے اصل نام پر جن کے معنی کی کوئی حقیقت نہیں، اور ایسے لایعنی نام (جو تم نے رکھ دیا) ہے (اور تمہارے باپ دادوں نے) گڑھ لیا ہے۔

--چنانچہ--تم ان میں بعضوں کو 'ساقیہ' کہتے ہو اور انکے تعلق سے یہ گمان رکھتے ہو کہ بارش انکے حکم سے نازل ہوتی ہے۔اور بعضوں کو 'حافظہ' کہتے ہو اور انکے تعلق سے تمہارا خیال یہ ہے کہ سفر میں یہ تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔اسی طرح بعضوں کو 'رازقہ' اور بعضوں کو 'سالمہ' کہتے ہو، اس گمان سے کہ ہمارا رزق اور سلامتی انھیں کے سبب سے ہے۔

اور صورتِ حال یہ تھی کہ یہ الفاظ بے اصل نام تھے، اس واسطے کہ بت جو کنکر پتھر کے تھے انھیں ان کاموں کی قدرت نہ تھی۔اسی لئے ھود علیہ السلام نے فرمایا کہ ان فرضی ناموں کے تعلق سے تمہارے جھگڑے تمہاری جہالت کا نتیجہ ہیں۔

کیونکہ یہ ایسے نام ہیں، کہ (نہیں نازل فرمائی اللہ) تعالیٰ (نے جسکی) پرستش جائز ہونے پر (کوئی سند) اور دلیل۔اور جب حق بات ظاہر ہوگئی اور تم ناحق جھگڑے پر اڑے ہو، (تو) امیدوار ہو جاؤ اور (کرو عذاب) نازل ہونے (کا انتظار۔میں بھی ساتھ ساتھ نظر رکھتا ہوں)۔تم اپنے اوپر عذاب دیکھو گے، اور میں تمہارے اوپر عذاب نازل ہوتا دیکھونگا--۔

--المختصر--جب اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمانا شروع کیا، تو ان پر تین ۳ برس تک بارش نازل نہیں فرمائی، یہاں تک کہ وہ سب قحط میں مبتلا ہوگئے۔اس زمانہ میں جب کوئی بلا نازل ہوتی، تو لوگ اس جگہ کی طرف متوجہ ہوتے جہاں اب خانہ کعبہ ہے۔اس وقت وہاں سرخ ریت کا ایک ٹیکرا تھا--الغرض--مسلم و مشرک ہر ایک اس جگہ کی طرف رجوع کرتے اور اپنی حاجتیں عرض کرتے اور آفتیں دفع ہونے کی دعا کرنے کے بعد، اپنے مطالب کو پہنچتے اور خوف سے نجات پاتے۔

--چنانچہ--قوم عاد نے اس سفر کا سامان کیا اور قیل بن عشر اور مرثد بن سعد کی جو قبیلے کے سردار تھے قیادت میں ستر ۷۰ افراد مکہ معظمہ گئے۔اس وقت معاویہ بن بکر مکے کا حاکم تھا، اسکے یہاں یہ لوگ اترے اور رسم ضیافت کے بعد، ان لوگوں نے اجازت لیکر چاہا کہ دعا اور پانی مانگنے کو اُس مقام پر جائیں۔مرثد جو قوم میں ایک رئیس تھا اور حضرت ھود علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا، بولا کہ تمہاری دعا سے بارش نہ ہوگی۔ہاں اگر تم ھود علیہ السلام کی اطاعت کرو

اور پھر توبہ واستغفار کے دروازے پر آؤ، تو ضرور تم پر رب کریم بارش نازل فرمائیگا۔ یہ سن کر قیل اور اسکے یاروں نے معاویہ سے درخواست کی۔۔چنانچہ۔۔اس نے مرثد کو قید اور نظر بند کردیا اور دعا کے مقام پر نہ جانے دیا۔

۔۔الختصر۔۔جب قیل اپنی قوم کے ساتھ اس مقام پر گیا اور دعا مانگی، اے خدا قوم عاد بارش چاہتی ہے اسے عطا فرما، فوراً ہی ابر کے تین ٹکڑے اٹھے، ایک سفید، ایک سیاہ اور ایک سرخ، اور ہاتف غیبی نے نداء کی، اے قیل! ان میں سے جسکو تیرا جی چاہے، اپنی قوم کے واسطے اختیار کر۔ اس نے ابر سیاہ اختیار کیا، اس واسطے کہ ابر سیاہ سے بہت بارش ہوتی ہے۔ پھر مکہ سے اپنی قوم سمیت باہر آیا اور اپنی قوم کے شہروں کی طرف چلا۔ جب وادی مغیث میں پہنچا کہ وہاں بھی اسکی قوم کے لوگ رہتے تھے، تو ان لوگوں کو ابر کی خوشخبری سنائی، تو پوری قوم بہت خوش ہوکر ابر کی خوشی میں اپنے گھروں سے باہر نکل آئی، پس ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا۔ اس واسطے کہ اس ابر میں 'ریح عاصف' تھی، جسے آندھی کہتے ہیں۔ اُس آندھی نے سات آٹھ دن میں تمام قوم عاد کو ہلاک کردیا اور ھود علیہ السلام اپنی قوم سمیت صحیح سلامت رہے۔ حق تعالیٰ مومنوں کی نجات اور کافروں کے ہلاک ہونے کی خبر دیتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

فَأَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ

تو بچالیا ہم نے ان کو اور جو ان کے ساتھی تھے اپنی رحمت سے، اور کاٹ کے رکھ دی ہم نے جڑ ان کی،

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾ ع ۹ / ۸ / ۱۶

جنھوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو، اور مانتے نہ تھے●

(تو بچالیا ہم نے انکو) یعنی ھود علیہ السلام کو (اور جو انکے ساتھی تھے) اور دین میں انکی متابعت کرتے تھے۔۔الغرض۔۔ان سب کو ہم نے عذاب سے نجات دی (اپنی رحمت) اور اپنے فضل وکرم (سے)۔ یعنی کسی کی نجات دنیوی ہو۔۔یا۔۔نجات اخروی، وہ حقیقی طور پر اسکے عمل کا نتیجہ نہیں، بلکہ صرف فضل ربانی کی دین ہے۔ (اور) اسکے برخلاف (کاٹ کے رکھ دی ہم نے جڑ انکی جنھوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو)، یعنی جنھوں نے تکذیب کی اور ایمان نہ لائے، ہم نے انکا استیصال کیا اور بیخ وبنیاد سے انھیں اکھاڑ دیا (اور) ایسا اسلئے ہوا کہ قوم عاد والے (مانتے نہ تھے) وحدت معبود اور رسالت ھود علیہ السلام' کو۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

اور ثمود کی طرف ان کی برادری کے صالح کو۔۔۔ انھوں نے کہا" کہ اے قوم پوجو اللہ کو، نہیں ہے تمہارا کوئی معبود

غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً

اس کے سوا۔ بیشک آگئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے۔ یہ ہے اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ،

فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا

تو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی رہے۔ اور برائی سے تم اس کو

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

ہاتھ نہ لگاؤ، کہ تم کو پکڑ لے دکھ دینے والا عذاب"●

ہم نے جس طرح نوح کو انکی قوم کی طرف اور ھود کو انکی قوم کی طرف مبعوث کیا (اور) انکا رسول بنایا، اسی طرح بھیجا ہم نے قوم (ثمود کی طرف انکی برادری کے صالح کو)، جو انکے ہم نسب تھے۔

ثمود حضرت صالح کی پانچویں پشت میں تھے۔ قبیلہ ثمود عرب کا ایک قبیلہ تھا جسکا نسب حضرت نوح سے یوں ملتا تھا، ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام اور انکے مکان ملک حجاز اور ملک شام کے بیچ اس جگہ تھے جسے 'حجر' کہتے تھے۔ یہ لوگ بھی بت پرست تھے۔

۔۔چنانچہ۔۔(انھوں نے) یعنی حضرت صالح نے (کہا کہ اے قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو)۔ (نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اسکے سوا) یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں۔

قوم ثمود چونکہ بہت کثرت سے تھی اور اسکو زور و زر بہت حاصل تھا، اس وجہ سے صالح علیہ السلام کی تکذیب کی۔۔چنانچہ۔۔انکی قوم کے لوگ بولے کہ ہمیں کوئی معجزہ دکھایئے جو آپ کی نبوت پر ہمارے واسطے دلیل ہو۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا کیا معجزہ چاہتے ہو، وہ بولے کل ہمارے ساتھ میدان میں چلئے، کل ہماری عید ہے ہم بتوں کو آرائش کر کے نکالینگے، تو بھی اپنے خدا سے کچھ مانگ، ہم بھی اپنے خداؤں سے کچھ مانگیں۔ پھر جسکی دعا قبول ہو جائے دوسرے سب اسکی اطاعت کریں۔۔الختصر۔۔حسب پروگرام سب باہر نکلے اور ان بت پرستوں کی جو حاجت تھی بتوں سے مانگی، مگر کسی کے پورے ہونے کا اثر بھی ظاہر نہیں ہوا۔ پس ذلیل و شرمندہ ہو کر سبھوں نے سر جھکا لئے۔ جندع بن عمر کہ شرفاء قبیلہ

میں سے ایک شخص تھا، اس نے ایک پتھر کی طرف اشارہ کیا، جسکا نام 'کاشبہ' تھا اور بولا کہ اے صالح اس پتھر سے ایک اونٹنی 'بختی اونٹ' سے مشابہ جس پر بال بہت ہوں اور وہ گابھن ہو، ہمارے واسطے نکال۔

حضرت صالح نے فرمایا کہ اگر میرا خدا اپنی قدرت کاملہ سے، کہ اس میں عجز کا کوئی دخل نہیں، ایسی اونٹنی پیدا کردے، تو کیا کرو گے؟ وہ بولے کہ ہم ایمان لائینگے اور تیرے خدا کی عبادت کرینگے، اور اس بات پر قسم کھائی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دو رکعت نماز پڑھی اور دعا میں حق جل جلالہ سے وہ معجزہ ظاہر کرنے کی درخواست کی، فوراً پتھر کو حرکت ہوئی اور جیسے اونٹنی جنتے وقت چلاتی ہے، اُسی طرح کی آواز اس پتھر میں سے نکلی اور وہ پتھر پھٹ گیا، اور جیسی اونٹنی اس قوم کے لوگ چاہتے تھے اس پتھر میں سے باہر نکل آئی۔ بہت بڑی اونٹنی تھی اور پیدا ہوتے ہی اپنے برابر بچہ جنی۔ لوگوں نے اُسے دیکھا۔ جندع کو ایمان کی توفیق رفیق ہوئی، وہ فوراً ایمان لایا۔ اور قبیلۂ ثمود کے باقی شرفاء گمراہ رہے اور منکر ہوئے۔ غرضیکہ وہ اونٹنی قوم میں رہی اور انکی چراگاہوں میں چرتی اور انکے کنوؤں کا پانی دوسرے دن باری سے اُسے ملتا۔

حضرت صالح نے یہ معجزہ ظاہر ہونے کے بعد اپنی قوم سے کہا، کہ (**بیشک آگئی تمہارے پاس روشن دلیل تمہارے رب کی طرف سے**) جو اسکی کمال قدرت اور میری صحت رسالت پر دلیل ہے۔ دیکھو (**یہ ہے اللہ**) تعالیٰ (**کی**) 'سنگ کاشبہ' سے پیدا کی ہوئی (**اونٹنی تمہارے لئے**)، تمہارا فرمائشی (**معجزہ**)، جسکو تمہارے مطالبے پر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کے تعلق سے جو عادت جاری ہے، اس سے الگ صرف اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا ہے، (**تو**) تم معجزہ دیکھ کر ایمان لانے کا اپنا عہد پورا کرو۔۔۔نیز۔۔۔ اس معجزہ کے طور پر پیدا ہونے والی اونٹنی کا پاس ولحاظ کرو اور (**اسکو چھوڑ دو کہ اللہ**) تعالیٰ (**کی زمین میں کھاتی رہے**) اور تم کو اسکے کھانے میں کچھ رنج اور تکلیف نہ ہو، یعنی بخوشی جہاں سے وہ چاہے اُسے چرنے دو (**اور برائی سے تم اس کو ہاتھ نہ لگاؤ، کہ تم کو پکڑ لے دکھ دینے والا عذاب**)۔

دردناک عذاب کا مستحق ہونا اونٹنی کو تکلیف پہنچانے کے سبب سے نہیں، بلکہ اپنا مطلوبہ معجزہ دیکھ کر پھر کفر پر انکے قائم رہنے کے سبب سے تھا، اور اس اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالنا کفر میں انکے تکبر کی دلیل ہے۔۔۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ

"اور یاد کرو جب کہ تم کو بنادیا تھا جانشین عاد کا، اور زمین میں

تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا

تم کوٹھکانہ دیا، کہ بناتے ہو نرم زمین پر محل، اور تراشتے ہو پہاڑوں میں گھر۔ تو یادرکھا کرو

اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۝

اللہ کی نعمتوں کو، اور مت پھرو زمین میں فساد مچاتے●

اے میری قوم کے لوگو! عقل سے کام لو (اور یاد کرو) خدا کی نعمت کو (جبکہ تم کو بنادیا تھا جانشین عادکا) قوم عاد کو ہلاک کرنے کے بعد (اور زمین) حجر (میں تم کو ٹھکانہ دیا) جہاں پہلے قوم عاد کی بستی تھی۔ اور تم کو یہ ہنر دیا (کہ بناتے ہو نرم زمین پر محل) تاکہ جاڑے میں آرام سے رہا جاسکے (اور) ایسی طاقت دی، کہ (تراشتے ہو پہاڑوں میں گھر) گرمی میں رہنے کیلئے (تو) اب تم پر لازم ہے کہ (یادرکھا کرو اللہ) تعالیٰ (کی نعمتوں کو) یعنی زمین پر محلوں میں رہنا اور پتھر کھودنے کی قوت، یہ سب خدا ہی کی عطا کردہ نعمتیں ہیں، تو انکو فراموش نہ کرو اور عملی طور پر بھی ثبوت دو، کہ تمہیں خدا کی نعمتیں یاد ہیں اور تم اسکے شکر گزار ہو۔

۔۔الختصر۔۔ان نعمتوں کے شکر میں حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرو (اور مت پھرو زمین میں فساد مچاتے)۔

انھوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو تو کوئی جواب نہ دیا اور مومنوں سے الجھ گئے اور ان سے معترض ہوئے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ خود فرماتا ہے۔۔کہ۔۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ

کہا ان کی قوم کے چودھریوں نے، جو بڑے بنتے تھے ان سے، جو کمزور کردیئے گئے تھے،

اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

جو ان میں سے مان گئے تھے، کہ "کیا تمہارے نزدیک صالح اپنے پروردگار کے رسول ہیں"۔

قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ۝

انھوں نے کہا کہ بیشک ہم مانتے ہیں جو کچھ پیغام دیا گیا انکے ذریعہ سے"●

(کہا انکی قوم کے چودھریوں نے جو بڑے بنتے تھے ان سے جو کمزور کردیئے گئے تھے) ا
ضعیف و کمزور اور عاجز و بے چارہ ہونے کے باوجود (جوان) کی قوم (میں سے مان گئے تھے)
ایسوں کو مخاطب بنا کر چودھریوں نے سوال کیا (کہ کیا تمہارے نزدیک صالح اپنے پروردگار
رسول ہیں) یہ بات انھوں نے بطورِ استہزاء کہی۔ اس سوال کے جواب میں (انھوں نے کہا، کہ بیشک
ہم مانتے ہیں جو کچھ پیغام دیا گیا انکے ذریعہ سے)۔۔ چنانچہ۔۔ ہمارا ایمان خدا کی توحید پر بھی ہے او
اس بات پر بھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ یہ سن کر۔۔۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

بولے وہ، جو بڑے بنتے تھے، "کہ ہم لوگ جس کو تم مانتے ہو اس کے منکر ہیں"●

(بولے وہ جو بڑے بنتے تھے کہ ہم لوگ جسکو تم مانتے ہو اسکے منکر ہیں)۔

قوم اس اونٹنی سے بہت تنگ آگئی، اس واسطے کہ جس دن اسکی باری ہوتی تھی، تو وہ انکے کنوؤں کا سب پانی پی جاتی تھی اور جس دن قوم کی باری ہوتی، تو کنوؤں کا پانی انکے جانوروں کو کافی نہ ہوتا تھا اور دوسرے یہ کہ گرمی کے دنوں میں پہاڑ کی آڑ میں چلی جاتی کہ وہاں خنکی ہوتی ہے اور قوم کے چوپائے اس سے ڈر کر پہاڑ سے میدان میں بھاگ آتے، اس سبب سے انھیں نقصان پہنچتا تھا۔ دو عورتیں عنیزہ اور صدوقہ نام کی 'جن کے چوپائے بہت تھے' ان پر یہ صورت بہت شاق ہوئی، تو انھوں نے قیدار بن سالف اور مصدع بن دہر کو آمادہ کیا اور ان دونوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ کر اُسے ہلاک کر ڈالا۔ انکا یہ فعل ان پر عذاب نازل ہونے کا سبب بن گیا۔۔ الغرض۔۔ قوم نے حضرت صالح کی ہدایات کا پاس و لحاظ نہیں کیا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ

چنانچہ کوچیں کاٹ لیں انھوں نے اونٹنی کی، اور سرکشی کی اپنے پروردگار کے حکم سے، اور بکنے لگے، کہ "اے صالح لاؤ تو جس کا ہم

اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا

وعدہ دے رہے ہو، اگر رسول ہو"● تو پکڑا ان کو زلزلہ نے، تو وہ

فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾

اپنے گھروں میں اوندھی لاش ہوگئے●

(چنانچہ کوچیں کاٹ لیں انھوں نے اونٹنی کی اور سرکشی کی اپنے پروردگار کے حکم سے اور بکنے لگے کہ اے صالح لاؤ تو جسکا ہم سے وعدہ دے رہے ہو، اگر رسول ہو) یعنی اگر آپ برحق رسولوں میں سے ہیں، تو وہ عذاب لاؤ جس سے ہمیں ڈراتے رہے ہو۔ یہ سب کچھ انھوں نے بطورِ استہزا کہا۔۔۔
(تو پکڑا انکو) اونٹنی کو قتل کرنے کی سزا میں (زلزلہ نے، تو وہ اپنے گھروں میں اوندھی لاش ہوگئے)۔ زلزلہ آنے سے پہلے اونٹنی کو قتل کردینے کی قوم کی سرکشی کو دیکھا۔۔۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ

تو ہٹ گئے ان سے صالح اور کہا کہ "اے قوم! بیشک میں نے تو پہنچادیا تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام

وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور خیر خواہی کی تمہاری۔ لیکن تم اچھا جانتے ہی نہیں خیر خواہوں کو"●

(تو ہٹ گئے) اور کنارہ کش ہوگئے (ان سے صالح اور) ان سے براہِ حسرت (کہا، کہ اے قوم بیشک میں نے تو پہنچادیا) تھا (تمہیں اپنے پروردگار کا پیغام اور خیر خواہی کی تمہاری، لیکن) تمہارا تو حال ایسا رہا کہ (تم اچھا جانتے ہی نہیں خیر خواہوں کو)۔ وہ خیر خواہ جو مہربانی کی راہ سے تمہیں ایمان کی طرف بلاتے ہیں اور نفس اور شیطان کی اتباع سے منع کرتے ہیں۔

انکے عذاب کی کیفیت یہ تھی کہ ہوا سے بڑے بڑے پتھر برستے جو انکے سروں پر پڑ کر انھیں ریزہ ریزہ کردیتے۔ جونہی انھوں نے یہ کیفیت دیکھی، تو زمین میں گڑھے کھودے، تاکہ ان گڑھوں میں چھپ جائیں، لیکن وہ ہوا اتنی زوردار تھی کہ زمین کے نیچے زور لگا کر انکے دو دو آدمیوں کو اوپر اٹھا اٹھا کر انکو آپس میں ٹکرادیتی، پھر انھیں زمین میں اس زور سے پھینکتی کہ زمین میں دھنس جاتے۔ اس حالت کو تمام اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے اور انکی چیخ و پکار اپنے کانوں سے سنتے رہے، یہاں تک کہ تمام کے تمام فنا و برباد ہوگئے۔

وہ جن جانوروں کے مالک تھے وہ سارے جانور بھی تباہ ہوگئے۔ یہ مال و متاع کی تباہی و بربادی بھی ان پر عذاب کا ایک حصہ تھی، کہ جس پر مغرور تھے اسکا بھی حشر دیکھ لیں۔ بیشک

اللہ تعالیٰ کے اپنے افعال میں ہزار حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جانوروں کی بربادی سے انکے مالکوں کو عذاب محسوس ہو، مگر جانوروں کیلئے وہی راحت ہو۔ ھود علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے ایک مقام پر محفوظ رہے، جہاں انھیں وہی ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی بھینی بھینی خوشبودار ہوکر پہنچتی۔

وَلُوطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ

اور لوط کو، جبکہ کہا اپنی قوم سے، کہ کیا بے شرمی تم کرتے ہو، جس کو نہیں کیا تم سے پہلے

اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ

کسی نے سارے جہان میں ● ارے، تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت کو

دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿٨١﴾

چھوڑ کر عورتوں کو۔ بلکہ تم لوگ بے جا کام کرنے والے ہو●

مذکورہ بالا رسولوں کی طرح ہم نے مبعوث کیا (اور) بھیجا (لوط) ابن ہاران ابن تارح یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے (کو) اہل موتفکات کی طرف۔

یعنی انکی طرف جن کی بستیوں کو اللہ تعالیٰ نے مع انکے بسنے والوں کے الٹ دیا۔ وہ پانچ شہر تھے:۔۔۱۔سدوما جو سب شہروں میں بڑا تھا۔۔۲۔عامور۔۔۳۔داوما۔۔۴۔صلوبورا اور۔۔۵۔صفودا۔۔یا۔۔صعودا ہر ہر شہر میں چار چار ہزار آدمی تھے۔ اور حضرت لوط علیہ السلام سدوما میں آئے اور خلق کو خدا کی طرف بلایا اور انتیس ۲۹ برس ان لوگوں میں رہے اور نیک کاموں کا حکم کرتے رہے اور برائیوں سے روکتے رہے۔ انکے برے کاموں میں سے ایک لواطت تھی۔ حق تعالیٰ نے امت مرحومہ کو انکے انجام کار سے خبر دی اور فرمایا اے محبوب یاد کرو تم لوط علیہ السلام کا قصہ!۔۔۔

(جبکہ کہا اپنی قوم سے کہ کیا بے شرمی تم کرتے ہو) یعنی لواطت جیسا قبیح تر کام انجام دیتے ہو۔ یہ کام ایسا قبیح ہے (جسکو نہیں کیا تم سے پہلے کسی نے سارے جہان میں)۔

(ارے) بے وقوفو! اور بے شرمو! (تم جاتے ہو مردوں کے پاس شہوت کو) یعنی مباشرت کی رو سے (چھوڑ کر) ان (عورتوں کو) جو تم پر مباح کی گئیں ہیں۔ تو سمجھ لو کہ تم راہِ حق پر نہیں ہو، (بلکہ تم لوگ بے جا کام کرنے والے ہو)۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ

اور نہ تھا ان کی قوم کا جواب، مگر یہ کہ "بولے کہ ان کو اپنی آبادی سے نکال دو،

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

یہ لوگ بڑے پاکیزہ رہتے ہیں"●

حضرت لوط کے اس کلام کے مقابلہ میں (اور) آپکی اس ہدایت کے تعلق سے (نہ تھا انکی قوم کا جواب، مگر یہ کہ) سدوما کے بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں سے (بولے، کہ) لوط، اسکی لڑکیوں، اور انکو، جو اسپر ایمان لائے ہیں۔۔الغرض۔۔(ان) سب (کو اپنی آبادی سے نکال دو)، کیونکہ (یہ لوگ بڑے پاکیزہ رہتے ہیں) اور برے کاموں سے پاکی چاہتے ہیں۔یعنی اس کام میں ہم سے متفق نہیں ہیں۔

حق تعالیٰ نے انکے اس جواب کو ناپسند فرمایا اور ان پر عذاب نازل فرمایا، جسکی تفصیل انشاءاللہ تعالیٰ آگے آتی ہے۔۔۔

پس جب عذاب ہوا۔۔۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾

تو بچالیا ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو، مگر ان کی عورت کو، وہ پچھڑ جانے والوں سے تھی●

(تو بچالیا ہم نے انکو اور انکے گھر والوں) اور ان (کو) جو ایمان لائے تھے (مگر انکی عورت) اعلہ (کو)۔اسلئے کہ (وہ پچھڑ جانے والوں سے تھی) جس نے شہر سے نکلنے میں حضرت لوط کا ساتھ نہیں دیا اور شہر میں رہ گئی۔ وہ اپنا کفر چھپاتی تھی اور کافروں کو حضرت لوط علیہ السلام سے انکار پر اکساتی تھی، تو اس عورت سمیت انکی قوم کے کافروں پر ہم نے عذاب نازل فرمایا۔۔۔

ع ۱۰ ۱۲ ۱۷

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور برسایا ہم نے ان پر ایک بارش، تو دیکھ لو کیا کیسا ہوا انجام مجرموں کا●

(اور برسایا ہم نے ان پر ایک بارش) اور کیا ہلاکت خیز بارش تھی کہ قوم لوط کے سروں پر پتھر

برسے اور پھر وہ نیست و نابود ہو گئے۔ (تو دیکھ لو) اے دیکھنے والو! کہ (کیا) اور (کیسا ہوا انجام مجرموں کا) پھر اس سے عبرت حاصل کرلو اور اپنے کو اس جرم سے بچاتے رہو جن پر انکو یہ سزا ملی ہے یونہی ہم نے بھیجا۔۔۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ

اور مدین کی طرف ان کی برادری کے شعیب کو، "کہا اے قوم پوجو اللہ کو، نہیں ہے تمہارا کوئی

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ

معبود سوا اسکے، بیشک آگئی تمہارے پاس کھلی نشانی تمہارے پروردگار کی طرف سے، تو ٹھیک رکھو ناپ

وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ

اور تول کو، اور کم نہ دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں، اور نہ فساد مچاؤ زمین میں

بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۸۵

اس کے پرامن ہونے کے بعد۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مانو●

(اور) مبعوث فرمایا (مدین کی طرف) یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی اولاد کی طرف (انکی برادری کے شعیب) بن یسحر بن مدین (کو)، تو انھوں نے اپنی قوم کو وہی ہدایت فرمائی، جو دوسرے رسولوں نے اپنی اپنی قوموں کو فرمائی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ انھوں نے (کہا) کہ (اے) میری (قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) اسلئے کہ (نہیں ہے تمہارا کوئی معبود) برحق (سوا اسکے)۔۔ الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں۔ اور اے میری قوم! دیکھو کہ (بیشک آگئی تمہارے پاس کھلی نشانی تمہارے پروردگار کی طرف سے)۔

غور سے دیکھو کہ جب میں اونچے پہاڑ پر چڑھنا چاہتا ہوں، تو پہاڑ اپنا سر جھکا دیتا ہے اور میں بآسانی پہاڑ پر چڑھ جاتا ہوں۔ پہاڑ کی اس خدمت گزاری اور اطاعت سے سبق حاصل کرو اور میری اطاعت کرو اور تم ناپ تول میں جو خیانت کرتے ہو، اس سے باز آؤ۔

اس خیانت کی تفصیل یہ ہے کہ انکی قوم میں ہر ایک کے پاس دو پیمانے اور دو بٹے تھے ایک چھوٹا اور دوسرا اس سے بڑا۔ تو جب وہ کسی کا مال خریدتے، تو بڑا بٹہ استعمال کرتے۔

اوراگر کسی کے ہاتھ بیچتے، تو چھوٹابٹہ استعمال کرتے۔۔الغرض۔۔کفر کے علاوہ ناپ تول میں بھی خیانت کرتے تھے۔

(تو) انکو حضرت شعیب نے ہدایت فرمائی، کہ (ٹھیک رکھوناپ اور تول کو) اور درستی اور سچائی کی راہ اختیار کرو۔(اور کم نہ دیا کرولوگوں کوانکی چیزیں)۔۔الغرض۔۔خرید وفروخت میں خیانت نہ کرو (اور نہ فساد مچاؤ زمین میں) اپنے کفراوراپنی خیانت کے سبب سے (اسکے پرامن ہونے کے بعد)۔ اور ظاہر ہے کہ اسکی درستی اور اصلاح انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے اور کتابیں نازل ہونے کے سبب سے ہوتی ہے۔اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کسی کوفریب دینااوراسکے ساتھ خیانت کرناہی بڑے بڑے فساد کی جڑ ہے۔اور (یہ) کام جسکا ہم حکم دیتے ہیں (تمہارے لئے بہتر ہےاگرتم مانو) اور ایمان کی نظر سے دیکھو،تو تم پرظاہر ہوجائیگا کہ اللہ کے نبی کی ہدایت کو ماننے اوراس پرعمل کرنے ہی سے دونوں جہاں کی بھلائی حاصل ہوتی ہے۔

قوم مدین اگرایک طرف شہروں میں ناپ تول میں خیانت کرتی تھی، تو دوسری طرف میدانوں میں رہزنی کرتی تھی۔۔نیز۔۔اس قوم کے بعض لوگ ایسا بھی کرتے تھے، کہ ہرراہ کے سرے پر بیٹھ جاتے تھےاور جوکوئی حضرت شعیب کی ملاقات کوجاناچاہتا اُسے ڈراتے دھمکاتے،تو حضرت شعیب نےحکم دیا۔۔۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور نہ بیٹھا کرو ہرراستہ میں کہ دھمکی دے رہے ہو اورروکتے ہو اللہ کی راہ سے،

مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ

اسے جو مان چکااس کو، اورتم چاہتے ہواس میں کجی۔اور یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے، پھر بڑھایاتم کو۔

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور دیکھوکہ کیساانجام ہوافسادیوں کا"●

(اور) فرمایا (نہ بیٹھا کروہرراستہ میں) جب (کہ دھمکی دے رہے ہو) یعنی ڈرادھمکا کرانکا مال لوٹ رہے ہو۔۔یا۔۔ڈرادھمکا کرنبی کے پاس جانے سے بازرکھناچاہتے ہو، (اورروکتے ہواللہ)

تعالیٰ (کی راہ سے) یعنی صراط مستقیم پر چلنے سے، (اسے جو مان چکا اسکو) یعنی مومنین کو بھی ڈرا دھمکا رہے ہو، تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی راہ پر چلنا چھوڑ دیں۔ (اور تم) یہ بھی (چاہتے ہو) کہ (اس میں کجی) ظاہر ہو جائے، یعنی تم اسکا بطلان چاہتے ہو۔

اے میری قوم کے لوگو! سمجھ سے کام لو (اور یاد کرو) اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے اُس احسان کو (جبکہ تم تھوڑے تھے) گنتی میں بھی اور مالداری میں بھی، (پھر بڑھایا تم کو) اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال اور اولاد میں برکت عطا فرما کر۔۔ چنانچہ۔۔ مدین نے حضرت لوط کی بیٹی سے نکاح کیا، تو خدا نے انھیں بہت اولاد عنایت کی اور مالدار کر دیا، تو حضرت شعیب نے یہ نعمت انکو یاد دلائی (اور) کہا (دیکھو کہ کیسا انجام ہوا) اگلی امتوں میں سے (فسادیوں کا)، یعنی قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط کے حالات اور انکے انجام کو دیکھو اور سبق حاصل کرو۔۔ نیز۔۔ اپنے کو تباہ و برباد ہونے سے بچاؤ۔

مدین میں ایک قوم حضرت شعیب پر ایمان لائی اور ایک دوسری جماعت نے انکار کیا اور یہ بات کہی، کہ قوت وثروت ہمیں حاصل ہے مومنوں کو نہیں، تو حق ہمارے ہی ساتھ ہے اور اگر مومنوں کے ساتھ ہوتا، تو چاہئے تھا کہ مالداری اور وسعتِ معاش انھیں حاصل ہوتی۔ اس پر حضرت شعیب نے فرمایا۔۔۔

وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ

"اور اگر تم میں کچھ لوگ مان گئے، جو پیغام لے کر میں بھیجا گیا ہوں، اور کچھ نے نہ مانا،

يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٧﴾

تو ٹھہرو، یہاں تک کہ فیصلہ فرما دے اللہ ہمارے درمیان۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے"●

(اور) اپنی قوم پر واضح کیا، کہ (اگر) چہ (تم میں) سے (کچھ لوگ مان گئے) اور ایمان لائے اسپر (جو پیغام لیکر میں بھیجا گیا ہوں اور کچھ نے نہ مانا) اور اپنے کو ایمان سے مشرف نہ کر سکے۔ تو اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے، کہ ان مذکورہ بالا دونوں گروہوں میں حق کون ہے؟ اور باطل کون ہے؟ (تو) اپنے کو حق سمجھنے والو! (ٹھہرو) جلدی مت کرو، بس انتظار کرو (یہاں تک کہ فیصلہ

فرمادے اللہ) تعالیٰ (ہمارے درمیان) ہماری قوم کے دونوں گروہوں کے تعلق سے۔۔المختصر۔۔اس تعلق سے جو خدا کا فیصلہ ہوگا، بالکل صحیح (اور) درست ہوگا، کیونکہ (وہ سب سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے)۔اسکے حکم میں جانبداری اور سستی نہیں۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۴ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔۱۵ ستمبر ۲۰۰۹ء

بروز سہ شنبہ آٹھویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ پورے قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی توفیق

عطا فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے اُسے آسان فرمائے،

آمین بحرمة سیدنا محمد ﷺ

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ

۹

قال الملا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحمدہٖ تعالیٰ نویں پارہ کی تفسیر آج بتاریخ

۶ شوال المکرم ۱۴۳۰ھ۔۔مطابق۔۔۲۶ ستمبر ۲۰۰۹

بروز شنبہ شروع کر دی گئی ہے۔

مولیٰ تعالیٰ تکمیل کی توفیق عطا فرمائے

آمین

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ

کہا چودھریوں نے ان کی قوم کے جو بڑے بنتے تھے، "ہم لوگ ضرور نکال دیں گے تم کو اے شعیب،

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا

اور جو ایمان لائے ہیں تمہارے ساتھ ہماری آبادی سے، یا تم کو گھوم پھر کر آنا ہوگا ہمارے دھرم میں"۔

قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿۸۸﴾

جواب دیا "کیا گو ہم اسے برا جانیں؟"۔۔●۔۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے مواعظِ حسنہ سننے کے بعد (کہا چودھریوں نے انکی قوم کے) جنھوں نے سرکشی کی اور (جو بڑے بنتے تھے) اور خدائے وحدہ لاشریک کے حضور میں سر جھکانے اور اسکی عبادت کرنے کو اپنے شایانِ شان نہیں سمجھتے تھے، اور اپنے خودساختہ رسم ورواج کو خدائی قانون و ہدایات سے برتر و بہتر گمان کرتے تھے، تو ایسوں نے حضرت شعیب کو مخاطب بنا کر کہا، کہ (ہم لوگ ضرور نکال دیں گے تم کو اے شعیب)۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر پہلے اسلئے کیا، کہ آپ ہی اصل ہیں اور آپ پر ایمان لانے والے آپ کی فرع ہیں۔

۔۔الغرض۔۔اے شعیب ہم تم کو (اور جو ایمان لائے ہیں تمہارے ساتھ) ان سب کو، (ہماری بستی (آبادی سے) باہر یعنی شہر بدر کر دینگے۔اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں تمہارے تعلق سے بغض وعداوت ہے، اسکا تقاضا یہی ہے کہ ہم تمہیں اپنی بستی میں رہنے نہ دیں۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو شہر بدر کر کے ہم اپنے علاقوں اور اپنے ہمسایگان کو تم سب کے شر و فساد سے بچانا چاہتے ہیں۔اسکی پہلی صورت تو یہی ہے کہ ہم تمہیں نکال دیں، (یا) پھر دوسری صورت یہ ہے کہ (تم کو گھوم پھر کر) چار و ناچار (آنا ہوگا ہمارے دھرم میں)۔

کافروں کو اچھی طرح سے معلوم تھا کہ حضرت شعیب بذاتِ خود انکے دھرم میں کبھی رہے ہی نہیں، تو انکے تعلق سے لوٹنے والی بات غیر معقول ہے۔۔لہٰذا۔۔انکے قول کا مطلب صرف یہ نکلتا ہے، کہ اے شعیب! تمہارے ساتھیوں اور تم پر ایمان لانے والوں کو شہر بدری سے اُسی وقت نجات مل سکتی ہے جب وہ اپنے پرانے دھرم کی طرف واپس ہو جائیں، اور آپ چونکہ انکی اصل ہیں، اسلئے آپ کا ذکر بھی انکے ذکر کے ساتھ تغلیباً کر دیا گیا ہے۔تو

انکے لئے جو سزا تجویز کی گئی ہے، انکی اصل ہونے کی وجہ سے، وہ آپکے لئے بھی ہے۔ اب اگر وہ شہر بدری سے بچنا چاہتے ہیں، تو اپنے پرانے دھرم کی طرف لوٹ آئیں اور اگر آپ شہر بدری سے بچنا چاہتے ہوں، تو ہمارے شہر میں ہمارے دین ودھرم کے خلاف تبلیغ کرنے سے باز آئیں، بلکہ آپ بھی کفر وشرک اختیار کرلیں۔

۔۔المختصر۔۔ 'عود' کی اسناد درحقیقت آپ کے اَتباع کیلئے ہے، آپ کا اسم گرامی تغلیباً لیا گیا ہے۔ اسلئے کہ یہ عقیدۂ مسلمہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فریضۂ نبوت ورسالت کی ادائیگی کی راہ میں رکاوٹ بننے والے تمام صغائر اور تمام کبائر سے منزہ اور پاک ہیں، چہ جائیکہ انکی طرف کفر کی نسبت کی جائے۔۔ الغرض۔۔ انکا مقصدِ اصلی یہی تھا کہ حضرت شعیب اور انکا اتباع کرنے والے کفر کو قبول کرلیں۔ شہر بدر کرنے اور انھیں اپنے علاقوں سے نکال دینے کا ذکر صرف دھمکی کے طور پر تھا، تاکہ وہ اس دھمکی سے ڈر کر مجبور ہوجائیں۔۔ چنانچہ۔۔ شعیب علیہ السلام نے انکی دھمکی کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ 'عود' کے سوال پر ارشاد فرمایا۔۔۔

اور (جواب دیا) کہ (کیا گو) اگرچہ (ہم اسے برا جانیں)، یعنی عقل کے اندھو! غور کرو کہ ہم تمہارے دین ودھرم کی طرف کیسے آسکتے ہیں؟ جبکہ ہم سب کا حال یہ ہے کہ ہم تمہارے دھرم سے دلی نفرت رکھتے ہیں۔ ویسے بھی غور کرو کہ تمہارے دھرم میں آنے کا مطلب یہی تو ہوگا، کہ ہم اقرار کریں کہ خدا کا شریک ہے؟ اور حال یہ ہے کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، تو اس صورت حال میں۔۔۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰنَا

"بیشک ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا اگر گھوم پڑے تمہارے دھرم میں، بعد اس کے کہ بچا رکھا ہے

اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ

ہم کو اللہ نے اس سے۔ اور ہم لوگوں کا کیا کام کہ گھوم کریں اس میں، مگر یہ کہ اللہ چاہے ہمارا پالنے والا۔

وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا

ہمارے پروردگار کو ہر چیز کا علم وسیع ہے۔ اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ پروردگارا کھول دے ہمارے

وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ۝

اور ہماری قوم کے درمیان حق، اور تو بہتر فاتح ہے"۔

(بیشک ہم نے اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ باندھا اگر گھوم پڑے تمہارے دھرم میں) اور کفر وشرک

کا ارتکاب کر بیٹھے (بعد اسکے کہ بچا رکھا ہے ہم کو اللہ) تعالیٰ (نے اس سے)، اور ہمیں نجات بخشی۔۔ الختصر۔۔کسی بھی غیر خدا کو خدا کا شریک قرار دینا۔۔یا۔۔مشرکین کے باطل نظریات اور خود ساختہ رسم و رواج کو دین خداوندی سمجھنا، ذات الٰہی پر ایک عظیم افتراء اور ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔اس جرأت و جسارت کی تم ہم سے امید نہ رکھو۔اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے جس نجات کی راہ پر ہمیں پہنچا دیا ہے، اب ہم اس سے پلٹنے والے نہیں۔ (اور) اب (ہم لوگوں کا کیا کام کہ گھوم گریں اس میں) ۔۔الغرض۔۔ہم سے یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ ایمان کی دولت پالینے کے بعد کفر کے گڈھے میں گر جائیں، (مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (چاہے) جو (ہمارا پالنے والا) ہے۔یعنی اگر۔۔بالفرض۔۔ہمارا لوٹنا مشیت الٰہی میں ہو، تو وہ الگ بات ہے، لیکن ہم سے بالارادہ یہ بالکل محال ہے۔

ویسے بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ایسا کیوں چاہے گی۔اسلئے کہ شانِ ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسکے بندوں کے ارتداد کی مشیت نہ ہو، خاص کر ان بندوں کیلئے جنھیں اپنے فضل و کرم سے نجات کی سند بخش دی گئی ہو۔آیت کریمہ میں **نَجّٰنَا** کا لفظ واضح طور پر اشارہ فرما رہا ہے، کہ انکا کفر کی طرف لوٹنا اللہ تعالیٰ کی مشیت نہیں۔اس ارشاد کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ اب اگر اللہ تعالیٰ ہمیں رسوا کرنا چاہے، جبھی ہم تمہارے دین کی طرف لوٹ سکتے ہیں اور ہمیں خدائے رحیم و کریم سے یہی امید ہے کہ وہ ہمیں رسوا نہیں فرمائیگا، اور اس نے ایمان کی جو عزت ہمیں بخشی ہے، اسی پر قائم رکھے گا۔۔الختصر۔۔باطل دین کی طرف پلٹنے کی اب کوئی صورت نہیں رہ گئی۔اور ایسا کیوں نہ ہو؟۔۔۔

اسلئے کہ (ہمارے پروردگار کو ہر چیز کا علم وسیع ہے) یعنی اسکا علم ما کان و ما یکون کی تمام اشیاء کو محیط ہے۔من جملہ انکے، بندوں کے احوال و عزائم اور نیات اور پھر انکی شان کے جو امور لائق ہیں سب کو جانتا ہے۔اس بناء پر محال ہے کہ وہ ہمارے لئے کفر کی طرف لوٹنا چاہے، بعد اسکے کہ اس نے ہمیں تمہاری ملت سے نجات دی۔۔علاوہ ازیں۔۔ہم اسکے ارشاد کے مطابق عمل کر رہے ہیں۔۔چنانچہ۔۔صرف (اللہ) تعالیٰ (ہی پر ہم نے بھروسہ کیا)۔وہی ہمیں ایمان پر ثابت قدم رکھے گا اور شرارتوں سے بچائیگا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کفار کو مذکورہ بالا جواب دے کر معاندین سے اعراض کر کے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی طرف متوجہ ہوئے، اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا۔۔۔

کہ (پروردگار ا کھول دے ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق)، یعنی انکے اور ہمارے

مابین فیصلہ فرمادے، اور ایسے دلائل و براہین واضح فرمادے، تاکہ واضح ہوجائے کہ ہم میں حق پر کون ہے؟ اور باطل پر کون ہے؟۔۔الغرض۔۔ہم ہر دو فریقوں کا معاملہ صاف فرمادے۔اسلئے کہ تو ہی تمام مشکلات کا حل فرمانے والا (اور تو) ہی (بہتر فاتح) اور عقدہ کشا (ہے)۔۔نیز۔۔جملہ امور کا فیصلہ فرمانے والا ہے، تو ہمارے مابین بھی فیصلہ فرمادے تاکہ ہمارا انجام بخیر ہو، اور ہماری حقانیت واضح ہوجائے اور انکا انجام بربادی ہو، اور انکا بطلان واضح ہوجائے۔

جب کفر پر بضد ہونے والے لیڈروں نے شعیب علیہ السلام اور انکے پیروکاروں کو ایمان پر ثابت قدم اور پختہ عزم دیکھا، تو انھیں خوف ہوا کہ یہ استقامت اور دین حق کی پختگی دوسرے لوگوں کو بھی انکے دین حق کو قبول کرنے پر مجبور کردیگی، تو انھوں نے اپنی کافر قوم کو شعیب علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے قسم کھا کر، تاکیدی طور پر کہا۔۔۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا

اور بولے چودھری لوگ ان کی قوم کے جنھوں نے کفر کیا تھا، "کہ اگر تم لوگ کہا مانا کئے شعیب کا،

اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾

تو بیشک اس وقت تو تم بھی گھاٹے میں رہو گے"●

(اور بولے چودھری لوگ انکی قوم کے جنھوں نے کفر کیا تھا کہ اگر تم کہا مانا کئے شعیب کا) اور اپنے دین کو چھوڑ کر انکے دین کو قبول کرلیا، **(تو بیشک اس وقت تو تم بھی گھاٹے میں رہو گے)**۔یعنی تمہیں دو طرح کا گھاٹا ہوگا، ایک تو یہ ہے کہ تمہیں اپنے آباء واجداد کا دین چھوڑنا ہوگا، اور دوسرے یہ کہ دنیوی کاروبار میں بھی تمہیں زبردست نقصان اٹھانا پڑیگا، اسلئے کہ حضرت شعیب ناپ تول میں کمی بیشی کی اجازت تمہیں نہیں دینگے اور پھر تمہارا کاروبار اسکے بغیر نہیں چل سکے گا۔۔بنابریں۔۔معاملات کمزور پڑجائینگے تو تمہارا خسارہ ہوگا۔

۔۔المختصر۔۔جب حضرت شعیب کی قوم نے انکی نصیحت نہیں سنی اور کفر و خیانت سے باز نہ آئے۔۔۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

تو دبوچا ان کو زلزلہ نے، تو رہ گئے اپنے گھر میں منہ کے بل پڑے●

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

جنھوں نے جھٹلایا تھا شعیب کو، جیسے بسے ہی نہ تھے اس میں۔ جنھوں نے جھٹلایا

شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾

شعیب کو وہ لٹ گئے●

(تو دبوچا انکو زلزلے نے)، یعنی ابتداءً انکی زمین کو زلزلہ آیا اور سخت گرمی پھیل گئی اور دوسری جانب ایک بادل نمودار ہوا، اس بادل سے ٹھنڈک لینے کیلئے دوڑ پڑے اور جب سب اسکے نیچے آ گئے، تو وہ بادل برسنے لگا اور اُدھر جبرائیل علیہ السلام نے سخت قسم کی چیخ ماری، (تو) صبح (رہ گئے اپنے) اپنے (گھر) کے قریب اپنے شہر (میں) مذکورہ بالا سایے کے نیچے (منہ کے بل پڑے)، یعنی زمین پر جسم بے جان اوندھے گر پڑے وہ لوگ۔۔۔

(جنھوں نے جھٹلایا تھا شعیب کو جیسے بسے ہی نہ تھے اس میں)۔۔الحاصل۔۔(جنھوں نے جھٹلایا شعیب کو وہ لٹ گئے)۔ دنیا میں جان و مال سے ہاتھ دھولیا اور آخرت میں ثواب سے محروم ہو گئے، بلکہ آخرت کا عذاب اپنے اوپر لازم کرلیا۔۔المختصر۔ حضرت شعیب نے جب اپنی نافرمان قوم کے اوپر عذاب کے آثار دیکھے، تو اس شہر سے نکل جانے کا ارادہ کیا۔۔۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَ

تو شعیب ان سے ہٹ گئے، اور کہا کہ "اے قوم بیشک میں نے تو پہنچا دیا تم کو اپنے پروردگار کے پیغام اور

ع۱۱ نَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿۹۳﴾

خیر خواہی کی تمہاری۔ پھر میں کس طرح افسوس کروں کافر قوم پر"●

(تو شعیب ان سے ہٹ گئے) اور کافروں سے منہ پھیرلیا (اور) حسرت کی راہ سے (کہا کہ اے قوم بیشک میں نے تو پہنچا دیا تم کو اپنے پروردگار کے پیغام اور خیر خواہی کی تمہاری)۔

یہ بھی ممکن ہے کہ یہ بات حضرت شعیب نے اپنی قوم کے ہلاک ہوجانے کے بعد انکی روحوں کو مخاطب فرما کر کہا ہو۔ جس طرح۔ آنحضرت ﷺ نے غزوۂ بدر میں کفار کے مقتول سرداروں سے 'جو ایک کنوئیں میں ڈال دیئے گئے تھے' خطاب فرمایا تھا۔ اسکے بعد حضرت شعیب نے اپنی تسلی کیلئے ارشاد فرمایا، کہ جب میں نے خیر خواہی کا حق ادا کردیا۔۔تو۔۔

(پھر میں کس طرح افسوس کروں کافر قوم پر) جس نے میری تصدیق نہ کی۔
پھر حق تعالیٰ بعض اگلی امتوں کے قصے اور انبیاء کرام کی تکذیب کی وجہ سے انکے ہلاک ہونے کا حال بیان فرما کر، کفارِ قریش کو دھمکاتا ہے اور خوف دلاتا ہے۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ
اور نہیں بھیجا ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی، مگر یہ کہ گرفتار کیا اس کے رہنے والوں کو ناداری
وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾
و بیماری میں، کہ وہ گڑگڑائیں●

(اور) فرماتا ہے کہ (نہیں بھیجا ہم نے کسی آبادی میں کوئی نبی، مگر یہ کہ گرفتار کیا اسکے) ان (رہنے والوں کو) جنھوں نے اس پیغمبر کی تکذیب کی ہو (ناداری و بیماری میں)۔ ان پر تنگی، سختی، ناداری اور بیماری وغیرہ اسلئے مسلط کی گئی، تا (کہ وہ گڑگڑائیں) یعنی عاجزی کریں اور نصیحت مان کر اپنے نبی کی تصدیق کریں، تاکہ ان پر سے بلا دفع کردی جائے۔۔۔اور جب وہ بلا اور زحمت کے سبب سے متنبہ نہ ہوئے، تو ہم نے انھیں مالداری اور راحت میں مبتلا کیا، اور پھر اسطرح انکی آزمائش کی۔۔ چنانچہ۔۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ
پھر بدل دیا ہم نے خرابی کی جگہ خوبی کو، یہاں تک کہ بھرپور ہوگئے، اور بولے کہ ہوتی رہی ہے ہمارے
اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾
باپ دادوں کو بھی ناداری و بیماری، تو پکڑا ہم نے ان کو اچانک، اور وہ بےخبر ہیں●

(پھر) انکے لئے (بدل دیا ہم نے خرابی کی جگہ خوبی کو، یہاں تک کہ بھرپور ہوگئے) یعنی مال وعیال دونوں کی فراوانی ہوگئی۔ ایسی صورت حال میں شکرگزار ہونے کی جگہ وہ ناشکری پر اتر آئے، (اور بولے کہ ہوتی رہی ہے ہمارے باپ دادوں کو بھی ناداری و بیماری)، یعنی اگلے زمانے میں بھی کبھی قحط ہوتا تھا کبھی ارزانی، کبھی صحت ہوتی تھی کبھی بیماری، کبھی غم ہوتا تھا کبھی خوشی۔ یہ کچھ کفر اور ایمان کے سبب سے نہیں ہے، تو ہم جس طریق پر ہیں اسی پر رہتے ہیں۔ جب اس قوم نے ناشکری اور کفر پر

مضبوطی اور پائداری اختیار کی، (تو پکڑا ہم نے انکو اچانک اور) اس حال میں کہ (وہ) عذاب نازل ہوجانے سے (بے خبر ہیں)۔ اور یہ حسرت اسکی بہ نسبت بہت بڑی ہے، کہ پہلے سے عذاب کے آثار دیکھ لئے ہوتے، اور سمجھ گئے ہوتے، کہ ہم پر عذاب نازل ہوا چاہتا ہے۔۔۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ

اور اگر آبادیوں والے مان جاتے اور ڈر جاتے، تو ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان

وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾

وزمین کی۔ لیکن انھوں نے جھٹلایا، تو ہم نے گرفتار کرلیا سزا میں جو وہ کمارہے تھے●

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ؕ

تو کیا بچاؤ پاگئے آبادیوں والے؟ کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب رات کو اور وہ سورہے ہیں●

(اور اگر) کاش ایسا ہوتا، کہ وہ (آبادیوں والے) جن پر عذاب نازل ہوا۔۔یا۔۔مکہ اور اسکے آس پاس کے کفار (مان جاتے)، اپنے پیغمبروں پر ایمان لاتے (اور ڈر جاتے)، یعنی اپنے کو شرک اور نبی کی تکذیب سے بچاتے، (تو ہم کھول دیتے ان پر برکتیں آسمان وزمین کی)۔ آسمان سے رحمت کی بارش برساتے اور زمین کو زرخیز بنادیتے، (لیکن انھوں نے جھٹلایا، تو ہم نے گرفتار کرلیا) ان کو کفر ومعاصی کی (سزا میں، جو وہ کمارہے تھے)۔

آیت مذکورہ کا یہ بھی معنی بتایا گیا ہے، کہ:

اگر بندے باور کرتے میرے وعدے، اور بچتے میرے حکم کی مخالفت سے، اور ڈرتے میری دھمکی سے، تو انکے دلوں کو اپنے مشاہدے کے نور سے ہم روشنی دیتے، یہ انکے لئے آسمان کی برکت ہوتی۔ اور انکے جوارح واعضاء کو اپنی خدمت سے ہم آراستہ کردیتے، انکے لئے یہ زمین کی برکت ہوتی۔۔۔اے محبوب! انبیاء سابقین کے امتیوں پر انکے کفر ونافرمانی کے سبب جو عذاب الٰہی نازل ہوتے رہے، انکے واقعات سن لینے کے بعد بھی یہ کفار، مکہ وغیرہ کے، کس غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اور کیوں نہیں ان سے سبق حاصل کرکے دین حق کو قبول کرلیتے۔۔۔

(تو کیا بچاؤ پاگئے) مکہ اور اسکے آس پاس کی (آبادیوں والے؟ کہ آجائے ان پر ہمارا عذاب رات کو، اور وہ سورہے ہیں) اور انھیں غفلت کی وجہ سے اس عذاب کا شعور بھی نہ ہو۔۔یونہی۔۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾

کیا بچاؤ پا گئے آبادیوں والے؟ کہ آئے ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے اور وہ کھیل میں لگے ہیں●

(کیا بچاؤ پا گئے) مذکورہ بالا (آبادیوں والے، کہ آئے ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے) بوقت چاشت (اور) اس حال میں کہ (وہ کھیل میں لگے ہیں) یعنی فرط غفلت میں منہمک ہیں، کہ اس سے انکا نہ دنیوی فائدہ ہو اور نہ دینی۔۔۔یا۔۔۔وہ ایسے امور میں مشغول ہیں کہ اُن سے انھیں کسی قسم کا فائدہ نہیں، اسلئے کہ جو آخرت کے معاملہ سے روگرداں ہو کر دنیوی امور میں منہمک ہو جائے، وہ فضول کھیل میں مشغول ہونے والے کی طرح ہے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو پیغمبروں کی تکذیب کرتا ہے اُسے عذاب الٰہی سے بے خوف نہ رہنا چاہئے، کسی وقت بھی وہ عذاب میں ضرور مبتلا ہوگا، دن میں یا رات کو۔ اب اگر کافروں اور نافرمانوں کو رب تعالیٰ کی طرف سے کسی قسم کی عارضی راحت مل جائے، تو وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ اب وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے آزاد ہو گئے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ڈھیل ہے جسکا علم بندے کو نہیں ہو پاتا۔۔تو۔۔

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ ع۲

کیا مطمئن ہو گئے اللہ کی ڈھیل سے؟ تو اللہ کی ڈھیل سے مطمئن نہیں ہوتے، مگر تباہ ہو جانے والی قوم●

(کیا مطمئن ہو گئے اللہ) تعالیٰ (کی ڈھیل سے)، یعنی اسکی ناگہانی پکڑ سے، (تو) سن لو کہ (اللہ) تعالیٰ (کی ڈھیل سے مطمئن نہیں ہوتے، مگر تباہ ہو جانے والی قوم)۔۔۔المختصر۔۔۔مجرم و گنہگار لوگ ہی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہوتے ہیں۔ صرف انبیاء کرام ہی ہیں جو ہر وقت خوفزدہ رہتے ہیں، اسی لئے ان سے معاصی کا صدور نہیں ہوتا۔ پہلے والوں کے حالات و واقعات سن کر بعد والوں کو سبق حاصل کرنا چاہئے۔۔تو۔۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ

کیا نہ سوجھا انھیں جو وارث ہوئے زمین کے وہاں والوں کے بعد، کہ اگر ہم چاہیں تو

أَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور مصیبت ڈال دیں ان کے گناہوں پر۔ اور چھاپ لگادیں ان کے دلوں پر تو وہ کچھ نہ سنیں●

(کیا نہ سوجھا انھیں جو وارث ہوئے زمین کے، وہاں والوں کے بعد) یعنی ان امتیوں کے بعد جو پہلے اس زمین کے مالک تھے اور پھر عذاب الٰہی نے انھیں فنا و برباد کردیا، تو اس زمین کی وارث انکی بعد میں آنے والی نسل ہوئی، تو ان نسل والوں کو اپنے اجداد اور انکے کفر و معاصی کی وجہ سے ان پر عذاب الٰہی کے واقعات کو معلوم کرنا چاہئے، اور معلوم ہوجانے کے بعد ان سے عبرت حاصل کر کے انکی راہ سے اپنے کو الگ کرلینا چاہئے۔ مگر انکا حال عجیب ہے، کہ پیغمبروں کی زبانی ان سب کی تباہی کے حالات سے باخبر ہونے کے باوجود، یہ انھیں کے طریقے پر چل پڑے ہیں۔

یہ اتنا بھی نہیں سوچتے **(کہ اگر ہم چاہیں تو اور مصیبت ڈالدیں انکے گناہوں پر اور چھاپ لگادیں انکے دلوں پر، تو وہ)** ایسے بہرے ہوجائیں کہ **(کچھ نہ سنیں)** فہم اور عبرت کی رو سے دل پر مہر ہونے کے سبب سے۔ اس واسطے کہ اگر دل کھلا ہوا ہے، تو جو کچھ آدمی سنتا ہے اُسے سمجھ لیتا ہے، تو کلام حق سننے سے دل کا کان فائدہ رکھتا ہے۔ یہ آب و گل کا کان نہیں۔ سن کر قبول کرلینا، یہ دل کے کان کی خصوصیت ہے۔ یہ شہر جو اگلی امتوں کی طرف منسوب تھے، جیسے احقاف، حجر، موتفکات وغیرہ۔۔۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ

یہ آبادیاں ہیں کہ بتاتے ہیں ہم تم کو ان کے واقعات۔ اور بیشک آئے انکے پاس انکے

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ

رسول روشن دلیلوں کے ساتھ۔ تو وہ کبھی نہ ہوا کہ مان جاتے جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

اسی طرح چھاپ لگادیتا ہے اللہ کافروں کے دل پر●

(یہ) وہ **(آبادیاں ہیں کہ بتاتے ہیں ہم تم کو انکے واقعات اور)** انکے تعلق سے بعض خبریں، کہ **(بیشک آئے انکے پاس انکے رسول)** یعنی ہود، صالح و لوط اور شعیب علیہم السلام **(روشن دلیلوں کے ساتھ)**، یعنی ایسے معجزات کے ساتھ جن سے انکی رسالت و نبوت کی صداقت کی واضح طور پر تصدیق ہوتی ہے اور جو امتوں کے ایمان کی پختگی کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے روشن دلائل کے آجانے کے بعد،

اب تو چاہیے تھا کہ وہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے۔

مگر حقیقت (تو) یہ ہے کہ (وہ کبھی نہیں ہوا کہ مان جاتے) اور اپنے رسولوں کے اس پیغام پر ایمان لاتے (جسکو) اُنکے مورثین ان سے (پہلے جھٹلا چکے تھے) اور پھر یہ اُسی تکذیب پر قائم اور اپنے مورثین کی کارکردگی پر راضی رہے۔۔ الختصر۔ کفر پر مضبوط ہونے اور دلوں پر مہر لگی ہونے کے سبب سے، ان میں ایمان قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رہ گئی۔۔ الحاصل۔۔ جس طرح کی سخت مہریں اگلے کافروں کے دلوں میں تھیں (اسی طرح چھاپ لگا دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (کافروں کے دل پر)۔

یہاں کافروں سے مراد بنیادی طور پر وہ کفار قریش ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ یہ ایمان نہ لائینگے۔

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٢﴾

اور نہیں پایا ہم نے ان کے اکثر میں کوئی بات کی پختگی۔ اور ہاں پایا ہم نے ان کے اکثر کو بے کہے والے●

(اور) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ (نہیں پایا ہم نے ان) اگلی امتوں (کے اکثر میں کوئی بات کی پختگی) یعنی کسی بھی عہد کو پورا کرنے کا مضبوط حوصلہ اور پختہ ارادہ، خواہ وہ عہد میثاق ہو، جسے میثاق کے دن انھوں نے باندھا تھا۔۔یا۔۔ وہ عہد جو خوف و مضرت کے وقت کرتے تھے، کہ اگر ہم نجات پا جائینگے تو ایمان لائینگے (اور) اسکے برخلاف (ہاں پایا ہم نے انکے اکثر کو بے کہے والے) صرف اپنی من مانی کرنے والے اور اپنے عہد و پیمان کو با آسانی توڑ ڈالنے والے۔۔ بااین ہمہ۔۔ ہمارا فضل عظیم دیکھو ہم نے انکی طرف ہدایت دینے والوں کے بھیجنے کا سلسلہ منقطع نہیں کر دیا۔۔ بلکہ۔۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ

پھر بھیجا ہم نے ان سب کے بعد موسیٰ کو، ہماری نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اسکے گروہ کی طرف، تو انھوں نے

فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٠٣﴾

اندھیر مچایا ان نشانیوں کے ساتھ، تو دیکھو کہ کیا ہوا انجام فسادیوں کا●

(پھر بھیجا ہم نے ان سب) مذکورہ بالا پیغمبروں (کے بعد موسیٰ) بن عمران (کو ہماری نشانیوں کے ساتھ) یعنی ان معجزوں کے ساتھ جو ہم نے انھیں عطا کئے تھے (فرعون) یعنی قابوس۔۔یا۔۔ ولید

بن مصعب بن ریان (اور اسکے گروہ) کے بڑے لوگوں (کی طرف)۔
خیال رہے کہ فرعون، شاہِ مصر کا لقب تھا۔۔۔ جیسے کہ قیصر، شاہِ روم کا۔۔ کسریٰ، شاہِ فارس کا۔۔ خاقان، شاہِ چین کا۔۔۔ اور تبع، شاہِ یمن کا لقب رہا۔۔ الختصر۔۔ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو انکی طرف مبعوث فرمایا۔۔۔

(تو انھوں نے) انکے معجزات کو دیکھنے اور اسکی اعجازی شان کو سمجھ لینے کے باوجود ہٹ دھرمی سے کام لیا اور (اندھیر مچایا ان نشانیوں کے ساتھ) اور انھیں جادو قرار دیکر ان کو حضرت موسیٰ کی رسالت کی دلیل قرار دینے سے انکار کر بیٹھے۔ اور حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جن جادوگروں کو انھوں نے حضرت موسیٰ سے مقابلے کیلئے اکٹھا کیا تھا، وہ سب کے سب علانیہ مومن ہو گئے، اسپر بھی فرعونیوں کی آنکھ نہ کھلی اور وہ اپنی کافرانہ ضد پر قائم رہے۔ (تو) اے دیکھنے والو (دیکھ لو کہ کیا ہوا انجام فسادیوں کا)۔ یہی نا، کہ سب کے سب دریا میں غرق کر دیئے گئے۔

اس تعلق سے حضرت موسیٰ کے واقعات کا خلاصہ یہ ہے، کہ حضرت موسیٰ جب مصر سے چلے، تو مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور انکی بیٹی صفورا کو اپنے عقدِ نکاح میں لائے، پھر مصر جانے کا ارادہ کیا، اور اثنائے راہ میں وادیِ ایمن میں پیغمبری کے منصب پر فائز ہوئے، اور عصا اور ید بیضاء کے معجزے کے ساتھ مخصوص ہوئے، اور حق تعالیٰ نے انہیں حکم فرمایا کہ مصر میں جائیں اور فرعون کو راہِ خدا کی طرف بلائیں اور اُسے تکبر اور دعویٰ خدائی سے منع کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آئے اور ایک مدت کے بعد جب فرعون سے ملاقات ہوئی، تو حضرت موسیٰ نے راہِ خدا کی طرف اُسے بلانا شروع کر دیا۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور کہا موسیٰ نے "اے فرعون میں رسول ہوں پروردگارِ عالم کا●

حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ

میرا فرض ہے کہ نہ بولوں اللہ پر مگر ٹھیک بات۔ بیشک میں آیا ہوں تمہارے پاس

بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِىَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾

دلیل کے ساتھ تمہارے پروردگار کی، تو چھوڑ دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو"●

(اور کہا موسیٰ نے اے فرعون میں رسول ہوں پروردگار عالم کا)، (میرا فرض ہے کہ نہ بولوں اللہ) تعالیٰ (پر مگر ٹھیک) اور سچی (بات)۔ اس صورت میں تیرا بھی یہ فرض بنتا ہے، تو بھی مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول مان کر میری تصدیق کر۔ تو یہ غور سن! کہ (بیشک میں آیا ہوں تمہارے پاس دلیل کے ساتھ تمہارے پروردگار کی)۔ یہ کھلا ہوا اور بالکل ظاہر معجزہ میری رسالت کی صحت پر گواہ ہے، تو تم میری رسالت پر ایمان لاؤ اور مجھے اللہ تعالیٰ کا رسول مان کر میری ہدایات پر عمل کرو، اور اپنی کبریائی کے دعوے سے باز آؤ، اور یہ جو تم نے اولادِ یعقوب کو اپنا غلام بنا رکھا ہے ان کو آزاد کردو، تاکہ وہ اپنے آباء واجداد کے وطن، یعنی ارضِ مقدسہ کی طرف واپس ہوجائیں۔۔ الختصر۔۔ جب یہ صورت حال ہے کہ وہ تمہاری غلامی میں رہنا نہیں چاہتے، (تو چھوڑ دے) اور آزاد کردے (میرے ساتھ بنی اسرائیل) یعنی اولادِ یعقوب (کو)، تاکہ میں انھیں انکے آبائی وطن تک پہنچادوں۔

اس سلسلے میں اولادِ یعقوب کے تعلق سے واقعات کا خلاصہ یہ ہے، کہ جب حضرت یعقوب اپنے بیٹوں اور پوتوں کے ساتھ مصر آئے، تو وہیں رہے اور انکی اولاد بہت ہوئی۔ حضرت یعقوب، حضرت یوسف اور انکے سارے بھائی انتقال فرماگئے اور حضرت یوسف کے دور کا فرعون ملک ریان بھی انتقال کرگیا، تو اسکا بیٹا مصعب تخت نشین ہوا، جو بنی اسرائیل کی عزت اور توقیر کرتا تھا۔ جب اس پر بھی موت طاری ہوگئی، تو حضرت موسیٰ کے زمانے کا فرعون ولید تختِ سلطنت پر بیٹھا۔۔اور۔۔

اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۔۔۔ یعنی میں تمہارا بلند و برتر رب ہوں۔

کی آواز بلند کی۔ بنی اسرائیل نے اسکا یہ دعویٰ قبول نہیں کیا، تو فرعون بولا کہ تمہارے باپ ہمارے بزرگوں کے زرخرید غلام تھے، تو تم سب میرے غلام زادے ہو۔۔ چنانچہ۔۔ اسلئے انھیں غلام بنالیا، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ مبعوث ہوئے اور یہ بات کہی کہ اے فرعون بنی اسرائیل سے ہاتھ کھینچ، تاکہ اپنے باپ دادوں کے وطنوں میں چلے جائیں۔۔ الختصر۔۔ حضرت موسیٰ کی بات سننے کے بعد۔۔۔

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

وہ بولا "کہ اگر کوئی نشانی لے کرآئے ہو، تو اس کو لاؤ، اگر سچے ہو"۔

فَأَلْقٰى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۷﴾

تو ڈال دیا اپنے عصا کو، تو اسی وقت وہ صاف اژدہا ہے●

(وہ) یعنی فرعون (بولا کہ) اپنی رسالت کی صداقت کو ثابت کرنے کیلئے (اگر کوئی) معجزہ یعنی (نشانی لے کر آئے ہو، تو اسکو لاؤ) اور ظاہر کر دو (اگر سچے ہو) اس بات میں کہ تم پروردگارِ عالم کے رسول ہو۔ حضرت موسیٰ نے جب فرعون کا یہ مطالبہ سنا۔۔۔

(تو ڈال دیا) اسکے سامنے زمین پر (اپنے عصا کو، تو اسی وقت) سب نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ (وہ صاف اژدہا ہے)، ایسا کہ کسی کو بھی اسکے اژدہا ہونے میں شک نہ رہا۔ اور وہ بھی ایسا اژدہا کہ اسکے دونوں جبڑوں میں اسی [۸۰] گز کا فاصلہ تھا۔ اژدھے نے نیچے کا لب زمین پر رکھا اور اوپر کا لب فرعون کے محل کے کنگرے پر، اور اسکے تخت کی طرف رخ کیا۔ یہ دیکھ کر اسکے نوکر سب بھاگ گئے اور خود فرعون بھی بھاگا۔ اس بھاگم بھاگ پر تقریباً پچیس [۲۵] ہزار لوگ ہلاک ہو گئے، اور فرعون چلا پڑا کہ اے موسیٰ، میں تجھے اُسی خدا کی قسم دیتا ہوں جسکا تو رسول ہے، کہ اپنا عصا اٹھالے، میں تجھ پر ایمان لاتا ہوں اور بنی اسرائیل کو بھی تیرے حوالے کر دیتا ہوں۔ حضرت موسیٰ نے اژدھے کی گردن پکڑی، تو وہ وہی عصا ہو گیا۔ فرعون آ کر پھر اپنے تخت پر بیٹھا اور حضرت موسیٰ سے بولا، کہ کیا اسکے سوا کوئی اور معجزہ بھی تو رکھتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا، ہاں! پھر اپنا داہنا ہاتھ گریبان میں بائیں بغل کے نیچے لے گئے۔۔۔

وَّنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنّٰظِرِينَ ﴿۱۰۸﴾

۱۳ ع ۹ ۲

اور اپنا ہاتھ نکالا تو خود بخود روشن ہے، ہر دیکھنے والے کی نظر میں●

(اور) پھر جیسے ہی (اپنا ہاتھ نکالا، تو) اس ہاتھ کی یہ شان نظر آئی کہ (خود بخود روشن ہے)، ایسا سفید کہ اسکی سفیدی کمالِ مرتبہ پر تھی اور نہایت نورانیت کے ساتھ (ہر دیکھنے والے کی نظر میں)۔

۔۔اولاً: حضرت موسیٰ نے اپنا داہنا ہاتھ فرعون کو دکھایا پھر گریبان میں ڈال کر نکالا، تو اس قدر سفید نورانی تھا کہ زمین سے آسمان تک اس سے روشن ہو گیا، پھر گریبان میں ڈال کر نکالا تو جیسا تھا ویسا ہی ہو گیا۔۔۔ الغرض۔۔ فرعون نے یہ دونوں معجزے دیکھ کر اپنی قوم کے شریف لوگوں کو بلایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے باب میں مشورہ کیا۔۔ تو۔۔

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۹﴾

بولے چودھری لوگ قوم فرعون کے، "کہ بیشک یہ ضرور جادوگر اور جادو کی وڈیا والے ہیں●

یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

چاہتے ہیں کہ تم کو نکال دیں تمہارے ملک سے، تو کیا مشورہ دیتے ہو"●

(بولے چودھری لوگ قوم فرعون کے، کہ بیشک یہ ضرور جادوگر اور جادو کی وڈیا والے ہیں) اور جادوگری کے فن میں ایسے ماہر ہیں کہ لکڑی کو اژدھا بنا دیتے ہیں، اور گندم گوں ہاتھ کو ید بیضاء کر کے نکالتے ہیں، اور یہ (چاہتے ہیں کہ تم کو نکال دیں تمہارے ملک سے) اور پھر مصر کی حکومت بنی اسرائیل کو دیدیں۔ یہ سن کر فرعون نے کہا کہ جب صورت حال یہ ہے (تو کیا مشورہ دیتے ہو) اس تعلق سے؟ اب مجھے کیا تدبیر کرنی چاہئے؟۔۔۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۱۱۱﴾

سب نے کہا "کہ ان کو اور انکے بھائی کو روک لو، اور تمام شہروں میں دوڑ والوں کو بھیج دو●

یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۱۱۲﴾

کہ لے آئیں تمہارے پاس سارے جادوگر منتریوں کو"●

(سب نے کہا کہ ان کو اور انکے بھائی کو روک لو)، یعنی عجلت سے کام نہ لو اور اگر قتل کا ارادہ ہو تو ابھی قتل نہ کرو، بلکہ انھیں قید کر لو کہ کہیں جا نہ سکیں، (اور) پھر ایسا کرو کہ مصر کے (تمام شہروں میں دوڑ والوں کو بھیج دو کہ) وہ اکٹھا کر کے جلد از جلد (لے آئیں تمہارے پاس سارے جادوگر منتریوں کو)۔ اسطرح مقابلے کے بعد سب پر ظاہر ہو جائیگا کہ یہ بھی جادوگروں کی طرح ایک جادوگر ہی ہیں۔۔الغرض۔۔ اس مہم کو انجام دینے میں جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔ اس میں اگر کچھ تاخیر ہو جائے، تو کچھ حرج نہیں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ مصر کا ایک علاقہ تھا جسکو صعید کہا جاتا تھا، جسکی لمبائی پندرہ دن کی راہ تھی، جو بہت سارے شہروں پر مشتمل تھا۔ اس زمانے میں اس خطے میں جادوگروں کے سردار رہا کرتے تھے۔ انھیں میں دو بھائی ایسے تھے، جو جادو میں یکتا تھے اور انھیں فن سحر پر پورا پورا عبور تھا۔ المختصر۔ فرعون نے اپنی قوم کے چودھریوں کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے، اس تجویز پر عمل کرنے کا حکم دیدیا۔

۔۔چنانچہ۔۔اس کام کیلئے جس گروہ کو تیار کیا گیا، وہ جادوگروں کو اکٹھا کرکے لانے کیلئے صعید کی طرف نکل گیا اور وہاں کے جادوگروں کو فرعون کا پیغام پہنچایا۔۔چنانچہ۔۔جب مذکورہ بالا دو بھائیوں کے پاس فرعون کا پیغام پہنچا، تو وہ اپنی ماں سے کہنے لگے کہ ہمیں ہمارے باپ کی قبر پر لیجایئے، تاکہ ہم ان سے مشورہ لے لیں۔۔الغرض۔۔دونوں باپ کی قبر پر پہنچ کر عرض کرنے لگے، کہ فرعون کے دربار میں دو ایسے آدمی آئے ہیں جنھوں نے اس پر زمین تنگ کردی ہے، انکے پاس ایک عصا ہے جسے وہ سانپ بنادیتے ہیں، جو شے اسکے آگے آتی ہے اُسے کھا جاتا ہے، بتایئے کہ ہم اسکا مقابلہ کریں۔۔یا۔۔نہ کریں۔قبر سے آواز آئی کہ وہاں پہنچ کر معلوم کرنا، کہ وہ عصا انکی نیند کے وقت بھی اژدھا ہوجاتا ہے۔۔یا۔۔نہیں۔ اگر نیند کے وقت بھی سانپ ہوجاتا ہے، تو سمجھ لو کہ وہ جادو نہیں، اسلئے کہ جادوگر کا جادو خواب کے وقت جاری نہیں ہوسکتا۔

۔۔المختصر۔۔اکٹھا کرنے والوں کی محنت سے مذکورہ بالا دونوں بھائی اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کے ساتھ 'جن کی تعداد ایک روایت کے حساب سے بارہ[۱۲] ہزار اور ایک دوسری روایت کے حساب سے ستر[۷۰] ہزار تھی' مصر آگئے۔مصر میں آنے کے بعد جب دونوں بھائیوں نے اپنے باپ سے سوال وجواب کی کیفیت اپنے لوگوں سے کہی، تو انھوں نے حضرت موسیٰ کے سونے اور جاگنے اور عصا کے اژدھا ہونے کا حال بذات خود دریافت کیا، تو معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام جب سوتے ہیں، تو عصا اژدھا ہوکر انکی پاسبانی کرتا ہے۔اس بات سے ان جادوگروں کو بڑا تردد ہوا اور انکے دلوں میں دغدغہ پیدا ہوگیا، مگر انھوں نے اس حال کو پوشیدہ رکھا، یہاں تک کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو بلایا اور یہ بات قرار پائی کہ ساحروں سے مقابلہ کریں۔۔چنانچہ۔۔مقابلے کی مجلس کا انتظام ہوا۔۔۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرۡعَوۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ لَنَا لَاَجۡرًا اِنۡ كُنَّا نَحۡنُ الۡغٰلِبِيۡنَ ﴿۱۱۳﴾

اور آگئے جادوگر لوگ فرعون کے پاس، بولے "کہ بیشک ہمیں انعام ملے اگر ہم جیت گئے" ●

قَالَ نَعَمۡ وَاِنَّكُمۡ لَمِنَ الۡمُقَرَّبِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ

بولا "ہاں۔اور تم پھر ہمارے مقرب ہو" ● بولے "اے موسیٰ یا تم ڈالو

وَإِمَّآ أَن نَّكُونَ نَحْنُ ٱلْمُلْقِينَ ﴿١١٥﴾

یا یہ ہو کہ ہم ڈالیں"۔

(اور آگئے جادوگر لوگ فرعون کے پاس) میدان میں اپنے ساتھ لاٹھیوں اور رسیوں کو لئے ہوئے اور فرعون اپنے تخت پر بخوشی بیٹھا۔۔نیز۔۔مصر کے لوگ تماشہ دیکھنے کیلئے جمع ہو گئے۔

بارہ[۱۲] ہزار۔۔یا۔۔ستر[۷۰] ہزار ساحروں نے ایک طرف صف باندھی اور حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام ایک جانب کھڑے ہوئے۔جادوگر ادب کے ساتھ پیش آئے اور انبیاء کرام کی بارگاہ میں یہی انکا ادب سے پیش آنا انکے ایمان کی تمہید بن گیا۔۔چنانچہ۔۔بالآخر وہ سب کے سب ایمان والے ہو گئے۔

ابتداءً چونکہ چند کو چھوڑ کر تمام جادوگروں کو اپنی کامیابی کا یقین تھا، تو جب فرعون سے انکا آمنا سامنا ہوا تو (بولے)، کہ ہم اسکے آرزومند ہیں (کہ بیشک ہمیں انعام ملے اگر ہم جیت گئے)۔اسپر فرعون (بولا ہاں) ضرور تمہیں انعام دیا جائیگا (اور) وہ بھی کوئی معمولی انعام نہیں، بلکہ (تم) تو (پھر ہمارے مقرب ہو) جاؤ گے۔جب چاہنا بے روک ٹوک میرے پاس چلے آنا۔المختصر۔۔یہ سب کچھ ہو جانے کے بعد ساحروں کے سردار مؤدبانہ طور پر حضرت موسیٰ سے۔(بولے اے موسیٰ! یا تم ڈالو) اپنا عصا (یا یہ ہو کہ ہم ڈالیں) اپنی رسیاں اور لکڑیاں۔نبی کی اجازت کا پاس ولحاظ کرنا ظاہر کر رہا ہے، کہ انکی فیروز بختی کے دروازے کھلنے والے ہیں۔انکی اجازت طلبی کے بعد حضرت موسیٰ نے ان سے۔۔۔

قَالَ أَلْقُوا۟ ۖ فَلَمَّآ أَلْقَوْا۟ سَحَرُوٓا۟ أَعْيُنَ ٱلنَّاسِ وَٱسْتَرْهَبُوهُمْ

کہا، "تم لوگ ڈالو"۔ تو جب ڈالا، جادو کر دیا لوگوں کی آنکھوں کو اور ان سب کو ڈرا دیا،

وَجَآءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾

اور بڑا جادو کر لائے۔

(کہا) کہ اچھا، پہلے (تم لوگ) ہی اپنی رسیوں اور لاٹھیوں کو (ڈالو)، یعنی جو تمہیں کرنا ہو کر لو۔اگر تم حق پر ہو، جیسا کہ تمہارا گمان ہے۔تمہارے کرتب سے میرا کچھ بگڑنے والا نہیں، بلکہ اس سے میرے معجزے کی شان اور بھی دوبالا ہو جائے گی۔(تو جب ڈالا)، ایسا لگا کہ (جادو کر دیا) اور ایک خیالی بے حقیقت چیز سے 'جسکی کوئی اصلیت نہیں' دھوکا دے دیا (لوگوں کی آنکھوں کو اور) اپنے

اس کرتب سے (ان سب کو ڈرا دیا) اور سارے حاضرین لرزہ براندام ہو گئے۔ انھیں ہر طرف سانپ ہی سانپ نظر آنے لگے۔

حالانکہ صحیح صورت حال یہ تھی کہ انھوں نے بڑی اور موٹی رسیاں جمع کیں اور انکے ساتھ بڑی اور موٹی لکڑیاں بھی، وہ دور سے ایسا محسوس ہوئیں کہ گویا وہ بڑے اور موٹے سانپ ہیں۔ پھر انھوں نے ان رسیوں کو سیاہ تیل سے لت پت کر دیا۔۔ نیز۔۔ لمبی لمبی لکڑیاں اندر سے خالی کر کے سب میں پارہ بھر دیا۔ جب آفتاب کی گرمی ان میں پہنچی تو پارہ ہلا اور رسیاں اور لکڑیاں باہم لپٹنے لگیں۔ چونکہ وہ کثیر تھیں، اسی لئے لوگوں کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے اختیار سے متحرک ہو کر ایک دوسرے سے چمٹ رہی ہیں اور گویا وہ میدان سانپوں سے بھر گیا ہے۔ حالانکہ انھوں نے ہاتھ کے کھیل سے ایک کرشمہ دکھایا تھا۔۔ المختصر۔۔ جادوگروں نے انکے ڈرانے پر جتنا زور لگانا تھا لگا دیا۔

(اور) بہ گمان خود (بڑا جادو کر لائے) اور بہت بڑی کرتب بازی کا مظاہرہ کیا۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور وحی فرمادی ہم نے موسیٰ کی طرف، "کہ ڈال دو اپنا عصا" تو وہ اسی وقت نگلے جا رہا ہے ان کی گڑھنت کو●

اسکے بعد اجازت دیدی (اور وحی فرمادی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ) اب تم بھی (ڈال دو اپنا عصا)۔ جیسے ہی انھوں نے اپنا عصا زمین پر ڈالا (تو وہ) اژدھا بن کر (اسی وقت) صاف دکھائی دیا کہ (نگلے جا رہا ہے انکی گڑھنت کو)۔۔ الغرض۔۔ وہ عصا جادوگروں کی بناوٹی چیز کو نگلنے لگا، یہاں تک کہ جادوگروں کی ساری لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل گیا۔ پھر وہ تماشائیوں بلکہ خود جادوگروں کی طرف متوجہ ہو گیا، تو وہ سب ڈر کے مارے بھاگے اور جلدی میں ایک دوسرے پر گرے اور اسطرح ہزاروں کی تعداد میں مر گئے۔

مرنے والوں کی صحیح تعداد کا علم رب علیم وخبیر ہی کو ہے۔ اسکے بعد حضرت موسیٰ نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا، تو پھر عصا بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اسکی سانپ والی ہیئت کو مٹا دیا۔۔ یا۔۔ اسکے غلیظ اجزاء کو لطیف ترین بنا دیا۔ جادوگروں نے یہ کیفیت دیکھ کر فیصلہ کیا، کہ اگر یہ عصا بھی جادو ہوتا، تو اسکے ختم ہو جانے کے بعد ہماری رسیاں اور ڈنڈے باقی بچ جاتے۔۔ الغرض۔۔ عصائے موسوی کا اپنی حقیقت کو بدل کر حقیقی معنوں میں سانپ ہو جانا

اور ہے۔۔اور۔۔جادوگروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کا اپنی حقیقت پر رہتے ہوئے سانپ نظر آنا، یہ اور ہے۔ان دونوں میں پہلا معجزہ ہے اور دوسرا کرشمہ اور فریبِ نظر ہے۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَ

تو حق ہو کر رہا اور ملیا میٹ ہو گیا جو وہ کرتے تھے● تو ہار ہو گئی ان کی وہاں، اور

انْقَلَبُوا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

پلٹے ذلیل● اور ڈال دیئے گئے جادوگر لوگ سجدہ کرتے ہوئے●

(تو) دیکھ لیا کھلی آنکھوں سے دیکھنے والوں نے، کہ (حق ہو کر رہا)۔یعنی حق کی حقانیت ثابت ہو کر رہی۔۔نیز۔۔حضرت موسیٰ اپنے اس دعویٰ میں سچے ثابت ہو گئے، کہ وہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے رسول ہیں۔(اور ملیا میٹ ہو گیا) حق کو دبانے کیلئے (جو وہ کرتے تھے)۔۔الغرض۔۔انکا سارا کرتب رسوا ہو گیا۔(تو) واضح طور پر (ہار ہو گئی انکی وہاں)، یعنی تماشہ گاہ میں۔(اور) وہ سب (پلٹے) یعنی ہو گئے (ذلیل) اور متحیر (اور ڈالدیئے گئے جادوگر لوگ) زمین پر حضرت موسیٰ وہارون کے رب کے حضور (سجدہ کرتے ہوئے)۔حضرت موسیٰ کا معجزہ دیکھنے کے بعد انھوں نے بارگاہ خداوندی میں سربسجود ہونے کی ایسی جلدی کی، کہ لگا جیسے وہ زمین پر منہ کے بل گر پڑے ہوں ۔۔یا۔۔ایسا لگا کہ جیسے کسی نے انھیں جبراً گرادیا ہو، اور ایسا کیوں نہ ہوتا، جبکہ انھیں حق نے حیران کر دیا اور وہ سجدہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔۔الغرض۔۔

قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

سب نے کہا، کہ "ہم مان گئے پروردگارِ عالم کو● پروردگار موسیٰ وہارون کا●

(سب نے) بیک زبان (کہا کہ ہم مان گئے پروردگارِ عالم کو) اور پھر فوراً ہی یہ وضاحت کر دی، کہ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے ہماری مراد فرعون نہیں ہے، جو خود کو رب العالمین سمجھتا ہے، بلکہ رب سے مراد ہماری وہ ہے، جو (پروردگار) ہے (موسیٰ وہارون کا) اور جسکی ربوبیت والوہیت کی دعوت حضرت موسیٰ وہارون پیش کر رہے ہیں۔

حضرت موسیٰ کے ذکر کے بعد فوراً حضرت ہارون کے ذکر میں یہ حکمت ہے، کہ اگر چہ

فرعون نے حضرت موسیٰ کی تربیت کی ہے، لیکن حضرت ہارون کبھی بھی اسکے زیر تربیت نہیں رہے۔ تو رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ کا اطلاق فرعون پر ظاہری طور پر بھی نہیں ہوسکتا، تو اس سے مراد رب تبارک وتعالیٰ ہی کی ذات ہوگی۔ فرعون اس صورت حال کو دیکھ کر بوکھلا گیا اور اپنے گمانِ فاسد کی بنیاد پر بک جھک کرنے لگا۔۔ چنانچہ۔۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ

بولا فرعون "کہ تم نے مان لیا، اس کے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں؟ بیشک یہ سب ضرور فریب ہی فریب ہے، جو تم نے کر رکھا ہے

فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ

شہر میں، تاکہ نکال دو شہر والوں کو اس سے، تو جلد تم جان لوگے● ضرور میں کاٹ لوں گا

اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

تمہارے ایک طرف کے ہاتھ، اور ایک طرف کے پاؤں، پھر تم سب کو سولی دے دوں گا"●

(بولا فرعون) جادوگروں سے (کہ تم نے مان لیا) اور حضرت موسیٰ کی رسالت اور انکی صداقت پر ایمان لے آئے، اور وہ بھی (اسکے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں)؟ یعنی ایمان لانے میں تم نے بڑی عجلت سے کام لیا اور غور وفکر کیلئے تھوڑا بھی وقت صرف نہیں کیا، تو اس سے اندازہ لگتا ہے کہ (بیشک یہ سب) کچھ (ضرور فریب ہی فریب ہے، جو تم نے کر رکھا ہے شہر میں)۔ لگتا ہے کہ شہر مصر میں جہاں آنے کا وعدہ تھا، وہاں آنے کے قبل ہی تم نے موسیٰ علیہ السلام سے سازش کر کے یہ حیلہ کیا ہے، (تاکہ نکال دو شہر والوں کو اس سے) اور یہ ملک تمہارے اور بنی اسرائیل کے واسطے خاص ہوجائے اور قبطیوں کا یہاں سے قلع قمع ہوجائے، (تو) تم کس گمان میں ہو؟ (جلد تم جان لوگے) اپنے اس انجام کو جو تمہاری اس حرکت کا نتیجہ ہے۔

یہ دھمکی تو مجمل تھی، اب اسکی تفصیل کر کے فرعون بولا، کہ۔۔۔

(ضرور میں کاٹ لونگا تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور ایک طرف کے پاؤں، پھر تم سب کو سولی دیدونگا) تاکہ تمہاری فضیحت ہو، اور دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

سب نے کہا، "کہ بیشک ہم سب اپنے پروردگار کی طرف پھرنے والے ہیں●

(سب) جادوگروں (نے) 'جو کہ اب اہل ایمان تھے' (کہا) اپنے ایمان پر ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، (کہ بیشک ہم سب اپنے پروردگار کی طرف پھرنے والے ہیں)۔ یعنی موت ایک دن آئیگی ہی، اب چاہے ابھی آئے۔۔یا۔۔دیر سے، پھر ہمیں تیری زجر وتوبیخ کا کیا خطرہ؟ ہمیں اپنے رب کریم کی رحمت اور ثواب پر امید ہے، اسلئے کہ ہمیں مرنے کے بعد اسی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اب اگر تو ہمارے ساتھ اپنی وعید پوری کرے، تو اس سے ہم خوفزدہ نہیں۔

گویا وہ حضرات اسکی وعید سے الٹا خوش ہوئے اور انھیں اللہ تعالیٰ کی زیارت کا شوق پیدا ہو گیا۔ پھر انھوں نے فرعون کو مخاطب کر کے کہا، کہ اے فرعون! آخر ہم نے کون سی غلطی کی۔۔۔

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ

اور کیا چیز ہماری بری لگی تجھ کو، سوا اسکے کہ ہم نے مان لیا اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جب وہ ہمارے سامنے آگئیں۔

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۴

پروردگارا انڈیل دے ہم پر صبر کو اور خاتمہ کر ہمارا مسلمان ہی۔

(اور کیا چیز ہماری بری لگی تجھ کو، سوا اسکے کہ ہم نے مان لیا اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جب وہ ہمارے سامنے آگئیں) اور ہم نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا انھیں حضرت موسیٰ کے ہاتھوں پر۔ جادوگروں نے فرعون کو ڈٹ کر جواب دینے کے بعد اپنی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف کر لی اور بارگاہِ خداوندی میں التجا کرتے ہوئے عرض کیا، (پروردگارا انڈیل دے ہم پر صبر کو اور خاتمہ کر ہمارا مسلمان ہی)۔ یعنی جس دولتِ ایمان سے ہمیں نوازا اس پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں فرعون کے ڈرانے دھمکانے سے پھر کفر میں مبتلا نہ فرما۔ اور ہمارے سینوں کو صبر سے لبریز فرمادے۔۔۔

جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھے، یعنی عصا کا اژدھا ہونا اور دستِ مبارک کا ید بیضاء ہونا، تو اسکا خوف بڑھا۔ اسی لئے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعرض نہیں کیا اور انھیں انکے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ اس وقت اس سے کہا۔۔۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

اور بولے چودھری لوگ قوم فرعون کے، "کہ کیا چھوڑ دو گے موسیٰ اور ان کی قوم کو؟ کہ فساد مچائیں

فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ ۚ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي

ملک میں اور چھوڑ دیں تم کو اور تمہارے معبودوں کو۔" بولا "بہت جلد ہم کاٹ کے رکھ دینگے انکے بیٹوں کو اور زندہ

نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۱۲۷﴾

رکھیں گے لڑکیوں کو، اور بیشک ہم انکے اوپر غالب ہیں"●

(اور بولے چودھری لوگ قوم فرعون کے، کہ کیا چھوڑ دو گے موسیٰ اور انکی قوم کو کہ فساد مچائیں ملک میں) یعنی مصر میں اپنے دین کو رائج کر کے فساد ڈالیں اور یہاں کے تمام لوگوں کو تیری پیروی سے پھیر لیں **(اور چھوڑ دیں تم کو اور تمہارے معبودوں کو)**۔۔الغرض۔۔تیری پرستش اور تیرے معبودوں کی عبادت سے منہ موڑ لیں۔

فرعون تو بذاتِ خود ستارہ پرست تھا، لیکن اس نے اپنے مجسمے تیار کرا کے عوام کو انکی پرستش کا حکم دے رکھا تھا، اور کہا تھا کہ انکی پرستش سے تم میرے قریب ہو جاؤ گے۔ان بتوں کو اس نے چھوٹا رب قرار دیا تھا اور خود کو بڑا رب کہا کرتا تھا۔۔الغرض۔۔فرعون کے ارکانِ سلطنت نے فرعون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انکی قوم کے قتل کی ترغیب دی، لیکن فرعون قتل کی ہمت نہ کر سکا اس خوف کی وجہ سے، حضرت موسیٰ کے معجزات دیکھنے کے بعد جس نے اسکے دل میں جگہ بنالی تھی۔تو اس نے اپنی خوفزدگی کو چھپاتے ہوئے ایک دوسری راہ نکالی، اور۔۔۔

(بولا کہ بہت جلد ہم کاٹ کر رکھ دینگے انکے بیٹوں کو) تاکہ انکی نسل ہی منقطع ہو جائے، جس طرح اسکے پہلے بھی نجومیوں کی پیش گوئی سننے کے بعد ہم کر چکے ہیں **(اور زندہ رکھیں گے لڑکیوں کو)**، تاکہ وہ جوان ہو کر ہماری خدمت کریں۔۔الغرض۔۔ہم انکے ساتھ وہی کاروائی کرینگے جو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت پر کی تھی **(اور)** ہم انھیں بتا دینگے **(بیشک ہم انکے اوپر غالب ہیں)** یعنی ہم بدستور غلبہ رکھتے ہیں۔۔نیز۔۔ہم موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے میں ہار جانے کے بعد بھی گھبرا نہیں گئے، اور نہ ہی مغلوب ہوئے، بلکہ ہم اب بھی قوت و غلبہ رکھتے ہیں۔۔الغرض۔۔انھیں یہ وہم نہیں ہونا چاہئے، کہ یہ وہی لڑکا ہے، جن کے متعلق کاہنوں اور جادوگروں نے خبر دی تھی، کہ وہ فرعون سے ملک چھین لیگا۔

جب یہ دھمکی بنی اسرائیل نے سنی اور فرعون کی ظاہری شان و شوکت کے سامنے اپنی کمزوری اور اس سے مقابلہ نہ کر سکنے کا احساس کیا تو مضطرب ہو گئے، اور بارگاہِ موسوی میں آکر اپنے اضطراب کا اظہار کیا، تو تسلی دیتے ہوئے، اور انکے حسن انجام کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے۔

قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ

کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے "کہ مدد طلب کرو اللہ سے، اور صبر کرو۔ بیشک زمین اللہ کی ہے۔

يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾

وارث بنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے اپنے بندوں سے۔ اور انجام بخیر ڈرنے والوں کیلئے ہے"●

(کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے، کہ مدد طلب کرو اللہ) تعالیٰ (سے) کہ تم سے فرعون کی شرارت دور فرمادے (اور صبر کرو) اس پر جو کچھ وہ تمہارے ساتھ کرے۔ اور یہ اچھی طرح سے جانے رکھو کہ (بیشک) ساری (زمین) جس میں مصر کی زمین بھی ہے (اللہ) تعالیٰ (کی ہے)، وہی اسکا مالک حقیقی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اپنی حکمت کے مطابق اسکا (وارث بنا دیتا ہے جسے چاہتا ہے) اور جب تک کیلئے چاہتا ہے (اپنے بندوں سے)۔ اس کلام میں قبطیوں کے ہلاک ہونے اور انکی ولایت بنی اسرائیل کے تصرف میں آنے کا وعدہ ہے۔ (اور انجام بخیر ڈرنے والوں کیلئے ہے) جو خوف الٰہی کے سایے میں زندگی بسر کرتے ہیں اور اپنے دلوں کو خشیت خداوندی کا شہر بنا رکھا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو عاقبت کی بہتری، فتح و نصرت اور بہشت کے سچے حقدار ہیں۔

یہ کنایہ ہے جس میں بنی اسرائیل کے واسطے خوشخبری ہے، جسے بنی اسرائیل نہ سمجھ سکے اور پھر شکایت شروع کر کے۔۔۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۚ قَالَ عَسٰى

سب نے کہا، کہ "دکھ تو ہمیں دیا گیا آپ کے آنے سے بھی پہلے اور پیچھے"۔ تسکین دی انھوں نے، "کہ قریب ہے کہ

رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ

تمہارا پروردگار تباہ کر دے تمہارے دشمن کو، اور تم کو ملک میں حاکم کر دے،

فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

پھر تم کو مہلت دے، کہ کیا کرتے ہو"●

(سب نے کہا، کہ دکھ تو ہمیں دیا گیا آپ کے آنے سے بھی پہلے اور پیچھے) یعنی قبطی ہمیشہ ہمیں اذیت دیتے رہے۔ ہم جب مدین سے آئے، تو یہ آدھا دن ہم سے خدمت لیتے اور آدھا دن ہمیں چھوڑ دیتے، اور اب حال یہ ہے کہ تمام دن ہم سے کام لیتے ہیں۔۔ یا یہ کہ۔۔ اس سے پہلے ہمارے

لڑکوں کو مار ڈالتے تھے اور اب بھی چاہتے ہیں کہ اُسی طرح قتل میں مشغول ہوں۔ بنی اسرائیل کی اس گزارش کو سن کر (تسکین دی انھوں نے) ان سبھوں کو اور صاف لفظوں میں فرما دیا (کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تباہ کر دے تمہارے دشمن کو) یعنی فرعون اور اسکی قوم کا نام ونشان مٹا دے۔ (اور) پھر انکو ہلاک کر دینے کے بعد (تم کو ملک) مصر۔۔یا۔۔ارض مقدسہ (میں حاکم کر دے، پھر تم کو مہلت دے کہ کیا کرتے ہو) یعنی خدا کی رحمت، دولت اور راحت کے بعد کیسے عمل کرتے ہو، اور کیا کام کرتے ہو، کفر۔۔یا۔۔شرک، عبادت یا معصیت، تا کہ تمہیں اسکی جزاء۔۔یا۔۔سزا دے۔

پھر حق تعالیٰ دشمنوں کو ہلاک کرنے کا وعدہ کر کے، اسکے پہلے جو امور پیش آنے والے تھے اور جو پھر پیش آئے، انھیں بیان فرماتا ہے۔۔۔

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ

اور بے شک دھرا ہم نے آلِ فرعون کو برسوں کے قحط، اور پھلوں کی کمی میں،

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

کہ اب نصیحت پائیں ●

(اور) ارشاد فرماتا ہے کہ (بیشک دھرا ہم نے آلِ فرعون کو برسوں کے قحط اور پھلوں کی کمی میں) ۔۔الغرض۔۔وہ تنگی اور خشک سالی کا شکار ہوئے اور انکے باغوں کی برکتیں اٹھ گئیں۔ اور پھلوں کی پیداوار میں بے حد کمی ہوگئی۔ یہ قحط سالی وغیرہ ان پر اسلئے مسلط کی گئی، تا (کہ اب نصیحت پائیں) اور کفر سے باز آجائیں، مگر وہ متنبہ نہ ہوئے، بلکہ وہ عجیب وغریب سوچ والے ہو گئے۔ اسی لئے۔۔۔

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ

تو جب آتی ان تک اچھی حالت، تو "کہتے کہ یہ ہمارا حق ہے"۔ اور ان کی مصیبت بنتی کوئی برائی،

يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

تو بدشگونی بناتے موسیٰ کی، اور جو انکے ساتھ تھے۔ یاد رکھو کہ انکے شگون کی شامت اللہ کے پاس ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

لیکن ان کے اکثر بے علم ہیں ●

(تو جب آتی ان تک اچھی حالت، تو کہتے کہ یہ ہمارا حق ہے) اور ہم اسکے مستحق ہیں (اور)

اسکے برخلاف جب (انکی مصیبت بنتی کوئی برائی)۔۔مثلاً: قحط اور بلاء وغیرہ، (تو) اسے (بدشگونی بتا موسیٰ کی، اور) انکی (جو انکے ساتھ تھے)۔۔ چنانچہ۔۔وہ کہتے کہ ہم پر یہ نحوست حضرت موسیٰ اور انکی قوم کی وجہ سے نازل ہوئی۔ انکی اس بکواس کو نظر انداز کردو، اور (یاد رکھو کہ انکے شگون کی شامت اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے)۔ یعنی انکے خیر وشر کا سبب خدا کے پاس ہے، اور وہ انکے اعمال ہیں جنھیں کرا کاتبین نے لکھ کر خدا کی بارگاہ میں پیش کردیا اور انکے برے اعمال کی شامت ان تک پہنچی۔ (لیکن) اس حقیقت سے (انکے اکثر) یعنی بہتیرے جاہل قبطی (بے علم ہیں)، اور وہ نہیں جانتے کہ انھیں جو کچھ مکروہات اور تکلیفیں پہنچتی ہیں، وہ سب انھیں کے برے اعمال کی شامت ہیں۔ ان لوگوں نے ضد اور ہٹ دھرمی کا بدترین مظاہرہ کیا۔۔۔

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ

اور کہنے لگے "کہ کچھ بھی نشانی لاؤ تاکہ اس کا جادو ہم پر چلادو،

فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

تو بھی ہم نہ مانیں گے"●

(اور) حضرت موسیٰ کے معجزات یعنی عصا، ید بیضاء، قحط اور بیماری وغیرہ دیکھ کر ایمان لانے کی بجائے (کہنے لگے، کہ) اے موسیٰ (کچھ بھی نشانی لاؤ) اور بہ گمانِ خود، کیسا بھی معجزہ دکھاؤ، (تاکہ اسکا جادو ہم پر چلادو، تو بھی ہم) تم کو اللہ تعالیٰ کا رسول (نہ مانیں گے)، اور تم پر ایمان نہ لائینگے۔

۔۔الختصر۔۔جب قبطی نہایت انکار سے پیش آئے، تو حضرت موسیٰ نے دعا مانگی۔۔۔

'یا اللہ فرعون نے تیری زمین پر قبضہ کر رکھا ہے اور باغی وسرکش ہوگیا ہے اور اسکی قوم بھی تیرے معاہدے توڑ چکی ہے، اب ایسا معاملہ فرما کہ انکے لئے عذاب بھیج، تاکہ میری قوم کیلئے نصیحت اور آنے والوں کیلئے عبرت ہو'

۔۔۔حضرت موسیٰ کی دعا مستجاب ہوئی، تو فرعونیوں کو مندرجہ ذیل امور میں مبتلا فرمایا

۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ جب فرعونی سرکشی پر اتر آئے۔۔۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ

تو بھیج دیا ہم نے ان پر طوفان، اور ٹڈی، اور کیڑے، اور مینڈکیں، اور خون، الگ الگ

مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

معجزے۔۔۔ تو وہ سب بڑا بنا کیے، اور تھے سب مجرم●

(تو بھیج دیا ہے ہم نے ان پر طوفان)۔

ایسا پانی جو انکے ہاں پہنچ کر تمام کو محیط ہو گیا اور انکے مکانوں اور کھیتوں کو گھیر لیا۔ آسمان سے سخت بارش ہوئی۔۔یا۔۔ سیلاب کا زور ہوا۔۔ چنانچہ۔۔ مصر میں ایک ہفتہ دن ورات مسلسل مینھ برسا، اور بادلوں کی تاریکی میں لوگ عاجز رہ گئے اور قبطیوں کے گھروں میں پانی آ گیا۔ عورتیں اور مرد سب کھڑے رہ گئے، اور بچوں کو اونچے پر بٹھا دیا اور جو قبطی اپنے گھر میں بیٹھتا ڈوب جاتا، اور باوصف اسکے کہ بنی اسرائیل کے مکانات قبطیوں کے مکانوں سے ملے ہوئے تھے، مگر بنی اسرائیل کے مکانوں میں ایک قطرہ بھی پانی نہ آیا۔ غرضیکہ سارے قبطی تنگ آ کر فرعون کی طرف رجوع ہوئے اور پھر اُس سے ناامید ہو کر حضرت موسیٰ کی طرف متوجہ ہوئے، کہ اپنے خدا سے درخواست کر، کہ ہم پر سے یہ عذاب دفع کر دے تو ہم اس پر ایمان لے آئینگے۔

جب وہ طوفان حضرت موسیٰ کی دعا سے دفع ہو گیا اور زمین پر سے پانی ہٹ گیا، انکی کھیتیاں ایسی سرسبز وشاداب نظر آئیں، کہ انھوں نے کبھی ویسی دیکھی ہی نہیں، پھر انھوں نے کفرانِ نعمت کیا اور ایمان نہ لائے، بلکہ بولے کہ یہ کھیتیاں خود ہی ایسی ہونا چاہیے تھیں۔ تو حق نے دوسرا عذاب نازل فرمایا۔

(اور ٹڈی) کا لشکر ان پر نازل کر دیا، جنھوں نے انکی بہت ساری مزروعات کو کھا کر انکا صفایا کر دیا۔

پھر حضرت موسیٰ سے پناہ مانگی، کہ یہ بلا ہم پر سے دفع ہو جائے، تو ہم ضرور تیرے خدا پر ایمان لائینگے۔ حضرت موسیٰ میدان میں نکلے اور اپنے عصا سے مشرق اور مغرب کی طرف اشارہ کیا، سب ٹڈیاں اِدھر اُدھر چلی گئیں۔ قبطیوں نے دیکھا کہ انکی مزروعات میں کچھ باقی رہ گیا تھا، تو بولے اسی قدر ہمارے واسطے بہت ہے اور پھر تصدیق نہ کی۔ پھر حق تعالیٰ نے تیسرا عذاب نازل فرمایا۔

(اور) ایسے (کیڑے) بھیجے جو گیہوں سے نکلتا ہے اور بالیوں کو برباد کر دیتا ہے۔۔یا۔۔ ملخ پیادہ کو بھیجا جو ٹڈی کے علاوہ ہے، وہ گندم کی کچی بالی کو کھا جاتا ہے، پھر وہ کھیتی بالی کے بغیر بڑی ہوتی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ جو کچھ زراعت باقی تھی، ان سب کا بھی صفایا ہو گیا۔

پھر قبطیوں نے حضرت موسیٰ سے التجاء کی اور ایمان لانے کی شرط پر یہ عذاب بھی دفع ہوا، تو بولے اے موسیٰ ہمیں خوب محقق ہوگیا، کہ فن سحر میں تو بڑا ماہر اور کامل ہے۔۔۔ الغرض۔۔ پھر وہ ایمان نہ لائے، تو حق تعالیٰ نے چوتھا عذاب نازل فرمایا۔

(اور مینڈکیں) بھیجیں، جو انکے اوڑھنے اور بچھونے میں گھستیں اور انکی دیگوں میں گرتیں۔ یہاں تک کہ وہ مینڈک، جب کوئی بات کرتا تو اسکے منہ میں چلے جاتے۔ پھر قبطیوں نے عاجزی کی اور ایمان کی شرط پر یہ بلا بھی دفع ہوگئی، پھر بھی وہ لوگ اپنے عناد اور تمرد پر قائم رہے، تو ہم نے پانچواں عذاب نازل کیا۔

(اور) آب نیل کو (خون) کردیا۔ جب بنی اسرائیل پیتے، تو صاف پانی ہوتا، اور جب قبطی پینے کا ارادہ کرتے، تو پانی خون ہوجاتا۔ وہ دریا کے جس کنارے کی طرف جاتے، ہر جگہ انکے لئے یہی صورتِ حال پیش آتی۔ اسوقت بھی عہد کیا اور بلا دفع ہوجانے کے بعد متابعت نہ کی۔

مذکورہ بالا یہ سارے واقعات ہماری قدرت کی نشانیاں تھیں، جو (الگ الگ معجزے) تھے ایک دوسرے سے جدا، یعنی ہر دو آیتوں میں ایک مہینے کی مدت تھی اور ہر نشانی ہفتہ بھر رہتی تھی، (تو وہ سب بڑا بنا کئے) اور احساسِ برتری میں مبتلا رہ کر ایمان سے محروم رہے۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہوتا، اسلئے کہ (تھے) وہ (سب) جنم کے (مجرم)، جرائم کا ارتکاب جن کی فطرت میں داخل ہوچکا تھا۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَامُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

اور جب آپڑتا ان پر عذاب، کہتے "کہ اے موسیٰ دعا کرو ہمارے لئے اپنے پروردگار سے، کہ تمہارے پاس اسکا عہد ہے۔

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۳۴﴾

اگر ہٹا دیا تم نے ہم سے عذاب کو، تو ہم مان ہی جائینگے تم کو، اور ضرور چھوڑ دینگے تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو"

(اور) کس قدر وہ دیدہ دلیر تھے، کہ (جب آپڑتا ان پر عذاب)، تو (کہتے کہ اے موسیٰ دعا کرو ہمارے لئے اپنے پروردگار سے) کیوں (کہ تمہارے پاس) ہماری طرف سے (اس کا عہد ہے) اور پختہ وعدہ ہے، کہ (اگر ہٹا دیا تم نے ہم سے عذاب کو) اپنی دعاؤں کے ذریعہ، (تو ہم) سچے دل کے ساتھ (مان ہی جائینگے تم کو) اور تمہاری جملہ ہدایات کو، (اور ضرور چھوڑ دینگے تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو)، تا کہ جہاں تمہارا جی چاہے انھیں لے جاؤ۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ أَجَلٍ هُم بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنكُثُونَ ﴿١٣٥﴾

پھر جب ہم نے ہٹادیا ان سے عذاب کو ایسی مدت تک جسکو وہ پائینگے، تو اب وہ عہد توڑ رہے ہیں●

(پھر جب ہم نے) موسیٰ کی دعا سے دفع کردیا اور (ہٹادیا ان سے عذاب کو ایسی مدت تک جسکو وہ پائینگے)، یعنی ہم نے ان سے اس مدت معینہ تک کیلئے عذاب دور کردیا جس مدت تک پہنچنا انکے لئے مقدر تھا، (تو اب وہ) تامل وتوقف کے بغیر وعدہ توڑنے پر آگئے۔۔ چنانچہ۔۔وہ (عہد توڑ رہے ہیں)۔

ہر بار عہد کرنا، پھر بلا تامل اُسے توڑ دینا، یہ انکا ایسا جرم تھا، جس نے انھیں سخت عذاب کا مستحق بنادیا۔ ایسا عذاب جو انھیں فنا اور برباد کردے۔ یہی عدلِ خداوندی کا تقاضا ہے۔۔۔

فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

پس ہم نے ان سے بدلہ لیا، تو ان کو ڈبو دیا دریا میں، کیونکہ بیشک انھوں نے جھٹلایا تھا ہماری نشانیوں کو،

وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٣٦﴾

اور اس سے بے خبر تھے●

(پس ہم نے) انصاف کیا اور (ان سے بدلہ لیا، تو انکو ڈبو دیا دریا میں) یعنی مصر کے قریب دریائے قلزم میں انھیں غرق کردیا۔

فرعونیوں کے غرق ہونے کا مختصر قصہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا، آپ بنی اسرائیل کو مصر کے باہر لیجائیں۔ اس سے قبل بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطیوں کی عورتوں سے زیور عاریۃً لے رکھے تھے، ان سے کہا کہ ہمیں ایک تقریب میں شمولیت کرنی ہے۔ انھوں نے انھیں اپنے زیور دے دیئے، اچانک حضرت موسیٰ کو مصر سے باہر نکلنے کا حکم ہوا، اور وہ بنی اسرائیل کو رات کے پہلے حصے میں لیکر چل پڑے۔ اسوقت بنی اسرائیل مرد وعورت اور بچے ملا کر تقریباً کل چھ ۶ ہزار تھے۔

جب فرعون کو اسکی خبر ہوئی، تو کم وبیش ایک لاکھ دو ہزار کا لشکر لیکر حضرت موسیٰ کے پیچھے لگ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دریا تک پہنچ چکے تھے۔ جب آپ نے فرعونی لشکر کو آتے دیکھا، تو دریا پر اپنے عصائے مبارک کو مارا، جس سے دریا میں بارہ ۱۲ راستے ہوگئے۔ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے، ہر ہر قبیلے والا الگ الگ ایک ایک راستے میں داخل ہوگیا، اور بخیر وعافیت

دریا کے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ فرعون اور اسکے لشکریوں نے بھی انکا پیچھا کیا اور انھیں راستوں میں وہ داخل ہوگئے۔ جب سارے فرعونی دریا کے درمیان میں پہنچے، تو اللہ تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا، تو جوش میں آکر اس نے فرعون اور اسکے تمام لشکر کو ڈبو دیا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہے کہ ہم نے انھیں جو سزا دی اسکے وہ سب مستحق تھے۔۔۔

(کیونکہ بیشک انھوں نے جھٹلایا تھا ہماری نشانیوں کو) یعنی ہم نے جو معجزات نازل فرمائے انکی تکذیب کی، اور ان سے روگردانی کر کے ان میں پورے طور پر غور وفکر نہیں کیا، (اور) اپنی حالت ایسی بنالی، کہ گویا وہ (اس سے بے خبر تھے)، جبھی ان معجزات کو جادوگری سمجھنے اور کہنے لگے۔ اور انکو اللہ تعالیٰ کی نشانی نہ سمجھ سکے۔۔ الحاصل۔۔ ہم نے ان فرعونیوں کو غرق کر دیا۔۔۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا

اور مالک بنادیا ہم نے اس قوم کو جو کمزور کردیئے گئے تھے، اُس ملک کے پورب وپچھم کا، جس میں

الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا

برکت دے رکھی ہے ہم نے۔ اور پورا ہوگیا تمہارے پروردگار کا وعدۂ نیک بنی اسرائیل پر۔۔ جو

صَبَرُوْا ؕ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

انھوں نے صبر کیا۔ اور ڈھادیا ہم نے جو بناتے تھے فرعون اور اس کی قوم، اور جو چنائی کرتے تھے●

(اور) پھر (مالک بنادیا ہم نے اس قوم کو جو کمزور کردیئے گئے تھے) اور قبطیوں کے ماتحت انکی غلامی میں ذلت کی زندگی گزار رہے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ فرعون اور اسکے اتباع کو ہلاک کرنے کے بعد بنی اسرائیل کو وارث کردیا (اس ملک کے پورب وپچھم کا جس میں برکت دے رکھی ہے ہم نے)، اس میں ارزانی اور کثرتِ محاصل کے سبب سے، اور وہاں انبیاء علیہم السلام کے آنے کے باعث سے۔

تو اے محبوب! دیکھ لو (اور) ظاہر کردو کہ (پورا ہوگیا تمہارے پروردگار کا وعدۂ نیک بنی اسرائیل پر) ۔ چنانچہ۔ اسی وعدۂ الٰہی کے مطابق بنی اسرائیل کو اپنے دشمنوں پر فتح اور انکے دیار وامصار پر غلبہ اور قبضہ حاصل ہوگیا۔ اور یہ وعدہ وفا ہونا اس سبب سے تھا، (جو انھوں نے) شدتوں اور مصیبتوں میں (صبر کیا)۔

۔۔ الغرض۔۔ اگر ایک طرف ہم نے بنی اسرائیل کو غلبہ وسلطنت بخش کر عزت مرحمت فرمائی، تو دوسری طرف فرعونیوں کو ذلیل وخوار کردیا، (اور ڈھادیا ہم نے جو بناتے تھے فرعون اور اسکی قوم) کے

لوگ (اور جو چنائی کرتے تھے)، بلند و بالا محل بناتے تھے، جیسے ہامان کا محل اور اسکی قوم کے دوسرے لوگوں کے عالیشان مکانات، اور انکے شاندار ایوان۔۔۔ الحتصر۔۔ سب کے سب زمیں بوس ہو گئے اور انکا نشان تک باقی نہ رہا۔۔ الغرض۔۔ فرعون اور آلِ فرعون کو شہر قلزم، جو مصر و مکہ کے درمیان کوہ طور کے قریب واقع ہے، کے کنارے بہنے والے دریا میں غرق کر دیا۔۔۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰی قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓی

اور پار کر دیا ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے، تو وہ آئے ایسی قوم پر جو آسن لگائے ہیں

اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ

اپنے بتوں پر۔ بولے، "اے موسیٰ ہمارا بھی معبود بنا دو جس طرح ان کے معبود ہیں"۔

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

جواب دیا، کہ "بے شک تم لوگ جاہل ہو"●

(اور پار کر دیا) یعنی صحت و سلامتی کے ساتھ کنارے لگا دیا **(ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے)**۔

اس دریا کو حضرت موسیٰ نے عاشورہ کے دن عبور فرمایا، اسی لئے انھوں نے اس دن اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کیلئے روزہ رکھا۔

جب سبھوں نے دریا عبور کر لیا، **(تو وہ آئے)** گزرے **(ایسی قوم پر جو آسن لگائے ہیں اپنے بتوں پر)**۔

اس قوم سے یمن کے قبیلہ لخم کی قوم مراد ہے۔۔ یا۔۔ کنعان کے عمالقہ مراد ہیں، جن کے متعلق حضرت موسیٰ نے جنگ کا حکم فرمایا تھا۔۔ یا۔۔ ایک قول کے مطابق، وہ کوئی مصری قبیلہ تھا۔۔ الغرض۔۔ کسی بت پرست قوم کے پاس سے گزر ہوا، جو اپنے بتوں کے ارد گرد بیٹھے تھے اور ان کی عبادت میں مواظبت و مداومت رکھتے تھے۔ اس قوم کا حال دیکھ کر بنی اسرائیل کے بعض ناشکرے کہنے لگے، اور۔۔۔

(بولے، اے موسیٰ ہمارا بھی معبود بنا دو جس طرح انکے معبود ہیں)، یعنی ہمارے لئے اسی طرح کے مجسمے بنا دیجئے، تاکہ ہم انکی پرستش کریں۔

اس قوم کے بت گائے کی شکل کے تھے، یہی واقعہ بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا پیش خیمہ بنا۔

بڑے بڑے معجزات اور مفصل آیات کا مشاہدہ کر چکنے کے باوجود انکا یہ غیر دانشمندانہ سوال ایسا تھا جس نے انھیں اس بات کا مستحق بنادیا تھا، کہ انکی ذات کی طرف مطلق جہالت کی صفت کی نسبت کردی جائے، کیونکہ آیاتِ خداوندی کو دیکھ لینے اور معجزات نبوی کو مشاہدہ کرلینے۔۔نیز۔۔نبی کی ہدایات کو جان بوجھ لینے کے بعد، اسطرح کا سوال کوئی جاہل مطلق ہی کرسکتا ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ نے انکے اس سوال کا یہ (جواب دیا، کہ بیشک تم لوگ جاہل ہو)۔اور یہ تمہاری نادانی ہے کہ خدا کے سوا کسی اور کی عبادت کا خیال ظاہر کررہے ہو۔تم نے ان بت پرستوں اور انکی بت پرستی کو اچھا کیسے سمجھ لیا۔۔حالانکہ۔۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

"یہ لوگ جس میں لگے ہیں وہ برباد کیا ہوا ہے، اوران کے کرتوت ناحق ہیں"۔

(یہ لوگ جس میں لگے ہیں، وہ برباد کیا ہوا ہے)۔یہ سارے بت پرست ان چیزوں کے ساتھ جس میں وہ پھنسے ہوئے ہیں، ان سب کے مقدر میں بربادی ورسوائی ہے۔ایک وقت آئے گا کہ حق تعالیٰ انکے دین اور انکے خودساختہ آئین کو توڑدیگا، اور انکے بتوں کو ہمارے ہاتھ سے توڑوائیگا (اور) اچھی طرح جان لو، کہ (انکے کرتوت ناحق ہیں)۔۔الغرض۔۔انکی یہ بت پرستی باطل ہے، جو زائل ہونے والی ہے۔یہ ارشاد فرمانے کے بعد۔۔

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

کہہ دیا، کہ "کیا اللہ کے غیر کو تجویز کروں تمہارا معبود، حالانکہ اس نے تم کو بزرگی دی اوروں پر"۔

(کہہ دیا کہ کیا اللہ) تعالیٰ (کے غیر کو تجویز کروں تمہارا معبود، حالانکہ اس) رحیم وکریم اور فضل عظیم والے (نے تم کو بزرگی دی اوروں پر) اور تمہیں تمہارے اپنے عہد والوں پر انواع واقسام کی نعمتوں کے ساتھ خاص کیا، اور جن مصائب وآلام میں تم مبتلا تھے، اس سے نجات عطا فرمائی۔ارشاد خداوندی ہے۔۔۔

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ

اور جبکہ بچالیا تھا ہم نے تم کو فرعونیوں سے، تمہیں بری مار ماریں۔تمہارے بیٹوں کو جان سے مارڈالیں،

أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿١٤١﴾ ع ۱۶

اور عورتوں کو بچا رکھیں۔ اور اس میں تمہارے پروردگار کی بڑی آزمائش ہے●

کہ غور کرو (اور) یاد کرو اس وقت کو (جبکہ بچالیا تھا ہم نے تم کو فرعونیوں سے)، جن کا حال یہ تھا کہ (تمہیں بری مار ماریں) اور ذلت ورسوائی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور رکھیں اور تمہارے سامنے اور تمہارے دیکھتے میں (تمہارے بیٹوں کو جان سے مارڈالیں) تاکہ تمہاری نسل منقطع ہوجائے، (اور عورتوں کو بچارکھیں) یعنی زندہ چھوڑ دیں انکو اپنی لونڈیاں بنانے کیلئے اور ان سے اپنی خدمت لینے کیلئے ـــ (اور اس) زیادتی اور اس عذاب (میں) درحقیقت (تمہارے پروردگار کی بڑی آزمائش) رہی (ہے)، تاکہ وہ تمہارے صابرین اور شاکرین کو نمایاں فرمادے، اور پھر اس مصیبت سے چھڑالینا تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے ایک بہت بڑی نعمت ہے۔

جب بنی اسرائیل نے دریا سے نجات پائی، تو انھوں نے حضرت موسیٰ کو انکا وعدہ یاد دلایا، اور وہ وعدہ یہ تھا کہ فرعون کے ہلاک ہوجانے کے بعد وہ پروردگار کی جانب سے ایک کتاب لیکر آئینگے، جس میں وہ ساری باتیں ہونگیں جو بنی اسرائیل کو مطلوب ہیں۔ پھر جب بنی اسرائیل نے دریا سے نجات پائی اور فرعون غرق ہوگیا، تو بنی اسرائیل نے وہ کتاب مانگی اور حضرت موسیٰ نے خدا سے اس کتاب کی درخواست کی۔۔ چنانچہ۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ۔۔۔

وَوٰعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَٰثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَٰتُ رَبِّهِۦٓ

اور ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰ سے تیس رات کا، اور مکمل کردیا میعاد کو دس ملاکر، تو ان کے پروردگار کا پورا وعدہ ہوا

أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَٰرُونَ ٱخْلُفْنِى فِى قَوْمِى

چالیس رات کا۔ اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو، "کہ ہمارے جانشین رہنا ہماری قوم میں،

وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ ٱلْمُفْسِدِينَ ﴿١٤٢﴾

اور اصلاح کرتے رہنا، اور فسادیوں کی راہ نہ چلنا"●

موسیٰ کی درخواست (اور) انکی طلب پر (ہم نے وعدہ فرمایا موسیٰ سے تیس [۳۰] رات کا)، یعنی اے موسیٰ تم تیس [۳۰] دن روزہ رکھو، پھر طور پر آؤ، تاکہ میں تجھ سے بات کروں۔

چونکہ عرب کے مہینوں کے حساب کا مدار چاند دیکھنے پر ہے اور وہ رات کو دکھائی دیتا ہے، تو حق تعالیٰ نے تاریخ کو رات کے ساتھ مقید کیا۔۔ المختصر۔۔ ماہِ ذیقعدہ کے تیس[۳۰] دنوں کا روزہ مکمل کر کے حضرت موسیٰ اکتیسویں دن طور کی طرف چلے، اس حال میں کہ غالباً انہوں نے اپنے طور پر اس دن بھی روزہ رکھ لیا تھا جو انکا اپنا اختیاری اور ذاتی طور پر پسندیدہ عمل تھا اور رب کی طرف سے کوئی ممانعت بھی نہیں تھی۔

اس خیال کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ محققین اصحابِ تفسیر نے کفارے کی وجہ حالتِ صوم میں مسواک استعمال کرنے ہی کو قرار دیا ہے، تو اگر اکتیسویں کو حضرت موسیٰ روزے سے نہیں تھے اور پھر مسواک استعمال فرمائی، تو اسپر مواخذہ فرما کر کفارہ لازم کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

ویسے ایک امکانی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ تیسویں روزے کے دن ہی میں مسواک کر لی ہو اس خیال سے کہ بارگاہِ الٰہی میں حاضری دینی ہے۔۔واللہ اعلم بالصواب۔۔اس صورت میں بھی اکتیسواں دن جو بڑھائے ہوئے دس دنوں کا پہلا دن ہے جوانکے لئے روزے ہی کا دن ہے۔۔ المختصر۔۔صورت حال کچھ بھی رہی ہو مگر تیس دن ذیقعدہ کے اور دس دن پہلے عشرہ ذی الحجہ کے، یہ کل چالیس دن ہوئے دوبار میں جنکا حضرت کلیم سے وعدہ لیا گیا۔

۔۔الحاصل۔۔حضرت موسیٰ کوہِ طور پر چلے اور چونکہ خدائے تعالیٰ سے ہم کلام ہونا تھا، تو اپنے دہن مبارک کی اندرونی فضا کو کمال درجے کی تطہیر وتنظیف عطا کرنے کے خیال سے، مسواک استعمال کرنے کے سوا، بعض خوشبودار گھاس چبالی اور ہوسکتا ہے کہ اسکا بعض حصہ حلق کے نیچے بھی اتر گیا ہو، تو اس صورت میں روزہ کی حالت میں انھوں نے افطار فرمالیا، اور غالب گمان یہی ہے کہ انھوں نے ایسا بھول کر کیا۔ انھیں اپنا روزہ دار ہونا یاد نہ رہا۔

گو حالتِ صوم میں بھول کر کچھ کھا پی لینے سے روزہ ٹوٹتا نہیں ہے، مگر جنکا رتبہ ہے سوا، انکو سوا مشکل ہے۔ عظیم المرتبت ہستیوں کی گرفت خلافِ اولیٰ کام انجام دینے پر بھی کر لی جاتی ہے، گو وہ خلافِ اولیٰ، فی نفسہٖ خلافِ اولیٰ بھی نہ ہو، بلکہ انکی عظمتِ شان کے پیش نظر بظاہر اُسے خلافِ اولیٰ کہہ دیا گیا ہو، تو انکے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کفارہ مقرر فرمایا گیا، کہ دس[۱۰] روزے مزید رکھ لیں۔

میں نے دس[۱۰] روزوں کے اضافے کے تعلق سے ابھی جو توجیہ پیش کی ہے، یہ کسی کتاب سے منقول نہیں۔ اب اگر یہ صحیح نہیں ہے، تو اس میں میرے اپنے نفس کا دھوکا ہے،

جسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمائے۔اور اگر یہ بات صحیح اور شانِ کلیمی کے مناسب ہے، تو یہ صرف خالص فضل خداوندی ہے۔ یہ توجیہہ اس فقیر اشرفی اور گدائے جیلانی کے نزدیک، اُس توجیہہ سے بہتر واولیٰ ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ کفارہ کی وجہ حضرت موسیٰ کا مسواک کرلینا تھا۔ حالانکہ دین الٰہی میں مسواک صرف مسنون ہی نہیں، بلکہ ایسا پسندیدہ عمل ہے کہ آنحضرت کا ارشاد ہے کہ 'اگر مجھے اپنی امت کی مشقت کا خیال نہ ہوتا، تو میں ہر نماز کیلئے مسواک کرنے کو ضروری قرار دے دیتا'۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ مسواک کا بنیادی کام منہ کو پاک وصاف کردینا ہے، اور دانتوں کو بہت سارے امراض سے بچانا ہے۔۔نیز۔۔اس بُوکو ختم کردینا ہے جو منہ میں کسی جسمانی مرض کی وجہ سے پیدا ہوجاتی ہے۔۔الغرض۔۔وہ بُو جو روزے دار کے منہ میں روزہ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، اسکو دور کرنا مسواک کا کام نہیں۔اگر۔۔بالفرض۔۔ایسا ہوتا کہ مسواک کرنے سے روزے دار کے منہ کی وہ بُو بھی ختم ہوجاتی ہے، جو صرف روزے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، پھر تو روزے داروں کو مسواک کا استعمال کرنا ہی ممنوع قرار دیدیا جاتا۔اور جب ایسا نہیں ہے، بلکہ رمضان شریف کا مہینہ ہو۔۔یا۔۔کوئی اور مہینہ، روزے کی حالت ہو۔۔یا۔۔نہ ہو، ہر حال میں مسواک مسنون ہے اور بڑے ہی فائدے اور فضیلت کی چیز ہے، تو پھر مسواک کرلینے سے کسی گرفت۔۔یا۔۔کسی کفارے کا سوال ہی کہاں رہ جاتا ہے۔۔۔اس مقام پر یہ بھی کہا جاسکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا حضرت موسیٰ سے تیس ۳۰ دن کا۔۔۔

(اور) پھر اپنی کسی حکمت بالغہ کے تحت (**مکمل کردیا میعاد کو دس ۱۰**) دن مزید (ملا کر، تو) اس طرح (**انکے پروردگار کا پورا وعدہ ہوا چالیس ۴۰ رات**) ودن (کا)۔

ان چالیس ۴۰ دنوں میں تیس ۳۰ دن تو وہ تھے، جن دنوں میں حضرت موسیٰ کو روزہ رکھنے اور ان ایام میں عبادت کرنے کا حکم دیا گیا، اور دس ۱۰ دن ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کے وہ تھے، جن دنوں میں تورات نازل کی گئی اور اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ سے ہم کلام ہوا۔۔یا یہ کہ۔۔ان چالیس ۴۰ دنوں میں ابتدائی تیس ۳۰ دن حضرت موسیٰ کیلئے ہوں، اور بعد کے دس دن کی مدت ان ستر ۷۰ منتخب اسرائیلیوں کیلئے ہو، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہِ طور پر گئے تھے، جنکا تفصیلی ذکر اسی سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۵ میں آئیگا۔

۔۔الحتصر۔۔جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر حاضری کا حکم دیا، تو فرمایا کہ اپنی قوم کے دانشمندوں اور برادری کے سرداروں کو ساتھ لائیں، تاکہ موسیٰ علیہ السلام پر جو عنایات

ہوں، انکے وہ چشم دید گواہ ہوں، اور پھر واپس آکر اپنی برادری میں گواہی کے طور پر بیان کریں اور حضرت موسیٰ کے رسولِ برحق اور کلیم اللہ ہونے کے تعلق سے انکے علم و یقین اور انکے اطمینان قلبی میں اضافے کا سبب بنیں۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ موسیٰ علیہ السلام نے انکا انتخاب کرکے اور باقی ماندہ افراد کی ہدایت اور انکی دیکھ ریکھ کے خیال سے اپنے بھائی حضرت ہارون کو اپنا جانشین بنا کر، کوہِ طور کی طرف روانہ ہوگئے۔

(اور) روانہ ہونے سے پہلے (کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو کہ ہمارے جانشین رہنا ہماری قوم میں) اور انکے اوامر و نواہی پر انکی نگہداشت فرمانا (اور) انکے، قابل اصلاح امور میں انکی (اصلاح کرتے رہنا)۔۔۔ نیز۔۔۔ ایمان، اخلاص اور عبادت پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے رہنا۔

چونکہ حضرت موسیٰ اپنی فراستِ نبوی اور اپنی قوم کے تعلق سے سابقہ تجربات سے بخوبی واقف ہوچکے تھے، کہ ہماری قوم مخالفت کی عادی ہے، اسلئے آپ نے ضرورت محسوس کی کہ بطورِ نصیحت حضرت ہارون کو اس بات کی بھی شدید تاکید کردی جائے۔۔۔

(اور) انھیں ہر طرح سے ہوشیار کردیا جائے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ فرمایا کہ (فسادیوں کی راہ نہ چلنا) یعنی ان میں جو فساد پر مجبور کرے۔۔۔ یا۔۔۔ اسکی دعوت دے، تو آپ اسکا اتباع نہ کرنا۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ آپ بجائے میرے ساتھ چلنے کے، قوم کی نگہبانی کیجئے۔ ذہن نشین رہے کہ حضرت موسیٰ کی یہ ساری ہدایات اور انکے تعلق سے یہ سارے امور اور نصیحتیں سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی مرضی سے تھیں۔ حضرت موسیٰ کے قلب پر ان واردات و الہامات کا ورود من جانب اللہ ہوتا رہا، اور آپ اسی کے مطابق ارشاد فرماتے رہے۔۔۔ الغرض۔۔۔ نبی کا ہر فعل اور ہر قول امر الٰہی سے ہوتا ہے، جسے یہ قول مسلم ہے اُسے موسیٰ علیہ السلام کا قول و فعل مبنی بر صواب معلوم ہوگا اور انکے مذکورہ بالا معاملے مطابق و موافق محسوس ہونگے۔۔۔ المختصر۔۔۔ سننے والو! غور سے سنو۔۔۔

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ

اور جب آگئے موسیٰ ہمارے وعدہ پر، اور کلام فرمایا ان سے انکے پروردگار نے، عرض کیا "پروردگار تو اپنے کو مجھے دکھادے، کہ میں تجھے دیکھ لوں"۔

قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ

فرمایا "تم ہرگز دیکھ نہیں سکتے۔ ہاں نگاہ کرو پہاڑ کی طرف، تو اگر ٹھہرا رہا اپنی جگہ، تو جلد تم

تَرٰىنِیْ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا

مجھے دیکھ لوگے"۔ پس جب تجلّی فرمائی ان کے پروردگار نے پہاڑ پر، تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ، اور گرے موسیٰ بے خود۔

فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۴۳﴾

پھر جب افاقہ ہوا، تو کہا کہ "پاک ہے تو۔ میری توبہ ہے تیرے یہاں، اور میں پہلا مومن ہوں"●

(اور) یاد رکھو کہ (جب آگئے موسیٰ ہمارے وعدہ پر) یعنی ہمارے مقرر و متعین کردہ کے مطابق چالیسواں یوم مکمل کر کے حاضر ہوئے۔۔الغرض۔۔انکا آنا ہمارے مقرر کردہ معیاد سے مخصوص تھا۔۔ چنانچہ۔۔انکی حاضری کیلئے جو وقت مقرر تھا، اسی وقت پر وہ حاضر ہوگئے (اور) پھر بلا واسطہ و بلا کیف (کلام فرمایا ان سے انکے پروردگار نے) جیسے ملائکہ کرام سے بلا واسطہ اور بلا کیف کلام فرماتا ہے۔

یہ کلام الٰہی ایسی خصوصیت کا حامل تھا، جسکو صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی نے سنا۔ حضرت جبرائیل انکے ساتھ رہنے کے باوجود بھی نہ سن سکے۔اسلئے انھیں کلیم کے لقب سے ملقب فرمایا۔ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیاء کرام کو بھی شرف ہم کلامی سے مشرف فرمایا ہے، لیکن بواسطہ کتاب۔۔یا۔۔بوسیلہء ملائکہ۔گروہ انبیاء سابقین میں صرف حضرت کلیم ہی تھے، جن سے اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ کلام فرمایا۔۔یا پھر یہ۔۔خصوصیت ہمارے نبی آخر الزماں کو حاصل ہوئی۔۔چنانچہ۔آپ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کے شرف سے مشرف ہوئے۔جب حضرت کلیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام سے محظوظ ہوئے، تو انھیں شوقِ دیدار غالب ہوا، اور سمجھا کہ جس ذاتِ حق کے کلام میں اتنی لذت ہے، پھر اسکے دیدار میں کتنا سرور ہوگا۔

۔۔بنابریں۔۔(عرض کیا پروردگارا، تو اپنے کو مجھے دکھادے، کہ میں تجھے دیکھ لوں)۔

اس آرزوئے دیدار کی یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے، کہ انسان کی فطرت ہے کہ جب کسی بہتر مرتبہ پر کامیاب ہوجاتا ہے، تو اس سے اور بلند و بالا مرتبہ کو حاصل کرنے کا آرزو مند ہوجاتا ہے۔ اسی فطرت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ہم کلامی سے مشرف ہوئے، تو انھیں شوق ہوا کہ اس سے ارفع و اعلیٰ مرتبہ، یعنی دیدار سے بھی سرشار ہوں، اسلئے دیکھنے کی آرزو کا اظہار کر بیٹھے۔

یہ بھی امکان ظاہر کیا گیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کلامِ حق تعالیٰ سے محظوظ ہوئے، تو پھر ان پر ایسی محویت و استغراق کا عالم طاری ہوگیا، کہ انکے خیال سے یہ بات اتر گئی، کہ وہ اس

وقت دنیا میں ہیں یا فردوسِ اعلیٰ میں؟ اسلئے عرض کر دیا اے میرے پروردگار مجھے اپنے دیدار سے سرشار فرمادے۔۔۔ جواباً رب تعالیٰ نے۔۔۔

ارشاد (فرمایا) کہ (تم) یہاں مجھے (ہرگز دیکھ نہیں سکتے)۔

حضرت کلیم کو بخوبی معلوم تھا کہ یہاں کسی کو دیدارِ الٰہی نہیں ہوسکتا اور کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا، لیکن انھیں اس بات کا بھی یقین تھا، کہ خدائے عزوجل قادرِ مطلق ہے، وہ چاہے تو اپنے کو دکھا سکتا ہے۔ حضرت کلیم کے دیدارِ الٰہی کیلئے اصرار کی بنیاد یہی تھی، کہ اے میرے رب مجھ میں تو یہ طاقت نہیں، کہ میں تجھے دیکھ سکوں، لیکن تجھ میں اتنی قدرت ہے، تو مجھے اپنے کو دکھا سکے اور میرے اندر وہ قوت واستعداد پیدا کردے جسکے سبب سے میں تجھے دیکھ سکوں۔

۔۔الختصر۔ حضرت کلیم کی عرض سے یہ تو ظاہر ہوگیا کہ دنیا میں دیدارِ الٰہی عقلاً محال نہیں۔ اگر یہ عقلاً محال ہوتا، تو ایک اولوالعزم رسول ایسی غیر معقول خواہش کیوں کرتا؟ ہاں یہ ضرور ہے، کہ جمالِ باقی کو نگاہِ فانی سے نہیں دیکھا جاسکتا، جب تک کہ خدائے قادرِ مطلق وہ خاص صلاحیت واستعداد نہ پیدا کردے، جس سے وہ ذاتِ باقی میں فنا ہوکر ایسی بقا حاصل کرلے جسکو پھر فنا نہ ہو۔ جنت میں عام مومنین کو بھی بفضلہٖ تعالیٰ یہ استعداد مرحمت فرمائی جائیگی۔

تو (ہاں) اے موسیٰ! اپنی دیدار کی صلاحیت واستعداد کی معرفت کیلئے (نگاہ کرو) زبیر (پہاڑ کی طرف) جو ولایت مدین کے سب پہاڑوں سے زیادہ بلند ہے اور اس میں تحمل کی قوت بھی بے پناہ ہے، **(تو اگر)** وہ پہاڑ برقرار و ثابت اور **(ٹھہرا رہا اپنی جگہ)** پر، **(تو جلد تم مجھے دیکھ لوگے)** اور تم میں میرے دیدار کی طاقت ہوگی اور اگر اس پہاڑ کو' جو ساری دنیا کے پہاڑوں میں سب سے زیادہ سخت، مضبوط وتوانا اور قوت برداشت رکھنے والا ہے' مجھے دیکھ سکنے کی طاقت نہ ہوئی، تو تو بھی دنیا میں اس کام کی تمنا سے درگزر کر۔

اس ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کو پہاڑ کے برقرار رہنے پر معلق کیا ہے، اور پہاڑ کا اپنی جگہ پر برقرار رہنا فی نفسہٖ ممکن ہے، اور جو ممکن پر موقوف ہو، وہ بھی ممکن ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ کا اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن تھا۔

(پس جب تجلی فرمائی انکے پروردگار نے پہاڑ پر) اور اپنے نور۔۔۔یا۔۔۔اپنے عرش کے نور کو سوئی کے ناکے کے برابر۔۔۔یا۔۔۔چھنگلی انگلی کی نصف مقدار کے مطابق اس پر ظاہر کیا، **(تو کردیا) اپنی اس تجلی سے (اس) پہاڑ (کو ریزہ ریزہ)۔**

۔۔الغرض۔۔ پہاڑ اپنی اس عظمت و بڑائی کے باوجود پارہ پارہ ہوگیا اور چھ[6] پہاڑ اور اس سے جدا ہوگئے۔ تین مدینہ منورہ میں جا پڑے اور تین مکہ معظمہ میں جا رہے۔ مدینہ منورہ میں پہنچنے والے پہاڑوں کے نام یہ ہیں ﴿۱﴾۔۔احد۔﴿۲﴾۔۔رقان۔﴿۳﴾۔۔رضوی۔ اور مکہ شریف میں پہنچنے والے پہاڑوں کے نام یہ ہیں: ﴿۱﴾۔۔ثور۔﴿۲﴾۔۔ثبیر۔ ﴿۳﴾۔۔حراء۔ بعض قول کے مطابق آٹھ[8] ٹکڑے ہوئے، جن میں چار مکہ شریف پہنچے اور چار مدینہ شریف۔ مکہ شریف میں پہنچنے والے چوتھے کا نام ثور ہے اور مدینہ شریف میں پہنچنے والے چوتھے کا نام مہراس ہے۔

اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ اس پہاڑ کے تین ٹکڑے ہوئے، ایک زمین میں دھنس گیا اور دوسرا دریاؤں میں ڈوب گیا اور تیسرا اڑ کر عرفات میں پہنچا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خوف الٰہی سے ہر کمزور سے کمزور تر ہوگیا۔ یہ رہا خدائی نگاہِ عظمت و ہیبت کا اثر، جس سے پہاڑ ویران ہوگیا اور اسکے برعکس اسکی نگاہِ لطف و کرم اور نظر رحمت جب انسان کے دل پر پڑتی ہے، تو وہ دل آباد ہو جاتا ہے۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ کی ایک صفت کے ایک چھوٹے سے حصے کی تاب نہ لاکر ایک طرف پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔۔۔

(اور) دوسری طرف (گرے موسیٰ بے خود)۔

یعنی از خود رفتہ، اپنے سے بے خبر، مست و سرشار ہوکر، یعنی عقل و ہوش کی سلامتی کے باوجود جلال و ہیبت الٰہی سے آپ پر ایسی کیفیتِ سرشاری طاری ہوگئی، کہ آپ از خود رفتہ ہو گئے اور گم کردہ ہوش محسوس ہونے لگے۔ یہ وضاحت حضرت مترجم قدس سرہ کے ترجمہ کی رعایت کرتے ہوئے کی گئی ہے۔ شاید مترجم علیہ الرحمہ نے 'بے ہوش' کی بجائے 'بے خود' کا لفظ اسی لئے استعمال فرمایا ہے، تاکہ ظاہر ہو جائے کہ نبی کے ہوش و حواس ہمیشہ صحیح رہتے ہیں۔

اب اگر کسی حکمتِ بالغہ کے تحت اس پر ایسی کیفیت طاری کر دی جائے، کہ وہ گم کردہ ہوش محسوس ہو، تو اس کیفیت کی تعبیر لفظ بے خودی سے زیادہ مناسب لگ رہی ہے۔ جبھی تو جیسے ہی اس بے خودی سے افاقہ ہوا، تو حضرت کلیم کی زبان مبارک سے تسبیح ربانی ہی کے کلمات نکلے۔ اور توبہ و استغفار ہی کے پھول جھڑے۔۔الغرض۔۔آپ پر بے خودی طاری ہوگئی اور یہ بے خودی جمعرات کی شام سے لیکر جمعہ کی شام تک مسلسل رہی۔ اور وہ نویں ذی الحجہ کا دن تھا۔ یہاں پر ایک اولوالعزم رسول کے تحمل اور انکی قوت برداشت کا اندازہ لگتا ہے

کہ جس تجلی سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گیا، اس تجلی سے حضرت کلیم پر صرف پورے ایک دن کی بے خودی طاری ہو سکی۔

(پھر جب) حضرت موسیٰ کو اپنی اس بے خودی سے (افاقہ ہوا، تو) مشاہدۂ جلوۂ ربانی کی عزت واحترام کے پیش نظر انھوں نے تعظیماً (کہا کہ پاک ہے تو)، یعنی تیری اجازت کے بغیر میرے سوال کرنے سے تیری تنزیہہ ہے۔ اور اجازت کے بغیر سوال کرنے کی جرأت سے میں نے توبہ کی۔۔۔الحاصل۔۔ (میری توبہ ہے تیرے یہاں)، یعنی تیرے حضور میں آئندہ اسطرح کا سوال نہ کرنے کا عزم بالجزم پیش کرر ہا ہوں۔۔ یا یہ کہ۔۔ میری اس سے توبہ ہے کہ میں نے موعودہ دیدار کا دنیا میں سوال کرلیا (اور) حال یہ ہے کہ تیری عظمت وجلال کا (میں پہلا مومن ہوں)۔

ظاہر ہے کہ نبی کا ایمان امتیوں کے ایمان پر مقدم ہوتا ہے۔۔یا۔۔ ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں اپنے تجربے کی روشنی میں، کہ دنیا میں تیرا دیدار نہیں ہوسکتا۔۔۔ پھر حضرت موسیٰ کے دل کی تسلی کے واسطے اور مقصود سے محروم رہنے میں جو رنج ہوا تھا، اُسے دفع کرنے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ

فرمایا "اے موسیٰ بیشک میں نے چن لیا تم کو اوروں سے اپنے پیغاموں اور کلام سے۔

فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

تو لے لو جو کچھ میں نے تم کو دیا، اور شکر گزار رہو"●

(فرمایا اے موسیٰ) اگرچہ تیرے حال کی درستگی اور تیری ذات کی بقا کے واسطے دیدار سے میں نے تجھے باز رکھا، تو اس پر تو غمگین نہ ہو، کیونکہ (بیشک میں نے چن لیا تم کو اوروں سے) یعنی دوسرے بنی اسرائیلیوں میں سے۔۔یا۔۔ تمہارے عہد میں موجود لوگوں میں سے (اپنے پیغاموں اور کلام سے)۔ یعنی ہم نے تم کو اپنا رسول بنایا۔۔ نیز۔۔ اپنے سے ہم کلام ہونے کا شرف عطا کیا، (تو لے لو جو کچھ میں نے تم کو) دے (دیا) یعنی امر ونہی کے احکام۔ ان احکام کو لوگوں تک پہنچاتے رہو اور خود اس پر عمل کرتے رہو۔ (اور) میری اس عطا پر (شکر گزار رہو)۔ رسول اللہ ہونا اور پھر کلیم اللہ ہونا، یہ خدائے برتر وبالا کی وہ عظیم نعمتیں ہیں، جن پر تاحیات شکر گزاری لازم وضروری ہے۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ

اور لکھ دیا ہم نے انکے لئے تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت، اور ہر چیز کی تفصیل۔

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ

تو اس کو مضبوطی سے لو اور حکم دو اپنی قوم کو کہ اختیار کریں اسکی خوبیوں کو۔

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

بہت جلد دکھادوں گا میں تم کو نافرمانوں کے گھر●

(**اور لکھ دیا ہم نے**)، یعنی قلم نے ہمارے حکم سے۔۔یا۔۔جبرائیل علیہ السلام سے ہم نے کہا، تو انھوں نے قلمِ ذکر اور نہر النور کی روشنائی سے لکھ دیا (**انکے لئے**) یعنی حضرت موسیٰ کیلئے زمرد سبز کی تعداد میں سات۔یا۔نو۔یا۔دس۔۔اور۔۔دس۔یا۔ بارہ گز طول رکھنے والی (**تختیوں میں**) دین کے باب میں جن چیزوں کی احتیاج پڑتی ہے (**ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل**)، یعنی اوامر ونواہی میں سے ہر ایک کی مکمل وضاحت۔ (**تو**) اے موسیٰ! (**اسکو مضبوطی سے لو**) اور نیک ارادے سے اپنالو (**اور**) پھر (**حکم دو اپنی قوم کو**) تا (**کہ**) صدق اور عزیمت کے ساتھ (**اختیار کریں اسکی خوبیوں کو**)۔

اور ظاہر ہے کہ ان میں جو کچھ تھا، وہ سب حَسن یعنی اچھا ہی تھا۔ایک قول کے مطابق آیتِ کریمہ میں اَحسن سے عزائم مراد ہیں اور حَسَن رخصتیں ہیں، تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا، کہ: اے موسیٰ اپنی قوم کو تو حکم کردے، کہ عزیمت پر عمل کریں اور رخصت پر عمل نہ کریں۔۔یا یہ کہ۔۔فرائض ونوافل، حسن میں سب ہی داخل ہیں، لیکن ان میں فرائض احسن ہیں اسلئے فرائض وواجبات وموکدات کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔

اور اے بنی اسرائیلیو! تم کس خیال میں ہو؟ (**بہت جلد دکھادونگا میں تم کو نافرمانوں کے گھر**) یعنی انکے رہنے کی جگہ دوزخ کو۔۔یا۔۔تمہیں ولایت شام میں ہم داخل کرینگے اور جن اگلے لوگوں نے ہماری فرمانبرداری نہیں کی ہے، انکے اجڑے ہوئے مکانات تم کو دکھادینگے۔۔یا۔۔ہم تمہیں دکھادینگے مصر میں فرعون اور قبطیوں کے مکان، جو سب کے سب خراب اور ویران ہوگئے۔ان میں کوئی رہنے والا نہیں رہا، تاکہ ان سے تم عبرت پکڑو۔۔۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

اور بہت جلد پھیر دوں گا میں اپنی آیتوں کی طرف سے انہیں، جو بڑائی کی ڈینگ لیتے ہیں زمین میں ناحق۔

وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ

اور اگر وہ ساری نشانی دیکھ لیں تو بھی نہ مانیں۔ اور اگر راہ ہدایت دیکھیں تو اسے راہ نہ

سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

بنائیں۔ اور اگر دیکھ پائیں گمراہی کی راہ، تو چل پڑیں۔ یہ اسلئے کہ انھوں نے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٤٦﴾

جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اس سے غفلت برتتے تھے●

(اور) بغور سن لو! کہ (بہت جلد پھیر دونگا میں اپنی آیتوں) یعنی قرآن کریم ۔۔یا۔۔ اپنی قدرت کی دلیلوں، جو ملکوں اور ذاتوں میں ہم نے امانت رکھی ہے، کے سمجھنے اور ان میں غور وفکر کرنے (کی طرف سے انھیں، جو بڑائی کی ڈینگ لیتے ہیں زمین میں ناحق)۔ ایسے متکبروں کے دلوں پر، ہم مہر کردیتے ہیں، تاکہ ہماری بات نہ سمجھ سکیں۔

۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ باطل دعوے کرنے والوں کے دلوں کو ان حکمتوں سے سرفراز کرے، جو قرآن میں ہیں۔ اسی لئے ایسوں کے دلوں سے قرآنی حکمتیں قبول کرنے کی قابلیت سلب فرمادی۔ ان متکبرین کی حالت یہ ہے۔۔۔

(اور) انکی ذہنی سوچ ایسی ہے، کہ (اگر) بالفرض (وہ ساری نشانی دیکھ لیں) اور نبی کے سارے معجزات کا مشاہدہ کرلیں ۔۔یا۔۔ ہمارے نازل فرمودہ پیغامات سے باخبر ہوجائیں، (تو بھی نہ مانیں) گے اپنے عناد کی وجہ سے، (اور) یونہی (اگر) یہ مغرورین (راہِ ہدایت دیکھیں، تو) اسی بغض و عناد کے سبب (اسے) اپنے چلنے کی (راہ نہ بنائیں) اور اسکی متابعت نہ کریں (اور) اسکے برخلاف یہ عقل و دانش سے عاری لوگ اور پیکرانِ بغض وعناد (اگر دیکھ پائیں گمراہی کی راہ، تو) بغیر سوچے سمجھے اسی پر (چل پڑیں)۔ ذہن نشین رہے کہ (یہ) یعنی انکے دلوں کو آیتوں کو سمجھنے سے پھیر دینا (اسلئے) اور اس سبب سے ہے، (کہ انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو) یعنی ہمارے کلام کو جھوٹ سمجھا۔۔ چنانچہ ۔۔اس میں غور وفکر کرنے سے (اور) اسپر اعتبار کرنے سے بھاگتے تھے، بلکہ (اس سے) مجرمانہ (غفلت برتتے تھے) اور بربنائے عناد، جان بوجھ کر اسکی تکذیب کرتے تھے۔ سنو۔۔۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کے ملنے کو، اکارت گئے ان کے سب عمل۔

هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

انھیں بدلہ نہ دیا جائے گا، مگر جو ان کے کرتوت تھے●

(اور) یاد رکھو کہ (جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور آخرت کے ملنے کو)، یعنی ایک طرف قرآن و معجزات کے منکر ہوئے، اور دوسری طرف آخرت کے ملنے کو بھی جھٹلا دیا، تو (اکارت) ہو (گئے انکے سب عمل) جو اس جہان میں کئے تھے، اسلئے (انھیں) انکے کسی عمل کا نیک (بدلہ نہ دیا جائیگا)۔ وہ کسی نیک اجر کے مستحق ہی کہاں تھے۔ ہاں (مگر) انھیں ضرور ضرور سزا دی جائیگی، بالکل اسکے مطابق (جو انکے کرتوت تھے) اور جو دنیا میں انکی بداعمالیاں تھیں۔

سابقہ آیت میں نافرمانوں کی ذہنی کیفیت کی تصویر کشی کی گئی، کہ وہ راہِ ہدایت کو دیکھ لینے کے بعد بھی اس پر آنے سے گریز کرتے ہیں اور اسکے برخلاف گمراہی کے راستے پر بغیر سوچے سمجھے چل پڑتے ہیں۔۔ بلکہ۔۔ گمراہی کو اپنانے میں کافی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہیں، جسکی ایک مثال یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کوہِ طور پر چلے گئے، تو انکی قوم نے انکی واپسی کا انتظار نہیں کیا۔۔۔

وَاتَّخَذَ قَوۡمُ مُوۡسٰى مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ حُلِيِّهِمۡ عِجۡلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ

اور گڑھ لیا قوم موسیٰ نے ان کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا، مورتی گائے کی طرح بولتی۔

اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمۡ وَلَا يَهۡدِيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ۘ اِتَّخَذُوۡهُ وَكَانُوۡا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۱۴۸﴾

کیا یہ انھوں نے نہ دیکھا؟ کہ وہ نہ ان سے بولے اور نہ راہ بتائے انھیں۔۔ اس کو بنالیا، اور بڑے اندھیر کے لوگ تھے●

(اور گڑھ لیا قوم موسیٰ نے) یعنی موسیٰ بن ظفر سامری نے۔

جسکی قوم گوسالہ پرست تھی اور جو خود اگرچہ اسرائیلی نہیں تھا، لیکن انکا پڑوسی تھا اور فرعونیوں کی طرف سے ہونے والے مصائب و مظالم میں انکا شریک تھا۔۔ چنانچہ۔۔ بنی اسرائیلیوں کے ساتھ وہ بھی ہوگیا اور ان میں شامل ہوگیا۔ وہ سنار کا کام بخوبی جانتا تھا، تو وہ اور اسکے دوسرے معاونین نے۔۔۔

گڑھ لیا (انکے) یعنی حضرت موسیٰ کے طور پر چلے جانے کے (بعد اپنے) ان (زیوروں سے) جنھیں بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطیوں کی عورتوں سے عاریۃً حاصل کئے تھے۔

تو جب وہ دریا کے پار اترے اور قبطی ڈوب گئے تو وہ سارے زیورات انکے پاس رہ گئے، جو حضرت ہارون کے حکم سے اکٹھا کردیئے گئے، جسے حضرت ہارون نے سامری کے پاس بطور امانت جمع فرمادیا، کہ جب حضرت موسیٰ آئینگے، تو اسکے تعلق سے جو حکم فرمائینگے اس پر عمل کیا جائیگا۔

۔۔الختصر۔۔سامری نے عجلت پسندی سے کام لیا اور بنالیا ان زیورات سے **(ایک بچھڑا)** یعنی **(مورتی گائے کی طرح بولتی)**، یعنی آواز نکالتی تھی گائے کی آواز کی طرح۔

اسکے آواز نکالنے کی وجہ یہ ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا، تو سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو گھوڑے پر سوار دیکھا تھا اور انکے گھوڑے کی ٹاپ کے نیچے سے مٹھی بھر خاک اٹھا کر اپنے پاس رکھ چھوڑی تھی۔ جب قالب سے ڈھل کر بچھڑے کی صورت نکلی، تو سامری نے اس خاک میں سے تھوڑی سی اسکے منہ میں ڈال دی۔ حق تعالیٰ نے اس خاک کی برکت کو ظاہر فرمادیا اور اُس بچھڑے کو زندہ کردیا اور اس نے آواز کی۔ جب اس بچھڑے کی آواز بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے کان میں پہنچی، تو اپنی شامتِ نفس سے ۔۔یا۔۔سامری کے ورغلانے سے سجدے میں گر پڑی۔ ایسوں کی ناسمجھی کو ظاہر کرنے کیلئے ارشاد فرمایا گیا، کہ۔۔

(کیا) اسکا سجدہ کرنے سے پہلے **(یہ انھوں نے نہ دیکھا)** اور ذرا بھی چشم بصیرت اور فہم و فراست سے کام نہیں لیا، **(کہ وہ نہ ان سے)** حقیقی اور ذاتی صفتِ کلام سے متصف ہوکر **(بولے، اور نہ)** ہی حقیقی اور ذاتی طور پر ہدایت دہندہ ہوکر **(راہ بتائے انھیں)**، تو ان نادانوں نے **(اسکو بنالیا)** اپنا معبود۔ یہ کتنی جہالت کی بات ہے؟ اسلئے کہ معبود تو وہی ہوتا ہے جو اپنی جملہ صفات و کمالات میں مستقل بالذات ہو اور کسی کا محتاج نہ ہو، بلکہ غنی علی الاطلاق ہو۔ مگر ان لوگوں نے یہ سب کچھ نہیں سوچا **(اور)** ذرّہ برابر بھی غور وفکر سے کام نہیں لیا، اور بھلا انھیں اسکی توفیق کیسے ہوتی، اسلئے کہ وہ **(بڑے اندھیر کے لوگ تھے)**۔

یہ کتنے اندھیر کی بات ہے اور کتنا بڑا ظلم صریح ہے کہ جو خدائے وحدہ لاشریک کا حق تھا، یعنی پوجنا، اُسے خود اپنے ہاتھ سے گڑھے ہوئے بچھڑے کو دیدیا۔ کاش یہ سوچتے کہ خود اپنی مصنوع کو پوجنے والا، ان نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں کے مقام و مرتبہ تک کیسے پہنچ سکتا ہے، جو سراپا اخلاص ہوکر اپنے صانع حقیقی کی عبادت کرتے ہیں۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيۡۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَرَاَوۡا اَنَّهُمۡ قَدۡ ضَلُّوۡا ۙ قَالُوۡا لَئِنۡ لَّمۡ يَرۡحَمۡنَا

اور جب اپنے ہاتھوں شرمندگی میں گرے، اور دیکھ لیا کہ بیشک بہک گئے تھے، کہنے لگے، "اگر رحم نہ فرمایا ہم پر ہمارے

رَبُّنَا وَيَغۡفِرۡ لَنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿۱۴۹﴾

پروردگار نے، اور ہم کو بخش نہ دیا، تو ہم دیوالئے ہو گئے"●

بالآخر ان نادانوں کو ذلت (اور) رسوائی کا چہرہ دیکھنا پڑا۔۔ چنانچہ۔۔ (جب اپنے ہاتھوں شرمندگی میں گرے) یعنی انہیں پشیمانی اسطرح حاصل ہوئی، جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ میں کوئی چیز پاتا ہے۔۔ الختصر۔۔ بچھڑے کی پرستش کرنے والے اسکی پرستش سے پشیمان وشرمندہ ہوئے (اور) صاف طور پر (دیکھ لیا) اور اچھی طرح سے سمجھ لیا، (کہ بیشک) وہ (بہک گئے تھے) تو بکمال ندامت وہ (کہنے لگے) کہ (اگر رحم نہ فرمایا ہم پر ہمارے پروردگار نے) ہماری توبہ قبول فرما کر، (اور ہم کو بخش نہ دیا، تو ہم) ضرور بالضرور (دیوالئے ہو گئے) اور زیاں کاروں اور ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو طور ہی پر انکی قوم کے بعض لوگوں کے گوسالہ پرستی والے کرتوت سے آگاہ فرما دیا تھا۔۔۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوۡسٰٓى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئۡسَمَا خَلَفۡتُمُوۡنِيۡ مِنۡۢ

اور جب لوٹے موسیٰ اپنی قوم کی طرف بڑے غصہ میں رنجیدہ، بولے "کہ بری جانشینی کی تم نے میری

بَعۡدِيۡ ۚ اَعَجِلۡتُمۡ اَمۡرَ رَبِّكُمۡ ۚ وَاَلۡقَى الۡاَلۡوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاۡسِ اَخِيۡهِ يَجُرُّهٗۤ

میرے بعد، کیا تم نے حکم پروردگار سے جلد بازی کر دی"۔ اور تختیاں ڈال دیں۔ اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف

اِلَيۡهِ ؕ قَالَ ابۡنَ اُمَّ اِنَّ الۡقَوۡمَ اسۡتَضۡعَفُوۡنِيۡ وَكَادُوۡا يَقۡتُلُوۡنَنِيۡ ۖ

کھینچنے لگے، انھوں نے کہا، کہ "اے میرے ماں جائے، بیشک قوم نے مجھ کو کمزور جانا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں،

فَلَا تُشۡمِتۡ بِيَ الۡاَعۡدَآءَ وَلَا تَجۡعَلۡنِيۡ مَعَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۵۰﴾

تو ہنسنے نہ دیجئے مجھ پر دشمنوں کو، اور نہ مجھ کو ان ظالموں میں شمار کیجئے"●

(اور) انکی عدم موجودگی میں قوم نے جو حرکت کی تھی، اس سے باخبر فرما دیا تھا۔۔ چنانچہ۔۔ طور سے فارغ ہو کر (جب لوٹے موسیٰ اپنی قوم کی طرف بڑے غصہ میں) اور (رنجیدہ) خاطر۔۔ چنانچہ۔۔ اپنی قوم کو مخاطب فرما کر (بولے، کہ بری جانشینی کی تم نے میری میرے بعد) یعنی میری مفارقت کے

بعد اور طور پر جانے کی وجہ سے تم میں عدم موجودگی کے سبب، ذرا بھی تم لوگوں نے غور وفکر سے کام نہیں لیا، تو (کیا) تمہارے اس عاجلانہ اور غیر عاقلانہ اقدام سے یہ ظاہر نہیں ہوتا، کہ (**تم نے حکم پروردگار سے جلد بازی کردی**) اور اتنا بھی صبر نہ کیا کہ میں آؤں اور خدا کا حکم تم کو پہنچاؤں۔

پھر حضرت کلیم نے گوسالہ کو جلا کر اسکی خاک کو سمندر میں ڈلوا دیا اور اسکو نیست و نابود کر دیا۔ اس مقام پر یہ خیال رہے کہ غضب کی دو قسمیں ہیں، ایک 'محمود' ہے اور دوسرا 'مذموم' ہے۔ اگر دین اور حق کی خاطر بندہ غضب میں آئے، تو یہ غضب 'محمود' ہے۔ اور اگر اپنی نفسانی خواہشوں کے پورا نہ ہونے ۔۔یا۔۔ ناجائز حکم کے نہ ماننے یا اس کی ممانعت کرنے کی وجہ سے غضب میں آئے، تو یہ غضب 'مذموم' ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جو غضب میں آئے تھے، وہ ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور شرک کی وجہ سے تھا، تو آپکا یہ غضب 'محمود' تھا ۔۔الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے اُس غضب کے روکنے اور انتقام نہ لینے کی ترغیب دی ہے، جو انسان اپنے ذاتی نقصان کی وجہ سے کرتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے شرک کو دیکھا، تو وہ حمیت دین کی وجہ سے سخت غضب میں آگئے، اور انھوں نے اپنے ہاتھوں کو جلد فارغ کرنے کیلئے عجلت سے **وہ الواح (اور تختیاں) ڈالدیں** یعنی زمین پر رکھ دیں، تاکہ وہ اپنے بھائی کا سر پکڑ سکیں اور انکو اپنے قریب کر کے ان سے معلوم کر سکیں، کہ انھوں نے بنو اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکنے میں قرار واقعی سختی کیوں نہیں کی؟

چونکہ یہ سب غضبِ محمود کے تحت خالصاً لوجہ اللہ تھا، اسلئے یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں، اور نہ ہی یہ عمل حضرت ہارون کی توہین کی غرض سے کیا گیا۔ اب اگر یہ عجلت زمین پر تختیوں کے رکھنے کی وجہ سے بعض تختیاں ٹوٹ گئیں، تو یہ ایک اتفاقی چیز ہے، جسکے تعلق سے حضرت موسیٰ کو گمان بھی نہیں تھا، کہ ایسا ہو جائیگا۔ ویسے بھی تختیوں کے ٹوٹنے کی بات متفقہ نہیں۔ بہت سارے محققین نے اسکا انکار بھی کیا ہے، اگرچہ بعض کتابوں میں ٹوٹنے کے تعلق سے روایت موجود ہے۔

اور جب اس واقعہ کے ہونے اور نہ ہونے کے تعلق سے خود عظیم المرتبت ائمہ کے نزدیک اتفاقِ رائے نہیں ہے، تو اسکے کسی بھی پہلو کو صحیح ثابت کرنے کیلئے شدت برتنے کی ضرورت نہیں، بلکہ یا تو یہ کیا جائے کہ جس پہلو کو مراد لینے میں [illegible]

ظاہر ہوتا ہو، اسی کو اپنا لیا جائے۔۔یا۔۔ ہر ہر پہلو کی ایسی توجیہہ کی جائے جس سے ادب واحترام پر آنچ نہ آئے۔ اوپر میں نے اسی خیال کو نصب العین بنا کر تشریح پیش کی ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ مذکورہ بالا حکمت (اور) مصلحت کے پیش نظر حضرت موسیٰ اپنے غصہ کے دباؤ میں، نہ کہ اہانت کیلئے، (اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے) اور اپنے قریب کرنے لگے، تا کہ معلوم کر سکیں کہ ایسا کیسے ہو گیا اور قوم کو سمجھانے میں کیا کمی رہ گئی۔ جب حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون سے یہ دریافت کیا، تو (انھوں نے کہا کہ اے میرے ماں جائے)،

اگر چہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے حقیقی بھائی تھے، لیکن اس مقام پر انکے دل کو نرم کرنے کیلئے ماں کو یاد کیا، کیونکہ بہ نسبت باپ کے، ماں زیادہ رحیم وشفیق ہوتی ہے۔۔الغرض ۔۔حضرت ہارون نے کہا کہ اے میرے بھائی میں نے انکی تبلیغ وہدایت میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور نہ میری طرف سے انکو سمجھانے میں کسی کمی ہی کا مظاہرہ کیا گیا، بلکہ صورت حال یہ ہو گئی تھی، کہ۔۔۔

(بیشک قوم نے مجھ کو کمزور جانا) اور بے چارہ محسوس کیا اور تنہا پا کر کمزور سمجھا۔ (اور) انکی سرکشی یہاں تک بڑھ گئی تھی، کہ (قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں) کیونکہ میں انکو گوسالہ پرستی سے منع کرنے میں بے حد مبالغہ اور اصرار کرتا تھا۔ اسلئے وہ میرے دشمن ہو گئے، اور میرے قتل کے بارے میں سوچنے لگے۔ تو اے میرے بھائی آپ میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں، جس سے دشمن اپنی کم عقلی کی بنیاد پر میری توہین سمجھنے لگیں اور پھر مذاق اڑائیں۔

(تو) برائے کرم (ہنسنے نہ دیجئے مجھ پر دشمنوں کو) اور انکے دلوں میں میری اہانت کی جو آرزو ہے، اُسے پورا نہ ہونے دیجئے۔ (اور نہ مجھ کو ان ظالموں میں شمار کیجئے)۔ یعنی میں نے گوسالہ پرستی نہیں کی ہے اور میں اپنی قوم کے شرک سے بری ہوں۔۔۔ اپنے بھائی کے معروضات جب سن چکے۔۔۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ

تو کہا موسیٰ نے، کہ "پروردگارا بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور جگہ دے ہم کو اپنی رحمت میں،

وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٥١﴾

اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے"●

ع ۱۸ ۸

(تو کہا موسیٰ نے کہ پروردگار ابخش دے مجھے) اس کام میں جو میں نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ کیا۔۔یا۔تختیاں اس تیزی سے زمین پر رکھیں، کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہوا کہ میں نے انھیں پھینک دیا (اور) بخش دے (میرے بھائی کو)، اگر اس نے منع کرنے میں کچھ کمی کی ہو، (اور جگہ دے ہم کو اپنی رحمت میں) یعنی دنیا میں اپنی عصمت کی پناہ میں ہمیں داخل کر اور عقبیٰ میں ریاضِ جنت میں، (اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے) اس واسطے کہ سب کا رحم تیرے ہی رحم کے اثر کے سبب سے ہے، اور تیری ہی نظرِ رحمت کے باعث سے ہے۔رہ گئے وہ لوگ جہالت کی وجہ سے۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ

بیشک جنھوں نے بنایا تھا بچھڑا کو بہت جلد پہنچے گا ان تک غضب ان کے پروردگار کا، اور رسوائی

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۵۲﴾

دنیاوی زندگی میں۔ اور اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں گڑھنت والوں کو●

(بیشک جنھوں نے بنایا تھا بچھڑا کو) اپنا خدا اور اپنا معبود، وہ بے فکر نہ رہیں، کہ ان سے کوئی حساب کتاب نہیں ہوگا، اور وہ یونہی آزاد چھوڑ دیئے جائینگے، بلکہ وہ یقین رکھیں کہ (بہت جلد پہنچے گا ان تک غضب، انکے پروردگار کا)۔ اور وہ غصہ وہی تھا جو حق تعالیٰ نے حکم فرمادیا کہ ایک دوسرے کو قتل کرڈالو (اور) علاوہ ازیں (رسوائی دنیاوی زندگی میں)، بایں طور کہ ماتحت ہوکر جزیہ دیں۔۔یا۔۔ جلاوطن کردیئے جائیں۔سن لو (اور) یاد رکھو کہ جس طرح ہم نے بچھڑا پوجنے والوں کو سزادی ہے (اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں گڑھنت والوں کو)، یعنی جھوٹ بولنے والوں، خدا پر افتراء کرنے والوں، اور بری اور ناپسندیدہ رسم ورواج ایجاد کرنے والوں کو۔۔۔اور پھر اپنے اعمالِ بد پر توبہ نہ کرنے والوں کو۔۔۔

وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا

اور جنھوں نے برائیاں کیں اور توبہ کرلی اس کے بعد، اور ایمان لے آئے،

إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۵۳﴾

تو بیشک تمہارا پروردگار اس کے بعد غفور رحیم ہے●

انکے برخلاف (اور) برعکس (جنھوں نے برائیاں کیں) یعنی گناہِ صغیرہ۔۔یا۔۔کبیرہ کا ارتکاب کیا۔۔یا۔۔کفروشرک کر بیٹھے (اور) پھر دل کی سچائی کے ساتھ (توبہ کرلی اسکے بعد) اورعزم بالجزم کرلیا کہ اب ان برائیوں کے قریب نہ جائینگے (اور) پھر خالصاً لوجہ اللہ (ایمان لے آئے) اور اپنے رسول کی جملہ ہدایات کو دل سے قبول کرلیا، اور پھر اس پر ایماندارانہ عمل کرتے رہنے کیلئے اپنے کو پورے طور پر مستعد کرلیا۔۔الغرض۔۔ سچی اور کھری توبہ کرلی، (تو بیشک تمہارا پروردگار) اس کی (اس) توبہ (کے بعد) اس کیلئے (غفور رحیم ہے) یعنی وہ بخشنے والا ہے توبہ کرنے والوں کے گناہ کو، اوران پر انکی توبہ قبول کرنے میں مہربان ہے۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى

اور جب تھما موسیٰ کا غضب، تو اٹھالیا تختیوں کو، اوراس کے نوشتہ میں ہدایت

وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿١٥٤﴾

ورحمت ہے انکے لئے، جو اپنے پروردگار سے کانپتے ہیں●

(اور جب تھما موسیٰ کا غضب)

یعنی جب وہ غصہ جاتا رہا، جس غصہ نے حضرت موسیٰ کو اس کام پر ابھارا جوانھوں نے انجام دیا۔ (تو اٹھالیا تختیوں کو) جوڈال دی تھیں۔اسکی تحریر (اوراسکے نوشتہ میں) یعنی اس میں جوان پر لکھا تھا (ہدایت) ہے گمراہی سے (ورحمت ہے) یعنی گناہوں سے پاک ہوجانا ہے، (انکے لئے جو اپنے پروردگار سے کانپتے ہیں) اور ڈرتے ہیں اور کوئی ایسا کام نہیں کرتے، جورب تبارک وتعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہو۔۔المختصر۔۔ان تختیوں کی ہدایات سے فائدہ اٹھانے والے لوگ یہی تقوی شعار لوگ ہیں۔

گوسالہ پرستی کے تعلق سے جو واقعہ اوپر مذکور ہوا، اس سے ظاہر ہوا کہ سارے بنی اسرائیلیوں نے یہ کام نہیں کیا تھا، مگران سب کا قصور یہ تھا، کہ انھوں نے اس کام سے دوسروں کو روکا بھی نہیں تھا۔صرف حضرت ہارون ہی تھے جو شدومد کے ساتھ روکتے رہے، گوقوم نے انکا خیال نہ کیا، مگر وہ خلافتِ موسوی کا حق ادا کرتے رہے۔۔بااین ہمہ۔۔اسرائیلیوں کو اخروی ہلاکت سے بچانے کیلئے حضرت موسیٰ کو رب کریم، صاحب فضل عظیم نے یہ حکم فرمایا کہ بنی اسرائیل میں سے نیک لوگوں کی ایک جماعت اپنے ساتھ طور پر لیجائیں اور وہ لوگ

وہاں بچھڑے کی پرستش سے عذر کریں، اور توبہ و استغفار پیش کریں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ بات کہی، تو انھوں نے مان لی۔۔۔

وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اور چنا موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر مرد ہمارے وعدہ کیلئے۔ پس جب پڑا انھیں زلزلہ،

قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ۭ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ

عرض کیا پروردگارا "اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی ہلاک کر دیتا اور مجھ کو بھی۔ کیا برباد کرے گا تو ہم کو اس کے بدلے،

السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ۭ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ

جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا، یہ صرف تیری آزمائش ہے۔ اُس سے جسکی چاہے گمراہی بتادے اور جسکو چاہے راہ

مَنْ تَشَآءُ ۭ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

دیدے۔ تو ہمارا مولیٰ ہے، تو ہمیں بخش دے، اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے اچھا بخشنے والا ہے●

(اور) پھر (چنا موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر" مرد) جس وقت کا ہم نے وعدہ لیا تھا (ہمارے وعدہ) کے اس وقت (کیلئے)۔

حضرت کلیم کے میقاتِ مناجات و ہم کلامی کے بعد، یہ دوسرا میقات توبہ و عذر خواہی طے فرمایا گیا۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت موسیٰ سب کو وقت موعود پر حاضر کرانے کیلئے لیکر چل پڑے۔

اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک گروہ نے کہا کہ خدا نے موسیٰ سے کلام نہیں کیا اور جو کچھ تختیوں پر ہے، یہ سب حضرت موسیٰ ہی کا کلام ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ اولادِ یعقوب میں سے بزرگوں کا ایک گروہ اپنے ساتھ لا، کہ وہ میرا کلام سنیں اور اس پر گواہ رہیں۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ستر" آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے اور جب طور پر پہنچے تو ابر پیدا ہوا، اور وہ ابر موسیٰ علیہ السلام اور ان لوگوں کے درمیان حائل ہوگیا۔۔ الختصر۔۔ موسیٰ علیہ السلام ابر کے پردے میں آگئے اور انکی قوم کے نیک لوگ سجدے میں گر پڑے۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا اور امر و نہی وعدہ و وعید فرمائے۔ پھر جب ابر کھلا، تو موسیٰ علیہ السلام باہر آئے اور ان لوگوں سے پوچھا کہ تم نے میرے پروردگار کا کلام سنا، وہ بولے کہ ہاں کلام تو سنا، مگر کلام کرنے والا معلوم نہ ہوا۔ ہم تو جب ایمان لائینگے اور

اس کلام کو کلام الٰہی باور کرینگے، کہ خدا کو ظاہر میں دیکھیں اور پھر اسکا کلام سنیں۔
یہیں سے فرق ظاہر ہو گیا کہ حضرت موسیٰ کی ہم کلامی کی شان کچھ اور تھی جو انھیں کے ساتھ مخصوص تھی اور جو حضرت کلیم کی عزت واحترام کو نمایاں کرنے کیلئے تھی۔ اسکے برخلاف حق تعالیٰ نے انکی قوم کے منتخب افراد کو جو سنایا، وہ انکے امتحان وآزمائش کے طور پر سنایا۔۔
الختصر۔۔ جب بنی اسرائیلیوں نے اپنی اس جسارت کا مظاہرہ کیا، تو وہ سزا کے مستحق ہوگئے۔
(**پس جب پڑا انھیں زلزلہ**) کڑک دار بجلی کی آواز سے زمین ہل گئی اور زلزلہ آگیا۔
اب خواہ وہ بجلی سے جل کر ختم ہو گئے۔۔یا۔۔ مہیب آواز کو سن کر دہل اٹھے اور پھر مر گئے ۔۔یا۔۔ انکے بدن پر ایسا لرزہ چڑھا کہ انکے جوڑ بند ٹوٹنے کے قریب ہو گئے اور حضرت موسیٰ کو اندیشہ لگا کہ کہیں یہ مر نہ جائیں اور بنی اسرائیل مجھ پر انکی موت کا الزام لگائیں۔
۔۔الختصر۔۔ ان میں سے جو بھی صورت حال ہو، حضرت موسیٰ مضطرب ہو گئے اور دعا مانگنے لگے اور (**عرض کیا پروردگارا اگر تو چاہتا، تو**) انکی گوسالہ پرستی کی وجہ سے (**انکو پہلے ہی ہلاک کر دیتا اور**) قبطی کو مار ڈالنے کے سبب سے (**مجھ کو بھی**) اپنے عتاب کا شکار بنا دیتا۔ مگر تو نے ہم سب پر کرم فرمایا اور ہم کو اپنی مغفرت ورحمت کے سایے میں رکھا۔ تو (کیا) اب (برباد کرے گا تو ہم کو اسکے بدلے جو ہم میں سے بے وقوفوں نے کیا)۔ ایک طرف تو انھوں نے اپنی بے وقوفی میں بچھڑے کی پرستش کی ۔۔تو۔۔ دوسری طرف اپنی حماقت میں دیدارِ الٰہی طلب کرنے میں جرأت کی۔
اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ آخر ان دونوں باتوں کا داعیہ انکے دلوں میں کیسے پیدا ہوا؟
حقیقت یہ ہے کہ (**یہ صرف تیری آزمائش ہے**) اپنے بندوں کو جس میں تو مبتلا فرماتا ہے۔ تو نے انھیں اپنا کلام سنایا اور اسکی لذت سے محظوظ کیا، تو انھوں نے دیدار طلب کرنے میں جرأت کی، کہ جب تیرے کلام میں یہ لذت ہے، تو دیدار کا عالم کیا ہوگا؟۔۔ یونہی۔۔ تو نے بچھڑے میں آواز پیدا کردی، تو وہ اسکی طرف متوجہ ہو گئے۔ نہ تو ان سے کلام فرماتا، نہ یہ طالب دیدار ہوتے۔۔ یونہی۔۔ نہ تو بچھڑے میں حیات ڈالتا، نہ یہ اسکی طرف جھکتے۔
تو دراصل یہ دونوں چیزیں تیری طرف سے اپنے بندوں کی آزمائش ہیں۔ اور تیری سنت قدیمہ ہے کہ تو بندوں کی آزمائش فرماتا رہتا ہے، اور انکا امتحان لیتا رہتا ہے، تا کہ (**اس سے جسکی چاہے گمراہی بنا دے**) اور اسکی بے راہ روی کو واضح فرما دے (**اور جسکو چاہے راہ دیدے**)۔۔ الغرض۔۔ اسی آزمائش

کے ذریعہ جسے چاہتا ہے کہ راہ پائے، اُسے راہ ہدایت تک پہنچادیتا ہے۔ (تو ہمارا مولیٰ) مالک ومختار (ہے)، تو جو چاہے کرے۔ تو اپنے چاہے پر قدرت والا ہے، (تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما)۔ اور ہم میں جو تیری آزمائش پر صحیح نہیں اترے، انھیں بھی سچی اور کھری توبہ کی توفیق عطا فرما کر اپنے دامن عفو ومغفرت کے سایے میں جگہ عطا فرمادے۔ ہمیں تجھی سے مغفرت ورحمت کی امید ہے (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اسلئے کہ (تو) ہی (سب سے اچھا بخشنے والا ہے)۔ تیرے سوا جتنے عطا کرنے والے ہیں، وہ کسی نہ کسی غرض سے عطا کرتے ہیں، خواہ وہ دنیا کی غرض ہو۔۔یا۔۔آخرت کی، لیکن تو ہی ایک ایسا دینے والا ہے جو ہمیشہ دیتا رہا۔۔آج بھی دے رہا ہے، اور ہمیشہ دیتا رہیگا، مگر اس سے تیری اپنی کوئی غرض وابستہ نہیں۔۔بلکہ۔۔جس کو دیا جو کچھ دیا، جو کچھ دے رہا ہے، اور جو کچھ دیتا رہیگا وہ صرف تیرا فضل وکرم تھا اور ہے۔۔نیز۔۔رہیگا۔

بارگاہِ خداوندی میں حضرت کلیم کی یہ ساری گفتگو اور اپنے مدعا کے اظہار میں بے باکی، نازِ مقام محبوبیت کا مظاہرہ ہے۔ عاشقوں کی اسطرح کی جرأت ترکِ ادب نہیں، بلکہ عین ادب ہے۔ اسی لئے اسطرح کلام عرض کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عتاب نازل نہیں ہوا، اور نہ ہی کوئی اصلاح فرمائی گئی۔ ایسا لگتا ہے کہ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ نے انھیں چھوٹ دے رکھی ہے، کہ انکے دل میں اپنی قوم کی نجات ومغفرت کے تعلق سے جو نیک جذبات ہیں اسکا کھل کر اظہار کریں۔

حضرت کلیم نے اپنے کلام کے بین السطور سے یہ بھی ظاہر فرمادیا، کہ ہمارا رب کریم ایسا ہرگز نہیں کریگا، کہ وہ بعض جاہلوں اور بیوقوفوں کی جہالت وحماقت پرمبنی انکے فعال کے نتیجے میں پوری قوم کو ہلاک فرمادے۔۔المختصر۔۔حضرت کلیم اپنی قوم کیلئے خصوصی مراعات حاصل کرنے کیلئے، بارگاہِ خداوندی میں دعائیہ کلمات پیش کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں، کہ اے فضل وکرم اور بخشش وعطا والے رب کریم، کرم فرما۔۔۔

وَاكۡتُبۡ لَنَا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ اِنَّا هُدۡنَاۤ اِلَيۡكَ‌ ؕ قَالَ

اور تقدیر لکھ دے ہماری بھلی اس دنیا میں اور آخرت میں، بیشک ہم نے تیری راہ پائی۔" فرمایا

عَذَابِىۡۤ اُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ اَشَآءُ‌ ۚ وَرَحۡمَتِىۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَىۡءٍ‌ ؕ فَسَاَكۡتُبُهَا

"میرا عذاب! بھیجوں جس پر چاہوں، اور میری رحمت ہر چیز سے وسیع ہے۔ تو بہت جلد اسے لکھ دوں گا

لِلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِنَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۚ﴿۱۵۶﴾

انکے لئے جو ڈریں اور زکوۃ دیں اور وہ جو ہماری آیتوں کو مانیں"●

(اور تقدیر لکھ دے ہماری بھلی اس دنیا میں) یعنی اس دنیا میں ہمارے لئے احکام شرعیہ کو آسان فرمادے۔

کیونکہ بنواسرائیل پر بہت مشکل احکام تھے۔انکی توبہ یہ تھی کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کردیں۔ انکو تیمم کی سہولت حاصل نہیں تھی۔مسجد کے سوا کسی اور جگہ نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ روزہ کا دورانیہ رات و دن کو محیط تھا۔مالِ غنیمت حلال نہیں تھا۔قربانی کو کھانے کی اجازت نہیں تھی۔کپڑے اور بدن پر جس جگہ نجاست لگ جائے اُسے کاٹنا پڑتا تھا۔گنہ کار اعضاء کو کاٹنا ضروری تھا۔قتل خطا اور قتل عمد میں قصاص لازمی تھا، دیت کی رخصت نہیں تھی۔ ہفتہ کے دن شکار کی اجازت نہیں تھی اور بہت سخت احکام تھے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ دنیا میں انکے لئے یہ احکام شرعیہ آسان ہوجائیں۔یہ دنیا کی بھلائی تھی۔

تو اے رب کریم! اپنے فضل و کرم سے ہمارے لئے دنیا کی مذکورہ بالا بھلائی لکھ دے **(اور آخرت میں) بھی ہمارے لئے بھلائی** مقدر فرمادے۔

آخرت کی بھلائی یہ تھی کہ کم عمل پر اللہ تعالیٰ زیادہ اجر عطا فرمائے۔انکو ایک نیکی پر ایک ہی اجر ملتا تھا۔حضرت موسیٰ چاہتے تھے کہ ایک نیکی پر دس گنا۔۔یا۔۔سات سو گنا اجر عطا کیا جائے۔

مولیٰ تعالیٰ! یہ تیرا فضل و کرم ہی ہے کہ **(بیشک ہم نے تیری راہ پائی)** اور تیری طرف رجوع کیا اور طلب مغفرت و رحمت کیلئے تیری بارگاہِ رحمت میں حاضر ہوگئے۔ہم اپنی اس غلطی سے بھی توبہ کرتے ہیں کہ ہم نے تیری رؤیت کا مطالبہ کردیا تھا۔اسکے باوجود تیرے لطف و کرم سے بعید ہے کہ ہماری توبہ قبول نہ ہو۔اور ہم نے اپنی قوم کیلئے جو بھلائی چاہی وہ ہمیں حاصل نہ ہو۔

لیکن۔۔چونکہ۔۔مذکورہ بالا معنی میں دنیا کی بھلائی اور آخرت کی بھلائی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سیدنا محمد ﷺ کی امت کیلئے مخصوص کردی تھی، اسلئے یہ بھلائی حضرت موسیٰ کی امت کی بجائے، ہمارے نبی ﷺ کی امت کو عطا فرمائی۔

اور حضرت موسیٰ سے **(فرمایا)** کہ اے موسیٰ! تم تو بخوبی واقف ہو، کہ یہ میرا ضابطہء عدل و

فضل ہے کہ (میرا عذاب) جسکی صفت یہ ہے کہ اسکو (بھیجوں) اور نازل فرماؤں کافروں میں سے (جس پر چاہوں)، کوئی اس عذاب کو دفع کرنے والا نہیں۔ (اور میری رحمتِ) امتنانیہ جسکی شان یہ ہے، کہ وہ (ہر چیز سے وسیع ہے)۔ یہ میری رحمت ہی تو ہے جو دنیا میں مومن وکافر، نکوکار وگنہگار سب کو شامل ہے۔ سب کو وجود بخشنے والا میں ہی ہوں۔۔نیز۔۔سب کو ہر حال میں روزی دینے والا، پرورش فرمانے والا، میرے سوا کون ہے؟ یہاں تک کہ مخلوقات کے دلوں میں جو ایک دوسرے سے مہربانی کا جذبہ ہے، وہ بھی میرا ہی عطا کردہ ہے۔

اور اگر یوں دیکھا جائے، کہ یہ رحمت تو یہ ہے، کہ علی العموم سب پر اس رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، تو بھی ہر ایک پر اس رحمت کا سایہ گستر ہونا صاف نظر آتا ہے۔ کوئی سوال کرے، یا نہ کرے وہ سب کو عطا فرماتا ہے۔ کوئی مستحق ہو یا نہ ہو، وہ سب کو دیتا ہے۔ کسی طرح کی خدمت ودعا سے پہلے وجود کا استحقاق اور پھر فیض وجود کے بعد استفادہ کی لیاقت اور استفاضہ کی قابلیت عطا فرمانا، یہ سب رحمتِ عامہ کی کارفرمائیاں نہیں ہیں، تو اور کیا ہیں؟

اب رہ گئی ہماری وہ رحمتِ خاص جسکو ہم نے خود اپنے ذمہ ءکرم میں رکھ لیا ہے، تو اگرچہ بندوں کو اس رحمت کا استحقاق بھی ہماری رحمت امتنانیہ ہی کا نتیجہ ہے، لیکن اسکو بندوں ہی کے فائدے کیلئے چند شرطوں کے ساتھ مشروط کردیا ہے۔ تو اس لحاظ سے اس رحمت کو رحمت خاصہ ومقیدہ بھی کہہ سکتے ہیں جو خاص خاص بندوں ہی کا حصہ ہے۔۔لہٰذا۔۔ہماری رحمت عامہ کے جلوؤں کو دیکھ کر شیطان خود کو مستحق رحمت نہ گمان کرنے لگے۔ اسلئے کہ ہماری یہ رحمت انھیں کیلئے ہے، جو اہل تقویٰ ہیں اور شرک وکفر سے بچنے والے ہیں۔

(تو) اس رحمت خاص کا دنیا وآخرت میں استحقاق، (بہت جلد اسے لکھ دونگا) اور مقرر وثابت کردونگا (انکے لئے جو ڈریں) اللہ تعالیٰ سے اور اپنے کو کفر وشرک سے بچائیں۔ تو اب عزازیل جیسے سرکش اور متمرد کیلئے اس رحمت میں کیا حصہ رہ جاتا ہے؟ یہ تو صرف تقویٰ والوں کا مقدر ہے، جو خدا سے ڈرتے رہیں (اور) سارے فرائض وواجبات کی بجاآوری کے ساتھ ساتھ اس عمل خاص کو انجام دیں جسکی ادا انسان کو شاق محسوس ہوتی ہے، یعنی (زکوٰۃ دیں) جذبہءاخلاص کے ساتھ، (اور) جن کی یہ شان ہو اور (وہ) ایسے ہوں (جو ہماری) نازل فرمودہ (آیتوں کو مانیں)۔

اس مقام پر یہود ونصاریٰ بھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوجائیں اور یہ نہ سوچنے لگیں کہ ہم

بھی تو آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مال کی زکوٰۃ بھی ادا کرتے ہیں، تو ہمارے واسطے بھی یہ رحمت خاص ثابت ہوگی اور ہم بھی اس کے مستحق قرار پائینگے، تو اللہ تعالیٰ نے انکی امید کو منقطع فرمادیا، کہ جس رحمت خاص کا ذکر ہورہا ہے، یہ رحمت امت مرحومہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے۔۔چنانچہ۔۔دنیاوآخرت میں مذکورہ بالا تمام رعایتیں، سہولتیں اور انعامات وعنایتیں ان لوگوں کیلئے مخصوص ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ یَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ الَّذِیۡ یَجِدُوۡنَہٗ مَکۡتُوۡبًا

جولوگ پیچھے چلیں اس رسول نبی اُمّی کے، کہ پاتے ہیں جس کو لکھا ہوا

عِنۡدَہُمۡ فِی التَّوۡرٰٮۃِ وَالۡاِنۡجِیۡلِ ۫ یَاۡمُرُہُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہٰہُمۡ

اپنے پاس توریت وانجیل میں، کہ حکم دیں ان کو نیکی کا اور روکیں

عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَیُحِلُّ لَہُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیۡہِمُ الۡخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنۡہُمۡ

برائی سے، اور حلال کریں انکے لئے پاکیزہ چیزیں، اور حرام کردیں ان پر گندگیوں کو، اور اتاردیں ان سے

اِصۡرَہُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِیۡ کَانَتۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ فَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا بِہٖ وَعَزَّرُوۡہُ وَ

ان کے بوجھ، اور سارے طوق جو گلے پڑے ہیں۔تو جوان کو مان گیا، اور حق تعظیم ادا کیا اور

نَصَرُوۡہُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ مَعَہٗۤ ۙ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۵۷﴾

حمایت کی، اور پیروی کی اس نور کی، جو ان کے پاس نازل کی گئی ہے، تو وہی لوگ کامیاب ہیں●

(جولوگ پیچھے چلیں اس رسول نبی امی) لقب والے (کے)۔سارے انسانوں کا بلکہ ساری مخلوقات کا رسول، جسکا دین آخری دین، جس پر نازل شدہ کتاب آخری کتاب، جسکی نبوت آخری نبوت، جو سارے ادیان وملل کو منسوخ فرمادینے والا ہے، ایسا امی جوام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ میں جلوہ افروز ہوا، ام الکتاب یعنی قرآن کریم کو ساتھ لانے والا۔۔یا۔۔ام الکتاب یعنی لوح محفوظ کے علوم کا جامع، اورام المکونات یعنی اصل کائنات ہے۔۔الختصر۔۔وہ نبی امی یعنی پیدائشی نبی ہے۔

اور ایسی بات بھی نہیں تھی کہ وہ یہود ونصاریٰ کیلئے غیر معروف تھے، انکی آسمانی کتابوں نے انکو اس نبی کا مکمل تعارف کرادیا تھا۔۔الغرض۔۔انکو بخوبی معلوم ہے (کہ) جس نبی کے اتباع کی بات کی جارہی ہے، یہ وہی ہے، یہ لوگ (پاتے ہیں جس) کے ذکر اور اوصاف حمیدہ (کو لکھا ہوا اپنے پاس موجود کتاب (توریت وانجیل میں)۔واضح طور پر واضح کردیا گیا ہے کہ اس نبی کی شان یہ ہے، (کہ

حکم دیں انکو نیکی کا) یعنی توحید اور شرائع اسلامیہ کا، (اور روکیں برائی سے) یعنی ہر اس عمل سے شریعت اور سنت سے جسکا کوئی تعلق نہیں۔ (اور حلال کریں انکے لئے پاکیزہ چیزیں) حالانکہ اسکے قبل انکی شامت اعمال کی وجہ سے ان پر وہ چیزیں حرام تھیں۔۔مثلاً: چربی وغیرہ (اور حرام کردیں ان پر گندگیوں کو) یعنی مردار خون، سوّر کا گوشت۔۔یا۔۔ مالِ بے مزہ، جیسے رشوت وسود وغیرہ، (اور اتاردیں ان سے انکے بوجھ اور سارے طوق جو گلے پڑے ہیں) یعنی وہ امور شاقہ جو ان پر مقرر تھے اُن سے معاف کرادیئے۔

ان امور شاقہ میں سے بعض کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے۔ان تکالیف کو'اصر'اور'اغلال' سے تشبیہ دی گئی ہے۔'اغلال' ہر وہ لوہے کی کڑی جسے ہاتھ کو باندھ کر گردن سے جکڑا جائے اور 'اصر' ہر وہ بوجھ جو انسان پر پڑنے کے بعد اُسے حرکت کرنے سے روک دے۔۔الختصر۔۔ اس رسول نے اپنی امت کو اس بوجھ سے سبکسار کردیا۔۔اور۔۔اور اس قید سے آزاد فرمادیا جس میں سابقہ امتیں مبتلا تھیں۔

(تو) اب بھی (جو) بنی اسرائیلیوں میں سے (انکو مان گیا) اور امی لقب نبی کے دین کو قبول کرلیا اور انکی تعظیم کی، جیسا کہ تعظیم کا حق ہے، یعنی نفاق سے ہٹ کر پورے اخلاص کے ساتھ قبول کیا۔۔الختصر۔۔سراپا خلوص ہو کر ایمان لایا (اور حق تعظیم ادا کیا، اور) دشمنوں۔۔نیز۔۔بدخواہوں کے مقابلے میں انکی مکمل (حمایت کی) اور ہمیشہ انکی یاری اور مددگاری میں لگا رہا (اور پیروی کی اس نور) ہدایت، یعنی قرآن کریم اور دلوں کی روشنی (کی، جو انکے پاس) حضرت جبرائیل کے توسط سے (نازل کی گئی ہے)۔

'انکے پاس' کا لفظ 'بقاءِ قرآن' پر دلالت کرتا ہے۔یعنی نازل کیا گیا اور انکے پاس باقی رہیگا، بخلاف لوحوں کے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئیں اور ان میں اکثر آسمان پر اٹھالی گئیں، سب باقی نہ رہیں۔قرآن کریم کو نور فرما کر واضح فرمادیا کہ اسکی ہدایتیں نہایت روشن اور ظاہر ہیں، اس واسطے کہ دین ودنیا کے امور قرآن سے مفصل اور ظاہر ہیں۔

(تو وہی لوگ) جو ایمان لائے اور پیغمبر ﷺ کی تعظیم ونصرت اور متابعت کی، حقیقی معنوں میں (کامیاب ہیں)، یعنی عذاب سے فلاح ونجات پانے والے اور رحمت وثواب سے بہرہ ور ہونے والے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں دنیا اور آخرت کی بھلائی ان لوگوں کیلئے لکھ دونگا، جو اس نبی امی لقب کی پیروی کرینگے جسکو یہ تورات وانجیل میں لکھا پاتے ہیں۔اب اس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بیان فرمارہا ہے کہ جس رسول کی اتباع کرنے کا ہم نے حکم دیا ہے انکی رسالت کی دعوت قیامت تک کے سارے انسانوں کیلئے ہے۔تو اے رسول آخرالزماں!۔۔۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

پکار دو" کہ اے انسان بیشک! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف، وہ جس کی آسمانوں اور زمین کی

وَالْاَرْضِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ

حکومت ہے۔نہیں ہے کوئی معبود سوا اسکے، وہی جلائے وہی مارے۔" تو مان جاؤ اللہ کو اور اسکے رسول نبی امی کو،

الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

جو مانیں اللہ کو اور اس کے کلمات کو، اور غلامی کرو ان کی، کہ ہدایت پاؤ●

(پکار دو) اور واضح لفظوں میں اعلان کردو **(کہ اے انسان!)** تو کالا ہو یا گورا، عربی ہو کہ عجمی، شرقی ہو یا غربی، رومی ہو کہ حبشی، **(بیشک)** اپنی بعثت سے لیکر ہمیشہ ہمیش کیلئے **(میں اللہ)** تعالیٰ **(کا رسول ہوں تم سب کی طرف)**۔ایسا نہیں کہ بعض کی طرف ہوں اور بعض کی طرف نہیں، جس طرح اور رسول تھے۔اور صرف تمہارا ہی رسول نہیں، بلکہ سارے جنوں کا بھی رسول ہوں۔میری بعثت جن وانس سبھی کیلئے ہے۔

کچھ بعید نہیں کہ یہاں بھی **النّاس** میں تغلیباً جن شامل ہوں۔ویسے بھی **النّاس** کا ایک معنی 'متحرک' کے بھی ہیں، تو اس معنی میں جن وانس دونوں پر **النّاس** کا اطلاق کیا جاسکتا ہے۔ظاہر ہے کہ جب ارشاد قرآنی کے مطابق جن وانس صرف عبادت الٰہی کیلئے پیدا کیے گئے ہیں، تو انسانوں کی طرح جن بھی اس بات کے محتاج ہوئے، کہ رضائے الٰہی کے مطابق طریقہ ہائے عبادت اور انکے احکامات کو بتانے کیلئے انکی طرف بھی رسول کی بعثت کی جائے۔اسلئے فضل خداوندی نے نبی آخرالزماں کو سارے عالم کیلئے نذیر بنا کر، جنوں کی ہدایت کیلئے بھی مبعوث فرمایا۔ویسے تو جنوں پر بادشاہت بعض انبیاء سابقین کو عطا فرمائی جاچکی تھی، لیکن انکا نبی ورسول ہونا، صرف ہمارے آخری نبی ہی کی خصوصیات میں سے ہے۔

اسلئے سابقہ پیغمبروں میں کوئی بھی انھیں دینی دعوت دینے پر مامور نہیں تھے۔تو گو جنات اورانکے سوا بڑے بڑے شیاطین وعفاریت، اپنے بادشاہ کی خدمت کرتے اورانکے حکم کے پابند رہتے، لیکن کفرہی پر رہے اوراپنی فطری سرکشی وطغیان سے سرمونہ ہٹے۔۔۔لفظ النّاسُ کے تعلق سے مذکورہ بالا وضاحت سے قطع نظر نبی کریم کا جن وانس کا رسول ہونا،قرآنی نصوص اورارشاداتِ رسول سے اس قدر واضح ہے،جس میں کسی طرح کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے، بلکہ سرکار ﷺ نے 'میں ساری مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں' فرما کر، اپنی رسالتِ عامہ وشاملہ کوواضح فرمادیا ہے،جس سے 'نذیراً للعالمین اور رحمة للعالمین' میں مذکورہ لفظ 'عالمین' کی معنوی وسعت کا بآسانی اندازہ لگ جاتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔اے رسول تم اپنی رسالت عامہ کا اعلان فرمادواور کھول کر واضح کردو، کہ میں جس ذاتِ کبریاء کا رسول ہوں، (وہ) ہے (جسکی آسمانوں اورزمین کی حکومت) اور بادشاہی (ہے)۔وہی آسمانوں اورزمین میں تدبیر وتصرف فرمانے والا ہے۔(نہیں ہے کوئی معبود) مستحق عبادت (سوااسکے، وہی جلائے) جسے چاہے جب تک چاہے،اور میعادِ زندگی ختم ہونے پر (وہی مارے) اپنی قضا سے جسکو چاہے۔یا۔مُردوں کوقیامت میں زندہ کرکے اٹھانے اور دنیا میں زندوں کوموت دینے والا وہی ہے۔

تو غور کرو کہ اس قادرِ مطلق، مالکِ کل اور پروردگارِ عالم سے زیادہ کون مستحق ہے جس پر ایمان لایا جائے،اور جسکی پرخلوص اطاعت کی جائے،(تو مان جاؤ اللہ) تعالیٰ (کو) جسکی شان تم نے سن لی ہے (اور) مان جاؤ (اس) عظیم المرتبت شانِ کبریائی رکھنے والی ذات (کے) عظیم الشان (رسول) یعنی (نبی امی) لقب والے (کو)،جن کی شان یہ ہے کہ کسی دنیاوی درسگاہِ علمی میں بیٹھے بغیراور کسی دنیاوی مدرس ومعلم سے کچھ سیکھے بغیر،غیب کی خبریں بتانے والے اورساری کائنات کوعلم و حکمت کی باتیں سکھانے والے ہیں،اور (جو) علم وعرفان کے اس مقام پر ہیں، کہ بے چون وچرا (مانیں اللہ) تعالیٰ (کواوراسکے) ان (کلمات کو)، جواس نے انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل فرمائے ہیں۔اورایسا کیوں نہ ہو،اسلئے کہ معرفت تووہی کراسکتا ہے جوخود بھی پہلے سے عارف ہو۔اسی طرح ایمان کی دعوت دینا اُسی کوزیب دیتا ہے،جوخود بھی ایمان والا ہو۔

چونکہ ایمان اصل الاصول ہے،اسلئے پہلے ایمان لانے کی دعوت دی گئی اور جب تم ایمان لاچکے،تواب اسکا تقاضا یہ ہے کہ۔

مخلصانہ پیروی کرو (اور) سچی (غلامی کرو)۔۔نیز۔۔والہانہ وفاداری کرتے رہو (انکی) یعنی اس نبی امی لقب کی، تا (کہ ہدایت پاؤ) اور ہمیشہ ہدایت پر قائم رہو۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اس عظیم رسول نبی امی پر ایمان لانا تمام لوگوں پر واجب ہے اور اگلی آیت میں یہ بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں بھی ایک ایسا گروہ تھا، جو حق کے ساتھ ہدایت دیتا تھا اور حق کے ساتھ عدل کرتا تھا۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٩﴾

اور قوم موسیٰ میں ایک جماعت ہے جو حق کا راستہ بتائیں، اور اس سے حق انصاف کریں●

(اور) ظاہر فرماتا ہے کہ (قوم موسیٰ میں) بھی (ایک جماعت) رہی (ہے، جو حق کا راستہ بتائیں) لوگوں کو (اور اس سے حق انصاف کریں) یعنی ناحق رسی سے بچتے بچاتے رہیں اور کسی پر ظلم و زیادتی کرنے سے پرہیز کریں۔

۔۔الختصر۔۔بنواسرائیل میں ہر چند کہ زیادہ تر ضدی، ہٹ دھرم اور فساق و فجار تھے، لیکن ہر دور میں انکے اندر چند صالح لوگوں کی بھی ایک جماعت موجود رہی، اگرچہ وہ قلیل ہی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے جہاں جہاں بنواسرائیل کی عہد شکنیوں اور بداعمالیوں پر شدت کے ساتھ سرزنش کی ہے، وہاں اسکے اندر اس قلیل گروہ کی تعریف و تحسین بھی فرمائی ہے۔ 'حق' اور 'عدل' کے الفاظ میں یہ اشارہ ہے کہ اس قلیل گروہ میں علماء بھی تھے اور قضاۃ بھی، جو دین حق پر قائم تھے اور حق کے ساتھ فیصلے کرتے تھے۔ ان ہی کی نسل سے ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ میں حضرت عبداللہ بن سلام اور انکے اصحاب پیدا ہوئے۔ اب آگے بنی اسرائیل کے احوال قدرے تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ:

وَقَطَّعْنَاهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ

اور تقسیم کردیا ہم نے انھیں بارہ قبیلوں پر الگ الگ گروہ، اور وحی بھیجی ہم نے موسیٰ کی طرف

إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانبَجَسَتْ مِنْهُ

جب پانی مانگا ان کی قوم نے، "کہ اپنا عصا مارو پتھر پر"، تو پھوٹے اس سے

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ وَظَلَّلْنَا

بارہ چشمے۔ بیشک جان لیا سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ۔ اور سایہ ڈال

عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ ۖ كُلُوا مِن

دیا ہم نے ان پر بادل کا، اور اتارا ان پر من وسلویٰ کو۔ "کہ کھاؤ پاکیزہ

طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۚ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١٦٠﴾

چیزیں جو ہم نے دی ہیں تم کو۔" اور انھوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا لیکن اپنا بگاڑتے تھے ●

(اور تقسیم کردیا ہم نے انھیں بارہ قبیلوں پر الگ الگ گروہ)، چونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد سے پیدا ہوئے تھے، تو انکو باہم متمیز کردیا کہ ایک دوسرے سے حسد نہ کریں اور ان میں لڑائی جھگڑے اور قتل وغارت کی نوبت نہ آئے۔ انکے لئے اتنا اہتمام کیا گیا کہ ایک ہی گھاٹ پر سب پانی نہ پئیں، کہ کسی طرح آپس میں، تو تو میں میں، کی گنجائش نکل آئے۔۔ چنانچہ۔۔ اولاً انکو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا گیا (اور) پھر (وحی بھیجی ہم نے موسیٰ کی طرف، جب پانی مانگا انکی قوم نے، کہ اپنا عصا مارو) اس (پتھر پر) جس نے میدان تیہ میں تم سے بات کی تھی، اور عرض کیا تھا کہ اے موسیٰ! مجھے اپنے پاس رکھ لیجئے، میں آپ کے کام آؤنگا۔

۔۔ چنانچہ۔۔ آپ نے اُسے اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔ وحی الٰہی کے بعد حضرت موسیٰ نے تھیلے سے اس پتھر کو نکالا اور اس پر اپنا عصا مارا۔

(تو پھوٹے اس سے بارہ چشمے) اور (بیشک جان لیا سب لوگوں) یعنی ہر ہر گروہ (نے اپنا اپنا گھاٹ)، یعنی پانی پینے کی اپنی اپنی جگہ۔ پھر کسی نے دوسرے کی جگہ کی طرف میل نہیں کیا (اور) انکی راحت وآرام کیلئے (سایہ ڈال دیا ہم نے ان پر بادل کا)۔ ایسے طریقے سے کہ دن کو جہاں جاتے بادل انکے سروں پر سایہ کیا کرتے، تاکہ انھیں سورج کی گرمی نہ ستائے اور رات کو وہی بادل نورانی گیس بن جاتے، تاکہ راہ چلتے وقت انھیں تاریکی سے تکلیف نہ ہو۔ اس تکلیف دہ مقام اور حیران کن میدان میں انھیں کھانے کی بھی کوئی دشواری نہیں تھی۔ (اور اتارا ان پر) اعلیٰ درجہ کی خوش ذائقہ غذا (من وسلویٰ کو)۔

۔۔ چنانچہ۔۔ یہ کھانا حضرت موسیٰ کے لشکر بنی اسرائیل پر جبکہ وہ بھوک سے پریشان تھے شام کے ایک پرخار میدان میں نازل ہوا۔ درختوں پر میٹھی رطوبت جم جاتی، وہ اُسے اکٹھا کر لیتے

اور بے شمار بٹیروں سے ملتے جلتے پرندے جنگل میں آجاتے، انھیں وہ مار کر بھون لیتے۔ اسطرح ایک میٹھی اور ایک سلونی غذا انکو مل جاتی، اور اس تعلق سے انکو ہدایت یہ تھی۔۔۔

(کہ کھاؤ)۔ یہ (پاکیزہ چیزیں جو ہم نے دی ہیں تم کو) تمہاری کسی محنت ومشقت کے بغیر۔ اور چونکہ یہ تمہاری ضرورت کے مطابق تمہارے لئے کافی ہیں، اسلئے صرف انھیں چیزوں کو کھاؤ اور کسی چیز کو طلب مت کرو، اور نہ ہی ذخیرہ اندوزی کرو۔

مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کیا اور منع کرنے کے باوجود کھانے کو ذخیرہ کیا ۔۔یا۔۔ اس وقت میں کھایا جس وقت انھیں کھانے سے منع فرمایا تھا۔۔یا۔۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ سے ان چیزوں کے علاوہ کھانے پینے کی اور چیزوں کو طلب کیا۔ جو بھی شکل ہو، یہ تو ظاہر ہی ہے کہ جب مکلف وہ کام کرتا ہے جس سے اسکو منع کیا گیا تھا، تو وہ دراصل اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا گیا کہ حکم الٰہی کی بجا آوری نہ کر کے۔۔۔

(اور) نافرمانی کر کے (انھوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا)۔ وہ ہمارا کیا بگاڑ سکتے تھے، (لیکن) یہ بات بالکل درست ہے کہ وہ (اپنا بگاڑتے تھے) اسلئے کہ انکے اپنے اوپر اس ظلم کا ضرر اور وبال انھیں کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑے گا۔۔۔

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

اور جب کہا گیا ان کو "کہ اس آبادی میں رہو اور یہاں جہاں چاہو کھاؤ

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ۭ

اور زبان سے کہو خطا معاف، اور دروازہ میں داخل ہو سجدہ کرتے ہوئے، تو بخش دینگے ہم تمہاری خطائیں۔

سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

بہت جلد زیادہ دینگے ہم مخلص بندوں کو"●

اے محبوب! ان بنی اسرائیلیوں کے تعلق سے اس واقعہ کو یاد کرو (اور) اپنے علم وادراک سے ملاحظہ فرماؤ، (جب کہا گیا) تھا (انکو) اس وقت جبکہ وہ جبارین سے لڑ کر ان پر غالب آگئے تھے (کہ اس آبادی) یعنی بیت المقدس۔۔یا۔۔ اریحا (میں رہو اور) اس بستی کے باغات کے مطاعم وثمرات ۔۔الغرض۔۔ (یہاں) کے میووں اور غلوں کو (جہاں چاہو کھاؤ)، تم سے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرونگا۔

(اورزبان سے کہو) کہ ہمارا سوال ہے کہ ہمارے گناہ اور ہماری (خطا معاف) ہو۔

زبان سے معافی چاہو (اور) اس عمل کا مظاہرہ کرو کہ شہر کے (دروازہ میں داخل ہو سجدہ کرتے ہوئے)، یعنی حالتِ رکوع والی کیفیت کے ساتھ متواضع جھکے ہوئے، شکریہ کے طور پر، کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جنگل کے عذاب سے نجات دی۔

مذکورہ بالا تفسیر اس صورت میں ہے جبکہ قریہ سے مراد اریحا ہو، جس میں باختلاف روایات حضرت موسیٰ باقی بنی اسرائیل۔۔یا۔۔انکی اولاد کو لیکر داخل ہوئے اور اس بستی کو فتح کیا۔۔۔اور اگر قریہ سے مراد 'بیت المقدس' ہے، تو ایک روایت کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں یہ لوگ اس میں داخل ہوئے۔۔المختصر۔۔ان سے کہا گیا تھا کہ جب تم معافی مانگتے ہوئے متواضعانہ انداز سے دروازے میں داخل ہو گے۔۔۔

(تو بخش دینگے ہم تمہاری خطائیں) یعنی تمہاری استغفار اور خضوع سے ہم تمہارے پچھلے گناہ معاف کردینگے۔اور صرف اتنا ہی نہیں کہ انکے گناہوں کو معاف کردینگے، بلکہ اپنے فضل وکرم سے (بہت جلد زیادہ دینگے ہم مخلص بندوں کو)۔انکو مغفرت تو فرمان کی تعمیل سے حاصل ہوگی اور اسکے علاوہ کثیر در کثیر ثواب، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نصیب ہوگا۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ

تو بدل دیا جنھوں نے ان میں سے اندھیر مچایا بات کو اس کے خلاف جو ان کو بتایا گیا تھا، تو بھیج دیا ہم نے ان پر

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۰

عذاب آسمان سے جو اندھیر کررہے تھے●

(تو بدل دیا) بنی اسرائیلیوں میں سے ان لوگوں نے (جنھوں نے ان میں سے اندھیر مچایا) اور اپنے اوپر ظلم کر بیٹھے (بات کو اسکے خلاف جو انکو بتایا گیا تھا)۔

۔۔چنانچہ۔۔قول باری تعالیٰ کی حقارت کی نیت سے اور حضرت موسیٰ سے استہزاء وتمسخر کے طور پر، حِطَّةٌ کی جگہ حِنْطَةٌ یعنی گیہوں کہتے ہوئے متواضعانہ انداز سے جھک کر چلنے کی بجائے سرین کے بل گھسٹتے ہوئے چلے اور پھر نامناسب خواہشات کے اظہار اور کمینہ پن کی باتوں پر اتر آئے۔۔المختصر۔۔انھوں نے اپنے طرزِ عمل کی ہر ہر ادا سے اپنے کو عذاب الٰہی کا مستحق بنالیا۔

(تو) پھر (بھیج دیا ہم نے ان پر) بجلی ۔۔یا۔۔ طاعون کا (عذاب)، جو (آسمان سے) نازل فرمایا گیا اسکی سزا میں (جو اندھیر کر رہے تھے) اور حقارت آمیز جملہ بازیوں کا مظاہرہ کر رہے تھے اور گستاخانہ اور باغیانہ طرز عمل پر اتر آئے تھے۔۔۔ یہ بنی اسرائیل اسطرح کی اوچھی حرکتیں برابر کرتے رہے ہیں۔

تو اے محبوب! ان کے تعلق سے آپ کو وحی الٰہی کے ذریعہ جن جن حالات وواقعات کی خبر دی جاچکی ہے، انکی زبان سے بھی اسکا اظہار واعتراف کرالیں۔۔یا۔۔ کم ازکم انکو اس بات سے باخبر کردیں، کہ آپ امی ہونے کے باوجود اور کسی مخلوق سے کچھ نہ سیکھنے کے باوجود، انکے حالات سے بالکل واقف ہیں۔ یہ اپنے کسی بھی واقعہ کو آپ کی نگاہِ علم وادراک سے چھپا نہیں سکتے، اور یہی آپ کے نبی اور آپ کی جملہ ہدایات کے منزل من اللہ ہونے کی روشن دلیل ہے۔ شاید کہ ان حالات کو سن کر ان میں بعض کو ہوش آجائے اور اُسے آپ پر ایمان لانے کی توفیق مل جائے۔ تو اے محبوب! دریافت کرو۔۔۔

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ

اور ان سے پوچھو اس آبادی کو دریا کے کنارے کی۔۔۔ جبکہ وہ قانون سے باہر ہوجاتے تھے

فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ

سنیچر میں، جبکہ مچھلیاں آتیں سنیچر کے دن جھنڈ کے جھنڈ تیرتی، اور جس دن سنیچر نہ ہو، تو نہیں آتی تھیں۔

لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝۱۶۳

اسی طرح ہم انھیں آزماتے، کیونکہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے ●

(اور ان سے پوچھو اس آبادی) یعنی ایلہ کے رہنے والوں (کو) کیا پیش آیا اور (دریا) بنام قلزم (کے کنارے کی) اس بستی پر کیا گزری۔ اور قانون الٰہی کا پاس ولحاظ نہ رکھنے کی انھیں کیا سزا ملی؟

انکے لئے ضابطہ بنادیا گیا تھا کہ وہ سنیچر کے دن عبادت الٰہی کے سوا کوئی دوسرا کام نہ کریں۔ دریا کے کنارے رہنے کی وجہ سے انکے لئے سب سے زیادہ آسان کام مچھلیوں کا شکار ہی تھا۔ اور من جانب اللہ انکی یہ بھی عجیب آزمائش تھی، سنیچر کے دن کے علاوہ انکے سامنے کھل کر مچھلیاں نہیں آتیں، سب شکار ہوجانے کے خوف سے پوشیدہ رہتیں۔ مگر سنیچر

رکوع لازم

معانقہ (الصف)

کے دن وہ کھل کر سامنے آجاتیں۔ جب ایلہ والوں نے ہفتہ کے دن بہت مچھلیاں دیکھیں اور شکار کرنا مشکل تھا اور صبر کرنا دشوار ہوا، تو متردّد ہوئے اور انواع واقسام کی تدبیریں اور حیلے پکڑ کر شکار کی راہ ڈھونڈنے لگے۔

آخر انکی رائے میں یہ بات ٹھہری کہ انھوں نے حوض بنائے اور دریا سے ان حوضوں میں نہریں کاٹیں اور ہفتہ کے دن جبکہ مچھلیاں ظاہر ہوتیں، تو ان مچھلیوں کو حوضوں میں ہنکالاتے اور نہروں میں جال گاڑ دیتے، کہ مچھلیاں حوضوں ہی میں رہتیں اور پھر اتوار کے روز مچھلیوں کو پکڑ لیتے۔ کئی بار انھوں نے اسی ترکیب سے شکار کیا اور عذاب کے آثار کچھ نہ ظاہر ہوئے، تو ڈھیٹ ہو کر ہفتہ کے دن کی تعظیم ہی سے درگزرے۔

تو اے محبوب! دریا کے کنارے مذکورہ بالا بسنے والوں سے انکے حالات پوچھو، کہ انکی بے صبری کا کیا عالم تھا (جبکہ وہ قانون سے باہر ہو جاتے تھے سنیچر میں، جبکہ مچھلیاں آتیں) انکے پاس (سنیچر کے دن جھنڈ کی جھنڈ تیرتی) پانی پر اپنے سر اٹھائے ہوئے۔ (اور جس دن سنیچر نہ ہو، تو نہیں آتی تھیں) ایسی صورت میں سنیچر کے دن کی عظمت کا پاس ولحاظ اور اس دن شکار نہ کرنے کے قانون پر عمل انکے لئے سخت امتحان تھا، جس پر وہ عمل کر نہ سکے۔ بیشک (اسی طرح ہم انھیں آزماتے) یعنی انکے ساتھ ہم آزمانے والوں کا معاملہ کرتے ہیں، (کیونکہ) اپنی نادانی اور سرکشی کے سبب (وہ نافرمانی کیا کرتے تھے)۔

جس شہر کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس شہر کے رہنے والے تین گروہوں میں منقسم تھے۔ ایک فریق وہ تھا، جو ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کر کے اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کرتا تھا۔ اور دوسرا فریق وہ تھا، جو انکو اس نافرمانی سے منع کرتا تھا اور ڈانٹتا تھا۔ اور تیسرا فریق وہ تھا، جو خاموش رہتا تھا۔ نہ خود نافرمانی کرتا تھا اور نہ ہی دوسروں کو نافرمانی سے روکتا تھا۔

نافرمانی سے روکنے والے گروہ سے وہ نیک بخت لوگ مراد ہیں، جنھوں نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر انھیں نصیحت کی۔ اگرچہ انھوں نے اسکی پاداش میں ان نیک بختوں کو بہت ذلیل وخوار کیا، یہاں تک کہ اب وہ ان کی نصیحت سے ناامید ہو گئے اور انھیں یقین ہو گیا کہ یہ ماننے والے نہیں اور نہ ان پر کسی قسم کا وعظ ونصیحت ہی اثر کرتی ہے اور انھوں نے اپنے وعظ ونصیحت کے اثرات ان پر غیر مفید پائے اور سمجھ گئے کہ اب انھیں ہمارا سمجھانا اور ڈرانا بے سود ہے، تو اے محبوب! پوچھ لو۔۔۔

وَاِذۡ قَالَتۡ اُمَّةٌ مِّنۡهُمۡ لِمَ تَعِظُوۡنَ قَوۡمَا ۙ اللّٰهُ مُهۡلِكُهُمۡ اَوۡ مُعَذِّبُهُمۡ

اور جب بولا ان کا ایک گروہ "کہ کیوں نصیحت کرتے ہو ان کو، کہ اللہ جن کو تباہ کرنے والا اور

عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ قَالُوۡا مَعۡذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾

سخت عذاب دینے والا ہے"۔ جواب دیا "کہ اپنی معذرت کیلئے پروردگار تمہارے سے، اور یونکہ وہ ڈر جائیں"●

(اور) معلوم کرادو اہل کتاب سے اس واقعہ کی خبر، کہ (جب بولا) اطاعت شعاروں میں سے (انکا ایک گروہ) اپنے دوسرے فرمانبرداری کرنے والے ساتھیوں سے (کہ) برائیوں سے روکنے کے تعلق سے ہمارا جو فرضِ کفایہ تھا وہ ہم ادا کر چکے، تو اب (کیوں نصیحت کرتے ہو انکو کہ اللہ) تعالیٰ (جن کو تباہ کرنے والا) ہے دنیا میں نافرمانی کرنے اور ہفتہ کے دن کی تعظیم ترک کرنے کی وجہ سے، (اور سخت عذاب دینے والا ہے) آخرت میں آتش دوزخ کی شکل میں۔

جس عذاب کا ذکر اس میں ہے، مذکورہ بالا فریقوں میں سے تیسرے فریق پر وہ عذاب نہیں نازل کیا گیا، اسلئے کہ جو فرضِ کفایہ تھا وہ ایک گروہ نے ادا کر دیا، اسی لئے خاموش رہنے والا گروہ بھی عذاب سے بچا رہا۔۔ الختصر۔۔ بعض ساتھیوں نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے مذکورہ بالا بات کہی۔۔۔

تو انھوں نے (جواب دیا اپنی معذرت کیلئے پروردگار تمہارے سے) یعنی ہم پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ ہم انھیں اسلئے نصیحت کرتے ہیں کہ بارگاہِ خداوندی میں انکے تعلق سے ہماری حجت قائم ہو جائے اور انکو باوجود کوشش کے راہ پر نہ لا سکنے میں ہماری معذوری ظاہر ہو جائے۔۔ الحاصل۔۔ ہماری یہ نصیحت ہماری طرف سے بارگاہِ خداوندی میں ایک طرح کی عذر خواہی ہے۔

(اور یوں) پوری امید رکھنی چاہئے (کہ) ان نصیحتوں کو سن کر (وہ ڈر جائیں) اور اپنی حرکتوں کو چھوڑ کر گناہوں سے باز آجائیں اور سچے دل سے توبہ کر لیں۔

فَلَمَّا نَسُوۡا مَا ذُكِّرُوۡا بِهٖۤ اَنۡجَيۡنَا الَّذِيۡنَ يَنۡهَوۡنَ عَنِ السُّوۡٓءِ وَاَخَذۡنَا

تو جب بھول گئے جس کی نصیحت کی گئی تھی، تو بچا لیا ہم نے انھیں جو روکتے تھے گناہ سے، اور پکڑا ہم نے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ بَئِيْسٍ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

انھیں جو اندھیر کر چکے تھے، برے عذاب میں، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے●

(تو جب بھول گئے جسکی نصیحت کی گئی تھی)، یعنی جتنا نیک لوگوں نے نصیحتیں کیں سب کو پس پشت ڈال دیا۔ جیسے بھولنے والے کے ذہن سے بات بالکل اتر جاتی ہے۔ ایسے ہی وہ واعظوں کی باتوں کو اپنے خیال تک میں نہ لائے اور نصیحت کرنے والوں کے تمام کلمات سے ایسی بے اعتنائی برتی، گویا انھوں نے سنا ہی نہیں۔ (تو بچالیا ہم نے انھیں جو روکتے تھے) برائی اور نافرمانی کے (گناہ سے) یعنی ہم نے انھیں سنیچر کے دن مچھلیوں کا شکار کرنے سے بچالیا اور اس طرح وہ عذاب سے بھی بچالیے گئے۔ (اور) انکے برعکس (پکڑا ہم نے انھیں، جو) ممنوع شکار کرکے (اندھیر کر چکے تھے، برے) اور سخت (عذاب میں، کیونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے) اور فرمانبرداری کی راہ سے نکل جاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں پہلے معمولی عذاب میں مبتلا کیا، پھر جب وہ اس مہلت سے گمراہی و ضلالت اور سرکشی و بغاوت میں بڑھے، تو انھیں مسخ میں مبتلا کرکے انکی جڑ کاٹ دی۔۔

چنانچہ۔۔فرمایا، کہ۔۔۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

پھر جب سرکشی کی جس سے روک دیئے گئے تھے، تو ہم نے انھیں ڈانٹا کہ بندر ہو جاؤ ذلیل●

(پھر جب سرکشی کی جس سے روک دیئے گئے تھے)، وہی کام انجام دینے لگے اور مچھلی کے شکار سے باز نہ آئے، (تو ہم نے انھیں ڈانٹا کہ بندر ہو جاؤ، ذلیل) وخوار۔

۔۔الختصر۔۔منع کرنے والے جب مایوس ہوئے اور سمجھے کہ شکاری لوگ ہماری نصیحت نہ مانیں گے، تو انکے ساتھ ایک جگہ رہنا چھوڑ دیا اور اپنے اور انکے مکانوں کے بیچ میں ایک دیوار کھینچ لی اور اپنے محلّہ میں ایک دروازہ قائم کرکے انکے گھروں میں آنے جانے کی راہ بند کردی۔ ایک دن وہ منع کرنے والے اپنے محلّہ سے باہر آئے اور شکاریوں کے محلے سے کوئی نہ نکلا، تو انھوں نے کھوج لگائی، تو سب فاسقوں کو بندر پایا اور ہر بندر اپنے لوگوں کے گرد روتا پھرتا اور انکے کپڑوں سے اپنا منہ رگڑتا۔ تین روز وہ بندر جئے پھر مر گئے۔ اس سلسلے

میں جمہور کا مسلک یہی ہے، کہ مسخ شدہ انسان تین دن زندہ رہ کر مرجاتا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ مسخ شدہ مخلوق کی نسل نہیں بڑھاتا۔۔۔

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبۡعَثَنَّ عَلَيۡهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ يَّسُوۡمُهُمۡ

اور جب اعلان عام کر دیا تمہارے پروردگار نے، کہ ضرور ان پر بھیجتا رہے گا قیامت تک ایسے کو، جو انھیں برا

سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ‌ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيۡعُ الۡعِقَابِ‌ ‌ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۶۷﴾

عذاب دیا کریں۔ بیشک تمہارا پروردگار جلد عذاب والا ہے۔ اور بیشک وہ غفور رحیم ہے●

اے محبوب! یاد کرا دو (اور) ظاہر کر دو کہ یہ بھی نافرمانوں پر عذاب خداوندی ہی کا ایک حصہ ہے (جب) کہ **(اعلان عام کر دیا تمہارے پروردگار نے، کہ ضرور ان)** یہودیوں **(پر بھیجتا رہیگا قیامت تک ایسے کو، جو انھیں برا عذاب دیا کریں)** جیسے قتل، شہر بدر کر دینا، مارنا اور جزیہ لینا، وغیرہ۔

۔۔چنانچہ۔۔ بخت نصر بابلی نے انھیں قتل اور قید کرنے میں پیش قدمی کی اور اسکے بعد فارس کے بادشاہ انھیں رنج دیتے رہے اور ان سے خراج لیتے رہے، یہاں کہ خاتم الانبیاء مبعوث ہوئے اور انھیں قتل کرنے کا حکم فرمایا، کہ ایمان لائیں۔۔یا۔۔ جزیہ قبول کریں اور یہ حکم قیامت تک کیلئے باقی ہے۔۔الختصر۔۔ قیامت تک یہود کو عزت و احترام نصیب نہ ہوگا۔ اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہیں گے۔ انھیں کہیں بھی اپنے بل بوتے پر قدم جمانے کا موقع نہ مل سکے گا۔ آج بھی فلسطین کی سرزمین پر انکا غاصبانہ قبضہ امریکہ و برطانیہ کے سہارے کے اوپر ہے۔۔ بایں ہمہ۔۔ انھیں وہاں بھی سکون و عزت اور بے فکری کا رہنا میسر نہیں۔

(بیشک تمہارا پروردگار) کافروں پر **(جلد عذاب)** فرمانے **(والا ہے)**۔ قیامت کا عذاب تو ہر کافر کیلئے ہے ہی۔ لیکن ان یہودیوں کو دنیا میں بھی ذلت و مسکنت کا عذاب دینے والا ہے۔ (اور) ساتھ ہی ساتھ **(بیشک وہ غفور)** بخشنے والا ہے اُسے، جو توبہ کرے اور مغفرت چاہے۔ اور **(رحیم ہے)** ۔۔نیز۔۔ مہربان ہے کہ توبہ کے بعد گناہ پر نہ پکڑے گا۔۔الحاصل۔۔ جب یہودیوں نے حق سے روگردانی کی۔۔۔

وَقَطَّعۡنٰهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ اُمَمًا‌ ۚ مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنۡهُمۡ دُوۡنَ

اور ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے ان کے زمین میں ٹولی ٹولی۔ بعض تو نیکوکار اور بعض ان سے

ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝۱۶۸

الگ۔ اور آزمایا ہم نے ان کو اچھی نعمتوں اور بری مصیبتوں سے، کہ وہ توبہ کرلیں●

(اور) سرکشی کا مظاہرہ کیا، تو (ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے انکے زمین میں)۔ اسطرح وہ (ٹولی ٹولی) میں بٹ گئے، تاکہ متحد رہنے سے انکی شان وشوکت نہ بڑھے۔۔ چنانچہ۔۔اب زمین میں کوئی ایسا خطہ اور کوئی ایسی ولایت نہیں ہے جہاں یہودی نہ ہوں۔ ایسی بات بھی نہیں کہ سارے یہودی خراب ہی ہوں۔ بلکہ ان میں (بعض تو نکوکار) اور شائستہ ہیں، جو حضرت موسیٰ کے دین کے سچے پیروکار ہیں اور انکے حالات میں تغیر وتبدل نے دخل نہیں پایا۔

ان صالحین سے وہ یہود مراد ہیں جو ہمارے پیغمبر پر ایمان لائے۔۔یا۔۔وہ یہودی مراد ہیں، جو شب معراج آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے تھے۔

(اور بعض ان) صالحین (سے) اپنے ایمان واعمال میں (الگ) رہے اور کفر وفسق کے راستے پر چلتے رہے، اس سے مراد کافر وفاسق لوگ ہیں۔۔المختصر۔۔امتحان لیا، (اور آزمایا ہم نے انکو اچھی نعمتوں اور بری مصیبتوں سے) یعنی انکے ساتھ وہ معاملہ کیا، جو آزمائش وامتحان والوں سے کیا جاتا ہے۔تاکہ لوگوں پر انکی حقیقت ظاہر ہوجائے۔۔چنانچہ۔۔کبھی ہم نے انکو بہت مالدار کردیا اور صحت وتندرستی سے نوازا اور کبھی بھوک، فاقہ اور دیگر تکالیف میں مبتلا کردیا، تا (کہ وہ توبہ کرلیں)۔

اسلئے کہ حسنات وسیئات، ہر دونوں اطاعت وفرمانبرداری کی طرف بلاتی ہیں۔ کیونکہ حسنات میں طاعت کی ترغیب اور سیئات میں خوف خدا کی تذکیر ہوتی ہے۔لیکن حال یہ رہا کہ نعمت میں شکر کرنے کی بجائے، سرکشی وتکبر میں مبتلا ہوگئے۔اور کہنے لگے کہ 'اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔' یونہی تکلیف میں صبر کرنا چاہئے تھا، اسکے بدلے نازیبا باتیں کرنے لگے اور کہنے لگے کہ 'اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بند ہیں'۔۔الغرض۔۔یہ امتحان میں پورے نہ اترے۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى

پھر ان کے بعد ان کے جانشین آئے ناخلف، کہ کتاب کے وارث ہوئے، لے رہے ہیں اس دنیا کی پونجی،

وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ

اور ڈینگتے ہیں کہ بہت جلد ہم بخشے جائینگے۔ اور اگر آجائے ان کے پاس ایسی ہی اور پونجی تو اسے لے لیں،

اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ
کیا نہیں لیا گیا تھا ان پر کتاب میں مضبوط عہد؟ کہ نہ بولیں اللہ پر مگر حق، اور
دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
انھوں نے پڑھ لیا ہے جو کچھ اس میں ہے۔ اور دار آخرت بہتر ہے انھیں جو ڈریں۔ تو کیا عقل نہیں رکھتے؟●

(پھر انکے بعد انکے جانشین آئے ناخلف)۔

یہ عہد رسالت کے وہ یہودی تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کے جانشین تھے، لیکن انکی مخالفت کر کے حضور ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں زمین پر مختلف علاقوں میں پھیلا دیا، جیسے آج بھی انکی حالت یہ ہے کہ کوئی روس میں دھکے کھا رہا ہے، کوئی امریکہ کی چاپلوسی میں سرمست ہے، اور کوئی برطانیہ کی کاسہ لیسی میں لگا ہوا ہے۔۔ الحتصر۔۔ مذکورہ بالا یہ ناخلف وہ تھے۔۔۔

جو (کہ) ان صالحین کے بعد (کتاب) الٰہی (کے وارث ہوئے)، جسے وہ پڑھتے اور اسکے مضامین کو سمجھتے تھے۔ جنھوں نے اپنے باپوں سے اسکا علم حاصل کیا تھا۔ لیکن انکی بدبختی اور بدقسمتی کا عالم یہ رہا، کہ جس کتاب الٰہی کو آخرت میں مغفرت و نجات کے حصول کا ذریعہ بنانا چاہئے تھا اور جسکے ذریعہ اپنی عاقبت سنوارنی چاہئے تھی، **اس سے (لے رہے ہیں) وہ صرف (اس دنیا کی) ذلیل (پونجی)** یعنی دنیا حاصل کرنے میں لگ گئے۔

اس تعلق سے انکی جسارت کا عالم یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب یعنی توریت میں اپنی مرضی کے مطابق ردو بدل کر ڈالا اور اس میں تحریف کر ڈالی اور انہیں محرف مضامین کو اللہ تعالیٰ کا کلام کہہ کر پیش کرنے لگے۔۔ نیز۔۔ اسکو رشوت حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیا۔

(اور) اس گمان میں رہے کہ ہماری کوئی پکڑ نہ ہوگی۔۔ چنانچہ۔۔ علانیہ (ڈینگتے ہیں کہ بہت جلد ہم بخشے جائینگے) انکا دعویٰ یہ تھا کہ ہمارے دن کے گناہ رات کو، اور رات کے گناہ دن کو بخش دیئے جاتے ہیں۔ اسی خام خیالی کا نتیجہ تھا کہ وہ حرام کاری اور حرام خوری سے باز نہیں آتے تھے۔ **(اور)** جس چیز کو وہ باطل طریقے سے لے چکے تھے، **(اگر آجائے انکے پاس ایسی ہی اور پونجی)،** جو حرام ہونے میں پہلی ہی پونجی کی طرح ہو، **(تو اسے) بھی (لے لیں)**۔۔ الغرض۔۔ حرام کھانے میں پوری بے باکی کا مظاہرہ کریں۔

ان نادانوں کو سوچنا چاہئے تھا، کہ (کیا نہیں لیا گیا تھا ان پر کتاب میں مضبوط عہد، کہ نہ بولیں اللہ) تعالیٰ (پر، مگر حق)۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سچ بات ہی کی نسبت کریں۔ انھوں نے یہ جھوٹ کہا جو دن رات میں اپنی بخشش خدا کی طرف منسوب کی اور انھیں اسکا بخوبی علم ہے، کہ وہ یہ جھوٹ بک رہے ہیں۔ اسلئے کہ توریت انکے پاس موجود ہے (اور انھوں نے) اچھی طرح (پڑھ لیا ہے جو کچھ اس میں ہے)۔ اس میں مذکورہ بخشش کا کوئی نام ونشان بھی نہیں ہے۔

کیا ان نادانوں نے توریت میں نہیں دیکھا (اور) نہیں پڑھا، کہ دنیا کی فانی لذتوں سے (دارِ آخرت بہتر ہے) جہاں کی نعمتیں برتر و بہتر ولافانی ہیں (انھیں جوڈریں)۔ یعنی ان لوگوں کیلئے جو حرام کو حلال ٹھہرا لینے اور خدا پر جھوٹ لگانے سے پرہیز کرتے ہیں۔ (تو) اے بے عقلی کا کام انجام دینے والو! (کیا) تم (عقل نہیں رکھتے) اور اتنا بھی سمجھ نہیں پا رہے ہو، کہ مالِ دنیا سے عقبیٰ کی نعمت بہتر ہے۔ سننے والو! غور سے سنو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

اور جو لوگ تھامے ہیں کتاب کو، اور قائم رکھا نماز کو،

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۷۰﴾

تو بیشک ہم نہیں ضائع فرماتے نیکوں کے اجر کو●

(اور) یاد رکھو کہ (جو لوگ) حضرت عبد اللہ بن سلام اور انکے اصحاب وغیرہم کی طرح (تھامے ہیں کتاب کو)، یعنی عہد موسوی میں توریت کو اور عہد محمدی میں قرآن کریم کو، (اور قائم رکھا نماز کو) جو افضل العبادات ہے اور دین کا ستون ہے۔

اسلئے خاص طور پر اسکا ذکر فرما دیا گیا، ویسے مقصود تمام عبادتوں اور فرائض الٰہیہ کی حفاظت ہے۔

تو جو تمام دینی فرائض وواجبات کی بجا آوری کرتا رہا اور محرمات شرعیہ کے ارتکاب سے اپنے کو بچاتا رہا، (تو) یہ سن لے! کہ (بیشک ہم نہیں ضائع فرماتے نیکوں کے اجر کو)۔

ذہن نشین رہے کہ کتاب کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے، کہ اسکو یاد بھی کر لیا جائے اور اس میں تدبر وغور وفکر سے کام لیا جائے اور اسکے احکام پر عمل کرنے میں کوتاہی نہ برتی جائے۔۔۔ غور وفکر کے بغیر صرف تلاوت کر لینے سے مضبوطی سے پکڑنے والا تقاضا

پورانہیں ہوتا۔۔۔اسی لئے بنی اسرائیل کے اکثر و بیشتر لوگ تورات کے احکام پر عمل کرنے سے گریز کررہے تھے۔اسی لئے توریت کے احکام پر عمل کرنے کا عہدان سے خوف وہراس کا ماحول بنا کرلیا گیا،جسکا واقعہ مختصراً یہ ہے۔

جب حضرت موسیٰ بنواسرائیل کے پاس تورات کی الواح لیکرآئے اور فرمایا کہ ان کولو، اورانکی اطاعت کا اقرار کرو۔تو انھوں نے کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی طرح ہم سے کلام نہیں کریگا،ہم یہ اقرار نہ کرینگے۔تو پھر بجلی کی ایک کڑک کے ذریعہ وہ ہلاک کردیئے گئے اور پھر زندہ کیے گئے۔حضرت موسیٰ نے ان سے پھرتورات کے قبول کرنے کیلئے فرمایا، انھوں نے پھرانکار کردیا۔

تب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کوحکم دیا کہ وہ فلسطین کے پہاڑوں میں سے ایک فرسخ، یعنی تین میل اور بقول بعض بارہ ۱۲ ہزار گز،تقریباً آٹھ ۸ کلومیٹر لمبے پہاڑ کو اکھاڑ کر سائبان کی طرح ان پر معلق کردیں۔انکے پیچھے سمندر تھا اوراُنکے سامنے سے آگ آرہی تھی۔ان سے کہا گیا کہ قسم کھا کراقرار کروکہ تم تورات کے احکام پرعمل کروگے،ورنہ یہ پہاڑتم پر گر جائیگا، تب انھوں نے توریت پرعمل کرنے کا پختہ عہد کیا اور توبہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ میں گر گئے۔انھوں نے کروٹ کے بل سجدہ کیا تھا اور مارے خوف کے پہاڑ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا،توانھوں نے کہا کہ اس سجدہ سے افضل کوئی سجدہ نہیں، جسکو اللہ تعالیٰ نے قبول کیا اور جسکی وجہ سے اپنے بندوں پر رحم فرمایا۔پھرانھیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ کروٹ کے بل ایک شق پر سجدہ کیا کریں۔۔تو۔۔اے محبوب!اپنے عہد کے یہودیوں سے انکے مورثین سے تعلق رکھنے والا یہ واقعہ سنادو۔۔۔

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا أَنَّهُ وَاقِعٌۢ بِهِمْ

اور جب ہم نے اٹھا کر کردیا پہاڑ کوان کے سرپر، گویا سائبان ہے، اوروہ سمجھے کہ وہ ان پر گر پڑے گا،

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ ع ۲۱/۹/۱۱

کہ "لوجوہم نے تم کودیا ہے مضبوطی سے، اوریادرکھو جواس میں ہے کہ تم اللہ سے ڈرنے لگو"

(اور) ان پر ظاہر کرو کہ (جب ہم نے) فرشتوں کے ذریعہ (اٹھا کر کردیا پہاڑ کوانکے سرپر

گویا سائبان ہے، اور) اسکے سایہ فگن ہونے کی صورت یہ تھی، کہ (وہ سمجھے کہ وہ ان پر گر پڑیگا) اور اس حال میں ان سے عہد لیا گیا اور کہا گیا (کہ لو جو ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی سے، اور یاد رکھو جو اس میں ہے)، تا (کہ تم اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے لگو) اور اسکے احکام کا دل وجان سے پاس ولحاظ کرنے لگو۔۔۔

رب کریم، صاحب فضل عظیم کے فضل وکرم نے ہمیشہ یہی پسند فرمایا، کہ اسکے بندے راہِ راست پر رہیں اور کبھی انکے ہاتھوں سے ایمان وعمل صالح کا دامن چھوٹنے نہ پائے، اور وہ ہمیشہ صراطِ مستقیم پر چلتے رہیں۔ حضرت کلیم کا مذکورہ بالا واقعہ اور اپنی قوم کو صحیح راستے پر رکھنے کی تدبیریں، یہ سب اسی رحمت خداوندی کے مظاہر ہیں۔ بندوں کی پیدائش کے پہلے ہی سے یہ اہتمام فرمایا گیا، کہ بندے اسکی توحید اور ربوبیت کے انکار کا کوئی بہانہ نہ پاسکیں ۔۔ چنانچہ۔۔ اے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ

اور جب لیا تھا تمہارے پروردگار نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل کو، اور انھیں گواہ بنایا تھا

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا

انھیں پر، "کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" سب نے کہا تھا، کہ "کیوں نہیں"، "ہم سب گواہ ہیں"، "کہ کہہ ڈالو

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝

قیامت کے دن کہ بے شک ہم لوگ اس سے بے خبر تھے۔

(اور) سب پر ظاہر کردو اس واقعہ کو (جب لیا تھا تمہارے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشت سے انکی نسل کو اور انھیں گواہ بنایا تھا انھیں پر) یعنی ہر ایک کو خود اپنے اوپر۔۔ یا۔۔ ہر ایک کو آپس میں ایک دوسرے پر، (کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ سب نے کہا تھا کہ کیوں نہیں ہم سب گواہ ہیں)۔

یہ میثاق ایک روایت کے مطابق عرفہ کی ایک جانب وادیٔ نعمان میں لیا گیا تھا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق، سرزمین ہند میں حضرت آدم کو جہاں اتارا گیا تھا، وہیں یہ میثاق لیا گیا تھا۔ ایک روایت کے مطابق مکہ اور طائف کے درمیان ایک جگہ یہ میثاق لیا گیا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم کو جب جنت سے آسمانِ دنیا کی طرف اتارا گیا، تو وہاں ان سے یہ میثاق لیا گیا۔ اس سلسلے میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت آدم کی تخلیق کے بعد جنت

میں داخل کرنے سے پہلے میثاق کی یہ مجلس آراستہ کی گئی۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ عرف عام میں 'بنی آدم' نوعِ بشر کو کہا جاتا ہے۔اس عرفی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے حضرت آدم بھی اس میں شامل ہیں۔۔یا۔۔ چونکہ وہ تمام انسانوں کی اصل ہیں اور سب انکی فرع، تو تمام فروع کے ذکر کے بعد انکے الگ سے ذکر کی ضرورت نہ رہی۔۔الحاصل۔۔اس مجلس میثاق میں سب نے اپنے طور پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کرکے اس پر مضبوط قائم رہنے کا وعدہ کیا اور عہد کیا کہ ہم عبودیت معبودِ حقیقی سے مخصوص کرینگے۔اسکے غیر کیلئے عبودیت کا حق نہیں سمجھیں گے۔اسی طرح معبود حقیقی کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرینگے۔

۔۔المختصر۔۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ۔۔'کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں'۔۔اور تمہارے جملہ امور کا مالک نہیں ہوں، اور علی الاطلاق تربیت میرے قبضہ میں ہے، اس میں کسی اور کا دخل نہیں، کیا اسے تم مانتے ہو۔۔یا۔۔نہیں؟ اب انکے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہاں ہم اپنے نفوس پر گواہی دیتے ہیں، کہ بیشک تو ہمارا رب کریم ہے اور معبود برحق ہے۔ تیرے سوا نہ کسی کو رب مانیں گے اور نہ معبود۔

لوگو! یہ عہد و پیمان کی محفل اسلیئے سجائی گئی، تاکہ تم کو اس بات کی گنجائش نہ رہے، (کہ کہہ ڈالو قیامت کے دن، کہ بیشک ہم لوگ اس سے بےخبر تھے)۔غور کرو کہ یوم میثاق کا عہد و قرار بےخبری کا نتیجہ تھا۔۔یا۔۔علم و ادراک اور ہوش و خبر کا؟ اس وقت حقائق اس طرح تمہارے سامنے کھل کر آ گئے تھے، کہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تم ان سے انکار کرسکو۔تمہارا اس وقت کا عہد و اقرار اضطراری ہی سہی۔۔لیکن ۔۔دنیا میں تمہیں آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا اور تم کو خود تمہاری اپنی ذاتی رائے کے حوالے نہیں کر دیا گیا، بلکہ ہر دور میں تمہارے پاس نبی و رسول مبعوث ہوتے رہے، جن کے معجزات انکی نبوت کی روشن دلیل اور واضح برہان تھے، اور انکا بنیادی کام ہی یہی تھا کہ وہ یوم میثاق کا تمہارا عہد و قرار یاد دلاتے رہیں۔۔ چنانچہ۔۔وہ اپنا فریضہ انجام دیتے رہے۔۔لہٰذا۔۔اب تمہارے پاس کوئی عذر نہیں، کہ کہہ سکو کہ ہمیں تو روزِ میثاق کے تعلق سے کچھ معلوم ہی نہیں، کہ ہم نے کب اور کیا عہد و قرار کیا۔۔۔

أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِن قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّن بَعْدِهِمْ

یا کہہ ڈالو، کہ شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا پہلے سے، اور ہم ان کی نسل تھے، ان کے بعد۔

أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۳﴾

تو کیا تو ہم کو ہلاک کرے گا اس جرم سے جو باطل پرستوں نے کیا●

(یا) یہ (کہہ ڈالو کہ شرک تو ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا پہلے سے اور ہم انکی نسل تھے انکے بعد)۔۔الغرض۔۔شرک کا آغاز ہم نے نہیں کیا اور نہ ہی ہم اسکے موجد تھے۔ہم نے تو اپنے باپ دادوں کو جو کرتے دیکھا وہی کیا۔تو اصل قصوروار تو وہ ٹھہرے، (تو کیا تو ہم کو ہلاک کردیگا اس جرم) کی وجہ (سے جو باطل پرستوں نے کیا)۔تمہارا یہ عذر بھی معقول نہیں، اسلئے کہ کیا تمہارے پاس انبیاء کرام نہیں آئے؟انھوں نے حق و باطل کو واضح نہیں کردیا؟تمہیں صراط مستقیم پر لانے کی جدوجہد نہیں کی؟تو تم عقل وشعور رکھتے ہوئے باطل پرستوں ہی کے پیچھے کیوں چلے؟اور حق پرستوں کی ہدایت کو قبول کرکے انکی پیروی کیوں نہیں کی؟اے محبوب!بتادو۔۔۔

وَكَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۴﴾

اور اسی طرح ہم تفصیل بیان کرتے ہیں آیتوں کی، اور کہ وہ توبہ کرلیں●

(اور) واضح کردو، کہ جس طرح ہم نے عہد و پیمان کا حال بیان کیا ہے، (اسی طرح ہم تفصیل بیان کرتے ہیں آیتوں کی اور) یہ اسلئے تا (کہ وہ) اپنے باطل نظریات واعمال سے سچی اور کھری (توبہ کرلیں)۔۔المختصر۔۔ہم ان پر اپنی قدرت کی نشانیاں اسلئے ظاہر کرتے ہیں، تاکہ وہ اس میں غوروفکر کریں اور اپنے باطل آباءواجداد کی تقلید سے باز آکر تحقیق حق کی طرف اپنا رخ پھیرلیں۔

آگے کے مضمون میں مقام وحال کی مناسبت سے یہودیوں کو زجروتوبیخ کرنا مطلوب ہے اور انکے علماء کی بے راہ روی کو ظاہر کرنا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جاتا ہے، کہ اے محبوب!بیان کردو۔۔۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا

اور پڑھ کر سنادو انھیں واقعہ اس کا جس کو ہم نے دیا تھا آیتیں، پھر وہ ان سے نکل ہی گیا۔

فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ ﴿۱۷۵﴾

تو پیچھا کیا اس کا شیطان نے، تو ٹھہرا گمراہوں سے●

(اور) (پڑھ کر سنادو انھیں) یعنی ان یہودیوں کو (واقعہ اسکا) یعنی بلعم بن باعور کا، جو علمائے

یہود میں سے تھا اور (جسکو ہم نے دیا تھا آیتیں)۔
یعنی بعض کتابِ الٰہی کا اور اسمِ اعظم کا علم، جسکی برکت سے وہ مستجاب الدعوات ہو گیا۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت موسیٰ نے جب جبارین سے جنگ کرنے کا قصد کیا اور کنعان سے شام کی طرف روانہ ہوئے، تو جو لوگ اس جنگ کو نہیں چاہتے تھے، تو ان میں سے ایک قوم بلعم کے پاس پہنچی اور درخواست کی کہ وہ حضرت موسیٰ کیلئے بددعا کر دے، تاکہ وہ یہ اقدام نہ کر سکیں۔
ابتداءً اس نے حضرت کلیم کی عظمت و نبوت کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے اس کام کو انجام دینے سے انکار کیا، لیکن جب قوم کا اصرار بڑھا، یہاں تک کہ قوم نے بلعم کی بیوی کو بھی اس کام کیلئے اپنا ہمنوا کر لیا، تو وہ اصرار کرنے میں ان کی شریک ہو گئی اور اس پر مستزاد یہ ہے، کہ اس بددعا کرنے کیلئے ایک خطیر رقم بطورِ رشوت دینے کیلئے تیار ہو گئے، تو بلعم اس کام کیلئے راضی ہو گیا اور بددعا کرنے کی غرض سے چل پڑا اور جیسے ہی اس نے بددعا کرنے کا ارادہ کیا، قدرت الٰہی سے اسکی زبان لٹک کر سینے تک آ گئی اور اس سے اسمِ اعظم اور جو بعض دیگر آیاتِ الٰہیہ کا علم تھا، وہ سب محو ہو گیا اور اسکی دنیاء و آخرت دونوں برباد ہو گئیں۔
(**پھر وہ**) اپنی اس اوچھی حرکت کی وجہ سے (**ان**) کی، یعنی اسم اعظم وغیرہ کی برکتوں (**سے نکل ہی گیا، تو**) موقع پا کر (**پیچھا کیا اسکا شیطان نے**)۔۔ الغرض۔۔ پھر شیطان اسکا دوست اور ساتھی ہو گیا اور اسکو اپنی انگلیوں پر نچانے لگا (**تو**) انجام کار یہ ہوا، کہ وہ (**ٹھہرا گمراہوں سے**) یہاں تک کہ اسکی موت کفر پر ہوئی۔
ایک قول کی بنیاد پر وہ شخص امیہ بن ابی الصلت تھا، جو آسمانی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا اور جانتا تھا کہ اس زمانہ میں ایک رسول مبعوث ہوگا اور وہ چاہتا تھا، کہ وہ رسول میں ہی ہوں۔ جب جناب رسول اکرم ﷺ مبعوث ہوئے، تو امیہ حسد کی راہ سے کافر ہو گیا اور وہ آیتیں جو اس نے پڑھی تھیں کنارے رکھ دیں، پھر نکل آیا ان آیتوں سے کفر وعناد کے واسطے جس طرح کہ سانپ کینچلی سے نکل آتا ہے، پھر پیچھے پڑا اسکے شیطان۔۔ یا۔۔ اُسے اپنے پیچھے لگا لیا۔ پھر ہو گیا وہ آیتیں جاننے والا، گمراہوں میں سے۔۔۔
بعضوں نے کہا ہے کہ وہ شخص ابو عامر راہب تھا، آنحضرت ﷺ نے جسکا لقب فاسق رکھا تھا اور مسجد ضرار بننے میں ساعی تھا۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی صفت کتب الٰہیہ میں دیکھی اور پہچان کر ایمان لایا، پھر آخر کو انکار کر کے کافر ہو گیا۔۔۔ الحاصل۔۔ وہ شخص جسکے بارے

میں آیت زیر تفسیر نازل فرمائی گئی ہے، مذکورہ بالا افراد میں سے کوئی بھی ہو۔۔یا۔۔انکے سوا کوئی ہو۔۔۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ

اور اگر ہم چاہتے تو بلند فرما دیتے اس کو ان آیتوں کی بدولت، لیکن وہ تو جھک پڑا پستی کی طرف، اور لگ گیا اپنی خواہش کے پیچھے۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ

تو اسکی مثال ہے جیسے کتے کی طرح، کہ اگر سختی کرو اسپر تو زبان نکالے، ہانپے، اور اگر اسے چھوڑ دو، تو بھی زبان نکالے ہانپے،

ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

یہ مثال ہے اس قوم کی جس نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

تو واقعات بیان کر دو کہ وہ سوچ سے کام لیں●

(اور) کسی بھی قوم سے ہو (اگر ہم چاہتے، تو بلند فرما دیتے اسکو ان آیتوں کی بدولت) یعنی بہ سبب اُن صحیفوں کی آیتوں کے۔۔یا۔۔جو کلمات اسم اعظم پر شامل تھے انکے سبب سے ہم اُسے مراتب علیہ پر بلند کر دیتے۔ وہ مراتب جو ابرار اور نیک لوگوں کے مقامات ہیں، (لیکن وہ تو) پست ہمتی کے سبب (جھک پڑا پستی کی طرف) اور رذالت پر اتر آیا، (اور لگ گیا اپنی خواہش کے پیچھے) رشوت لیکر ۔۔یا۔۔اپنی جورو کی بات مان کر، (تو اسکی مثال) اور ذلت وخرابی کی کیفیت ایسی (ہے جیسے کتے کی طرح، کہ اگر سختی کرو اسپر تو زبان نکالے، ہانپے اور اگر اُسے چھوڑ دو، تو بھی زبان نکالے ہانپے)۔

۔۔الغرض۔۔کتے کو ہنکانا اور نہ ہنکانا یکساں ہے۔ کسی حال میں بھی وہ اپنی عادت نہیں چھوڑتا۔ دونوں صورتوں میں زبان نکال کر ہانپنا ہی اسکا کام ہے۔۔۔بلعم کتے کی ایسی خاصیت والے کا بھی ایسا ہی حال تھا، کہ کسی طرح اپنی برائی سے نہیں پھرا۔ اس نے خواب بھی دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ بنی اسرائیل کیلئے بددعا نہ کرنا، مگر متنبہ نہ ہوا۔

جب حضرت موسیٰ کے لشکر کی طرف بددعا کرنے کو چلا، تو جس دراز گوش پر سوار تھا وہ دراز گوش اس سے بولا، کہ اس راہ سے پھر اور اس کام سے باز آجا، جب بھی اس نے کچھ خیال نہیں کیا۔ کیا خوب کہا ہے کسی عارف کامل نے، کہ:

نامعلوم باد تقدیر کھلتے ہی کیا گل کھلاتی ہے

۔۔۔اگر فضل وکرم لائے تو بہرام جیسے کافر سے زنار اتروا کر دین حق کا شیدائی بنادے، اور اگر عدل کا ترازو لیکر آئے، تو بلعم بن باعور جیسے ولی کامل سے ایمان بلکہ شرافت انسانی چھین کر کتوں کے ہم پلہ بنادے۔۔الحاصل۔۔کسی کی عقل کو چون و چرا کی طاقت کہاں؟ مطلق فرمان دینے والا تو وہی ہے، جیسا چاہتا ہے حکم فرماتا ہے۔۔۔

یہ مثل جو کہی گئی ہے، (یہ مثال ہے اس قوم کی جس نے) تکبر وانکار کی وجہ سے (جھٹلایا ہماری آیتوں کو)۔

یہاں قوم سے مراد مکہ کے کافر ہیں اور آیتوں سے مراد قرآن کریم ہے۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ اس قوم سے یہود مراد ہیں، کہ انھوں نے توریت کی آیتوں کی تکذیب کی اور حضرت خاتم الانبیاء ﷺ کی نعت چھپانے میں مشغول رہے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

بلعم کا قصہ انھیں سنادو کہ میری آیتوں سے انکا نکل جانا، میری آیتوں کو ان کے جھٹلانے سے مناسبت رکھتا ہے۔ (تو) اے محبوب! (واقعات بیان کردو) تا (کہ وہ سوچ سے کام لیں)۔۔نیز۔۔فکر کریں اور فکر کرنے کے سبب نصیحت مانیں۔۔۔ان کافروں کا فعل اتنا برا ہے جسکی وجہ سے انھیں وصف قبیح سے موصوف ہونا پڑا۔۔۔

سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

بری مثال ہے اس قوم کی جس نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور وہ اپنے ہی لئے اندھیر مچاتے رہے●

تو کس قدر (بری مثال ہے اس قوم کی جس نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو) جان بوجھ کر ان پر دلیل قائم ہو چکنے کے بعد، (اور) اپنے اس طرز عمل سے (وہ اپنے ہی لئے اندھیر مچاتے رہے) اور اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ انکے ظلم کا وبال انکے سوا کسی اور پر نہ پڑیگا۔

سچ ہے کہ۔۔۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

جسے اللہ ہدایت دے، تو وہ ہدایت پر ہے۔ اور جس کی گمراہی بتادے، تو وہی دیوالئے ہیں●

(جسے اللہ) تعالیٰ اپنے فضل سے (ہدایت دے، تو وہ ہدایت پر ہے)۔ بس وہی راہ پانے والا ہے۔ (اور) اپنے عدل کے رو سے، (جسکی گمراہی بتادے) ظاہر فرمادے، (تو وہی دیوالئے

ہیں) اور دونوں جہاں میں نقصان پانے والے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ ہدایت ہو۔۔یا۔۔ضلالت، دونوں میں انسانی عزم وارادہ کا دخل ہے۔انسان جس چیز کا عزم کرتا ہے، رب تعالیٰ اس میں اسی چیز کی تخلیق فرمادیتا ہے۔تو بندے کی طرف سے کسب ہے اور رب کی طرف سے تخلیق۔اسی کسب کی وجہ سے ہدایت کی صورت میں بندہ جزاء، اور گمراہی کی صورت میں سزا، کا مستحق قرار پاتا ہے۔

سابقہ آیات میں گمراہوں کی گمراہی، ظالموں کے ظلم، بدعہدوں کی بدعہدی اور سرکشوں کی سرکشی اور انکے کفر وطغیان کی وضاحت فرمائی اور اب اگلی آیت سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے، گویا کہ یوں کہا گیا کہ اگر یہ ضدی اور معاند مشرکین ایمان نہیں لاتے، اور آپ کی نصیحت کو قبول نہیں کرتے، تو آپ پریشان اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ یہ ضدی مشرکین ان لوگوں میں سے ہیں، جن کو انجام کار دوزخ کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔انکی وجہ سے آپ ملول خاطر نہ ہوں۔آپ اپنے دینی معاملات میں اور اپنے متبعین کے ساتھ مشغول رہئے، اور انکی پرواہ نہ کیجئے۔۔۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ

اور بے شک ہم نے پیدا فرمایا جہنم کیلئے بہتیرے جن وانسان۔ ان کے دل ایسے ہیں جن سے وہ سمجھتے

بِهَا ۫ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

نہیں اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں، کہ ان سے دیکھتے نہیں۔ اور ان کے کان ایسے ہیں، کہ جن سے سنتے نہیں۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

وہ ہیں گویا چوپائے، بلکہ وہ زیادہ گئے گزرے۔وہی لوگ بے خبر محض ہیں●

(اور) سب پر واضح فرمادیجئے کہ (بیشک ہم نے پیدا فرمایا جہنم کیلئے بہتیرے جن وانسان)۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم تھا، کہ انکے اذہان حق کی معرفت کو قبول نہیں کرینگے، اور یہ اپنی آنکھوں سے مخلوقات میں اللہ کی نشانیوں کو نہیں دیکھیں گے، اور اللہ تعالیٰ کی آیات جب تلاوت کی جائینگی، تو یہ انکو غور وفکر سے نہیں سنیں گے۔کفر پر اصرار اور ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکے قلوب ماؤف ہیں اور انکی آنکھوں پر پردے ہیں اور انکے کانوں میں ڈاٹیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی تکذیب میں انتہا کو پہنچ جانے والے یہودیوں کو علم الیقین

ہے کہ انکی کتابوں میں جس نبی کی بعثت کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ یہی یعنی سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ چونکہ یہ ان بہت سے لوگوں میں سے ہیں جو ایمان لانے والے نہیں ہیں، گویا کہ انکو پیدا ہی دوزخ کیلئے کیا گیا ہے۔۔۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ بنیادی طور پر جن وانس کی تخلیق کا مقصد عبادت الٰہی ہے، مگر اپنی قلبی شقاوت وقساوت اور تمرد وسرکشی کی وجہ سے یہ اپنے کو دوزخ کا مستحق بنا لیتے ہیں اور پھر انکا انجام یہ ہوتا ہے کہ انھیں جہنم رسید کر دیا جاتا ہے، جسکو دیکھ کر ہر ایک اپنے اپنے طور پر یہ سمجھ سکتا ہے کہ گویا اسے دوزخ کیلئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔

۔۔المختصر۔۔ انکا مقصدِ تخلیق عبادتِ خداوندی ہے، لیکن انکے کفر وشرک کا انجام انھیں دوزخ ہی میں ہمیشہ کیلئے رہنے دینا ہے۔۔المختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کے علم قدیم میں یہ بات ظاہر ہے کہ وہ زندگی بھر کفر پر اڑے رہیں گے، اور جب موت آئے گی، تو کفر وشرک ہی پر مرینگے، اسلئے کہ۔۔۔

(انکے دل ایسے ہیں جن سے وہ) کچھ (سمجھتے ہی نہیں) یعنی اپنے دلوں کو حق پہچاننے کی طرف بالکل متوجہ نہیں کرتے اور ان آئینوں کو انکار اور غفلت کے زنگار سے صاف کر کے تصدیق اور اقبال کی جلا نہیں دیتے، (اور انکی آنکھیں ایسی ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں) یعنی کسی صورت سے حق چیز دیکھتے ہی نہیں، اور نہ ہی عبرت کی نگاہ سے مخلوقات کو دیکھتے ہیں، (اور انکے کان ایسے ہیں) کہ کسی طرح (جن سے) حق بات (سنتے ہی نہیں)۔۔الغرض۔۔ ہوش کے ساتھ قرآن کی آیتیں اور نصیحتیں نہیں سنتے۔

تو جو لوگ اپنے حواس، اسباب تعیش کی طرف متوجہ رکھتے ہیں، انھوں نے لذتِ فانی کو مقصود حیات بنا رکھا ہے۔۔چنانچہ۔۔ اسی کے تصور میں گم رہتے ہیں اور اس خیال سے باہر آنا ہی نہیں چاہتے۔ (وہ ہیں گویا چوپائے) جنھیں اپنے کھانے اور سونے کے سوا کسی کی فکر نہیں۔۔چنانچہ۔۔ اسی میں ان کی ہمت مصروف رہتی ہے، لذتِ باقی اور نعمتِ دائمی کی طرف انھیں کچھ التفات نہیں۔ (بلکہ وہ) جانوروں سے بھی (زیادہ گئے گزرے)۔ اسلئے کہ جانور کسی تکلیف شرعی کے مکلف نہیں، تو وہ اگر شریعت کی موافقت نہیں کرتے، تو اسکے کسی حکم کی مخالفت بھی نہیں کرتے۔ بیشک (وہی لوگ بےخبر محض ہیں) اور اپنی غفلت میں کامل ہیں۔۔۔

اس مقام پر یہ جاننا بھی فائدے سے خالی نہیں، کہ فرشتے صرف عقل والے ہیں، انکے

پاس نفس نہیں۔ جانور صرف نفس والے ہیں، انکے پاس عقل نہیں۔ لیکن انسان عقل والا بھی ہے اور نفس والا بھی۔ تو اگر نفس رکھتے ہوئے، انسان صرف عقل ہی کا کام کرے، تو وہ فرشتوں کا مرکزِ نگاہ بن جاتا ہے۔ اور اگر اسکے برعکس وہ عقل رکھتے ہوئے بھی نفس ہی کا تابع ہو جائے، تو وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ جانور اگر صرف نفس کا کام کرتا ہے تو اسکی وجہ ظاہر ہے کہ اسکو عقل ہے ہی نہیں۔ اب عقل رکھتے ہوئے بھی اگر کوئی خواہشاتِ نفس کا تابع رہے، تو یقیناً وہ جانوروں سے بدتر قرار پائیگا۔۔۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ بہت سے جنات اور انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے دوزخ کیلئے پیدا کیا اور اسکی وجہ یہ بیان فرمائی، کہ وہ اللہ کی یاد سے غافل ہیں۔ اور اس آنے والی آیت میں فرمایا 'اور سب سے اچھے نام اللہ ہی کے ہیں، تو انھیں ناموں سے اُسے پکارو'۔ اس میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ غفلت اور عذابِ جہنم سے نجات کا طریقہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور اسکو یاد کرو۔

اصحابِ ذوق اور اربابِ مشاہدہ کا وجدان یہ ہے، کہ دل جب اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہو اور دنیا اور اسکی دلچسپیوں اور رنگینیوں کی طرف متوجہ ہو، تو وہ حرص کی آگ اور زمہریر کے بعد اور حجاب میں واقع ہو جاتا ہے، اور جب دل میں اللہ کی یاد اور اسکی معرفت ہوتی ہے، تو وہ آفتوں اور مصیبتوں کی آگ اور ناکامی اور نامرادی کے عذاب سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔۔ المختصر۔۔ اچھی طرح جان لو۔۔۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ

اور اللہ کیلئے ہیں سارے اچھے نام، تو اسے پکارو ان ناموں سے، اور ہٹاؤ انھیں جو کج روی کریں

فِىْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۸۰

اس کے ناموں میں۔ بہت جلد سزا دیئے جائینگے جو کرتوت کر رکھا تھا●

(اور) ہمیشہ کیلئے یاد رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ ہی (کیلئے ہیں سارے اچھے نام، تو اُسے پکارو) اور یاد کرتے رہو (ان) ہی (ناموں سے) کسی نام سے، اور ابوجہل۔۔۔ یا۔۔۔ اس جیسے کسی بد دماغ کی باتوں پر کان نہ دھرو۔

کہ ایک مرتبہ اس نے کسی اہل ایمان کو یا اللہ اور یا رحمٰن کہتے سن لیا، تو بکنے لگا کہ۔ محمد ﷺ 'اور انکے اصحاب کہنے کو تو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں، تو پھر یہ

مرد کیوں دو خدا کو یاد کرتا ہے۔۔۔اس بے عقل کو یہ سمجھ میں نہ آسکا۔۔یا۔۔سمجھ کرنا سمجھی دکھا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے، لیکن اسکے اسماء اور صفات کثیر ہیں۔ اسماء وصفات کے تعدد سے ذات میں تعدد نہیں پیدا ہوتا ہے۔۔۔

اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات اپنے اندر اچھا ہی معنی رکھتے ہیں۔ گو انکی تعداد متعین نہیں، لیکن ان میں ننانوے ۹۹ نام ایسے ہیں کہ انکی فضیلت حدیث میں وارد ہے، کہ جو کوئی انھیں یاد کرلے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ انھیں ناموں میں سے اللہ اور رحمٰن بھی ہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ علماء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ جن اسماء اور صفات کا اذن شرعی ثابت ہے، انکا اللہ تعالیٰ کی ذات پر اطلاق جائز ہے اور جسکی ممانعت ثابت ہے، انکا اطلاق منع ہے اور جن اسماء کا شریعت میں اذن ہو: نہ ممانعت ہو، انکے اطلاق میں اختلاف ہے، بشرطیکہ وہ ان اسماء میں سے نہ ہوں، جو باقی دوسری لغات میں اللہ تعالیٰ کیلئے عَلَم یعنی بطور نام ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اسماء اعلام کا اطلاق کسی کے نزدیک محل نزاع نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ پر خدا کا اطلاق جائز ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ۔۔لہٰذا۔۔اس پر اجماع ہوگیا ہے۔

اب رہ گیا وہ نام جسکے اطلاق میں مذکورہ بالا اختلاف کا اشارہ کیا گیا ہے، اس میں اہل حق کا موقف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر انکا اطلاق نہ کیا جائے۔ اس بات کا پاس و لحاظ تو ہر صورت میں ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے کوئی ایسا نام نہ استعمال کیا جائے، جس میں کوئی معنوی نقص ہو۔ ایسا بھی نہ ہو کہ اگر بالفرض اس میں کمال کی صورت بھی ہو، تو دوسری طرف کسی طرح کے نقص کا پہلو بھی نکلتا ہو۔۔المختصر۔۔اپنے معبود برحق کو اچھے ناموں سے یاد کرتے رہو۔

(اور ہٹاؤ انھیں جو کج روی کریں اسکے ناموں میں)۔ یعنی ایسوں سے رخ موڑلو اور انکو توجہ کے قابل نہ سمجھو۔۔نیز۔۔انکی باتوں کو اہمیت نہ دو، جو اللہ تعالیٰ کے نام کے تعلق سے کج فکری اور کج روی کا شکار ہیں۔

جان لو کہ یہ ملحد ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے نام میں بھی الحاد سے کام لیتے ہیں۔ عزیز سے عزیٰ، منان سے منات اور اللہ سے لات، یہ خدا کے نام سے بتوں کا نام نکالنا یہ الحاد نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ یونہی کافروں نے اپنے معبودوں کو جو نام دے رکھے ہیں ان میں سے کسی

نام سے اپنے معبود برحق کو یاد کرنا بھی الحاد ہی ہے۔اسی طرح خدائے برحق کو ایسے ناموں سے یاد کرنا جو اسکی شایانِ شان نہیں، بلکہ انسانوں ہی کیلئے وہ مناسب ہیں، یہ طرز عمل بھی اسماءِ الٰہیہ کے تعلق سے بے راہ روی ہی ہے۔۔مثلاً: خدا کو طبیب، رفیق، سخی، منشی خلق کی بجائے صرف منشی، جراح، مدرس، وغیرہ وغیرہ۔

۔۔الحاصل۔۔ایمان والو! تم ملحدین کی نقل سے بچتے رہو اور ذکر الٰہی میں ناموں کے تعلق سے چھوٹی بڑی کسی طرح کی بھی بے راہ روی سے اپنے کو بچاتے رہو، اور یاد رکھو کہ (**بہت جلد سزا دیئے جائینگے**) سبب اسکے (**جو کرتوت کر رکھا تھا**)۔

یہ تو رہے وہ لوگ آتش دوزخ کے واسطے جو پیدا کیے گئے، یعنی انجام کار جو دوزخ میں ڈالے جانے کا مستحق قرار پائے۔اب آؤ انکا ذکر سنو، جن کو اللہ تعالیٰ نے جنت کے واسطے پیدا فرمایا، یعنی جو اپنے نظریات واعمالِ خیر کے نتیجے میں جنت کے حقدار قرار دیئے گئے۔۔تو سنو۔۔

ع ۲۲/۱۰/۱۲

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

اور ہم نے جنھیں پیدا کیا ان میں ایک جمہوریت ہے کہ حق بتائیں، اور حق ہی انصاف کریں ●

(اور) یاد رکھو کہ (**ہم نے جنھیں پیدا کیا ان میں ایک جمہوریت**) اور فکر وعمل میں یک جہتی (ہے) انکی شان یہی ہے (**کہ حق بتائیں**) یعنی سیدھی راہ دکھاتے رہیں، (**اور حق ہی انصاف کریں**) یعنی وہ حق والے بھی ہیں اور عدل وانصاف والے بھی ہیں۔وہ اپنے تمام فیصلوں میں حق وراست کی پوری پاسداری کرتے ہیں اور یہ مہاجرین وانصار اور انکی متابعت کرنے والے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو، تو بہت جلد تھوڑا تھوڑا کر کے گرائینگے ہم انکو، کہ انھیں خبر ہی نہ ہو ●

(اور) انکے برعکس (**جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو**) اور انکا مذاق اڑایا (**تو بہت جلد تھوڑا تھوڑا کر کے گرائینگے ہم ان**) کافروں (**کو**) ہلاکت کے گڑھے میں اور وہ اسطرح، (**کہ انھیں خبر ہی نہ ہو**) کہ وہ ہلاک ہونے والے ہیں۔اسکی شکل یہ ہے کہ وہ گناہ کرتے رہیں گے، اسکے باوجود ہم انھیں

دنیوی نعمت دیتے رہیں گے، بلکہ وقتاً فوقتاً ان پر نعمتیں اور بھی زیادہ کرتے رہیں گے، تاکہ وہ غفلت میں پڑے رہیں اور گناہ بھی زیادہ کریں یہاں تک کہ وہ عذابِ جہنم کے مستحق ہو جائیں۔

نعمت دینا اور شکر کی توفیق چھین لینا، یہی استدراج ہے، جو انھیں گناہوں میں ملوث رکھتا ہے۔۔الحاصل۔۔ارشادِ خداوندی ہے کہ میں انھیں چھوڑے رکھونگا۔۔۔

وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾

اور انکو مہلت دونگا۔۔ بیشک میری مکر توڑ تدبیر مضبوط ہے●

(اور انکو مہلت دونگا)۔اب اگر اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اور توبہ واستغفار کر کے ایمان والے نہیں ہو جاتے اور اپنی بے راہ روی پر قائم رہتے ہیں، تو پھر ہم انھیں لے لینگے اپنی پکڑ میں۔ پھر انکا کوئی مکر انکے کام نہ آسکے گا۔ اسلئے کہ **(بیشک میری مکر توڑ تدبیر)** بہت ہی **(مضبوط ہے)**۔میری خفیہ تدبیر پر، کسی کی بھی تدبیر غالب نہیں آسکتی۔

ان کافروں کی عقل ویسے بھی ماری گئی ہے۔غور وفکر کی صحیح راہ سے یہ دور ہٹ چکے ہیں، جبھی تو رسولِ خدا ﷺ کے افعال کی حکمتوں تک ان کے ذہن وفکر کی رسائی نہیں ہوتی۔۔

چنانچہ۔۔ایک رات آنحضرت ﷺ کوہِ صفا پر چڑھ کر قریش میں سے ایک ایک کو خدائے جلیل وجبار کے عذاب سے ڈرا رہے تھے، تو قریش کے سرداروں میں سے ایک نے حضرت صدیق، حضرت فاروق اور حضرت علی مرتضیٰ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھ کر کہا کہ یہ تمہارا یار دیوانہ ہو گیا ہے کہ تمام رات چلایا کرتا ہے۔کافروں کی ان جاہلانہ، غیر عاقلانہ باتوں کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا○ کہ انکے ہر دم کے ساتھی مالک میں جنون نہیں ہے۔ وہ بس کھلے بندوں ڈرانے والے ہیں●

(کیا ان) معاندین **(لوگوں نے)** اس بات پر **(غور نہیں کیا کہ انکے ہر دم کے ساتھی مالک میں جنون نہیں ہے)**۔ سچی بات صرف یہ ہے، کہ **(وہ بس کھلے بندوں ڈرانے والے ہیں)** خدا کے عذاب، آخرت کی پکڑ اور دائمی ہلاکت سے۔اور یہ وہی مردِ عاقل ہے جسے اظہارِ دعوت سے پہلے ہی

معاندین امین کہتے تھے۔ تو جب اُسی مردِ عاقل نے راہ حق کی طرف بالاعلان دعوت کرنی شروع کی، تو اسکو دیوانہ کیوں کہتے ہیں؟

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِىْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ

کیا انھوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی مملکت میں، اور جو کچھ پیدا فرمایا اللہ نے

مِنْ شَیْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ

اپنے چاہے سے۔ اور یہ کہ شاید نزدیک آچکی ہو اُن کی موت،

فَبِاَىِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

تو کس کلام کو اس کے بعد مانیں گے؟●

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نبوت کا بیان فرمایا تھا اور چونکہ نبوت کا ثبوت الوہیت کے ثبوت پر موقوف ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنی الوہیت اور توحید کا بیان فرمایا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوا کہ۔۔۔

(**کیا انھوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی مملکت میں اور جو کچھ پیدا فرمایا اللہ**) **تعالیٰ** (**نے اپنے چاہے سے**)، تا کہ اس دیکھنے سے اور ان میں غور وفکر کرنے سے صانع کی قدرت کا کمال اور مبدع کی وحدت کا جمال انھیں ظاہر ہو جاتا۔ (**اور**) ان اندھوں نے (**یہ**) بھی خیال نہ کیا (**کہ شاید نزدیک آچکی ہو انکی موت**)۔ اگر انھیں موت ہی کا خیال آجاتا، تو موت کے آنے سے پہلے ایسے کاموں کی پیش قدمی کرتے جو نجاتِ دو جہانی کا موجب اور فلاحِ جاودانی کا سبب ہوتا۔ لیکن انکی بے حسی بتا رہی کہ وہ موت کو بھی بھولے ہوئے ہیں۔ انکو راہِ راست پر لانے کیلئے جو باتیں ان پر اثر انداز ہو سکتی تھیں، ان سے تو وہ پورے طور پر غافل ہیں، (**تو**) پھر (**کس کلام کو اس**) کلام الٰہی یعنی قرآن کریم (**کے بعد مانیں گے**) جس میں دینی اور دنیوی حقیقتیں اور ظاہری باطنی برکتیں جمع ہیں۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِىَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جس کی گمراہی اللہ بتادے، تو اس کا ہادی نہیں۔ اور انھیں چھوڑ دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں اندھرایا کریں●

سچ ہے کہ (**جسکی گمراہی اللہ**) **تعالیٰ** (**بتادے**) اور ظاہر فرمادے، کہ اسکی تقدیر میں گمراہ ہونا

ہی ہے، اور اس وجہ سے وہ قرآن پر ایمان نہیں لا رہا ہے، (تو) کوئی بھی (اسکا ہادی نہیں) جسکی ہدایت وہ قبول کر سکے۔ تو اسکو تو گمراہ ہی رہنا ہے (اور) خدا کی بھی یہ سنت ہے کہ انھیں اور ان جیسے سب کو (چھوڑ دیتا ہے کہ) وہ سب (اپنی سرکشی میں اندھرایا کریں) اور گمراہی میں بھٹکتے رہیں۔۔۔

کفار و مشرکین اور یہودیوں کی یہ عجیب روش رہی کہ کافر تو اپنی جہالت میں اور یہودی جان بوجھ لینے کے بعد بھی نبی کریم کی نبوت کو آزمانے کیلئے عجیب وغریب اور غیر ضروری سوال کیا کرتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ یہود نے کہا، اے محمد ﷺ' اگر تم پیغمبر ہو، تو ہمیں قیامت کی خبر دو، اس واسطے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ قیامت کب آئیگی۔

یہ سوال امتحانی تھا اسلئے کہ وہ اپنی کتابوں سے بخوبی جان چکے تھے کہ قیامت کا علم ان علوم الٰہیہ میں سے ہے، جسکو بتانا کسی بھی نبی کے فریضہء نبوت میں سے نہیں، بلکہ اسکا اچانک آجانا ہی حکمت خداوندی کے نزدیک طے ہے۔ تو اگر بالفرض رب قادر مطلق اپنی کسی حکمت۔۔ یا۔۔ نوازش کے تحت کسی رسول و نبی کو قیامت کا وقت بتا بھی دے، جب بھی وہ پیغمبر اس بات پر مامور ہوگا کہ وہ کسی اور کو نہ بتائے، اسلئے کہ رب نے فرمادیا ہے کہ قیامت اچانک آئیگی، تو اب اگر کسی نے اسکو ظاہر کر دیا، تو پھر قیامت آنا اچانک نہ رہا، تو یہ سراسر کلام الٰہی کی تکذیب ہوئی۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کا پیغمبر اللہ تعالیٰ کے کلام کی تصدیق کیلئے آتا ہے، نہ کہ اسکی تکذیب کیلئے۔۔۔

یہودی اس صورت حال سے بخوبی باخبر تھے اور وہ سوچ رہے تھے کہ اس سوال کے جواب میں پیغمبر اسلام جو بھی صورت اختیار فرمائینگے، اس میں ہمارا ہی فائدہ ہوگا۔ اگر وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اسکا علم نہیں، تو ہم کو اس پروپیگنڈہ کا موقع مل جائیگا کہ یہ کیسے نبی ہیں جنھیں قیامت کے آنے کے وقت کی خبر بھی نہیں اور پھر یہ قیامت سے ڈرا بھی رہے ہیں؟۔۔۔ اور اگر جواب میں کسی وقت کا نام لے لیا، تو پھر ہمیں اور بھی شور مچانے کا موقع مل جائیگا، کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نہیں ہیں، اسلئے کہ ساری آسمانی کتابیں قیامت کے اچانک آنے ہی کی باتیں کر رہی ہیں، انکے اس جواب نے تو سارے انبیاء کرام کی تکذیب کر دی ہے اور ساری آسمانی کتابوں کو جھوٹا قرار دیدیا ہے۔۔ المختصر۔۔ یہودیوں کے سوال کے بعد ارشاد خداوندی ہوتا ہے، کہ اے محبوب۔۔۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ

تم سے سوال کرتے ہیں قیامت کے بارے میں "کہ کب مقرر ہے"۔ جواب دے دو، کہ اسکا علم میرے پروردگار ہی کو ہے۔

لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ؔؕ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ

نہ ظاہر کریگا اسکو اسکے وقت پر۔۔۔مگر وہ گراں گزر رہی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ نہ آئے گی تمہارے پاس

اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ

مگر اچانک"۔ تم سے پوچھتے ہیں گویا تم کو خود اس کی کاوش ہے۔ جواب دیدو، "کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے"،

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

لیکن بہتیرے لوگ نہیں جانتے●

(تم سے سوال کرتے ہیں قیامت کے بارے میں کہ کب مقرر ہے۔ جواب دیدو کہ اسکا علم میرے پروردگار ہی کو ہے) اللہ تعالیٰ نے اسکو ظاہر فرمانے کی ذمہ داری نہ کسی نبی مرسل کو دی ہے اور نہ ہی کسی ملک مقرب کو، اسی لئے (نہ ظاہر کریگا اسکو اسکے وقت پر، مگر وہ) اللہ تعالیٰ ہی۔ (گراں گزر رہی ہے آسمانوں اور زمین میں) یعنی قیامت کا علم اہل آسمان اور اہل زمین، یعنی ملائکہ و جن و انس، سب پر بھاری ہے اُسکی ہول اور ہیبت کی وجہ سے، گویا اسکے اخفاء میں یہی حکمت ہے۔ تو (نہ آئیگی تمہارے پاس مگر اچانک)، تا کہ تم بے فکر نہ ہو جاؤ، بلکہ طاعات میں لگے رہو اور برائیوں سے بچتے رہو۔ توبہ میں عجلت کرو اور ہر وقت ہوش و گوش کے ساتھ اللہ و رسول کی اطاعت کے کاموں میں لگے رہو۔

اے محبوب! یہ سوال کرنے والے قیامت کے تعلق سے (تم سے پوچھتے ہیں، گویا تم کو خود اسکی کاوش ہے) یعنی انکے سوال کا انداز کچھ ایسا ہے، جیسے کہ خود تم خواہاں ہو اور چاہتے ہو کہ اسکا حال تم سے پوچھا جائے، حالانکہ آپ تو اسطرح کے سوالات کو ناپسند فرماتے ہیں، کہ قیامت کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ظاہر فرمانے والا ہے۔ جسکا اچانک آنا مقدر ہو، اسکے آنے کے تعلق سے سوال کوئی عاقل کیسے گوارا کرسکتا ہے۔ تو اے محبوب! انکو دوبارہ (جواب دیدو کہ اسکا علم اللہ) تعالیٰ (ہی کو ہے، لیکن بہتیرے لوگ نہیں جانتے) کہ خدائے عزوجل کے سوا کوئی بھی، وقت قیامت کو ظاہر فرمانے والا نہیں۔

اس جواب کو سن کر یہودی اپنا سامنہ لیکر رہ گئے اور انکے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ یہودیوں کی طرح کفارِ مکہ بھی ازراہِ امتحان۔۔۔یا۔۔۔ازراہِ تمسخر، نبی کریم سے مختلف

سوالات کرتے رہتے تھے۔۔چنانچہ۔۔ایک مرتبہ اہل مکہ نے رسول مقبول سے کہا، کہ اے محمد ﷺ خدا تجھے نرخ کی خبر کیوں نہیں کردیتا، کہ کب ارزاں ہوگا؟ کب گراں؟ کہ ارزانی میں تو مول لے رکھا کر اور گرانی میں بیچ ڈالا کر اور فائدہ اٹھایا کر۔ کتنی گھٹیا سوچ تھی مکہ والوں کی، جو نبی کریم کو ذخیرہ اندوزی اور پھر دوسروں کی مجبوری سے فائدہ اٹھانے کا مشورہ دے رہے تھے۔ظاہر ہے کہ پیغمبر جس خرابی کو ختم کرنے آیا ہو، تو وہ خود اُسے کیسے اختیار کرسکتا ہے؟

بظاہر سوال کا انداز کچھ بھی ہو، لیکن اسکے باطن میں محمد عربی ﷺ کی نبوت کا انکار تھا۔ سوال کا حاصل یہ نکلتا ہے، کہ اگر آپ نبی ہیں، تو آپ کو غیب کا علم ہونا چاہئے اور آپ کو غیب کا علم ہے کہ نہیں؟ اسکی پہچان یہ ہے کہ آپ کوئی ایسا کام انجام دیں، جس سے آپ کی غیب دانی کی نشاندہی ہو۔۔چنانچہ۔۔کافروں نے وقت سے پہلے ذخیرہ اندوزی کو اپنے طور پر اسکی علامت قراردیدیا۔اس سوال پر ارشاد الٰہی ہوا، کہ اے محبوب!۔۔۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ

کہہ دو" کہ نہیں مالک ہوں اپنے نفس ہی کے نفع کا اور نہ ضرر کا، مگر اللہ کے چاہے سے۔اور اگر میں

اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ

غیب ہی بتایا کرتا تو اکٹھا کرلیتا خوب مال تم لوگوں کا۔اور مجھ کو چھو بھی نہ جاتی تمہاری ایذا۔

اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

میں تو بس ڈرانے والا، اور خوش خبری سنانے والا ہوں، ان کو جو مانیں"●

(کہہ دو کہ) بذات خود (نہیں مالک ہوں اپنے نفس) اور اپنی ذات (ہی کے نفع کا اور نہ ضرر کا، مگر اللہ) تعالیٰ (کے چاہے سے)۔۔الغرض۔۔جلب منفعت اور دفع مضرت، دونوں میں کسی پر بھی میرا ذاتی اختیار نہیں، مگر جو کچھ اور جتنا اللہ تعالیٰ چاہے اور مجھے تعلیم کردے۔تو جب ان دونوں باتوں پر خود اپنے لئے میرا کوئی ذاتی اختیار نہیں، تو پھر میرے لئے دوسروں کو نفع پہنچانے۔۔یا۔۔ان سے تکلیف دور کرنے کا بذات خود کہاں سے اختیار ثابت ہوتا ہے؟

اے کافرو! غور کرو (اور) سوچو کہ (اگر میں غیب ہی بتایا کرتا، تو) اسکے عوض میں (اکٹھا کرلیتا خوب مال تم لوگوں کا)، جس طرح کاہن وغیرہ وقتاً فوقتاً تم لوگوں کو چوستے رہتے ہیں۔اور پھر میرے

پاس دنیاداروں کی طرح مال کی فراوانی ہوجاتی، (اور مجھ کو چھو بھی نہ جاتی تمہاری) طرف سے کسی طرح کی (ایذاء) اور تکلیف۔ اور میری ایسی حالت نہ ہوتی جسکی تعبیر کم نظر اور بے شعور لوگ تنگدستی اور محتاجی سے کرتے ہیں۔

مترجم علیہ الرحمہ نے اپنے ترجمہ کے ذریعہ ارشادِ الٰہی کی جس توجیہہ کی طرف اشارہ کیا ہے، یہ تفسیر اسی کی روشنی میں کی گئی ہے۔ اس آیت کریمہ کا عام طور پر جو ترجمہ کیا گیا ہے، آگے کی وضاحت اسکی روشنی میں ہے۔۔۔ ذہن نشین رہے کہ آیت کریمہ میں دو باتوں کا خصوصیت سے ذکر ہے، کہ اگر میرے پاس غیب کا علم ہوتا، تو ہر طرح کی منفعت حاصل کر لیتا اور ہر طرح کی مضرت سے اپنے کو بچا کے رکھتا۔

اب سوال یہ ہے کہ جلب منفعت ہو۔۔یا۔۔ دفع مضرت، اسکے لئے کیا صرف علم ہی کافی ہے۔۔یا۔۔ اسکے لئے قدرت واختیار بھی چاہئے؟ ظاہر ہے کہ صرف علم سے نہ کوئی نفع حاصل کیا جاسکتا ہے، اور نہ ہی کسی نقصان سے بچا جاسکتا ہے۔۔ مثلاً: اگر ہم کو اس بات کا صحیح علم ہوجائے، کہ ہمارے شہر پر کوئی بہت بڑی مصیبت آنے والی ہے، جو سارے شہر کو تباہ و برباد کردیگی، لہٰذا تباہی سے بچنے کیلئے شہر سے باہر ہوجانا چاہئے۔ لیکن وقت کی تنگی اور اسباب وذرائع کی عدم موجودگی کی وجہ سے فوراً شہر کے باہر ہوجانا اپنی قدرت واختیار سے باہر ہے، ایسی صورت میں صرف مصیبت کا علم ہم کو تباہی سے بچانے سے قاصر رہا۔

۔۔یونہی۔۔ اگر ہم کو صحیح طور پر علم ہوجائے، کہ فلاں جگہ دفینہ ہے مگر اس پر سخت پہرا ہے۔ ایسی صورت میں اس تک رسائی ہماری قدرت واختیار سے باہر، تو صرف علم کی وجہ سے ہم اس سے کوئی نفع اٹھا نہیں سکتے۔ اس مختصری وضاحت کے بعد یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ وہی علم جلب منفعت اور دفع مضرت کیلئے مفید ہے، لازمی طور پر جسکے ساتھ قدرت واختیار بھی ہو۔ اور یہ علم وہی ہے جو ذاتی ہو، عطائی نہ ہو۔ اسی علم کی یہ شان ہے، کہ نہ ہی اس سے قدرت واختیار جدا ہے، اور نہ ہی قدرت واختیار سے یہ الگ ہے۔

یہ شان صرف علم الٰہی اور قدرتِ خداوندی ہی کی ہے، جہاں نہ علم سے قدرت واختیار جدا، اور نہ ہی قدرت واختیار سے علم۔ خدا کے سوا کسی کی بھی یہ شان نہیں۔ اگر کسی میں علم ہے، تو قدرت نہیں اور اگر قدرت ہے، تو علم نہیں۔ اور اگر کسی میں دونوں ہوں، تو مستقل نہیں۔۔ المختصر۔۔ کوئی بھی اپنی ذات وصفات میں غنی علی الاطلاق نہیں۔ خدائے وحدہ

لاشریک کے سوا کوئی نہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو۔

اس بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ نبی کریم اپنی ذات سے جس علم کی نفی فرمارہے ہیں، یہ وہی ذاتی علم ہے جس میں کسی کی عطا کا دخل نہ ہو، اور جسکے لئے قدرتِ ذاتی لازم ہو، جبھی جلب منفعت ودفع مضرت کی صورت نکل سکتی ہے۔

تو اے محبوب! فرمادو کہ اگر ہوتی کوئی ایسی صورتِ حال، کہ میں بے خدا کے بتائے ہوئے بذات خود غیب جانتا اور اسکی لازمی صفت ذاتی قدرت والا ہوتا، تو البتہ اپنی اس ذاتی قدرت سے جو چاہتا حاصل کرلیتا اور کسی طرح کے دکھ، درد اور رنج وتکلیف کو اپنے تک پہنچنے نہیں دیتا۔ تو لوگو! سن لو کہ میں ذاتی علم اور ذاتی قدرت واختیار والا نہیں ہوں۔ میں نے تمہارے سامنے اپنی نبوت کا دعویٰ کیا ہے، خدائی کا دعوی نہیں کیا ہے، کہ تم مجھ میں خدائی صفات تلاش کرو۔ (میں تو بس) جہنم سے (ڈرانے والا اور) جنت کی (خوشخبری سنانے والا ہوں انکو جو مانیں)۔ گو میری ہدایت سارے انسانوں کیلئے ہے، مگر اس سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جو ایمان والے ہیں۔

اس حساب سے دیکھئے تو یہ ساری ہدایتیں انہیں کیلئے ہیں، یعنی انھیں کیلئے مفید ہیں، جو ماننے والے ہیں۔۔ الحتصر۔۔ 'انذار' سارے مکلفین کیلئے ہے اور 'بشارت' صرف مومنین کیلئے ہے۔ اور جب حقیقت یہ ہے کہ میں ایک بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں، میرا فریضہء نبوت یہی ہے کہ میں ڈرسناتا ہوں اور خوش خبری دیتا ہوں۔۔ لہٰذا۔۔ جو علوم ان دونوں سے متعلق ہوں، خواہ دینی ہوں یا دنیوی ہر لحاظ سے اسکے تعلق سے مجھ سے سوال کرسکتے ہو۔ اور سن لو کہ جب غیب کو ان دونوں سے تعلق نہیں، یا احکام وشرائع سے انھیں کوئی واسطہ نہیں، اسکا مجھ سے سوال نہ کرو۔

قیامت کے متعلق بھی جو علوم متعلقہ اس سے واسطہ رکھتے ہیں انھیں میں تمہیں بتاتا رہتا ہوں، یعنی اسکی ہولناکی کی خبریں اور اس دن میں مجرموں کی سزائیں۔۔ یا۔۔ اسکے وقوع کے متعلق یقین دلانا۔۔ یا۔۔ اسکا قریب ہونا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام باتیں میرے ذمہ تھیں اور وہ میں نے بتادیں۔ باقی رہا اسکے وقوع کے وقت کا تعین، نہ اسے 'انذار' سے تعلق ہے، نہ میں بتاتا ہوں، بلکہ بتاؤں تو وہ 'انذار' کے خلاف ہے۔ اسلئے مجھ سے اسکا سوال ہی بے سود اور بے محل ہے۔ اسلئے کہ اگر تعین بتادیا جائے، تو پھر کون گناہوں سے بچتا ہے اور کسے توبہ کی طرف توجہ ہوسکتی ہے۔ اور یہ دونوں باتیں نبوت کی اصل غرض وغایت کے منافی ہیں۔

۔۔الختصر۔۔سابقہ وضاحت سے بخوبی معلوم ہو گیا، کہ علم ذاتی اور قدرت ذاتی، ازلی ابدی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا، اور یہ دونوں صفتیں خدائے وحدہ لاشریک ہی کی شایانِ شان ہیں۔خدا کے سوا کسی اور کیلیئے انکا حصول عقلاً اور شرعاً ہر طرح سے محال ہے۔غیر خدا کا علم اور اسکی قدرت دونوں ہی عطائی ہیں اور دونوں میں یہ بھی لازم نہیں کہ ہمیشہ ایک ساتھ رہیں۔تو اسکے لئے دونوں ہی صورتیں ممکن ہیں، یعنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ علم تو ہو، مگر حاصل کرنے کی قدرت نہ ہو، اور یہ بھی ممکن ہے مطلوبہ چیز جہاں ہو وہاں سے نکال لینے کی قدرت ہو، مگر یہی معلوم نہ ہو کہ وہ چیز ہے کہاں؟۔۔۔

'اب ایسی صورت حال میں کسی بندے کے عطائی علم اور اسکی عطائی قدرت کا بالکلیہ انکار کردینا۔۔یا۔۔اعتراف نہ کرنا اور یہ بھی نہ سوچنا کہ بندے کی کوئی بھی صفت ہو اسکا ظہور مشیت خداوندی کا رہین منت ہے'۔۔کسی اچھی سمجھ والے سے ممکن نہیں۔یاد رہنا چاہئے کہ صفات کا ثبوت اور ہے، اور صفات کا ظہور اور ہے۔عدم ظہور کو عدم ثبوت کی دلیل قرار دینا غایت جہل کی بات ہے۔اور یہ بھی ایک جہالت ہے کہ کسی بندے سے ایسا مطالبہ کرنا جو علم ذاتی اور قدرت ذاتی والے ہی کے تحت قدرت ہو۔

بیشک نبی کریم نے اپنے ارشاد میں جلب منفعت اور دفع مضرت کو جس علم کا مرہونِ منت قرار دیا ہے، وہ وہی علم ذاتی ازلی ابدی ہے، قدرت ذاتی جسکی شریک ہے۔اور یہ اسی ذات عظیم وجلیل کا علم ہے، جو قادر مطلق اور خالق کائنات ہے۔کائنات میں جدھر بھی نظر ڈالئے اسی کی قدرت کاملہ کے جلوے نظر آتے ہیں۔اگر زیادہ نہیں تو کم از کم صرف تخلیق انسانی ہی پر غور کیجئے صاف ظاہر ہو جائیگا، کہ۔۔۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ

وہ اللہ جس نے پیدا فرمایا تم کو ایک جان سے، اور نکالا اُسی جان سے اُس کا جوڑا، تاکہ سکون

إِلَيْهَا ۖ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَت

ملے۔تو جب چھا گیا مرد عورت پر، تو وہ حاملہ ہوگئی ہلکی پھلکی، تو چلتی پھرتی رہے اس کو لئے، پھر جب بوجھل پڑی، تو دونوں

دَّعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۸۹﴾

نے دعا کی اللہ اپنے پالنے والے سے، کہ "اگر تو نے ہم کو نیک اولاد دی، تو ہم ضرور شکر گزار ہونگے"

(وہ) خدائے وحدہ لاشریک یعنی (اللہ) تعالیٰ ہی ہے (جس نے پیدا فرمایا تم کو) حضرت آدم کی (ایک جان) یعنی ایک ذات (سے، اور نکالا اُسی جان) یعنی پیدا کیا اسکے جسم کی پسلی کی کسی ہڈی (سے) حضرت حوا کی شکل میں (اسکا جوڑا، تاکہ سکون ملے)۔ یعنی حضرت آدم اس سے راحت حاصل کریں اور اس سے الفت ومحبت سے پیش آئیں۔

(تو جب چھا گیا مرد عورت پر)، یعنی حضرت آدم نے اسکے ساتھ خلوت اور صحبت کی، (تو وہ حاملہ ہوگئی، ہلکی پھلکی) یعنی ابتداءً رحم میں صرف نطفہ ہلکے پھلکے انداز میں رہا، (تو) ان کو کچھ گرانی محسوس نہیں ہوئی، اور وہ (چلتی پھرتی رہے اسکو لئے)۔۔ چنانچہ۔۔ وہ اس حمل کے ساتھ چلا پھرا کرے۔ (پھر جب بوجھل پڑی) یعنی شکم میں حمل بڑھا اور حضرت حواء کو اسکا بوجھ محسوس ہوا اور ولادت کے قریب ہونے کے آثار نمایاں ہوگئے، (تو دونوں نے دعا کی اللہ) تعالیٰ (اپنے پالنے والے) پروردگار (سے، کہ اگر تو نے ہم کو نیک اولاد دی، تو ہم ضرور شکر گزار ہونگے) تیری اس عطا کردہ نعمت کے۔

حضرت آدم وحواء نے شکر گزاری کی یہ بات اپنی آنے والی پوری نسل کی طرف سے رکھی تھی، گویا اشارہ وکنایہ میں پوری نسل کو برنگ ہدایت وصیت فرمادی تھی، کہ تم بھی ہماری طرح شکر گزار بندے بنے رہنا۔ اور جب اللہ تعالیٰ تمہیں صالح اولاد عطا فرمائے، تو اسکا ضرور شکر ادا کرنا۔ آپ نے صالح کی قید لگا کر اشارہ فرمادیا، کہ آئندہ کی نسل میں غیر صالح افراد بھی ظاہر ہونگے۔

تو اے قریشیو! دیکھو تم بھی اسی نسل سے ہو اور قصی تمہارے مورث ہیں اور انکی زوجہ عربیہ اور قرشیہ ہی تھیں، ہم نے ان دونوں کو ایک دوسرے کے لئے ہمدم ودمساز اور باعثِ راحت وسکون بنایا۔ ان دونوں نے بھی ولد صالح کیلئے دعا کی تھی، ہم نے اپنے فضل سے یکے بعد دیگرے انھیں چار بیٹوں سے نوازا، مگر انھوں نے ان میں سے کسی کا نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن وغیرہ نہیں رکھا، بلکہ عبدعزیٰ، عبد قصی، عبدمناف اور عبدالدار رکھا۔

۔۔الحاصل۔۔ عبدیت کی نسبت خود ذات باری تعالیٰ کی طرف نہیں کی، قصی نے حضرت آدم وحواء کی ہدایت کا خیال نہیں رکھا۔۔۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ

تو جب دیدی انکو نیک اولاد، تو بنانے لگے اس کے شریک اس کے دیئے میں۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

تو بہت بلند ہے اللہ ان کے شرک سے●

(تو جب دے دی انکو) یعنی حضرت آدم وحواء کی نسل سے وابستہ دو فرد یعنی قصی اور انکی زوجہ کو انکی دعاؤں کے نتیجے میں (نیک اولاد، تو بنانے لگے اسکے شریک اسکے دیئے) یعنی عطا (میں)۔ اور نام رکھتے وقت عبدیت کی نسبت غیر خدا کی طرف کرنے لگے۔

۔۔الحاصل۔۔آیت کریمہ کے ظاہر سے جو معلوم ہوتا ہے، کہ 'حضرت آدم وحواء نے شریک بنایا'، یہاں مراد یہ ہے کہ حضرت آدم وحواء کی 'آنے والی اولاد نے شریک بنالیا' جسکی تشریح اوپر گزری، اسلئے کہ حضرت آدم نبی ورسول تھے جو کفر وشرک کے ارتکاب سے معصوم ہیں، ان سے شرک کا وقوع ہو ہی نہیں سکتا۔ ویسے بھی قرآن کریم میں شرک کے مرتکبین کا ذکر جمع کے صیغے سے کیا ہے، جس سے واضح ہوگیا کہ جن ارتکاب کرنے والوں کی طرف قرآنی اشارہ ہے، وہ کثیر ہیں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ قرآن وحدیث میں عبدیت بمعنی غلام، کی نسبت غیر خدا کی طرف جا بجا کی گئی ہے، اسلئے عبدالنبی اور عبدالمصطفیٰ وغیرہ کہنا اگرچہ کفر وحرام نہیں ہے اور نہ ہی مکروہِ تحریمی ہے، لیکن اسطرح کا نام رکھنے سے احتراز بہتر ہے، تاکہ کوتاہ نظر اور فہم وادراک سے کورے لوگ جن کو اس میں شرک کا شائبہ نظر آتا ہے، انکی زبان بندی ہوجائے اور انھیں بلاوجہ عام لوگوں کو گمراہ کرنے کا موقع نہ ملے۔

عبد کا ایک معنی عابد کے ہیں اور ایک معنی خادم کے ہیں، تو اگرچہ بولنے والے کا عقیدہ ونظریہ واضح دلیل ہے، کہ وہ اپنے کلام میں عبدالمصطفیٰ سے مصطفیٰ ﷺ کا خادم اور پیروکار ہی مراد لے رہا ہے، لیکن سننے والے مختلف ذہن وفکر اور الگ الگ فکری سطح کے ہوتے ہیں، تو انھیں عبداللہ اور عبدالنبی میں مذکورہ لفظ عبد کی باریکیوں کو سمجھانے سے زیادہ آسان یہ ہے، ایسے لفظ کے استعمال سے احتراز برتا جائے، اور کم فہموں کو اپنی ذات سے بدگمان ہونے کا موقع نہ دیا جائے۔۔۔اب جو لوگ غیر خدا کی طرف لفظ عبد کی نسبت کریں اور لفظ عبد سے عابد اور پجاری ہی مراد لیں۔۔۔

(تو) وہ سن لیں کہ (بہت بلند) اور بزرگ وبالا۔۔نیز۔۔پاک وصاف (ہے اللہ) تعالیٰ (انکے شرک سے)۔

اَيُشۡرِكُوۡنَ مَا لَا يَخۡلُقُ شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ ﴿۱۹۱﴾

کیا شریک ٹھہراتے ہیں اسے، جو کچھ بھی پیدا نہ کرے، اور وہ خود پیدا کیے گئے ہوں●

وَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ لَهُمۡ نَصۡرًا وَّلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۲﴾

وہ شرکاء نہ انکی مدد کرسکیں، اور نہ اپنی مدد کریں●

یہ بے عقل (کیا شریک ٹھہراتے ہیں) میری عبادت میں (اسے جو کچھ بھی پیدا نہ کرے اور) انکی مجبوری و عاجزی کا حال یہ ہو کہ (وہ خود پیدا کیے گئے ہوں)۔اور ظاہر ہے کہ جو مخلوق ہو، وہ خالق ہو ہی نہیں سکتا۔۔نیز۔۔انکا حال یہ ہو کہ انکے نام نہاد۔۔۔

(وہ شرکاء نہ انکی مدد کرسکیں) یعنی نہ کسی طرح کا نفع پہنچا سکیں اور نہ ہی کسی تکلیف کو دور کرسکیں، (اور نہ) ہی وہ خود (اپنی مدد کریں)، خواہ کوئی انھیں ٹکڑے ٹکڑے کرڈالے۔۔یا۔۔انکو غلاظت آلودہ بنادے۔۔۔اے مسلمانو! تم ان مشرکین کو پکارو۔۔۔

وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَتَّبِعُوۡكُمۡ ؕ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ

اور اگر انھیں بلاؤ ہدایت کی طرف، تو تمہارے ساتھ نہ چلیں۔ تمہارے لیے برابر ہے،

اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿۱۹۳﴾

خواہ انھیں پکارو، خواہ خاموش رہو●

(اور اگر انھیں بلاؤ) دین اسلام اور (ہدایت کی طرف، تو تمہارے ساتھ نہ چلیں) مسلمانو! یہ ابوجہل اور اسکے پیچھے چلنے والے کبھی بھی تمہاری دعوتِ حق کو قبول کرنے والے نہیں، یہ ہمیشہ اس سے محروم ہی رہیں گے۔۔الغرض۔۔(تمہارے لیے برابر ہے خواہ انھیں پکارو خواہ خاموش رہو)، یہ کافروں کا مخصوص طبقہ راہ پر آنے والا نہیں۔۔ہاں۔۔یہ ضرور ہے تمہیں انکو دعوت دینے اور ان تک حق پہنچانے کا ثواب ضرور ملے گا، اور تم اخروی اجر سے محروم نہ رہو گے۔اور ظاہر ہے کہ یہ فائدہ بھی کچھ کم نہیں ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کیلئے تسلی ہے کہ وہ اپنا کام کیے جائیں اور دین حق کی دعوت پیش کرتے رہیں۔اب اگر کوئی نہ مانے، تو اس میں انکا کوئی قصور نہیں، بلکہ نہ ماننے والوں کی بدقسمتی اور بدنصیبی ہے۔آگے کی آیت میں بتوں کا کمال عجز ظاہر کرنے کیلئے، مشرکین سے کہا جارہا ہے، کہ اے مشرکو!۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ

بیشک جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر دہائی دیتے ہو، وہ تمہاری طرح سے بندے ہیں،

فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۹۴﴾

"لو اب ان کو پکارو" پھر وہ تمہارا جواب دے دیں، اگر تم سچے ہو●

(بیشک جن کی تم اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر دہائی دیتے ہو) اور پوجتے ہو، اور تم نے انکا نام اللہ رکھا ہے (وہ تمہاری طرح سے بندے ہیں)، جیسے تم خود مختار نہیں اور تقدیر۔۔نیز۔۔قبضہء قدرت کے حضور مجبور ولاچار ہو، یہی حال انکا بھی ہے۔ اچھا (لو) تمہیں آزمالو، اور انکی بے کسی اور مجبوری کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، اور (اب انکو پکارو، پھر وہ تمہارا جواب دیدیں) تو پھر تم کیوں نہیں انکو پکارتے اور ان سے اپنی پکار کا جواب حاصل کرتے، (اگر تم سچے ہو) کہ وہ تمہارے خدا ہیں۔ نادانو! خدائے برحق تو وہی ہے جو اپنے بندوں کی دعا قبول کرے، اور اپنے عبادت کرنے والے کی ندا کا جواب دے۔

أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ

کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں، یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے تھامیں، یا ان کی

أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا ۖ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا ۗ قُلِ ادْعُوا

آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں، یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں۔ للکار دو "کہ بلاؤ

شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ﴿۱۹۵﴾

اپنے معبودوں کو، پھر داؤں چلو، مجھ کو مہلت ہی نہ دو●

بے عقلو! بتاؤ (کیا انکے پاؤں ہیں جن سے چلیں، یا انکے ہاتھ ہیں جن سے تھامیں) چیزوں کو، جیسے کہ تم اپنے ہاتھوں سے پکڑتے ہو، (یا انکی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں) جیسے تم دیکھتے ہو، (یا انکے کان ہیں جن سے سنیں) جس طرح تم سنتے ہو، آخر اے مشرکو! تم خود قائل ہو کہ انکے نہ چلنے والے پاؤں ہیں، نہ پکڑنے والے ہاتھ ہیں، نہ دیکھنے والی آنکھیں ہیں اور نہ سننے والے کان ہی ہیں، اسکے برعکس تمہیں سب کچھ حاصل ہیں، تو تم ان پر افضل ہو۔ اور بڑی نادانی ہے کہ افضل اپنے مفضول کی پرستش کرے۔

یہ آیت کریمہ کافروں کی نادانی و جہالت کو اظہر من الشمس کردینے والی ہے۔۔۔کافر جب اس دلیل کے سبب لاجواب اور ساکت ہوئے، تو آنحضرت ﷺ کو اپنے بتوں سے ڈرانے لگے اور بولے، اے محمد ﷺ' ہمارے خداؤں کی مذمت نہ کر، کہ مبادا کوئی آفت اور مصیبت تجھے پہنچائیں، تو حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ اے محبوب!۔۔۔

(للکاردو) اور کھلے لفظوں میں چیلنج کردو **(کہ بلاؤ اپنے معبودوں کو)** اور پھر تم اور تمہارے بنائے ہوئے خدا میری عداوت میں ایک دوسرے کے یار و مددگار ہو جاؤ، **(پھر داؤں چلو)** اور مجھے برائیاں پہنچانے میں جہاں تک ہو سکے کوشش کرو، اور اس کام میں عجلت سے کام لو اور **(مجھ کو)** کسی طرح کی **(مہلت ہی نہ دو)**، کہ میں تمہاری خیالی اور مزعومہ آفت سے اپنے بچاؤ کیلئے کچھ کرسکوں۔ نادانو! غور سے سن لو، کہ۔۔۔

اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰہُ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ ۚۖ

بیشک میرا مولیٰ اللہ ہے، جس نے اتاری کتاب

وَ ہُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۹۶﴾

اور وہ نیکوں کا کارساز ہے●

(بیشک میرا مولیٰ اللہ) تعالیٰ **(ہے جس نے اتاری کتاب، اور وہ نیکوں کا کارساز ہے)**۔۔

المختصر۔۔میں اپنے خدائے وحدہ لاشریک کی حفاظت اور حمایت پر یقین رکھتا ہوں، اور تمہارے قصد اور مکر سے ہرگز نہیں ڈرتا۔ ساری دنیا میری مخالف ہو جائے، لیکن جب قادرِ مطلق خدائے وحدہ لاشریک میرا نگہبان ہے، تو مجھے کسی کا خوف نہیں۔۔۔

اس سے پہلی آیتوں میں فرمایا تھا کہ بتوں کو حصول نفع اور دفع ضرر میں مطلقاً قدرت نہیں اور اس آیت میں یہ واضح فرمایا، کہ صاحب عقل کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، جو دین اور دنیا کے منافع پہنچانے کا ولی ہے۔ دین کے منافع اسطرح پہنچائے کہ اس نے یہ کتاب یعنی قرآن مجید کو نازل فرمایا، جس میں معیشت اور آخرت کا مکمل اور جامع نظام ہے۔ اور دنیا کے منافع اسطرح پہنچائے کہ اس نے فرمایا وہ صالحین کا ولی ہے، یعنی نیک لوگوں کا مددگار ہے۔

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ

اور جن کی دہائی دیتے ہو اللہ کو چھوڑ کر، وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے،

وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿۱۹۷﴾

اور نہ اپنی مدد کریں"●

اے کافرو! غور سے سنو (اور) یقین رکھو کہ تم (جن کی دہائی دیتے ہو) اور جن کی پرستش کرتے ہو اور انھیں خدا سمجھ کر پکارتے ہو (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)، اسکے باغی ہو کر، (وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے)۔ وہ تمہاری مدد کیا کریں گے ان میں تو اتنی بھی سکت نہیں (اور نہ) اتنی طاقت ہی ہے کہ خود (اپنی مدد کریں) اے ایمان والو! ان کافروں کا عجیب حال۔۔۔

وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَسْمَعُوا ۖ وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ

اور اگر انھیں راہ پر بلاؤ تو نہ سنیں۔ اور تم دیکھو گے کہ وہ تم کو دیکھ رہے ہیں،

إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۹۸﴾

حالانکہ وہ نہیں دیکھتے●

(اور) انکی عجب سمجھ ہے کہ (اگر) تم (انھیں راہ) ہدایت (پر بلاؤ) اور انھیں صراط مستقیم یعنی اس راستے پر آنے کی دعوت دو، جو انبیاء واولیاء کی راہ ہے، (تو) اسکو قبول کرنے کے خیال سے (نہ سنیں۔ اور) انکا حال ایسا ہے کہ اگر (تم) انکو (دیکھو گے) یہ سوچ کر (کہ وہ تم کو دیکھ رہے ہیں) یعنی بظاہر ایسا لگے گا کہ وہ تم کو دیکھ رہے ہیں (حالانکہ وہ نہیں دیکھتے)۔ ظاہر ہے کہ جب دیدۂ بصیرت اور نگاہِ حقیقت آشنا سے آپ کو نہیں دیکھتا، تو انکا ظاہراً دیکھنا، نہ دیکھنے ہی کی طرح ہے۔

۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں نبوت کے جو دلائل اور نشانیاں رکھی ہیں، جب یہ اسکا اثر قبول نہیں کرتے، تو ایسا ہی ہے کہ گویا وہ آپ کو نہیں دیکھتے۔ یہ تو آپکو عربی، قرشی، ابن عبداللہ، برادرزادۂ ابوطالب اور نبیرہ عبدالمطلب، وغیرہ کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر محمد رسول اللہ سمجھ کر اور تمام دنیوی رشتوں کو بالائے طاق رکھ کر دیکھتے، تو ضرور ایمان قبول کر لیتے۔۔الغرض۔۔انکا دیکھنا نتیجہ کے لحاظ سے غیر مفید ہونے میں، نہ دیکھنے ہی کی طرح ہے۔ یہ تو بظاہر بالکل اپنے بتوں کی طرح ہیں، جن کو دیکھو تو ایسا لگتا ہے کہ وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ نہیں دیکھتے۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی اور نیک مسلمانوں کا حامی وناصر ہے اور بت اور اس کے پجاری کسی کو نفع ونقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔ اور اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے کا صحیح اور معتدل طریقہ بیان فرمایا ہے، کیونکہ صالح اور نیک ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ، مخلوق کے ساتھ بھی نیک سلوک کیا جائے۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد، دونوں کی رعایت کی جائے۔ تو اے محبوب! حسب معمول۔۔۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

معاف کردیا کرو، اور نیکی کا حکم دیتے رہو، اور جاہلوں سے کنارے رہا کرو●

(معاف کردیا کرو) اور اپنے مکارمِ اخلاق کا مظاہرہ کرتے رہو اور لوگوں سے وہی کام لو جو وہ کرسکیں، اور جنکا کرنا ان پر شاق نہ ہو۔۔یا۔۔لوگوں کے ساتھ عفو ودرگزر سے کام لو اور گنہگاروں کو اپنی رحمت سے مایوس نہ کرو (اور نیکی کا حکم دیتے رہو)، یعنی اقوال وافعال کو سدھارنے کی ہدایت کرتے رہو، (اور جاہلوں سے کنارے رہا کرو)۔ ان سے غیر مفید بحث وتکرار نہ کرو، بلکہ اپنے کو جاہلانہ روش سے دور رکھو۔ لہٰذا جو آپ سے قطع کرے اس سے ملو، جو محروم رکھے اُسے عطا کرو، اور جو ظلم کرے اسکو معاف کردو۔ درحقیقت مکارمِ اخلاق کے اصول یہی ہیں۔ تو اے محبوب! ایمان والوں کو یہ ساری ہدایتیں فرماتے رہیں۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جاہلوں سے اعراض کیجئے۔ ظاہر ہے کہ جاہلوں کی جفا اور جہالت پر انسان کو طبعی طور پر غصہ آتا ہے، تو اے محبوب! اپنے تمام چاہنے والوں کو آگاہ فرمادیں کہ جاہلوں کی کسی جاہلانہ حرکت پر انھیں غصہ آئے، تو یہ غصہ دراصل شیطانی وسوسہ ہے۔۔۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ

اور اگر شیطان کا کونچا تم میں سے کسی کو کونچے، تو اللہ کی پناہ مانگ لے۔

اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۰۰﴾

بیشک وہ سننے والا جاننے والا ہے●

(اور اگر) یہ صورت پیش آئے کہ (شیطان کا کونچا تم میں سے کسی کو کونچے)، یعنی شیطان میں سے کسی کو کسی وسوسے میں مبتلا کر دے، (تو) اسکا علاج یہ ہے کہ وہ (اللہ) تعالیٰ (کی پناہ مانگ لے) شیطان کے شر سے۔ (بیشک وہ سننے والا) ہے جو بات تو زبان سے نکالتا ہے اور (جاننے والا ہے) جو بات تیرے دل میں ہے۔ یاد رکھو کہ جو خدا کی پناہ میں آجاتے ہیں اور ہر وقت خشیت الٰہی کے سایے میں رہتے ہیں، انکی شان یہ ہے کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا

بیشک جو ڈر والے ہیں، جب لگا انھیں کوئی چرکا شیطان کا، چونک اٹھے،

فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴿٢٠١﴾

فوراً وہ آنکھ والے ہوجاتے ہیں●

(بیشک جو ڈر) نے (والے ہیں) اور تقویٰ کی زندگی گزارنے والے ہیں انکی شان یہ ہے، کہ (جب لگا انھیں کوئی چرکا) وسوسہ کی صورت میں (شیطان کا)، تو وہ چوکنا ہوگئے اور (چونک اٹھے) پھر (فوراً وہ آنکھ والے ہوجاتے ہیں)، صواب کی راہ ان پر واضح ہوجاتی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ دل سے شیطانی وسوسوں کو دور کر دیتے ہیں اور راہِ حق پر آجاتے ہیں۔

وَإِخْوَٰنُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٢٠٢﴾

اور شیطان کے بھائیوں کو شیاطین کھینچے چلے جاتے ہیں گمراہی میں، پھر تھمتے نہیں●

(اور) اسکے برعکس (شیطان کے بھائیوں) یعنی کافروں (کو شیاطین) انس (کھینچے چلے جاتے ہیں گمراہی میں، پھر تھمتے نہیں)۔ یعنی انکو گمراہ کرنے میں کوئی کور کسر باقی نہیں رکھتے اور دست تصرف ان سے کوتاہ نہیں کرتے، اور انکو اپنی گرفت میں رکھنے کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح وہ شیاطین جن کی مدد کرتے رہتے ہیں۔

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ شیاطین انس اور شیاطین جن، لوگوں کو گمراہ کرنے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ اب اگلی آیت میں انکے گمراہ کرنے کی ایک خاص نوع کو بیان فرمایا

ہے، کہ وہ بطورِ سرکشی معجزاتِ مخصوصہ طلب کرتے ہیں، جنکا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۹۰ اور ۹۳ میں کیا جاچکا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اللہ تعالیٰ کے رسول سے ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ اے محبوب! ذرا ان کافروں کی ضد، ہٹ دھرمی اور بے عقلی دیکھو تو، کہ۔۔۔

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ

جب نہ لائے تم ان کے پاس کوئی آیت، تو "بول پڑے کہ خود ہی کیوں نہ بنالیا"۔ جواب دو، "کہ میں صرف

مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى

وحی ربانی کی پیروی کرتا ہوں"۔ یہ بصیرت افروز باتیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے،

وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور ہدایت ورحمت انکے لئے جو مان جائیں●

(جب نہ لائے تم انکے پاس کوئی) انکی مطلوبہ (آیت، تو بول پڑے) بطورِ تمسخر واستہزاء، (کہ خود ہی کیوں نہ بنالیا)۔ اگر کبھی آیت قرآنی کے نزول میں تاخیر ہوتی، تو یہی بک دیا کرتے تھے۔ حالانکہ اگر وہ ذرا بھی غور کرتے، تو ان پر واضح ہوجاتا، کہ بیشک یہ رسول سچے رسول ہیں۔ اگر جھوٹے ہوتے، تو کیا عجب وہی کرتے، کفار جسکا مشورہ دے رہے تھے۔

تو اے محبوب! کافروں کو واضح لفظوں میں (جواب) دے (دو، کہ میں صرف وحی ربانی کی پیروی کرتا ہوں)، میں اپنی طرف سے قرآن نہیں بناتا۔ غور کرو کہ جو میری طرف وحی کی جاتی ہے (یہ بصیرت افروز باتیں ہیں تمہارے پروردگار کی طرف سے)، یعنی ایسی دلیلیں ہیں کہ اس سے راہِ حق نظر آتی ہے اور راہِ صواب دریافت ہوجاتی ہے، (اور) ان میں منجانب اللہ (ہدایت ورحمت) ہے (انکے لئے جو مان جائیں) اور خدا اور رسول پر مخلصانہ ایمان لائیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی عظمت بیان فرمائی تھی، کہ یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے بصیرت افروز احکام کا مجموعہ ہے اور ایمان لانے والوں کیلئے۔ ہدایت اور رحمت ہے۔ اور اب اگلی آیت میں یہ بتایا جارہا ہے، کہ اسکی عظمت۔۔۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب پڑھا جائے قرآن، "تو اس کو کان لگا کر سنو، اور چپ رہو، کہ رحم کیے جاؤ"●

(اور) اسکی شان وشوکت کا یہ تقاضا ہے کہ (جب پڑھا جائے قرآن، تو اسکو کان لگا کر) پوری توجہ کے ساتھ (سنو اور چپ رہو)۔

سننے اور خاموش رہنے کے وجوب کا حکم اس صورت میں ہے، جبکہ نماز میں قرأت کی جارہی ہو۔۔لیکن۔۔عمومِ الفاظ کے پیش نظر، قرآن مجید کا مطلقاً سننا اور خاموش رہنا واجب ہے، خواہ نماز سے خارج ہی کیوں نہ تلاوت کی جارہی ہو۔یہی نقطۂ نظر سب سے زیادہ صحیح ہے۔۔ہاں۔۔اگر کوئی معقول عذر ہو، تو معاف ہے۔ایسی صورت میں جبکہ کوئی سننے سے شرعاً معذور ہو، تو ایسے کے پاس تلاوت کرنے والا ہی گنہگار قرار دیا جائیگا۔

۔۔الختصر۔۔قرآن کی تلاوت نماز میں ہو۔۔یا۔۔خطبہ میں۔۔یا۔۔ان دونوں سے باہر، ہر حال میں اُسے سنو اور خاموش رہو، تا (کہ رحم کیے جاؤ) اور قرآن کریم کے احترام کے اجر وثواب کے مستحق بنا دیئے جاؤ۔۔۔

قرآن کریم میں ذکر الٰہی کرنے اور اسکو غور سے سننے کی ہدایت کرنے کے بعد، اب عام طور سے ذکر الٰہی کی ترغیب دی جارہی ہے۔۔۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ

اور یاد کروا پنے پروردگار کو، اپنے دل میں، گڑگڑا کر، اور ڈر کر، اور چلاّہٹ سے،

مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۲۰۵﴾

کم آواز سے، صبح وشام، اور غفلت والوں میں نہ رہا کرو●

(اور) فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب! (یاد کروا پنے پروردگار کو اپنے دل میں گڑگڑا کر اور ڈر کر) یعنی زاری وعاجزی کے ساتھ، فضل الٰہی سے امید رکھتے ہوئے، اور عدلِ خداوندی سے ڈرتے ہوئے، (چلاہٹ سے کم آواز سے)، یعنی ایسی آواز سے جو چلاہٹ سے کم ہو اور اُسے چلاہٹ اور شور مچانا نہ کہا جاسکے۔۔الغرض۔۔وہ آہستہ اور بلند آواز کے درمیان ہو (صبح وشام)، کیونکہ یہ دو وقت دن کے اوقات میں زیادہ شرف رکھتے ہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صبح وشام فرما کر، ذکر کی ہمیشگی کی طرف اشارہ کیا جارہا ہو۔

۔۔الغرض۔۔ذکر الٰہی کرتے رہو (اور غفلت والوں میں نہ رہا کرو) یعنی اپنی روش ایسی نہ بناؤ

جو ذکر خدا سے غافل رہنے والوں کی روش ہے۔۔۔رہ گئے کفار، جو سب سے بڑے غفلت والے ہیں اور خدا کے سجدے سے سرکشی کرتے ہیں، اور خدا کا سجدہ کرنے سے ازراہِ تکبر تنفر کرتے ہیں، تو اے محبوب! آپ کافروں کی سرکشی سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔اگر یہ ہماری بارگاہ میں نہیں جھکتے، تو اس سے ہماری شان وشوکت میں کیا کمی آجاتی ہے۔اے محبوب! آپ کو تو معلوم ہی ہے، کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ

بیشک جو تمہارے پروردگار کے پاس ہیں، نہیں بڑے بنتے اسکے پوجنے سے،

وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۩ ۲۰۶

اور اسکی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کا سجدہ کرتے ہیں●

(بیشک جو) ملاء اعلیٰ کے ملائکہ (تمہارے پروردگار کے پاس ہیں) وہ تو (نہیں بڑے بنتے اسکے پوجنے سے اور) یہ سارے بارگاہِ عزت کے مقرب (اس) رب قدیر ہی (کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کا سجدہ کرتے ہیں)۔تو ان نادان کافروں کے سجدہ نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔

اس آیت میں مشرکوں پر تعریض ہے اور مومنوں کو تنبیہ ہے۔اسی لئے اس آیت کو پڑھ کر سجدہ کرنا چاہئے۔قرآن کریم میں چودہ۱۴ سجدۂ تلاوت ہیں، ان چودہ۱۴ کا پہلا یہی ہے۔سجدۂ تلاوت، پڑھنے والے اور سننے والے پر، خواہ نماز میں۔۔یا۔۔غیر نماز میں، واجب ہے۔اُس وقت اگر فوت ہوجائے، تو قضا لازم ہے۔دراصل اِس سجدہ کو سجدۂ ملائکہ کہا جاتا ہے۔

کیا ہی خوش نصیب ہیں، وہ سجدہ کرنے والے، جو اس خاص سجدے سے خصائص ملکی کا فیض حاصل کرتے ہیں۔۔المختصر۔۔سجدہ ایک خاص اطاعت ہے، بلکہ اِس سجدہ کے تاج سے اہل اخلاص کے سروں کو زیب وزینت ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ، اللہ کے فضل وکرم سے سورۂ اعراف کی تفسیر آج مکمل ہوگئی۔مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قرآن کریم کے باقی حصوں کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے،

آمین یا مجیب السائلین بحرمة حبیبك ونبیك سیدنا محمد ﷺ

۱۲ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۳۰ دسمبر ۲۰۰۹ء

بروز چہار شنبہ۔۔بوقت۔۔پونے ایک بجے دن

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج

۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۳۱ دسمبر ۲۰۰۹ء

بروز پنج شنبہ بوقت دس بجے دن

سورۂ انفال کی تفسیر کا آغاز ہوگیا۔

مولیٰ تعالیٰ اسکی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین بحرمة حبيبه ﷺ

سورۂ الانفال ۸ مدنیہ ۸۸ | آیاتہا ۷۵ رکوعاتہا ۱۰

سورۂ الانفال

۸ مدنیہ ۸۸ آیات ۷۵ رکوع ۱۰

اس سورۂ مبارکہ کا مختصر تعارف یہ ہے، کہ یہ پوری سورۂ مبارکہ غزوۂ بدر کے معاملات پر نازل فرمائی گئی۔ یہ مدینہ میں نازل ہونے والی دوسری سورت ہے، جو سورۂ بقرہ کے بعد نازل ہوئی۔ جسکی شکل یہ تھی کہ سورۂ بقرہ کے نزول کے درمیان اسکا بھی نزول شروع ہوگیا، لیکن سورۂ بقرہ کے نزول کی تکمیل سے پہلے ہی اسکا نزول مکمل ہوگیا۔ چونکہ سورۂ بقرہ کا نزول شروع ہوجانے کے کافی بعد اسکے نزول کا آغاز ہوا، اسلئے یہ سورۂ بقرہ کے بعد کی سورت قرار پائی۔

چونکہ سورۂ انفال میں صرف ایک قسم کے احکام کثیر ہیں، یعنی مالِ غنیمت اور جہاد سے متعلق احکام نسبتاً زیادہ اور سورۂ بقرہ میں عبادات اور معاشرتی اور تمدنی مسائل سے متعلق انواع واقسام کے احکام ہیں۔ اسی لئے سورۂ انفال سورۂ بقرہ کی تکمیل سے پہلے ہی مکمل ہوگئی۔ 'نفل' کا معنی مالِ غنیمت ہے اور کفار سے چھینے ہوئے سامان سے جو چیزیں الگ کرلی جاتی ہیں، انکو بھی 'نفل' کہا جاتا ہے۔ اس سورت میں 'نفل' جس معنی میں استعمال ہوا ہے، وہ ان دونوں معنوں کو شامل ہے، اسلئے کہ سرکارِ رسالت سے دونوں کے تعلق سے سوالات ہوئے اور سرکار نے جو جواب عطا فرمائے، وہ دونوں کو شامل ہے۔

نفل اور غنیمت میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ ہر غنیمت نفل ہے لیکن ہر نفل کو غنیمت نہیں کہا گیا، اسلئے کہ مالِ غنیمت وہی مال ہے جو کافروں سے جہاد کے نتیجے میں

حاصل ہوا ہو۔۔الحتصر۔۔ایسی مجاہدانہ، غازیانہ اور سرفروشانہ احکام پر مشتمل سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر، کہ ان سب کو ہدایت ونجات کے راستے کی رہنمائی فرمائی اور انکے لئے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا۔اور مومنین کے گناہوں کو (بخشنے والا) ہے، اور انھیں مال غنیمت کا خصوصی عطیہ مرحمت فرمانے والا ہے، اس طور پر کہ مالِ غنیمت کو امت محمدیہ کیلئے حلال فرمادیا ہے۔تو اے محبوب! تمہارے شیدائی لوگ۔۔۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ

تم سے پوچھتے ہیں اموالِ غنیمت کے بارے میں، جواب دیدو "کہ اموال غنیمت کے مالک اللہ ورسول ہیں"۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ

تو ڈرتے رہو اللہ کو اور آپس میں صلح رکھا کرو۔ اور کہا مانو اللہ کا

وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①

اور اس کے رسول کا اگر تم اس کے ماننے والے ہو●

(تم سے پوچھتے ہیں اموال غنیمت کے بارے میں) کہ اس پر جوانوں کا حق ہے۔۔یا۔۔بوڑھوں کا؟ اسکے متولی مہاجرین ہونگے۔۔یا۔۔انصار؟ تو انکو (جواب دیدو کہ اموال غنیمت کے مالک اللہ) تعالیٰ (ورسول) ﷺ (ہیں)۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا نام لیکر پہلے اپنی حقیقی ملکیت کا ذکر فرمایا، اور پھر اپنے رسول کو اپنا نائب وخلیفہ ظاہر فرما کر اس تعلق سے فیصلے کا حق، آنحضرت ﷺ کو تفویض فرمادیا، کہ اب جو فیصلہ یہ فرمائینگے، وہ خدائی فیصلہ ہے۔۔لہٰذا۔۔اب رسول کریم کو اختیار ہے، کہ جسے چاہیں گے، جتنا چاہیں گے اور جب چاہیں گے، خدا کے حکم سے عطا فرمادینگے۔

(تو) اے ایمان والو! اس مسئلے میں بحث وتکرار سے باز آؤ اور ہر وقت (ڈرتے رہو اللہ) تعالیٰ (کو، اور) باہم جھگڑا اور نزاع نہ کرو، بلکہ (آپس میں صلح رکھا کرو) اور تم میں آپس میں یاری و

غمخواری کا جو نیک جذبہ ہے اسکو برقرار رکھو اور ختم نہ ہونے دو، (اور کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا اور اسکے رسول کا)۔ غنیمتوں وغیرہ کے باب میں جو وہ حکم فرمائیں، اسکے آگے سرِ تسلیم جھکا دو (اگر تم اسکے ماننے والے ہو) اسواسطے کہ ایمان اور تقویٰ کا یہ مقتضی ہے۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا، کہ اللہ اور اسکے رسول کی اطاعت کرو بشرطیکہ تم کامل مومن ہو۔ اس آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ کمالِ ایمان، کمالِ اطاعت کو مستلزم ہے۔ اور کمال ایمان اس وقت حاصل ہوگا، جب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مسلمان کا دل خوف زدہ ہو اور اللہ تعالیٰ کی آیات سن کر اسکا ایمان قوی ہو، اور وہ صرف اپنے رب پر توکل کر کے نماز قائم کرے اور صدقہ وخیرات ادا کرے۔ سو ایسے لوگوں کا ہی ایمان کامل ہے اور وہ ہی برحق مومن ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ درحقیقت کامل۔۔۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا

ماننے والے وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا گیا، ڈر گئے ان کے دل، اور جب

تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝٢

تلاوت کی گئی ان پر اللہ کی آیتیں، بڑھا دیا ان کے ایمان کو، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھیں●

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ۝٣

جو نماز قائم رکھیں اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس سے خرچ کریں●

(ماننے والے وہی ہیں) انکے سوا نہیں، (کہ جب) ان کے روبرو (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر کیا گیا) تو اس کے جلال کی ہیبت اور اسکی عظمتِ لایزال کے تصور سے۔۔ یا۔۔ اسکے انعام اور افضال کے مقابلے میں، اپنے اعمال کی کمی سے (ڈر گئے انکے دل، اور جب تلاوت کی گئی ان پر اللہ) تعالیٰ (کی) قرآنی (آیتیں)، تو (بڑھا دیا) ان آیتوں نے (انکے ایمان کو)۔ اسلیئے کہ اس سے پہلے سنی ہوئی آیتوں پر یہ ایمان لا چکے ہیں، تو اب جب ان آیتوں کو سنتے ہیں، تو اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور پھر پہلی آیتوں پر ایمان جب دوسری آیتوں کے ایمان کے ساتھ اکٹھا ہوتا ہے، تو زیادہ ہو جاتا ہے۔۔ الغرض۔۔ اس صورت میں ایمان نسبتاً اور بھی زیادہ قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے۔

(اور) ان ایمان والوں کی شان یہ ہے کہ (اپنے پروردگار) ہی (پر بھروسہ رکھیں)، دنیا اور

اہل دنیا پر نہیں۔ اسواسطے کہ جو کوئی غلبہ نورانیت حق کے حملوں کے تحت مضمحل اور مقہور ہوا ٔ سے ماسوی اللہ کی پرواہ نہیں رہتی، بلکہ اسکے دیدہ شہود میں غیر حق آتا ہی نہیں۔۔ الغرض۔۔ مومن کامل الایمان وہ لوگ ہیں۔۔۔ (جو) خالصاً لوجہ اللہ (نماز قائم رکھیں) اور تمام آداب و شرائط کے ساتھ اسکو ادا کرتے رہیں، (اور جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے) مقاصدِ خیر میں (اس سے خرچ کریں)۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

وہی ہیں ٹھیک ماننے والے۔ انھیں کیلئے درجے ہیں ان کے پروردگار کے یہاں۔

وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝۴

بخشش ہے اور باعزت رزق ہے●

(وہی ہیں) وہ لوگ جنھوں نے اعمالِ قلب، یعنی خوف وتوکل ویقین کو اعمالِ جوارح، یعنی نماز وزکوٰۃ کے ساتھ اکٹھا کیا، تو پھر وہی ہیں (ٹھیک ماننے والے)، یعنی اپنے ایمان میں راست اور درست۔ (انھیں کیلئے درجے ہیں) یعنی کرامت ومنزلت ہے۔۔یا۔۔ درجاتِ بہشت ہیں (انکے پروردگار کے یہاں) اور (بخشش ہے) انکی تقصیروں کی (اور باعزت رزق ہے)۔ یعنی ایسی پاک روزی جو بغیر محنت حاصل ہو جاتی ہو، اور زوال کے اندیشے اور حساب کے خوف سے خالی رہتی ہو۔۔۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ آپس میں رائے کا اختلاف انسانی فطرت ہے اور اگر یہ اختلاف نیک نیتی پر مبنی ہو، تو باعثِ رحمت بھی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ مالِ غنیمت کی تقسیم کے تعلق سے اصحابِ رسول ﷺ میں جو اختلاف ہوا، چونکہ وہ نیک نیتی پر مبنی تھا، اسلئے وہ ہوا بھی اور بآسانی فرمانِ رسول سے ختم بھی ہو گیا۔ تو انکا یہ مالِ غنیمت کی تقسیم میں اختلاف کرنا، بالکل اسی طرح کا اختلاف ہے۔۔۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا

جس طرح کہ تم کو برآمد کیا تمہارے پروردگار نے تمہارے گھر سے حق کے ساتھ، اور بیشک

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ۝۵

اہل ایمان کے ایک گروہ کو ناپسند تھا●

(جس طرح) کا اختلاف تم نے پہلے کیا تھا، اس وقت جب (کہ تم کو برآمد کیا تمہارے

پروردگار نے تمہارے گھر سے) یعنی مدینہ منورہ سے کافروں سے لڑائی کے واسطے (حق) وراستی (کے ساتھ، اور بیشک اہل ایمان کے ایک گروہ کو) کافروں سے جنگ کیلئے مدینے سے بدر کا یہ سفر اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے (ناپسند تھا)۔

چونکہ ابتداءً وہ مدینے سے کافروں سے جنگ کے ارادے سے نکلے ہی نہ تھے، اسلئے جنگ کیلئے جو ضروری تیاریاں کرنی چاہئے تھیں، نہیں کی تھیں۔ وہ تو صرف شام سے واپس ہونے والے تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کے خیال سے نکلے تھے، اور اسی حساب سے تیاری کی تھی۔ اسطرح کی تیاری باضابطہ ایک بڑی فوج سے مقابلہ کرنے کیلئے نہیں کی جاتی۔۔ الغرض۔۔ انھیں خود حکم رسول سے کراہت نہ تھی، اور نہ ہی پیغمبر کے حکم سے ذرّہ برابر مخالفت تھی۔۔ ہاں۔۔ صرف اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے۔۔۔

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ

وہ الجھتے تھے تم سے امر حق میں بعد اس کے کہ وہ روشن ہو چکا، گویا وہ ہانکے جا رہے ہیں موت کی طرف،

وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿٦﴾

اور وہ دیکھ رہے ہیں●

(وہ الجھتے تھے تم سے امر حق) یعنی جہاد کیلئے بدر کی طرف رخ کرنے (میں)، یعنی بطورِ خود انھوں نے جو سمجھ رکھا تھا اور جو رائے بنا رکھی تھی، اسکو پیش کرنے میں مبالغہ وصاف گوئی سے کام لیا۔ (بعد اسکے کہ) اے محبوب! تیرے بیان سے جو ہونے والا تھا (وہ روشن ہو چکا) اور انھوں نے یہ بات جان لی کہ دشمن پر فتح پائینگے۔ پیغمبر نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ یہ جہاد ان پر واجب ہے، جو تجارتی قافلوں کو لوٹنے سے زیادہ اہم اور نتیجہ خیز ہے۔

ان تمام باتوں کے باوجود جب انکی نظر اس بات پر پڑتی تھی کہ تمام لشکر میں تقریباً تین سو پچاس۔۔ یا۔۔ تین سو تیرہ[۱۳] آدمی تھے، اور ستر[۷۰] اونٹ اور صرف دو[۲] گھوڑے اور محض آٹھ[۸] تلواریں تھیں۔ اور انکے مقابل میں کم وبیش ایک ہزار[۱۰۰۰] افراد، تمام آلات حرب وضرب سے لیس ہو کر اور جنگی ساز وسامان سے آراستہ ہو کر موجود تھے، تو ان میں سے بعض افراد اپنی بے سروسامانی کے سبب شکستہ دل ہو گئے، گو انھوں نے حکم رسول کی جان ودل کے ساتھ پوری تعمیل کیلئے اپنے کو تیار کر لیا، لیکن بشری

تقاضے سے انکو ایسا لگا (گویا وہ ہانکے جارہے ہیں موت کی طرف، اور وہ) موت کی علامتوں کو اپنی کھلی آنکھوں سے (دیکھ رہے ہیں)۔ اے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذۡ یَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَى الطَّآئِفَتَيۡنِ اَنَّهَا لَكُمۡ وَتَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَيۡرَ

اور جب کہ وعدہ فرمارہا ہے تم سے اللہ، دونوں گروہِ دشمن میں سے ایک، کہ وہ تمہارا ہے، اور تمہاری خواہش یہ، کہ بے

ذَاتِ الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَكُمۡ وَيُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّحِقَّ الۡحَقَّ

خطر گروہ تمہارا ہو جائے۔ اور اللہ کا ارادہ یہ، کہ اپنے حق کلموں کو حق

بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقۡطَعَ دَابِرَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۝

کر دکھائے، اور کافروں کو جڑ سے کاٹ دے ●

(اور) سب کو یاد کرادو (جبکہ وعدہ فرمارہا ہے تم سے اللہ) تعالیٰ (دونوں گروہ دشمن میں سے ایک) کا، (کہ وہ تمہارا ہے) یعنی قافلے والے اور مکہ والے، ان دو میں سے ایک پر تمہارا غلبہ ہو جائیگا ۔۔الغرض۔۔ جدھر بھی تم رخ کرو تمہاری فتح یقینی ہے۔ تو اب بتاؤ تم کدھر جانا چاہتے ہو۔ قافلہ پر قبضہ آسان ہے، مگر دین اسلام کے فروغ کیلئے زیادہ سودمند نہیں۔ اسکے برعکس مکی فوج سے مقابلہ دشوار ہے، مگر اعلاءِ کلمۃ الحق کا ثمرہ اُسی سے حاصل ہوتا ہے۔

تمہاری گفتگو (اور) تمہارے اندازِ فکر سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ (تمہاری) قوم کے بعض افراد کی (خواہش یہ) ہے (کہ بے خطر گروہ) جو بے شوکت و بے ہتھیار ہے، پر قبضہ (تمہارا ہو جائے) اور انکا مال واسباب بآسانی تمہارے ہاتھ آجائے۔ یہ تو رہی تمہاری خواہش، (اور) اسکے برخلاف (اللہ) تعالیٰ (کا ارادہ یہ) ہے (کہ اپنے) لوح محفوظ میں محفوظ (حق کلموں کو حق کر دکھائے) اور نبی کریم سے فتح کے جو وعدے فرمائے گئے ہیں۔۔یا۔۔ کفار کے قتل اور انکے قید کرنے کی پیغمبر کے ذریعہ جو خبریں دی گئیں ہیں، ان سب کی حقانیت واضح فرمادے، (اور کافروں کو) اس مقابلے کے ذریعہ (جڑ سے کاٹ دے)، اور معاندین کو نیست و نابود کر دے۔۔۔

لِيُحِقَّ الۡحَقَّ وَيُبۡطِلَ الۡبَاطِلَ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ۝

تاکہ حق کو حق، اور ناحق کو ناحق فرمادے، گو برا مانیں مجرم لوگ ●

(تاکہ حق کو حق اور ناحق کو ناحق فرمادے)، یعنی دین اسلام کو غالب فرمادے اور اپنے محبوب کو کامیاب فرمائے اور کفر کو نمایاں کردے اور مشرکین کو کمزور وناتواں کردے، تاکہ وہ اہل حق کے مقابلے میں سر اٹھانے کے لائق نہ رہ جائیں (گو برا مانیں) اور ناپسند کریں (مجرم لوگ)۔ ظاہر ہے کہ کافر کب چاہیں گے کہ وہ ذلیل وخوار ہوں اور اسلام کو غلبہ واستیلاء حاصل ہو۔ مگر ایمان والو! تمہاری تو پہلی خواہش یہی ہونی چاہئے کہ دین واسلام کا بول بالا ہو اور مسلمان قوم ساری قوموں پر غالب وقاہر رہے۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ وہ حق کو ثابت کریگا اور ناحق کو باطل فرمائیگا۔ اب آگے ارشاد فرمارہا ہے، جو لوگ دین حق پر قائم ہیں، جب وہ اللہ تعالیٰ سے کسی مصیبت ۔۔یا۔۔ امتحان کے موقع پر فریاد کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ انکی مدد فرماتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اے محبوب! یاد کرو اور اپنے صحابہ کو یاد کرادو اس واقعہ کو۔۔۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ

جبکہ کہ تم لوگ فریاد کررہے ہوا اپنے پروردگار سے، چنانچہ اس نے قبول فرمالی تمہاری، کہ بیشک میں مدد فرمانے والا ہوں

مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝

تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے لگاتار•

(جبکہ تم لوگ فریاد کررہے ہو اپنے پروردگار سے) اور اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کناں ہو اور عرض کررہے ہو، کہ اے فریادیوں کی فریاد کو پہنچنے والے، ہماری فریاد کو پہنچ، اور اے ہمارے رب ہمیں ہمارے دشمن پر فتح عطا فرما اور کامیاب فرما۔

نبی کریم یہ دعا فرمارہے تھے اور سب آمین کہہ کر اس دعا میں شریک تھے۔۔یا۔۔ یہاں فریاد سے مراد نبی کریم کی بارگاہِ خداوندی میں وہ خصوصی عرض ہے، جسے مسلمانوں کی طرف سے ان کے وکیل اور نگہبان ہونے کی حیثیت سے آپ نے پیش فرمائی تھی، 'کہ اے خدا! اگر مومنوں کے اس گروہ کو تو ہلاک کردیگا، تو کوئی نہ ہوگا جو تیری عبادت کرے۔'

(چنانچہ اس نے قبول فرمالی تمہاری) دعا اور وعدہ فرمالیا (کہ بیشک میں مدد فرمانے والا ہوں تمہاری ایک ہزار فرشتوں سے لگاتار) ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے۔

یہ ان ہزار فرشتوں کا ذکر ہے جو لشکرِ ملائکہ کے آگے تھے۔۔یا۔انکے افسر وسردار تھے۔
غزوۂ بدر میں جن بعض مقتولین کے قاتل کی نشاندہی نہیں ہوسکی، ممکن ہے انھیں انہی ہزار فرشتوں میں سے کسی نے قتل کردیا ہو۔ ویسے فرشتے بنیادی طور پر قتال کرنے کیلئے نہیں نازل فرمائے گئے تھے۔اس پر سورۂ ال عمران میں گفتگو ہوچکی ہے، جہاں تین ہزار اور پانچ ہزار فرشتوں کے بھی نازل ہونے کا ذکر ہے۔۔۔آخر ان فرشتوں کو رب تبارک وتعالیٰ نے کیوں نازل فرمایا؟ تو لو گو! سنو۔۔۔

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ

اور نہیں کیا یہ اللہ نے، مگر خوش خبری، اور تاکہ اطمینان پاجائیں اس سے تمہارے دل،

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۠﴿۱۰﴾ ع۱۵

اور مدد نہیں مگر اللہ کی طرف سے۔ بیشک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے●

(اور) یادرکھو کہ (نہیں کیا یہ اللہ) تعالیٰ (نے) یعنی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نازل نہیں فرمایا (مگر) اسلئے کہ مسلمانوں کو (خوشخبری) حاصل ہوجائے، اور وہ سمجھ لیں کہ انکی فتح یقینی ہے، کیونکہ رب تعالیٰ کی مدد انکے ساتھ ساتھ ہے۔تو مسلمانو! یہ نوازش اسی لئے (اور) اسی مقصد کیلئے تھی (تاکہ اطمینان پاجائیں اس سے تمہارے دل)۔خدا نے مدد کا جو وعدہ فرمایا اُسے تم اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لو، اور تمہاری قلت اور بے سروسامانی کا خوف تمہارے دلوں سے دور ہوجائے، اور تم اچھی طرح سے سمجھ لو، (اور) جان لو کہ (مدد نہیں مگر اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے)، یعنی فتح وظفر منجانب اللہ ہے، ملائکہ وغیرہ کے سبب سے نہیں۔(بیشک اللہ) تعالیٰ (غالب ہے) جو اپنے دوستوں کو فتح دیتا ہے اور (حکمت والا ہے) یعنی کام کو درست فرمانے والا ہے، اور دشمنوں کو مغلوب ومقہور فرمانے والا ہے۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اجمالی طور پر فرمایا تھا کہ غزوۂ بدر میں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد تھی۔اب اللہ تعالیٰ تفصیل سے اس امداد کو بیان فرمارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔پہلی مدد تو اس وقت فرمائی۔۔۔

اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ

جب کہ چھائے دے رہا ہے اونگھ تم پر اپنی طرف سے امن کیلئے، اور گرا رہا ہے تم پر

السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ

آسمان سے پانی، کہ باطہارت کردے تم کواس سے اور دور کردے تم سے شیطان کی ناپاکی،

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

اور تاکہ ڈھارس بندھائے تمہارے دلوں کی، اور تمہیں ثابت قدم کردے●

(جبکہ چھائے دے رہا ہے اونگھ تم پر اپنی طرف سے امن کیلئے) یعنی مسلمانوں پر غنودگی طاری فرمادی۔

ظاہر ہے کہ غنودگی کے عالم میں انسان بالکل مطمئن ہوجاتا ہے، اور اسکو کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا۔ مسلمانوں پر یہ غنودگی اس رات طاری ہوئی، جسکی صبح کوانھیں کفار کے خلاف جنگ کرنا تھا۔ انکی تعداد کم تھی، صبح کو اپنے سے تین گنا لشکر کا سامنا کرنا تھا۔ بظاہر اس فکر اور پریشانی کی وجہ سے انکو نیند نہیں آنی چاہئے تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے انکے دلوں کو مطمئن اور مضبوط کردیا۔

اگر مسلمان رات جاگ کر گزارتے، تو صبح کو وہ لڑنے کیلئے تازہ دم نہ ہوتے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا اور انکی یہ امداد کی کہ ان پر نیند طاری کردی، اسی لئے جمعہ کی صبح کو جس دن جنگ ہونی تھی، وہ بالکل تازہ دم اور جنگ کیلئے تیار تھے۔ اس موقع پر رب کریم اپنی دوسری مدد کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمارہا ہے، کہ اے محبوب! یاد کرو کہ مذکورہ بالا نیند کے سوا تمہیں بارش عطا فرمارہا ہے۔۔۔

(اور گرارہا ہے تم پر آسمان سے پانی، کہ باطہارت کردے تم) میں سے ان (کو) جنھیں غسل جنابت کی ضرورت ہوگئی ہے (اس) پانی (سے، اور دور کردے تم سے شیطان) کے وسوسوں (کی ناپاکی)۔

اسوقت کا قصہ یہ تھا کہ کفار قریش نے بدر میں پہلے پہنچ کر پانی پر قبضہ کرلیا تھا اور مسلمان خوفزدہ اور پیاسے تھے اور بعض جنبی تھے، انھیں پینے کیلئے پانی میسر تھا، نہ غسل کیلئے۔۔ علاوہ ازیں۔۔ ریت میں انکے پاؤں دھنس رہے تھے اور ہوا سے ریت اڑرہی تھی، اور شیطان انکے دل میں وسوسے ڈال رہا تھا، کہ اگر یہ دین سچا ہوتا، تو تم اس مصیبت میں مبتلا نہ ہوتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی، جس سے ریت جم گئی اور انکی پیاس بجھ گئی اور انھوں نے غسل کرلیا۔

انھوں نے زمین کو کھود کر ایک حوض بنالیا تھا، جس میں انھوں نے بارش کا پانی اکٹھا کرلیا

۔۔الختصر۔۔اس بارش کے ذریعہ انھوں نے غسل کرلیا اوران سے نجاست دور ہوگئی۔۔نیز۔۔
اس سے شیطان کا ڈالا ہوا یہ وسوسہ باطل ہوگیا، کہ اگر تم دین حق پر ہوتے، تو اسطرح پیاسے
اور جنبی نہ رہتے۔اس بارش کے نازل فرمانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔۔۔

(اور) اس میں یہ حکمت بھی تھی، (تاکہ ڈھارس بندھائے تمہارے دلوں کی) اور تمہارے دلوں کو عنایتِ حضرت باری کی امیدواری سے مربوط کردے، (اور تمہیں ثابت قدم کردے)، یعنی جب ریت کی زمین پر پانی برسا، تو ریت کو جما کر مضبوط کردیا، تو مسلمانوں کے قدم رکھنے کی جگہ مضبوط ہوگئی اور سخت زمین پر کافروں کا پڑاؤ تھا، وہاں بہت زیادہ کیچڑ ہوگئی۔زمین بدر پر تمہاری یہ ثبات قدمی، میدانِ جنگ میں معرکہ کے وقت تمہاری ثبات قدمی کی تمہید بن گئی۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ

جبکہ پوشیدہ حکم بھیج رہا ہے تمہارا پروردگار فرشتوں کی طرف، کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں، تو مضبوط رکھوانکو جوایمان لاچکے،

سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ

بہت جلد میں ڈالے دیتا ہوں کافروں کے دلوں میں رُعب، تو مارو گردن سے اوپر،

وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾

اور مارو ان کی ہر ہر پور●

اے محبوب! یاد کرو (جبکہ پوشیدہ حکم بھیج رہا ہے تمہارا پروردگار فرشتوں کی طرف، کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں) امداد واعانت میں، (تو) فتح ونصرتِ خداوندی کی خوشخبریوں کے ذریعہ اور انکے لشکر کی افرادی طاقت ان کی نگاہوں میں زیادہ دکھا کر (مضبوط رکھوان کو جوایمان لاچکے)۔

۔۔چنانچہ۔۔فرشتے مسلمانوں کی صف کے آگے آگے بروایتے آدمیوں کی صورت میں
چلتے اور کہتے جاتے کہ تمہیں خوشخبری ہو، کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارا حامی وناصر ہے۔۔الختصر۔۔
تمہاری فتح یقینی ہے۔

اے فرشتو! انکو یہ بشارت دیدو، کہ (بہت جلد میں ڈالے دیتا ہوں کافروں کے دلوں میں رعب) اوران لوگوں کے دلوں میں خوف وڈر جنھوں نے حق چھپایا۔الختصر۔۔ان سب کو مومنین سے ایسا مرعوب کردیا جائیگا، کہ انکے حوصلے پست ہوجائینگے۔اے فرشتو! مومنین کی حوصلہ افزائی اور انکی

دلداری کیلئے اور اس حقیقت کو انکا چشم دید بنانے کیلئے، کہ خدائے کریم کی فتح ونصرت انکے ساتھ ہے، تم بھی بعض غیر معروف کافروں کے ساتھ ہی سہی، مسلمانوں کی نظر میں اپنے کو شریک قتال دکھانے کیلئے، کچھ عملی مظاہرہ بھی کرو، (تو مارو) کافروں کو ان کی (گردن سے اوپر اور مارو) یعنی زبردست چوٹ لگاؤ (ان) کے ہاتھوں اور پیروں (کی ہر ہر پور) پر۔

۔۔المختصر۔۔سر سے پیر تک ضرب شدید سے انھیں چور چور کردو۔ گو تمہارا یہ عملی مظاہرہ بعض غیر معروف کفار ہی کے ساتھ ہوگا، لیکن جو مومنین اس منظر کو دیکھیں گے، ان کو اپنی فتح ونصرت اور اپنے ساتھ نصرت الٰہی کی شرکت کا علم الیقین، عین الیقین سے بدل جائیگا۔ اور پھر اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے والوں اور انھیں سے انکے چشم دید منظر کو براہِ راست اپنے کانوں سے سننے والوں کے قلبی اطمینان کا عالم یہ ہو جائیگا، کہ شیطان کا کوئی وسوسہ انھیں مضمحل نہ کر سکے گا۔۔۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ

یہ اس لئے کہ انھوں نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسول کی اور جو مخالفت کرے اللہ

وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

اور اس کے رسول کی، تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے●

(یہ) ضرب شدید انھیں پہنچانا (اسلئے) ضروری ہے، کیوں (کہ انھوں نے مخالفت کی اللہ) تعالیٰ (کی اور اسکے رسول کی، اور) یہ عدلِ خداوندی کا تقاضا اور اسکا ضابطہ ہے، کہ (جو مخالفت کرے اللہ) تعالیٰ (اور اسکے رسول کی، تو اللہ) تعالیٰ اسے (سخت عذاب دینے والا ہے)، دنیا میں گرفتاری اور آخرت میں ذلت وخواری کے ساتھ۔ تو اے کافرو! دنیا میں تمہیں جو۔۔۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

یہ شکست کا مزہ تو چکھو، اور بے شک کافروں کیلئے جہنم کا عذاب ہے●

(یہ شکست) دی جا رہی ہے، فی الحال اس (کا مزہ تو چکھو)، مگر اس خیال میں نہ رہو کہ سزا اسی پر ختم ہو جائیگی، تو سنو (اور) یاد رکھو کہ (بیشک کافروں کیلئے) اسی پر بس نہیں، بلکہ (جہنم کا عذاب ہے) جس میں وہ ہمیشہ ہمیش کیلئے رہنے والے ہیں۔۔۔

چونکہ کفر و اسلام کی جنگ اور حق و باطل کا تصادم ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے اور صبح قیامت تک ہمیشہ ہوتا رہیگا، لہٰذا ضرورت تھی کہ اہل ایمان کیلئے ایک ضابطہ بنادیا جائے، تاکہ جنگ کی حالت پیش آنے کی صورت میں وہ اسپر عمل کریں، اور اس میں رب تعالیٰ کی خوشنودی بھی ہو۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا

اے وہ جو ایمان لاچکے! جب مُڈبھیڑ تمہاری ہو کافروں سے لڑائی میں،

فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

تو اُدھر پیٹھ نہ کرو●

(اے وہ جو ایمان لاچکے) اور اللہ و رسول سے مخلصانہ وفاداری و اطاعت شعاری کا عہد کرچکے، (جب مُڈبھیڑ تمہاری ہو کافروں سے لڑائی میں، تو اُدھر پیٹھ نہ کرو) یعنی بھاگو نہیں۔

ظاہر ہے کہ بھاگنے کی صورت میں پشت مدمقابل کی طرف ہوجاتی ہے، اسلئے اُدھر پیٹھ نہ کرنے کے حکم میں دراصل انھیں کافروں کو پس پشت رکھ کر فرار ہونے سے روکا گیا ہے۔

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗۤ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا

اور جو اس دن پیٹھ پیچھے پھرا، مگر لڑنے ہی کیلئے پیترا بدلتے ہوئے، یا اپنے جتھا میں جاملنے کیلئے،

اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

تو بے شک وہ ہوگیا اللہ کے غضب میں، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اور وہ بری جگہ ہے●

(اور) یاد رکھو کہ (جو) کوئی بھی (اس دن) بھاگنے کیلئے (پیٹھ پیچھے پھرا) اور پھرنے کی نیت بھی اچھی اور حسن نہیں تھی۔۔مثلاً: پھرا تو ضرور، (مگر) بھاگنے کیلئے نہیں، بلکہ (لڑنے ہی کیلئے پیترا بدلتے ہوئے) مدمقابل کو چکمہ دیا، (یا) پھر (اپنے جتھا میں جاملنے کیلئے) گھوم گیا، تو یہ قابل گرفت نہیں۔لیکن اگر وہ فرار ہونے کیلئے پھرا، (تو بیشک وہ ہوگیا اللہ) تعالیٰ (کے غضب میں)۔اسلئے کہ اس نے 'اکبرالکبائر' کا ارتکاب کیا، تو اسکا (اور اس) جیسے (کا ٹھکانہ جہنم ہے)۔۔الغرض۔۔اس نے اپنے

کو جہنم میں رہنے کا مستحق بنالیا۔ (اور وہ) یعنی جہنم، پھرنے کی بہت (بری جگہ ہے)۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ مذکورہ بالا فرار نہ ہونے کا حکم اسی صورت میں ہے، جبکہ کفار تعداد کے لحاظ سے دوگنے سے زیادہ نہ ہوں۔۔ الغرض۔۔ فوج کے ضعف، قوت اور عدد کی رعایت کی جائیگی۔۔ چنانچہ۔۔ اگر کفار تین گنے زیادہ ہوں، پھر مسلمان ان سے پیٹھ موڑ کے بھاگیں، تو پھر یہ حرام اور ناجائز نہیں ہے۔۔ یونہی۔۔ بعض علماء کے نزدیک اگر کافر فوج کی تعداد ایک سو ہو اور مسلمان بھی ایک سو ہوں، لیکن وہ بہت ہٹے کٹے، قوی اور توانا ہوں، اور مسلمان دبلے پتلے اور کمزور ہوں، تو عدد میں برابر ہونے کے باوجود، مسلمانوں کا ایسے کافروں کے مقابلے سے بھاگنا جائز ہے۔

مگر جمہور کے نزدیک ایک سو مسلمانوں کا، دو سو کافروں سے کسی حال میں بھی بھاگنا جائز نہیں۔ اور اگر کافر دو سو سے زیادہ ہوں، تو ان سے بھاگنا اگرچہ جائز، لیکن صبر و استقامت سے انکے مقابلے پر جمع رہنا اور ڈٹے رہنا احسن اور افضل ہے۔۔۔ غزوۂ موتہ میں تین ہزار مسلمان، دو لاکھ کافروں کے مقابلہ پر تھے۔۔ ایسے ہی۔۔ اندلس میں حضرت طارق بن زیاد نے صرف سترہ سو مسلمانوں کے ساتھ عیسائی حکمران، ذریق کا مقابلہ کیا جو ستر ہزار سواروں کے ساتھ آیا تھا۔ حضرت طارق صبر و استقامت کے ساتھ جنگ کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح یاب کیا اور ذریق شکست کھا گیا۔

دراصل حقیقت یہی ہے کہ اہل حق کی کامیابی صرف نصرتِ الٰہی کے سبب سے ہوتی ہے۔ یہ نصرت خداوندی صابرین کے ساتھ ہوتی ہے۔ خود معرکۂ بدر پر گہری نظر ڈالی جائے، تو ایک طرف تین سو تیرہ نفوس قدسیہ والے اور وہ بھی حالتِ بے سروسامانی میں، اور دوسری طرف کم و بیش ایک ہزار افراد جو آلاتِ جنگ کی فراوانی کے ساتھ مقابلے پر آئے۔ انجام یہ ہوا کہ اہل حق کامیاب ہوئے، کفار ذلیل و خوار ہوگئے، جن میں ستر قتل ہوگئے اور ستر ہی قید کر لئے گئے۔ کہیں کوئی اس کامیابی کو درحقیقت اہل بدر کا اپنا کارنامہ نہ سمجھنے لگے، اسکے تدارک کیلئے ارشادِ خداوندی ہوا، کہ اے بدر والو! بدر میں جو قتل ہوا ہے۔۔۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ

تو تم نے ان کو نہیں مارا۔ ہاں اللہ نے انھیں قتل فرمایا۔ اور تم نے خاک نہیں پھینکی جب کہ تم نے پھینکی،

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ

لیکن اللہ نے پھینکی۔ اور تاکہ جانچ کا انعام دے اس سے ایمان والوں کو اچھے نتیجہ کا۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

(توتم نے انکو) اپنی قوت سے (نہیں مارا۔ ہاں اللہ) تعالیٰ (نے) تمہیں نصرت عطا فرمائی اور ملائکہ کی مدد سے تم کو ان پر غالب کردیا، اسطرح خدائے قادرِ مطلق نے (انھیں قتل فرمایا)، یعنی اگرچہ تم نے انھیں ظاہراً قتل کردیا، مگر حقیقتاً انھیں اللہ تعالیٰ ہی نے قتل کیا۔

چونکہ قتل کرنا کوئی اس قدر مستبعد اور محیر العقول کام نہیں تھا، اسلئے عام اصول کے مطابق فرمایا، کہ تم نے حقیقتاً ان کو قتل نہیں کیا، جبکہ تم نے انھیں ظاہراً قتل کیا تھا۔ رہ گیا نبی کریم کا خاک پھینکنا اور اسکا سارے کافروں کی آنکھوں میں پڑ جانا، یہ فعل عام افعالِ بشر کے منافی تھا، اسلئے پہلے اس کی آپ سے مبالغۃً نفی فرمائی اور پھر اسکو حقیقتاً آپ کیلئے ثابت کیا۔ اور چونکہ آپ نے حقیقتاً یہ فعل اللہ ﷻ کی دی ہوئی قدرت سے کیا تھا، اسلئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خاک پھینکی تھی۔

۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں، تو رسول اللہ ﷺ نے خاک کی ایک مٹھی کافروں کے چہرے پر ماری اور فرمایا، یہ لوگ روسیاہ ہوجائیں، تو وہ خاک سب کافروں کی آنکھوں میں پڑ گئی اور رسول کریم کے اصحاب بڑھ کر انکو قتل کرنے لگے اور گرفتار کرنے لگے۔۔الغرض۔۔ انکی شکست کا اصل سبب، خاک کی وہ مٹھی تھی جو رسول اللہ ﷺ نے پھینکی تھی۔۔چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہوا۔۔۔

(اور) آیت کریمہ نازل فرمادی گئی، کہ اے محبوب! (تم نے خاک نہیں پھینکی جبکہ تم نے پھینکی، لیکن اللہ) تعالیٰ (نے پھینکی)۔ گو خاک تمہاری مٹھی سے نکلی، لیکن فنا فی اللہ ہونے کے ناطے تمہارے ہاتھ میں قدرت الٰہیہ کے جو جلوے ہیں، اسی قدرتِ خداوندی نے اس ایک مٹھی خاک کو ہر کافر کی آنکھوں تک پہنچادیا۔

اوپر جو کچھ مذکور ہوا، اور خدا نے جو کچھ کیا، اسواسطے کیا کہ دین کو ظاہر کردے (اور تاکہ جانچ

کا انعام دے اس سے ایمان والوں کو، اچھے نتیجہ کا)۔۔نیز۔۔عطا فرمائے ایمان والوں کو اپنی طرف سے عطائے جمیل، یعنی غنیمت کے ساتھ ساتھ نصرتِ خاص۔ (بیشک اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے تمہارا استغاثہ اور تمہاری دعائیں اور (جاننے والا ہے) تمہاری نیتیں لاجرم اس نے تمہاری دعا قبول ہی فرمائی۔ تو یہ ہے کام جو تم نے دیکھا، یعنی یہ ہے تمہارے ساتھ کا معاملہ۔۔تو۔۔

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

تم یہ لو، اور بے شک اللہ کافروں کی چال کو کمزور کردینے والا ہے●

(تم یہ لو) اور اس سے مطلب رکھو۔ اب رہ گیا کفار ومشرکین کے ساتھ سلوک (اور) انکے تعلق سے کارروائی، تو (بیشک اللہ) تعالیٰ (کافروں کی چال کو کمزور کردینے والا ہے) اور انکے مکرو حیلہ کو باطل کردینے والا ہے۔

کافر جب بدر کیلئے مکہ شریف سے نکلے تو حرم کے پردے پکڑ کر بولے، کہ اے اللہ، محمد ﷺ کی قوم کی طرف ہم جاتے ہیں، تو ان دونوں قوموں میں جو ہدایت یافتہ ہوں اور جن کا دین افضل ہو، اور جو تیرا بڑا دوست ہو، اُسے فتح دیدے۔۔۔لڑائی کے دن بھی ابوجہل نے یہی دعا کی تھی، کہ اے اللہ مدد کر دونوں گروہوں میں سے اس ایک گروہ کی جو تجھے بہت دوست ہو، تو حق تعالیٰ اپنے حاکمانہ غلبہ وقوت کو ظاہر فرماتے ہوئے، اہل مکہ سے خطاب فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے، کہ اے کافرو!۔۔۔

اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ

اگر تم کافر لوگ حق کی فتح مانگتے تھے، تو بے شک فتح آگئی۔ اور اگر رک جاؤ تو یہ تمہارے لئے

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ

بہتر ہے۔ اور اگر پھر ایسا کیا، تو ہم پھر یہی کریں گے۔ اور تمہارے کام نہ آئے گا تمہارا سنگٹھن کچھ،

شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۹ ۱۶

گو اکثریت ہو۔ اور بے شک اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے●

(اگر تم کافر لوگ حق کی فتح مانگتے تھے، تو) اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لو، کہ (بیشک فتح آگئی)

اور اُسی دین کی فتح ہوئی، جو مجھے بہت پیارا ہے۔ اب تو خود تم پر تمہارے ہی نظریہ وخیال کے مطابق ظاہر ہو گیا، کہ اسلام ہی خدا کا پسندیدہ دین ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی، تو اے وہ کافرو! جو غزوۂ بدر میں قتل ہونے سے بچ گئے ہو، اپنے ہوش (اور) سمجھ سے کام لیتے ہوئے اب (اگر) تم (رک جاؤ) اور کفر اور عداوتِ رسول سے باز آجاؤ، (تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے) اس جہاں کے قتل اور اُس جہاں کے عذاب سے۔ (اور اگر پھر) تم نے (ایسا کیا) اور مسلمانوں سے لڑنے کیلئے پلٹ آئے، (تو ہم) بھی (پھر یہی کرینگے) اور مسلمانوں کو فتح ونصرت عطا فرمائینگے (اور) اے کافرو! اس وقت (تمہارے کام نہ آئیگا تمہارا اسنگٹھن کچھ، گو اکثریت ہو)۔

اس میں مستقبل میں مسلمانوں سے جنگ کے تعلق سے کافروں کے ہونیوالے عزم وارادہ کی طرف اشارہ بھی ہے اور پھر اسکا انھیں کیا انجام جھیلنا ہوگا، اسکے تعلق سے پیش گوئی بھی ہے۔

۔۔الختصر۔۔اچھی طرح سن لو (اور) یاد رکھو، کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (ایمان والوں کے ساتھ ہے) نصرت فرمانے اور مدد دینے میں۔

سابقہ آیتوں میں غزوۂ بدر اور جہاد کا ذکر آرہا تھا۔ اور جہاد میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا پڑتا ہے اور اپنے مال کو خرچ کرنا پڑتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں انسان پر بہت دشوار ہیں، تو انکے تعلق سے جو حکم ہوگا وہ بھی نفس پر گراں گزرنے والا ہوگا۔ اسی لئے اگرچہ نبی کے ہر حکم کی اطاعت واجب ہے، مگر آپ جب جہاد کا حکم دیں تو نفس پر شاق گزرنے کی وجہ سے اس حکم کی تعمیل زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔۔تو۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ

اے وہ جو ایمان لاچکے! کہا مانو اللہ کا اور اس کے رسول کا، اور مت پھرو اُس سے

وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ ۝٢٠

جب کہ تم سن چکے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا اور اسکے رسول کا)، وہ خواہ جہاد کا حکم ہو۔۔یا ۔۔کسی اور بات کا۔۔الختصر۔۔کسی بھی صورت میں رسول کریم کے کسی بھی حکم کی مخالفت نہ ہو، اور دل وجان سے اسکی تعمیل میں لگ جاؤ۔ اور جان لو کہ رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے۔ تو اب رسول کی

اطاعت سے منہ پھیرنا، خود خدا کی اطاعت سے منہ پھیرنا ہے۔تو جان لو (اور) یاد رکھو کہ کسی حال میں بھی (مت پھرو) اور روگردانی نہ کرو (اس سے)، یعنی رسول کریم کی اطاعت سے، (جبکہ تم سن چکے) کہ حکمِ رسول ہی حکمِ خدا ہے، اور اطاعتِ رسول ہی اطاعتِ خدا ہے۔ مسلمانو! غور سے سنو۔۔۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۱﴾

اور مت ہو جاؤ اُن کی طرح، جنھوں نے کہا کہ ہم نے سنا، حالانکہ وہ نہیں سنتے ●

(اور) ہمیشہ کیلئے یاد رکھو کہ تم ہرگز ہرگز (مت ہو جاؤ ان) کافروں۔۔یا۔۔ کتابیوں۔۔یا۔۔ منافقوں (کی طرح، جنھوں نے کہا ہم نے سنا، حالانکہ) انکی حالت بتا رہی ہے کہ (وہ نہیں سنتے)۔ ایسا سننا جو انکے لئے نفع بخش ہو۔ انکا حال زمین پر چلنے والے جانوروں کی طرح ہے۔۔الغرض۔۔ اگرچہ جان رکھنے کی وجہ سے اور زمین پر چلنے کے سبب، یہ جانور و دابّہ کی جنس میں تو ہو گئے، لیکن نوع انسانی کی خوبیوں سے اپنے کو خالی کر لیا ہے، اسلئے ان میں انسانیت نہیں رہ گئی۔ اور جب ان میں انسانیت نہیں رہ گئی، تو وہ بدترین جانوروں میں شامل ہو گئے۔۔ چنانچہ۔۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾

بے شک جانوروں میں خراب، اللہ کے نزدیک بہرا گونگا ہے، جسے عقل نہیں ●

(بیشک جانوروں میں خراب اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک بہرا گونگا ہے، جسے عقل نہیں)۔ ایسے بہرے کہ حق سنتے ہی نہیں، ایسے گونگے کہ حق بات کہتے ہی نہیں، اور ایسے بے عقل کہ حق سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے ہیں، تو وہ جانور سے بدتر ہیں۔ اسلئے کہ عقل جسکے سبب انسان سب حیوانوں سے افضل ہے، اس سے انھوں نے منھ پھیر لیا ہے اور طبیعت کی پیروی کی طرف دوڑتے ہیں۔ سچ ہے جو علم الٰہی میں گونگے بہرے ہیں، انھیں گونگا بہرا ہی رہنا ہے، کیونکہ یہ حقیقت بالکل واضح۔۔۔

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ ۖ

اور اگر اللہ جانتا ان میں کچھ بھی خیر، تو ان کو سننے والا کر دیتا۔

وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوا وَّهُم مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾

اور اگر کان والا کر دیتا، تو وہ ضرور پھر جاتے روگردانی کرتے ہوئے ●

(اور) ظاہر ہے کہ (اگر اللہ) تعالیٰ (جانتا ان میں کچھ بھی خیر) کا مادہ ہے، (تو ان کو سننے والا کردیتا) اور انھیں سننے کی توفیق عطا فرمادیتا اور وہ ایسی شئے کی توفیق جو انکے لئے فائدہ بخش ہوتی عنایت فرمادیتا، مگر اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے (اور) وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ (اگر) وہ انھیں (کان والا کردیتا)، یعنی ایسا کان دے دیتا، جو سنے اور قبول بھی کرے، (تو) بھی (وہ) اس قبول کرلینے والی حالت پر نہ ٹھہرتے، اور (ضرور) بالضرور (پھر جاتے) حق سے (روگردانی کرتے ہوئے)۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ معظمہ کے کافر کہتے تھے، کہ اے محمد ﷺ قصی بن کلاب کو ہمارے واسطے زندہ کردو، وہ متبرک تھا، پھر وہ تیرے صدق پر گواہی دے اور تجھ پر ایمان لائے، تو اس صورت میں ہم بھی ایمان لے آئینگے۔ تو اس پر حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اگر خدا انکو قصی کا کلام سنادے، تو بھی وہ ایمان نہ لائینگے۔ جب یہ خدائے عزوجل کی بات نہیں مانتے، تو یہ قصی کی بات کیا مانیں گے۔ یہ سب دفع الوقتی کی باتیں اور حق بات کو نہ ماننے سے گریز کا ایک طریقہ ہے۔

خیر، یہ تو کافروں کا حال رہا، کہ وہ گونگے اور بہروں کی طرح ہوگئے اور اللہ کے رسول کی بات سننے، قبول کرنے، اور آپ کی آواز پر لبیک کہنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔ مگر۔۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ

اے وہ جو ایمان لاچکے! اپنی حاضری سے جواب دو اللہ اور رسول کا، جب پکاریں تم کو رسول، اسکے لئے

لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ

جو تم کو زندہ کردے۔ اور جان رکھو کہ بے شک اللہ کا درمیان ہے، آدمی اور اسکے قلب کے درمیان،

وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٢٤﴾

اور بیشک اسی کی طرف ہانکے جاؤگے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے)۔ تمہاری شان ہی کچھ اور ہے، تو تم اپنے معمول کے مطابق، جب رسول کریم تمہیں طلب کریں تو بارگاہِ رسول میں تعمیل ارشاد کیلئے حاضر ہوجاؤ اور نبی کریم کی آواز پر لبیک کہنے میں دیری نہ کرو، بلکہ۔۔۔ (اپنی) فوری (حاضری سے جواب دو اللہ) تعالیٰ (اور رسول کا،

جب پکاریں تم کو رسول) اور یقین کرلو، کہ رسول کریم کی آواز پر لبیک کہنا ہی خدا کی پکار پر لبیک کہنا ہے۔ اور بارگاہِ رسول کی حاضری ہی بارگاہِ خداوندی کی حاضری ہے۔۔نیز۔۔رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے۔

۔۔الحتصر۔۔جب پکاریں تم کو رسول (اسکے لئے جو تم کو زندہ کردے)، تو فوراً حاضر دربار ہو جاؤ۔ یہاں تک کہ اگر حاضر بارگاہ ہونے کا کوئی معقول عذر بھی ہو، جب بھی اسکا خیال نہ کرو۔

جیسے کہ ایک بار ایک موقع پر حضرت ابوسعید بن معلّی اور دوسرے موقع پر حضرت ابی بن کعب کو سرکار ﷺ نے ایسے وقت میں طلب فرمایا، کہ دونوں حالت نماز میں تھے، تو انھوں نے سوچا کہ نماز ختم کرلوں پھر حاضر ہو جاؤں۔۔چنانچہ۔۔انھوں نے ایسا ہی کیا اور جب نماز پوری کرلی، تو فوراً حاضر ہو گئے۔ پھر سرکار ﷺ نے جب ان سے حاضری میں دیری کی وجہ دریافت کی، تو دونوں نے نماز میں مشغول رہنے کا عذر پیش کیا، تو سرکار ﷺ نے دونوں سے یہی ارشاد فرمایا، کہ تم نے قرآن کریم کی یہ آیت نہیں دیکھی، کہ۔۔۔

اے ایمان والو! جب تمھیں رسول کریم آواز دیں، تو فوراً بارگاہِ رسول میں حاضر ہو جاؤ۔

۔۔۔تو دونوں حضرات نے اپنی اجتہادی بھول کا اعتراف کیا، اور آئندہ کیلئے ہوشیار ہو گئے۔

یہیں سے یہ مسئلہ واضح ہو گیا، کہ اگر کوئی فرض نماز میں بھی ہو اور اس درمیان میں رسولِ کریم اسکو آواز دیدیں، تو نماز توڑ کر رسول کی بارگاہ میں حاضر ہونا اس پر فرض ہوگا۔ اور اس میں نہ سمجھ میں آنے والی کوئی بات بھی نہیں، اسلئے کہ اسکا یہ عمل خدا کی ایک اطاعت سے خدا ہی کی دوسری اطاعت کی طرف لیجاتا ہے، اور خدا ہی کے حکم پر عمل کراتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسولِ کریم تم کو تمہارے ہی فائدے کیلئے آواز دیتے ہیں، اور جن باتوں کیلئے تمھیں طلب فرماتے ہیں اس میں تمہاری حقیقی زندگی مضمر ہے۔

۔۔مثلاً: علوم دینیہ کیلئے طلب فرمانا، دل کی زندگی اسی سے ہے۔۔یا۔۔عقائد صحیحہ اور اعمال فاضلہ کیلئے طلب کرنا، تو انکے سبب سے جنت میں حیات ابدی حاصل ہوگی۔۔یا۔۔ جہاد کیلئے بلانا، جو تمہاری بقا کا سبب ہے، اسواسطے اگر جہاد نہ کروگے، تو دشمن غلبہ کر کے تم کو ہلاک کردینگے۔۔یا۔۔شہادت کیلئے آمادہ کرنا، کیونکہ خدا کے نزدیک شہید زندہ ہی رہتا ہے ۔۔یا۔۔قرآن شریف کے ارشادات سنانے کیلئے پکارنا، اسلئے کہ قرآن کریم مسلمانوں کے دل کو زندہ فرمانے والا ہے۔

اور اس مقام پر سب سے جامع بات یہ ہے، کہ جس حیات بخش چیز کا ذکر ہو رہا ہے، اس سے مراد 'حق' لے لیا جائے، اور ظاہر ہے کہ حق کو قبول کرنے ہی میں قبول کرنے والے کی حیات ہے۔ اس 'حق' کے دائرے میں وہ ساری باتیں آجاتی ہیں، جنکا الگ الگ اوپر ذکر ہوا، بلکہ نبی کریم جس غرض سے بلائیں اور جس مقصد سے بلائیں، وہ سب حق ہی ہے۔ ویسے بھی حق باطل کے مقابلے میں بولا جاتا ہے، تو ہر ہر باطل کے مقابل میں جو خوبی آئیگی وہ سب حق کے دائرے میں شامل ہو جائیگی۔

۔۔الختصر۔۔اے ایمان والو! نبی کریم اپنے پیش کردہ حیات بخش پیغام کیلئے جب جب تمہیں طلب کریں، بعجلت لبیك وسعدیك کہتے ہوئے، بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو جاؤ (اور جان رکھو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (کا درمیان ہے آدمی اور اسکے قلب کے درمیان)۔ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں سے زیادہ انکے دلوں کا مالک ہے، اور جب بندے کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں، تو وہ انکے ارادوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کوئی شخص ایمان لاسکتا ہے، نہ کفر کرسکتا ہے۔ نیک کام کرسکتا ہے اور نہ گناہ کرسکتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ ہی مقلب القلوب ومصرف الاحوال ہے، جو چاہے، جب چاہے اور جسکے لئے چاہے کرے، تو بارگاہِ رسول میں آپ کی پکار پر بہ عجلت حاضری، یہ بھی اُن فیروز بختوں اور خوش نصیبوں ہی کا حصہ ہے، جو عنایاتِ خداوندی کے سایے میں رہنے والے ہیں۔

وہ خدائے عظیم وجلیل، دنیا میں جسکی مشیت وارادہ کے تحت رہنا ہی ہے، (اور) آخرت میں بھی (بیشک اسی کی طرف ہانکے جاؤ گے) اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دیگا۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس بات سے ڈرایا تھا کہ بنو آدم اور انکے دلوں کے درمیان اللہ تعالیٰ حائل ہے اور اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتنوں، آزمائشوں اور عذاب سے ڈرا رہا ہے، کہ اگر ظالموں پر عذاب نازل ہوا، تو وہ صرف ظالموں تک محدود نہیں رہیگا، بلکہ تم سب پر نازل ہوگا، اور نکوکار اور بدکار سب اسکے شکار ہونگے۔۔چنانچہ۔۔فرماتا ہے۔۔۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ

اور بچو اس شورش سے جو نہیں پہنچتی صرف انھیں کو جنھوں نے اندھیر کیا،

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور جان رکھو، کہ بے شک اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے●

(اور بچو اس شورش سے، جو نہیں پہنچتی صرف انھیں کو جنھوں نے اندھیر کیا)۔

اس مقام پر نکوکاروں کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ اپنے درمیان بدکاروں کو نہ رہنے دیں، ورنہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب نازل فرمائیگا۔

(اور جان رکھو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (سخت عذاب فرمانے والا ہے) اس پر جسکے ظلم اور گناہ کا اثر غیر کو پہنچنے والا ہو۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ حکم دیا تھا کہ اسکے رسول کی اطاعت کریں۔ پھر انکو یہ حکم دیا گیا کہ اسکے رسول کی نافرمانی سے اجتناب کریں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو مزید موکد فرمایا ہے۔۔۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ

اور تم لوگ یاد کرو جب کہ تم تھوڑے، ملک میں کمزور، ڈرتے رہے،

اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ

کہ کہیں اچک لیں تم کو لوگ، تو ٹھکانہ دیا تم کو اور مضبوط کیا تم کو، اپنی مدد سے، اور روزی فرمائی

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

تم کو پاکیزہ چیزیں، کہ تم شکر گزار رہو●

(اور) بتایا کہ اے مہاجرو! (تم لوگ یاد کرو جب کہ تم تھوڑے) تھے (ملک میں کمزور) ہجرت سے پہلے (ڈرتے رہے، کہ کہیں اچک لیں تم کو لوگ) یعنی مکہ والے شہر بدر کردیں۔۔یا یہ کہ۔۔ اگر مکہ سے نکلو گے، تو عرب والے تم پر حملہ آور ہو کر تم کو فنا کر دینگے۔ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، کہ جب تم پر ایسا خوف و ہراس اور ضعف و کمزوری کا عالم ہوا، (تو) اللہ تعالیٰ نے (ٹھکانہ دیا تم کو) مدینہ شریف میں (اور مضبوط کیا تم کو اپنی مدد سے)، یعنی اپنی تائید و یاری و مددگاری سے، جسکا ظہور انصار کی معاونت اور بدر میں ملائکہ کی امداد سے ہوا، (اور روزی فرمائی تم کو پاکیزہ چیزیں)، یعنی پاکیزہ غنیموں سے، جو اگلی امتوں پر حلال نہ تھیں، تا (کہ تم شکر گزار رہو) کر رہو۔۔تو۔۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ

اے وہ جو ایمان لا چکے! نہ خیانت کرو اللہ کی اور نہ رسول کی، اور نہ خیانت کرو آپس کی امانتوں میں،

وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝۲۷

جان بوجھ کر●

(اے وہ جو ایمان لاچکے) تم شکر گزار بندے بنے رہو اور شکر گزاری کیلئے یہ ضروری ہے، کہ **(نہ خیانت کرو اللہ)** تعالیٰ (کی) فرائض کو ترک کر کے، **(اور نہ رسول)** ہی (کی) سنت میں تقصیر کر کے۔۔ یا یہ کہ۔۔ اللہ و رسول کا راز کھول کر اللہ و رسول کی خیانت نہ کرو، یعنی جس بات کو راز میں رکھنے کی ہدایت اللہ و رسول کی جانب سے ملے، اُسے راز ہی میں رکھو اور اشارے و کنایے سے بھی اُسے ظاہر نہ کرو، جس طرح بے خیالی میں حضرت ابولبابہ سے ہوگیا۔

جسکا مختصر واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب ابولبابہ کو بنی قریظہ کے حصار پر بھیجا اور حصار سے اتر آنے کے باب میں یہود نے ان سے مشورہ کر کے کہا، کہ محمد ﷺ ہمارے ساتھ کیا کرینگے اگر ہم اُتر آئیں۔ حضرت ابولبابہ نے انگلی سے حلق کی طرف اشارہ کیا، یعنی سب کو قتل کر ڈالینگے۔ اور یہ کہتے ہی انھیں احساس ہوا، کہ میں نے خیانت کی۔ پس حصار سے اتر کر مسجد نبوی میں آئے اور اپنے تئیں ستون میں باندھ دیا، یہاں تک کہ انکی توبہ قبول ہوگئی اور یہ آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی۔

اے ایمان والو! صرف یہی نہیں اللہ و رسول کی خیانت نہ کرو، بلکہ تم پر لازم ہے کہ **(نہ خیانت کرو آپس کی امانتوں میں جان بوجھ کر)** جبکہ تمہیں معلوم ہے کہ خیانت کرنے کا بڑا وبال ہے اور تمہیں یہ بھی خبر ہے کہ امانت کی حفاظت تم پر واجب ہے۔۔ الختصر۔۔ اپنے کو ہر طرح کی بددیانتی، لوٹ کھسوٹ، چوری وغبن اور مکر و فریب کے ذریعہ دوسروں کا مال ہڑپ کر لینے سے بچاتے رہو۔ اب اگر تم خیانت کرتے ہو، تو تم صرف اپنے بھائی کے حق میں خائن نہ ہوئے، بلکہ تم اللہ و رسول کے بھی خائن ہوئے، اسلئے کہ تم نے دونوں کی نافرمانی کی اور دونوں کے احکام سے روگردانی کی۔۔ سنو۔۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ

اور جان رکھو کہ تمہارا مال، تمہاری اولاد، فتنہ ہی ہے۔ اور بے شک اللہ

ع ۳ ۹ ۱۷

عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۸﴾

کے یہاں بڑا اجر ہے●

(اور) ہمیشہ کیلئے (جان رکھو کہ تمہارا مال) خواہ صحیح طریقے سے حاصل کرو۔۔یا۔۔غلط طریقے سے۔اور (تمہاری اولاد) جن کیلئے تم مال جمع کرنے کی دردِسری مول لیتے ہو، وہ خواہ اچھے ہوں۔۔یا۔۔برے، یہ سب کچھ ہر حال میں (فتنہ ہی ہے)، یعنی خدا کی طرف سے تمہاری آزمائش ہی ہے، تو چاہئے کہ مال اور اولاد کی محبت تمہیں گناہ واقع ہونے میں نہ رکھے۔ ذرا عقل سے کام لو، کہ جب یہ دونوں فتنہ وآزمائش ہیں، تو ان سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے؟۔۔یا۔۔انکی محبت میں ہر اچھا برا کام انجام دینے کی؟ اے ایمان والو! سنو (اور) یاد رکھو کہ (بیشک اللہ) تعالیٰ (کے یہاں بڑا اجر ہے) تو تم اجر طلب کرنے کی کوشش کرو اور بلاضرورت مال کی جمعیت اور اولاد کی بے جا محبت سے باز آجاؤ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔۔تو۔۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ

اے وہ جو ایمان لا چکے! اگر ڈرا کرو اللہ سے، تو بنادے تمہارے لئے چھانٹنے والا نور، اور کفارہ فرمادے

عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾

تمہاری جانب سے تمہارے گناہوں کا، اور تمہیں بخش دے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے●

(اے وہ جو ایمان لا چکے اگر) تم اپنی حالت ایسی بنالو کہ (ڈرا کرو اللہ) تعالیٰ (سے، تو بنادے) گا وہ (تمہارے لئے چھانٹنے والا نور) یعنی ایسی نصرت عطا فرمائیگا، جسکے سبب باطل حق سے جدا ہو جائے۔۔یا۔۔تمہارے دلوں کو ایسی ہدایت کردیگا، کہ اسکی وجہ سے تم بآسانی حق وباطل میں فرق کرلوگے۔۔یا۔۔تم سے تمہارے دین کے مخالفین کو دور فرمادیگا۔۔یا۔۔خطروں والی اور شبہوں والی چیزوں سے نجات حاصل کرنے کی راہ کی ہدایت فرمادیگا۔۔یا۔۔تمہیں ایسا ظہور عطا فرمائیگا جسکے سبب سے تم مشہور ہو جاؤگے، اور سب طرف تمہارا ہی شہرہ اور تمہارا ہی ذکر خیر ہوگا۔

(اور) مزید برآں وہ رب کریم (کفارہ فرمادے) گا (تمہاری جانب سے تمہارے گناہوں کا) یعنی تمہاری برائیوں کو دور فرمادیگا اور انھیں چھپادیگا (اور تمہیں بخش دے) گا، یعنی تمہاری توبہ کے سبب۔۔یا۔۔اپنی غفاریت کی وجہ سے تمہارے گناہوں سے درگزر کریگا۔ جان لو (اور) یاد رکھو کہ بیشک

(اللہ) تعالیٰ (بڑے فضل والا ہے)۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا، کہ وہ رب کریم ہر حال میں تقویٰ والوں اور ایمان والوں کا حامی وناصر ہے، اور انھیں دشمنوں کے شر سے بچانے والا اور شر پسندوں کے فتنوں سے دور فرمادینے والا ہے۔ اگلی آیت میں اپنے محبوب کو مخاطب فرما کر اسکی ایک واضح مثال ارشاد فرمارہا ہے۔

اسکا مختصر قصہ یہ ہے کہ جب ہجرت کی اجازت ہوئی اور صحابہء کرام نے مدینہ منورہ کا قصد کرلیا اور حضرت صدیق اکبر اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں کوئی نہ رہا، تو قریش اس حال سے متردد ہوکر 'دارالندوہ' میں جمع ہوئے اور ابلیس شیخ نجد کی صورت میں اس مجمع میں داخل ہوا، اور آنحضرت ﷺ کے باب میں مشورہ معلوم کیا۔ ایک کافر بولا کہ محمد ﷺ' کو ایک گھر میں قید کردینا چاہئے اور دروازہ مضبوط بند کر کے پیالے سے کھانا پانی دینا چاہیے، یہاں تک کہ انھیں موت آجائے۔

ابلیس نے یہ صلاح پسند نہ کی کہ مدینہ کے بہت لوگ ایمان لاچکے ہیں اور انکے یار وہاں جاپہنچے ہیں اور بنی ہاشم بھی اس شہر میں بہت ہیں، سب متفق ہوکر تم سے لڑینگے اور انھیں چھڑا لینگے۔ دوسرا بولا انھیں اس ملک سے نکال دینا چاہیے، جہاں انکا جی چاہے چلے جائیں۔ ابلیس بولا کہ وہ جہاں جاتے ہیں تو لوگ انکے گرویدہ اور فریفتہ ہوجاتے ہیں تو بہت لوگوں کو فریب دینگے اور پھر آکر تم سے مقاتلہ کرینگے۔

ابوجہل بولا کہ میری رائے یہ ہے کہ قریش اور انکے حلفاء کے ہر قبیلے میں سے ایک ایک آدمی کو چن لیا جائے، جو سب کے سب اکٹھا مل کر ایک ہی ساتھ انھیں قتل کردیں۔ اسطرح اسکا خون سب قبیلوں میں پھیل جائیگا اور بنی ہاشم سب قبیلوں سے نہیں لڑسکتے تو ضرور بالضرور دیت پر راضی ہوجائینگے۔ ابلیس بولا کہ یہی رائے درست ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ابوجہل نے ہر قبیلہ سے ایک ایک فرد کو جمع کیا اور طے کردیا کہ آج ہی رات میں آپ ﷺ' کو قتل کردیا جائے۔ جسکی خبر حضرت جبرائیل نے آنحضرت ﷺ تک پہنچادی ۔۔چنانچہ۔۔آپ نے اس رات اپنے بستر شریف پر حضرت علی کو آرام کرنے کی ہدایت فرمادی، اور خود حضرت صدیق اکبر کے ساتھ غار میں تشریف لے گئے۔ ارشادِ الٰہی میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا جارہا ہے۔۔۔

وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ

اور جبکہ فریب دیتے رہے تم کو کافر، تا کہ تم کو جیل میں کردیں یا ختم کردیں، یا ملک سے نکال دیں، اور وہ اپنا داؤں کھیلتے ہیں

وَیَمْكُرُوْنَ وَیَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۳۰﴾

اور اللہ داؤں کو توڑتا ہے۔ اور اللہ داؤں کا جواب دینے میں بہتر ہے●

(اور) فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب! یاد کرو (جبکہ فریب دیتے رہے تم کو کافر) لوگ، یعنی تمہارے قتل کا مکروفریب سے آلودہ مشورہ کرتے رہے، (تا کہ تم کو جیل میں) قید (کردیں) یہاں تک کہ اسی میں تمہاری موت آجائے، (یا ختم کردیں) تا کہ تمہاری دعوت وتبلیغ اور تحریک کا سارا قصہ ہی تمام ہوجائے، (یا) تمہیں ملک بدر کردیں اور اپنے (ملک سے) باہر (نکال دیں) تا کہ انکے ملک میں آپ کوئی عملی مظاہرہ نہ کرسکیں۔

۔۔المختصر۔۔کفار 'دارالندوہ' میں مشورہ کیلئے جمع ہیں (اور وہ اپنا داؤں کھیلتے ہیں) اور جسکی سمجھ میں جو آرہا ہے، وہ مشورہ دے رہا ہے اور شیطان بھی شیخ نجدی کی صورت میں انکے مشورے میں شریک ہے۔جس نے سب کی رائے کو مسترد کرکے ابوجہل کی رائے کو پسند کیا اور پھر یہ طے ہوگیا کہ آج رات ہی کو یہ کام انجام دیدینا ہے۔اُدھر کفار اپنی سازش اور اپنے داؤں پیچ میں لگے ہوئے تھے (اور) اِدھر (اللہ) تعالیٰ انکے (داؤں کو توڑتا ہے)، یعنی انکے مکر کا ایسا جواب عطا فرماتا ہے، جو انکے وہم وگمان سے بھی باہر تھا، جس نے شیطانی اسکیم کو ناکام ونامراد کردیا۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو اسلئے کہ بیشک (اللہ) تعالیٰ شیطانی (داؤں) پیچ (کا جواب دینے میں) بہت ہی (بہتر ہے)۔

ان کافروں کا بھی عجیب حال تھا کہ جب وہ اپنی مذکورہ بالا سازشوں میں کامیاب نہ ہوسکے بلکہ اپنے مکر کا خود ہی شکار ہوتے گئے اور اعلاءِ کلمۃ الحق کی راہ میں کوئی روڑا نہ ڈال سکے۔نبی کریم کھلے عام اپنی دعوت پیش کرتے رہے اور لوگ آپ کی دعوت سے متاثر ہوکر جوق درجوق اسلام میں داخل ہوتے گئے، تو کفار بوکھلا گئے۔یہاں تک کہ نضر بن حارث نے یہ سوچا کہ فارس کے شہروں سے اپنے تجارتی سفر کے دوران رستم اور اسفندیار کے قصے خرید لئے جائیں اور پھر انھیں عربی میں ترجمہ کرکے مکہ والوں کو سنایا جائے، اور انکو یہ سمجھایا جائے کہ محمد ﷺ جو قرآن کریم سناتے ہیں وہ دراصل قصوں اور کہانیوں کی کتاب ہے اور

ہم جو فارس کے شہروں سے لائے ہیں، وہ اس سے بہتر قصوں کی کتاب ہے۔
نضر بن حارث کی یہ خام خیالی بھی، سابقہ آیت میں مذکور کافروں کے مکر ہی کا ایک حصہ ہے۔ جب پہلے مکر میں وہ رسوا ہو گئے، تو دوسرے مکر کا دامن تھام لیا اور قرآن کریم کو جھوٹی اور گڑھی ہوئی کہانیوں کی کتاب قرار دینے لگے۔۔ چنانچہ۔۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا

اور جب پڑھی گئیں ان پر ہماری آیتیں بولے "سن لیا، اگر ہم چاہیں تو

مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

ایسا ہی کہہ لیں۔ یہ صرف اگلوں کے قصے ہیں"●

اللہ تعالیٰ صاف (اور) واضح لفظوں میں ارشاد فرماتا ہے، کہ (جب پڑھی گئیں ان پر ہماری آیتیں، بولے سن لیا) ہم نے یہ کلام، (اگر ہم چاہیں تو ایسا ہی کہہ لیں، یہ صرف اگلوں کے قصے ہیں)۔
نضر نے عناداً تو یہ بک دیا اور دعویٰ کر دیا، کہ اگر ہم چاہیں تو ایسا ہی کہہ لیں، مگر مرتے دم تک اس میں، بلکہ آج تک کسی بھی کافر میں جرأت نہ ہو سکی، کہ اس قرآن کریم کی کسی ایک سورت کا بھی جواب لا سکے۔ کہنے کو تو کہہ دیا، کہ اگر چاہیں تو اسکی مثال لے آئیں، مگر مرتے دم تک چاہ نہ سکے۔ اور نہ کوئی قیامت تک اسطرح کے چاہنے کی جسارت کر سکتا ہے۔۔ لگے ہاتھ نادانوں کو بے وقوف بنانے کیلئے نضر اور اسکے موافقین، ایک مکر یہ بھی کھیل گئے۔۔۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

اور جب انھوں نے دعا کی "کہ خداوندا، اگر یہی حق ہے تیرے یہاں سے،

فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

تو ہم پر برسا دے آسمان سے پتھر، یا دے دے ہم کو دکھ دینے والا عذاب"●

(اور) ایک عجیب فریب آمیز حرکت کی (جب انھوں نے دعا کی، کہ خداوندا اگر یہی حق ہے) یعنی یہ صحیح و درست ہے، کہ یہ قرآن نازل ہوا ہے (تیرے یہاں سے، تو ہم پر برسا دے آسمان سے پتھر) جس طرح اصحاب فیل پر تو نے برسائے تھے، (یا دے دے ہم کو دکھ دینے والا عذاب) جو ہمیں ہلاک کر دے۔ اس دعا سے انکا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں پر قرآن کے باطل ہونے پر اپنے یقین

کو ظاہر کر دیں۔ ان بے خبروں کو کیا خبر کہ تم دعا میں جو چاہتے ہو، رب قدیر اس پر قادر ہے وہ جو چاہے کرے، لیکن اس نے ایک ضابطۂ رحمت بنا دیا ہے۔۔۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ

اور اللہ عذاب بھیجنے والا نہیں، جب کہ تم ان میں ہو۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ عذاب کرنے والا نہیں، جبکہ استغفار والے استغفار کر رہے ہیں●

(اور) فیصلہ فرما دیا ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (عذاب بھیجنے والا نہیں، جبکہ) اے محبوب! (تم ان میں ہو)۔ اگرچہ کفار دعا کر کے وہ عذاب مانگتے ہیں اور جلدی کرتے ہیں۔ سنت الٰہیہ یہ جاری ہے، کہ جب تک پیغمبر اپنی قوم میں رہے، اس وقت تک اسکی پوری قوم کو ہلاک نہیں کرتا، خصوصاً آپ تو اے محبوب! رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہیں، تو آپ کے ہوتے ہوئے آپ کی پوری قوم کو تباہ کرنا رب تعالیٰ کو منظور نہیں۔ خدائے علیم وقدیر نے جب بھی کسی پیغمبر کی قوم پر عذاب نازل فرمانا چاہا، تو اس پیغمبر کو اسکی قوم سے دور فرما دیا اور الگ کر دیا۔۔۔

اے محبوب! آپ کی شان تو بڑی ہے، اپنے فضل (اور) اپنے کرم سے (اللہ) تعالیٰ اس وقت بھی ان پر (عذاب کرنے والا نہیں جبکہ) ان میں موجود (استغفار) کرنے (والے) ایمان والے آپ کے غلام (استغفار کر رہے ہیں)۔۔یا۔۔کفار اسلام میں داخل ہو رہے ہوں۔ یہی اسلام لانا انکا استغفار ہے۔۔الحتصر۔۔کافروں پر عذاب اللہ تعالیٰ خود انکے مطالبے پر نہیں کریگا، بلکہ جب چاہے گا اپنی مرضی سے اپنے مذکورہ بالا ضابطۂ عدل ورحمت کے تحت کریگا۔

مذکورہ بالا ارشاد میں رب کریم نے اپنی دو۲ امانوں کا ذکر فرمایا۔ ایک ہے نبی کریم کا ظاہری وجود مسعود اور دوسری امان ہے استغفار۔ نبی کریم کے رفیق اعلیٰ سے ملنے کے بعد، یہ امان تو اب نہ رہی۔۔لیکن۔۔دوسری امان قیامت تک کیلئے ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا ہے۔ بلفظ دیگر وہ نبی کریم کے غلاموں کا وجود مسعود ہے۔ کوئی زمانہ، نہ ایمان والوں سے خالی ہوگا اور نہ ہی استغفار کرنے والوں سے۔ اور جب ایسی صورت حال ہو جائیگی کہ دنیا میں کوئی ایمان والا ہی نہ رہے، پھر تو قیامت ہوگی۔۔یونہی۔۔اگر کوئی علاقہ ایمان والوں اور استغفار کرنے والوں سے بالکل خالی ہو گیا، تو پھر اس علاقے والے خدائی امان۔۔۔

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ

اور انھیں کوئی حق نہیں، کہ اللہ ان پر عذاب نہ فرمائے، جبکہ وہ روکتے ہیں مسجد

الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ

حرام سے اور وہ اس کے اہل نہیں۔ اسکے لئے اہل، صرف اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

لیکن ان کے زیادہ بے علم ہیں ●

(اور) پناہ کے دائرے سے باہر ہوگئے، جیسے کہ مکہ والے مسلمانوں کے مکہ سے نکل جانے کے بعد، تو اب (انھیں کوئی حق نہیں) پہنچتا (کہ اللہ) تعالیٰ (ان پر عذاب نہ فرمائے)۔ اور وہ بھی اس صورت حال میں (جبکہ وہ) رسول کریم اور مومنین کو (روکتے ہیں مسجد حرام سے، اور) حال یہ ہے کہ (وہ اس) روک لگانے (کے اہل نہیں) انھیں اسکا کوئی اختیار نہیں۔ انکا اپنے لئے مسجد حرام کی تولیت کا دعویٰ باطل ہے۔ اسلئے کہ مسجد حرام اللہ تعالیٰ کا گھر ہے۔ (اسکے لئے اہل) اور اسکی نگہبانی وحفاظت و تولیت کے حقدار (صرف اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والے) اور شرک وکفر سے پرہیز کرنے والے (ہیں، لیکن انکے زیادہ بے علم ہیں) جنھیں خبر ہی نہیں کہ ولایت انکا حق نہیں۔ بیت اللہ کی ولایت کا حق صرف 'اہل اللہ' ہی کو ہے، نہ کہ 'عدو اللہ' یعنی مشرکین کو۔ یہ کفار ومشرکین کہاں سے بیت اللہ کے حقدار ہوگئے، انھیں تو یہ بھی سلیقہ نہیں کہ خدا کے گھر میں خدا کی عبادت کس طرح کرنی چاہئے۔ انھوں نے تو عبادت کو بھی کھیل تماشہ بنالیا ہے۔۔۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ

اور نہ تھی ان کی نماز بیت اللہ کے پاس مگر سیٹی، اور تالی۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

تو چکھو عذاب، جو کفر کیا کرتے تھے ●

(اور) ایک مذاق ٹھہرالیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ (نہ تھی انکی نماز بیت اللہ کے پاس، مگر سیٹی اور تالی)۔ بعضے کافروں کی عادت یہ تھی مرد اور عورتیں ننگے طواف کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے۔ اسی کو وہ نماز سمجھتے اور عبادت قرار دیتے۔

(تو) اے کافرو! اپنی ان ناکردنیوں کے نتیجے میں بروز بدر (چکھو) قتل وقید کا (عذاب) اور تیار ہوجاؤ حشر کے دن جہنم کے عذاب کیلئے۔ یہ سب کچھ نتیجہ ہے اسکا، (جو) تم (کفر) اور سرکشی (کیا کرتے تھے)۔

ان کافروں نے غزوۂ بدر کے موقع پر مقابلے کیلئے کافی تیاری کرلی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ جب بدر کے ارادے میں کفار، مکہ سے نکلے، تو اس سے پہلے بارہ اشراف عرب کو مقرر کرلیا تھا، جو باری باری لشکریوں کے کھانے پینے کا انتظام کریں۔۔ الغرض۔۔ اشراف میں سے ہرایک اپنی باری پر اپنے پیسوں سے خرید کر، نو۔ دس اونٹ کاٹتا تھا۔۔ علاوہ ازیں۔۔ جنگ بدر کے بعد جنگ اُحد کیلئے ابوسفیان نے تقریباً دو ہزار عرب کو مزدوری پر مقرر کیا۔ یہ لوگ اس لشکر کے علاوہ تھے جو خود آیا تھا۔۔ یا۔۔ جس قافلہ کو ابوسفیان بہکا لایا تھا۔ اسکے لوگوں نے اپنے مال کا نفع یعنی پچاس ہزار مثقال سونا لشکر پر خرچ کیا اور جنگ احد میں گئے۔۔ تو۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ

بیشک جنھوں نے کفر کیا، خرچ کرتے ہیں اپنے مال کو، تاکہ روک دیں اللہ کی راہ سے۔

فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ

تو اب اس کو خرچ کرلیں، پھر ان پر پچھتاوا کریں، پھر ہرا دیئے جائینگے۔۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾

اور جنھوں نے کفر کیا، جہنم کی طرف ہانکے جائینگے●

(بیشک جنھوں نے کفر کیا خرچ کرتے ہیں اپنے مال کو تاکہ روک دیں) لوگوں کو (اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)، یعنی رسول کریم کی متابعت کرنے سے، (تو اب اسکو خرچ کرلیں) اور اپنے مال ودولت کی طاقت دیکھ لیں، (پھر) اس کے سوا چارۂ کار نہ ہوگا، کہ (ان پر) یعنی سارا مال خرچ ہوجانے پر اور مقصود نہ حاصل ہونے پر (پچھتاوا کریں) اور ہاتھ مل لیں۔ خرچ بہت کچھ کرڈالا، مگر جس لئے خرچ کیا وہ حاصل نہ ہوسکا۔ اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ (پھر) وہ (ہرا دیئے جائینگے) فتح مکہ کے دن۔

یہ قرآن کریم کا اعجاز ہے کہ قبل وقوع ایک چیز کی خبر دیدی۔

(اور) اب رہ گئے وہ (جنھوں نے کفر کیا)، اور اسی کفر پر تاحیات ثابت رہے، تو وہ سب حشر

کے دن (جہنم کی طرف) جانوروں کی طرح (ہانکے جائینگے) اور یہ کافروں کا مغلوب ہونا اسلئے ہے۔

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ

تاکہ الگ کردے اللہ گندے کو ستھرے سے، اور کردے گندے کو تلے اوپر،

بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾ ع ۹ ۱۸

پھر اس سب کا ڈھیر لگادے، پھر اس کو جہنم میں پھینک دے۔ وہی ہیں گھاٹے میں●

(تاکہ الگ کردے اللہ) تعالیٰ (گندے کو ستھرے سے)، یعنی کفر والے کو ایمان والے سے ممتاز کردے۔ (اور کردے گندے کو تلے اوپر) یعنی سارے کافروں کو اکٹھا کر کے ایک دوسرے پر گرادے، (پھر اس) میں ہر ہر بعض کو جمع کر کے (سب کا ڈھیر لگادے، پھر) ایک ساتھ (اسکو جہنم میں پھینک دے)۔ انکے ساتھ یہ ذلت آمیز سلوک اسلئے ہے، تاکہ وہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ (وہی ہیں گھاٹے میں)۔ جان بھی گنوائی، دولت بھی لٹائی، اور سوائے دائمی رسوائی کے، کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ ان حالات کو دیکھ کر جو اب تک کفر پر ہیں، انھیں ہشیار ہوجانا چاہئے اور سمجھ سے کام لینا چاہئے، تو اے محبوب!۔۔۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ

کہہ دو کافروں سے، "اگر وہ باز آگئے تو بخش دیا جائے گا ان کا جو کچھ کر گزرے تھے"۔

وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾

اور اگر پھر بھی کفر کریں، تو اگلوں کا طریقہ گزر چکا ہے●

(کہہ دو کافروں سے) بالخصوص ابوسفیان اور انکے یاروں سے کہ (اگر وہ) اپنی کفریہ حرکتوں سے (باز آگئے) اور دل سے ایمان قبول کرلیا، (تو بخش دیا جائیگا انکا جو کچھ کر گزرے تھے)، یعنی انکے سابقہ گناہ سب کے سب بخش دیئے جائینگے اور ان گناہوں کے تعلق سے ان سے پرسش نہ ہوگی۔ (اور اگر) بالفرض ان میں سے بعض (پھر بھی کفر کریں) اور رسول کریم کی عداوت اور آپ سے جنگ کرنے کو سوچنے لگیں، (تو) انکو سمجھ لینا چاہئے کہ (اگلوں کا طریقہ گزر چکا ہے)۔ اگلوں کے ساتھ سنت الٰہی یہی رہی ہے، کہ جنھوں نے پیغمبروں پر لشکر کشی کی، وہ بالآخر ہلاک اور تباہ ہوگئے۔ تو پھر انکا بھی وہی حشر ہوگا۔ المختصر۔ اے ایمان والو! جب ایسے شر پسندوں سے سامنا ہو۔۔۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ

اور قتل کرڈالوان کو، یہاں تک کہ نہ رہ جائے کوئی شورش اور ہوجائے دین سارااللہ کا۔

فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾

تو اگر وہ باز آئے، تو بے شک اللہ جو وہ کرتے ہیں اس کا دیکھنے والا ہے●

(اور) ان سے جنگ کرنا ہی پڑ جائے، تو تم بھی پیچھے مت ہٹو، بلکہ (قتل کرڈالوانکو یہاں تک کہ نہ رہ جائے کوئی شورش اور ہوجائے دین) سارے کا (سارااللہ) تعالیٰ (کا)۔یعنی صرف خدا کی ہی عبادت کی جائے، اور کوئی شورش پسند مشرک اور بت پرست باقی نہ رہے۔(تو اگر وہ باز آئے) کفر سے۔۔یا۔۔مسلمانوں سے لڑنے سے۔۔یا۔۔جزیہ قبول کرکے، (تو بیشک اللہ) تعالیٰ (جو وہ کرتے ہیں اسکا دیکھنے والا ہے)، وہ اسکے موافق جزادیگا۔

وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾

اور اگر بے رخی برتی، تو جان لو کہ بے شک اللہ تمہارا مولیٰ ہے۔کیسا اچھا مولیٰ، اور کیسا اچھا مددگار!●

(اور اگر بے رخی برتی)، یعنی حق کو قبول کرنے سے انکار کیا اور لڑائی پر آمادہ نظر آئے، (تو) اے مسلمانو! تم کچھ باک نہ رکھو اور اس سے خوفزدہ نہ ہو، بلکہ (جان لو کہ بیشک اللہ) تعالیٰ (تمہارا مولیٰ) اور مددگار (ہے)۔اور غور تو کرو، کہ (کیسا اچھا مولیٰ) ہے، جو اپنے دوستوں کو ضائع نہیں چھوڑتا اور انھیں بے یارو مددگار نہیں فرماتا۔(اور کیسا) ہی (اچھا مددگار) ہے، کہ مسلمانوں کو مشرکوں پر غالب کرتا ہے۔اور دوستوں کو ہمیشہ عزت وعظمت عطا فرماتا ہے۔

بفضلہ تعالیٰ نویں پارہ کی تفسیر آج بتاریخ

۲۰ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۷ جنوری ۲۰۱۰ء

بروز پنج شنبہ مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ باقی پاروں کی تفسیر کو مکمل

کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یا مجیب السائلین بحرمة حبیبك سیدنا محمد ﷺ الذی توسل به سیدنا آدم علیہ السلام فاجبت دعوته برحمتك یاارحم الراحمین۔

تشریحِ لغات

-- ﴿ ا ﴾ --

اِبطال: باطل کرنا۔۔غلط قرار دینا۔۔جھوٹا کرنا۔

اَتباع: پیروی کرنے والے۔۔پیروکار۔

اِحتراز: پرہیز۔۔کنارہ کشی۔۔اجتناب۔۔علیحدگی۔

احقاق: کسی کا حق قائم یا ثابت کرنا۔۔ثبوت دینا۔

اِرتداد: پھر جانا۔۔مرتد ہونا۔۔اسلام چھوڑ دینا۔

اَرزانی: کثرت۔۔زیادتی۔۔بہتات۔

اِزار: تہبند۔

اِستدراج: خلافِ معمول کام کرنا۔۔خارقِ عادت عمل۔

اِستدعا: خواہش۔۔درخواست۔۔التجا۔

اِستراحت: آرام چاہنا۔۔سکھ۔۔چین۔

اِستعداد: لیاقت۔۔قابلیت۔۔آمادگی۔

اِستفادہ: فائدہ حاصل کرنا۔۔نفع اٹھانا۔

اِستفسار: دریافت کرنا۔۔پوچھنا۔۔پوچھ گچھ۔

اِستماع: غور سے سننا۔

اِستیصال: بیخ کنی۔۔جڑ سے اکھیڑنا۔

اِستیلاء: غالب ہونا۔

اَسلم: نہایت سالم۔۔سب سے بہتر۔

اِشتباہ: گمان۔۔شبہ۔۔شک۔

اِضطرار: بےقراری۔۔بےاختیاری۔۔بےبسی۔

اَغلاق: کلام کو مشکل کرنا۔۔پیچیدہ کرنا۔۔مغلق کرنا۔

اِفتراء: تہمت۔۔بہتان۔۔جھوٹا الزام۔

اَکبرالکبائر: بڑے گناہوں میں کا بڑا گناہ۔

اِلتباس: مشکوک ہونا۔۔شبہ پڑنا۔

اُم الولد: اصطلاحِ فقہ میں وہ لونڈی، جس نے اپنے مالک کے نطفے سے اولاد جنی ہو۔ مالک اولاد کو یا لونڈی کو بیچ نہیں سکتا۔ البتہ آقا کے مرنے کے بعد وہ خود آزاد ہو جاتی ہے۔ ترکے میں ورثہ کو نہیں مل سکتی۔

اِمتنانیہ: احسان کرنے والی۔

اِنبساط: خوشی۔۔شادمانی۔۔کھلنا۔۔پھیلنا۔

اِنتساب: لگاؤ۔۔تعلق۔۔واسطہ۔۔رشتہ۔۔منسوب کرنا۔۔نسبت دینا۔

اَنذار: تنبیہ کرنا۔۔آگاہی۔

اِنقضاء: تکمیل۔۔اختتام۔۔مدت پوری ہونا۔گزرنا۔

اوسان: ہوش و حواس۔۔جرأت۔۔ہمت۔۔حوصلہ۔

-- ﴿ ب ﴾ --

بادی: ہوائی۔۔ہوا پیدا کرنے والا۔

باک: خوف۔۔ڈر۔۔اندیشہ۔

بالاستیعاب: اوّل سے آخر تک۔

بالمشافہ: آمنے سامنے۔

بخت: نصیب۔۔بھاگ۔۔قسمت۔

بطلان: تردید۔۔باطل ہونا۔

بعث و نشور: روزِ قیامت۔۔جس روز انسان قبروں سے اٹھائے جائینگے اور پھر پھیلا دیئے جائینگے۔

بُعد: دوری۔۔فاصلہ۔۔مسافت۔

بینہ: روشن۔۔دلیل۔۔گواہ۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پابجولاں: مقید۔۔محبوس۔۔پابہ زنجیر۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تحریم: حرام کرنا۔۔ممانعت کرنا۔۔حرمت کرنا۔

تحکم: زبردستی۔۔زبردستی کی حکومت۔
تخصیص: خصوصیت۔
تدبر: دوراندیشی۔۔عاقبت اندیشی۔
تدریجی: درجہ بدرجہ۔۔زینہ بہ زینہ۔۔رفتہ رفتہ۔
تذکیر: یاددلانا۔
ترہیب: ڈرانا۔۔دھمکانا۔۔خوف دلانا۔
تزھد: زھداختیارکرنا۔
تضرع: رونا۔۔گڑگڑانا۔۔آہ وزاری۔
تضرع وزاری: رونا۔۔گڑگڑانا۔
تعدد: تعدادمیں زیادہ ہونا۔۔بہتات۔۔کثرت۔
تعریض: اعتراض کرنا۔
تعمیم: عام کرنا۔۔عمومیت۔
تعنت: عیب جوئی۔۔نکتہ چینی۔۔بدگوئی۔
تفضیل: ترجیح۔۔فوقیت۔۔فضیلت۔
تقریب فہم: سمجھ کے قریب کرنے کیلئے۔۔
آسانی سے سمجھانے کیلئے۔
تقشف: درویشی۔۔فقیری۔۔سخت زندگی گزارنا۔
تقصیر: کوتاہی۔۔کمی۔۔سہو۔۔بھول چوک۔
تقلیدِ ضالین: گمراہوں اور بھٹکے ہوؤں کی پیروی کرنا۔
تکذیب: جھٹلانا۔۔جھوٹ بولنے کاالزام لگانا۔
تمامی: انجام۔۔تکمیل۔
تمرد: سرکشی۔۔بغاوت۔۔گستاخی۔۔نافرمانی۔
تنزیہہ: پاکی۔۔صفائی۔
تنظیف: پاک ہونا۔۔پاکیزگی۔
تنقیص: نقص نکالنا۔۔کم کرنا۔۔گھٹانا۔۔کمی۔
تہدید: تنبیہہ۔۔ڈرانا۔۔دھمکانا۔
تہنیت: مبارک باددینا۔۔مبارک باد۔
تیرگی: سیاہی۔

-- ﴿ ٹ ﴾ --

ٹیکرا: ٹیلا۔۔پہاڑوں کی ڈھلواں سطح۔

-- ﴿ ث ﴾ --

ثبات: پائیداری۔۔مضبوطی۔۔ثابت قدمی۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جفتی: نراورمادہ کاملنا۔
جلب منفعت: نفع حاصل کرنا۔
جنبی: وہ آدمی جسے جماع یااحتلام کی وجہ سے غسل کی حاجت ہو۔

-- ﴿ ح ﴾ --

حاجب: پردہ۔
حانث: قسم توڑنے والا۔
حظ نفس: حیوانی مزہ۔۔بدنی خوشی۔
حَکَم: ثالث۔۔پنچ۔۔فیصلہ کرنے والا۔۔منصف۔
حلت: حلال ہونا۔۔رواہونا۔۔مباح ہونا۔۔حرمت کی ضد۔
حلفاء ﴿حلیف کی جمع﴾: دوفریق جنھوں نے ایک دوسرے کی
امدادکامعاہدہ کیاہو۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خدم وحشم: نوکرچاکرو ملازمان وخادمین۔
خذلان: مددنہ کرنا۔۔درماندگی۔
خصائل مرضیہ: بری سیرت۔۔خراب عادات۔
خفیف الحرکاتیوں: اوچھی حرکتیں۔۔کم ظرفی۔

-- ﴿ د ﴾ --

دابۃ: زمین پرچلنے والا جانور۔۔چوپایہ۔
دارالسلام: سلامتی کی جگہ۔۔امن کی جگہ۔۔بہشت۔
داعیہ: خواہش۔۔مرضی۔
درازگوش: لمبے کانوں والا۔۔گدھا۔
درکات ﴿درکہ کی جمع﴾: دوزخ کاایک طبقہ۔
دفع مضرت: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں کودورکرنایاہٹانا۔
دفینہ: دفن کیاہوامال۔۔گڑاہواخزانہ۔
دوہا: تھن سے دودھ نکالنا۔

دیار و امصار: گھروں اور شہروں۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجح: قابل ترجیح۔۔بہتر۔۔پسندیدہ۔
رفع و ثبات: بلندی و ثابت قدمی۔
رفیع القدر: اونچی شان والا۔۔بڑی بزرگی والا۔
رکیک: ناچیز۔۔ادنیٰ۔۔گھٹیا۔
روسیاہ: کالے منہ کا۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زجر و توبیخ: ڈانٹ ڈپٹ۔۔لعنت ملامت۔۔جھڑکی دھتکار۔
زنگار: زنگ۔۔وہ مسالا جو آئینے کی پشت پر لگاتے ہیں۔

-- ﴿ س ﴾ --

ساعی: کوشش کرنے والا۔۔دوڑ دھوپ کرنے والا۔
سبکسار: ہلکا۔
سعید: نیک۔۔بھلا۔۔مبارک۔۔خوش نصیب۔
سماع قبول: ماننے والا سننا۔
سن: عمر۔۔مقدارِ عمر۔۔سال۔۔برس۔
سن بلوغت: جوانی کی عمر۔۔سیانا ہونا۔
سہل الحصول: آسانی سے حاصل ہونے والا۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شقی: بدبخت۔۔بدنصیب۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صامت: چپ۔۔خاموش۔
صانع حقیقی: دنیا بنانے والا، یعنی اللہ تعالیٰ۔
صخرہ: بڑا پتھر۔۔چٹان۔
صراحت: تشریح۔۔وضاحت۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طغیان: بڑی زیادتی۔۔ظلم۔۔نافرمانی۔۔سرکشی

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظن و تخمین: وہم و گمان و اندازہ و اٹکل۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عاجلانہ: جلد بازی سے۔۔جلدی میں۔
عاریتاً: قرضے کے طور پر۔۔مانگ کر۔
عُجب: غرور۔۔تکبر۔۔گھمنڈ۔۔خود بینی۔
عزم بالجزم: مصمم ارادہ۔۔پکا ارادہ۔
عزیمت: ارادہ۔۔قصد۔
عفاریت: عفریت کی جمع: دیو۔۔بھوت پریت۔
عِقاب: دکھ۔۔تکلیف۔۔عذاب۔۔سزا۔
عقوبت: دکھ۔۔عذاب۔۔سزا۔۔تکلیف۔
علی الفور: فوری طور پر۔

-- ﴿ غ ﴾ --

غوایت: زیاں کاری و گمراہی۔
غیر مترقبہ: جسکی توقع نہ ہو۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فردانیت: یکتا و بے مثل ہونے میں۔
فرع: شاخ۔۔وہ جسکی اصل کوئی اور چیز ہو۔
فروتن: عاجز۔۔مسکین۔۔خاکسار۔
فضیحت: ذلت۔۔بدنامی۔۔رسوائی۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قباحت: خرابی۔۔نقص۔۔عیب۔۔برائی۔
قبائح ﴿قبیح کی جمع﴾: برائیاں۔
قبیح: معیوب۔۔برا۔۔نازیبا۔۔شرمناک۔
قدح ﴿مدح کی ضد﴾: اعتراض۔۔برا بھلا کہنا۔
لعنت و ملامت کرنا۔
قرص: گھیرا۔۔گول چیز۔۔ٹکیا۔
قساوت: سنگدلی۔۔بے رحمی۔

قصص ﴿قصہ کی جمع﴾: کہانی۔۔داستان۔۔افسانہ۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کثرت محاصل: آمدنی کی زیادتی۔۔نفع کی زیادتی۔
کثیف: دبیز۔۔گاڑھا۔
کورکسر: کمی بیشی۔
کیچلی: سانپ کی سفید جھلی جو اسکے جسم سے اترتی ہے اور سانپ اس سے باہر آجاتا ہے۔

-- ﴿ گ ﴾ --

گراں بار: بھاری۔۔بوجھ سے لدا ہوا۔
گندم گوں: گندمی رنگ کا۔۔سانولا۔
گوسالہ: گائے کا ایک سالہ بچہ۔۔بچھڑا۔

-- ﴿ ل ﴾ --

لایزال: لازوال۔۔جسے کبھی فنا نہ ہو۔۔ابدی۔
لرزہ براندام: وہ جس پر کپکپی طاری ہو۔۔کانپنے والا۔
لواطت: اغلام۔۔لڑکوں کے ساتھ بدفعلی۔

-- ﴿ م ﴾ --

ماذون الشفاعہ: جسکو شفاعت کی اجازت دیدی گئی ہو۔
مُبدَع: نئی چیز پیدا کرنیوالا۔۔بے ماڈہ بنانیوالا۔۔اللہ تعالیٰ۔
مبرم: مضبوط۔۔مستحکم۔۔نہ ٹلنے والی۔
متابعت: پیروی۔۔فرمانبرداری۔۔اطاعت۔
متانت: سنجیدگی۔۔پختگی۔۔خیالات کی آراستگی اور درستی۔
متبعین: اتباع کرنے والے۔۔پیروی کرنے والے۔۔ پیچھے چلنے والے۔
متردد: تردد کرنے والا۔۔پریشان۔۔مضطرب۔۔ پس وپیش کرنے والا۔
متصرف: قبضہ کرنے والا۔۔قابض۔
متمرد: تمرد کرنے والا۔۔سرکشی کرنے والا۔۔نافرمان۔۔ سرکش۔۔باغی۔

متمیز: الگ ہونے والا۔۔جدا۔
متواضعانہ: تواضع کرنے والا۔۔عاجزی کرنے والا۔
مجتمع: اکٹھا۔۔جمع کیا ہوا۔
محارم ربانیہ: اللہ کی طرف سے حرام کی گئی چیزیں یا باتیں۔
محرف: تحریف کیا گیا۔۔مطلب سے پھیرا ہوا۔۔بدلا ہوا۔
محزون: غمگین۔۔رنجیدہ۔۔مغموم۔۔دلگیر۔۔ملول۔
محل نزاع: بحث وتکرار کا موقع۔۔تنازعہ کا موقع۔
محیر العقول: عقل کو حیرانی میں ڈالنے والا۔۔ تعجب میں ڈالنے والا۔۔عجیب وغریب۔
مداومت: ہمیشگی۔۔قیام۔۔ثبات۔۔دوام۔
مدبر: وہ غلام جسکی آزادی کو مالک اپنی موت سے متعلق کرے مدبر کہلاتا ہے۔۔مدبر نہ تو بک سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کیا جاسکتا ہے، البتہ مالک کا اس سے خدمت لینا جائز ہے۔
مذبوح: ذبح کیا گیا۔
مذموم: برا۔۔خراب۔۔قبیح۔
مربوب: جسکی پرورش کی جائے۔۔پروردہ۔۔بندہ۔۔مملوک۔
مرجع: لوٹنے کی جگہ۔۔رجوع کرنے کی جگہ۔
مرزوق: رزق دیا گیا۔۔جسکو رزق دیا جاتا ہے۔
مزروعات: کھیتی۔۔کھیت میں بوئی ہوئی چیزیں۔
مزعومہ: گمان کیا ہوا۔۔زعم کیا ہوا۔
مستبعد: دور از قیاس۔۔دشوار۔
مستجاب الدعوات: جسکی دعائیں قبول ہوں۔۔جسکی دعائیں درگاہِ الٰہی میں شرف قبولیت پائیں۔
مستزاد: بڑھایا گیا۔۔زیادہ کیا گیا۔
مستغنی: بے پرواہ۔
مستلزم: کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا۔۔لازمی ہوجانا۔
مستمر: ہمیشہ رہنے والا۔۔دائم۔۔مستقل۔
مستولی: غالب۔۔چھاجانے والا۔۔قابو میں رکھنے والا۔
مسدود: رکا ہوا۔
مسموع: سنا گیا۔۔قبول کیا گیا۔

مشروع: شرع کے موافق۔۔جائز کیا گیا۔
مصاحبین ﴿مصاحب کی جمع﴾: ساتھی۔۔ہم نشین۔۔ہم صحبت۔
مصادیق: وہ شئے جن پر کسی معنی کا اطلاق ہو۔
مسنوع: صنعت کیا ہوا۔۔بنایا ہوا۔
مضرت: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضمحل: اداس۔۔دلگیر۔۔رنجیدہ۔۔مغموم۔
مضمر: پوشیدہ۔۔مخفی۔
مطاعم وثمرات: کھانے کی چیزیں وپھل وغیرہ۔
معارضہ: جھگڑا۔۔ٹنٹا۔۔مناقشہ۔
معاند: عناد رکھنے والا۔۔دشمن۔۔مخالف۔
معاندین: عناد رکھنے والے۔۔دشمن۔۔مخالفین۔
معتوب: جس پر عتاب کیا جائے۔
مغضوب: غضب کیا گیا۔۔جس پر غصہ یا عتاب ہو۔
مفاتیح الغیب: غیب کی کنجیاں۔
مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔
مفتری: افتراء پرداز۔۔الزام لگانے والا۔۔بہتان لگانے والا۔
مفضول: فضیلت دیا گیا شخص۔۔فضیلت دی گئی چیز۔
مفقود: کھوئی ہوئی۔۔غائب۔۔ناپید۔۔ندارد۔
مقتضاء: تقاضا کیا گیا۔۔چاہا گیا۔
مقتضی: جسکا تقاضا کیا گیا۔
مقر: معترف۔۔اعتراف کرنے والا۔۔اقرار کرنے والا۔
مقصور: کم کیا گیا۔۔چھوٹا کیا گیا۔
مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہو۔
مکابرہ: غرور۔۔گھمنڈ۔۔مقابلہ۔
مکاتب: وہ غلام جسے کچھ معاوضہ لیکر آزاد کر دیا گیا ہو۔
مکارم خصال: خوبیاں۔۔محاسن۔۔اچھے اوصاف۔۔ قابل تعریف کام۔
مکلف: تکلیف دیا گیا۔
ملل ﴿ملت کی جمع﴾: مذاہب۔۔ادیان۔
ملول خاطر: اداس۔۔رنجیدہ۔۔غمگین۔
منتہی: نتیجہ۔۔انجام۔

منصوص: کمالِ تحقیق کو پہنچا ہوا۔۔قرآن مجید کی وہ آیت جو قابل تاویل نہ ہو، بالکل ظاہر ہو۔
منعم حقیقی: حقیقی نعمت دینے والا، یعنی اللہ تعالیٰ۔
منفعل: نادم۔۔شرمندہ۔۔شرمسار۔
منقاد: تابع فرمان۔۔فرمانبردار۔
مواظبت: ایک کام ہمیشہ کئے جانا۔۔کام میں لگے رہنا۔
موضع: جگہ۔
موعود: وعدہ کیا گیا۔
مؤکد: تاکید کیا گیا۔
مہیب: خوفناک۔۔خطرناک۔۔ڈراونا۔۔بھیانک۔

-- ﴿ ن ﴾ --

نجس العین: وہ چیز جو کلیۃً نجس ہو۔۔جسکا کھانا، پینا، چھونا، لگانا ممنوع اور ناجائز ہو۔
نزاع: فساد۔۔تکرار۔۔تنازعہ۔
نزع روح: روح کا نکلنا۔۔جاں کنی۔۔دم ٹوٹنا۔
نفخہ اولیٰ: پہلی صور جو پھونکی جائیگی قیامت کے دن۔
نقض: توڑنا۔۔پھوڑنا۔۔بگاڑنا۔

-- ﴿ ہ ﴾ --

ہزیمت: شکست۔۔ہار۔
ہیئت کذائیہ: موجودہ حالت۔۔جیسی کہ حالت ہے۔

-- ﴿ ی ﴾ --

یمین: قسم۔۔حلف۔
یمین لغو: جھوٹی قسم۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،

'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'مسئلہ قیام و سلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۷۰۴ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین و تصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾

('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالاتِ شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲صفحات﴾

'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہء دعوت وتبلیغ' ﴿۳۶صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

مزید براں ادارے کے اشاعتی پروگرام میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆۔۔۔معارف القرآن کا گجراتی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔معارف القرآن کا تفصیلی تقابلی جائزہ۔۔۔☆

☆۔۔۔مضامین معارف القرآن۔۔۔☆

☆۔۔۔تفسیر اشرفی کا گجراتی میں ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دیگر تصنیفات۔۔۔☆

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد سوئم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔۔کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف سندھ) کراچی

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ، اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

جلد چہارم

واعلموا ۱۰ — یعتذرون ۱۱ — ومامن دابۃ ۱۲

شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ○ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد چہارم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کورڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212



فہرست

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیر اشرفی کی اس جلد چہارم کے متنِ تفسیر میں ۹،۹۳،۸۹۳ (نولاکھ، تیرانوے ہزار، آٹھ سو تیرانوے) حروف --- ۱،۰۹،۵۹۰ (ایک لاکھ، نوہزار، پانچ سونوے) الفاظ --- ۸،۴۳۴ (آٹھ ہزار، چار سو چونتیس) سطریں --- اور ۳،۵۸۸ (تین ہزار، پانچ سو اٹھاسی) پیراگراف شامل ہیں --- کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے، تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں --- ﴿ادارہ﴾

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ـــــ اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

تمام تعریفیں اسی پاک پروردگار اللہ ﷻ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ایمان کی دولت بخشنے کے لیے اپنے پیارے نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کے وسیلے سے قرآن وسنت کا عظیم خزانہ ہمیں عطا ہوا۔ ہماری کامیابی کا راز قرآن وسنت پر عمل کرنے اور ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت کرنے ہی میں مضمر ہے۔ اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی کتاب اور اپنے پیارے نبی ﷺ کی سنتوں کی ترویج واشاعت کی توفیق مرحمت فرماتا رہے جس کے ذریعے ہم دین حق کی سربلندی اور دلوں میں حب مصطفیٰ ﷺ کی شمع روشن کرنے اور رکھنے میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔ ﴿امین﴾

الحمدللہ! سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی کی جلد چہارم حاضر خدمت ہے، جبکہ ۲۱ ویں پارے تک تفسیر مکمل ہو چکی ہے جو انشاء اللہ جلد ہی قارئین کی خدمت میں پیش کردی جائے گی۔ مفسر محترم حضور شیخ الاسلام والمسلمین جس محنت اور جانفشانی سے اس تفسیری کام کو انجام دے رہے ہیں، اردو بولنے والے مسلمان ان کا شکریہ ادا نہیں کرسکتے، وہ اس احسانِ عظیم کو تادیر یاد رکھیں گے۔ اللہ ﷻ سے دعا ہے کہ حضور مفسر محترم کی عمر اور صحت میں برکت عطا ہو اور تفسیری کام جلد پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ ﴿امین﴾

ہمیشہ کی طرح تمام اصحاب اس دفعہ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جن کا ذکر ہر مرتبہ کیا جاتا رہتا ہے۔ ہم شکر گزار ہیں ﴿ڈیوز بری، انگلینڈ﴾ کے امتیاز امین صاحب اور افروز صاحب کے جن کی کوششوں سے اس کتاب کے پھیلاؤ میں مدد ملتی ہے۔ اللہ ﷻ تمام اصحاب وافراد کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اِس ادارے کو دین اسلام کی بیش از بیش خدمت کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ امین! بِجَاهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ﴾

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

۱۲ ربیع اول ۱۴۳۳ھ ـــ بمطابق ـــ ۵ فروری ۲۰۱۲ء

﴿۱۰﴾

وَاعْلَمُوْا

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بحمدہ تعالیٰ آج بتاریخ

۷ر صفر المظفر ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲۳ر جنوری ۲۰۱۰ء

بروز شنبہ دسویں پارہ کی تفسیر کا آغاز کر دیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسکی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے

امین

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفار سے جہاد کا حکم دیا تھا اور جہاد میں جب مسلمان فتح یاب ہوجائیں، تو میدانِ جنگ میں کفار کا جو مال، اسباب اور ہتھیار وغیرہ ہاتھ آئیں، وہ مالِ غنیمت ہے۔ سواب جہاد کے حکم کے بعد، اللہ تعالیٰ مالِ غنیمت کے احکام بیان فرمارہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ صاف صاف لفظوں۔۔۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ

اور جانو کہ جو کچھ مال غنیمت حاصل کیا تم نے، تو اللہ کا پانچواں حصہ ہے اور رسول کا،

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ

اور ان کے قرابت مندوں کا اور یتیموں کا، اور مسکینوں کا اور مسافروں کا۔ اگر مان گئے ہو

بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ

اللہ کو، اور جو اتارا ہم نے اپنے بندہ پر چھٹائی کے دن، جس دن دونوں فریق میں جنگ کی مڈبھیڑ ہوئی،

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾

اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے ●

(اور) واضح انداز میں ارشاد فرمارہا ہے، کہ اے ایمان والو! (جانو کہ جو کچھ) کافروں سے غالب ہوکر (مالِ غنیمت حاصل کیا) ہے (تم نے، تو) اس میں (اللہ) تعالیٰ (کا پانچواں حصہ ہے اور) اُسی پانچویں میں (رسول کا) حصہ ہے۔ (اور) مزید برآں اُسی میں (ان کے قرابت مندوں) یعنی بنی ہاشم اور بنو المطلب، جس میں 'بنو شمس و بنو نوفل' شامل نہیں، (کا) بھی حصہ ہے، (اور) اُسی میں مسلمانوں کے (یتیموں) جو فقیر و محتاج ہوں، (کا) بھی حصہ ہے۔ (اور) اِسی طرح اُس میں مسلمان (مسکینوں)، فقیروں اور محتاجوں (کا) بھی حصہ ہے۔ (اور) ساتھ ہی ساتھ، اُسی میں مسلمان (مسافروں کا)، یا ان لوگوں کے لیے بھی جو مسلمانوں کے یہاں اُتریں، حصہ ہے۔

سب علماء اس بات پر متفق ہیں، کہ مذکورہ بالا آیت میں خدا کا ذکر برکت اور تعظیم کے واسطے ہے، اور غنیمت میں چار حصے قتال کرنے والوں کے واسطے ہیں، اور پانچواں حصہ پانچ حصوں میں تقسیم ہوکر، رسولِ مقبول ﷺ اور چاروں گروہوں کے واسطے ہے، جن کا ذکر آیت

میں ہے۔ اور اب رسولِ مقبول کا حصہ، مسلمانوں کے نیک کاموں میں صرف کرنا چاہیے
۔۔یا۔۔امامِ وقت کو دینا چاہیے۔۔یا۔۔باقی چاروں حصوں میں ملا دینا چاہیے۔
امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک، رسولِ مقبول کی وفات سے آپ کا اور ذوی القربیٰ کا حصہ ساقط ہو گیا۔۔چنانچہ۔۔اس صورتِ حال میں تمام غنیمت، باقی تین گروہوں پر صرف کریں۔۔الختصر ۔۔اب ہمارے نزدیک خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرتے ہوئے، خُمس کے تین حصے کیے جائیں گے۔ ایک حصہ یتیموں کا، ایک حصہ فقراء کے لیے، اور ایک حصہ مسافروں کے لیے۔

۔۔الختصر۔۔جان لو تم اے قتال کرنے والو! کہ غنیمت کا پانچواں حصہ، خدا اور رسول اور چار گروہِ مذکور کے واسطے ہے، تو انہیں کے حوالے کر دو۔ باقی چار حصے لے کر تم قناعت کرو، اور اُس خُمس میں طمع نہ رکھو (اگر مان گئے ہو اللہ) تعالیٰ (کو، اور) ان نوازشات کے دل سے معترف ہو، (جو) آیات ۔۔یا۔۔ملائکہ۔۔یا۔۔فتح و نصرت کی شکل میں (اتارا ہم نے اپنے) عظیم المرتبت مخصوص (بندہ) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ' (پر) جنگِ بدر، یعنی (چھٹائی کے دن)۔ جس دن حق کو باطل سے جدا ہونا تھا۔ اور یہ وہ دن تھا (جس دن دونوں فریق میں جنگ کی مڈبھیڑ ہوئی)۔

وہ جمعہ کا دن، رمضان شریف کی سترھویں تاریخ اور ہجرت کا دوسرا سال تھا۔ حق و باطل کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دینا اور تھوڑے آدمیوں کو بڑے لشکر پر غالب کر دینا، خدائے عزوجل کے لیے کیا دشوار۔۔۔

(اور) کیا مشکل، اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے)۔ جو چاہے کرے۔۔چنانچہ ۔۔اُس نے جو چاہا کر دکھایا، تو یاد کرو اُس وقت کو۔۔۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ
جب کہ تم اِس طرف والے کنارہ پر، اور وہ اُس طرف والے کنارہ پر ہیں، اور قافلہ تم سے نشیب
مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِىَ اللّٰهُ
میں۔ اور اگر تم لوگ خود وقتِ جنگ کو بدلتے، تو آگے پیچھے ہو جاتے وعدہ کے وقت پر، لیکن تا کہ پورا فرمادے اللہ
اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى
اس کام کو جو ہونہار تھا۔۔ تا کہ جو تباہ ہو وہ دلیل سے تباہ ہو، اور جو زندگی

مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾

پائے وہ دلیل سے پائے۔ اور بے شک اللہ ضرور سننے والا علم والا ہے ●

(جبکہ) صورتِ حال یہ تھی، کہ (تم) مدینہ سے بہت نزدیک (اِس طرف والے کنارہ پر) ایسے ریگستانی میدان میں تھے، کہ تمہارے پاؤں دھنستے تھے اور تمہارے پاس وہاں پانی نہ تھا، (اور وہ) تمہارے دشمن (اُس طرف والے کنارہ پر ہیں) جو مدینے سے بہت دور تھا اور اس کی زمین مضبوط تھی، اور وہ لوگ پانی پر قادر تھے (اور) ابوسفیان کا تجارتی (قافلہ) اور اس کے یار و مددگار۔۔نیز۔۔ان کی سواریاں (تم سے نشیب میں) تمہاری قیام کی جگہ سے 'تقریباً' ٦ میل کے فاصلے پر تھیں۔

کیونکہ یہ لوگ میدانِ بدر سے کترا کر جُدا جُدا ساحل کے عازم ہوئے تھے، تاکہ اسلامی لشکر کا سامنا نہ ہو سکے۔

اِن حالات (اور) واقعات کے پیشِ نظر، (اگر تم لوگ خود) اپنی صوابدید پر (وقت جنگ کو بدلتے، تو) کماحقہٗ وعدہ پورا نہ کر پاتے اور (آگے پیچھے ہو جاتے وعدے کے وقت پر)، اس لیے کہ یہ ظاہر ہو جانے کے بعد، کہ تم تھوڑے ہو اور نہتے ہو، اور وہ بہت ہیں اور اسلحوں سے لیس ہیں، تو تم پر ان کا خوف طاری ہو جاتا۔ ایسی صورت میں تمہارے ارادے مضمحل بھی ہو سکتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنگ کے تعلق سے تمہیں کسی طرح کا کوئی وعدہ کرنے ہی نہ دیا، اور نہ ہی جنگ کے وقت کو کوئی طے شدہ معاملہ بننے دیا۔۔بلکہ۔۔تمہیں ایک تجارتی قافلہ پر قبضہ کرنے کے خیال سے مدینے سے نکالا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا، تو ایسا نہ ہونے دیتا، (لیکن) اس نے ایسا اس لیے ہونے دیا، (تاکہ پورا فرمادے اللہ) تعالیٰ (اُس کام کو جو ہونہار تھا)، جسے ہونا ہی تھا۔۔اور (تاکہ جو تباہ ہو، وہ دلیل سے تباہ ہو، اور جو زندگی پائے، وہ دلیل سے پائے)۔

۔۔الغرض۔۔روزِ بدر کا واقعہ بڑی دلیلوں میں سے ہے۔ جس نے دیکھا، وہ اگر مرتا ہے۔۔یا ۔۔جیتا ہے، تو اُسے کوئی دلیل اور عذر نہیں۔۔اور۔۔یا **مَنْ هَلَكَ** سے کافر اور **مَنْ حَيَّ** سے مسلمان مراد ہیں۔ یعنی اُن سے کفر اور اسلام کا صادر ہونا، کھلی ہوئی دلیل پر ہے۔ جو کافر ہے اُس کا بطلان کھلا ہوا ہے، اور جو شخص اسلام پر ثابت رہا، اس کی حقیقت صاف یقینی ہے۔

(اور بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور سننے والا) ہے مومن اور کافر کی باتیں، اور (علم والا ہے) ان کے احوال کا۔ اے محبوب! اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی ہمیشہ تمہارے اور تمہارے اصحاب کے شریک حال رہی۔۔چنانچہ۔۔یاد کرو اور سب کو یاد کرادو۔۔۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ

جبکہ دکھارہا ہے اللہ تم کو تمہارے خواب میں انہیں تھوڑا، اور اگر تم کو دکھایا ہوتا انہیں بہت، تو ضرور دل کے چھوٹے تم ہو جاتے،

وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾

اور ضرور معاملہ میں جھگڑا ڈال دیتے، لیکن اللہ نے محفوظ رکھا۔ بیشک وہ سینہ میں چھپی باتوں کا جاننے والا ہے●

(جبکہ) شب بدر میں (دکھا رہا ہے اللہ) تعالیٰ (تم کو، تمہارے خواب میں انہیں تھوڑا)، اور پھر تم نے اس خواب کی خبر اپنے اصحاب کو دی اور ان کے غالب ہونے کی تعبیر بھی ارشاد فرمادی، تو وہ دلیر ہوئے اور نصرت کے وعدے سے انہیں قوت حاصل ہوئی۔ (اور) اب (اگر) ایسا ہوتا، کہ خواب میں (تم کو دکھایا ہوتا انہیں بہت) کثیر، جن کی سامان کی فراوانیوں کے ساتھ، اور پھر آپ انہیں اپنے اصحاب کو سناتے، (تو) اے صحابیو! غور کرو، اس وقت تمہارا کیا حال ہوتا؟ ایسی صورت میں (ضرور دل کے چھوٹے تم ہو جاتے، اور ضرور معاملہ میں جھگڑا ڈال دیتے)، اور امرِ قتال میں الجھ پڑتے، کہ آیا ہم لڑیں۔۔یا۔۔ بھاگ جائیں۔

(لیکن اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے فضل وکرم سے تمہیں اس تنازع، بددلی اور دشمنوں کے ضرر سے (محفوظ رکھا۔ بے شک وہ سینے میں چھپی باتوں کا جاننے والا ہے)۔۔ الحتصر۔ سینوں میں جو کچھ بھی ہو، جرأت، خوف، رضامندی اور امان لینا، وغیرہ وغیرہ، اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس مقام پر اے صحابیو! یہ بھی یاد کرو، کہ غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر عنایت تمہارے شریکِ حال رہی۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ

اور جبکہ دکھارہا ہے تم کو جس وقت تم لوگ بھڑ گئے، انہیں تمہاری آنکھوں میں تھوڑا، اور تھوڑا تم کو کرتا ہے انکی آنکھوں میں،

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع

تا کہ پورا فرمادے اللہ اُس کام کو جس کو ہونا ہی ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف ہر کام لوٹائے جاتے ہیں●

(اور) کتنا کرم اس کا تم پر رہا، (جبکہ دکھا رہا ہے تم کو جس وقت تم لوگ بھڑ گئے) اور جنگ کے لیے آمنے سامنے آ گئے، (انہیں تمہاری آنکھوں میں تھوڑا)، تا کہ تمہارا دل قوی ہو اور دشمنوں کی کثرت کا خوف تم پر طاری نہ ہو۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت عبداللہ ابن مسعود کی نظر میں دشمن ستر ۷۰ کے قریب تھے، اوران کے قریب والے ایک شخص کو دشمنوں کی تعداد سَو ۱۰۰ نظر آئی، جبکہ صورت حال یہ تھی کہ دشمن نوسو پچاس ۹۵۰ تھے۔تو اِس طرف مسلمانوں نے کافروں کو کم دیکھا، تو اُدھر کافروں کو بھی مسلمانوں کی تعداد کم نظر آئی۔ یہ صورت عجیب نشانیوں میں سے ہے۔اس واسطے، کہ اگر کسی سبب سے تھوڑے آدمی نگاہ میں بہت معلوم ہوتے ہیں، اور بہت آدمی تھوڑے نظر آتے ہیں، مگر اس قدر فرق نہیں ہوسکتا کہ نوسو پچاس ۹۵۰ آدمی سَو ۱۰۰ کے قریب معلوم ہوں۔۔یا۔۔تین سَو ۳۰۰ آدمی ایک ہزار ۱۰۰۰۔۔یا۔۔نوسَو ۹۰۰ نظر آئیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ نے بعض کی نگاہوں کو بعض سے باز رکھا، باوصف اس کے، کہ دیکھنے کی شرطیں سب موجود تھیں۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت، ایک طرف ان کو تمہاری نظر میں کم دکھاتا ہے **(اور) دوسری طرف (تھوڑا تم کو کرتا ہے ان کی آنکھوں میں)**، تاکہ وہ تم سے لڑنے کے لیے بہت زیادہ سازوسامان جمع کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کریں، اور نہ ہی اپنی افرادی قوت کو بڑھانے کی فکر کریں، اور اپنی فتح کے دھوکے ہی میں رہ جائیں، اور جنگ کی کامیابی کے لیے بہت زیادہ جدوجہد سے باز رہیں۔

ان تمام باتوں میں حکمتِ خداوندی یہ تھی، **(تاکہ پورا فرمادے اللہ) تعالیٰ (اس کام کو جس کو ہونا ہی ہے)** اس کے علم میں۔ **(اور)** ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ **(اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف ہر کام لوٹائے جاتے ہیں)** اور اُسی کی طرف تمام امور کا رجوع ہے۔ جیسے چاہتا ہے تصرف فرماتا ہے، نہ اُسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کوئی اُسے مجبور کرسکتا ہے۔۔۔

اِس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا، جو اُس نے جنگ بدر میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو عطا فرمائی تھیں۔ چونکہ جنگ بدر میں مسلمانوں کو ایک جنگ سے سابقہ پیش آچکا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آنے والی آیت میں مسلمانوں کو جنگ کے آداب تعلیم فرمائے۔جس میں پہلی چیز ہے، جنگ میں ثابت قدم رہنا۔ نبی کریم نے ایک اور چیز بھی بتلائی ہے، کہ ابتداءً مسلمانوں کو جنگ۔۔۔یا۔۔۔کسی بھی آزمائش اور بلا کی تمنا نہیں کرنی چاہیے، لیکن ان پر جب جنگ مسلط کردی جائے، تو پھر ان کو اس جنگ میں ثابت قدم رہنا لازم ہے، اور اس سے پیٹھ موڑنا جائز نہیں ہے۔۔تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

اے وہ جو ایمان لا چکے! جب بھڑ گئے تم فریق مقابل سے، تو ڈٹ جاؤ، اور اللہ کا ذکر

كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿٤٥﴾

بہت کرو، کہ تم کامیاب ہو جاؤ ●

(اے وہ جو ایمان لا چکے! جب بھڑ گئے تم فریق مقابل سے) یعنی ان کافروں سے جو تم سے جنگ کا ارادہ رکھتے ہیں، (تو ڈٹ جاؤ) اور مقابلہ سے منہ نہ موڑو، (اور) اس وقت بھی خدا سے غافل نہ ہو جاؤ، بلکہ لحہ بہ لحہ، نعرۂ تکبیر کی آواز بلند کر کے، (اللہ) تعالیٰ (کا ذکر بہت) اور بکثرت (کرو)۔ اور جب کافروں پر تلوار چلاؤ، تو اللہ اکبر کا نعرہ بلند کرو اور اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتے رہو، کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو بے نصیب کر دے اور ان کی جڑ کاٹ دے اور مسلمانوں کو ان پر غلبہ عطا فرمائے۔۔ الحقر۔۔ کوئی شغل یادِ الٰہی سے تم کو باز نہ رکھے، تا (کہ) اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی نصرت و اعانت سے (تم کامیاب ہو جاؤ) اور دشمنوں پر فتح پا جاؤ۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ

اور کہا مانو اللہ کا اور اسکے رسول کا، اور باہم جھگڑا نہ نکالا کرو، کہ چھٹ دلے ہو جاؤ گے، اور جاتی رہے گی تمہاری بندھی ہوا۔

وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ﴿٤٦﴾

اور صبر سے کام لیتے رہو، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ●

(اور) ہر ہر معاملے میں (کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا اور اس کے رسول کا)۔ خاص کر کے امر جہاد میں اور معرکۂ قتال کے اندر ثابت قدم رہنے میں۔ (اور) ایسے نازک وقت پر مختلف آراء پیش کر کے (باہم جھگڑا نہ نکالا کرو)، جیسے بدر و احد میں تم نے مختلف آراء کا مظاہرہ کیا، کیوں (کہ) ایسا کرنے سے تم (چھٹ دلے ہو جاؤ گے) اور بزدل ہو جاؤ گے، (اور جاتی رہے گی تمہاری بندھی) ہوئی (ہوا)، یعنی تمہاری دولت و شوکت نکل جائے گی، اور تمہارا رعب و دبدبہ ختم ہو جائے گا۔۔ الغرض۔۔ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور دشمنوں کے دلوں میں تمہارا خوف نہ رہ جائے گا۔ پس موجودہ دولت و شوکت پر غیر معمولی اعتماد نہ کرلو، اس لیے کہ دولت و شوکت چلی جانے والی ہے [illegible] جیسے کہ ہوا ایک طرف سے آتی ہے اور دوسری طرف چلی جاتی ہے [illegible] تو غور سے سنو (اور)

دھیان رکھو! کہ بوقتِ شدائدِ حرب اور بوقتِ قتال، (صبر سے کام لیتے رہو) اور جان لو، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ کی حفاظت اور نصرت (صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ
اور مت ہو جاؤ ان کی طرح جو نکلے اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو دکھاتے،
وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾
اور روک رہے ہیں اللہ کی راہ سے۔ اور اللہ ان کے کرتوت پر چھائے ہے ●

(اور) اے مسلمانو! (مت ہو جاؤ ان) مکہ والوں (کی طرح، جو) اپنے قافلے کی حمایت کے لیے (نکلے) تھے (اپنے گھروں سے اِتراتے اور لوگوں کو دکھاتے)، کبر و غرور کے نشے میں چور۔

راہ میں انہیں جب خبر پہنچی، کہ قافلہ صحیح سلامت بدر سے گزر گیا، تو لوگوں نے واپس ہو جانے کا قصد کیا، اُس وقت ابو جہل بول پڑا، کہ اب ضروری ہے کہ ہم بدر کو جائیں اور وہاں جم کر شراب نوشی کی محفلیں قائم کریں، تا کہ ہماری عظمت اور بڑائی کا شہرہ عرب میں پھیلے اور لوگ ہماری شجاعت اور شوکت کی ایک تاریخ مرتب کرلیں۔

۔۔الحتصر۔۔اے ایمان والو! تم اپنے گھروں سے کافروں کی طرح نہ نکلو، کیونکہ وہ خود بینی اور ریاکاری کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ (اور) ان کا حال یہ ہے، کہ (روک رہے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)۔۔چنانچہ۔۔اشاعتِ اسلام کی راہ میں ہر طرح کی رکاوٹیں ڈال رہے ہیں۔ اُن نادانوں کو جان لینا چاہیے (اور) یاد رکھنا چاہیے، کہ (اللہ) تعالیٰ (ان کے کرتوت پر چھائے ہے)۔ ان کے ہر ہر عمل سے باخبر ہے اور اُن کے اِن کاموں کی جزا دے گا۔

مذکورہ بالا واقعے ہی کے سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے، کہ جب قریش مکہ سے نکلے اور بنی کنانہ کی بستی کے گرد پہنچے، تو ان میں اور بنی کنانہ میں جو قدیم دشمنی تھی، اس کے سبب سے خوفزدہ ہوئے، اور چاہا کہ وہاں سے پھر آئیں۔ اُس وقت ابلیس، سراقہ بن مالک، جو بنی کنانہ کا سردار تھا، اس کی صورت بن کر نکلا اور قریش سے ملاقات کی، اور بولا کہ تم خوب حمایت کرتے جاؤ، میں ضامن ہوں کہ بنی کنانہ سے تمہیں کچھ ضرر نہ پہنچے گا، اور میں بھی تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری رفاقت کروں گا۔ اور پھر ابلیس شیطانوں کی ایک جماعت لے کر ان کے ہمراہ بدر کی طرف متوجہ ہوا۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ ربانی ہوتا ہے، کہ مسلمانو! خیال کرو۔۔۔

وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ

اور جب سجادیا ان کے حق میں شیطان نے ان کے کاموں کو، اور کہہ دیا کہ آج کوئی بھی تم سے جیتنے والا نہیں لوگوں میں،

وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰی عَقِبَیْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ

اور میں تمہارا ضامن ہوں۔ پھر جب آمنے سامنے ہوگئے دونوں لشکر، تو بھاگا اپنے پیٹھ پیچھے، اور بولا کہ میں الگ ہوں

مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع

تم سے، بیشک میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، بیشک میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ اور اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے●

(اور) یاد کرو (جب سجادیا ان کے حق میں شیطان نے ان کے کاموں کو)، یعنی شیطان نے کافروں کو یقین دلا دیا، کہ تم جو کچھ کررہے ہو اچھا کررہے ہو اور صحیح کررہے ہو، تمہاری موجودہ قوت تمہاری کامیابی کے لیے کافی ہے۔ (اور کہہ دیا، کہ آج کوئی بھی تم سے جیتنے والا نہیں لوگوں میں) سے، تمہارا لشکر بہت اور آراستہ ہونے کی وجہ سے۔ (اور میں) بھی (تمہارا ضامن ہوں)، یعنی فریاد رس ہوں اور قوم کنانہ سے تمہیں بچانے والا ہوں۔ گو بنی کنانہ سے تمہاری پرانی دشمنی ہے، مگر میری موجودگی کی وجہ سے اُدھر سے تمہارے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ (پھر جب آمنے سامنے ہوگئے دونوں لشکر، تو) شیطان (بھاگا اپنے پیٹھ پیچھے) الٹے پاؤں اپنی دونوں ایڑیوں پر، یعنی مکر اور حیلہ کرکے بھاگ کھڑا ہوا۔

اس وقت حارث بن ہشام نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے کہا، کہ اے سراقہ! ایسے حال میں ہمیں چھوڑ کر بھاگتا ہے۔ ابلیس نے اس کے سینے پر ہاتھ مارا، (اور بولا کہ میں الگ ہوں تم سے) اور تمہیں بچانے سے عاجز اور بیزار ہوں۔ (بے شک میں وہ دیکھ رہا ہوں، جو تم نہیں دیکھتے)۔ اور وہ فرشتوں کا لشکر تھا، جسے ابلیس نے دیکھ لیا تھا۔

اِس جنگِ بدر میں چونکہ ابلیس شیطانوں کے لشکر کے ساتھ شریکِ جنگ ہوا تھا، اس لیے خدائے قادرِ مطلق نے مسلمانوں کی فرشتوں کے لشکر سے مدد فرمائی۔ یہ صورتِ حال دوسری جنگوں میں نہیں پیش آئی۔ اِس مقام پر ابلیس نے دو طرح سے اپنی شیطنت کا مظاہرہ کیا۔ ایک تو سراقہ کا ہم شکل بن کر لوگوں کو دھوکا دیا، حالانکہ سراقہ کو جنگِ بدر کے اختتام کے بعد اس جنگ کی اطلاع ملی، اس طرح اس پر ابلیس کا مکر وفریب واضح ہوگیا۔ دوسرے یہ، کہ فریب دینے کے لیے یہ سفید جھوٹ بولا، کہ۔۔۔

(بے شک میں اللہ) تعالیٰ (سے ڈرتا ہوں)، حالانکہ اگر وہ خدا سے ڈرتا، تو اس کا یہ حال نہ ہوتا۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے یہ سچ بات بھی کہہ دی (اور) واضح کر دیا، کہ (اللہ) تعالیٰ (سخت عذاب فرمانے والا ہے) اُن پر، جو خدا سے نہیں ڈرتے۔

بدر کے بھگوڑے جب مکہ کو پھرے، تو سراقہ کے پاس کہلا بھیجا، کہ ہمارا لشکر تو نے بھگا دیا۔ سراقہ نے قسم کھائی، کہ جب تک تمہاری شکست کی خبر میں نے نہیں سنی، تمہارے قصد ہی سے مجھے واقفیت نہ تھی۔ تو سب کو معلوم ہو گیا کہ وہ شیطان تھا، جو سراقہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اِس سے پہلی آیت میں غزوۂ بدر کے متعلق شیطان کی کارروائی بیان فرما کر اس پر تبصرہ فرمایا تھا۔ اور اِس آنے والی آیت میں غزوۂ بدر کے متعلق منافقین اور دوسرے بعض کافروں کے خیالات بیان فرما کر، ان پر تبصرہ فرما رہا ہے۔

اس آیت میں منافقین سے مراد وہ لوگ ہیں، جو بغیر کسی عذر کے غزوۂ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے۔۔ یا۔۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جنہوں نے مکہ میں بظاہر اسلام کا اظہار کیا تھا، تو وہ مشرکین کے ساتھ جنگِ بدر میں آئے اور جب انہوں نے مسلمانوں کی تعداد کم دیکھی، تو کہا، 'اِن لوگوں کو اِن کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے۔' اور جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے، اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو اسلام کے متعلق شکوک و شبہات میں مبتلا تھے اور اسلام کے متعلق ان کو شرح صدر نہیں تھا۔ یہ مشرکین قریش کے ساتھ تھے۔ انہوں نے بظاہر کلمہ پڑھ لیا تھا، لیکن ان کے دلوں میں اسلام مستحکم نہیں ہوا تھا۔ انہوں نے کہا، کہ 'اصحابِ محمد ﷺ' کو اُن کے دین نے فریب میں مبتلا کر دیا ہے، جو اتنی کم تعداد کے باوجود، اپنے تین ۳ گنے زائد لشکر سے لڑنے کے لیے جمع ہو گئے ہیں۔'

۔۔ المختصر۔۔ اے محبوب! یاد کرو اس حال کو۔۔۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ

جب بکا کریں منافق لوگ، اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے، کہ مغرور کر دیا ہے ان مسلمانوں کو

دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾

اُن کے دین نے، اور جو بھروسہ رکھے اللہ پر، تو بیشک اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(جب بکا کریں) مدینہ کے (منافق لوگ اور) ان کے سوا (وہ) لوگ (جن کے دلوں میں)

شک ونفاق کی (بیماری ہے، کہ مغرور کردیا ہے) اور فریب میں مبتلا کردیا ہے (ان مسلمانوں کو ان کے دین نے)، کہ تعداد کی کمی اور جنگ کے لیے کسی طرح کا سابقہ وعدہ نہ ہونے کے باوجود، ایسے آراستہ لشکر کے مقابلے میں آئے ہیں۔ اے محبوب! ان منافقین وغیرہ سے فرمادو، کہ یہ ایمان والے کچھ اپنی قوتِ بازو پر اعتماد کرتے ہوئے۔۔۔یا۔ اپنے جنگی ساز وسامان کے سہارے کوئی اقدام نہیں کرتے، ان کی نظر صرف نصرتِ الٰہی اور امدادِ خداوندی پر ہوتی ہے، اور جو بھی قدم آگے بڑھاتے ہیں، وہ خدا ہی پر بھروسہ کر کے بڑھاتے ہیں۔ (اور) اچھی طرح سے جان لو، کہ (جو بھروسہ رکھے اللہ) تعالیٰ (پر، تو بے شک اللہ) تعالیٰ خود غالب ہے اور (غلبہ) عطا فرمانے (والا) ہے۔ وہ اپنے پر توکل رکھنے والے کو چھوڑ نہیں دیتا، اور وہ (حکمت والا ہے) حکم فرمانے والا ہے، اور اپنے متوکل کی یاری اور مددگاری فرماتا ہے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓىٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ

اور اگر تم دیکھو جب میعادِ زندگی اِن کی جنھوں نے کفر کیا، پوری کرتے ہیں فرشتے، طمانچے گھونسے لگاتے ہیں انکے منہ

وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝٥٠

اور پیٹھ پر، کہ اور چکھو عذاب آگ کا●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بدر میں آنے والے کفار کی زندگی کے احوال بیان فرمائے تھے، اور اِس آیت میں ان کی موت کے وقت کے احوال بیان فرمائے ہیں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ عمومی طور پر کفار کی موت کے وقت کا یہی حال ہوتا ہو۔

تو اے پیغمبر! (اور) میرے محبوب! (اگر تم دیکھو، جب میعادِ زندگی ان کی جنھوں نے کفر کیا پوری کرتے ہیں) عزرائیل اور ان کے معاون (فرشتے)، تو تمھیں صاف نظر آئے گا، کہ وہ (طمانچے گھونسے لگاتے ہیں ان کے منہ اور پیٹھ پر) یہ کہتے ہوئے (کہ اور چکھو عذاب آگ کا)۔۔۔ ان کے گرزُ سے نکلتی ہوئی چنگاریاں اور اُبھرتے ہوئے شعلے، عذابِ دوزخ کا مقدمہ ہیں۔۔۔ اور۔۔۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ۝٥١

یہ سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے کیا، اور بے شک اللہ نہیں ہے ظالم، بندوں پر●

(یہ سزا ہے) تمہارے ان اعمالِ شنیعہ اور کرتوتوں کی، (جو تمہارے ہاتھوں نے پہلے کیا) ۔۔۔الغرض۔۔۔ تمہارا یہ ہَول بھرا حال، تمہارے بُرے کاموں کا نتیجہ ہے۔ یہ خدا کی طرف سے کوئی ظلم و

زیادتی نہیں ہے، (اور) یہ اس لیے، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں ہے ظالم بندوں پر)، کہ انہیں بغیر کسی جرم کے پکڑ لے۔ رہ گیا کافروں پر عذاب فرمانا، یہ تو عین عدل ہے۔ اے محبوب! آپ فکرمند اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں، اس لیے کہ ہر دور کے کافر قریب قریب ایک مزاج کے رہے ہیں، اور پھر ان کو ان کے کرتوتوں کے مطابق سلوک ملتا رہا ہے، تو تمہارے ساتھ قریش کے مشرکوں کی عادت اور ان کا ڈھنگ بالکل اُسی سے ملتا جلتا ہے۔۔۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

جیسا ڈھنگ تھا فرعونیوں کا، اور جو ان سے پہلے تھے، کہ انکار کردیا اللہ کی آیتوں کا،

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

تو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں کے بدلے۔ بے شک اللہ قوی ہے سخت عذاب فرمانے والا ہے ●

(جیسا ڈھنگ تھا فرعونیوں کا) حضرت موسیٰ کے ساتھ، (اور) ان کا (جو ان سے پہلے تھے) اپنے اپنے دور کے پیغمبروں کے ساتھ۔ *الختصر*۔ ان سب کی یہی روش رہی، (کہ انکار کردیا اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا) اور انبیاءِ کرام کے معجزات کا، تو ان سبھوں کو بھی خائب وخاسر اور رسوا وذلیل کردیا گیا، جس طرح کفارِ بدر کے ساتھ کیا گیا۔ (تو پکڑا ان کو اللہ) تعالیٰ (نے ان کے گناہوں) یعنی ان کے انکار اور تکذیب (کے بدلے۔ بے شک اللہ) تعالیٰ (قوی) اور قوت وقدرت والا (ہے)، اور انکار و تکذیب کرنے والوں پر (سخت عذاب فرمانے والا ہے)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى

یہ یوں کہ بے شک اللہ نہیں بدلا کرتا کسی نعمت کو، جو کسی قوم کو انعام فرمادیا، یہاں تک کہ

يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾

وہ اپنے آپ کو بدل دے۔ اور بے شک اللہ سننے والا علم والا ہے ●

(یہ) پکڑ اور اگلوں پر عذاب، بسبب اس کے اور (یوں) ہے، کیوں (کہ بے شک اللہ) تعالیٰ کی یہ سنتِ کریمہ ہے، کہ وہ (نہیں بدلا کرتا کسی نعمت کو جو کسی قوم کو انعام فرمادیا، یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو بدل دے) اور اپنے حالات کو بدتر بنالے۔

جیسے کہ قریشیوں کا حال ہے، کہ بت پرستی اور مرُدار خوری تو ان کی سابقہ حالت تھی ہی، انہوں نے اس میں رسولِ کریم ﷺ کی عداوت، قرآن کریم کی تکذیب، اور مومنوں کی ایذا اور تکلیف رسانی کا اضافہ کر کے، اپنے کو بد سے بدتر بنا دیا، اور اپنے کو انعاماتِ خداوندی سے محرومی اور عذابِ الٰہی کا مستحق بنالیا۔

یہ مشرکین کس وہم وگمان میں ہیں، وہ اچھی طرح جان لیں (اور) یقین کرلیں، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ ان کی نالائق باتوں کا (سننے والا) اور ان کے باطل عقیدوں کا (علم) رکھنے (والا ہے)۔ پھر دوبارہ تاکیداً ارشاد فرماتا ہے، کہ اے محبوب! تیری تکذیب میں قریش کا ایسا حال اور دستور ہے۔۔۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ

جیسے دستور تھا فرعونیوں، اور ان سے پہلوں کا، جھٹلایا اپنے پروردگار کی آیتوں کو،

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۵۴

تو تباہ کر دیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی سزا میں، اور ڈبو دیا فرعونیوں کو۔ اور سب ہی اندھیر والے تھے ●

(جیسے دستور تھا فرعونیوں) کا عہدِ موسیٰ میں، (اور ان سے پہلوں کا) اپنے اپنے پیغمبروں کے عہد میں۔ اور وہ یہ، کہ (جھٹلایا اپنے پروردگار کی آیتوں کو، تو تباہ کر دیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی سزا میں، اور) بالآخر (ڈبو دیا فرعونیوں کو) دریائے قلزم میں۔ (اور) ایسا ان کے لیے کیوں نہ کیا جاتا، اس لیے، کہ وہ سب کے (سب ہی اندھیر والے تھے) ان کا ہدایت وسعادت سے کسی طرح کا کوئی رشتہ ہی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

انھیں مذکورۃ الصدر فرعونیوں سے انکار وتکذیب میں ملتا جلتا حال رہا قریشیوں کا، تو انہیں اس کی سزا میں غزوۂ بدر کے موقع پر قتل کرا دیا گیا اور ان کی کمر توڑ دی گئی۔۔ الختصر۔ عہدِ موسوی میں قبطیوں کا غرق اور عہدِ نبوی میں قریشیوں کا قتل، دونوں ہی ظالموں کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچانے ہی کے لیے تھا، جنھوں نے اپنے کفر وعصیان کے سبب خود اپنے ہی نفسوں پر ظلم کیا۔ یاد رکھو، کہ اس دھرتی پر جان رکھنے والے اور دھرتی پر چلنے والے تو بہت ہیں، لیکن ان میں۔۔۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۵۵

بے شک بُرے جانور اللہ کے یہاں ہیں جنھوں نے انکار کیا، تو پھر مانتے ہی نہیں ●

(بے شک بُرے جانور) اور سب سے خراب، دھرتی پر چلنے والے (اللہ) تعالیٰ (کے یہاں)

اوراس کے حضور میں وہ (ہیں، جنہوں نے انکار کیا) اور معاندین قریش۔۔مثلاً: ابوجہل، عتبہ، نضر وغیرہ اور مکابران یہود۔۔مثلاً: کعب ابن اشرف، حی ابن اخطب اور عدی وغیرہ کی طرح، اپنے کفر میں مضبوط ہوگئے، اسی لیے (تو پھر) پیغمبر کی ہدایات کو (مانتے ہی نہیں)۔۔الحاصل۔۔آپ پر ایمان نہیں لاتے اور صرف یہی نہیں، کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔۔بلکہ۔۔ان میں بنی قریظہ جیسے ایسے بھی لوگ ہیں۔۔۔

الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ

جن سے تم نے معاہدہ کیا پھر وہ عہد شکنی

فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

ہر بار کرتے رہتے ہیں، اور نہیں ڈرتے●

(جن سے تم نے معاہدہ کیا) اور معاملہ کیا، (پھر وہ عہد شکنی) کر بیٹھے۔اور کوئی ایک ہی بار کی بات نہیں۔۔بلکہ۔۔وہ جب جب معاہدہ کرتے ہیں، تو ہر (ہر بار) عہد شکنی (کرتے رہتے ہیں)۔۔چنانچہ ۔۔بنو قریظہ کے اکابر نے عہد کیا تھا، کہ رسول کریم ﷺ کے دشمنوں کی یاری اور مدد نہ کریں گے۔۔بایں ہمہ۔۔بدر کے دن دشمنوں کو ہتھیاروں سے مدد پہنچائی اور پھر کہنے لگے ہم بھول گئے، اور پھر دوبارہ عہد کیا، مگر جنگِ خندق کے دن ابوسفیان سے مل کر اس عہد کو بھی توڑ ڈالا۔ بار بار اس عہد شکنی (اور) وعدہ خلافی کی بنیادی وجہ یہ ہے، کہ وہ عہد شکنی اور بے وفائی کے عذاب سے (نہیں ڈرتے)۔ یہ ایسے عہد شکن ہیں، جو اس بات کے مستحق ہیں، کہ انہیں عہد شکنی کی ایسی سزا دی جائے، کہ دوبارہ کوئی شخص آپ سے عہد شکنی کی جرأت نہ کر سکے۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ

پس اگر گرفتار کر پاؤ ان کو لڑائی میں، تو ان کی مارکاٹ سے بھگا دو جو ان کے پیچھے ہیں، کہ شاید

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

انھیں نصیحت ہو●

(پس اگر گرفتار کر پاؤ ان کو لڑائی میں، تو) ان کی کوئی رعایت نہ کرو، اور انہیں قتل کر دو اور انہیں مارکاٹ کے رکھ دو، اور (ان کی مارکاٹ) کے منظر (سے بھگا دو) تتر بتر کر دو ان کو (جو) تمہارے دشمنوں میں سے (ان کے پیچھے ہیں)، کیوں (کہ) عہد شکنوں کے ساتھ تمہارے اس طرز عمل سے (شاید انہیں نصیحت ہو)، وہ تمہاری دشمنی سے باز آجائیں اور پھر تمہارے ساتھ عہد شکنی کی جرأت نہ کرسکیں۔۔۔

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ

اور اگر ڈرو کسی قوم سے خیانت کرنے کو، تو پھینک دو معاہدہ ان کی طرف، برابر برابر۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ۟

بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا دغابازوں کو●

ع ۴

(اور) یونہی (اگر ڈرو کسی قوم سے خیانت کرنے کو)، یعنی ان سے عہد شکنی کے آثار ظاہر ہوں اور دلائل سے ثابت ہوں، (تو) اب ان سے معاہدہ کا خیال نہ کرو اور ان کی طرف سے عہد شکنی کا انتظار نہ کرو، بلکہ (پھینک دو معاہدہ ان کی طرف برابر برابر) علانیہ، کہ وہ بھی باخبر ہو جائیں۔۔ الغرض۔۔ قتال سے قبل ظاہر کر دو، کہ میں نے تمہارا عہد توڑ دیا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ معاہدہ ختم کرنے کا اعلان اُس وقت ضروری ہے، جب معاہدے کی مدت ختم نہ ہوئی ہو۔۔یا۔۔فریق ثانی کی عہد شکنی مشہور نہ ہوئی ہو۔۔یا۔۔ ان کی عہد شکنی یقینی اور قطعی نہ ہو۔۔۔اور اگر معاہدے کی مدت ختم ہوگئی۔۔یا۔۔فریق ثانی کی عہد شکنی مشہور اور یقینی ہو، تو پھر معاہدہ ختم کرنے کے اعلان کی ضرورت نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل مکہ سے کیے ہوئے معاہدے کو ختم کرنے کے اعلان کے بغیر ان پر حملہ کیا، کیونکہ انہوں نے علی الاعلان معاہدے کو توڑ دیا تھا۔ خزاعہ نبی کریم کے حلیف تھے اور انہوں نے بنو کنانہ کی مدد کرتے ہوئے، خزاعہ کو قتل کیا۔۔عہد شکنوں کے تعلق سے مذکورہ بالا احکام اس لیے ہیں، کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا دغابازوں) کے مکر و فریب کے اعمال (کو)، اِسی لیے اُن کے لیے دنیا و آخرت، دونوں جہان میں رسوائی و ذلت ہے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا، کہ جو کافر مسلمانوں سے لڑائی کے لیے وادئ بدر میں آئے ہیں، ان سے کس طرح مقابلہ کیا جائے؟ اور ان پر غالب ہونے کے بعد ان کے ساتھ کیا کیا جائے؟۔۔نیز۔۔ یہ بتایا تھا، کہ جو کافر آپ سے معاہدہ کرنے کے بعد، اس معاہدے کی خلاف ورزی کریں، ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ اب وہ کافر جو باقی رہ گئے تھے اور مکہ میں تھے۔۔نیز۔۔ مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نہیں آئے تھے، لیکن یہ وہ لوگ تھے جو اللہ اور رسول کی مخالفت میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو

بہت زیادہ اذیت پہنچائی تھی۔ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو بدر سے بچ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے، ان سب کے تعلق سے ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ اے محبوب!۔۔۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۗ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

اور اس گھمنڈ میں نہ رہیں وہ جو کافر ہوئے، کہ بچ کر نکل گئے۔ بیشک وہ ٹھکانہ پائینگے گرفتار کرنے والے کو●

اِس خوش فہمی (اور اِس گھمنڈ میں نہ رہیں وہ جو کافر ہوئے)، کہ مکہ میں رہ جانے کی وجہ سے ۔۔یا۔۔ بدر سے بھاگ کھڑے ہونے کے باعث ۔۔یا۔۔ عہد شکنی کے سبب ۔۔الغرض۔۔ ان میں سے کوئی بھی صورت اپنا لینے سے، کفار یہ خیال نہ کریں (کہ) وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے (بچ کر نکل گئے)۔ وہ دنیا میں کسی اور موقع پر اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آئیں گے، ورنہ آخرت میں تو بہر حال دائمی عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔ (بے شک وہ ٹھکانہ پائیں گے) اور عاجز ولاچار نہ کر پائیں گے، (گرفتار کرنے والے) خدائے عزوجل قادرِ مطلق (کو)۔

معرکۂ بدر میں مسلمانوں نے پہلے سے مقابلے کی تیاری نہیں کی تھی۔ ہتھیار جمع کیے تھے نہ گھوڑوں اور دیگر سواریوں کا بندوبست کیا تھا۔ ہنگامی طور پر اچانک ان پر جنگ مسلط کر دی گئی تھی، اور انہوں نے بغیر کسی تیاری کے مقابلہ کیا تھا۔ اِس لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ وہ دوبارہ ایسا نہ کریں۔۔نیز۔۔ مسلمانوں سے فرماتا ہے، کہ اے ایمان والو!۔۔۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ

اور تم لوگ ان کافروں کے لئے تیار رہو جو کچھ تم سے ہو سکے، زور سے، اور گھوڑا باندھنے سے، جس سے دھاک

بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ

بٹھا رہے ہو، اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر، اور دوسرے اور لوگوں پر۔ جنھیں تم جانتے نہیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ

اللہ ان کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ خرچ کرو اللہ کی راہ میں، پورا پورا دیا جائے گا

اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

تمہیں، اور تم ظلم نہ کیے جاؤ گے●

(اور) اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے ہر وقت تیار رہنے والو! (تم لوگ ان کافروں کے لیے تیار

رہو جو کچھ تم سے ہوسکے، زور سے) یعنی جنگی ساز و سامان سے، لشکر جس کے سبب سے قوت و زور حاصل کرتا ہے، (اور گھوڑا باندھنے سے) بندھے ہوئے گھوڑوں سے۔ (جس سے) صاف ظاہر ہو، کہ تم (دھاک بٹھارہے ہو، اللہ) تعالیٰ (کے دشمن اور اپنے دشمن)، کفارِ مکہ وغیرہ (پر۔ اور دوسرے اور لوگوں پر) یعنی یہود۔۔یا۔۔منافق۔۔یا۔۔مجوس۔۔یا۔۔کافر جن، جو مجاہدین کے گھوڑوں کی آواز سے خوفزدہ ہوجاتے ہیں۔ کفارِ مکہ کے سوا مذکورہ بالا دوسرے لوگ وہ ہیں، (جنہیں تم جانتے نہیں)، یعنی جن کے ساتھ کوئی خاص راہ و رسم نہ ہونے کے سبب ان کے دلی عزائم سے تم بے خبر ہو، مگر (اللہ) تعالیٰ (ان کو جانتا ہے)۔ ان کا ظاہر و باطن کوئی بھی اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں۔

مذکورہ بالا ہدایت کی روشنی میں جن جنگی ساز و سامان کو تیار رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے، وہ ہر زمانے کے لائق الگ الگ ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے، کہ زمانے کے لحاظ سے جو سب سے زیادہ مہلک ہتھیار ہو، اور زیادہ سے زیادہ موثر ہو۔ المختصر۔ دشمن جو ہتھیار لے کر سامنے آئے، اُس سے اُسی طرح کے۔۔یا۔۔اُس سے بہتر ہتھیار سے مقابلہ کیا جائے، تاکہ اس پر غلبہ حاصل کیا جاسکے اور اُسے مرعوب رکھا جاسکے۔ آج کل ایٹمی ہتھیاروں کا دور ہے، اس لیے آج مسلمانوں کو اپنی بقا کے لیے اور دنیا میں عزت اور آزادی کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے، سائنس اور ٹیکنالوجی کا علم حاصل کرنا ضروری ہے۔۔بلکہ۔۔سب سے اہم اور سب سے مقدم فرض ہے۔

مسلمانو! اچھی طرح سے سن لو (اور) یقین کرلو! کہ تم حرب اور جنگ کی سواریوں۔۔نیز۔۔ آلاتِ حرب کے حصول کے لیے (جو کچھ) بھی (خرچ کرو) گے، (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اعلاءِ کلمۃ الحق اور رضائے الٰہی کے لیے، تو (پوراپورا) اجر (دیا جائے گا تمہیں، اور) تمہارے عمل کا ثواب گھٹا کر (تم ظلم نہ کیے جاؤگے)۔

اِس مقام پر حکمتِ جہاد کو سمجھنے کے لیے، یہ نکتہ ذہن نشین رہے، کہ قتل و خوں ریزی انسان کی فطرت ہے، جس طرح بھوک، پیاس، غصہ، حرص وغیرہ، انسانی فطرت میں داخل ہیں۔ اسی لیے عہد سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آج کے عہد تک کوئی ایسا زمانہ نہیں رہا، جس میں قتل و خوں ریزی کے واقعات نہ پیش آئے ہوں، اور ظاہر ہے کہ قتل و خوں ریزی کسی مقصد کے تحت کی جاتی رہی ہے، خواہ وہ حسن ہو۔۔یا۔۔قبیح۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے، اس لیے اس کا قانون ایسا نہیں ہوسکتا، جو فطرت کے خلاف ہو اور فطرت کو بالکلیہ مٹادینے والا ہو۔

اسی لیے اسلام فطرت کو مٹاتا نہیں۔۔ بلکہ۔۔اگر فطرت غلط راستے پر لگی ہوئی ہو، تو اُسے صحیح راستے پر لگا دیتا ہے۔

اسلام کے پیغام کا حاصل یہی ہے کہ کھانے پینے والو! خوب کھاؤ پیو۔۔مگر۔۔حلال کھاؤ، حرام نہ کھاؤ۔ حلال مشروبات پیو، حرام نہ پیو۔ غصہ کرنے والو! غصہ کرو، مگر نفس کے لیے نہ کرو۔۔بلکہ۔۔خدا کے لیے کرو۔ لالچ کرنے والو! لالچ کرو، مگر برائیوں کی طرف بڑھنے کی لالچ نہ کرو۔۔بلکہ۔۔نیکیوں کو جمع کرنے کی لالچ کرو۔ اسی طرح قتل وخوں ریزی کرنے والو! اپنے سفلی جذبات، حیوانی خواہشوں کو پورا کرنے اور زور اور سلطنت حاصل کرنے کے لیے قتل وخوں ریزی نہ کرو۔۔بلکہ۔۔عدل وانصاف کو فروغ دینے، اعلیٰ ملکوتی اقدار کے حصول، اور اللہ کی زمین پر اللہ کے احکام نافذ کرنے کے لیے، مجرموں اور اللہ کے باغیوں کا خون بہاؤ، تاکہ دنیا سے کفر وشرک، ظلم وسرکشی، اور فحاشی وبے حیائی کی جڑیں کاٹ دی جائیں، اور دنیا سے شر وفساد دور ہو جائے۔

یہ ہے فطرت کے رخ کو غلط راستے سے ہٹا کر صحیح رخ پر لگانا۔ اور یہ ہے سیلاب کے رخ کو آبادیوں سے موڑ کر صحراؤں کی طرف کر دینا۔ اس طرح آبادی محفوظ رہتی ہے اور صحراء لہلہا اٹھتے ہیں۔۔ الختصر۔۔ اسلام سراپا دینِ فطرت اور دین صلح وسلامتی ہے، تو۔۔۔

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور اگر وہ لوگ صلح کی خواہش کریں، تو تم صلح کو منظور کر لو، اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۶۱﴾

بے شک وہی سننے والا علم والا ہے●

اے محبوب! تمہاری حربی طاقت (اور) جنگی ساز وسامان کو دیکھ کر مرعوب ہو کر، (اگر وہ لوگ صلح کی خواہش کریں، تو تم صلح کو منظور کر لو)۔

ہر دو صورت میں اس امر کے مطابق عمل کی کارروائی امام، یعنی حاکم وقت کی رائے پر مبنی ہوگی، اور اس کے لیے یہ ضروری نہیں، کہ وہ ہمیشہ کفار کے ساتھ جنگ لڑتا رہے، اور نہ ہی اس کے لائق ہے، کہ ان سے ہمیشہ صلح وسلوک کی باتیں کرے۔۔بلکہ۔۔ ہر معاملہ میں اہل اسلام کی فلاح اور بہبود کو مدنظر رکھے۔ اگر صلح کا معاملہ ہو، تو بھی ان سے ایک سال کامل کا صلح نامہ نہ

لکھ دے۔۔بلکہ۔سال سے کم پر صلح کرے۔۔ہاں۔۔اگر حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے، تو صلح کی مدت بڑھا سکتا ہے۔لیکن یہ خیال رہے کہ دس ۱۰ سال سے زائد کا معاہدہ نہ کرے۔

حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی اقتداء اور پیروی اسی میں ہے، کہ جنگ (اور) صلح دونوں حال میں (اللہ) تعالیٰ (پر بھروسہ رکھو) اور یہ فکر نہ کرو، کہ اُن کی صلح اُن کا ایک مکر وحیلہ بھی ہوسکتا ہے۔ تم بالکل مطمئن رہو، اس لیے کہ جس خدا پر تمہیں بھروسہ ہے (بے شک وہی سننے والا) ہے اُن کی باتوں کا، اور (علم والا ہے) اُن کے کِذب و مکر کا۔اگر وہ مکر کریں گے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں محفوظ رکھے گا اور ان کے مکر کا وبال انہیں پر ڈالے گا، جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ‌ؕ

اور اگر چاہیں کہ دھوکہ دیں تم کو، تو بلاشبہ تمہارے لئے اللہ کافی ہے۔

هُوَ الَّذِىۡۤ اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ‏ ﴿۶۲﴾

وہی ہے جس نے تائید فرمائی تمہاری اپنی مدد سے اور ایمان والوں سے●

(اور اگر) صلح کر لینے کے بعد، وہ لوگ (چاہیں کہ دھوکا دیں تم کو)، تاکہ آپ ان سے جنگ سے باز رہیں اور ان کو فتنہ و شر پھیلانے کا موقع مل جائے، (تو) آپ اس اندیشے سے فکرمند نہ ہوں اور ان کے مکر وحیلہ سے خوف نہ کھائیں، اس لیے کہ (بلاشبہ تمہارے لیے اللہ) تعالیٰ (کافی ہے۔وہی ہے جس نے تائید فرمائی تمہاری) فرشتوں کو بھیج کر (اپنی مدد سے اور ایمان والوں سے)، یعنی گروہِ انصار سے۔

وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ‌ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ

اور الفت ڈال دی اُن کے دلوں میں۔ اگر خرچ کر ڈالتے جو کچھ زمین میں ہے سب، تو بھی الفت نہ پاتے

بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ‌ؕ اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ‏ ﴿۶۳﴾

ان کے دلوں میں، لیکن اللہ نے الفت پیدا کر دی ان میں۔ بیشک وہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(اور) تمہاری برکت سے (الفت ڈال دی ان کے دلوں میں) یعنی اوس و خزرج جیسے قبیلے والوں کے دلوں میں جو آپس میں خصومت و تعصب کی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، اور جو ایک سو بیس ۱۲۰ برس تک آپس میں لڑتے اور لوٹ مار کرتے رہے، اور ایسے سخت دل ہو گئے، کہ (اگر) ان کے دلوں کو نرم کرنے کے لیے اور آپس میں ملانے کے لیے (خرچ کر ڈالتے، جو کچھ زمین میں ہے سب) کا سب،

(تو بھی) ایک دوسرے کے لیے آپس میں (الفت نہ پاتے ان کے دلوں میں، لیکن اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے فضل وکرم سے (الفت پیدا کردی ان میں۔ بے شک وہ غلبہ والا) ہے اور قادر و غالب ہے، جو چاہے کرے اور (حکمت والا ہے) اپنی حکمت کا بخوبی جاننے والا ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب کفار آپ کو دھوکا دینے کا ارادہ کریں گے، تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔ اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً آپ کی مدد کا وعدہ فرمایا ہے، یعنی وہ ہر حال میں آپ کی مدد فرمائے گا۔۔تو۔۔

ع ۸ / ۴

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَسْبُكَ ٱللَّهُ وَمَنِ ٱتَّبَعَكَ مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٤﴾

اے آنحضرت! "بالکل کافی ہے تمہیں اللہ اور جو پیچھے چلے تمہارے ایمان والے"●

(اے آنحضرت!) یعنی اے نبی مکرم! بلند رتبہ انسان، مبعوث من اللہ ہو کر غیب کی خبریں دینے والے، (بالکل کافی ہے تمہیں اللہ) تعالیٰ، (اور جو پیچھے چلے تمہارے، ایمان والے)۔

یہ آیت غزوۂ بدر میں جنگ سے پہلے ایمان والوں کی تسلی اور طمانیتِ قلبی کے لیے نازل ہوئی۔ اس میں مومنین سے مراد انصار ہیں۔ خوش دلی، ثابت قدمی، بہادری اور صبر و استقامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا، ایک بہت بڑا خدائی انعام ہے۔۔تو۔۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ حَرِّضِ ٱلْمُؤْمِنِينَ عَلَى ٱلْقِتَالِ ۚ إِن يَكُن مِّنكُمْ

اے آنحضرت! "ابھارو اپنے ماننے والوں کو، جہاد پر"، اگر تم میں ہوں گے

عِشْرُونَ صَٰبِرُونَ يَغْلِبُوا۟ مِائَتَيْنِ ۚ وَإِن يَكُن مِّنكُم مِّا۟ئَةٌ يَغْلِبُوٓا۟

بیس صبر آزما، تو جیتیں گے دو سو کو۔ اور اگر تم سو ہوئے، تو جیتو گے ایک ہزار کافروں کو۔

أَلْفًا مِّنَ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ﴿٦٥﴾

کیونکہ وہ لوگ بے کچھ سمجھے لڑتے ہیں●

(اے آنحضرت!) یعنی اے مکرم نبی! (ابھارو) اور برانگیختہ کرو، (اپنے ماننے والوں کو جہاد پر)۔ اور ان کو یقین دلا دو، کہ اے ایمان والو! (اگر تم میں ہوں گے بیس[۲۰] صبر آزما، تو جیتیں گے دو سو[۲۰۰] کو۔ اور اگر تم سو[۱۰۰] ہوئے، تو جیتو گے ایک ہزار[۱۰۰۰] کافروں کو، کیونکہ وہ لوگ بے کچھ سمجھے لڑتے ہیں)۔

معلوم ہوا، کہ کافروں اور مسلمانوں میں جنگ کے اعتبار سے فرق ہے۔ یہ فرق جنگ کے

'ہدف اور نصب العین' کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، اور جنگ میں 'اعتماد اور بھروسے' کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے، اور جنگ کے محرک، داعی اور باعث کے اعتبار سے بھی ہوتا ہے۔ نصب العین اور ہدف کے اعتبار سے فرق یہ ہے، کہ کافر اللہ کو مانتے ہیں نہ آخرت کو، اور نہ ہی جزاء وسزا کو، ان کا جنگ سے مقصود، صرف اس فانی دنیا کی لذتوں اور رنگینیوں سے زیادہ سے زیادہ بہرہ مند ہونا ہوتا ہے۔ وہ چونکہ 'حیات بعد الممات' کے قائل نہیں ہیں، اس لیے وہ موت سے ڈرتے ہیں اور اس سے متنفر ہوتے ہیں، اور زندگی پر زیادہ سے زیادہ حریص ہوتے ہیں۔

اس کے برخلاف مومن، اللہ کو اور روزِ آخرت کو مانتا ہے، 'حیات بعد الممات' پر اس کا ایمان ہوتا ہے، وہ موت سے نہیں ڈرتا، کیونکہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے اگر اس کو موت آجائے، تو وہ شہید ہوگا اور اس کو پھر زندگی ملے گی اور رزق دیا جائے گا۔ اس کو دنیا کے ساتھ لگاؤ نہیں رہتا، وہ عزم راسخ، اخلاص اور صحیح جذبہ کے ساتھ میدانِ جنگ میں آتا ہے، اس لیے وہ کم تعداد ہونے کے باوجود بڑی تعداد میں کافروں کے خلاف لڑنے سے نہیں گھبراتا۔

کافر جنگ میں افرادی قوت، اسلحہ اور مادی چیزوں پر اعتماد کرتا ہے اور مومن کا اعتماد صرف اللہ عزوجل کی اعانت اور نصرت پر ہوتا ہے۔ اس لیے جب کافر اور مومن جنگ میں اترتے ہیں، تو مومن کی فتح، کامیابی اور کامرانی کے زیادہ مواقع ہوتے ہیں۔ کافر کا دل چونکہ اللہ کے نور، اس کی معرفت اور اس پر ایمان سے خالی ہوتا ہے، اس لیے وہ لڑائی کے وقت کمزور اور بزدل ہوتا ہے، اور مسلمان کا دل اللہ کے نور اور اس کی معرفت سے معمور ہوتا ہے، اور وہ اللہ کے دین کی سربلندی کے باعث جہاد میں شریک ہوتا ہے، اس لیے وہ خوش دلی اور شرح صدر کے ساتھ جنگ کرتا ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی، کہ اگر تم میں سے بیس٢٠ صبر کرنے والے ہوں، تو دوسو٢٠٠ پر غالب آجائیں گے، تو ان پر یہ فرض کردیا گیا، کہ ایک مسلمان دس١٠ کافروں کے مقابلے سے نہ بھاگے، اور بیس٢٠ مسلمان دوسو٢٠٠ کافروں کے مقابلے سے نہ بھاگیں، تو یہ بات اکثر مسلمانوں پر شاق گزری، کیونکہ ان پر یہ فرض کردیا گیا، کہ ایک دس١٠ کے مقابلے میں نہ بھاگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس سخت حکم کو منسوخ فرمادیا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ

اب ہلکا کردیا اللہ نے تم سے، اور کھل گیا کہ تم میں کمزوری ہے۔ تو اگر

مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

تمہارے ایک سو صابر ہوں، تو جیتیں گے دوسو کو۔ اور اگر ہوں گے تمہارے ایک ہزار، تو جیتیں گے

اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

دو ہزار کو، اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے●

مسلمانو! (اب ہلکا کردیا اللہ) تعالیٰ (نے تم سے) اِس سخت حکم کو۔ اس کو تو معلوم ہی تھا (اور) اب تمہاری پیشانیوں پر فکر وتشویش کی لکیروں سے بھی (کھل گیا) اور ظاہر ہوگیا، (کہ تم میں کمزوری ہے)۔

پہلے سخت حکم دینا، پھر اس میں تخفیف فرمادینا، اس سے اللہ تعالیٰ کی انتہا درجے کی عنایت ونوازش جو تمہارے حال پر ہے، اس کا اظہار ہوجاتا ہے۔ حکم میں سختی تھی، درجات قرب کے بلند سے بلند مقام تک پہنچانے کے لیے، اور پھر اس میں نرمی فرمادی گئی، دنیا میں سہولت وآسانی عطا فرمانے کے لیے۔

(تو) اس کریمانہ تخفیف کے بعد، اب (اگر تمہارے ایک سَو[١٠٠] صابر ہوں، تو جیتیں گے دو سَو[٢٠٠] کو، اور اگر ہوں گے تمہارے ایک ہزار[١٠٠٠]، تو جیتیں گے دو ہزار[٢٠٠٠] کو اللہ) تعالیٰ (کے حکم) اور اس کی مدد (سے، اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے) معین ومددگار کے طور پر۔ تو پھر جو صبر کرے گا وہ فتح پائے گا۔ سچ ہے، کہ صبر، فتح وظفر کی سواری ہے۔۔ المختصر۔۔ ایک مسلمان آلاتِ حرب کی یکسانیت کی صورت میں، دو کافروں کے مقابلے میں مستقل رہے اور نہ بھاگے۔۔۔

غزوۂ بدر میں روسائے قریش میں سے جو نامور قریش کے سپہ سالار تھے، ایک ایک کرکے مارے گئے۔ ان میں شیبہ، عتبہ، ابوجہل، ابوالبختری، زمعہ بن اسود، عاص بن ہشام اور امیہ بن خلف وغیرہم کفارِ قریش، جو جنگی طاقت میں ریڑھ کی ہڈی تھے، مارے گئے۔ ان لوگوں کے مارے جانے سے کفارِ قریش کی کمر ٹوٹ چکی تھی۔۔ لہٰذا۔۔ کفارِ قریش کے صنادید سمیت ستر[٧٠] کافروں کا خون بہانے کے بعد ستر[٧٠] کافروں کو قیدی بنالینا، کوئی نامناسب عمل نہیں تھا۔ یہ عمل زمینِ جنگ میں خوں ریزی کی دھوم مچادینے والا ہی قرار پائے گا۔ اور چونکہ مذکورہ صورت حال میں قیدی بنالینے سے منع بھی نہیں فرمایا گیا تھا۔۔ لہٰذا۔۔ یہ کوئی گناہ کا کام بھی نہیں ہوا۔

۔۔ہاں۔۔ قیدی بنالینے کے بعد، اب یہ مسئلہ سامنے آیا، کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا

جائے۔انہیں قتل کر دیا جائے۔۔یا۔۔فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے؟اس میں بعض صحابہ کی رائے یہ تھی، جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے۔اور اس قتل کرنے میں بھی ان کے لیے یہ پسندیدہ بات تھی، کہ ہر صحابی اپنے ہاتھ سے اپنے قریبی عزیز کو قتل کرے، تاکہ ظاہر ہو جائے، کہ یہ وہ نفوسِ قدسیہ والے ہیں، جو اللہ کے رسول سے اپنے رشتہء غلامی کو مضبوط کرنے کے لیے اپنے ہر رشتے کو کاٹنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔۔۔ان کے سوا بہت سارے دوسرے صحابہء کرام کی رائے یہ تھی، کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دیا جائے۔آزاد کر دینے کی رائے دینے والوں میں بھی دو گروہ تھے، ایک اعلیٰ مقصد والے، اور دوسرے ادنیٰ مقصد والے۔

اعلیٰ مقصد والوں میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے، جو مالِ دنیا کی طمع سے بَری تھے اور ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہوسکتا ہے، کہ ان میں سے کچھ لوگ اسلام لائیں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہو۔۔نیز۔۔ مسلمانوں کو شوکت و غلبہ حاصل ہو۔۔الختصر۔۔ان حضرات نے جو فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کر دینے کا مشورہ دیا تھا، وہ آخرت کی بنا پر ہی تھا۔اور ظاہر ہے کہ کافر کو کاٹنے سے بہتر ہے، کہ اس کے کفر کو کاٹنے کی سبیل پیدا کر دی جائے۔اسی وجہ سے اللہ کے رسول نے اس مشورہ کو قبول فرمایا تھا۔

رہ گئے ادنیٰ مقصد والے، یعنی وہ لوگ جو نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے، انہوں نے مالِ دُنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی رائے دی تھی۔اللہ تعالیٰ نے، ان ہی کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے، کہ۔۔۔تم اپنے لیے دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آخرت کا ارادہ فرماتا ہے۔۔الغرض۔۔اس تعلق سے قرآنی تنبیہ کا روئے سخن، نہ تو اللہ کے رسول کی ذات کی طرف ہے، اور نہ ہی قدیم الاسلام، پیکرانِ اخلاص، صحابہء کرام کی طرف۔اور جن صحابہ کی طرف روئے سخن ہے، وہ بھی اس لیے نہیں، کہ انہوں نے کوئی ناجائز کام کیا تھا، جس سے انہیں روکا گیا ہے۔۔بلکہ۔۔صرف اس لیے، کہ ان کا یہ نصب العین اور مقصد خود ان کے منصب و مقام کے شایانِ شان نہ تھا۔اور چونکہ عتاب اپنے مخصوص لوگوں ہی پر کیا جاتا ہے۔۔لہٰذا۔۔ ان پر عتاب فرمایا گیا۔یعنی تم تو اپنے مخصوص تھے، تم سے یہ خلاف اولیٰ کام نہیں ہونا چاہیے تھا۔۔۔تو جب عوام صحابہ کی یہ شان ہے، تو پھر خواصِ صحابہ کا عالم کیا ہوگا؟ اور جب مخصوص صحابہء کرام کے جذبہء اخلاص کی معرفت آسان نہیں، تو پھر نبی کی شان کیا ہوگی؟۔۔تو۔۔

مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰی حَتّٰی یُثْخِنَ فِی الْاَرْضِ

یہ کسی نبی سے نہ ہوا کہ اس کے ہوں قیدی لوگ، یہاں تک کہ خون ریزی کی دھوم مچادے زمین میں۔

تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا ۖ وَاللّٰهُ یُرِیْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۶۷

تم لوگ چاہتے ہو دنیا کی پونجی۔ اور اللہ پسند فرماتا ہے آخرت کو۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

اچھی طرح سے جان لو، کہ (یہ کسی نبی سے نہ ہوا) اور نہ ہوسکتا ہے، (کہ) دنیاوی طمع میں (اس کے ہوں قیدی لوگ، یہاں تک کہ خوں ریزی کی دھوم مچادے زمین میں) باطل کی کمر توڑ دے، تاکہ وہ حق کے سامنے سر اٹھانے کے لائق نہ رہ جائیں۔ تو اے نئے نئے دامن رسول سے وابستہ ہونے والو! (تم لوگ) اپنی سادہ لوحی میں (چاہتے ہو دُنیا کی پونجی۔ اور اللہ) تعالیٰ (پسند فرماتا ہے) تمہارے لیے (آخرت) کی نعمتوں (کو)۔ یعنی بہشت اور وہاں کی دائمی نعمتوں کو۔ (اور اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے جو دوستوں کو دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے، اور (حکمت والا ہے) اُس بات میں جو بندوں کے ساتھ کرتا ہے۔

اِس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ پہلی شریعتوں میں مالِ غنیمت لینا حرام تھا اور ابھی اِس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔۔ بایں ہمہ۔۔ مسلمانوں نے بلا اجازت مالِ غنیمت لوٹ لیا۔ اس پر ارشاد فرمایا گیا، کہ۔۔۔

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِیْمَاۤ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝۶۸

اگر اللہ کا لکھا آگے نہ آتا، تو پہنچ جاتا تم لوگوں کو جو تم نے لیا ہے اس سلسلہ میں بڑا دکھ●

(اگر اللہ) تعالیٰ کی طرف سے معافی (کا) حکم (لکھا، آگے نہ آتا)، اور پہلے ہی سے منجانب اللہ معاف فرمادینے کی بات نہ ہوتی، اور یہ ارشاد نہ ہوتا، کہ جب تک آپ ﷺ ان میں ہیں، ان پر عذاب نازل نہیں ہوگا، (تو پہنچ جاتا تم لوگوں کو جو تم نے لے لیا ہے اس سلسلہ میں بڑا دکھ)، اور تم بڑے عذاب کا شکار ہوجاتے۔

یہ سن کر صحابہ کرام نے مالِ غنیمت سے ہاتھ کھینچ لیا اور اس کو لینے کے لیے اس میں ہاتھ لگانے سے باز رہے۔ تو ارشادِ الٰہی ہوا، کہ اگرچہ مالِ غنیمت کی حلت کا حکم آنے سے پہلے تمہاری شایانِ شان یہ نہیں تھا، کہ تم اس میں بلا اجازت ہاتھ لگاتے، لیکن اب جبکہ تم نے جمع کر ہی لیا ہے۔۔۔

ع ٩ ٥

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٦٩

تو کھاؤ جو مالِ غنیمت تم نے پایا حلال طیب۔ اور اللہ کو ڈرتے رہو، بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(تو) اب تم کو اجازت دی جارہی ہے، کہ (کھاؤ جو مالِ غنیمت تم نے پایا)۔ اس اجازت کے بعد اسکا کھانا تمہارے لیے بالکل (حلال) اور (طیب) یعنی پاک وصاف ہے۔ (اور) اس بات کا ہمیشہ خیال رکھو، کہ (اللہ) تعالیٰ (کو ڈرتے رہو) اور اس کے حکم کی مخالفت نہ کرو۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے بخشنے والا ہے، اس نے تمہاری لغزشوں کو بخش دیا۔ اور (رحیم ہے) مہربان ہے، کہ غنیمت تم پر حلال کردی، جو اگلی امتوں پر حرام تھی۔

۔۔الحاصل۔۔ جب یہ بات طے ہوگئی، کہ قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں آزاد کردیا جائے، تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس کو، جو قیدیوں میں تھے، حکم فرمایا، کہ اپنی ذات کا فدیہ دو، اور اپنے دونوں بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کی طرف سے بھی فدیہ دو، ساتھ ہی اپنے حلیف عتبہ بن جحدم کا بھی فدیہ ادا کرو۔ اس پر حضرت عباس بولے، کہ اے محمد ﷺ' کیا تم چاہتے ہو، کہ تمہارا چچا فقیر کی طرح اپنے پرائے کے سامنے مانگنے کو ہاتھ پھیلائے۔ میں اتنا مال کہاں سے لاؤں؟ حضرت ﷺ نے فرمایا، کہ وہ روپے کی تھیلیاں جو مکہ سے نکلتے وقت، اُم فضل کو دے کر، یہ یہ باتیں تم نے ان سے کہی تھیں، کہاں ہیں؟ حضرت عباس بولے، اے محمد ﷺ' میں نے تو یہ باتیں چھپا کر کی تھیں، تجھ سے کس نے کہہ دیں۔ آپ نے فرمایا، میرے رب نے مجھے یہ علم عطا فرمایا ہے۔ نبی کریم کی غیب دانی کی اس شان کو دیکھ کر، بے ساختہ حضرت عباس کہہ پڑے، کہ اے محمد ﷺ' گواہ رہو، کہ میں حق تعالیٰ کی وحدانیت اور تمہاری رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔ پھر اپنا فدیہ اور ان تینوں آدمیوں کا فدیہ حضرت عباس نے ادا کیا۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ

اے آنحضرت! تم کہہ دو جو قیدی ہیں تمہارے ہاتھ میں، کہ اگر پالیا اللہ نے تمہارے

فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ

دلوں میں نیک نیتی کو، تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے، اور بخش دے گا تم کو،

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٧٠

اور اللہ غفور رحیم ہے●

(اے آنحضرت) نبی مکرم! (تم کہہ دو) اور خوشخبری سنادو انہیں، (جو قیدی ہیں تمہارے ہاتھ) یعنی قبضہ (میں)، خواہ وہ عباس و عقیل ہوں۔۔یا۔۔ان کے سوا کوئی بھی، وہ قید ہوجانے سے فکرمند اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔اے قیدیو! غور سے سن لو، (کہ اگر پالیا اللہ) تعالیٰ (نے تمہارے دلوں میں نیک نیتی)، یعنی پرخلوص ایمان (کو، تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو لیا گیا ہے تم سے) بطورِ فدیہ، (اور) مزید برآں (بخش دے گا تم کو)، یعنی تمہارے ان گناہوں کو جو زمانہء شرک میں تم سے واقع ہوئے۔ جان لو (اور) یاد رکھو! کہ بے شک (اللہ) تعالیٰ (غفور) تمام گناہوں کا بخشنے والا ہے اور (رحیم ہے) یعنی ایسا مہربان ہے، جس نے تمہیں اسلام کی توفیق دی۔

ایک روایت کی روشنی میں حضرت عباس نے فرمایا، کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے دو وعدے کیے۔ ایک تو یہ، کہ جو کچھ مجھ سے لیا ہے اس سے بہتر مجھے دے گا۔ چنانچہ۔ یہ وعدہ اس نے پورا فرمادیا، کہ اب میں بیس٢٠ غلام رکھتا ہوں، کہ ان میں سے ہر ایک بیس٢٠ بیس٢٠ ہزار دینار کی تجارت میرے واسطے کرتا ہے، اور آبِ زمزم پلانے کی خدمت بھی اس نے مجھے عطا فرمائی، کہ عرب کے سب مالوں سے زیادہ میں اُسے دوست رکھتا ہوں، اور دوسرا وعدہ مغفرت کا ہے۔ امید رکھتا ہوں، کہ وہ وعدہ بھی وفا فرمائے گا، اور مجھے بخش دے گا، کیونکہ کریم کے وعدہ میں خلاف نہیں ہوتا۔۔۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ

اور اگر انھوں نے تم سے دغا کی، تو پہلے بھی دغا کر چکے ہیں اللہ سے، تو اس نے گرفتار کرادیا انہیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور) اے محبوب! (اگر) اسلام قبول کرلینے کے بعد (انہوں نے)، یعنی ان قیدیوں نے، (تم سے دغا) اور بے وفائی (کی، تو) یہ ان کی پہلی حرکت نہیں ہے، بلکہ یہ کفروشرک کرکے (پہلے بھی دغا کرچکے ہیں اللہ) تعالیٰ (سے، تو) اُن کی اُسی بے وفائی اور بے راہ روی کی سزا میں، غزوۂ بدر کے موقع پر (اُس نے گرفتار کرادیا انہیں)، تو اِس کے بعد بھی ممکن ہے، کہ اُن کی دغا کے نتیجے میں تجھے اُن پر غالب اور قادر کردے۔ (اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے اور بندوں کے مآلِ کار کا جاننے والا ہے، اور (حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے ان کے احوال کے موافق۔۔۔اربابِ وفا، دنیا و آخرت ہر جگہ فضلِ خداوندی اور عنایاتِ ربانی کے مرکزِ نگاہ رہے۔۔چنانچہ۔۔وہ مہاجرین سابقین۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

بے شک جو ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور جہاد کیا اپنے مال وجان سے

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ

اللہ کی راہ میں، اور جنھوں نے ٹھکانہ دیا، اور مدد کی، وہ لوگ ایک دوسرے

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ

کے وارث ہیں۔ اور جنھوں نے ایمان قبولا اور ہجرت نہ کی، نہیں ہے تمہارا

وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ

ان کی وراثت میں کچھ، یہاں تک کہ ہجرت کریں۔ اور اگر مدد مانگیں تم سے

فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

دین کے معاملہ میں، تو تم پر واجب ہے مدد کرنا، مگر بمقابلہ اس قوم کے، کہ تمہارے اور ان کے درمیان

مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

کوئی معاہدہ ہے۔ اور اللہ جو کرو دیکھنے والا ہے●

(بے شک جو ایمان لائے، اور ہجرت کی اور جہاد کیا اپنے مال وجان سے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)، اس کی خوشنودی۔۔نیز۔۔اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے، (اور) وہ انصارِ مدینہ (جنھوں نے ٹھکانہ دیا اور مدد کی) ان مہاجرین کی، (وہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں)، یعنی ایک دوسرے کے دوست اور میراث میں متولی ہیں۔

ابتداء میں یہ حکم تھا، کہ مہاجر و انصار ہجرت اور نصرت کی وجہ سے ایک دوسرے کی میراث لیں۔ تو اگر کوئی مہاجر فوت ہو جاتا، تو اس کا انصاری بھائی وارث بنتا، جبکہ اسی مہاجر کا مدینہ طیبہ میں کوئی دوسرا بھائی۔۔یا۔۔وارث مسلمان نہ ہوتا۔ اسی طرح انصار فوت ہوتا، تو اس کا وارث مہاجر بھائی ہوتا۔ یہ قانون فتح مکہ تک جاری رہا۔ فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اور ہجرت کی وراثت کی بجائے، قرابت کی وراثت کا اجراء ہوا۔ اب نہ مومن کا کافر وارث ہے، اور نہ ہی مومن مہاجر، غیر مہاجر کا۔۔۔

(اور) مذکورہ بالا مومنین کے سوا، (جنھوں نے ایمان قبولا اور) دوسرے اہل ایمان کی طرح

(ہجرت نہ کی، نہیں ہے تمہارا ان کی وراثت میں) سے (کچھ)۔یعنی تم ان کی وراثت کے حقدار نہیں، اگرچہ وہ تمہارے قریب ترین رشتہ دار ہوں، (یہاں تک کہ) وہ (ہجرت کریں)۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ، کہ اس آیت سے جب صراحتاً نفی کردی گئی، کہ غیر مہاجرین اہل ایمان کی وراثت وولایت، مہاجرین سے منقطع ہوگئی، تو پھر وہ، مکہ میں مخالفین سے جتنی تکالیف اور دکھ اٹھائیں، ہمیں حق نہیں پہنچتا، کہ ہم ان کی امداد کریں، حالانکہ یہ مقتضائے اسلام کے بالکل خلاف ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ فرمایا۔۔۔

(اور) ارشاد فرمایا (اگر) وہ مسلمان جنہوں نے ہجرت نہیں کی، (مدد مانگیں تم سے دین کے معاملہ میں)۔۔مثلاً: اُن میں اور کافروں میں مقابلہ واقع ہو، اور وہ تم سے مدد مانگیں، (تو تم پر واجب ہے مدد کرنا) اور مدد طلب کرنے والوں کا ساتھ دینا، (مگر بمقابلہ اس قوم کے، کہ تمہارے اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ ہے)، یعنی اگر دشمن قوم سے جنگ نہ کرنے کا تمہارا معاہدہ ہو، تو پھر اس دشمن قوم پر غلبہ پانے کے لیے اہل ایمان غیر مہاجرین کو مدد مت دو، بلکہ ان کی آپس میں ایسی اصلاح کرو، کہ جنگ کے بغیر ان کی صلح ہوجائے۔۔الختصر۔کسی حال میں بھی عہد شکنی نہ کرو۔

(اور) یاد رکھو، کہ (اللہ) تعالیٰ (جو کرو) گے، اُسے (دیکھنے والا ہے) یعنی تمہارا ایفاءِ عہد۔یا۔ تمہاری عہد شکنی خدا کے علم کے دائرے سے باہر نہیں، وہ سب کچھ جاننے والا اور سب کا دیکھنے والا ہے۔۔۔مسلمانو! اچھی طرح سے جان لو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ

اور جنھوں نے کفر کیا، ان میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اگر تم نے یہ نہ کیا، تو ہوگا فتنہ

فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ؕ﴿۷۳﴾

زمین میں، اور بڑا فساد●

(اور) ذہن نشین رکھو! کہ (جنہوں نے کفر کیا، ان میں ایک دوسرے کے وارث ہیں) یعنی آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے میں دوست ہیں۔ان میں آپس میں کتنی ہی ذاتی رنجش کیوں نہ ہو، لیکن اہل حق کے مقابلے میں سب کے سب اپنی رنجشوں کو بھلا کر، متحد ہوکر ایک پلیٹ فارم پر آجاتے ہیں۔

عہدِ حاضر میں یہود و نصاریٰ اس کی واضح مثال ہیں۔ اس لیے کہ عیسائیوں کو اپنے طور پر اس بات کا یقین ہے، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر لٹکا دینے والے یہودی ہی ہیں اور یونہی۔۔ یہودی بھی بخوبی جانتے ہیں، کہ حضرت عیسیٰ کے عہد سے آج تک، ان کے اصل حریف عیسائی ہی رہے ہیں، جن کے ظلم و ستم کا وہ ہمیشہ شکار ہوتے رہے، اور جنہوں نے پوری دنیا میں ان کا ناطقہ بند کر کے رکھا تھا۔۔ بایں ہمہ۔۔ اسلام کے مقابلے میں دونوں ایسے مل گئے ہیں اور ایسے شیر و شکر نظر آ رہے ہیں، گویا ان میں کبھی کوئی اختلاف ہی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ اُن کا نقطہء اتحاد صرف اُن کا کفر ہے، خواہ اُن میں ہر ایک کے کفر کی نوعیت الگ الگ ہی ہو، لیکن 'الکفر ملة واحدة' کے قول کی روشنی میں، الگ الگ ہو کر بھی وہ ایک ہی ہیں۔ تو مسلمانو! تم بھی سوچو۔۔۔

(اگر تم نے یہ نہ کیا) یعنی تم کو آپس میں ملنے اور مدد و محبت کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس پر عمل نہیں کیا، (**تو ہوگا فتنہ زمین میں اور بڑا فساد**) دین میں۔ یعنی اگر مسلمان ایک دوسرے کے دوست نہ ہوں گے اور باہم ایک دوسرے کی مدد نہ کریں گے تو ان کے کام خراب ہو جائیں گے اور کافر ظہور کریں گے اور اُس سے بڑا فتنہ و فساد ہو سکتا ہے۔ اس سے تمہاری دنیا بھی خطرے میں آ سکتی ہے، اور تمہارا دین بھی آزمائش میں پڑ سکتا ہے۔۔۔

حق تعالیٰ جب مہاجر اور انصار کی مدد اور وراثتِ باہمی کی خبر دے چکا، اور اس کے ترک پر تہدید کر چکا، تو دوبارہ ان کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے، ان کی ہجرت اور مددگاری کی جزاء کی خبر دیتا ہے۔ یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ آیت ۷۲ سے مقصود یہ تھا، کہ مہاجرین و انصار کے درمیان ولایت کو بیان کیا جائے اور آگے کی آیت ۷۴ سے مقصود یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کی تعریف و توصیف کی جائے، کیونکہ ان کا ایمان کامل ہے اور یہ برحق مومن ہیں۔ مہاجرین اولین نے ایمان کے تقاضوں پر عمل کیا، انہوں نے اسلام کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا، عزیز و اقارب کو چھوڑا، مال و دولت اور مکانوں اور باغات کو چھوڑا۔ اسی طرح انصار نے بھی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کے لیے اپنے دیدہ و دل کو فرشِ راہ کیا۔۔ چنانچہ۔۔ ان دونوں کا ذکرِ خیر۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا

اور جو ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور جہاد کیا، اللہ کی راہ میں، اور جنھوں نے ٹھکانا دیا

وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

اور مدد کی، وہی ماننے والے ہیں حق۔ انکے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے●

(اور) تذکرۂ حسن یوں فرمایا گیا، کہ (جو ایمان لائے) اللہ و رسول پر (اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اس کی رضا اور خوشنودی کے لیے، اور۔۔یونہی۔۔وہ پاک طینت (اور) پاکباز لوگ، (جنہوں نے) تصدیق و تسلیم کے بعد، (ٹھکانا دیا) مہاجرین کو (اور مدد کی) رسولِ مقبول کی مشرکوں سے قتال کرنے میں، (وہی) سچے (ماننے والے ہیں)، جو ماننے میں بالکل (حق) اور سچے ہیں۔ (ان کے لیے) خدا کی طرف سے (بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے)۔ ایسی اچھی روزی، جو بغیر محنت و منّت حاصل ہو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ

اور جو ایمان لائے اب پیچھے سے اور ہجرت کی، اور جہاد کیا تمہارے ساتھ،

فَاُولٰٓىِٕكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

تو وہ تم میں سے ہیں۔ اور رشتہ والے ایک دوسرے سے زیادہ

فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾ ع

قریبی ہیں، اللہ کی کتاب میں۔ بے شک اللہ سب کچھ کا جاننے والا ہے●

(اور) رہ گئے وہ لوگ، (جو ایمان لائے اب پیچھے سے)، صلح حدیبیہ کے بعد، (اور ہجرت کی)، جیسے ابونضر اور ابوجندل وغیرہ، (اور جہاد کیا تمہارے ساتھ) یعنی مددگار ہوئے، (تو وہ) سب بھی (تم میں سے ہیں)۔۔المختصر۔۔پچھلے اور اگلے، ایمان اور ہجرت اور جہاد میں یکساں ہیں۔ (اور) اب جو رہ گئے ان میں (رشتہ والے)، تو وہ (ایک دوسرے سے زیادہ قریبی ہیں اللہ) تعالیٰ (کی کتاب) لوحِ محفوظ (میں)۔۔یا۔۔خود حکمِ الٰہی میں۔

یہ آیت اس گروہ کے باہم وارث ہونے کی ناسخ ہے، جو ہجرت اور نصرت کے سبب سے ایک دوسرے سے میراث لیتے تھے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (سب کچھ کا جاننے والا ہے)، یعنی میراثوں میں سے پہلے ہجرت اور نصرت کے سبب سے نسبت معتبر ہونے کی حکمت، اور پھر رحم اور قرابت کے معتبر ہونے کی حکمت،

ان ساری باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کو بخوبی ہے، کسی کو اس پر چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں۔
پہلا حکم بھی خدا ہی کی طرف سے تھا، اور دوسرا یہ حکم ناسخ بھی اسی کی طرف سے ہے۔
بندہ نواز جب چاہے اور جو چاہے کرے۔ بندوں کے لیے بحث و تکرار کی گنجائش نہیں۔
خدائی حکم کو بے چون و چرا قبول کر لینا ہی روحِ بندگی ہے۔ ہمارا بندہ نواز وہ ہے، جو ہم سے بہتر ہماری مصلحتوں اور بہتریوں کو جاننے والا ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۲رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۷رفروری ۲۰۱۰ء

بروز یکشنبہ بوقت ساڑھے بارہ بجے دن، سورۂ انفال کی
تفسیر سے فراغت حاصل کر لی۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل و کرم
سے باقی قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا
مُحَمَّدٍ ﷺ وَ بِرَحْمَتِكَ
یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ
بحمدہٖ تعالیٰ آج

۲۳رصفر المظفر ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۸رفروری ۲۰۱۰ء

بروز دوشنبہ سورۂ توبہ کی تفسیر کا آغاز کر دیا۔
مولیٰ تعالیٰ اس کی تکمیل کی توفیق خیر عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا
مُحَمَّدٍ ﷺ وَ بِرَحْمَتِكَ
یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ

سورۃ التوبۃ ٩ مدنیۃ ١١٣ — آیاتہا ١٢٩ رکوعاتہا ١٦

سورۃ توبہ مدنیہ — آیات ١٢٩ رکوع ١٦

سورۂ توبہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی، اوراس میں ایک سوانتیس [١٢٩] آیتیں ہیں۔اس کو 'توبہ' اس لیے کہتے ہیں، کہ اس سورہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مالک بن کعب، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توبہ قبول کرنے کا خصوصاً اور مومنین کی توبہ قبول کرنے کا عموماً ذکر فرمایا ہے۔اس سورہ کا نام 'سورۂ برأت' بھی ہے۔کیونکہ 'البراۃ' کے معنی کسی سے بری اور بیزار ہونا ہیں۔اوراس سورہ کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، کہ اللہ تعالیٰ اوراس کا رسول ﷺ 'مشرکین سے بَری اور بیزار ہیں۔اسی سورہ میں مسلمانوں کو منافقین سے نجات دینے کی بھی بات کی گئی ہے، کیونکہ اس سورۃ میں منافقین کی سزا کے متعلق آیت نازل ہوئی، جس کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ نے چھتیس [٣٦] منافقین کو نام لے لے کے مسجد نبوی سے نکال دیا اور عذابِ قبر سے پہلے ہی، انہیں ذلت ورسوائی کے عذاب میں مبتلا فرما دیا۔

۔۔الحتصر۔۔اِس سورۂ مبارکہ میں منافقین کے احوال سے بحث کی گئی ہے، اوران کے مخفی نفاق کو ظاہر کیا گیا ہے۔۔الغرض۔۔ان کے نفاق کا پردہ چاک کر کے، انہیں رسوا کر دیا گیا ہے۔۔نیز۔۔ان کو رسوائی کے عذاب سے ہلاک کر دیا گیا ہے۔اس لیے اس سورہ کو 'سورۂ عذاب' بھی کہتے ہیں۔۔چونکہ۔۔'سورۂ توبہ' کو مضامین کے لحاظ سے 'سورۂ انفال' سے قوی مشابہت ہے، اِسی لیے 'سورۂ انفال' کے بعد ہی اُس کو رکھا گیا ہے۔کیونکہ اِن دونوں سورتوں میں اسلامی ملک کے داخلی اور خارجی احکام بیان کیے گئے ہیں، اور صلح وجنگ کے اصول اور قواعد بیان کیے گئے اور مومنین صادقین اور کفار ومنافقین کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔اور دیگر ممالک کے ساتھ معاہدوں اور مواثیق کا بیان کیا گیا ہے۔

۔۔البتہ۔۔'سورۂ انفال' میں غیر مسلموں کے ساتھ کیے ہوئے معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور 'سورۂ توبہ' میں کفار کی طرف سے عہد شکنی کی ابتداء کی صورت میں ان معاہدوں کو توڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔۔بلکہ۔۔اس سورہ کی ابتداء ہی اس حکم سے ہوتی ہے، اوران دونوں میں یہ حکم دیا گیا ہے، کہ مشرکین کو مسجدِ حرام میں آنے سے روکا جائے اوران دونوں سورتوں میں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اور مشرکین اور اہل کتاب سے جہاد اور قتال کا حکم دیا گیا ہے، اور منافقین کی سازشوں سے خبردار فرمایا گیا

ہے۔ اِسی قوی مشابہت کی وجہ سے 'سورۂ توبہ'، 'سورۂ انفال' کے تتمہ کے حکم میں ہے۔لیکن درحقیقت، یہ دونوں مستقل الگ الگ سورتیں ہیں۔

--الختصر-- 'سورۂ توبہ'، 'سورۂ انفال' کا جزء نہیں ہے۔'سورۂ توبہ' کے بکثرت اسماء ہیں، جو اُسے 'سورۂ انفال' سے ممیز اور ممتاز کرتے ہیں، اور عہدِ صحابہ سے آج تک، تمام مسلمان اس سورہ کو 'سورۂ انفال' سے الگ شمار کرتے ہیں۔ اِس سورۂ مبارکہ سے پہلے 'بسم اللہ شریف' نہیں لائی گئی، اس لیے کہ 'بسم اللہ شریف' میں رحمت کا بیان ہے، اور یہ 'سورۂ توبہ' قہر وجلال اور منافقین پر غیظ وغضب اور ان سے بیزاری کے اظہار کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ رحمت وزحمت کو یکجا نہیں لایا جاتا۔

بلفظِ دیگر، 'بسم اللہ' امان کا سبب ہے، اور یہ سورۃ امان جاتے رہنے کے واسطے نازل ہوئی

--الحاصل-- 'سورۂ توبہ' کی تلاوت کے آداب میں سے یہ ہے، کہ لازمی طور پر اس سے پہلے 'بسم اللہ شریف' نہ پڑھی جائے، اِسی پر امت کا اجماع ہے۔ یہاں تک کہ اس سورۂ مبارکہ کی درمیانی کسی آیت کی تلاوت سے پہلے بھی 'بسم اللہ شریف' پڑھنے کو نامناسب قرار دیا گیا ہے۔ اِس کے سوا ہر سورہ کی کسی آیت سے پہلے، 'بسم اللہ شریف' پڑھنے میں اختیار ہے۔ پڑھی جائے تو ثواب ہے، نہ پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔۔ہاں۔۔'سورۂ توبہ' کے سوا ہر سورہ کی ابتداء 'بسم اللہ شریف' سے ضرور کی جائے۔

جب یہ سورہ نازل ہوئی، تو آنحضرت ﷺ نے سورۃ کے اوّل کی تین[۳۰] ۔۔یا۔۔ چالیس[۴۰] آیتیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دے کر حاجیوں کا امیر کیا، اور فرمایا اہل موسم حج پر پڑھو۔ اور حضرت صدیق کے جانے کے چندروز کے بعد، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلا کر ناقہ عضباء پر سوار کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھیجا، اور حکم فرمایا، کہ ان سے آیتیں لے کر تم خود پڑھنا، اور جب لوگوں نے اس کی وجہ آپ سے دریافت کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا، کہ جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور کہا، کہ پیغام نہ پہنچائے، مگر آپ۔۔یا۔۔ وہ شخص، جو آپ سے ہو، یعنی آپ کا قریب ترین ہو۔ اس لیے کہ عہد کو ختم کرنے کا اختیار، یا تو خود معاہدہ کرنے والے کو ہے، اور یا پھر اس کی طرف سے اس کے کسی قریبی عزیز کو ہے۔

--الختصر-- حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملے۔۔چنانچہ۔۔ 'ترویہ' کے دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اور لوگوں کو مناسک حج تعلیم فرمائے

اور بقر عید کے دن، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جمرۂ عقبہ کے قریب اہل موسم پر آیتیں پڑھیں۔ اس تعلق سے مختصر قصہ یہ ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے عرب کے بعضے مشرکوں کے ساتھ عہد باندھا تھا، ہر ایک قوم سے ایک مدت معین تک کے لیے۔ ضمرہ اور بنی کنانہ کے سوا، اُن سب نے عہد توڑ ڈالا، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی، جس میں مشرکین سے ان کی عہد شکنی کے سبب بیزاری کا اظہار ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوا، کہ۔۔۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ①

دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی، جن عہد شکن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا●

(دست برداری ہے اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کی) ان سے (جن عہد شکن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا)، تو اے سید المرسلین واشگاف انداز سے ان سے کہہ دو۔۔۔

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ

کہ چل پھر لو زمین میں چار مہینے، اور معلوم رہے کہ تم نہیں تھکا سکتے اللہ کو

وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ②

اور بے شک اللہ کافروں کو رسوا فرمانے والا ہے●

(کہ چل پھر لو زمین میں) مسلمانوں کے تعرض سے بے خوف ہو کر (چار مہینے)، یعنی بقر عید کے دن سے، جو حکم پہنچنے کا دن ہے، ربیع الآخر کی دسویں تاریخ تک۔

اور بعض کا قول یہ ہے، کہ یہ آیت شوال کے شروع مہینے میں نازل ہوئی، تو چار مہینے کی مدت آخر محرم تک ہے۔ ایک قول کے مطابق جن لوگوں نے عہد شکنی کی تھی، ان میں سے بعضوں کی مدت چار مہینے سے بہت کم باقی تھی اور بعضوں کی مدت زیادہ باقی تھی، تو جن کی مہلت کم تھی، انہیں چار مہینے کی مہلت دی، کہ اپنے کام میں کچھ فکر کریں اور جن کی مدت چار مہینے سے زیادہ باقی تھی، ان کی مدت گھٹا کر چار مہینے کر دی، کہ اپنے کام میں تدبیر کر لیں اور جنہوں نے عہد شکنی نہیں کی، اُنہیں اُن کی مدت گزرنے تک امان دی، اور عہد توڑنے والوں کو کہا۔۔۔

(اور) ان پر واضح کر دیا، کہ تمہیں یہ (معلوم رہے کہ تم نہیں تھکا سکتے اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی تم اللہ کو اپنے اوپر عذاب کرنے سے عاجز و لاچار نہیں کر سکتے۔ ہر چند کہ اس نے تمہیں مہلت دے دی

ہے، مگر تم پر عذاب کرنے میں وہ عاجز نہیں ہے۔ (اور) یہ بھی جان لو، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (کافروں کو رسوا فرمانے والا ہے) دنیا میں قتل کر کے اور آخرت میں زندہ رکھ کر اور جلا کر۔ دنیا میں ذِلت آمیز موت سے بچ نہیں سکتے اور آخرت میں موت آ نہیں سکتی، کہ ذِلت آمیز زندگی سے چھٹکارا ملے۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ

اور کھلا اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کا لوگوں تک، حج اکبر کے دن،

اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ

کہ بے شک اللہ بیزار ہے مشرکوں سے۔۔ اور اس کا رسول، تو اگر تم لوگوں نے توبہ کر لی، تو یہی

خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ

بھلا ہے تمہیں۔ اور اگر منہ پھیرے رہے تو جانے بوجھے رہنا، کہ تم نہ تھکا پاؤ گے اللہ کو۔

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۙ﴿۳﴾

اور خبر دے دو جنھوں نے انکار کیا، دکھ دینے والے عذاب کا●

(اور) سن لو! کہ یہ (کھلا اعلان ہے اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کا)، جسے پہنچایا جا رہا ہے تمام (لوگوں تک حج اکبر کے) مبارک (دن) میں۔

یعنی بقرعید کے دن میں، جس دن حج تمام ہوتا ہے اور طواف، قربانی، بال منڈانا یا کترانا اور کنکریاں پھینکنا وغیرہ، بڑے افعال انجام دِیے جاتے ہیں۔ یہ عُمرہ کے پیش نظر جسے حج اصغر قرار دیا گیا ہے، حج اکبر ہی ہے۔۔ یا۔۔ اکبر اِس وجہ سے، کہ اہل کتاب کی عیدیں اِس دن کے موافق پڑی تھیں۔۔ یا۔۔ اِس وجہ سے، کہ اس دن مسلمانوں کی عزت اور کافروں کی ذِلت ظاہر ہوئی۔۔ الغرض۔۔ ایسے اہم دن میں سنا دو۔۔۔

(کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول)، یعنی اللہ و رسول دونوں ہی مشرکین اور ان کے عہدوں سے اپنی بے زاری و بے تعلقی ظاہر فرما رہے ہیں، (تو اگر تم لوگوں نے توبہ کر لی) اور باز آ گئے اپنے کفر اور بے وفائی سے، (تو) کفر و بے وفائی سے (یہی) باز آنا، (بھلا) اور بہت ہی اچھا (ہے تمہیں)۔ یعنی تمہارے حق میں اپنے کفر و بدعہدی پر قائم رہنے سے۔ (اور اگر منہ پھیرے رہے) اور سچی اور کھری توبہ کر کے کفر و بے وفائی کو نہ چھوڑا، (تو جانے بوجھے رہنا، کہ تم نہ

تھکا پاؤ گے اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی تم اللہ تعالیٰ کو عاجز ولاچار نہ بنا سکو گے۔ نہ تو تم اس کی گرفت اور شدید پکڑ سے اپنے کو بچا سکو گے، اور نہ ہی اس سے مقابلہ کر سکتے ہو۔

کافروں کے طرزِ فکر وعمل سے عام لوگ یہ محسوس کر سکتے ہیں، گویا وہ عذابِ الٰہی کو نعمت سمجھ رہے ہیں اور اس کے مشتاق ہیں، تو اے محبوب!۔۔ بشارت (اور خبر دے دو) اُن کو (جنہوں نے انکار کیا)۔ کس چیز کی بشارت؟ جس مزعومہ نعمت کے وہ مشتاق ہیں، یعنی (دکھ دینے والا عذاب کا) جو ان پر آخرت میں ہونے والا ہے، تا کہ وہ مزا چکھیں اُسکا عملاً جس کے طالب تھے۔

دراصل یہ بشارت کے لب ولہجے میں نذارت ہے۔ یعنی خوشخبری کے انداز میں ڈرانا اور خوف دلانا ہے۔ اب تک اللہ تعالیٰ نے عہد شکنی کرنے والوں کے تعلق سے احکام ارشاد فرمائے، اور جب عہد توڑنے والے کا حکم بیان فرما چکا، تو بنی ضمرہ اور بنی کنانہ کے باب میں فرماتا ہے، جنہوں نے حدیبیہ میں عہد کیا تھا اور عہد شکنی نہیں کی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ

مگر جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا، پھر انھوں نے کچھ نہیں کمی کی، اور نہ

يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ

پیٹھ پر ہاتھ رکھا، تمہارے مقابلہ پر کسی کے، تو پورا کرلو ان کے معاہدہ کو میعاد تک۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④

بے شک اللہ پسند فرماتا ہے پرہیزگاروں کو ●

اے محبوب! مذکورہ بالا عذاب ان کے لیے ہے جنہوں نے عہد شکنی کی، (مگر جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا پھر انہوں نے کچھ نہیں کمی کی)، یعنی انہوں نے تمہارے عہد نہیں توڑے (اور نہ ہی (پیٹھ پر ہاتھ رکھا، تمہارے مقابلہ پر کسی کے) تمہارے دشمنوں میں سے۔ یعنی تمہارے قتال پر آمادہ کسی کی مدد اور پشت پناہی بھی نہیں کی، (تو پورا کرلو ان کے معاہدے کو میعاد تک)۔ یعنی ان کو ان عہد شکنوں کی طرح فقط چار ہی مہینے کی مہلت نہ دو۔۔ بلکہ۔۔ انہیں ان کے عہد کی میعاد کے باقی نو [9] مہینے بھی پورا کر لینے دو۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (پسند فرماتا ہے پرہیزگاروں کو) اور عہد کو وفا کرنا اور اس

کی شرطیں پوری کرنا بھی تقویٰ و پرہیز گاری سے ہے۔
متقی کی چار نشانیاں ہیں: ﴿۱﴾۔۔حدود کی حفاظت۔ ﴿۲﴾۔۔انفاق فی سبیل اللہ۔
﴿۳﴾۔۔عہد وفا کرنا۔ ﴿۴﴾۔۔جو کچھ موجود ہو اس پر قناعت کرنا۔
۔۔اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے برأت کا اعلان فرما دیا تھا، اور ان کو چار ماہ کی امان دی تھی، اور اب یہ ارشاد فرما رہا ہے، کہ چار ماہ گزرنے کے بعد مسلمانوں پر کیا لازم ہے۔تو غور سے سنو، کہ۔۔۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے، تو قتل کردو مشرکین کو جہاں تم ان کو پا جاؤ، اور انھیں پکڑو،

وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَ

اور انھیں قید کرلو، اور بیٹھ جاؤ انکے لئے ہر تاک کی جگہ پر۔ پھر اگر انھوں نے توبہ کرلی اور

اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ

نماز قائم کرنے لگے، اور زکوٰۃ ادا کیا کئے، تو چھوڑ دو ان کی راہ۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(پھر جب گزر جائیں حرمت والے مہینے)۔

اس سے مراد یا تو وہ ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے قتال حرام تھا، یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور قبیلہ مضر کا رجب۔۔یا۔۔پھر مراد وہ مہینے ہیں، جن مہینوں کی مشرکین کو مہلت دی گئی۔ایک تحقیق کے مطابق وہ مہینے ۱۰ ذوالقعدہ سے لے کر ۱۰ ربیع الاوّل تک ہیں۔
(تو قتل کردو) ان (مشرکین کو) جنہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی، اور ان کو چار مہینے کی مہلت دی گئی تھی۔۔یا۔۔جنہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی تھی، مگر ان کو معاہدے کی مدت پوری ہونے کی مہلت دی گئی تھی۔۔یا۔۔جن سے تم نے کوئی عہد نہیں کیا ہے۔۔الغرض۔۔ان سارے مشرکین کو حرم کے اندر۔۔یا۔۔باہر (جہاں تم ان کو پا جاؤ) قتل کردو (اور) جہاں تک ممکن ہو، (انہیں پکڑو اور انہیں قید کرلو)۔ ہر طرف سے ان کی ناکہ بندی کرلو، (اور بیٹھ جاؤ ان کے لیے ہر تاک

کی جگہ پر) جہاں سے ان پر نشانہ لگایا جا سکے۔۔الغرض۔۔ ہر طرف ان گزرگاہوں پر پہرہ بٹھا دو، یعنی وہ جہاں سے گزریں، انہیں فوراً قتل کردو۔

اس سے کفار کو تنگ کرنا اور انہیں ذلیل وخوار کرنا مطلوب ہے۔

(پھر اگر) قتل وغارت اور قید وبند کی صعوبتوں سے خطرہ کھا کر (انہوں نے) شرک سے (توبہ کرلی)، اور ایمان لے آئے، (اور) اپنی توبہ کو پختہ کرنے کے لیے (نماز قائم کرنے) اور اُسے کماحقہٗ ادا کرنے (لگے، اور) پابندی کے ساتھ وقت معینہ پر (زکوٰۃ ادا کیا کیے)۔۔الغرض۔۔عبادات بدنی اور عباداتِ مالی میں جو افضل ترین عبادات ہیں، ساری عبادتیں جن کے ضمن میں ہیں، ان سے غافل نہ رہے، یعنی اُن کی فرضیت کے اعتقاد سے ایک لمحہ کے لیے خالی نہ رہے۔۔المختصر۔۔سارے فرائض اسلامیہ کی فرضیت کا اعتقاد مستحکم رکھا، (تو چھوڑ دوان کی راہ)، یعنی اس کے بعد انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ان کے امورِ مذکورہَ بالا کے درپے نہ ہو، کیونکہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے اور بخشنے والا ہے ان کے گزرے ہوئے گناہ، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے انہیں ثواب بے حساب دینے میں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں ہر قسم کے مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، لیکن اِسی سورۂ توبہ کی آیت ۲۹ نے اس حکم سے ان اہل کتاب کو مستثنیٰ کردیا ہے، جو جزیہ ادا کریں۔

۔۔چنانچہ۔۔کفار سے قتال کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کرلیں، تو اُن سے قتال نہ کرو۔ اور اگر وہ قبول نہ کریں، تو پھر اُن کو دعوت دو، کہ اپنا ملک چھوڑ کر دارِ مہاجرین میں منتقل ہوجائیں۔ اگر وہ یہ قبول کرلیں، تو ان سے قتال نہ کرو۔ اور اگر وہ اس کو قبول نہ کریں، تو پھر اسلام کی بالا دستی کو قائم رکھنے اور خود ان کی جان ومال کی حفاظت کرنے کے خیال سے، ان سے جزیہ کا سوال کرو۔ اگر وہ اس کو قبول کرلیں، تو پھر ان سے قتال سے رک جاؤ۔ اور اگر وہ اس کو بھی قبول نہ کریں، تو پھر رضائے الٰہی اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد سے ان سے قتال کرو، اور اس بات کا ہمیشہ خیال رہے، کہ ان سے خیانت نہ کرو اور ان سے عہد شکنی نہ کرو، اور ان کا مثلہ نہ کرو اور ان کے بچوں کو قتل نہ کرو۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا تھا، کہ مشرکین کو جن مہینوں کی مہلت دی گئی ہے، اس مہلت کے گزر جانے کے بعد ان کو قتل کردینا چاہیے، کیونکہ ان پر اللہ تعالیٰ کی

حجت قائم ہوچکی ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے ایسے دلائل و براہین بیان کردیے ہیں، جو ان کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کے لیے کافی ہیں، اور اب ان سے صرف اسلام کا مطالبہ ہے۔۔یا۔۔پھر ان کو قتل کردیا جائے گا، اس لیے یہاں پر یہ شبہ پیدا ہوتا تھا، کہ اگر کسی کو دین اسلام کو سمجھنے کے لیے کسی مزید دلیل۔۔یا۔۔حجت کی ضرورت ہو، تو وہ آپ کے پاس اپنے اطمینان کے لیے نہیں آسکتا۔

اس شبہ کو دور کرنے کے لیے فرمایا، کہ اگر کوئی شخص اسلام کے متعلق اپنے شرح صدر اور اطمینانِ قلب کے لیے آنا چاہے، تو آپ اس کو اسلامی ریاست میں آنے کے لیے اجازت دیں، اور بعد میں جس جگہ وہ اپنے لیے امن اور عافیت سمجھتا ہے، وہاں اُسے پہنچادیں ۔۔الختصر۔۔ ہر حال میں یہ خیال رہے۔۔۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ

اور اگر کوئی مشرک پناہ مانگے تمہاری، تو پناہ دو، یہاں تک کہ وہ سن لے کلام اللہ کو، پھر اس کو پہنچادو

ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۶ ع

اس کے ٹھکانے، یہ اس لئے کہ یہ لوگ بے علم ہیں●

(اور) ملحوظِ خاطر رہے کہ (اگر کوئی مشرک) جن سے تعرض کرنا چاہیے، ماہ حرام گزر جانے کے بعد (پناہ مانگے تمہاری، تو) اُسے مایوس نہ کرو اور اسے (پناہ) دے (دو)، تاکہ وہ بے خوف ہوکر حاضر ہوجائے، (یہاں تک کہ) اسے موقع میسر آجائے، کہ (وہ سن لے کلام اللہ کو)، اور سمجھ لے اس کے پیغام کو، اور دور کرلے اس کے تعلق سے اپنے قلبی شکوک وشبہات کو، اور پھر ایمان سے مشرف ہوجائے۔ اور اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے، تو (پھر اُس کو پہنچادو اُس کے) پُر اَمن (ٹھکانے) تک، یعنی اس کے گھر تک۔۔یا۔۔اُس جگہ تک جہاں وہ خود کو محفوظ و مامون سمجھے۔

۔۔الختصر۔۔اس کے ساتھ مقاتلہ نہ کرو۔ (یہ) امان دینا صرف (اس لیے) ہے، (کہ یہ لوگ بے علم ہیں)، یعنی نہ تو یہ خدا کو جانتے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اس کا کلام سنا ہے، **تو انہیں امان** دینا چاہیے تاکہ کلام الٰہی سن کر اس میں غور وفکر کریں۔

یہ بات اس مقام پر قابل غور ہے، کہ اسلام کے ظاہر ہونے اور حق و باطل میں امتیاز ہو جانے کے بعد۔۔۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ

کس طرح مشرکین کا کوئی عہد اللہ اور اس کے رسول کے یہاں ہو، مگر جن سے تمہارا

عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ؕ

معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا۔ تو جب تک وہ اس پر تمہارے لئے جمے رہیں، تم بھی انکے لئے قائم رہو،

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

بیشک اللہ محبوب رکھتا ہے پرہیز گاروں کو●

(کس طرح) بدعہدی و بے وفائی کے خوگر (مشرکین کا کوئی عہد اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کے یہاں ہو) سکتا ہے؟ (مگر) بنی ضمرہ اور بنی کنانہ۔۔الغرض۔۔ ماسوا ان لوگوں کے (جن سے تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس) 'مقام حدیبیہ' میں جو مکہ معظمہ کے قریب ہے، (ہوا۔ تو جب تک وہ) معاہدہ کرنے والے اپنے (اس) عہد (پر تمہارے) عہد کے پاس و لحاظ کے (لیے جمے رہیں) اور اپنے عہد پر استقامت برقرار رکھیں، تو (تم بھی ان کے لیے) اپنے عہد پر (قائم رہو)، اور اپنی طرف سے ان سے کسی طرح کی بدعہدی کا مظاہرہ نہ کرو۔ اور جان لو، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (محبوب رکھتا ہے پرہیز گاروں کو) اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہنے والے ایمان والوں کو۔ رہ گئے بدعہدی کے خوگر مشرکین، تو ان کے عہد کا کیسے اعتبار ہو سکتا ہے؟۔۔ اور۔۔

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ

کیسی بات حالانکہ وہ چڑھ پائیں تم پر، تو نہ دیکھیں تمہاری کوئی قرابت، نہ کوئی عہد۔

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

خوش کریں تم کو اپنی زبانی باتوں سے، اور ان کے دل نہیں مانتے۔ اور ان میں اکثر نافرمان ہیں●

ان کے عہد و پیمان والی بات (کیسی) اور کس طرح سچی (بات) ہو سکتی ہے؟ (حالانکہ) یعنی جب صورت حال یہ ہو، کہ اگر فتح پائیں (وہ) اور (چڑھ پائیں تم پر)۔۔المختصر۔۔ ان کو تم پر غلبہ حاصل ہو جائے، (تو نہ دیکھیں تمہاری قرابت) اور (نہ) ہی (کوئی عہد)۔ یعنی تمہارے باب میں حق قرابت کا لحاظ کریں اور نہ ہی وفائے عہد کا۔ یہ اپنی چرب زبانی سے تم کو فریب دینا چاہتے ہیں۔۔

چنانچہ۔۔انہوں نے یہی سوچ رکھا ہے، کہ (خوش کریں تم کو اپنی زبانی باتوں سے)۔اسی لیے تم سے ایمان واطاعت کا وعدہ کرتے ہیں اور میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں، (اوران کے دل نہیں مانتے) یعنی زبان سے جو وہ بات کرتے ہیں، دل اس کا منکر ہوتا ہے۔۔الغرض۔۔ان کے دلوں اور زبانوں میں یکسانیت نہیں، (اوران میں اکثر نافرمان ہیں)۔

یعنی وہ سب کے سب کافرو مشرک تو ہیں ہی، لیکن ان میں سے بعض مشرکین خود اپنے دین کے قواعد کے اعتبار سے بھی بدکار اور اخبث ہوتے ہیں۔۔مثلاً: وہ جھوٹ بولتے ہیں اور عہد شکنی کرتے ہیں، سو یہ مشرکین شرک کرنے کے علاوہ، خود اپنے دین کے قواعد کے اعتبار سے بھی فاسق ہیں اور دائرۂ فرمان سے باہر ہیں۔ان کا حال یہ ہے، کہ جب ابوسفیان نے بعضے مشرکوں کو مالِ دنیا کی طمع دے کر مسلمانوں کے ساتھ قتال کرنے کے واسطے جمع کیا تھا، تو وہ لوگ قرآنِ کریم کی تکذیب کرکے لالچ میں گرفتار ہوکر، مسلمانوں کو قتل کرنے کے درپے ہوئے۔۔تو۔۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ

لے لیا اللہ کی آیتوں کے بدلے قیمت ذلیل چیز کو، پھر روک پیدا کی اللہ کی راہ سے۔

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

بے شک ان کے برے کرتوت رہے●

(لے لیا) ان مشرکین نے (اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کے بدلے) اور قرآنی ہدایات پر ایمان لانے کے عوض بطور (قیمت، ذلیل چیز کو)۔یعنی دُنیا کی حقیر اور فنا ہوجانے والی پونجی کو۔ (پھر روک پیدا کی اللہ) تعالیٰ (کی راہِ) اطاعت اپنانے (سے)۔۔یا۔۔رکاوٹ بن گئے خانہء خدا کے حج کی راہ میں۔۔۔انہی سے ملتی جلتی حالت رہی قوم یہود کی، جنہوں نے پیغمبر سے کیا ہوا عہد توڑا اور توریت کی آیتیں تھوڑی قیمت پر بیچ کر، یعنی آیتوں کے بدلے میں رشوت لے کر لوگوں کو دین اسلام کی متابعت سے منع کرتے تھے۔۔۔(بے شک ان کے بُرے کرتوت رہے)۔جو کام وہ کیا کرتے تھے، بُرا ہی کرتے تھے۔اُن کی یہ حالت رہی کہ اپنے غلبہ پانے کی صورت میں۔۔۔

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۞

پرواہ نہ کریں مومن کے حق میں کسی رشتہ کا اور نہ معاہدہ کا، اور وہی لوگ سرکش ہیں●

(پرواہ نہ کریں مومن کے حق میں کسی رشتہ کا اور نہ معاہدے کا)، یونہی یہودیوں کی بھی یہی روش رہی ہے، کہ وہ ایمان والوں کے حق میں، نہ اپنی کسی قسم کا لحاظ کرتے، اور نہ ہی اپنے کسی عہد کا۔ (اور) دیکھ لو یہ سب کے سب (وہی لوگ) ہیں، جو شرارت و زیادتی میں حد سے گزرنے والے (سرکش ہیں)۔ یہ سارے کتنے ہی بڑے سرکش کیوں نہ ہوں، مگر ابھی ان کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔۔تو۔۔

فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ‌ ؕ

پھر اگر انھوں نے توبہ کرلی اور نماز قائم کرلی، اور زکوۃ دیا کیے، تو تمہارے بھائی ہیں دین میں،

وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ‏ ﴿۱۱﴾

اور ہم تفصیل فرماتے ہیں آیتوں کی انکے لئے جو علم رکھتے ہیں●

(پھر اگر انہوں نے) سچی اور کھری (توبہ کرلی، اور نماز) کماحقہٗ (قائم کرلی، اور زکوۃ) حسب دستور (دیا کیے)۔۔الغرض۔۔ایمان لاکر تمام فرائض اسلامیہ پر عمل کو اپنے عقیدہ و عمل کا حصہ بنالیا، (تو) پھر یہ (تمہارے بھائی ہیں دین میں)۔ انہیں بھی وہی ہے، جو تمہیں تھا۔ اور اُن پر بھی وہی ہے، جو تم پر ہوگا۔ یعنی اسلامی جملہ اوامر ونواہی کے تم دونوں ایک ہی طرح سے مخاطب ہوگے۔ جو تم پر فرض ہے، وہ ان پر فرض ہوگا، اور جو تمہارے لیے حرام ہے، وہ ان کے لیے بھی حرام ہوگا۔ دونوں کے شرعی حقوق برابر ہوں گے، اِس طرح تم آپس میں گویا حقیقی بھائی ہوگئے۔ مسلمانو! ہمارے جملہ ارشادات پر غور وفکر کرتے رہو، (اور) اچھی طرح سمجھ لو، کہ (ہم تفصیل فرماتے ہیں آیتوں کی ان کے لیے، جو علم رکھتے ہیں) اور غور وفکر کرتے رہتے ہیں۔

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا

اور اگر توڑ ڈالا اپنی قسموں کو عہد کرنے کے بعد، اور چوٹ شروع کردی تمہارے دین میں، تو مار ڈالو

اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ‌ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ‏ ﴿۱۲﴾

کفر کے سرغنوں کو۔ بے شک ان کی کوئی قسم نہیں، کہ اب تو رکیں●

(اور) اب (اگر) مشرکین نے (توڑ ڈالا اپنی قسموں کو عہد کرنے کے بعد، اور چوٹ شروع

کردی تمہارے دین میں)، یعنی احکام اسلام میں عیب جوئی کرنے لگے اور تمہارے دین پر طنز کرنے لگے، تو یہ واضح اشارہ ہوگا اس بات کی طرف، کہ وہ روحِ سعادت سے خالی ہو چکے ہیں، اور ہدایت کی توفیق سے محروم ہو چکے ہیں۔ (تو) اس صورتِ حال میں قتل کر کے (مار ڈالو) ابوسفیان ابن حرب، امیہ بن خلف، عتبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، اور سہیل بن عمرو جیسے (کفر کے سرغنوں) اور مشرکوں کے سرداروں (کو)، کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے اللہ سے عہد کر کے توڑا اور رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے نکال دینے کا قصد کیا۔ (بے شک اُن کی کوئی قسم) لائق اعتبار (نہیں)۔ اُن کو سبق سکھانے کے لیے ایسا کرنا اس لیے ضروری ہے، (کہ) ہوسکتا ہے کہ اُن کے بعض افراد (اب تو) شرک سے باز رہیں اور دین میں طعن کرنے سے (رکیں)۔ مسلمانو! ذرا سوچو تو، کہ۔۔۔

اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ

کیا نہ قتل کر ڈالو گے ان کو جنھوں نے اپنی قسمیں توڑیں، اور سازش کی رسول کے نکالنے کی، اور انھیں نے ابتدا کی تم سے

اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۳﴾

پہلی بار۔ کیا تم انھیں ڈرتے ہو؟ تو اللہ زیادہ حق دار ہے کہ اس سے ڈرو، اگر اس کے ماننے والے ہو●

(کیا نہ قتل کر ڈالو گے ان کو جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں) اور حدیبیہ میں جو عہد و پیان ہوا تھا، اس کا پاس و لحاظ نہیں کیا۔ انہوں نے حدیبیہ میں جو عہد و پیان کیا تھا، ان میں ایک عہد یہ تھا، کہ وہ تم سے جنگ نہیں کریں گے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے۔۔۔ با ایں ہمہ۔۔۔ قریش نے اپنے حلیف بنی بکر کی ہتھیاروں اور آدمیوں سے مدد کی، نبی کریم کے حلیف بنی خزاعہ کے مقابلے میں، اور اس طرح اپنا عہد خود ہی توڑ دیا۔

اور اگر عہد توڑنے والوں سے یہود اور بنی قریظہ مراد ہوں، تو انہوں نے بھی احزاب میں ابوسفیان اور اس کے گروہ کی مدد کر کے عہد شکنی کی تھی۔

۔۔۔ الختصر۔۔۔ یہ عہد شکن وہ ہیں، جو اپنے عہد و پیان کا پاس و لحاظ نہ کر سکے۔ (اور) صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ (سازش کی رسول کے نکالنے کی)۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ مکہ معظمہ میں 'دارالندوۃ' میں بیٹھ کر اس کے تعلق سے باہم مشورہ کیا۔

ایک روایت کی روشنی میں جس سازش کا ذکر ہے، وہ یہ تھی کہ انہوں نے حدیبیہ کے موقع

پر یہ ارادہ کیا، کہ اوّلاً: نبی کریم کو عُمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ میں آنے دیا جائے، پھر عُمرے کے ارکان پورے ہونے سے پہلے ہی، ان کو رسوا و ذلیل کرنے کے لیے، مکہ سے نکال دیا جائے۔ اِس طرح آپ کو بڑی ہی سُبکی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ قریش اپنا یہ ارادہ پورا کرنے سے قاصر رہے۔ ایک قول کی بنیاد پر عہد شکن سے یہود مراد ہیں، جنہوں نے پیغمبر اسلام کو مدینے سے باہر کردینے کا ارادہ کیا تھا۔

۔۔الغرض۔۔ مسلمانو! عہد شکنی کی ابتداء تم سے نہیں ہوئی، (اور) تم نے عہد نہیں توڑا، بلکہ (اُنہیں نے ابتداء کی تم سے پہلی بار) عہد توڑنے میں۔ تو (کیا تم انہیں ڈرتے ہو؟) اور ان سے محاربہ اور لڑائی کرنے سے خوف زدہ ہو؟ (تو) سن لو، کہ (اللہ) تعالیٰ (زیادہ حقدار ہے، کہ اس) کے عذاب (سے ڈرو) اور کفار کے قتال کو ترک کر کے اس کے عذاب کے مستحق نہ ہو، تو ان عہد شکن کافروں سے لڑائی میں مشغول ہو جاؤ (اگر اس) خدائے عزوجل (کے ماننے والے ہو)، اور تمہارا اس پر ایمان ہو، کہ جس کام کا حکم ہے، اُس کے ترک میں عذاب الٰہی ہوگا۔۔ تو پھر۔۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ

جہاد کروان سے، عذاب دے گا ان کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے، اور انہیں رسوا کریگا۔ اور تمہاری مدد فرمائیگا ان پر۔

وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور آرام دیگا مسلمان قوم کے سینوں کو●

(جہاد کروان) مشرکین (سے) اور کچھ فکر نہ کرو اور یقین جانو، کہ (عذاب دے گا ان کو اللہ) تعالیٰ (تمہارے ہاتھوں سے)۔ یعنی تمہاری تلواروں سے وہ مقتول ہوں گے۔ (اور) تمہارا مقہور و مغلوب فرما کے (انہیں رسوا کرے گا۔ اور تمہاری مدد فرمائے گا ان پر)۔۔الغرض۔ تم قاہر رہو گے، وہ مقہور۔ تم غالب رہو گے، وہ مغلوب۔ اور تم عزیز رہو گے، اور وہ ذلیل۔ ایک طرف تو ربِّ قدیر ان کافروں کو رسوا و ذلیل فرمادے گا، (اور) دوسری طرف اپنے فضل و کرم سے (آرام دے گا مسلمان قوم کے سینوں کو)۔

۔۔چنانچہ۔۔ بنی خزاعہ کو۔ یا۔ یمن کی ایک جماعت کو، جو مکہ میں آکر اسلام لائے تھے اور جنہیں مشرکین نے بہت ہی اذیت پہنچائی تھی۔ انہوں نے جب بارگاہِ رسالت میں شکایت

پیش کی، تو آپ نے انہیں بشارت دی، کہ بُشارت ہو تمہیں کہ خوشی البتہ قریب ہے۔ یعنی اللہ کے رسول نے انہیں بشارت سنائی، کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو سکون عطا فرمائے گا۔۔۔

وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ

اور دور کر دے گا ان کے دلوں کے غصے کو، اور توبہ قبول فرمالیتا ہے اللہ جس کی چاہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٥﴾

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور) کافروں پر فتح عطا فرما کر (دور کر دے گا ان کے دلوں کے غصے کو)۔۔الغرض۔۔اس فتح وکامیابی کے بعد کافروں کی ایذا رسانی سے ان کی جو رنجیدہ خاطری تھی، وہ جاتی رہے گی۔۔بلکہ۔۔ اپنی شانِ کریمی سے معاف فرما دیتا ہے (اور توبہ قبول فرمالیتا ہے اللہ) تعالیٰ (جس کی چاہے) ان کافروں میں سے بھی۔

۔۔چنانچہ۔۔ابوسفیان، عکرمہ بن ابوجہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ ایمان لائے۔رب کریم نے ان سب کو ایمان کی توفیق عطا فرمائی۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، اور جاننے والا ہے بعض کی توبہ کو، اور (حکمت والا ہے)، یعنی حکم فرمانے والا ہے توبہ قبول ہونے کا۔

ذہن نشین رہے، کہ خبیث وطیب کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دینا، اور پھر اس طرح دوسروں کو اچھوں اور بروں کی معلومات کرا دینا، سنتِ الٰہیہ رہی ہے۔۔۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا

کیا تم نے خیال کر لیا کہ چھوڑ دیے جاؤ گے؟ حالانکہ اللہ نے ابھی معلوم نہیں کرایا جنھوں نے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ۗ

تم میں سے جہاد کیا۔ اور نہیں بنایا اللہ و رسول اور قوم مسلم کو چھوڑ کر، کوئی رازدار۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ ع ٨

اور اللہ باخبر ہے جو کرتے ہو●

تو اے وہ مسلمانو! جو کافروں کے ساتھ لڑائی سے کراہت رکھتے ہو۔۔یا۔۔اے وہ منافقو! جو

مسلمانوں کے ساتھ طوعاً وکرہاً لڑائی میں شریک ہوتے ہو، (کیا تم نے خیال کرلیا، کہ) صرف، 'ہم ایمان والے ہیں' کہہ دینے سے (چھوڑ دیے جاؤ گے) اور تمہاری آزمائش نہ ہوگی، اور تمہارے ایمان کے کھرے اور کھوٹے ہونے کو ظاہر نہ کیا جائے گا۔ یہ صحیح ہے کہ خدائے علیم وخبیر کے علم ازلی میں سب کچھ ہے، لیکن تمہاری اچھائیاں اور بُرائیاں تمہیں بھی معلوم ہونا چاہئیں، تاکہ تم سمجھ سکو کہ تمہیں آخرت میں جزاء کس بات کی مل رہی ہے اور سزا کس جرم پر دی جارہی ہے۔

تو اس وہم وخیال میں نہ رہو، کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے۔ بھلا تم کیسے چھوڑ دیے جاؤ گے؟ (حالانکہ اللہ) تعالیٰ (نے ابھی معلوم نہیں کرایا) ان کے تعلق سے (جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا اور نہیں بنایا اللہ) تعالیٰ (ورسول اور قوم مسلم کو چھوڑ کر کوئی رازدار)۔ الختصر۔ صرف ایمان کا دعویٰ کرنے سے تم چھوٹ نہ جاؤ گے، جب تک کہ خدا تمہارے جہاد میں شریک ہونے اور کافروں سے دوستی اور ان سے رازدارانہ تعلقات نہ رکھنے کو ظاہر نہ فرمادے، اور سب کو مخلص ومنافق کی معلومات نہ کرادے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے جو کرتے ہو)، یعنی جو چیز تم کرتے ہو اور جو تمہاری غرض ہوتی ہے، وہ اُسے معلوم ہے۔

غزوۂ بدر کے موقع پر جب حضرت عباس قید ہوئے، تو مسلمانوں نے انہیں شرک وکفر میں مبتلا رہنے اور قرابتداری چھوڑنے کی ملامت کی، تو حضرت عباس بولے، کہ تم لوگ ہماری برائیاں بیان کرتے ہو اور ہماری بھلائیوں کا کچھ ذکر ہی نہیں کرتے، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بولے، کہ تم میں کیا بات ہے جسے ہم بھلائیوں میں شمار کرسکیں۔ وہ بولے کہ ہم مسجد حرام کی آبادی پر مستعد اور قائم رہتے ہیں، اور خانہ کعبہ کی تعظیم کرتے ہیں، اور حاجیوں کو زمزم پلاتے ہیں، اور قیدیوں کو رہا کرتے ہیں۔ اس پر ارشادِ ربانی ہوتا ہے، کہ۔۔۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِينَ عَلٰٓى أَنْفُسِهِمْ

مشرکین کا کام نہیں ہے کہ آباد کریں مسجدیں اللہ کی، گواہی دیتے ہوئے اپنے اوپر

بِالْكُفْرِ ۚ أُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُونَ ﴿۱۷﴾

کفر کی۔ ان لوگوں کا کیا دھرا اکارت ہوگیا۔ اور دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ●

(مشرکین کا کام نہیں ہے، کہ آباد کریں مسجدیں اللہ) تعالیٰ (کی، گواہی دیتے ہوئے اپنے اوپر کفر) اور بت پرستی۔۔ نیز۔۔ پیغمبر اسلام کی تکذیب (کی)۔

۔۔الختصر۔۔دو مخالف کام اکٹھا نہ کرنا چاہئیں۔تو خانۂ کعبہ کی آبادی اور غیر خدا کی پرستش، یہ دونوں چیزیں اکٹھا نہیں ہوسکتیں۔رسول اللہ کا انکار کر کے بیت اللہ کی خدمت، کوئی معنی نہیں رکھتی۔

۔۔الغرض۔۔ان کافروں کے انہی کفریات کی وجہ سے **(ان لوگوں کا کیا دھرا)** سب **(اکارت ہوگیا)** جن پر وہ فخر کرتے تھے، کہ ہم مسجد آباد کرتے ہیں اور زمزم پلاتے ہیں، **(اور)** اپنے اسی کفر کے سبب سے **(دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں)**۔۔الحاصل۔۔ان مزعومہ اور موہومہ نیکیوں سے انہیں کچھ حاصل ہونے والا نہیں۔ بھلا ان مشرکین کو مساجد کی تعمیر اور ان کو آباد کرنے سے کیا علاقہ ہے؟ اور وہ ان کاموں کے حقدار کیسے ہوسکتے ہیں؟ اس لیے کہ سچی بات تو یہ ہے، کہ۔۔۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ

اللہ کی مسجدیں وہ آباد کرتے ہیں، جو ایمان لے آئے اللہ پر اور پچھلے دن

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا

پر اور قائم کی نماز اور دی زکوٰۃ، اور نہ ڈرا سوا اللہ کو، تو قریب ہے کہ وہ

مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾

ہدایت والے ہوں●

(اللہ) تعالیٰ (کی مسجدیں)، تو (وہ آباد کرتے ہیں، جو ایمان لے آئے اللہ) تعالیٰ (پر)۔ اور اللہ تعالیٰ پر ایمان، کامل اور پورا ہو ہی نہیں سکتا، جب تک کہ اس کے رسول پر ایمان نہ لائے۔اس لیے کہ کسی چیز پر ایمان لانے سے پہلے اس چیز کا علم ضروری ہے۔کیونکہ جسے جانیں گے ہی نہیں، اُسے مانیں گے کیسے؟ اور علم کے لیے ذریعۂ علم درکار ہے۔

اُسی معرفت الٰہی کے اس ذریعہ کا نام جس کو خود خدا نے اپنے علم اور [illegible] معرفت کے لیے مبعوث فرمایا، نبی و رسول ہے۔تو رسول کو جانئے، پہچانئے اور مانئے کے بغیر خدا کو [illegible] ہی نہیں جا سکتا۔اور ظاہر ہے جو خدا کی توحید کو تسلیم نہ کرے، اس کو کیا حق خدا کی عبادت کے نام پر کسی مسجد اور عبادت گاہ کی تعمیر کرے، اور مسجد آباد کرنے کے نام پر غیر خدا کی پرستش کا اڈہ بنا ڈالے۔

(اور) ایسے ہی مساجد کو تعمیر کرنے اور ان کو آباد رکھنے کا حق اسی کو ہے، جو ایمان لے آئے

(پچھلے دن) یعنی روزِ قیامت اور وہاں کی جزاء سزا۔۔نیز۔۔وہاں کے حساب کتاب (پر)۔ مساجد بنانے کے لیے قیامت پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے، کہ جس شخص کا قیامت پر ایمان نہیں ہوگا، اس شخص کے لیے اللہ کی عبادت کا کوئی محرک اور باعث نہ ہوگا۔ (اور) اِسی طرح مساجد کی تعمیر اُسی کے لائق ہے، جس نے (قائم کی نماز)، یعنی کماحقہٗ دائمی طور پر نماز ادا کرتا رہا۔ اس لیے کہ جو شخص نماز نہ پڑھتا ہو، اُس کے لیے مسجد بنانا، خود اُس کی نظر میں کارِ عبث ہوگا۔

(اور) قانونِ الٰہی کے مطابق (دی زکوٰۃ)۔ زکوٰۃ ادا کرنا اس کے لیے اس لیے ضروری ہے، کہ مسجد میں داخل ہونے سے پہلے بدن کی طہارت ضروری ہے، اور نماز کے لیے وضو اور پاک صاف لباس ضروری ہے، اور اس کے لیے مال خرچ کرنا ہوگا۔ اور اس کے لیے فراخ دلی سے مال وہی خرچ کرے گا، جو زکوٰۃ ادا کرتا ہو۔۔نیز۔۔فقراء مساکین اور مسافروں کو زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اور مسجد کے نمازیوں میں فقراء مساکین، مسافر اور دیگر مستحقین زکوٰۃ ہوتے ہیں، اور مسجد میں آنے والوں کو انہیں زکوٰۃ ادا کرنے کا موقع ملتا ہے۔

ان امورِ مذکورہ بالا اوصاف کے حامل ہونے کے ساتھ ساتھ مساجد کی تعمیر (اور) ان کو آباد کرنا اُسی کا کام ہے، جو (نہ ڈرا سوا اللہ) تعالیٰ کے کسی (کو)۔ یہ نہ ڈرنا اس لیے بھی ضروری ہے، کہ بعض اوقات غیر مسلم مسجد بنانے میں مزاحم ہوتے ہیں، ایسے میں مسجد بنانے کی جرأت وہی شخص کرے گا، جو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتا ہو۔۔نیز۔۔اس میں یہ بھی اشارہ ہے، کہ مسجد بنانے والا نام و نمود اور اپنی تعریف و شہرت کے لیے مسجد نہ بنائے، بلکہ صرف اللہ عزوجل کی رضا اور خوشنودی کے لیے مسجد بنائے۔

۔۔الحاصل۔۔جن میں مذکورہ بالا کمالاتِ علمیہ اور کمالاتِ عملیہ جمع ہو جائیں، (تو قریب ہے کہ وہ ہدایت والے ہوں)۔

اور جب ایسے کمالات والوں کا بھی راہِ ہدایت پر آنے کا ذکر، 'صیغہ توقع' کے ساتھ کیا جائے، اور انہیں بھی لَعَلَّ اور عَسٰی، یعنی 'امید ہے' اور 'قریب ہے'، کے درمیان دائر رکھا جائے، تو پھر وہ لوگ جو ہر طرح سے ناقص ہیں، ان کا کیا حال ہوگا۔۔تو اپنے اعمال پر مغرور ہونے اور اُن پر بھروسہ کرنے سے مومنوں کو اس آیت میں ممانعت کی گئی ہے، اس واسطے کہ جو شخص اپنے اعمال پر مغرور ہے، وہ فیضِ ازل سے دور ہے۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مساجد کی تعمیر اور پھر اس تعمیر کرانے کے

حقداروں کا ذکر فرمایا گیا، اور اب آگے یہ تنبیہ فرمائی جارہی ہے، کہ اگرچہ حرم کی تعمیر اور مسافرانِ حرم کی تواضع ایک اچھی چیز ہے، لیکن اس مقام پر گمان کر لینا صحیح نہیں، کہ ان کاموں سے افضل اور کوئی کام نہیں۔۔لہٰذا۔۔مشرکین اس خام خیالی میں نہ رہیں، کہ کعبہ کی دیکھ بھال اور حجاج کو پانی پلانا، وغیرہ اللہ پر ایمان لانے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے بھی زیادہ افضل ہے۔

۔۔یونہی۔۔اسیرانِ بدر میں ہونے کے بعد حضرت عباس کا مسلمانوں سے یہ کہنا، کہ ہر چند تم اسلام کے قبول کرنے میں اور ہجرت کرنے میں اور جہاد کرنے میں ہم پر سبقت کر چکے ہو، مگر ہم مسجد حرام کو آباد رکھتے ہیں، حجاج کو پانی پلاتے ہیں، اور قیدیوں کو چھڑاتے ہیں، تو ہم بھی کارِ خیر میں تم سے کچھ کم نہیں'، یہ خیال اس وقت ان کی اپنی سوچ کے لحاظ سے کتنا ہی معقول کیوں نہ ہو، لیکن حقیقتِ حال کچھ اور ہی ہے۔اس لیے کہ یہ سارے مذکورہ بالا اعمال 'ایمان باللہ' اور 'جہاد فی سبیل اللہ' کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتے۔۔لہٰذا۔۔ہر عہد کے پاسبانِ حرم کو اپنی خدمات پر فخر وغرور نہیں کرنا چاہیے اور اُسی کو اپنی نجات کے لیے کافی نہیں سمجھ لینا چاہیے۔

اِسی لیے عہدِ رسالت میں جب ایک شخص نے کہا، کہ اسلام قبول کر لینے کے بعد مجھے کسی اور عمل کی ضرورت نہیں، سوا اس کے کہ میں حجاج کو پانی پلاتا رہوں۔دوسرے شخص نے کہا، کہ مجھے اسلام لانے کے بعد کسی اور عمل کی ضرورت نہیں، مگر میں مسجد حرام کی زیارت کرتا رہوں گا اور اس کو آباد رکھوں گا۔تیسرے شخص نے کہا، کہ تم نے جو چیزیں بیان کی ہیں، ان سب سے جہاد کرنا زیادہ افضل ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب کو ڈانٹا، کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آواز بلند نہ کرو، جمعہ کی نماز ہو جانے دو، میں اس مسئلے کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ سے دریافت کروں گا۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی، اور آیت کا نزول ہو گیا۔

اس آیت کریمہ نے اگر ایک طرف مشرکین کی خام خیالی کا جواب دے دیا، تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی ان کی پریشاں خیالیوں سے نجات عطا فرمادی، اور سب پر حق واضح کر دیا، اور صاف صاف لفظوں میں فرمادیا۔۔۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

کیا بنادیا تم لوگوں نے حاجی کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا، اس شخص کی طرح، جو ایمان لایا اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

اور پچھلے دن پر، اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں۔ یہ سب برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک،

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾

اور اللہ راہ نہیں دیتا اندھیر مچانے والی قوم کو---●---

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ ایمان لائے، اور ہجرت کی، اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں، اپنے مال

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾

وجان سے، ان کا بہت بڑا درجہ ہے اللہ کے نزدیک۔ اور وہی لوگ بامراد ہیں●

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾

ان کو خوشخبری دیتا ہے ان کا رب، اپنی رحمت اور خوشنودی کی، اور جنتوں کی، جس میں انکے لئے نعمت ہے دوامی●

(کیا بنا دیا تم لوگوں نے حاجی کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا) اور ایسا کرنے والے کو (اس شخص کی طرح، جو ایمان لایا اللہ) تعالیٰ (پر اور پچھلے دن پر، اور جہاد کیا اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)۔ یاد رکھو، کہ (یہ سب برابر نہیں ہیں اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک)۔۔المختصر۔۔اصحابِ نار، اصحابِ جنّۃ کی طرح کبھی نہیں ہو سکتے۔۔یونہی۔۔کوئی بھی عمل 'ایمان باللہ' اور 'جہاد فی سبیل اللہ' کی طرح نہیں ہوسکتا۔ آخر گمراہ، ہدایت یافتہ کی طرح کیسے ہوسکتا ہے۔سن لو (اور) یاد رکھو! کہ (اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا اندھیر مچانے والی قوم کو)۔۔چنانچہ۔۔وہ بھٹکتے رہتے ہیں۔ان کے برخلاف۔۔۔

(جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں اپنے مال وجان سے، ان کا بہت بڑا درجہ ہے اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک، اور وہی لوگ) جن میں یہ اوصاف وکمالات پائے جاتے ہیں، دونوں جہاں میں (بامراد ہیں)۔ یہ ایسے خوش نصیب ہیں، کہ۔۔۔

(ان کو خوشخبری دیتا ہے ان کا رب اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور جنتوں کی جس میں ان کے لیے نعمت ہے دوامی) اور وہ۔۔۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾

ہمیشہ ہمیش رہنے والے اس میں۔ بیشک اللہ، اس کے یہاں بڑا اجر ہے●

(ہمیشہ ہمیش رہنے والے) ہیں۔(اس میں) ایسی نعمتیں، ہیں جو کبھی منقطع نہ ہوں گی اور ایسا قیام جس کی کوئی انتہا نہیں۔(بے شک اللہ) تعالیٰ،(اس کے یہاں) ان کے لیے (بڑا اجر ہے)، کہ دنیا کی ساری نعمتیں اس کے سامنے حقیر ہیں۔سوچنے کی بات ہے، کہ جنت میں جو نعمت، رحمت، اور رضا مندی ہوگی، اس سے بہتر کون سی نعمت ہوگی۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ رحمت گنہگاروں کے واسطے ہے، اور رضوان یعنی رضامندی اطاعت شعاروں کے لیے ہے، اور جنت سب مسلمانوں کے واسطے ہے۔رحمت کو خدا نے اس لیے پہلے ذکر فرمایا، کہ گنہگار اپنے دل میں مایوس اور ناامید نہ ہوں، اس واسطے، کہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، رحمت اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

سابقہ آیات میں ہجرت وجہاد کے فضائل بیان کیے گئے ہیں، اور مہاجرین ومجاہدین کی رفعتِ شان اور ان کی فیروز بختی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور اب اگلی آیت میں بعض کمزور دلوں اور سادہ لوحوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے، اور ہجرت کے تعلق سے ان کے خیالات پیش کیے جارہے ہیں۔اور پھر بطریقِ احسن، انہیں ہدایت ونجات اور نبی کریم ﷺ سے سچی اور کھری وفاداری کی راہ دکھائی جارہی ہے۔اور ان پر وہ حقیقت واشگاف کی جارہی ہے، جو دارین کی صلاح وفلاح، اور دونوں جہاں کی خوش بختیوں کی ضامن ہے۔

--الختصر-- جب حضرت رسول اکرم ﷺ کو ہجرت کی اجازت ہوئی، تو جو صحابہ کرام میں، اپنی اولوالعزمی کی خاص پہچان رکھتے تھے، انہوں نے اپنی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا --چنانچہ-- انہوں نے گھربار، زن وفرزند کی محبت، اعزا واقربا کی مصاحبت، پر ہجرت کو ترجیح دی۔مگر مسلمانوں میں بعض ایسے بھی تھے جن کے ماں، باپ، عزیز، قریب اور عیال واطفال رو پیٹ کر اور قسمیں دے دے کر، ان کو اس بات پر آمادہ کرنے پر لگ گئے، کہ وہ ہجرت نہ کریں، بلکہ اپنے شہر اور اپنے ہی گھر میں آرام سے ٹھہر جائیں۔

اپنوں کے اصرارِ بلیغ اور زن وفرزند کی محبت نے ان کے دلوں میں تردد پیدا کردیا، اور وہ سوچ میں پڑ گئے، کہ کیا کریں؟ اس سے پہلے کہ وہ کوئی فیصلہ کر بیٹھیں، ارشادِ الٰہی نازل ہوا، جس میں تمام مومنین سے خطاب ہے اور اس کا حکم قیامت تک کے لیے باقی ہے۔اس آیت میں مسلمانوں کو کفار کے ساتھ دوستی [illegible] میں جو کافر مسلمانوں کی اجازت سے رہتے ہیں، ان کے [illegible]

کرنے اور مزدوری کرانے اور ملکی، ملی اور سماجی امور میں ان سے تعاون کرنا جائز ہے۔
آیت میں بیٹوں کا ذکر نہیں، کیونکہ وہ باپ کے تابع ہوتے ہیں۔۔یونہی۔۔جن مشرکین نے مسلمانوں کے ساتھ قتال نہ کیا ہو، اور نہ کوئی اور ظلم کیا ہو، ان کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنا جائز ہے، کہ۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

اے وہ جو ایمان لا چکے! نہ بناؤ اپنے باپ دادوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست، اگر انھوں نے پسند کر لیا

الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

کفر کو ایمان پر۔اور جو دوستی رکھے ان کی تم میں سے، تو وہی ہیں اندھیر کرنے والے ●

(اے وہ جو ایمان لا چکے! نہ بناؤ اپنے باپ دادوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست، اگر انہوں نے پسند کر لیا کفر کو ایمان پر)۔ان کو تو چاہیے یہ تھا، کہ خود حق کے پیغام کو قبول کرتے اور ایمان لاتے۔ اس کے برعکس وہ کر یہ رہے ہیں، کہ خود کفر پر قائم رہ کر پورے شہر کی فضا کو خراب کر رکھا ہے، اور مسلمانوں کو امن و سکون کی جگہ کی طرف ہجرت کرنے سے بھی روک رہے ہیں۔تو یہ نہ تمہاری دنیا کے خیر خواہ ہیں، اور نہ ہی دین کے۔

ایمان والو! ایمان لا کر تم نے خدا اور سول کی سچی محبت اور والہانہ وفاداری کا عہد کر لیا ہے، تو اب اللہ ورسول کی محبت پر کسی کی بھی محبت غالب نہ آنے پائے۔جس کی خاص پہچان یہ ہے، کہ تم اپنے کو خدا اور سول کی غیر مشروط اطاعت میں ایسا لگا دو، کہ خدا اور سول کے سوا کسی کی بھی ایسی اطاعت نہ کرو جس میں خدا اور سول کی نافرمانی ہو رہی ہو۔۔الغرض۔۔کسی کا بھی حکم، اگر خدا اور سول کے حکم سے ٹکرائے، تو اُسے ٹھکرا دو، وہ کوئی بھی ہو۔تو سن لو۔۔۔

(اور) یاد رکھو! کہ (جو دوستی) اور قلبی محبت (رکھے ان) ایمان پر کفر کو ترجیح دینے والوں (کی تم میں سے، تو وہی ہیں) اپنے اوپر (اندھیر کرنے والے)۔۔الغرض۔۔یہ لوگ ظالم ہیں، جو بے محل دوستی کرتے ہیں۔انہیں تو مسلمانوں سے دوستی کرنی چاہیے، نہ کہ مشرکوں سے۔

مشرکوں کے ساتھ دوستی، ظلم اس صورت میں ہوگی، جب وہ ان کے شرک کی وجہ سے ان کو پسند کرے، اور اسی وجہ سے ان سے محبت کرے، اور اگر وہ کسی اور وجہ سے ان سے

دوستی اور محبت رکھتا ہے، تو وہ حرام کا مرتکب ہوگا، کافر اور مشرک نہیں ہوگا۔۔ المختصر۔۔ یہود و نصاریٰ اور دیگر کافروں سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھے بغیر، مسلمانوں کے مفاد میں ان سے دفاعی اور تجارتی معاہدے کرنے جائز ہیں، جس طرح اللہ کے رسول نے یہودیوں سے معاہدے کیے اور حدیبیہ میں مکہ کے کافروں سے معاہدہ کیا، اور آپ نے معاہدے کی پابندی فرمائی۔ تو ضرورت کی بنا پر کافر ملکوں سے معاہدے جائز ہیں۔ اسی طرح اگر کسی شخص کے ماں باپ کافر ہیں، تو ان سے صلہ رحمی کرنا اور کافر رشتہ داروں سے حسن سلوک کرنا بھی جائز ہے۔۔ ہاں۔۔ ان سے دلی محبت نہ رکھی جائے، اور نہ ہی ایسا قلبی رابطہ رکھا جائے، کہ ان کے غیر اسلامی احکامات اور ان کی غیر شرعی خواہشات کا پاس و لحاظ کرنا پڑے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی، تو جو لوگ ہجرت سے منہ پھیرے ہوئے تھے بولے، کہ اب تو ہم اپنے قبیلے میں ہیں اور تجارتی معاملات میں مشغول ہو کر گزر اوقات کر رہے ہیں، تو اب اگر ہم ہجرت کا قصد کریں، تو لازمی طور پر ماں باپ اور زن و فرزند کو چھوڑنا پڑے گا اور تجارت بھی ہاتھ سے چلی جائے گی، اور پھر ہم بے مادر و پدر، بے عزیز و اقارب، بے عیال و اطفال اور بے تجارت و مال رہ جائیں گے، تو اس پر ارشاد ہوا، کہ اے محبوب! ہجرت چھوڑ بیٹھنے والوں کو صاف صاف لفظوں میں۔۔۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ

کہہ سنا دو، کہ اگر ہیں تمہارے باپ دادے اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے جوڑے اور تمہارا کنبہ،

وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ

اور وہ مال جس کو کما رکھا ہے تم نے اور دکان داری، کہ ڈرا کرتے ہو جس کی کساد بازاری کو، اور گھر

اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى

جو تمہیں پسند ہیں، سب زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے، تو

يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ع ﴿۲۴﴾ ع ۸/۹

انتظار کرو یہاں تک، دے اللہ سزا۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان قوم کو●

یہ (کہہ سنا دو، کہ اگر ہیں تمہارے باپ دادے اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہارے جوڑے اور تمہارا کنبہ، اور وہ مال جس کو کما رکھا ہے تم نے، اور دوکانداری، کہ ڈرا کرتے ہو

جس کی کساد بازاری کو، اور گھر، جو تمہیں پسند ہیں)۔۔الحاصل۔۔یہ (سب) اگر (زیادہ پیارے ہیں تمہیں اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے، تو انتظار کرو) اور اس کی امید بھی رکھو، (یہاں تک) کہ (دے اللہ) تعالیٰ اس کی (سزا) یعنی جلد۔۔یا۔۔بدیر اپنا عذاب نازل فرمادے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (راہ) مستقیم پر آنے کی توفیق (نہیں دیتا نافرمان قوم کو)، جو فرمانِ حق سمجھنے اور پھر اس کو ماننے کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔

مذکورہ بالا ارشادات میں ایمان والوں کو دو ہدایتیں مل رہی ہیں۔ نمبر ایک یہ، کہ نسبی اور قرابتی طور پر کوئی کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو، لیکن اللہ ورسول کی محبت پر وہ کسی اور کی محبت غالب نہ آنے دے۔۔یعنی۔۔اگر کبھی یہ صورت حال پیش آجائے، کہ خدا اور رسول کی محبت کے تقاضے سے نسب وغیرہ والوں کی محبت کے تقاضے متصادم ہو جائیں، تو پھر وہ خدا اور رسول کی اطاعت کریں اور خوشی خوشی اہل خاندان وغیرہ کی خواہشات کو مسترد کر دے اور ان کی اطاعت سے باز آئے۔

اور دوسری ہدایت یہ ملتی ہے، کہ کفار سے قلبی الفت وموالات اور دلی محبت وگرویدگی کا تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔ موالات کی جتنی بھی صورتیں ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی کافروں سے جائز نہیں۔۔ہاں۔۔ان کے ساتھ معاملات میں کسی نہ کسی حد تک، جہاں تک کسی غیر شرعی عمل کا ارتکاب نہ کرنا پڑے، رواداری برتنے کی اجازت ہے۔

اس مقام پر یہ بات بھی ذہن نشین رہے، کہ کسی کافر کا بحیثیت کافر احترام۔۔یا۔۔کسی کفر کا پاس ولحاظ بہر صورت کفر ہے۔ لیکن اگر وہ کافر صاحب منصب ہو، اور وہ بھی ایسا منصب جس پر مسلمان بھی متمکن ہو سکے، تو پھر اس کافر کے منصب کا پاس ولحاظ کیا جا سکتا ہے، شرعاً اس کی اجازت ہے۔ اس صورت میں اس کا احترام، کافر بحیثیت کافر کا احترام نہیں، بلکہ اس کا پاس ولحاظ، صرف اس منصب پر متمکن ہونے کی وجہ سے ہے، جو دراصل اس منصب کا احترام ہے، نہ کہ صاحبِ منصب کا۔

۔۔المختصر۔۔مذکورہ بالا ہدایات کا حاصل یہ ہے، کہ مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ اپنے مشرک باپ، بیٹوں، بھائیوں، بیویوں اور قریبی رشتہ داروں سے احتراز کریں اور اپنے اموال، تجارت، مکانوں اور کاروباروں کو دین کے مفاد کے لیے ترک کر دیں، اور یقین کر لیں کہ جو شخص دین کی خاطر دنیا کو ترک کر دے، تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیاوی مطلوب بھی عطا فرماتا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ

بے شک ضرور مدد فرمائی تمہاری اللہ نے بہتیری جگہوں میں، اور حنین کے دن، جبکہ خوش کردیا تھا تم کو تمہاری

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

کثرت نے، تو نہ بناسکی وہ کثرت تمہارے لئے کچھ، اور تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے،

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۚ﴿۲۵﴾

پھر پیٹھ دکھا کر پھر گئے تم ●

کیا تم نے نہیں دیکھا، کہ (بے شک ضرور مدد فرمائی تمہاری اللہ) تعالیٰ (نے بہتیری جگہوں میں) اور بہت سارے لڑائی کے موقعوں اور قتال کے معرکوں میں، جیسے جنگِ بدر کے دن، بنی نضیر کی لڑائی میں، بنی قریظہ کی جنگ میں، احزاب کے روز، صلح حدیبیہ کے دن، جنگ خیبر میں، اور جس دن مکہ معظّمہ فتح ہوا، وغیرہ وغیرہ۔ (اور) خاص کر کے (حنین کے دن)۔

حنین، مکہ اور طائف کے درمیان ایک میدان ہے، جہاں فتح مکہ کے بعد 'ہوازن' اور 'ثقیف' کے لشکر مسلمانوں سے قتال کرنے کے ارادے سے اکٹھا ہوگئے تھے، جو کل چار ہزار آدمی تھے۔ جب یہ خبر اللہ کے رسول ﷺ کو پہنچی، تو بارہ ۱۲۔۔یا۔۔سولہ ۱۶ ہزار آدمیوں کے ساتھ اُدھر متوجہ ہوئے۔

تو مسلمانو! اس دن کو یاد کرو، (جبکہ خوش کردیا تھا تم کو تمہاری کثرت نے)، یہاں تک کہ تم میں بعض لوگ بول پڑے، کہ آج ہم مغلوب نہ ہوں گے۔ انہوں نے اپنے لشکر کی زیادتی اور کثرت پر گھمنڈ کیا۔ یہ بات آنحضرت ﷺ نے سنی اور ناپسند کی، (تو) تمہارے اُسی غرور و گھمنڈ کے سبب (نہ بنا سکی وہ کثرت تمہارے لیے کچھ)، یعنی وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آسکی۔ اور تمہیں ابتداءً شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ (اور) ایسی صورت حال پیدا ہوگئی، کہ (تنگ ہوگئی تم پر زمین باوجود اپنی وسعت کے)۔۔چنانچہ۔۔تمہارا سارا لشکر پسپا ہوگیا اور صرف چار ۴ افراد حضور ﷺ کے ساتھ رہ گئے، یعنی حضرت علی، حضرت عباس، حضرت ابوسفیان بن حارث اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم۔ (پھر) یہی ہوا، کہ ان چاروں کے سوا دشمن کو اپنی (پیٹھ دکھا کر پھر گئے) باقی (تم) سب کے سب۔

آنحضرت ﷺ اس روز خچر پر سوار تھے، جب دوستوں کو ہزیمت ہوئی، تو سب دشمن

حضرت ﷺ کی طرف متوجہ ہوئے۔آپ اپنی کمالِ شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے،اپنے خچر کو تیز کرتے اور دشمن کی طرف رخ کیے ہوئے حملہ کرتے،اور فرماتے تھے۔'میں نبی برحق ہوں'۔۔میں یقیناً نبی ہوں۔۔۔اور حق میرے ہی ساتھ ہے۔۔نیز۔۔'میں فرزندِ عبدالمطلب ہوں'۔۔۔میرے گھرانے کی شجاعت وشرافت جانی پہچانی ہے۔حضرت عباس اور حضرت ابو سفیان خچر کی رکاب اور لگام پکڑے ہوئے تھے،اور نہ چھوڑتے تھے،کہ حضرت ﷺ دشمنوں میں گھس جائیں۔

یہ صورت آپ ﷺ کی کمالِ شجاعت کی دلیل ہے،کہ ایسے دن میں خچر پر سوار ہوئے جو معرکہء جنگ میں کچھ کروفر نہیں رکھتا،اور بے فوج ولشکر،بے یارومددگار،کافروں سے لڑنے کو مستعد ہوکر اپنا نسب،بطور رجز بیان فرماتے تھے۔۔الغرض۔۔جب حضرت عباس نے آنحضرت ﷺ کو نہ چھوڑا،کہ آپ تنہا کفار کے لشکر میں جاکر لڑیں،تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا،کہ اصحاب کو پکارو۔چونکہ حضرت عباس بلند آواز تھے،تو انہوں نے آواز لگائی،کہ 'اے اللہ کے بندو! رسول اللہ ﷺ یہاں ہیں۔اے اصحابِ شجرہ! اے اصحاب سورۂ بقرہ! یعنی اے وہ لوگو جنہوں نے درخت کے نیچے رسول سے وفاداری کی بیعت کی ہے،اور جن کی شان میں سورۂ بقرہ کی آیات کا نزول ہوا'۔

اس آواز پر مسلمان پھرے اور جنگ کی طرف واپس لوٹے،جن میں سے ۹۰ آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ،آنحضرت ﷺ سے آملا اور برابر کافروں کے حملے اٹھانے لگا۔اسی اثناء میں اللہ کے رسول یہ دعا،'اے اللہ تیرے ہی واسطے حمد ہے،اور تیری ہی طرف شکوہ ہے،اور تجھی سے مدد کی خواہش ہے'،عرض کرتے ہوئے خچر پر سے اتر پڑے۔۔یا۔۔اُسی پر سوار ایک مٹھی بھر خاک اور سنگریزے زمین سے اٹھالیے۔۔یا۔۔اصحاب سے طلب کر لیے اور 'خراب ہو منہ' کہتے ہوئے کافروں کی طرف پھینکے۔خدا کی قدرت سے کوئی ایسا نہ رہا،کہ اس کی آنکھ اور منہ میں سنگریزے بھر نہ گئے ہوں۔۔المختصر۔۔دشمنوں کو شکست ہوگئی،اور مومنوں کے دل کو تسکین ہوئی۔

ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا

اس کے بعد اتارا اللہ نے سکون کو اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر۔اور اتارا ان لشکروں کو جن

لَمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾

کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا۔ اور عذاب بھیجا کفر کرنے والوں پر۔ اور یہ سزا ہے کافروں کی●

۔۔الحاصل۔۔تمہاری (اس) شکست خوردگی (کے بعد) جو تمہارے ہی گھمنڈ پر خدائی تنبیہ تھی، (اتارا اللہ) تعالیٰ (نے سکون کو اپنے رسول پر)۔ جبھی تو انہوں نے تنہا لڑنے کا ارادہ فرمایا، اور دشمنوں کی کثرت کا خیال نہیں کیا۔ (اور مسلمانوں پر) جبھی حضرت عباس کی آواز سن کر سب پلٹ پڑے (اور) ساتھ ہی ساتھ (اتارا ان لشکروں کو جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا)، مگر کافر دیکھتے تھے۔ اور وہ فرشتے تھے سفید کپڑے پہنے، سرخ عمامہ باندھے، عماموں کے سرے دونوں شانوں کے بیچ میں لٹکائے ہوئے ابلق گھوڑوں پر سوار۔ اور وہ پانچ[5]۔۔یا۔۔آٹھ[8]۔۔یا۔۔سولہ[16] ہزار تعداد میں۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی یہ خفیہ عنایت فرمائی، (اور عذاب بھیجا کفر کرنے والوں پر)۔

۔۔چنانچہ۔۔ان میں سے اکثر قتل ہوئے اور ان کے اہل وعیال میں سے چھ ہزار[6000] کو لونڈی غلام بنایا اور چوبیس ہزار[24000] اونٹ اور چار ہزار[4000] اوقیہ چاندی اور چالیس ہزار[40000] بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ (اور یہ) سب کچھ دُنیا ہی میں (سزا ہے کافروں کی)۔ اور اسی پر بس نہیں، بلکہ آخرت میں انہیں دردناک اور رُسوا کن عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بچ کر بھاگنے والوں کے لیے، ابھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے، تو۔۔۔

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

پھر توبہ قبول فرمالے اللہ اس کے بعد جس کی چاہے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے●

(پھر توبہ قبول فرمالے اللہ) تعالیٰ (اس) جنگ (کے بعد) سچی اور کھری توبہ کرنے والوں میں سے (جس کی چاہے) اپنے فضل وکرم سے۔۔چنانچہ۔۔ایسا ہوا بھی۔ جنگِ حنین کے بعد قبیلہ ہوازن اور قبیلہ ثقیف کے بعض افراد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔ (اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (غفور) یعنی توبہ کرنے والوں کے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور (رحیم ہے)، اس لیے توبہ کے بعد مواخذہ نہ کرے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ

اے وہ جو ایمان لاچکے! مشرکین نرے ناپاک ہیں، تو نزدیک نہ آنے پائیں مسجد

الحرام بعد عامهم هذا ۚ وان خفتم عيلة فسوف يغنيكم الله

حرام کے، اس سال کے بعد۔ اور اگر تمہیں ڈر ہے محتاجی کا، تو جلد دھنی بنادے گا تم کو اللہ

من فضله ان شاء ۚ ان الله عليم حكيم ﴿۲۸﴾

اپنے فضل سے، انشاء اللہ۔ بے شک اللہ دانا حکیم ہے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے!) اِس مقام پر یہ بھی ذہن نشین کرلو، کہ **(مشرکین نرے ناپاک ہیں)** اپنے خبثِ باطنی اور عقیدہ کی ناپاکی کے سبب سے۔۔علاوہ ازیں۔۔ یہ نجاستوں سے پرہیز نہیں کرتے اور نہ ہی جنابت سے غسل کرتے ہیں۔۔الغرض۔۔ یہ مستقل ناپاک ہی رہتے ہیں، **(تو)** تمہاری یہ ذمہ داری ہوتی ہے، کہ تم نگرانی کرتے رہو، تاکہ یہ عُمرہ وحج کے ارادے سے **(نزدیک نہ آنے پائیں مسجد حرام کے، اِس سال کے بعد)**۔

جو کہ سن برأت ہے اور وہ ہجرت سے نواں برس تھا۔۔یا۔۔ حجۃ الوداع کا سال، کہ دسواں برس تھا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس آیت سے مراد کافروں کو حج وعُمرہ سے منع کرنا ہے۔ تو اس سے مسجد حرام اور دوسری مسجدوں کے اندر آنے کی ممانعت مقصود نہیں۔ حج وعُمرہ کے لیے نہ آنے دینے سے اس بات کا بھی اشارہ ہے، کہ حرم کی سرزمین پر انہیں متمکن نہ ہونے دیا جائے، اور انہیں وہاں کسی طرح کی طاقت وزور میسر نہ آنے دیا جائے۔

اب اگر تم یہ سوچو، کہ کافروں کا ایک گروہ موسم حج میں خرید وفروخت کے واسطے کھانے پینے کی چیزیں لاتا تھا، تو اب کافروں کو نہ آنے دینے سے تجارت کا یہ سلسلہ بند ہوجائے گا، اور تم تنگدست اور فقیر ہوجاؤ گے۔ تو سن لو! **(اور)** یاد رکھو، کہ **(اگر تمہیں ڈر ہے محتاجی کا، تو جلد دھنی بنادیگا تم کو اللہ)** تعالیٰ **(اپنے فضل سے ان شاء اللہ)** تعالیٰ۔

۔۔چنانچہ۔۔ اس نے اپنا وعدہ وفا فرمادیا۔ وہ اس طرح کہ ملکِ یمن کے دوشہر تبالہ اور جرش کے لوگ مسلمان ہوگئے، اور ہر سال جو کچھ کھانے کی چیزیں چاہیے تھیں، مکہ میں لیجاتے۔۔یا یہ کہ۔۔ قِسم قِسم کے لوگوں کو جابجا کی زمینوں سے حرم کی طرف متوجہ کردیا، جو انواع واقسام کا مالِ تجارت وہاں لے جاتے رہے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ **(دانا)** ہے، یعنی اپنے بندوں کا حال جاننے والا ہے اور **(حکیم ہے)** یعنی حکمت کرنے والا ہے، ان کی امیدیں برلانے میں۔ اگر ایک دروازہ بند کرتا ہے، تو دوسرا دروازہ

کھول دیتا ہے۔

سابقہ ارشادات میں بت پرستوں کی لڑائی کا ذکر فرما کر، اب حق تعالیٰ اہل کتاب سے محاربہ کرنے کا حکم فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ

قتل کردو جو نہ مانیں اللہ کو اور نہ پچھلے دن کو، اور نہ حرام جانیں

مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ

جس کو حرام فرمادیا اللہ اور اس کے رسول نے، اور نہ قبول کریں دین برحق کو،

أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٩﴾ ع ١٠

جن کو کتاب بھی دی گئی تھی، یہاں تک کہ دیں جزیہ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہوکر●

اے ایمان والو! (قتل کردو) ان کو اور لڑو ان لوگوں سے، (جو نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو) وحدہ لاشریک۔ جیسے یہود جو دو خدا کے قائل ہیں اور نصاریٰ جو تین خدا ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ (اور نہ) ہی (پچھلے دن کو) تسلیم کریں، جیسا کہ تسلیم کرنا چاہیے۔۔چنانچہ۔۔یہودیوں کا کہنا ہے، کہ بہشت میں کھانا پینا نہ ہوگا اور نصاریٰ 'معادِ روحانی' کا اثبات کرتے ہیں۔۔الختصر۔۔روزِ قیامت اور اس کے مابعد امور کا ایمان جیسا چاہیے، یہود ونصاریٰ کو ویسا نہیں۔ (اور نہ حرام جانیں) اور نہ حرام جیسا سلوک کریں اس کو (جس کو حرام فرمادیا اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول نے)، یعنی جس کی حرمت کتاب وسنت سے ثابت ہوئی، اُسے حرام نہیں جانتے۔۔مثلاً: شراب وخنزیر وغیرہ۔

(اور نہ) ہی (قبول کریں دین برحق) یعنی اسلام (کو) مسلمان ہوکر۔۔یا۔۔کم ازکم درجے میں، اسلام کی بالادستی تسلیم کرکے، اور اس کی سیاسی ماتحتی قبول کرکے، جو ان لوگوں میں سے ہیں (جن کو کتاب بھی دی گئی تھی)۔تو ایسے کتابیوں سے تم جنگ کرو، (یہاں تک کہ دیں جزیہ) یعنی ان میں سے جس کسی کی نسبت جو خراج مقرر ہوجائے، وہ دیا کریں (اپنے ہاتھ سے ذلیل ہوکر)۔یعنی اپنے ہاتھ سے لائیں اور بیٹھیں نہ، جب تک جزیہ سپرد نہ کردیں۔۔یا۔۔مسلمان ان سے لے نہ لیں۔

۔۔الختصر۔۔لانے والا خراج کی رقم خود لائے، کسی کے ہاتھ نہ بھیجے اور پیدل آئے سواری سے نہ آئے، اور کھڑے کھڑے پیش کرے، جبکہ وصول کرنے والا بیٹھے بیٹھے وصول کرے،

اور وہ بھی اس کی گردن پر تھپڑ لگائے، اور اس کا دامن کھینچ کر کہے، اے ذمی جزیہ نکال --الحاصل--اس سے ذلت آمیز سلوک کرے، تاکہ اُسے احساس رہے کہ اسلام کو نہ قبول کر کے، اس نے خود ہی اپنی بے عزتی کا سامان فراہم کیا ہے۔

مگر یہ طرزِ عمل ایسے ہی لوگوں کے ساتھ مناسب ہے، جو اپنی بے غیرتی اور بے شرمی کی انتہا کو پہنچ چکے ہیں، کہ ان کے ساتھ ایسا نہ کیا جائے، تو انہیں اپنی ذلت کا احساس بھی نہ ہو۔ رہ گئے وہ، جو بڑی حساس طبیعت رکھتے ہیں، صرف جزیہ دیتے رہنا ہی، ان کی نظر میں ان کے لیے کمالِ ذلت کی بات ہے۔ تو پھر ایسوں کو ذلت کا احساس دلانے کے لیے تھپڑ مارنے، سخت کلامی کرنے اور ان کے دامن و گریبان کو کھینچنے کی ضرورت نہیں --الحاصل--ہر فرد کے ساتھ اس کے مزاج وطبیعت کے مناسب سلوک کیا جائے۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ قرآن کریم نے آیات زیر تفسیر میں جزیہ ادا کرنے کو، حکم قتال کی غایت کے طور پر پیش کیا ہے۔ سببِ قتال نہیں قرار دیا ہے۔ سبب وغایت میں فرق یہ ہے کہ سبب اپنے وجود میں مقدم ہوتا ہے، اور غایت اپنے وجود میں موخر ہوتی ہے-- الحاصل--سبب قتال ہے اسلام کو قبول نہ کرنا، اور اس قتال کی انتہاء اس وقت ہو جائے گی جب وہ جزیہ ادا کرنا منظور کر لیں گے۔ جزیہ کن کافروں سے لیا جائے اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

☆--ہمارے امام اعظم فرماتے ہیں، عرب کے مشرکین کے سوا سب مشرکوں سے جزیہ لینا چاہیے۔ رہ گئے عرب کے مشرکین، تو ان کا حکم یا تلوار ہے یا اسلام۔ ان کے لیے جزیہ والی تیسری شکل نہیں۔

☆--امام شافعی کہتے ہیں، کہ اہل کتاب کے سوا اور کسی سے جزیہ نہ لیں۔

☆--امام مالک کا کہنا ہے، کہ مرتد کے سوا سب کافروں سے جزیہ لینا ہے۔ مرتد سے اس لیے نہیں، کہ اُسے قتل کر دینے کا حکم ہے۔

اب آگے کے ارشاد میں اہل کتاب کی بدعقیدگیوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے--چنانچہ--ارشاد فرمایا جا رہا ہے، کہ---

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ

اور ڈینگ لی یہود نے، کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ اور جھک مارا عیسائیوں نے، کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ

یہ ان کی زبانی گپیں ہیں۔ برابری کررہے ہیں بات میں ان کی جو کافر تھے پہلے۔

قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿٣٠﴾

خدا ان کو غارت کرے! کہاں اوندھائے ہیں●

بکواس کی (اور ڈینگ لی یہود نے، کہ عزیر اللہ) تعالیٰ (کے بیٹے ہیں اور جھک مارا عیسائیوں نے، کہ مسیح اللہ) تعالیٰ (کے بیٹے ہیں)۔ ابھی ابھی جو مذکور ہوا (یہ) سب (ان) سب (کی زبانی گپیں ہیں)۔ یعنی ایسی مہمل باتیں ہیں، جو کچھ بھی اصلیت اور حقیقت نہیں رکھتیں۔ دراصل یہ (برابری کررہے ہیں بات میں ان کی جو کافر تھے) ان سے (پہلے)۔ یعنی اپنے سے پہلے کافروں کی نقل کررہے ہیں۔

۔۔ چنانچہ۔۔ بنو مدلج نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا۔۔ یوں۔۔ بعض عرب کافروں نے اللہ تعالیٰ کو لات وعزیٰ کا باپ قرار دیا۔ تو جس طرح وہ سب خدا کو وحدہ لاشریک نہ مان سکے، اسی طرح یہ بھی توحید سے انکار کر بیٹھے، تو دونوں ہی وحدہ لاشریک نہ ماننے میں ایک ہی طرح رہے۔

تو (خدا ان کو غارت کرے) اور ان پر اپنی لعنت برسائے۔ ذرا دیکھو تو، کہ کیوں کر پھیرے جاتے ہیں راہِ حق سے باطل کی طرف، اور (کہاں اوندھائے) جارہے (ہیں) یعنی منہ کے بل الٹائے جارہے ہیں، اور ذلت ورسوائی کا شکار ہورہے ہیں۔ ان کی بداعمالیوں کا حال یہ ہے، کہ۔۔۔

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ

بنا رکھا ہے اپنے پادریوں اور اپنے پوپوں کو اللہ کو چھوڑ کر رب، اور مسیح ابن

مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ لَّا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ

مریم کو، اور وہ مامور نہیں کئے گئے، مگر یہ کہ پوجیں معبود کو جو ایک ہے۔

سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣١﴾

نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا اس کے، پاک ہے وہ اس سے۔ جس کو شریک بناتے ہیں●

(بنا رکھا ہے اپنے پادریوں اور اپنے پوپوں کو اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اور اس سے باغی ہوکر،

ایک ہی نہیں، بلکہ بہت سارے (رب)۔۔چنانچہ۔۔حرام اور حلال کرنے میں ان کی فرمانبرداری کرتے ہیں، اور جیسے خدا کا حکم ماننا چاہیے، بالکل ویسا ہی ان کے احکام کو مانتے ہیں، یہاں تک کہ ان کا سجدہ بھی کرتے ہیں (اور)۔۔یونہی۔۔(مسیح ابن مریم کو) بھی خدا ٹھہراتے ہیں۔حالانکہ یہ سارے **اَحْبَارٌ وَرُهْبَانٌ** (اور) ان کے ماننے والے (وہ) سب اپنی کتابوں میں (مامور نہیں کیے گئے) تھے، (مگر یہ کہ پوجیں معبودِ) برحق اللہ تعالیٰ (کو، جو) صرف (ایک) ہی (ہے) اور (نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا اس کے، پاک ہے وہ اس سے)، کہ اس کا شریک ہو، وہ (جس کو) یہ مشرکین اس کا (شریک بناتے ہیں)۔دراصل یہ یہود ونصاریٰ۔۔۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ

چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کا نور اپنی پھونک سے، اور اللہ کو نامنظور ہے، مگر یہ کہ پورا کر دکھائے اپنا نور،

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾

گو بُرا مانیں کافر لوگ●

(چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ) تعالیٰ (کا نور)۔یعنی نورِ ہدایت قرآن کریم۔۔یا۔۔نورِ نبوتِ محمدی۔۔یا۔۔ان دلائل و براہین کی روشنی، جس نے اللہ تعالیٰ کے زن و فرزند سے پاک و منزہ ہونے کو اظہر من الشمس کر دیا۔اور وہ بھی کیسے بجھائیں؟ (اپنی پھونک سے)۔یعنی اپنی اس تکذیب سے جو اپنی زبان پر لاتے ہیں۔۔المختصر۔۔کافروں کی کوشش تو یہی ہے، کہ مذکورہ بالا انوارِ خداوند اور چراغ ہائے الٰہی کو گل کر دیں اور بے اثر کر دیں، (اور اللہ) تعالیٰ (کو) سب (نامنظور ہے)۔

ہاں (مگر) اسے صرف (یہ) منظور ہے (کہ پورا کر دکھائے اپنا نور)، یعنی اپنے دین روشن کی روشنی دُنیا کے گوشے گوشے میں پہنچادے، اور ہر طرف توحید کے نشان کا پرچم لہرادے۔دنیا کے چپے چپے سے اُس کی توحید اور اُس کی کبریائی کے ترانوں کی صدائیں آئیں، کوئی ایسا کان نہ ہو جو اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز نہ سن سکے، (گو بُرا مانیں کافر لوگ)، اور انہیں اس آواز سے کراہت ہو، مگر اس سے کیا ہوتا ہے، طوعاً و کرہاً انہیں بھی اذان کی آواز تو سننی ہی ہے۔

اب رب کریم آگے اس بات کی وضاحت فرمارہا ہے، کہ وہ کس طرح اپنے مذکورہ بالا نور کو منزل کمال تک پہنچائے گا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے، کہ وہ ذات عزیز وجلیل۔۔۔

هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ

وہی ہے کہ بھیجا اپنے رسول کو ہدایت، اور دین برحق کے ساتھ، تاکہ غالب فرمادے اسے

عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

سارے دینوں پر، گو تلملا اٹھیں مشرک لوگ●

(وہی ہے، کہ) جس نے (بھیجا اپنے) مخصوص (رسول) محمد عربی ﷺ (کو) سراپا (ہدایت) قرآن کریم (اور دین برحق) اسلام (کے ساتھ، تاکہ) ظاہرو (غالب فرمادے اُسے سارے دینوں پر) اور سب دینوں کے احکام منسوخ کردے، (گو) اگرچہ دین اسلام کا یہ عروج دیکھ کر (تلملا اٹھیں) کفر پر کفر کرنے والے (مشرک لوگ)۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی رسالت اور بعثت کا ذکر فرمایا۔ رسالت دلائل ومعجزات سے ثابت ہوتی ہے، اور آپ کے دلائل ومعجزات سب رسولوں سے زیادہ تھے۔۔ بلکہ۔۔آپ جمالِ صورت اور کمالِ سیرت کے اس انتہائی مقام پر تھے، جہاں مخلوقات میں سے کسی اور کی رسائی عقلاً محال ہوگئی۔۔ المختصر۔۔آپ کی ذاتِ مبارکہ خود ہی سراپا معجزہ ہوگئی۔ اس سے ظاہر ہوگیا، کہ آپ سب سے عظیم اور کامل رسول ہیں۔

۔۔نیز۔۔فرمایا، آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا۔ یعنی آپ کا دین اور آپ کی شریعت متوازن اور معتدل ہے۔ فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے۔ آپ کا کوئی حکم خلافِ عقل نہیں۔ اور آپ کی تعلیم میں دین اور دنیا کی بے شمار حکمتیں ہیں۔ واضح ہوا کہ آپ کی شریعت ہی کامل ہے۔ پھر فرمایا، تاکہ آپ کا دین ہر دین پر غالب ہوجائے، اور غلبہ سے مراد دلائل و حجت کے اعتبار سے غلبہ ہے، تو تمام ادیان کے مقابلہ میں اسلام کے دلائل غالب ہیں، اور اسلام کے آنے سے ہر دین پر عمل منسوخ ہوگیا۔

اور اگر اس سے مراد مادی غلبہ ہو، تو یہ پیش گوئی اس وقت پوری ہوگی، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول اور امام مہدی کا ظہور ہوگا۔ کیونکہ جب حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے، تو ہر یہودی اور ہر عیسائی مسلمان ہوجائے گا، حتیٰ کہ بکریاں بھیڑیوں سے مامون ہوجائیں گی، اور گائے شیروں سے، اور انسان سانپوں سے۔ یہاں تک کہ چوہا جراب کو نہیں کترے گا۔ اور جزیہ موقوف ہوجائے گا۔ اور صلیب توڑدی جائے گی۔ اور خنزیر قتل کردیے جائیں گے۔۔۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں کی مذموم صفات بیان فرمائی تھیں، کہ وہ اپنے آپ کو عام لوگوں سے برتر سمجھتے تھے اور تکبر کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے تھے۔ اب اس آیت میں یہ فرمایا جارہا ہے، کہ اس تکبر کے باوجود وہ لوگوں سے مال لینے میں بہت حریص تھے، اور لوگوں سے ناجائز طور پر مال حاصل کرنے کے لیے انہوں نے مختلف طریقے اپنار کھے تھے:

اوّلاً:۔۔وہ رشوت لے کر شرعی احکام میں تخفیف کر دیتے تھے۔ اگر تورات میں رجم۔۔یا۔۔ کوڑوں کی سزا ہو، تو وہ صرف جرمانہ عائد کر کے چھوڑ دیتے تھے۔

ثانیاً:۔۔انہوں نے عام لوگوں کے ذہن میں یہ بٹھادیا تھا، کہ انہیں آخرت میں نجات اُسی وقت ملے گی، جب وہ اُن کی خدمت اور اطاعت کریں۔

ثالثاً:۔۔تورات میں نبی ﷺ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، وہ اُن کی ایسی باطل تاویل کرتے، جو نبی کریم ﷺ پر منطبق نہ ہوتی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کے عوام اُن سے کٹ کر نبی ﷺ کے مطیع ہو جائیں اور اُن کے نذرانے شکرانے بند ہو جائیں۔

رابعاً:۔۔انہوں نے لوگوں کو باور کرادیا تھا، کہ صحیح دین یہودیت یا عیسائیت ہے، اور اس دین کی تقویت اُسی وقت ہوگی، جب اِس دین کے حاملین کی مالی خدمت کی جائے۔۔تو۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ

اے وہ جو ایمان لا چکے! بے شک بہتیرے پادری اور جوگی، کھا جاتے ہیں

أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ

لوگوں کے مال کو ناحق، اور روکیں اللہ کی راہ سے۔ اور جو لوگ

يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اکٹھا کریں سونا اور چاندی کو، اور نہ خرچ کریں اسے اللہ کی راہ میں۔

فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٤﴾

تو خبر دے دیجئے انہیں دکھ دینے والے عذاب کی●

(اے وہ جو ایمان لا چکے!) غور سے سن لو اور سمجھ لو، کہ (بے شک بہتیرے پادری اور جوگی) یعنی یہود و نصاریٰ کے عالموں اور زاہدوں کی یہ روش ہے، کہ (کھا جاتے ہیں)، یعنی اپنے استعمال میں لاتے ہیں (لوگوں کے مال کو ناحق)، یعنی رشوت وغیرہ کے ذریعہ۔۔الختصر۔۔لوگوں کو طرح طرح کا فریب دیکر مال اکٹھا کرتے ہیں اور اس کو ہضم کر لیتے ہیں۔ (اور) صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ ان کا حال یہ ہے، کہ (روکیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)، یعنی اسلام میں داخل ہونے سے لوگوں کو منع کرتے ہیں۔

تو اے محبوب! اہل کتاب (اور) ان کے سوا (جو لوگ اکٹھا کریں سونا اور چاندی کو، اور) ہدایت کردہ ضابطے کے مطابق (نہ خرچ کریں اسے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)، یعنی سال بسال اس کی زکوٰۃ نہ نکالیں، (تو خبر دے دیجیے انہیں دکھ دینے والے عذاب کی)، اور آگاہ کر دیجیے ان سب خزانہ رکھنے والوں اور زکوٰۃ نہ دینے والوں کو، اُس دن کی۔۔۔

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ

جس دن وہ سب تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں، پھر داغ دیئے جائینگے اس سے انکی پیشانیاں، اور انکی کروٹیں،

وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝۳۵

اور انکی پشت یہ ہے، کہ جس کو خزانہ بنایا تھا تم نے اپنا، اب چکھو جو اکٹھا کیا کرتے تھے●

(جس دن وہ سب) سارے کا سارا خزانہ (تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں، پھر داغ دِیے جائیں گے اس) خزانے کے درہم و دینار (سے ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پشت)۔وہ پیشانیاں، جن پر فقیروں کو دیکھ کر بل ڈالتے تھے، اور وہ کروٹیں، جن کے ذریعہ ناداروں سے پہلوتہی کرتے تھے۔۔نیز۔۔وہ پیٹھیں، جو محتاجوں کو دیکھ کر پھیر لیتے تھے۔

داغنے کے لیے مذکورہ بالا ان تین چیزوں کا انتخاب اس حکمت کے پیش نظر بھی ہوسکتا ہے، کہ اعضاء میں پیشانی، پہلو اور پیٹھ کو ایک طرح کی شرافت حاصل ہے۔اس لیے کہ اعضائے رئیسہ، یعنی دماغ، دل، جگر، انہی کے اندر ہیں۔۔الختصر۔۔اس دن داغ کر عذاب کیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا، دیکھو۔۔۔

(یہ ہے کہ جس کو خزانہ بنایا تھا تم نے اپنا)۔تم نے سوچا تھا، کہ یہ تمہیں فائدہ پہنچائیں گے اور آج یہ تمہارے ضرر کا باعث ہو گئے ہیں۔تو (اب چکھو جو اکٹھا کیا کرتے تھے)، یعنی اب اپنے جمع

رنے کا مزا چکھو۔بہتری اوراچھائی ان کے لیے ہے، جو مال کا نہیں، بلکہ نیک اعمال کا ذخیرہ کرتے ں،اوروہ اسبابِ فانی کے کنوز کونہیں ڈھونڈ ھتے۔۔بلکہ۔اسرارِ باقی کے رموز کی تلاش میں رہتے ہیں۔

سابقہ بعض آیتوں میں یہود ونصاریٰ کے عالموں اورزاہدوں،یعنی ان کے اَحْبَارَ وَرُهْبَانَ کا ذکر فرمایا گیا ہے،اوران کے بعض معمولات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ عبادات ہوں۔۔یا۔۔معاملات،ان میں اوقات کوملحوظِ خاطر رکھا ہی جائے گا اور کسی نہ کسی تقدیم کا اعتبار کیا ہی جائے گا۔۔چنانچہ۔۔عربوں میں ماہ وسال کے تعلق سے جو اصول و ضابطے معروف تھے،اسی کو برقرار رکھا گیا ہے،اورعبادات ومعاملات میں قمری تقدیم کومعتبر قرار دیا گیا ہے۔اورعجمیوں،رومیوں،قبطیوں اور ہندیوں کے نزدیک جو مہینے معروف تھے، ان کا پاس ولحاظ نہیں کیا گیا ہے۔

غیرعرب کے نزدیک مہینہ تیس۳۰ دنوں سے زیادہ کا بھی ہوتا ہے اورعرب کے نزدیک مہینے کا اعتبار چاند کے حساب سے ہوتا ہے،اورایک مہینہ تیس۳۰ دن سے زیادہ کانہیں ہوتا، البتہ تیس۳۰ دن سے کم کا ہوسکتا ہے۔۔المختصر۔۔کوئی مہینہ نہ انتیس۲۹ دن سے کم کا ہوگا،اور نہ ہی تیس۳۰ دن سے زیادہ کا۔اور یہ بھی متعین نہیں ہے،کہ کون سا مہینہ؟ کب؟ اور کتنے دنوں کا ہوگا؟ اس کا سارا معاملہ چاند کی رفتار سے وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان بارہ۱۲ مہینوں کومقرر کیا اوران کے نام رکھے۔جب سے اللہ تعالیٰ نے زمینوں اورآسمانوں کو پیدا کیا،اوراللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں پر جو کتابیں نازل کیں،اُن میں ان مہینوں کا ذکر کیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی کتاب سے مراد'لوحِ محفوظ' بھی ہوسکتی ہے۔۔الحاصل۔۔ مسلمانوں کے اکثر اعمال کی بنا قمری مہینوں پر رکھی گئی ہے۔اورروزے،زکوٰۃ،حج اورعدت وغیرہ کے احکام اسی کے ساتھ مرتب کیے گئے ہیں۔تواس کے عدد کے بارے میں ارشاد فرمایا،کہ۔۔۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

بےشک مہینوں کا شمار اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں کتاب الٰہی میں۔جس دن سے پیدا فرمایا تھا

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۵

آسمانوں کواورزمین کو،ان میں سے چارمحترم ہیں۔یہ ہے سیدھا قانون۔۔

فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا

تو اندھیر نہ کرو ان مہینوں میں اپنے اوپر، اور جہاد کرو مشرکین سے سب، جس طرح

يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝

وہ جنگ کرتے ہیں تم سے سب۔ اور جان لو کہ اللہ اپنے ڈرنے والوں کے ساتھ ہے●

(بے شک مہینوں کا شمار اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک بارہ[12] مہینے ہیں کتاب الٰہی میں)، یعنی آ[سمانی] کتابوں۔یا۔لوح محفوظ۔یا۔خدائی حکم قدیم میں۔اور خدا نے یہ حکم لکھا ہے اور طے فرمادیا ہے اسی د[ن] سے، (جس دن سے پیدا فرمایا تھا آسمانوں کو اور زمین کو)، کہ (ان) بارہ[12] مہینوں (میں سے چار محتر[م] ہیں)، جن میں تین[3] مہینے یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم متواتر ہیں۔اور چوتھا قبیلہء مضر کا رجب، جو جما[دی] الاخری اور شعبان کے درمیان ہے۔مہینوں کی گنتی کے تعلق سے (یہ ہے) صاف (سیدھا) اور وا[ضح] خداوندی (قانون، تو) ان مہینوں کا احترام کرو اور (اندھیر نہ کرو ان مہینوں میں اپنے اوپر)۔

ہر چند کہ کسی بھی مہینے میں ظلم کرنا اور اندھیر مچانا جائز نہیں، لیکن یہ مہینے چونکہ حرمت والے ہیں، اس لیے ان مہینوں میں گناہ کرنا زیادہ شدت سے ممنوع ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی ایک وجہ سے عظمت اور حرمت مقرر فرماتا ہے، تو وہ ایک وجہ سے محترم اور مکرم ہو جاتی ہے۔اور جس چیز کی دو۔یا۔دو سے زیادہ وجہ سے حرمت اور عظمت مقرر فرماتا ہے، تو وہ دو۔یا ۔دو سے زیادہ وجہ سے مکرم ومحترم ہو جاتی ہے۔پس اس میں برے کاموں پر عذاب بھی دوگنا چوگنا ہو جاتا ہے، جس طرح اس میں نیک کاموں کا اجر وثواب بھی دوگنا چوگنا ہوتا ہے۔

سو جو شخص حرمت والے مہینے۔۔مثلاً: ذوالحجہ۔یا۔حرمت والی جگہ۔۔مثلاً: مکہ مکرمہ۔یا۔ مسجد حرام میں عبادت کرے گا، اس کا اجر وثواب دوسرے اوقات اور دوسری جگہوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوگا، اور جو شخص اس حرمت والے مہینے اور حرمت والی جگہ پر بُرے کام کرے گا، اس پر مواخذہ بھی دوگنا چوگنا ہوگا۔ان مہینوں میں گناہ کرنا گویا ایسا ہی ہوگا، جیسے کوئی حرم شریف میں یا حالتِ احرام میں گناہ کرلے۔ان مہینوں کی حرمت کا خیال کرتے ہوئے پہلے ان مہینوں میں قتال کرنا جائز نہیں تھا، لیکن جب کفار زیادتی پر آگئے اور ان مہینوں کی حرمت کا پاس ولحاظ نہیں کیا اور جنگ وجدال پر آمادہ ہوگئے، بالآخر لڑائی کر بیٹھے، تو اس حکم کو منسوخ فرمادیا گیا۔۔۔

(اور) ارشاد فرما دیا گیا، کہ (جہاد کرو مشرکین سے سب) کے سب مل کر، خواہ وہ حرمت والا ماہ ہو۔۔یا۔۔نہ ہو (جس طرح وہ جنگ کرتے ہیں تم سے سب) کے سب اکٹھا ہو کر اور مقام و مہینے کا پاس ولحاظ نہیں کرتے۔ تو تم بھی ایسوں سے جنگ کرنے میں کوئی تامل نہ کرو، اور نہ ہی ان سے آزردہ ہو۔ (اور) اچھی طرح (جان لو، کہ اللہ) تعالیٰ کی حفاظت ونصرت اس کے (اپنے ڈرنے والوں کے ساتھ ہے) جو خشیتِ الٰہی والے اور خدا اور رسول کی مخلصانہ اطاعت کرنے والے ہیں۔۔۔ اب رہ گیا کافروں اور نافرمانوں کا طرزِ عمل، جو اپنی نفسانی خواہشات کی بنیاد پر مہینوں کو ان کے اصل مقام سے ہٹا دیتے ہیں، تو ان کا یہ۔۔۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَ

مہینہ کوٹالنا، صرف نہ ماننے میں بڑھ جانا ہے، اس سے گمراہ کیا جاتا ہے ان کو جو کافر ہیں، کہ حلال قرار دیں ایک برس اور

يُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ

حرام جانیں دوسرے برس، تاکہ برابر کر دیں چار کی گنتی کو جنھیں حرمت دی اللہ نے، کہ حلال کرلیں جسکو حرام کیا

اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ ع ۱۱

اللہ نے۔ انھیں اچھی لگی اپنی بداعمالی۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا کافر قوم کو●

(مہینہ کوٹالنا صرف نہ ماننے میں بڑھ جانا ہے)۔ کافر تو تھے ہی، یہ کام کر کے اپنے کفر کو اور بڑھا دیا۔ (اس) طریقے (سے گمراہ کیا جاتا ہے ان کو جو کافر ہیں) اور ساتھ ہی ساتھ پرلے درجے کے بیوقوف اور نادان بھی ہیں۔ اسی لیے تو ان کے لیڈروں کی یہ شاطرانہ چال ہے، (کہ حلال قرار دیں ایک برس اور حرام جانیں دوسرے برس، تاکہ برابر کر دیں) ان (چار کی گنتی کو جنہیں حرمت دی اللہ) تعالیٰ (نے)۔ صرف حرمت والے مہینوں کی گنتی کا خیال کیا، کہ چار ۴ سے کم نہ ہونے پائیں، لیکن ان کے صحیح اوقات کا پاس ولحاظ نہیں کیا۔۔ المختصر۔۔انہوں نے کھلے طور پر نافرمانی کی، کیوں (کہ حلال کرلیں جسکو حرام کیا اللہ) تعالیٰ (نے)۔۔ المختصر۔۔ وسوسۂ شیطانی کے سبب (انہیں اچھی لگی اپنی بداعمالی) یعنی انہوں نے جو کیا اس کو بہت ہی اچھا اور دانشمندانہ کام تصور کیا، اس طرح وہ بھٹک گئے (اور) بے راہ ہو گئے۔ بے شک (اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا) جنم کی (کافر قوم کو)۔

اوپر کافروں کی جس حرکت کی طرف اشارہ کیا گیا، اس کا مختصر سا خلاصہ یہ ہے، کہ مشرکین عرب لوٹ مار اور قتل و غارت کرنے والے لوگ تھے، اور ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم یہ تین مہینے متواتر حرمت والے تھے۔ ان تین مہینوں میں صبر کرنا مشرکین عرب کے لیے بہت مشکل اور دشوار تھا۔ انہیں جب محرم کے مہینے میں کسی سے لڑنے کی ضرورت پیش آتی، تو وہ محرم کے مہینے کو موخر کر دیتے اور صفر کے مہینے کو محرم قرار دیتے، اور اصل محرم کے مہینے میں قتال کر لیتے۔

اِسی طرح وہ ہر سال محرم کے مہینے کو ایک ماہ موخر کرتے رہتے، حتیٰ کہ جس سال نبی کریم ﷺ نے حج کیا۔ اس سال گیارہ مرتبہ محرم کا مہینہ موخر ہو کر اپنی اصلی ہیئت پر آچکا تھا، جس ہیئت پر وہ اسوقت تھا، جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا تھا۔۔۔

سابقہ آیات میں غزوۂ حنین کے تعلق سے ذکر تھا۔ اب آگے کے ارشاد میں غزوۂ تبوک کے متعلق تشریح فرمائی۔ تبوک ایک مقام ہے جو مدینہ طیبہ اور شام کے درمیان واقع ہے۔ اس جگہ پر جنگ لڑی گئی ہے، اسی لیے اس جنگ کو غزوۂ تبوک سے موسوم کرتے ہیں۔ اُسے 'غزوۃ العسرۃ' بھی کہا جاتا ہے۔۔ نیز۔۔ اس کا نام 'غزوۃ الفاضحہ' بھی ہے، اس لیے کہ اس جنگ میں بہت سے منافقین کے حالات کھل کر عوام کے سامنے آگئے، جن سے منافقین کو سخت رسوائی ہوئی، اسی بنا پر اسے 'فاضحہ' یعنی 'رسوا کرنے والی' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم ﷺ نے جب مکہ معظمہ کو فتح فرما کر، ہوازن وثقیف، حنین واوطاس وغیرہ سے جنگ کی اور پھر طائف کا محاصرہ فرمایا، تو ان تمام غزوات سے فتح یاب ہو کر جعرانہ سے عُمرے کا احرام باندھا۔ عُمرے سے فراغت پا کر مدینہ طیبہ میں تشریف لائے۔ تھوڑے عرصے کے بعد حکم فرمایا، کہ غزوۂ روم کو چلو۔ یہ جنگ رجب ۹ھ میں واقع ہوئی، جبکہ آپ کو خبر پہنچی کہ رومیوں نے اسلام کے خلاف بہت بڑے جنگجو جمع کیے ہیں، بلکہ مقام بلقاء تک بھی پہنچ چکے ہیں۔

غزوۂ تبوک ایسے موسم میں ہوا، جب لوگوں کی معاش نہایت تنگ تھی اور گرمی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اِدھر مدینے کی کھجوریں پک کر اپنے شباب کو پہنچی ہوئی تھیں، اور مدینہ طیبہ سے تبوک تک کا سفر بھی طویل تھا۔ اس لیے بعض لوگوں کو غزوۂ تبوک پر جانا گراں لگا۔ ان کی طبیعت کے اضمحلال کو دیکھ کر، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اے وہ جو ایمان لاچکے! تمہیں کیا ہوا کہ جب کہا گیا تم کو کہ چل پڑو اللہ کی راہ میں،

اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ

تو بوجھ بن کر زمین پر گر پڑتے ہو۔ کیا تم پسند کرتے ہو دنیاوی زندگی کو

الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿٣٨﴾

آخرت سے، تو دنیاوی زندگی کی پونجی آخرت میں محض تھوڑی سی ہے●

(اے وہ جو ایمان لاچکے)!

اس طرح پیارے خطاب سے مخاطب فرما کر اُن کی دِلدہی کی، اور اُن کی حوصلہ افزائی کی، اور پھر فرمایا، کہ اے میرے چاہنے والو!

(تمہیں کیا ہوا، کہ جب) کلمۂ دین کو بلند کرنے کو **(کہا گیا تم کو، کہ چل پڑو اللہ)** تعالیٰ **(کی راہ میں)** اور دین کے دشمنوں پر جہاد کرو، **(تو بوجھ بن کر زمین پر گر پڑتے ہو)**، یعنی کاہلی کی وجہ سے زمین چھوڑنا نہیں چاہتے۔۔یا۔۔اپنے کھیتوں اور پھلوں کی طرف طبعی میلان کے سبب شہر سے نکلنا نہیں چاہتے، گویا تم زمین سے چپک گئے ہو۔ اب تمہیں فیصلہ کرو **(کیا تم پسند کرتے ہو دنیاوی)** ناپائدار **(زندگی کو)**، اور اُسے بہتر سمجھتے ہو **(آخرت)** کی قائم رہنے والی اور لازوال نعمتوں والی زندگی **(سے، تو)** اچھی طرح سن لو، کہ **(دنیاوی زندگی کی پونجی آخرت میں محض تھوڑی سی ہے)** اور وہ بھی حقیر۔ اور کوئی عقلمند، بڑی چیز کو چھوٹی چیز کے واسطے نہیں کھوتا۔ اور یہ بھی سن لو! کہ۔۔۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

اگر تم لوگ کوچ نہ کروگے، تو عذاب دیگا تم کو دکھ والا عذاب۔۔ اور لے آئیگا تمہارے بدلے دوسری قوم تمہارے سوا،

وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٣٩﴾

اور نہ بگاڑ پاؤگے اسکا کچھ۔ اور اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(اگر تم لوگ کوچ نہ کروگے) اس لڑائی کے واسطے جس کا تمہیں حکم ہوا ہے، **(تو)** بھی تم بچ نہ سکوگے، اس لیے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ **(عذاب دے گا تم کو، دکھ والا عذاب)**۔ اور اِس گمان

میں بھی نہ رہنا، کہ اگر تم جہاد میں شریک نہ ہو، تو خدا کے حکم کی تعمیل نہ ہو سکے گی، اور دین الٰہی کا فروغ نہ ہو سکے گا۔ اس لیے کہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ اپنی شانِ قدرت دکھائے گا (اور لے آئے گا تمہارے بدلے دوسری قوم، تمہارے سوا) یمن اور فارس وغیرہ سے، جو حکم ماننے والی ہوگی۔

تو یقین کرلو، کہ جنگ میں اپنی عدم شرکت (اور) کنارہ کشی سے تم (نہ بگاڑ پاؤ گے اس کا کچھ)۔ نہ تم خدا کو نقصان پہنچا سکتے ہو، اس لیے کہ وہ بے نیاز ہے اور نہ ہی رسول کریم کو، اس لیے کہ رسول عصمتِ الٰہی اور حفاظتِ خداوندی کی پناہ میں ہیں۔ (اور) جان لو (اللہ) تعالیٰ اس تغییر وتبدیل۔۔ بلکہ۔۔ (ہر چاہے پر قادر ہے)۔ اور اچھی طرح سے سن لو، کہ اگر تم لوگ مدد نہ دو گے اس کے پیغمبر کو، تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے اور آئندہ اُسے چھوڑ نہ دے، جیسے سابق میں اسنے اسے نہیں چھوڑا۔ پھر کان کھول کر سن لو! کہ۔۔۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ

اگر تم لوگ نبی کی مدد نہ کرو گے، تو بیشک انکی مدد تو اللہ نے کی ہے، جبکہ انکو نکالنے کی سازش کی تھی جنھوں نے کفر کیا تھا، دو جان،

إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ

جبکہ دونوں غار میں ہیں، جب کہتے ہیں اپنے صحابی سے کہ رنج نہ کرنا، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تو اتار دیا

اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ

اللہ نے اپنی تسلی کو ان پر، اور مضبوط کر دیا ان کو ان لشکروں سے جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا، اور کر دیا

كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

کافروں کے بول کو نیچا۔ اور اللہ ہی کا بول بالا ہے۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(اگر تم لوگ نبی کی مدد نہ کرو گے، تو) وہ تمہاری مدد کے محتاج نہیں، کیونکہ (بیشک ان کی مدد تو) ہمیشہ (اللہ) تعالیٰ (نے کی ہے)۔ یاد کرو (جبکہ ان کو) شہر مکہ سے (نکالنے کی سازش کی تھی) ان لوگوں نے، (جنھوں نے کفر کیا تھا)، اور حق تعالیٰ نے انہیں نکل جانے کی اجازت دی تھی، تو خوف کفار سے نہیں، بلکہ حکمِ الٰہی کی وجہ سے نکل پڑے (دو) مبارک (جان) والے، جن میں ہر ایک کو، دو کا دوسرا کہا جا سکتا ہے، لیکن راجح یہی ہے ثَانِيَ سے مراد ذاتِ پیغمبر ہے۔ اس حال میں (جبکہ دونوں غار میں ہیں) یعنی غارِ ثور میں۔

اور وہ غار جبل ثور کی چوٹی پر ہے، جو مکہ معظمہ کی داہنی طرف تھوڑے فاصلے پر ہے۔اس وقت وہاں کوئی نہیں پہنچتا تھا۔تو آنحضرت ﷺ پنج شنبہ کی شب یکم ربیع الاوّل کو مکہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مکان سے ان کے ساتھ نکلے، اور غار کے منہ پر پہنچے، اور حق تعالیٰ نے اُسی شب ببول کا درخت غار کے منہ پر اُگا دیا۔اور یہ بھی روایت ہے، کہ جنگلی کبوتر کے جوڑے کو حکم فرمادیا اور اس نے وہاں گھونسلہ بنالیا اور انڈے دیے۔اور مکڑی کو حکم دیا، اس نے غار کے منہ پر جالا لگالیا۔

غرضیکہ کفار غار کے منہ پر پہنچے اور چونکہ ان حالات سے یہ معلوم ہوتا تھا، کہ حضرت سیّد انام ﷺ یہاں نہیں ہیں۔۔لہٰذا۔۔وہ کفار ضلالت شعار اس غار کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کہتے تھے، کہ یارسول اللہ کہ اگر ان مشرکین میں ایک بھی اپنے قدم کے نیچے نگاہ کرے، تو ضرور ہمیں دیکھ لے گا۔حضرت خواجۂ کائنات ﷺ نے فرمایا، کہ۔۔۔

'کیا گمان ہے تیرا، ان دو کے متعلق جن کا تیسرا خدا ہے'

۔۔۔حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر یہ حدیث اور یہ صحبت اور یہ مدد واضح دلیل ہے۔اللہ تعالیٰ اس حال سے خبر دیتا ہے، کہ یاد کرو اس وقت کو۔۔۔

(جب) پیغمبر (کہتے ہیں اپنے صحابی سے، کہ) کفار کو غار کی چوٹی پر اپنے قریب دیکھ کر **(رنج نہ کرنا، یقیناً اللہ)** تعالیٰ اپنی تمام تر مہربانیوں کے ساتھ **(ہمارے ساتھ ہے)**، وہ ہماری مدد فرمائے گا اور ہمیں بچائے گا۔**(تو)** مزید اطمینان وسکون کے لیے، **(اتار دیا اللہ)** تعالیٰ **(نے اپنی تسلی کو ان پر)**، یعنی نبی کریم پر۔'سکینہ' ہر وہ خصوصی چین ہے، جس سے قلوب کو اطمینان وقرار نصیب ہوتا ہے۔اس سے وہ رحمت مراد ہے، جس سے قلوب آرام اور چین پاتے ہیں۔**(اور مضبوط کر دیا ان کو)** فرشتوں کے **(ان لشکروں سے جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا)** اور جو حضور ﷺ کی مدد کے لیے بدر، احزاب اور حنین میں حاضر ہوئے، تاکہ آپ کو آپ کے دشمنوں پر غلبہ ہو۔

(اور) اللہ تعالیٰ نے اس طرح (کر دیا کافروں کے بول کو نیچا) یعنی شرک کو ابدالآباد تک کے لیے مقہور ومغلوب کر دیا۔**(اور)** ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(ہی کا بول بالا ہے)**۔۔الختصر۔۔کلمۂ شہادت۔۔یا۔۔دعوتِ اسلام۔۔یا۔۔توحید، ہی عالی قدر اور رفیع الشان ہیں، جن کا پرچم قیامت تک شان وشوکت کے ساتھ بلند رہے گا۔سن لو **(اور)** یاد رکھو! کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(غلبہ والا)** ہے، جو موحدوں کو عزت کی مسند عطا فرماتا ہے، اور **(حکمت والا ہے)**، یعنی دانا ہے مشرکوں کو ذلیل وخوار کرتا ہے۔

غزوۂ تبوک کے حکم کے درمیان میں غار کا قصہ بیان کرنے سے مقصود یہ ہے، کہ۔۔۔
اے جہاد سے کراہت کرنے والو! اگر تم ہمارے پیغمبر کو مدد نہ دو گے، تو ہم اس کی مدد کریں گے، اس طرح جیسے وہاں پر ہم نے اس کی مدد کی اور دشمنوں میں سے صحیح وسلامت نکال لائے، جہاں اس کے ساتھ صرف ایک ہی آدمی تھا، اور قریش کے تمام سردار اُسے قتل کرنے کے ارادے سے کھڑے ہوگئے تھے۔ تو مدد کی کنجی ہمارے ہی قبضہ قدرت میں ہے، تو۔۔۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

کوچ کرو خواہ ہلکے پھلکے اور خواہ بھرے بھرے، اور جہاد کرو اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں۔

ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر بوجھو●

(کوچ کرو خواہ ہلکے پھلکے) یعنی پیادے۔یا۔بیمار۔یا۔بوڑھے۔یا محتاج۔یا۔نہتے۔یا۔بے جورو۔یا۔دبلے۔یا۔تنہا ہو، (اور خواہ بھرے بھرے) یعنی سوار۔یا۔تندرست۔یا۔جوان۔یا۔مالدار۔یا۔ہتھیار والے۔یا۔جورو والے۔یا۔موٹے۔یا۔خدمتگار والے۔۔المختصر۔۔مذکورہ بالا حالات میں تمہاری جو بھی حالت ہو، پیادے ہو یا سوار، بیمار ہو یا تندرست، بوڑھے ہو یا جوان محتاج ہو یا مالدار، نہتے ہو یا ہتھیار والے، بے جورو ہو یا جورو والے، دبلے ہو یا موٹے، تنہا ہو یا خدمتگار والے۔۔یونہی۔۔فیضانِ طاعت سے سُبک روح ہو چکے ہو۔یا۔کسی اور وجہ سے گراں خاطر وگراں بار ہو، جب رسول جہاد کے لیے نکل پڑے اور تم کو بھی نکلنے کا اِذن دے دیا، تو اب کچھ پس وپیش مت کرو، بلکہ نکل پڑو (اور جہاد کرو اپنے مال وجان سے، اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)۔ یاد رکھو، کہ (یہ) نکلنا اور لڑنا (تمہارے لیے بہتر ہے)، خلاف کرنے اور جہاد نہ کرنے سے، (اگر بوجھو) تم جہاد کرنے کے ثواب اور نہ کرنے کے عذاب کو۔
جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو غزوۂ تبوک کا حکم فرمایا، تو وہ لوگ تین گروہ ہوگئے۔
ایک گروہ نے تو جلدی کی اور حکم سنتے ہی قبول کرلیا، اور وہ بڑے بڑے مہاجر وانصار تھے۔
اور بعضے ضعیف مومنوں کو گراں گزرا، مگر خدا اور رسول کے حکم کو خواہش نفس پر مقدم رکھا اور اختیار کیا۔ اور بعضوں نے مکان پر رہنے اور خلاف کرنے کی اجازت چاہی، اور وہ منافق لوگ تھے۔ تو ان کے تعلق سے یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰـكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ

اگر ہوتا آس پاس کا مال اور سفر معتدل، تو وہ سب ساتھ ہوتے تمہارے۔ لیکن دور لگی انھیں

الشُّقَّةُ ‌ؕ وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَـرَجۡنَا مَعَكُمۡ‌ ۚ يُهۡلِكُوۡنَ

دشوار مسافت، اور بہت جلد قسم کھائیںگے اللہ کی، کہ اگر ہم سکت رکھتے تو ضرور نکلے ہوتے تمہارے ساتھ۔ وہ تباہ کررہے ہیں

اَنۡفُسَهُمۡ‌ ۚ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ۝٤٢ ع ۱۲/۵

اپنے آپ کو۔ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں●

(اگر ہوتا) وہ جن کی طرف انہیں بلایا گیا ہے، (آس پاس کا مال) یعنی نزدیک ہی حاصل ہو جانے والا دنیاوی مال، جس کو حاصل کرنے کے لیے زیادہ تگ ودو کی ضرورت نہ ہوتی، (اور) اگر اس کے لیے (سفر) بھی کرنا پڑتا، تو وہ سفر (معتدل) یعنی زیادہ دشواریوں والا نہ ہوتا۔۔ بلکہ۔۔ درمیانہ اور آسان ہوتا، (تو وہ سب ساتھ ہوتے تمہارے) مال کی لالچ میں، (لیکن دور لگی انہیں دشوار مسافت) یعنی ایسی مسافت جو بغیر مشقت طے نہیں کی جاسکتی۔۔ چنانچہ۔۔ وہ اس کے لیے اپنے کو تیار نہ کرسکے، اور نہ جانے کے مختلف بہانے ڈھونڈنے لگے، (اور) اپنے کو بے سکت ثابت کرنے لگے۔

اے محبوب! آپ کی بارگاہ میں یہ لوگ (بہت جلد قسم کھائیں گے اللہ) تعالیٰ (کی، کہ اگر ہم سکت رکھتے، تو ضرور نکلے ہوتے تمہارے ساتھ) اور رِفاقت کرنے میں موافقت کرتے۔ درحقیقت اپنے اس طرزِ عمل سے (وہ تباہ کررہے ہیں اپنے آپ کو)، اور اپنی ذات کو عذاب کا مستحق بنارہے ہیں۔ یہ جھوٹے کس خواب وخیال (اور) کس خوش فہمی میں ہیں، وہ یقین کرلیں، کہ بے شک! (اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں) اور جہاد میں نہ شریک ہونے کے لیے جو عذر پیش کررہے ہیں، وہ صحیح نہیں، تو۔۔۔

عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ‌ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا

اللہ معاف کرے، تم نے کیوں چھٹی دے دی انھیں، کہ آخر کھل جاتے سچے،

وَتَعۡلَمَ الۡـكٰذِبِيۡنَ ۝٤٣

اور پہچان لیتے جھوٹوں کو●

(اللہ) تعالیٰ (معاف کرے)۔

یہ جملہ، لوگوں کی عادت کے مطابق ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ لوگوں میں یہ بات معروف ہے، کہ اس شخص کے واسطے عفو و رحمت اور بخشش و مغفرت کی دعا کرتے ہیں، جس سے کچھ خطا سرزد نہ ہوئی ہو۔ جیسے کوئی پیاسے کو پانی پلاتا ہے اور پیاسا کہتا ہے غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ۔۔ اللہ تیری مغفرت فرمائے۔۔یا۔۔جسے چھینک آتی ہے، اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہتا ہے، تو اس کے جواب میں یَرْحَمُكَ الله کہتے ہیں۔۔کہ اللہ تم پر رحم فرمائے۔۔وغیرہ۔تو یہاں بھی عام اسلوبِ گفتار کی رعایت کرتے ہوئے، کلمہءِ محبت استعمال فرمایا گیا ہے، جس سے کسی سرزد گناہ کی معافی مقصود نہیں۔

ویسے بھی اِذن دینا۔یا۔نہ دینا، یہ دونوں باتیں حضور ﷺ کے اختیار میں تھیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی اِذن دینے سے روکا نہیں تھا۔اور عذر قبول کر لینا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ کی رحمتِ عامہ کے مناسب تھا۔۔الغرض۔۔حضور کا اِذن دینا کسی لغزش کے خانے میں نہیں آتا، پھر وہ گناہ کے خانے میں کیسے آسکتا ہے۔۔۔لیکن ربِ قدیر کو نبی کریم کے مقامِ رفیع کے پیشِ نظر، ایک سوال کرنا تھا، تو کہیں اس کو عتابِ الٰہی نہ سمجھ لیا جائے، اس لیے کلمہءِ محبت عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ کو پہلے ارشاد فرمایا اور سوال بعد میں کیا، تا کہ لوگوں کا ذہن بھٹکنے نہ پائے اور اگر کوئی آپ کے اِذن کو آپ کی شان کے پیشِ نظر، خلافِ اولیٰ بھی قرار دے، تو اس کو بھی جواب مل جائے، کہ یہ وہ خلافِ اولیٰ ہے، جسے سوال کرنے سے پہلے عفو و مغفرت کی خداوندی سند دی جاچکی ہے۔یہ بھی میرے محبوب کی شانِ محبوبیت کا کرشمہ ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا، کہ

اے محبوب! اللہ معاف کرے (تم نے) ان منافقین کا عذر کیوں سن لیا، اور ان کے حیلوں پر کیوں توجہ دی، اور پھر بہ عجلت (کیوں چھٹی دے دی انہیں)۔ یہاں تک تو آپ ٹھہرتے (کہ آخر کار (کھل جاتے) عذر کرنے میں جو (سچے) تھے، (اور پہچان لیتے جھوٹوں کو)، یعنی جھوٹ بولنے والے اور جھوٹا عذر کرنے والے آپ پر ظاہر ہو جاتے۔۔۔اے محبوب! جنگ میں نہ جانے کی اجازت چاہنا ہی ان کے دل کے کھوٹ کی نشاندہی کرتا ہے۔اگر یہ سچے اور مخلص ہوتے، تو رسول کریم کی مرضی کے خلاف عمل کرنے کی اجازت ہی کیوں چاہتے؟ منافقین کا نفاق ان سے حیلے اور بہانے کراتا رہے گا، لیکن۔۔۔

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا

چھٹی تم سے نہ لیں گے جو مانتے ہیں اللہ کو اور پچھلے دن کو،

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۴۴﴾

اپنے مال و جان سے جہاد کرنے سے، اور اللہ جانتا ہے اپنے ڈرنے والوں کو●

(چھٹی تم سے نہ لیں گے، جو مانتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کو)، اور تحقیق اور یقین کے ساتھ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، (اور) مانتے ہیں (پچھلے دن کو، اپنے مال و جان سے جہاد کرنے سے۔ اور اللہ) تعالیٰ خوب (جانتا ہے اپنے ڈرنے والوں کو)، یعنی پرہیزگاروں کو جنہوں نے خلاف کرنے سے پرہیز کیا۔

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

چھٹی وہی مانگتے ہیں جو نہ اللہ کو مانیں، نہ قیامت کو مانیں،

وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿۴۵﴾

شک میں پڑے ہیں ان کے دل۔ تو وہ اپنے شک میں ہچکولے لیتے ہیں●

ان کے برخلاف (چھٹی وہی مانگتے ہیں، جو نہ اللہ) تعالیٰ (کو مانیں) اور (نہ) ہی (قیامت کو مانیں۔ شک میں پڑے ہیں ان کے دل)۔ یعنی وہ حقیقتِ اسلام میں متردد ہیں، (تو وہ اپنے شک میں ہچکولے لیتے ہیں) اور سرگرداں و حیران پھرتے ہیں۔ ان کی عقل کام نہیں کر رہی ہے، بلکہ ایک طرح سے ناکارہ ہو چکی ہے۔۔ چونکہ۔۔ یہ منافقین شریکِ جنگ ہونا ہی نہیں چاہ رہے تھے، اسی لیے انہوں نے رخصت حاصل کر لینے کا پروگرام بنا لیا۔۔۔

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ

اور اگر جانا چاہتے تو اس کا سامان کرتے، لیکن اللہ ہی کو ان کا اٹھنا منظور نہ تھا، تو انھیں احدی کر دیا،

وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿۴۶﴾

اور کہہ دیا گیا کہ معذوری سے بیٹھنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو●

(اور اگر) وہ غزوۂ تبوک میں (جانا چاہتے، تو اس کا سامان کرتے)، اور سامانِ سفر تیار کر لیتے جس کی وہ استطاعت رکھتے تھے۔۔ الغرض۔۔ باوجود مکمل استطاعت کے، انہوں نے جہاد میں

شریک ہونا نہیں چاہا۔اور رخصت چاہ لی۔ یہ تو ظاہری پہلو تھا۔(لیکن) حقیقت تو یہ تھی، کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کو ان کا) غزوۂ تبوک میں شرکت کے لیے (اٹھنا منظور نہ تھا)، اسی لیے (تو انہیں احدی کر دیا) اور ان پر ڈر اور سستی غالب کر دی۔۔نیز۔۔ان کے دلوں میں بات ڈالدی (اور) ان سے (کہہ دیا گیا، کہ معذوری سے بیٹھنے والو) یعنی عورتوں، بچوں، بیماروں اور اپاہجوں (کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو)۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات خود آنحضرت ﷺ نے ان سے ناراض ہو کر فرمائی۔۔یا یہ کہ۔۔ان میں سے بعض بعض سے کہتے تھے۔اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے، کہ یہ مضمون بطور تشبیہ و تمثیل ہے۔۔مثلاً: امر آمر کے بعد ان کے دلوں میں کراہت ڈالے جانے کو گھروں میں بیٹھنے والوں کے بیٹھنے سے تشبیہ دی ہے۔

ان منافقین کے سردار عبداللہ ابن ابی نے یہ تماشہ بھی کیا، کہ اپنے غول کے ساتھ ایسا نکلا، گویا وہ جنگ میں شریک ہونے جا رہا ہے، پھر مقام زیاب کے سامنے ٹھہرا۔جب لشکر ظفر پیکر ثنیۃ الوداع روانہ ہو کر دوسری منزل کی طرف کوچ کر گیا، تو پھر یہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ الٹا پھر آیا۔ یہ خبر رسولِ مقبول کو پہنچی، تو فرمایا، کہ اس میں کچھ بھلائی ہوتی، تو ہمارا ساتھ دیتا۔شکر کرو، کہ شریروں کے شر سے تم بچ گئے۔اور حق ﷻ نے جناب رسالت مآب کے قول کے موافق، یہ آیت بھیجی۔جس سے یہ بھی واضح ہو گیا، کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کے لیے منافقین کے نکلنے کو کیوں ناپسند فرمایا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا۔۔۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ

وہ لوگ اگر نکلتے تم میں، تو نہ بڑھاتے تم میں سوا نقصان کے، اور ضرور گپیں اڑاتے تم میں، چاہتے کہ تم میں فتنہ پڑ جائے۔

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷

اور تم میں ان کی بات سننے والے ہیں۔ اور اللہ دانا ہے ان ظالموں کا●

(وہ لوگ اگر نکلتے تم میں، تو نہ بڑھاتے تم میں سوا نقصان کے) یعنی تباہی، برائی اور بے وفائی ہی کا مظاہرہ کرتے، (اور ضرور گپیں اڑاتے) اور وضع کرتے سخن چینی، غمازی و چغل خوری اور فساد (تم میں)۔یعنی تمہارے درمیان۔اور (چاہتے کہ تم میں فتنہ پڑ جائے)، یعنی تم میں مخالفت اور پھوٹ ڈال دیتے اور تمہیں رومیوں کی لڑائی سے ڈراتے۔(اور) حال یہ ہے، کہ (تم میں ان کی بات سننے والے

ہیں)۔یعنی ان کے جاسوس ہیں، جو تمہاری خبریں انہیں پہنچاتے ہیں۔تو ہوشیار ہو جاؤ (اور) یقین رکھو، کہ (اللہ) تعالیٰ (دانا ہے) جاننے والا ہے (ان) نفاق والے (ظالموں کا)، اور ان کے جاسوسوں کا۔

مذکورہ بالا اجمالی بیان کی مختصر تفصیل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا اور ان کا جہاد کے لیے نکلنا اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت تھا، اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع تھا، اور آپ کی اور مومنین کے لیے نصرت تھی، اور ان کا یہ عمل محبوب اور پسندیدہ تھا۔ لیکن اللہ ﷻ کو یہ علم تھا، کہ اگر یہ جہاد کے لیے نکلے، تو ان کی نیت اللہ کی رضا جوئی، اس کے رسول کی اتباع، اور مسلمانوں کی نصرت نہیں ہوگی، بلکہ ان کا نکلنا اس لیے ہوگا، کہ وہ راستہ میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں۔ ادھر کی اُدھر لگائیں، اور مسلمانوں میں فساد ڈالنے کی کوشش کریں۔

اور ان کا مطمح نظر یہ ہوگا، کہ کسی طرح رسول اللہ ﷺ کا مشن ناکام کیا جائے، اور اس جہاد میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار کیا جائے۔ اس لیے اُن کا جہاد کے لیے نکلنا اگرچہ بظاہر اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کا اتباع تھا، لیکن دراصل اُن کا نکلنا رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی بدخواہی پر مبنی تھا۔ اور اُن کا نکلنا اس چیز کو مستلزم تھا، جو اللہ کے نزدیک مکروہ اور مبغوض تھی۔ سو اُن کا نکلنا اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ تھا۔

اور جس اعتبار سے مسلمان جہاد کے لیے نکلے تھے، اس اعتبار سے ان کا نکلنا محبوب اور پسندیدہ تھا۔ اور اللہ کو علم تھا، کہ منافقین کا اسی اعتبار سے جہاد کا نکلنا تھا، جو اللہ کو ناپسندیدہ اور مبغوض ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کو ان کا نکلنا ناپسند تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس لیے مذمت کی، کہ جس طرح ان کو جہاد کے لیے نکلنا چاہیے تھا، اس طرح جہاد کے لیے نہیں نکلے۔ اور ان کے اس طرح نہ نکلنے اور بیٹھے رہنے کی وجہ سے ان کو عذاب دے گا۔

اس بنا پر جواب میں یہ کہا جائے گا، کہ ان کو جہاد کے لیے جس طرح نکلنا چاہیے تھا، اس طرح ان کا نہ نکلنا اللہ کو مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔ اور اس کی ضد ہے جہاد کے لیے اس طریقہ سے نکلنا، یہ اللہ کو پسندیدہ ہے، لیکن وہ اس طرح نہیں نکلنا چاہتے تھے۔ وہ بربناء فساد جہاد کے لیے نکلنا چاہتے تھے، اور یہ نکلنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض اور ناپسندیدہ تھا۔ غرض یہ کہ ان کا جہاد کے لیے نکلنا بھی ناپسندیدہ تھا، اور نہ نکلنا بھی حکم کی خلاف ورزی اور موجب عذاب تھا۔ المختصر۔۔ان فتنہ پروروں کی، فتنہ پروری کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتّٰى

بے شک انھوں نے فتنہ مچانا چاہا پہلے، اور الٹا کیے تمہارے کاموں کو، یہاں تک کہ

جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

حق آیا اور اللہ کی مرضی ظاہر ہوگئی، اور وہ ناک بھوں چڑھائے ہیں●

(بے شک انہوں نے فتنہ مچانا چاہا) تھا (پہلے) بھی جنگِ اُحد اور جنگِ خندق کے موقع پر۔ ان مواقع پر ان کی کوشش تھی، کہ اصحاب متفرق ہوجائیں اور پریشانیوں میں مبتلا ہوجائیں، اور خود حکم کی تعمیل میں سستی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اگر جنگِ اُحد میں نبی کریم سے پھر گئے، تو جنگ خندق میں بول پڑے۔۔۔ 'اے یثرب والو! تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں'۔۔۔ یعنی جنگ سے واپس چلو، کیونکہ کفار کا مقابلہ تمہارے بس سے باہر ہے، (اور) اتنا ہی نہیں، بلکہ (الٹا کیے تمہارے کاموں کو)، یعنی تمہارے کاموں کو خراب کرنے کے لیے مکر و حیلے سے کام لیا، (یہاں تک کہ) نصرتِ خداوندی کی شکل میں (حق آیا اور اللہ) تعالیٰ (کی مرضی ظاہر ہوگئی) اور دین غالب و سربلند ہوگیا (اور وہ ناک بھوں چڑھائے ہیں)، یعنی وہ نہ چاہنے والے ہیں تیری نصرت اور دولت کو، مگر جب خدا چاہتا ہے، تو ان کے نہ چاہنے سے کیا ہوتا ہے؟

وہ لوگ جنگ میں نہ جانے کے لیے کیا کیا بہانے تراشتے تھے، اس کی ایک مثال یہ ہے، کہ جب حضرت رسالت پناہ ﷺ نے جند بن قیس سے فرمایا، کہ 'شاید اہل روم کے قتال پر تو میل کرے اور ان سے حریں خوب اور لونڈیا مرغوب لے'۔ جند بن قیس بولا، کہ انصار جانتے ہیں، کہ عورت میری کمزوری ہے۔ ڈرتا ہوں، کہ رومیوں کی عورتوں کو دیکھ کر میں آپے سے باہر نہ ہوجاؤں اور فتنے میں مبتلا ہوجاؤں۔

۔۔الحاصل۔۔ بہانے بناتے ہیں۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ

اور ان کے بعض کہتے ہیں کہ مجھے چھٹی دیجیے، اور فتنہ میں نہ ڈالیے۔ خبردار! وہ لوگ خود فتنہ میں

سَقَطُوْا ؕ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

گر پڑے۔ اور بے شک جہنم کافروں پر گھیرا ڈالے ہے●

(اوران کے بعض کہتے ہیں، کہ مجھے چھٹی) دے (دیجیے اور فتنہ) وآزمائش (میں نہ ڈالیے۔ خبردار) ان کی چکنی چپڑی باتوں پر دھیان نہ دیجیے، اس لیے کہ (وہ لوگ) تو (خود) اپنے نفاق کو ظاہر کر کے (فتنہ میں گر پڑے) ہیں، اور آزمائش میں ناکام ثابت ہوگئے ہیں۔ (اور) ان کے اسی منافقانہ کرتوت کی وجہ سے (بے شک جہنم کافروں پر گھیرا ڈالے ہے)۔ جہنم میں جانا اور اس کے گھیرے میں آنا، ان کا مقدر بن چکا ہے۔ ان کا حال عجیب ہے، اے محبوب! بعض لڑائیوں میں۔۔۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا

اگر پہنچے تم کو خیریت، تو انھیں برا لگے۔ اور اگر پہنچے مصیبت، تو کہیں کہ بے شک

قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿٥٠﴾

ہم نے بنالیا تھا اپنا معاملہ پہلے ہی سے۔ اور منہ پھیرے بڑے خوش ●

(اگر پہنچے تم کو خیریت) یعنی بھلائی، فتح، غنیمت، جیسا کہ بدر میں ہوا، (تو انہیں برا لگے) کمالِ حسد کی وجہ سے۔ (اور اگر پہنچے) بعض لڑائیوں میں (مصیبت)۔۔ مثلاً: زخم، شدت، جیسے کہ جنگِ اُحد میں ہوا تھا، (تو) خود پرستی کی راہ سے مسرور ہو کر (کہیں، کہ بے شک ہم نے بنالیا تھا اپنا معاملہ پہلے ہی سے)۔۔ چنانچہ۔۔ ہم نے دور اندیشی اور احتیاط سے کام لیا، جو اس لڑائی میں نہیں گئے ۔۔ چنانچہ۔۔ وہ خوشیاں مناتے ہوئے (اور) اپنی روگردانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے، لوٹتے ہیں (منہ پھیرے بڑے) ہی (خوش)۔ اے محبوب! واشگاف انداز میں ان سے۔۔۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ

کہہ دو، کہ "ہرگز نہ پہنچے گا ہمیں، مگر جو لکھ دیا اللہ نے ہمارے لئے۔ وہ ہمارا مولیٰ ہے"۔ اور اللہ ہی پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿٥١﴾

تو مسلمانوں کا بھروسہ ہے ●

(کہہ دو، کہ ہرگز نہ پہنچے گا ہمیں مگر جو لکھ دیا) لوحِ محفوظ میں (اللہ) تعالیٰ (نے ہمارے لیے)، وہ خواہ غنیمت ہو۔۔ یا۔۔ ہزیمت، خوشی ہو۔۔ یا۔۔ سختی، اور دولت ہو۔۔ یا۔۔ نکبت۔ ہم اس کی رضا پر راضی اور اس کی قضاء پر صابر و شاکر ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (وہ ہمارا مولیٰ ہے) یعنی والی، یار

اور کام بنانے والا ہے۔ (اور اللہ ہی پر)، اس کے غیر پر نہیں، (مسلمانوں کا بھروسہ ہے) اس واسطے، کہ خدا پر توکل کرنے کا نتیجہ، مُرادوں کا حصول، مہمات کی کفایت اور آفتوں سے بے خوفی ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ

کہہ دو کہ ہمارے لئے کیا انتظار کرتے ہو بجز دو بھلائیوں میں ایک۔ اور ہم تمہارا انتظار کرتے ہیں اس کا،

اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ڮ

کہ مصیبت میں ڈالدے تمہیں اللہ، عذاب بھیج کر اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے،

فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾

تو تم انتظار کرتے رہو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں●

اے محبوب! (کہہ دو، کہ ہمارے لیے کیا انتظار کرتے ہو بجز دو بھلائیوں میں سے ایک) یعنی ہماری فتح۔۔یا۔۔ ہماری شہادت کے سوا ہمارے تعلق سے تم کسی اور بات کے امیدوار ہو، تو تمہاری یہ امید پوری ہونے والی نہیں، اس لیے کہ ہر معرکہ حق و باطل کے نتیجے میں، ہمیں دو میں سے ایک چیز تو ملے گی ہی۔ اگر ہم قتل کریں گے، تو فتح و نصرت ہمیں ملے گی۔ اور اگر مقتول ہوں گے، تو شہادت ہمارا مقدر ہوگی۔

خیر تم ہمارے لیے مذکورہ بالا دو باتوں میں سے جس چیز کا بھی انتظار کرو (اور ہم)۔۔نیز۔۔ سارے اہل ایمان، (تمہارا انتظار کرتے ہیں اس کا) اور تمہارے تعلق سے صرف اس بات کے امیدوار ہیں، (کہ مصیبت میں ڈالدے تمہیں اللہ) تعالیٰ، خواہ (عذاب بھیج کر اپنے پاس سے) جیسے زلزلہ، زمین دھنسا دینا، تا کہ تم ہلاک ہو جاؤ (یا) تمہیں عذاب پہنچائے (ہمارے ہاتھوں سے)، کہ تمہیں تمہارے کفر کے سبب ہم قتل کریں۔ (تو تم انتظار کرتے رہو) اس چیز کا جو ہمارے لیے چاہتے ہو، اور (ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں) اس کے جو تمہارے واسطے چاہتے ہیں۔

اے محبوب! جند بن قیس کی اس احمقانہ گزارش کو تو دیکھیں، یہ آپ سے عرض کرتا ہے، کہ میں جنگِ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت چاہتا ہوں، اس واسطے کہ رومیوں کی لڑائی میں جانے سے معذور ہوں، مگر آپ کے لشکر کو اپنے مال سے مدد دیتا ہوں، تو اے محبوب! اس کے اور اس جیسے تمام منافقین کے تعلق سے۔۔۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ

فیصلہ کردو کہ تم لوگ خرچ کرو خوشی سے یا دباؤ سے، تم لوگوں سے قبول نہ کیا جائے گا۔

اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

بے شک تم نافرمان لوگ تھے●

(فیصلہ کردو) اوراس سے انہیں باخبر کردو، (کہ تم لوگ خرچ کرو خوشی سے یا دباؤ سے)، یعنی تم لوگ دینا چاہو خواہ رغبت سے۔۔۔یا۔۔۔کراہت ونفرت سے، کسی صورت میں بھی (تم لوگوں سے) مال (قبول نہ کیا جائے گا)۔اس لیے کہ (بے شک تم نافرمان) یعنی دائرۂ اسلام سے باہر نکلے ہوئے (لوگ تھے)، اورکافروں کا خرچ قبول نہیں۔۔۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ

اور نہیں ہے کوئی رکاوٹ ان کی کہ قبول کرلیا جائے ان کا خرچ کرنا، مگر یہ کہ انھوں نے کفر کیا اللہ اور رسول کے ساتھ،

وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور نہیں آتے نماز کو مگر بے جی کے، اور نہ خرچ کریں مگر دباؤ میں پڑکر●

(اور نہیں ہے کوئی رکاوٹ ان کی، کہ قبول کرلیا جائے ان کا خرچ کرنا)، یعنی ان کے نفقات کو قبول کرنے میں کوئی اور شے مانع نہیں، (مگر) اگر کوئی مانع اور رکاوٹ ہے، تو وہ (یہ) ہے (کہ انہوں نے کفر کیا اللہ) تعالیٰ (اور) اس کے (رسول کے ساتھ)۔اسی وجہ (اور) اسی سبب سے (نہیں آتے نماز کو، مگر بے جی کے، اور نہ) ہی (خرچ کریں، مگر دباؤ میں پڑکر)۔۔۔الغرض۔۔۔چونکہ وہ دل سے اللہ و رسول پر ایمان نہیں لائے ہیں، اس لیے ان کا عمل اور ان کی ہر عبادت خواہ بدنی ہو۔۔۔یا۔۔۔مالی، سب کی سب منافقانہ ہے۔جبھی ان اعمال کو انجام دینے میں ثواب کی امید نہیں رکھتے، اور انہیں ترک کردینے میں عذاب سے نہیں ڈرتے۔اب رہ گیا ان کا اموال واولاد والا ہونا، تو یہ چیز آپ کی امت کی نظر میں پسندیدہ نہیں ہونا چاہیے، اور نہ ہی آپ کے امتیوں کو اس پر متعجب ہونا چاہیے۔۔۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

تو تعجب میں نہ ڈالیں تم کو ان کے مال، نہ اولاد۔اللہ یہی چاہتا ہے کہ عذاب دے

بِهَا فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

ان چیزوں سے دنیاوی زندگی میں، اوران کا دم نکلے جب کہ وہ کافر ہی ہوں●

(تو تعجب میں نہ ڈالیں تم کو) اے وابستگانِ دامن نبوت (ان کے مال) اور (نہ) ہی ان کی (اولاد)، اس لیے کہ مال اور اولاد کی کثرت ان کے واسطے وبال ہے، کیونکہ (اللہ) تعالیٰ (یہی چاہتا ہے کہ عذاب دے ان چیزوں سے) ان کو ان کی (دنیاوی زندگی میں)۔ دنیا میں مال جمع کرنے کی تکلیف ومشقت اور اس کی حفاظت کے سبب سے، اور اولاد سے جو تکلیفیں اور مصیبتیں پہنچتی ہیں، اس کی وجہ سے۔۔ الحتصر۔۔ مذکورہ بالا اسباب اور وجہیں ان کے حق میں عذابِ الٰہی ہیں، جس سے انہیں پرسکون زندگی گزارنے کا موقع ہی میسر نہیں آسکتا۔ (اور) اللہ یہ بھی چاہتا ہے، کہ (ان کا دم نکلے) اس حال میں (جبکہ وہ کافر ہی ہوں)، یعنی کفر ہی پر مریں۔ نہ ان کا مال ان کی دستگیری کرے، اور نہ ہی ان کی اولاد فریاد کو پہنچے۔۔۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۚ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ

اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ تم میں سے ضرور ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾

سے نہیں۔ ہاں وہ تم سے ڈرتے ہیں●

(اور) ذرا ان کی دیدہ دلیری تو دیکھو، کہ (قسمیں کھاتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی، کہ وہ تم میں سے ضرور ہیں) یعنی وہ مسلمان ہی ہیں، (حالانکہ وہ تم میں سے نہیں) ہیں۔ (ہاں وہ تم سے ڈرتے ہیں) کہ کہیں ان کے ساتھ قتل اور قید سے اس طرح نہ پیش آؤ، جیسے مشرکوں سے پیش آتے ہو۔ تو اس واسطے پیروی کے ساتھ یعنی مسلمانوں جیسا عمل کر کے اپنے کو اسلام والا ظاہر کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں سے اس قدر خوف زدہ ہیں، کہ وہ جلد سے جلد مسلمانوں کی پہنچ اور ان کی گرفت سے نکل جانا چاہتے ہیں۔۔ تو۔۔

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا

اگر پا جائیں کوئی پناہ گاہ، یا سرنگ، یا سوراخ، تو ادھر جھک پڑتے،

اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

دوڑتے ہوئے●

(اگر) وہ (پاجائیں کوئی پناہ گاہ۔۔یا۔۔سرنگ۔۔یا۔۔سوراخ) جس میں وہ گھس سکیں، (تو ادھر جھک پڑتے دوڑتے ہوئے) منہ زور گھوڑے کی طرح، جورو کنے سے بھی نہ رکے۔جن منافقین کا ذکر ہورہا ہے، ان کے طرزِ عمل سے واضح ہوگیا، ان کا مقصد صرف حصولِ دنیا ہے اور بس۔اورانہیں صرف اسی کی حرص ہے، کہ زیادہ سے زیادہ دنیاوی مال حاصل کرلیں۔حرصِ مالِ دنیا نے انہیں گستاخ وجری بنادیا ہے، تواے محبوب! ابولجواظ منافق، ابن خویصرہ، معتب بن قشیر۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا

اوران میں کوئی ہے، کہ نکتہ چینی کرتا ہے تم پر صدقات میں، چنانچہ اگر ان کو دیا گیا تو خوش ہوگئے،

وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور اگر نہیں دیا گیا تو خفا ہیں●

(اور) ان جیسا (ان) منافقین (میں کوئی) کوئی (ہے)، جو (کہ نکتہ چینی کرتا ہے تم پر صدقات) یعنی زکوٰۃ۔۔یا۔۔حنین کی غنیمتوں کی تقسیم کے بارے (میں)۔

۔۔چنانچہ۔۔ابوالجواظ نے کہا، کہ اے مسلمانو! اپنے یار کو دیکھو، کہ تمہارے صدقے بکریاں چرانے والوں کو دیتا ہے، اور گمان کرتا ہے کہ میں عدل کرتا ہوں۔۔یونہی۔۔جب نبی کریم نے تالیفِ قلب کے لیے نئے مسلمانوں کو زیادہ حصہ دیا۔۔یا۔۔یمن سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھیجا ہوا سونا سب کا سب شرفائے عرب میں سے، صرف چار آدمیوں کو دے دیا، تو ابن خویصرہ نے جرأت وبیباکی کر کے آنحضرت ﷺ سے کہا، کہ یارسول اللہ انصاف کیجیے، اور آپ نے اس کے جواب میں فرمایا، اگر میں نے انصاف نہیں کیا، تو کون شخص انصاف کرے گا۔آپ نے اس کا اور اس کی قوم کا نام 'مارقین' رکھا، یعنی ایمان سے خارج ہوجانے والے۔جنگِ نہروان میں رسول کریم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہی سے جنگ کی تھی اور ان کا قلع قمع کردیا تھا۔۔المختصر۔۔حالات شاہد ہیں، کہ یہ مال کے حریص ہیں۔۔۔

(چنانچہ اگر) ان کی منشاء کے مطابق (ان کو) مال دے (دیا گیا، تو خوش ہوگئے اور اگر نہیں دیا گیا تو) ان کے چہرے سے صاف ظاہر ہوجائے گا، کہ وہ (خفا ہیں)۔۔۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ

کاش وہ خوش ہوجاتے جو دیدیا تھا ان کو اللہ اور اس کے رسول نے۔ اور کہتے کہ کافی ہے ہمیں اللہ،

سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع ۱۲

بہت جلد دے گا ہمیں اللہ اپنے فضل سے، اور اس کا رسول۔ بے شک ہم اللہ کی طرف راغب ہیں●

(کاش) ایسا ہوتا، کہ (وہ خوش ہوجاتے) اور راضی ہوجاتے اس پر، صدقہ۔۔یا۔۔غنیمت میں سے (جو دے دیا تھا ان کو اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول نے۔اور) کمالِ سعادت کا مظاہرہ کرتے ہوئے (کہتے، کہ کافی ہے ہمیں اللہ) تعالیٰ، یعنی فضلِ الٰہی ہمارے لیے بس ہے۔ہم رحمتِ خداوندی سے مایوس نہیں ہیں۔۔چنانچہ۔۔(بہت جلد دے گا ہمیں اللہ) تعالیٰ (اپنے فضل) بے پایاں (سے اور) یونہی (اس کا رسول) عطا فرمائے گا اپنے کرم بے نہایت سے۔(بے شک ہم اللہ) تعالیٰ (کی طرف راغب ہیں) یعنی اُسی کی طرف مائل ہونے والے اور اُسی سے امید رکھنے والے ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔اُن کا یہ کہنا ان کے واسطے بہتر ہوتا، اس لیے کہ قسمت پر راضی ہونا خوشی کا سبب ہوتا ہے۔اور اس میں ناراض ہونا، رنج ومحنت کا سبب ہے۔۔بے شک بقول حضرت ابراہیم ابن ادھم۔۔۔جو شخص مقدرات پر خوش ہوا، وہ رنج وملال سے چھوٹا۔۔۔اب آگے حق تعالیٰ صدقات کے مصارف بیان فرمارہا ہے، تاکہ لوگ جان لیں، کہ آنحضرت ﷺ نے غنیمتیں تقسیم کرنے میں جو کچھ کیا، وہ عین صواب تھا۔تو جان لو اور یاد رکھو، کہ۔۔۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا

صدقات تو مالک بنادینا ہے، صرف فقیروں کو، اور ناداروں کو، اور جو تحصیلنے کو عامل اس پر ہیں۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور جن کے دل کو لگائے رکھنا ہے، اور غلام کو آزاد کرنے میں، اور قرض داروں کو، اور اللہ کی راہ میں،

وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾

اور حاجت مند مسافروں کو۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(صدقات تو مالک بنادینا ہے صرف فقیروں کو)، یعنی ان کو جو کفاف معیشت یعنی روزمرہ کا خرچ و وظیفہ رکھتا ہو، اس لیے سوال نہ کرتا ہو، (اور) مالک بنادینا ہے (ناداروں کو) جو کفاف معیشت

نہ رکھتا ہو، اس سبب سے سوال کرے، **(اور جو تحصیلنے کو عامل اس پر ہیں)**۔ یعنی جو اس کی تحصیل کرنے اور اس کو وصول کرنے میں کوشش کرنے کے لیے مقرر ہیں۔ **(اور)** ان کے لیے ہے **(جن کے دل کو لگائے رکھنا ہے)**۔ یعنی جن لوگوں نے اسلام تو قبول کیا، مگر ان کی نیتیں ابھی خالص نہیں، تو ان کی تالیف قلوب کے واسطے انہیں محظوظ کرنا چاہیے۔

اور مؤلّفِ قلوب اشرافِ عرب تھے، کہ آنحضرت ﷺ نے اس بات پر نظر کر کے، کہ ان کے دلوں میں دینِ حق کی طرف اور اسلام قبول کرنے کی جانب الفت ہے، اُن ایسے لوگوں کو حنین کی غنیمتوں میں سے پورا حصہ عطا فرمایا، جیسے حضرات ابوسفیان عتبہ بن حصن اور اقرع بن حابس وغیرہ کو، اور چونکہ مؤلّفِ قلوب لوگوں کا حصہ ان غرضوں سے تھا جو مذکور ہوئیں، تو ظہورِ اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کے بعد صحابہ کے اجماع سے، یہ حصہ ساقط ہو گیا۔

(اور) ایسے ہی صدقات ہیں **(غلام کو آزاد کرنے میں)** یعنی جس غلام ۔۔یا۔۔لونڈی نے اپنی آزادی کے لیے اپنے مالک سے کوئی رقم طے کر لی ہے، تو صدقہ کے مال سے ان کو وہ رقم دے کر ان کو آزاد کرایا جا سکتا ہے۔ **(اور)** ایسے ہی **(قرض داروں کو)** ان کے قرض سے چھٹکارا دلانے کے لیے ۔۔بشرطیکہ۔۔انہوں نے قرض اپنے واسطے لیا ہو اور اس کو گناہوں کے کام میں نہ خرچ کیا ہو۔۔الغرض۔۔ ایسے قرضداروں کو قرض ادا کرنے کے لیے بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ **(کی راہ میں)** ۔۔مثلاً: غازیوں، مجاہدوں اور ان کے لیے ہتھیار وغیرہ خریدنے کے لیے، اور ایسے کام کے لیے جس میں خدا اور رسول کی خوشنودی ہو، یہ رقم لگائی جا سکتی ہے۔ **(اور)** اسی طرح **(حاجت مند مسافروں کو)** جو وطن سے دور ہونے کے سبب اپنے مال و اسباب سے دور ہوں، تو اگر ان کو ضرورت پڑ جائے، تو ان کو بھی زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے ۔۔المختصر۔۔ **(یہ اللہ)** تعالیٰ **(کی طرف سے مقرر ہے)**۔ مذکورہ بالا مصارف کے لیے، یعنی حق تعالیٰ نے ان لوگوں کے واسطے زکوٰۃ فرض کی ہے۔ **(اور)** بے شک **(اللہ)** تعالیٰ **(علم والا)** ہے، وہ خوب جانتا ہے مستحقوں کو اور **(حکمت والا ہے)** یعنی حکم کرنے والا ہے، ایسے طور پر جس کی خوبیوں پر کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ سورۂ بقرہ آیت ٢٧١ میں فقراء کو زکوٰۃ دینے کو زیادہ بہتر فرمایا ہے، اور فقراء ایک صنف ہے۔ اور ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کے پاس صدقہ کا مال آیا، تو آپ نے اُسے صرف 'مولفۃ القلوب' کو عطا فرما دیا۔ پھر دوسری مرتبہ مال آیا، تو آپ

نے صرف مقروضوں کو دے دیا۔ اس میں یہ دلیل ہے، کہ صرف ایک صنف پر اقتصار کرنا جائز ہے۔ اور چونکہ جنس صدقہ کو، کسی صنف کی جنس پر خرچ کرنے کو بیان فرمایا ہے، اس لیے کسی صنف کے ایک فرد پر بھی زکوٰۃ کی پوری رقم خرچ کی جاسکتی ہے۔

سابقہ آیات میں منافقین کے تعلق سے ان کے بعض حالات سے باخبر کیا گیا اور اب آگے ان کی طرف سے ان اذیت رسانیوں کی وضاحت فرمائی جارہی ہے، جو وہ جان بوجھ کر رسول کریم ﷺ کو پہنچارہے ہیں۔ منافقین کا یہ طریقہ رہا ہے، کہ جب بھی وہ تخلیہ میں ہوتے، تو آپس میں رسول کریم ﷺ کی شان میں توہین آمیز گفتگو کرتے، اور آپ کی ذاتِ مبارکہ کی طرف ایسی ایسی لایعنی باتیں منسوب کرتے، جس کو وہ کھلے عام ظاہر میں کہنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ اس پر اگر کوئی ان کو ٹوکتا، کہ ایسی باتیں نہ کرو، اس لیے کہ اگر آپ ﷺ تک یہ باتیں پہنچیں گی، تو تم سب رسوا ہو جاؤ گے۔ یہ سن کر ان میں سے کوئی بولتا، کہ محمد ﷺ 'تو صرف 'کان' ہے، یعنی 'کان کے کچے ہیں'۔ ہم جو چاہیں کہیں اور جب ان کے سامنے جائیں اور قسم کھائیں، کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی، تو وہ باور کرلیتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے، کہ نبتل بن حارث برابر چغل خوری کیا کرتا اور مسلمانوں کے بھید دیگر منافقوں میں ظاہر کردیا کرتا، اور جب اُسے منع کرتے، تو کہتا، کہ محمد ﷺ 'تو بات سن لینے والے ہیں، ہم، ہاں نہیں، جو کہتے ہیں، وہ مان لیا کرتے ہیں۔۔ الغرض۔۔ دل سے ایمان نہ لانے والوں۔۔۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ

اور ان میں کوئی ہیں کہ دکھ دیتے ہیں آنحضرت کو، اور کہتے ہیں "کہ وہ تو کان کے ہلکے ہیں"۔ جواب

خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

دیدو کہ تمہارے بھلے کو کان کے ہلکے ہیں"، مانتے ہیں اللہ کو اور مان جاتے ہیں ایمان والوں کی بات کو، اور سراپا رحمت

مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۶۱

انکے لئے جو ایمان لاچکے تم میں سے۔ اور جو دکھ دیں رسول اللہ کو، انکے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(اور ان) پیکرانِ نفاق (میں کوئی) کوئی (ہیں، کہ دکھ دیتے ہیں آنحضرت کو)، یعنی آپ

کے تعلق سے ایسی باتیں کرتے ہیں، جسے آپ اگر سنیں، تو آپ کو اذیت ہو۔ اور جب انہیں کے لوگ انہیں روکتے ہیں، کہ ایسی لایعنی باتیں نہ کرو، جسے اگر وہ سن لیں تو غضب ناک ہو جائیں اور پھر اس سے ہماری رسوائی ہو، تو وہ جواب دیتے ہیں (**اور کہتے ہیں، کہ وہ تو کان کے ہلکے ہیں**)۔ ان سے جو بھی کوئی کچھ کہتا ہے، تو وہ سن لیتے ہیں اور سچ سمجھ لیتے ہیں۔ اے محبوب! ایسوں کو (**جواب دے دو، کہ تمہارے بھلے کو کان کے ہلکے ہیں**) یعنی وہ تمہاری بھلائی کے لیے ہر ایک کی بات سنتے ہیں، لیکن وہ اس طرح نہیں سنتے، جس طرح تم ان کے سننے کا بطورِ مذمت ذکر کرتے ہو۔ بلکہ وہ نیکی کی بات سنتے ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں۔

آپ کے نزدیک جس بات پر دلائل قائم ہوں، آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ مومنین کی باتوں کی آپ تصدیق کرتے ہیں، کیونکہ آپ کو ان کے خلوص کا علم ہے۔ اس میں یہ تعریض ہے، کہ منافقین 'بُرے کان' ہیں۔ وہ اللہ کی آیات سنتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے اور مسلمانوں کی باتیں سنتے ہیں اور ان کو قبول نہیں کرتے۔ اور نبی کریم ﷺ ان کی باتیں از راہِ شفقت سنتے ہیں، لیکن اس کو قبول نہیں کرتے۔ منافقین میں سے جو ایمان کا اظہار کرتا ہے، اس کو گویا مان لیتے ہیں اور اس کا پردہ فاش نہیں کرتے۔

اس میں یہ تنبیہ ہے کہ وہ تمہارے حال سے ناواقفیت کی بنا پر تمہارے قول کو قبول نہیں کرتے۔۔ بلکہ۔۔تم پر شفقت اور رحمت کی وجہ سے تمہاری باتوں کو قبول کر لیتے ہیں۔

تو اے منافقو! اِس خام خیالی میں نہ رہو، کہ میرا رسول تمہاری چکنی چپڑی باتوں پر یقین کر لیتا ہے، بلکہ ہمارے رسول (**مانتے ہیں اللہ**) تعالیٰ (**کو**)، یعنی اس کی ہر بات جو اس نے فرمائی۔۔یا۔۔ فرماتا ہے، کی تصدیق کرتے ہیں۔ (**اور مان جاتے ہیں ایمان والوں کی بات کو**) چونکہ وہ ان ایمان والوں کے خلوص سے واقف ہیں، اس لیے ان کی باتوں کو قبول فرما لیتے ہیں۔ (**اور**) آپ ﷺ '(**سراپا رحمت**) ہیں (**ان کے لیے جو ایمان لا چکے ہیں تم میں سے**)۔۔الحتصر۔۔تم اس خیال میں نہ رہو، کہ وہ تمہیں نہیں جانتا، بلکہ وہ تمہارا صدق اور کِذب سب جانتا ہے، مگر تمہارا پردہ فاش نہیں کرتا اور رحمت کی رو سے تم پر مہربانی اور نرمی کرتا ہے۔ (**اور**) سن لیں وہ لوگ (**جو دکھ دیں**) اپنے قول و فعل سے (**رسول اللہ کو، ان کے لیے**) آخرت میں (**دکھ دینے والا عذاب ہے**)۔ اے مسلمانو! یہ منافقین۔۔۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ

اللہ کی قسمیں تم سے کھاتے ہیں، کہ تم کو راضی کرلیں۔ اور اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہے

اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

کہ اس کو راضی کرتے، اگر مانتے ہوتے●

(اللہ) تعالیٰ (کی قسمیں تم سے کھاتے ہیں) اور تمہارے سامنے حلفیہ بیان دیتے ہیں، کہ وہ منافق نہیں ہیں، تا (کہ تم کو راضی کرلیں) اور اپنے سے خوش کرلیں۔ ان نادانوں کو یہ بھی خبر نہیں، کہ صرف مسلمانوں کو دھوکا دے کر خوش کردینے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ان کو اگر راضی کرنا ہے (اور) خوش کرنا ہے، تو اچھی طرح سے سن لیں، کہ (اللہ) تعالیٰ (اور اس کا رسول زیادہ حقدار) اور سزاوار (ہے) اس بات کا (کہ اس کو راضی کرتے) اور اپنے قول وعمل سے اُسے خوش کرتے، (اگر) حقیقی معنوں میں (مانتے ہوتے) اور سچے، سراپا اخلاص مومن ہوتے۔ صرف اتنا کہہ دینے سے کام نہ چلے گا، کہ 'ہم مومن ہیں'۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ

کیا انھوں نے یہ نہ جانا، کہ جو مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی، تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے،

خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾

ہمیشہ رہنے والا اس میں۔ یہ بڑی رسوائی ہے●

(کیا انہوں نے) یعنی ان منافقین نے (یہ نہ جانا کہ جو مخالفت کرے) خفیہ۔۔۔یا۔۔علانیہ (اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کی)، اور مخالفت میں حد سے گزر جائے، (تو) آخرت میں (اس کے لیے جہنم کی آگ ہے) اور وہ (ہمیشہ رہنے والا) ہے (اس میں)۔ ظاہر ہے، کہ (یہ) یعنی ہمیشہ دوزخ میں رہنا، بطورِ سزا رہنے والے کے لیے (بڑی رسوائی ہے)، جس سے کبھی رہائی نہیں مل سکتی۔

یہ منافقین بھی بڑے ہی بدبخت واقع ہوئے تھے، کہ نبی کریم ﷺ کو طرح طرح سے اذیت پہنچاتے رہتے تھے، اور آپ کے ارشادات کا اپنوں میں مذاق اڑاتے تھے، اس لیے کہ جونہی رسول ﷺ سے کوئی ایسی بات سنتے، جو آپ فرماتے کہ یہ حکم وحی الٰہی ہے، تو وہ استہزاء کے طور پر آپس میں کہتے، کہ یارو ڈرو، شاید محمد ﷺ پر کوئی ایسی وحی نازل ہوجائے،

جس سے ہمیں شرمساری اور رسوائی اٹھانی پڑے۔۔چنانچہ۔۔بطورِ استہزاء اپنے خوفزدہ اور ڈرنے والا ہونے کی نمائش کرتے۔ان کے قول وعمل سے ایسا لگتا، کہ گویا۔۔۔

يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا

ڈرتے رہتے ہیں منافق لوگ، کہ اتاری جائے ان مسلمانوں پر کوئی سورت، جو بتادے انھیں جو منافقوں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

کے دل میں ہے۔کہہ دو کہ اڑاؤ ٹھٹھا، بیشک اللہ سامنے لانے والا ہے وہ جس کو ڈرا کرتے ہیں●

(ڈرتے رہتے ہیں) یہ (منافق لوگ کہ اتاری جائے ان مسلمانوں پر کوئی سورت جو بتادے انہیں) ان باتوں کو (جو منافقوں کے دل میں ہے)۔۔الغرض۔۔یہ سب باتیں یہ لوگ بطور ٹھٹھا آپس میں ایک دوسرے سے کیا کرتے اور آپس میں ہنستے۔یہ اپنے خوف اور گھبراہٹ کا اظہار بھی بطورِ استہزاء ہی کرتے۔تو اے محبوب! ان کو دھمکی دے دو، اور ڈرادو۔۔نیز۔۔(کہہ دو کہ اڑاؤ ٹھٹھا، بے شک اللہ) تعالیٰ (سامنے لانے والا ہے) ان سب کے، (وہ) رسوائی و ذلت یہ لوگ (جسکو ڈرا کرتے ہیں)، اگرچہ وہ اپنے خوف کو برنگ استہزاء پیش کرتے ہیں۔۔المختصر۔۔وحی آسمانی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کی بُری صفتوں اور بُرے اخلاق وکردار کو سب پر ظاہر فرما کے رہے گا۔

غزوۂ تبوک میں منافقین کا ایک گروہ آنحضرت ﷺ کے سامنے سے گزرتا، تو اس گروہ کا رئیس اور گروہ کے دوسرے افراد سرکار کی طرف اشارہ کر کے کہتے تھے، کہ دیکھو یہی مرد ہے جو چاہتا ہے، کہ شام کے مکانات لے لے اور وہاں کے بادشاہوں کے محلوں میں مقام کرے۔ یہ بات نورِ نبوت سے آنحضرت ﷺ کے دل پر منکشف ہوگئی۔آپ نے حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ یہ گروہ جو آگے چلا گیا، اس کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو، کہ کیا کہہ رہے تھے۔اگر انکار کریں، تو کہہ دینا کہ تم نے یہ یہ کہا۔حضرت عمار نے ان کے پاس جاکر سب کہہ دیا، تو وہ آنحضرت ﷺ کے سامنے آئے اور عذر کرنے لگے، کہ ہم نے یہ بات دل لگی کے طور پر کی ہے، جیسے کہ راہ چلتوں کی عادت ہوتی ہے، کہ ہنسی مذاق کرتے ہوئے چلتے ہیں، اس میں ان کی کوئی بُری نیت نہیں ہوتی۔ان کے اس متوقع عذر کی خبر پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو دے دی تھی۔۔۔

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ

اور اگر ان سے جواب طلب کرو، تو ضرور کہیں گے "کہ ہم تو بس گپ لڑاتے اور کھیل رہے تھے" حکم دیدو

اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶۵

"کہ کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کر رہے تھے؟"●

(اور) فرمادیا تھا، کہ اے محبوب! (اگر ان سے جواب طلب کرو) گے، (تو ضرور) یہی (کہیں گے، کہ ہم تو بس) یونہی (گپ لڑاتے اور) آپس میں (کھیل) کے طور پر ایسا کر (رہے تھے)، تو ان کو (حکم دے دو) یہ فرماتے ہوئے، (کہ کیا اللہ) تعالیٰ (سے اور اس کی آیتوں سے اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کر رہے تھے)۔ تو سنو!۔۔۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ

بات نہ بناؤ بے شک تم کافر ہو گئے مسلمان ہونے کے بعد۔ اگر ہم معافی دیں

مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۶۶ ع

تم میں سے کچھ کو تو عذاب بھی دیں گے بعض کو، کیوں کہ وہ اصل مجرم تھے●

(بات نہ بناؤ، بے شک تم کافر ہو گئے) اور رسولِ کریم پر طعن کر کے اپنے کفر کو ظاہر کر دیا (مسلمان ہونے کے بعد)، یعنی اپنا اسلام ظاہر کر دینے کے بعد۔ تمہارے دلوں میں جو کفر چھپا ہوا تھا، جسے کلمہء اسلام کے اقرار کے پردے میں چھپا رکھا، تمہارے ہی کرتوتوں سے سب کے سامنے ظاہر ہو گیا۔ اب (اگر ہم معافی دیں تم میں سے کچھ کو)، یعنی ان کو جنہوں نے پرخلوص توبہ کر لی ۔۔یا۔۔ استہزاء کے ذریعہ اذیت نہ پہنچائی، (تو عذاب بھی دیں گے بعض کو) جو اپنے جرم پر اصرار کرنے والے تھے، اور توبہ کا نام تک نہ لیتے ۔۔یا۔۔ جرم کا ارتکاب کر کے جرائم وقصور سے بچنے کا نام تک نہ لیتے، (کیونکہ وہ اصل مجرم تھے) جو دوسرے مجرمین کی قیادت کر رہے تھے۔

اب آگے یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ جن منافقین کا اوپر ذکر ہو رہا ہے، ان کی عورتیں بھی نفاق میں اور اسلام کی دشمنی میں ان سے کم نہ تھیں۔۔ چنانچہ۔۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ

منافق مرد وعورت سب ایک دوسرے سے ہیں۔۔۔ حکم دیں

بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ

برائی کا، اور روکیں نیکی سے، اور بند رکھیں اپنی مٹھی۔

نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۗ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٦٧﴾

وہ سب بھول گئے اللہ کو، تو اللہ بے پرواہ ہوگیا ان سے۔ بے شک منافق لوگ نافرمان ہیں●

(منافق مرد وعورت سب ایک دوسرے سے ہیں) یعنی نفاق میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ تعداد میں منافق مرد تین سو[٣٠٠] اور منافق عورتیں ایک سو ستر[١٧٠] تھیں، لیکن اسلام دشمنی میں سب کی ذہنی کیفیت ایک جیسی تھی، اور سبھی کا یہی حال تھا، کہ۔۔۔

(حکم دیں برائی کا) یعنی کفر اپنانے۔یا۔گناہ کرنے۔یا۔نبی کریم کی تکذیب کا، (اور روکیں نیکی سے)، یعنی ایمان۔یا۔طاعت۔یا۔رسولِ کریم کی تصدیق اور آپ کی متابعت سے۔(اور بند رکھیں اپنی مٹھی) یعنی خیرات وصدقاتِ واجبہ ادا کرنے کے لیے خرچ نہ کریں، اور عاجزوں اور محتاجوں کی مدد سے ہاتھ روکیں۔۔نیز۔۔دُعا اور مناجات کے واسطے ہاتھ نہ اٹھائیں، اس میں اپنی کسرِ شان سمجھیں۔۔الغرض۔۔ان سبھوں نے چھوڑ دی خدا کی فرمانبرداری، گویا (وہ سب بھول گئے اللہ) تعالیٰ (کو، تو اللہ) تعالیٰ بھی (بے پرواہ ہوگیا ان سے) اور ان کو ان کی بھول میں پڑا رہنے دیا، اور اپنے فضل کو ان سے باز رکھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (بے شک منافق لوگ)، خواہ مرد ہوں یا عورت، سب کے سب (نافرمان ہیں) اور دائرۂ اسلام، سے باہر ہیں۔۔۔

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ

وعدہ فرمالیا اللہ نے منافق مرد وعورت اور کافروں سے جہنم کی آگ کا، ہمیشہ رہا کریں اس میں۔

هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٦٨﴾

وہی انھیں کافی ہے۔ اور پھٹکار دیا انکو اللہ نے۔ اور انکے لئے دائمی عذاب ہے●

(وعدہ فرمالیا اللہ) تعالیٰ (نے) چھپے ہوئے کافروں، یعنی (منافق مرد وعورت اور) کھلے ہوئے (کافروں سے جہنم کی آگ کا)۔۔الغرض۔۔ان سب کو جہنم کی وعید سنادی ہے، تاکہ باخبر ہوجائیں، کہ (ہمیشہ رہا کریں) گے (اس میں) اور (وہی) آگ (انہیں) عذاب کرنے کے لیے (کافی ہے اور) صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ دنیا وآخرت میں (پھٹکار دیا ان کو)، اور اپنی رحمت سے دور کردیا (اللہ)

تعالیٰ (نے، اور) طے فرما دیا، کہ (ان کے لیے دائمی عذاب ہے) جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔ دنیا میں بھی وہ ہمیشہ نفاق اور حسد کے رنج میں مبتلائے عذاب رہیں گے۔۔۔ اے منافقو! تم ان لوگوں کی مانند ہو، اور بالکل اسی طرح ہو۔۔۔

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوٓا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَ

جس طرح وہ، جو تم لوگوں سے پہلے تھے، تم سے زیادہ زوردار تھے، اور زیادہ مال دار، اور

أَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ

اولاد والے، تو وہ رہے سہے اپنی تقدیر کے موافق، پھر تم رہنے سہنے لگے اپنی تقدیر کے موافق۔

كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي

جس طرح رہن سہن کی تھی تم سے پہلوں نے اپنی تقدیر بھر، اور تم نے گپیں اڑائیں جس طرح وہ گپ مار

خَاضُوا ۭ أُولَٰٓئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ

چکے۔ وہ ہیں کہ اکارت ہو گئے ان کے عمل دنیا و آخرت میں۔

وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٦٩﴾

اور وہی ہیں دیوالیہ مارے●

(جس طرح وہ، جو تم لوگوں سے پہلے تھے) یعنی گزری ہوئی امتیں، جو (تم سے زیادہ زوردار تھے)، یعنی ان کے بدن تم سے بہت قوی تھے، (اور زیادہ مالدار اور اولاد والے) یعنی ان کے اموال اور ان کی اولاد تم سے بہت زیادہ تھی۔ (تو وہ رہے سہے اپنی تقدیر کے موافق)، یعنی انہوں نے دنیا کی لذتوں میں سے اپنے نصیب کے حصے سے فائدہ اٹھایا، (پھر تم رہنے سہنے لگے اپنی تقدیر کے موافق، جس طرح رہن سہن کی تھی تم سے پہلوں نے اپنی تقدیر بھر)، یعنی اپنے سے پہلے والوں کی طرح تم نے بھی اپنے نصیب کے حصے سے فائدہ اٹھایا، اور فانی اور ختم ہو جانے والی آرزوؤں اور تمناؤں کے مطابق زندگی گزارتے رہے، (اور تم نے گپیں اڑائیں) اور فضول کاموں میں مشغول ہو گئے، (جس طرح وہ گپ مار چکے) تھے اور فضول کاموں میں مشغول ہو گئے تھے۔

یہ سب (وہ ہیں کہ اکارت ہو گئے) اور ضائع ہو گئے (ان کے عمل دنیا و آخرت میں)۔ ان کے اموال اور ان کی اولاد نے ان کے ساتھ وفا نہ کی، تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آ گئی، کہ وہی (اور)

بے شک (وہی ہیں دیوالیہ مارے) یعنی دونوں جہان میں نقصان اٹھانے والے۔

آگے کے ارشاد میں حق تعالیٰ نے چھ قوموں کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ عرب والوں کے پاس ان لوگوں کی خبریں آتی رہتی تھیں، وہ لوگوں سے بھی ان کے متعلق خبریں سنتے رہتے تھے، کیونکہ جن علاقوں سے متعلق یہ خبریں تھیں، وہ ان کے آس پاس تھے۔۔مثلاً: شام اور عراق وغیرہ اور وہ ان علاقوں کے سفر میں ان کے آثار کا مشاہدہ کرتے تھے۔تو ان کے حالات و واقعات سے انہیں سبق حاصل کرنا چاہیے تھا، اور اپنے کو ان غلطیوں کے ارتکاب سے بچانا چاہیے تھا، جن کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے سابقہ قومیں تباہ ہوگئیں۔۔چنانچہ۔۔بطور تقریر و تحذیر، ان کے تعلق سے ارشاد فرمایا جا رہا ہے، کہ۔۔۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ

کیا نہیں آئی ان تک خبر ان کی جو ان سے پہلے تھے، قوم نوح و عاد و ثمود۔۔و قوم

وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

ابراہیم و اہل مدین، اور تہ و بالا کی گئیں بستیاں۔ اُن کے یہاں اُن کے رسول لے کر آئے

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

روشن دلیلیں، تو اللہ نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے، لیکن وہ

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ●

(کیا نہیں آئی ان تک خبر اُن کی جو اِن سے پہلے تھے)۔۔مثلاً: (قوم نوح)، جن کو اللہ تعالیٰ نے طوفان میں غرق کر دیا (و) قومِ (عاد)، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہولناک آندھی کے عذاب سے ہلاک کر دیا تھا، (و) قومِ (ثمود)، جن کو اللہ تعالیٰ نے گرج اور کڑک کے عذاب سے ہلاک کر دیا تھا، (وقومِ ابراہیم)، اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہوئی نعمتیں ان سے چھین کر ان کو ہلاک کر دیا تھا، اور نمرود کے دماغ میں ایک مچھر مسلط کر دیا تھا (و) قومِ (اہل مدین)، یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم، ان کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح ہلاک کیا، کہ ان کے پاس سائبان کی طرح ایک اَبر آیا اور اس میں سے آگ برسی اور زمین میں زلزلہ آیا، جس سے سخت ہولناک آواز آئی اور پوری قوم تباہ ہوگئی۔ (اور) اسی طرح (تہ و

بالا کی گئیں) قوم لوط کی (بستیاں)، ان کی زمین کو اللہ تعالیٰ نے پلٹ دیا تھا۔ زمین کا نچلا حصہ اوپر، اور اوپر کا حصہ نیچے کر دیا تھا۔۔۔

سابقہ قوموں کے اِن حالات سے منافقین کو نصیحت حاصل کرنی چاہیے تھی۔ ہر دور میں نافرمانوں اور منکرین کو سمجھا کر راہِ راست پر لانے کے لیے، (ان کے یہاں ان کے رسول لے کر آئے روشن دلیلیں) لیکن انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، تو اللہ تعالیٰ نے اُن قوموں پر عذاب نازل فرمایا، کیونکہ وہ اپنے ناجائز افعال کی وجہ سے اور انبیاء علیہم السلام کی بے حد تکذیب کرنے کی وجہ سے، اُس عذاب کے مستحق ہو چکے تھے۔ (تو) ظاہر ہو گیا کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں ہے کہ ان پر ظلم کرے، لیکن وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے) اور ایسی حرکتیں کرتے تھے، جن کی وجہ سے وہ عذابِ الٰہی کے مستحق ہو جاتے تھے، تو درحقیقت خود انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی صفاتِ قبیحہ، ان کے عقائدِ فاسدہ، اور ان کے اعمالِ خبیثہ بیان فرمائے تھے، اور اب اس کے بعد کی آیات میں ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی صفاتِ حسنہ، ان کے عقائدِ صحیحہ، اور ان کے اعمالِ صالحہ بیان فرما رہا ہے۔۔۔ نیز۔۔۔ پہلے منافقوں کی بداعمالیاں بیان فرما کر ان کی سزا کا بیان فرمایا تھا، اور اب مومنوں کے نیک اعمال بیان فرما کر ان کی جزاء کا ذکر فرمایا۔۔۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ

اور سارے مسلمان مرد و عورت ایک دوسرے کے دوست ہیں۔۔۔ حکم دیں

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ

نیکی کا اور روکیں برائی سے، اور قائم رکھیں نماز کو، اور دیں

الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰٓىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ

زکوٰۃ، اور کہا مانیں اللہ کا اور اس کے رسول کا۔ وہ ہیں کہ بہت جلد رحمت فرمائے گا ان پر اللہ،

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

بیشک اللہ غالب ہے حکیم ہے●

تمام وابستگانِ دامنِ رسالت (اور سارے مسلمان مرد و عورت ایک دوسرے کے) سراپا

خلاص (دوست) اور مددگار (ہیں) جن کی روش یہ ہے، کہ (حکم دیں نیکی کا اور روکیں برائی سے) چنانچہ۔۔وہ ایمان اور فرمانبرداری کا حکم دیتے ہیں اور کفر و نافرمانی سے روکتے ہیں۔(اور) ان کا طریقہ یہ ہے کہ (قائم رکھیں) ہمیشہ کماحقہٗ ادا کرتے رہیں (نماز کو)، اس کی جملہ شرائط کے ساتھ۔ (اور دیں زکوٰۃ) سال بسال، اُن آداب کے ساتھ جو زکوٰۃ سے متعلق ہیں۔(اور کہا مانیں اللہ) تعالیٰ (کا اور اس کے رسول کا)، یعنی خدا اور رسول کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں اور کتاب وسنت سے وابستہ رہیں۔یہی (وہ) لوگ (ہیں، کہ بہت جلد رحمت فرمائے گا ان پر اللہ) تعالیٰ۔(بے شک اللہ) تعالیٰ (غالب ہے) جو چاہے کرے اور (حکیم ہے) دانا ہے، ہر چیز کو اس کے محل پر رکھتا ہے۔۔۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

وعدہ فرمالیا اللہ نے مسلمان مرد وعورت سے جنتوں کا، کہ بہتی ہیں جن

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ

کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہیں اس میں، اور پاکیزہ گھر کا، رہنے کے باغوں

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۟ؒ ﴿۷۲﴾

ع ۱۵

میں۔اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑی ہے۔یہی بڑی کامیابی ہے●

جس رحمت کا ابھی اوپر ذکر ہوا، وہ یہ ہے، کہ (وعدہ فرمالیا) ہے اپنے فضل وکرم سے (اللہ) تعالیٰ (نے مسلمان مرد وعورت سے جنتوں کا، کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں، ہمیشہ رہیں اس میں اور پاکیزہ گھر کا)۔یعنی وعدہ فرمالیا اچھے مکانوں کا (رہنے کے باغوں میں)۔

ہوسکتا ہے کہ پہلی قسم کی جنتیں مسلمانوں کی سیر وتفریح اور احباب سے ملاقات کے لیے ہوں، اور دوسری قسم کی جنتیں جنہیں جَنّٰتِ عَدْنٍ کہا گیا ہے، وہ مسلمانوں کی رہائش کے لیے ہوں۔ جَنّٰتِ عَدْنٍ بہشت میں ایک بہت بڑی پرفضا جگہ ہے، چشمہ تسنیم اُسی میں ہے۔تسنیم جنت میں ایک نہر ہے جس کے دونوں کناروں پر خوبصورت باغات ہیں۔مذکورہ بالا انعامات کے سوا سب سے بڑا۔

(اور) عظیم انعام یہ ہے، کہ جنت میں (اللہ) تعالیٰ (کی رضامندی) اور اس کی خوشنودی حاصل رہے گی۔اور حقیقت میں یہی نعمت ایمان والوں کے لیے (سب سے بڑی) نعمت (ہے)۔اور

(یہی) ایمان والوں کی سب سے (بڑی کامیابی ہے)۔ دنیا کی ہر نعمت اس کے سامنے حقیر ہے۔

۔۔الغرض۔۔ خدا کی رضامندی سے افضل کوئی نعمت ہے ہی نہیں۔۔ بلکہ۔۔ جنت کی نعمت بھی اس کے مقابلے میں بہت کم ہے۔ 'رضوانِ الٰہی' اور 'دیدارِ الٰہی' میں کیا خوبصورت رابطہ ہے، کہ 'رضوانِ الٰہی'، 'دیدارِ الٰہی' کا سبب ہے اور 'دیدارِ الٰہی'، 'رضوانِ الٰہی' کی دلیل ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی قبیح صفات بیان کیں اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کو بیان فرمایا اور آخرت میں ان کی سزا کا ذکر فرمایا۔ پھر ان کے مقابلے میں مسلمانوں کی نیک صفات اور آخرت میں ان کے اجر وثواب کا ذکر فرمایا۔ اب پھر دوبارہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں اور کافروں کا ذکر فرمایا، اور نبی ﷺ اور مسلمانوں کو کفار اور منافقین سے جہاد کرنے اور ان کے ساتھ سختی کرنے کا حکم دیا، اور ارشاد فرمایا۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ

اے آنحضرت! جہاد کرو کافروں سے اور منافقوں سے، اور سختی برتو ان پر۔

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝

اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور بری جگہ ہے●

(اے آنحضرت)! یعنی نبی مکرم (جہاد کرو کافروں سے) تلوار سے (اور منافقوں سے)۔۔ بایں طور۔۔ کہ ان کے سامنے اسلام کی حقانیت پر دلائل پیش کرو، اور اب ان کے ساتھ نرم رویہ ترک کردو اور ان کو زجر وتوبیخ اور ڈانٹ ڈپٹ کرو، اور ان پر حدیں قائم کرو۔۔۔

۔۔الغرض۔۔ کافروں اور منافقوں سے جہادِ مطلوب کی نوعیت الگ الگ ہے۔ اس لیے کہ منافق اپنے کفر کو خفیہ رکھتا ہے، اور زبان سے کفر کا انکار کرتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اس کے ساتھ مسلمانوں جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، تو منافقین جب تک اپنے اقوال وافعال میں علانیہ اور کھلے عام اپنے کو مومنین سے علیحدہ وممتاز نہ کرلیں، اس وقت تک ان سے جہاد کی نوعیت الگ ہی رہے گی۔ ہاں اگر وہ علانیہ اپنے کفر کو ظاہر کرتے ہوئے، اور اپنے کو گروہِ مومنین سے الگ بتاتے ہوئے، تلوار لے کر مقابلے کے لیے سامنے آجائیں، تو ان کے ساتھ بھی جہاد کی نوعیت وہی ہوگی، جو کھلے ہوئے کافروں کے ساتھ ہے۔

۔۔الختصر۔۔مسلمانو تم ان کافروں اور منافقوں کی رعایت نہ کرو، (اور) وہ جس طرح کی سختی کے مستحق ہیں، اسی طرح کی (سختی برتو ان پر، اور) بالآخر (ان کا ٹھکانہ جہنم ہے) ہی۔(اور) جہنم کس قدر (بری جگہ ہے) پلٹنے کی۔

منافقین چونکہ چھپے ہوئے کافر ہیں، اس لیے خاص طور پر ان کی پہچان کرانے کا اہتمام فرمایا جا رہا ہے۔ یہ منافقین پکے جھوٹے ہیں اور جھوٹ بولنے میں شرم وحیا کی تمام حدوں کو پار کر چکے ہیں۔ جب جب ان کا کوئی فرد کوئی نامناسب قول۔۔یا۔۔عمل کا مظاہرہ کرتا ہے اور پھر اس سے پوچھا جاتا ہے، تو صاف انکار کر دیتا ہے، کہ میں نے تو ایسا نہیں کہا، اور نہ ہی ایسا عمل کیا۔

۔۔چنانچہ۔۔غزوۂ تبوک ہونے کے موقع پر جلاس بن سوید ایک روز دراز گوش پر سوار قُبا کی طرف سے مدینے کو آتا تھا، تو اس نے لوگوں کو منتشر کرنے کے لیے کہا تھا، کہ محمد ﷺ جو کچھ لائے ہیں، وہ اگر حق ہو، تو میں جس دراز گوش پر سوار ہوں اس سے بدتر ہو جاؤں۔ اس کی جورو کے بیٹے مصعب نے یہ بات رسولِ خدا ﷺ سے عرض کی، آپ نے جلاس کو طلب فرمایا اور مصعب کے سامنے پوچھا، کہ تو نے یہ کہا تھا؟ جلاس نے قسم کھائی، میں نے ہرگز نہیں کہا تھا۔ مصعب نے خدا سے دعا کی، اے اللہ اپنے رسول پر ایک آیت نازل فرما، تاکہ وہ میری بات کی سچائی ظاہر کر دے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

اس کی شانِ نزول کے بارے میں یہ روایت بھی ہے، کہ ایک موقع پر عبداللہ ابن ابی نے کہا تھا، کہ اگر ہم مدینہ واپس آ گئے، تو ضرور عزت والے ذلت والوں کو نکال دیں گے۔ اس قول میں منافق نے خود کو عزت والا اور مومنین کو ذلت والا قرار دیا۔ جب اس کی خبر رسولِ کریم ﷺ کو ہوئی اور آپ نے عبداللہ ابن ابی کو بلا کر دریافت کیا، تو اس نے صاف انکار کر دیا، کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں۔

اسی طرح ایک روایت کی روشنی میں کچھ منافق لوگوں نے ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو تبوک کی واپسی میں راستے کی کسی گھاٹی سے، سواری سے گرا دینے کا پروگرام بنایا۔ اِسکا علم چاہنے والوں کو ہو گیا اور وہ یہ نہ کر سکے، لیکن جب بعد میں ان لوگوں کو طلب فرما کر ان کے اس ارادے کے تعلق سے باز پرس کی گئی، تو وہ سب مکر گئے اور انکار کر بیٹھے اور کہا، کہ ایسا تو ہم نے سوچا بھی نہیں۔۔الختصر۔۔ان سارے منافقین کی عادت ہے، کہ۔۔۔

یَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوۡا ؕ وَلَقَدۡ قَالُوۡا كَلِمَةَ الۡكُفۡرِ وَكَفَرُوۡا

قسم کھاتے ہیں اللہ کی، کہ کچھ خلاف بات نہیں کہی، حالانکہ ضرور بک دیا ہے کفر کی بولی، اور کافر ہو گئے اپنے

بَعۡدَ اِسۡلَامِهِمۡ وَهَمُّوۡا بِمَا لَمۡ يَنَالُوۡا ۚ وَمَا نَقَمُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ اَغۡنٰٮهُمُ

اسلام لانے کے بعد، اور قصد کیا اس کا جس کو پایا نہیں۔ اور نہیں برا لگا ان کو مگر یہی، کہ دھنی بنا دیا ان کو

اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ فَاِنۡ يَّتُوۡبُوۡا يَكُ خَيۡرًا لَّهُمۡ ۚ

اللہ نے، اور اللہ کے رسول نے، اپنے فضل سے۔ تو اگر توبہ کر ڈالیں تو ان کا بھلا ہوگا۔

وَاِنۡ يَّتَوَلَّوۡا يُعَذِّبۡهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ

اور اگر منہ پھیریں، تو عذاب فرمائے گا ان پر اللہ، دکھ والا عذاب۔ دنیا و آخرت میں۔

وَمَا لَهُمۡ فِى الۡاَرۡضِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۷۴﴾

اور نہیں ہوگا ان کا ساری زمین میں کوئی یار و مددگار●

(قسم کھاتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی، کہ کچھ خلاف بات نہیں کہی، حالانکہ ضرور بک دیا ہے کفر کی بولی اور کافر ہو گئے) یعنی اپنے چھپے ہوئے کفر کو ظاہر کر دیا (اپنے اسلام لانے) کو ظاہر کرنے (کے بعد، اور قصد کیا اس) چیز (کو) حاصل کرنے کا (جس کو پایا نہیں)، اور نہ ہی وہ اس کو پا سکتے تھے۔

تو ان کے سارے پروگرام دھرے کے دھرے رہ گئے۔ نہ وہ نبی کریم ﷺ کو مدینہ سے نکال سکے، نہ مہاجرین کو جلا وطن کر سکے، اور نہ ہی اپنے پروگرام کے مطابق، عبداللہ ابن ابی کی تاجپوشی کر سکے۔ چونکہ دوسرے سارے منافقین اس کفر کی بولی سے متفق تھے، اس لیے صرف کسی ایک کی بولی اور اس کی قسم کو سارے منافقین کی بولی اور ان کی قسم قرار دے دیا گیا ہے۔ منافقین کی کینہ پروری کی اصل وجہ یہ تھی، کہ اہل مدینہ محتاج اور تنگ حال تھے۔ جب حضرت سید عالم ﷺ کا قدم مبارک وہاں پہنچا اور اس کی برکت سے، بہت غنیمتیں انہیں ہاتھ آئیں اور وہ مالدار ہو گئے، تو انہوں نے رسول مقبول کی عداوت کا موجب اور کچھ نہ پایا۔۔۔

(اور نہیں برا لگا ان کو مگر یہی کہ دھنی بنا دیا) اور مستغنی کر دیا (ان کو اللہ) تعالیٰ (نے اور اللہ) تعالیٰ (کے رسول نے اپنے فضل) مشترک (سے، تو اگر) منافقین (توبہ کر ڈالیں) اپنی گزشتہ حرکتوں

سے اور آئندہ کے لیے ایسی حرکتوں کو انجام دینے سے باز آئیں۔۔الغرض۔۔اپنی توبہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں، (تو) اس میں سراسر (اُن کا بھلا ہوگا)۔ (اور اگر منہ پھیریں) گے توبہ سے، اور اَڑے رہیں گے نفاق پر، (تو عذاب فرمائے گا ان پر اللہ) تعالیٰ، (دکھ) دینے (والا عذاب دنیا وآخرت میں)۔ دنیا میں قتل کے سبب سے اور آخرت میں جَلانے کے سبب سے۔ (اور نہیں ہوگا ان کا ساری زمین میں کوئی یار و مددگار)، جو کہ ان سے عذاب روکے۔

جلاس نے یہ آیت نازل ہونے کے بعد توبہ کی، اور امت کے مخلصوں میں شامل ہوگیا۔
منافقین میں ایسے بھی لوگ تھے، جو خود اپنے عہد و پیمان کا پاس ولحاظ نہیں کرتے تھے۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ

اور ان کے بعض نے منت مانی تھی، کہ اگر دیا ہم کو اللہ نے اپنے فضل سے، تو ہم ضرور خیرات کریں گے،

وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾

اور ہو جائیں گے لیاقت مند●

(اور ان کے بعض)۔۔مثلاً: ثعلبہ بن ابی حاطب، جو پکا منافق تھا، (نے منت مانی تھی، کہ اگر دیا ہم کو اللہ) تعالیٰ (نے اپنے فضل سے، تو ہم ضرور خیرات کریں گے) اور زکوٰۃ نکالیں گے (اور صدقہ دے کر ہم (ہو جائیں گے لیاقت مند) اور نکوکار۔

اس مقام پر یہ خیال رہے، کہ عہد کرنے والا جو ثعلبہ ہے، وہ وہی ہے جس کا ذکر ابھی اوپر ہوا ہے، ثعلبہ بن ابی حاطب۔ لہٰذا یہاں ثعلبہ بن حاطب بن عمرو انصاری مراد نہیں، اس لیے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری بدری صحابی تھے، اور جنگِ اُحد میں شہید ہوگئے تھے۔ ثعلبہ کے لفظ سے اکثر مفسرین کو اشتباہ ہوگیا، تو انہوں نے غلطی سے ثعلبہ بن ابی حاطب کو ثعلبہ بن حاطب سمجھ لیا، اور یہ بھی خیال نہ کیا، کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری تو بدری صحابی تھے، جو غزوۂ اُحد ہی میں شہید ہوگئے تھے، اور ثعلبہ بن ابی حاطب تو حضرت عثمان کی خلافت کے دور میں مرا تھا۔
اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ صرف کسی ایک منافق نے مذکورہ بالا عہد کر کے عہد شکنی نہیں کی تھی، بلکہ ثعلبہ بن ابی حاطب کے سوا نبتل بن الحارث، جد بن قیس اور معتب بن قشیر نے بھی ایسا ہی عہد کر کے یہ قسم کھائی تھی، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مال دے دیا، تو وہ ضرور

زکوٰۃ ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں مال دیا، تو انہوں نے بخل کیا اور زکوٰۃ نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس جرم کی سزا میں ان کے دلوں میں تاحیات نفاق کو پختہ کر دیا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ عہد کر کے توڑ دینے والا شخص حاطب بن ابی بلتعہ تھا، جو بنو عمرو بن عوف کا ایک شخص تھا، اس کا مال شام میں تھا۔ ایک بار اس مال کے پہنچنے میں دیر ہوگئی، اور اس نے بہت تنگی اٹھائی، تب اس نے قسم کھائی، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو وہ مال عطا کر دیا، تو وہ ضرور صدقہ کرے گا اور نماز پڑھے گا۔ پھر جب اس کے پاس اس کا مال آگیا، تو اس نے بخل کیا اور اپنی قسم پوری نہیں کی۔۔۔ الختصر۔۔۔ عہد کرنے والوں نے اپنے طور پر عہد کر لیا۔۔۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

تو جب اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے تو کنجوسی اس میں کی، اور پھر گئے منہ پھیرے●

(تو جب اللہ) تعالیٰ (نے ان کو دیا) مال (اپنے فضل) وکرم (سے، تو کنجوسی اس میں کی) اور زکوٰۃ دینے سے اعراض کیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ اُس مال سے خدا کا حق نہ دیا، (اور پھر گئے) اپنے عہد و پیمان سے، تو وہ ہو گئے (منہ پھیرے) ہوئے حکم خداوندی سے۔۔۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ

تو اس کے پیچھے اللہ نے نفاق ڈال دیا ان کے دلوں میں، اس دن تک کہ اس سے ملیں گے۔ کیونکہ انھوں نے اللہ سے خلاف کیا،

مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

جو اس سے منت کر چکے تھے، اور اسلئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے●

(تو اس) بخل اور زکوٰۃ نہ دینے (کے پیچھے)، یعنی ان عہد شکنیوں کے بعد (اللہ) تعالیٰ (نے) بطور سزا (نفاق ڈال دیا ان کے دلوں میں اُس دن تک) کے لیے، جس دن (کہ) وہ اس کے حضور پیش کیے جائیں گے، اور (اُس سے ملیں گے)۔ ایسا اس لیے (کیونکہ انہوں نے اللہ) تعالیٰ (سے خلاف کیا، جو اس سے منت کر چکے تھے) اس منت کو پوری کرنے سے اعراض کیا۔۔۔ الغرض۔۔۔ صدقہ دینے اور نیکی اختیار کرنے کا جو وعدہ کیا تھا، اس سے منہ پھیر لیا۔ (اور) یہ سزا (اس لیے) بھی (کہ وہ جھوٹ بولتے تھے) یعنی اپنے وعدے میں جھوٹے تھے۔۔۔

اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰىهُمۡ

کیا انھوں نے نہ جانا، کہ بے شک اللہ جانے ان کے بھید کو، اور ان کی سرگوشی کو،

وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الۡغُيُوۡبِ ﴿۷۸﴾

اور بیشک اللہ سارے غیب کا بڑا جاننے والا ہے●

(کیا انہوں نے) یعنی اُن وعدہ خلاف لوگوں نے (نہ جانا، کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (جانے ان کے بھید کو) جو پوشیدہ ہے، یعنی عہد کے خلاف کرنے کے ارادے کو، (اور ان کی سرگوشی کو)، جو وہ آپس میں کہتے ہیں، کہ زکوٰۃ جزیہ ہے۔ سن لو (اور) یاد رکھو! کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (سارے غیب) یعنی بھیدوں اور پوشیدہ باتوں (کا بڑا جاننے والا ہے)۔

بعض منافقین کی جس وعدہ خلافی کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، اس کی مختصر تفصیل یہ ہے، کہ غالباً ثعلبہ بن ابی حاطب حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور التماس کی، کہ آپ خدا سے درخواست کریں، کہ مجھے غنی کردے، جس سے میں زکوٰۃ بھی ادا کرتا رہوں گا اور نیکوکار و عبادت گزار بھی بنا رہوں گا۔ ہر چند حضور ﷺ نے اس سے کہا مجھ سے یہ دعا نہ کرائے، مگر وہ بضد رہا، تو سرکار نے اس کے لیے دعا فرمادی، کہ اللہ تعالیٰ اس کو خاطر خواہ مال عطا فرمائے۔

آپ کی دعا قبول ہوئی۔ حق تعالیٰ نے اس کی بکریوں میں برکت عطا فرمائی، اور وہ بکریاں اِس قدر ہو گئیں کہ مدینہ منورہ کے گِرد اُن کے چرنے کی جگہ نہ رہی۔۔ چنانچہ۔۔ وہ جنگل میں اپنی بکریاں لے کر گیا اور جمعہ اور جماعت سے محروم ہو گیا۔ پہلے تو فقط جمعہ کے لیے مدینہ میں آتا، آخر کو اس سے بھی محروم ہو گیا۔ اور جب حضور ﷺ کا فرستادہ اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے گیا اور زکوٰۃ طلب کی، تو مال کی محبت اس پر غالب ہو گئی، اور پھر اس کا یہ حال ہوا، کہ حکم نبوی سے انکار کر کے بولا، کہ یہ جو پیغمبر اسلام مجھ سے طلب کرتے ہیں، جزیہ ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اس نے زکوٰۃ نہ دی۔

جب یہ خبر حضور ﷺ تک پہنچی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُس کو سنا، تو وہ سب بہت تعجب میں پڑ گئے۔ پھر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی، جس میں عہد شکنوں کی عہد شکنی کی تصویر کشی کی گئی ہے اور اس کے بھیانک نتائج سے منافقین کو خاص طور پر آگاہ کیا گیا ہے۔

منافقین کا بھی عجیب حال تھا، وہ ہر ہر بات میں خواہ مخواہ کی نکتہ چینیوں سے باز نہیں آتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ جب حضرت رسالت پناہ ﷺ نے اصحاب کو لشکر تبوک کے آراستہ کرنے میں خرچ کرنے اور مدد دینے پر رغبت دلائی، تو صحابہء کرام نے دل کھول کر مدد کی اور جس سے جو ہوسکا، پرخلوص انداز سے اپنا عطیہ پیش کیا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، جو کچھ گھر میں مال و دینار تھے، سب اُٹھالائے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنا نصف مال لے آئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسباب سے لدے ہوئے تین سو ۳۰۰ اونٹ پیش کیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار ۱۰۰۰ مثقال سونا حاضر کردیا۔ مثقال، ساڑھے چار ماشہ وزن کا سونے کا ایک سکہ تھا، جو عرب میں رائج تھا۔۔۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف رضی اللہ عنہ نے چالیس اوقیہ سونا۔۔ یا۔۔ چار ہزار دِرَم صدقہ دیے۔ ایک اوقیہ چالیس دِرَم کا ہوتا ہے اور ایک دِرَم کا وزن دو ماشہ ڈیڑھ رتی ہوتا ہے۔

حضرت عباس، طلحہ، سعد، عبادہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم اور ان کے سوا دیگر اصحاب، سب بہت بہت سامال لائے اور سرکار کی خدمت میں حاضر کردیا۔ آخر میں عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سو ۱۰۰ وسق خرمے لائے، جو کہ دو ہزار چار سو ۲۴۰۰ من ہوتے ہیں اور لشکر کے لیے پیش کردیے۔ اسی اثناء میں حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ ایک صاع خرما لے کر حاضر ہوئے، اور عرض کیا، کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! آج کی رات صبح تک لوگوں کے واسطے کنویں سے میں نے پانی کھینچا، جس کی مزدوری دو ۲ صاع خرمے مجھے ملے، جس میں سے ایک صاع اپنی اہل وعیال کے لیے گھر پر چھوڑ آیا ہوں اور ایک صاع لے کر حاضر ہوا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے ان کے جذبہء اخلاص اور اپنے ہاتھ کی محنت سے حاصل کی ہوئی روزی کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لیے فرمایا، کہ یہ صاع بھر خرمے سب خرموں کے اوپر جو دیگر صحابہ لائے ہیں چُن دو۔

یہ منظر منافقین سے دیکھا نہ گیا اور وہ عیب چینی پر اتر آئے۔ جنہوں نے زیادہ مال دیا اس کے عمل کو ریاکاری اور دکھاوے پر محمول کرنے لگے اور جنہوں نے اپنی حیثیت کے پیش نظر کم مال پیش کیا، ان کا مذاق اڑانے لگے، کہ اللہ تعالیٰ ان کے۔۔ مثلاً: ایک صاع کا محتاج نہیں تھا۔ انہوں نے تو یہ پیشکش اس لیے کی ہے، تاکہ مستقبل میں جب صدقات کی تقسیم کی جائے، تو انہیں محتاج سمجھ کر زیادہ دیا جائے۔ ان سب کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَ

جولوگ پھبتی اڑاتے ہیں فرماں بردار ایمان والوں کی خیرات کرنے میں، اور

الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ

ان کی جونہیں پاتے مگر اپنی محنت مزدوری بھر، توان سے مسخراپن کرتے ہیں۔

سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾

اللہ سمجھے ان کے مسخراپن کو۔اور انکے لئے دکھ والا عذاب ہے●

(جولوگ پھبتی اڑاتے ہیں فرمانبردار ایمان والوں کی خیرات کرنے میں) اور زیادہ دولت پیش کرنے میں اوران پر ریاکاری کی تہمت لگاتے ہیں۔(اوران کی) بھی پھبتی اڑاتے ہیں (جونہیں پاتے مگر اپنی محنت مزدوری بھر)، یعنی جومحنت مزدوری کے نتیجے میں حاصل کردہ تھوڑا مال لاسکے، ان کے تعلق سے کہتے ہیں، کہ ان کے مال کی خدا کو کیا ضرورت، اللہ تعالیٰ اس سے مستغنی ہے۔(تو) یہ ناعاقبت اندیش (ان سے مسخراپن کرتے ہیں)۔(اللہ) تعالیٰ (سمجھے ان کے مسخراپن کو) اور جزادے ان کے مسخراپن کی۔(اور) یہ تو طے ہے کہ اُن کی اِس ہنسی اور مذاق کے بدلے میں (اُن کے لیے دکھ والا عذاب ہے)، اور کسی طرح بھی یہ مغفرت وبخشش کے مستحق نہیں۔۔چنانچہ۔۔اے محبوب!۔۔۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ

ان کی نجات کے لئے تم شفاعت کرو یا نہ کرو۔ اگر ستر مرتبہ کروگے

مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

توبھی اللہ نہ بخشے گا ان کو۔ یہ اس لئے کہ انھوں نے کفر کیا اللہ

وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾ ع

اوراس کے رسول سے۔اور اللہ راہ نہیں دیتا سرکش قوم کو●

(ان کی نجات کے لیے تم شفاعت کرو، یا نہ کرو)، اور (اگر) بالفرض (ستر مرتبہ) بھی شفاعت (کروگے، تو بھی اللہ) تعالیٰ (نہ بخشے گا ان کو)۔اور (یہ) یعنی دعائے مغفرت کا ان کے حق میں مقبول نہ ہونا، (اس لیے) ہے (کہ انہوں نے کفر کیا اللہ) تعالیٰ (اوراس کے رسول سے)

۔۔نیز۔۔دونوں کے تعلق سے گستاخانہ روش اور توہین آمیز طریقے اپنائے۔انہوں نے اپنے کفر و دشمنی ہی کی حد تک نہیں رکھا، کہ توبہ کی توفیق مل جانے کا اِمکان رہتا۔۔بلکہ۔۔یہ توہین و گستاخی پر اتر آئے ۔۔چنانچہ۔۔ان سے توبہ کی توفیق چھین لی گئی۔اور ظاہر ہے کہ بے توبہ مرجانے والے کی مغفرت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، کہ اس کے حق میں کسی کی سفارش کام آئے۔

۔۔ہاں۔۔یہ ضرور ہے، کہ جب تک منافق کی نماز پڑھانے سے من جانب اللہ روکا نہیں گیا تھا، تو نبی کو اِس بات کا پورا اختیار تھا، کہ کسی مصلحت کے پیشِ نظر اور حکمتِ بالغہ کے تحت، وہ اگر چاہیں، تو کسی منافق کی نماز پڑھادیں۔۔چنانچہ۔۔نبی کریم نے ایسا کیا بھی، کہ باوجود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے روکنے کے، رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کی نماز پڑھادی ۔۔بلکہ۔۔عیادت کے وقت خود اس کی، اور مرنے کے بعد اس کے فرزند جو مخلص صحابیوں میں تھے، کی درخواست پر اپنی قمیص بھی اس منافق کے کفن میں شامل کرنے کے لیے دے دی۔۔۔اس میں کیا حکمت تھی، یہ خود سرکار کے فرمان سے ظاہر ہوتا ہے۔

آپ نے فرمایا ہے، کہ:

'میری قمیص اس سے اللہ کے عذاب کو نہیں دور کرسکتی۔

مجھے امید ہے کہ اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسلام میں داخل کرے گا'

۔۔چنانچہ۔۔روایت ہے کہ خزرج کے لوگوں نے جب دیکھا، کہ ابن ابی آپ کی قمیص طلب کررہا ہے، اور آپ سے نماز کی درخواست کررہا ہے، تو ایک ہزار آدمی اسلام میں داخل ہو گئے۔تو یہ نماز خود رئیس المنافقین کی نجات و مغفرت کے لیے نہیں تھی، بلکہ جو لوگ اس کے دھوکے کا شکار ہو کر کفر کے جال میں پھنس گئے تھے، ان کو اس حال سے صحت و سلامتی کے ساتھ نکال کر مغفرت و بخشش کا مستحق بنانا تھا۔

ویسے بھی اگر نمازِ جنازہ کی دعا پر غور کیا جائے، تو اس میں صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ دعائے مغفرت ہمارے زندوں، ہمارے مرُدوں، ہمارے حاضر، ہمارے غائب، ہمارے بڑے، ہمارے چھوٹے، ہمارے مرد، ہماری عورتیں۔۔الغرض۔۔ہمارے اپنوں کے لیے ہوتی ہے، تو رئیس المنافقین، رسولِ کریم ﷺ کے اپنوں میں کب تھا؟ کہ وہ دعائے رسول میں مذکور اپنوں اور ہماروں کے دائرے میں آجائے، اور رسولِ کریم ﷺ کی دعائے مغفرت اس کے لیے ہو جائے؟ تو اب اُس نماز کا مقصد صرف وہی رہا، جو اوپر مذکور

روایت سے ظاہر ہے۔۔۔
۔۔ہاں۔۔آگے کے لیے مسلمانوں کے لیے ہر منافق کی نمازِ جنازہ پڑھنے اور پڑھانے کو حرام قرار دے دیا گیا۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے جس حکمت کے پیش نظر نماز پڑھائی، اب وہ مفقود ہے اور منافقین کو ہمیشہ کے لیے اُس ظاہری اعزاز سے محروم کردیا گیا ہے۔تو سن لو۔۔۔
(اور) یادرکھو، کہ (اللہ) تعالیٰ منزلِ مقصود کی (راہ نہیں دیتا) اور منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا، (سرکش) اور گستاخ (قوم کو)، یعنی ان کافروں کو، جو اپنے کفر پر متمرد ہیں اور اَڑے ہوئے ہیں۔
اب آگے ان منافقین کی مذمت میں آیت نازل فرمائی جارہی ہے، جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام کے ساتھ نہیں گئے تھے اور پیچھے بیٹھے رہ گئے تھے، اور ان کو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے نکلنا ناگوار ہوا تھا۔ اور بعض منافقین نے بعض سے کہا، کہ اس گرمی میں نہ نکلو، کیونکہ غزوۂ تبوک کی طرف روانگی سخت گرمی میں ہوئی تھی، اُس وقت پھل پک چکے تھے اور درختوں کا سایہ اور پھل اچھے لگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا، کہ ان سے کہیے کہ جہاد سے پیچھے رہنے کی وجہ سے، تم جس جہنم میں جانے والے ہو، وہ اِس گرمی سے بہت زیادہ گرم ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا

خوش ہو گئے جو پیچھے بیٹھے رہ گئے، رسول اللہ کے جانے کے بعد، اور ناگوار جانا

اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا

اس کو کہ جہاد کریں اپنے مال وجان سے اللہ کی راہ میں، اور بکنے لگے،

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨١﴾

"کہ گرمی میں کوچ نہ کرو" کہہ دو، کہ "جہنم کی آگ زیادہ گرم ہے"، اگر سمجھیں●

(خوش ہو گئے جو پیچھے بیٹھے رہ گئے رسول اللہ کے جانے کے بعد، اور) عقیدۃً (ناگوار جانا اس کو کہ جہاد کریں اپنے مال وجان سے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے۔۔بلکہ۔۔ فراغت اور راحتِ جسمانی ڈھونڈی۔ اور بعض منافقین دوسرے بعض منافقین سے۔۔بلکہ۔۔مومنین

سے بھی کہنے (اور بکنے لگے کہ گرمی میں کوچ نہ کرو)۔۔الحاصل۔۔خود بھی نہیں گئے اور مسلمانوں کو بھی روکنا چاہا۔اے محبوب! ان سے (کہہ دو، کہ) جس گرمی کے سبب تم شریکِ جہاد نہیں ہو رہے ہو، اس کی حقیقت کیا ہے (جہنم کی آگ) کے سامنے، جو اس سے کہیں (زیادہ گرم ہے)، جس کی گرمی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔اور یہ پیچھے رہ جانے والے اس حرارت میں جلنے کے لیے مستحق ہوگئے۔(اگر) عقل سے کام لیں اور (سمجھیں) کہ اُس جہان میں ان کا مآل آتشِ دوزخ ہے۔۔۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَّلْيَبْكُوا كَثِيرًا ۚ

تو ہنسیں کم اور روئیں زیادہ۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

سزا ہے جو وہ کما چکے تھے●

(تو) چاہیے، کہ (ہنسیں کم، اور روئیں زیادہ)۔

یہ دراصل امر کے صیغے میں خبر ہے، جو اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ قیامت کے دن انہیں بہت زیادہ رونا لازم ہوگا، رہ گیا ہنسنا، تو وہ تو دنیا ہی کی زندگی میں میسر آسکتا ہے، تو ہنس لیں دنیا میں جتنا ہنسنا ہو۔دنیا کی زندگی ہی کتنی ہے، کہ انہیں بہت زیادہ ہنسنا نصیب ہو۔یہ بھی ممکن ہے کہ ہنسی اور رونا خوشی اور رنج سے کنایہ ہو، اور قِلت کو عدم پر محمول کریں۔ حاصل کلام یہ ہوگا، کہ قیامت کے دن انہیں غم ہی غم ہوگا بغیر خوشی کے۔

یہ سب کچھ (سزا ہے) اس کی (جو وہ کما چکے)، یعنی نفاق اور بُرے اخلاق۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بُرے کاموں اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کو بیان فرمایا تھا، اور یہ بتایا تھا کہ مسلمانوں کی بھلائی اس میں ہے کہ منافقین ان کے ساتھ کسی غزوے میں نہ جائیں، کیونکہ ان کا کسی غزوے میں شریک ہونا، انواع واقسام کے شر اور فساد کا موجب ہوتا ہے۔اب اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اگر آپ کو اللہ تعالیٰ منافقین کے کسی گروہ کی طرف واپس لائے۔۔۔منافقین کے ایک گروہ کی قید اس لیے لگائی، کہ مدینہ میں مخلص مسلمان بھی موجود تھے، جو معذور تھے اور عذر کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں نہیں جاسکے تھے۔۔۔سو جب آپ مدینہ میں واپس آئیں

اور یہ منافقین آپ سے پھر کسی غزوۂ میں شریک ہونے کی اجازت طلب کریں، تو آپ فرمادیں، کہ تم اب کبھی بھی کسی غزوۂ میں میرے ساتھ نہیں جاسکو گے۔

یہ ارشاد ان کے نفاق کے اظہار، ان کی اہانت اور مذمت اور ان پر لعنت کرنے کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ جب انہوں نے جھوٹے حیلے بہانے کرکے آپ سے جہاد میں نہ شریک ہونے کی اجازت طلب کی، تو ان کا چھپا ہوا کفر ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ دین اسلام میں مسلمانوں کی جہاد کی طرف رغبت تو سب کو بداہتا معلوم ہے، اور نبی ﷺ کا آئندہ ان کو جہاد میں شرکت سے منع فرمانا اس لیے تھا، کہ مسلمان اُن کے شر اور فساد اور اُن کے مکر وفریب اور اُن کی سازشوں سے محفوظ رہیں۔ اور چونکہ یہ پہلی بار، یعنی غزوۂ تبوک میں اس بات کو پسند کرتے تھے، کہ مدینہ میں معذوروں کے ساتھ بیٹھے رہیں، سو اب وہ آئندہ بھی اُسی کو پسند کریں۔

گویا جب ایک بار انہوں نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جہاد میں جانا پسند نہیں کیا، تو اس کی سزا ان کو یہ دی گئی، کہ اب اگر آئندہ یہ آپ کے ساتھ جانا چاہیں گے، پھر بھی ان کو اجازت نہیں ملے گی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ اگر کسی شخص کو یہ معلوم ہوجائے، کہ کوئی شخص اس کے خلاف سازشیں کرتا ہے، تو وہ آئندہ اس کو اپنا رفیق اور مصاحب بنانے سے گریز کرے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ

پھر اگر واپسی فرمادی تمہاری اللہ نے ان میں سے کسی ٹولی کی طرف، پھر انہوں نے اجازت مانگی تم سے جہاد کیلئے نکلنے کی،

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِیَ اَبَدًا وَّ لَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِیَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ

تو جواب دینا کہ مت نکلو میرے ساتھ کبھی، اور مت جنگ کرو میرے ہمراہ کسی دشمن سے۔ تم پسند کرچکے

رَضِیْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِیْنَ ۝٨٣

بیٹھے رہنے کو پہلی مرتبہ، تو اب بیٹھے رہا کرو مجبوروں کے ساتھ●

تو اے محبوب! (پھر اگر واپسی فرمادی تمہاری اللہ) تعالیٰ (نے) مدینہ طیبہ میں (ان) جہاد سے پیچھے رہ جانے والے منافقین (میں سے کسی ٹولی کی طرف، پھر انہوں نے اجازت مانگی تم سے) غزوۂ تبوک کے بعد کسی اور (جہاد کے لیے نکلنے کی، تو جواب دینا کہ مت نکلو میرے ساتھ کبھی) کہیں باہر جہاد کے لیے، (اور مت جنگ کرو میرے ہمراہ کسی دشمن سے)۔۔ الختصر۔۔ میرے ساتھ جہاد کے لیے نکلنے اور میری معیت میں جہاد کرنے کی تمہیں کبھی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ (تم پسند کرچکے)

ہو (بیٹھے رہنے کو) اور خلاف کرنے کو، (پہلی مرتبہ) ہی غزوۂ تبوک کے موقع پر، (تو اب بیٹھے رہا کرو
مجبوروں کے ساتھ)، یعنی عورتوں بچوں اور بیماروں کے ساتھ۔ جہاد تم جیسے نامردوں کا کام نہیں۔۔ بلکہ
۔۔ یہ مضبوط دل گردے والوں اور مبارزانِ میدانِ نبرد اور ایمانی حرارت والوں کا کام ہے۔
اب اس کے بعد اگلی آیت میں منافقین کی مزید تذلیل اور اہانت کا حکم دیا گیا، اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرمادیا گیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے۔۔۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ

اور نماز جنازہ، ان میں سے کوئی مرجائے، تو کبھی نہ پڑھنا، اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہونا۔

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸۴

بے شک انھوں نے کفر کیا اللہ سے اور اس کے رسول سے اور مرے نافرمان ●

(اور) حکم فرمادیا گیا ہے، کہ اے محبوب! (نماز جنازہ ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی نہ پڑھنا اور نہ) دعاواستغفار کے لیے (ان کی قبر پر کھڑے ہونا)، اور یہ اس لیے کہ (بے شک انہوں نے کفر کیا اللہ) تعالیٰ (سے) کہ اس کا شریک ٹھہرایا (اور اس کے رسول سے)، کہ دل سے ان کی فرمانبرداری نہ کی اور آپ کی اطاعت کے منکر ہوئے، (اور) پھر اپنے اسی کفر پر تاحیات رہ گئے، اور (مرے نافرمان) وکافر ہو کر۔

ان آیات میں خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے، مگر جملہ وابستگانِ دامن نبوت مخاطب ہیں۔ اگلی آیت میں بھی خطاب کا رخ ذاتِ رسول کی طرف ہے، مگر مُرادامتِ رسول ﷺ ہے، تو اے رسول پر ایمان لانے والو!۔۔۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا

اور تم کو ان کے مال و اولاد پر تعجب نہ ہو۔ اللہ یہی چاہتا ہے کہ عذاب میں ڈالے اس سے انھیں

فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۸۵

دنیا میں، اور ان کا دم نکلے اور وہ کافر ہوں ●

(اور) آپ کی غیر مشروط اطاعت کا عہد کر لینے والو! (تم کو ان) منافقین اور کافرین (کے

مال واولاد پر تعجب نہ ہو)، اور اُن کو اُن کی خوش بختی کی علامت نہ سمجھو، اس لیے کہ یہ بھی ان کے لیے ایک ذریعۂ عذاب ہے، اور (اللہ) تعالیٰ (یہی چاہتا ہے کہ عذاب میں ڈالے اس) کے سبب (سے انہیں دنیا میں) اور وہ اس کے جمع کرنے اور حفاظت کرنے کے سبب ہمیشہ رنج وتعب میں رہیں اور اولاد کے احوال کو اچھا بنانے اور ان کی معاش کے اسباب کو جمع کرنے کے واسطے، ہر وقت محنت ومشقت کھینچتے رہیں، (اور) پھر حسرت ویاس کے عالم میں (ان کا دم نکلے)، اور خالی ہاتھ دنیا سے رخصت ہو جائیں (اور) وہ بھی اس حال میں کہ (وہ کافر ہوں)، یعنی ان کی موت کفر پر ہو جائے۔ دنیا سے تو خالی ہاتھ گئے ہی تھے، آخرت میں بھی کچھ ہاتھ نہ لگے۔ اور وہاں بھی خالی ہاتھ ہی رہیں۔

اس مضمون کی تکرار محض اموال واسباب سے نفرت دلانے کی تاکید کے لیے ہے، تاکہ سننے والے کی اموال واسباب کی خرابیوں سے توجہ ہٹ نہ جائے، بلکہ ناصح پر لازم ہوتا ہے، ایسے امور کے لیے اپنے کلام کے اثناء میں اس کے متعلق یاددہانی کرائے، بالخصوص جب دو کلاموں کے درمیان کافی فاصلہ ہو، اس لیے کہ انسان فطری طور پر اموال واسباب کی طرف متوجہ رہتا ہے، اور اس کا متمنی ہوتا ہے اور اُس حرص میں رہتا ہے، کہ خدا کرے اموال واسباب حاصل ہوں۔

اس مقام پر یہ نکتہ ذہن نشین رہے، کہ اموال واسباب مومن کامل کو خدا اور رسول سے غافل نہیں کرتے، تو یہ سب ان کے لیے رحمتِ الٰہی اور فضل خداوندی ہیں۔ اور یہی اموال واسباب کافر کو خدا کا باغی بنا دیتے ہیں، تو اب یہ مال ودولت کافروں کے لیے عذابِ الٰہی ہے، تو اب ضابطہ یہ بنا، کہ جو چیز خدا سے غافل نہ ہونے دے اور خدا اور رسول کا مطیع وفرمانبردار بنائے رکھے، وہ فضل الٰہی اور رحمتِ خداوندی ہے۔ اور اس کے برعکس جو چیز خدا اور رسول کا باغی بنا دے اور خدا ورسول سے غافل کر دے، وہ عذابِ الٰہی اور خدائے ذوالجلال کی طرف سے ڈھیل ہے۔

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے، جسے آخرت کا نیک انجام نصیب نہیں، اُسے دنیا کے منافع سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور آخرت سے وہ نفع نہ پا سکے گا، جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاعت نہیں کرتا ۔۔۔ المختصر ۔۔ مومن وہ ہے، جو عبادات مالیہ سے آخرت کا سامان تیار کرتا ہے ۔۔۔

وَاِذَآ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهٖ

اور اتاری گئی جب کوئی سورت، کہ مان جاؤ اللہ کو اور جہاد کرو اس کے رسول

اسۡتَاۡذَنَكَ اُولُوا الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿۸۶﴾

کے ہمراہ، تو چھٹی مانگنے لگے ان میں سے مقدور والے، اور بولے کہ ہم کو چھوڑ دیجیے مجبوروں کے ساتھ●

(اور) اس کے برخلاف منافقین کا حال یہ ہے، کہ ان کی ہدایت کے لیے (اتاری گئی جب کوئی سورت) خواہ مکمل۔۔۔یا۔۔۔بعض حصہ، کیونکہ دونوں پر سورت کا اطلاق ہوتا ہے، اور پھر ان سے کہا گیا (کہ مان جاؤ اللہ) تعالیٰ (کو اور) اس کے جملہ احکام کو، جس میں ایک عظیم الشان حکم یہ بھی ہے، کہ اعزاز دیں اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے (جہاد کرو اس کے رسول کے ہمراہ)، یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول کے ساتھ مل کر یہ کام انجام دو۔

(تو) خواہ مخواہ کا عذر پیش کر کے (چھٹی مانگنے لگے ان میں سے مقدور والے)، جن میں جہاد کرنے کی پوری استطاعت ہے اور ان کے پاس جہاد کرنے کے ساز وسامان کی کمی نہیں ہے۔ مگر وہ لوگ استطاعت (اور) قدرت کے باوجود (بولے، کہ ہم کو چھوڑ دیجیے مجبوروں کے ساتھ) ۔۔۔چنانچہ۔۔۔

رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۸۷﴾

ان کی خوشی ہے کہ پسماندہ عورتوں کے ساتھ ہوں، اور مہر کر دی گئی ہے ان کے دلوں پر، تو وہ سمجھتے ہی نہیں●

لٰكِنِ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ جٰهَدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ‌ؕ

لیکن رسول اور ان کے ساتھی سارے مسلمانوں نے جہاد کیا، اپنے مال و جان سے۔

وَاُولٰۤٮِٕكَ لَهُمُ الۡخَيۡرٰتُ‌ وَاُولٰۤٮِٕكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۸۸﴾

اور انھیں کیلئے بھلائیاں ہیں۔ اور وہی کامیاب ہیں●

(ان کی خوشی) اسی میں (ہے، کہ پسماندہ عورتوں کے ساتھ ہوں) یعنی وہ ان عورتوں کے ساتھ ہوں جو جنگ پر نہ جانے کے سبب گھروں میں بیٹھی ہیں۔۔۔الغرض۔۔۔انہیں اہم امور کی طرف بلایا گیا، تو وہ ان کے لیے تیار نہ ہوئے اور انہوں نے اپنے کو ایسا بنا لیا جس میں کسی قسم کی اچھائی اور بھلائی نہ ہو۔ (اور مُہر کر دی گئی ہے ان کے دلوں پر) یعنی ان کے فہم و ادراک کے محل و مرکز پر، اسی لیے (تو وہ سمجھتے ہی نہیں)، کہ ایمان باللہ کیا ہے؟ اور اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی سے بچنا اور رسول اللہ ﷺ

کی موافقت اور ان کے ساتھ جہاد پر جانے کے منافع کیا ہیں؟ اور انہیں معلوم نہیں، کہ امورِ مذکورہ بالا کے خلاف کرنے کا کتنا نقصان ہے۔ ان نادانوں اور بے عقلوں نے اپنی دنیا و آخرت کی بدبختی کا تو پورا سامان کرلیا۔۔۔

(لیکن رسول اور ان کے ساتھی سارے مسلمانوں نے جہاد کیا اپنے مال و جان سے)، تو ان کے (اور) صرف (انہیں کے لیے بھلائیاں ہیں) دونوں جہان کی۔ دنیا میں غنیمت اور نُصرت اور عقبیٰ میں بہشت اور کرامت۔ (اور وُہی کامیاب ہیں) یعنی فلاح پانے والے اور اپنے مقصود کو پہنچنے والے ہیں۔

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ

تیار فرما دیا اللہ نے انکے لئے جنتیں، کہ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اس میں۔

ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾

یہی بڑی کامیابی ہے●

ع ۱۱ ۹ ۱۷

(تیار فرما دیا اللہ) تعالیٰ (نے ان کے لیے جنتیں، کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں کے (نیچے نہریں۔ ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اس) بہشت (میں)، یعنی انہیں جناتِ مذکورہ میں ان کا ہمیشہ رہنا مقدر ہو چکا ہے۔ (یہی) یعنی جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ فلاں فلاں شے نیک بندوں کے لیے تیار فرمائی ہے، بہت (بڑی کامیابی ہے) کہ اس کے مقابل اور کوئی کامیابی نہیں، یعنی وہ لوگ بہشت اور اس کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے اور جہنم اور اس کی آگ سے نجات پا جائیں گے۔

اس سے پہلی آیتوں میں مدینہ میں رہنے والے منافقوں کے احوال بیان فرمائے تھے،
اب مدینہ کے اردگرد رہنے والے دیہاتیوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے۔

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ

اور آئے بات بنانے والے دیہاتی، کہ ان کو چھٹی دی جائے، اور بیٹھ رہے جنھوں نے جھٹلایا

كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾

اللہ اور اس کے رسول کو، بہت جلد پہنچے گا ان کافروں کو دکھ والا عذاب●

(اور) فرمایا جا رہا ہے، کہ (آئے بات بنانے والے دیہاتی، کہ ان کو) بھی جہاد سے (چھٹی دے (دی جائے)۔

یہ عذر کرنے والے لوگ اسد غطفان کے لوگ تھے، جنہوں نے غزوۂ تبوک کی تیاری کے وقت حضور سرورِ عالم ﷺ سے جنگ میں نہ جانے کی اجازت چاہی اور عذر پیش کیا، کہ ہم میں جنگ میں جانے کی طاقت نہیں ہے، اس لیے کہ ہم معاشی لحاظ سے تنگ ہیں اور عیالداری سوا ہے، وغیرہ وغیرہ۔۔۔یا۔۔معذرت کرنے والے عامر بن الطفیل کا ایک گروہ ہے، جنہوں نے معذرت یوں کی، کہ اگر ہم آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک کو چلیں تو ہمارے پیچھے ہمارے اہل وعیال اور گھروں پر ہمارے مخالفین یعنی طے کے اعرابی حملہ کردیں گے، وہ ہمارے جانوروں کو لے جائیں گے اور گھروں کو لوٹ لیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں فرمایا:

'مجھے تمہاری ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے کافی ہے، تم جاؤ گھروں میں آرام کرو'

۔۔۔ان معذرت کرنے والوں میں کچھ تو ایسے بھی ہو سکتے ہیں جو منافق ہوں، اور منافقت کی وجہ سے جنگ میں نہ جانا چاہتے ہوں، اور کچھ ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جو صرف کاہلی اور سستی کی وجہ سے جنگ سے گریز کررہے ہوں۔

اب جو منافق ہیں ان کے کافر ہونے میں کیا شک ہے۔ہاں جو صرف کاہلی اور سستی کی وجہ سے ایسا چاہ رہے ہوں، تو ان کے بھی فاسق ہونے میں کوئی شک نہیں، اور ان کی بھی جس قدر مذمت کی جائے وہ کم ہے۔ان دونوں سے ہٹ کر، وہ بادیہ نشین منافقین، جنہوں نے جنگ کی حاضری کی نہ حامی بھری اور نہ ہی کوئی عذر کیا، اور نہ ہی حضور سے اجازت طلب کی۔۔۔

(اور) ڈھٹائی سے اپنے گھروں میں (بیٹھ رہے) اور جنگ پر نہیں گئے، ان کے اس طرز عمل سے واضح ہوگیا، کہ یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں (جنہوں نے جھٹلایا اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کو)، اگرچہ بظاہر ایمان واسلام کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں۔تو (بہت جلد پہنچے گا ان کافروں کو) جن کی اجازت طلبی صرف منافقت کی وجہ سے تھی، نہ کہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے، اور پھر جو اپنے کفر پر مرتے دم تک قائم بھی رہے، (دکھ والا) یعنی دردناک (عذاب) دنیا میں قتل وقید سے اور آخرت میں جہنم کی آگ سے۔

مذکورہ بالا معذرت چاہنے والوں سے ہٹ کر، رہ گئے وہ مومنین مخلصین اور دین کے سچے خیر خواہ، جن میں سستی اور کاہلی بھی نہیں، لیکن وہ واقعی حقیقی معذور ہیں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ۔۔۔

لَيۡسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الۡمَرۡضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيۡنَ

نہیں ہے ضعیفوں پر اور نہ بیماروں پر، اور نہ ان پر،

لَا يَجِدُوۡنَ مَا يُنۡفِقُوۡنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوۡا لِلّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ‌ ؕ

جو نہ پائیں وہ جس کو خرچ کریں، کوئی الزام، جبکہ وہ خیر خواہ رہیں اللہ اور اس کے رسول کے۔

مَا عَلَى الۡمُحۡسِنِيۡنَ مِنۡ سَبِيۡلٍ‌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۙ‏ ﴿۹۱﴾

مخلص لوگوں پر کوئی گرفت نہیں۔ اور اللہ غفور رحیم ہے●

(نہیں ہے ضعیفوں پر) جو بوڑھے ۔۔یا۔۔ ہاتھ لنجے اور پاؤں لنگڑے ہیں، (اور نہ بیماروں پر، اور نہ ان پر جو نہ پائیں وہ، جس کو خرچ کریں) یعنی فقر وفاقہ کی وجہ سے مال و دولت نہیں رکھتے جسے خرچ کرسکیں، جیسے مزینہ وجہینہ اور بنی عذرہ کے لوگ، تو ایسے معذوروں پر نہیں ہے (کوئی الزام) اگر وہ جنگ میں نہیں جاسکے۔ لیکن ان کے لیے بھی ایک شرط ہے۔ ان پر کوئی الزام نہ ہونا اسی صورت میں ہے، (جبکہ وہ خیر خواہ رہیں اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کے)۔

یعنی جب وہ جنگ میں نہیں جاسکے، تو کم از کم ان کے دل میں اسلام کی خیر خواہی ہو۔۔ چنانچہ ۔۔وہ اگر غازیوں کے متعلق کوئی کمزوری سنیں، تو اُسے لوگوں کے سامنے بیان نہ کریں، اور نہ ہی فتنہ انگیزی کریں۔ اور ان کے گھریلو امور کی خبر گیری کریں۔۔ بلکہ۔۔ ان کے گھریلو کام میں ہاتھ بٹائیں اور ان کے گھر والوں کو ان کی خیر کی خبر سنائیں۔۔ الحاصل۔۔ اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ پر ایمان لاکر، ان کے جملہ احکام کی فرمانبرداری کا عزم رکھیں۔۔ لہٰذا۔۔ فوری طور پر ان ضروری امور کو انجام دیں، جن کا ابھی اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

۔۔الختصر۔۔ (مخلص لوگوں پر کوئی گرفت نہیں)، یعنی نیکی کرنے والوں پر کوئی گناہ اور نہ ہی کسی قسم کی منجانب اللہ زجر و توبیخ ہوگی۔ (اور اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے، جو عذر کی سبب سے لڑائی پر نہ جاسکے اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے کہ معذوروں کو گھر بیٹھنے کی رخصت دیتا ہے۔۔ الغرض۔۔ نہ تو مذکورہ بالا معذوروں کو جنگ میں نہ جانے کی وجہ سے کوئی الزام ہے۔۔۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيۡنَ اِذَا مَاۤ اَتَوۡكَ لِتَحۡمِلَهُمۡ قُلۡتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ

اور نہ انھیں پر، جو تمہارے پاس آئے تھے کہ انھیں سواری دیجیے، تم نے جواب دیا تھا "کہ میرے پاس سواری نہیں"۔

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

وہ لوٹے اوران کی آنکھیں بہتی ہیں آنسو سے، غمگین اس پر، کہ نہیں پاتے جوخرچ کریں●

(اور نہ) ہی (انہیں پر) جنگ میں نہ شریک ہو سکنے پر کوئی الزام ہے۔اے محبوب! (جو تمہارے پاس آئے تھے، کہ انہیں سواری دیجیے) تا کہ وہ بھی تمہارے ساتھ شریکِ جنگ ہو سکیں، تو (تم نے جواب دیا تھا، کہ میرے پاس سواری نہیں)۔وہ آنے والے خواہ، وہ انصار کے معقل بن یسار، صخر بن الخنساء، عبداللہ بن کعب، سالم بن عمیر، ثعلبہ بن غنمہ، عبداللہ بن مغفل اور علیہ بن زید ہوں۔۔یا۔۔بنو مقرن کے سات بھائی ہوں، جن کو یہ شرف بھی حاصل تھا، کہ وہ ساتوں بھائی حضور علیہ السلام کے صحابی تھے، مطلوبہ سواری نہ مل سکنے کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہوسکنے کے سبب، ان پیکرانِ اخلاص کا عالم یہ تھا، کہ (وہ) اس حال میں (لوٹے) کہ ان کا دل پژمردہ (اوران کی آنکھیں بہتی ہیں آنسو سے) اور وہ سب (غمگین اس) مجبوری (پر، کہ نہیں پاتے) آلاتِ حرب اور جنگی ساز وسامان (جوخرچ کریں)، یعنی جنہیں جنگ میں استعمال کرسکیں۔

حضور علیہ السلام نے بھی انہیں جواباً لطف بھرے کلام سے نوازا، جس سے ان کا دل ٹھنڈا ہوگیا۔گویا حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا، کہ تمہاری سوال کردہ شے فی الحال موجود نہیں، لیکن جونہی موجود ہوئی اور تم نے سوال کیا، تو فوراً دے دی جائے گی۔ایک روایت کی روشنی میں حضرت ابن عمر اور حضرت عباس نے زادِراہ اور جنگی سامان اور سواری کا انتظام ان کے لیے کر دیا، اِس طرح وہ حضرات بھی جنگ میں شریک ہوئے۔۔المختصر۔۔مذکورہ بالا بے سروسامانی کے عذر کے سبب بھی، اگر کوئی جنگ میں شریک نہ ہوسکے، تو اس پر کوئی الزام نہیں۔۔۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ

پکڑ کی راہ ان پر ہے، جو چھٹی مانگیں تم سے اور خود مالدار ہیں۔وہ خوش ہیں کہ

يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

رہ جائیں پردہ والی عورتوں کے ساتھ۔اور چھاپ لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر، تو وہ جانتے ہی نہیں●

(پکڑ کی راہ ان پر ہے) اور ایسے لوگ الزام سے بری نہیں ہوسکتے، (جو) جنگ میں شریک

نہ ہونے کے لیے (چھٹی مانگیں تم سے اور) وہ (خود مالدار ہیں)۔ اُن کے پاس جنگی سامان مکمل طور پر موجود ہے اور وہ تندرست بھی ہیں اور ان سب کے باوجود، (وہ خوش ہیں کہ وہ رہ جائیں پردہ والی عورتوں کے ساتھ)۔ گویا وہ عورتوں کی طرح پردہ نشینی اور نسوانیت کا مظاہرہ کرکے، اپنی خفت و ذلت سے راضی ہیں، اور وہ اُسے خود پسند کررہے ہیں، (اور) اُس کی اصل اور حقیقی وجہ یہ ہے، کہ (چھاپ لگادی اللہ تعالیٰ (نے اُن کے دلوں پر) اور انہیں ذلیل وخوار بنادیا، کہ وہ اپنے انجام سے بالکل غافل ہوگئے، (تو وہ جانتے ہی نہیں) اپنا انجام اور اپنی عاقبت اور وہ عقوبت، جو اس نافرمانی کا نتیجہ ہے۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج

۱۵ ربیع النور شریف ۱۴۳۱ھ۔ مطابق۔ ۲ مارچ ۲۰۱۰ء

بروز سہ شنبہ دسویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے باقی پاروں کی

تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرمَۃِ حَبِیبِکَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ ﷺ وَ بِرَحْمَتِكَ یَاأَرْحَمَ الرَّاحِمِینَ۔

۱۱

یعتذرون

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۰ ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۱۶ اپریل ۲۰۱۰ء

بروز سہ شنبہ گیارہویں پارے کی تفسیر کا آغاز کردیا۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی تکمیل کی توفیق رفیق عطا فرمائے، اور یونہی پورے

قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی سعادت سے سرفراز فرمائے

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ

وَبِحُرْمَةِ حَبِیبِكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّد

سابقہ اِرشادات میں دوگروہوں کا ذِکر تھا: ایک وُہ، جو جہاد میں شرکت سے محروم ہونے کی وجہ سے شدّتِ غم سے رو رہے تھے۔۔اور۔۔دوسرے وہ، جو مالدار اور صاحبِ اِستطاعت ہونے کے باوجود نبی کریم ﷺ سے رُخصت طلب کر رہے تھے، تا کہ اُنہیں جہاد میں شریک ہونے سے چھٹی مل جائے اور پیچھے رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ گھروں میں رہیں۔ تو اُن میں پہلا گروہ تو قابل تعریف اور لائق مدح وثناء ہے، لیکن دوسرا گروہ وہ ہے، اللہ تعالیٰ نے جن کے دِلوں پر مُہر لگادی ہے، تو اُنہیں خود اپنے اچھے بُرے کی خبر نہیں۔ اِسی دوسرے گروہ کے تعلق سے ارشاد فرمایا جاتا ہے، کہ۔۔۔

يَعۡتَذِرُوۡنَ اِلَيۡكُمۡ اِذَا رَجَعۡتُمۡ اِلَيۡهِمۡ ؕ قُلۡ لَّا تَعۡتَذِرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ

تاویلیں گڑھیں گے تم سے، جب تم لوٹو گے ان تک۔ کہہ دینا، ''کہ بات نہ بناوٴ، ہم تمہاری ایک

لَـكُمۡ قَدۡ نَـبَّاَنَا اللّٰهُ مِنۡ اَخۡبَارِكُمۡ‌ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَـكُمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ثُمَّ

نہ مانیں گے، کہ بے شک ہمیں بتادی ہیں اللہ نے تمہاری ساری خبریں''۔ اور بہت جلد تمہارے عمل کو اللہ اور اس کا رسول دیکھ لے گا۔ پھر

تُرَدُّوۡنَ اِلٰى عٰلِمِ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۴﴾

لوٹائے جاوٴ گے عالم الغیب والشہادۃ کی طرف، تو وہ تم کو بتادے گا جو تمہارے کرتوت تھے●

اَے مسلمانو! یہ منافقین تمہارے سامنے بہانے بنائیں گے اور (تاویلیں گڑھیں گے تم سے، جب تم) غزوۂ تبوک سے فارغ ہوکر مدینہ (لوٹو گے ان تک)۔ اَے رسولِ مکرم! ﷺ ان سے صاف صاف لفظوں میں (کہہ دینا)، اور ارشاد فرمادینا (کہ بات نہ بناوٴ)، اور جھوٹے اور بے جا عذر پیش کرنے سے باز آوٴ، اور اچھی طرح سے جان لو، کہ (ہم تمہاری ایک نہ مانیں گے)۔ تم ہمیں اپنی دِلی کیفیات سے بے خبر نہ سمجھو، اِس لیے (کہ، بے شک ہمیں بتادی ہیں اللہ) تعالیٰ (نے تمہاری ساری خبریں) اور تمہارے تعلق سے ساری باتیں، کہ تم کس واسطے شریکِ جہاد نہیں ہوئے اور تمہارا قصد کیا تھا؟

تم کسی خام خیالی میں نہ رہو (اور) جان لو، کہ (بہت جلد تمہارے عمل کو اللہ) تعالیٰ (اور اُس کا رسول دیکھ لے گا)، کہ تمہارا رویہ کیا رہتا ہے؟ تم نفاق سے توبہ کرتے ہو؟۔۔یا۔۔اُسی کو اختیار کیے رہتے ہو؟ (پھر لوٹائے جاوٴ گے) قیامت کے دن (عالم الغیب والشہادہ کی طرف)، جو ہر ہر غیب اور

ہر ہر ظاہر کا جاننے والا ہے۔غیب وظاہر کا علم کلی اُسی کے پاس ہے۔سارے موجودات میں سے جس
کو جتنا علم عطا فرماتا ہے، وہ اتنا ہی جان سکتا ہے۔اس کے سوا کسی کا علم ذاتی نہیں، بلکہ سب اسی کی عطا
ہے۔۔الختصر۔۔'عالم الغیب والشہادۃ علی الاطلاق' صرف اُسی کو کہا جاسکتا ہے۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ سب
کی ظاہری اور دِلی باتوں سے باخبر ہے، **(تو وہ تم کو بتادے گا جو تمہارے کرتوت تھے)** یعنی پوشیدہ طور
پر نفاق اور ظاہری طور پر موافقت کرنے کی تمہیں بھرپور سزا دے گا اور عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔

ان منافقین کی بے شرمی بھی حد درجہ بڑھی ہوئی تھی، کہ ایک طرف تو وہ غزوۂ تبوک میں نہ جانے کے متعلق جھوٹے بہانے بناتے تھے، تو دوسری طرف اس دیدہ دلیری کا مظاہرہ کرتے تھے، کہ وہ اپنے ان بہانوں کو قسموں کے ساتھ موکد کرتے تھے۔۔چنانچہ۔۔

سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ

بہت جلد قسم کھائیں گے اللہ کی تم سے، جب تم لوٹو گے ان کی جانب، کہ ان سے چشم پوشی کرو۔

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ؗ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ

تو ہٹے رہو ان سے۔ بے شک وہ ناپاک ہیں، اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝۹۵

سزا جو انھوں نے کمائی کی●

(بہت جلد قسم کھائیں گے اللہ) تعالیٰ **(کی تم سے، جب تم لوٹو گے)** اپنے جہادی سفر سے فارِغ ہو کر **(اُن کی جانب)**۔

۔۔چنانچہ۔۔قرآن کریم نے بطورِ اعجاز جس بات کی خبر دے دی تھی، ویسا ہی ہوا۔اور جند بن قیس اور اس جیسے دوسرے منافقین نے رسولِ کریم کی مراجعت کے بعد مسجد میں آکر آپ ﷺ کے حضور قسم کھائی، کہ ہم لڑائی کے واسطے نکلنے پر قادر نہ تھے۔

یہ قسم اِس لیے کھائی، تا **(کہ)** تم **(ان سے چشم پوشی کرو)** اور ان پر غصہ کرنے اور ملامت کرنے
سے باز رہو۔اے نبی مکرم! ﷺ یہ منافقین کسی التفات وتوجہ کے لائق ہی کب ہیں؟ **(تو ہٹے رہو ان
سے)**، یعنی ان سے منہ پھیر لو اور انھیں چھوڑ دو۔**(بے شک وہ ناپاک ہیں)** یعنی اُن کا باطن خبیث اور
نجس ہے، اور اُن کی رُوح ناپاک ہے۔اور جس طرح جسمانی نجاستوں سے اِحتراز کرنا واجب ہے

کی طرح رُوحانی نجاستوں سے اِحتراز کرنا واجب ہے۔تاکہ اُن کی نجاستیں اِنسان میں سرایت نہ کرجائیں، اور تاکہ اُن کے برے کاموں کی طرف اِنسان کی طبیعت راغب نہ ہو۔۔الحتصر۔۔تہدید اور ملامت جوتوبہ کی طرف میلان کا سبب ہوتی ہے، اُن کے حق میں کچھ مفید نہیں پڑتی۔اِس واسطے، کہ اُن کا باطنی خبث پاکی وطہارت قبول کرنے والانہیں، (اوراُن کاٹھکانہ جہنم ہے) جہاں وہ مبتلائے عذاب و عتاب ہوں گے۔اور یہ عذابِ جہنم دراصل (سزا) ہےاُن کے کفرونفاق آمیز کرتوتوں کی (جواُنہوں نے کمائی کی)۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ

تم سے قسم کھائیں گے کہ تم لوگوں کوراضی کرلیں اپنے سے۔تواگرتم لوگ ان سے راضی ہوئے، پھربھی اللہ

لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾

نہیں راضی ہوتانافرمان قوم سے●

یہ منافقین (تم سے قسم کھائیں گے) جس کا مقصد ہوگا (کہ تم لوگوں کوراضی کرلیں اپنے سے)اورخوش کرلیں۔

۔۔چنانچہ۔۔عبداللہ ابن ابی نے حضرت فاروق اعظم کے سامنے قَسم کھائی تھی، کہ اب کسی سفر میں بھی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نہ کروں گا، تاکہ فاروق اعظم خوش ہوجائیں۔چونکہ اُن کی قسمیں مومنین کی خوشنودی کے لیے ہوا کرتی تھیں، نہ کہ خدا کی خوشنودی کے لیے۔۔۔

(تواگرتم لوگ) بالفرض (اُن سے راضی) بھی (ہوئے، پھربھی اللہ) تعالیٰ (نہیں راضی ہوتانافرمان قوم سے)۔اورظاہر ہے خدا کے غصہ کے ساتھ اُن سے تمہارابظاہرخوش ہوجانا، اُن کے حق میں کچھ مفیدنہیں۔

اِس آیت میں مسلمانوں کوہدایت ہے کہ اُن سے راضی نہ ہوں اور نہ ہی اُن کے باطل عذروں کے سبب فریب کاشکارہوجائیں۔اوپرجن نافرمانوں کاذکرہواہے۔۔۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ

گنوار، بڑے سخت ہیں کفرونفاق میں، اوراسی لائق ہیں کہ انھیں پتہ ہی نہ ہوان قوانین کا،

مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝۹۷

جو اتارا اللہ نے اپنے رسول پر۔ اور اللہ دانا ہے حکیم ہے●

انہی مدینے کے منافقین سے دوستی رکھنے والے جولوگ دیہاتوں میں رہتے ہیں، اُن غیر مہذب، تعلیم وتربیت سے ناآشنا اور وحشیانہ زندگی بسر کرنے والوں میں سے بعض (گنوار)، یعنی بنوتمیم بنواسد، غطفان اور اطرافِ مدینہ میں رہنے والے بعض دیہاتی، (بڑے سخت ہیں کفر ونفاق میں)، یعنی اُن کا کفر ونفاق اہلِ شہر کے کفر ونفاق سے بہت بڑھا ہوا ہے، اِس واسطے، کہ وہ لوگ وحشی اور سخت دِل ہیں۔ اُنہوں نے اہلِ علم کے پاس نشست وبرخاست نہیں کی اور اصحابِ علم ودانش کی صحبتوں کے فوائد سے تہی دامن رہے، (اور) ظاہر ہے کہ جب وہ ایسے جاہل ہیں، کہ علم واہلِ علم سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے، تو (اسی لائق ہیں کہ اُنہیں پتا ہی نہ ہو اُن قوانین کا، جو اُتارا اللہ) تعالیٰ (نے اپنے رسول پر) شرع کے فرائض اور سنتیں، (اور اللہ) تعالیٰ (دانا ہے) اُن کے حال کا جاننے والا ہے اور (حکیم ہے) حکم کرنے والا ہے، حکمت کی رو سے اُنہیں مہلت دینے میں۔

وَمِنَ الۡاَعۡرَابِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مَا يُنۡفِقُ مَغۡرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ

اور کچھ گنوار ہیں، کہ جو قرار دیتے ہیں اسے جو خرچ خیرات کرتے ہیں، جرمانہ، اور تاکا کرتے ہیں

بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيۡهِمۡ دَآئِرَةُ السَّوۡءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ۝۹۸

تم پر گردشوں کے آنے کو۔ انھیں پر تباہی کی گردش ہے۔ اور اللہ سنتا جانتا ہے●

(اور) انہی دیہاتی منافقین میں سے (کچھ گنوار ہیں، کہ جو قرار دیتے ہیں اُسے جو خرچ خیرات کرتے ہیں، جرمانہ)، یعنی تاوان اور نقصان، یعنی اپنے صدقوں کو ڈنڈ اور رائگاں جانتے ہیں، اس واسطے، کہ اس پر ثواب کی امید نہیں رکھتے، اور ریا اور تقیہ کے ساتھ خرچ کرتے ہیں، (اور تاکا کرتے ہیں تم پر گردشوں کے آنے کو) یعنی وہ اس بات کے منتظر ہیں، کہ دولتِ اسلام نکبت سے بدل جائے اور مسلمانوں کا زمانہ پلٹ جائے، تاکہ نفاق سے چھٹکارا پاجائیں۔ اُنہیں کیا خبر، کہ (اُنہیں پر تباہی کی گردش ہے)، یعنی اُنہیں کو ذلیل وخوار اور تباہ وبرباد ہوجانا ہے (اور اللہ) تعالیٰ (سنتا) ہے وہ بات جو وہ زبان پر لاتے ہیں اور (جانتا ہے) وہ بھید جو دل میں چھپاتے ہیں۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ

اور بعض دیہاتی ہیں کہ مانیں اللہ کو اور پچھلے دن کو، اور سمجھیں جو کچھ خرچ خیرات کریں،

قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ

کہ اللہ کی عبادت ہیں اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ۔ "یقین مانو کہ یہ ان کی عبادت ہے"۔

ع ۱۲/۱۰/۱ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿99﴾

بہت جلد داخل فرمادے گا ان کو اللہ اپنی رحمت میں۔ بیشک اللہ غفور رحیم ہے●

(اور) اُن مذکورہ بالا دیہاتیوں کے برعکس (بعض دیہاتی ہیں)۔۔ مثلاً: قبیلہ اسد، جہینہ، اسلم اور غفار کے لوگ، جن کی شان یہ ہے (کہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو اور پچھلے دن کو)، یعنی روزِ قیامت کو، (اور سمجھیں جو کچھ خرچ خیرات کریں، کہ اللہ) تعالیٰ (کی عبادت ہیں) اور قربِ الٰہی کا وسیلہ ہیں (اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ)۔ کیونکہ آپ ﷺ صدقہ دینے والوں کے واسطے ہمیشہ خیر و برکت کی دُعا کرتے ہیں اور اُن کی مغفرت چاہتے ہیں۔ تو (یقین مانو، کہ یہ اُن کی عبادت ہے)۔ یعنی یہ صدقے اور اُن کے لیے رسولِ کریم کی دعائیں، بارگاہِ عنایتِ ربانی میں اُن کے لیے سببِ قربت ہیں۔ (بہت جلد داخل فرمادے گا اُن کو اللہ) تعالیٰ (اپنی رحمت میں)، یعنی بہشت میں، جو اُس کی رحمت کے نازل ہونے کی جگہ ہے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے صدقہ دینے والوں کو، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے قربت ڈھونڈنے والوں پر۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ

اور اگلے پہلے مہاجرین و انصار اور جنھوں نے ان کی راہ اختیار کی

بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اخلاص کے ساتھ، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی، اور مہیا فرمالیا ہے انکے لئے جنتیں، بہتی ہیں

تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿100﴾

جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ ہمیش رہنے والے اس میں۔ یہی بڑی کامیابی ہے●

اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی (اور) اُس کی قربت ڈھونڈنے والے (اگلے پہلے مہاجرین)،

وہ اَصحابِ بدر ہوں۔۔یا۔۔وہ ہجرت کے قبل ایمان لانے والے ہوں۔۔یا۔۔وہ جنہوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہو۔۔یا۔۔وہ جنہوں نے بیعتِ رضوان کی ہو، (وانصار) یعنی وہ مسلمان جو مدینہ منورہ کے رہنے والے ہیں اور مکہ معظّمہ کے رہنے والوں کی انہوں نے مدد کی ہو۔

اس سے عقبۂ اولیٰ اور عقبۂ ثانیہ کی بیعت کرنے والے ستّر افراد مراد ہوں۔۔یا۔۔عقبۂ ثانیہ کی بیعت سے پہلے حضرت مصعب ابن عمیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے لوگ مراد ہوں۔

(اور جنہوں نے ان) اگلوں (کی راہ اختیار کی اخلاص کے ساتھ)، یعنی پرخلوص ایمان و طاعت کے ساتھ۔

اُس سے سارے صحابہ مہاجر و انصار مراد ہیں، کہ انہوں نے اگلوں کی متابعت کی۔اور یہ بھی قول ہے، کہ جو کوئی قیامت تک اُن کی متابعت کرے، وہ متابعوں میں سے ہے۔

(اللہ) تعالیٰ (ان) سب (سے راضی) اور خوش ہوا اُن کی اطاعت قبول کر کے۔اس رضامندی میں اگلے، اور پچھلے سب داخل ہیں۔(اور وہ) بھی (اللہ) تعالیٰ (سے راضی) اور خوش ہوئے دین و دنیا کی نعمتیں پاکر۔(اور مہیا فرمالیا ہے اُن کے لیے جنتیں، بہتی ہیں جن کے) درختوں اور مکانوں کے (نیچے نہریں، ہمیشہ ہمیش رہنے والے) ہیں (اس میں)۔ان سب کے لیے (یہی) یعنی جنتوں میں ہمیشہ ہمیش کے لیے رہنا، (بڑی کامیابی ہے) اور جملہ مقاصد۔۔نیز۔۔تمناؤں اور آرزوؤں کا حاصل ہو جانا ہے۔

سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے احوال بیان فرمائے۔اس کے بعد اعرابیوں اور بدویوں میں سے منافقین کا حال بیان فرمایا۔پھر اعرابیوں میں سے خالص مومنوں کا ذکر فرمایا۔پھر بیان فرمایا، کہ اکابر مومنین وہ ہیں جو مہاجرین اور انصار میں سے سابقین اولین ہیں۔اور اب اِس اگلی آیت میں بیان فرمایا، کہ مدینہ کے اندر اور باہر دونوں جگہ منافقین ہیں ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا

اور بعض تمہارے جوار کے گنوار منافق ہیں۔اور بعض مدینہ والے۔۔۔بِل پڑے ہیں

عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ

نفاق پر۔۔انھیں ابھی تم نہیں جانتے، ہم جانتے ہیں۔بہت جلد سزا دیں گے انھیں دوبار،

ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ ﴿١٠١﴾

پھر انجام کار جائیں گے بڑے عذاب کی طرف●

(اور) واضح فرمادیا جاتا ہے، کہ (بعض تمہارے جوار) یعنی مدینے (کے) آس پاس رہنے والے (گنوار)، ان پڑھ، غیر مہذب دیہاتی، (منافق ہیں)۔ اگرچہ وہ بظاہر کلمہ پڑھتے ہیں اور نماز روزے کی پابندی دکھاتے ہیں اور ایسی قوم سے ہیں جن کے غالب اور اکثر افراد کی حضور ﷺ نے تعریف وتحسین فرمائی ہے، یعنی وہ جہینہ، اسلم اور غفار کے قبیلے سے ہیں۔۔ باایں ہمہ۔۔ وہ منافق ہیں۔ (اور بعض مدینہ والے) بھی (چل پڑے ہیں) اور ڈٹ گئے ہیں اپنے (نفاق پر۔ انہیں ابھی تم) علم یقینی وقطعی سے (نہیں جانتے)، اس لیے کہ علم یقینی کا ذریعہ وحی الٰہی کے سوا دوسرا کوئی بھی نہیں، اور ابھی اُن کے تعلق سے تم پر وحی نہیں فرمائی گئی۔ رہ گیا علم ظنی جو علامتوں اور قرینوں سے حاصل ہوتا ہے، تو تم انہیں اس سے پہچان چکے ہو۔

۔۔ الختصر۔۔ ابتداءً اسی علم ظنی سے آپ منافقین کو پہچان لیتے تھے، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو قطعیت کے ساتھ منافقین کی شناخت کرادی تھی اور اُن کا علم دے دیا تھا۔

۔۔ الختصر۔۔ نزولِ وحی سے پہلے تم اُن کی حقیقت سے بے خبر رہے، لیکن (ہم) اُن کو بخوبی (جانتے ہیں) اِس لیے کہ اُن کے دلوں کے بھیدوں پر ہمیں آگاہی ہے۔ (بہت جلد سزادیں گے انہیں دوبار): ایک بار دُنیا میں ذلیل ورُسوا کر کے، علانیہ رسولِ کریم کے ذریعہ ایک ایک منافق کا نام لے لے کر مسجد سے نکال کر، اور دوسری بار قبر میں عذاب کر کے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، آپ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا: اے فلاں تو نکل جا، تو منافق ہے۔ اے فلاں تو نکل جا، تو منافق ہے۔ آپ نے منافقوں کا نام لے لے کر اُن کو مسجد سے نکال دیا اور اُن کو رسوا کردیا۔ اُس دن کسی کام کی وجہ سے اُس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں نہیں پہنچے تھے۔ جس وقت حضرت عمر آئے وہ مسجد سے نکل رہے تھے، اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چھپ رہے تھے، اُن کا یہ گمان تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حقیقتِ حال کا پتا چل گیا ہے۔ ایک شخص نے حضرت عمر سے کہا آپ کو خوشخبری ہو، اللہ تعالیٰ نے اِن منافقین کو رُسوا کردیا۔

یہ ان پر عذابِ اوّل تھا اور عذابِ ثانی، عذابِ قبر ہے۔ اسی دن سے یہ ضابطہ بن گیا،

کہ منافقوں، بدمذہبوں، بے دینوں، گمراہوں اور گمراہ گروں کو مسجد سے نکال باہر کردینا، صاحبِ خلقِ عظیم رسولِ کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جو اس سنت کے خلاف ہو، وہ بدعتِ سیئہ یعنی 'بدعتِ ضالہ' ہے۔ آگے ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ صرف یہی نہیں کہ ہم انہیں دوبار عذاب دے کر انھیں چھوڑ دیں گے، بلکہ اس کے بعد وہ سب۔۔۔

(پھر انجام کار جائیں گے) آتش جہنم کے (بڑے عذاب کی طرف)، اور حقیقت میں درگاہ عزت سے ان کی دوری اور نورِ لقاء ورویت سے ان کی محجوبی ومہجوری بڑا عذاب ہے، کیونکہ نکبت حرماں اور مصیبتِ ہجراں سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔

روایت ہے کہ مسلمانوں میں سے دس۱۰ آدمیوں نے بے عذر تخلف کیا تھا۔ جب ان ربانی تہدیدوں سے واقف ہوئے، جو تخلف کرنے والوں کے حق میں نازل ہوئیں، تو ان میں سے سات۷۔۔۔یا۔۔۔تین۳ آدمیوں نے اپنے تئیں مسجد کے ستونوں میں باندھ کر قسم کھائی، کہ جب تک خدا کے حکم سے نہ کھولے جائیں گے، کسی کو نہ کھولنے دیں گے۔ جب آنحضرت ﷺ تبوک سے واپس ہو کر مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، تو اپنی عادت کے موافق مسجد میں تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو دیکھ کر پوچھا، یہ کون لوگ ہیں۔ ان کی کیفیت عرض کی گئی۔ پس سید عالم ﷺ نے فرمایا، کہ میں بھی قسم کھاتا ہوں، کہ ان لوگوں کو نہ کھولوں گا، تاوقتیکہ حکم الٰہی نہ آئے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ:۔۔۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ

اور کچھ اور لوگ ہیں، جنھوں نے اقرار کرلیا اپنے گناہوں کا، ملا جلا کر دیا نیک کام اور دوسرے برے کام کو،

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠٢

قریب ہے کہ اللہ توبہ قبول فرمالے ان کی۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(اور کچھ) دوسرے (اور لوگ ہیں جنھوں نے اقرار کرلیا اپنے گناہوں کا)۔۔۔ الحاصل۔۔۔ انھوں نے (ملا جلا کر دیا نیک کام اور دوسرے برے کام کو)۔ رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ مل کر کافروں کے ساتھ لڑنا اُن کا نیک کام تھا اور پھر جنگِ تبوک میں نہ حاضر ہونا، اُن کا برا کام تھا۔ اعترافِ جرم اور احساسِ ندامت نے اُن کے برے کام کو اُن نیک کاموں سے ملا دیا، جس نے انہیں مغفرتِ خداوندی کا مستحق

ادیا، تو (قریب ہے کہ اللہ) تعالیٰ (توبہ قبول فرمالے اُن کی)۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اِس لیے، کہ، بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے، یعنی بخشنے والا ہے توبہ کرنے والوں کو، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے ان پر۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ گناہ کا اقرار کرنا نورِ استعداد باقی رہنے اور گناہوں کا ملکہ نہ راسخ ہوجانے کی جہت سے ہے، اور اس کے سبب سے دلیل پکڑ سکتے ہیں، کہ اقرار کرنے والے کے دیدۂ بصیرت کھل گئے، کہ اس نے گناہوں کی قباحت دیکھ لی، اس واسطے کہ اگر غفلت کی ظلمت جم جائے اور برائیاں طبیعت میں راسخ ہوجائیں، تو گناہ گار کسی گناہ کو بُرا نہیں جانتا۔۔ بلکہ۔۔ مناسبت کے سبب سے گناہ کو اچھا جانتا ہے اور عذابِ خذلان میں رہتا ہے۔

۔۔الغرض۔۔ یہ آیت نازل ہونے کے بعد حضرت ﷺ کے فرمانے سے وہ لوگ کھول دیے گئے۔۔ پھر۔۔ وہ چھوٹے ہوئے لوگ اس نعمتِ الٰہی کے شکرانے میں اپنے مال آنحضرت ﷺ کے حضور میں لائے اور عرض کی، کہ یارسول اللہ ہم لوگ انہیں مالوں کے سبب سے آپ کی دولتِ خدمت سے محروم رہے، یہ مال لیجیے اور راہِ خدا میں تصدق کیجیے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا، کہ مجھے تمہارا مال لینے کا حکم نہیں ہوا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اَے محبوب!۔۔۔

خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ

لے لیا کرو ان کے مال سے صدقہ، کہ اس سے ان کو پاکیزہ اور ستھرا کرو۔ اور ان کے حق میں دعا کرو۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۰۳﴾

بیشک تمہاری دعا انکے لئے تسلی ہے۔ اور اللہ سنتا جانتا ہے●

(لے لیا کرو ان کے مال سے صدقہ)۔ زکوٰۃِ فرض۔۔یا۔۔ صدقات اُن کے گناہوں کے کفارہ کے طور پر۔۔یا۔۔ عام صدقات خواہ واجبہ ہوں یا نافلہ۔ تا (کہ اس سے ان کو پاکیزہ اور ستھرا کرو) گناہوں سے۔۔یا۔۔ مال کی محبت سے، جو باعثِ معصیت ہوتی ہے۔۔یا۔۔ نجاستِ بخل سے، اور زیادہ کر اور بڑھا ان کی نیکیاں اس صدقہ کے سبب سے، (اور ان کے حق میں دُعا کرو) کیونکہ (بے شک تمہاری دُعا اُن کے لیے تسلی ہے)، اس لیے کہ اپنے اعمال کی مقبولیت کا انہیں ویسا یقین نہیں ہوسکتا، جتنا کہ آپ کی دُعاؤں کی مقبولیت کا ہے۔ (اور) جان لو، کہ (اللہ) تعالیٰ (سنتا) ہے تیری دُعاؤں کو اور (جانتا ہے) کہ وہ اس کے مستحق ہیں۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ قبول فرمانے کی امید دلائی تھی، توبہ قبول فرمانے کی خبر نہیں دی تھی۔ اور اب اس آیت میں حتمی طور پر خبر دے رہا ہے اور فرما رہا ہے، کہ یہ توبہ کرنے والے لوگ۔۔۔یا۔۔۔جو لوگ توبہ نہیں کرتے۔۔۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ

کیا انھوں نے نہ جانا کہ بے شک اللہ، وہ قبول فرماتا ہے توبہ کو اپنے بندوں کی، اور لے لیتا ہے صدقات کو،

وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۝۱۰۴

اور بیشک اللہ توبہ قبول فرمانے والا اور بخشنے والا ہے●

(کیا انہوں نے نہ جانا، کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (وہ) ہے جو (قبول فرماتا ہے توبہ کو اپنے بندوں کی)، (اور) اپنے رسول کے ذریعہ (لے لیتا ہے صدقات کو) اور انہیں قبولیت عطا فرماتا ہے ۔۔۔الغرض۔۔۔رسول کریم کا قبول کرنا ہی خدائے کریم کا قبول فرمالینا ہے۔ تاکہ بندے زیادہ ذوق وشوق اور رغبت سے صدقہ وخیرات کریں۔ (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (توبہ قبول فرمانے والا) ہے، (اور توبہ کرنے والے کو (بخشنے والا ہے)۔

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ سَتُرَدُّوْنَ

اور تاکید کردو کہ عمل کی شان دکھاؤ، کہ اب تمہارے کردار کو دیکھے گا اللہ اور اسکا رسول اور سارے مسلمان۔ اور بہت جلد لوٹائے

اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۝۱۰۵

جاؤ گے عالم الغیب والشہادۃ کی طرف، تو وہ بتادے گا تم کو جو تمہارے کرتوت تھے●

اے محبوب! توبہ کرنے والوں سے کہہ دو (اور تاکید کردو، کہ) جب اب تم توبہ کر چکے، تو پھر اس پر قائم رہ کر اپنے (عمل کی شان دکھاؤ)، کیوں (کہ اب تمہارے کردار) اور تمہارے نیک وبد (کو دیکھے گا اللہ) تعالیٰ (اور اُس کا رسول اور سارے مسلمان)۔

۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔حق تعالیٰ تہدیداً فرماتا ہے، کہ اے وہ لوگ جو توبہ نہیں کرتے، کرو جو تمہارا جی چاہے، عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارے نیک وبد کو ملاحظہ فرمائے گا اور اس کا رسول۔۔۔نیز۔۔۔ مومنین بھی دیکھیں گے۔

(اور) پھر موت کے ذریعہ (بہت جلد لوٹائے جاؤ گے عالم الغیب والشہادۃ کی طرف)، جو

تمہارے ہر ظاہر و پوشیدہ کا جاننے والا ہے، (تو وہ بتادے گا تم کو جو تمہارے کرتوت تھے)۔ یہ آگاہی اس کی جزا دینے کے واسطے ہوگی۔ اس کے قبل مذکور ہوا، کہ جن دس۱۰ مسلمانوں نے خلاف ورزی کی تھی، ان میں سے ان ساتوں کا ذکر ہو گیا، جنہوں نے اپنے کو ستون میں باندھ لیا تھا۔ باقی رہے تین۳ آدمی، یعنی کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع، ان تینوں آدمیوں نے اپنے تیئں مسجد کے ستونوں سے نہیں باندھا تھا۔ مگر۔۔ جناب رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنے گناہ کا اقرار کیا اور آپ نے ان کے حق میں فرمایا کہ ان سے نہ کوئی مسلمان بات کرے اور نہ ہی ان کے پاس بیٹھے۔۔ الختصر۔۔ اپنے کو ستون سے باندھ لینے والوں۔۔۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ

اور بعض اور لوگ ہیں گرفتار اسی میں، کہ امر الٰہی یا ان پر عذاب فرمائے، یا ان کی توبہ قبول کرے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور اللہ دانا ہے حکیم ہے●

(اور) اعتراف جرم کرنے والوں کے سوا (بعض اور لوگ ہیں) جن کا ذکر ابھی اوپر ہوا، جو (گرفتار اسی میں) ہیں اور اسی سوچ و فکر میں ہیں، (کہ امر الٰہی یا ان پر عذاب فرمائے یا ان کی توبہ قبول کرے)۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ گناہ پر اڑے رہیں گے، تو عذاب کے مستحق ہوں گے اور اگر اپنے گناہوں پر دل سے نادم ہوں گے، تو اس لائق ہوں گے کہ اُن کی توبہ قبول فرمالی جائے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (دانا ہے)، جانتا ہے ان کا باز رہنا۔ اور (حکیم ہے)، حکم کرنے والا ہے انھیں باز رکھنے کا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور جنھوں نے بنائی مسجد نقصان پہنچانے کو اور کفر کی بنا پر، اور مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کو،

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ

اور انتظار میں اس کے جس نے جنگ کی ہے اللہ اور اس کے رسول سے پہلے۔ اور ضرور قسم کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ

اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

نیک ہی نیک ہے۔ اور اللہ گواہ ہے کہ یہ سب جھوٹے ہیں●

سابقہ آیات میں منافقوں کے کفر و نفاق کی شدت، ان کا اپنے نفاق پر ڈٹے رہنا، اور اپنی منافقانہ روش سے باز نہ آنا، وغیرہ کا ذکر تھا، اب ان کی دوسری خفیہ ریشہ دوانیوں کی وضاحت فرمائی جارہی ہے، جن کے تعلق سے مختصر قصہ یہ ہے، کہ بارہ[12] منافقوں نے ابو عامر راہب کے کہنے سے مسجد قبا کے برابر ایک مسجد بنائی۔ صورت اس کی یہ ہوئی، کہ ابو عامر راہب قبیلہ بنی خزرج کے شرفاء میں سے تھا، توریت اور انجیل کے علم میں بڑی مہارت رکھتا تھا اور حضرت سید عالم ﷺ کی نعت اہل مدینہ کو برابر سنایا کرتا تھا۔ جب آنحضرت ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو وہاں کے لوگ آپ کے جمال و کمال پر شیفتہ ہو کر، ابو عامر کی صحبت سے چلے آئے اور اس کی کوئی پرواہ نہ کی۔

ابو عامر کو حسد ہوا۔ اب حضرت ﷺ سے انکار میں مشغول ہوا اور جنگِ بدر کے بعد مدینہ منورہ سے بھاگ کر کفارِ مکہ کے ساتھ جاملا، اور جنگِ اُحد میں آیا۔ پہلے جس نے لشکرِ اسلام پر تیر مارا، وہ وہی تھا اور حضرت ﷺ نے اُس کا لقب 'فاسق' رکھا۔ اور جنگِ حنین میں بھی وہ آیا اور وہاں سے بھاگ کر وہ ہرقل کے پاس گیا، جو روم کا بادشاہ تھا اور چاہا کہ روم سے ایک لشکر آراستہ کر کے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے آئے، اور وہاں سے منافقوں کے نام ایک نامہ لکھا، کہ تم مسجد قبا کے سامنے اپنے محلہ میں میرے واسطے ایک مسجد بناؤ، کہ میں جب مدینہ میں آؤں، تو اس مسجد میں بیٹھ کر درس دیا کروں۔

منافقوں نے مسجد بنائی اور آنحضرت ﷺ نے جب جنگِ تبوک کا قصد کیا، تو مسجد بنانے والے آپ کی خدمت عالی درجت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، کہ یارسول اللہ ﷺ ہم نے ضعیفوں اور بے چاروں کے واسطے جاڑے اور برسات کے لیے ایک مسجد بنائی ہے، اور ہم چاہتے ہیں، کہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھیں۔ اِس سے اُن کی غرض یہ تھی، کہ حضرت ﷺ کی نماز کے سبب، ہم اپنی مہم کو مضبوط کرلیں۔ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے جواب میں فرمایا، کہ اب تو میں لڑائی کی طرف متوجہ ہوں، اب واپسی کے بعد ہی کچھ سوچا جاسکتا ہے۔۔ چنانچہ ۔۔واپسی میں جب آپ منزل ذی آوان پر پہنچے جو مدینہ منورہ کے قریب ہے، تو مسجد والوں نے وہی استدعا کی، اور جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لائے۔۔۔

(اور جنہوں نے بنائی مسجد نقصان پہنچانے کو) یعنی مومنوں کو ضرر پہنچانے اور ان سے مقابلہ کرنے کے واسطے **(اور کفر کی بنا پر)**، یعنی اپنے قلب میں چھپے ہوئے کفر کی تقویت کے لیے **(اور مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کو)**، تاکہ مسجد قبا میں جمع ہونے والے مومنین کے درمیان تفرقہ ڈال دیں، **(اور**

...ظار میں اس) ابوعامر راہب (کے، جس نے جنگ کی ہے اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول سے پہلے)
...، اُحد اور حنین کی لڑائی میں۔ ان دونوں مقامات پر وہ موجود تھا۔ یہ جھوٹے (اور) ریا کار منافق
ضرور قسم کھائیں گے کہ ہمارا اِرادہ) مسجد کی تعمیر سے (نیک ہی نیک ہے)۔ یعنی نماز، ذکرِ الٰہی اور
...عیفوں کی راحت کے سوا، ہمارا کوئی دوسرا اِرادہ نہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (گواہ ہے، کہ یہ سب جھوٹے
...یں)۔ تو اے محبوب۔۔۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ

اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہونا۔ ضرور وہ مسجد جسکی بنیاد رکھی گئی ہے خوفِ خدا پر، پہلے ہی دن سے، زیادہ مستحق ہے

أَنْ تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا ۚ

کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس میں ایسے مرد لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ خوب پاک صاف رہیں۔

وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾

اور اللہ دوست رکھتا ہے خوب ستھروں کو●

(اس مسجد میں کبھی) بھی نماز کے لیے (کھڑے نہ ہونا)۔

۔۔چنانچہ۔ آپ نے اُس کو مسمار کرا دیا اور اس میں آگ لگوادی اور اس طرح منافقین کی سازشوں کے اڈے کو خاک میں ملوادیا۔

۔۔ہاں۔۔البتہ (ضرور وہ مسجد) قبا (جس کی بنیاد رکھی گئی ہے خوف خدا پر پہلے ہی دن سے)، وہ (زیادہ مستحق ہے، کہ تم اس میں) نماز کے لیے (کھڑے ہو۔ اس میں ایسے مرد لوگ ہیں، جو) پاک طینت ہونے کے سبب سے (پسند کرتے ہیں، کہ) ہمیشہ نجاستوں اور خیانتوں سے (خوب پاک صاف رہیں)۔ وہ برابر طہارت ہی پر رہتے ہیں اور ناپاک سوتے نہیں۔ اور گناہوں اور بُری خصلتوں سے اپنے کو بچا کے رکھتے ہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (دوست رکھتا ہے خوب ستھروں کو)، پاک وصاف زندگی گزارنے والوں کو۔

جس مسجد کا ابھی ابھی اوپر ذکر ہوا ہے، اس کے تعلق سے اشہر واظہر بات یہی ہے، کہ اس سے مراد مسجد قبا ہے، جو بنی عمرو اور بنی عوف کے محلے میں ہے۔ آنحضرت ﷺ پہلے جب مدینہ منورہ کے قریب پہنچے، تو محلہ قُبا میں اُترے، اور چودہ روز وہاں مقیم رہے، اور

انہیں دنوں میں آپ نے مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔۔چنانچہ۔۔مدینہ منورہ میں یہ پہلی مسجد ہے، جس میں آنحضرت ﷺ نے نماز پڑھی۔

ایک روایت کے مطابق حضرت رسول کریم ﷺ ہر شنبہ کے روز سوار یا پا پیادہ مسجد قُبا میں تشریف لے جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے۔ یہ بھی روایت ہے، کہ مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب ایک عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔۔الختصر۔۔'مسجد ضرار' کی بنیاد نفاق پر ہے اور 'مسجد قبا' کی بنیاد اِخلاص وتقویٰ پر۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ

تو بھلا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی خوف خدا پر، اور مرضی مولیٰ پر، بہتر ہے

اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ

یا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی گڈھے کے پھٹ پڑنے والے کرارے پر؟ چنانچہ پھٹ پڑا اس کو لے کر جہنم کی آگ میں۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ راہ نہیں دیتا اندھیر مچانے والی قوم کو●

(تو بھلا وہ جس نے بنیاد رکھی اپنی)، یعنی اپنے امورِ دین کی عمارت کی، (خوفِ خدا پر اور مرضی مولیٰ پر)، یعنی خدا کی رضا وخوشنودی چاہنے پر (بہتر ہے، یا وہ) شخص (جس نے) اپنے امور دین کی عمارت کی (بنیاد رکھی اپنی) مذکورہ عمارت کی، ایسے (گڈھے کے پھٹ پڑنے والے کرارے پر)، یعنی ایسے گڑھے کے کنارے پر جو گرنے کے قریب ہے، (چنانچہ پھٹ پڑا اس کو لے کر جہنم کی آگ میں) یعنی اُسے لے کر جہنم کی آگ میں گر پڑا جو دریائے آتشیں ناپیدا کنار ہے۔

یہ مثال ہے ان لوگوں کے واسطے جو اپنے دین کی بنیاد امورِ باطلہ پر رکھتے ہیں، اور ان کے کاموں کا انجام دوزخ کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا اندھیر مچانے والی قوم کو) تو وہ اپنی منزلِ مقصود پر نہیں پاتے، بلکہ ہوتا یہ ہے، کہ۔۔۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ

ہمیشہ اپنی تعمیر جو انھوں نے بنائی تھی کانٹا ہو گئی ان کے دلوں کا۔ مگر یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں

ع ۱۴ | ۲

قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۱۰﴾

ان کے دل، اور اللہ علم و حکمت والا ہے●

(ہمیشہ) خود ان کی (اپنی تعمیر جو) فاسد اغراض و مقاصد پر (انہوں نے بنائی تھی، کانٹا ہوگئی)

(ان کے) ہی (دلوں کا) شک و نفاق کے سبب، علاوہ اس شک اور نفاق کے جو وہ رکھتے تھے۔

اب اگر اس سے عمارت کی خرابی مراد لی جائے، تو اس کا پہلا واقعہ یہ سامنے آیا، کہ آنحضرت ﷺ جب جنگِ تبوک سے واپس تشریف لائے، تو مسجد ضرار بنانے والوں نے استدعا کی، کہ آپ ان کی مسجد میں جا کر نماز پڑھیں، اور ہوا یہ، کہ حکم الٰہی پا کر آپ کے حکم سے وہ مسجد ضرار کھود ڈالی گئی اور جلادی گئی، اور حکم ہوا کہ اس کو مدینہ کے لوگوں کا مزبلہ اور گھورا بنادیا جائے۔۔ الغرض۔۔ ہمیشہ اُن کی عمارت کی خرابی، اُن کا شک اور نفاق زیادہ ہونے کا سبب ہوتی ہے۔ یعنی یہ لوگ ہمیشہ غم وحسرت اور نفاق و شک ہی میں رہیں گے اور یہ سوچتے ہی رہیں گے، کہ ہم نے کیوں یہ عمارت بنائی، کہ اُس سے کچھ فائدہ نہ ہوا، اور اس حسرت سے اُن کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے۔۔ الغرض۔۔ اُن کے طرزِ عمل سے انھیں کچھ حاصل نہ ہوگا۔۔۔

(مگر یہ کہ ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں اُن کے دل) اور کچھ سمجھنے کے قابل ہی نہ رہ جائیں۔۔ المختصر۔۔ انجام کار یہی ہونا ہے، کہ اُن کے دِل ٹکڑے ٹکڑے ہوجائیں، خواہ قتل کے سبب۔۔ یا۔۔ موت سے۔۔ یا۔۔ قبر میں۔۔ یا۔۔ دوزخ میں۔۔ یا یہ کہ۔۔ وہ ہمیشہ ایسے امور انجام دیں گے، جس کی انجام دہی پر انھیں بار بار نادم ہونا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ بار بار ظاہری توبہ واستغفار کر کر کے ان کے دِل ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (علم) والا ہے اور جاننے والا ہے اُن کی عمارت کی بنیاد کو، کہ کس نیت سے تھی۔ (وحکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے اس کی خرابی کا، حکمت کے ساتھ۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اُن برائیوں اور خرابیوں اور سازشوں کا ذکر فرمایا تھا جو غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہونے کی بنا پر انہوں نے کی تھیں، اور اِس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ جہاد کی فضیلت اور اُس کی ترغیب کو بیان فرما رہا ہے۔ تا کہ ظاہر ہوجائے، کہ منافقین نے جہاد کو ترک کر کے کتنے بڑے نفع کو ضائع کر دیا۔

۔۔ چنانچہ۔۔ 'لیلۃ العقبہ' کے موقع پر جس میں پچھتر ۷۵ مدینے والے شرف ایمان سے مشرف ہوئے، جب حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے خدا ورسول کے تعلق سے اپنا فرض جاننا

چاہا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا، کہ خدا کے واسطے تو میں یہ شرط کرتا ہوں، کہ تم اسی کی عبادت کرو اور اُس کا شریک نہ ٹھہراؤ، اور اپنے واسطے یہ شرط کرتا ہوں، کہ اُن چیزوں سے میری حفاظت کرو جن سے تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔ ان لوگوں نے عرض کیا، کہ ہم اس امر پر ثابت وقائم رہیں، تو ہماری جزا کیا ہے؟ فرمایا تمہاری جزا بہشت ہے۔ اس پر انصار بولے، یہ خرید وفروخت نہایت فائدہ والی ہے۔ ہم نے اس بیع میں فائدہ پایا اور ہرگز نقصان نہ اٹھائیں گے۔ تو حق تعالیٰ اُس بیع وشراء کی خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

بے شک اللہ نے خرید لیا مسلمانوں سے ان کی جان ومال کو، اس قیمت پر کہ انکے لئے جنت ہے۔

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا

جنگ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں، تو مارتے ہیں اور مارے جاتے ہیں۔۔۔ اس پر وعدہ حقہ ہو چکا،

فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا

توریت وانجیل اور قرآن میں۔ اور جس نے پورا کر دیا اپنا اللہ سے عہد، تو خوشی کرو

بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

اپنی بکری سے، جو تم نے اس سے کی۔ اور یہی بڑی کامیابی ہے●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (نے خرید لیا مسلمانوں سے ان کی جان ومال کو) تاکہ وہ جہاد کریں اور مال راہِ خدا میں خرچ کریں (اس قیمت پر، کہ اُن کے لیے جنت ہے)۔

یہ تمثیل ہے مومنوں کو ثواب میں بہشت دینے اور ان کی جان اور مال قبول کر لینے کی۔ تو یہ در حقیقت مول لینا نہیں ہے۔ اِس واسطے، کہ بیع وشراء اُس جگہ واقع ہوتی ہے، جہاں مِلک مختلف ہو۔ یعنی چیز ایک کی مِلک ہو اور قیمت دوسرے کی مِلک ہو، اور یہاں صورتِ حال یہ ہے، کہ ہر چیز کی ہستی اور ہر آدمی کی ہستی حق تعالیٰ ہی کی مِلک ہے، بندہ اور اُس کا مال مولیٰ تعالیٰ کا ہی ہے۔ تو یہ رغبت دلاتا ہے لڑائی اور جہاد پر، یعنی اے بندے [illegible] جان و مال قربان کرتا ہے اور مجھے انعام جنت دینا ہے۔

جان سرمایہ شر وشرور ہے اور مال، سبب طغیان وغرور ہے۔ یہ دونوں [illegible] اور [illegible] راہِ خدا میں فدا کر اور بہشت جو باقی اور مرغوب ہے [illegible] اس کلام میں ایک

لطیف و نازک اشارۂ رحمت بھی ہے، وہ یہ کہ جو شخص لونڈی غلام کا عیب جان بوجھ کر اُسے مول لیتا ہے، تو پھر اُسے پھیر نہیں سکتا۔ حق تعالیٰ نے ہمیں مول لیا اور ہمارے عیب وہ جانتا تھا۔ امید یہی ہے، کہ اپنی درگاہ سے نہ پھیرے گا۔ آگے کے ارشاد میں مول لینے کے بعد جس واسطے مول لیا، اُسے بیان فرماتا ہے اور ارشاد کرتا ہے، کہ یہ جان و مال قربان کرنے کا جذبہ رکھنے والے۔۔۔

(جنگ کرتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) خدا کی رضا و خوشنودی کے لیے، (تو) کبھی تو (مارتے ہیں) اور قتل کرتے ہیں دشمنوں کو (اور) کبھی (مارے جاتے ہیں) شہید کر دیے جاتے ہیں دشمنوں کے ہاتھوں۔ (اس) خرید و فروخت (پر وعدہ حقہ ہو چکا، توریت و انجیل اور قرآن میں)۔ ایسا وعدہ جو ثابت اور باقی رہنے والا ہے، اس میں خلاف ہونے والا ہی نہیں۔

اس وعدہ کا توریت و انجیل میں ہونا اس بات کی دلیل ہے، کہ اہل توریت اور اہل انجیل بھی قتال پر مامور ہوتے رہے ہیں۔۔ الختصر۔۔ جب خدائے تعالیٰ نے بہشت کا وعدہ فرما لیا ہے، تو وہ تو بہشت عطا فرمائے گا ہی۔ اس لیے کہ 'کون ہے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے عہد کو پورا کرنے والا' اس لیے کہ کریم وعدہ کر کے اس کے خلاف نہیں کرتا اور وعدہ خلافی روا نہیں رکھتا۔

اے ایمان والو! تم نے بھی تو خدا سے اپنی جان و مال کی قربانی کا وعدہ کیا ہے، تو سن لو (اور) یاد رکھو! کہ تم میں سے (جس نے پورا کر دیا اپنا اللہ) تعالیٰ (سے) کیا ہوا (عہد) اور حکم الٰہی پر اپنی جان و مال کی قربانی پیش کر دی، (تو) تمہارے لیے لائق ہے کہ تم (خوشی کرو) اور مسرت کا اظہار کرو (اپنی) منفعت بخش (بکری سے، جو تم نے اس) کریم، صاحبِ فضل عظیم (سے کی) ہے، (اور) یاد رکھو (بھی) بیع اور اسی طرح کے لین دین میں (بڑی کامیابی ہے)، جس میں خود تمہاری جان و مال کے بیش قیمت ہونے کا اندازہ لگتا ہے۔ اَب اُسے بہشت ہی سے بیچو۔ دنیا کی پونجی جو فنا ہو جانے والی ہے، وہ اس لائق نہیں، کہ تمہاری جان و مال کا بدل ہو جائے۔ اس لیے کہ تمہاری قیمت تو نعمتِ جاودانی ہے، جو ہمیشہ باقی رہے۔

۔۔انتباہ۔۔آیت **وَمَنْ اَوْفٰى**۔۔الآیۃ کا جو ترجمہ مترجم قدس سرہ نے کیا ہے، اس کو میں نے تفسیر میں بنیادی حیثیت دی ہے۔ رہ گیا وہ ترجمہ جو آیتِ کریمہ کا عام مترجمین نے کیا ہے، اس کا بھی ذکر میں نے اوپر کر دیا ہے اور اس کو بھی اپنی تفسیر کا جزء بنا دیا ہے۔۔۔

اوپر کے بیان سے مجاہدین فی سبیل اللہ کا بہشتی ہونا بالکل واضح ہو گیا۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ

توبہ کرنے والے پجاری، حمد کرنے والے روزہ دار، رکوع سجدہ والے،

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

نیکی کے مبلغ، اور بدی سے روکنے والے،

وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اللہ کے حدود کی نگہبانی رکھنے والے۔ اور خوش خبری دے دو مسلمانوں کو●

--یونہی-- وہ لوگ جو شرک و منافقت اور ہر صغیرہ وکبیرہ گناہ سے (توبہ کرنے والے) سراپا اخلاص (پجاری) ہیں، یعنی اخلاص کے ساتھ شرائطِ خدمت پر قائم ہیں اور انھیں خوشی و مسرت پہنچے-- یا--رنج وسختی، ہر حال میں خدا کی (حمد کرنے والے) ہیں اور ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں پہچانتے ہیں-- نیز--(روزہ دار) نفس کے چنگل سے نکلنے والے، طلبِ علم دین کے لیے سفر کرنے والے اور منزلِ انس کو پہنچنے والے ہیں--نیز--نماز میں (رکوع) اور درگاہِ بے نیاز میں خشوع کرنے والے--اور--رفیع الدرجات کے قرب کے طالب ہوکر خلوت میں (سجدہ) کرنے (والے) ہیں، ساتھ ہی ساتھ ایمان، طاعت اور سنتِ حضرت خاتم الرسالة ﷺ اور ہر طرح کی (نیکی کے مبلغ اور بدی سے روکنے والے)، یعنی کفر و معصیت اور ارتکابِ بدعت سے باز رکھنے والے ہیں۔

(اور) مزید برآں (اللہ) تعالیٰ (کے حدود کی نگہبانی رکھنے والے) اور اس کے احکام کی حفاظت کرنے والے ہیں، تاکہ جن احکام خداوندی کا تعلق اعضاءِ ظاہری سے ہے اور جن کا دلوں اور روحوں سے ہے، سب کے سب اپنے اپنے مقام پر محفوظ رہیں--الحاصل--مذکورہ بالا یہ سارے حضرات بھی سب کے سب انہی مجاہدین کی طرح بہشتی ہیں، جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہوا، اگرچہ انہیں جہاد کا موقع نصیب نہ ہوا ہو، بشرطیکہ وہ جہاد کا جذبہ رکھتے ہوں اور جہاد کے عقیدے کے قائل ہوں۔ اے محبوب! سنادو (اور خوش خبری دے دو مسلمانوں کو) یعنی ان حضرات کو جو مذکورہ اوصاف سے موصوف ہیں۔

کس بات کی خوشخبری دے دیں؟ اس کو محذوف رکھا۔ اس سے اشارہ ہے، کہ وہ بہت ہی کثیر اور بڑی ہی عظیم چیز ہے۔ اتنی عظیم کہ انسانی فہم وعقل کے حیطۂ امکان سے باہر ہے اور نہ ہی اُسے کسی عبارت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ اور بشارتوں میں سے اعلیٰ مرتبہ کی بشارت دارالسلام میں رویتِ باری تعالیٰ ہے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا

کہ نہیں ہے کام نبی کا، اور ایمان لانے والوں کا، کہ دعائے مغفرت کریں غیر مسلموں کیلئے، گو وہ

أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾

قرابت دار ہوں، بعد اس کے کہ ان کو ظاہر ہو گیا، کہ وہ لوگ جہنم والے ہیں●

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زندہ کافروں اور منافقوں کے ترکِ تعلق اور محبت نہ رکھنے کا حکم دیا تھا، اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مُردہ کافروں سے بھی اظہارِ براءت کرنے کا حکم دیا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے۔۔۔

(کہ نہیں ہے کام نبی کا) (اور) نہ ہی (ایمان لانے والوں کا، کہ دعائے مغفرت کریں غیر مسلموں کے لیے) جبکہ ان کا خاتمہ کفر پہ ہوا ہو۔۔یا۔۔اُن کے بارے میں ان کی زندگی میں بذریعہ وحی معلوم ہو گیا ہو، کہ وہ کافر ہو کے مریں گے۔ **(گو وہ قرابت دار ہوں، بعد اس کے کہ ان کو ظاہر ہو گیا، کہ وہ لوگ جہنم والے ہیں)۔**

جب مسلمانوں کو مشرک رشتہ داروں کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے روکا گیا، تو ان کو خیال ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے عرفی باپ آزر کے لیے استغفار کیا تھا، تو اس کا جواب ارشاد فرمایا گیا، کہ۔۔۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ

اور نہ تھی دعائے مغفرت ابراہیم کی اپنے بابا کے لیے، مگر ایک وعدہ کی بنا پر، جو خاص طور سے اس نے کیا تھا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾

پھر جب انہیں ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہی رہا، تو ہٹ گئے اس سے۔۔بے شک ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے بردبار ہیں●

(اور نہ تھی دعائے مغفرت ابراہیم کی اپنے بابا) یعنی باپ کے بڑے بھائی، جن کو عرفاً باپ۔۔یا۔۔بابا۔۔یا۔۔بڑے ابو۔۔یا۔۔باباجان وغیرہ کہا جاتا ہے **(کے لیے، مگر ایک وعدہ کی بنا پر، جو خاص طور سے اس نے کیا تھا)۔**

آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ وعدہ کیا تھا، کہ میں تجھ پر ایمان لاؤں گا، تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا، کہ میں تیرے واسطے دعائے مغفرت کروں گا۔۔المختصر۔۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے عرفی باپ آزر کے لیے استغفار کرنا، محض اس کے اسلام لانے کے وعدہ کی وجہ سے تھا۔

(پھر جب انہیں ظاہر ہو گیا) اور ان پر وحی الٰہی سے۔۔یا۔۔آزر کے کفر پر موت کی وجہ سے منکشف ہو گیا، (کہ وہ اللہ) تعالیٰ (کا) آخری وقت تک (دشمن ہی رہا) اور ایمان والا نہ ہو سکا، (تو ہٹ گئے اس سے) اور بیزار ہو گئے۔۔چنانچہ۔۔اس کے لیے استغفار کرنا بھی بند کر دیا۔ (بے شک ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے بردبار ہیں) بڑا ہی نرم دل رکھتے ہیں، بہت ہی رحم کرنے والے ہیں اور زبردست تحمل والے ہیں۔

آپ کے تحمل کا عالم یہ تھا، کہ جب آزر نے آپ سے کہا میں تمہیں ضرور سنگسار کروں گا، تو آپ نے جواب دیا، کہ میں تیرے واسطے دعائے مغفرت کروں گا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ

اور اللہ نہیں گمراہی لاتا کسی قوم کی جبکہ ہدایت دیدی انھیں، یہاں تک کہ صاف بتادے انھیں، جس سے وہ بچتے رہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے●

اس مقام پر اس ضابطۂ رحمت کو اپنے ذہنوں میں محفوظ کر لو (اور) ہمیشہ کے لیے یاد رکھو، کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں گمراہی لاتا کسی قوم کی، جبکہ ہدایت دے دی انہیں، یہاں تک کہ صاف بتادے انہیں جس سے وہ بچتے رہیں)۔

۔۔چنانچہ۔۔تحویل قبلہ سے پہلے اور حرمت شراب کے نزول سے پہلے، جو مسلمان وفات پا گئے، کعبہ کی طرف اُن کا رخ نہ کرنا۔۔یا۔۔شراب نوشی کی عادت میں رہنا، اُن کے لیے قطعی طور پر کسی جرم کے خانے میں نہیں آتا۔۔یوں۔۔مشرکین اور کافرین کے لیے دُعائے مغفرت کی حرمت نازل ہونے سے پہلے، اگر کوئی اُن کے لیے اپنی رحیم الفطرتی اور وسیع القلبی کے سبب دُعائے مغفرت کرتا ہے، تو اُس کو معذور قرار دیا جائے گا۔ اُن سے کسی طرح کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ اُن کے پہلے اور پچھلے احوال۔۔الغرض۔۔(سب کچھ) کا (جاننے والا ہے)۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے زندہ اور مردہ کافروں سے براءت ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہوسکتا تھا کہ مسلمانوں کو اس سے خوف ہو، کہ کافر انہیں کوئی نقصان پہنچائیں، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو تسلی دی، کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہے اور جب وہ تمہارا حامی وناصر ہے، تو پھر تمہیں کسی سے ڈرنا نہیں چاہیے اور تمہارے دل میں کسی طرح کا احساسِ محرومی نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے کافر رشتہ داروں سے تعلق کٹ گیا تو کیا ہوا، اللہ جو تمہارا مالک اور مددگار ہے، تم اس سے محبت اور تعلق رکھو۔ ویسے بھی مسلمانو، غور کرو! وہ تمہارا بھی مالک ہے اور تم اُس کے مملوک ہو، تو اس کے تمام احکام پر عمل کرنا اُس کی بندگی کا تقاضا ہے۔۔ الحتصر۔۔

إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُم

بے شک صرف اللہ کی ہے مملکت آسمانوں اور زمین کی۔ وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے۔ اور

مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١١٦﴾

اللہ کو چھوڑ کر، یار ومددگار بنائے جانے والے کچھ نہیں ہیں●

(بے شک صرف اللہ) تعالیٰ (کی ہے مملکت آسمانوں اور زمین کی۔ وہی جلاتا اور وہی مارتا ہے۔ اور اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر یار ومددگار بنائے جانے والے کچھ نہیں ہیں)۔ خدا کا مدمقابل ہوکر اور اس سے بیگانہ ہوکر، نہ کوئی تمہارا دوست ہے اور نہ ہی کوئی مددگار۔ خاص کر کے اے کافرو! سن لو، کہ خدا کے سوا تمہارا کوئی کارساز نہیں، جو اُس کے عذاب کا حکم تم سے دفع کردے۔ اور اُس کے سوا تمہارا کوئی یار ومددگار نہیں، کہ اُس کے عذاب کو تم سے روکے۔۔ الحتصر۔۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے سچا دوست اور حقیقی مددگار۔۔ چنانچہ۔۔

لَّقَد تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَٰجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ

بے شک توجہ فرمائی اللہ نے نبی پر، اور مہاجرین وانصار پر، جنھوں نے ساتھ دیا

فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِن بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبُ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ

ان کا تنگی کے وقت، باوجودیکہ قریب تھا کہ ان کے بعض کے دل کج ہوجائیں،

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٧﴾

پھر توبہ قبول فرمالی ان کی۔ بے شک وہ ان پر رافت ورحمت والا ہے●

(بے شک توجہ فرمائی اللہ) تعالیٰ (نے نبی پر)۔اس نے آپ پر فضل وکرم فرمایااورآپ کے درجات اور مراتب میں ترقی فرمائی۔۔نیز۔۔ایسے امور جوآپ جیسے مقرب بارگاہِ خداوندی کی شایانِ شان تھے اوربطورِاجتہاداُن کوانجام دے دیا تھا،تواگرچہ حقیقی طور پر یہ کسی درجہ کاایسا قصور نہ تھا،جو قابل مواخذہ ہو،مگر باایں ہمہ ایسے امورکی انجام دہی کواپنے حق میں'ذنب' تصور فرمایااوررب کریم سے اُس کے تعلق سے مغفرت چاہی۔

ویسے تو آپ کی زندگی شریف کا یہ معمول ہی تھا،کہ آپ روزانہ بکثرت استغفار فرماتے ۔۔چونکہ۔۔آپ کی ہرآنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر وبرتر ہوتی جاتی تھی۔۔اس لیے آپ اپنی موجودہ حالت کے پیش نظراس سے گزشتہ حالت کوایک نوع کی تقصیر تصور فرماتے اور پھراس سے توبہ فرماتے۔تو یہ خداوندِکریم کافضل وکرم تھااورآپ کی ذاتِ ستودہ صفات پراُس کی خاص توجہ تھی،کہ اس نے آپ کی شانِ عبدیت کو یہ سوچ عطا فرمائی۔۔چنانچہ۔۔ حسبِ عادت آپ استغفار فرماتے رہےاوررب کریم آپ کی توبہ قبول فرماتارہا۔

چونکہ آپ کے لیے کسی کے تعلق سے فیصلہ کرتے وقت اس ضابطے کوخدا کی طرف سے مقرر کیا جاچکا تھا،کہ آپ ظاہر پرحکم فرمائیں اور باطن کوخدا کے سپرد کردیں۔۔چنانچہ۔۔خود سرکار نے متعدد موقعوں پر اِرشاد فرمایا،کہ میں ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں اور باطن اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔تواب اگرآپ نے منافقوں کاعذرقبول فرمالیااورجنگ میں شریک نہ ہونے کی اُنہیں اجازت دے دی،تواُس کی گنجائش اس لیے تھی،کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ سے یہ نہیں فرمایا تھاکہ آپ اُن کے ظاہر حال کا اعتبار نہ کریں،اوراُن کے پیش کردہ بہانوں کومسترد کردیں۔۔۔

غورکرنے کامقام ہے،کہ جس وقت منافقوں نے اِجازت چاہی تھی،فوراًوحی الٰہی کانزول ہوجانا چاہیے تھا،کہ اے محبوب ان کواجازت نہ دیں۔۔مگر۔۔ایسانہیں ہوااور بعد میں دریافت کیاگیا،وہ بھی کلمہ محبت کومقدم کرکے۔۔

'اَے محبوب!اللہ تعالیٰ آپ کومعاف فرمائے،آپ نے اُن کوکیوں اِجازت دے دی'۔

۔۔اس کلام سے خود نبی کریم ﷺ کی سرزنش مقصودنہیں ہے،اورنہ ہی یہ ظاہر کرنا ہے،کہ نبی کریم ﷺ سے کوئی بڑی غلطی ہوگئی،بلکہ منافقین کی کمینگی اوراُن کی بے غیرتی کوبالکل ظاہر کردینا ہے۔اس کلام کا حاصل یہ ہے،کہ اَے محبوب!اپنے اِجتہاد کی روشنی میں تونے جن

منافقین کو اجازت دی ہے، وہ اس لائق نہیں تھے، کہ انہیں اجازت دی جاتی۔ اسی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے وحی الٰہی نے بھی تجھے اجازت دینے سے روکا نہیں، تاکہ اُن کی نااہلی اور اُن کا وہ نفاق جس نے انھیں اجازت طلبی کے لیے آمادہ کیا ہے، وہ کھل کر ہر ایک کے سامنے آجائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کی توجہ خاص تو نبی کریم ﷺ کی طرف تھی ہی، مگر اس نے اپنا فضل و کرم۔۔۔

(اور) اپنی خاص توجہ (مہاجرین وانصار پر) بھی فرمائی اور اُن کی بھی توبہ قبول فرمالی، جو جنگ تبوک میں جانے سے طبعی کراہت رکھتے تھے، لیکن عناد کی وجہ سے نہیں۔۔ بلکہ۔۔ موسم کی سختی اور اپنی بے سروسامانی کی وجہ سے۔ اور (جنہوں نے ساتھ دیا اُن کا تنگی کے وقت، باوجودیکہ قریب تھا کہ اُن کے بعض کے دل کج ہوجائیں) یعنی تنگی، شدت اور مشقت کی جہت سے کچھ لوگ جہاد سے پھر آئیں اور رسولِ مقبول کی متابعت سے باز رہیں۔ (پھر) خدا نے (توبہ قبول فرمالی اُن کی) اور درگزر کی ان لوگوں سے جن کے دِل ایمان پر ثابت رہنے سے پھرے جاتے تھے۔ خدائی فضل و کرم کا اثر تھا، کہ اُن کے دِل ایمان پر ٹھہر گئے اور وہ بھٹکنے سے باز رہے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ سب اپنے اس خیال سے تائب ہوگئے اور خدا نے اُن کی طرف خاص توجہ فرمائی اور اُن کی توبہ قبول فرمالی۔ (بے شک وہ اُن پر رافت) اور بڑی شفقت فرمانے والا ہے جب اُنہوں نے توبہ کی، (ورحمت والا ہے) ان پر اپنا فضل فرما کر۔۔۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا

اور ان تین نفر کی بھی توبہ قبول کی جو پچھڑ گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود،

رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُھُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ

اور تنگ ہوگئی ان پر اپنی جان، اور خیال جم گیا کہ کوئی پناہ اللہ سے نہیں، سوا اسی کے۔

۱۴ ع ۸ ۳ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۱۱۸

تو پھر کرم فرمایا ان پر، کہ توبہ کر ڈالیں۔ بے شک اللہ توبہ قبول فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اور) ان سب کے ساتھ ساتھ (ان تین نفر کی بھی توبہ قبول کی جو پچھڑ گئے تھے)۔

یعنی کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے لڑائی سے تخلف کیا تھا اور اُن کا کام حکم الٰہی پر موقوف تھا اور آنحضرت ﷺ نے حکم کردیا تھا، کہ

کوئی مسلمان نہ ان سے ملے جلے، نہ بات کرے اور چالیس[40] دن کے بعد آپ نے فرمایا، کہ وہ اپنی عورتوں سے بھی دور ہوئے۔

(یہاں تک کہ جب تنگ ہوگئی ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود) اور وہ نہایت حیرانی اور کمال پریشانی کا شکار ہوگئے (اور تنگ ہوگئی ان پر) خود (اپنی جان) یعنی دل اُن کے غم اور وحشت کی شدت سے، اس طرح کہ فرحت اور اُنس کو اُن کے دلوں میں راہ ہی نہ تھی (اور خیال جم گیا، کہ کوئی پناہ اللہ) تعالیٰ کے غضب (سے نہیں، سوا اسی کے)۔ تو اُسی کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور اُسی سے مغفرت طلب کرنی چاہیے۔ (تو پھر) اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے (کرم فرمایا ان پر، کہ توبہ کر ڈالیں) اور اُنہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔۔ چنانچہ۔۔ اُنہوں نے توبہ کرلی۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ یہ بات مُسلَّم و مقرر ہے، کہ جب تک اللہ جل شانہ توبہ کی توفیق نہیں دیتا ہے اور قبولیت کی علامت نہیں کھینچتا ہے، کسی توبہ کرنے والے کی توبہ درست نہیں ہوتی۔ غرضیکہ پچاس[50] دن کے بعد ان تینوں آدمیوں کی توبہ قبول ہوگئی، اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (توبہ قبول فرمانے والا) ہے توبہ کرنے والوں سے اور (بخشنے والا ہے) ۔۔نیز۔۔ فضل فرمانے والا ہے ان پر رحمت کے ساتھ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے وہ جو ایمان لاچکے! ڈرو اللہ کو اور ہو جاؤ سچوں کے ساتھ●

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا، کہ اس نے تین[3] مسلمانوں کی توبہ قبول فرمائی اور اُن کی توبہ اُن کے سچ بولنے کی وجہ سے قبول فرمائی تھی، اِس لیے اس آیت میں سچوں کے ساتھ رہنے کا ذکر فرمایا۔ نیز۔۔ اُن کا قصور یہ تھا، کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا اور آپ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں نہیں گئے تھے، اِس لیے اس آیت میں پہلے یہ حکم دیا گیا، کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اُس کے رسول کی نافرمانی نہ کرو۔۔۔

تو (اے وہ جو ایمان لاچکے! ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) اور ایسا فعل کرنے سے بچو، جس میں حکم الٰہی کی مخالفت ہو (اور ہو جاؤ) اپنے عقیدہ و عمل میں (سچوں کے ساتھ) اور سبق حاصل کرو کعب بن مالک اور

ان کے دوساتھیوں سے جنہوں نے سچ کہہ دیا اور جھوٹا عذر نہیں کیا، اور سچائی کی وجہ سے دولت نجات پائی۔

اس آیت کی یہ بھی تفسیر کی گئی، کہ۔۔۔

'اے وہ لوگو! جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لائے ہو، ڈرو محمد ﷺ' کی مخالفت سے اور ہو سچوں کے ساتھ، کہ اُن کے اصحاب اخیار ہیں رضی اللہ عنہم اور اُن کی اُمت بزرگوار ہے'۔۔۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا

مدینہ والے اور آس پاس کے دیہات والے کو درست نہیں، کہ پیچھے بیٹھے رہ جائیں

عَنْ رَّسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهِ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ

رسول اللہ سے، اور نہ یہ کہ اپنی جان کو زیادہ چاہیں، ان کی جان سے۔ کیونکہ

لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَئُونَ

نہ پہنچے گی انھیں پیاس، نہ تھکاوٹ، نہ بھوک، اللہ کی راہ میں، اور نہیں قدم رکھتے

مَوْطِئًا يَّغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ

کسی جگہ جو کفار کو غیظ میں لے آئے، اور نہیں پہنچاتے کسی دشمن کو کچھ، مگر لکھ لی جاتی ہے ان کی اس کی وجہ سے

عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٢٠﴾

نیکی بے شک اللہ نہیں ضائع کرتا اخلاص والوں کے اجر کو●

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ سچوں کے ساتھ رہو۔ اُس کا تقاضا یہ تھا کہ تمام غزوات اور مشاہد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنا واجب ہے۔ اُسی حکم کی تاکید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑنے سے منع فرمادیا۔ چنانچہ۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

(مدینے والے اور) اُس کے (آس پاس کے) رہنے والے کسی بھی (دیہات والے کو درست نہیں، کہ پیچھے بیٹھے رہ جائیں رسول اللہ سے، اور نہ یہ) ہی درست ہے (کہ اپنی جان کو زیادہ چاہیں اُن کی جان سے)، یعنی صرف اپنی جان کو بچانے کی فکر کریں اور خودداری سے کام لیں اور جو رنج رسول کریم ﷺ برداشت کر رہے ہیں، ان سے اپنے کو بچائے رکھیں۔ (کیونکہ) جب یہ لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ رہتے، تو اس رہنے کے سبب سے (نہ پہنچے گی اُنہیں پیاس) اور (نہ تھکاوٹ)

اور (نہ بھوک اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں اور قدم نہیں رکھتے کسی جگہ جو کفار کو غیظ میں لے آئے) یعنی اپنے گھوڑوں کے سموں یا اونٹوں کے تلووں یا اپنے پیروں سے کافروں کی زمین کو روندتے ہیں، جس سے کفار غضبناک ہو جاتے ہیں۔

(اور نہیں پہنچاتے کسی دشمن کو کچھ) قید، قتل، لٹنا، ہکی، ہزیمت اور زخم وغیرہ۔۔الختصر۔۔جہاد کی راہ کی ساری صعوبتیں جو انہوں نے اٹھائیں۔۔یوں۔۔سارے افعال جو انھوں نے انجام دِیے، ان میں کسی کو بھی رب تعالیٰ ضائع نہیں فرماتا۔۔الغرض۔۔ایسا نہیں ہوتا، کہ کوئی اچھا کام کرے (مگر) یہ کہ (لکھ لی جاتی ہے اُن کی، اس کی وجہ سے نیکی)۔مجاہدوں کے دل میں دشمن سے جو خوف اور اندیشہ آتا ہے، ہر خوف اور ہر اندیشہ پر ستر نیکیاں اُن کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں۔(بے شک اللہ تعالیٰ (نہیں ضائع کرتا اخلاص والوں کے اجر کو) یعنی نیک کام کرنے والے مجاہدوں کا اجر انشاء المولیٰ تعالیٰ انھیں مل کر رہے گا۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا

اور نہیں خرچ کرتے کم وبیش، اور نہیں طے کرتے کوئی وادی،

اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

مگر لکھ لی جاتی ہے ان کی نیکی، تا کہ انعام دے اللہ اس سے بہتر، جو وہ کرتے تھے●

(اور) یونہی (نہیں خرچ کرتے کم) یعنی تھوڑا اور چھوٹا سا، جیسے کوڑے کا تسمہ یا گھوڑے کا نعل یا صاع بھر خرمے جیسے ابو عقیل رضی اللہ عنہ نے دِیے تھے (وبیش) یعنی اور بہت اور بڑا خرچ، جیسے کہ حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دیا تھا۔(اور) اِسی طرح (نہیں طے کرتے کوئی وادی)، یعنی کوئی قطعۂ زمین (مگر لکھ لی جاتی ہے اُن کی نیکی)۔۔الغرض۔۔وہ کم وبیش جو بھی خیرات کرتے ہیں اور چھوٹا۔۔یا۔۔بڑا جیسا بھی نیکی کا کام کرتے ہیں اور نیک کام کے لیے جتنا بھی قدم چلتے ہیں، ان سب کا ثواب لوحِ محفوظ میں محفوظ کرلیا جاتا ہے۔اور یہ لکھنا اس واسطے ہے (تا کہ انعام دے اللہ) تعالیٰ (اس سے بہتر جو وہ) راہِ حق میں (کرتے تھے)۔

ظاہر ہے کہ بندے کا عمل ایک بندے کا عمل ہے جو ہر حال میں محدود ہے۔اور حق تعالیٰ کا

فضل ایک قادر مطلق، مختارِ کل کا فضل ہے، جولا محدود ہے۔تو رب کریم کی طرف سے بندے کو اس کے نیک عمل پر جو جزا ملے گی، وہ بہر حال اس عمل سے اعلیٰ وارفع ہوگی۔ فضل خداوندی کا عالم یہ ہے، کہ اگر۔۔مثلاً: غازی کی ہزار طاعتیں ہوں، کہ ان میں ایک طاعت سب طاعتوں سے بہتر ہو، تو حق تعالیٰ اُس طاعت پر بڑا ثواب دے گا اور نوسوننانوے ٩٩٩ طاعتیں جو باقی ہیں، انہیں اس ایک بہتر طاعت کے طفیل میں قبول فرمائے گا اور ہر ایک غازی کو اُس کے برابر ثواب عطا فرماتا ہے، تا کہ اُس کی بزرگی مجاہدوں کی نسبت ہر ایک پر ظاہر ہو جائے۔

سابقہ بعض آیات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کی حمد وثناء۔۔نیز۔۔امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حدود اللہ کی حفاظت کی اہمیت وفضیلت کو صراحتاً بیان فرمایا گیا ہے، اور ظاہر ہے کہ ان اُمور کو کماحقہٗ انجام دینا بغیر علم صحیح کے ممکن نہیں۔۔نیز۔۔بعض آیات میں جہاد فی سبیل اللہ کی ضرورت وعظمت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ان حقائق کو جاننے کے بعد حصولِ علم اور شرکتِ جہاد کا جذبہ ہر ایک کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے، اور شہر کا شہر اس بات پر آمادہ ہو سکتا ہے، کہ اگر جہاد کا موقع ہو، تو سب کے سب جہاد کے لیے نکل پڑیں۔۔یا۔۔بصورتِ دیگر سب کے سب حصولِ علم کے لیے شہر سے باہر ہو جائیں، تو ان صالح جذبات رکھنے والوں کی ہدایت کے لیے اِرشاد فرمایا جارہا ہے، کہ ایمان والو! سنو۔۔۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ

اور انہونی بات ہے، کہ سب مسلمان نکل پڑیں۔تو کیوں نہیں نکلتے ان کے ہر قبیلہ سے

لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿١٢٢﴾ ع ١٥ ٤

کچھ لوگ، جو دینی فقہ حاصل کریں، اور تا کہ اپنی قوم میں خوف خدا پیدا کریں جب لوٹیں ان کی طرف، کہ وہ لوگ ڈرنے لگیں●

(اور) یاد رکھو، کہ یہ تو (انہونی بات ہے) جس کا ہونا عادۃً محال ہے (کہ سب مسلمان نکل پڑیں) ان علوم کے حصول کے لیے جن کا حصول فرضِ کفایہ ہے، (تو کیوں نہیں نکلتے اُن کے ہر قبیلے سے کچھ لوگ، جو دینی فقہ حاصل کریں، اور) یہ اِس لیے (تا کہ اپنی قوم میں خوفِ خدا پیدا کریں، جب لوٹیں ان کی طرف)۔۔الغرض۔۔احکام ومسائل سیکھ کر آئیں اور اپنی قوم کو سکھائیں، تا (کہ وہ لوگ ڈرنے لگیں) اور جن امور سے وہ ڈرائے گئے ہیں، اپنی لاعلمی کی بنیاد پر اس کا ارتکاب نہ کرنے لگیں۔

۔۔یونہی۔۔مسلمانوں کے لیے جائز نہیں ہے، کہ وہ سب کے سب جہاد کے لیے روانہ ہو جائیں،

بلکہ ان پر واجب ہے کہ اُن کی دو جماعتیں ہو جائیں: ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہے اور جو احکام نازل ہوں اور رسول ﷺ جو ارشادات فرمائیں اُن کو محفوظ اور منضبط کرتے رہیں، اور جب پہلی جماعت جہاد سے واپس آئے، تو اُس کو احکام سکھائیں اور دوسری جماعت جہاد کے لیے روانہ ہو جائے۔

احکام شرعیہ تدریجاً نازل ہو رہے تھے اِس لیے ان احکام کو حاصل کرنے کے لیے مدینہ میں آپ کے پاس رہنا بھی ضروری تھا، اور اسلام کی نشر و اشاعت اور تبلیغ دین کے لیے جہاد کرنا بھی ضروری تھا۔ اب جہاد کے لیے کیا حکیمانہ طرزِ عمل اپنایا جائے، اس کی ہدایت فرمائی جارہی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَ لْیَجِدُوْا

اے وہ جو ایمان لائے! جہاد کرو ان سے جو تم سے قریب کفار ہیں، اور وہ تم میں

فِیْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۲۳﴾

سختی محسوس کریں اور جان رکھو کہ اللہ خوف خدا رکھنے والوں کے ساتھ ہے●

(اے وہ جو ایمان لائے! جہاد کرو ان سے جو تم سے قریب کفار ہیں) یعنی جہاد کی ابتداء ان کافروں سے کرو جو تمہارے درجہ بدرجہ قریب ہیں، نہ کہ ان سے جو تم سے درجہ بدرجہ بعید ہیں۔

اس آیت کے زمانۂ نزول میں قریب سے مراد روم کے کافر ہیں، کیونکہ وہ شام میں رہتے تھے اور شام عراق کے بہ نسبت قریب تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے کئی شہر فتح کر دیے، تو ہر علاقہ کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے قریبی کافر ملکوں سے جہاد کی ابتداء کریں، اِس لیے کہ بہ یک وقت تمام دنیا کے کافروں سے جہاد کرنا، تو عادۃً ممکن نہیں اور جب قریب اور بعید دونوں کافر ہوں، تو پھر قریب کو ترجیح دی جائے۔ اِس لیے کہ اِس میں جہاد کے لیے سواریوں، سفر خرچ اور آلات اور اسلحوں کی نسبتاً کم ضرورت پڑے گی۔

قریب کو چھوڑ کر بعید کی طرف جانے میں عورتوں اور بچوں کے لیے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں۔۔ نیز۔۔ بعید کے بہ نسبت اِنسان قریب کے حالات سے زیادہ واقف ہوتا ہے۔ [illegible] کریم ﷺ کو بھی پہلے قریبی گھر والوں کو تبلیغ فرمانے کا [illegible] قوم سے جہاد فرمایا، پھر آپ شام کے غزوہ کی طرف [illegible] صحابہ جب شام سے فارغ

ہوئے، تو عراق میں داخل ہوئے۔۔الختصر۔۔بعید ملک کے بہ نسبت قریب ملک سے جہاد کرنا زیادہ آسان ہے، اسی لیے اس سے جہاد کی ابتداء لازمی قرار دی گئی ہے۔

۔۔الختصر۔۔قریب والے کافروں سے جنگ کی ابتداء کرو (اور) اس شان سے کہ (وہ تم میں سختی محسوس کریں)۔قتال سے پہلے سخت لب ولہجے میں ان سے گفتگو کرو اور قتال کے دوران صبر وشدت کا مظاہرہ کرو، اور محاربہ کے وقت پوری شجاعت سے کام لو، (اور جان رکھو کہ اللہ) تعالیٰ (خوف خدا رکھنے والوں کے ساتھ ہے)، یعنی پرہیزگاروں کی حفاظت، اعانت اور نُصرت فرمانے والا ہے۔

مذکورہ بالا اِرشاد میں قریب کے دُشمن سے جنگ کرنے کی ہدایت فرمائی جارہی ہے، اور ہمارا سب سے قریبی اور سارے دُشمنوں سے بڑھ کر دُشمن خود ہمارا نفس ہے، جو ہمارے پہلو میں ہے۔۔لہٰذا۔۔اِس سے جہاد، ہمارے لیے جہادِ اکبر ہے۔اور سارے دُشمنوں سے لڑنے سے پہلے، اس سے لڑنا اولیٰ اور انسب ہے۔سابقہ آیات میں منافقین کے قبیح افعال بیان فرمائے گئے تھے، اسی سلسلے میں یہ آیت بھی ہے۔

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتۡ سُورَةٌ فَمِنۡهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًاۚ

اور جب اتاری گئی کوئی سورت، تو ان میں سے کوئی بولتا ہے" کہ تم میں سے کون ہے جس کا ایمان اس نے بڑھادیا؟"

فَأَمَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ فَزَادَتۡهُمۡ إِيمَٰنًا وَهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُونَ ١٢٤

توجو ایمان والے ہیں، ان کا ایمان تو بڑھا ہی دیا اور وہ خوش ہیں●

(اور جب اُتاری گئی کوئی سورت تو ان میں سے کوئی بولتا ہے کہ تم میں سے کون ہے جس کا ایمان اس نے بڑھادیا) یعنی قرآنی سورت کے نزول کے بعد منافقین ازراہِ استہزاء دوسرے منافقین ۔۔یا۔۔کمزور مسلمانوں سے کہتے ہیں، کہ وہ شخص کون ہے جس کا ایمان اس سورت نے زیادہ کردیا، (تو) اُن کو سنادو، کہ (جو) درستی کے ساتھ (ایمان) لانے (والے ہیں، اُن کا ایمان تو بڑھا ہی دیا اور وہ خوش ہیں)، اِس لیے کہ جب اُن کا علم اس سورہ میں غور وفکر کرنے کی جہت سے زیادہ ہوا، تو اس سورت کا ایمان جو انہیں اب حاصل ہوا ہے، یہ اُس ایمان کے ساتھ ملا جو انہیں اور سورتوں کے ساتھ پہلے سے تھا، تو اس طرح اُن کے یقین اور دین پر ثابت قدمی کو اور بھی کمال حاصل ہوگیا۔ظاہر ہے اس سے اُن کی خوشی اور مسرت میں اضافہ ہی ہوا۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰی رِجْسِهِمْ

اور جن کے دل میں بیماری ہے، تو بڑھ گئی ان کی ناپاکی پر ناپاکی۔

وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور وہ مرے کافر●

(اور) رہ گئے وہ منافقین (جن کے دل میں بیماری ہے) شک، نفاق، اور بغض اسلام کی، (تو بڑھ گئی اُن کی ناپاکی پر ناپاکی اور) یہاں تک کہ (وہ مرے کافر) ہوکر۔ یعنی وہ دوسری سورتوں میں جو شک رکھتے تھے، اس سورت میں جو انھیں شک پیدا ہوا، تو یہ اُس شک سے ملا اور اُن کا شک زیادہ ہوگیا۔۔۔یا۔۔۔ بڑھ کر اُن کا کفر بالائے کفر اور یہ صفت ان میں مضبوط ہوتی گئی، یہاں تک کہ وہ حالتِ کفر میں مرگئے۔ کفر پر مرنے کی وجہ سے ان پر آخرت میں جو عذاب ہوگا، وہ تو ہوگا ہی، لیکن یہ بے وقوف لوگ۔۔۔

اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّهُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَیْنِ

کیا نہیں دیکھتے کہ وہ فتنہ میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال، ایک بار یا دوبار،

ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

پھر بھی توبہ نہیں کرتے۔ اور نہ وہ نصیحت حاصل کریں●

(کیا نہیں دیکھتے کہ وہ) دُنیا میں بھی (فتنہ میں ڈالے جاتے ہیں ہر سال ایک بار۔۔یا۔۔ دوبار) انواع واقسام کی بلائیں ان پر نازل ہوتی ہیں، مرض وقحط میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ اُن کے نفاق اور جھوٹ کو مسلمانوں پر ظاہر کردیا جاتا ہے، جس سے اُنہیں رُسوائی حاصل ہوتی ہے، (پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ) ایسے ہیں، کہ (نصیحت حاصل کریں)۔۔ الغرض۔۔ اپنے نفاق پر ڈٹے ہوئے ہیں۔ ان منافقین کا عجیب انداز۔۔۔

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ هَلْ یَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ

اور جب اتاری گئی کوئی سورت، تو ان کے ایک نے دوسرے کو دیکھا، "کہ کیا کوئی دیکھ رہا ہے"

ثُمَّ انْصَرَفُوا ۭ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝١٢٧

پھر پلٹ گئے۔ اللہ ان کے دل کو الٹا پلٹا رکھے، کیونکہ یہ قوم فقہ نہیں رکھتی●

(اور) اُن کی عجیب روش ہے، کہ (جب اتاری گئی کوئی سورت) جس میں اُن کے عیبوں کا ذکر ہوتا ہے، (تو اُن کے ایک نے دوسرے کو دیکھا) استہزاءً۔۔یا۔۔اپنا عیب سن کر غصہ کی وجہ سے۔۔یا۔۔اس مجلس سے چل دینے کے واسطے باہم آنکھ مارتے ہیں (کہ کیا کوئی دیکھ رہا ہے)، یعنی یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ کہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ جب ایسا لگا کہ ان پر لوگوں کی نظر ہے، تو ٹھہر جاتے اور جب دیکھا کہ کسی کی نظر ہمارے اُٹھنے کی طرف نہیں ہے (پھر پلٹ گئے) اور پھر گئے رسولِ مقبول کی مجلس سے۔ (اللہ) تعالیٰ محفلِ رسول سے پھر جانے اور واپس ہو جانے والے۔۔الغرض۔۔(ان) سب کے دل کو اُلٹا پلٹا رکھے)۔ قرآن سمجھنے، ایمان قبول کرنے، اور نیکیوں کی طرف سے اُن کا دِل کیوں نہ پھرے۔ (کیونکہ یہ قوم) ایسی ہے جو ذرہ برابر بھی سمجھ اور (فقہ) سے کوئی سروکار (نہیں رکھتی)، یعنی اس میں سمجھداری اور تفقہ کا فقدان ایسا ہے کہ سمجھتی ہی نہیں، کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے؟۔۔۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

البتہ بیشک آ گیا تم میں رسول تم میں سے، دشوار ہے ان پر جو رنج میں ڈالے تم کو، حریص

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٢٨

تمہاری بلندی کے، مسلمانوں پر بے انتہا کرم فرمانیوالے مہربان●

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو سخت اور مشکل احکام کی تبلیغ کریں جن کا برداشت کرنا دُشوار تھا، ماسوا اُن مسلمانوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی توفیق اور کرامت سے نوازا تھا۔ اور اس سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے ایسی آیت نازل فرمائی، جس سے ان مشکل احکام کا برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اِس آیت کا مفہوم یہ ہے، کہ۔۔۔

یہ رسول تمہاری جنس سے ہیں اور اِس رسول کو دُنیا میں جو عزت اور شرف حاصل ہوگا، وہ تمہارے لیے بھی باعثِ فضیلت ہے۔۔نیز۔۔اِس رسول کی یہ صفت ہے کہ جو چیز تمہارے لیے باعثِ

ضرر ہو، وہ ان پر سخت دُشوار ہوتی ہے۔ اُن کی یہ خواہش ہے کہ دُنیا اور آخرت کی تمام کامیابیاں تمہیں مل جائیں اور وہ تمہارے لیے ایک مشفق طبیب اور رحم دل باپ کے مرتبے میں ہیں، کیونکہ حاذق طبیب اور شفیق باپ کبھی مریض اور اولاد کی بہتری کے لیے اُن پر سختی کرتا ہے۔ سو اسی طرح یہ مشکل اور سخت احکام بھی تمہاری دنیا اور آخرت کی سعادتوں کے لیے ہیں۔ تو اچھی طرح یقین کرلو اور فیروز بختی پر ناز کرو، کہ۔۔۔ **(البتہ بے شک آگیا تم میں)** سراپا شفقت عظیم **(رسول تم میں سے)** یعنی تمہاری جنس میں سے بشری لباس میں، تاکہ تم اس سے مانوس ہوسکو اور اُس کے قریب ہوکر اُس سے فائدہ حاصل کرسکو۔۔ یا یہ۔۔ کہ اَے عرب کے لوگو! آیا تمہارے پاس رسول تم میں سے تمہاری زبان میں بولنے والا، تاکہ تم اُس کی بولی سمجھ سکو اور اس سے کماحقہ مستفیض ہوسکو، تمہارے قبیلے میں سے تاکہ اُس کی اتباع کرنے میں تمہیں کوئی عار نہ ہو۔

۔۔ چنانچہ۔۔ عرب کا کوئی قبیلہ اَیسا نہ تھا جس سے اس عظیم رسول کا رشتہ قرابت نہ ملا ہو، اگرچہ بنیادی طور پر وہ قبائل عرب میں سے سب سے افضل قبیلہ قریش میں سے تھا۔ ایک قرأت شاذہ میں **اَنْفَسِكُمْ** کے فاء کو زبر کے ساتھ پڑھا گیا ہے، جس کا معنی یہ ہوگا، یہ رسول تم میں سے سب سے افضل اور حسب نسب میں سب سے اشرف ہے، اور طہارتِ ذات اور پاکی گوہر میں سب سے زیادہ نفاست والا ہے۔

تم پر ان کی شفقتِ بے پایاں کا عالم یہ ہے، کہ **(دشوار ہے)** اور سخت ہے **(ان پر)** وہ چیز **(جو رنج میں ڈالے تم کو)**۔

آیتِ کریمہ کا ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ۔۔۔

آگیا تم میں سے ایک رسول جو عظیم بھی ہے اور عزیز بھی۔ یعنی عزت و غلبہ والا بھی ہے، جن کی شانِ دستگیری یہ ہے کہ تم جو کچھ گناہ کرتے ہو اُس کی عذرخواہی ان پر ہے، قیامت کے دن شفاعت سے اس کا تدارک فرمائیں گے۔ جو **(حریص ہیں تمہاری بلندی)** اور دُنیا و آخرت میں برتری **(کے)**، بلفظ دیگر، تمہارے اِسلام کے۔ اور **(مسلمانوں پر بے انتہا کرم فرمانے والے مہربان)** ہیں۔

انبیاءِ کرام پر آپ کی فضیلت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ رب کریم نے اپنے کو **رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ** ارشاد فرمایا اور اسی کلمہ **رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ** سے اپنے حبیب کا بھی تعارف کرایا۔ اگرچہ خدا کی رافت

ورحمت کی حقیقت اور ہے اور نبی کی رافت ورحمت کا مفہوم اور ہے، دونوں میں حقیقی و جوہری فرق ہے۔۔باایں ہمہ۔۔قرآنِ کریم میں رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کا لفظ خدا اور رسول دونوں ہی کے لیے اِستعمال فرمایا گیا ہے۔اس اِستعمال سے یہ ہدایت ملتی ہے، کہ صرف اِشتراکِ لفظی کو شرک کی بنیاد قرار دے دینا، غایت جہل کی دلیل ہے۔اور خود خدا کو مشرک قرار دینے کی جسارت ہے۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ

پھر اگر وہ منہ پھیریں، تو ان کو سنادو، کہ کافی ہے مجھ کو اللہ۔۔نہیں ہے کوئی معبود سوا اسکے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا،

ع ١٦ ٧

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿١٢٩﴾

اور وہ عرش عظیم کا پروردگار ہے●

اے محبوب! آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، آپ صاف صاف اپنا پیغام پہنچادیں اور حقائق کو کھول کھول کر سامنے رکھ دیں، (پھر اگر وہ) منافقین (مُنہ پھیریں)، یعنی یاری وہواداری سے پھر جائیں اور فرمانبرداری سے تخلف کریں، (تو اُن کو سنادو، کہ کافی ہے مجھ کو اللہ) تعالیٰ۔(نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے۔اسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور وہ عرشِ عظیم کا پروردگار ہے) تو اَے منافقو! سن لو کہ مجھے تمہارا کوئی خوف نہیں، مجھے تمہارے شر سے خدا بچانے والا ہے اور تم پر غالب فرمانے والا ہے۔ میں نے اسی پر توکل کیا، اور اپنا کام اسی پر چھوڑ دیا ہے، جو عرشِ عظیم کا مالک ہے۔

اب خواہ اس عرشِ عظیم سے ملکِ عظیم مراد ہو۔۔یا۔۔عرشِ مقصود جو دُعاؤں کا قبلہ اور فرشتوں کے طواف کرنے کی جگہ ہے۔جس کی عظمت کا یہ حال ہے، کہ انسانی فہم و ادراک اس کو سمجھنے سے قاصر ہے، خدا ہی جس کو بتائے وہی جان سکے۔تو جب حق تعالیٰ ایسا قادرِ مطلق ہے، کہ ایسے عظیم عرش کی حفاظت فرما رہا ہے اور اس کی عظمت و بڑائی کے باوجود اس پر اپنی قدرتِ کاملہ سے نگاہ رکھتا ہے، تو وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ مجھے منافقوں کے شر سے بچاتا رہے اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اِس لیے، کہ بندوں کا حافظ وناصر وہی ہے۔

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۸ر اپریل ۲۰۱۰ء

شب یکشنبہ بوقت ار بجکر ۴۵ر منٹ، سورۂ توبہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کو مکمل

کرنے کی بھی سعادت عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۰ر اپریل ۲۰۱۰ء

بروز سہ شنبہ سورۂ یونس کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور اس کے بعد کی تمام سورتوں کی تفسیر

کی تکمیل کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

سورۂ یونس جس میں ایک سو نو آیات اور گیارہ رکوع ہیں، جس کا نزول مکہ شریف میں ہوا، جو گرانقدر مسائل اور عظیم الشان مقاصد پر مشتمل ہے۔ان مسائل و مقاصد کا بیان اپنے اپنے موقع پر آتا رہے گا۔۔نیز۔۔اس سورۂ مبارکہ میں قوم حضرت یونس کا ذِکر ہے جو باقی انبیاءِ کرام کی اقوام سے اس صفت میں منفرد تھی، کہ یونس علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا اور انہوں نے عذاب الٰہی کے آثار دیکھ لیے، تو وہ اللہ تعالیٰ اور حضرت یونس علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کا ایمان لانا نفع آور ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرمادیا اور ان سے عذاب اٹھالیا۔

اس سورۂ مبارکہ سے پہلے سورۂ توبہ ہے، جس کا اختتام رسالت کے ذکر پر ہوا تھا اور اس سورۂ مبارکہ کی ابتداء رسالت کے ذکر سے ہوئی ہے۔۔الختصر۔۔اس کی پہلی آیت ماقبل سورہ کی آخری آیت سے کافی مناسبت رکھتی ہے۔مضامین کے لحاظ سے بھی سورۂ یونس اور سورۂ توبہ کے درمیان واضح مناسبت ہے۔۔مثلاً: سورۂ توبہ میں مصیبت نازل ہونے کے باوجود اس سے عبرت اور نصیحت حاصل نہ کرنے اور توبہ نہ کرنے پر منافقین کی مذمت کی تھی اور اس سورہ میں ان لوگوں کا حال بیان فرمایا ہے اور انہیں قابل مذمت قرار دیا ہے، جو کسی مصیبت کے موقع پر اللہ سے فریاد کرتے ہیں اور جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے، تو پھر وہ اسی طرح ہو جاتے ہیں، جیسے انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کو پکارا ہی نہیں تھا۔

اسی طرح سورۂ توبہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے مشرکین سے بیزاری کے اعلان سے کی اور اس میں مسلمانوں کو یہ حکم دیا، کہ وہ مشرکین کو جہاں پائیں قتل کردیں اور اس سورہ میں بھی رسول اللہ ﷺ سے فرمایا، کہ وہ مشرکین سے بیزاری کا اظہار کریں۔اس سورۂ مبارکہ کا آغاز الٓرٰ سے کیا ہے، اس کے سوا سورۂ ھود، سورۂ یوسف اور سورۂ ابراہیم کی بھی ابتداء الٓرٰ سے کی گئی ہے۔اس لیے ان چاروں سورتوں میں باہم امتیاز کے لیے، کسی کا نام سورۂ ہود، کسی کا سورۂ یوسف، کسی کا سورۂ ابراہیم اور خود اس کا نام اس مناسبت کی وجہ سے، سورۂ یونس رکھا گیا، کہ اس میں حضرت یونس اور ان کی قوم کا ایک خصوصی ذکر ہے۔۔الختصر۔۔ایسی عظیم الشان سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

آیاتہا ۱۰۹ رکوعاتہا ۱۱	بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	سُوْرَةُ یُوْنُسَ ۱۰ مَکِّیَّةٌ ۵۱
آیات ۱۰۹ رکوع ۱۱	نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا	سورہ یونس مکیۃ

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مسلمانوں
خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ①

ال راء۔۔ یہ حکمت سے بھری کتاب کی آیتیں ہیں ●

جس نے اس سورۂ مبارکہ کا ایسے پر اسرار حروف مقطعات (ا، ل، راء) سے آغاز فرمایا، جس کی مراد اُس کے سوا صرف وہی جان سکے جس پر وہ خود ظاہر فرمادے، بالخصوص اُس کے حبیب ﷺ جن پر یہ قرآن پاک نازل فرمایا اور جن پر ازل میں اپنی خاص نعمتیں نازل فرماتا رہا اور جنہیں وجودِ ظاہر میں اپنے لطف سے نوازتا رہا۔۔نیز۔۔ جو ابد میں بھی اس کی شفقتوں اور مہربانیوں کا مرکز رہیں گے ایسے عظیم رسول پر خدائے رحمٰن نے جو آیات نازل فرمائی ہیں، (یہ حکمت سے بھری کتاب) قرآن کریم (کی آیتیں ہیں) جو سراسر حکمت پر مشتمل ہیں اور ایسی محکم ہیں، کہ اس میں تناقض واختلاف نہیں۔کوئی شخص اُسے بدلنے پر قادر نہ ہوگا۔ یہ کتاب اپنے سے پہلی ساری آسمانی کتابوں کو تو منسوخ کردے گی، لیکن کوئی اسے منسوخ نہ کرسکے گا۔

یہ تو سرداران قریش کی جہالت ہے کہ صاحبِ کتاب محمد عربی ﷺ کی عظمتوں کی معرفت نہ حاصل کرسکے اور آپ کی رسالت کا انکار کردیا اور بول پڑے، کہ تعجب ہے کہ حق اہل عالم پر ایک آدمی کو رسول بنا کر بھیجے، اور اس کے لیے بھی آدمیوں میں سے ابو طالب کے بھتیجے اور عبداللہ کے یتیم کو اختیار کرے۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ

کیا لوگوں کو اچنبھا ہے؟ کہ وحی بھیجی ہم نے ایک ان کے مرد کو، کہ ڈرادو لوگوں کو، اور

بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ

خوش خبری دو جو ایمان لائے، کہ ان کا سچا پایہ ہے ان کے پروردگار کے یہاں۔۔۔کافر بولے،

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ②

کہ یہ تو کھلے جادوگر ہیں ●

(کیا لوگوں کو اچنبھا ہے کہ وحی بھیجی ہم نے ایک اُن کے) ہم جنس وہم قبیلہ (مرد کو) یہ

ہدایت فرما کر، (کہ ڈرادو لوگوں کو) خدا کی عقوبتوں سے (اور خوشخبری دو) اُن کو (جو ایمان لائے، کہ اُن کا سچا پایہ ہے ان کے پروردگار کے یہاں)، یعنی ان کی نجات کے ضامن ان کا ایمان اور ان کی پر خلوص اطاعت دونوں ہی پہلے ہی سے بارگاہِ خداوندی میں باریاب ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ **قَدَمَ صِدْقٍ** سے مراد حق تعالیٰ کا مومنوں کو نجات دینے کا وعدہ ازلی ہے۔ یہ بھی قول ہے کہ **قَدَمَ صِدْقٍ** سے مراد مقامِ صدق ہے، اس میں نہ زوال ہے نہ ملال۔۔یا۔۔ ایمانِ صادق مراد ہے۔۔یا۔۔اللہ کی رضامندی۔۔یا۔۔مومنوں کے حق میں فرشتوں کی دُعائیں۔۔یا۔۔نیک کام جو پہلے سے بھیجیں۔۔یا۔۔اگلے بزرگ، کہ ان کی برکت اُن کے بعد والوں کو پہنچتی ہے۔۔یا۔۔اولادِ صالح جو ان سے پہلے وفات پا جائے۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ کا اس امت کو طاعت کے ساتھ مقدم کرنا نحن الآخرون السابقون کا مضمون جس کی خبر دیتا ہے۔۔یا۔۔سچے شفیع، کہ حضرت شفیع المذنبین ﷺ ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔جب آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے **قَدَمَ صِدْقٍ** کے متعلق پوچھا، تو آپ نے فرمایا، وہ میری شفاعت ہے۔ وسیلہ کیے جاؤ تم میرے ساتھ اپنے رب کی طرف۔ اور یہ امر یقینی ہے، کہ گنہگاروں کو حضرت **رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ** عَلَيْهِ صَلَوٰتُ اللهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کی شفاعت کے برابر کوئی وسیلہ نہیں۔۔۔

اوپر کے ارشاد میں ڈرانا سارے انسانوں کے لیے عام رکھا، لیکن بشارت صرف مومنوں کے لیے خاص فرما دی، اس میں خاص کر کے اس نکتے کی طرف اِشارہ ہے، کہ ہر انسان میں۔۔'اِلَّا مَاشَاءَ اللهُ'۔۔ایسی خامی ضرور ہوتی ہے جس سے بچنا چاہیے۔ اور اس سے ڈرنا چاہیے۔ اِس کے برخلاف کافروں میں ایسی کوئی خوبی نہیں، جس کے سبب ان کو بشارت دی جائے۔۔الختصر۔۔جب یہ ڈرانے والا اور بشارت دینے والا مبعوث ہوا اور اس نے معجزات دکھائے۔۔تو۔۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

بیشک تمہارا پروردگار اللہ ہے، جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں، پھر برابر ٹھیک کر دیا۔

عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

عرش پر تدبیر فرماتا ہے ہر امر کی۔ کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر جس کو اس کی اجازت ہے۔ یہ ہے اللہ

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ③

تمہارا پروردگار، تو اس کو پوجو۔ کیا نصیحت قبول نہیں کرتے؟●

(کافر بولے، کہ یہ تو کھلے جادوگر ہیں)۔ کافروں کی سمجھ میں یہ بات نہ آسکی کہ انبیاءِ کرام کے معجزات کا جادوگروں کی شعبدہ کاری سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ یہ قادرِ مطلق خدائے ذوالجلال والاکرام کی قدرتِ کاملہ کے مظاہر ہیں۔تو لوگو! جان لو، کہ (بے شک تمہارا پروردگار اللہ) تعالیٰ (ہے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے (پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دن) کی مقدار (میں) دنیا کے دنوں کے انداز سے۔(پھر برابر ٹھیک کردیا عرش پر)۔۔۔جس کی تشریح سورۂ اعراف آیت ۵۴ کے تحت گزر چکی۔۔۔ (تدبیر فرماتا ہے ہر امر کی) یعنی کائنات کے کام بناتا ہے حکمت کے موافق۔۔یا۔مقدر کرتا ہے ہونے والی باتیں جس طرح پر چاہتا ہے۔اس کی بارگاہ میں (کوئی شفاعت کرنے والا نہیں، مگر جس کو اس کی اجازت ہے)۔

اس کلام سے اُن کی شفاعت رد اور باطل ہوجاتی ہے جن کو کفار اپنا شفیع سمجھتے ہیں، اور اُن نفوسِ قدسیہ والوں کی شفاعت ثابت ہوجاتی ہے جنہیں حق تعالیٰ نے شفاعت کرنے کا اِذن عطا فرمایا ہے۔(یہ ہے اللہ) تعالیٰ جو خلق وتدبیر اور استیلاء کی صفتوں سے موصوف ہے، جو (تمہارا پروردگار) ہے۔اس کے سوا تمہارا کوئی رب نہیں۔اس واسطے، کہ اس کے غیر کو ان صفتوں میں شرکت نہیں، (تو) لوگو! (اس کو) اور صرف اسی کو (پوجو)۔تو (کیا نصیحت قبول نہیں کرتے)، اور اپنے دل میں فکر نہیں کرتے ہو، کہ عبادت کا مستحق وہی ہے، یہ تمہارے خودساختہ معبودانِ باطل نہیں۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات ظاہر ہوگئی، وحی، بعثت اور رسالت پر کفار کا تعجب کرنا، ان کی کم نظری اور سوءِ فہمی کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ جس ذات نے تمام مخلوق کو پیدا فرمایا، اُس کا اِس مخلوق کی طرف ایک رسول کا بھیجنا کوئی بعید نہیں، جو اِس مخلوق کو نیک اعمال پر ثواب کی بشارت دے اور بُرے اعمال پر عذاب سے ڈرائے، کیونکہ اِس جہاں کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اور اُس کے احکام نافذ ہیں اور اُس کی دلیل یہ ہے، کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور وُہی اس کائنات کے نظام کو چلا رہا ہے۔۔نیز۔۔وُہی ثواب وعذاب دینے والا ہے، کیونکہ اِس دنیا کی زندگی کے بعد۔۔۔

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعْدَ اللَّهِ حَقًّا ۚ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے۔ اللہ کا وعدہ حقہ ہے۔ بیشک وہی پیدا فرمانے کی ابتدا فرماتا ہے، پھر دوبارہ

لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ

بھی کرتا ہے، تاکہ انعام دے جو ایمان لاچکے اور نیک کام کیے انصاف سے۔ اور جو کافر ہیں انکے لئے

شَرَابٌ مِنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٤﴾

گرم پانی کا مشروب، اور دکھ دینے والا عذاب ہے۔ سزا ہے جو وہ کفر کرتے تھے●

(اسی کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے) اس کے غیر کی طرف نہیں، تو تم سب اس کے سوال و جواب پر آمادہ رہو۔ (اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ) جو اس نے فرمایا ہے، کہ تم سب کو مرنے کے بعد اٹھنا ہے (حقہ ہے) یعنی بالکل سچ اور درست ہے، اس میں کسی قسم کا شک نہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی قادرِ مطلق ہے۔ (بے شک وہی پیدا فرمانے کی ابتداء فرماتا ہے، پھر دوبارہ بھی) مرنے کے بعد لوٹاتا ہے اور زندہ (کرتا ہے)۔ پہلے پیدا کرنا، پھر مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا، ان سب کا مقصود ثواب وعقاب ہے۔

(تاکہ انعام دے جو ایمان لاچکے اور نیک کام کیے انصاف سے) یعنی اپنے کاموں میں عدل وانصاف کا پاس ولحاظ رکھا۔۔یا۔۔ بدلہ دے گا اللہ جل شانہ انھیں عدل کے ساتھ، یعنی اس عدل کی رعایت کے ساتھ جو انھوں نے کاموں میں کیا ہو۔۔یا۔۔ اُن کے ایمان کے ساتھ۔ اس واسطے، کہ ایمان 'عدل قوی' ہے اور اسی کے مقابلے میں شرک، 'ظلم عظیم' ہے۔ اور یہ وجہ مقابلے کے واسطے بہت وجیہہ ہے۔ اس واسطے، کہ برابر ملاتا ہے اپنے اس کلام کو اپنے اس قول سے، کہ (اور جو) لوگ (کافر ہیں اُن کے لیے) دوزخ کے (گرم پانی کا مشروب) ہے۔ جب اُسے پئیں گے، تو ان کی آنتیں جل کر ٹکڑے ہوجائیں گی (اور) اسی کے ساتھ ساتھ اُن کے لیے (دکھ دینے والا عذاب ہے) یعنی دردناک، جو کبھی کم نہ ہوگا۔ یہ سب کچھ (سزا ہے جو وہ) خدا اور رسول کے ساتھ (کفر کرتے تھے)۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے الوہیت اور توحید پر استدلال کیا تھا اور آنے والی اس آیت میں سورج اور چاند کو پیدا کرنے سے توحید پر استدلال کیا ہے۔ اس استدلال کی تقریر یہ ہے، کہ سورج، چاند اور باقی تمام سیارے بحیثیتِ جسم، سب مساوی ہیں۔ اب سورج کو اس وضع مخصوص اور صفاتِ مخصوصہ عطا کرنے

کے لیےکوئی مرجح ہونا چاہیےاور وہ مرجح واجب الوجوداور قدیم بالذات ہونا چاہیے، کیونکہ ممکن اور حادث تو اپنے وجود میں پھر کسی مرجح کا محتاج ہوگا اور واجب الوجود کا واحد ہونا ضروری ہے، کیونکہ اگر دو واجب الوجود ہوں، تو ان میں ایک امر مشترک ہوگا اور ایک امر مخصص اور ممیز ہوگا اور جو دو چیزوں سے مرکب ہو، وہ اپنے اجزاء کا محتاج ہوتا ہےاور مرکب اور محتاج، حادث اور ممکن ہوتا ہے، واجب اور قدیم نہیں ہوتا۔

پس ثابت ہوا، کہ سورج کی وضع مخصوص اور اس کی صفاتِ مخصوصہ ذاتی نہیں، کیونکہ سورج جسم ہونے میں تمام اجسام کے مساوی ہے۔ سو اگر یہ اس کی جسمیت کا تقاضا ہو، تو تمام اجسام سورج کی طرح ہونے چاہئیں، اس لیے کہ اس وضع اور صفات کے لیےکوئی مرجح ہونا چاہیے اور ہم بتا چکے ہیں، کہ وہ مرجح واجب الوجود، قدیم اور واحد ہونا چاہیےاور واجب الوجود، قدیم اور واحد اللہ عزوجل ہی کی ذات ہےاور جب وہ سورج کا خالق ہے، تو تمام کائنات کا وہی خالق ہے۔ کیونکہ جو دلیل سورج میں جاری ہوئی، وہی ساری کائنات میں جاری ہوگی۔

پس ثابت ہوگیا کہ تمام کائنات کا خالق اللہ ہےاور وہ واحد لاشریک ہے۔۔الحاصل۔۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَّالْقَمَرَ نُورًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا

وہ اللہ جس نے بنایا سورج کو روشن، اور چاند کو چمک دار اور مقرر فرما دیا ان کی منزلیں، تا کہ جانتے رہو

عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ

برسوں کا شمار اور حساب۔ نہیں پیدا فرمایا اللہ نے ان کو مگر ٹھیک۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

تفصیل فرماتا ہے آیتوں کی انکے لئے جو علم سے کام لیں●

(وہ اللہ) تعالیٰ ہے (جس نے بنایا سورج کو روشن) جو خود بھی روشن ہے دوسروں کو بھی روشن کر رہا ہے (اور چاند کو چمک دار)۔ سورج کو روشنی والا بنایا تا کہ تمام کائنات اس سے مستنیر ہو۔ سورج کے عین سے استفادہ نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کی روشنی سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ یا معنی یہ ہے کہ سورج کو پیدا فرمایا، درآنحالیکہ وہ صاحبِ ضیاء ہے۔ اور چاند کو نورانی بنایا اس لیے کہ وہ رات کو چمکتا ہے۔

حکماء کے نزدیک چاند ایک صیقل شدہ ظلمانی اور روشنی قبول کرنے والا ایک جسم ہے۔ جب وہ سورج کے بالمقابل ہوتا ہے، تو سورج کے عکس کے نور سے بھر جاتا ہے، اس وجہ سے

زمین پر اس کی روشنی پڑتی ہے۔تو اُن کے نزدیک سورج کی روشنی ذاتی ہے اور چاند کی عرضی۔
تو جو روشنی بالذات ہو، اس کو ضیاء کہتے ہیں اور جو بالعرض ہو، اُسے نُور کہا جاتا ہے۔ ضیاء،
نور سے وضع واستعمال کے لحاظ سے قوی تر ہے، اسی لیے ضیاء سورج کی طرف اور نور چاند
کی طرف منسوب ہوتا ہے۔۔الختصر۔۔
رب قادر مطلق نے چاند کو چمکدار بنایا (اور مقرر فرمادیا ان کی منزلیں)۔آسمان پر اُن کے سیر
کرنے کی ہر ایک کی منزل مقدر فرمادی ہے، کہ وہ نہ تو ان منزلوں سے تجاوز کر سکتے ہیں، نہ کوتاہی۔
بہت مشہور یہ ہے کہ مقرر کیں ماہتاب کے واسطے اٹھائیس [۲۸] منزلیں، جو کہ معین ومشہور
ہیں، اور ماہتاب شبانہ روز کے قریب میں ایک ایک منزل قطع کرتا ہے۔
(تا کہ جانتے رہو برسوں کا شمار)۔
چونکہ سال میں مہینے ہوتے ہیں، اس لیے حق تعالیٰ نے مہینوں کا ذکر نہیں کیا۔
(اور حساب) یعنی تا کہ جانو گنتی وقتوں کی، مہینوں اور دنوں سے اپنے معاملات اور مہمات میں۔
۔۔الحاصل۔۔سورج اور چاند کی روشنیوں میں مخلوق کے بہت فائدے ہیں۔سورج کی
روشنی سے دن میں کاروبار ہوتا ہے اور اس کی حرکت سے مختلف موسم وجود میں آتے ہیں جس
سے اس دنیا کی مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں اور چاند کی حرکت سے مہینوں اور سالوں کی گنتی اور
حساب کا حصول ہوتا ہے۔اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا، کہ تقویم اور تاریخ کا تعین قمری
حساب سے کرنا چاہیے نہ کہ شمسی حساب سے۔
(نہیں پیدا فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ان کو) جو مذکور ہوا (مگر ٹھیک) اور راستی کے ساتھ، اس نے
کوئی کھلواڑ نہیں کیا ہے۔ان مذکورہ بالا تفصیلات کو عبث نہ خیال کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ (تفصیل فرماتا ہے
آیتوں کی اُن کے لیے جو علم سے کام لیں) اور غور وفکر کر کے اس سے فائدہ اٹھائیں۔۔۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ

بے شک رات اور دن کے الٹ پھیر میں، اور جو کچھ پیدا فرمادیا اللہ نے آسمانوں

وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ⑥

اور زمین میں، نشانیاں ہیں انکے لئے جو خوف خدا رکھتے ہوں●

(بے شک رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں) یعنی آنے جانے میں دن رات کے ایک دوسرے

کے پیچھے۔۔یا۔۔اندھیرے اُجالے کا جوان میں اختلاف ہے (اور جو کچھ پیدا فرمادیا اللہ) تعالیٰ (نے آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں) صانع کے موجود ہونے پر اور اس کی وحدت اور کمالِ علم پر اور نفاذِ قدرت پر (ان کے لیے جو خوفِ خدا رکھتے ہوں) یعنی عاقبت کے امور اور انجام کار سے ڈرتے ہوں اور مآل اور معاد کا حال اول سے سوچتے ہوں اور حشر کی رسوائی سے ڈرتے ہوں۔اس واسطے، کہ اسی اندیشہ اور خوف کے سبب وہ غور وفکر کرتے ہیں۔اور اُن کے برخلاف۔۔۔

إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا

بے شک جو نا امید ہیں ہماری ملاقات سے، اور خوش ہیں دنیاوی زندگی سے، اور اسی پر مطمئن ہیں،

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝

اور جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں●

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝

ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، سزا ان کے کرتوت کی●

(بے شک جو) لوگ حشر یعنی مرنے کے بعد اُٹھنے پر ایمان نہیں لاتے، اور وہ (نا امید ہیں ہماری ملاقات سے)، یعنی ہم سے ملاقات کی توقع نہیں رکھتے (اور خوش ہیں دنیاوی زندگی سے اور اسی پر مطمئن ہیں)۔۔الختصر۔۔دنیاوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں، (اور جو ہماری آیتوں) یعنی ہماری کتاب کی آیتوں۔۔یا۔۔ہماری صنعت کی نشانیوں (سے غافل ہیں) اور اس پر آگاہ نہیں۔اور ایسی باتوں پر تعجب کرتے ہیں جن پر تعجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں اور ان چیزوں میں غور وفکر نہیں کرتے، جن میں غور وفکر کرنا چاہیے۔

مذکورۃ الصدر آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اُن شقی القلب لوگوں کا حال بیان کیا ہے، جو قیامت کے دن اللہ سبحانہٗ سے ملاقات کا انکار کرتے تھے اور اللہ عزوجل سے ملاقات کی بالکل توقع نہیں رکھتے تھے، کیونکہ وہ حشر کے منکر تھے۔۔لہٰذا۔۔وہ عذاب سے ڈرتے تھے نہ ثواب کی طمع رکھتے تھے۔تو وہ گروہ جن کا ذکر ہوا۔۔۔

(ان کا ٹھکانہ)، رہنے کی جگہ (جہنم ہے)، جو (سزا) ہے (اُن کے کرتوت) یعنی کفر وشرک ونفاق (کی)۔

اب آگے ان لوگوں کے احوال بیان فرمائے جارہے ہیں، جو اللہ اور رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو مانا اور نیک عمل کیے۔ اللہ تعالیٰ اُن کے ایمان کے سبب انہیں قیامت کے دن جنت کی طرف ہدایت دے گا۔۔ بایں طور۔۔کہ ان کو سلامتی کے ساتھ پل صراط سے گزار دے گا۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم بِإِيمَانِهِمْ

بے شک جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، راہ دیتا ہے انھیں ان کا پروردگار ان کے ایمان کی وجہ سے۔

تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾

بہیں گی ان کے نیچے نہریں، نعمت کی جنت میں●

(بے شک جو) پرخلوص (ایمان لائے اور) مخلصانہ طور پر (نیکیاں کیں، راہ دیتا ہے انہیں ان کا پروردگار اُن کے ایمان کی وجہ سے) بہشت کی، (بہیں گی اُن کے) مکانوں کے (نیچے) پانی کی (نہریں نعمت کی جنت میں)۔ یعنی نعمتوں سے بھری ہوئی جنت میں۔۔یا۔۔اُن کے ایمان کے سبب انھیں چلنے کی ایسی راہ دکھاتا ہے، جو ادراکِ حقائق تک انھیں پہنچادے۔ بہشت میں اس وقت جب کوئی آرزو انھیں ہوگی اور وہ مانگیں گے، تو اِس کلام سے آغاز فرمائیں گے جو۔۔۔

دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ

ان کا کلمہ ہے جنت میں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ، اور ان کی تحیت ہے اس میں "سلام"۔ اور آخری بولی ہے ان کی،

أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾ ع

کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْن●

(ان کا کلمہ ہے جنت میں)، اور وہ یہ ہے (سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ) یعنی پاکی کے ساتھ یاد کرتے ہیں ہم تجھے اَے خدا، اور اس طرح خدا کو یاد کرنا لذت کی جہت سے ہوگا، عبادت کے واسطے نہیں۔ اور جنتی لوگ یہ کلمہ کہیں گے، تو جو کچھ ان کی خواہش ہوگی وہ اُن کے پاس حاضر ہوجائے گی، (اور ان کی تحیت ہے اس میں سلام)۔

تحیت کہتے ہیں کسی کی ملاقات کے وقت اعزاز واکرام کے ساتھ پیش آنے کو، تو جنتی لوگ جنت میں ایک دوسرے کا سلام کے ذریعہ اعزاز واکرام فرمائیں گے۔۔یا یہ کہ۔۔

فرشتے اعزاز واکرام کے طور پر جنتیوں کو سلام علیکم فرمائیں گے۔۔یا یہ کہ۔۔خود اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اُن کے اعزاز واکرام کو ظاہر فرمانے کے لیے، ان سے السلام علیکم ارشاد فرمائے گا۔

(اور آخری بولی ہے ان کی، کہ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡن) یعنی ان کی ہر دُعا کا اِختتام ان کلمات پر ہوگا، کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لیے ہیں۔

۔۔الختصر۔۔ وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف پہلے صفاتِ جلال سے، پھر صفاتِ اکرام سے کریں گے۔ یہ بھی مروی ہے کہ بہشتی جب بہشت میں کسی چیز کی خواہش کریں گے، تو کہیں گے سُبۡحَانَكَ اللّٰهُمَّ ، تو اُن کی خواہش کے مطابق اُن کے ہاں بہشت کے خدام اُن کا مطلوبہ شراب وطعام پیش کردیں گے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوں گے، تو کہیں گے اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡن۔

ذہن نشین رہے کہ بہشت میں نہ عبادت ہے، نہ تکلف۔ وہاں صرف اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تہلیل ہوگی، بطورِ عبادت نہیں۔۔بلکہ۔۔اللہ تعالیٰ بطورِ الہام اُن کے دل پر وارد کرے گا، جسے وہ کہہ کر لذت محسوس کریں گے۔ اس لیے کہ بہشت میں انہیں تسبیح وتہلیل بہشت کی تمام نعمتوں سے لذیذ تر محسوس ہوگی۔ بے شک محبوب کے نام کا ذوق صرف عاشق زار جانتا ہے، کہ اسے بہشت کی تمام نعمتوں سے خوشتر ہے۔

اگرچہ جنتِ فردوس میں بہت سی نعمتیں ہوں گی، لیکن عاشق کو وصل وصال سے خوشتر اور کوئی نعمت محسوس نہ ہوگی۔ اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس شبہ کا جواب دیا تھا، کہ آنحضرت ﷺ کو نبی بنانے کی کیا خصوصیت تھی، اس کے بعد درمیان میں مومنوں کا ذکر فرمایا، اور اب اِس اگلی آیت میں پھر مشرکین کے دوسرے شبہ کا جواب دیا ہے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ اگر پیغمبر علیہ السلام اپنے دعویٰ نبوت میں سچے ہیں اور ہم اُن کی مخالفت کرتے ہیں، تو اُن کی مخالفت کی وجہ سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا، کہ اگر تمہارے مطالبہ کی وجہ سے تم پر جلد عذاب بھیج دیا جاتا، تو اب تک تمہارا کام تمام ہو چکا ہوتا، لیکن اللہ تعالیٰ تمہیں اس لیے ڈھیل دیتا ہے، کہ تم اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہو ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ

اور اگر جلدی فرمادے اللہ لوگوں کے لیے تباہی کو، جس قدر جلدی وہ طلب کرتے ہیں بھلائی کو، تو پوری کردی جاتی ان کی مدت۔

فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۱﴾

تو ہم چھوڑے دیتے ہیں، انہیں جو امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی، کہ اپنی سرکشی میں ٹٹولتے رہیں●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (اگر جلدی فرمادے اللہ) تعالیٰ (لوگوں کے لیے) اُن کی بد اعمالیوں کی سزا میں (تباہی کو، جس قدر جلدی وہ طلب کرتے ہیں بھلائی کو)، یعنی دُنیا کے نفع کی طلب میں عجلت چاہتے ہیں۔۔ الغرض۔۔ نفع حاصل کرنے کے لیے جس عجلت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، تو اگر نقصان پہنچانے کے لیے بھی اُسی عجلت کا مظاہرہ کیا جاتا، (تو پوری کردی جاتی اُن کی مدت) اور انھیں کب کی موت آچکی ہوتی۔ چونکہ ہماری حکمتِ بالغہ سرکش لوگوں کو ڈھیل دیتی ہے، (تو ہم چھوڑ دیتے ہیں) اور ڈھیل دیتے ہیں (انہیں جو امید نہیں رکھتے ہمارے ملنے کی) یعنی جو حشر کے منکر ہیں، تا (کہ) وہ (اپنی سرکشی میں ٹٹولتے رہیں) اور بھٹکتے رہیں۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا ۚ فَلَمَّا

اور جب پہنچا مردک کو دکھ، تو پکارنے لگا ہم کو لیٹے، یا بیٹھے، یا کھڑے۔ پھر جب

كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَنْ لَمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ

ہم نے دور کردیا اس کا دکھ، چل دیا، گویا ہمیں پکارا ہی نہ تھا اس دکھ میں، جو اسے پہنچا تھا۔ اسی طرح

زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲﴾

اچھا لگادیا گیا قانون شکنوں کو، جو وہ کرتے تھے●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا، کہ اگر کفار کے مطالبہ پر دُنیا میں عذاب نازل کردیا جاتا، تو اب تک وہ سب مرچکے ہوتے، اور اِس آیت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ وہ بہت کمزور اور نہایت عاجز ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ یہ ایک حقیقت۔۔۔

(اور) امرواقعہ ہے، کہ (جب پہنچا) کسی کافر یا ولید ابن مغیرہ یا عتبہ بن ربیعہ جیسے (مردک) یعنی ذلیل و نالائق (کو) کوئی رنج و (دکھ، تو پکارنے لگا ہم کو) بالکل مخلصین کی طرح (لیٹے) یعنی اس وقت جب پڑا ہو کروٹ کے بل، اور اس رنج کے سبب سے صاحبِ فراش ہوگیا ہو، (یا بیٹھے یا کھڑے)

کھڑے سب حالوں میں۔۔یا۔۔ ہر قسم کے دُکھ درد کے واسطے دُعا کرنے لگا۔(**پھر جب ہم نے دو** **کر دیا اُس کا دکھ**) تو (**چل دیا**) اس راہِ کفر پر اور نافرمانی و ناشکری کے طریقے پر جس پر تھا۔۔یا یہ کہ۔۔ موقع دُعا سے چل دیتا ہے اور پھر اس مقام کی طرف نہیں پھرتا اور اس کی حالت سے کچھ ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے (**گویا**) اس نے (**ہمیں پکارا ہی نہیں تھا اُس دُکھ**) کی حالت (**میں جو اُسے پہنچا تھا**)۔

یہی احوال اکثر مسلمانوں کے بھی ہو گئے ہیں، کہ وہ مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعائیں کرتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس مصیبت کو دور کر دیتا ہے، تو وہ اس کو اس طرح بھول جاتے ہیں جیسے کسی مصیبت کے وقت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پکارا ہی نہ تھا۔۔المختصر۔۔کافروں کے بعض افراد جو ان مذکورہ بالا اوصاف سے موصوف تھے، وہ اپنے طرزِ عمل کو دانش مندی تصور کرنے لگے۔

۔۔الحاصل۔۔(**اسی طرح اچھا لگا دیا قانون شکنوں کو جو وہ کرتے تھے**) یعنی حد سے تجاوز کرنے والوں کے کرتوت اُن کے لیے خوشنما بنادیے گئے۔۔چنانچہ۔۔تضرع سے اعراض اور دُکھ درد دور ہونے کے بعد شہوات میں منہمک ہو جانا اُنہیں اچھا لگا، اسی لیے وہ اتباعِ شہوات اور تضییع عمر میں حد سے متجاوز ہو گئے۔ان اندھیر مچانے والوں نے اپنے سے پہلے والے اندھیر مچانے والوں سے کچھ سبق حاصل نہیں کیا۔تو اَے ظالمو! سنو۔۔۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور بیشک تباہ فرما دیا ہم نے سنگتوں کو تم سے پہلے، جب انھوں نے اندھیر مچایا۔ اور آئے ان کے پاس ان کے رسول

بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٣﴾

دلیلوں کو لے کر، اور وہ نہیں مانتے تھے۔ یونہی سزا ہم دیتے ہیں مجرم قوم کو●

(اور) یاد رکھو! کہ (**بے شک تباہ فرما دیا ہم نے سنگتوں کو تم سے پہلے جب انہوں نے اندھیر مچایا**)۔اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی، (اور) وہ بھی اس حال میں کہ (**آئے اُن کے پاس اُن کے رسول دلیلوں کو لے کر**) یعنی روشن دلیلوں اور واضح معجزات کے ساتھ تشریف لائے۔(اور) اُن کا حال یہ تھا کہ (**وہ نہیں مانتے تھے**)، یعنی وہ نہ تھے کہ ایمان لاتے اگر ہلاک نہ ہوتے اور زندہ رہتے۔اس سبب سے کہ ان میں ایمان لانے کی استعداد نہ تھی اور اللہ جل شانہ نے انھیں اس دولت سے بے نصیب کر دیا

تھا، تو جس طرح انہیں ہم نے سزا دی تکذیبِ رسل کی وجہ سے انہیں ہلاک کر کے۔ (یونہی سزا ہم دیتے ہیں مجرم قوم کو) یعنی مکہ کے مشرکین جیسوں کو، جو ہمارے حبیب ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ

پھر بنادیا ہم نے تم کو جانشین زمین میں ان کے بعد، تاکہ نظر کے سامنے کردیں کہ کس طرح

كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

کام کرتے ہو●

(پھر بنادیا ہم نے تم کو) اُن کا (جانشین زمین میں ان) گزشتہ امتوں کے فنا و برباد ہونے (کے بعد)۔ اس میں حکمت یہ ہے (تاکہ نظر کے سامنے کردیں کہ کس طرح کام کرتے ہو) یعنی تاکہ ہر دیکھنے والا تمہارے اعمال خیر و شر کو اپنی کھلی ہوئی آنکھوں سے دیکھ لے۔

اس ترجمہ کا حاصل یہی ہے، 'تاکہ ہم ظاہر فرمائیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو'۔ یہ بھی کہا گیا ہے، کہ تاکہ دیکھیں ہم ظاہر میں بعد اس کے کہ جان چکے ہیں غیب میں، کہ تم لوگ کیسے عمل کرو گے خیر و شر میں سے، تاکہ تمہارے ساتھ تمہارے اعمال کے موافق ہم معاملہ کریں۔ اگر نیک عمل ہوں تو نیک جزا دیں اور اگر بُرے عمل ہوں تو بُری سزا دیں۔۔۔

مشرکین مکہ میں سے پانچ افراد یعنی عبداللہ بن امیہ المخزومی، ولید بن مغیرہ، مکرز بن حفص، عمرو بن عبیداللہ بن ابی قیس العامری اور العاص بن عامر بن ہشام، آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے کہا، کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں، کہ ہم آپ پر ایمان لائیں، تو آپ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور قرآن لائیں، جس میں لات، عزیٰ اور منات کی عبادت سے ممانعت نہ ہو اور ان کی مذمت نہ کی گئی ہو، اور اگر اللہ ایسی آیتیں نازل نہ کرے، تو آپ ایسی آیتیں بنالیں۔۔۔یا۔۔۔ اِس قرآن کو بدل ڈالیں اور عذاب کی آیتوں کی جگہ رحمت کی آیتیں بنادیں۔۔۔یا۔۔۔حرام کی جگہ حلال اور حلال کی جگہ حرام لکھ دیں۔ کفار جو آپ سے یہ مطالبہ کرتے تھے، کہ آپ کوئی اور قرآن لے آئیں۔۔۔یا۔۔۔اِسی قرآن کو بدل ڈالیں، تو اُن کا یہ مطالبہ بطورِ استہزاء تھا۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ آپ سے یہ مطالبہ کرتے ہوں اور اس سے ان کی غرض یہ ہو، کہ اگر آپ نے ان کا یہ مطالبہ مان لیا، تو آپ کا یہ دعویٰ باطل ہوجائے گا، کہ

یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا نازل کیا ہوا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ واقعی وہ کوئی اور کتاب چاہتے ہوں، کیونکہ یہ قرآن اُن کے معبودوں کی مذمت پر مشتمل ہے اور اُن کے معمولات کو باطل قرار دیتا ہے۔ اس لیے وہ کوئی اور کتاب چاہتے تھے جس میں یہ چیزیں نہ ہوں۔۔۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں صاف کھلی، تو بولے جو نہیں رکھتے امید ہمارے ملنے کی، "کہ دوسرا

بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ

قرآن لاؤ، یا اس کو بدل ڈالو" جواب دیدو "کہ یہ میرا کام نہیں، کہ اس کو بدل دوں

تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

اپنی طرف سے"۔ "میں نہیں کہتا سنتا مگر جو وحی بھیجی گئی میری طرف"۔ بیشک میں ڈرتا ہوں

اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾

اگر میں گناہ کرتا اپنے پروردگار کا، بڑے دن کے عذاب کو●

کفار کے مذکورہ بالا مطالبے (اور) ان کی خواہش کو بیان فرمایا جارہا ہے، کہ (جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں صاف کھلی، تو بولے جو نہیں رکھتے امید ہمارے ملنے کی) یعنی مشرکین مکہ (کہ دوسرا قرآن لاؤ) اس قرآن کے سوا جو آپ ہم پر پیش کرتے ہیں۔ وہ بھی ایسی کتاب ہو جس میں بعث ونشر، ثواب وعذاب کا ذکر اور ہمارے خداؤں کی مذمت نہ ہو۔ (یا اس کو بدل ڈالو) اور اس کو ہماری خواہش کے مطابق بناڈالو۔

اے محبوب! (جواب دے دو کہ یہ میرا کام نہیں کہ اس کو بدل دوں اپنی طرف سے۔ میں نہیں کہتا سنتا مگر جو وحی بھیجی گئی میری طرف) یعنی میں قرآنِ مجید کے پہنچانے اور اس کی تلاوت کرنے میں وحی کی اتباع کرتا ہوں اور اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی اور تغیر وتبدل نہیں کرتا، اور نہ مجھ کو اس کا اختیار ہے۔ (بیشک میں ڈرتا ہوں) کہ اپنے رب کے قرآن کو بدل کر (اگر میں گناہ کرتا اپنے پروردگار کا بڑے دن) یعنی قیامت کے دن (کے عذاب کو)۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۣ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ

سمجھاؤ، کہ "اگر اللہ چاہتا تو میں نہ اس کی تلاوت کرتا تم پر، اور نہ وہ تمہیں اُسے بتاتا"۔ "میں تو رہ چکا ہوں تم میں

عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

ایک عمر اس سے پہلے، تو کیا عقل نہیں رکھتے"•

اُے محبوب! اُن نادانوں کو (سمجھاؤ کہ اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا، تو میں نہ اُس کی تلاوت کرتا تم پر اور نہ) ہی (وہ تمہیں اُسے بتاتا)۔ یہ تو اسی کے فضل و کرم کا اثر ہے، کہ مجھے تو قرآن پڑھنے کا حکم کیا اور تمہیں اُس کا سمجھنا بتا دیا۔ (میں تو رہ چکا ہوں تم میں ایک) اچھی خاصی بڑی (عمر)، کہ چالیس برس کا زمانہ ہوا (اس) قرآن کریم کے نازل ہونے (سے پہلے)۔ یعنی جس زمانہ میں مبعوث نہ ہوا تھا، تو نہ میں قرآن پڑھتا تھا اور نہ تم اُسے جانتے تھے۔ (تو کیا عقل نہیں رکھتے) ہو؟

پھر کیوں نہیں دریافت کر لیتے تم اور کیوں نہیں سمجھ لیتے، کہ جو شخص چالیس برس تم میں رہا اور اس نے علم کا شغل نہیں کیا اور کسی عالم کے پاس نہیں بیٹھا اور اب وہ تم پر ایسا کلام پڑھتا ہے، کہ عرب کے بڑے بڑے فصیح اس کی فصاحت سے حیران ہیں اور بڑے بڑے بلیغ اس کی بلاغت سے متحیر ہو کر دانت کے نیچے انگلی دابتے ہیں۔ تو بیشک اس بات سے تم دلیل پکڑ سکتے ہو، کہ ایسا کلام ایسے مرد سے ظاہر ہونا خرقِ عادت ہے۔ پس قرآن رسالت کا معجزہ اور سعادت کا وسیلہ ہے۔

پہلی آیت کا مضمون یہ ہے، کہ۔۔۔

میں قرآن بدلنے پر خدا پر افتراء نہیں کرتا ہوں اور تم افتراء کرتے ہو، کہ کلام اللہ کو میرا کلام جانتے ہو۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ

پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے، جس نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹ، یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو۔

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

بے شک ناکام ہیں مجرم لوگ•

(پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے بہتان باندھا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ یا جھٹلایا اس کی آیتوں کو) اور اس کے سبب سے کافر ہو گیا۔ (بے شک ناکام ہیں مجرم لوگ) یعنی کافر لوگ جو کبھی بھی نجات نہ پائیں گے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ

اور پوجتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر بنائے ہوئے کو، جو نہ ان کا بگاڑ سکے اور نہ بنا سکے۔ اور کہتے ہیں

هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ

"کہ یہ سب ہمارے دنیا کے سفارشی ہیں اللہ کے یہاں"۔ رد کردو" کہ کیا اللہ کو ایسی بات بتاتے ہو، جس کا کوئی پتہ نہیں

فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱۸

آسمانوں میں اور نہ زمین میں"۔ وہ پاک و بالا ہے، ان کے شرک سے●

(اور) جن کا یہ حال ہے، کہ (پوجتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اپنے (بنائے ہوئے) ایسے (کو، جو نہ ان کا بگاڑ سکے) یعنی اگر وہ اس کی پرستش چھوڑ دیں، تو وہ انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے (اور نہ ہی (بنا سکے) یعنی انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکے، خواہ وہ اپنے سارے اوقات اسی کی پرستش میں لگا دیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ وہ کنکر پتھر ہیں، جو کسی کا کچھ بگاڑ بنا نہیں سکتے۔ حالانکہ معبود ایسا چاہیے جس کی قدرت ثواب اور عذاب دینے سے متعلق ہو، تاکہ بندے نفع حاصل کرنے اور ضرر دور کرنے کی امید پر اس کی عبادت کریں۔ (اور) یہ نادان (کہتے ہیں کہ یہ سب ہمارے دنیا کے سفارشی ہیں اللہ کے یہاں) یعنی خدا کے پاس دنیا کے کاموں میں ہماری شفاعت کرتے ہیں۔

تو اے محبوب! تم اُن کی فضول گوئی کو (رد کردو) اور پوچھو (کہ کیا) تم لوگ (اللہ) تعالیٰ (کو ایسی بات بتاتے ہو، جس کا کوئی پتا نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں)۔ یعنی تم کہتے ہو، کہ خدا کا شریک ہے اور بتوں کی شفاعت ثابت کرتے ہو اور خدا جو سب معلومات کا عالم ہے، وہ یہ نہیں جانتا۔ تو معلوم ہوا کہ نہ تو اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی بت شفاعت کریں گے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو جس چیز کے موجود ہونے کا علم نہ ہو، واجب ہے کہ وہ چیز موجود نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا، کہ اللہ تعالیٰ کا شریک فی نفسہٖ محال ہے۔۔۔یا۔۔۔معنی یہ ہے، کہ کیا خبر کرتے ہو تم خدا کو اس چیز کی جو زمین آسمان میں کہیں نہیں، یعنی شریک باری تعالیٰ۔

۔۔حالانکہ۔۔خدائے وحدہٗ لاشریک کی شان یہ ہے، کہ (وہ پاک و بالا ہے اُن کے شرک سے)۔

مشرکوں کی یہ مشرکانہ حرکتیں سیدنا آدم علیہ السلام کے عہد سے نہیں تھیں، اس زمانے میں سب دین اسلام پر متفق تھے۔۔۔یونہی۔۔۔طوفان آنے کے بعد حضرت نوح کی کشتی میں جو لوگ تھے، وہ مسلمان ہی تھے۔ اس سے ظاہر۔۔۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اور پہلے کے لوگ نہ تھے مگر ایک امت، پھر اختلاف کرنے لگے۔ اور اگر ایک بات

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ١٩

تمہارے پروردگار کی پہلے سے طے نہ ہوتی، تو ضرور فیصلہ کردیا جاتا ان کا جس جس چیز میں اختلاف کرتے ●

(اور) روشن ہوگیا، کہ (پہلے کے لوگ نہ تھے مگر ایک امت) اسلامیہ، (پھر) شیطانی حرکتوں اور نفسانی خواہشات کے دباؤ میں آکر آپس میں ایک دوسرے سے (اختلاف کرنے لگے)، اور مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ تو بعض اپنے عہد میں مبعوث ہونے والے رسولوں پر ایمان لے آئے اور بعض اپنے کفر پر ڑٹے رہے۔۔ یا یہ کہ۔۔ اہل عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دین پر متفق و متحد تھے، پھر عمر بن لحی کے سبب سے مختلف ہوگئے، کیونکہ اس نے جاہلیت کے احکام اختراع کیے اور گمراہی پھیلادی۔ ۔۔یا یہ کہ۔۔ سب لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت کے زمانے میں کفر پر متفق تھے، پھر اختلاف کیا انہوں نے رسولوں کے مبعوث ہونے کی وجہ سے۔۔ بایں طور۔۔ کہ بعض ایمان لائے اور بعض کفر ہی پر اڑے رہے۔ (اور اگر ایک بات تمہارے پروردگار کی پہلے سے طے نہ ہوتی) اور تیرے رب کی طرف سے عذاب کی تاخیر کا حکم ازلی جاری نہ ہوچکا ہوتا، اور اللہ تعالیٰ کا اس تعلق سے یہ فرمان نہ ہوچکا ہوتا، کہ عذاب و ثواب کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، (تو ضرور فیصلہ کردیا جاتا ان کا جس جس چیز میں اختلاف کرتے) یعنی عذاب آتا اور جو لوگ باطل پر ہوتے، وہ ہلاک ہوجاتے اور جو حق پر ہوتے، وہ زندہ رہ جاتے۔

اگلی آیت میں آنحضرت ﷺ کی نبوت پر مشرکین کا ایک شبہ اور پھر اس کا جواب ارشاد فرمایا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اس قرآن کے علاوہ کوئی اور معجزہ پیش کریں۔۔ مثلاً: ان پہاڑوں کو سونے کا بنادیں۔۔ یا۔۔ آپ کا گھر سونے کا ہوجائے۔۔ یا۔۔ ہمارے مُردہ باپ دادا کو زندہ کردیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ مجید خود عظیم معجزہ ہے، کیونکہ نبی ﷺ اُن کے درمیان پیدا ہوئے اور آپ نے وہیں نشو ونما پائی اور اُن کے سامنے آپ نے چالیس سال تک زندگی گزاری اور اُن کو معلوم تھا، کہ آپ نے کسی استاد سے پڑھا ہے نہ کسی کتاب کا مطالعہ کیا

ہے، پھر آپ نے یکا یک اس قرآن کو پیش کر دیا، جس کی فصاحت اور بلاغت بے نظیر تھی اور جس میں اولین اور آخرین کی خبریں تھیں اور تہذیبِ اخلاق، تدبیرِ منزل اور ملکی اور بین الاقوامی معاملات کے احکام تھے اور جس شخص کو تعلیم کے اسباب مہیا نہ ہوئے ہوں، اس سے اس قسم کے کلام کا صادر ہونا بغیر وحی الٰہی کے محال ہے۔

سو یہ قرآن کریم آپ کی نبوت پر قاہر معجزہ ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی اور معجزے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں، اور اس کے بعد کوئی اور معجزہ نازل کرنا۔۔یا۔۔نہ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ چاہے تو کوئی معجزہ ظاہر کرے اور چاہے تو نہ کرے۔ سو یہ اب بابِ غیب سے ہے۔ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت ثابت ہو چکی ہے اور آپ کے دعویٰ رسالت کا صدق ظاہر ہو چکا ہے۔ اس تعلق سے کفار کا یہ بھی مطالبہ تھا کہ اگر یہ نبی برحق ہیں، تو ان کی تکذیب سے ہم پر عذابِ الٰہی کیوں نہیں نازل ہو جاتا۔۔ چنانچہ۔۔اُن کے خیال کی ترجمانی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا جاتا ہے، کہ مشرکینِ مکہ کٹ حجتی کرتے ہیں۔۔۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ

اور چھیڑتے ہیں" کہ کیوں نہ اتاری گئی ان پر پروردگار کی طرف سے عذابی نشانی"۔ تو جواب میں کہہ دو" کہ الغیب عند اللہ،

فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٢٠﴾ ع

تم عذاب کا انتظار کرتے رہو، میں بھی تمہاری تباہی کا منتظر ہوں"●

(اور) خواہ مخواہ کے لیے اہل ایمان کو (چھیڑتے ہیں، کہ کیوں نہ اُتاری گئی اُن پر پروردگار کی طرف سے عذابی نشانی) جو انہیں ان کی سرکشی کے نتیجے میں ہلاک کر دے۔ (تو جواب میں کہہ دو، کہ 'الغیب عند اللہ') یعنی ان نشانیوں کے نازل فرمانے کا تعلق عالم غیب سے ہے اور بے شک یہی حقیقت ہے، کہ غیب اللہ ہی کے واسطے ہے، شاید کہ تمہارے مانگے ہوئے معجزات و آیات کا انجام کار تمہاری ہلاکت ہو اور رب کریم اپنی کسی حکمتِ بالغہ کے تحت ابھی تمہیں ہلاک فرمانا نہ چاہتا ہو۔۔ خیر۔۔ اگر (تم عذاب کا انتظار) کر رہے ہو، تو (کرتے رہو، میں بھی تمہاری تباہی کا منتظر ہوں)۔

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا، کہ مشرکین آپ سے قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور معجزہ طلب کرتے ہیں اور ان کی یہ طلب محض عناد اور کٹ حجتی کے لیے تھی اور اس سے اُن کا

مقصد ہدایت کو طلب کرنا نہیں تھا۔اسی معنی کو مؤکد کرنے کے لیے فرماتا ہے کہ جب اللہ مصیبت کے بعد ان پر رحمت فرماتا ہے،تو یہ اللہ کی آیتوں کی مخالفت میں سازش کرنے لگتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔اہل مکہ کی عجب روش ہے۔۔۔

وَإِذَآ أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ

اور جب مزہ دے دیا لوگوں کو رحمت کا، بعد کسی زحمت کے جو انھیں پہنچی، اسی وقت ان کا داؤں ہوتا ہے

فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾

ہماری آیتوں سے۔کہہ دو کہ اللہ مکر کی خبر جلد لینے والا ہے۔ بیشک ہمارے قاصد لکھتے جاتے ہیں جو فریب کرتے ہو●

(اور) اُن کا عجیب طریقہ ہے، کہ **(جب مزہ دے دیا) ان (لوگوں کو رحمت کا بعد کسی زحمت کے جو اُنہیں پہنچی)**۔۔مثلاً: بیماری کے بعد صحت۔۔یا۔۔تنگی وقحط کے بعد فراخی اور ارزانی **(اُسی وقت اُن کا داؤں ہوتا ہے ہماری آیتوں سے)**، یعنی ہماری آیتوں پر طعن کرتے ہیں اور رسولِ مقبول ﷺ کے باب میں مکروفریب کرتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔اہل مکہ سات برس تک قحط میں مبتلا رہے۔جب رحمتِ الٰہی نے وہ بلا ان سے دفع کی، تو کلام الٰہی میں ردوقدح کرنے لگے اور حضرت رسالت پناہی ﷺ کے درپے ہو کر فریب اور حیلے ڈھونڈنے لگے۔

تو اَے محبوب! اُن سے **(کہہ دو کہ اللہ)** تعالیٰ تمہارے **(مکر کی خبر جلد لینے والا ہے)** اور تمہارے مکر کا جواب عذاب کی شکل میں جلد عطا فرمانے والا ہے۔اور اچھی طرح سن لو! کہ **(بے شک ہمارے قاصد)** یعنی نامۂ اعمال کے لکھنے والے فرشتے **(لکھتے جاتے ہیں جو فریب کرتے ہو)**۔تو جب تمہاری پوشیدہ تدبیر میرے فرشتوں پر نہیں چھپتی، تو مجھ پر کب مخفی رہے گی۔

اِس کلام کا حاصل یہ ہے کہ انتقام، محقق ہے۔اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا، کہ جب ہم مصیبت پہنچنے کے بعد لوگوں کو رحمت کی لذت چکھاتے ہیں، تو وہ اسی وقت ہماری آیتوں کی مخالفت میں سازشیں کرنے لگتے ہیں۔اب اِن اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ اُن کے مکر کی مثال بیان فرما رہا ہے، کہ جب اِنسان سمندر میں کسی کشتی میں بیٹھ کر سفر کرتا ہے اور ہوائیں اس کے موافق ہوتی ہیں، تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔پھر اچانک تیز آندھیاں آجاتی ہیں،

ہر طرف سے طوفانی لہریں اٹھتی ہیں اور وہ گرداب میں پھنس جاتا ہے، اس وقت اس کو اپنے ڈوبنے کا یقین ہو جاتا ہے اور نجات کی بالکل امید نہیں ہوتی، اس پر سخت خوف اور شدید مایوسی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

جن باطل معبودوں کی وہ اب تک پرستش کرتا آیا تھا، اُن کی بے چارگی اس پر عیاں ہو جاتی ہے، اور کٹر سے کٹر مشرک بھی اس وقت اللہ عزوجل کے سوا اور کسی کو نہیں پکارتا اور اس کے علاوہ اور کسی سے دُعا نہیں کرتا، اور جب تمام مخلوق سے امیدیں منقطع ہو جاتی ہیں، تو وہ اپنے جسم اور روح کے ساتھ صرف اللہ عزوجل کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور صرف اسی سے فریاد کرتا ہے۔

--چنانچہ--ام حکیم بنت الحارث، عکرمہ بن ابی جہل کے عقد میں تھیں، فتح مکہ کے دن وہ اسلام لے آئیں اور اُن کے خاوند عکرمہ مکہ سے بھاگ گئے۔ وہ ایک کشتی میں بیٹھے، وہ کشتی طوفان میں پھنس گئی۔ عکرمہ نے لات وعُزیٰ کی دہائی دی، کشتی والوں نے کہا، کہ اس طوفان میں جب تک اِخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو نہیں پکارو گے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ کے سوا اس طوفان سے کوئی نجات نہیں دے سکتا، تب عکرمہ کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے دل میں سوچا کہ اگر سمندر میں صرف اللہ فریاد کو سنتا ہے، تو خشکی میں بھی اس کے سوا کوئی کام نہیں آسکتا۔

انہوں نے قسم کھائی، کہ اگر اللہ نے مجھے اس طوفان سے بچالیا، تو میں پھر سیدھا سیدنا محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور اسلام قبول کرلوں گا۔ پھر انہوں نے ایسا ہی کیا۔--

المختصر--مصائب وشدائد میں صرف اللہ کی طرف رجوع کرنا انسانی فطرت ہے۔ اسی فطری تقاضے کو نمایاں کرنے کے لیے ارشاد ہوتا ہے، کہ---

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَجَرَيْنَ

وہی ہے جو سیر کراتا ہے تم لوگوں کو خشکی اور تری میں۔ چنانچہ جب تم کشتی میں تھے، اور وہ چلیں

بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ

انھیں لے کر اچھی ہوا سے، اور وہ سب اس سے خوش ہوئے تھے، کہ آگئی انکے پاس تیز آندھی، اور آئی انکے پاس طوفانی لہر

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ

ہر طرف سے، اور وہ سمجھے کہ اب ڈبوئے گئے، تو پکارا سب نے اللہ کو خالص

لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

دیندار ہوکر۔" کہ اگر تو نے بچالیا ہم کو اس سے، تو ہم ضرور شکر گزار ہونگے"●

(وہی ہے جو سیر کراتا ہے تم لوگوں کو خشکی اور تری میں) خشکی میں اونٹ اور گھوڑے وغیرہ سے اور تری میں کشتی و جہاز سے، (چنانچہ جب تم کشتی میں تھے اور وہ چلیں انہیں لے کر اچھی ہوا سے) جو آہستہ چلتی ہے (اور وہ سب اس سے خوش ہوئے تھے)۔

مذکورہ بالا کلام میں 'تمہیں لے کر' کی جگہ 'انہیں لے کر' ارشاد فرمانا اور خطاب سے غیبت کی طرف پھر جانا، اس کا فائدہ مبالغہ ہے۔ یعنی یہ صورت ہے نصیحت کی غیر مخاطبوں کو بھی، تاکہ اس قوم کے احوال سے متعجب ہوں جو کشتی میں بیٹھے ہیں اور کشتی انہیں موافق ہوا کے ساتھ جو کشتی کی بہتری کے انداز میں چلتی ہے، لیے جاتی ہے۔ اور خوش ہوتے ہیں وہ لوگ اس ہوا کے سبب سے۔

پھر اچانک یہ ہوگیا (کہ آگئی ان کے پاس تیز آندھی اور آئی اُن کے پاس طوفانی لہر) کشتی کے دائیں، بائیں، آگے، پیچھے (ہر طرف سے)۔ اس صورت میں انہیں یقین ہوگیا (اور وہ سمجھے کہ اب ڈبوئے گئے) یعنی انہیں بلاؤں نے ہر طرف سے گھیر لیا ہے، تو اب غرق ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہیں، (تو پکارا سب نے اللہ) تعالیٰ (کو خالص دیندار ہوکر، کہ اگر تو نے بچالیا ہم کو اس) بلاء (سے، تو ہم ضرور شکر گزار رہوں گے) تیری نعمتِ نجات پر۔

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ

پھر جب اللہ نے بچالیا ان کو، تو اس وقت وہ تل گئے ملک میں ناحق پر۔ اے لوگو!

اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا

تمہاری زیادتی خود تمہیں پر وبال ہے۔ دنیاوی زندگی کا رہن سہن ہے، پھر ہماری طرف

مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

تمہارا لوٹنا ہے، تو ہم بتائینگے تمہیں جو کیا کرتے تھے●

(پھر جب اللہ) تعالیٰ (نے بچالیا ان کو) اس بلاء سے جس سے وہ ڈرتے تھے۔ یعنی جب حق تعالیٰ انہیں اس ورطہ سے نجات دیتا ہے اور ڈوبنے سے بچالیتا ہے، (تو اس وقت) دیکھ انہیں کہ

(وہ تُل گئے ملک میں ناحق پر) اور زمین میں ظلم کرنے لگے اور انہیں کاموں کو انجام دینے لگے جو پہلے کرتے تھے۔۔الغرض۔۔شرک وفساد پر اتر آئے، حالانکہ وہ بھی بخوبی جانتے ہیں، کہ وہ اپنے فساد بر کرنے والے عمل میں باطل ہیں۔

اس مقام پر چند اہم اور بنیادی حقائق کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، تاکہ بشمول صحابۂ کرام بکثرت صالحین امت کے عقائد ونظریات اور اُن کے معمولات کو باطل قرار دینے کی جسارت وحماقت سے اپنے کو بچایا جاسکے۔ کسی کے بھی اقوال وافعال کے کفری۔۔یا۔۔غیر کفری ہونے کا فیصلہ خود اُس کے نظریات وخیالات کی روشنی ہی میں کیا جائے گا۔

۔۔مثلاً: اگر کسی دہریہ، منکرِ خدا نے کہا، کہ: 'انبت الربیع البقل' موسم بہار نے سبزیاں اُگائیں۔تو خود اس قائل کے نظریہ کے پیش نظر یہ کلمۂ کفر ہے، اس لیے کہ وہ موسم بہار ہی کو موثرِ حقیقی مان کر یہ کہہ رہا ہے، اور ظاہر ہے کہ موسم بہار کو خالق وموثر حقیقی ماننا کفر ہے۔ اس کے برخلاف اگر مذکورہ بالا یہی کلام کسی مسلمان کی زبان سے نکلے، تو کفر تو بڑی بات، مکروہ بھی نہیں۔ اس لیے کہ قائل کا مسلمان ہونا روشن دلیل ہے، کہ اس کے اس کلام کا مطلب صرف یہ ہے کہ۔۔۔'اللہ تعالیٰ نے سبزیاں اُگائیں موسم بہار کے ذریعے'۔

۔۔یونہی۔۔اگر کسی منکرِ خدا نے کہا، کہ 'پانی نے پیاس بجھادی'۔۔'دوا نے اچھا کردیا'۔۔ 'کھانے نے بھوک مٹادی'۔۔'آگ نے جلادیا'۔اور۔'زہر نے ماردیا'۔۔وغیرہ، وغیرہ۔تو چونکہ وہ خدا پر ایمان لانے والا نہیں، تو ان سب کو جو دَرحقیقت صرف اسباب ہیں، موثر حقیقی سمجھ کر یہ سب کچھ کہہ رہا ہے، تو اس کا ہر ہر جملہ 'کفر صریح' ہے۔لیکن اگر من وعن یہی الفاظ مسلمان کی زبان سے نکلیں تو اس کے نظریہ کی روشنی میں ان کا بالترتیب یہ معنی ہوتا ہے، کہ خدا نے پیاس بجھادی پانی کے ذریعہ۔۔خدا نے اچھا کردیا دوا کے ذریعہ۔۔خدا نے بھوک مٹادی کھانے کے ذریعہ۔۔خدا نے جلادیا آگ کے ذریعہ۔۔اور خدا نے ماردیا زہر کے ذریعہ۔تو اس نظریہ کی روشنی میں 'موثر حقیقی' اور 'مسبب الاسباب' صرف خدا ہی ہے اور باقی سب اسباب ہیں۔

اسباب کی طرف افعال کی نسبت کرنا صرف عوامی بول چال ہی میں نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید اور احادیث کریمہ وغیرہ میں بھی بے شمار ہے، اہل علم جس سے بے خبر نہیں۔۔۔ہاں۔۔یہ ضرور ہے کہ جب فعل کی نسبت 'مسبب الاسباب' کی طرف ہو، تو وہ 'حقیقت' ہے اور اگر کسی سبب

کی طرف ہو، تو وہ 'مجاز' ہے۔ اس مختصر سی وضاحت کے بعد یہ بات روشن ہوگئی، کہ مسلمانوں کے افعال واقوال کو کافروں کے افعال واقوال پر قیاس کرنا بالکل باطل ہے اور 'قیاس مع الفارق' کی بدترین قسم ہے۔

مصائب وشدائد میں اگر کافر خدا کو پکارتا ہے، تو یہ اس کے ایمانِ اضطراری کا نتیجہ ہے۔ اس کے برخلاف اگر مسلمان ان حالات میں خدا کو پکارتا ہے، تو وہ اس کے ایمانِ اختیاری اور صالح نظریات کا ثمرہ ہے۔۔ یونہی۔۔ کفار اگر بتوں کو پکارتے ہیں، تو ان کو اپنا معبود اور اپنا خدا سمجھ کر پکارتے ہیں۔۔ نیز۔۔ ان کا باطل گمان ہے، کہ خدا نے ان بے جان پتھروں کو ہمارا شفیع بنادیا ہے جنھیں دنیاوی امور میں ہمارے حق میں اِذنِ شفاعت مل چکا ہے۔ یہ ہمارے لیے جو چاہیں خدا سے بالجبر کرا سکتے ہیں۔

۔۔الختصر۔۔ یہ خدائی اختیارات کے حامل ہیں۔ حالانکہ کافروں کے یہ سارے خودساختہ خیالات باطل ہیں۔ نہ تو ان پتھروں کو اِذنِ شفاعت ملا ہے اور نہ ہی وہ کسی کی شفاعت کرنے پر قادر ہیں۔۔ بلکہ۔۔ اُن کا کسی کے لیے شفیع نہ ہونا ہی خدائی ارشاد سے ثابت ہے، تو ایسوں کو شفیع قرار دینا جن کا شفیع نہ ہوسکنا 'نص صریح' سے ثابت ہو، ان کافروں کا 'کفر صریح' ہے۔ اور پھر اپنے ان مزعومہ سفارشیوں کو پوجنا، یہ اُن کا 'شرکِ جلی' ہے۔

اب رہ گیا مسلمانوں کا حال، تو شدائد وتکالیف میں یہ جو انبیاء واولیاء سے توسل کرتے ہیں اور طالبِ امداد ہوتے ہیں، تو وہ اُن کو معبود سمجھ کر نہیں، بلکہ خدا کا محبوب سمجھ کر کرتے ہیں۔ جن کی محبوبیت منصوص ہے۔ جنھیں دنیا وآخرت دونوں جگہ کے لیے اِذنِ شفاعت دیا جاچکا ہے۔ جن کا شفیع ہونا قرآنِ کریم اور احادیثِ رسول۔۔ نیز۔۔ ارشاداتِ علمائے ربانیین سے ثابت ہے۔ جو خود مدد مانگنے والے کے نزدیک بھی 'نصرتِ الٰہی' اور 'عونِ ربانی' کے مظاہر ہیں۔ اُن کی مدد درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی نصرت ہے اور ان سے مدد مانگنی خود ربِّ کریم ہی سے مدد طلب کرنی ہے۔۔ الختصر۔۔ اُن کو مدد کے لیے پکارنا درحقیقت خدا ہی کو مدد کے لیے پکارنا ہے۔

اُن کی حقیقت اسباب کی ہے، نہ کہ مسبب الاسباب کی۔ ہر حال میں موثر حقیقی حق تعالیٰ ہی ہے اور یہ محبوبانِ بارگاہ، اُس کے اِطاعت شعار اور فرمانبردار خاص بندے ہیں۔۔۔ مسلمانوں اور کافروں کے عمل میں ایک بنیادی فرق یہ بھی ہے، کہ مسلمان جب مصائب و

آلام میں بالواسطہ۔۔یا۔۔ بلا واسطہ رب کریم کو پکارتا ہے اور رب اکرم اُس کو نجات دیدیتا ہے، تو وہ خدا کا شکر گزار ہی ہوتا ہے اور خدا کی پرخلوص اطاعت کی جدو جہد میں لگ جاتا ہے۔ اِس کے برخلاف کفار کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نجات پاتے ہی ظلم وزیادتی اور کفر وطغیان کے امور انجام دینے لگتے ہیں، تو ایسے لوگوں سے ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

(اَے لوگو! تمہاری زیادتی خود تمہیں پر وبال ہے) یعنی اِس کا وبال خود تم ہی پر پڑے گا اور اس کی سزا صرف تمہیں ملے گی، نہ انہیں جن پر تم بغاوت پھیلا رہے ہو۔ اگرچہ تم یہی سمجھتے ہو، کہ تمہاری اس بغاوت سے انہیں نقصان ہے اور تمہیں فائدہ، اور تمہارا یہ گمان سراسر غلط ہے۔ تو سن لو کہ یہ جو **(دنیاوی زندگی کا رہن سہن ہے)** اس سے چندروزہ نفع اٹھاؤ گے اور تمہیں معلوم ہے کہ دُنیا اور اس کی تمام لذات فانی اور چندروزہ ہیں اور اس کی سزائیں مجرموں کے لیے دائمی اور باقی ہیں۔ جو کوئی برائی کرتا ہے، وہ یقیناً اپنے ساتھ کرتا ہے **(پھر ہماری طرف تمہارا لوٹنا ہے، تو ہم بتائیں گے تمہیں جو کیا کرتے تھے)** یعنی دُنیا میں جن اعمال کا تم ارتکاب کرتے تھے ان کی تمہیں سخت سزا دیں گے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ اَے لوگو! تمہاری بغاوت صرف تمہارے ہی لیے مضر ہے، اب اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے متعلق ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے، جو دُنیا کی لذتوں اور مرغوبات میں منہمک ہوکر آخرت سے اعراض کرتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ

دنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہی ہے، جیسے پانی، جسکو اتارا ہم نے آسمان سے، پھر گنجان پیدا ہوئی اس سے

نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ

زمین کی سبزیاں، جس کو انسان کھاتا ہے اور چوپائے۔ یہاں تک کہ جب لے لیا

الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ

زمین نے اپنی آرائش کو اور سج گئی، اور وہاں والے سمجھ بیٹھے، کہ وہ قابو پاگئے اس پر،

اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ

کہ آیا اس کے پاس ہمارا عذاب رات یا دن کو، تو کر دیا ہم نے اس کو جلی کٹی، گویا کل ہی نہ تھی۔

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٤﴾

اس طرح ہم تفصیل فرماتے ہیں آیتوں کی، سوچنے والوں کیلئے●

(دُنیاوی زندگی کی مثال ایسی ہی ہے جیسے) بارش کا (پانی، جس کو اُتارا ہم نے آسمان سے) یا ابر سے، (پھر گنجان پیدا ہوئی اس سے زمین کی سبزیاں)۔۔مثلاً: غلہ، پھل اور ساگ وغیرہ (جس کو انسان کھاتا ہے اور) ہری سوکھی گھاس، جس کو (چوپائے) کھاتے ہیں۔(یہاں تک کہ جب لے لیا زمین نے اپنی آرائش کو اور سج گئی) طرح طرح کے پھولوں اور پھلوں سے (اور وہاں والے سمجھ بیٹھے کہ وہ قابو پاگئے اس پر)، یعنی اس کی کھیتی کاٹنے اور میوے چننے پر، اچانک ایسا ہوا (کہ آیا اس کے پاس ہمارا عذاب رات یا دن کو) یعنی ہمارا حکم اس کی خرابی کی نسبت پہنچ گیا۔

(تو کر دیا ہم نے اس کو جلی کٹی) یعنی ایسی جیسے کٹی ہوئی۔۔یا۔۔جڑ سے اکھڑی ہوئی (گویا کل ہی) کچھ (نہ تھی)۔جیسے ہم نے اس مثال میں تفصیل کی (اس طرح ہم تفصیل فرماتے ہیں آیتوں کی) یعنی علیحدہ کرتے ہیں اور ظاہر کر دیتے ہیں ہم اپنی قدرت کی دلیل (سوچنے والوں کے لیے) یعنی اُن کے لیے جو ضرب المثل میں غور وفکر کرتے ہیں اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔۔۔

نعمت لُٹ جانے، مال ضائع ہو جانے اور وفورِ اقبال کے بعد ظہورِ ادبار میں حق تعالیٰ دُنیا کو مشابہت دیتا ہے گھاس کے حال کے ساتھ، کہ تروتازہ ہو کر خشک، بدرنگ اور بے رونق ہو جاتی ہے۔جس طرح گھاس میں پہلے تو سرسبزی ہے، پھر بدرنگی۔اُسی طرح دُنیا کی دولت میں بھی پہلے مسرت ہے اور آخر میں حسرت میں کھپنا ہے۔جس طرح بارش کا پانی آدمی کے حیلے اور تدبیر سے نہیں برستا، بلکہ تقدیر اور مشیتِ الٰہی سے برستا ہے، اُسی طرح دنیا کا مال بھی کوشش، بناوٹ، مکر اور جعل سے مجتمع نہیں ہوتا، بلکہ حکمِ ازلی اور قسمتِ لم یزلی سے ملتا ہے۔

۔۔یونہی۔۔جس طرح بارش کا پانی جب تک جاری رہتا ہے، پاک صاف کہلاتا ہے۔اور جب کسی جگہ مدت تک ٹھہرا رہتا ہے، تو اُس کا رنگ، بُو، مزہ، سب بدل جاتا ہے، اور فائدہ حاصل ہونا اس سے جاتا رہتا ہے۔اُسی طرح دُنیا کا مال بھی اگر جواں مردوں کے خرچ کرنے سے مختلف ہاتھوں میں اِدھر اُدھر پھرتا رہے، تو اچھا اور مقبول ہوتا ہے اور اگر بخیلوں اور خسیسوں کے بخل اور اِمساک میں پھنسا، تو بُرا اور نامقبول ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جس طرح پانی انداز سے بقدر حاجت برستا ہے، تو آدمیوں کی آسائش اور اہل عالم کی آرائش کا سبب ہوتا ہے، اور اگر حد سے زیادہ برستا ہے، تو عالَم کی خرابی اور بنی آدم کی حیرانی کا باعث ہوتا ہے۔اِسی طرح مالِ دُنیا بھی جب بقدرِ حاجت ہاتھ آتا ہے، تو دین ودُنیا کے مقاصد بر آتے ہیں اور دور ونزدیک اس کا فائدہ پہنچتا ہے، اور جب مالِ دُنیا

زیادہ ہو جاتا ہے اور خزانہ جمع ہوتا ہے، تو خرابی آتی ہے، آدمی گناہ کرنے لگتا ہے، ادنیٰ اور غریب آدمی کو نظر حقارت سے دیکھنے لگتا ہے۔

بارش کے پانی سے مال کی مشابہت کی یہ بھی وجہ ہوسکتی ہے، کہ پانی جب پھولوں کے درخت پر برستا ہے، تو اُس کی لطافت اور طراوت زیادہ کرتا ہے، اور جب خاردار درخت پر برستا ہے، تو اُس کی تیزی اور قوت بڑھا دیتا ہے۔ دُنیا کے مال کا بھی یہی حال ہے، کہ جب صالح آدمی کو ملتا ہے، تو اُس کی صلاحیت زیادہ کرتا ہے اور اگر مُفسد اور برے آدمی کو ملتا ہے، تو اُس کے فساد اور عناد کا مادہ زیادہ ہو جاتا ہے۔

دونوں میں مشابہت کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے، کہ جس طرح بارش کا پانی زمین پر نہیں ٹھہرتا بلکہ اطراف وجوانب میں بہہ جاتا ہے، اِسی طرح دُنیا کا مال بھی ایک جگہ نہیں رہتا اور ایک شخص کے پاس نہیں تھمتا، بلکہ ہر روز دوسرے ہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ دولتِ دنیا ہر شب ایک کے ساتھ عقد مواصلت باندھتی ہے، نہ اُس کے عہد کے ساتھ کچھ وفا ہے اور نہ ہی اُس کی وفا کو کچھ بقا ہے۔ یہی وجہ ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اور اللہ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف۔ اور دیتا ہے جسے چاہے سیدھی راہ●

(اور) یہی حکمت ہے کہ اَے لوگو! (اللہ) تعالیٰ تم کو (بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف) جو خوفوں سے سلامتی کی جگہ ہے، یعنی بہشت کی دعوت دیتا ہے اور ایسے کام کی طرف پکارتا ہے جو جنت میں داخل ہونے کا سبب ہے۔۔ المختصر۔ حق تعالیٰ اپنے بندوں کو دُنیا کی طرف نہیں بلاتا جو آفتوں کی جگہ ہے۔

جنت کو دار السلام اس لیے کہتے ہیں، کہ جنتیوں سے ملائکہ کی تحیت یا جنتیوں سے جنتیوں کی صاحب سلامت 'سلام' ہے یا اس واسطے کہ سلام حق تعالیٰ کا نام ہے، تو اس کی طرف جنت کی اضافت تعظیم کے واسطے ہے۔ حاصلِ ارشاد یہ ہوا، کہ اللہ تعالیٰ اس گھر سے جس کا اوّل رونا، اوسط عنا، آخر فنا ہے، اپنے بندے کو اس گھر کی طرف بلاتا ہے جس کا شروع عطا ہے، بیچ رضا ہے، آخر بقا ہے۔

انسان جب پیدا ہوتا ہے، تو روتے ہوئے پیدا ہوتا ہے اور پھر تکلیف، محنت، رنج اور

تھکاوٹ کی دُنیا سے گزرنا پڑتا ہے اور آخر میں وقتِ موعود پر اُس کی وفات ہو جاتی ہے۔ یہ رہا پوری دُنیاوی زندگی کا خلاصہ۔ اِس کے برعکس مردِ صالح کی وفات کے وقت سے ہی فرشتوں کے سلام، جنت کی خوشخبریاں۔۔الختصر۔۔رب کریم کی خصوصی فضل وعطا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ رضائے الٰہی کی سند مل جاتی ہے اور پھر وہ لازوال نعمتوں کا مرکزِ نگاہ بن جاتا ہے۔۔الحاصل۔۔حق تعالیٰ اپنا فضل خاص فرماتا ہے۔۔۔

(اور دیتا ہے جسے چاہے سیدھی راہ) جو دار السلام کی طرف تمام ہوتی ہے اور وہ راہِ اسلام ہے ۔۔یا۔۔حضرت سید انام ﷺ کی سنت۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ ایک ہے دعوت: یہ عام ہے ہر اُس فرد کے لیے جس کی رہنمائی کے لیے اللہ کے رسول ﷺ مبعوث فرمائے گئے۔۔الغرض۔۔آپ ﷺ کی دلالت و رہنمائی سب کے لیے ہے اور آپ کی دعوت ہی دعوتِ خداوندی ہے، جو سب کو عام ہے۔ اور ایک چیز ہے ہدایت: تو یہ خاص ہے۔ یہ اُس کو نصیب ہوتی ہے، توفیق الٰہی اور عنایتِ ربانی جس کے شریکِ حال ہو یہ خاص طور سے۔۔۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ

انکے لئے جنھوں نے بھلائی کی ہے بھلائی ہے، اور زیادہ بھی۔ اور نہ چڑھے گی اُن کے چہروں پر سیاہی، اور نہ رسوائی،

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٦﴾

وہ جنت والے ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے●

(اُن کے) ہی (لیے) ہے **(جنہوں نے بھلائی کی ہے)**، ایسوں ہی کے لیے **(بھلائی ہے اور زیادہ بھی)**۔

اجر سے زیادتی انعام اور تفضّل کے طور پر عطا فرمائے گا۔ **حُسنیٰ** جزائے حسنہ ہے۔ ایک کے بدلے ایک۔ اور زیادتی یہ ہے، کہ ایک کے عوض دس عطا فرماتا ہے۔۔یا۔۔دس سے بھی زیادہ۔۔یا۔۔ **حُسنیٰ** مغفرت ہے، اور زیادتی خوشنودی ہے حضرتِ حق کی۔۔یا۔۔زیادتی محبت ہے بندوں کے دل میں۔۔یا۔۔وہ ہے جو دُنیا میں خدا عطا کرے اور عقبیٰ میں اُس کا حساب نہ لے۔۔یا۔۔ابر ہے، جو جنتیوں پر گزرے گا اور جو کچھ وہ چاہیں گے اُن پر برسائے گا۔ سارے محققین اس بات پر متفق ہیں کہ زیادتی حق تعالیٰ کی لقاء ہے کہ محض اپنے کرم سے جنتیوں کو عطا فرمائے گا۔

(اور نہ چڑھے گی اُن کے چہروں پر سیاہی اور نہ رُسوائی) یعنی ان جنتیوں کے چہروں پر ذلت و رُسوائی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ (وہ جنت والے ہیں اس میں ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ

اور جنھوں نے کمایا گناہوں کو، تو ہر گناہ کی سزا اسی کے ایسا ہے۔ اور ان پر رسوائی چڑھے گی۔

مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا

ان کا کوئی نہیں ہے اللہ سے بچانے والا۔ گویا لگادی گئیں ان کے چہروں پر تہہ پر تہہ

مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٢٧

اندھیری راتیں۔ وہ ہیں جہنم والے۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے●

(اور) اُن کے برخلاف (جنھوں نے کمایا گناہوں کو) اور شرک وکفر ونفاق میں مبتلا ہوئے، (تو ہر گناہ کی سزا اسی کے ایسا ہے) یعنی جو انہوں نے کی اُس پر زیادتی نہیں۔ (اور ان پر رسوائی چڑھے گی) یعنی ذلیل ہونے کے آثار اُن برائیاں کرنے والوں پر ظاہر ہوں گے۔ (اُن کا کوئی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے عذاب (سے بچانے والا)، یعنی ان سے کوئی عذاب کو نہ روکے گا، (گویا لگادی گئیں اُن کے چہروں پر تہہ پر تہہ اندھیری راتیں) یعنی رنج وغم میں اُن کے منہ ایسے کالے ہوجائیں گے، جیسے اندھیری رات ہوتی ہے۔ (وہ) مشرکین ومنافقین (ہیں جہنم والے، اس میں ہمیشہ رہنے والے) یعنی انہیں عذاب سے کبھی رہائی نہیں ہوگی۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ

جس دن حشر فرمائینگے ہم ان سب کا، پھر حکم دینگے جنھوں نے ہمارا شریک بنایا تھا، کہ اپنی جگہ رہو تم اور تمہارے بنائے شریک

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢٨ فَكَفٰى بِاللّٰهِ

پھر پھوٹ ڈال دی ہم نے ان میں، اور بولے ان کے ساختہ شریک، کہ تم ہم کو تو پوجتے نہ تھے● اللہ کافی

شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝٢٩

گواہ ہے ہمارے تمہارے درمیان، کہ ہم تمہاری پوجا سے بے خبر تھے●

(اور) ڈرو اس دن سے (جس دن حشر فرمائیں گے ہم ان سب) نیکوں اور بدوں (کا، پھر

حکم) دے (دیں گے) انھیں (جنہوں نے ہمارا شریک بنایا تھا کہ اپنی جگہ رہو تم اور تمہارے بنائے شریک) یعنی بت، تاکہ دیکھو تم کہ تمہارے ساتھ ہم کیا کرتے ہیں۔ (پھر پھوٹ ڈالدی ہم نے ان میں) پھر ہم پوچھیں گے کافروں سے کہ تم نے بتوں کی پرستش کیوں کی؟ کافر کہیں گے، کہ ان بتوں نے اپنی عبادت کا حکم کیا تھا۔ حق تعالیٰ بتوں کو گویائی عطا فرمائے گا، تاکہ وہ ان کا جواب دیں۔ تو جواب دیا (اور بولے ان کے) خود (ساختہ شریک، کہ تم ہم کو تو پوجتے نہ تھے) بلکہ اپنی خواہش کی تم پرستش کرتے تھے۔ کافر جھگڑا شروع کریں گے کہ ایسا نہیں ہے، بلکہ تم نے اپنی پرستش کا ہمیں حکم کیا تھا، تو بت کہیں گے، کہ (اللہ) تعالیٰ (کافی گواہ ہے ہمارے تمہارے درمیان کہ ہم تمہاری پوجا سے بے خبر تھے) اس واسطے، کہ ہم نہ دیکھتے تھے، نہ سنتے تھے اور نہ عقل رکھتے تھے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ

وہاں جانچ کرلے گی ہر جان جو وہ کرچکی ہے، اور پھیر دیے گئے اللہ کی طرف، ان کا مولیٰ حق،

ربع ۸ الحصہ

وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۳۰﴾

اور گم ہوگئے ان سے جن کو گڑھا کرتے تھے●

(وہاں جانچ کرلے گی ہر جان جو وہ کرچکی ہے)، یعنی اپنے کیے ہوئے اور پہلے سے بھیجے ہوئے عمل کا نفع وضرر خود دیکھ لے گی۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ سب کے سب (پھیر دیے گئے اللہ) تعالیٰ کے ثواب وعذاب (کی طرف)۔ وہ اللہ جو (ان کا مولیٰ) بر (حق) ہے اور اُن کے کاموں کا متولی ہے درستی کے ساتھ، (اور گم ہوگئے ان) کافروں (سے جن کو گڑھا کرتے تھے) اور افتراء کرتے تھے کہ بت ہماری شفاعت کرنے والے ہیں، حالانکہ بت ان سے بیزار ہوں گے۔

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

پوچھو "کہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے؟ یا کون مالک ہے کانوں اور آنکھوں کا؟

وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

اور کون نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے، اور بے جان کو جاندار سے؟

وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾

اور کون تدبیر فرماتا ہے کام کی؟" تو جواب دینگے "کہ اللہ"۔ پھر ڈانٹو "کہ کیوں نہیں ڈرتے"●

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت فرمائی تھی اور اگلی ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ اُن کے مذہب کا بطلان اور اسلام کی حقانیت کو واضح فرما رہا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رزق، حواس اور موت وحیات کے احوال سے استدلال فرمایا ہے۔۔۔رزق سے استدلال کی وجہ یہ ہے، کہ انسان کی نشو ونما غذا سے ہوتی ہے اور غذا سبزیوں اور پھلوں سے حاصل ہوتی ہے۔۔یا۔۔گوشت سے اور گوشت کا مآل بھی نباتات ہیں، کیونکہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے ان کی غذا بھی زمین کی پیداوار ہے، اور زمین کی پیداوار آسمان سے برسنے والے پانی اور زمین کی روئیدگی پر موقوف ہے اور زمین اور آسمان کا نظام چلانے والا صرف اللہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رزق دینے والا صرف اللہ ہے۔ اور حواس میں سب سے اشرف کان اور آنکھیں ہیں، کیونکہ یہی علم اور ادراک کا سب سے بڑا ذریعہ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کیا ہی اچھی بات ارشاد فرمائی، پاک ہے وہ ذات جس نے چربی سے دکھایا اور ہڈی سے سنایا اور گوشت کے ایک پارچہ کو گویائی بخشی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ مردے سے زندہ کو نکالتا ہے، جس طرح اس نے انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے نکالا جو بظاہر بے جان ہیں۔۔یا۔۔جس طرح اس نے مومن کو کافر سے پیدا کیا اور اس نے فرمایا وہ زندہ سے مُردے کو نکالتا ہے، جس طرح اس نے نطفہ اور انڈے کو انسان اور پرندے سے نکالا۔۔یا۔۔جس طرح اس نے کافر کو مومن سے پیدا کیا۔

تو اے کافرو! جب تمہیں یہ اعتراف ہے اور اقرار ہے، کہ زمین اور آسمان سے رزق دینے والا، اور انسانوں کو حواس دینے والا اور موت اور حیات کو پیدا کرنے والا اور اس تمام نظام کائنات کو چلانے والا صرف اللہ ہے، تو پھر تم اللہ کے لیے شریک کیوں بناتے ہو؟ اور شریک بنانے پر اللہ کی گرفت اور عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے؟۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ اے محبوب!۔۔۔

(پوچھو کہ کون روزی دیتا ہے تم کو آسمان سے اور زمین سے) آسمان سے پانی برساتا ہے اور زمین سے ساگ پات اور غلہ اُگاتا ہے۔ **(یا کون مالک ہے کانوں اور آنکھوں کا)** یعنی کون ہے جو سماعت و بصارت پیدا کرتا ہے اور آفتوں سے اُنہیں بچاتا ہے۔ **(اور کون نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے؟)** یعنی حیوان کو نطفے سے اور نباتات کو بیج سے، **(اور بے جان کو جاندار سے؟)** یعنی نطفے اور بیج کو

حیوان اور نبات سے (اور کون تدبیر فرماتا ہے کام کی؟) یعنی اہل عالم کے کاموں کی، اور آسان کرتا ہے لوگوں کی مشکلیں۔ یہ تعمیم ہے تخصیص کے بعد۔

تو اے محبوب! جب تم کافروں سے یہ سوال کرو گے، تو نہایت صاف اور ظاہر ہونے کی وجہ سے وہ معاندانہ جواب نہ دے سکیں گے، اور نہ ہی جھگڑا کر سکیں گے اور انھیں سچائی کا اعتراف کرنا پڑے گا، (تو جواب دیں گے، کہ اللہ)۔ ان کا یہ اقرار بہت بڑی دلیل ہے، کہ اُن کا بُت پرستی کا طریقہ باطل ہے، جس کا انھیں بھی احساس ہے۔ (پھر) ان کو (ڈانٹو، کہ کیوں نہیں ڈرتے) یعنی ان سے ڈپٹ کے فرماؤ، کہ جب تمہیں اقرار ہے کہ مذکورہ بالا امور کو انجام دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو تم اس کے عذاب سے کیوں نہیں ڈرتے اور بتوں کو اس کا شریک کیوں کرتے ہو۔ یاد رکھو جس میں یہ صفتیں ہوں جو ابھی بیان ہوئیں۔۔۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾

یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار حق۔ پھر حق کے بعد کیا ہے؟ مگر گمراہی۔ تو کدھر پھر رہے ہو؟●

(یہ ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارا پرودگار) بر (حق) جس کی ربوبیت اس طرح ثابت ہے کہ اس کے ثبوت میں شک کو ہرگز دخل ہی نہیں۔ (پھر حق) بیان کر دینے اور سچ کہہ دینے (کے بعد) یعنی اعترافِ حق کے باوجود اُسے چھوڑنا (کیا ہے؟ مگر گمراہی)۔۔ المختصر۔۔ حق کو چھوڑ کر گمراہی کے سوا اور کیا ہے، (تو) جان بوجھ کر حق سے باطل کی طرف اور توحید سے شرک کی طرف۔۔ الغرض۔۔ (کدھر پھر رہے ہو) کچھ تو سمجھ سے کام لو۔۔۔ جس طرح کہ حق تعالیٰ کو ربوبیت سزاوار ہے۔۔۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾

اسی طرح کلمۃ الحق ہے تمہارے پروردگار کا ان پر، جو نافرمان ہو چکے، کہ نہ مانیں گے●

(اسی طرح کلمۃ الحق ہے تمہارے پروردگار کا ان پر جو نافرمان ہو چکے، کہ نہ مانیں گے) یعنی اسی طرح فاسقوں پر آپ کے رب کے دلائل قائم ہو چکے ہیں اور بحکم الٰہی ان پر عذابِ خداوندی واجب ہو چکا ہے۔ وہ فاسقین جو دائرۂ اصلاح سے نکل چکے ہیں اور اپنے کفر میں تمرد اختیار کر لیا ہے اور ضد اور ہٹ دھرمی سے اپنے کفر پر قائم ہیں اور معجزات اور دلائل پیش کیے جانے کے باوجود اپنے

آباء واجداد کی اندھی تقلید سے توبہ نہیں کرتے اور وہ اپنے کفر وعناد میں اس حد تک پہنچ چکے، کہ علم الٰہی میں وہ ایمان لانے والے نہیں، تو اگرچہ فی نفسہٖ وہ ایمان لانے کے مکلف ہیں، لیکن خارجی عوارض و علل کی وجہ سے ایمان لانے کی توفیق سے محروم ہوگئے ہیں۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

پوچھو کہ کیا تمہارے گڑھے شریکوں میں کوئی ہے، جو پہلے بھی پیدا کرے اور پھر دوبارہ بھی؟

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

خود بتادو کہ اللہ پہلے بھی پیدا کرتا ہے، پھر دوبارہ بھی، تو کہاں اوندھے ہوتے ہو؟●

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات پر دلائل قائم کیے ہیں اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ فرمانے پر دلائل قائم فرمارہا ہے، کہ جو ذات ابتداءً مخلوق کو پیدا کرنے پر قادر ہے، تو وہ دوبارہ بھی اس کو پیدا کرنے پر قادر ہے۔ ان آیات کا خلاصہ یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی سیدنا محمد ﷺ سے فرماتا ہے، کہ اے محبوب! ان مشرکین سے کہیے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن کی پرستش کرتے ہو، کیا وہ بغیر مادے کے کسی چیز کو پیدا کرسکتے ہیں؟ اور پیدا کرنے کے بعد کیا ان کو فنا کرسکتے ہیں؟ اور پھر دوبارہ اس کو اسی شکل وصورت میں پیدا کرسکتے ہیں؟ اور کیا ان میں سے کسی نے دعویٰ کیا ہے؟ اور اس میں یہ واضح اور قطعی دلیل ہے، کہ ان کا جو یہ دعویٰ ہے کہ یہ بت، اللہ کے سوا رب ہیں، اور یہ استحقاقِ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں، وہ اپنے اس دعویٰ میں کذاب اور مفتری ہیں۔

اس کے بعد فرمایا اے محبوب! ان مشرکین سے کہہ دیجیے، کہ تم اللہ کو چھوڑ کر جن بتوں کی عبادت کرتے ہو، کیا یہ کسی ایسے شخص کو سیدھا راستہ دکھا سکتے ہیں جو سیدھا راستہ گم کرچکا ہو؟ یہ خود اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے، کہ اُن کے خود ساختہ معبود کسی گم کردہ راہ کو راستہ دکھا سکتے ہیں۔ کیونکہ بالفرض اگر یہ ایسا دعویٰ کریں بھی، تو مشاہدہ اور واقعہ ان کی تکذیب کردے گا۔ اور جب یہ اقرار کرلیں، کہ اُن کے اختراعی معبود کسی گم کردہ راہ کو راستہ نہیں دکھا سکتے، تو پھر ان سے کہیے کہ اللہ تو گمراہوں کو حق کی ہدایت دیتا ہے۔ تو جو گمراہوں کو حق کی ہدایت دیتا ہے وہ اس کا مستحق ہے، کہ اس کی دعوت پر لبیک کہی جائے۔۔یا۔۔وہ جو بغیر ہدایت دیے خود بھی ہدایت نہ پاسکے۔

کیاتم یہ نہیں جانتے کہ جوحق کی ہدایت دیتا ہے، وہ اس کی بہ نسبت اطاعت وفرمانبرداری کا زیادہ مستحق ہے، جو بغیر کسی کی ہدایت دینے کے ازخود ہدایت نہ پاسکتا ہو۔ لہٰذا تم ان بتوں کی عبادت کو ترک کر کے اس کی اطاعت اور عبادت کرو جو خشکی اور سمندروں میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو راستہ دکھاتا ہے اور اخلاص کے ساتھ صرف اسی کی عبادت کرو، نہ کہ ان بتوں کی جن کو تم نے بغیر کسی دلیل کے اللہ کا شریک بنالیا ہے۔۔الحاصل۔۔اے محبوب!۔۔۔

(پوچھو کہ کیا تمہارے گڑھے) ہوئے **(شریکوں میں)** یعنی بتوں میں جنہیں خدا کا شریک کر کے تم پوجتے ہو **(کوئی ہے جو پہلے بھی پیدا کرے اور پھر دوبارہ بھی؟)** موت کے بعد زندہ کرے۔

اور چونکہ کفار پہلی بار پیدا کرنے کے مقر تھے اور دوبارہ پیدا کرنے کے منکر، اور عناد کی وجہ سے اس کا اقرار نہیں کرتے تھے، تو حق تعالیٰ نے خود فرمایا۔۔۔

اے محبوب! **(خود بتادو کہ اللہ)** تعالیٰ **(پہلے بھی پیدا کرتا ہے پھر)** موت کے بعد **(دوبارہ بھی)** اس کے فنا ہوجانے کے بعد۔ **(تو کہاں اوندھے ہوتے ہو)** اور پھرے جاتے ہو راہِ راست سے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ

پوچھو کہ "کیا تمہارے فرضی شریک میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھائے؟" بتادو" کہ اللہ

يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ

راہ حق دیتا ہے"۔ تو جو رہنمائے حق ہو، وہ زیادہ مستحق ہے کہ اسکی پیروی کی جائے، یا وہ جو راہ

لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

نہیں پاتا بغیر اس کے کہ کوئی راہ دے دے؟ تو تمہیں کیا ہوگیا؟۔۔۔کیسا فیصلہ کرتے ہو؟●

اے محبوب! **(پوچھو کہ کیا تمہارے فرضی شریک میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھائے)** رسول بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے، اور قدرت میں غور کرنے کی توفیق دے کر۔ یعنی دلیلیں قائم کرے، تاکہ راہ پائیں لوگ دین حق یعنی اسلام تک پہنچنے کی؟ اے محبوب! اس سوال کا صحیح جواب یہ مشرکین کیا دے پائیں گے، تو تم ہی ان پر یہ حقیقت واضح کردو اور **(بتادو، کہ اللہ)** تعالیٰ **(راہِ حق دیتا ہے)** اور وہی ساری مخلوق کو حق کا راستہ دکھاتا ہے۔ **(تو)** غور کرو کہ **(جو رہنمائے حق ہو وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، یا وہ جو راہ نہیں پاتا بغیر اس کے کہ کوئی راہ دے دے)**۔

بت پرست بتوں کو چارپایوں پر باندھ کر اِدھر سے اُدھر لے جاتے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتے۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ جو تمہیں راہ دکھائے کیا وہ اس کے برابر ہے جسے تم راہ دکھاتے ہو، اور جانوروں پر لادے لیے پھرتے ہو۔

(تو تمہیں کیا ہوگیا؟ کیسا فیصلہ کرتے ہو؟) کہ جس کے تم محتاج ہو، اس کے ساتھ انھیں برابری دیتے ہو جو تمہارے محتاج ہیں؟ عاجز اور قادر کو یکساں جانتے ہو؟ ایسا وہ کیوں کرتے ہیں؟ اس کے پیچھے اصل حقیقت یہ ہے، کہ اُن کے رؤسا اپنے اعتقاد میں ظن وتخمین سے کام لیتے ہیں۔۔۔

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ۚ

اور نہیں چلتے ان کے اکثر، مگر گمان پر۔ بے شک گمان نہیں کام آتا کچھ حق بتانے میں۔

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

بے شک اللہ دانا ہے جو وہ کرتے ہیں●

(اور نہیں چلتے اُن کے اکثر مگر گمان پر) جس کی وجہ سے اپنے فضول خیالات اور مہمل قیاسات کی بنیاد پر غائب کو حاضر پر اور خالق کو مخلوق پر قیاس کرتے ہیں۔ اور یہ بھی نہیں سمجھتے کہ ظن وتخمین اور قیاس وخبر اسی وقت قابلِ لحاظ ہوتے ہیں، جبکہ وہ دلائلِ قطعیہ اور براہین قاطعہ کے خلاف نہ ہوں۔

مشرکین کا اپنے بتوں کی پرستش کرنا اپنے ظن کی بناء پر تھا اور ان کا یہ ظن ان دلائل یقینیہ اور براہین قطعیہ کے خلاف تھا، جو شرک کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں۔ ایسے ہی ابلیس نے قیاس کر کے خود کو حضرت آدم سے افضل کہا تھا۔ سو یہ قیاس، دلیل قطعی کے خلاف تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کا حکم تھا، کہ سب آدم کو سجدہ کریں۔ ظاہر ہو گیا۔۔۔

(بے شک) وہ (گمان) جو دلائل یقینیہ اور براہین قطعیہ کے خلاف ہو، وہ (نہیں کام آتا کچھ حق بتانے میں)۔۔۔ الغرض۔۔۔ گمان اور خیال، حق اور یقین کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (دانا ہے جو وہ کرتے ہیں) خواہ ان کا اپنے گمان پر بتوں کی پرستش کرنا ہو۔۔۔ یا۔۔۔ توحید کے دلائل و براہین کا انکار وغیرہ، اللہ تعالیٰ سب کا جاننے والا ہے۔ اس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ

اور نہیں ہے یہ قرآن، اللہ کو چھوڑ کر گڑھا ہوا، لیکن تصدیق اس کی

الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۷﴾

جو اسکے آگے ہے، اور تفصیل نوشتہ قدرت کی، کوئی بھی شک نہیں اس میں، کہ سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے ہے●

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل قائم کیے تھے اور شرک کا بطلان ظاہر فرمایا تھا اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلائل قائم کیے ہیں اور آپ کی نبوت پر جو اُن کے شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا ہے۔ان کا ایک شبہ یہ تھا، کہ اس قرآن کریم کو نبی کریم ﷺ نے ازخود تصنیف کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا اس طرح ازالہ فرمایا، کہ یہ قرآن ایسی چیز نہیں ہے، کہ اللہ کی وحی کے بغیر اس کو گڑھ لیا جائے۔لیکن یہ موجودہ آسمانی کتابوں کی تصدیق ہے۔تو سنو۔۔۔

(اور) یاد رکھو! کہ (نہیں ہے یہ قرآن اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر گڑھا ہوا) یعنی ایسا نہیں ہے کہ یہ قرآن کسی بشر کا اِفتراء کیا ہوا ہو، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے سوا کسی کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔الختصر۔۔یہ کسی بشر کی افترائی تصنیف نہیں ہے (لیکن) یہ منجانب اللہ (تصدیق) ہے (اس) ہدایت (کی جو) پہلے نازل کی جا چکی اور آسمانی صحیفوں کی صورت میں (اس کے آگے) اور سامنے موجود (ہے)۔۔الغرض۔۔ اعجاز کے ساتھ اگلی کتابوں کی گواہ بھی ہے (اور) ساتھ ہی ساتھ (تفصیل) ہے اوامر ونواہی کے تعلق سے (نوشتۂ قدرت کی، کوئی بھی شک نہیں اس میں کہ سارے جہان کے پروردگار کی طرف سے ہے) مگر کافر اس پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ کہتے ہیں، اور۔۔۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

کیا بولی بولتے ہیں" کہ اسکو دل سے گڑھ لیا ہے"۔ تم منہ توڑ دو،" کہ بنالاؤ اسکی طرح ایک سورت اور بلالو جس کو پاسکو،

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۳۸﴾

اپنے اللہ کو چھوڑ کر بنائے ہوؤں کو، اگر سچے ہو"●

(کیا بولی بولتے ہیں کہ اس کو دل سے گڑھ لیا ہے)۔تو اے محبوب! (تم) ان کو (منہ توڑ)

جواب (دو، کہ) اگر یہ تمہارے خیال کے مطابق انسان کی بنائی ہوئی چیز ہے، تو (بنالاؤ اس کی طرح ایک سورت) جو فصاحت و بلاغت میں اس کے مثل ہو۔ اس واسطے، کہ تم لوگ 'نظم بلیغ' اور 'نثر فصیح' میں مشہورِ زماں اور سرآمدِ دوراں ہو، اور اگر تم خود مقابلہ نہیں کر سکتے (اور) اس کے مثل لانے پر قادر نہیں ہو، تو (بلالو جس کو پاسکو اپنے) خود ساختہ اور وہ بھی (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر بنائے ہوؤں کو) ۔۔الخضر۔۔ اللہ کے سوا جس کو بھی چاہو اپنی مدد کے لیے بلالو، تاکہ وہ غیر تمہاری مددگاری کرے اور اس قرآن کے مثل بنادے (اگر سچے ہو) اس بات میں کہ محمد ﷺ اپنی طرف سے بنالیتے ہیں۔

اس چیلنج کے مقابلے میں کافر ایک سورت بھی نہ لاسکے۔۔۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيْلُهٗ ۚ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ

بلکہ جھٹلا دیا اسے جو ان کے احاطہ علم سے باہر ہے، اور ابھی تک نہیں آیا ان تک اس کا نتیجہ۔ اسی طرح جھٹلا دیا تھا ان کے

مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾

پہلوں نے، تو دیکھ لو کہ کیسا انجام ہوا ظالموں کا●

(بلکہ جھٹلا دیا اسے جو اُن کے احاطۂ علم سے باہر ہے) ۔۔الخضر۔۔ قرآن کریم سن کر اس کی آیتوں میں غور وفکر کرنے کے قبل ہی تکذیب اور انکار کرنے لگے (اور ابھی تک نہیں آیا ان تک اس کا نتیجہ) یعنی قرآن کی حقیقت اور اس کا معنی ان پر نہیں کھلے اور ان کا ذہن قرآنی اسرار و دقائق تک نہیں پہنچا۔۔یا یہ کہ۔۔ تکذیب کی انہوں نے جو کچھ نہ سمجھے قرآن میں، بعث و جزاء کا ذکر اور وعید اور عذاب۔ اور نہ آیا ان پر وہ عذاب جس کا وعدہ تھا۔ اور ضرور آئے گا عذاب اور آجانے کے بعد ندامت کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اور وہ ندامت بھی کچھ کام نہ آئے گی۔۔۔

تو اے محبوب! اُن کے جھٹلانے پر رنجیدہ خاطر نہ ہو، اس لیے کہ حق کی تکذیب ان کی موروثی عادت ہے۔۔ چنانچہ۔۔ جیسے تمہارے زمانے کے کافر تکذیب کرتے ہیں (اسی طرح جھٹلا دیا تھا) اپنے انبیاء کو (ان کے پہلوں نے) یعنی اُن کے مورثین نے، (تو) اپنی نگاہِ علم و ادراک سے (دیکھ لو، کہ کیسا انجام ہوا ظالموں) اور تکذیب کرنے والوں (کا) ۔۔الغرض۔۔ ان پر بھی ویسا ہی عذاب ہوگا جیسا کہ اُن کے پہلے ظالموں اور تکذیب کرنے والوں پر ہوا۔ اے محبوب! ان کافروں کا یہ حال ہے۔۔۔

وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾ ع ۹

اور ان میں سے بعض اسے مانتے ہیں اور بعض نہیں مانتے۔ اور تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے فسادیوں کو●

(اور) ان کی یہ روش ہے، کہ (ان میں سے بعض اسے) یعنی قرآن کریم کو دل سے (مانتے ہیں) اور اس کی سچائی کے معترف ہیں، لیکن عناد و سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور زبان سے اس کا اظہار نہیں کرتے (اور بعض نہیں مانتے) یعنی غباوت اور قلت تدبر کی وجہ سے، سرے سے قرآن مجید کی صداقت وحقانیت کو مانتے ہی نہیں۔

--یا--اس کا مطلب یہ ہے، کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو عنقریب ایمان لائیں گے اور کفر سے توبہ کرلیں گے، اس لیے کہ ان میں ایمان قبول کرلینے کی استعداد موجود ہے۔

اور بعض وہ ہیں جن کی موت کفر پر آئے گی، یعنی مرتے دم تک قرآن مجید کو نہیں مانیں گے، اس لیے کہ ان میں ایمان قبول کرنے کی اِستعداد نہیں۔ (اور تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے فسادیوں کو) اور اسے معلوم ہے کہ ان میں سرکشی اور کفر پر ڈٹ جانے والے کون ہیں اور وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اپنی فطرتِ سلیمہ کی استعداد کو اعمالِ فاسدہ سے ضائع کردیا ہے۔ اے محبوب! تمہیں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ باوجود دلائل و براہین قائم کرنے۔۔۔

وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا

اور اگر انھوں نے تم کو جھٹلایا ہے، تو کہہ دو، کہ "میرے لئے میرا عمل ہے، اور تمہارے لئے تمہارا عمل۔ تم بے واسطہ ہو جو

أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾

ہمارا عمل ہے اور میں بیزار ہوں جو تمہارے کرتوت ہیں"●

(اور) حق کو واضح کرنے کے بعد (اگر انہوں نے تم کو جھٹلایا ہے) اور تمہاری تکذیب کی ہے اور اپنے کفر پر مُصر ہیں، (تو) ان سے (کہہ دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے، اور تمہارے لیے تمہارا عمل۔ تم بے واسطہ ہو جو ہمارا عمل ہے اور میں بیزار ہوں جو تمہارے کرتوت ہیں) یعنی آپ ان سے اظہارِ براءت فرمایئے، اس لیے کہ آپ نے ان کو بہت کچھ سمجھایا ہے، لیکن وہ نہیں مانتے، تو انہیں ان کی قسمت پر چھوڑیے۔ پس اگر وہ نافرمانی کرتے ہیں، تو فرمایئے کہ میرے اعمال کی جزاء میرے لیے ہے اور تمہارے اعمال کی جزاء و سزا تمہیں ملے گی۔ تم اس سے بیزار ہو جو میں عمل کرتا ہوں اور

میں ان سے جن کا تم ارتکاب کرتے ہو۔

دراصل اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے، کہ اگر یہ مشرکین آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود مسلمان نہیں ہوتے، تو آپ غم اور فکر نہ کریں۔ آپ کو اپنی تبلیغ پر ثواب ملے گا اور ان کو اسلام نہ قبول کرنے کی سزا ملے گی۔ کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔

سورۂ زیرِ تفسیر کی آیت ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی دو قسمیں کی تھیں: بعض آپ پر ایمان لائیں گے اور بعض ایمان نہیں لائیں گے، پھر ایمان نہ لانے والوں کی دو قسمیں کی تھیں، بعض وہ ہیں جو بغض وعناد کی آخری حد تک پہنچے ہوئے ہیں اور بعض وہ ہیں جو اس طرح نہیں ہیں۔

جو بغض وعناد کی آخری حد تک پہنچے ہوئے ہیں، ان کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں جن میں پہلی کے تعلق سے ارشاد فرمایا۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور ان میں بعض، کان تمہاری جانب لگا کر رہ جاتے ہیں۔ تو کیا تم نہ سننے والے کو سنا دو گے؟ گو وہ عقل نہ رکھیں●

(اور اُن میں بعض کان تمہاری جانب لگا کر رہ جاتے ہیں) جس وقت تو قرآن پڑھتا ہے اور امت کو احکام شرع کی تعلیم کرتا ہے، اس واسطے سنا کرتے ہیں کہ ہنسی کریں اس پر۔ ان کی مثال بہروں جیسی ہے، کیونکہ جب ایک انسان دوسرے انسان سے حد سے زیادہ بغض اور عناد رکھے، تو وہ ہر اعتبار سے اس کی برائی کا طالب ہوتا ہے اور ہر لحاظ سے اس کی اچھائی سے اعراض کرتا ہے۔ تو جس طرح بہرا شخص کسی کی بات سن نہیں سکتا، اسی طرح یہ مشرکین بھی آپ کے کلام کے محاسن اور فضائل کا ادراک نہیں کرتے، گویا کہ انہوں نے آپ کا کلام سنا ہی نہیں۔ ایسوں کو قبولیت والا سنانا اور اپنی ہدایت منوالینا آپ کی ذمہ داری نہیں۔

اے محبوب! غور کرو (تو کیا تم نہ سننے والے کو سنا دو گے؟) یعنی جنہوں نے اپنے خبثِ باطنی کے سبب طے کر رکھا ہے کہ ہم نہیں مانیں گے، انھیں منوا دو گے؟ (گو وہ عقل نہ رکھیں) یعنی یہ ایسے بہرے ہیں جن کے ساتھ بے عقلی اور نہ سمجھ سکنے کی صلاحیت بھی ملی ہوئی ہے۔ اگر بالفرض وہ سمجھ والے اور عقل والے بہرے ہوتے، تو اُس آواز سے جو کچھ بھی اُن کے کان میں پہنچتی ہے کسی چیز پر دلیل پکڑ سکتے تھے۔ جیسے سمجھ دار بہرے اشاروں کنایوں سے بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی بہت کچھ سمجھا دیتے

ہیں۔لیکن جب سمجھ اور سماعت دونوں ندارد ہوں، تو ظاہر ہے کہ اس بے عقل بہرے کا کیا حال ہوگا۔
یہ تو رہی بغض وعناد والوں کے تعلق سے پہلی مثال۔۔۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿٤٣﴾

اور ان میں بعض تمہیں دیکھ کر رہ جاتے ہیں۔ تو کیا تم اندھوں کو راہ دکھادوگے؟ گو وہ بے سوجھ کے ہوں●

(اور) انہیں کے تعلق سے دوسری مثال یہ ہے، کہ (ان میں بعض) وہ ہیں جو (تمہیں دیکھ کر رہ جاتے ہیں) یعنی تیری نبوت کی دلیلیں اور سچائی کی نشانیاں دیکھتے ہیں، مگر کمالِ عناد کی وجہ سے ایسا ظاہر کرتے ہیں، کہ رسالت کی دلیلوں میں سے انہوں نے کچھ بھی ابھی نہیں دیکھا۔ تو یہ اندھوں کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کمالات اور خوبیاں عطا فرمائی ہیں، یہ ان کا ادراک نہیں کرتے، گویا کہ آپ کو دیکھتے ہی نہیں۔ (تو کیا تم) ایسے (اندھوں کو راہ دکھادوگے؟) اور انہیں راہِ حق پر پہنچادوگے؟ (گو وہ بے سوچ کے ہوں) یعنی بصارت کے ساتھ ساتھ چشمِ بصیرت سے بھی محروم ہوں۔ ظاہر ہے کہ سر کی آنکھوں سے دیکھنے کا مقصود دل کی آنکھوں سے دلائلِ اعتبار کو مشاہدہ کرنا ہے اور وہ اس سے محروم ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ بظاہر دیکھتے ہیں اور حقیقتاً نہیں دیکھتے، اس واسطے کہ اندھاپن اور جہالت دونوں ان میں اکٹھا ہیں۔ یعنی آنکھوں کے بھی اندھے ہیں اور دل کے بھی اندھے ہیں۔ اور یہ ممکن ہے کہ اندھا صاحبِ بصیرت اس چیز کو دریافت کرلے جس کے ادراک سے احمق اندھا محروم ہو۔

۔۔الحاصل۔۔اے محبوب! جو لوگ بغض اور عداوت میں بہرے اور اندھے ہونے کی اس حد تک پہنچ چکے ہوں، ان سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ آپ پر ایمان لائیں گے اور آپ کی اتباع کریں گے۔ تو اے محبوب! اگر آپ کی تبلیغ سے یہ مشرکین اسلام قبول نہیں کرتے، تو اس کے لیے آپ فکرمند نہ ہوں اور کچھ غم نہ کریں۔ آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی نہیں ہے۔ کمی تو اُن کے کانوں اور اُن کی آنکھوں میں ہے۔ بغض اور عداوت نے انھیں بہرا اور اندھا کردیا ہے، یہ توجہ سے آپ کی بات سنتے نہیں اور بصیرت سے آپ کو دیکھتے نہیں۔ پھر اگر یہ آپ کی تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتے، تو اس میں کیا تعجب ہے؟ اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ۔۔۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظۡلِمُ النَّاسَ شَیۡـًٔا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَهُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿۴۴﴾

بے شک اللہ نہیں زیادتی فرماتا لوگوں پر کچھ بھی، لیکن لوگ خود اپنے اوپر اندھیر مچاتے ہیں●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں زیادتی فرماتا لوگوں پر کچھ بھی)، یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کفرو شرک اور بدکاریوں پر مجبور نہیں کرتا، اور نہ ہی ان کی عقلیں اور حواس سلب کرلیتا ہے (لیکن لوگ خود اپنے اوپر اندھیر مچاتے ہیں) اور خود اپنے اختیار سے برے کام کرتے ہیں اور اس طرح اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اپنے حواس اور عقل جن کے ذریعہ قدرت کی نشانیاں سمجھتے، اُنہیں لہوولعب میں استعمال کرتے ہیں۔ اِس لیے ان نشانیوں کے سمجھنے سے جو فائدے ہوتے، وہ اُن سے فوت ہوگئے۔ اے محبوب! ان اندھوں اور بہروں یعنی کفارِ مکہ کو یاد دلا کر ڈراؤ یومِ قیامت۔۔۔

وَیَوۡمَ یَحۡشُرُهُمۡ کَاَنۡ لَّمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ یَتَعَارَفُوۡنَ بَیۡنَهُمۡ

اور جس دن ان کا حشر فرمائے گا، گویا نہیں رہے وہ مگر دن کی گھڑی بھر، باہم پہچانیں گے۔

قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا کَانُوۡا مُهۡتَدِیۡنَ ﴿۴۵﴾

بے شک ٹوٹ میں آگئے جنھوں نے جھٹلایا اللہ کے ملنے کو، اور بے راہ تھے●

(اور) اس دن سے (جس دن) اللہ تعالیٰ (ان کا حشر فرمائے گا)۔ اس دن اُن کی یہ کیفیت رہے گی (گویا نہیں رہے وہ) دُنیا میں۔۔یا۔۔اپنی قبروں میں (مگر دن کی گھڑی بھر)۔ یعنی آخرت کا اتنا سخت عذاب ہوگا، کہ اُس کے مقابلے میں دُنیا اور برزخ کا عذاب انہیں اتنا ہی یاد ہوگا، جتنا کہ ارشادِ قرآنی سے ظاہر ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ عذابِ شدید کے سامنے خفیف تر نسیاً مَنسیا بلکہ بسا اوقات کالعدم ہوتا ہے۔ پہلے تو یاد نہیں رہتا اور اگر کچھ یاد ہوتا ہے، تو بہت معمولی۔

(باہم پہچانیں گے) یعنی جیسے وہ دُنیا میں ایک دوسرے کو پہچانتے تھے، ایسے ہی قبروں سے اٹھ کر ایک دوسرے کو پہچانیں گے، گویا موت کی وجہ سے ایک دوسرے سے غیر متعارف نہیں ہوئے۔ موت کے بعد کی درمیانی جدائی اُن کے تعارف سے حائل نہ ہوگی۔

یہ قبور سے اٹھنے کے بعد کی بات ہے، ورنہ جب میدانِ محشر میں جمع ہوں گے اور عذاب کی ہولناکیوں کو دیکھیں گے، تو پھر ایک دوسرے کو نہ پہچان سکیں گے، بلکہ اکثر ایک دوسرے

سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔۔ہاں۔۔انبیاء اور اولیاء اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔۔۔گویا یہ علیحدہ علیحدہ صورتیں ہیں۔قبور سے اٹھنے کی حالت علیحدہ ہے اس میں ایک دوسرے کا تعارف ہوگا، پھر محشر میں تعارف منقطع ہوجائے گا۔حساب و کتاب کے بعد دوزخی بہشتی اپنی اپنی منازل میں چلے جائیں گے، تو اس کے بعد بدستورِ سابق ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔۔ الختصر۔۔حشر کے دن سب پر ظاہر ہوجائے گا، کہ۔۔۔

(بے شک ٹوٹ میں آگئے جنہوں نے جھٹلایا اللہ) تعالیٰ (کے ملنے کو) یعنی بعث اور جزا کے منکر ہوگئے (اور) وہ (بے راہ تھے) اور راہ پانے والے نہ تھے۔تو اے محبوب! اُن کے لیے جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ ہو کر رہے گا۔۔۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

اور خواہ ہم تمہیں دکھادیں کچھ عذاب جسکا ہمنے انسے وعدہ کیا ہے، یا تمہاری دنیا کی میعاد پوری کردیں، بہر حال ہماری طرف انکو آنا ہے۔

ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾

اور اللہ گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں●

(اور) اب (خواہ ہم تمہیں دکھادیں کچھ عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے)۔
۔۔چنانچہ۔۔جنگ بدر کے موقع پر اُن کی ایک جماعت کی ہلاکت دکھا بھی دی گئی۔

(یا تمہاری دنیا کی میعاد پوری کردیں)۔۔الختصر۔۔جن جن عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے، دُنیا میں ان سب کو تمہیں دکھائیں۔۔یا۔۔نہ دکھائیں، وہ بہر حال واقع ہوں گے۔اُن کا حسبِ وعدہ واقع ہونا برحق ہے۔اور اب اگر دُنیا میں ہم ان سے اِنتقام نہ لیں اور پھر تو دُنیا میں ان پر عذاب نہ دیکھے، تو اس سے وہ عذاب سے بچ نہیں جاتے، کیونکہ (بہر حال ہماری طرف ان کو آنا ہے) تو آخرت میں ہم تجھے ان کا عذاب دکھادیں گے۔

(اور) پس (اللہ) تعالیٰ کفار کے لیے عذابِ موعود دکھانے کے بعد۔۔یا۔۔تجھے عمر کے درجۂ کمال تک پہنچانے کے بعد (گواہ ہے) اس پر (جو وہ کرتے ہیں)۔۔چنانچہ۔۔وہ اس کے لائق جزاء پائیں گے۔اے محبوب! آپ کے ساتھ مشرکین مکہ کی مخالفت کا جو حال ہے، آپ سے پہلے بھی ہر نبی کے ساتھ اس کی قوم کا ایسا ہی معاملہ تھا۔۔چنانچہ۔۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ

اور ہر امت کا ایک رسول ہے، تو جب آ گیا ان کا رسول، فیصلہ کیا گیا ان میں انصاف سے،

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۷﴾

اور وہ ظلم نہیں کیے جاتے●

ہر قوم (اور ہر امت کا ایک رسول ہے) جو امت کو راہِ حق کی طرف بلاتا رہا (تو جب آ گیا اُن کا رسول) اور اس امت کے لوگوں نے اس رسول کی تکذیب کی تو (فیصلہ کیا گیا ان میں) یعنی رسول اور تکذیب کرنے والوں کے درمیان میں (انصاف سے)، یعنی رسول نے تو نجات پائی اور تکذیب کرنے والے ہلاک ہو گئے۔ (اور وہ) یعنی رسول اور تکذیب کرنے والے (ظلم نہیں کیے جاتے)۔ یعنی رسول کا ثواب ہم کم نہ کریں گے اور تکذیب کرنے والے جس قدر عذاب کے مستحق ہیں ان پر اس سے زیادہ عذاب کرنے کا حکم نہ ہوگا۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۸﴾

اور چھیڑتے ہیں" کہ کب پورا ہوگا یہ وعدہ، اگر آپ سچے ہیں"●

سابقہ آیت میں جس عذاب کے دکھانے کی بات کی گئی ہے، اس کے نزول کے بعد کفار نے اس عذاب کا مطالبہ شروع کر دیا۔ چنانچہ۔ استہزاءً۔۔۔

(اور) تمسخر کے طور پر کفار (چھیڑتے ہیں، کہ کب پورا ہوگا یہ وعدہ) آخر یہ عذاب موعود ہم پر کیوں نہیں نازل ہوتا (اگر آپ سچے ہیں) اس وعید میں۔ چونکہ مذکورہ عذاب سے نبی کریم کافروں کو ڈراتے تھے اور آپ سے ہدایت پا کر مسلمان بھی کافروں کو اس سے ڈراتے تھے، اس لیے کافروں نے سب کو مخاطب بنا کر کہا، کہ اگر آپ سب لوگ سچے ہیں کہ ہم پر عذاب نازل ہونے والا ہے، تو جواب دیں، کہ آخر اب تک ہم پر عذاب کیوں نہیں آیا؟ تو اَے محبوب! ان کو۔۔۔

قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ

جواب دو" کہ میں خود سے مالک نہیں ہوں اپنی جان کے نقصان کا اور نفع کا، بے اللہ کے چاہے"۔ ہر امت کا ایک وقت ہے۔

إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۴۹﴾

اور جب ان کا وقت آ گیا، تو نہ پچھڑینگے گھڑی بھر۔ اور نہ بڑھیں گے●

(جواب دو، کہ میں خود سے مالک نہیں ہوں اپنی جان کے نقصان کا اور نفع کا بے اللہ) تعالیٰ (کے چاہے)۔ تو تمہارے واسطے ضرر طلب کرنے اور تم پر عذاب نازل ہونے میں کیوں کر جلدی کروں۔ میری تو خوشی اس میں ہے، کہ تم ایمان لاؤ اور عذاب سے بچ جاؤ، نہ یہ کہ کافر ہو کر مرو اور عذاب کے مستحق ہو جاؤ۔ اور جو چیز آنے والی ہے وہ تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی۔۔ چنانچہ۔۔(ہر امت کا ایک وقت) مقرر (ہے) سفر آخرت کا۔ (اور جب ان کا وقت آ گیا تو نہ پچھڑیں گے گھڑی بھر اور نہ بڑھیں گے)۔۔ الختصر۔۔ جو وقت مقرر ہے اسی وقت موت آ جائے گی۔ ایک پل کے لیے بھی اس کے آگے ہو گی اور نہ پیچھے۔

یہ مشرکوں کو تہدید ہے کہ ساعت بساعت عذابِ الٰہی تم پر اترتا آتا ہے اور تکذیب کی شامت وقت پر تمہیں پہنچے گی۔ اور جب عذاب آ جائے گا، تو حسرت اور ندامت بے فائدہ ہو گی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ

دریافت کرو، "کہ تم لوگ یہ بتاؤ کہ اگر آ گیا تمہارے پاس اسکا عذاب سوتی رات یا مشغول دن میں،" تو کس کی جلدی مچائے ہیں

مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٥٠﴾

اس میں سے مجرم لوگ●

اَے محبوب! قبل از وقت نزولِ عذاب کے طلب گاروں سے (دریافت کرو، کہ تم لوگ یہ بتاؤ کہ اگر آ گیا تمہارے پاس اُس کا عذاب سوتی رات) یعنی رات کو جس وقت تم سوتے ہو (یا مشغول دن میں) یعنی دن کو جب تم طلبِ معاش میں مشغول ہوتے ہو۔ تو اس صورت میں تم اپنا بچاؤ بھی تو نہیں کر سکتے، تو سوائے پشیمانی اور شرمندگی کے تمہارے ہاتھ کیا لگے گا۔ پس جب یہ حال ہے، (تو کس کی جلدی مچائے ہیں اس میں سے مجرم لوگ) یعنی آخر وہ کون سی چیز ہے جس کے لیے مجرم لوگ جلدی مچا رہے ہیں۔ عذاب تو کسی قسم کا بھی ہو، وہ تو عذاب ہی ہے۔ تو آخر یہ مجرمین کس طرح کے عذاب کو بعجلت چاہتے ہیں۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿٥١﴾

"کیا پھر جب وہ عذاب آ پڑے تو اس کو تم مانو گے"۔ اچھا اب حالانکہ تم اس کی جلدی مچا رہے تھے●

(کیا پھر جب وہ عذاب آ پڑے تو اس کو تم مانو گے)، یعنی جب قیامت آ جائے گی تب جا کے

قیامت کو تسلیم کروگے۔۔ الختصر۔۔ عذاب آجانے کے بعد ان سے کہا جائے گا (اچھا اب) مانا تم نے (حالانکہ تم اس کی جلدی مچارہے تھے) اور اس کو جلد از جلد طلب کر رہے تھے۔

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۵۲﴾

پھر کہہ دیا گیا جنھوں نے ظلم کر رکھا ہے، کہ چکھو ہمیشہ کا عذاب۔ تم کو سزا نہ دی جائے گی، مگر جیسی کمائی کر رکھی تھی تم نے●

(پھر کہہ دیا گیا) عذاب نازل ہونے کے بعد ان سے (جنہوں نے ظلم کر رکھا ہے، کہ چکھو ہمیشہ کا عذاب) جس کا دکھ دائمی ہوگا اور یقین رکھو، کہ (تم کو سزا نہ دی جائے گی مگر) اسی کے مطابق، (جیسی) کفر وعصیان کی (کمائی کر رکھی تھی تم نے)۔ اے محبوب! ذرا مدینے کے یہودی حی ابن اخطب کی جسارت تو دیکھو، کہ ہجرت سے پہلے بغرضِ تجارت وہ مکہ شریف آیا، وہاں اس نے آپ کی دعوت کا چرچا سنا، تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر آپ کی زبان سے قرآنِ شریف سن کر آپ سے پوچھنے لگا، کہ اے محمد ﷺ' یہ دعوت جو تم پیش کرتے ہو، اس کی کچھ حقیقت بھی ہے یا یہ محض ہزلیات کے طور پر ہے اور یہ کلام جو تم پڑھتے ہو راستی کے طور پر ہے یا کھیل اور بازی ہے؟ تو ارشادِ ربانی ہوا، کہ اے محبوب ذرا دیکھو تو، کہ یہ منکرین کس انداز سے جاننا چاہتے ہیں۔۔۔

وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۵۳﴾

اور ٹوہ لیتے ہیں تم سے کہ کیا یہ ٹھیک ہے۔۔۔ تم اعلان کردو، کہ "ہاں میرے پروردگار کی قسم یہ بالکل ٹھیک ہے"۔۔ اور نہیں ہے کہ تم بھاگ بھاگ کر تھکا سکو●

(اور ٹوہ لیتے ہیں تم سے کہ کیا یہ ٹھیک ہے؟) یعنی کیا یہ قرآن واقعی خدا کا کلام ہے اور آپ واقعی خدا کے رسول ہیں؟ تو اے محبوب! (تم اعلان کردو، کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم یہ بالکل ٹھیک ہے) یعنی میرا دعویٰ نبوت۔۔۔یا۔۔قرآن۔۔۔یا۔۔۔بعث۔۔۔یا۔۔۔عذابِ موعود، حق اور صحیح اور درست ہے۔ (اور نہیں ہے کہ تم بھاگ بھاگ کر تھکا سکو) اور خدا کو عذاب کرنے سے عاجز کردو۔ یاد رکھو، کہ اس کی قدرت میں عاجزی کو دخل نہیں اور تم اپنے اوپر سے اس کا عذاب روک نہ سکوگے۔۔ الختصر۔ قیامت کا دن آکے رہے گا۔

اب اگلی آیت میں اس دن کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: (۱)۔۔ ظالم کے اگر بس میں

وقف لازم | وقف النبی علیہ السلام | ۵ ع ۱۲

ہوتا، تو دُنیا کی ساری دولت دے کر بھی اپنے کو عذاب سے چھڑا لیتا، ﴿۲﴾۔۔ظالم عذاب کو دیکھ کر اپنی پشیمانی چھپائیں گے۔ ﴿۳﴾۔۔اُن کے درمیان عدل سے فیصلہ کیا جائے گا۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

اور اگر ہر جان کی جس نے ظلم کیا ہے، زمین کی ہر چیز ہوتی، تو اپنی بچت کیلئے دے دیتی۔ اور دل میں بڑے جھینپے

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

جب کہ دیکھ لیا عذاب کو۔ اور فیصلہ فرما دیا گیا ان کا انصاف سے۔ اور وہ لوگ ظلم نہ کیے جائینگے●

(اور) واضح فرما دیا جاتا ہے، کہ (اگر ہر جان کی جس نے ظلم کیا ہے زمین کی ہر چیز ہوتی) اور وہ زمین کے سارے مال ومتاع کی مالک ہوتی اور ان سب کو بطورِ فدیہ دے دینے میں چھٹکارا مل سکتا، (تو اپنی بچت کے لیے دے دیتی)۔ اور ظاہر ہے کہ نہ ایسا ہو سکے گا اور نہ ہی اُسے عذاب سے چھٹکارا مل سکے گا۔ ان حالات میں وہ بہت پچھتاوے میں رہے (اور دل میں بڑے جھینپے جبکہ دیکھ لیا عذاب کو اور فیصلہ فرما دیا گیا ان کا انصاف سے) یعنی مومنوں اور کافروں کے درمیان۔۔یا۔۔سرداروں اور فرمانبرداروں کے بیچ۔۔یا۔۔ظالموں اور مظلوموں کے مابین، انصاف اور درستگی کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور جو جس جزاء کا مستحق تھا اُسے وہ دے دی گئی، تو سنو (اور) یاد رکھو کہ (وہ لوگ ظلم نہ کیے جائیں گے) ثواب گھٹا کر اور عذاب بڑھا کر، یعنی نہ تو ان کا ثواب گھٹایا جائے گا اور نہ ہی ان کا عذاب بڑھایا جائے گا۔

رہ گئی ان کی مذکورہ بالا پشیمانی، تو کچھ لوگ تو اپنے اعمالِ شرک پر ندامت ظاہر کریں گے اور کچھ لوگ اپنے یاروں اور ہواخواہوں سے منہ چھپائیں گے، کہ کہیں وہ ہماری لعنت وملامت نہ شروع کر دیں۔۔یا یہ کہ۔۔عذاب کے ہول سے مبہوت ہو کر بولنے کی قدرت نہ رکھیں گے۔۔الحاصل۔۔اگر ہر ظالم کی ملکیت میں روئے زمین کی تمام چیزیں ہوتیں، تو وہ عذاب سے بچنے کے لیے ان سبھوں کو ضرور دے ڈالتا۔ لیکن حقیقت حال یہ ہے، کہ ظالم کی ملکیت میں کوئی چیز نہیں۔۔چنانچہ۔۔اس مقام پر۔۔۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

ہوش سے سنو! "کہ بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے"۔ اچھی طرح سنو! "کہ اللہ کا وعدہ حق ہے"،

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

لیکن ان کے اکثر نادان ہیں●

(ہوش سے سنو! کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) تو وہ کافروں سے فدیہ اور بدلہ لینے کا محتاج نہیں اور ثواب اور عذاب پہنچانے پر قادر ہے۔(اچھی طرح سنو کہ اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ) ثواب وعذاب کے باب میں (حق ہے)، سچ ہے اور اس میں خلاف ممکن نہیں۔(لیکن ان) کافرین وظالمین (کے اکثر نادان ہیں) وہ جانتے ہی نہیں اِسی لیے دنیا پر مغرور ہیں اور عقبیٰ کو پہچاننے سے دور ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی اپنی چیزوں کے مالک ہیں، جبھی تو کہتے ہیں یہ میرا مکان ہے، یہ میری فیکٹری ہے، یہ میری دوکان ہے، یہ میرے باغ ہیں، یہ میری کھیتیاں ہیں، یہ میری جائداد ہے، وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ نہیں سوچتے یہ ساری ملکیتیں مجازی ہیں، حقیقی مالک تو وہ ذات ہے جو مالکِ السموات والارض اور خالقِ کائنات ہے۔

هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے، اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے●

(اور وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے)۔ وہی زندگی دینے والا ہے اور وہی زندگی لینے والا ہے۔ جب وہ تمہاری زندگی واپس لے لے گا، تو تمہاری ملکیت میں کیا رہ جائے گا۔ تم نہ اپنے مالک ہو اور نہ اپنی چیزوں کے مالک ہو۔ سب کا وہی مالک ہے۔(اور) تم سب موت یا بعث کے ذریعہ (اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)۔

اس سے پہلے سورۂ یونس کی آیت ۳۷، ۳۸ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا تھا، کہ سیدنا محمد ﷺ کی نبوت کی دلیل قرآنِ مجید ہے اور اب اگلی آیت میں قرآنِ مجید کی صفات بیان فرمائی جارہی ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا جارہا ہے۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا

اے لوگو! بیشک آگئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے، اور تندرستی امراض

فِى الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

سینہ کیلئے۔۔ اور ہدایت و رحمت مان جانے والوں کیلئے●

(اے لوگو! بے شک آ گئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار کی طرف سے) یعنی ایک کتاب جس میں تمہاری عاقبت کی صلاح وفلاح کے لیے نصیحتیں سنائی گئی ہیں، زجر وترہیب سے بھی اور نرمی اور ترغیب کے طور پر بھی۔۔الغرض۔۔اس کتابِ مبین میں تمہارے منافع ونقصانات کے امور واضح طور پر بتائے گئے ہیں اور سمجھایا گیا ہے، کہ نیک اعمال سے تمہاری زندگی سنور جائے گی اور برے اعمال سے تمہاری عاقبت خراب ہوگی۔اس کتاب کی پہلی خصوصیت تو یہ ہے، کہ یہ نصیحت ہے۔(اور) دوسری خصوصیت یہ ہے، کہ یہ (تندرستی) ہے (امراضِ سینہ کے لیے) قلب کے جملہ امراض جیسے جہل وشک اور شرک ونفاق اور دیگر جمیع عقائدِ فاسدہ کو بھی اس سے شفاء نصیب ہوگی (اور) اس کی تیسری اور چوتھی خصوصیت یہ ہے، کہ یہ (ہدایت ورحمت) ہے (مان جانے والوں کے لیے) یعنی یہ حق و یقین کے راستے کی رہبری کرے گی اور آفاق وانفس کے دلائل اسی سے معلوم ہوں گے۔اور وہ اس معنی میں اہل ایمان کے لیے رحمت ہے، کہ اسی کی برکت سے وہ کفر وضلال کی ظلمات سے نجات پاتے رہیں گے۔

> دراصل قرآن کریم ناصح، شافی، ہادی اور رحیم ہے، لیکن مبالغۃً اس کو نصیحت، شفاء، ہدایت اور رحمت ارشاد فرمایا گیا ہے، گویا قرآن مجید امور مذکورہ کا عین ہے۔بے شک قرآن مجید نفوس کے لیے موعظہ، قلوب کے لیے شفاء، اور ارواح کے لیے ہُدیٰ ہے۔۔نیز۔۔قرآنِ مجید عوام کے لیے موعظت، خواص کے لیے شفاء، اور اخص کے لیے ہُدیٰ، اور تمام عوام و خواص واخص کے لیے رحمت ہے، اس لیے کہ اسی کی بدولت ہر ایک اپنے اپنے مراتب و مقامات پر پہنچا ہے۔۔۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿٥٨﴾

کہہ دو، کہ "اللہ کا فضل اور اسکی رحمت، یہ چیزیں ہیں جسکی سب خوشی منائیں، اور یہ بہتر ہے اس سے جو جمع کرتے ہیں"●

اے محبوب! (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (کا فضل اور اس کی رحمت) خواہ وہ قرآنِ کریم کی شکل میں ہو۔۔یا۔۔صاحبِ قرآن ﷺ کی صورت میں ہو، جن سے قرآنِ کریم اور دین اسلام جیسی نعمت ملی ہے۔۔الغرض۔۔(یہ چیزیں ہیں جس کی سب خوشی منائیں) اور اُن کے ملنے پر خدا کا شکر ادا کریں اور اظہارِ مسرت کے لیے ایسے اعمال انجام دیں جو خدا اور رسول کی رضا وخوشنودی کے باعث ہوں (اور

یہ) یعنی جس فضل ورحمت کا اوپر ذکر ہوا ہے (بہتر ہے اس) فنا ہو جانے والے اور زائل ہو جانے والے دنیاوی مال واسباب (سے جو) طالبانِ دنیا (جمع کرتے ہیں)۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا حاصل یہ ہے، کہ اے میرے بندے! میرے فضل اور رحمت پر اعتماد کر، اپنی طاعت اور خدمت پر نہیں۔اس واسطے، کہ میرے فضل کے سوا اور کسی پر بھروسہ نہیں اور میری رحمت کے سوا اور کسی سے راحت نہیں۔ ہر ایک کا ایک سرمایہ ہے، مگر مومنوں کا سرمایہ میرا فضل ہی ہے، اور ہر ایک کا ایک خزانہ ہے، لیکن مومنوں کا خزانہ میری رحمت ہی ہے۔

بہت ساری آیات واحادیث وآثار نے واضح فرمادیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کے فضل اور رحمت ہیں، اور اللہ کے فضل ورحمت پر خوشی منانے کا حکم ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور مومنین اہل کتاب آپ کی وجہ سے فرحت اور مسرت کا اظہار کرتے تھے۔ چونکہ آپ اللہ کی نعمت ہیں اور مومنین کی شان یہ ہے، کہ وہ اللہ کی نعمت پر خوشی مناتے ہیں، سو جس دن رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی، اس دن آپ کی ولادت پر خوشی کرنا اور عیدِ میلاد منانا اور جشن آمدِ رسول کا اظہار کرنا، آیاتِ الٰہیہ، احادیثِ رسول، اور آثارِ صحابہ کے بالکل مطابق ہے۔۔۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر بہ کثرت دلائل قائم فرمائے تھے۔اُن کے شبہات کے جواب دِیے اور اُن کے شبہات کو زائل فرمایا۔اس کے بعد اُن کے خودساختہ مذہب کا رد فرمایا، کہ انھوں نے بعض چیزوں کو حلال قرار دیا ہے اور بعض چیزوں کو حرام کہا ہے، حالانکہ ان کی بنائی ہوئی اِس حلت اور حرمت پر نہ عقل شاہد ہے نہ نقل۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ

پوچھو کہ یہ بتاؤ، جو کچھ اتارا اللہ نے تمہاری روزی، تو بنالیا تم نے اس میں سے حرام وحلال۔

قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝

کہو کہ کیا اللہ نے تمہیں حکم دیا تھا، یا اللہ پر افترا کرتے ہو●

اے محبوب! ان سے (پوچھو کہ یہ بتاؤ جو کچھ اُتارا اللہ) تعالیٰ (نے تمہاری روزی) یعنی چار پائے جن کا کھانا حلال ہے (تو بنالیا تم نے اس میں سے حرام وحلال)، یعنی اس میں سے بعضے کو تم نے

کہا حلال ہے اور بعضے کو تم نے کہہ دیا حرام ہے، جیسے بحیرہ، سائبہ اور اس کے مثل۔ اور بعضے کو تم نے کہہ دیا کہ کچھ لوگوں پر حلال ہے اور کچھ لوگوں پر حرام ہے۔ اس واسطے، کہ تم نے یہ کہا کہ جو چیز ان چار پاؤں کے پیٹوں میں ہے وہ خالص ہے ہمارے مردوں کے واسطے اور حرام کی گئی ہے ہماری جوروؤں پر، ان سے (کہو کہ کیا اللہ) تعالیٰ (نے تمہیں) یہ (حکم دیا تھا یا اللہ) تعالیٰ (پر افتراء کرتے ہو) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اسے منسوب کر کے اس پر افتراء کرتے ہو۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ

اور کیا خیال ہے ان کا، جو گڑھیں اللہ پر جھوٹ قیامت کے دن، بے شک

اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ؑ ۶۰ ع ۷ ۱۱

اللہ فضل والا ہے لوگوں پر، لیکن ان کے بہتیرے ناشکرے ہیں●

(اور کیا خیال ہے ان کا جو گڑھیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ قیامت کے دن)، قیامت میں ان ٹولوں کا کیا حال ہوگا، جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء کرتے ہوئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینے میں جری ہیں، آخر یہ کیا گمان رکھتے ہیں، کہ حق تعالیٰ اُن کے ساتھ کیا کرے گا قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ کے حضور تمام افعال واقوال پیش ہوں گے اور اُن کے ذرّے ذرّے کا حساب لے کر جزاو سزا کا حکم صادر فرمائے گا۔

اس میں قیامت اور اس کے متعلقات کی ہولناکیوں سے ڈرایا گیا ہے۔ اس پوشیدگی میں بڑی تہدید اور وعید ہے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (فضل والا ہے لوگوں پر) کہ انھیں عقل جیسی نعمت عطا فرمائی ہے، جس سے وہ حق و باطل اور حسن وقبح کی تمیز کر سکتے ہیں۔ اور ان پر لطف و کرم فرمایا، کہ انہیں کتابوں سے نوازا اور اپنے رسولوں کو بھیجا، (لیکن اُن کے بہتیرے ناشکرے ہیں)، یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے اور نہ ہی اپنے قویٰ و مشاعر کو ان امور میں لگاتے ہیں، جن کے لیے وہ پیدا کیے گئے ہیں۔ اور جو ضروری امور ہیں ان کے سمجھنے کے لیے نہ عقل سے کام لیتے ہیں اور نہ ہی شرعی احکام پر گامزن ہوتے ہیں، حالانکہ ان دونوں کے بغیر انسانیت پروان نہیں چڑھ سکتی۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ

اورنہیں ہوتم کسی حال میں، اورنہیں تلاوت کرتے کچھ قرآن سے، اورنہیں کرتے کوئی عمل،

إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ

مگر یہ کہ ہم تم پر گواہ تھے، جب تم نے اس کی ابتدا ہی کی تھی۔ اورنہیں غائب ہے تمہارے پروردگار سے

مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ

ذرہ بھر، زمین میں اور نہ آسمان میں، اور کوئی چیز اس سے چھوٹی

وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾

اور بڑی نہیں، مگر روشن کتاب میں ہے●

اس سے پہلی آیات میں یہ فرمایا تھا، کہ ان میں سے اکثر شکر ادا نہیں کرتے۔اب اس آیت میں یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم بندوں کے تمام اعمال کو محیط ہے، خواہ وہ چھوٹا کام کریں۔۔یا۔۔بڑا کام کریں۔۔یا۔۔وہ کسی کام کا ارادہ کریں اور اس کام کو نہ کریں، وہ اُن کے دِلوں کے احوال اور ظاہری افعال سب کو ہر حال میں اور ہر وقت جاننے والا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ کون اُس کی اطاعت کرنے والا ہے، اور کون اُس کا شکر ادا کرنے والا ہے۔ کون گناہوں سے بچنے والا ہے اور کون گناہوں میں ڈوبنے والا ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، خواہ کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز ہو۔۔یا۔۔بڑی سے بڑی چیز ہو، وہ سب لوحِ محفوظ میں مندرج ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کے لیے نوید ہے اور کفار کے لیے وعید ہے۔اس آیت میں پہلے رسول اللہ ﷺ سے خطاب فرمایا، اس کے بعد تمام مکلفین سے خطاب فرمایا۔رسول اللہ ﷺ کے متعلق دو چیزوں کا ذکر فرمایا: ﴿١﴾۔۔آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں، یعنی آپ جو بھی نیکی کا کام کرتے ہیں۔۔نیز۔۔دُنیا کا جو بھی کام کرتے ہیں۔۔المختصر۔۔اپنی حوائج اور ضروریات میں سے جس چیز میں بھی مشغول ہوتے ہیں۔﴿٢﴾۔۔آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید کی جس قدر بھی تلاوت کرتے ہیں۔

پھر تمام مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو، ہم اس پر گواہ ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے اور ہر چیز کا عالم ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا

خالق ہے اور جو چیز موجود ہے وہ اُس کی ایجاد سے موجود ہے اور جو کسی چیز کا موجد ہوتا ہے، وہ اس چیز کا عالم بھی ہوتا ہے۔ پس جب وہ تمام جہانوں کا موجد ہے تو پھر تمام جہانوں کا عالم بھی ہے۔۔الحتصر۔۔ارشاد ہوتا ہے۔

اَے محبوب! (اور نہیں ہوتم کسی حال میں) یعنی کسی کام میں اپنے کاموں میں سے، (اور نہیں تلاوت کرتے کچھ قرآن سے)، یعنی نہیں پڑھتا ہے تو کوئی آیت اور کوئی سورہ اس سے جو بھیجا ہے اللہ نے، (اور) اَے لوگو! تم (نہیں کرتے کوئی عمل مگر یہ کہ ہم تم پر گواہ تھے) اسی وقت سے (جب تم نے اس کی ابتداء ہی کی تھی)۔۔الحتصر۔۔تم ہماری نگہبانی ونگرانی ہی کے دائرے میں رہے اور ایک پل کے لیے بھی اس سے باہر نہ ہو سکے۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (نہیں غائب ہے تمہارے پروردگار) کے علم (سے ذرّہ بھر) یعنی چھوٹی چیونٹی کے برابر۔۔یا۔۔اس کے برابر جو آفتاب کی شعاع سے روشندان کے سامنے چمکتا ہوا غبار نظر آتا ہے، (زمین میں اور نہ آسمان میں)۔

قرآنِ مجید میں بالعموم آسمانوں کا ذکر زمین پر مقدم ہی ہوتا ہے، لیکن اس آیت میں چونکہ پہلے زمین والوں کے احوال اور اُن کے اعمال کا ذکر کیا تھا اور یہ فرمایا تھا، کہ اللہ تعالیٰ ان سب کے اعمال پر گواہ ہے، اس لیے اس آیت میں زمین کے ذکر کو آسمان کے ذکر پر مقدم فرمایا۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ ذرّے ذرّے کا عالم ہے۔

(اور کوئی چیز اس) ذرّے (سے) بھی (چھوٹی اور بڑی نہیں، مگر روشن کتاب) یعنی لوحِ محفوظ (میں) لکھی ہوئی (ہے)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ کسی کا کوئی کام حق تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں اور ہر بات اور کام کے مناسب اس کی جزا کا حکم فرمائے گا۔ تو اس کلام کے ضمن میں مسلمانوں کو تو کمالِ ثواب کا وعدہ ہے اور مشرکوں کو نہایت عذاب کی وعید ہے۔ پھر ایمان والوں کی جزا سے خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے۔۔۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

آگاہ ہو جاؤ، "کہ بیشک اللہ کے ولی، نہ کوئی ڈر ہے انھیں، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں"●

(آگاہ ہو جاؤ کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (کے ولی) کی بڑی شان ہے، کیونکہ (نہ) تو (کوئی ڈر ہے انھیں) ان پر مکائد وشدائد پہنچنے سے، (اور نہ) ہی (وہ رنجیدہ) خاطر (ہوں) گے مقاصد و

مطالب فوت ہونے سے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کی ملاقات کے سبب سے خدا یاد آئے، جو اپنے نفس کے دشمن ہوں، یعنی خدا کی محبت میں اپنی نفس کشی کریں، جو شریعت کا عنوان اور حقیقت کا برہان ہوں۔۔ نیز۔۔ جن کا ظاہر احکام شرع سے آراستہ ہو اور ان کا باطن انوارِ فقر سے پیراستہ ہو۔ جو خدا کے واسطے باہم دوستی کریں۔ ان لوگوں کو سخت مقاموں میں کچھ خوف نہیں اور روزِ قیامت کے ہولوں سے غمگین نہ ہوں گے۔۔ الحاصل۔۔ وہ لوگ کسی بھی مقام پر خوف زدہ اور رنجیدہ خاطر ہونے والے نہیں۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

جو ایمان لائے اور خوفِ خدا رکھتے تھے ● انکے لئے مژدہ ہے دنیاوی زندگی میں

وَفِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾

اور آخرت میں۔ کوئی تبدیلی نہیں ہے اللہ کی باتوں میں۔ یہی بڑی کامیابی ہے ●

(جو ایمان لائے) اس چیز پر جو خدا کی طرف سے آئی (اور خوفِ خدا رکھتے تھے) اس کے قریب جانے سے جسے خدا نے حرام فرما دیا۔۔۔ (ان) خوش نصیبوں (کے لیے مژدہ) اور خوشخبری (ہے دُنیاوی زندگی میں)۔ یعنی وہ اچھے خواب جو وہ خود دیکھیں۔۔ یا۔۔ اُن کے تعلق سے کوئی دوسرا دیکھے، جنہیں مبشرات کہا جاتا ہے۔

۔۔ یا۔۔ یہاں خوشخبری سے مُراد ملائکہ کی وہ خوشخبریاں ہیں، جو مرتے وقت وہ مسلمانوں کو دیتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خوشخبری یہ ہے، کہ مسلمان مرنے سے پہلے بہشت میں اپنی جگہ دیکھ لے۔ یہ بھی کہا گیا ہے، کہ خوشخبری سے مُراد ان مسلمانوں کے ساتھ لوگوں کی محبت اور ان کی نیک نامی ہے، یعنی انھیں رجحانِ خلق حاصل ہو جاتا ہے۔

(اور) انہیں خوشخبری ہے (آخرت میں) اور وہ ان پر ملائکہ کا سلام ہوگا۔

۔۔ یا یہ کہ۔۔ دیدارِ الٰہی کا وعدہ دُنیا میں خوشخبری ہے اور اس وعدہ کا وفا ہونا، یہ آخرت میں خوشخبری ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا، کہ ولی کو دو بشارتیں ہیں: دُنیا میں معرفت اور عقبیٰ میں سرفرازی کا خلعت۔ یہاں مجاہدہ کا سرور، وہاں مشاہدہ کا نور۔ یہاں صفا اور وفا، وہاں رضا اور بقا۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ یہ ہو کے رہے گا، اس لیے کہ۔۔۔

(کوئی تبدیلی نہیں اللہ) تعالیٰ (کی باتوں میں)، یعنی اس کا جو وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا

جس میں فرق پڑنے والا نہیں۔ (یہی بڑی کامیابی ہے)۔ کتنی بڑی کامیابی؟ فہم انسانی اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ کسی عاقل کی عقل وہاں تک نہیں پہنچ سکتی، کہ اس کی کنہ اور باریکی کو دریافت کر سکے۔

اس سے پہلے کفارِ مکہ کے مختلف شبہات کے جوابات دِیے تھے۔ کفارِ مکہ جب دلائل سے عاجز آ گئے، تو انہوں نے دھاندلی کا طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے نبی ﷺ کو دھمکایا اور خوف زدہ کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے یہ ظاہر کیا، کہ وہ مالدار ہیں اور ان کا جتھا ہے اور وہ اپنی طاقت اور اپنے زور سے نبی ﷺ کو ناکام بنائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے رد کے لیے اور نبی کریم کی تسلی کے لیے یہ آیت نازل فرمائی، کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے، پھر یہ آیت نازل فرمائی، کہ۔۔۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾

اور نہ رنج دے تم کو ان لوگوں کی کوئی بکواس۔۔۔ بیشک عزت ساری اللہ کیلئے ہے۔ وہ سننے والا علم والا ہے●

اے محبوب! فکر مند نہ کر دے (اور نہ رنج دے تم کو ان لوگوں کی کوئی بکواس)۔ اللہ تعالیٰ آپ کا مددگار ہے اور (بے شک عزت ساری) اور ہر قسم کا غلبہ (اللہ) تعالیٰ ہی (کے لیے ہے)۔ اللہ تعالیٰ آپ کے خلاف ان کو قدرت نہ دے گا، بلکہ آپ کو اُن کے خلاف قدرت عطا فرمائے گا۔

۔۔لہٰذا۔۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار کے ضرر سے محفوظ رکھا اور وہ آپ کو قتل کرنے کے منصوبہ کو پورا کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ یہی خداوندی نصرت و اعانت تھی جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو کبھی بھی کفار کا خوف نہیں ہوا۔ آپ صرف اللہ سے ڈرتے تھے اور کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ آپ کی ہجرت بھی کسی خوف کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق تھی، کیونکہ ہر نبی ایک مرتبہ کفار کے علاقہ سے ہجرت کرتا ہے، پھر دوبارہ فاتح کی حیثیت سے وہیں لوٹتا ہے۔

اسی طرح جنگِ بدر میں نبی کریم کا گڑگڑا کر اللہ سے دُعا کرنا بھی اظہارِ عبودیت کے لیے تھا۔ کفار کے خوف کی وجہ سے نہ تھا۔ اسی طرح غارِ ثور میں تین۳ دن پوشیدہ رہنا کفار کے ڈر اور خوف کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ ظاہری اسباب اختیار کرنے کی وجہ سے تھا۔

۔۔الحتصر۔۔ اے محبوب! آپ کفار کی بکواس کا خیال نہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کا ناصر و نگہبان ہے۔ اور (وہ سننے والا) ہے ان کی بیہودہ باتوں کو اور (علم والا ہے) یعنی جاننے والا ہے اُن کے حالات

کا۔۔لہٰذا۔۔وہ جو جوارادہ اور نیت رکھتے ہیں، اس کے مناسب انھیں جزاء دے گا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ ۗ وَمَا یَتَّبِعُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ

خوب سن لو! کہ اللہ ہی کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے۔ اور کیا چال چلتے ہیں جو پکارتے ہیں

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ اِنْ یَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

اپنے بنائے ہوئے، اللہ کو چھوڑ کر اس کے شریک۔ نہیں چلتے مگر گمان پر، اور وہ بس اٹکل لگاتے ہیں●

اس سے پہلے سورۂ یونس آیت ۵۵ میں فرمایا تھا، کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام غیر ذوی العقول چیزیں اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اب اس آیت ۶۶ میں فرما رہا ہے، کہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام ذوی العقول چیزیں بھی اللہ کی ملکیت میں ہیں۔ اور ذوی العقول سے مراد جن، انس اور ملائکہ ہیں۔ ان دونوں آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ عقل والے ہوں۔۔یا۔۔بے عقل، تمام جمادات، نباتات، حیوانات، جن، انسان اور فرشتے، سب اللہ کے مملوک ہیں۔ اس میں مشرکین کا رد ہے، جو بتوں کو پوجتے تھے کیونکہ تمام پتھر اُس کے مملوک ہیں، سو بُت بھی اس کے مملوک ہیں۔ اور جو مملوک ہو، وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے۔

اسی طرح اس میں یہود اور نصاریٰ کا بھی رد ہے، جو حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانتے تھے، کیونکہ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ بھی اللہ کے مملوک ہیں۔ اور جو مملوک ہو، وہ معبود کیسے ہوسکتا ہے۔ اس پر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا، یہ لوگ جو اللہ کو چھوڑ کر خود ساختہ شریکوں کی پیروی کر رہے ہیں، یہ کس کی پیروی کر رہے ہیں؟ یعنی یہ جن شریکوں کی پیروی کر رہے ہیں، وہ تو سب اللہ کے مملوک ہیں، تو وہ عبادت کے کیسے مستحق ہوگئے؟ یہ صرف اپنے گمان کی پیروی کر رہے ہیں اور ان کا اندازہ غلط ہے۔۔الحاصل۔۔

(خوب سُن لو، کہ اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے) فرشتے (اور جو بھی زمین میں ہے) جن وانس۔ یہ ساری کی ساری مخلوقات اُسی کی مِلک ہیں اور اُسی کے بندے ہیں، ان میں سے کسی کو بھی حق نہیں پہنچتا، کہ اس کے ساتھ ربوبیت میں شریک ہونے کا دعویٰ کرے۔ اور جب وہ چیزیں شریک ہونے کی لیاقت نہیں رکھتیں جن میں عقل ہے، تو کنکر پتھر کو خدا کا شریک ٹھہرانا نہایت نادانی اور بڑی ہی گمراہی ہے۔

کیا پیروی کرتے ہیں؟ (اور کیا چال چلتے ہیں) وہ لوگ (جو پکارتے ہیں اپنے بنائے ہوئے اللہ)

تعالیٰ (کو چھوڑ کر اس کے شریک)۔ تو سچی بات تو یہ ہے، کہ وہ لوگ (نہیں چلتے مگر گمان پر)۔ انہوں نے بتوں کی نسبت سے گمان کرلیا ہے، کہ یہ خدا کے شریک ہیں، حالانکہ ربوبیت میں شرکت محال ہے۔ (اور وہ بس اٹکل لگاتے ہیں)۔۔ چنانچہ۔۔ شرکت کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ سب جھوٹ ہے۔

شرکت کی نفی فرما کر کمالِ قدرت اور کمالِ رحمت پر آگاہ فرماتا ہے، تاکہ اس کے سبب سے اس کی وحدانیت اور فردانیت پر دلیل پکڑ کے جان لیں کہ عبادت کا مستحق وہی ہے۔۔

چنانچہ۔۔ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ

وہی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے رات، کہ آرام پاؤ اس میں، اور دن کو دیکھ بھال کراتا۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾

بیشک اس میں نشانیاں ہیں سننے والی قوم کیلئے●

(وہی ہے جس نے بنایا) اپنی قدرتِ کاملہ سے (تمہارے لیے رات) اندھیری تا (کہ آرام پاؤ اس میں) اور دن بھر کی تھکن دور کر کے آسائش کرلو (اور دن کو دیکھ بھال کراتا) یعنی دن کو روشن بنایا، تاکہ اس میں تم ہر طرف دیکھ بھال کرو اور اپنے کام بنانے میں مشغول ہو جاؤ اور اپنی ضروریاتِ زندگی فراہم کرسکو۔ (بے شک اس میں) یعنی دن رات پیدا کرنے اور اُن کے اندھیرے اجالے میں (نشانیاں ہیں) صانع حکیم کی توحید پر (سننے والی قوم کے لیے)۔ یعنی اس گروہ کے واسطے جو قرآنِ کریم کو گوش ہوش سے سنتے ہیں اور اس میں غور وفکر کرتے ہیں۔ رہ گئے وہ لوگ جو عقل و ہوش سے عاری اور فہم وفراست سے تہی دامن ہیں۔

۔۔ مثلاً: کفارِ مکہ میں سے بنی مدلج ایسے یتیم العقل تھے، کہ۔۔۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِىُّ ؕ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ

بک دیا انھوں نے کہ بنالیا ہے اللہ سبحانہٗ نے اپنی اولاد۔ وہ بے نیاز۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔

اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

نہیں ہے تمہارے پاس کوئی سند اس بکواس کی۔ کیا کہہ ڈالتے ہو اللہ پر، جس سے بے خبر رہتے ہو●

(بک دیا انہوں نے کہ بنالیا اللہ سبحانہٗ نے اپنی اولاد)۔ بکتے وقت یہ بھی نہیں سوچا، کہ اولاد تو وہ چاہتا ہے جو ضعیف ہو، تاکہ اس کے سبب سے قوت حاصل کرے۔۔یا۔۔فقیر ہو کہ اس کی اعانت سے دن کاٹے۔۔یا۔۔ذلیل ہو کہ اس کے سبب سے عزت اور شرف پائے۔۔یا۔۔حقیر و گمنام ہو کہ اس کے سبب سے نام اور راہ و رسم پیدا کرے اور اس کے بعد اس کے امور کی وارث اس کی اولاد ہو، اور یہ سب باتیں۔ محتاجی کی علامتیں ہیں۔ تو (وہ) جو غنی مطلق اور (بے نیاز) ہے، وہ ہرگز اولاد نہیں لیتا۔

۔۔یا۔۔ ہم یہ کہیں، کہ اولاد باپ کی جزء ہوتی ہے، تو یہ ترکیب کی صورت ہوگی اور ہر ایک مرکب ممکن ہوتا ہے۔ اور جو مرکب ہے وہ غیر کا محتاج ہے۔ اور واجب الوجود غنی مطلق ہے، تو اس میں محتاج ہونے کا دخل ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی کی طرف اِشارہ فرمانے کے لیے ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

(اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے)، یعنی نفائس علویات اور بدائع سفلیات، سب کچھ کا مالک وہی ہے۔ رہ گئی اولاد کی بات، تو اَے مشرکو! (نہیں ہے تمہارے پاس کوئی سند) یعنی دلیل و حجت تمہاری (اس بکواس کی)، کہ خدا اولاد لیتا ہے۔ اَے جاہلو! تم (کیا کہہ ڈالتے ہو اللہ) تعالیٰ (پر) جھوٹ اور افتراء کے طور پر، تم خود (جس سے بے خبر رہتے ہو)۔۔ مثلاً: خدا کو صاحبِ اولاد قرار دینا اور اُس کا شریک ٹھہرانا وغیرہ۔ اَے محبوب! ان جھوٹوں اور افتراء پردازوں سے۔۔۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا

کہہ دو، کہ "بیشک جو گڑھتے ہیں اللہ پر جھوٹ، کامیاب نہ ہونگے" ● کچھ دن کا رہنا سہنا ہے دنیا میں،

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع ١٢ (المنزل)

پھر ہماری طرف انہیں لوٹنا ہے، پھر چکھائینگے ہم انہیں سخت عذاب جو کفر کیا کرتے تھے ●

(کہہ دو کہ بے شک جو گڑھتے ہیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، وہ (کامیاب نہ ہوں گے)۔ نہ انھیں دوزخ سے چھٹکارا ملے گا، اور نہ ہی جنت میں رسائی۔ ان کے واسطے (کچھ دن کا رہنا سہنا ہے دُنیا میں)۔ ان مختصر سے دنوں میں جو چاہیں فائدہ حاصل کرلیں۔ اسکے بعد بجز افسوس و حسرت کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ الختصر۔۔ یہ دنیاوی فائدہ بھی اُن کے لیے دائمی نہیں، کیونکہ انھیں ہمیشہ کے لیے دُنیا ہی میں نہیں رہ جانا ہے، بلکہ (پھر ہماری طرف انھیں لوٹنا ہے، پھر چکھائیں گے ہم انھیں سخت

عذاب) ہمیشہ رہنے والا جو کبھی ختم ہی نہ ہو۔ یہ نتیجہ ہے اس کا (جو) یہ لوگ ہماری کتاب اور ہمارے رسول کے ساتھ (کفر کیا کرتے تھے)، اور خدا اور رسول پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت کرنے سے گریز کرتے تھے۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کفارِ مکہ کے شبہات کا ازالہ فرمایا تھا اور توحید و رسالت پر دلائل قائم فرمائے تھے، اب اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے دوسرا عنوان شروع فرمایا اور انبیاء علیہم السلام کے قصص کا بیان شروع فرمایا۔ ایک نوع کے طویل خطاب کے بعد، خطاب کی ایک دوسری نوع کی طرف منتقل ہونے سے مخاطب کو اس نئے موضوع سے دلچسپی ہونے لگتی ہے اور اس کا ذوق وشوق تازہ ہو جاتا ہے۔

انبیاءِ سابقین کے قصص بیان فرمانے میں یہ بھی حکمت ہو سکتی ہے، کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب یہ سنیں گے، کہ تمام کافر تمام رسولوں کے ساتھ اسی طرح انکار اور مخالفت کے ساتھ پیش آتے رہے ہیں اور واضح دلائل اور معجزات دیکھنے کے باوجود ان کو جھٹلاتے رہے ہیں، تو کفارِ مکہ کی مخالفت اور ان کی شقاوت کو برداشت کرنا آپ سب پر سہل اور آسان ہو جائے گا۔۔۔ نیز۔۔۔ جب کفار انبیاءِ سابقین کے ان واقعات کو سنیں گے، تو ان کو یہ علم ہو جائے گا کہ انبیاءِ متقدمین کو اُن کے زمانہ کے کافروں نے ایذاء پہنچانے میں اپنی انتہائی طاقت صرف کر دی، لیکن بالآخر وہ ناکام اور نامراد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کی مدد فرمائی اور کافر ذلیل اور رُسوا ہوئے۔ تو ہو سکتا ہے، کہ ان واقعات کو سن کر کفار کے دل خوف زدہ ہوں اور وہ اپنی ایذاء رسانیوں سے باز آجائیں۔۔۔

ویسے بھی ان قصص کو بیان کر دینا، آپ کی نبوت کی صداقت اور قرآنِ مجید کی حقانیت کی واضح دلیل ہے، اس لیے کہ آپ امی تھے۔ آپ نے کسی معلم سے پڑھا تھا، نہ ہی کسی عالم کی صحبت میں بیٹھے تھے۔۔۔ بااین ہمہ۔۔۔ آپ نے انبیاءِ سابقین کے واقعات اُسی طرح بیان فرمائے، جس طرح تورات زبور اور انجیل میں لکھے ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوا، کہ آپ نے ان قصص کو اللہ تعالیٰ کی وحی سے جانا تھا۔۔۔ تو اے محبوب! تلاوت فرماؤ۔۔۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ

اور پڑھ سناؤ انھیں نوح کی خبر۔۔۔ جبکہ کہا انھوں نے اپنی قوم کو، "اے قوم اگر تم پر پہاڑ ہے میرا ٹھہرنا،

وقف لازم

وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ

اور اللہ کی نشانیوں کو یاد دلانا، تو اللہ ہی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے، تو تم لوگ مل کر سامان کرو اپنے حملے کا اپنے بنائے شریکوں کے ساتھ

ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ﴿۷۱﴾

پھر نہ رہ جائے تمہارا طریق کار تم پر مشتبہ، پھر کر گزرو میرا فیصلہ اور مجھے مہلت ہی نہ دو●

(اور پڑھ سناؤ انھیں) یعنی اہل مکہ کو (نوح کی خبر) اور یاد کرو (جبکہ کہا انہوں نے اپنی قوم کے مشرکین (کو) کہ (اے قوم اگر تم پر پہاڑ ہے) اور گراں ہے تمہارے بیچ ایک طویل مدت تک (میرا ٹھہرنا)۔

آپ علیہ السلام نے نوسو پچاس ۹۵۰ برس اپنی قوم کو خدا کی طرف دعوت کی اور ان سے رنج و صدمے سہے۔ جب قوم کا ظلم حد سے گزر گیا، تب آپ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی اور قوم سے دریافت فرمایا تھا، کہ اے قوم اگر تم پر تم لوگوں میں میرا رہنا شاق ہے۔

(اور) یونہی تمہیں (اللہ) تعالیٰ (کی نشانیوں کو یاد دلانا) ناگوار ہے۔ وہ نشانیاں وہ علامتیں اور آیات ہیں جو خدا کی وحدانیت کو ثابت کرتی ہیں۔۔ الختصر۔۔ اگر تم کو تمہارے درمیان میرا وجود اور میری نصیحتیں اور ہدایتیں گراں خاطر ہیں اور اس وجہ سے تم میری تصدیق نہ کر کے، مجھے دکھ اور رنج پہنچاتے ہو، (تو) کان کھول کر سن لو، کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی پر میں نے بھروسہ کر رکھا ہے) تمہارے مکر اور کید دفع ہونے اور دشمنوں پر نصرت حاصل ہونے میں۔۔ الحاصل۔۔ میرا حامی و ناصر اللہ تعالیٰ ہے، جو تمہارے مکر و فریب سے مجھے بچاتا رہے گا۔

اب اگر میری بات سمجھ میں نہ آئے، (تو) آؤ (تم لوگ مل کر سامان کرو اپنے حملے کا اپنے بنائے شریکوں کے ساتھ) یعنی صرف اپنے امیروں اور رئیسوں ہی کو اکٹھا نہ کرو، بلکہ ان شریکوں کو بھی پکار لو اور انھیں بھی اپنا شریک کار بنالو، جنہیں تم بگمان خویش خدا کا شریک جانتے ہو۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تم میرے قصد اور درپے ہونے میں متفق ہو جاؤ اور ایسی تیاری کرلو، کہ (پھر نہ رہ جائے تمہارا طریق کار تم پر مشتبہ، پھر کر گزرو میرا فیصلہ اور مجھے مہلت ہی نہ دو)، تاکہ میرے قیام و کلام کی رنج و تکلیف سے تم نجات پا جاؤ۔۔

یہ باتیں اس بات کی دلیل ہیں، کہ حضرت نوح علیہ السلام مقام توکل میں ثابت قدم تھے، اور اللہ تعالیٰ کی مدد پر یقین اور اعتمادِ کامل رکھتے تھے اور چاہتے تھے، کہ ان کی امت یہ سمجھ کر

ان کی متابعت اختیار کرے، لیکن ان کو تو کم بختی اور بے نصیبی گھیرے ہوئے تھی، ان کی بات سے منہ پھیرا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ‌ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ‌ ۙ

پس اگر تم نے منہ پھیرا، تو میں نے تم سے کچھ اجرت نہیں مانگی ہے۔ میرا اجر تو بس اللہ کے کرم پر ہے۔

وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ۞ ۷۲

اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان رہوں"●

(پس اگر تم نے منہ پھیرا) اور میری بات ماننے سے انکار کیا (تو) اس میں میرا کیا نقصان؟ (میں نے تم سے) حکم پہنچانے میں (کچھ اجرت نہیں مانگی ہے)، کہ تمہارے انکار سے اس کے چلے جانے کا اندیشہ ہو۔ میں نے تو دعوت و تبلیغ کا جو کام کیا ہے، وہ تو صرف خالصاً لوجہ اللہ ہے۔ (میرا اجر تو بس اللہ) تعالیٰ (کے کرم پر ہے)۔ وہ مجھے ثواب دے گا، تم خواہ ایمان لاؤ۔۔یا۔۔انکار کرو (اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے، کہ میں مسلمان رہوں)، یعنی خدا کا حکم ماننے والوں میں سے رہوں۔ تو اس کے حکم کے خلاف میں نہیں کرتا اور حکم پہنچانے کی اُجرت حق تعالیٰ کے سوا اور کسی سے میں نہیں مانگتا۔

فَكَذَّبُوۡهُ فَنَجَّيۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ فِى الۡـفُلۡكِ وَجَعَلۡنٰهُمۡ خَلٰٓـئِفَ وَاَغۡرَقۡنَا الَّذِيۡنَ

توان لوگوں نے جھٹلایا انھیں، تو بچالیا ہم نے انکو اور انکے کشتی کے ساتھیوں کو، اور بنایا ان کو جانشین، اور ڈبو دیا جنھوں نے

كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا‌ ۚ فَانْظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ۞ ۷۳

جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو۔ تو دیکھ لو کہ کیسا انجام ہوا جن کو ڈرایا گیا●

(توان لوگوں نے جھٹلایا انھیں)۔ یعنی اتمام حجت ہو جانے کے باوجود جھٹلانے پر ڈٹ گئے اور اسی پر مصر ہو گئے، تو ہم نے طوفان بھیجا، (تو بچالیا ہے ہم نے اُن کو اور اُن کے کشتی کے ساتھیوں کو) غرق ہونے سے۔ (اور بنایا اُن کو جانشین) یعنی زمین میں رہنے والا ہلاک ہو جانے والوں کے بعد۔ (اور ڈبو دیا جنھوں نے جھٹلایا تھا ہماری آیتوں کو) یعنی غرق کر دیا ہم نے طوفان کے سبب سے ان لوگوں کو جنھوں نے تکذیب کی ہماری آیتوں، یعنی ہمارے رسول نوح علیہ السلام کے معجزات کی۔ (تو) پھر (دیکھ لو) اے دیکھنے والو! نگاہِ عبرت سے، (کہ کیسا انجام ہوا) ان کا (جن کو ڈرایا گیا) اور وہ نہیں ڈرے۔۔نیز۔۔اپنے نبی پر ایمان نہیں لائے۔

اس میں حضرت رسالت پناہ ﷺ کی تسلی ہے اور کافروں اور گمراہوں کی تہدید بھی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا

پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد کئی رسول ان کی قوموں کی طرف، چنانچہ وہ لے کرآئے ان کے پاس روشن دلیلیں، تو وہ

لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

نہ تھے کہ مانیں اس کو جسے جھٹلا چکے انکے اگلے۔ اسی طرح ہم چھاپ لگاتے ہیں قانون شکنوں کے دلوں پر●

(پھر بھیجے ہم نے اُن کے بعد کئی رسول ان کی قوموں کی طرف)۔

۔۔مثلاً: حضرت ہود علیہ السلام کو قوم عاد کی طرف، حضرت صالح علیہ السلام کو قوم ثمود کی طرف، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قوم بابل کی طرف، اور حضرت شعیب علیہ السلام کو اصحابِ ایکہ اور اہل مدین کی طرف۔

(چنانچہ وہ لے کرآئے اُن کے پاس روشن دلیلیں) اور ظاہر معجزات، (تو وہ نہ تھے) ایسے (کہ مانیں اس کو جسے جھٹلا چکے) ان سے پہلے (ان کے اگلے) یعنی ہر عہد کے کافر اپنے کافر مورثین کی روش پر چلے۔ پہلے والوں نے اپنے عہد کے نبی کو جھٹلایا، تو بعد والوں نے اپنے عہد کے نبی کی تکذیب کی ۔۔الختصر۔۔ بعد والے جھٹلانے اور تکذیب کرنے میں پہلے والوں کی راہ پر چلے۔۔۔

۔۔یا یہ کہ۔۔ 'وہ اس پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے، جس کی پہلے وہ تکذیب کر چکے تھے' یعنی وہ بعثت رسول سے پہلے زمانۂ جاہلیت سے تکذیب کے درپے تھے، اس لیے کہ وہ اپنے سے پہلے لوگوں کو سنتے آتے تھے۔۔مثلاً: انہوں نے قوم عاد سے سنا، اور قوم عاد نے قوم نوح سے وغیرہ وغیرہ، اس لحاظ سے ان کی حالت یعنی جہالت کے دور والی حالت انبیاء کرام علیہم السلام کے تشریف لانے پر بھی اسی طرح رہی، گویا کوئی رسول اُن کے ہاں تشریف لایا ہی نہیں۔

۔۔الختصر۔۔ بعثتِ رسول سے پہلے حق کو جھٹلانے کی جو عادت بنا رکھی تھی، رسول کی بعثت کے بعد بھی اسی طریقے پر چلے اور آخری وقت تک ایمان نہ لا سکے۔۔یا یہ کہ۔۔ جو اس سے قبل یعنی روز میثاق میں انہوں نے جس چیز کی تکذیب کی تھی، رسولوں کی بعثت کے بعد بھی اس پر ایمان نہ لائے۔۔الختصر۔۔ جس طرح اگلی امتوں کے دلوں پر یہ مہریں ہم نے کر دی تھیں (اسی طرح ہم چھاپ لگاتے ہیں قانون شکنوں کے دلوں پر)، یعنی قریش کے مکذبین اور اُن کے مثل حد سے گزر جانے والوں کے دلوں پر۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا

پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ وہارون کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف،

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝٧٥

اپنی نشانیوں کے ساتھ، تو سب بڑے بننے لگے اور سب مجرم تھے●

(پھر بھیجا ہم نے ان) پیغمبروں (کے بعد موسیٰ) بن عمران (وہارون کو) جو حضرت موسیٰ کے بھائی تھے، (فرعون) یعنی ولید بن مصعب ۔۔یا۔۔قابوس کی جانب، جو اُس زمانہ کا فرعون تھا (اور) اُس کی قوم کے شریفوں یعنی (اس کے درباریوں کی طرف) عصا اور ید بیضاء کی صورت میں اپنے کھلے ہوئے معجزوں اور (اپنی نشانیوں کے ساتھ، تو) اس کو قبول کرنے اور پیروی کرنے کی بجائے سب کے (سب بڑے بننے لگے) اور متکبرانہ گفتگو پر اتر آئے۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہوتا، اس لیے کہ وہ سب کے (سب) پہلے ہی سے (مجرم تھے) یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تکذیب اور آیاتِ کبریا کے ساتھ اہانت کی عادت ڈالے ہوئے تھے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧٦ قَالَ

پھر جب آگیا ان کے پاس حق ہمارے یہاں سے، بولے" کہ بے شک یہ تو کھلا جادو ہے"● کہا

مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝٧٧

موسیٰ نے" کیا کہتے ہو حق کو جبکہ وہ تمہارے پاس آگیا، کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر کامیابی نہیں پاتے"●

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ

سب بولے" کہ کیا ہمارے پاس اسلئے آئے ہو، کہ پھیر دو ہمیں اس سے جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو، اور رہ جائے

فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝٧٨

تمہیں دو کیلئے ملک میں بڑائی، اور ہم لوگ تم دونوں کو نہیں مانتے"●

(پھر جب آگیا اُن کے پاس حق ہمارے یہاں سے)، یعنی موسیٰ علیہ السلام اُن کے پاس آئے اور حق بات ان پر ظاہر کی اور انہیں معجزے دکھائے، تو (بولے) کمالِ عناد اور تمرد کی وجہ سے (کہ بے شک) جو تو لایا ہے اور اس کا نام معجزہ رکھا ہے، (یہ تو کھلا جادو ہے)۔ تو ان کٹ حجتی کرنے والوں سے (کہا موسیٰ نے، کیا کہتے ہو حق کو) یعنی سچی بات اور کھلے ہوئے معجزے کو، (جب کہ وہ تمہارے پاس آگیا)۔ اے بیوقوفو! (کیا یہ جادو ہے؟) نادانو! ہرگز یہ جادو نہیں، (حالانکہ جادوگر کامیابی نہیں پاتے) اور اپنی

مراد کو نہیں پہنچتے۔۔تو۔۔(سب) سردارانِ قوم فرعون (بولے، کہ کیا ہمارے پاس اس لیے آئے ہو، کہ پھیر دو ہمیں اُس سے جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو) یعنی تم ہم کو اپنے باپ دادوں کی روش یعنی فرعون کی عبادت سے ہٹانا چاہتے ہو (اور) تم اس بات کے خواہش مند ہو کہ (رہ جائے) صرف (تمھیں دو کے لیے ملک) مصر (میں بڑائی) اور بادشاہی، تو اچھی طرح سے سن لو (اور) ذہن نشین رکھو کہ (ہم لوگ تم دونوں کو نہیں مانتے)۔۔چنانچہ۔۔ہم تمہاری اطاعت کرنے والے نہیں۔اس کے بعد اپنے درباریوں کی ایک جماعت سے خطاب کرتے ہوئے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿٧٩﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ

اور فرعون بولا "کہ تم لوگ میرے پاس لے آؤ سارے جانکار جادوگروں کو" ● پھر جب آگئے سب جادوگر، کہا ان سے

مُوسٰى أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿٨٠﴾ فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ

موسیٰ نے "کہ ڈالو جو ڈالنا ہو" ● تو جب ڈالا، کہا موسیٰ نے، "جو تم لائے ہو جادو ہے۔ بیشک اللہ ابھی میٹ دیتا ہے اس کو"

إِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهُ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨١﴾

بیشک اللہ، نہیں ٹھیک ہونے دیتا فسادیوں کے عمل کو ●

(اور) حکم دیتے ہوئے (فرعون بولا کہ تم لوگ میرے پاس لے آؤ سارے جانکار جادوگروں کو) جو اپنے فن کو خوب جانتے ہوں، تا کہ موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کریں۔

پھر جادوگروں کو جمع کیا، جیسا کہ سورۂ اعراف میں مذکور ہوا، اور وعدوں سے انھیں مطمئن اور آمادہ کر کے، جو دن مقرر ہوا تھا اُس دن موضع معلوم پر لائے۔

(پھر جب آگئے سب جادوگر) حضرت موسیٰ کے مقابلے میں، تو (کہا ان سے موسیٰ نے کہ ڈالو جو) رسیاں اور عصے (ڈالنا ہو)۔(تو جب ڈالا) جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں اور ہوا کی گرمی سے وہ ہلیں اور لوگوں کو سانپ کی صورت پر دکھائی دیں، تو (کہا موسیٰ نے جو تم لائے ہو جادو ہے)، یہ وہ نہیں ہے جو میں لایا ہوں جسے فرعونی جادو سمجھ رہے ہیں۔ ٹھہرو اور دیکھتے جاؤ! کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ابھی میٹ دیتا ہے) اور باطل و ناچیز کر دیتا ہے (اس) سحر (کو)۔اور ایسا کیوں نہ ہو اس لیے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں ٹھیک ہونے دیتا فسادیوں کے عمل کو)، یعنی فسادیوں کے عمل باطل قرار دیتا ہے۔

ع ۸ / ۱۲ / ۱۴

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور حق فرما دیتا ہے حق کو اپنی باتوں سے، گو برا جانیں مجرم لوگ●

(اور حق فرما دیتا ہے حق کو اپنی باتوں سے) یعنی حق کو ثابت فرما دیتا ہے اور اُسے آگے بڑھا کر بلندی عطا فرماتا ہے۔ تو جو، احکام الٰہی میں لایا ہوں، یہ وہی حق ہے، جس کو اللہ تعالیٰ ثابت فرما دے اور روز افزوں اُسے طاقت و توانائی عطا فرمائے گا اپنے حکم سے۔۔یا۔۔مجھ سے غلبہ و نصرت کا جو وعدہ کیا ہے اُس کے سبب سے، (گو بُرا جانیں مجرم لوگ)، یعنی اگر چہ کراہت محسوس کریں کافر اور ان پر سخت گزرے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی نصرت کا وعدہ وفا کرے گا اور دشمنوں کے غصے اور کراہت کی پرواہ نہیں کرے گا۔۔۔

موسیٰ علیہ السلام مدین سے جب مصر میں آئے اور بنی اسرائیل کو حق کی طرف دعوت دینے لگے۔۔۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ

تو نہیں مانا موسیٰ کو مگر اس کی قوم کی نسل سے کچھ نے، ڈرتے ہوئے فرعون اور اس کے درباریوں سے، کہ

يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

انھیں فتنہ میں ڈال دیں۔ اور بیشک فرعون بڑھا چڑھا تھا ملک میں۔ اور بیشک وہ زیادتی کرنے والا تھا●

(تو نہیں مانا موسیٰ کو) بڑے بوڑھوں نے (مگر اس کی قوم کی نسل سے کچھ) یعنی بعضے جوان لوگوں (نے) باوصف (ڈرتے ہوئے فرعون اور اس کے درباریوں سے) یعنی اپنے باپوں اور اپنی قوم کے رئیسوں سے۔۔الحاصل۔۔بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے لوگ حضرت موسیٰ پر ایمان لائے، باوجود اس کے کہ وہ فرعون سے بھی ڈرتے تھے اور خود اپنے لوگوں سے بھی ڈرتے تھے (کہ انہیں فتنہ میں ڈال دیں) خواہ اس طرح کہ فرعون ان پر عذاب کرے۔۔یا یہ کہ۔۔اُن کے باپ انہیں کفر کی طرف پھیر لانے کے لیے فرعون کی طرف رجوع کریں۔ (اور بے شک فرعون بڑھا چڑھا تھا ملک) مصر میں)۔ اور وہاں کے لوگوں پر غالب تھا اور ان سب پر ظلم و زیادتی کرنے والا تھا، اور بڑے ہی متکبرانہ انداز سے رہتا تھا، (اور بے شک وہ زیادتی کرنے والا تھا)۔ تکبر اور سرکشی میں وہ حد سے گزر گیا تھا۔ یہاں تک کہ خدائی کا دعویٰ کیا اور بنی اسرائیل کو اپنا بندہ بنالیا۔

وَقَالَ مُوسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ

اور کہا موسیٰ نے "اے قوم! اگر واقعی مان گئے ہو تم اللہ کو، تو اسی پر بھروسہ رکھو اگر

مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا

مسلمان ہو" تو سب نے عرض کیا" کہ اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ پروردگارا مت بنا ہم کو

فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾

فتنہ، ظالم قوم کیلئے●

جب اپنی قوم کے ایمان والوں (اور) اطاعت کرنے والوں میں خوف کے آثار دیکھے، تو (کہا موسیٰ نے اے قوم! اگر واقعی مان گئے ہو تم اللہ) تعالیٰ (کو، تو اسی پر بھروسہ رکھو) یعنی اگر تم خدا پر ایمان لا چکے ہو اور یہ بات جان لی ہے، کہ نفع پہنچانا اور ضرر سے بچانا اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، تو صبر و توکل کرو اور اپنا کام اُسی پر چھوڑ دو (اگر) تم (مسلمان ہو) اور اس کے احکام قضا کے ماننے والے ہو، کیونکہ اسلام کا معنی ہے: کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا۔

اور ایمان کا معنی یہ ہے: کہ بندہ یہ مان لے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اور واجب الوجود ہے، اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ حادث ہے اور اس کی مخلوق ہے اور اس کے زیرِ تصرف اور زیرِ تدبیر ہے۔ اور جب بندہ میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہو جائیں گی، تو وہ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے گا اور اس کے دل میں اللہ تعالیٰ پر توکل کا نور پیدا ہو جائے گا۔ اور توکل کا معنی یہ ہے، کہ بندہ اپنے تمام معاملات کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے، اور تمام احوال میں صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد کرے۔۔ الختصر۔۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انھیں توکل کا حکم کیا۔۔۔

(تو سب نے عرض کیا، کہ اللہ) تعالیٰ (ہی پر ہم نے بھروسہ کیا) اُس کے غیر پر نہیں۔ اور اس کی مہربانی پر ہم مضبوط ہو گئے۔ اور چونکہ متوکل کی دُعا قبولیت سے ملی ہوتی ہے، تو زبانِ نیاز سے انہوں نے دُعا شروع کی اور بولے، (پروردگارا! مت بنا ہم کو فتنہ ظالم قوم کے لیے)۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور نجات دے ہم کو اپنی رحمت سے، کافر لوگوں سے"●

(اور نجات دے ہم کو اپنی رحمت سے کافر لوگوں سے) یعنی ظالموں کو ہم پر مسلّط نہ فرما، کہ ان کے ہاتھ سے مبتلائے عذاب ہوں۔۔الحاصل۔۔اے خدا ہم کو فتنہ یعنی محل عذاب نہ بنا۔۔یا یہ کہ۔۔ ہم کو فرعونیوں کے سامنے اتنا مجبور و مقہور نہ بنا، جس کو وہ اپنی حقانیت کی دلیل سمجھنے لگیں اور پھر یہی تصور اُن کے لیے فتنہ ہو جائے اور وہ ایمان قبول کرنے سے باز رہیں، اور اپنے کافرانہ و مشرکانہ روش پر ہی ڈٹے رہیں اور اسی کو صحیح اور درست سمجھنے لگیں۔۔المختصر۔۔پروردگارا! اپنی مہربانی اور بخشش سے ہمیں کافر قوم سے نجات عطا فرما اور اُن کے مکر وفریب۔۔نیز۔۔اُن کے برے ارادوں سے ہمیں دور رکھ۔۔۔

روایت ہے کہ خدا کی عبادت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے وفاداروں نے جو مسجدیں اور عبادت گاہیں محلّوں اور بازاروں میں بنائی تھیں، فرعون کے حکم سے وہ سب خراب اور تباہ کر دی گئیں اور انہیں نماز پڑھنے سے روکا جانے لگا، تو حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا، کہ وہ اور سارے مسلمان اپنے گھروں میں عبادت خانے بنالیں، تا کہ کافر اُن کی عبادتوں پر مطلع نہ ہوں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد خداوندی ہے۔۔۔

وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰى وَاَخِيۡهِ اَنۡ تَبَوَّاٰ لِقَوۡمِكُمَا بِمِصۡرَ بُيُوۡتًا وَّ

اور وحی بھیجی ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف، یہ کہ ٹھکانہ بنالو اپنی قوم کا مصر میں، اور

اجۡعَلُوۡا بُيُوۡتَكُمۡ قِبۡلَةً وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ‌ؕ وَبَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۸۷﴾

سب لوگ بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رخ، اور قائم کرو نماز کو، اور خوش خبری سنادو مسلمانوں کو●

(اور) فرمانِ الٰہی ہے، کہ (وحی بھیجی ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی کی طرف، یہ کہ ٹھکانہ بنالو اپنی قوم کا مصر میں) جن میں سب خدا کی عبادت کریں۔

چونکہ عبادت خانوں کی تخصیص اور ان کے قبلہ کی تعیین قوم کے اماموں سے متعلق ہے اور اس محل میں ان کے امام حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام تھے، اس لیے اس کام کے لیے خاص طور پر انہیں کی طرف وحی فرمائی گئی۔۔ہاں۔۔مسجدیں بنانا اور اس میں نماز قائم رکھنا سب لوگوں سے تعلق رکھتا ہے، تو جو حکم حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کو دیا اس میں سب کو شریک کر کے فرمایا گیا، کہ۔۔۔

(اور سب لوگ بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رخ) یعنی کعبہ کی طرف۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کعبہ ہی

کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ (اور قائم کرو نماز کو) یعنی کما حقہٗ اُسے ادا کرتے رہو۔۔۔چونکہ۔۔۔ بشارت دینا صاحبِ شریعت کا حق ہے اور صاحبِ شریعت حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، اس لیے ان کو مخاطب فرما کر فرمایا گیا، کہ اَے موسیٰ! بشارت دے دو (اور خوشخبری سنا دو مسلمانوں کو) دُنیوی نجات کی اور اُخروی درجات کی۔ بارگاہِ خداوندی میں عرض پیش کی۔۔۔

وَقَالَ مُوسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا

اور دعا کی موسیٰ نے "پروردگارا، تونے دے رکھا ہے فرعون اور اسکے درباریوں کو سامان آرائش اور بہت مال

فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ

دنیاوی زندگی میں، پروردگارا کیا تا کہ گمراہ کریں تیری راہ سے۔ پروردگارا صورتیں مٹا دے

عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا

ان کے مال کی، اور بندش کر دے ان کے دل پر، کہ پھر ایمان ہی نہ پائیں، یہاں تک کہ دیکھ لیں

الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

عذاب دکھ دینے والا"●

(اور دُعا کی موسیٰ نے پروردگارا! تونے دے رکھا ہے فرعون اور اُس کے درباریوں کو) اپنی منّت قدیمہ اور ربوبیتِ عامہ کی وجہ سے (سامانِ آرائش)، یعنی صحت و تندرستی، حسن و جمال، عمدہ لباس وغیرہ (اور بہت مال)، یعنی بکثرت سواریاں، گھر کا ساز و سامان اور سونے چاندی کا ڈھیروں مال (دُنیاوی زندگی میں)۔

جبکہ قوم فرعون کا انجام گمراہ ہونا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو اس کی خبر دے دی تھی، اس لیے انہوں نے دُعا میں کہا، کہ تونے اُن کو دُنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال دیا ہے۔

(پروردگارا! کیا تا کہ) انجام کار یہ لوگوں کو (گمراہ کریں تیری راہ سے)۔

اس لیے کہ مال و دولت کی کثرت اور عیش و عشرت کی فراوانی کا عمومی نتیجہ یہی ہوتا ہے، کہ آدمی خدا سے غافل اور اس کا نافرمان ہو جاتا ہے۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔اس کا معنی یوں ہے، کہ۔۔۔ پروردگارا کیا تونے ان کو دُنیا کی زندگی میں زینت کا سامان اور مال اس لیے دیا تھا کہ یہ لوگوں کو گمراہ کریں۔۔۔ظاہر ہے کہ خدا نے انہیں مال و دولت دوسروں کو گمراہ کرنے کے لیے

نہیں دیا تھا، بلکہ وہ خود اپنی شامتِ اعمال سے گمراہی اور گمراہ گری کی راہ پر چل پڑے، تو ایسے نافرمان اور راہ ہدایت پر آنے کی استطاعت اور صلاحیت کھو دینے والے، دنیا ہی میں سخت ترین سزا کے مستحق ہیں۔۔تو۔۔

(پروردگارا! صورتیں مٹا دے اُن کے مال کی) یعنی دراہم ودنانیر وغیرہ کو پتھروں میں تبدیل فرمادے، **(اور بندش کردے اُن کے دل پر)**۔ یعنی جب اُن کے مقدر میں ایمان ہے ہی نہیں اور انہیں کفر ہی پر مرنا ہے، تو اُن کے دل کو اتنا سخت کردے، کہ عادتاً ایمان لانے کا امکان بھی ختم ہوجائے، تا **(کہ پھر ایمان ہی نہ)** لا **(پائیں، یہاں تک کہ)** اپنے کیفرِ کردار تک پہنچ جائیں اور **(دیکھ لیں عذاب دُکھ دینے والا)**۔

یعنی دریائے قلزم میں اپنے غرق ہونے کا منظر اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ حضرت موسیٰ کی دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ

فرمایا "بے شک تم دونوں کی دعا قبول کی گئی، تو تم دونوں جمے رہو اور نہ چلنا

سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٩﴾

راہ ان نادانوں کی"●

(فرمایا بے شک تم دونوں) بھائیوں **(کی دُعا قبول کی گئی)**۔

حضرت موسیٰ دُعا کرتے تھے اور حضرت ہارون آمین کہتے تھے، اور آمین کہنے والا دُعا میں شریک ہوتا ہے۔ اس جہت سے حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ تم دونوں بھائیوں کی دُعا قبول کی گئی۔ یہ بھی ممکن ہے، کہ حضرت ہارون نے بھی الگ سے یہی دُعا کی ہو۔ یہ دُعا اس لیے کی گئی تھی تاکہ کافروں کی شوکت ٹوٹے۔۔چنانچہ۔۔دُعا کی قبولیت کے نتیجے میں ان لوگوں کا روپیہ اشرفی سب پتھر ہوگیا اُسی صورت اور نقش کے ساتھ جو ان میں تھے، اور صرف یہی نہیں۔۔۔بلکہ۔۔اُن کے سب مال، کھانے کی چیزیں، درخت اور پھل سب پتھر ہوگئے اور یہ بھی حضرت کلیم کی نبوت کی صداقت کی عظیم نشانیوں میں سے ایک نشانی تھی۔

۔۔الختصر۔۔تمہاری دُعا قبول کرلی گئی **(تو تم دونوں)** بھائی **(جمے رہو)** یعنی ثابت قدم رہو دعوت اور الزامِ حجت پر اور جلدی نہ کرو، اس واسطے کہ تمہارا مطلب اپنے وقت پر ہوگا۔

کہتے ہیں، کہ چالیس برس کے بعد اس دُعا کا اثر ظاہر ہوا۔

۔۔الغرض۔۔جلدی (اور) عجلت کرنے میں (نہ چلنا راہ ان نادانوں کی) جو کمالِ جہالت کی وجہ سے نہیں جانتے یہ بات، کہ حق تعالیٰ کا وعدہ اپنے وقت پر انجام کو پہنچتا ہے۔

اور جب اس قوم پر عذاب آنے کا وقت آپہنچا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی، کہ اپنی قوم سمیت مصر سے باہر جاؤ، اس واسطے کہ قبطیوں پر عذاب نازل ہونے کا وقت آگیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے گروہ سمیت ملک شام کی طرف چلے۔ جب دریائے قلزم کے کنارے پہنچے، تو فرعون اپنے لشکر سمیت اُن کے پیچھے پہنچا اور حضرت موسیٰ کی دُعا سے دریا پھٹ گیا۔ اور اس قصے کی تفصیل سورۂ شعراء میں انشاء اللہ تعالیٰ مذکور ہوگی۔ غرضیکہ بنی اسرائیل دریا سے صحیح سلامت پار اُتر گئے، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا

اور بڑھا لے گئے ہم بنی اسرائیل کو دریا پار، تو پیچھے لگا ان کے فرعون اور اس کے لشکر بغاوت وظلم کو،

حَتّٰٓی اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ

یہاں تک کہ جب دھرلیا اس کو غرق نے۔ چلایا، کہ "میں مان گیا، کہ بیشک کوئی پوجنے کے قابل نہیں سوا اس کے جس کو

اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾

مان چکے ہیں بنی اسرائیل، اور میں مسلمان ہوں"۔

(اور بڑھا لے گئے ہم بنی اسرائیل کو دریا پار) صحیح سلامت، (تو پیچھے لگا اُن کے فرعون اور اس کے لشکر) بنی اسرائیل پر حد سے زیادہ (بغاوت وظلم) کرنے کے ارادے (کو) لے کر۔ تو جب دریا کے کنارے پہنچے اور فرعون کا گھوڑا اُس گھوڑی کی بُو سے جس پر حضرت جبرائیل سوار تھے دریا میں جا پڑا، پھر اُس کے لشکر والوں نے بھی اُس کی پیروی کر کے اپنے اپنے گھوڑوں کو دریا میں ڈال دیا۔ گو فرعون کی یہ خواہش نہ تھی کہ دریا میں آئے، مگر اُس کا گھوڑا اُسے لے گیا (یہاں تک کہ جب دھرلیا اُس کو غرق نے) اور اس نے سمجھ لیا، کہ اب میں ہلاک ہی ہوں گا، تو (چلایا، کہ میں مان گیا کہ بے شک کوئی پوجنے کے قابل نہیں سوا اس کے جس کو مان چکے ہیں بنی اسرائیل اور میں مسلمان ہوں)۔

فرعون چونکہ نہایت درجہ طمع رکھتا تھا، کہ میرا ایمان قبول ہو، تو یہ مضمون تین بار تین عبارت سے اس نے کہا۔ چونکہ 'ایمانِ یاس' تھا، وقت نکل جانے کی وجہ سے مقبول نہ ہوا۔ وقت پر

ہوتا، تو ایک ہی بار کہنا کافی تھا۔ جب فرعون یہ کہہ چکا، تو حق تعالیٰ نے۔۔۔یا۔۔۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اس کے جواب میں کہا۔۔۔

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٩١﴾

"اچھا اب، حالانکہ نافرمانی کرتا رہا پہلے، اور تو فسادی تھا"●

(اچھا اب)؟ یعنی کیا اب تو ایمان لاتا ہے، جب کچھ اختیار باقی نہ رہا۔ (حالانکہ) صورت حال یہ رہی، کہ تو (نافرمانی کرتا رہا) آج سے (پہلے اور تو فسادی تھا)، یعنی گمراہوں اور گمراہ کرنے والوں میں سے تھا۔

روایت ہے کہ ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام فرعون کے دیوان خانے میں آئے اور یہ سوال لکھ کر اُس کے سامنے پیش کیا، کہ جس غلام کے مال اور نعمت میں آقا کی بدولت زیادتی ہو اور آقا کی پرورش سے وہ غلام اور سب غلاموں میں ممتاز ہو جائے، پھر ناشکری اور کفرانِ نعمت کر کے اس غلام نے دعویٰ کیا کہ میں آقا ہوں اور اپنے مالک کی فرمانبرداری نہ کرے، تو ایسے غلام کا کیا حکم ہے؟ فرعون نے اپنے ہاتھ سے جواب لکھ دیا، کہ۔۔۔ابوالعباس ولید بن مصعب کہتا ہے، کہ جو غلام اپنے مالک سے بغاوت کرے اور اس کی نعمت کا ناشکر گزار ہو، اس غلام کی سزا یہ ہے کہ اُسے دریا میں ڈبو دیں۔۔۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے وہ کتبہ لے لیا اور فرعون جب ڈوبنے لگا اور ایمان ظاہر کرنے لگا، تو جبرائیل علیہ السلام نے اُس کا لکھا اُس کو دکھایا اور کہا، کہ تیرے ہی حکم کے بموجب یہ کام تیرے ساتھ ہوا۔ پھر حضرت جبرائیل نے دریا سے ایک مٹھی کیچڑ اٹھا کر اس ملعون کے منہ میں ڈال دی، تاکہ اس پر واضح کر دیا جائے کہ وہ آیاتِ الٰہیہ سے مسلسل انکار اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں بے پناہ گستاخیوں کے سبب راندہ درگاہ ہو چکا ہے، اور اب اس کا ایمان لانا مقبول نہیں۔ اس واسطے، کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جانتے تھے، کہ یہ 'ایمانِ یاس' ہے، جو مقبول نہیں۔۔۔بلکہ۔۔۔ اُسے زیادہ ذلیل وخوار کرنے کو کہا، کہ اب ایمان لاتا ہے جب تجھے کچھ اختیار اور قدرت باقی نہ رہی اور ایمان لانے کا وقت گزر گیا۔ ہاں عبرت کے لیے ابھی تیرے جسم کو باقی رکھنا ہے۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً

"تو آج ہم بچائے دیتے ہیں تیرے بدن کو، تاکہ تو اپنے پیچھے والوں کیلئے نشانی رہ جائے۔"

وَاِنَّ كَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ عَنۡ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوۡنَ ۝

اور بے شک بہتیرے لوگ ہماری آیتوں سے بے خبر ہیں●

(تو آج ہم بچائے دیتے ہیں تیرے بدن کو، تا کہ تو اپنے پیچھے والوں کے لیے نشانی رہ جائے)

--الغرض--تیری سب قوم قعرِ دریا میں ہے --ہاں--ہم صرف تیرا بدن پانی پر تیراتے ہیں۔

جب فرعون اور اس کی قوم غرق ہوئی تو بنی اسرائیل کو دغدغہ رہا کہ فرعون ہلاک نہیں ہوا، اور وہ دم کے دم میں کشتیاں تیار کر کے اپنا لشکر دریا کے پار اتار لائے گا اور پھر ہمارا تعاقب کریگا، تو حق تعالیٰ نے فرعون کی لاش پانی پر تیرائی اُس زرہ سمیت جو وہ پہنے تھا، اور اس کے سبب سے لوگوں نے اس کو پہچانا اور فرعون کے جسم بے روح کو دیکھ کر بنی اسرائیل کو تسلی ہوئی اور اُسی سبب سے بعض عالموں نے 'بدن' کے معنی 'زرہ' کیے ہیں اور باوصف اس کے کہ لوہا پانی میں ڈوب جاتا ہے پھر اس کا پانی پر ترانا قدرت خدا کا ایک نمونہ ہے۔

یہ بھی روایت ہے کہ فرعون کی قوم جو مصر میں باقی رہ گئی تھی، اس نے فرعون کا ڈوب جانا نہ مانا اور وہ لوگ بولے کہ فرعون اپنی قوم سمیت جزیروں سے چڑیوں اور مچھلیوں کے شکار میں مشغول ہے، تو حق تعالیٰ نے دریا کو حکم دیا، کہ فرعون کی لاش کو کنارے ڈال دے۔ دریا نے اُسے اونچے ٹیکرے پر پھینک دیا اور سبھوں نے اُسے دیکھ لیا اور اسی سبب سے 'نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ' کے معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں، کہ-- 'ڈالے دیتے ہیں ہم تجھے اونچی زمین پر'۔

بہر تقدیر حاصل کلام یہ ہے کہ ہم تیرا بدن دریا سے باہر نکالتے ہیں، تا کہ تو اپنے بعد والوں کے لیے نشانی رہے اور بعد والے اُس سے عبرت حاصل کریں اور سمجھیں کہ جو مملوک و مقہور ہو، وہ اپنے مالک اور قاہر ہونے کے دعوے سے دور رہے۔ جو بندہ اپنے تئیں بحرِ فنا میں غرق ہونے سے چھٹکارا نہ پا سکے وہ 'اَنَا رَبُّكُمُ الۡاَعۡلٰى' اہل جہاں کو کیوں سنائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جسم کو بچا لینے کا اعلان فرمایا، تو اس کا جسم آج تک محفوظ ہے۔ مصر میں غیر مسلموں کی حکومت بھی رہی، لیکن کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی، کہ وہ اُس کے جسم کو ضائع کر دیتا۔ یہ قرآنِ مجید کی صداقت اور نبی کریم ﷺ کی نبوت کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

عام لوگوں کی خام خیالی (اور) زبوں کرداری کی بنیادی وجہ یہ ہے، کہ (بے شک بہتیرے لوگ ہماری آیتوں سے بے خبر ہیں) نہ ان میں کچھ فکر کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے عبرت لیتے ہیں۔

فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت کے بعد بلاشبہ--

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ

اور بے شک ٹھکانہ دیا ہم نے بنی اسرائیل کو اچھی جگہ میں، اور روزی فرمائی انھیں پاکیزہ چیزیں۔

فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

تو وہ جھگڑے میں نہیں پڑے، یہاں تک کہ آ گیا انکے پاس علم۔ بیشک تمہارا پروردگار فیصلہ فرمائے گا ان کا قیامت کے دن،

فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٩٣﴾

جس بات میں جھگڑتے تھے●

(اور بے شک ٹھکانہ دیا ہم نے بنی اسرائیل) یعنی اولادِ یعقوب علیہ السلام (کو اچھی جگہ میں) اور پاکیزہ، جیسی کہ ہمارے سچے وعدے کے لائق تھی، (اور روزی فرمائی انہیں پاکیزہ) اور لذیذ (چیزیں)۔

ایک قول کے مطابق کہ اس جگہ بنی اسرائیل سے رسول مقبول ﷺ کے زمانے کے یہود مُراد ہیں، کہ حق تعالیٰ نے مدینہ طیبہ میں انہیں جگہ دی اور ترخرے انھیں روزی دِیے۔

(تو وہ جھگڑے میں نہیں پڑے) اور اختلاف نہیں کیا اپنے دین کے امر میں۔۔یا۔۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی شان میں (یہاں تک، کہ آ گیا اُن کے پاس علم) توریت کا اور اس کے احکام کا، تو اس میں تاویل کر کے انہوں نے اختلاف کیا اس زمانہ تک، کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نعتیں اور صفتیں انہیں معلوم ہوئیں، تو وہ ان کی تحریف اور تغییر میں مشغول ہوئے۔۔۔ اور بعضوں نے کہا کہ وہ قرآن کا علم ہے جو نازل ہوا اور اختلافِ یہود کا سبب ہوا۔۔ (بے شک تمہارا پروردگار فیصلہ فرمائے گا ان کا قیامت کے دن، جس بات میں) عناد۔۔یا۔۔ جہل کی رو سے (جھگڑتے تھے)۔

فَإِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ

تو اگر تم شک میں ہوتے، جسے اتارا ہم نے تمہاری طرف، تو پوچھ لیتے ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تم

مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ

سے پہلے۔ بے شک آیا ہے تمہارے پاس حق، تمہارے پروردگار کی طرف سے، تو مت رہو

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿٩٤﴾

شکیوں کے ساتھ●

(تو اگر تم شک میں ہوتے) ان احکامات و واقعات کے تعلق سے (جسے اُتارا ہم نے تمہاری طرف، تو) ظاہر ہے کہ تم ضرور (پوچھ لیتے ان سے جو پڑھتے ہیں کتاب تم سے پہلے) یعنی اہل کتاب سے ان واقعات اور حالات کے ان کی کتابوں میں ہونے کے تعلق سے تحقیق حال کر لیتے۔

یہ بات بھی اُس وقت تھی جب آپ شک میں ہوتے، لیکن جب آپ اُن کے تعلق سے شک میں رہے ہی نہیں، تو کسی سے پوچھنے کا سوال ہی کیا۔۔ہاں۔۔اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر امت رسول ﷺ وغیرہ میں کوئی اس تعلق سے شک میں ہو، تو اُسے چاہیے کہ اپنے عہد کے اہل کتاب سے معلومات حاصل کر کے اُس کی تصدیق کر لے۔

اور اب جبکہ صورتِ حال یہ ہے، کہ (بے شک آیا ہے تمہارے پاس حق تمہارے پروردگار کی طرف سے) جس کی صحت اور درستگی میں کوئی شک نہیں، (تو مت رہو شکیوں کے ساتھ)۔

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ

اور نہ ہو ان میں، جنھوں نے جھٹلائیں اللہ کی آیتیں، کہ تو ہو جائے

مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝

خسارے والوں میں ●

(اور نہ ہو ان میں جنہوں نے جھٹلائیں اللہ) تعالیٰ (کی آیتیں، کہ تو ہو جائے خسارے والوں میں)۔

نبی کریم نہ کبھی شک میں تھے اور نہ ہی شکیوں کے ہم نوا رہے۔۔نیز۔۔نہ ہی جھٹلانے والوں میں شامل ہوئے۔۔لیکن۔۔اس سے امتیوں کو سبق ملا، کہ قرآنی احکامات کو سن لینے کے بعد وہ اُس کے حق ہونے کے تعلق سے کسی طرح کے شک و ریب میں گرفتار نہ ہوں، اور اپنے کو اس خسارے کا مستحق نہ بنائیں، جو شک کرنے والوں کا مقدر ہے۔حق کو ماننا بھی رب کریم کی توفیق پر موقوف ہے۔۔تو۔۔

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝

بے شک جن پر کلمۃ الحق ہو گیا تمہارے پروردگار کا، نہ مانیں گے ●

(بے شک جن پر کلمۃ الحق ہو گیا تمہارے پروردگار کا)، یعنی ان پر واجب ہو گئی لوحِ محفوظ

میں لکھی ہوئی تیرے رب کی بات، کہ وہ کفر ہی پر مریں گے۔
--یا--وہ اس گروہ میں شامل ہوگئے جن کے تعلق سے رب نے فرمایا کہ--ہم ان کو ضرور بالضرور آگ میں ڈال کر جہنم کو بھر دیں گے اور ہمیں کوئی پرواہ نہ ہوگی--بہر تقدیر جب کلمۂ رب اُن کے حق میں ثابت ہوگیا، تو پھر وہ کسی حال میں بھی---
(نہ مانیں گے) یعنی ایمان نہ لائیں گے۔ اس واسطے کہ حق تعالیٰ کی بات جھوٹ نہیں اور اُن کے ایمان کا اصلی سبب ارادۂ الٰہی کا متعلق ہونا ہے۔ جب وہی مفقود ہے، تو ہرگز وہ ایمان نہ لائیں گے۔

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۹۷﴾

گوآجائے ان کے پاس ساری نشانی، یہاں تک کہ دیکھ لیں عذاب کو دکھ دینے والا●

(گوآجائے اُن کے پاس ساری نشانی) جو وہ چاہتے ہیں (یہاں تک کہ دیکھ لیں عذاب کو) جواُن کے لیے نامزد ہو اور (دُکھ دینے والا) ہو۔ لیکن عذاب نازل ہونے کے بعد ایمان انھیں کچھ نفع نہ پہنچائے گا، جس طرح قوم فرعون اور اگلی سب امتوں کو فائدہ نہ ہوا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ

تو کوئی بستی نہیں جو ایمان لائی، اور اس کے ایمان نے اس کو نفع دیا، سوا قوم یونس کے۔

لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

جب ایمان لے آئے، تو ہم نے دور کر دیا ان سے دنیاوی زندگی میں رسوا کر دینے والے عذاب کو،

وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾

اور مہلت دی ہم نے انہیں ایک میعاد تک●

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ بے شک جن لوگوں پر آپ کے رب کا حکم صادر ہو چکا، وہ ایمان نہیں لائیں گے، خواہ اُن کے پاس تمام نشانیاں آجائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو بھی دیکھ لیں۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، کہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کفر کے بعد ایمان لائی۔ اس طرح کافر قوموں کی اب دو قسمیں ہوگئیں: ایک وہ جن کا خاتمہ کفر پر ہوا، اور دوسری وہ جن کا خاتمہ ایمان پر ہوا۔
حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ مختصر طور پر یہ ہے، کہ حق تعالیٰ نے انہیں گروہِ نینوا کی طرف

بھیجا زمین موصل میں، اور انہوں نے مدت تک ان لوگوں کو خدا کی طرف بلایا۔ یہ لوگ انکار کر کے انہیں رنج پہنچاتے رہے، آخر تنگ آ کر حضرت یونس علیہ السلام نے جنابِ الٰہی میں عرض کی، کہ اے میرے اللہ! میری قوم نے میری تکذیب کی، اب تو ان پر عذاب نازل کر۔

حق تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور ارشاد کیا کہ اپنی قوم کو خبر کر دے، کہ تین۳ دن۔۔۔ یا۔۔چالیس۴۰ دن کے بعد تم پر عذاب نازل ہوگا۔ یونس علیہ السلام نے انہیں خبر کر دی اور قوم میں سے نکل ایک پہاڑ کی دراڑ میں چھپ رہے۔ جب وقتِ موعود آیا، تو حق تعالیٰ نے مالک علیہ السلام کو، جو دوزخ پر متعین ہیں حکم دیا، کہ ایک جَو کی قدر دوزخ کی ہوا اس قوم پر چلاؤ۔

مالک حکم الٰہی بجالائے اور وہ گرم ہوا ابرِ سیاہ۔۔۔یا۔۔غلیظ دھوئیں اور آگ کی چنگاریوں کی صورت میں آئی اور شہر نینوا کو گھیر لیا۔ شہر والے سمجھ گئے، کہ یونس علیہ السلام نے سچ کہا تھا۔ سب اپنے بادشاہ کے پاس آئے، وہ مَرد عاقل تھا، بولا کہ یونس علیہ السلام کو بلاؤ، ہر چند ڈھونڈا، وہ نہ ملے۔ بادشاہ بولا، کہ اگرچہ یونس علیہ السلام چلے گئے، مگر جس خدا کی طرف ہمیں بلاتے تھے، وہ تو موجود ہے اور جانتا سنتا ہے۔ اب اور کچھ چارہ نہیں، مگر یہ کہ اُسی کی درگاہ میں ہم سب عاجزی اور زاری کریں۔ پھر بادشاہ ننگے سر، ننگے پاؤں، موٹا کپڑا اوڑھے ہوئے اور رعایا بھی اُسی ہیئت پر صحراء کی طرف چلے۔

عورت مرد، چھوٹے بڑے، سب نے نالہ وزاری کی۔ لڑکوں کو ماؤں سے چھڑا لیا تھا اور ایک بار سب نے اپنی نیتیں خالص کر کے زور سے کہا، کہ یا اللہ یونس علیہ السلام جو کچھ لے کر آئے ہم سب اس پر ایمان لائے۔ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے محرم کی دسویں تاریخ تک سب اِسی طرح نالہ وزاری کرتے رہے، اور ان چالیس۴۰ روز میں نالہ وزاری سے آسودہ نہ ہوئے، ماندگی اور بے چارگی کی حالت میں دُعا کیے ہی گئے۔

کچھ لوگوں نے عرض کیا، کہ خداوندا! یونس علیہ السلام نے ہم سے کہا تھا کہ میرے خدا نے کہا ہے کہ تم لونڈی غلام مول لے کر آزاد کرو۔ اے اللہ! ہم تیرے بندے ہیں تو اپنے فضل وکرم سے ہمیں عذاب سے آزاد کر۔ کچھ لوگ رو کر کہتے تھے، کہ اے ہمارے اللہ یونس علیہ السلام نے ہمیں خبر دی تھی، کہ تو نے حکم فرمایا ہے کہ بیچاروں اور عاجزوں کی دستگیری کرو، ہم بیچارے اور عاجز ہیں، تو اپنے فضل سے ہماری دستگیری کر۔

اور بعضے لوگ یوں عرض کرتے تھے، کہ اے ہمارے پروردگار! یونس علیہ السلام تیرے

فرمانے کے بموجب حکم کرتے تھے جو کوئی تم پر ظلم کرے، تو تم معاف کردو۔ خداوندا ہم نے گناہ کے سبب سے اپنے اوپر ظلم کیا، تو ہمیں معاف فرمادے اور ایک گروہ اس طرح التجاء کرتا تھا، کہ اے خدا! یونس علیہ السلام ہم سے کہتے تھے کہ میرے پروردگار نے فرمایا ہے کہ سوال کرنے والوں کو رَد نہ کرو۔ ہم تیری درگاہ میں سوال کرتے ہیں، ہمارا سوال رَد نہ کر۔ غرضیکہ چالیسویں روز کہ جمعہ اور عاشورے کا دن تھا، اُن کی دُعا کا اثر ظاہر ہوا۔ دیوانِ رحمت سے پروانۂ نجات لکھا گیا، اَبر کی سیاہی دفع ہوئی، ابرِ رحمت نے اُن کے سروں پر سایہ کیا۔

یونس علیہ السلام چالیس دن کے بعد نینوا کی طرف متوجہ ہوئے، اور چاہا کہ قوم کی خبر لیں۔ جب شہر کے قریب پہنچے اور یہ حال دیکھا، تو انہیں نہایت رنج ہوا، کہ میں نے تو انہیں عذاب سے ڈرایا تھا اور عذاب رحمت سے بدل گیا، اب اگر میں اس شہر میں جاؤں گا، تو ضرور مجھے جھوٹا کہیں گے۔ یہ خیال کر کے صحرا کی راہ لی اور ان کا دریا میں جانا اور مچھلی کے پیٹ میں قید ہونا انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ انبیاء اور سورۂ صافات میں مذکور ہوگا۔ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے واقعات سے ظاہر ہوگیا، کہ ایسی۔۔۔

(تو کوئی بستی نہیں جو) عذاب نازل ہونے کے وقت (ایمان لائی اور اس کے ایمان نے اس) گاؤں والوں (کو نفع دیا، سوا قوم یونس کے)، کہ (جب) وہ (ایمان لے آئے تو ہم نے دور کردیا ان سے دُنیا کی زندگی میں رسوا کردینے والے عذاب کو اور مہلت دی ہم نے انہیں ایک میعاد تک) یعنی اُن کی اجل پہنچنے تک۔

اس تفسیر پر 'ایمانِ یاس' کا نفع اُسی قوم کے ساتھ خاص رہے گا، اور 'ایمانِ یاس' کے مقبول نہ ہونے کا جو عام ضابطہ ہے اُس سے اُس قوم کا معاملہ مستثنیٰ رہے گا۔ بعض جماعتِ مفسرین اس بات پر ہیں، کہ اِس آیت کے یہ معنیٰ ہیں کہ عذاب دیکھنے کے قبل دیہات والے کیوں نہ ایمان لائے اور کیوں نہ انہوں نے جلدی کی، کہ اُن کا ایمان انہیں فائدہ دیتا، مگر یونس علیہ السلام کی قوم نے جب عذاب کے آثار دیکھے، تو ایمان لانے میں انہوں نے دیر نہیں لگائی، کہ جب عذاب آلیتا تو وہ ایمان لاتے۔

اِس صورت میں استثناء منقطع ہوگا۔ جبکہ پہلی تفسیر کی صورت میں استثناء متصل ہے۔ حضور رحمتہ اللعالمین ﷺ قوم کے ایمان پر بہت حریص تھے، جب وہ لوگ ایمان نہ لاتے تو آپ کے قلب شریف اور رحیم و کریم دل کو بہت ملال ہوتا، تو حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے اگلی

آیت نازل فرمائی اور خلق کے ایمان کو اپنی مشیت کے ساتھ وابستہ کیا اور فرمایا، کہ۔۔۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا

اور اگر تمہارا پروردگار چاہے، تو ایمان لائیں سارے زمین والے سب کے سب۔

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾

تو کیا تم مجبور کرو گے لوگوں کو؟ یہاں تک کہ ہوجائیں مسلمان●

(اور اگر تمہارا پروردگار چاہے تو ایمان لائیں سارے زمین والے سب کے سب) لیکن یہ چیز اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو ہے، لیکن اُس کی حکمت میں نہیں ہے۔ اور آپ کو اللہ تعالیٰ نے صرف تبلیغ کے لیے بھیجا ہے اور اگر کوئی شخص آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود ایمان نہیں لاتا، تو آپ غم نہ کریں۔ کیونکہ آپ کو اس لیے تو نہیں بھیجا گیا ہے، کہ آپ اُن پر جبر کر کے اُن کو کلمہ پڑھادیں۔ (تو کیا تم مجبور کرو گے لوگوں کو؟ یہاں تک کہ) وہ (ہوجائیں مسلمان) یہ چیز اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے، کہ وہ لوگوں کو اختیار کے بجائے اضطراری طور پر اُن کو ایمان والا بنادے۔۔ چنانچہ۔ ازلی طور پر جس کے تعلق سے خدا کو یہ علم ہے، کہ کفر کے مقابلہ میں ایمان کو اختیار کرے گا، اُسی کے لیے اللہ تعالیٰ ایمان پیدا کرے گا۔ اس کے برعکس جس کے تعلق سے اُس کے علم ازلی میں یہ بات ہو، کہ وہ ایمان کے مقابلے میں کفر اختیار کرے گا، تو اس کے لیے ایمان نہیں پیدا کرے گا، بلکہ کفر پیدا کرے گا۔ الختصر۔۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَیَجْعَلُ

اور کوئی نہیں ہے کہ ایمان قبول کرے بغیر چاہے اللہ کے۔ اور ڈالتا ہے

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

گندگی ان پر جو نادان ہیں●

یقیناً (اور) بے شک (کوئی نہیں ہے کہ ایمان قبول کرے بغیر چاہے اللہ) تعالیٰ (کے) یعنی بغیر خدا کے ارادے اور اس کی توفیق و حکم کے، (اور ڈالتا ہے) کفر کی (گندگی ان پر جو نادان ہیں) اور سمجھ سے عاری ہیں۔

علمی طور پر کفر سے قبیح تر اور کیا شے ہوسکتی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ بے عقلوں پر کفر جیسی قبیح تر قابل کراہت و نفرت چیز کو باقی رکھتا ہے۔ کافروں کی تعبیر بے عقلوں

سے اسی لیے کی ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل وآیات کے دیکھنے سننے کے باوجود اُن کی عقلیں ایسی اندھی ہیں، کہ وہ ہدایت نہیں حاصل کر سکتے۔ اسی لیے ایمان کو اذن سے متعلق فرما کر آخر میں فرمایا، کہ ایسے لوگ قبائح کفر وضلال میں ہمیشہ ڈوبے رہیں گے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ

کہو، کہ "دیکھو تو لو کہ کیا ہے آسمانوں میں اور زمین میں" اور نہیں کام دیتیں آیتیں

وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اور ڈرانے والی ہستیاں ان کے، جو نہ مانیں●

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا، کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اُس کی تقدیر اور مشیت کے بغیر ایمان نہیں حاصل ہوسکتا، اور اِس آیت میں زمین اور آسمانوں میں جو اُس کی ذات اور اُس کی قدرت پر نشانیاں ہیں، ان میں تدبر اور تفکر کا حکم دیا ہے، تاکہ کسی کو یہ وہم نہ ہو کہ انسان مجبور محض ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک گونہ مختار بنایا ہے، سو اُس پر لازم ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کی بناوٹ پر غور کرے اور اُن میں جو کواکب اور سیارے ہیں اُن میں تفکر کرے، کہ وہ ایک مخصوص نظام کے تحت قائم ہیں اور گردش کررہے ہیں۔

رات اور دن کے توارد اور اُن کے اختلاف میں، بارشوں کے ہونے اور دریاؤں میں سیلاب اور سمندروں کے طوفانوں میں، اور کھیتوں اور باغات میں غلہ اور پھلوں کی پیداوار میں، یہ نشانی ہے کہ یہ تمام چیزیں نظام واحد کے تحت روبہ عمل ہیں۔ انسانوں، مویشیوں، چرندوں، درندوں اور پرندوں میں توالد اور تناسل کا نظام واحد ہے۔ موسموں کے بدلنے کا نظام واحد ہے۔ غذا کے انہضام کا نظام واحد ہے، سورج اور چاند کے طلوع اور غروب کا نظام واحد ہے۔ انسان خواہ اپنے باہر کی دنیا کو دیکھے، تو ہر چیز نظام واحد میں مربوط ہے اور اپنے اندر کی دنیا کو دیکھے تو ہر چیز نظام واحد میں منسلک ہے اور نظام کی وحدت یہ بتاتی ہے کہ اس نظام کا بنانے والا بھی واحد ہے۔

یہ جہاں 'عالم کبیر' ہے اور خود انسان 'عالم صغیر' ہے، اور 'عالم کبیر' کے نظام میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے اور 'عالم صغیر' میں بھی یکسانیت اور وحدت ہے۔ اور نظام کی وحدت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا ناظم بھی واحد ہے۔۔ المختصر۔۔ اے محبوب! آسمانوں اور زمینوں

میں تدبر و تفکر کی دعوت دیتے ہوئے۔۔۔

(کہو) ان مشرکین سے جو نشانیاں مانگتے ہیں، (کہ دیکھ تو لو) دیدۂ دل سے۔۔یا۔۔ان آنکھوں سے (کہ کیا) کچھ (ہے) عجائبِ فطرت سے (آسمانوں میں اور) بدائع قدرت سے (زمین میں)، تاکہ وہ تمہارے لیے کمالِ صنعتِ الٰہی اور منتہائے علم وحکمتِ بادشاہی پر دلیل ہو، حالانکہ یہ بھی اپنی جگہ ایک حقیقت ہے (اور) سچائی ہے، کہ (نہیں کام دیتیں آیتیں اور ڈرانے والی ہستیاں اُن کے جو نہ مانیں)۔ یعنی علم وحکمتِ خداوندی میں جن کا ایمان نہ لانا متعین ہو چکا ہے، اُن کے لیے خُدائی نشانیاں دیکھ لینا ۔۔یا۔۔ڈرانے والوں کی باتیں سن لینا، یہ دونوں چیزیں عذابِ الٰہی کو دفع نہیں کرسکتیں۔۔۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ

تو وہ منتظر ہیں، بس ان لوگوں کے ایام کی طرح، جو گزرے ان سے پہلے۔

قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

کہہ دو کہ نظر لگائے رہو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں●

(تو وہ منتظر ہیں بس ان لوگوں کے ایام کی طرح جو گزرے ان سے پہلے) یعنی انبیاءِ سابقین علیہم السلام اپنے زمانوں میں کفار کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے تھے اور وہ اُن کی تکذیب کرتے تھے اور اُن کا مذاق اڑاتے ہوئے یہ کہتے تھے، کہ یہ عذاب جلدی کیوں نہیں آتا۔ اِسی طرح رسول اللہ کے زمانہ کے کفار تھے، وہ بھی اُسی طرح کہتے تھے۔ اس لیے فرمایا، اَے محبوب! اُن سے (کہہ دو کہ نظر لگائے رہو) اور اس وعید کے پورا ہونے کا انتظار کرو، (میں بھی تمہارے ساتھ) اس وعید کے پورا ہونے کے دن کا (منتظر ہوں)۔

سابقہ آیت میں نبی کریم کو بھی حکم دیا تھا، کہ کفار جس طرح اپنے اوپر جس عذاب کا انتظار کررہے ہیں، اسی طرح آپ بھی ان پر اس عذابِ الٰہی کا انتظار کریں۔ اور اب اگلی آیت میں اس کی تفصیل فرمائی، کہ عذاب صرف کفار پر نازل ہوگا اور نبی کریم ﷺ اور آپ کی اتباع کرنے والے اہلِ نجات سے ہیں۔ جس طرح پہلے بھی عذاب صرف کفار پر نازل ہوا اور اپنوں کے لیے فرمایا گیا، کہ۔۔۔

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

پھر ہم بچالیں گے اپنے رسولوں کو اور جو ایمان لاچکے، یہی ہونا ہے حق ہے۔ ہماری ذمہ داری پر کہ ہم بچالیں مسلمانوں کو●

(پھر ہم بچالیں گے اپنے رسولوں کو اور جو ایمان لاچکے، یہی ہونا ہے) یعنی جس طرح رسولوں کو اوران کی پیروی کرنے والوں کو ہم نے نجات دی، اسی طرح (حق ہے ہماری ذمہ داری پر) یعنی ہمارا صحیح اور درست وعدہ ہے (کہ ہم) مشرکوں کو ہلاک کرتے وقت (بچالیں مسلمانوں کو)۔

۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور کرم کی وجہ سے مومنوں سے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اور کریم وعدہ کر کے اُسے پورا کرتا ہے۔ اس وجہ سے اس پر ثواب عطا فرمانا واجب ہے، نہ اس وجہ سے کہ مومنوں کا اللہ پر کوئی حق ہے۔ جیسے کام کرنے والے کا کام کرانے والے پر حق ہوتا ہے۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنے اوپر مومنوں کی نجات کو واجب کرلیا ہے، اور اپنے ذمۂ کرم میں رکھ لیا ہے۔۔۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ

کہو کہ "اے لوگو! اگر تمہیں شک ہو میرے دین کی طرف سے، تو میں

اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ

معبود نہیں مانتا جن کو تم معبود مانتے ہو اللہ کو چھوڑ کر، لیکن میں معبود مانتا ہوں اللہ کو،

يَتَوَفّٰىكُمْ ۖ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

جو مدت پوری کر دیتا ہے تمہاری۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ مسلمان رہوں●

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے دینِ اسلام کی صحت پر دلائل قائم کیے تھے اور اپنی وحدانیت پر براہین قائم کیے تھے، اور اپنے محبوب ﷺ کی نبوت کا صدق بیان فرمایا تھا، اور اب رسولِ کریم کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے دین کا اظہار کریں اور یہ اعلان کریں، کہ وہ مشرکین سے الگ اور علیحدہ ہیں، کیونکہ مشرکین پتھروں سے تراشے ہوئے اُن بتوں کی عبادت کرتے ہیں، جو کسی قسم کا نقصان۔۔یا۔۔نفع پہنچانے پر قادر نہیں ہیں اور دراصل نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر وہی ذات ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اور میں اُسی کی عبادت کرتا ہوں۔ تو اے محبوب! ان مشرکین سے۔۔۔

(کہو کہ اے لوگو! اگر تمہیں شک ہو میرے دین کی) صحت وحقانیت کی (طرف سے)، تو میں

واضح لفظوں میں اپنے دین کو تمہارے واسطے بیان کر دیتا ہوں اور اس کی پوری تفصیل سے تمہیں آگاہ کر دیتا ہوں۔ (تو) سنو (میں معبود نہیں مانتا جس کو تم معبود مانتے ہو، اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) اور اس کا باغی ہو کر۔۔ چنانکہ میں بتوں کو اور فرشتوں وغیرہ کو معبود نہیں مانتا۔ (لیکن میں معبود مانتا ہوں) صرف (اللہ) تعالیٰ (کو جو) قادرِ مطلق ہے اور (مدت پوری کر دیتا ہے تمہاری)۔

مار ڈالنے کی تخصیص تہدید کے واسطے اس لیے ہے، کہ مشرکوں کا مرنا اُن کے عذاب کی میعاد ہے۔

(اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ) میں (مسلمان رہوں) یعنی احکام الٰہی اور اخبارِ انبیاءِ علیہم السلام پر دل سے ایمان لاؤں۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور یہ کہ ٹھیک رکھو اپنا رخ دین کیلئے یکسو ہو کر۔ اور مت رہو مشرکوں کے ساتھ●

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ

اور نہ پکارو اپنے گڑھے معبود کو جو نہ تمہارا بنا سکے، اور نہ بگاڑ سکے۔

فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

کہ اگر ایسا کیا، تو اندھیر والوں سے ہوا●

(اور یہ کہ ٹھیک رکھو اپنا رخ دین کے لیے یکسو ہو کر) یعنی خالصاً لوجہ اللہ دین اسلام کی طرف مائل رہوں (اور) اپنے تمام وابستگانِ دامن ایمان والوں کو ہدایت کر دوں، کہ (مت رہو مشرکوں کے ساتھ) عقیدہ و عمل میں۔۔۔

(اور نہ پکارو) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی معبود سمجھ کر، چہ جائیکہ (اپنے) ہاتھوں سے (گڑھے) ہوئے خود ساختہ (معبود کو جو نہ تمہارا بنا سکے اور نہ بگاڑ سکے)، یعنی جس کو پکارنے میں تمہیں کوئی فائدہ نہ ملے اور یونہی جسے چھوڑ دینے میں تمہارا کوئی نقصان نہ ہو۔

اِس میں تعریض ہے کہ دین برحق وہ ہوتا ہے، جس میں کوئی صاحبِ عقل شک نہ کر سکے اور جس کی فطرت سلیم ہو، وہ اس کی تحسین کرے اور مشرکین ان بتوں کی پرستش کرتے تھے جن کو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا، سو جو بت اپنے وجود میں خود مشرکین کے

محتاج تھے وہ اُن کے خالق اور معبود کیسے ہو سکتے ہیں، اور اُن کی مشکلات کو کس طرح دور کر سکتے ہیں۔ یہ ایسا دین ہے جس کا ہر صاحبِ عقل انکار کرے گا۔

تو اے رسول کے امتی! اگر تجھے نبی کریم کی یہ ہدایت ملی، (کہ) تو ایسا نہ کرے، تو پھر (اگر) تو نے (ایسا کیا، تو) سمجھ لے، کہ تو (اندھیر والوں سے ہوا)۔ اس لیے کہ عبادت کا محل یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کی جائے۔ پس جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت کی، اس نے عبادت کو غیر محل میں رکھا، سو یہی ظلم ہے اور اپنے اوپر سب سے بڑا اندھیر ہے۔

مذکورہ بالا تفسیر نے اشارہ کر دیا، کہ ان تینوں آیتوں میں تعریض ہے۔ ذکر رسول اللہ ﷺ کا کیا گیا ہے، اور مراد آپ کی امت ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا ہے، کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے، کہ میں مومنوں سے رہوں، جبکہ آپ پیدائشی اور دائمی مومن ہیں۔ اس میں امت کو بتایا ہے، کہ جب ہمارے نبی پر یہ حکم ہے، تو تم پر بھی یہی حکم ہے۔ دوسری آیت میں فرمایا آپ مشرکین میں سے ہرگز نہ ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ آپ معصوم ہیں، آپ کا مشرک ہونا کیسے متصور ہو سکتا ہے، سو اس حکم سے بھی آپ کی امت مراد ہے اور تیسری آیت میں فرمایا، کہ اگر بالفرض آپ نے ایسا کیا، تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے اور اس میں تعریض بالکل ظاہر ہے۔

اب آگے یہ ارشاد فرمایا جا رہا ہے، کہ خیر اور شر اور نفع اور ضرر، بالذات صرف اللہ عزوجل کی طرف راجع ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اور استحقاقِ عبادت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔۔ چنانچہ۔۔ فرماتا ہے، کہ سن لے اے سننے والے۔۔۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ

اور اگر دے تجھے اللہ کچھ تکلیف، تو کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں، مگر وہی۔ اور اگر چاہے تیری

بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

بھلائی، تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کا۔ پہنچا دے اسے جسے چاہے اپنے بندوں سے۔

وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾

اور وہی غفور رحیم ہے"●

(اور) یاد رکھ، کہ (اگر دے تجھے اللہ) تعالیٰ (کچھ تکلیف)۔۔ مثلاً: مرض۔۔ یا۔۔ شدت۔۔ یا۔۔ محتاجی وغیرہ، (تو کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں، مگر وہی) جو اللہ ہے (اور اگر چاہے تیری بھلائی)

۔۔مثلاً صحت، راحت اور غنی کر دینا، (تو کوئی پھیرنے والا نہیں اس کے فضل کا) یعنی کوئی دفع کرنے والا اور باز رکھنے والا نہیں اس کے اس فضل کو، جسے وہ اپنے بندوں کو ان بندوں کے استحقاق کے بغیر محض اپنے کرم اور ارادۂ خیر سے عطا فرماتا ہے۔۔چنانچہ۔۔(پہنچا دے اسے جسے چاہے اپنے بندوں سے اور وہی غفور) ہے، بخشنے والا ہے۔تو اے گنہگار بندے! اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے، تو عبادت کر کے اس کی رحمت کی امید رکھو۔

اللہ تعالیٰ نے اس سورہ میں توحید، رسالت، اور قیامت پر دلائل قائم کیے اور منکرین کے شبہات کا ازالہ فرمایا، اور کافروں پر حجت پوری کرنے کے بعد فرمایا، کہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا، کہ وہ ہدایت کو اختیار کرے گا، وہی ہدایت کو اختیار کرے گا۔اس لیے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا، کہ آپ کہہ دیں، کہ میں تم کو ہدایت پر مجبور کرنے والا نہیں ہوں۔تم تک ثوابِ عظیم کو پہنچانے کے لیے اور تم کو عذابِ الیم سے چھڑانے کے لیے اس سے زیادہ کوشش کی ضرورت نہیں، جتنی کوشش میں کر چکا ہوں۔۔المختصر۔۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى

پکار دو کہ "اے لوگو! بیشک آ گیا تمہارے پاس حق، تمہارے پروردگار کی طرف سے۔تو جس نے راہ پائی،

فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ

تو اپنے ہی لئے پائی۔اور جو بہکا، وہ اپنے حق میں بہکا۔

وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ۝۱۰۸

اور میں نہیں ہوں تم پر جبر●

اے محبوب! (پکار دو، کہ اے لوگو! بے شک آ گیا تمہارے پاس حق) کلام صحیح۔۔یا۔۔سچا پیغمبر (تمہارے پروردگار کی طرف سے)، تاکہ تمہیں کوئی عذر باقی نہ رہے۔(تو جس نے راہ پائی) اور ایمان لایا اور اطاعت کی، (تو اپنے ہی لیے پائی) یعنی اس کا فائدہ اُسی کی ذات کو ملے گا۔(اور جو بہکا) یعنی انکار و تکذیب کے سبب گمراہ ہوا، تو (وہ اپنے حق میں بہکا) یعنی اُس گمراہی کا وبال اُسی پر ہے (اور میں نہیں ہوں تم پر جبر) کرنے والا۔کسی کو بھی بالجبر منوانا میرے فریضۂ نبوت میں نہیں۔مجھ پر صرف صحیح راستہ دکھا دینا لازم ہے، منزل تک پہنچا دینا لازم نہیں۔۔چنانچہ۔۔تبلیغ و ہدایت کے تعلق سے جو فرض تھا

اُسے میں نے بفضلہٖ تعالیٰ بخوبی ادا کر دیا ہے۔ اَے محبوب! اتنی واضح ہدایت فرمانے کے بعد بھی اگر کوئی راہ پر نہ آئے، تو آپ فکر مند نہ ہوں۔۔۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۚ

اور تم چلو جو وحی بھیجی جاتی ہے تمہاری طرف، اور صبر کرو یہاں تک کہ فیصلہ فرما دے اللہ۔

وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٠٩﴾ ع ١٦

اور وہ خوب فیصلہ فرمانے والا ہے"●

(اور تم) حسبِ معمول (چلو) اور چلتے رہو اس پر، (جو وحی بھیجی جاتی ہے تمہاری طرف) اس پر عمل کرتے رہو اور دوسروں تک پہنچاتے رہو، (اور صبر کرو) دعوتِ اسلام پر اور اس ایذاء پر جو تجھے پہنچتی ہے اور تحمل اختیار کیجیے (یہاں تک کہ فیصلہ فرما دے اللہ) تعالیٰ، یعنی حکم فرما دے اللہ تعالیٰ تیری نصرت کا۔۔یا۔۔بُت پرستوں کے قتل کا۔۔یا۔۔اہل کتاب سے جزیہ لینے کا حکم فرمائے، (اور وہ خوب فیصلہ فرمانے والا ہے)۔ اس لیے کہ اس کے فیصلے میں خطا، طرفداری اور ظلم نہیں ہے۔۔یا۔۔چھپی باتوں پر مطلع ہے اور گواہ کا محتاج نہیں۔

بحمدہٖ تعالیٰ سورۂ یونس کی تفسیر بتاریخ

٢۴ رجمادی الاولیٰ ١۴٣١ھ۔۔مطابق۔۔١٠ رمئی ٢٠١٠ء

بروز سہ شنبہ بوقت پونے دو بجے دن مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ پورے کلامِ مقدس کی تفسیر کی سعادت ارزانی فرمائے۔

آمين يَا مُجِيبَ السَّائِلِينَ بِحُرْمَةِ حَبِيبِكَ سَيِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ
بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۱۲/مئی ۲۰۱۰ء
بروز چہارشنبہ سورۂ ھود کی تفسیر شروع کر دی۔
مولیٰ تعالیٰ اس کی تکمیل اور پورے قرآن کریم کی
تفسیر کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا
مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَةُ هُود

سورۂ ھود ۱۱ مکیۃ ۵۲ — آیاتھا ۱۲۳ رکوعاتھا ۱۰

سورۂ ھود مکیۃ — آیات ۱۲۳ رکوع ۱۰

اس سورۂ مبارکہ کا نام سورۂ ھود ہے، کیونکہ اس سورہ میں حضرت ھود علیہ السلام اور ان کی قوم، عاد کا ذکر کیا گیا ہے۔ گو بعض دوسری سورتوں میں بھی حضرت ھود علیہ السلام کا ذکر شریف ہے، مگر اِس سورت میں آپ کا اِسم شریف، پانچ ۵ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے اور کسی سورت میں ایسا نہیں ہے۔۔نیز۔۔اِس سورت میں یہ تصریح ہے، کہ عاد حضرت ھود علیہ السلام کی قوم ہے اور کسی سورت میں اس طرح تصریح نہیں ہے کہ 'سنو ھود کی قوم عاد کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری ہے'۔۔۔سورۂ ھود مکی اور اس میں ایک سو تیئیس ۱۲۳ آیتیں اور دس ۱۰ رکوع ہیں۔ جمہور کے نزدیک سورۂ ھود کی تمام آیتیں مکی ہیں۔۔لیکن۔۔بعض علماء نے اس کی آیت ۱۲، آیت ۱۷ اور آیت ۱۱۴ کا استثناء کیا ہے، کیونکہ اُن کے نزدیک یہ تین ۳ آیتیں 'ابوالیسر' کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

سورۂ ھود ہجرت سے کچھ پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، اور سورۂ یونس کے بعد متصلاً نازل ہوئی۔ اس وقت وہی حالات تھے، جو نبی کریم ﷺ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا پیش خیمہ تھے۔ سورۂ ھود کے مضامین، سورۂ یونس کی طرح ہیں۔ سورۂ یونس کی طرح یہ سورت بھی 'الف لام را' سے شروع ہوتی ہے۔ سورۂ ھود، سورۂ یوسف سے پہلے اور سورۂ یونس کے بعد نازل ہوئی۔ ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۵۲ ہے۔ سورۂ ھود ان پُر

جلال اور خشیتِ الٰہی پیدا کرنے والی سورتوں میں ہے، جن کے تعلق سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کہ ان سورتوں نے مجھے بوڑھا کردیا۔

اس سورہ میں بعض ان انبیاءِ کرام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے، سورۂ یونس میں جن کا ذکر نہیں ہے۔۔نیز۔۔اس سورت کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے، کہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جو طوفان آیا تھا، اس کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

تو ایسی پُر جلال اور باعظمت سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں (نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ۝١

ال راء۔۔ ایسی کتاب کہ محکم ہیں جسکی آیتیں، پھر تفصیل کردی گئی ہے حکمت والے خبردار کی طرف سے●

اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ ۝٢

کہ معبود نہ مانو سوا اللہ کے۔ بے شک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے خوف وخوشخبری لانے والا ہوں●

(ال راء)۔

یہ ان حروف مقطعات میں سے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بھید ہیں۔اُن کے معنی کے تعلق سے سوال نہ کرنا ہی راہِ اسلم ہے۔بس ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کی کیا اپنی مراد ہے، یہ وہی جانے، یا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے وہ رسول جانے جس پر ان کلمات کو نازل فرمایا گیا۔۔یا۔۔خدا کے وہ محبوبین جانیں، جن کو خدائے تعالیٰ نے اُن کے اسرار ورموز سے آگاہ فرمادیا ہو۔ایک طریقہ سالم یہ بھی ہے، کہ کہا جائے، کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انا اللّٰہ امری یعنی میں خدا ہوں، کہ دیکھتا ہوں۔ میں مطیعوں کی طاعت اور عاصیوں کی معصیت اور ہر ایک کو اس کے عمل کے مناسب جزا دوں گا، تو اس کلمہ میں وعدہ اور وعید دونوں ہیں۔

یہ ایک (ایسی کتاب) ہے (کہ محکم ہیں جس کی آیتیں) دلیلوں سے۔۔یا۔۔نظم محکم کے ساتھ منتظم کی گئی ہیں، جیسے کہ مستحکم عمارت کہ خلل اور نقصان کو اس میں دخل ہی نہیں۔ (پھر تفصیل کردی گئی

ہے) یعنی پھر جدا کردی گئی سورت سورت اور آیت آیت ۔۔یا۔۔ مفصل کی گئی ہے اس میں وہ چیز کہ بندے جس کے محتاج ہیں۔ یعنی بیان کی گئی ہے (حکمت والے خبردار کی طرف سے) جو سب چیزیں جانتا ہے، یہ (کہ معبود نہ مانو سوا اللہ) تعالیٰ (کے۔۔ بے شک میں تمہارے لیے اس کی طرف سے خوف وخوشخبری لانے والا ہوں) یعنی ڈرانے والا ہوں شرک اور زیادتی کے عذاب سے اور خوشخبری دینے والا ہوں توحید وایمان کے ثواب کی۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ

اور یہ کہ بخشش مانگو اپنے پروردگار کی، پھر توبہ کرو اسکی طرف، کہ دے تم کو اچھا سامان رہن سہن کا مقرر وقت تک،

مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ

اور دے ہر ثواب والے کو اس کا ثواب۔ اور اگر منہ پھیریں "تو بیشک میں ڈرتا

عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③

ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کو●

(اور یہ) یعنی آیات کا مضبوط کرنا اور مفصل کرنا اس واسطے ہے، تا (کہ بخشش مانگو اپنے پروردگار کی) اپنے گزرے ہوئے گناہوں کی، (پھر توبہ کرو اس کی طرف) یعنی اس کی درگاہ میں زمانہ آئندہ میں ہوسکنے والے گناہوں سے، کہ رب کریم ان گناہوں سے بچاتا رہے اور ہمیں گناہ نہ کرنے کے عزم پر ثابت قدم رکھے۔اور تا (کہ دے تم کو اچھا سامان رہن سہن کا مقررہ وقت تک) یعنی تمہیں درازی عمر عطا فرمائے۔۔یا۔۔ بے خوف اور صحت مند زندگی سے نوازے، تا حیات یعنی آخری عمر تک۔

محققین کا کہنا ہے، کہ جو کچھ نعمت ہاتھ آئے اس پر راضی رہنا اور جو رنج ومحنت پہنچے اس پر صبر کرنا 'متاع حسن' ہے۔ بعض علماء کے نزدیک 'متاع حسن' یہ ہے، کہ لوگوں کی حاجت اُس کے ہاتھ پر چھوڑی جائے۔

(اور) تا کہ حق تعالیٰ (دے ہر ثواب والے کو اس کا ثواب) یعنی ہر بڑائی والے کو جو دین میں بڑا ہے، ثواب اور جزا اس کی بڑائی کی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

'ذو فضل' اس شخص کو کہیں گے جس کی نیکیاں برائیوں سے فاضل اور زیادہ ہوں ۔۔ایک

قول کے مطابق 'ذو فضل' وہ شخص ہے، کہ دیوانِ ازلی میں جس کے نام فضل کا نشان لکھا ہو، تو پیدا ہونے کے بعد البتہ وہ اس فضل سے مشرف ہوگا۔

(اور اگر) کافر لوگ (منہ پھیریں) اور روگردانی کریں اسلام سے۔۔یا۔۔انکار کریں میری متابعت سے، (تو) اے کافرو تمہارے تعلق سے (بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن) یعنی روزِ قیامت (کے عذاب کو)۔

ایک قول کے مطابق بڑے دن سے مراد جنگِ بدر کا دن ہے، اور بعضوں نے کہا شدت اور مشقت کا دن اس سے مراد ہے۔ اور وہ قحط وفاقہ کا ایسا دن ہے، کہ مُردہ اور مُردار وہ کھالیں ۔۔الحاصل۔۔

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ④

اللہ ہی کی طرف تمہارا لوٹنا ہے۔ اور وہ ہر چاہے پر قادر ہے"●

(اللہ) تعالیٰ (ہی کی) جزا (کی طرف تمہارا لوٹنا ہے اور وہ) دوبارہ زندہ کرنے، ثواب دینے اور عذاب کرنے ۔۔الغرض۔۔ (ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔۔۔

اور ظاہر ہے کہ جو قادرِ مطلق ہوگا، وہ عالم الغیب والشہادۃ بھی ہوگا، اس سے کوئی چیز چھپائی نہیں جاسکتی۔ تو اخنس بن شریق جیسے منافقین کا یہ سوچنا، کہ رسولِ کریم کی بارگاہ میں باتیں بنا کر اور شیریں زبانی کا مظاہرہ کر کے اور خوش آیند باتیں کر کے۔۔نیز۔۔یکجہتی اور خیر خواہی کا دَم بھر کے ہم اپنے خبثِ باطنی کو چھپالے جائیں گے اور اپنے باطن کی تاریکی اور سیاہی پر پردہ ڈال دیں گے، تو یہ ان سب کی خام خیالی ہے۔ مسلمانوں کو اُن کے شر سے ہشیار رہنا چاہیے اور ان کی چرب زبانی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِیْنَ

خبردار! یہ لوگ دوہرا کرتے ہیں اپنے سینوں کو، تا کہ چھپالے جائیں اس سے۔ خبردار!

یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ

جب کہ ڈھانپ لیتے ہیں اپنے سب کپڑے، تو وہ جانتا ہے جو چھپائیں اور جو ظاہر کریں۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝

بے شک وہ دلوں کی بات کا جاننے والا ہے۔●

تو (خبردار) اور ان سے ہشیار رہو، کیونکہ (یہ لوگ دوہرا کرتے ہیں اپنے سینوں کو) فراہم کر لیتے ہیں اپنے سینے ہمارے حبیب کی عداوت پر۔۔یا۔ ڈُہرے کر لیتے ہیں اپنے سینے۔

سینے دُہرے کر لینا دل میں بھید چھپا رکھنے سے عبارت ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی عداوت دل کے اندر رکھتے ہیں اور جب سرکار کے سامنے سے کبھی گزرنا ہوتا ہے، تو اپنے کو چادروں میں چھپا لیتے ہیں، تاکہ سرکار دیکھنے نہ پائیں، وہ یہ نظر بچا کر گزر جائیں۔ ان کا خیال ہے کہ اس طریقۂ کار کو اپنانے سے انکی دلی عداوت پر کوئی مطلع نہ ہو سکے گا۔

اور یہ ان کا طرزِ عمل اسی لیے ہے، (تاکہ چھپالے جائیں اس سے) یعنی خدا سے۔ تو (خبردار) ہو جاؤ اور آگاہ ہو جاؤ، کہ (جبکہ ڈھانپ لیتے ہیں اپنے سب کپڑے) یعنی سر پر کھینچتے ہیں اپنے کپڑے اور سر سے پیر تک اوڑھ کر اور اپنے کو چھپا کر بستروں میں گھس جاتے ہیں، (تو) اس صورت میں بھی (وہ) عالم الغیب والشھادۃ (جانتا ہے جو چھپائیں) اپنے سینوں میں (اور جو ظاہر کریں) اپنی زبانوں سے۔

۔۔الغرض۔۔ان کی پوشیدہ اور ظاہر بات خدا کے علم میں یکساں ہے، کیونکہ (بے شک وہ دلوں کی بات کا جاننے والا ہے)۔۔المختصر۔۔جو باتیں دلوں میں چھپی ہیں سب اس پر ظاہر ہیں۔

حق تعالیٰ نے منافقین کے خبثِ باطنی اور سوءِ عقیدت کو اس آیت سے ظاہر فرما دیا، تاکہ کوئی شخص اُن کے ظاہر و باطن کی تاریکی اور سیاہی سے غافل نہ ہو جائے۔ بے شک منافق سانپ کے مشابہ ہے۔ اس کے اندر تو زہر بھرا ہوا ہے، اور ظاہر میں نقش ونگار ہے۔

بفضلہ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۲/مئی ۲۰۱۰ء

بروز چہار شنبہ بوقت سوا ایک بجے دن

گیارھویں پارے کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔ دعا گو ہوں، کہ مولیٰ تعالیٰ

پورے قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

۱۲

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ

بفضلہ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۹ر جمادی الاولیٰ۔۔مطابق۔۔۱۵ر مئی ۲۰۱۰

بروز شنبہ بارھویں پارہ کی تفسیر کا آغاز کردیا۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور اس کے بعد کے تمام پاروں کی

تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ

وَمَا مِنْ دَآبَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا

اورنہیں ہے کوئی جاندارزمین کا مگراللہ کے کرم پر ہے اس کی روزی، اوروہ جانتا ہے ان کی قیام گاہ کو،

وَمُسْتَوْدَعَھَا ط کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝۶

اورانکی سونپے جانے کی جگہ کو،سب کچھ روشن کتاب میں ہے●

اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور جس کو وہ ظاہر کرتے ہیں، اوراسی کے موافق اس آیت میں یہ واضح کیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ تمام معلومات کا عالم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر ہر جاندار کواس کا رِزق پہنچاتا ہے۔ پس اگر وہ ہر جاندار کو، اس کی موت وحیات کو، اس کے قیام اوراس کے سفر کی جگہ کو نہ جانتا ہوتا، تو وہ ان کو رزق کیسے پہنچاتا۔

عرف میں دَآبَّۃ چوپایہ کواور زمین پر چلنے والے کو کہتے ہیں اور یہاں اس سے مراد ہے جاندار، خواہ مذکر ہو۔۔یا۔۔مونث۔ اوراس میں کوئی شک نہیں، کہ جانداروں کی بہت سی اقسام ہیں۔ یہ دریاؤں، سمندروں اور خشکی میں رہتے ہیں اوراللہ تعالیٰ ان کی طبائع کی کیفیتوں کو، ان کے احوال کو، اُن کی غذاؤں کواوراُن کے موافق اور مخالف چیزوں کواوران کے مسکنوں کو جانتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

بے شک اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشھادۃ (اور) علیم بذاتِ الصدور ہے۔تو **(نہیں ہے کوئی جاندارزمین کا)** دریاؤں، سمندروں اور خشکی میں رہنے والا **(مگراللہ)** تعالیٰ **(کے)** ذمہ **(کرم پر ہےاس کی روزی)** فضل ورحمت کی راہ سے۔۔یایہ۔۔کہ سب کی روزی اللہ سے ہے، وُہی عطافرمانے والا ہے۔۔یایہ۔۔کہ سب کی روزی اللہ کی طرف مُفَوَّض ہے، اگر چاہے اس میں وسعت دے اوراگر چاہے تو قلت کرے۔ **(اوروہ جانتا ہے ان کی قیام گاہ کو)** ان کی زندگی میں، **(اوران کی سونپے جانے کی جگہ کو)** مرنے کے بعد۔

۔۔الحاصل۔۔مُسْتَقَرّ حیوان کے رہنے کی جگہ ہے، زمین۔ پانی۔ ہوامیں اور مُسْتَوْدَع ان کے قرار کی جگہ ہے۔ اپنی خواہش سے قرار پکڑنے کے قبل جیسے صلب، رحم اور بیضہ۔

یہ جوابھی مذکور ہوا، یعنی حیوانات، ان کا رزق اوران کے مُسْتَقَرّ اور مُسْتَوْدَع یہ **(سب کچھ روشن کتاب میں ہے)**، یعنی لوحِ محفوظ میں ان سب کا ذکر موجود ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے اور

بڑے سے بڑے جانوروں کا رزق ان تک پہنچانا، خدائے قادرِ مطلق کے لیے ہرگز دشوار نہیں۔ وہ قادرِ مطلق اور خالق کائنات ہے۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهُ
اور وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمادیا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں۔ اور اس کا عرش
عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ
پانی پر تھا، تاکہ آزمائش میں ڈالے تم کو، کہ تم میں کون کارگزاری میں بہتر ہے۔ اور اگر تم نے کہا کہ
مَّبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا
بلاشبہ تم اٹھائے جاؤ گے مرنے کے بعد، تو ضرور بک ڈالیں گے جو کافر ہیں،
إِنْ هٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۞
کہ یہ نہیں ہے مگر کھلا جادو●

(اور وہ وُہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں) دُنیا کے دنوں میں سے، کہ پہلا روز ہفتہ کا دن ہوتا ہے اور اخیر روز جمعہ۔ (اور) زمین وآسمان پیدا کرنے کے قبل (اس کا عرش پانی پر تھا)۔

ابتدائے خلقت میں حق تعالیٰ نے ایک یاقوت سبز پیدا کیا اور نظرِ ہیبت سے اُسے دیکھا، وہ جوہر پانی ہوگیا۔ پھر حق تعالیٰ نے ہوا پیدا کی اور پانی کو ہوا پر رکھا، اور عرش کو پانی کے اوپر جگہ دی۔ پانی پر عرش کا ہونا اور ہوا پر پانی کا ٹھہرنا، ان دونوں میں بندوں کے لیے بڑے ہی غور وفکر اور عبرت وتدبر کا مقام ہے۔ ان امور میں غور وفکر اور فکرِ صحیح سے کام لینے والوں کے لیے قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ وتامہ کی عظیم نشانیاں ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ نے۔۔۔

آسمان، زمین، عرش، پانی اور ہوا کو اس لیے پیدا کیا (تاکہ آزمائش میں ڈالے تم کو) یعنی تمہارے ساتھ آزمانے والوں کا معاملہ کرے، تاکہ کھل جائے (کہ تم میں کون کارگزاری میں بہتر ہے) عمل کی رو سے۔ یعنی اس نعمت پر کس کا شکر بڑھا ہوا ہے۔۔ یا۔۔ عرش پانی پر ہونے اور پانی ہوا پر ٹھہرنے کی تصدیق کسے کامل ہے؟

صرف نبی کریم ﷺ سے سن کر بلا تکلف شرح صدر کے ساتھ اس کی تصدیق کر دینا، یہ

بات نصیب والوں ہی کونصیب ہوتی ہے۔رہ گئے وہ بے عقل جوانکار کردینے کی عادت بنائے ہوئے ہیں، وہ تو ہر بات کوخواہ وہ کتنی ہی سچی کیوں نہ ہو، جھٹلانے کو تیار رہتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔اے محبوب! ان جھوٹوں (اور) انکار کردینے والوں سے (اگرتم نے کہا، کہ بلاشبہ تم اٹھائے جاؤگے مرنے کے بعد، تو ضرور بک ڈالیں گے) وہ (جو کافر ہیں)، یعنی ان کی یہ ساری بک جھک ان کے کفر کا ثمرہ ہے۔تو اے محبوب! آپ کے ارشاد کوسن کر وہ یہ کہیں گے (کہ یہ نہیں ہے)، یعنی مبعوث ہونے اور مرنے کے بعد اٹھائے جانے والی بات، نہیں ہے (مگر کھلا جادو)۔یعنی فریب یا باطل ہونے میں کھلے ہوئے جادو کے مثل ہے۔

اس سے پہلی آیت کے اخیر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ اگر آپ ان سے کہیں گے کہ تم یقیناً موت کے بعد اٹھائے جاؤگے، تو کافر ضرور یہ کہیں گے، کہ یہ صرف کھلا ہوا جادو ہے۔

اب ان کے خرافات میں سے ایک اور باطل قول کو نقل فرماتا ہے، کہ جب ان سے وہ عذاب موخر ہوگیا جس عذاب سے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ڈرایا تھا، تو انہوں نے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: یہ عذاب کس لیے ہم سے روک لیا گیا؟۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ خداوندی۔۔۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰۤى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ

اور اگر ہم نے ہٹار کھا ان سے عذاب کو کچھ گنتی کی مدت تک، توضرور بکیں گے کہ کون

مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ

اس کو روکے ہے۔خبردار! جس دن آجائے گا ان تک، تو پلٹے گا نہیں ان سے، اور گھیر اپڑ گیا

ع ۸ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۸

ان پر جس کا ٹھٹھا کرتے تھے●

(اور) فرمانِ الٰہی ہے، کہ (اگر ہم نے ہٹار کھا ان سے عذاب کو کچھ گنتی کی مدت تک)، یعنی معدودے چند دن اور وقتِ معلوم تک، (توضرور بکیں گے) بطورِ استہزاء (کہ کون اس کو روکے ہے)؟

اس کے جواب میں ارشاد فرمایا گیا، کہ۔۔۔

(خبردار جس دن آجائے گا ان تک) وہ عذابِ موعود (تو پلٹے گا نہیں ان سے)۔

اس عذاب سے مراد یا تو دُنیا کا عذاب ہے۔۔یا۔۔آخرت کا عذاب ہے۔اگر دُنیا کا

عذاب مراد ہو، تو یہ وہ عذاب ہے جو غزوۂ بدر میں ان کو ذلت آمیز شکست کی صورت میں حاصل ہوا تھا، اور اگر اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے، تو وہ قیامت کے بعد ان پر نازل کیا جائے گا۔

۔۔الختصر۔۔اپنے انکار و تکذیب کی وجہ سے استہزاء کرنے والے۔۔اور پھر۔۔استہزاء کی وجہ سے مستحق عذاب ہو جانے والے کسی خام خیالی میں نہ رہیں، اس لیے کہ عذابِ موعود کا آنا اس قدر یقینی ہے، کہ گویا وہ آ ہی گیا (اور گھیر اپڑ گیا ان پر جس کا ٹھٹھا کرتے تھے) اور جس کے مطالبہ پر عجلت کر رہے تھے۔

اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار کو عذاب ضرور ہوگا، خواہ تاخیر سے ہو۔

اور ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ سبب بتایا جس سے ان کو عذاب ہوگا۔ اور یہ، کہ اس سبب سے وہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ

اور اگر چکھادیا ہم نے انسان کو اپنے کرم سے رحمت کو، پھر چھین لیا اس کو اس سے،

اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ٩

تو بیشک وہ ناامید ناشکرا ہے●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (اگر چکھادیا ہم نے انسان کو اپنے کرم سے رحمت کو، پھر چھین لیا اس کو اس سے، تو بے شک وہ ناامید ناشکرا ہے) بے صبری کی جہت سے، اور ہمارے کرم پر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے، اور ہماری عطا کردہ نعمت کی ناقدری کی وجہ سے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ

اور اگر ہم نے مزہ دیدیا نعمتوں کا بعد زحمتوں کے جو اس کو پہنچیں، تو ضرور ہی کہہ دے کہ خرابیاں مجھ سے دور

عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ١٠

ہوگئیں۔ بیشک وہ بڑا اِترا شیخی باز ہے●

(اور اگر ہم نے مزہ دے دیا نعمتوں کا) یعنی تندرستی اور مالداری وغیرہ کا (بعد زحمتوں کے جو اس کو پہنچیں)۔۔مثلاً: بیماری اور محتاجی وغیرہ، (تو ضرور ہی کہہ دے) گا (کہ خرابیاں مجھ سے دور ہوگئیں) یعنی مصیبتیں اور سختیاں جو مجھے بُری معلوم ہوتی تھیں، وہ مجھ سے دور ہوگئیں۔ اس صورت میں (بے

شک) اپنے کردار اور اپنی گفتار سے ظاہر کردے گا، کہ (وہ بڑا اترا) نے والا اور (شیخی باز ہے)۔

مذکورہ بالا آیت میں خواہ انسان سے مراد مطلق انسان ہو، پھر آیت ۱۱ میں نیک اور صبر کرنے والے مسلمانوں کا استثناء فرمایا ہو، خواہ انسان سے مراد صرف سارے کفار ہوں اور چاہے اس سے مراد خاص کر کے ولید ابن مغیرہ۔۔یا۔۔عبداللہ ابن ابی امیہ مخزومی ہو، ارشادِ پاک کا خلاصہ یہی ہے، کہ مصیبت میں اللہ کی رحمت سے مایوس ہونا اور راحت میں ناشکرا ہونا کفار کا شیوہ ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِیْرٌ ⑪

مگر جنھوں نے صبر کیا اور کام کئے اچھے، وہ ہیں کہ انھیں کیلئے بخشش اور بڑا ثواب ہے●

(مگر جنہوں نے صبر کیا) سختی اور بلاء میں (اور کام کیے اچھے)، یعنی لوازمِ شکر ادا کیے راحت اور مصیبت میں، (وہ) گروہ جو صبر اور شکر کی صفت سے موصوف ہیں، وہی (ہیں کہ انہیں کے لیے بخشش) گناہوں کی (اور بڑا ثواب ہے) جنت جس کے مقابلے میں تھوڑی ہے۔۔یا یہ کہ۔۔اَجْرٌ کَبِیْر جنت میں ایک ایسی نعمت ہے، کہ جنت کی ساری نعمتیں اس کے سامنے حقیر اور ناچیز ہیں، اور وہ ہے انوارِ لقاء کا مشاہدہ۔۔۔

سابقہ بعض آیات سے ظاہر ہوا، کہ کفار عذابِ موعود کا نزول بعجلت چاہ رہے تھے اور نزول کی تاخیر پر استہزاء کر رہے ہیں۔ان کا خیال یہ تھا، کہ عذاب کے نزول کی باتیں اپنے اندر کوئی صداقت نہیں رکھتیں۔اور صرف یہی نہیں، بلکہ عرب کے کافر تعصب اور عناد کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے بے دھڑک معجزات مانگ بیٹھتے اور کلام مجید سے اہانت اور ٹھٹھے بازی کے ساتھ پیش آتے۔ان کی بے دھڑک باتوں میں سے ایک یہ ہے، کہ رسولِ مقبول ﷺ سے وہ نالائق کہہ بیٹھے، کہ خدا نے تجھے خزانہ کیوں نہیں دیا۔۔یا۔۔فرشتہ کو تیری تصدیق کے لیے کیوں نہیں بھیجا۔مشرکین کی یہ خفیف الحرکاتیاں ان کی اس فاسد توقعات کی بنیاد پر ہو سکتی ہیں، کہ شاید آپ اس سے ذہنی دباؤ محسوس کریں اور مصلحتاً ان کے معبودوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤى اِلَیْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ یَّقُوْلُوْا

تو بھلا تم چھوڑ دو گے کچھ حصہ اس پیغام کا جو وحی کیا جاتا ہے تمہاری طرف، اور بھلا تنگ ہوگا اس سے تمہارا سینہ، کہ کہنے لگیں گے،

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِیْرٌ ؕ

کہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا ان پر خزانہ، یا آتا ان کے ساتھ فرشتہ۔ تم بس ڈر سنانے والے ہو۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۱۲﴾

اور اللہ ہر چاہے پر نگراں ہے●

(تو) اے محبوب! آپ کی ذات سے کافروں کی یہ توقع کیسے پوری ہو سکتی ہے؟ آپ کے تعلق سے انہیں سوچنا چاہیے، کہ کیا (بھلا تم چھوڑو گے کچھ حصہ اس پیغام کا جو وحی کیا جاتا ہے تمہاری طرف) یعنی وہ چیز جو مشرکین کی رائے کے خلاف ہو، جیسے ان کے باطل معبودوں کو بُرا کہنا، (اور) کیا (بھلا تنگ ہوگا) ان کافروں کی (اس) بکواس (سے تمہارا سینہ، کہ کہنے لگیں گے، کہ کیوں نہیں نازل کیا جاتا ان پر خزانہ) کہ لوگوں پر خرچ کریں اور اس خزانے کے سبب سے لوگ ان کے تابع ہو جائیں، (یا آتا ان کے ساتھ فرشتہ) جو ان کی نبوت کی گواہی دیتا۔۔ الختصر۔ مشرکین کی بکواس سے تنگدل ہونے والے نہیں۔ تو نہ تو تم اپنی دعوت کو چھوڑ سکتے ہو اور نہ ہی اپنے سینے میں کسی تنگی کا شکار ہو سکتے ہو۔

۔۔الغرض۔۔اے محبوب! تم کافروں کی ان باتوں کے سبب رسالت کے ادا کرنے اور احکام پہنچانے سے کیسے باز رہ سکتے ہو؟ اس لیے کہ (تم بس ڈر سنانے والے ہو) تمہاری ذمہ داری صرف ڈرا دینا ہے۔ تو اس کام میں تم تقصیر کرو۔۔یا۔۔ان کے رد و انکار سے تنگدل ہو جاؤ، اس کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟ (اور) تم سے بہتر اس حقیقت کو کون جاننے والا ہے؟ کہ (اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر نگراں ہے) یعنی گواہ اور نگہبان ہے۔۔یا۔۔اس کا کام بنانے والا ہے جو اپنا کام اس پر چھوڑ دے اور اس کی حفاظت کرنے والا ہے، جو اپنے تئیں اس کے سپرد کر دے۔ تو اے محبوب! آپ تو اسی پر توکل فرمانے والے ہیں، تو حسد اور عناد کرنے والے کے کہنے سننے کا آپ پر کیا اثر ہو سکتا ہے؟۔۔۔ یہ بکنے والے کچھ بھی بکیں اور مذکورہ بالا باتیں کہیں۔۔۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا

یا بکیں، کہ "گڑھ لی ہے وحی کو"۔ جواب دے دو" کہ تو اس کے مثل دس سورتیں گڑھی ہوئی لے آؤ، اور بلا لو

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾

جن کی سکت رکھتے ہو اللہ کو چھوڑ کر، اگر سچے ہو"●

(یا بکیں، کہ گڑھ لی ہے وحی کو)۔ان کی اس بکواس کا (جواب دے دو، کہ) میں بنام کلام الٰہی جو سورتیں پیش کر رہا ہوں، اگر تمہارے خیال میں میری گڑھی ہوئی ہیں، (تو اس کے مثل) جو بیان وخوبیٔ نظم اور فصاحت و بلاغت میں اس کی طرح ہو، (دس سورتیں) اپنی (گڑھی ہوئی لے آؤ)۔یعنی تمہیں یہ زعم ہے، کہ قرآن اپنی طرف سے بنا سکتے ہو اور میری طرف بھی گمان کرتے ہو کہ میں خود قرآن بنالیتا ہوں، تو تم عرب کے فصیح لوگ ہو، چاہیے کہ تم بھی ایسا کلام بنالینے پر قادر ہو۔ اس واسطے کہ قصص اور اخبار سے تمہیں واقفیت ہے اور اشعار کہنے کی تمہیں قدرت ہے۔

(اور) تم چاہو تو اس کام کے لیے (بلالو جن کی سکت رکھتے ہو) یعنی جن جن کو بلا سکتے ہو ان سب کو بلالو (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)۔الختصر۔خدا کے سارے باغیوں کو اکٹھا کرلو (اگر سچے ہو) اس بات میں، کہ یہ کلام بنایا ہوا ہے۔

اور جب وہ لوگ قرآن کے مثل دس۱۰ سورتیں لانے سے عاجز ہوئے، تو دوسری آیت نازل ہوئی، یعنی اس کے مثل ایک ہی سورت لاؤ۔اور ویسی ہی ایک سورت لانے میں بھی ان کی عاجزی سب پر ظاہر ہوگئی۔

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ

پس اگر نہ جواب دیں تم کو، تو جان لو کہ وہ نازل کیا گیا ہے اللہ کے علم سے، اور

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

یہ، کہ نہیں کوئی پوجنے کے قابل سوا اسکے، "تو کیا تم لوگ تسلیم کرتے ہو؟"

(پس اگر نہ جواب دیں تم کو) اور مقابلہ کرنے سے گریز کریں، جو ان کو کرنا ہی ہے، اس کے سوا ان کے لیے کوئی چارۂ کار نہیں، (تو جان لو) اور یقین کرلو، (کہ وہ نازل کیا گیا ہے اللہ) تعالیٰ (کے علم سے) یعنی اس علم سے ملا ہوا ہے جو خاص خدا ہی کو ہے، اور وہ علم بندوں کی مصلحتوں کا ہے اور اس چیز کا جو بندوں کے کام آئے معاش اور معاد میں۔(اور یہ) جان لو (کہ نہیں) ہے (کوئی پوجنے کے قابل سوا اس کے)۔جو ایسا علم رکھتا ہے، کہ اس کا غیر نہیں رکھتا اور ایسی چیز پر قادر ہے جو اس کے سوا کوئی نہیں کرسکتا، (تو کیا تم لوگ تسلیم کرتے ہو؟)۔

قرآنِ کریم کا اعجاز دیکھ کر، اگر ایک طرف ایمان والوں کو اپنے ایمان و اسلام پر ثابت قدم رہنا چاہیے، تو دوسری طرف غیر مسلمین کو اسلام و قرآن کی حقانیت تسلیم کرلینی چاہیے۔اس لیے

کہ آخرت کی بھلائی اور عاقبت کی کامیابی اسی میں ہے۔اب اگر پست ہمتی کے سبب۔۔۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا

جو چاہتا ہو دنیاوی زندگی اور اس کی آرائش کو، تو ہم پورا بدل دیں گے ان کے اعمال کا،

وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٥﴾

اور اس میں ان کی کمی نہ کی جائے گی●

(جو چاہتا ہو دُنیاوی زندگی اور اس کی آرائش کو) خواہ وہ منافقین سے ہو۔۔یا۔۔ریاکار یہود ونصاریٰ سے ہو۔۔یا۔۔کوئی بھی ہو۔۔الغرض۔۔جو کوئی اچھا کام کر کے دُنیا کا فائدہ چاہے اور آخرت پر نظر نہ کرے، (تو ہم پورا بدل دیں گے ان کے اعمال کا) دُنیا میں صحت، دولت، رزق کی وسعت اور اولاد کی کثرت وغیرہ سے، (اور اس میں ان کی کمی نہ کی جائے گی)۔یعنی ان کی اجرت میں کچھ کمی نہ کریں گے۔اب رہ گیا ان کی آخرت کا معاملہ، تو۔۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا

یہی ہیں وہ، کہ نہیں جن کے لئے آخرت میں مگر آگ۔ اور ملیامیٹ ہو گئے جو انھوں نے دنیا میں کیا،

وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

اور نیست ہو گئے جو اعمال تھے●

(یہی ہیں وہ، کہ نہیں جن کے لیے آخرت میں مگر آگ)۔اس واسطے، کہ ان کے اعمال کی اجرت جو تھی، وہ تو انہیں دے چکے اور ان کی فاسد نیتیں اور باطل ارادے جو باعثِ عذاب ہیں باقی رہ گئے، (اور ملیامیٹ ہو گئے جو انہوں نے دُنیا میں کیا)۔اس لیے کہ آخرت کا ثواب تو اخلاص پر موقوف ہے اور وہ عمل میں اخلاص نہ رکھتے تھے۔۔چنانچہ۔۔برباد (اور نیست ہو گئے جو اعمال تھے)۔

اب آگے یہ بتایا جارہا ہے، کہ دُنیا کی راحت وآرائش کے چاہنے والے ان کی طرح نہیں ہو سکتے، جو آخرت کی بھلائی چاہتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ

کیا تو جو ہوا اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر اور بیان کرتا ہوا اس کو اللہ کی طرف سے آیا ہوا گواہ، اور اس کے پہلے سے

كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ

موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت، وہ لوگ مانتے ہیں اس وحی کو۔ اور جو انکار کرے اس کا

مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ

سارے گروہوں سے، تو آگ اس کے وعدہ کا مقام ہے۔ تو تم نہ ہو اس کی طرف سے کسی شک میں۔ بیشک وہ حق ہے

مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

تمہارے رب کی طرف سے، لیکن بہتیرے لوگ نہیں مانتے●

(کیا تو جو ہوا اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر) جو اُسے راہِ صواب بتائے۔۔نیز۔۔ صورتِ حال یہ ہو، کہ ظاہر کرتا **(اور بیان کرتا ہو اس)** کی حقانیت **(کو اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے آیا ہوا گواہ)**۔ وہ روشن دلیل قرآنِ کریم ہے، عقلی دلیل جس کی صحت پر گواہ ہے۔ تو ایسی دلیل والا آدمی کیا اس کے برابر ہے، جو پست ہمت دُنیا کی زینت چاہے اور کام وجہ صواب پر نہ کرے۔

ایک قول کی بنیاد پر دلیل والے، اہل کتاب مومن ہیں۔۔یا۔۔ ہر ایک مومن مخلص اور **شَاهِدٌ**، رسولِ مقبول ﷺ۔ اور بعضوں نے کہا، کہ دلیل والے، تو رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کا تابع **شَاهِدٌ** ہے۔ اور وہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔۔یا۔۔ وہ فرشتہ جو آپ کی حفاظت پر مامور تھا۔۔یا۔۔ حضرت ابوبکر۔۔یا۔۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔۔یا۔۔ خود صورتِ مصطفیٰ ﷺ، کہ جو کوئی چشمِ انصاف سے دیکھتا، تو انوارِ حق اور آثارِ صدق آپ کے چہرۂ مبارک میں دیکھ لیتا۔

بعضے مفسرین اس بات پر ہیں، کہ دلیل قرآن شریف ہے اور **یَتْلُوْهُ** کا معنی یہ ہیں، کہ پڑھتا ہے اُسے اور **شَاهِدٌ** جبرائیل علیہ السلام ہیں۔۔یا۔۔ رسولِ مقبول کی زبانِ مبارک۔۔یا۔۔ قرآن کا اعجاز اور نظم۔ اور اگر **یَتْلُوْهُ** کو تابع کے معنی میں لیا جائے، تو انجیل **شَاهِدٌ** ہے۔ انجیل اگرچہ قبل نازل ہوئی، مگر تصدیق اور بشارت میں قرآنِ شریف کی تابع ہے۔

(اور اس کے پہلے سے) یعنی انجیل۔۔یا۔۔ قرآن سے پہلے اس کی تابع تھی، **(موسیٰ کی کتاب)** یعنی توریت۔ اسواسطے، کہ وہ بھی نبی امی کی تصدیق اور ان کے پیدا ہونے کی خوشخبری میں قرآن کی تابع، یعنی موافق ہے۔ حال یہ ہے، کہ توریت **(پیشوا)** تھی اہل دین کی **(اور رحمت)** یعنی سببِ بخشش تھی ان لوگوں کے لیے جن پر نازل ہوئی کہ وہ مومن ہیں۔ **(وہ لوگ)** جو دلیل والے ہیں **(مانتے ہیں اس وحی)** الٰہی یعنی قرآنِ کریم **(کو۔ اور)** اب **(جو انکار کرے اس کا سارے گروہوں سے)**،

یعنی رسول کریم کی عداوت رکھنے والے مکہ والوں میں سے، (تو آگ اس کے وعدے کا مقام ہے)۔ لامحالہ وہ دوزخ میں جائے گا۔

(تو) اے مخاطب! (تم نہ ہو اس کی طرف سے کسی شک میں)، یعنی تمہیں قرآن کے متعلق شک نہ ہو۔۔ بلکہ۔۔ یقین کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا۔ (بے شک وہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے) جو تمہاری دینی اور دُنیوی تربیت کرتا ہے۔۔ یا یہ۔۔ کہ اے مخاطب! ابھی اوپر جس مقام وعدہ کا ذکر ہوا ہے، اس کے پیش آنے میں شک نہ کر۔ بے شک تمہارے رب کی طرف سے اُسے آنا ہی ہے، (لیکن بہتیرے لوگ نہیں مانتے) کہ واقعی قرآن کا منجانب اللہ ہونا۔۔ یا۔۔ مقام وعدہ کا اپنے وقت پر پیش آنا حق ہے، اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔

کافروں میں متعدد بدعقیدگیاں اور بداعمالیاں تھیں۔ وہ دُنیا اور اس کے عیش اور زیبائش پر بہت حریص تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا سورۂ ہود آیت ۱۵ میں رد فرمایا۔ اور وہ سیدنا محمد ﷺ اور آپ کے معجزات کے منکر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا سورۂ ہود آیت ۱۳ میں رد فرمایا۔ اور ان کا یہ عقیدہ تھا، کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی شفاعت کریں گے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بدعقیدگی کا رد فرمایا اور واضح فرما دیا، کہ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے، یعنی حساب اور سوال کرنے کے جو مقامات بنائے گئے ہیں، ان کفار کو وہاں پیش کیا جائے گا۔۔ یا یہ۔۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کو نبیوں، فرشتوں اور مومنوں میں سے جس کے سامنے چاہے گا، پیش فرمائے گا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ

اور اس سے بڑا اندھیر مچانے والا کون ہے، جو افتراء کرے اللہ پر جھوٹ، وہ لوگ پیش کیے جائیں گے

عَلٰی رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ۚ

اپنے پروردگار پر، اور بیان دیں گے گواہ لوگ، کہ یہ ہیں جنھوں نے جھوٹ باندھا تھا اپنے پروردگار پر۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

خبردار! اللہ کی لعنت ہے ان اندھیر مچانے والوں پر●

(اور اس سے بڑا اندھیر مچانے والا کون ہے، جو افتراء کرے اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ) یعنی وحی کی نفی کرے۔۔ یا۔۔ اس کے واسطے اثبات شریک کرے اور جو 'ماذون الشفاعۃ' نہیں ہیں، انہیں

بارگاہِ خداوندی میں اپنا سفارشی قرار دے۔ (وہ لوگ پیش کیے جائیں گے اپنے پروردگار) کی بارگاہ میں ٹھہرنے کے مقام (پر۔اور) اس وقت (بیان دیں گے گواہ لوگ) یعنی وہ فرشتے جوان کی حفاظت کرتے ہیں اور کراماً کاتبین۔۔یا۔۔پیغمبر لوگ ہرامت کے واسطے۔۔یا۔۔خودان کے ہاتھ پاؤں وغیرہ کہیں گے، (کہ یہ ہیں جنہوں نے جھوٹ باندھا تھا اپنے پروردگار پر)، کہ وہ اولا د والا ہے اور اس کے شریک ہیں۔ (خبر دار) اور آگاہ ہو جاؤ، کہ (اللہ) تعالیٰ (کی لعنت ہے ان اندھیر مچانے والوں پر)، یعنی یہ بارگاہِ قربِ الٰہی سے دور رہنے والے اور رحمتِ خداوندی سے محروم رہنے والے ہیں۔

پھران ظالموں کا حال بیان فرماتا ہے، کہ یہ وہ ہیں۔۔۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ

جو روکیں اللہ کی راہ سے، اور چاہیں اس میں ٹیڑھا پن۔

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور وہی آخرت کے منکر ہیں●

(جو روکیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے) یعنی اس کے دین سے، (اور چاہیں اس میں ٹیڑھا پن) یعنی خدا کی راہ کو کجی اور ناراستی کے ساتھ موصوف کرتے ہیں، اور دینِ الٰہی میں نادرستگی دکھانے کے خواہشمند ہیں (اور) مزید برآں (وہی آخرت کے منکر ہیں)۔ ان کے دعوے تو بہت بڑے بڑے ہیں، مگران کی بے چارگی اور بے کسی کا عالم یہ ہے، کہ۔۔۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

نہ یہ زمین میں عاجز کردینے والے ہیں، اور نہ ان کے اللہ کے

مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ

وقف لازم

مقابلہ پر بنائے ہوئے کچھ حمایتی ہیں۔۔۔ دوچند عذاب دیا جائے گا انھیں، کہ نہ سن سکتے تھے،

وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور نہ دیکھتے تھے●

(نہ) تو (یہ زمین میں) عذاب کرنے سے خدائے عزوجل کو (عاجز کردینے والے ہیں)، کہ خدا ان کے رعب ودبدبے میں آکر عذاب ہی نہ کرے، (اور نہ) ہی (ان کے اللہ) تعالیٰ (کے مقابلہ

پر بنائے ہوئے کچھ حمایتی ہیں) جو عذابِ الٰہی کو ان تک آنے نہ دیں، یہاں تک کہ اگر خدا ان پر عذاب کرنا چاہے جب بھی وہ عذاب کرنے نہ دیں، اور اپنی طاقت وتوانائی سے عذاب کو روک دیں۔

۔۔الختصر۔۔نہ تو وہ خود کسی شمار میں ہیں، اور نہ ہی خدا کے مقابلے میں ان کا کوئی مددگار ہے۔

وہ تو ایسے بدنصیب ہیں، کہ (دو چند عذاب دیا جائے گا انہیں):۔ایک گمراہ ہونے کی وجہ سے، اور دوسرے گمراہ کرنے کی وجہ سے۔ان کا حال تو دُنیا میں یہ رہا، (کہ نہ سن سکتے تھے) حق بات، اس واسطے کہ اس کے سننے میں وہ بہرے تھے، (اور نہ) ہی (دیکھتے تھے) قدرت کی نشانیاں، اس واسطے کہ انہیں دیکھنے میں اندھے تھے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾

وہی ہیں کہ دیوالہ کردیا خود اپنا، اور گم ہوگیا جو وہ افترا کرتے تھے●

یہ (وہی) لوگ (ہیں، کہ دیوالہ کردیا) معاملات کے بازار میں (خود اپنا) یعنی خود اپنی ذات کو زبردست نقصان پہنچایا (اور گم ہوگیا جو وہ افتراء کرتے تھے)۔نہ بتوں کی شفاعت کا پتا چل سکا، اور نہ ہی ان کے حق میں ملائکہ کی درخواست کا۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾

ناچار، وہی آخرت میں گھاٹے میں ہیں●

(ناچار وہی آخرت میں گھاٹے میں ہیں) یعنی وہی ہیں جنہوں نے سب نقصان کرنے والوں میں سب سے بڑا نقصان کیا۔اس واسطے، کہ خدا کی عبادت ہاتھ سے دے کر بتوں کی پرستش انہوں نے مول لی، اور عقبیٰ باقی کی نعمتوں پر دُنیا کی فانی متاع انہوں نے اختیار کی اور اس سودے میں غبن فاحش ہے۔ان کے برعکس وہ لوگ۔۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ ۙ

بے شک جو مان گئے، اور نیک کام کیے، اور جھک پڑے اپنے پروردگار کی طرف،

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾

وہ ہیں جنت والے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(بیشک جو مان گئے) اور پر خلوص ایمان لائے (اور نیک کام کیے) اچھے فرائض ادا کیے اور نوافل کی کثرت کی، (اور جھک پڑے) اپنے تن من سے (اپنے پروردگار کی طرف)، یعنی ذکرِ الٰہی کرتے رہے۔ بارگاہِ خداوندی میں عاجزی وانکساری سے حاضر ہوتے رہے، اور ماسوی اللہ سے اپنے کو منقطع کرلیا۔ وہی کرتے رہے جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی ہے، تو یہ (وہ) خوش نصیب ہیں جو (ہیں جنت والے) اور (وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔ ان کو اور ان کی نعمتوں کو فنا نہیں۔

اوپر مومن وکافر کے اوصاف بیان کردینے کے بعد ان کے مابین واضح فرق کو نمایاں کیا جارہا ہے اور فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ؕ

دونوں فریق کی مثال ہے، جیسے اندھا بہرا، اور آنکھ کان والا۔

ع ۲ ۱۶ ۲

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

کیا دونوں کی مثال برابر ہے؟ کیا تو تم نہیں سوچتے●

(دونوں فریق کی مثال) ایسی (ہے، جیسے اندھا، بہرا اور آنکھ کان والا)۔ کافر آنکھ رکھ کر بھی آنکھ والا نہیں، اس لیے کہ آنکھ بنائی گئی ہے بنیادی طور پر حق دیکھنے کے لیے، لیکن وہ حق نہیں دیکھتا ہے اس لیے بنیادی طور پر وہ اندھا ہے۔۔ یونہی۔ کان بنایا گیا ہے بنیادی طور پر حق سننے کے لیے، لیکن وہ حق نہیں سنتا اس لیے بنیادی طور پر وہ بہرا ہے۔

اس کے برخلاف مومن اپنی آنکھ سے حق دیکھنے اور کان سے حق سننے کا کام لیتا ہے، تو حقیقی معنوں میں یہی آنکھ والا اور کان والا ہے۔ تو (کیا دونوں کی مثال برابر ہے؟) یعنی کیا دونوں کو ایک طرح کا سمجھا جاسکتا ہے۔ اس کا جواب یہی ہے کہ دونوں فریق صفت اور مشابہت میں ایک جیسے نہیں۔ (کیا تو تم نہیں سوچتے) یعنی ان مثالوں سے نصیحت نہیں پکڑتے، اور ان مثالوں پر غور وتامل نہیں کرتے۔

ذہن نشین رہے، کہ وہ اندھا ہے جو باطل کو حق اور حق کو باطل دیکھے، اور وہ بہرہ ہے جو باطل کو حق اور حق کو باطل سنے۔ حقیقی معنوں میں دیکھنے والا وہ ہے، جو حق کو حق دیکھ کر اس کی پیروی کرے اور باطل کو باطل دیکھ کر اس سے بچے۔ اور سننے والا وہ ہے، جو حق کو حق سنے اور

اس پر عمل کرے اور باطل کو باطل سمجھے اور اس سے پرہیز کرے۔ بعض بزرگوں کا ارشاد ہے کہ حقیقت میں بصیر یعنی دیکھنے والا وہ ہے، جس کی چشم بصیرت نے 'بِیْ یُبْصِرُ' کے سرمے سے روشنی پائی ہو، اور سننے والا وہ ہے جس کے کان 'بِیْ یَسْمَعُ' کے گوشوارے سے آراستہ ہوں۔ جو کوئی خدا کے ساتھ دیکھتا ہے، وہ خدا کے سوانہیں دیکھتا۔ اور جو کوئی خدا کے ساتھ سنتا ہے، وہ خدا کے سوانہیں سنتا۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ یونس میں بھی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تھا اور اس سورہ میں اس قصہ کو پھر دُہرایا ہے، کیونکہ اس سورہ میں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی زیادہ تفصیل ہے۔ انبیاءِ سابقین کے واقعات کو بار بار دُہرانے میں یہ حکمت ہے، کہ سیدنا محمد ﷺ کو تسلی دی جاتی رہے۔ کفارِ مکہ آپ کی تکذیب کرتے رہتے تھے اور دل آزار باتیں کرتے رہتے تھے۔ ایسی باتیں سن کر آپ کو رنج ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ انبیاءِ سابقین علیہم السلام کے واقعات پر مشتمل وحی نازل فرماتا، کہ اس قسم کے واقعات انبیاءِ سابقین علیہم السلام کو بھی پیش آتے رہے ہیں۔ وہ کفار کی ایسی باتوں پر صبر کرتے تھے، سو آپ بھی صبر کریں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾

اور بیشک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف، کہ بیشک، میں تمہارے لئے کھلا ہوا ڈر سنانے والا ہوں●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف)۔ پھر کہا نوح نے ان لوگوں سے (کہ بے شک میں تمہارے لیے کھلا ہوا ڈر سنانے والا ہوں)، یعنی جو باتیں عذاب کی موجب ہیں ان کو ظاہر کرنے والا ہوں، اور ان سے چھٹکارے کی صورتوں کو بیان کرنے والا ہوں ۔۔یا یہ۔۔ کہ میں ڈرانے والا ہوں۔۔۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾

یہ کہ نہ پوجو اللہ کے سوا۔ بیشک میں ڈرتا ہوں دکھ دینے والے دن کے عذاب کو تم پر●

(یہ کہ نہ پوجو اللہ) تعالیٰ (کے سوا) اس لیے کہ اگر تم اس کی عبادت نہ کرو گے، تو (بے شک میں ڈرتا ہوں دُکھ دینے والے دن کے عذاب کو تم پر)۔

چونکہ اس دن رنج والم واقع ہوگا، اس لیے اس دن کو بطورِ اسنادِ مجازی 'دکھ دینے والا دن' فرمایا گیا ہے۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

تو بولے چودھری لوگ اس قوم کے جو کافر تھے، "کہ ہم نہیں دیکھتے تم کو مگر اپنا جیسا بشر،

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ

اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کی کسی نے، مگر وہ جو ہم میں کمینے ہیں سرسری رائے سے، اور ہم نہیں دیکھتے

عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۲۷﴾

تمہارے لئے ہم لوگوں پر کوئی بڑائی، بلکہ ہم خیال کرتے ہیں تم کو جھوٹا"●

(تو بولے چودھری لوگ اس قوم کے جو کافر تھے، کہ ہم نہیں دیکھتے تم کو مگر اپنا جیسا بشر)، یعنی تجھ میں وہ فضیلت ہم نہیں پاتے، جس کے سبب سے نبوت کے ساتھ تیری تخصیص ہو اور ہم پر تیری اطاعت واجب ہو۔ انہوں نے بشر کی صورت دیکھی اور حقائق انسانی کے ادراک سے غافل رہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے دوسری بات یہ کہی، کہ (اور ہم نہیں دیکھتے، کہ تمہاری پیروی کی کسی نے مگر وہ) لوگ (جو ہم میں کمینے ہیں سرسری رائے سے)، یعنی تیری متابعت کرنے والے سب بظاہر دیکھنے میں اَراذِل ہیں۔ یعنی جو کوئی ان پر نظر کرتا ہے رذیل ہونے کی صفت ان میں دیکھتا ہے۔۔یا یہ۔۔کہ تم پر ایمان لانے والے اپنی سرسری رائے سے بے سمجھے بوجھے تم پر ایمان لائے۔ (اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے لیے ہم لوگوں پر کوئی بڑائی) اور ایسی فضیلت، کہ اس کے سبب سے ہمیں تمہاری متابعت کرنی چاہیے۔ (بلکہ ہم خیال کرتے ہیں تم کو جھوٹا)، یعنی ہمارے گمان میں تم اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہو اور تمہارے ماننے والے تم کو سچا نبی جاننے میں جھوٹے ہیں۔ اپنی قوم کی یہ بات سن کر حضرت نوح 'علیہ السلام' نے۔۔۔

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً

جواب دیا" کہ اے قوم بھلا بتاؤ کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور بخش دی ہو مجھ کو اسکی طرف سے رحمت،

مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر تم پر اندھاپن چھادیا گیا، تو کیا ہم چپکا دیں اسے تم سے، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو●

(جواب دیا، کہ اے) میری (قوم بھلا بتاؤ، کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں) ایسی دلیل جو میرے دعوے کی سچائی کی گواہی دے، (اور بخش دی ہو مجھ کو اس کی طرف سے رحمت)، یعنی پروردگار نے اپنی طرف سے مجھے شرفِ نبوت سے مشرف فرمادیا (پھر تم پر اندھاپن چھادیا گیا)، یعنی تمہیں اس کا علم نہیں ہونے دیا اور تم سے اس دلیل کی معرفت کو سلب کر کے تم سے اس دلیل کو پوشیدہ رکھا گیا، (تو کیا ہم چپکادیں اسے تم سے) یعنی تم پر اس دلیل کا قبول کرنا لازم کردیں، اور بالجبر اس کی ہدایت تم سے منوالیں، (حالانکہ) یعنی جب کہ صورت حال یہ ہو، کہ (تم اس سے بیزار ہو) اور اُسے نہ چاہنے والے ہو اور اس کو سمجھنا ہی نہیں چاہتے، تو پھر اگر معرفت بھی کرائی جائے، تو کس کو کرائی جائے؟ اور سمجھایا بھی جائے، تو کس کو سمجھایا جائے؟

اس مقام پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے، کہ اگر حضرت نوح علیہ السلام چاہتے تو لازم کردیتے، مگر اختیار کی لگام حق تعالیٰ کی مشیت کے قبضے میں ہے، کہ اس کا پاسبانِ عدل کسی کو نکال دیتا ہے اور اس کا نائبِ فضل کسی کو بُلا لیتا ہے۔ پھر حضرت نوح اپنی قوم سے فرماتے ہیں۔۔۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ

اور اے قوم نہیں مانگتا اس پر تمہارا مال۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ پر، اور میں انھیں ہٹانے والا نہیں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْـهَلُوْنَ ۝۲۹

جو ایمان لاچکے۔ بیشک وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، لیکن میں تمہیں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کر رہے ہو●

(اور) صاف صاف لفظوں میں سمجھاتے ہیں (اے) میری (قوم) تمہاری ہدایت کے تعلق سے میرے اخلاص اور دلی جذبات کو دیکھو، کہ میں تم کو راہِ راست پر لانے کی جو کوشش کر رہا ہوں، کسی دُنیوی لالچ سے نہیں کر رہا ہوں، اور (نہیں مانگتا) تم سے (اس) تبلیغ رسالت (پر) بطورِ اجرت (تمہارا مال) جس کا دینا تمہیں شاق ہو اور جس کا نہ ملنا مجھے ناگوار ہو۔۔ الختصر۔۔ میں تو صرف تمہاری ہدایت چاہتا ہوں، نہ کہ تمہاری دولت۔ اور سن لو، کہ (نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ) تعالیٰ کے ذمہ کرم (پر) ۔۔الغرض۔۔ مجھے تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر و ثواب کی امید ہے، ایسا اجر جو باقی رہنے والا ہے، جس کے لیے فنا نہیں۔ میری نظر تمہاری فنا ہوجانے والی دولت پر نہیں۔ کچھ تو سمجھ سے کام لو اور میرے اخلاص کی قدر کرو۔

اب رہ گیا تمہارے اشراف کا یہ کہنا، کہ میں اپنی مجلس سے اپنے مخلصین کو نکال دوں، پھر وہ آ کر ہمارے پاس بیٹھیں گے۔اس لیے کہ ان کی نظر میں یہ مخلصین ادنیٰ اور رذیل ہیں، جن کے ساتھ ہم نشینی ان کے لیے باعثِ اہانت ہے، تو ان نام نہاد اشراف سے کہہ دو (اور) ان پر واضح کردو، کہ (میں انہیں) اپنی مجلس سے (ہٹانے والا نہیں جو ایمان لا چکے)۔اس لیے کہ ایمان کا شرف سب سے بڑا شرف ہے، جس کی وجہ سے وہ مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے ہوگئے ہیں، جہاں تک تمہارے نام نہاد اشراف کی رسائی نہیں۔ یہ ایمان ہی شرف کا نتیجہ ہے، کہ (بےشک وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں) اور رب کریم اپنے فضل و کرم سے اپنی ملاقات کے شرف سے مشرف فرمانے والا ہے، تو میں انہیں کیونکر اپنی مجلس سے باہر کردوں۔ تم اپنے کو بہت ہی دانا و بینا سمجھتے ہوں، (لیکن میں تمہیں لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جہالت کر رہے ہو) اور میری مجلس میں جو مخلصین حاضر رہتے ہیں ان کی قدر و منزلت سے ناواقف ہو، اسی لیے یہ جاہلانہ مطالبہ کر رہے ہو۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳۰

اور اے قوم بھلا کون بچنے میں میری مدد کریگا اللہ سے اگر میں نے انکو ہٹا دیا۔ تو کیا سوچ سے کام ہی نہیں لیتے؟●

(اور اے) میری (قوم) ذرا غور کرو، کہ (بھلا کون بچنے میں میری مدد کرے گا اللہ) تعالیٰ (سے اگر میں نے ان کو ہٹا دیا)۔

حضرت نوح کے جواب کا مفہوم یہ ہے، کہ اگر میں بالفرض شریعت کے حکم کے برعکس کروں اور کافر اور فاجر کی تکریم کر کے اس کو اپنی مجلس میں مقرب بناؤں، اور مومن متقی کی توہین کر کے اس کو اپنی مجلس سے نکال دوں، تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی صریح خلاف ورزی ہوگی، اور اس صورت میں، میں اللہ عزوجل کے عذاب کا مستحق ہوں گا۔ تو پھر بتاؤ مجھے اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا۔

(تو کیا) تم (سوچ سے کام ہی نہیں لیتے) جو ایسی خواہش رکھتے ہو، کہ میں انہیں اپنی مجلس سے اٹھا دوں اور باہر کر دوں۔۔۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ

اور نہیں کہتا میں تمہیں کہ میرے ہی پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ یہی کہ میں، عالم الغیب ہوں، اور نہ یہی کہوں،

مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ

کہ میں فرشتہ ہوں، اور نہ میں انھیں کہوں جن کو تمہاری آنکھیں ناچیز جانتی ہیں، کہ کبھی نہ دے گا انھیں اللہ بہتری کو۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۱

اللہ خوب جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ بیشک میں ایسا کروں، تو اندھیر مچانے والوں سے ہو جاؤں"●

(اور) اے قوم! اگر تم میری تکذیب اس وجہ سے کرتے ہو اور میری پیروی اس لیے نہیں کرتے، کہ میرے پاس زیادہ مال اور مرتبہ نہیں ہے، تو میں نے کب اس کا دعویٰ کیا ہے اور میں نے کب تم سے یہ کہا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے رزق کے خزانے اور اس کا مال میرے پاس ہے، حتیٰ کہ تم اس معاملے میں مجھ سے بحث کرو اور میری نبوت کا انکار کرو۔ میں نے تو صرف رسالت اور خدائے عزوجل کے پیغام پہنچانے کا دعویٰ کیا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔(نہیں کہتا میں تمہیں کہ میرے ہی پاس اللہ) تعالیٰ (کے خزانے ہیں)۔۔الغرض ۔۔اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے مال و دولت کو معیار نہیں بناتا (اور نہ یہی) دعویٰ کرتا ہوں، (کہ میں عالم الغیب ہوں) یعنی از خود غیب جانتا ہوں۔ یہاں تک کہ تم اس کو بعید از قیاس قرار دیتے ہوئے انکار کردو۔ میں نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اللہ کے عذاب سے ڈرایا ہے، وہ وحی کے ذریعہ سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر دینے کی وجہ سے ہے، وہ میرے ذاتی علم کا ثمرہ نہیں ہے۔

(اور نہ یہی کہوں) اور دعویٰ کروں (کہ میں فرشتہ ہوں)، کہ تم یہ کہو کہ آپ تو ہماری طرح بشر ہیں اور فرشتے نہیں ہیں۔۔الغرض۔۔اپنی نبوت کو ثابت کرنے کے لیے میں نے اپنے فرشتہ ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا۔۔لہٰذا۔۔تم نے جن تین چیزوں کے نہ ہونے کو میری تکذیب کا ذریعہ بنایا ہے، ان میں سے کسی چیز کا بھی میں نے دعویٰ نہیں کیا۔

جب بشریت نبوت کے منافی نہیں، اور بشر کی ہدایت کے لیے بشر ہی کو نبی و رسول بنا کر بھیجنا سنتِ الٰہیہ ہے، اور نبی و رسول کا مال و دولت والا ہونا لازمی نہیں، تو ان میں سے کسی کو بنیاد بنا کر میری نبوت کا انکار کرنا، بے عقلی اور بے وقوفی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اور یہ بھی سمجھ لو، کہ مال و دولت کی قلت کی وجہ سے کسی کو حقیر قرار دینا، یہ بھی ایک زیادتی کی بات ہے۔ تو اے میری قوم کے لوگو! نہ تو میں مذکورہ بالا دعووں میں سے کوئی دعویٰ کروں، (اور نہ) ہی (میں انہیں کہوں) اور ان کے تعلق سے اظہارِ خیال

کروں (جن کو تمہاری آنکھیں ناچیز جانتی ہیں، کہ) تمہارے حقیر سمجھنے کی وجہ سے (کبھی نہ دے گا انہیں اللہ بہتری کو) اوران کے ثواب کم کردے گا۔۔یا۔ان کے اجور کو باطل کردے گا۔اس لیے، کہ (اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے جوان کے دلوں میں ہے) پس وہ اس کے موافق ان کو جزاء دے گا۔تو (بے شک) اگر بالفرض (میں ایسا کروں) اور مذکورہ بالا بات کہوں، (تو اندھیر مچانے والوں سے ہو جاؤں) اور میرا شمار بھی ظالمین میں ہو جائے۔اس پر۔۔۔

قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ

سب بولے "اے نوح، تم ہم سے بکھے تو بہت بکھے، تو لے ہی آؤ جس سے ہم کو ڈراتے ہو اگر

مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ

سچوں سے ہو" ● جواب دیا "کہ اس کو تو اللہ ہی لائے گا اگر اس نے چاہا،

وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۳۳﴾

اور تم اسکے لئے روک نہیں ہو ●

(سب بولے، اے نوح! تم ہم سے بکھے تو بہت بکھے)، یعنی تم نے ہم سے بحث کی اور بہت زیادہ بحث کی، (تو) اب قصہ مختصر کرو، بحث و مباحثہ چھوڑو، اور (لے ہی آؤ) وہ عذاب (جس سے تم (ہم کو ڈراتے ہو اگر سچوں سے ہو)۔حضرت نوح علیہ السلام نے (جواب دیا، کہ اس کو تو اللہ) تعالیٰ (ہی لائے گا اگر اس نے چاہا اور تم اس کے لیے روک نہیں ہو) یعنی تم اس کو عاجز کرنے والے نہیں، کہ تمہارے زور و طاقت سے وہ عذاب کر نہ سکے۔اور یہ بھی سن لو! کہ مشیتِ الٰہی کے آگے کسی کی کچھ نہیں چلتی۔اسی لیے نہیں فائدہ پہنچا سکتی۔۔۔

وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ

اور نہ کام آئے گی تمہارے میری نصیحت اگر میں چاہوں کہ تمہیں نصیحت کروں۔اگر اللہ یہ چاہتا ہے

اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ ؕ

کہ تم اپنی گمراہی میں پڑے رہو، وہ تمہارا پروردگار ہے۔۔اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے" ●

(اور نہ) ہی (کام آئے گی تمہارے میری نصیحت، اگر میں چاہوں کہ تمہیں نصیحت کروں،

اگر اللہ) تعالیٰ (یہ چاہتا ہے، کہ تم اپنی گمراہی میں پڑے رہو)۔اور ظاہر ہے کہ خدا کا چاہا تو ہو گا ہی،
اس لیے کہ (وہ تمہارا پروردگار ہے) اور اپنے ارادے کے موافق تمہارے کام میں تصرف کرنے والا
ہے (اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اور اپنے اعمال کی جزاء پاؤ گے۔

مذکورہ بالا کلام میں تقدیم تاخیر ہے۔اصل میں کلام یوں ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری گمراہی چاہے، اور میں چاہوں کہ تمہیں نصیحت کروں، تو وہ میری نصیحت کچھ نفع نہ پہنچائے گی۔اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ 'امورِ تکوینیہ' میں ہم مجبور ہیں اور 'امورِ تشریعیہ' میں ہم مختار ہیں۔ 'امورِ تکوینیہ' سے مراد وہ امور ہیں جس میں ہمارے فعل کا دخل نہیں۔۔مثلاً: پیدا ہونا، پیدائش میں مذکر یا مونث ہونا، مرنا، بارشوں کا ہونا، دریاؤں اور سمندروں میں طوفانوں کا آنا، زلزلوں کا آنا، آندھیوں کا آنا، گرمی، سردی، برسات کے موسموں کا آنا، وغیرہ۔۔اور 'امورِ تشریعیہ' سے مراد 'احکامِ شرعیہ' ہیں، جن میں ہمارے فعل کا دخل ہے۔ہم ان میں سے کسی فعل کے کرنے کا پکا ارادہ کرتے ہیں، تو خالق کائنات اس کو ہمارے اندر پیدا فرما دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان امور میں ہم کو اچھا اور بُرا، دونوں کرنے کا اختیار دے رکھا ہے۔اور علمِ الٰہی میں ہے، کہ ہم کیا کرنے والے ہیں۔اس کا علم غلط نہیں ہو سکتا۔اس نے اپنے علم کے مطابق جو لکھ دیا وہی ہونا ہے، اس میں خلاف نہیں ہو سکتا۔اس مقام پر صورتِ حال یہ نہیں ہے، کہ اس نے لکھ دیا اس لیے ہم اس کو انجام دیتے ہیں۔۔بلکہ۔۔صحیح تعبیر یہ ہے، کہ ہم جو کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے علم کے مطابق لوحِ محفوظ میں تحریر فرما دیا۔اپنے عزم وارادہ کی وجہ سے ہم 'کاسب' ہیں، اور تخلیق فرما دینے کی وجہ سے رب کریم 'خالق' ہے۔

قومِ نوح کو گمراہی میں پڑے رہنے اور ہدایت پر آ جانے دونوں باتوں کا اختیار تھا، لیکن جب ان کے بعض نے اپنے ذاتی اختیار سے گمراہی میں پڑے رہنے کا عزم وارادہ کر لیا، اور رب علیم وخبیر کے علمِ ازلی میں بھی یہی بات رہی، کہ وہ ہدایت قبول کرنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں اور ہدایت کی توفیق سے محروم ہو چکے ہیں، تو پھر اب ان کے ایمان لانے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟۔۔۔اب رہا اپنے ایمان نہ لانے کے لیے مختلف بہانے تلاش کرنا اور بکواس بازی پر اتر آنا، اور الزام وافتراء سے بھی نہ چوکنا۔تو۔۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي

کیا یہ سب کہتے ہیں، کہ گڑھ لیا ہے اسکو، جواب دو "کہ اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے، تو مجھ پر میرا جرم ہے،

وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع۴

اور میں دور ہوں جو تم جرم کر رہے ہو"●

(کیا یہ سب) بکواس پر اتر آئے ہیں، اور (کہتے ہیں کہ گڑھ لیا ہے اس کو) نوح نے اپنی طرف سے، تو ہم نے نوح سے کہہ دیا، کہ ان نادانوں کو (جواب) دے (دو، کہ اگر میں نے اسے گڑھ لیا ہے) اور اپنی خود ساختہ بات کو وحی الٰہی قرار دے دیا ہے، (تو مجھ پر میرا جرم ہے) یعنی اگر۔۔بالفرض۔۔ میں نے جرم کیا ہے، تو میرے کیے ہوئے گناہ کا وبال میرے اوپر ہے۔ (اور) حقیقتِ حال یہ ہے، کہ (میں دور ہوں) اور اس سے بیزار ہوں، (جو تم جرم کر رہے ہو) یعنی میں تمہاری اس حرکت سے بیزار ہوں جو تم گناہ کرتے ہو، اور میری طرف افتراء کی نسبت کرتے ہو۔

قوم حضرت نوح علیہ السلام نے ایمان نہ لانے کے تعلق سے جب اپنی سرکشی اور بے باکی کا مظاہرہ کیا، تو حضرت نوح علیہ السلام کی تسلی کے لیے ان پر فرمان نازل کیا گیا۔۔۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

اور وحی کی گئی نوح کی طرف" کہ بے شک ہرگز نہ مانیں گے تمہاری قوم سے مگر جو پہلے مان چکے، تو

فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

تم کچھ فکر نہ کرو جو وہ کرتے رہے●

(اور وحی کی گئی نوح کی طرف، کہ بے شک ہرگز نہ مانیں گے تمہاری قوم سے، مگر جو پہلے مان چکے) یعنی جتنے لوگ اب تک تم پر ایمان لا چکے، اب اس کے آگے کوئی ماننے والا نہیں، یہی اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کا فیصلہ ہے، (تو تم کچھ فکر نہ کرو) اور غمناک نہ ہو اس تکذیب اور ایذاء رسانی پر، (جو وہ کرتے رہے)۔۔الحاصل۔۔ان کے ایمان نہ لانے سے تم پر کوئی الزام نہیں، تم نے اپنا فریضہ تبلیغ کما حقہٗ ادا کر دیا۔ اور جب دعوتِ اسلام کا فائدہ ان سے منقطع ہو گیا، تو نزولِ عذاب کا وقت آپہنچا اور حکم ہوا، کہ اے نوح! کوشش کی کمر باندھو۔۔۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ

اور کشتی بناڈالو ہماری نگرانی میں اور ہمارے قاعدہ سے۔ اور کچھ نہ کہنا مجھ سے انکے بارے میں جو اندھیر مچا چکے،

إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿۳۷﴾

بلاشبہ وہ غرق کردیے گئے●

(اور کشتی بناڈالو ہماری نگرانی میں)۔یعنی ان ملائکہ کی نگہبانی میں جن کو تمہاری مدد کے لیے ہم نے مقرر فرمایا ہے،(اور ہمارے قاعدہ سے)،یعنی بذریعہ وحی جو طریقہ ہم بتاتے رہیں اس طریقے سے۔

روایت ہے کہ حضرت نوح کو کشتی بنانے کا علم نہیں تھا، کہ وہ کیسے بنتی ہے؟ اور اس کی کیا صورت ہوتی ہے۔تو ان پر وحی آئی، کہ ایسی صورت بناؤ جیسے مرغ کا سینہ ہوتا ہے۔۔الختصر۔۔ اپنے اس کام میں لگ جاؤ۔۔۔

(اور) اس درمیان میں اب (کچھ نہ کہنا مجھ سے ان کے بارے میں جو اندھیر مچا چکے)۔ یعنی اتمام حجت ہو چکی ہے، اور اب وہ نجات کی سفارش کے مستحق نہیں رہ گئے ہیں۔ (بلاشبہ وہ غرق کردیے گئے) یعنی ان کے لیے ڈبو دینے کا حکم ہو چکا ہے، تو اب ان کا غرق ہو جانا اتنا ہی یقینی ہے، گویا وہ غرق کر ہی دیے گئے۔

روایت ہے، کہ جب حضرت نوح نے کشتی بنانے کے لیے لکڑی چاہی، تو انہیں 'سال' کا درخت لگانے کا حکم ہوا۔ وہ درخت بیس[۲۰] سال میں تیار ہوا۔ اس مدت میں کسی کو کوئی فرزند نہیں پیدا ہوا، یہاں تک کہ قوم کے لڑکے بالغ ہوئے، اور انہوں نے بھی اپنے باپوں کی متابعت کی اور حضرت نوح کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا۔ پس نوح علیہ السلام کشتی بنانے میں مشغول ہوئے۔۔۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ

اور وہ کشتی بنارہے ہیں۔۔۔ اور جب جب گزرے ان پر انکی قوم کے چودھری، تو ہنسی اڑانے لگے ان سے۔

قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿۳۸﴾

جواب دیا، کہ اگر مسخراپن کررہے ہو ہم سے، تو بلاشبہ ہم بھی ہنسیں گے تم سے، جس طرح تم ٹھٹھے لگاتے ہو●

(اور) اب صورتِ حال یہ ہے، کہ ایک طرف تو (وہ کشتی بنارہے ہیں اور) دوسری طرف (جب جب گزرے ان پر ان کی قوم کے چودھری، تو ہنسی اڑانے لگے ان سے) اور افسوس کرتے ان کے حال پر، کہ میدان میں جہاں پانی کا دور دور تک پتا نہیں یہ کشتی بنارہے ہیں۔ اور طعن کرتے، کہ پہلے تو

نبی تھے اب بڑھئی ہو گئے۔ ان کے مسخرہ پن کا حضرت نوح نے (جواب دیا، کہ اگر) آج (مسخرا پن کر رہے ہو ہم سے، تو) ایک دن آئے گا، پھر (بلاشبہ ہم بھی ہنسیں گے تم سے) اور تمہارے حال پر افسوس کریں گے، (جس طرح تم ٹھٹھے لگاتے ہو) اور ہمارے حال پر اظہارِ افسوس کرتے ہو۔۔۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

تو جلد معلوم کر لو گے کہ کون ہے، کہ آئے اس تک عذاب، کہ اسکو رسوا کر دے اور اترے اس پر وہ عذاب جو قائم رہ جائے●

(تو جلد معلوم کر لو گے، کہ کون ہے کہ آئے اس تک) ایسا (عذاب)، جو (کہ اس کو رسوا کر دے) دُنیا میں، یعنی وہ غرق ہو جائے۔ (اور اُترے اس پر) آخرت کا (وہ عذاب، جو قائم رہ جائے)۔ یعنی آتش جہنم، جس میں اُسے ہمیشہ رہنا ہے۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے دو۲ برس میں کشتی بنائی جس کا طول تین۳۰۰ سو گز تھا اور بعضوں نے کہا بارہ۱۲۰۰ سو گز اور عرض پچاس۵۰ گز، اور بعضے کہتے ہیں کہ ساٹھ۶۰ گز اور اس کی بلندی تیس۳۰ گز اور ایک قول پر تینتیس۳۳ گز، اور اس سلسلے میں اس کے سوا بھی اقوال ہیں۔ اس کشتی میں تین درجے بنائے اور اس پر سیاہ روغن کر دیا اور حکم الٰہی سے ہر جانور کا ایک جوڑا اس میں رکھ لیا۔ نیچے کے درجے میں پرند، اور بیچ کے درجے میں چرند درند، اور اوپر کے درجے میں اسباب اور کھانے کی چیزوں سمیت آدمیوں کی جگہ مقرر کی، اور آپ یہ مہم پوری کرنے کے اسباب مہیا کرنے میں مشغول رہتے۔۔۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ

یہاں تک کہ جب آگیا ہمارا فرمان، اور جوش مارا تنور نے، ہم نے حکم دیا کہ لا دلو اس میں ہر ایک

زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ

کے جوڑے، نر مادہ اور اپنے اہل وعیال کو، باستثناء ان کے جن پر بات پہلے طے ہو چکی، اور ان کو جو ایمان لا چکے۔

وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾

اور نہیں ایمان لائے ان کے ساتھی مگر تھوڑے●

(یہاں تک کہ جب آگیا ہمارا فرمان) یعنی عذاب کے نزول سے متعلق ہمارا حکم، (اور جوش مارا تنور نے)۔ یہ تنور پتھر کا تھا، حضرت حواء اس میں روٹی پکاتی تھیں، جو میراث میں حضرت نوح کو پہنچا

تھا، اور عذاب کا نشان یہ تھا، کہ اس تنور سے پانی نے جوش مارا۔ پس جب عذاب کی علامت ظاہر ہوئی، تو (ہم نے حکم دیا: لادلو اس میں ہر ایک کے جوڑے نر مادہ) یعنی ہر قسم کے جانوروں میں سے دو جوڑے کشتی پر چڑھالو۔

آیتِ کریمہ کی تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ہم نے نوح کو کہا، کہ۔۔۔

'چڑھالے کشتی میں ہر ایک جنس سے دونوں جوڑے حیوانات سے، یعنی ان میں سے جو جفتی کرتے ہیں، دو نر مادہ'۔۔۔ (اور اپنے اہل و عیال کو باستثناء ان کے جس پر بات پہلے طے ہو چکی) یعنی ان کے ہلاک ہونے کا حکم پہلے ہی ہو چکا ہے۔ اس سے کنعان اور واعلہ یعنی نوح علیہ السلام کا بیٹا اور جورو مراد ہے۔۔ الحاصل۔۔ اپنے ایمان والے اہل و عیال کو کشتی پر سوار کرالیں (اور ان کو) بھی چڑھالیں (جو ایمان لاچکے۔ اور) صورتِ حال یہ تھی، کہ (نہیں ایمان لائے ان کے ساتھی، مگر تھوڑے)۔

ایمان لانے والوں میں ایک تو ان کی مسلمان بی بی تھیں اور تین بیٹے حام، سام، یافث اور ان کی بیبیاں اور ان کے سوا بہتر آدمی مرد اور عورتیں، کہ سب اناسی آدمی تھے، اور حضرت نوح کو ملا کر اسی ہوئے۔ تو حضرت نوح ان لوگوں کو کشتی کے پاس لائے اور سرپوش جو بنایا تھا کشتی پر اڑھادیا اور زمین سے چالیس دن رات پانی جوش مارتا رہا اور آسمان سے بلا کا مینھ برسنے لگا، تو حضرت نوح علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔۔۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۴۱

اور انھوں نے سب سے کہا، کہ "سوار ہو جاؤ اس میں، نام سے اللہ کے اس کا چلنا ہے اور ٹھہرنا ہے، بیشک میرا پروردگار یقیناً مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے"●

(اور انہوں نے سب سے کہا، کہ سوار ہو جاؤ اس میں نام سے اللہ کے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے) ۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت نوح جب کشتی کو چلانا چاہتے تو بسم اللہ کہتے، تو کشتی چل پڑتی اور روکنا چاہتے جب بھی بسم اللہ کہتے، تو کشتی ٹھہر جاتی۔

آیت کا ایک معنی یہ بھی ہے، کہ کشتی میں سوار ہو خدا کا نام لیتے ہوئے اور بسم اللہ کہتے ہوئے، کشتی چلانے کے وقت اور اس کو روکنے کے وقت۔۔ الغرض۔۔ کشتی پر سوار ہونا ہو یا کشتی کو چلانا ہو۔۔ یا۔۔ اُسے روکنا ہو، ہر کام خدا کے نام سے کرو۔

(بے شک میرا پروردگار یقیناً مغفرت فرمانے والا) ہے ایمان والوں کی اور انہیں (بخشنے والا) مہربان (ہے)، کہ انہیں طوفان کی بلا سے نجات دیتا ہے۔ کشتئ نوح شانِ قدرتِ الٰہی کا منظر دکھا رہی تھی۔

وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۚ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ

اور وہ چل رہی ان کو لیے ایسی موج میں جیسے پہاڑ۔۔ اور پکارا نوح نے اپنے بیٹے کو، جب کہ

فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ﴿٤٢﴾

وہ تھا الگ، "کہ اے بیٹا سوار ہو جا ہمارے ساتھ اور نہ رہ جا کافروں کے ساتھ"●

(اور وہ چل رہی) تھی (ان) سب (کو لیے) ہوئے (ایسی موج میں)، جو بڑائی میں تھی (جیسے پہاڑ)۔ حضرت نوح کا بیٹا قصداً کشتی پر سوار نہیں ہوا تھا اور کشتی کے باہر تھا، تو آواز دی (اور پکارا نوح نے) از راہِ شفقت (اپنے بیٹے کو، جبکہ وہ تھا الگ) یعنی کشتی سے الگ۔

کیونکہ اس کا یہ گمان تھا، کہ وہ پہاڑ کی پناہ کے سبب غرق ہونے سے بچ جائے گا۔۔یا یہ۔۔ کہ وہ اپنے باپ، بھائیوں اور مسلمانوں سے الگ تھا۔۔یا یہ۔۔ کہ وہ کفار کی جماعت سے الگ کھڑا تھا، اس لیے حضرت نوح نے یہ گمان کیا، کہ شاید وہ ایمان لے آئے، کیونکہ وہ ان سے الگ کھڑا ہوا ہے۔ اسی لیے انہوں نے اس کو ندا کی تھی اور فرمایا تھا، کہ 'اور کافروں کے ساتھ نہ رہو'۔

حضرت نوح کو اُسے پکارنے کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے، کہ ممکن ہے کہ وہ بیٹا منافق ہو، اور حضرت نوح کے سامنے اپنا ایمان ہی ظاہر کرتا ہو، اور درحقیقت کافر ہو۔۔یا یہ۔۔ کہ حضرت نوح کو، تو اس بات کا علم تھا، کہ وہ کافر ہے، لیکن ان کو یہ گمان تھا، کہ جب وہ طوفان کی ہولناکیوں اور اس میں غرق ہونے کا خطرہ مشاہدہ کرے گا، تو ایمان لے آئے گا۔۔لہٰذا۔۔ انہوں نے جو کہا، کہ اے میرے بیٹے میرے ساتھ سوار ہو جاؤ، ان کا یہ قول اس کو ایمان پر راغب کرنے کے لیے تھا۔

۔۔الختصر۔۔ حضرت نوح نے فرمایا (کہ اے بیٹا سوار ہو جا ہمارے ساتھ، اور نہ رہ جا کافروں کے ساتھ)، کہ انہیں کے ساتھ تو بھی غرق ہو جائے۔ تو وہ۔۔۔

قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ

بولا "کہ ابھی ابھی پناہ لیے لیتا ہوں کسی پہاڑ کی، جو مجھ کو بچا لے گا پانی سے۔" جواب دیا، "کہ نہیں بچانے والا ہے آج

أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿٤٣﴾

اللہ کے قہر مان سے، مگر جس پر اسی نے رحم فرمایا" اور درمیان آگئی ان دونوں کے موج، تو وہ ڈوبنے والوں سے ہو چکا تھا●

(بولا، کہ ابھی ابھی پناہ لیے لیتا ہوں کسی پہاڑ کی، جو مجھ کو بچالے گا پانی سے)۔ جب بیٹے نے یہ کہا، کہ پہاڑ مجھے بچالے گا، تو حضرت نوح نے جواب دیا، کہ تو غلط کہتا ہے، کیوں (کہ نہیں بچانے والا ہے آج اللہ) تعالیٰ (کے قہرمان سے، مگر جس پر اس نے رحم فرمایا)۔ یہ کوئی معمول کے مطابق گاہے بگاہے آنے والا سیلاب۔۔یا۔۔دریائی طوفان نہیں ہے، جس کے آنے کے ظاہری اسباب معروف ومتعارف ہیں اور جو جس طرح زور وشور سے آتے ہیں اسی طرح آسانی سے چلے بھی جاتے ہیں۔ بلکہ یہ خدائی قہر ہے اور اس کی طرف سے نازل ہونے والا عذاب ہے۔

باپ بیٹے کی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی، کہ طوفان نے شدت پکڑی (اور درمیان آگئی ان دونوں) باپ بیٹے (کے موج، تو وہ ڈوبنے والوں) میں (سے ہو چکا تھا)۔ گو بظاہر وہ اپنے باپ کے روبرو غرق ہوا۔ لیکن علم الٰہی میں وہ ڈوب جانے والوں میں اَزل ہی سے ہو چکا تھا۔

القصہ حضرت نوح علیہ السلام کوفہ۔۔یا۔۔ہندوستان۔۔یا۔۔جزیرہ عین وردہ کے کسی مقام سے کشتی پر رجب کی دسویں تاریخ کو بیٹھے، کشتی تمام روئے زمین پر پھری اور جب طوفان تمام ہوا اور سارے کافر غرق ہو گئے، تو حکم الٰہی پہنچا۔۔۔

وَقِيلَ يَٰٓأَرۡضُ ٱبۡلَعِي مَآءَكِ وَيَٰسَمَآءُ أَقۡلِعِي وَغِيضَ ٱلۡمَآءُ وَقُضِيَ ٱلۡأَمۡرُ

اور فرمان صادر کیا گیا، کہ "اے زمین نگل جا اپنے پانی کو، اور اے آسمان تھم جا" اور سُکھا دیا گیا پانی، اور ختم کر دیا گیا معاملہ،

وَٱسۡتَوَتۡ عَلَى ٱلۡجُودِيِّۖ وَقِيلَ بُعۡدٗا لِّلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝٤٤

اور ٹھہری کشتی جودی پہاڑ پر، اور اعلان کر دیا گیا "کہ دور ہوں اندھیر مچانے والے لوگ"۔

(اور فرمان صادر کیا گیا، کہ اے زمین نگل جا اپنے پانی کو) جو تو نے اُگل دیا ہے۔ (اور اے آسمان تھم جا) یعنی روک لے اپنا پانی جو تو نے چھوڑ دیا ہے۔ (اور سُکھا دیا گیا پانی)، یعنی زمین پر پانی کم کر دیا گیا۔ (اور ختم کر دیا گیا معاملہ)، یعنی وہ کام جس سے خدا کا حکم متعلق تھا، اشرار کا ہلاک ہو جانا اور ابرار کا نجات پانا، (اور ٹھہری کشتی جودی پہاڑ پر) جو موصل میں ہے۔۔یا۔۔شام میں ہے، عاشورہ کے دن محرم کی دسویں تاریخ اور طوفان کی مدت چھ۶ مہینے کامل تھی۔ (اور اعلان کر دیا گیا، کہ دور ہوں اندھیر مچانے والے لوگ) یعنی کافروں اور ظالموں کے لیے ہلاکت ہو۔

جب حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر آئے، تو [illegible]

سے عاشورہ کا روزہ نبی کی سنت ہو گیا۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ طوفان آنے سے چالیس سال پہلے کافر عورتوں کو اللہ تعالیٰ نے بانجھ کر دیا تھا، تو اس طوفان سے چالیس سال سے کم عمر کا کوئی آدمی ہلاک نہیں ہوا۔ لہٰذا۔۔ یہاں یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا، کہ اس طوفان میں نابالغ بچے بھی ہلاک ہو گئے تھے۔ آخر بچوں کا کیا قصور تھا، جو انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ یہ بات تو خدائی اصول وحکمت کے خلاف ہے۔۔۔۔

اب اگر بالفرض بچوں کا وجود تسلیم ہی کر لیا جائے، تو انکی موت مدتِ عمر پوری ہو جانے کی وجہ سے ہوئی، بطورِ سزا انہیں ہلاک نہیں کیا گیا، جس طرح پرندوں، چرندوں اور درندوں کی ہلاکت جو ان کے حق میں عذاب نہیں تھی، بلکہ ان سب کی مدتِ حیات پوری ہو گئی تھی۔ جس طرح حلال جانوروں کو اللہ تعالیٰ کے اِذن سے ذبح کرنا ان کے حق میں عذاب نہیں ہے، اسی طرح ان بچوں کا طوفان میں غرق ہونا بھی، ان کے حق میں عذاب نہیں تھا ۔۔ الختصر۔۔ یہ طوفان عذاب انہیں کے لیے تھا، جو یہاں ڈوب کر مرے اور پھر وہاں جہنم کی آگ میں جلے۔

اس سلسلے میں آخری بات تو یہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کائنات کا مالکِ مطلق ہے، وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہے تصرف کرے، کسی کو اس پر اعتراض کا حق نہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان اپنے باپ سے اپنا کفر چھپاتا تھا اور آپ کے سامنے منافقت سے پیش آتا تھا، اسی لیے جب اُسے ڈوبتا ہوا ملاحظہ فرمایا۔۔۔

وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ

اور پکارا نوح نے اپنے پروردگار کو، پس عرض کیا " کہ اے میرے پروردگار، میرا بیٹا تو میرے اہل سے ہوا، اور تیرا وعدہ حق ہے،

وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾

اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا ہے "●

(اور) غرق ہوتے دیکھا، تو (پکارا نوح نے اپنے پروردگار کو، پس عرض کیا، کہ اے میرے پروردگار! میرا بیٹا تو میرے اہل سے ہوا، اور تیرا) مجھے اور میری اہل کو ہلاکت سے بچانے کا (وعدہ حق ہے، اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا ہے)، تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، تو اس میں کیا حکمت ہے؟

چونکہ حضرت نوح علیہ السلام سارے کافروں کی ہلاکت کی خود دعا فرما چکے تھے، تو اگر وہ

کنعان کو کافر سمجھتے، تو ہرگز اس کی نجات کی درخواست نہ کرتے، اور خدائی عمل کی حکمت نہ دریافت کرتے۔۔۔الختصر۔۔جب انہوں نے عرض پیش ہی کردی، تو اللہ تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ

فرمایا "اے نوح وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے۔ بے شک وہ نابکار ہے، تو وہ چیز

مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝

نہ مانگا کرو جس کی تمہیں تحقیق نہ ہو۔ میں روکے دیتا ہوں تمہیں کہ نادانوں سے ہو"●

(فرمایا اے نوح!) میں نے تمہارے اہل کو ہلاکت سے بچانے کا وعدہ کیا ہے، لیکن رہا تمہارا بیٹا کنعان، تو (وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے)، بلکہ (بے شک وہ نابکار) اور کافر (ہے) جو اپنے کفر کو تم سے چھپاتا ہے۔

اس سے ظاہر ہو گیا، کہ 'ابنیت' تو نسب سے ملتی ہے، لیکن 'اہلیت' ایمان وعمل سے حاصل ہوتی ہے۔

(تو وہ چیز نہ مانگا کرو جس کی تمہیں تحقیق نہ ہو)۔ یعنی پہلے اس کے ایمان وعمل صالح کی تحقیق کرلیتے، پھر اس کی نجات کے لیے دُعا کرتے۔ تحقیق کیے بغیر دُعا کرنا خلافِ اولیٰ ہے، جو تمہاری شان کے لائق نہیں۔ آئندہ کے لیے (میں روکے دیتا ہوں تمہیں کہ نادانوں سے ہو)، یعنی اس طرح کے خلافِ اولیٰ کام سے بھی بچنے کی میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔

اس فرمانِ الٰہی سے حضرت نوح علیہ السلام پر واضح ہو گیا، کہ ان سے اجتہادی خطا ہو گئی ہے، اگرچہ یہ جرم کے کسی خانے میں نہیں۔۔مگر۔۔جن کا رتبہ ہے سوا ان کو سوا مشکل ہے۔ حضرت نوح نے تواضع وانکسار کے طور پر اس کو اپنی ایک تقصیر تصور فرمایا۔۔چنانچہ۔۔ان کی روحِ سعادت نے انہیں توبہ واستغفار کی طرف مائل کردیا۔۔چنانچہ۔۔انہوں نے۔۔۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ

عرض کیا، "اے میرے پروردگار بے شک میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے، کہ تجھ سے مانگوں جس کی مجھ کو تحقیق نہیں۔

وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اور اگر تو نہ بخش دے مجھ کو، اور رحم نہ فرمائے مجھ پر، تو میں ٹوٹے میں پڑنے والوں سے ہو جاؤں گا"●

(عرض کیا اے میرے پروردگار، بے شک میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس سے، کہ تجھ سے مانگوں جس کی مجھ کو تحقیق نہیں) یعنی بلاتحقیق سوال کر لینے کو جائز رکھنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور تیری مغفرت ورحمت کا طلب گار ہوں۔ مجھے علم ہے (اور) بخوبی معلوم ہے، کہ (اگر تو نہ بخش دے مجھ کو) میری تقصیر کو، (اور رحم نہ فرمائے مجھ پر)، اور میرے حال پر، (تو میں ٹوٹے) اور خسارے (میں پڑنے والوں سے ہو جاؤں گا) اور زبردست نقصان کا شکار ہو جاؤں گا۔

اس نیاز مندانہ عرض کے بعد، رب تبارک وتعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام سے۔۔۔

قِيلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ

فرمایا گیا "اے نوح اتر و ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ، تم پر بھی اور ان لوگوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں۔

وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾

اور کچھ لوگ ہیں جنہیں ہم برتنے کا وقت دیں گے، پھر پہنچے گا انہیں ہماری طرف سے دکھ دینے والا عذاب"●

(فرمایا گیا) کہ (اے نوح اترو) کشتی سے (ہماری طرف سے سلامتی) یعنی سلام وتحیت۔۔یا ۔۔ہماری درگاہ سے حاصل شدہ سلامتی (اور برکتوں کے ساتھ، تم پر بھی) یعنی تیری نسل پر بھی۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے تین بیٹوں کے سوا کوئی باقی نہ رہا اور اہل عالم کا نسب انہیں تین آدمیوں کی طرف تمام ہوتا ہے۔ سام تو عرب اور فرس کے باپ ہیں اور یافث ترک کے اور حام ہندوستان کے باپ ہیں۔

(اور ان لوگوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں) یعنی وہ لوگ جو پیدا ہونے والے اور بڑھنے والے ہیں، اُس جماعت سے جو تیرے ساتھ ہیں۔ یعنی مومن لوگ۔ ان لوگوں کے علاوہ (اور) بھی (کچھ لوگ ہیں جنہیں ہم برتنے کا وقت دیں گے) یعنی دُنیا میں عیش وعشرت کی فراخی و وسعت، مگر یہ بات دُنیا کی حد تک ہی رہے گی، (پھر پہنچے گا انہیں) ان کے کفر وشرک ونفاق کی وجہ سے آخرت میں (ہماری طرف سے دُکھ دینے والا عذاب) جو لازوال ہوگا۔۔الختصر۔۔ایمان والے سلامتی وبرکت کے سایے میں رہیں گے اور کفر والے عذاب ورسوائی کا شکار ہوں گے۔ اے محبوب! یہ قصہ جو مذکور ہوا۔۔۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ

یہ غیب کی خبریں جو وحی فرماتے ہیں ہم تم تک، نہ تم ہی جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم

مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۴۹

اس سے پہلے۔ تو صبر اختیار کرو۔ بیشک انجام کار ڈرنے والوں کیلئے ہے●

(یہ غیب کی خبریں) ہیں۔ جہاں تک بذاتِ خود کسی کی عقل وحواس کی رسائی ممکن نہیں، اور (جو) بذریعہ (وحی) نازل (فرماتے ہیں ہم تم تک)، کیونکہ (نہ تم ہی جانتے تھے اور نہ) ہی (تمہاری قوم اس سے پہلے)، یعنی ہمارے بذریعہ وحی خبر دینے سے پہلے۔ ایسے واقعات جن کا علم بغیر وحی ہو ہی نہ سکے، ان کو قوم کے سامنے صاف صاف بیان کر دینا، یہ آپ کی نبوت کی واضح دلیل ہے۔ (تو) اے محبوب! تبلیغ رسالت پر قوم کے ایذا دینے پر (صبر اختیار کرو) جیسے نوح ' علیہ السلام ' نے صبر کیا تھا۔ (بے شک) اچھا (انجام کار ڈرنے والوں کے لیے ہے) دُنیا میں دشمنوں پر فتح وظفر حاصل ہونے سے اور آخرت میں بلند درجوں کی وجہ سے۔

کسی عارف نے خوب فرمایا، کہ صبر کنجی ہے بستگیوں کی اور شکیبائی دوا ہے خستگیوں کی۔

صبر کا نتیجہ فتح وظفر ہے اور بے صبروں کا کام ہر روز تبر ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

اور قوم عاد کی طرف ان کی برادری کے ہود کو۔ پکارا کہ "اے میری قوم، پوجو اللہ کو، کوئی تمہارا معبود نہیں اس کے سوا۔

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝۵۰

تم لوگ صرف گڑھنت والے ہو●

اس سورت میں انبیاءِ سابقین علیہم السلام کے جو قصص ذکر کیے گئے ہیں ان میں یہ دوسرا قصہ ہے، جو حضرت ہود علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہے۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

(اور) ہم نے بھیجا (قوم عاد کی طرف) ان کی ہدایت کے لیے (ان کی برادری کے ہود کو)۔

حضرت ہود نہ ان کے دینی بھائی تھے اور نہ ہی نسبی۔۔ہاں۔۔ان کے قبیلے اور برادری کے ایک فرد تھے۔ ان کا قبیلہ عرب کا ایک قبیلہ تھا اور وہ لوگ یمن کی جانب رہتے تھے۔ اسی طرح آیت ۶۱ میں فرمایا ہے، کہ قوم ثمود کی طرف ان کے قبیلے کے ایک فرد حضرت صالح ' علیہ السلام ' کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ اِس طرزِ کلام سے مکہ والوں پر یہ حجت قائم کرنا مقصود ہے، کہ وہ سیدنا محمد ﷺ کو نبی اور رسول بنانا بہت مستبعد سمجھتے تھے، کیونکہ آپ انہیں کے قبیلے کے ایک فرد تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر فرمایا اس میں حیرت اور تعجب کی بات کیا ہے، حضرت ہود علیہ السلام عاد کے قبیلے کے ایک فرد تھے اور ان کو نبی بنایا گیا۔۔یونہی۔۔حضرت صالح علیہ السلام ثمود کے قبیلے کے ایک فرد تھے اور انہیں بھی نبی بنایا گیا، جن کا قصہ آگے آرہا ہے۔تو سیدنا محمد ﷺ تمہارے قبیلے کے ایک فرد ہیں اور ان کو بھی نبی بنایا گیا ہے، تو یہ کون سی نئی بات ہے جس پر حیرت کا اظہار کیا جائے۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ کبریائی سے حضرت ہود علیہ السلام کو قومِ عاد کا اور حضرت صالح علیہ السلام کو قومِ ثمود کا بھائی فرمایا ہے، اس سے یہ لازم نہیں آتا، کہ ہم بھی انبیاءِ کرام کو اپنا بھائی کہیں۔۔یا۔۔اگر کہیں ہمارے نبی ﷺ نے تواضعاً خود کو صحابہ کا بھائی قرار دیا ہے، یہ اس کو مستلزم نہیں، کہ ہم بھی نبی ﷺ کو کہیں کہ ہمارے بھائی ہیں۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی کسی آیت میں یا کسی بھی حدیث صحیح میں یہ تصریح نہیں ملتی، کہ کسی صالح امتی نے اپنے نبی علیہ السلام کو اپنا بھائی کہا ہے اور جب یہ چیز ہرگز ثابت نہیں، تو پھر امتی کے لیے اپنے نبی کو اپنا بھائی کہنا بھی ثابت نہیں۔غالباً اسی لیے 'عقائدِ علمائے دیوبند' (صفحہ ۲۸، مطبوعہ: مطبع سعیدی، کراچی) میں شیخ خلیل احمد سہارنپوری متوفی ۱۳۴۶ھ نے صاف لفظوں میں لکھ دیا ہے، کہ 'جو اس کا قائل ہو، کہ نبی کریم ﷺ کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے، جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے، تو اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے، کہ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔۔الیٰ قولہ۔۔حضرت محمد ﷺ کا افضل البشر اور تمام مخلوقات سے اشرف اور جمیع پیغمبروں کا سردار اور سارے نبیوں کا امام ہونا ایسا قطعی امر ہے، جس میں ادنیٰ مسلمان بھی تردد نہیں کرسکتا'۔۔الحاصل۔۔حضرت ہود اپنی برادری اور اپنے ہم قوم کی طرف ان کی ہدایت کے لیے مبعوث کیے گئے، تو آپ نے ان کو توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا۔۔اور۔۔

(پکارا، کہ اے میری قوم! پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) یگانگی کے ساتھ، یعنی صرف اُسی کو پوجو اور اس کے سوا کسی کو بھی نہ پوجو، کیونکہ (کوئی تمہارا معبود نہیں) جو مستحق عبادت ہو (اس کے سوا)۔سو تم اس کے واسطے شریک ثابت کرتے ہو، یہ سب تمہارا افتراء ہے اور تمہاری من مانی حرکت ہے، اور (تم لوگ صرف گڑھنت والے ہو) جو چاہتے ہو دل سے گڑھ لیتے ہو۔

اس مقام پر حضرت ہود نے اللہ تعالیٰ کے وجود اور ثبوت پر دلائل قائم کیے بغیر، اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دے دی۔اس کی وجہ صاف ظاہر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے

وجود پر دلائل بالکل ظاہر ہیں اور یہ دلائل اس خارجی کائنات میں بھی پھیلے ہوئے ہیں اور خود انسان کے اپنے اندر بھی موجود ہیں۔

کچھ لوگ اس کائنات کے نظم اور تسلسل کو دیکھ کر اور اس میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے جسم کے اعضاء کی منظم کارکردگی کو دیکھ کر اس کی قدرت پر ایمان لاتے ہیں، اور کچھ لوگ اس کی صفات اور اس کے ثمرات سے اس کو پہچان لیتے ہیں۔

بعض لوگ اللہ تعالیٰ کو اس کے فضل اور احسان اور اس کے جود وعطا سے پہچان لیتے ہیں۔ بعض لوگ اس کے عفو، اس کے حلم، اور اس کے درگزر کرنے سے اس کو پہچان لیتے ہیں۔ بعض لوگ اس کی گرفت اور اس کے انتقام سے اس کو پہچان لیتے ہیں۔ اور بعض لوگ مشکلوں اور مصیبتوں میں اس کی فریادرسی سے اور اپنی ضرورتوں میں اس کی حاجت روائی سے اور اپنی دعاؤں کے قبول ہونے سے اس کو پہچان لیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس دُنیا میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہوں۔ حضرات انبیاءِ کرام ان کو بت پرستی سے روکتے تھے۔ کافروں نے نیک لوگوں کے مجسمے بنا لیے تھے اور وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے، کہ ان کی پرستش کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا، اور ان کے گناہوں کو معاف کردے گا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں بتایا، کہ یہ محض تمہارا جھوٹ اور افتراء ہے۔ یہ مجسمے اور مورتیاں جمادات ہیں، ان میں حس ہے نہ قوتِ ادراک، پھر یہ کس طرح درست ہوگا، کہ تم اپنی پیشانی اپنی ہی بنائی ہوئی مورتیوں کے آگے جھکاؤ۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اس مقام پر یہ بھی واضح فرمادیا، کہ اے میری قوم تم ہرگز یہ گمان مت کرو، کہ ہمارا تبلیغ رسالت اور دعوتِ وہدایت کا کام کسی دُنیوی لالچ کی وجہ سے ہے اور ہم اس کام کے لیے تم سے کسی اجرت کے خواستگار ہیں۔۔الغرض۔۔ہمارا کام کسی بھی دُنیوی طمع سے خالی ہے۔ خیال رہے، کہ تمام رسولوں نے اپنی قوم کو اپنی بے طمعی کی خبر دی ہے، تاکہ ان کے دامن پر دُنیاوی حرص وطمع کا داغ نہ لگے اور دُنیوی غرضوں کی آمیزش ان کی نصیحتوں میں نہ ہو۔ اس واسطے کہ دعوت اس وقت فائدہ دیتی ہے، جب طمع فاسد کے ساتھ ملی ہوئی نہ ہو، تو پیغمبروں نے دعوت کی اجرت اپنی قوم سے نہیں چاہی، جیسا کہ ہود علیہ السلام نے فرمایا۔۔۔

يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ
اے میری قوم میں کچھ نہیں مانگتا تم سے اس پر اجر۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اس پر جس نے مجھ کو پیدا فرمایا۔
اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾
تو کیوں بے عقلی کرتے ہو●

(اے میری قوم! میں کچھ نہیں مانگتا تم سے اس پر اجر نہیں ہے میرا اجر مگر اس) کے ذمہ کرم (پر جس نے مجھ کو) محض اپنی قدرت سے (پیدا فرمایا، تو) اصل حقیقت کو سمجھنے میں (کیوں بے عقلی کرتے ہو) اور کیوں اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے ہو، کہ حق کہنے والے کو باطل کہنے والے سے ممتاز کرلو اور حق و باطل کی تمیز کرلو اور جان لو، کہ جو شخص مال کی طمع نہ کرے گا، وہ جھوٹ کیوں بولے گا۔

قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی دعوت قبول نہ کی، اور حق تعالیٰ نے ان کی شامت سے تین برس پانی نہ برسایا، اور ان کے مردوں میں اولاد کی صلاحیت ختم کردی۔۔نیز۔۔ ان کی عورتوں کو بانجھ کردیا، اور چونکہ وہ لوگ زراعت والے تھے اور لوگ ان کے دشمن بھی تھے، تو زراعت کے واسطے بارش کے، اور دشمنوں کو دفع کرنے کے لیے اولاد کے محتاج ہوئے، تو ہود علیہ السلام نے فرمایا۔۔۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ
اور اے میری قوم معافی مانگو اپنے پروردگار سے، پھر جھک پڑو اسکی طرف، وہ بھیجے گا آسمان کی بلندی سے تم پر
مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰي قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾
برسنے والا، اور تمہاری قوت کو مزید قوت دے گا، اور نہ پلٹو مجرم ہوکر"●

(اور) ان کو ہدایت فرمائی، کہ (اے میری قوم! معافی مانگو اپنے پروردگار سے) اور بخشش چاہو اس سے۔ (پھر) دل سے سچی اور کھری توبہ کرو اور (جھک پڑو اس کی طرف)، یعنی اس کے غیر کی پرستش سے اعراض کرو، اور صرف اسی کی عبادت کرو۔ جب تم ایسا کرو گے تو اس کا فضل و کرم تمہاری طرف متوجہ ہوگا، اور (وہ بھیجے گا آسمان کی بلندی سے تم پر) یعنی تمہارے کھیتوں پر (برسنے والا) موسلا دھار بادل (اور تمہاری قوت کو مزید قوت دے گا) یعنی تمہیں بیٹے عنایت فرمائے گا، کہ ان کی مدد سے دشمنوں کو دفع کرنے پر قادر ہوسکو۔ بس میری بات سنو (اور) نہ پھرو مجھ سے اور منہ نہ پھیرو

پیغام الٰہی سے۔۔الحاصل۔۔(نہ پلٹو مجرم ہوکر) اور گناہوں پر اصرار کرنے سے باز آجاؤ۔

قَالُوا يٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ

سب بولے" کہ اے ہود تم نہیں لائے ہمارے پاس روشن دلیل، اور ہم اپنے بتوں کو تمہارے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں،

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۳

اور نہ ہم تم کو مانیں●

(سب بولے کہ اے ہود تم نہیں لائے ہمارے پاس روشن دلیل) جو دلالت کرے تیرے دعوے کی صحت پر۔ حالانکہ حضرت ہود نے انہیں معجزے دکھائے، لیکن وہ لوگ از راہِ عناد ان معجزوں کو شمار میں نہ لائے اور انکار کرکے بولے، کہ اے ہود سن لو (اور) ذہن نشین رکھو! کہ (ہم اپنے بتوں کو) صرف (تمہارے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں اور نہ) ہی (ہم تم کو مانیں) گے۔ یعنی جس توحید پر ایمان لانے اور بت پرستی کے ترک کرنے کی ہمیں دعوت دیتے ہو، ہم ہرگز ایسا نہیں کرنے والے ہیں۔ گویا انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کو صاف جواب دے دیا، کہ ہم سے اپنی دعوت کی اجابت اور اپنی تصدیق کی امید نہ رکھو، اور اے ہود!۔۔۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ

ہم نہیں کہتے، مگر یہ کہ بری جھپٹ ماری ہے تم کو ہمارے کسی معبود نے"۔ جواب دیا" کہ میرا اللہ گواہ ہے

وَاشْهَدُوْٓا اَنِّىْ بَرِىْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۵۴

اور تم لوگ بھی گواہ رہو کہ میں بیزار ہوں جس کو تم لوگ شریک بناتے ہو●

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝۵۵

اللہ کو چھوڑ کر، تو تم سب مل کر مجھ پر چوٹ کرو، پھر کچھ بھی مہلت نہ دو●

(ہم نہیں کہتے، مگر یہ کہ بری جھپٹ ماری ہے تم کو ہمارے کسی معبود نے) جبھی تم مجنونانہ باتیں کرتے ہو اور پاگلوں کی طرح لایعنی باتیں بولتے ہو۔ دراصل یہ تمہاری سزا ہے اس غلطی کی، کہ تم ہمارے معبودوں کی پرستش سے روکتے ہو اور ان سے دشمنی رکھتے ہو، اسی لیے ہم تو بس یہی کہتے ہیں، کہ ہمارے بعض معبودوں نے تم کو مجنون بنا دیا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے (جواب دیا کہ میرا اللہ)

تعالیٰ (گواہ ہے اور تم لوگ بھی گواہ رہو، کہ میں بیزار ہوں جس کو تم لوگ شریک بناتے ہو) (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) یعنی اس کی عبادت میں اوروں کو شریک کرتے ہو۔

یہ ارشاد فرما کر آپ نے ان کے بتوں کی معبودیت کی نفی فرمادی۔ اب رہ گئی دوسری بات، یعنی ان بتوں کا حضرت ہود علیہ السلام کو ضرر پہنچانا، تو اس کے جواب میں حضرت ہود علیہ السلام کے ارشاد کا حاصل یہ ہے، کہ اے کافرو! تم کہتے ہو، کہ جو بھی تمہارے معبودوں کی مذمت کرے اور ان کی پرستش سے روکے، تو تمہارے بت اُسے ضرر پہنچاتے ہیں۔ تمہارے اس قول سے برأت کا اظہار کر کے تمہیں چیلنج کرتا ہوں، کہ تم خود اور تمہارے تمام معبود مل کر مجھے نقصان پہنچانے کے لیے اپنی تمام تدبیریں بروئے کار لاؤ۔

(تو تم سب مل کر مجھ پر چوٹ کرو پھر کچھ بھی مہلت نہ دو) اور جو کچھ میرے ساتھ کرنے کا قصد رکھتے ہو، کر گزرو، میں کچھ خوف نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہماری حمایت فرمانے والا ہے۔ تمہارے ضرر پہنچانے سے مجھے کچھ اندیشہ نہیں، کیونکہ۔۔۔

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ

میں نے بھروسہ کر لیا اللہ پر، میرا پروردگار اور تم سب کا پالنہار۔ کوئی چلنے والا نہیں مگر وہ پکڑے ہے اس کی چوٹی۔

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝۵۶

بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ملتا ہے●

(میں نے بھروسہ کر لیا) ہے (اللہ) تعالیٰ (پر) جو (میرا پروردگار اور تم سب کا پالنہار) ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اپنا کام میں نے اُسی پر چھوڑا۔

یہ چیلنج بھی حضرت ہود علیہ السلام کا ایک معجزہ تھا، کہ ظالموں اور شوکت وقوت والوں کے مقابلہ میں جو ان کے خون کے پیاسے تھے ایسا مبالغہ کیا، کہ تم سب جمع ہو اور متفق ہو کر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرو، اور وہ لوگ اُس شدت وقہر اور اختیار واقتدار کے باوجود انہیں ذرا سا بھی ضرر نہ پہنچا سکے اور عاجز رہے۔ اور چونکہ حضرت ہود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کرم پر کامل اعتماد رکھتے تھے، تو **اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ** ۔۔۔ الخ کہہ کر اسی اعتماد کا اظہار فرمادیا، اور صاف لفظوں میں یہ واضح فرمادیا، کہ۔۔۔

(کوئی چلنے والا نہیں مگر وہ پکڑے ہے اس کی چوٹی) یعنی اس کا مالک ہے اور اس پر قادر و

غالب ہے۔ پیشانی کے بال پکڑنا مالکیت اور قدرت وتصرف کی تمثیل ہے۔ (بے شک میرا پروردگار سیدھی راہ پر ملتا ہے)، یعنی حق وعدل کی راہ پر۔ تو جو کوئی اس پر توکل کرتا ہے اُسے سیدھی راہ دکھادیتا ہے اور اُسے خراب نہیں ہونے دیتا۔ صراطِ مستقیم وہی ہے جو حق کی طرف تمام ہو، اس کے غیر کی طرف نہیں۔۔ الختصر۔۔ سیدھا راستہ وہی ہے جو خدا تک پہنچادے۔

ذہن نشین رہے، کہ ذاتِ الٰہی تاثیر قبول کرنے والی سب چیزوں میں موثرِ حقیقی ہے، تو وہ ذات تربیت کے حکم سے ہر ایک کی قابلیتوں کے موافق اپنی طرف کھینچتی ہے۔ تو ہر چلنے والے کی چوٹی کو اپنے دستِ قدرت میں رکھنے کا راز یہی ہے۔ پھر حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں۔۔۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّآ أُرْسِلْتُ بِهِۦٓ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا

پس اگر تم نے بے رخی کی، تو میں نے تو پہنچادیا تم کو جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں تمہاری طرف، اور تمہاری جگہ لائیگا میرا پروردگار تمہارے سوا دوسروں کو،

غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُۥ شَيْـًٔا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾

اور تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا کچھ۔ بے شک میرا پروردگار ہر ایک کا نگہبان ہے“●

(پس اگر تم نے بے رخی کی) اور مسلسل انکار پر ثابت رہے، (تو) میں بارگاہِ خداوندی میں اس کے لیے جواب دہ نہیں۔ اس لیے کہ (میں نے تو پہنچادیا تم کو جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں تمہاری طرف)۔۔ الغرض۔۔ میں نے اپنا فریضۂ نبوت ادا کردیا ہے۔ پیغامِ الٰہی تم تک پہنچانا میری ذمہ داری تھی، بفضلہٖ تعالیٰ جسے میں نے بحسن وخوبی ادا کردیا۔ اب رہ گیا اس کو قبول کرنا اور اُسے تسلیم کرنا، یہ تم پر فرض ہے۔

اب اگر تم نے اسے قبول نہیں کیا، تو یہ نہ سمجھنا دینِ حق کا کام رک جائے گا اور کلمۃ الحق کو سربلندی حاصل نہ ہوگی۔ اس لیے کہ اس صورت میں رب کریم دین کی سربلندی کے لیے انتظام فرمائے گا (اور تمہاری جگہ لائے گا میرا پروردگار تمہارے سوا دوسروں کو) اور پھر ان سے اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کرائے گا اور تم اس سعادت سے محروم رہو گے۔

اس حقیقت سے ظاہر (اور) واضح ہوگیا کہ (تم نہ بگاڑ سکو گے اس کا) یعنی حق تعالیٰ کا (کچھ) مجھ سے منہ پھیرنے اور دعوتِ حق نہ قبول کرنے کے سبب سے۔۔ کیونکہ۔۔ (بے شک میرا پروردگار ہر

ایک کا نگہبان ہے)۔سب کے افعال واقوال اور احوال کو نگاہ میں رکھتا ہے اور ان کی جزائیں دینا اس سے فوت نہیں ہوتا۔ایسے علیم وخبیر اور قادرِ مطلق کا تمہاری خفیف الحرکاتیاں کیا بگاڑ سکیں گی۔

جب قومِ ھود کے کافروں نے اس بات سے نصیحت نہ مانی، تو ان پر عذاب نازل ہونے کا حکمِ الٰہی صادر ہوا۔۔۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ

اور جب آپہنچا ہمارا فرمانِ عذاب، تو بچالیا ہم نے ہود کو اور جو ایمان لاچکے تھے ان کے ساتھ اپنی رحمت سے،

وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾

اور بچالیا ہم نے انھیں گاڑھے عذاب سے●

(اور جب آپہنچا ہمارا فرمانِ عذاب، تو بچالیا ہم نے ہود کو اور) ان چار ہزار آدمیوں کو (جو ایمان لاچکے تھے ان کے ساتھ)، یعنی ان سب کو ہم نے عذاب سے نجات دی (اپنی رحمت سے)۔یعنی یہ نجات ہمارے فضل کے سبب سے تھی، ان کے عمل کے باعث نہیں۔۔الغرض۔۔اپنے فضل (اور) اپنی رحمت سے (بچالیا ہم نے انہیں گاڑھے عذاب سے) اور وہ دوزخ کی ہوا تھی، کہ ان کے نتھنوں میں چلی گئی اور پاخانے کے مقام سے نکلی، اور ان کے اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔

وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ

یہ ہیں عاد۔۔۔جنھوں نے انکار کردیا اپنے پروردگار کی آیتوں کا، اور نافرمانی کی اسکے رسولوں کی،

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾

اور چلے ہر سرکش ہٹ دھرم کی چال●

(یہ ہیں عاد) یعنی دیارِ احقاف میں جو اثر دیکھتے ہیں، یہ قبیلہ عاد کے آثار میں سے ہے (جنھوں نے انکار کردیا اپنے پروردگار کی آیتوں کا اور نافرمانی کی اس کے رسولوں کی)۔ذہن نشین رہے کہ ایک پیغمبر کی نافرمانی سب پیغمبروں کی نافرمانی کو مستلزم ہے۔(اور چلے ہر سرکش ہٹ دھرم کی چال) یعنی گنہگار ہوگئے اس شخص کے باب میں جو انہیں حق کی طرف بلاتا تھا اور مطیع ہوگئے اس کے، جس نے انہیں کفر اور ضلالت کی جانب بلایا۔

وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ

اوران کے پیچھے لگادی گئی اس دنیا میں لعنت اور قیامت کے دن۔ خبردار! عاد نے کفر کیا اپنے پروردگار سے۔

اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع ۵

ہاں ہاں دور ہوں عاد، قوم ہود●

ان کی سرکشی (اور) نافرمانی کے سبب (ان کے پیچھے لگادی گئی اس دُنیا میں لعنت) جوانہیں ہلاکت کے بعد حاصل ہوئی، (اور قیامت کے دن) بھی ان کے پیچھے لعنت لگی ہے، وہاں بھی یہ رحمت الٰہی سے دوُر ہی رہیں گے۔ (خبردار)! آگاہ ہوجاؤ، کہ قومِ (عاد نے کفر کیا اپنے پروردگار سے) اس لیے رحمتِ الٰہی سے دوُر رہے۔ (ہاں ہاں دوُر ہوں عاد، قوم ہود)، یعنی دوری ہے عاد کو یعنی ہلاکت نصیب ہو، اس لیے کہ وہ عذاب کے مستحق ہیں۔ دُنیا کا عذاب ہو۔۔یا۔۔آخرت، وہ دونوں ہی کے مستحق ہیں۔

'عاد، قوم ھود' فرما کر واضح کردیا گیا، کہ جو ہلاک ہوئے وہ پہلے عاد تھے جن پر حضرت ہود علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ اس عاد سے مراد 'عادارم' نہیں، اس لیے کہ عادارم کو دوسرے عاد کہتے ہیں، جو قوم ثمود کے ساتھ ہلاک ہوئی۔ قوم ثمود کون؟ جس کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا گیا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ (منزل ۳)

اور ثمود کی طرف انکی برادری کے صالح کو۔۔۔ انھوں نے تعلیم دی "کہ اے میری قوم پوجو اللہ کو، تمہارا کوئی معبود نہیں اسکے سوا۔

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ

اسی نے تم کو مٹی سے بنایا، اور اس میں تم کو بسایا۔ تو اس سے مغفرت چاہو، پھر اس کی طرف جھکو،

اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ﴿۶۱﴾

بے شک میرا پروردگار قریب ہے دعا قبول کرنے والا ہے"●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ ہم نے بھیجا (ثمود کی طرف ان کی برادری کے صالح کو)۔۔۔ (انہوں نے) بھی یہی (تعلیم دی، کہ اے میری قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) کیونکہ (تمہارا کوئی معبود) یعنی مستحق عبادت (نہیں اس کے سوا۔ اسی نے تم کو) یعنی تمہاری اصل آدم علیہ السلام کو جو تمہارے

باپ ہیں (مٹی سے بنایا)، اور نطفوں کے مواد جن سے نسل انسانی پیدا ہوتی ہے، انہیں خاک سے پیدا کیا (اور) پھر (اس) مٹی کی زمین (میں تم کو بسایا)۔۔الغرض۔۔زندگی اور بقادی تمہیں زمین میں۔ قوم ثمود میں ہر ایک کی عمر تین سو برس سے ہزار برس تک کی تھی۔۔یا یہ۔۔کہ تمہیں عمارتِ زمین کی قدرت عطا فرمائی، کہ اس میں راحت و آرام کی جگہیں تم نے بنائیں اور نہریں کھودنے اور درخت سینچنے میں تم مشغول ہوئے۔

(تو) ایسے رب کریم، صاحبِ فضل عظیم کی بغاوت و نافرمانی سے باز آجاؤ اور (اس سے مغفرت چاہو) یعنی ایمان لاؤ، تاکہ وہ تمہیں بخش دے (پھر اس کی طرف) عبادت کے لیے (جھکو) غیر کی پرستش چھوڑ کر۔رب کی رحمت سے مایوس مت ہو، (بے شک میرا پروردگار) رحمت کے امید واروں کے (قریب ہے) اپنی رحمتِ بے پایاں کے ساتھ اور مخلصانہ طور پر دعا مانگنے والوں کی (دُعا قبول کرنے والا ہے) اپنے فضل و کرم سے۔۔۔(سب لوگ بولے، کہ اَے صالح! تم تو ہم میں امید گاہ تھے اس سے پہلے)، یعنی ہم نے تم سے بہت اچھی امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔تمہاری بزرگی اور متانت کے آثار تمہاری پیشانی سے ہم دیکھتے تھے قبل اس کے کہ تو نبوت کا دعویٰ کرے، اور ہم چاہتے تھے کہ تمہیں اپنا بادشاہ بنائیں۔۔یا۔۔اپنے کاموں میں تم سے مشورہ لیا کریں۔۔یا۔۔ہم یہ امید رکھتے تھے، کہ تم ہمارے دین پر متدین ہوگے۔مگر اب تمہاری باتوں سے ہم نے تم سے وابستہ ساری امیدیں توڑ دیں۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ

سب لوگ بولے "کہ اے صالح تم تو ہم میں امیدگاہ تھے اس سے پہلے، کیا تم ہم کو روکتے ہو، کہ ہم پوجیں جس کو معبود مانا کیے ہمارے

اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾

باپ دادے، اور ہم تو تردد میں ہیں اس سے جدھر تم ہم کو بلاتے ہو شک میں پڑے ہوئے"●

اَے صالح! غور کرو (کیا تم ہم کو روکتے ہو، کہ ہم پوجیں جس کو معبود مانا کیے ہمارے باپ دادے)، یعنی ہمارے باپ دادے جس کو پوجتے رہے اس کو پوجنے سے تم ہم کو روکتے ہو؟ (ہم تو تردد میں ہیں اس سے جدھر تم ہم کو بلاتے ہو) یعنی توحید اور بتوں کی پوجا کو ترک کر دینا، یہ دونوں باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں، تو ان کے برحق اور درست ہونے میں ہمیں تردد ہے۔اپنے باپ دادوں

کے متوارث عمل کو صرف تیرے کہنے سے باطل قرار دے کر چھوڑ دینا، یہ ہمارے نزدیک سمجھ داری کا کام نہیں۔۔الغرض۔۔ہم ایسے (شک میں پڑے ہوئے) ہیں جس سے ہمارے جی کو اضطراب، دل کو بے چینی اور عقل کو پریشانی ہے۔حضرت صالح نے اپنی قوم کو۔۔۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً

جواب دیا" کہ اے قوم بتاؤ تو، کہ میں تو روشن دلیل پر ہوں اپنے پروردگار کی طرف سے، اور آئی ہے میرے پاس اسکی طرف سے رحمت،

فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾

تو بچانے میں کون مدد کریگا میری اللہ سے، اگر کہیں میں نے نافرمانی کی اسکی۔۔ تو تم کچھ نہ بڑھا سکو گے مجھ میں بجز اپنے گھاٹے کے●

(جواب دیا، کہ اَے قوم! بتاؤ تو، کہ میں تو روشن دلیل پر ہوں اپنے پروردگار کی طرف سے اور آئی ہے میرے پاس اس کی طرف سے رحمت) یعنی نبوت، تو میں جو کچھ پیش کر رہا ہوں اس کے حق و درست ہونے میں مجھے ذرّہ برابر شک و ریب نہیں۔اب اگر میں ایسے میں جان بوجھ کر خدا کی نافرمانی کروں اور اس کے احکام کی تبلیغ نہ کروں، (تو) ذرا بتاؤ، کہ (بچانے میں کون مدد کرے گا میری اللہ) تعالیٰ (سے، اگر) بالفرض (کہیں میں نے نافرمانی کی اس کی) تبلیغ احکام میں۔

پس میں تو تمہیں خدا کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے اپنے دین کی طرف، اور مجھ سے جھگڑا کرتے ہو۔(تو) اپنی ان حرکتوں سے (تم کچھ نہ بڑھا سکو گے مجھ میں بجز اپنے گھاٹے کے)۔یعنی اگر بالفرض میں تمہارا کہا مان لوں، تو اس سے نقصان و خسارہ کے سوا میرے ہاتھ کچھ لگنے والا نہیں۔ اور سوا زیاں کاری کی طرف نسبت دینے کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

۔۔الختصر۔۔پورے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت صالح نے کہا، اے میری قوم یہ بتاؤ اگر میں اپنے رب کی روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا فرمائی ہو، تو اللہ کے مقابلے میں میری کون مدد کرے گا۔اگر میں اس کی نافرمانی کروں، تو تم میرے لیے سوا نقصان کے کس چیز میں زیادتی کر رہے ہو۔روایت ہے، کہ قوم ثمود نے بڑے جھگڑے کے بعد معجزہ طلب کیا، جیسا کہ سورۂ اعراف میں ذکر ہو چکا ہے اور حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی، خدا کے حکم سے پتھر میں سے اونٹنی پیدا ہوئی۔صالح علیہ السلام نے دلیل پکڑی اور اونٹنی کے بارے میں نصیحت شروع فرمادی۔۔۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ

اور اے قوم یہ اللہ کی اونٹنی ہے تمہارے لیے نشانی، تو اس کو چھوٹا رکھو کہ کھائے اللہ کی زمین میں،

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾

اور اس کو مت چھونا برائی سے، کہ پکڑے تم کو نزدیک ہی عذاب"●

(اور) کہا (اے قوم یہ اللہ) تعالیٰ (کی) پیدا کی ہوئی (اونٹنی ہے تمہارے لیے) قدرتِ خداوندی کی (نشانی، تو اس کو چھوٹا رکھو کہ کھائے اللہ) تعالیٰ (کی زمین میں)، یعنی اس کی روزی تم پر نہیں ہے اور اس کا فائدہ تمہارے واسطے ہے، (اور اس کو مت چھونا برائی سے) یعنی اسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا (کہ پکڑے تم کو نزدیک ہی عذاب)۔ یعنی وہ عذاب جو اس کو تکلیف دینے کے نتیجے میں ملے گا، تو گویا عذاب اس کو تکلیف پہنچانے کے قریب ہی ہے۔ اِدھر تکلیف پہنچائی اُدھر عذاب آیا۔ اس صورت میں تم عذاب کیے جاؤ گے اور مہلت نہ پاؤ گے۔ کافروں نے حضرت صالح کی نصیحت کا خیال نہیں کیا۔۔۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ

تو ان لوگوں نے کوچیں کاٹ دیں اسکی، تو کہا صالح نے "کہ رہ لو اپنے گھر میں تین دن،

ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾

یہ وعدہ ہے، جھوٹ نہ ہوگا"●

(تو ان لوگوں نے کوچیں کاٹ دیں اس کی) یعنی ایڑی سے لے کر پاؤں کے پیٹھے تک، سب کاٹ ڈالے۔۔۔ الختصر۔۔۔ پیروں کے ٹکڑے کر دیے۔

اس کے تعلق سے مزید باتیں ان شاء اللہ سورۂ قمر میں بیان ہوں گی۔

اونٹنی کا پاؤں کاٹ ڈالنے کے بعد اس کا بچہ پہاڑ پر چڑھا اور تین بار چلّایا۔ حضرت صالح علیہ السلام اس وقت قوم میں نہ تھے، جب آئے لوگوں نے یہ حال اُن سے بیان کیا (تو کہا صالح نے) عذابِ الٰہی کی خبر دیتے ہوئے (کہ رہ لو اپنے گھر میں تین دن) یعنی بدھ، جمعرات اور جمعہ اور ہفتہ کے دن تم پر عذاب آئے گا، (یہ وعدہ ہے) جو ہو کر رہے گا اور (جھوٹ نہ ہوگا)۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ بدھ کے دن ان لوگوں کے چہرے زرد ہو گئے اور جمعرات کو سرخ اور جمعہ کو سیاہ اور ہفتہ کو عذاب نازل ہوا۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّيۡنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا

پس جب آ گیا ہمارا قہر مانی حکم، تو بچالیا ہم نے صالح کو، اور جو مان چکے تھے انکے ساتھ اپنی طرف سے رحمت کر کے،

وَمِنۡ خِزۡىِ يَوۡمِئِذٍ‌ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ ﴿۶۶﴾

اور اس دن کی رسوائی سے۔ بیشک تمہارا پروردگار قوی غالب ہے●

(پس جب آ گیا ہمارا قہرمانی حکم) ان پر عذاب کے واسطے، (تو بچالیا ہم نے صالح کو اور جو مان چکے تھے ان کے ساتھ اپنی طرف سے رحمت کر کے) یعنی اپنے فضل وکرم سے، نہ کہ ان کے عمل کے سبب۔۔الحاصل۔۔صرف اپنے فضل اور رحمت سے صالح علیہ السلام کو اور مومنوں کو اُس بَلا سے ہم نے نجات دی (اور اس دن کی رسوائی سے) انہیں ہم نے بچالیا۔

اگر اس دن سے مراد روزِ قیامت ہو، جس کا آنا اتنا ہی یقینی ہے جیسے موجودہ دن کی موجودگی یقینی ہے، تو اس صورت میں حاصل کلام یہ ہوگا۔

کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح اور ان کے ماننے والوں کو دُنیا میں عذاب سے نجات دی اور قیامت میں انہیں رُسوائی سے بھی بچائے گا۔ (بے شک تمہارا پروردگار قوی) ہے، یعنی قوت والا ہے جسے مومنوں کی نجات پر پوری قدرت ہے، اور (غالب ہے) دشمنوں پر، جب چاہے انہیں ہلاک کر دے۔۔الختصر۔۔خدائے عزوجل کا فرمانِ عذاب۔۔۔

وَاَخَذَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوا الصَّيۡحَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دِيَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۙ﴿۶۷﴾

اور دھر پکڑا ان کو جو اندھیر مچا چکے تھے ایک سخت چنگھاڑ نے، تو پڑے رہ گئے وہ اپنے گھروں میں، سکڑے گھٹنوں پر●

كَاَنۡ لَّمۡ يَغۡنَوۡا فِيۡهَا‌ ؕ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوۡدَا۟ كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ‌ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّـثَمُوۡدَ ﴿۶۸﴾ ع ۶

گویا ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے۔ یاد رکھو کہ ثمود نے کفر کیا اپنے پروردگار سے، ہاں ہاں دور ہوں ثمود●

(اور) حکم قہرمانی آتے ہی (دھر پکڑا ان کو جو اندھیر مچا چکے تھے ایک سخت چنگھاڑ نے، تو پڑے رہ گئے وہ اپنے گھروں میں سکڑے گھٹنوں پر، گویا ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے)۔

اس کا مختصر قصہ یہ ہے، کہ جن لوگوں سے تین۳ دن جیتے رہنے کا وعدہ تھا، وہ لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے قبریں کھودا کیے اور عذاب کا انتظار کرتے رہے۔ جب چوتھے دن آفتاب نکلا اور عذاب نہ آیا، تو اپنے اپنے گھر سے باہر نکل کر ایک دوسرے کو بلانے لگا اور ٹھٹھا کرنے

لگا۔ ناگاہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اپنی صورت پر ظاہر ہوئے۔ پاؤں زمیں پر، سر بالائے آسمان، پر مشرق سے مغرب تک پھیلائے، پاؤں زرد، پر سبز، دانت سفید چمکتے ہوئے، پیشانی صاف نورانی، رخسارے سرخ، سر کے بال لال، جیسے مونگے کا رنگ۔

اس صورت سے ظاہر ہوکر افق کو چھالیا۔ جب قوم ثمود نے یہ حال دیکھا، تو اپنے گھروں میں جاکر قبروں میں گھس گئے۔ جبرائیل علیہ السلام نے چیخ کر کہا، کہ مروتم، تم پر خدا کی لعنت۔ ایک ہی بار کی چیخ سے سب مر گئے، اور ان کے گھروں میں زلزلہ پڑ گیا، اور چھتیں ان پر پھٹ پڑیں۔ بس وہ اپنے گھروں ہی میں سکڑے گھٹنوں کے بل زمین میں چپکے ہوئے مردے، گویا کہ ہرگز نہ تھے کبھی ان گھروں میں۔

ایک قول کے مطابق، حق تعالیٰ نے اس چیخ سے ان لوگوں کو ہلاک کیا، جو قوم ثمود میں سے مشرقوں، مغربوں، نرم زمینوں اور پہاڑوں میں تھے، مگر ایک شخص بچ رہا جس کا نام ابورغال تھا، جس کے بارے میں جب سرکار رسالت ﷺ سے پوچھا گیا، وہ کون تھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا، وہ قبیلہ ثقیف کا باپ تھا۔

جان لو اور (یاد رکھو) مذکورہ بالا واقعات شاہد ہیں، کہ (ثمود نے کفر کیا اپنے پروردگار سے) تو یہ رحمت خداوندی کے مستحق ہی نہیں رہ گئے۔ تو خبردار ہو جاؤ اور جان لو، کہ یہی مرضیٔ خداوندی ہے، کہ (ہاں ہاں دور ہوں ثمود) اللہ تعالیٰ کی رحمت سے، اپنے بُرے عقائد و اعمال کی وجہ سے۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ

اور بے شک لائے ہمارے کئی قاصد ابراہیم کے پاس خوش خبری، پہلے کہا سلام۔ جواب دیا سلام،

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾

پھر کچھ ٹھہرے نہیں، کہ لے آئے ایک بچھڑا بھنا ہوا●

انبیاءِ کرام کے واقعات (اور) ان کی قوموں کے حالات کے سلسلے میں، یہ بھی ایک اہم واقعہ ہے، کہ (بے شک لائے ہمارے کئی قاصد ابراہیم کے پاس خوش خبری)۔

یہ قاصد فرشتے تھے جو باختلاف روایات گیارہ[۱۱]۔۔یا۔۔بارہ[۱۲]۔۔یا۔۔سات[۷]۔۔یا۔۔آٹھ[۸] تھے، اور ایک قول کے مطابق تین[۳] فرشتے، یعنی جبرائیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے، جو سادہ رو اور خوبصورت نوجوانوں کی صورت میں آئے۔ خوش خبری کس بات کی لائے؟

اس میں چند احتمالات ہیں: ﴿۱﴾۔فرزند پیدا ہونے کی، ﴿۲﴾۔قوم لوط علیہ السلام کی ہلاکت کی، ﴿۳﴾۔حضرت ابراہیم کے ہمیشہ مقام خلت پر فائز رہنے کی اور کبھی بھی خلت کے منقطع نہ ہونے کی، ﴿۴﴾۔آپ علیہ السلام کی صلب سے سرورِ کائنات کے ظہور کی،اس طرح پر کہ وہ خاتم انبیاء صاحب لواءِ حمد ہیں، اور اس بشارت سے بڑھ کر اور کیا بشارت ہو سکتی ہے، کہ باپ کا بیٹا ایسا ہو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام قوم لوط کو ہلاک کرنے آئے تھے اور اسرافیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر بیٹا ہونے کی خوشخبری لے کر آئے تھے، اور میکائیل علیہ السلام حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے لوگوں کی محافظت کے واسطے اور انہیں مؤتفکات سے نکالنے کو آئے تھے۔القصہ ملائکہ جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے پاس آئے۔۔۔

تو (پہلے کہا سلام) یعنی سلام کرتے ہیں آپ پر سلام کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (جواب دیا سلام) یعنی تمہارے سلام کا جواب میری طرف سے بھی یہی، کہ تم پر ہے سلام۔۔الختصر۔۔حضرت ابراہیم نے فرشتوں کے سلام کا جواب سلام سے دیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ بہت زبردست مہمان نواز تھے، اس لیے انہوں نے مہمان نوازی میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی، اور (پھر کچھ ٹھہرے نہیں) یعنی کچھ دیر نہ کی یہاں تک (کہ لے آئے) ان کے سامنے دسترخوان بچھا کر (ایک بچھڑا بھنا ہوا) اور ان کو کھانا کھانے کو بلایا، لیکن انہوں نے کھانے پر ہاتھ نہ بڑھایا۔۔۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ

پھر جب دیکھا انکے ہاتھوں کو کہ نہیں پہنچتا اس تک، تو بیگانہ جانا انکو، اور دل ہی دل میں انکی طرف سے پڑ گیا ڈر۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ؕ

سب نے کہا کہ ڈریئے نہیں، ہم بھیجے گئے ہیں قوم لوط کی طرف●

(پھر جب دیکھا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (ان کے ہاتھوں کو، کہ نہیں پہنچتا اس) بھنے بچھڑے (تک)، یعنی انہوں نے ملاحظہ فرمایا، کہ وہ لوگ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے (تو بیگانہ جانا ان کو)، یعنی انہیں پہچان نہ سکے (اور دل ہی دل میں ان کی طرف سے پڑ گیا ڈر)۔

خوف کی وجہ یہ ہے، کہ اس زمانے میں جو کوئی شخص کسی کے ساتھ برائی کا قصد رکھتا تھا، تو اس شخص کا کھانا نہ کھاتا تھا۔تو جب انہوں نے دیکھا، کہ ان لوگوں نے کھانا نہیں کھایا، تو وہ

سوچنے لگے، کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ چور ہوں، جو مجھے ضرر پہنچانا چاہتے ہوں۔
جب فرشتوں نے ان کا خوف دریافت کرلیا، تو (سب نے کہا کہ ڈریئے نہیں، ہم) فرشتے ہیں، جو (بھیجے گئے ہیں قوم لوط کی طرف)، کہ ان پر عذاب کریں۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾

اوران کی بی بی کھڑی ہنس پڑیں، تو خوش خبری دی ہم نے ان کو اسحٰق کی، اور اسحٰق کے بعد یعقوب ●

اس گفتگو (اور) بات چیت کو (ان کی) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی (بی بی) حضرت سارہ بنتِ ہارون پردے کی آڑ میں (کھڑی) سن رہی تھیں۔ یہ سن کر وہ (ہنس پڑیں) خوشی کے مارے۔
انہیں حضرت ابراہیم کے خوف زائل ہونے کی خوشی ہوئی۔۔یا۔۔مفسدوں کو ہلاک کرنے کی خبر سن کر خوشی حاصل ہوئی۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق ان کی خوشی تعجب سے تھی۔ دراصل انہیں تعجب یہ ہوا کہ قوم لوط غافل ہے اور ان پر عذاب آیا چاہتا ہے۔۔یا۔۔آدمی کی صورت میں فرشتوں کے آنے سے تعجب ہوا۔۔یا۔۔اس پر ہنسیں کہ اس قدر خدم وحشم موجود ہوتے ہوئے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تین شخصوں سے خوف لاحق ہوگیا۔
۔۔الختصر۔۔جب حضرت سارہ ہنسیں (تو خوش خبری دی) ملائکہ کی زبانی (ہم نے ان کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب) کی۔
چونکہ عورتوں کو لڑکا پیدا ہونے کی بڑی خوشی ہوتی ہے۔۔نیز۔۔دوسری بات یہ ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حضرت ہاجرہ سے ایک فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے، جبکہ حضرت سارہ کے کوئی فرزند نہ تھا، ان وجوہ کی بنا پر انہیں خاص طور پر فرزند کی بشارت دی گئی۔ پس جب انہوں نے فرزند کی بشارت سنی، تو از راہِ تعجب۔۔۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾

وہ بولیں" کہ ہائے مصیبت، کیا میں جنوں گی، حالانکہ میں بڈھی ہوں اور یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں۔ بیشک یہ تو انوکھی چیز ہے" ●

۔ (وہ بولیں کہ ہائے مصیبت! کیا میں جنوں گی، حالانکہ میں بڈھی ہوں) ننانوے [99] برس کی، (اور یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں) ایک سو بیس [120] برس کے۔۔یا۔۔ایک سو بارہ [112] برس کے۔ (بے شک یہ) خبر جو کہتے ہو، یہ (تو انوکھی چیز ہے)۔ ان کا یہ استعجاب عادت کی راہ سے تھا، قدرت کی وجہ سے

نہیں۔یہ سن کران سے۔۔۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ

ان سب نے کہا، کہ کیا تم کو اچنبھا ہے اللہ کے حکم سے؟ اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر ہیں اے اس گھر والو۔

اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿۷۳﴾

بیشک وہ اللہ خوبیوں والا اعظمت والا ہے●

(ان سب) خوش خبری سنانے والے فرشتوں **(نے کہا، کہ کیا تم کو اچنبھا ہے اللہ)** تعالیٰ **(کے حکم سے)**، اگر وہ اپنی صنعتِ بے آلت اور فضلِ بے علت سے دو بوڑھوں سے لڑکا پیدا فرمادے، اس میں حیرت کی بات کیا ہے؟۔ ذرا غور تو کرو، رب کریم کی تم پر کتنی عنایتیں ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ **(اللہ)** تعالیٰ **(کی رحمت اور اس کی برکتیں تم پر ہیں اے اس گھر والو!)** یعنی مخصوص بابرکت نبی کے گھر والو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت سارہ علیہا الرحمۃ والرضوان کا رشتہء زوجیت کتنا بابرکت تھا، کہ اسباط اور سب انبیاءِ بنی اسرائیل حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ علیہم السلام سے پیدا ہوئے۔

(بے شک وہ اللہ) تعالیٰ **(خوبیوں والا)** ہے جس کی تعریف کی گئی ہے اور جو لائق حمد ہے نعمتیں عطا فرمانے پر اور **(عظمت والا ہے)** یعنی بزرگ ہے کرم ظاہر کرنے کے ساتھ۔۔ المختصر۔۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ معلوم ہوگیا، کہ یہ آنے والے فرشتے ہیں، تو ان کے دل میں آنے والوں کے تعلق سے جو خوف پیدا ہوگیا تھا، وہ زائل ہوگیا۔۔۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾

پس جب دور ہوگیا ابراہیم سے خوف، اور آگئی ان تک خوش خبری، تو ہم سے سوال پر سوال کرنے لگے، قوم لوط کے بارے میں●

(پس جب دوٗر ہوگیا ابراہیم سے خوف اور) مزید برآں **(آگئی ان تک خوشخبری)** اولاد پیدا ہونے کی، تو اپنی ساری توجہ اپنی نرم دلی اور فرطِ ترحم کی وجہ سے قوم لوط علیہ السلام کی نجات کی طرف لگادی، **(تو)** پھر **(ہم سے)** یعنی ہمارے فرستادہ فرشتوں سے **(سوال پر سوال کرنے لگے قوم لوط کے بارے میں)**۔

۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت ابراہیم نے ملائکہ سے پوچھا کہ جس بستی میں ستر مومن ہوں کیا تم

اس بستی کو ہلاک کر دو گے۔ ملائکہ بولے نہیں۔ فرمایا اگر نوّے۹۰ مومن ہوں، وہ بولے کہ تب بھی ہم ہلاک نہ کریں گے، اسی طرح دس۱۰ دس۱۰ کم کرتے کرتے دس۱۰ کی نوبت پہنچی، پھر پانچ۵ کی، پھر ایک۱ کی، ملائکہ بولے، کہ جس بستی میں ایک بھی مومن ہوگا، ہمیں اس کے ہلاک کرنے کا حکم نہیں۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اس مقام پر لوط علیہ السلام اور ان کی بیٹیاں ہیں، ملائکہ بولے ہم لوط علیہ السلام اور ان کے لوگوں کو ان میں سے باہر نکال لائیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملائکہ کے ساتھ اس ساری گفتگو کا باعث، ان کا فرطِ ترحم تھا اور ان کی نرم دلی، اور انہوں نے امید کی کہ اُس قوم پر عذاب آنا رک جائے، شاید کہ وہ توبہ کریں اور برائیوں سے باز آئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایسا کیوں نہ سوچتے، اس لیے کہ۔۔۔

إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّٰهٌ مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾

بے شک ابراہیم ضرور بردبار، آہ و نالہ والے، اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں●

(بے شک ابراہیم ضرور بردبار) تحمل والے اور بدکاروں سے بدلہ لینے میں جلدی نہ کرنے والے، اور (آہ و نالہ والے) یعنی آدمیوں پر تاسف کرنے والے اور آہ کھینچنے والے۔۔نیز۔۔(اللہ) تعالیٰ (کی طرف رجوع کرنے والے ہیں)، اور صرف بارگاہِ الٰہی میں اپنے معروضات پیش کرنے والے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باتیں سن کر اور ان کی رحیم الفطرتی کو ملاحظہ کر کے، ملائکہ بولے۔۔۔

يَٰٓإِبْرَٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَآ ۖ إِنَّهُۥ قَدْ جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ

اے ابراہیم اس بات سے دور رہو۔ بیشک آ گیا تمہارے پروردگار کا حکم۔

وَإِنَّهُمْ ءَاتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾

اور بیشک ان پر عذاب آنے والا ہے جو واپس نہ ہو●

(اے ابراہیم! اس بات سے دوُر رہو) اور سوال پر سوال کرنے نے جو بظاہر مجادلہ کی صورت اختیار کر لی، اس سے منہ پھیر لو اور درگزر رو، کیوں کہ **(بے شک آ گیا ہے تمہارے پروردگار کا حکم)** ان پر عذاب کرنے اور ان کو ہلاک کر دینے کو۔ **(اور بے شک ان پر عذاب آنے والا ہے جو واپس نہ ہو)**۔۔الغرض۔۔ان پر عذاب آ کر ہی رہے گا، جو کسی بھی دُعا۔۔یا۔۔تکرار سے پھرنے والا نہیں۔

پھر فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رخصت کر کے مؤتفکات کی طرف یعنی ان بستیوں کی طرف جن کو اللہ تعالیٰ نے الٹ کر تباہ کر دیا، متوجہ ہوئے، اور وہ چار شہر تھے: ہر ایک میں لاکھ لاکھ آدمی تلوار چلانے میں ماہر تھے۔ جب فرشتے شہر سدوم کے قریب پہنچے جہاں لوط علیہ السلام رہتے تھے، تو نگاہ کی اور انہیں زمین میں کام کرتا ہوا دیکھا، پھر ان کے سامنے گئے اور سلام کیا۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا

اور جب آگئے ہمارے قاصد لوط کے پاس تو برا مانا انہیں، اور دل تنگ ہوئے ان سے بے حد،

وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿۷۷﴾

اور کہا کہ آج کا دن سخت ہے●

(اور جب آگئے ہمارے قاصد لوط کے پاس تو برا مانا انہیں) اور ان کی وجہ سے اندوہگیں ہوئے (اور دل تنگ ہوئے ان سے بے حد)، کچھ ان کی مہمانداری کی کراہت سے نہیں، بلکہ اس وجہ سے کہ انہیں خوش رو اور خوبصورت دیکھ کر قوم کی برائی اور بیبا کی سے اندیشہ کیا، (اور کہا کہ آج کا دن) بہت (سخت ہے) مجھ پر۔

روایت ہے، کہ حق تعالیٰ نے ملائکہ سے کہہ دیا تھا، کہ جب تک لوط علیہ السلام چار بار اپنی قوم کی بدی پر گواہی نہ دیں، قوم کو ہلاک نہ کرنا۔

لوط علیہ السلام نے مہمانوں کو دیکھ کر یہ بات کہی، کیا تمہیں اس شہر کے لوگوں کی خبر نہیں پہنچی اور جو کام یہ کرتے ہیں تم نے نہیں سنا۔ وہ بولے کیا حال ہے اور کیا کام وہ کرتے ہیں؟ حضرت لوط علیہ السلام کو شرم آئی، کہ ان کے کام کو زبان سے بیان کریں۔ بولے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تمام دُنیا کے لوگوں سے بدتر یہ قوم ہے، یعنی لونڈے بازیاں کرتے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت میکائیل علیہ السلام سے اشارہ کیا، کہ یہ ایک بار گواہی ہوئی۔ پھر لوط علیہ السلام نے ان کے شہر کی راہ لی۔ جب شہر کے دروازے پر پہنچے، تو دوبارہ وہی بات کہی، جب شہر میں پہنچے، تو تیسری دفعہ وہی بات فرمائی، جب اپنے گھر پہنچے تو چوتھی مرتبہ پھر وہی کلمہ کہا۔۔ الختصر۔۔ چاروں بار گواہی ہوگئی۔

آگے کا مختصر قصہ یہ ہے، کہ بعضے لوگوں نے لوط علیہ السلام کے ان مہمانوں کو دیکھا اور اور

لوگوں کو خبر پہنچائی ۔۔یا۔۔لوط علیہ السلام کی جورو جو کافرہ تھی، اس نے قوم کے بڑے آدمیوں کو خبر کردی، کہ خوبصورت جوان میرے گھر مہمان ہیں۔قوم کے لوگ لوط علیہ السلام کے دروازے کی طرف چلے۔۔۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ

اور آئی ان کے پاس ان کی قوم بھاگ دوڑ کرتی۔ اور وہ پہلے ہی سے بدکاریاں کرتے تھے۔

قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ

لوط نے کہا کہ "اے قوم، یہ میری لڑکیاں ہیں، وہ تمہارے لئے صاف ستھری ہیں، تو اللہ کو ڈرو۔ اور مجھ کو میرے مہمانوں

فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ﴿۷۸﴾

میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی اچھی چال کا نہیں ہے"●

(اور) الختصر (آئی ان کے پاس ان کی قوم بھاگ دوڑ کرتی، اور وہ پہلے ہی سے بدکاریاں کرتے تھے) یعنی لواطت، کبوتر بازی، محلوں میں سیٹی بجانا اور ٹھٹھے بازی کے لیے سر راہ بیٹھنا، یہ سب ان کی پرانی عادت تھی۔ القصہ جب قوم کے چودھری لوط علیہ السلام کے دروازے پر آئے اور مہمانوں کو طلب کیا، تو ان سے (لوط نے کہا، کہ اے) میری (قوم، یہ میری لڑکیاں ہیں) ان کی خواہش کرو اور ان سے نکاح کرلو۔ (وہ تمہارے لیے صاف ستھری ہیں)۔

ان کی شریعت میں مومنوں کا نکاح کافروں سے ہوسکتا تھا۔ خود حضرت لوط علیہ السلام کی ایک جورو کافرہ تھی ۔۔یا یہ۔۔ کہ ان کے لیے نکاح ایمان کی شرط سے مشروط فرمادیا ہو۔ حضرت لوط علیہ السلام نے کمال جواں مردی اور کرم اور حمیت سے اپنی بیٹیاں مہمانوں پر فدا کریں اور ان کو نکاح میں دینے کے لیے راضی ہوگئے۔ ایک قول یہ ہے کہ بیٹیوں سے قوم کی عورتیں مراد ہیں، اس واسطے کہ نبی امت کا باپ ہے، تربیت اور مرحمت کی حیثیت سے۔ اب حاصل ارشاد ہوگا، کہ ان عورتوں کی خواہش کرو جو تمہارے واسطے حلال ہیں۔

(تو اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) اور بری باتوں کو ترک کردو (اور مجھ کو میرے مہمانوں میں رسوانہ کرو) یعنی ان کے ساتھ ایسے ناشائستہ کردار کا مظاہرہ نہ کرو، جو خود میری شرمندگی اور پشیمانی کا باعث ہوجائے۔ (کیا تم میں کوئی اچھی چال کا نہیں ہے) جو تمہیں نصیحت کرے اور برے کاموں سے تم کو باز رکھے۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ ﴿۷۹﴾

سب بولے، کہ "تم جان چکے ہو کہ ہمارا تمہاری بیٹیوں میں کوئی حق نہیں ہے۔ اور بیشک تم جانتے ہو جس کی خواہش ہم رکھتے ہیں"●

(سب بولے کہ تم جان چکے ہو، کہ ہمارا تمہاری بیٹیوں میں کوئی حق نہیں)، یعنی ہمیں ان کی کوئی حاجت نہیں اور نہ ہی ان کی طلب ہے، (اور بے شک تم جانتے ہو جس کی خواہش ہم رکھتے ہیں)۔ اس کے جواب میں۔۔۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾

لوط نے کہا "کاش کہ میں تمہارے مقابل کی طاقت رکھتا، یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ میں ہوتا"●

(لوط نے کہا کاش! کہ میں تمہارے مقابلے کی طاقت رکھتا) یعنی کاش کہ ہو مجھے تمہیں دفع کرنے کی قوت۔۔۔یا یہ۔۔۔کہ اگر میری ذات میں قوت ہو، تو البتہ میں تمہیں نکال دوں۔۔۔الغرض۔۔۔ کاش میں طاقت والا ہوتا، (یا کسی مضبوط پایہ کی پناہ میں ہوتا) یعنی ہمیں اپنے کسی مضبوط قبیلہ کی پشت پناہی حاصل ہوتی، تو تم کو تمہارے کیفرِ کردار تک پہنچا دیتا۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے مذکورہ بالا ارشاد میں جو کچھ بھی کہا، وہ مہمانوں کے دلوں کو مطمئن کرنے کے لیے تھا اور ان کے سامنے اپنا عذر ظاہر کرنے کے لیے تھا، کیونکہ عرف اور عادت یہی ہے، کہ لوگ اپنی طاقت اور اپنے قبیلہ کی بنا پر مدافعت کرتے ہیں اور حقیقت میں حضرت لوط علیہ السلام کے عمدہ اخلاق تھے، جن کی بنیاد پر وہ تعریف کے مستحق ہیں۔ اور نبی ﷺ نے جو یہ فرمایا، کہ 'اللہ لوط پر رحم فرمائے'، یہ درحقیقت ان کی تعریف ہے، ان پر تنقید نہیں ہے۔ اور یہ خطاب میں عرب کے عرف کے مطابق ہے۔

وہ کہتے ہیں، کہ 'اللہ بادشاہ کی تائید کرے اور اللہ امیر کی اصلاح کرے'۔ وغیرہ، وغیرہ اور اس کی دلیل قرآنِ مجید میں یہ آیت ہے، کہ 'اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے ان منافقین کو کیوں اجازت دے دی'، کیونکہ آپ نے ان پر نرمی کرنے کے لیے اور ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے ان کو اجازت دی تھی، اور یہ آپ کے مکارمِ اخلاق میں سے تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ اللہ آپ کو معاف کرے، یعنی آپ نے ان کو اجازت دے کر اپنے آپ کو مشقت اور تکلیف میں کیوں ڈالا۔ اور یہ ایسا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں

ہے، کہ ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ مشقت اٹھائیں۔

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنے گھر کے دروازے کو بند کرلیا تھا، اور گھر کے اندر ہی سے گھر کے باہر موجود قوم کے افراد سے باتیں کر رہے تھے، تو ان لوگوں نے دیوار توڑ ڈالی اور چاہا کہ گھر میں داخل ہو جائیں۔ لوط علیہ السلام نہایت مضطرب اور غمگین ہوئے۔ تو جب انہیں اضطراب اور صدمہ میں دیکھا، تو۔۔۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ

ہمارے قاصد بولے" کہ اے لوط، ہم تمہارے پروردگار کے قاصد ہیں، یہ نہیں پہنچ سکتے تم تک، تو لے جاؤ اپنے گھر والوں

مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ

کو شبا شب، اور نہ پیٹھ پھیرے تم میں سے کوئی، مگر تمہاری بی بی، اس کو وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچا۔

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝۸۱

بیشک ان کے وعدہ کا وقت صبح ہے، کیا صبح نزدیک نہیں ہے؟●

(ہمارے قاصد) یعنی ملائکہ (بولے، کہ اے لوط! ہم تمہارے پروردگار کے قاصد ہیں) اور ان پر عذاب کرنے کو نازل ہوئے ہیں، تو آپ اپنا دل قوی رکھیں۔ اس لیے کہ (یہ نہیں پہنچ سکتے تم تک) یعنی یہ تمہیں ایذاء اور کسی طرح کا ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ تو اپنوں کے ساتھ گھر سے نکل جا اور ہمیں ان لوگوں میں چھوڑ دے۔

پھر جبرائیل علیہ السلام ان لوگوں کے سامنے نکل آئے، اور اپنے پر ان کے منہ پر ملے۔ سب اندھے ہو گئے اور لوط علیہ السلام کے گھر سے باہر بھاگے یہ کہتے ہوئے، حذر کرو لوط کے مہمان جادوگر ہیں۔

پھر جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا، کہ تمہارے لیے راستہ صاف ہے، (تو لے جاؤ اپنے گھر والوں کو شبا شب اور نہ پیٹھ پھیرے تم میں سے کوئی) یعنی کوئی چھوٹنے نہ پائے۔ اپنے تمام لوگوں کو ساتھ نکال لے جاؤ، (مگر تمہاری بی بی) یعنی اپنی کافرہ بی بی کو چھوڑ کر اپنے سارے گھر والوں اور اطاعت شعاروں کو لے کر اس بستی کو چھوڑ دو، اس لیے کہ تمہاری بی بی کافرہ ہے (اس کو وہی پہنچنے والا ہے جو ان سب کو پہنچا) یعنی وہ بھی کافروں کے ساتھ ہلاک ہوگی۔

لوط علیہ السلام نے نہایت تنگدلی کے ساتھ فرمایا، کہ ان لوگوں کی ہلاکت کب ہوگی؟ جبرائیل

السّلام نے کہا (بے شک ان کے وعدے کا وقت صبح ہے)۔ لوط السّلام نے کہا، ابھی صبح کو آنے میں کافی دیر ہے، تو حضرت جبرائیل نے فرمایا (کیا صبح نزدیک نہیں ہے؟) یعنی صبح نزدیک تو ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهَا

توجب آ گیا ہمارا قہر مانی فرمان، تو کردیا ہم نے اس کو تہہ وبالا، اور برسایا ان پر

حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝۸۲

پتھریلے ٹکڑے کنکر کے۔۔۔ لگاتار●

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَ مَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ۝۸۳

الخمس ۱۹

نشان دیئے ہوئے تمہارے پروردگار کے یہاں۔ اور نہیں ہیں وہ پتھران اندھیر مچانے والوں سے کچھ دور●

(توجب آ گیا ہمارا قہر مانی فرمان) ان کے عذاب کے واسطے، تو جبرائیل سے ہم نے حکم کیا، وہ اپنے پر ان کے شہروں کے نیچے لایا اور ان شہروں کو اٹھایا اور اتنا بلند کیا، کہ اہل آسمان ان کے مرغوں کی بانگ اور کتوں کی آواز سنتے تھے، پھر ہم نے حکم کیا اور جبرائیل نے ڈال دیا، **(تو)** اپنی قدرتِ کاملہ سے **(کردیا ہم نے اس کو تہہ وبالا، اور برسایا ان پر پتھریلے ٹکڑے کنکر کے لگاتار نشان دیے ہوئے تمہارے پروردگار کے یہاں)**۔

ان پتھروں پر سیاہ لکیروں کے نشان تھے، جیسے سلیمانی دانے ہوتے ہیں ۔۔یا۔۔ لال اور سفید نشان تھے۔ ان پتھروں پر مہر بھی لگی ہوئی تھی، بعضے ان میں سفید اور ان پر سیاہ نقطے تھے ۔۔یا۔۔ جس پر پتھر برسا ان کا نام اس پتھر پر لکھا ہوا تھا ۔۔یا۔۔ یہ پتھر مہیا کیے گئے تھے تیرے رب کے خزانے میں ان پر عذاب کرنے کو۔

ایک قول یہ ہے کہ پتھر اس قوم کی ایک جماعت کے سر پر برسے۔ جو جماعت وہاں نہ تھی، تو پھر جہاں کہیں ان میں سے کوئی تھا، اس کے نام کا پتھر اس کے سر آیا اور وہ ہلاک ہو گیا۔ یہاں تک کہ، ان میں کا ایک شخص مکہ معظمہ کے حرم میں آیا تھا، تو جو پتھر اس کے نام کا تھا، وہ چالیس دن ہوا پر اٹکا رہا، اور جیسے ہی وہ شخص حرم کے باہر نکلا، وہ پتھر ہوا سے اس کے سر پر گرا، اور وہ ہلاک ہو گیا۔

(اور نہیں ہیں وہ پتھران اندھیر مچانے والوں سے کچھ دور) یعنی نہیں ہیں وہ پتھر ظالموں سے دور۔ اس واسطے، کہ وہ اس کے مستحق ہیں، کہ ان پر پتھر برسیں۔

۔۔یا یہ۔۔کہ قوم لوط کے شہر مکہ کے ظالموں سے دور نہیں ہیں۔اثنائے سفر میں اس دیار سے وہ گزرتے ہیں، تو انہیں اَولٰی وانسب ہے عبرت حاصل کرنے کی نظر سے ان شہروں کو دیکھیں۔اور عذاب اور عقوبت سے ڈر کر اپنا حال، ایمان اور نیک کام کرنے سے بدلیں اور اپنے حال کی اصلاح کریں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور مدین کی طرف ان کی برادری کے شعیب کو۔ انھوں نے پیغام دیا" کہ اے قوم اللہ کو پوجو، اس کے

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ

سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ اور مت کمی کرو ناپ اور تول میں۔ میں درحقیقت تم کو دیکھ رہا ہوں

بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿٨٤﴾

فراغت کے ساتھ۔اور مجھے واقعی ڈر لگتا ہے تم پر گھیرا ڈالنے والے دن کے عذاب کا ●

اس سورۂ مبارکہ میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص ذکر کیے گئے ہیں، یہ ان میں سے چھٹا قصہ ہے، جو حضرت شعیب علیہ السلام سے متعلق ہے۔مَدْیَنْ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے، پھر یہ حضرت شعیب علیہ السلام کے قبیلے کا نام پڑ گیا۔اور اکثر مفسرین نے یہ کہا ہے، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین نے اس شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔۔الختصر۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ ہم نے بھیجا قوم (مدین) یا شہر مدین میں رہنے والوں (کی طرف ان کی برادری کے شعیب کو) جن سے حضرت شعیب کو نسبی بھائی چارگی بھی تھی، تو انہوں نے انبیاءِ کرام کی سنتِ مستمرہ کے مطابق اپنی قوم کو اوّلاً عبادتِ الٰہی اور ثانیاً اعمالِ صالحہ کی دعوت دی۔۔چنانچہ۔۔ (انہوں نے پیغام دیا، کہ اَے قوم! اللہ) تعالیٰ (کو پوجو)، کیونکہ (اس کے سوا تمہارا کوئی معبود) مستحقِ عبادت (نہیں)، تو عقیدۂ توحید کا پاس و لحاظ رکھو اور صرف خدائے واحد کی پرستش کرو (اور) اعمالِ صالحہ کو انجام دیتے رہو۔

خاص طور پر (مت کمی کرو ناپ اور تول میں) جیسا کہ تم نے اپنی غلط روش بنالی ہے، کہ جب تمہارے پاس کوئی شخص کچھ بیچنے کے لیے آتا ہے، تو تول میں اس سے اس چیز کو جتنا زیادہ لے سکتے ہو

لے لیتے ہو، اور جب تم خود فروخت کرتے ہو، تو ناپ وتول میں کمی کر دیتے ہو۔۔الغرض۔۔خرید و فروخت دونوں صورتوں میں تم دوسروں کو نقصان پہنچاتے ہو، اور اس طرح حقوق العباد کی ادائیگی میں جان بوجھ کر لا پرواہی برتتے ہو۔

اور جب کہ صورتِ حال یہ ہے، کہ (میں درحقیقت تم کو دیکھ رہا ہوں فراغت کے ساتھ) یعنی تم مال و دولت والے خوشحال لوگ ہو، مفلس اور محتاج نہیں ہو، تو پھر تمہیں چاہیے کہ خیانت نہ کرو ۔۔بلکہ۔۔ مالدار اور نعمت والے ہونے کی وجہ سے حق گزاری کی رسم یہ ہے، کہ لوگوں کو اپنے مال سے بہرہ مند کرو، یہ نہیں کہ ان کے حقوق میں سے بھی لے لو۔

(اور) غور سے سن لو، کہ (مجھے واقعی ڈر لگتا ہے تم پر گھیر اڈالنے والے دن کے عذاب کا) یعنی روزِ قیامت کے عذاب کا جو تمہیں ایسا گھیر لے گا، کہ تم میں سے کسی کی بھی رہائی نہ ہو سکے گی۔

گھیرنے والا تو عذاب ہے، لیکن چونکہ یہ قیامت کے دن واقع ہوگا، اس لیے روزِ قیامت کو **یَوۡمٍ مُّحِيۡطٍ** مجازاً کہہ دیا گیا ہے۔۔یا۔۔عذاب سے عذابِ ہلاکت مراد ہے ۔۔الغرض۔۔آپ نے ہدایت فرمائی۔۔۔

وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ

اور اے قوم پورا رکھو ناپ اور تول کو انصاف سے اور نہ کم دیا کرو لوگوں کو

اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾

ان کی چیزیں، اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے ●

(اور) صاف لفظوں میں فرمادیا، کہ (اے قوم! پورا رکھو ناپ اور تول کو انصاف سے) یعنی عدل اور درستگی کے ساتھ۔

پہلے ناپ تول میں کمی کرنے کی ممانعت فرمائی، پھر اُسے پورا کرنے کا حکم دیا۔اس سے نہایت مبالغہ اور تاکید مقصود ہے۔ یہ لوگ ناپ وتول میں تو خیانت کرتے ہی تھے، ساتھ ہی ساتھ ان کی یہ عادت بھی تھی، کہ جو کچھ خرید کرتے اس کی پوری قیمت نہیں ادا کرتے تھے، بلکہ اس میں سے بھی کچھ کاٹ لیتے تھے اور دینار و درم کی کگر بھی کاٹ لیتے تھے، یعنی اس میں بھی کٹنگ کر دیتے تھے، اس لیے ان سے فرمایا گیا۔۔۔

(اور) کہا گیا، کہ (نہ کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ پھرو) خود اپنے شہر کی (زمین میں

فساد مچاتے)، یعنی اپنے شہر کے حالات کو خود اپنے ہاتھوں برباد نہ کرو، اور اپنے ہی لوگوں پر جو ظلم کر رہے ہو اس سے باز آجاؤ۔ یادرکھو، کہ۔۔۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾

اللہ کی دین سے جو بچ رہا تمہارے لئے بہتر ہے، اگر مانو۔۔۔ اور نہیں ہوں میں تم پر پہرا دینے والا●

(اللہ) تعالیٰ (کی دین) اور اس کے فضل وکرم (سے جو بچ رہا، تمہارے لیے بہتر ہے) یعنی ترکِ حرام کے بعد جو مالِ حلال تمہارے پاس بچ رہے، وہ بہتر ہے تمہارے لیے اس مال سے، جو خیانت کر کے جمع کرتے ہو (اگر مانو) اور میری بات کو باور کرو۔ (اور) یادرکھو، کہ (نہیں ہوں میں تم پر پہرا دینے والا) کہ تمہیں بری باتوں سے باز رکھوں۔۔یا۔عذاب سے تمہاری محافظت کروں۔۔ بلکہ ۔۔میں رسول ہوں پیغام پہنچانے والا اور نصیحت کرنے والا۔ میرے ذمہ فقط پہنچادینا ہے بس۔

انبیاءِ کرام میں کچھ تو وہ تھے جنہیں جہاد کا حکم تھا، جیسے حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام اور بعض وہ تھے جنہیں لڑنے کا حکم نہیں تھا۔ انہیں میں سے حضرت شعیب تھے جنہیں جنگ کرنے کی اجازت نہیں تھی، تو وہ دن بھر قوم کو نصیحت کرتے اور رات بھر نماز پڑھتے۔ ان حالات کے پیشِ نظر حضرت شعیب علیہ السلام کا ارشاد سننے کے بعد ان کی قوم کے۔۔۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ

سب بولے "اے شعیب کیا تمہاری نماز تم کو حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں جس کو معبود بنائے تھے ہمارے باپ دادے،

اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

یا اس کو کہ ہم کیا کریں اپنے مال میں جو چاہیں۔ بجا ہے تمہیں، بڑے آل اندیش معاملہ دار ہو"●

(سب) مخاطب لوگ (بولے، اَے شعیب! کیا تمہاری نماز تم کو حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں جس کو معبود بنائے تھے ہمارے باپ دادے)۔

اس مقام میں نماز سے مراد 'دین' ہوسکتا ہے، چونکہ نماز دین کے اظہار کا واضح ذریعہ ہے۔ اور حضرت شعیب کی رات پوری کی پوری اکثر وبیشتر نماز ہی میں گزرتی تھی، تو یہ خود ان کی اور ان کے دین کی شناخت ہوگئی تھی۔ تو اب کفار کے کلام کا حاصل یہ ہوا، کہ کیا یہی

آپ کے دین کی ہدایت ہے جو آپ ہمیں کر رہے ہیں، کہ ہم اپنے باپ دادوں کے خودساختہ معبودوں کی پرستش چھوڑ دیں۔

(یا اس) عمل (کو) بھی ترک کر دیں، (کہ ہم کیا کریں اپنے مال میں جو چاہیں) یعنی ہم اپنے مالوں کو اپنی خواہش کے مطابق صرف کرنا چھوڑ دیں۔ پھر وہ لوگ طنزاً بولے، کہ اس طرح کی ہدایت دینا (بجا ہے تمہیں)، کیونکہ تم (بڑے مآل اندیش) اور (معاملہ دار ہو)۔

یہ ساری گفتگو یا تو تمسخر کے طور پر ہے۔۔یا۔۔وہ کہنا چاہتے ہوں، کہ اَے شعیب! علیہ السلام باوصف اس بات کے، کہ تم حلم اور رُشد کے ساتھ موسوم اور موصوف ہو، پھر ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ بالا ارشاد میں نماز سے مراد یہی معروف ومتعارف نماز ہو، اور کفار طنزاً یہ کہنا چاہتے ہوں، کہ اے شعیب! علیہ السلام کثرت نماز کے باوجود آپ کی سمجھ میں کوئی اچھی بات نہ آسکی اور آپ ناسمجھی کی گفتگو کرنے لگے، اور ہمارے باپ دادوں کی راہ سے ہمیں ہٹانے لگے۔۔الختصر۔۔اپنی نماز سے آپ کوئی معقول اور قرینے کی بات نہ سیکھ سکے۔

یہ بھی ایک توجیہہ کی گئی ہے، کہ قوم مدین نے حضرت شعیب کو جب بکثرت نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو انہوں نے پوچھا کہ یہ نماز آپ کو کیا فائدہ دیتی ہے، تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ یہ نماز اچھائیوں کا حکم دیتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے۔ اس کلام میں کوئی مضائقہ بھی نہیں، اس لیے کہ قرآن کریم نے مجازاً نماز کو 'ناہی' قرار ہی دیا ہے، تو وہ مجازاً 'آمر' بھی ہوسکتی ہے۔ لیکن قوم مدین کو نماز کا 'آمر وناہی' ہونا مضحکہ خیز معلوم ہوا، تو انہوں نے استہزاءً کہا، کہ تو کیا تمہاری نماز نے تم کو مذکورہ بالا حکم دیا ہے؟ اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا

جواب دیا کہ "اے میری قوم بھلا تمہیں بتاؤ میرا کام، اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے پروردگار کی طرف سے، اور اس نے دی مجھے اپنے کرم

حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ

سے اچھی روزی۔ اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ خود خلاف چلوں اسطرف جس سے تم کو روکتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا مگر درستی کو

مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

جو ہوسکے۔ اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ سے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں●

(جواب دیا، کہ اے میری قوم! بھلا تمہیں بتاؤ میرا کام، اگر میں روشن دلیل پر ہوں اپنے پروردگار کی طرف سے) اور میرے پروردگار نے مجھے بصیرت، دلیل اور حجت سے سرفراز فرمایا ہے (اور اس نے دی مجھے اپنے کرم سے اچھی روزی) یعنی نبوت و رسالت ۔۔یا۔۔ مالِ حلال بے خیانت اور بے کم تولے ناپے ۔۔یا۔۔ کمال اور تکمیل کی دولت مجھے عطا کی اور روحانی اور جسمانی سعادت دی، تو کیا روا ہوگا، کہ میں اس کی وحی میں خیانت کروں۔

(اور) اچھی طرح سے سن لو! (میں نہیں چاہتا ہوں کہ خود خلاف چلوں اس طرف جس سے تم کو روکتا ہوں) اور (میں نہیں چاہتا مگر درستی) لانے (کو) تمہارے کاموں میں، (جو) اور جس قدر مجھ سے (ہو سکے۔ اور نہیں ہے میری توفیق) تمہارے امور کی اصلاح میں ۔۔یا۔۔ صواب اور صلاح کی منزل پر پہنچ جانے میں، (مگر اللہ) تعالیٰ کی ہدایت اور اعانت (سے)۔ اسی لیے (اسی پر میں نے بھروسہ کیا) ہے۔ کیونکہ وہ سب چیزوں پر قادر ہے اور اس کے سوا سب عاجز ہیں، (اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں) یعنی اس کی طرف پھرتا ہوں ہر چیز میں جب نیت کرتا ہوں۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ

اور اے میری قوم نہ ابھارے تم کو میری دشمنی، کہ مصیبت آپڑے تم تک، جس طرح مصیبت پڑی

قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۸۹

قوم نوح، یا قوم ہود، یا قوم صالح پر، اور قوم لوط تم سے دور نہیں ہیں ●

(اور اے میری قوم! نہ ابھارے تم کو میری دشمنی) اس پر کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور بت پرستی اور ناپ تول میں کمی کرنے اور توبہ واستغفار کے ترک کرنے پر جمے رہو اور ڈٹے رہو، یہاں تک (کہ مصیبت آپڑے تم تک، جس طرح مصیبت پڑی قوم نوح) پر جو طوفان میں غرق کردی گئی، (یا قوم ہود) پر جو زبردست آندھی کے عذاب کا شکار ہوئی، (یا قوم صالح پر) جو چنگھاڑ اور زلزلہ کے عذاب میں گرفتار ہوئی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے اوپر ان کی زمین پلٹ دی گئی، (اور قوم لوط) کے لوگ تو (تم سے) زیادہ (دور نہیں ہیں)۔

کیونکہ لوط علیہ السلام کی بستی مدین کے قریب تھی، تو اُسے قربِ مکانی بھی حاصل تھا ۔۔یونہی ۔۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے زمانہ میں لوگوں کو معلوم تھا، کہ کچھ عرصہ پہلے حضرت لوط علیہ السلام

کی قوم کو ہلاک کر دیا گیا تھا، تو اس طور پر انہیں قربِ زمانی بھی حاصل تھا۔ ہر صورت میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب آنے کا واقعہ ان سے مخفی نہیں تھا، اس لیے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا، تم ان حالات سے عبرت پکڑو اور سبق سیکھو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول 'علیہ السلام' کی مخالفت سے گریز کرو، ورنہ تم پر بھی پچھلی قوموں کی طرح عذاب آجائے گا، تو سمجھ سے کام لو۔۔۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

اور معافی مانگو اپنے پروردگار سے، پھر جھک پڑو اس کی طرف۔ بے شک میرا پروردگار بخشنے والا پیار فرمانے والا ہے"●

(اور معافی مانگو اپنے پروردگار سے) یعنی پہلے اپنے کفر، شرک اور ناپ تول میں کمی اور دیگر گناہوں پر نادم ہو کر ان کو ترک کرو، (پھر جھک پڑو اس کی طرف) یعنی آئندہ ان کو نہ کرنے کا عہدِ صمیم کرو، پھر اپنے سابقہ کفر اور معاصی کی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہارے سابقہ کفر اور معاصی کو معاف فرمادے گا۔ کیونکہ (بے شک میرا پروردگار بخشنے والا) ہے مغفرت چاہنے والوں کو اور (پیار فرمانے والا ہے) توبہ کرنے والوں کو۔ یعنی وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے اور نیک اُسے دوست رکھتے ہیں۔

اور حقیقت میں ان کی دوستی اُسی کی دوستی کی شاخ ہے۔ اس واسطے، کہ جب تحقیق سے دیکھیں، تو اصل حسن اور احسان جو محبت کا سبب ہوتا ہے، اس کے غیر کو ثابت نہیں، تو وہ آپ اپنے تئیں دوست رکھتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا خطاب سن کر۔۔۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ

سب بولے" کہ اے شعیب ہم سمجھتے ہی نہیں بہت سی تمہاری کہی باتوں کو، اور واقعہ یہ ہے، کہ ہم تم کو اپنے میں دیکھ رہے ہیں کمزور۔

وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا، تو ہم نے تم پر پتھراؤ کر دیا ہوتا۔ اور تم ہمارے طور پر عزت والے نہیں ہو"●

(سب بولے، کہ اے شعیب! ہم سمجھتے ہی نہیں بہت سی تمہاری کہی باتوں کو)۔۔۔ مثلاً: توحید کا واجب ہونا، ناپ تول میں کمی حرام ہونا، یعنی یہ باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ اور یہ نہ سمجھنا ان کے قصورِ عقل اور حضرت شعیب علیہ السلام کے کلام پر غور وفکر نہ کرنے کے سبب سے تھا۔۔۔ یا۔۔۔ از راہِ عناد

وہ ایسا کہتے تھے، ورنہ شعیب علیہ السلام کا کلام کیوں نہ سمجھتے، جو خطیب الانبیاء تھے اور خطاب فرمانے میں معجزانہ شان رکھتے تھے۔ چونکہ وہ کفار حضرت شعیب علیہ السلام کی باتوں کا معقول جواب دینے سے عاجز تھے، تو عاجز آکر ان کو برا بھلا کہنے اور ڈرانے اور دھمکانے پر اتر آئے۔

۔۔چنانچہ۔۔کہنے (اور) بولنے لگے، کہ (واقعہ یہ ہے کہ ہم تم کو اپنے میں دیکھ رہے ہیں کمزور) یعنی بے زور، کہ اگر ہم کو تم دفع کرنا چاہو بھی تو نہیں کر سکتے۔۔یا۔۔ضعیف نگاہ، یعنی تمہاری بینائی کمزور ہے۔اے شعیب علیہ السلام سن لو! (اور) یقین جان لو! کہ (اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا) جو ہمارے دین پر ہے اور ہم اُسے عزیز رکھتے ہیں، (تو) اب تک (ہم نے تم پر پتھراؤ کر دیا ہوتا) اور تم سنگسار ہو چکے ہوتے۔

اور سن لو، کہ یہ جو ہم نے تمہارے خاندان کا خیال کر کے صلہ رحمی کی ہے اور تمہیں سنگسار نہیں کیا ہے، تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے، کہ تم ہمارے نزدیک بہت بزرگ اور عزت والے ہو۔تو اچھی طرح سے سن لو! (اور) جان لو، کہ (تم ہمارے طور پر عزت والے نہیں ہو)۔تمہیں جو کچھ رعایت دی جارہی ہے، وہ تمہارے قبیلے کی وجہ سے دی جارہی ہے۔اس پر حضرت شعیب علیہ السلام نے۔۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ

جواب دیا کہ "اے میری قوم، کیا میرا قبیلہ زیادہ عزت دار ہے تمہارے طور پر اللہ سے، کہ تم لوگوں نے اس کو پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔

اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

بیشک میرا پروردگار تمہارے سب کیے کو گھیرے ہے●

(جواب دیا، کہ اَے میری قوم! کیا میرا قبیلہ زیادہ عزت دار ہے تمہارے طور پر اللہ) تعالیٰ (سے، کہ تم لوگوں نے اس) کے حکم (کو پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے)، یعنی حکم الٰہی کا کچھ پاس ولحاظ نہیں کرتے اور اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔اے میری قوم کے لوگو! تم کس خام خیالی میں ہو؟ یاد رکھو! کہ (بے شک میرا پروردگار تمہارے سب کیے) اور سارے کرتوتوں (کو گھیرے ہے)، یعنی ان سب سے آگاہ ہے۔کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، اور وہ اسی حساب سے جزا دے گا۔

وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ

اور اے میری قوم تم اپنی جگہ اپنا کام کرو، اور میں اپنا کام کروں۔جلد ہی جان لوگے کہ کس پر آتا ہے

عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

عذاب جواس کو رسوا کردے، اور کون جھوٹا ہے اور تم لوگ انتظار کرو، اور لاریب تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں●

(اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ اپنا کام کرو) یعنی حسبِ عادت اپنے کفر اور ظلم پر کار بند رہو، (اور میں اپنا کام کروں)۔ یعنی تم کو ان کاموں سے حسبِ سابق منع کرتا رہوں۔ تم (جلد ہی جان لو گے، کہ کس پر آتا ہے عذاب) اور وہ بھی ایسا عذاب، (جو اس کو رُسوا کردے، اور کون جھوٹا ہے)۔ میں نے تم کو جس عذاب کے آنے کی خبر دی ہے (اور) آگاہ کیا ہے، اس کا (تم لوگ انتظار کرو اور لاریب تمہارے ساتھ میں بھی منتظر ہوں) اُسے حسبِ وعدۂ الٰہی آنا ہی ہے، اور وہ آکے رہے گا۔۔ الغرض۔۔ جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا، کہ میں حق پر ہوں۔۔ یا۔۔ تم۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا

اور جب آگیا ہمارا قہر مانی حکم، بچالیا ہم نے شعیب کو اور جو مان چکے تھے ان کے ساتھ، اپنی رحمت سے۔

وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

اور پکڑ لیا ان کو جو اندھیر مچا چکے تھے چنگھاڑ نے، تو ہو گئے اپنے گھروں میں گھٹنوں پر جھکے پڑے●

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ ع ۸/۱۲/۸

گویا رہے ہی نہ تھے اس میں۔ خبردار! دور ہوں مدین، جیسے دور ہوئے ثمود●

(اور جب آگیا ہمارا قہر مانی حکم)، تو (بچالیا ہم نے شعیب کو اور) ان کو (جو مان چکے تھے ان کے ساتھ) اپنے فضل اور (اپنی رحمت سے۔ اور پکڑ لیا ان کو جو اندھیر مچا چکے تھے چنگھاڑ نے)، یعنی حضرت جبرائیل کی آواز نے، کہ انہوں نے کہا تم سب مرجاؤ، (تو ہو گئے اپنے گھروں میں گھٹنوں پر جھکے پڑے۔ گویا رہے ہی نہ تھے اس میں) اور بسے ہی نہ تھے ان شہروں میں۔

۔۔ الختصر۔۔ جب حضرت جبرائیل نے وہ گرجدار چیخ ماری، تو ان میں سے ہر ایک کی روح اسی وقت نکل گئی اور ان میں سے ہر شخص اسی وقت اور اسی حال میں مرگیا، اور یوں لگتا تھا جیسے ان مکانوں میں کبھی کوئی شخص رہا ہی نہ تھا۔

پھر فرمایا (خبردار) ہو اور آگاہ ہو جاؤ، کہ (دور ہوں مدین، جیسے دور ہوئے ثمود) یعنی مدین پر دھتکار ہو، جیسے قوم ثمود پر پھٹکار تھی۔ یعنی جس طرح وہ رحمت سے مطلقاً دور کردیے گئے، اسی طرح

ان کو بھی رحمت سے مطلقاً دور کر دیا گیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾

اور تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن سند کے ساتھ●

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان فرمائے ہیں ان میں سے یہ ساتواں اور آخری قصہ ہے۔۔ چنانچہ۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں) یعنی ان آیتوں کے ساتھ، جو آپ کی نبوت کے صحیح ہونے کی نشانیاں تھیں (اور روشن سند کے ساتھ) یعنی غالب اور واضح معجزہ کے ساتھ، کہ وہ عصا تھا۔

عصا کو خاص کر اکیلا ذکر کرنا اس واسطے ہے، کہ وہ کھلا ہوا معجزہ تھا۔۔۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، تو سب نے پیروی کی فرعون کے حکم کی، اور فرعون کا کاروبار ٹھیک نہ تھا●

(فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، تو سب نے پیروی کی فرعون کے حکم کی) موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے میں، حالانکہ سچی (اور) صحیح بات تو یہ تھی، کہ (فرعون کا کاروبار ٹھیک نہ تھا)۔ یعنی اس کے خیالات اور اس کے مطابق اس کے احکام دُرست نہ تھے۔ اور جب دُنیا میں اس کی جمعیت نے اس کی متابعت کی، تو قیامت کے دن بھی اس کے لوگ اُسی کے تابع رہیں گے۔۔ چنانچہ۔۔ فرعون۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

آگے آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن، پھر جھونک دیا ان سب کو آگ میں۔ اور وہ بہت بُرا اترنے کا گھاٹ ہے●

(آگے آگے ہوگا اپنی قوم کے قیامت کے دن، پھر) لے گیا اور (جھونک دیا ان سب کو آگ میں اور وہ بہت بُرا اُترنے کا گھاٹ ہے) اس لیے کہ مورد وہ جگہ ہے جہاں پانی پیتے ہیں کلیجے کو ٹھنڈک پہنچنے کے واسطے اور پیاس بجھنے کے لیے، اور دوزخ مورد ہے اس کے خلاف، کہ وہاں پانی پینے سے کلیجا جلے گا اور پیاس زیادہ ہوگی۔

وَ اُتۡبِعُوۡا فِیۡ هٰذِهٖ لَعۡنَةً وَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ بِئۡسَ الرِّفۡدُ الۡمَرۡفُوۡدُ ﴿۹۹﴾

اور پیچھے لگادی گئی ان کے اس دنیا میں لعنت، اور قیامت کے دن، بری جزا ہے جو دی گئی●

(اور پیچھے لگادی گئی ان کے اس دُنیا میں لعنت) یعنی فرعون اور فرعونیوں کے پیچھے اس جہاں میں لعنت و پھٹکار لگادی گئی ہے۔ (اور) یہی لعنت (قیامت کے دن) بھی ان کے پیچھے لگی ہوگی۔ بے شک (بری جزا ہے جو دی گئی) یعنی دونوں جہاں کی لعنتیں۔ کتنی بری جزا ہے، جو ان کو دی گئی ان کے کرتوتوں کے نتیجے میں۔ اے محبوب!۔۔۔

ذٰلِكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيۡكَ مِنۡهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيۡدٌ ﴿۱۰۰﴾

یہ ہیں آبادیوں کی خبریں جو ہم ظاہر کررہے ہیں تم پر۔ اُن میں بعض نشان رکھنے والی ہیں اور بعض کٹی کھیتی ہیں●

(یہ ہیں) غارت ہوئی اور تباہ کردی گئی (آبادیوں کی خبریں جو ہم ظاہر کررہے ہیں تم پر۔ ان میں بعض نشان رکھنے والی ہیں) سوکھے کھڑے کھیت کی طرح، (اور بعض کٹی کھیتی) کی طرح (ہیں)، یعنی خراب ومفقود ہیں۔

بعضوں نے کہا قَآئِمٌ وہ ہے جس کا اثر دکھائی دیتا ہے، جیسے عاد وثمود کا شہر۔ اور حَصِيۡدٌ وہ ہے جس کا نشان باقی نہ ہو، جیسے قوم نوح کے شہر۔ اے محبوب!۔۔۔

وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰـكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَمَاۤ اَغۡنَتۡ عَنۡهُمۡ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِىۡ

اور ہم نے ظلم نہیں کیا ان کا، لیکن انھوں نے خود اپنا ظلم کیا۔ تو کام نہ آئے انکے، ان کے سارے معبود،

يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمۡرُ رَبِّكَ ؕ

جن کو پکارتے تھے اللہ کو چھوڑ کر کچھ بھی، جب آگیا تمہارے پروردگار کا حکم عذاب۔

وَمَا زَادُوۡهُمۡ غَيۡرَ تَتۡبِيۡبٍ ﴿۱۰۱﴾

اور نہ بڑھی انھیں اُن کی ہلاکت کے سوا●

صحیح (اور) درست بات یہی ہے، کہ (ہم نے) ان کافروں کو دُنیا میں ہلاک کر کے اور آخرت میں عذاب میں مبتلا کر کے (ظلم نہیں کیا ان کا، لیکن) انہوں نے کفر اور معصیت کر کے خود اپنے آپ کو اس ہلاکت اور عذاب کا مستحق بنایا۔۔ الغرض۔۔ (انہوں نے خود اپنا ظلم کیا)۔۔ القصہ۔۔

اپنے نفسوں پران کاظلم کرنا، یہ ان کا اپنا اختیار کیا ہوا عمل ہے، اس لیے کہ جوظلم ان کی شناخت اوران کی صفت ہے، وہ خودان کا اپنا کمایا ہوا مال ہے۔۔لہٰذا۔۔اس کی جزاء انہیں کو ملنے والی ہے۔ایسی صورت میں کوئی بھی ان کا حامی وناصر نہ ہوگا۔

۔۔چنانچہ۔۔جب ان پر عذاب نازل فرمایا گیا، (تو کام نہ آئے ان کے، ان کے سارے معبود، جن کو) مستحق عبادت سمجھ کر (پکارتے تھے) معبودِ برحق (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر)۔۔الغرض۔۔ وہ سارے معبودانِ باطل (کچھ بھی) کام نہ آئے (جب آ گیا تمہارے پروردگار کا حکم عذاب)، تو عذاب نازل ہو کے رہا۔ (اور نہ بڑھی انہیں اُن کی ہلاکت کے سوا) یعنی ان کے حق میں زیاں کاری اور ہلاکت ہی کا اضافہ ہوا۔۔المختصر۔۔اپنے معبودوں کی طرف سے انہیں کوئی فائدہ حاصل نہ ہوسکا۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی، کہ پچھلی اقوام نے جب اپنے رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کی تو ان پر ایسا ہمہ گیر عذاب آیا، جس نے ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔اور یہ بیان فرمایا، کہ چونکہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اس لیے ان پر دُنیا میں ہلاکت آفریں عذاب آیا، تو اب یہ فرمایا کہ یہ عذاب صرف ان قوموں کے ساتھ خاص نہیں ہے، جن کا ذکر کیا گیا ۔۔بلکہ۔۔جو قوم بھی اس طرح کا ظلم کرتی ہے اس پر ایسا عذاب آتا ہے۔تو جس طرح پہلوں کی گرفت۔۔۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ

اوراسی طرح ہے تمہارے پروردگار کی پکڑ، جب پکڑا آبادیوں کو کہ وہ اندھیر نگری ہیں۔

اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

بیشک اس کی پکڑ سخت دکھ والی ہے●

(اور) ان کی پکڑ کی گئی، (اسی طرح ہے تمہارے پروردگار کی پکڑ جب پکڑا آبادیوں) یعنی دیہات والوں (کو، کہ وہ اندھیر نگری ہیں) یعنی وہاں بسنے والے ظالم ہیں۔ (بے شک اس کی پکڑ سخت دکھ) دینے (والی ہے) اوراس کی پکڑ سے خلاصی کی صورت اور رہائی کی راہ نہیں۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ

بیشک اس میں سبق ہے اسے جو ڈر گیا آخرت کے عذاب کو۔یہ دن ہے جس میں

لَهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿۱۰۳﴾

سب لوگ اکٹھے کیے گئے، اور یہ دن حاضری کا ہے●

(بے شک اس میں) یعنی جن قصوں کو ہم نے بیان کیا ہے، ان میں سے ہر ہر قصہ میں (سبق ہے اُسے جو ڈر گیا آخرت کے عذاب کو)۔ آخرت کا (یہ دن) وہ دن (ہے، جس میں سب لوگ اکٹھا کیے گئے) یعنی تمام مخلوق کو اس دن جمع کریں گے (اور یہ دن) اہل زمین اور اہل آسمان کی (حاضری کا ہے)۔۔الحتصر۔۔اس دن سب کو ایک ساتھ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾

اور ہم نہیں مہلت دیتے اس میں، مگر گنتی کی مدت کیلئے●

(اور ہم نہیں مہلت دیتے اس میں) یعنی نہیں پیچھے ہٹاتے ہیں ہم اس دن کو، (مگر گنتی کی مدت کے لیے) یعنی شمار کی ہوئی مدت گزر جانے کے واسطے۔۔الحاصل۔۔ جب تک وہ مدت نہ ہو جائے قیامت قائم نہ ہوگی۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

وہ جس دن آئے گا، تو کوئی بول نہ سکے گا، مگر اسکے حکم سے، تو ان میں کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہیں●

(وہ) روزِ مشہود (جس دن آئے گا، تو کوئی بول نہ سکے گا) ایسی بات جو اس کے لیے مفید ہو (مگر اس کے حکم سے)۔اور یہ حال 'موقفِ خاص' میں ہوگا۔ جو ایک ایسا موقف ہوگا، کہ اس میں بات کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔۔چنانچہ۔۔اس دن نہ بولیں گے اور نہ ہی اِذن دیا جائے گا ان کو، کہ وہ عذر پیش کر سکیں۔ (تو ان) اہل موقف (میں) سے (کچھ بد بخت) ہیں وعید کے موافق جن کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا، (اور کچھ نیک بخت ہیں) وعدہ کے مطابق بہشت ان کی جگہ ہوگی۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے، کہ سعادت کی پانچ نشانیاں ہیں: ﴿۱﴾۔ دل کی نرمی، ﴿۲﴾۔رونا بہت، ﴿۳﴾۔دُنیا سے نفرت، ﴿۴﴾۔آرزو تھوڑی، ﴿۵﴾۔شرمناک ہونا۔اور شقاوت کی بھی پانچ نشانیاں ہیں: ﴿۱﴾۔دِل کی سختی، ﴿۲﴾۔آنکھوں کی خشکی، ﴿۳﴾۔دُنیا کی رغبت، ﴿۴﴾۔آرزو بڑی، ﴿۵﴾۔بے شرمی و بے حیائی۔

یہ بھی بعض کاملین کا ارشاد ہے، کہ حق تعالیٰ نے اس سورت میں دو بڑے کام بیان کیے ہیں: ایک 'سیاستِ جباری' اور 'سطوتِ قہاری' جو زمانہء کفار کا زور وشور لے گئی۔ اور دوسرے 'حکم ازلی' جو خلق کی سعادت وشقاوت کے باب میں نازل ہوا۔ اور حضرت رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﷺ نے اس خبر کی ہیبت اور اس حکم کی سطوت سے یہ فرمایا، کہ 'سورۂ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا'۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ﴿۱۰۶﴾

تو جنھوں نے بدبختی کی، وہ آگ میں پڑے، ان کا اس میں گدھے کی آواز کا چڑھاؤ اتار ہے●

(تو) وہ لوگ (جنہوں نے بدبختی کی، وہ) جہنم کی (آگ میں پڑے، ان کا اس میں گدھے کی آواز کا چڑھاؤ اتار ہے) وہ بدبخت اسی بری آواز کے ساتھ۔۔۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ

ہمیشہ رہنے والے اس میں، جب تک ہیں سارے آسمان اور زمین، مگر جس قدر چاہا تمہارے پروردگار نے۔

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۰۷﴾

بیشک تمہارا پالنہار کر گزرتا ہے جو چاہے●

(ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اس) دوزخ (میں، جب تک ہیں سارے آسمان اور زمین)۔

یہ ارشاد عرب کے عرف اور ان کے محاورے کے لحاظ سے ہے، جس سے صرف یہ ظاہر کرنا مطلوب ہے، کہ وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہیں گے۔۔لہٰذا۔۔اہل نار کا دوام آسمان اور زمین کے دوام کے ساتھ متعلق نہ ہوگا۔ اس واسطے، کہ اہل نار کے دوام کا ابد تک رہنے اور زمین وآسمان کے دوام کا منقطع ہو جانے پر دلالت کرنے والی نصیں وارد ہیں۔ تو یہ اعتقاد کرنا چاہیے، کہ کفار اشقیاء ہمیشہ آگ میں رہیں گے۔

(مگر جس قدر چاہا تمہارے پروردگار نے) کہ انہیں 'عذابِ آتش' سے نکال کر 'عذاب زمہریر' میں مبتلا کرے۔۔یا۔۔'عذابِ آتش' کے سوا کسی اور عذاب میں ڈال دے۔

اس لیے کہ دوزخ میں طرح طرح کے عذاب اور عقوبتیں ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے، کہ آگ سے عذاب کریں۔ تو ہمیشہ 'عذابِ آتش' میں رہنے سے استثناء، دوزخ میں ہمیشہ رہنے سے استثناء نہیں۔

(بے شک تمہارا پالنہار کر گزرتا ہے جو چاہے) تو عذاب کرنے کے اقسام میں سے جس پر جس قسم کا عذاب نازل فرمانا چاہتا ہے، نازل فرماتا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ

اور جو نیک بخت کئے گئے وہ جنت میں ہیں، اس میں ہمیشہ رہنے والے، جب تک کہ سارے آسمان

وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

اور زمین ہیں، مگر جتنا چاہا تمہارے پروردگار نے۔ عطا ہے انمٹ●

(اور) اس کے برعکس حال ہے ان کا (جو نیک بخت کیے گئے)، تو (وہ جنت میں ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے جب تک کہ سارے آسمان اور زمین ہیں)، یعنی جب تک آخرت کا آسمان اور اس کی زمین ہے۔

آخرت کا آسمان وزمین اِس دُنیا کے آسمان وزمین کے بدلے ہوں گے۔۔یا یہ۔۔کہ جب تک آسمان وزمین اپنے جواہر کی حیثیت سے، نہ کہ موجودہ صورت کی حیثیت سے، موجود ہیں۔۔یا یہ۔۔کہ آسمان اور زمین سے یہاں 'فوق وتحت' مراد ہے، اس لیے کہ عرب ہر اس چیز کو آسمان کہتے ہیں، جو سر کے اوپر ہو اور جو چیز پاؤں کے نیچے ہو اس کو زمین کہتے ہیں۔ تو اب حاصل ارشاد یہ ہوگا: کہ جب تک فوق اور تحت ہوگا، یہ لوگ جنت میں رہیں گے۔

(مگر جتنا چاہا تمہارے پروردگار نے)، یعنی مگر جو کچھ چاہے تیرا رب، کہ انہیں جنت کی نعمت سے اور کسی دولت پر پہنچائے، جو اس سے بھی زیادہ ہو۔

کہ وہ دیدار کا رتبہ ہے۔۔یا۔۔حق تعالیٰ کی رضامندی کا مرتبہ، کہ اس کی حقیقت کوئی نہیں جانتا، مگر حضرتِ حق تعالیٰ جو سارے معلومات کا عالم ہے۔ 'پس نہیں جانتا کوئی کہ کیا چھپایا گیا ہے واسطے ان کے آنکھوں کی ٹھنڈک سے'۔ بعض کے نزدیک اولیٰ یہ ہے، کہ اس استثناء کو ان اہل جنت پر محمول کیا جائے، جو کچھ عرصہ دوزخ میں رہیں گے، پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ اور اب اس آیت کا معنی اس طرح ہوگا:

کہ نیک بخت لوگ ہمیشہ جنت میں رہیں گے، سوا اس وقت کے جب وہ دوزخ میں تھے، پھر ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔

مذکورہ بالا دونوں مقامات سے متعلق ایک توجیہ کی روشنی میں پورے ارشاد کا حاصل یہ

ہوتا ہے، کہ کافر شقی جہنم میں اور مومن سعید جنت میں آسمان وزمین کی اس دُنیا میں رہنے کی مدت تک تو رہیں گے ہی۔۔مزید براں۔۔رب عزیز وجلیل اس مدت میں حسب مشیت زیادتی فرمائے گا اور اس 'مدتِ زائدہ' کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اس کلام سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے، کہ دونوں ہی اپنے اپنے مقام پر ہمیشہ ہمیش ہی کے لیے رہیں گے۔ نہ تو کافر شقی کو جہنم سے رہائی ملے گی، اور نہ ہی مومن سعید کو جنت سے باہر کیا جائے گا۔

یہ توجیہہ ظاہر ارشاد سے بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے اور بہت سارے تکلفات کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ اور سب سے آخری بات تو یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، کہ اپنے اس کلام بلاغت نظام سے اس کی اپنی مراد کیا ہے۔ رہ گیا ہمارا معاملہ: تو ہم کسی بھی ایسی توجیہہ کو قبول کرسکتے ہیں، جو کسی بھی 'نص' سے متصادم نہ ہو، اور اس کو قبول کرلینا کسی 'نص' کے انکار کو مستلزم نہ ہو۔ اب آگے یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ اہل جنت پر جو نوازش اور ان پر جو بخشش ہوگی۔۔۔

وہ (عطاہے انمٹ) جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔۔ چنانچہ۔۔ایک منادی ندا کرے گا، کہ اے جنت والو! تم ہمیشہ تندرست رہوگے اور کبھی بیمار نہ ہوگے، اور تم ہمیشہ زندہ رہوگے اور تمہیں کبھی موت نہیں آئے گی، اور تم ہمیشہ جوان رہوگے تم کبھی بوڑھے نہ ہوگے، اور تم ہمیشہ نعمتوں میں رہوگے تم پر کبھی مصیبت نہ آئے گی۔

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ

پس تم کسی دھوکے میں نہ آؤ اس سے جس کو یہ لوگ معبود مانیں۔ یہ سب معبود نہیں بناتے مگر جس طرح معبود بناتے رہے ان کے

اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع ۹

باپ دادا پہلے سے، اور بے شک ہم ضرور انہیں پوری طرح ان کی قسمت کا حصہ دیں گے بے گھٹائے ●

حق تعالیٰ نے پہلے سابقہ قوموں کے بت پرستوں کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے، پھر اس کے بعد بدبختوں اور نیک بختوں کے اُخروی انجام کا ذکر فرمایا اور اس کے بعد اب نبی ﷺ کی قوم کی طرف سلسلہء کلام کو متوجہ فرمایا۔ اس آیت میں بظاہر رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہے، لیکن مراد عام مخاطب ہے، کیونکہ بت پرستوں کی عبادت کے باطل ہونے کے متعلق نبی ﷺ کا شک کرنا، تو کسی طرح متصور ہی نہیں۔

(پس) اَے مخاطب! (تم کسی دھوکے میں نہ آؤ اس سے جس کو یہ لوگ معبود مانیں)، بلکہ یقینی سمجھو کہ یہ پرستش گمراہی ہے جو آخر انہیں ہلاک کرے گی، جیسے اگلی امتوں کا کفران کے ہلاک اور ان پر عذاب ہونے کا سبب ہوا۔۔۔ الغرض۔۔۔(یہ سب معبود نہیں بناتے مگر جس طرح) باطل طور پر (معبود بناتے رہے ان کے باپ دادا پہلے سے)۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ان کے پاس ان کی پرستش پر کوئی دلیل نہیں ہے، وہ صرف اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کرتے ہیں۔ (اور) یہ بت پرست کس خام خیالی میں ہیں: (بے شک ہم ضرور) ان کی بت پرستی کی سزا میں (انہیں پوری طرح) عذاب میں (ان کی قسمت کا حصہ دیں گے)، یعنی جو عذاب ان کے لیے مقدر ہے، وہ انہیں مل کے رہے گا (بے گھٹائے)، یعنی اس عذاب میں کسی طرح کی کمی نہ کی جائے گی۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا تھا، کہ کفارِ مکہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد ﷺ کی رسالت کے انکار پر اصرار کر رہے ہیں، اور قرآنِ کریم کی تکذیب پر اصرار کر رہے ہیں اور اب اس اگلی آیت میں یہ بیان فرمایا جا رہا ہے، کہ یہ کافروں کی نئی روش نہیں ہے، بلکہ ہمیشہ سے کفار کا انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہی معاملہ رہا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اور بیشک دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب، پھر اس میں جھگڑا نکالا گیا، اور اگر نہ ہوتی ایک بات پہلے سے تمہارے

مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۱۱۰

پروردگار کی طرف سے، تو ضرور ان کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور درحقیقت وہ لوگ تردد میں پڑے شک کرنے والے ہیں●

(اور) ارشاد فرمایا کہ (بے شک دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب، پھر اس میں جھگڑا نکالا گیا) اور اختلاف کیا گیا، یعنی بعض توریت پر ایمان لائے، بعض نہیں لائے۔ جیسے اَے محبوب! قرآن میں تمہاری قوم نے اختلاف کیا۔ تو سن لو (اور) یاد رکھو! کہ (اگر نہ ہوتی ایک بات پہلے سے تمہارے پروردگار کی طرف سے) یعنی اگر تمہارے پروردگار نے پہلے ہی سے یہ طے نہ فرما دیا ہوتا، کہ وہ ان کے عذاب میں تاخیر فرمائے گا، (تو ضرور ان کا فیصلہ کر دیا جاتا)، تاکہ باطل کرنے والے عذاب میں مبتلا ہو جاتے اور حق کرنے والے اس سے نجات پاتے۔ (اور) اَے محبوب! (درحقیقت وہ لوگ)

یعنی تیری قوم کے کافر (تردد میں پڑے شک کرنے والے ہیں)۔قرآن کریم کے تعلق سے ایسا شک، جوان کے جی کو مضطرب اور عقل کو پراگندہ کیے ہوئے ہے۔اے محبوب! سن لو۔۔۔

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱۱﴾

اور واقع میں سارے کے سارے، دیتے وقت ضرور پوری جزا دیگا انھیں تمہارا پروردگار انکے اعمال کا۔ بیشک اسے ان سب کے کرتوت کی خبر ہے●

(اور) سب کو آگاہ کردو، کہ (واقع میں) بلاشبہ (سارے کے سارے) اختلاف کرنے والوں کو (دیتے وقت ضرور پوری جزادے گا انہیں تمہارا پروردگار ان کے اعمال کا)۔یعنی بے شک آپ کا رب ان میں سے ہر ایک کو قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دے گا۔

اس کا معنی یہ ہے، کہ جس نے رسول کی تصدیق کی۔۔یا۔۔جس نے رسول کی تکذیب کی۔۔یا۔۔جس کو دُنیا میں جلدی سزا مل گئی۔۔یا۔۔جس کی سزا مؤخر کی گئی، وہ سب اس امر میں برابر ہیں، کہ ان کو پوری پوری جزا آخرت میں ملے گی۔مصدقین کو ان کے ایمان اور اطاعت پر ثواب ملے گا، اور مکذبین کو ان کے کفر اور معصیت پر عذاب ہوگا۔سو یہ آیت وعدہ اور وعید کی جامع ہے، پھر اس کی دلیل یہ بیان فرمائی، کہ۔۔۔

(بے شک اسے ان سب کے کرتوت کی خبر ہے) یعنی جو کچھ یہ کررہے ہیں، وہ ان کی خوب خبر رکھنے والا ہے۔اور جب وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے، تو اس کو ہر ایک کی اطاعت اور معصیت کا علم ہے۔اس لیے اس کو یہ علم ہے، کہ کون شخص کس جزا کا مستحق ہے۔اس لیے وہ کسی کا حق اور اس کی جزا کو ضائع نہیں ہونے دے گا اور وہ ہر شخص کو اس کے کاموں کی پوری پوری جزادے گا۔

فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ

تو مضبوط جم جاؤ جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے، اور جنہوں نے توبہ کرلی تمہارے ساتھ، اور تم لوگ سرکشی نہ کرو،

اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۲﴾

بے شک وہ جو کرو دیکھنے والا ہے●

(تو مضبوط جم جاؤ جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور) وہ لوگ بھی چاہیے کہ مستقیم رہیں۔۔یا۔۔تو حکم کردے، کہ مستقیم ہوجائیں (جنہوں نے توبہ کرلی) ہے اور (تمہارے ساتھ) اللہ کی طرف رجوع کرلیا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ استقامت یہ ہے کہ آدمی امرونہی پر مستقیم رہے۔ایک قول کے مطابق مستقیم وہ شخص ہے، جوراہِ حق سے نہ پھرے، تاکہ منزلِ وصال پر پہنچ جائے۔سمجھ داری کی بات یہ ہے کہ انسان استقامت کا طالب ہو، نہ کہ کرامت کا۔اس لیے کہ استقامت ہی سب سے بڑی کرامت ہے۔وہ چیز جس کے ہونے سے سب نیکیاں نیک ہوتی ہیں اور جس کے نہ ہونے سے سب برائیاں بری ہوتی ہیں، وہ استقامت ہے۔اے عزیز! جس کا قدم جمنے والا اور مضبوط نہیں، اُس کی محبت ضائع ہے۔عارفین کے نزدیک استقامت یہ ہے، کہ اپنے باطن کو ماسوئ اللہ سے محفوظ رکھے۔

(اور) اے لوگو! (تم لوگ سرکشی نہ کرو، بے شک وہ) حق تعالیٰ (جو کرو) گے اس کا (دیکھنے والا ہے)۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور نہ جھکو ان کی طرف، جو اندھیر مچا چکے، کہ چھولے تم کو آگ۔اور نہیں ہیں تمہارے کام کے یہ، اللہ سے الگ

مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۳

بنائے ہوئے حمایتی، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی●

(اور نہ جھکو ان کی طرف) یعنی ان لوگوں سے دلی میل جول نہ رکھو (جو اندھیر مچا چکے ہیں) اور ظلم کرتے رہے ہیں، (کہ چھولے تم کو آگ)۔یعنی اگر تم ظالموں کا ساتھ دوگے، تو تمہیں بھی دوزخ کی آگ لگ جائے گی۔۔المختصر۔ظالموں کے طریقے اور ان کی روش پر راضی نہ ہو، اور ان کے طریقے کی تحسین نہ کرو، اور اس کو خوبصورت نہ سمجھو، اور اس طریقے کے کسی ایک باب میں بھی شریک نہ ہو۔لیکن اگر کوئی شخص دفع ضرر یا وقتی منفعت کے حصول کے لیے ناپسندیدگی کے ساتھ ان کے طریقے میں داخل ہو، تو اسے رکون اور قلبی جھکاؤ نہیں قرار دیا جائے گا۔

(اور) یاد رکھو، کہ (نہیں ہیں تمہارے کام کے یہ اللہ) تعالیٰ (سے الگ بنائے ہوئے حمایتی) جو عذاب الٰہی سے تم کو باز رکھیں۔مبتلائے عذاب ہو جانے کے بعد (پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی) یعنی اللہ کے سوا تمہارے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔اور اس وقت صورتِ حال یہ ہوگی، کہ پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے استقامت کا حکم دیا تھا اور اس کے متصل بعد اس آیت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ یہ اس پر دلالت کرتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد سب سے بڑی عبادت نماز پڑھنا ہے، اور جب بھی کبھی کسی شخص کو مصیبت یا پریشانی لاحق ہو، تو اس کو نماز پڑھنی چاہیے۔۔الختصر۔۔دین پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ اور بے دینی کے ساتھ مصالحت نہ کرو۔۔۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ

اور پابندی کرو نماز کی، دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات آنے پر۔ بے شک نیکیاں

یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾

دور کر دیتی ہیں برائیوں کو۔ یہ نصیحت ہے، نصیحت قبول کرنے والوں کیلئے●

(اور پابندی کرو نماز کی دن کے دونوں سروں) کے قریب و متصل وقت (پر)۔لہٰذا صبح کی نماز اس وقت پڑھی جائے جو طلوعِ شمس کے قریب ہے، اور یہ وہ وقت ہے جب سفیدی اور روشنی ہوتی ہے، کیونکہ اندھیرے وقت کے بہ نسبت سفیدی کا وقت طلوعِ شمس سے قریب ہے۔اور عصر کی نماز اس وقت پڑھی جائے جو غروبِ شمس کے قریب ہے اور یہ وہ وقت ہے، جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو چکا ہوتا ہے۔اور ایک مثل سایہ کی بہ نسبت دو مثل سایہ کا وقت غروبِ شمس کے زیادہ قریب ہے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ دنوں کے دونوں طرفوں کا جو حقیقی معنیٰ ہے، ان وقتوں میں بغیر ضرورتِ شرعیہ کے نماز پڑھنا اجماعاً جائز نہیں۔اس لیے دونوں طرفوں سے طرفین کے قریب کا وقت مجازاً مراد لیا گیا ہے، اور مجاز حقیقت کے جتنا قریب ہو، اس پر لفظ کو محمول کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔

اوپر کی وضاحت کی روشنی میں طرفِ اوّل کی نماز فجر کی نماز ہے، اور طرفِ ثانی کی نماز عصر کی نماز ہے۔رہ گئی ظہر کی نماز، تو وہ غایتِ قرب کی وجہ سے عصر کی تابع ہے۔اس صورت میں طرفِ اوّل کی نماز سے نمازِ فجر مراد ہوگی، اور طرفِ ثانی کی نماز سے ظہر و عصر کی نمازیں مراد ہوں گیں۔

ان نمازوں کے سوا **(اور کچھ)** یعنی مغرب و عشاء اور وتر کی نمازیں ہیں **(رات آنے پر)**۔

زُلَف جمع کا صیغہ ہے، سو اس کا معنی ہے رات کے تین قریبی اوقات۔ کیونکہ کم از کم جمع

کا اطلاق تین پر ہوتا ہے، اس لیے وتر کی نماز کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا ہے۔اس صورت میں وتر کی نماز واجب ہو جاتی ہے۔اور جن کے نزدیک وتر کی نماز واجب نہیں۔وہ رات کی نماز سے صرف مغرب وعشاء کی نمازیں مراد لیتے ہیں اور ایک سے زیادہ پر بھی جمع کا اطلاق کر لیتے ہیں۔

اس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ افعالِ خیر میں خطاب صرف رسول اللہ ﷺ کو ہے،لیکن ان افعالِ خیر میں امت مراد ہوتی ہے،اور یہ قرآنِ مجید کی بہترین بلاغت میں شمار ہوتا ہے۔تو اے وابستگانِ دامن مصطفیٰ ﷺ! پنج وقتہ نماز کی کما حقہ دائمی طور پر ادائیگی تم سارے مکلفین پر فرض ہے۔

اس لیے، کہ (بے شک نیکیاں دوٗر کردیتی ہیں برائیوں کو)،یعنی پانچوں وقت کی نماز لے جاتی ہیں اور مٹا دیتی ہیں گناہِ کبیرہ کے سوا ساری برائیوں کو۔۔چنانچہ۔۔اگر کسی سے 'خدانخواستہ' کوئی گناہِ صغیرہ ہو گیا،اور پھر آنے والے وقت کی فرضی نماز اس نے ادا کرلی، تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ ہو گیا۔

حدیث سے یہ مضمون ثابت ہے، کہ ایک نماز سے دوسری نماز تک جو گناہ ہوتے ہیں، بشرطیکہ کبیرہ نہ ہوں، تو نماز ان گناہوں کا کفارہ ہے۔اسی لیے جب عمر بن عذبہ سے ایک غلطی ہوئی، انہوں نے نادم ہو کر بارگاہِ رسول میں حاضر ہو کر عرضِ حال کیا، تو یہ آیتِ مذکورہ نازل ہوئی۔آنحضرت ﷺ نے عمر بن عذبہ سے پوچھا، کہ تو نے ظہر کی نماز میرے ساتھ پڑھی؟ کہا کہ ہاں: آپ نے فرمایا، کہ یہی نماز اس گناہ کا کفارہ ہے۔**بعض عارفین کا کہنا ہے، کہ صبح وشام کے ذکر اور مراقبوں کے انوار ان وقتوں کی ظلمتوں کو دفع کردیتے ہیں جو حوائج نفسانی میں گزرے ہوں۔۔الغرض۔۔طاعت کے انوار گناہوں کی ظلمت کو مٹا دیتے ہیں۔**

(یہ) جو کچھ فرمایا گیا: درحقیقت (نصیحت ہے، نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے) جو نصیحتوں کا پاس ولحاظ رکھتے ہیں۔پس نیک اعمال انجام دیتے رہو۔۔۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور صبر کرتے رہو، کہ "بیشک اللہ ضائع نہیں کرتا مخلصوں کی مزدوری کو"

(اور صبر کرتے رہو) امر بجالانے اور نواہی سے پرہیز کرنے پر۔کیوں (کہ بے شک اللہ

تعالیٰ (نہیں ضائع کرتا مخلصوں کی مزدوری کو) اور چونکہ مخلصین ومحسنین اعلیٰ درجہ کے صابرین ہیں، تو پھران کے اجر کے ضائع ہو جانے کا سوال ہی کیا پیدا ہوتا ہے۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ

تو کیوں نہ رہا کیے تم سے پہلے زمانہ والے کے بچے بچائے، کہ روکیں

فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

زمین میں فساد مچانے سے، مگر چند، جن کو ہم نے ان سے بچا دیا۔ اور پیچھے لگے رہے اندھیر والے

مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

ان کو جو وسعت دی گئی اس میں، اور ہو گئے جرائم پیشہ●

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا، کہ اس نے پچھلی امتوں پر ایسا ہمہ گیر عذاب نازل فرمایا تھا جس نے ان قوموں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا، ماسوا حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے، کیونکہ ان کی قوم نے عذاب کے آثار دیکھتے ہی، اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لی تھی، اور اس آیت میں ان پر عذاب نازل کرنے کے دو سبب بیان فرمائے ہیں: پہلا سبب یہ بیان فرمایا، کہ ان میں نیک لوگوں کی ایسی جماعت نہ تھی، جو برے لوگوں کو برائیوں سے اور فساد پھیلانے سے روکتی۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

(تو کیوں نہ رہا کیے تم سے پہلے زمانہ والے کے بچے بچائے) عقل ورائے والے اور سمجھ بوجھ والے، جو (کہ) ازراہِ احتیاط مفسدوں کو (روکیں زمین میں فساد مچانے سے) تاکہ عذاب نہ آئے، (مگر چند) یعنی تھوڑے سے تھے (جن کو ہم نے ان سے بچا دیا) یعنی نجات دی ہم نے انہیں آگے گزرے ہوؤں کے عذاب سے، کیونکہ وہ تھوڑے سے لوگ انہیں منع کرتے تھے۔

یہ تو رہا ان پر عذاب آنے کا پہلا سبب اور دوسرا سبب یہ ہے، کہ وہ لوگ فانی لذات، شہوات اور طاقت واقتدار کے نشے میں ڈوبے ہوئے تھے (اور پیچھے لگے رہے اندھیر والے ان کو جو وسعت دی گئی اس میں) یعنی پیروی کی ان لوگوں نے جو کافر تھے اس چیز کی جو نعمت دیے گئے تھے اس میں، یعنی انہوں نے اپنے نفس کی خواہشوں کی متابعت کی اور خواہشوں کے اسباب حاصل کرنے میں اپنی تمام ہمتیں مصروف کیں، اور اس کے سوا اور جو باتیں تھیں ان کی طرف سے منہ پھیر لیا (اور ہو گئے جرائم

پیشہ)۔۔الختصر۔۔ہمہ گیر عذاب آنے کے یہ بنیادی اسباب ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ اللہ تعالیٰ صرف اس وجہ سے کسی قوم پر ہمہ گیر عذاب نازل نہیں فرماتا، کہ وہ قوم کفر اور شرک کا اعتقاد رکھتی ہو۔۔بلکہ۔۔وہ اس قوم پر اس لیے عذاب نازل فرماتا ہے، کہ وہ ایک دوسرے پر ظلم اور زیادتی کرتی ہے۔اسی لیے تو کفر کے ساتھ حکومت باقی رہتی ہے، اور ظلم کے ساتھ حکومت باقی نہیں رہتی۔تو سن لو۔۔۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور تمہارا پروردگار نہیں ہے کہ ہلاک کردے آبادیوں کو اندھیر کرکے، حالانکہ آبادی والے درست ہیں ●

(اور) یاد رکھو! کہ (تمہارا پروردگار نہیں ہے کہ ہلاک کردے آبادیوں کو اندھیر کرکے، حالانکہ آبادی والے درست ہیں) یعنی ایک دوسرے کے درمیان اصلاح کرنے والے ہیں اور کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے، تو اللہ تعالیٰ صرف شرک کی وجہ سے ان کو ہلاک نہیں کرتا، تاوقتیکہ شرک کے ساتھ ظلم اور فساد نہ شامل ہو۔یہی وجہ ہے کہ بادشاہ کفر کے ساتھ باقی رہتا ہے، لیکن ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا، تو بنا دیتا لوگوں کو ایک عقیدہ والا۔اور ہمیشہ ہی جھگڑتے رہیں گے ●

(اور) یہ بھی اچھی طرح سے جان لو، کہ (اگر تمہارا پروردگار چاہتا، تو) بالجبر (بنا دیتا لوگوں کو ایک عقیدہ والا) لیکن اللہ تعالیٰ چاہتا تھا، کہ اسکی مخلوق میں کچھ ایسے لوگ ہوں جو اپنے اختیار سے اس پر ایمان لائیں۔اس لئے اس نے انسانوں اور جنوں کو اختیار دیا، (اور) اسی اختیار ہی کا نتیجہ ہے، کہ یہ (ہمیشہ ہی جھگڑتے رہیں گے) اور عقائد و اصول میں اختلاف کرتے رہیں گے، اور پھر ان میں کوئی یہودی ہوگا، کوئی نصرانی ہوگا، اور کوئی مجوسی، وغیرہ وغیرہ۔۔۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ

مگر جسے رحم کر دیا تمہارے پروردگار نے، اور اسی لئے پیدا فرمایا ہے ان کو۔اور پوری ہو چکی تمہارے پروردگار کی بات،

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

کہ ضرور بھر دوں گا جہنم کو جن اور انسان سب سے ●

(مگر جسے رحم کردیا تمہارے پروردگار نے) اور اُسے ایمان کی راہ دکھادی، جیسے ملتِ حنیفہ کے لوگ، یعنی مسلمان (اور اسی) اختلاف کے (لیے پیدا فرمایا ہے ان کو۔ اور) یادرکھو، کہ (پوری ہوچکی تمہارے پروردگار کی بات) جو اس نے فرشتوں سے فرمائی ہے، (کہ ضرور بھردوں گا جہنم کو جن اور انسان سب سے)، یعنی گنہگار جنوں اور آدمیوں سے جن سے کفر ظاہر ہوا۔

۔۔الحتصر۔۔جنوں اور انسانوں کے درمیان عقائد واصول میں اختلاف ہونا۔۔پھر۔۔ ان کی اکثریت کا اپنے اختیار سے کفر اپنالینا، اور اس پر تاحیات قائم رہنا ہی وجہ ہے کہ ان سے جہنم کو بھردیا گیا۔ اور حق تعالیٰ نے کافروں سے جہنم کو بھر دینے کی جو بات فرشتوں سے کی تھی وہ پوری ہوگئی۔۔۔اب آگے انبیاءِ کرام کے قصوں کے بیان کرنے کا فائدہ ظاہر فرمایا جارہا ہے، اور ضمناً لوگوں کے لیے اس میں یہ بھی ہدایت ہے، کہ سورۂ مومن کی جس آیت میں ہے، کہ انبیاءِ کرام میں سے بعض کے قصے ہم نے آپ سے بیان فرمائے اور بعض کے نہیں، اس کا تعلق زمانہء ماضی سے تھا۔ یعنی ماضی میں ہم نے ان میں سے بعض ہی کے قصے آپ پر ظاہر کیے۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ

اور سارے ظاہر کیے دیتے ہیں ہم تم پر سب رسولوں کے واقعات، کہ تھام لیں ہم اس سے تمہارا دل۔

وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور آگئے تمہارے پاس اس میں ٹھیک واقعات، اور پند ونصیحت ماننے والوں کیلئے ●

(اور) اب (سارے ظاہر کیے دیتے ہیں ہم تم پر سب رسولوں کے واقعات) تا (کہ تھام لیں ہم اس سے تمہارا دل) یعنی تمہارے قلبِ مبارک کو فرائض رسالت کی ادائیگی پر اور کفار کی پہنچائی ہوئی اذیتوں اور سختیوں پر ثابت قدم رکھا جائے۔

کیونکہ انسان جب کسی مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے، پھر دیکھتا ہے کہ اور لوگ بھی اس مشکل اور مصیبت میں مبتلا ہیں، تو اس پر وہ مصیبت اور مشکل آسان ہوجاتی ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جب کوئی سختی عام ہو، تو وہ آسان ہوجاتی ہے۔ تو جب آپ نے یہ جان لیا کہ انبیاءِ سابقین کی قوموں نے بھی ان کے ساتھ اسی طرح کا اذیت ناک سلوک کیا تھا، تو پھر آپ پر کفارِ مکہ کی پہنچائی ہوئی اذیتیں آسان ہوگئیں، اور آپ کے لیے ان کی تکلیفوں پر

صبر کرنا مشکل نہ رہا۔

انبیاءِ سابقین کے ان واقعات سے اگر ایک طرف ثابت قدمی کا درس ملا (اور آگئے تمہارے پاس اس میں) کسی قدر تفصیل کے ساتھ (ٹھیک واقعات)، تو دوسری طرف ایمان والوں (اور) آپ کے چاہنے والوں کے لیے بھی فائدہ مند ہوا، کیونکہ اس میں از اوّل تا آخر (پند و نصیحت) ہے تم پر ایمان لانے والوں اور (ماننے والوں کے لیے)۔ اے محبوب! تم نے نہایت مؤثر انداز میں تبلیغ فرما دی اور اللہ تعالیٰ کی حجت پوری کر دی، اس کے باوجود کفارِ مکہ ایمان نہیں لائے اور آپ کو اذیتیں پہنچانے کے درپے رہے، تو بطورِ تہدید و وعید فرما دو۔۔۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ۭ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور کہہ دو جو نہ مانیں، کہ اپنی جگہ پر تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کرتے ہیں●

(اور کہہ دو) ان سب سے جو (جو نہ مانیں، کہ اپنی جگہ پر) ہمارے خلاف جو کچھ کر سکتے ہو (تم اپنا کام کرو)۔۔الغرض۔۔دینِ حق کی آواز کو دبانے کے لیے۔۔نیز۔۔ہم کو اذیت پہنچانے کے لیے تم سے جو ہو سکے کر کے دیکھ لو۔ رہ گیا ہمارا معاملہ، تو (ہم اپنا کام) جس طرح (کرتے ہیں) کرتے رہیں گے، اور دینِ حق کی تبلیغ سے باز نہ آئیں گے۔ تمہارے کرتوتوں۔۔۔

وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور تم بھی راہ دیکھو، بیشک ہم بھی راہ دیکھتے ہیں●

(اور) سرکشیوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ (تم بھی) اس کی (راہ دیکھو، بے شک ہم بھی) اس کی (راہ دیکھتے ہیں) اور تم پر عذابِ الٰہی نازل ہونے کے منتظر ہیں۔ کون سی چیز کب اور کیسے آئے گی؟ یہ غیب ہے۔۔۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ

اور اللہ ہی کیلئے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب، اور اسی کی طرف لوٹائے جائینگے سارے کام، تو اس کو پوجو

وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ ع ۱۰

اور اس پر بھروسہ رکھو۔ اور نہیں ہے تمہارا پروردگار غافل تمہارے کاموں سے●

(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے) مخصوص (ہے)۔ بذاتِ خود جان لینا (آسمانوں اور زمین کا غیب) یعنی ان چیزوں کا علم جو آسمانوں اور زمینوں سے غائب ہیں۔ (اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام)۔

اللہ تعالیٰ کی متعدد صفات ہیں۔ یہاں خصوصیت کے ساتھ علم اور قدرت کا ذکر فرمایا، کیونکہ علم اور قدرت ہی دو ایسی صفات ہیں جن پر مدارِ الوہیت ہے، کیونکہ اگر اس کو علم نہ ہو، تو اس کو کیسے پتا چلے گا، کہ اس کی مخلوق اس کے احکام پر عمل کر رہی ہے یا نہیں۔ اور اگر قدرت نہ ہو، تو وہ اپنے اطاعت گزاروں کو جزا کیسے دے گا، اور اپنے نافرمانوں کو سزا کیسے دے گا۔ اس کے بعد فرمایا، کہ اے محبوب! جب اللہ تعالیٰ ہی مستقل بالذات علم وقدرت والا ہے۔۔۔

(تو اس کو پوجو) اور اسی کو پوجتے رہو (اور اُس پر) اور صرف اسی پر (بھروسہ رکھو)۔

اس لیے کہ انسان کی سعادت کا پہلا درجہ اللہ کی عبادت ہے اور آخری درجہ اللہ پر توکل ہے۔

جان لو (اور) یقین رکھو کہ (نہیں ہے تمہارا پروردگار غافل تمہارے کاموں سے)۔ یعنی وہ اطاعت گزاروں کی اطاعت کو ضائع نہیں فرمائے گا، اور منکروں اور سرکشوں کو مزید ڈھیل نہیں دے گا۔ وہ قیامت کے دن سب کو میدانِ حشر میں زندہ کر کے جمع کرے گا اور ہر شخص سے ذرّہ ذرّہ کا حساب لے گا، اور انجام کار نیکوکاروں کو جنت عطا فرمائے گا، اور بدکاروں کو دوزخ میں ڈھکیل دے گا۔

دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل سے جنت عطا فرمائے اور دوزخ سے محفوظ رکھے۔

آمین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرْمَةِ حَبِیبِكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

بعونہ تعالیٰ آج

۱۸؍جمادی الاخریٰ ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲؍جون ۲۰۱۰ء

بروز چہارشنبہ سورۂ ہود کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآن کریم کی

تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرْمَةِ حَبِیبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

طالب دعا

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

بفضلہ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۸ رجمادی الاخریٰ ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲ رجون ۲۰۱۰ء

بروز چہارشنبہ، سورۂ یوسف کی تفسیر کا آغاز ہوگیا۔

دعا گوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ پورے قرآن کریم کی

تفسیر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَةُ یُوْسُف

سُوْرَةُ یُوْسُفَ ۱۲ مَكِّيَّةٌ ۵۳ | اٰیَاتُهَا ۱۱۱ رُكُوْعَاتُهَا ۱۲

سورۂ یوسف مکیہ | ۱۱۱ آیاتہا ۱۲ رکوعاتہا

اس سورۂ مبارکہ کو سورۂ یوسف اس لیے کہتے ہیں، کہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالاتِ زندگی بیان کیے گئے ہیں۔اس کے علاوہ اور کسی سورت میں آپ کا مفصل تذکرہ نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔سورۂ انعام اور سورۂ مومن کے علاوہ کسی سورت میں آپ کا اسم مبارک بھی مذکور نہیں۔ یہ سورت مکی ہے، جو سورۂ ہود کے بعد اور الحجر سے پہلے نازل ہوئی ہے۔اور جمہور کے قول کے مطابق ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ترپن ۵۳ ہے۔ اور جس قدر تفصیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، قرآنِ مجید میں کسی اور نبی کا قصہ اس قدر تفصیل کے ساتھ نہیں ذکر کیا گیا۔

یہود کے عالموں نے بعض اشرافِ عرب سے یہ بات کہی، کہ محمد ﷺ سے سوال کرو، کہ شام سے مصر میں اولادِ یعقوب علیہ السلام کے آنے کا کیا سبب ہے، اور یوسف علیہ السلام کا قصہ کیا تھا۔تو یہ سورۂ نازل ہوئی۔ایسی مبارک سورت کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے)، جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور خاص کر کے مومنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ قف

ال راء۔۔۔ یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی۔۔۔●

(الٓرٰ)

اللہ تعالیٰ ہی جانے اس سے اپنی مراد کو۔۔یا۔۔پھر خدا کے علم دینے سے وہ جانے، جس کی ذات پر ان کلمات کا نزول فرمایا گیا ہے۔۔یا۔۔خدا کے وہ محبوبین ومقربین جانیں، جن پر ان کلمات کا راز منکشف کردیا گیا ہے۔اور جب یہ راز کی بات ہے، تو اس کے تعلق سے کسی طرح کی تاویل وتوجیہہ اور معنی آفرینی نہ کرنا ہی اسلم طریقہ ہے۔۔المختصر۔۔اللہ: جس کی وحدت وانفراد، اظہر من الشمس ہے۔لطیف: جس کا لطف لطائفِ احدیت جاننے والوں پر ہے۔رحمٰن ورحیم: جس کی رحمت ہر مخلوق پر ہے، وہ شاہد ہے، کہ۔۔۔

(یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی) یعنی ایسی سورت کی جس کا اعجاز ظاہر ہے۔۔یا۔۔غور وتامل کرنے والوں پر اس کے معنی کھلے ہوئے ہیں۔۔یا یہ۔۔سورت بیان کرنے والی ہے اس قصے کو، جس کے تعلق سے یہودیوں نے سوال کیا تھا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞

بیشک ہم نے نازل فرمایا اس کو عربی قرآن، کہ تم عقل سے کام لو●

(بے شک ہم نے نازل فرمایا اس کو عربی قرآن)، یعنی ہم نے اس سورت کو عربی زبان میں بھیجا۔

اس مقام پر قرآن کے ایک حصے کو قرآن فرمایا گیا ہے۔اس سے بتانا یہ ہے، کہ پورا قرآنِ کریم تو قرآن ہے ہی، اس کی ہر ہر سورہ۔۔بلکہ۔۔ ہر ہر آیت بھی قرآن ہی ہے۔ اس کو عربی زبان میں اس لیے نازل فرمایا گیا۔۔۔

تا (کہ) اَے عرب والو! اپنی مادری زبان میں ہونے کے سبب، (تم) اس کو اچھی طرح سمجھ سکو اور اس پر کماحقہٗ ایمان لاکر اور اس کی ہدایات پر عمل کرکے (عقل سے کام لو) اور اس کے معنی کو پہنچ جاؤ اور تم پر حجت قائم ہوجائے۔اس واسطے، کہ اگر ہم کسی دوسری زبان میں بھیجتے، تو اس کے سمجھنے سے تم عذر کرتے اور نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے اس پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے سے اپنے کو

معذور قرار دیتے، اوراس طرح اپنے انکار کا بہانہ تلاش کر لیتے۔ خیر سنو!۔۔۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ

ہم سناتے ہیں تمہیں بڑا اچھا واقعہ، جوکہ وحی بھیجا ہم نے تمہاری طرف یہ قرآن۔

وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ﴿٣﴾

گو تم پہلے بے خبر تھے●

(ہم سناتے ہیں تمہیں بڑا اچھا واقعہ) یہ اس جہت سے بہتر ہے، کہ اس میں عجائب غرائب حکمتیں اور عبرتیں ہیں۔۔یا۔۔ یہ قصہ اور قصوں سے اس واسطے احسن ہے، کہ جس کا یہ قصہ ہے، وہ آدمیوں میں احسن یعنی بہت حسین تھے۔۔یا یہ کہ۔۔ أَحْسَنَ الْقَصَصِ کا معنی 'اعجب القصص' ہے، یعنی یہ قصہ بہت ہی عجیب ہے۔

روایت ہے، کہ بعض صحابہ نے نبی کریم سے عرض کیا، آپ کوئی قصہ ہمیں سنائیں اس پر رب کریم نے اپنے محبوب سے کہا، کہ لو ہم تجھے خبر دیتے ہیں وہ جو تمام خبروں سے بہتر ہے۔ وہ وہی ہے۔۔۔

(جوکہ) بذریعہ (وحی بھیجا ہم نے تمہاری طرف)، یعنی (یہ قرآن) پڑھی ہوئی سورت۔ (گو تم) یہ سورت نازل ہونے سے (پہلے بے خبر) اور ناواقف (تھے)، یعنی یہ قصہ جاننے سے تو غافل تھا۔۔نیز۔۔ غیر متوجہ تھا اور یہ غفلت و بے توجہی بُری نہیں ہے۔ اَے محبوب! یوسف علیہ السلام کے اس عرض پیش کرنے کے وقت کو یاد کرو۔۔۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

جب کہ کہا یوسف نے اپنے باپ کو" کہ باباجان، میں نے واقع میں خواب دیکھا، گیارہ ستارے

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ﴿٤﴾

اور سورج و چاند کو، سب کو دیکھا کہ میرا سجدہ کررہے ہیں"●

(جبکہ کہا یوسف نے اپنے باپ کو، کہ باباجان میں نے واقع میں خواب دیکھا، گیارہ ستارے اور سورج و چاند کو، سب کو دیکھا کہ میرا سجدہ کررہے ہیں)۔

اس خواب بیانی کا مختصر سا قصہ یہ ہے، کہ یوسف علیہ السلام بارہ [12] برس کی عمر میں جمعہ کی شب

اپنے باپ کی گود میں سوتے تھے کہ دفعتاً گھبرائے ہوئے نیند سے چونکے۔ یعقوب علیہ السلام نے پوچھا: بیٹا تجھے کیا ہوا؟ یوسف علیہ السلام نے اپنا مذکورہ بالا خواب بیان کردیا۔ اس خواب کی تفصیل یہ تھی، کہ حضرت یوسف نے دیکھا، کہ وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے ہوئے ہیں جس کے اردگرد نہریں جاری تھیں اور ہرے بھرے درخت لگے ہوئے تھے، کہ آسمان سے یہ ستارے اور چاند سورج اترے اور سبھوں نے ان کا سجدہ کیا، اور وہ اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔

اس خواب کو سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے سمجھ لیا، کہ یوسف علیہ السلام بلند مرتبہ پائیں گے۔ گیارہ ستارے ان کے گیارہ بھائیوں کی طرف اشارہ ہے، اور چاند سورج حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی بی بی سے عبارت ہے، جو یوسف علیہ السلام کی خالہ تھیں۔ یہ سب یوسف علیہ السلام کی تعظیم وتوقیر کریں گے۔ یہ سن کر حضرت یعقوب نے سوچا، کہ اگر یوسف کے بھائی یہ خواب سنیں گے، تو اُسے ہلاک کرنے کا ارادہ کریں گے، اس لیے آپ نے یوسف علیہ السلام کو۔۔۔

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ

جواب دیا" کہ اے بیٹا، مت ظاہر کرنا اپنے خواب کو اپنے بھائیوں پر، کہ تمہیں کوئی دھوکا دے دیں۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝

کیونکہ بلاشبہ شیطان انسان کیلئے کھلا دشمن ہے●

(جواب دیا، کہ اے بیٹا مت ظاہر کرنا اپنے خواب کو اپنے بھائیوں پر، کہ تمہیں کوئی دھوکا دے دیں)۔ چونکہ یہ دھوکا اور حیلہ شیطانی وسوسہ کے سبب سے ہوتا ہے، اور شیطان ہی انسانوں کو اس طرح کے مکروحیلے میں لگاتا ہے۔ (کیونکہ بلاشبہ شیطان انسان کے لیے کھلا دشمن ہے)۔ لہٰذا وہ اس فکر میں لگا رہتا ہے، کہ کیسے؟ کب؟ اور کس کو؟ صراطِ مستقیم سے ہٹا کر گمراہی میں ڈال دے۔ اس لیے اس خواب کو صیغۂ راز ہی میں رکھنا۔۔۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ

اور اسی طرح چنے گا تم کو تمہارا پروردگار، اور سکھائے گا تم کو ساری باتوں کے انجام کار بتانے کو، اور پوری فرمادے گا اپنی نعمت کو

عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ

تم پر، اور یعقوب کی اہل وعیال پر، جس طرح پورا فرمایا تھا اسے تمہارے باپ دادا دونوں پر پہلے سے ہی، ابراہیم

وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

واسحق پر۔ بے شک تمہارا پروردگار دانا حکمت والا ہے"●

(اور) سن لو! کہ جس طرح تجھے ایسے خواب کے ساتھ برگزیدہ کیا، کہ اپنے بھائیوں پر تیری بلندی و بزرگی کی دلیل ہے (اسی طرح چنے گا تم کو تمہارا پروردگار) تجھے حکومت اور سلطنت کے ساتھ (اور سکھائے گا تم کو ساری باتوں کے انجام کار بتانے کو) خواب کی تعبیروں سے۔۔یا۔۔نازل کی ہوئی کتابوں کی مشکل باتیں حل کرنے سے، (اور پوری فرمادے گا اپنی نعمت کو تم پر)، یعنی تمہیں نبوت سے سرفراز فرمائے گا۔ (اور یعقوب کی اہل وعیال پر) یعنی یعقوب علیہ السلام کی نسل پر، کہ اس میں انبیاء علیہم السلام پیدا فرمائے گا۔

یہ بھی تفسیر کی گئی ہے، کہ آلِ یعقوب علیہ السلام سے برادرانِ یوسف علیہ السلام مراد ہیں، جنہیں ایک قول کے بموجب پیغمبر کہتے ہیں۔

۔۔الغرض۔۔تم پر اور آلِ یعقوب پر اسی طرح نعمت پوری فرمائے گا (جس طرح پورا فرمایا تھا اسے تمہارے باپ دادا دونوں پر پہلے سے ہی) یعنی (ابراہیم واسحق پر)۔ حضرت ابراہیم پر تو خلت اور رسالت اور آتش نمرود سے نجات دے کر، اور حضرت اسحق پر ان کے صلب سے یعقوب علیہ السلام اور اسباط کو پیدا کر کے۔ (بے شک تمہارا پروردگار دانا) ہے، کہ کون شخص برگزیدہ ہونے کا استحقاق رکھتا ہے اور (حکمت والا ہے) یعنی محکم کار اور درست کردار ہے، کہ جو کچھ چاہے وہ کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝

بلاشبہ یوسف اور انکے بھائیوں میں کئی نشانیاں ہیں پوچھنے والوں کیلئے●

(بلاشبہ یوسف اور ان کے بھائیوں) کی حکایت (میں کئی) قدرت کی (نشانیاں) اور حکمت کی دلیلیں (ہیں پوچھنے والوں کے لیے) اور ان کے سوا اور لوگوں کے لیے بھی۔

اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے، کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے تو حضرت یوسف علیہ السلام سے تاکید کردی تھی، کہ وہ اس خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کریں گے، مگر باپ بیٹے کی

مذکورہ بالا آپس کی گفتگو کو حضرت یوسف علیہ السلام کی بعض بھاوجوں نے سن لیا اور مغرب کی نماز کے وقت جب ان کے شوہر گھر میں آئے، تو ان کی جوروؤں نے اُن سے حال بیان کیا۔ انہیں حسد پیدا ہوا، اور پھر وہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کام تمام کرنے کی تدبیر میں مشغول ہو گئے۔

اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی تھے، جن میں ایک کا نام بن یامین تھا اور یہ حقیقی بھائی تھا۔ اور چھ سوتیلے بھائی جو حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ کے بیٹے تھے۔ مزید چار سوتیلے بھائی دو حرموں سے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ حضرت یوسف علیہ السلام کو چاہتے تھے، اور ان کے بعد ان کے برادر بن یامین سے محبت فرماتے تھے۔ یہ چیز دوسرے بھائیوں کو ناگوار لگی۔

تو چشم ادراک میں حاضر کرلو اُسے۔۔۔

اِذۡ قَالُوۡا لَیُوۡسُفُ وَ اَخُوۡہُ اَحَبُّ اِلٰۤی اَبِیۡنَا مِنَّا وَ نَحۡنُ عُصۡبَۃٌ

جب کہ سب نے کہا" کہ یوسف اور انکا بھائی زیادہ پیارے ہیں ہمارے باپ کو، حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں۔

اِنَّ اَبَانَا لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنِ ۨ ﴿۸﴾

بیشک ہمارے باپ صاف صاف محبت کی مستی میں ہیں●

(جبکہ) یوسف علیہ السلام کے (سب) بھائیوں (نے) آپس میں سرگوشی کی اور (کہا کہ **یوسف اور ان کا بھائی زیادہ پیارے ہیں ہمارے باپ کو حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں**) یعنی ہم لوگ طاقتور اور کارگزار ہیں، اور وہ دونوں کمسن اور بیکار ہیں، تو چاہیے کہ ہمارا باپ ہمیں زیادہ چاہتا۔ چونکہ دو عاجز کمزوروں کو ہم دس قویوں کے اوپر انہوں نے ترجیح دی اور عزیز کرلیا، تو (**بے شک ہمارے باپ صاف صاف محبت کی مستی میں ہیں**) اور وفورِ محبت کی وجہ سے ان سے خطا واقع ہو گئی ہے، اور وہ راہِ صواب سے دور جا پڑے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق جب شیطان نے ان سے یہ کلمات سنے، تو ایک بوڑھے آدمی کی صورت پر ان کے سامنے ظاہر ہوا، اور بولا کہ یوسف تمہیں غلام بنانا چاہتا ہے۔ یہ لوگ بولے: بڑے میاں پھر کیا تدبیر ہے، شیطان نے کہا۔۔۔

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ

مارڈالو یوسف کو، یا انھیں پھینک آؤ کسی جگہ، کہ تمہارے باپ کا رخ تمہارے لئے رہ جائے،

وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝٩

اور اس کے بعد ہو جاؤ نیک"●

(مارڈالو یوسف کو)۔

ایک قول کے مطابق یہ مشورہ خود یوسف علیہ السلام کے کسی ایک بھائی نے دیا تھا، کہ انہیں قتل کر دو۔

(یا) اگر تم انہیں قتل کرنا نہیں چاہتے، تو باپ سے انہیں دور کر دینے کی دوسری شکل یہ ہے، کہ (انہیں پھینک آؤ کسی جگہ) یعنی کسی ایسی زمین پر جو ہماری اس بستی سے دور ہو۔۔یا۔۔ایسی جگہ جہاں درندے ہوں۔۔الغرض۔۔انہیں غائب کر دو، تا (کہ تمہارے باپ کا رخ تمہارے لیے رہ جائے) ۔۔۔ظاہر ہے کہ جب یوسف پاس نہ ہوں گے، تو باپ کی پوری توجہ تمہاری طرف ہی رہے گی۔۔۔ (اور اس کے بعد) یعنی یوسف علیہ السلام کا کام تمام کرنے کے بعد، (ہو جاؤ نیک) یعنی توبہ کر کے صالحین میں شامل ہو جاؤ۔

یہ بھی شیطان کے مکر میں سے ایک مکر ہے، کہ توبۂ فردا کی امید پر گناہ کراتا ہے، حالانکہ کل کے عذر کے لیے کل کی عمر چاہیے اور عمر پر کچھ اعتماد نہیں۔۔المختصر۔۔آپس میں یہ مشورے ہو ہی رہے تھے، کہ۔۔۔

قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا، "کہ یوسف کو مار نہ ڈالو اور انھیں ڈال دو کنوئیں کی اندھیریوں میں،

يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝١٠

لے لے گا ان کو کوئی راہ چلتا، اگر تم کو یہ کرنا ہے"●

(ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا)، وہ یہودا تھا۔۔یا۔۔روبیل، (کہ یوسف کو مار نہ ڈالو اور انہیں ڈال دو کنویں کی اندھیریوں میں۔۔لے لے گا ان کو کوئی راہ چلتا) اور وہ انہیں کسی اور زمین میں لیتا جائے گا اور تم اس سے چھوٹ جاؤ گے۔۔یعنی جب تمہاری غرض اس کا نہ ہونا ہے، تو یہ کرنا چاہیے جو

میں نے کہا (اگر تم کو یہ کرنا ہے)۔ یعنی اگر تم میرے مشورے پر کام کرنا چاہتے ہو، تو یہی کرو جو میں نے تم سے کہا۔

سب نے اس مشورہ کو قبول کرلیا اور سب اسی پر متفق ہو گئے اور اپنے والد کے پاس آکر بولے، کہ آج کل فصل بہار آئی ہے، سبزے زمین پر اُگے ہیں، کیا خوب بات ہو، کہ آپ یوسف کو ہمارے ساتھ صحراء میں بھیجیں، کہ ایک دن تفریح اور تماشے میں بسر کریں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: کہ یوسف کے رخساروں کی بہار کے بغیر میں بلبل خزاں دیدہ کے مثل ہو جاؤں گا۔ یہ بات روا نہ رکھو، کہ تم گلزار میں ہو اور میں ہجرِ یوسف کے کانٹوں میں گرفتار ہوں۔

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے مایوس ہو کر یوسف علیہ السلام کے پاس گئے اور صحرا اور سبزہ کی بہار اور تماشے کا کچھ حال بیان کیا۔ یوسف علیہ السلام نے جب اچھے مناظر کا حال سنا، تو ان کا دل صحرا کی طرف متوجہ ہوا اور اپنے بھائیوں کے ساتھ والدِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر سیر کو جانے کی اجازت چاہی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو بڑی فکر اور دور اندیشی پیدا ہوئی۔۔۔تو۔۔۔

قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

سب نے مل کر عرض کیا" کہ اے ہمارے باپ، آپکو کیا ہے کہ آپ امین نہیں بناتے ہم کو یوسف پر، حالانکہ ہم انکے خیر خواہ ہیں●

(سب) بھائیوں (نے مل کر عرض کیا، کہ اَے ہمارے باپ! آپ کو کیا ہے، کہ آپ امین نہیں بناتے ہم کو یوسف پر) اور یوسف کے تعلق سے ہم پر اعتماد نہیں کرتے، اسی لیے ہمارے ساتھ بھیجنے میں تامل فرماتے ہیں، (حالانکہ ہم ان کے خیر خواہ ہیں) اور نہایت درجہ اس پر مہربان ہیں۔۔تو۔۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۱۲﴾

بھیج دیجیے انھیں ہمارے ساتھ کل، کہ وہ کھائیں کھیلیں، اور ہم سب انکی نگرانی کرنیوالے ہیں"●

(بھیج دیجیے انہیں ہمارے ساتھ کل، کہ وہ) آسودہ ہو کر میوے اور پھل (کھائیں) اور (کھیلیں) کودیں، یعنی تیر لگائیں، اونٹ دوڑائیں، وغیرہ (اور ہم سب اس کی نگرانی کرنے والے ہیں) مکروہ باتوں سے، درندوں سے اور سانپ بچھوؤں سے۔ اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ

جواب دیا" کہ مجھے اس کا رنج ہے کہ تم انھیں لے جاؤ، اور مجھے خطرہ ہے کہ بھیڑیا ان کو کھا جائے،

وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور تم بے خبر رہو"●

(جواب دیا: کہ مجھے اس کا رنج ہے کہ تم انہیں لے جاؤ) میرے سامنے سے۔اس واسطے، کہ اس کی جدائی مجھے سخت ناگوار ہے اور اس کو دیکھے بغیر صبر کرنا بہت دشوار ہے۔(اور)۔۔مزید براں۔۔ (مجھے خطرہ ہے کہ بھیڑیا ان کو کھا جائے) اس واسطے، کہ جس زمین پر تم جانا چاہتے ہو، وہاں بھیڑیے بہت ہیں۔مبادا کوئی بھیڑیا اس پر جھپٹے (اور) کھیل تماشے میں مشغول رہنے کی وجہ سے۔۔یا۔۔اس کی محافظت میں اہتمام کی کمی کے سبب (تم بے خبر رہو)۔یہ سن کر۔۔۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

سب نے عرض کیا، کہ "اگر بھیڑیا نے انہیں کھالیا اور ہم ایک جماعت ہیں، تو پھر ہم ناکارہ ہوئے"●

(سب نے عرض کیا! کہ اگر بھیڑیا نے انہیں کھالیا اور) وہ بھی ہمارے دیکھتے ہوئے، جبکہ حال یہ ہے، کہ (ہم ایک جماعت کی جماعت ہیں) قوی ہیں، زبردست ہیں، کہ ہم میں سے ہر ایک دس شیروں سے مقابلہ کرسکتا ہے۔ایسی صورت میں (تو پھر ہم ناکارہ) ثابت (ہوئے)، کہ ہمارے سامنے کوئی بھیڑیا انہیں اٹھالے جائے اور ہم دیکھتے ہی رہ جائیں اور اس کے بچاؤ کے لیے کچھ کر نہ سکیں۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی بڑی بڑی باتیں سنیں اور ان کا اصرار دیکھا اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی صحراء کی طرف سیر و تفریح کے لیے جانے پر آمادہ پایا، تو رنج مفارقت سہنے پر اپنے دل کو مضبوط کیا اور قضائے الٰہی پر راضی ہو کر حکم دیا۔اور ان کے فرمانے کے بموجب سب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کا سر ملا، بدن دھویا، بالوں میں کنگھی کی، نئے کپڑے پہنائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ کرتا جو میراث میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو ملا تھا، وہ کُرتا تعویذ کی طرح یوسف علیہ السلام کے بازو پر باندھا اور آپ بیٹوں کے ساتھ ساتھ انہیں پہنچانے کو 'شجرۃ الوداع' تک، کہ کنعان کے دروازے پر تھا، تشریف لائے، اور یوسف علیہ السلام کو گود میں لے کر رونے کی حالت میں رُخصت کیا۔

یوسف علیہ السلام نے جب اپنے والدِ ماجد کو روتے دیکھا، تو ان کے رخسارے جو گلاب کی پنکھڑی کے مانند تھے، انہیں بھی گلاب کے قطرے دھونے لگے اور آبدار موتیوں کے

دانے پلک کی نوک میں پرونے لگے، اور بولے بابا جان رونے کا سبب کیا ہے؟ یعقوب علیہ السلام نے زبانِ حال سے یہ مضمون اپنے نورِ بصر کو سنایا، کہ اے یوسف تیرے اس جانے سے بڑے غم کی بو مشامِ دل میں پہنچتی ہے۔ نہیں معلوم کہ انجام کار کیا ہونا ہے۔ بیٹا مجھے بھولنا نہیں، میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ تجھے نہ بھولوں گا۔

پھر اپنے بیٹوں سے یوسف علیہ السلام کی محافظت کے باب میں بہت تاکید فرمائی، اور بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کاندھے پر چڑھا کر سیر گاہ کی راہ لی۔ یعقوب علیہ السلام انہیں دیکھتے رہے اور فرزندِ ارجمند کی ملاقات کے شوق میں روتے رہے۔ جب بیٹے ان کی نظر سے غائب ہوئے، تو یعقوب علیہ السلام کنعان کی طرف واپس ہوئے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ

پھر جب سب لے گئے انکو، اور سب کی رائے ہوئی کہ ڈال دیں انکو کنوئیں کی تاریکیوں میں، اور وحی بھیجی ہم نے ان

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٥﴾

کی طرف، "کہ ضرور تم انھیں بتادو گے انکے اس کئے کو، اور وہ نہ پہچانتے ہونگے"●

(پھر جب سب لے گئے، ان کو) تو ان کے ساتھ کیا جو کیا، اور والدِ بزرگوار کی نصیحتوں کو بالائے طاق رکھ کر یوسف علیہ السلام کو زمین پر دے مارا اور طعن شروع کر کے کہنے لگے، کہ او جھوٹا خواب دیکھنے والے، وہ ستارے کہاں ہیں جنہوں نے تجھے سجدہ کیا تھا۔ اب آ کر ہمارے ہاتھ سے تجھے چھڑا لیں۔ یوسف علیہ السلام بولے کہ بھائیو! تمہیں کیا ہو گیا ہے: ذرا پیرِ کنعاں کا حال یاد کرو اور میرے بچپنے اور کم طاقت ہونے پر رحم کرو۔

القصہ یوسف علیہ السلام کی باتوں پر بھائیوں نے کچھ التفات نہ کیا، اور ان کے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور مٹی اور ویران و خراب زمین میں بھوکا پیاسا، منہ کے بل کھینچتے تھے، کہ یوسف علیہ السلام ہلاک ہونے کے قریب پہنچ گئے۔ یہودا نے یہ حال دیکھ کر یوسف علیہ السلام کو اپنے دامنِ حمایت کے نیچے لے لیا اور بھائیوں سے کہا، کہ دستِ تعدی روکو۔ کیا تم نے مجھ سے عہد نہیں کیا ہے، کہ اُسے قتل کرنے کا قصد ہم نہ کریں گے۔ تو ان بھائیوں کا غصہ تھما اور یوسف علیہ السلام کو گھسیٹ کر مار ڈالنے سے درگزرے۔

(اور) پھر (سب کی رائے) یہ (ہوئی کہ ڈال دیں ان کو کنویں کی تاریکیوں میں)۔

وہ ایک کنواں کنعان سے تین[۳] کوس دور بیت المقدس کے قریب تھا۔۔یا۔۔زمین اردن میں تھا۔کنویں کا منہ چھوٹا سا تھا اور گول، وہ کنواں بہت گہرائی لیے ہوئے تھا، یعنی ستر[۷۰] گز۔۔ یا۔۔اس سے زیادہ گہرا تھا، تو یوسف علیہ السلام کو کنویں کے منہ پر لائے۔انہوں نے جب سنا، کہ مجھے کنویں میں ڈالتے ہیں، تو ہر ایک کو لپٹنے لگے اور ہر ایک کا دامن پکڑتے تھے۔بھائیوں نے ان کے ہاتھ بھی باندھ دیے اور ان کی کمر میں رسی مضبوط باندھ کر کنویں میں لٹکا دیا۔

یوسف علیہ السلام کے پیراہن کا دامن اس پتھر سے اٹکا جو کنویں کے منہ پر تھا، پیراہن بھی ان کے بدن پر سے کھینچ لیا۔جب کنویں کے بیچ یوسف علیہ السلام پہنچے، تو بھائیوں نے رسی کاٹ دی اور جناب الٰہی سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم پہنچا، کہ لے میرے بندے کو۔ یوسف علیہ السلام کنویں کی تہہ تک نہ پہنچنے پائے تھے، کہ حضرت جبرائیل نے کنویں میں پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پنجے میں لے لیا، اور کنویں کی تہہ پر ایک پتھر تھا اس پر آرام سے بٹھا دیا، اور بہشت کا کھانا پینا انہیں دیتے تھے۔حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا کرتا جو تعویذ کی طرح ان کے بازو پر بندھا تھا، کھول کر اُسے پہنا دیا۔۔۔

(**اور وحی بھیجی ہم نے ان کی طرف**) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے۔۔یا۔۔ہم نے انہیں الہام کیا، کہ غمگین نہ ہو: عنقریب تجھے چاہ سے نکال کر مسندِ جاہ پر ہم پہنچاتے ہیں اور تیرے بھائیوں کو حاجت مند کر کے تیرے پاس لاتے ہیں۔ پھر ایسا ہوگا (**کہ ضرور تم انہیں بتا دو گے ان کے اس کیے کو**) اور یہ رنج جو تمہیں دیا ہے سب کچھ ان پر واضح کر دو گے۔ (**اور**) اس وقت صورتِ حال یہ ہوگی، کہ (**وہ**) **تم کو** (**نہ پہچانتے ہوں گے**) کہ تم یوسف ہو۔اس لیے، کہ اس وقت تمہارا درجہ اتنا بلند اور عالی ہوگا، کہ ان کا گمان اس بات کی طرف جا ہی نہ سکے گا، کہ یہ میرے بھائی یوسف ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔تھوڑے زمانہ کے بعد یہ صورت ظاہر ہوئی، کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے پاس آئے اور انہیں پہچان نہ سکے۔جس کا بیان آگے انشاء المولیٰ تعالیٰ آئے گا۔۔ قصہ مختصر۔۔جب برادرانِ سیدنا یوسف علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال چکے اور وہاں سے واپس ہوئے، تو باپ سے گفتگو کرنے کے لیے ایک فرضی واقعہ گڑھ کر ایک روداد تیار کر لی۔۔چنانچہ۔۔گلے میں جا کر ایک خصی ذبح کیا، اس کے خون سے حضرت یوسف کا جو پیراہن اُتار لیا تھا، اُسے تر کیا۔۔۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ؁ ﴿۱۶﴾

اور سب آئے اپنے باپ کے پاس، رات ہونے پر روتے ہوئے●

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ

سب نے کہا "کہ اے ہمارے باپ، ہم دوڑنے چلے گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس رکھ چھوڑا، تو ان کو بھیڑیا کھا گیا۔

وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور آپ ہماری مانتے نہیں، گو ہم سچے ہوں"●

(اور) پھر (سب آئے اپنے باپ کے پاس رات ہونے پر روتے ہوئے)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب بیٹوں کے رونے کی آواز سنی، تو حیران و پریشان ہو کر گھر کے باہر نکل آئے اور بولے اے بیٹو! تمہیں کیا ہوا اور میرا یوسف کہاں ہے، اُسے میں نہیں دیکھتا ہوں۔ (سب نے کہا کہ اے ہمارے باپ! ہم دوڑنے چلے گئے) یعنی ہم جب صحراء میں گئے، تو دوڑنے اور تیر لگانے میں ایک دوسرے پر سبقت کرتے ہوئے بہت دور نکل گئے۔ (اور) صورتِ حال یہ تھی، کہ ہم نے (یوسف کو) تنہا سامان کی حفاظت کے لیے (سامان کے پاس رکھ چھوڑا) تھا، (تو ان کو بھیڑیا کھا گیا اور) ہماری ذات سے جو بدگمانی اور بے اعتمادی ہے، اس وجہ سے (آپ ہماری مانتے نہیں) اور ہمیں سچا نہیں سمجھتے (گو ہم سچے ہوں)۔ اور اس بات پر کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا، ہم ایک اور دلیل بھی رکھتے ہیں، اور وہ ان کا پیراہن ہے۔۔۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ

اور لگالائے ان کے کرتہ پر جھوٹا خون۔ جواب دیا، "کہ بلکہ بنالی تمہارے لئے تمہاری طبیعتوں نے ایک بات۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

تو صبر اچھا۔ اور اللہ کی مدد مانگی گئی ہے اس پر جو تم بتاتے ہو"●

(اور لگالائے ان کے کرتے پر جھوٹا خون)، یعنی یوسف علیہ السلام کا پیراہن اپنے باپ کے پاس جھوٹے خون میں تر کر کے لائے۔ یعقوب علیہ السلام نے پیراہن خون میں بھرا جو دیکھا، تو ان کے دل میں یوسف علیہ السلام کے ہلاک ہونے کا دغدغہ پیدا ہوا، مگر چونکہ پیراہن کے کنارے ثابت تھے، تو فرمایا کہ عجیب بھیڑیا تھا، کہ یوسف کو تو کھا گیا، مگر پیراہن سے کچھ تعرض نہ کیا۔

پھر غصہ کی راہ سے کہا اور (جواب دیا) اپنے بیٹوں کو (کہ) تم جو کہتے ہو ایسا نہیں ہے، (بلکہ بنالی) ہے (تمہارے لیے تمہاری طبیعتوں نے ایک بات) جس نے ایک بڑے کام یعنی یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کو تمہارے لیے آسان بنادیا، (تو) ایسے وقت میں میرے لیے (صبر اچھا) ہے۔ یعنی میرے لیے تحمل بہتر ہے، جس کی وجہ سے مجھے کوئی شکایت نہیں۔۔ ہاں۔۔ یہ ضرور ہے (اور) یہ میرے حال کے مناسب ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (کی مدد مانگی گئی ہے) اور وہی 'مستعانِ خلق' ہے، تو میں اُسی سے مدد چاہتا ہوں (اس پر جو تم بتاتے ہو)، اور یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کے تعلق سے بیان کرتے ہو۔

روایت ہے، کہ یوسف علیہ السلام تین۳ دن کنویں میں رہے، چوتھے دن صبح کو نجات کی خوشخبری انہیں پہنچی۔۔۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى

اور آ گیا ایک قافلہ، تو بھیجا اپنے پانی بھرنے والے کو، تو اس نے اپنا ڈول ڈالا۔ بولا واہ وا،

هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾

یہ لڑکا۔ اور سب نے ان کو چھپالیا مالِ تجارت بنا کر۔ اور اللہ دانا ہے جو وہ کریں ●

(اور آ گیا ایک قافلہ) اس کنویں کے پاس جو مدین سے مصر کی طرف جا رہا تھا۔ (تو) قافلہ والوں نے (بھیجا اپنے پانی بھرنے والے کو) یعنی اہل مدین میں سے مالک بن دعر الخزاعی کو، 'قافلہ کے واسطے مال کھینچنا جس سے متعلق تھا' پانی لانے کے لیے بھیجا۔۔ چنانچہ۔۔ جب وہ پانی لینے کے لیے کنویں کی جگت پر آیا، (تو اس نے اپنا ڈول) کنویں میں (ڈالا)۔ اُدھر حضرت یوسف 'علیہ السلام' کو وحی پہنچی، کہ ڈول میں بیٹھ جاؤ۔ یوسف 'علیہ السلام' ڈول میں بیٹھ لیے۔ کنویں کی دیواریں حضرت یوسف 'علیہ السلام' کے فراق میں روتی تھیں۔

روایت ہے، کہ مالک ڈول کھینچنے میں حیران ہوا، اس واسطے، کہ ڈول بہت بھاری ہو گیا تھا۔ کنویں میں جھک کر اس نے دیکھا اور یوسف علیہ السلام کو ڈول میں دیکھ کر۔۔۔

(بولا واہ وا یہ لڑکا) ہے۔ یعنی یہ خوشخبری اور خوش بختی کی بات ہے، کہ اس میں ایک حسین و جمیل لڑکا ہے۔

بعضوں نے کہا، کہ 'بُشْرٰی' اس کے دوست کا نام تھا، جس کو اس نے اپنی مدد کے لیے پکارا۔

پھر دونوں نے مل کر حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکالا۔

(اور سب نے ان کو چھپالیا) قافلہ والوں سے (مالِ تجارت بنا کر)۔۔یا۔۔یوسف 'علیہ السلام' کا حال قافلہ والوں سے چھپایا، اور یہ کہا کہ ان پانے والوں نے اُسے میرے سپرد کیا ہے، کہ ان کے واسطے مصر میں لے جا کر فروخت کردوں۔

بعضوں نے کہا، کہ اس کا معنی یہ ہے، کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کا حال چھپایا اور کہا کہ یہ ہمارا غلام ہے، اور یہ اس طرح کہ جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کی خبر پائی، تو قافلہ میں آئے اور بولے یہ ہمارا غلام ہے اور ہمارے پاس سے بھاگ آیا ہے، اسے تم مول لے لو۔

(اور اللہ) تعالیٰ (دانا ہے جو وہ کریں) یعنی یعقوب 'علیہ السلام' کے بیٹوں نے اپنے بھائی اور باپ کے ساتھ جو کیا۔۔یا۔۔قافلے والے یوسف 'علیہ السلام' کا حال جو چھپاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے باخبر ہے۔ اس سے کچھ چھپا نہیں۔

روایت ہے، کہ جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو عبرانی زبان میں ان سے کہا 'جسے قافلے والے نہیں سمجھ سکے'، کہ جو کچھ ہم کہیں اگر تو اس کے خلاف کہے گا، تو ہم تجھے قتل ہی کر ڈالیں گے۔ یوسف علیہ السلام چپ کھڑے رہے اور بھائیوں نے مالک سے یہ بات کہی کہ ہمارا غلام بھگوڑا ہے اور نافرمان۔ کام میں جی نہیں لگا تا ہم اسے بیچتے ہیں، تم اسے مول لے لو اور اپنے ساتھ اور کسی شہر میں لے جاؤ، کہ ہم سے یہ دور ہو جائے اور اس کی خبر ہم نہ سنیں۔ مالک بولا، کہ زرِ نقد جو میرے پاس تھا، میں نے اس کا مال مول لے لیا ہے۔ ہاں کئی کھوٹے درم میرے پاس باقی ہیں۔ بھائی بولے: کہ تو جانتا ہے، کہ اس غلام کی قیمت تو بہت کچھ ہے، مگر ہم تیرے ہاتھ اُسی قیمت پر بیچتے ہیں، جو تیرے پاس ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کا ہاتھ مالک کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔۔۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ

اور بھائیوں نے انھیں بیچ ڈالا، کھوٹے دام سے چند روپے۔

وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۟

اور ان سے بے رغبت تھے ●

(اور) قصہ مختصر (بھائیوں نے انہیں بیچ ڈالا کھوٹے دام سے چند روپے) کے عوض۔یعنی قیمت بھی کم اور وہ بھی کھوٹے سکے۔

اس زمانے کے لوگوں کی عادت یہ تھی، کہ چالیس[۴] درم سے کم گنتے تھے اور زیادہ تولتے تھے۔مالک نے اپنے درہم گنے، سترہ[۱۷]۔۔یا۔۔بیس[۲۰] تھے۔ہر بھائی نے دُو دُو[۲] اٹھالیے، لیکن یہودا نے کچھ نہیں لیا۔۔دراصل۔۔برادرانِ یوسف علیہ السلام کچھ مالی منفعت کے خواستگار نہیں تھے۔وہ تو جلد از جلد یوسف علیہ السلام کو اپنے علاقے سے بہت دور کر دینا چاہتے تھے۔ تو سچی بات یہی تھی، کہ وہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام سے بیزار۔۔۔

(اور ان سے بے رغبت تھے)۔۔چنانچہ۔۔وہ یہ نہیں چاہتے تھے، کہ یوسف علیہ السلام ان کے ساتھ رہیں۔

۔۔یا یہ۔۔کہ قافلہ والے انہیں مول لینے میں بے رغبت تھے، اس لیے کہ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے قافلہ والوں سے ان کا تعارف بھگوڑے اور نافرمان غلام کی حیثیت سے کرایا تھا، تو ایسے کو کون خریدنا چاہے گا۔۔بااین ہمہ۔۔انہوں نے بے دلی کے ساتھ خرید لیا، شاید اس خیال سے، کہ اسے کہاں اپنے پاس رکھنا ہے؟ اس کو جلد از جلد فروخت ہی تو کر دینا ہے، ہوسکتا ہے اس کو فروخت کرنے سے اچھی قیمت وصول ہو جائے۔

۔۔الختصر۔۔پھر مالک یوسف علیہ السلام کو مصر میں لایا۔اس زمانے میں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید عملیقی تھا۔اس بادشاہ نے اپنے ملک کے کاموں میں تصرف کا اختیار قطفیر۔۔یا۔۔اطفیر مصری کو دے دیا تھا، کہ اُسے عزیز کہتے تھے۔جب مدین کے قافلے کی خبر مصر میں پہنچی اور عزیز کے گماشتے قافلے کی راہ پر آئے اور یوسف علیہ السلام کو دیکھا، تو ان کے حسن و جمال سے شیفتہ اور حیران ہو کر واپس ہوئے، اور عزیزِ مصر کو خبر دی اور وہ ایک بی بی رکھتا تھا جس کا نام راعیل۔۔یا۔۔فکار، اور مشہور یہ ہے کہ زلیخا تھا۔

القصہ جب عزیز نے غلام کی خبر سنی تو مالک کو پیغام دیا، کہ اپنے غلام کو نخاس میں لاؤ۔ دوسرے دن یوسف علیہ السلام کو آراستہ کر کے مالک بازار میں لے گیا اور اس جمالِ شیریں کا شور مصریوں میں پڑا۔خریدار قیمت بڑھانے لگے۔ہر ایک جو قیمت لگاتا، دوسرا آدمی اور کچھ بڑھا دیتا۔یہاں تک نوبت پہنچی، کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے برابر تول کر چاندی سونا مشک اور دیبا دینے لگے۔عزیزِ مصر نے خریداری میں پیش قدمی کی اور قیمت دے کر یوسف علیہ السلام کو اپنے گھر لے گیا۔

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤی

اور کہا جس نے ان کو خریدا، مصری نے اپنی بی بی سے، "کہ انکو خوب ٹھکانے سے رکھو، ہوسکتا ہے کہ ہمارے

اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ

کام آوے، یا ہم اسکو فرزند بنالیں"۔ اور اس طرح سے مضبوط ٹھکانہ دیا ہم نے یوسف کو اس سرزمین میں۔

وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤی اَمْرِهٖ

اور تا کہ سکھادیں ہم ان کو باتوں کے نتیجہ بتادینے کو، اور اللہ غالب ہے اپنے کام میں۔

وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

لیکن بہتیرے لوگ نادان ہیں●

(اور) پھر (کہا جس نے ان کو خریدا) مذکورہ بالا (مصری نے اپنی بی بی) زلیخا (سے، کہ ان کو خوب ٹھکانے سے رکھو) یعنی ان سے خوبی کے ساتھ پیش آؤ اور اچھی طرح ان کا خیال رکھو، کیونکہ (ہوسکتا ہے کہ) یہ (ہمارے کام آوے) اور ہمیں نفع پہنچائے زمین و تالاب کے کام میں اور مصالح روزگار کے سرانجام دینے میں، (یا ہم اس کو فرزند بنالیں)۔ کیونکہ عزیز اس قابل نہ تھا، کہ اس کی اولاد ہو۔ چونکہ بزرگی کے آثار حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے سے ظاہر تھے، اس لیے اس کا قلبی جھکاؤ ان کی طرف ہوگیا۔ (اور اس طرح سے) یعنی جس طرح سے یوسف کی محبت کو اس کے دل میں جگہ دی، اسی طرح (مضبوط ٹھکانہ دیا ہم نے یوسف کو اس سرزمین) مصر (میں)۔ یعنی اچھا مکان والا کردیا اور بااختیار و بااقتدار بنادیا، تا کہ اس میں تصرف کرے۔

(اور) مصر میں صاحبِ تصرف بنانے میں ایک حکمت یہ بھی ہے، (تا کہ سکھادیں ہم ان کو باتوں کے نتیجہ بتادینے کو) یعنی خواب کی تعبیروں کو اور کتبِ الٰہی کے معانی کو۔ (اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (غالب ہے اپنے کام میں) کوئی کسی چیز کو اس سے رد نہیں کرسکتا اور کسی چیز میں اس سے نزاع نہیں کرسکتا۔۔ یا یہ۔۔ کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے امر یوسف علیہ السلام پر، کہ بھائیوں کی خواہش تھی ان کی ہلاکت اور خواری کی اور اللہ جل شانہ کو مرضی تھی ان کی عزت اور سرداری کی۔ اور وہی ہوا جو خدا نے چاہا تھا۔ (لیکن بہتیرے لوگ نادان ہیں) اور وہ نہیں جانتے، کہ کاموں کی باگ اسی کے قبضہ و مشیت میں ہے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور جب وہ پہنچے اپنی پوری طاقت کو، تو دیا ہم نے ان کو حکم اور علم۔ اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں مخلص بندوں کو●

(اور جب وہ) یعنی یوسف علیہ السلام **(پہنچے اپنی پوری طاقت کو)** اٹھارہ[18]۔۔یا۔۔بیس[20] برس کی عمر میں ۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق تیس[30] اور چالیس[40] برس کے درمیان میں، **(تو دیا ہم نے ان کو حکم اور علم)**۔

حکم سے مراد نبوت ۔۔یا۔۔ حکمت ہے۔ حکمت یعنی وہ علم جو عمل کی تائید کرنے والا ہو ۔۔یا۔۔اس سے مراد دینی علم ہے۔

(اور اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں مخلص بندوں کو) یعنی نیک کام کرنے والوں کو۔

روایت ہے، کہ جب یوسف علیہ السلام عزیز کے گھر میں آئے، تو اس کے عشق کے بادشاہ نے زلیخا کے خانہء دل میں دخل کیا، اور ان کے حسن کے لشکر نے اس کے صبر وسکون کی متاع لوٹ لی۔ زلیخا نے جب ان کے چہرے پر نگاہ ڈالی، پس دیکھتے ہی بے تاب ہوگئیں۔ خوب صورت اور خوب سیرت ہونے کی وجہ سے ان پر ایک دل سے نہیں، بلکہ سو دل سے فریفتہ ہوگئیں۔ جب عشق کمال کو پہنچا اور شوق نہایت درجہ بڑھا، تو زلیخا نے اپنا حال یوسف علیہ السلام سے ظاہر کیا۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ

اور لبھانا چاہا انہیں اس عورت نے جسکے گھر میں وہ تھے، انکی خودداری سے، اور بند کر لئے سارے دروازے، اور بولی

هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّىْۤ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ

آؤ تمہیں کو کہتی ہوں۔ جواب دیا کہ اللہ کی پناہ، بیشک عزیز تو میرا مربی ہے، مجھ کو خوب ٹھکانے سے رکھا۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

کیا شک ہے کہ اندھیر مچانیوالے کامیاب نہیں ہوتے●

(اور لبھانا چاہا انہیں اس عورت نے جس کے گھر میں وہ تھے، ان کی خودداری سے) یعنی زلیخا نے ان کی جان سے بے قابو کرنے کے لیے یوسف علیہ السلام کو بہلایا پھسلایا۔ اور اپنا مطلب یوسف علیہ السلام سے چاہا اور انہیں اس محل میں لے گئی جس میں سات[7] گھر ایک کے بعد ایک بنائے تھے۔۔ الغرض۔۔

زلیخا اس مکان میں لے گئی (اور) پھر (بند کر لیے سارے دروازے اور بولی آؤ تمہیں کو کہتی ہوں) یعنی جلدی کر اور میرے آگے آ، کہ میں تیرے واسطے ہوں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا، تو (جواب دیا کہ اللہ) تعالیٰ (کی پناہ، بے شک عزیز تو میرا مربی ہے) جس نے (مجھ کو خوب ٹھکانے سے رکھا) اور تجھ سے بھی مجھے اچھی طرح رکھنے کا حکم کیا ہے، تو میں اس کی حرمت اور اس کی نعمت کے حق کی رعایت کر کے اس کے حرم میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ (کیا شک ہے کہ اندھیر مچانے والے کامیاب نہیں ہوتے)، یعنی جو حق نہیں پہچانتے اور نیکی کے بدلے بدی کرتے ہیں، وہ ایسے ظالم ہیں جن کے لیے رسوائی ہی ہے۔۔یونہی۔۔ بدکاری کرنے والے بھی سارے ظالموں سے بدتر ہیں۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ

اور سچ یہ ہے کہ عورت نے تو طے کر لیا تھا ان کو، اور وہ ارادہ کر گزرتے، اگر نہ دیکھ لیتے اپنے پروردگار کی دلیل کو۔

عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

ایسا یوں ہوا، تاکہ دور کر دیں ان سے برائی و بے حیائی کو۔ بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہیں ●

(اور سچ) تو (یہ ہے کہ عورت نے تو طے کر لیا تھا ان کو، اور وہ ارادہ کر گزرتے، اگر نہ دیکھ لیتے اپنے پروردگار کی دلیل کو)، یعنی عصمتِ الٰہی کا نور اور نبوتِ یوسفی کی روشنی ایک ایسی دلیل تھی، جو یوسف علیہ السلام اور اس کام کے درمیان میں حائل ہوگئی جو خدا کے غصے کا سبب ہو، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے قوتِ نبوت اور مددِ فتوت سے اُس حال میں اپنے تئیں بچا رکھا۔ (ایسا یوں ہوا، تاکہ دور کر دیں ان سے برائی و بے حیائی کو) یعنی ہم نے یوسف علیہ السلام کو عصمت و عفت پر ثبات اس لیے عطا فرمایا، تاکہ پھیر دیں ہم اس سے برائی، یعنی عزیز کے حرم میں خیانت کرنے سے اسے باز رکھیں، اور بدکاری کے قریب جانے نہ دیں۔ ویسے بھی (بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں سے ہیں) یعنی ایسے خالص بندے جن کی شان یہ ہے، کہ جو جو بات نہ کرنی چاہیے ان سب سے پاک وصاف کر دیا گیا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضرت یوسف علیہ السلام زلیخا کے پاس سے بھاگے۔ جس بند دروازے کے پاس پہنچتے، مفتح الابواب جل شانہ کے حکم سے وہ کھل جاتا۔ بی بی زلیخا بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے پیچھے دوڑیں۔۔۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ

اور دونوں بڑھے دروازہ کی طرف، اور عورت نے انکا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا، اور دونوں کو مل گیا عورت کا شوہر دروازہ کے پاس۔

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

وہ بولی "نہیں سزا ہے اسکی جس نے ارادہ کیا تمہاری زوجہ سے بری بات کا، مگر یہ کہ قید خانہ میں ڈال دیا جائے، یا دکھ دینے والی سزا دی جائے"●

(اور دونوں بڑھے دروازے کی طرف)۔ ناگاہ بی بی زلیخا حضرت یوسف علیہ السلام تک پہنچ گئیں اور انہیں پکڑ کر پھر کھینچا (اور) اس کھینچنے کا نتیجہ یہ ہوا، کہ (عورت نے ان کا کرتا پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور دونوں کو مل گیا عورت کا شوہر) یعنی عزیز (دروازے کے پاس) باہر۔ جب عزیز نے یوسف علیہ السلام اور زلیخا کو مضطرب دیکھا، تو سمجھا کہ ایسی صورت ظاہر ہوئی ہے، کہ یہ دونوں آشفتہ ہیں۔ قبل اس کے، کہ وہ تحقیق کرنے میں مشغول ہو، زلیخا نے پہل کی اور (وہ) دلیروں کی طرح (بولی نہیں سزا ہے اس کی جس نے ارادہ کیا تمہاری زوجہ سے بری بات کا، مگر یہ کہ قید خانہ میں ڈال دیا جائے۔۔یا۔۔دُکھ دینے والی سزا دی جائے)۔

اس گفتگو سے اس نے چاہا، کہ اپنے گناہ سے خود کو بری الذمہ قرار دے اور ایسا ظاہر کرے، کہ یہ یوسف علیہ السلام کا جرم ہے اور خود ہی اس کی سزا بھی تجویز کر دی، کہ ایسے کو قید کر دیا جائے۔۔یا۔۔ بصورتِ دیگر دردناک عذاب دیا جائے۔۔مثلاً: کوڑے وغیرہ لگائے جائیں۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات سنی، کہ قید اور عذاب سے دھمکاتی ہے، تو۔۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ

جواب دیا "کہ اس عورت نے خود لبھایا مجھ کو میری خودداری سے"، اور گواہی دی انھیں میں سے ایک گواہ نے،

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾

کہ اگر ان کا کرتہ چاک کیا گیا ہے آگے سے، تو عورت سچی۔ اور یہ جھوٹوں سے●

(جواب دیا، کہ اس عورت نے خود لبھایا مجھ کو میری خودداری سے) اور درخواست کی مجھ سے میری ذات کی، لیکن میں نے اس کی خواہش پوری نہیں کی اور اُس سے بھاگا۔ عزیز مصر نے کہا کہ ہم کیوں کر جانیں، کہ تیری یہ بات سچ ہے؟ کوئی یہ حال جانتا ہے؟ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ہاں اس مکان میں چار مہینے کا ایک لڑکا جھولے میں تھا، وہ میرا گواہ ہے۔ اور وہ لڑکا زلیخا کی خالہ کا لڑکا تھا۔ عزیز

بولا چار مہینے کا بچہ کیا جانے اور کیوں کر بات کرے گا؟ تو میرے ساتھ مہمل بات اور مسخرا پن کرتا ہے۔ یوسف علیہ السلام بولے: میرا خدا اس بات پر قادر ہے، کہ اس کو باتیں کرنے والا کردے، اور وہ میرے بے گناہ ہونے پر گواہی دے۔

روایت ہے، کہ عزیز نے اس بچہ سے پوچھا، تو کیا کہتا ہے؟ وہ قدرتِ خداوندی سے بولنے لگا اور یہ بات کہی، کہ یوسف علیہ السلام سچ کہتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس قصہ سے ان الفاظ میں خبر دی۔۔۔

(اور) آگاہ کیا، کہ (گواہی دی انہیں میں سے ایک گواہ نے، کہ اگر ان کا کرتا چاک کیا گیا ہے آگے سے) اس طور پر کہ زلیخا نے یوسف کو اپنے سے دفع کرنے کا قصد کیا، جس کی وجہ سے ان کا گریبان آگے سے پھٹ گیا، (تو عورت) یعنی زلیخا (سچی ہے، اور یہ) مرد یعنی حضرت یوسف (جھوٹوں سے) ہے۔

وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿٢٧﴾

اور اگر کرتہ پھاڑا گیا ہے پیچھے سے، تو عورت جھوٹی اور یہ سچے●

(اور اگر) صورتِ حال یہ ہو، کہ (کرتا پھاڑا گیا پیچھے سے، تو عورت جھوٹی اور یہ سچے) ہیں۔ اس واسطے، کہ یہ حال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف علیہ السلام اس سے بھاگے اور اس نے پیچھے آکر ان کو اپنی طرف کھینچا، اس لیے کرتا پیچھے سے پھٹ گیا۔

بعضوں نے کہا ہے کہ زلیخا کے چچازاد بھائی نے گواہی دی اور حکمت کی رو سے مذکورہ بالا بات کہی۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ

توجب دیکھا کہ ان کا کرتہ پھاڑا گیا ہے پیچھے سے، فیصلہ کیا کہ بیشک تم عورتوں کا تریا چلتر ہے۔

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾

واقع میں تمہارے چلتر بڑے ہیں●

(توجب دیکھا) عزیز نے (کہ ان کا کرتہ پھاڑا گیا ہے پیچھے سے)، تو زلیخا کی طرف متوجہ ہوا اور غصہ میں آکر (فیصلہ کیا، کہ) یہ (بے شک تم عورتوں کا تریا چلتر) یعنی عورتوں کا مکروحیلہ (ہے۔

واقع میں تمہارے چلتر) یعنی مکر وفریب اور چال چھل (بڑے ہیں) جو جلدی دل میں آجاتا ہے اور نفس میں تاثیر کرتا ہے۔ پھر عزیز یوسف علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا اور عذر خواہی کے طور پر کہا۔۔۔

یُوۡسُفُ اَعۡرِضۡ عَنۡ هٰذَا ٜ وَاسۡتَغۡفِرِیۡ لِذَنۡۢبِكِ ۖۚ

اے یوسف ہٹاؤ اس کو○۔۔۔ اور اے مساۃ! اپنے گناہ کی مغفرت مانگ۔

اِنَّكِ كُنۡتِ مِنَ الۡخٰطِــٕيۡنَ ﴿۲۹﴾ ع ۱۲/۹

ثابت ہے کہ تو خطا کاروں سے ہے●

(اے یوسف ہٹاؤ اس کو) اور درگزر کرو اور اس بات سے صرفِ نظر کرلو اور اس بات کو پوشیدہ رکھو۔ پھر عزیز زلیخا کی طرف متوجہ ہوا (اور) ان سے کہا (اے مساۃ! اپنے گناہ کی مغفرت مانگ) اس لیے کہ، یہ (ثابت ہے کہ تو خطا کاروں سے ہے)۔

عزیز نے اگرچہ اس قصے کو دبانا چاہا اور مٹانا چاہا، مگر عشق کی بات کب چھپتی ہے۔ یہ ماجرا کچھ لوگوں کی زبانوں پر آیا اور وہ اِدھر اُدھر بیان کرنے لگے اور مصر کی بعض بیبیاں بی زلیخا کی ملامت کرنے لگیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ عشق کو غوغائے ملامت درکار ہے اور سودائے سلامت ناسازوار ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔اس عشق کا بھی چرچا ہوا۔۔۔

وَقَالَ نِسۡوَةٌ فِى الۡمَدِيۡنَةِ امۡرَاَتُ الۡعَزِيۡزِ تُرَاوِدُ فَتٰٮهَا عَنۡ نَّـفۡسِهٖ ۚ

اور کہنے لگیں عورتیں شہر بھر میں، کہ "عزیز کی بی بی لبھاتی ہے جوان کو اس کی خودداری سے۔

قَدۡ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰٮهَا فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۳۰﴾

اس کی محبت اس پر چھا گئی ہے۔ ہماری رائے میں وہ بلاشبہ کھلی سرمستی میں ہے"●

(اور کہنے لگیں عورتیں) خاص طور پر ملک ریان کی پانچ خواصیں (شہر بھر میں)، خاص کر کے شہر مصر کے موضع عین الشمس میں، پاس بیٹھ کر باہم گفتگو کرنے لگیں۔ جن کی گفتگو یہ تھی (کہ عزیز کی بی بی لبھاتی ہے جوان کو اس کی خودداری سے) یعنی اپنے نوجوان غلام کو اس کی جان سے اُسے بے قابو کرنے کے لیے، اُسے بہلاتی پھسلاتی ہے۔ اس لیے کہ (اس کی محبت اس پر چھا گئی ہے۔ ہماری رائے میں وہ بلاشبہ کھلی سرمستی میں ہے) کہ عزیز ایسا شوہر موجود ہوتے ہوئے، اپنے زرخرید غلام پر فریفتہ ہوئی۔ یہ اس کی کھلی ہوئی خطاء اور گمراہی نہیں ہے، تو اور کیا ہے؟۔۔۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ

پس جب اس نے سنا عورتوں کے پروپیگنڈہ کو، توان کو بلاوا بھیجا، اور تکیے انکے لئے لگائے۔ اور دے دیا

كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ

ہرایک کوان میں سے ایک چھری۔ اورآوازدی کہ نکل آؤان عورتوں میں، اب جوعورتوں نے ان کودیکھا،

اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ

توان کی بڑائی کرنے لگیں، اورکاٹ ڈالے اپنے ہاتھ، اور بول پڑیں کہ "حاشاللہ! یہ بشرنہیں ہیں"۔

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

"یہ نہیں ہے مگرکوئی بزرگ فرشتہ"●

(پس جب اس نے سنا عورتوں کے پروپیگنڈہ کو) اوران کی خفیہ آپسی چرچے کو، **(توان کو بلاوا بھیجا)** یعنی بھیجاان کی طرف آدمی اور یہ استدعا کی، کہ اس کے بلانے پر چلی آئیں۔ بی زلیخا نے چالیس عورتوں کوآنے کی دعوت دی، ان میں وہ پانچ عورتیں بھی تھیں جنہوں نے اپنی جگہ پر زلیخا کی ملامت کی تھی۔ جب یہ سب عورتیں زلیخا کے گھرآئیں، تواُن کے ساتھ تعظیم کی رسمیں ادا کیں، **(اور تکیےان کے لیے لگائے اور دے دیا ہرایک کوان میں سے ایک چھری)** تاکہ گوشت کاٹ کرنوش کریں اور یوسف علیہ السلام کے پاس آکر لباسِ فاخرہ پہنایا اورتاجِ مرصع ان کے سرمبارک پر رکھا **(اور)** پھر **(آوازدی کہ نکل آؤعورتوں میں)**۔

یوسف علیہ السلام نے پہلے توانکارکیا، لیکن بی زلیخا نے اصرارکیا۔ یہاں تک کہ، لے ہی آئیں۔ **(اب جوعورتوں نے ان کودیکھا، توان کی بڑائی کرنے لگیں)** اورسب ان کے حسن کی شیفتہ ہوکرآپے سے باہرہوگئیں۔ یہاں تک کہ، خوداپنے کوفراموش کردیا **(اورکاٹ ڈالے اپنے ہاتھ)**۔ بےخودی کا یہ عالم، کہ اس کا دردانہیں محسوس نہ ہوا۔ القصہ مصر کی عورتیں بےخودی سے جب آپ میں آئیں، تو تعریف کرنے لگیں **(اور بول پڑیں کہ حاشاللہ! یہ بشرنہیں ہیں)**۔ اس لیے کہ ایسا حسن وجمال کسی آدمی میں نہ کسی نے دیکھا، نہ سنا۔ تو **(یہ نہیں ہے مگرکوئی بزرگ فرشتہ)** اس واسطے، جمال اس زیبائی کے ساتھ، کمال اس رعنائی کے ساتھ، اوراس درجہ عصمت، خاصۂ ملکیت ہے۔

یہ تو رہی حسن یوسفی کی شان، کہ دیکھنے والوں نے فرشتہ گمان کیا، اور یہ ہے جمال وکمال

محمدی کی آن بان، کہ دیکھنے والے کہہ گئے، کہ میں نے مدینے کی گلیوں میں حق کو چلتے پھرتے دیکھا۔ یہاں تک کہ خود خالق نے فرمادیا، کہ 'میں نے کسی مخلوق کو تجھ سے زیادہ خوبصورت نہیں پیدا کیا'۔ اور یہ بات تو سب پر ظاہر ہے، کہ:

'حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں۔۔
سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردانِ عرب'

'حسن یوسف پہ کٹیں'۔۔۔ یعنی عورتوں نے ہوش وحواس میں نہیں کاٹا۔۔ بلکہ۔۔ بے خودی میں کٹ گئیں، وہ بھی جب چہرہ دیکھا تب کٹیں، وہ بھی یہ عورتوں کی بات ہے، مردوں کی نہیں۔ اور وہ بھی صرف انگلیوں کے کٹنے کی بات ہے، گردنوں کی نہیں۔ اور یہ حسن محمدی ہے کہ جن کے چہرۂ مبارک کو دیکھے بغیر، صرف نام پر انگلیاں نہیں۔۔ بلکہ۔۔ گردنیں کٹا رہے ہیں۔ یہ عورتوں کی بات نہیں ہے، بلکہ مردوں کی حالت ہے۔ یہ بے ہوشی اور بے خودی کے عالم میں نہیں، بلکہ ہوش وحواس کے عالم میں۔

تو صرف نام اقدس پر قربان ہوجانے والے جمالِ جہاں آرا کو دیکھ لیں، تو ان کا کیا عالم ہو، یہ بیان سے باہر کی چیز ہے۔ بے شک 'زلیخا کی ملامت کرنے والی عورتیں اگر رسول اللہ ﷺ کی پیشانی عمبارک دیکھتیں، تو بجائے ہاتھوں کے، دل کے ٹکڑے کرڈالتیں'۔۔۔ القصہ جب زلیخا نے عورتوں کی حیرت اور شیفتگی دیکھ لی۔۔۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ

تب کہا، کہ "یہی ہے جس کے بارے میں تم لوگ میری ملامت کرتی رہیں۔ اور بے شک میں نے ہی اس کو لبھانا چاہا

عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ

اس کی خودداری سے، پھر بھی وہ معصوم رہا۔ اور اگر اس نے وہ نہ کیا، جس کا میں حکم دیتی ہوں، تو ضرور جیل جائے گا،

وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

اور یقیناً ہوگا آبرو باختوں سے" ●

(تب کہا کہ یہی ہے جس کے بارے میں تم لوگ میری ملامت کرتی رہیں اور بے شک میں نے ہی اس کو لبھانا چاہا اس کی خودداری سے) یعنی انہیں ان کی جان سے بے قابو کرنے کے لیے اور اپنا شیفتہ بنانے کے لیے ان کو بہلایا پھسلایا، (پھر بھی وہ معصوم ہی رہا) اور اپنے آپ کو بچایا اور مجھ پر

نہ جھکا۔ مگر میری شیفتگی (اور) دیوانگی کا عالم یہ ہے، کہ میں نے طے کرلیا ہے، کہ جو میں چاہتی ہوں، وہ کرا کے رہوں گی۔ اب (اگر اس نے وہ نہ کیا، جس کا میں حکم دیتی ہوں، تو ضرور جیل جائے گا) اور قید و بند کی زندگی اُسے گزارنی ہوگی۔ (اور) پھر (یقیناً ہوگا وہ آبرو باختوں سے) یعنی قیدی بننے کی ذلت و رسوائی اس کو حاصل ہوگی۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ کلام سنا، تو اُس جلسے سے منہ پھیرا اور واپس ہونے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور عورتیں بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر گئیں، اس حیلے سے کہ ہم جا کر اسے فہمائش کرتے ہیں، اور وہاں ہر ایک نے علیحدہ علیحدہ اپنی طرف انہیں بلایا اور ہر ایک جدا جدا خواہشمند ہوئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان باتوں سے تنگ آکر بارگاہِ خداوندی میں۔۔۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ

دعا کی "اے میرے پروردگار جیل مجھ کو زیادہ پسند ہے اس حرکت سے، جدھر مجھ کو سب بلاتی ہیں۔ اور اگر تو نہ ٹالے مجھ سے

كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾

انکے داؤں کو، تو میں جھک پڑوں ان کی طرف، اور نادانوں سے ہو جاؤں"●

(دُعا کی، اَے میرے پروردگار! جیل مجھ کو زیادہ پسند ہے اس حرکت سے، جدھر مجھ کو سب بلاتی ہیں) اور سمجھاتی ہیں، کہ میں زلیخا کی خوشی کروں۔۔یا۔۔ان کی طرف مائل ہو جاؤں، (اور) اب (اگر تو نہ ٹالے) گا (مجھ سے ان کے داؤں کو) اور مجھے اپنی عصمت کی پناہ میں نہ لے گا، (تو) بظاہر اندیشہ ہے، کہ (میں جھک پڑوں ان کی طرف) اور ان کی باتیں مان لوں، (اور) پھر (نادانوں سے ہو جاؤں) اس کام کا مرتکب ہو کر، جو نہیں کرنا چاہیے۔

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾

تو قبول فرمالیا انھیں انکے پروردگار نے، چنانچہ ہٹا دیا ان سے ان عورتوں کے داؤں کو۔ بیشک وہ سننے والا دانا ہے●

(تو قبول فرمالیا ان کے پروردگار نے) ان کی دُعا کو، (چنانچہ ہٹا دیا ان سے ان عورتوں کے داؤں کو۔ بے شک وہ سننے والا) ہے اس کی دُعا کو جو اس کی پناہ لے، اور (دانا ہے) یعنی جاننے والا ہے اس کا حال، جو سب سے دور بھاگے۔

عورتیں جب یوسف علیہ السلام سے نا امید ہوئیں، تو زلیخا سے بولیں کہ صلاح یہ ہے، کہ

اُسے دو تین دن کے لیے قید رکھ، شاید کہ تکلیف کے سبب رام ہو جائے، اور راحت اور نعمت کی قدر جان کر تیرا کہا مان لے۔ زلیخا نے یہ بات مان لی اور عزیز کے پاس آکر کہنے لگی، کہ اس عبری غلام کے سبب میں بدنام ہوئی اور میری طبیعت کو اس سے خدمت لینے سے نفرت ہوگئی ہے۔ صلاح یہ ہے، کہ اسے قید خانے میں بھیج دے، تاکہ لوگ یہ گمان کریں کہ وہ گناہ گار ہے اور میں ملامت سے بچوں۔ عزیز نے یہ بات قبول کرلی اور حکم کیا کہ یوسف کو قید خانے لے جاؤ، لوگ لے گئے۔۔ الحاصل۔۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۝

ركوع ۱۴

پھر انھیں یہی سجھائی پڑا، بعد اسکے کہ دیکھ چکے ساری نشانیاں، کہ انھیں قید خانہ میں ڈال دیں کچھ مدت تک ●

(پھر انہیں یہی سوجھائی پڑا بعد اس کے کہ دیکھ چکے ساری نشانیاں) اور یوسف علیہ السلام کی عصمت کی دلیلیں اور برأت کے گواہ، جیسے چار مہینے کے بچے کی گواہی اور کُرتے کا چاک پیچھے سے پھٹنا، اور عورتوں کے ہاتھ کٹ جانا۔۔ الغرض۔۔ باوجود یہ نشانیاں دیکھنے کے، ان کی رائے میں یہی بات قرار پائی، (کہ) مصلحتاً (انہیں قید خانہ میں ڈال دیں کچھ مدت تک) کے لیے۔ یعنی یوسف علیہ السلام کو اس وقت تک قید کیا جائے، جب تک کہ لوگوں کے ذہنوں سے اس واقعے کا تصور ختم ہو جائے۔ یہ عزیز اور اس کے ساتھیوں کا خیال تھا ورنہ زلیخا تو یہ چاہتی تھیں، کہ وہ قید میں اتنی مدت تک رہیں، کہ وہ قید کی تکلیف برداشت نہ کرنے کے باعث زلیخا کے تقاضوں کو پورا کرنے پر مجبور ہو جائیں، اور عوام کو یقین ہو کہ واقعی یوسف مجرم تھا۔ پس یوسف علیہ السلام کو قید میں لے گئے، اور زندان کو اس سرو قامت گل رخسار کے سبب سے رشک گلستاں بنایا۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ

اور داخل ہوئے انکے ساتھ قید خانہ میں دو جوان، ان میں سے ایک نے دریافت کیا، "کہ میں نے خواب دیکھا کہ شراب نچوڑ رہا ہوں"۔

وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ

اور دوسرے نے سوال کیا، "کہ میں دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوں اور پرند اس میں سے کھا رہے ہیں"۔

نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

"ہم لوگوں کو اسکی تعبیر بتا دیجئے۔ ہماری رائے میں واقعی آپ نیکوں سے ہیں"●

(اور) اسی اثناء میں (داخل ہوئے ان کے ساتھ قید خانہ میں دو) تو (جوان) جو بادشاہ ریان کے ملازموں میں سے تھے۔

ایک بادشاہ کا ساقی یعنی شراب پلانے والا تھا، اس کا نام ابروہا۔۔یا۔۔یونا تھا اور دوسرا باورچی جس کا نام غالب۔۔یا۔۔مجلب تھا۔ پہلا بادشاہ کے لیے پانی لاتا تھا اور دوسرا کھانا تیار کرتا تھا۔ ان دونوں کے تعلق سے بادشاہ کو گمان ہوا، کہ ہمارے دشمنوں کی سازش کا شکار ہو کر یہ مجھے زہر دے دیں گے۔۔لہٰذا۔۔ان دونوں کو قید خانہ میں ڈلوا دیا۔

۔۔المختصر۔۔حضرت یوسف کے ساتھ یہ دونوں بھی قید خانہ میں داخل ہوئے۔ حضرت یوسف قید خانہ میں قیدیوں کی خبر گیری کرتے اور ان کے خوابوں کی تعبیر بیان فرماتے۔ یہاں تک کہ، ان دونوں قیدیوں نے بھی خواب دیکھے۔ کہتے ہیں کہ ساقی نے دیکھا، باورچی نے نہیں۔ یہ بھی قول ہے، کہ کسی نے خواب نہیں دیکھا، فقط حضرت یوسف کا امتحان کرنے کو۔

(ان میں سے ایک نے دریافت کیا کہ میں نے خواب دیکھا، کہ) میں انگور کے باغ میں ہوں۔ انگور کی ایک ٹٹی پر انگور کے تین خوشے پکے ہوئے لگے ہیں اور بادشاہ کا کٹورا میرے ہاتھ میں ہے اور میں (شراب نچوڑ رہا ہوں)۔

عرقِ انگور کو شراب اس واسطے فرمایا، کہ شراب اس سے بنتی ہے۔

(اور دوسرے) یعنی باورچی (نے سوال کیا کہ میں) خواب میں (دیکھتا ہوں، کہ اپنے سر پر روٹی اٹھائے ہوں) یعنی روٹیوں کے تین خوان سر پر رکھے ہوئے ہیں، (اور پرند اس میں سے کھا رہے ہیں)، اور اڑائے لیے جاتے ہیں۔ تو (ہم لوگوں کو اس کی تعبیر بتا دیجیے، ہماری رائے میں واقعی آپ نیکوں سے ہیں) یعنی قیدیوں کے ساتھ نیک کام کرنے والوں میں سے ہیں۔ تو ہمارے خوابوں کی تعبیر بتا کر ہمارے ساتھ بھی نیکی کریں۔ چونکہ ان میں سے ایک کے خواب کی تعبیر بہت بری تھی، اس لیے یوسف علیہ السلام نے فوری طور پر ان کے خواب کی تعبیر بتانے کو ٹال دیا، اور انہیں۔۔۔

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ

جواب دیا" کہ نہ آئیگا تم دونوں کے پاس وہ کھانا جو تم کو دیا جاتا ہے، مگر بتا چکا ہوں گا میں تم کو تعبیر، اسکے آنے سے پہلے۔

ذَٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

یہ یوں، کہ سکھا دیا مجھ کو میرے پروردگار نے۔ بیشک میں نے چھوڑ دیا اس قوم کے دھرم کو، جو نہ مانیں اللہ کو،

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور وہ آخرت کے منکر ہیں●

(جواب دیا کہ نہ آئے گا تم دونوں کے پاس وہ کھانا جو تم کو دیا جاتا ہے، مگر بتا چکا ہوں گا میں تم کو) اس کی نوعیت کی (تعبیر اس کے آنے سے پہلے) یعنی میں اس کی حقیقت کی توضیح وتشریح کر چکا ہوں گا، کہ وہ کس قسم کا کھانا ہے، اس کا رنگ کیا ہے، مزہ کیا ہے، انسانی بدن پر اس کے اثرات کیا ہوں گے۔ وہ نقصان دہ ہے۔یا۔ نفع بخش، وغیرہ وغیرہ۔ یعنی میں تمہیں اس کے غیب کی باتیں بتادوں گا۔ وہ بولے کہ ہم نے کاہنوں وغیرہ سے ایسی باتیں سنی ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کہ یہ میرا معجزہ ہے کہانت نہیں۔ (یہ یوں کہ سکھا دیا مجھ کو میرے پروردگار نے) یعنی غیب کی باتیں بتانا اور خوابوں کی تعبیر ظاہر کرنا۔ یہ ان باتوں میں سے ہے جن کا علم مجھے میرے پروردگار نے دے دیا ہے۔ اور مجھ پر رب کریم کا یہ فضل وکرم کیوں نہ ہو، کیونکہ (بے شک میں نے چھوڑ دیا اس قوم کے دھرم کو) اور ہمیشہ اس سے دور رہا، اور اپنے کو بچائے رکھا (جو نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو اور وہ آخرت کے منکر ہیں)۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ

اور میں نے پیروی کی اپنے باپ دادوں، ابراہیم واسحاق ویعقوب کے دین کی۔ ہمیں حق نہیں کہ شریک بنائیں

بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ

اللہ کا کسی چیز کو۔ یہ اللہ کے فضل سے ہے ہم پر اور لوگوں پر،

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

لیکن بہتیرے لوگ ناشکرے ہیں●

(اور) ان کے برعکس (میں نے پیروی کی اپنے باپ دادوں) کی یعنی (ابراہیم واسحٰق و یعقوب کے دین کی)۔ اپنے باپ دادا کا ذکر اس واسطے کیا، کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ شخص خاندانِ نبوت سے ہے۔۔یا۔۔ اس لیے کہ ان کا یہ کلام سن کر لوگ زیادہ راغب ہوں۔۔الحاصل۔۔ (ہمیں حق نہیں کہ شریک بنائیں اللہ) تعالیٰ (کا کسی چیز کو)، کیونکہ ہم پیغمبر ہیں۔ اسی لیے خدا کی وحدانیت پر یقین رکھتے ہوئے اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ (یہ) توحید (اللہ) تعالیٰ (کے فضل سے ہے ہم پر) کہ وحی کے ذریعہ سے ہمیں آگاہی دی (اور) کرم خاص ہے (لوگوں پر) کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو ان

کی ہدایت کے واسطے بھیجا، (لیکن بہتیرے لوگ) جن کے پاس پیغمبر آئے (ناشکرے ہیں)، یعنی خدا کے اس فضل کا شکر نہیں کرتے اور اس کی قدردانی نہیں کرتے۔۔تو۔۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾

اے دونوں قیدیو! کیا بہت سے جداگانہ رب اچھے ہیں، یا ایک اللہ قہر والا؟●

(اے دونوں قیدیو!) غور کرو اور سوچو (کیا بہت سے جداگانہ رب اچھے ہیں) جو تم رکھتے ہو، سونے، چاندی، لوہے، پتھر اور لکڑی کے۔۔یا۔۔اعلیٰ، اوسط، ادنیٰ وغیرہ، تو یہ سب بہتر ہیں، (یا ایک اللہ) جو (قہر والا) ہے، یعنی سب پر غالب ہے۔ اچھی طرح سے یقین کرلو، کہ۔۔۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ

جس کو تم لوگ معبود بناتے ہو اللہ سے الگ، کچھ نہیں ہے مگر فرضی نام، جو رکھ ڈالا ہے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے، نہیں نازل

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ

فرمایا اللہ نے ان کی کوئی سند۔ نہیں ہے حکم، مگر اللہ کا۔ اس نے حکم دیا کہ نہ پوجو مگر اسی کو۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٠﴾

یہی ہے سیدھا طریقہ۔ لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں●

(جس کو تم لوگ معبود بناتے ہو اللہ) تعالیٰ (سے الگ) ان کی حقیقت (کچھ نہیں ہے، مگر) وہ سب بس (فرضی نام) ہے (جو رکھ ڈالا تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے) بے حجت و بے دلیل۔ (نہیں نازل فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ان کی کوئی سند) کہ ان نام کے نام والے ہیں۔ تو تم چند نام ہی پوجتے ہو بے نام والوں کے۔ یاد رکھو، کہ (نہیں ہے حکم مگر اللہ) تعالیٰ (کا) اور (اس نے حکم دیا ہے کہ نہ پوجو مگر اُسی کو، یہی ہے سیدھا طریقہ) یعنی ظاہر اور درست دین قیم، (لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں) اور راہِ حق کو نہیں جانتے اور گمراہی کے جنگل میں سرگرداں پھرتے ہیں۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے، کہ پوچھنے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھی تھی، لیکن آپ نے تعبیر بتانے کو موخر رکھا اور پہلے ان کے سامنے پیغمبرانہ فریضۂ ہدایت ادا فرمانے لگے اور ان کو ان کی صلاح وفلاح کا راستہ دکھانے لگے ۔۔چنانچہ۔۔ان کو بت پرستی ترک کرنے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف دعوت دی، کیونکہ دین

کی اصلاح کرنا دُنیا کی باتیں بتانے سے اولیٰ ہے۔

ویسے بھی باورچی کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام کو علم تھا، کہ اس کو سولی دی جائے گی، تو آپ نے یہ چاہا، اس کو مرنے سے پہلے مسلمان کرنے کی کوشش کی جائے، تا کہ وہ کفر پر نہ مرے اور عذابِ شدید کا مستحق نہ ہو۔ تا کہ جسے ہلاک ہونا ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو، اور جسے زندہ رہنا ہو وہ دلیل سے زندہ رہے۔۔ المختصر۔۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنی مذکورہ بالا دعوت وہدایت پیش فرمانے کے بعد، ان دونوں کے خوابوں کی تعبیر بتانے کی طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا۔۔۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ

اے قید خانہ کے ساتھیو! رہا تم میں کا ایک، تو وہ شراب کا ساقی ہوگا اپنے مربی کا۔ اور رہا دوسرا،

فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝۴۱

تو پھانسی دیا جائے گا۔ پھر پرند اس کی کھوپڑی کو نوچیں گے۔ بات طے شدہ ہے، جس کو تم دونوں پوچھتے ہو۔

(اے قید خانے کے ساتھیو! رہا تم میں کا ایک، تو وہ شراب کا ساقی ہوگا اپنے مربی کا، اور رہا دوسرا، تو پھانسی دیا جائے گا) یعنی اُسے سولی پر لٹکایا جائے گا۔ اور کچھ مدت تک اس کو لٹکا رہنے دیں گے تا کہ نرم ہو جائے، (پھر) مردار خور (پرند اس کی کھوپڑی کو نوچیں گے)۔ تو انہوں نے آپس میں کہا کہ ہم نے جھوٹ کہا تھا اور کچھ بھی خواب نہیں دیکھا تھا۔ تو حضرت یوسف نے فرمایا (بات طے شدہ ہے) یعنی کام محکم کر دیا گیا ہے، اس خواب کا (جس کو تم دونوں پوچھتے ہو)، اور جو کچھ میں نے کہہ دیا اس میں خلاف نہ ہوگا۔ اب اگر تم نے خواب دیکھا، تو یہ اس خواب کی تعبیر ہوگی اور اگر نہیں دیکھا، بلکہ پیغمبر کا امتحان لینے کے لیے جھوٹ بولے، پھر یہ تمہاری اس گستاخی کی سزا ہے۔

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ

اور تاکید کی اسے، جسکے متعلق خیال کیا، کہ وہ چھوٹنے والا ہے، "کہ میرا ذکر اپنے مربی کے پاس کرنا"۔ اس کو شیطان

ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝۴۲ ع ۵/۱۵

نے بھلا دیا، کہ اپنے مربی کے پاس ذکر کرے۔ چنانچہ رہ گئے یوسف قید خانہ میں کئی سال۔

(اور) اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے (تاکید کی اُسے جس کے متعلق خیال کیا، کہ

وہ چھوٹنے والا ہے، کہ میرا ذکر اپنے مربی کے پاس کرنا) یعنی میری بے گناہی کا حال بادشاہ سے عرض کرنا، تاکہ مجھے اس تکلیف سے آزاد کرائے۔

جب تین۳ دن گزرے تو بادشاہ نے دونوں کو طلب کیا اور باورچی کی خطا اور خباثت ثابت ہوئی، اُسے سولی دے دی گئی اور جانور اس کے کاسۂ سر سے آنکھیں نکال لے گئے، اور ساقی کی بے جرمی اور امانت ثابت ہوئی، تو ویسا ہی پہلا منصب اُسے عنایت کیا۔ مگر جب ساقی مرتبۂ تقرب تک پہنچا اور جاہ و دولت کے ساغر سے سرخوش ہوا، تو قید خانے اور قیدیوں سے غافل ہوگیا۔ تو۔۔

(اس کو) یعنی یوسف کو اپنے مربی کے سامنے یاد کرنا اسے یاد نہ رہا۔ الغرض۔۔ (شیطان نے بھلادیا، کہ) وہ (اپنے مربی کے پاس) حضرت یوسف علیہ السلام کا (ذکر کرے۔ چنانچہ رہ گئے یوسف قید خانے میں کئی سال)۔

اس واقعے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام ساتے برس قید خانے میں رہے اور مشہور بات یہ ہے، کہ اوّل سے آخر تک بارہ۱۲ برس قید میں رہے۔ ایک دن حضرت جبرائیل قید خانہ میں آئے، حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں پہچانا اور کہا، کہ اے رسولوں کے بھائی کیا ہے، کہ آج میں تم کو گنہگاروں کے گھر میں دیکھتا ہوں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا، کہ اے طاہروں کے طاہر، حضرت رب العالمین تجھے سلام پہنچاتا ہے، اور فرماتا ہے کہ تم کو شرم نہیں آئی، کہ آدمی کو اپنی خلاصی کا سبب جانتے ہو اور اس سے سفارش چاہتے ہو۔ قسم ہے اپنے عزت و جلال کی، تجھے کئی برس قید خانہ میں رکھوں گا۔ یوسف علیہ السلام نے پوچھا، کہ رب تعالیٰ اس حال میں مجھ سے راضی ہے یا نہیں، جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں تجھ سے راضی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا اب، کہ وہ مجھ سے راضی ہے، تو پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ مگر جب تکلیف کی مدت تمام ہوئی، تو بادشاہ ریان نے ایک مہیب خواب دیکھا اور مصاحبوں کو طلب فرمایا۔۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّيٓ أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَٰتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ

اور سوال کیا بادشاہ نے، کہ "میں خواب میں دیکھتا ہوں، سات گائیں موٹی، جنھیں کھا رہی ہیں سات دبلی،

وَسَبْعَ سُنۢبُلَٰتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَٰتٍ ۖ يَٰٓأَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُءْيَٰيَ

اور سات ہرے خوشے اور دوسرے سوکھے۔ اے سردارو! بولو میرے خواب کے بارے میں،

اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔

(اور سوال کیا بادشاہ نے، کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی) خشک نہر سے نکلیں (جنہیں کھا رہی ہیں سات دبلی) گائیں اور ان کے پیٹ کچھ بڑھے نہیں۔ (اور) دیکھا میں نے (سات ہرے خوشے)، کہ ان کے دانے بندھ گئے تھے (اور دوسرے) سات گچھے اور دیکھے خشک (سوکھے)، پکے اور کاٹے ہوئے۔ پھر یہ خشک بالیں اُن ہری بالوں پر لپٹیں اور انہیں خاک کے نیچے کر کے چھپا دیا۔ تو (اَے سردارو!) یعنی کاہنوں! تعبیر دینے والو! اور قوم کے شریف لوگو! (بولو) اور جواب دو مجھے (میرے خواب کے بارے میں)، آخر اس کی تعبیر کیا ہے؟ (اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو)۔ بادشاہ کے اس سوال پر بادشاہ کے مخاطب دربار میں موجود حکماء اور اہل علم۔۔۔

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

سب نے کہا "کہ خواب خیال ہے۔ اور ہم پریشاں خوابی کی تعبیر نہیں جانتے"۔

(سب نے) بہ یک زبان (کہا، کہ) یہ صرف (خواب خیال ہے) یعنی پریشاں خوابی ہے، جو پریشاں خیالی اور بے جا سوچ اور فکر کا نتیجہ ہوتے ہیں (اور ہم پریشاں خوابی کی تعبیر نہیں جانتے) اس واسطے، کہ ہم سچے خوابوں کی تعبیر کہتے ہیں اور یہ باطل خوابوں سے ہے۔ ملک ریان اپنے خواب اور ان کے جواب سے متحیر ہو کر دریائے فکر میں غوطہ زن ہوا، کہ میری یہ مشکل کون شخص حل کرے، اور اس کی تعبیر کی راہ کون بتائے۔ ساقی نے بادشاہ کو متحیر اور متفکر دیکھا، تو حضرت یوسف علیہ السلام کا حال اُسے یاد آیا، تو چپ نہ رہ سکا۔۔۔

وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾

اور بول پڑا وہ، جو اُن دونوں قیدیوں سے بچا تھا اور یاد آ گیا تھا ایک مدت کے بعد، "کہ میں بتاؤں گا اسکی تعبیر، مجھ کو قید خانہ میں بھیج دو"۔

(اور بول پڑا وہ جوان دونوں قیدیوں سے بچا تھا اور) اس وقت اُسے (یاد آ گیا تھا)، کہ حضرت یوسف نے کہا تھا، کہ بادشاہ کے پاس مجھے یاد کرنا اور یہ بات بھی اُسے (ایک مدت کے بعد)

یاد آئی۔ قصہ مختصر: ساقی نے بادشاہ سے کہا (کہ میں بتاؤں گا اس کی تعبیر)، پس (مجھ کو قید خانہ میں بھیج دو) کیونکہ وہاں ایک شخص ہے جو علم تعبیر خوب جانتا ہے۔ بادشاہ یہ خبر سن کر نہایت خوش ہوا اور حکم کیا، کہ جلدی اٹھ اور خبر لا۔ ساقی سوار ہو کر قید خانہ میں آیا، اور زمین خدمت کو بوسہ دیکر عرض پیش کی۔۔۔

يُوسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

"یوسف، اے دوست، ہمیں تعبیر بتادو اس کی، کہ سات موٹی گائیں اُن کو سات

عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ

دبلی کھا رہی ہیں، اور سات ہرے خوشے اور دوسرے سوکھے۔ کہ میں

اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٦﴾

لوگوں میں جاؤں، تو وہ بھی جان جائیں"●

(یوسف، اے) میرے سچے (دوست: ہمیں تعبیر بتادو اس کی، کہ سات موٹی گائیں ان کو سات دبلی کھا رہی ہیں اور) ایسے ہی (سات ہرے خوشے اور دوسرے سوکھے) جو ان سبز خوشوں پر لپٹ کر انہیں خشک کر رہے ہیں۔ سب حکیم لوگ اس میں حیران ہیں کہ آپ کیا جواب دیتے ہیں۔ تو آپ مجھے شافی جواب عطا فرمائیے۔ تا (کہ) جب (میں لوگوں میں) یعنی بادشاہ اور اس کے ملازموں کی طرف آپ کا جواب لے کر (جاؤں، تو وہ بھی جان جائیں) اس خواب کی تعبیر کے ساتھ ساتھ آپ کی بزرگی اور فضیلت، پھر بشمولِ بادشاہ، وہ سب آپ کو اپنے پاس بلانے کی سوچیں اور اس طرح آپ کو قید سے رہائی مل جائے۔

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ

جواب دیا" کہ کھیتی کرو گے سات سال برابر۔ تو جو بھی کاٹا اس کو چھوڑ دو اس کی

سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾

بالی میں، مگر تھوڑا سا جو کھاؤ●

حضرت یوسف علیہ السلام نے (جواب دیا کہ کھیتی کرو گے سات سال برابر) اپنی عادت کے موافق، (تو جو بھی کاٹا اس کو چھوڑ دو اس کی بالی میں، مگر تھوڑا سا جو کھاؤ) یعنی جس قدر سے کھانے کی

ضرورت پوری ہو جائے اس کے سوا بالوں میں سے دانوں کو نکال کر صاف نہ کرو، تا کہ دوسری آفتوں سے دانے محفوظ رہیں۔۔الختصر۔۔غلہ بالوں سمیت ذخیرہ کرو۔صرف بقدرِ ضرورت ہی بالوں سے صاف کر کے دانے نکالو، جس سے کھانے کی ضرورت کی تکمیل ہو جائے۔

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ

پھر آئے گا اس کے بعد سات سخت سال، جو کھا جائیں گے جو پہلے رکھ لیا تھا تم نے،

اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾

مگر تھوڑا سا جو تم بچالو●

(پھر آئے گا اس کے بعد سات سخت سال)۔دبلی گایوں سے یہ مراد ہیں (جو) یعنی جو لوگ اس زمانے میں ہوں گے (کھا جائیں گے) وہ سب (جو پہلے رکھ لیا تھا تم نے، مگر تھوڑا سا جو) تخم پاشی کے لیے (تم بچالو)۔

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ

پھر آئے گا اس کے بعد، ایسا سال جس میں عام بارش کی جائے گی

وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ ع ۱۶

اور اس میں سب رس نچوڑینگے"●

(پھر آئے گا اس) قحط سالی کے برسوں (کے بعد ایسا سال، جس میں عام بارش کی جائے گی)۔انگور، تل اور دوسرے میووں کی بکثرت پیداوار ہو گی (اور اس میں سب) رس دار اور روغن دار پھلوں سے اس کا (رس) اور روغن (نچوڑیں گے)۔

بعضوں نے کہا ہے، کہ یہ گائے بکری کے تھنوں سے دودھ دوہنے کی طرف اشارہ ہے

اور اس سے فراغ سالی مراد ہے، کہ اس سال بے حد ارزانی ہو گی۔

جب حضرت یوسف پوری تعبیر کہہ چکے، تو ساقی ان کی خدمت سے واپس ہوا اور بادشاہ کی حضوری میں حاضر ہوا اور دربارِ عام میں وہ باتیں جس طرح سنی تھیں بیان کیں۔بادشاہ کو یہ تعبیر بہت پسند آئی، چاہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی زبانی اپنے کان سے سنے۔انہیں بلانے کو لوگ بھیجے۔۔۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ

اور کہا بادشاہ نے "کہ لے آؤ ان یوسف کو میرے پاس"، چنانچہ جب آیا انکے پاس قاصد، تو کہا "کہ لوٹ جاؤ اپنے مالک کی طرف،

فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ

پھر ان سے پوچھو کہ کیا حال ہے ان عورتوں کا، جنھوں نے کاٹ ڈالا تھا اپنے ہاتھوں کو۔

اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾

بیشک میرا پروردگار ان کے فریب کا دانا ہے"●

(اور) ان لوگوں سے (کہا بادشاہ نے، کہ لے آؤ ان) کو یعنی (یوسف کو میرے پاس، چنانچہ جب آیا ان کے پاس) بادشاہ کا فرستادہ (قاصد، تو) حضرت یوسف نے اس سے (کہا، کہ لوٹ جاؤ اپنے مالک کی طرف، پھر ان سے پوچھو) اور ان سے درخواست کرو، کہ وہ کھوج کرے اور حقیقتِ حال کو واضح کر دے، (کہ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے کاٹ ڈالا تھا اپنے ہاتھوں کو) زلیخا کی مجلس میں۔ (بے شک میرا پروردگار ان کے فریب کا دانا ہے) اور ان کے مکر وفریب سے بخوبی واقف ہے۔

یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ ان کا بے گناہ ہونا بادشاہ پر ظاہر ہو جائے، تا کہ کسی کو ان کے حال پر گفتگو کی مجال نہ رہے۔ اس لیے یہ بات بادشاہ کے پاس کہلا بھیجی۔ بادشاہ کا بھیجا ہوا آدمی جب پھر آیا اور حضرت یوسف کا پیام بادشاہ کو پہنچایا، تو بادشاہ نے حکم کیا، اور وہ عورتیں جمع کی گئیں۔ زلیخا کو بھی وہ لیتی آئیں، پھر یہ مقدمہ تحقیق کرنے کے واسطے۔

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ

دریافت کیا بادشاہ نے کہ اے عورتو! "تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف کو رجھایا تھا ان کی خودداری سے"، سب کو کہنا پڑا "کہ حاشا اللہ!

مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ

ہمیں ان پر کسی جرم کا علم نہیں"۔ تو اقرار کر لیا عزیز کی بی بی نے، "کہ اب

الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۵۱﴾

حق ظاہر ہو گیا۔ میں نے ہی اس کو لبھایا تھا اس کی خودداری سے، اور بیشک وہ سچے ہیں"●

(دریافت کیا بادشاہ نے) ان عورتوں سے، (کہ اے عورتو! تمہارا کیا واقعہ ہے جب تم نے یوسف کو رجھایا تھا ان کی خودداری سے) یعنی اپنے دل کی مراد ان سے مانگتی تھیں۔ (سب کو کہنا پڑا: حاشا اللہ) پاک ہے خدا اس بات سے کہ عاجز ہو یوسف کے مثل پاکیزہ پیدا کرنے سے، (ہمیں ان پر

کسی جرم کا علم نہیں) نہ چھوٹا نہ بڑا۔ نہ ہی تھوڑا نہ زیادہ۔ جب دیکھا کہ سچ بولنے کے سوا اور کوئی بات فائدہ نہ دے گی اور عشق کمال کو پہنچ گیا تھا، (تو اقرار کرلیا عزیز کی بی بی) یعنی زلیخا (نے) بھی، کیوں (کہ اب حق ظاہر ہوگیا) تھا۔

۔۔چنانچہ۔۔اُسے اعتراف کرنا پڑا، کہ (میں نے ہی اس کو لبھایا تھا اس کی خودداری سے) اور اس کے وصال اور محبت کی میں نے ہی آرزو کی تھی، (اور بے شک وہ سچے ہیں) اپنی عصمت وطہارت اور پاکیزگی کے بیان میں۔ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پیغام بھیجا، کہ عورتوں نے اپنے گناہ کا اقرار کرلیا ہے، یہاں آؤ، تو تمہارے سامنے انہیں سزا دوں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، میری غرض یہ نہ تھی کہ عورتیں سزا پائیں اور سختی اٹھائیں۔۔بلکہ۔۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ

یہ اسلئے، "تاکہ وہ جان لے کہ میں نے کوئی خیانت نہیں کی پیٹھ پیچھے۔ اور اللہ راہ

لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

نہیں دیتا، خائنوں کے فریب کو"۔

(یہ) درخواست میں نے (اس لیے) کی، (تاکہ وہ) یعنی عزیز (جان لے کہ میں نے کوئی خیانت نہیں کی پیٹھ پیچھے) یعنی اس کی غیبت میں اس کے اہل خانہ کی حرمت اور اس کی تربیت کا حق میں نے نگاہ میں رکھا، کیونکہ مجھے خوب معلوم ہے (اور) اچھی طرح اس پر ایمان ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا خائنوں کے فریب کو)۔ بلکہ اس کے بطلان کو ظاہر کر کے مٹا دیتا ہے، جیسے عورت کے مکر وفریب کے بطلان کو ظاہر کر کے مٹایا، کہ بالآخر اس عورت سے اس کے مکر وفریب کا خود اس سے اعتراف کرایا۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ خائن کے مکر کو تکمیل اور اسے اپنے مقصد میں کامیابی کی راہ نہیں دکھاتا، یعنی اسے بامراد نہیں ہونے دیتا۔

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ
بفضلہ وبعونہ تعالیٰ آج
۲۳ر جمادی الاخریٰ ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۷ر جون ۲۰۱۰ء
بروز سہ شنبہ بوقت ایک بجے دن، بارھویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دعا گو ہوں، کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآن کریم کی بھی تفسیر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔
آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

تشریحِ لغات

-- ﴿ آ ﴾ --

آفاق وانفس: آسمانوں اور جانوں (آدمی)۔

آشفتہ: سراسیمہ۔۔پراگندہ۔۔بدحواس۔

-- ﴿ ا ﴾ --

اَبرار: نیکوکار، پرہیزگارلوگ۔۔اولیاءاللہ۔

اَبلق: دورنگا(گھوڑا)۔

اِتباع: پیروی۔

اِثبات ﴿ابطال کی ضد﴾: ثبوت۔۔دلیل۔۔تصدیق۔۔ثبت کرنا۔۔قیام۔۔بحال۔۔برقرار۔

اِجابت: قبول کرنا۔مقبولیت۔

اُجور: مزدوری۔۔کام کا معاوضہ۔۔اجرت۔۔اجر۔

اِحتراز: پرہیز۔کنارہ کشی۔۔اجتناب۔۔علیحدگی۔

اِحتمالات ﴿احتمال کی جمع﴾: شکوک وشبہات۔۔شک وشبہ۔۔وہم۔۔گمان۔

اَحدی: سست۔۔کاہل۔

اَخبث: سب سے بڑا خبیث۔

اِختراع: ایجاد کرنا۔طبیعت سے نئی بات پیدا کرنا۔۔ایجاد۔

اختراعی: اپنی طرف سے گڑھے ہوئے۔۔خود سے بنائے ہوئے۔

اِدراک: عقل۔۔فہم۔۔رسائی۔

اَراذِل ﴿ارذل کی جمع﴾: کم ذات۔۔نیچ لوگ۔

اِرتکاب: (کوئی غلط یا ناجائز) کام کرنا۔

اَرزانی: کثرت۔۔زیادتی۔۔بہتات۔

اِزالہ: زائل کرنا۔۔دور کرنا۔۔مٹانا۔۔ہٹانا۔

اَسباط ﴿سبط کی جمع﴾: پوتے۔

اِستحقاق: سزاوار ہونا۔۔مستحق ہونا۔

اِستدعا: خواہش۔۔درخواست۔۔التجا۔

اِستدلال: دلیل لانا۔

استطاعت: قدرت۔۔طاقت۔۔مقدور۔۔بساط۔۔دسترس۔

اِستعجاب: تعجب۔۔حیرانی۔۔حیرت۔

استعداد ﴿نورِ استعداد﴾: لیاقت۔۔قابلیت۔۔صلاحیت۔

اِستفادہ: فائدہ حاصل کرنا۔۔نفع اٹھانا۔

استقامت: پائیداری۔۔مضبوطی۔

استہزءاً: ہنسی مذاق کے طور پر۔۔مذاق کرنا۔ہنسی اڑانا۔

استیلاء: غالب ہونا۔

اِشتباہ: مشابہ ہونا۔۔دو چیزوں کا اس طرح ہم شکل ہونا کہ دھوکا ہو جائے۔۔گمان۔۔شبہ۔۔شک۔

اَشرار ﴿شریر کی جمع﴾: شرارتی۔۔برا۔۔بدذات۔

اَشقیاء ﴿شقی کی جمع﴾: سنگدل اور بے رحم لوگ۔

اشہرواظہر: نہایت مشہور ومعروف اور خوب ظاہر۔

اِضطراب: بے قراری۔۔بے چینی۔۔بے تابی۔۔گھبراہٹ۔

اضطراری: بے قراری۔۔بے اختیاری۔۔بے بسی۔

اضمحلال: کسل۔۔سستی۔۔کاہلی۔

اِطفال ﴿طفل کی جمع﴾: بچہ۔۔بچے۔

اِطلاق: کہنا۔۔بولا جانا۔

اظہر من الشمس: سورج سے زیادہ ظاہر۔۔سورج کی طرح ظاہر۔

اِعانت: مدد۔۔سہارا۔۔حمایت۔

اِعراض: منہ پھیرنا۔۔بچنا۔۔روگردانی کرنا۔

اعمال شنیعہ: خراب اور برے کام۔۔وہ کام جن میں برائی ہو۔

افترا: بہتان۔۔جھوٹا الزام۔۔اپنی طرف سے گڑھی ہوئی بات۔

اِقتصار: مختصر کرنا۔۔کافی سمجھنا۔۔ایک بات پر ٹھہر جانا۔

اَقدار ﴿قدر کی جمع﴾: درجہ۔۔مرتبہ۔۔رتبہ۔۔عزت۔۔بزرگی۔۔توقیر۔

التفات: متوجہ ہونا۔
الزام حجت: حجت تمام کرنا۔
امساک: کنجوسی۔
اندوہگیں: رنجیدہ۔۔مغموم۔
انسب: زیادہ مناسب۔۔بہت ٹھیک۔
اہانت: توہین کرنا۔۔ذلیل کرنا۔
ایمانِ یاس: خوف کے وقت کا ایمان۔۔آخری وقت جب امید ختم ہوگئی تو ایمان لانا۔

-- ﴿ ب ﴾ --

باز پُرس: پوچھ گچھ۔۔تحقیقات۔۔محاسبہ۔مواخذہ۔
باگ: لگام۔۔راس۔۔عنان۔۔انتظام۔
باور: یقین۔۔بھروسہ۔۔اعتماد۔۔اعتبار۔
بدائع سفلیات: نچلے سے نچلے درجہ کی چیزیں وعجائبات۔
برانگیختہ: آمادہ کرنا۔
براہین قاطعہ: فیصلہ کن دلیلیں۔
بَری: آزاد۔
بستگیوں: پختگی۔
بطلان: تردید۔۔باطل ہونا۔
بگمانِ خویش: اپنے خیال میں۔
بے پایاں: بے حد۔۔بے انتہا۔۔بے اندازہ۔۔بیکراں۔
بَیضہ: انڈا۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پراگندہ: حیران۔
پژمردہ: افسردہ۔۔مایوسی۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تابع: ماتحت۔۔مطیع۔۔فرمانبردار۔
تاج مرصع: موتی یا جواہرات جڑا ہوا تاج۔
تاسف: افسوس۔۔حسرت۔۔رنج۔۔ملال۔

تبر: کلہاڑا۔
تحذیر: ہوشیار کرنا۔۔خبردار کرنا۔۔ڈرانا۔۔خوف دلانا۔
تخصیص: خصوصیت۔
تخفیف: کمی۔۔گھٹاؤ۔۔ ﴿۲﴾: ہلکا کرنا۔
تخلف: پیچھے رہ جانا۔
تخلیہ: خلوت۔۔تنہائی۔۔علیحدگی۔
تخم پاشی: بیج بونا۔۔بیج ڈالنا۔
تدارک: تلافی۔۔کسی نقصان کو روکنے یا انصاف حاصل کرنے کے لیے احتیاطی تدابیر وذرائع اختیار کرنا۔
تدبر: دوراندیشی: عاقبت اندیشی۔
تردد: شش وپنج۔۔سوچ۔۔فکر۔
تصرف: کچھ کا کچھ کردینا۔۔اپنی طرف سے کچھ شامل کرنا یا بدلنا۔۔تبدیل کرنا۔۔بنادینا۔
تصریح: صاف طور پر بیان کرنا۔۔تشریح۔۔شرح۔۔تفصیل۔
تضرع: رونا۔۔گڑگڑانا۔۔آہ وزاری۔
تضیع عمر: ضائع کرنا۔۔عمر رائگاں گزارنا۔
تعب: دکھ۔۔محنت ومشقت۔۔تکلیف۔
تعبیر: بیان کرنا۔۔مراد لینا۔۔خواب کا نتیجہ یا معنی بیان کرنا۔
تعرض: مزاحمت کرنا۔۔روکنا۔۔
تعریض: چھیڑنا۔۔ ﴿۲﴾۔۔اعتراض کرنا۔
تعمیم: عام کرنا۔۔عمومیت۔
تغییر: حالت بدل دینا۔۔پلٹ دینا۔۔تبدیل کرنا۔
تفضل: زیادتی۔۔بیشی۔ ﴿۲﴾۔۔برتری۔۔بزرگی۔۔فضیلت۔
تقدیم: مقدم سمجھنا۔۔مقدم ہونا۔۔ترجیح۔۔فوقیت۔
تقصیر: کوتاہی۔۔کمی۔۔سہو۔۔بھول چوک۔
تقویت: مدد۔۔مضبوط کرنا۔۔طاقت دینا۔
تقویم: قائم کرنا۔۔تخمینہ لگانا۔۔اندازہ۔۔
تقیہ: ڈر کی وجہ سے حق پوشی کرنا۔
تکذیب: جھٹلانا۔۔جھوٹ بولنے کا الزام لگانا۔

تمرد: سرکشی۔۔بغاوت۔۔گستاخی۔۔نافرمانی۔
تمسخر: مسخرہ پن۔۔ہنسی مذاق۔
تنازع: جھگڑا۔۔فساد۔۔تکرار۔۔رنجش۔۔نفاق۔۔عداوت۔
تناقض: ایک دوسرے کی ضد یا مخالف ہونا۔
توارد: باہم ایک جگہ اترنا۔
تواضع: خاطر مدارات۔۔آؤ بھگت۔۔مہمان نوازی۔
تہدید: تنبیہہ۔۔ڈرانا۔۔دھمکانا۔

-- ﴿ ث ﴾ --

ثبات: پائیداری۔۔مضبوطی۔۔ثابت قدمی۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جتھ: گروہ۔۔دھڑا۔۔ٹولی۔۔جماعت۔
جری: نڈر۔
جعل: دھوکا۔۔فریب۔۔دغا۔۔جھوٹ۔
جفتی: نر اور مادہ کا ملنا۔
جگت: کنویں کی مینڈھ یعنی اس کی منڈیر، کنارہ۔
جنابت: ناپاکی۔۔خصوصاً وہ ناپاکی جو مرد وعورت کے صحبت کرنے یا احتلام سے ہو۔
جورو: بیوی۔۔گھروالی۔
جہت: وجہ۔۔سبب۔۔باعث۔

-- ﴿ چ ﴾ --

چاہ: کنواں۔
چھل: مکر۔۔فریب۔۔دھوکا۔

-- ﴿ ح ﴾ --

حاذق: دانا۔۔کامل۔۔اپنے فن میں ماہر۔۔تجربہ کار۔
حاملین ﴿حامل کی جمع﴾: بوجھ اٹھانے والے۔۔مزدور۔۔کسی چیز کو لیجانے والے۔
حذر: احتیاط۔۔خوف۔
حکمِ ازلی: وہ حکم جو ہمیشہ سے ہو۔
حرمت: عزمت۔۔بڑائی۔۔مذہب کی رو سے حرام ہونا۔
حریص: لالچی۔
حلت: حلال ہونا۔۔روا ہونا۔۔مباح ہونا۔۔﴿حرمت کی ضد﴾۔
حوائج ﴿حاجت کی جمع﴾: ضرورت۔۔مطلب۔۔خواہش۔
حیات بعد الممات: مرنے کے بعد کی زندگی۔
حیطۂ امکان: ممکن ہونے سے۔۔طاقت کے احاطے سے۔
حیلہ: کام۔۔کوشش۔۔ترکیب۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خائب وخاسر: محروم و گھاٹا کھانے والا، نقصان اٹھانے والا۔
خستگیوں: شکستہ حالیوں۔۔مفلسی۔۔تنگدستی۔
خصومت: عداوت۔۔دشمنی۔ ﴿۲﴾۔۔جھگڑا۔
خفت: خجالت۔۔شرمساری۔۔ندامت۔
خفیف الحرکاتیاں: اوچھی حرکتیں۔۔کم ظرفی۔
خلعت: وہ پوشاک جو بادشاہ یا امراء کی طرف سے بطورِ عزت افزائی ملے۔
خواستگار: امیدوار۔۔سائل۔

-- ﴿ د ﴾ --

دراز گوش: لمبے کانوں والا۔۔گدھا۔
درجت: مرتبہ۔۔رتبہ۔
دست تعدی: ظلم و ستم اور جور و جفا کرنے والا ہاتھ۔
دغدغہ: خوف۔۔ڈر۔۔تشویش۔۔اندیشہ۔۔خدشہ۔
دلائل قطعیہ: حتمی ثبوت جس سے ملے۔۔کامل حجت جو بنے۔
دنانیر: دینار کی جمع۔
دوام: ہیشگی۔۔مداومت۔
دوامی: دائمی۔۔ہمیشہ کے لیے۔
دھنی: دولت مند۔

-- ﴿ ذ ﴾ --

ذنب: گناہ۔۔قصور۔۔جرم۔۔برا کام۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجح: قابل ترجیح۔۔بہتر۔۔پسندیدہ۔
راجع: رجوع کرنے والا۔۔پھرنے والا۔
راسخ: پکا۔۔مضبوط۔۔اٹل۔
رافت: مہربانی۔۔رحمت کی شدت۔
رجحانِ خلق: لوگوں کا جھکاؤ۔۔لوگوں کی توجہ ومیلان۔
رجوع: واپس ہونا۔۔مڑنا۔
رفاقت: ہمراہی۔۔ساتھ۔۔وفاداری۔۔معاونت۔
روئیدگی: اگنا۔۔نباتات کا نمو۔۔ہریالی۔
رویت: دیدار۔۔نظارہ۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زجر و توبیخ: ڈانٹ ڈپٹ۔۔لعنت ملامت۔۔جھڑکی دھتکار۔
زجر و ترہیب: ڈانٹ ڈپٹ۔۔ڈرانا دھمکانا۔
زندان: قید خانہ۔۔جیل۔

-- ﴿ س ﴾ --

ساقط: متروک۔۔مسترد۔۔نامنظور شدہ۔
سبکی: اہانت۔۔بے عزتی۔۔توہین۔۔ذلت۔
سطوت: دبدبہ۔۔رعب۔ ﴿۲﴾۔۔قہر۔
سلب: لے جانے یا مٹانے کا عمل۔۔جذب کرنا۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شافی جواب: ٹھیک اور درست جواب۔۔ایسا جواب جس کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت نہ ہو۔
شاق: مشکل۔۔دشوار۔۔دوبھر۔۔ناگوار۔
شرح صدر: دل میں بات کھل کر آ جانا یا ہونا۔
شقی القلب: سنگ دل۔۔ظالم۔
شکیبائی ﴿شکیب سے نکلا﴾: صبر۔۔تحمل۔۔برداشت۔۔بردباری۔
شیفتہ: عاشق۔۔فریفتہ۔
شیوہ: طور۔۔طریق۔۔ڈھنگ۔۔انداز۔۔دستور۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صادر: جاری ہونے والا۔۔نکلنے والا۔۔نافذ۔
صانع: بنانے والے۔ ﴿۲﴾۔۔پیدا کرنے والا۔۔خالق۔
صراحتاً: صاف طور پر۔
صعوبتوں ﴿صعوبت کی جمع﴾: سختی۔۔دقت۔۔دشوار۔۔کٹھن۔
صفات قبیحہ: بری عادتیں۔۔نازیبا حرکتیں۔
صنادید: سردار۔
صنعت بے آلت: بغیر آلہ واوزار کاریگری۔۔بغیر کسی مدد کے کوئی کام کر دینا۔
صنف: نوع۔۔جنس۔۔قِسم۔
صوابدید: مصلحت۔۔

-- ﴿ ض ﴾ --

ضرر: نقصان۔۔خسارہ۔۔زیاں۔۔تکلیف۔۔صدمہ۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طبائع ﴿طبیعت کی جمع﴾: فطرت۔۔عادت۔۔خصلت۔
طراوت: نمی۔۔تری۔۔ٹھنڈک۔۔خنکی۔۔تازگی۔
طمانیت: دل جمعی۔۔اطمینان۔۔تسلی۔
طمع: لالچ۔۔حرص۔
طوعاً و کرہاً: چاروناچار۔۔جبراً۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظہور ادبار: بدنصیبی۔۔ہزیمت۔۔تنزل۔۔افلاس۔۔ناداری وغیرہ کا ظاہر ہونا۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عاصیوں ﴿عاصی کی جمع کے طور پر﴾: نافرمان۔۔گنہگار۔۔مجرم۔
عتاب: ملامت۔۔غصہ۔۔ناراضی۔
عدم: نہ ہونا۔
عذاب خذلان: درماندگی کا عذاب۔

عصیان: گناہ۔۔پاپ۔۔جرم۔۔خطا۔۔قصور۔
عفت: پارسائی۔۔پاکدامنی۔
عقاب: دکھ۔۔تکلیف۔۔عذاب۔۔سزا۔
عقد مواصلت: ملاقات کی گرہ۔۔وصل کی گانٹھ۔۔ملنا۔
عقوبت: عذاب۔۔سزا۔۔تکلیف۔۔دکھ۔
عہد صمیم: خالص وعدہ۔۔سچا قول وقرار۔۔پکی قسم۔

-- ﴿ غ ﴾ --

غایت جہل: حد درجہ جہالت۔۔انتہائی بے علمی، بیوقوفی۔
غایت قرب: انتہائی نزدیکی۔۔بہت ہی پاس۔
غباوت: کم فہمی۔۔کند ذہنی۔
غبن فاحش: بھاری، سخت۔۔خورد برد وخیانت۔
غوطہ زن: ڈبکی لگانے والا۔۔ڈوبنا۔
غوغا: آدمیوں کا مجمع۔۔شور شرابہ۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فراق: جدائی۔۔ہجر۔۔علیحدگی۔
فردانیت: یکتا وبے مثل ہونے میں۔
فرستادہ: بھیجا ہوا۔۔قاصد۔۔ایلچی۔
فضل بے علت: کرم نوازی، جس میں وجہ وسبب کی محتاجی نہ ہو۔
فرط ترحم: ترحم۔۔رحم۔۔ترس۔۔شفقت۔۔مہربانی۔
فریفتہ: عاشق۔۔دلدادہ۔
فُقدان: نہ ہونا۔۔کمی۔
فہمائش: تلقین۔۔سمجھانا۔۔جتانا۔
فیروز بختی: خوش نصیبی۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قباحت: خرابی۔۔نقص۔۔عیب۔۔برائی۔
قبائح ﴿قبیح کی جمع﴾: برائیاں۔
قبح ﴿قبیح کی جمع﴾: برائیاں۔
قبیح: معیوب۔۔برا۔۔نازیبا۔۔شرمناک۔
قدح ﴿مدح کی ضد﴾: اعتراض۔۔برا بھلا کہنا۔۔لعنت وملامت کرنا۔
قسمت لم یزلی: وہ قسمت جو لازوال ہو، اٹل ہو۔
قصد: پیش قدمی۔۔اقدام۔
قصص ﴿قصہ کی جمع﴾: کہانی۔۔داستان۔۔افسانہ۔
قطیعت: وہ امور جن میں شک وشبہ نہ ہو۔
قعر دریا: دریا کی گہرائی، تھاہ۔
قلت تدبر: دور اندیشی نہ ہونا۔۔انجام پر غور کرنے کی صلاحیت نہ ہونا یا کم ہونا۔
قویٰ ومشاعر: طاقت وتوانائی اور عقل اور دیگر خبر دینے والی وآگاہ کرنے والی چیزیں۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کاسب: کسب کرنے والا۔۔کام کرنے والا۔
کالعدم: گویا کہ ہے ہی نہیں۔۔ناپید۔۔معدوم۔
کذاب: نہایت جھوٹا۔۔جھوٹوں کا بادشاہ۔
کراماً کاتبین: بزرگ لکھنے والے۔۔وہ فرشتے جو انسان کے اعمال لکھتے رہتے ہیں اور ہر وقت اسکے ساتھ رہتے ہیں۔
کروفر: زور وتوانائی۔۔شان وشوکت۔
کساد بازاری: بازار میں خرید وفروخت کا نہ ہونا۔۔مندا ہونا۔
کسر شان: بے عزتی۔۔بے وقری۔۔وہ بات جس میں بے عزتی ہو۔
کفاف: روزمرہ کا خرچ یا وظیفہ۔۔روٹی کپڑا۔۔نان ونفقہ۔
کگر: کنارہ۔۔لب۔
کنایہ: منشاء۔۔مطلب۔۔معنی ومراد۔
کنوز ﴿کنز کی جمع﴾: خزانے۔
کنہ: کسی چیز کی انتہا۔۔تہہ۔۔حقیقت۔۔باریکی۔
کواکب ﴿کوکب کی جمع﴾: ستارے۔
کہانت: فال گوئی۔
کھوج: خبر۔۔واقفیت۔۔سراغ۔۔تحقیق۔
کید: مکر۔۔فریب۔۔دھوکا۔۔دغا۔

کیفرِ کردار: کیے کی سزا۔۔ برے کام کا بدلہ۔

-- ﴿ گ ﴾ --

گراں بار: بھاری۔۔ بوجھ سے لدا ہوا۔
گراں خاطر: دوبھر۔۔ ناگوارِ طبع۔
گرز: ایک ہتھیار جو اوپر سے گول، موٹا اور نیچے سے پتلا ہوتا ہے۔
گماشتے: کارندے۔۔ وہ لوگ جنہیں کوئی کام سپرد کیا گیا ہو۔
گوشوارے ﴿گوشوارہ کی جمع﴾: کان کا بالا۔۔ آویزہ۔
گھورا: وہ جگہ جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جائے۔

-- ﴿ ل ﴾ --

لایعنی: لغو۔۔ بیہودہ۔۔ فضول۔
لباسِ فاخرہ: عمدہ۔۔ بیش قیمت پوشاک، کپڑے۔
لواطت: اغلام۔۔ لڑکوں کے ساتھ بدفعلی۔

-- ﴿ م ﴾ --

ماذون الشفاعہ: جسکو شفاعت کی اجازت دیدی گئی ہو۔
ماندگی: تکان۔۔ تھکن۔
مانع: منع کرنے والا۔۔ روکنے والا۔۔ سدِراہ۔
مبادا: ایسا نہ ہو۔۔ خدا نہ کرے۔۔ خدانخواستہ۔
مبغوض: قابلِ نفرت۔
مبہوت: ہکابکا۔۔ دیوانہ۔۔ باولہ۔۔ مدہوش۔
متابعت: پیروی۔۔ فرمانبرداری۔۔ اطاعت۔
متابعوں: پیروی کرنے والے۔۔ فرمانبرداری کرنے والے۔
متاع: پونجی۔۔ اثاثہ۔۔ تجارت کا سامان۔
متانت: سنجیدگی۔۔ پختگی۔۔ خیالات کی آراستگی اور درستی۔
متجاوز: اپنی حد سے بڑھنے والا۔۔ تجاوز کرنے والا۔
متدین: قائم ہوجانے والے۔۔ پکے ہوجانے والے۔۔ پکڑ لینے والے۔
متردد: تردد کرنے والا۔۔ پریشان۔۔ پس و پیش کرنے والا۔۔ مضطرب۔۔ سوچ میں پڑ جانے والا۔

متصل: پاس۔۔ قریب۔۔ لگا ہوا۔۔ نزدیک۔۔ برابر ملنے والا۔
متصور: خیال کیا گیا۔۔ سوچا ہوا۔
متفرق: جدا جدا۔۔ الگ الگ۔۔ منتشر۔۔ پراگندہ۔
متمرد: تمرد کرنے والا۔۔ سرکشی کرنے والا۔۔ نافرمان۔۔ سرکش۔۔ باغی۔
متمکن: جگہ پکڑنے والا۔۔ قرار پکڑنے والا۔۔ جاگزیں۔۔ قائم۔
متمنی: تمنا کرنے والا۔۔ آرزو رکھنے والا۔۔ خواہشمند۔
متوارث: میراث پانے والے۔
متوازن: جس میں تواضع ہو۔۔ ہم وزن۔
مثلہ: مردے کے کان، ناک کاٹنا۔
مجادلہ: حجت۔۔ تکرار۔۔ مباحثہ۔
مجتمع: اکٹھا۔۔ جمع کیا ہوا۔
محاربہ: لڑائی۔۔ جنگ۔۔ معرکہ۔
محجوبی و مہجوری: پوشیدگی و جدائی۔۔ مخفی و فراق۔
محذوف: حذف کیا گیا۔۔ علیحدہ کیا ہوا۔۔ الگ کیا گیا۔۔ نکالا گیا۔
محظوظ: بہرہ مند۔۔ مسرور۔۔ خوش۔
محمول: قیاس، گمان کیا گیا۔۔ ظن کیا گیا۔۔ علم منطق میں وہ خبر جو مبتدا کے مقابل واقع ہوتی ہے۔
مختص: مخصوص کیا گیا۔۔ خاص کیا گیا۔۔ نامزد کیا گیا۔
مدافعت: مزاحمت کرنا۔
مدفتوت: شجاعت کا سہارا۔
مذموم: بُرا۔۔ خراب۔۔ قبیح۔
مراجعت: واپسی۔۔ واپس ہونا۔۔ لوٹنا۔۔ رجوع کرنا۔
مرجح: ترجیح دینے والا۔۔ غلبہ و طاقت دینے والا۔
مزاحم: مزاحمت کرنے والا۔۔ روکنے والا۔۔ حائل۔۔ مانع۔
مزبلہ: وہ مقام جہاں کوڑا کرکٹ اور نجاست ڈالتے ہیں۔
مزعومہ: گمان کیا ہوا۔۔ زعم کیا ہوا۔
مستبعد: دور از قیاس۔۔ دشوار۔

مستثنٰی: الگ کیا گیا۔۔چھوٹا ہوا۔۔بجز۔۔وہ شخص یا چیز جسے علیحدہ کر دیا گیا ہو۔
مستحکم: مضبوط۔۔محکم۔۔استوار۔
مستعان خلق: مخلوق کی مدد کرنے والا، یعنی اللہ تعالیٰ۔
مستغنی: بے پرواہ۔۔آزاد۔۔بری۔
مستفیض: فیض چاہنے والا۔۔فیض کا خواہاں۔۔فیض پانے یا اٹھانے والا۔
مستلزم: کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا۔۔لازمی ہو جانا۔
مستمرہ: ہمیشہ رہنے والا۔۔دائم۔۔مستقل۔
مستنیر: روشنی طلب کرنے والا۔۔روشن۔۔
مسند جاہ: بزرگی، عزمت، شان، منصب کی جگہ یا مقام۔
مشابہت: مطابقت۔۔موافقت۔۔ایک جیسی ہونا۔
مشتاق: آرزومند۔۔خواہشمند۔
مصاحب: ساتھی۔۔ہم نشین۔۔ہم صحبت۔
مصاحبت: ہم نشینی۔۔ساتھ رہنا۔۔ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔
مصاحبوں ﴿مصاحب کی جمع﴾: ساتھی۔۔ہم نشین۔۔ہم صحبت۔
مصارف ﴿مصرف کی جمع﴾: خرچ کرنے کی جگہ۔۔خرچ کرنے کا موقع۔
مصالح ﴿مصلحت کی جمع﴾: نیک صلاح۔۔اچھا مشورہ۔۔مناسب تجویز، حکمت، پالیسی۔
مصدقین ﴿مصدق کی جمع﴾: تصدیق کرنے والے۔۔سچائی کی گواہی دینے والے۔
مصیبت ہجراں: جدائی، مفارقت کی تکلیف۔۔
مضحکہ خیز: ہنسی مذاق کی (بات)۔۔ہنسانے والی (بات یا حرکت)۔
مضطرب: بے چین۔۔بے قرار۔
مضمحل: اداس۔۔دلگیر۔۔رنجیدہ۔۔مغموم۔
مطمح نظر: مرکز نگاہ۔۔اصل مقصد۔
مطیع: اطاعت کرنے والا۔۔فرمانبردار۔۔تابع۔۔حکم بردار۔
مطیعوں: اطاعت کرنے والے۔۔فرمانبردار۔
معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔۔واپس جانے کا مقام۔

معاد روحانی: روحوں کا لوٹنا۔۔روحوں کے لوٹ کر جانے کی جگہ۔
معاندانہ: عناد رکھتے ہوئے۔۔دشمنی کے انداز میں۔۔مخالفانہ۔
معاندین: عناد رکھنے والے۔۔دشمن۔۔مخالفین۔
معتدل: اعتدال والا۔۔درمیانی درجے کا۔۔متوسط۔
معترف: اعتراف کرنے والا۔۔اقرار کرنے والا۔۔اقراری۔۔اقبالی۔
معرفت: شناخت۔۔پہچان۔
معصیت: گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔نافرمانی۔۔انحراف۔
معنی آفرینی: اپنے طرف سے مطلب نکالا جائے۔
معیت: ساتھ۔۔ہمراہ ہونا۔
مغلوب: غلبہ کیا گیا۔۔ہارا ہوا۔۔شکست خوردہ۔
مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔
مفتری: افتراء پرداز۔۔الزام لگانے والا۔۔بہتان لگانے والا۔
مفقود: کھوئی ہوئی۔۔غائب۔۔ناپید۔۔ندارد۔
مفوض: سپرد کرنے والا۔۔سونپنے والا۔
مقتضاء: تقاضا کیا گیا۔۔چاہا گیا۔
مقدرات: جو چیزیں پہلے سے لکھی گئیں۔۔تقدیر وغیرہ۔
مقدور: طاقت۔۔قوت۔۔قابلیت۔۔اختیار۔۔دولت۔
مقر: معترف۔۔اعتراف کرنے والا۔۔اقرار کرنے والا۔۔اقراری۔۔ماننے والا۔۔تسلیم کرنے والا۔
مقرب: قریب کیا گیا۔۔مصاحب خاص۔۔دوست۔۔ہمراز۔
مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہو۔
مکابران: بڑے غروری۔۔گھمنڈی۔۔لیڈر لوگ۔۔لڑائی جھگڑا کرنے والے۔۔اپنی بڑائی کا اظہار کرنے والے۔
مکائد ﴿مکیدہ کی جمع﴾: مکر و فریب۔۔بدخواہی۔
مکذبین: جھٹلانے والے۔۔جھوٹا بنانے والے۔
ملکہ: مشق۔۔ہنر۔۔تجربہ۔
مملوک: غلام۔۔بندہ۔
ممیز: تمیز کیا گیا۔۔پہچانا گیا۔
منصب: رتبہ۔۔عہدہ۔۔مرتبہ۔۔درجہ۔

منصوص: کمال تحقیق کو پہنچا ہوا۔۔قرآن مجید کی وہ آیت جو قابل تاویل نہ ہو، بالکل ظاہر ہو۔
منطبق: برابر۔۔موافق۔۔اوپر تلے ٹھیک آنے والا۔
منفعت: نفع۔۔فائدہ۔۔حاصل۔۔یافت۔
منقطع: قطع کیا گیا۔۔علیحدہ کیا گیا۔
منکشف: کھلنے والا۔۔کھلا ہوا۔۔عیاں۔۔ظاہر۔۔آشکارا۔
مواثیق ﴿میثاق کی جمع﴾: معاہدے۔
مواخذہ: جواب طلبی۔۔گرفت۔۔باز پرس۔
موجب: واجب کرنے والا۔۔لازم کرنے والا۔
موضع: جگہ۔۔گاؤں۔
موعود: وعدہ کیا گیا۔
موقف: کھڑے ہونے کی جگہ۔۔ٹھہرنے کا مقام۔
موقوف: منسوخ کیا گیا۔
مہمل: بیہودہ۔۔فضول۔۔بے معنی۔۔لغو۔۔زائد۔
مہیب: خوفناک۔۔خطرناک۔۔ڈراؤنا۔۔بھیانک۔

نوع: قسم۔۔جنس۔۔وضع۔۔شکل وصورت۔
نہتے: جس کے پاس ہتھیار نہ ہو۔۔خالی ہاتھ۔۔غیر مسلح۔

-- ﴿ ن ﴾ --

نابکار: نکما۔۔بے فائدہ۔۔بیکار۔۔بدذات۔
ناراستی: ٹیڑھی۔۔جھوٹی۔
ناسازگار: مخالف۔۔ناموافق۔
ناصح: نصیحت کرنے والا۔۔صلاح کار۔
ناعاقبت اندیش: انجام نہ سوچنے والا۔۔انجام کی فکر نہ کرنے والا۔
نخاس: غلاموں کا بازار۔
نذارت: ڈرانا۔۔خوف دلانا۔
نسیا منسیا: ذہن سے اترا ہوا۔۔بھولا ہوا۔۔فراموش شدہ۔
نفائس ﴿نفیس کی جمع﴾: نفیس چیزیں۔
نفائس علویات: آسمان کی اور بہشت کی نفیس چیزیں۔
نفقات: خرچ کی جانے والی رقم یا اشیاء۔
نکبت: افلاس۔۔بدحالی۔۔غربت۔
نکبت حرماں: نصیب کی غربت۔۔بدقسمتی۔
نور لقاء: دیدار کی روشنی۔

-- ﴿ و ﴾ --

واشگاف: ظاہر۔۔کھلا۔۔کسی بات کو کھول کر بیان کرنا۔
ورطہ: ہلاکت کا مقام۔۔پانی کا چکر۔۔گرداب۔
وعید: سزا دینے کی دھمکی۔ ﴿۲﴾۔۔سزا دینے کا وعدہ۔
وفور اقبال: عروج۔۔خوشحالی۔۔خوش قسمتی۔۔افراط۔۔بہتات۔

-- ﴿ ہ ﴾ --

ہدف: نشانہ۔۔زد۔۔مار۔
ہزلیات ﴿ہزل کی جمع﴾: بیہودہ باتیں۔
ہزیمت: شکست۔۔ہار۔
ہواداری: خواہشمندی۔۔خیر خواہی۔۔دوست داری۔

-- ﴿ ی ﴾ --

یاس: ناامیدی۔۔مایوسی۔۔خوف۔۔دھڑکا۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل ودماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،

'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۲۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾

('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالات شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲ صفحات﴾

'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریۂ ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضۂ دعوت و تبلیغ' ﴿۳۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

مزید براں ادارے کے اشاعتی پروگرام میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆۔۔۔معارف القرآن کا گجراتی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔معارف القرآن کا تفصیلی تقابلی جائزہ۔۔۔☆

☆۔۔۔مضامین معارف القرآن۔۔۔☆

☆۔۔۔تفسیر اشرفی کا گجراتی میں ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دیگر تصنیفات۔۔۔☆

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد چہارم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔ کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف سندھ) کراچی

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

المعروف بہ

جلد پنجم

وَمَا اُبَرِّئُ ۱۳ — رُبَمَا ۱۴ — سُبْحٰنَ الَّذِیْ ۱۵

[illegible]

لاہور- کراچی ○ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد پنجم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کورڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212



فہرست

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیر اشرفی کی اس جلد پنجم کے متن تفسیر میں ۱۰،۰۷،۳۱۹ (دس لاکھ، سات ہزار، تین سوانیس)
حروف ـــ ۱،۱۱،۸۰۱ (ایک لاکھ، گیارہ ہزار، آٹھ سوایک) الفاظ ـــ ۸،۷۵۹
(آٹھ ہزار، سات سوانسٹھ) سطریں ـــ اور ۳،۹۳۰ (تین ہزار، نوسوتیس) پیراگراف
شامل ہیں ـــ کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے،
تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں ـــ ﴿ادارہ﴾

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۔۔۔اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

الحمدللہ! سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی کی جلد پنجم جو کہ تیرہویں، چودھویں اور پندرھویں پاروں کی تفسیر پر مبنی ہے، حاضر خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ حضور مفسر محترم کی عمر اور صحت میں برکت عطا ہو اور تفسیری کام جلد پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ ﴿امین﴾

ہمیشہ کی طرح تمام اصحاب و افراد اس دفعہ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جو ہر دفعہ ہمارے ساتھ کمپوزنگ، پروفنگ اور دوسرے اشاعتی مراحل میں ہمارے مددگار رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام اصحاب و افراد کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اِس ادارے کو دین اسلام کی بیش از بیش خدمت کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔ ﴿امین﴾

﴿ امین! بِجَاہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ﴾

۱۲ ربیع اوّل ۱۴۳۳ھ ۔۔ بمطابق ۔۔ ۵ فروری ۲۰۱۲ء

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

١٣

وَمَآ اُبَرِّئُ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
شعبان المعظم ١٤٣١ھ۔۔مطابق۔۔١٩ / جولائی
بروز دوشنبہ، تیرھویں پارے کی تفسیر شروع کردی
مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کو۔۔نیز۔۔
پورے قرآن کریم کے باقی پاروں کی
تفسیر کو مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔
[illegible] السائلین بحرمۃ حبیبہٖ

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ

اور میں پاک نہ بتاتا اپنے نفس کو، کہ نفس تو بلاشبہ بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے، مگر ہاں جو رحم فرمادے میرا پروردگار۔

اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۳﴾

بے شک میرا پروردگار مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے●

بادشاہ کے دربار میں حاضر ہونے سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام نے جو تدبیر اختیار فرمائی، اس نے بادشاہ پر ظاہر کردیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام بے گناہ ہیں۔ اس طرح کسی کو بھی ان کے حال میں گفتگو کرنے کی مجال نہ رہی۔۔المختصر۔۔حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا اعتراف کھلے لفظوں میں حضرت زلیخا کی شمولیت کے ساتھ ساتھ مصر کی اُن تمام عورتوں نے کرلیا، جنہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لی تھیں۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ اِس بات پر آگاہ کردیں کہ یہ بات اپنے نفس کی پاکی اور صفائی کے واسطے میں نے نہیں کہی ۔۔یا۔۔اپنے کام پر میں خوش نہیں ہوا۔۔بلکہ۔۔ یہ کہہ کر نعمتِ عصمت اور ترکِ معصیت پر توفیقِ جنابِ اَحدیت کا شکر میں نے اَدا کیا۔ اور حفظِ ربانی حمایت نہ کرے تو معلوم ہے، کہ نفس غدار سے کس قسم کے کام سرزد ہوں؟ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے ساتھ ہی یہ کہا۔۔۔

(اور) فرمایا کہ (میں پاک نہ بتاتا اپنے نفس کو) یعنی نفس، نفس ہونے کی حیثیت سے اس لائق نہیں کہ اس کی پاکیزگی کی بات کی جائے۔ اس لیے (کہ نفس تو بلاشبہ بُرائی کا بڑا حکم دینے والا ہے) چونکہ نفس کے پیش نظر صرف دُنیا ہی کا عیش وآرام ہے، تو اُس کی طرف اس کا جھکاؤ اس کی فطرت کے مطابق ہے، تو اُس کی تو یہی خواہش ہوگی اور وہ ہر ایک کو اُسی طرف مائل کرنے کی کوشش کرے گا، کہ سب کے سب دنیاوی لذتوں میں ایسا ڈوب جائیں، کہ آخرت کا خیال ہی نہ کرسکیں۔

نفس کی چالیں اور اس کے دھوکے اتنے شدید ہیں کہ اس سے بچ کر نکل جانا تقریباً ناممکن ہے، (مگر ہاں جو رحم فرمادے میرا پروردگار) یعنی جس پر رحم کیا میرے پروردگار نے، وہ نفس کے حکم سے امن میں رہتا ہے۔ ایسوں پر نفس کا حکم نہیں چلتا اور وہ نفس کے تابعدار نہیں ہوتے۔

یہ لوگ بُرائی کی طرف میلان کی قدرت رکھنے کے باوجود، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اُس کی خاص نگرانی کے سبب، بُرائی کی طرف مائل نہیں ہوتے۔ ان میں سب سے بلند وبالا

درجہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ہے، جن میں خود حضرت یوسف علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ فضل الٰہی نے اُن سے پاکیزگی کے خلاف امور صادر ہونے کو ناممکن بنادیا ہے۔

(بے شک میرا پروردگار مغفرت فرمانے والا) ہے، اس کے قصدِ گناہ کو جو وقوع میں نہ آئے اور (بخشنے والا ہے) اسی لیے عصمت کے ساتھ حمایت فرماتا ہے۔

روایت ہے کہ جب بادشاہِ مصر کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ باتیں بیان کیں، تو اُسے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کی آرزو زیادہ ہوئی۔۔ چنانچہ۔۔ کہا۔۔۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِۦٓ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُۥ

اور حکم دیا بادشاہ نے کہ لاؤ میرے پاس اُنہیں، میں اُنہیں خالص اپنے لیے رکھوں گا۔ چنانچہ جب بات چیت کی اُن سے،

قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ ۝

تو کہہ دیا کہ بلاشبہ آج ہی آپ ہمارے معزز معتمد ہیں●

(اور حکم دیا بادشاہ نے کہ لاؤ میرے پاس انہیں، میں انہیں خالص اپنے لیے رکھوں گا)۔ ایسا پاکباز انسان اس لائق ہے کہ اس کو قربِ خاص میں رکھا جائے، اس پر کلی اعتماد کیا جائے اور امورِ سلطنت میں سے اہم ذمہ داریاں اُس کے سپرد کی جائیں۔

۔۔القصہ۔۔ ستر چوبدار، ستر آراستہ سواریوں کے ساتھ اور ستر شاہانہ لباس اور تاجوں سمیت قید خانے میں بھیجے۔ وہ کمال درجے کی تعظیم کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کو بارگاہِ سلطانی میں لے گئے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام قید خانے سے باہر چلے، تو قیدی جوان کے دیدار سے خوش رہتے تھے، چیخیں مار مار کر رونے لگے۔۔۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اُن کی دلنوازی کر کے دُعا فرمائی کہ 'اے اللہ مہربان! کر اُن پر نیکوں کے دلوں کو اور کم کردے اُن پر تکلیف کے دن'۔۔۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس پہنچے، تو بادشاہ نے اُن کا بڑا اعزاز واکرام کر کے استقبال کیا، (چنانچہ جب) بادشاہ نے (بات چیت کی اُن سے) اور اپنے خواب کی تعبیر پوچھی اور جواب دِل پذیر پایا، (تو کہہ دیا کہ بلاشبہ آج ہی آپ ہمارے معزز) اور صاحبِ جاہ وقدر (معتمد ہیں)۔۔لہٰذا۔۔ سارے منصبوں میں جس منصب کی خواہش ہو مانگو اور جو کچھ آرزو تمہارے دل میں ہے مجھ سے کہو۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾

جواب دیا "کہ مجھے کردیجیے زمین کے خزانوں پر، بے شک میں حفاظت کرنے والا علم والا ہوں" ●

(جواب دیا کہ مجھے کردیجیے زمین کے خزانوں پر) حاکم۔ یعنی ولایتِ مصر سے جو کچھ نقد و جنس حاصل ہوتا ہے، مجھے اُس کا خازن کردے اور یقین کرلے، کہ (بے شک میں) اُن کا (حفاظت کرنے والا) اور احتیاط سے رکھنے والا ثابت ہوں گا۔ کوئی چیز اس میں سے ضائع نہ کروں گا۔ کیونکہ میں (علم والا ہوں)، یعنی مُلک کی مصلحتوں کو بخوبی جاننے والا ہوں، جو کچھ میں کروں گا اصلاح سے خالی نہ ہوگا۔۔یا یہ۔۔کہ حساب و کتاب سے بخوبی واقف ہوں اور جو کوئی مجھ سے بات کرے اس کی زبان سمجھنے والا ہوں۔

۔۔چنانچہ۔۔روایت ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام بہتر۷۲ زبانیں جانتے تھے۔ بادشاہ نے سونے کا ایک جڑاؤ تخت، کہ اس میں انواع واقسام کے جواہر لگے تھے، یوسف علیہ السلام کے واسطے مقرر کرکے، تاج جواہر سے چمکتا ہوا ان کے سر پر رکھا اور کنجیاں خزانوں کی ان کے سپرد کردیں اور انہیں سلطنت کا مختار کردیا اور عزیز کو معزول کرکے اُس کے سب مُلکی امور یوسف علیہ السلام کو تفویض کردیے۔ تھوڑے دنوں کے بعد عزیز رشک وحسد کے مارے مرگیا، اور بادشاہ نے زُلیخا کو تلاش کرکے اُن کا عقد یوسف علیہ السلام کے ساتھ کردیا۔ اور حق تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زلیخا سے نیشا اور افرائیم نام کے دولڑکے عطائے فرمائے۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مملکتِ مصر کی وزارت کا عہدہ جب قبول فرمایا تھا، اُس وقت مصر کا بادشاہ کافر تھا، گو ایک روایت کی بنیاد پر وہ آخر میں مومن ہوگیا تھا۔۔لیکن۔۔جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام بحیثیت وزیر اُس کی حکومت میں شریک ہوئے وہ کافر ہی تھا۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہوگیا، کہ ضرورت پیش آنے پر کسی اعلیٰ نصب العین اور بلند و بالا مقاصدِ خیر کو حاصل کرنے کے لیے، غیر مسلمین کی حکومت میں شرکت ممنوع نہیں۔۔بلکہ۔۔ایک عظیم المرتبت نبی کی سنت بھی ہے۔۔الختصر۔۔آگے ارشاد فرمایا جاتا ہے، کہ۔۔۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ

اور اس طرح ہم نے جمایا یوسف کو اُس سرزمین میں، کہ قیام کریں اُس میں سے جہاں چاہیں۔

نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾

ہم پہنچائیں اپنی رحمت کو جس کو چاہیں، اور نہیں ضائع کرتے مخلصوں کی اُجرت کو●

جس طرح ہم نے اپنے فضل وکرم سے بادشاہ کو اس پر مہربان کردیا (اور) اُسے بادشاہ کا مقرب بنادیا، بالکل (اس طرح) ہی اپنے فضل وکرم سے (ہم نے جمایا یوسف کو اُس سرزمین) مصر (میں، کہ) حکومت کرنے کے ساتھ ساتھ (قیام کریں اس میں سے جہاں چاہیں)۔۔چنانچہ۔۔وہاں آپ کے قیام کی جگہ کا طول وعرض اسی ۸۰ اسی ۸۰ میل تھا۔ اوراس میں کیا حیرت ہے، اس لیے کہ یہ ہمارا ضابطۂ رُحمت ہے، کہ (ہم پہنچائیں اپنی رحمت کو) یعنی اپنی دِینی ودُنیوی اور ظاہری وباطنی نعمتوں کو اس وقت (جس کو چاہیں اور) یہ ذہن نشین رہے، کہ ہم (نہیں ضائع کرتے مخلصوں کی اجرت کو) یعنی نیک کام کرنے والوں کے اجر کو۔ اگر دُنیا میں نہیں، تو انہیں آخرت میں اجر ضرور ملے گا۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع ۸ ۱

اور بلاشبہ آخرت کا ثواب بہتر ہے ان کے لیے جو ایمان لاچکے اور ڈرتے رہے●

(اور بلاشبہ آخرت کا ثواب) قائم ودائم رہنے کی جہت سے (بہتر ہے اُن کے لیے جو ایمان لاچکے اور ڈرتے رہے) اور بُری باتوں سے پرہیز کرتے رہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نیک کام کرنے اور پرہیزگاری کی بدولت قعرِ چاہ سے تختِ جاہ پر پہنچے۔۔۔

غرضیکہ یوسف علیہ السلام نے مہماتِ ملکی اپنے ذمے لے کر حکم دیا اور لوگ حکم کے بموجب کھیتی کرنے میں مشغول ہوئے اور یوسف علیہ السلام نے بڑے اونچے اونچے انبار خانے بنوائے اور سات برس تک جو غلہ حاصل ہوتا گیا، اس میں سے بقدرِ ضرورت لوگوں کو دیتے رہے اور باقی بالیوں سمیت جمع کرتے گئے، یہاں تک کہ قحط کے سال آئے اور مصر وشام کی زمین میں تنگی عام ہوئی۔ مصر کے لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلے سال تو جو کچھ نقد ان لوگوں کے پاس تھا وہ لے کر غلہ بیچا، دوسرے سال لباس اور زیور کے بدلے غلہ دیا، تیسرے سال لونڈی غلام لے کر، چوتھے برس چارپایوں کے عوض، پانچویں سال زمینداری لے کر، چھٹے برس اولاد کے بدلے، ساتویں برس سب لوگوں نے غلامی کا خط لکھ دیا اور غلہ لیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ کیفیت بادشاہ سے بیان کی، بادشاہ نے کہا کہ یہ سب تمہارے لونڈی غلام ہیں، تمہیں اختیار ہے۔ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے سامنے سب کو آزاد کردیا اور مال اولاد زمین وغیرہ جو کچھ ان لوگوں سے لیا تھا، سب انہیں واپس کردیا اور اِس میں حکمتِ الٰہی یہ تھی، کہ مصر کے لوگوں نے خرید وفروخت کے وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو غلام کی صورت پر دیکھا تھا، خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ سے ان سب کو حضرت یوسف علیہ السلام کا لونڈی غلام کردیا، تاکہ پھر کوئی حضرت یوسف علیہ السلام سے کوئی بات بے ادبانہ نہ کہہ سکے۔۔۔

قحط کا اثر کنعان میں بھی پہنچا اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تنگ ہوئی، انہوں نے اپنے والدِ ماجد علیہ السلام سے عرض کی کہ ہم نے سنا ہے کہ مصر میں ایک بادشاہ ہے، کہ سب قحط کے مارے ہوؤں کی نوازش اور پرورش کرتا ہے اور غریبوں اور مسافروں کا کام ان کے خاطر خواہ نکالتا ہے۔ اگر آپ فرمایئے، تو ہم جائیں اور کنعان کے بھوکوں کے واسطے غلہ لائیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اِجازت دی اور بنیامین کو اپنی خدمت کے واسطے اپنے پاس رکھ لیا۔۔الحتصر۔۔دس۱۰ بیٹے ایک ایک اونٹ اور جو کچھ پونجی رکھتے تھے لے کر چلے، اور بنیامین کے پاس جو کچھ سرمایہ تھا وہ اور ایک خالی اونٹ ان کے واسطے غلہ لانے کے لیے بھی لے لیا۔۔الحتصر۔۔کنعان سے چلے۔۔۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿۵۸﴾

اورآئے یوسف کے بھائی لوگ، تو داخل ہوئے ان کے دربار پر، تو اُنہوں نے پہچان لیا ان سب کو، اور وہ سب اُن کے انجان رہے

(اور آئے یوسف کے بھائی لوگ، تو داخل ہوئے ان کے دربار پر) اور خدمت کی رسم بجالائے **(تو اُنہوں نے پہچان لیا اُن سب کو، اور وہ سب اُن کے انجان رہے)**۔

اس لیے کہ ان کے واقعے کو چالیس۴۰ برس گزر چکے تھے۔۔یا۔۔نہ پہچاننے کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے پردے کی آڑ سے اُن سے بات کی اور ان سے پوچھا تم کون لوگ ہو، کہ جاسوسوں کے مشابہ ہو۔ وہ بولے بادشاہ سلامت، معاذ اللہ! ہم سب ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں اور ہمارا باپ یعقوب اسرائیل علیہ السلام ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ تمہارے باپ کے کتنے بیٹے ہیں؟ وہ بولے کہ بارہ۱۲ بیٹے تھے، ایک کو

بچپنے میں بھیڑیا کھا گیا اور ایک کو والد نے اپنی خدمت کے واسطے رکھ لیا۔ ہم دس بھائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ یہاں کوئی تمہیں پہچانتا ہے؟ وہ بولے، کہ مصر کے لوگ ہم کو نہیں پہچانتے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے ایک یہاں رہے، باقی جا کر اپنے اُس بھائی کو لے آؤ کہ تمہارا حال مجھ پر واضح اور محقق ہو جائے۔ اُنہوں نے قُرعہ ڈالا تو شمعون کے نام آیا، وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ یوسف علیہ السلام کے فرمانے سے لوگوں نے اُن کی پونجی لے کر اس کے عوض میں گیہوں دے دیے۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُمْ مِّنْ أَبِيكُمْ

اور جب تیار کر دیا انہیں اُن کے ساز وسامان کے ساتھ، تو فرمائش کی، کہ "لے آنا تم اپنے علاتی بھائی کو"۔

أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ﴿۵۹﴾

"کیا تم نہیں دیکھتے؟ کہ ہم پوری ناپ ناپتے ہیں اور بڑے مہمان نواز ہیں●

(اور جب تیار کر دیا اُنہیں ان کے ساز وسامان کے ساتھ) اور ہر ایک کو ایک ایک اونٹ گیہوں بار کر دیے تو وہ بولے، کہ ہمارا وہ بھائی جو ہمارے والد کی خدمت میں ہے، اُس کا اونٹ بھی ہمارے ساتھ ہے اُس پر بھی گیہوں بار کر دیجیے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کہ میں آدمیوں کے شمار سے غلہ دیتا ہوں اونٹوں کے حساب سے نہیں۔ انہوں نے اصرار کیا (تو فرمائش کی) یوسف علیہ السلام نے (کہ لے آنا تم اپنے علاتی بھائی کو) جو تمہارا سگا بھائی نہ سہی، لیکن باپ جایا بھائی ہے۔ ہمارے پاس آئے بغیر اس کا کوئی حق نہیں بنتا۔ اگر۔۔ بالفرض۔۔ ہمارے دربار میں حاضر ہوئے بغیر اس کا کوئی حق بنتا، تو ہم ضرور اس کو ادا کر دیتے۔ (کیا تم نہیں دیکھتے کہ ہم پوری ناپ ناپتے ہیں)۔ ہمارا پیمانہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ (اور) ہم (بڑے مہمان نواز ہیں) یعنی مہمانوں کو اُتار کر ان کی خاطر داشت کے ساتھ احسان کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے۔ اچھی طرح سے سن لو، کہ۔۔۔

فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿۶۰﴾

پھر بھی اگر نہ لائے تم میرے پاس اُن کو، تو کسی ناپ کا تم کو میرے یہاں حق نہیں، اور نہ میرے پاس آنا"●

(پھر بھی اگر نہ لائے تم میرے پاس اُن کو، تو کسی ناپ کا تم کو میرے یہاں حق نہیں) یعنی یہاں سے غلہ وغیرہ پانے کا تمہیں حق نہیں پہنچتا۔ پہلے تم ہماری خواہش پوری کرو، پھر اپنے حق کی بات

کرو۔ اچھی طرح یاد رکھنا، کہ اب اپنے اُس بھائی کو ساتھ لائے بغیر میری ولایت میں قدم نہ رکھنا (اور نہ میرے پاس آنا)۔ یہ حکم شاہی سن کر۔۔۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿٦١﴾

سب نے اقرار کیا "کہ ہم جاتے ہی سمجھائیں گے اُن کے لیے اُن کے باپ کو اور ضرور ہمیں یہ کرنا ہے ●

(سب نے اِقرار کیا کہ ہم جاتے ہی سمجھائیں گے اُن کے لیے اُن کے باپ کو) اور اس میں کوشش کریں گے (اور ضرور ہمیں یہ کرنا ہے) یعنی اپنے والدِ محترم کو سمجھا بجھا کر اور اُن سے اِجازت لے کر بھائی کو آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہونا ہے۔۔قصہ مختصر۔۔حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک طرف توان کے اونٹوں پر غلہ بار کرا دیا۔۔۔

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ

اور سکھا دیا اپنے نوکروں کو "کہ رکھ دو اُن کی پونجیاں اُن کی خرجیوں میں، کہ وہ اسے پہچانیں گے

اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٦٢﴾

جب پہنچ چکیں گے اپنے اہل وعیال کی طرف، امید ہے کہ سب لوٹ کر آئیں گے" ●

(اور) دوسری طرف (سکھا دیا اپنے نوکروں کو کہ رکھ دو اُن کی پونجیاں ان کی خرجیوں میں)۔ ان کی پونجیاں چند کھالیں اور جوتے تھے، جو گیہوں کی قیمت کے طور پر لائے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات نہ چاہی کہ قیمت لے کر اُنہیں گیہوں دیں۔ اس لیے حکم کر دیا کہ ان کی پونجیاں انہیں کی خرجیوں میں رکھ دو۔ حضرت یوسف علیہ السلام یہ بھی سمجھے کہ اُن بھائیوں کی دیانت یہی چاہے گی کہ جب وہ لوگ اپنی اپنی خرجیوں میں اپنی اُن پونجیوں کو دیکھیں گے، جسے وہ غلہ کی قیمت کے طور پر لائے تھے، تو پھر وہ ان کو دینے کے لیے واپس آئیں گے، کیوں (کہ وہ اُسے پہچانیں گے جب پہنچ چکیں گے اپنے اہل وعیال کی طرف)۔ تو ایسی صورت میں (امید ہے کہ سب لوٹ کر آئیں گے) اور میرے بھائی کو بھی ساتھ لائیں گے۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ

چنانچہ جب وہ لوٹ کر گئے اپنے باپ تک، عرض کیا "کہ اے ہمارے باپ روک دی گئی ہم سے ناپ، تو بھیج دیجیے ہمارے

أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ ﴿٦٣﴾

ساتھ ہمارے بھائی کو، کہ ہمیں ناپ کا حق ہو، اور ہم سب اُن کی نگرانی کرنے والے ہیں"●

(چنانچہ جب وہ لوٹ کر گئے اپنے باپ تک، عرض کیا، کہ اَے ہمارے باپ! روک دی گئی ہم سے ناپ) یعنی مصر کے بادشاہ نے حکم کر دیا ہے کہ لوگ پھر ہمارے واسطے غلہ نہ ناپیں اگر اِس بار بنیامین کو نہ لے جائیں، (تو بھیج دیجیے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو، کہ ہمیں ناپ) کرانے (کا حق ہو) جائے، تا کہ ہم اپنے واسطے اور اِس کے واسطے غلہ نپوا سکیں (اور ہم سب اُن کی نگرانی کرنے والے ہیں)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ

جواب دیا "کہ نہیں میں بھروسہ کرتا تمہارا اس پر مگر جس طرح کہ بھروسہ کیا تھا تمہارا اُس کے بھائی پر پہلے۔

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿٦٤﴾

تو اللہ سب سے بڑھ کر نگرانی فرمانے والا ہے۔ اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے"●

(جواب دیا کہ نہیں میں بھروسہ کرتا تمہارا اِس پر، مگر جس طرح بھروسہ کیا تھا تمہارا اِس کے بھائی پر پہلے)۔۔۔ یعنی اَے بیٹو! کیا امانت دار جانوں تمہیں بنیامین پر؟ مگر جیسا کہ امین کیا تھا میں نے تم کو اُس کے بھائی پر اِس سے پہلے۔ اُس وقت بھی تم لوگوں نے یہی کہا تھا کہ ہم اُس کے محافظ ہیں۔ سن لو! مجھے تمہاری محافظت پر اِعتماد نہیں۔ ہمارا (تو اللہ) تعالیٰ (سب سے بڑھ کر نگرانی فرمانے والا ہے، اور وہی سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے)۔۔۔ الغرض۔۔۔ میں اللہ تعالیٰ ہی پر توکل رکھتا ہوں اور اپنا کام اُسی پر چھوڑتا ہوں۔ اُسی سے امید ہے کہ وہ اس کی محافظت فرما کر مجھ پر رحم فرمائے گا، اور مجھے دو بیٹوں کی مصیبت میں مبتلا نہ فرمائے گا۔۔۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا

اور جب انہوں نے کھولا اپنا سامان، تو پایا اپنی پونجیوں کو، کہ واپس کردی گئیں ہیں اُنہیں۔ سب بول پڑے "کہ ہمارے باپ

مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا

اب ہمیں کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجیاں واپس کردی گئیں ہمیں۔ اور ہم اب تو اپنے گھر والوں کے لیے اناج لائیں گے،

وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾

اور اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے، اور ایک اونٹ کے بوجھ کی ناپ مزید لیں گے، یہ تو معمولی ناپ ہے"●

(اور) ان بھائیوں کے ساتھ یہ قصہ بھی پیش آیا کہ (جب انہوں نے کھولا اپنا سامان تو پایا اپنی پونجیوں کو، کہ واپس کر دی گئیں ہیں انہیں)۔ شاہِ مصر کا یہ احسان دیکھ کر (سب بول پڑے کہ) اَے (ہمارے باپ! اَب ہمیں کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجیاں واپس کر دی گئی) ہیں (ہمیں)۔ اس کرم ونوازش کو دیکھ لینے کے بعد شاہِ مصر کے دربار میں جانے کا شوق اور بھی دوبالا ہو گیا ہے۔۔لہٰذا۔۔وہاں جائیں گے (اور ہم اب تو اپنے گھر والوں کے لیے اناج لائیں گے اور) اس پورے سفر میں (اپنے بھائی کی نگرانی رکھیں گے اور) اِس کے لیے بھی (ایک اونٹ کے بوجھ کی ناپ مزید لیں گے)، اس لیے کہ شاہِ مصر کی بخشش وعطا کے سامنے (یہ تو معمولی ناپ ہے) اور بادشاہ اِس مقدار کے واسطے ہمارے ساتھ تنگی نہ کرے گا۔

اِس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب ہم کو جانا ضروری ہے، تو بنیامین کو لے جا کر ایک اونٹ غلہ اور لے آئیں اور یہ غلہ لانا بہت آسان ہے۔ بیٹوں کی گفتگو سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ

جواب دیا، کہ "ہم ہرگز نہ بھیجیں گے اسے تمہارے ساتھ، یہاں تک کہ دے دو تم سب مضبوط عہد اللہ کا، کہ ضرور لے کر آؤ گے

اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ﴿۶۶﴾

میرے پاس اسے، مگر یہ کہ گھیر اڈال دیا جائے تم پر"۔ تو جب سب نے اپنا عہد دے دیا، کہا" کہ اللہ کا ہمارے کہے پر ذمہ ہے"

(جواب دیا کہ ہم ہرگز نہ بھیجیں گے اُسے تمہارے ساتھ یہاں تک کہ دے دو تم سب مضبوط عہد اللہ) تعالیٰ (کا)، یعنی جب تک اللہ تعالیٰ کو حاضر وناظر اور علیم وخبیر سمجھتے ہوئے اور اُسے یاد کرتے ہوئے، اس کے حبیب نبی آخرالزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قسم نہ کھاؤ گے، بنیامین کو میں تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا۔ تو یہ قسم کھاؤ، (کہ ضرور لے کر آؤ گے میرے پاس اِسے) بخیر وعافیت (مگر یہ کہ گھیر اڈال دیا جائے تم پر) یعنی گھیر لیے جاؤ تم سب عذاب میں اور سب ہلاک ہو جاؤ۔ ان کے بیٹوں نے یہ عہد قبول کر کے حضرت سلطان الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قسم کھائی کہ بنیامین کے باب میں

بے وفائی نہ کریں گے۔

(تو جب سب نے اپنا عہد دے دیا)، تو (کہا) یعقوب علیہ السلام نے (کہ اللہ) تعالیٰ (کا ہمارے کہے پر ذمہ ہے)۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس بات پر نگہبان اور اس پر گواہ اور مطلع ہے جو ہم عہد و پیمان میں کہتے ہیں۔

اِس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے فرما دیا اور اس میں بیٹوں کو اللہ تعالیٰ کی ۔۔یا۔۔ ایک قول 'جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے' کے مطابق، حبیبِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قسم سے وعدہ دینے پر ایفاءِ عہد کی ترغیب دلائی۔۔ المختصر۔۔ جب یعقوب علیہ السلام نے صاجبزادوں کو مصر کی طرف روانہ کرنے کا عزم فرمایا، تو ازراہِ شفقت انہیں نصیحت کے طور پر فرمایا۔۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ

اور سمجھایا کہ "اے میرے بیٹو! مت داخل ہونا ایک دروازہ سے، اور داخل ہوا لگ الگ دروازوں سے۔

وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ

اور نہیں بے پرواہ کر سکتا میں تم کو اللہ سے کچھ۔ حکم نہیں، مگر اللہ کا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کر لیا ہے۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۶۷

اور اُسی پر تو بھروسہ والے بھروسہ رکھیں" ●

(اور سمجھایا کہ اَے میرے بیٹو! مت داخل ہونا ایک دروازہ سے) شہر مصر میں، کہ تمہیں اس جمالِ شوکت و ہیبت اور کثرت کے ساتھ دیکھ کر کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

ان لوگوں کی مصر میں جب پہلی آمد ہوئی تھی، تو وہ گمنام و غیر معروف تھے، اس لیے نظرِ بد کا خطرہ نہیں تھا، مگر دوسری آمد سے پہلے ان سب کے ایک باپ کے بیٹے ہونے کی شہرت ہو چکی تھی اور اُن کے حسن و جمال کا چرچا ہو چکا تھا۔۔ نیز۔۔ اِس بار اُن کے ساتھ بنیامین جیسا پیکرِ حُسن و جمال یوسفِ ثانی بھی تھا۔

۔۔لہٰذا۔۔ اُن کو نصیحت (اور) ہدایت فرما دی گئی، کہ شہرِ مصر میں (داخل ہو) نا (الگ الگ دروازوں سے)۔۔ الغرض۔۔ شہرِ مصر میں داخلے کے چار۴ دروازے ہیں، تو تم سب ایک ساتھ کسی ایک

دروازے سے داخل نہ ہونا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے تو محبت پدری ظاہر کی اور آخر کو عجز بندگی ظاہر کیا (اور) کہا کہ (نہیں بے پرواہ کر سکتا میں تم کو اللہ) تعالیٰ (سے کچھ)، جو قضاءِ الٰہی ہے اس کو ہونا ہی ہے۔ پرہیز کرنے سے تقدیرِ الٰہی نہیں ٹلتی۔ یہ حقیقت ہے، کہ (حکم نہیں مگر اللہ) تعالیٰ (کا)۔ وہ جس میں جو کچھ چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ (اُسی پر میں نے بھروسہ کرلیا ہے اور) یہی چاہیے کہ (اُسی پر تو بھروسہ والے بھروسہ رکھیں)، اُس کے سوا پر نہیں۔ اِس واسطے کہ اُس پر توکل کرنے کا نتیجہ کامیابی ہے کیونکہ متوکل کے کاموں کو وہ کافی ہو جاتا ہے۔ بے شک جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور توکل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا کافی معاون ہے۔۔ الختصر۔۔ باپ کی نصیحت۔۔۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

اور جب داخل ہوئے جس طرح حکم دیا تھا اُن کو اُن کے باپ نے، وہ بے پرواہ نہیں کر رہے تھے ان کو اللہ سے

مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ

کچھ بھی، مگر فطری خواہش تھی یعقوب کے جی کی، جس کو پورا کرلیا۔ اور بلاشبہ وہ علم والے تھے جو ہم نے سکھا دیا تھا انہیں،

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۶۸ ع ۲/۱۱

لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں●

(اور) ہدایت کا پاس ولحاظ رکھتے ہوئے (جب داخل ہوئے) فرزندانِ سیدنا یعقوب علیہ السلام شہرِ مصر میں اُسی طرح (جس طرح حکم دیا تھا اُن کو اُن کے باپ نے) الگ الگ دروازے سے۔ اِس تدبیر کے ذریعہ (وہ) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام (بے پرواہ نہیں کر رہے تھے اُن) فرزندوں (کو اللہ) تعالیٰ (سے کچھ بھی)۔ قضائے الٰہی جو ان کے باب میں واقع ہو چکی تھی اُسے ظاہر ہونا ہی تھا۔ رہ گئی حضرت یعقوب علیہ السلام کی ہدایت فرمودہ تدبیر، یہ نہیں تھی (مگر) صرف ایک (فطری خواہش تھی یعقوب کے جی کی جس کو پورا کرلیا)۔

۔۔الغرض۔۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ تقدیرِ الٰہی کو ٹالنے کے لیے نہیں کیا۔۔ بلکہ۔۔ اُس سے صرف اپنی شفقتِ پدری کا مظاہرہ کیا اور تدبیر کرنے کی اہمیت کو اُجاگر کیا، کہ ہر حال میں نیک تدبیر کرنا ہمارا کام ہے اور پھر جو اُس کا انجام ہو اُس کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر اُس پر صابر و شاکر رہنا ہی سعادت مندی و فیروز بختی ہے۔ اِس واقعہ میں بھی بنیامین کو چوری کی تہمت لگانے سے بھائی غمگین ہوئے اور حضرت

یعقوب علیہ السلام کی مصیبت دونی ہوگئی، تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی تدبیر سے بظاہر کچھ فائدہ نہیں ہوا، بس اپنی اولاد پر جواُن کی شفقت تھی اُس کا ظہور ہوگیا۔۔چنانچہ۔۔اُس کے موافق نصیحت کردی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ کام غفلت میں نہیں ہوا، وہ قضاوقدر کے بھید سے خوب واقف تھے، (اور بلاشبہ وہ علم والے تھے)، اور بخوبی یقینی طور پر جانتے تھے اُن باتوں کو (جو ہم نے سکھادیا تھا انہیں) وحی کے ذریعہ اور اِسی سبب سے انہوں نے کہا تھا کہ **مَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ** یعنی میں تم کو اللہ تعالیٰ سے بے پرواہ نہیں کرسکتا کچھ۔ (لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں) اور نہیں جانتے کہ تقدیر کا بھید کیا ہے۔۔یا یہ۔۔نہیں جانتے کہ تدبیر، تقدیر پر غالب نہیں ہوسکتی۔۔قصہ مختصر۔۔تمام فرزندانِ حضرت یعقوب علیہ السلام باپ کی ہدایت کی روشنی میں مختلف دروازوں سے شہر مصر میں داخل ہوئے۔۔۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ

اور جب سب داخل ہوئے دربارِ یوسف پر، تو جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی کو، کہہ دیا کہ "میں ہی تمہارا بھائی ہوں،

فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝۶۹

تو اب کچھ خیال نہ کروان سب کے کیے کا"●

(اور) پھر (جب سب داخل ہوئے دربارِ یوسف پر) یعنی ان کی ڈیوڑھی پر پہنچے، تو حضرت یوسف علیہ السلام نقاب ڈالے ہوئے تخت پر بیٹھے تھے۔ پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ کہا کہ ہم کنعان کے رہنے والے ہیں۔ ہم سے آپ نے فرمایا تھا، کہ اپنے بھائی کو لاؤ۔ اُسے ہم نے باپ سے چاہا اور بڑے عہد و پیمان کے ساتھ ہم لائے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کہ ہاں میں نے پہچانا۔ بیٹھو! وہ لب فرش بیٹھ گئے اور حکم کے موافق کھانے کے چھ[۶] خوان آراستہ اُن کے سامنے لوگ لائے۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک ماں باپ سے جو بھائی ہوں، وہ دو[۲] دو[۲] ایک ایک خوان پر کھانا کھاؤ۔۔چنانچہ۔۔دو[۲] دو[۲] بھائی ایک ایک خوان پر بیٹھ گئے، اور بنیامین تنہا رہ کر رونے لگے۔ یہاں تک روئے کہ بے ہوش ہوگئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حکم سے اُن کے چہرے پر گلاب چھڑکا گیا۔ جب ہوش میں آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا کہ اَے کنعانی جوان تجھے کیا ہوا جو تو بیہوش ہوگیا؟ بنیامین بولے، آپ نے حکم دیا کہ ہر ایک اپنے حقیقی بھائی کے ساتھ خوان پر بیٹھے۔ میرا ایک حقیقی بھائی یوسف نام تھا وہ مجھے یاد آیا، اپنے جی میں میں نے کہا، کہ اگر وہ ہوتا، تو میرے ساتھ

اس خوان پر بیٹھتا اور میں اکیلا نہ رہ جاتا۔ اُس کے شوق میں بے حال ہو گیا۔ میرے رونے اور بیہوشی کا یہی سبب تھا۔

یوسف علیہ السلام نے فرمایا، کہ آ! میں تیرا بھائی ہوں اور تیرے ساتھ ایک خوان پر بیٹھوں۔ پھر حکم فرمایا اِس کا خوان اُٹھا لاؤ۔ لوگ پردے کی آڑ میں خوان اُٹھا لے گئے اور بنیامین کو بھی بُلا لیا (تو) اِس بہانے سے (جگہ دی اپنے پاس اپنے بھائی) بنیامین (کو)۔ حضرت یوسف نے جب بنیامین کی یہ بات سنی، تو انہیں بھی تاب نہ رہی، چہرہ سے نقاب اُلٹی اور بنیامین سے (کہہ دیا کہ میں ہی تمہارا بھائی ہوں۔ تو اب کچھ خیال نہ کرو ان سب کے کیے کا)۔ بنیامین نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ دیکھا اور یہ کلام سنا، تو دوبارہ بے ہوش ہو گئے اور پھر جب ہوش میں آئے، تو حضرت یوسف علیہ السلام کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئے اور پھر آپ کا دامن پکڑ کر کہنے لگے، کہ اب میں آپ کے پاس سے نہ جاؤں گا۔

یوسف علیہ السلام بولے کہ بھائی تیرے باب میں جس قدر والدِ ماجد کا اہتمام ہے وہ میں جانتا ہوں۔ اگر بغیر کسی بہانے کے تجھے روک رکھوں، تو ان کا غم زیادہ ہو گا۔ اگر تیرے نزدیک صلاح ہو، تو تجھے کسی نامناسب کام کی تہمت لگاؤں اور پھر اُس بہانے سے اپنے پاس رکھ لوں؟ بنیامین نے عرض کی کہ اِس سے مجھے باک نہیں۔ پھر حضرت یوسف نے فرمایا کہ بھائیوں کے پاس جا اور یہ بات پوشیدہ رکھ۔ بنیامین پردے کے اندر سے نکلے اور حکم ہوا کہ کنعانیوں کی کارروائی کرو۔۔۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ

پھر جب مہیا کر دیا اُنہیں اُن کا سامان، تو رکھ دیا پیالے کو اپنے بھائی کی خورجی میں،

ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝

پھر پکارا ایک پکارنے والے نے، "اَے قافلہ والو تم ضرور چور ہو"●

(پھر جب مہیا کر دیا انہیں اُن کا سامان، تو) حضرت یوسف کے حکم سے اُن کے رازدار نے (رکھ دیا) شاہی (پیالے کو) خود اُن کے (اپنے بھائی کی خرجی میں)۔ یہ پیالہ چاندی۔ یا۔ سونے۔ یا۔ زبرجد کا ایک کٹورا تھا، جو جواہرات سے مُرصع تھا۔ بادشاہ اس میں پانی پیتا تھا۔ اِس وقت عزت اور غلہ کی نفاست کی وجہ سے اُسے پیمانہ کر لیا تھا۔۔ الختصر۔۔ اس کے بعد سبھوں کے بوجھ کس کر جانے کی

اجازت دی۔ جب لوگ شہر سے باہر نکلے اور راہ پر چلے، تو یوسف علیہ السلام کے ملازموں میں سے ایک گروہ قافلے کے پیچھے پہنچا، (پھر پکارا ایک پکارنے والے نے، اَے قافلہ والو! تم ضرور چور ہو)۔

اگر یہ بات اس کہنے والے نے حضرت یوسف کے حکم سے کہی، تو اِس کہلوانے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو باپ سے چُرایا تھا۔ اِس لطیف اشارے کو وہ لوگ نہ سمجھ سکے اور۔۔۔

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾

سب بولے اور سامنے آئے، کہ "کیا چیز تمہاری گم ہے؟"●

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

اُنہوں نے جواب دیا کہ "ہم سے گم ہے بادشاہ کا پیمانہ، اور جو اُسے لے آئے، ایک اونٹ کا بوجھ لے لے، اور میں اس کا ذمہ دار ہوں"●

(سب بولے اور سامنے آئے، کہ کیا چیز تمہاری گم ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہم سے گم ہے بادشاہ کا پیمانہ)، یعنی بادشاہ کے پانی پینے کا کٹورا جسے ہم نے غلے کا پیمانہ بنایا تھا (اور جو اُسے لے آئے) وہ انعام میں (ایک اونٹ کا بوجھ لے لے اور میں اِس کا ذمہ دار ہوں) یعنی اُس کٹورے کا کفیل اور ضامن ہوں۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾

سب بولے "قسم خدا کی آپ لوگوں کو علم ہے کہ ہم نہیں آئے تھے کہ فساد مچائیں زمین میں، اور نہ ہم پہلے کے چور ہیں"●

(سب بولے، قسم خدا کی آپ لوگوں کو علم ہے، کہ ہم نہیں آئے تھے کہ فساد مچائیں زمین میں اور نہ ہم پہلے کے چور ہیں) یعنی بے شک تم لوگ جانتے ہو، کہ ہم امانت دار لوگ ہیں۔ پہلی بار جو پونجی تم نے ہماری خرجیوں میں رکھ دی تھی، اب کی بار جو ہم آئے تو اُسے واپس لائے، اور دیکھتے ہو کہ اِس احتیاط کے واسطے ہم نے اونٹوں کے منہ باندھ دیے ہیں، کہ کسی کا کھیت نہ کھائیں۔۔ الحاصل۔۔ کنعان سے ہم لوگ فساد مچانے کے لیے نہیں آئے، اور زمین مصر میں ہمارے آنے کا مقصد یہ نہیں ہے، کہ ہم لوگوں کے مال میں ناحق تصرف کریں۔۔ الغرض۔۔ ہم نہ چور ہیں اور نہ ہی چوری کرنا ہمارا کام ہے۔ اِس گفتگو کو سن کر۔۔۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾

جواب دیا کہ "اِس کی سزا تجویز کرو اگر تم جھوٹے ہو" ●

(جواب دیا کہ اِس کی سزا تجویز کرو اگر تم جھوٹے ہو) اپنے کو بری الذمہ کرنے میں۔ یعنی تم خود کہتے ہو کہ ہم چور نہیں ہیں، تو اگر گمشدہ مال تمہارے بوجھ میں سے نکلے، تو اس کا عوض کیا ہے؟

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

سب نے مان لیا، کہ "اس کی سزا جس کی خرجی میں پایا جائے وہی اُس کا بدلہ ہے"۔ اسی طرح ہم اندھیر مچانے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں ●

(سب نے مان لیا کہ اُس کی سزا جس کی خرجی میں پایا جائے وہی اُس کا بدلہ ہے) یعنی اُس کو غلام بنالینا ہی اُس کی سزا ہے۔ اپنے باپ یعنی حضرت یعقوب کے دین کی روشنی میں۔ (اسی طرح ہم اندھیر مچانے والوں کو سزا دیا کرتے ہیں)۔ پھر تلاشی شروع کی گئی۔۔۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ

تو شروع کیا ان سب کے برتنوں سے اپنے بھائی کے برتن سے پہلے، پھر نکالا اُس پیمانہ کو اپنے بھائی کے برتن سے۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ

اس طرح ترکیب سکھائی ہم نے یوسف کو۔ کہ وہ لے نہیں سکتے تھے اپنے بھائی کو، شاہی قانون میں، مگر یہ کہ

اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

اللہ چاہے۔ ہم بلند فرماتے ہیں درجے جس کے چاہیں۔ اور ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے ●

(تو شروع کیا ان سب کے برتنوں سے، اپنے بھائی کے برتن سے پہلے) یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی کی خرجی کی تلاشی سب بھائیوں کی خرجیوں کی تلاشی لے لینے کے بعد سب کے آخر میں لی، تاکہ کسی اندرونی خفیہ تدبیر کا اندازہ نہ لگے۔ (پھر نکالا اُس پیمانہ کو) تلاشی لینے والوں نے ان کے (اپنے بھائی کے برتن سے) پھر حضرت یوسف کے بھائیوں نے شرم سے اپنا سر جھکا لیا اور بنیامین کو طعن وتشنیع کرنے لگے۔ (اِس طرح ترکیب سکھائی ہم نے یوسف کو) الہام کے ذریعہ اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لینے کی۔ کیوں (کہ وہ لے نہیں سکتے تھے اپنے بھائی کو شاہی قانون میں)۔

اس لیے کہ چور کی نسبت بادشاہ کا حکم یہ تھا، کہ اُسے مارو اور شہر بدر کردو۔ بادشاہ کا حکم یہ نہ تھا کہ چور کو غلام بنالو۔۔ چنانچہ۔۔ مصر میں یہی قانون رائج و متعارف تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر حضرت یوسف اُس مصری قانون کے مطابق فیصلہ فرماتے، تو بھائی کو روک نہیں سکتے تھے۔

تو اِس سلسلے میں خدا نے یہ خفیہ تدبیر فرمائی کہ چور کی سزا ان کنعانیوں سے ہی پوچھ لی گئی۔ اور ظاہر ہے کہ اس کے جواب میں وہ شریعتِ یعقوبی ہی کی سزا بتا سکتے تھے، جو خود ان کے دیار میں رائج تھی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب انہیں کی بتائی ہوئی سزا پر عمل کیا جائے گا، تو انہیں کوئی ہلکا سا بھی اعتراض نہ ہوگا۔

۔۔الحتصر۔۔ حضرت یوسف اگر شاہی قانون کے مطابق سزا دیتے، تو اُس کا انہیں اختیار تھا، وہ دے سکتے تھے، اور یہ آپ کے لیے معیوب بات بھی نہ تھی کہ جس ملک کے آپ بادشاہ ہیں اس ملک کے قانون وتعزیرات کا پاس ولحاظ کریں۔۔ بلکہ۔۔ چور کی سزا آپ اسی اپنے ملکی قانون میں دیا بھی کرتے تھے۔ اس میں نبی کی شانِ نبوت مجروح نہیں ہوتی، کیونکہ جس قانون کی تصدیق وتائید کوئی نبی فرمادے اور اُس قانون کی روشنی میں فیصلہ بھی فرمادے، تو اُس قانون پر عمل درآمد دین الٰہی کے دائرے میں آجاتا ہے۔ اُس کو شاہی قانون صرف اس لیے کہا جاتا ہے کہ ابتداءً بادشاہِ وقت کی طرف سے اُسے رائج کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود انہوں نے خاص کر کے اپنے بھائی کے معاملے میں اُس قانون پر عمل نہیں کیا۔

اس کی بنیادی وجہ وہی ہے جس کا ابھی ابھی اوپر ذکر ہو چکا کہ وہ اپنے قانون کی روشنی میں اپنے بھائی کو اپنے پاس روک نہیں سکتے تھے۔

(**مگر یہ کہ اللہ**) تعالیٰ (**چاہے**) یعنی اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی کہ وہ بھائی کو روک سکیں، تو ایسی تدبیر فرمائی کہ شریعتِ یعقوبی پر عمل کرنے کی صورت نکال دی۔

اِس مقام پر ذہن نشین رہے کہ جملہ شرائع میں مصلحتیں ہی مصلحتیں ہوتی ہیں اور حیلے اسی لیے ہوتے ہیں کہ انسان وقوعِ مفاسد سے بچنے کی راہیں حاصل کر کے مفاسد سے بچ سکے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق اسی حیلہ شرعیہ میں بہت بڑے منافع وفوائد مضمر تھے، اِسی لیے یوسف علیہ السلام نے اِس حیلے کی تلقین فرمائی، تا کہ اس کو استعمال کر کے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھ سکیں۔ اِسی لیے یہ حیلہ بہتر اور احسن سمجھا گیا، تا کہ جو لوگ حیلے کو ناجائز سمجھتے

ہیں، ان کے ذہن سے اِس کے قبائح کا تصور ختم ہو۔

اِس مقام پر ایک واضح اِمکان یہ بھی ہے، کہ شاہی پیالے کو بنیامین کی خورجی میں رکھنے کے تعلق سے حضرت یوسف علیہ السلام کا کوئی ایک ہی راز دار ہو اور بقیہ شاہی خُدام اس تدبیر سے بے خبر رکھے گئے ہوں۔ ایسی صورت میں باقی خُدام میں کسی گروہ کا کنعانیوں کو چور قرار دینا ان کے علم وخبر کی روشنی میں بالکل صحیح تھا۔ اس لیے اس کے آگے کی ان کی ساری کارروائی ان کے علم کی روشنی میں نامناسب نہیں تھی، بلکہ بالکل صحیح اور درست تھی۔۔۔الحاصل۔۔۔ارشادِ خداوندی ہے کہ۔۔۔

(ہم) اپنی مشیت اور حکم کے سبب سے (بلند فرماتے ہیں درجے) علم وحکمت کی رُو سے (جس کے چاہیں اور) یہ حقیقت ہے کہ (ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے) جس کا مرتبہ بہت بلند ہے ۔۔۔الختصر۔۔۔حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا، کہ یہ تمہارے متعلق کیا دیکھنے اور سننے میں آرہا ہے، تم تو کہتے تھے کہ ہم پیغمبر زادے ہیں۔۔۔

قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ

سب نے کہا "کہ اگر اس نے واقعی چوری کی ہو تو واقعہ یہ ہے کہ چوری کی تھی ان کے ایک بھائی نے پہلے،" تو رکھ لیا اس کو یوسف نے اپنے جی میں،

وَلَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور نہیں ظاہر کیا انہیں۔ دل میں کہا "کہ تم لوگ پلے درجہ کے شریر ہو۔ اور اللہ خوب جانتا ہے جو بول رہے ہو"●

(سب نے کہا کہ اگر اُس نے واقعی چوری کی ہو، تو) کیا عجب، اِس لیے کہ (واقعہ یہ ہے کہ چوری کی تھی اُن کے ایک بھائی نے) اِس سے (پہلے)۔

جس کا واقعہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کی خالہ کے گھر مرغیاں تھیں۔ ایک سائل گھر کے دروازے پر آیا اور کوئی حاضر نہ تھا، یوسف علیہ السلام نے ایک مرغی سائل کو دے دی، اُس پر اُن کے بھائیوں نے اُن پر چوری کا الزام لگایا۔ اِس کے سوا بھی اِس سلسلے میں اقوال ہیں۔

(تو رکھ لیا اُس کو یوسف نے اپنے جی میں) پوشیدہ (اور نہیں ظاہر کیا انہیں) بلکہ (دل میں کہا کہ تم لوگ پلے درجے کے شریر ہو) باپ سے بیٹے کو ظالمانہ انداز سے جدا کر دینے والے تمہیں ہو، (اور اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے) اُس کی حقیقت (جو بول رہے ہو)۔

پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے لوگوں کے سپرد کر دیا اور بھائیوں نے انہیں چھڑانے کے واسطے بڑی گفتگو کی، کچھ فائدہ نہ ہوا۔ روبیل کے دل میں غصہ سے آگ بھڑکنے لگی اور بدن کے روئیں کھڑے ہو گئے۔ بولے کہ اَے بادشاہ! ہمارے بھائی کو چھوڑ دے ورنہ میں ایک ایسی چیخ ماروں گا کہ اس شہر میں جہاں کہیں حاملہ عورت ہوگی، ہول کے مارے اس کا حمل گر جائے گا۔ یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ روبیل غصے میں ہے، اپنے بیٹے سے فرمایا جا کر اُن کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر دے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بیٹے نے روبیل کی پشت پر ہاتھ رکھا، تو اُس کا غصہ جاتا رہا۔

وہ اپنے بھائیوں سے پوچھنے لگے کہ تم نے میری پیٹھ پر ہاتھ پھیرا؟ وہ بولے کہ نہیں۔ روبیل نے کہا کہ خدا کی قسم اِس شہر مصر میں یعقوب علیہ السلام کی نسل سے کوئی ہے۔ اس واسطے کہ ان لوگوں میں جب کسی کو غصہ آتا، تو یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے جب کوئی دوسرا اُس کے بدن پر ہاتھ لگاتا، تو اُس کا غصہ جاتا رہتا تھا۔ دوسری دفعہ جب روبیل کو غصہ آیا، تو انہوں نے یوسف علیہ السلام کے تخت پر چڑھ جانے کا قصد کیا۔ یوسف علیہ السلام نقاب ڈال کر تخت پر سے اُتر آئے، اور انہیں سست کر دیا۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر زمین پر بٹھا دیا اور فرمایا اَے کنعانیو! تم اپنے زور پر مغرور ہو، اپنی قوت پر گھمنڈ کرتے ہو، اور تم سمجھتے ہو کہ تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔۔ الغرض۔۔ جب انہوں نے دیکھا کہ زور سے کام نہیں نکلتا، تو عاجزی کرنے لگے اور پھر۔۔۔

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ

سب نے درخواست کی 'کہ اَے عزیز! اس کا ایک باپ ہے بڑا بڈھا، تو گرفتار کر لیجیے ہم میں سے کسی کو اس کی بجائے،

اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

ہم آپ کو احسان کرنے والوں سے سمجھ رہے ہیں"●

(سب نے درخواست کی کہ اَے عزیز! اِس کا ایک باپ ہے بڑا بڈھا)، بڑے مرتبے والا، اپنے بیٹے یوسف کے ہلاک ہو جانے کے بعد اس کا باپ اس سے محبت رکھتا ہے، (تو گرفتار کر لیجیے) اُس کے بدلے (ہم میں سے کسی کو اِس کی بجائے) اور اِسے چھوڑ دیجیے، (ہم آپ کو احسان کرنے والوں سے سمجھ رہے ہیں) تو ہم پر پورا احسان کیجیے۔ اس پر حضرت یوسف نے۔۔۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ

حکم دیا کہ "خدا کی پناہ، کہ میں گرفتار کروں مگر اسے، کہ ہم نے پایا اپنا مال جس کے پاس۔

اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۟۷۹ فَلَمَّا اسْتَیْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ كَبِیْرُهُمْ

ورنہ ہم بھی ظالموں سے ہو جائیں"● پس جب ناامید ہو گئے اُن سے، تو کنارے گئے کانا پھوسی کرتے۔ ان میں کا بڑا بولا،

اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ

"کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لے رکھا ہے تم سے اللہ کا مضبوط ذمہ، اور پہلے جو

مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰی یَاْذَنَ

زیادتی کر چکے ہو تم یوسف کے بارے میں، میں تو ہرگز نہ کھسکوں گا اس سرزمین سے یہاں تک کہ اجازت دیں

لِیْۤ اَبِیْۤ اَوْ یَحْكُمَ اللّٰهُ لِیْ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۟۸۰

مجھ کو میرے باپ، یا فیصلہ فرما دے اللہ میرا۔ اور وہ اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے●

(حکم دیا کہ خدا کی پناہ کہ میں گرفتار کروں) کسی کو (مگر اُسے کہ ہم نے پایا اپنا مال جس کے پاس، ورنہ) یعنی اگر ہم نے ایسا نہیں کیا، تو (ہم بھی) تمہارے مذہب میں (ظالموں سے ہو جائیں) گے۔ (پس جب ناامید ہو گئے اُن سے تو کنارے گئے کانا پھوسی کرتے) اور چپکے چپکے مشورہ کر کے تدبیریں سوچنے لگے۔۔ الغرض۔۔ مصریوں سے الگ ہو کر آپس میں گفتگو کرنے لگے۔ (اُن میں کا بڑا بولا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے لے رکھا ہے تم سے اللہ) تعالیٰ (کا مضبوط ذمہ) بنیامین کی محافظت کے باب میں، اور تم نے محمد رسول آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی قسم کھائی ہے، کہ ہم اُس کے ساتھ بے وفائی نہیں کریں گے۔ اب یہ صورت پیش آئی (اور) اِس سے (پہلے جو زیادتی کر چکے ہو تم یوسف کے بارے میں۔ میں تو ہرگز نہ کھسکوں گا اِس سرزمین سے یہاں تک کہ اجازت دیں مجھ کو میرے باپ یا فیصلہ فرما دے اللہ) تعالیٰ (میرا۔ اور وہ اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے) جو درستی کے ساتھ حکم فرماتا ہے۔ اُس کے حکم میں ہرگز طرفداری نہیں، تو تم سب۔۔۔

اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤی اَبِیْكُمْ فَقُوْلُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَاۤ

لوٹ جاؤ اپنے باپ کے پاس، پھر عرض کرو" کہ اے ہمارے باپ، بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی، اور ہم نے وہی کہا

اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾

جو دیکھ کر جانا، اور اَن دیکھے ہم ذمہ دار نہ تھے ●

(لَوٹ جاؤ اپنے باپ کے پاس، پھر عرض کرو کہ اَے ہمارے باپ! بے شک آپ کے بیٹے) بنیامین (نے چوری کی اور ہم نے وہی کہا جو دیکھ کر جانا) کہ کٹورا بنیامین ہی کے اونٹ کی خرجی سے نکلا۔ (اور اَن دیکھے) حال پر نظر رکھنے کے (ہم ذمہ دار نہ تھے) یعنی ہم نے اُس کی یہ چوری دیکھی، مگر حقیقتِ حال کی خبر ہمیں نہیں، کہ واقع میں اس پر تہمت رکھی اور کٹورا اس کے بوجھ میں رکھ دیا ہے ۔۔۔یا۔۔ خود وہ اُس کا مرتکب ہوا ہے۔ اگر آپ کو ہمارے بیان کی سچائی میں شک۔۔۔

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور دریافت کر لیجیے آبادی بھر سے جہاں ہم تھے، اور اِس قافلے سے جس میں ہم آئے، اور ہم واقعی سب سچے ہیں" ●

(اور) تردد ہو، تو (دریافت کر لیجیے) اُس (آبادی بھر سے جہاں ہم تھے) یعنی کسی کو بھیج کر مصر والوں سے حالات معلوم کر لیجیے (اور اُس قافلے سے) بھی پوچھ لیجیے (جس میں ہم آئے) ہیں، جو کنعان کے رہنے والے حضرت یعقوب علیہ السلام کے پڑوسی تھے۔ پوچھنے کے بعد خود آپ پر روشن (اور) ظاہر ہو جائے گا کہ (ہم واقعی سب سچے ہیں)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے روبیل۔۔یا۔۔ یہودا کے حُکم سے کنعان کی طرف چلے اور اپنے والدِ بزرگوار کی خدمت میں پہنچے اور جو کچھ بھائی نے کہہ دیا تھا عرض کیا۔ اِس پر حضرت یعقوب نے۔۔۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ

جواب دیا" بلکہ بنا لیا تمہارے لیے تمہاری طبیعتوں نے ایک بہانہ، تو صبر اچھا ہے۔ اللہ سے امید ہے کہ لائے گا میرے پاس

بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

ان سب کو اکٹھا۔ بے شک وہ علم والا حکمت والا ہے" ●

(جواب دیا، بلکہ بنا لیا تمہارے لیے تمہاری طبیعتوں نے ایک بہانہ)۔۔ المختصر۔۔ تمہارے جی نے جو چاہا تم نے اس کے تعلق سے مشورہ کر لیا اور اُسی پر عمل کر بیٹھے، ورنہ بادشاہ کیا جانے کہ چور کی سزا غلام بنانا ہے۔ یہ تو تم لوگوں ہی نے بتایا ہوگا۔ (تو) اِن حالات میں میرے لیے (صبر اچھا

ہے) اس لیے کہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ مجھے (اللہ) تعالیٰ کے فضل وکرم (سے امید ہے کہ لائے گا میرے پاس) یوسف، بنیامین اور وہ دوسرا بھائی جو مصر میں ہے۔۔الغرض۔۔(اُن سب کو اکٹھا۔ بے شک وہ علم والا) ہے اور میرے حال کا خوب جاننے والا ہے، اور (حکمت والا ہے)۔ ہر چیز میں جو کچھ وہ کرتا ہے، اس میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔ پھر کمالِ مَلال کی وجہ سے حضرت یعقوب بیت الاحزان میں چلے گئے۔ یعنی اُس حُجرے میں چلے گئے جس میں جا کر فراقِ حضرت یوسف میں رویا کرتے تھے۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ

اور بے رخی کر لی اُن سب سے، اور فریاد کی کہ ہائے افسوس فراقِ یوسف پر، اور سپید پڑگئیں ان کی دونوں آنکھیں

مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾

گریۂ غم سے، پھر وہ سارا غم پیٹ میں لیے رکھے ہیں ●

(اور بے رُخی کر لی) اپنے (اُن سب) بیٹوں (سے، اور فریاد کی کہ ہائے افسوس! فراقِ یوسف پر)۔ سچ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے برابر کوئی مفارقت کی آگ میں نہیں جلا، کہ چالیس ۴۰ برس اور ایک قول پر اسی ۸۰ برس حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی کی ابتداء سے وِصال کے وقت تک یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کا آنسو خشک نہیں ہوا اور فرزند کے بارِ فراق سے ان کی پشتِ مبارک خم ہوگئی تھی (اور سپید پڑگئیں ان کی دونوں آنکھیں گریۂ غم سے، پھر) صورتِ حال یہ رہی کہ (وہ سارا غم پیٹ میں لیے رکھے ہیں) یعنی فرزندوں کے تعلق سے ان کے دل مبارک میں غصہ بھرا تھا جسے وہ ظاہر نہ کرتے تھے۔ مگر جب بیٹوں نے یٰۤاَسَفٰى! کا نعرہ سنا اور والدِ بزرگوار کا اضطراب دیکھا، تو۔۔۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ

سب نے سمجھایا کہ "اللہ کی قسم ہر وقت آپ یاد کیا کرتے ہیں یوسف کو، یہاں تک کہ بیمار ہو جائیں

مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

یا مرنے والوں سے ہو جائیں" ●

(سب نے سمجھایا کہ اللہ) تعالیٰ (کی قسم ہر وقت آپ یاد کیا کرتے ہیں یوسف کو، یہاں تک

کہ بیمار ہو جائیں یا مرنے والوں سے ہو جائیں) یعنی آپ کا اضطراب کہیں آپ کو مرض الموت میں نہ مبتلا کر دے۔ حضرت یعقوب نے۔۔۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

جواب دیا "کہ میں بس فریاد کرتا ہوں اپنی پریشانی و رنج کی اللہ سے، اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے جو تم نہیں جانتے"●

(جواب دیا، کہ میں بس فریاد کرتا ہوں اپنی پریشانی و رنج کی اللہ) تعالیٰ (سے)، یعنی نہ تو تم سے شکایت کرتا ہوں اور نہ ہی کسی اور سے، میں تو صرف اپنے رب سے فریاد کرتا ہوں۔ اس واسطے کہ بیکسوں کا کام بنانے والا اور بیچاروں کا چارہ ساز وہی ہے۔ میرا رب ایسا قادرِ مطلق ہے کہ اگر بالفرض یوسف و بنیامین وفات یافتہ ہو جائیں، جب بھی وہ انہیں حیات عطا فرما کر مجھ سے ملا سکتا ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ اس سلسلے میں ایک روایت بھی ہے، کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ کہا، تو حق تعالیٰ نے وحی بھیجی، کہ اے یعقوب! مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی، کہ اگر یوسف و بنیامین وفات بھی پا گئے ہوتے، تو یہ نالہ جو تو نے کیا ہے اُس کے سبب سے میں انہیں زندہ کر کے پھر تیرے پاس پہنچا دیتا۔ اسی خوشخبری اور وحی کے سبب سے تھا، جو یعقوب علیہ السلام نے کہا کہ میں باخبر ہوں۔۔۔

(اور میں جانتا ہوں اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے جو تم نہیں جانتے)۔

ایک دن حضرت ملک الموت حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات کو آئے، یعقوب علیہ السلام نے ان سے پوچھا، کہ کیا تم نے میرے یوسف کی روح قبض کی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں، یعقوب علیہ السلام نے اُسی امید پر کہا، کہ۔۔۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ

"اے بیٹو جاؤ، پھر تلاش کرو یوسف اور اُس کے بھائی کو، اور ناامید مت ہو اللہ کی رحمت سے۔

اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

بے شک نہیں ناامید ہوتے اللہ کی رحمت سے، مگر کافر لوگ"●

(اے بیٹو! جاؤ، پھر تلاش کرو یوسف اور اُس کے بھائی کو) یعنی پھر ڈھونڈو اور یوسف و بنیامین کے حال کی خبر لو (اور ناامید مت ہو اللہ) تعالیٰ (کی رحمت سے۔ بے شک نہیں ناامید ہوتے اللہ)

تعالیٰ (کی رحمت سے، مگر کافر لوگ)۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے مصر کے بادشاہ کے نام ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا، کہ "یعقوب اسرائیل اللہ ابن اسحاق مقبول اللہ ابن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے بادشاہِ مصر کو۔ امابعد میں اس خاندان کا ہوں جو اولوالعزم رسولوں اور پیغمبروں کا گھرانا ہے۔ ہم چوروں کے خاندان سے نہیں ہیں، کہ ہم سے چوری سرزد ہو۔ اگر میرے اس بیٹے کو جس پر چوری کا الزام لگایا گیا ہے میرے پاس بھیج دے تو بہتر ہے، ورنہ تیرے حق میں ایسی بد دُعا کروں گا، کہ تیری ساتویں پشت تک اس کا اثر پہنچے گا۔ والسلام"

پھر یہ خط اپنے بیٹوں کو دیا اور کچھ پونجی، پشمینہ، روغن، پنیر اور ایسی چیزیں تیار کر کے ان کے ساتھ کر دیں اور انہیں مصر کی طرف بھیجا۔ وہ مصر میں پہنچے اور وہ بھائی جو اپنی خوشی سے وہاں رہ گیا تھا اُس سے ملاقات کی، اور اس کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام کی ڈیوڑھی کی طرف چلے۔۔۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ

پھر جب سب داخل ہوئے اُن پر، بولے کہ "اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو نقصان لگ گیا اور ہم لے آئے ہیں ناچیز پونجی،

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝۸۸

تو ہمیں پوری ناپ سے دیجیے اور ہم پر خیرات بھی کیجیے۔ بے شک اللہ بدلہ دے صدقہ دینے والے کو" ●

(پھر جب سب داخل ہوئے اُن پر) یعنی وہ سب حضرت یوسف کی بارگاہ میں جب حاضر ہوئے، تو (بولے اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو نقصان لگ گیا) ہے، یعنی ہم سب سختی، بے نوائی اور بھوک کے شکار ہو گئے ہیں۔ (اور) تیری خدمت میں (ہم لے آئے ہیں ناچیز پونجی، تو) آپ ہماری پونجی کی بے اعتباری کا خیال نہ فرمائیں، بلکہ جو دینا ہو (ہمیں پوری ناپ سے دیجیے اور) مزید برآں (ہم پر خیرات بھی کیجیے)، یعنی ہماری پونجی کی قیمت سے زیادہ عطا فرما کر احسان فرمایئے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (بدلہ دے صدقہ دینے والے کو)۔ یعنی اللہ تعالیٰ جزائے خیر دیتا ہے خیرات دینے والوں کو جو زیادتی اور فراوانی کے ساتھ خیرات کرتے ہیں۔

بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا مکتوبِ گرامی تخت کے کنارے رکھ دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب خط پڑھا تو رونے نے ان پر غلبہ کیا اور بے اختیار ہو گئے۔ اور اُن سب کو۔۔۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ۝۸۹

جواب دیا کہ "کیا تم کو معلوم ہے جو تم نے کیا ہے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ جب تم نادان تھے؟"●

(جواب دیا کہ کیا تم کو معلوم ہے جو تم نے کیا ہے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ جب تم نادان تھے؟) یہ بات یوسف علیہ السلام نے مجملاً کہی، مفصل نہیں۔ انہوں نے جو کچھ یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا ظاہر ہے اور بنیامین کے ساتھ انہوں نے یہ کیا تھا، کہ انہیں ذلیل وخوار اور بے اعتبار رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ وہ ہر ایک بھائی سے عاجزی اور فروتنی کے ساتھ بات کرتے تھے۔ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے کیا اُس کی بُرائی اور قباحت جان لی، جو یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ تم نے کیا، اور کیا اُس سے اَب توبہ کی؟

اِس واسطے کہ اُس وقت تم نادان تھے، یعنی نوجوان، شوخ اور حاسد۔۔یا۔۔ جاہل تھے، کہ تم نے باپ کو رنج دے کر، رشتہ توڑ کر، خواہش نفسانی کی پیروی کی۔ یوسف علیہ السلام نے یہ بات نصیحت کے طور پر کہی، غصے کے ساتھ نہیں۔ پھر اپنی نقاب اُلٹ دی اور سر پر سے تاج اُتار لیا۔ جب بھائیوں کی نظر اُس شکل وشمائل پر پڑی، تو۔۔۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ

سب نے کہا کہ "کیا آپ ہی یوسف ہیں؟" جواب دیا "میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ بے شک احسان فرمایا اللہ نے

عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝۹۰

ہم پر۔ بے شک جو ڈرے اور صبر کرے، تو اللہ نہیں ضائع فرماتا مخلصوں کی اُجرت کو"●

(سب نے کہا کہ کیا آپ ہی یوسف ہیں)؟ یعنی یقیناً آپ ہی یوسف ہیں۔ کیونکہ یہ جمال وکمال دوسرے کو حاصل نہیں۔ (جواب دیا) حضرت یوسف نے، کہ ہاں (میں) ہی (یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی) بنیامین (ہے۔ بے شک احسان فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ہم پر) سلامت رکھ کر اور بزرگی دے کر۔ سن لو اور یاد رکھو! کہ یہ ضابطۂ رحمت اور قانونِ قدرت ہے، کہ (بے شک جو ڈرے) اللہ تعالیٰ سے (اور صبر کرے) طاعتِ خداوندی پر۔۔یا۔۔ گناہوں سے بچ کر، (تو اللہ) تعالیٰ (نہیں ضائع فرماتا) ایسے نیکوکاروں اور (مخلصوں کی اُجرت کو)۔۔الحاصل۔۔ نیک کام کرنے والا اُسی کو قرار دیا جائے

گا، جوتقویٰ اور صبر کو اکٹھا کرلے۔

جب بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا، تو تخت کی طرف منہ کرکے چاہا، کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قدم چوم لیں۔ یوسف علیہ السلام تخت سے اتر کراُن سے بغلگیر ہوئے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾

سب بولے "اللہ کی قسم کہ بے شک اللہ نے آپ کو ہم پر بڑائی دی، اور ہم بلاشبہ خطا کار تھے"●

(سب بولے، اللہ) تعالیٰ (کی قسم کہ) حُسن صورت اور کمال سیرت کے ساتھ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نے آپ کو ہم پر بڑائی دی اور ہم بلاشبہ خطا کار تھے)، ان کاموں کے سبب جو ہم نے کیے۔ اس کے جواب میں۔۔۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

یوسف بولے "کہ کوئی گرفت نہیں تم پر آج۔ اللہ تمہیں بخش دے، اور وہ بڑا رحم والا ہے●

(یوسف) علیہ السلام (بولے، کہ کوئی گرفت نہیں تم پر آج)۔ اب آئندہ تمہارے گناہوں کا ذکر میں تمہارے سامنے ہرگز نہ کروں گا۔ اور اب جب کہ تم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا اور اس پر نادم ہو چکے ہو، تو تم سب کے لیے میری دُعا ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (تمہیں بخش دے، اور) یقین ہے کہ وہ بخش دے گا۔ اس لیے کہ (وہ بڑا رحم والا ہے) سارے رحم کرنے والوں میں۔ بلکہ حقیقی طور پر وہی رحم فرمانے والا ہے۔ دوسرے رحم کرنے والوں کی رحمت میں اُسی کی رحمت کے جلوے ہیں۔

پھر جب حضرت یوسف علیہ السلام نوازش بزرگانہ سے اپنے بھائیوں کا دِل تازہ کرچکے، تو اپنے والدِ بزرگوار دلفگار کے حال پر متوجہ ہوئے اور کہا، کہ۔۔۔

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ

لے جاؤ میرا یہ کرتا، پھر ڈال دو میرے باپ کے چہرے پر، ہو جائیں گے آنکھ والے۔

وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۴/۴

اور لے آؤ میرے پاس اپنے سب اہل وعیال کو"●

(لے جاؤ! میرا یہ کرُتا، پھر ڈال دو میرے باپ کے چہرے پر، ہوجائیں گے آنکھ والے)۔

یہ کرُتا دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیراہن تھا، جسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بازو پر باندھ تھا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کنویں میں ان کے بازو پر سے کھول کرانہیں پہنا دیا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس وحی آئی، کہ وہ اِسے کنعان بھیج دیں، تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے ذریعہ کنعان روانہ کر دیا اور انہیں ہدایت کی کہ میرے باپ کے چہرے پر اِسے ڈال دیں، اُس کی برکت سے اُن کی بینائی واپس آجائے گی، اور اُن کی آنکھیں حسبِ سابق روشن ہوجائیں گی۔ اور بزرگوں کے لباس سے فائدہ پہنچانا۔۔نیز۔۔فائدہ حاصل کرنا دونوں کا انبیاءِ کرام کی سنت ہونا اظہر من الشمس ہوجائے گا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مزید یہ بھی ہدایت فرمائی، کہ تم سب جاؤ (اور لے آؤ) اپنے ساتھ (میرے پاس اپنے سب اہل وعیال کو) اور اپنے سارے خدام کو۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی ہدایت کو سن کر یہودا نے یہ گزارش کی، کہ اَے یوسف! آپ کا خون آلود پیراہن والدِ ماجد کے پاس میں ہی لے گیا تھا، تو یہ پیراہن بھی مجھی کو دیجیے تا کہ میں لے جاؤں۔ شاید اِس پیرہن کی خوشی اُس پیرہن کے غم کا تدارک کرے۔۔چنانچہ۔۔ یوسف علیہ السلام نے انہیں کو پیرہن دے دیا، اور والد بزرگوار کے واسطے اور ان کے متعلقوں کے لیے راہ کا سامان مہیا کر کے بھائیوں کے سپرد کیا۔ یہودا مصر سے نکل کر بھائیوں کے ساتھ کنعان کی طرف متوجہ ہوئے۔۔۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ اِنِّي لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ

اور جب قافلہ کچھ دُور چلا، تو کہنے لگے ان کے باپ، "کہ بلاشبہ میں پا رہا ہوں یوسف کی بو،

لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿۹۴﴾

اگر نہ بڑھاپے کی بہک قرار دو"●

(اور جب قافلہ کچھ دُور چلا) اور مصر کی آبادی سے نکل کر میدان میں پہنچا، تو بادِ صبا نے حق تعالیٰ سے اِذن لے کر یوسف علیہ السلام کے پیرہن کی بُو، حضرت یعقوب علیہ السلام کے دماغ میں پہنچادی، (تو کہنے لگے اُن کے باپ) اپنے قریب موجود اپنے پوتوں سے، (کہ بلاشبہ میں پا رہا ہوں یوسف کی

بُو، اگر نہ بڑھاپے کی بہک قرار دو) اور تم فتورِ عقل کی طرف مجھے منسوب نہ کرو۔ یعنی میں جو کہہ رہا ہوں اس پر اندیشہ ہے کہ تم اُسے میری عقل کا فتور سمجھو اور میرے بڑھاپے کی بہک قرار دو، لیکن حقیقت یہی ہے کہ میں یوسف کی بُو واضح طور پر محسوس کرر ہا ہوں۔ اب تم اسے کچھ بھی قرار دو۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

سب نے کہا "اللہ کی قسم آپ تو اپنی پرانی وارفتگی میں ہیں" ●

۔۔چنانچہ۔۔ ہوا بھی ایسا، کہ (سب نے کہا اللہ) تعالیٰ (کی قسم آپ تو اپنی پرانی وارفتگی میں ہیں)، اِسی لیے یوسف علیہ السلام کے غلبۂ محبت اور ان کے ذکر کی کثرت کے سبب چالیس۔۔یا۔۔اسی [۸۰] سال سے اُن کی ملاقات کی توقع رکھے ہوئے ہیں، یہاں تک کہ اَب خیالی طور پر ان کی بُو بھی محسوس کرنے لگے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ

پھر جب آ گیا خوشخبری لانے والا، ڈال دیا اس کرتے کو ان کے چہرہ پر، تو وہ پھر ہو گئے آنکھ والے۔ بولے، کہ "کیا نہیں کہا تھا

اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

میں نے تم لوگوں کو، کہ "بے شک میں علم رکھتا ہوں اللہ کے فضل سے، جو تم لوگ نہیں جانتے" ●

(پھر جب آ گیا خوش خبری لانے والا) یعنی یہودا۔ جس نے خوشخبری سنانے میں اتنی عجلت سے کام لیا، کہ راہ میں کہیں نہیں ٹھہرا اور دوڑتا ہوا ننگے پاؤں کنعان پہنچا اور اپنے والدِ بزرگوار کی خدمتِ بابرکت میں حاضر ہو کر (ڈال دیا اُس کرتے کو اُن کے چہرے پر، تو وہ پھر ہو گئے آنکھ والے)۔ پھر اپنے پوتوں سے (بولے، کہ کیا نہیں کہا تھا میں نے تم لوگوں کو، کہ بے شک میں علم رکھتا ہوں اللہ) تعالیٰ (کے فضل سے، جو تم لوگ نہیں جانتے) یعنی مجھے معلوم تھا کہ یوسف زندہ ہیں اور وہ مجھ سے ضرور ملیں گے۔ بذریعہ وحی مجھے ان تمام باتوں کی خبر ہو چکی تھی، مگر مرضی الٰہی یہی تھی کہ میں اس وقت اس کو صیغۂ راز ہی میں رکھوں۔۔المختصر۔۔ میرا غم صرف یوسف کی جدائی کا تھا، نہ کہ اس کی موت کا۔

پھر یعقوب علیہ السلام نے راہ کا تہیہ کیا اور جو کوئی ان میں ملا ہوا تھا، کیا مرد کیا عورت، سب متوجہ ہو گئے، اور وہ بھائی جو راہ میں تھے آ کر اپنے پدرِ بزرگوار کے قدموں پر گرے۔۔اور۔۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ﴿۹۷﴾

سب نے عرض کیا، کہ "اے ہمارے باپ، مغفرت چاہیے ہماری، ہمارے گناہوں کی، درحقیقت ہم خطا کار تھے"●

(سب نے عرض کیا، کہ اَے ہمارے باپ! مغفرت چاہیے ہماری ہمارے گناہوں کی) یعنی خدائے تعالیٰ سے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب فرمایئے (درحقیقت ہم خطا کار تھے)۔ یعقوب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

جواب دیا، کہ "جلد ہی میں تمہاری بخشش چاہوں گا اپنے پروردگار سے، یقیناً وہی بخشنے والا رحم والا ہے"●

(جواب دیا کہ جلد ہی میں تمہاری بخشش چاہوں گا اپنے پروردگار سے، یقیناً وہی بخشنے والا) توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو محو کردینے والا اور (رحم) فرمانے (والا) مہربان (ہے)، جو بندوں پر ان کی سختیاں دفع فرمادیتا ہے۔

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے شبِ جمعہ۔۔یا۔۔فجر کے وقت تک دُعائے مغفرت کرنے میں تاخیر کی، اس واسطے کہ ان وقتوں میں دُعا قبول ہونے کا ظن غالب ہوتا ہے ۔۔یا۔۔اس واسطے تاخیر کی تاکہ دریافت کرلیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی ان کا گناہ معاف کردیا۔۔یا۔۔نہیں۔ اِس سلسلے میں سب سے زیادہ صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ مصر میں جب تک نہ پہنچے دُعائے مغفرت نہیں کی۔ جب وہاں پہنچے تو ایک شب کو نمازِ تہجد کے واسطے اُٹھے، تہجد کے بعد قبلہ رُو ہوئے، اور یوسف علیہ السلام کو اپنے پیچھے اور باقی بیٹوں کو ان کے پیچھے لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام دُعا کرتے تھے اور سب بیٹے آمین کہتے تھے۔ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے دُعا قبول فرمائی۔

۔۔الغرض۔۔جب حضرت یعقوب علیہ السلام مصر کے قریب پہنچے، تو حضرت یوسف علیہ السلام ملک ریان اور مصر کے سب شرفاء اور سرداروں کو ساتھ لے کر لشکر آراستہ کرکے اپنے والدِ بزرگوار کے استقبال کو شہر کے باہر آئے اور یعقوب علیہ السلام اپنے فرزندوں سمیت ایک ٹیکرے پر چڑھ کر اُس لشکر اور سواری کا اہتمام اور آراستگی دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے یہ

بات کہی کہ آپ اِس لشکر کو دیکھ کر تعجب میں ہیں، ذرا اوپر دیکھئے کہ ملائکہ کے لشکر زمین سے آسمان تک آپ کی خوشی کے سبب سے اُسی قدر مسرور ہیں، جس قدر اتنی مدت تک آپ کے غم اور اندوہ کی وجہ سے ملول اور رنجور رہے۔

جب یوسف علیہ السلام نے والدِ ماجد کو دیکھا، سواری پر سے اُتر پڑے اور چاہا کہ سلام کریں، جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ ٹھہر جائیں تا کہ پہلے باہر سے آنے والے یعنی آپ کے والد آپ کو سلام کریں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بھی پیادہ ہوگئے اور جب ان کی نگاہ حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال پر پڑی تو کہا، کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُذْھِبَ الْاَحْزَانِ یعنی سلام تجھ پر اَے غموں کو لے جانے والے! اور دونوں ہاتھ گلے میں ڈال کے خوشی کے سبب سے روئے۔ شہر مصر کے قریب ایک موضع حضرت یوسف علیہ السلام کی مِلک تھا اُس میں انہوں نے ایک بہت بلند محل بنوایا تھا، یوسف علیہ السلام وہاں اُترے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ

پھر جب سب داخل ہوئے یوسف پر، تو اپنے پاس بٹھایا اپنے ماں باپ کو،

وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾

اور مبارک باد دی "کہ مصر میں آؤ، اللہ نے چاہا تو امن وامان کے ساتھ" ●

(**پھر جب سب داخل ہوئے یوسف پر**) یعنی اس محل میں جب سب حضرت یوسف کے رُو برو پہنچے، (**تو**) حضرت یوسف نے (**اپنے پاس بٹھایا اپنے ماں باپ کو**) یعنی اپنی سوتیلی ماں، جو حقیقی خالہ بھی تھیں ان کو، اور پدرِ بزرگوار کو اپنے قریب جگہ دی۔ پھر باپ سے معانقہ کیا اور خالہ سے مزاج پُرسی کی اور بھتیجوں پر عنایتِ بزرگانہ فرمائی (**اور مبارک باد دی کہ مصر میں آؤ، اللہ**) تعالیٰ (**نے چاہا تو اَمن وامان کے ساتھ**) سبھوں کا رہنا ہوگا۔ قحط، عُسرت، بَلا اور محنت ومشقت سبھی سے محفوظ ومامون رہیں گے۔ اور جب وہ سب مصر میں آئے، تو حضرت یوسف نے انہیں اپنے ہی مکان پر اُتارا۔۔۔

وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ

اور اوپر چڑھالیا اپنے ماں باپ کو تخت پر، اور سب کے سب گر گئے یوسف کے لیے سجدہ کرتے ہوئے۔ اور کہا یوسف نے "کہ اے میرے باپ یہ ہے تعبیر

رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ

میرے خواب کی جو پہلے ہوا تھا۔ حقیقت میں کر دیا اُسے میرے پروردگار نے ٹھیک واقعہ، اور بلاشبہ اس نے احسان فرمایا مجھ پر،

مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ

جب کہ نکالا مجھ کو قید خانہ سے، اور لے آیا تم لوگوں کو دیہات سے، بعد اس کے کہ کونچا لگا دیا تھا شیطان نے میرے

وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور میرے بھائیوں کے درمیان۔ بے شک میرا پروردگار لطف فرماتا ہے جسے چاہے، بے شک وہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور اوپر چڑھایا اپنے ماں باپ کو) اپنے (تخت پر اور سب کے سب گر گئے یوسف کے لیے سجدہ کرتے ہوئے) اس زمانے میں تحیت اور تعظیم سجدے کے ساتھ کرتے تھے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ شاہی تخت پر بٹھانا سجدے کے آداب بجالانے کے بعد تھا، اس لیے کہ آداب بجالانا مسند پر بیٹھنے سے پہلے ہوتا ہے۔ اِس مقام پر والدین کی تعظیم و تکریم کے تقاضے کے پیشِ نظر مسند پر بٹھانے کا ذکر پہلے کر دیا گیا۔۔ الغرض۔۔ 'ترتیب وقوعی' کا 'ترتیبِ لفظی' کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ اِس مقام پر چند باتیں اور بھی قابل غور ہیں: ﴿۱﴾۔۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ہر لحاظ سے حضرت یوسف علیہ السلام سے افضل تھے، تو افضل کو مفضول کے لیے سجدے کا حکم دینا، ایک 'سرِ الٰہی' اور 'امرِ تعبدی' ہے، جس میں عقل و قیاس کا دخل نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ اس میں یہ حکمت ہو کہ برادرانِ یوسف جو عمر میں حضرت یوسف سے بڑے تھے، جب اپنے والدِ بزرگوار کو سجدہ ریز دیکھیں گے، تو خود انہیں سجدہ کرنے میں کوئی عار نہ ہوگا۔ جیسے جب کسی ادارے کا سربراہ کسی شخص کی تعظیم کرتا ہے، تو ادارے کے باقی ارکان بھی اس کی تعظیم بجالانے میں عار محسوس نہیں کرتے۔ ﴿۲﴾۔۔ سجدہ کے لغوی معنی اِنحِناء یعنی صرف جھک جانا بھی ہے اور زمین پر پیشانی ٹیک دینا بھی ہے۔ اس آیت میں خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا میں سجدے میں گر پڑنے کا ذکر ہے۔ گر پڑنے کے لفظ سے سجدے کی نوعیت واضح ہو جاتی ہے، کہ برادرانِ سیدنا یوسف علیہ السلام نے جو سجدہ کیا تھا وہ زمین پر پیشانی ٹیک دینے والا ہی تھا، صرف جھک جانے والا نہیں۔ اس لیے کہ جھک جانے کو گر پڑنا نہیں کہتے۔ ہماری شریعت سے پہلے انبیاءِ سابقین کے دور میں تعظیم کے لیے دونوں طرح کے سجدے رائج تھے۔ ہماری شریعت میں ان دونوں طرح کے سجدوں میں سے کسی بھی سجدے سے کسی غیرِ خدا کی تعظیم کرنا حرام ہے۔

اب جو لوگ برادرانِ سیدنا یوسف علیہ السلام کے سجدہ کو صرف اِنحِناء، یعنی صرف جھک

جانے پر محمول کرتے ہیں، وہ آیتِ قرآنی میں مذکور لفظ خر و خرو کے معنی کا پاس ولحاظ نہیں کرتے۔ سعادتمندی تو یہ ہے، کہ اپنے نظریات کو قرآنِ کریم کی ہدایت کے مطابق بنایا جائے۔۔نہ یہ۔۔ کہ قرآن کریم کو اپنے خود ساختہ نظریات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ حال دیکھا، تو خوشی ظاہر فرمائی **(اور کہا یوسف نے، کہ اَے میرے باپ! یہ ہے تعبیر میرے خواب کی جو پہلے ہوا تھا)** یعنی جسے میں نے بہت پہلے دیکھا تھا لڑکپن میں۔ **(حقیقت میں کر دیا اُسے میرے پروردگار نے ٹھیک واقعہ)** یعنی سچ مچ وہی ظاہر ہوگیا جسے ایک عرصہ پہلے خواب میں دیکھا تھا۔ خواب میں جو شمس وقمر معلوم ہوئے تھے، وہ میرے ماں باپ کی طرف اشارہ تھا اور جو گیارہ ستارے نظر آئے تھے، وہ میرے گیارہ بھائی کی جگہ تھے۔ یہ رب کریم کی کتنی بڑی نوازش تھی جو اس نے مجھے یہ عزت بخشی (اور) کوئی یہی ایک احسان نہیں۔۔ بلکہ۔۔

(بلاشبہ اس نے احسان فرمایا مجھ پر، جب کہ نکالا مجھ کو قید خانہ سے)۔

حضرت یوسف نے کنویں کا ذکر نہ کیا، تا کہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔

(اور) یہ بھی اُس کا احسان ہے، کہ **(لے آیا تم لوگوں کو دیہات سے)** یعنی ولایتِ شام میں زمین فلسطین کے ایک دیہات سے، جہاں ایک مقام پر حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹھا کرتے تھے اور وہ کنعان کے قریب تھا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ ہم سب پر خدا کی نعمت کا شکر لازم ہے۔ مجھ پر اس لیے کہ اس نے قید خانے سے نکال کر تختِ شاہی پر پہنچایا، اور تم پر اس لیے کہ اس نے تم کو تمہارے دیہاتی مقام سے نکال کر مجھ تک پہنچایا، جس کی وجہ سے آج ہم تم سب ایک جگہ پاس بیٹھے ہیں۔

(بعد اس کے کہ کونچا لگا دیا تھا شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان) یعنی ہمارے درمیان مخالفت ڈال دی تھی **(بے شک میرا پروردگار لطف فرماتا ہے جسے چاہے)** اور اس تک نیکی پہنچا دیتا ہے۔ **(بے شک وہ علم والا)** ہے، یعنی جاننے والا ہے تدبیروں کی وجہیں اور **(حکمت والا ہے)** یعنی محکم کار ہے تقدیروں کے موقع معین کرنے میں۔

جب چوبیس ۲۴ برس اِس ملاقات کو گزرے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے وفات پائی،

اور تیئس ۲۳ برس اور گزرنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں، کہ اَے یوسف! میں تمہاری ملاقات کا نہایت مشتاق ہوں، جلدی آ اور تین ۳ دن میں میرے پاس پہنچ جا۔ یوسف علیہ السلام خواب سے بیدار ہوئے اور بھائیوں کو بُلا کر وصیتیں کیں اور یہودا کو اپنا ولی عہد کر کے اپنے بیٹوں کو انہیں سپرد کر دیا اور مناجات کے طور پر کہا۔۔۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ

پروردگارا! بے شک تو نے دی ہے مجھے سلطنت، اور سکھایا مجھے باتوں کا انجام بتانا۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے۔۔۔ تو میرا کارساز ہے دنیا و آخرت میں۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

مجھے مسلمان اٹھا، اور مجھ کو ملا دے اپنے لائقوں کے ساتھ" ●

(پروردگارا! بے شک تو نے دی ہے مجھے سلطنت) بادشاہی اور مُلک داری (اور سکھایا مجھے باتوں کا انجام بتانا) یعنی خوابوں کی تعبیر ظاہر کرنا۔ تو (اَے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے! تو میرا کارساز ہے) اور میرا یارو مددگار اور متولی کار ہے (دنیا و آخرت میں)۔ تو اَے کریم! اپنے فضل و کرم سے (مجھے مسلمان اُٹھا) یعنی ہمیشہ اپنا مطیع و فرمانبردار رکھ، یہاں تک کہ اُسی پر میری وفات ہو جائے (اور) صالحین کی موت عطا فرما کر (مجھ کو ملا دے اپنے لائقوں کے ساتھ) یعنی مجھے میرے نیک آباء و اَجداد سے ملا دے۔

جس دن حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا، اُس کے تیسرے ہی روز باغ وصال میں رحلت فرمائی۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ

یہ غیب کی باتیں ہیں جن کی وحی فرماتے ہیں ہم تمہاری طرف، حالانکہ تم ان کے پاس نہ تھے،

اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

جب وہ سب ایک رائے ہوئے تھے اپنے معاملہ میں، اور ترکیب نکالیں ●

اَے محبوب! یہ جو بیان کیا گیا یوسف 'علیہ السلام' کا قصہ، (یہ غیب کی باتیں ہیں) اعجاز کی دلیلیں ظاہر کرنے کو۔ ان باتوں کو کوئی اپنی عقل اور اپنے حواس سے نہیں جان سکتا، (جن کی وحی فرماتے ہیں ہم تمہاری طرف حالانکہ تم ان کے پاس نہ تھے، جب وہ سب ایک رائے ہوئے تھے اپنے معاملہ میں اور ترکیب نکالیں) یعنی اَے محبوب! آپ نہ تھے یوسف 'علیہ السلام' کے بھائیوں کے پاس جب جمع کیں انہوں نے اپنی رائیں یوسف 'علیہ السلام' کو کنویں میں ڈال دینے پر۔ اور وہ مکر کرتے تھے یوسف اور یعقوب علیہم السلام کے ساتھ۔ اور جب آپ وہاں نہ تھے اور آپ کی تکذیب کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ نے کسی سے یہ قصہ سنا بھی نہیں، اس کے باوجود واقعے کے مطابق خبر دے رہے ہیں، تو یہ بات اس امر پر کھلی ہوئی دلیل ہے، کہ آپ نے یہ قصہ وحی اِلٰہی سے جانا ہے۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور بہتیرے لوگ، گو تم کتنا ہی چاہو، نہ مانیں گے ●

(اور) یہ سچ ہے کہ اس کے باجود (بہتیرے لوگ، گو تم کتنا ہی چاہو، نہ مانیں گے) اپنی عداوت اور عناد کی وجہ سے اور اِس جہت سے کہ کفر اور فساد کرنے کا انہوں نے مصمم ارادہ کرلیا ہے۔

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

ع ۱۱ / ۵

حالانکہ تم اُن سے نہیں مانگتے اِس پر کچھ دام۔ یہ تو صرف سارے عالم کے لیے نصیحت ہے ●

(حالانکہ) تمہاری دعوت پُرخلوص دعوت ہے۔ اس لیے کہ (تم ان سے نہیں مانگتے اُس پر) یعنی تبلیغ اور ادائے احکام پر اور قرآنی قصے بیان کرنے پر (کچھ دام) اور اُجرت، جس طرح کہ دوسرے قصہ خواں لوگ اُجرت لینا چاہتے ہیں۔ قرآنی ہدایات کو پیش کرنے کے لیے اُجرت لینے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، اس لیے کہ (یہ) قرآن (تو صرف سارے عالم کے لیے نصیحت ہے)، یہ صرف اہل مکہ کے لیے نہیں ہے جو آپ کے معجزات سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ یہ منکرین کتنے اندھے۔۔۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا

اور کتنی نشانی ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر وہ گزر جاتے ہیں،

وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور وہ منہ ان سے پھیرے ہیں●

(اور) نادان ہیں، کہ (کتنی نشانی ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر وہ گزر) تے (جاتے ہیں) لیکن سبق حاصل نہیں کرتے (اور وہ منہ ان سے پھیرے ہیں)۔ نہ ان میں فکر کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے عبرت لیتے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور اُن کے بہتیرے اللہ کو مانتے ہی نہیں، مگر شرک کرتے ہوئے●

(اور ان کے بہتیرے اللہ) تعالیٰ (کو مانتے ہی نہیں مگر شرک کرتے ہوئے) ایک طرف خدا پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف شرک میں بھی ملوث ہیں۔۔مثلاً: عرب کے کفار یہ بھی کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔۔یا۔۔یہود جو خدا پر بھی ایمان کے مدعی ہیں ساتھ ہی ساتھ عزیر ابن اللہ بھی کہتے ہیں۔۔یا۔نصاریٰ جن کا خدا پر بھی ایمان کا دعویٰ اور وہ عیسیٰ ابن اللہ بھی کہتے ہیں۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

تو کیا اِس سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ چھاپ لے انہیں اللہ کا عذاب، یا پھٹ پڑے قیامت کا عذاب اچانک،

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور اُنہیں خبر نہ ہو●

(تو کیا اُس سے مطمئن ہو گئے ہیں) اور نڈر ہو گئے ہیں مشرکین (کہ چھاپ لے انہیں) یعنی پکڑ لے، اور اُن کا مکمل احاطہ کر لے (اللہ) تعالیٰ (کا عذاب)، یعنی دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں سے کوئی عذاب اُن کو اپنی گرفت میں لے لے، (یا) پھر ایسا ہو کہ (پھٹ پڑے قیامت کا عذاب اچانک اور انہیں خبر نہ ہو) یعنی اس کے آنے کو وہ نہ جان سکیں اور اس کے واسطے کوئی کام درست نہ کر سکیں۔۔۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْؕ

پکار دو کہ "یہ ہے میری راہ، بلا رہا ہوں اللہ کی طرف ۔۔۔ دل کے یقین پر میں ہوں اور جس نے میری پیروی کی ۔

وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور اللہ پاک ہے، اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں" •

اَے محبوب! (پکار دو) اور واضح طور پر اِرشاد فرما دو (کہ) جس دین کی میں دعوت دیتا ہوں (یہ ہے میری راہ) اور میرا طریقہ اور یہی ہے میری سنت ۔ اِسی طریقے پر چل کر انسان جنت اور اُخروی نعمتوں کو حاصل کر سکتا ہے ۔۔ چنانچہ ۔۔۔ میں (بُلا رہا ہوں اللہ) تعالیٰ (کی طرف) اس حال میں کہ (دل کے یقین پر میں ہوں اور جس نے میری پیروی کی) یعنی جو میرا راستہ ہے اس کی طرف، یعنی توحیدِ الٰہی کی طرف میں پوری بصیرت کے ساتھ لوگوں کو بلاتا ہوں، اور میرے پیروکار بھی 'علیٰ وجہ البصیرت' اُسی کی طرف بلاتے ہیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو پوری بصیرت اور یقین کے ساتھ اسلام کی دعوت دینی چاہیے ۔

یاد رکھو کہ مشرکین جو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ فلاں اللہ کا شریک ہے، فلاں اللہ کا بیٹا ہے، فلاں اللہ کا مددگار ہے اور ایسی ہی دوسری خرافات، یہ سب لایعنی باتیں ہیں (اور اللہ) تعالیٰ (پاک) اور برتر و بلند (ہے) ان تمام چیزوں سے (اور میں مشرکوں سے نہیں ہوں) لہٰذا اُس پاک اور برتر و بالا ذات کا شریک کسی کو نہیں ٹھہراتا ۔

منکرینِ نبوت یہ کہتے تھے کہ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا تھا، تو کوئی فرشتہ بھیج دیتا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تعلق سے یہ کہتے تھے، کہ یہ تو ہماری طرح بشر ہیں، یہ کیسے نبی ہو سکتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رَدّ فرمایا، کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف مَردوں کو رسول بنایا، کسی جن یا فرشتہ کو، یا عورت کو رسول نہیں بنایا ۔ چنانچہ ۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ ۔۔۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰىؕ

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے مگر کئی مرد کو، کہ ہم وحی بھیجیں اُن کے پاس آبادی والوں سے ۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ

تو کیا نہیں سیر کی ان لوگوں نے اُس سرزمین کی ؟ کہ دیکھیں کہ کیسا ہوا انجام اُن کا،

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

جو اِن کے پہلے تھے۔اور بلاشبہ دارِ آخرت زیادہ بہتر ہے اُن کے لیے جو ڈرا کیے، تو کیا تم کچھ نہیں سمجھتے ؟●

(اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے مگر کئی مرد کو)۔۔الغرض۔۔جن جن کو بھیجا وہ مرد ہی تھے۔۔الغرض ۔۔ہم نے مردوں ہی کو منتخب کیا تا (کہ ہم وحی بھیجیں اُن کے پاس) شہری (آبادی والوں سے)۔

اِس مقام پر 'بستیوں کے رہنے والے' سے 'شہروں کے رہنے والے' مراد ہیں، کیونکہ جنگلوں اور دیہاتوں کے رہنے والے عموماً سخت دل اور غیر مہذب ہوتے ہیں اور عقل وفہم سے عاری ہوتے ہیں اور شہروں کے رہنے والے عموماً عقلمند، بُردبار اور مہذب ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگلیوں اور دیہاتیوں میں سے کوئی نبی نہ بھیجا اور نہ عورتوں میں سے، اور نہ ہی جنوں میں سے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

(تو کیا نہیں سیر کی ان لوگوں نے اس سرزمین کی؟ کہ دیکھیں کہ کیسا ہوا انجام ان کا جو ان کے پہلے تھے)۔ چونکہ زمین میں قوم عاد، قوم ثمود، قوم مدین اور قوم لوط پر عذاب کے آثار موجود ہیں، تو اگر یہ اُن علاقوں میں سفر کرتے، تو دیکھ لیتے کہ اللہ اور اُس کے رسول کی تکذیب کرنے والوں کا کیسا انجام ہوا۔ تو یہ کافر اُن کے حال سے نصیحت وعبرت لے کر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن کریم کی تکذیب سے پرہیز کریں اور ڈریں اور آخرت کی بھلائیوں کے حصول کی تیاری کریں۔ (اور) یہ اس لیے کہ (بلاشبہ دارِ آخرت) یعنی جنت اور اُس کی نعمت (زیادہ بہتر ہے ان کے لیے جو ڈرا کیے) اور کفر و نافرمانی سے پرہیز کرتے رہے۔ (تو کیا تم کچھ نہیں سمجھتے) اور غور وفکر نہیں کرتے؟ کہ جان لو کہ عاقبت کی باقی رہنے والی لذتیں بہتر ہیں دنیا کی گزر جانے والی لذت سے۔ تو چاہیے کہ اَے محمد! ﷺ تمہارے زمانے کے معاند اپنی زندگی کی مدت اور دولت پر مغرور نہ ہوں، اس واسطے کہ اگلی امتوں کو ہم نے مہلت دی۔۔۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ

یہاں تک کہ جب رسولوں نے جلد عذاب آنے کی امید چھوڑ دی، اور عوام نے سمجھ لیا کہ ان سے عذاب آنے کو جھوٹ کہا گیا تھا،

فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

کہ آگئی ہماری مدد، تو بچا لیا گیا جس کو ہم چاہیں، اور نہیں واپس کیا جاتا ہمارا عذاب جرائم پیشہ قوم سے●

(یہاں تک کہ جب رسولوں نے جلد عذاب آنے کی امید چھوڑ دی اور عوام نے سمجھ لیا کہ ان سے عذاب آنے کو جھوٹ کہا گیا تھا، کہ) اچانک (آ گئی ہماری مدد) پیغمبروں کے پاس، یعنی اُن کی قوم کے کافروں پر عذاب نازل ہوا۔ (تو بچالیا گیا جس کو ہم چاہیں)۔ جسے ہم نے چاہا یعنی پیغمبروں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو، (اور) یہی ضابطہ عدل ہے کہ (نہیں واپس کیا جاتا ہمارا عذاب جرائم پیشہ قوم سے) یعنی جب اُن پر عذاب نازل ہوتا ہے، تو مکمل طور پر نازل ہو کے رہتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اُن کی امتوں کے قصوں میں۔۔یا۔۔یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصے میں۔۔الختصر۔۔۔

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰی

بلاشبہ اُن کے واقعات میں سبق ہے عقل والوں کے لیے۔ یہ گڑھی بات نہیں ہے،

وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ

بلکہ تصدیق ہے اگلی کتابوں کی۔ اور ہر چیز کا مفصل بیان ہے۔

وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

اور ہدایت و رحمت ہے اُن کے لیے جو مان جائیں ●

(بلاشبہ اُن کے واقعات میں سبق) اور عبرت ونصیحت (ہے عقل والوں کے لیے) جن کی عقل خالص ہے۔

ممکن ہے کہ عقل والوں سے مُراد وہ صاحبِ اسرار لوگ ہوں جو اس طرح کے قصوں سے عبرت حاصل کرتے ہیں، اور کلام کے حقائق ان کے سینۂ بے کینہ کو منور و مجلّٰی کر دیتے ہیں۔

لوگو! ہمیشہ کے لیے یاد رکھو! کہ (یہ) قرآنِ کریم حقائق کا سرچشمہ ہے۔ اس کی کوئی بات (گڑھی) ہوئی (بات نہیں ہے، بلکہ) یہ تو سراپا (تصدیق ہے اگلی کتابوں کی) اور صحت وراستی میں ان کے موافق ہے۔ (اور) دین ودنیا میں جن باتوں کی احتیاج ہوتی ہے ان میں سے (ہر چیز کا مفصل بیان ہے) اور راہ چلنے والوں کے لیے رہنما۔ نیز۔۔خدا کی توحید اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے والوں کے لیے نجات دہندہ ہے۔۔الختصر۔۔قرآنِ کریم سرچشمۂ عبرت ونصیحت (اور ہدایت ورحمت ہے ان کے لیے جو مان جائیں)۔

بفضلہ تعالیٰ سورۂ یوسف کی تفسیر آج بتاریخ
۲۰؍شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲؍اگست ۲۰۱۰ء
بروز دوشنبہ مکمل ہوگئی۔ مولیٰ تعالیٰ پورے قرآن
کریم کی تفسیر کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔
آمین بِجَاہِ سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْن
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
یکم رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۱۲؍اگست ۲۰۱۰ء
بروز پنجشنبہ سورۂ رعد کی تفسیر کا آغاز ہوگیا ہے۔
مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی اور دیگر
سورتوں کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔
آمین بِجَاہِ سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْن
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

سُورَةُ الرَّعْدِ ۱۳ مَدَنِيَّةٌ ۹۶ | اٰيَاتُهَا ۴۳ رُكُوْعَاتُهَا ۶

سُوْرَةُ الرَّعْدِ

سورۂ رعد مکیہ　　　　آیات ۴۳　رکوع ۶

سورۂ رعد، جس میں چھ ۶ رکوع، تینتالیس ۴۳ آیتیں، آٹھ سوترسٹھ ۸۶۳ کلمات اور تین ہزار چھ سو چودہ ۳۶۱۴ حروف ہیں۔ چند آیات کے علاوہ اِس سورت کی اکثر آیات مکی ہیں۔ اس پوری سورت کا مضمون اُن ہی سورتوں کے موافق ہے، جو مکی سورتیں ہیں۔ کیونکہ اِس سورت میں زیادہ تر توحید، قیامت اور جزا اور سزا کا بیان ہے، اور یہ مکی سورتوں کا خلاصہ ہے۔ جب کہ مدنی سورتوں میں مومنوں سے خطاب ہوتا ہے اور احکامِ شرعیہ کا بیان ہوتا ہے۔ تمام مکی سورتوں میں یہی ایک ایسی مکی سورت ہے، جس میں 'رعد' کا ذکر آیا ہے۔ اِس مناسبت سے اِس سورہ کا نام 'سورۂ رعد' رکھ دیا گیا ہے، اور نام رکھنے کے لیے اتنی بھی مناسبت کافی ہے۔ چونکہ 'سورۂ یوسف' اور 'سورۂ رعد' دونوں ہی مکہ میں نازل ہوئیں اور 'سورۂ یوسف' کا اختتام قرآنِ مجید کے ذکر پر ہوا ہے اور 'سورۂ رعد' کا افتتاح قرآن کریم کے ذکر سے ہوا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ 'سورۂ رعد' کو 'سورۂ یوسف' کے بعد ذکر فرمانے میں ان مناسبتوں کا بھی لحاظ فرمایا گیا ہو۔ 'سورۂ رعد' جس میں انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اور جس میں آسمانوں اور زمینوں اور ان کے عجائبات سے اللہ تعالیٰ کی توحید پر استدلال فرمایا گیا ہے۔ ایسی عظیم الشان اور ہدایت نشان 'سورۂ مبارکہ' کو شروع کیا۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ

الٓ م راء۔۔۔ یہ ہیں کتاب کی آیتیں۔ اور جو نازل کیا گیا تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے، بالکل درست ہے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

لیکن بہتیرے عوام نہیں مانتے ●

(ال م راء)۔

ان کلماتِ مقطعات سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے، اُس کا حقیقی اور ذاتی طور پر جاننے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔۔یا۔۔خدائے تعالیٰ کے بتانے سے وہ رسول جانے جن پر یہ کلمات نازل فرمائے گئے۔۔یا۔۔خدا کے وہ محبوبین جانیں، جن پر منجانب اللہ اس کے اسرار و امور منکشف کردیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ سارے حروفِ مقطعات ان کلمات کا اختصار ہیں، جو صفاتِ الٰہی پر دلالت کرتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ الٓمّٓرٰ میں الف اس کی 'آلاء' کا ہے، لام اس کے 'لطف' کا ہے، 'میم' اس کے 'ملک' کی ہے اور 'راء' اس کی 'رافت' کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں سے بعض حروف اسمائے الٰہی پر دلالت کرتے ہیں اور بعضے افعال پر۔ اب اِس کا معنی یہ ہوگیا 'اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ وَاَرٰی' میں اللہ ہوں بڑا جاننے والا اور دیکھنے والا۔

۔۔الختصر۔۔اے محبوب! (یہ ہیں کتاب کی آیتیں اور) اللہ تعالیٰ کا کلام (جو نازل کیا گیا تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے) جو (بالکل درست) صحیح اور حق (ہے)۔ لہٰذا اس کو مضبوطی سے پکڑے رہیے اور اس پر عمل کرتے رہیے (لیکن بہتیرے عوام) یعنی مکے کے عام لوگ (نہیں مانتے)۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی

اللہ ہے جس نے بلند فرمایا آسمانوں کو بے ستون کے، تم خود اُسے دیکھ رہے ہو، پھر متوجہ ہوا

عَلَی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ

عرش پر، اور مسخر فرمایا سورج اور چاند کو۔ ہر ایک چل رہا ہے نامزد کیے ہوئے وقت تک۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۞

وہ تدبیر فرماتا ہے کام کی، تفصیل فرماتا ہے آیتوں کی، کہ تم اپنے پروردگار سے ملنے پر یقین کرلو●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن نازل فرمایا ہے وہ برحق ہے اور اَب اس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے برحق ہونے اور اپنے وجود اور اپنی توحید پر دلائل قائم فرمارہا ہے اور اپنی قدرت پر براہین پیش فرمارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ وہ۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ ہی (ہے جس نے بلند فرمایا آسمانوں کو) یعنی پیدا کیے اور اوپر اٹھادیے (بے

ستون کے) کہ اس پر آسمان قائم ہوں۔ (تم خود اُسے دیکھ رہے ہو) یا یہ کہ اٹھائے ہیں آسمان بے ستون تمہارے دیکھنے میں۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ستون ہیں مگر دکھائی نہیں دیتے۔ اور وہ ستون، اس کی قدرت ہے کہ آسمان اس کے سبب سے بلند ہیں۔

ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ کوئی چھت بغیر ستونوں اور دیواروں کی ٹیک کے قائم نہیں ہوسکتی، تو جس قادرِ مطلق نے آسمانوں کو بغیر کسی ٹیک اور سہارے کے بلند کر دیا، تو یقیناً وہ ہستی ممکنات اور مخلوقات سے ماوراء ہے۔۔ الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو بے ستون قائم فرمایا۔

(**پھر متوجہ ہوا عرش پر**) یعنی اسے پیدا فرمانے کا ارادہ فرمایا۔۔ یا۔۔ اپنی شان کے لائق عرش پر اَسۡتَوٰی فرمایا۔۔ یا۔۔ عرش پر غالب ومتولی ہوا، اس پر قدرت اور حکم جاری کرنے کے ساتھ۔۔ یا۔۔ عرش کی حفاظت وتدبیر کا قصد کیا۔۔۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ قرآنِ مجید اور احادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کی بعض ایسی صفات کا ذکر ہے، جن سے بظاہر جسمیت کا شبہ یا وہم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمیت کے عوارض سے پاک ہے اور ممکنات اور مخلوقات میں اس کی کوئی مثال نہیں۔ مخلوقات کی صفات کا معنی تو ہمیں معلوم ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو جسمیت کا وہم پیدا کرتی ہیں۔۔ یا۔۔ ممکنات وغیرہ سے بظاہر مماثلت دکھاتی ہیں، ان صفاتِ الٰہیہ کے معانی ہمیں معلوم نہیں، کہ اللہ تعالیٰ میں یہ صفات کس معنی میں ہیں اور کس اعتبار سے ہیں۔

ظاہر ہے اس میں یہ صفات اُس کے شایانِ شان ہی ہوں گی، جس کا صحیح علم بھی اُسی کو ہے۔ اِن الفاظ کے لفظی معنی معلوم ہیں، مگر کیفیت مجہول ہے۔ اس کیفیت کو سمجھنا صرف یہی نہیں کہ ہمارے لیے غیر ضروری ہے، بلکہ ناممکن بھی ہے۔ ذاتِ الٰہی اور صفاتِ خداوندی کی حقیقت کا اِدراک مخلوقات وممکنات کے لیے عقلاً محال ہے۔ اس کے تعلق سے اسلم راستہ یہ ہے، کہ اس کے تعلق سے علم کو اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کو تفویض کر دیا جائے۔۔ یا۔۔ متاخرین کے اصول پر ایسی تاویل کی جائے جو کسی محکم آیت سے نہ ٹکرائے اور نہ ہی کسی شان والے کی شان پر آنچ آئے۔ قدرتِ خداوندی ہی کے ضمن میں آگے ارشاد فرمایا جاتا ہے۔۔۔

(**اور مسخر فرمایا سورج اور چاند کو**) بندوں کی مصلحتوں کے واسطے اس چیز کے ساتھ جو اس نے چاہی۔۔ لہٰذا۔۔ (**ہر ایک چل رہا ہے نامزد کیے ہوئے وقت تک**) یعنی ایک مدت معین تک کہ اپنی گردش

پوری کرے۔۔یا۔۔حرکت میں ہے اُس زمانے تک کہ حرکت منقطع ہوجائے۔یعنی قیامِ قیامت تک۔ (وہ تدبیر فرماتا ہے کام کی) یعنی اپنے ملکوت کے کام کی، موجود کرنے، معدوم کرنے، ذلت دینے، عزت دینے، زندگی عطا فرمانے اور مارڈالنے سے، اور (تفصیل فرماتا ہے آیتوں کی) یعنی 'قرآنی اوامرونواہی' کو مفصل طور پر بیان فرماتا ہے۔۔یا۔۔اپنی قدرت کی دلیلیں ایک کے بعد ایک پیدا فرماتا ہے، تا(کہ تم اپنے پروردگار سے ملنے پر یقین کرلو) یعنی جو جزا قیامت کے دن حق تعالیٰ دے گا اس جزا کے پانے کا یقین کرلو، اور جان لو کہ جو ان چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ دوبارہ بھی پیدا اور زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔اس قادرِ مطلق کی کیا شان ہے؟۔۔۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ

اور وہی ہے جس نے پھیلادی زمین، اور پیدا فرمادیا اس میں پہاڑوں کو اور نہروں کو۔اور

كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ

ہرطرح کے پھلوں سے پیدا فرمادیا دودوقسم کے، ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳

بے شک ان میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو غوروفکر کریں●

(اور) اس کی قدرتِ کاملہ کا کیا عالم ہے، یاد رکھو (وہی ہے جس نے پھیلادی زمین) پانی پر یعنی زمین لمبی چوڑی پھیلادی، تاکہ حیوانات کے پھرنے کی جگہ ہو (اور پیدا فرمایا اس میں پہاڑوں کو) تاکہ زمین کی میخ ہوجائیں (اور) پیدا کیا زمین میں پانی کی جاری (نہروں کو اور ہر) ہر (طرح کے پھلوں سے پیدا فرمادیا دودوقسم کے)۔۔مثلاً: سرخ زرد، سیاہ سفید، چھوٹے بڑے، کھٹے میٹھے، گرم سرد، جنگل کے باغ کے، اور خشک تر، وغیرہ وغیرہ۔

(ڈھانپ لیتا ہے رات سے دن کو) یہاں تک کہ ہوا جو روشن تھی تاریک ہوجاتی ہے اور اسی میں سے دن کا رات کو ڈھانپ لینا دریافت ہوسکتا ہے، کہ ہوا تیرگی کے بعد روشن ہوجاتی ہے (بے شک ان) قدرت کی علامتوں اور آثار (میں ضرور نشانیاں ہیں ان کے لیے جو غوروفکر کریں) یعنی جو غوروفکر کرتے ہیں اُن نشانیوں میں اور جانتے ہیں کہ اُن چیزوں کا ہونا اور اُن میں ہرایک کی تخصیص ایک چیز کے ساتھ صانع حکیم کے ہونے پر دلیل ہے۔دانشورو! دیکھو۔۔۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ

اور زمین میں کئی قطع ہیں آس پاس، اور باغ ہیں انگور والے، اور کھیتی ہے، اور کھجور کے درخت ایک جڑ سے کئی،

وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ط

اور اگ الگ۔ دیا جاتا ہے ایک ہی پانی۔۔ اور بڑھا دیتے ہیں ہم ان میں سے کسی کو دوسرے پر کھانے میں۔

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُونَ ۝۴

بے شک اِن میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو عقل سے کام لیں●

(اور) غور کرو تا کہ حکمتِ خداوندی کا اِدراک ہو سکے، سوچو کہ کیا یہ قدرتِ کاملہ کی نشانی نہیں ہے کہ (زمین میں کئی قطع ہیں آس پاس) یعنی کئی ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ یہ نیرنگی قدرت کی دلیلوں میں سے ہے، کہ زمین کے ٹکڑے جو ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، ان میں سے بعضے قابل زراعت ہیں اور بعضے نا قابل زراعت اور کسی قدر ریگستان ہے، کسی قدر کوہستان (اور) اس زمین میں (باغ ہیں انگور والے اور کھیتی ہے اور کھجور کے درخت ایک جڑ سے کئی اور الگ الگ) یعنی ایسے بھی کھجور کے درخت ہیں جن کی کئی شاخیں ایک جڑ سے اُگی ہیں۔ اور ایسے درخت نہیں بھی ہیں۔۔ بلکہ۔۔ متفرق جڑوں کے ہیں، یعنی ہر ایک شاخ ایک جڑ سے اگی ہوئی ہے۔

ان سب کھیتوں اور باغوں کو (دیا جاتا ہے ایک ہی پانی اور بڑھا دیتے ہیں ہم ان میں کسی کو دوسرے پر کھانے میں) صورت، رنگ، بُو، مزے کے لحاظ سے۔ (بے شک ان میں) یعنی اس چیز میں جو ذکر کی گئی (ضرور نشانیاں) اور کھلی ہوئی دلالتیں (ہیں ان کے لیے جو عقل سے کام لیں) اور غور کریں کہ درختوں پر میووں کا اختلاف، باوصف اس کے کہ سب میوے ایک پانی سے پرورش پاتے ہیں، نہیں ہو سکتا، مگر قادرِ مختار کے ارادے سے۔

یہی مثال بنی آدم کی ہے کہ باوصف اس کے سبھوں کے ماں باپ ایک ہی ہیں، مگر ان کے رنگ، شکلیں، ہیئتیں، آواز، اخلاق اور طبیعتیں مختلف ہیں۔ اسی طرح دلوں کا حال ہے کہ آثار، انوار، اسرار میں ہر دِل کی ایک صفت ہے اور ہر صفت کا ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ کوئی دل منکر و متکبر ہوتا ہے، تو کوئی دِل ذکرِ الٰہی سے سکون پاتا ہے۔ اَے محبوب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دلائل وحدت کے ساتھ کافروں کا ایمان نہ لانا تعجب خیز۔۔۔

وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ

اور اگر تم تعجب کرنا چاہو، تو عجیب چیز ہے اُن کا یہ کہنا، کہ کیا جب ہم مٹی ہو گئے، تو کیا نئی بناوٹ میں آئیں گے"۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ

یہ ہیں جنہوں نے انکار کردیا اپنے پروردگار کا۔ اور یہ ہیں کہ طوق ہیں اُن کی گردنوں میں۔

وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اور یہی ہیں جہنم والے۔ اس میں ہمیشہ رہنے والے●

(اور) حیرت انگیز ہے۔ اب (اگر تم تعجب کرنا چاہو) اور ان کی طرف سے حیرت ناک بات دیکھنا چاہو، (تو عجیب چیز ہے ان کا یہ کہنا)، یعنی ان کا یہ قول متعجب ہونے کا محل ہے کہ وہ کہتے ہیں (کہ کیا جب ہم مٹی ہو گئے) یعنی مرنے کے بعد جب ہم خاک ہو گئے ہوں گے (تو کیا نئی بناوٹ میں آئیں گے)، یعنی کیا خدا پھر ہمیں زندہ فرمائے گا، اور تعجب کی بات یہ ہے کہ زمین آسمان کا نام نشان کچھ بھی نہ تھا، حق تعالیٰ نے اُنہیں پیدا کیا۔ اب یہ نادان کچھ فکر نہیں کرتے کہ جو کوئی پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہو، وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہو سکتا ہے۔

تو سننے والو! سن لو کہ (یہ ہیں جنھوں نے انکار کردیا اپنے پروردگار کا) حشر ونشر پر اس کی قدرت نہ مان کر (اور یہ ہیں کہ طوق ہیں ان کی گردنوں میں) گمراہی کے اور وہ گمراہی میں قید ہیں اور یہ امید نہیں کہ اس قید سے چھوٹیں گے۔۔ یا۔۔ قیامت کے دن آگ کے طوق ان کی گردنوں میں پہنائیں گے اور دوزخ میں کافروں کی یہی علامت ہوگی (اور یہی ہیں جہنم والے، اس میں ہمیشہ رہنے والے)۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جب کافروں کو عذاب کی وعید کی اور ڈرایا دھمکایا، تو نضر ابن حارث اور اُس جیسے لوگوں نے ہنسی کے طور پر عذاب کی جلدی کی، تو حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔۔۔

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ

اور جلدی مچاتے ہیں تم سے عذاب کی، رحمت سے پہلے، حالانکہ گزر چکی ہیں ان سے پہلے کافروں پر سزائیں۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ

اور بے شک تمہارا پروردگار لوگوں پر مغفرت والا ہے، ان کے اندھیر مچانے پر بھی۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۶﴾

اور بے شک تمہارا پروردگار ضرور سخت عذاب دینے والا ہے●

(اور جلدی مچاتے ہیں تم سے عذاب کی رحمت سے پہلے) یعنی جو عذاب حق تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کیا ہے، اس کو بعجلت چاہتے ہیں اور بطورِ استہزاء اس کے جلد نازل ہو جانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ان کا گمان یہ ہے کہ نبی کریم نے جو عذاب نازل ہونے کی بات کی ہے، وہ صحیح نہیں۔۔ چنانچہ۔۔ عذاب آنے والا نہیں حالانکہ ان کو سمجھنا چاہیے کہ عذاب نازل فرمانے میں تاخیر اور قیامت کے دن پر اس کو موقوف رکھنا، اُن کے حق میں **حَسَنَة** یعنی ایک احسان ہے اور ان کو ہلاک کر دینا ان کے لیے **سَیِّئَة** اور ہلاکت ہے، تو حق تعالیٰ کی ربوبیتِ کاملہ نے ان پر احسان کرنے کی جو مدت مقرر فرمائی ہے، اس سے پہلے ہی اپنی ہلاکت چاہتے ہیں۔ گو یہ مطالبہ بطورِ استہزاء ہے اور ان کو عذاب کے نازل ہونے کا یقین نہیں ہے، تو ان کو چاہیے تھا کہ اپنے ماقبل والوں کا حال دیکھ لیتے۔

یہ نادان عذاب کے آنے کے منکر کیوں ہیں؟ **(حالانکہ گزر چکی ہیں ان سے پہلے کافروں پر سزائیں)** اور تکذیب کرنے والوں پر عقوبتیں، جیسے زمین میں دھنس جانا، صورتیں بدل جانا، زلزلہ آنا۔ تعجب ہے کہ یہ ان عقوبتوں کا حال جانتے ہیں پھر اس سے عبرت کیوں نہیں لیتے؟ اور اپنے واسطے اس کے مثل عذاب کیوں مانگتے ہیں؟ عقل والو! سنو (اور) یاد رکھو کہ **(بے شک تمہارا پروردگار لوگوں پر مغفرت والا ہے ان کے اندھیر مچانے پر بھی)**۔ تو اگر کافر ایمان لائیں اور تصدیق کریں تو خدا انہیں بخش دے گا اس ظلم و زیادتی کے باوجود جو وہ حالتِ کفر میں انجام دے چکے ہیں۔ (اور) یہ بھی سن لو کہ اگر وہ اپنے کفر و تکذیب پر اَڑے رہے، تو پھر **(بے شک تمہارا پروردگار ضرور سخت عذاب دینے والا ہے)**۔

ایک قول ہے کہ مسلمانوں پر صاحبِ مغفرت ہے توبہ اور استغفار کے سبب سے، اور کافروں پر سخت عذاب کرنے والا ہے، انکار اور استکبار کی وجہ سے۔ اس آیت کریمہ میں خوف و رجاء کی تمہید ارشاد فرمائی گئی ہے۔ پہلے فرمایا خدا بخشنے والا ہے، تا کہ بندے اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو جائیں۔۔ پھر۔۔ ارشاد فرمایا عذاب کرنے والا ہے، تا کہ اس کی ہیبت سے بے خوف نہ رہیں۔ سچ ہے کہ اگر خدا کی بخشش نہ ہوتی، تو کسی کا عیش کچھ بھی گوارا نہ ہوتا اور اگر حق تعالیٰ کی وعید نہ ہوتی، تو سب بخشش پر بھروسہ کر کے عمل سے باز رہتے۔

الرعد آیت ۵ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین نے نبی ﷺ کی نبوت پر یہ اعتراض کیا،

کہ یہ کہتے ہیں کہ لوگوں کو مرنے کے بعد پھر زندہ کیا جائے گا اور الرعد آیت ۶ میں مشرکین کے اس اعتراض کا ذکر کیا گیا ہے، کہ ہمارے انکار کی بناء پر یہ ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہیں وہ عذاب کیوں نہیں آتا؟ اور اب آیت ۷ میں اس اعتراض کا ذکر ہے، کہ آپ پر کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ مشرکینِ مکہ اپنی تسلی اور اطمینان کے لیے اور حق وصداقت کو پہچاننے کے لیے اپنے فرمائشی معجزات کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، بلکہ وہ عناد، سرکشی، کٹ حجتی اور ہٹ دھرمی کے طور پر آپ سے فرمائشی معجزات طلب کرتے تھے۔ اگر حق وصداقت کو پہچاننا ان کا مطلوب ہوتا تو صرف قرآنِ مجید کا معجزہ ہونا ہی ان کے اطمینان کے لیے کافی تھا ۔۔۔الختصر۔۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ

اور کہتے ہیں جنہوں نے انکار کو پیشہ بنالیا ہے، کہ "کیوں نہیں اتاری جاتی اُن پر کوئی نشانی اُن کے پروردگار کی طرف سے"۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۧ ع

تم صرف ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے رہنما●

عناد وسرکشی (اور) کٹ حجتی وہٹ دھرمی کے طور پر (کہتے ہیں) وہ لوگ (جنہوں نے انکار کو پیشہ بنالیا ہے)۔ جب اِنکار ہی اُن کا پیشہ ہے، تو پھر اگر اُن کا مطالبہ پورا بھی کر دیا جائے، تو وہ کب ماننے والے ہیں؟ معجزے کے بعد معجزہ دیکھتے رہیں گے اور پھر کسی معجزے کا مطالبہ کرتے رہیں گے جس کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا۔۔ الغرض۔۔ وہ کہتے ہیں (کہ کیوں نہیں اُتاری جاتی ان پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی طرف سے) ہماری فرمائش کے مطابق۔۔ مثلاً: حضرت موسیٰ کا عصا اور حضرت عیسیٰ کا مُردوں کو زندہ کرنا، حضرت صالح کا پہاڑ سے اونٹنی نکالنا، وغیرہ وغیرہ۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (تم صرف ڈرانے والے ہو) یعنی صرف ڈرانے کے واسطے تم بھیجے گئے ہو، تو تم پر یہی پہنچا دینا بس ہے (اور) ساتھ ہی ساتھ (ہر قوم کے رہنما) ہو۔ صرف راستہ دکھا دینا ہی تمہاری ذمہ داری ہے۔ رہ گیا ایمان والا بنا دینا اور منزلِ مقصود پر پہنچا دینا، یہ تمہارے فریضۂ نبوت میں داخل نہیں۔

ویسے بھی اللہ تعالیٰ کو یہ علم تھا کہ اگر۔۔ بالفرض۔۔ ان کے مطلوبہ اور فرمائشی معجزات پیش

بھی کردیے گئے، تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے اور سنتِ الٰہیہ کے مطابق ہمہ گیر عذاب کا شکار ہوکر ملیامیٹ ہوجائیں گے۔

تو اے محبوب! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں، کہ آپ کے ہوتے ہوئے انہیں عذاب دے۔

یہ کفار کیا جانیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم کی کیا شان ہے؟ بے شک۔۔۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ

اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں لیتی ہے ہر مادہ، اور جو گھٹتے بڑھتے ہیں سارے رحم۔

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ﴿٨﴾

اور ہر چیز اُس کے یہاں ایک مقدار سے ہے ●

بے شک (اللہ) تعالیٰ آلات وذرائع اور اسباب ووسائل کے بغیر (جانتا ہے جو پیٹ میں لیتی ہے ہر مادہ) لڑکا۔۔یا۔۔لڑکی، کالا یا گورا، اچھا یا بُرا، لمبا یا ٹھگنا اور اس کے سوا اور جانتا ہے (جو گھٹتے بڑھتے ہیں سارے رحم)، یعنی ہر رحم میں جو کمی اور زیادتی ہوتی رہتی ہے اس کو بھی جانتا ہے (اور ہر چیز اس کے یہاں ایک مقدار سے ہے) جس میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔۔الغرض۔۔وہ۔۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ﴿٩﴾ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ

جاننے والا ہے غیب وشہادت کا، بڑائی والا بلند وبالا ● خواہ تم میں کوئی چپکے بات کرے، خواہ زور سے،

وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ﴿١٠﴾

اور خواہ کوئی چھپے رات میں، یا راہ چلے دن کو ●

(جاننے والا ہے غیب وشہادت کا) یعنی جو چیزیں حواس سے پوشیدہ ہیں۔۔یا۔۔جو چیزیں حواس پر ظاہر ہیں وہ ان سب کا جاننے والا ہے۔ وہ (بڑائی والا) اور (بلند وبالا) ہے یعنی سب سے برتر وبالا ہے۔ اس کے علم کے سامنے برابر ہے (خواہ تم میں کوئی چپکے بات کرے) یعنی وہ شخص جو چھپائے اپنی بات اپنے جی میں (خواہ زور سے) کرے، یعنی دوسروں پر بھی ظاہر کردے (اور خواہ کوئی چھپے رات میں) یعنی جو شخص چھپانا چاہتا ہے اور چھپاتا ہے اپنا کام رات کی تاریکی میں (یا راہ چلے دن کو)، یعنی جو کوئی ظاہر وآشکارا کرتا ہے اپنا کام دن کو۔۔الغرض۔۔کوئی قول وفعل پوشیدہ ظاہر اُس سے چھپا نہیں ہے۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ

اس کے لیے بدلی والی ہستیاں ہیں، اس کے آگے اور پیچھے، جونگرانی کریں اُس کی اللہ کے حکم سے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ

بے شک اللہ نہیں پلٹتا کسی قوم کو، یہاں تک کہ وہ پلٹ دیں خود اپنے کو۔ اور جب ارادہ کرلیا اللہ نے

بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

کسی قوم کے لیے عذاب کا، تو پھر اُس کا پھرنا نہیں۔ اور نہیں ہے اُن کا اللہ کو چھوڑ کر کوئی مددگار●

(اس کے لیے) یعنی اس شخص کے واسطے جو چھپاتا اور ظاہر کرتا ہے اپنا قول وفعل **(بدلی والی ہستیاں ہیں)** یعنی باری باری آنے والے محافظ فرشتے ہیں **(اس کے آگے اور پیچھے، جونگرانی کریں اس کی اللہ)** تعالیٰ **(کے حکم)** اور اُس کی اعانت **(سے)** اور جو کچھ اُس سے صادر ہوتا ہے اُسے لکھ لیتے ہیں۔

ایک قول کے مطابق اگر یہ محافظ فرشتے حفاظت پر مامور نہ ہوتے، تو جنوں کی قوم انسانوں کو زمین پر رہنے نہ دیتی۔ صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ دو فرشتے دن کے ہیں اور دو رات کے۔ ان فرشتوں کو **بَرَرَةٌ** اور **كِرَامًا كَاتِبِیْنَ** کہتے ہیں۔ مذکورہ بالا بیان نے واضح کردیا کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر اور عالم الغیب والشہادۃ ہے، تو کافروں کے دلی ارادوں اور ان کے قلبی خیالات سے وہ کیسے بے خبر رہ سکتا ہے۔ تو وہ خوب جانتا تھا کہ کفار کی معجزہ طلبی ایمان لانے کے لیے نہیں ہے، تو اگر۔۔ بالفرض۔۔ انہیں معجزہ دکھا دیا جائے جب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں۔ اگر ان میں روحِ سعادت ہوتی تو ایمان لانے کے لیے صرف قرآن کریم کا معجزہ ہی کافی تھا۔

اوپر کے بیان سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ تقدیر تو اٹل ہے، لیکن یہ منشاءِ الٰہی نہیں ہے کہ حفاظت کے اسباب کو بالکل اختیار نہ کرنا چاہیے۔۔ ہاں۔۔ یہ ضرور ہے کہ ان اسباب پر تکیہ نہ کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کوئی شمار نہیں اور وہ جس کو چاہتا ہے اپنی نعمتوں سے نوازتا رہتا ہے، مگر یہ بھی ذہن نشین رہے، کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ **(نہیں پلٹتا کسی قوم کو یہاں تک کہ وہ پلٹ دیں خود اپنے کو)** یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کو جو نعمت اور عافیت عطا فرماتا ہے اور اس کو جس آسودہ حالی میں رکھتا ہے۔۔ نیز۔۔ اسے آزادی، سلامتی استحکام، خوش حالی اور عافیت کی جو نعمت عطا فرماتا ہے وہ نعمت اُن سے اُس وقت تک

سلب نہیں فرماتا، جب تک وہ قوم اللہ تعالیٰ کی مسلسل نافرمانی کر کے اپنے آپ کو اس نعمت کا نااہل ثابت نہیں کر دیتی۔ (اور) یہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے، کہ (جب ارادہ کر لیا اللہ) تعالیٰ (نے کسی قوم کے لیے عذاب کا، تو پھر اس کا پھرنا نہیں) یعنی اُسے کوئی رد نہیں کر سکتا اپنے سے نہ دوسرے سے۔ (اور نہیں ہے ان کا اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر کوئی مددگار) جو ان کا کام بنانے والا ہو عذاب دفع کرنے میں۔۔یا۔۔ان کی مدد کرنے والا ہو۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾

وہی ہے جو دکھاتا ہے تم کو بجلی، ڈرانے اور للچانے کو، اور اٹھاتا ہے بادل بھاری بھاری ●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ڈرایا تھا، کہ وہ انعام بھی عطا فرماتا ہے اور اگر اس انعام کی قدر نہ کی جائے اور اس کا شکر ادا نہ کیا جائے، تو وہ اس انعام کو واپس لے لیتا ہے اور مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کو عذاب دینے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کا ذکر فرمایا۔ اِس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت پر دلیل ہے اور اِس میں بعض اعتبار سے نعمت اور احسان کا ذکر ہے اور اِس میں بعض لحاظ سے اُس کے قہر اور عذاب کا بھی بیان ہے۔۔تو۔۔

(وہی ہے جو دکھاتا ہے تم کو بجلی، ڈرانے اور للچانے کو)۔

برق اُس روشنی کو کہتے ہیں جو ہواؤں کی رگڑ کی وجہ سے بادلوں میں چمکتی ہے اور برق کے ظہور میں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلیل ہے، کیونکہ بادل پانی کے مرطوب اجزاء اور اجزاءِ ہوائیہ سے مرکب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے برق پیدا کرتا ہے، جو اجزاءِ ناریہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ پانی سرد اور مرطوب ہے اور آگ گرم اور خشک ہے، اور سرد اور مرطوب گرم اور خشک کی ضد ہے اور ایک ضد سے دوسری ضد کو پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کا عجیب وغریب شاہکار ہے۔ اور اُس کے سوا اور کوئی اِس پر قادر نہیں، کہ ایک ضد سے دوسری ضد کو وجود میں لائے۔

جب بجلی چمکتی ہے اور بادل گرجتے ہیں، تو کسانوں کو بارش کی امید ہوتی اور یہ ڈر بھی ہوتا ہے کہ کہیں ان پر بجلی نہ گر جائے اور ان کو جلا کر خاکستر کر دے۔ اِسی طرح کبھی بارش سے لوگوں کو اپنی فصلوں کی نشوونما اور نفع کی امید ہوتی ہے اور اُسی بارش سے بعض لوگوں کو نقصان اور ضرر پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے، بلکہ ہر حادث ہونے والی چیز کا یہی حال ہے۔ بعض لوگوں کو

اس سے کسی نفع کی توقع ہوتی ہے اور بعض لوگوں کو اس سے کسی ضرر کا خطرہ ہوتا ہے۔

۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ ہی بجلی دکھاتا ہے (اور) وہی (اٹھاتا ہے) ہواؤں میں (بادل بھاری بھاری) پانی سے بھرے ہوئے۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

اور گرج اُس کی پاکی ظاہر کرتی ہے حمد کے ساتھ، اور فرشتے اُس کے ڈر سے۔اور بھیجتا ہے کڑک کو،

فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

پھر پہنچادیتا ہے اُس کو جس کو چاہے۔اور وہ لوگ تو جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں، حالانکہ وہ سخت گرفت والا ہے●

(اور گرج اس کی پاکی ظاہر کرتی ہے حمد کے ساتھ) یعنی بادلوں پر معین فرشتہ رعدؑ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید میں مشغول رہتا ہے (اور) دوسرے (فرشتے اس کے ڈر سے) حمد و تسبیح کرتے ہیں (اور بھیجتا ہے کڑک کو) یعنی اَبر سے گرنے والی بجلیوں کو، (پھر پہنچادیتا ہے اس کو) اربد بن ربیعہ تک۔۔یا۔۔ نبی کریم کی بارگاہ میں موشگافی کرنے والے یہودی تک، جس نے حضور سے سوال کیا تھا کہ اے ابوالقاسم تو ہمیں بتا کہ تیرا خدا کس چیز کا ہے؟ موتی کا ہے۔یا۔زمرد کا۔یا۔یاقوت کا۔یا۔سونے کا۔فوراً غضب الٰہی کے اَبر سے بجلی گری اور اُس یہودی کو جلادیا۔۔یا۔۔انہی جیسوں میں سے کسی تک (جس کو چاہے) اور جب چاہے۔ (اور) اس حال میں جب کہ (وہ لوگ تو جھگڑتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے بارے میں) کہ وہ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔قہرِ خداوندی کی بجلی گرتی ہے اور وہ خاکستر ہوجاتے ہیں۔

خدا کے تعلق سے کافروں کا جھگڑا یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ خدائے تعالیٰ کے جو اوصاف بیان فرماتے ہیں، کہ وہ علم والا ہے، صاحبِ قدرت ہے، اکیلا معبودِ برحق ہے، تو کافر اس کی تکذیب کرتے ہیں۔ (حالانکہ وہ) معبودِ برحق (سخت گرفت والا ہے) اور سخت عذاب کرنے والا ہے ان جھگڑا کرنے والوں پر۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۗ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ

اُسی کے لیے ہے حق کی دُعا پکار۔اور جو لوگ پکارتے ہیں اُس کو چھوڑ کر فرضیوں کو، تو وہ نہیں جواب دیتے

لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۗ

انہیں کچھ، مگر جیسے کوئی اپنی دونوں ہتھیلی پھیلائے پانی کی طرف، کہ وہ منہ میں پہنچ جائے، اور وہ پہنچنے والا نہیں۔

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

اور نہیں ہے کافروں کی دُعا، مگر بھٹکتی بہکتی●

(اُسی کے لیے ہے حق کی دُعا پکار) یعنی پکارنا حق کی طرف کہ وہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔۔یا۔۔ اُسی کو سزاوار ہے کہ اپنی عبادت کی طرف پکارے۔۔یا۔۔اُسی کے واسطے ہے دُعا قبول کی ہوئی یعنی جب اُسے پکارتے ہیں تو وہ قبول کرتا ہے۔(اور جو لوگ پکارتے ہیں اس کو چھوڑ کر فرضیوں کو) اپنا معبود اور اپنا حقیقی حاجت روا و فریادرس سمجھ کر۔۔الحاصل۔۔بتوں کو جو مشرک پکارتے ہیں (تو وہ نہیں جواب دیتے انہیں کچھ) اور نہیں قبول کرتے ان کے واسطے کوئی چیز ان کی مرادوں میں سے، یعنی ان کی کسی بھی مراد کو پورا کرنے کی ذاتی اور مستقل بالذات قوت نہیں رکھتے، (مگر جیسے کوئی اپنی دونوں ہتھیلی پھیلائے پانی کی طرف کہ وہ منہ میں پہنچ جائے، اور وہ پہنچنے والا نہیں) یعنی بتوں کا بھی اپنے پکارنے والوں کے ساتھ یہی حال ہے، جیسے کوئی پیاسا کنویں پر آئے اور اس کے پاس ڈول اور رسی نہ ہو، اپنے دونوں ہاتھ کنویں کی طرف پھیلا دے اور رو کر پانی کو پکارے تا کہ وہ اس کے منہ میں پہنچ جائے، تو ایسا ہونے والا نہیں۔

اس واسطے کہ پانی بے حس پکارنے والے کو جانتا ہی نہیں، اور یہ قدرت اس میں نہیں کہ اس پکارنے والے کی پکار کا جواب دے اور قبول کرے۔ وہ اپنی طبیعت کے خلاف مرکز سے محیط کی طرف حرکت کر ہی نہیں سکتا۔۔المختصر۔۔بے حس بتوں کو پکارنا اور بے حس کنویں کے پانی کو پکارنا نتیجے کے لحاظ سے دونوں ایک ہی طرح ہیں۔ نہ بت سننے والے نہ پانی منہ تک آنے والا۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو؟ اس لیے کہ (نہیں ہے کافروں کی دُعا مگر بھٹکتی بہکتی) گمراہی اور بطلان اور ناامیدی اور ضائع ہونے میں۔ تو زمین و آسمان میں موجود مظاہرِ قدرت کو سجدہ کرنے والو سن لو!۔۔۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا

اور اللہ ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، بخوشی و بہ مجبوری،

وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدة

اور اُن کے سائے صبح و شام●

(اور) یاد رکھو! کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، بخوشی و بجبوری)۔ بخوشی سجدہ کرنے والے مسلمان ہیں، جو راحت اور مصیبت میں فرمانبردار ہیں

اور سجدہ کرتے ہیں اور کراہت اور بے دلی کے ساتھ سجدہ کرنے والے کافر ہیں، جو مصیبت کے وقت بہ ضرورت سجدہ کرتے ہیں۔(اور) سجدہ کرتے ہیں (ان) اہل زمین اور اہل آسمان (کے سائے صبح و شام) یعنی صبح سے شام تک ہمیشہ۔ خاص کر کے صبح وشام کا ذکر صرف اس لیے ہے کہ اس وقت سایوں کا پھیلنا خوب ظاہر ہو جاتا ہے۔

قرآنی سجدوں میں سے یہ دوسرا سجدہ ہے۔ اِس سجدہ کو 'سجود الظلال' اور 'سجود الانعام' بھی کہا گیا ہے۔ بندے کو یہ بات لازم ہے کہ اس خبر میں خدا کو سچا جان کر اُس کو سجدہ کرے۔ اس آیت کے اسرار میں سے ایک یہ ہے کہ ہر حادث کا سایہ ہے اور وہ سایہ خدا کو سجدہ کرنے والا ہے اور ہر حال میں اس کی عبادت پر قائم ہے خواہ وہ حادث مطیع ہو، خواہ عاصی۔ اگر وہ حادث اپنے سایے کے ساتھ اس سجدے میں موافق ہے، تو دونوں ایک ہی ہیں اور اگر مخالف ہیں، تو اُس کا سایہ اُس عبادت میں اس کا قائم مقام ہے۔ گو سایہ کا سجدہ قائم مقام ہونے کے باوجود سایہ والے کے لیے کافی نہیں، لیکن اس قائم مقامی سے اتنا تو ظاہر ہو گیا کہ زمین اور آسمان کی ہر چیز بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ 'طوع' اور 'رغبت' ان لوگوں کی صفت ہے، جن کے دلوں کی زمین میں عنایت الٰہی نے ایمان کا درخت لگا دیا ہے۔ اور دل میں نفرت اور کراہت ہونا ان لوگوں کی خاصیت ہے، کہ قہرلم یزلی نے بے نصیبی کا بیج ان کے دل کے کھیت میں جما دیا ہے۔

آیت زیرِ تفسیر میں اگر سجدہ سے مراد اطاعت وتذلل ہو، تو حاصلِ ارشاد یہ ہوگا، کہ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لیے مسخر ہے۔ سورج چاند اور ستاروں کا طلوع وغروب، سیاروں کی گردش، پہاڑوں کا جمود، دریاؤں اور سمندروں کی روانی، غرض کائنات کی ہر چیز جو کچھ کر رہی ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کے نظام کے تابع ہو کر کر رہی ہے۔ انسان کی نبض کی رفتار، دل کی دھڑکن، اعضاء انہضام کی کارکردگی، یہ سب اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام کے مطابق کام کر رہے ہیں۔

۔۔الختصر۔۔ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے، وہ سب اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کر رہے ہیں۔ اب رہ گیا **طَوْعًا** اور **كَرْهًا** فرمانا، تو یہ اس لیے ہے کہ ظاہر ہو جائے کہ بعض کام انسان خوشی سے کرتا ہے اور بعض کام ناخوشی سے کرتا ہے۔۔ مثلاً: حکومت انسان خوشی سے کرتا ہے اور معمولی ملازمت ناخوشی سے۔ کوئی خوشی سے حضورِ قلب کے ساتھ عبادت کرتا ہے تو کوئی ناخوشی سے بغیر حضورِ قلب عبادت کرتا ہے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ

سوال کرو" کہ کون پالنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا؟" جواب بھی بتا دو، کہ "اللہ"۔ پوچھو، تو کیا تم نے بنا لیا اُس کو چھوڑ کر مقابلہ کے مددگار،

اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى

جو نہیں مالک ہیں خود اپنے نفع و نقصان کے"۔ پوچھو، کہ "کیا برابر ہیں اندھے اور انکھیارے؟ یا کیا برابر ہیں تاریکیاں

وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا

اور اُجالا؟ یا بنا لیا ہے اللہ کے کئی شریک، جنہوں نے پیدا کیا، مثل پیدا کرنے اللہ کے، تو مل جل گئی

كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ

دونوں کی بناوٹ اِن کے طور پر"۔ تم کہہ دو،" کہ اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے،

وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾

اور وہی اکیلا سب پر غالب ہے"●

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہے یعنی ہر چیز خوشی یا ناخوشی سے اس کے احکام کی اطاعت کر رہی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور طریقے سے بُت پرستوں کے مشرکانہ خیالات کا بطلان ظاہر فرمایا، کہ اَے محبوب! آپ ان سے۔۔۔

(سوال کرو، کہ کون پالنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا؟) یعنی ان کا خالق و مالک و مربی کون ہے؟ اور پھر ان کے بولنے سے پہلے ہی اس کا صحیح و درست اور حقیقت پر مبنی (جواب بھی بتا دو، کہ اللہ) تعالیٰ۔ اس واسطے کہ ان کے پاس بھی اس کے سوا اور کوئی جواب ہی نہیں۔ اور جب ان کا جواب یہی ہو، تو انہیں الزام دو۔ اور (پوچھو تو کیا تم نے بنا لیا اس کو چھوڑ کر مقابلہ کے مددگار جو نہیں مالک ہیں خود اپنے نفع و نقصان کے) یعنی جب تم یہ جانتے ہو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا خدا ہے، تو اس کے غیر کو کیوں پوجتے ہو اور خدا کے مدِ مقابل ان کو اپنا دوست قرار دیتے ہو؟

ان سے (پوچھو کہ کیا برابر ہیں اندھے اور انکھیارے؟) بت پرستوں کی مثال اندھوں جیسی ہے اور خدا کی عبادت کرنے والوں کی مثال آنکھ والوں جیسی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں ایک طرح نہیں۔ (یا) پوچھو کہ (کیا برابر ہیں) شرک و انکار کی (تاریکیاں اور) نورِ توحید اور معرفتِ پروردگار کا

(اُجالا۔۔یا۔۔بنالیا ہے) کافروں نے (اللہ) تعالیٰ (کے کئی شریک جنہوں نے پیدا کیا مثل پیدا کرنے اللہ) تعالیٰ (کے، تو مل جُل گئی دونوں کی بناوٹ ان کے طور پر) ۔تو انہوں نے نہ جانا کہ خدا کا پیدا کیا ہوا کون ہے اور شریکوں کا پیدا کیا ہوا کون؟

حاصل کلام یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے واسطے ایسے شریک نہیں پیدا کیے ہیں جو خدا کے مثل پیدا کرنے والے ہوں، اور اُن مشرکین پر کام مشتبہ ہو اور کہیں کہ جس طرح خدا پیدا کرتا ہے اُسی طرح یہ بھی پیدا کرتے ہیں، تو جس طرح حق تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے اُسی طرح یہ بھی مستحق ہیں۔ (تم کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (ہر چیز کا بنانے والا ہے)۔ پیدا کرنے میں وہ کوئی شریک نہیں رکھتا کہ عبادت میں بھی وہ اُس کا شریک ہو۔ (اور وہی اکیلا) اپنی الوہیت والٰہیت میں اور (سب پر غالب ہے) کوئی بھی اس سے برتر و بالا نہیں۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ

برسایا بلندی سے پانی، تو بہنے لگے نالے اپنی وسعت بھر۔ پھر اچھالا بہاؤ نے

زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ

بڑھی چڑھی جھاگ۔ اور وہ، جسے دہکاتے ہیں آگ میں، خواہش میں گہنا، یا سامان کے جھاگ ہے،

زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ

اُسی کے مثل۔ اِس طرح ضرب المثل فرماتا ہے اللہ، حق و باطل کی۔۔ پس جھاگ

فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ

تو دور ہو جاتی ہے بیکار ہو کر، اور جو لوگوں کے لیے مفید ہے وہ رہ جاتی ہے زمین میں۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾

اس طرح ضرب المثل بیان کرتا ہے اللہ●

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر اور ایمان اور کفر کو نابینا اور بینا اور اندھیرے اور روشنی سے تشبیہ دی تھی۔ اِس آیت میں ایمان و کفر کی ایک اور مثال دی ہے۔ اس میں پانی اور جھاگ کا ذکر فرمایا کہ وادیوں میں پانی بہتا ہے اور وہ پانی وادیوں کی گنجائش اور وسعت کے اعتبار سے کم اور زیادہ ہوتا ہے اور اس میں جو خس و خاشاک ہوتا ہے

وہ جھاگ اور بلبلوں کی صورت پانی کی سطح پر ظاہر ہوتا ہے اور بہت جلد فنا ہو جاتا ہے۔اسی طرح جب سونے، چاندی، پیتل اور دیگر معدنیات کو پگھلایا جاتا ہے، تو اُن کا میل کچیل، ان کی مائع سطح پر جھاگ اور بلبلوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور جلد زائل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی کبریائی، جلالت اور آسمان سے رحمت کا پانی نازل فرمایا جو قرآنِ مجید ہے اور یہ پانی بندوں کے دلوں کی وادیوں میں نازل فرمایا۔قرآنِ مجید کو پانی کے ساتھ تشبیہہ دی کیونکہ پانی حیاتِ دنیاوی کا سبب ہے اور قرآن مجید اخروی حیات کا سبب ہے۔اور وادیوں کو بندوں کے دلوں کے ساتھ تشبیہہ دی کیونکہ جس طرح وادیوں میں پانی مستقر ہوتا ہے اُسی طرح بندوں کے دلوں میں انوارِ قرآن اور مضامین قرآن جگہ پاتے ہیں اور جس طرح بعض وادیاں تنگ ہوتی ہیں اور بعض کشادہ، اور ان کی گنجائش اور وسعت کے اعتبار سے ان میں پانی ہوتا ہے، اُسی طرح دلوں کی پاکیزگی اور ان کی نجاست اور ان کی قوتِ فہم کی زیادتی اور کمی کے اعتبار سے ان میں قرآنِ مجید کے مضامین اور انوار کم یا زیادہ ہوتے ہیں۔اور جس طرح پانی اور پگھلے ہوئے معدنیات کی مائع سطح پر خس وخاشاک اور ان کا میل کچیل جھاگ کی صورت میں ان کی سطح پر آجاتا ہے اور جلد زائل ہو جاتا ہے، اُسی طرح قرآن مجید کے مضامین میں جو شکوک وشبہات ہوتے ہیں، وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور علماء ربانیین کے بیانات سے جلد زائل ہو جاتے ہیں، اور عقائد اور احکام شرعیہ کی تصریحات اور ہدایات اور علمی نکات باقی رہ جاتے ہیں۔۔الحاصل۔۔

(برسایا) اللہ تعالیٰ نے (بلندی سے پانی، تو بہنے لگے نالے اپنی وسعت بھر) یعنی ہر نالے نے اپنی مقدار پر چھٹائی، بڑائی، تنگی، کشادگی کے ساتھ پانی لے لیا۔۔یا۔۔اُس اندازے پر جو خدا نے مقرر کر دیا ہے، کہ وہ نفع پہنچائے نقصان نہ کرے۔**(پھر اُچھالا بہاؤ نے بڑھی چڑھی جھاگ)** یعنی پانی اپنے اوپر پھین لایا **(اور)** یوں ہی **(وہ)** معدنیات یعنی سونا، چاندی، پیتل وغیرہ **(جسے دہکاتے ہیں آگ میں، خواہش میں گہنا) زیور (یا) دیگر (سامان کے)** یعنی لڑائی اور کھیتی کے اسباب وآلات کے واسطے۔تو ان معدنیات کو پگھلانے کے بعد اس میں بھی **(جھاگ)** اوپری سطح پر آجاتی **(ہے اُسی کے مثل)** یعنی پھین ہے ویسا ہی جیسا پانی پر ہے۔

(اسی طرح ضرب المثل فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (حق وباطل کی) یعنی حق تعالیٰ حق بات کو فائدے اور ثبات میں پانی سے تشبیہہ دیتا ہے، جو خلق کی منفعتوں کے واسطے آسمان سے برستا ہے۔۔اور

۔۔آگ میں پگھل جانے والے معدنیات یعنی سونا، چاندی وغیرہ کے ساتھ بھی تمثیل دیتا ہے، کہ زیور اور مختلف اسباب کے واسطے ان کی ضرورت ہوتی ہے۔اور کلام باطل کو فائدے میں کمی اور جلد زائل ہو جانے میں اس جھاگ کے ساتھ مثال دیتا ہے، جو پانی اور پگھلے ہوئے معدنیات کے اوپر ہوتا ہے۔

(پس جھاگ تو دوُر ہو جاتی ہے بیکار ہو کر اور جو لوگوں کے لیے مفید ہے، وہ رہ جاتی ہے زمین میں)۔۔مثلاً: بیج وغیرہ۔۔یا۔۔معدنیات کا کارآمد حصہ صاف ستھرا ہو کر باقی رہتا ہے (اس طرح ضرب المثل بیان کرتا ہے اللہ) تعالیٰ، تاکہ اربابِ بصیرت اس میں غور وفکر کریں اور اس سے ہدایت حاصل کریں۔۔الختصر۔۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؔ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ

جنہوں نے قبول کرلیا اپنے پروردگار کے پیغام کو ان کی نجات اچھی ہے۔۔۔اور جنہوں نے نہیں قبول کیا اِسے، اگر اُن کا

لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ

ہو جائے جو کچھ زمین میں ہے سب، اور اُس کے ساتھ اِس کے برابر اور ملا کر صدقہ کر دیتے سب کو، تو بھی وہی ہیں جن کے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾

لیے بُرا حساب ہے۔۔۔اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔اور کتنا بُرا بچھونا ہے●

(جنہوں نے قبول کرلیا اپنے پروردگار کے پیغام کو، اُن کی نجات اچھی ہے) اور ان کا بدلہ جنت ہے۔(اور جنہوں نے نہیں قبول کیا اُسے) اور حکم الٰہی کو تسلیم نہیں کیا، (اگر) بالفرض (اُن کا ہو جائے جو کچھ زمین میں ہے سب) یعنی یہ لوگ زمین کے سارے خزانوں کے مالک ہو جاتے (اور) مزید براں (اُس کے ساتھ اُس کے برابر اور ملا کر صدقہ کر دیتے سب کو)، تاکہ عذاب سے چھوٹ جائیں (تو بھی وہی ہیں جن کے لیے بُرا حساب ہے)۔نہ تو ان کی ظاہری نیکیاں قبول کی جائیں گی اور نہ ہی ان کی بُرائیاں بخشی جائیں گی، (اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے) جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہے۔یہ کتنی بڑی سزا ہے (اور کتنا بُرا بچھونا ہے)۔

اب اگلی آیت میں بھی پہلی تشبیہ اور مثال کی طرف اشارہ ہے کہ کسی چیز کا عالم 'بینا' کی منزل میں ہے اور کسی چیز کا جاہل بمنزلہ 'نابینا' ہے۔اور نابینا، بینا کی طرح نہیں، کیونکہ نابینا جب کسی بینا کے بغیر کسی راستے پر جائے گا، تو ہو سکتا ہے کہ وہ گڑھے، کنویں یا کسی کھلے ہوئے گٹر میں گر جائے۔۔یا۔۔کسی اور ہلاکت کا شکار ہو جائے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔

اَفَمَنۡ يَّعۡلَمُ اَنَّمَآ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ الۡحَقُّ كَمَنۡ هُوَ اَعۡمٰى ؕ

توکیا جو جانتا ہے کہ جو کچھ نازل فرمایا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے ٹھیک درست ہے، ایسا ہے، جیسے کوئی اندھا؟

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۙ﴿۱۹﴾

نصیحت قبول کرتے ہیں صرف عقل والے●

(تو کیا جو) حمزہ بن عبدالمطلب کی طرح (جانتا ہے کہ جو کچھ نازل فرمایا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے) وہ حق وصحیح اور (ٹھیک درست ہے)، وہ (ایسا ہے جیسے) ابوجہل کی طرح (کوئی اندھا؟)۔ سچ ہے کہ قرآنِ کریم کی ہدایات سے (نصیحت قبول کرتے ہیں صرف عقل والے) جن کی عقلیں بے جا وہم وخیال اور باطل انکار واختلاف سے مصفّٰی ومجلّٰی ہیں اور۔۔۔

الَّذِيۡنَ يُوۡفُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَلَا يَنۡقُضُوۡنَ الۡمِيۡثَاقَ ۙ﴿۲۰﴾

جو پورا کریں اللہ کے عہد کو، اور نہ توڑیں معاہدہ کو●

(جو پورا کریں اللہ) تعالیٰ (کے عہد کو) جو انہوں نے روزِ میثاق باندھا ہے (اور نہ توڑیں معاہدہ کو) خواہ وہ یوم میثاق کا پختہ عہد ہو۔۔یا۔۔کلمۂ اسلام پڑھ کر خداوندی اوامر کی بجا آوری اور اس کے نواہی سے اجتناب کا عہد ہو۔۔یا۔۔آنحضرت ﷺ کی رسالت کو مان کر آپ کی اطاعت واتباع کا عہد ہو۔۔۔

وَالَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنۡ يُّوۡصَلَ وَيَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ

اور جو ملائیں جس کا حکم دیا اللہ نے کہ ملایا جائے، اور ڈریں اپنے پروردگار کو،

وَيَخَافُوۡنَ سُوۡٓءَ الۡحِسَابِ ؕ﴿۲۱﴾

اور خوف کھائیں حساب کے انجام بد کا●

(اور جو ملائیں جس کا حکم دیا اللہ) تعالیٰ (نے کہ ملایا جائے) یعنی رشتہ رشتہ داروں سے۔۔یا۔۔ایمان سب کتابوں اور رسولوں کے ساتھ، ان میں بغیر فرق کیے ہوئے، (اور ڈریں اپنے پروردگار) کے عذاب (کو اور خوف کھائیں حساب کے انجام بد کا)، یعنی روزِ حساب کی سختی سے ڈریں۔

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا

اور جنہوں نے صبر کیا اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے، اور پابندی کی نماز کی، اور خرچ کیا

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

جو ہم نے دے رکھا ہے انہیں، چھپا کر اور سب کے سامنے، اور جو ٹال دیتے ہیں بُرائی کو بھلائی کرنے سے،

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

وہ ہیں، کہ انہیں کے لیے ہے گھر کا انجام خیر ●

(اور جنہوں نے صبر کیا) نفس کی مکروہ باتوں اور اس کی خواہشوں کی مخالفت پر۔۔یا۔۔ جہاد پر (اپنے پروردگار کی خوشنودی کے لیے اور پابندی کی نماز کی)، یعنی فرض نماز ہمیشہ کما حقہٗ ادا کرتے رہے (اور خرچ کیا جو ہم نے دے رکھا ہے انہیں) مال و دولت، (چھپا کر) اگر نفلی صدقہ دے رہا ہے، (اور سب کے سامنے) اگر زکوٰۃ ادا کر رہا ہو۔۔یا۔۔ جو زکوٰۃ امام اور عاملین کو دی جاتی ہے، وہ علانیہ ادا کرے اور جو وہ خود ادا کرتا ہے، وہ پوشیدہ طور پر دے، تاکہ زکوٰۃ لینے والے کو عار محسوس نہ ہو اور دینے والے کا اخلاص بھی قائم رہے، (اور جو ٹال دیتے ہیں بُرائی کو بھلائی کرنے سے) یعنی جو شر کو خیر سے دور کرتے ہیں، بدی کو نیکی سے دور کرتے ہیں، بے حیائی کی باتوں کو سلام کہہ کر دور کرتے ہیں، ظلم کو عفو کے ساتھ دور کرتے ہیں، گناہ کو توبہ سے دور کرتے ہیں، اور شرک کو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت سے دور کرتے ہیں، (وہ ہیں کہ انہیں کے لیے ہے گھر کا انجام خیر) دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ آخرت میں وہ جزا کیا ہے؟ تحفہ۔۔۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ

سدا بہار باغوں کا، جس میں وہ داخل ہوں گے۔ اور جو لائق ہوئے، اُن کے باپ دادے، اور اُن کی بیویاں،

وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

اور اُن کی اولاد، اور فرشتے داخل ہوں گے اُن کی خدمتوں پر، ہر دروازہ سے ●

(سدا بہار باغوں کا جس میں وہ داخل ہوں گے اور) ان کی خوشی اور قلبی مسرت کے لیے ان کو بھی رہنے کے لیے ان کے ساتھ کر دیا جائے گا (جو لائق ہوئے ان کے باپ دادے اور ان کی بیویاں اور ان کی اولاد)۔

۔۔الغرض۔۔ان سے نسبی تعلق رکھنے والا وہ شخص جو ایمان اور اطاعت سے آراستہ ہوگا، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ان کے ساتھ جنت میں اکٹھا رہے گا۔اور ظاہر ہے کہ اپنوں کے درمیان رہنے سے سبھی کو خوشی ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ بھی بعید نہیں کہ جنت میں کسی نیچے درجے میں رہنے والے جنتی کو اس کے اوپری درجے میں رہنے والے جنتی باپ دادوں کے قریب کردے، تاکہ ان باپ دادوں کا اکرام بھی ہو اور انہیں اپنے بچوں کے ساتھ رہنے میں خوشی بھی ہو۔۔یوں ہی۔۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ بھی بعید نہیں کہ جنت میں مقامات اور مراتب کے تفاوت کے باوجود جنتی شوہروں کو ان کی جنتی بیویوں۔۔یا۔۔جنتی بیویوں کو ان کے جنتی شوہروں کے ساتھ اکٹھا کردے۔

(اور) جنت میں رہنے والوں کی شان یہ ہوگی، کہ (فرشتے داخل ہوں گے ان کی خدمتوں پر) ان کے مکانوں کے دروازوں میں سے (ہر دروازہ سے)۔دنیا کے رات دن کی مقدار میں فرشتے ان کے پاس تین بار آئیں گے اور انہیں خوشخبری سنائیں گے۔۔۔

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾ وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ

یوں کہ سلامتی ہے تم پر، جو تم نے صبر کیا۔تو کتنا اچھا ہے گھر کا انجام خیر ● اور جو توڑ ڈالیں

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ

اللہ کے عہد کو اُس کو مضبوط کرلینے کے بعد، اور کاٹ دیں جس کو حکم دیا اللہ نے ملانے کا،

وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾

اور فساد مچائیں زمین میں، وہ ہیں کہ انہیں کے لیے لعنت ہے، اور اُن کے لیے ہے گھر کا برا ہونا ●

(یوں کہ سلامتی ہو تم پر) یعنی تم ہمیشہ سلامت رہو گے، بہ سبب اس کے (جو تم نے صبر کیا) دنیا میں فقیری اور دنیاوی آزمائشوں میں۔(تو کتنا اچھا ہے) اس (گھر کا انجام خیر) جو انہوں نے پایا۔

(اور) ان نکوکاروں اور صالحین کے برخلاف وہ لوگ (جو توڑ ڈالیں اللہ) تعالیٰ (کے عہد کو) یعنی عہد و پیمان خدا سے جو انہوں نے کیا ہے اُس عہد کو، (اُس کو مضبوط کرلینے کے بعد) یعنی مکمل طور پر اقرار و قبول کرچکنے کے بعد (اور کاٹ دیں) اس کو (جس کو حکم دیا اللہ) تعالیٰ (نے ملانے کا) یعنی رشتہ داری کا حق نہ بجالائیں۔۔یا۔۔سب کتابوں اور رسولوں پر ایمان نہ لائیں (اور) مزید برآں (فساد

مچائیں زمین میں) کفر وظلم اور گناہ کے سبب یا فتنہ انگیزی کر کے، تو یہ لوگ (وہ ہیں کہ انہیں کے لیے لعنت ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے (اور ان کے لیے ہے) دنیا وآخرت کے (گھر) کے انجام (کا بُرا ہونا)۔ دنیا میں بھی ان کے لیے ذلت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے ہلاکت ہے۔

دنیا میں کافروں کی بظاہر خوشحالی دراصل ان کی شدید آزمائش ہے۔ اس طرح خدا انہیں ڈھیل دیتا ہے، تاکہ کفر کے علاوہ اس بے تحاشہ مال ودولت کا شکرانہ ادا نہ کرنے اور اس کو ناجائز مصارف میں خرچ کرنے کا بھی انہیں مزید عذاب دیا جائے۔ دنیا کی زندگی چند روزہ ہے، اس کے ٹھاٹ باٹ، زیب وزینت، اُس کی شان وشوکت اور اس کے عیش وآرام کی خاطر اپنی جانوں کو گھلانا اور کھپانا نہیں چاہیے۔ یہ کافروں کا حصہ ہے اس لیے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور مسلمانوں کو چونکہ آخرت میں دائمی نعمتیں ملیں گی اس لیے ان کو دنیا کی عارضی نعمتوں کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے۔ کافروں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ ہونا ہی، ان کے رحمتِ الٰہی سے دور ہونے کی روشن دلیل ہے۔ رہ گیا دُنیا میں رزق کے تعلق سے خدائی اُصول، تو بے شک ---

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ

اللہ کشادہ فرماتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہے، اور وہی تنگ کرتا ہے۔ اور عوام تو مگن رہے دنیاوی زندگی میں،

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع ۹

حالانکہ نہیں ہے دنیاوی زندگی آخرت، مگر چند دن کا ٹھہرنا●

(اللہ) تعالیٰ (کشادہ فرماتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہے اور وہی تنگ کرتا ہے) جس کے لیے چاہتا ہے (اور عوام) بالخصوص اہل مکہ (تو مگن رہے دنیاوی زندگی) کے عیش وآرام (میں، حالانکہ نہیں ہے دنیاوی زندگی آخرت) کے مقابل میں، (مگر چند دن کا ٹھہرنا) جس میں تھوڑی ہی فائدہ مندی حاصل کی جاسکتی ہے اور وہ بھی ایسی پونجی جس میں دوام اور بقا نہیں۔ کافروں کی دنیا میں بھی اللہ کی رحمت خاص سے دوری کا یہ عالم ہے، کہ ان کی عقلوں پر پتھر پڑ گئے ہیں اور ان کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتیں ختم ہو چکی ہیں، جبھی تو نبی کریم کے معجزۂ قرآنی پیش کر دینے کے باوجود ازراہِ جہل وعناد کہتے ہیں ---

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ

اور بکتے ہیں جنہوں نے انکار کو پیشہ بنالیا، کہ ''کیوں نہیں اتاری جاتی ان نبی پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی؟'' جواب دے دو،

يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ ﴿٢٧﴾

''کہ حقیقت یہ ہے اللہ بے راہ رکھے جس کو چاہے، اور اپنی راہ پر لاتا ہے جو اس کی طرف لوٹا'' ●

(اور بکتے ہیں جنہوں نے انکار کو پیشہ بنالیا کہ کیوں نہیں اتاری جاتی ان نبی پر کوئی نشانی ان کے پروردگار کی) یعنی ایسی نشانی جو ہم چاہتے ہیں، جس کا اعجاز بالکل ظاہر اور بدیہی ہو، جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے معجزات۔ تو اے محبوب! ان کو (جواب دے دو، کہ حقیقت یہ ہے اللہ) تعالیٰ (بے راہ رکھے جس کو چاہے)۔ ایسے لوگ ہزاروں معجزات دیکھنے کے بعد بھی گمراہ ہی رہنے والے ہیں۔ ماننے کے لیے ایک ہی معجزہ کافی ہے، لیکن اگر کوئی نہ ماننے ہی کی ضد کرلے، تو اس کے حق میں ہزار معجزات بھی ناکافی ہیں۔ (اور اپنی راہ پر لاتا ہے جو اُس کی طرف لوٹا) یعنی جو اس کی طرف رجوع ہونے کے ارادے کی سعادت سے بہرہ ور ہیں۔ اور وہ کون لوگ ہیں؟۔۔۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ ۗ

جو لوگ سب مان گئے، اور اُن کے دل چین پاتے ہیں اللہ کے ذکر سے،

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾

یاد رکھو کہ اللہ کے ذکر سے چین پاجاتے ہیں دل ●

(جو لوگ سب مان گئے) یعنی نبی کریم اور آپ کے جملہ ارشادات کو دل سے تسلیم کرلیا (اور) ان کی شان یہ ہے، کہ (اُن کے دل چین پاتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے ذکر سے)، یعنی جب ذکرِ الٰہی سنتے ہیں، تو اس سے اُنس کرتے ہیں اور تسکین و آرام پاتے ہیں۔۔یا۔۔ان کے دل خدا کی توحید کے ساتھ مطمئن ہیں۔۔یا۔۔اس کی رحمت کے ذکر سے۔۔یا۔۔اس کے کلام سے جو سب معجزوں سے زیادہ قوی ہے، انہیں سکون ملتا ہے۔

حضرت ابن عیینہ علیہ الرحمۃ والرضوان سے منقول ہے، کہ ذکر سے جناب رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں، کہ آپ کے سبب سے مسلمانوں کے دل آرام میں ہیں۔

۔۔الحضر۔۔ یہ حقیقت ہے جسے (یادرکھو، کہ اللہ) تعالیٰ (کے ذکر سے چین پا جاتے ہیں دل) مومنوں کے۔

ایک قول کے مطابق یہاں مومنین سے مراد عہدِ رسالت کے مومنین یعنی صحابہ کرام ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ عوام کے دل کو آرام تسبیح وثناء سے ہے، اور خواص کے دل کو اطمینان صفاتِ اعلیٰ سے، اور علمائے ربانی کے دل کو آرام حقائق اسماءِ حسنیٰ سے، مگر موحدوں کے دل کو چین نہیں ہے بے مشاہدۂ لقا کے، اور یہی مقصد اعلیٰ ہے۔۔الحضر۔۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾

جولوگ سب مان گئے اور نیک کام کیے، خوشخبری ہے اُن کے لیے اور انجام کی خیریت●

(جولوگ سب مان گئے اور نیک کام کیے) خوبتر زندگی کی (خوشخبری ہے ان کے لیے اور انجام کی خیریت) ہے ان کے واسطے ۔۔الغرض۔۔ خوش خرمی، راحت، فرحت، نعمت اور خوشحالی کی انہیں بشارت ہے۔

ایک مشہور بات یہ بھی ہے کہ طُوْبٰى جنت میں ایک درخت کا نام ہے، اس کی جڑ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جنتی مکان میں ہے اور کوئی کھڑکی ۔۔یا۔۔ محل ایسا نہیں جہاں اس درخت کی شاخ نہ ہو۔ دو چشمے سلسبیل اور کافور اس کے نیچے سے جاری ہیں۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ

اسی طرح رسول بنایا ہم نے تمہیں ایسی امت میں، کہ بے شک ہو گزری ہیں ان سے پہلے

عَلَيْهِمُ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ

کئی امتیں، تا کہ تلاوت کرواُن پر جو وحی بھیجی ہم نے تمہاری طرف، اور وہ لوگ انکار کر رہے ہیں رحمان کا۔

قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

تم جتادو، کہ "وہی میرا پروردگار ہے، نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے"●

اَے محبوب! جس طرح تجھ سے پہلے ہم نے رسول بھیجے ہیں، (اُسی طرح رسول بنایا ہم نے تمہیں ایسی امت میں کہ بے شک ہو گزری ہیں ان سے پہلے کئی امتیں تا کہ تلاوت کروان پر جو وحی بھیجی ہم نے تمہاری طرف، اور وہ لوگ) یعنی مکہ کے مشرکین لوگ (انکار کر رہے ہیں رحمان کا) اس

واسطے کہ اُن سے جب مسلمانوں نے کہا سجدہ کرو رحمٰن کو، تو وہ بولے رحمٰن کون ہے؟

صلح حدیبیہ میں بھی جناب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ لکھو 'بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'، تو سہیل بن عمرو بولا، کہ ہم نہیں جانتے کہ 'رحمٰن' کیا ہے۔

تو اَے محبوب! (تم جتادو کہ) جس کو ہم 'رحمٰن' کے نام سے یاد کرتے ہیں (وہی میرا پروردگار ہے، نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا۔ اُسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے) اے محبوب! منکروں کا یہ کہنا، کہ اَے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ' اگر تم چاہتے ہو کہ قرآن میں ہم تمہاری پیروی کریں، تو مکے کے گرد سے پہاڑ کو اکھاڑ دو کہ زمین ہمارے لیے کشادہ ہو جائے اور زمین کو پھاڑ دو کہ اس میں سے چشمے اور نہریں جاری ہوں اور ہم زراعت کریں اور قصی بن کلاب کو ہمارے باپوں سمیت زندہ کرو، کہ تمہارے باب میں ہم سے کلام کریں۔۔ الحاصل۔۔قرآن کریم کے ذریعہ یہ سارے معجزات ظاہر کرو۔

اگر چہ قرآن کریم جو اعجاز کے مرتبہ کمال پر ہے، اُس سے باذن اللہ یہ سارے امور انجام دیے جاسکتے تھے، مگر سچی بات۔۔۔

وَلَوۡ اَنَّ قُرۡاٰنًا سُیِّرَتۡ بِهِ الۡجِبَالُ اَوۡ قُطِّعَتۡ بِهِ الۡاَرۡضُ اَوۡ كُلِّمَ بِهِ

اور وہ منکر ہی رہتے، گو بلاشبہ قرآن، ٹال دیے جاتے اس کے ذریعہ سے پہاڑ یا چیتھڑے کردی جاتی زمین اُس سے، یا بات چیت

الۡمَوۡتٰى ؕ بَلۡ لِّلّٰهِ الۡاَمۡرُ جَمِيۡعًا ؕ اَفَلَمۡ يَايۡـَٔسِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا

کرادی جاتی اُس کے وسیلہ سے مُردوں سے۔ بلکہ اللہ ہی کے لیے ہے سارا اختیار۔ تو کیا نہیں نا امید ہوئے جو ایمان لاچکے،

اَنۡ لَّوۡ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيۡعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا

اس بات سے کہ اگر اللہ چاہتا، تو سب لوگوں کو راہ دے دیتا۔ اور ہمیشہ انہیں جو کافر ہیں،

تُصِيۡبُهُمۡ بِمَا صَنَعُوۡا قَارِعَةٌ اَوۡ تَحُلُّ قَرِيۡبًا مِّنۡ دَارِهِمۡ حَتّٰى يَاۡتِىَ

پہنچتی رہے گی ان کے کیے کرتوت کی وجہ سے دھمکی، یا اُترے گی اُن کے گھروں سے نزدیک، یہاں تک کہ آجائے

وَعۡدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ﴿۳۱﴾ ع ۴ ۱۰

اللہ کا وعدہ۔ بے شک اللہ نہیں خلاف فرماتا وعدہ کا ●

(اور) حقیقت حال یہ ہے کہ (وہ) تو (منکر ہی رہتے، گو بلاشبہ قرآن، ٹال دیے جاتے اس کے ذریعہ سے پہاڑ یا چیتھڑے کردی جاتی زمین اس سے، یا بات چیت کرادی جاتی اس کے وسیلے

سے مُردوں سے)۔۔الغرض۔۔وہ کسی حال میں بھی اپنے انکار سے باز آنے والے نہیں۔ان پر کیسا بھی معجزہ ظاہر کر دیا جائے وہ ماننے والے نہیں۔

اِسی لیے نبی کریم نے دعویٰ نہیں فرمایا کہ قرآن۔۔یا۔۔میرے کلام سے ایسا ایسا ہوسکتا ہے۔بلکہ نبی کریم نے ان کا مطلوبہ اور فرمائشی معجزہ نہ دکھا کر انہیں ہلاکت اور عذابِ الٰہی سے بچالیا،اس لیے کہ وہ معجزہ دیکھ کر بھی انکار ہی کرتے اور پھر سنتِ الٰہیہ کے مطابق ایک تباہ کن عذاب کا شکار ہو جاتے۔

کیا کافروں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ مذکورہ بالا اُمور انجام دینے کا ذاتی اختیار خدا کے سوا بھی کسی کو ہے؟ ہرگز ایسا نہیں۔(بلکہ اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے ہے سارا اختیار) اور ذاتی اقتدار و غلبہ۔(تو کیا نہیں ناامید ہوئے جو ایمان لاچکے)،یعنی کیا مومن لوگ ان کافروں کے ایمان سے ناامید نہیں ہوئے، جو ایسے معجزات مانگتے ہیں،ساتھ اس کے کہ وہ جان چکے ہیں اور واقف ہو چکے (اس بات سے کہ اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا تو سب لوگوں کو راہ دے دیتا)۔معلوم ہوا کہ ہدایت مشیتِ الٰہی سے متعلق ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافروں کو اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی۔۔یا۔۔ان کے مکانوں کے قریب مصیبت آتی رہے گی۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

(اور ہمیشہ انہیں جو کافر ہیں پہنچتی رہے گی ان کے کیے کرتوت کی وجہ سے دھمکی) یعنی ان کی تکذیب اور عناد کے سبب ٹھوکنے والا عذاب اور بنیاد سے اکھاڑ دینے والی بلا (یا اُترے گی ان کے گھروں سے نزدیک) مقامِ حدیبیہ میں اسلامی جمعیت۔

یہاں کافروں سے مکے کے کافر مراد ہیں کہ رسولِ مقبول کی تکذیب کرنے کی شامت سے وہ برابر بلا میں مبتلا تھے۔رسولِ مقبول کے لشکر کے لوگ شب کو ان کے مکانوں کے گرد جا کر ان کے مال اور مویشی لُوٹ لاتے،تو حق تعالیٰ نے فرمایا ان پر ہمیشہ بلا نازل رہے گی۔

(یہاں تک کہ آجائے اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ)۔وہ وعدۂ الٰہی کہ موت ہے۔۔یا۔۔قیامت۔۔ یا۔۔مسلمانوں کی فتح۔(بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں خلاف فرماتا وعدہ کا)۔۔الحاصل۔۔وعدۂ خداوندی پورا ہو کر ہی رہے گا۔

پھر حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے واسطے فرماتا ہے۔کہ اَے محبوب! یہ

کفار اگر تمہارے ساتھ ٹھٹھابازی کرتے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ پہلے بھی ایسا ہوتا رہا ہے۔۔۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور بلاشبہ ٹھٹھے کیے گئے رسولوں سے تم سے پہلے، تو مہلت دے دی میں نے انہیں جو کافر ہیں،

ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

پھر پکڑا میں نے انہیں۔۔۔تو کیسا کچھ تھا میرا عذاب●

(اور بلاشبہ ٹھٹھے کیے گئے) ان (رسولوں سے) جو (تم سے پہلے) گزرے، جیسے اس قوم کے لوگ تیرے حق میں ٹھٹھا کرتے ہیں (تو مہلت دے دی میں نے انہیں جو کافر ہیں) اور ایک مدت تک میں نے انہیں راحت اور تن پروری میں چھوڑ دیا (پھر پکڑا میں نے انہیں) عذاب کے ساتھ، (تو کیسا کچھ تھا میرا عذاب) یعنی ان پر میرا عذاب بڑا ہی ہولناک اور دردناک تھا۔ لوگو! غور کرو اور سوچو کہ جب خدا ہی سب کے اعمال کا نگراں ہے۔۔۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ

تو کیا ہے کوئی، وہ اللہ تو ہر ہستی پر نگرانی فرمانے والا ہے جو ان کے کرتوت ہوں۔ اور کافروں نے بناڈالے اللہ کے کئی شریک۔

قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ

سوال کرو، کہ "اُن کے نام تو بتاؤ؟ یا خبر دے رہے ہو اللہ کو اُس کی، جو اُس کے علم میں زمین بھر میں نہیں ہے، یا دکھاوے کی بولی ہے"۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ

بلکہ بھلا لگنے لگا کافروں کو اپنا فریب اور روک دیے گئے راہ سے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

اور جسے بے راہ رکھے اللہ، تو نہیں ہے اُس کا کوئی رہنما●

(تو کیا ہے کوئی) اُس کے برابر، اُس جیسا؟ (وہ اللہ) تعالیٰ ہی (تو ہر ہستی پر نگرانی فرمانے والا ہے جو ان کے کرتوت ہوں)۔ نیک و بد سب کو ملاحظہ فرمانے والا ہے۔ یعنی وہ تمام انسانوں کے احوال کا جاننے والا ہے اور ان کے تمام مطالب کی تکمیل پر قادر ہے۔ وہ دُنیا میں ان کو نفع پہنچانے اور ان سے ضرر دُور کرنے پر قادر ہے اور آخرت میں اطاعت گزاروں کو ثواب عطا فرمانے اور نافرمانوں

کو عذاب دینے پر قادر ہے۔۔الختصر۔۔جو ہر شخص کے اعمال کا نگراں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔کیا اس میں مثل اور کوئی ہوسکتا ہے؟ اور کیا یہ بُت جو کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں، یہ اُس کے مثل ہو سکتے ہیں؟ جو ہر شخص کے اعمال کا نگراں ہے اور جو ہر شخص کو نفع اور نقصان پہنچانے پر قادر ہے۔

اس کے باوجود منکروں (اور کافروں نے بناڈالے اللہ) تعالیٰ (کے کئی شریک)۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو نہیں مانا اور اُس کی تعظیم و تکریم اور اس کی عبادت نہیں کی اور غیر خدا کو خدا کا شریک قرار دینے کی جرأت کر ڈالی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے خود ساختہ شرکاء کے متعلق فرمایا۔۔

اَے محبوب! اِن مشرکوں سے (سوال کرو کہ ان کے نام تو بتاؤ) یعنی یہ اس قدر حقیر اور بے مایہ ہیں، کہ یہ اس لائق نہیں کہ ان کا نام لیا جائے۔۔یا۔۔ان کا کوئی نام رکھا جائے، اور اگر وہ یہ کہیں کہ ان شرکاء کے نام لات، منات، عزیٰ اور ھبل ہیں، تو سوال کرو کہ کیا ان نام والوں کا کوئی وجود بھی ہے؟ (یا خبر دے رہے ہو اللہ) تعالیٰ (کو اُس کی جو اُس کے علم میں زمین بھر میں نہیں ہے)۔

زمین کی قید اس لیے لگائی کہ مشرکین لات اور منات وغیرہ کو صرف زمین میں خدا کا شریک مانتے تھے۔اور ظاہر ہے کہ جس چیز کے زمین میں ہونے کو اللہ تعالیٰ نہ جانتا ہو، وہ زمین میں ہو ہی نہیں سکتی، کیوں کہ جو چیز زمین میں ہے اس کا اللہ تعالیٰ کو علم ہے اور جب اللہ تعالیٰ کو ان کے ہونے کا علم نہیں ہے، تو یہ اس کو مستلزم ہے کہ زمین میں ان شرکاء کا کوئی وجود نہیں ہے۔

۔۔الختصر۔۔کافرو! جواب دو کہ کوئی ان بتوں کے نام کا ہے بھی؟ (یا) یہ صرف تمہاری (دکھاوے کی بولی ہے) یعنی معنی و حقیقت سمجھے بغیر یوں ہی نام رکھ دیتے ہو جیسے حبشی کا نام کافور رکھنا ۔۔یا۔۔کسی محال کو موجود فرض کر کے اس کو کسی نام سے پکارنے لگنا۔ دراصل حقیقت یہی ہے کہ اس طرح کے نام والوں کا وجود نہیں ہے (بلکہ بھلا لگنے لگا کافروں کو اپنا فریب) یعنی کافروں کے لیے ان کا فریب خوبصورت بنادیا گیا (اور) وہ (روک دیے گئے راہِ) حق (سے، اور جسے بے راہ رکھے اللہ) تعالیٰ، (تو نہیں ہے اس کا کوئی رہنما)۔

کافروں کے مکر و فریب سے مراد اُن کا کفر ہے۔شیطان نے اُن کے لیے اِس کفر کو

مزین کردیا تھا۔۔یا۔۔کافر ایک دوسرے کے سامنے کفر کی تعریف اور تحسین کرتے تھے۔۔
یا۔۔وہ خود اپنے کفر کو اچھا اور قابل تعریف جانتے تھے، کیوں کہ ان کا کفران کے باپ دادا
کی تقلید پر مبنی تھا۔ان کو راہِ حق سے روکنے والی ان کی یہی باپ دادا کی تقلید تھی۔۔نیز۔۔وہ
نبی کریم ﷺ کو اپنا جیسا بشر گردانتے تھے اور اپنے جیسے ایک شخص کو رہنما اور مقتدا مان لینا ان
کے لیے باعثِ عار تھا، اور ان کا یہ تکبر ان کو راہِ حق سے روکنے والا تھا، اور چونکہ انہوں نے
اپنے لیے گمراہی کا راستہ اختیار کیا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان میں گمراہی کو پیدا کردیا۔اس
لیے فرمایا کہ جس کو اللہ گمراہ کردے، اس کے لیے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

ذہن نشین رہے کہ کسی کام کا عزم کرنا بندے کے اختیار میں ہے، اور عزم کے بعد اُس
بندے میں اس کو پیدا کردینا یہ خدا کا کام ہے۔گمراہ کی دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب
اُس کے اُسی گمراہی کے عزم کی وجہ سے ہے۔اس سے پہلی آیتوں میں کفار کے جرائم کو بیان
فرمایا تھا، اور اگلی آیت میں جرائم کی سزا کو بیان فرمایا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے۔۔۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ

اُن کے لیے عذاب ہے دنیاوی زندگی میں، اور بے شک آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے۔

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

اور نہیں ہے اُن کا اللہ سے کوئی بچانے والا●

(ان کے لیے عذاب ہے دنیاوی زندگی میں) قتل، قید، قحط اور مصیبتوں کے ساتھ۔البتہ
(اور بے شک آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے) دنیاوی عذاب سے۔(اور نہیں ہے اُن کا اللہ) تعالیٰ
کے عذاب (سے کوئی بچانے والا)، یعنی کوئی نگاہ رکھنے والا کہ ان پر عذاب ہونے سے انہیں بچالے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا

جنت کا بیان ہے، جس کا وعدہ کیا گیا ڈر والوں کو، بہتی ہیں اس کے نیچے نہریں۔ان کے میوے اور سائے سدا بہار۔

دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

یہ انجام ہے ان کا جو ڈرا کیے۔اور کافروں کا انجام آگ ہے●

قرآنِ مجید کا اسلوب یہ ہے کہ وہ کافروں کا انجام ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کے انجام
کا ذکر فرماتا ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ

نے کافروں کے انجام کا ذکر فرمایا تھا، سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے اُخروی انجام کا ذکر فرمایا ہے۔ اب یہ۔۔۔

(جنت کا بیان ہے جس کا وعدہ کیا گیا ڈر والوں کو)۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی تین[۳] صفات بیان فرمائی ہیں۔

﴿۱﴾۔۔(بہتی ہیں اس) کے درختوں یا مکانوں (کے نیچے نہریں)، ﴿۲﴾۔۔(ان کے میوے) یعنی ان کی نوعیں، ﴿۳﴾۔۔(اور سائے سدا بہار) ہیں۔

دنیا کے باغات کے پھل پتے اور منافع عارضی ہوتے ہیں اور فنا ہو جاتے ہیں، اور آخرت کے باغات کے پھلوں کی نوع اور منافع فنا نہیں ہوتے۔۔ الغرض۔۔ ان پھلوں کی نوع دائمی رہے گی اور مشخص پھل فنا ہوتے رہیں گے۔ جنت کا سایہ بھی دائمی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جنت میں نہ گرمی ہوگی نہ سردی ہوگی۔ نہ وہاں سورج اور چاند ہوں گے اور نہ وہاں اندھیرا ہوگا۔ وہ جنت جس کی صفت بیان کی گئی ہے۔۔۔

(یہ انجام ہے ان کا جو ڈرا کیے) یعنی یہ ان لوگوں کے حال کا مآل اور ان کے کام کا انجام ہے جنہوں نے پرہیزگاری کی **(اور)** اُس کے برخلاف **(کافروں)** کے احوال و افعال **(کا انجام)** جہنم کی **(آگ ہے)**۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ

اور جنہیں دی ہے پہلے ہم نے کتاب، وہ خوش ہوتے اُس سے جو اتارا گیا تمہاری طرف، اور کافروں کی پارٹیوں میں سے وہ ہے،

مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ

جو انکار کر دیتا ہے اس میں سے کچھ کا۔ تم سب سے کہہ دو، کہ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کو معبود جانوں اور اُس کا کوئی شریک نہ بناؤں۔

اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

اُسی کی طرف میں "بلا رہا ہوں اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے"●

(اور جنہیں دی ہے پہلے ہم نے کتاب وہ) مومنین اہل کتاب۔۔ مثلاً: حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ایمان والے ساتھی اور اسی[۸۰] آدمی نصاریٰ میں سے، جن میں چالیس[۴۰] نجرانی تھے اور آٹھ[۸] یمنی اور بتیس[۳۲] حبشی، یہ لوگ **(خوش ہوتے)** ہیں **(اس سے جو اتارا گیا تمہاری طرف)** یعنی قرآن کریم۔ کیونکہ یہ لوگ قرآنِ مجید پر ایمان لائے تھے اور انہوں نے قرآنِ مجید کی تصدیق کی تھی۔ **(اور)** ان

کے برخلاف (کافروں کی پارٹیوں میں سے وہ ہے جو انکار کر دیتا ہے اس میں سے کچھ کا) یعنی جو ان کی شریعت کے خلاف ہے، اس کے منکر ہو جاتے ہیں، جیسے حیی ابن اخطب، کنانہ بن ربیع اور اس کے تابع یہود اور اسید اور عاقب اور اس کے تابع نصاریٰ۔ اَے محبوب! (تم) ان (سب سے کہہ دو کہ مجھے یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ) تعالیٰ (کو معبود جانوں اور اس کا کوئی شریک نہ بناؤں) اور وہ نہ کروں جو تمہارے بعض کر بیٹھے، کہ حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو خدا کا شریک بنا دیا۔ میرا تو سیدھا پیغام ہے کہ (اُسی) معبودِ برحق (کی طرف میں بُلا رہا ہوں) اُس کی دعوت دے رہا ہوں (اور) ایسا کیوں نہ ہو، کہ بالآخر (اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے)۔

بعض مشرکین کو یہ شبہ ہوتا تھا کہ یہ قرآنِ کریم عربی میں کیوں نازل کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کو زائل فرمایا، کہ اس سے پہلے انبیاءِ کرام پر جو کتابیں اور صحائف نازل کیے گئے وہ اُن کی زبانوں میں تھے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے کہ۔۔۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ

اور اسی طرح اتارا ہم نے حکم عام عربی زبان میں۔ اور اگر تم بالفرض، پیچھے چل پڑتے ان کافروں کی خواہشوں کے، بعد اس کے کہ

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع ۵ ۱۱

آچکا تھا تمہیں علم، تو نہ رہ جاتا تمہارا اللہ کی طرف سے کوئی مددگار، نہ کوئی بچانے والا ●

(اور اِسی طرح) یعنی جس طرح اگلے انبیاء پر ان کی امتوں کی زبانوں میں ہم نے کتابیں بھیجیں (اتارا ہم نے حکم عام عربی زبان میں)، ایسی محکم کتاب جس میں منسوخ اور متغیر ہونے کی گنجائش نہیں۔۔یا یہ۔۔ کتاب حکم کرنے والی ہے حق و باطل کے درمیان۔ ہم نے اُسے عربی زبان میں اس لیے بھیجا تاکہ اہل عرب کو اسے یاد کرنا اور سمجھنا آسان ہو۔

اَے محبوب! ہم جان رہے ہیں کہ مشرکین کی دلی خواہش یہی ہے، کہ آپ اُن کے باپ دادا کے دین کی طرف آجائیں۔۔یا۔۔ یہودیوں کی خواہش یہ ہے کہ آپ اُن کے قبلے کو پھر اپنا قبلہ بنالیں، لیکن آپ نے ان کی خواہشوں کا پاس ولحاظ نہیں کیا۔ (اور اگر تم بالفرض پیچھے چل پڑتے اِن کافروں کی خواہشوں کے، بعد اِس کے کہ آچکا تھا تمہیں علم) کہ بت پرستوں کا طریقہ باطل ہے اور یہود کے قبلے کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم منسوخ ہے، (تو نہ رہ جاتا تمہارا اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے کوئی مددگار اور نہ کوئی بچانے والا)۔

اس میں اہل ایمان کے لیے سخت تنبیہ ہے کے وہ اپنے کو باطل خواہشات کی پیروی کرنے سے بچاتے رہیں۔ یہودیوں کی عجب روش تھی کہ خواہ مخواہ کے لیے حضور ﷺ پر عیب لگانے کی کوشش کرتے رہے، کہ بعض یہود عیب لگانے کے طور پر کہتے تھے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو بار بار عورتوں سے نکاح کرتے ہیں؟ اور متعدد عورتیں ان کے نکاح میں ہیں۔ یہ انہیں عورتوں کے ساتھ مشغول رہتے ہیں، تو اگر یہ پیغمبر ہوتے تو فریضۂ نبوت کی ادائیگی کا خیال انہیں عورتوں کے ساتھ مشغول رہنے سے باز رکھتا۔ تو ارشاد الٰہی نازل ہوا کہ۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ

اور بے شک بھیجا ہم نے کئی رسول تم سے پہلے اور کیے ہم نے اُن کی بیویاں اور اولاد۔ اور نہیں ہے

لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

کسی رسول کو، کہ لے ہی آئے نشانی، مگر اللہ کے حکم سے۔ ہر مدّت لکھی ہوئی ہے●

(**اور بے شک بھیجا ہم نے کئی رسول تم سے پہلے اور کیے ہم نے ان کی بیویاں اور اولاد**)۔

تو جب سابق رسولوں کے اہل وعیال اور تعدد ازواج ان کی رسالت کے منافی نہیں، تو پھر آپ کے حق میں اُسے کیسے رسالت کے منافی قرار دیا جا سکتا ہے۔ مشرکین بھی کسی رسول کے لیے اہل وعیال والا ہونا درست نہیں قرار دیتے تھے، بلکہ وہ حیرت میں یہ بھی بول جاتے تھے کہ یہ کیسے رسول ہیں جو کھانا کھاتے ہیں، پانی پیتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ ان کے خیال میں نبی کو فرشتہ ہونا چاہیے، جبھی تو نبی کے کھانے پینے پر بھی اعتراض کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم کی مذکورہ بالا آیت نے ان کے خیال کو باطل قرار دے دیا۔

اب آگے آیت میں مشرکین کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے، کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ واقعی اللہ کی طرف سے رسول ہوتے، تو ہم ان سے جس معجزہ کو بھی طلب کرتے وہ پیش کر دیتے اور اس میں بالکل توقف نہ کرتے، کہ جب یہ ہمارا مطلوبہ معجزہ نہ پیش کر سکے، تو واضح ہو گیا کہ یہ اللہ کے رسول نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اس کا یہ جواب دیا۔

(اور) واضح فرما دیا کہ (**نہیں ہے کسی رسول کو کہ لے ہی آئے نشانی مگر اللہ**) تعالیٰ (**کے حکم سے۔ ہر مدت لکھی ہوئی ہے**)۔ یعنی ہر ایک وقت کے واسطے حکم لکھا ہوا ہے، جب وہ وقت آتا ہے تو حکم ظہور پاتا ہے۔۔۔یا۔۔۔ خلق کی 'اجلوں' میں سے ہر ایک 'اجل' کے واسطے خدا کے پاس ایک کتاب

ہے، کہ خدا کے سوا خلق کی 'اجلوں' سے کسی کو اطلاع نہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہر وقت کے لیے ایک حکم لکھا ہوا ہے اور مقرر ہے، ہر حکم بندے کی اہلیت وصلاحیت کے مطابق مبنی برحکمتِ الٰہی صادر ہوتا ہے، امتوں اور زمانوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے بہ مقتضائے حکمتِ الٰہی احکام بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں۔

یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

اللہ مٹائے جسے چاہے، اور وہی ثابت بھی رکھتا ہے۔ اور اس کے پاس ہے لکھے ہوئے کی بنیاد●

(اللہ) تعالیٰ (مٹائے جسے چاہے اور وہی ثابت بھی رکھتا ہے) جسے چاہتا ہے۔ (اور اس کے پاس ہے) ہر **(لکھے ہوئے کی بنیاد)**۔ یعنی اصل کتاب اُسی کے پاس ہے اور وہ لوحِ محفوظ ہے۔ جتنی چیزیں ہونے والی ہیں، سب اس میں لکھی ہوئی ہیں اور جو کچھ ہو چکا اور جو ہوتا ہے اور جو ہوگا سب اس میں مفصل اور مشرح لکھا ہے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ نامہ اعمال میں جو اعمال ایسے ہیں کہ ان سے کچھ جزا متعلق نہیں، انہیں مٹا دیتا ہے اور باقی ثابت چھوڑتا ہے۔ یعنی بندے سے جو اقوال وافعال صادر ہوتے ہیں نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے جب وہ لکھ کر جنابِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں، تو حق تعالیٰ اس قول اور فعل کو اس میں سے مٹا دیتا ہے۔ جس پر کچھ ثواب اور عذاب نہیں اور باقی سب اعمال کو ثابت رکھتا ہے۔۔ یا یہ۔۔ معنی ہیں کہ توبہ کرنے والے کا گناہ مٹا دیتا ہے اور ان کے بدلے نیکیاں لکھ دیتا ہے۔

۔۔یا۔۔ بعضے احکام شرع زمانے کی مصلحت کے موافق منسوخ کر دیتا ہے اور دوسرے احکام لکھ دیتا ہے۔۔یا۔۔ جوانی کی قوت اور تازگی مٹاتا ہے اور بڑھاپے کی پژمردگی اور ضعف بڑھاتا ہے۔ بعض کا یہ کہنا ہے، کہ حق تعالیٰ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، مگر چھ۶ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو مٹنا نہیں پہنچتا۔

۱۔۔سعادت ۲۔۔شقاوت ۳۔۔موت ۴۔۔حیات ۵۔۔رزق ۶۔۔اَجل

۔۔۔یہ بھی ایک قول ہے کہ اللہ جل شانہ کے پاس دو کتابیں ہیں: ایک ہے 'اُمُّ الْكِتٰب کے سوا' محو واثبات کا تعلق اِسی کتاب سے ہے۔ اور دوسری ہے **اُمُّ الْكِتٰب** جس میں تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔ اس کے تعلق سے اور بہت سارے اقوال ہیں، یہ مختصر جس کا متحمل نہیں۔ جب ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے تو وہ اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی، اس لیے کافروں کے

لیے جو عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کو تو اپنے وقت پر بہر حال آنا ہی ہے، اور اُس کے وقت کا علم خدائے قادرِ مطلق کو ہے۔۔۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا

اور اگر ہم دکھادیں تمہیں کو بعض وعدہ جو ہم دیتے ہیں انہیں یا تمہاری مدت پوری کردیں، تو تم پر

عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾

صرف پہنچا دینا ہے، اور ہمیں پر حساب لینا ہے●

(اور) اَے محبوب! (اگر ہم دکھادیں تمہیں کو بعض وعدہ) کی تکمیل (جو ہم دیتے ہیں انہیں یا) اس سے پہلے دنیا میں (تمہاری مدتِ) حیات (پوری کردیں) اور اپنے پاس بُلا لیں اور آپ اس وعدے کی تکمیل کا منظر نہ دیکھ سکیں، اس سے آپ کے فریضۂ نبوت کی ادائیگی پر کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ کا جو پیغام تھا آپ نے اُسے پہنچادیا۔ آپ کا فریضہ تو قرآن مجید کا پہنچانا تھا اور احکام شرعیہ کی تبلیغ کرنا ہے۔ (تو) اے محبوب! (تم پر صرف پہنچادینا ہے اور) رہ گیا کافروں کا معاملہ، تو (ہمیں پر) ان سے (حساب لینا ہے)۔

ویسے بھی وعدۂ الٰہی کے بہ عجلت نازل ہونے کی خواہش کرنے والوں کے تعلق سے ارشادِ الٰہی ہے، کہ۔۔۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ

کیا انہیں سجھائی نہیں دیتا، کہ ہم گھٹاتے جارہے ہیں اُن کی اراضی، آبادی کو ہر طرف سے۔ اور اللہ حکم فرماتا ہے،

لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

کوئی ہٹانے والا نہیں اُس کے حکم کا۔ اور وہ جلد حساب کرنے والا ہے●

(کیا انہیں سجھائی نہیں دیتا کہ ہم گھٹاتے جارہے ہیں ان کی اراضی، آبادی کو ہر طرف سے) جس سے کافروں پر عذابِ الٰہی کے نازل ہونے کی علامتیں ظاہر ہوچکی ہیں۔

جن علاقوں پر کفار کا قبضہ اور اقتدار تھا، وہ کم ہوکر سمٹتے جارہے ہیں اور مسلمان ان علاقوں کو فتح کرکے ان پر قبضہ کرتے جارہے ہیں۔۔ یا یہ۔۔ کہ کفار یہ نہیں دیکھتے کہ دنیا میں تخریب اور تعمیر کا عمل مسلسل جاری ہے۔ موت کے بعد حیات ہے اور ذلت کے بعد

عزت ہے، اور نقص کے بعد کمال ہے اور بیماری کے بعد صحت ہے۔غرض دنیا میں تغیرات اور حوادث مسلسل رُو بہ عمل رہتے ہیں۔تو کفار کو یہ خوف وخطرہ کیوں نہیں ہوتا، کہ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے احوال پلٹ دے گا اور ان کو عزت کے بعد ذلت میں مبتلا کردے گا۔

زمین کی اطراف میں کمی کی ایک تقریر یہ بھی کی گئی ہے کہ زمین پر جو مقتدر، معزور اور متکبر لوگ تھے، وہ مرتے رہے اور زمین ان سے خالی ہوتی رہی، تو اِس وقت جو کافر متکبر اور مغرور ہیں وہ کس وجہ سے مطمئن اور بے خوف ہیں۔جیسے پچھلی امتوں کے جابر لوگ۔۔مثلاً: فرعون، ہامان، نمرود وغیرہ زمین خالی کر کے دنیا سے گزر چکے ہیں، سو یہ بھی اُسی طرح دنیا سے گزر کر زمین کو خالی کر جائیں گے۔

(اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (حکم فرماتا ہے، کوئی ہٹانے والا نہیں اس کے حکم کا) یعنی اس کے احکام سے معارضہ کرنے والا کوئی نہیں **(اور وہ جلد حساب کرنے والا ہے)**۔۔چنانچہ۔۔کافروں کو ان کے جرائم کی قرار واقعی سزا دے گا۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ۭ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ

اور بے شک خوب داؤں چلے ہیں جو ان سے پہلے کے ہیں، تو اللہ ہی کے لیے ساری تدبیر۔وہ جانتا ہے جو کمائی کرے

كُلُّ نَفْسٍ ۭ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝۴۲

کوئی شخص۔اور جلد جان لیں گے کفار، کہ کس کے لیے ہے گھر کا انجام خیر●

(اور بے شک خوب داؤں چلے ہیں جو ان سے پہلے کے ہیں) یعنی پہلی امتوں کے کافروں نے اپنے نبیوں اور رسولوں کے خلاف خوب سازشیں کی تھیں **(تو اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے) ہے (ساری تدبیر)**۔بے شک **(وہ جانتا ہے جو کمائی کرے کوئی شخص)** یعنی اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی سازش کا علم ہوتا ہے، کیونکہ جب کوئی سازش کرتا ہے تو اس کے نتیجے میں ہونے والی کارروائی کو بھی وہی پیدا کرتا ہے، کیونکہ ہر چیز کا خالق وہی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ ان کو ان کی سازشوں کی سزا دے گا۔**(اور جلد جان لیں گے کفار، کہ کس کے لیے ہے گھر کا انجام خیر)** یعنی اچھا گھر اور ثواب کس کو ملے گا؟ ان کفار کی سرکشی۔۔۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۭ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا

اور بک دیتے ہیں کافر، "کہ تم رسول ہی نہیں ہو"۔جواب دے دو" کہ اللہ کافی گواہ ہے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝۴۳ ع ۱۲

میرے اور تمہارے درمیان۔ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے"●

(اور) منہ زوری کا عالم یہ ہے، کہ (بک دیتے ہیں کافر) لوگ (کہ تم رسول ہی نہیں ہو) یعنی خدا نے اپنا رسول بنا کر ہماری ہدایت کے لیے بھیجا ہی نہیں۔ اَے محبوب! ان عقل کے اندھوں کو (جواب دے دو، کہ اللہ) تعالیٰ (کافی گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان۔ اور وہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے) وہ بھی گواہ ہے۔

اب اگر کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام گواہ ہوئے، جو لوحِ محفوظ سے وحی لیتے ہیں۔ اور اگر کتاب سے مراد قرآنِ کریم ہے، تو گواہ سارے مومنین ہوئے۔ اور اگر کتاب سے مراد توریت ہے، تو اس کے عالم حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ایماندار رفقاء گواہ ہوں گے۔ یہ آخری توجیہہ اُس وقت صحیح ہوگی جب سورۂ رعد جو مکی ہے، اس کی اس آیت کو مدنی قرار دیا جائے۔ ایک بہتر صورت یہ بھی ہے، کہ اس سلسلے میں کسی خاص نام کی تصریح کیے بغیر عمومی طور پر یہ کہہ دیا جائے، کہ کتاب کے علم والے سے مراد قرآن کریم ۔۔یا۔۔ توریت کا علم رکھنے والے علمائے ربانیین کا ہر فرد ہے۔ اور چونکہ رب تعالیٰ نے علم کتاب رکھنے والے ہر فرد کو اپنے رسول کی رسالت کا گواہ قرار دے دیا ہے، تو اگر کوئی ایک عالم بھی گواہی پیش کرے، تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی گواہی اس سے معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رسالت کے ثبوت میں معجزات نازل فرمائے۔ یہ معجزات قطعی طور پر یہ دلالت کرتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہادت ہے، کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

بعونہٖ تعالیٰ سورۂ رعد کی تفسیر آج بتاریخ
۶ ررمضان المبارک ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۷ اراگست ۲۰۱۰ء
بروز سہ شنبہ مکمل ہوگئی۔ دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآن
کریم کی سورتوں کی تفسیر کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے۔
آمین بِجَاہِ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

بفضلہٖ تعالیٰ سورۂ ابراہیم کی تفسیر کا آغاز آج بتاریخ

۷ر رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ --مطابق-- ۱۸ر اگست ۲۰۱۰ء

بروز چہارشنبہ کو کردیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی اور باقی

قرآن کریم کی تفسیر کو مکمل کرنے کی سعادت عطا فرمائے۔

آمین بِجَاہِ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

سُورَۃُ اِبْرٰهِیْمَ ۱۴ مَکِّیَّۃٌ | # سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ | اٰیَاتُہَا ۵۲ رُکُوْعَاتُہَا ۷

سورۂ ابراہیم مکیۃ | آیات ۵۲ رکوع ۷

اِس سورہ کا نام 'ابراہیم' ہے، کیونکہ اس سورت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ نام رکھنے کے لیے صرف اِسی قدر مناسبت کافی ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں جہاں بھی وہ مناسبت ہو وہاں وہ نام بھی ہو۔ جمہور مفسرین کے نزدیک آیت نمبر ۲۸ اور ۲۹ کے سوا پوری سورۂ مبارکہ مکی ہے۔ یہ دوٗ آیتیں مشرکین بدر کے متعلق نازل ہوئی تھیں۔ یہ سورہ 'سورۂ شوریٰ' کے بعد اور انبیاء سے پہلے نازل ہوئی۔ 'سورۂ رعد' اور 'سورۂ ابراہیم' دونوں ہی مکی سورتیں ہیں، اور دونوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کے دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ اور پچھلی امتوں میں جن کافروں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی تھی، ان پر نازل ہونے والے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ 'سورۂ رعد' قرآنِ مجید کے ذکر پر ختم ہوئی اور 'سورۂ ابراہیم' کی ابتداء قرآنِ مجید کے ذکر سے ہوئی۔ ایسی مبارک ومسعود سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو سارے بندوں پر (بڑا مہربان) ہے اور خاص کر کے مومنین کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓرٰ

ال راء۔۔۔

(ال راء)

اللہ تعالیٰ ہی حقیقی طور پر جانتا ہے کہ اِن کلمات سے اُس کی اپنی مراد کیا ہے؟۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ کے بتانے سے وہ جانے جن پر اِن کلمات کو نازل فرمایا گیا ہے۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ کے وہ محبوبین جانیں جن کو رب کریم نے ان کا علم عطا فرما دیا ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حروفِ مقطعات مومن کی تصدیق اور کافر کی تکذیب کی آزمائش ہیں۔ مومن تو برملا ان کے حق اور منجانب اللہ ہونے کی تصدیق کردے گا، یہ کام کافروں سے نہ ہو سکے گا۔ بعض مفسر اس بات پر ہیں، کہ یہ حروف قرآنِ کریم کے نام ہیں۔ اِس توجیہہ پر کہہ سکتے ہیں کہ الٓرٰ یعنی قرآن کریم وہ عظیم۔۔۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

کتاب ہے، نازل فرمایا ہم نے اُس کو تمہاری طرف، تاکہ نکال دو تم لوگوں کو تاریکیوں سے اُجالے کی طرف۔۔۔

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

اُن کے پروردگار کے حکم سے، عزت والے سراہے ہوئے ● اللہ کی راہ کی طرف، وہ کہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے،

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ﴿۲﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے، اور ہلاکی ہے کافروں کی سخت عذاب سے ●

(کتاب ہے) کہ (نازل فرمایا ہم نے اس کو تمہاری طرف تاکہ) اُس کے مضمون کے ساتھ دعوت کرنے کے سبب سے (نکال دو تم لوگوں کو) کفر۔۔یا۔۔نفاق۔۔یا۔۔شک۔۔یا۔۔بدعت کی (تاریکیوں سے) ایمان۔۔یا۔۔اخلاص۔۔یا۔۔سنت کے (اُجالے کی طرف، اُن کے پروردگار کے حکم سے) یعنی اس کی توفیق اور آسان کردینے کے ساتھ۔

ذہن نشین رہے کہ گمراہی کی ہر قسم ظلمات میں داخل ہے، اور نور، ہدایت کی ہر قسم کو شامل ہے۔ اب حاصل یہ ہوگا، کہ۔۔۔

اَے محبوب! قرآن کی دعوت کے سبب سے لوگوں کو گمراہی سے چھڑا اور سیدھی راہ پر لگا، یعنی (عزت والے سراہے ہوئے اللہ) تعالیٰ (کی راہ کی طرف) لا۔۔الغرض۔۔انہیں خدا تک پہنچانے

والے راہِ مستقیم کی ہدایت فرما اور وہ راہ دین اسلام ہے۔

پھر **عزیز** اور **حمید** کی صفت میں فرماتا ہے۔۔۔

کہ خدائے عزیز وحمید (وہ) ہے (کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے) یعنی آسمانی موجودات (اور جو کچھ زمین میں ہے) یعنی زمینی مخلوقات۔ اَے محبوب! واضح کردو (اور) فرمادو کہ (ہلاکی ہے کافروں کی) جو قرآن پر ایمان نہیں لاتے (سخت عذاب سے) جو انہیں پہنچے گا۔ کافر وہ لوگ ہیں۔۔۔

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ

جو دل سے بڑھائیں دنیاوی زندگی کو آخرت پر۔ اور روکیں

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۳

اللہ کی راہ سے، اور چاہیں اُسے کج۔ وہ لوگ دراز گمراہی میں ہیں ●

(جو) جہالت کی وجہ سے (دل سے بڑھائیں دنیاوی زندگی کو آخرت پر) یعنی دوست رکھتے ہیں اور بہتر جانتے ہیں دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں (اور) ان کا حال یہ ہے، کہ (روکیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے) یعنی لوگوں کو رسولِ مقبول ﷺ اور قرآن کریم پر ایمان لانے سے منع کرتے ہیں (اور چاہیں اُسے کج) یعنی اس میں کجی چاہتے ہیں اور کسی ٹیڑھے پن کے متلاشی ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ راہ ٹیڑھی ہے۔ اس راہ پر چلنے والے منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتے۔ بے شک (وہ لوگ) جو اِن صفتوں سے موصوف ہیں (دراز گمراہی میں ہیں) یعنی گمراہی میں ہیں حق سے بہت دور۔

قریش کہتے تھے کہ جتنی کتابیں نازل ہوئیں سب عجمی زبانوں میں نازل ہوئیں، یہ کیا بات ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جو کتاب نازل ہورہی ہے، وہ عربی زبان میں اترتی ہے۔ اس پر ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول، مگر اپنی قوم کی زبان میں، تاکہ وہ بیان کردیں اُن سے، پھر بے راہ رکھے اللہ

مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۴

جسے چاہے، اور راہ دکھائے جسے چاہے۔ اور وہ عزت والا حکمت والا ہے ●

(اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اپنی قوم کی زبان میں) یعنی اس کی زبان وہی رہی جو اس کی قوم کی زبان تھی، جس قوم میں وہ رسول تھا اور جس میں پیدا ہوا اور جن کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا۔ اس واسطے کہ ہر پیغمبر کو پہلے اپنے قرابت والوں کو دعوت اور ہدایت کرنی چاہیے۔ تو حق تعالیٰ نے سارے انبیاءِ کرام کو ان کی قوم کی زبان کے ساتھ ان کی قوم میں بھیجا (تاکہ وہ بیان کر دیں ان سے) اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی اور وہ لوگ سمجھ لیں اور یہ عذر نہ کریں کہ ہم اِس نبی کی بات نہیں سمجھتے۔

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہر پیغمبر جس قوم میں مبعوث فرمایا گیا اس کا ہم زبان رہا اور نبی کریم تو ساری قوموں کی طرف مبعوث کیے گئے، لیکن ان کی کتاب صرف انہیں کے خاندان قریش اور قومِ عرب کی زبان میں نازل فرمائی گئی، جس کی وجہ سے دوسری قوموں میں قرآنی ہدایات کو پیش کرنے کے لیے ان کی زبانوں میں اس کے ترجمے اور اس کی ترجمانی کی ضرورت پیش آ گئی، تو اس میں کیا حکمت ہے؟

اس سلسلے میں علماء کا کہنا یہ ہے کہ زبانوں کے اختلاف سے الفاظ مختلف ہوتے ہیں اور جس لغت کے الفاظ اور معانی ان امتوں کی زبان کے موافق نہیں ہیں وہ انہیں سکھانے اور سمجھانے میں بڑی کوشش کرنی پڑتی ہے اور اس کوشش کی بڑی فضیلت ہے اگر ہر امت کی زبان میں ایک ایک کتاب نازل ہوتی، تو اس کوشش کا فضل ضائع ہو جاتا۔۔نیز۔۔اس کتابِ الٰہی سے جو علوم شاخ در شاخ نکلتے ہیں، لوگ ان علوم سے محروم رہ جاتے۔ تو اس کتاب کا ایک ہی لغت میں نازل ہونا محض فضل اور عینِ حکمت ہے۔

۔۔الحتصر۔۔انبیاءِ کرام کا فریضہ ہے خدائی اوامر ونواہی کا صاف صاف واضح لفظوں میں اپنی اپنی قوم سے بیان فرما دینا اور اتمام حجت فرما دینا۔ (پھر بے راہ رکھے اللہ) تعالیٰ (جسے چاہے اور راہ دکھائے جسے چاہے)۔ یعنی جسے چاہتا چھوڑ دیتا ہے پھر وہ گمراہ ہو جاتا ہے، اور جسے چاہتا ہے اُسے ہدایت کی توفیق عطا فرماتا ہے، تو وہ راہ پر آ جاتا ہے (اور وہ عزت والا) اور غالب ہے اپنے حکم میں اور (حکمت والا ہے) یعنی درست کام والا ہے، کہ اس کا گمراہ رہنے دینا اور ہدایت فرمانا حکمت کے رُو سے ہے۔

اب آگے اندھیروں سے اجالے کی طرف نکالنے والے انبیاء کرام کے قصوں میں سے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا۔ ان قصوں میں نبی کریم ﷺ کے لیے صبر کی ترغیب ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوا۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

اور بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ، کہ نکال لے جاؤ اپنی قوم کو اندھیریوں سے اُجالے کی طرف۔۔۔

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵

اور یاد دلاؤ انہیں اللہ کے دن۔ بے شک اِن میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے ●

(اور) فرمایا گیا کہ (بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ) یعنی کھلے ہوئے معجزوں کے ساتھ۔۔ مثلاً: عصا اور ید بیضا وغیرہ اور کہا (کہ نکال لے جاؤ اپنی قوم) بنی اسرائیل (کو) جہالت وشبہات کی (اندھیریوں سے) علم ویقین کے (اُجالے کی طرف)۔۔یا۔۔ قبطی قوم کو جس کی طرف آپ مبعوث ہوئے، اُن کو کفر کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی کی طرف نکال لاؤ۔۔ (اور یاد دلاؤ انہیں اللہ) تعالیٰ (کے دن) یعنی اُن دنوں سے انہیں ڈراؤ جن دنوں میں حق تعالیٰ نے اگلے کافروں پر عذاب نازل کیا۔۔یا۔۔ بنی اسرائیل کو اُس دِن کی یاد دلاؤ جن دنوں میں وہ اہل فرعون کے ہاتھ میں گرفتار تھے۔ (بے شک ان میں نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے) جو بلاؤں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں پر شاکر رہتے ہیں۔ اے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ

اور جب کہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو، کہ یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر، جب کہ بچالیا

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ

تم کو فرعونیوں سے، کہ جو بُری طرح تم کو ستاتے رہے، اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے،

وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ ع ۱۳

اور تمہاری بیٹیاں زندہ چھوڑ رکھتے۔ اور ان حالات میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش رہی ●

(اور) اپنے علم وادراک میں حاضر کرلو اُس وقت کو (جب کہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم) بنی اسرائیل (کو، کہ) اے میری قوم! (یاد کرو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت اپنے اوپر جب کہ بچالیا تم کو فرعونیوں سے، کہ جو بُری طرح تم کو ستاتے رہے) اور غلام بنا کر سخت کاموں کا تمہیں حکم دیتے تھے۔ (اور) جب نجومیوں نے ان سے یہ کہہ دیا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے سبب سے فرعون کی ہلاکت ہے، تو اس وقت سے (تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے اور تمہاری بیٹیاں زندہ چھوڑ رکھتے)

تا کہ تمہاری لڑکیاں ان کی عورتوں کی خدمت کریں۔ اس محنت اور شدت (اور ان حالات میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی آزمائش رہی)۔۔یا۔۔اس نجات میں حق تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے نعمت تھی عظیم، بڑی اور بے نہایت۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ

اور جب کہ اعلان فرمادیا تمہارے پروردگار نے، کہ اگر تم شکرادا کرتے رہے، تو ہم ضرور زیادہ دیں گے تم کو، اور اگر ناشکری کی،

اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ۝

تو میری سزا بڑی سخت ہے●

(اور) یاد کرواے بنی اسرائیل اُس وقت کو! (جب کہ اعلان فرمادیا) تھا (تمہارے پروردگار نے) اور تمہیں اطلاع اور آگاہی دی تھی (کہ اگر تم شکرادا کرتے رہے) میری نعمتوں کا اور اپنے کو اپنے نبی کی نافرمانی سے باز رکھتے رہے، اس لیے کہ نبی کی نافرمانی سے باز رہنا ہی سب سے بڑا شکر الٰہی ہے۔۔الغرض۔۔اگر تم شکر گزار بندے بنے رہے (تو ہم ضرور زیادہ) نعمتیں (دیں گے تم کو، اور اگر ناشکری کی تو) اس پر (میری سزا بڑی سخت ہے) ناشکروں پر۔ عذاب کی سختی نعمت کا سلب ہوجانا ہے دنیا میں اور عقوبت واقع ہونا ہے عقبیٰ میں۔

اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی فرمایا گیا ہے، کہ اگر نعمتِ اسلام پر شکر کروگے، تو ہم تمہیں ایمان کے رتبے پر پہنچادیں گے، اور اگر نعمت ایمان پر شکر کروگے، تو ہم تمہیں 'درجہء احسان' پر پہنچادیں گے۔ اور اگر نعمتِ احسان پر شکر کروگے، تو ہم تمہیں 'مقامِ معرفت' تک پہنچادیں گے۔ اور اگر 'نعمتِ معرفت' پر شکر گزار ہوگے، تو ہم تمہیں 'مقام وصلت' پر پہنچادیں گے۔ اور اگر اُس کا شکر کروگے، تو 'مرتبہء قربت'، اور اس پر شکر کرنے میں ہم تمہیں 'خلوت گاہِ اُنس و مشاہدہ' میں داخل کردیں گے۔۔۔اس کلام حقائق اعلام سے معلوم ہوتا ہے کہ 'شکر' درجاتِ اعلیٰ پر ترقی کرنے کا زینہ ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا

اور کہا موسیٰ نے اگر ناشکرے ہوجاؤ تم اور سب جو زمین میں ہیں،

فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِيْدٌ ۝۸

تو بھی بلاشبہ اللہ، ضرور بے پرواہ سراہا ہوا ہے●

(اور کہا موسیٰ نے اگر ناشکرے ہو جاؤ تم اور سب جو زمین میں ہیں، تو بھی بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ضرور بے پرواہ سراہا ہوا ہے) وہ تمہارے شکر کا محتاج نہیں، اس لیے کہ ساری مخلوق ذرّہ ذرّہ اور قطرہ قطرہ اُس کی نعمت کا شکر کر رہی ہے اور سب چیزوں کی زبانیں اس کی تسبیح میں جاری ہیں۔ آخر میں حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا، کہ۔۔۔

ع ۲

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﯣ وَ

کیا نہیں آئیں تمہارے پاس خبریں اُن کی، جو تم سے پہلے کے ہیں، قوم نوح وعاد وثمود۔۔۔اور

الَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ﯢ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

جو اُن کے بعد ہیں۔۔انہیں کون جانے سوا اللہ کے۔لائے اُن کے پاس اُن کے رسول

بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ

روشن دلیلیں، تو لوٹا لیے انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں، اور بکنے لگے کہ ہمارا انکار ہے

(المنزل ۳)

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝۹

جسے لے کر تم بھیجے گئے ہو، اور واقعی ہم تردّد میں پڑے۔جس طرف تم ہم کو بلاتے ہو، شک رکھنے والے ہیں●

(کیا نہیں آئیں تمہارے پاس خبریں ان کی جو تم سے پہلے کے ہیں) یعنی (قوم نوح وعاد وثمود اور جو اُن کے بعد) کے (ہیں) یعنی عدنان اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان گزرنے والے تمیں قرن کے لوگ، (انہیں کون جانے سوا اللہ) تعالیٰ (کے)، یعنی ان کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ ۔۔المختصر۔۔عرب وعجم میں سے حق تعالیٰ نے بہت ساری امتیں ہلاک فرمادیں اور ان کے آثار ونشان مٹا دیے، ایسا کہ خدا کے سوا اور کسی کو ان پر اطلاع نہیں۔ (لائے ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں) اللہ جل شانہ کی کتابیں۔۔یا۔۔رسولوں کے معجزے (تو لوٹا لیے انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں) یعنی امتوں نے غصے کے مارے اپنے ہاتھ اپنے دانتوں سے کاٹے۔۔یا۔۔تعجب کے سبب اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھے۔۔یا۔۔اپنی انگلیاں اپنے منہ پر رکھ کر اشارہ کیا کہ چپ رہو۔

اور ایک قول یہ ہے، کہ۔۔۔

اپنے ہاتھ رسولوں کے مونہوں پر رکھے، کہ بات نہ کرو (اور بکنے لگے کہ ہمارا انکار ہے جسے لے کر تم بھیجے گئے ہو اور واقعی ہم تردد میں پڑے) ہوئے ہیں اس کے تعلق سے (جس طرف تم ہم کو بلاتے ہو)، یعنی ایمان اور توحید کی جو ہمیں دعوت پیش کرتے ہو، تو ان کے تعلق سے ہم (شک رکھنے والے ہیں)۔ ایسا شک جو بدگمان کرنے والا ہے یعنی شک کے ساتھ ساتھ رسولوں پر فاسد غرضوں کی تہمت بھی رکھتے تھے۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ

بولے اُن کے رسول، کہ "کیا اللہ میں شک ہے؟" پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا۔ تمہیں بلاتا ہے،

لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا

کہ بخش دے تمہارے کچھ گناہ، اور مہلت دے تم کو ایک وقت معین تک۔ سب کافر بولے،

اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ

کہ "نہیں ہو تم مگر بشر ہماری طرح، تم لوگ چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو اُن سے جن کو معبود جانتے تھے

اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۞ ۱۰

ہمارے باپ دادے، تو پھر لاؤ کھلی سند" ●

(بولے ان کے رسول، کہ کیا اللہ) تعالیٰ کے ہونے (میں شک ہے) جو (پیدا کرنے والا ہے (آسمانوں اور زمین کا) جس کے وجود اور توحید پر اتنے دلائل ہیں جن کا شمار نہیں، تو اب اس کے ہونے میں شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ وہ اتنا مہربان، کریم اور صاحبِ فضل عظیم ہے کہ (تمہیں بلاتا ہے) ایمان کی طرف تا (کہ بخش دے تمہارے کچھ گناہ) یعنی وہ گناہ جو ایمان لانے سے قبل تم سے سرزد ہوئے (اور) تا کہ (مہلت دے تم کو) یعنی عذاب دینے میں تاخیر کرے (ایک وقت معین تک) جو کہ تمہاری عمروں کا اخیر وقت ہے۔

رسولوں کے جواب میں (سب کافر بولے، کہ نہیں ہو تم مگر بشر ہماری طرح) صورت اور ہیئت میں، اور ظاہر کے رُو سے تمہیں ہم پر کچھ فضیلت نہیں، تو ہم سے تم نبوت کے لیے کیوں خاص کیے گئے۔ (تم لوگ چاہتے ہو کہ ہمیں روک دو ان سے جن کو معبود جانتے تھے ہمارے باپ دادے) اپنی پیغمبری کا دعویٰ کر کے، (تو پھر لاؤ) اپنے دعوے کی صحت پر۔۔۔یا۔۔۔فضیلتِ نبوت اور مرتبۂ رسالت کے

ساتھ اپنے مستحق ہونے پر (کھلی سند)۔ گویا کہ وہ کافر معجزہ دیکھتے تھے، مگر اعتبار نہ کرتے تھے، اور ضد اور عداوت کے مارے اور معجزات کی فرمائش کرتے تھے، جیسے رسول مقبول کے زمانے کے معاندوں کا حال تھا۔

قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى

جواب دیا انہیں اُن کے رسولوں نے، "کہ اچھا ہم نہیں مگر تمہاری طرح چہرہ والے، پھر بھی اللہ احسان فرمائے، جس پر

مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نَّاۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ

چاہے اپنے بندوں سے۔ اور ہمارا یہ کام نہیں کہ کوئی سند لائیں، مگر اللہ کے حکم سے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ ہی پر تو بھروسہ رکھتے ہیں اُس کے ماننے والے●

(جواب دیا انہیں ان کے رسولوں نے، کہ اچھا! ہم نہیں مگر تمہاری طرح چہرہ والے) یعنی جیسے تم چہرہ مہرہ رکھتے ہو ویسے ہی ہم بھی چہرہ مہرہ رکھتے ہیں۔ اور یہ بات بھی ہمیں تسلیم ہے کہ ہم تمہاری جنس سے ہیں، (پھر بھی اللہ) تعالیٰ (احسان فرمائے) نبوت کی نعمت اور رسالت کی کرامت کے سبب سے (جس پر چاہے اپنے بندوں سے)، تو اس کا اُسے پورا اختیار ہے۔ (اور) اب رہ گئی تمہاری معجزہ طلبی، تو (ہمارا یہ کام نہیں کہ کوئی سند لائیں) اور تمہارا فرمائشی معجزہ تم کو پیش کر دیں (مگر اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے) اور اس کی مشیت سے، یعنی ہم اپنی طرف سے بے خدا کے چاہے کوئی کام نہیں کر سکتے، (اور اللہ) تعالیٰ (ہی پر تو بھروسہ رکھتے ہیں اس کے ماننے والے)۔

وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰى

اور بھلا ہم کیسے نہ بھروسہ رکھیں اللہ پر، حالانکہ دکھا دیں اُس نے ہمیں ہماری راہیں۔ اور ہم ضرور صبر کریں گے

مَاۤ اٰذَيۡتُمُوۡنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ﴿۱۲﴾ ع ۱۴

اِس مصیبت پر جو تم لوگوں نے ستا رکھا ہے ہمیں"۔ اور اللہ ہی پر تو بھروسہ رکھتے ہیں، بھروسہ والے●

(اور بھلا ہم کیسے نہ بھروسہ رکھیں اللہ) تعالیٰ (پر، حالانکہ دکھا دیں اس نے ہمیں ہماری راہیں) یعنی وہ راہ جس سے ہم اُسے پہچانتے ہیں اور یہ بات جانتے ہیں کہ سب کام اُسی کے قبضہء قدرت میں ہے۔ (اور ہم ضرور صبر کریں گے اِس مصیبت پر جو تم لوگوں نے ستا رکھا ہے ہمیں)۔

الحضر۔ ہم صبر کریں گے اِس پر جو کہ ایذا دیتے ہو تم ہمیں تکذیب اور مخالفت کر کے، (اور) ایسا کیوں نہ ہو؟ اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی پر تو بھروسہ رکھتے ہیں بھروسہ والے)۔ تو چاہیے کہ ثابت رکھیں توکل، متوکل لوگ۔ اس کے جواب میں کافروں نے دھمکی دینا شروع کردی۔۔۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ

اور بولے کافر لوگ اپنے رسولوں سے، "کہ ہم ضرور نکال دیں گے تم کو اپنی اراضی سے، یا تم برگشتہ ہو کر ہو جاؤ ہمارے

فِيْ مِلَّتِنَا ۖ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳

دھرم میں"۔ تو وحی بھیجی اُن کی طرف اُن کے پروردگار نے، کہ ہم ضرور ہی ہلاک کر دیں گے اِن اندھیر مچانے والوں کو●

(اور بولے کافر لوگ اپنے رسولوں سے کہ ہم ضرور نکال دیں گے تم کو اپنی اراضی) یعنی اپنے دیار کی زمین (سے۔ یا تم برگشتہ ہو کر ہو جاؤ ہمارے دھرم میں) ہماری ملت میں۔ یعنی اپنے دین سے برگشتہ ہو جاؤ اور ہماری ملت سے موافقت کرلو۔

۔۔یا۔۔ اس قوم میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے اُن کا اُن کے سابق طریقے پر پھر جانا مراد ہو۔

(تو وحی بھیجی اُن کی طرف اُن کے پروردگار نے کہ ہم ضرور ہی ہلاک کر دیں گے ان اندھیر مچانے والوں کو)۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ

اور ضرور تم کو بسائیں گے اِس سرزمین پر اِن کے بعد۔ یہ ہر اُس کے لیے ہے، جو ڈر گیا میرے سامنے کھڑے ہونے کو،

وَخَافَ وَعِيْدِ ۝۱۴

اور خوف کھا گیا میرے حکم عذاب سے●

(اور ضرور تم کو بسائیں گے اُس سرزمین پر اُن کے بعد) یعنی انہیں ہلاک کر دینے کے بعد۔ (یہ) امر اور یہ وعدہ (ہر اُس کے لیے) مقرر اور سچ (ہے جو ڈر گیا میرے سامنے کھڑے ہونے کو) یعنی اس بات سے ڈرے کہ اُسے وہاں ٹھہرا رکھیں گے جہاں قیامت کے دن میں بندوں پر حکم کروں گا، (اور خوف کھا گیا میرے حکم عذاب سے) یعنی میرے عذاب کی وعید سے ڈرتا رہا۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾

اوراُن سب نے آخری فیصلہ کی دُعا کی،اور سارے سرکش ضدی نامراد ہوئے ●

(اوراُن سب نے آخری فیصلے کی دُعا کی) یعنی رسولوں نے فتح چاہی اور دشمنوں کے ہلاک ہونے پر خدا سے مدد مانگی۔۔یا۔۔اپنے اور دشمنوں کے درمیان میں حکم اخیر کے طالب ہوئے۔۔یا۔۔ انبیاء اور امتیں مل کر حکم چاہتے تھے، کہ ہم میں جو کوئی باطل ہو اُس پر عذاب نازل ہو۔حق تعالیٰ نے فیصلہ کردیا، انبیاء اور مومنوں نے نجات پائی (اور سارے سرکش ضدّی نامراد ہوئے) یعنی سارے حق کے ساتھ جھگڑا کرنے والے اور اطاعت سے منہ پھیرنے والے، نجات پانے سے ناامید اور بے نصیب ہو گئے۔

مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾

اُن کے پیچھے جہنم لگی ہے، پلایا جائے گا پانی، جیسے پیپ ●

(ان کے پیچھے جہنم لگی ہے) یعنی حشر کے دن اُن کو دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا اور پھر دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔دوزخ میں تشنگی کے غلبے کی حالت میں انہیں (پلایا جائے گا پانی جیسے پیپ) یعنی پانی پیپ کی طرح ہوگا۔۔یا یہ۔۔کہ پینے کے لیے انہیں وہ پیپ پیش کی جائے گی، جو دوزخیوں کے بدن سے ٹپکے گی۔تکلیف اور مصیبت کے ساتھ۔۔۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

گھونٹ گھونٹ لیں گے اُسے،اور حلق کے نیچے اترنے کی امید نہ ہوگی۔اور اُس کو آئے گی موت ہر جگہ سے،

وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۭ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

حالانکہ وہ مرا نہیں۔اور اُس کے بعد بڑا گاڑھا عذاب ہے ●

(گھونٹ گھونٹ لیں گے اُسے اور) کڑواہٹ اور سڑاندھ کی وجہ سے (حلق کے نیچے اترنے کی امید نہ ہوگی اور اس کو آئے گی موت) کی شدت (ہر جگہ سے)۔۔یا۔۔ہر جانب سے اس کے اعضاء میں سے، یہاں تک کہ ہر ہر روئیں اور انگلیوں کی جڑ سے، (حالانکہ وہ مرا نہیں) اور مرنے والا نہیں کہ مر کے آرام پا جائے، اُس کی روح حلقوم میں اٹکی ہوگی نکلے گی نہیں، کہ وہ کم بخت مر جائے اور نہ تمام بدن میں پھیل جائے گی کہ زندہ رہے، بلکہ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى، 'نہ مرے گا اس میں نہ

جیے گا' کے حکم کے موافق موت اور زندگی کے درمیان میں تڑپ تڑپ کے گزارتا ہوگا (اور اس کے بعد) اُس مصیبت کے علاوہ (بڑا گاڑھا عذاب ہے) اور وہ ہے اس کا دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ

اُن کی کہاوت جنہوں نے انکار کر دیا اپنے پروردگار کا، اُن کے اعمال ہیں جیسے راکھ، جس پر تیز ہوا چلی ہو

فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ

آندھی کے دن میں۔ نہ پاسکیں گے جو کما رکھا ہے کچھ بھی۔

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾

یہی ہے دراز گمراہی ●

(اُن کی کہاوت جنہوں نے انکار کر دیا اپنے پروردگار کا) تو (اُن کے اعمال) ایسے ہیں (جیسے راکھ، جس پر تیز ہوا چلی ہو آندھی کے دن میں) خلاصہ یہ ہے کہ کافروں کے عمل جو بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں، جیسے رشتہ داری کا نباہ، عزیزوں سے میل رکھنا، لونڈی غلام آزاد کرنا، مہمانوں کا اعزاز و اکرام، اور ایسے سارے کام خاک کے ڈھیر کے مانند ہیں، کہ اس پر آندھی چلے اور ہوا اس کو اُڑا کر دور دور پراگندہ کر دے، تو کوئی اس خاک کو پھر جمع نہیں کر سکتا اور اس سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔

اُسی طرح قیامت کے دن (نہ پاسکیں گے جو کما رکھا ہے کچھ بھی)۔۔الحاصل۔۔کافر قادِر نہ ہوں گے اس میں سے جو انہوں نے کمائی کی ہے دنیا میں کسی چیز پر، اس واسطے کہ وہ ضائع ہوگئی ہوگی جیسے پراگندہ خاکستر۔ پس اُس کے ثواب کا اثر مطلق ظاہر نہ ہوگا۔ اَب رہ گئی اِس تعلق سے کافروں کی یہ سمجھ کہ ہم نے نیکی کی ہے: (یہی ہے) ان کی (دراز گمراہی) جو صحیح فکر اور راہِ حق سے نہایت دوٗر ہے۔

مذکورہ بالا امثال کے بعد حق تعالیٰ اپنی شانِ قدرت دکھا رہا ہے اور فرما رہا ہے، کہ۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْ

کیا تجھے نہیں سوجھتا؟ کہ اللہ نے پیدا فرمادیا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک ٹھیک مضبوطی سے۔ اگر چاہے

هِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۲۰﴾

تو تم سب کو ہٹا دے، اور نئی مخلوق لے آئے ● اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں ●

(کیا تجھے نہیں سوجھتا)؟ یعنی سجھائی نہیں دیتا اَے دیکھنے والے۔۔یا۔نہیں جانا تو نے اَے جاننے والے (کہ اللہ) تعالیٰ (نے پیدا فرمادیا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک مضبوطی سے) تو یہ قادِر مطلق (اگر چاہے تو) اَے اہل مکہ (تم سب کو ہٹادے) اور معدوم کردے۔ظاہر ہے کہ جو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ بدرجہء اولیٰ معدوم کردینے پر بھی قادر ہے۔۔الغرض۔۔وہ تمہیں مٹادے (اور) تمہاری جگہ (نئی مخلوق لے آئے) جو کفر و تکذیب میں تمہارے مثل نہ ہو۔(اور یہ) یعنی معدوم کرنا اور نئی مخلوق پیدا کرنا (اللہ) تعالیٰ (پر کچھ دشوار نہیں)۔اس واسطے کہ وہ قادِر بالذات ہے اور اُس کی قدرت ایسی نہیں ہے کہ ایک مقدور کے ساتھ ہو اور دوسرے کے ساتھ نہیں، بلکہ سب کے ساتھ اس کی قدرت یکساں ہے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا

اور حشر میں، کہ سبھی کھلم کھلا حاضر آئے دربارِ الٰہی میں، تو بولے کمزور، ان سے جو بڑے بنتے تھے، "کہ ہم

كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ

تو درحقیقت تمہارے پیروکار تھے، تو کیا تم ٹال سکتے ہو ہم سے عذاب سے اللہ

مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ

کے کچھ"۔انہوں نے جواب دیا، "کہ اگر راہ پر لے آتا ہم کو اللہ، تو ہم نے تمہاری رہنمائی کی ہوتی۔یکساں ہے ہمیں

۳ ع ۱۵ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝۲۱

کہ چیخیں چلائیں یا دَم سادھ لیں، ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں"●

(اور حشر میں کہ سبھی) اپنی قبروں سے نکل کر (کھلم کھلا حاضر آئے دربارِ الٰہی میں، تو بولے کمزور) عاجز کافر یعنی تابع سفلے (اُن سے جو بڑے بنتے تھے) قوم کے اشراف رؤسا میں سے، یعنی ان کافروں نے جن کافر پیشواؤں کی پیروی کی ہوگی ان سے کہیں گے، (کہ ہم تو درحقیقت تمہارے پیروکار تھے، تو کیا تم ٹال سکتے ہو ہم سے عذاب سے اللہ) تعالیٰ (کے کچھ)، یعنی دنیا میں ہم نے تمہاری پیروی کی، اب یہاں ہم پر جو عذاب الٰہی ہے اس میں سے تم کچھ تو دفع کرو۔

(انہوں نے جواب دیا کہ اگر راہ پر لے آتا ہم کو اللہ) تعالیٰ (تو ہم نے) بھی (تمہاری رہنمائی کی ہوتی)، یعنی اگر ہدایت کرتا اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب سے نجات پانے کی راہ کی، تو ہم ضرور

تمہیں بھی وہ راہ بتادیتے۔مگر یہاں سے نجات کی راہ مسدود اور اس کی درگاہ میں ہماری شفاعت مردود ہے۔وہ مایوس ہوکر کہیں گے آؤ ہم تم مل کر روئیں، پیٹیں، چیخیں چلائیں، شاید حق تعالیٰ ہم پر کوئی دروازہ کھولے اور نجات کی راہ ہمیں بتادے۔پھر پانچ سو۵۰۰ برس تک چلاّیا کریں گے اور کچھ فائدہ نہ ہوگا۔پھر کہیں گے آؤ صبر ہی کریں، شاید صبر کی کنجی سے فرحت کے دروازے کھلیں۔تو بھی نجات کی خوشخبری انہیں نہ پہنچے گی، پھر کہیں گے (یکساں ہے ہمیں کہ چیخیں چلائیں۔۔یا۔۔دَم سادھ لیں، ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں) یعنی کسی بات سے فائدہ نہیں ہوتا، نہ بے صبری سے نہ صبر سے۔نہیں ہے ہمیں کوئی بھاگنے کی جگہ اور نہ ہی عذابِ دوزخ سے پناہ کی کوئی صورت۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ

اور شیطان بولا، جب سب کا فیصلہ ختم ہوگیا" کہ بے شک اللہ نے وعدہ فرمایا تھا تم سے ٹھیک وعدہ، اور

وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ

میں نے وعدہ کیا تم سے، پھر اس کے خلاف خود کیا، اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا، مگر یہ کہ میں نے

فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ

تم کو پکارا، تو تم نے میری مان لی۔تو مجھے بُرا بھلا نہ کہو، خود اپنے کو بُرا بھلا کہو۔نہ میں تمہارا فریادرس،

وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ

اور نہ تم میرے فریادرس۔درحقیقت مجھے انکار ہے اُن سے، جو تم نے شریک ٹھہرایا تھا مجھے پہلے"

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

بے شک اندھیر مچانے والوں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(اور شیطان) یعنی ابلیس (بولا) اُس وقت (جب سب کا فیصلہ ختم ہوگیا) یعنی جب خلق کا حساب کرکے حکمِ الٰہی نافذ ہوگا، کہ جنت والے جنت میں آئیں اور دوزخ والے دوزخ میں جائیں، تو سب دوزخی مجتمع ہوکر ابلیس کو ملامت کریں گے اور ابلیس آگ کے منبر پر چڑھ کر کہے گا، کہ اَے شقی آدمیو! اور اَے مجھے ملامت کرنے والو! (کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (نے وعدہ فرمایا تھا تم سے ٹھیک وعدہ) کہ حشر ہوگا، جزا دی جائے گی، (اور میں نے وعدہ کیا تم سے) جھوٹا وعدہ، کہ نہ قیامت ہے، نہ حساب، اور اگر۔۔بالفرض۔۔ہو بھی تو بُت تمہاری سفارش کریں گے۔

۔۔الغرض۔۔میں نے وعدہ کیا (پھر اس کے خلاف خود کیا) یعنی میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سو میں نے اس کے خلاف کیا اور وعدہ خلافی کی۔کلام کا حاصل یہ ہے کہ آج میرا جھوٹ کھل کر سامنے آ گیا۔(اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا) کہ تم پر کفر و گناہ کرنے کے واسطے زبردستی کرتا۔تم نے جو کیا اپنے ارادہ و اختیار سے کیا ہے۔سوچو جب میرے پاس اپنے قول کے سچا ہونے کی کوئی دلیل نہ تھی، تو تم نے اس کو کیوں قبول کیا۔میں نے زبردستی تم سے کفر نہیں کرایا ہاں (مگر یہ کہ میں نے تم کو پکارا) وسوسہ اور فریب دے کر دلیل و حجت کے بغیر، (تو تم نے میری) بات (مان لی) جھٹ پٹ بے تامل اپنا انجام کچھ نہ سوچا۔(تو مجھے بُرا بھلا نہ کہو) صرف وسوسہ دلانے کی وجہ سے۔

میں تو تمہارا کھلا دشمن تھا، اور ایک دشمن دوسرے دشمن کے حق میں وہ بُرائی کرتا ہے جس سے بڑھ کر کوئی بُرائی نہیں۔اس لیے میں نے تمہارے ساتھ جو کام کیا وہ بہت معمولی ہے۔صرف وسوسہ ہی تو دیا اور کیا کیا؟ اتنی سی بات پر میں ملامت کا مستحق نہیں ہوں۔اگر تمہیں ملامت کرنی ہی ہے، تو (خود اپنے کو بُرا بھلا کہو) کہ تم نے میری فرمانبرداری کی اور حق تعالیٰ نے جو فرمایا تھا کہ۔۔'اے اولادِ آدم نہ بہکا دے تمہیں شیطان'۔۔اُسے نہیں سنا۔۔یا۔۔سن کر اَن سنے بنے رہے۔اور آج حال یہ ہے کہ (نہ میں تمہارا فریاد رس اور نہ) ہی (تم میرے فریاد رس)۔۔الغرض۔۔ہم دونوں میں کوئی کسی کے کام آنے والا اور اُس کی مصیبت کو دور کرنے والا نہیں۔

(درحقیقت مجھے انکار ہے اُن سے جو تم نے شریک ٹھہرایا تھا مجھے پہلے) دنیا میں۔یعنی تم نے جو شرک کیا تھا اُس سے اب میں بیزار ہو گیا۔(بے شک اندھیر مچانے والوں کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے) جس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور بدکاروں کے احوال تفصیل سے بیان فرمائے ہیں اور اب اِس اگلی آیت میں مومنوں اور نیکو کاروں کے احوال بیان فرما رہا ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اور داخل کیے گئے، جو مان چکے تھے اور لیاقت کے کام کیے تھے، باغوں میں، کہ بہتی ہیں جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۲۳

نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں اپنے پروردگار کے حکم سے، اُس میں اُن کی دُعائے ملاقات ہے 'سلام'●

اللہ تعالیٰ کے فضل (اور) کرم سے (داخل کیے گئے) قیامت میں حساب وکتاب اور فیصلہء خداوندی کے بعد (جو مان چکے تھے) اُسے جو کچھ خدا کے پاس سے آیا (اور لیاقت کے کام کیے تھے) یعنی اچھے اور مقبول کام انجام دیے تھے (باغوں میں، کہ بہتی ہیں جن کے) درختوں اور مکانوں کے (نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں اپنے پروردگار کے حکم) اور اِذن (سے)۔ فرشتے انہیں بڑے اعزاز واکرام سے جنتوں میں لائیں گے۔ (اُس میں ان) ملائکہ (کی) یا خود اُن جنتیوں کی ایک دوسرے کو (دُعائے ملاقات ہے سلام) جو دُنیا کی آفات، دُنیا کی حسرتوں۔۔یا۔۔ دُنیا کی بیماریوں اور دردوں اور دُنیا کے غموں اور پریشانیوں سے سلامت رہنے پر دلالت کرنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

کیا تم نے نہیں دیکھا؟ کیسی ضرب المثل بیان فرمائی اللہ نے پاکیزہ کلامی کی، جیسے پاکیزہ درخت،

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِيْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ

جس کی جڑ مضبوط، اور اُس کی شاخ آسمان میں ● لاتا ہے اپنے میوے ہر وقت

بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾

اپنے پروردگار کے حکم سے۔ اور بیان فرماتا ہے اللہ کہاوتیں عام لوگوں کے لیے، کہ وہ سوچیں ●

(کیا تم نے نہیں دیکھا) اور نہیں جانا اے دیکھنے جاننے والے بندے! کہ تمہارے مومنوں کو سمجھانے کو (کیسی ضرب المثل بیان فرمائی اللہ) تعالیٰ (نے پاکیزہ کلامی کی) کلمہء طیبہ کی، کہ کلمہء توحید ہے۔۔یا۔۔ دعوتِ اسلام کی، کہ اُس کی مثال ایسی ہے (جیسے پاکیزہ درخت)۔ وہ درخت خرما ہو ۔۔یا۔۔ کوئی اور جنتی درخت۔ (جس کی جڑ) زمین میں (مضبوط) ہے (اور اس کی شاخ آسمان) کے رُخ پر بلندی (میں۔ لاتا ہے اپنے میوے ہر وقت) جب جب خدا نے میوہ دینے کا حکم دیا۔۔۔

علماء نے فرمایا کہ ایک حین چھ مہینے کا ہوتا ہے۔ یہ مدت کھجور کے درخت کی کلی آنے سے پک جانے اور کاٹ لینے تک کی ہے، یعنی اتنی مدت میں گدر پختہ تر خرمے سے نفع دیتا ہے۔۔۔

(اپنے پروردگار کے حکم سے) اور اس کے اِرادے اور پیدا کرنے سے (اور بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (کہاوتیں) اور مثالیں (عام لوگوں کے لیے کہ وہ سوچیں) اور نصیحت پائیں اِس واسطے کہ مثال معنی کی صورت بنانا ہے فہم کے آئینے پر، اور معقول کو محسوس کے قریب کردینا ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ اجْتُثَّتْ

اور گندی بات کی مثال جیسے گندہ درخت، جو کاٹ دیا گیا

مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾

زمین کے اوپر سے، نہیں رہ گیا اُس کا ٹھہراؤ ●

(اور) اس کے برخلاف (گندی بات) یعنی کلمۂ کفر۔۔یا۔۔بُت پرستی کی طرف بُلانے (کی مثال جیسے گندہ درخت)۔۔مثلاً: 'اندرائن' جو کہ تلخ اور بدبودار اور اچھی طبیعتوں کو مکروہ معلوم ہوتا ہے، اور خباثت اور کراہت کے ساتھ، (جو کاٹ دیا گیا زمین کے اوپر سے) اور اکھاڑ دیا، گیا تو (نہیں رہ گیا اس کا ٹھہراؤ) یعنی ثبات واستحکام۔ نہ تو اس کی جڑ زمین کے اندر ہے اور نہ ہی اس کی شاخ ہوا میں۔

ایمان کا درخت کہ اس کی جڑ مومن کے دل میں جمی ہوتی ہے اور اس کے اعمال اعلیٰ علیین کی طرف بلند ہیں اور اس کا ثواب ہر وقت مومن کو پہنچتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اس درختِ ایمان کو خرمے کے درخت سے مثال دی، کہ اس کی جڑ بھی اپنی جگہ پر جمی ہوتی ہے اور شاخ اوپر کو چلی جاتی ہے اور اس کا فائدہ ہر وقت خلق کو پہنچتا ہے۔ اور کلمۂ کفر اور بُت پرستی کہ محض بے دلیل ہے۔ کافر مقلد کا دِل اس پر ثابت نہیں رہتا اور ایسا کام بھی اس سے صادر نہیں ہوتا جو مقبول ہے۔ اس کلمۂ کفر کو حق تعالیٰ نے 'اندرائن' کے درخت سے مثال دی ہے، کہ نہ تو اس کی جڑ کو قرار ہے، نہ شاخ کو اعتبار۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

ثابت قدم رکھتا ہے اللہ انہیں جو مان گئے ہیں، کلمۃ الحق پر، دنیاوی زندگی میں،

وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾

اور آخرت میں، اور بے راہ رکھتا ہے اللہ اندھیر مچانے والوں کو۔۔۔اور اللہ جو چاہے کرے ●

(ثابت قدم رکھتا ہے اللہ) تعالیٰ (انہیں جو مان گئے ہیں) اور ایمان لا چکے ہیں (کلمۃ الحق پر) یعنی سچی اور پکی بات کے ساتھ کہ دلیل یقینی سے ان کے نزدیک ثابت ہوئی اور ان کے دلوں میں جم گئی، اور بعضوں نے کہا کہ قول ثابت کلمۂ طیب لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے، کہ حق تعالیٰ اس پر مسلمانوں کو ثابت رکھتا ہے (دنیاوی زندگی میں) یہاں تک کہ بلا اور فتنے کے زمانے میں صبر

کرتے ہیں اور توحید کے سیدھے ڈھرّے سے لغزش نہیں کرتے، جیسے حضرات زکریا، یحییٰ، شمعون اور ان کے مثل دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام۔

اور بعضوں نے یہ معنی کہے ہیں کہ حق تعالیٰ مومنین کو دنیا میں ثبات دیتا ہے یعنی موت کے وقت ثابت رکھتا ہے، یہاں تک کہ ان کا خاتمہ کلمے ہی پر ہوتا ہے۔

(اور آخرت میں) یعنی ثابت رکھے گا انہیں اُس گھر میں جو آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے، تا کہ 'منکر نکیر' کے سوال کا جواب باصواب دیں۔

اور بعضوں نے 'دنیا' سے 'قبر' مراد لی ہے اور آخرت سے وہ مقام اور موقف جہاں اعمال کا سوال ہوگا۔

(اور بے راہ رکھتا ہے اللہ) تعالیٰ **(اندھیر مچانے والوں کو)** یعنی خدا ظالموں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے، تا کہ کلمہءِ توحید کی طرف وہ راہ نہ پائیں، نہ دنیا میں، نہ قبر میں سوال کے وقت۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(جو چاہے کرے)**۔ چاہے تو کسی قوم کو ثابت رکھے اور چاہے تو اُس کو اُسی کے حال پر چھوڑ دے، تا کہ راہِ توحید اُسے نظر نہ آسکے۔۔تو۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ

کیا نہیں دیکھا انہیں جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے میں ناشکری کی؟ اور اتار دیا اپنی قوم کو

دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾

ہلاکت خانہ ● جہنم میں۔ اُسی میں جائیں گے۔ اور کتنا بُرا ٹھہراؤ ہے ●

(کیا نہیں دیکھا انہیں جنہوں نے اللہ) تعالیٰ **(کی نعمت کے بدلے میں ناشکری کی)** یعنی شکر کی جگہ کفر کیا۔۔یا۔۔ نفسِ نعمت کو کفر سے بدلا، یعنی جب کفرانِ نعمت کیا، تو وہ نعمت ان سے سلب کرلی گئی اور کفر کے سوا انہیں کچھ نہ ہاتھ لگا۔

اِن لوگوں سے اہلِ مکہ مراد ہیں۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے حرم کا ساکن کیا اور رزق کے دروازے ان پر کھول دیے۔ جناب **رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قدوم کی نعمت سے انہیں سرفراز کیا اور انہوں نے ناشکری کی اور اس نعمت کی قدر نہ جانی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی تکلیف دی کہ آپ نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی۔ آخر

وہ ناشکرے کافر سات برس تک قحط کی مصیبت میں مبتلا ہو کر عاجز و ناچار اور ذلیل و خوار ہوئے۔ ان میں سے بعضے جنگ بدر میں قتل اور مغلوب ہوئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ اس قوم سے دو قبیلے مراد ہیں کہ قریش کے سب قبیلوں سے زیادہ وہ بدکار اور فاجر تھے، یعنی 'بنومغیرہ' اور 'بنوامیہ' کہ انہوں نے خدا کی نعمت کو بدل دیا۔

(اور اُتار دیا اپنی قوم کو ہلاکت خانہ۔ جہنم میں۔ اُسی میں جائیں گے اور کتنا بُرا ٹھہراؤ ہے)، یعنی دوزخ کتنی بری ٹھہرنے کی جگہ ہے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا

اور گڑھ لیا، اللہ کے کئی برابر۔ تاکہ بھٹکا دیں اللہ کی راہ سے۔ کہہ دو، کہ رہ لو کچھ،

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿٣٠﴾

کیونکہ بلاشبہ تمہیں پھرنا ہے جہنم کی طرف ●

(اور) اِن بدبختوں اور ناشکروں نے (گڑھ لیا اللہ) تعالیٰ (کے کئی برابر) عبادت میں، کہ ان کی پرستش کی۔۔یا۔۔نام رکھنے میں ان کا نام 'اِلٰہ' رکھا (تاکہ بھٹکا دیں) لوگوں کو (اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے) یعنی راہِ توحید سے۔ اَے محبوب! (کہہ دو کہ رہ لو کچھ) یعنی فائدہ اٹھا لو اپنی آرزوؤں سے۔۔ یا۔۔ بتوں کی پرستش میں عمر گزار لو۔ یہ تہدید ہے یعنی دو چار روز ایسا کر لو۔ (کیونکہ بلاشبہ تمہیں پھرنا ہے جہنم کی طرف)۔ بالآخر تمہیں جہنم رسید ہونا ہے، تو تمہارے لیے یہ 'صرف چار دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات ہے'۔

اب رہ گئے ہمارے اِطاعت شعار بندے: تو اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ

سمجھا دو میرے ماننے والے بندوں کو، "کہ نماز کی پابندی رکھیں، اور خیرات کرتے رہیں، جو ہم نے اُن کو روزی دی ہے،

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ﴿٣١﴾

چھپا کر اور جتا کر، قبل اس کے، کہ آئے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید فروخت ہے، اور نہ کسی کافر کا باہمی یارانہ ہے" ●

(سمجھا دو میرے ماننے والے بندوں کو کہ نماز کی پابندی رکھیں) اور روزانہ اُسے کماحقہٗ ادا کرتے رہیں (اور خیرات کرتے رہیں) اس میں سے (جو ہم نے ان کو روزی دی ہے)۔ صدقہ نفل

ہوتو (چھپا کر، اور) اگر زکوۃ ہوتو (جتا کر)، اس لیے کہ یہی ایک مناسب ترین طریقہ ہے کہ نفل چھپایا جائے اور فرض ظاہر کیا جائے۔۔الحاصل۔۔میرے بندوں سے کہہ دو تا کہ وہ نماز پڑھیں اور زکوۃ دیں (قبل اس کے کہ آئے وہ دن جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہے اور نہ کسی کافر کا باہمی یارانہ ہے) اور جب وہاں کوئی خرید وفروخت نہیں ہے، تو یہ بھی ممکن نہ رہا، کہ کوئی اپنی کمی کو کوئی چیز خرید کر پوری کر سکے۔ اور جب وہاں کافروں کا کوئی دوست نہ رہا، بلکہ بعضے اُس دن بعضوں کے دشمن ہوں گے، تو پھر دوستوں سے نفع طلب کرنے کی شکل بھی نہ رہ گئی۔۔المختصر۔۔وہاں بھی چارہ ساز وکارساز اور حقیقی مددگار وہی۔۔۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اللہ ہے، جس نے پیدا فرمادیا آسمانوں کو اور زمین کو، اور اتارا اوپر سے پانی،

فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ

پھر نکالا اُس کے سبب طرح طرح کے پھل تمہاری روزی کے لیے، اور قابو میں کر دیا

فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾

تمہارے کشتیاں، کہ چلیں دریا میں اُس کے حکم سے۔ اور قابو میں کر دیا تمہارے نہروں کو●

(اللہ) تعالیٰ (ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں کو اور زمین کو اور اُتارا اُوپر سے پانی) یعنی بارش۔ (پھر نکالا اس کے سبب طرح طرح کے پھل تمہاری روزی کے لیے) کہ تم اس سے گزارا کرو (اور قابو میں کر دیا تمہارے کشتیاں، کہ چلیں دریا میں اس کے حکم سے) جہاں تم چاہو، (اور قابو میں کر دیا تمہارے نہروں کو) تمہارے فائدہ اٹھانے اور صَرف میں لانے کے لیے نہریں جاری فرمادیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾

اور پابند کر دیا تمہارے لیے سورج اور چاند کو ہمیشہ کے چلتے پھرتے۔ اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات اور دن کو●

(اور پابند کر دیا تمہارے لیے سورج اور چاند کو) جو کہ (ہمیشہ کے) لیے (چلتے پھرتے) ہیں اور ہمیشہ سیر کرنے والے ہیں۔۔یا۔۔اپنے پھرنے اور روشنی دینے میں کوشش کرتے ہیں، اور اس میں کچھ فتور اور قصور نہیں رکھتے۔ (اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات اور دن کو) جو ایک دوسرے کے پیچھے پہنچتے ہیں۔ ایک تو سونے اور راحت کے واسطے اور ایک کمائی اور معیشت کے لیے۔

وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ

اور بہت کچھ دیا تمہیں جو تم نے مانگا۔ اور اگر گنو اللہ کی نعمت کو، تو اُس کی گنتی نہ کر سکو گے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

بے شک انسان ہی ہے اندھیر مچانے والا ناشکرا●

(اور) اس کے سوا بھی، (بہت کچھ دیا تمہیں جو تم نے مانگا) اس میں سے جو کچھ نہیں چاہا تم نے اور جو کچھ چاہا تم نے، یعنی جس چیز کی تمہیں حاجت تھی مانگے اور بے مانگے، سب تمہیں عطا فرمائی (اور) اتنا دیا، اتنا دیا، کہ (اگر گنو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو، تو اس کی گنتی نہ کر سکو گے) اللہ کی نعمتوں کی۔ اس فراوانی کے باوجود (بے شک انسان ہی ہے اندھیر مچانے والا ناشکرا)، جو کہ اُس کے شکر سے غافل ہے اور کفر کرتا ہے کہ 'منعم' کی حقیقت سے جاہل ہے۔۔یا۔۔ **ظَلُوْم** ہے تکلیف میں بے صبری اور شکایت کرتا ہے۔ **كَفَّار** ہے کہ نعمت میں بخل اور خست کرتا ہے اور خیرات کا دروازہ نہیں کھولتا۔

یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اِس نعمت سے مراد حضرت **رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ** ﷺ ہیں کہ بہت بڑے شفیع اور بہت قریب واسطہ ہیں خلق اور حق تعالیٰ کے درمیان میں اور فی الحقیقہ حضرت ﷺ کے صفاتِ کمال کا حصہ اور آپ کے انوارِ جلال و جمال کی تشریح تصور اور خیال میں آنے سے باہر اور فکر و دانش اُس کے اِدراک میں قاصر ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ

اور جب دُعا کی ابراہیم نے "کہ پروردگارا کر دے اِس شہر کو امن والا، اور بچا لے مجھے

وَ بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ؕ

اور میرے بیٹوں کو بت پرستی سے"●

آیاتِ سابقہ میں دلائل سے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اِس تمام کائنات کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی تمام مخلوقات کا پروردگار ہے، اس لیے صرف وہی عبادت کا مستحق ہے۔ تو اِس آیت میں اِس کے مناسب یہ ذکر فرمایا، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کی پرستش سے انکار فرمایا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کی دُعا کی، ایک یہ کہ اس شہرِ مکہ کو امن والا بنا دے اور دوسری یہ کہ مجھے اور میرے بیٹوں کو بُت پرستی سے محفوظ رکھ۔۔ چنانچہ۔۔

ارشاد ہے۔۔۔

(اور جب دُعا کی ابراہیم نے کہ پروردگارا! کردے اِس شہر کوامن والا)۔اس سے مقصود یہ ہے کہ مکہ میں امن قائم کرنے کا حکم دے دے اور مکہ کو حرم بنادے،اور حدودِ مکہ میں قتل اور خوں ریزی کو خصوصیت کے ساتھ منع فرمادے۔

لہٰذا مکہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم بنادیا،حتی کہ زمانہء جاہلیت میں کفار بھی مکہ مکرمہ میں باہم قتل اور خوں ریزی سے باز رہتے تھے۔یہ ایک 'تشریعی حکم' ہے اور اگر کسی نے اس حکم کی مخالفت کی،تو وہ بہر حال آخرت میں عذاب کا مستحق ہوگا،اور یہ 'تکوینی حکم' نہیں ہے کہ ضرور مکہ میں ہمیشہ امن رہے گا۔۔یا۔۔دُعا کا مقصد یہ ہے اس شہر کو ویران ہونے سے محفوظ رکھ۔۔یا۔۔اس شہر والوں کو محفوظ رکھ۔۔یا۔۔یہ ظاہر کرنا مقصود ہو کہ مکہ امن والا شہر ہے۔کیونکہ جو خوف زدہ شخص مکہ میں داخل ہوتا ہے،وہ مامون ہوجاتا ہے اور لوگ ایک دوسرے سے شدید مخالفت اور دشمنی کے باوجود جب مکہ میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں،تو وہ ایک دوسرے کے شر سے مامون ہوجاتے ہیں۔اِسی طرح جنگلی جانور جب مکہ میں داخل ہوتے ہیں،تو انسانوں سے نہیں بھاگتے اور مکہ کے حدود کے باہر وہ انسانوں سے بھاگتے ہیں۔

(اور) حضرت ابراہیم کی دوسری دُعا یہ تھی کہ پروردگارا (بچالے مجھے) یعنی مجھے بُت پرستی سے اجتناب پر قائم رکھ اور اس پر دوام عطا فرما۔

۔۔یا یہ۔۔کہ آپ نے تواضع وانکسار کے طور پر یہ دُعا کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی احتیاج کو ظاہر کیا اور یہ کہ انہیں ہر حال میں اور ہر وقت اس کے فضل اور کرم کی ضرورت ہے۔

(اور) محفوظ رکھ (میرے بیٹوں کو) جو میری صُلب سے پیدا ہوئے ہیں (بت پرستی سے) ۔۔یا۔۔میرے بیٹوں میں جو مومنین ہیں انہیں بچائے رکھ۔

یا یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا عام تھی،لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا ان کی بعض اولاد کے حق میں قبول فرمائی،جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لیے امامت کے حصول کی دُعا کی تھی،لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دُعا ان کی بعض اولاد کے حق میں قبول فرمائی،اور یہ ان کی شان میں کمی کا موجب نہ تھی،اور نہ اُن کی دُعا کی قبولیت کے منافی تھی۔

آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِۚ فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ‌ۚ

"پروردگارا ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہی میں کر دیا۔ تو جو میرے پیچھے چلا، تو بے شک وہ مجھ سے ہے۔

وَمَنۡ عَصَانِىۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۶﴾

اور جس نے میری نافرمانی کی، تو بلاشبہ تو مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے"●

(پروردگارا ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہی میں کر دیا) یعنی یہ بُت بے شمار لوگوں کی گمراہی کا سبب بن گئے (تو جو میرے پیچھے چلا) اور میرے دین کی پیروی کی (تو بے شک وہ مجھ سے ہے) یعنی میری ملت والوں میں سے ہے (اور جس نے میری نافرمانی کی) اُن 'اَمروں' میں، کہ جو 'نہی شرک' کے علاوہ ہیں۔۔ الحاصل۔۔ شرک وکفر کے علاوہ کوئی دوسرا گناہ کبیرہ کر بیٹھا، (تو بلاشبہ) ایسے گنہگاروں کا (تو مغفرت فرمانے والا) اور (بخشنے والا ہے) یعنی تو مہربان اور قادر ہے کہ انہیں بخش دے اور ان پر رحم فرماتے ہوئے انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔ اب خواہ اپنی بے پایاں مہربانی سے بخش دے۔۔ یا۔۔ ان کی توبہ کی وجہ سے انہیں بخش دے، تجھے ہر بات کا اختیار ہے۔

آگے حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔۔۔

رَبَّنَاۤ اِنِّىۡۤ اَسۡكَنۡتُ مِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ بِوَادٍ غَيۡرِ ذِىۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَيۡتِكَ الۡمُحَرَّمِۙ

"پروردگارا بے شک بسا دیا میں نے اپنی اولاد کو جنگل میں، ناقابل کاشت، تیرے محترم گھر کے پاس،

رَبَّنَا لِيُقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ فَاجۡعَلۡ اَفۡـئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهۡوِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ

تاکہ پابندی کریں نماز کی، تو کر دے لوگوں کے دلوں کو، کہ جھک پڑیں ان کی طرف،

وَارۡزُقۡهُمۡ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَشۡكُرُوۡنَ ﴿۳۷﴾

اور روزی دے انہیں، طرح طرح کے پھل، کہ وہ شکر گزار رہیں"●

(پروردگارا! بے شک بسا دیا میں نے اپنی اولاد) میں سے بعض (کو جنگل میں) یعنی ایسے میدان میں جس میں پانی نہ ہونے کی وجہ سے کھیتی نہیں کی جاسکتی۔۔ الغرض۔۔ جو (ناقابل کاشت) ہے۔

اس تعلق سے مختصر قصہ یہ ہے، کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے زمین شام میں پیدا ہوئے، تو حضرت سارہ علیہا السلام جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری

بیوی تھیں انہیں رشک آیا، تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے یہ بات کہی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تم ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو ایسی جگہ لے جاؤ جہاں پانی اور آبادی نہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تامل کیا، وحی آئی کہ جو سارہ کہتی ہے ایسا ہی کرو، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو لے کر شام سے چل کر زمینِ حرم پر آئے اور مکہ معظمہ میں انہیں 'بے انیس' اور 'بے رفیق' چھوڑ دیا اور دُعا کی اَے اللہ میں نے ساکن کیا انہیں ایک غیر آباد اور نا قابلِ کاشت وادی میں۔۔۔

(تیرے محترم گھر کے پاس) یعنی اس زمین کے قریب طوفانِ نوح سے پہلے جہاں تیرا بیت المعمور تھا۔

آج وہ مسجد جو یاقوت۔۔یا۔۔زمرد سے بنی ہوئی ہے چوتھے آسمان پر ٹھیک، کعبہ مکرمہ کے مقابل موجود ہے، ایسا کہ اگر وہاں سے کوئی چیز نیچے ڈال دیں تو کعبے کی چھت پر گرے۔ وہ مسجد طوفانِ نوح سے پہلے اِسی جگہ پر تھی جہاں آج کعبہ ہے۔ اور اُس کو معمور اس واسطے کہتے ہیں، کہ وہ ملائکہ کی زیارت سے ہر وقت آباد ہے۔

پروردگارا! ہم نے اپنی اولاد کو یہاں اس لیے آباد کیا ہے **(تاکہ پابندی کریں نماز کی)** اور تیری عبادت کریں **(تو کردے لوگوں کے دلوں کو کہ جھک پڑیں ان کی طرف)** بعض لوگوں کو کہ کشش محبت کے سبب سے دوڑیں ان کی طرف۔

حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا قبول کر لی اور ان کے واپس آجانے کے تھوڑے عرصے کے بعد چشمۂ زمزم جبرائیل علیہ السلام۔۔یا۔۔اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں کے اثر سے پیدا ہوا اور قبیلہ جرہم نے وہاں اقامت کی اور روز بروز لوگوں کو اس گھر کا شوق زیادہ ہی ہوا۔

۔۔الختصر۔۔اَے رب! لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کردے، **(اور روزی دے انہیں طرح طرح کے پھل کہ وہ شکرگزار رہیں)** اور تیری نعمتوں کا شکر کرتے رہیں۔

یہ دُعا بھی قبول ہوگئی۔ باوجود اس کے کہ مکہ ناقابلِ کاشت زمین تھی، مگر انواع واقسام کے میوے وہاں پیدا ہوتے ہیں۔ حال یہ ہے کہ ہر موسم میں وہاں ہر موسم کے پھل دستیاب ہو جاتے ہیں اور چونکہ مکرّر دُعا کرنا تضرع و نیاز کی دلیل ہے، اس لیے پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوبارہ دُعا کی، کہ۔۔۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِىۡ وَمَا نُعۡلِنُ ؕ وَمَا يَخۡفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنۡ شَىۡءٍ

"پروردگارا تو بلاشبہ جانتا ہے جو کچھ ہم چھپائیں، اور جو کچھ ظاہر کریں۔ اور نہیں چھپ سکتا اللہ سے

فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں●

(پروردگارا! تو بلاشبہ جانتا ہے جو کچھ ہم چھپائیں اور جو کچھ ہم ظاہر کریں) یعنی تو ظاہر و باطن سب جانتا ہے (اور نہیں چھپ سکتا اللہ) تعالیٰ (سے کچھ زمین میں اور نہ آسمان میں) اس لیے کہ وہ علمِ ذاتی کے ساتھ عالم ہے اور اس علم کی نسبت ہر معلوم کے ساتھ یکساں ہے۔۔ تو۔۔۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡ وَهَبَ لِىۡ عَلَى الۡكِبَرِ اِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ ؕ

ساری حمد اللہ کے لیے، جس نے بخشا مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیل واسحٰق۔

اِنَّ رَبِّىۡ لَسَمِيۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

بے شک میرا پروردگار پکار کا ضرور سننے والا ہے"●

(ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کے لیے) ہے (جس نے) اپنے فضل سے (بخشا مجھ کو بڑھاپے میں) دو[۲] فرزند (اسماعیل واسحاق۔ بے شک میرا پروردگار پکار کا ضرور سننے والا ہے)۔ اِن کلمات میں اس بات کا اظہار ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کر کے خدا سے بیٹے مانگے تھے۔ حضرت اسماعیل چونسٹھ[۶۴] برس۔۔یا۔۔ننانوے[۹۹] برس کی عمر میں اور حضرت اسحاق نوے[۹۰]۔۔یا۔۔ایک سو بارہ[۱۱۲] سال کی عمر میں پیدا ہوئے۔۔

رَبِّ اجۡعَلۡنِىۡ مُقِيۡمَ الصَّلٰوةِ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِىۡ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾

"پروردگارا بنائے رکھ مجھ کو نماز کا پابند، اور میری اولاد کو۔ پروردگارا اور قبول فرمالے میری دُعا"●

(پروردگارا! بنائے رکھ مجھ کو نماز کا پابند اور میری اولاد کو) بھی ہمیشہ نماز پڑھنے والا رکھ۔ (پروردگارا!) فضل فرما (اور قبول فرمالے میری دُعا)۔

اُسی دُعا کی برکت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ایک جماعت فطرتِ اسلام پر ہوتی رہی اور قیامت تک ہوتی رہے گی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع ۱۸

"اے ہمارے پالنہار مجھے بخش دے، اور میرے ماں باپ کو، اور میرے ماننے والوں کو، جس دن قائم ہو حساب"●

(اَے ہمارے پالنہار! مجھے بخش دے اور میرے ماں باپ کو)۔

یہ ارشاد واضح دلیل ہے، اس بات کی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مومن تھے۔ اس لیے کہ کافر و مشرک کے لیے مغفرت کی دُعا نہیں کی جاسکتی۔ کافر و مشرک حالتِ کفر میں مغفرت کا محل ہوتا ہی نہیں۔ یہیں سے یہ بھی ظاہر ہو گیا، کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں تھا بلکہ چچا تھا، جسے اس وقت کے عرف کے لحاظ سے باپ کہہ دیا گیا۔ جس طرح آج کل ہمارے علاقے میں بھی بڑے چچا کو بڑے باپ، بابا، بابا جان وغیرہ کہنے کا رواج ہے۔ چچا پر **اب** کا اطلاق قرآن کریم میں بھی ہے۔ اِسی لیے سورۂ یوسف میں حضرت اسحاق کو حضور ﷺ کا باپ قرار دیا گیا ہے، حالانکہ نسبی سلسلے کے لحاظ سے وہ آپ کے چچا ہوتے ہیں۔۔ الختصر۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دُعا میں عرض کیا، اَے رب ہمارے والدین کی مغفرت فرما۔

(اور میرے ماننے والوں کو) بخش دے (جس دن قائم ہو حساب)۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس میں قیامت تک کے ایمان والوں کے لیے دُعائے مغفرت ہو، بالخصوص آنحضرت ﷺ پر ایمان لانے والوں کے لیے۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل بیان کیے، پھر یہ بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کی تھی، کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو شرک سے محفوظ رکھے اور ان کو دُنیا میں نیک اعمال کی توفیق دے اور آخرت میں ان کی، ان کے والدین کی اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے، اور چونکہ طلبِ مغفرت کے ضمن میں یہ مطلوب آ گیا تھا کہ قیامت قائم ہوگی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت پر دلیل قائم فرمائی اور ظالم جو کچھ کر رہے ہیں تم اللہ کو اس سے ہرگز بے خبر نہ سمجھنا۔

اس سے مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ مظلوم کا ظالم سے انتقام نہ لے، تو لازم آئے گا۔۔ یا۔۔ تو اللہ تعالیٰ ظالم کے ظلم سے لاعلم اور غافل ہے۔۔ اور یا۔۔ اس سے انتقام لینے سے عاجز ہے۔۔ اور یا۔۔ اس کے ظلم پر راضی ہے۔ اور جب یہ تمام امور اللہ تعالیٰ پر محال ہیں، تو ماننا پڑے گا کہ ایک دن تمام انسان، یہ جہان اور اس کی تمام چیزیں فنا

کردی جائیں گی، اور تمام چیزوں کا فنا ہوجانا ہی قیامت ہے۔ اس کے بعد حشر اور روزِ حساب ہوگا اور ظالم کو اس کے ظلم پر سزادی جائے گی اور مظلوم کو اُس کی مظلومیت پر جزادی جائے گی۔۔ الختصر۔۔ دامن رسالت مآب سے وابستہ رہنے والو! اللہ تعالیٰ کی شانِ علم وخبر سے واقف رہو۔۔۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

اور نہ سمجھو اللہ کو غافل، اندھیر مچانے والوں کے کرتوت سے۔۔۔ وہ صرف مہلت دیتا ہے انہیں،

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾

اس دن کے لیے کہ پھٹی رہ جائیں گی جس میں اُن کی آنکھیں●

(اور نہ سمجھو اللہ) تعالیٰ (کو غافل اندھیر مچانے والوں کے کرتوت سے)۔

یاد رہے کہ اس طرح کی 'نہیوں' میں خطاب تو نبی کریم کی طرف ہوتا ہے، لیکن مراد آپ کے غیر ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم میں یہ اسلوب عام طور سے استعمال فرمایا گیا ہے۔

(وہ صرف مہلت دیتا ہے انہیں، اُس دن کے لیے کہ پھٹی رہ جائیں گی جس میں ان کی آنکھیں) یعنی نظروں پر دیکھنے سے ہول طاری ہوگا۔۔۔

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ

بے تحاشہ دوڑتے، اپنا سر اٹھائے، اُن کی پلک جھپکتی نہیں۔

وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾ؕ

اور دل قابو سے باہر●

(بے تحاشہ دوڑتے اپنا سر اُٹھائے) ہوئے **(اُن کی پلک جھپکتی نہیں)** اُن کی طرف یعنی ان کی آنکھیں چڑھ کر ویسی ہی رہ گئی ہوں گی کہ وہ لوگ اپنے تئیں نہ دیکھ سکیں گے۔ **(اور دل قابو سے باہر)** ہوجائیں گے، یعنی وحشت اور حیرت کے غلبہ کے سبب اُن کے دِل عقل وفہم سے عاری ہوجائیں گے ۔۔الختصر۔۔ اے محبوب! بتادو۔۔۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ

اور ڈرسنادو لوگوں کو اُس دن کا، کہ آئے گا ان پر عذاب، تو کہیں گے اندھیر مچانے والے، "کہ پروردگارا

أَخِّرۡنَآ إِلَىٰٓ أَجَلٖ قَرِيبٖ نُّجِبۡ دَعۡوَتَكَ وَنَتَّبِعِ ٱلرُّسُلَۗ

ہمیں مہلت دے دے تھوڑی مدت کی۔ کہ ہم پیغام قبول کرلیں تیرا، اور رسولوں کے پیچھے پیچھے حاضر رہیں"۔

أَوَلَمۡ تَكُونُوٓاْ أَقۡسَمۡتُم مِّن قَبۡلُ مَا لَكُم مِّن زَوَالٖ ﴿٤٤﴾

تو" کیا تم قسم نہیں کھایا کرتے تھے پہلے؟ کہ تمہیں کبھی زوال نہیں"●

(اور ڈر سنادو) مکہ کے (لوگوں کو اُس دن کا کہ آئے گا ان پر عذاب)۔ وہ مرنے کا دن ہو ۔۔یا۔۔ قیامت کا روز، (تو کہیں گے اندھیر مچانے والے کہ پروردگارا! ہمیں مہلت دے دے تھوڑی مدت کی، کہ ہم پیغام قبول کرلیں تیرا اور رسولوں کے پیچھے پیچھے حاضر رہیں) اور ان کی پیروی کریں۔ ان کے جواب میں فرشتے کہیں گے (تو کیا تم قسم نہیں کھایا کرتے تھے پہلے؟ کہ تمہیں کبھی زوال نہیں) یعنی ہمیشہ دُنیا ہی میں رہیں گے آخرت میں نہ جائیں گے۔

وَسَكَنتُمۡ فِي مَسَٰكِنِ ٱلَّذِينَ ظَلَمُوٓاْ أَنفُسَهُمۡ وَتَبَيَّنَ لَكُمۡ

اور بسے تم اُن کے گھروں میں، جنہوں نے ظلم کر رکھا تھا اپنے اوپر، اور تمہیں خوب کھل گیا،

كَيۡفَ فَعَلۡنَا بِهِمۡ وَضَرَبۡنَا لَكُمُ ٱلۡأَمۡثَالَ ﴿٤٥﴾

کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے اُن سے، اور بتائی تھیں تمہیں مثالیں●

(اور بسے) تھے (تم اُن کے گھروں میں) یعنی عاد وثمود کے رہنے کی جگہوں میں (جنہوں نے ظلم کر رکھا تھا اپنے اوپر اور تمہیں خوب کھل گیا) یعنی تم پر اچھی طرح ظاہر ہو گیا تھا (کہ کیسا برتاؤ کیا تھا ہم نے ان سے) یعنی ان کے گھروں میں ہمارا عذاب نازل ہونے کے آثار تم نے دیکھ لیے تھے (اور بتائی تھیں تمہیں مثالیں) یعنی بیان کر دی تھیں تمہارے واسطے مثالیں ان کے حال کی۔۔۔

وَقَدۡ مَكَرُواْ مَكۡرَهُمۡ وَعِندَ ٱللَّهِ مَكۡرُهُمۡ وَإِن كَانَ

اور بے شک انہوں نے چلائے اپنے جیسے داؤں، اور اللہ کے پاس ہے اُن کے داؤں کا انجام۔ اور اُن کا

مَكۡرُهُمۡ لِتَزُولَ مِنۡهُ ٱلۡجِبَالُ ﴿٤٦﴾

ایسا داؤں بھی نہ تھا، کہ ٹل جائیں جس سے یہ اسلامیات کے پہاڑ●

(اور بے شک انہوں نے چلائے اپنے جیسے داؤں) اور کوشش کی انہوں نے مکر کرنے میں

جو نہایت مرتبے پر ان کا مکر تھا۔(اور اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے ان کے داؤں کا انجام) اور ان کے مکر کی جزا۔(اور) خیال رہے کہ (ان کا ایسا داؤں بھی نہ تھا، کہ ٹل جائیں جس سے یہ اسلامیات کے پہاڑ) اور شریعت کے احکام جو پہاڑوں کی طرح اٹل ہیں۔یعنی کافروں نے حیلے اور مکر بنائے تا کہ جو چیز ثبات اور استحکام میں پہاڑ کے مثل ہے وہ زائل ہو جائے، اور یہ بات محال ہے۔

زیادہ ظاہر یہی ہے کہ مذکورہ بالا ارشاد میں کافروں کے جس مکر کا ذکر ہے، وہ کفارِ مکہ کا مکر ہے جو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے قتل کی سازش کی تھی اور شب ہجرت کو کاشانہء اقدس کو اپنے حصار میں لے لیا تھا۔اور پھر وہ خدائی تدبیر کے آگے خائب و خاسر ہو کر ہاتھ ملتے رہ گئے تھے۔

رسولوں نے اپنی امتوں سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت آئے گی اور سب لوگ مر جائیں گے اور سب چیزیں ختم ہو جائیں گی۔پھر اللہ تعالیٰ سب کو زندہ کرے گا اور سب انسانوں سے حساب لے گا۔مومنوں اور پرہیزگاروں کو جزا دے گا اور کافروں اور ظالموں کو سزا دے گا۔اور یہ اس لیے ضروری ہے کہ اگر قیامت قائم نہ ہو اور ظالموں کو سزا اور مظلوموں کو جزا نہ دی جائے، تو ظالم بغیر سزا کے اور مظلوم بغیر جزا کے رہ جائیں گے۔اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تو خیال بھی نہ کرنا اللہ کو، اپنے رسولوں سے کیے وعدہ کے خلاف کرنے والا۔بے شک اللہ

عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ﴿۴۷﴾

غالب ہے، بدلہ لینے والا ہے●

(تو خیال بھی نہ کرنا اللہ) تعالیٰ (کو اپنے رسولوں سے کیے) ہوئے (وعدہ کے خلاف کرنے والا۔بے شک اللہ) تعالیٰ (غالب ہے) اور (بدلہ لینے والا ہے)، دوستوں کا بدلہ دشمنوں سے نکالے گا۔

۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ فرما لیا ہے کہ 'ہم نصرت دیں گے رسولوں کو' اور لکھ لیا ہے اللہ نے کہ 'غالب ہوں گا میں اور میرے رسول'، تو ان وعدوں کے خلاف نہ اس نے کیا ہے اور نہ کرے گا، اور اپنے محبوب کو دشمنوں پر ضرور مظفر و منصور فرمائے گا۔

یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ

جس دن بدل دی جائے گی زمین اس زمین کے علاوہ، اور سارے آسمان،

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

اور سب نکل پڑے اللہ کے لیے، اکیلا غالب ●

(جس دن بدل دی جائے گی زمین، اِس زمین کے علاوہ اور سارے آسمان) بدلے جائیں گے دوسرے آسمان سے۔

پہلی دفعہ ان کی صرف صفت تبدیل ہوگی اور یہ پہلے 'نفخ صور' سے پہلے کی بات ہے، اُس وقت آسمان کے ستارے جھڑ جائیں گے، اور سورج بے نور ہو جائے گا، اور چاند کی چاندنی ختم ہو جائے گی۔ یعنی چاند سورج دونوں بے نور ہو جائیں گے اور سارے کا سارا عالم دھوئیں کی صورت میں نظر آئے گا، اور کبھی کالے تیل کی طرح ہوگا اور زمین کی تمام عمارتیں مٹ جائیں گی، اور زمین چٹیل میدان بن جائے گی۔ اور پہاڑ ہوا میں بادل کی طرح اُڑتے نظر آئیں گے۔ دریا، ندی نالے سب خاک میں مل جائیں گے۔ اور درخت بھی کٹ کر مٹی ہو جائیں گے۔ اِس طرح زمین کو چٹیل میدان بنا دیا جائے گا۔ دوسری بار زمین و آسمان کی حقیقت یعنی ذات تبدیل ہوگی اور یہ اس وقت ہوگا کہ جب محشر میں اہل محشر ٹھہریں گے، زمین چاندی کی ہوگی اور آسمان سونے کا۔

(اور) ایسے عالم میں (سب نکل پڑے) اپنی قبروں سے (اللہ) تعالیٰ (کے لیے) یعنی اس کے محاسبے کے واسطے جو (اکیلا) ہے اور (غالب) ہے۔ یعنی وحدہٗ لاشریک اور قہار و جبار ہے۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾

اور دیکھو گے مجرموں کو اُس دن، جکڑے ہوئے زنجیروں میں ●

(اور دیکھو گے مجرموں کو اُس دن جکڑے ہوئے زنجیروں میں) یا طوقوں میں باہم باندھے اور اکٹھا کیے ہوئے، عقائد و اعمال میں مشارکت کے موافق ۔۔یا۔۔ ہر ایک کو اُس شیطان کے ساتھ باندھے ہوئے جو اُسے وسوسہ دیتا تھا۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾

اُن کے کُرتے رال کے، اور چھائی ہے اُن کے چہروں پر آگ ●

(اُن کے کُرتے رال کے)، جو ایک سیاہ اور غلیظ چیز ہوتی ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ وہ پہاڑی سرو کا گوند ہے جسے پکا کر خارش زدہ اونٹوں پر طلا کرتے ہیں کہ اپنی حدت سے خارش کو جلا دے۔ قیامت کے دن دوزخیوں کی کھالوں پر لگائیں گے، تا کہ اس کی حدت اور شدت سے اس کے رنگ کی وحشت اور اُس کی بدبو اور اس میں جھٹ پٹ آگ لگ جانے سے ان پر عذاب ہو۔ اور بعضوں نے کہا کہ دُنیا کے قطران اور دوزخ کے قطران میں اتنا تفاوت ہے، کہ جتنا دنیا کی آگ اور دوزخ کی آگ میں تفاوت ہے، تو دوزخ کا قطران ان کے اعضاء پر لگا دیں گے۔

(اور) پھر یہ صورت حال ہوگی کہ جیسے (چھائی ہے اُن کے چہروں پر آگ) آگ ان کے چہروں پر ایسا چھا جائے گی کہ چہرہ آگ میں چھپ جائے گا۔ یہ قبروں سے کس کے لیے نکلیں گے؟۔۔۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٥١﴾

تا کہ بدلہ دے اللہ ہر ایک کو جو اُس نے کمایا۔ بے شک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے ●

(تا کہ بدلہ دے اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کو جو) کچھ (اس نے کمایا) ہے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (جلد حساب کرنے والا ہے) بندوں کا، اس لیے کہ ایک کا حساب دوسرے کے حساب سے اُسے باز نہیں رکھتا۔۔۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ

یہ پیغام ہے سب انسان کے لیے، اور تا کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں، اور جان لیں کہ صرف وہ اکیلا معبود

وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٥٢﴾ ع

اور تا کہ سبق لیں عقل والے ●

ع ١١ / ١٩

۔۔الحاصل۔۔ (یہ) یعنی قرآنِ کریم۔۔یا یہ۔۔جو اِس سورت میں نصیحت ہے (پیغام ہے سب انسان کے لیے) اور کفایت ہے لوگوں کو، تا کہ نصیحت کیے جائیں اس کے ساتھ (اور تا کہ وہ اس سے ڈرائے جائیں اور جان لیں کہ صرف وہ اکیلا معبود)۔ اُن قدرت کی دلیلوں میں فکر اور تامل کریں جو اس میں مذکور ہیں۔ (اور تا کہ سبق لیں عقل والے) یعنی البتہ چاہیے کہ نصیحت پکڑیں عقل والے اور جس چیز سے 'نہی' ہے اس سے باز رہیں، اور جن کاموں کا حکم ہے، ان پر قیام کریں، اور ہمیشہ ان پر عملدرآمد کرتے رہیں۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۰؍رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲۱؍اگست ۲۰۱۰ء

بروز شنبہ۔۔سورۂ ابراہیم کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

رب کریم پورے قرآن کریم کی تفسیر کو مکمل

کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین بِجَاہِ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۱؍رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۲۲؍اگست ۲۰۱۰ء

بروز یکشنبہ۔۔سورۂ حجر کی تفسیر کا آغاز کردیا اور اس کی

پہلی آیت کی تفسیر کرکے تیرھویں پارہ کی تفسیر کی تکمیل

کردی اور پھر آج ہی چودھویں پارہ کی تفسیر کا آغاز بھی کردیا۔

دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ پورے قرآن کریم کی تفسیر کرنے

کی سعادت مرحمت فرمائے اور توفیق خیر عطا فرماتا رہے۔

آمین بِجَاہِ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

سورۃ الحجر ۱۵ مکیۃ ۵۴ | **سُوْرَۃُ الْحِجْرِ** | ایاتہا ۹۹ رکوعاتہا ۶

سورۂ حجر مکیہ | | آیات ۹۹ رکوع ۶

اِس سورہ کا نام 'الحجر' ہے، اس لیے کہ اس سورت کی ایک آیت میں یعنی آیت ۸۰ میں 'الحجر' کا ذکر ہے۔ 'حجر' کا معنیٰ 'منع کرنا' ہے۔ عقل کو بھی 'حجر' کہتے ہیں، کیونکہ وہ انسانوں کو غلط اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ جو مکان پتھروں سے بنایا جائے، اس کو بھی 'حجر' کہتے ہیں۔ قوم ثمود کی آبادیاں چونکہ پتھروں کو تراش کر بنائی گئی تھیں، اس لیے ان کو 'الحجر' کہا گیا۔ قرآن کریم میں 'سورۂ الفجر' آیت ۵ میں 'حجر' کا لفظ عقل کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ قرآنِ

مجید میں 'سورۂ انعام' کی آیت ۱۳۸ اور 'سورۂ الفرقان' کی آیت ۵۳ میں 'ممنوع' کے معنی میں 'حجر' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔قوم ثمود کی بستی --یا-- ان کے وطن کا نام 'الحجر' ہے۔ یہ جگہ مدینہ اور شام کے درمیان 'وادی القریٰ' میں تھی۔

یہ لوگ پہاڑوں میں کھدائی کر کے پہاڑوں کے اندر اپنے مکان بناتے تھے۔انہی پہاڑیوں میں وہ کنواں تھا، جس سے ایک دن حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی اور ایک دن ان کی قوم پانی پیتی تھی۔ یہ سورۂ مبارکہ مکی ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر چوّن ۵۴ ہے اور یہ 'سورۂ انعام' سے پہلے اور 'سورۂ یوسف' کے بعد نازل ہوئی۔ اس میں ننیانوے ۹۹ آیتیں اور چھ ۶ رکوع ہیں۔ 'سورۂ ابراہیم' قرآنِ مجید کے ذکر پر ختم ہوئی تھی، اور 'سورۂ الحجر' قرآنِ کریم کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے۔تو اس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں---

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے تمام بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور ایمان والے بندوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

ال راء--- یہ ہیں کتاب کی اور قرآن روشن کی آیتیں●

(ال راء)

ان حروف مقطعات سے اپنی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانے --یا-- اس کے بتانے سے وہ جانے جن پر اِن کلمات کو نازل فرمایا گیا ہے --یا-- خدائے تعالیٰ ہی کے علم دینے سے اس کے محبوبین جانیں --الختصر-- اسلم راستہ یہی ہے، کہ اس کا کوئی معنی نہ بیان کی جائے۔ لیکن علماء نے اس سالم طریقے کی بھی گنجائش دی ہے کہ اس کی ایسی تاویل کی جائے جو کسی محکم آیت سے نہ ٹکرائے اور نہ ہی کسی شان والے کی شان گھٹائے --چنانچہ-- اُسی سالم راستے کو اپناتے ہوئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہر ایک حرف، ایک اسم کی طرف اشارہ ہے --چنانچہ-- الٓرٰ میں 'الف' اشارہ ہے اسم 'اللہ' کی طرف، اور 'لام' اسم 'جبرائیل' کی طرف اور 'راء' اسم 'رسول' کی طرف۔یعنی یہ کلام اللہ کا حضرت جبرائیل علیہ السلام کے واسطے سے رسول علیہ السلام کو پہنچا۔ حاصل ارشاد یہ ہوا کہ یہ آیتیں جو نازل ہوئی ہیں---

(یہ ہیں کتاب کی اور قرآنِ روشن کی آیتیں)۔

الکتاب اصل کے اعتبار سے عام ہے اور غلبہء استعمال کے اعتبار سے اس خاص کتاب کا عَلَم یعنی نام ہوگیا، اور قرآن اصل وضع کے اعتبار سے اس کتاب کے لیے عَلَم ہے۔ چونکہ اہل عرب میں الکتاب کا لفظ مانوس اور معروف تھا۔ وہ تورات، زبور اور انجیل کو آسمانی کتابوں کے عنوان سے پہچانتے تھے، اور یہودیوں اور عیسائیوں کو اہل کتاب کہتے تھے ۔۔نیز۔۔ جب وہ ضد اور بحث کرتے تھے، تو وحی الٰہی کو کتاب کہتے تھے، جیسا کہ 'سورۂ انعام' کی آیت ۱۵۷ سے ظاہر ہے۔ اِسی لیے کتاب کا ذکر قرآن کے ذکر پر مقدم کردیا ۔۔الختصر۔۔ کتاب اور قرآن، کلام مجید ہی کے دو نام ہیں، جسے لکھی ہوئی چیز اور متعدد مسائل اور مضامین کی جامع ہونے کی وجہ سے کتاب کہہ دیا، اور مسلسل پڑھی جانے ۔۔یا۔۔ اس کی عبارتوں کے باہم متصل ہونے کی وجہ سے، اِس کو قرآن کہہ دیا گیا اور قرآن کا عرفی معنی یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو سیدنا محمد ﷺ پر لفظاً نازل کیا گیا، اور ہم تک ایسی نقل متواتر سے پہنچا کہ کوئی شبہ نہیں ہے۔

۱۴

رُبَمَا

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا

بار ہا تمنا کریں گے جنہوں نے کفر کیا، کہ کاش مسلمان ہوتے ● انہیں ہٹاؤ، کہ کھالیں اور رہ سہہ لیں،

وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

اور مشغول کرلے انہیں لمبی لمبی امید، تو جلد ہی انہیں معلوم ہو جائے گا ●

(بار ہا تمنا کریں گے جنہوں نے کفر کیا کہ کاش مسلمان ہوتے)، اور یہ آرزو دنیا میں ہوگی مسلمانوں کی فتح کے وقت۔۔یا۔۔جب کافروں کو موت کا سامنا ہوگا۔۔یا۔۔قبر میں۔۔یا۔۔قیامت کے دن۔۔یا۔۔حساب کے وقت۔۔یا۔۔جس وقت موحد گنہگار دوزخ سے نکلیں گے اور دوزخ کے دروازے پھر بند کردیے جائیں گے اور کافر سمجھیں گے کہ دوزخ سے نکلنا ہمیں نصیب نہیں، تو تمنا کریں گے کہ کاش کہ ہم اہلِ اسلام ہوتے۔

اِن کافروں کی اِہانت اور حقارت کرنے کے لیے حکم دیا جارہا ہے، کہ اَے محبوب! یہ کافر کس گنتی میں ہیں اور یہ کب لائق اعتناء ہیں، تو۔۔۔

(انہیں ہٹاؤ) اور اپنے سے دور کردو، اور ان کو جانے بھی دو، تا (کہ کھالیں اور رہ سہہ لیں اور مشغول کرلے انہیں لمبی لمبی امید)، یعنی بڑی عمر ہونے اور برقرار رہنے کی توقع، جو معاد کی تیاری اور مآل کے فکر سے ان کے حال کو باز رکھے۔ (تو جلدی انہیں معلوم ہو جائے گا) اپنے قول وفعل کا خاتمہ اور اپنا انجام۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ

اور نہیں تباہ کیا ہم نے کوئی آبادی، مگر اُس کا جانا بوجھا تقدیر کا لکھا تھا ● کوئی امت نہ آگے بڑھے

أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ

اپنے وقت سے اور نہ پیچھے ہٹے ● اور کفار بکنے لگے کہ "اَے وہ جس پر نازل کیا گیا ہے قرآن، تم بلاشبہ ضرور

لَمَجْنُونٌ ۝ لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

مجنون ہو ● کیوں نہیں لے آتے ہمارے پاس فرشتے، اگر سچے ہو" ●

(اور نہیں تباہ کیا ہم نے کوئی آبادی مگر اُس کا جانا بوجھا تقدیر کا لکھا تھا) یعنی اُن کی ہلاکت کے لیے ایک زمانہ طے کردیا گیا تھا، اور لوحِ محفوظ میں لکھا تھا کہ اتنی مہلت ہوگی اور اِس وقت ہلاکت

ہوگی۔ پھراس نوشتہء تقدیر کے مطابق (کوئی امت نہ آگے بڑھے اپنے وقت سے، اور نہ پیچھے ہٹے) یعنی ان کے ہلاک ہونے کا جو وقت مقرر تھا اُسی وقت ہلاک ہوئے، نہ اُس سے قبل ان کی ہلاکت ہوئی اور نہ ہی اس کے بعد۔ اُن کے حالات سے عرب کے کافروں کو سبق لینا چاہیے اور اپنی تمام خام خیالیوں سے باز آجانا چاہیے، اور نبی کریم کے سامنے استہزاء و تمسخر کا مظاہرہ نہ کرنا چاہیے، مگر اُن کو ہوش نہ آیا (اور) وہ عرب کے (کفار) بطور استہزاء (بکنے لگے کہ اَے وہ جس پر نازل کیا گیا ہے قرآن! تم بلاشبہ ضرور مجنون ہو) یعنی بے شک تو دیوانہ ہے، کہ ہمیں نقد سے اُدھار کی طرف بلاتا ہے۔

یہ کلام ہنسی کی راہ سے تھا، اس واسطے کہ نزول قرآن کا اعتقاد اور دیوانہ پن کی نسبت باہم دُرست نہیں ہوتی۔ پھران کافروں نے یہ بات کہی، کہ (کیوں نہیں لے آتے ہمارے پاس فرشتے) اپنی رسالت کی گواہی کے لیے (اگر سچے ہو)، یعنی تو اگر سچ کہتا ہے کہ میں پیغمبر ہوں، تو فرشتے لاکہ ہمارے سامنے تیری رسالت کی گواہی دیں۔

حق تعالیٰ اِس کے جواب میں اِرشاد فرماتا ہے۔۔۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸

ہم نہیں نازل فرماتے فرشتوں کو، مگر فیصلہ درست کے ساتھ۔ اور پھر نہ رہ جاتے اُس وقت یہ مہلت پائے ہوئے●

(ہم نہیں نازل فرماتے فرشتوں کو، مگر فیصلہ دُرست کے ساتھ)۔ یعنی وحی کے ساتھ۔۔یا۔۔ عذاب کے ساتھ۔ یعنی کسی فرشتے کو اُس کی اصلی صورت پر اُسی وقت دیکھ سکتے ہو، جب وہ عذاب کے واسطے نازل ہو۔ جیسا کہ قوم ثمود نے جبرائیل علیہ السلام کو سخت آواز کے وقت دیکھا۔۔یا۔۔ جیسے سب لوگ مرتے وقت دیکھتے ہیں۔۔ الغرض۔۔ اگر عذاب کے فرشتے نازل کیے جاتے (اور) یہ لوگ اُنہیں دیکھتے، تو (پھر نہ رہ جاتے اُس وقت یہ مہلت پائے ہوئے)۔ یعنی نہ ہوں گے اُس وقت مہلت دیے ہوؤں میں سے جب ملائکہ کو ہم اُن کی صورت میں بھیجتے۔ یعنی فوراً عذاب کیے جائیں گے۔۔ المختصر۔۔ جب فرشتے نازل ہو جائیں گے، تو اُن کو مہلت نہیں دی جائے گی۔

اِس کے دو معنی ہیں: ایک یہ کہ جب فرشتے اُن کی روح قبض کرنے آئیں گے، تو اُن کو مہلت نہیں دی جائے گی، اور دوسرا یہ کہ جب فرشتے ان پر عذاب لے کر آئیں گے، تو اُن کو مہلت نہ دی جائے گی۔

لیکن نوشتۂ تقدیر میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر ایسا عذاب نہیں آئے گا کہ پوری قوم نیست و نابود کردی جائے۔۔ بلکہ۔۔ اِس امت کو اُس ذکر کا امین بنا دیا جائے گا، جس ذکر کا کفار بطورِ استہزاء نام لیتے ہیں، اور ان کا گمان یہ ہے کہ یہ ذکر خدا کی طرف سے نازل نہیں فرمایا گیا ہے۔ ہوش وحواس کے ساتھ سن لو! کہ۔۔۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحٰفِظُونَ ۝۹

بے شک ہمیں نے اتارا ہے قرآن، اور بلاشبہ ہم ہیں اس کے نگہبان●

(بے شک ہمیں نے اُتارا ہے قرآن، اور بلاشبہ ہم ہیں اُس کے نگہبان)۔

قرآن کو ذِکر اس لیے فرمایا کہ یہ ایمان والوں کا ذِکر ہے۔۔یا۔۔ ذِکر کے معنی شرف کے بھی آئے، تو قرآن اپنے پڑھنے والوں کی عزت وشرف کا سبب ہے۔

یقیناً ہم اُس کے نگہبان ہیں تحریف سے، یعنی شیطان اس میں کچھ باطل نہیں بڑھا سکتا۔۔یا۔۔ حق میں سے کچھ گھٹا نہیں سکتا۔۔یا۔۔ اِس میں خلل پڑنے سے ہم نگہبان ہیں۔۔یا۔۔ جس کے دل میں ہم چاہتے ہیں قرآن کی حفاظت کرتے ہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ لَهُ کی ضمیر جنابِ رسول کریم ﷺ کی طرف پھرتی ہے، یعنی دشمنوں کے ضرر پہنچانے سے ہم ان کے نگہبان ہیں۔

اَے محبوب! یہ کفار آپ کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں تو یہ کافروں کی کچھ نئی عادت نہیں، تو سنو! کہ اپنی مشیت۔۔۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِيَعِ الْأَوَّلِينَ ۝۱۰ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ

اور ہم نے رسول بھیجا تم سے پہلے اگلے شیعوں میں ● اور نہ آتا اُن تک

رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝۱۱ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهُ

کوئی رسول، مگر وہ اُس کی ہنسی اڑاتے رہتے ● اسی طرح کی چال ہم چلا رہے ہیں

فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝۱۲

ان مجرموں کے دلوں میں●

(اور) اپنے ارادے سے (ہم نے رسول بھیجا تم سے پہلے، اگلے شیعوں میں) یعنی اگلے

گروہوں میں، (اور) اُن گروہ والوں کا حال یہ رہتا کہ (نہ آتا اُن تک کوئی رسول مگر وہ اس کی ہنسی اڑاتے رہتے) اس رسول سے تکبر و عناد کی وجہ سے، جیسے یہ معاند تیرے ساتھ مسخرہ پن کرتے ہیں۔

اِس سے رسولِ مقبول ﷺ کو تسلی دینا مقصود ہے۔

یعنی اَے محبوب! قوم کی ایذاء رسانیوں کے ساتھ کچھ تم ہی خاص نہیں کیے گئے۔۔بلکہ۔۔سب رسول اس بلا میں مبتلا تھے۔ جس طرح انبیاء کی ہنسی کرنا اگلے تکذیب کرنے والوں کے دلوں میں ڈال دیا تھا (اُسی طرح کی چال ہم چلا رہے ہیں ان مجرموں کے دلوں میں)۔۔چنانچہ۔۔

لَا يُؤْمِنُونَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾

وہ نہ مانیں گے یہ، اور گزر چکی ہے یہی راہ اگلوں کی●

(وہ نہ مانیں گے یہ) یعنی اس قرآن پر ایمان نہ لائیں گے۔ (اور گزر چکی ہے یہی راہ اگلوں کی) ، یعنی ان میں سے جو کوئی ہلاک ہوا، تو حق نہ قبول کرنے اور رسولوں کی تکذیب کرنے کی وجہ سے ہوا۔

اور یہ اہلِ مکہ کے واسطے وعید ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ کی تکذیب کر کے معجزات ظاہر ہونے کے بعد مزید معجزوں کی فرمائش کرتے اور اصرار کرتے کہ رسالت پر گواہی دینے کے لیے فرشتے نازل ہوں۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور اگر ہم کھول دیتے ان پر آسمانی دروازہ، کہ دن دوپہر چڑھ جاتے اس میں●

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ ع ۱

تو بھی بکتے کہ "ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے، بلکہ ہم جادو کے مارے ہیں"●

(اور) یہ ضدی لوگ ایسے تھے کہ (اگر ہم کھول دیتے اُن پر آسمانی دروازہ، کہ دن دوپہر چڑھ جاتے اس میں) اور وہاں کے مناظر دیکھتے۔۔نیز۔۔آسمانی دروازوں سے فرشتوں کے اترنے چڑھنے پر نظر کرتے، (تو بھی) عناد کی راہ سے اور حق میں شک کرنے کی وجہ سے وہ (بکتے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے، بلکہ ہم جادو کے مارے ہیں)، یعنی محمد ﷺ نے ہم پر جادو کر دیا ہے۔ جس طرح اور معجزے ظاہر ہونے کے وقت کہتے تھے کہ یہ جادو استمراری ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿١٦﴾

اور بے شک بنایا ہم نے آسمان میں کئی برج، اور سنوار دیا ہم نے اُسے دیکھنے والوں کے لیے ●

آیاتِ سابقہ میں اللہ تعالیٰ نے منکرین نبوت کے شبہات کا جواب دے کر اُن کا ازالہ فرمایا تھا، اور یہ واضح اور جلی ہے کہ نبوت کا ثبوت اُلوہیت کے ثبوت پر مبنی ہے، تو اب اللہ تعالیٰ اُلوہیت کے دلائل بیان فرما رہا ہے، کہ۔۔۔

(**اور بے شک بنایا ہم نے آسمان میں کئی بُرج**) یعنی بارہ بُرج مختلف ہیئتوں اور خاصیتوں کے ساتھ۔ (**اور سنوار دیا ہم نے اُسے**)، یعنی آراستہ کر دیا ہم نے انہیں صورتوں سے۔۔یا۔ آسمانوں کو آفتاب، مہتاب اور ستاروں سے سجا دیا (**دیکھنے والوں کے لیے**) تا کہ وہ نظرِ عبرت سے اُسے دیکھیں اور انہیں دیکھ کر پیدا کرنے والے کی قدرت پر دلیل پکڑیں۔

وَحَفِظْنَاهَا مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿١٧﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ

اور بچایا ہم نے اُسے ہر شیطان مردود سے ● مگر جو چوری چھپے گیا سننے کو،

فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ﴿١٨﴾

تو پیچھا پکڑا اُس کا دہکتے شعلے نے ●

(**اور بچایا ہم نے اُسے ہر شیطان مردود سے**) کہ آسمانوں پر وہ نہیں چڑھ سکتا اور وہاں کے حالات اور خبروں سے وہ نہیں مطلع ہوتا۔ (**مگر جو چوری چھپے گیا سننے کو**)، کہ فرشتوں سے سنی ہوئی بات اُڑا لائے (**تو پیچھا پکڑا اُس کا دہکتے شعلے نے**)، یعنی روشن اور چمکتے ہوئے ستارے، شہاب ثاقب نے اور اُسے جلا دیا۔

منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے تک، شیطان آسمان پر جاتے تھے اور ملائکہ جو لوحِ محفوظ کی خبریں پڑھتے تھے اس پر آگاہ ہو کر باتیں اُڑا لاتے تھے، اور زمین پر آ کر اپنے کاہن دوستوں سے کہتے تھے۔ جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، تو شیطانوں کو تین آسمانوں پر جانے کی ممانعت ہوگئی، تو پھر وہ چوتھے آسمان تک جاتے۔ پس جب حضرت خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ہوئی، تو سب آسمانوں پر شیطانوں کو جانے کی ممانعت ہوگئی، اور انہیں مارنے کو شہاب ثاقب مقرر ہوئے اور کاہنی کے دروازے بالکل بند ہوگئے۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

اور زمین کو ہم نے لمبی چوڑی کی، اور گاڑ دیے ہم نے اس میں پہاڑ، اور اُگایا

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾

اُس میں ہر چیز نپی تلی ●

(اور) یہ بھی ہماری قدرتِ کاملہ کی نشانی ہے کہ (زمین کو ہم نے لمبی چوڑی کی) پانی پر کعبہ کے نیچے سے، (اور گاڑ دیے ہم نے اس میں پہاڑ) جو سر اٹھائے اور قدم جمائے ہوئے ہیں۔ (اور اُگایا اس میں ہر چیز نپی تلی) حکمت کے ترازو میں، یعنی ایک مقدار معین پر اندازہ کی ہوئی۔ ایسی صورت پر جو حکمتِ بے علت نے چاہی۔

۔۔یا یہ۔۔ معنی کہ ہم نے وہ چیز اُگائی جسے تولتے ناپتے ہیں۔۔یا۔۔ مَّوْزُوْنٍ 'مستحسن' کے معنی میں ہو۔ یعنی زمین سے ہم نے اچھی اچھی چیزیں اگائیں جن میں کلی منفعتیں ہیں اور وہ چیزیں اشجار اور مزروعات ہیں۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور بنایا ہم نے تمہارے لیے اس میں سامانِ زندگی، اور وہ جس کے لیے تم لوگ روزی دینے والے نہیں ●

(اور بنایا ہم نے تمہارے لیے اس میں سامانِ زندگی) جن کے سبب سے تمہارے عیش کا قیام ہے۔ (اور) تمہارے واسطے (وہ) بھی بنایا (جس کے لیے تم لوگ روزی دینے والے نہیں) ہو۔ یعنی تمہارے لیے انہیں بھی بنایا جن کے تم رازق نہیں اور جنہیں ہم رزق پہنچاتے ہیں، یعنی تمہارے خدام، لونڈی اور غلام۔۔یا۔۔ سواریاں اور چار پائے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

اور کوئی چیز نہیں مگر ہمارے پاس اُس کے خزانے ہیں، اور نہیں اتارتے ہم اُسے مگر جانے بوجھے اندازے سے ●

(اور کوئی چیز نہیں) ہے جس کی حاجت آدمی کو ہو (مگر ہمارے پاس)، یعنی ہمارے حکم کے ماتحت (اُس کے خزانے ہیں)، یعنی اُسے پیدا اور ایجاد کرنے پر ہم قادر ہیں۔

یہ اقتدار اور اختیار کے واسطے ضرب المثل ہے۔ اس واسطے کہ اپنی قدرت کی چیزوں کو خزانہ

رکھی ہوئی چیزوں سے تشبیہ دی، کہ اُن کے نکالنے میں کلفت اور زحمت کی احتیاج نہیں۔
(اور نہیں اتارتے ہم اُسے مگر جانے بوجھے اندازے سے) کہ اس سے کم ہوتی ہے نہ زیادہ
۔۔الغرض۔۔ہم اس کو صرف معین اندازے کے مطابق نازل کرتے ہیں۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰکُمُوْهُ

اور چلائی ہم نے ہواؤں کو بادل کو بوجھل کرنے والی، پھر برسایا ہم نے بلندی سے پانی، پھر سیراب کیا ہم نے تمہیں اُس سے۔

وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ﴿۲۲﴾

اور نہیں ہو تم لوگ اُس کے خزانچی●

(اور چلائی ہم نے ہواؤں کو بادل کو بوجھل کرنے والی) یعنی بوجھ اُٹھانے والی ہوائیں بھیجیں جو ابر کو اٹھانے والی ہیں۔۔یا۔۔جو درختوں کو میووں سے بھاری کردینے والی ہیں۔(پھر برسایا ہم نے بلندی سے پانی) یعنی بارش نازل کی، (پھر سیراب کیا ہم نے تمہیں اس سے) یعنی پلایا ہم نے تمہیں وہ پانی اور اس میں تمہیں تصرف عطا کیا، (اور نہیں ہو تم لوگ اُس کے خزانچی) یعنی حفاظت کرنے والے، کنویں، تالاب اور چشمے میں، بلکہ ہم اس کے محافظ ہیں۔

۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق۔۔۔

نہیں ہو تم خدا کے خزانہ دار، یعنی اس کے خزانے تمہارے ہاتھ میں نہیں ہیں اور تم جو کچھ خزانہ رکھتے ہو وہ سب اُسی کا خزانہ ہے۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور بے شک ہم ضرور زندہ کرتے ہیں اور مارتے ہیں، اور ہم ہی وارث ہیں●

(اور بے شک ہم ضرور زندہ کرتے ہیں) فنا ہوجانے والے جسموں کو ان میں زندگی ایجاد کرکے، (اور مارتے ہیں) زندہ جسموں کو اُن میں سے حیات زائل کرکے۔

۔۔یا یہ۔۔کہ مشاہدے کے انوار سے دِلوں کو ہم زندگی دیتے ہیں، اور مجاہدے کی آگ میں نفسوں کو ہم مار ڈالتے ہیں۔۔یا۔۔طاعتوں کی موافقت کے سبب سے دلوں کو ہم زندہ کرتے ہیں، اور خواہشوں کی متابعت کی وجہ سے ہم مار ڈالتے ہیں۔۔یا یہ۔۔کہ ہم اپنے اولیاء کے دل زندہ کرتے ہیں جمال کی چمک کے نوروں سے، اور ہم ان کے نفس کو مار ڈالتے

ہیں جلال کی نظر کے حملوں سے۔
(اور ہم ہی وارث ہیں)، یعنی خلائق کے فنا ہو جانے کے بعد ہم باقی ہیں۔
اس لیے میراث اُس چیز کو کہتے ہیں جو ایک کے مرنے کے بعد دوسرے کو پہنچے، تو سب معرضِ فنا میں ہیں اور حق تعالیٰ ہی صفتِ بقا کے ساتھ موصوف ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور بے شک جان لیا ہم نے تمہاری صفِ اوّل والوں کو، اور بلاشبہ جان لیا ہم نے صفِ آخر والوں کو ●

(اور بے شک جان لیا ہم نے تمہاری صفِ اوّل والوں کو) جنہوں نے اِسلام قبول کرنے میں پہل کی ہے۔ (اور) یوں ہی (بلاشبہ جان لیا ہم نے صفِ آخر والوں کو) یعنی تم میں سے پیچھے رہنے والوں کو۔

۔۔یا۔۔ تم آدمیوں میں سے تم سے اگلے اور پچھلے سب کو ہم جانتے ہیں۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے اب تک جو مر گیا اُسے بھی اور قیامت تک جو مرے گا اُسے بھی۔ گزرے ہوؤں میں سے جو پیدا ہوا تھا اُسے بھی ہم جانتے ہیں اور آنے والوں میں سے قیامت تک جو پیدا ہوگا اُسے بھی۔۔یا۔۔ اگلی اُمتوں کو بھی ہم جان چکے ہیں اور اُمتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی جانتے ہیں۔۔یا۔۔ اُسے بھی ہم جانتے ہیں جو صفِ جہاد میں مقدم ہے۔۔یا۔۔ عبادت میں سبقت رکھتا ہے اور اُسے بھی ہم جانتے ہیں جو اُن سے پیچھے رہ گیا۔۔ اِسی طرح۔۔ جو نمازی عورتوں کی صف سے آگے نکل جاتے تھے تاکہ عورتوں پر نظر نہ پڑے، اور جو منافق، عورتوں کی صف سے پیچھے چلے آتے تھے تاکہ گوشۂ چشم سے عورتوں کو دیکھ سکیں، تو اُن اگلے پچھلے دونوں کو میں جانتا ہوں اور اُن کا حال مجھ پر پوشیدہ نہیں ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع ۲

اور بے شک تمہارا پروردگار ہی حشر فرمائے گا اُن کا۔ بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے ●

(اور بے شک تمہارا پروردگار ہی حشر فرمائے گا اُن کا)، یعنی وہ سب اگلے پچھلے کو اکٹھا کرے گا اور ہر ایک کو جزا دے گا۔ (بے شک وہ حکمت والا) ہے اور یقیناً وہ دُرست کام کرنے والا ہے، اور (علم والا ہے)۔ یعنی ہر پوشیدہ و آشکارا کا جاننے والا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

اور بلاشبہ پیدا فرمایا ہم نے انسان کو بھنکتی مٹی سے، بُودار سیاہ گارے کی ●

(اور بلاشبہ پیدا فرمایا ہم نے انسان کو) یعنی آدم علیہ السلام کو **(بھنکتی مٹی سے)**، کہ جب اس پر ہاتھ ماریں تو پکے برتن کی طرح آواز دے۔ وہ مٹی **(بُودار سیاہ گارے کی)** تھی۔

وہ مٹی کالی کیچڑ سے بنی تھی جو پانی میں بہت رہنے کے سبب سے بُودار ہوگئی، جیسے وہ کیچڑ جو حوض اور نہر کی تہہ میں ہوتی ہے۔ اِس کا مختصر قصہ یہ ہے، کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خاک سے پیدا کیا، اس طرح کہ اپنے لطف وکرم کا پانی اُس خاک پر برسایا یہاں تک کہ وہ کیچڑ ہوگئی، پھر مدت تک اُسے چھوڑ دیا کہ وہ سیاہ مٹی ہوگئی۔ تو اُسے بہت اچھی ترکیب پر صورت بنائی۔ وہ خشک ہوکر صلصال کے مرتبے کو پہنچ گئی۔ حق تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے ہی قومِ جن کو پیدا فرما دیا تھا۔۔ چنانچہ۔۔ اِرشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

اور قومِ جن کو پیدا فرمایا تھا ہم نے پہلے ہی، بے دھوئیں کی آگ سے ●

(اور قومِ جن کو پیدا فرمایا تھا ہم نے پہلے ہی بے دھوئیں کی آگ سے)۔ جو مسام میں گھس جاتی ہے اور اُس سے صاعقے پیدا ہوتے ہیں جسے لُو کہتے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ بقول حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ دنیا کی سموم اُس **سموم** کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے، جس سے **جان** یعنی جنوں کا باپ پیدا کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ انسان وجان کی تخلیق کے ذِکر کے بعد اِن دونوں کے تعلق سے ایک اہم واقعہ کی تفصیل ارشاد فرما رہا ہے۔ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ

اور جب کہ جتا دیا تھا تمہارے پروردگار نے سارے فرشتوں کو، کہ بے شک میں پیدا فرمانے والا ہوں، چہرے مہرے والے

حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ

انسان کو بھنکتی مٹی سے، بُودار سیاہ گارے کی ● تو جب میں نے اُس کو سڈول کر دیا، اور اُس میں اپنی طرف سے جان ڈال دی،

فَقَعُوا لَهُ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾

تو اُس کے لیے گر پڑو سجدہ کرتے ہوئے●

(اور) اپنے علم و اِدراک میں حاضر کرلو اس صورتِ واقعہ کو، (جب کہ جتادیا تھا تمہارے پروردگار نے سارے فرشتوں کو) زمین پر اپنا خلیفہ بنانے کو، (کہ بے شک میں پیدا فرمانے والا ہوں چہرے مہرے والے انسان کو بھنکتی مٹی سے، بودار سیاہ گارے کی ● تو) اَے فرشتو! (جب) تمہیں یہ نظر آئے، کہ (میں نے اُس کو سڈول کردیا) اوراس کی صورت اور ہیئت دُرست کردی، (اور) پھر (اس میں اپنی طرف سے) اپنی ہی پیدا کردہ (جان ڈال دی، تواس کے لیے گر پڑو سجدہ کرتے ہوئے) یعنی ان کی تعظیم وتحیت کے لیے اُن کے روبرو زمین پر پیشانی ٹیک دو۔

گر پڑنے کے لفظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سجدۂ ملائکہ کے تعلق سے جو مختلف اقوال ہیں، اس میں یہی قول زیادہ صحیح اور راجح اور کلمۂ قرآنی کے قریب ہے، کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے ملائکہ کا سجدہ بھی زمین پر پیشانی ٹیک دینے والا ہی تھا۔ اور چونکہ اِس طریقے سے تعظیم کرنے کی ممانعت نہیں فرمائی گئی تھی، اس لیے اِس کو قبول کر لینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ

چنانچہ سجدہ کیا سارے فرشتوں نے سب مل کر● سوا ابلیس کے۔ انکار کردیا کہ

السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾

سجدہ کرنے والوں سے ہو● فرمان ہوا کہ "اے ابلیس، تجھے کیا ہوا؟ کہ سجدہ کرنے والوں سے نہ ہوا"●

(چنانچہ) خدائی حکم کو پاکر (سجدہ کیا سارے فرشتوں نے سب مل کر) ایک ہی بار (سوا ابلیس کے)، اُس نے اِس بات سے (اِنکار کردیا کہ سجدہ کرنے والوں سے ہو)۔ اُس کا یہ اِنکار تکبر کی وجہ سے تھا، تو (فرمانِ) الٰہی (ہوا کہ اَے ابلیس تجھے کیا ہوا؟) اور تیری غرض کیا تھی؟ (کہ) تو (سجدہ کرنے والوں سے نہ ہوا)۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

بولا، کہ "میں ایسا نہیں، کہ سجدہ کروں ایک بشر کے لیے، جس کو پیدا فرمایا تو نے بھنکتی مٹی سے، بدبودار سیاہ گارے کی"●

(بولا، کہ میں ایسا نہیں) ہوں اور اپنے کو اتنا پست نہیں سمجھتا (کہ سجدہ کروں ایک بشر کے

لیے)، اور وہ بھی ایسے بشر کے لیے (جس کو پیدا فرمایا تو نے بھنکتی مٹی سے بدبودار سیاہ گارے کی) یعنی خاک جو بدتر عناصر ہے، اُس سے تو نے اُسے پیدا کیا اور مجھے اُس سے بہتر آگ سے پیدا کیا۔ تو رُوحانی لطیف جسمانی کثیف کا کیوں فرمانبردار ہو۔

ابلیس نے یہاں اپنی بڑی ہی بے بصری اور بے بصیرتی کا مظاہرہ کیا، اس نے حضرت آدم علیہ السلام کے ظاہر کو تو دیکھا لیکن باطن سے غافل رہا۔ وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ جس صورت کو تو ویرانہ سمجھ رہا ہے، اِسرار کا خزانہ اِسی ویرانے میں مدفون ہے۔۔ الغرض۔۔ اس نے حضرت آدم کو دیکھا، مگر حضرت آدم میں نہ دیکھ سکا۔۔۔ حضرت آدم کو دیکھا، عناصر اربعہ کا مجسمہ دیکھا، خاک کا پیکر دیکھا۔ اگر حضرت آدم میں دیکھتا، تو خلافتِ اِلٰہی کے جلوے دیکھتا، نبوت و رسالت کی تجلیاں نظر آتیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ نورِ محمدی ﷺ کو ان کے پیکرِ خاکی میں موجود پاتا اور اس پر واضح ہو جاتا، کہ گو جہتِ سجدہ سیدنا آدم علیہ السلام ہے، لیکن یہ سجدہ درحقیقت نورِ محمدی ﷺ کے لیے تھا، جو پشتِ سیدنا آدم علیہ السلام میں موجود آپ کی پیشانی کو جگمگا رہا تھا۔ جب ابلیس نے اپنی سرکشی کا مظاہرہ کیا، تو۔۔۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ

حکم ہوا، "کہ پھر تو نکل جا اس جنت سے، کیونکہ تو بلاشبہ مردود ہے ● اور بے شک تجھ پر لعنت ہے

إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٦﴾

قیامت تک" ● بولا، کہ "میرے رب، تو پھر مہلت دے مجھ کو اُس دن تک کہ سب لوگ اٹھائے جائیں" ●

(حکم) خداوندی (ہوا کہ پھر تو، نکل جا اس جنت سے)۔۔یا۔۔ ملائکہ کے زُمرے سے۔۔یا۔۔ اُس مرتبے سے جو تجھے حاصل تھا، (کیونکہ تو بلاشبہ مردود ہے) راندۂ درگاہ ہے، کہ کسی خیر و کرامت کا مستحق نہیں۔ (اور بے شک تجھ پر لعنت ہے قیامت تک) یعنی قیامت کے روز تک تو تجھ پر لعنت کریں گے، اور پھر تجھ پر ایسا دائمی عذاب ہوگا کہ تو لعنت بھی بھول جائے گا۔ (بولا کہ میرے رب تو پھر مہلت دے مجھ کو اُس دن تک کہ سب لوگ اٹھائے جائیں)۔ ابلیس کی غرض یہ تھی کہ مروں نہیں، اس واسطے کہ وہ جانتا تھا کہ بعث کے بعد موت نہیں۔

حق تعالیٰ نے ابلیس کی اس خواہش کو رَد نہیں فرمایا۔۔ چنانچہ۔۔

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۳۷﴾ إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿۳۸﴾

ارشاد ہوا کہ "منظور ہے، تجھ کو مہلت دی گئی ● وقت معلوم کے دن تک" ●

(ارشاد ہوا کہ منظور ہے، تجھ کو مہلت دی گئی)، مگر صرف (وقتِ معلوم کے دن تک) کے لیے۔ یعنی نفخۂ اولیٰ تک کے لیے جب کہ ساری مخلوق فنا ہو جائے گی۔

مشہور قول کی رُو سے اُس کے چالیس سال بعد دوسرا نفخہ ہوگا جب سارے مُردے زندہ کر دیے جائیں گے۔ تو ابلیس چالیس سال مُردہ رہے گا پھر اٹھایا جائے گا۔۔ الغرض۔۔ موت اس پر بھی طاری ہوگی۔۔ قصہ مختصر۔۔ رب تعالیٰ کا ارشاد سننے کے بعد، ابلیس۔۔۔

قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ

بولا، کہ "پروردگارا یہ جو بے راہ رکھا تو نے مجھ کو، تو میں آراستہ دکھاؤں گا گناہ کو انہیں زمین میں، اور ضرور گمراہ کروں گا میں

أَجْمَعِينَ ﴿۳۹﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿۴۰﴾

ان سب کو ● مگر تیرے وفادار مخلص بندوں کو" ●

(بولا کہ پروردگارا! یہ جو بے راہ رکھا تو نے مجھ کو، تو) میں بھی خاموش ہو کر بیٹھنے والا نہیں۔۔ بلکہ۔۔ جس آدم علیہ السلام کی وجہ سے میری تذلیل ہوئی ہے اور مجھے راندۂ درگاہِ خداوندی کیا گیا ہے، میں اُس کی اولاد کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش کرتا رہوں گا، اور (میں آراستہ دکھاؤں گا گناہ کو انہیں زمین میں) جو کہ غرور کا گھر ہے۔ یعنی میں گناہوں کو ان کے نفس کے لیے پُرکشش اور لذت آفریں بنا دوں گا۔ اور اُن کو گناہوں کا ایسا عادی بنا دوں گا، کہ وہ گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھیں گے۔۔ بلکہ۔۔ اس کو فن اور ہنر گمان کرنے لگیں گے، اور اُس کی تعبیر تہذیب سے کریں گے۔

اور یہ بڑی خطرناک صورتِ حال ہوگی۔ اس لیے کہ بندہ اگر گناہ کو گناہ سمجھ کر کرتا ہے، تو امید ہے کہ اُسے توبہ کی توفیق مل جائے۔۔ لیکن۔۔ اگر وہ اُسے فن اور ہنر سمجھنے لگے اور اُسے تہذیب باور کرنے لگے، تو ایسوں کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ ابلیس کے کلام کا حاصل یہ ہے، کہ گمراہ کرنے کے لیے میں ایک ایسا جال بچھاؤں گا جس سے بچ کر نکل آنا آسان نہ ہوگا۔

(اور) بالآخر (ضرور گمراہ کروں گا میں ان سب کو ● مگر تیرے وفادار مخلص بندوں کو) جو خالص کر لیے گئے ہیں شرکِ جلی اور خفی کے شائبوں سے، کیونکہ میرا مکر و فریب انہیں اثر نہ کرے گا۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ إِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ

ارشاد ہوا، "یہ ہے سیدھا راستہ میرا ● بے شک میرے پجاریوں پر تیرا کوئی قابو نہیں،

إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾

مگر جو گمراہوں سے تیرا بندہ بن گیا ● اور بے شک جہنم ان سب کی وعدہ کردہ جگہ ہے"۔ --●--

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ ۚ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

اُس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لیے اُن کی بٹی ہوئی پارٹیاں ہیں ●

(ارشاد ہوا، یہ ہے سیدھا راستہ میرا) یعنی ایمان میں یہ اخلاص، جس پر شیطان کا داؤں نہ چل سکے۔ یہی اخلاص کا راستہ وہ راستہ ہے کہ حق ہے مجھ پر اس کی رعایت کا اور یہ سیدھا بھی ہے، کہ اس میں کسی طرح کی کجی نہیں، جو منزلِ مقصود تک جلد پہنچا دیتا ہے۔ **(بے شک میرے پجاریوں پر تیرا کوئی قابو نہیں)** تو، نہ ان پر مسلط ہو سکتا ہے اور نہ ہی انہیں بہکانے اور گمراہ کرنے کی طاقت رکھتا ہے، **(مگر)** وہ **(جو گمراہوں سے تیرا بندہ بن گیا)** اس پر تو مسلط ہو سکتا ہے۔

(اور بے شک جہنم ان سب کی وعدہ کردہ جگہ ہے) یعنی تیری پیروی کرنے والوں میں سے سب کے سب جہنم رسید ہونے والے ہیں۔ یہ وعدۂ الٰہی ہے جو ہو کے رہے گا۔ **(اس کے)** یعنی جہنم کے **(سات دروازے ہیں، ہر دروازے کے لیے اُن کی بٹی ہوئی پارٹیاں ہیں)**۔

یہاں دروازوں سے طبقے مراد ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔ جہنم میں سات طبقے ہیں، ہر طبقے میں جانے کے لیے ایک ایک دروازہ ہے، اِس طرح کُل سات دروازے ہو گئے۔ ہر طبقے کے واسطے ایک قوم مقرر اور معین ہو چکی ہے۔ چونکہ مومن دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے، اس واسطے اُن کے لیے کوئی طبقہ مقرر نہیں۔

امام ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمۃ والرضوان کے بقول، پہلا[۱] طبقہ دہریوں کے لیے نامزد ہے۔ دوسرا[۲] ثنویہ اور عرب کے مشرکوں کے واسطے ہے۔ تیسرا[۳] براہمہ کے لیے، کہ مطلقاً رسالت کے منکر ہیں۔ چوتھا[۴] یہود کے واسطے۔ پانچواں[۵] نصاریٰ کے لیے۔ چھٹا[۶] مجوس کے واسطے اور ساتواں[۷] منافقوں کے لیے ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾

بلاشبہ اللہ سے ڈرنے والے، باغوں اور چشموں میں ہوں گے ● کہ داخل ہو اُس میں سلامتی کے ساتھ، امن کے ساتھ ●

(بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والے) جنہوں نے ابلیس کی پیروی سے پرہیز کیا ہے، (باغوں) میں (اور چشموں میں ہوں گے) یعنی ایسی جنتوں میں جن میں دودھ، شراب، وغیرہ کے چشمے جاری ہیں۔ اِن پرہیزگاروں سے فرشتے کہیں گے (کہ داخل ہو اس میں) یعنی ان جنتوں میں ہر آفت سے (سلامتی کے ساتھ) ملے ہوئے۔۔یا۔۔خدا کے سلام کے ساتھ، اس حال میں کہ (امن کے ساتھ) ہوں، یعنی مامون ہوں نعمت زائل ہونے سے۔۔۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم نے کھینچ لیا اُن کے سینوں سے کینے کو، بھائی بھائی، اپنے اپنے تخت پر آمنے سامنے بیٹھے ●

(اور ہم نے کھینچ لیا ان کے سینوں سے کینے کو) تاکہ کوئی ایک دوسرے کا مرتبہ دیکھ کر رشک نہ کرے۔ یہ جنتی لوگ آئیں گے جنت میں ایسے حال میں، جیسے کہ (بھائی بھائی) ایک دوسرے کے ساتھ، مہربان اور محبت کرنے والے بھائیوں کی طرح (اپنے اپنے تخت پر آمنے سامنے بیٹھے) ہوں گے۔ وہ تخت سونے کے ہوں گے جواہر سے چمکتے ہوئے۔ اس پر وہ بیٹھیں گے ایک دوسرے کی طرف منہ کیے ہوئے۔

ایک قول ہے کہ جنتی لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ نہ دیکھیں گے، اس واسطے کہ جہاں جائیں گے اور جدھر منہ کریں گے ان کے تخت بھی اُدھر پھر جائیں گے، تو ہر وقت ایک دوسرے کا منہ دِکھے گا۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾

نہ چھوئے گی اُن کو اُس میں تکان، اور نہ وہ اُس سے نکالے جائیں گے ●

(نہ چھوئے گی ان کو اس میں تکان) جو رنج ومشقت کا ثمرہ ہے، اس لیے کہ جنت نعمت اور راحت کا گھر ہے۔ (اور نہ وہ اس سے نکالے جائیں گے) یعنی ہمیشہ بہشت میں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی دو قسمیں ہیں، متقی اور غیر متقی۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے متقین کا ذکر فرمایا تھا، اس اگلی آیت میں اللہ عزوجل نے غیر متقین کا ذکر فرمایا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ

کا خاص لطف و کرم یہ ہے کہ بندوں کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے، سو یہ اضافت تشریف اور تکریم کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو تاکیدات سے مزین کر کے بیان فرمایا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ میرے بندوں کو بتادیں کہ میں نے اپنے کرم سے اپنے اوپر اپنے بندوں کی مغفرت کو لازم کرلیا ہے۔

اور چونکہ یہ خدشہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی وسعت کو سن کر بندے گناہوں پر دلیر نہ ہوجائیں، تو اس کے ساتھ ہی فرمایا "اور یہ کہ میرا عذاب ہی دردناک عذاب ہے" تاکہ لوگ عذاب کے ڈر سے گناہوں سے باز رہیں اور شامتِ نفس سے کوئی گناہ ہوجائے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کی امید رکھیں اور مایوس نہ ہوں۔ کیونکہ ایمان، خوف اور امید کی درمیانی کیفیت کا نام ہے۔۔ الحاصل۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾

باخبر کردو میرے بندوں کو، کہ بلاشبہ میں ہی مغفرت کرنے والا رحم والا ہوں ● اور بے شک میرا عذاب، وہ تو ہے دکھ دینے والا عذاب ●

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾

اور بتادو انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال ۔۔●۔۔

(باخبر کردو میرے بندوں کو کہ بلاشبہ میں ہی مغفرت کرنے والا) ہوں اور بخشنے والا ہوں اُسے جو بخشش چاہے۔ اور (رحم) کرنے (والا ہوں) اس پر جو توبہ کرے۔ (اور بے شک) اس گنہگار پر جو توبہ اور استغفار سے انحراف کرے (میرا عذاب) ہے۔ کیسا عذاب؟ (وہ تو ہے دکھ دینے والا عذاب)۔

محققین نے فرمایا ہے کہ ذات کو مغفرت اور رحمت کے ساتھ وصف کرنے اور عذاب و عقوبت کے ساتھ وصف نہ کرنے میں، وعدۂ مہربانی کی ترجیح اور صفت عفو کی تاکید ہے۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے نبوت پر دلائل دیے، پھر اس کے بعد توحید کو ثابت فرمایا، پھر قیامت کے احوال بیان کیے اور نکوکاروں اور بدکاروں کا حال بیان فرمایا، اب اللہ تعالیٰ انبیاءِ کرام کے واقعات شروع فرما رہا ہے، تاکہ اُن واقعات کو سن کر عبادت کا زیادہ ذوق اور شوق پیدا ہو، اور اُن کے منکرین کے انجام سے عبرت حاصل ہو۔ اِس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔

(اور) ارشاد فرمایا، کہ اَے محبوب! (بتادو انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا حال)۔

وقف لازم

یعنی اُن تین ۳ ۔یا۔آٹھ ۸ ۔یا۔بارہ ۱۲ فرشتوں کی خبر۔جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دینے اور قوم لوط کو ہلاک کرنے کو حضرت ابراہیم پر نازل ہوئے تھے۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿۵۲﴾

جب وہ آئے،تو بولے کہ'سلام'۔جواب دیا کہ"واقع میں ہم تم سے ڈر رہے ہیں"●

قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿۵۳﴾

سب بولے کہ"مت ڈریئے،ہم آپ کو خوش خبری دیتے ہیں ایک علم والے فرزند کی"●

(جب وہ آئے تو بولے کہ"سلام")،یعنی کرتے ہیں ہم تجھ پر سلام۔حضرت ابراہیم نے (جواب دیا کہ واقع میں ہم تم سے ڈر رہے ہیں)۔

ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ بے اِذن اور بے وقت آئے تھے۔۔یا۔۔یہ سبب تھا،کہ ابراہیم علیہ السلام نے آدمی سمجھ کر کھانا فرشتوں کے سامنے حاضر کیا اور انہوں نے نہیں کھایا۔

فرشتے یہ بات سن کر (سب بولے کہ مت ڈریئے،ہم آپ کو خوشخبری دیتے ہیں ایک علم والے فرزند کی)،یعنی جب وہ سن بلوغ کو پہنچے گا،تو اُسے علم نبوت حاصل ہوگا۔

قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿۵۴﴾

جواب دیا کہ"کیا تم نے بشارت مجھ کو اس پر دی ہے کہ میرا بڑھاپا آ گیا؟ تو کس سبب سے مژدہ دے رہے ہو؟"●

حضرت ابراہیم نے (جواب دیا کہ کیا تم نے بشارت مجھ کو اس پر دی ہے کہ میرا بڑھاپا آ گیا؟) بوڑھے آدمی کو بیٹا کیونکر پیدا ہوگا؟ یعنی کیا پھر میں جوان ہوں گا۔۔یا۔۔اِسی بڑھاپے کی حالت میں بیٹا پیدا ہوگا؟

دراصل اِس کلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ مجھ جیسے بوڑھے پر اتنا فضل عمیم اور لطف عظیم ہو رہا ہے،ورنہ عادتاً یہ بات بعید از قیاس ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِس نعمتِ عظمیٰ کو اظہار تشکر کے لیے تعجب کے رنگ میں بیان فرما دیا ہے۔ورنہ حضرت ابراہیم کے شایانِ شان نہیں،کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شانِ قدرت سے بعید سمجھ کر تعجب کریں۔

(تو کس سبب سے مژدہ دے رہے ہو)۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝٥٥ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ

سب بولے کہ "ہم نے خوش خبری آپ کو دی ہے ٹھیک، تو ناامید نہ ہوجیے"● جواب دیا کہ "کون ناامید ہوگا

مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ۝٥٦

اپنے پروردگار کی رحمت سے، مگر بے راہ لوگ"●

یہ سن کر (سب بولے کہ ہم نے خوشخبری آپ کو دی ہے ٹھیک) صحیح و دُرست، جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، (تو ناامید نہ ہوجیے) یعنی اس خوشخبری کے سبب سے امیدوار رہیے، اس واسطے کہ خلق کو بے ماں باپ کے پیدا کرنے پر جو قادر ہے، وہ یہ بھی قدرت رکھتا ہے کہ بوڑھے مرد اور بڑھیا بانجھ عورت سے بھی لڑکا پیدا کردے۔ حضرت ابراہیم نے (جواب دیا کہ کون ناامید ہوگا اپنے پروردگار کی رحمت سے، مگر بے راہ لوگ) جنہوں نے معرفت کی راہ نہیں پہچانی، اور حق تعالیٰ کے علم وقدرت کا کمال اور رحمت کی وسعت نہیں جانی۔

"ناامید نہ ہو"، فرما کر واضح فرمادیا کہ آپ شک کرنے والوں میں نہ تھے، ورنہ یہ کہا جاتا کہ آپ "شک کرنے والوں سے نہ ہوں"۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہت سے فرشتے دیکھے، تو تامل اور سوچ میں پڑ گئے کہ ان سب فرشتوں کو ایک بشارت کے واسطے آنے کی حاجت نہ تھی، ان کے آنے میں اور کوئی بڑا کام ہوگا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝٥٧ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ

کہا کہ "پھر کیا کام ہے تمہارا اے فرشتو"● سب بولے کہ "ہم بھیجے گئے ہیں جرائم پیشہ قوم

مُّجْرِمِيْنَ ۝٥٨ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٥٩ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ

کی طرف● سوا اولادِ لوط کے۔ ہم اُن کو ضرور بچالیں گے سب کو● مگر اُن کی عورت کو،

اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝٦٠

کہ طے کردیا ہم نے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے"●

(کہا کہ پھر کیا کام ہے تمہارا اے فرشتو!) یعنی تمہیں کس کام کے لیے اور کس قوم کی طرف بھیجا گیا ہے؟ (سب بولے کہ ہم بھیجے گئے ہیں جرائم پیشہ قوم کی طرف) تاکہ انہیں ہم ہلاک کردیں (سوا اولادِ لوط کے۔ ہم ان کو ضرور بچالیں گے سب کو)۔۔۔ الغرض۔۔۔ ان کے پورے خاندان کو بچالیں

گے (نگران کی عورت کو)، کیوں (کہ طے کردیا ہم نے کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں سے ہے) یعنی جو شہر میں عذاب کے واسطے رہ جائیں گے، وہ عورت ان میں سے ہے۔

فرشتوں نے مقرر کرنے کی نسبت اپنی طرف کی، حالانکہ مقرر کرنا خدا کا کام ہے۔ یہ اس جہت سے ہوسکتا ہے کہ فرشتے مقرب اور مخصوص بندے ہیں۔ اور قاعدہ ہے کہ جو کسی کے ساتھ قرب واختصاص رکھتے ہوں، تو مالک کی بجائے اپنے نام اسناد کردیں تو جائز ہے، جیسے کہ بادشاہ کے مخصوص نوکر کہہ دیتے ہیں "ہم نے حکم دیا"۔ حالانکہ وہ حکم اُن کا نہیں ہوتا بلکہ اُن کے مالک کا ہوتا ہے۔ ایسے ہی فرشتوں کا کہنا، اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے۔۔ المختصر۔۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۨالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾ قَالُوۡا بَلۡ

پھر جب آگئے خاندانِ لوط میں فرشتے ● وہ بولے کہ "تم لوگ اجنبی قوم ہو" ● سب بولے کہ

جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾

"ہم آپ کے پاس لے آئے ہیں جس میں یہ سب شک کرتے تھے ● اور ہم آئے ہیں آپ کے پاس فیصلہ برحق کے ساتھ، اور بلاشبہ ہم ضرور سچے ہیں ●

(پھر جب آگئے خاندانِ لوط میں فرشتے) تو (وہ) یعنی حضرت لوط (بولے کہ تم لوگ اجنبی قوم ہو) یعنی میں تمہیں نہیں پہچانتا، (سب بولے کہ) ہم بیگانے نہیں ہیں، بلکہ (ہم آپ کے پاس لے آئے ہیں جس میں یہ سب) نادانی اور عناد کی بنیاد پر (شک کرتے تھے)۔ یعنی ہم اس عذاب سمیت آئے ہیں، تو نے جس کا وعدہ اُن سے کیا تھا اور وہ اُس میں شک کرتے تھے۔۔ الحاصل۔۔ ہم حاضر ہیں (اور ہم آئے ہیں آپ کے پاس فیصلہ برحق کے ساتھ)۔ اِس عذابِ الٰہی کے ساتھ جس کا آنا حق ہے اور جس کے یہ مستحق ہیں، (اور بلاشبہ ہم ضرور سچے ہیں) اپنی اس بات میں جو آپ کی خدمت میں پیش کی۔۔۔

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ

تو نکال لے جایئے اپنے گھر والوں کو رات کے کچھ رہتے، اور آپ قافلے کے آخر میں رہیں، اور آپ میں سے کوئی

اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾

پیچھے نہ پھرے، اور چلے جایئے جہاں کا حکم دیا جائے" ●

(تو نکال لے جایئے اپنے گھر والوں کو رات کے کچھ رہتے) یعنی جب رات کا ایک حصہ گزر

جائے۔۔الغرض۔۔راتوں رات آپ نکال لے جائیں (اور آپ قافلے کے آخر میں رہیں) تا کہ جلدی چلنے میں ان پر تاکید کرتے رہیں (اور آپ میں سے کوئی پیچھے نہ پھرے)، یعنی تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے، تا کہ عذاب کی سختی نہ دیکھ سکے (اور چلے جایئے جہاں کا حکم دیا جائے)، یعنی شام۔۔یا۔۔ مصر۔۔یا۔۔زغر کی طرف، جہاں کے لوگ ہلاک نہ ہوں گے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

اور فیصلہ سنا دیا تھا انہیں اس معاملہ کا، کہ اُن پچھڑنے والے کافروں کو کاٹ کر رکھ دیا جائے گا صبح کرتے کرتے●

(اور فیصلہ سنا دیا تھا انہیں اِس معاملہ کا) یا وحی بھیجی ہم نے اُن کی طرف اِس کام کی جس کی تفصیل یہ ہے (کہ اُن پچھڑنے والے کافروں کو کاٹ کر رکھ دیا جائے گا صبح کرتے کرتے)۔یعنی تیری قوم صبح کو ہلاک ہوگی کہ اس میں سے ایک آدمی تک باقی نہ رہے گا۔

روایت ہے کہ لوط علیہ السلام کی جورو نے جب خوبصورت مہمان دیکھے، تو قوم سے کہلا بھیجا۔۔۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾

اور آئے آبادی کے لوگ، خوش خوش● لوط نے کہا، کہ "یہ میرے مہمان ہیں، تو مجھ کو تو رُسوا نہ کرو●

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾

اور اللہ کو ڈرو۔اور مجھے ذلیل نہ کرو"● سب بولے کہ "کیا ہم نے تم کو روک نہیں دیا ہے دوسروں کے بارے میں دخل دینے سے"●

(اور) انہیں باخبر کرا دیا، تو (آئے آبادی کے لوگ خوش خوش) خوشخبریاں دیتے ہوئے ایک دوسرے کو، اور مہمانوں کے ساتھ بُرے کام کی نیتِ فاسد رکھتے تھے۔ (لوط نے) ان سے (کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں تو مجھ کو رسوا نہ کرو)، یعنی ایسا کام نہ کرو جو میری رُسوائی کا سبب بن جائے، اور ظاہر ہے کہ جب تم میرے مہمانوں کے ساتھ نازیبا حرکت کرو گے، تو اِن مہمانوں کی تذلیل ہوگی، جس میں سراسر میرے لیے بھی رسوائی ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) بُرا کام کرنے میں، (اور) مہمانوں کے سامنے (مجھے ذلیل) و رُسوا (نہ کرو● سب بولے کہ کیا ہم نے تم کو روک نہیں دیا ہے دوسروں کے بارے میں دخل دینے سے)، یعنی ہم تمہیں پہلے منع کر چکے ہیں اور کہہ چکے ہیں کہ ہمارے معاملات میں دخل اندازی نہ کرو۔۔ چنانچہ۔۔ہم جو بھی کریں ہم کو کرنے دو اور غریبوں کی حمایت سے باز آؤ، اس واسطے کہ اُن کی بدکاری غریبوں ہی کے ساتھ خاص تھی۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۷۱﴾

جواب دیا کہ "یہ ہماری بیٹیاں ہیں اگر تم نکاح کرو"●

حضرت لوط نے (جواب دیا کہ یہ ہماری بیٹیاں ہیں اگر تم نکاح کرو)۔

قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں اس لیے فرمایا کہ ہر ایک نبی اپنی امت کے واسطے باپ کی جگہ پر ہے۔۔یا یہ۔۔کہا کہ اگر ایمان لاؤ تو میں اپنی بیٹیاں تمہارے نکاح میں دیتا ہوں۔ حضرت لوط کی یہ شریفانہ بات ان کی سمجھ میں نہ آسکی اور وہ اس پر دھیان نہ دے سکے اور اپنی ہی بات پر اڑے رہے۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾

تمہاری جان کی قسم، وہ بلاشبہ اپنے نشہ میں مدہوش ہیں●

اَے محبوب! (تمہاری جان کی قسم) اس کی وجہ یہ ہے کہ (وہ بلاشبہ اپنے نشہ میں مدہوش ہیں)۔

اِس ارشاد میں نبی کریم ﷺ کی زندگی کی قسم یاد فرمائی گئی ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالٰی نے رسولِ مقبول صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بزرگ کسی کو پیدا نہیں کیا۔۔چنانچہ۔۔ خدائے برتر و بالا نے آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم کے سوا اور کسی کی زندگی کی قسم یاد نہیں فرمائی۔۔ قصہ مختصر۔۔حضرت لوط علیہ السلام اپنے لوگوں کو وہاں سے نکال لے گئے اور صبح کے وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اُس قوم پر چیخ ماری۔۔۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُشْرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا

تو پکڑ لیا اُن کو چنگھاڑ نے دن نکلتے● تو کر دیا ہم نے اُس کو تہ وبالا،

وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۷۴﴾

اور برسایا ہم نے اُن پر کنکر یلے پتھر●

(تو پکڑ لیا ان کو چنگھاڑ نے دن نکلتے)۔یعنی ہول بھری ہلاک کرنے والی آواز نے انہیں اس حال میں اپنی گرفت میں لے لیا، جبکہ وہ آفتاب نکلنے کے وقت میں داخل تھے، اور حضرت جبرائیل نے ان کے شہر اٹھائے اور آسمان کے قریب لے جا کر اُلٹ دیے، (تو کر دیا ہم نے اس کو تہ وبالا اور برسایا ہم نے ان پر) یا اُس قوم کے اُن لوگوں پر جو اُن شہروں میں موجود نہ تھے (کنکر یلے پتھر)۔

ایک قول کے مطابق اُن پتھروں پر اُس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر اُسے گرنا تھا اور اُسے ہلاک کرنا تھا۔ ذہن نشین رہے کہ قومِ لوط کو جو ہم نے ہلاک کیا۔۔۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُتَوَسِّمِیۡنَ ﴿۷۵﴾

بے شک اُس میں نشانیاں ہیں، قیافہ شناسوں کے لیے●

(بے شک اس) ہلاک کرنے (میں نشانیاں ہیں قیافہ شناسوں) اور فراست والوں (کے لیے) عبرت لینے کو۔ فراست والے وہ ہیں جو عقل کی تیزی کے سبب سے چیزوں کی صورت دیکھتے ہی اُن کی حقیقت پہچان لیتے ہیں اور یہ مومنین کاملین کی صِفت ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔حدیث میں آیا ہے، کہ

"مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے"۔۔۔

روایت ہے کہ خواجہ بزرگ قطب الاخیار خواجہ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہ ایک دن معرفت کے حال میں کچھ بیان فرمارہے تھے، دفعتاً ایک جوان زاہد صورت آیا، خرقہ پہنے، سجادہ کاندھے پر ڈالے، آکے ایک کونے پر بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر بعد اٹھ کر یہ بات پوچھی کہ حضرت رسول اکرم ﷺ نے جو یہ فرمایا، کہ

"اِتَّقُوۡا فَرَاسَةَ الۡمُؤۡمِنِ فَاِنَّهٗ يَنۡظُرُ بِنُوۡرِ اللّٰهِ"

ڈرو مومن کی فراست سے کہ وہ دیکھتا ہے اللہ کے نور سے

۔۔۔اس حدیث کا کیا سر اور کیا بھید ہے؟

خواجہ قدس سرہ نے فرمایا، اس حدیث کا سر یہ ہے کہ تو زُنار توڑ اور ایمان لا۔ وہ جوان بولا نَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنۡهَا کہ میرے پاس زنار ہے۔ خواجہ نے اپنے خادم سے اشارہ فرمایا، خادم نے اُس جوان کے سَر سے خرقہ کھینچ لیا، تو زُنار نکلا۔ وہ جوان فوراً زُنار توڑ کر ایمان لایا۔ خواجہ قدس سرہ نے فرمایا، کہ "یارو آؤ، کہ اس نومسلم نے جو ظاہر کی زنار توڑ دی ہے، اس کی موافقت کر کے ہم سب بھی باطن کی زُناریں توڑ ڈالیں"۔ حاضرین مجلس میں غُل پڑ گیا، سب خواجہ قدس سرہ کے قدموں پر گرے اور نئے سرے سے توبہ کی۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيۡلٍ مُّقِيۡمٍ ﴿۷۶﴾

اور بے شک وہ چلتے راستہ پر واقع ہے●

اوپر جس علاقے پر عذاب کا ذکر ہوا ہے (اور) اس کے تعلق سے خبر دی گئی ہے (بے شک وہ) عذاب شدہ علاقہ (چلتے راستے پر واقع ہے)۔ حجاز سے شام اور عراق سے مصر جاتے ہوئے راستے میں پڑتا ہے۔

عموماً قافلوں کے لوگ تباہی کے ان آثار کو دیکھتے ہیں جو اس پورے علاقے میں آج تک نمایاں ہیں۔ یہ علاقہ بحرِ لوط، یعنی بحیرۂ مردار کے مشرق اور جنوب میں واقع ہے۔ اور خصوصیت کے ساتھ اُس کے جنوبی حصہ کے متعلق جغرافیہ دانوں کا بیان ہے کہ یہاں اِس درجہ ویرانی پائی جاتی ہے کہ جس کی نظیر روئے زمین پر اور کہیں نہیں دیکھی گئی۔

۔۔قصہ مختصر۔۔ بے شک وہ اُلٹی ہوئی بستیاں ایک شاہراہِ عام پر واقع ہیں، یعنی اُن کا محل وقوع ایسی جگہ پر ہے جہاں کوئی نہ کوئی ہمہ وقت گزرتا ہے اور ان بستیوں کے نشانات اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ آج بھی مکہ معظمہ اور ملک شام کے درمیان ان بستیوں کی بربادی کے نشانات محسوس ہوتے ہیں۔ ان بستیوں کے نشانات ابھی تک باقی ہیں، تاکہ آنے والی نسلیں انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔۔ بالخصوص۔۔ اَے اہلِ قریش یعنی مکے والو اور نبی اکرم کے مخالفو! جب تم وہاں سے گزرو تو ان سے عبرت پکڑو، کیونکہ یہ بستیاں تمہاری گزرگاہ ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾

بے شک اُس میں ضرور نشانی ہے ماننے والوں کے لیے●

(بے شک) یہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے (اس میں ضرور نشانی ہے ماننے والوں کے لیے) جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مانتے ہیں، انہیں یقین ہے کہ قومِ لوط کو جو سخت ترین عذاب لاحق ہوا، وہ اُن کی شامتِ اعمال کی وجہ سے ہوا۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ ﴿۷۸﴾

اور بلاشبہ جنگل والے ضرور اندھیر مچانے والے تھے●

(اور) یوں ہی (بلاشبہ جنگل والے ضرور اندھیر مچانے والے تھے)۔

ایکۃ کا معنی ہے گھنا جنگل، درختوں کا جُھنڈ۔۔ تبوک۔۔ یا۔۔ مدین کے قریب ایک بستی ہے اس کو بھی ایکہ کہتے ہیں۔ 'اصحابِ ایکہ' سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے لوگ

ہیں۔ اس قوم کا نام بنو مدین تھا۔ مدین ان کے مرکزی شہر کو بھی کہتے تھے اور اُن کے پورے علاقے کو بھی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایکہ تبوک کا قدیم نام تھا۔ اِس کا لغوی معنی گھنا جنگل ہے۔ آج کل ایک پہاڑی نالے کا نام ہے جو 'جبل اللوز' سے 'وادیٔ افل' میں آ کر گرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ ایکہ کو ظالم قرار دیا، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے تھے۔ راستے میں ڈاکہ ڈالتے تھے اور ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ اِسی لیے اُن کے تعلق سے فرمانِ خداوندی ہے کہ ان کے انہیں ظلم و اندھیر کی وجہ سے ان پر عذاب نازل کیا۔۔۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾

وقف لازم ع ۵

پس بدلہ لیا ہم نے اُن سے۔۔۔ اور بے شک دونوں آبادیاں شاہراہِ عام پر ہیں●

(پس بدلہ لیا ہم نے ان سے) اور ان دو امتوں کو دو مختلف عذاب دیے گئے تھے۔ حضرت شعیب دونوں کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے۔۔۔ المختصر۔۔۔ اہل مدین کو ایک چنگھاڑ نے اپنی گرفت میں لے لیا اور اصحابِ ایکہ پر سات دن تک گرمی مسلط کر دی گئی تھی، اور کوئی چیز ان سے تپش کو دور نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا، وہ سب سائے کی تلاش میں اس کے نیچے جمع ہو گئے، اس بادل سے آگ نکلی اور اس آگ نے ان سب کو جلا کر بھسم کر دیا۔

(اور بے شک) مذکورہ بالا یہ (دونوں آبادیاں شاہراہ عام پر ہیں) یعنی یہ دونوں بستیاں عام گزرگاہ پر ہیں۔ مدین اور اصحاب ایکہ کا علاقہ بھی حجاز سے فلسطین اور شام جاتے ہوئے راستے میں آتا ہے۔ لوگ اُدھر جاتے ہیں اور اِن شہروں کو دیکھتے ہیں۔ ہوشیار ہیں وہ لوگ جو عبرت حاصل کرنے والے ہیں، اور ماضی کے واقعات سے سبق حاصل کرتے ہوئے اپنے حال و مستقبل کو درست کر لینے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ اس تعلق سے اصحابِ حجر کا واقعہ بھی عبرت آموز۔۔۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾

اور بے شک جھٹلایا حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو●

(اور) نصیحت آمیز ہے۔ وہ یہ ہے کہ (بے شک جھٹلایا حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو) یا قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی، اور ایک رسول کی تکذیب سب رسولوں کی تکذیب

ہے،اس لیے کہ تمام رسول توحید کے داعی اور شرک سے روکنے والے تھے،اور سب کی اصولی اور بنیادی
تعلیم ایک تھی،تو کسی ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہوئی۔

وَاٰتَیْنٰهُمْ اٰیٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ﴿۸۱﴾

اور ہم نے دی تھیں انہیں اپنی نشانیاں،تو اُس سے رخ ہٹائے تھے●

(اور ہم نے دی تھیں انہیں اپنی نشانیاں)،یعنی ان کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو معجزات
عطا کیے۔ان میں سے ایک عظیم معجزہ پتھر سے اونٹنی کا نکلنا ہے۔اور وہ اونٹنی بھی عجیب وغریب تھی۔۔مثلاً
بڑی لمبی چوڑی ہونا کہ ہرگز کوئی اونٹ اس کے برابر نہ تھا،اور پیدا ہوتے ہی بچہ دینا،اور اِس کثرت
سے دودھ دینا کہ تمام قومِ ثمود کو کافی ہوتا تھا،اور جس دن اس کے پینے کی باری ہوتی،اُس دن پانی
کنویں کے لَب پر آجاتا اور وہ ایک ہی بار میں سب پانی پی جاتی۔۔۔

حاصل کلام یہ ہے،کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب نشانیاں ہم نے ثمود کو دیں۔۔۔

(تو) وہ (اُس سے رخ ہٹائے تھے) اور منہ پھیرنے والے تھے اور اُس کے تعلق سے انہیں
جو ہدایت کی گئی تھی اُس کا پاس ولحاظ نہیں کیا اور سرکشی پر اتر آئے،یہاں تک کہ انہیں میں سے ایک
سب سے بڑے بدبخت نے اُس کی کونچیں کاٹ ڈالیں۔

وَكَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ

اور وہ تراشتے تھے پہاڑوں سے اپنے اپنے گھر،اطمینان سے● کہ لے لیا اُن کو

الصَّیْحَةُ مُصْبِحِیْنَ ﴿۸۳﴾

ایک چنگھاڑ نے صبح کرتے کرتے●

(اور) ان کا حال یہ تھا کہ (وہ تراشتے تھے پہاڑوں سے اپنے اپنے گھر،اطمینان سے) یعنی تاکہ
مطمئن ہو کر رہیں،ایسا کہ ان گھروں کے گر پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں تھا۔اور چونکہ وہ گھر پتھر کے تھے
اس لیے اس میں چوروں کے سیند لگانے کا بھی خوف نہ تھا۔۔یا۔۔ان کی یہ خام خیالی تھی کہ وہ گھر انہیں
عذاب سے بچالیں گے،اور وہ اِن مکانوں میں مامون ومحفوظ رہیں گے۔وہ سب اِسی سوچ میں تھے
(کہ لے لیا ان کو ایک چنگھاڑ نے صبح کرتے کرتے) یعنی یکشنبہ کے روز دن چڑھتے ہی جبرائیل علیہ السلام
کی آواز سے ہلاک ہو گئے،جیسا کہ سورۂ ہود میں مذکور ہوا۔الغرض۔۔جب عذابِ الٰہی نازل ہوگا۔۔

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

تو نہ کام آئے گی اُن کے اُن کی کمائیاں●

(تو نہ کام آئے گی ان کے ان کی کمائیاں)، یعنی مال ومتاع اور پتھروں سے بنائے ہوئے مضبوط گھر اُن کو کوئی نفع نہیں پہنچاسکتے۔

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانی عذاب بھیج کر کفار کو ہلاک کردیا تھا، اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تو رحیم وکریم ہے، پھر عذاب بھیج کر کفار کو ہلاک کرنا اُس کی رحمت اور کرم کے کس طرح مناسب ہے۔ اِن اگلی آیتوں میں اس اعتراض کا جواب ہے۔

جواب کی تقریر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، تاکہ وہ اس کی عبادت اور اطاعت میں مشغول ہوں اور عبادت اور اطاعت کی طرف متوجہ اور راغب کرنے کے لیے اس نے نبی اور رسول بھیجے، پھر جنہوں نے اُس کے رسولوں کو جھٹلایا اور اُس کی عبادت کو ترک کیا، تو اس کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ ان منکروں اور سرکشوں کو ہلاک کر کے روئے زمین کو ان کے وجود سے پاک کردے۔ اس لیے اس نے آسمانی عذاب بھیج کر منکروں اور کافروں کو ہلاک کردیا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ اس نے گزشتہ قوموں کے کافروں کو عذاب بھیج کر ان کو ہلاک کردیا، تو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بتایا کہ قیامت آنے والی ہے اور جب قیامت آئے گی، تو اللہ تعالیٰ آپ کے مخالفوں اور منکروں سے انتقام لے گا، اور آپ کو اور آپ کے متبعین کو ان کے صبر اور ان کی نیکیوں پر اجر وثواب عطا فرمائے گا۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو اُن کے درمیان ہے مگر ٹھیک۔ اور بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے،

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾

تو بھی خوبی کے ساتھ درگزری سے کام لو●

(اور) یہ اس لیے کہ ارشادِ ربانی ہے کہ (نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے درمیان ہے مگر ٹھیک)، یعنی آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو حق کے ساتھ یعنی

حکمت کے ساتھ پیدا کیا۔یا۔حق ظاہر ہونے کو۔یا۔حق بیان کرنے کے واسطے پیدا فرمایا ہے،تو اس کی حکمت کے یہ لائق نہیں، کہ وہ آپ کو بے اجر وثواب اور منکرین کا معاملہ بے انتقام یونہی چھوڑ دے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی زیادتیوں پر صبر کرنے کا حکم دیا،تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بدسلوکیوں پر آپ کو درگزر کرنے کا حکم دیا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا۔۔۔

(اور بلاشبہ قیامت ضرور آنے والی ہے،تو ابھی خوبی کے ساتھ درگزری سے کام لو)۔

اُس کے بعد فرمایا۔۔۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۶﴾

بے شک تمہارا پروردگار ہی بڑا پیدا کرنے والا علم والا ہے●

(بے شک تمہارا پروردگار ہی بڑا پیدا کرنے والا) ہے خلائق واخلاق کا،اور **(علم والا ہے)** یعنی موافق ومنافق کو جاننے والا ہے۔

یہ اس لیے فرمایا کہ جزا اور سزا دینے پر وہ ہی قادر ہوسکتا ہے جس کو بندوں کے تمام اعمال کا علم ہو،اور چونکہ وہ سب کو پیدا کرنے والا ہے اور سب کے تمام اعمال کو جاننے والا ہے، اس لیے وہ سب کو ان کے اعمال کے مطابق جزا اور سزا دینے پر قادر ہے۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کی زیادتیوں پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا تھا،اور اِس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔کیونکہ انسان جب یہ یاد کرے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ نعمتیں ہیں،تو اُس کے لیے سختیوں اور مصیبتوں کو برداشت کرنا آسان ہوجاتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ﴿۸۷﴾

اور بے شک ہم نے تمہیں سات آیتیں دیں دہرائی جانے والی،اور قرآنِ عظیم دیا●

(اور بے شک ہم نے تمہیں) سورۂ فاتحہ کی **(سات آیتیں دیں)** جو ہر نماز میں **(دُہرائی جانے والی)** ہیں۔یہ ساتؔ آیتیں بنو قریظہ اور بنو نضیر کے سامان سے لدے ہوئے ان ساتؔ قافلوں سے بہتر ہیں،جن میں انواع واقسام کے کپڑے،خوشبو اور جواہر تھے،جنہیں دیکھ کر مسلمانوں کو یہ خیال ہوا

کہ اگر یہ اموال ہمارے پاس آتے، تو ہم ان سے تقویت حاصل کرتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے۔

تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی، کہ۔۔۔

اَے محبوب! تم پر سورۂ فاتحہ کی جو ساتے آیتیں نازل فرمائی گئی ہیں، وہ اپنے روحانی، ایمانی اور اُخروی فوائد کے پیش نظر ان ساتے قافلوں سے بہتر ہیں۔

'سبع مثانی' کے لفظ میں سات آیتوں کے سوا دوسرے بھی احتمالات ہیں۔۔مثلاً: ساتے سورتیں، ساتے فوائد، وغیرہ۔ اِس کے تعلق سے مفسرین کے اقوال بھی بہت ہیں۔ یہاں اتنا ہی کافی ہے۔

تو اَے محبوب! ہم نے آپ کو سبع مثانی (اور قرآنِ عظیم دیا)۔

قرآن مجید میں تو سبع مثانی شامل ہی ہے، لیکن قرآنِ کریم میں سب سے زیادہ عظیم سورت ہونے کی وجہ سے اس کا ذکر الگ سے بھی کردیا۔'سورۂ فاتحہ' کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا ایک نصف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے، اور دوسرا نصف بندے کے لیے ہے، جس میں بندے کی دُعا ہے۔

۔۔الختصر۔۔تو اَے محبوب! جب سبع مثانی اور قرآنِ عظیم جیسی نعمت آپ کو دی جاچکی ہے، تو پھر دنیاوی مال ومتاع قابل توجہ اور لائق اعتناء ہی کہاں رہ جاتے ہیں۔۔۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

نہ اٹھاؤ اپنی آنکھوں کو اُن چیزوں کی طرف، کہ رہنے سہنے کو جودے دیا ہم نے اُن کے جوڑے، اور نہ اُن کا غم کرو،

وَٱخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾

اور جھکا دو اپنے شانۂ کرم کو ایمان والوں کے لیے●

(نہ اٹھاؤ اپنی آنکھوں کو ان چیزوں کی طرف کہ رہنے سہنے کو جودے دیا ہم نے ان کے جوڑے) کافروں میں سے بہت قسموں کو۔یعنی کافروں کے کئی گروہوں کو۔۔الختصر۔۔اَے محبوب! اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو رغبت کے ساتھ نہ دیکھو، جو ہم نے ان کی فائدہ مندی کے لیے کئی قسم کے لوگوں کو چند روزہ سامان دیا ہے۔

اِس آیت میں آپ کی امت کو تعریض کی گئی ہے، یعنی بظاہر آپ کو منع فرمایا ہے، لیکن

حقیقت میں آپ کی امت کو زینتِ دنیا کی طرف دیکھنے سے منع کرنا مراد ہے۔ اِس آیت کا یہ معنی نہیں ہے کہ آپ کفار کے دنیاوی مال ومتاع اور ان کے سامانِ عیش وعشرت کی طرف رغبت کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا۔۔ بلکہ۔۔ اس آیت میں آپ کی امت کی طرف تعریضاً خطاب ہے۔

صراحۃً رغبت سے ممانعت کی نسبت آپ کی طرف کی گئی ہے اور مُراد آپ کی امت ہے۔ یعنی آپ کی امت کو یہ چاہیے کہ وہ کفار کے دنیوی ساز وسامان اور عیش وطرب کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اور رشک اور حسرت سے نہ دیکھے۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دنیاوی عیش سے رغبت کی ممانعت کی نسبت حقیقتاً درست نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیاوی عیش وآرام کے اسباب اور دنیاوی زیب وزینت کی طرف التفات نہیں کرتے تھے اور نہ ان کو اختیار کرتے تھے اور نہ ہی اپنے پاس دنیاوی مال کو رکھتے تھے۔

یہ ارشاد بالکل 'سورۂ زمر' کی آیت ۶۵ کے ارشاد کی طرح ہے، جس میں بظاہر رسول کو مخاطب فرماکے فرمایا گیا کہ۔۔ "اور اگر "بالفرض" آپ نے بھی شرک کیا تو ضرور آپ کے سب عمل ضائع ہوجائیں گے اور آپ ضرور نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے"۔۔۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم کا شرک کرنا عقلاً محال ہے، تو یہاں بھی بظاہر خطاب نبی سے ہے لیکن اصل مخاطب امتی ہی ہیں۔ اِسی کو تعریض کہتے ہیں، یعنی کنایہ کے ساتھ کلام کرنا۔

۔۔الحاصل۔۔ اَے محبوب! اپنے امتیوں کو ہدایت فرمادیں کہ متاعِ دنیا کی طرف رغبت ورشک کے ساتھ نظر نہ کریں (اور) اَے محبوب! اپنے یاروں پر اُن کی بے نوائی اور محتاجی کے سبب سے نہ رنجیدہ خاطر ہو اور (نہ ان کا غم کرو، اور جھکادو اپنے شانۂ کرم کو ایمان والوں کے لیے)، یعنی ایمان والوں پر شفقت ومہربانی فرماتے رہیں اور ان کے ساتھ نرمی وخوش خوئی کے ساتھ پیش آتے رہیں۔

یہ اَمر یقینی ہے کہ خلقِ عظیم کا خلعت آنحضرت ﷺ کے قدِ مبارک کے علاوہ اور کسی پر ٹھیک نہیں آیا۔

رہ گئے کفار، تو اَے محبوب! ان سے صاف لفظوں میں فرمادو۔۔۔

وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾

اور کہہ دو کہ "بلاشبہ میں ہوں کھلا ہوا ڈرسنانے والا عذاب کا" ● جس طرح کہ نازل کیا ہم نے بانٹ بخرے والوں پر ●

الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾

جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کیے تھے ●

(اور کہہ دو کہ بلاشبہ میں ہوں کھلا ہوا ڈرسنانے والا عذاب کا)، یعنی پکار کر کھلی ہوئی دلیل کے ساتھ تمہیں ڈراتا ہوں کہ میرے خدا نے کہہ دیا ہے کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو ضرور تم پر عذاب بھیجوں گا۔ **(جس طرح کہ نازل کیا ہم نے)** عذاب کو **(بانٹ بخرے والوں پر جنہوں نے قرآن کے ٹکڑے ٹکڑے کیے تھے)** یعنی قرآن کے حصے کیے اور کئی وصفوں کے ساتھ ظاہر کیا، کسی نے اس کو شعر کہا، کسی نے جادو، کسی نے کاہنی، تو کسی نے افتراء، اور کسی نے اُسے اگلوں کی کہانیاں قرار دیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ کوئی کہتا ہے سورۂ بقرہ میری ہے، کوئی سورۂ نمل کو، کوئی سورۂ عنکبوت کو اپنے ساتھ خاص کرتا، اور یہ سب دل لگی اور مسخرا پن کے رو سے تھا، اور بعضے کہتے ہیں کہ حصہ کرنے والے بارہ[۱۲] آدمی تھے، کہ ولید بن مغیرہ موسم حج میں اُن لوگوں کو مکہ معظمہ کی راہوں پر بھیجتا کہ حاجیوں کے جس قافلے سے ملاقات ہو انہیں حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے نفرت دِلا کر کہیں کہ وہ ساحر، شاعر، کاہن ہیں اور قرآن کو اس طور پر ذکر کریں، جو ابھی یہاں اوپر مذکور ہوا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

تو تمہارے پروردگار کی قسم، ہم ضرور جواب طلب کریں گے اُن سب سے ● جو وہ کرتے تھے ●

(تو تمہارے پروردگار کی قسم، ہم ضرور جواب طلب کریں گے ان سب سے) اس بارے میں **(جو وہ کرتے تھے)** یعنی تقسیم اور تکذیب۔

منقول ہے کہ جناب سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوٰت جب مبعوث ہوئے، تو پہلے خفیہ دعوتِ اسلام کرتے تھے، تین[۳] برس تک یہی حال رہا۔ پھر ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور یہ حکم الٰہی لائے، کہ اَے محبوب! اب خفیہ دعوت پیش کرنے کی ضرورت ختم ہوگئی۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۴﴾

تو اعلانیہ کہہ دو جس کا تم کو حکم دیا جاتا ہے، اور بے رخی برتو مشرکوں سے ●

(تو علانیہ کہہ دو جس کا تم کو حکم دیا جاتا ہے) یعنی خدائی اوامر و نواہی کا برملا اظہار کردو، (اور

بے رخی برتو مشرکوں سے) یعنی ان کی طرف التفات نہ کرو۔۔۔

اشرافِ قریش میں سے پانچ آدمی جناب رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء اور تکلیف دینے میں بہت کوشش کرتے تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مسجدِ حرام میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ بیٹھے تھے، کہ وہ پانچوں آدمی داخل ہوئے اور اپنی عادت کے موافق تکلیف دہ باتیں سنا کر حرم محترم کے طواف میں مشغول ہو گئے۔

جبرائیل علیہ السلام بولے کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے حکم خداوندی ہے، کہ میں ان کے شر کو کفایت کروں، یعنی ان کے شر کی ایسی سزادوں جوان کے حق میں کافی ہو۔۔ چنانچہ۔۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ولید بن مغیرہ کی پنڈلی، عاص بن وائل کے تلوے، حارث بن قیس کی ناک، اسود بن عبد یغوث کے منہ اور اسود بن عبدالمطلب کی آنکھ کی طرف اشارہ کیا، جس کے سبب سے تھوڑے ہی دنوں میں وہ کافر ہلاک ہو گئے۔

ولید تو ایک تیر بنانے والے کی دوکان پر گیا اور ایک پیکان اس کے دامن میں لپٹ گیا بڑائی اور تکبر کی وجہ سے اس نے سر نیچے نہ کیا کہ اُسے دامن سے چھڑائے۔ اُس پیکان نے اس کی پنڈلی زخمی کی اور رگِ شریان اس سے کٹ گئی اور وہ جہنم واصل ہوا۔ اور عاص کے تلوے میں ایک کانٹا گڑا، اس کا پاؤں ورم کر گیا، اس میں وہ کافر مر گیا۔ اور حارث کی ناک سے خون اور پیپ جاری ہوا، اور وہ کافر بھی مر کر ناری ہوا۔ اور اسود بن عبد یغوث اپنا منہ خاک اور خاشاک پر مارتے مارتے مر گیا، اور اسود بن عبدالمطلب اندھا ہو گیا اور غصے کے مارے سرزمین پر دے دے مارتا تھا، یہاں تک کہ مر گیا اور یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی، کہ۔۔۔

إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ﴿٩٥﴾ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ

بلاشبہ ہم تم پر کافی ہیں ٹھٹھے والوں کے لیے ● جو گڑھتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسرے معبود،

فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٩٦﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾

تو جلد ہی سب جان لیں گے ● اور ہم ضرور جانتے ہیں کہ تمہارا سینہ تنگ آجاتا ہے اُن کی بکواس سے ●

(بلاشبہ ہم تم پر کافی ہیں ٹھٹھے والوں کے لیے)۔۔ چنانچہ۔۔ ہنسی کرنے والے شریروں کو ہم نے پوری سزادی جس کے وہ لائق تھے۔ یہ بدبخت وہ ہیں (جو گڑھتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ دوسرے

معبود) یعنی بہت سارے باطل خدا۔ (تو جلد ہی سب جان لیں گے) وہ انجام کار، اور دیکھیں گے اپنے کردار کی سزا۔ (اور) اَے محبوب! (ہم ضرور جانتے ہیں کہ تمہارا سینہ تنگ آجاتا ہے ان کی بکواس سے) کیونکہ یہ کافر غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہراتے ہیں، قرآن کریم پر طعن کرتے ہیں اور آپ کے ساتھ استہزاء و تمسخر کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، لایعنی اور تکلیف دہ باتیں کرتے رہتے ہیں، تو اُن کی اِن باتوں سے آپ کے قلبِ مبارک کو دکھ پہنچتا ہے اور کافروں کی یہ باتیں آپ کو ناگوار ہوتی ہیں۔ تو اَے محبوب! اپنے دل کو سکون واطمینان پہنچانے کے لیے۔۔۔

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۹۸﴾

تو پاکی بیان کرو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ، اور سجدہ کرنے والوں سے رہا کرو●

(تو پاکی بیان کرو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ) یعنی سُبۡحَانَ اللهِ وَ بِحَمۡدِهٖ کا وِرد کرتے رہو (اور سجدہ کرنے والوں سے رہا کرو)۔

اِس آیت میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب! ہم تمہارے قلبی اضطراب سے آگاہ ہیں اور بیگانوں کے غصے سے جو تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اس سے ہم خبردار ہیں۔ تم حضورِ دل سے نماز پڑھتے رہو، کہ نماز مشاہدے کا میدان ہے اور دوست کے مشاہدے میں بلا کا بوجھ کھینچنا آسان ہوتا ہے۔

ایک بزرگ نے کہا کہ میں نے بغداد کے بازار میں دیکھا کہ ایک شخص کو لوگوں نے سو کوڑے مارے، اُس نے آہ تک نہ کی۔ میں نے اُس سے پوچھا، کہ اَے جوانمرد! تو نے اتنے زخم کھائے اور اُف تک نہ کی، وہ بولا کہ ہاں شیخ صاحب مجھے معذور رکھیے کہ میرا معشوق میرے برابر تھا اور دیکھ رہا تھا، کہ مجھے اس کے واسطے مارتے ہیں۔ اس کے نظارے کے سبب سے مجھے زخم کے درد کا احساس نہ تھا، اور مجھے کچھ معلوم ہی نہ ہوا۔ قصہ مختصر۔۔

وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴿۹۹﴾

اور پوجو اپنے پروردگار کو، یہاں تک کہ آجائے تم تک موت●

ع

اَے محبوب! اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہو (اور پوجو اپنے پروردگار کو یہاں تک کہ آجائے تم تک موت) جس کا آنا ہر مخلوق کے لیے یقینی ہے۔

اِسی لیے آیتِ کریمہ میں اس کی تعبیر لفظِ یقین سے کردی گئی ہے۔ حاصل کلام یہ ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب! تم جب تک زندہ ہو، اُس کی عبادت نہ چھوڑو اور اُس کی بندگی سے منہ نہ موڑو۔

اس ارشادِ گرامی میں ایک نسخہ کیمیا ہے، تمام بیقراروں اور اضطراب و بے چینی کے شکار لوگوں کے لیے اور سب کے لیے ایک واضح ہدایت ہے، کہ بے شک حضورِ قلب کے ساتھ اللہ کے ذکر سے دِلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۹ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ۔۔ مطابق۔۔ ۳۰ اگست ۲۰۱۰ء

بروز دوشنبہ سورۂ حجر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

مولیٰ تعالیٰ پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ وَ نَبِیِّكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ

سورۃ النحل ١٦ مکیۃ | آیاتہا ١٢٨ رکوعاتہا ١٦

سُوْرَةُ النَّحْلِ

سورہ نحل مکیۃ | آیات ١٢٨ رکوع ١٦

اس سورہ کا نام 'النحل' ہے۔ 'نحل' کے معنی ہے شہد کی مکھی۔ قرآنِ شریف میں 'سورۂ نحل' آیت ٦٨ کے سوا اور کسی جگہ 'النحل' کا لفظ نہیں آیا، اسی لیے اِس سورہ کا یہ نام ہے۔ مصاحف، کتب حدیث اور کتبِ تفسیر میں اس سورت کا یہی نام مشہور ہے۔ ایک روایت کے مطابق، النحل آیت ٩٥، ٩٧ کے سوا، اور ایک دوسرے قول میں آیت ١٢٦، ١٢٨ کے سوا، باقی تمام آیات مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اس طرح اور بھی اقوال ہیں۔ 'سورۂ نحل' کے تعلق سے ارشادِ رسول ﷺ ہے کہ جس شخص نے سورۂ نحل کو پڑھا، اس سے اُن نعمتوں کا حساب نہیں لیا جائے گا جو اِس کو دنیا میں دی گئیں اور اِس کو اس شخص کی طرح اجر دیا جائے گا جس نے مرتے وقت اچھی وصیت کی ہو۔ اِس میں ایک سو اٹھائیس ١٢٨ آیتیں، اور سولہ ١٦ رکوع ہیں۔ ایسی باعظمت اور مبارک سورۂ شریفہ کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔۔۔

جنابِ سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کافروں کو جب کسی چیز سے وعید کرتے کہ قیامت قائم ہوگی، دنیا میں تم پر عذاب آئے گا، تو معانداً اُسے جلدی مانگتے۔ دراصل وہ اُس وعید کو صحیح نہ سمجھتے اور بطورِ استہزاء و تمسخر کے اس عذابِ موعود کے جلد نازل ہونے کا مطالبہ کرتے۔ اس پر اِرشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

آیا ہی رکھا ہے اللہ کا حکم، تو اُس کی جلدی نہ مچاؤ۔ پاک ہے وہ اللہ اور بلند و بالا ہے اُس سے، جس کو سب شریک بنا رہے ہیں ●

(آیا ہی رکھا ہے اللہ) تعالیٰ (کا حکم) یعنی قیامت قائم ہونے۔۔یا۔۔کافروں پر عذاب آنے کا حکمِ الٰہی اتنا یقینی اور قطعی ہے کہ سمجھ لو گویا وہ آ ہی گیا۔ المختصر۔۔اس کا اپنے وقت پر آنا یقینی ہے (تو

اس کی جلدی نہ مچاؤ)، وہ تو اپنے وقت پر قطعی طور پر آئے گا ہی۔

جب اس آیت کو معاندین نے سنا، تو اِس کے جواب میں بولے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اگر واقع ہوگا تو بُت جو خدا کے شریک ہیں ہمیں اس سے رہائی دے دیں گے، تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔

(پاک ہے وہ اللہ) تعالیٰ (اور بلند و بالا ہے اس سے جس کو سب شریک بنا رہے ہیں) یعنی وہ اس بات سے بہت بزرگ ہے کہ اس کا کوئی شریک ہو اور وہ جس بات کا ارادہ فرمائے شریک اُسے دفع کر دیا کرے۔۔یا۔عذاب کو روک دیا کرے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ

وہ نازل فرماتا ہے فرشتوں کو سراپا روح، وحی لے کر اپنے حکم سے جس پر چاہے اپنے بندوں سے، کہ ڈرادو میرے پیغام سے،

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۞ ۲

کہ کوئی پوجنے کے قابل نہیں سوا میرے، تو مجھ سے ڈرتے رہا کرو●

(وہ نازل فرماتا ہے فرشتوں کو سراپا روح وحی لے کر اپنے حکم سے)۔

روح سے وحی الٰہی مراد ہو۔۔یا۔قرآن کریم، وہ دونوں ہی دلوں کی زندگی کا سبب ہیں۔

اس سلسلے میں اور بھی اقوال ہیں۔۔مثلاً: وہ ملائکہ کو ارواح کے ساتھ بھیجتا ہے، بعضوں نے کہا روح ایک قوم ہے۔ درگاہِ الٰہی کے مقرب لوگوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو فرشتہ نازل ہوتا ہے، روح اس کے ساتھ نگہبان ہے جس طرح آدمیوں پر حفاظت کرنے والے فرشتے ہوتے ہیں۔ بہر تقدیر۔۔۔

فرشتوں کا نزول ہوتا ہے حکم الٰہی سے **(جس پر چاہے اپنے بندوں سے)**، کہ اُسے نبوت کا استحکام ثابت ہو اور جو ملائکہ انبیاء پر نازل ہوتے ہیں ان کی زبانی ہم یہ کہتے ہیں **(کہ)** یہ اشتہار کردو اور **(ڈرادو میرے پیغام سے)** انہیں آگاہ کر کے **(کہ کوئی پوجنے کے قابل نہیں سوا میرے)**۔ تو جب بندے یہ یقین رکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، تو ان کا ایمان اور عقیدہ صحیح ہوگا اور یہ ان کی 'قوتِ نظریہ' کا کمال ہے۔ اور جب یہ حقیقت ہے کہ میرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، **(تو)** صرف **(مجھ سے ڈرتے رہا کرو)** اور ظاہر ہے کہ جب وہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈریں گے، تو بُرے کاموں اور گناہوں کو ترک کریں گے اور نیک کام کریں گے۔ یہ ان کی 'قوتِ عملیہ' کا کمال ہے اور جب تک انسان کی یہ دونوں قوتیں کامل نہیں ہوتیں، انسان کو کمال حاصل نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی جامع پیغام پہنچانے کا حکم دیا جس سے انسان کی 'قوت نظریہ' اور 'قوتِ عملیہ' دونوں کامل ہوجاتی ہیں۔ اب اس کے بعد کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا ہے۔ پہلے آسمانوں اور زمینوں سے استدلال کیا ہے۔۔ چنانچہ۔ ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۳﴾

پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک۔ بہت بلند و بالا ہے اُن سے جنہیں یہ شریک بناتے ہیں ●

(**پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو ٹھیک**) یعنی دُرست اور راست حکم کے ساتھ۔۔ یا۔۔ حکمت کے ساتھ۔۔ یا۔۔ بیانِ حق کے واسطے۔ تو اللہ تعالیٰ (**بہت بلند و بالا ہے ان سے جنہیں یہ شریک بناتے ہیں**)۔ بھلا کافروں کے خودساختہ شریکوں میں کہاں یہ قدرت کہ وہ زمین و آسمان کی تخلیق کرسکیں۔۔ نیز۔۔ اللہ تعالیٰ ہی کی یہ شان ہے، کہ۔۔۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ فَاِذَا ہُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۴﴾

پیدا فرمایا انسان کو ایک قطرۂ ناچیز سے، پھر وہ اب کھلم کھلا جھگڑالو ہے ●

(**پیدا فرمایا انسان کو ایک قطرۂ ناچیز سے**) یعنی مَنی کے پانی سے، جو ایک بے حس اور بے فہم چیز ہے اور ایسا ہیولیٰ جو کہ صنعت اور شکل نہیں قبول کرتا، تو اُسے عقل اور سمجھ دے دی۔ (**پھر وہ اب**) ابی بن خلف کی شکل میں (**کھلم کھلا جھگڑالو ہے**) جو پرانی کمزور ہڈی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں لاکر بولا، کہ "کون زندہ کرے گا یہ ہڈیاں اُس حال میں جب وہ بوسیدہ ہوں گی"۔ وہ پہلے بے حس تھا، ہم نے اُسے حس اور گویائی دی، اب ہمارے ساتھ جھگڑا کرتا ہے۔ پہلے پہل پیدا کرنے سے دوبارہ پیدا کرنے پر دلیل کیوں نہیں پکڑلیتا؟ کہ جو پہلے پیدا کرنے پر قادر تھا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔۔ المختصر۔۔ رب قدیر نے تم کو پیدا کیا۔۔۔

وَالۡاَنۡعَامَ خَلَقَہَا ۚ لَکُمۡ فِیۡہَا دِفۡءٌ وَّ مَنَافِعُ وَ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۵﴾

اور چوپائے، انہیں پیدا فرمایا۔ تمہارے لیے اس میں اونی لباس ہیں اور بہتیرے نفع ہیں۔ اور اِن کے بعض کو تم کھاتے ہو ●

(**اور چوپائے، انہیں پیدا فرمایا تمہارے**) فائدے کے (**لیے اس میں اونی لباس ہیں**) یعنی

کپڑے بال کے اور ریشمی جو جاڑے سے بچاتے ہیں (اور بہتیرے نفع ہیں)۔۔مثلاً: بچے، دودھ، کرایہ، سواری، اور تجارت وغیرہ (اور ان کے بعض کو تم کھاتے ہو) یعنی دودھ، پنیر، گھی اور دہی وغیرہ۔۔یا۔۔ ان میں سے کھاتے ہو جو کھا سکتے ہیں، جیسے گوشت، چربی اور چار پایوں کے سوا اور دوسرے جانوروں کا کھانا، جیسے پرندے اور تری خشکی کے حلال جانور جن کا کچھ شمار نہیں۔

وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ⑥

اور تمہاری اس میں شان ہے جب چراگاہ سے شام کو لاتے ہو، اور جب چراگاہ کی طرف لے جایا کرتے ہو●

(اور تمہاری اس میں شان ہے جب چراگاہ سے شام کو لاتے ہو اور جب چراگاہ کی طرف لے جایا کرتے ہو) یعنی جب چار پائے کھڑے ہوتے ہیں، تو تمہارے دروازے کی زینت ہو جاتی ہے۔ اور ان کو صبح و شام چراگاہ کی طرف لے جانے اور انہیں ان کی آرام گاہ کی طرف واپس لانے میں ایک بہت حسین وخوبصورت منظر دیکھنے میں آتا ہے۔

وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ

اور وہ اٹھاتے ہیں تمہارے بوجھ اُس شہر تک، کہ تم وہاں نہ پہنچتے، مگر جان جوکھوں سے۔

إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ⑦

بے شک تمہارا پروردگار ضرور بڑا مہربان رحم والا ہے●

(اور وہ اٹھاتے ہیں تمہارے بوجھ) یعنی تمہارے بھاری بھاری سامان۔۔یا۔۔خود تمہاری سواریاں (اس شہر تک، کہ تم وہاں نہ پہنچتے) اپنا بھاری بوجھ لیے ہوئے۔۔یا۔۔پیدل (مگر جان جوکھوں سے) یعنی کافی سختی اور مشقت اٹھا کر، اور اپنے اعضاء کو تکلیف پہنچا کر، تو حق تعالیٰ نے تمہیں چار پایوں کی نعمت عطا فرمائی۔ (بے شک تمہارا پروردگار ضرور بڑا مہربان) ہے کہ تمہیں سابقہ خدمت کے بغیر نعمت عطا فرمائی اور (رحم والا ہے) کہ چار پائے عطا فرما کر تم پر کام آسان کر دیا۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ⑧

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے، کہ اُن پر سواری کرو اور شان بنانے کے لیے۔ اور پیدا فرمائے گا جو تم لوگ ابھی جانتے ہی نہیں●

(اور) پیدا کیے (گھوڑے اور خچر اور گدھے) تا (کہ ان پر سواری کرو اور شان بنانے کے

لیے) یعنی تاکہ آراستہ کرو اپنا زمانہ آرائش کر کے۔۔الختصر۔۔ان جانوروں کے ذریعہ اپنی شان وشوکت ظاہر کرسکو (اور) صرف یہی سب کچھ نہیں۔۔بلکہ۔۔(پیدا فرمائے گا جو تم لوگ ابھی جانتے ہی نہیں)، بل میں رہنے والوں اور پرندوں اور دریائی جانوروں میں سے۔

بقولِ بعض اُس نامعلوم چیز سے بہشت کی نعمتیں مراد ہیں۔۔یا۔۔وہ وہ فرشتے جو صف باندھے ہیں اور وہ جو طواف کرتے ہیں۔۔یا۔۔کوہ قاف کے اس طرف کی مخلوقات۔بہتر اور اولیٰ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جس چیز کے بارے میں فرمادیا کہ تم نہیں جانتے ہو، اس کی تفسیر میں سکوت اختیار کیا جائے۔۔الختصر۔۔ہر مقدور حق تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے۔

ع ۱ / ۹ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٩

اور اللہ کا ہے سیدھا راستہ۔اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں۔اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ دے دیتا●

(اور اللہ) تعالیٰ ہی (کا ہے سیدھا راستہ) یعنی اُسی کے ذمہ کرم میں ہے کہ اپنے فضل ورحمت سے صراطِ مستقیم کو قائم کردے اور اس کو راست اور درست کردے۔۔یا۔۔سیدھا راستہ اُسی تک پہنچتا ہے، تو جو راستہ حق تک پہنچادے وہی راہِ اوسط ہے۔۔یا۔۔سیدھے راستہ سے مراد دینِ اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ ہی کا پسندیدہ دین ہے۔(اور) اس کے برخلاف (بعض راستے ٹیڑھے ہیں)۔ظاہر ہے کہ جس طرح ایک خطِ مستقیم کے دائیں بائیں جتنے خطوط ہوں گے، وہ صرف ٹیڑھے ہی ہوں گے۔اِسی طرح صراطِ مستقیم سے ہٹ کر جتنے راستے ہوں گے وہ بھی ٹیڑھے ہی ہوں گے۔۔الختصر۔۔سیدھا راستہ صرف اسلام ہے اور باقی کفروشرک کی ملتیں۔۔یا۔۔خواہش وبدعت کی ساری راہیں۔ان میں کجی ضرور ہے، یہ صراطِ مستقیم کبھی ہو ہی نہیں سکتیں۔

(اور اگر وہ) یعنی حق تعالیٰ تم کو ہدایت دینا (چاہتا تو تم سب کو راہ دے دیتا)، یعنی توفیق کو تم سب کا رفیق کردیتا، یہاں تک کہ سب چلنے والے سیدھی راہ پر پہنچ جاتے۔لیکن جب اُن سبھوں نے راہِ مستقیم پر آنے کا عزم ہی نہیں کیا اور ہدایت حاصل کرنا ہی نہیں چاہا، تو حکمتِ خداوندی نے انہیں ہدایت سے دور ہی رکھا۔

حق تعالیٰ کی نعمتوں کو کہاں تک شمار کرایا جائے۔اس کی عظیم نعمتوں میں سے یہ بھی ہے، کہ۔۔۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ

وہی ہے جس نے اتارا آسمان کی طرف سے پانی تمہارے لیے، کچھ تو پینے کو ہے،

وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾

اور کچھ ایسے پودوں کو جس میں جانور چراتے ہو●

(وہی ہے جس نے اُتارا آسمان کی) بلندی کی (طرف سے پانی تمہارے لیے) جس میں (کچھ تو پینے کو ہے اور کچھ ایسے پودوں کو جس میں جانور چراتے ہو) یعنی گھاس جو زمین سے اُگتی ہے۔۔۔الغرض۔۔اس سے وہ درخت مراد نہیں جس کے تنے ہوتے ہیں۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ

اُگاتا ہے تمہارے لیے اُس پانی سے کھیتی کو، اور زیتون و کھجور و انگور

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور ہر قسم کے پھل کو۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے اُن کے لیے جو دھیان کریں●

(اُگاتا ہے تمہارے لیے اُس پانی سے کھیتی کو)۔اس سے مراد اناج ہے جسے بوتے ہیں۔ (اور زیتون و کھجور و انگور اور ہر قسم کے پھل کو) جو دُنیا میں ممکن ہوتے ہیں۔اس لیے کہ سارے میوے دُنیا میں نہیں ہوتے، یہ تو صرف جنت ہی کی خصوصیت ہے جہاں سارے میوے موجود ہوں گے۔

(بے شک اس) غلہ اور درخت اگانے (میں ضرور نشانی ہے) یعنی کھلی ہوئی دلیل ہے اللہ جل شانہ کی قدرت اور حکمت پر (ان کے لیے جو دھیان کریں) اور غور و فکر کریں، اس بات میں کہ دانہ زمین میں پڑتا ہے اور پانی اس میں نفوذ کر کے سڑتا ہے اور اس کے اوپر کی جانب پھٹ کر اس میں اَکھوا نکل کر ہوا میں بلند ہوتا ہے اور اس دانے کے نیچے کی جانب پھٹ کر اس میں سے جڑ زمین میں جم جاتی ہے، اور ہر گھڑی وہ درخت بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ کلیاں اور میوے نکلتے ہیں۔ ہر میوے کی شکل، رنگ، مزہ اور ہی ہوتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ شکل، رنگ، مزہ کا اختلاف نہیں ہے، مگر فاعل مختار جل جلالہ تقدس وتعالی کے کرنے سے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ

اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات اور دن کو، اور سورج اور چاند کو، اور سارے تارے پابند ہیں اُس کے حکم کے۔

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۲﴾

بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو سمجھ بوجھ سے کام لیں●

(اور) اُس قادرِ مطلق نے (مسخر کردیا تمہارے لیے رات) کو آسائش کے واسطے (اور دن کو) آرائش کے واسطے (اور سورج اور چاندکو) میوے پکنے اور کھیتوں کے بنانے اور برسوں اور مہینوں کا حساب پہچاننے کے لیے (اور سارے تارے) راستہ پہچاننے کے لیے۔۔المختصر۔۔یہ سب کے سب (پابند ہیں اُس کے حکم کے) جو سب کا پروردگار ہے۔(بے شک اس میں) صانع حکیم کی وحدت پر (ضرور نشانیاں) اور واضح دلیلیں (ہیں ان کے لیے جو سمجھ بوجھ سے کام لیں)۔

نباتات کے حالات جو پوشیدگی سے خالی نہیں، ان میں حق تعالیٰ نے تفکر کا ذکر کیا اور یہ مذکورہ بالا دلالتیں جو نہایت درجہ ظاہر ہیں ان میں عقل اور سمجھ بوجھ کا ذکر کیا۔

وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

اور جو پیدا فرمایا تمہارے لیے زمین میں طرح طرح کے رنگ دار۔بے شک اُس میں ضرور

لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۳﴾

نشانی اُن کے لیے جو سبق لیں●

(اور) مسخر کی وہ چیز (جو پیدا فرمایا تمہارے لیے) یعنی تمہارے نفع کے واسطے (زمین میں) جس کی تمہیں حاجت ہے۔۔الغرض۔۔اس سے نفع لینا تمہیں میسر کردیا، وہ کھانے پینے کی چیزیں اور سواریاں وغیرہ ہیں (طرح طرح کے رنگ دار) یعنی مختلف ہیں اُن کی ہیئتیں اور شکلیں اور قسمیں۔ (بے شک اُس) مخلوقات (میں ضرور نشانی) اور دلالت ہے حق تعالیٰ کی وحدانیت پر (ان کے لیے جو سبق لیں) اور نصیحت حاصل کریں۔

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ

اور وہی ہے جس نے قابو میں کردیا دریا سمندر کو، کہ اُس سے کھاتے رہو تازہ

حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا

گوشت، اور نکالتے رہو اُس سے گہنا جو پہنتے ہو، اور دیکھ ہی رہے ہو کہ کشتیاں پانی چیر کر اُس میں تیرتی ہیں، اور تاکہ تلاش کرو

مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اُس کا فضل، اور کسی طرح شکر گزاری کرتے رہو●

(اور وہی ہے جس نے قابو میں کردیا دریا سمندر کو) کہ تم اس سے نفع حاصل کرتے رہتے ہو اور اس میں شکار کرتے ہو، تا (کہ اس سے کھاتے رہو تازہ گوشت) یعنی مچھلی کا گوشت (اور) اس میں غوطہ لگاتے ہو، تاکہ (نکالتے رہو اس سے گہنا) زیور (جو پہنتے ہو)، یعنی اس میں سے وہ چیز نکالتے ہو جس سے زیور بناتے ہو، جیسے موتی، مونگا اور اُسے تمہاری عورتیں پہنتی ہیں۔

چونکہ عورتوں کی زینت مردوں کے واسطے ہوتی ہے، اِس واسطے حق تعالیٰ نے زیور پہننے کی نسبت مَردوں کی طرف کی۔

(اور دیکھ ہی رہے ہو کہ کشتیاں پانی چیر کر اس میں تیرتی ہیں اور) تمہارے واسطے دریا کا مسخر ہونا، اس لیے ہے (تاکہ تلاش کرو) کشتی میں سوار ہوکر (اس کا فضل)، یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل اور دریائی نفع، جو کہ وسعتِ رزق کا سبب ہے۔ (اور) پھر کسی نہ (کسی طرح) حق تعالیٰ کی (شکر گزاری کرتے رہو)۔ دریا کی تسخیر اور کشتی کی ترکیب کی نعمت پر، اس واسطے کہ یہ بڑی نعمت ہے کہ حق تعالیٰ نے ہلاکت کی چیزوں کو منفعت کا سبب کردیا۔

یہ تو ظاہری دریا اور ظاہری کشتی کا ذکر ہے، حق تعالیٰ نے باطن کی رُو سے آدمی کے نفس میں بہت سے دریا پیدا کیے ہیں، جیسے مشغولی غم، حرص، غفلت اور پریشانی کے دریا اور اُن سے پار اُترنے کے لیے بھی کشتیاں معین کی ہیں۔ جو کوئی توکل کی کشتی پر بیٹھتا ہے مشغولی کے دریا سے فراغت کے ساحل پر پہنچ جاتا ہے، اور جو کوئی رضا کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ غم کے دریا سے خوشی کے کنارے پر پہنچ جاتا ہے، اور جو کوئی قناعت کی کشتی پر جگہ پکڑتا ہے، وہ حرص کے دریا سے زہد کے ساحل پر پہنچ جاتا ہے، اور جو شخص زہد کی کشتی پر بیٹھتا ہے غفلت کے دریا سے آگاہی کے کنارے پہنچ جاتا ہے، اور جو کوئی توحید کی کشتی پر بیٹھتا ہے وہ پریشانی کے دریا سے جمعیت کے کنارے پہنچ جاتا ہے، اور حقیقت میں پریشانی بقا میں ہے اور جمعیت فنا میں۔ جو لوگ اپنے میں ہیں وہ پریشانی کے تہلکے میں ہیں، اور جو لوگ اپنے آپ سے باہر ہیں جمعیت کے مرتبے میں ہیں۔ یہ بھی ربِ کریم کا احسان ہے کہ پیدا کیا۔۔۔

وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور گاڑ دیا زمین میں پہاڑوں کو، ورنہ زمین ڈگمگا دے تمہیں، اور ندیاں، اور راستے کہ تم اپنا اپنا راستہ پاتے رہو●

(اور گاڑ دیا زمین میں) اونچے اونچے اور بڑے بڑے (پہاڑوں کو، ورنہ زمین ڈگمگا دے تمہیں) خود بھی متحرک و مضطرب ہوجائے اور تمہیں بھی ہلا کے رکھ دے۔

حق تعالیٰ نے جب زمین پیدا کی تو پانی پر متحرک تھی اور اُسے قرار نہ تھا، ملائکہ نے یہ بات کہی، اس فرشِ زمین پر کوئی قرار نہ پکڑ سکے گا، تو حق تعالیٰ نے اُس پر پہاڑ پیدا کر دیے جس کی وجہ سے زمین ٹھہر گئی۔۔الختصر۔۔حق تعالیٰ نے پہاڑوں کو زمین کی میخ کر دیا اور زمین ٹھہر گئی۔

(اور) پیدا کی زمین میں (ندیاں) نہریں جیسے نیل، فرات، دجلہ، جیحون، سیحون وغیرہ وغیرہ (اور راستے) ہر موضع سے دوسرے موضع تک کے لیے، تا (کہ تم اپنا اپنا راستہ پاتے رہو) اور اس طرح اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ۔

وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور بہت سی علامتیں۔اور تارے سے وہ راستہ پہچان لیتے ہیں●

(اور) پیدا کیں (بہت سی علامتیں) اور نشانیاں راہ کی اس پر چلنے والوں کے واسطے پہاڑوں اور ٹیکروں وغیرہ سے، (اور تارے سے) جیسے ثریا، بنات النعش، فرقدین، شعرتین، سماک، جدی۔ یہ سب مختلف ستاروں کے نام ہیں جن سے (وہ)، یعنی قریش خشکی اور تری میں (راستہ پہچان لیتے ہیں)۔

اگرچہ ستاروں کے سبب سے راستہ سمجھنا مسافروں کو آسان ہے، مگر قریش جاڑے اور گرمی کے سفر میں اس بات کے ساتھ مشہور تھے کہ ستاروں کے سبب سے راہ سب لوگوں سے بہتر پہچانتے ہیں۔۔۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو کیا جو پیدا فرماتا ہے اور جو کچھ پیدا نہ کرے، ایک طرح کا ہے؟ تو کیا تم سوچ سے کام ہی نہیں لیتے●

(تو کیا جو) اتنی چیزیں (پیدا فرماتا ہے اور جو کچھ پیدا نہ کرے، ایک طرح کا ہے؟) یعنی ایک ذات وہ ہے، جو خالق السموات والارض ہے، اور ایک وہ ہے جو ایک ذرّہ بھی پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، تو کیا یہ دونوں ایک طرح ہو سکتے ہیں؟ (تو کیا تم سوچ سے کام ہی نہیں لیتے؟) تم ذرا بھی

فکرِ سلیم اور ذہن مستقیم سے کام لو، تو خود تمہیں اپنے عقیدے کی خرابی اور اُس کا فساد معلوم ہو جائے۔
یاد رکھو کہ خدا کے سوا جنہیں کافر پوجتے تھے، جیسے حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر علیہما السلام اور ملائکہ اور بُت،
یہ سب مخلوق ہیں، اور خالق کو مخلوق کے ساتھ کچھ مشابہت ہی نہیں۔۔الغرض۔۔ان مخلوقات کو جو ہر حال
میں، یہاں تک کہ خود اپنے وجود میں، خدائے قادرِ مطلق خالق کائنات کے محتاج ہیں، اُس قادرِ مطلق
کا شریک کرنا، کمال درجے کا عناد اور نہایت مرتبے کی نادانی ہے۔

قرآنِ کریم میں جا بجا اور خود اِسی سورہ کی آیت ۱۴ میں خدا کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرنے کی
ترغیب دی گئی ہے۔اور شکر نعمت کے بدلے ہوا کرتا ہے اور ہر نعمت پر کم از کم ایک شکر واجب، تو
بندے کو یہ خیال نہ ہونا چاہیے، کہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی سکت رکھتا ہے۔

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾

اور اگر گنتی کرنی چاہو اللہ کی نعمت کی، تو انہیں گن نہ سکو گے۔بے شک اللہ ضرور مغفرت فرمانے والا رحم والا ہے●

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿١٩﴾

اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاؤ اور جو علانیہ کرو●

(اور) یہ اس لیے کہ **(اگر)** تم **(گنتی کرنی چاہو اللہ)** تعالیٰ **(کی نعمت کی، تو انہیں گن نہ**
سکو گے)۔اور جب نعمتوں کا شمار ہی نہیں، تو ہر ہر نعمت کے بدلے شکر ادا کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا
ہوتا ہے؟۔۔المختصر۔۔جب نعمتیں شمار کرنے سے تم عاجز ہو، تو اس کا شکر کیونکر ادا کر سکو گے؟
اس مقام پر ذرا اس رحیم و کریم کی کرم فرمائی تو دیکھو، خود ہی فرماتا ہے، کہ۔۔۔
(بے شک اللہ) تعالیٰ **(ضرور مغفرت فرمانے والا)** ہے۔اگر شکر ادا کرنے میں تقصیر کرو، تو
وہ اس سے درگزر کرتا اور اُسے چھوڑ دیتا ہے۔اور **(رحم والا)** مہربان **(ہے)** کہ شکر میں تقصیر کرنے کی
وجہ سے نعمت تم سے روک نہیں رکھتا۔تو غور کرو ایسے رحیم و کریم کے خود اسی کے محتاجوں کو شریک کرنا کتنی
بڑی نادانی ہے۔یہ گمان بھی نہ کرو کہ وہ تمہارے حال و اعمال سے بے خبر ہے، اس لیے کہ مستقل بالذات
علیم و خبیر صرف اُسی کی ذات ہے۔۔چنانچہ۔۔یہ حقیقت **(اور)** کھلی ہوئی سچائی ہے، کہ **(اللہ)** تعالیٰ
(جانتا ہے جو تم چھپاؤ)، یعنی تمہارے عقائد و نظریات سے وہ بے خبر نہیں۔**(اور)** وہ جانتا ہے **(جو علانیہ**
کرو) یعنی تمہارے ظاہری اعمال بھی اس کے علم و خبر میں ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور جنہیں یہ اللہ کو چھوڑ کر معبود پکارتے ہیں، وہ نہیں پیدا کر سکتے کچھ، اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں●

ع ۲ ۱۲ ۸ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾

سب بے جان ہیں، زندوں سے نہیں ہیں۔ اور نہ وہ سمجھ سکیں کہ کب حشر کے لیے اٹھائے جائیں گے●

(اور) رہ گئے وہ پتھروں کے اصنام (جنہیں یہ) کفار (اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر معبود) سمجھ کر (پکارتے ہیں، وہ نہیں پیدا کر سکتے کچھ، اور) بھلا وہ کیسے پیدا کر سکتے ہیں کچھ، جب کہ (وہ خود پیدا کیے گئے ہیں)۔ اور جو مخلوق ہوتا ہے وہ اپنے پیدا ہونے میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اور وہ 'ممکن' ہوتا ہے۔ اُس کے برعکس خالق، واجب الوجود ہے، تو وہ 'مخلوق' حق تعالیٰ کی شرکت کے لائق نہیں۔ مشرکین نے یہ بھی غور نہیں کیا کہ یہ سارے بُت سب کے (سب بے جان ہیں زندوں سے نہیں ہیں) بلکہ جمادات ہیں، جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں اور نہ ہی بولتے ہیں (اور نہ) ہی (وہ سمجھ سکیں کہ) ان کے پجاری (کب حشر کے لیے اٹھائے جائیں گے)۔ اور جب یہ اپنے پجاریوں کے بعث کا وقت نہیں جانتے، تو اپنے پوجنے والوں کو جزا کیونکر دے سکیں گے۔۔ الختصر۔ معبود ایسا چاہیے، جو اپنے بندوں کے حشر کا جاننے والا ہو اور انہیں جزا دینے پر قادر ہو۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن حق تعالیٰ بتوں میں روح ڈال کر اٹھائے گا، تا کہ اپنی پرستش کرنے والوں پر تبرا کریں۔۔ الحاصل۔۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ

تم سب کا معبود بس ایک معبود ہے۔ پھر بھی جو نہ مانیں آخرت کو، اُن کے دِل ناکارہ ہیں،

وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور وہ مغرور ہیں●

(تم سب کا معبود بس ایک معبود ہے) جو یگانہ و یکتا ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کا رَدّ فرمایا اور کافروں کے مذہب کا قوی دلائل سے رَدّ فرمایا، اور اِس آیت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ کفارِ مکہ کس وجہ سے توحید کا انکار کرتے تھے اور شرک پر اصرار کرتے تھے۔ اور اس وجہ کا خلاصہ یہ ہے، کہ یہ لوگ آخرت

کے منکر ہیں اور ظاہر ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں وہ نہ دائمی عذاب کی وعید سے ڈرتے ہیں اور نہ حصولِ ثواب کی توقع کرتے ہیں۔ وہ ہر اس دلیل اور نصیحت کا انکار کرتے ہیں جو ان کے قول کے مخالف ہو اور دوسرے شخص کے قول کو ماننے اور قبول کرنے سے تکبر کرتے ہیں۔ سو وہ اپنی جہالت اور گمراہی کی وجہ سے اپنے قول پر ڈٹے رہتے ہیں۔۔ الحاصل۔۔ دلائل و براہین قائم ہو جانے کے بعد۔۔۔

(پھر بھی جو نہ مانیں آخرت کو) تو اس کی وجہ یہ ہے کہ **(ان کے دل ناکارہ ہیں اور وہ مغرور ہیں)**، نبی کریم کی بارگاہ میں غرور سے پیش آتے ہیں۔۔ یا۔۔ ایمان قبول کرنے سے تکبر کرتے ہیں اور اس میں اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ

بلاشبہ اللہ تو خواہ مخواہ جانتا ہے جو چھپا رکھیں اور جو اعلان کردیں۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

بے شک وہ نہیں پسند فرماتا غرور والوں کو●

(بلاشبہ اللہ) تعالیٰ **(تو خواہ مخواہ)** یعنی کوئی چاہے۔۔ یا۔۔ نہ چاہے، مانے یا نہ مانے، اور کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے، ہر حال میں یقیناً **(جانتا ہے)** اُس کو بھی **(جو چھپا رکھیں)** اور بارگاہِ رسول میں مکر و حیلہ کا مظاہرہ کریں **(اور)** اُس کو بھی **(جو اعلان کردیں)** یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لڑائی جھگڑا اور موشگافی کریں۔ **(بے شک وہ)** یعنی اللہ تعالیٰ **(نہیں پسند فرماتا غرور والوں کو)** جو خدا کی توحید اور رسولِ کریم کی تصدیق سے سرکشی کرتے ہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور جب پوچھا گیا انہیں، کہ کیا نازل فرمایا تمہارے پروردگار نے؟ سب جواباً بکنے لگے، کہ "اگلوں کی کہانیاں"●

(اور) ان کی سرکشی کا حال یہ ہے کہ **(جب پوچھا گیا انہیں کہ کیا نازل فرمایا تمہارے پروردگار نے؟)**۔

یہ سوال پیروی کرنے والوں اور ماتحت رہنے والوں نے اپنے رؤسا سے کیا۔

تو **(سب جواباً بکنے لگے)** اور بطورِ استہزا کہنے لگے، **(کہ اگلوں کی کہانیاں)**۔ پوچھنے والوں

نے بھی ہنسی کے طور پر پوچھا کہ خدا نے کیا بھیجا ہے، تو جواب دینے والوں نے بھی بطورِ مذاق جواب دے دیا کہ جو بھیجا ہے وہ اگلوں کی سرگزشتیں ہیں یعنی کوئی خاص بات نہیں۔ پیغمبر جو پڑھتے ہیں وہ اگلوں کی کہانیاں ہیں۔ کافروں نے ایسی باتوں سے کچھ لوگوں کو گمراہ کر دیا۔

لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ

تا کہ لادے رہیں اپنے پورے بوجھ قیامت کے دن۔ اور ان کے بوجھ جنہیں گمراہ کریں

بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿٢٥﴾

بے علمی سے۔ خبردار! کہ بڑا برا بوجھ لادر ہے ہیں●

(تا کہ) وہ گمراہ کرنے والے بیوقوف لوگ (لادے رہیں اپنے پورے بوجھ قیامت کے دن اوران کے) بھی (بوجھ جنہیں گمراہ کریں بے علمی سے) اوران کی نادانی سے۔ (خبردار)! جان لو (کہ بڑا بوجھ لادر ہے ہین)۔ اپنے گمراہ رہنے کا بوجھ تو ان کے سر پر تھا ہی، دوسروں کو گمراہ کرنے کا بوجھ بھی سر پر لادلیا۔

ع ۱۰

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ

بے شک داؤں چلے جواُن سے پہلے کے ہیں، تو اللہ نے لیااُن کے بنے بنائے گھروں کو

عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

بنیاد سے، تو گر پڑی اُن پر چھت اوپر سے، اور آیااُن پر عذاب جہاں سے وہ سمجھے نہ تھے●

(بے شک داؤں چلے جوان سے پہلے کے ہیں، تو اللہ) تعالیٰ (نے لیاان کے بنے بنائے گھروں کو بنیاد سے، تو گر پڑی ان پر چھت اوپر سے، اور آیاان پر عذاب جہاں سے وہ سمجھے نہ تھے)۔

اس سے مراد نمرود بن کنعان ہے۔ اس نے ایک نہایت بلند عمارت بنائی تھی تا کہ اس عمارت پر چڑھ کر آسمان والوں سے جنگ کر کے ان کو ہلاک کر دے۔ اُس عمارت کے طُول میں اختلاف ہے۔ کسی نے فرمایا کہ اس کا طول پانچ ہزار ہاتھ تھا، اور کسی نے کہا دو فرسخ یعنی تقریباً چھ میل۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک زبردست آندھی بھیجی جس نے اس محل کی چوٹی کو سمندر میں گرادیا اور باقی عمارت اس کے رہنے والوں پر گر پڑی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اُس سے مراد وہ کفارِ مکہ ہیں جو مکہ کے راستے میں کھڑے رہتے تھے، تا کہ مکہ میں

آنے والوں کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق گمراہ کریں۔

اس سلسلے میں تیسرا قول یہ ہے، کہ پچھلی امتوں کے بڑے بڑے کافر بھی اپنے نبیوں کے خلاف سازش کرتے تھے، لیکن ان کی سازشیں اُن پر الٹ گئیں۔ جس وقت یہ عذاب آیا انہیں وہم و خیال بھی نہیں تھا کہ حق تعالیٰ نمرود کو ہلاک کردے گا۔۔یا۔۔وہ سمجھ نہ سکے تھے اور انہیں توقع نہ تھی کہ اس طور پر عذاب آئے گا۔ حق تعالیٰ نے بھنگے کو جو ایک بہت چھوٹا کیڑا ہوتا ہے نمرود کے لشکر پر مسلط کردیا اور خود نمرود کو مچھر کے عذاب میں مبتلا کردیا، کہ ایک مچھر نمرود کی ناک میں گھس گیا، اور دماغ کی جڑ میں جگہ پکڑی اور بڑا ہوا اور چار سو برس وہاں پر رہا اور ان چار سو برس تک ہتھوڑا۔۔یا۔۔جوتا اُس کے سر پر مارتے تھے، کیوں کہ اس سے ذرا آرام پاتا تھا۔ المختصر۔۔دنیا میں ان کی جو رسوائی ہوئی، وہ تو ہوئی۔۔۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ

پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا انہیں، اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک گڑھے ہوئے، جن کے لیے تم جھگڑا کرتے

فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

تھے۔ بول پڑے جن کو علم دیا گیا ہے، کہ بے شک رسوائی آج کے دن اور خرابی کافروں کی ہے●

(پھر قیامت کے دن رُسوا کرے گا انہیں اور فرمائے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک گڑھے ہوئے)، یعنی وہ لوگ جنہیں تم گمان کرتے تھے کہ میرے شریک ہیں، (جن کے لیے تم جھگڑا کرتے تھے) پیغمبروں اور مومنوں کے ساتھ ٹھٹھا بازی کر کے بعد ان سے مخالفت کر کے اور ان کی شان میں گستاخیاں کر کے۔ کفار بھلا اِس کا کیا جواب دیتے؟ ہاں (بول پڑے) جواباً وہ لوگ (جن کو علم دیا گیا ہے) یعنی اہل علم انبیاء اور ملائکہ۔۔یا۔۔دانا لوگ کہ جنہوں نے خلق کو حق تعالیٰ کی طرف دعوت دی ہے، وہ کہیں گے (کہ بے شک رسوائی آج کے دن اور خرابی کافروں کی ہے) یعنی آج کے دن ذلت رسوائی اور عذاب کافروں کے لیے ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ

جنہیں فرشتوں نے وفات دی، اس حال میں کہ وہ اپنے ہی اوپر اندھیر کرنے والے ہیں، پھر انہوں نے اپنی بچت

مِنْ سُوٓءٍ ۭ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

کی طرح ڈالی، کہ ہم کوئی گناہ بھی نہیں کرتے تھے۔ ہاں کیوں نہیں! اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے تھے●

(جنہیں فرشتوں نے وفات دی) اوران کی روحیں قبض کیں (اس حال میں کہ وہ اپنے ہی اوپر اندھیر کرنے والے ہیں) کفر کے سبب سے۔ اورانہوں نے جب موت اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اوراپنی موت کو یقینی گمان کرلیا، تو (پھرانہوں نے اپنی بچت کی طرح ڈالی) اورحق تعالیٰ کی ربوبیت اور وحدانیت کا اعتراف کرنے لگے اور سراپا اطاعت گزار بن کر بولے، (کہ ہم کوئی گناہ بھی نہیں کرتے تھے)۔۔ الغرض۔۔ کفر، ظلم، شرک اور گناہ سبھی سے منکر ہوجائیں گے، تو حق تعالیٰ فرمائے گا (ہاں کیوں نہیں!)، یعنی نہیں ہے ایسا جو تم کہتے ہو۔ یقیناً تم کافر تھے اور تم نے گناہ کیے ہیں۔ (اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے تھے)۔۔ چنانچہ۔۔ تمہیں تمہارے کرتوت کی سزا دے گا، اور سزا یہ ہے کہ حکم خداوندی سے کہیں گے فرشتے، کہ۔۔۔

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

بس اب داخل ہوجاؤ جہنم کے دروازوں میں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔ پس کتنی بری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی●

(بس اب داخل ہوجاؤ جہنم کے دروازوں میں)۔۔ یا۔۔ دوزخ کے اُن طبقوں میں جو تمہارے لیے تیار ہیں۔ حال یہ ہے کہ تم (ہمیشہ رہنے والے) ہو (اس میں۔ پس کتنی بُری جگہ ہے غرور کرنے والوں کی)۔۔ الحاصل۔۔ البتہ بُرا مقام ہے متکبروں کا جہنم۔

عرب کے لوگ حج کے موسم میں اپنے لوگوں کو مکہ معظمہ میں بھیجتے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کی تحقیق کر کے انہیں پہنچائیں۔ جب وہ بھیجے ہوئے لوگ مکے کے کافروں سے پوچھتے، کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر کیا چیز اُترتی ہے، تو وہ کافر کہہ دیتے کہ اگلوں کی کہانیاں، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔۔۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا

اور پوچھا گیا اُن سے جو ڈرتے رہے، کہ کیا نازل فرمایا تمہارے پروردگار نے؟ تو سب نے جواب دیا، کہ "بھلائی ہی بھلائی"۔ جنہوں

فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾

نے بھلائی کی، انہیں اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور دارِ آخرت اور زیادہ بہتر ہے۔ اور کیسا اچھا ہے ڈرنے والوں کا گھر●

(اور) اس کے برخلاف جب (پوچھا گیا ان سے جو ڈرتے رہے) اور جنھوں نے شرک سے پرہیز کیا، یعنی مومنوں سے (کہ کیا نازل فرمایا تمہارے پروردگار نے؟ تو سب نے جواب دیا، کہ بھلائی ہی بھلائی)۔

اس سے قرآن مراد ہے کہ سب نیکیوں اور برکتوں کو جمع کیے ہوئے ہے اور دنیوی۔۔نیز۔۔دینی نیکیاں اور ظاہری باطنی خوبیاں اُس سے نکلتی ہیں۔

تو سن لو کہ ان لوگوں کے لیے (جنھوں نے بھلائی کی) یعنی اپنے اقوال وافعال میں نیکی کی۔۔۔یا۔۔کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہا ہے، (انہیں اس دنیا میں بھی بھلائی ہے) جان مال کی حفاظت، فتح ونصرت اور عزت وحرمت کی شکل میں، (اور) ان کے لیے (دار آخرت اور زیادہ بہتر ہے)، اس لیے کہ دنیا کی نعمتوں کے لیے فنا ہے، لیکن آخرت کی نعمتیں یعنی بہشت اور وہاں کے انعامات لازوال ہیں۔۔الحاصل۔۔غور کرو (اور) سوچو کہ (کیسا اچھا ہے) متقیوں یعنی خدا سے (ڈرنے والوں کا گھر)۔

بعضوں نے کہا کہ دنیا اچھا گھر ہے کہ اس میں زادِ آخرت تیار کر سکتے ہیں۔ 'اَلدُّنْیَا مَزْرَعَةُ الْاٰخِرَة' دنیا کھیتی ہے آخرت کی، کا مضمون اِس قول کا مؤید ہے۔ اسی لیے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ آج 'بوؤ اور کل کاٹو'۔۔الحاصل۔۔کیا ہی اچھا ہے متقیوں کا گھر، یعنی۔۔۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ

ہیشگی والے باغ، جس میں داخل ہوں گے، بہہ رہی ہیں اُس کے نیچے نہریں، اُن کے لیے اُس میں ہے جو چاہیں۔

كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾

اسی طرح ثواب دیتا ہے اللہ ڈرنے والوں کو●

(ہیشگی والے باغ جس میں داخل ہوں گے) قیامت کے دن جس کی شان یہ ہے کہ (بہہ رہی ہیں اس کے) مکانوں کے (نیچے نہریں، ان کے لیے اس میں ہے جو چاہیں) اور چونکہ بہشت میں رشک اور حسد نہ ہوگا، اس لیے ہر جنتی کو جو مرتبہ حاصل ہوگا وہ اُسی پر راضی رہے گا۔۔المختصر۔۔جنتی وہی چاہے گا جو اس کے مقام ومرتبہ کے لائق ہوگا۔ (اسی طرح ثواب دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (ڈرنے والوں کو) یعنی پرہیزگاروں کو۔۔۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ

جنہیں وفات دیتے ہیں فرشتے اِس حال میں کہ وہ پاکیزہ ہیں۔ کہیں گے، "سلامتی ہو

عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

آپ لوگوں پر۔ داخل ہو جاؤ جنت میں جو تم نیکیاں کرتے رہے"●

(جنہیں وفات دیتے ہیں فرشتے) حکم الٰہی سے **(اس حال میں کہ وہ پاکیزہ ہیں)** یعنی پاک ہیں شرک اور گناہوں کے شائبوں سے۔۔یا۔۔خوش وقت ہوتے ہیں اس سبب سے کہ فرشتے انہیں خوشخبری دیتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔فرشتے ان سے تعظیم کی رُو سے **(کہیں گے سلامتی ہو آپ لوگوں پر)**۔

یعنی اللہ کا سلام ہو تم پر۔۔یا۔۔شاید ان پر فرشتوں کا سلام ہو اور سلام کے بعد کہیں گے، کہ کل قیامت کو اٹھو اور۔۔۔

(داخل ہو جاؤ جنت میں) جو تمہارے واسطے تیار کی جا چکی ہے۔ یہ صلہ ہے ان کا **(جو تم)** دنیا میں **(نیکیاں کرتے رہے)** اور خیرات وحسنات انجام دیتے رہے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر طعن کرتے ہوئے کفار کہتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں، تو پھر چاہیے کہ آسمان سے کوئی فرشتہ آکر یہ کہے کہ آپ اللہ کے فرستادہ ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رَد کرتے ہوئے فرمایا، 'وہ تو ایمان لانے کے لیے صرف فرشتوں کے منتظر بیٹھے ہیں۔۔یا۔۔پھر عذابِ موعود کا انتظار کر رہے ہیں'۔ یہ سب کافروں کے ایمان نہ لانے کے بہانے تھے۔ غور کا مقام ہے کہ اگر فرشتے آتے، تو دو حال سے خالی نہیں تھا۔۔یا۔۔تو وہ اپنی اصل صورت میں آتے۔۔یا۔۔انسانی شکل میں آتے۔ اب اگر وہ اپنی اصل اور حقیقی صورت میں آتے، تو ان کو دیکھنے کی تاب کون لاتا، خوف سے سب کی روح نکل جاتی، پھر ایمان کون لاتا؟

اور اگر وہ انسانی شکل میں آتے، تو پھر کافر کہتے کہ کیا ثبوت ہے کہ یہ فرشتے ہیں۔ یہ تو ہماری ہی طرح انسان نظر آرہے ہیں۔۔الغرض۔۔اُن کی کٹ حجتی کا دروازہ کھلا ہی رہتا۔۔ یونہی۔۔اگر عذابِ موعود آجاتا، تو بچتا ہی کون جو ایمان لاتا۔۔الحاصل۔۔کافروں کے ایمان لانے کی دونوں شرطیں جاہلانہ اور عامیانہ ہیں، جو ان کے شاطر ذہن کی پیداوار ہیں اور ایمان نہ لانے کے بہانے ہیں۔۔القصہ۔۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ كَذٰلِكَ

یہ کافر لوگ نہیں انتظار کر رہے ہیں، مگر اس کا کہ آجائیں اُن کے پاس فرشتے، یا آجائے تمہارے پروردگار کا آخری حکم۔ اسی طرح

فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

کیا تھا اُن کے پہلوں نے۔ اور اُن پر اللہ نے اندھیر نہیں کیا، لیکن وہ خود

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ

اپنے اوپر اندھیر کرتے تھے • تو مصیبت بن گئے اُن کے لیے اُن کے بُرے کرتوت، اور پھانس لیا اُن کو

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع

جس کی ہنسی اڑاتے تھے •

(یہ کافر لوگ) ایمان لانے کے لیے (نہیں انتظار کر رہے ہیں مگر اس کا، کہ آجائیں ان کے پاس فرشتے) اور وہ فرشتے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی شہادت دیں، (یا) یہ کہ (آجائے تمہارے پروردگار کا آخری حکم) ہلاک کر دینے والا عذاب۔

یہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی کے کافروں کا حال نہ تھا، بلکہ جس طرح انہوں نے شرک کیا اور پیغمبر کی تکذیب کی۔

(اُسی طرح کیا تھا ان کے پہلوں نے) اور اس سبب سے اُن کو پہنچا جو پہنچا، (اور ان پر اللہ تعالیٰ (نے اندھیر نہیں کیا) انہیں ہلاک کر کے، (لیکن وہ خود اپنے اوپر اندھیر کرتے تھے) کفر اور معصیت کے سبب سے۔ (تو) عدلِ خداوندی کے سبب سے (مصیبت بن گئے اُن کے لیے اُن کے بُرے کرتوت) یعنی جزا ان برائیوں کی جو انہوں نے کی تھی۔ (اور پھانس لیا) یعنی گھیر لیا اور احاطہ کر لیا (ان کو) اُس عذاب نے جس کا حال اور (جس کی) بات سن کر وہ (ہنسی اڑاتے تھے)۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ

اور کہنے لگے جنہوں نے شرک کیا ہے، اگر اللہ چاہتا تو ہم معبود نہ بناتے اس کو چھوڑ کر کسی کو،

نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ

نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم اللہ کے مقابلے میں حرام بتاتے کچھ۔ اسی طرح کرتوت تھے اُن کے

مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

جو اُن سے پہلے تھے۔ تو رسولوں پر نہیں، مگر علانیہ پیغام پہنچا دینا •

بطورِ استہزاء (اور) مذاق اُڑانے کی نیت سے (کہنے لگے جنہوں نے شرک کیا ہے، اگر

اللہ) تعالیٰ (چاہتا تو ہم معبود نہ بناتے اس کو چھوڑ کر کسی کو، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادے، اور نہ ہم اللہ) تعالیٰ (کے مقابلے میں حرام بتاتے کچھ)۔

مشرکین کے اس شبہ کا حاصل یہ ہے، کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ایمان لے آتے، خواہ آپ ﷺ دنیا میں آتے یا نہ آتے، اور جب ہر چیز اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے ہوتی ہے، تو اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا ایمان مطلوب ہوتا، تو وہ ہم کو مومن بنا دیتا اور اس میں آپ کو پیغام دے کر بھیجنے اور آپ کی تبلیغ کرنے کا کوئی دخل نہیں ہے۔ الانعام آیت ۱۴۸ میں کفار کا یہ اعتراض گزر چکا ہے۔ ان کے اِس اعتراض کا مفصل جواب اُس آیت کی تفسیر کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا، تمام فرشتے اور مخلوقات اپنے اختیار کے بغیر جبراً اللہ تعالیٰ کی طاعت کرتی ہے، بجز انسان اور جنات کے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ تھی کہ انسان اور جن اپنے اختیار سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان ہی کے لیے جنت اور دوزخ کو بنایا اور باقی کسی مخلوق کے لیے جزا اور سزا کا نظام نہیں بنایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کو بھی پیدا کیا، جو لوگوں کو کفر اور بُرے کاموں کی طرف اُکساتا ہے اور نبیوں اور رسولوں کو بھی بھیجا، جو لوگوں کو ایمان لانے اور نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اور انسان کے اندر بھی دو قوتیں پیدا کیں، ایک وہ جو اُسے نیکیوں پر اُبھارتی ہے اور ایک وہ قوت جو اس کو بُرائیوں پر اُکساتی ہے۔ پھر انسان کو عقل سلیم عطا کی، کہ وہ کفر اور ایمان اور برائی اور نیکی میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کرے اور اس کے تقاضوں پر عمل کرے۔ جو ایمان اور نیکی کو اختیار کرے گا، اس میں وہ ایمان اور نیک کاموں کو پیدا کر دے گا، اور جو کفر اور بُرے کاموں کو اختیار کرے گا، وہ اس میں کفر اور بُرے کاموں کو پیدا کر دے گا، کیونکہ وہی ہر چیز کا خالق ہے۔

پھر ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کو اپنے فضل سے جنت اور اُخروی نعمتیں عطا فرمائے گا اور کفر کرنے والوں اور بُرے کام کرنے والوں کو اپنے عدل سے دوزخ کے دائمی عذاب میں مبتلا کر دے گا۔۔ الختصر۔ شرک، تکذیب، حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے کے تعلق سے کفار مکہ کی جو روش تھی بالکل۔۔۔

(اسی طرح) کے (کرتوت تھے اُن کے جو اُن سے پہلے تھے)۔ پیغمبروں کی ہدایت یہ بھی نہیں مانتے اور وہ بھی نہیں مانتے تھے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہدایت کو منوا لینا پیغمبر کے فریضۂ نبوت میں نہیں۔ (تو رسولوں پر نہیں) ہے (مگر علانیہ پیغام پہنچا دینا) کوئی مانے۔۔یا۔۔نہ مانے۔ پیغمبر کا فرض صرف یہی ہے کہ راہِ حق کو ظاہر کر دے۔۔یا۔۔حق کو واضح طور پر بیان کر دے۔ تو انسانوں کی ہدایت کے لیے۔۔۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

اور بلاشبہ بھیجا ہم نے ہر امت میں پیغام بر، کہ پوجو اللہ کو، اور بچو شیطان سے۔

فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فَسِيرُوا

تو ان میں سے بعض نے راہ پالی۔ اور بعض وہ، کہ ٹھیک پڑی اُن پر گمراہی۔ تو سیر کرو

فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ۝

زمین میں، پھر دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا●

(اور) انہیں صراطِ مستقیم دکھانے کے لیے (بلاشبہ بھیجا ہم نے ہر امت میں پیغامبر) جیسے اے محبوب! تمہیں اس امت میں ہم نے بھیجا اور سب رسولوں کو ہم نے یہی حکم کیا کہ اپنی اپنی قوم سے کہہ دو (کہ پوجو اللہ) تعالیٰ (کو اور بچو شیطان سے)، اس کی عبادت و اطاعت سے پرہیز کرتے رہو۔

اس مقام پر یہ خیال رہے کہ شیطان اُسے کہیں گے جس میں شیطنت ہو۔۔یوں ہی۔۔ طاغوت اُسے کہیں گے جس میں سرکشی ہو، تو جو صالحین میں ہوں ان کی بھی پرستش کفر و شرک ہی ہے، لیکن ان صالحین کو طاغوت اور شیطان کا مصداق قرار دینا غلط ہے۔ ان کے سوا جن جن غیر خدا کی پرستش کی گئی ہے، وہ سب طاغوت کا مصداق بنتے ہیں۔ یہ وضاحت اِسی لیے کر دی گئی ہے تا کہ کوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو طاغوت کا مصداق نہ قرار دے دے۔ اور اپنے ایمان سے ہاتھ نہ دھو لے۔

۔۔قصہ مختصر۔۔ جن جن امتوں میں پیغمبر مبعوث فرمائے گئے، (تو) پیغمبر کے ہدایت فرمانے پر (ان میں سے بعض نے راہ پالی) اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان کی توفیق بخشی۔ انہوں نے ہدایت حاصل کرنے کا عزم کیا، تو اللہ نے ان میں ہدایت پیدا فرما دی۔ (اور) ان کے برخلاف (بعض وہ) ہیں (کہ ٹھیک پڑی ان پر گمراہی)۔۔چنانچہ۔۔

گمراہی ان پر واجب ہوگئی بہ سبب اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بے نصیب کر دیا۔ جبھی تو انہوں نے ہدایت کی بجائے گمراہی کا عزم کرلیا اور پھر ان میں اللہ تعالیٰ نے گمراہی پیدا فرمادی۔

(تو) اَے مشرکو! اُٹھو اور (سیر کرو زمین میں، پھر دیکھو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا) یعنی عاد اور ثمود کے شہروں کی طرف سے گزرو اور فکر اور عبرت کی نظر سے دیکھو، تو تمہیں ظاہر ہو جائے گا، جو کچھ انہوں نے کیا تھا، وہ جو کوئی کرے گا، وہ اسی طرح ہلاک ہوگا جس طرح وہ ہلاک ہوئے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم از راہِ کمالِ خیر خواہی کفارِ مکہ کے اسلام اور ایمان لانے کے لیے بہت کوشش کرتے تھے، اس کے باوجود وہ اپنی سرکشی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے تھے، اس سے نبی ﷺ کو بہت رنج ہوتا تھا، تو اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دینے کے لیے فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے لیے کفر اور گمراہی کو اختیار کرلیا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کفر اور گمراہی کو پیدا کردیا، تو وہ اب ان کے لیے ہدایت کو پیدا نہیں کرے گا، اور اب ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ سو اب آپ ان پر افسوس نہ کریں اور ان کے متعلق غمگین نہ ہوں۔

آپ کا منصب اللہ کا پیغام پہنچانا اور دین اسلام کی تبلیغ کرنا ہے، سو آپ نے اللہ کے پیغام کو احسن اور کامل طریقہ سے پہنچادیا، اب اگر آپ کی پیہم تبلیغ کے باوجود یہ ایمان نہیں لاتے، تو آپ غم نہ کریں کیونکہ ان کے دل میں ایمان پیدا کردینا اور کفر کو ایمان سے اور گمراہی کو ہدایت سے بدل دینا، یہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، یہ صرف اللہ عزوجل کا کام ہے اور اس کو ازل میں علم تھا کہ یہ ایمان کو اختیار نہ کریں گے اور کفر پر اصرار کریں گے، سو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کفر اور گمراہی کو مقدر کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے لکھے کو کوئی ٹال نہیں سکتا ۔۔۔ تو ۔۔۔

اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰی هُدٰىهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِىۡ مَنۡ يُّضِلُّ

اگر تمہیں لالچ ہے اُن کی ہدایت کی، تو اس میں بھی شبہ نہیں، کہ اللہ راہ نہیں دیتا جو بے راہ ہو جائے۔

وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ۝۳۷

اور نہیں ہے اُن کا کوئی مددگار●

اَے محبوب! (اگر تمہیں لالچ ہے ان کی ہدایت کی، تو اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ) تعالیٰ (راہ

نہیں دیتا) اُسے (جو) خود اپنے عزم وارادہ سے (بے راہ ہو جائے) اور کفر و گمراہی ہی کو اپنا لے۔ (اور نہیں ہے ان کا کوئی مددگار) جو اُن سے عذاب دفع کرے۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ جبراً کسی کو مومن اور ہدایت یافتہ بناتا ہے اور نہ ہی جبراً کسی کو کافر اور گمراہ بناتا ہے۔ جو ایمان کو اختیار کرتا ہے اس کو مومن بنا دیتا ہے، اور جو کفر کو اختیار کرتا ہے اُسے کافر بنا دیتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر یہ بھی اعتراض تھا کہ آپ فرماتے تھے کہ مرنے کے بعد سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، تو وہ اِس بنا پر آپ کی رسالت کو باطل قرار دیتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ کفار قسمیں کھا کھا کر اس بات کی تکذیب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ لوگوں کو مرنے کے بعد زندہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس تعلق سے ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان کا قرض ایک کافر پر تھا، وہ تقاضے کے واسطے گیا۔ باتوں باتوں میں مسلمان کی زبان سے یہ نکلا کہ اُس خدا کی قسم کہ مرنے کے بعد اس کی ملاقات کا امیدوار ہوں۔ کافر بولا، تو مرنے کے بعد زندہ ہونے کی امید رکھتا ہے؟ مسلمان بولا کہ ہاں، اُس کافر کے مذہب میں جو سخت قسمیں مقرر تھیں وہ قسمیں کھا کر کہنے لگا کہ مرنے کے بعد کوئی بھی زندہ نہ رہے گا۔

گو اس خاص واقعہ کا تعلق کافروں کے ایک فرد سے ہے، لیکن اُس کے اِس خیال سے سارے کفار متفق اور اس کی تائید کرنے والے تھے اور بذاتِ خود قسمیں کھا کر اپنے "مرنے کے بعد نہ اٹھنے" کے عقیدے کو پیش کیا کرتے تھے۔ تو وہ، واقعہ میں جس کا ذکر ہے۔۔۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ ؕ

اور قسم کھا بیٹھے اللہ کی، بڑے زور کی قسم۔ "کہ نہ اٹھائے گا اللہ جو مر جائے"۔

بَلٰى وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۟ۙ ۳۸

"ہاں کیوں نہ اٹھائے گا" اس پر وعدہ ہے بالکل ٹھیک، لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں●

(اور) دوسرے اس کے ہم خیال اپنے اپنے طور پر (قسم کھا بیٹھے اللہ) تعالیٰ (کی بڑے زور کی قسم) یعنی اپنی سخت تر قسم اس بات پر، (کہ نہ اٹھائے گا اللہ) تعالیٰ کسی کو بھی (جو مر جائے)۔ بکنے دو اُن بکنے والوں کو، اللہ تعالیٰ ضرور اٹھائے گا مرنے کے بعد، اور (ہاں) سوچو آخر وہ (کیوں نہ اٹھائے گا) جب کہ (اس) بعث بعد الموت (پر) اس کا (وعدہ ہے) جو (بالکل ٹھیک) اور بالکل حق

ہے اور جس کا وفا ہونا لازم ہے، (لیکن بہتیرے لوگ نادانی کرتے ہیں) اور نہیں جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ انہیں اٹھائے گا۔

حق تعالیٰ نے یہ وعدہ اس لیے فرمایا۔۔۔

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا

تا کہ ظاہر فرمادے انہیں وہ جس میں وہ جھگڑتے ہیں، اور تا کہ جان لیں کافر،

أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ﴿٣٩﴾

کہ وہ جھوٹے تھے●

(تا کہ ظاہر فرمادے انہیں) بعث وحشر کے (وہ) امور (جس میں وہ جھگڑتے ہیں اور تا کہ جان لیں کافر کہ) قیامت سے انکار کرنے میں (وہ جھوٹے تھے)۔ یہ نادان کیا جانیں کہ حق تعالیٰ جو پیدا کرتا ہے اس کا پیدا کرنا کسی مادّے اور کسی مدد پر موقوف نہیں، بلکہ صرف مشیتِ الٰہی اور امرِ خداوندی پر موقوف ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٠﴾ ع

بس ہمارا فرمان کسی چاہے کے لیے، جب کہ ہم نے اس کے وجود کا ارادہ فرمالیا یہی ہے، کہ ہم اُسے حکم دیتے ہیں کہ 'ہوجا'، تو وہ ہوجاتا ہے●

(بس ہمارا فرمان کسی چاہے کے لیے جب کہ ہم نے اس کے وجود کا ارادہ فرمالیا یہی ہے، کہ ہم اُسے حکم دیتے ہیں، کہ 'ہوجا' تو وہ ہوجاتا ہے)۔ظاہر ہے کہ جو کوئی پہلے پہل بے مادّے کے کوئی چیز پیدا کرنے پر قادر ہو، تو موجود ہونے کے ساتھ اُس چیز کو پھر دوبارہ پیدا کرنے کی بدرجہ اولیٰ اس میں قدرت ہوگی۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ کفارِ مکہ نے اللہ کی بڑی بڑی قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد لوگوں کو پیدا نہیں کرے گا اور حشر ونشر کا انکار کیا۔اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی، جہالت اور گمراہی میں حد سے تجاوز کر چکے تھے اور جو مسلمان اس عقیدے میں ان کے مخالف تھے ان پر طرح طرح کے مظالم کرتے تھے۔اس ظلم وستم کے نتیجے میں مسلمانوں نے مکہ سے ہجرت کی۔سو اس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف اور تحسین فرمائی جنہوں نے اللہ کے دین پر آزادی اور بے خوفی سے عمل کرنے کے لیے مکہ سے

ہجرت کی۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ اصحاب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔۔مثلاً: حضرت بلال، حضرت صہیب، حضرت خباب، حضرت عمار اور حضرت ابو جندل بن سہیل رضی اللہ عنہم۔۔۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں بعد اس کے کہ مظلوم بنائے گئے، ضرور ہم ٹھکانہ دیں گے اُن کو دنیا میں اچھا۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

وقف لازم

اور بلاشبہ آخرت کا ثواب بہت بڑا ہے۔۔۔اگر علم سے کام لیں ●

(اور) اُن کے سوا (جنہوں نے) بھی (ہجرت کی اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں بعد اس کے کہ مظلوم بنائے گئے)۔

اس سے وہ اصحاب مراد ہیں جن پر قریش نے ظلم کیا اور اس ظلم کے سبب وہ حبشہ کو ہجرت کر گئے تھے، تو ان مہاجرین کے لیے ارشادِ خداوندی ہے، کہ۔۔۔

(ضرور ہم ٹھکانہ دیں گے ان کو دنیا میں اچھا) یعنی شہر مدینہ منورہ۔

ایک قول کے مطابق بہت زیادہ مالِ غنیمت، کہ جہاں بھی رہیں سکون سے رہیں۔ان کو دُنیا میں تو جو کچھ ملے گا، وہ تو ملے گا ہی۔۔مزید برآں۔۔ان کے لیے آخرت میں بھی ثواب ہے۔

(اور بلاشبہ) ان کے لیے (آخرت کا) جو (ثواب) ہے وہ (بہت) ہی (بڑا ہے، اگر علم سے کام لیں)۔کفار اگر اس کی بڑائی اور عظمت کو جان لیتے، تو کچھ تعجب نہیں کہ وہ ایمان لاتے اور ہجرت میں موافقت کرتے۔۔یا۔۔اگر مہاجرین جانیں تو کوشش اور صبر کرنے میں زیادتی کریں۔وہ مہاجرین۔۔۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

جنہوں نے صبر کیا، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ●

(جنہوں نے صبر کیا) یعنی وطن چھوڑا اور کافروں کی اذیت پر صبر کیا (اور) جو (اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں) اور اپنا کام اسی پر چھوڑتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے متعلق کفار کے شبہات میں ایک شبہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند اور بالا ہے کہ وہ کسی بشر اور انسان کو رسول بنائے،

اور اپنا پیغام دے کر بھیجے۔ اللہ تعالیٰ کو اگر کسی کو اپنا رسول بنا کر بھیجنا ہوتا، تو وہ فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا، جو انسان کے بہ نسبت بہت معزز اور مکرم مخلوق ہے۔

قرآنِ کریم میں اس شبہ کا شافی جواب موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر فرشتہ اپنی شکل میں آتا تو وہ نہ اس کا کلام سن سکتے، نہ اس کو دیکھ سکتے اور نہ اس کو چھو سکتے، تو اس کو اصلی شکل میں بھیجنا بالکل عبث ہوتا۔ اور اگر ہم اس کو انسانی پیکر، بشر کی صورت اور مرد کے لباس میں بھیجتے تو وہ اس پر یقین نہ کرتے کہ یہ فرشتہ ہے، اور ہرگز نہ مانتے کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔ سو جو شبہ ان کو لاحق ہے، وہ پھر بھی لاحق ہوتا۔ اِسی مصلحت۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے، مگر کچھ مردانِ حق، کہ ہم وحی فرماتے رہے اُن کی طرف، تو دریافت کیا کرو علم والوں سے،

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اگر تم خود نہیں جانتے●

(اور) حکمتِ بالغہ کے تحت پہلے ہی سے ہماری سنت رہی ہے کہ (نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے) بھی فریضۂ رسالت انجام دینے کے لیے (مگر کچھ مردانِ حق، کہ ہم وحی فرماتے رہے ان کی طرف)۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عادت یوں ہی جاری ہے کہ حق تعالیٰ آدمی ہی کو رسول بنا کر بھیجتا ہے، فرشتوں کو نہیں۔ (تو دریافت کیا کرو علم والوں سے) یعنی اہلِ کتاب کے عالموں سے، (اگر تم خود نہیں جانتے) کہ اگلے انبیاء سب آدمی تھے، جو اگلی امتوں پر مبعوث ہوئے اور ان کی ہدایت کے واسطے بھیجے گئے۔ اِن مردانِ حق کی صداقت ظاہر فرمانے کے لیے بھیجتے رہے ہم ان کے ساتھ۔۔۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ

روشن دلیلوں اور کتابوں کو۔ اور نازل فرمایا تمہاری جانب قرآن کو، تاکہ صاف بیان کر دو لوگوں کو جو اُن کی طرف اتارا گیا،

(النصف)

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

کہ سوچ سے کام لیں●

(روشن دلیلوں اور کتابوں کو اور) ایسے ہی (نازل فرمایا تمہاری جانب) اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (قرآن کو، تاکہ صاف بیان کر دو لوگوں کو جو ان کی طرف اُتارا گیا) یعنی خدائی اوامر و نواہی سے

انہیں اچھی طرح باخبر کردو، تا (کہ سوچ سے کام لیں) اور جان لیں کہ یہ مخلوق کا کلام نہیں ہے۔

کفارِ مکہ کی بھی عجیب روش تھی، کہ وہ پیغامِ حق کو سننے اور سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھے اور خفیہ طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو ایذا پہنچانے کی کوشش میں مشغول رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو چار قسم کی دھمکیاں دیں۔ پہلی دھمکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں اس طرح دھنسا دے گا، جس طرح قارون کو زمین میں دھنسا دیا تھا۔

دوسری دھمکی یہ دی کہ ان پر وہاں سے عذاب آئے گا جہاں سے عذاب کا انہیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا، جیسے قومِ لوط پر اچانک عذاب آ گیا تھا۔

تیسری دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ حالتِ سفر میں ان پر عذاب نازل فرمائے گا، اس لیے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ اُن کو اُن کے شہروں میں ہلاک کر دینے پر قادر ہے، اِسی طرح اُن پر اُن کے سفر کے دوران بھی ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ وہ کسی دوردراز علاقے میں پہنچ کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچا سکتے۔۔ بلکہ۔۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان کو پکڑ لے گا، وہ کسی اور جگہ جا کر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

چوتھی دھمکی یہ دی کہ اللہ تعالیٰ ان کو عین حالتِ خوف میں پکڑ لے گا، اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً ان پر عذاب نازل نہیں فرمائے گا، بلکہ ان کو خوف میں مبتلا کرے گا۔ اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ پہلے اللہ تعالیٰ ان کے قریب والوں پر ہلاکت طاری کر دے گا اور وہ اس خوف میں مبتلا ہوں گے، کہ ان پر بھی عذاب آ جائے گا اور وہ بڑے عرصے تک خوف، گھبراہٹ، وحشت اور دہشت میں مبتلا رہیں گے۔۔ المختصر۔۔ ارشادِ الٰہی ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ

تو کیا امان پا گئے جو برائیوں کے داؤں چلتے رہے اس سے، کہ دھنسا دے اللہ انہیں زمین میں،

اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۴۵ اَوْ يَاْخُذَهُمْ

یا آ جائے اُن پر عذاب جہاں سے انہیں خیال بھی نہ ہو● یا پکڑ لے انہیں اُن کے

فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝۴۶ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ

چلتے پھرتے میں، کہ وہ تو اللہ کو روک سکتے نہیں● یا پکڑ لے انہیں دباتے دباتے،

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۴۷

کہ بلاشبہ تمہارا پروردگار ضرور بڑا مہربان رحم فرمانے والا ہے●

(تو کیا امان پا گئے) اور نڈر ہو گئے وہ لوگ (جو بُرائیوں کے داؤں چلتے رہے) اور رسولِ عربی کے ساتھ مکر کرتے رہے (اس سے، کہ دھنسا دے اللہ) تعالیٰ (انہیں زمین میں) جیسے قارون کو دھنسا دیا تھا (یا آجائے اُن پر عذاب، جہاں سے انہیں خیال بھی نہ ہو) جیسے قومِ لوط پر عذاب آیا (یا پکڑے انہیں ان کے چلتے پھرتے میں) یعنی تجارت کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر کو آتے جاتے ۔۔یا۔۔سونے کے بستر پر ادھر اُدھر پھرنے اور کروٹ لینے میں۔ان میں سے کوئی بھی عذاب آنے والا ہوگا تو وہ آکر ہی رہے گا، کیوں (کہ وہ تو اللہ) تعالیٰ (کو) عذاب نازل فرمانے سے (روک سکتے نہیں) اور اُسے عاجز نہیں کر سکتے۔

(یا) نڈر ہیں اس بات سے کہ (پکڑلے انہیں) عذاب (دباتے دباتے) یعنی جو قوم ان کے پہلے تھی اس کے عذاب سے ڈریں اور اِسی ڈر کی حالت میں ان پر عذاب نازل ہو۔۔یا یہ۔۔کہ ابتداءً ان پر عذاب نہیں لائے گا، بلکہ پہلے ان کے آس پاس کی بستیوں کو ہلاک کرے گا اور ان کے گرد بستیاں کم ہوتی جائیں گی، اور بتدریج عذاب کا ریلا ان کی طرف بڑھتا رہے گا۔۔یا۔۔

اس کا معنی یہ ہے کہ آہستہ آہستہ ان کے مالوں اور جانوں میں کمی ہوتی جائے گی۔

اب اگر یہ کفار فی الحال عذاب نہیں دیکھتے تو اس سے بالکل بے خوف نہ ہو جائیں، اس لیے کہ عذاب کی تاخیر اس لیے بھی ہوتی ہے، کیوں (کہ بلاشبہ تمہارا پروردگار ضرور بڑا مہربان) ہے کہ بندوں کے ساتھ بردباری کرتا ہے اور (رحم فرمانے والا ہے) کہ عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ

کیا انہیں نہیں سوجھتا جو کچھ اللہ نے پیدا فرمایا اپنی مشیت سے؟ ان کے سائے جھکے پڑے رہتے ہیں داہنے بائیں۔

وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اللہ کا سجدہ کرتے ذلیل و عاجز حال میں ●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے عذابوں سے کفارِ مکہ کو ڈرایا تھا اور دھمکایا تھا اور اِن اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کمال کو ظاہر فرمایا ہے کہ اس نے تمام آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا ہے اور آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تابع ہے، اور ہر چیز اس کی عظمت اور قدرت کا اعتراف کرتے ہوئے سجدہ ریز

ہے، تو اب اگر کافر اُسے سجدہ نہ کریں تو کیا نقصان ہے۔ اس واسطے کہ ان کے سایے تو اس حق تعالیٰ کے واسطے فروتنی اور خشوع خضوع کرتے ہیں۔۔تو۔۔

(کیا انہیں نہیں سوجھتا) کہ (جو کچھ اللہ) تعالیٰ (نے پیدا فرمایا اپنی مشیت سے ان) میں سے کثیف اور مادی اجسام والوں یعنی ہر سایہ دار (کے سایے جھکے پڑے رہتے ہیں داہنے) اور (بائیں اللہ) تعالیٰ (کا سجدہ کرتے) ہوئے (ذلیل وعاجز حال میں)، یعنی فروتنی اور خضوع کے ساتھ۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ

اور اللہ ہی کا سجدہ کرتے ہیں، جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں چلنے والے اور سارے فرشتے،

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۴۹

اور وہ بڑے نہیں بنتے ●

(اور) صرف سایے ہی نہیں، بلکہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کا سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں) از قسم علویات (اور جو زمین میں ہیں چلنے والے اور) بالخصوص عالم علویات کے (سارے) مکرم و معظم (فرشتے) سجدے میں جھکے رہتے ہیں، (اور وہ) فرشتے سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور (بڑے نہیں بنتے)۔

ذہن نشین رہے کہ سجدے کی دو صفتیں ہیں۔ ایک عبادت کا سجدہ جس کی ایک شکل یہ ہے کہ عبادت کی نیت سے زمین پر ماتھا رکھنا۔ یہ عقل والوں کا سجدہ ہے۔ دوسرا فروتنی اور خضوع اور مسخر ہونے کے سجدے۔ یہ ان کے سجدے ہیں جو عقل نہیں رکھتے۔ اس آیت پر سجدہ کرنا چاہیے، اور قرآنی سجدوں میں یہ تیسرا سجدہ ہے۔ اسے 'سجودِ عالم اعلیٰ و ادنیٰ' کہتے ہیں، کہ ذلت اور خوف کے مقام پر حق تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، تو چاہیے کہ بندہ اس محل پر ان دو صفتوں سے موصوف ہو کر اپنے کو سجدہ کرنے والوں کے زمرے میں داخل کرے۔۔

الحتصر۔ فرشتے تکبر نہیں کرتے، بلکہ وہ۔۔۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۵۰ السجدة (منزل ۳)

اپنے پروردگار کا خوف چھائے ہیں اپنے اوپر، اور وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے ●

(اپنے پروردگار کا خوف چھائے ہیں اپنے اوپر) کہ ناگاہ اس کا عذاب اوپر سے نازل نہ

ہو جائے۔ (اور) یہ فرشتے (وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جائے) خواہ وہ کسی کام کے کرنے کا حکم ہو۔۔یا۔۔کسی کام کے نہ کرنے کا حکم ہو۔ عبادت وذکر میں بھی جس کیفیت اور حالت کے مامور ہوتے ہیں اُسی پر عمل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا، ہر چیز اس کی مطیع وفرمانبردار ہے خواہ وہ چیز عالمِ ارواح سے ہو۔۔یا۔۔عالمِ اجسام سے ہو۔ فرشتے ہوں یا جنات ہوں، انسان ہوں یا حیوان ہوں، سب اختیاری یا اضطراری طور پر اُسی کی عبادت اور اطاعت کرتے ہیں۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع فرمایا اور فرمایا کہ سارا جہاں اس کی ملک ہے سب اپنے وجود اور اپنی بقاء میں اس کے محتاج ہیں اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔۔۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

اور فرمادیا اللہ نے کہ نہ قرار دو، معبود دو۔ بس وہی ہے معبود اکیلا،

فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

تو مجھی سے ڈرا کرو●

(اور) ساتھ ہی ساتھ واضح لفظوں میں (فرمادیا اللہ) تعالیٰ (نے کہ نہ قرار دو معبود دو) یعنی خدا کے سوا کسی اور کو معبود نہ بناؤ کہ وہ تمہارا دوسرا معبود کہلائے، اس لیے کہ (بس وہی ہے معبود اکیلا)۔ یعنی اس کے سوا کوئی اس لائق ہے ہی نہیں کہ اُسے معبود قرار دیا جائے۔۔المختصر۔۔وحدت، الوہیت کو لازم ہے۔ اس واسطے کہ الوہیت کا مرتبہ شرک نہیں قبول کرتا۔ جیسا کہ صاف صاف دلیلوں سے ثابت ہو چکا، تو چاہیے کہ خدا ایک ہی ہو ہر طرح سے، اور کسی چیز سے متعلق نہ ہو، بلکہ کل اشیاء اس سے ظاہر ہوں اور وہ بے اشیاء کے قائم رہے۔ ڈر اور خوف اُسی کا رکھا جائے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جب یہ حقیقت ہے کہ صرف میں ہی خدا ہوں (تو) خدا سمجھتے ہوئے صرف (مجھی سے ڈرا کرو) اور میری ہی فرمانبرداری کرتے رہو، اور میری ہی نافرمانی سے اپنے کو بچاتے رہو۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ

اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور اُسی کی فرمانبرداری ہمیشہ ضروری ہے۔ تو

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾

کیااللہ سے غیریت والے کوڈراکروگے؟●

(اور) ایسا کیوں نہیں ہونا چاہیے، جب کہ (اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) یعنی سب کا مالکِ حقیقی وہی ہے (اور اُسی کی فرمانبرداری ہمیشہ ضروری ہے)۔۔یا۔۔دین پسندیدہ اس کے واسطے باقی اور ثابت ہے۔۔یا۔۔اس کے واسطے ہے جزادائم، غیر منقطع، یعنی مطیع کا ثواب اور عاصی کا عذاب۔ (تو کیا اللہ) تعالیٰ (سے غیریت والے کوڈرا کروگے) یعنی جو خدا کے غیر اور اس سے بیگانہ ہیں۔۔نیز۔۔اس سے کٹے ہوئے ہیں۔ان کو خدا گمان کر کے ان سے خوف کھانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آخران کا کیا ہے جو تمہارا کچھ بگاڑ لیں گے۔تو سن لو!۔۔۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾

اور جو بھی تم پر کوئی بھی نعمت ہے، تو اللہ کی طرف سے، پھر جب پہنچا تمہیں نقصان، تو اُسی کی طرف گڑگڑاتے ہو●

(اور) یادرکھو! کہ (جو بھی تم پر کوئی بھی نعمت ہے، تو اللہ) تعالیٰ ہی (کی طرف سے ہے)۔۔ مثلاً: صحت، مالداری، ارزانی، ان امور کا عطا کرنے والا حق تعالیٰ ہی ہے۔ (پھر جب پہنچا تمہیں نقصان) ۔۔مثلاً: مرض، محتاجی، قحط (تو اسی کی طرف گڑگڑاتے ہو) اور اسی سے طالبِ اعانت ہوتے ہو۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾

پھر جب اُس نے دور کردیا تم سے ضرر کو، تو تم میں سے ایک گروہ ہے کہ اپنے پروردگار سے شرک کرنے لگتا ہے●

(پھر جب اس نے دوُر کردیا تم سے ضرر کو) یعنی اس سختی سے تمہیں نجات دے دی جس کے سبب سے تم فریاد کرتے تھے، (تو تم میں سے ایک گروہ ہے کہ اپنے پروردگار سے شرک کرنے لگتا ہے) اور مسبب الاسباب سے غافل ہوکر ہر چیز کے دستیاب ہونے۔۔یا۔۔بلا کے رَد ہونے کی حقیقی نسبت کسی نہ کسی سبب کی طرف کرنے لگتا ہے۔۔۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾

تاکہ ناشکری کریں جو ہم نے دے رکھا ہے انہیں۔ اچھا، تو رہ سہہ لو کچھ دن۔۔۔ پھر تو جلدی معلوم ہوجائے گا●

(تاکہ ناشکری کریں جو ہم نے دے رکھا ہے انہیں)۔ یہ کتنی بڑی ناشکری ہے کہ اللہ تعالیٰ

کی طرف سے ملنے والی عطائے نعمت۔۔یا۔۔دفع مضرت کی حقیقی نسبت اُس مسبب الاسباب کی طرف نہ کی جائے اور کسی غیر کو حقیقی طور پر 'دافع البلاء' اور 'حاجت روا' سمجھ لیا جائے۔اور یہ بات اور بھی سنگین ہو جاتی ہے، جب ایسوں کو 'دافع البلاء' اور 'حاجت روا' سمجھا جانے لگے، جو ان باتوں کو انجام دینے کی طاقت وصلاحیت ہی نہیں رکھتے۔ یہاں تک کہ اپنے بدن پر بیٹھی ہوئی ایک مکھی کو بھی اُڑا نہیں سکتے۔ **(اچھا، تو)** اَے کافرو! **(رہ سہہ لو کچھ دن)** اور چند دن کی نعمتوں سے اپنا کام چلا لو اور دنیا سے فائدہ اٹھالو، **(پھر تو جلدی معلوم ہو جائے گا)** ناشکروں کا انجام کار۔ یہ بہت سخت وعید ہے۔۔۔

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ

اور نکالتے ہیں حصہ اُن کا جنہیں جانتے بھی نہیں اس روزی سے، جو ہم نے دے رکھی ہے۔اللہ کی قسم،

عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾

ضرور باز پُرس کیے جاؤ گے، جو من گڑھت کرتے ہو ●

(اور) مشرکین کی جاہلانہ باتوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے، کہ **(نکالتے ہیں حصہ ان کا جنہیں جانتے بھی نہیں)** یعنی جن کے متعلق وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی اطاعت کرنے میں کوئی نفع ہے۔۔یا۔۔ان سے اعراض کرنے میں کوئی نقصان ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کی عبادت کرتے تھے جن کے متعلق وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ عبادت کے مستحق ہیں۔تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے ان بتوں کی تحقیر مقصود ہے، کہ ان بتوں کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا تھا۔

۔۔المختصر۔۔وہ بتوں کے لیے حصہ نکالتے **(اس روزی سے جو ہم نے دی رکھی ہے)**۔

اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ اپنے کھیتوں اور مویشیوں میں سے ایک حصہ اللہ کے لیے مقرر کرتے تھے تا کہ وہ اللہ کا تقرب حاصل کریں، اور ایک حصہ اپنے بتوں کے لیے مقرر کرتے تھے تا کہ اُن کا تقرب حاصل کریں۔الانعام آیت ۱۳۶ میں اس کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے۔اس سلسلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام ہے۔تیسرا قول یہ ہے کہ ان میں بعض مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ بعض اشیاء بتوں کی اعانت سے حاصل ہوتی ہیں، جیسے نجومیوں نے اس جہان کی تاثیرات کو سات سیاروں میں منحصر کر دیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ فلاں چیز 'زُحل' کی تاثیر سے ہے، اور فلاں چیز 'عطارد' کی تاثیر سے ہے۔
اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تم سے اس کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا، یعنی مشرکین سے ان کے مذہب کے متعلق ضرور پوچھا جائے گا، کہ تم کچھ حصہ اللہ کے لیے اور کچھ حصہ بتوں کے لیے رکھتے تھے، اس پر تمہاری کیا دلیل ہے؟ یا ایسا کرنے کا کیا جواز ہے؟
۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ (کی قسم ضرور باز پُرس کیے جاؤ گے، جو من گڑھت کرتے ہو) یعنی تم جو یہ افتراء کرتے ہو کہ بُت ہمارے خدا ہیں اور کھیتی اور چارپایوں کے حصے سے ہم ان کے ساتھ تقرب کرتے ہیں۔ قیامت میں تمہاری ان تمام جھوٹی باتوں کے تعلق سے تم سے باز پُرس ہوگی۔ اس افتراء کرنے والوں کی جسارت تو دیکھو۔۔۔

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور قرار دیتے ہیں اللہ کے لیے لڑکیاں، سبحان اللہ! اور خود اُن کے لیے جو اُن کا دِل چاہے●

(اور) ان کی بے باکی پر غور تو کرو، کہ (قرار دیتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے لیے لڑکیاں) خزاعہ اور کنانہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ (سبحان اللہ) پاک ہے اللہ اُن کے قول سے، کہ اللہ بیٹیاں رکھتا ہے۔ (اور خود ان کے لیے جو ان کا دِل چاہے) اور جن کے سبب سے وہ فخر و ناز کرتے ہیں یعنی بیٹے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾

حالانکہ جب ان میں کسی کو بیٹی کی خوش خبری دی گئی، تو سارا دن اُس کا منہ کالا رہا، اور وہ غصہ کے گھٹن میں رہا●

(حالانکہ) یعنی بیٹیوں سے نفرت کا ان کا یہ حال ہے، کہ (جب ان میں کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی گئی تو سارا دن اُس کا منہ کالا رہا) رنج وغم کی وجہ سے اور اپنی قوم میں شرمندگی حاصل ہونے کے سبب سے، (اور وہ غصہ کے گھٹن میں رہا) اپنی جورو پر کہ تو نے لڑکی کیوں جنی۔

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ

منہ چھپائے پھرتا ہے اپنی قوم سے، اس خوش خبری کی ناگواری سے، کیا اِسے ذلت کی حالت پر رکھے گا،

أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

یا دبادے گا اِسے مٹی میں؟ دیکھو تو کتنی بُری تجویز کرتے ہیں ●

(منہ چھپائے پھرتا ہے اپنی قوم سے)، اپنے آشناؤں اور عزیزوں سے (اس خوشخبری کی ناگواری سے)۔۔الغرض۔۔اپنی قوم سے چھپاتا ہے کہ میری لڑکی پیدا ہوئی اور فکر میں رہتا ہے، کہ (کیا اُسے ذلت کی حالت پر رکھے گا، یا دبادے گا اُسے مٹی میں؟) یعنی زندہ زمین میں دفن کردے، جیسے کہ بنوتمیم اور بنونضیر کرتے تھے۔ (دیکھو تو کتنی بُری تجویز کرتے ہیں) یعنی لڑکی جوان کے نزدیک کچھ قدر اور عزت نہیں رکھتی، اُسے خدا کی طرف نسبت کرتے ہیں۔۔الحاصل۔۔

لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۖ وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ

جو نہ مانیں آخرت کو، سراپا بد ہیں۔اور اللہ کی شان سب سے بلند و بالا ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٠﴾

ع ۱۰ / ۱۳

اور وہی عزت والا حکمت والا ہے ●

(جو نہ مانیں آخرت کو سراپا بد ہیں) جبھی تو لڑکیوں سے کراہت رکھتے ہیں اور اس کو زندہ درگور کردینے کو باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (کی شان سب سے بلند و بالا ہے) 'وجوبِ ذاتی' اور 'غنائے مطلق' اس کی صفات میں سے ہے، اور وہ اہل وعیال والا ہونے سے پاک وصاف ہے۔ (اور وہی عزت والا) ہے جو سب پر غالب ہے اور کافروں کو ہلاک کرنے پر قادر ہے۔ اور (حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے وقتِ معلوم تک ان کی مہلت کا۔ یہ تو اس کی کرم فرمائی ہے کہ اس نے چھوٹ دے رکھی ہے تاکہ توبہ کر کے راہِ راست پر آجائیں۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِم مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِن دَابَّةٍ وَلَٰكِن يُؤَخِّرُهُمْ

اور اگر دھر پکڑ کرنے لگتا اللہ لوگوں کی اُن کے اندھیر مچانے سے، تو نہ چھوڑتا زمین پر کسی چلنے والے کو۔ لیکن وہ مہلت دیتا ہے

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٦١﴾

نامزد کردہ وقت تک۔ تو جیسے ہی آیا اُن کا وقت، تو نہ پچھڑیں گے گھڑی بھر کو، اور نہ آگے بڑھیں گے ●

(اور اگر) ایسا ہوتا کہ (دھر پکڑ کرنے لگتا اللہ) تعالیٰ (لوگوں کی ان کے اندھیر مچانے سے،

تو نہ چھوڑتا زمین پر کسی چلنے والے کو) ان کے کفر کی بدبختی کے سبب سے۔ (لیکن وہ مہلت دیتا ہے نامزد کردہ وقت تک) جوان کی موت ۔۔یا۔۔ان پر عذاب کے واسطے مقرر ہے۔ (تو) لوگو! اچھی طرح سے سن لو! کہ (جیسے ہی آیا ان کا وقت) جوان پر عذاب ۔۔یا۔۔ان کی موت کے لیے مقرر ہے، (تو نہ پچھڑیں گے گھڑی بھر کو اور نہ آگے بڑھیں گے) یعنی جب وہ وقت پہنچے گا، تو اُسی دم عذاب میں مبتلا ہوں گے ۔۔یا۔۔مر جائیں گے۔ ذرا اُن کی کم عقلی ۔۔۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ

اور گڑھتے ہیں اللہ کے لیے جو اپنے لیے ناگوار جانتے ہیں۔ اور بولتی ہیں اُن کی زبانیں جھوٹ، کہ انہیں کے لیے ہے

اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

نجات کی بھلائی۔ خواہ مخواہ اُنہیں کے لیے ہے جہنم ضرور، اور وہ حد سے گزرے گزارے ہیں●

(اور) احمقانہ جسارت تو دیکھو، کہ (گڑھتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے لیے جو اپنے لیے ناگوار جانتے ہیں)۔ یعنی خود تو اپنی سرداری میں کسی کو شریک بنانا پسند نہیں کرتے، اور خدا کے لیے خدائی میں شریک بناتے ہیں ۔۔یا۔۔خود اپنے لیے لڑکیوں کو گوارا نہیں کرتے، اور خدا کے لیے لڑکیوں کی بکواس کرتے ہیں۔ (اور) سچی بات تو یہی ہے کہ (بولتی ہیں ان کی زبانیں جھوٹ، کہ انہیں کے لیے ہے نجات کی بھلائی)۔ یعنی کافروں کی یہ خام خیالی ہے، جو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے واسطے بہشت اور اچھی جزا ہے ۔۔الحاصل۔۔کافروں کا یہ کہنا کہ "اگر ۔۔بالفرض۔۔خدا کی بارگاہ میں ہماری حاضری ہو بھی، تو ہمیں اس کے پاس اچھا مرتبہ ملے گا" سراسر جھوٹ ہے۔ بلکہ سچ تو یہی ہے کہ کل قیامت کے دن (خواہ مخواہ) لازمی طور پر (انہیں کے لیے ہے جہنم ضرور، اور) ایسا کیوں نہ ہو؟ (وہ) تو (حد سے گزرے گزارے ہیں)، وہ دوزخ میں سب سے پہلے بھیجے جائیں گے۔

مشرکوں کی مذمت اور ان کا انجام کار بیان کرنے کے بعد حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی کے واسطے حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ

اللہ ہی کی قسم، کہ ہم نے ضرور رسول کیا تم سے پہلے کی امتوں کی طرف، چنانچہ سجا دیا شیطان نے اُن کی نظر میں اُن کے کرتوت کو

اَعۡمَالَهُمۡ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الۡيَوۡمَ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿٦٣﴾

تو وہی اُن کا یار ہے آج، اور انہیں کے لیے ہے دکھ دینے والا عذاب ●

(اللہ) تعالیٰ (ہی کی قسم کہ ہم نے ضرور رسول کیا) یعنی ہم نے یقینی بھیجے رسول (تم سے پہلے کی امتوں کی طرف) یعنی ان امتوں کی طرف جو تم سے پہلے تھیں۔ (چنانچہ سجادیا شیطان نے ان کی نظر میں ان کے کرتوت کو، تو وہی اُن کا یار ہے آج)۔ یعنی کفارِ مکہ کو جو شیطان گمراہ کر رہا ہے اور ان کو آپ سے دور کر رہا ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔۔ بلکہ۔۔ آپ سے پہلے پچھلی امتوں کے زمانہ میں بھی شیطان ان امتوں کو گمراہ کرتا تھا اور ان امتوں کو ان کے رسولوں سے دور کرتا تھا۔۔ الحاصل۔۔ آج یعنی آپ کے عہد میں بھی وہی شیطان ان کا دوست بنا ہوا ہے۔۔۔

اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ **یَوۡم** سے مراد 'یوم قیامت' ہے۔ یعنی قیامت کے دن شیطان کافروں کا دوست ہوگا اور ان کا ساتھی ہوگا، عذاب اور جہنم میں رہائش پانے میں۔ قیامت کے دن پر **اَلۡيَوۡم** کا اطلاق اس لیے کیا ہے کہ اس پر **یَوۡم** کا اطلاق بہت مشہور ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ قیامت کے دن کفار کا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب کفار قیامت میں عذاب کو دیکھیں گے، پھر شیطان کو بھی اُسی عذاب میں مبتلا دیکھیں گے اور اس وقت انہیں یقین ہو جائے گا، کہ ان کے لیے عذاب سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے، جس طرح شیطان کے لیے بھی عذاب سے نجات کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اس وقت بطورِ زجر و توبیخ اور بطورِ طنز و استہزاء ان سے کہا جائے گا، کہ آج کے دن تمہارا یہی دوست اور کارساز ہے۔

(اور) جان لو کہ (انہیں کے لیے ہے) یعنی شیطان کے لیے بھی اور ان کے لیے بھی (دکھ دینے والا عذاب)۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے وعید شدید بیان کی تھی اور اس اگلی آیت میں ان پر ایک بار پھر حجت قائم کی ہے اور ان کے شبہات کو زائل کیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ۙ

اور نہیں نازل فرمایا ہم نے تم پر اس کتاب کو، مگر تاکہ واضح کر دو انہیں، جس میں وہ جھگڑا کیا کرتے تھے۔ اور ہدایت و رحمت

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۶۴﴾

اُن کے لیے جو مان جائیں●

اَے محبوب! کہ نہیں بھیجا تمہاری طرف (اور نہیں نازل فرمایا ہم نے تم پر اس کتاب کو مگر تا کہ واضح کردو انہیں، جس میں وہ جھگڑا کیا کرتے تھے) اپنے اپنے عہد میں۔ وہ 'امرِ توحید' اور 'احوالِ معاد' ہے، اور بعض چیزوں کے حلال وحرام کے تعلق سے خودساختہ نظریات ہیں، (اور ہدایت ورحمت ان کے لیے جو مان جائیں)۔ یعنی نازل نہیں کیا ہم نے قرآن، لیکن ایمان لانے والوں کے لیے، ہدایت ورحمت بنا کر۔ اگرچہ قرآن سارے انسانوں کے لیے ہدایت ہے اور سبھی کو راہِ حق دکھاتا ہے، لیکن اس کی ہدایت سے کماحقہٗ فائدہ اٹھانے والے وہی ہیں جو ایمان والے ہیں۔

اس لیے فرمایا کہ یہ مومنین اور متقین کے لیے ہدایت ہے۔ اس قرآن کا اہم مقصود توحید، رسالت، مبدء اور معاد کو ثابت کرنا ہے، پھر تہذیب اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مُدنیہ کو بیان کرنا ہے۔ اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا رَدفرمایا تھا، اب اس کے بعد پھر اہم مقصود کا ذکر فرمایا، اور وہ الوہیت اور توحید ہے۔ کیونکہ آسمان سے پانی برسانا اور زمین سے فصل اگانا، یہ کس کا کارنامہ ہے۔ حضرت عیسیٰ، حضرت عزیر اور فرعون اور نمرود کو خدا کہا گیا، لیکن ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی بارش ہوتی تھی اور زمین سبزہ اگاتی تھی۔

بے جان مورتیوں اور دیوتاؤں کا بھی یہ کارنامہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ بت تو خود بے جان ہیں، وہ بارش اور فصل اگانے میں موثر نہیں ہوسکتے۔ اور دیوی دیوتا بھی حادِث اور فانی ہیں، ان کے پیدا ہونے سے پہلے بھی بارش ہوتی تھی اور فصلیں اگتی تھیں، اس لیے ان میں سے کوئی بھی بارش نازل کرنے اور زمینی پیداوار کا خالق نہیں ہے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ آسمان سے بارش نازل کرنے اور زمین سے غلہ پیدا کرنے کا وہ خالق ہے، صرف اللہ تعالیٰ نے ہی یہ دعویٰ کیا ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اور اللہ نے اتارا آسمان کی سمت سے پانی، پھر زندہ فرمادیا اُس سے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ﴿۶۵﴾ ع ۱۴

بے شک اُس میں ضرور نشانی ہے اُن کے لیے جو کان لگائیں●

(اور) فرمایا ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے اُتارا آسمان کی سَمت سے پانی، پھر زندہ فرمادیا اس سے زمین کو اس کے مر جانے کے بعد)۔

اس میں قیامت اور حشر پر دلیل ہے، کہ جب وہ مُردہ زمین کو زندہ کر سکتا ہے، تو مردہ انسانوں کو کیوں نہیں زندہ کر سکتا۔

(بے شک اس میں) یعنی جو مذکور ہوا اُس میں، (ضرور نشانی ہے) جو بالکل ظاہر ہے (ان کے لیے جو کان لگائیں) اور قرآنِ کریم کو حق و صداقت سمجھنے کی نیت سے سنیں اور اس میں غور و فکر کریں اور اس کے ساتھ انصاف برتیں۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے بارش اور نباتات کے احوال سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا، اور اس اگلی آیت میں حیوانات کے عجیب و غریب احوال سے استدلال فرمایا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ

اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں سبق ہے۔ ہم پلاتے ہیں تمہیں جو اُن کے پیٹوں میں ہے،

وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾

خون اور گوبر کے درمیان دودھ خالص۔ خوشگوار پینے والوں کے لیے●

یقیناً (اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں سبق ہے) اور رہنمائی ہے کہ اس کی بدولت جہل سے مرتبۂ علم کو پہنچو۔ غور کرو کہ (ہم پلاتے ہیں تمہیں جو اُن) میں دودھ دینے والے چوپایوں (کے پیٹوں میں ہے، خون اور گوبر کے درمیان دودھ خالص۔ خوشگوار، پینے والوں کے لیے)۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جانور جو غذا کھاتے ہیں اس سے ایک طرف تو خون بنتا ہے، اور دوسری طرف گوبر بنتا ہے۔ مگر ان ہی جانوروں کی مادہ صنف میں اُسی غذا سے ایک تیسری چیز بھی پیدا ہوتی ہے، جو خاصیت، رنگ، بُو اور مقاصد میں اُن دونوں سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پھر خصوصاً مویشیوں میں اس چیز کی پیداوار اس قدر زیادہ ہوتی ہے، کہ وہ اپنے بچوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے علاوہ انسانوں کے لیے بھی اس چیز کو کثیر مقدار میں فراہم کرتے رہتے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ خون کے بعض اجزاء سے دودھ پیدا ہوتا ہے۔ اور خون ان لطیف

اجزاء سے پیدا ہوتا ہے جو پہلے گوبر میں تھے، پھر وہ اجزاءِ لطیفہ دوسری بار خون میں آئے۔
پھر اللہ تعالیٰ نے ان اجزاء کثیفہ اور غلیظہ سے خون کو مصفّٰی کرلیا اور اس میں وہ صفات پیدا کردیں، کہ وہ ایسا دودھ بن گیا جو بچہ کے بدن کے موافق تھا۔ اس دودھ کی خلقت ایسی عجیب وغریب حکمتوں اور ایسے دقیق اسرار پر مشتمل ہے، جس سے عقل سلیم یہ شہادت دیتی ہے کہ دودھ کی خلقت کسی عظیم مدبر اور زبردست قادر وقیوم کی تدبیر اور اس کے فعل کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور کھجور کے پھل سے، اور انگور، بناتے ہو جس سے نشہ کی چیزیں، اور اچھی کھانے کی چیزیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

بلاشبہ اُن میں ضرور نشانی ہے اُن کے لیے جو غور کریں●

(اور) تمہارے واسطے ہے (کھجور کے پھل سے اور انگور، بناتے ہو جس سے نشہ کی چیزیں) یعنی مست کردینے والی چیز۔

یہ آیت شراب حرام ہونے کے قبل نازل ہوئی۔ بعض قوموں کی لغت میں **سَکَرْ**، سرکہ کے معنی میں ہے۔ اِس صورت میں یہ آیت محکم ہوگی، منسوخ نہ ہوگی۔

(اور) جس سے بناتے ہو مذکورہ مشروب کے علاوہ (اچھی کھانے کی چیزیں) جیسے کھجور، انگور اور ان کا شیرہ۔ (بلاشبہ ان) تر اور خشک میووں اور ان کے فائدوں (میں ضرور نشانی ہے) یعنی دلیل ظاہر ہے اللہ جل شانہ کی قدرت پر (ان کے لیے جو غور کریں) اور غور وتامل کی نظر سے اس کو دیکھیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اس نے انسان کے لیے مویشیوں میں سے دودھ نکالا، پھر اس نے یہ بتایا کہ اس نے کھجوروں اور انگوروں سے 'سکر' اور 'رزقِ حسن' مہیا کیا اور حیوانات اور نباتات میں اپنی خلقت کے عجائب وغرائب سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا، اور اب اگلی آیات میں شہد کی مکھی سے شہد نکالنے سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا۔ یہ حیوانات سے بھی استدلال ہے اور نباتات سے بھی، کیونکہ شہد کی مکھی پھلوں اور پھولوں کا رس چوستی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ

اور سکھا دیا تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دِل کو، کہ بنالیا کر پہاڑوں کو گھر، اور درختوں کو،

وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾

اور جو چھت چھپر بنایا کرتے ہیں●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (سکھا دیا) بذریعہ الہام (تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دِل کو) یعنی اس کے دِل میں ڈال دیا (کہ بنالیا کر پہاڑوں کو گھر) یعنی اس کے دراروں کو ایسا گھر جو مسدس، متساوی آراستہ حسن صنعت اور صحت کے ساتھ ہو۔ (اور) گھر بناؤ (درختوں کو) یعنی پہاڑوں اور درختوں پر جگہ پکڑو۔ (اور) گھر بناؤ اس کو (جو) لوگ (چھت چھپر بنایا کرتے ہیں) یعنی اونچی چھتیں اور زنبور خانے وغیرہ۔ ان میں اپنا مکان بناؤ۔

ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا

پھر کھاتی رہو ہر قسم کے پھل سے، پھر چلتی رہا کر اپنے پروردگار کی بتائی راہ پر سبک۔ نکلتی ہے اُس کے پیٹوں سے

شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

پینے کی چیز رنگ برنگ کی، اس میں شفاء ہے لوگوں کے لیے۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے

لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾

اُن کے لیے جو سوچ سے کام لیں●

(پھر کھاتی رہو ہر قسم کے پھل سے)، یعنی پھلوں کی اصل کلی اور پھول سے، چاہے کڑوا ہو۔۔یا۔۔میٹھا (پھر چلتی رہا کر اپنے پروردگار کی بتائی راہ پر) یعنی اس راہ پر جو شہد کے واسطے تمہیں الہام کی ہے (سبک)، یعنی اس حال میں کہ اس کے حکم کی مطیع و مسخر ہو۔

جب مکھیاں حکم الٰہی کے موافق پھول اور کلیاں کھاتی ہیں، تو ان کے اندر تحلیل ہو کر وہ شیرہ بن جاتا ہے، پھر۔

(نکلتی ہے اس کے پیٹوں سے پینے کی چیز) لعاب کے طریق پر، جسے شہد کہتے ہیں، (رنگ برنگ کی)۔

۔۔مثلاً: سفید شہد جوان مکھی کا، اور زرد اوسط عمر کی مکھی کا، اور سرخ بوڑھی مکھی کا، اور سیاہ

اور سبز نادر ہوتا ہے، اور بعضوں نے کہا ہے کہ شہد کے رنگ کا اختلاف فصلوں کے اختلاف کے موافق ہے۔

(اس میں شفاء ہے لوگوں کے لیے) جیسے امراض بلغمی میں ۔۔یا۔۔

دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر جیسے سب بیماریوں میں، اس واسطے کہ ایسی معجون بہت کم ہوتی ہے کہ شہد اس کا جزء نہ ہو۔

(بے شک اس میں) یعنی شہد کی مکھی کے امر میں **(ضرور نشانی ہے ان کے لیے جو سوچ سے کام لیں)** اور صنائع دقیقہ اور امورِ رقیقہ میں گہرائی کے ساتھ غور وفکر کریں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حیوانات کے عجیب وغریب افعال ذکر کر کے ان سے اپنے خالق ہونے اور قادر ہونے پر استدلال فرمایا تھا، اور اس اگلی آیت میں انسان کی عمر کے مختلف احوال سے اپنی ذات پر استدلال فرمایا ہے۔ اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ انسان کی عمر کے چار مراتب ہیں۔

پہلا مرتبہ طفولیت اور نشو ونما کا ہے، اور دوسرا مرتبہ شباب کا ہے، جس مرتبہ پر پہنچ کر انسان کی نشو ونما رک جاتی ہے، اور تیسرا مرتبہ کہولت کا ہے، اس مرتبے میں اگرچہ قوت باقی رہتی ہے، لیکن انسان کا انحطاط شروع ہو جاتا ہے، اور چوتھا مرتبہ سن انحطاط کا ہے، اس مرتبہ میں انسان کا ضعف شروع ہو جاتا ہے اور وہ بتدریج بڑھاپے کی طرف بڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے، جب کوئی دوا اس کی جوانی کی قوت اور شباب کو واپس نہیں لا سکتی۔

اب سوال یہ ہے کہ انسان کی عمر کے ان تغیرات کا خالق کون ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ وہ ان تغیرات کا خالق ہے اور لوگوں نے اللہ کے سوا جن کو خالق مانا، ان میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی تب بھی انسان کی عمر میں یہ تغیرات ہو رہے تھے، تو ہم کیوں نہ مانیں کہ انسان کی عمر کے ان تغیرات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی نہیں ہے، سو وہی عبادت کا مستحق ہے اور اس کے سوا اور کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔

اس آیت میں انسان کو اس بات پر برانگیختہ کیا گیا ہے کہ وہ عمر کے اس دَور کے شروع ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرے اور بصیرت سے کام لے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے غور وفکر کی صلاحیت بھی جاتی رہے۔ اس کی یادداشت جاتی رہے اور اس کی

ذکاوت کا شعلہ بجھ جائے۔ اس لیے اس حالت کو پہنچنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی آیات میں غور وفکر کرلو۔ انسانی عمر کے انہی تغیرات کو ظاہر فرمانے کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ

اور اللہ نے پیدا فرمایا تمہیں، پھر پوری فرمائے گا تمہاری عمر۔۔۔ اور تم میں کوئی ہے کہ پلٹا کھلایا جاتا ہے ناقص عمر کی طرف،

لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۷۰

تاکہ نہ جانے کچھ، جان چکنے کے بعد بھی۔ بے شک اللہ علم والا قدرت والا ہے●

(اور) واضح فرمایا جاتا ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے پیدا فرمایا تمہیں) اور عدم سے نکال کر وجود بخشا، (پھر پوری فرمائے گا تمہاری عمر) یعنی وفات دے کر دوبارہ عدم میں لے جائے گا۔ (اور تم میں کوئی ہے کہ) عمر کے مختلف مراحل سے گزار کر اُسے (پلٹا کھلایا جاتا ہے ناقص عمر کی طرف)۔ وہ سن پچھتر ۷۵ یا اسّی ۸۰ یا نوّے ۹۰ برس کا ہے، (تاکہ نہ جانے کچھ) سب کچھ (جان چکنے کے بعد بھی)۔ یعنی ضعیفی کی وجہ سے اس پر ایسا نسیان طاری ہوجائے کہ وہ اپنے لڑکپن کے حال کی طرف پھر جائے۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ اس سے کفار کے بوڑھے کھوسٹ مراد ہیں، اس واسطے کہ عمر کا طول مسلمانوں کے واسطے بزرگی اور عقل بڑھاتا ہے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، اس کی دانائی پر جہل طاری نہیں ہوتا اور (قدرت والا ہے) اس کی توانائی میں عاجزی کی راہ نہیں۔

اب آگے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بت پرستوں کے لیے بیان فرمائی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر قرار نہیں دیتے، تو تم میرے بندوں کو۔۔۔ یا۔۔۔ میری مخلوق کو میرے برابر کیسے قرار دیتے ہو، کہ ان کو بھی میری طرح عبادت کا مستحق قرار دیتے ہو۔ اور جب تم اپنے غلاموں کو اپنے برابر قرار نہیں دیتے اور ان کو اپنے اموال میں شریک نہیں کرتے، تو تم میرے بندوں کو میرے برابر کیوں قرار دیتے ہو، اور ان کو میری عبادت میں کیوں شریک قرار دیتے ہو، جس طرح مشرکین نے بتوں کو، فرشتوں کو اور بعض نبیوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرلیا۔۔ حالانکہ۔۔۔ سب اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔۔ الحاصل۔۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا

اور اللہ نے بڑھوتی دی تمہارے کچھ کو کچھ پر روزی میں۔ تو نہیں ہیں جو بڑھوتی دیے گئے

بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ

کہ لوٹا دیں اپنی روزی کو اپنے غلاموں لونڈیوں پر، یوں کہ وہ سب اس میں برابر برابر ہیں۔

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾

تو کیا انہیں اللہ ہی کی نعمت سے انکار ہے●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے بڑھوتی دی) یعنی زیادتی عطا فرمائی (تمہارے کچھ کو کچھ پر روزی میں)، یعنی تمہارے بعض کو تمہارے دوسرے بعض پر روزی میں، یعنی مالِ دنیا میں کہ ایک مالدار ہوا ایک محتاج، ایک نے سرداری پائی ایک نے چاکری، (تو نہیں ہیں) وہ لوگ (جو بڑھوتی دیے گئے) جس کے سبب سے وہ امیر و سردار ہو گئے، اور لونڈی غلاموں کی ایک جماعت کے مالک ہو گئے، (کہ لوٹا دیں اپنی روزی کو اپنے غلاموں لونڈیوں پر) یعنی مالک اپنے مملوکوں کو اپنے مال میں شریک کرلیں، (یوں کہ) لگنے لگے کہ (وہ سب اس میں برابر برابر ہیں)، یعنی مالک و مملوک مالداری میں برابر ہیں۔

یہ خطاب مشرکین کے ساتھ ہے، اس واسطے کہ تلبیہ میں وہ کہتے تھے، کہ "حاضر ہوں، نہیں کوئی شریک تیرا، مگر وہ جو شریک تیرا ہے" تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم یہ بات تو تجویز نہیں کرتے کہ تمہارے لونڈی غلام مال میں تمہارے شریک ہوں، پھر یہ کیوں روا رکھتے ہو کہ بُت الوہیت میں میرے شریک ہوں۔

(تو کیا انہیں اللہ) تعالیٰ (ہی کی نعمت سے انکار ہے)۔۔الغرض۔۔جب یہ ثابت ہو گیا سب نعمتوں کے ساتھ وہی نعمت دینے والا ہے، پھر جو کوئی بت کو اس کا شریک کہتا ہے وہ اس کی نعمت سے منکر ہوتا اور صاف اقرار کرلیتا ہے، کہ بعض نعمتیں ایسی ہیں جن کا مالک معاذ اللہ خدا نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔ بُت ہیں۔ لوگو! حق تعالیٰ کے احسانِ عظیم۔۔۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ

اور اللہ نے بنادیا تمہارے لیے تم میں سے جوڑے، اور پیدا فرمایا تمہارے جوڑوں

بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

سے بیٹے اور پوتے نواسے، اور روزی دی تمہیں پاکیزہ، کیا وہ غلط بات کو مان لیں؟

وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور اللہ کی نعمت کے ناشکرے رہیں؟●

(اور) فضل کریم کو تو دیکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (نے بنادیا تمہارے لیے تم میں سے جوڑے، اور پیدا فرمایا تمہارے جوڑوں سے بیٹے اور پوتے، نواسے) نواسیاں، پوتیاں ۔۔یا۔۔اولاد کی اولاد ۔۔یا۔۔داماد۔۔یا۔۔عورتوں کے لڑکے جو دوسرے شوہروں سے ہوں، (اور روزی دی تمہیں پاکیزہ) اور لذیذ چیزوں میں سے، تو (کیا) مشرکوں کو چھوٹ دے دی جائے کہ (وہ غلط بات کو مان لیں؟ اور اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کے ناشکرے رہیں)۔

'غلط بات' یعنی باطل، ان کا وہ عقیدہ ہے جو مشرکین بتوں کے تعلق سے رکھتے ہیں۔۔مثلاً: ان کی اعانت اور شفاعت کو حق جاننا، اور 'نعمت' حق تعالیٰ کی توحید کے عقیدے کے ساتھ اس کی عبادت ہے۔۔یا۔۔'باطل' وہ چیز ہے جو مشرکوں نے حرام کرلی ہے جیسے بحیرہ، سائبہ، وغیرہ اور 'نعمت' وہ ہے جو خدا نے ان پر حلال کردی ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ 'باطل' شیطان ہے کہ مشرک لوگ اس کا ایمان لاتے ہیں اور 'نعمت' حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں، مشرکین جن کا ایمان نہیں لاتے۔۔الختصر۔۔مشرکین اللہ تعالیٰ کی نعمت کے ناشکرے ہیں۔۔۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

اور معبود بناتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر اُسے، جو نہیں مالک ہے اُن کے لیے رزق کا آسمانوں

وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور زمین سے کچھ بھی، اور نہ ہوسکتا ہے●

(اور معبود بناتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر) یعنی خدا کے سوا (اسے، جو نہیں مالک ہے ان کے لیے رزق کا) یعنی جس میں رزق دینے کی قدرت نہیں ہے (آسمانوں اور زمین سے کچھ بھی)۔ نہ وہ اپنے پجاریوں کے لیے آسمان کی طرف سے بارش برسا سکتا ہے، اور نہ ہی زمین سے نباتات اور غلہ وغیرہ پیدا کرسکتا ہے، (اور نہ ہوسکتا ہے) کہ کبھی وہ ایسا کرسکے۔

یعنی ان کو ہرگز اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ روزی دیں اور یقیناً ان کی پرستش عقل کے خلاف ہے۔ اس واسطے کہ عبادت شکرِ نعمت ہے، اور پیدا کرنے اور روزی دینے سے بڑھ کر کوئی نعمت ہی نہیں، اور یہ دونوں صفتیں یعنی خالقیت اور رازقیت خدا ہی کے واسطے ثابت ہیں، بتوں کے لیے نہیں۔

فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

تو نہ گڑھا کرو اللہ کے لیے کچھ مثل۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نادان ہو●

(تو نہ گڑھا کرو اللہ) تعالیٰ (کے لیے کچھ مثل)۔ اس طرح کہ بتوں کو اُس پر قیاس کرو اور اس کے ساتھ شرکت دو، اس لیے کہ جس کا مثل نہیں اس کی مثال نہیں دے سکتے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے) تمہاری بات کی بُرائی (اور تم لوگ نادان ہو)۔۔ چنانچہ۔۔ تم نہیں جانتے اپنی کافرانہ اور مشرکانہ باتوں کی خرابی کو، اور اگر تم جان لو، تو اس کا شریک بنانے کی جرأت نہ کرو۔۔یا۔۔ تم اس کے واسطے مثال دیتے ہو، وہ جانتا ہے کہ کیونکر مثال دینا چاہیے، تم نہیں جانتے۔

پھر حق تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرمائیں، اپنے واسطے اور ان کے باطل معبودوں کے لیے۔ پہلے تو فرمایا، کہ۔۔۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ

اللہ نے ایک کہاوت بیان فرمائی کہ ایک غلام مملوک ہے، دوسرے کی ملک نہیں کر سکتا خود کچھ، اور وہ جس کو ہم نے روزی دی

مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ یَسْتَوٗنَ ؕ

اپنے کرم سے خوب اچھی، چنانچہ وہ خرچ کرتا ہے اُس سے چھپے اور کھلے۔ کیا وہ سب برابر ہیں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اللہ کے لیے حمد۔ بلکہ اُن کے بہتیرے نادان ہیں●

(اللہ) تعالیٰ (نے ایک کہاوت بیان فرمائی کہ ایک غلام مملوک ہے)، بندہ زرخرید، غیر مکاتب، اور غیر ماذون، جو (دوسرے کی ملک نہیں کر سکتا خود کچھ)۔ اس کو کسی کو کچھ دینے اور کسی کو نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں۔ (اور) اس کے برخلاف (وہ جس کو ہم نے روزی دی اپنے کرم سے خوب اچھی)، یعنی بہت اور بے کسی مزاحم کے کہ اس میں تصرف کر سکے۔ (چنانچہ وہ) یعنی جسے ہم نے

روزی دی ہے (خرچ کرتا ہے اس) روزی میں (سے چھپے اور کھلے) یعنی پوشیدہ اور آشکارا، جس طرح جی چاہتا ہے خرچ کرتا ہے اور کسی سے نہیں ڈرتا، تو (کیا وہ سب برابر ہیں؟) یعنی بے اختیار بندے صاحبِ اقتدار آقا کے ساتھ برابر نہیں ہوتے، تو پھر مملوک عاجز، صاحبِ قدرت اور صاحبِ تصرف آقا کے برابر نہیں، تو بُت جو تمام مخلوق سے زیادہ عاجز ہیں، یہ قادرِ علی الاطلاق کے کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ مثال توفیق یافتہ مومن اور بے نصیب کردہ کافر کی ہے، اور مومن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور کافر سے ابوجہل لعین مقصود ہے۔

۔۔الختصر۔۔(اللہ) تعالیٰ (کے لیے حمد) ہے جو سب نعمتوں کا مالک ہے اور تمام کمالات اُسی کے لیے ہیں۔ بتوں کا کوئی کمال نہیں اور وہ کسی تعریف کے مستحق نہیں۔ کیونکہ بتوں نے کسی پر کوئی انعام نہیں کیا، جس کی وجہ سے وہ کسی تعریف کے مستحق ہوں۔ (بلکہ ان) مشرکین (کے بہتیرے) بلکہ سارے کے سارے (نادان ہیں) کہ اس کی نعمتوں کو اس کے غیر کی طرف اضافت کرتے ہیں۔۔یا یہ ۔۔کہ باوجود اس کے کہ یہ مثال بہت واضح ہے پھر بھی اکثر لوگ اس مثال کو نہیں سمجھتے۔۔یا۔۔اکثر لوگ نہیں جانتے کہ تمام تعریفوں کا مستحق اللہ تعالیٰ ہے اور بت کسی تعریف کے مستحق نہیں۔۔یا یہ۔۔کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر حمد فرمائی کہ اس نے ایسی مثال بیان فرمائی جو مقصود کی بہت اچھی طرح وضاحت کرتی ہے، یعنی ایسی واضح اور قوی حجت پیش فرمانے پر اللہ ہی کے لیے حمد ہے۔

پھر حق تعالیٰ دوسری مثال بیان فرماتا ہے۔۔چنانچہ۔۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ

اور کہاوت بیان کی اللہ نے دو شخصوں کی، ان میں ایک گونگا، کچھ کام نہیں کر سکتا، اور وہ بوجھ ہے

عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ

اپنے مالک پر، جس سمت بھیجتا ہے کچھ بھلائی نہ لائے۔ کیا یکساں ہے وہ؟

وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ۧ

اور وہ، جو حکم دے انصاف کا۔ اور وہ سیدھے راستے پر ہے●

مثل (اور کہاوت بیان کی اللہ) تعالیٰ (نے دو شخصوں کی، ان میں ایک) مادرزاد (گونگا)۔ مادرزاد گونگا ہونے کے سبب سے جو بہرا بھی ہے، جو نہ کچھ کہتا ہے نہ سنتا ہے۔۔الغرض۔۔وہ گونگا بہرا

(کچھ کام نہیں کرسکتا)، نہ کسی بات کو سن سکتا ہے اور نہ کسی بات میں غور وفکر کرسکتا ہے، (اور وہ بوجھ ہے اپنے مالک پر) یعنی اس پر جو اس کے کام کا متولی ہو، یعنی اس کا ولی اس کے حال کی رعایت سے عاجز ہے۔۔ چنانچہ۔۔اس کا مالک اُسے (جس سَمت بھیجتا ہے) اور جس کام کی طرف اُسے متوجہ کرتا ہے، وہ اُسی کی طرح رہتا ہے جو (کچھ بھلائی نہ لائے)، یعنی وہ کچھ کام نہیں بناتا اور کچھ کفایت نہیں کرتا۔ نہ اپنے دل کی بات کہہ سکتا ہے اور نہ دوسرے کی بات سمجھ سکتا ہے۔

تو (کیا یکساں ہے وہ) گونگا (اور وہ، جو حکم دے انصاف کا) اور سارے فضائل ومکارم کا جامع ہو۔ اور ظاہر ہے جو عادل ہوگا وہ ایسا ہی ہوگا اور اس کے قول وفعل میں راستی ودرستگی ہی ہوگی، (اور وہ سیدھے راستے پر ہے) یعنی راہِ راست پر ہے، جس کی سیرت درست اور طریقہ پسندیدہ ہے۔ وہ جس مطلب کی طرف توجہ کرتا ہے، جلد مقصد اور مقصود کو پہنچ جاتا ہے۔ تو جس طرح گونگا نکما، اس کامل فاضل کے برابر نہیں، اُسی طرح بے اعتبار بتوں کو بھی 'حضرت پروردگار' سے برابری کی نسبت نہیں۔

اور بعضوں نے کہا کہ یہ مثَل بھی مومن اور کافر کے واسطے ہے، کہ مومن حضرت حمزہ بن عبدالمطلب ہیں اور کافر اُبی بن خلف۔۔یا۔۔مومن حضرت عثمان ذوالنورین ہیں اور کافر اُسید بن ابی العیص ہے، جو ان کا غلام تھا۔ حضرت ذوالنورین اس غلام کو اسلام کی طرف راہ دکھاتے اور اُسید انہیں راہِ خدا میں خرچ کرنے سے منع کرتا تھا۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عاجز اور گونگے شخص کے ساتھ بتوں کی مثال دی، کیونکہ وہ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں اور نہ کسی کے کام آسکتے ہیں، اور اپنی مثال اس شخص کے ساتھ دی جو راہِ راست پر ہو اور نیکی کا حکم دیتا ہو، اور ایسا شخص وہی ہوسکتا ہے جس کا علم بھی کامل ہو اور جس کی قدرت بھی کامل ہو، تو اِن اگلی آیتوں میں سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ علم پر دلیل قائم کی اور دوسری آیت میں اپنے کمالِ قدرت پر دلیل قائم فرمائی، جس کا حاصل یہ ہے کہ وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے قیامت کو قائم کردے گا اور تمام دنیا کو فنا کردے گا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ

اور اللہ ہی کا ہے آسمانوں اور زمین کا چھپا ڈھکا۔ اور نہیں ہے قیامت کا معاملہ، مگر جیسے آنکھ

اَوۡ هُوَ اَقۡرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۷۷﴾

کی جھپک، یا اُس سے بھی قریب تر۔ بے شک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے آسمانوں اور زمین کا چھپا ڈھکا) یعنی آسمانوں اور زمینوں میں جو چیزیں پوشیدہ ہیں اور تمہیں محسوس نہیں ہوتا اُسے وہی جانتا ہے۔ جب تک وہ کسی کو مطلع نہ کرے کسی کو بھی اس کی خبر نہیں ہو سکتی۔۔ہاں۔۔اپنے بعض مخصوص غیبوں پر جب چاہتا ہے، جتنا چاہتا ہے، اپنے مخصوص بندوں کو مطلع فرما دیتا ہے، اس بات کی بھی اُسے پوری قدرت اور اس کا پورا اختیار ہے۔ یہ تو رہا اس کے علم کا کمال۔۔۔

(اور) اس کی قدرت کا کمال یہ ہے کہ (نہیں ہے قیامت کا معاملہ مگر جیسے آنکھ کی جھپک یا اس سے بھی قریب تر) یعنی قیامت لانا۔۔یا۔۔اُس دن مُردوں کو جلانا، خدا کے نزدیک اس سے بھی زیادہ آسان ہے جیسے تمہارے لیے پلک مارنا آسان ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب تر ہے، اس واسطے کہ پلک مارنے میں دو کام ہیں ایک جھکانا دوسرا اٹھانا۔ اور قیامت قائم کرنا۔۔یا۔۔مُردے جلانا ایک ہی کام ہے، تو اس کام کا اُن دو کاموں کی آدھی دیر میں واقع ہونا ممکن ہے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔ یعنی وہ جس طرح خلائق کو بتدریج زندہ کرنے پر قادر ہے اسی طرح خلائق کو دفعتاً زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

پھر ان کی ابتدائے ظہور سے حق تعالیٰ نے خبر دی تاکہ مبدء سے معاد پر دلیل پکڑیں۔

وَاللّٰهُ اَخۡرَجَكُمۡ مِّنۡۢ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡــًٔا ۙ وَّجَعَلَ

اور اللہ نے نکالا تمہیں، تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے، کہ نہیں جانتے کچھ۔ اور کر دیا

لَـكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾

تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دِل، کہ شکر گزار رہو●

(اور) فرمایا کہ (اللہ) تعالیٰ (نے نکالا تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے) اس حال میں (کہ نہیں جانتے) تھے تم (کچھ)، نہ منفعتیں اپنے واسطے حاصل کرنا اور نہ ہی مضرتیں اپنے سے دُور کرنا۔ (اور کر دیا تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دِل) یعنی علم حاصل کرنے کے آلات تمہیں دیے تاکہ اشیاء کے جزئیات حواس سے دریافت کر لو، اور اشیاء میں مشارکت مباینت جو ہو، تکرارِ احساس

کے سبب سے دل میں سمجھ لو، تاکہ 'علوم بدیہی' تمہیں حاصل ہو جائیں، اور ان میں نظر و فکر کر کے 'علوم نظری' حاصل کر سکو۔ تو کلام اور کتاب سے فیض حاصل کرنے کے آلات کہ کان اور آنکھیں ہیں، تمہیں عطا فرمائے اور دل گویا بادشاہ ہیں اور تم جو فائدہ حاصل کرتے ہو ان کی تمیز کرنے والے ہیں، انہیں تمہاری سمجھ کی مسند پر بٹھا دیا تا (کہ شکر گزار رہو) جاؤ۔

حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ پر مزید دلیل فراہم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔۔۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ

کیا نہیں دیکھا انہوں نے پرندوں کی طرف، کہ قابو میں ہیں فضائے آسمانی میں، انہیں نہیں روکے ہے، مگر اللہ۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

بے شک اُس میں نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو مان جائیں ●

(کیا نہیں دیکھا انہوں نے) جو خدا کی قدرت سمجھنا چاہتے ہیں (پرندوں کی طرف، کہ قابو میں ہیں فضائے آسمانی میں) یعنی زمین و آسمان کے درمیان۔ (انہیں نہیں روکے ہے) ہوا میں (مگر اللہ) تعالیٰ، ورنہ چاہیے کہ اپنے بدن کے بوجھ سے گر پڑیں۔ (بے شک اس میں) یعنی اُڑنے کے واسطے اُڑنے والے جانور کے مسخر ہونے میں، البتہ (نشانیاں ہیں ان کے لیے جو مان جائیں) یعنی جو ایمان لاتے ہیں۔۔ الحاصل۔۔ ان نشانیوں سے مومن فائدہ حاصل کرتے ہیں اس بات میں فکر کر کے کہ حق تعالیٰ نے پرندوں کو اس وضع پر پیدا کیا ہے کہ اُڑ سکتے ہیں اور ہوا کو اس انداز پر پیدا کیا کہ اس میں پرندوں کا اُڑنا ممکن ہے اور ان کی طبیعت کے خلاف انہیں ہوا میں تھام رکھتا ہے۔ تو مومن تفکر کے شہپروں سے ہوا میں اُڑ کر اپنے تئیں "ایک ساعت کی فکر ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے" کے آشیانِ کرامت نشان میں پہنچاتے ہیں۔

۳ آگے کی آیات بھی گزشتہ آیات کا تتمہ ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر دلائل بیان کیے گئے ہیں اور بندوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ

اور اللہ نے بنایا تمہارے لیے تمہارے گھروں کو آرام گاہ، اور کر دیا تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے

بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ أَصْوَافِهَا

ایسے خیمے، کہ ہلکے پھلکے ہیں تمہارے سفر کے دن اور منزل کرنے کے دن۔

وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَّمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٨٠﴾

اور اُن جانوروں کے اوُن اور رونگٹوں اور بالوں سے سامان، اسباب کچھ دن برتنے کا●

(اور) فرمایا گیا ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (نے بنایا تمہارے لیے تمہارے گھروں کو) جو پتھر، اینٹ اور لکڑی سے بنے ہوتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی پیدا کی ہوئی ہیں، ان کے مجموعے سے جو گھر تیار ہوئے ان کو ہم نے بنادیا تمہارے لیے (آرام گاہ)۔ اِقامت کے وقت ان میں سکونت کر سکتے ہو (اور کردیا تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے ایسے خیمے) گھر جیسے جنہیں تم چمڑوں سے بناتے ہو، اور جو (کہ ہلکے پھلکے ہیں تمہارے سفر کے دن اور منزل کرنے کے دن) جنہیں اٹھانے اور اپنے ساتھ اِدھر اُدھر لے جانے میں کوئی دشواری نہیں (اور) پیدا فرمایا تمہارے لیے (ان جانوروں کے اوُن اور رونگٹوں اور بالوں سے سامان، اسباب کچھ دن برتنے کا) یعنی بھیڑ اور دنبوں کے اوُن، اور اونٹ کے نرم رونگٹوں اور بکری کے بالوں سے اوڑھنے اور بچھانے کے اسباب تیار فرمائے۔ تاکہ اس خرید و فروخت کے بعد اس سے فائدہ حاصل کرتے رہو ایک مقرر وقت تک، یعنی جب تک وہ برقرار رہیں اور ان سے نفع حاصل کیا جا سکتا ہو۔۔ یا۔۔ جس وقت تک تم باحیات رہو اور اس سے فائدہ حاصل کر سکو۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا

اور اللہ نے بنایا تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سائے، اور بنایا تمہارے لیے پہاڑوں سے گپھے،

وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُم بَأْسَكُمْ ۚ

اور بنایا تمہارے لیے کچھ لباس، کہ تم کو گرمی سے بچائے، اور کچھ لباس جو حفاظت کریں تمہاری جنگ میں،

كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾

اس طرح پوری فرماتا ہے اپنی نعمت کو تم پر، کہ تم فرمانبردار ہو جاؤ●

(اور) اللہ تعالیٰ کا فضل پر فضل دیکھتے جاؤ، بے شک (اللہ) تعالیٰ (نے بنایا تمہارے لیے) یعنی تمہاری راحت کے لیے (اپنی پیدا کردہ چیزوں سے سایے) یعنی درخت، پہاڑ، مکان کے سایے

کہ ان میں آفتاب کی گرمی میں پناہ لیتے ہیں (اور بنایا تمہارے لیے پہاڑوں سے گپھے) غار اور حُجرے کہ ان میں سکونت کرتے ہو، (اور بنایا تمہارے لیے کچھ لباس) یعنی کپڑے پشمی اور کتان کے، اور روئی وغیرہ کے تا (کہ تم کو گرمی سے بچائے)۔

حق تعالیٰ نے جاڑے کا ذکر نہیں کیا۔ دو ضدوں میں سے ایک پر اکتفاء کرنے کی نظر سے ۔۔یا۔۔ اس واسطے سے کہ بلادِ عرب میں گرمی سے بچاؤ بہت ضروری ہے۔

(اور) بنائی تمہارے لیے لوہے سے (کچھ لباس) ۔۔مثلاً: زرہ، بکتر، وغیرہ (جو حفاظت کریں تمہاری جنگ میں) تمہیں دشمنوں کے ہتھیاروں سے، یعنی جب تم جہاد کرتے ہو، تو تمہیں دشمنوں کے تیر، تلوار، اور نیزوں سے بچاتے ہیں۔ جس طرح یہ نعمتیں تمہیں تمام و کمال دیں (اس طرح) ہی (پوری فرماتا ہے اپنی نعمت) اور نیکی (کو تم پر) تا (کہ تم فرمانبردار ہو جاؤ) اور چاہیے کہ پورا اسلام لاؤ۔۔اور۔۔ اس کے ہر ہر حکم کے مطیع ہو جاؤ۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾

پھر بھی اگر انہوں نے بے رخی کی، تو پھر بس تم پر صاف صاف پہنچا دینا ہے●

(پھر بھی اگر انہوں نے بے رخی کی) اور اسلام کو قبول نہیں کیا، (تو پھر) اَے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ فکر مند اور رنجیدہ خاطر نہ ہوں، اس لیے کہ (بس تم پر صاف صاف پہنچا دینا ہے) اور جب تم نے انہیں پیغام پہنچا دیا، تو ان کا انکار تمہیں کچھ نقصان نہ کرے گا۔

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ ع

پہچانتے ہیں اللہ کی نعمت کو، پھر بھی انکار کرتے ہیں اُس کا، اور اُن کے بہتیرے ناشکرے ہیں●

یہ کفار بھی عجیب ہیں جو (پہچانتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو) جو اُن پر کی گئی اور اقرار کرتے ہیں کہ یہ نعمتیں اُسی کی طرف سے ہیں، (پھر بھی انکار کرتے ہیں اس کا) نعمت دینے والے کے سوا کی پرستش کر کے۔

۔۔یا۔۔ کہتے ہیں کہ بتوں کی سفارش سے اس نے نعمت دی ہے ۔۔یا۔۔ سختی کے وقت پہچانتے ہیں اور آسانی کے وقت منکر ہو جاتے ہیں ۔۔یا۔۔ زبان سے پہچانتے ہیں اور دل سے منکر ہیں، اور شاید کہ 'نعمتِ الٰہی' سے جناب نبی کریم ﷺ کی نبوت مراد ہو، کہ یہ نعمت معجزوں کے سبب

سے کافروں نے پہچانی کہ حق ہے، اور عناد کے سبب سے اس سے منکر ہو گئے۔
(اور ان کے بہتیرے ناشکرے ہیں) یعنی ان کافروں میں سے اکثر علانیہ اپنی ناشکری کا اظہار کرتے ہیں۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق بیان کیا تھا، کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچاننے کے باوجود ان کا کفر کیا اور یہ فرمایا کہ ان میں اکثر کافر ہیں۔ اب ان اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب کی وعید بیان فرمائی اور قیامت کے دن ان کا جو حال ہوگا اس کا بیان فرمایا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس دن ہم ہر امت سے ایک گواہ پیش کریں گے۔ یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ گواہ ان کے خلاف ان کے کفر کی گواہی دیں گے۔ ان گواہوں سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں۔۔تو۔۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ

اور جس دن اٹھائیں گے ہم ہر امت سے ایک گواہ، پھر نہ اجازت دی جائے گی انہیں جنہوں نے

كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾

کفر کیا، اور نہ انہیں عتاب سے بچنے کو کہا جائے گا●

اَے محبوب! ڈرا (اور) خوف دلا انہیں اُس دن سے **(جس دن اٹھائیں گے ہم ہر امت سے ایک گواہ، پھر نہ اجازت دی جائے گی انہیں جنہوں نے کفر کیا)**، یعنی انہیں کسی طرح کی عذر خواہی کا۔۔یا۔۔دنیا میں پھر آنے کا اِذن نہیں دیا جائے گا۔ **(اور نہ)** ہی **(انہیں عتاب سے بچنے کو کہا جائے گا)** اور نہ ان کی رضامندی طلب کی جائے گی۔ یعنی اُن سے یہ نہ کہا جائے گا کہ تم خدا کو خوش کرو۔۔یا۔۔ ایسے عمل کرو کہ خدا تم سے راضی ہو، اس واسطے کہ آخرت تکلیف کی جگہ نہیں ہے۔۔ الختصر۔۔ کافروں کو عذر کرنے کی اجازت نہ دیں گے، اور اگر وہ عذر کریں گے تو قبول نہ ہوگا۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾

اور جہاں دیکھ لیا ظالموں نے عذاب کو، تو اب نہ کم کیا جائے گا اُن سے، اور نہ مہلت انہیں دی جائے گی●

(اور) قیامت کے دن **(جہاں دیکھ لیا ظالموں نے عذاب کو، تو اب نہ کم کیا جائے گا ان سے اور نہ مہلت انہیں دی جائے گی)** یعنی کسی وقت انہیں مہلت نہ دیں گے اور بے عذاب نہ چھوڑیں

گے۔۔الختصر۔۔دوزخ میں داخل ہو جانے کے بعد وہ لاکھ چلائیں اور داروغۂ جہنم، مالک سے عذاب میں تخفیف چاہیں، تو ان کے شوروغل کا کچھ خیال نہ کیا جائے گا، اور ان کے ساتھ کسی طرح کی رعایت نہ کی جائے گی، اور جس کے لیے جس نوعیت وکیفیت کے عذاب کا فیصلہ کیا جا چکا ہے، اس میں تخفیف نہ کی جائے گی۔

وَإِذَا رَءَا الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ

اور جہاں دیکھا بت پرستوں نے اپنے بتوں کو، تو لگے بولنے، کہ پروردگارا یہ ہمارے بت ہیں، جنہیں ہم معبود جان کر

كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾

پکارتے تھے تیرے مقابلے پر۔تو یہ بات پھینک ماری اُن کی طرف انہوں نے، کہ بلاشبہ تم لوگ ضرور جھوٹے ہو●

(اور) قیامت کے دن (جہاں دیکھا بت پرستوں نے اپنے بتوں کو، تو لگے بولنے کہ پروردگارا! یہ ہمارے بُت ہیں جنہیں ہم معبود جان کر پکارتے تھے تیرے مقابلے پر) اور کفر میں ان ہی کا حکم ہم سنتے تھے۔ان کا جواب جلد از جلد دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے بتوں کو قوتِ گویائی عطا فرمائی (تو) جواباً (یہ بات پھینک ماری ان کی طرف انہوں نے کہ بلاشبہ تم لوگ ضرور جھوٹے ہو)، ہرگز ہم نے تمہیں حکم نہیں کیا تھا کہ ہماری پرستش کرو۔۔یا یہ۔۔جواب دیں گے تم ہماری پرستش نہ کرتے تھے بلکہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے۔

روایت ہے کہ نصاریٰ، یہود اور بنی مدلج حضرت عیسیٰ اور عزیر اور ملائکہ علیہم السلام کو جنت میں دیکھیں گے اور خود دوزخ میں ہوں گے، تو اس وقت کہیں گے کہ اَے اللہ! ہم انہی کی پرستش کرتے تھے اُن کے حکم سے۔تو وہ دونوں پیغمبر اور فرشتے کہیں گے تم جھوٹ کہتے ہو۔ اور وہ شرمندہ وذلیل اور بے نصیب رہیں گے اور ان پر یہ الزام ہوگا، تو دوسری فکر کریں گے۔۔۔

وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾

اور ڈال دیا انہوں نے اللہ کی طرف آج نیازمندی، اور گم ہو گیا اُن سے جو گڑھا کرتے تھے●

(اور) رب کو راضی کرنے کے لیے دوسرے طریقے استعمال کریں گے۔۔چنانچہ۔۔(ڈال دیا انہوں نے اللہ) تعالیٰ (کی طرف آج نیازمندی) اور چاہیں گے کہ نکالیں صلح کی راہ، تو اپنے گناہ

کا اعتراف کر کے حکم الٰہی مان لیں گے اور ایمان لائیں گے، مگر اس وقت ان باتوں سے انہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (اور) آج کے دن (گم ہو گیا ان سے جو گڑھا کرتے تھے) اور بتوں کی شفاعت اور دستگیری کے تعلق سے جو افتراء کرتے تھے، وہ سب زائل اور باطل ہو جائے گا۔۔ چنانچہ۔۔ وہ بتوں سے اچھائی کی بجائے برائی دیکھیں گے۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا

بے شک جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستہ سے روکا، بڑھا دیا ہم نے اُن کے عذاب پر

فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

عذاب کو، کہ فساد مچایا کرتے تھے●

۔۔الغرض۔۔ (بے شک جنہوں نے کفر کیا اور اللہ) تعالیٰ (کے راستے سے روکا)، یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایمان لانے سے روکا، (بڑھا دیا ہم نے ان کے عذاب) نار (پر عذاب) زمہریر (کو)۔۔ یا یہ۔۔ کہ عذاب کی زیادتی یہ ہے کہ بڑے بڑے سانپ اور بچھوان پر مقرر کریں اور وہ کافر بھاگ کر چاہیں گے کہ خود آگ میں چھپ رہیں۔۔ یا یہ۔۔ کہ دھات پگھلا کر اس کی پانچ نہریں کافروں کی طرف جاری ہوں گی اور پھر دنیاوی رات کی جو مقدار ہوتی ہے اس مدت تک تین نہروں سے ان پر عذاب ہوگا اور دُنیا کے دنوں کی جو مدت ہوتی ہے اس مقدار تک ان پر دو نہروں سے عذاب ہوگا۔ ہر اگلا عذاب پچھلے عذاب سے زیادہ دردناک اور تکلیف دِہ ہوگا۔ یہ عذاب ان پر اس لیے کیا جائے گا، کیوں (کہ) وہ (فساد مچایا کرتے تھے) اور لوگوں کو اِسلام قبول کرنے سے منع کرتے تھے ۔۔تو۔۔ ان دو عذابوں میں ایک عذاب ان کے کفر کے سبب ہے اور دوسرا اس واسطے ہے کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے منع کرتے تھے۔۔ یا۔۔ اُن کے اُن پیروکاروں کے کفر کی وجہ سے ہوگا جنہوں نے ان کی پیروی میں کفر کیا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ

اور جس دن کھڑا کر ہی دیا ہم نے ہر امت میں اُن پر انہیں کا ایک گواہ، اور لائے تم کو

شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

ان سب پر گواہ، اور ہم نے اتارا ہے تم پر کتاب، روشن بیان ہر چیز کا،

ع ۱۲
۱۸

وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور ہدایت ورحمت ومژدہ مسلمانوں کے لیے●

اَے محبوب! اپنے علم وادراک میں حاضر کرلو (اور) یاد کرواس دن کو (جس دن کھڑا کرہی دیا ہم نے ہرامت میں ان پرانہیں کا ایک گواہ، اور لائے تم کو ان سب پر گواہ) یعنی ہرگروہ کے افعال و اقوال پر شہادت پیش کرنے کے لیے اِس پیغمبر کو لایا گیا، جو اُسی گروہ کے لیے مبعوث فرمایا گیا تھا، تاکہ وہ اپنی امت کے مومنوں کی تصدیق اور کافروں کی تکذیب پر گواہی دے۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی لایا گیا، تاکہ آپ اپنی امت کے مومنوں کی گواہی کی تصدیق فرمائیں کہ ہماری امت نے مومنوں کی تصدیق اور مشرکوں کی تکذیب کے تعلق سے جو گواہی دی ہے، اس کی صداقت اور حقانیت پر آپ بھی گواہ ہیں۔

اَے محبوب! جس طرح ہم نے ہرامت میں رسول مبعوث فرمائے اور انہیں وحی وکتاب سے سرفراز فرمایا اور انہیں سرچشمۂ ہدایت ورحمت قرار دیا اور اہل ایمان کے لیے خوشخبری سنانے والا بنایا، اُسی طرح ہم نے تم کو آخری امت میں مبعوث کیا (اور ہم نے اتارا ہے تم پر کتاب) جو (روشن بیان) ہے (ہر چیز کا) خاص کر کے تمہارے لیے، اس لیے کہ یہ تمہیں پر نازل کیا گیا۔ رہ گئے دوسرے لوگ، تو تم اِذن الٰہی سے اِس کتاب کے حقائق ودقائق سے انہیں جتنا علم دے دوگے، وہ اس کے عالم ہوجائیں گے، اور ظاہر ہے کہ رسولِ کریم کم ازکم اتنا علم تو عطا فرمائیں گے ہی جن کا عطا فرمانا آپ کے فریضۂ نبوت میں داخل ہے۔

۔۔الغرض۔۔ یہ کتابِ الٰہی خاص کر کے نبی کریم کے لیے ہرچیز کا روشن بیان ہے (اور ہدایت ورحمت ومژدہ) ہے (مسلمانوں کے لیے)۔ یہ ہدایت ہے کیونکہ ہرایک کو راہِ حق دکھاتی ہے۔۔ یوں ہی۔۔ رحمت ہے سب پر اگر اس کا ایمان لائیں، اور مسلمانوں کے لیے جنت کی خوشخبری بھی ہے ۔۔الغرض۔۔ ہدایت ورحمت سب کے لیے اور مژدہ صرف مومنین کے لیے۔

"ہر چیز کا واضح بیان" کے تعلق سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ دین اور دنیا کے امور کا اس میں مفصل اور مجمل بیان ہے، کیونکہ جن امورِ شرعیہ اور احکام منصوبہ کی احتیاج ہے، ان کا بیان تو ظاہر ہے اور جو شرع کی باتیں سنت، اِجماع اور قیاس سے ثابت ہوں، وہ بھی قرآن کی طرف رجوع کرتی ہیں، کہ بحکم اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ان باتوں میں رسول اللہ ﷺ

کی متابعت پر ہم مامور ہیں اور یَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ کے فرمان کے ذریعہ ترکِ اجماع پر تہدید کر کے قرآن ہی نے ہمیں اجماع پر بھی حکم فرمایا ہے۔ اور عبرت اور استدلال، اصل قیاس ہے، اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ تو قرآن کریم سب چیزوں کا بیان ہے جو دنیا و آخرت میں کام آسکیں۔

گزشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی یہ فضیلت بیان فرمائی، کہ اس میں تمام پیش آمدہ مسائل اور احکام شرعیہ کا روشن بیان ہے اور اس میں تمام 'اخلاقِ حسنہ' اور 'آدابِ فاضلہ' کی ہدایت ہے۔۔لہٰذا۔۔اگلی آیت میں عدل، احسان، اور ضرورت مند رشتہ داروں کو دینے کا حکم فرمایا، اور بے حیائی بُرائی اور سرکشی سے منع فرمایا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ

بے شک اللہ حکم دیتا ہے عدل کرنے اور احسان کرنے اور قرابت والوں کو دیتے رہنے کا۔ اور روکتا ہے

عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾

بے شرمی اور بدی اور سرکشی سے، تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم غور کرو ●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (حکم دیتا ہے عدل کرنے) یعنی ہر معاملہ میں خواہ اعتقاد سے متعلق ہو۔۔یا۔۔اعمال سے، راہِ اعتدال اختیار فرمانے کا۔ جیسے 'توحید'، جو بندگی نہ کرنے اور شرک کرنے کے درمیان ہے۔ اور 'کسب کا قائل ہونا'، جو جبر اور قدر میں متوسط ہے۔۔یا۔۔جیسے 'فرض و واجبات و مؤکدات کو ادا کرتے رہنا'، جو بالکل نہ عبادت کرنے اور ہر وقت عبادت کرنے میں متوسط ہے۔۔یا۔۔جیسے کہ 'کارِ خیر کے لیے جود و بخشش' جو بخل اور اسراف میں متوسط ہے۔۔یا۔۔جیسے 'شجاعت' جو بزدلی اور بہت زیادہ غصہ کرنے میں متوسط ہے۔

۔۔الحاصل۔۔عدل و انصاف برتنے کا حکم دیتا ہے (اور) حکم دیتا ہے (احسان کرنے) کا۔ یعنی بھلائی کا، عبادت میں بحسب کمیت جیسے نوافل ادا کرنا۔۔یا۔۔بحسب کیفیت کہ خدا کی عبادت اس طرح ادا کرنا کہ عبادت کرنے والا گویا خدا کو دیکھتا ہے، (اور) حکم فرماتا ہے (قرابت والوں کو دیتے رہنے کا) یعنی جس چیز کی انہیں حاجت ہو انہیں پہنچانے کا (اور روکتا ہے بے شرمی) یعنی قوتِ شہوانی کی متابعت میں افراط کرنے سے، جیسے زنا، لواطت وغیرہ کرنا۔ (اور) روکتا ہے (بدی) سے۔ یعنی اس کام سے جس کے کرنے والے کو بُرا کہیں اور وہ قوتِ غضبی کو بے محل صَرف کرنا ہے، جیسے لوگوں کو قتل کر

ڈالنا اور ان کے مال غصب کر لینا، (اور) روکتا ہے (سرکشی سے) یعنی شیطانی صفت سے جو قوت وہمیہ کے سبب سے پیدا ہوتی ہے، جیسے آدمیوں پر فوقیت اور غلبہ ڈھونڈنا، ان پر جبر اور کبر کر کے۔
۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ امر و نہی کر کے (تمہیں نصیحت فرماتا ہے) تا (کہ تم غور کرو)۔

اس آیت میں سب خیر اور شر جمع ہیں۔ جو خیر ہے وہ اقسام ماموارت میں مندرج ہے، اور جو شر ہے وہ منہیات میں مندرج ہے، اور چونکہ یہ آیت ایسی نصیحت ہے کہ اس میں سب خیر و شر جمع ہیں۔ اِسی واسطے خطبہ پڑھنے والے جمعہ کے خطبے کے آخر میں یہ آیت پڑھتے ہیں۔

یہ بڑی ہی عظیم الشان آیت ہے۔ اس آیت کو سن کر ولید ابن مغیرہ جیسے شقی القلب نے بھی اس میں بڑی حلاوت محسوس کی، حضرت عثمان ابن مظعون سے اُسے کئی بار فرمائش کر کے سنا۔۔نیز۔۔ابوجہل جیسے سیاہ باطن نے بھی اس آیت کو سن کر اعتراف کر لیا، کہ بے شک یہ کسی آدمی کا کلام نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ اکثم بن صَیفی جو عرب میں بزرگ اور حکیم تھا، اُس نے اِسی آیت کی بدولت اسلام قبول کیا۔۔۔علماء نے ان ماموارت اور منہیات میں بہت تقریریں کی ہیں۔ یہ مختصر جن کا متحمل نہیں ہے۔۔۔اس کے لیے علامہ کاشفی کی جواہر التفسیر کا مطالعہ کریں۔۔۔اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے عہد کا ذکر فرماتا ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا

اور پورا کیا کرو اللہ کے عہد، جب بھی کوئی عہد تم نے کیا ہو، اور مت توڑو اپنی قسموں کو، اُن کو مضبوط کرنے کے بعد،

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾

جب کہ بنا دیا تم نے اللہ کو اُن پر ضامن۔ بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرو●

مذکورہ بالا نصیحتوں (اور) ہدایتوں کا پاس و لحاظ رکھنے کے ساتھ ساتھ (پورا کیا کرو اللہ) تعالیٰ (کے عہد، جب بھی کوئی عہد تم نے کیا ہو)۔اس سے 'عہدِ اَلَسْتُ' مراد ہے۔۔یا۔۔وہ عہد مقصود ہے جو لوگوں کے درمیان باندھے گئے ہوں۔

اور بہت صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت اس گروہ کی شان میں نازل ہوئی ہے، جس نے جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مکہ معظمہ میں عہد باندھا تھا اور کفارِ قریش کا غلبہ اور

مسلمانوں کی کمزوری دیکھ کر انہیں بے صبری اور پریشانی پیدا ہوئی، تو شیطان نے چاہا کہ انہیں فریب دے تاکہ رسولِ مقبول کے ساتھ عہد شکنی کریں۔ حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر انہیں راہِ وفا پر ثابت قدم کر دیا اور حکم کیا کہ عہد پورا کیا کرو۔

(اور مت توڑو اپنی قسموں کو) یعنی اپنے عہد کو جو تم نے کیے تھے (ان کو مضبوط کرنے کے بعد جب کہ بنا دیا تم نے اللہ) تعالیٰ (کو ان پر ضامن) اور گواہ۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے جو تم کرو) یعنی جو کچھ کرتے ہو تم عہد شکنی اور قسم کے خلاف۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ط

اور مت ہو جاؤ اس عورت کی طرح، جس نے توڑ دیا اپنے کاتے سوت کو اس کی مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ۔

تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَى

کہ بنا رہے ہو اپنی قسموں کو اپنے باہمی فساد کا حیلہ، کہ ایک پارٹی بڑھی جا رہی ہے

مِنْ أُمَّةٍ ط إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ط وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

دوسری پارٹی سے۔ تمہیں اس سے اللہ بس آزماتا ہے۔ اور تاکہ ضرور ظاہر فرما دے تم پر قیامت کے دن،

مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۲﴾

جس میں جھگڑا تم لوگ کرتے ہو●

(اور) اپنا عہد و پیمان توڑنے میں (مت ہو جاؤ اُس عورت کی طرح جس نے توڑ دیا اپنے کاتے سوت کو اس کی مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ)۔

عرب میں ریطہ۔۔۔یا۔۔رابطہ۔۔یا۔۔حطیہ۔۔۔یا۔۔حمقا۔۔یا۔۔جعرا۔۔یا۔۔حروقا نام کی ایک عورت تھی، اس عورت کی بہت سی لونڈیاں تھیں، وہ صبح تڑکے سے دوپہر تک اُون اور صوف خود کاتتی اور لونڈیوں سے بھی حکم کر کے کتواتی، اور دوپہر ڈھلے حکم کر دیتی کہ چرخا الٹا پھرا کر تاگے کے بل کھول ڈالو۔ اس طرح پکا کیا ہوا تاگا خراب اور ضائع ہو جاتا اور ہمیشہ اس کی یہی عادت تھی۔ تو حق تعالیٰ نے 'توڑ ڈالنے' کو 'تاگے کا بل چرخا الٹا پھرا کر کھول ڈالنے' سے تشبیہ دی، اس لیے کہ دونوں ہی کا نتیجہ بربادی اور اپنی محنت کو ضائع کرنا ہے، اور مردِ عاقل کو چاہیے کہ وہ اپنے عہد کا تاگا اپنی عہد شکنی کی چٹکیوں سے الٹا گھما کر توڑ نہ ڈالے، اور عرب کی اس بے وقوف عورت کے نقشِ قدم پر نہ چلے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے، کہ عرب کا کوئی قبیلہ کسی قبیلے سے دوستی اور تعاون کا معاہدہ کرتا اور جب کسی دوسرے قبیلے سے اس کا تعلق ہوتا جس کو پہلے پر عددی اور مالی برتری حاصل ہوتی، تو وہ اس پہلے قبیلے سے کیا ہوا عہد توڑ دیتا، اور اس دوسرے قبیلے سے عہد و پیمان کرلیتا۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس کا منشاء یہ ہے کہ تم اس وجہ سے اپنے کیے ہوئے پختہ معاہدوں کو نہ توڑو، کہ فلاں قبیلے کے افراد کی تعداد زیادہ ہے۔۔یا۔۔ان کے پاس مال و دولت زیادہ ہے۔۔یا۔۔ان کے پاس مادی قوت زیادہ ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ تم اسلام میں داخل ہونے کے بعد کفار کی طرف اس وجہ سے نہ لوٹ جاؤ کہ ان کی تعداد زیادہ ہے۔۔یا۔۔ان کے پاس مال و دولت اور مادی طاقت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تم کو ان کی مالی اور عددی برتری دکھا کر آزماتا ہے، کہ کون ان کی کثرت اور طاقت سے مرعوب ہوتا ہے اور کون مرعوب نہیں ہوتا۔

۔۔الغرض۔۔تمہارا حال یہ ہے (کہ بنا رہے ہو اپنی قسموں کو اپنے باہمی فساد کا حیلہ) یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب بنالیتے ہو، (کہ ایک پارٹی) یعنی قریش مکہ کی جماعت (بڑھی جارہی ہے دوسری پارٹی سے) یعنی جماعتِ اہل ایمان سے گنتی میں زائد تر، اور مال میں اکثر۔

اِس میں اُس شخص کو اس گندی عادت سے منع کیا گیا ہے جو کسی قوم کو اپنا حلیف بنالے، پھر جب دیکھے کہ دوسری قوم ان سے تعداد اور مال میں زائد میسر آئے تو پہلی قوم کو چھوڑ کر دوسری قوم کو حلیف بنالے۔

۔۔المختصر۔۔مسلمانو! تم نے کفارِ قریش کو مسلمانوں سے زیادہ اور ان کا مال کثرت سے دیکھا، تو کیا چاہتے ہو کہ فریب اور حیلے سے معاش کرو؟ یہ بات تمہاری شان کے خلاف ہے۔۔الغرض۔۔تم کو کفار کی عددی قوت اور مال کی کثرت سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے۔ ذہن نشین رہے (تمہیں اس سے اللہ) تعالیٰ (بس آزماتا ہے) تاکہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ ازراہِ وفاداری خدا کا عہد اور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کون وفا کرتا ہے (اور تاکہ ضرور ظاہر فرمادے تم پر قیامت کے دن) بعث و جزا کا حال (جس میں جھگڑا تم لوگ کرتے ہو)۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

اور اگر اللہ چاہتا، تو بنا دیتا تم کو ایک امت، لیکن بے راہ رکھتا ہے جسے چاہے،

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور راہ دے جسے چاہے، اور تم لوگ ضرور باز پرسی کیے جاؤ گے اپنے کیے کرتوت سے ●

(اور) سن لو! کہ (اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا تو بنا دیتا تم کو ایک امت) یعنی ایک گروہ اسلام پر متفق۔ (لیکن) اپنی حکمتِ بالغہ کے تحت (بے راہ رکھتا ہے جسے چاہے) اور اُسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے خود اس کے گمراہی میں رہنے کے عزم وارادہ کی وجہ سے، (اور راہ دے جسے چاہے)، یعنی جس نے راہِ حق پر رہنے کا عزم وارادہ کرلیا ہے، اُس کو اُس راہ پر آنے اور اُس پر قائم رہنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔ (اور) یاد رکھو کہ (تم لوگ ضرور باز پرسی کیے جاؤ گے) محشر میں (اپنے کیے کرتوت) کے تعلق (سے)۔ تو سوچو۔۔۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا

اور مت بناؤ اپنی قسموں کو اپنے آپس میں محض حیلہ، کہ پھر قدم پھسل جایا کرے اپنے جم جانے کے بعد،

وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اور تم چکھو برائی کو، کیونکہ روک دیا تم نے اللہ کی راہ سے، اور تمہارے لیے ہو بڑا عذاب ●

(اور مت بناؤ اپنی قسموں کو آپس میں) عذر و مکر اور خیانت وغرور کے لیے (محض حیلہ، کہ پھر قدم پھسل جایا کرے) راہِ اسلام پر (اپنے جم جانے کے بعد، اور تم) جس کے نتیجے میں (چکھو برائی کو)، یعنی جو آخرت میں بڑے عذاب کی موجب ہو۔

مذکورہ بالا ارشاد میں قرآنِ مجید کے مخاطبین کو مخصوص قسموں کے توڑنے سے منع فرمانا مقصود ہے۔۔الحاصل۔۔جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، ان کو قسم توڑنے یعنی بیعت کے توڑنے سے منع فرمایا ہے۔ اسی لیے اس کے بعد یہ وعید ذکر فرمائی ہے کہ قدم جمنے کے بعد پھسل جائیں، یہ وعید کسی سابق عہد کے توڑنے پر نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی شریعت کو ماننے کے عہد کو توڑنے کے مناسب ہے۔ کیونکہ جس شخص نے اسلام کا عہد توڑ دیا، وہ بلند درجات

سے نیچے جا گرا، اور اس طرح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا کہ تم عذاب کو چکھو گے۔

(کیونکہ روک دیا تم نے) لوگوں کو (اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ جس شخص نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر کے توڑ دیا اور آپ کی شریعت کا انکار کر دیا، اس کا یہ فعل لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے مانع ہوا، کیونکہ لوگ یہ سوچ سکتے ہیں کہ اگر اسلام برحق دین ہوتا، تو یہ لوگ اسلام قبول کر کے اور اس پر پکی بیعت کر کے اس بیعت کو نہ توڑتے، تو یوں ان لوگوں کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر اسلام اور آپ کی شریعت کو ماننے کی بیعت کر کے اور اس پر موکد قسمیں کھا کر توڑ دینا، لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کا سبب بنا، اور آخرت میں ان کے بہت بڑے عذاب کا موجب ہوا۔ لہٰذا ان کو مخاطب کر کے فرمادیا گیا کہ ایسی حرکت نہ کرو،

(اور) ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرو جو (تمہارے لیے ہو بڑا عذاب) حشر کے دن۔

۔۔المختصر۔۔اس ارشاد میں مطلقاً قسم توڑنے کی بات نہیں، اس لیے کہ وہ اس قدر شدید عذاب کا موجب نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔اس کی تلافی قسم کا کفارہ ادا کر دینے سے ہو جاتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس ممانعت کو یہ کہہ کر اور موکد فرمایا، کہ۔۔۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

اور نہ لو اللہ کے عہد کے عوض قیمت جیسی بے قدر چیز، کہ بلاشبہ جو اللہ کے پاس ہے، وہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے،

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾

اگر دانا ہو●

(اور نہ لو اللہ) تعالیٰ (کے عہد کے عوض) اور اس کے بدلے میں (قیمت جیسی بے قدر چیز)

یعنی تم کفار سے رشوت لے کر اسلام کی بیعت کر کے اس کو توڑ دیتے ہو۔ پس تم دُنیا کے قلیل مال کے عوض عہد شکنی نہ کرو اور اسلام کی بیعت کر کے اُسے نہ توڑو۔ کیونکہ مالِ دنیا خواہ کتنا زیادہ ہو، وہ آخرت کے اجر و ثواب کے مقابلہ میں تھوڑا ہے، اس لیے کہ دنیا کا مال فانی ہے اور اُخروی اجر و ثواب باقی ہے۔ اور باقی رہنے والی چیز فانی سے بہر حال افضل ہے۔

توجان لو (کہ بلاشبہ جو اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے) اُس سے

جو قریش تمہیں دینے کا وعدہ کرتے ہیں، جس کے چھن جانے، چوری ہو جانے اور ضائع ہو جانے کا خطرہ ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔۔نیز۔۔جس کے ضائع ہو جانے پر آدمی دردوالم ورنج و بلا کا شکار ہو جاتا ہے۔۔الختصر۔۔ہر حال میں آخرت کی باقی رہنے والی نعمت دنیا کی فنا ہو جانے والی نعمت سے بہتر ہے (اگر دانا بنو) اور عقل و ہوش سے کام لو۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا

جو تمہارے پاس ہے چُک جائے گا، اور جو اللہ کے پاس ہے بچا ہی رہنے والا ہے۔ اور ہم ضرور دیں گے انہیں جنہوں نے صبر کیا،

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اُن کا ثواب اُن کے سب سے اچھے کام کے لائق●

یادرکھو کہ (جو تمہارے پاس ہے) وہ (چک جائے گا) یعنی گزر جائے گا (اور جو اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے بچا ہی رہنے والا ہے۔ اور) یادرکھو (ہم ضرور دیں گے انہیں جنہوں نے) فقروفاقہ پر۔۔یا۔۔مشقت و تکالیف پر۔۔یا۔۔کفار کی ایذاء پر۔۔یا۔۔اپنے عہد و پیمان پر (صبر کیا) اور مستقل رہے۔۔مثلاً: اہل بیت رسول ﷺ جنہوں نے محتاجی، تہی دستی پر صبر کیا اور عہد سے نہ پھرے، تو انہیں دیں گے ہم (ان کا ثواب ان کے سب سے اچھے کام کے لائق)، یعنی اگر ان میں سے ایک سو عبادتیں ایک قسم کی ہوں، جیسے نماز۔۔یا۔۔روزہ۔۔یا۔۔زکوٰۃ۔۔یا۔۔صدقہ اور ان سو میں سے ایک بہتر اور پوری ہو، تو اس ایک بہتر کا ثواب ہم پورا دیں گے اور باقی کو بھی ہم قبول کرلیں گے، اور ہر ایک کا ثواب اُس ایک بہتر کے ثواب کے برابر ہم دیں گے۔۔تو۔۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ

جس نے کام کیا لیاقت والے کا، مرد ہو یا عورت، اور وہ ایمان والا ہے، تو ضرور ہم اسے زندہ رکھیں گے

حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾

پاکیزہ زندگی کے ساتھ اور ضرور ہم دیں گے انہیں اُن کا ثواب، اُن کے سب سے اچھے کام کے لائق●

(جس نے کام کیا لیاقت والے کا، مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان والا ہے) کیونکہ جو عمل ایمان کے ساتھ نہ ہو وہ ثواب کا استحقاق نہیں رکھتا، (تو ضرور ہم اُسے زندہ رکھیں گے) دنیا میں (پاکیزہ) اور رزقِ حلال والی (زندگی کے ساتھ)، تاکہ اس کے کھانے پینے کی چیزیں پاک ہوں اور اس کے خیالات

صاف ستھرے ہوں۔

بعض نے کہا حیاتِ طیبہ سے مراد عبادت کی حلاوت ہے۔۔یا۔۔کفاف پر قناعت۔۔یا۔۔نیک کام۔۔یا۔۔عافیت۔۔یا۔۔قضا پر رضا۔ایک قول یہ ہے کہ حیاتِ طیبہ بہشت میں ہوگی۔اس واسطے کہ دنیا کی زندگی نقصان اور تفرقے کی آمیزش سے پاک نہیں ہے۔

محقق لوگ اس بات پر ہیں کہ حیاتِ طیبہ اُس شخص کو حاصل ہے جس میں یہ چار صفتیں ہوں۔﴿۱﴾۔۔خدا کی معرفت۔﴿۲﴾۔۔خدا کے ساتھ سچ بولنا۔﴿۳﴾۔۔امرِ الٰہی کی شاہراہ پر قائم رہنا۔﴿۴﴾۔۔خدا سے غافل کردینے والی چیزوں سے منہ پھیرنا۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کے سبب سے ماسوی اللہ سے استغناء، حیاتِ طیبہ ہے۔

تو جو حیاتِ طیبہ (اور) پاکیزہ زندگی والے ہیں (ضرور ہم دیں گے انہیں ان کا ثواب ان کے سب سے اچھے کام کے لائق)۔

اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق۔اِس مقام پر یہ خیال رہے کہ کافروں کی زندگی کے مقابلے میں مومن کی زندگی کی پاکیزگی اور برتری کی جو بات کی گئی ہے، یہ اس کی اپنی مثالی زندگی ہے، تو اب اگر کوئی مومن، مومن ہونے کے باوجود کافرانہ طرزِ حیات کو اختیار کرے اور اس کی زندگی میں نجاست اور ناپاکی دَر آئے، تو یہ ناپاکی اس کے ایمان کی وجہ سے نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔کافروں کی سی زندگی کو اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔۔۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا روشن بیان ہے اور اس سے متصل پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ ہم ان کے کاموں کی اچھی جزا دیں گے۔اور یہ دو آیتیں اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ قرآنِ مجید کو پڑھا جائے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا۔۔۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿۹۸﴾

تو جب تم قرآن کی تلاوت کرو، تو پناہ مانگو اللہ کی، شیطان مردود سے●

(تو جب تم قران کی تلاوت کرو، تو پناہ مانگو اللہ) تعالیٰ (کی شیطان مردود سے)، تا کہ آپ کا قرآن پڑھنا شیطان کی وسوسہ اندازی سے محفوظ اور مامون ہو۔اور جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ قرآنِ کریم کی تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ پڑھیں تو

تمام مسلمان اِس حکم کے تحت داخل ہیں۔

تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ پڑھنا، بعض کے نزدیک مستحب ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے، اور بعض کے نزدیک نبی کریم پر فرض ہے اور امت پر آپ کی سنت ہے۔

مذکورہ بالا ارشاد عربی اسلوب کے مطابق ہے، جس سے مراد یہی ہے کہ جب تم تلاوت کا ارادہ کرو، تو اللہ سے پناہ مانگو۔ یعنی پناہ تلاوت سے پہلے مانگنی ہے نہ کہ تلاوت کے بعد۔ یہ کلام بھی اسی طرح کا ہے جیسا کہ فرما گیا۔ "جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو وضو کرو"۔ حالانکہ وضو کے بعد نماز کے لیے کھڑا ہوا جاتا ہے۔ یہاں بھی یہی مراد ہے کہ جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو، تو پہلے وضو کرلو۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو شیطان کے شر سے پناہ طلب کرنے کا حکم دیا، تو اس سے یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ شاید شیطان کو انسان کے بدنوں اور جسموں پر تصرف کرنے کی قدرت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس وہم کا ازالہ فرمایا اور ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

بلاشبہ نہیں ہے اُس کا قابو اُن پر جو ایمان لائے، اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھیں●

(بلاشبہ نہیں ہے اس کا قابو) یعنی تسلط وغلبہ (ان پر جو ایمان لائے)، اس واسطے کہ وہ خدا کی پناہ لیتے ہیں (اور) ان کی شان یہ ہے کہ (اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھیں) شیطانی وسوسے دفع کرنے میں۔ اور رب پر توکل رکھیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ

اُس کا قابو اُن پر ہے جو اُس سے دوستی رکھیں، اور جو

هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ع

اللہ کا اُسے شریک ٹھہرائیں●

۱۳ ع ۱۱ ۱۹

(اس کا قابو ان پر ہے جو اُس سے دوستی رکھیں) اور اُس کا وسوسہ مان لیں (اور جو اللہ) تعالیٰ (کا اُسے شریک ٹھہرائیں) یعنی شیطان کی اطاعت کے سبب سے غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرائیں۔

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ شیطان کے وسوسوں کو قبول کر کے اس کی اطاعت

کرتے ہیں، یعنی ان کے دل میں جب کسی برے کام کرنے کا۔۔یا۔۔گناہ کا خیال آتا ہے، تو وہ فوراً اس کے درپے ہوجاتے ہیں۔ حالانکہ اس کے ساتھ یہ خیال بھی آتا ہے کہ یہ گناہ کا کام ہے اس کو نہیں کرنا چاہیے، لیکن وہ گناہ اور برائی کی تحریک کو ترجیح دیتے ہیں اور گناہ سے منع کرنے والی آواز کو دبا دیتے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ وہ اس کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں، اس کا معنی یہ ہے کہ وہ شیطان کے گمراہ کرنے کے سبب سے مختلف چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیتے ہیں۔

جن پر شیطان کا غلبہ وتسلط ہوجاتا ہے تو ان کے غور وفکر کا انداز بھی عجیب ہوجاتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔قرآن کریم کے جب بعض احکام منسوخ ہوئے تو مکہ معظمہ کے کافروں نے یہ بات کہی کہ مَعَاذَاللہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب کے ساتھ مسخرا پن کرتا ہے، آج انہیں ایک حکم کرتا ہے اور کل منع کردیتا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ وہ خدا پر افتراء کرتا ہے اور اپنے جی سے باتیں بنا کر کہہ دیتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ

اور جب ہم نے بدل دیا ایک آیت کو دوسری کی جگہ، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ نازل فرماتا ہے،

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

تو کافر لوگ بولے، کہ تم بس من گڑھت کرنے والے ہو، بلکہ اُن کے بہتیرے نادان ہیں●

(اور جب ہم نے بدل دیا ایک آیت کو دوسری کی جگہ اور اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے) اس کی مصلحت وحکمت کو (جو کچھ نازل فرماتا ہے) اور اس سے اس کے پہلے والے حکم کو منسوخ کردیتا ہے ۔۔الغرض۔۔جو نازل فرماتا ہے اُسے بھی جانتا ہے اور جسے کسی حکمت ومصلحت کے تحت منسوخ فرمادیتا ہے اُسے بھی جانتا ہے۔ لیکن جب خدا نے ایسا کیا، (تو کافر لوگ بولے کہ تم بس من گڑھت کرنے والے ہو)، یعنی تو مفتری ہے، خدا پر افترا کرتا ہے اور اپنی طرف سے باتیں بنالیتا ہے۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہے (بلکہ ان کے بہتیرے نادان ہیں)۔

وہ نہیں جانتے کہ منسوخ کرکے دوسرے احکام جاری کرنے کی حکمت کیا ہے؟ یعنی وہ حقیقتِ قرآن کو نہیں جانتے اور نہ ان کو نسخ اور تبدیلِ احکام کے فوائد کی خبر ہے۔ کیونکہ جس طرح مریض کے مرض کی کیفیت بدلنے کی وجہ سے حکیم اس کی دوائیں بدلتا رہتا ہے، کبھی ایک چیز کے

کھانے کا حکم دیتا ہے اور کبھی اُس چیز کے کھانے سے منع کر دیتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی مختلف حالات کے تحت مختلف احکام نازل فرماتا ہے۔۔تو۔۔

قُلۡ نَزَّلَهٗ رُوۡحُ الۡقُدُسِ مِنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا

جواب دو، کہ "اتارا ہے اُس کو روح القدس نے تمہارے پروردگار کی طرف سے بالکل ٹھیک" تا کہ ثابت قدم کر دے انہیں جو ایمان لائے،

وَهُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾

اور ہدایت وخوش خبری مسلمانوں کے لیے●

اَے محبوب! ان کافروں کو (جواب دو، کہ اُتارا ہے اس کو روح القدس) روحِ پاک یعنی جبرائیل علیہ السلام (نے تمہارے پروردگار کی طرف سے بالکل ٹھیک) یعنی حق کے ساتھ، (تا کہ ثابت قدم کردے انہیں جو ایمان لائے) اور ان کے اعتقاد کو اس بات پر مضبوط کر دے کہ یہ حق تعالیٰ کا کلام ہے، یعنی آیتِ ناسخ کو سنیں اور اس کی مصلحت اور حکمت کی رعایت میں غور اور فکر کریں تو ان کا دل مطمئن ہو جائے۔ (اور) قرآنِ کریم کا نازل ہونا (ہدایت) کے واسطے ہے (وخوشخبری) دینے والا ہے (مسلمانوں کے لیے) جنت کی۔

اس تعلق سے روایتیں تو بہت ہیں لیکن صحیح تر روایت یہ ہے کہ ابوفکیہ نام کا ایک شخص راتوں کو حضرت رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور قرآن کی تعلیم لیتا، اس پر کفارِ قریش کہتے تھے کہ توبہ توبہ محمد 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' اِس غلام سے سیکھ کر ہم سے کہتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّهُمۡ يَقُوۡلُوۡنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِىۡ

اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ بکتے ہیں، کہ "اُس کو ایک بشر سکھاتا ہے"، اس کی زبان جس کی طرف جھک مار کر لگاتے ہیں

يُلۡحِدُوۡنَ اِلَيۡهِ اَعۡجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِىٌّ مُّبِيۡنٌ ﴿۱۰۳﴾

عجمی ہے، اور یہ زبان عربی روشن ہے●

(اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ بکتے ہیں، کہ اس کو ایک بشر سکھاتا ہے) اور صورتِ حال یہ ہے کہ (اس کی زبان جس کی طرف جھک مار کر لگاتے ہیں) یعنی جس کی طرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں (عجمی ہے)۔ تو جس کی مادری زبان عربی نہ ہو، تو وہ کیا سکھائے گا۔ (اور) حقیقت یہ

ہے کہ (یہ)، یعنی قرآن کی (زبان عربی) ہے جو (روشن) وتابناک (ہے)۔عرب کے فصیح وبلیغ لوگ جس کی مثال لانے سے عاجز رہے، تو یہ دعویٰ کہ مردِ عجمی کچی زبان والا آنحضرت کو اس فصاحت اور بلاغت کے ساتھ کلام سکھادیتا ہے، صریح باطل ہے۔اورسن لوکہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ

بے شک جو نہ مانیں اللہ کی آیتوں کو، تو نہیں راہ دیتا انہیں اللہ۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

اوراُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے●

(بے شک جو نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو) یعنی کتابِ الٰہی کی آیات کے تعلق سے تصدیق نہیں کرتے، کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئی ہیں، (تو نہیں راہ دیتا انہیں اللہ) تعالیٰ نجات کی ۔۔یا۔۔ جنت کی (اوران کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے) آخرت میں قرآن کے ساتھ ان کے کفر کے سبب سے، اورآنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جانب افتراء کی نسبت کرنے سے، حالانکہ وہ کافر خود مفتری ہیں۔۔الحاصل۔۔

اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ

جھوٹ تو بس وہ گڑھیں، جو نہ مانیں اللہ کی آیتوں کو۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اوروہی جھوٹے ہیں●

(جھوٹ تو بس وہ گڑھیں جو نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو) جبھی تو قرآن کریم کو نبی کریم کی اپنی خودساختہ کتاب قرار دیتے ہیں۔(اوروہی) مفتری لوگ پکے (جھوٹے ہیں) جو کہتے ہیں کہ نبی کریم کو کسی آدمی نے سکھایا اور حقیقت میں جھوٹ بولنا انہیں کی عادت ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد میں کفر پر وعید بیان فرمائی تھی، اوراس آیت میں ان کا ذکر تھا جو مطلقاً ایمان نہیں لاتے، اوراِس اگلی آیت میں ان کا حکم بیان فرمایا ہے، جو فقط زبان سے کسی مجبوری کی وجہ سے کلمۂ کفر نکال دیتے ہیں، دل سے کفر نہیں کرتے، اوران کا حکم بیان فرمایا ہے جو زبان اوردل دونوں سے کفر کرتے ہیں۔ یہ آیت حضرت عمار بن

یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، کیونکہ مشرکین نے حضرت عمار کو اور ان کے والد یاسر کو، ان کی ماں سمیہ کو، اور حضرت صہیب کو، حضرت بلال کو اور حضرت خباب کو اور حضرت سالم کو پکڑ لیا اور ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا۔

حضرت سمیہ کو انہوں نے دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا اور نیزہ ان کے اندام نہانی کے آر پار کر دیا اور ان سے کہا کہ تم مردوں سے اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے اسلام لائی ہو، سو اُن کو قتل کر دیا اور ان کے خاوند یاسر کو بھی قتل کر دیا۔ یہ دونوں وہ تھے جن کو اسلام کی خاطر سب سے پہلے شہید کیا گیا۔ اور رہے عمار، تو ان سے انہوں نے جبر یہ کفر کا کلمہ کہلوایا۔

جب رسولِ کریم کو یہ خبر دی گئی کہ حضرت عمار نے کلمہء کفر کیا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ بے شک عمار سَر سے پاؤں تک ایمان سے معمور ہے۔ اس کے گوشت اور خون میں ایمان رچ چکا ہے۔ پھر حضرت عمار آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں روتے ہوئے آئے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی آنکھوں سے آنسو پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے، اگر وہ دوبارہ تم سے کلمہء کفر کہلوائیں تو تم دوبارہ کہہ دینا۔ الحاصل۔۔۔ ارشادِ خداوندی ہے، کہ۔۔۔

مَنۡ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِيۡمَانِهٖۤ اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ

جس نے انکار کر دیا اللہ کا، اُس کو مان جانے کے بعد، بجز اس کے کہ مجبور کیا گیا ہے، اور اُس کا دل

مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ وَلٰـكِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡكُفۡرِ صَدۡرًا

مطمئن ہے ایمان پر، لیکن ہاں جس نے کھول دیا کفر کے لیے سینہ،

فَعَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۰۶﴾

تو اُن پر غضب ہے اللہ کا۔ اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے ●

(جس نے انکار کر دیا اللہ) تعالیٰ (کا اس کو مان جانے کے بعد) یعنی مُرتد ہو گیا، جیسے ابن خطل اور طعمہ، وغیرہ وغیرہ، وہ عذاب الٰہی میں ہے (بجز اس کے کہ مجبور کیا گیا ہے اور اس کا دل مطمئن ہے ایمان پر) جیسے حضرت عمار وغیرہ، (لیکن ہاں جس نے کھول دیا کفر کے لیے سینہ) یعنی اپنے کفر پر پھر آئیں اور اس پر اعتقاد کر لیں، (تو ان پر غضب ہے اللہ) تعالیٰ (کا اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے) مُرتد ہو جانے کے سبب سے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ

یہ اس لیے کہ انہوں نے اختیار کرلیا دنیاوی زندگی کو آخرت کے سامنے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۰۷

اور بے شک اللہ نہیں راہ دیتا کافر قوم کو●

(یہ اس لیے کہ انہوں نے اختیار کرلیا دنیاوی زندگی کو آخرت کے سامنے) یعنی آخرت کی نعمتوں پر دنیاوی زندگی کو ترجیح دی اور راہِ حق سے اپنے کو دوُر کرلیا، تو خدا نے بھی انہیں دوُر رہونے دیا (اور) یہ اس لیے کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں راہ دیتا کافر قوم کو) یعنی مُرتدوں کو اپنی اس راہِ حق تک نہیں پہنچاتا، جو ایمان پر ثابت رہنے کا سبب ہو۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ

وہ ہیں کہ چھاپ لگادی اللہ نے اُن کے دلوں پر، اور کان پر اور آنکھوں پر۔

وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝۱۰۸

اور وہی لوگ غفلت والے ہیں●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جو لوگ ایمان لانے کے بعد کھلے دل کے ساتھ کفر کریں، تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت سخت عذاب ہے۔ اور اِس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کیا اور مرتد ہوگئے، تو ان کا یہ ارتداد اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دی تھی۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا کہ یہ لوگ اپنے اختیار سے دنیا کو آخرت پر ترجیح دیں گے اور ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کریں گے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت نہیں کی اور ان کے ارتداد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر مہر لگادی ہے، یعنی اب وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان لانے اور ہدایت کے قابل نہیں رہے۔

اب اگر وہ۔۔بالفرض۔۔ایمان لانا بھی چاہیں، تو ان کو ایمان نصیب نہ ہوگا۔ اب وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ وہ لوگ اس قابل نہیں رہے کہ انہیں اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں میں شمار کیا جائے۔ ذہن نشین رہے کہ اللہ

تعالیٰ نے تو ان کی رہنمائی کی تھی اور ان کی ہدایت کے لیے اپنے رسول کو بھیجا، ان کو انواع واقسام کے معجزات عطا کیے، قرآنِ مجید کو نازل کیا، لیکن انہوں نے اپنے اختیار سے گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی۔ اور جب انہوں نے اس نعمت کی قدر نہیں کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کی یہ سزا دی کہ دنیا میں ان کے دلوں، کانوں، اور آنکھوں پر مہر لگادی اور آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب رکھا۔۔الختصر۔۔

یہ (وہ) لوگ (ہیں کہ چھاپ لگادی اللہ) تعالیٰ (نے ان کے دلوں پر) کیوں کہ انہوں نے حق بات نہ سمجھی (اور کان پر) کہ انہوں نے حق بات نہ سنی، (اور) ان کی (آنکھوں پر) کہ حق تعالیٰ کی قدرت کے آثار انہوں نے نہ دیکھے، (اور وہی لوگ غفلت والے ہیں) یعنی حق سے بے خبر ہیں۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

خواہ مخواہ وہ آخرت میں یقیناً دیوالیے ہیں●

تو (خواہ مخواہ) یعنی یہ ایسا سچ ہے کہ اس میں کچھ شبہ نہیں، کہ (وہ آخرت میں یقیناً دیوالیے ہیں) اور نقصان پانے والے ہیں، اس لیے کہ عمر کا سرمایہ ضائع کرکے بازارِ دنیا میں کچھ فائدہ نہ حاصل کیا۔ اور اس مفلس کے پاس بازارِ آخرت میں ہاتھ خالی اور حسرت بھرے دل کے سوا اور کچھ نہ ہوگا۔۔۔

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کا حال اور اُن کا حکم بیان فرمایا تھا جنہوں نے ایمان لانے کے بعد شرح صدر سے کفر کیا اور جن لوگوں نے صرف جان بچانے کے لیے زبانی طور سے کفر کیا تھا، لیکن اُن کا دل اسلام پر مطمئن تھا۔ اب ان کا حکم بیان فرمارہا ہے جو لوگ فتنہ میں مبتلا ہو گئے تھے اور صبر کیا، تو ان سے زبانی طور پر جو کفر سرزد ہوا تھا، تو اللہ تعالیٰ اس کو بخشنے والا مہربان ہے۔۔یا یہ کہ۔۔جن لوگوں نے اسلام کی راہ میں مشکلات اٹھائیں اور کفار کے مظالم برداشت کیے اور ہجرت کی، اللہ تعالیٰ ان کو بخشنے والا مہربان ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا

پھر بے شک تمہارا پروردگار، اُن کے لیے جنہوں نے ہجرت کی، بعد اس کے کہ ستائے گئے، پھر جہاد کیا،

وَصَبَرُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾ ع

اور صبر کرتے رہے، بے شک تمہارا پروردگار اُس کے بعد ضرور مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے●

منزل ۳

(پھر بے شک تمہارا پروردگار ان کے لیے جنہوں نے ہجرت کی) مدینہ منورہ کی طرف۔۔مثلاً: خباب، صہیب، سالم، بلال رضی اللہ عنہ (بعد اس کے کہ ستائے گئے) یعنی کافروں سے بڑی ایذاء پا چکے، (پھر جہاد کیا) انہوں نے (اور) جہاد پر (صبر کرتے رہے)، تو (بے شک تمہارا پروردگار اس کے بعد) ہجرت، جہاد اور صبر کے بعد، یعنی ان اعمال واوصاف کی وجہ سے ان کی (مغفرت فرمانے والا) ہے اور ان کے گزرے ہوئے گناہوں کو معاف کر دینے والا ہے اور (بخشنے والا ہے) اور مہربان ہے ان پر، کہ انہیں آئندہ عبادت کی توفیق دے گا۔

اس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کھلے دل سے کفر کیا، ان پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور جن مسلمانوں نے جان کے خوف سے صرف زبان سے کلمہ کفر کہا اور ان کے دل ایمان پر مطمئن تھے، اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا، اور اس اگلی آیت میں یہ بتایا کہ مرتدین پر غضب اور مومنین پر رحم کس دن ہوگا، اور وہ قیامت کا دن ہے۔

يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ

جس دن کہ آئے گا ہر کس وناکس اپنے آپ لڑتا جھگڑتا، اور پورا پورا دیا جائے گا جو ہر ایک نے

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

کر رکھا ہے، اور اُن پر ظلم نہ ہوگا●

(جس دن کہ آئے گا ہر کس وناکس اپنے آپ) سے (لڑتا جھگڑتا) یعنی اپنے آپ کو ملامت کرے گا۔ گنہگار کہے گا کہ میں نے کیوں گناہ کیا۔۔اور۔۔عبادت گزار کہے گا کہ میں نے عبادت زیادہ کیوں نہ کی۔۔یا۔۔ ہر ایک جھگڑے گا اپنے نفس کی رہائی کے واسطے اور نفسی نفسی کہے گا۔ (اور) اس دن (پورا پورا دیا جائے گا) بدلہ اس کا (جو ہر ایک) نفس (نے کر رکھا ہے، اور ان پر) جزا دینے میں (ظلم نہ ہوگا)۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کو آخرت کی وعید شدید سے ڈرایا تھا اور اس اگلی آیت میں دنیا کی شدید آفتوں اور مصیبتوں سے ڈرایا ہے، کہ ان پر قحط مسلط کر دیا جائے گا۔۔ چنانچہ۔۔اس تعلق سے ایک مثال۔۔۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا

اور کہاوت بیان کی اللہ نے کہ ایک آبادی تھی، امن واطمینان سے آتی تھی

رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَا

اُس کی روزی ہر جگہ سے بفراغت، پھراس نے انکار کردیا اللہ کی نعمتوں کا، پھر

قَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾

چکھایا اُسے اللہ نے بھوک اور خوف کے لباس سے، بدلہ اُن کے کرتوتوں کا●

(اور کہاوت بیان کی اللہ) تعالیٰ (نے کہ ایک آبادی تھی) جو (امن واطمینان سے) رہ رہی تھی۔ قیصروں اور جباروں کے حملوں سے مامون تھی اور نہایت آسودہ حال تھی، اس لیے کہ (آتی تھی اس کی روزی ہر جگہ سے بفراغت) یعنی اس بستی میں بستی والوں کا رزق اطراف وجوانب سے بکثرت پہنچ آتا تھا، (پھراس نے انکار کردیا اللہ) تعالیٰ (کی نعمتوں کا) یعنی کفر اختیار کرلیا اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کی، (پھر چکھایا اسے) یعنی اس بستی والوں کو (اللہ) تعالیٰ (نے بھوک اور خوف کے لباس سے) یعنی بھوک اور پیاس کا لباس ان کو پہنا دیا یعنی ان پر مسلط کردیا، اور اس طرح اس پہناوے کا مزہ چکھایا (بدلہ ان کے کرتوتوں کا)۔

یہاں ضرر کے اثر کے ادراک کی تعبیر بطورِ استعارہ چکھنے سے کی ہے۔۔یوں ہی۔۔لباس سے بطورِ استعارہ وہ چیز مراد ہے جو کسی کو گھیر لے اور چھپالے۔یعنی حق تعالیٰ نے ایسا کیا کہ ان لوگوں نے بھوک اور ڈر کا اثر پایا جو انہیں گھیرے ہوئے تھا۔ایک قول کے مطابق یہ مثل مکہ معظمہ کے لوگوں کے واسطے ہے کہ لوٹ مار سے امن میں تھے اور فراغت اور اَرزانی میں اوقات بسر کرتے تھے۔ چونکہ جناب رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نعمتِ نبوت سے کافر ہوگئے اور شکر نہ کیا، تو حق تعالیٰ نے ان کی فراغت کو قحط سے بدل دیا۔

یہاں تک کہ سات برس تنگی اور خشک سالی میں مبتلا رہ کر بھوک کے مارے مُردار کھانے لگے اور خون پینے لگے۔اور ان کی بے خوفی کو خوف سے بدل دیا، یعنی مسلمانوں کا خوف ان کے دلوں میں ڈال دیا۔ یہاں تک کہ سفر شام کا تردد اور ارادہ انہوں نے ترک کیا۔ ہر وقت ان کو اپنی جان اور مال کے ضائع ہوجانے کا خوف لگا رہتا۔۔۔اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے

اہل مکہ کی مثال دی تھی، کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہوں اور وہ ان نعمتوں کی ناشکری کریں، تو اللہ ان پر خوف اور بھوک مسلط کر دیتا ہے۔ اب اگلی آیت میں انہیں اہل مکہ کا ذکر فرمایا ہے جن کے لیے مثال دی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا۔۔۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

اور بے شک آگیا اُن کے پاس رسول انہیں سے، تو جھٹلایا اُسے، چنانچہ پکڑ لیا انہیں عذاب نے

وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور وہ اندھیر مچا رہے تھے ●

(اور بے شک آگیا اُن کے پاس) عظیم (رسول) جو (انہیں سے) ہے۔ جس کے حسب نسب کو وہ خوب پہچانتے ہیں، اور اس کی گزاری ہوئی پوری زندگی سے وہ اچھی طرح واقف ہیں، جس کی امانت وصداقت میں انہیں کبھی شک نہیں رہا۔ (تو) ایسے جانے پہچانے امین وصادق کی دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا اور (جھٹلایا اُسے، چنانچہ پکڑ لیا انہیں عذاب نے) یعنی قحط اور خوف ان پر مسلط ہوگئے۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہوتا، اس لیے کہ (وہ) بہت ہی (اندھیر مچا رہے تھے) خود اپنے اوپر شرک اور تکذیب کے سبب سے۔

جب قحط کی مذکورہ بالا صورت پیش آئی، تو قریش کی عورتوں نے کسی کو حضرت ﷺ کی خدمت سراپا رحمت میں بھیجا اور یہ بات عرض کی، کہ اگر ہمارے مَردوں نے آپ کے ساتھ دشمنی کی، تو مکے کی عورتوں اور بچوں کا کیا قصور ہے، کہ قحط کی وجہ سے مرنے کے قریب ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اجازت دی، کہ وہ ان کے پاس غلہ لے جائیں۔۔ چنانچہ۔۔ ہر طرف سے غلے کی آمد شروع ہوگئی۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا

پس کھاؤ جو روزی فرمایا تمہیں اللہ نے، حلال پاکیزہ۔ اور شکر گزار رہو

نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

اللہ کی نعمت سے، اگر اُسی کو معبود جانتے ہو ●

(پس کھاؤ جو روزی فرمایا) ہے (تمہیں اللہ) تعالیٰ (نے حلال پاکیزہ) اللہ کے رسول ﷺ کے بھیجے ہوئے لوگوں کے ہاتھ سے۔

۔۔یا۔۔بعض قول کے پیش نظر اس میں خطاب مومنوں سے ہے، کہ انہیں حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ حلال روزی کھاؤ۔

(اور شکر گزار رہو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت سے)۔یعنی نعمتِ الٰہی کا شکر کرتے رہو (اگر) تم (اسی کو معبود جانتے ہو)، یعنی اُسی کی عبادت کرتے ہو اور اسی کا حکم مانتے ہو۔

حلال وطیب کھانے کی اجازت کے بعد یہ مناسب ہے کہ بعض حرام غذاؤں کی بھی وضاحت کردی جائے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ

اُس نے بس یہی حرام فرمادیا تم پر، مردار اور خون اور سور کا گوشت، اور جو ذبح کیا جائے

لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ

غیر اللہ کے لیے۔ پھر بھی جو ناچار ہو گیا، نہ سرکش ہے اور نہ حد سے بڑھا،

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١٥﴾

تو بلاشبہ اللہ مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے●

(اس نے) یعنی اللہ تعالیٰ نے (بس یہی حرام فرمادیا تم پر مردار اور خون) جو جاری ہو، (اور سور کا گوشت) اور جو کچھ اس میں سے آدمی کھا سکے، (اور جو ذبح کیا جائے غیر اللہ کے لیے) یعنی وقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔ بتوں سے تقرب حاصل کرنے کی نیت سے کفار ایسا کیا کرتے تھے، کہ بتوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے انہیں بتوں کے نام سے جانور کو قتل کردیا کرتے تھے۔ (پھر بھی جو ناچار ہو گیا) اور ایسا بے بس ہو گیا کہ اُسے حرام چیزوں میں سے کچھ کھانا ضروری ہو جائے، بشرطیکہ وہ تو (نہ سرکش ہے) کہ مزا اور لذت کے لیے کھا رہا ہو (اور نہ) ہی (حد سے بڑھا) ہوا ہو کہ ضرورت سے زیادہ کھا جائے، (تو) اس کو بوجہ ضرورتِ شدیدہ، یعنی جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت کھالینے کی اجازت ہے۔ (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ ایسے بے بس ولاچار کی (مغفرت فرمانے والا) ہے اور اس کے گناہ کو معاف فرمادینے والا ہے اور (بخشنے والا) مہربان (ہے) اُسے

اجازت دینے میں۔

اب اگلی آیت میں پہلی آیت کی تاکید ہے، یعنی یہی مذکورہ بالا چار چیزیں حرام کی گئی ہیں۔ مشرکین اپنی طرف سے ان چار چیزوں کو حلال کہتے تھے، اور اپنی ہی طرف سے بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ 'بحیرہ' اُس اونٹنی کو کہتے تھے وہ جس کا دودھ دوھنا چھوڑ دیتے تھے، اور اس کو بتوں کے لیے نامزد کر دیتے تھے۔ 'سائبہ' اس اونٹنی کو کہتے تھے، جسے وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اس کو وہ سواری کے لیے استعمال کرتے تھے نہ بار برداری کے لیے۔ اور 'وصیلہ' وہ اس اونٹنی کو کہتے تھے جس سے پہلی مرتبہ مادہ پیدا ہوئی اور اس کے بعد دوبارہ بھی مادہ ہی پیدا ہوتی اور ان کے درمیان کوئی نر نہیں ہوتا تھا، ایسی اونٹنی کو بھی وہ بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اور 'حام' وہ اس نر اونٹ کو کہتے تھے جس سے کئی بچے ہو چکے ہوتے تھے اور جب اس سے کافی بچے ہو جاتے، تو وہ اس کو بھی آزاد چھوڑ دیتے تھے اور اس سے سواری اور بار برداری کا کام نہ لیتے۔

سب سے پہلے بتوں کے لیے جانور چھوڑنے کی ابتداء عمرو بن عامر الخزاعی نے کی تھی جس کے تعلق سے رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اس کو دیکھا وہ دوزخ میں اپنی انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا۔ الحاصل۔۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری زبانیں جھوٹ بولتی ہیں، اور تم یہ کہہ کر کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔ وہ ان چیزوں کے حرام کرنے اور حلال کرنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے، یہ ان کا دوسرا جرم تھا۔ خود کسی چیز کو حرام کرتے پھر کہتے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے، اس طرح یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے تھے۔ اسی طرح آج بھی کچھ لوگ سوئم، چالیسویں، برسی اور گیارھویں کے کھانے کو اپنی طرف سے حرام کہتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان مخصوص دنوں میں کھانے کی حرمت پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔

ان مخصوص دنوں میں میت کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور ان دنوں کی یہ تعیین شرعی نہیں ہوتی کہ ان کے علاوہ کسی اور دن میں ایصال ثواب کرنا جائز نہ ہو، بلکہ لوگوں کے اجتماع کے لیے سہولت کی خاطر تاریخ معین کر لی جاتی ہے، جیسے جلسہ، منگنی اور شادی کی تاریخ معین کی جاتی ہے، اور جیسے مساجد میں نمازوں کے اوقات گھڑیوں کے حساب سے معین

کیے جاتے ہیں۔ ایسے تمام لوگ اس آیت کے مصداق ہیں جو اپنی طرف سے کسی چیز کو حرام کہتے ہیں۔۔تو۔۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ

"اور مت کہہ دیا کرو جو تمہاری زبانیں جھوٹ بکتی ہیں، کہ یہ حلال ہے

وَهَٰذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ

اور یہ حرام، تاکہ گڑھو اللہ پر جھوٹ"۔ بے شک جو لوگ

يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ

گڑھیں اللہ پر جھوٹ، ناکام ہیں ● دنیا میں رہنا کم،

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱۷﴾

اور اُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے ●

اُے سمجھ والو! (اور) انصاف والو! (مت کہہ دیا کرو جو تمہاری زبانیں جھوٹ بکتی ہیں) یعنی جو جھوٹ تمہاری زبان پر آئے اُسے زبان سے نہ نکالو۔ اور وہ جھوٹ بات یہ ہے جو مشرکین نے کہی (کہ یہ حلال ہے)، یعنی بحیرہ اور سائبہ کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ حلال ہے ہمارے مَردوں پر (اور یہ حرام) ہے، یعنی وہی جو مذکور ہوا وہ حرام ہے ہماری عورتوں پر۔ اور یہ حلال وحرام اس لیے کہتے ہو کہ (تاکہ گڑھو) اور افتراء کرو (اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، یعنی یہ سراسر جھوٹ ہے جو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم فرمایا ہے۔ تو کان کھول کر سن لو (بے شک جو لوگ گڑھیں اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ) وہ (ناکام ہیں) جو عذابِ قیامت سے چھٹکارا نہ پاسکیں گے۔ اور جس واسطے وہ افتراء کرتے ہیں وہ ایسی چیز ہے کہ (دنیا میں) جس کا (رہنا کم) ہے۔ یعنی وہ فائدہ تھوڑا سا ہے دنیا میں جو جھٹ پٹ جاتا رہے گا، (اور) پھر (ان کے لیے) آخرت میں (دکھ دینے والا عذاب ہے) یعنی آخرت میں ہمیشہ رہنے والا۔۔۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ

اور جو یہودی ہوئے، ہم نے حرام فرمادیا تھا اُن پر جو ہم پہلے ظاہر فرما چکے ہیں تم پر۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور ہم نے اُن پر کچھ ظلم نہیں کیا، ہاں وہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ●

(اور جو یہودی ہوئے) یعنی دینِ یہود میں داخل ہوئے (ہم نے حرام فرمادیا تھا) صرف (ان پر) ان چیزوں کو (جو ہم پہلے) سورۂ انعام میں (ظاہر فرما چکے ہیں تم پر)، اور وہ اللہ جل شانہ کا یہ کلام ہے وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ سے آخر آیت تک (اور ہم نے ان پر) ان چیزوں کے حرام کرنے کے سبب سے (کچھ ظلم نہیں کیا) اور کوئی زیادتی نہیں کی۔ (ہاں وہی) گناہوں کی کثرت کے سبب سے (اپنے اوپر ظلم کرتے تھے)۔

اس آیت کی تفسیر کے لیے النساء آیت ۱۶۰ اور الانعام آیت ۱۴۶ کی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔۔۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ

پھر بے شک تمہارا پروردگار، اُن کے لیے جس نے برائی کی نادانی سے، پھر توبہ کرلی اُس کے بعد

ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع ۱۵ / ۹ / ۲۱

اور لائق ہوگئے، تو بلاشبہ تمہارا پروردگار اُس کے بعد ضرور مغفرت فرمانے والا بخشنے والا ہے ●

(پھر بے شک تمہارا پروردگار ان کے لیے جس نے برائی کی نادانی سے) یعنی جس شخص نے کفر یا کوئی اور معصیت کی اور اس کو یہ علم نہیں تھا کہ اس پر کتنا شدید عذاب ہوگا۔۔یا۔۔کتنی مدت عذاب ہوگا ۔۔یا۔۔اس کا گناہ ہونا تو معلوم تھا، لیکن گناہ کے ارتکاب کے وقت اس پر توجہ نہ تھی (پھر) بعد میں نادم ہوا اور اس گناہ سے (توبہ کرلی اس کے) ارتکاب کے (بعد، اور لائق ہوگئے) یعنی اپنے اعمال درست کرلیے (تو بلاشبہ تمہارا پروردگار اس) توبہ کرلینے (کے بعد ضرور مغفرت فرمانے والا) اور (بخشنے والا ہے) ان کے گناہوں کو توبہ کے سبب سے۔۔نیز۔۔بڑا ہی مہربان ہے کہ بندوں سے توبہ قبول کرلیتا ہے۔۔۔

آگے کی آیات میں قریش کو توحید اور رسالتِ محمدی ﷺ کی حقانیت کو سمجھانے کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے افکار و اعمال کو بطورِ دلیل پیش فرمایا۔ اس لیے کہ قریش اپنے آپ کو اُن کی طرف منسوب کرتے تھے اور کعبہ کی تولیت کے دعویدار تھے۔ تو اَے قریشیو! پھر انہی کے طریقے پر عمل کرو، تو سنو!۔۔۔

إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ

بے شک ابراہیم تھے امام، اللہ کے پجاری، سب سے الگ تھلگ، اور

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ

مشرکین سے نہ تھے● شکر گزار اللہ کی نعمتوں کے، چن لیا اُن کو اور راہ دی انہیں،

إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾

سیدھے راستے کی طرف●

(بے شک ابراہیم تھے امام) یعنی جس کی اقتداء کی جائے۔

اس توحید کی روشنی میں آیت کریمہ میں مذکورہ لفظ **اُمَّةً** ماموم کے معنی میں ہے یعنی امام ۔۔امت کو قوم و جماعت کے معنی میں لینے کی صورت میں آیت کریمہ کے مختلف معنی ظاہر کیے گئے ہیں۔۔۔

﴿۱﴾۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جو امت کا اطلاق کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک قوم۔۔یا۔۔ایک امت مل کر جتنے نیکی کے کام کرتی۔۔یا۔۔جتنی عبادت کرتی، حضرت ابراہیم علیہ السلام تنہا اتنی عبادت کرتے تھے اور اتنے نیکی کے کام کرتے تھے۔

﴿۲﴾۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے ابتدائی دور میں صرف ایک مومن تھے اور باقی سب لوگ کافر تھے، اس لیے وہ اپنی ذات میں امت تھے۔

﴿۳﴾۔۔روئے زمین کبھی ایسے چودہ آدمیوں سے خالی نہیں رہی جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اہل زمین سے عذاب دور کرتا ہے اور ان کی برکت کو ظاہر فرماتا ہے، سوائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے، کہ وہ اپنے زمانہ میں صرف ایک مومن تھے۔

﴿۴﴾۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سبب سے ان کی امت توحید اور دین حق میں دوسری امتوں سے ممتاز ہوئی اور چونکہ وہ امت کے امتیاز کا سبب تھے، اسی وجہ سے ان کو امت کہا گیا۔

﴿۵﴾۔۔امت کا ایک معنی ہے نیکی اور خیر کی تعلیم دینے والا۔اس معنی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امت ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۔۔الحاصل۔۔حضرت ابراہیم لوگوں کے امام اور (اللہ) تعالیٰ (کے پجاری) تھے۔(سب سے الگ تھلگ) رہ کر صرف اطاعتِ خداوندی اور عبادتِ الٰہی میں دن گزارنے والے اور اس عبادت و اطاعت میں سب سے الگ تھلگ شان رکھنے والے اور حکم الٰہی پر قائم رہنے والے تھے۔(اور مشرکین سے نہ تھے) جیسا کہ قریش کو گمان ہے اور تھا، اور وہ تھے (شکر گزار اللہ) تعالیٰ (کی نعمتوں کے) اور ناشکری کرنے والے نہ تھے۔۔چنانچہ۔۔(چن لیا ان کو) اللہ تعالیٰ نے (اور راہ دی انہیں سیدھے راستہ کی طرف) تا کہ وہ توحید کی دعوت پیش کرتے رہیں اور سیدھا راستہ دکھاتے رہیں۔

وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۲۲ۭ

اور دی ہم نے انہیں دنیا میں بھلائی۔اور بے شک وہ آخرت میں ضرور لیاقت والوں سے ہیں●

(اور دی ہم نے انہیں دنیا میں بھلائی) یعنی دنیا میں ان کا ذکر خیر ہوتا رہے گا۔۔یا۔۔اولادِ ابرار ۔۔یا۔۔خلق کے دلوں میں محبت، کہ سب ملت والے انہیں دوست رکھتے ہیں اور خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود کے ساتھ ان پر درود بھیجا جاتا ہے۔(اور بے شک وہ آخرت میں ضرور لیاقت والوں سے ہیں) یعنی درجاتِ عالی کے امام ہوں گے اور دنیا میں ان کی نیکیاں کم نہ ہوں گی، آخرت میں ان کی نیکیوں کے سبب سے۔ابراہیم علیہ السلام کے جمال وکمال اور شانِ امامت کو ظاہر کردینے کے بعد۔۔۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ

پھر وحی فرمائی ہم نے تمہاری طرف، کہ پیروی کرو دین ابراہیم کی، سب سے الگ ہوکر۔

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۲۳

اور نہ تھے وہ مشرکوں سے●

(پھر وحی فرمائی ہم نے تمہاری طرف کہ پیروی کرو دین ابراہیم کی سب سے الگ ہوکر) یعنی توحید میں پیروی کرو ملتِ ابراہیم کی اس لیے کہ ساری ملتیں اس بات میں آپ ہی کی ملت کی طرف مائل رہیں۔۔یا یہ۔۔کہ خلق کو حق کی طرف دعوت دینے میں انہیں کی اتباع کیجیے، کہ جس طرح پر وہ نرمی کے ساتھ اور ایک کے بعد ایک دلیل لاکر اور ہر ایک سے اس کی فہم کے مطابق گفتگو اور بحث کر کے

دعوت کرتے تھے، اور آپ بھی اسی طرح دعوت پیش کریں۔

اتباع کہتے ہیں متبوع کی راہ پر چلنے کو۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع حضرت سید المرسلین کو اس سبب سے تھی، کہ آپ کے بعد مبعوث ہوئے۔ اس سبب سے نہیں کہ آپ ان سے کم تھے۔ اس واسطے کہ "اَنَا اَکْرَمُ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ عَلَی اللّٰہِ" کے حکم سے یہ امر مقرر اور مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سب انبیاء علیہم السلام سے اکمل اور افضل ہے۔ اور فضیلت میں آپ کا حصہ سب اصفیاء سے زیادہ اور اشمل ہے۔

(اور نہ تھے وہ) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام **(مشرکوں سے)**۔ اس میں کفار قریش کا رد ہے جو کہتے تھے کہ ہم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین رکھتے ہیں۔ ان مشرکین کے مورثین کا بھی یہ حال تھا کہ وہ اپنے عہد کے پیغمبر کے حکم کے خلاف اپنی من مانی چلاتے تھے اور اپنی بات منوانے کے درپے ہو جاتے تھے، اور پھر اگر از راہِ کرم ان کی خواہش کے مطابق بھی بعض حکم دے دیا جاتا تھا، تو اس پر بھی عمل کرنے سے گریز کرنے لگتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ

سنیچر کی مان دان فرض کی گئی ہے اُن پر جنہوں نے اس میں جھگڑا کیا تھا۔ اور بے شک تمہارا پروردگار ضرور فیصلہ فرمائے گا

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۲۴

ان کے درمیان قیامت کے دن، جس بارے میں جھگڑا کرتے تھے●

(سنیچر کی مان دان فرض کی گئی ان پر) جب کہ انہوں نے جمعہ کے دن کو عبادت کے لیے مخصوص کرنے سے انکار کیا۔ تو ان کی خواہش پر سنیچر کے دن کی تعظیم ان پر فرض کر دی گئی۔

جس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ جمعہ کے دن کام چھوڑ کر خدا کی عبادت میں مشغول ہوں۔ جب بنی اسرائیل کو حکم پہنچا، تو کچھ لوگوں نے قبول کیا اور بہتوں نے سرکشی کی، اور ان میں بھی اختلاف پڑا، ایک جماعت بولی ہم ہفتے کا دن اختیار کرتے ہیں، اس واسطے کہ اس دن حق تعالیٰ نے خلق کو پیدا کرنے سے فراغت پائی۔ اور ایک گروہ نے اپنا یہ رجحان پیش کیا، کہ اس کے لیے اتوار کا دن اولیٰ ہے، اس واسطے کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے خلق کو پیدا کرنا شروع کیا۔ حق تعالیٰ

نے ان کی مخالفت اور نافرمانی کی شامت سے ہفتے کے دن کی تعظیم ان پر فرض کر دی۔ اور اس بارے میں بڑی تاکید اور تشدید فرمائی۔ کن پر فرض کی؟۔۔۔

ان پر (**جنہوں نے اس میں جھگڑا کیا تھا**) یعنی اس دن کے تعلق سے اختلاف کیا تھا۔ ہفتے کے دن کی تعظیم یہ تھی کہ اُس دن کمائی نہ کریں، کسی کام میں مشغول نہ ہوں۔ اُس روز کو عید ٹھہرالیں اور اللہ جل شانہ کی عبادت کے سوا اور کچھ نہ کریں اور یہ حکم ان پر نہایت ہی شاق تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس دن ایک شخص کو دیکھا کہ مال اٹھائے ہوئے کسی جگہ لیے جاتا ہے، تو ان کے حکم سے لوگوں نے اس کی گردن ماردی اور اس کی نعش ایسے مقام پر پھینک دی کہ مردار خور جانور اُسے نوچ نوچ کر کھالیں۔۔ لہٰذا۔۔ یہ جانور اُسے نوچ نوچ کر کھاتے رہے، یہاں تک کہ وہ ختم ہو گیا۔۔ المختصر۔۔ یہ بے جا اختلاف کرنے والے کس خوش فہمی میں ہیں۔

اَے محبوب! ان پر واضح کر دو (اور) بتادو کہ (**بے شک تمہارا پروردگار ضرور فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن جس بارے میں جھگڑا کرتے تھے**)۔

پہلے ایک جماعت کو حکم کیا تھا کہ جمعہ کے دن عبادت کیا کرے، اس نے اُس دن میں اختلاف کیا۔ حق تعالیٰ نے ہمیں اس کی ہدایت کر دی تو ہمارے واسطے آج کا دن ہے، یعنی جمعہ اور یہود کے واسطے کل یعنی ہفتہ اور نصاریٰ کے لیے پرسوں یعنی اتوار۔۔۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ مشرکین رسولوں کا مذاق اڑاتے تھے، ان کے پیغام کی تکذیب کرتے تھے اور وہ جو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے، اس کا انکار کرتے تھے اور اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے جس کی وجہ سے رسولوں کو ان کی گمراہی پر افسوس ہوتا تھا اور ان کے عناد، ضد اور ہٹ دھرمی کو دیکھ کر وہ ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت دینے کے لیے بہت مستحکم دلائل قائم کیے اور بہت عام فہم مثالیں بیان فرمائیں اور اسی نہج پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دینے کے لیے ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ

بلاؤ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف مضبوط تدبیر، اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ اور بحث کرو اُن سے سب سے

هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ

بہتر انداز سے۔ بے شک تمہارا پروردگار، وہ خوب جانتا ہے، کہ کون بے راہ ہوا اُس کی راہ سے،

وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾

اور وہ خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو●

اَے محبوب! (بلاؤ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف مضبوط تدبیر) یعنی ایسی دلیل جو حق کو ثابت کرے اور شبہے کو زائل کر دے۔ (اور اچھی نصیحت کے ساتھ) یعنی فائدہ دینے والے خطاب نفع بخش حکایتوں کے ساتھ۔ (اور بحث کروان سے سب سے بہتر انداز سے) یعنی نرمی اور خوش خوئی کے ساتھ اور ظاہری مقدمات کو ترتیب وار پیش کر کے۔

بعضوں کے نزدیک حکمت، دعوتِ خواص کے لیے اور موعظتِ حسنہ، ہدایتِ عوام کے لیے ہے، اور جدال و بحث ومباحثہ معاندوں کو دفع کرنے کے واسطے ہے۔

تو اَے محبوب! (بے شک تمہارا پروردگار وہ خوب جانتا ہے کہ کون بے راہ ہوا اس کی راہ سے، اور وہ خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو)۔۔لہٰذا۔اَے محبوب! خدا کی طرف سے بلانے اور احکام پہنچانے کے سوا اور کچھ تم پر لازم نہیں۔ اور اَے محبوب! جنگ اُحد میں کفار اشرار نے آپ کے چچا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ کا جو مُثلہ کیا، اس سے آپ ضرور مغموم وملول ہوئے ہوں گے۔ آپ کے غم والم کو دیکھ کر آپ کے چاہنے والوں سے کسی کے دل میں یہ خیال آ سکتا ہے، کہ اگر اُسے کسی جہاد میں فتح ملی، تو درجنوں کافروں کا اس کے بدلے میں مُثلہ کروں گا۔ تو اَے محبوب! اپنے چاہنے والوں کو بتادو کہ کسی بھی حال میں عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑو۔۔۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ

اور اگر تم جرم کی سزادو، تو ایسی دو، جیسا جرم تمہارا کیا گیا ہے۔ اور اگر تم نے صبر سے کام لیا، تو بلاشبہ وہ بہتر ہے

خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۱۲۶﴾

صبر کرنے والوں کے لیے●

(اور) ہر حال میں اس کا خیال رکھو، کہ (اگر تم جرم کی سزا دو، تو ایسی دو جیسا جرم تمہارا کیا گیا ہے) یعنی اگر انہوں نے تمہارے ایک آدمی کا مثلہ کیا ہے، تو تم بھی ان کے ایک ہی آدمی کا مُثلہ کرو اس سے زیادہ کا نہیں۔ (اور اگر تم نے صبر سے کام لیا) اور ان پر عقوبت کرنے سے درگزر ے، (تو بلاشبہ وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کے لیے) اللہ تعالیٰ ایسے صابرین کی تعریف وتحسین فرماتا ہے اور یہ کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے۔۔تو۔۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ

تم صبر کرواور نہیں ہے تمہارا صبر، مگر اللہ کے کرم سے، اور نہ رنج کرواُن کا، اور دل تنگ نہ ہو

فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اُن کے داؤں پیچ سے●

اَے محبوب! (تم صبر کرواور نہیں ہے تمہارا صبر مگر اللہ) تعالیٰ (کے کرم سے)، یعنی جنگ اُحد میں تمہیں جو تکلیف پہنچی اس پر صبر کرنا خدا کی طرف سے توفیق خیر اور مددِ الٰہی کا ثمرہ ہے۔ (اور) اَے محبوب! (نہ رنج کرو ان کا) یعنی ان باتوں کا کہ کافروں نے تجھ سے منہ پھیرا۔۔یا۔۔وہ تیرے لشکر پر غالب ہو گئے۔ (اور دل تنگ نہ ہو ان کے داؤں پیچ سے) کیونکہ۔۔۔

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ ع ۱۶ / ۹ / ۲۲

بے شک اللہ ہے ان کے ساتھ جو ڈرے، اور جو نیکیاں کرنے والے ہیں●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (ہے ان کے ساتھ جو ڈرے) اللہ تعالیٰ سے اور شرک ومعصیت سے پرہیز کرے، (اور) ان لوگوں کے ساتھ (جو نیکیاں کرنے والے ہیں) یعنی موحد اور مخلص لوگ ہیں۔

بعضوں نے کہا کہ 'تقویٰ' امرِ الٰہی کی تعظیم کی طرف اشارہ ہے، اور 'احسان' خلقِ خدا پر شفقت کرنے کا اشارہ ہے۔ اور اسلام وایمان کا مدار انہی دوصفتوں پر ہے۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ
اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے
چودہویں پارے اور سورۂ نحل کی تفسیر آج بتاریخ
۲؍شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۲؍ستمبر ۲۰۱۰ء
بروز یکشنبہ مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ
اپنے فضل وکرم سے پورے قرآنِ کریم کی تفسیر
مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔
آمین بِجَاہِ سَیِّدِالْمُرْسَلِیْن صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

۱۵

سُبحٰنَ الّذِی

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۹ رشوال المکرم ۱۴۳۱ھ۔۔مطابق۔۔۹ر اکتوبر ۲۰۱۰

سورۂ بنی اسرائیل اور پندرھویں ۱۵ پارے کی تفسیر کا آغاز کر

مولیٰ تعالیٰ اِن کی تکمیل اور باقی قرآنِ کریم کی مکمل تفسیر

سعادت عطا فرمائے، اور فکر و قلم کی حفاظت فرمائے

یا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرْمَتِ سَیِّدِنَا

سورۃ بنی اسرائیل ۱۷ مکیۃ ۵۰   اٰیاتھا ۱۱۱ رکوعاتھا ۱۲

سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْل

سورۂ بنی اسرائیل مکیۃ   آیات ۱۱۱ رکوع ۱۲

اِس سورۂ مبارکہ کا نام 'سورۂ بنی اسرائیل' ہے، کیونکہ اِس سورہ میں بنی اسرائیل کا ذکر ہے اور نام رکھنے کے لیے اِتنی ہی مناسبت کافی ہے۔ اِس کا دوسرا نام سورہ "الاسراء" ہے، اس لیے کہ اِس سورت کی پہلی آیت میں "اَسْرٰی" کا لفظ ہے اور اِس میں رات میں ہونے والے ایک سفر کا ذکر ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک سورۂ بنی اسرائیل مکی ہے۔ البتہ تین۳ آیتوں یعنی آیت ۷۶، آیت ۸۰ اور آیت ۶۰ کا استثناء کیا گیا ہے۔ ایک قول کے بنیاد پر آیت ۱۰۷ کا بھی استثناء کیا گیا ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ 'سورۂ قصص' کے بعد اور 'سورۂ یونس' سے پہلے نازل ہوئی ہے، اور تعدادِ نزول کے اعتبار سے یہ پچا۵۰سویں سورہ ہے۔ کوفہ کے علماء کی گنتی کے مطابق اِس کی ایک سو گیارہ۱۱۱ آیتیں ہیں۔ یہ سورہ واقعۂ معراج کے فوراً بعد۔۔یا۔۔ کچھ مدت کے بعد نازل ہوئی۔

'سورہ النحل' کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا تھا کہ "آپ مشرکین کے مظالم اور اُن کی پہنچائی ہوئی اذیتوں پر صبر کریں"، اور اِس سورہ کی ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت اور شان کی بلندی بیان فرمائی ہے۔۔بایں طور۔۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو واقعۂ معراج سے فضیلت عطا فرمائی اور آپ کو ایسا معجزہ عطا فرمایا، کہ آپ رات کے ایک لمحے میں مکہ سے مسجدِ اقصیٰ پہنچ گئے، اور اُس رات اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت ساری فضیلتیں عطا فرمائیں، اور عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ کرایا۔ ایسی عظیم الشان سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مومنین کی غلطیوں کا (بخشنے والا) ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

پاکی اس کی، جو لے گیا اپنے بندہ کو راتوں رات، مسجد حرام سے

اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ

مسجد اقصیٰ تک، کہ برکت رکھی ہے ہم نے جس کے گرداگرد، تا کہ ان کی چشم دید کردیں اپنی نشانیاں۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

بے شک وہ سنتا دیکھتا ہے●

(پاکی) ہے (اُس کی) اِس بات سے، کہ وہ رات کے ایک لمحہ میں اتنی عظیم سیر نہ کرا سکے ۔۔الختصر۔۔ ہرطرح کی عاجزی، لاچاری اور بے قدرتی سے پاک و منزہ ہے وہ، **(جو لے گیا اپنے)** ایک مکرم (بندہ کو) اُس کے جسم و روح کے ساتھ عالمِ بیداری میں **(راتوں رات)**، یعنی رات کے ایک حصے میں (مسجدِ حرام سے) جو حرم کعبہ کو محیط ہے۔

۔۔یا۔۔ حضرت اُمّ ہانی کے گھر سے، اس واسطے کہ مکہ اور اُس کی حریم سب مسجد ہے۔ اس رات آپ حضرت اُمّ ہانی کے مکان پر آرام فرماتے، حضرت جبرائیل علیہ السلام وہاں سے بیدار کرکے حرم کعبہ کے پاس لے آئے۔۔۔

اور پھر یہاں سے ربِّ قدیر (مسجدِ اقصیٰ تک) لے گیا۔ جو مسجد اہل مکہ سے بہت دور ہے، اور اُس وقت اِس کے آگے کوئی مسجد نہ تھی، تو وہ آخری اور انتہائی مسجد بھی قرار پائی۔

ایسی مسجد، (کہ برکت رکھی ہے ہم نے جس کے گرداگرد)۔ دینی برکت بھی اور دنیوی برکت بھی۔ دینی برکت یہ ہے کہ ہم نے ملکِ شام کی اِس زمین کو وحی اترنے کی جگہ اور انبیاء علیہم السلام کی عبادت گاہ بنایا، اور دنیوی برکت یہ کہ وہ زمین درختوں اور نہروں سے گھری ہوئی ہے۔ میووں کی کثرت، فراخیٔ معیشت اور ارزانی کے سبب سے مالا مال ہے، تو اِس جگہ ہم محمد ﷺ کو لے گئے **(تا کہ اُن کی چشم دید کردیں)** اور کھلی آنکھوں سے دکھادیں **(اپنی)** قدرت کی **(نشانیاں)** اور دلیلیں۔

یہ کس قدر واضح قدرتِ خداوندی کی دلیل اور نشانی ہے، کہ تھوڑی دیر میں مکہ معظمہ سے ملکِ شام پہنچ گئے اور بیت المقدس کا مشاہدہ فرمایا اور انبیاء علیہم السلام کو دیکھ کر اُن کے مقاموں پر ٹھہرے اور آسمانوں کے عجائب و غرائب پر مطلع ہوئے۔

اکثر علماء اِس بات پر ہیں، کہ معراج شریف بعثت کے بارھویں [۱۲] برس ہوئی اور معراج کے مہینے میں اختلاف ہے، کہ ربیع الاوّل ہے ۔۔یا۔۔ ربیع الآخر ۔۔یا۔۔ رمضان ۔۔یا۔۔ شوال ۔۔یا۔۔ رجب کی ستائیسویں [۲۷] شب۔ رجب کی ستائیسویں [۲۷] شب بہت مشہور ہے۔

مکہ معظمہ سے بیت المقدس کو حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تشریف لے جانا، 'نص قرآنی' سے ثابت ہے۔ اِس کا منکر کافر ہے اور آسمانوں پر چڑھنا اور مرتبہ قرب پر پہنچنا اُن احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے، جو 'حدِ تواتر' کے قریب ہیں۔ جو اِس کا منکر ہو وہ گمراہ اور مبتدع ہے۔

اکثر اہلِ اسلام کا اعتقاد اِس پر ہے، کہ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا عروج جسم و روح کے ساتھ جاگتے میں واقع ہوا، جبھی تو کفار کو حیرت بھی ہوئی اور اُس کے منکر بھی ہوئے۔ اگر یہ خواب و خیال کی بات ہوتی، تو اُس پر حیرت کا اظہار کون کرتا؟ تو جو لوگ اِس قصے میں جسم کے ثقل کو بلند ہونے سے مانع جانتے ہیں، وہ اہلِ بدعت اور منکرِ قدرت ہیں۔

اِس شب کا مختصر قصہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل ملائکہ علیہم السلام کے ایک گروہ کے ساتھ حاضر ہوئے اور رسولِ مقبول ﷺ کو اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے حجرے سے مسجدِ حرام میں لے گئے، سینۂ مبارک شق کیا، دلِ 'حق منزل' کو دھو کر پھر اپنے مقام پر رکھ دیا، پھر براق پر سوار کیا اور تھوڑی ہی دیر میں بیت المقدس پہنچا دیا۔ حضرت سلطان الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء نے بیت المقدس میں ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کو دیکھا اور اُن کی امامت فرمائی، پھر 'صخرۂ معظم' پر سے 'براق پر۔۔۔یا۔۔۔معراج نام کے زینے' کے ذریعہ۔۔۔یا۔۔۔شہپرِ جبرائیل پر سوار ہو کر آسمانی سفر کے لیے روانہ ہو گئے۔

پہلے آسمان پر حضرت آدم، دوسرے پر حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ، تیسرے پر حضرت یوسف، چوتھے پر حضرت ادریس، پانچویں پر حضرت ہارون، چھٹے پر حضرت موسیٰ، ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہم السلام کو دیکھا اور اُن کو سلام کیا، اعزاز و اکرام کے ساتھ سبھوں نے جواب دیا۔۔۔سدرۃ المنتہیٰ، بیت المعمور، حوضِ کوثر، نہر الرحمۃ، نظرِ مبارک سے گزریں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام 'حجابِ نور' کے قریب آپ کی رفاقت سے باز رہے اور عرض کی کہ "اگر اب ایک ذرّہ بھی بڑھوں تو جل جاؤں"۔

وہاں سے تنہا نورانی حجابات قطع فرماتے ہوئے ایسے مقام پر پہنچے کہ 'براق' بھی چلنے سے باز رہا، پھر 'رفرف' پر آپ سوار ہوئے اور پایۂ عرش کے قریب پہنچے اور ہزار بار درگاہِ الٰہی سے ۔۔۔"اُدْنُ مِنِّیْ"۔۔۔ "قریب ہو جا مجھ سے"، کا خطاب سنا اور ہر بار آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اور ہی ترقی حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ مقامِ دَنَا پر قدم مبارک رکھا اور وہاں سے فَتَدَلّٰى کی نظرگاہ پر پہنچے۔ پھر كَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کی خلوتِ خاص میں داخل

ہوئے، فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی کے اسرار سنے۔

اِسی مقامِ قرب پر "اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّیِّبَاتُ" کے پاکیزہ کلمات سے ثنائے الٰہی ادا کی، اور "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ" کے خطاب سے اعزاز و اکرام پایا، اور اس سلام کی خلعت میں اپنی امت کو داخل فرمایا کہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ" اور پھرتے وقت جنت اور اُس کے درجات اور دوزخ اور اُس کے درکات آپ کو دکھائے گئے، اور نماز کا ہدیہ امتِ مرحومہ کے واسطے معین ہوا، اور آپ بیت المقدس میں پھر آئے اور مکہ معظمہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ راہ میں قریش کے قافلے دیکھے۔

یہ سارا سفر مکہ شریف کی رات کے ایک مختصر سے حصے میں پورا ہو گیا، عقلِ انسانی جس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اِسی لیے جب رات گزری اور صبح ہوئی، تو آپ ﷺ نے معراج کا قصہ بیان فرمایا۔ مسلمانوں نے تصدیق کی اور کافروں نے کہا کہ "یہ بات عقل سے بہت بعید ہے"۔۔ چنانچہ۔۔ انہوں نے آپ سے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں۔ فوراً وہ مسجد حضورِ انور ﷺ کے سامنے صورت پکڑے موجود تھی۔ جو کچھ کفار پوچھتے، آنحضرت ﷺ بے تکلف بتا دیتے۔ کافروں نے اپنے قافلوں کی خبر پوچھی، آپ نے مفصل کہہ دی۔ توفیقِ الٰہی جس کے شاملِ حال نہ ہوئی، اُس نے انکار اور تکذیب میں مبالغہ کیا۔

غرض کہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج پر بلایا تا کہ آپ ملک اور ملکوت کی نشانیاں دیکھیں اور اُن کا حال اہلِ عالم سے کہیں۔ اور مطلب یہ تھا کہ منکروں کی تکذیب اور اقرار کرنے والوں کی تصدیق ظاہر ہو جائے، اور منافق موافق میں امتیاز ہو جائے۔ ایمان والوں نے تصدیق کی، تو اُن کے ایمان کی معراج ہو گئی اور کافروں نے تکذیب کی، تو اُن کے کفر کی معراج ہو گئی۔

(بے شک وہ)، یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کی تکذیب کی باتوں کو (سنتا) ہے اور تصدیق کے باب میں مسلمانوں کے حال کو (دیکھتا ہے)۔۔ یا یہ کہ۔۔ وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا کلام سنانے والا اور اپنی قدرتِ لازوال کی نشانیاں دکھانے والا ہے۔۔ یا یہ کہ۔۔ بے شک محمد ﷺ وہ خطاب سنتے تھے جو اُن سے کہا اور وہ چیز دیکھتے تھے جو انہیں دکھائی۔۔ یا یہ کہ۔۔ ہم نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو وہ نشانیاں دکھائیں جو ہمارے جلال اور جمال کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بے شک وہ سمیع ہیں، ہماری سمع سے اور بصیر

ہیں ہماری بصر سے۔۔یا یہ کہ۔۔معراج میں اِسی بندۂ مکرم کا سفر بارگاہِ خداوندی کی طرف ہو رہا تھا اور خدا ہی اِس بندے کو لے جا رہا تھا، تو مکہ سے رخصت ہوتے وقت یہ کلمۂ محبت ارشاد فرمایا جو اعزہ واحباب اپنے کسی عزیز کو سفر کے لیے رخصت کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ" جاؤ خدا تمہارا حافظ ونگہبان ہے"۔

چونکہ معراج کی رات سب احباب واعزہ سو رہے تھے اور کوئی یہ کلمہ کہہ کر رخصت کرنے والا نہ تھا، تو خود خدائے عزوجل نے اِس کلمہ کو ارشاد فرما کر آپ کے اعزاز کو اور بھی بڑھا دیا کہ "اے محبوب! بے خطر ہو کر سفر پر روانہ ہو جاؤ، اس لیے کہ خدائے عزیز وقدیر تمہارا حافظ و نگہبان ہے"۔

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اور دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب، اور کر دیا ہم نے اسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے،

اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۲

کہ نہ بناؤ مجھ کو چھوڑ کر کوئی کارساز●

سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا، کہ اُس نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی فضیلت عطا فرمائی، اور اِس اگلی آیت میں یہ بتایا ہے، کہ اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ نازل فرما کر اُن کو فضیلت عطا فرمائی تھی ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا:

(اور) بیان فرمایا، کہ (دیا ہم نے موسیٰ کو کتاب) توریت۔

پھر توریت کے متعلق یہ فرمایا، کہ۔۔۔

(اور) واضح کر دیا کہ (کر دیا ہم نے اُسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے)، یعنی فرزندانِ حضرت یعقوب کے واسطے۔اور کہا ہم نے ان سے (کہ نہ بناؤ مجھ کو چھوڑ کر کوئی کارساز) اور پروردگار۔یعنی تم اپنے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور پر بھروسہ نہ کرنا اور غیر اللہ پر اعتماد نہ کرنا۔یہی توحید ہے۔

معراج کے بعد اِس کا ذکر فرمایا۔اِس کا حاصل یہ ہے کہ بندے کے لیے اِس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ اور کوئی معراج نہیں ہے، کہ وہ بحرِ توحید میں اس طرح مستغرق ہو جائے، کہ وہ اپنے تمام مقاصد اور تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر توکل نہ کرے۔اگر وہ زبان سے کچھ بولے، تو اللہ تعالیٰ کے متعلق بات کرے۔اگر وہ سوچے اور غور وفکر کرے، تو اللہ تعالیٰ

کی صفات کے متعلق سوچے اور غور وفکر کرے۔

یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے اِس کو کتنی عظیم اور کتنی کثیر نعمتیں عطا کی ہیں اور اُس نے اِن نعمتوں کی کتنی ناشکری کی ہے۔ اُس کی اطاعت کرنے کی بجائے، کتنے گناہ کیے۔ پھر اپنی تقصیر اور کوتاہیوں پر نادم اور شرمسار ہو اور اشک ندامت بہائے۔ اگر اُسے کسی چیز کی طلب ہو، تو صرف اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اور اگر کسی چیز سے پناہ مانگنی ہو، تو صرف اللہ سے پناہ مانگے اور اپنے کل اغراض و مقاصد کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرے، اور جب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی پر اُس کی نظر نہیں ہوگی اور صرف اُس کی ذات ہی اس کا مطمحِ نظر ہوگی، تو پھر یہ معنی صادق آئے گا، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا وکیل نہیں بناتا اور اُسی کو حقیقی طور پر اپنی ضروریات کو پوری کرنے والا، اپنے رزق کا کفیل، اور اپنا ضامن سمجھتا ہے۔ اِس کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز میں اُس پر توکل کیا گیا ہے، وہ اُس کو مہیا کرنے میں مستقل ہے۔ اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا ان کی کشتی پر سوار ہونے والوں کی اولاد کو مخاطب فرما کر، کہ۔۔۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ③

اُے اُن کی اولاد جن کو ہم نے کشتی پر سوار کرایا نوح کے ساتھ، بے شک وہ شکر گزار بندہ تھے●

(اُے اُن کی اولاد جن کو ہم نے کشتی پر سوار کرایا نوح کے ساتھ، بے شک وہ شکر گزار بندہ تھے)۔

یعنی اَے سامیو! تمہارے بزرگوں کو طوفان سے نجات کی نعمت جو ہم نے عطا فرمائی، اُسے یاد کرو اور اس کا شکر بجالاؤ۔ اور شکر گزاری میں حضرت نوح علیہ السلام کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے تھے۔ اس واسطے کہ ہر وقت، کھاتے پیتے، پہنتے اوڑھتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، حضرت نوح علیہ السلام خدا کا شکر کرتے تھے، تو یہ اُن کی ذریت کو ترغیب ہے کہ اپنے دادا کی پیروی میں نعمتِ الٰہی کا شکر ادا کرتے رہیں، اس لیے کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

"اگر شکر کرو گے تو ضرور زیادہ کروں گا میں تمہارے واسطے"۔

اِس پورے کلام کا حاصل یہ ہے، کہ حضرت نوح علیہ السلام بہت شکر کرتے تھے، کیونکہ وہ 'موحد' تھے۔ اور اُن کو جو نعمت بھی ملتی تھی، اس کے متعلق اُن کو یقین تھا، کہ وہ نعمت اللہ تعالیٰ

نے اپنے فضل وکرم سے عطا فرمائی ہے۔اور تم سب لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہو، سوتم بھی اُن کی اقتداء کرو اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود نہ بناؤ، اور اُس کے سوا اور کسی پر توکل نہ کرو، اور ہر نعمت پر اُس کا شکر ادا کرو۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ

اور پیغام بھیج دیا ہم نے بنی اسرائیل کی طرف کتاب میں، کہ ضرور فساد مچاؤ گے تم زمین میں دوبار،

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④

اور ضرور مغرور ہو جاؤ گے بڑے متکبر●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص اور مقرب بندوں پر کیے ہوئے انعامات کا ذکر فرمایا تھا، کہ ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ معراج سے نوازا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل فرمائی اور اس کے بعد یہ فرمایا کہ منکروں، نافرمانوں اور سرکشوں پر اللہ تعالیٰ نے مختلف مصائب نازل فرمائے اور ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر کے ان کو ذلیل وخوار کر دیا اور اِس میں یہ تنبیہہ فرمائی، کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ہر قسم کی عزت اور کرامت اور دنیا وآخرت میں سعادت اور سرفرازی کا موجب ہے۔اور اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی، ذلت اور خواری کا سبب ہے۔بنی اسرائیل نے ۲ دومرتبہ سرکشی اور نافرمانی کی، تو وہ ۲ دومرتبہ ذلیل کیے گئے۔پہلی بار جالوت نے اُن پر حملہ کر کے اُن کو غلام بنالیا اور دوسری بار مجوسیوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو اپنا غلام بنالیا۔۔۔

اِن واقعات (اور) حادثات کے تعلق سے ارشادِ ربانی ہے، کہ (پیغام بھیج دیا ہم نے بنی اسرائیل کی طرف کتاب) تورات (میں)، اور بیان کر دیا ہم نے (کہ ضرور فساد مچاؤ گے تم زمین میں دوبار)، یعنی سرزمین شام پر تم ۲ دومرتبہ فساد برپا کرنے کا ارتکاب کرو گے۔

اُن کا پہلا فساد تو یہ ہوا کہ انہوں نے احکام تورات کی مخالفت کی اور ارمیا علیہ السلام جو اُن کے پیغمبر تھے، ان کا حکم نہ سنا۔اور دوسرا فساد یہ ہوا، کہ انہوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا، تو حق تعالیٰ نے انہیں خبر دی کہ تم ۲ دوبار فساد کرو گے۔۔۔

(اور ضرور مغرور ہو جاؤ گے بڑے متکبر)، یعنی میری طاعت سے سرکشی کرو گے اور میری خالقیت سے تکبر کرو گے۔پھر دونوں بار تمہیں تمہارے فساد کی بدانجامی کا مزا چکھا دیا جائے گا۔۔۔

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ

چنانچہ جب آگیا اُن میں کا پہلا وعدہ، بھیج دیا ہم نے تم پر اپنے کچھ بندوں کو سخت جنگجو،

فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝

تو وہ تلاشی کو گھس پڑے شہروں کے اندر، اور یہ طے شدہ وعدہ تھا●

(چنانچہ جب آگیا اُن میں کا پہلا وعدہ)، تو **(بھیج دیا ہم نے تم پر اپنے کچھ بندوں کو)** یعنی اپنے پیدا کیے ہوئے بندوں کو، "نہ کہ اپنے مخصوص ومقرب بندوں کو" جو **(سخت جنگجو)** تھے۔

یعنی بخت نصر۔۔یا۔۔جالوت۔۔یا۔۔سنجاریب۔۔یا۔۔عمالقہ کے رئیس کے لشکریوں کو، جو بہت ہی جنگجو تھے اور سخت لڑائی کرنے والے تھے۔ جن کی آواز 'رعد' کی طرح مہیب تھی اور اُن کی آنکھوں میں بجلی جیسی چمک تھی۔

(تو) حملہ آور ہوکر **(وہ تلاشی کو گھس پڑے شہروں کے اندر)** تاکہ لوٹ مار کر کے ہر ہر گھر کو خراب وبرباد کردیں، اور ان میں رہنے والوں کو اپنا قیدی بنالیں۔ اور ایسا تو ہونا ہی تھا، اس لیے کہ **(یہ طے شدہ وعدہ تھا)**۔۔چنانچہ۔۔وہ ہوکے رہا۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ اِس بات کے جاننے میں کوئی فائدہ نہیں اور کوئی غرض علمی نہیں ہے، کہ بنی اسرائیل کو ہلاک کرنے والے کون تھے۔ مقصود صرف یہ ہے، کہ جب بنی اسرائیل نے شورش اور فساد کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے دشمنوں کو اُن پر مسلط کردیا اور انہوں نے اُن کو ہلاک اور برباد کردیا۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ

پھر واپس لائے ہم تمہیں دوبارہ اُن پر، اور مدد فرمائی تمہاری مال واولاد سے،

وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝

اور کردیا ہم نے تمہیں بڑے جتھے والا●

(پھر واپس لائے ہم تمہیں دوبارہ اُن پر) جنہوں نے تمہیں لوٹا مارا تھا۔ یعنی ہم نے تم کو غلبہ وطاقت بخشی، تاکہ تم انہیں مغلوب ومقہور کردو۔ **(اور مدد فرمائی تمہاری، مال واولاد سے)** یعنی ہر قسم کے مال اور بیٹوں کی کثرت سے نوازا **(اور کردیا ہم نے تمہیں بڑے جتھے والا)** یعنی گنتی کے رو سے زیادہ

سے زیادہ، یعنی قتل ہونے سے پہلے تم لوگ جس قدر تھے اُس سے زیادہ ہم نے تمہیں کر دیا، تاکہ مجتمع ہو کر دشمنوں سے مقابلہ کر سکو۔ اور یاد رکھو!۔۔۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۟ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ

اگر تم نے بھلائی کی، تو اپنی بھلائی کی۔۔۔ اور اگر برائی کی، تو اپنے لیے کی۔ پھر جب آ گیا دوسرے

وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ

فساد کا وعدہ، تاکہ دشمن بگاڑ دیں تمہارے چہرے، اور تاکہ داخل ہوں مسجد میں جس طرح داخل ہوئے تھے

اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝

پہلی بار، اور تاکہ خوب ہی تباہ کر دیں جس چیز پر قابو پائیں ●

(اگر تم نے بھلائی کی، تو اپنی بھلائی کی)۔ اس واسطے کہ اُس بھلائی کا ثواب تم ہی کو تو پہنچے گا **(اور اگر برائی کی، تو اپنے لیے کی)** کیونکہ اُس کا وبال تمہاری ہی جانوں کے واسطے ہوگا۔

۔۔۔ الغرض۔۔۔ کوئی انسان کسی کے ساتھ حقیقی معنوں میں نہ تو کوئی بھلائی کرتا ہے اور نہ ہی برائی۔۔۔ بلکہ۔۔۔ جو کچھ کرتا ہے نتیجے کے لحاظ سے وہ اپنے ہی ساتھ کرتا ہے۔

(پھر جب آ گیا دوسرے فساد کا وعدہ)۔ دونوں فسادوں کے درمیان دو سو تیس [۲۳۰] برس کا وقفہ تھا۔۔۔ الغرض۔۔۔ جب اُس دوسری سختی کرنے کا وعدہ آ پہنچا، **(تاکہ دشمن بگاڑ دیں تمہارے چہرے)**، یعنی تمہارے چہروں پر رنج و غم کے آثار ظاہر کر دیں **(اور تاکہ داخل ہوں مسجد)** یعنی بیت المقدس **(میں، جس طرح داخل ہوئے تھے پہلی بار)** 'بخت نصر' کے ساتھ اور مسجد کو خراب کر دیا تھا۔ اِسی طرح 'طرطوس' کا لشکر بھی داخل ہو **(اور)** یہ اس لیے **(تاکہ)** داخل ہو کر **(خوب ہی تباہ کر دیں جس چیز پر قابو پائیں)**۔

ذہن نشین رہے کہ اِس قصہ میں بڑا اختلاف ہے۔ جس مفسر کو جو روایت پہنچی، اُس نے اس کی تفسیر میں وہی لکھ دیا۔ اِس سلسلے میں اِس کو صحیح قول قرار دیا گیا ہے کہ ولایتِ شام میں بنی اسرائیل کی سلطنت جب 'صدیقہ' نامی ایک مردِ ضعیف کو پہنچی، جو 'سلما' کی اولاد میں سے تھا، تو اطراف و جوانب کے بادشاہ ولایتِ 'ایلیا' کی طمع کر کے اُدھر متوجہ ہوئے۔ پہلے 'سنجاریب' موصل کا بادشاہ آیا، اُس کے پیچھے 'سلما' آذربائیجان کا بادشاہ آیا، اور دونوں نے بیت المقدس کو تلاش کر کے باہم لڑائی شروع کی اور بڑی لڑائی ہوئی، آخر ہیبتِ الٰہی ظاہر ہوئی اور دونوں لشکر ایک دوسرے سے بھاگ گئے، اور اُن کی غنیمتیں بنی اسرائیل کے ہاتھ لگیں۔

اور دوبارہ 'روم' اور 'صقالیہ' اور 'اندلس' کے بادشاہ لشکرِ جرار لے کر بیت المقدس پر جمع ہوئے، اور چونکہ سلطنت میں شرکت نہیں ہوتی، اس لیے یہ بادشاہ بھی باہم جنگ وجدال کرتے رہے۔ بنی اسرائیل نے دُعا مانگنی شروع کی کہ "یا اللہ یہ ظالم آپس میں لڑ مریں اور ہم صحیح وسلامت رہ کر ان کا مال لوٹیں"۔ خدا نے اُن کی دُعا قبول کی، وہ بادشاہ بھی آپس میں شکست کھا کے بھاگ گئے۔ اُن کا مال بھی بنی اسرائیل کے ہاتھ لگا۔

۔۔چونکہ۔۔ پانچ لشکروں کا مال بطورِ غنیمت اُن کے قبضہ وتصرف میں آیا۔۔لہٰذا۔۔اُن کے سروں میں تکبر سمایا، جبر اور گناہ کرنا شروع کیا، توریت کے احکام بالائے طاق رکھے۔ ارمیا پیغمبر نے ہر چند نصیحت کی اور توریت کے احکام سنائے اور کہا کہ یہ جو تم کرتے ہو پہلا فساد ہے، اپنے تئیں خدا کے غضب میں مبتلا نہ کرو، مگر اُن نئے مالداروں نے کچھ نہ سنا، پس حق تعالیٰ نے بخت نصر مجوسی بادشاہ کو اُن پر مسلط کردیا۔ اُس نے اُن پر چڑھائی کی اور لڑ کر بڑی شکست دی اور مسجد کو خراب کیا، توریت کو جلا دیا، بنی اسرائیل میں سے ستر ہزار آدمیوں کو گرفتار کرلایا اور ان کو لونڈی اور غلام بنایا، اور یہ اُن پر پہلی سختی اور عقوبت تھی۔

اور 'بخت نصر' کی کیفیت یہ ہے، کہ وہ 'سنجاریب' بادشاہ کا منشی تھا، جب بادشاہ مرنے لگا تو یہ وصیت کی، کہ میرے بعد 'بخت نصر' بادشاہ ہو۔ اُس کی وصیت کے موافق بخت نصر کو سلطنت ملی۔ اِس خرابی اور عقوبت کے بعد 'گورش ہمدانی' جس کے گھر میں بنی اسرائیل کی ایک عورت تھی، اُس نے اِس خرابی کا حال سنا۔ بہت سا مال اور تیس ہزار معمار ومزدور اپنے ساتھ لاکر تیس برس تک ولایتِ ایلیا بنواتا رہا، یہاں تک کہ مثل سابق آبادی ہوگئی اور دوبارہ بنی اسرائیل خوش وقت اور مرفہ الحال ہوئے اور اُن کے مال اور اولاد میں کثرت ہوئی۔ پھر اُن کے دماغوں میں سودائے مخالفت سمایا۔

۔۔چنانچہ۔۔ یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرڈالا اور عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، تو دوسری سختی اور عقوبت پہنچی۔ 'طرطوس رومی' اُن پر غالب ہوگیا اور دوبارہ مسجد کو خراب کیا اور بنی اسرائیل کا مال اور اسباب لوٹ لیا۔ اور حق تعالیٰ نے توریت میں دونوں عقوبتوں کے وعدے کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ۔۔۔

عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ

ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار اب بھی تم پر رحم فرمائے۔ اور اگر پھر شرارت پر پلٹے، تو ہم بھی عذاب کو پھر لائے۔۔۔

وقف لازم

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ⑧

اور بنادیا ہم نے جہنم کو کافروں کا قید خانہ●

(ممکن ہے کہ تمہارا پروردگار اَب بھی تم پر رحم فرمائے) اور پھر تمہیں نعمت دے، بشرطیکہ اس دوسری سختی کے بعد تم توبہ کرلو، (اور) سن لو! کہ (اگر پھر) دوبارہ (شرارت پر پلٹے) اور نافرمانی پر اتر آئے، تو جب جب ایسی صورت پیش آئی (تو ہم بھی عذاب کو پھر) دوبارہ (لائے)۔۔الغرض۔۔اگر تم پھرو گے دوبارہ نافرمانی کی طرف، تو پھریں گے ہم تیسری بار سختی کی طرف۔۔چنانچہ۔۔تیسری بار حضرت سرورِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کی، تو حق تعالیٰ نے قتل اور جلا وطنی اور جزیہ میں مبتلا کر کے اُن پر عقوبت اور تعذیب کی۔اور یہ تو رہا معاملہ دنیا میں عقوبت کا، (اور) اب رہ گیا آخرت کا معاملہ، تو (بنادیا ہم نے جہنم کو کافروں کا قید خانہ) کہ وہاں روک رکھے جائیں گے اور نکلنے پر قادر نہ ہوں گے۔

۔۔الحاصل۔۔ ہر دور میں اُس عہد کے رسول کی اطاعت ہر قسم کی عزت اور کرامت اور دنیا اور آخرت میں سعادت اور سرفرازی کا موجب ہے، اور اس کی نافرمانی ذلت وخواری کا سبب ہے۔۔لہٰذا۔۔عہدِ حاضر میں رسولِ آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخلصانہ اتباع اور آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآنِ کریم کے 'اوامر' کی بجا آوری اور 'نواہی' سے اجتناب ہی میں دارین کی صلاح وفلاح اور سرخروئی وفیروز بختی ہے۔اس لیے کہ۔۔۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ

بے شک یہ قرآن راہ دکھاتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے، اور مژدہ دیتا ہے اپنے ماننے والوں کو،

يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ⑨

جو عمل کریں لیاقت والا، کہ بے شک اُن کے لیے بڑا ثواب ہے●

(بے شک یہ قرآن راہ دکھاتا ہے) وہ (جو سب سے زیادہ سیدھی ہے)، یعنی یہ قرآن اُس راستے کی ہدایت دیتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور مستحکم ہے۔

تمام دین 'قویم' اور سیدھے ہیں اور دینِ اسلام **اَقْوَم** ہے اور سب سے زیادہ سیدھا ہے۔۔الغرض۔۔قرآن اُس ملت۔۔یا۔۔اُس شریعت۔۔یا۔۔اُس طریقے کی ہدایت دیتا ہے، جو سب سے زیادہ قدیم اور مستحکم ہے، اور جو لوگ اِس شریعت پر عمل کریں گے اُن کو

اللہ تعالیٰ بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا، اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے، خواہ سرے ہی سے آخرت کا انکار کرے۔۔یا۔۔جسمانی ثواب اور عذاب کا انکار کردیں۔۔یا یہ۔۔کہیں کہ ہمیں دوزخ کی آگ صرف چند دن چھوئے گی۔۔الختصر۔۔آخرت میں ہونے والے لازمی احوال کا انکار کریں، ان سب کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔۔الختصر۔۔یہ قرآن سب کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔۔۔

(اور مژدہ دیتا ہے اپنے ماننے والوں کو جو عمل کریں لیاقت والا، کہ بے شک اُن کے لیے بڑا ثواب ہے) یعنی ایمان والوں کو بہشت کی خوش خبری دیتا۔۔۔

وَّاَنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ﴿۱۰﴾ ع ۱

اور بے شک جو نہ مانیں آخرت کو، مہیا فرمالیا ہم نے اُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب●

(اور) انہیں اِس بات کی بھی خوشخبری دیتا ہے، کہ (بے شک جو نہ مانیں آخرت کو، مہیا فرمالیا ہم نے اُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب)، یعنی دوزخ کی آگ۔۔الختصر۔۔مومنوں کے واسطے دُو بشارتیں ہیں۔ اپنا ثواب اور اپنے دشمنوں کا عذاب۔

سابقہ آیت میں مومنوں کے لیے دُو بشارت کا ذِکر فرمایا اور اب عام انسانی نفسیات کا تذکرہ فرمارہا ہے۔۔۔

وَيَدۡعُ الۡاِنۡسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالۡخَيۡرِ‌ ؕ وَكَانَ الۡاِنۡسَانُ عَجُوۡلًا ﴿۱۱﴾

اور کوستے ہیں بعض لوگ تباہی کے لیے جیسے دُعا ہو بھلائی کے لیے۔ اور انسان بڑا جلد باز ہے●

(اور) وضاحت فرمارہا ہے، کہ (کوستے ہیں بعض لوگ تباہی کے لیے جیسے دُعا ہو بھلائی کے لیے)، یعنی بعض دُعا مانگنے والا شر کی دُعا ایسے مانگتا ہے، جیسے وہ خیر کی دُعا مانگتا ہے۔ یعنی جیسے وہ اپنی بھلائی۔۔مثلاً: رزق، عافیت اور رحمت کے لیے دلچسپی سے دُعا مانگتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی دُعا جلد مستجاب ہوجائے، ایسے ہی وہ شر کی دُعا میں بھی دلچسپی رکھتا۔

۔۔یا۔۔اُس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی دُعائے شر کو خیر مانتا ہے، جبھی تو نضر بن حارث بَرملا کہتا تھا "برسا ہم پر پتھر آسمان سے"، اور اِس طرح دُعا کرکے وہ خدا سے عذاب مانگتا تھا، حالانکہ اِس طرح کی دُعا، دُعا کرنے والوں کے لیے شر ہے، نہ کہ خیر۔

اس سے ظاہر ہوگیا کہ اپنی جبلی (اور) فطری عادت کے مطابق (انسان بڑا جلد باز ہے)۔

اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ عجلت شیطانی عمل ہے۔۔ہاں۔۔چند مقامات ایسے ہیں جہاں عجلت ضروری ہے:

﴿۱﴾۔۔نماز کی ادائیگی میں، جب کہ اُس کا وقت ہوجائے۔

﴿۲﴾۔۔جب لڑکی بالغ ہوجائے، تو اُس کے بیاہ میں جلدی کی جائے۔

﴿۳﴾۔۔قرض کو بھی جلد ادا کیا جائے، جب ادائیگی کی طاقت حاصل ہو۔

﴿۴﴾۔۔جب مہمان تشریف لائے، تو کھانا جلد کھلایا جائے۔

﴿۵﴾۔۔جب گناہِ صغیرہ۔۔یا۔۔کبیرہ کا ارتکاب ہوجائے، تو توبہ میں عجلت کی جائے۔

﴿۶﴾۔۔جب کوئی فوت ہوجائے، تو دفن میں جلدی کی جائے۔

۔۔الختصر۔۔شریعتِ مطہرہ جن جن امور کو بعجلت ادا کرنے کی ہدایت فرمائے، بس اُسی میں عجلت سے کام لیا جائے۔۔نیز۔۔دُعا کرنے میں اُس کے انجام کو سوچے سمجھے بغیر جلدی نہ کی جائے۔'انسان جلد باز ہے'، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انسان ایک حال سے دوسرا حال بدل جانے میں جلدی کرتا ہے، نہ خوشی کا تحمل رکھتا ہے، نہ رنج کا۔۔۔نہ گرمی میں اُسے صبر ہے، نہ جاڑے میں۔

اب آگے اُن 'آیاتِ تکوینیہ' کو بیان کیا جاتا ہے جن سے بندے کو غور وفکر کرنے پر ہدایت نصیب ہوتی ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ

اور بنایا ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں، چنانچہ مٹی مٹی دھندلی رکھی ہم نے رات کی نشانی، اور کر دیا دن کی نشانی کو

مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ

کھلی دکھاتی، تاکہ تلاش کرو اپنے پروردگار کا فضل، اور تاکہ جانتے رہو ہر ہر سال کے شمار کو اور حساب کو۔

وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

اور ہر چیز کی ہم نے الگ الگ تفصیل کر دی ہے●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (بنایا ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں) کہ ایک کے بعد ایک آکر حکیم مطلق جل جلالہ کی قدرتِ کاملہ پر دلالت کرتی ہیں۔(چنانچہ مٹی مٹی دھندلی رکھی ہم نے رات کی نشانی)

یعنی رات کی نشانی اندھیرا ہے، جس کو آفتاب نکال کر ہم نے مٹایا اور دن کی نشانی روشنی ہے، تو (کردیا دن کی نشانی کو کھلتی دکھاتی) کہ اس میں سب چیزیں دکھائی دیتی ہیں (تاکہ تلاش کرو) اس کی روشنی میں (اپنے پروردگار کا فضل)، یعنی معاش میں زیادتی اپنے رب سے۔

بعضوں نے کہا ہے، کہ دن کی نشانی آفتاب ہے اور رات کی نشانی ماہتاب ہے۔ اور رات کی نشانی مِٹ جانا، بدرِ کامل ہونے کے بعد چاند کی روشنی کا گھٹ جانا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہ سابق میں چاند سورج روشنی میں یکساں تھے، اسی سبب سے دن رات میں امتیاز نہ تھا، تو حق تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے اپنے پَر چاند پر ملے، تو اس کا نور محو ہوگیا اور سورج جیسا تھا ویسا ہی رہا، تو اس روایت کے مطابق اس آیت کی تفسیر یہ ہوئی، کہ چاند کی روشنی ہم نے مٹادی اور سورج کو روشن رکھا، تاکہ تم لوگ دن میں اپنی روزی کمانے جاؤ۔۔۔

(اور تاکہ جانتے رہو) چاند سورج کی گردش کے مختلف ہونے کے سبب سے (ہر ہر سال کے شمار کو، اور) وقتوں اور موسم کے کاموں کے (حساب کو)۔ (اور) یادرکھو! کہ (ہر چیز کی) جس کے تم محتاج ہو، دینی کام ہو یا دنیوی، (ہم نے) قرآنِ کریم میں (الگ الگ تفصیل کردی ہے)، یعنی حسبِ ضرورت ان کا مفصل بیان کردیا ہے۔

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ ؕ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

اور سارے انسان، ہم نے اُن کی قسمت کو اُن کے گلے میں پھندا کردیا۔ اور برآمد کریں گے اُس کے لیے قیامت کے دن

كِتٰبًا یَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿١٣﴾

نوشتہ، جسے پائے گا کھلا ہوا●

(اور سارے انسان) خواہ مومن ہوں۔۔یا۔۔کافر، (ہم نے اُن کی قسمت کو) اور نوشتۂ تقدیر کو (اُن کے گلے میں پھندا کردیا ہے)، کہ وہ کام کیے بغیر اُسے چارہ ہی نہیں، اور وہ تقدیر کا لکھا اُس کی گردن کا طوق ہیں۔

روایت ہے، کہ جو لڑکا پیدا ہوتا ہے اُس کی تقدیر کا لکھا اُس کی گردن میں لٹکا دیا جاتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ وہ لڑکا سعید ہے۔۔یا۔۔شقی اور بعضے اِس بات پر ہیں، کہ عرب کے لوگ سابق میں جانور اُڑا کر فال لیتے تھے، اگر جانور داہنی جانب اُڑا، تو سعادت اور برکت

کی علامت جانتے تھے اور اگر بائیں طرف اُڑا، تو شامت اور شقاوت کی نشانی سمجھتے تھے، تو ان کی عادتِ قدیم کے موافق حق تعالیٰ نے یہاں **طٰٓئِرَہٗ** کو استعارہ کیا ہے اُس چیز کے ساتھ جو خیر اور شر کا سبب ہو۔ یہ بھی قول ہے کہ **طٰٓئِرَہٗ** وہ کتاب ہے، جو قیامت کے دن اُڑتی ہوئی بندوں کے ہاتھوں میں آئے گی اور اب **فِیْ عُنُقِہٖ** کا معنی یہ ہیں، کہ اُس کا عمل اس کی گردن پر ہے۔۔۔

(اور برآمد کریں گے اُس کے لیے قیامت کے دن نوشتہ، جسے پائے گا) وہ (کھلا ہوا)، یعنی دیکھے گا اُس لکھے ہوئے کو ہاتھ میں کھلا ہوا۔

روایت ہے کہ آدمی کو جب سکرات ہوتی ہے، تو اس کا اعمال نامہ لپیٹ لیتے ہیں، پھر جب قیامت کے دن اٹھے گا، تو نامۂ اعمال کو کھول کر اُس کے ہاتھ میں دیں گے۔۔۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ﴿۱۴﴾

کہ پڑھ، اپنا نامۂ اعمال۔ کافی ہے تو ہی آج اپنے اوپر حساب کرنے کو●

اور کہیں گے **(کہ پڑھ اپنا نامۂ اعمال)**۔ اُس روز سب آدمی پڑھنے والے ہوں گے اور ہر ایک سے خطاب ہوگا، کہ اعمال نامہ اپنا لکھا ہوا پڑھ۔ **(کافی ہے تو ہی آج اپنے اوپر حساب کرنے کو)**، یعنی تو خود دیکھ، کہ تو نے کیا کیا ہے؟ اور تو کیسی جزا کا مستحق ہے؟۔ *الحتصر*۔ آج تم خود ہی اپنا محاسبہ کرنے کے لیے کافی ہو۔ تو اَے ہوش وخرد والے! آج اپنے دفترِ اعمال پر نظر کر، کہ نیک بد کیا کیا اور چونکہ فرصت رکھتا ہے اپنے اعمال کے تدارک میں کوشش کر، کہ کل قیامت کے دن تدارک اور تلافی کی مجال نہ ہوگی۔ آج عمل بے حساب ہے اور کل حساب بے عمل ہوگا۔

منقول ہے، کہ ایک باپ نے اپنے بیٹے سے کہا، کہ آج جو کچھ لوگوں سے کہے اور اُن سے سنے اور جو کام شام تک تو کرے، مجھ سے کہنا اور اپنے سب حرکات وسکنات مجھ سے عرض کرنا۔ اُس بیٹے نے مغرب کی نماز بڑی کلفت کے ساتھ اُس روز ادا کی اور اپنے قول و فعل سب باپ سے بیان کیے۔ باپ نے دوسرے دن بھی بیٹے کو وہی حکم کیا۔ بیٹا بولا، کہ قبلہ وکعبہ اور جو کچھ رنج وکلفت آپ کو منظور ہو مجھے گوارا ہے، اِس حکم سے معاف رکھیے، کہ اس کی طاقت مجھ میں نہیں۔ باپ بولا، کہ بیٹا یہ کام دے کر میں نے تجھے نصیحت کی، تا کہ تو ہوشیار رہے اور روزِ حساب سے غافل نہ ہو جائے۔ جب اپنے باپ کو ایک دن کا حساب

دینے کی طاقت تجھے نہیں، تو تمام عمر کا حساب حق تعالیٰ کو کیونکر دے گا۔۔الحاصل۔۔

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ

جس نے راہ پائی، تو اپنے ہی لیے پائی۔اور جس نے بے راہی کی، تو اپنے بُرے کو

عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ

بے راہی کی۔اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔اور ہم نہیں ہیں عذاب بھیجنے والے

حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

یہاں تک کہ بھیج لیں رسول کو●

(جس نے راہ پائی) اور سیدھی راہ چلا، (تو اپنے ہی لیے پائی)، یعنی اُس کا فائدہ اُسی کو حاصل ہوگا اور اُس راہ پر چلنے سے اُسی کی نجات ہوگی۔(اور جس نے بے راہی کی) اور گمراہی اختیار کی، (تو اپنے) ہی (بُرے کو بے راہی کی)۔اُس کی گمراہی کا وبال اُسی کی جان کو اٹھانا ہے، یعنی اُس کی گمراہی اُسی کو ہلاک کرے گی۔(اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی)۔

۔۔لہٰذا۔۔ولید ابن مغیرہ کا کافروں سے یہ بکواس کرنا، کہ تم میری متابعت کرو، میں تمہارے گناہوں کا بوجھ اٹھالوں گا، اُس کی بے عقلی کی واضح دلیل ہے اور اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خدائی نظامِ عدل سے بے خبر ہے۔

حق تعالیٰ کا ارشاد (اور) فرمان ہے کہ (ہم نہیں ہیں عذاب بھیجنے والے، یہاں تک کہ بھیج لیں رسول کو) جو رسول اُس قوم کو سیدھی راہ کی طرف بُلائے اور اُسے دلیل اور معجزہ دکھائے۔۔المختصر۔۔ اتمامِ حجت کیے بغیر ہم کسی کو تباہ اور ہلاک نہیں کرتے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا

اور جب ہم نے چاہا کہ تباہ کردیں کسی آبادی کو، تو حکم دیا ہم نے اُس کے عیش والوں کو، تو انہوں نے اُس میں نافرمانی کی،

فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

تو درست ہوگئی اُن پر بات، تو ہم نے تباہ کردیا برباد کرکے●

ہماری سنت (اور) عادتِ کریمہ یہ ہے، کہ (جب ہم نے چاہا کہ تباہ کردیں کسی آبادی) یعنی

کسی شہر۔۔یا۔۔گاؤں کے رہنے والوں (کو، تو حکم دیا ہم نے اس کے عیش والوں کو) یعنی دولت مندوں کو۔۔یا۔۔حکم کرتے ہیں ہم اُس شہر کے جابروں اور سرکشوں کو اُس رسول کی فرمانبرداری کا جوان کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہے، (تو انھوں نے اس میں نافرمانی کی) اور رسول کے حکم سے باہر ہو گئے اور تمرد و سرکشی اختیار کیا، (تو درست ہوگئی اُن پر بات)، یعنی اُس بستی والوں پر عذاب کا کلمہ جو حکم ازلی میں پہلے ہو چکا ہے، یعنی تمرد کرنے کے سبب سے وہ لوگ عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں، (تو ہم نے) ایسوں کو (تباہ کر دیا برباد کر کے)، یعنی ہم انہیں جڑ سے اکھاڑ دیتے ہیں اور خراب کر دیتے ہیں ان کے گھروں کو الٹ پلٹ کر کے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

اور کتنے تباہ کر دیے ہم نے طبقے نوح کے بعد۔ اور تمہارا پروردگار

بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ⑰

اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار و نگراں ہے●

پچھلی قوموں کے حالات سے سبق حاصل کرو (اور) غور کرو، کہ (کتنے تباہ کر دیے ہم نے طبقے نوح کے بعد)، یعنی حضرت نوح کی وفات کے بعد، جیسے قوم عاد، قوم ثمود اور اُن کے مثل۔

ایک قرن ایک سوبیس[120] برس کا ہوتا ہے۔۔یا۔۔چالیس[40] برس کا۔۔یا۔۔اسی[80] برس کا۔۔یا۔۔ اتنی مدت کو قرن کہتے ہیں، کہ جس مدت سے زیادہ اس زمانہ کے لوگوں کی عمر نہ ہوتی ہو۔ عدل وانصاف کو نافذ کرنے کے لیے علم وخبر کی بنیادی حیثیت ہے۔۔۔

تو سن لو (اور) یاد رکھو! کہ (تمہارا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے کافی خبردار و نگراں ہے)۔ وہ اُن کے چھپے ہوئے گناہوں کو جانتا ہے اور کھلے ہوئے گناہوں کو دیکھتا ہے۔ اس کے علم وخبر کا حال یہ ہے، کہ وہ جہاد میں شریک ہونے والوں کی دلی کیفیتوں اور اُن کے قلبی احساسات سے بھی بخوبی واقف ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ مومنوں کے ساتھ جہاد کے ارادے سے نکلنے والے منافقین میں سے جس۔۔۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ

جس نے جلد والی دنیا چاہی، ہم نے جلدی کر دی اُس کے لیے اس میں، جو چاہیں جس کے لیے چاہیں،

ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿١٨﴾

پھر کر دیا ہم نے اُس کے لیے جہنم۔ کہ جائے وہاں بُرا کہلاتا، راندۂ درگاہ●

(جس نے جلد والی دنیا چاہی)، یعنی صرف مالِ غنیمت کے حصول کے لیے شریکِ جہاد ہوا اور اُن دنیاوی لذتوں کی خواہش میں رہا جو جلد ختم ہو جانے والی ہیں، (تو ہم نے جلدی کر دی اُس کے لیے اس میں) سے (جو چاہیں جس کے لیے چاہیں)، یعنی دنیا کی نعمتوں میں سے، دنیا کے طلبگاروں میں سے، جس کو جتنا اور جب چاہتے دے دیتے ہیں۔ (پھر) اِس کا انجام کار یہ ہوا، کہ (کر دیا ہم نے اُس کے لیے جہنم) دائمی ٹھکانہ، (کہ جائے وہاں بُرا کہلاتا، راندۂ درگاہ) یعنی بدحال اور رحمتِ الٰہی سے دور۔

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ

اور جس نے چاہا آخرت کو اور اس کے لیے کوشش کی اس کے قابل، اور وہ ایمان والا،

فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿١٩﴾

تو وہ ہیں کہ جن کی کوشش قابل قدر ہے●

(اور) اُس کے برعکس (جس نے چاہا آخرت) کی بھلائی، یعنی بہشت (کو، اور اُس کے لیے کوشش کی اُس کے قابل) جو کوشش کرنے کا حق ہے، یعنی نیک اعمال انجام دیتا رہا (اور) اِس حال میں کہ (وہ ایمان والا) بھی ہے، یعنی اُس کے ایمان میں شرک کا شائبہ بھی نہ ہو، (تو) ایسے لوگ (وہ ہیں کہ جن کی کوشش قابل قدر ہے)، یعنی مقبول اور خدا کے نزدیک پسندیدہ۔ یہ شان ان کی ہے جو طالبِ آخرت، اعمالِ صالحہ والے اور مخلصانہ کھرے ایمان والے ہیں۔۔یوں۔۔تو کوئی طالبِ دنیا ہو کہ طالبِ آخرت۔۔۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۭ وَمَا كَانَ

سبھی کی ہم مدد فرماتے ہیں، اِن کی اور اُن کی، تمہارے پروردگار کی عطا سے۔ اور نہیں ہے

عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿٢٠﴾

تمہارے پروردگار کی عطا پر پابندی●

(سبھی کی ہم مدد فرماتے ہیں، اِن کی اور اُن کی، تمہارے پروردگار کی عطا سے۔ اور نہیں ہے تمہارے پروردگار کی عطا پر پابندی)۔ یعنی ربِّ کریم کی عطا مومن و کافر سبھی کے لیے عام ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ طالبِ دُنیا کو دُنیا کی عارضی اور فنا ہو جانے والی نعمتوں میں سے 'بقدرِ کفایت' دیتا ہے، اور طالبِ آخرت کو آخرت کی دائمی اور لافانی نعمتوں میں سے 'بقدرِ ہمت' دیتا ہے۔ الغرض۔۔ وہ کسی کو محروم نہیں رکھتا۔ نگاہِ عبرت سے۔۔۔

اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ

دیکھ لو کہ کیسا بڑھا رکھا ہے ہم نے بعض کو بعض پر۔ اور بلاشبہ آخرت سب درجوں میں بڑی ہے،

وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

اور بڑائی میں سب سے بڑی ہے ●

(دیکھ لو، کہ) ازراہِ حکمت (کیسا بڑھا رکھا ہے ہم نے بعض کو بعض پر)۔ یعنی آپ دیکھئے کہ کس طرح ہماری عطا دین اور دنیا پر محیط ہے۔ ہم ایک مومن تک اپنی نعمتیں پہنچاتے ہیں اور دوسرے مومن پر دنیا تنگ کر دیتے ہیں۔ اِسی طرح ہم ایک کافر پر اپنی نعمتیں کھول دیتے ہیں اور دوسرے کافر پر اپنی نعمتیں بند کر دیتے ہیں، تا کہ بعض دوسروں کو اپنا ماتحت اور تابعدار بنا سکیں۔ یعنی مال و دولت، جاہ و منصب اور عقل و فہم میں ہم نے اس لیے یہ فرق رکھا ہے، تا کہ زیادہ مال والا کم مال والے کو، بلند منصب والا کم منصب والے کو، اور زیادہ عقل والا کم عقل والے کو، اپنا ماتحت بنا سکے اور زیادہ مالدار تنگدستوں سے کام لے سکے۔

اللہ تعالیٰ کی اِس حکمتِ بالغہ سے کائنات کا نظام چل رہا ہے۔ اگر سب برابر ہوتے، تو کوئی کسی کا کام کرنے کے لیے تیار نہ ہوتا۔۔ المختصر۔۔ اِس کائنات کے نظام کے لیے سب قسم کے لوگ ناگزیر ہیں اور اگر سب لوگ ایک درجے کے ہوتے، تو یہ نظامِ کائنات چل ہی نہیں سکتا تھا۔۔ الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کی مساوی تقسیم نہیں کی۔ اُس کی ایک حکمت دنیا کے اعتبار سے ہے اور دوسری حکمت آخرت کے اعتبار سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو زیادہ مال دیا ہے وہ عموماً مال و دولت کی بنا پر عیش و عشرت اور رنگ رلیوں میں پڑ کر گناہ کرتے ہیں اور آخرت کھو دیتے ہیں، اور جن کو کم مال دیا ہے وہ اپنے فقر و فاقہ پر صبر کرتے ہیں اور گناہوں سے بچتے ہیں اور عبادت میں زیادہ کوشش کر کے اپنی آخرت بنا لیتے ہیں۔

(اور بلاشبہ آخرت سب درجوں میں بڑی ہے اور بڑائی میں سب سے بڑی ہے)۔

دنیا میں مخلوق کی ایک دوسرے پر فضیلت 'محسوس اور مشاہد' ہے، اور آخرت میں اُن کی ایک دوسرے پر فضیلت 'غیب' ہے، اور جس طرح آخرت کی دنیا پر بے انتہا فضیلت ہے، حتیٰ کہ ہم یہاں اِس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، اِسی طرح اُخروی درجات کی جو دنیاوی درجات پر فضیلت ہے، وہ بھی بے حد وحساب ہے۔ سو انسان کو چاہیے کہ وہ دنیاوی بڑائی کے حصول کی بجائے، اخروی بڑائی کے حصول کی کوشش کرے۔۔ المختصر۔۔ بہشت میں تفاوت درجوں کے سبب سے ہے اور ایک کمتر اور دوسرے برتر درجے میں زمین آسمان کا تفاوت اور مسافت ہے اور دوزخ میں درکات کے سبب سے تفاوت ہے۔ اس میں بھی نیچے والے "درکے" سے اُس کے اوپر والے "درکے" تک اُسی قدر تفاوت اور مسافت ہے۔

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ لوگوں کے دو فریق ہیں۔ ایک فریق دنیا کا طالب ہے اور وہ عتاب اور عذاب کا مستحق ہے اور دوسرا فریق وہ ہے جو آخرت کا طالب ہے اور وہ اطاعت گزار ہے۔ پھر آخرت کے طالب کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ وہ صاحبِ ایمان ہو اور ایسے عمل کرے جن سے اللہ تعالیٰ کا صحیح تقرب حاصل ہو اور اس کی نیت صحیح ہو۔ سو اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان اور پھر تقرب کے صحیح طریقہ کی ضرورت کو بیان فرمایا، اور اُس کے بعد پھر فرمایا کہ مومن صالح کو چاہیے کہ وہ اپنے اعمال میں کسی موقع پر بھی شرک کو دَر انداز ہونے کا موقع نہ دے۔ اس لیے فرمایا، کہ اَے سننے والو!۔۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع ۲

مت گڑھو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود، کہ بیٹھے رہ جاؤ برے کہلاتے رسوا●

(مت گڑھو اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ دوسرا معبود، کہ بیٹھے رہ جاؤ بُرے کہلاتے رسوا)۔۔ المختصر۔ اپنے کو حقیقی مذمت اور رسوائی کا مستحق ہونے سے بچاؤ اور اپنے کو ساری نیکیوں سے محروم نہ بناؤ۔

سابقہ آیت میں ایمان پر قائم رہنے اور شرک نہ کرنے کا حکم تھا، اور اب اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اعمالِ صالحہ کی تفصیلات بیان فرمائی ہیں، جو کہ ایمان کے شعائر ہیں اور ایمان کی شرائط ہیں، اور اُن کی کئی اقسام ہیں اور اُس میں سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔۔ چنانچہ۔۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ؕ

اور فیصلہ فرمادیا تمہارے پروردگار نے، کہ نہ پوجو مگر اُسی کو، اور ماں باپ سے بھلائی کرنے کا،

اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ

اگر پہنچ جائیں تمہارے سامنے بڑھاپے کو، اُن میں کا ایک یا دونوں، تو مت کہنا انہیں "ہاں کا ہوں"،

وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ﴿۲۳﴾

اور نہ انہیں جھڑکنا، اور بولنا اُن سے عزت کرنے والی بولی●

اَے محبوب! سارے مکلفوں کو حکم دے دیا (اور فیصلہ فرمادیا تمہارے پروردگار نے، کہ نہ پوجو مگر اُسی کو) کیونکہ پوجنا اور عبادت اس فعل کو کہتے ہیں جو نہایت تعظیم پر مشتمل ہو، جس کے اوپر تعظیم کا کوئی درجہ ہی نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ اُسی ہستی کی نہایت اور انتہا درجہ کی تعظیم لائق ہے، جس نے نہایت انعام کیا ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وجود، قدرت، حیات اور عقل عطا کرنا، نہایت انعام ہے کیونکہ دلائل سے ثابت ہے، کہ وجود، حیات، عقل اور قدرت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عطا نہیں کرسکتا۔ اور جب یہ تمام نعمتیں اللہ کے سوا اور کوئی عطا کرنے والا نہیں ہے، تو پھر عبادت کا مستحق بھی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

تو صرف اُسی کو پوجو (اور) صرف اُسی کی عبادت کے حکم کے ساتھ (ماں باپ سے بھلائی کرنے کا) حکم فرمادیا۔

حق تعالیٰ نے اپنی عبادت کو ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے سے ملا کر بیان فرمایا، اس واسطے کہ ماں باپ اولاد کی پیدائش اور تربیت کے واسطے بہت قریب ہیں۔ ماں باپ کی خدمت اور ان کی اطاعت کا تقاضا یہ ہے، کہ نہ براہِ راست اُن کی گستاخی کرے اور نہ کوئی ایسا کام کرے، جو ان کی گستاخی کا موجب ہو۔۔ المختصر۔۔ اغراضِ صحیحہ اور جائز کاموں میں ماں باپ کی نافرمانی کرنا حرام ہے اور جائز کاموں میں ان کی اطاعت کرنا واجب ہے جب کہ ان کا حکم کسی معصیت کو مستلزم نہ ہو۔

تو (اگر پہنچ جائیں تمہارے سامنے بڑھاپے کو، ان میں کا ایک یا دونوں، تو مت کہنا انہیں "ہاں کا ہوں")، یعنی اُن کی اطاعت میں جہاں "ہاں" کہنا چاہیے، وہاں ان کی بات کا انکار کرنے کے لیے "ہوں" نہ کہہ دینا۔۔ الغرض۔۔ اپنے حرکات وسکنات اور قول وفعل میں ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرنا جو

ان کی بات نہ ماننے اور نافرمانی کا اشارہ ہو۔

اس مقام پر یہ نکتہ ذہن نشین رہے، کہ اِس آیت میں اور اس کے آگے پیچھے کی آیات میں بظاہر اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کلام کے مخاطب ہیں، لیکن اِن تمام آیات میں درحقیقت سارے انسانوں کے پیغمبر کے توسط سے انسان مخاطب ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۳ سے یہ بات بالکل ظاہر ہے، کیوں کہ اِس آیت میں سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب نہیں ہوسکتا، کیونکہ آپ کی زندگی میں آپ کے ماں باپ میں سے کوئی بڑھاپے کی عمر کو نہیں پہنچے۔ والدِ گرامی تو آپ کی ولادت سے پہلے فوت ہوچکے تھے اور والدہ محترمہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اُس وقت فوت ہوگئی تھیں جب کہ آپ کی عمر شریف چھ ۶ سال تھی، اس لیے اِس آیت میں لامحالہ آپ سے خطاب نہیں بلکہ عام انسان سے خطاب ہے۔ اِسی طرح جن جن آیات میں عقلاً۔۔یا۔۔شرعاً ذاتِ رسول کو مخاطب نہ بنایا جاسکے اس میں خطاب کا روئے سخن انسان ہی کی طرف ہوگا۔

تو اَے انسان! اپنے ماں باپ کا ادب کرنا (اور نہ انہیں جھڑکنا)، یعنی ان کی بات کا سخت جواب نہ دینا اور نہ انہیں ڈانٹنا۔ اور ان سے ایسی بات نہ کرنا جس سے اندازہ ہو کہ تم ان سے تنگ آچکے ہو اور ان کی صحبت کو اپنے لیے بار سمجھنے لگے ہو، بلکہ ان کا ادب کرنا (اور بولنا ان سے عزت کرنے والی بولی) جو ادب اور تعظیم کے ساتھ ہو، اور ان کا نام لے کر نہ پکارو اور اُن کے سامنے ایسا رہو، جیسا کوئی فرمانبردار غلام اپنے آقا کے حضور میں رہتا ہے۔۔۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا

اور بچھادینا اُن کے لیے اپنی چھوٹائی کا بازو ہمدردی سے، اور دُعا کرتے رہو کہ پروردگار اُن دونوں پر رحم فرما،

كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾

جیسا کہ پالا انہوں نے مجھے کم سنی میں"●

(اور بچھادینا ان کے لیے اپنی چھوٹائی کا بازو)، یعنی اُن کے ساتھ تکبر نہ کرنا اور اپنی بڑائی نہ جتانا، بلکہ نرمی اور مہربانی سے پیش آنا (ہمدردی سے)، یعنی ان پر فرطِ رحمت سے، اس واسطے کہ ابھی کل تو اُن کا محتاج تھا اپنی تربیت میں، اور اب وہ تیرے محتاج ہیں اپنی خدمت اور تقویت میں، (اور) ان کے لیے (دُعا کرتے رہو، کہ پروردگارا اِن دونوں پر رحم فرما، جیسا کہ پالا انہوں نے مجھے کم سنی میں)

یعنی اس حال میں جب کہ میں چھوٹا تھا۔

ذہن نشین رہے، کہ اولاد کی دُعائے رحمت جو والدین کے حق میں ہوتی ہے اُس کی حقیقت یہ ہے کہ اگر وہ مومن ہیں، تو انہیں جنت میں پہنچا اور اگر کافر ہیں، تو انہیں اسلام اور ایمان ہدایت فرما۔ اِس مقام پر یہ جاننا فائدے سے خالی نہیں، کہ اللہ جل شانہ کی خوشی ماں باپ کی رضامندی کے ساتھ بندھی ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ "جس سے راضی ہوں اس کے ماں باپ، تو میں بھی اس سے راضی ہوں"۔

تو ان کے اگلے حقوق بھول کر انہیں ایذاء نہ دینا۔ یاد رکھو کہ۔۔۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۚ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ

تمہارا پروردگار جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم لوگ لیاقت مند رہو گے، تو بلاشبہ وہ

كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿٢٥﴾

توبہ کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے●

(تمہارا پروردگار جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے) یعنی ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنا ۔۔یا۔۔ برائی کرنا، ان میں سے جو بھی تمہارے دل میں ہے حق تعالیٰ اُس سے باخبر ہے۔ (اگر تم لوگ لیاقت مند رہو گے) یعنی ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرنے والے رہو گے، (تو بلاشبہ وہ توبہ کرنے والوں کو) جو ماں باپ کے ساتھ برائی کرنے سے توبہ کرتے ہیں ۔۔یا۔۔ خدا کی درگاہ میں رجوع کرتے ہیں (بخش دینے والا ہے)۔

جب تم والدین کے ساتھ نیکی کرنے سے فارغ ہو گئے، تو اب تم پر واجب ہے کہ باقی رشتے داروں کے ساتھ درجہ بدرجہ نیکی کرو۔ پھر مسکینوں اور مسافروں کے احوال کی اصلاح کرو اور قرابت داروں کو دو، بشرطیکہ وہ محروم ہوں، تنگ دست ہوں اور کمانے سے عاجز ہوں۔

امام اعظم کے نزدیک امیر اور خوشحال پر واجب ہے، کہ وہ اپنے تنگ دست قرابت داروں پر بقدرِ ضرورت خرچ کرے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہے کہ۔۔۔

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

اور دو قرابت والوں کو اُن کا حق، اور خانہ برباد کو، اور مسافر کو،

وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ﴿۲۶﴾

اور نہ اڑاؤ فضول●

(اور دو قرابت والوں کو ان کا حق اور خانہ برباد کو)، اُس فقیر کو جس کے پاس کچھ نہ ہو (اور مسافر کو) جو مصرفِ زکوٰۃ میں سے ہیں۔ (اور نہ اڑاؤ فضول) یعنی جن مقاموں پر مال نہ خرچ کرنا چاہیے وہاں اپنا مال پراگندہ نہ کرو۔

امام مجاہد نے کہا ہے، کہ کارِ خیر میں اگر اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کریں، تو وہ ہرگز 'اسراف' نہیں اور اگر جَو برابر باطل اور خلافِ شرع صرف کریں، تو وہ 'اسراف' ہے۔ جان لو! کہ۔۔۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ ؕ وَ كَانَ الشَّیْطٰنُ

بے شک فضول خرچ والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں۔ اور شیطان

لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾

اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے●

(بے شک فضول خرچ) کرنے (والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں) یعنی شرارت اور مال تلف کرنے میں شیطانوں کے مثل ہیں۔

عرب کی عادت ہے کہ جب کسی قوم کی عادت پر کسی اور شخص کو پاتے تو کہتے، کہ یہ شخص اُس قوم کا بھائی ہے۔ روایت ہے کہ مکہ معظمہ کے کفار، لوگوں کو دکھانے سنانے کے واسطے اپنا مال بے جا طور پر خرچ کیا کرتے تھے اور ایک مہمان کے واسطے کئی اونٹ ذبح کر ڈالتے تھے، حق تعالیٰ ان کی مذمت کرتا ہے کہ مال ضائع کرنے میں وہ کافر شیطانوں کے مثل ہیں۔

(اور شیطان اپنے پروردگار کا ناشکرا ہے) یعنی منکر ہے۔ تو چاہیے اِس بات میں یعنی نعمتِ الٰہی کی ناشکری میں کوئی آدمی شیطان کی متابعت نہ کرے، کہ جس طرح شیطان اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں، اور زمین میں فساد پھیلانے میں، اور لوگوں کو گمراہ کرنے میں، اور ان کو نیکیوں سے روکنے میں خرچ کرتا اور خرچ کراتا ہے، تو اگر کوئی صاحبِ منصب و مال اپنے مال و منصب کو ایسے کاموں میں لگائے جن کاموں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال اور منصب کی نعمتوں کی بہت زیادہ ناشکری کرنے والا ہے، اور اِس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ مبذرین اور

مسرفین شیاطین کے بھائی اور اُس کے قرین ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی صفات اور افعال میں شیطان کے موافق اور اُس کے پیروکار ہیں۔ پھر چونکہ شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے، اس لیے وہ بھی اپنے رب کے ناشکرے ہیں۔

بعض لوگ زمانۂ جاہلیت میں لوٹ مار کر کے مال جمع کرتے تھے، پھر لوگوں کو دکھانے اور سنانے کے لیے اُس مال کو نیکی کے راستوں میں خرچ کرتے تھے۔ اور مشرکین قریش اپنے اموال کو اس لیے خرچ کرتے تھے، تاکہ لوگوں کو اسلام لانے سے روکا جائے اور اسلام کے دشمنوں کی اطاعت میں خرچ کرتے تھے، اُن کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ذہن نشین رہے، کہ جس طرح فضول خرچی کوئی اچھی چیز نہیں، اِسی طرح بداخلاقی کے ساتھ پیش آنا بھی کوئی پسندیدہ چیز نہیں، تو اگر کوئی ایسی صورت پیش آئے کہ تمہارا ہاتھ تنگ ہو، اور تمہارا اپنا بہ مشکل گزارا ہو رہا ہو، اور تمہارے پاس اتنی گنجائش نہ ہو، کہ تم ضرورتمندوں کی مدد کر سکو اور تمہارے غریب رشتہ دار، مسکین اور مسافر تم سے سوال کریں، تو ان کے ساتھ نرمی سے معذرت کرو اور سخت لہجے سے اُن کو منع کرنے اور جھڑکنے اور ڈانٹنے سے اور بداخلاقی سے پیش آنے سے احتراز کرو۔۔۔

وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا

اور اگر اُن سے اعراض کرنا پڑے، انتظار میں اپنے پروردگار کی رحمت کے، جس کی تمہیں امید ہے،

فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾

تو بولو اُن سے آسان بولی●

(اور) اپنے کو ترش کلامی سے محفوظ رکھو۔۔ چنانچہ۔۔(اگر ان سے اعراض کرنا پڑے، انتظار میں اپنے پروردگار کی رحمت کے، جس کی تمہیں امید ہے) یعنی رب کی طرف سے ملنے والی متوقع روزی آنے میں تاخیر ہو جائے، اس وجہ سے سائل کے سوال کو فوری طور پر پورا نہ کر سکو، جب بھی انہیں مایوس نہ کرو۔ ایسی صورت پیش آئے (تو بولو ان سے آسان بولی) جو انہیں گراں خاطر نہ کرے۔۔ مثلاً: اُن کے لیے دُعا کرو، کہ فقر و فاقہ کا بوجھ ان پر آسان ہو جائے۔۔ یا۔۔ اُن سے بھلائی کرنے کا وعدہ کرلو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب ضرورتمند اصحاب آپ سے کچھ مانگتے اور حاضر نہ ہوتا، تو آپ فرماتے کہ "اللہ ہمیں تمہیں دونوں کو روزی دے"۔ سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ

نے خرچ کرنے پر برانگیختہ فرمایا تھا، اور اب اس اگلی آیت میں خرچ کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ

اور نہ کر رکھو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن سے، اور نہ کھول ہی دو بالکل،

فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾

کہ بیٹھنا پڑے افسوس وحسرت کرتے●

(اور نہ کر رکھو اپنے ہاتھ کو بندھا ہوا اپنی گردن سے)، یعنی ایسا نہ ہو کہ تم اپنے اوپر، اپنے اہل وعیال اور دیگر ضرورتمندوں پر خرچ کرنے سے کڑھنے لگو اور نیکی کے راستوں میں خرچ کرنے سے باز آجاؤ، اور ایسا لگے کہ تمہارے ہاتھ گردن تک بندھے ہوئے ہیں، جو حرکت ہی نہیں کرتے کہ کسی کو کچھ دینے کے لیے حرکت کرسکیں۔ (اور) ایسا بھی (نہ) ہو کہ (کھول ہی دو) اپنے ہاتھوں کو (بالکل) اور بے تحاشہ خرچ کرنے لگو، اور لوگوں کو دے دے کر اپنا سارا مال ختم کردو اور تمہارے ہاتھ میں کچھ نہ رہ جائے سوائے اِس کے، (کہ) تمہیں (بیٹھنا پڑے افسوس وحسرت کرتے) ہوئے درماندہ اور محتاج ہوکر۔

مذکورہ آیت میں ہاتھ کشادہ کرنا عبارت ہے 'بخشش' سے اور بالکل کشادہ کردینا اشارہ ہے 'اسراف' کی طرف۔۔ الحاصل۔۔ حق تعالیٰ سخاوت کی صفت میں اعتدال کا حکم فرماتا ہے اُس کے دونوں طرف سے، کہ ایک خِسّت دوسری فضول خرچی ہے، منع فرماتا ہے۔۔۔ ذہن نشین رہے کہ رزق کی کشادگی اور تنگی دونوں ہی حق تعالیٰ کی مشیت اور اُس کی حکمت کے تحت ہوتی ہے۔۔ چنانچہ۔۔

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ

بے شک تمہارا پروردگار وسیع کردیتا ہے روزی جس کے لیے چاہے، اور وُہی اندازے بھر کردیتا ہے،

اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ ع

بے شک وہ اپنے بندوں کا خبر گیر ونگراں ہے●

(بے شک تمہارا پروردگار وسیع کردیتا ہے روزی جس کے لیے چاہے اور وہی اندازے بھر کر

دیتا ہے) یعنی نوشتہ تقدیر کے مطابق تنگ کر دیتا ہے جس کے واسطے چاہتا ہے۔۔الغرض۔۔ یہ روزی کی کشادگی اور تنگی محض حکمت کی رو سے ہے، کسی کو مجال نہیں کہ اعتراض کر سکے، اس لیے کہ (بے شک وہ اپنے بندوں کا خبر گیر و نگراں ہے)، یعنی وہ اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے اور سب کو اچھی طرح ملاحظہ فرماتا ہے۔ وہ بخوبی جانتا ہے کہ میرے بعض بندوں کی مصلحت میں صرف 'فقر' ہے، اگر میں اس کو 'غنی' کر دیتا، تو اُس کا دین فاسد ہو جاتا۔ اور میرے بعض بندوں کی مصلحت صرف 'غنا' میں تھی، اگر میں اس کو فقیر بنا دیتا تو اس کا دین فاسد ہو جاتا۔

۔۔المختصر۔۔ بندوں کے ساتھ وہ جو کچھ کرتا ہے، کہیں اس کے 'فضل' کی جلوہ نمائی ہوتی ہے، تو کہیں اُس کے 'عدل' کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ مذکورہ ارشاد سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی جس کے لیے چاہے رزق وسیع کرتا ہے اور جس کے لیے چاہے رزق تنگ کر دیتا ہے۔ یعنی رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ

اور تم لوگ نہ مار ڈالا کرو اپنی اولاد کو، تنگدستی کے خطرہ سے۔ ہم اُن کو روزی دیں اور تمہیں بھی۔

اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

اُن کو مار ڈالنا بڑا گناہ ہے●

(اور) وہی ہر ہر مرزوق کو رزق عطا فرمانے والا ہے، تو (تم لوگ نہ مار ڈالا کرو اپنی اولاد کو، تنگدستی کے خطرے سے)۔ کیونکہ (ہم) ہی ہیں جو (اُن کو روزی دیں اور تمہیں بھی) رزق عطا کریں۔ تو اچھی طرح سمجھ لو، کہ بے شک (اُن کو مار ڈالنا) بہت (بڑا گناہ ہے)۔ اس واسطے کہ اس میں نسل قطع ہوتی ہے، تو جو اس کا قاتل ہے وہ اُس سے ہو سکنے والی ایک پوری نسل کا قاتل ہے۔

پوری نسل کے قتل کی ایک معنوی صورت زنا بھی ہے، جس سے نسب مخلط اور مشتبہ ہوتا ہے، اور انسان کو یہ معلوم نہیں ہوتا، کہ زانیہ سے جو بچہ پیدا ہوا ہے، وہ اُس کے نطفے سے ہے یا کسی اور کے نطفے سے ہے۔ اس لیے اُس کے دل میں اِس بچہ کی پرورش کی کوئی امنگ ہوتی ہے نہ کوئی جذبہ ہوتا ہے۔ اور نہ وہ اُس کی نگہداشت کرتا ہے، جس کے نتیجے میں وہ بچہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اِس سے نسل منقطع ہوتی ہے اور عالم کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔ تو ہوشیار ہو جاؤ۔۔۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝۳۲

اور پاس نہ جاؤ بدکاری کے، بے شک یہ بے شرمی ہے۔ اور بُری راہ ہے●

(اور پاس نہ جاؤ بدکاری کے) یعنی ایسا کوئی کام نہ کرو، جو زنا کا محرک ہو اور زنا کا باعث اور سبب بنے۔

۔۔مثلاً: اجنبی عورتوں سے تعلق پیدا کرنا، اُن سے خلوت میں ملاقات کرنا، ان سے ہنسی اور دل لگی کی باتیں کرنا، اور ان سے ہاتھ ملانا، اور بوس و کنار کرنا مغربی تہذیب میں یہ تمام امور عام ہیں اور زندگی کے معمولات میں داخل ہیں۔ اِسی وجہ سے وہاں زنا بھی عام ہے۔ اسلام نے اِسی بندش کے لیے عورتوں کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے اور عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول کو سختی سے روکا ہے۔ مخالفین اسلام کہتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں کو گھروں میں قید کر دیا ہے۔ مگر سچائی یہ ہے کہ عورتوں کا گھر میں مقید رہنا، اِس سے بہتر ہے کہ وہ محض جانوروں کی طرح ہوس پوری کرنے کا آلہ بن جائیں۔

۔۔الحتصر۔۔تم بدکاری کے قریب تک نہ جاؤ، اس لیے کہ (بے شک یہ بے شرمی ہے اور بُری راہ ہے) جس راہ پر آتش پرست چلنے کے عادی ہیں۔۔الحتصر۔۔اپنے کو ہر طرح کی بے شرمی و بدکاری اور ظلم اور زیادتی سے دور رکھو۔۔۔

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا

اور نہ مارڈالو کسی جان کو، کہ حرمت رکھی جس کی اللہ نے، مگر حق سے۔ اور جو مارڈالا گیا بے گناہ،

فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ

تو ہم نے حق دیا اس کے وارث کو، تو وہ بھی زیادتی نہ کرے قتل کرنے میں۔

اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝۳۳

کہ اس کی مدد کر دی گئی ہے●

(اور نہ مار ڈالو کسی جان کو، کہ حرمت رکھی جس کی اللہ) تعالیٰ (نے)، یعنی حرام کیا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مار ڈالنا۔ اور وہ ایمان والے اور ذمی اور عہد والے ہیں، انہیں قتل نہ کرنا چاہیے (مگر حق سے)، یعنی مگر درستی کے حکم سے۔۔الغرض۔۔اُن کو ناحق قتل کیا گیا بلکہ وہ قتل کے شرعاً مستحق ہوں، تب

قتل کیا جائے۔۔مثلاً: وہ مُرتد ہو جائے۔۔یا۔۔شادی شدہ ہو کر زنا کرے، تو اُس کو قتل کر دیا جائے۔یہ قتل کرنا برحق ہے۔(اور) اِس کے برخلاف (جو مارڈالا گیا بے گناہ)، یعنی وہ قتل کا مستحق نہیں تھا مگر اُسے مارڈالا گیا، (تو ہم نے حق دیا اُس کے وارث کو) جو اس کے قتل کے بعد اس کے امور کا متولی ہو، یعنی ہم نے اس کو تسلط اور قوت دی کہ قاتل سے قصاص۔۔یا۔۔دیت لے سکے، (تو) پھر چاہیے کہ (وہ) ولی (بھی زیادتی نہ کرے قتل کرنے میں)، یعنی قتل کے بعد اس کا مُثلہ نہ کرے، یعنی اس کے ہاتھ پاؤں ناک کان نہ کاٹے۔۔یا۔۔غیر قاتل کو نہ قتل کر دے۔

اس واسطے کہ جاہلیت کے زمانے میں جب کوئی قتل ہو جاتا، تو مقتول کا وارث قاتل کو نہ قتل کرتا بلکہ قاتل کے قبیلے میں جو شخص سردار ہوتا اُسے قتل کرنے کا ارادہ کرتا۔حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا، تو چاہیے کہ مقتول کا ولی قاتل کے سوا اور کسی کو قتل نہ کرے۔۔یا۔۔ایک کے بجائے دُو کو قتل نہ کرے جیسا کہ جاہلیت والوں کی عادت تھی، کہ اگر ان کا کوئی برگزیدہ اور محترم شخص قتل کیا جاتا، تو اُس کے عوض میں قاتل کے ساتھ اس کے رشتہ داروں کی بہت بڑی جماعت کو قتل کیا جاتا۔اور تجاوز کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دیت لے کر پھر قاتل کو قتل کر دیا جائے۔

۔۔الغرض۔۔مقتول کا وارث ناحق کوئی عمل انجام نہ دے، کیوں (کہ) بے شک (اس) مقتول کے متولی (کی مدد کر دی گئی ہے) بذریعہ شریعت۔۔یا۔۔حاکمِ وقت کے ذریعہ۔یعنی اللہ تعالیٰ متولی کی یوں مدد فرماتا ہے کہ متولی کو مقتول کی دیت۔۔یا۔۔قصاص دلاتا ہے۔۔یا۔۔حکامِ وقت کو فرماتا ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں قاتل سے مقتول کے متولی کو حق دلائیں۔

ذہن نشین رہے، کہ قاتل کی توبہ کی تین شکل ہے:

﴿۱﴾۔۔قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔

﴿۲﴾۔۔مقتول کے وارث اُس کو معاف کر دیں۔

﴿۳﴾۔۔مقتول کے لیے قاتل دیت ادا کرے۔

۔۔۔ظاہر ہے کہ اگر قاتل کی توبہ کی مذکورہ بالا صورتوں میں سے کوئی صورت پائی گئی، تو قیامت کے دن منجانب اللہ توبہ کا اجر اُسے نصیب ہوگا۔جس طرح ناحق کسی کی جان لینا حرام ہے اِسی طرح ناحق کسی کا مال ہڑپ کر لینا بھی جائز نہیں، بالخصوص ایسے کمزور اور بیکس لوگوں کا مال، جو اس کو بچانے کی طاقت بھی نہ رکھتے ہوں۔تو ہوش سے کام لو۔۔۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ

اور پاس نہ پھٹکو یتیم کے مال کے، مگر خیر خواہانہ طریقہ سے، یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اپنی پوری طاقت کو،

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

اور پورا کرتے رہو تم لوگ عہد کو، بے شک عہد کی باز پرس ہوگی●

(اور پاس نہ پھٹکو یتیم کے مال کے) چہ جائیکہ ذاتی ضروریات میں اُسے خرچ کرو **(مگر خیر خواہانہ طریقے سے)**، یعنی اس کے مال میں ایسا معاملہ کرو، کہ اصل اس کے واسطے باقی رہے اور نفع اس کے روٹی کپڑے کے کام آئے، اور یہ بات اپنے اوپر لازم رکھو، **(یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں اپنی پوری طاقت کو)** یعنی بالغ ہو جائیں اور بزرگی کے آثار ان میں ظاہر ہو جائیں اور وہ اٹھارہ۱۸ اور تین۳۰ سال کی درمیانی عمر کو پہنچ جائیں، جب تک تم بحیثیت امین ان کے مال کی حفاظت کرو اور اس کو ضائع ہونے سے بچاتے رہو۔

۔۔الغرض۔۔دیانت داری اور امانت داری کا حق ادا کرتے رہو، **(اور پورا کرتے رہو تم لوگ عہد کو)** جو خدا نے تمہارے ساتھ باندھا ہے احکام شرعی سے ۔۔یا۔۔وہ عہد جو تم لوگ آپس میں کرتے ہو۔ اور اچھی طرح جان لو، کہ **(بے شک عہد کی باز پرس ہوگی)** یعنی عہد کرنے والے سے سوال کیا جائے گا، کہ تو نے اپنا عہد پورا کیا۔۔یا۔۔توڑ ڈالا۔

یاد رکھو کہ خدا کے بہت سے عہد ہیں۔ آدمی کے ہاتھ پاؤں سے تو ادب لازم رکھنے کا عہد ہے، اور اس کی جان سے فرائض ادا کرنے کا، اور اس کے دل سے خوفِ الٰہی اور خشیتِ ربانی کا، اور اُس کی روح سے یہ عہد ہے کہ مقامِ قُرب سے دور نہ ہو، اور اس کے سر سے یہ کہ ماسوی اللہ کا مشاہدہ نہ کرے، ایسا کہ انہیں میں گم ہو جائے اور خدا سے غافل ہو جائے۔۔الحاصل۔۔ ہر عہد کی بابت آدمی سے سوال کیا جائے گا۔ اب اگر اس نے کسی طرح کی بدعہدی۔۔اور۔۔اپنے قول وعمل سے بددیانتی وبے انصافی کی، تو اُسے بارگاہِ خداوندی میں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ لہٰذا۔۔عدل وانصاف سے کام لو۔۔۔

وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ

اور پوری ناپ رکھو، جب ناپو اور تولو، ٹھیک ترازو سے۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾

یہ بہت بہتر ہے، اور خوش انجام ہے●

(اور پوری ناپ رکھو جب ناپو اور تولو ٹھیک ترازو سے)، جس کے دونوں پلڑے درست ہوں اور اُن کے بٹے پورے ہوں۔ ایسا نہیں کہ خریدو، تو بھاری بٹہ استعمال کرو اور بیچو، تو ہلکے بٹے سے کام لو ۔۔الخضر۔۔ ناپ تول میں بددیانتی نہ کرو، اس لیے کہ (یہ) پوری ناپ تول کرنا **(بہت بہتر ہے)** تمہارے واسطے خیانت سے **(اور خوش انجام ہے)**، یعنی بہت ہی خوب ہے عافیت کی رو سے۔

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ

اور نہ پیچھے پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔ بے شک کان اور آنکھ اور دل،

كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾

ان سب کی باز پرس ہوگی●

(اور) یہ بھی دیانتداری کا تقاضا ہے، کہ **(نہ پیچھے پڑو)** اُس کے **(جس کا تمہیں علم نہیں)** یعنی وہم وگمان ۔۔یا۔۔ افواہوں کی بنیاد پر کسی چیز کا پیچھا نہ کرو۔ جب تک تمہیں معلوم نہ ہو، یہ نہ کہو کہ میں جانتا ہوں ۔۔یوں ہی۔۔ جب تک تم نے دیکھا نہ ہو، یہ نہ کہو کہ میں نے اس چیز کو دیکھا ہے ۔۔الخضر۔۔ جھوٹی گواہی دینے سے باز رہو، کیونکہ **(بے شک کان اور آنکھ اور دل، اِن سب کی باز پرس ہوگی)** یعنی اُن سے پوچھا جائے گا، کہ تم جس کے کان آنکھ اور دل ہو، اس نے کیا معاملہ کیا تھا ۔۔یا۔۔ کان سے سوال ہوگا کہ تو نے کیا سنا؟ اور کیوں سنا؟ اور آنکھ سے پوچھیں گے کہ تم نے کیا دیکھا؟ اور کیوں دیکھا؟ اور دل سے پوچھا جائے گا کہ تو نے کیا جانا؟ اور کیوں جانا؟

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ان سب کو سننے سمجھنے اور بولنے کی قدرت عطا فرمائے گا، پھر ان سے سوال فرمائے گا۔

۔۔الحاصل۔۔ صرف اُس چیز کی گواہی دو جس کو تمہاری آنکھوں نے دیکھا ہو اور تمہارے کانوں نے سنا ہو اور تمہارے دل نے یاد رکھا ہو۔ ۔لہٰذا۔۔ ظن وتخمین کی بنیاد پر نہ کوئی فیصلہ کرو اور نہ ہی اپنے گمان سے کسی پر بہتان لگاؤ، اس لیے کہ جو اپنے گمان کی بنیاد پر کسی پر بہتان لگائے گا اس پر عذاب ہوگا۔

ذہن نشین رہے کہ ظن پر عمل کرنا اُسی وقت صحیح ہے، جب وہ کسی 'نص قطعی' کے مخالف نہ

ہو۔۔الحاصل۔۔'ظن' پر عمل کرنا اُس وقت منع ہے جب 'ظن' 'علم اور یقین' کے معارض ہو، جیسے مشرکین اپنے ظن پر عمل کرتے تھے اور ایسے امور انجام دیتے تھے جو تمام نبیوں اور رسولوں اور وحیٔ الٰہی کے خلاف تھے، جو کہ علم اور یقین پر مبنی امور ہیں۔

۔۔تو۔۔لوگو! مذکورہ بالا اعلیٰ صفات کے ساتھ ساتھ خاکساری اختیار کرو اور متکبرانہ چال ڈھال سے اپنے کو بچاتے رہو۔۔۔

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ

اور مت چلو زمین میں اتراتے ہوئے۔ بلاشبہ نہ تو تم پھاڑ سکو گے زمین کو،

وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾

اور نہ بڑھ کر پہاڑ ہو جاؤ گے لمبائی میں●

(اور مت چلو زمین میں اِتراتے ہوئے) اکڑ کے، سینہ تان کے، جس طرح کہ متکبرین چلتے اور ٹہلتے ہیں۔ اس لیے کہ (بلاشبہ نہ تو تم پھاڑ سکو گے زمین کو) اس طرح کہ زمین پر پیر رکھ دو، تو وہ پھٹ جائے (اور نہ) ہی تم (بڑھ کر پہاڑ ہو جاؤ گے لمبائی میں) یعنی کتنی ہی گردن لمبی کرو، سینہ تانو، اور جہاں تک اکڑ سکتے ہو اکڑو، رہو گے چند ہاتھ کے آدمی ہی، اپنی اِن حرکتوں سے پہاڑ کی طرح طویل وعریض نہیں ہو جاؤ گے، اور نہ ہی پہاڑ کی بلندی کے برابر بلند ہو سکو گے۔ تو جو ایسا عاجز ہو، کہ نہ زمین پھاڑ سکے اور نہ ہی پہاڑوں کی برابری کر سکے، اُسے تکبر اور بڑائی کیوں کرنا چاہیے؟ جب حق تعالیٰ نے اُسے خاک سے پیدا فرمایا ہے، تو اُسے خاکسار ہی بن کر رہنا چاہیے۔ یاد رکھو! کہ۔۔۔

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

یہ سب اِن میں کی بُری بات، تیرے پروردگار کو ناپسند ہے●

(یہ سب) جو مذکور ہوا، یعنی آیہ ﴿ولا تجعل﴾ سے یہاں تک جو امر ونہی بیان ہوئے، وہ گیارہ 'امر' اور چودہ 'نہی' ہیں۔ یہ سب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تختیوں میں بھی لکھا تھا۔ (اُن میں کی بُری بات)، یعنی وہ باتیں جن کی من جانب اللہ ممانعت فرمائی گئی ہے، ان میں کا ہر ایک (تیرے پروردگار کو ناپسند ہے)۔۔الختصر۔۔اوپر جو مذکور ہوا۔۔۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

یہ ہے جو وحی بھیجی تم تک، تمہارے پروردگار نے، حکمت کی باتیں۔ اور نہ گڑھو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود،

اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

کہ ڈال دیے جاؤ جہنم میں ملامت کیا ہوا، راندۂ درگاہ●

(یہ) اس چیز میں سے (ہے، جو وحی بھیجی تم تک تمہارے پروردگار نے حکمت کی باتیں) جو فی نفسہٖ حق ہیں اور جن کا جاننا عمل کرنے کے واسطے بہتر ہے۔ (اور نہ گڑھو اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ دوسرا معبود)۔ معبودِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، تو اس کے سوا کسی کو بھی اپنا معبود نہ قرار دو۔

اِس حکم کو مکرّر بیان فرمانا اِس بات پر آگاہ کرنے کے واسطے ہے، کہ توحید سب احکام کی اصل ہے، اسی واسطے اِن احکام کی ابتداء میں پہلے شرک سے منع فرمایا اور آخر میں بھی شرک کرنے کی ممانعت کی۔ پہلے تو شرک کا وہ برا نتیجہ بیان فرمایا جو دنیا میں ہوتا ہے، اور اب یہاں آخر میں اس عذاب کا ذکر فرمایا جو شرک کے سبب مشرکوں پر عقبیٰ میں ہوگا۔

۔۔الغرض۔۔شرک نہ کرو، (کہ) اس کی وجہ سے (ڈال دیے جاؤ جہنم میں ملامت کیا ہوا)۔ آدمی اور ملائکہ جس کی ملامت کرتے ہوں گے اور (راندۂ درگاہ) ہوکر، یعنی رحمتِ الٰہی سے دور کیا ہوا۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ

تو کیا چن دیا تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے بیٹے، اور اپنے لیے بنائیں فرشتوں سے بیٹیاں۔

اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ﴿۴۰﴾ ع

بے شک تم لوگ بڑا بول بولتے ہو●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا فطرتِ صحیحہ اور عقلِ سلیمہ کے خلاف ہے، جو دنیا میں مذمت اور ناکامی اور آخرت میں ملامت اور دخولِ نار کا موجب ہے۔ اور اِس اگلی آیت میں اُس کی دوسری نظیر کی طرف متنبہ کیا ہے، کہ جو لوگ اللہ کے لیے اولاد کا قول کرتے ہیں، وہ اِس سے بھی زیادہ جہالت اور گمراہی میں مبتلا ہیں، کیونکہ اُن کا اعتقاد یہ ہے کہ اولاد کی دو قسمیں ہیں اور جو قسم 'اعلیٰ اور اشرف' ہے، وہ 'مذکر' اور 'بیٹا' ہے اور جو قسم 'ادنیٰ اور ارذل' ہے، وہ 'مونث' اور 'بیٹی' ہے۔ پھر ان ظالموں نے تو اپنے لیے بیٹے مانے، حالانکہ یہ علم اور قدرت کے لحاظ سے انتہائی عاجز اور ناقص ہیں، بلکہ ان کے

پاس جو بھی علم وقدرت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کا دیا ہوا ہے اور اس میں وہ اُسی کے محتاج ہیں۔
اور اُن جہلاء نے اللہ کے لیے بیٹیاں مانیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی بے حد وحساب ہے
اور اُس کی قدرت بھی بے پایاں اور بے انتہا ہے۔ اور یہ ان لوگوں کا انتہائی جہل اور ظلم ہے۔
انہیں ظالموں کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ اَے ظالمو! اور جاہلو!۔۔۔

(تو کیا چن دیا تمہارے پروردگار نے تمہارے لیے بیٹے اور اپنے لیے بنائیں فرشتوں سے بیٹیاں)۔ یہ بات تو اِس کے خلاف ہے جو تمہاری عادت ہے، کہ بیٹیوں سے شرم رکھتے ہو اور بیٹوں پر ناز کرتے ہو۔ (بے شک تم لوگ بڑا بول بولتے ہو) کہ بیٹوں کو خدا کی طرف منسوب کرتے ہو، اور اپنی ذات کو اُس پر فضیلت دیتے ہو کہ بیٹے جو تمہیں مرغوب ہیں، انہیں اپنے واسطے اور بیٹیاں جو تمہارے نزدیک مکروہ اور معیوب ہیں، انہیں خدا کی طرف منسوب کرتے ہو۔۔ الحتصر۔۔ غور کرو کہ اپنی ذات کو خدا کی ذات پر ترجیح دینا اور اپنے کو اُس سے افضل قرار دینا اور اِس طرح کے بول بولنا، کتنی بڑی جسارت کا مظاہرہ کرنا ہے۔

ایسے بول کی قباحت وشناعت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اِن جاہلوں اور ظالموں کو سمجھانے کے لیے قرآنِ کریم میں ہر ضروری مثال بیان فرمادی گئی ہے، تا کہ وہ غور وفکر کرکے اُس پر ایمان لے آئیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو علم تھا، کہ وہ قرآنِ عظیم کے دلائل اور مثالوں میں غور وفکر کرنے کی بجائے، اِس سے دوری اور اِس سے نفرت اختیار کریں گے۔
سو ایسا ہی ہوا۔۔ چنانچہ۔۔

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِیَذَّكَّرُوۡا ؕ وَمَا یَزِیۡدُهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرًا ﴿۴۱﴾

اور بے شک ہم نے کئی طرح سے بیان فرمایا اِس قرآن میں، تا کہ وہ سمجھ سے کام لیں، اور نہیں بڑھتی اُن میں مگر نفرت●

ارشادِ ربانی (اور) فرمانِ خداوندی ہے، کہ (بے شک ہم نے کئی طرح سے بیان فرمایا اِس قرآن میں) کہ ہم اولاد سے پاک ومنزہ ہیں۔ یہ مضمون قرآنِ کریم میں جابجا موجود ہے۔ اس عنوان کو طرح طرح سے مختلف لب ولہجے میں بیان کرنے میں حکمت یہی تھی (تا کہ وہ سمجھ سے کام لیں)۔ لیکن اِس بار بار کے بیان سے وہ اور خباثت پر اتر آتے ہیں (اور) بار بار کی اِس صاف بیانی سے (نہیں بڑھتی اُن میں مگر نفرت) اور حق سے دوری۔ یہ ان کی حق سے دوری ہی تو ہے، جو خدائے وحدہٗ لاشریک کا شریک قرار دیتے ہیں۔ تو اَے محبوب! ان عقل کے اندھوں اور نادانوں سے۔۔۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا

کہہ دو، کہ اگر ہوتے اُس کے ساتھ اور کئی معبود، جس طرح کہ وہ بکتے ہیں، جب تو پھر ڈھونڈ نکالتے

اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

عرش والے کی طرف کوئی راہ●

(کہہ دو، کہ اگر ہوتے اس کے ساتھ اور کئی معبود، جس طرح کہ وہ بکتے ہیں) اور بے عقلی کی باتیں کرتے ہیں، (جب تو پھر ڈھونڈ نکالتے عرش والے کی طرف کوئی راہ)، اور اس کو دفع کرنے میں مشغول ہو جاتے، جس طرح اور بادشاہ کرتے ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ اور خداؤں کے عیب اور مذمت میں آیتیں نازل فرماتا ہے، تو اگر اور خدا ہوتے، تو چاہیے تھا کہ خدائے برحق سے جھگڑا کرتے اور اپنی ذاتوں سے عجز اور عیب کی نفی کرتے، اور چونکہ اب تک ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی ہو سکے گا، اس لیے ظاہر ہو گیا، کہ 'خدائے وحدہٗ لاشریک' ایک ہی ہے۔۔۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾

پاکی ہے اُس کی، اور وہ بلند و بالا ہے اس سے جو بکتے ہیں، کہیں بڑھا چڑھا●

(پاکی ہے' اس کی' اور وہ بلند و بالا ہے اِس سے جو) کفار (بکتے ہیں کہیں بڑھا چڑھا) یعنی بڑی ہی برتری والا ہے۔ ہر عیب اور ہر نقص سے اُس کے پاک و منزہ ہونے کی شان یہ ہے، کہ۔۔۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ

اس کی پاکی کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین، اور جو اُن میں ہیں۔ اور کوئی موجود نہیں،

اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ

مگر تسبیح کرتی ہے اُس کی حمد کے ساتھ، لیکن تم لوگ نہیں سمجھتے اُن کی تسبیح کو۔

اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

بے شک وہ بُردبار مغفرت فرمانے والا ہے●

(اُس کی پاکی) بیان (کرتے ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں) سے (ہیں) ملائکہ، جن، انسان۔ (اور کوئی) دیگر مخلوقات میں (موجود نہیں مگر تسبیح کرتی ہے اس کی حمد کے ساتھ)، یعنی ہر

چیز نقصان کی باتوں سے خدا کی پاکی بیان کرتی ہے اور کمال کی صفتوں کے ساتھ خدا کی تعریف کرتی ہے، (لیکن تم لوگ نہیں سمجھتے اُن کی تسبیح کو)۔

۔۔الحاصل۔۔کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے، زبانِ حال سے بھی اور زبانِ قال سے بھی۔زبانِ حال سے اُن کی تسبیح یہ ہے کہ، اپنے ممکن اور حادث ہونے کے سبب سے صانع واجب قدیم پر دلالت کرتی ہیں اور 'لوازمِ اِمکان' اور 'توابع حدوث' سے یہ خدا کی تنزیہہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مشرکین جن کی نظر صحیح اور عقل صاف نہیں ہے، اُن کی تسبیح سمجھنے سے قاصر ہیں۔اب رہ گئی زبانِ قال سے ان کی حقیقی تسبیح وتحمیدِ ربانی، تو ہم اس حمد وتسبیح کو عادتاً نہیں سمجھتے، انبیاء علیہم السلام اپنے معجزے سے اُس تسبیح کو سنتے اور سمجھتے ہیں اور صحابہ کرام اور اولیاءِ عظام اپنی کرامت سے اس تسبیح کو سنتے اور سمجھتے ہیں۔

(بے شک وہ) ربِّ کریم (بردبار) ہے، کہ کسی کی غفلت کی جزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، اور (مغفرت فرمانے والا ہے) اُس کی جو خدا کے کلام پر ایمان لائے۔

تو جب خدائے علیم وخبیر نے فرمادیا ہے کہ ہر چیز خدا کی پاکی بیان کرتی ہے، تو اُس پر بے چون وچرا ایمان لانا چاہیے۔۔ہاں۔۔یہ ضرور ہے کہ زبانِ حال کی تسبیح کو عموم حاصل ہے، اور اس کے لیے کوئی خاص وقت مخصوص نہیں۔۔لیکن۔۔زبانِ قال والی تسبیح کا ظہور، بعض حالات وکوائف کے ساتھ وابستہ وہم رشتہ ہے۔

یہ ظاہر کردینے کے بعد، کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ ذکرِ الٰہی اور حمدِ خداوندی میں لگا ہوا ہے، حق تعالیٰ رسولِ کریم کی تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی پر کفار کے ردِعمل کا تذکرہ فرمارہا ہے، اور رسولِ کریم کی حفاظت کے لیے تدبیرِ خداوندی کا ذکر فرمارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ

اور جب تم نے قرآن پڑھا، کردیا ہم نے تمہارے اور اُن کے درمیان، جو نہیں مانتے

بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿۴۵﴾

آخرت کو، پوشیدہ پردہ●

(اور) اَے محبوب! (جب تم نے قرآن پڑھا) تو (کردیا ہم نے تمہارے اور ان کے درمیان جو نہیں مانتے آخرت کو)۔کیا کردیا؟ (پوشیدہ پردہ)۔تا کہ اَے محبوب! وہ تمہیں نہ دیکھ سکیں اور نہ ہی

تکلیف پہنچا سکیں۔

۔۔چنانچہ۔۔۔ابولہب کی بیوی ام جمیل کو جب معلوم ہوا، کہ اس کی اور اس کے خاوند کی مذمت میں قرآنِ مجید کی آیتیں نازل ہوئی ہیں، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئی، اُس وقت آپ حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے ساتھ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ ام جمیل کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا، جب وہ آپ کے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھنے سے اُس کی بصارت کو سلب کر لیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکی، تو وہ کہنے لگی اَے ابوبکر! تمہارے صاحب کہاں ہیں؟ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ وہ میری ہجو کرتے ہیں۔ قسم اللہ کی: اگر وہ مجھے مل جائیں، تو میں پتھر اُن کے منہ پر ماروں گی۔ پھر وہ واپس چلی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا، یارسول اللہ کیا آپ نے اُسے دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا: اس نے مجھے نہیں دیکھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ سے اُس کی بصارت کو سلب کر لیا تھا۔

ایک قول کے مطابق یہ آیت اُن کافروں کے بارے میں نازل ہوئی، جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اُس وقت ایذا پہنچاتے تھے، جب آپ قرآنِ کریم پڑھتے تھے اور وہ ابو سفیان، نضر بن حارث، ابوجہل اور ابولہب کی بیوی ام جمیل وغیرہ تھے، تو اللہ تعالیٰ نے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے سے اُن کی بصارت کو اُس وقت سلب کر لیا، جب آپ قرآن پڑھتے تھے۔ وہ آپ کے پاس آتے، آپ کے پاس سے گزرتے، اور آپ کو دیکھ نہیں سکتے تھے اور چونکہ ان کافروں نے اپنے بغض وعناد سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں ۔۔یا۔۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں اتنی گستاخی کی، جس کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت سے محروم کر دیا۔

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ

اور ڈال دیا اُن کے دلوں پر غلاف، کہ سمجھ سکیں۔ اور اُن کے کانوں میں بہرا پن۔

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

اور جب ذکر کیا تم نے اپنے اکیلے پروردگار کا قرآن میں، پلٹ پڑے پیٹھ پھیرے، نفرت کرتے●

(اور ڈال دیا اُن کے دلوں پر غلاف، کہ سمجھ سکیں)، یعنی ان کے دلوں اور سمجھ سکنے کے بیچ

میں حجاب ڈال دیا، تا کہ یہ پردہ اُن کے دل اور قرآن سمجھنے میں حائل ہو جائے اور وہ قرآن نہ سمجھ سکیں، (اور) رکھ دیا (ان کے کانوں میں بہرا پن) تا کہ قرآن نہ سن سکیں۔ اور چونکہ قرآنِ کریم لفظ و معنیٰ دونوں حیثیت سے معجزہ ہے، تو اس کے منکروں کے واسطے حق تعالیٰ نے اُس چیز کا اثبات فرمایا جو لفظ کے ادراک اور معنیٰ کے فہم سے ان کو مانع ہے۔۔ المختصر۔ دِل کا پردہ انہیں قرآنی معانی کو سمجھنے نہیں دیتا اور کان کا بہرا پن انہیں قرآنی کلمات کو سننے نہیں دیتا۔

(اور) ان کا حال یہ ہے، کہ (جب ذکر کیا تم نے اپنے اکیلے پروردگار کا قرآن میں)۔۔ الغرض۔۔ ربِّ یکتا کا ذکر کیا، تو (پلٹ پڑے) کافر (پیٹھ پھیرے، نفرت کرتے) بھاگتے ہوئے، توحید سننے سے، اِس واسطے کہ ان کا یہ داعیہ ہے کہ اپنے خدائے برحق کے ساتھ اَے محبوب! ان کے باطل خداؤں کو بھی تم یاد کرو۔

نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَسۡتَمِعُوۡنَ بِہٖۤ اِذۡ یَسۡتَمِعُوۡنَ اِلَیۡکَ وَ اِذۡ ہُمۡ نَجۡوٰۤی

ہم خوب جانتے ہیں جس کے لیے وہ سنتے ہیں، جب وہ تمہاری طرف کان کرتے ہیں، اور جب وہ خفیہ مشورہ کرتے ہیں،

اِذۡ یَقُوۡلُ الظّٰلِمُوۡنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴿۴۷﴾

جب کہ یہ ظالم بکا کرتے ہیں، کہ تم نہیں پیروی کرتے، مگر ایک جادو مارے شخص کی●

اَے محبوب! (ہم خوب جانتے ہیں جس کے لیے وہ سنتے ہیں جب وہ تمہاری طرف کان کرتے ہیں) یعنی جس واسطے یہ کافر قرآن سنتے ہیں۔ وہ ایسا صرف مسخرا پن اور بے ہودگی کے لیے کرتے ہیں۔۔ الغرض۔ قرآن کو کافر اس واسطے سنتے ہیں، کہ اس میں طعن اور مسخرا پن کریں۔ (اور) اس سے بھی ہم باخبر ہیں (جب وہ) آپس میں (خفیہ مشورہ کرتے ہیں)۔ کوئی اِس کلام کو شعر کہتا ہے، تو کوئی سحر کہتا ہے، اور کوئی اپنا دوسرا خیال ظاہر کرتا ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ نضر بن حارث نے کہا، کہ میں نہیں جانتا، کہ محمد ﷺ کیا کہتے ہیں، ابوسفیان بولا، میں ان کی بعض باتیں سچ جانتا ہوں، ابوجہل نے کہا، کہ وہ تو مجنون آدمی ہے، ابولہب کہنے لگا کاہن ہے، حویطب بولا کہ شاعر ہے، تو اس جماعتِ سراپا حماقت کے تعلق سے ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب! یاد کرو اِن لمحات کو جب (جب کہ یہ ظالم بکا کرتے ہیں) اور تمہارے اصحاب

سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں، (کہ تم نہیں پیروی کرتے مگر ایک جادو مارے شخص کی) یعنی ایسے شخص کی جس پر لوگوں نے جادو کر دیا ہے، جس کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہو گئی ہے۔

اس طرح کی باتیں کفار و مشرکین اپنے گمان سے کہا کرتے تھے اور حقیقتِ حال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پر ایسا جادو کیا ہی نہیں جا سکتا، جو آپ کی عقل کو زائل کر دے۔۔۔یا۔۔۔آپ کو ایسی تکلیف اور بیماری میں مبتلا کر دے جس سے لوگوں کو گھن آتی ہو، کہ لوگ ایسے مریض کے قریب ہونے سے خود کو بچاتے ہوں۔۔۔یا۔۔۔وہ مرض طعن و تشنیع کا سبب بنتا ہو۔۔۔الحتصر۔۔۔ انبیاءِ کرام ایسی علت سے محفوظ کر دیے گئے ہیں، جو اُن کے فریضۂ دعوت و تبلیغ میں رکاوٹ ڈالے۔ اِسی لیے جب کفار نے مذکورہ بالا لایعنی باتیں کیں، تو ارشادِ ربانی ہوا، کہ۔۔۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾

دیکھو تو کیسی مثال بنائی تمہارے لیے، چنانچہ بھٹک گئے، کہ راہ نہیں پا سکتے●

اَے محبوب! (دیکھو تو کیسی مثال بنائی تمہارے لیے) یہ کفار تمہاری دشمنی تو کرتے تھے ہی اور اب گستاخی پر اتر آئے ہیں۔ دشمنی کا تعلق مشن اور تحریک سے ہوتا ہے اور گستاخی کا تعلق ذات سے ہوتا ہے۔ دشمنوں کو تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے، مگر نبی کے گستاخوں سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ (چنانچہ) یہ سارے گستاخ (بھٹک گئے) اور ایسا بھٹکے (کہ) ہدایت تک آنے کی (راہ نہیں پا سکتے)، کیونکہ اُن کی گستاخیوں کی سزا میں اُن سے توبہ کی توفیق چھین لی گئی ہے۔

قرآنِ کریم کے چند اہم موضوع ہیں:

﴿۱﴾۔۔اللہ تعالیٰ کی توحید: آیت ۴۱، ۴۴ میں جس کا بیان ہے۔۔چنانچہ۔۔فرمایا گیا ہے کہ آپ کہیے اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے، جیسا کہ یہ کہتے ہیں، تو وہ اب تک عرش والے تک کوئی راہ ڈھونڈ چکے ہوتے۔

﴿۲﴾۔۔رسالت: آیت ۴۵، ۴۸ میں رسالت کا بیان ہے۔۔چنانچہ۔۔فرمایا گیا ہے کہ جب آپ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، تو ہم آپ کے اور اُن لوگوں کے درمیان پوشیدہ حجاب ڈال دیتے ہیں۔

﴿۳﴾۔۔قیامت اور مرنے کے بعد اٹھنا: آیت ۴۹، ۵۲ میں اُس کا ذکر ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ کفار و مشرکین نے توحید و رسالت کے بارے میں جو بکواس کی، وہ تو کی ہی۔۔۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۴۹﴾

اور سب یہ بھی بکے کہ "کیا جب ہو چکے ہڈیاں اور چورا، تو کیا ہم واقعی اٹھائے جائیں گے ازسرِ نو پیدا کر کے؟" ●

(اور) صرف اِسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ بعث ونشر کا انکار کرتے ہوئے (سب یہ بھی بکے، کہ کیا جب ہو چکے ہڈیاں اور چورا) یعنی کیا جب ہم ہو جائیں گے مرنے کے بعد بہت دن اور زمانہ گزرنے پر ہڈیاں اور گل سڑ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ریزہ ریزہ، (تو کیا ہم واقعی اٹھائے جائیں گے ازسرِ نو پیدا کر کے)۔ اَے محبوب! ان کو۔۔۔

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِیْدًا ﴿۵۰﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ

جواب دے دو، کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا ● یا کوئی مخلوق، جو بڑی ہو تمہارے دلوں میں،

فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ؕ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَیُنْغِضُوْنَ

تو وہ جلدی سے پوچھیں گے، کہ کون ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ جواب دو، کہ جس نے پیدا فرمایا تھا تمہیں پہلی مرتبہ۔ تو جلدی سے

اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا ﴿۵۱﴾

وہ اپنی اپنی کھوپڑی ہلا ہلا کر رہیں گے اور کہیں گے، کہ یہ کب؟ بتاؤ، کہ کیا بعید ہے کہ وہ قریب ہی ہو ●

(جواب دے دو، کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا، یا کوئی مخلوق جو بڑی ہو تمہارے دلوں میں) جیسے آسمان اور پہاڑ اور جو چیز زندہ ہونے سے بظاہر بہت دور لگے، تو بھی بے شک تم کو مار ڈالے گا اور زندہ کر دے گا۔۔۔ الحاصل۔۔۔ تم تو مٹی کے اجسام ہو۔۔۔ بالفرض۔۔۔ اگر تم پتھر یا لوہے یا کسی اور ایسے جسم سے بن جاؤ جو تمہارے خیال میں بہت سخت ہو، جس کا بظاہر حیات قبول کرنا بعید ہو، تو اللہ تعالیٰ اس میں بھی حیات پیدا فرمادے گا۔ (تو وہ جلدی سے پوچھیں گے، کہ کون ہمیں دوبارہ پیدا کرے گا؟ جواب دو، کہ جس نے پیدا فرمایا تھا تمہیں پہلی مرتبہ) جب کہ تم خاک میں تھے۔ تو جو کوئی پہلے خاک والے کو جان دے سکتا ہے، آخر میں بھی زندہ کر سکتا ہے۔

(تو جلدی سے وہ اپنی اپنی کھوپڑی ہلا ہلا کر رہیں گے)، یعنی جیسے کوئی شخص تعجب سے اپنا سر ہلاتا ہے، اِسی طرح یہ کافر انکار کی نیت سے اپنے سر ہلائیں گے (اور کہیں گے کہ یہ کب؟) یعنی یہ بعث وحشر کب ہوگا۔ اَے محبوب! انہیں (بتاؤ کہ کیا بعید ہے کہ وہ قریب ہی ہو)، اس واسطے کہ جو کچھ یقینی طور پر آنے والا ہے اُسے قریب کہہ سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے برحق ہونے اور قرآنِ مجید کی صداقت پر دلیل ہے، کیونکہ جن باتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین یہ کہیں گے اور آپ اُس کا یہ جواب دیں، پھر وہ یہ کہیں گے اور آپ اُس کا یہ جواب دیں۔ تو چاہیے تھا کہ مشرکین وہ باتیں نہ کہتے، اور پھر کہتے کہ قرآن جھوٹا ہوگیا، اس لیے کہ قرآن نے پیش گوئی کی تھی، کہ ہم یہ کہیں گے اور ہم نے نہیں کہا۔ لیکن وہی ہوا جو قرآنِ مجید نے کہا تھا اور قرآن مجید کی پیش گوئی سچی ہوگئی۔

یہ سچے نبی کی شان ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مخالفین کی زبانوں کے متعلق پیش گوئی کی اور مخالفین نے آپ کی پیش گوئی کے مطابق باتیں کر کے آپ ﷺ کو سچا ثابت کردیا ۔۔۔ الختصر۔۔ لوگو! تم یہ جاننا چاہتے ہو، کہ یہ بعث وحشر کس دن ہوگا؟ تو سنو!۔۔۔

يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۵۲ ع۵

جس دن پکارے گا تمہیں، تو تعمیل کروگے اُس کی حمد کرتے ہوئے، اور قرار دوگے کہ تم نہیں ٹھہرے کہیں، مگر کم ●

(جس دن پکارے گا تمہیں) خدا محاسبہ کے واسطے ۔۔یا۔۔ اسرافیل پکارے گا نفخۂ اخیرہ میں جو قبروں سے اٹھ کھڑے ہونے کے واسطے ہوگا، (تو تعمیل کروگے) فرمانِ خداوندی ۔۔یا۔۔ حکم اسرافیل کی، (اُس کی) یعنی حق تعالیٰ کی (حمد کرتے ہوئے)۔

حدیث میں ہے، کہ مخلوقات قبروں سے نکل کر خاک اپنے سروں سے جھاڑتی ہوگی اور سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ کہتی ہوگی۔ اب اگر 'حمد' کو 'امر' کے معنی میں لے لیا جائے، جیسے کہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ۔۔یعنی۔۔ "نماز پڑھ اپنے رب کے حکم سے" میں ہے، تو آیت کا معنی یہ ہوگا کہ خدا تم کو پکارے گا اور اس کے حکم سے اس کو جواب دوگے۔

(اور قرار دوگے، کہ تم نہیں ٹھہرے کہیں مگر کم)، یعنی ہولِ قیامت کی وجہ سے تم گمان کروگے کہ اپنی قبروں میں زیادہ مدت تک نہیں ٹھہرے۔۔ یا یہ کہ۔۔ جب آخرت کو دیکھ لوگے تو اُس کی بہ نسبت دنیا کی زندگی کو بہت تھوڑا جانوگے۔ تو عقلمند کو چاہیے کہ آج دنیا کی زندگی کو عقبیٰ کی زندگی کے مقابلے میں بہت تھوڑا جانے اور اِس تھوڑی سی فنا ہوجانے والی کو اُس بہت اور باقی رہنے والی کے کام میں صرف کرے، تاکہ اُس دن حسرت اور ندامت کے عذاب میں نہ رہے۔

آیتِ مذکورہ بالا کے تعلق سے بعض مفسرین نے کہا ہے، کہ اس آیت میں مؤمنین سے

خطاب ہے، کیونکہ جب اُن کو منادی بُلائے گا، تو وہ اللہ تعالیٰ کے احسانات پر اُس کی حمد کرتے ہوئے چلے آئیں گے اور قبر میں گزارے ہوئے زمانے کو کم کہیں گے، کیونکہ وہ قبر میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں میں رہے، اور نعمت کے ایام کم معلوم ہوتے ہیں۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے توحید پر دلائل قائم کیے تھے اور آپ کی نبوت کو ثابت کیا تھا اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے پر مشرکین کے شبہات کو زائل فرمایا تھا، اب اس اگلی آیت میں بتایا، کہ اَے محبوب! تبلیغ کرنے۔۔۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ

اور میرے سچے بندوں سے کہہ دو، کہ بولا کریں جو سب سے زیادہ خوشگوار بولی ہو۔ بے شک شیطان کونچے دیتا ہے اُن میں۔

اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿۵۳﴾

بے شک شیطان جنم سے انسان کا کھلا دشمن رہا●

(اور) اصلاح کا جذبہ رکھنے والے (میرے سچے بندوں سے کہہ دو، کہ) جب وہ مخالفین کو تبلیغ کریں، تو اُن سے (بولا کریں جو سب سے زیادہ خوشگوار بولی ہو)، یعنی ان کے سامنے نرمی، حسن اخلاق اور احسن طریقہ سے دلائل پیش کریں اور وہ طریقہ یہ ہے کہ تمہارے دلائل 'سب وشتم' پر مشتمل نہ ہوں ۔۔الغرض۔۔ان کے ظلم کے مقابلہ میں سختی نہ کریں، بلکہ دُعا کریں کہ "اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت دے"۔

۔۔المختصر۔۔کلمۂ احسن یہی ہے کہ مسلمان جس کسی کو یاد کریں نیکی ہی کے ساتھ یاد کریں، اور اگر کوئی سختی کرے اس کے مقابلے میں اس سے نرمی کے ساتھ بات کریں، کیونکہ (بے شک شیطان کونچے دیتا ہے ان میں) اور آدمیوں میں دشمنی ڈالتا ہے، تو ممکن ہے کہ سختی کے مقابلے میں سختی جھگڑے اور عداوت کا سبب ہو جائے اور وہ صورت بڑھ کر نوبت بہ فساد پہنچائے اور شیطان کو بھی اپنی شیطنت دکھانے کا موقع مل جائے۔ وہ تو یہ چاہتا ہی ہے کہ انسانوں کے درمیان امن وامان رہنے نہ پائے، اس لیے کہ (بے شک شیطان جنم سے انسان کا کھلا دشمن رہا) جو ہرگز انسان کی بھلائی نہیں ڈھونڈھتا، اور اس کی خرابی ہی کی کوشش کرتا ہے۔تو اَے شیطانی شکنجے میں پھنسے ہوئے کافرو!۔۔۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ

تم لوگوں کا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے۔اگر چاہے تم لوگوں کو بخش دے، یا اگر چاہے تو عذاب فرمائے۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَیۡهِمۡ وَكِیۡلًا ﴿۵۴﴾

اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو اُن کا ذمہ دار جواب دہ●

(تم لوگوں کا پروردگار تمہیں خوب جانتا ہے)، تو وہ **(اگر چاہے)**، تو **(تم لوگوں کو بخش دے)** یعنی ایمان، ہدایت اور معرفت کی توفیق عطا فرمائے اور اِس طرح تمہیں اپنی مغفرت کا مستحق بنادے، **(یا اگر چاہے تو عذاب فرمائے)** اور حالتِ کفر ہی میں تمہاری روح نکال لے اور پھر تم کو عذاب دے۔ مگر اُس کی مشیت تم کو معلوم نہیں، اس لیے تم دینِ حق کی طلب میں پوری کوشش کرو اور جہل اور باطل پر اصرار نہ کرو، تاکہ تم اَبدی سعادت سے محروم نہ ہو۔

ذہن نشین رہے، کہ مذکورہ آیت میں مشیت کا تعلق عذابِ دنیا سے ہے اور عذابِ اُخروی کے باب میں حکم مطلق ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

(اور) واضح فرمادیا، کہ **(نہیں بھیجا ہم نے تم کو ان کا ذمہ دار جواب دہ)** بنا کر۔ یعنی آپ ان پر شدت نہ کریں اور سختی کے ساتھ اُن کو دینِ حق کی طرف نہ بُلائیں۔ اَے محبوب! یہ بھی واضح فرمادو، کہ ہمارا علم صرف تم میں اور تمہارے احوال میں منحصر نہیں، بلکہ ہمارا علم تمام موجودات اور معدومات اور زمینوں اور آسمانوں کو محیط ہے۔۔ لہٰذا۔۔

وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ

اور تمہارا پروردگار خوب جانے، جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور بے شک فضیلت دی ہم نے بعض

النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۵۵﴾

نبیوں کو بعض پر۔ اور دیا ہم نے داؤد کو زبور●

بیان کردو **(اور)** واضح کردو، کہ **(تمہارا پروردگار خوب جانے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں)** وہ ہر ہر شخص کو تفصیلاً جانتا ہے اور اچھائیوں اور برائیوں سے کیا چیز اُس کے لائق ہے کیا نہیں؟

اِسی وجہ سے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی، حضرت داؤد علیہ السلام کو زبور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عنایت کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن عطا فرمایا، اور اس میں کوئی شک نہیں، کہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل ہیں۔ آپ کی افضلیت کا ذکر سورۂ بقرہ آیت ۲۵۳ میں کیا جاچکا ہے۔۔ الختصر۔۔ حق تعالیٰ کو خوب معلوم

ہے، کہ اس کی بنائی ہوئی کائنات میں کون کس فضیلت اور کس شرف کے لائق ہے، اور ان میں وہ کون ہے جسے نبوت و رسالت کے شرف سے مشرف کیا جائے۔۔لہٰذا۔۔مشرکین کی یہ خام خیالی ہے، کہ وہ سوچتے ہیں کہ عبداللہ کا یتیم اور ابوطالب کا بھتیجا پیغمبر کیسے ہوگیا؟

سنو (اور) یادرکھو! ارشادِ خداوندی ہے، کہ (**بے شک فضیلت دی ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر**)، وہ بھی مال اور اتباع کرنے والوں کی کثرت کی بنیاد پر نہیں۔۔بلکہ۔۔نفسانی فضائل کی رو سے اور جسمانی رذائل سے پرہیز کرنے کے لحاظ سے۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خُلّت، اور موسیٰ علیہ السلام کو مکالمت اور حضرت سلطان الانبیاء کو معراج اور رویت اور شفاعت کے ساتھ فضیلت دی۔

(**اور دیا ہم نے داوٗد کو زبور**)۔

تو حضرت داوٗد علیہ السلام کو زبور کے سبب سے شرف ہے، بادشاہی کے سبب سے نہیں۔ اور زبور ڈیڑھ سو[۱۵۰] سورتیں ہیں، کہ ان میں حلال و حرام اور حدود و فرائض کے احکام نہیں ہیں، بلکہ سب خدا کی ثنا اور نصیحت اور حضرت سلطان الانبیاء ﷺ کی صفت اور امتِ محمدی کی فضیلت تھی۔

اور زبور کا ذکر کرنا رسولِ مقبول کی فضیلت پر آگاہ کرنا ہے، اس واسطے کہ ان میں لکھا تھا کہ وہ خاتم الانبیاء ہیں اور اُن کی امت 'خیر الامم' ہے۔۔چنانچہ۔۔قرآنِ کریم میں ارشادِ خداوندی ہے کہ "ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے"۔ نیک بندوں سے مراد سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت ہے۔

اِس مقام پر خاص کر کے حضرت داوٗد اور زبور کے ذکر کرنے میں یہ حکمت بھی ہے، تاکہ بعض یہودیوں کی پیغمبرِ اسلام اور قرآنِ کریم پر ایمان نہ لانے کے تعلق سے کٹ حجتی ظاہر ہوجائے۔ بعض یہودیوں کا کہنا تھا، کہ حضرت موسیٰ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، اور یوں ہی توریت کے بعد کوئی اللہ تعالیٰ کی کتاب نہیں آئے گی، اِسی لیے ہم حضرت موسیٰ کے بعد کسی نبی اور توریت کے بعد کسی کتاب پر ایمان لانے والے نہیں، تو اب ان سے سوال کیا جاسکتا ہے، کہ حضرت داوٗد بھی تو نبی ہیں جو حضرت موسیٰ کے بعد آئے، ایسے ہی زبور بھی کتابِ الٰہی ہے جو توریت کے بعد نازل فرمائی گئی، تو پھر تم اُن پر کیوں ایمان لائے؟ اور حضرت داوٗد کو اللہ کا نبی اور زبور کو اللہ کی کتاب کیوں تسلیم کیا؟

یہ مشرکین اور بت پرست اچھی طرح سے جانتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر کا خالق ہے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، تو ان کے لیے لازم تھا کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے اور مخلوق کی عبادت کو ناجائز سمجھتے، اور جب ان کو کوئی ضرورت پیش آتی اس کو پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حقیقی کارساز سمجھتے ہوئے اُسے پکارتے۔۔ یوں ہی۔۔ ان پر اگر کوئی مصیبت آجاتی، تو اس کا حقیقی دفع کرنے والا حق تعالیٰ ہی کو سمجھتے ہوئے اُس سے فریاد کرتے۔۔ چنانچہ۔۔ جب قریش قحط اور گرانی میں مبتلا ہوئے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں الزام دینے کو یہ آیت بھیجی، کہ اے محبوب اُن سے۔۔۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ
کہہ دو، کہ پکار دیکھو انہیں جو اللہ کے مقابل ہیں تمہارے نزدیک، تو نہ اختیار رکھتے ہیں نقصان دور کرنے کا
عَنْكُمْ وَ لَا تَحْوِیْلًا ۵۶
تم سے، اور نہ لوٹا دینے کا●

(کہہ دو، کہ پکار دیکھو انہیں جو اللہ) تعالیٰ (کے مقابل ہیں تمہارے نزدیک)، یعنی تم جنہیں قابلِ عبادت سمجھتے ہو اور جن کے تعلق سے تمہارا خیال ہے کہ یہی مقربین خدا کی عبادت کرنے کے لیے لائق ہیں۔ رہ گئے تم، تو تم نے ان مقربین کے فرضی مجسمے اور بت بنا کر ان بتوں کی پرستش میں خود کو لگالیا۔۔ الغرض۔۔ تم نے ان بے جان بتوں کو اپنا معبود بنالیا اور اُن سے فریاد کرنے لگے، اور اِن کا حال (تو) یہ ہے، کہ یہ (نہ) تو (اختیار رکھتے ہیں) بذاتِ خود تمہارا (نقصان دور کرنے کا تم سے اور نہ) ہی انہیں ذاتی اختیار ہے (لوٹا دینے کا) یعنی مصیبت کو پلٹا دینے کا اور اس کو بدل دینے کا۔۔ یا یہ کہ۔۔ ایک قبیلہ کی مصیبت کو دوسرے قبیلے کی طرف بھیج دینے کا۔۔ الحاصل۔۔ کسی مخلوق کو معبود بنانا کسی بھی درجے میں معقول نہیں۔ اس مقام پر یہ غور سے سن لو! کہ۔۔۔

اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ
وہ مقبول لوگ جنہیں کفار معبود پکارتے ہیں، وہ خود چاہتے ہیں اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ، کہ اُن کا کون سب سے زیادہ نزدیکی ہے،
وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۵۷
اور امیدوار ہیں اُس کی رحمت کے، اور ڈریں اُس کے عذاب کو۔ بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب جہنم سے بچنے کی چیز ہی●

(وہ مقبول لوگ جنہیں کفار معبود پکارتے ہیں) اور انہیں معبود سمجھ کر اُن سے فریاد کرتے ہیں۔۔مثلاً: فرشتے، مسلمان جن اور حضرت عزیر و حضرت مسیح علیہم السلام، یہ تو (وہ) ہیں جو (خود چاہتے ہیں اپنے پروردگار کی طرف وسیلہ)، یعنی اس کی درگاہ میں تقرب کرتے ہیں طاعت اور عبادت کر کے۔۔نیز۔۔وہ ڈھونڈ ھتے ہیں (کہ ان کا کون سب سے زیادہ نزدیکی ہے)، یعنی جو کوئی ان میں سے بہت قریب ہیں منزلت میں، یعنی انبیاء، مسلمان جن اور ملائکہ جو مقرب درگاہِ الٰہی ہیں، وہ وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں حق تعالیٰ کی طرف، تو غیر مقرب بدرجہءاولیٰ اُس درگاہ کی طرف متوجہ ہوں گے۔

خلاصہءکلام یہ ہے کہ تمہارے معبودانِ باطل، معبودِ برحق جل جلالہٗ کے محتاج ہیں (اور امیدوار ہیں اس کی رحمت کے اور) ان کی شان یہ ہے کہ (ڈریں اس کے عذاب کو۔ بے شک تمہارے پروردگار کا عذاب جہنم سے بچنے کی چیز رہی) یعنی خدا کے عذاب سے خوف ہی کرنا چاہیے۔اور جب یہ بات معلوم ہوئی، کہ اُن کے معبود بھی اور بندوں کی طرح امید اور خوف میں ہیں، تو ان کی پرستش کیونکر کی جاسکتی ہے؟

اب آگے اللہ تعالیٰ اپنی قضا اور تقدیر کا ذکر فرما رہا ہے جس سے فرار کا کوئی ذریعہ نہیں۔اس بیان سے اپنی قدرتِ کاملہ کا اظہار مقصود ہے، اور یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ حق تعالیٰ ہی ہے، جو ایسی قدرت والا ہے، عبادت و پرستش کا مستحق ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا

اور کوئی آبادی نہیں، مگر ہم ہیں اُس کو تباہ کرنے والے روزِ قیامت سے پہلے، یا اس میں عذاب بھیجنے والے،

عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

سخت عذاب۔اور یہ کتاب میں برابر لکھا رہا●

(اور کوئی آبادی نہیں) ہے (مگر ہم ہیں اس کو تباہ کرنے والے روزِ قیامت سے پہلے) لوگوں کو موت اور فنا کے سبب سے۔(یا اُس میں عذاب بھیجنے والے) ہیں قحط اور قتل وغیرہ کے سبب سے، (سخت عذاب۔اور یہ) حکم (کتاب) یعنی لوحِ محفوظ (میں برابر لکھا رہا)۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رَد فرمایا اور جو ظلم کرتے تھے اور کفر و شرک پر اصرار کرتے تھے ان کو عذاب کی وعید سنائی، اور اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے

نبوت کا ذکر شروع فرمایا اور مشرکین مکہ کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر جو شبہات تھے ان کا ازالہ فرمایا۔ مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہا، کہ آپ یہ کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے انبیاء تھے، ان میں سے بعض کے لیے ہوا مسخر کر دی گئی، اور ان میں سے بعض مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اگر آپ اس بات سے خوش ہوں، کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی تصدیق کریں، تو آپ اپنے رب سے دُعا کیجیے کہ 'صفا' پہاڑ کو ہمارے لیے سونے کا بنا دے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ میں نے ان کا مطالبہ سن لیا ہے، اگر آپ چاہیں تو ہم ان کا مطالبہ پورا کر دیں، لیکن اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے، تو پھر ان پر عذاب نازل کیا جائے گا۔ اور اگر آپ اپنی قوم کو مہلت دینا چاہتے ہیں، تو میں ان کو مہلت دے دوں۔ آپ نے عرض کیا، اَے میرے رب اُن کو مہلت دے دے۔۔ الحاصل۔۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کے بڑے بڑے فرمائشی معجزات نازل فرما دیتا اور پھر بھی وہ ایمان نہ لاتے بلکہ اپنے کفر پر ڈٹے رہتے، تو اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق وہ آسمانی عذاب سے نیست و نابود کر دیے جاتے۔ لیکن اِس طرح جڑ سے اکھاڑ دینے والا عذاب اِس امت پر منظور نہ تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے۔۔ یا۔ ان کی اولاد ایمان لے آئے گی، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے فرمائشی معجزات کا مطالبہ پورا نہیں کیا۔۔۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ‌ؕ وَاٰتَيۡنَا

اور نہیں روکا ہمیں اُس سے کہ بھیج دیں ہم آخری نشانیاں، مگر اس بات نے کہ جھٹلا چکے ہیں اُس کو اگلے لوگ۔ اور دے دیا تھا ہم نے

ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا‌ ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ﴿۵۹﴾

ثمود کو اونٹنی، کہ آنکھ کھول دے۔ تو انہوں نے اندھیر مچایا اُس کے ساتھ۔ اور ہم نہیں بھیجا کرتے نشانیوں کو، مگر ڈرانے کے لیے ●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ (نہیں روکا ہمیں اس سے کہ بھیج دیں ہم آخری نشانیاں) یعنی قریش کے مطلوبہ معجزات (مگر اس بات نے، کہ جھٹلا چکے ہیں اس کو اگلے لوگ)، تو یہ بھی اپنے اگلوں کی اتباع میں جھٹلا دیں گے اور ایمان نہ لائیں گے، اور ایسوں کو معجزہ دکھانا عبث ہے۔ ان سے پہلے بھی ہم نے قوم کے مطالبے پر معجزہ نازل فرمایا تھا (اور دے دیا تھا ہم نے ثمود کو اونٹنی، کہ آنکھ کھول دے) یعنی وہ بصیرت افروز نشانی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ جو شخص پتھر سے اونٹنی نکلنے اور اس کی دیگر نشانیوں پر غور و فکر کرے

گا، وہ حضرت صالح علیہ السلام کے دعویٔ نبوت کے صدق کو تسلیم کرلے گا۔

(تو انہوں نے اندھیر مچایا اُس کے ساتھ)، یعنی اس پر ظلم کرکے خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔۔ چنانچہ۔۔انہوں نے اُس کی کوچیں کاٹ ڈالیں اور تمام قوم ہلاک ہوگئی۔سنو (اور) یادرکھو! کہ (ہم نہیں بھیجا کرتے نشانیوں کو مگر ڈرانے کے لیے) ہر چند کہ معجزہ صرف نبی کے دعویٔ نبوت کے صدق کی دلیل ہوتا ہے، لیکن وہ اس حکم کو متضمن ہوتا ہے، کہ اگر اس فرمائشی معجزے کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے، تو پھر تم ہلاک اور ملیامیٹ کردینے والے عذاب کے مستحق ہوگے۔

جب کفارِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بڑے بڑے فرمائشی معجزات کا مطالبہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے اُس کا یہ جواب دیا، کہ معجزات کو ظاہر کرنے میں مصلحت نہیں ہے، تو اس سے کفار کو یہ جرأت ہوئی، کہ وہ آپ کی رسالت میں طعن کریں۔سوانہوں نے کہا، کہ اگر آپ اللہ کی طرف سے رسولِ برحق ہوتے، تو ضرور ہمارے فرمائشی معجزات کو لے آتے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاءِ کرام اپنے معجزات لاتے رہے ہیں۔تب اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی تائید اور نصرت کے لیے فرمایا، کہ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِىْۤ

اور جب کہ کہا ہم نے تم کو، کہ بلاشبہ تمہارا پروردگار چھا گیا ہے سب لوگوں پر، اور نہیں بنایا ہم نے تمہارے اِس خواب کو

اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ ؕ

جو تمہیں دکھایا، مگر لوگوں کی آزمائش، اور وہ درخت جس کو ملعون کہا گیا ہے قرآن میں۔

وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝۶۰ ع ۸

اور ہم تو انہیں ڈراتے ہیں۔نہیں بڑھتی اُن میں مگر بڑی سرکشی●

(اور) ذہن میں حاضر کرلو اُس وقت کو (جب کہ کہا ہم نے تم کو کہ بلاشبہ تمہارا پروردگار) یعنی اس کا عذاب (چھا گیا ہے سب لوگوں پر)۔۔لہٰذا۔۔وہ لوگوں کو گھیر لے گا، یعنی قریش کو ہلاک کردے گا۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کا احاطہ فرمالیا ہے، تو مسلمانوں کو ان پر غلبہ عطا فرمائے گا اور ان کو مغلوب ومقہور کردے گا اور آپ کی حکومت اُن پر قائم کردے گا۔

آیت زیرِ تفسیر کے تعلق سے ایک قول یہ بھی ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی قدرت تمام لوگوں کو محیط ہے اور سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔اور جب ایسا ہے، تو آپ کے

مخالفین کسی اقدام پر قادر نہ ہوں گے، جو اللہ تعالیٰ کی قضا اور اس کی تقدیر کے خلاف ہو۔ اور اس سے مقصود یہ ہے کہ ہم آپ کی نصرت کریں گے، اور آپ کو قوت دیں گے، حتیٰ کہ آپ ہمارے پیغام کی تبلیغ کریں اور ہمارے دین کو غلبہ حاصل ہو۔

۔۔چنانچہ۔۔جب وہ آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کرتے تھے، تو ان کے ارادہ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کا ارادہ حائل ہو جاتا۔ اسی واسطے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا"۔ آیتِ سابقہ میں کفار کے فرمائشی معجزات کو نہ بھیجنے کی حکمت مصلحت سے خالی نہیں، اس حقیقت کو مزید واضح فرمانے کے لیے ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

اَے محبوب! **(اور نہیں بنایا ہم نے تمہارے اُس خواب کو جو تمہیں)** مکہ معظّمہ میں **(دکھایا)** اور جس کو تم نے مدینہ منورہ میں بیان فرمایا کہ "میں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا اور صفا و مروہ پر سعی کر کے سر کے بال اتروائے"۔ اور اُس خواب کی تعبیر کب ہوگی اِس کو ظاہر نہیں فرمایا گیا۔۔الحتصر۔۔ یہ خواب دکھانا نہیں تھا **(مگر لوگوں کی آزمائش)** کے لیے۔

۔۔چنانچہ۔۔خواب سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کعبہ شریف کی طرف رخ کیا۔ اس سال عمرہ میسر نہ آیا اور منافقوں نے طعن شروع کی، کہ یہ خواب تو سچ نہ ہوا، حالانکہ حکمِ الٰہی یہ تھا کہ خواب کی تعبیر آئندہ سال ظاہر ہوگی۔۔الحتصر۔۔ یہ خواب منافقین کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش بن گیا، کہ وہ اپنا نفاق چھپا نہ سکے۔

بعض مفسرین 'رویا' کو رویت یعنی دیکھنے کے معنی میں لیتے ہیں۔ یعنی اَے محبوب! ہم نے شبِ معراج میں حالتِ بیداری میں جو کچھ تمہیں دکھایا اور تم نے دیکھا وہ لوگوں میں فتنہ پڑنے کا سبب ہوا، اس واسطے جب آپ نے معراج کی خبر لوگوں کو سنائی تو بعضے کچے مسلمان مُرتد ہو گئے۔ اور منافقوں نے طعن کرنا شروع کیا اور کفار کا انکار زیادہ ہوا، اور مومنوں نے تصدیق کی۔۔الحتصر۔۔ مومنین کے ایمان، کافروں کے کفر اور منافقین کے نفاق، ہر ایک کی اپنے اپنے طور پر معراج ہوگئی۔

اس سورۂ مبارکہ کی پہلی آیت سفرِ معراج ہی سے متعلق ہے، جس میں اس سفرِ مبارک کی غایت یہ بتائی گئی تھی، کہ ہم نے اپنے خاص بندے کو حالتِ بیداری میں تھوڑے سے وقت میں یہ سفر کرایا، تاکہ اُسے ہم اپنی آیات کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرائیں، اور اب اِسی سفر کی یہ حکمت واضح کی جارہی ہے، تاکہ اِس سفر کے حالات سن کر مومنین اور منافقین ایک

دوسرے سے ممتاز نظر آنے لگیں۔۔۔

ایسے ہی نہیں بیان کیا (اور) نہ ہی ذکر کیا (وہ درخت جس کو ملعون کہا گیا ہے قرآن میں)، یعنی قرآنِ مجید میں اس درخت کا اس طرح کا ذکر ہے کہ یہ تمام اچھی صفات سے دور کیا ہوا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔ ملعون کا معنی مذمت کیا ہوا اور قرآنِ مجید میں اس کی مذمت کی گئی ہے۔۔یا یہ کہ۔۔اس درخت کو کھاتے ہوئے کفار اس پر لعنت کریں گے۔۔یا یہ کہ۔۔اس کا ذائقہ مکروہ اور نقصان دہ ہوگا، اس کو عرب ملعون کہتے ہیں۔۔یا یہ کہ۔۔اس کے کھانے والے کافر ہیں اور کافر ملعون ہیں۔۔الحتصر۔۔یہ درخت بھی آزمائش ہے، اس لیے کہ جب مشرکین نے درخت 'زقوم' کا ذکر سنا کہ دوزخ میں اُگا ہے، تو تعجب میں پڑ گئے۔

یہاں تک کہ ابوجہل بول اٹھا کہ "محمد ﷺ' کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ پتھر جلادیتی ہے اور پھر یہ کہتے ہیں کہ اس میں درخت اُگتا ہے، یہ بڑے تعجب کی بات ہے"۔۔۔ حالانکہ حیرت اس میں ہے کہ سبز درخت سے آگ لیتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔"اور کردی تمہارے واسطے ہرے درخت سے آگ"۔ اور انہوں نے کچھ فکر نہ کی کہ جو کوئی درخت میں آگ ودیعت رکھ دے، اس سے کیا تعجب کہ آگ اُگائے۔۔یا۔۔جو قادرِ مطلق آگ میں سمندر نامی پرند کے بال و پر کو جلنے سے بچاتا ہے، اور شتر مرغ کے پوٹوں کو آگ کی چنگاریاں کھاتے وقت جلنے سے بچاتا ہے، وہ دوزخ میں درخت اُگانے پر بھی قادر ہے۔

۔۔الحتصر۔۔سنو (اور) یاد رکھو! کہ (ہم تو انہیں ڈراتے ہیں) یعنی ہم کافروں کو انواع واقسام کی ڈراونی چیزوں سے، جیسے دوزخ کی آگ اور زقوم وغیرہ سے، تو (نہیں بڑھتی) ہے (ان میں مگر بڑی سرکشی) یعنی ان کا تکبر اور سرکشی حد سے زیادہ ہوگئی۔

اور چونکہ ان کا یہ تکبر ابلیس کے وسوسے کی جہت سے ہے، تو اِس آیت کے بعد ابلیس کے تکبر سے حق تعالٰی نے خبر دی۔۔۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ

اور جب کہ حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کا، تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس۔ بولا کہ "کیا میں سجدہ کروں اُس کا،

لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ﴿۶۱﴾

جسے پیدا فرمایا تو نے خاک سے؟"●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ اَے محبوب! یاد کرو (جب کہ حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کا) تعظیم کی جہت سے، (تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس) جسے گروہِ ملائکہ میں رہنے کی اجازت تھی، اور اسی ساتھ رہنے کی وجہ سے وہ بخوبی سمجھتا تھا کہ حکمِ سجدہ کے مامورین میں وہ بھی ہے۔

اسی لیے جب حق تعالیٰ نے پوچھا، تُونے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے یہ نہیں کہا، کہ مجھے کب سجدہ کا حکم دیا ہے؟ یہ تو فرشتوں کو دیا گیا ہے، بلکہ اس نے اپنے کو حکمِ سجدہ کا مامور سمجھتے ہوئے (بولا کہ کیا میں سجدہ کروں اُس کا جسے پیدا فرمایا تو نے خاک سے)۔۔نیز۔۔

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

بولا کہ "دیکھ تو سہی، تُونے اُس کو عزت بخش دی مجھ پر۔ اچھا، اگر مہلت دے دی تُونے مجھے روزِ قیامت تک کی،

لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

تو ضرور داب لوں گا اُن کی اولاد کو، مگر تھوڑے"●

(بولا کہ دیکھ تو سہی) کہ اس میں کون سی بزرگی اور فضیلت ہے جس کی وجہ سے (تو نے اس کو عزت بخش دی مجھ پر)۔ حال یہ ہے کہ وہ خاک سے ہے اور میں آگ سے ہے۔ (اچھا اگر مہلت دے دی تو نے مجھے روزِ قیامت تک کی) یعنی آخر تک مجھے رکھے اور میری موت میں تاخیر کرے روزِ قیامت تک، (تو ضرور داب لوں گا اُن کی اولاد کو مگر تھوڑے)۔ یعنی ان کی اکثر و بیشتر اولاد کو اپنے شکنجے میں جکڑ لوں گا۔ میں جہاں چاہوں گا اُن کو لے جاؤں گا اور ان کو اپنے پیچھے پیچھے چلاؤں گا۔۔ الغرض۔۔ میں ان پر ضرور غالب آجاؤں گا اور ان کو بہلا پھسلا کر جڑ سے اکھاڑ دوں گا، اور ان سے ایسے عمل کراؤں گا کہ وہ تیرے عذاب سے نیست و نابود ہو جائیں۔ ہاں ان میں تھوڑے ہی ایسے ہوں گے، جنہیں تیری عصمت اور حمایت کے سبب سے گمراہ نہ کرسکوں گا۔۔ اُس پر۔۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

فرمان ہوا، "جا! تو جس نے غلامی کی تیری اُن میں سے، تو بلاشبہ جہنم تم سب کی سزا ہے، پوری سزا●

خداوندی (فرمان ہوا "جا" تو جس نے غلامی کی تیری ان میں سے) یعنی اولادِ آدم میں سے تیرا مطیع و فرمانبردار رہا، (تو بلاشبہ جہنم تم سب کی سزا ہے) یعنی تمہاری بھی اور تمہاری پیروی کرنے

والوں کی بھی اور وہ بھی (پوری سزا) یعنی دائمی عذاب۔ اَے ابلیس! تو بہکانے اور گمراہ کردینے کی بات کرتا ہے، تو جا۔۔۔

وَ اسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَ اَجْلِبْ عَلَیْهِمْ بِخَیْلِكَ

اور لغزش میں ڈال دے جن پر تیری سکت ہواُن میں سے اپنی آواز سے، اور اُن پر جھونک دے اپنے سواروں

وَ رَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ وَ عِدْهُمْ

اور پیادوں کو، اور شریک بن جااُن کا مال واولاد میں، اور وعدے کیا کر۔

وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

اور شیطان نہیں وعدہ کرتا، مگر محض دھوکا●

(اور لغزش میں ڈال دے جن پر تیری سکت ہوان میں سے اپنی آواز سے)، یعنی گانے بجانے سے اور رضائے الٰہی کے خلاف بلند ہونے والی آواز سے، (اور ان پر جھونک دے اپنے سواروں اور پیادوں کو) یعنی جو شیاطین وسوسہ دلانے اور اغواء کرنے میں تیرے مددگار ہیں، ان سب کواُن پر مسلط کرنے کے واسطے جمع کردے، (اور شریک بن جاان کا مال واولاد میں)، اموال میں شریک ہو، تاکہ مالِ حرام جمع کریں۔۔یا۔۔سود پر دیں۔۔یا۔۔گناہ میں خرچ کریں اور اولاد میں شریک ہو، تاکہ زنا سے پیدا کریں۔۔یا۔۔عبدالعزیٰ اور عبدالشّمس اور اس کے مثل نام رکھیں، (اور ان سے (وعدے کیا کر) باطل وعدے، جیسے کہ بتوں کی شفاعت۔۔یا۔۔توبہ میں تاخیر۔۔یا۔۔بعث و حشر اور بہشت و دوزخ کا انکار۔ (اور شیطان نہیں وعدہ کرتا مگر محض دھوکا)، یعنی خطا کو صواب کی صورت میں دکھاتا ہے۔ اَے ابلیس، سن لے! کہ۔۔۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ وَ كَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿۶۵﴾

"بے شک میرے مخلص بندے، نہیں ہے تیرااُن پر کچھ زور"۔ اور تمہارا پروردگار کافی کارساز ہے●

(بے شک میرے مخلص بندے) یعنی وہ بندے جو جنت کے واسطے ہی پیدا کیے گئے ہیں، (نہیں ہے تیرا ان پر کچھ زور)۔ یعنی جو میرے مخلص بندے ہیں انہیں اغوا کرنے، فریب دینے اور ان پر مسلط ہونے کی تجھ میں طاقت نہیں۔ (اور تمہارا پروردگار کافی کارساز ہے) آپ کے لیے اور ان

لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے استمداد کرتے ہیں۔اسی لیے ابلیس انہیں گمراہ نہ کر سکے گا۔اس بات کو ہر حال میں ملحوظِ خاطر رکھو، کہ۔۔۔

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ

تمہارا پروردگار، جو رواں کرتا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو دریا میں، کہ تلاش کرو اُس کا فضل،

اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۶۶

بے شک وہ تم پر رحم فرماتا رہا●

(تمہارا پروردگار) وہ ہے (جو رواں کرتا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو دریا میں) تا (کہ) تم (تلاش کرو اس کا فضل)۔۔الغرض۔۔اس نے سمندر کو تمہارے سفر کے لیے مسخر کر دیا ہے، تا کہ تم سمندری سفر کے ذریعہ دور دراز علاقوں میں جا سکو اور ایک علاقے کے لوگ دوسرے علاقے کے لوگوں سے واقف ہوں اور ان کی تہذیب اور تمدن سے آگاہ ہوں اور ان کی ضروریات سے مطلع ہو کر وہاں سامانِ تجارت لے جائیں، اور اس طرح ان کی روزی اور معاش کا بندوبست ہو۔(بے شک وہ) قادر و حکیم (تم پر رحم فرماتا رہا)۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ

اور جب لگا تمہیں خطرہ دریا میں، تو گم ہو گئے جنہیں پکارتے ہو معبود، سوا اُسی معبودِ برحق کے۔پھر جب نجات

اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝۶۷

دے دی تمہیں خشکی تک، تو رُخ پھیر لیا تم نے۔اور انسان ناشکرا ہی رہا●

(اور) تم خود غور کرو، کہ (جب لگا تمہیں خطرہ دریا میں) یعنی سمندر میں جب تم پر کوئی آفت آتی ہے اور سمندر میں غرق ہونے کا شدید خطرہ لاحق ہوتا ہے، (تو) ایسی صورت میں تمہارے ذہن و فکر سے (گم ہو گئے جنہیں پکارتے ہو معبود) سمجھ کر۔۔الغرض۔۔اُس وقت نہ تم کسی بت سے فریاد کرتے ہو، اور نہ سورج اور چاند سے، بلکہ اِس حال میں تم صرف اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہو، اور (سوا اُسی معبودِ برحق کے) کسی کو اپنا حقیقی کارساز سمجھ کر نہیں بلاتے۔اور جب اس حالت میں اللہ تعالیٰ تمہیں سمندر میں غرق ہونے سے بچا لیتا ہے اور تم خشکی پر سلامتی سے پہنچ جاتے ہو، تو پھر تم اخلاص

کے ساتھ اللہ پر ایمان لانے سے اعراض کرتے ہو۔

۔۔الختصر۔۔(پھر جب نجات دے دی) اللہ تعالیٰ نے (تمہیں) اور (خشکی تک) پہنچادیا، (تو رُخ پھیر لیا تم نے) اور اس سے اعراض کرلیا۔ یہ کتنی بڑی ناشکری ہے۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو: اس لیے کہ (انسان ناشکرا ہی رہا) اپنے خدا کی نعمت پر، یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کماحقہٗ شکر ادا نہ کر سکا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان سے اعراض کرنے والے تو سب سے بڑے ناشکرے ہیں۔ تو اے لوگو! دریا سے بچ کر صحراء میں آجانے کے بعد بے خوف نہ رہو، اس لیے کہ دریا میں غرق کردینے والا زمین میں بھی دھنسا دینے کی قدرت رکھتا ہے۔۔لہٰذا۔۔خشکی کو امن واطمینان کی جگہ مت سمجھ لو۔ ذرا بتاؤ تو، کہ۔۔۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا

کیا تمہیں اطمینان ہے کہ دھنسا دے تم پر خشکی کا کنارہ، یا بھیج دے تم پر پتھروں کی بارش،

ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًاۙ ﴿۶۸﴾

پھر نہ پاؤ اپنا کوئی کارساز●

(کیا تمہیں اطمینان ہے) اِس بات سے (کہ دھنسا دے تم پر خشکی کا کنارہ) یعنی خشکی پر آکر بے خوف ہو جانے والو! اور سمجھ لینے والو! کہ "اب تم پر کوئی آفت نہیں آئے گی"، اچھی طرح یقین کرلو! کہ جو اِس بات پر قادر ہے کہ دریا میں تمہیں ڈبو دے، وہ اِس پر بھی قادر ہے کہ خاک میں دھنسا دے، (یا بھیج دے تم پر پتھروں کی بارش)۔ یعنی وہ قادر ہے اس پر کہ تم پر پتھر برسائے، (پھر نہ پاؤ) تم (اپنا کوئی کارساز) جو تمہاری حفاظت کرے۔۔۔

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ

یا کیا نڈر ہو گئے، کہ دوبارہ لے جائے تمہیں اُسی دریا میں، پھر چلا دے تم پر کشتی توڑ ہوا،

فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿۶۹﴾

تو ڈبو دے تمہیں، کہ تم نے ناشکری کی ہے۔ پھر نہ پاؤ گے تم اپنا کوئی، ہمارا پیچھا کرنے والا●

(یا کیا نڈر ہو گئے، کہ دوبارہ لے جائے تمہیں اُسی دریا میں) یعنی تمہارے دل میں آرزو پیدا کرے تاکہ دوبارہ تم کشتی میں سوار ہو، (پھر چلا دے تم پر کشتی توڑ ہوا) یعنی ایسی ہوا چلائے جو کشتی کو توڑ ڈالے، (تو) پھر اس طرح (ڈبو دے تمہیں) بسبب اس کے (کہ تم نے ناشکری کی ہے)۔۔الختصر۔۔

ایک بار دریا سے بچ کر نکل آنے کے بعد بے خوف نہ ہو جاؤ، اور بالکلیہ مطمئن نہ ہو جاؤ، کہ اب تمہیں دریا میں غرق نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ ربِّ قدیر اس بات کی قدرت رکھتا ہے کہ تمہیں دوبارہ دریا کا سفر کرائے اور اس میں ڈبو دے اور جب ایسا ہوگا، تو (پھر نہ پاؤ گے تم اپنا کوئی) یعنی اپنے واسطے کوئی (ہمارا پیچھا کرنے والا) جو ہم سے مقابلہ کرے اور بدلہ لینا چاہے۔

۔۔الختصر۔۔ جب ایک بار انسان کو اللہ تعالیٰ کسی مصیبت سے نجات دے، تو اُس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے، اور دوبارہ ویسے بُرے کام نہ کرے جن کی وجہ سے اس پر وہ مصیبت آئی تھی، اور اس بات سے بے خوف نہ ہو کہ اب دوبارہ اُس پر وہ مصیبت نہیں آئے گی۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت و کرامت سے نوازا ہے، اس لیے اس کے اعمال بھی اُن کی شایانِ شان ہونے چاہئیں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

اور بے شک معزز کیا ہم نے اولادِ آدم کو اور سوار کیا انہیں خشکی اور تری میں، اور روزی فرمائی انہیں پاکیزہ چیزیں،

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ ع ۷

اور فضیلت دی انہیں بہتیری اپنی مخلوق پر، بڑی فضیلت ●

(اور بے شک معزز کیا ہم نے اولادِ آدم کو اور سوار کیا انہیں خشکی اور تری میں اور روزی فرمائی انہیں پاکیزہ چیزیں) یعنی طیب وطاہر کھانے (اور فضیلت دی انہیں بہتیری اپنی مخلوق پر، بڑی فضیلت)۔

انسان کی بزرگی اور تکریم کے باب میں علماء کے بہت سارے اقوال ہیں۔ یہاں بس ایک قولِ جامع پر اکتفاء کیا جاتا ہے، وہ یہ کہ انسان کی بزرگی دو قسموں پر ہے، ایک جسمانی اور دوسری روحانی۔ جسمانی بزرگی سب انسانوں کو حاصل ہے، کیا مسلمان کیا کافر۔ اور وہ یہ ہے، کہ دونوں ہاتھوں سے اِس کا مٹی خمیر کرنا، رحم میں صورت بنانا، خوبصورتی، مزاج قریبِ اعتدال ہونا، قد کی راستی اور دونوں ہاتھ سے چیز لینا، انگلیوں سے کھانا، داڑھی اور گیسوؤں سے زینت، عقل سے تمیز سمجھانا، زبان اشارے خط سے اسبابِ معیشت کی راہ پانا، صناعت اور کتابت سے برقرار رہنا۔

روحانی بزرگی بھی دو قسموں پر ہے، ایک عام اور دوسری خاص۔ عام میں تو مومن اور کافر دونوں شریک ہیں جیسے اُن میں روح پھونکنا، آدم علیہ السلام کی پشت سے نکلنا، قولِ **اَلَسْتُ**

سنایا جانا، جواب میں بَلٰی کہنا، بندگی پر عہد باندھنا، فطرت پر پیدا کرنا، اُن کے پاس رسولوں کو بھیجنا، ان کے واسطے کتابیں نازل کرنا، جنت کے ثواب کی ترغیب اور دوزخ کے عذاب کی تخویف، ان کے واسطے قدرت کے آثار اور دلائل اور معجزات کا ظاہر کرنا۔

مگر خاص روحانی بزرگی وہ ہے، جس کے سبب سے انبیاء، اولیاء، مومنوں کو بزرگ کیا ہے۔ وہ نبوت، رسالت، ولایت، ہدایت، ایمان، اسلام، ارشاد، اکمال، اخلاق، آداب، سیر اللہ کی طرف، اللہ میں، اللہ کے ساتھ، لاہوتی جذبوں کے سبب سے ناسوتی تنگیوں سے ترقی اور مقامات پر عبور، انانیت سے فنا اور ہویت کے ساتھ بقا، اور ان کے سوا بزرگیاں جو حد سے باہر ہیں، اور بقول حضرت محمد بن کعب رضی اللہ عنہ آدمیوں کی بزرگی اس سبب سے ہے، کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم انہیں سے ہیں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ آدمیوں کے رسول ملائکہ کے رسولوں سے افضل ہیں، اور آدمیوں کے اولیاء ملائکہ کے اولیاء سے افضل ہیں، اور صالح مسلمان افضل ہیں عوام ملائکہ سے، اور ملائکہ بہتر ہیں فاسق مسلمانوں سے۔

امام قشیری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "بنی آدم سے ایمان دار ہی مراد ہیں"، اس لیے کہ کفار کے حق میں ارشادِ قرآنی ہے، کہ "جس کی اہانت کرے اللہ، تو کوئی نہیں اس کی بزرگی کرنے والا"۔ اور مسلمانوں کی بزرگی اس سبب سے ہے، کہ ان کے ظاہر کو مجاہدہ کی توفیق سے آراستہ کیا اور اُن کے باطن کو مشاہدہ کی توفیق سے منور فرمایا۔ جس طرح تمام مومنوں کو تمام بزرگی عطا کی، امتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خاص بزرگی کے ساتھ مخصوص کیا، ازانجملہ 'رضا' خاص ہونے کا مرتبہ ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشاد ہے کہ: "راضی ہے اللہ ان سے اور راضی ہیں وہ اللہ سے"، اور محبت کا درجہ ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشاد ہے "دوست رکھتا ہے اللہ انہیں اور دوست رکھتے ہیں وہ اللہ کو"۔ اور ذکر کی بزرگی ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشاد ہے کہ تم "میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا"۔

۔۔۔الغرض۔۔۔ یہ آیت انسان کی فضیلت اور جامعیت کی دلیل ہے، کہ صفاتِ الٰہی کا پرتو پڑنے کے واسطے سب مخلوق کی بہ نسبت یہی انسان صاف آئینہ ہے۔ آیت زیرِ تفسیر میں خود اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت کی وجوہ میں سے بعض کو بیان فرمایا ہے:

﴿١﴾۔۔۔ ان کو خشکی اور سمندر کی سواریاں دیں، یعنی اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں خچروں، گدھوں

اور اونٹوں کو اس طرح مسخر کر دیا، کہ انسان ان پر سواری کر سکے اور ان پر اپنا بوجھ لاد سکے اور سواریوں پر بیٹھ کر سفر کر سکے اور جہاد کر سکے اور کشتیوں اور بحری جہازوں پر بیٹھ کر تجارتی اور جنگی سفر کر سکے۔

﴿۲﴾۔۔ان کو طیب چیزوں سے رزق دیا: کیونکہ انسان کی خوراک اور غذا، یا زمینی پیداوار سے حاصل ہوتی ہے۔۔یا۔۔حیوانوں کے گوشت سے، اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مسخر کر دی ہیں۔اب رہ گئیں وہ بعض ہستیاں جن پر انسانوں کو فضیلت نہیں دی گئی، وہ فرشتے ہیں۔اس تعلق سے تحقیقی بات جو ہے اس کا ذکر اوپر مختصراً کیا جا چکا ہے۔۔مزید برآں۔۔ارشادِ رسول ہے کہ "اَلْمُؤْمِنُ اَکْرَمُ عِنْدَ اللّٰہِ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ"۔۔ "مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرشتوں سے زیادہ مکرم ہے"، اس لیے کہ فرشتے اگر اطاعت گزار ہیں، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہی ان کی فطرت ہے۔ فرشتے صرف عقل والے ہیں، ان میں شہوت نہیں۔اور جانور صرف شہوت والے ہیں، ان میں عقل نہیں۔اور آدمی میں دونوں ہیں۔تو جس کی عقل اُس کی شہوت پر غالب ہو، وہ فرشتوں سے زیادہ مکرم ہے۔اور جس کی شہوت اس کی عقل پر غالب ہو، وہ جانوروں سے بدتر ہے۔

۔۔المختصر۔۔عقل اور شہوت کے تقاضوں میں اعتدال و توازن ہی انسانیت کا کمال ہے، تو انسان کو چاہیے کہ نہ تو 'رہبانیت' کے چکر میں پھنسے، اور نہ ہی 'حیوانیت و شیطنت' پر اُتر آئے۔اُسے اپنے حقیقی مقام پر رہنا چاہیے اور اس فضل خداوندی کو کبھی نہیں بھولنا چاہیے، کہ ربِّ کریم نے ساری کائنات کو اُسی کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے، لیکن اُسے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔اُس کے لیے دنیا کو آخرت کی کھیتی بنایا ہے، تا کہ دنیا میں نیکی کرے اور آخرت میں اُس کا پھل حاصل کرے۔۔تو۔۔

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ

جس دن پکاریں گے ہم سب لوگوں کو اُن کے اپنے اپنے امام کے ساتھ، تو جس کو دیا گیا اُس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں، تو

یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۷۱﴾

وہ پڑھیں گے اپنا نامہ اعمال، اور نہ محروم کیے جائیں گے اپنے حق سے سُوت بھر●

اَے محبوب! اِن کواُس دن کی یاد دہانی کراتے رہو، (جس دن پکاریں گے ہم سب لوگوں کو ان کے اپنے اپنے امام کے ساتھ)۔۔مثلاً: اَے فلاں نبی کے امتیو!۔۔یا۔۔اَے فلاں دینی رہنما کے پیچھے چلنے والو!۔۔یا۔۔اَے فلاں آسمانی کتاب پر ایمان لانے والو!۔۔یا۔۔اَے فلاں دین کے ماننے والو!

یہ بھی ممکن ہے کہ اُن کے نامہءاعمال سے اُن کو پکارا جائے۔۔مثلاً: اَے کتابِ خیر والو! اوراے کتابِ شر والو!

(توجس کو دیا گیا اُس کا نامہءاعمال داہنے ہاتھ میں، تووہ پڑھیں گے اپنا نامہءاعمال) خوشی کے ساتھ بار بار، اس واسطے کہ اس میں نیک عمل دیکھیں گے۔(اور) وہ (نہ محروم کیے جائیں گے اپنے حق سے سوت بھر) یعنی ان کے اجر میں ذرّہ برابر بھی کمی نہ ہوگی۔

اور یہ آیت اِس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ جس کو نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیں گے خجالت اور حیرت کے مارے اُس کی زبان پڑھنے سے عاجز رہے گی۔۔۔

وَمَنْ كَانَ فِىْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝۷۲

اور جو بھی اِس دنیا میں رہا اندھا، تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہے اور گم کردہ راہ ●

(اور) یہ اس لیے، کہ (جو بھی اس دنیا میں رہا اندھا)، یعنی جس کے دل کی آنکھ راہِ صواب نہیں دیکھتی، (تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہے) تو پھر وہ نجات کی راہ کیسے دیکھ پائے، (اور) اندھا بھی ایسا جو بڑا (گم کردہ راہ) ہو۔اس جہت سے کہ اس کی بینائی کی استعداد زائل ہوگئی اور فرصت باقی نہ رہی۔

محققین کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں، کہ جو کوئی دنیا میں 'طاعت' سے اندھا ہے، عقبٰی میں 'ثواب' سے اندھا ہوگا۔اور جو کوئی یہاں 'توبہ' کا منہ نہیں دیکھتا، وہاں مغفرت کی صورت نہ دیکھے گا۔

اَے محبوب! یہ اندھے اور گم کردگانِ راہ، راہِ مستقیم پر کیا آتے، یہ تو آپ ہی کو راستے سے بہکانے کی کوشش میں لگ گئے۔

۔۔چنانچہ۔۔ثقیف نے کہا، "اَے محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم، ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک تم سال بھر ہمیں بت پرستی کی اجازت نہ دو، اور زمین طائف جو ہماری آرام گاہ ہے اُسے حریم مکہ کی طرح معظم ومحترم نہ کرو، اور نماز میں رکوع سجود سے ہمیں معاف رکھو۔اگر لوگ تم سے پوچھیں کہ تم نے یہ کیوں کیا، تو کہہ دینا کہ میرے خدا نے مجھے یہ حکم کردیا ہے"۔۔یا۔۔بعضوں

کے نزدیک قریش نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ "ہم آپ کو حجر اسود نہ چھونے دیں گے، جب تک ہمارے بتوں کو نہ چھولو، اگرچہ انگلی کے سرے ہی سے سہی"، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ کافر چاہتے ہیں کہ تمہیں ہماری وحی سے پھیر لیں تو دوست بنائیں۔۔ چنانچہ۔۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ

اور قریب تھا کہ پھسلا دیں تمہیں اس سے، جو ہم نے وحی فرمائی تمہاری طرف، کہ تم گڑھ لو ہم پر دوسری بات۔

وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

اور اُس وقت وہ بنالیتے تم کو دلی دوست●

ارشاد ہوتا ہے (اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (قریب تھا کہ پھسلا دیں تمہیں اِس سے جو ہم نے وحی فرمائی تمہاری طرف، کہ تم) کافروں کی خواہش کے مطابق (گڑھ لو ہم پر دوسری بات۔ اور) پھر (اُس وقت وہ بنالیتے تم کو دلی دوست)۔ مگر چونکہ اپنی عصمت کی مدد سے درستی پر تم کو ہم نے ثبات دیا ہے، اس لیے ان کا یہ مکر چل نہ سکا۔

وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾

اور اگر نہ پیدا کیا ہوتا ہم نے تمہیں ثابت قدم، تو کیا دُور تھا کہ جھک پڑتے تم اُن کی طرف کچھ نہ کچھ●

(اور اگر) بالفرض (نہ پیدا کیا ہوتا ہم نے تمہیں) حق و درستی پر (ثابت قدم، تو کیا دور تھا کہ جھک پڑتے تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ) یہی سوچ کر کہ دل میں کمالِ درجہ کی نفرت رکھتے ہوئے بتوں کو انگلی سے چھو لینے میں حرج کیا ہے، جب کہ اس سے اپنے طواف کرنے کی راہ کی رکاوٹ دور ہو رہی ہو۔ ۔۔الختصر۔ آپ کا یہ سوچنا کہ فی الحال ہمیں طوافِ کعبہ کرنے کو ملے یا نہ ملے، لیکن یہ گوارہ نہیں کہ کافروں کی خواہش پوری کرنے کے لیے ہم اپنی کسی انگلی کی نوک بھی کسی بت کو لگائیں۔ یہ آپ کی سوچ، آپ کی اُسی فطری عصمت کا تقاضا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے جس سے آپ کو نواز رکھا ہے۔ اور اگر بالفرض تم ان کی خواہش پوری کر دیتے۔۔۔

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ

تب تو ہم چکھادیتے تمہیں دونی عمر، اور دونی موت کا مزہ۔

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

پھر نہ پاتے تم اپنا ہمارے سامنے کوئی مددگار●

(تب تو ہم چکھا دیتے تمہیں دونی عمر اور دونی موت کا مزہ)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے، کہ اگر بہ فرضِ محال آپ کفار کی خواہشوں کو مان لیتے اوران کی طرف مائل ہونے کا ارادہ کر لیتے، تو اس اقدام کی وجہ سے آپ اِس عذاب کے دُگنے عذاب کے مستحق ہوتے، جو کسی مشرک کو دنیا کی زندگی میں اور آخرت کی زندگی میں دیا جاتا ہے۔اور اِس عذاب کو دوگنا کرنے کا سبب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، تو ان کے گناہ بھی بہت بڑے ہوں گے اوران گناہوں کی سزا بھی بہت بڑی ہوگی۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں لیکن اس آیت میں تعریض ہے اور کنایہ سے بات کی گئی ہے، بظاہر جس کا روئے سخن پیغمبر کی طرف ہے مگر خطاب امتیوں سے ہے اور اُس کے ذریعہ آپ کی امت کو ڈرایا گیا ہے، تاکہ مومنین میں سے کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کے احکام اوراس کی شرائع میں کسی مشرک کی طرف مائل نہ ہو۔

۔۔الحنصر۔۔اگر بالفرض تم اَے محبوب 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' مشرکین کی مذکورہ بالا خواہش پوری کردیتے، (پھر) تو (نہ پاتے تم اپنا ہمارے سامنے کوئی مددگار)، جس کے باعث اس عذاب سے رہائی پاتے۔

جب کافروں نے دیکھا کہ ان کا یہ حربہ کامیاب نہ ہوا، تو مکے کے کافروں نے رسولِ مقبول کے اخراج کے باب میں باہم مشورہ کیا اوران کی رائے اس بات پر قرار پائی، کہ دشمنی میں اس قدر زیادتی کرنی چاہیے کہ حضرت کو ضرور بالضرور نکل جانا پڑے۔۔چنانچہ۔۔اِس تعلق سے ارشاد ہوا، کہ۔۔۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا

اور قریب تھا کہ کھسکا دیں تمہیں اس اراضی سے، تاکہ نکال دیں تمہیں اس سے، اور ایسے میں

يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۷۶﴾

وہ بھی نہ ٹھہرتے تمہارے بعد، مگر کچھ ہی●

(اور قریب تھا کہ کھسکا دیں تمہیں) عداوتیں کر کے (اس آراضی سے تاکہ نکال دیں تمہیں اس سے) یعنی مکے کی زمین سے باہر کر دیں۔ (اور ایسے میں وہ بھی نہ ٹھہرتے تمہارے بعد مگر کچھ ہی)۔

۔۔چنانچہ۔۔ایسا ہی ہوا کہ ہجرت کے بعد تھوڑے دنوں میں واقعہ ٔبدر پیش آیا اور کفار ہلاک ہوئے۔ مذکورہ بالا تفسیر کی روشنی میں یہ آیت مکی ہے، مگر اس کے تعلق سے ایک قول یہ ہے کہ یہود کو مدینہ منورہ میں رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قیام پر حسد آیا۔۔چنانچہ۔۔ وہ بولے، کہ اَے ابوالقاسم اگلے انبیاء علیہم السلام زمین شام پر تھے، اگر تم بھی پیغمبر ہو اور چاہتے ہو کہ ہم تمہاری تصدیق کریں، تو چاہیے کہ ملک شام میں جا کے رہو۔ وحیٔ الٰہی نے ان کی اس سازش کو بے نقاب کر دیا اور واضح فرما دیا، کہ۔۔۔

اَے محبوب! یہود چاہتے ہیں کہ مدینہ منورہ سے تمہیں دور بھیج دیں۔ اور اگر ایسا ہوا، تو وہ تیرے بعد بہت نہ رہیں گے۔

۔۔چنانچہ۔۔ایسا ہی ہوا کہ تھوڑے ہی زمانے میں یہود کے قبیلے قتل اور جلاوطنی کے عذاب میں پڑے اور مدینہ منورہ میں ان کے ہمیشہ رہنے کا خواب چکنا چور ہو گیا۔ اس قول کی بنیاد پر یہ آیت مدنی ہوتی ہے۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے، کہ جس قوم نے اپنے نبیوں کو قتل کیا۔۔یا۔۔ جلاوطن کیا، پھر وہ قوم اپنے وطن میں زیادہ عرصہ نہ ٹھہر سکی۔ پھر یا تو وہ عذابِ الٰہی میں ہلاک کر دی گئی، جیسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم۔۔یا۔۔اُس کی دشمن قوم کو اُس پر مسلط کر دیا گیا، جیسے بنی اسرائیل۔۔یا۔۔اس قوم کو خود اُس نبی۔۔یا۔۔اُس کے پیروکاروں نے مغلوب کر دیا، جیسے کہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کفارِ مکہ کو مغلوب کر دیا۔۔المختصر۔۔جب جب نبی کے وطن میں اس کے مخالفین اس کو وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں، پھر کچھ عرصہ بعد نبی فاتحانہ شان سے وطن لوٹتا ہے، اور اس کے مخالفین کو شکستِ فاش ہو جاتی ہے، جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے مدین کی طرف ہجرت کی اور پھر مصر واپس آئے، اور آپ کے دشمن فرعون اور قبطیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اُسی طرح پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ ہجرت کی اور پھر فاتحانہ شان سے مکہ واپس آئے۔

سُنَّةَ مَنۡ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنۡ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيۡلًا ۝٧٧ ع ٨/٨

دستور اُن کا، جنہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے، اپنے کئی رسول، اور نہ پاؤ گے ہمارے دستور میں تبدیلی●

۔۔الحضر۔۔اَے محبوب! یہ رہا (دستور ان کا جنہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے اپنے کئی رسول اور نہ پاؤ گے ہمارے دستور میں تبدیلی)۔اور وہ سنت اور عادت، پیغمبروں کی تکذیب کے سبب ان کی امتوں کی ہلاکت ہے۔

اِس بیان سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ اِسی میں ہے کہ انبیاءِ کرام کو دشمنوں کی تکالیف و مشقات میں مبتلا کرے، تاکہ اس طرح ان کے درجات میں اضافہ ہو، اور اُن کے جواہر روحانیہ ربانیہ، اوصافِ نفسانیہ سے مزکّٰی و مصفّٰی رہیں۔ یہ طریقۂ کار حکمت و مصلحت اور ارادۂ قدیم پر مبنی ہیں، اس لیے اس میں تبدل و تغیر ناممکن ہے۔اس طرح کے مضامین میں کئی حکمتیں ہوتی ہیں، من جملہ ان کے ایک یہ ہے، کہ آپ ﷺ کو ہر طرح تحفظ اور جملہ امور میں احتیاط کے حکم سے امت کو تنبیہ ہوگی، کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ان امور کے متعلق تحفظ کا حکم فرما رہا ہے، تو پھر ہم کون ہیں ان میں کوتاہی کرنے والے۔

اِس سے انسان کو سبق دیا گیا ہے، کہ تیرے ظاہری اور باطنی بہت بڑے دشمن ہیں، اس لیے تمہیں ہر وقت چوکنا رہنا چاہیے۔ اِس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صبر میں خیر و برکت ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ انسان کے صبر سے آزمائش اور ابتلاء ہٹ جاتی ہے اور دوسرا یہ ہے کہ دشمن تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔اِسی لیے جابجا 'صبر و صلوٰۃ' سے مدد طلب کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، اور بارگاہِ خداوندی میں سربسجود رہنے کے واضح احکامات ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے جس میں خطاب براہِ راست نبی کریم ﷺ سے ہے، مگر اس میں مذکور ہدایت ساری امتِ محمدیہ کے لیے ہے ۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ

پابندی کرو نماز کی، سورج ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک۔اور فجر کی نماز،

اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ٧٨

کہ بلاشبہ فجر کی نماز کا وقت حاضری کا ہے●

اَے محبوب! (پابندی کرو نماز کی سورج ڈھلنے سے رات کی تاریکی تک) اِس سے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی چار نمازوں کا حکم مل گیا (اور) مزید برآں پابندی کرو (فجر کی نماز) کی۔

اِس ارشاد میں نماز کی تعبیر قرآن سے کی گئی ہے، اس لیے کہ قرأتِ قرآن نماز کا رکن ہے، جس طرح رکوع اور سجود پر بھی ان کے ارکانِ نماز ہونے کی وجہ سے نماز کا اِطلاق کیا گیا ہے۔

فجر کی نماز کا نام کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ ذِکر اس لیے ہے، (کہ بلاشبہ فجر کی نماز کا وقت حاضری کا ہے) جن میں دن اور رات کے ملائکہ حاضر ہوتے ہیں اور اس نماز کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔رات کے ملائکہ اُسے نامۂ اعمال کے آخر میں لکھ لیتے ہیں اور دن کے فرشتے نامۂ اعمال کی ابتداء اُسی سے کرتے ہیں۔تو یہ ایسی نماز ہے جس کا ذِکر دونوں وقتوں کے فرشتوں کے دفتر میں موجود رہتا ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ

اور رات کو، تو تہجد پڑھو اس میں، مزید حکم ہے تمھیں پر۔ عنقریب تمہاری جگہ بنائے گا تمہارا پروردگار،

مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾

مقامِ محمود کو●

(اور رات کو، تو) اس کے تھوڑے سے حصے میں ایک نیند لے لینے کے بعد (تہجد) کی نماز (پڑھو اس میں) یہ (مزید حکم ہے تمھیں پر)، یعنی یہ نماز زیادتی ہے تیرے واسطے فرائض پنجگانہ پر۔ یعنی آپ کے سوا کسی اور پر فرض نہیں۔

یہ بھی ایک قول ہے کہ تہجد کی نماز فرض پر زائد ہے، اور یہ صرف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے نفل اور فضیلت ہے، اور آپ ہی کے واسطے ایک خاص بزرگی ہے۔ چونکہ آپ اپنی اگلی اور پچھلی زندگی میں مغفور ہیں، تو جو چیز بھی آپ کے فرائض پر زائد ہو، وہ آپ کے لیے نفل اور فضیلت ہے، اور آپ کے غیر کے لیے گناہوں کا کفارہ ہے۔

ہر چند اس آیت میں خطاب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہے، لیکن اس خطاب میں آپ کی امت بھی داخل ہے، لیکن نبی کریم ﷺ کے لیے تہجد اس لیے نفل ہے، کہ اس سے آپ کے درجات بلند ہوں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ آپ کے قُرب میں اضافہ ہو اور آپ جو استغفار فرماتے ہیں، اس کا بھی یہی محل ہے۔ اور امت کے لیے تہجد اس لیے نفل ہے، کہ تہجد کے ذریعہ اس کے گناہ معاف ہوں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ اگر انسان ساری رات جاگ کر نفل پڑھتا رہے، تو وہ تہجد نہیں ہے۔ تہجد کی نماز تب ہوگی، جب وہ عشاء پڑھ کر سو جائے پھر تہجد کے لیے بیدار ہو اور نماز پڑھے۔ رسول اللہ ﷺ سے بہ شمولِ وتر، تہجد کی مختلف رکعات مروی ہیں، یعنی ۷، ۹، ۱۱ اور ۱۳۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ امت کے لیے توسع اور آسانی ہو۔ جو شخص اپنی قوت، حالت اور وقت کی گنجائش کے اعتبار سے ان میں سے جتنی رکعات پڑھے گا، وہ سنت کو پائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب! دنیا میں نمازِ تہجد کے ذریعہ آپ کے درجات کی بلندی تو ہوتی ہی رہے گی، میدانِ محشر میں بھی (**عنقریب تمہاری جگہ بنائے گا تمہارا پروردگار مقامِ محمود کو**)۔

مقامِ محمود کی تفسیر میں متعدد اقوال میں سے بعض یہ ہیں:

﴿۱﴾۔۔شفاعتِ کبریٰ عطا فرمانا۔

﴿۲﴾۔۔نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حمد کا جھنڈا عطا فرمانا اور سارے انبیاء و مرسلین کا اُس جھنڈے کے سایے میں ہونا۔

﴿۳﴾۔۔آپ ﷺ کو دوزخ سے مسلمانوں کو نکالنے کے لیے شفاعت کا اذن عطا فرمانا۔

شفاعتِ کبریٰ سے مراد وہ شفاعت ہے جو سب سے پہلی شفاعت ہوگی، کہ اللہ تعالیٰ محشر والوں کا حساب شروع کرے۔ اُس دن اللہ تعالیٰ اس قدر جلال میں ہوگا، کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کی جرأت نہ کرے گا، سب خوف زدہ ہوں گے۔ اُس وقت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کو سجدہ کریں گے اور پھر اللہ تعالیٰ آپ کو اذنِ شفاعت دے گا۔ یہی مقامِ محمود ہے، کہ جو کام کوئی نہ کر سکے گا آپ قیامت کے دن وہ کام کریں گے، اور تمام اولین و آخرین آپ کی تعریف اور تحسین کریں گے۔

مقامِ محمود کے دوسرے معنیٰ کے تعلق سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے، کہ: "میں قیامت کے دن تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں گا اور فخر نہیں، اور میرے ہاتھ میں حمد کا جھنڈا ہوگا اور فخر نہیں"۔ مقامِ محمود کے تیسرے معنیٰ کے تعلق سے آپ ﷺ نے فرمایا، یہ وہ مقام ہے جس میں میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔۔ المختصر۔ آپ کی شان یہ ہے، کہ آپ جو بھی کریں گے اور جہاں جائیں گے اور جہاں سے نکلیں گے، سچائی آپ کے دامن سے وابستہ ہوگی۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

اور دُعا کرو کہ "پروردگارا اندر لے جا مجھے تو سچی طرح، اور باہر نکال تو سچی طرح،

وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝۸۰

اور بنادے ہمارا اپنی طرف سے مددگار طاقت"●

اَے محبوب! التجا کرو (اور دُعا کرو کہ پروردگارا) جہاں جہاں (اندر لے جا) ئے (مجھے تو)، تو (سچی طرح) یعنی سچائی کے ساتھ لے جائے (اور) جہاں جہاں سے (باہر نکال) لائے (تو) تو (سچی طرح) یعنی سچائی کے ساتھ نکال لائے۔

۔۔مثلاً: مجھے قبر میں سچائی کے ساتھ داخل فرما اور سچائی کے ساتھ قبر سے باہر لا۔۔یا۔۔ مجھے صدق کے ساتھ مکہ میں داخل فرما اور صدق کے ساتھ مکہ سے باہر لا۔۔چنانچہ۔۔آپ مکہ سے بے خوف ہوکر نکل آئے، اور پھر فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔۔یا یہ کہ۔۔ مجھے صدق کے ساتھ مدینہ میں داخل فرما اور صدق کے ساتھ مدینہ سے باہر لا۔۔یا یہ کہ۔۔ زندگی کے تمام امور میں سفر اور حضر میں جہاں بھی داخل فرما، سچائی کے ساتھ داخل فرما اور جہاں سے بھی باہر لائے سچائی کے ساتھ باہر لا۔

۔۔الغرض۔۔آپ قبر میں داخل ہوں گے اس حال میں، کہ آپ کو کسی طرح کی ندامت نہ ہوگی اور قبر سے نکلیں گے اس حال میں، کہ فضیلت و بزرگی آپ کے دامن سے وابستہ ہوگی۔ یوں ہی جب آپ مکہ سے نکلے، تو سلامتی کے ساتھ نکلے اور مدینے میں داخل ہوئے، تو کچھ ہی دنوں کے بعد مالِ غنیمت والے ہوگئے۔۔اسی طرح۔۔مکہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے اور وہاں سے حنین کے لیے مجاہدانہ آن بان کے ساتھ نکلے۔۔الحاصل۔۔ پروردگارا! ہر حال میں سچائی کو ہمارے دامن سے وابستہ رکھ (اور بنادے ہمارا اپنی طرف سے مددگار طاقت)، یعنی حجت مدد دینے والی اور طاقت اعانت کرنے والی ہمارے ساتھ رہے۔

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۸۱

اور کہو کہ "آگیا حق اور مٹ گیا باطل۔ بے شک باطل مٹنے کی چیز ہے"●

اَے محبوب! اعلان کردو (اور کہو کہ آگیا حق اور مٹ گیا باطل)، یعنی اسلام آگیا اور شرک مٹ گیا۔ بلفظِ دیگر جو خدا کے واسطے ہو، وہ آگیا اور جو اس کے غیر کے لیے ہو، وہ مٹ گیا۔ (بے شک

باطل مٹنے کی چیز ہے) تو اس کا مٹنا، خواہ وہ جب بھی مٹے اور اس کے مٹنے کی جو بھی شکل ہو، اتنا ہی یقینی ہے جتنا گزشتہ احوال یقینی ہوتے ہیں۔

یہ مٹنا اگر دلیل و برہان کی جہت سے ہو، تو آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوگا، کہ باطل استدلالی قوت سے خالی ہوگیا۔ اب وہ عام آدمی کے سامنے بھی اپنے کو حق ثابت نہیں کرسکتا۔ اِس کے برعکس اسلام حجت و برہان کے لحاظ سے تمام باطل ادیان پر غلبہ و برتری رکھتا ہے۔۔ الختصر۔۔ اسلامی دلائل و براہین سے باطل کے خیالات وتوہمات کا قلع قمع ہوگیا۔ پیغمبر اسلام پر جو کتاب نازل ہوئی وہ جسمانی، روحانی اور ظاہری و باطنی ہر طرح کے امراض کے لیے شفاء ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ الٰہی ہے۔۔۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ

اور نازل فرماتے ہیں ہم قرآن، جو کہ شفاء ورحمت ہے ماننے والوں کے لیے،

وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

اور نہیں اضافہ کرتا اندھیر والوں میں، مگر نقصان کا●

(اور نازل فرماتے ہیں ہم قرآن جو کہ شفاء ورحمت ہے ماننے والوں کے لیے) یعنی جس کی سورۂ فاتحہ اور آیاتِ شفاء امراض کے واسطے شفاء ہیں۔۔ نیز۔۔ شفاء ہیں جہل اور شبہے کی بیماری کے واسطے۔۔ بلکہ۔۔ تمام قرآن شفاء ہے ظاہری باطنی، جسمانی اور قلبی بیماریوں کے واسطے، اور رحمت ہے مومنوں کے واسطے جو اس سے نفع لیتے ہیں۔ (اور) یہی قرآن کریم جو مومنین کے لیے شفاء ورحمت ہے (نہیں اضافہ کرتا اندھیر والوں میں مگر نقصان کا)، کیوں کہ یہ ظالمین اُس کی تکذیب کرتے ہیں اور اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اس کے نتیجے میں وہ اپنے کو بہت بڑے خسارے کا مستحق بنالیتے ہیں، اور پھر وہ ہلاک کردیے جاتے ہیں۔ ان کافر انسانوں کا حال۔۔۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ

اور جب انعام فرمایا ہم نے انسان پر، تو بے رخی کی، اور اپنی طرف ہٹ گیا۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿۸۳﴾

اور جب پہنچی اسے خرابی، تو ناامید ہوگیا●

(اور) ان کا طرزِ عمل ایسا ہے، کہ (جب انعام فرمایا ہم نے) ان میں سے کسی (انسان پر) صحت، مالداری اور بے خوفی عطا فرما کر، (تو بے رخی کی) ہماری یاد سے اور ہماری نازل فرمودہ کتابوں اور ہمارے بھیجے ہوئے رسولوں سے جو ہماری عظیم نعمتوں سے ہیں قدر نہ کی۔۔نیز۔۔ ہماری دوسری ظاہری اور باطنی نعمتوں سے منہ پھیر لیا۔۔الختصر۔۔ وہ ہمارا شکر گزار بندہ نہ بن سکا (اور اپنی طرف ہٹ گیا) یعنی پہلوتہی کی، اور اِس کنارہ کشی کے ذریعہ تکبر اور اپنی بڑائی دکھاتا ہے اور راہِ حق سے کنارے ہوجاتا ہے۔ (اور) اس کے برعکس (جب پہنچی اُسے خرابی)۔۔مثلاً: بیماری، محتاجی اور دہشت وغیرہ، (تو ناامید ہوگیا) رحمتِ الٰہی سے۔ یعنی جاہل ہوتا ہے فضل بادشاہی سے اور مضبوط نہیں رہتا کرم نامتناہی پر۔ مگر مومن نعمت میں شکر کرتا ہے اور محنت میں راحت کی امید پر صبر کرتا ہے۔

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿۸۴﴾ ع ۹

کہہ دو، کہ ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے کینڈے کا۔ تو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے، کہ کون زیادہ راہ کا پانے والا ہے●

اَے محبوب! (کہہ دو کہ ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے کینڈے کا) یعنی اپنے انداز، روش اور طرز کے مطابق۔۔الحاصل۔۔ ہر شخص اپنے طریقہ اور مزاج کے مطابق عمل کرتا ہے۔ وہ طریقہ جو اس کے حال کا ہم شکل ہوتا ہے۔ تو جو اصحابِ شَر وضلالت ہیں، وہ نعمت سے منہ پھیرتے ہیں اور محنت سے مایوس ہوتے ہیں۔ اور ایمان والے سکھ میں شکر اور دکھ میں صبر کرتے ہیں۔

بعض عارفین نے کہا کہ یہ آیت بڑی ہی امید افزا ہے، اس لیے کہ بندے سے 'جفا' اور 'خطا' ہوتی ہے، جو اس کی بدبختی کو سزاوار ہے، اور خدا سے 'وفا' اور 'عطا' ظاہر ہوتی ہے جو اس کی کریمی کے لائق ہے۔

(تو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ راہ کا پانے والا ہے)، یعنی ہدایت پر ہے اور صواب سے بہت نزدیک ہے۔۔یا۔۔ دین ومذہب کی جہت سے بہت نیک ہے۔۔الختصر۔۔ حقیقی علیم و خبیر اور عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ حق تعالیٰ ہی ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔عرب کے کفار جیسے نضر بن حارث اور اُبی بن خلف نے عتبہ بن ابی معیط وغیرہ کو مدینہ میں بھیجا، کہ وہاں کے یہودیوں سے رسولِ اکرم ﷺ کے حالات بیان کر کے ان سے آپ کی نبوت کے تعلق سے دریافت کریں۔ تو ان لوگوں نے مدینے پہنچ کر یہود

سے ملاقات کر کے آنحضرت ﷺ کی کیفیت بیان کی اور اُن سے پوچھا، تم اپنی کتابوں کی روشنی میں اس شخص کے باب میں کیا کہتے ہو۔

یہود متعجب ہوکر بولے، کہ اَے عرب کے سردارو، ہم جانتے ہیں کہ ظہور پیغمبر کا زمانہ قریب آ گیا ہے اور تمہاری باتوں سے اُسی نبی کی بُو ہمارے دماغ میں آتی ہے۔ تم ان سے آزمائش کے طور پر اصحابِ کہف، ذوالقرنین کے واقعات اور روح کے تعلق سے سوال کرو اور دیکھو وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اور سن لو! کہ اگر انہوں نے مذکورہ بالا تینوں سوالوں کا جواب دیا۔۔یا۔۔ کسی بھی سوال کا جواب نہ دے سکے، تو سمجھ لو، کہ وہ پیغمبر آخر الزماں نہیں ہے۔ اور اگر وہ پہلے دوسوالوں کے تو جواب دے دیں اور روح سے متعلق سوال کا جواب نہ دیں، تو سمجھ لو کہ وہ سچے نبی اور آخری پیغمبر ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔ کفار مکہ مکرمہ میں واپس آئے اور مجلس منعقد کی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے اُس مجلس میں تینوں سوال کیے۔ آپ نے دوسوالوں کا جواب عطا فرما دیا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ

اور پوچھتے ہیں تم سے روح کے بارے میں، جواب دو "کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے۔" اور نہیں

مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

دیا گیا تمہیں علم سے، مگر تھوڑا۔

(اور) روح کے باب میں آیت نازل ہوئی، کہ (پوچھتے ہیں تم سے روح کے بارے میں) یعنی روح کی کیفیت جس سے انسان کا بدن زندہ ہے۔ اَے محبوب! ان کو (جواب دو، کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے)، یعنی اُن مخلوقات میں سے ہے جو امرِ کُنْ سے پیدا ہوئے بے مادہ۔ اور وہ ان چیزوں میں سے ہے جو خدا کے علم کے ساتھ مخصوص ہے اور اللہ جل شانہ کے سوا کوئی بذاتِ خود اُسے نہیں جانتا (اور نہیں دیا گیا تمہیں) اور تمہارے سوا کسی کو بھی (علم) الٰہی (سے مگر تھوڑا)۔

۔۔الغرض۔۔ علم الٰہی کے سامنے ساری مخلوقات کا علم وہ درجہ بھی نہیں رکھتا، جو ایک قطرہ کو ایک سمندر کے سامنے حاصل ہے۔ وہ ذاتِ برتر و بالا اپنے علم میں سے جس کو جتنا چاہے عطا فرما دے، اور جس سے جتنا چاہے سلب کر لے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ

اور اگر ہم چاہتے تو فنا کر دیتے، جو وحی بھیجی ہے ہم نے تمہاری طرف،

ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ۟ۙ﴿۸۶﴾

پھر نہ پاتے تم اپنا ہمارے یہاں وکیل●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (اگر ہم چاہتے تو فنا کر دیتے) اُس کو (جو وحی بھیجی ہے ہم نے تمہاری طرف) یعنی سینوں اور ورقوں میں سے مٹا دیتے، (پھر نہ پاتے تم اپنا ہمارے یہاں وکیل) جو اس کو تمہارے سینوں۔۔یا۔۔ورقوں کو پھیر لائے۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ﴿۸۷﴾

مگر تمہارے پروردگار کی رحمت ہے، بے شک اُس کا فضل تم پر بڑا رہا کیا●

(مگر) یہ تو (تمہارے پروردگار کی رحمت ہے) جو اُسے باقی رکھتا ہے اور مٹاتا نہیں۔ (بے شک اس کا فضل تم پر بڑا رہا کیا)، کہ اس نے تمام اولادِ آدم کا سردار کر دیا اور رسولوں کا خاتم کیا اور لوائے حمد اور مقام محمود تم کو عطا کیا، اور قرآن تم پر بھیجا، اور یہ قرآن تمہاری امت میں باقی رہے گا۔ تو اَے محبوب! اس پیکرِ اعجاز قرآنِ حکیم کے تعلق سے۔۔۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اعلان کر دو، کہ اگر اکٹھا ہو جائیں سارے انسان اور جنات اس پر، کہ لے آئیں اس قرآن کی طرح،

لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾

تو نہ لائیں گے ایسا، گو ہو جائیں بعض بعض کے پشت پناہ●

(اعلان کر دو، کہ) یہ کوئی ایسا کلام نہیں ہے جس کی مثال لائی جا سکے، بلکہ (اگر اکٹھا ہو جائیں سارے انسان اور جنات) جن کی طرف تمہیں مبعوث کیا گیا ہے اور وہ سب متفق ہو جائیں (اس) بات (پر، کہ لے آئیں اس قرآن کی طرح، تو نہ لائیں گے ایسا)۔ یعنی ایسا کلام جو فصاحت بلاغت، حسنِ نظم، کمالِ معنی، غیب کی خبر دینے میں اِس قرآن کے مثل ہو، پیش کرنے سے سب کے سب عاجز ہی رہیں گے (گو ہو جائیں بعض بعض کے پشت پناہ)۔

۔۔لہٰذا۔۔اِس تعلق سے نضر بن حارث کا یہ کہنا، کہ اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کے مثل کہہ

پس، یہ اس کی سراسر خام خیالی ہے۔ اس لیے کہ اگر وہ اس قرآن کا جواب لاسکتا تھا، تو کیوں نہیں لایا؟ اور قرآنی چیلنج کا جواب کیوں نہیں دیا؟ اور صرف وہی کیا! آج تک ساری دنیا کے فصحاء اور بلغاء اس کلامِ ربانی کی ایک سورہ کی بھی مثال نہیں پیش کرسکے اور نہ ہی قیامت تک پیش کرسکیں گے۔ ظاہر ہے کہ اُس کلام کو بہت ہی خوبیوں والا سمجھا جاتا ہے، جو مختصر ہو اور جامع ہو اور جو طوالتِ بیجا سے خالی ہو۔ اور جس کی ہر بات بہ آسانی دل نشین ہوجائے۔ اسی لیے قرآنِ کریم میں فضول لمبی چوڑی تقریر سے اجتناب کیا گیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے۔۔۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

اور بے شک کئی طرح سے بیان فرمایا ہم نے لوگوں کے لیے اِس قرآن میں ہر بات،

فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٨٩﴾

تو انکار ہی کردیا بہتوں نے ناشکری سے●

(اور بے شک کئی طرح سے بیان فرمایا ہم نے لوگوں کے لیے اِس قرآن میں ہر بات)۔۔ مثلاً: رغبت دلانا، ڈرانا، سبق آموز قصے، خبریں، جنت دوزخ کا ذکر اور مثل اس کے، **(تو انکار ہی کردیا بہتوں نے ناشکری سے)**، یعنی پھر انکار کیا بہت لوگوں نے اور نہ چاہا مگر ناشکری کو۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾

اور بولے کہ "ہرگز نہ مانیں گے ہم آپ کو، یہاں تک کہ بہادو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ●

(اور) ابوجہل، عتبہ اور شیبہ قریش کی ایک جماعت کے ساتھ ہوکر **(بولے، ہرگز نہ مانیں گے ہم آپ کو یہاں تک کہ بہادو ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ)** یعنی ہمارے آس پاس کے پہاڑوں کو دور کرکے ہماری زمین کو وسیع کردو، اور ان میں چشمے جاری کرکے ان کو قابلِ کاشت بنادو۔ ملک شام اور عراق میں جیسے نہریں جاری ہیں ویسی نہریں یہاں بھی جاری کردو، تاکہ ہم خوب کھیتی کرسکیں۔

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِیْرًا ﴿٩١﴾

یا ہو آپ کا باغ کھجور اور انگور کا، پھر بہادو نہریں اُن کے درمیان خوب●

(یا ہو آپ کا باغ کھجور اور انگور کا، پھر بہادو نہریں ان کے درمیان خوب)، تاکہ تم محتاجی اور مفلسی سے بچ سکو اور مال ومتاع والے ہوجاؤ۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ

یا گرادو آسمان کو جیسا کہ کہا کیے ہو ہم پر ٹکڑے ٹکڑے، یا لے آؤ اللہ

وَ الْمَلٰٓىٕكَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾

اور فرشتوں کو آمنے سامنے●

(یا گرادو آسمان کو، جیسا کہ کہا کیے ہو، ہم پر) کہ "ڈالے جائیں گے ہم پر آسمانوں کے (ٹکڑے ٹکڑے)"، (یا لے آؤ اللہ) تعالیٰ (اور فرشتوں کو آمنے سامنے)، اور یہ فرشتے تمہاری رسالت کی گواہی دیں۔

اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِی السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ حَتّٰى

یا ہو تمہارا کوئی گھر سونے کا، یا چڑھ جاؤ آسمان میں۔ اور ہم نہ مانیں گے تمہارے چڑھ جانے کے سبب، یہاں تک کہ

تُنَزِّلَ عَلَیْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۳﴾ ع ۹ / ۱۰

اتار کر لاؤ ہم پر کوئی کتاب، کہ ہم اُسے پڑھیں"۔ جواب دو کہ "پاکی ہے میرے پروردگار کی، میں ہوں کیا، بجز ایک انسان کے، جو رسول ہے●

(یا ہو تمہارا کوئی گھر سونے کا) جس میں تم رہو اور اس سے تمہاری عظمت کا اندازہ لگے۔ (یا چڑھ جاؤ آسمان میں) تاکہ تمہاری رفعتِ شان دیکھی جا سکے۔ (اور) یہ خیال رہے، کہ (ہم نہ مانیں گے) تمہاری نبوت کو صرف (تمہارے) آسمان پر (چڑھ جانے کے سبب یہاں تک کہ اتار کر لاؤ ہم پر کوئی کتاب کہ ہم اُسے پڑھیں) اور اس میں تیری تصدیق لکھی ہو۔ (جواب دو، پاکی ہے میرے پروردگار کی، میں ہوں کیا، بجز ایک انسان کے جو رسول ہے) سب رسولوں کی طرح، اور اگلے سب رسولوں نے وہی معجزے ظاہر کیے جو ان کی قوم کے مناسب تھے، اور معجزات کا ظاہر ہونا حق تعالیٰ کی قدرت اور ارادے سے ہے، رسولوں کے اختیار اور مشیت سے نہیں۔

یہ ان کافروں کی باتوں کا مجمل جواب ہے اور مفصل جواب متفرق آیتوں میں ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، کہ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ كِتٰبًا فِیْ قِرْطَاسٍ ۔۔اور۔۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا ۔۔اور۔۔ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ ۔۔الحتصر۔۔ ربِّ کریم اگر ان کے مطالبے کو پورا فرما دیتا، جب بھی یہ ماننے والے نہ تھے۔ اور نہ ماننے کی پاداش میں ان کا ہلاک ہو جانا یقینی ہو جاتا۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا

اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے، جب کہ آگئی اُن کے پاس ہدایت۔ مگر یہ، کہ اُن کا قول رہا،

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

کہ کیا اللہ نے بھیجا ہے بشر کو رسول●

درحقیقت (اور) فی الواقع، (نہیں روکا) ان مکہ کے (لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ آگئی ان کے پاس ہدایت)، یعنی زبان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے "بیان حق"، (مگر یہ کہ ان کا قول رہا، کہ کیا اللہ) تعالیٰ (نے بھیجا ہے بشر کو رسول) بنا کر۔۔الختصر۔۔اس بات نے ان کو ایمان سے باز رکھا اور منع کیا کہ بشریت رسالت کو مانع ہے، اور انہوں نے اس بات میں خطا کی، اس واسطے کہ ہم جنس ہونا باہم انس ومحبت کا سبب ہوتا ہے اور غیر جنس ہونے سے باہم دوری اور بیگانگی رہتی ہے، تو رسول انہیں لوگوں کی جنس سے ہونا چاہیے جن کی طرف بھیجا جائے، تا کہ انہیں فائدہ دے اور وہ فائدہ حاصل کرسکیں۔۔تو۔۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ

جواب دے دو کہ "اگر ہوتے زمین میں فرشتے، چلتے پھرتے چین کرتے، تو ضرور ہم اتارتے اُن پر

مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

آسمان سے فرشتہ کو رسول"●

اَے محبوب! جو کفار یہ کہتے ہیں کہ رسول فرشتہ ہونا چاہیے، ان کو واشگاف انداز میں (جواب دے دو، کہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلتے پھرتے، چین کرتے، تو ضرور ہم اتارتے ان پر آسمان سے فرشتوں کو رسول) بنا کر، تا کہ جمع ہوسکتے اور ہدایت وتلقین لے سکتے، اس واسطے کہ تعلیم دینے اور تعلیم پانے میں مناسبت اور جنسیت باہم شرط ہے۔ چونکہ زمین پر آدمی رہتے ہیں، تو ان پر آدمی ہی کو رسول بن کر آنا چاہیے۔۔الحاصل۔۔

قُلْ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا ﴿۹۶﴾

کہہ دو کہ "اللہ کافی گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان"۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار ونگراں رہا●

اَے محبوب! وہ کفار جو آپ سے پوچھتے ہیں، کہ آپ کی رسالت کا گواہ کون ہے؟ تو اُن سے **(کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (کافی گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان)**۔ خدا کی گواہی یہ ہے کہ وہ معجزہ ظاہر کرتا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر، اس واسطے کہ معجزہ زبانِ حال سے ناطق ہے اِس بات پر، کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اُس کے رسول ہیں، تو معجزہ کی گواہی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے قول کے قائم مقام ہے، کہ وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں۔ کسی بات کے تعلق سے سچی شہادت دینے کے لیے اُس کا کماحقہٗ مشاہدہ ضروری ہے، تو اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر علیم وخبیر کون ہے؟ **(بے شک وہ اپنے بندوں سے خبردار ونگراں رہا)**، یعنی وہ ان کے پوشیدہ اسرار اور احوال کو جانتا ہے اور ان کے ظاہر اعمال اور اقوال کو دیکھتا ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ

اور جسے اللہ راہ دے، تو وہ راہ پر ہے۔ اور جسے بے راہ رکھے، تو ہرگز نہ پاؤ گے مفید اُن کے لیے انہیں، جو اللہ کو چھوڑ کر فرضی

مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ

اولیاء ہیں۔ اور حشر کریں گے ہم اُن کا قیامت کے دن اُن کے منہ کے بل، اندھے، اور گونگے اور بہرے،

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

اُن کا ٹھکانہ ہے جہنم۔ جب بجھنے لگی، ہم نے بھڑکا دیا●

النصف

(اور) یہ حقیقت ہے کہ **(جسے اللہ) تعالیٰ (راہ دے)**، یعنی جسے ہدایت کا حکم کر کے توفیق عطا فرمائے، **(تو) بس (وہ) ہی (راہ پر)** آنے والا **(ہے۔ اور جسے بے راہ رکھے)**، یعنی جس کی گمراہی کا حکم کرے اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔۔ *الخضر*۔۔ راہ پر آنے کی توفیق اُس سے چھین لے، **(تو ہرگز نہ پاؤ گے مفید)** دوست ومددگار **(ان کے لیے انہیں، جو اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر فرضی)** اور خود ساختہ **(اولیاء ہیں)**، جنہیں وہ اپنے طور پر اپنا دوست اور مددگار گمان کر رہے ہیں۔ ان منکرین کو ہم ان کے کیفرِ کردار تک پہنچا دیں گے، **(اور حشر کریں گے ہم ان کا قیامت کے دن ان کے منہ کے بل، اندھے اور گونگے اور بہرے)**۔

۔۔*الغرض*۔۔ جو قادرِ مطلق انہیں پاؤں کے بل چلانے کی قدرت رکھتا ہے، وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ دنیا میں غرور وتکبر کرنے کی سزا میں انہیں میدانِ قیامت میں منہ کے بل چلائے اور انہیں

ذلیل وخوار کرے۔۔اور۔۔وہ اندھے اٹھیں۔یعنی ایسی چیز نہ دیکھ سکیں جس کے سبب سے ان کی آنکھ روشن ہوجائے، اس واسطے کہ دنیا میں قدرت کی نشانیوں کا وہ مشاہدہ نہیں کرتے تھے۔۔یوں ہی۔۔وہ گونگے ہوں گے، یعنی وہ بات نہ کہیں گے جو قبول ہو، اس واسطے کہ دنیا میں حق بات نہ کہتے تھے۔۔ایسے ہی۔۔وہ بہرے ہوں گے، یعنی ایسی باتیں نہ سنیں گے جس سے خوش ہوں، اس جہت سے کہ اس عالم میں حق بات نہ سنتے تھے۔

اوران سب باتوں پر مستزاد یہ ہے، کہ (ان کا ٹھکانہ ہے جہنم)۔جس وقت انہیں دوزخ کی آنچ لگے گی، یعنی دوزخ کی آگ ان کو اپنے لپیٹ میں لے گی اوران کے گوشت وپوست کو جلادے گی اوروہ کوئلے کے مثل ہوجائیں گے، تو دوزخ کی آگ بھی اُسی طرح بجھے گی جیسے کہ دنیا کی آگ لکڑی جلنے کے بعد بجھتی ہے، تو زیادہ کردیں گے ہم ان کے واسطے آگ جلتی ہوئی۔۔یا۔جلادیں گے ہم آگ اِس طرح پر، کہ اُن کی کھالیں اور گوشت تبدیل کردیں گے، تاکہ آگ پھران میں لپٹے۔۔الختصر۔۔جب (جب بجھنے لگی) آگ (ہم نے) اُسے (بھڑکادیا)۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا

یہ سزا ہے اُن کی، کہ انہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا، اور بکا کیے، کہ "کیا جب ہم ہوچکے ہڈیاں اور چُورا چُورا،

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

تو ہم کیا واقعی اٹھائے جائیں گے، نئے سرے سے پیدا کرکے"●

(یہ) اب (سزا ہے ان کی)، کیوں (کہ انہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا) یعنی اُن معجزات کا۔۔یا۔۔قرآنی آیتوں کا جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدق پر دلالت کرتی تھیں (اور) ساتھ ہی ساتھ (بکا کیے) اور یہ بکواس کرتے رہے، (کہ کیا جب ہم ہوچکے ہڈیاں اور چورا چورا، تو ہم کیا واقعی اٹھائے جائیں گے نئے سرے سے پیدا کرکے)۔ چونکہ وہ نئی پیدائش کے منکر تھے، تو ہر ساعت میں سو۱۰۰ بار جلائے جائیں گے اوران کا گوشت وپوست اُسی دم تازہ کردیا جائے گا، تاکہ خوب عذاب کھینچیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ

کیا انہیں نہیں سوجھا، کہ بے شک اللہ، جس نے پیدا فرمادیا آسمانوں اور زمین کو، قدرت رکھتا ہے اِس پر، کہ پیدا فرمادے

مِّثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ ؕ فَاَبَی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۹۹﴾

انہیں کی طرح، اور کر دیا اُن کا ایک وقت جس میں کوئی شک نہیں۔ مگر اندھیر والوں نے تو انکار کر دیا ناشکری میں●

(کیا انہیں) یعنی اِن اعتراض کرنے والوں کو (نہیں سوجھا) اور خدائے قادرِ مطلق کی بے پایاں قدرت کو سمجھنے کے لیے وہ یہ نہ سمجھ سکے، (کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، قدرت رکھتا ہے اِس پر کہ پیدا فرمادے انہیں کی طرح) دوبارہ۔

یہاں 'نفس شے' کو مثل سے تعبیر کیا ہے، جیسا کہ بولا جاتا ہے "مِثْلُكَ لَا تَفْعَلُ كَذَا" یعنی 'تجھ سا آدمی ایسا نہیں کرتا'، یعنی تو ایسا نہ کر۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جو بے چیز کے چیز کو پیدا کرتا ہے، وہ اس بات پر قادر ہے کہ پرانی چیز کی نئی پیدائش کر دے۔

۔۔الحاصل۔۔حق تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا (اور کر دیا ان کا ایک وقت جس میں کوئی شک نہیں) اور وہ موت کا وقت ہے جو آ کر ہی رہے گا۔۔یا یہ کہ۔۔حق تعالیٰ نے ان کے دوبارہ پیدا ہونے کے واسطے مدت مقرر کر رکھی ہے اور وہ قیامت ہے۔ (مگر اندھیر والوں نے تو انکار کر دیا ناشکری میں)، یعنی یہ ان کا بعث وحشر کا انکار ان کی ناشکری اور کفر کا نتیجہ ہے۔

کفارِ مکہ نے یہ کہا تھا ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتیٰ کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ نکال دیں۔ انہوں نے اپنے شہروں میں دریاؤں اور چشموں کا مطالبہ اس لیے کیا تھا، تا کہ ان کے اموال زیادہ اور ان کی معیشت ان پر وسیع ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے بتایا، کہ۔۔۔

زمین کی پیداوار کا اُن پر زیادہ ہو جانا اتنی بڑی چیز نہیں ہے۔ اگر وہ بالفرض اللہ تعالیٰ کے تمام خزانوں کے بھی مالک ہو جائیں، پھر بھی اُن کی حرص اور ان کا بخل کم نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے خزانے اور اس کی رحمتیں غیر متناہی ہیں۔۔بالفرض۔۔اگر وہ ان سب کے بھی مالک ہو جائیں، تب بھی اُن کی طمع ختم نہیں ہوگی اور نہ ان کا بخل ختم ہوگا۔۔تو۔۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ

کہو کہ "اگر تم لوگ مالک ہوتے میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے، تو انہیں بند کر دو خرچ ہو جانے کے ڈر سے"۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿۱۰۰﴾

اور انسان بڑا کنجوس رہا●

ع ۱۱

اَے محبوب! اُن سے (کہو، کہ اگر تم لوگ مالک ہوتے میرے پروردگار کی رحمت کے خزانوں کے، تو) سوچتے کہ (انہیں بند کردو) اور کہیں محفوظ کردو (خرچ ہوجانے کے ڈر سے)۔ چونکہ انسان محتاج بنایا گیا ہے اور محتاج کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے پاس اُس چیز کو سنبھال رکھے جس کی اس کو ضرورت ہو۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (انسان بڑا کنجوس رہا) یعنی انسان کا بخل فطری ہے۔

اِسی لیے جب آپ کسی شیر خوار کی طرف کوئی خوبصورت چیز بڑھاتے ہیں، تو وہ لے لیتا ہے اور اگر اس کے ہاتھ سے کچھ لینا چاہتے ہیں، تو وہ نہیں دیتا۔ اب رہ گیا بعض افراد کا بعض مقامات پر سخاوت کا مظاہرہ کرنا، تو اس کی مختلف وجوہات ہیں۔ کبھی کوئی انسان دنیا میں تعریف وتحسین کی بناء پر سخاوت کرتا ہے، اور کبھی اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اور اخروی اجر وثواب کے لیے سخاوت کرتا ہے، تو اس کی سخاوت بھی کسی غرض اور کسی عوض کے لیے ہوتی ہے۔ پس واضح ہوگیا کہ انسان اپنی اصل فطرت میں بخیل ہے۔

۔۔الختصر۔۔ اگر مخلوقات میں سے ایک بھی اللہ جل شانہ کی نعمتوں کے خزانے کا مالک ہو جائے، تو ہرگز اس کی بخشش اللہ کی بخشش کے برابر نہ ہوگی، اِس جہت سے کہ اُس میں کچھ تو اپنی ذات کے واسطے بھی لے گا اور اس کے کم ہوجانے سے ڈرے گا، اور حق تعالیٰ اپنی بخشش میں ان دونوں باتوں سے منزہ ہے۔۔ الغرض۔۔ انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے بخیل اور جمع کرنے والا ہے۔

اِس مقام پر یہ اچھی طرح ذہن نشین رہے، کہ بخل اگرچہ انسانی فطرت میں داخل ہے، اس لیے کہ ہر انسان مٹی سے پیدا ہونے کی وجہ سے بخل وغیرہ میں مبتلا ہوسکتا ہے، لیکن اللہ والے یعنی انبیاء واولیاء اِس سے مستثنٰی ہیں، اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اور اس کی صفات کے پرتو اور اس کی ذات کے اسرار کے مظہر ہوتے ہیں۔۔ نیز۔۔ اخلاقِ الٰہیہ سے متخلق ہونا ان کی شان ہوا کرتی ہے۔

اب آگے کے ارشادات میں کفارِ مکہ کو ان کے فرمائشی معجزات کے مطالبے کا جواب دینا ہے کہ ہم نے تمہارے فرمائشی معجزات سے بھی قوی معجزے قوم فرعون کے سامنے پیش کیے۔ سو واضح ہوگیا کہ ایسے معجزے نازل کرنا ہماری قدرت سے باہر نہیں۔ سو اگر ہمیں یہ علم ہوتا کہ تمہارے لیے اِن معجزات میں کوئی مصلحت ہے، تو ہم تمہارے لیے بھی ایسے معجزات نازل کردیتے۔ ایسا کردینا ہمارے لیے مشکل۔۔۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسٰى تِسۡعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسۡـَٔلۡ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اِذۡ جَآءَهُمۡ

اور بے شک دیں ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں روشن، تو پوچھ لو بنی اسرائیل سے جب وہ آئے تھے ان میں،

فَقَالَ لَهٗ فِرۡعَوۡنُ اِنِّىۡ لَاَظُنُّكَ يٰمُوۡسٰى مَسۡحُوۡرًا ﴿۱۰۱﴾

تو بولا انہیں فرعون کہ "بلاشبہ میں ضرور خیال کرتا ہوں آپ کے بارے میں اَے موسیٰ، کہ جادو کا معاملہ ہے" ●

(اور) دشوار نہ تھا، جس طرح **(بے شک دیں ہم نے موسیٰ کو نو نشانیاں روشن)**، یعنی ید بیضاء، عصا، قبطیوں پر قحط، پھلوں کی کمی، طوفان، ٹڈیاں، جوئیں، مینڈک اور خون۔

جن میں آخر کی پانچ نشانیوں کا ذکر الاعراف آیت ۱۳۳ میں ہے۔ آیتِ کریمہ میں جن خصوصی نشانیوں کا ذکر مطلوب ہے وہ یہی ہیں، لیکن حضرت موسیٰ کو ان کے سوا بھی نشانیاں عطا فرمائی گئیں جن کا ذکر قرآنِ کریم کی دیگر آیات میں ہے۔ ایک روایت کے مطابق نو آیات سے مراد نو احکام ہیں۔ وہ احکام یہ ہیں:

﴿۱﴾۔۔اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ ﴿۲﴾۔۔زنا نہ کرو۔

﴿۳﴾۔۔جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔

﴿۴﴾۔۔چوری نہ کرو۔ ﴿۵﴾۔۔جادو نہ کرو۔

﴿۶﴾۔۔کسی بے قصور کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ، کہ وہ اُسے قتل کر دے۔

﴿۷﴾۔۔سود نہ کھاؤ۔ ﴿۸﴾۔۔کسی پاک دامن کو تہمت نہ لگاؤ ۔۔اور۔۔

﴿۹﴾۔۔میدانِ جنگ میں پیٹھ نہ دکھاؤ۔

۔۔۔یہ نو احکام سبھوں کے لیے اور خصوصاً یہودیوں کے لیے کہ "ہفتہ کے دن حد سے نہ بڑھو"۔

دراصل دو یہودیوں نے نبی کریم ﷺ سے نو آیات کے بارے میں وضاحت چاہی، تو آپ نے مذکورہ بالا وضاحت فرما دی۔ یہ وہ احکام ہیں جو ہر ملت میں ثابت اور نافذ تھے، اس واسطے آخر میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا، کہ تم جو یہود ہو تمہارے واسطے یہ بھی حکم خاص ہے، کہ ہفتہ کے دن فرمان کی حد سے باہر نہ ہو جاؤ۔۔ المختصر۔۔ آیات سے مراد معجزات ہوں یا احکام، دونوں ہی حضرت موسیٰ کی نبوت پر واضح طور پر دلالت کرتے تھے۔

(تو) اَے محبوب! **(پوچھ لو بنی اسرائیل سے)** یعنی ان کے عالموں سے یہی نشانیاں، تاکہ تمہارے قول کی سچائی مشرکین پر ظاہر ہو جائے۔۔ یا یہ کہ۔۔ پوچھو یہود سے **(جب وہ)** یعنی حضرت

موسیٰ (آئے تھے ان میں تو) فرعون اور ان کے درمیان کیا گزری، یہی نا! کہ (بولا انہیں فرعون، کہ بلاشبہ میں ضرور خیال کرتا ہوں آپ کے بارے میں اَے موسیٰ کہ جادو کا معاملہ ہے)، یعنی آپ کے معجزات دراصل آپ کے ساحرانہ کرتب کا نتیجہ ہیں۔۔یا۔۔آپ پر کسی نے جادو کردیا ہے، جبھی آپ ایسی غیر معقول باتیں کرتے ہیں۔ اِس کا حضرت موسیٰ نے۔۔۔

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

جواب دیا کہ "سچ یہ ہے، کہ تو خوب جان چکا ہے، کہ نہیں نازل فرمایا ان سب کو، مگر آسمانوں اور زمین کے پالنے والے نے،

بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾

آنکھیں کھولنے کو، اور بلاشبہ میں خیال کرتا ہوں تجھے اَے فرعون، کہ ہلاک ہوجائے گا"●

(جواب دیا کہ سچ یہ ہے، کہ تو) اگرچہ زبان سے اقرار نہیں کرتا لیکن دل سے (خوب جان چکا ہے کہ نہیں نازل فرمایا ان سب) معجزات وآیات (کو مگر آسمانوں اور زمین کے پالنے والے نے آنکھیں کھولنے کو)، یعنی یہ معجزات بالکل روشن اور واضح ہیں، جو تجھے میری نبوت کی صداقت پر راہ دکھاتے ہیں، لیکن تو ان کے مقابلے میں ضد کرتا ہے بلکہ تکبر کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اِن معجزات میں ہر معجزہ فرداً فرداً میری نبوت ورسالت پر دلالت کرتا ہے۔ (اور بلاشبہ میں خیال کرتا ہوں تجھے اَے فرعون کہ ہلاک ہوجائے گا)۔ فرعون کا گمان جھوٹا تھا اور حضرت موسیٰ کا گمان سچا تھا۔

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿۱۰۳﴾

تو اُس نے چاہا کہ کھسکادے انہیں اراضی سے، چنانچہ ڈبودیا ہم نے اُس کو اور اُس کے سب ساتھیوں کو●

(تو اُس نے) یعنی فرعون نے اپنے جھوٹے گمان کے نتیجے سے (چاہا، کہ کھسکادے انہیں آراضی سے) یعنی زمین مصر سے۔۔یا۔۔تمام روئے زمین سے قتل کرکے۔۔یا۔۔جڑ سے کاٹ کر۔

فرعون نے جو چاہا وہ نہ کرسکا اور اس کا گمان باطل ہوکے رہا۔ اِس کے برخلاف حضرت موسیٰ نے جو ظن غالب فرمایا اور جو خیال کیا، وہ ہوکے رہا۔

(چنانچہ ڈبودیا ہم نے اس کو اور اس کے سب ساتھیوں کو) یعنی قبطیوں کو، اور آپ کی قوم کو آپ کے سچے گمان کی وجہ سے ہم نے نجات بخشی۔۔الغرض۔۔ہم نے فرعون کی تدبیر کو الٹ دیا۔ اُسے اور اُس کی قوم کو غرق کرکے اُس کی جڑ کاٹ دی۔

وَّ قُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اسۡكُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ

اور فرمادیا اُس کے بعد بنی اسرائیل کو، کہ رہو سہو اس زمین میں، پھر جہاں آیا آخرت کا وعدہ،

جِئۡنَا بِكُمۡ لَفِيۡفًا ﴿۱۰۴﴾

لے آئے ہم تمہیں لپیٹ کر●

(اور فرمادیا اس کے بعد) یعنی فرعون اور اس کی قوم کو غرق کردینے کے بعد **(بنی اسرائیل کو، کہ رہو سہو اس زمین میں)** یعنی اس زمین میں جس سے تمہارے نکلوانے کا فرعون نے منصوبہ بنایا تھا۔

خواہ وہ مصر ہی کی زمین ہو یا آس پاس کی کوئی اور زمین ہو۔ خیال رہے کہ یہاں مصر کی زمین اُسی وقت مراد ہوسکتی ہے، جب کہ ثابت ہوجائے کہ بنی اسرائیل دوبارہ مصر میں واپس لوٹ آئے تھے۔

۔۔الحاصل۔۔اے اولادِ یعقوب زمین میں رہائش اختیار کرو جب تک کہ قیامت نہ آجائے، **(پھر جہاں آیا آخرت کا وعدہ)** یعنی حسبِ وعدہ قیامت قائم ہوگئی، تو میدانِ حشر میں **(لے آئے ہم تمہیں لپیٹ کر)** باہم ملی جلی جماعت کی شکل میں، یعنی تمہیں تمہاری قبروں سے سمیٹ کے لے آئیں گے، یعنی تمام مخلوق کو مسلمان ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد۔ پھر ہم حکم کریں گے کہ نیک بخت علیحدہ ہوجائیں اور بدبخت علیحدہ۔ اس طرح سعید اور شقی چھٹ جائیں گے اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوجائیں گے۔

اب اگر بالفرض اس حال میں کفار مومنین کے ساتھ لپٹ جائیں، تاکہ اس بہانے ان کی نجات ہوجائے، تو اس وقت ان کا یہ لپٹنا سودمند نہ ہوگا، بلکہ حکم ہوگا "**فَرِيۡقٌ فِى الۡجَـنَّةِ** اور **فَرِيۡقٌ فِى السَّعِيۡرِ**" کیونکہ کفار کا اہل ایمان کے ساتھ ظاہری طور پر چمٹنا اور صورتاً ان کے ساتھ رابطہ قائم کرنا اس لیے مفید نہ ہوگا، کہ ان کے آپس کے اعتقادات اور اعمالِ صالحہ میں بہت فرق ہوگا۔۔الغرض۔۔قیامت میں کام آنے والی چیز ایمان اور نیک اعمال ہی ہیں۔ اب اگر کوئی ایمان ہی سے تہی دامن ہو، تو حشر کے دن اُسے کون سہارا دے سکے گا؟ ظاہر ہوگیا حشر کے روز کافر کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ اگر تمام انس اور جن مل کر قرآنِ مجید کی نظیر لانا چاہیں، تو نہیں لاسکتے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ مجید معجزہ ہے، اور ظاہر ہے کہ اس معجزہ کے ہوتے

ہوئے کفار کے فرمائشی معجزات دکھانے کی ضرورت نہیں۔اور اب اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید کی مزید حقانیت واضح کرنے کے لیے فرمارہا ہے، کہ قرآنِ کریم ہمارا نازل کردہ ہے۔۔۔

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ۝۱۰۵

اور ہم نے بالکل ٹھیک اسے نازل کیا، اور وہ ٹھیک ہی نازل ہوا، اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو، مگر خوشخبری سناتا اور ڈراتا۔۔●۔۔

(اور ہم نے بالکل ٹھیک اِسے نازل کیا اور وہ ٹھیک ہی نازل ہوا)، یعنی ہم نے قرآنِ مجید کو نازل کیا درآنحالیکہ وہ حق کے ساتھ ملتبس ہے اور وہی حق اس کے انزال کا متقاضی ہے اور وہ بھی حق سے ملتبس ہو کر نازل ہوا ہے اور اس سے حق مقصود ہے۔

ایک قول کے مطابق بالحق میں 'باء' 'علیٰ' کے معنی میں ہے اور 'حق' سے مراد محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔اب عبارت کی صورت ہوگی "وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنَاهُ وَ عَلٰی مُحَمَّدٍ نَزَلَ" یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل ہوا۔بعض بزرگوں کے ارشاد کی روشنی میں وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ایک ایسا وظیفہ ہے کہ اگر کوئی دردمند اپنا ہاتھ اپنے درد کی جگہ پر رکھ کر مذکورہ بالا کلمات پڑھے، تو بفضلہٖ تعالیٰ اُسے فوراً آرام ہو جائے۔جس بزرگ کا یہ قول ہے، یہ ان کے مجربات میں سے بھی ہے۔

۔۔الختصر۔۔قرآن کو صرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے، اور وہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، اس لیے کہ حق اس چیز کو کہتے ہیں جو ثابت ہو اور زائل نہ ہو سکے۔کیونکہ جو چیز باطل ہو، وہ زائل ہو جاتی ہے اور قرآنِ کریم جن امور کے بیان پر مشتمل ہے وہ زائل نہیں ہو سکتے۔کیونکہ قرآنِ مجید اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے صفات کے بیان پر مشتمل ہے اور اس میں ملائکہ کا ذکر ہے اور انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر دلائل ہیں۔قیامت اور حشر ونشر کا ذکر ہے اور ان میں سے کوئی چیز زوال پذیر نہیں ہے، اور اس میں شریعتِ اسلامیہ کا ذکر ہے، جس کے احکام ناقابل تنسیخ ہیں اور خود یہ کتاب لافانی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کا ضامن ہے۔

اس کتاب میں کمی۔۔یا۔۔زیادتی۔۔یا۔۔تحریف۔۔تنسیخ نہیں ہو سکتی۔نہ اِس کتاب کی کوئی مثال لا کر اُس سے معارضہ کیا جا سکتا ہے۔

تو اَے محبوب! آپ سے فرمائشی معجزات طلب کرنے والے جہلاء اور منکرین آپ کے دین کو قبول کر لیں تو فبہا ورنہ ان کے کفر پر جمے رہنے سے آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔(اور) وہ اس لیے،

کہ (نہیں بھیجا ہم نے تم کو مگر خوشخبری سناتا اور ڈراتا)، تو آپ کو صرف بشارت دینے والا اور عذاب سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ تو اپنا فریضہ بحسن وخوبی ادا کر ہی رہے ہیں، تو پھر ان منکرین کے انکار سے آپ کو کیا نقصان پہنچنے والا ہے۔

اب رہ گیا بعض منکرین کا یہ سوال، کہ چلو مان لیا کہ قرآنِ مجید معجزہ ہے، لیکن تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل ہوا ہے؟ مکمل قرآن یکبارگی کیوں نازل نہیں ہوا، جیسے توراۃ اور انجیل یکبارگی نازل ہوگئیں تھیں۔

حق تعالیٰ اس کا جواب یہ ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿١٠٦﴾

اور قرآن کو، ہم نے ذرا ذرا کر کے بھیجا، تاکہ تم پڑھو اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر، اور ہم نے اسے آہستہ آہستہ کر کے اتارا●

(اور) واضح فرماتا ہے کہ (قرآن کو ہم نے ذرا ذرا کر کے بھیجا تاکہ تم پڑھو اِسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر) اس لیے کہ یہ طریقہ حفظ کرنے کے واسطے بہت آسان ہے اور فہم سے بہت قریب ہے۔۔ اِسی مصلحت (اور) حکمت کے پیشِ نظر (ہم نے اِسے آہستہ آہستہ کر کے اتارا)۔ یہی حکمت کے قانون کا تقاضا تھا، کہ اُسے حوادث کے مطابق اور سائلین کے جواب کے موافق اتارا جائے۔

۔۔لہٰذا۔۔قرآنِ کریم تھوڑا تھوڑا تیئیس ٢٣ سال تک نازل ہوتا رہا، اس طرح تیئیس ٢٣ سال تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی اور تمام زمانہ ءرسالت میں سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے رب سے زابطہ قائم رہا۔ اور بار بار نزولِ وحی کی وجہ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بار بار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوتا رہا ۔۔نیز۔۔توریت کا نزول پہاڑ طور پر ہوا تھا اور قرآنِ مجید کے بار بار نزول کی بنا پر جو شرف ایک مرتبہ صرف پہاڑ طور کو حاصل ہوا تھا، وہ شرف مکہ کی گلیوں کو اور بازاروں کو، غارِ حراء اور غارِ ثور کو، وادیٔ بدر کو، اُحد کی گھاٹیوں کو، حتیٰ کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بستر کو بھی حاصل ہوا۔۔الختصر۔۔قرآنِ کریم کی معجزانہ شان اور اس کی رفعت وحکمت کسی کے ماننے پر موقوف نہیں۔۔تو۔۔

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

کہہ دو، کہ اِسے مانو یا نہ مانو۔ بے شک جنہیں دیا گیا ہے علم اس کے پہلے سے، جب تلاوت کیا جاتا ہے قرآن اُن پر،

يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾

تو گر جاتے ہیں ٹھوڑی کے بل سجدہ کرتے ہوئے●

اِن کافروں سے (کہہ دو، کہ اسے مانو یا نہ مانو)، قرآنِ مجید کی شان وعظمت میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ نہ تمہارا ایمان لانا قرآنِ مجید کے کمال میں اضافہ کرے گا اور نہ ہی تمہارا انکار کرنا اِسے نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہ امر تہدیدی ہے۔ اس کلامِ الٰہی کی عظمت کا حال یہ ہے، کہ (بے شک جنہیں دیا گیا ہے علم اس کے پہلے سے) یعنی قرآن نازل ہونے کے قبل سے، یعنی جو آسمانی کتابیں پڑھے ہیں اور وحی کی حقیقت پہنچاتے ہیں اور نبوت کی نشانیاں معلوم کر چکے ہیں، جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے تابع یہودی لوگ اور نجاشی اور ان کے مصاحب نصاریٰ۔۔ یا۔۔ دین کے طالب جیسے سلمان، ابوذر، ورقہ بن نوفل اور ان کے مثل رضوان اللہ تعالیٰ علیہم، تو یہ وہ لوگ ہیں، کہ (جب تلاوت کیا جاتا ہے قرآن ان پر، تو گر جاتے ہیں ٹھوڑی کے بل سجدہ کرتے ہوئے) یعنی مونہوں کے بل امر خدا کی تعظیم کے واسطے۔۔ یا۔۔ وہ وعدۂ الٰہی پورا ہونے کے شکر میں جو کتابوں میں انہوں نے پڑھا تھا، کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم رسول ہوں گے اور قرآنِ شریف ان پر نازل ہوگا۔

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾

اور کہتے ہیں، "پاکی ہے ہمارے پروردگار کی، بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ کیا دھرا ہے"●

(اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے پروردگار کی) یعنی ہمارا پروردگار وعدہ خلافی کرنے سے پاک ہے۔ (بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ کیا دھرا ہے) اُسے ضرور بالضرور پورا ہونا ہے۔

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ (السجدة)

اور گرتے ہیں ٹھوڑی کے بل روتے ہیں، اور بڑھتا جاتا ہے اُن کے دِل کا جھکاؤ●

(اور گرتے ہیں ٹھوڑی کے بل) یعنی مونہوں کے بل سجدوں میں۔

ٹھوڑی کا ذکر اس جہت سے ہے کہ سجدہ کرنے والے کے چہرے میں جو چیز پہلے زمین کی طرف جھکتی ہے وہ ٹھوڑی ہے۔ مفسرین کے نزدیک پہلا سجدہ، شکر کے واسطے ہے اور یہ سجدہ قرآنِ شریف کی نصیحتوں کا اثر قبول کرنے کی جہت سے ہے، تو خاص کر کے اس سجدہ میں فرمایا۔۔۔

(روتے ہیں اور بڑھتا جاتا ہے ان کے دل کا جھکاؤ)، یعنی ان کے دل کی فروتنی اور عاجزی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

قرآنی سجدوں میں سے یہ چوتھا سجدہ ہے، جسے 'سجودِ العلماء' کہا گیا ہے۔ حقیقت میں یہ 'سجودِ تجلّی' ہے، اس لیے کہ عاجزی، تجلّیِ الٰہی واقع ہونے سے ہوتی ہے، تو عاجزی کی زیادتی تجلّی کی زیادتی کی دلیل ہوتی ہے، اور اس تقدیر پر یہ 'سجودِ تجلّی' ہوگا۔ اور سجدہ کرنے والے کو چاہیے کہ اس سجدے کی برکت سے بہرمند ہو اور اس کا خشوع وخضوع اور زیادہ ہو جائے۔

اِس مقام پر یہ خیال رہے، کہ امام اعظم کے نزدیک اگر حالتِ نماز میں خوفِ خدا سے رونے کی آواز آئے، تو نماز نہیں ٹوٹے گی، اور اگر درد سے رو رہا ہے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

۔۔الغرض۔۔خوفِ خدا سے رونا بھی اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے۔ اللہ تعالیٰ کو پکارنے والا جس انداز اور جن کلمات سے اُسے پکارے، وہ خوب تر ہی ہے۔۔تو۔۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی

تم کہہ دو کہ "تم لوگ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جو کچھ کہہ کر پکارو، سب اچھے نام اُسی کے تو ہیں۔

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۱۰﴾

اور نہ چلّاؤ اپنی نماز میں، اور نہ پھُس پھُساؤ اُس میں، اور اُن کے بیچ کا راستہ رکھو" ●

اے محبوب! **(تم کہہ دو، کہ تم لوگ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، جو کچھ کہہ کر پکارو، سب اچھے نام اُسی کے تو ہیں)** جس ذات کا ذاتی نام اللہ ہے، اُسی ذات کا صفاتی نام رحمٰن ہے۔ دونوں کلمات سے ایک ہی ذات مراد ہے۔

اسماءِ الٰہیہ کے تعلق سے مختصر اور جامع تشریح الاعراف آیت نمبر ۱۸۰ میں کی جاچکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۔۔المختصر۔۔اللہ کی عبادت میں بھی اعتدال اور درمیانہ روی کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے، تو اَے محبوب! بلند آواز نہ کرو **(اور نہ چلّاؤ اپنی نماز میں)** کہ مشرک لوگوں کو ہنسی کھیل کرنے، سیٹی بجانے اور آپ کی توجہ کو قرآنِ کریم سے ہٹانے کے خیال سے شور وغل کرنے کا موقع مل جائے اور وہ قرآن کو، اللہ تعالیٰ کو، اور آپ کو بُرا کہنے لگیں **(اور نہ)** ہی **(پھُس پھُساؤ اس میں)** کہ آپ کے ان اصحاب کو بھی سنائی نہ دے، جو آپ کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ **(اور ان کے بیچ کا راستہ رکھو)** اس لیے کہ راہ

اوسط سب کاموں میں خوب اور محبوب ہے۔

روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق ﷛ قرآن آہستہ پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ "میں خدا سے مناجات کرتا ہوں اور وہ میری حاجت جانتا ہے" اور امیر المومنین حضرت عمر فاروق ﷛ قرآن شریف باآوازِ بلند پڑھتے اور فرماتے کہ "میں شیطان کو بھگاتا ہوں اور سوتوں کو جگاتا ہوں"۔ اور جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی، تو رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت صدیق سے فرمایا کہ ذرا آواز بلند کرو اور حضرت فاروق سے فرمایا کہ اپنی آواز ذرا پست کرو۔

بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے، کہ اِس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اَے حبیب! نہ سب نمازوں میں باآوازِ بلند قرأت کرو اور نہ ہی سب نمازوں میں آہستہ، بلکہ ان دونوں صورتوں میں ایک راہِ اوسط نکال لو، یعنی دن کی نمازوں میں آہستہ پڑھو، کیونکہ یہ لوگوں کے ہوشیار رہنے اور کھیل تماشا وغیرہ کرنے کا وقت ہے اور رات کی نمازوں میں باآواز بلند قرأت کرو، کیونکہ یہ لوگوں کی غفلت اور سونے کا وقت ہے۔ یہ حکم فرائض کا ہے اور نوافل میں نمازی کو اختیار ہے، خواہ وہ رات کے نوافل میں آہستہ قرأت کرے یا بلند آواز سے۔۔الختصر۔۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ

اور کہتے رہو کہ "ساری حمد اللہ کی، جس نے نہ رکھا اپنی کوئی اولاد، اور نہ کبھی رہا اُس کا کوئی شریک بادشاہی میں،

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۱۲

اور نہ کبھی رہا اُس کا مددگار کمزوری کی بنا پر، اور بولتے رہو اُس بڑے کی تکبیر●

اَے محبوب! حسبِ ہدایت خدا کی عبادت اور اس کا ذکر کرتے رہو (اور کہتے رہو کہ ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کی، جس نے نہ رکھا اپنی کوئی اولاد)۔

اِس قول میں یہود و نصاریٰ اور بنومدلج کا رَد ہے، جو حق تعالیٰ کے واسطے فرزند ثابت کرتے تھے۔

(اور نہ کبھی رہا اس کا کوئی شریک بادشاہی میں)۔

یہ مشرکوں کا رَد ہے جو بتوں کو بادشاہی میں خدا کا شریک کہتے تھے۔

(اور نہ کبھی رہا) کوئی (اس کا مددگار کمزوری کی بنا پر)۔

ظاہر ہے کہ جو تنہا بلاشرکت غیر تمام کائنات کا خالق ہے، اس میں ضعف کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ ذہن نشین رہے کہ حق تعالیٰ اس واسطے دوست نہیں کرتا، کہ اس کی مدد کے باعث

خود ذلت سے عزت کو پہنچے، بلکہ اس واسطے دوست کر لیتا ہے کہ اپنی مہربانی سے اُسے ذلت کی پستی سے عزت کی بلندی پر پہنچادے۔

۔۔الغرض۔۔اس کی حمد کرتے رہو (اور بولتے رہو اُس بڑے کی تکبیر) یعنی 'اللہ اکبر' کہتے رہو۔

حضرت فاروقِ اعظم سے نقل ہے کہ بندہ کو 'اللہ اکبر' کہنا، دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، سب سے بہتر ہے۔اس سورہ کی اس آخری آیت کو 'آیۃ العز' یعنی 'عزت کی آیت' کہتے ہیں۔حضرت عبدالمطلب کی اولاد میں جو لڑکا باتیں کرنے لگتا، حضرت ﷺ اُسے یہ آیتِ کریمہ سکھاتے۔۔الحاصل۔۔ہر صاحبِ شعور اور عقل سلیم والے کو وصف کرنے والوں کے وصف اور عارفوں کی معرفت سے بڑھ کر، حق تعالیٰ کو جاننا چاہیے۔

فقط اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کَبِیۡرًا وَالۡحَمۡدُلِلّٰہِ کَثِیۡرًا۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

١٣ رمحرم الحرام ١٤٣٢ھ۔۔مطابق۔۔٢٠ ردسمبر ٢٠١٠ء۔۔بروز دوشنبہ۔

سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر مکمل ہوگئی۔مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل

وکرم سے قرآنِ کریم کے باقی حصوں کی تفسیر کرنے کی

سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیۡن یَامُجِیۡبَ السَّائِلِیۡنَ بِحُرۡمَتِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

١٤ رمحرم الحرام ١٤٣٢ھ۔۔مطابق۔۔٢١ ردسمبر ٢٠١٠ء

بروز سہ شنبہ۔۔سورۂ کہف کی تفسیر کا آغاز کردیا۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور پورے قرآنِ کریم کے باقی

حصوں کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائے۔

آمِیۡن بِجَاہِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَةُ الکھف ۱۸ مکیۃ ۶۹ — اٰیاتھا ۱۱۰ رکوعاتھا ۱۲

سُوْرَةُ الْكَهْفِ

سورۂ کہف مکیۃ — آیات ۱۱۰ رکوع ۱۲

سورۂ کہف کواس سے پہلی سورۂ بنی اسرائیل سے باہمی مناسبت کے بعض گوشے یہ ہیں:

﴿۱﴾۔۔سورۂ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی حمد پر ختم ہوتی ہےاور سورۂ کہف کی ابتداء حمدِ الٰہی سے ہوتی ہے۔گویا جس نقطے پر'بنی اسرائیل' کا اختتام ہوا تھااسی نقطے سے'الکہف' کا آغاز ہوا ہے۔

﴿۲﴾۔۔سورۂ بنی اسرائیل کو سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ سے شروع کیا گیا ہےاور سورۂ کہف کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ سے شروع کیا گیا ہے۔قرآنِ کریم میں۔۔نیز۔۔احادیثِ کریمہ میں جابجا تسبیحِ الٰہی اور حمدِ خداوندی کو ملا کر ارشاد فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ 'سو اپنے رب کی تسبیح اس کی حمد کے ساتھ کیجئے'۔ اور حدیث میں ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ ۔تو جس طرح تسبیح اور حمد کا ذکر مقرون ہوتا ہے،اسی طرح جس سورت کے شروع میں سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ کا ذکر تھااور جس سورت کے شروع میں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ کا ذکر تھا،ان کو مقرون کر دیا۔۔۔

علاوہ ازیں سورۂ بنی اسرائیل آیت ۸۵ میں دعویٰ کیا گیا،کہ مخلوق کو بہت کم علم دیا گیا ہےاور سورۂ کہف میں اُس کی دلیل پیش کر دی گئی ہے،جہاں حضرت موسیٰ اور حضرت خضر کا قصہ ذکر فرمایا ہے۔ایسے ہی سورۂ بنی اسرائیل آیت ۷۰ میں اپنی بعض نعمتوں کا ذکر فرمایا اور سورۂ کہف آیت ۱۰۹ میں یہ بیان فرمایا ہے،کہ دراصل انسانوں پر اللہ تعالیٰ کی نعمتیں غیر متناہی ہیں۔۔یوں ہی۔۔بنی اسرائیل آیت ۱۰۴ میں حشر ونشر کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے،لیکن سورۂ کہف آیت ۹۸،۱۰۰ میں حشر ونشراور قیامت کے احوال کی تفصیل بیان فرما دی۔

احادیث کریمہ میں سورۂ کہف کے فضائل کے تعلق سے بہت سارے ارشادات ہیں۔۔مثلاً:

﴿۱﴾۔۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے سورۃ الکہف کی دس۱۰ آیتیں حفظ کرلیں،وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

﴿۲﴾۔۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے جمعہ کے دن سورۂ کہف کو پڑھا،اس کے لیے دو جمعوں کے درمیان نور کو روشن کر دیا جائے گا۔

﴿۳﴾۔۔آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ جس شخص نے سورہ کہف کو پڑھا،وہ اُس

کے لیے اُس کے مقام سے لے کر مکہ تک نور ہو جائے گی۔اور جس شخص نے سورہَ کہف کے آخر کی دس آیتیں پڑھیں، اس شخص کو خروجِ دجال سے ضرر نہ ہوگا۔

بقولِ حضرت انس رضی اللہ عنہ سورہَ الکہف مکمل نازل ہوئی، اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تھے ۔۔۔کفارِ مکہ نے اپنے دو نمائندوں یعنی النضر ابن الحارث اور عقبہ ابن ابی المعیط کو مدینہ میں علماءِ یہود کے پاس بھیجا، تا کہ اُن اہل کتاب سے رسول اللہ ﷺ کے تعلق سے ان کی آسمانی کتابوں میں مذکور حقائق کو معلوم کریں۔اور نبی آخر الزماں ﷺ کی نشانی کی معرفت حاصل کریں، تو علماءِ یہود نے انہیں تین سوالات بتائے۔ایک سوال تھا روح کے تعلق سے اور دوسرا اصحاب الکہف کے متعلق اور تیسرا ذوالقرنین کے بارے میں۔

آپ ﷺ نے فرمایا، کہ میں کل تمہارے سوالات کا جواب دے دوں گا، لیکن آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے، تو اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا وحی نازل نہیں فرمائی، یہاں تک کہ تقریباً پندرہ دن گزر گئے۔اور آپ شدت واضطراب کے ساتھ نزولِ وحی کا انتظار فرماتے رہے۔پھر جب وحی کا نزول ہوا، تو اس میں تینوں سوالات کے جوابات سے آپ کو آگاہ کر دیا گیا۔اس میں روح کے تعلق سے جو سوال تھا، وہ صرف ایک شے کی حقیقت سے سوال تھا، اس کے کسی واقعے کے تعلق سے کوئی دریافت نہ تھی، تو اس کا مختصر جواب جو دیا گیا اُسے نبی کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق سورہَ بنی اسرائیل کا حصہ بنا دیا گیا، اس لیے کہ لوحِ محفوظ میں یوں ہی مذکور تھا۔

رہ گئے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے تعلق سے واقعات، تو اُن کے تعلق سے نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا، کہ انہیں سورہَ کہف میں رکھا جائے۔کیونکہ یہی لوحِ محفوظ کی ترتیب ہے۔یوں بھی ان دونوں واقعات کے اظہار میں جو اسلوبِ بیان اختیار فرمایا گیا ہے، وہ وہی ہے جو سورہَ کہف کا اسلوبِ بیان ہے۔

ذہن نشین رہے، کہ اگر چہ سورہَ کہف نزول کے اعتبار سے انہترویں سورہ ہے اور سورہَ بنی اسرائیل نزول کے اعتبار سے پچاسویں سورہ ہے، لیکن ان میں ہر ہر آیت کا محلِ وقوع لوحِ محفوظ کے مطابق ہے، جس کا علم نبی کریم ﷺ کو بذریعہ وحی ہوا کرتا تھا، جس کی بنیاد پر آپ فرما دیا کرتے تھے، کہ اِس کو فلاں جگہ اور فلاں سورہ میں رکھو۔تو یہ سراسر 'توقیفی' ہے، نہ کہ 'قیاسی اور عقلی'۔تو جنھوں نے اس میں عقل وقیاس کی بنیاد پر کچھ کہا، انہوں نے بے جا جسارتِ فکری کا مظاہرہ کیا۔۔۔

یہ سورۂ مبارکہ مکہ میں نازل ہوئی، جس میں ۱۱۰ آیات، ۱۲ رکوع، ۱۶۰۹ کلمات اور ۶۶۲۸ حروف ہیں۔ ایسی مبارک اور عظیم الشان سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا مہربان) ہے ساری کائنات والوں پر اور (بخشنے والا) ہے مومنین کے گناہوں کا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ۝۱

ساری حمد اللہ کی، جس نے اتارا اپنے بندہ پر کتاب کو، اور نہ دی اِسے کچھ بھی کجی●

(ساری) خوبیاں، اچھائیاں، برتریاں، (حمد اللہ) تعالیٰ (کی) ذاتِ برتر و بالا کے لیے ہے، جو تمام کمالاتِ جمالیہ وجلالیہ اور صفاتِ تجیدی و تنزیہی کا جامع ہے۔ تمام عیوب و نقائص تو الگ رہے، وہ ایسی صفت سے بھی پاک ہے جس میں اگر کوئی نقص نہیں مگر اس میں کوئی کمال بھی نہیں۔ (جس) انتہائی کمال وجلال والے (نے اتارا اپنے) مکرم اور باکمال (بندہ پر کتاب) یعنی قرآنِ مجید (کو)۔

قرآن اتارنے پر حمد کے استحقاق کا مترتب ہونا، اس بات کی تنبیہ ہے کہ خدا نے جو نعمتیں اپنے بندوں کو عطا فرمائیں، ان سب نعمتوں سے بڑی نعمت قرآنِ مجید ہے۔

(اور) اس شان کی کتاب، کہ (نہ دی اُسے کچھ بھی کجی) یعنی کسی طرح کی کجی اس میں نہیں رکھی۔ نہ اس کے کلمات میں کوئی اختلاف اور نہ ہی معانی میں کوئی تفاوت۔ تضادِ بیانی اور تناقضِ کلامی سے بالکل پاک وصاف۔ ایسا بھی نہیں کہ کہیں اس کے بیانات میں حق سے عدول اور باطل کی طرف جھکاؤ ہو۔۔ الختصر۔ معنوی اور لفظی ہر طرح کی کجی سے پاک وصاف۔

قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ

سراپا راست، تاکہ ڈرا دے اللہ کے پاس سے آنے والے سخت عذاب سے، اور خوشخبری دے دے ماننے والوں کو،

یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝۲ مَّاکِثِیْنَ فِیْہِ اَبَدًا ۝۳

جو کام کریں لیاقت والے، کہ بلاشبہ اُن کے لیے اچھا ثواب ہے● جس میں ہمیشہ ٹھہریں گے●

(سراپا راست) یعنی معتدل، جس میں نہ افراط نہ تفریط، بالکل قابل اعتماد، جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔۔یا۔۔بندوں کی مصلحتوں کے ساتھ قائم۔

ایک قول کے پیش نظر لَہٗ یَجْعَلْ لَّہٗ میں لَّہٗ کی ضمیر 'عبدِ کامل' کی طرف لوٹتی ہے۔

اس صورت میں معنی یہ ہوا، کہ۔۔۔

اپنے عبدِ مکرم کو اپنے سوا اور کسی طرف میلان نہیں دیا اور سب حالوں میں مستقیم کیا، (تا کہ ڈرادے) وہ عبدِ مکرم ۔۔یا۔۔قرآنِ کریم سارے مکلفین کو (اللہ) تعالیٰ (کے پاس سے آنے والے سخت عذاب سے)، خواہ وہ ہلاکت ہو۔۔یا۔۔دوزخ کا عذاب ہو۔۔یا۔۔ایسا عذابِ الٰہی اور عقوبت ہو جو خدا کے سوا کوئی نہ دے سکے، (اور خوشخبری دے دے) وہ عبدِ کریم ۔۔یا۔۔قرآنِ حکیم (ماننے والوں کو)۔ایسے ماننے والے (جو کام کریں لیاقت والے)۔۔الغرض۔۔ایسوں کو بشارت دے دے (کہ بلاشبہ اُن کے لیے اچھا ثواب ہے) یعنی نیک، پسندیدہ اور پورا اجر انہیں ملنے والا ہے، وہ (جس میں ہمیشہ ٹھہریں گے)، یعنی اس اجر میں ہمیشہ بے انقطاع اور بے انتقال رہیں گے۔

وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۝۴

اور ڈرادے انہیں، جو بکا کیے کہ "بنایا ہے اللہ نے اپنی اولاد"●

(اور) ایمان والوں کو خوشخبری دینے کے ساتھ ساتھ (ڈرادے انہیں جو) نادانی کی راہ سے (بکا کیے کہ بنایا ہے اللہ) تعالیٰ (نے اپنی اولاد)۔اور یہ بات کہنے والے یہود و نصاریٰ اور بنو مدلج ہیں اور صورتِ حال یہ ہے، کہ۔۔۔

مَا لَہُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِہِمْ ؕ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاہِہِمْ ؕ

نہ انہیں اس کا کچھ علم ہے اور نہ اُن کے باپ دادوں کو، کتنی بڑی بولی نکل پڑی اُن کے منہ سے۔

اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا ۝۵

نہیں بولتے، مگر بس جھوٹ●

(نہ انہیں اس کا کچھ علم ہے اور نہ) ہی (ان کے باپ دادوں کو)، یعنی فرزندوں کے تعلق سے جو بات وہ کہتے ہیں وہ کسی علم کی بنیاد پر نہیں، بلکہ صرف اپنے جھوٹے وہم کی بناء پر ایسا کہتے ہیں۔ان کے باپ دادے بھی اپنے وہم کی بنیاد پر یہ بات بکتے رہے۔تو اب اگر یہ موجود افراد اپنے باپ دادوں

کی تقلید میں ایسی بکواس کرتے ہیں، تو غور کا مقام ہے کہ (کتنی بڑی بولی نکل پڑی اُن کے منہ سے)۔

کافروں کی اور باتوں کے بہ نسبت یہ بات حق تعالیٰ نے بہت بڑی کہہ کر بیان فرمائی، اس واسطے کہ یہ ایک بات ان بڑی باتوں کو شامل ہے، کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ کا شریک دوسرا ہے۔اور خدا محتاج ہے اور حدوث کی صفتیں اس میں پائی جاتی ہیں۔

یہ کفار، (نہیں بولتے مگر بس جھوٹ) اور اتنا بڑا جھوٹ، کہ اس کے سبب سے ارشادِ قرآنی کی روشنی میں قریب ہے کہ زمین آسمان پھٹ جائے اور پہاڑ اپنی جگہوں سے ہٹ جائیں۔یہ تو قادرِ مطلق کا فضل ہے، کہ باوجود 'علم' کے 'عفو' اور باوجود 'قدرت' کے 'حلم' کا مظاہرہ فرما رہا ہے اور منکرین کو مہلت دے رہا ہے۔

روایت ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ یہ باتیں سن کر رنجیدہ ہوئے اور ان کافروں کے ایمان کی جو امید آپ کو تھی، قریب تھا کہ منقطع ہو جائے۔حق تعالیٰ نے آپ کے دلِ مبارک کی تسلی کے لیے فرمایا۔۔۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝۶

تو کیا کہیں کھیل جاؤ گے اپنی جان پر اُن کے پیچھے، اگر کفار نے نہ مانا اس بات کو، صدمہ کر کے؟●

(تو کیا کہیں کھیل جاؤ گے اپنی جان پر ان کے پیچھے، اگر کفار نے نہ مانا اس بات کو، صدمہ کر کے؟) یعنی اَے محبوب! اپنا اور ان کا کام آسان کرو اور اپنے دلِ بے غل پر رنج نہ لاؤ اگر وہ ایمان نہ لائیں اس بات کا یعنی قرآن کا، اور ان کے کفر و عصیان کے پیچھے تم اپنے کو ہلاک نہ کرو غم کے مارے ۔۔یا۔۔بے صبری۔۔یا۔۔حسرت۔۔یا۔۔غصہ کر کے۔اَے محبوب! تم دیکھتے ہی ہو میں ان کے کفر اور ان کی سرکشی کے باوجود ان سے اپنی نعمتوں کا سلسلہ منقطع نہیں کرتا۔تو اَے محبوب! آپ بھی ان کے کفر اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے ان پر بہت زیادہ افسوس نہ کریں، اور انہیں دینِ برحق کی طرف دعوت دینے کا سلسلہ جاری رکھیں۔رہ گئی یہ دنیا، تو یہ ایک دارالامتحان اور کھرے کھوٹے کو ظاہر کر دینے کی جگہ ہے۔۔چنانچہ۔۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝۷

بے شک ہم نے پیدا فرمایا زمین پر اس کا سنگار، تاکہ ہم آزمائیں، کہ ان میں کون کام میں سب سے اچھا ہے●

(بے شک ہم نے پیدا فرمایا زمین پر اس کا سنگار) معادن، نباتات، حیوانات، خوبصورت آبشار، بہتے ہوئے چشمے، حسین وجمیل سرسبز کھیت، باغات، بلند کہسار، رنگ برنگ پرندے اور طرح طرح کے حیوانات کی شکل میں۔۔الغرض۔۔ یہ سب زمین کی زینت ہیں۔اس زمین میں زہریلے حشرات الارض بھی ہیں اور چیر نے پھاڑنے والے درندے بھی۔ان درندوں سے بھی ظاہری حسن و جمال ہے، جیسے شیر اور چیتوں وغیرہ میں، اور جنگلات کی زینت ان ہی جانوروں کی وجہ سے ہے۔ اِسی طرح انواع واقسام کے سانپ اور اژدہے حسن و جمال کے پیکر ہیں۔باقی رہا اُن کا ضرر رساں ہونا، تو وہ اس وجہ سے ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہر اور غضب کے مظہر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے زمین کی یہ زینت انسان کے امتحان کے لیے بنائی ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے کہ ہم نے دُنیا اس لیے بنائی ہے (تاکہ ہم آزمائیں کہ ان میں کون کام میں سب سے اچھا ہے)۔آیا وہ دنیا کے حسن و جمال میں کھوکر اپنے خالق و مالک کی اطاعت کرنے کو بھول جاتا ہے۔۔یا۔۔اس دنیا کی ترغیبات سے اپنا دامن بچاکر رکھتا ہے، اور اس دنیا کی رنگینیاں اور لذت آفرینیاں اس کو اپنے مولیٰ کی عبادت سے غافل نہیں کرتیں۔

اللہ تعالیٰ یہ امتحان خود اپنے علم کے لیے نہیں لیتا۔اس لیے کہ وہ تو علام الغیوب ہے بلکہ وہ دوسروں کے لیے امتحان لیتا ہے۔وہ قیامت کے دن دنیا کو دکھانا چاہتا ہے، کہ اگر اس نے اپنے بعض بندوں کو بہت اجر وثواب عطا کیا ہے اور نور کے منبروں پر بٹھایا ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے، کہ وہ دنیا میں آزمائش کی بھٹی سے سلامتی کے ساتھ گزر گئے تھے۔انہوں نے تسلیم ورضا کی چھری تلے اپنی گردن رکھ دی تھی، اس لیے ان کو یہ بلند مراتب عطا کیے ہیں۔

اور جنہیں آخرت میں عذاب شدید پہنچایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیاوی امتحان میں ناکام ہوگئے تھے اور دنیا کی زینت میں ڈوب گئے تھے اور اپنے خالق و مالک کی اطاعت سے منحرف اور باغی ہوگئے تھے۔ایک قول اہل تحقیق کا یہ بھی ہے، کہ مَا عَلَى الْاَرْضِ میں مَا بمعنی مَنْ ہے۔اِسی سے انبیاء علیہم السلام۔۔یا۔۔اولیاءِ کرام۔۔یا۔۔قرآنِ مجید کے حفاظ مراد ہیں۔۔یا۔۔یہ سبھی حضرات مراد ہیں، اس لیے کہ یہی حضرات زمین کے سنگار ہیں۔

بعض کے نزدیک زمین کی زینت اولیاءِ کرام ہیں، اس لیے کہ عام دنیا کا قیام انہی کے وجود شریف سے وابستہ ہے۔بے شک زمین اولیاءِ کرام کی شکل نوارنی سے منور ہے

جیسے آسمان زہرہ، خورشید اور مشتری سے تاباں ہے۔ ارشادِ ربانی ہے، کہ یہ دنیا ہمیشہ رہنے والی نہیں۔۔۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِیْدًا جُرُزًا ؕ۸

اور بے شک ہم ضرور کر دینے والے ہیں جو کچھ اس پر ہے، میدان بنجر●

(اور بے شک ہم ضرور کر دینے والے ہیں جو کچھ اس پر ہے میدان بنجر) یعنی دنیا کے خاتمہ پر ہم بنا دیں گے جو کچھ زمین پر ہے مٹی چٹیل میدان۔

۔۔الغرض۔۔ صَعِیْدًا جُرُزًا سے مراد جنگل اور وہ زمین جو بے آب وگیاہ ہو۔ اس میں اشارہ ہے کہ تمہاری تمام عمارتیں تباہ وبرباد کر دیں گے۔ پھر اَے بندگانِ خدا دنیا میں دل بستگی کیسی؟ اور اس کی زیب وزینت پر فریفتگی کیوں؟۔۔الحاصل۔۔زمین آسمان پیدا کرنے میں قدرتِ خداوندی کی جو نشانیاں ہیں وہ عجیب تر ہیں۔

تو اب علمائے یہود کا قریشیوں کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھنے کے لیے تین۳ سوال سکھانا، ایک طرح سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی آزمائش تھی اور وہ بھی ایسے سوالات تھے جن کو سن کر وہ آپس میں کہنے لگے، کہ جن جوانوں کے تعلق سے اس میں سوال ہے ان کا قصہ بہت عجیب ہے، اور پیغمبرِ اسلام اِس کا جواب دے سکیں، تو اور بھی عجیب بات ہے۔

دراصل جن جوانوں کے تعلق سے اس میں سوال تھا، وہ اصحابِ کہف تھے۔ اس سوال کے سوا پہلا جو سوال تھا، وہ روح کی حقیقت کے تعلق سے تھا۔۔نیز۔۔تیسرا سوال ذوالقرنین کے متعلق تھا۔ روح کے متعلق سوال کا جواب اس سے پہلی سورت بنی اسرائیل میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے، کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف دونوں ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں اور ان تینوں سوالوں کے جوابات بھی ایک ساتھ نازل ہوئے ہیں اور روح کے متعلق جوان کے سوال کا جواب تھا، اس کے مناسب آیات سورہ بنی اسرائیل میں تھیں، اس لیے آپ نے ان آیتوں کو بنی اسرائیل میں رکھوا دیا، اور اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے متعلق جو آیتیں تھیں ان کے مناسب آیتیں سورہ کہف میں تھیں، اس لیے ان کو آپ نے سورہ کہف میں رکھوا دیا۔

۔۔الختصر۔۔ارشادِ الٰہی ہے کہ زمین وآسمان میں ہماری قدرت کی جونشانیاں ہیں، اُن میں ان کا قصہ ایسا کچھ عجیب وغریب نہیں جیسا کہ وہ گمان کرتے ہیں۔۔۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝۹

کیا تمہیں پتہ چلا؟ کہ کھوہ اور وادی رقیم والے تھے ہماری نشانیوں سے، انوکھے●

تو (کیا تمہیں پتا چلا، کہ کھوہ اور وادی رقیم والے تھے ہماری نشانیوں سے انوکھے)۔

الرَّقِیْم مندرجہ ذیل معانی میں مستعمل ہوتا ہے: ﴿۱﴾۔۔اصحابِ کہف کی بستی کا نام۔ ﴿۲﴾۔۔ان کے پہاڑ کا نام۔﴿۳﴾۔۔ان کے کتے کا نام۔﴿۴﴾۔۔ایک وادی۔﴿۵﴾۔۔صحرا جنگل۔﴿۶﴾۔۔تانبے۔۔یا۔۔پتھر کا ایک تختہ جس پر اصحابِ کہف کے اسماء اوران کے انساب اوران کے دین کا نام لکھا ہے۔۔نیز۔۔جس کے ڈر سے وہ حضرات بھاگ نکلے تھے اس کا ذکر ہے۔اِس تختے کو غار کے دروازے پر لٹکا دیا گیا۔ان کے تعلق سے مختصر قصہ یہ ہے، کہ۔۔۔

دقیانوس ممالکِ روم کو تسخیر کرتے ہوئے جب شہر افسوس میں پہنچا، تو وہاں ایک مقتل بنایا۔جن بتوں کی وہ عبادت کرتا تھا شہر والوں کو حکم دیا، کہ تم سب بھی اُن کی پرستش کرو۔ جس نے اس کا حکم مانا نجات پائی اور جس نے نہ مانا اس پر آفت آئی، اس مقتل پر قتل کیا گیا۔ چھ[۶] جوان خدا پرست بزرگ زادے اس شہر کے رہنے والے، ایک گوشے میں بیٹھ رہے اور عبادت ودُعا میں مشغول ہوئے۔ جنابِ الٰہی میں عرض کی، کہ ہمیں اس ظالم کے ظلم سے بچا۔غرضیکہ ان کا حال بھی دقیانوس کے گوش گزار ہوا۔اس نے حکم کیا کہ حاضر کرو، حاضر ہوئے، نہایت دھمکیاں دیں، مگر انہوں نے توحید کا طریقہ نہ چھوڑا۔ راہِ توحید پر ثابت قدم رہے، ہرگز اس کا حکم نہ مانا۔

پس دقیانوس نے حکم دیا، کہ ان کے کپڑے اور زیور اتارو، اتار دیے گئے، پھر بولا تم ابھی نوجوان ہو، تم کو دوتین دن کی مہلت دی، تم اپنے کام میں غور وتامل کرو اور دیکھو تمہاری بھتری میری یہ بات ماننے میں ہے۔۔یا۔۔نہ ماننے میں ہے۔ پھر اُس شہر سے اور کسی موضع کی طرف متوجہ ہوا۔ اِن نوجوانوں نے اُس کا چلا جانا غنیمت جان کر اپنے امر میں باہم مشورہ کیا۔سبھوں کی رائے یہی قرار پائی، کہ یہاں سے بھاگ چلو۔

ہر ایک اپنے باپ کے گھر سے تھوڑا تھوڑا مال راہ میں خرچ کے واسطے لایا، اور ایک پہاڑ جو اُس شہر کے قریب تھا اس طرف چل نکلے۔ راہ میں ایک چرواہا ان کے پاس جا پہنچا اور ان کے دین میں داخل ہوا اور ان کے ساتھ ہولیا۔ چرواہے کا کتا بھی ان کے پیچھے پیچھے دوڑتا چلا۔ ہر چند کہ اُسے ہانکا، اس نے پیچھا نہ چھوڑا۔ حق تعالیٰ نے اُسے بات کرنے کی قوت دی، وہ بولا کہ تم مجھ سے نہ ڈرو، اس لیے کہ میں خدا کے دوستوں کو دوست رکھتا ہوں۔ تم آرام سے سو، میں تمہاری پاسبانی کروں گا۔ جب پہاڑ کے پاس پہنچے تو چرواہا بولا، کہ میں اس پہاڑ میں ایک غار جانتا ہوں کہ اس میں پناہ لے سکتے ہیں۔ متفق ہو کر سب غار کی طرف پھرے۔ اُن کے پھرنے کی خبر حق تعالیٰ اس طرح دیتا ہے، کہ۔۔۔

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً

جب کہ پناہ لی اُن جوانوں نے کھوہ کی طرف، تو دُعا کی کہ "پروردگارا دے ہمیں اپنی طرف سے رحمت،

وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾

اور سامان کردے ہمارے لیے، ہمارے معاملہ میں راہ پا جانے کی"●

یاد کرواے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (جب کہ پناہ لی ان جوانوں نے کھوہ کی طرف، تو دُعا کی کہ پروردگارا! دے ہمیں اپنی طرف سے رحمت) یعنی مغفرت۔۔یا۔۔روزی۔۔یا۔۔دشمن سے امَن (اور سامان کردے ہمارے لیے ہمارے معاملہ میں راہ پا جانے کی) یعنی ہم نے جو کفار سے مفارقت کی ہے، تو ہمیں راستی اور بھلائی مرحمت فرما۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾

تو تھپکی ماری ہم نے اُن کے کانوں پر کھوہ میں کئی سال●

(تو تھپکی ماری ہم نے ان کے کانوں پر کھوہ میں کئی سال) یعنی ہم نے ان کے کانوں پر ایک حجاب ڈال دیا، تاکہ وہ کسی کی بات نہ سنیں۔۔۔المختصر۔۔ہم نے انہیں سُلا دیا۔۔چنانچہ۔۔وہ تین سو نو ۳۰۹ برس بے خبر سوئے رہے۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ ع ۱۲/۱۳

پھر اٹھایا ہم نے انہیں، کہ دونوں گروہوں میں سے کون ٹھیک گنے ہے مدت کو، جس میں وہ ٹھہرے●

(پھر اٹھایا ہم نے انہیں) تاکہ ظاہر ہوجائے (کہ دونوں گروہوں میں سے کون ٹھیک گنے ہے مدت کو جس میں وہ ٹھہرے)۔

اس سے وہ دو گروہ مراد ہیں جنہوں نے اصحاب کہف کے غار میں ٹھہرنے کی مدت میں اختلاف کیا تھا۔ ان دو فریقوں میں یعنی نوجوانوں اور بادشاہوں سے صرف وہی بادشاہ مراد ہیں، جو اس مدت تک ایک دوسرے کے جانشین ہوئے۔ یہ آزمائش ان سے اس لیے ہوئی کہ جب وہ ان کی بعث و مدت کی صحیح گنتی سے عاجز ہوں گے، تو اقرار کرنے پر مجبور ہوجائیں گے، کہ اس کے متعلق یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کو ہے۔ اور یقین کریں گے کہ وہی ان کے حالات کو بہتر جانتا ہے، اور اسی کو علم ہے کہ ان کے ساتھ کیا کیا، اور ان کے ابدان کو کس طرح محفوظ رکھا، اور ان کا دین کیا تھا۔

جب اس طرح کا اعتراف کریں گے، تو انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، اس کی وسعت علمی کا یقین ہوجائے گا۔ اور وہ مرنے کے بعد اٹھنے کے عقیدے کو مان لیں گے۔ اس سے دوسرا مقصد یہ بھی ہے، کہ اصحابِ کہف کے واقعہ سے اہل ایمان کو معلوم ہوگا، کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر لطف و کرم فرماتا ہے۔ اس سے تیسرا فائدہ یہ ہے، کہ بعث ونشر پر حجت قائم ہوگی۔۔ الختصر۔۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿١٣﴾

ہم ظاہر کیے دیتے ہیں تم پر اُن کا واقعہ ٹھیک ٹھیک۔ وہ کچھ نوجوان تھے، مان گئے تھے اپنے پروردگار کو، اور بڑی ہدایت ہم نے فرمائی تھی ●

اُے محبوب! (ہم ظاہر کیے دیتے ہیں تم پر ان کا واقعہ ٹھیک ٹھیک) جو بالکل حق وصحیح اور سچا واقعہ ہے۔ (وہ کچھ نوجوان تھے) جو (مان گئے تھے) اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے (اپنے پروردگار کو)، یعنی اللہ تعالیٰ کو۔ ان کے تعلق سے فرمانِ خداوندی ہے (اور) ارشادِ ربانی ہے، کہ ان کی (بڑی ہدایت ہم نے فرمائی تھی) یعنی ان کے حق پر ثبات اور یقین کو ہم نے زیادہ کردیا۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور ہم نے ڈھارس دی اُن کے دلوں پر جب کہ کھڑے ہوگئے، پھر بولے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پالنہار ہے،

لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰـهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿١٤﴾

ہم ہرگز نہ پکاریں گے انہیں، جو اُس کو چھوڑ کر معبود بنائے گئے ہیں، کہ ایسا کرنے پر ہم نے بڑی بے جابات کہی ●

(اور ہم نے ڈھارس دی ان کے دلوں پر) یعنی ان کے دل مضبوط کردیے اور حق ظاہر کرنے کی قوت دے دی اور جرأت عطا کی، کہ انہوں نے دقیانوس کی بات رَدّ کردی (جب کہ) اس کے سامنے (کھڑے ہوگئے) اور اس نے انہیں بت پوجنے کا حکم دیا، تو (پھر) وہ پوری جرأتِ ایمان کے ساتھ (بولے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پالنہار ہے)، تو (ہم ہرگز نہ پکاریں گے انہیں جو اس کو چھوڑ کر معبود بنائے گئے ہیں)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہم کسی معبود کو ہرگز نہ پوجیں گے۔ کیوں (کہ ایسا کرنے پر ہم نے بڑی بے جا بات کہی)، یعنی اگر بالفرض خدانخواستہ ہم سے غیر اللہ کی پرستش ہوجائے، تو یقیناً ہم نے حد سے گزری ہوئی بات کہی۔ ایسی بات جو باطل اور جھوٹ ہے۔۔ نیز۔۔ حد سے متجاوز ہے۔ ہمارے برعکس۔۔۔

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْ لَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ

اِس ہماری قوم نے بنالیے بہت سے معبود اللہ سے الگ۔ کیوں نہیں لاتے اُن پر کوئی روشن دلیل۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ۱۵

تو کون زیادہ اندھیر والا ہے اُس سے، جس نے گڑھ لیا اللہ پر جھوٹ ●

(اس ہماری قوم نے) جو ہماری ہم نسب اور ہمارے شہر 'افسوس' کی رہنے والی ہے (بنالیے) اپنی جہالت ولاعلمی میں۔۔ یا۔۔ دقیانوس کی دھمکی اور قتل کے خوف سے، (بہت سے معبود اللہ) تعالیٰ (سے الگ)۔ یعنی خدائے برحق کے سوا اور بہت سے خدا جو باطل ہیں۔ (کیوں نہیں لاتے) کفار (ان پر) یعنی بت کی پرستش پر اور اس بات پر کہ وہ عبادت کے مستحق ہیں (کوئی روشن دلیل)۔۔ الغرض۔۔ دقیانوس دھمکا کر لوگوں کو بت پرستی کی تکلیف دیتا تھا، دلیل کے ساتھ نہیں۔ (تو کون زیادہ اندھیر والا ہے اُس سے جس نے گڑھ لیا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، کہ اس کی طرف شریکوں کو منسوب کرتا ہے۔۔۔

اس کے قبل ذکر ہوچکا ہے، کہ دقیانوس نے انہیں گفتگو کے بعد مہلت دی اور یہ لوگ بھاگے۔

پس اثنائے راہ میں ان کے سردار 'یملیخا' نے ان سے کہا۔۔۔

وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَی الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ

اور جب کنارہ کش ہوچکے، تو اُن سے اور جو کچھ یہ پوجیں اللہ کے سوا، تو پناہ لے لو کھوہ میں، عام کردے گا تمہارے لیے

رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ⑯

تمہارا پروردگار اپنی رحمت، اور مہیا فرمادے گا تمہارے لیے تمہارے کام میں آسانی●

(اور) مشورہ دیا، کہ (جب کنارہ کش ہو چکے تو ان سے) یعنی مشرکوں سے علیحدگی اور دوری اختیار کرلی (اور جو کچھ یہ پوجیں اللہ) تعالیٰ (کے سوا) ان سب کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ یعنی ان سے اور ان کے باطل معبودوں سے الگ ہو گئے ہو، (تو پناہ لے لو کھوہ میں) اور فکر نہ کرو، (عام کردے گا تمہارے لیے تمہارا پروردگار اپنی رحمت) دونوں جہان میں، (اور مہیا فرمادے گا تمہارے لیے تمہارے کام میں آسانی)، یعنی وہ چیز جس سے تم نفع لو دین و دنیا میں۔۔ چنانچہ۔۔ ان اصحابِ کہف پر فضل خداوندی کا یہ عالم رہا، کہ اَے مخاطب! اگر تم وہاں کھڑے ہو کر اُس منظر کا مشاہدہ کرو گے۔۔۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ

اور سورج کو دیکھو گے کہ جب نکلا، تو بچ کر جاتا ہے اُن کے کھوہ سے داہنی طرف، اور جب ڈوبا، تو کترا جاتا ہے

تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ

اُن سے بائیں کو، اور وہ لوگ اُس کے کھلے مقام میں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ جسے راہ اللہ دے، تو وہ

يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ⑰ ع ۱۴

راہ پانے والا ہے۔ اور جس کو بے راہ رکھے، تو نہ پاؤ گے اُس کا کوئی مددگار رہنما●

(اور) اپنی کھلی آنکھوں سے (سورج کو دیکھو گے)، تو تمہیں صاف نظر آئے گا (کہ جب نکلا) سورج (تو بچ کر جاتا ہے اُن کے کھوہ سے داہنی طرف) چونکہ اس غار کا منہ شمال کی جانب تھا۔ پس جب سورج طلوع ہوتا تو وہ غار کی دائیں جانب ہوتا، (اور جب) سورج (ڈوبا) یعنی غروب ہوتا (تو کترا جاتا ہے ان سے بائیں کو)، یعنی جب سورج غروب ہوتا تو وہ غار کی بائیں جانب ہوتا۔ پس سورج کی دھوپ غار کے اندر نہیں پہنچ سکتی تھی، (اور) ان کا حال یہ ہے کہ (وہ لوگ اس کے کھلے مقام میں ہیں)، یعنی غار کے وسط میں ہیں، اس طرح پر کہ خوشگوار اور ٹھنڈی ہوا غار کے اندر پہنچ جاتی تھی۔ بے شک (یہ اللہ) تعالیٰ (کی نشانیاں ہیں)، یعنی یہ ان کی خبر قدرتِ الٰہی کی دلیلوں میں سے ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کو اس سے محفوظ رکھا تھا، کہ ان پر سورج کی دھوپ پڑے ورنہ ان کے اجسام میں تعفن اور فساد پیدا ہو جاتا اور ان کے جسم سڑ گل جاتے۔

اس سلسلے میں ایک دوسرا قول یہ بھی ہے، کہ اوپر جو بھی مذکور ہوا یہاں وہ مراد نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو اس سے روک دیا، کہ اس کی دھوپ طلوع یا غروب کے وقت ان کے جسموں پر پڑے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ فعل خلافِ عادت ہے اور اصحاب کہف کی کرامت ہے۔ تو اگر پہلے قول کے موافق ان پر دھوپ نہ پڑتی، تو پھر یہ امر معمول کے موافق اور عادت کے مطابق ہوتا، اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی آیت اور نشانی نہ ہوتی، اور اگر اس آیت کی دوسرے قول کے موافق تفسیر کی جائے، تو پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی عجیب وغریب آیت اور نشانی اور اصحابِ کہف کی کرامت ہوگی۔

اِس دوسرے قول کے مطابق تو اِس کا 'نشانی' ہونا واضح ہے۔ مگر پہلے قول کے مطابق بھی یہ اللہ تعالیٰ کی نشانی اس لیے ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اتنی مدت طویلہ تک ان کو غار میں محفوظ رکھا، اور وہ سب اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم سے اتنے عرصے تک مرض اور موت اور مرورِ ایام کے اثرات سے محفوظ رہے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں ان کو کفر سے محفوظ رکھا اور ایمان کی طرف لایا، اُسی طرح اللہ تعالیٰ نے انتہا میں بھی ان کے اجسام کو گردشِ ایام کے اثرات سے سلامت رکھا۔ اِسی لیے فرمایا، کہ۔۔۔

(جسے راہ اللہ) تعالیٰ اپنی توفیق سے (دے تو وہ راہ پانے والا ہے اور جس کو بے راہ رکھے، تو نہ پاؤ گے اس کا کوئی مددگار رہنما) یعنی کوئی دوست سیدھی راہ دکھانے والا۔

۔۔المختصر۔۔ جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہدایت یافتہ ہوکر کامیابی حاصل کرتا ہے، تو اُسے جملہ سعادات کی راہ نصیب ہو جاتی ہے، ایسے بندے کو پھر کوئی گمراہ کرسکتا ہی نہیں۔ اِس کے برعکس جسے ہدایت دے سکنے والا کوئی رہبر مل ہی نہ سکے، تو ایسے بدبخت کے لیے، رہبری پیدا ہی نہیں کی گئی۔ ایسے شوم بخت کے لیے رہبر پیدا تو کیا گیا ہے، لیکن وہ اُسے نہیں ملے گا

۔۔قصہ مختصر۔۔ اَے مخاطبو! اس غار میں اصحابِ کہف کو دیکھو گے، تو سوچو گے۔۔۔

وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ ۖۗ وَّنُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ

اور تم خیال کرو گے انہیں کہ جگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سُو رہے ہیں، اور کروٹیں کراتے ہیں ہم انہیں داہنے بائیں۔

وَكَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ

اور اُن کا کتا بچھائے ہے اپنے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر۔ اگر تم جھانکتے اُن پر، تو ضرور پلٹ جاتے اُن سے

فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾

بھاگ کر، اور ضرور بھر جاتے اُن کے رعب سے ●

(اور تم خیال کرو گے انہیں کہ جگ رہے ہیں) اس لیے کہ وہ جاگنے والوں کی طرح آنکھیں کھولے ہوئے ہیں **(حالانکہ وہ سو رہے ہیں)**۔

یہی حال درحقیقت طریقت والوں یعنی اولیاءِ کرام کا ہے، اس لیے کہ جب ان کے حال کو دیکھو گے، تو کاروبارِ دینی و دنیوی میں مشغول نظر آئیں گے، لیکن ان کے باطن پر نگاہ ڈالو تو وہ از ہمہ فارغ ہوں گے یعنی لطف ذوالجلال کے باغ میں باطنی طور پر مست اور ظاہر بینوں کو ہوشیار محسوس ہوتے ہیں ۔۔یا۔۔ یوں کہو کہ عالمِ حقیقت میں ماسوی اللہ سے بے سروکار اور لوگوں کی نگاہ میں مصروف بکار۔ یعنی ظاہر طور پر اِدھر اُدھر مشغول اور باطن میں از ہمہ فارغ۔

۔۔المختصر۔۔ اصحابِ کہف اپنے طور پر بے خبر سو رہے ہیں **(اور کروٹیں کراتے ہیں ہم انہیں)** ملائکہ کے ذریعہ **(داہنے بائیں)**، یعنی ان کی نیند میں فرشتوں کے ذریعے سے کروٹیں تبدیل کراتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق سال بھر میں ان کی دو کروٹیں بدلی جاتی ہیں اور ایک دوسری روایت کی روشنی میں سال میں ان کی صرف ایک کروٹ بدلی جاتی ہے۔ بعضوں نے کہا، کہ ہر سال عاشورہ کے دن ان کی کروٹ بدل دیتے ہیں۔ بہر تقدیر ان کی کروٹ بدلنا ثابت ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا ارشادِ ربانی سے ظاہر ہے۔ کروٹ بدلنے میں حکمت یہی ہے کہ ان کے اجسامِ طاہرہ کو مٹی اپنے لپیٹ میں نہ لے لے جب کہ عرصۂ دراز تک ویسے ہی پڑے رہیں گے۔

گو ربِّ قدیر قادر ہے، کہ وہ انہیں کروٹ بدلے بغیر بھی محفوظ فرما لے، لیکن اس نے ہر کام سبب سے معلق فرمایا ہے اور اکثر امور اسباب کے تحت صادر فرماتا ہے، یہی خدائی قانون ہے۔ اور ہم خدا کی قدرت پر بھی ایمان رکھنے والے ہیں اور خدا کے قانون کے بھی ماننے والے ہیں ۔۔مثلاً: خدا ان باتوں پر قادر ہے کہ بغیر پانی پلائے پیاسے کی پیاس بجھا دے، بغیر دوا وغیرہ کے استعمال کرائے مریض کو شفا دے دے، اور بغیر کچھ کھلائے بھوکے کی بھوک مٹا دے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن۔۔ اُس کا قانون یہ ہے، کہ پانی پیو گے تب پیاس بجھاؤں گا، دوا وغیرہ استعمال کرو تب اچھا کروں گا، اور کھانا وغیرہ کھاؤ گے تب بھوک

مٹاؤں گا، وغیرہ وغیرہ۔ تو خدا پر سچے ایمان کی پہچان یہ ہے، کہ ہم اس کی قدرت پر بھی ایمان لائیں اوراس کے قانون پر بھی۔

۔۔الغرض۔۔وہ تو سورہے ہیں **(اوران کا کتا بچھائے ہے اپنے دونوں ہاتھ چوکھٹ پر)** اوروہ زرد کتا تھا۔

۔۔یا۔۔لال۔۔یا۔۔مٹیارا۔۔یا۔۔اس کا سر سرخ تھا اور پیٹھ کالی اور پیٹ سفید اور دُم ابلق، اس کا نام قطمیر زیادہ مشہور ہے۔اس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ غار کا نہ کوئی دروازہ ہوتا ہے نہ چوکھٹ۔لیکن یہاں پر وہی جگہ مراد لی گئی ہے جہاں گھر کا دروازہ ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا کلمات یعنی "**كَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ**" جو کوئی لکھ کر اپنے پاس رکھتا ہے، وہ کتے سے ضرر نہیں پاتا۔

اصحابِ کہف کی اس کیفیت کے پیش نظر، کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اوران کے ناخن اور بال بڑھ گئے ہیں اور وہ اندھیرے اور وحشت ناک مکان میں ہیں۔تو اَے مخاطب! **(اگر تم جھانکتے اُن پر تو ضرور پلٹ جاتے اُن سے بھاگ کر اورضرور بھر جاتے اُن کے رعب سے)**۔

اِس سے مراد یہ ہے، کہ کسی کو یہ طاقت نہیں ہے کہ ان کو دیکھ سکے۔جو وہاں جاتا دروازے ہی سے مرعوب ہوکر پلٹ آتا۔۔۔تھوڑے ہی زمانے میں موت کی آندھی نے دقیانوس کی حیات کی عمارت گرادی، یعنی وہ کافر مرگیا اوراس کا سب ملک ومال، جاہ وجلال پراگندہ ہو گیا۔اس کے بعد اس ملک میں اورکئی مالکوں نے یکے بعد دیگرے تصرف کیا، یہاں تک کہ بادشاہ صالح بیدروس، تندروس۔۔یا۔۔تندروسیش کی نوبت پہنچی، جوایک ایمان دار اور خداترس تھا۔اس کے زمانہ کے اکثر لوگوں کوحشرِ اجسام میں شبہ ہوا، ہر چند بادشاہ نے نصیحت کی، کچھ فائدہ نہ ہوا۔حق تعالیٰ نے چاہا کہ جسم کے حشر پر کوئی دلیل انہیں دکھائے، تواصحابِ کہف کوخواب سے بیدار کیا۔جیسا کہ فرمایا ہے کہ جس طرح انہیں، ہم نے سلادیا تھا۔۔۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا

اور اِسی طرح اٹھایا ہم نے انہیں، تاکہ باہمی دریافت کریں۔ایک پوچھنے والے نے اُن میں سے پوچھا، کہ کتنا

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ

تم لوگ ٹھہرے؟ کچھ نے جواب دیا کہ "ایک دن یااس سے بھی کم"۔ کچھ نے کہا کہ "تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جتنا تم لوگ

هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْیَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

ٹھہرے"، تو اپنے کسی ایک کو بھیجو اِس نقرئی سکہ کو لے کر شہر کی جانب، کہ وہ دیکھے کہ سب میں کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے،

وَلْیَتَلَطَّفْ وَلَا یُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

چنانچہ لے آئے تمہارے پاس اسی سے کھانے کو، اور نرم بنا رہے اور پتا نہ دے تمہارا کسی کو●

(اور) نیند میں مبتلا کر دیا تھا حکمت کے ساتھ، (اُسی طرح اٹھایا ہم نے انہیں) اور خواب سے بیدار کر دیا قدرت کے ساتھ، (تا کہ باہمی دریافت کریں) اور ایک دوسرے سے سوال کریں، اور اپنا حال پہچانیں، اور ہمارے کمالِ قدرت کے باب میں اُن کا یقین زیادہ ہو۔۔ چنانچہ۔۔انہوں نے ہماری قدرت دیکھ لی، کہ بہت زمانہ گزرنے کے باوجود نہ ان کے جسم میں تغیر آیا اور نہ ان کے کپڑے پرانے ہوئے، نہ ہی سڑے گلے۔۔الغرض۔۔ (ایک پوچھنے والے نے ان میں سے پوچھا کہ کتنا تم لوگ ٹھہرے)۔ یہ پوچھنے والے مکسلمینا تھے جو ان میں سب سے زیادہ تھے۔ اس سوال پر (کچھ نے جواب دیا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ کچھ نے کہا کہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جتنا تم لوگ ٹھہرے)۔

سائل کے سوال کا مقصد تھا کہ رہنے کی مدت دریافت کر کے جو نمازیں فوت ہوئی ہیں قضا کریں۔ وہ صبح کے وقت غار میں آئے تھے، اب جو انہوں نے دیکھا تو چاشت کا وقت تھا، تو بولے کہ ہم یہاں ایک دن رہے اور کل سوئے تھے۔۔یا۔۔ تھوڑا دن اگر آج ہی ہم سوئے ہیں، لیکن جب اپنے بڑھے ہوئے ناخن اور سر کے بال لمبے پائے، تو ان میں بعض بولے کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنی مدت تم رہے ہو۔ یعنی اَے ساتھیو ہماری یہ کیفیت بتاتی ہے کہ ہمارا معاملہ کچھ ٹیڑھا سا ہے، جس کی مدت کا تعین ہماری معلومات سے متعلق نہیں۔

تو یوں کہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہمارے تمہارے ٹھہرنے کو خوب جانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مدت کے تعین کے بارے میں اصحابِ کہف کے دو گروہ ہو گئے، جس کی تفصیل اوپر واضح ہے۔ ویسے بعض قرائن سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ ان کا جاگنا چاشت کے وقت ہوا، کیونکہ شہر تک جا کر سودے وغیرہ لے کر غار کو واپس لوٹنا خاصا وقت چاہتا ہے، اور اگر قبل غروب کا مانا جائے، تو سودے لینے والی آیت کے ساتھ مطابقت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ غار شہر سے خاصی دور تھی۔۔المختصر۔۔ مدت کے تعلق سے آپس کی گفتگو کا کوئی صاف اور واضح نتیجہ نہ نکل سکا اور جاگنے کے سبب فطری بھوک کا احساس ہوا۔

(تو) رائے ہوئی کہ (اپنے کسی ایک کو بھیجو اس نقرئی سکہ کو لے کر شہر) افسوس (کی جانب) تو چاہیے (کہ وہ) فرستادہ شخص (دیکھے کہ سب میں کون سا کھانا زیادہ پاکیزہ ہے) یعنی معلوم کرلے کہ کس شخص کا کھانا بہت حلال اور پاکیزہ ہے، اس واسطے کہ اس زمانے میں اس شہر میں ایسے لوگ تھے جو اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے، تو ان اصحابِ کہف کی غرض یہ تھی، کہ انہی ایمان والوں کے ذبح کے جانور کا گوشت ملے، (چنانچہ لے آئے تمہارے پاس اسی) پاک اور حلال کھانے (سے کھانے) کی چیز (کو، اور) وہ پوری دانشمندی کا مظاہرہ کرے۔۔ چنانچہ۔۔ شہریوں کے درمیان ان کے تعلق سے بالکل (نرم بنا رہے)۔ نہایت شیریں زبانی اور نرم گفتاری کا مظاہرہ کرے (اور) یہ بھی ملحوظِ خاطر رکھے، کہ وہ (پتا نہ دے تمہارا کسی کو)۔ یعنی اُس کی گفتار وکردار سے کسی کو یہ اندازہ نہ لگ سکے، کہ تم لوگ اِس غار میں موجود ہو۔

۔۔المختصر۔۔ اِس کام کے لیے، یملیخا کا انتخاب کیا گیا جو ایک بہت ہی سمجھ دار، متحمل مزاج آدمی تھا اور جس نے ان کی سابقہ گفتگو میں حصہ نہیں لیا، بلکہ ان کی بحث و تمحیص کے وقت علیحدہ بیٹھ کر ان سب کی باتیں سنتا رہا اور انہیں عملاً بتا دیا، کہ یہ گتھی تمہارے سلجھانے کی نہیں اور نہ ہی اپنے طور پر اس کو سمجھ سکتے ہو۔ ان کے لیے اس طرح رازدارانہ طرزِ عمل کی ان کو ضرورت تھی جس کو خود انہوں نے واضح فرماتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ اس راز کے فاش ہو جانے کی وجہ سے۔۔۔

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ

بلاشبہ وہ کافر لوگ اگر چڑھ آئے تم پر، تو پتھراؤ کریں گے تمہارا، یا لوٹائیں گے تم کو اپنے دھرم میں،

وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝۲۰

اور پھر نہ کامیاب ہو سکو گے کبھی ●

(بلاشبہ وہ کافر لوگ اگر چڑھ آئے تم پر) اطلاع پا کر۔۔یا۔۔ قدرت پا کر۔۔یا۔۔ فتحیاب ہو کر، پھر (تو) یا (پتھراؤ کریں گے تمہارا یا لوٹائیں گے تم کو اپنے دھرم میں)، یعنی تمہیں جبراً اپنے دھرم کو قبول کرانے کی کوشش کریں گے۔ اور پھر اگر خدانخواستہ تم ان کے دین میں آگئے (اور) ان کے دھرم کو قبول کر لیا، تو (پھر نہ کامیاب ہو سکو گے کبھی) یعنی ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہو گے۔

یملیخا جوان میں بڑا کامل اور عاقل تھا، اس نے یہ نصیحتیں قبول کیں اور شہر کی طرف چلا۔
جب دروازے پر پہنچا تو اس کی وضعیں متغیر دیکھیں، اور جب شہر میں آیا تو بازار، محلوں اور لوگوں کی شکلوں اور رنگوں کو اور ہی طور پر پایا۔ حیرت غالب ہوئی۔ آخر ایک نانبائی کی دوکان پر آیا اور جو روپیہ اس کے پاس تھا نانبائی کو دیا کہ روٹی خرید لے۔
نانبائی نے روپیہ پر دقیانوس کا سکہ دیکھا، خیال کیا کہ اس شخص نے کوئی خزانہ پایا ہے۔ اس نے وہ روپیہ ایک دوسرے دوکاندار کو دکھایا۔ دم بھر میں یہ خبر بازار میں پھیلی۔ جب علاقہ کے حاکم یعنی تھانہ دار کو یہ خبر پہنچی، اس نے یملیخا کو بُلا کر بہت دھمکایا اور باقی زرِ نقد طلب کیا۔ یملیخا بولے، کہ میں نے خزانہ نہیں پایا ہے، کل اپنے باپ کے گھر سے یہ روپیہ میں نے لیا تھا آج بازار میں لایا ہوں۔
تھانہ دار نے اس کے باپ کا نام پوچھا۔ جب یملیخا نے باپ کا نام بتایا، تو کسی نے نہیں پہچانا۔ انہیں جھوٹا بنایا۔ وہ ڈر کے مارے بولے، کہ مجھے دقیانوس کے پاس لے چلو وہ میری کیفیت سے آگاہ ہے۔ لوگوں نے ہنسنا اور مسخرا پن کرنا شروع کیا اور یہ بات کہی کہ تین سَو۳۰۰ برس کے قریب زمانہ گزرا کہ دقیانوس مر گیا، تو ہمارے ساتھ دل لگی کرتا ہے۔ یملیخا بولے، کہ میں تو دل لگی نہیں کرتا، تم میرے ساتھ مسخرا پن کرتے ہو۔ کل ہم کچھ لوگ اُس سے بھاگ کر پہاڑ میں گئے، ساتھیوں نے آج کھانا لینے کو مجھے شہر میں بھیجا، اس کے سوا اور کچھ میں نہیں جانتا۔
غرضیکہ یملیخا کو لوگ بادشاہ کے پاس لے گئے اور کیفیت بیان کی۔ بادشاہ اپنے مصاحبوں اور شہر کے شرفاء کو ساتھ لے کر غار کی طرف چلا۔ یملیخا آگے بڑھ کر غار میں آئے اور اپنے یاروں کو خبر کی۔ بادشاہ بھی فوراً غار پر آ پہنچا اور وہ تختی جو غار کے دروازے پر لگی تھی پڑھی۔ اصحابِ الکہف کے نام اور کیفیت معلوم ہوئی۔ پھر بادشاہ اپنے ہمراہیوں سمیت غار میں آیا اور اصحاب کہف کو دیکھا، کہ چہرے بحال اور کپڑے نئے ہیں، دیکھ کر سخت متحیر ہو کر سلام علیک کی، انہوں نے جواب دیا۔ حق تعالیٰ اس حال سے خبر دیتا ہے۔۔ کہ۔۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ

اور اسی طرح آگاہی دی ہم نے اُن پر، تا کہ سب جان لیں کہ اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے، اور بے شک قیامت میں کوئی شک وشبہ

فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ

نہیں۔ جب کہ وہ جھگڑنے لگے باہم ان کے بارے میں، چنانچہ بولے کہ بناؤ اُن پر قبہ۔ اُن کا پروردگار خوب جانتا ہے

اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

انہیں۔ بولے وہ لوگ جو غلبہ لے چکے تھے ان کے معاملہ میں" کہ ہم ضرور بنائیں گے اُن کی درگاہ پر مسجد"●

جس طرح انہیں ہم نے جگایا (اور) بیدار کیا (اسی طرح آگاہی دی ہم نے) تندروس اور اس کی قوم کو (ان) کے حال (پر، تاکہ سب جان لیں کہ اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ) بعث وحشر کے باب میں بالکل (ٹھیک ہے)، اس واسطے کہ ان کا سونا اور جاگنا مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے سے بڑی مشابہت رکھتا ہے۔

(اور) دوسری بات یہ بھی جان لیں، کہ (بے شک قیامت میں کوئی شک وشبہ نہیں) یعنی قیامت کے وقوع اور اس کے اندر سب کی حاضری کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ اس لیے کہ جس نے آنکھوں سے دیکھا کہ جس خالق کائنات نے اصحاب کہف کی ارواح کو تین سو سے زائد سالوں تک روکے رکھا، اور ان کے ابدان واجسام کو گلنے سڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے محفوظ رکھا، تو اُسے یقین ہو جائے گا کہ وہی خالق کائنات تمام مخلوق کو موت دینے کے بعد ان کی جملہ ارواح کو میدانِ حشر کے اٹھنے تک محفوظ رکھ سکتا ہے، اور اُسے قدرت ہے کہ انہیں اتنے عرصہء دراز تک محفوظ رکھ کر پھر ان کے ابدان واجسام میں حساب وکتاب کے لیے واپس لوٹائے۔

یہ بھی قوم تندروس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، کہ ان میں کسی نبی کو مبعوث کیے بغیر صرف اصحاب کہف کے سونے اور جاگنے کے حالات دکھا کر ان سب کی ہدایت فرمادی۔ گویا ان کا سونا اور جاگنا ہی ان کی ہدایت کا سبب بن گیا اور ان کے آپسی نزاع کا جواب بھی مل گیا جو اس باب میں وہ کرتے تھے۔ کوئی کہتا تھا کہ حشر فقط روح کا ہوگا اور کوئی اس بات کا قائل تھا کہ روح اور جسد کے ساتھ ہی مبعوث ہوں گے۔ اصحاب کہف کے واقعہ نے جسم وروح کے ساتھ اٹھنے کی ایک نظیر پیش کردی، ایسا کہ اب جسم وروح کے ساتھ بعث وحشر میں کوئی اشتباہ نہیں رہ گیا۔ پھر حق تعالیٰ نے اطلاع دی ان لوگوں کے حال سے۔۔۔

(جب کہ وہ) یعنی اس زمانے کے لوگ (جھگڑنے لگے باہم ان کے بارے میں)۔ یعنی جب اصحابِ کہف دوبارہ فوت ہوئے، تو تندروس کی قوم میں اختلاف ہوا، کہ اب ان حضرات کو لوگوں کی نگاہوں سے کس طرح پوشیدہ رکھا جائے، کہ آنے والی نسلیں ان کے حالات سے آگاہ نہ ہوسکیں۔ (چنانچہ بولے کہ بناؤ ان پر قبے) یعنی ایک ایسی دیوار کہ لوگوں کی نگاہ سے یہ پوشیدہ رہیں۔۔۔یا۔۔اس

واسطے کہ اس عمارت کے سبب سے لوگ ان کا مقام پہچانیں۔

رہ گیا ان کے تفصیلی حالات، تو (ان کا پروردگار خوب جانتا ہے انہیں) یعنی ان کا رب ہی ان کی آرام گاہ کو خوب جانتا ہے، اور اُسے ہی ان کے حالات معلوم ہیں، دوسرے اگر نہ جانیں تو کیا حرج ہے۔(بولے وہ لوگ جو غلبہ لے چکے تھے ان کے معاملہ میں)۔۔۔

اِس سے اُس زمانے کے مسلمان اور بادشاہ مراد ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو حشرِ اجساد کے قائل تھے۔

(کہ ہم ضرور بنائیں گے ان کی درگاہ پر مسجد)، تاکہ لوگ اس میں نماز پڑھیں اور اس جگہ کو متبرک سمجھ کر تبرک حاصل کریں اور اس طرح سے اپنے عمل کو بابرکت بنائیں۔ اَے محبوب! آپ کے عہد میں اصحابِ کہف کے حالات میں غور وخوض کرنے والے جو لوگ موجود ہیں، جن میں بعض اہل ایمان ہیں اور بعض اہل کتاب۔۔تو۔۔

سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا

عنقریب چند لوگ کہیں گے کہ تین، اور چوتھا اُن کا کتا۔ اور کوئی کہیں گے پانچ، چھٹا اُن کا کتا، بے دیکھے تیر تکا۔ اور کچھ کہیں گے

بِالْغَيْبِ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ

سات، اور آٹھواں اُن کا کتا۔ کہہ دو کہ "میرا پروردگار خوب جانتا ہے، اُن کے شمار کو، اور انہیں نہیں جانتے مگر تھوڑے لوگ"۔۔تو تم

إِلَّا قَلِيلٌ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾

نہ بحث کیا کرو اُن کے بارے میں، مگر جو ظاہر کردی گئی بحث۔ اور نہ پوچھا کرو اُن کے بارے میں ان یہودیوں میں سے کسی سے ●

ع ۱۵

(عنقریب) ان میں سے (چند لوگ کہیں گے، کہ) اصحابِ کہف (تین) آدمی تھے (اور چوتھا اُن کا کتا) تھا۔

جیسا کہ یہود۔۔یا۔۔نصاریٰ میں سے یعقوبیہ نے کہا،

(اور کوئی کہیں گے) کہ وہ (پانچ) تھے اور (چھٹا ان کا کتا) تھا۔

یہ نصاریٰ میں سے نسطوریہ کا قول ہے۔

یہ سب اُن کا (بے دیکھے تیر تکا) تھا۔ یہ سب محض اٹکل کی باتیں ہیں جو کہنے والوں نے خود گڑھ کے کہیں، جن کا حقیقتِ حال سے کوئی واسطہ نہیں۔(اور) ان سب کے برخلاف (کچھ) لوگ

(کہیں گے) وہ (سات) تھے (اور آٹھواں اُن کا کتا)۔ یہ بات اہل اسلام کہیں گے جن کے نبی ﷺ نے انہیں اُس کی خبر دی ہے۔ مسلمان اس بات کو پورے یقین کے ساتھ بیان کریں گے اس لیے کہ انہیں وحی نبوی پر پورا اعتماد اور مکمل یقین ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کو **رَجْمًا بِالْغَیْبِ** کے زمرہ میں شامل نہیں فرمایا اور اسے یہود و نصاریٰ کے قول سے علیحدہ بیان فرمایا۔ الحتصر۔۔وحی ربانی اہل کتاب کی بناوٹی باتوں سے ہر طرح مقدم ہے۔

اَے محبوب! آپ ان کی تردید کردو اور حق ان پر واضح کردو اور ان اہل کتاب سے واضح لفظوں میں (کہہ دو، کہ میرا پروردگار خوب جانتا ہے ان کے شمار کو) یعنی ان کی تعداد کو۔ (اور انہیں نہیں جانتے مگر تھوڑے لوگ)، اور وہ بھی جنہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق نصیب ہو، جیسا کہ شواہد بتاتے ہیں، رسولِ مقبول تو انہیں جانتے ہی ہیں اور آپ کے بتانے سے آپ کے صحابہ بھی ان کا علم رکھتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت ابن عباس نے کہا کہ میں بھی ان تھوڑے آدمیوں میں سے ہوں۔

حضرت علی نے فرمایا اصحاب کہف سات آدمی تھے اور ان کے یہ نام ہیں: ﴿۱﴾ یملیخا، ﴿۲﴾۔مکشلینا، ﴿۳﴾۔مثلینا، یہ تینوں بادشاہ کی داہنی طرف رہتے تھے۔ اور بادشاہ کی بائیں طرف رہنے والے: ﴿۴﴾۔مرنوش، ﴿۵﴾۔دبرنوش اور ﴿۶﴾۔شاذنوس تھے۔ ان چھ[۶] افراد سے بادشاہ اپنے معاملات میں مشورہ کیا کرتا تھا۔ ساتواں مرطونس جو چرواہا تھا اور ان کے کتے کا نام قطمیر ہے۔ بعض تحریروں میں نام یہ ظاہر کیا گیا ہے مکسلمینا، یملیخا، مرطونس، بینونس، ساربنیونس، ذونوانس، کشفیط طنونس۔ ناموں کے اظہار میں اور بھی اختلاف مل سکتا ہے، مگر تعداد سات ہی رہے گی۔

اَے محبوب! اصحابِ کہف کے تعلق سے جب یہود و نصاریٰ کی جہالت ظاہر ہوگئی، (تو) وہ اگر تم سے بحث کرنا بھی چاہیں، جب بھی (تم نہ بحث کرو ان کے بارے میں مگر جو ظاہر کردی گئی بحث) ،یعنی صرف اتنا بیان کیجیے جتنا قرآن مجید میں ہے، اس سے بڑھ کر بلا تصریح اپنی طرف سے گڑھ کر کوئی بات نہ بتایئے، اس لیے کہ من گھڑت باتیں بتانا مکارمِ اخلاق کے خلاف ہے۔۔الحتصر۔۔جو کچھ قرآن میں ہے وہی پڑھ دو، اور اُن کی جہالت رَد کرنے میں مشغول نہ ہو۔

(اور نہ پوچھا کرو اُن کے بارے میں اِن یہودیوں میں سے کسی سے) اس لیے کہ اگر چہ وہ

اہل کتاب ہیں، مگر وہ اپنی کتاب کے حقائق کو چھپاتے ہیں بلکہ بسا اوقات اُس کو بدل دیتے ہیں اور اپنی کتاب میں تحریف کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔

روایت ہے کہ تینوں سوال جو مذکور ہوئے جب آنحضرت ﷺ سے دریافت کیے گئے، تو آپ نے فرمایا، کہ اچھا کل آنا تو تم کو ہم جواب دیں گے۔ اور اتفاقاً اُس وقت انشاء اللہ آپ نے نہیں فرمایا۔ پندرہ[۱۵] دن یا کچھ کم یا زیادہ وحی نہ آئی اور قریش نے طعن کرنا شروع کی۔ آنحضرت ﷺ کو ان کی باتوں سے رنج ہوا، تو اِس ارشادِ ربانی کا نزول ہوا۔۔۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذْكُرْ

اور نہ کہا کرو کسی اپنے چاہے کو، "کہ میں کل یہ کردوں گا● مگر، یہ کہ اللہ بھی چاہے"۔ اور یاد کرو اپنے

رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

پروردگار کو، جب بھول گئے ہو، اور کہو کہ قریب ہے کہ راہ دے گا مجھے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ، جو نزدیک ہے ہدایت کے●

(اور نہ کہا کرو کسی اپنے چاہے کو کہ میں کل یہ کردوں گا● مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (بھی چاہے) یعنی یوں کہا کرو کہ "اگر خدا چاہے"۔

معلوم ہوا کہ اختیار اور مشیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر مبنی ہیں۔ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ کی مذکورہ بالا بھول میں یہ مصلحتِ خداوندی اور حکمتِ ربانی ہو، تاکہ منکرین و معاندین پر بھی واضح ہو جائے کہ نبی کریم اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے، بلکہ جو وحی الٰہی سے انہیں معلوم ہوتا ہے وہ وہی ارشاد فرماتے ہیں۔

تو اگر فوراً ہی وحی کا نزول ہو جاتا اور آپ جواب عطا فرما دیتے، تو کفار شبہ کر سکتے تھے کہ آپ ﷺ نے اپنے دل سے گڑھ کے جواب دے دیا ہے۔ ان کافروں سے یہ سوچنا کچھ بعید نہیں تھا۔ اس لیے کہ وہ سب طعن و تشنیع کے مواقع کی تلاش میں رہتے ہی تھے، اور بلا وجہ بھی طعن کرنے کی عادت بنالی تھی۔۔ الختصر۔۔ نبی کریم کے توسط سے سارے ایمان والوں کو بھی امر تادیبی فرما دیا گیا۔۔۔

(اور) ہدایت فرما دی گئی، کہ (یاد کرو اپنے پروردگار) کی مشیت (کو جب بھول گئے ہو) استثناء کو۔۔۔ اور انشاء اللہ کہہ لیا کرو۔۔ یا یہ کہ۔۔ یاد کیا کرو اپنے رب کو جب اپنے تئیں بھولا کرو، اس واسطے کہ ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ ذکر کرنے والا اس میں فنا ہو جائے جس کا ذکر کرتا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔اپنے رب کو یاد کرو، (اور کہو کہ قریب ہے کہ راہ دے گا مجھے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ) یعنی شانِ اصحابِ کہف سے بھی زیادہ (جو نزدیک ہے ہدایت کے)۔یعنی فرمائیے کہ قریب ہے کہ میرا رب تعالیٰ مجھے توفیق بخشے اس چیز کے لیے جو اس اصحابِ کہف کی خبر سے ہدایت کے لحاظ سے زیادہ قریب ہو۔یعنی ایسے دلائل اور آیات مجھے نصیب ہوں جو میری نبوت پر اس سے بھی زیادہ واضح دلالت کریں۔

۔۔چنانچہ۔۔ہوا بھی ایسا ہی کہ اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف کا قصہ، انبیاء علیہم السلام کا حال، اگلی امتوں کی کیفیت، اور آئندہ ہونے والی باتیں وغیرہ وغیرہ، بڑے بڑے حقائق سے اپنے نبی کو باخبر کر دیا۔۔۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾

اور وہ لوگ رہے اپنے پہاڑ کی کھوہ میں تین سو برس، اور مزید نو سال ●

(اور) انہی خبروں میں سے یہ بھی ہے، کہ (وہ لوگ) یعنی اصحابِ کہف (رہے اپنے پہاڑ کی کھوہ میں تین سو۳۰۰ برس) شمسی سال کے حساب سے، (اور مزید نو۹ سال) قمری سال کے حساب سے، لگ بھگ۔

اور تحقیق یہ ہے کہ تین سو۳۰۰ برس شمسی، قمری حساب سے تین سو۳۰۹ نو برس دو۲ مہینے انیس۱۹ روز ہوتے ہیں۔مذکورہ ارشاد سن کر نصاریٰ بولے، کہ ہم صرف تین سو۳۰۰ برس جانتے ہیں، نو۹ برس ہمیں نہیں معلوم۔تو حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ۔۔۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ

کہہ دو کہ "اللہ خوب جانتا ہے کہ کتنا رہے"۔اُسی کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا۔کیا ہی دیکھتا اور کیسا سنتا ہے۔

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ؗ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

نہیں ہے اُن کا اُسے چھوڑ کر کوئی والی، اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو ●

اَے محبوب! ان سے (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے کہ کتنا رہے) یعنی وہ لوگ جس مدت تک وہاں رہے اللہ تعالیٰ اُس سے بخوبی واقف ہے۔اور ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (اسی کے لیے ہے غیب آسمانوں اور زمین کا) یعنی زمین اور اہلِ زمین۔۔یوں ہی۔۔آسمان اور اہلِ آسمان کے مخفی

امور کو وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ (کیا ہی دیکھتا ہے) ہر موجود کو (اور کیا ہی سنتا ہے) ہر مسموع کو۔ (نہیں ہے ان کا) یعنی آسمان وزمین والوں کا (اُسے چھوڑ کر) یعنی اس سے بے نیاز ہو کر، (کوئی والی) جوان کے امور کا متکفل اور متولی ہو۔ (اور نہیں شریک کرتا اپنے حکم میں کسی کو) موجودات علوی اور سفلی میں سے۔

وَاتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ کِتَابِ رَبِّکَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِهٖ ۚ

اور تلاوت کرتے رہو جو وحی کی گئی تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی کتاب۔ کوئی نہیں بدلنے والا اُس کے کسی کلمے کا۔

وَلَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِهٖ مُلۡتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اور نہ پاؤ گے تم اس کو چھوڑ کر کوئی پناہ گاہ●

(اور) اَے محبوب! (تلاوت کرتے رہو جو وحی کی گئی تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی کتاب) یعنی قرآنِ کریم۔ (کوئی نہیں بدلنے والا اس کے کسی کلمے کا) اور اُس کی ان باتوں کو جو اصحابِ کہف کی شان میں اُس نے بھیجیں۔ (اور نہ پاؤ گے تم اس کو چھوڑ کر کوئی پناہ گاہ) جس کے یہاں مصائب وتکالیف کے نزول کے وقت پناہ لی جائے۔ اَے محبوب! یہ جو رؤساءِ قریش آپ کی صحبت میں آکر بیٹھنے کی یہ شرط لگاتے ہیں، کہ جب یہ آپ کے پاس آئیں تو آپ اپنی صحبت میں حاضر رہنے والے حضرات یعنی صہیب، بلال، عمار، خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنی مجلس سے باہر کر دیا کریں۔ ان گلیم پوش غرباءِ امت کے ساتھ بیٹھنے میں وہ اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں، تو اَے محبوب ان مغرورین کی باتوں کا خیال نہ کرو۔۔۔

وَاصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَالۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ

اور اپنے کو پابند رکھو اُن کی صحبت کا، جو پکارا کریں اپنے پروردگار کو صبح وشام، طالب ہیں اس کی

وَجۡهَهٗ وَلَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡهُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَلَا تُطِعۡ

ذات کے، اور نہ ہٹیں تمہاری آنکھیں اُن سے، کہ خواہش مند قرار پاؤ دنیاوی زندگی کی آرائش کا۔ اور نہ مانو کہا اس کا،

مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَکَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا ﴿۲۸﴾

کہ غفلت میں پڑا رہنے دیا ہم نے اس کے دل کو اپنی یاد سے، اور وہ غلام ہو گیا اپنی خواہش کا، اور اس کا کام حد سے باہر ہوتا رہا●

(اور اپنے کو پابند رکھو اُن کی صحبت کا جو پکارا کریں اپنے پروردگار کو صبح و شام)، یعنی رات و دن اپنے رب کی عبادت و اطاعت میں مشغول رہیں، اور (طالب ہیں اس کی ذات کے)، یعنی اسی کی رضامندی چاہتے ہیں۔۔یا۔۔اُسی کو ڈھونڈتے ہیں اور اُس کے سوا کسی کے طالب نہیں۔

ایک قول کی بنیاد پر یہ آیت مدنی ہے۔اس کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ جن کی تالیف قلوب کی گئی تھی ان میں سے ایک گروہ جیسے عینیہ ابن حصین اور اقرع ابن حابس اور ان کے مثل لوگوں نے عرض کی، کہ یارسول اللہ ہم عرب کے اشراف ہیں، سلمان اور ابوذر اور مسلمان فقیروں کے پاس نہ بیٹھ سکیں گے۔اگر آپ انہیں دور کردیں، تو البتہ ہم لوگ آپ کے پاس احکام شرع سیکھا کریں، تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

اَے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صبر کرو ان فقیروں کی صحبت پر جو خدا کی رضامندی کے واسطے شب و روز ہر وقت خدا کی رضا کے لیے اُس کی عبادت میں سیر کرتے ہیں، تو آپ ان کو اپنی صحبت سے محروم نہ کریں (اور نہ ہٹیں تمہاری آنکھیں ان سے)، یعنی ان سے نظر نہ پھیر لو اور ان کے اغیار کی طرف التفات نہ کرو، (کہ خواہش مند قرار پاؤ دنیاوی زندگی کی آرائش کا)۔

ذہن نشین رہے، کہ رسولِ کریم کو دنیا اور اس کی زینت کی طرف ہرگز میل نہیں تھا، تو اس آیت کا یہ معنی ہے، کہ۔۔۔

ان لوگوں کے ایسے کام نہ کرو جو آرائش دنیا کی طرف مائل ہیں، اس واسطے جو شخص دنیا کی طرف مائل ہوتا ہے وہ فقیروں سے کراہت اور امیروں سے رغبت رکھتا ہے، تو اَے محبوب! آپ ایسا نہ کرو (اور نہ مانو کہا اس کا کہ غفلت میں پڑا رہنے دیا ہم نے اس کے دل کو اپنی یاد سے، اور وہ غلام ہوگیا اپنی خواہش کا، اور اس کا کام حد سے باہر ہوتا رہا)۔

اور وہ شخص امیہ بن خلف تھا اور اس کے متبع لوگ۔۔یا۔۔عینیہ اور اس کا گروہ جو حضور سے کہتے تھے، کہ فقیر مسلمانوں کو اپنی صحبت اور مجلس سے نکال دو۔حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ۔۔۔

ہم نے اس کے دل کو غفلت میں رہنے دیا ہے اور اس نے اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کی ہے اور اس کا کام خراب اور ضائع ہوگیا۔۔یا۔۔اس کا کام حسرت، ندامت اور ہلاکت کا سبب ہے۔۔تو۔۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاۤءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۤءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا

اور بتادو، کہ یہ ٹھیک بات تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے، تو جس کی خوشی ہے، وہ تو مانے اور جو خوش نہیں، تو وہ انکار کردے۔

لِلظّٰلِمِیۡنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِہِمۡ سُرَادِقُہَا ؕ وَ اِنۡ یَّسۡتَغِیۡثُوۡا یُغَاثُوۡا بِمَآءٍ کَالۡمُہۡلِ

بے شک ہم نے مہیا فرمالیا ہے اندھیر والوں کے لیے آگ، کہ گھیر لیا انہیں جس کی چہار دیواری نے۔ اور اگر پانی مانگیں

یَشۡوِی الۡوُجُوۡہَ ؕ بِئۡسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۲۹﴾

تو پانی دیا جائے گا جیسے پگھلتی کھولتی دھات، جو بھون ڈالے اُن کے منہ کو۔ کیسا بُرا پانی ہے۔ اور کتنی بُری جگہ ہے●

اَے محبوب! کہہ دو (اور بتادو کہ) جو چیز میں تمہارے پاس لایا ہوں یعنی قرآن، (یہ ٹھیک ٹھیک بات تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے) جس کا ہر پیغام سچا اور ہر بات صحیح ہے، (تو جس کی خوشی ہے) اور (وہ) ماننا چاہے (تو مانے، اور جو خوش نہیں) اور ایمان لانا نہ چاہے، (تو وہ انکار کردے)۔

یہ حکم وعید اور تہدید کا ہے، نہ کہ اباحت کا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ حکم خبر دینے کے معنی میں ہو، یعنی جسے خدا چاہتا ہے ایمان لائے وہ ایمان لاتا ہے اور جسے خدا چاہتا ہے کہ وہ کافر ہوجائے، وہ بے شک کافر ہوجاتا ہے۔ ارشادِ قرآنی ہے، کہ:

"نہیں چاہتے ہو تم، مگر یہ کہ چاہتا ہے اللہ"۔

اس مقام پر ایک اہم اشکال کا جواب دیتے ہوئے عصرِ حاضر کی ایک عبقری شخصیت نے بڑی اچھی بات کہی، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں یہ علم تھا، کہ انسان اپنے قصد اور اختیار سے ایمان کا ارادہ کرے گا۔۔یا۔۔کفر کا۔ یعنی اگر وہ۔۔بالفرض۔۔اپنے قصد اور اختیار میں مستقل ہو، تو وہ کیا قصد کرے گا؟ اور کیا اختیار کرے گا؟ اور جو کچھ قصد کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا وہی قصد پیدا کردیا، اور جو کچھ اُسے اختیار کرنا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کا وہی اختیار پیدا کردیا۔

اس لیے انسان کے قصد و اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ یعنی کسب اور اس قصد اور کسب کے موافق افعال اور اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ اسی لیے کسی مرتبہ میں بھی انسان کا خالق ہونا لازم نہیں آتا، اور نہ ہی یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب انسان کا قصد اور اختیار کو بھی اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا کیا ہے، تو پھر انسان جزا اور سزا کا مستحق کیوں ہوتا ہے؟ نیک کاموں پر دنیا میں اس کی تحسین اور آخرت میں ثواب کیوں ہوتا ہے؟ جب کہ ان کاموں کا قصد اور اختیار بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور ان کاموں کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا؟

سو اس کا جواب یہ ہے، کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا کہ اگر۔۔بالفرض۔۔انسان کو قصد اور اختیار دیا جائے اور وہ قصد اور اس کے موافق عمل کرنے میں مستقل ہو اور وہ ان کا خالق ہو، تو اس کا کیا قصد ہوگا اور وہ کیا عمل کرے گا۔ اُسی کے موافق اللہ تعالیٰ نے اس میں اعمال

پیدا کر دیے۔ اس لیے اب یہ نہیں کہا جا سکتا، کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کا قصد اور اختیار بھی خود پیدا کیا ہے، تو پھر اس کی جزاء اور سزا کی کیا وجہ ہے؟۔۔الحتصر۔۔کفار اپنا انجام سن لیں، کہ۔۔۔

(بے شک ہم نے مہیا فرما لیا ہے اندھیر والوں) یعنی کافروں (کے لیے آگ)۔ایسی آگ (کہ گھیر لیا انہیں جس کی چہار دیواری نے) اور کفار جس چہار دیواری میں رہیں گے، کہ اس کی بو چالیس برس کی راہ سے محسوس ہوتی ہے، اس میں اگر وہ فریاد کریں گے اور چلائیں گے (اور) پیاس کی شدت کی وجہ سے (اگر پانی مانگیں) گے، (تو) انہیں ایسا (پانی دیا جائے گا جیسے پگھلتی کھولتی دھات)۔ اِس پانی کو ان کے منھ کے پاس لے جائیں گے (جو بھون ڈالے) گی (ان کے منہ کو)۔۔الغرض۔۔(کیسا برا پانی ہے) یعنی پینے کے لیے پیش کیے جانے والا مشروب ہے، (اور کتنی بری) رہنے کی (جگہ ہے)۔ ان کے برخلاف۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ مَنۡ اَحۡسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾

بے شک جنہوں نے مانا، اور لیاقت کے کام کیے، تو بلاشبہ ہم ضائع نہیں کرتے اس کے ثواب کو جس نے اچھا کام کیا●

(بے شک جنہوں نے مانا) خدا کو، اس کے رسول کو اور اس کی کتاب کو (اور لیاقت کے کام کیے) یعنی نیک کام کیے، (تو بلاشبہ ہم ضائع نہیں کرتے اس کے ثواب کو جس نے اچھا کام کیا)۔۔الغرض۔۔صالحین اور نیکوکاروں کو آخرت میں ان کے اعمالِ صالحہ کا اجر مل کے رہے گا۔ اور یہ صالحین۔۔۔

اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ

وہ ہیں جن کے لیے ہیں سدابہار باغ، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، پہنائے جائیں گے اس میں کڑے

ذَہَبٍ وَّ یَلۡبَسُوۡنَ ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا

سونے کے، اور پہنیں گے کپڑے سبز رنگ کے، ریشمی کریب اور پوت کے، تکیہ لگائے ہوئے وہاں

عَلَی الۡاَرَآئِکِ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ وَ حَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع ۱۶

اپنے اپنے تخت پر، کیا خوب ثواب ہے۔ اور کتنی اچھی آرام گاہ ہے●

(وہ ہیں جن کے لیے ہیں سدابہار باغ، بہتی ہیں جن کے) مکانوں کے (نیچے نہریں) اور (پہنائے جائیں گے اس میں) یعنی ان باغون میں (کڑے سونے کے)۔

روایت ہے کہ ہر جنتی کے واسطے تین[۳] تین[۳] کنگن ہوں گے، ایک سونے کا، ایک چاندی کا

اور ایک موتی اور یاقوت کا۔

(اور پہنیں گے کپڑے سبز رنگ کے ریشمی کریب اور پوت کے) اپنے اپنے شوق کے موافق۔ اور ہوں گے وہ **(تکیہ لگائے ہوئے وہاں اپنے اپنے تخت پر)** جیسے امیروں کی عادت ہے۔ یہ سب ان صالحین کے لیے، **(کیا خوب ثواب ہے اور کتنی اچھی آرام گاہ ہے)** یعنی جنت، کتنا اچھا اجر ہے اور کیسی خوب رہنے کی جگہ ہے۔

سابقہ آیات میں کافروں اور ان پر عذاب۔۔ نیز۔۔ مومنوں اور ان پر انعامات کا ذکر فرما کر، اب آگے مومن و کافر کی فکری سوچ اور ان کے زاویہ نگاہ کی وضاحت کے لیے، اور یہ بتانے کے لیے کہ مال دار کافر اور مال دار مومن دونوں کی دنیا میں گزران اور ان کے طور وطریقے میں کیا فرق ہوتا ہے۔ کیونکہ کفار اپنے مال ومتاع اور اپنے دنیاوی مددگاروں کی وجہ سے فقراء مسلمین کے سامنے فخر اور تکبر کرتے ہیں، اور مسلمان کو جو مال ومتاع ملے، وہ اس کو محض اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لیے ایک مثال پیش کی جارہی ہے۔۔۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ

اور انہیں مثال سناؤ دو شخصوں کی، کہ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ دیے انگوروں کے،

وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾

اور خوب گھنی احاطہ بندی کی ہم نے اُن کی کھجور کے درختوں سے، اور دونوں باغ کے درمیان بنادی ہم نے کھیتی●

(اور) ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ **(انہیں مثال سنا دو دو شخصوں کی)**۔

جو بنی اسرائیلی تھے اور آپس میں بھائی بھائی تھے، جن میں ایک مومن تھا جس کا نام یہودا۔۔ یا۔۔ یملیخا تھا، اور دوسرا کافر تھا جس کا نام قرطوس۔۔ یا۔۔ قطروس تھا۔ کافر باپ کے ترکہ میں سے آٹھ[8] ہزار دینار انہیں پہنچے۔ ہر ایک نے چار[4] چار ہزار دینار پر قبضہ کیا۔ کافر نے ان دیناروں سے زمین تالاب اور گھر کی گرہستی پیدا کی اور مسلمان نے چاروں ہزار دینار نیک کاموں میں خرچ کر ڈالے۔ حق تعالیٰ ان کے مال اور حال سے خبر دیتا ہے، کہ مذکورہ بالا یہ دو[2] شخص۔۔۔

(کہ جن میں سے ایک کو ہم نے دو باغ دیے انگوروں کے اور خوب گھنی احاطہ بندی کردی ان کی کھجوروں کے درختوں سے، اور دونوں باغ کے درمیان بنادی ہم نے کھیتی) تاکہ وہاں اناج اور میوے اکٹھا ہو جائیں۔۔۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾

دونوں باغ لائے خوب اپنے پھل اور کچھ کمی نہ کی، اور نکال دی ہم نے اُن کے درمیان نہر●

(دونوں باغ لائے خوب اپنے پھل اور کچھ کمی نہ کی)۔عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ایک سال میوہ زیادہ پیدا ہوتا ہے اور ایک سال کم۔مگران باغوں کا میوہ کبھی کم نہ ہوتا۔(اور نکال دی ہم نے ان کے درمیان نہر)، تاکہ اس کا پانی ہمیشہ پیا جائے اور حسبِ ضرورت درختوں اور کھیتوں کو بھی سیراب رکھا جائے۔

وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾

اور تھا وہ شخص پھلا پھولا، تو وہ بولا اپنے ساتھی سے بات چیت کرتے کرتے، کہ میں تجھ سے مال میں زیادہ اور جتھا میں بڑا زوردار ہوں●

(اور تھا وہ) کافر (شخص پھلا پھولا) یعنی انگور و کھجور کے سوا بھی دوسرے میوے اس کے باغ میں تھے۔

لیکن انگور اور کھجور کے درخت چونکہ زیادہ تھے تو خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کر دیا گیا ۔۔الغرض۔۔وہ کافر مالدار تھا، اس کے بہ نسبت اس کا بھائی جو مومن تھا وہ خستہ حال تھا۔۔ المختصر۔۔یہودا نے محتاج ہو کر اپنے بھائی کی طرف رجوع کی اور معیشت میں اس سے توقع رکھی، تو قطروس بولا، کہ میرا تیرا روپیہ تو برابر تھا، میں نے یہ باغ اور گرہستی پیدا کی، میرے غلام بھی ہیں اور نوکر چاکر بھی، تو کیوں مفلس اور پریشان حال ہو گیا۔ یہودا نے جواب دیا، کہ بھائی تو نے اس مال سے دنیا کے باغ مول لیے اور میں نے جنت کے باغ، تو نے دنیا میں گھر بنایا میں نے جنت میں، تو نے اپنی شادی کی میں نے حور عین کا مہر ادا کیا، تو نے لونڈی غلام نوکر چاکر جمع کیے میں نے غلمان کی طلبگاری کی۔ قطروس نے اسے ملامت کرنا شروع کی اور یہ بات کہی، تو نے زرِ نقد وعدہ کے بھروسے پر ہاتھ سے کھویا اور اپنے کو ذلیل اور محتاج کر دیا۔

(تو وہ) یعنی قطروس (بولا اپنے ساتھی سے) جو اس کا بھائی بھی تھا اور ایک ہی بستی میں رہنے والا ساتھی بھی (بات چیت کرتے کرتے)، یعنی آپس میں سوال و جواب کرتے کرتے کافر بولا، (کہ میں تجھ سے مال میں زیادہ اور جتھا میں بڑا زوردار ہوں) یعنی اولاد اور خادموں کی وجہ سے عزت دار ہوں۔ پھر اس نے یہودا کا ہاتھ پکڑا۔۔۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿۳۵﴾

اور اندر گیا اپنے باغ کے، اپنے لیے اندھیر کرتا ہوا۔ بولا کہ "مجھے اِس کا گمان بھی نہیں کہ یہ بہار کبھی برباد ہو●

(اور اندر گیا اپنے باغ کے) اپنی جان پر فخر اور خود بینی کے سبب سے (اپنے لیے اندھیر کرتا ہوا)۔ پھر محبتِ دنیا کے سبب سے (بولا، کہ مجھے اِس کا گمان بھی نہیں کہ یہ بہار کبھی برباد ہو) اور یہ دنیا کبھی گزر جائے گی۔۔۔

وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ

اور مجھے اِس کا گمان بھی نہیں کہ قیامت قائم ہوگی، اور بے شک اگر میں لوٹا ہی دیا گیا اپنے پروردگار کی طرف،

لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

تو ضرور پاؤں گا میں اس سے بہت بہتر ٹھکانہ"●

(اور) یوں ہی (مجھے اِس کا گمان بھی نہیں کہ قیامت قائم ہوگی اور بے شک اگر میں) تیرے زعم کے مطابق (لوٹا ہی دیا گیا اپنے پروردگار کی طرف) جیسا کہ تو کہتا ہے، تو اگر تیرے بقول مرنے کے بعد مجھے اٹھا ہی دیا گیا (تو ضرور پاؤں گا میں اِس سے بہت بہتر ٹھکانہ) یعنی میں اس کا مستحق ہوں کہ کل قیامت کے دن مجھے جنت ملے، جس طرح آج یہ باغ ملے ہیں۔۔۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ

جواب دیا اُس کو اُس کے ساتھی نے باتیں کرتے کرتے کہ "کیا ناشکرے ہو گئے اُس کے، جس نے تجھے پیدا فرمایا مٹی سے،

ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾

پھر نطفہ سے، پھر کر دیا تجھے سڈول مرد"●

(جواب دیا اس کو) یعنی قرطوس کو (اس کے ساتھی) یہودا (نے) (باتیں کرتے کرتے)، یعنی اس سے بحث و مباحثہ جاری رکھتے ہوئے (کہ کیا ناشکرے ہو گئے اس کے) بعث و نشر کے انکار اور اس میں تردد کرنے کے سبب سے؟ غور تو کرو، کہ کس کے ناشکرے ہوئے؟ (جس نے تجھے پیدا فرمایا) تیرے باپ آدم علیہ السلام کے ضمن میں (مٹی سے)۔

اگرچہ ایسی ابتدائی تخلیق آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن ان کی اولاد چونکہ ان کی

جنس ہے، اسی لیے ان کے طریقۂ پیدائش کا ذکر گویا تمام اولاد کی تخلیق کا ذکر ہے، اور وہ تمام انسانی مخلوق کا ایک نمونہ ہیں، اِسی لیے ہر انسان کی تخلیق کو اسی طرح سے تعبیر کی جاتا ہے۔
یہاں مقصودِ کلام یہ ہے کہ ایسی ذات سے کفر کرنا تیرے لیے ہرگز لائق نہیں، اس لیے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے مٹی جیسی معمولی شے سے تجھ جیسا عالی شان انسان بنایا۔۔۔
(پھر نطفہ سے)، یعنی منی کے اس قطرے سے جو ماں کے شکم میں قرار پاتا ہے۔
اس میں دوسری تعریض ہے کہ انسان ایسے کریم سے کفر کیوں کرتا ہے جب کہ اُسے ایک گندے اور پلید پانی سے پیدا فرمانے کے باوجود اُسے ذی عظمت انسان بنایا۔۔۔
(پھر کر دیا تجھے سڈول مرد) یعنی معتدل الخلق اور مستقیم القامۃ، یعنی ایسی معمولی چیزوں کی ترکیب کے بعد بہترین اور صحیح سالم جوان بنایا ہاتھ پاؤں درست کر کے۔۔۔

لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّیْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ

لیکن ہم، تو ہمارا پروردگار وہی اللہ ہے، اور ہم نہیں شریک مانتے اپنے پروردگار کا کسی کو● "اور جب تو باغ کے اندر گیا،

مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾

تو کیوں نہ کہا کہ جو اللہ نے چاہا ہوا، کوئی کسی کا زور نہیں، سوا اللہ کے۔ اگر تیرے دیکھنے میں تجھ سے کم ہوں مال و اولاد میں●

(لیکن) تمہارے برعکس (ہم، تو) ہماری شان یہ ہے کہ ہم برملا دل کی سچائی کے ساتھ کہتے ہیں، کہ (ہمارا پروردگار وہی اللہ) تعالیٰ (ہے) جو ہمیں خاک اور نطفے سے پیدا کرنے والا ہے (اور ہم نہیں شریک مانتے اپنے پروردگار کا کسی کو۔ اور) ذرا یہ تو بتا کہ (جب تو باغ کے اندر گیا تو کیوں نہ کہا کہ جو اللہ) تعالیٰ (نے چاہا) وہ (ہوا)، یعنی وہ جو تو نے کہا کہ میرے باغ کو ہرگز زوال نہ ہوگا، یہ کہنا صحیح نہ تھا، بلکہ تجھے یہ کہنا چاہیے تھا، کہ اگر خدا چاہے گا تو رہے گا، اگر وہ چاہے گا تو فنا ہو جائے گا۔
(اور) تو نے یہ کیوں نہ کہا، کہ (کسی کا زور نہیں سوا اللہ) تعالیٰ (کے)۔۔۔ الغرض۔۔۔ تجھے چاہیے تھا کہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرتا۔
اور یہ بات تو تجھے معلوم ہے کہ اس باغ کی عمارت اور درستگی جو تجھے میسر ہوئی، جنابِ باری کی مہربانی اور اُسی کی مدد سے ہے۔ رہ گیا میرا مسئلہ، تو آج (اگر) چہ (تیرے دیکھنے میں تجھ سے کم ہوں مال و اولاد میں)۔۔۔

فَعَسٰى رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا

تو قریب ہے کہ میرا پروردگار مجھ کو دے، تیرے باغ سے بہتر، اور بھیج دے اس تیرے باغ پر عذاب

مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾

آسمان سے، تو ہو جائے میدان کائی لگا●

(تو) میں بالکل پرامید ہوں، کہ (قریب ہے کہ میرا پروردگار مجھ کو دے تیرے باغ سے بہتر) دنیا میں۔۔یا۔۔آخرت میں ایمان کی بدولت۔(اور بھیج دے اِس تیرے باغ پر عذاب آسمان سے، تو ہوجائے) تیرا باغ (میدان کائی لگا)، کہ اس پر پاؤں پھسلے اور اس پر پاؤں رکھنے والا ڈگمگا جائے۔۔۔

اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾

یا دھنس کے رہ جائے اِس کا پانی، تو تم ڈھونڈ ھے نہ پاسکو"●

(یا دھنس کے رہ جائے اس کا پانی، تو تم ڈھونڈ ے نہ پاسکو)۔اور جب اس پانی تک رسائی تیری قدرت سے باہر ہے، تو اس کو نہر میں لانا تم سے کیونکر ممکن ہوسکے گا۔

۔۔الختصر۔۔حق تعالیٰ نے اُس مردِ مومن کی بات سچی کردی اور اُس باغ پر خرابی اور تباہی ڈالی۔۔۔

وَ اُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِیْهَا وَ هِیَ خَاوِیَةٌ

اور گھیرے میں ڈال دیا گیا اُس کا پھلنا پھولنا، تو اب اپنی ہتھیلیاں ملتا ہے، جو لاگت لگائی تھی اس میں اور وہ اپنی ٹیٹوں پر

عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ﴿۴۲﴾

گر پڑا ہے، اور کہنا پڑتا ہے کہ "اے کاش میں نے شریک نہ بنایا ہوتا اپنے پروردگار کا کسی کو"●

(اور گھیرے میں ڈال دیا گیا اس کا پھلنا پھولنا)، یعنی اس کافر کے باغ کے میووں پر تباہی آئی۔سب پھل، درخت اور عمارت خراب اور مسمار ہوگئی۔صبح کے وقت قرطوس نے جب یہ خرابی دیکھی، (تو اب اپنی ہتھیلیاں ملتا ہے) یعنی حسرت کی وجہ سے ہاتھ ملتا تھا اور پریشان ہوتا تھا اس چیز پر (جو لاگت لگائی تھی اس میں) اور جو اس نے خرچ کیا تھا اس عمارت میں۔اتنا کچھ خرچ کردینے کے بعد بھی اس کے ہاتھ کچھ نہ لگا، بلکہ جو لگایا وہ بھی ضائع ہوگیا۔

(اور) حال یہ دیکھنے میں آیا، کہ (وہ) انگوری باغ (اپنی ٹیٹوں پر گر پڑا ہے) یعنی پہلے چھتیں گریں پھران پر دیواریں۔۔یا۔۔ٹٹیاں جو باندھی تھیں وہ گریں، پھران پر انگور کے خوشے گر کر تباہ ہو گئے۔ بہرحال جب قرطوس نے وہ عذاب وتباہی دیکھی، تو ہاتھ ملتا تھا اور کہتا تھا (اور) وہی کیا؟ یہ صورت حال جس کافر ومشرک کے ساتھ پیش آجائے اس کو (کہنا پڑتا ہے، کہ اَے کاش میں نے شریک نہ بنایا ہوتا اپنے پروردگار کا کسی کو) تاکہ میرے باغ میرے شرک کے سبب سے خراب تو نہ ہوتے ۔۔الحاصل۔۔قطروس برباد ہو گیا۔۔۔

وَلَمۡ تَكُنۡ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنۡصُرُوۡنَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنۡتَصِرًا ؀۴۳

اور نہ رہ گئی اس کی کوئی پارٹی، جو اللہ کے مقابل مدد کرے۔اور نہ خود بدلہ لینے کے قابل تھا●

هُنَالِكَ الۡوَلَايَةُ لِلّٰهِ الۡحَقِّ ؕ هُوَ خَيۡرٌ ثَوَابًا وَّخَيۡرٌ عُقۡبًا ؀۴۴ ع ۱۷

یہاں کھلا کہ "اختیار اللہ برحق کا ہے۔وہی ثواب دینے میں سب سے بہتر اور انجام بخیر فرمانے والا ہے"●

(اور نہ رہ گئی اس کی کوئی پارٹی جو اللہ) تعالیٰ (کے مقابل) اس کی (مدد کرے) اور اس کے باغ پر سے عذاب دفع کرے، (اور نہ) ہی وہ (خود بدلہ لینے کے قابل تھا○ یہاں کھلا کہ اختیار اللہ) تعالیٰ (برحق کا ہے) نعمت زائل ہونے کے وقت۔۔یا۔۔قیامت کے دن۔۔یا۔۔جزا دینے کے محل پر۔(وہی ثواب دینے میں سب سے بہتر اور انجام بخیر فرمانے والا ہے) اس بندے کے واسطے جوڈرتا ہے۔یعنی اس کی طاعت کا انجام اور عاقبت بہتر ہے، اس کے سوا اور لوگوں کی طاعت کے انجام و عاقبت سے۔

آیاتِ سابقہ میں اُن متکبرین کا ذکر ہو چکا ہے جو فقراء مسلمین کی مجلس میں بیٹھنا اپنے لیے باعثِ توہین اور باعثِ عار سمجھتے تھے۔۔تو۔۔

اَے محبوب! ان متکبرین کے سامنے دنیا کی حقارت، اس کی بے مائیگی اور بے ثباتی کی ایک اور مثال بیان فرماؤ۔۔۔

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِهٖ

اور انہیں بتادو مثال دنیاوی زندگی کی، کہ جیسے پانی، ہم نے جسے برسایا آسمان کی طرف سے، تو گھل مل گئی

نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ

اِس سے زمین کی ہری گھاس، پھر وہ ہوگئی سوکھی، کہ ہوائیں اُس کا تنکا اڑائیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

اور اللہ ہر چاہے پر قابو رکھنے والا ہے●

(اور انہیں بتادو مثال دنیاوی زندگی کی کہ جیسے پانی، ہم نے جسے برسایا آسمان کی طرف سے)۔ پانی ایک کیفیت اور ایک حالت پر برقرار نہیں رہتا۔ اسی طرح دنیا بھی ایک کیفیت اور ایک حالت پر برقرار نہیں رہتی۔ کوئی شخص اس پر قادر نہیں کہ وہ پانی میں داخل ہو اور بھیگنے سے بچ جائے۔ اسی طرح کوئی شخص اس پر قادر نہیں کہ وہ دنیا میں داخل ہو اور اس کے فتنوں اور اس کی آفتوں سے محفوظ رہ سکے۔۔۔

جب پانی کو بقدرِ ضرورت باغات اور کھیتوں میں ڈالا جائے، تو وہ ان کے لیے نفع بخش ہے اور ان کی روئیدگی کو بڑھانے والا ہے، اور جب ان میں ضرورت سے زیادہ پانی کو ڈالا جائے، تو وہ ان کو تباہ و برباد کر دے گا، جیسا کہ دریاؤں کے سیلاب میں اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب دنیا کے مال و متاع کو بہ قدرِ ضرورت لیا جائے گا، تو وہ انسان کے لیے مفید اور نفع بخش ہے اور جب انسان دنیا کو اپنی ضرورت سے زیادہ لے گا، تو وہ اس کے لیے فتنہ اور فساد کا سبب بن جائے گی۔

۔۔الغرض۔۔ ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

جب ہم نے پانی برسایا (تو گھل مل گئی اس سے زمین میں کی ہری گھاس) اور زور پکڑ گئی اور خوب بڑھی اور زمین اس کے سبب سے تر و تازہ ہوگئی، (پھر) صبح ہوتے ہی (وہ ہوگئی سوکھی) اور ایسی ہلکی پھلکی (کہ ہوائیں اس کا تنکا اڑائیں)، یعنی ہوائیں اُسے پراگندہ کر دیتی ہیں اور اس کو زمین سے اُڑا کر اِدھر اُدھر لے جاتی ہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قابو رکھنے والا ہے) خواہ پیدا کرے۔۔ یا۔ فنا کر دے، دونوں ہی پر اُسے قدرت ہے۔

حق تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو اُس گھاس کے ساتھ مشابہت دی جو بارش کے پانی سے ہری ہو جائے اور بڑھنے لگے اور جو اس کے بڑھنے کی حد ہے وہاں تک پہنچ جائے اور وہ وقت آئے، کہ اس سے نفع اٹھائیں صَرف میں لائیں، اور ناگاہ پانی اس سے رک جائے اور وہ گھاس خشک اور بے فائدہ رہ جائے۔ اسی طرح آدمی زندگی اور تازگی کے سبب سے خوب

نکلتا ہے، جیسے ہی اس کی عمر کا حساب پورا ہو جاتا ہے موت آجاتی ہے۔اس کا نخل امید فنا کی گرم ہوا سے خشک ہو جاتا ہے اور اس کی آرزوؤں کی دنیا برباد ہو جاتی ہے۔۔المختصر۔عرب کے رئیس کفار کا اپنے مال و بنون پر فخر کرنا اور حیاتِ دنیا کی زیب و زینت کا سامان جمع کرنا اور نبی کریم ﷺ کو بے مایہ اور بے فرزند سمجھ کر آپ پر طعن کرنا، یہ سب ان کی کج فکری اور عاقبت سے بے فکری کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ حقیقت یہ ہے، کہ۔۔۔

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ

مال اور اولاد، آرائش ہیں دنیاوی زندگی کی، اور ہمیشہ رہنے والی لیاقت کی چیزیں، زیادہ بہتر ہیں

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب میں، اور نہایت خوب ہیں امید رکھنے میں ●

(مال اور اولاد آرائش ہیں دنیاوی زندگی کی) اور جب خود دنیاوی زندگی کو بقاء و دوام حاصل نہیں، تو پھر ان کی آرائشوں کا مقدر بھی فنا ہی ہونا ہے۔ (اور) رہ گئیں (ہمیشہ رہنے والی لیاقت کی چیزیں) یعنی اچھے کام پائدار، جن کا پھل ابدالآباد باقی رہے۔ ظاہر ہے کہ وہ (زیادہ بہتر ہیں) تمہارے حق میں (تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب میں) یعنی ثواب کی رو سے، (اور نہایت خوب ہیں امید رکھنے میں) یعنی بہتر ہیں امید کی راہ سے، یعنی نیک کاموں والا آدمی جو کچھ امید رکھتا ہے حق تعالیٰ سے آخرت میں پاتا ہے۔

آیت کریمہ میں **اَلْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ** سے کیا مراد ہے؟ اس کے تعلق سے چند اقوال ہیں: ﴿۱﴾۔۔نماز پنجگانہ۔ ﴿۲﴾۔۔پانچوں کلمے، یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اللہ اکبر، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔۔یا یہ۔۔تین کلمے لا الہ الا اللہ، استغفر اللہ، صلی اللہ علی محمد و آلہ واصحابہ وسلم۔۔یا۔۔اچھی باتیں جن سے لوگوں کے دل خوش ہوں۔۔یا۔۔نیک نیتیں جن کے سبب سے اعمال قبول ہوں۔۔یا۔۔وہ عمل جن میں طمع اور غرض کا لگاؤ نہ ہو بلکہ وہ عمل خالص اللہ تعالیٰ ہی کے واسطے ہو، تاکہ ان کا نتیجہ ہمیشہ رہ سکے وغیرہ وغیرہ۔

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ دنیا بہت خسیس اور رذیل ہے اور آخرت بہت عمدہ اور اشرف ہے، اور چونکہ آخرت قیامت کے بعد آئے گی اس لیے اب قیامت کے احوال بیان فرما رہا ہے۔۔۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَحَشَرْنٰهُمْ

اور جس دن کہ ہم چلا دیں گے پہاڑوں کو، اور دیکھو گے زمین کو ہر شے سے صاف، اور ہم نے اُن کا حشر کیا،

فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿۴۷﴾

تو کسی کو نہ چھوڑا●

(اور) ارشاد فرما رہا ہے، اَے محبوب! یاد کرو اس روز کو (جس دن کہ ہم چلا دیں گے پہاڑوں کو) یعنی جڑ سے اکھاڑ کر اور ریزہ ریزہ کر کے انہیں ہم ہوا میں اُڑا دیں گے۔

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تذکیر دلانے سے کفار مشکرین کو ڈرانا مقصود ہے، تا کہ وہ قیامت کے ایسے سخت معاملہ سے عبرت پکڑیں۔

(اور) اس وقت تم (دیکھو گے زمین کو ہر شے سے صاف) یعنی زمین کو ایک کھلا میدان دیکھو گے۔۔الغرض۔۔اس پر ایسی چیزیں نہیں ہوں گی جو اُسے چھپا دیں، یعنی اس وقت نہ پہاڑ ہوں گے، نہ درخت، نہ باغ، نہ عمارتیں، (اور) حال یہ ہوگا، کہ (ہم نے ان کا حشر کیا) یعنی موقف پر سب کو جمع کیا (تو کسی کو نہ چھوڑا) اور سبھی کو اکٹھا کیا۔

وَعُرِضُوا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ

اور سب پیش کیے گئے تمہارے پروردگار کے حضور پر الگائے، آخر آ ہی گئے تم ہمارے پاس، جس طرح کہ پیدا فرمایا تھا ہم نے تمہیں

أَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

پہلی بار، بلکہ تم تو بکتے تھے کہ ہم نہ مقرر کریں گے تمہارے لیے وعدہ کا کوئی وقت●

(اور سب پیش کیے گئے تمہارے پروردگار کے حضور پر الگائے) اس کے حکم سے صف بصف اور حق تعالیٰ ان سے فرمائے گا، کہ (آخر آ ہی گئے تم ہمارے پاس) ننگے اور اکیلے، بے حشمت و وقار، بے خدمت گزار، اور بے مال و منال، (جس طرح کہ پیدا فرمایا تھا ہم نے تمہیں پہلی بار)، کہ تم کچھ بھی نہ رکھتے تھے (بلکہ تم تو بکتے تھے کہ ہم نہ مقرر کریں گے تمہارے لیے وعدہ کا کوئی وقت)، ایسا وقت جو ٹھہرایا تھا وعدے کے واسطے۔۔یا۔۔ایسا مکان جس کا وعدہ تھا حساب لینے کو۔

یہ خطاب بعث ونشر کے منکروں کے واسطے خاص ہے۔۔۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا

اور جہاں رکھ دیا گیا نامہ اعمال، تو دیکھو گے مجرم لوگوں کو کہ ڈرتے ہیں اس میں جو لکھا ہے، اور چلاّتے ہیں کہ

مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا

ہائے رے تباہی، آخر کیا ہے اس نامہ اعمال کو، کہ نہ چھوٹا گناہ چھوڑے نہ بڑا، مگر سب گھیر لیا۔ اور پالیا

مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿٤٩﴾ ع ٦ ١٨

جو کچھ کیا تھا سامنے۔ اور ظلم نہیں فرماتا تمہارا پروردگار کسی پر●

(اور جہاں رکھ دیا گیا نامہ اعمال) اہل محشر کے ہاتھوں میں ۔۔یا۔۔ ترازو میں، (تو دیکھو گے مجرم لوگوں کو کہ ڈرتے ہیں اس میں جو لکھا ہے) ان کی معصیت اور ان کے گناہ، جنہیں انہوں نے فراموش کر دیا تھا۔ تو اب جب وہ اپنے اعمال پر مطلع ہوں گے تو ان پر خوف غالب ہوگا (اور) اب اپنے اعمال نامہ کو دیکھ لینے کے بعد (چلاّتے ہیں کہ، ہائے رے تباہی، آخر کیا ہے اس نامہ اعمال کو، کہ نہ چھوٹا گناہ چھوڑے نہ بڑا، مگر سب گھیر لیا) اور سب کو اپنے اندر محفوظ کر لیا (اور پالیا جو کچھ کیا تھا سامنے) ۔۔الغرض۔۔ پائیں گے جو کچھ انہوں نے کیا ہے اپنے سامنے موجود لکھا ہوا، (اور) یقین جانو کہ (ظلم نہیں فرماتا تمہارا پروردگار کسی پر)۔ نہ تو وہ کسی کی نیکی گھٹاتا ہے اور نہ ہی کسی کی برائی بڑھاتا ہے۔

۔۔الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کسی پر معمولی طور پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔۔ مثلاً: کسی نے کوئی برائی بھی نہ کی ہو، لیکن اس کے اعمال نامہ میں برائی لکھے ۔۔یا۔۔ کسی نے کوئی برائی کی ہو، تو جو اس کی مقرر سزا ہے اس سے زیادہ سزا دے۔ اس وقت تو ازلی قلم کے لکھے ہوئے عدل کا اظہار ہوگا۔۔۔ سابقہ آیات کے ذکر سے یہ مقصود تھا کہ ان لوگوں پر رد کیا جائے جو اپنے مال و دولت اور اپنے اعوان و انصار پر فخر کرتے تھے اور فقراء مسلمین کو حقیر جانتے تھے۔

اور اِس اگلی آیت سے بھی بعینہٖ اسی معنی کا ذکر کرنا مقصود ہے، کیونکہ ابلیس نے آدم علیہ السلام پر تکبر کیا تھا، اس نے اپنے مادۂ خلقت پر تکبر کیا تھا، اس نے کہا تھا "کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اِس کو مٹی سے پیدا کیا ہے تو میں اپنی اصل کے اعتبار سے آدم سے افضل ہوں، پس میں کس لیے آدم کا سجدہ کروں اور کیوں تواضع کروں۔ اور اسی طرح کا معاملہ متکبر مشرکوں نے فقراء مسلمین کے ساتھ کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم ان فقراء کے ساتھ کیوں بیٹھیں جب کہ مال و دولت اور جاہ و حشم کے اعتبار سے ان سے افضل ہیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سابقہ آیات کے بعد حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا قصہ بیان فرمایا۔۔۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ

اور جب کہ حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ "سجدہ کرو آدم کا، تو سب نے سجدہ کیا، مگر ابلیس نے"۔

کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ

گروہ جن سے تھا، تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا، تو کیا تم لوگ بناؤ گے اُس کو اور اُس کی اولاد کو میرے مقابل کا دوست؟

مِنْ دُوْنِیْ وَهُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا ۝۵۰

حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں۔ کتنا بُرا ہے اندھیر والوں کا بدل ●

(اور) ارشاد فرمایا **(جب کہ حکم دیا ہم نے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کا)** اور اس طرح ان کی تحیت وتکریم بجالاؤ۔

امم سابقہ میں یہ جائز تھا۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ کی شریعت میں خدا کے سوا کسی کے لیے اس طریقہ تعظیم کو منسوخ کردیا گیا۔

(تو) حکم الٰہی پاکر **(سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے)** جو قوم بنی الجان میں سے **(گروہ جن سے تھا)** اور ذریت والا تھا۔۔ چنانچہ۔۔ وہ فرشتہ نہیں تھا، اس لیے کہ فرشتوں کی ذریت نہیں ہے۔

ابلیس کا فرشتہ نہ ہونا اس بات سے بھی ظاہر ہوتا ہے، کہ اس نے حکم الٰہی کی نافرمانی کی، جو کسی فرشتے سے ممکن نہیں۔

۔۔الختصر۔۔ ابلیس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی، **(تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا)**۔ جب یہ صورت حال ہے، **(تو)** بتاؤ کہ **(کیا تم لوگ بناؤ گے اس کو اور اس کی اولاد کو میرے مقابل کا دوست؟)** یعنی کیا تم ابلیس کی اولاد کی اطاعت وتابعداری کرو گے اور میرے نافرمان ہوجاؤ گے؟ کیا اس طرز عمل سے کسی کو صلاح وفلاح حاصل ہوسکتی ہے؟ **(حالانکہ وہ سب تمہارے دشمن ہیں)** پھر تم ان کو اپنا دوست کیسے قرار دے سکتے ہو۔

کیا ظالموں نے نہیں سوچا، کہ **(کتنا برا ہے اندھیر والوں کا بدل)**۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے بجائے ظالمین نے ابلیس اور اس کی معنوی اولاد کو اپنا کارساز اور مطاع بنا کر بہت بُرا کیا ہے۔ ظالموں نے ابلیس کو میرا شریکِ کار کیسے قرار دے دیا؟ جب کہ حقیقت یہ ہے، کہ۔۔۔

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪

میں نے ان لوگوں کو نہ تو گواہ بنایا تھا آسمانوں اور زمین کی پیدائش، نہ خود اُن کی پیدائش کا۔

وَمَا كُنتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

اور نہ مجھے زیبا، کہ بناؤں گمراہ کرنے والوں کو قوتِ بازو●

(میں نے ان لوگوں کو نہ تو گواہ بنایا تھا آسمانوں اور زمین کی پیدائش، نہ خود ان کی پیدائش کا)۔
اس میں اشارہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے تخلیقی معاملہ میں کسی کو شریک نہیں کیا اور نہ ہی اُسے اُس کی پرواہ ہے۔ اِسی لیے الوہیت اُسی کے لائق ہے۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ میں کسی کو بھی تخلیقی امور میں اپنا حامیٔ کار نہیں بناتا **(اور نہ مجھے زیبا کہ بناؤں گمراہ کرنے والوں کو قوتِ بازو)**۔۔ الغرض۔۔ پیدا کرنے میں کسی بھی یار و مددگار سے بے نیاز ہوں۔
اللہ تعالیٰ کا تخلیقِ آسمان و زمین اور دیگر معاملات میں شیاطین سے اعانت یا مشورہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لیے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق تو شیطان اور اس کی ذریت کی تخلیق سے عرصہء دراز پہلے ہوئی۔ جب تخلیقی امور میں ان کی شرکت کا وہم بھی نہیں ہوسکتا، پھر ربوبیت کے دیگر امور میں ان کی شرکت کا وہم کیسا؟ کافروں کے ایک گروہ کا اعتقاد تھا، کہ علومِ غیبی پر جن مطلع ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کے اعتقاد کی نفی کردی اور فرمایا کہ۔۔۔
آسمان و زمین پیدا کرتے وقت کیا وہ حاضر تھے؟ کہ اس کے غیب کی باتیں جانیں۔ وہ تو اپنی جانیں پیدا ہونے سے بھی بے خبر ہیں۔ پھر اَے کافرو! تم کیوں انہیں میری عبادت میں شریک کرتے ہو؟

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ

اور جس دن فرمائے گا کہ "پکارو اپنے فرضی میرے شریکوں کو"، تو انہوں نے آواز دی، پھر بھی انہیں جواب نہ دیا

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

اور کردیا ہم نے اُن کے درمیان میدانِ ہلاکت●

(اور) اَے محبوب! یاد کرو اس دن کو بھی **(جس دن فرمائے گا)** خدا۔۔یا۔۔فرشتہ خدا کے حکم سے، **(کہ)** اَے مشرکو! **(پکارو اپنے فرضی میرے شریکوں کو)** یعنی تم جنہیں میرا شریک گمان کرتے تھے انہیں آواز دو، تاکہ وہ آکر تمہاری شفاعت کریں اور تمہارے اوپر سے عذاب دفع کردیں۔ **(تو انہوں نے آواز دی)** اور ان سے فریاد کی اور داد چاہی، لیکن **(پھر بھی)** ان کے مزعومہ شریکوں نے **(انہیں جواب نہ دیا)**۔۔ المختصر۔۔ میدانِ حشر میں نہ وہ ان کا جواب دے سکیں گے اور نہ ہی فریاد کو پہنچ

سکیں گے،(اور کردیا ہم نے ان کے درمیان میدانِ ہلاکت)۔

یعنی کردیا ہم نے کافروں اور ان کے معبودوں کے درمیان میں جگہ ہلاکت کی۔۔الغرض۔۔ جہنم کے میدانوں میں سے ایک میدان ہم پیدا کریں گے وہ بڑی ہلاکت کی جگہ ہوگی اور ان سب کافروں پر وہاں ہم عذاب کریں گے۔۔یا یہ کہ۔۔جن مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا فرشتوں کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود بنالیا تھا، جب قیامت کے دن مشرکین اُن کو پکاریں گے، تو وہ ان کی پکار کو نہیں سنیں گے، کیونکہ مشرکین اور ان کے درمیان حجاب حائل کردیا جائے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ ان مشرکین کو جہنم میں داخل فرمادے گا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنت میں داخل کردے گا اور فرشتوں کو دارِ کرامت میں داخل کردے گا اور ان مشرکوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ کے درمیان 'موبق' یعنی جہنم کی ایک وادی کو حائل کردیا جائے گا۔

اس سے یہ بھی مراد ہوسکتی ہے، کہ ان کے درمیان بُعد بعید کردیا جائے گا، کیونکہ مشرکین جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنت کے سب سے بلند درجے میں ہوں گے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا۟ ۵۳ ع

اور دیکھا مجرم لوگوں نے آگ، تو سمجھ گئے کہ وہ بلاشبہ اس میں پڑنے والے ہیں، اور نہ پایا اُس سے پھرنے کی جگہ●

(اور) جب (دیکھا مجرم لوگوں نے) جہنم کی (آگ) کو چالیس برس کی راہ سے، (تو) یقینی طور پر (سمجھ گئے کہ وہ بلاشبہ اس میں پڑنے والے ہیں اور نہ پایا اس) آگ (سے پھرنے کی جگہ) یعنی ایسا مکان کہ وہاں پھر آئیں۔۔یا۔۔ایسی جگہ جہاں بھاگ جائیں اس جہت سے کہ سب طرف سے آگ نے انہیں گھیر لیا ہوگا۔ ذرا ہمارا فضل۔۔۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ

اور ہم نے بے شک طرح طرح سے بیان کیا اِس قرآن میں لوگوں کے لیے، ہر مضمون کو۔

وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۵۴

اور انسان سب سے زیادہ جھگڑالو ہے●

(اور) ہماری کرم فرمائی تو دیکھو، (ہم نے بے شک طرح طرح سے بیان کیا اس قرآن میں

لوگوں) کی ہدایت (کے لیے ہر مضمون کو)۔۔مثلاً: اگلی امتوں کے قصے کہ عبرت کا سبب ہو،اور قدرتِ کاملہ کی دلیلیں، کہ بصیرت زیادہ ہونے کا باعث ہو، (اورانسان) کا یہ حال رہا کہ وہ (سب سے زیادہ جھگڑالو ہے)۔

۔۔چنانچہ۔۔نضر ابن الحارث قرآن شریف میں جھگڑا کیا کرتا تھا،اور ابی بن خلف بعث و نشر کے باب میں جھگڑتا تھا، ایسے ہی دوسرے کٹ حجتی کرنے والے خواہ مخواہ کے اعتراضات کرتے رہتے تھے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا

اورنہیں روک رکھا ہے لوگوں کو مان جانے سے، جب کہ آگئی اُن کے پاس ہدایت، اور یہ کہ مغفرت چاہیں

رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝۵۵

اپنے رب کی، مگر یہ کہ آجائے اُن کے پاس پہلوں کا دستور، یا عذاب اُن کے سامنے آجائے●

(اورنہیں روک رکھا ہے لوگوں کو مان جانے سے) اس بات سے کہ ایمان لائیں اور تصدیق کریں، (جب کہ آگئی ان کے پاس ہدایت) یعنی سب ہدایت، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ۔۔یا۔۔ قرآنِ کریم۔ (اور یہ کہ مغفرت چاہیں اپنے رب کی) یعنی کوئی چیز مانع نہیں ہے اس بات سے، کہ وہ استغفار کریں گناہوں سے اور بخشش چاہیں اپنے رب سے اس کا ایمان لاکر، (مگر یہ کہ آجائے ان کے پاس پہلوں کا دستور) یعنی اللہ کی سنت جو اگلوں کو ہلاک کرنے کے بارے میں جاری تھی (یا عذاب ان کے سامنے آجائے) اور وہ ہلاک ہوجائیں۔

۔۔الحاصل۔۔مشرکین کے پاس جب بھی اسلام کے صحیح اور دین برحق ہونے پر دلائل آتے اور ان کو ایمان لانے سے کوئی مانع،اور رکاوٹ بھی نہ ہوتی پھر بھی ایمان نہ لاتے۔اِسی طرح اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار کرنے میں کوئی عذر نہ ہوتا، پھر بھی یہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں پر توبہ اور استغفار نہیں کرتے تھے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے پیش رو کافروں کی روش پر چلنا چاہتے ہیں۔اس سے پہلے کافروں کا یہ طریقہ تھا کہ جب بھی انہیں ایمان لانے کی دعوت دی جاتی، تو وہ اپنے زمانہ کے نبیوں سے کہتے تھے، کہ آپ ہمیں ایمان نہ لانے کی بنا پر جس عذاب سے ڈراتے ہیں وہ عذاب لاکر دکھائیں۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو، مگر خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔ اور جھگڑتے ہیں جنہوں نے کفر کر رکھا ہے

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۵۶﴾

باطل سے، تاکہ باطل بنادیں اس سے حق کو، اور بنالیا ہے میری آیتوں کو اور جو ڈرائے گئے ہیں، سب کو ٹھٹھا●

(اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر) اہل ایمان کو (خوشخبری سنانے والے) نعمتِ ابدی کی (اور) مشرکوں کو (ڈرانے والے) ہمیشہ کی مصیبت سے۔ (اور جھگڑتے ہیں) وہ لوگ (جنہوں نے کفر کر رکھا ہے) یعنی کافر ہو گئے ہیں (باطل سے) یعنی اپنی بیہودہ فرمائش سے۔ اور یہ ہے کہ معجزات ظاہر ہو چکنے کے بعد بھی معجزات کی فرمائش کیا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ یہ اس لیے کیا کرتے ہیں (تاکہ باطل بنادیں) اور زائل کردیں (اس) جھگڑے کے سبب (سے حق کو) یعنی قرآنِ مجید کو۔۔ یا۔۔ دینِ محمدی کو (اور بنالیا ہے میری) کتاب کی (آیتوں کو)۔۔ یا۔۔ میری قدرت کی دلیلوں کو (اور جو ڈرائے گئے ہیں) یعنی اُس چیز کو جس سے ڈرائے گئے ہیں اور وہ قیامت اور عذاب ہے، (سب کو ٹھٹھا)۔۔ الغرض۔۔ قرآن کو اور ان آیتوں کو جو عذاب کی وعیدیں ہیں ان سب کو ہنسی مذاق بنالیا ہے۔

اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ کفار محض ضد اور عناد سے بحث کرتے ہیں۔ اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے وہ اوصاف بیان کیے جو ذلت اور رسوائی کی موجب ہیں۔ ان صفات میں سے پہلی صفت یہ ہے، کہ اس سے بڑا ظالم۔۔۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ

اور کون اس سے بڑھ کر اندھیر والا ہے، جسے یاد دلائی گئیں اُس کے رب کی آیتیں، تو اُس نے منہ پھیر لیا اُن سے، اور بھول گیا

يَدٰهُ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ

جو پہلے بھیج چکے اس کے ہاتھ۔ بے شک ہم نے ڈال دیا اُن کے دلوں پر غلاف، کہ سمجھ سکیں قرآن، اور اُن کے کانوں میں

وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

بہراپن۔ اور اگر بلاؤ انہیں ہدایت کی طرف، تو بھی ہرگز راہ نہ پائیں گے کبھی●

(اور کون اس سے بڑھ کر اندھیر والا ہے جسے یاد دلائی گئیں اس کے رب کی آیتیں) اور اس کے دلائل پیش کیے گئے، (تو اس نے منہ پھیر لیا ان سے) اور ان سے اعراض کرلیا (اور)۔۔ مزید برآں

۔۔ان آیات اور دلائل سے اعراض کرنے کے ساتھ ساتھ **(بھول گیا)** کفر و شرک جیسے اپنے برے اعمال کو **(جو پہلے بھیج چکے اس کے ہاتھ)**، یعنی جو برے اعمال پہلے ہی انجام دے چکا ہے۔۔الغرض۔۔اپنے گناہوں کو بھولے ہوئے ہے اور اس کا انجام نہیں سوچتے۔ان کی دوسری صفت یہ ہے، کہ **(بے شک ہم نے ڈال دیا ان کے دلوں پر غلاف)** اس بات سے **(کہ سمجھ سکیں قرآن)** یعنی تاکہ وہ قرآن نہ سمجھ سکیں **(اور)** دے دیا ہم نے **(ان کے کانوں میں بہرا پن)** تاکہ اُسے کماحقہٗ نہ سن سکیں۔

ان کے کانوں میں ڈاٹ لگانے اور ان کے دلوں پر پردے ڈالنے سے یہ مراد نہیں، کہ حسی طور پر ان کے کانوں پر ڈاٹ لگادی گئی ہے اور ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے گئے ہیں، بلکہ اُس سے مراد یہ ہے کہ وہ کفر و معصیت کو اچھا اور ایمان اور اطاعت کو بُرا سمجھنے کے خوگر ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کی آیات سے مسلسل اعراض کرنے کی وجہ سے ان کی گمراہی اس قدر پختہ ہو چکی تھی، کہ ان پر کوئی بات اثر نہیں کرتی تھی۔ان کی اِسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے دلوں پر پردہ ڈالنے اور کانوں میں گرانی پیدا کرنے سے تعبیر فرمایا ہے۔

انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ایسی شدید گستاخی کی، کہ اس کی سزا کے طور پر ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے گئے اور ان کے کانوں پر گرانی پیدا کردی گئی، اور ان سے حق سننے اور حق سمجھنے کی صلاحیت چھین لی گئی، تو اُن کا حال اُسی کی طرح ہو گیا جو اپنے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت کھو چکا ہو۔

(اور اگر بلاؤ انہیں ہدایت) یعنی ایمان اور قرآن **(کی طرف تو بھی ہرگز راہ نہ پائیں گے کبھی)** اس وقت جب کہ تم انہیں دعوت کرو، یعنی تمہاری دعوت سے راہ پر نہ آئیں گے ہرگز کبھی۔

اس سے کفارِ مکہ کا وہ گروہ مراد ہے جس کا ایمان نہ لانا حق تعالیٰ کو معلوم تھا۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ

اور تمہارا پروردگار مغفرت فرمانے والا رحمت والا ہے۔اگر اُن کی پکڑ کرتا جو انہوں نے کما رکھا ہے، تو جلدی کرتا

لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾

اُن پر عذاب۔بلکہ اُن کے لیے ایک وعدہ کا وقت ہے، کہ نہ پائیں گے اس کے مقابل میں کوئی ٹھکانہ●

(اور) رہ گئے وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور اپنے گناہوں سے مغفرت چاہی، ان سب کے لیے **(تمہارا پروردگار مغفرت فرمانے والا)** ہے، اور ان کو ایسے عذاب سے بچانے والا ہے جس

کے وہ مستحق ہو گئے تھے۔ گو بندوں کے گناہ ان گنت ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ غیر متناہی عذاب کے ترک پر قادر ہے اور (رحمت والا ہے)۔

اور رحمت چونکہ فعل وایجاد سے متعلق ہے اس لیے اس کا وجود صرف ان اشیاء سے متعلق ہوتا ہے جو متناہی ہوں۔ غفران کی رحمت پر تقدیم اسی لیے کہ تخلیہ تحلیہ سے پہلے ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی بدکاریوں کو دیکھ کر (اگر ان کی پکڑ کرتا) گناہ وسرکش کے ان امور پر، (جو انہوں نے کما رکھا ہے، تو جلدی کرتا ان پر عذاب) اور دنیا میں بلا مہلت انہیں عذاب میں مبتلا کر دیتا، اس لیے کہ ان کے کردار کا تقاضا ہی ایسا ہے۔ لیکن نہ اس کریم نے ان کی گرفت میں جلدی کی اور نہ ہی ان پر اچانک عذاب نازل فرمایا، (بلکہ ان) کے عذاب (کے لیے) اللہ تعالیٰ کی طرف (ایک وعدہ کا وقت ہے، کہ) جب حسبِ وعدہ عذاب کا وہ وقت آ جائے گا، تو (نہ پائیں گے اس کے مقابل میں کوئی ٹھکانہ)، یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو جائے پناہ نہ پائیں گے۔ اس لیے کہ جس کا ملجا و ماویٰ خود عذاب ہو، تو پھر اس کے لیے خلاصی اور نجات کیسی؟

بعض کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ جب نزول عذاب کا وقت آ جائے گا، تو پھر ان کو نہ کہیں پناہ ملے گی اور نہ ہی کسی طرح بھاگ سکیں گے۔۔ الخضر۔۔ ظالمین کے مقدر میں ہلاکت ہے۔۔ چنانچہ۔۔ عاد وثمود اور ان جیسوں کے احوال سے سبق حاصل کرو۔۔۔

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿۵۹﴾ ع ۸ / ۲۰

اور یہ آبادیاں ہیں، کہ تباہ کر دیا ہم نے انہیں جب انہوں نے اندھیر مچایا، اور کر دیا تھا ہم نے اُن کی تباہی کے لیے وعدہ ●

(اور) دیکھو (یہ) ان کی ہی (آبادیاں ہیں کہ تباہ کر دیا ہم نے انہیں جب انہوں نے اندھیر مچایا اور) کیوں نہ تباہ کرتا، جب کہ (کر دیا تھا ہم نے ان کی تباہی کے لیے وعدہ)۔

یاد رہے کہ سنتِ الٰہیہ ہے کہ کافر کے کفر کی وجہ سے دنیا میں عذاب نہیں نازل فرماتا لیکن جب انہوں نے کفر کے ساتھ ظلم کو شامل کیا، تو انہیں ظلم کی وجہ سے سزا ملنی لازم تھی۔۔ الحاصل۔۔ ملک کفر کی وجہ سے ہاتھ سے نہیں جاتا، البتہ ظلم واستبداد سے چھین لیا جاتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ

اور جب کہ کہا موسیٰ نے اپنے جوان کو، کہ میں چلتا ہی رہوں گا، یہاں تک کہ پہنچ جاؤں دونوں دریاؤں کے سنگم پر،

اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

یا چلتا ہی رہوں مدتوں●

اصحابِ کہف کے مفصل قصے کے بعد یہ دوسرا قصہ ہے، جس کو اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم حاصل کرنے گئے۔ ہر چند یہ ایک مفصل قصہ ہے، لیکن اس کا گزشتہ آیات کے ساتھ ربط ہے۔ گزشتہ آیات میں ان متکبرین قریش کا رَد کیا گیا تھا جو فقراء مسلمین کے ساتھ بیٹھنے میں اپنی توہین سمجھتے تھے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت برگزیدہ اور اولوالعزم نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت علم عطا فرمایا تھا، کثیر معجزات دیے تھے اور بہت عزت اور وجاہت عطا فرمائی تھی، اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حصولِ علم کی غرض سے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جانے میں عار نہیں سمجھا، اور اس کو اپنی شان اور فضیلت کے خلاف نہیں گردانا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکبر کرنا مذموم ہے اور امراءِ قریش نے تکبر کی وجہ سے فقراء مسلمین کے ساتھ بیٹھنے سے انکار کر کے اپنا ہی نقصان کیا، کیونکہ اس تکبر کی وجہ سے وہ اسلام قبول کرنے سے محروم ہو گئے۔

اس مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کا خلاصہ یہ ہے، کہ جب فرعون کے لوگ ہلاک ہو چکے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو جمع کر کے خطبہ پڑھا، ایسا کہ سننے والوں میں شور مچ گیا۔ سب لوگ وہ الفاظ کہنے اور اس کے معنی اور حقیقت اور باریکیوں میں متحیر ہوئے۔ قوم کے بڑے آدمیوں میں سے ایک شخص بولا، کہ اَے کلیم اللہ! کیا روئے زمین میں تم سے زیادہ بھی کوئی عالم ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تمام عالم میں اپنے سے زیادہ اور کوئی عالم میں تو نہیں جانتا۔

بعضے کہتے ہیں کہ فقط ان کے دل مبارک ہی میں یہ خیال گزرا، زبان پر یہ بات نہ لائے تھے، کہ حق تعالیٰ نے ان پر وحی بھیجی، کہ مجمع البحرین میں میرا ایک بندہ ہے، اُسے علم خاص کے ساتھ ہم نے خاص کر لیا ہے۔ اپنے مصاحبوں میں سے ایک آدمی ساتھ لے کر اُس بندہ کی منزل اور مکان تک جاؤ اور اپنے ساتھ ایک بھنی ہوئی مچھلی لیتے جاؤ، کہ وہ تمہیں اس کی راہ بتا دے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تیاری کی اور اس کی طرف چل نکلے۔۔۔تو۔۔۔

اَے محبوب! یاد کرو (اور) اس واقعہ کو ذہن میں حاضر کرلو، (جب کہ کہا موسیٰ نے اپنے جو ان کو) یعنی اپنے خادم اور شاگرد یوشع بن نون کو (کہ) خضر کو ڈھونڈنے کے لیے (میں چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ پہنچ جاؤں دونوں دریاؤں کے سنگم پر) جہاں حضرت خضر کا مکان ہے۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں روم اور فارس کے دو دریا ملتے تھے۔ اس مقام کے تعلق سے اور بھی اقوال ہیں۔

غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا، کہ میں برابر چلتا رہوں گا تاکہ ان کے مقام پر پہنچوں (یا چلتا ہی رہوں مدتوں)۔ یعنی جب تک ان سے ملاقات نہ ہوگی سفر سے منہ نہ پھیروں گا۔ تو اَے یوشع اس نیک بندہ کی تلاش میں تم میرے ساتھ رفاقت اور موافقت کرو۔ یوشع علیہ السلام بولے، کہ ہاں میں آپ کی رفاقت کو غنیمت جانتا ہوں اور آپ کے ساتھ ہوں۔ پھر یوشع علیہ السلام نے چند روٹیاں اور بھنی ہوئی مچھلی اٹھالی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چلے۔۔۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿۶۱﴾

چنانچہ جب دونوں پہنچے سنگم کو، تو دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، تو بنالیا اس نے اپنی راہ دریا میں سرنگ کر کے●

(چنانچہ جب دونوں پہنچے سنگم کو)، یعنی اس جمع ہونے کی جگہ جو دریا کے بیچ میں ہے وہاں چشمے کے کنارے ایک پتھر پر بیٹھے، موسیٰ علیہ السلام تو سوگئے، یوشع علیہ السلام نے اُس چشمے سے وضو کیا، ان کے ہاتھ سے ایک قطرہ بھنی ہوئی مچھلی پر ٹپک پڑا، فوراً وہ زندہ ہوگئی اور دریا کی طرف چلی اور یوشع علیہ السلام متحیر ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جاگے، تو نہ یوشع علیہ السلام کے حال سے متعرض ہوئے، نہ مچھلی کی خبر لی اور وہاں سے چل نکلے، (تو) سفر کی جلدی کے مارے (دونوں اپنی مچھلی بھول گئے، تو بنالیا اس) مچھلی (نے اپنی راہ دریا میں سرنگ کر کے)۔ جہاں مچھلی جاتی پانی اس کے اوپر اونچا ٹھہر جاتا اور زمین خشک ہو جاتی۔۔۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ لَقَدْ لَقِيْنَا

پھر جب دونوں آگے بڑھ گئے، تو کہا اپنے جوان کو کہ "لاؤ ہمارا ناشتہ، کہ ہم نے پایا

مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾

اپنے اِس سفر سے تکان"●

(پھر جب دونوں) مجمع البحرین سے (آگے بڑھ گئے، تو کہا) حضرت موسیٰ نے (اپنے جوان) یوشع بن نون (کو کہ) چاشت کا وقت ہو گیا، تو (لاؤ ہمارا ناشتہ) کہ ہم بھوکے ہیں کھائیں اور تھوڑی دیر استراحت کریں، کیوں (کہ ہم نے پایا اپنے اس سفر سے تکان)۔ اس وقت حضرت یوشع علیہ السلام نے عرض کیا، اور۔۔۔

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ

وہ بولا، کہ "اب بتایئے کہ جب ہم نے پناہ لی تھی چٹان کی جانب، تو میں بھول گیا مچھلی کو۔ اور نہیں

اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿۶۳﴾

بھلایا مجھے، مگر شیطان نے، کہ اس کو یاد رکھوں"۔ اور بنا لیا اس نے اپنا راستہ دریا میں۔ بڑا اچنبھا ہے●

(وہ بولا، کہ اب بتایئے) یعنی کیا آپ کو کچھ خبر ہے (کہ جب ہم نے پناہ لی تھی چٹان کی جانب تو میں بھول گیا مچھلی کو)، یعنی اس کی کیفیت آپ سے بیان کرنا بھول گیا (اور نہیں بھلایا مجھے) اس کا ذکر (مگر شیطان نے، کہ) میں (اس کو یاد رکھوں) اور آپ سے ذکر کروں۔۔ الختصر۔۔ شیطان نے مجھے اس ذکر سے باز رکھا۔ (اور بنا لیا اس) مچھلی (نے اپنا راستہ) عجیب طریقہ سے (دریا میں) جسے دیکھ کر مجھے (بڑا اچنبھا ہے)، کیونکہ وہ مچھلی جدھر جاتی تھی ایک کشادہ راہ پیدا ہو جاتی تھی اور دریا کی زمین بھی خشک ہو جاتی تھی۔ حضرت موسیٰ نے۔۔۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾

جواب دیا کہ "یہ تو ہم نہیں چاہتے تھے"۔ چنانچہ دونوں پلٹے اپنے نشانِ قدم پر ڈھونڈتے●

(جواب دیا، کہ یہ) یعنی مچھلی کے ہم سے مفقود ہو جانے کو (تو ہم نہیں چاہتے تھے)، اس لیے کہ یہی تو حضرت خضر تک پہنچانے کا ذریعہ تھی، تو ہمیں اُس جگہ واپس چلنا چاہیے جہاں سے وہ مچھلی دریا میں اتر گئی۔

حضرت مترجم قدس سرہ نے مذکورہ آیت میں مَا کو نفی کے معنی میں لیا، اس لیے توضیح اُسی کی مناسبت سے کی گئی ہے۔ ویسے اکثر مترجمین و مفسرین مَا کو اَلَّذِیْ کے معنی میں لیتے ہیں، اس صورت میں آیتِ کریمہ کا ترجمہ یہ ہوگا، کہ مچھلی کا دریا میں کود کر اس میں راستہ بنا لینا، یہی تو وہ چیز ہے جس کو ہم ڈھونڈ رہے تھے، اسی لیے کہ یہی حضرت خضر سے ملاقات کی علامت

ہے، بذریعہ وحی جس کی مجھے اطلاع دی گئی ہے۔
(چنانچہ دونوں پلٹے اپنے نشانِ قدم پر ڈھونڈتے) یہاں تک کہ اس جگہ پہنچے جہاں مچھلی دریا میں گئی تھی، وہاں پر کشادہ اور خشک راہ دیکھی، اس میں داخل ہوئے۔۔۔

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ
تو پایا میرے بندوں میں سے ایک بندہ کو، دیا ہے ہم نے جس کو رحمت اپنی طرف سے، اور سکھا دیا ہم نے
مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾
انہیں علم لدنی●

(تو پایا میرے بندوں میں سے ایک بندہ کو، دیا ہے ہم نے جس کو رحمت) یعنی وحی اور نبوت **(اپنی طرف سے)**۔

یہ ان لوگوں کے قول کے موافق ہے جو انہیں پیغمبر جانتے ہیں۔
۔۔یا۔۔دی ہم نے اس بندے کو درازیٔ عمر۔
یہ ان لوگوں کے مذہب کے موافق ہے جو ان کی نبوت کے قائل نہیں۔ ویسے ان کی نبوت کا قول ہی قولِ راجح ہے اور ان کے ہاتھ سے پیش آنے والے بعض واقعات کے مناسب ہے۔

(اور سکھا دیا ہم نے انہیں علم لدنی) یعنی ایسا علم جو ہمارے ساتھ خاص ہے، اور بے ہمارے سکھائے ہوئے کوئی وہ علم نہیں جانتا۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں، کہ 'علم لدنی' وہ ہے کہ خلق پر توفیق اور خذلان کا حکم کریں، اور بعضوں نے کہا کہ 'علم لدنی' وہ علم ہے جو بے حاصل کیے اور حرف پڑھے ہوئے حاصل ہو جائے۔ یہ علم جاننے والا محقق ہے، جو کچھ پاتا ہے وہی زبان پر لاتا ہے۔ سلطان العارفین قدس سرہ سے نقل ہے کہ علماء کے ایک گروہ سے کہتے تھے، کہ تم نے مردہ علم لیا مردے سے، اور ہم نے اُس زندہ سے علم لیا جو کبھی نہ مرے گا۔

۔۔القصہ۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی جگہ پر پہنچے، تو انہیں دیکھا کہ تکیہ لگائے ہیں اور اپنا کپڑا منھ پر ڈالے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے سلام کیا، خضر علیہ السلام نے کپڑا اپنے منھ پر سے ہٹا کر جواب دیا اور پوچھا کہ تم کون ہو؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام بولے، کہ میں موسیٰ ہوں، بنی اسرائیل

کا نبی۔ حق تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے، کہ تم سے صحبت رکھوں اور کچھ سیکھوں۔ انہوں نے جواب دیا، کہ جو شخص یہ کہے کہ میں پیغمبر شریعت والا ہوں، وہ دوسرے سے کیوں کر سیکھے گا، اور کہا کہ رسول ایسا چاہیے کہ جن کی طرف بھیجا گیا ہے، ان سے ان اصول وفروع دین کا عالم زیادہ ہو، جو ان کی طرف لایا ہے۔

اپنی اس گفتگو سے حضرت خضر علیہ السلام اشارہ اشارہ سے یہ کہنا چاہتے کہ آپ صاحب شریعت رسول ہیں اور اپنی شریعت کے جملہ اصول وفروع سے واقف ہیں، تو فریضہء رسالت ادا کرنے کے لیے اسی قدر کافی ہے۔ حضرت خضر سے یہ سننے کے باوجود وحی الٰہی کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے۔۔۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ

کہا انہیں موسیٰ نے کہ "کیا میں ساتھ رہ سکتا ہوں آپ کے؟ اس پر آپ سکھا دیں مجھے جو آپ کو سکھایا گیا ہے خوب"۔ بولے کہ

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

"آپ بلاشبہ نہ کر سکیں گے میری ہمراہی میں صبر۔ اور کس طرح آپ صبر کریں گے، جو آپ کے دائرہ علم میں نہیں"۔

قَالَ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ

کہا کہ "آپ مجھے پائیں گے انشاء اللہ صابر، اور نہ خلاف کروں گا میں آپ کے کسی حکم کے"۔ بولے "تو اگر

اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾ ع ۱۱/۲۱

میرے ساتھ رہنا ہے، تو نہ پوچھے گا مجھ سے کچھ، یہاں تک کہ میں ہی بتا دوں ذکر کر کے"۔

(کہا انہیں موسیٰ نے، کہ کیا میں ساتھ رہ سکتا ہوں آپ کے؟ اس پر کہ آپ سکھا دیں مجھے جو آپ کو سکھایا گیا ہے خوب) یعنی ایسا علم کہ موقوف ہو رشد پر یعنی خیر پہنچانے پر (بولے آپ بلاشبہ نہ کر سکیں گے میری ہمراہی میں صبر)۔ موسیٰ علیہ السلام بولے، کہ کیوں نہ صبر کر سکوں گا۔ خضر علیہ السلام نے کہا کہ آپ پیغمبر ہیں، آپ کا حکم ظاہر پر ہے، شاید مجھ سے کوئی ایسا فعل صادر ہو، جو ظاہر میں مکروہ اور ناپسند دکھائی دے، اور آپ اس کی حکمت نہ جانیں اور اس پر صبر نہ کر سکیں۔

(اور کس طرح آپ صبر کریں گے) اس چیز پر (جو آپ کے دائرۂ علم میں نہیں)۔ حضرت موسیٰ نے (کہا، کہ آپ مجھے پائیں گے انشاء اللہ) تعالیٰ (صابر، اور نہ خلاف کروں گا میں آپ کے کسی حکم کے) اور نہ ہی آپ کے کسی کام پر معترض ہوں گا۔ حضرت خضر (بولے، تو اگر میرے ساتھ رہنا

ہے تو نہ پوچھیے گا مجھ سے کچھ) یعنی کسی چیز کے بارے میں جو آپ کو بُری معلوم ہو اور اس کی صحت کی وجہ کو آپ نہ جانیں۔۔الغرض۔۔اپنی طرف سے سوال کی ابتداء نہ کیجیے گا، (یہاں تک کہ میں ہی بتادوں ذکر کر کے) ایسا بیان جو آپ کو دریافت ہو جائے اور حقیقتِ حال آپ پر واضح ہو جائے۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ

تو دونوں چل پڑے۔۔یہاں تک کہ جب دونوں سوار ہوئے کشتی میں، تو اُس بندہ نے سوراخ کر دیا اس میں، دریافت کیا،

اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ۝۷۱

کہ "آپ نے کشتی میں سوراخ کر دیا تاکہ ڈبو دیں اُس کے سواروں کو، یہ آپ نے بُری بات کی" ●

(تو دونوں چل پڑے) اور گئے دریا کے کنارے، یہاں تک کہ کشتی کے قریب پہنچے اور کشتی والوں سے استدعاء کی کہ ہم بھی اس پر سوار ہوں گے۔ ملاح پہلے تو راضی نہیں ہوئے، آخر حضرت خضر کو پہچان کے ان کی بڑی تعظیم کی اور کشتی میں جگہ دی۔۔المختصر۔۔وہ چلے (یہاں تک کہ جب دونوں سوار ہوئے کشتی میں) اور دریا کے بیچ میں پہنچے، (تو) حضرت خضر نے تبرّ اٹھالیا اور لوگوں سے چھپ کر (اس بندہ نے سوراخ کر دیا اس) کشتی (میں)۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ نے (دریافت کیا کہ آپ نے کشتی میں سوراخ کر دیا تاکہ ڈبو دیں اس کے سواروں کو)، اس واسطے کہ سوراخ کے سبب سے کشتی میں پانی بھر جائے گا اور پانی بھرنے سے کشتی ڈوب جاتی ہے، (یہ آپ نے بُری بات کی)، جو بھی اسے دیکھے گا اُسے عجیب اور ناگوار ہی سمجھے گا۔ یہ سن کر حضرت خضر علیہ السلام۔۔۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ۝۷۲ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ

بولے "کیا نہیں کہہ رکھا ہے میں نے، کہ آپ نہ کر سکیں گے میرے ساتھ صبر" ● کہا کہ "پکڑ نہ کیجیے میری،

بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ۝۷۳

جسے میں بھول گیا۔ اور نہ ڈالیے میرے حق میں دشواری" ●

(بولے کہ کیا نہیں کہہ رکھا ہے میں نے، کہ آپ نہ کر سکیں گے میرے ساتھ صبر)۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے (کہا کہ) وہ بات میں بھول گیا تھا تو (پکڑ نہ کیجیے) اس بات پر (میری جسے میں بھول گیا، اور نہ ڈالیے میرے حق میں دشواری)، یعنی میرے ساتھ سخت گیری نہ کیجیے اور اتنی بھول پر مجھے تنگ نہ کیجیے اور میری پکڑ نہ کیجیے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰٓی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً

پھر دونوں چلے۔۔۔ یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے کو، تو اس بندہ نے مار ڈالا اُسے۔کہا،" کیا آپ نے مار ڈالا

بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا نُّكْرًا ۝۷۴

ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے؟ کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے بہت بُری بات کی"●

(پھر) کشتی سے باہر نکل کر (دونوں چلے) یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے۔ گاؤں کے باہر لڑکے کھیلتے تھے، ان میں ایک لڑکا خوبصورت سروقد سبزہ آغاز تھا۔ اس کا نام خوش۔۔یا۔۔حیسور تھا اور اس کے باپ کا نام سلاس۔۔یا۔۔کماردی تھا اور اس کی ماں کا نام شاہویہ۔۔یا۔۔رحمی تھا۔ یہ لڑکا بھی لڑکوں کے غول میں کھیل رہا تھا۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر چلے جا رہے تھے، (یہاں تک کہ جب ملے ایک لڑکے کو) جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے، (تو) اس لڑکے کو حضرت خضر علیہ السلام نے الگ بُلایا اور ایک دیوار کی آڑ میں لے گئے، اور پھر (اس بندہ نے مار ڈالا اُسے) یعنی ذبح کر دیا۔۔یا۔۔ گلا گھونٹ دیا۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام خاموش نہیں رہ سکے اور حضرت خضر سے (کہا، کیا آپ نے مار ڈالا ایک بے گناہ جان کو بغیر کسی جان کے بدلے)۔ یعنی یہ لڑکا قتل ناحق سے پاک ہے، پھر بے قصاص اُسے تم نے کیوں مار ڈالا۔ (کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے بہت بُری بات کی)۔

باسمہ سبحانہٗ تعالیٰ۔۔ بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۶ رصفر المظفر ۱۴۳۲ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۲ رجنوری ۲۰۱۱ء ۔۔بروز چہار شنبہ

قرآنِ کریم کے پندرھویں ۱۵ پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دعا گو ہوں، کہ مولیٰ تعالیٰ

اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ وطفیل سے باقی سورتوں

اور پاروں کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے۔

اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے اور انہیں زلت ولغزش سے بچاتا رہے۔

اٰمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَتِ حَبِیْبِكَ وَ نَبِیِّكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ

فقط

طالبِ کرم

ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی غفرلہ

تشریحِ لغات

-- ﴿ آ ﴾ --

آمیزش: ملاوٹ۔

آشکارا: ظاہر۔۔نمایاں۔۔کھلا ہوا۔

-- ﴿ ا ﴾ --

اباحت: شرع میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر پابندی نہ ہونا۔

اِتباع: فرمانبرداری۔۔پیروی۔

اتمام حجت: آخری دلیل۔۔انتہائی کوشش۔

اٹکل: اندازہ۔۔قیاس۔۔تخمینہ۔

اَٹل: مضبوط۔۔قطعی۔۔حتمی۔

اِجتناب: کنارہ کشی۔۔علیحدگی۔۔پرہیز۔

اجزاء کثیفہ وغلیظہ: گندے اور ناپاک ذرات۔

اَجل/اجلوں: موت۔۔مرگ۔۔قضا۔

اِجماع: مسلمان مجتہدین کا کسی امر شرعی پر متفق ہونا۔

احتراز: پرہیز۔۔کنارہ کشی۔۔علیحدگی۔

اِختصار: خلاصہ۔۔(طوالت کی ضد)۔

اِختصاص: خصوصیت رکھنا۔۔خاص ہونا۔

اِدراک: عقل۔۔فہم۔۔رسائی۔

اِرتکاب: (کوئی غلط یا ناجائز) کام کرنا۔

ارذل: کم ذات۔

اَرزانی: کثرت۔۔زیادتی۔۔بہتات۔

اِزالہ: زائل کرنا۔۔دور کرنا۔۔مٹانا۔۔ہٹانا۔

ازانجملہ: سب میں سے۔۔ان میں سے۔

از ہمہ: بالکل۔۔ایک دم سے۔

استبداد: مطلق العنانی۔۔ضد۔۔ہٹ۔

استثناء: علیحدہ کرنا۔۔الگ کرنا۔

اِستحقاق: سزاوار ہونا۔۔مستحق ہونا۔

استحکام: مضبوطی۔۔استواری۔۔پختگی۔

اِستدعا: خواہش۔۔درخواست۔۔التجا۔

اِستدلال: دلیل لانا۔

اِستدلالی: دلالت کرتی ہوئی۔۔ثبوت دیتی ہوئی۔

استراحت: آرام چاہنا۔۔راحت طلب کرنا۔

استعارہ: علم بیان کی اصطلاح میں مجاز کی ایک قسم جس میں کسی لفظ کے مجازی اور حقیقی معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہوتا ہے اور بغیر حروفِ تشبیہ کے، حقیقی معنی کو مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔۔مثلاً: نرگس کہہ کر آنکھ مراد لینا۔

استغناء: بے پروائی۔۔بے نیازی۔

استمراری: دوامی۔۔ہمیشہ کے لیے۔

استہزاء و تمسخر: ہنسی مذاق۔۔ہنسی اڑانا۔۔مذاق کرنا۔

اسرار ﴿سر کی جمع﴾: بھید۔۔پوشیدہ باتیں۔

اسراف: فضول خرچی۔۔بے جا خرچ۔

اسلوب: طریقہ۔۔طرز۔۔روش۔

اسناد: سند پیش کرنا۔۔سند لانا۔

اِشتباہ: مشابہ ہونا۔۔دو چیزوں کا اس طرح ہم شکل ہونا کہ دھوکا ہو جائے۔۔گمان۔۔شبہ۔۔شک۔

اشجار ﴿شجر کی جمع﴾: درخت۔

اَشرار ﴿شریر کی جمع﴾: شرارتی۔۔برا۔۔بدذات۔

اَکمل: کامل ترین۔

اصرار: ضد۔۔اڑ۔

اضافت: نسبت۔۔لگاؤ۔

اِضطراب: بے قراری۔۔بے چینی۔۔بے تابی۔۔گھبراہٹ۔

اِضطراری: بے اختیاری۔۔بے بسی۔

اعانت: مدد۔۔سہارا۔۔حمایت۔
اعتدال: میانہ روی۔۔درمیانی درجہ۔۔نہ کمی نہ زیادتی۔
اعتراف: اقرار کرنا۔۔تسلیم کرنا۔۔مان لینا۔
اعراض: منہ پھیرنا۔۔بچنا۔۔روگردانی کرنا۔
افراط: حد اعتدال سے بڑھ جانا۔۔زیادتی۔۔کثرت۔
افکار﴿فکر کی جمع﴾: خیالات۔
اکتفاء: کفایت کرنا۔۔کافی سمجھنا۔۔کافی ہونا۔
اکھواء: بیج سے پھوٹ کر نکلی ہوئی ٹیڑھی نوک جس سے پہلی پتیاں نکلتی ہیں۔
التفات: رغبت۔۔خیال۔۔دھیان۔۔متوجہ ہونا۔
الہام: برگزیدہ بندوں کے دل میں منجانب اللہ آئی ہوئی بات۔
امر تہدیدی: ڈرانے دھمکانے کے لیے حکم وفرمان۔
امور﴿امر کی جمع﴾: بہت سے کام۔۔بات۔۔فعل۔
امورِ رقیقہ: باریک باتوں میں۔۔نازک کاموں میں۔
انانیت: خود بینی۔۔خودستائی۔۔غرور۔۔گھمنڈ۔۔خودی۔
انحراف: پھر جانا۔۔برخلاف ہونا۔۔انکار۔۔مخالفت، نافرمانی۔
انحطاط: کم ہونا۔۔گھٹنا۔۔کمی۔۔گھٹاؤ۔۔تنزل۔
اندامِ نہانی: عورت کی شرم گاہ۔۔فرج۔
اندوہ: رنج۔۔غم۔۔فکر۔۔تردُد۔
انزال: اُترنا۔۔اُتارنا۔
انواع واقسام﴿نوع اور قسم کی جمع﴾: جنس۔۔وضع۔۔شکل و صورت۔
اہانت: توہین کرنا۔۔ذلیل کرنا۔

-- ﴿ ب ﴾ --

باک: خوف۔۔ڈر۔۔اندیشہ۔۔دہشت۔
باور: یقین۔۔اعتبار۔
بتدریج: درجہ بدرجہ ہونا۔۔آہستہ آہستہ ہونا۔
برانگیختہ: آمادہ کرنا۔
براہین: دلیلیں۔
بصر: نظر۔۔آنکھ۔
بصیرت: دیکھنا۔
بطلان: تردید۔۔باطل ہونا۔
بعث: دوبارہ زندہ ہونا۔
بعث ونشر: حشر ونشر۔
بُعد: دوری۔
بعید: دور۔
بعید از قیاس: خیال سے دور۔۔سوچ وفہم سے دور۔
بقاء: باقی رہنا۔
بقدرِ کفایت: کافی ہونے کی مقدار میں۔
بقدرِ ہمت: کوشش کی مقدار میں۔۔کوشش کے تناسب سے۔
بہتان: الزام۔۔تہمت۔
بھید: راز۔۔چھپی ہوئی بات۔
بے اِذن: بغیر اجازت۔
بے انتقال: دور کیے بغیر۔۔ہٹائے بغیر۔
بے انقطاع: بغیر کاٹے ہوئے۔۔جاری رکھتے ہوئے۔
بے انیس: بغیر کسی مددگار کے۔
بے بصیرتی: اندھاپن۔۔بغیر دیکھے ہوئے۔
بے چون وچرا: بغیر کسی حیل وحجت کے۔
بے رفیق: بغیر کسی ساتھی کے۔
بے نوائی: بغیر کسی روزی روزگار کے۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پاسبانی: حفاظت۔
پدری: باپ کی۔
پراگندہ: بکھرا ہوا۔
پرتو: سایہ۔
پھین: جھاگ۔
پیروکار: پیروی کرنے والا۔
پیکان: تیر۔

--﴿ ت ﴾--

تابع: ماتحت۔۔مطیع۔۔فرمانبردار۔

تاکیدات﴿تاکید کی جمع﴾: بار بار کہنا۔۔زور دینا۔

تامل: سوچ بچار۔۔غوروفکر۔

تبر: کلہاڑی۔۔ایک جنگی ہتھیار۔

تبرا: نفرت۔۔بیزاری۔

تتمہ: مکمل کرنا۔

تحریف: بدل دینا۔۔تحریر میں اصل الفاظ بدل کر کچھ اور لکھ دینا۔

تحقیر: ذلیل کرنا۔

تحلیل: حلال ٹھہرانا۔

تحمل: برداشت۔۔صبر۔

تحمید: پاکیزگی بیان کرنا۔

تخصیص: کسی چیز کو خاص کرنا۔۔مخصوص کرنا۔

تخویف: ڈرانا۔

تدارک: تلافی۔۔درستی۔۔اصلاح۔

تذکیر: ڈرانے سے۔

تردید: رَدکرنا۔

ترغیبات﴿ترغیب کی جمع﴾: پسندیدہ چیزیں۔

تسلط: غلبہ۔۔قابو۔

تشدید: سختی۔۔شدت۔

تشریف: عبرت کرنا۔۔بزرگ بنانا۔۔بزرگی۔۔شرف۔

تشنگی: پیاس۔

تصرف: قبضہ۔۔اختیار۔

تصریح: واضح کرنا۔۔تشریح۔۔تفصیل۔۔توضیح۔۔شرح۔

تصریحات: تصریح کی جمع۔

تضاد بیانی: مخالفت۔۔ضد۔۔بیان کا ایک دوسرے کی ضد ہونا۔

تضرع: رونا۔۔گڑگڑانا۔۔آہ وزاری۔۔منت سماجت کرنا۔

توضیح: وضاحت کرنا۔۔واضح کرنا۔

تعدد: کئی ایک ہونا۔

تعریض: اعتراض کرنا۔۔چھیڑنا۔

تعریضا: اعتراض کرتے ہوئے۔

تعفن: بدبو۔۔سڑاندھ۔۔شدید بدبو۔

تعیین: مقرر کرنا۔

تغیرات: تبدیلیاں۔

تغیروتبدل: الٹ پھیر۔

تفاوت: فاصلہ۔۔دوری۔

تفویض: سونپنا۔۔سپرد کرنا۔

تقرب: قربت۔

تقصیر: کوتاہی۔۔گناہ۔

تقلید: پیروی کرنا۔

تقویت: مضبوط کرنا۔

تکذیب: جھٹلانا۔

تکریم: عزت دینا۔

تکوینیہ: (تکوین سے) وجود میں لانا۔۔پیدا فرمانا۔

تلف: مٹانا۔۔ضائع کرنا۔

تمحیص: بحث۔۔جانچنا۔

تمرد: سرکشی۔

تمہید: مضمون کا عنوان۔

تناقض کلامی: کلام کا ایک دوسرے کے مخالف ہونا۔

تنزیہہ: پاکی۔۔عیب سے پاک ہونا۔

توابع حدوث: نئی پیدائش کے لیے چیزیں جو ضروری ہوں۔

توسط: واسطہ۔

توسع: وسعت۔۔کشادگی۔

توقف: ٹھہرنا۔۔وقف کرنا۔

توکل: اعتماد کرنا۔۔بھروسہ کرنا۔

توہمات: وہم والی چیزیں۔

تہدید: ڈرانا۔

تہمت: الزام۔

تیرگی: تاریکی۔۔اندھیرا۔

-- ﴿ ٹ ﴾ --

ٹھگنا: پستہ قد۔۔چھوٹا۔۔ٹھگنا۔

-- ﴿ ث ﴾ --

ثبات: مضبوطی۔۔پائیداری۔
ثقل: وزن۔۔بوجھ۔
ثمرہ: پھل۔۔نتیجہ۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جامع: مکمل۔۔ہمہ گیر۔
جاہ وحشم: شان وشوکت۔
جبلی: پیدائشی۔
جزئیات: چھوٹے حصے۔
جسارت: بے باکی۔حوصلہ۔
جلی: واضح۔
جملہ شرائع: تمام شریعتیں۔

-- ﴿ چ ﴾ --

چاکری: نوکری۔۔ملازمت۔۔خدمت گزاری۔

-- ﴿ ح ﴾ --

حدوث: قدیم کی ضد۔۔نیا۔۔تازہ۔۔پیدائش ووجود میں آنا۔
حصار: احاطہ۔۔گھیرا۔
حصول: حاصل کرنا۔۔تحصیل۔
حضر: (سفر کی ضد)۔ایک جگہ قیام۔۔پڑاؤ۔۔اقامت۔
حق منزل: جس پر حق اتارا گیا۔
حلاوت: لذت۔
حلقوم: گلا۔۔ٹیٹوا۔۔سینے اور گلے کے بیچ کا گڑھا۔
حلیف: مددگار۔۔رفیق۔۔وہ فریق جنہوں نے ایک دوسرے کی امداد کا معاہدہ کیا ہو۔
حوادث: حادثہ کی جمع۔
حیلے: بہانے۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خازن: خزانچی۔
خاطرداشت: دیکھ بھال۔
خاکستر: راکھ۔
خائب وخاسر: ناکام ونامراد۔
خجالت: شرمندگی۔
خذلان: رسوائی۔
خرافات: بیہودہ باتیں۔۔فضول بکواس۔
خست: ذلت۔
خس وخاشاک: تنکے۔
خلعت: لباس فاخرہ۔۔شاہی لباس۔
خضوع: جھکنا۔
خلت: دوستی اور محبت۔
خلوت: تنہائی۔

-- ﴿ د ﴾ --

داعیہ: سبب۔
دَر: اندر آنا۔۔داخلہ۔
درکات: جہنم کے درجے۔
درماندہ: تھکا ہوا۔
دقیق: باریک۔
دقیقہ: لمحہ۔
دل بےغل: کینہ سے پاک دل۔
دوام: ہمیشگی۔
دیار: گھر۔۔علاقہ۔
دیت: خوں بہا۔

-- ﴿ ذ ﴾ --

ذکاوت: سمجھداری۔
ذریت: اولادیں۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجح: بہتر۔۔غالب۔۔قابل ترجیح۔
راست: سچا۔سیدھا۔
راندۂ درگاہ: دھتکارا ہوا۔
رجاء: امید۔
رذائل: بری عادتیں۔۔ذلیل عادتیں۔
رشک: نیک خواہش۔
رعد: بجلی۔
رغبت: دلچسپی۔
رفاقت: دوستی۔
رنجور: صدمے اور غم سے دوچار۔
روبہ عمل: کام کی طرف مائل۔
روح سعادت: نیک بخت روح۔
روئیدگی: اگنا۔
روئے سخن: کلام کا رخ۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زائل: ختم ہو جانا۔۔دور ہو جانا۔
زبرجد: ایک قیمتی پتھر کا نام۔
زجر و توبیخ: ڈانٹ ڈپٹ۔۔لعنت ملامت۔۔جھڑکی دھتکار۔
زرخرید: پیسے یا مال سے خریدا ہوا۔
زمرہ: حلقہ۔
زنار: وہ تاگا جو ہندو گلے اور بغل کے بیچ میں ڈالے رہتے ہیں۔
زنبور خانے: جالی دار حلقے۔

-- ﴿ س ﴾ --

سب و شتم: گالی گلوچ۔
سبزہ آغاز: نوجوان۔۔جس کی داڑھی مونچھ نکلنا شروع ہو۔
سڈول: خوش وضع۔۔خوب صورت۔
سر: راز۔
سرالٰہی: رازِ خداوندی۔
سرو: سائپرس۔۔ایک درخت جو سیدھا اور مخروطی شکل کا ہے۔
سڑاندھ: بہت تیز بدبو۔
سعید: نیک بختی۔
سفلے: نالائق۔
سکرات: جان نکلتے وقت یعنی موت کے وقت کی تکلیف۔
سلب: کھینچنا۔
سمع: سننا۔
سموم: لو۔۔گرم ہوا۔
سن بلوغ: بالغ ہونے کا سال۔
سیند: نقب۔۔وہ سوراخ جو چوری کے لیے دیوار میں کیا جائے۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شافی: صاف۔۔فیصلہ کن۔۔قطعی۔
شاق: دشوار۔
شائبہ: شک و شبہہ۔
شرح صدر: کھلے سینے سے۔
شرک جلی: کھلا ہوا شرک۔
شرک خفی: چھپا ہوا شرک۔
شعائر: علامتیں۔۔نشانیاں۔
شقی: بدبخت۔
شقاوت: بدبختی۔
شکل و شمائل: صورت و سیرت۔
شناعت: بے حیائی۔
شورش: فتنہ و فساد۔
شوم بخت: بدبخت۔
شہپروں: فرشتوں کے مبارک پروں کے لیے یہ لفظ اس طرح استعمال ہوتا ہے۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صادر: نکلنے والا۔۔نافذ ہونا۔
صانع: بنانے والا۔۔اللہ۔

صانع حکیم: پرحکمت بنانے والا۔
صخرۂ معظم: عظمت والی چٹان، جہاں سے حضور اکرم ﷺ سفر آسمانی کی طرف تشریف لے گئے تھے۔
صراحتاً: واضح طور پر۔
صَرف: خرچ۔
صریح: واضح۔
صفتِ بقاء: باقی رہنے والی صفت۔
صفتِ عفو: معاف کرنے والی صفت۔
صلاح: نیکی۔۔بھلائی۔
صلب: نطفہ۔۔اولاد۔۔نسل۔
صناعت: کاریگری۔
صنائع دقیقہ: ہنرمندی کی باریکیاں۔
صنعت: پیشہ۔
صواب: درست۔۔راست۔

-- ﴿ ض ﴾ --

ضامن: ضمانت دینے والا۔۔ذمہ دار۔
ضرر: نقصان۔
ضعف: کمزوری۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طرب: خوشی۔
طعن وتشنیع: طنز وملامت۔
طعن: طنز۔
طفولیت: بچپنا۔
طلا: روغن۔۔ملمع۔
طمع: لالچ۔
طوع: رغبت۔۔رضامندی۔
طوق: گلوبند۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظلوم: تاریکی۔

ظن: گمان۔
ظن وتخمین: اندازہ وگمان۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عار: شرم۔۔ہتک۔
عاصی: گنہگار۔
عاملین ﴿عامل کی جمع﴾: تحصیل دار۔
عبث: بےکار۔
عجلت: جلدی۔۔تیزی۔
عسرت: تنگ دستی۔
عصمت: عزت۔۔پارسائی۔
عصیان: گناہ۔
عفو: معاف کرنا۔
عقوبتوں: (عقوبت سے)۔۔سزا دینا۔
علاتی: ماں کی طرف سے سوتیلا بھائی بہن۔
علی وجہ البصیرت: بصیرت کی وجہ سے۔
علوم بدیہی: ظاہری علوم۔
عناد: دشمنی۔

-- ﴿ غ ﴾ --

غایت: انتہا۔
غصب: ڈاکہ۔
غیر ماذون: جس کو کسی چیز کی اجازت نہ ہو۔۔اذن نہ پایا ہوا۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فاسد: تباہ وبرباد۔
فبہا: تو بہتر۔
فتور: خرابی۔۔نقص۔۔فساد۔
فتورِ عقل: عقل کی خرابی۔
فرمودہ: فرمایا ہوا۔
فروتنی: عاجزی۔۔انکساری۔
فیروز بختی: خوش نصیبی۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قباحت: خرابی۔
قبائح﴿قبیح کی جمع﴾: خرابیاں۔
قدوم: آنا۔
قرین: قریب۔۔نزدیک۔۔ملا ہوا۔
قصد: ارادہ۔
قعرچاہ: کنویں کی گہرائی۔
قطران: چپک جانے والا زہریلا اور گرم سیال مادّہ۔
قطع: ٹکڑا۔۔ڈھنگ۔
قولِ راجح: ترجیح والی بات۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کاہنی: جادوگری۔
کثیف: گاڑھا۔
کسرشان: شان میں کمی۔
کفّار: ناشکراپن۔
کفاف: روزمرہ کا خرچ۔
کفایت: بچت،حسبِ ضرورت۔
کفیل: ذمہ دار۔۔ضامن۔۔جواب دہ۔
کلفت: تکلیف۔۔مصیبت۔
کنایہ: اشارہ۔۔مبہم بات۔
کوہستان: پہاڑوں کا سلسلہ۔
کہولت: آغازِ پیری۔۔بڑھاپے کی شروعات۔
کیفرکردار: کیے کی سزا۔۔برے کام کا بدلہ۔
کینڈے: اندازہ۔

-- ﴿ گ ﴾ --

گتھی: گرہ۔۔الجھن۔۔پیچ۔۔الجھاؤ۔
گدر: ادھ پکا۔۔نیم پختہ ہونا۔۔پھل جو پکنے کے قریب ہو۔
گراں خاطر: ناراض۔۔آزردہ۔۔رنجیدہ۔۔غمگین۔
گرانی: بوجھ۔
گردانا: جاننا۔۔ماننا۔۔تسلیم کرنا۔
گلیم پوش: کملی پوش۔۔جو کمبل اوڑھے رکھے۔
گوشۂ چشم: آنکھ کا کونا۔

-- ﴿ ل ﴾ --

لائقِ اعتناء: توجہ کے قابل۔۔پروا کے قابل۔
لایعنی: بیہودہ۔۔لغو۔۔فضول۔۔لاحاصل۔۔بے فائدہ۔۔بے نتیجہ۔
لواطت: اغلام۔۔لڑکوں کے ساتھ بدفعلی۔

-- ﴿ م ﴾ --

مآل: انجام۔۔نتیجہ۔۔خاتمہ۔۔اخیر۔
مامور: مقرر۔۔متعین۔
مامورین: مامور کی جمع۔
مانع: منع کرنے والا۔۔روکنے والا۔۔سدِراہ۔
مانوس: انس کیا ہوا۔۔مرغوب۔۔ہلا ہوا۔
ماوراء: بجز۔۔سوا۔۔اس کے علاوہ۔۔علاوہ بریں۔۔بالاتر۔
مبالغہ: کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔۔حد سے زیادہ تعریف یا برائی کرنا۔
مبتدع: نئی ایجاد۔۔وہ کام جو دین میں نیا نکالا گیا ہو۔
مبذرین﴿مبذر کی جمع﴾: فضول خرچ۔۔اسراف کرنے والا۔
متابعت: پیروی۔۔فرمانبرداری۔
متبع: اتباع کرنے والا۔۔پیچھے چلنے والا۔۔پیروی کرنے والا۔
متبعین: متبع کی جمع۔
متبوع: اتباع کی گیا۔۔پیروی کیا گیا۔۔سردار۔۔پیشوا۔
متجاوز: اپنی حد سے آگے بڑھنے والا۔۔تجاوز کرنے والا۔
متحرک: حرکت کرنے والا۔۔جاری۔۔رواں۔
متحمل: تحمل کرنے والا۔۔برداشت کرنے والا۔۔مستقل مزاج۔
متحیر: حیرت کرنے والا۔۔متعجب۔۔حیرت زدہ۔۔حیران۔
متخلق: اخلاق سے آراستہ۔
مترتب: ترتیب پایا ہوا۔

متساوی: ایک دوسرے کے مساوی۔۔برابر۔
متصل: اتصال رکھنے والا۔۔پاس۔۔قریب۔
متصور: تصور کرنے والا۔۔دل میں نقشہ جمالینے والا۔۔خیال قائم کرنے والا۔
متضمن: داخل کیا ہوا۔۔شامل کیا ہوا۔
متعارف: مشہور۔۔معروف۔۔آپس میں جان پہچان والے۔
متعجب: تعجب کرنے والا۔۔حیران۔۔متحیر۔۔دنگ۔۔ششدر۔
متعرض: روکنے والا۔۔آگے آنے والا۔
متغیر: بدلا ہوا۔۔تبدیل شدہ۔۔پلٹا ہوا۔
متقاضی: تقاضا کرنے والا۔۔مانگنے والا۔۔طلب کرنے والا۔
متکفل: کفالت کرنے والا۔۔کفیل۔۔ضامن۔۔ذمہ دار۔
متوسط: اوسط درجے کا۔۔درمیانہ۔۔بیچ کا۔
متوکل: توکل کرنے والا۔۔بھروسا کرنے والا۔۔صابر۔
متولی: انتظام کرنے والا۔۔منتظم۔۔منصرم۔
متولی کار: کام کا انتظام کرنے والا۔
مثلہ: مردے کے کان، ناک کاٹنا۔
مجاہدہ: کوشش۔۔سعی۔۔جدوجہد۔۔نفس کشی۔۔ریاضت۔
مجتمع: اکٹھا۔۔جمع کیا ہوا۔
مجربات: آزمائے ہوئے نسخے۔۔تجربہ کی ہوئی ادویہ۔
مجروح: زخمی۔۔گھایل۔۔چوٹ کھایا ہوا۔۔جسکے زخم لگا ہو۔
مجمل: اجمال کیا گیا۔۔مختصر کیا گیا۔۔خلاصہ۔۔اختصار۔
مجملاً: مختصراً۔
مجہول: نامعلوم۔۔غیر معلوم۔
محاسبہ: حساب۔۔شمار۔۔پڑتال۔۔حساب کی پوچھ گچھ۔
محال: دشوار۔۔مشکل۔۔کٹھن۔۔غیر ممکن۔
محافظت: حفاظت۔۔پاسبانی۔۔رکھوالی۔
محرک: ابھارنے والا۔۔اکسانے والا۔
محقق: جو درجہ حقیقت کو پہنچ جائے۔
محکم کار: مضبوط کرنے والا۔۔مستحکم کرنے والا۔
محل: موقع۔۔وقت۔۔قابل۔

محو واثبات: مٹانا اور برقرار رکھنا
محیط: احاطہ کرنے والا۔۔گھیر لینا۔۔حاوی ہونا۔۔غالب ہونا چھاجانا۔
مخلط: ملا ہوا۔۔گڈمڈ۔
مدبر: تدبیر کرنے والا۔۔عاقل۔۔دانش۔
مذموم: برا۔۔خراب۔۔قبیح۔۔وہ جس کی برائی جائے۔
مربی: سرپرست۔۔پشت پناہ۔۔حامی۔۔پرورش کرنے والا۔۔پالنے والا۔
مرزوق: رزق دیا گیا۔
مرصع: جڑاؤ۔۔موتی یا جواہرات سے جڑا ہوا۔
مرطوب: تر۔۔گیلا۔۔بھیگا ہوا۔۔سیلا۔
مرغوب: محبوب۔۔پیارے۔۔من پسند۔
مرفہ الحال: خوش حال۔۔آسودہ۔
مرکب: ملا ہوا۔۔مخلوط۔
مرورِ ایام: دنوں کا گزرنا۔۔دنوں کا گزر جانا۔
مزروعات: کھیت میں بوئی ہوئی چیزیں۔
مزین: زینت دیا گیا۔۔سجایا ہوا۔۔آراستہ۔
مسام: جسم کے وہ سوراخ جس میں سے پسینا نکلتا ہے۔
مساوی: برابر۔۔یکساں۔
مسبب الاسباب: سبب پیدا کرنے والا۔۔اللہ تعالیٰ۔
مستجاب: جواب دیا گیا۔۔قبول کیا گیا۔۔مانا گیا۔
مستحسن: نیک۔۔پسندیدہ۔۔خوب۔۔بہتر۔
مستحکم: پکا۔۔مضبوط۔۔سخت۔۔قائم رہنے والا۔
مستزاد: بڑھا گیا۔۔زیادہ کیا گیا۔۔افزوں۔
مستعمل: عمل میں لایا ہوا۔۔کام میں لایا ہوا۔۔برتا ہوا۔
مستغرق: غرق شدہ۔۔ڈوبا ہوا۔۔نہایت مصروف۔
مستغنی: آزاد۔۔بری۔۔بے پروا۔
مستقر: ٹھہرنے کی جگہ۔۔جائے قرار۔۔ٹھکانا۔
مستلزم: کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا۔
مسدس: چھ ضلعوں کی شکل جسکے سب ضلعے اور زاویے برابر ہوں۔

مسدود: بند کیا گیا۔۔روکا گیا۔۔بند۔۔رکا ہوا۔
مسرفین ﴿مسرف کی جمع﴾: فضول خرچ۔
مسموع: سنا گیا۔۔قبول کیا گیا۔
مشابہ: مانند۔۔ہم شکل۔۔یکساں۔
مشارکت: باہم شرکت کرنا۔۔حصے داری۔
مشاہدہ: صوفیوں کی اصطلاح میں نورِالٰہی کا نظارہ۔
مشتبہ: مشکوک۔۔جس میں شبہ ہو۔۔شبہ والا۔
مشخص: تشخیص کیا گیا۔۔تجویز کیا گیا۔۔معین۔۔مقرر۔
مشرح: تشریح کیا گیا۔۔شرح کیا گیا۔۔مفصل۔۔واضح۔
مشقات: محنت طلب کام۔۔دکھ۔۔تکلیف۔
مصارف ﴿مصرف کی جمع﴾: خرچ کرنے کی جگہ یا موقع۔
مصائب ﴿مصیبت کی جمع﴾: رنج۔۔دکھ۔۔تکلیف۔
مصداق: وہ شئے جس پر کسی معنی کا اطلاق ہو۔
مصرفِ زکوٰۃ: زکوٰۃ خرچ کرنے کی جگہ یا موقع۔
مصفّٰی ومجلّٰی: پاک صاف۔۔ستھرا ہوا۔۔چمکا ہوا۔
مصمم: پکا۔۔مضبوط۔۔استوار۔۔محکم۔
مضرتیں ﴿مضرت کی جمع﴾: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضطرب: بے چین۔۔بے قرار۔
مضمر: پوشیدہ۔۔مخفی۔۔دل میں رکھا گیا۔
مطابقت: موافقت۔۔مشابہت۔۔برابری۔
مطاع: اطاعت کیا گیا۔۔وہ شخص جس کی اطاعت کی جائے۔
مطلع: اطلاع دیا گیا۔۔خبردار کیا ہوا۔۔واقف۔۔آگاہ۔
مطلق: قطعی۔۔بالکل۔
مطمحِ نظر: مرکزِ نگاہ۔۔اصلی مقصد۔
مطیع: اطاعت کرنے والا۔۔فرمانبردار۔
مطیع ومسخر: اطاعت کرنے والا اور تابع کیا گیا۔
مظفر ومنصور: فتح یاب۔۔کامیاب۔
معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔۔عقبیٰ۔۔آخرت۔۔قیامت۔
معارض: جھگڑا کرنے والا۔۔مخالف۔۔مدعی۔۔حریف۔
معارضہ: جھگڑا۔۔ٹنٹا۔۔مناقشہ۔

معاندین ﴿معاند کی جمع﴾: عناد رکھنے والا۔۔دشمن۔۔مخالف۔
معانقہ: باہم بغل گیر ہونا۔۔گلے ملنا۔
معاون: اعانت کرنے والا۔۔مددگار۔۔دست گیر۔۔حمایتی۔
معتدل: اعتدال والا۔۔درمیانی درجے کا۔۔متوسط۔
معترض: اعتراض کرنے والا۔۔روک ٹوک کرنے والا۔۔مزاحم۔
معتمد: اعتماد کیا گیا۔۔بھروسا کیا گیا۔۔قابل اعتماد۔۔سکریٹری۔
معدوم: مٹایا گیا۔۔فنا کیا گیا۔۔نابود۔۔ناپید۔
معدومات: معدوم کی جمع۔
معرضِ فنا: فنا ہونے والے۔۔فنا ہونے کی جگہ۔
معروف: مشہور۔۔معلوم۔۔ظاہر۔
معزول: موقوف کیا گیا۔۔نوکری سے برطرف کیا گیا۔
معقول: عقل میں لایا گیا۔۔قرین عقل۔۔عقل کے قریب۔
معمور: بھرا ہوا۔۔لبریز۔
معیوب: قابل شرم۔۔باعث ندامت۔
مغلوب: غلبہ کیا گیا۔۔ہارا ہوا۔۔شکست خوردہ۔
مغموم وملول: غمگین ورنجیدہ۔۔دلگیر وآزردہ۔
مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔
مفاسد ﴿مفسدہ کی جمع﴾: فساد خرابیاں۔۔برائیاں۔۔فتنے۔۔جھگڑے۔
مفتری: افترا پرداز۔۔الزام لگانے والا۔۔بہتان لگانے والا۔
مفصل: تفصیل شدہ۔۔صاف۔۔واضح۔۔کھول کر بیان کیا گیا۔
مفضول: فضیلت دیا گیا شخص۔۔فضیلت دی گئی چیز۔
مقتداء: پیروی کیا گیا۔۔وہ شخص جس کی لوگ پیروی کریں۔
مقتدر: اقتدار رکھنے والا۔
مقتضی: تقاضا کرنے والا۔۔خواہش کرنے والا۔
مقدور: قدرت۔۔طاقت۔۔قوت۔
مقرب: قریب کیا گیا۔۔بزرگی دیا گیا۔
مقرون: نزدیک کیا گیا۔۔پاس۔۔قریب۔
مقلد: تقلید کرنے والا۔۔پیرو۔۔مرید۔۔معتقد۔
مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہو۔

مقید: قید کیا گیا۔۔قیدی۔۔اسیر۔۔پابند۔
مکاتب: وہ غلام جسے کچھ معاوضہ لے کر آزاد کر دیا گیا ہو۔
مکارم: بزرگیاں۔۔خوبیاں۔۔محاسن۔۔اچھے اوصاف۔۔
مکالمت: گفتگو۔۔ہم کلامی۔
مکرر: دوبارہ۔۔پھر۔۔دوسری دفعہ۔
ملتبس: چھپایا ہوا۔۔پوشیدہ کیا گیا۔
ملول: اداس۔۔رنجیدہ۔۔غمگین۔
مماثلت: مشابہت۔۔مانند ہونا۔
مناجات: دعا۔۔عرض۔۔التجا۔
منادی: پکارنے والا۔۔اعلان کرنے والا۔
مناسبت: باہمی تعلق۔
منحصر: انحصار کیا ہوا۔۔موقوف۔۔مشروط۔
منزہ: عیبوں سے بری۔۔پاک۔۔مبرا۔
منسوب: نسبت کیا گیا۔
منعم: نعمت دینے والا یعنی اللہ تعالیٰ۔
منفعتوں (منفعت سے): نفع۔۔فائدہ۔
منقطع: قطع کیا گیا۔۔اختتام کو پہنچا ہوا۔
موجب: سبب۔۔باعث۔۔وجہ۔
موحد: خدا کو ایک ماننے والا۔
موشگافی: بال کی کھال اتارنا۔۔تنقید کرنا۔۔نکتہ چینی کرنا۔
موصوف: تعریف کیا گیا۔۔ممدوح۔۔جسکی تعریف کی جائے۔
موضع: گاؤں۔۔جگہ۔
موکد: تاکید کیا گیا۔
موئید: تائید کرنے والا۔
مہمات ﴿مہم کی جمع﴾: بڑا کام۔۔بھاری کام۔۔معرکے کا کام۔
مہیب: خوفناک۔۔خطرناک۔۔ڈراونا۔۔بھیانک۔
میل: جھکاؤ۔۔رغبت۔۔رجحان۔۔میلان۔۔توجہ۔

-- ﴿ ن ﴾ --

ناطق: دوسرے کو عاجز اور خاموش کر دینے والا۔
نجات دہندہ: نجات دلانے والا۔
نزاع: جھگڑا۔۔فساد۔۔تکرار۔۔تنازعہ۔
نسیان: بھول چوک۔۔فراموشی۔
نصرت: مدد۔۔حمایت۔۔فتح۔۔جیت۔
نص قطعی: قرآنِ پاک کی وہ آیت جو صاف اور صریح ہو۔
نفخہ اخیرہ: قیامت میں جو صور آخر میں پھونکی جائے گی۔
نفخہ اولیٰ: قیامت میں جو صور پہلے پھونکی جائے گی۔
نفخ صور: صور پھونکنا یعنی قیامت میں۔
نفوذ: سرایت کرنا۔۔اندر گھسنا۔۔اثر کرنا۔
نوع: قسم۔۔جنس۔
نوعیں: نوع کی جمع۔
نیت فاسد: بری نیت۔۔غلط ارادہ۔

-- ﴿ و ﴾ --

وارفتگی: مضمحل ہونا۔
واضح: ظاہر۔۔عیاں۔۔آشکارا۔
ودیعت: امانت۔۔سپردگی۔
وصف: خوبی۔۔اچھائی۔۔صفت۔
وضع: صورت۔۔ظاہری حالت۔
وضعیں: وضع کی جمع۔
وعید: سزا دینے کی دھمکی۔
وقوع: واضح ہونا۔۔ظہور۔۔اظہار۔
وقوع مفاسد: فتنہ، جھگڑا ہونا۔

-- ﴿ ہ ﴾ --

ہجو: مزمت۔۔برائی۔۔بدگوئی۔
ہر کس و ناکس: ہر شخص۔۔ادنیٰ اعلیٰ۔۔چھوٹا بڑا۔
ہوش وخرد: عقل۔۔دانائی۔۔سمجھ۔
ہول: خوف۔۔اندیشہ۔۔گھبراہٹ۔
ہویت: ہونا۔
ہیولیٰ: ہر چیز کا مادہ۔۔ماہیت۔۔اصل۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،

'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۴۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾

('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالات شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَاالْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲ صفحات﴾

'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہ ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہ دعوت وتبلیغ' ﴿۳۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

مزید براں ادارے کے اشاعتی پروگرام میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆۔۔۔معارف القرآن کا گجراتی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔معارف القرآن کا تفصیلی تقابلی جائزہ۔۔۔☆

☆۔۔۔مضامین معارف القرآن۔۔۔☆

☆۔۔۔تفسیر اشرفی کا گجراتی میں ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دیگر تصنیفات۔۔۔☆

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد پنجم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔علاوہ ازیں ۔۔۔۔کتاب ھٰذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف سندھ) کراچی

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیرِ اشرفی

جلد ششم

قال الم ۱۶ - اِقترب للنّاس ۱۷ - قد افلح ۱۸

شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور - کراچی ۔ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد ششم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کور ڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

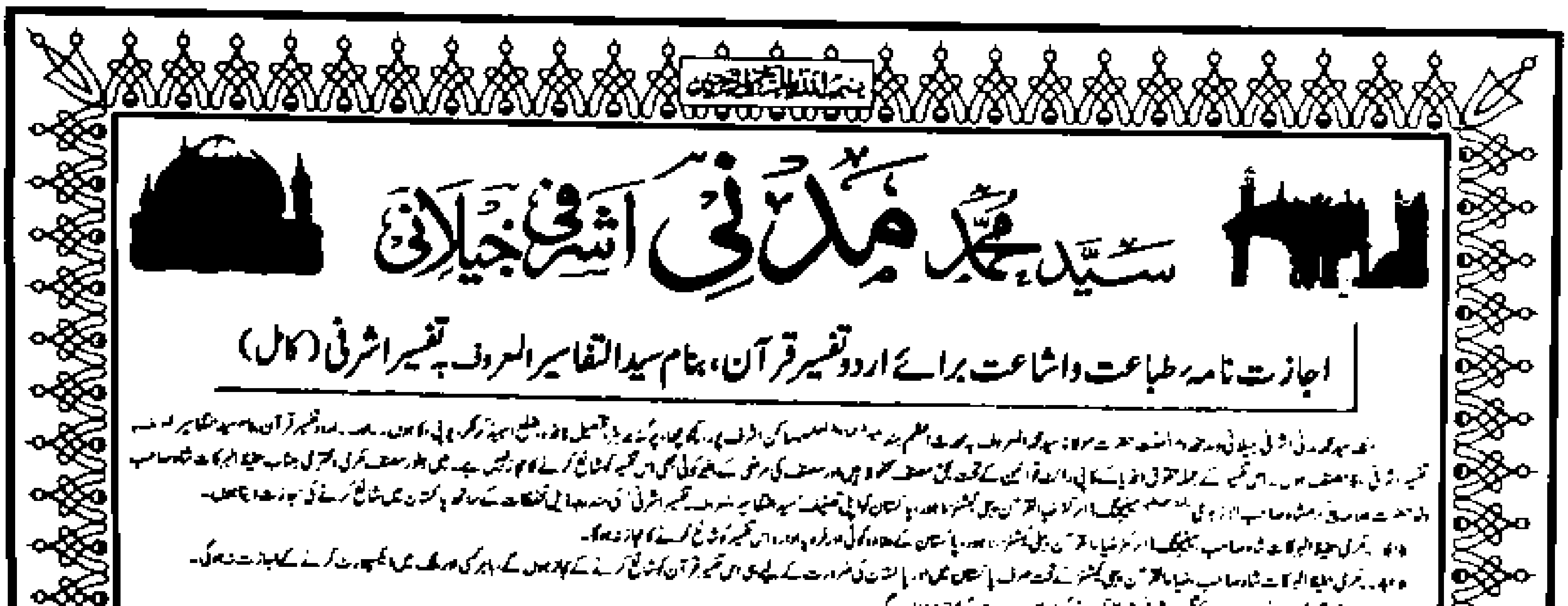
اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212



فہرست

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیرِ اشرفی کی اِس جلد ششم کے متن تفسیر میں ۹،۶۳،۲۸۰ (نولاکھ ترسٹھ ہزار دوسواسی) حروف---
۱،۰۶،۵۶۱ (ایک لاکھ چھ ہزار پانچ سو اکسٹھ) الفاظ---۸،۵۲۴ (آٹھ ہزار پانچ سو چوبیس)
سطریں---اور ۳،۹۸۷ (تین ہزار نو سو ستاسی) پیراگراف شامل ہیں---
کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے،
تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں--- ﴿ادارہ﴾

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۔۔۔ اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

الحمدللہ! ثم الحمدللہ! کہ رب تبارک وتعالیٰ کی توفیقِ رفیق سے سید التفاسیر المعروف بہ تفسیرِ اشرفی کی جلد ششم جو کہ سولہویں، سترہویں اور اٹھارویں پارہ کی تفسیر پر مبنی ہے، قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مفسرِ محترم حضور شیخ الاسلام والمسلمین حضرتِ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی صحت اور عمر میں برکت عطا ہو، اور تفسیری کام اِسی طرح چلتا رہے اور جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ ﴿آمین﴾

ہم شیخ الاسلام والمسلمین کے پُر اخلاص خادمین کے بھی شکر گزار ہیں جو ہر دفعہ ہمارے ساتھ کمپوزنگ، پروفنگ، اور دوسرے طباعتی واشاعتی مراحل میں ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن تمام اصحاب وافراد کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو مفسرِ محترم کی سرپرستی میں رہتے ہوئے دینِ اسلام کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیقِ رفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ امین! بِجَاهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمُ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ﴾

۱۲ ربیع اوّل ۱۴۳۳ھ ۔۔ بمطابق ۔۔ ۵ فروری، ۲۰۱۲ء

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

١٦

قال الم

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بحمدہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

یکم ربیع الاوّل شریف ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۵فروری ۱۱

بروز شنبہ، سولھویں[۱۶] پارے کی تفسیر کا آغاز کر دیا۔

مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور پورے قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل

کی سعادت مرحمت فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَتِ حَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت پر کاربند رہتے، تو اُن کی صحبت طویل ہوتی۔ اور بھی کئی عجیب وغریب واقعات پیش آتے، لیکن وہ اپنے شرعی منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے خاموش نہ رہ سکتے، اور جب بھی کوئی بات بظاہر خلافِ شرع ہوتی، تو اس پر ضرور ٹوکتے۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ متعلّم کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جس نے پہلے بالکل کچھ بھی نہ پڑھا ہو۔ ظاہر ہے کہ اُستاد اُس کے سامنے مسئلے کی جو بھی تقریر کرے گا، اُس کا شاگرد اُس کو بلا چون وچرا تسلیم کرے گا۔ دوسری قسم وہ ہے جس نے پہلے کچھ پڑھ لیا ہو اور اس کو اپنے پڑھے ہوئے پر مکمل اعتماد اور یقین ہو، یہ شخص اُستاد کی اُسی بات کو تسلیم کرے گا، جو اُس کے پڑھے ہوئے کے مطابق ہوگا، اور جو اُس کے مخالف ہوگا اُس کے قبول کرنے میں اُس کو تامل ہوگا اور اُس پر وہ اعتراض کرے گا۔

حضرت خضر علیہ السلام کو علم تھا، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریع کے نبی ہیں اور جو بات ظاہر شرع کے خلاف ہوگی اُس پر وہ اعتراض کریں گے، جب کہ حضرت خضر علیہ السلام تکوین کے نبی تھے اور اُن کو معلوم تھا، کہ اُن کے کئی کام ظاہر شریعت کے خلاف ہوں گے اور اُن پر حضرت موسیٰ اعتراض کریں گے، اور اِس طرح تعلیم اور تعلّم کا سلسلہ زیادہ دیر نہیں چل سکے گا، اس لیے انہوں نے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی کہہ دیا کہ "آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کرسکیں گے اور اُس چیز پر کیسے صبر کرسکتے ہیں جس کا آپ کے علم نے احاطہ نہیں کیا"۔ چنانچہ۔۔۔ جب بے گناہ بچے کے قتل پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض فرمایا۔۔ تو۔۔۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٧٥﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ

انہوں نے کہا کہ "ہم نے نہیں بتادیا تھا آپ کو، کہ آپ نہ کرسکیں گے میرے ساتھ رہ کر صبر" ● بولے کہ "اگر اب میں نے آپ سے

عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿٧٦﴾

کچھ پوچھا، تو آپ ساتھ نہ رکھیے گا مجھ کو۔ بلاشبہ آپ نے معذوری میری وجہ سے انتہا کو پہنچادی" ●

(انہوں نے) یعنی حضرت خضر علیہ السلام نے (کہا کہ "ہم نے نہیں بتادیا تھا آپ کو، کہ آپ نہ کرسکیں گے میرے ساتھ رہ کر صبر") یعنی میرا کام دیکھ کر آپ خاموش نہ رہ سکیں گے اور ضرور اعتراض فرمائیں گے۔ اِس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام (بولے کہ "اگر اب میں نے آپ سے کچھ پوچھا، تو آپ ساتھ نہ رکھیے گا مجھ کو۔ بلاشبہ آپ نے معذوری میری وجہ سے انتہا کو پہنچادی")، یعنی جب تین بار میں آپ

کی مخالفت کر چکوں، تو بے شک میرا ساتھ چھوڑ دینے میں آپ معذور ہیں۔

فَانْطَلَقَا ٭ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا

تو دونوں چل پڑے۔۔ یہاں تک کہ جب آئے ایک آبادی والوں میں، تو کھانا مانگا وہاں والوں سے،

اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ

تو سب نے انکار کر دیا اُن کی مہمانداری کرنے سے، پھر پایا آبادی میں ایک دیوار، کہ گرا چاہتی ہے، تو اس کو کھڑا کر دیا۔

قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا

کہا موسیٰ نے، "اگر آپ چاہتے تو لے لیتے اِس پر مزدوری" ●

(تو) پھر (دونوں چل پڑے) اور آگے بڑھے۔۔۔ (یہاں تک کہ جب آئے ایک آبادی والوں میں)۔۔۔

اُس آبادی کا نام کیا تھا، اِس کے تعلق سے مختلف اقوال ہیں جن میں راجح 'انطاکیہ' ہے جس میں بسنے والوں کا حال یہ تھا کہ جب شام ہوتی، تو دروازہ بند کر لیتے اور کسی کے واسطے نہ کھولتے۔ مغرب کی نماز کا وقت تھا، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام اِس گاؤں پر پہنچے اور چاہا کہ گاؤں میں داخل ہوں، کسی نے دروازہ نہ کھولا۔۔۔

(تو) اُن دونوں نے (کھانا مانگا وہاں والوں سے)، اور اُن سے یہ بات کہی کہ یہاں پر ہم مسافرانہ آئے ہیں اور بھوکے ہیں، اگر ہمیں گاؤں میں نہیں آنے دیتے، تو کھانا ہی ہمارے واسطے بھیج دو۔ (تو سب نے انکار کر دیا اُن کی مہمان داری کرنے سے)۔۔ الغرض۔۔ پورے گاؤں نے اپنے پلے درجے کی بخالت کا مظاہرہ کیا، اور یہ حضرات گاؤں کے باہر بھوکے پڑے رہے۔ پھر صبح کو آگے کی راہ لی۔

یہاں یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ دونوں حضرات کا کھانا طلب کرنا اور بھوکا رہنا یہ ظاہر کرتا ہے، کہ حضرت خضر علیہ السلام انسان ہی ہیں۔۔ لہٰذا۔۔ اُن لوگوں کا خیال غلط ہے جو حضرت خضر علیہ السلام کو فرشتہ قرار دیتے ہیں۔

(پھر) اثناءِ راہ میں (پایا آبادی میں ایک دیوار) ایک طرف جھکی ہوئی، ایسا (کہ گرا چاہتی ہے)۔

یعنی گرنے کی پوزیشن میں ہے اور جڑ سے اُکھڑ جانے کی حالت میں ہے۔۔۔
(تو) حضرت خضر نے اپنے اشارے سے (اُس کو کھڑا کر دیا)۔۔یا۔۔اُس کو سیدھا کر دیا اِس طرح کہ اُس کی جڑ کو گارے اور پتھر سے مضبوط کر دیا۔ اِس منظر کو دیکھ کر اُن سے (کہا) حضرت (موسیٰ نے) کہ اِس گاؤں والوں نے نہ ہمیں جگہ دی اور نہ کھانا بھیجا، تو آپ نے اُن کی دیوار کیوں بنادی؟ (اگر آپ چاہتے، تو لے لیتے اِس پر مزدوری) اور پھر اُس مزدوری کے پیسے سے کچھ خرید کر اپنی بھوک مٹالی جاتی۔ حضرت موسیٰ کی اس بات پر حضرت خضر نے۔۔۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ

جواب دیا کہ "یہ میری آپ کی جدائی ہے۔ ابھی میں بتائے دیتا ہوں آپ کو اصلی بات

مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

جس پر تم صبر نہ کر سکے●

(جواب دیا کہ یہ میری آپ کی جدائی ہے) یعنی آپ نے کہہ دیا تھا، کہ اگر تیسری بار میں کچھ تم سے پوچھوں، تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا۔ تو اب جدائی کا وقت آ گیا، اس لیے (ابھی میں بتائے دیتا ہوں آپ کو اصلی بات جس پر تم صبر نہ کر سکے) اور صرف اُس کے ظاہر کو دیکھ کر، اُس کام کو بُرا گمان کیا۔ اِس سلسلے کی پہلی بات۔۔۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا

وہ کشتی! تو مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کیا کرتے تھے، تو میں نے چاہا کہ اُس کو عیب دار کر دوں،

وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾

کہ اُن کے ادھر ایک بادشاہ تھا، جو پکڑ لیتا ہے ہر کشتی کو زبردستی●

(وہ کشتی) ہے جسے میں نے عیب والا کر دیا۔ (تو) اُس کا قصہ یہ ہے کہ وہ چند (مسکینوں کی تھی)، وہ محتاج دس بھائی تھے، پانچ بیمار بے کار اور پانچ ملاح (جو) معاش پیدا کرنے کو (دریا میں کام کیا کرتے تھے، تو) خدا کے حکم سے (میں نے چاہا کہ اُس) کشتی (کو عیب دار کر دوں)، کیوں (کہ اُن کے اُدھر) یعنی آگے اُن کی راہ میں (ایک بادشاہ تھا جو پکڑ لیتا تھا ہر) صحیح اور سالم وثابت (کشتی کو زبردستی)

۔۔الغرض۔۔اُس کی عادت یہ تھی کہ جوکشتی صحیح ودرست اُس کی طرف سے گزرتی اُس پر جبراً قبضہ کرلیتا۔ اِسی لیے میں نے اُس کشتی کو حکمِ الٰہی سے عیب دار بنادیا، کہ بیچارے جن غریبوں کا معاش اُس پر منحصر ہے، وہ اپنے ذریعہ مُعاش سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں اور وہ محتاج لوگ بالکل محروم نہ رہ جائیں۔

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾

اور لڑکا! تو اُس کے ماں باپ ایمان والے تھے، تو ہم نے خطرہ دیکھا کہ چڑھادے انہیں سرکشی اور کفر میں ●

(اور) اِس سلسلے کی دوسری بات وہ (لڑکا) ہے جسے قتل کردیا گیا۔ (تو) اُس کا قصہ یہ ہے، کہ (اُس کے ماں باپ ایمان والے تھے) اور یہ بچہ ایسا تھا کہ اِس پر کفر کی مہر لگادی گئی تھی، (تو ہم نے خطرہ دیکھا کہ چڑھادے انہیں)، یعنی اپنے والدین کو (سرکشی اور کفر میں)۔

۔۔الحاصل۔۔ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ جب یہ بالغ ہوجائے گا، تو اس میں یہ برائیاں پائی جائیں گی اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ جس کے متعلق اِس قسم کا غلبۂ ظن ہو اُس کو قتل کردیا جائے۔۔۔

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

تو ہم نے چاہا کہ بدل دے انہیں اُن کا پروردگار اُس سے بہتر پاکیزگی میں، اور زیادہ رحم دل ●

(تو) اُس کو قتل کرکے (ہم نے چاہا کہ بدل دے اُنہیں اُن کا پروردگار) ایسا، جو اُن کے حق میں (اُس سے بہتر) ہو (پاکیزگی میں اور زیادہ) ہو (رحم دل) ہونے میں ۔۔المختصر۔۔ اللہ تعالیٰ اُس لڑکے کے ماں باپ کو بالواسطہ ۔۔یا۔۔ بلاواسطہ اُس سے بہتر لڑکا عطا فرمادے جو پاکیزہ سیرت کا حامل ہو اور رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے والا ہو۔

پھر اُن کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس سے ایک پیغمبر نے نکاح فرمایا اور جس کے بطن سے ستر نبی پیدا ہوئے۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا

اور دیوار! تو وہ دو یتیم بچوں کی تھی اس شہر میں، اور اس کے نیچے اُن کا خزانہ تھا،

وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا

اور اُن کا باپ لیاقت مند تھا، تو چاہا آپ کے رب نے کہ پہنچ جائیں وہ اپنی جوانی کو،

وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ

اورنکالیں اپنا خزانہ۔ رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے۔اور یہ سب میں نے نہیں کیا اپنے حکم سے۔

ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾

یہ ہے اصلی بات، جس پر آپ صبر نہ کر سکے" ●

ع ۱۰ / ۱۲

(اور) اب رہ گئی اِس سلسلے کی آخری بات (دیوار) والی۔ (تو وہ) دیوار (دو یتیم بچوں کی تھی) جو (اِس شہر میں) جس کا ذکر اوپر ہوا رہتے تھے، ان میں ایک کا نام 'احرم' تھا اور دوسرے کا 'حریم'۔ (اور اِس) دیوار (کے نیچے اُن کا خزانہ تھا)، تو اگر دیوار گر پڑتی تو خزانہ کھل جاتا اور لوگ اٹھا لے جاتے۔ (اور) صورتِ حال یہ تھی، کہ (اُن کا باپ لیاقت مند تھا) اور نہایت ہی نیک اور صالح تھا جس کا نام 'کاشح' تھا۔

اور ایک قول کے مطابق ان لڑکوں اور مردِ صالح کے درمیان میں سات پشتیں تھیں۔

تو حق تعالیٰ نے اُس صالح کی صلاح کی برکت سے سات پشتوں کے اُس کے پوتوں کے واسطے خزانے کی حفاظت فرمائی، (تو چاہا آپ کے رب نے کہ پہنچ جائیں وہ اپنی جوانی کو) اپنی قوت اور کمالِ بندگی کو، (اور) پھر (نکالیں) خود ہی (اپنا خزانہ)۔ یہ نوازش اور یہ حفاظت ونگہداشت دراصل (رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے)۔ (اور یہ سب) جو کچھ آپ نے دیکھا، (میں نے نہیں کیا اپنے حکم سے) اور اپنی طرف سے، بلکہ خدا کے حکم سے میں نے کیا ہے۔ اِس واسطے کہ اُس نے چاہا کہ خزانہ مستحقوں کو پہنچے۔

وہ خزانہ کیا تھا، اُس کے تعلق سے بھی بہت سارے اقوال ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ راجح یہ ہے، کہ وہ خزانہ سونے چاندی سے بھرا تھا۔

(یہ ہے اصلی بات، جس پر آپ صبر نہ کر سکے)، یعنی جن جن حالات کو دیکھ کر آپ اُس پر صبر نہ کر سکے اُن سب کی اصل حقیقت یہی ہے جو میری مذکورہ بالا وضاحتوں سے ظاہر ہے۔

نبی کریم اپنے دعوئ نبوت میں صادق ہیں یا کاذب؟ اِس کو معلوم کرنے کے لیے یہود نے مشرکین کو تین ۳ سوالات سکھائے تھے، جن کے تعلق سے پہلے بھی وضاحت کی جا چکی ہے۔ اِن تینوں سوالوں میں اُن کا آخری سوال یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ سے ذوالقرنین کے

متعلق سوال کرو۔ اِس کا ذکر اب آگے کے ارشادات میں آ رہا ہے۔ چونکہ قرآنِ مجید تاریخ اور جغرافیہ کی کتاب نہیں ہے، اس لیے اُس میں اُن کی زندگی کے وہی اہم ترین واقعات بیان فرمائے ہیں، جن کے ضمن میں رشد و ہدایت کا پہلو ہے۔

ذوالقرنین کے تعلق سے سوال کے جواب کو نبوت کی نشانیوں میں اس لیے شمار کرایا گیا، کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں گزرا تھا۔ وہ آپ پر ایمان لایا تھا اور آپ علیہ السلام کی اتباع کی تھی، اور اُس کے وزیر حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ اس کے تفصیلی حالات کسی کتاب میں محفوظ نہیں تھے، ہاں تورات میں اُس کا ذکر خود اُس کے نام سے ہے، تو اب اُس کے حالات و واقعات کا صحیح علم وحیٔ الٰہی کے ذریعہ ہی حاصل کیا جا سکتا تھا، تو پھر جو نبی ہوگا وہی اُس کے واقعات بیان کر سکتا تھا۔

یہ ذہن نشین رہے کہ ذوالقرنین "سکندرِ رومی ابن فیلیس مقدونی یونانی" نہیں ہے۔ کیوں کہ سکندرِ رومی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے گزرا ہے، جس کا وزیر مشہور فلسفی ارسطاطالیس تھا۔۔الختصر۔۔قرآنِ کریم میں جس ذوالقرنین کا ذکر ہے، وہ وہی تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں گزرا تھا۔ گو انہیں بھی سکندر کہا گیا ہے، مگر وہ سکندرِ رومی کے سوا تھے۔ اُن کو ذوالقرنین کہنے کی وجہ میں بھی مختلف اقوال ہیں۔ وہ مشرق سے مغرب تک کے بادشاہ تھے اور اِسی جہت سے انہیں ذوالقرنین کہا گیا ہے، کہ وہ مشرق اور مغرب کے کنارے کا چکر لگا چکے تھے۔۔یا۔۔اُن کے زمانے میں لوگوں کے دو قرن گزرے، اس لیے وہ ذوالقرنین کہے گئے۔۔یا۔۔اُن کے تاج میں دو شاخیں تھیں۔۔یا۔۔ ہاتھ اور رکاب دونوں سے جنگ کرتے تھے۔۔یا۔۔علم ظاہر اور علم باطن دونوں انہیں حاصل تھے۔۔یا۔۔وہ 'کریم الطرفین' تھے۔۔یا۔۔وہ گُندھے ہوئے دو گیسو سر کے دونوں طرف رکھتے تھے۔ اُن کی نبوت میں اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ وہ نبی نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے تھے۔

تو اَے محبوب! عرب کے مشرکین امتحاناً یہود کے کہنے سے معلوم کرنا چاہتے ہیں۔۔۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۗ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝۸۳

اور دریافت کرتے ہیں تم سے ذوالقرنین کے بارے میں، جواب دو کہ "ابھی ظاہر کیے دیتا ہوں تم پر اُن کا واقعہ" ●

(اور دریافت کرتے ہیں تم سے ذوالقرنین کے بارے میں) اور ان کا حال جاننا چاہتے ہیں، تو آپ اُن کو (جواب دو کہ "ابھی ظاہر کیے دیتا ہوں تم پر اُن کا واقعہ")۔ یعنی میں منجانب اللہ ذوالقرنین کے متعلق نازل فرمودہ قرآنِ مجید کی تلاوت کرتا ہوں جس سے تمہیں اُن کے تعلق سے اہم واقعات کا علم ہو جائے گا، تو غور سے سنو! ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُۥ فِى ٱلْأَرْضِ وَءَاتَيْنَٰهُ مِن كُلِّ شَىْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾

بے شک ہم نے زوردار کر دیا تھا انہیں زمین میں، اور دے دیا تھا ہر چیز کا ایک راستہ ●

(بے شک ہم نے زوردار کر دیا تھا انہیں زمین میں)، یعنی ہم نے ذوالقرنین کو تدبیر و رائے اور اسباب پر تصرف کرنے کی قدرت بخشی۔ یہاں تک کہ بادل بھی اس کے تابع کر دیے اور اسباب کی فراوانی دی اور اُسے ایسا نور بخشا، کہ وہ رات اور دن کو برابر دیکھتا تھا۔ اور زمین کے سفر اُس کے لیے آسان کر دیے گئے اور اُس کے راستے ہموار تھے۔ یہاں تک کہ وہ اَبر پر سوار ہو کر جہاں چاہتا جاتا، (اور) وہ اس لیے کہ (دے دیا تھا) ہم نے اُسے (ہر چیز کا ایک راستہ) یعنی ایک سبب، کہ اُس سبب سے وہ چیز اُسے میسر ہو جاتی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ جس دن روم سے نکل کر مصر کو فتح کیا، اور حبشیوں سے لڑ کر اُن پر غالب ہوا، اور مغرب کا قصد کیا۔۔۔

فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾

تو پیچھے گئے وہ ایک راستے کے ●

(تو پیچھے گئے وہ ایک راستے کے) یعنی ایک ایسے سبب کے جو مغرب میں پہنچ سکے۔ وہ اُس سبب سے وسیلہ ڈھونڈتے جاتے تھے۔۔۔

حَتَّىٰٓ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ ٱلشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِى عَيْنٍ حَمِئَةٍ

یہاں تک کہ جب پہنچے سورج ڈوبنے کی جگہ، اُس کو پایا کہ ڈوبتا ہے ایک چشمے میں سیاہ کیچڑ کے،

وَوَجَدَ عِندَهَا قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَٰذَا ٱلْقَرْنَيْنِ إِمَّآ أَن تُعَذِّبَ

اور پایا اُس کے پاس ایک قوم۔۔۔ ہم نے حکم دیا کہ "اے ذوالقرنین، یا انہیں سزا دو

وَإِمَّآ أَن تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٦﴾

اور یا کرو ان میں بھلائی" ●

(یہاں تک کہ جب پہنچے سورج ڈوبنے کی جگہ) یعنی مغرب کی آبادی کی حد پر۔

ایسے مقام پر پہنچے جہاں مغرب میں کوئی عمارت نہیں، تو سورج کو غروب کے وقت دیکھا، توانہیں ایسا محسوس ہوا، کہ گویا وہ ظلمۃ الارض کے کیچڑ میں ڈوب رہا ہے، جیسے دریا میں کشتی کا سوار دیکھتا ہے، کہ گویا سورج دریا میں ڈوب رہا ہے۔ یہ اُس وقت محسوس ہوتا ہے کہ دریا کا کوئی کنارا نہیں۔ حالانکہ سورج دریا میں نہیں ڈوبتا بلکہ دریا کے پاراُوپر کہیں جاکر ڈوبتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سورج اپنے فلک پر چلتا ہے اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ جہاں سورج غروب ہوتا ہے وہاں کوئی قوم نہیں ۔۔الختصر۔۔ حضرت ذوالقرنین نے اِس مقام پر جو منظر محسوس کیا، اِس آیت میں اُن کے اِسی وجدان کی وضاحت کی جارہی ہے، نہ کہ حقیقتِ حال کی ۔۔الختصر ۔۔ اِس آیت میں مغرب سے زمین کا منتہی مراد ہے جو بجانبِ مغرب ہے، کہ اُس کے بعد کسی کو اِمکان نہیں کہ وہاں سے متجاوز ہوسکے ۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت ذوالقرنین وہاں پہنچ کر دریائے محیط کے کنارے پر کھڑے ہوگئے ۔۔ پھر۔۔

(اُس کو) یعنی آفتاب کو (پایا) یعنی محسوس کیا (کہ ڈوبتا ہے ایک چشمے میں سیاہ کیچڑ کے)، یعنی گندے پانی کے چشمے میں جس میں مٹی ملی ہوئی تھی، (اور پایا اُس) چشمے (کے پاس ایک قوم)۔ یعنی عمارت کی انتہا کے آگے یعنی دریائے محیطِ غربی کے کنارے پر پایا۔

ایک قول کے مطابق جس قوم کو پایا وہ لوگ بُت پرست تھے، اُن کی آنکھیں سبز اور سرخ تھیں اور اُن کا لباس حیوانات کے چمڑے، اور اُن کی خوراک آبی حیوانات کا گوشت تھا۔ ایک دوسرے قول کے مطابق اُس قوم سے اہل جابلص مراد ہیں۔ جابلص ایک شہر کا نام ہے جسے سریانی بولی میں 'جرجیسا' کہا جاتا ہے۔ یہ قوم ثمود کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ وہ حضرات تھے جو حضرت صالح پر ایمان لانے کی وجہ سے عذابِ الٰہی سے بچ گئے تھے۔ جب نبی پاک ﷺ شبِ معراج تشریف لے گئے، تو آپ کا اُس شہر جابلص سے بھی گزر ہوا اور وہاں کے تمام باشندے حاضر ہوکر دولتِ اسلام سے نوازے گئے۔

۔۔الختصر۔۔ (ہم نے حکم دیا) اُس عہد کے نبی کے ذریعے۔ یا۔ بطورِ الہام (کہ اَے ذوالقرنین!) دعوتِ دینی پیش کردینے کے بعد اگر وہ قوم انکار کرے، تو تمہیں اختیار ہے (یا) تو (اُنہیں سزا دو اور یا کرو اُن میں بھلائی)۔ یعنی خواہ تم انہیں قتل کے عذاب میں مبتلا کردو، اور خواہ اُن کے ساتھ احسان و مروّت کے ساتھ پیش آؤ، اور اُنہیں توبہ واستغفار کی مہلت دے دو۔

اِس ارشاد کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ انہیں قتل کر دیں اگر دینِ حق سے انکار کریں اور اگر وہ دین کو قبول کریں، تو آپ اُن کے ساتھ احسان و مروّت سے پیش آئیں۔۔چنانچہ۔۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾

وہ بولے کہ "جس نے اندھیر کیا، تو اُس کو ہم سزا دیں گے، پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے پروردگار کی طرف، تو وہ سزا دے گا اُسے ناقابلِ برداشت●

(وہ) یعنی حضرت ذوالقرنین (بولے کہ "جس نے اندھیر کیا) اور ہماری دعوتِ دینی کو قبول نہ کیا، (تو اس کو ہم سزا دیں گے) اور دنیا میں اُسے قتل کے عذاب میں مبتلا کریں گے"۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت ذوالقرنین کافروں کو دینِ حق کی دعوت دیتے، اگر کوئی انکار کرتا تو اس کو آگ کی دیگ میں ڈال دیتے اور اگر کوئی دینِ حق کو قبول کر لیتا، تو اُسے انعام واکرام سے نوازتے۔

رہ گیا منکر کافر، تو اُسے تو دُنیا میں سزا ملے گی ہی (پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے پروردگار کی طرف) مرنے کے بعد آخرت میں، (تو وہ سزا دے گا اُسے ناقابلِ برداشت) اور وہ عذابِ جہنم ہے۔

وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ

ہاں جو ایمان لایا اور لیاقت والے کام کیے، تو اُن کے لیے ہے سب اچھا ثواب۔ اور بتائیں گے ہم اُسے

مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿۸۸﴾

اپنا آسان کام"●

(ہاں جو ایمان لایا) اور میری دعوت قبول کی (اور) ایمان کے مقتضا پر (لیاقت والے کام کیے) یعنی نیک عمل انجام دیے، (تو اُن کے لیے ہے) دارین میں (سب اچھا ثواب)۔۔الغرض۔۔ انہیں نیک اجر نصیب ہوگا، (اور بتائیں گے ہم اُسے اپنا آسان کام) یعنی اُسے ہم اپنے تمام اوامر آسان کر کے بتائیں گے۔ یعنی اُن پر ہمارے امر کردہ احکام آسان ہوں گے۔

"امرِ آسان" ہر وہ کام ہے جس کے ادا کرنے میں انسان کو تکلیف نہ ہو۔ ذوالقرنین نے تاریکی کا لشکر، یعنی وہ لشکر جس کو تاریکی میں لڑنے پر مامور کیا جاتا تھا، یعنی رات کے اندھیرے میں کام کرنے والے جانور اور حشرات الارض وغیرہ، اُس بت پرست قوم پر جس کو قوم ناسک کہا جاتا ہے، متعین کیا۔ یہاں تک کہ وہ لشکر اُس قوم کی آنکھوں اور کانوں میں گھس گیا اور وہ قوم پناہ مانگ کر ایمان لائی۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾

پھر پیچھے لگے ایک راستے کے ●

(پھر) ذوالقرنین نے اپنی دوسری مہم کا آغاز کیا اور (پیچھے لگے ایک راستے کے) جو مشرق سے اُتر کی طرف لے جاتا تھا۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ

یہاں تک کہ جب پہنچے دو پہاڑوں کے درمیان، تو پایا اُن کے ادھر ایک قوم،

لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾

جو سمجھتے نہیں معلوم ہوتے کوئی بات ●

(یہاں تک کہ جب پہنچے دو پہاڑوں کے درمیان) زمینِ ترک کے اختتام پر جو مشرق کی جانب واقع ہے اور اُن کے پیچھے یاجوج و ماجوج کا بسیرا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ جب ذوالقرنین وہاں پہنچے (تو پایا اُن کے اِدھر) اُن دو پہاڑیوں کے سامنے (ایک) عجیب وغریب (قوم، جو سمجھتے نہیں معلوم ہوتے کوئی بات)، اور ذوالقرنین کے لشکر میں سے بھی کوئی اُن کی بات نہ سمجھتا تھا، تو اپنے ترجمان کے ذریعے۔۔۔

قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ

سب نے درخواست کی، کہ "اَے ذوالقرنین، واقعہ یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج بڑے فسادی ہیں زمین میں،

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾

تو کیا ہم مقرر کرلیں آپ کا کچھ خراج اِس پر، کہ آپ کھنچوا دیں ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار" ●

(سب نے درخواست کی)۔

۔۔یا۔۔ اُس قول کی بنیاد پر کہ حضرت ذوالقرنین ہر زبان کو سمجھتے تھے، تو اس صورت میں سب نے براہِ راست اپنا معروضہ پیش کیا اور عرض کیا۔۔۔

(کہ اَے ذوالقرنین! واقعہ یہ ہے کہ یاجوج و ماجوج بڑے فسادی ہیں زمین میں)، جب یہ دونوں پہاڑوں سے نکلتے ہیں، ہری گھاس کی قِسم سے جو پاتے ہیں کھا جاتے ہیں، اور جو خشک چیز ہوتی ہے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، اور ہم سب کے چارپایوں کو مار کر کھا لیتے ہیں۔ اور اگر چارپائے نہیں پاتے ہیں، تو اُن کے عوض آدمیوں کو کھا جاتے ہیں۔

دراصل یہ یافث بن نوح کی اولاد میں سے دو قبیلے ہیں۔ اس قوم کے لوگوں کی شکلوں اور صورتوں میں اختلاف ہے۔ اُن کے تعلق سے ہمارا اِس پر ایمان ہے کہ یاجوج ماجوج پیدا ہو چکے ہیں اور قربِ قیامت میں اُن کا ظہور ہوگا۔ قرآنِ مجید اور احادیث میں ان کے مصداق کا تعین نہیں کیا، اور نہ اُن کی واضح اور حتمی صفات بیان کی ہیں۔ ان کی صفات اور مصداق کے متعلق جو کچھ بھی کہا گیا، وہ سب ظن وتخمین اور اندازوں پر مبنی ہے۔ اُس کا نظیر یہ ہے کہ ہمارا اِس پر ایمان ہے کہ جنت اور دوزخ موجود ہے، لیکن ہم قطعی طور پر یہ نہیں بتا سکتے کہ جنت اور دوزخ کس جگہ پر ہے۔ جن اخبارِ آحاد سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت سات آسمانوں کے اوپر اور عرش کے نیچے ہے، اُن سب سے ظنی ثبوت ہوتا ہے نہ کہ قطعی۔ غرضیکہ اُس گروہ نے حضرت ذوالقرنین سے یہ بات کہی کہ ہم اُس قوم سے تنگ آگئے ہیں۔۔۔

(تو کیا ہم مقرر کرلیں آپ کا کچھ خراج اِس پر، کہ آپ کھنچوا دیں ہمارے اور اُن کے درمیان ایک دیوار)۔ اِس پر آپ نے۔۔۔

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي

جواب دیا کہ "جو طاقت بخشی ہے مجھ کو اِس میں میرے رب نے، وہ سب سے بہتر ہے، پس تم لوگ میری مدد کرو

بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾

زورِ بازو سے، تو میں بنادوں تمہارے اور اُن کے درمیان مضبوط روک ●

(جواب دیا کہ جو طاقت بخشی ہے مجھ کو اِس میں میرے رب نے، وہ سب سے بہتر ہے)۔ یعنی مجھ کو اس کام کو انجام دینے کی تم سے کوئی مزدوری نہیں چاہیے، اور اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتے ہو، **(پس تم لوگ میری مدد کرو)** اپنے **(زورِ بازو سے)**۔ یعنی اِس کام کے لیے تمہاری قوم کے جس عملی تعاون اور جن اسباب واشیاء کی ضرورت ہو اُن کو حاضر کردو، تاکہ اِس کام میں مجھے قوت ملے۔۔ الختصر۔۔ تم میرے معاون ہو جاؤ، **(تو میں بنادوں تمہارے اور اُن کے درمیان ایک مضبوط روک)** اور ایک سخت آڑ، کہ اس میں بعض بعض پر مرکب ہے۔۔ تو۔۔

آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا

لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں" یہاں تک کہ جب برابر کر دیا اسے دونوں پہاڑوں کے کناروں سے، حکم دیا کہ "سب لوگ پھونکو،

حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ﴿۹۶﴾

یہاں تک کہ جب کر دیا اُس کو دہکتی آگ، حکم دیا کہ "لاؤ میں انڈیل دوں اس پر پگھلا تانبا" ●

(لے آؤ میرے پاس لوہے کی چادریں)، جو لوہے کے ٹکڑوں اور لوہے کی اینٹوں سے تیار کی گئی ہوں۔

ساتھ ہی ساتھ آپ نے انہیں یہ بھی بتا دیا، فلاں مقام پر لوہے کی کان ہے اور فلاں مقام پر تانبے کی کان ہے۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت ذوالقرنین کے حکم سے لوہے کی چادریں بنائی گئیں۔ جب چادریں بن چکیں، تو حکم کیا کہ دو پہاڑوں کے درمیان کہ چار ہزار قدم کا فاصلہ ہے، اس میں پینسٹھ۶۵ گز چوڑی نیو کھودو۔۔ چنانچہ۔۔ اتنی گہری نیو کھودی، کہ پانی نکل آیا۔ پھر زمین کی تہہ میں پانی پر پتھر کی چٹان رکھی اور اس پر لوہے کی چادریں بچھا دیں۔

(یہاں تک کہ جب برابر کر دیا اُسے دونوں پہاڑوں کے کناروں سے) اور دو پہاڑوں کا درمیانی فاصلہ اوپر تک پہاڑوں کے برابر کر دیا، یعنی پہاڑوں کے درمیانی فاصلے کے خلا کو اوپر سے پانی کی تہہ تک بھر دیا اور اس میں دھونکنے اور پھونکنے کی راہیں اِدھر اُدھر بنائیں۔

اس دیوار کی بلندی دو سو۲۰۰ گز اور اُس کی چوڑائی پچاس۵۰ گز تھی۔ دیوار کی تکمیل کے بعد درمیان والی لکڑیوں اور کوئلوں کو مضبوط کرنے کے لیے انہیں ایک طرف سے آگ لگا دی، پھر حضرت ذوالقرنین نے تمام عملے کو۔۔۔

(حکم دیا کہ سب لوگ پھونکو) لوہے کی چادروں میں، (یہاں تک کہ جب کر دیا اُس کو دہکتی آگ)، یعنی اُن چادروں اور لوہے کی تختیوں کو دہکتا شعلہ بنا دیا، تو آپ نے (حکم دیا) انہیں جو سیسہ پگھلانے اور لوہے کے اندر کی لکڑیوں اور کوئلہ وغیرہ جلانے پر مامور تھے، (کہ لاؤ) میرے سامنے وہ پگھلا ہوا سیسہ، تاکہ (میں اُنڈیل دوں) یعنی میرے حکم سے اُنڈیل دیا جائے (اس پر پگھلا تانبا)۔

چونکہ یہ سارا کام آپ کے حکم سے انجام دیا جا رہا تھا، تو گویا یہ سب کچھ آپ ہی کر رہے تھے۔ اس لیے اس کے کرنے کی نسبت آپ کی طرف کر دی گئی۔ لوہے کی چادریں اور درمیان کا کوئلہ اور سیسہ وغیرہ آپس میں مل کر سخت مضبوط پہاڑ کی طرح ہو گئے اور ساتھ ساتھ زبردست چکنے بھی رہے۔۔۔

فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾

تو وہ سب نہ چڑھ سکے اُس پر، اور نہ سوراخ کر سکے ●

(تو) اُس کے چکنے پن اور بلندی کی وجہ سے، (وہ سب نہ چڑھ سکے اُس پر)۔۔الغرض۔۔ اُس پر یاجوج ماجوج کا چڑھنا دشوار ہوگیا۔ کیونکہ چکنے پن کی وجہ سے اُس پر کسی کا قدم نہیں ٹھہر سکتا تھا ۔۔مزید برآں۔۔دیوار کی بلندی مانع تھی اِس بات سے کہ کوئی اُس پر چڑھ سکے۔ (اور) سختی کا یہ عالم، کہ (نہ) ہی (سوراخ کر سکے) اس میں، اس لیے کہ وہ سخت بھی تھی اور ضخیم بھی، تو اتنے بڑے فاصلے کو کس طرح نقب لگا سکتے تھے۔ تو ہزار کوششوں کے باوجود یاجوج ماجوج اُس دیوار کو پار کرنے پر قادر نہ ہو سکے۔ دیوار بنانے کے بعد۔۔۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ

ذوالقرنین نے کہا کہ "یہ رحمت ہے میرے رب کی طرف سے، پھر جہاں آیا میرے رب کا وعدہ، تو یہ ریزہ ریزہ کیا رکھا ہے۔

وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿۹۸﴾

میرے پروردگار کا ہر وعدہ درست ہے"●

(ذوالقرنین نے کہا کہ یہ) دیوار اور اِس کو پورا کرنے کی قدرت، (رحمت ہے میرے رب کی طرف سے) اُن لوگوں پر جو یاجوج ماجوج کے فتنے سے ڈرتے تھے۔ (پھر جہاں آیا میرے رب کا وعدہ) قیامت کے آثار کے تعلق سے۔

۔۔مثلاً: یاجوج ماجوج کا دیوار کا توڑنا اور دجال کا آنا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا وغیرہ وغیرہ۔

(تو) صاف طور پر دیکھا جا سکے گا، کہ (یہ ریزہ ریزہ کیا رکھا ہے)۔ یعنی باوجودیکہ یہ دیوار بہت زیادہ مضبوط ہے، لیکن وقت آنے پر یہ ریزہ ریزہ ہو کر چٹیل میدان ہو جائے گا۔۔الغرض۔۔حق تعالیٰ اس دیوار کو یاجوج ماجوج کی راہ میں سے اُٹھا لے گا۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ ہر وہ کام جو اگرچہ بندوں کے عمل سے تیار ہو کر خلق خدا کو فائدہ پہنچائے، تو وہ بھی احسان و کرم خداوندی ہے، تو دیوار کا بنانا خدائے رحیم کی رحمت کو ظاہر کرتا ہے اور دیوار کو جڑ سے ہٹا دینا، یہ قادرِ مطلق کی قدرت کو بیان کرتا ہے۔

حق تعالیٰ نے قیامت کے تعلق سے جو وعدہ فرمایا ہے وہ ہو کے رہے گا، اس لیے کہ (میرے پروردگار کا ہر وعدہ درست ہے) وہ ضرور پورا ہوگا۔

ربانی ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ

تو کیا گمان کرلیا ہے جنہوں نے کفر کیا، کہ بنالیں میرے بندوں کو، مجھے چھوڑ کر، اپنا دوست۔

اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

بے شک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کافروں کی مہمانی کو●

(تو کیا گمان کرلیا ہے جنہوں نے کفر کیا کہ بنالیں میرے بندوں کو مجھے چھوڑ کر اپنا دوست) اور معبود، جو مدد دے کر ان کو میرے عذاب سے بچائیں گے اور انہیں نفع پہنچائیں گے؟ یعنی حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر اور ملائکہ علیہم السلام کو جو انہوں نے خدا ٹھہرایا، اُس سے اُن کو کچھ فائدہ نہ پہنچے گا، بلکہ **(بے شک ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو کافروں کی مہمانی کو)**، یعنی اُترنے اور پھرنے کی جگہ۔

۔۔یا۔۔ ما حضر جو جلدی میں مہمانوں کے واسطے لاتے ہیں۔ اور اِس معنی میں اِس بات کی تنبیہ ہے کہ کافروں پر ایسے عذاب ہوں گے کہ ان کے سامنے دوزخ حقیر چیز ہوگی۔ یہ نادان اپنی خام خیالی کی وجہ سے سمجھ ہی نہ سکے، کہ کون سا عمل اُن کے حق میں نفع بخش ہوگا اور کس عمل سے اُن کا دیوالیہ نکل جائے گا۔ تو۔۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ﴿۱۰۳﴾ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ

کہہ دو کہ "کیا میں بتادوں تمہیں عمل میں سب سے زیادہ دیوالیہ"● وہ جن کی کوشش گم ہوگئی

الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۴﴾

دُنیاوی زندگی میں، اور وہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ خوب کر رہے ہیں کام●

اَے محبوب! اُن سے **(کہہ دو کہ کیا میں بتادوں تمہیں عمل میں سب سے زیادہ دیوالیہ)** کس میں ہے؟ **(وہ جن کی کوشش گم ہوگئی)** اور ضائع ہوگئی، اور بظاہر نیک کاموں کے لیے اُن کا دوڑنا برباد کردیا گیا **(دنیاوی زندگی میں)**، اور وہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ خوب کر رہے ہیں کام۔

جیسے یہود و نصاریٰ کے عابد و زاہد لوگ کہ اکثر اپنے معبد میں روزہ نماز کرتے تھے، لیکن کفر کے سبب سے اُن کے سارے اعمال باطل ہیں جن کا کچھ ثواب انہیں نہیں ملے گا۔ یوں ہی جو کفار اپنے رشتہ داروں سے میل رکھتے، فقیروں کو کھانا کھلاتے، لونڈی غلام آزاد کرتے تھے۔

(اور) اُن کا حال یہ ہے، کہ (وہ) اپنے طور پر (خیال کر رہے ہیں کہ وہ خوب کر رہے ہیں کام)۔ یہ لوگ بھی کسی طرح کا کوئی اجر پانے والے نہیں۔ کیوں کہ یہ۔۔۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا

وہی ہیں جنہوں نے انکار کر دیا اپنے رب کی آیتوں کا، اور اُس کے ملنے کا، تو غارت ہوگئے اُن کے سب کام، تو

نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا

نہ رکھیں گے ہم اُن کا قیامت کے دن کوئی وزن ● یہ اُن کی سزا ہے جہنم، کہ انہوں نے کفر کیا تھا

وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

اور بنالیا تھا میری آیتوں اور رسولوں کا مذاق ●

(وہی) تو (ہیں جنہوں نے انکار کر دیا اپنے رب کی آیتوں کا)، یعنی قرآن کا۔۔یا۔۔دلائلِ توحید کا (اور اُس کے ملنے کا) جو بعث ونشر کے وقت اہلِ محشر کو میسر آنے والا ہے، (تو غارت ہوگئے ان کے سب کام) جو ظاہر میں نیک معلوم ہوتے تھے۔۔چنانچہ۔۔وہ اِن کاموں کی نیک جزا نہ پائیں گے۔ (تو نہ رکھیں گے ہم اُن کا قیامت کے دن کوئی وزن) یعنی ترازو، کہ اس میں اُن کے وہ اعمال تولیں۔ اس واسطے کہ وہ عمل تو سب نیست ونابود ہوگئے۔۔یا۔۔اُن کے واسطے ہم کچھ وزن نہ رکھیں گے، یعنی وہ کافر مقدار اور اعتبار نہ رکھیں گے، بلکہ ذلیل اور گرفتارِ بلاء ہوں گے۔ (یہ) یعنی یہی کام جو کہا گیا، کہ اُن کے عمل باطل ہوں گے اور اُن کی کچھ قدر نہ ہوگی (اُن) اعمالِ باطلہ والوں (کی سزا ہے جہنم)، کیوں (کہ انہوں نے کفر کیا تھا اور بنالیا تھا میری آیتوں اور رسولوں کا مذاق) یعنی کتاب اور پیغمبر کے ساتھ مسخراپن کرتے تھے۔ اِن کے برعکس وہ خوش نصیب لوگ۔۔۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

بے شک جو مان گئے اور لیاقت والے کام کیے، انہیں کی فردوس کے باغ مہمانی ہیں ●

(بے شک جو مان گئے) یعنی دِل کی سچائی کے ساتھ ایمان والے ہوگئے (اور لیاقت والے کام کیے)، یعنی ایسے کام انجام دیے جو مومنین کی شایانِ شان ہیں، بس (انہیں کی فردوس کے باغ مہمانی ہیں)۔ ایسے باغ جن میں درخت ہوں گے اور ان میں اکثر انگور کی ٹہنیاں ہوں گی۔ اور اُن

میں اُن کی ایسی خاطر مدارات ہوگی، جو مہمانوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔اُن کو ہر طرح کی دل شکنی سے محفوظ رکھا جائے گا۔

اِس مقام پر اُس مہمانی کی تعبیر نُزُل سے کی گئی ہے، اس لیے کہ نُزُل اُس کھانے کو کہتے ہیں، جو بے تکلف مہمان کے لیے جلدی لایا جائے، اور تکلف کے ساتھ ضیافت اُس کے بعد ہوتی ہے۔حق تعالیٰ نے فردوس کو اپنے دستِ قدرت سے پیدا کیا ہے اور دُنیا کے دنوں میں ہر دن کی جو مقدار ہے، اُس مقدار کے ہر روز پچاس بار اُس کی طرف نظر کر کے فرماتا ہے، کہ "اپنا حسن و جمال اور تازگی اور پاکیزگی میرے دوستوں کے واسطے زیادہ کر"۔ وہاں اُن دوستوں کے لیے ایسے عطیے ہوں گے، کہ فردوس کی نعمتیں اُس کے سامنے ایک حقیر چیز ہو سکتی ہیں اور وہ 'دولتِ لقاء' کی عطا ہے، جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔

بعضوں نے کہا ہے کہ جنتوں میں سب سے بلند درجہ فردوس ہے، اس واسطے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم خدا سے مانگو، تو فردوس مانگو۔ اور ایک قول یہ ہے کہ جنتوں کے ناموں میں سے ایک نام فردوس ہے، کہ ایمان والے وہاں اُتریں گے۔

اور حال یہ ہے، کہ وہ۔۔۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾

ہمیشہ رہنے والے اُس میں، نہ چاہیں گے اُس سے تبدیلی●

(ہمیشہ رہنے والے) ہوں گے (اُس میں)، ایسا کہ (نہ چاہیں گے اُس سے تبدیلی)۔یعنی کوئی بدلا۔۔یا۔۔نہ ڈھونڈیں گے وہاں سے دوسرے مکان میں جانا، اس واسطے کہ ان کے سب مطلب وہیں مہیا ہوں گے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ جنت کسی حال میں بھی کمتر و خسیس نہیں ہے، ہاں اُس کی نعمتوں میں فرقِ مراتب ضرور ہے۔جنت کی نعمتوں میں سب سے زیادہ اعلیٰ اور ارفع نعمت اللہ تعالیٰ کی لقاء اور اُس کی رضا ہے۔یہود نے یہ اعتراض کیا تھا، کہ تم کہتے ہو کہ تمہارے نبی کو حکمت دی گئی ہے اور تمہارے قرآن میں ہے کہ جس کو حکمت دی گئی اس کو خیرِ کثیر دی گئی، پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ تم کو بہت کم علم دیا گیا؟ اِس کا جواب یہ ہے، کہ بے شک نبی ﷺ کو خیرِ کثیر دی گئی ہے اور آپ کا علم بہت عظیم ہے، تمام مخلوق کا علم آپ کے علم کے مقابلے میں

ایک قطرہ ہے، اور آپ کا علم تمام مخلوق کے مقابلے میں سمندر ہے، لیکن آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اس طرح بھی نہیں ہے، جیسے قطرہ سمندر کے سامنے ہو، کیونکہ قطرے کی نسبت سمندر کی طرف 'متناہی' کی نسبت 'متناہی' کی طرف ہے، اور آپ کے علم کی نسبت اللہ کے علم کی طرف 'متناہی' کی نسبت 'غیر متناہی' کی طرف ہے۔۔تو۔۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ

کہہ دو کہ "اگر ہو جائے سمندر روشنائی، میرے رب کے کلمات کے لیے، تو ضرور سمندر ختم ہے قبل اس کے کہ ختم ہوں

كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

میرے رب کے کلمات، گو ہم لے آئیں اسی طرح مدد کو" ●

اَے محبوب! (کہہ دو کہ اگر ہو جائے سمندر روشنائی، میرے رب کے کلمات) یعنی قرآن کے معنی۔۔یا۔۔خدا کے علم میں جو چیزیں ہیں انہیں لکھنے (کے لیے، تو ضرور سمندر ختم ہے)، یعنی اس کا فنا ہو جانا یقینی ہے (قبل اِس کے کہ ختم ہوں میرے رب کے کلمات)۔

چونکہ سمندر جسم ہے اور ہر جسم 'متناہی' ہوتا ہے، تو اُس کا پانی اپنی انتہا کو پہنچ سکتا ہے، لیکن 'غیر متناہی علوم الٰہیہ' کو لکھ نہیں سکتا۔۔الحاصل۔۔ اِس روشنائی سے جو 'متناہی' ہے 'کلماتِ نامتناہی' نہیں لکھے جا سکتے۔۔۔

(گو ہم لے آئیں اِسی طرح مدد کو) اس روشنائی کی، اور اُس روشنائی پر زیادہ کر دیں۔

اب یہودیوں کو دیے گئے مذکورہ جواب کا حاصل یہ ہوا، کہ حق تعالیٰ کا علم بے نہایت ہے اور کسی کا علم کتنا ہی زیادہ ہو جائے، وہ علم الٰہی کے مقابلے میں کم سے کم ہی رہے گا۔۔تو۔۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ

کہہ دو کہ "میں بس چہرہ مہرہ رکھنے میں تمہارے روپ میں ہوں، وحی کی جاتی ہے میری طرف، کہ تمہارا معبود بس معبود اکیلا ہے"،

یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع ١٢ ٩ ٣

تو جو امیدوار ہے اپنے پروردگار سے ملنے کا، تو چاہیے کہ کام کرے لیاقت والا، اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو ●

اَے محبوب! (کہہ دو، کہ) میں نے اِس بات کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ میں نے تمام علوم الٰہیہ کا

احاطہ کرلیا ہے، اور کوئی 'متناہی' اِس بات کا دعویٰ کر بھی نہیں سکتا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو، کہ (میں بس چہرہ مہرہ رکھنے میں تمہارے روپ میں ہوں)۔ یعنی جیسے تم چہرہ مہرہ رکھتے ہو، ویسے ہی میں بھی چہرہ مہرہ رکھتا ہوں۔ تو صرف چہرہ مہرہ رکھنے میں میں تمہاری طرح ہوں، نا کہ چہرہ مہرہ میں۔ اس لیے کہ میرا چہرہ مہرہ بلکہ ہر ہر عضوِ بدن، معجزانہ شان والے ہیں جو تمہیں میسر نہیں۔

چہرہ مہرہ رکھنے اور صاحبِ بُشرہ ہونے کی وجہ سے مجھے بشر کہا جاسکتا ہے، لیکن میرے بشرے کو جو عظمت و برتری حاصل ہے، وہ تمہارے بشرے کو کہاں نصیب ہوسکتی ہے۔ اِس عظیم فرق کے باوجود میری ذات اور صفات بہرصورت 'متناہی' ہیں، وہ 'غیر متناہی' صفاتِ ربانیہ کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ اور مجھے اِس کا دعویٰ بھی کب ہے؟ میں تو صرف اِس بات کا مدعی ہوں، کہ (وحی کی جاتی ہے میری طرف، کہ تمہارا معبود بس معبودِ اکیلا ہے)۔ الٰہیت میں جس کا کوئی شریک نہیں۔

میں تمہاری اِس خام خیالی کو دُور کرنا چاہتا ہوں جو تم لوگوں نے اپنے طور پر گمان کر رکھا ہے، کہ کوئی بشر نبی نہیں ہوسکتا۔ تو دیکھو میں بشر بھی ہوں جبھی تو صاحبِ بشرہ ہوں، اور نبی بھی ہوں اِسی لیے تو میری طرف وحی کی جاتی ہے، اور میں تمہیں ہدایت ونجات اور دارین کی صلاح وفلاح کی راہ دکھاتا ہوں۔ (تو) غور سے سن لو! (جو امیدوار ہے اپنے پروردگار سے ملنے کا)، یعنی لقاءِ ربانی کا طلب گار ہے اور جنت میں قربِ الٰہی چاہتا ہے، (تو) اُسے (چاہیے کہ کام کرے لیاقت والا)، یعنی ایسا کام جو خدا کو پسندیدہ ہو۔

اور ظاہر ہے کہ عملِ صالح، پیغمبر ﷺ کی متابعت اور راہِ سنت پر چلنا ہے۔ اور اپنے اعمال کو نام ونمود اور ریاء کاری سے بچا کے رکھنا ہے۔۔ چنانچہ۔۔عمل کرنے والا نیک عمل کرے، (اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو)، یعنی کسی کو دکھانے سنانے کے لیے اور اپنی واہ واہی کے لیے عمل نہ کرے، اس لیے کہ ریاء چھوٹا شرک اور عمل کو غارت اور تباہ کرنے والا ہے۔

تو پناہ مانگتے ہیں ہم اللہ کی ریاء سے عمل میں اور بچاؤ چاہتے ہیں ہم اُس کے سبب سے رسوائیوں میں پڑنے سے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

١٣ ربیع النور شریف ١٤٣٢ھ۔۔مطابق۔۔١٧ فروری ٢٠١١ء

بروز پنج شنبہ کوسورۂ کہف کی تفسیر مکمل ہوگئی۔دُعا گوہوں کہ

مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے

کی سعادت مرحمت فرمائے،اورفکروقلم کواپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیۡن یَا مُجِیۡبَ السَّائِلِیۡنَ بِحُرۡمَتِ سَیِّدِالۡمُرۡسَلِیۡنَ

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ اَجۡمَعِیۡنَ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج بتاریخ

١٧ ربیع النور شریف ١٤٣٢ھ۔۔مطابق۔۔٢١ فروری ٢٠١١ء

بروز دوشنبہ،سورۂ مریم کا آغاز کردیا۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور پورے قرآن کریم کی تفسیر کی تکمیل کی

سعادت مرحمت فرمائے،اورفکروقلم کواپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیۡن یَامُجِیۡبَ السَّائِلِیۡنَ بِحَقِ حَبِیۡبِكَ

صَلَّی اللّٰہ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

سُورَةُ مَرْيَمَ ١٩ مکیۃ ٤٤ | **سُورَۃُ مَرۡیَمَ** | آیاتہا ٩٨ رکوعاتہا ٦

١٩۔سورۂ مریم مکیہ۔٤٤ | | آیاتہا ٩٨ رکوعاتہا ٦

اِس سورت کا نام 'سورۂ مریم' ہے اس لیے کہ سیدہ مریم کا جس تفصیل کے ساتھ اس میں ذکر ہے،وہ قرآنِ کریم کی کسی دوسری سورت میں نہیں۔جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ یہ 'سورۂ طٰہٰ' سے پہلے اور 'سورۂ فاطر' کے بعد نازل ہوئی۔'سورۂ طٰہٰ' حضرت فاروقِ اعظم کے اسلام لانے سے پہلے نازل ہوچکی تھی۔۔لہٰذا۔۔اِس سورت کا نزول بعثتِ نبوی کے چوتھے سال میں ہوا ہے۔مفسرین نے لکھا ہے کہ اِس سورت کا نزول حبشہ کی ہجرت سے پہلے ہوا ہے اور نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب نے اِس سورت کی تلاوت کی تھی۔

اِن حروفِ مقطعات سے اللہ تعالیٰ کی کیا مراد ہے؟ یہ وہی جانے۔۔یا۔۔اُس کے بتانے سے وہ نبی جانے جس پر اِن حروف کو نازل فرمایا گیا ہے۔۔یا۔۔اُسی کے بتانے سے اُس کے دیگر محبوبین میں سے وہ جانیں، جنہیں اُس کا علم عطا فرمایا گیا ہے۔سب سے اسلم راستہ یہ ہے کہ کہہ دیا جائے، کہ اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ اِن کلمات سے اُس کی اپنی مراد کیا ہے؟

بعض مفسرین نے کہا ہے یہ حروف اسماءِ الٰہی ہیں۔حضرت علی سے منقول ہے کہ آپ اپنی بعض دُعاؤں میں **کٓھٰیٰعٓصٓ**۔۔یا۔۔**حٰمٓ عٓسٓقٓ** پڑھتے تھے۔اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ کافی، کبیر اور کریم جو اسماءِ الٰہی ہیں 'کاف' اُن کی کنجی ہے، اور 'ہا' اسم ہادی کی طرف اشارہ ہے، اور چونکہ اللہ تعالیٰ ﷻ کے کسی نام کی ابتداء میں 'ی' نہیں ہے، تو کہتے ہیں کہ 'ی' **یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ** 'اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے' کی طرف اشارہ ہے۔اور ایک قول یہ بھی ہے کہ 'ی' یَامَنْ یُّجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ، 'اے وہ جو پناہ دیتا ہے اور نہیں پناہ دیا جاتا اُس پر'، کی طرف اشارہ ہے۔اور 'عین' علیم، عزیز، عدل کا ہے، اور 'ص' صادق کا ہے۔

بعض عارفین کا کہنا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تین۳ صورتیں ہیں:

☆۔۔ایک صورتِ بشری: جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: **قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ** یعنی 'اے محبوب! فرمادو کہ میں بس چہرہ مہرہ رکھنے میں اور صاحبِ بشرہ ہونے میں تمہاری طرح ہوں۔

☆۔۔**دوسرے ملکی: جیسا کہ خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:"بے شک میں نہیں ہوں تم میں سے کسی کے مثل، میں رہتا ہوں اپنے رب کے پاس، وہ کھلاتا ہے مجھے اور پلاتا ہے مجھ کو۔"**

☆۔۔**تیسری حقی: جیسا کہ خود آپ ﷺ نے فرمایا:"میرے واسطے اللہ کے ساتھ ایک وقت ہے، کہ نہیں گنجائش رکھتا اُس وقت میرے ساتھ کوئی فرشتہ نہ نبی بھیجا ہوا"۔اور اس سے بھی کھلی ہوئی یہ حدیث ہے:"جس نے مجھے دیکھا، اُس نے حق دیکھا۔"**

تو حضرتِ حق ﷻ نبی کی ہر ہر صورت میں آپ ﷺ سے ہم کلام ہوا۔ہاں ہر صورت کی مناسبت سے الگ الگ عبارت نازل فرمائی۔تو 'صورتِ بشری' کے لیے مرکب کلمے جیسے **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** اور 'صورتِ ملکی' میں حروفِ مفردہ جیسے **کٓھٰیٰعٓصٓ** وغیرہ مقطعات اور 'صورتِ حقی' میں کلامِ مبہم۔۔مثلاً: **فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى**، پھر وحی بھیجی اپنے بندے

کی طرف جو وحی بھیجی'۔۔اور۔۔ وَنُنْشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ 'اور پیدا کریں ہم تمہیں اُس جہاں میں جسے تم نہیں جانتے'۔۔الختصر۔۔حروف مقطعات حق تعالیٰ اور اُس کے حبیب کریم ﷺ کے درمیان میں ایک رمز ہیں۔اُنہیں میں سے ایک ہے کٓهٰیٰعٓصٓ۔یہ بھی ممکن ہے کہ یہ سورت کا نام ہو اور اُس کا مابعد اِس کے ساتھ مترتب ہو،یعنی یہ سورت۔۔۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝۲

تذکرہ ہے تیرے پروردگار کی رحمت کا،اپنے بندے زکریا پر●

(تذکرہ ہے تیرے پروردگار کی رحمت کا اپنے بندے زکریا پر)۔

جو حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کی نسل سے ایک عالی شان پیغمبر تھے اور بیت المقدس کے خادموں اور مجاوروں کے سردار اور مقرب بارگاہِ الٰہی تھے۔

پس اَے محبوب! آپ اُن کا قصہ پڑھو اور یاد کرو۔۔۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝۳

جب کہ پکارا تھا اپنے رب کو دھیمی آواز سے●

(جب کہ پکارا تھا اپنے رب کو دھیمی آواز سے)۔

اس لیے کہ یہ پکارنا اخلاص سے زیادہ قریب ہے۔۔یا یہ کہ۔۔آپ دُعا تو باآوازِ بلند ہی کرتے تھے،مگر قوم سے پوشیدہ رہ کر،تاکہ آپ کی آواز کوئی سن نہ سکے۔اس واسطے کہ آپ اِس بات سے شرم کرتے تھے،کہ خود ننانوے ۹۹ برس کے بوڑھے اور بی بی صاحبہ بانجھ بوڑھی، اِس حال میں لوگوں کے سامنے فرزند پیدا ہونے کی کیا دُعا کروں۔۔یا یہ کہ۔۔بڑھاپے کی وجہ سے اُن کی آواز ایسی ضعیف ہوگئی تھی کہ ہر چند باآوازِ بلند دُعا مانگتے مگر کوئی بھی نہ سنتا۔

۔۔الغرض۔۔انہوں نے کمال آرزو کے ساتھ یہ۔۔۔

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا

دُعا کہ "پروردگارا بے شک میں،تو بڈی کمزور ہو چکی میری،اور سر نے بڑھاپا بھڑکا دیا

وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝۴

اور کبھی نہ رہا تجھ سے دُعا کر کے پروردگارا محروم●

(دُعا) کی (کہ پروردگارا! بے شک میں تو) اس حالت میں ہوں کہ (ہڈی کمزور ہوچکی میری)، اور جب ہڈی جو تمام بدن کے اجزاء میں سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے وہ سست اور کمزور ہوگئی، تو تمام بدن بطریقِ اولیٰ کمزور ہوگا۔ الحاصل۔۔ میں کمزور ہوگیا (اور سر نے بڑھاپا بھڑکا دیا)، یعنی میرا سر بڑھاپے سے سفید ہوگیا۔

بعضوں نے کہا ہے کہ حق تعالیٰ نے سفیدی کو روشنی میں آگ سے تشبیہہ دی ہے اور بال سفید ہونے کو آگ کے شعلے مارنے سے تشبیہہ دی ہے۔

یعنی بڑھاپے کی وجہ سے میرا سر روشن اور چمکدار ہوگیا، (اور کبھی نہ رہا تجھ سے دُعا کرکے پروردگارا محروم) و ناکام اور بے نصیب و ناامید۔

یعنی میں نے جب جب دُعا کی، تُو نے اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائی۔ اسی عنایاتِ بے پایاں کی وجہ سے مجھے دُعا کرنے کی عادت ہوگئی۔

وَاِنِّىۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِىَ مِنۡ وَّرَآءِىۡ وَكَانَتِ امۡرَاَتِىۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِىۡ

اور مجھے ڈر لگا ہے قرابت داروں کا اپنے بعد، اور میری بی بی بانجھ ہی رہ گئی، تو تُو ہی دے دے مجھے

مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ۙ﴿۵﴾ يَّرِثُنِىۡ وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ۖ

اپنی قدرت سے ایک ایسا کام کا ● جو میرا وارث بھی ہو اور نسلِ یعقوب کا وارث بھی ہو۔

وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا ﴿۶﴾

اور کردے اُس کو پروردگارا اپنی پسند کا" ●

(اور) اِس وقت میرا حال یہ ہے، کہ (مجھے ڈر لگا ہے قرابت داروں کا اپنے بعد) کے لیے۔ یعنی میں ڈرتا ہوں اپنے چچازاد بھائیوں سے، کہ یہ میرے قرابت دار نیک کام کرنے اور دین قائم رکھنے کے کام میں سستی کریں اور میری امت میں میری خلافت کا حق اچھی طرح ادا نہ کریں، تو میرے بعد کے لیے کوئی میرا خلیفہ چاہیے، (اور) حال یہ ہے کہ (میری بی بی بانجھ ہی رہ گئی) جو اٹھانوے ۹۸ سال کی بڑھیا ہے، تو عادتاً اِس سے اولاد کی امید نہیں کی جاسکتی، لیکن میرے پروردگار تُو قادرِ مطلق ہے، تیری قدرت بڑی ہے، (تو تُو ہی دے دے مجھے اپنی قدرت سے ایک ایسا کام کا) فرزند، (جو) امورِ دین کا متولی ہو اور استحقاق کی رُو سے (میرا وارث بھی ہو اور نسلِ یعقوب کا وارث بھی ہو)، یعنی میراث

لے مجھ سے امانت اور نکوکاری کی، اور یعقوب بن اسحاق کے علم وحکمت کا وارث بنے۔

حضرت زکریا نے مال کے وارث کے لیے دُعا نہیں کی تھی، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کے مال کا وارث نہیں بنایا جاتا، بلکہ اُن کے علم اور نبوت کا وارث بنایا جاتا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ مجھے نیک فرزند عطا فرما (اور کردے اُس کو پروردگار اپنی پسند کا) نیک اور شائستہ، کہ اُس کے قول وفعل سے تُو راضی ہو۔

حضرت زکریا یہ دُعا کرنے کے بعد سجدے میں عاجزی اور زاری کرتے تھے، کہ اللہ جل شانہ نے اپنے کرم سے اُن کی دُعا قبول فرمائی۔۔ چنانچہ۔۔ یہ ندا آئی، کہ۔۔۔

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۣاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۝

"اے زکریا، بلاشبہ ہم مژدہ سناتے ہیں تمہیں ایک لڑکے کا، جن کا نام ہے یحییٰ۔ نہیں پیدا فرمایا ہم نے ان کا پہلے کوئی ہم نام"●

(اُے زکریا! بلاشبہ ہم مژدہ سناتے ہیں تمہیں ایک لڑکے کا، جن کا نام ہے یحییٰ)، جو اس شان کے ہیں، کہ (نہیں پیدا فرمایا ہم نے اُن کا پہلے کوئی ہم نام)۔ اور وہ بھی ایسے کہ جن کے نام رکھنے کو خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم میں لے لیا ہو، اور اُن کے ماں باپ کے حوالے نہ کیا ہو۔

۔۔الغرض۔۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی فضیلت کا بنیادی سبب یہ نہیں ہے کہ اُن سے پہلے کوئی اُن کا ہم نام نہ تھا، اس لیے کہ بہتیرے آدمی ایسے پیدا ہوئے ہوں گے کہ اُن سے قبل ان کا ہم نام نہیں پیدا ہوا ہو، بلکہ اُن کی فضیلت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اُن کا نام رکھنے کو اپنے ذمۂ کرم میں لے لیا تھا۔ یہ شرف اُن سے پہلے کسی کو حاصل نہیں ہوا۔۔ ہاں۔۔ اُن کے بعد ایک ایسی ذاتِ ستودہ صفات آنے والی تھی، جس کو خدا نے کئی ناموں کے ساتھ مخصوص فرمایا اور اُس کا اسم شریف اپنے اسم مبارک سے مشتق فرمایا، اور وہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ جامع الکمالات ہے۔ حضرت زکریا نے جب مذکورہ بالا خوشخبری سماعت فرمائی، تو فرطِ مسرت میں سرشار ہو گئے اور یہ جاننے کے لیے گزارش کر بیٹھے، کہ اَے میرے پروردگار کیا تُو مجھے جوان کرے گا۔۔ یا۔۔ اِسی بڑھاپے کی حالت میں اپنی قدرت کاملہ سے مجھے فرزند دے گا۔۔ چنانچہ۔۔ آپ نے۔۔۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِىْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ

کہا کہ "پروردگارا کیسے ہوگا میرے لڑکا؟ اور میری بی بی تو بانجھ ہی رہی، اور میں پہنچ چکا

مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧

بڑھاپے سے آخری حد کو"●

(کہا کہ پروردگارا! کیسے ہوگا میرے لڑکا، اور) حال یہ ہے کہ (میری بی بی تو بانجھ ہی رہی اور میں پہنچ چکا بڑھاپے سے آخری حد کو)، تو اَے قادرِ مطلق! کیا تُو مجھے جوان کر کے اور میری بی بی کو تندرست کر کے لڑکا عطا فرمائے گا۔۔۔یا۔۔۔ہم دونوں کو اِسی بڑھاپے کی حالت میں رکھتے ہوئے اپنی قدرتِ کاملہ کی شان دکھائے گا؟۔۔۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ

فرمایا"یونہی ہے۔" تمہارے رب کا فرمان ہے کہ"وہ مجھ پر آسان ہے، اور تم کو بھی تو میں پہلے پیدا کر چکا،

وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ⑨

حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے"●

(فرمایا یوں ہی ہے)۔یعنی اِسی طرح بڑھاپے اور ناطاقتی کی حالت میں تجھے فرزند عطا فرمائے گا۔ کیونکہ (تمہارے رب کا فرمان ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے)، یعنی ایسے دو شخصوں سے اس سن میں فرزند پیدا کرنا میری قدرتِ کاملہ کے سامنے آسان ہے۔(اور) اَے زکریا! تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ (تم کو بھی تو میں) یحیٰی سے (پہلے پیدا کر چکا، حالانکہ تم کچھ بھی نہ تھے)، یعنی تم معدوم محض تھے، میں نے تمہیں موجود کیا۔ تو میں "جو تمہیں عدم سے وجود میں لایا" قادر ہوں کہ دو بوڑھوں سے بیٹا بھی پیدا کر دوں۔

زکریا علیہ السلام اِس خوشخبری سے خوش ہوئے، مگر انہیں یہ معلوم نہ ہوا، کہ عنقریب فرزند پیدا ہوگا۔۔۔یا۔۔۔مدت کے بعد۔۔۔تو۔۔۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ

عرض کیا،"پروردگارا بتادے مجھ کو کوئی نشانی۔" فرمایا،"تمہاری نشانی ہے کہ مت بولو لوگوں سے تین رات دن،

سَوِيًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ

تندرست رہتے ہوئے"● تو نکلے اپنی قوم پر محراب مسجد سے، پھر انہیں اشارہ کیا

اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ⑪

کہ"اللہ کی پاکی بولتے رہو صبح و شام"●

(عرض کیا پروردگارا! بتادے مجھ کو کوئی نشانی)۔یعنی کوئی علامت مجھے ایسی بتادے، کہ جس سے مجھے معلوم ہو جائے، کہ اب وہ فرزند عنقریب پیدا ہونے والا ہے۔(فرمایا تمہاری نشانی ہے کہ مت بولو لوگوں سے تین رات دن تندرست رہتے ہوئے)۔یعنی تم تین۳ دن رات برابر لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔۔یا یہ کہ۔۔تندرست ہونے کے باوجود بات کرنے پر قادر نہ رہو گے۔

روایت ہے کہ اُسی وقت اُن کی زبان منہ میں بہت موٹی ہوگئی، حتیٰ کہ اُس کو حرکت دینے کی مجال نہ تھی۔

(تو نکلے) اُس رات کی صبح کو جس رات آپ کی بی بی اشیاع نامی حاملہ ہوئیں، (اپنی قوم پر محراب مسجد سے، پھر انہیں اشارہ کیا کہ اللہ) تعالیٰ (کی پاکی بولتے رہو صبح وشام)، یہ کہ نماز پڑھو۔۔یا۔۔تسبیح کرو اپنے خدا کی صبح وشام۔

۔۔الغرض۔۔تین۳ دن اِسی حال میں گزرے۔پھر زکریا علیہ السلام اپنی حالتِ اصلی میں آئے۔اور مدتِ حمل گزرنے کے بعد یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔لڑکپن میں ٹاٹ پہنتے اور ریاضت کے طور پر عبادت میں عابدوں کا ساتھ دیتے۔حتیٰ کہ اُن پر وحی آئی اور حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا ﴿۱۲﴾

اَے یحییٰ! "تھام لو کتاب کو مضبوطی سے،" اور دے رکھا تھا ہم نے انہیں دانائی بچپن ہی میں●

(اَے یحییٰ! تھام لو کتاب) توریت (کو مضبوطی سے) کوشش اور محنت سے۔۔یا۔۔قوتِ دل سے۔یعنی پوری قوت سے تورات کو حفظ کرلو، اُس میں غور وفکر کرو اور اُس کے احکام پر عمل کرو۔۔چنانچہ۔۔وہ حکمِ الٰہی پر عمل کرتے رہے (اور) کیوں نہ ایسا ہوتا، اس لیے کہ ارشادِ ربانی ہے، کہ (دے رکھا تھا ہم نے انہیں دانائی بچپن ہی میں)۔

اِسی لیے جب بچوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو کھیل کود کے لیے بُلایا اُس وقت آپ کی عمر شریف صرف تین۳ سال۔۔یا۔۔سات سال کی تھی۔تو آپ نے جواب دیا کہ ہم کھیل کود اور تماشے کے لیے نہیں پیدا ہوئے۔اس جواب سے [illegible] چاہیے، جو زندگی بھر کھیل تماشے میں وقت ضائع کرتے [illegible] رہتے ہیں۔ایک قول کے مطابق حُکْم سے نبوت مراد ہے، اس لیے کہ انہیں تین۳۔۔یا۔۔

سات سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ نبوت کو حُکْم سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے، کہ اُن کی بچپن سے ہی عقل پختہ اور مضبوط تھی۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں بچپن میں وحی سے نوازا۔ نیز۔ ارشادِ خداوندی ہے، کہ۔۔۔

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ

اور نرم دلی اپنی طرف سے، اور پاکیزگی، اور اللہ سے بڑے ڈرنے والے تھے ● اور نیک سلوک کرنے والے اپنے ماں باپ سے،

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾

اور نہ تھے زبردستی کرنے والے نافرمان ●

(اور) ہم نے عطا کی اُن کو **(نرم دلی اپنی طرف سے)**، یعنی ہم نے اُن کے دل میں رحمت اور والدین وغیرہما کے لیے شفقت پیدا فرمائی **(اور پاکیزگی)** مرحمت فرمائی۔۔ چنانچہ۔۔وہ خشیتِ الٰہی والے، فرمانبردار اور گناہوں سے بچنے والے **(اور اللہ)** تعالیٰ **(سے بڑے ڈرنے والے تھے)**۔ **(اور نیک سلوک کرنے والے اپنے ماں باپ سے، اور نہ تھے زبردستی کرنے والے نافرمان)**۔ یعنی اپنے ماں باپ کو ایذا دینے والے اور اُن کا حکم نہ ماننے والے اور خدا کے گنہگار نہ تھے۔

یعنی انہیں ایسی شفقت نصیب ہوئی، کہ ان کو ادائیگیٔ وجوب میں خلل اندازی سے بچاتی تھی۔ اس لیے کہ بعض اوقات شفقت انسان کو ادائیگی وجوب سے روک لیتی ہے۔ تو اب معنی یہ ہوا۔۔۔

کہ ہم نے انہیں والدین وغیرہما پر شفقت و رحمت کرنے کی ایسی طبیعت بخشی جس سے وہ ادائیگیٔ وجوب میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتے۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾ ع

اور سلامتی ہے اُن پر اُن کے میلاد کے دن، اور وصال کے دن، اور جس دن اُٹھائے جائیں گے زندہ ●

(اور سلامتی ہے اُن پر اُن کے میلاد کے دن اور وصال کے دن، اور جس دن اُٹھائے جائیں گے زندہ)۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یحییٰ علیہ السلام پر اِن احوال میں سلامتی ہے، جب کہ یہ احوال انسان کے لیے زیادہ وحشت ناک ہوتے ہیں۔ اِسی لیے ان حالات کی وحشت کی دُوری

صرف **سلٰم** کے ثبات ودوام سے ہوسکتی ہے اور بس۔ پیدائش کے وقت شیطان ڈراتا ہے لیکن ربِّ کریم نے سلامتی اور امان نازل فرما کر یحییٰ علیہ السلام کو محفوظ فرمالیا۔ اور اُس وقت جب کہ وہ طبعی موت سے واصل باللہ ہوں گے، یہ وقت بھی اور اُس کے بعد قبر کے اوقات وحشت ناک ہوتے ہیں، لیکن خداوندِ کریم نے یحییٰ علیہ السلام کو امن وسلامتی سے نوازا اور اُس وقت جب وہ قیامت میں زندہ ہو کر اٹھیں گے، تو انہیں قیامت کی وحشت اور عذابِ نار سے سلامتی اور امن بخشے گا۔

وِلادت، موت اور قبر سے محشر کے لیے اٹھنے کے مواقع اس لیے وحشت ناک ہیں، کہ انسان جب پیدا ہوتا ہے، تو اُسے دُنیا کا عالم ایک اجنبی ملک محسوس ہوتا ہے۔ اِسی لیے پیدا ہوتے ہی دھاڑیں مارتا ہے۔ اور جب مرے گا، تو قبر میں ایسے لوگوں سے ملاقات ہوگی جو دُنیاوی زندگی سے غیر مانوس ہوں گے۔ اور محشر میں اٹھے گا، تو اپنے کو ایسے علاقے میں پائے گا جسے اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ لیکن یحییٰ علیہ السلام کو اِن وحشت ناک مقامات سے امان اور سلامتی بخشی گئی۔

سورۂ مریم کا اختتام حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کی وِلادت سے کیا گیا ہے۔ اِسی ضمن میں حضرت زکریا کی فرزند کے لیے دُعا اور پھر اُنہیں بیٹے کی بشارت کا بھی ذکر آ گیا ہے۔۔ نیز۔۔ یہ ذکر بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں نبوت عطا فرمادی۔ اِس کے بعد مقدس، پاکدامن، پارسا کنواری، دوشیزہ سیدہ مریم علیہا السلام سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وِلادت کا ذکر ہے، تا کہ خلافِ عادت کاموں پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ دوسری دلیل ہوجائے۔ اِسی اثنائے کلام میں دوسرے اہم واقعات اور عجائباتِ قدرت کا بھی ذکر آ گیا۔

پھر آگے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا اپنے عُرفی باپ، آزر سے مناقشے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ حضرت سارہ علیہا السلام جو بانجھ تھیں، خلافِ عادت انہیں بھی اولاد عطا فرمائی گئی، جن کا اسمِ گرامی اسحاق رکھا گیا۔ اور اِس سے پہلے حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے۔ اِس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے جن کی طُور پر مناجات کے ذکر کے ساتھ اس بات کا بھی تذکرہ ہے، کہ اُن کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبی بنایا۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہے جو صادق

الوعد تھے۔ اِس کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے۔ یہ سب کچھ یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذُرِّیت سے اللہ تعالیٰ نے ان انبیاء علیہم السلام پر انعام فرمایا۔ اُنہیں لوگوں کی طرف نبی ورسول بنا کر بھیجا، کہ وہ اُنہیں توحید کی دعوت دیں اور شرک کو ترک کرنے کا حکم دیں۔۔ الختصر۔۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام کے تعلق سے بیان فرمانے کے بعد۔۔۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾

اور تذکرہ کرو کتاب میں مریم کا۔۔۔ جب کہ الگ ہٹ گئیں اپنے لوگوں سے پورب کی سمت ایک جگہ ●

(اور) اُن کے بارے میں بشارت کا ذکر کر دینے کے بعد اے محبوب! (تذکرہ کرو کتاب میں مریم کا) یعنی اس کتاب میں ان کا ذکر کیجیے اور اُن کے واقعات کو یاد کیجیے، (جب کہ الگ ہٹ گئیں اپنے لوگوں سے پورب کی سمت ایک جگہ)۔

حضرت مریم بنتِ عمران کی یہ عادت تھی کہ ہمیشہ بیت المقدس کی مسجد میں رہتیں۔ جب عذر واقع ہوتا، تو اپنی خالہ کے گھر چلی جاتیں اور پاک ہونے کے بعد مسجد میں پھر آجاتیں۔ ایک دفعہ اپنی خالہ کے گھر میں تھیں اور انہیں غسل کی حاجت ہوئی، غسل کرنے کو ایک جگہ ڈھونڈی۔ حق تعالیٰ اُس سے خبر دیتا ہے کہ جب دُور ہوگئی مریم۔۔یا۔۔ کنارہ کیا اپنے لوگوں، یعنی اپنی خالہ اور ان کے لوگوں سے، ایسے مکان میں جو بیت المقدس سے پورب کی طرف تھا۔۔یا۔۔خود اُن کی خالہ کے مکان کے مشرقی حصہ میں تھا اور اس کا منہ آفتاب کی طرف تھا۔ یہ نکلنا جاڑے کے دنوں میں نہانے کے لیے تھا۔۔۔

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۖ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا

پھر ڈال لیا اُن کی طرف سے پردہ۔۔۔ پھر بھیجا ہم نے اُن کی طرف اپنے روحانی کو،

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾

تو روپ بھرا انہوں نے اُن کے حق میں ایک تندرست بشر کا ●

(پھر ڈال لیا اُن کی طرف سے پردہ)۔ یعنی اُن کی طرف سے ایسا پردہ کرلیا کہ اُس کی آڑ میں نہائیں اور کوئی انہیں دیکھ نہ سکے۔ جب نہا چکیں اور کپڑے پہن لیے، (پھر بھیجا ہم نے اُن کی طرف اپنے روحانی کو) یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کو، جن کو اُن کے تقدس وعظمت اور بارگاہِ الٰہی میں

ایک خاص نسبت کی وجہ سے 'روح اللہ' قرار دیا گیا۔

ویسے بھی اُن کی روحانیت کا یہ عالم تھا کہ وہ بحالتِ تمثل جس شے کو بھی مَس کرتے، وہ شے زندگی پالیتی اور اُنہی کی وجہ سے اُس میں حیات سرایت کر جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت سامری نے جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے کی مٹی سے مٹھی بھر کر بچھڑے میں ڈالی، باوجودیکہ وہ سونے چاندی کے زیورات سے تیار شدہ تھا، لیکن مٹی پھونکنے سے وہ آواز دینے لگا، اس لیے کہ اُس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اثرات سرایت کر گئے تھے۔۔۔

(تو روپ بھرا انہوں نے اُن کے حق میں ایک تندرست بشر کا)، تاکہ بی بی مریم اُن سے مانوس ہو کر ہم کلام ہو سکیں اور وہ حکم جو اللہ تعالیٰ سے لائے، اسے پوری طور پر حاصل کر سکیں۔۔۔

ورنہ اگر وہ ملکی صورت میں آتے، تو بی بی مریم اُن سے وحشت کر کے اُن سے کلامِ الٰہی نہ سن سکتیں۔۔۔ علاوہ ازیں۔۔۔ وہ بی بی مریم کے اندر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح پھونکنے آئے تھے۔ اِسی لیے بشری لباس میں آئے، تاکہ عیسیٰ علیہ السلام بشری صورت میں دنیا میں تشریف لا سکیں۔ اگر وہ ملکی صورت میں تشریف لاتے، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام روحانیین سے ہوتے اور حکمتِ ایزدی پوری نہ ہو سکتی۔۔۔ المختصر۔۔۔ حضرت مریم علیہا السلام نے اپنے غسل خانے میں جب ایک اجنبی مرد کو دیکھا۔۔۔ تو۔۔۔

قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ﴿۱۸﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ

بولیں کہ "خدائے مہربان کی پناہ ہے تم سے، اگر تم اُس سے ڈرتے ہو" ● وہ بولے کہ "میں تمہارے رب کا قاصد ہوں،

رَبِّكِ ۖۗ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ﴿۱۹﴾ قَالَتْ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ

تاکہ دے دوں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا" ● بولیں، "کیسے ہوگا میرے بیٹا؟ حالانکہ

یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا ﴿۲۰﴾

نہ کسی بشر نے مجھے چھوا، اور نہ میں بدکار ہوں" ●

(بولیں خدائے مہربان کی پناہ ہے تم سے) یعنی تمہارے شر سے **(اگر تم اُس سے ڈرتے ہو)**، یعنی کمال درجے کی پاکدامنی اور پرہیزگاری رکھتے ہو، جب بھی میں تجھ سے پرہیز کرتی ہوں اور خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ پھر اگر ایسا نہ ہو، تو کیونکر پرہیز نہ کروں اور پناہ نہ مانگوں۔ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کا اضطراب دیکھا۔۔۔ تو۔۔۔ **(وہ بولے کہ میں تمہارے رب کا قاصد**

ہوں) جس سے تم پناہ طلب کرتی ہو۔ مجھے اُس نے یہاں تمہارے پاس اس لیے بھیجا ہے، (تا کہ دے دوں تمہیں ایک پاکیزہ بیٹا)۔ یعنی خدا کے حکم سے تجھے ایک صاف ستھرا اور ایک اچھا فرزند بخشوں۔ اِس پر حضرت مریم (بولیں، کیسے ہوگا میرے بیٹا؟ حالانکہ نہ کسی بشر نے مجھے چھوا اور نہ میں بدکار ہوں)۔ یعنی مباشرت کے طور پر اب تک کسی کا ہاتھ مجھ تک نہیں پہنچا اور نہ ہی میں کبھی بدکاری، خرابی اور بُرائی ڈھونڈنے والی تھی۔ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام۔۔۔

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ

بولے، "یونہی ہے۔" فرمایا ہے تمہارے رب نے کہ "وہ مجھ پر آسان ہے۔ اور تا کہ بنادیں ہم اُسے نشانی لوگوں کے لیے،

وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

اور رحمت اپنی طرف سے۔ اور یہ طے شدہ معاملہ ہے" ●

(بولے، یوں ہی ہے)۔ یعنی ایسا ہی ہے جیسا کہ تم کہتی ہو، کہ کسی نے نکاح۔۔یا۔۔سفاح کے طور پر تمہیں ہاتھ نہیں لگایا، مگر (فرمایا ہے تمہارے رب نے کہ وہ مجھ پر آسان ہے)، یعنی بے باپ کے بیٹا دینا مجھ پر آسان ہے۔ ہم تجھے بیٹا دیتے ہیں، تا کہ تُو اُس کے سبب سے میری قدرت پر دلیل پکڑے، (اور تا کہ بنادیں ہم اُسے نشانی لوگوں کے لیے) کہ اُس کے حال پر غور کر کے میری قدرت پہچانیں، (اور) تا کہ کریں اُسے (رحمت اپنی طرف سے) اُن لوگوں کے واسطے جو اُن کا ایمان لے آئیں (اور یہ طے شدہ معاملہ ہے)۔ یعنی حضرت عیسیٰ کے بے باپ پیدا ہونے کا حکم مقدر و مقرر ہو چکا ہے اور لوحِ محفوظ میں تحریر کیا جاچکا ہے، تو یہ تو واقع ہو کر ہی رہے گا۔ پھر جبرائیل امین حضرت مریم علیہا السلام کے پاس آئے اور اُن کی آستین۔۔یا۔۔گریبان۔۔یا۔۔منہ میں پھونکا۔۔۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾

تو حاملہ ہوگئیں، اور اُس کو لے کر دُور مقام کو کنارے ہٹ گئیں ●

(تو) حضرت مریم (حاملہ ہوگئیں)۔ اُسی دم حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُن کے حمل میں آئے (اور) پھر آپ (اُس کو) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے پیٹ میں (لے کر) شہر سے (دُور مقام کو کنارے ہٹ گئیں) یعنی ایک ایسے مکان میں چلی گئیں جو شہر سے دُور تھا اور شہر کے کنارے تھا۔

بعضوں نے کہا ہے کہ پورب کی طرف پہاڑ پر گئیں۔۔یا۔۔بیت لحم کے میدان میں گئیں،

جوشہر ایلیا سے چھ۶ میل دور تھا۔نو۹۔۔یا۔۔آٹھ۸ مہینے کے بعد وضع حمل ہوا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔اور بعضوں نے کہا،کہ حمل رہنا اور عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہونا ایک ہی ساعت میں واقع ہوا۔بعض نے نو۹ ساعت کا ذکر کیا ہے۔اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک ساعت میں لوتھڑا ہوا،ایک ساعت میں صورت بنی اور ایک ساعت میں ولادت ہوئی۔بہر تقدیر جب وضع حمل کا وقت قریب پہنچا،تو حضرت مریم نے کھجور کا ایک خشک درخت دیکھا،کہ اس کی شاخیں کٹ گئی ہیں اور وہ سوکھا ہوا درخت کھڑا ہے۔۔۔

فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ

پھر لے آیا انہیں دردِزہ کھجور کی جڑ تک۔بولیں،"اے کاش میں مرجاتی

قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿۲۳﴾

اِس سے پہلے،اور ہوجاتی بھولی بسری"●

(پھر لے آیا انہیں دردِزہ) اُسی (کھجور کی جڑ تک) اور آپ اُسی کھجور کے تنے سے پیٹھ لگا کر بیٹھ گئیں اور (بولیں،اَے کاش! میں مرجاتی اِس) حال (سے پہلے اور ہوجاتی بھولی بسری)،یعنی کوئی مجھے نہ جانتا اور مجھے حساب میں نہ لاتا۔اور حال یہ ہے کہ بیت المقدس کے عابد لوگ سب مجھے جانتے ہیں،اِس واسطے کہ اُن کے امام کی لڑکی ہوں اور حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں ہوں اور اب تک کنواری ہوں۔میرا کوئی شوہر نہیں،اور اِس امر کی ندامت سے نہیں جانتی کہ کیا کر گزروں گی۔۔۔

فَنَادٰىهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

تو آواز دی اُن کو اُن کے نشیب سے کہ"رنج مت کرو،بے شک بہادیا تمہارے رب نے تمہارے نیچے نالہ●

(تو آواز دی اُن کو اُن کے نشیب سے) فرشتے نے کھجور کے درخت کے نیچے سے،یعنی جہاں وہ بیٹھی تھیں اُس کے نشیب سے۔

۔۔یا۔۔آواز دی اُس نے جو اُن کے پیٹ میں تھا۔اِس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں،کہ انہوں نے اپنی ماں سے بات کی اور ندا دی۔۔۔

(کہ رنج مت کرو) اور موت کی تمنا نہ کرو،(بے شک بہادیا تمہارے رب نے تمہارے نیچے نالہ) یعنی پانی کی نہر،کہ اس میں سے پیو اور اس کے پانی سے طہارت کرو۔۔۔

وَهُزِّيٓ إِلَيۡكِ بِجِذۡعِ ٱلنَّخۡلَةِ تُسَٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبٗا جَنِيّٗا ۝٢٥ فَكُلِي

اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کی جڑ کو، گریں گی تازہ پختہ کھجوریں ● تو کھاؤ

وَٱشۡرَبِي وَقَرِّي عَيۡنٗاۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ ٱلۡبَشَرِ أَحَدٗا فَقُولِيٓ إِنِّي

اور پیو اور ٹھنڈک دو اپنی آنکھ کو۔ پھر اگر دیکھو کسی بشر کو، تو بتا دو، کہ میں نے منت مانی ہے

نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمَٰنِ صَوۡمٗا فَلَنۡ أُكَلِّمَ ٱلۡيَوۡمَ إِنسِيّٗا ۝٢٦

اللہ مہربان کے لیے روزے کی، تو میں بات نہ کروں گی آج کسی انسان سے"●

(اور ہلاؤ اپنی طرف کھجور کی جڑ کو) یعنی اُس کے سوکھے ہوئے تنے کو، تو **(گریں گی تازہ پختہ کھجوریں)** خواہ وہ کھجوریں خود گر پڑیں۔یا۔درخت گرا دے۔ **(تو)** پھر **(کھاؤ)** تر و تازہ کھجوریں **(اور پیو)** صاف وشفاف برکت والا پانی، **(اور ٹھنڈک دو اپنی آنکھ کو)** فرزند سے۔یا۔خوش ہو درخت ہرا ہونے اور پھل دینے سے، کہ تیرے حال سے مناسبت رکھتا ہے، اس واسطے کہ جو اِس بات پر قادر ہے کہ خشک درخت سے خرمے پیدا کرے، وہ یہ بھی قدرت رکھتا ہے کہ ماں سے بے باپ کے لڑکا پیدا کرے۔

پھر حق تعالیٰ نے ملائکہ کو بھیجا اور وہ حضرت مریم کے گرد آئے اور جب عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، تو انہیں اُٹھالیا اور نہلایا اور جنت کے حریر میں لپیٹ کر مریم علیہا السلام کی گود میں دے دیا اور آواز آئی۔۔۔

(پھر اگر دیکھو کسی بشر کو) اور وہ پوچھے کہ یہ لڑکا کہاں سے آیا، **(تو بتا دو کہ میں نے منت مانی ہے اللہ)** تعالیٰ **(مہربان کے لیے روزے کی، تو میں بات نہ کروں گی آج کسی انسان سے)**۔ یہ باتیں بھی میں ملائکہ سے کر رہی ہوں اور خدا سے مناجات کر رہی ہوں۔ اِسی سے انہیں نذر کی خبر ہو جائے گی۔۔یا۔۔اشارے سے یہ بات کہہ کر نذر جتا دی جائے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ ان لوگوں کا روزہ یہ تھا، کہ کھانا اور بات کرنا چھوڑ دیتے تھے۔۔الغرض۔۔ مسجدِ اقصیٰ کے لوگوں نے مریم علیہا السلام کو جب محرابِ عبادت میں نہ پایا، تو انہیں ڈھونڈنا شروع کیا۔ ہر جگہ ڈھونڈتے ہر ایک سے پوچھتے، یہاں تک کہ کسی نے اُن لوگوں کو خبر دی، کہ مریم کو میں نے بیت لحم میں دیکھا ہے۔ پس حضرت مریم کی قوم وہاں پہنچی۔ جب مریم علیہا السلام نے انہیں دیکھا، تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گود میں اٹھا کر اُن کی طرف متوجہ ہوئیں۔۔المختصر۔۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ۚ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴿۲۷﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ

پھر لے آئیں بچے کو اپنی قوم کے پاس گود میں لیے، سب بولے، "اے مریم تو تو نہایت بُرا کام کر آئی ● اے ہارون کی بہن،

مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿۲۸﴾ۖ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ۗ

نہ تو تیرا باپ بُرا شخص تھا، اور نہ تیری ماں بدچلن تھی" ● تو مریم نے اشارہ کیا بچے کی طرف۔

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴿۲۹﴾

سب بولے کہ "کس طرح بات چیت کریں ہم اس سے جو گود میں بچہ ہے" ●

(پھر لے آئیں بچے کو اپنی قوم کے پاس گود میں لیے)۔ جیسے ہی اِس گروہ کی نگاہ اُن پر پڑی **(سب بولے، اَے مریم! تُو تو بہت بُرا کام کر آئی)**۔ تیرے گھر میں ایسا امر نہ ہوا تھا۔ **(اَے ہارون کی بہن!)**۔۔۔

ان کے ایک بھائی کا نام ہارون تھا۔۔یا یہ کہ۔۔۔بنی اسرائیل میں ہارون ایک مردِ صالح تھا، صلاحیت اور نیک بختی میں اُن سے مثال دیتے۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔ہارون نام کا کوئی مردِ فاسق تھا، فاسقوں کے لیے ضرب المثل کے طور پر اُس کا ذکر کرتے تھے، تو لوگوں نے حضرت مریم سے یہ بات کہی کہ ہارون صالح کی ایسی عفت اور پرہیزگاری میں۔۔۔یا۔۔۔ہارون فاسق کے مثل گنہگاری میں۔۔۔

(نہ تو تیرا باپ بُرا شخص تھا اور نہ) ہی **(تیری ماں بدچلن تھی)**، بلکہ تیرا باپ تو مسجدِ اقصیٰ کا امام اور عابدوں میں بہت شریف اور عالی مقام تھا، ایسے ہی تیری ماں حَنّہ بنتِ فَاقوذ بھی نہایت ہی نیک اور صالح خاتون تھیں۔ تو ایسے شریف النفس والدین اور ہارون صالح کی بہن ہو کر تجھ سے ایسی قبیح غلطی کیسے ہوگئی؟ جس کے نتیجے میں بطورِ طنز ہارون فاسق سے تمہاری مثال دی جانے لگے۔۔۔الختصر۔۔ایسے ماں باپ کی بیٹی ہو کر، بے باپ کا لڑکا تُو نے کہاں سے جنا؟ **(تو مریم نے اشارہ کیا بچے کی طرف)** کہ اس سے بات کرو اور جواب لو۔ **(سب بولے کہ کس طرح بات چیت کریں ہم اس سے جو گود میں بچہ ہے)**؟ یہ بچہ تو گہوارے کے قابل ہے، نہ تو یہ بات سمجھ سکتا ہے اور نہ ہی جواب دے سکتا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پی رہے تھے۔ جب لوگوں کی بات سنی تو پستان چھوڑ کر قوم کی طرف پھرے اور جس کو قوم نے صرف بچہ سمجھ رکھا تھا بزبانِ فصیح۔۔۔

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛؕ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ

بول پڑا وہ بچہ، کہ "بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔۔۔اُس نے دی ہے مجھے کتاب اور کردیا مجھ کو نبی ● اور کردیا مجھے مبارک جہاں

مَا كُنْتُ ۪ وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّ بَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۫

بھی رہوں۔اور حکم دیا ہے مجھ کو نماز وزکوٰۃ کا، جب تک جیوں ● اور اپنی ماں کے ساتھ احسان کرنے کا،

وَ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَ السَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ

اور نہیں کیا مجھے زبردستی کرنے والا بدنصیب ● اور مجھ پر اللہ کا سلام ہے، میرے میلاد کے دن،

وَ یَوْمَ اَمُوْتُ وَ یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

اور میرے وصال کے دن، اور جس دن اٹھایا جاؤں زندہ" ●

(بول پڑا وہ بچہ، کہ بلاشبہ میں اللہ) تعالیٰ (کا بندہ ہوں۔اُس نے دی ہے مجھے کتاب) یعنی مجھ کو انجیل دینے کا حکم اَزل میں کر چکا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔شکم مادر ہی میں مجھے انجیل کی تعلیم فرما چکا ہے (اور کردیا مجھ کو نبی)۔

یعنی اِس عمر ہی میں آپ کو نبوت مل چکی۔۔چنانچہ۔۔اعجاز کے طور پر کلام فرمانے لگے۔۔۔

(اور کردیا مجھے مبارک) برکت اور منفعت والا (جہاں بھی رہوں۔اور حکم دیا ہے مجھ کو نماز و زکوٰۃ کا جب تک جیوں)۔(اور اپنی ماں کے ساتھ احسان کرنے کا، اور نہیں کیا) ہے (مجھے زبردستی کرنے والا بدنصیب)۔یعنی نہ تو میں سرکش ہوں اور نہ ہی متکبر اور بدنصیب، کہ حکم الٰہی کو نہ مانوں۔۔ الختصر۔۔میں صاحبِ شریعت پیغمبر ہوں اور دُنیا و آخرت کی صلاح وفلاح میری اطاعت اور مجھ سے مخلصانہ وابستگی سے ہم رشتہ ہے۔(اور مجھ پر اللہ) تعالیٰ (کا سلام ہے) حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرح (میرے میلاد کے دن، اور میرے وصال کے دن، اور جس دن اٹھایا جاؤں) گا (زندہ)۔

ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾

یہ ہیں عیسیٰ فرزندِ مریم۔ٹھیک ٹھیک بات، کہ جس میں شکّی لوگ اختلاف کرتے ہیں ●

جن کا ابھی ابھی اوپر ذکر ہوا اور اُن کا حال اور وصف بیان کیا گیا، (یہ ہیں عیسیٰ فرزندِ مریم) نصاریٰ جن کو اپنی خام خیالی سے خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں، تو اُن کا حضرت مریم کا فرزند ہونا ہی درست وصحیح ہے۔(ٹھیک ٹھیک بات، کہ جس میں شکّی لوگ اختلاف کرتے ہیں)۔

۔۔۔چنانچہ۔۔۔یہودی آپ کے تعلق سے ناشائستہ باتیں کرتے ہیں، اور نصاریٰ میں بعض آپ کو خدا کہتے ہیں، اور بعض خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔اور بات سچی یہی ہے، کہ آپ حضرت مریم کے بیٹے ہیں نہ کہ خدا کے۔اس لیے کہ۔۔۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ

اللہ کو زیبا نہیں، کہ اختیار فرمائے اولاد۔پاکی ہے اُس کی، جب طے فرمالیا کسی چیز کو، تو بس فرمادیتا ہے اُسے کہ

كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾

'ہوجا'، تو وہ ہوجاتی ہے ● اور "بے شک اللہ میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار ہے، تو اُسی کو پوجو۔یہ ہے سیدھا راستہ" ●

(اللہ) تعالیٰ (کو زیبا نہیں کہ اختیار فرمائے اولاد)۔اس لیے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہونا چاہیے اور ممکنات کے ساتھ ہم جنس ہونے سے حق تعالیٰ منزہ ہے۔(پاکی ہے اس کی) یعنی اللہ تعالیٰ نصاریٰ کے بہتان سے پاک ہے، اس لیے کہ 'قدیم' کی کوئی جنس نہیں۔اور (جب) اللہ تعالیٰ نے (طے فرمالیا کسی چیز) کے ہونے (کو، تو بس فرمادیتا ہے اُسے کہ 'ہوجا'، تو وہ ہوجاتی ہے)۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے، تو اُس کے لیے کوئی شے حائل نہیں ہوتی۔۔۔بلکہ۔۔۔جونہی وہ ارادہ فرماتا ہے اور کُنْ فرماتا ہے، تو وہ شے فی الفور ہو جاتی ہے۔۔۔چنانچہ۔۔۔اِسی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کُنْ 'ہوجا'، تو وہ باپ کے بغیر پیدا ہوگئے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ بالا کلام کا آخری حصہ۔۔۔

(اور) تتمہ یہ ہے، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (میرا پروردگار اور تمہارا پالنہار ہے، تو اُسی کو پوجو۔یہ ہے سیدھا راستہ) یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا اور اُس کے لیے اولاد اور بیوی کو نہ ماننا، یہی سیدھا راستہ ہے۔ایسا راستہ جس پر چلنے والا گمراہ نہیں ہوسکتا۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

پھر مختلف ہوگئے فرقے اُن کے درمیان۔تو ہلاکی ہے جنہوں نے انکار کیا،

مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

بڑے دن کی حاضری سے ●

(پھر مختلف ہوگئے فرقے اُن کے درمیان)۔

یہاں اَحْزَابٌ سے مراد وہ قوم ہے کہ حضرت عیسیٰ جس کی طرف مبعوث فرمائے گئے۔۔۔

چنانچہ۔۔ جماعتِ نسطوریہ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن اللہ ہیں۔اور یعقوبیہ نے کہا، کہ وہ خود خدا ہیں جو آسمان سے زمین پر تشریف لاکر پھر آسمان کی طرف واپس تشریف لے گئے ہیں۔اور تیسرے نے "جس کے پیروکاروں کا نام اسرائیلیہ ہے" کہا، کہ وہ تین میں کا تیسرا ہے۔اللہ معبود ہے اور وہ یعنی عیسیٰ معبود ہیں اور اُس کی ماں معبود ہے۔

اُن کے برخلاف اُن میں مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اُس کے رسول، اُس کی روح اور اُس کا کلمہ ہیں۔۔ الغرض۔۔اُن میں سے ہر ایک مختلف عقائد کے پیروکار تھے۔ایک قول یہ ہے کہ **اَحْزَابٌ** سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں جو ایک دوسرے کی تکذیب کرتے تھے، اور ایک تیسرا قول یہ ہے، کہ اِس سے مراد کفار ہیں جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں اور ہمارے نبی کے زمانے کے کفار بھی داخل ہیں۔۔۔

(تو ہلاکی ہے جنہوں نے انکار کیا) اور کافر ہوئے اور تعجب میں رہے **(بڑے دن کی حاضری سے)**۔یعنی قیامت کے دن کی حاضری کا اُنہیں یقین نہ رہا۔۔یا۔اُس دن کے ہولوں کے مشاہدے کے وہ منکر رہے۔مگر اُس دن۔۔۔

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ

کیا کہنے ہیں اُن کے سننے اور دیکھنے کو، جس دن یہ آئیں گے ہمارے پاس، لیکن اندھیر والے آج

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۸﴾

تو کھلی گمراہی میں ہیں●

(کیا کہنے ہیں اُن کے سننے اور دیکھنے کو، جس دن یہ آئیں گے ہمارے پاس)۔اُس دن اُن کا دیکھنا بھی تیز ہوگا اور سننا بھی۔یعنی وہ اللہ جل شانہٗ کے وعدے دیکھیں گے اور یقین کرلیں گے۔ مگر یہ دیکھنا اور یقین کرلینا اُنہیں کچھ فائدہ نہ پہنچائے گا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے، کہ یہ بات تہدید اور دھمکی کے طور پر ہے، یعنی اُس دن کیا وحشت دلانے والی باتیں سنیں گے اور ہولوں کے سبب سے کیا سختیاں دیکھیں گے۔میدانِ حشر میں تو سبھی کو حاضر ہونا ہے۔

(لیکن اندھیر والے) خود ہی مشاہدہ کرلیں گے، کہ **(آج تو)** وہ **(کھلی گمراہی میں ہیں)**، یعنی اُن کو خود اپنے گمراہ ہونے میں شک نہ رہ جائے گا۔تو اَے محبوب ابھی سے خبردار کردو۔۔۔

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ

اور ڈراد وانہیں پچھتاوا کرنے کے دن سے، جب کہ کام ختم کر دیا گیا۔۔۔اور وہ لوگ اُس سے غفلت ہی میں ہیں

وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۹﴾

اور مانتے ہی نہیں●

(اور ڈراد وانہیں) یعنی مکہ کے کافروں کو (پچھتاوا کرنے کے دن سے) جس دن بڑے آدمی حسرت کریں گے کہ ہم نے کیوں بُرا کیا اور نیک لوگ حسرت کریں گے کہ ہم نے نیکی زیادہ کیوں نہ کی۔ یہ حسرت اور پچھتاوے کا دن وہ ہوگا، (جب کہ کام ختم کر دیا گیا) اور حساب و کتاب مکمل کر دیا گیا اور حکم فرما دیا گیا، کہ ایک فریق جنت میں اور ایک فریق دوزخ میں۔ غور کرو اور سوچو کہ ایسا دن سامنے ہے (اور وہ لوگ اُس سے غفلت ہی میں ہیں اور مانتے ہی نہیں) آخرت کو، اور اُن چیزوں کو جو آخرت سے متعلق ہیں۔ یادرکھو! کہ۔۔۔

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۴۰﴾

بے شک ہم ہی رہ جائیں گے مالک زمین کے، اور جو بھی اُس پر ہے، اور ہمارے ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے●

(بے شک ہم ہی رہ جائیں گے مالک زمین کے اور جو بھی اُس پر ہے)۔

اِس مقام پر ذہن نشین رہے کہ حقیقت میں ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے مالک ہے، لیکن ظاہر میں دُنیا اور زمین کی بہت سی چیزوں کے لوگ مالک ہیں۔ اگرچہ اُن کی ملکیت عارضی اور فانی ہے اور بعد والوں کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے، لیکن ظاہری اور مجازی طور پر اُن کو زمین اور اُس کی چیزوں کا مالک کہا جاتا ہے، لیکن قیامت آنے سے اُن کی یہ ظاہری اور مجازی ملکیت بھی ختم ہو جائے گی، اور ہر چیز کی ظاہری ملکیت بھی اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ پر وارث کا اطلاق اِسی ظاہری ملکیت کے اعتبار سے ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی ہے، کہ اس دن ہم ہی مالک ہوں گے۔۔۔

(اور ہماری ہی طرف سب لوٹائے جائیں گے)۔۔ الغرض۔۔ مرنے کے بعد سب کو ہمارے ہی حضور میں آنا ہے۔

اِس سورت سے مقصود ہے توحید، رسالت، قیامت اور حشر کو بیان کرنا اور منکرین توحید وہ تھے جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اَور کو معبود مانتے تھے، پھر اُن کے دو گروہ تھے: ایک گروہ زندہ

انسان کو معبود مانتا تھا اور دوسرا گروہ پتھروں کے تراشیدہ بتوں کو خدا مانتا تھا۔ ہر چند یہ دونوں گروہ گمراہ تھے، لیکن دوسرے فریق کی گمراہی زیادہ شدید تھی۔ دوسرے لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے، کہ دونوں گروہ پہلے درجے کے بے عقل تھے، مگر دوسرے گروہ کی بے عقلی ایسی تھی جو بہت ہی ظاہر و روشن تھی۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے پہلے قسم کے بے عقلوں کا رَد کیا اور اب دوسرے قسم کے زیادہ بے عقلی والوں کا رَد فرمایا، اور اُس کا آغاز حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر سے کیا۔ آپ علیہ السلام کے ذکر اور اس کے پہلے حضرت زکریا، حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے ذکر میں حکمتِ ربانی یہ تھی، کہ سب کو معلوم تھا کہ ہمارے نبی آخر الزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی قوم اور آپ کے صحابہ کتابوں کے مطالعہ، مدرسہ اور پڑھنے لکھنے سے شغف نہیں رکھتے تھے، پھر جب آپ نے حضرت زکریا، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے واقعات ٹھیک ٹھیک بیان کردیے، تو لامحالہ آپ نے غیب کی خبریں بیان کیں اور آپ کا غیب پر مطلع ہونا آپ کے نبی ہونے کی دلیل ہے۔ خصوصاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کی حسبِ ذیل وجوہ ہیں:

﴿۱﴾۔۔عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا باپ کہتے تھے اور اُن کے دین اور اُن کی ملت کو برحق مانتے تھے۔ تو اب اُن سے کہا جارہا ہے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا باپ مانتے ہو اور تم اپنے باپ دادا کے دین کو برحق مانتے ہو، تو تمہارے سامنے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمہارے باپ ابراہیم کی ملت اور اُن کا دین پیش کررہے ہیں سو اُس کو مانو اور قبول کرو۔

﴿۲﴾۔۔عرب کہتے تھے کہ ہمارے باپ دادا بت پرستی کرتے آئے تھے، ہم ان کے طریقے کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اِس کا رَد فرمایا، کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عُرفی باپ دادا بت پرستی کرتے تھے، لیکن انہوں نے اپنے عرفی باپ دادا کے طریقے کو نہیں اپنایا بلکہ توحید کو مانا، سو تم بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلو۔ اور اگر باپ دادا کی اتباع کرنی ہے، تو جو سب سے معظم ومکرم باپ ہیں اور سب کے نزدیک مسلم ہیں یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، تو اُن کی اِتباع کرو۔

﴿۳﴾۔۔اکثر کفار اپنے باپ دادا کی تقلید کا دعویٰ کرتے تھے۔ اُن کو بتایا کہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ تقلید نہیں تھا، بلکہ دلائل میں غور وفکر کر کے توحید کو اپنانا تھا، سوتم بھی دلائل میں غور وفکر کر کے توحید کو اختیار کرو۔

انہیں مذکورہ بالا حکمتوں کے پیش نظر اَے محبوب! فرمادو۔۔۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

اور تذکرہ کرو کتاب میں ابراہیم کا۔۔ بلاشبہ وہ تھے راست باز نبی●

(اور تذکرہ کرو کتاب میں ابراہیم کا)۔ یعنی اَے محبوب! یاد کرواپنی قوم کے واسطے قصہ ابراہیم کا، کہ سب ملتوں والے اُن کی بزرگی کے مقر ہیں اور عرب کے مشرکین اُن کی اولاد میں ہونے کی سبب سے فخر کرتے تھے، تو ابراہیم کے موحد ہونے کی ان مشرکوں کو خبر دو۔ (بلاشبہ وہ تھے راست باز نبی)، یعنی سچ بولنے والے، توحید میں مبالغہ کرنے والے، درست کام کرنے والے، اور صحیح بات کہنے والے پیغمبر عالی قدر تھے۔ اَے محبوب! یاد کرواُسے۔۔۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْــًٔـا ﴿۴۲﴾

جب کہ کہا اپنے بابا کو کہ "اَے بابا کیوں پوجتے ہو؟ جو نہ سنے اور نہ دیکھے اور نہ کام آئے تمہارے کچھ●

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا

اَے بابا! بلاشبہ آگیا ہے میرے پاس علم کا وہ حصہ، جو نہیں آیا تم تک، تو میرے پیچھے لگے رہو، میں لے چلوں گا تم کو

سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾

سیدھی راہ● اَے بابا! شیطان کو نہ پوجو۔ کہ شیطان تو رحمٰن کا نافرمان ہی رہا●

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

اَے بابا! میں ڈرتا ہوں کہ لگ جائے تمہیں عذاب اللہ مہربان کا،

فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿۴۵﴾

تو ہو جاؤ تم شیطان کے دوست"●

(جب کہ کہا اپنے بابا کو) یعنی اپنے باپ کے بھائی 'آزر بن ناخورا' سے، (کہ اَے بابا کیوں پوجتے ہو جو نہ سنے) تیری دُعا اور آرزو کو، (اور نہ دیکھے) تیری عاجزی اور فروتنی کو جو اُن کے ساتھ تُو رغبت سے کرتا ہے، (اور نہ کام آئے تمہارے کچھ) یعنی کوئی بری چیز یا ضرر دفع کرنے اور منفعت حاصل

(جواب دیا کہ تجھے تو میرا اسلام ہے) اور وہ بھی سلام تحیت و تعظیم نہیں ۔۔بلکہ۔۔ سلام متارکہ ہے، جوکسی کو چھوڑنے اور قطع تعلق کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔تو اب میں تیرے پاس سے جاتا ہوں اور تجھے رخصت کرتا ہوں۔

دھمکی اور ملامت کے جواب میں یہ شریفانہ اور حکیمانہ اسلوب بیان حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اعلیٰ ظرفی اور رحیم الفطرتی کا اشاریہ ہے، جوایک سلیم الطبع انسان کے دل میں ایمان لانے کی تحریک پیدا کرتا ہے۔اِس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کریمانہ شان کا یہ منظر بھی سامنے آیا، کہ آپ آزر کی گفتگو سے دل برداشتہ نہیں ہوئے، اور نہ ہی غیظ وغضب کا مظاہرہ فرمایا، بلکہ اُس سے یہ فرمایا کہ۔۔۔

(اب بھی میں تیری مغفرت کے لیے عرض کروں گا اپنے پروردگار سے) کیوں (کہ وہ مجھ پر مہربان ہی رہاہے)، تو میں اپنے خیر خواہانہ جذبے کا مظاہرہ کروں گا اور خدا سے یہ دُعا کروں گا، کہ وہ تجھے ایمان کی توفیق عطا فرمائے، آگے جو ربِّ قدیر کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔

کافروں کے واسطے استغفار کا معنی یہی ہے، کہ ان کے لیے ایمان کی توفیق کی دُعا کی جائے، اس واسطے کہ ایمان ہی مغفرت کا سبب ہوسکتا ہے۔ہاں کفر پر جس کی موت کا یقینی علم ہوجائے، تو اب ایسے کے لیے ایمان کی توفیق کی دُعا کا بھی کوئی محل نہیں رہ جاتا۔اِس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ سلام کا حقیقی معنی تو دُعا ہے، یعنی:

﴿۱﴾۔۔اللہ تم کو سلامت رکھے اور ہر مصیبت سے محفوظ و مامون رکھے ۔۔یا۔۔

﴿۲﴾۔۔تم جس حال میں ہواس میں سلامت رکھے۔۔۔

پہلے معنی کے اعتبار سے کفار اور فساق کو سلام کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اس میں نہ تو کفر وفسق پر سلامت رہنے کی دُعا ہے اور نہ ہی کفار وفساق کی تعظیم و تحیت مقصود ہے۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ

اور تم کو بھی چھوڑ تا ہوں اور تمہارے بتوں کو بھی، جن کی اللہ کے مقابل دُہائی دیتے ہو۔اور میں تو دُہائی دیتا ہوں اپنے پروردگار کی،

عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾

کہ عنقریب نہ رہ جاؤں اپنے رب کی دُہائی کی بدولت محروم"●

(اور) سنو کہ میں (تم کو بھی چھوڑتا ہوں)۔
یہاں "تم" سے مراد آزر اور اُس کے مثل دوسرے بت پرست ہیں۔
۔۔الغرض۔۔حضرت ابراہیم نے فرمایا کہ میں تم سب سے جدائی اور دوُری چاہتا ہوں (اور تمہارے بتوں کو بھی) چھوڑتا ہوں۔۔الغرض۔۔اُن سے بھی کنارہ کش ہوتا ہوں (جن کی اللہ) تعالیٰ (کے مقابل دُہائی دیتے ہو) اور اُنہیں پوجتے ہو۔(اور) اِس کے برخلاف میرا حال یہ ہے، کہ (میں تو دُہائی دیتا ہوں اپنے پروردگار کی) اور اُسی کو وحدہٗ لاشریک سمجھ کر پوجتا ہوں۔اور یہ میں اس لیے کرتا ہوں تا (کہ عنقریب نہ رہ جاؤں اپنے رب کی دُہائی کی بدولت محروم)۔انشاء المولیٰ تعالیٰ اپنے خدا کو پکارنے اور پوجنے کے سبب سے خدا کے فضل سے ناامید اور اُس کی رحمت سے بے بہرہ نہیں رہ سکتا۔ جیسے کہ تم بتوں کے پوجنے کے سبب بے نصیب اور خراب و برباد ہو۔میں امید رکھتا ہوں کہ حق تعالیٰ سے ضرور بہت اچھی طرح بہرہ مند ہوں گا۔

۔۔الختصر۔۔حضرت ابراہیم علیہ السلام بابل سے فارس کے کوہستان میں آئے اور سات برس تک اِن پہاڑوں کے گرد سیر کرتے رہے۔اور پھر جب بابل آئے اور بتوں کی مذمت شروع کی، اس بار انہوں نے بت توڑ ڈالے اور نمرود کی آگ اُن پر ٹھنڈی ہوگئی اور حضرت سارہ اور حضرت لوط کے ساتھ ملک شام کا قصد کیا، تو حق تعالیٰ نے اُن کی اس ہجرت کی خبر دی اور فرمایا، کہ۔۔۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَ
چنانچہ جب چھوڑ دیا اُن کو اور اُن کے بتوں کو جن کو معبود مانتے اللہ کے مقابلے پر، تو ہم نے دیا انہیں اسحاق و
يَعْقُوبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۴۹﴾ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا
یعقوب، اور اُن سب کو بنایا نبی ● اور دیا ان سب کو اپنی رحمت سے،
وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۵۰﴾
اور کر دی اُن کے لیے بلند ناموری ●

(چنانچہ جب چھوڑ دیا اُن کو اور اُن کے بتوں کو) جنہیں خدا کے سوا وہ پوجتے تھے اور (جن کو معبود مانتے) تھے (اللہ) تعالیٰ (کے مقابلے پر، تو ہم نے دیا انہیں) حضرت سارہ علیہا السلام سے (اسحاق و یعقوب) یعنی اسحاق بیٹا اور یعقوب پوتا (اور) کرم بالائے کرم یہ، کہ (اُن سب کو بنایا نبی

● اور دیا اُن سب کو اپنی رحمت سے) مال واولاد (اور کر دی اُن کے لیے بلند ناموری)۔ یعنی دیا ہم نے انہیں بات کہنا سچائی کے ساتھ۔۔یا۔۔نیک اور بلند ذکر لوگوں میں۔
یہ اشارہ ہے ابراہیم علیہ السلام کی وہ دُعا قبول ہو جانے کی طرف، جو انہوں نے مانگی تھی وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ یعنی پچھلوں میں میرا ذکرِ خیر باقی رکھ۔ پانچ[5] اولوالعزم رسولوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام آتا ہے۔ غالباً اسی حکمت کے پیشِ نظر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔۔۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اور تذکرہ کرو کتاب میں موسیٰ کا، بلاشبہ وہ تھے کھرے، اور تھے رسول غیب کی باتیں بتانے والے●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ اَے محبوب! (تذکرہ کرو کتاب میں موسیٰ کا) یعنی قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰ کا قصہ یاد کرو اور اِس کا ذکر کرو۔ (بلاشبہ وہ تھے کھرے) یعنی میلوں اور نقصانوں سے پاک وصاف، (اور تھے رسول) صاحبِ کتاب، مبعوث من اللہ، (غیب کی باتیں بتانے والے) یعنی شانِ نبوت رکھنے والے اور مخلوق کو خالق کے احکام سے باخبر فرمانے والے۔

وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿۵۲﴾

اور آواز دی ہم نے انہیں کوہِ طور کے داہنی جانب سے، اور نزدیک کیا انہیں رازدار بنانے کو●

(اور) اُن کا واقعہ یہ ہے، کہ (آواز دی ہم نے انہیں کوہِ طور کے داہنی جانب سے) یعنی حضرت موسیٰ کو ہِ طور پر جہاں تھے وہاں اُن کو خود اپنی داہنی جانب سے آواز آئی، (اور) اِس طرح (نزدیک کیا اُنہیں رازدار بنانے کو) تاکہ وہ ہم سے شانِ نبوت کے مطابق راز و نیاز کی باتیں کرتے رہیں اور ہم اپنے احکام سے اُن کو باخبر کرتے رہیں۔
یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روش تھی کہ آپ بارگاہِ الٰہی تک حاضر ہوئے اور یہ رب کریم کی طرف سے کشش تھی، کہ اُس نے انہیں اپنے مقامِ قرب سے سرفراز کر دیا اور انہیں قربِ شرف اور قربِ مرتبہ عطا فرمایا۔ یہی یعنی قربِ شرف و مرتبہ وہ معروف ومتعارف قرب ہے جو ملائکہ مقربین کو بھی حاصل ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ

اور دیا ہم نے انہیں اپنی رحمت سے اُن کا بھائی ہارون نبی ● اور تذکرہ کرو کتاب میں اسماعیل کا۔

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۴﴾

بلاشبہ وہ وعدے کے سچے تھے، اور رسول تھے غیب کی خبر دینے والے ●

(اور دیا ہم نے انہیں) اُن کی دُعا کو قبول فرماتے ہوئے (اپنی رحمت سے) اور مہربانی سے، اُن کی مدد کرنے کے لیے اور اُن کا شریکِ کار بننے کے لیے، (اُن کا بھائی ہارون نبی) یعنی شانِ نبوت والے۔

۔۔الحاصل۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مدد و نصرت کے لیے اُن کی دُعا سے حضرت ہارون کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے نبوت سے سرفراز کر دیا گیا۔

(اور) اَے محبوب! حضرت ابراہیم کے ذکرِ خیر کے بعد (تذکرہ کرو کتاب میں) ان کے فرزندِ جلیل (اسماعیل کا۔ بلاشبہ وہ وعدے کے سچے تھے اور رسول تھے غیب کی خبر دینے والے)۔۔چنانچہ ۔۔وہ سب کو احکامِ خداوندی سے باخبر فرماتے رہے۔

وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾

اور حکم دیتے تھے اپنے گھر گھرانوں کو نماز و زکوٰۃ کا، اور تھے اپنے پروردگار کے یہاں پسندیدہ ●

(اور) خاص کر کے (حکم دیتے تھے اپنے گھر گھرانوں کو) اور بالعموم ساری اُمت کو (نماز و زکوٰۃ کا، اور تھے اپنے پروردگار کے یہاں پسندیدہ) اقوال و افعال پر استقامت کے سبب سے۔

بدنی عبادت میں نماز سب سے افضل ہے اور مالی عبادت میں زکوٰۃ سب سے افضل ہے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ اُن کا ذکر کر دیا، لیکن مقصودِ کلام یہ ہے کہ وہ ہر طرح کی بدنی اور مالی عبادات کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صادق الوعد ہونے کا عالم یہ تھا، کہ ایک بار آپ نے کسی سے وعدہ کیا کہ جب تک تُو نہ آئے گا میں اِسی جگہ کھڑا رہوں گا۔ اپنا وعدہ وفا کرنے کو تین[۳] روز اور ایک قول کے مطابق سال بھر وہیں کھڑے رہے، یہاں تک کہ وہ شخص آیا اور اُس مدت میں درخت کی چھال کے سوا اور کچھ کھانے کو نہ تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرنے کے بعد۔۔۔

وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ اِدۡرِيۡسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ۝

اور تذکرہ کرو کتاب میں ادریس کا۔ بلاشبہ وہ تھے راست باز نبی●

اَے محبوب! حضرت ابراہیم واسماعیل سے بہت پہلے مبعوث ہونے والے نبی کا ذکرِ خیر کرو (اور تذکرہ کرو کتاب میں ادریس کا)۔

جو حضرت شیث کے پر پوتے اور حضرت نوح کے پردادا تھے، جن کا نام اخنوخ تھا۔ علوم کا درس دینے کی وجہ سے اِدریس لقب ہو گیا۔ قلم سے خط پہلے انھوں نے ہی لکھا، نجوم کا حال پہلے اِنہیں نے بیان فرمایا، یوں سینا پہلے اُنہیں نے شروع کیا۔۔ چنانچہ۔۔ سوتی کپڑے بنانے اور اُس کو سی کر پہننے کا طریقہ اُنہیں سے ملا۔ ان سے پہلے چمڑوں کے لباس کا استعمال رائج تھا۔ اُن پر تیس ۳۰ صحیفے نازل ہوئے۔ آپ حضرت آدم کی وفات سے سو ۱۰۰ برس بعد پیدا ہوئے اور ایک قول کے مطابق حضرت آدم کی حیات سے تین سو ۳۱۸ اٹھارہ سال پائے۔ آپ پہلے شخص ہیں جن کو حضرت آدم اور حضرت شیث علیہما السلام کے بعد نبوت ملی اور منصبِ رسالت سے سرفراز کیا گیا۔۔ الختصر۔۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ پہلے رسول ہیں۔

(بلاشبہ وہ تھے راست باز نبی) یعنی مخلوق کو حق تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے والے سچے پیغمبر تھے۔ انہیں ہم نے رفیع المنزلت بنایا اور اپنے مقامِ قرب سے نوازا۔۔۔

وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

اور اٹھالیا ہم نے انہیں اونچی جگہ پر●

(اور) ساتھ ہی ساتھ (اٹھالیا ہم نے انہیں اونچی جگہ پر) یعنی چوتھے یا چھٹے آسمان پر پہنچادیا ۔۔یا۔۔ جنت میں داخل کر دیا۔

کلام الٰہی کا ظاہر تو یہی واضح کرتا ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند جگہ اٹھانے سے اُن کے درجات کی بلندی مراد نہیں، تو صحیح بات یہی ہے کہ انہیں زمین سے اوپر اٹھا کر لے جایا گیا تھا۔ اب رہی یہ بات، کہ اب وہ باحیات ہیں [illegible] ہوئی، تو وہ زمین پر یا آسمان پر؟ [illegible] روایات ہیں۔ ہمارے لیے [illegible] وَاللّٰهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ بِالصَّوَاب [illegible] اِس سے پہلے

اللہ تعالیٰ نے جتنے انبیاءِ کرام کا ذکر فرمایا تھا، اُن سب کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اِس اگلی آیت میں جمع فرمایا اور اُن کی تعریف اور تحسین فرمائی۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا۔۔۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا

یہ سب ہیں جن پر انعام فرمایا اللہ نے، گروہِ انبیاء سے، آدم کی نسل سے۔ اور اُن کی نسل سے جن کو سوار کیا تھا ہم نے

مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا

نوح کے ساتھ، اور ابراہیم و یعقوب کی اولاد سے، اور اُسے جنہیں ہم نے راہ دی، اور چن لیا۔

إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ۩ ﴿۵۸﴾

جب تلاوت کی جاتیں اُن پر رحمٰن کی آیتیں، تو گر پڑے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے ●

(یہ سب ہیں جن پر انعام فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے گروہ انبیاء سے) جو (آدم کی نسل سے) ہیں۔

اِس سے مراد حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

(اور اُن کی نسل سے جن کو سوار کیا تھا ہم نے) کشتی میں (نوح کے ساتھ)۔

اِس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کیوں کہ وہ سام بن نوح کی اولاد سے ہیں۔

(اور) جو (ابراہیم و یعقوب کی اولاد سے) ہیں۔

حضرت ابراہیم کی اولاد سے حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب مراد ہیں اور حضرت یعقوب کی اولاد سے حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام مراد ہیں۔ پس حضرت ادریس علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے لیے حضرت آدم علیہ السلام سے قریب ہونے کا شرف ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے حضرت نوح علیہ السلام سے قریب ہونے کی فضیلت ہے اور حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قرب کی خصوصیت ہے۔

اِس کے بعد اِن انبیاءِ کرام علیہم السلام کا خضوع اور خشوع اور خوفِ خدا بیان فرمایا، کہ جب اِن پر رحمٰن کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، تو وہ خوفِ خدا سے روتے ہیں اور سجدے میں گر پڑتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جاتا ہے کہ یہ مذکورہ بالا نفوسِ قدسیہ والے۔۔۔

(اور اُن) کی اولاد (سے جنہیں ہم نے راہ دی، اور) نبوت کے شرف کے لیے (چن لیا)، اُن کی شان یہ ہے کہ (جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر رحمٰن کی آیتیں) جو نبیوں کے صحائف میں نازل

فرمائی گئیں ہیں (تو) اُن کو سن کر اُن کا یہ حال ہوا کہ (گر پڑے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے)۔

اِس سے ظاہر ہوا کہ خوفِ خدا سے تلاوتِ کلامِ ربانی سننے کے ساتھ رونے کو ایک خاص نسبت حاصل ہے۔ کلامِ ربانی دوست کا کلام ہے اور دوست کا کلام شوق بڑھاتا ہے اور جب شوق کی آگ دل میں بھڑکتی ہے، تو غم کے آنسو آنکھ سے بہتے ہیں۔ اِسی لیے قرآنِ کریم میں نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں کے تعلق سے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

"جب وہ سنتے ہیں وہ چیز جو اتاری گئی رسول کی طرف،
تو دیکھتا ہے تو اُن کی آنکھوں کو کہ بہتی ہیں آنسوؤں سے"۔ ﴿المائدہ:۸۳﴾

قرآنی سجدوں میں یہ پانچواں سجدہ ہے۔ حضرت شیخ ابنِ عربی نے اِس سجدے کو 'سجودِ انعام' کہا ہے۔ اس واسطے کہ آیاتِ رحمانی کی تلاوت کے سبب سے واقع ہوتا ہے اور اس سجدے میں جو رونا آئے وہ خوشی اور فرحت کا رونا ہے۔ اس واسطے کہ رحمانیت کی رحمت لطف اور مہربانی چاہتی ہے اور فرحت اور مسرت کا سبب ہے، تو اِس کا نتیجہ خوشی ہے رنج وتعب نہیں

۔۔الختصر۔۔ جب مذکورہ بالا نفوسِ قدسیہ والے وصال فرما گئے۔۔تو۔۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ

پھر جانشین ہوئے اُن کے بعد کچھ ناخلف، کہ نمازیں گنوادیں اور شہوتوں میں لگ گئے،

فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

تو اب جلد پائیں گے جہنم کی وادی غَیّ کو●

(پھر جانشین ہوئے اُن کے بعد کچھ ناخلف) یعنی فرطِ غفلت کے سبب سے بُری اولاد، کیوں (کہ) انہوں نے (نمازیں گنوادیں) اور ترک کردیں (اور شہوتوں میں لگ گئے)، یعنی نفس کی خواہشوں کی پیروی کی اور گناہ کرنے لگے۔۔نیز۔۔شراب خواری اور زناکاری وغیرہ میں لگ گئے۔ (تو) ایسے لوگ (اب جلد پائیں گے جہنم کی وادی غَیّ کو)۔ یہ جہنم کا ایک میدان ہے، اُس کی آگ بہت تیز ہے اور اُس کا عذاب بڑا سخت ہے۔ ایسے بے نمازیوں اور نفس کی آرزو کی پیروی کرنے والوں کو وہاں لے جائیں گے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ غَیّ دوزخ میں ایک کنواں ہے، دوزخی لوگ اُس کنویں والوں کے عذاب سے پناہ مانگیں گے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آیتِ کریمہ میں غَیّ سے مراد گمراہی اور

تباہ کاری کی جزا۔۔یا۔۔عذاب ونقصان ہے، جس سے مذکورہ بالا ناخلف افراد کا سابقہ پڑنے والا ہے۔۔۔

اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ

مگر جس نے توبہ کرلی اور ایمان سنبھالا اور لیاقت والے کام کرنے لگا، تو وہ جائیں گے جنت میں،

وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا ۝٦٠

اور نہ اندھیر کیا جائے گا کچھ●

(مگر جس نے توبہ کرلی) اور گناہوں سے منہ موڑ لیا ہو (اور ایمان سنبھالا)، یعنی دل وزبان دونوں کو ایمان پر ثابت رکھا، (اور لیاقت والے کام کرنے لگا) یعنی اچھے کام کرنے کی عادت ڈال لی، (تو وہ) اور اُس جیسے سب (جائیں گے جنت میں)۔۔الغرض۔۔توبہ کرنے والا اور ایمان لانے والا گروہ بہشت میں داخل ہوگا، (اور نہ اندھیر کیا جائے گا کچھ)۔یعنی اُن کے اجر میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی۔ اور وہ جس بہشت میں داخل کیے جائیں گے وہ۔۔۔

جَنّٰتِ عَدۡنِ ِۨالَّتِىۡ وَعَدَ الرَّحۡمٰنُ عِبَادَهٗ بِالۡغَيۡبِ ؕ

سدا بہار کے باغ، جس کا وعدہ فرمایا تھا اللہ مہربان نے اپنے بندوں سے غائبانہ۔

اِنَّهٗ كَانَ وَعۡدُهٗ مَاۡتِيًّا ۝٦١

بلاشبہ اُس کا وعدہ آکر رہنے والا ہے●

(سدا بہار کے باغ) ہیں، جس کے کبھی خزاں رسیدہ ہوجانے کا کوئی خطرہ ہی نہیں۔ (جس کا وعدہ فرمایا تھا اللہ) تعالیٰ (مہربان نے اپنے بندوں سے غائبانہ)۔یعنی اُن سے بہشت کا وعدہ کیا اور بہشت اُن سے غائب ہے۔۔یا یہ۔۔خود اِس سے غائب ہیں اور چونکہ وعدہ ہے، تو اِس غائب ہونے سے کچھ باک نہیں۔ (بلاشبہ اِس کا وعدہ آکر رہنے والا ہے) یعنی اُس کی وعدہ کی ہوئی بہشت سامنے آنے والی ہے اور ایمان والوں کو اِس میں داخل ہونا ہے۔ جس کی شان یہ ہوگی، کہ۔۔۔

لَا يَسۡمَعُوۡنَ فِيۡهَا لَغۡوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمۡ رِزۡقُهُمۡ فِيۡهَا بُكۡرَةً وَّعَشِيًّا ۝٦٢

نہ سنیں گے اُس میں فضول بات، بس سلام سلام۔ اور اُن کی روزی ہے اُس میں صبح وشام●

(نہ سنیں گے اُس میں) جنتی لوگ (فضول بات) یعنی بیہودہ۔۔اور۔۔خراب بات۔ یہ لوگ

وہاں تو (بس سلام سلام) ہی سنیں گے۔ وہ حق تعالیٰ کا سلام ہو۔۔یا۔۔فرشتوں کا سلام ہو۔۔یا۔۔آپس میں ایک دوسرے کا سلام ہو۔۔الختصر۔۔ ہر طرف اُنہیں سلامتی ہی سلامتی نظر آئے گی، (اوران کی روزی ہے اُس میں صبح وشام) یعنی ایک دن کے دوطرف، یعنی ابتداء اور انتہاء کی قدر فاصلے پر کھلائیں گے۔

جیسے کہ امیروں کی عادت ہے کہ دن بھر میں ۲ دوبار کھانا کھاتے ہیں۔۔یا۔۔اِس سے مراد یہ ہے کہ اُن کو ہمیشہ اور پیہم اُن کی خواہش کے مطابق روزی ملتی رہے گی۔ذہن نشین رہے کہ جنت میں نہ دن ہوگا نہ رات، مگر کچھ علامتیں ہونگیں کہ اُن سے دن رات کی مقدار پہچانیں گے۔۔مثلاً: پردے چھوڑنے اور دروازے بند کرنے سے رات کا وقت معلوم ہوگا۔ اور پردے اٹھنے اور دروازے کھلنے سے دن کا وقت پتا چلے گا۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ شب کو حوریں مسلمانوں کی خدمت کریں گی اور دن کو غلمان۔۔الختصر۔۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

یہ جنت ہے، جس میں رکھیں گے ہم اپنے بندوں سے اُسے، جوڈرنے والا رہا●

(یہ جنت ہے جس میں رکھیں گے ہم اپنے بندوں سے اُسے جوڈرنے والا رہا) ہے۔یعنی وہ بہشت جس کا ذکر ہم نے کیا ہے، وہ ہے کہ ہم میراث دیں گے اپنے بندوں میں سے اُنہیں، جو پرہیز گاری کی زندگی گزارنے والے ہیں۔

حق تعالیٰ علیم وحکیم ہے۔جس کا کوئی کام علم وحکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔۔چنانچہ۔۔ جب لوگوں نے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے 'اصحابِ کہف' اور 'ذوالقرنین' اور 'روح' کا حال پوچھا، تو آپ نے فرمایا کہ کل آنا تو میں جواب دوں گا، اور اِس موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ نہیں فرمایا، تو بارہ ۱۲۔۔یا۔۔پندرہ ۱۵۔۔یا۔۔پچیس ۲۵ دن تک حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ پر نازل نہیں ہوئے۔جب نازل ہوئے، آپ نے فرمایا کہ بھائی بہت دیر کے بعد آئے، میں تو تمہارا منتظر تھا۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ

"اور ہم، جبریل نہیں اترتے، مگر آپ کے پروردگار کے حکم سے۔اُسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے اور جو پیچھے ہے،

وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾

اور جو اُس کے درمیان ہے، اور نہیں ہے تمہارا پروردگار بھولنے والا●

(اور) عرض کیا کہ (ہم) یعنی (جبرائیل) اور دیگر فرشتے (نہیں اُترتے مگر آپ کے پروردگار کے حکم سے۔ اُسی کا ہے جو ہمارے سامنے ہے) آنے والے کاموں میں سے (اور جو پیچھے ہے) یعنی گزرے ہوئے امور (اور جو اُس کے درمیان ہے)۔ یعنی ماضی و مستقبل کے درمیان زمانۂ حال کے حالات۔۔ الختصر۔۔ تینوں زمانوں میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اُسی کی مرضی و مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ کوئی بھی چیز اُس کے علم و قدرت کے دائرے سے باہر نہیں (اور) روشن حقیقت یہ ہے کہ (نہیں ہے تمہارا پروردگار بھولنے والا)۔ اَے اللہ کے رسول! وہ آپ کے حال سے باخبر ہے، تو جب چاہتا ہے ہمیں آپ کے پاس بھیجتا ہے۔ اُس ربِّ قدیر کی شان تو یہ ہے، کہ وہ۔۔۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ط

پالنے والا آسمانوں کا اور زمین کا، اور جو اُن کے درمیان ہے، تو اُس کو معبود مانو، اور جمے رہو اُس کی عبادت پر۔

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾

بھلا کیا تم جانتے ہو اُس کا کوئی ہم نام" ●

(پالنے والا) ہے (آسمانوں کا اور زمین کا اور جو اُن کے درمیان ہے) اور ظاہر ہے کہ جس کی یہ شان ہو، وہ بھلا بھولنے والا کیسے ہوسکتا ہے۔ تو اَے اللہ کے رسول! جب آپ نے یہ بات جان لی کہ وہ آپ کو بھولا نہیں ہے، (تو) حسبِ عادتِ کریمہ (اُس کو معبود مانو اور جمے رہو اُس کی عبادت پر) اور وحی کے دیر میں آنے سے دل تنگ نہ ہوں۔ اَے محبوب! سوچو اور غور تو کرو، کہ (بھلا کیا تم جانتے ہو اُس کا کوئی ہم نام) یعنی اُس کا کوئی مثل جس کو معبود کہا جاسکے۔۔ یا یہ کہ۔۔ اَے محبوب! کیا آپ جانتے ہیں کہ کسی کا نام اللہ ہوا ہو؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے غلبے و قہر کے آثار میں سے نہیں، کہ کسی مشرک نے اپنے معبودِ باطل کو 'اللہ' نہیں کہا، بلکہ 'الٰہ' کہتے رہے۔ عزتِ احدیت اور غیرتِ اُلوہیت نے اِس ٭رگ نام کو کافروں کے تصرف اور بتوں کا یہ نام رکھنے سے حفظ و امان میں رکھا، اور ایمان والوں کی ٭ان پر رنج و راحت میں جاری کردیا، تو ایسے عزیز و جلیل اور حکیم و قدیر کا کوئی کام حکمت سے خالی کیسے ہوسکتا ہے۔۔۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

اور جو انسان بولتا ہے کہ "جب میں مر چکا، تو کیا عنقریب زندہ نکالا جاؤں گا" ●

(اور) ہڈیوں کو چور چور کر کے دکھانے والا اور حیات بعد الممات کو بعید از قیاس قرار دینے والا، ابی ابن خلف۔۔یا۔۔اُس جیسا (جو انسان بولتا ہے کہ جب میں مر چکا، تو کیا عنقریب میں زندہ نکالا جاؤں گا)، بھلا یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ مردہ زندہ ہو اور خاک قبر سے نکلے؟ حق تعالیٰ اُس کے جواب میں فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَوَلَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَكُ شَیْــٴًـا ﴿۶۷﴾ فَوَرَبِّكَ

کیا یاد نہیں کرتا وہ انسان، کہ ہم نے اس کو پیدا فرمایا پہلے پہل، اور وہ کچھ بھی نہ تھا ● ہاں تمہارے پروردگار

لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا ﴿۶۸﴾ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ

کی قسم، ہم ضرور حشر برپا کریں گے ان کا، اور شیطانوں کا، پھر ان کو حاضر کریں گے جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل ● پھر ضرور

مِنْ كُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا ﴿۶۹﴾ ثُمَّ

نکالیں گے ہم ہر ہر شیعہ سے، جو زیادہ سے زیادہ بیباک ہے، اللہ مہربان پر ● پھر

لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِیًّا ﴿۷۰﴾

ہم تو جانتے ہی ہیں انہیں جو وہاں پہنچنے کے زیادہ حق دار ہیں ●

(کیا یاد نہیں کرتا وہ) ناسمجھ (انسان، کہ ہم نے اُس کو پیدا فرمایا پہلے پہل اور وہ کچھ بھی نہ تھا)۔ ہڈی کا چورا بھی نہ تھا، بلکہ عدم محض تھا۔ الحاصل۔۔آدمی کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ معدوم کو موجود کرنا، پراگندہ ہوئی چیز کو جمع کرنے کی بہ نسبت بڑے تعجب کی بات ہے۔ یہ احمق کس خیال میں ہیں۔ ہاں (ہاں تمہارے پروردگار کی قسم ہم ضرور حشر برپا کریں گے اُن کا اور شیطانوں کا) یعنی اُن کافروں اور شیطانوں دونوں کو ضرور اکٹھا کریں گے۔ (پھر ان کو حاضر کریں گے جہنم کے گرد گھٹنوں کے بل) یعنی حساب کے ہَول سے دوزخ کے اردگرد سب زانو کے بل پڑے ہوں گے۔ دوزخ کے گرد اُن کو حاضر کرنا اِس جہت سے ہوگا تاکہ نیک لوگ جان لیں کہ کن بلاؤں سے اُنہوں نے نجات پائی ہے اور اُن کی خوشی زیادہ ہو اور بُرے لوگ دوزخ میں اپنا مکان دیکھیں اور اُن کا ملال بڑھے۔

(پھر ضرور نکالیں گے ہم ہر ہر شیعہ سے) یعنی ہر ایک گروہ سے اُسے (جو زیادہ سے زیادہ بے باک ہے اللہ) تعالیٰ (مہربان پر) سرکشی اور جرأت کی راہ سے۔ یعنی ہر ایک گروہ میں سے جو بڑا کافر اور بہت نافرمان ہوگا، پہلے ہم اُسی کو جدا کریں گے۔ (پھر ہم تو جانتے ہی ہیں اُنہیں جو وہاں پہنچنے کے زیادہ حق دار ہیں)، یعنی ہم جانتے ہیں کہ کون پہلے آتش دوزخ میں ڈال دینے کے قابل ہے۔

وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ

اور نہیں تم لوگوں سے کوئی، مگر وہاں وارد ہونے والا، تمہارے پروردگار کا اٹل فیصلہ ہے ● پھر

نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿٧٢﴾

بچالے جائیں گے ہم جو ڈرتا رہا، اور چھوڑ دیں گے اندھیر والوں کو اُس میں گھٹنے کے بل ●

(اور) یہ بھی سن لو! کہ (نہیں) ہے (تم لوگوں سے کوئی) آدمی (مگر وہاں وارد ہونے والا)۔ یہ (تمہارے پروردگار کا اٹل فیصلہ ہے)، یعنی ایسا وعدہ ہے جو ضرور واقع ہوگا اور اس میں ہرگز خلاف نہیں ہو سکتا۔

۔۔الغرض۔۔ ہر شخص دوزخ پر سے گزرے گا خواہ مومن ہو۔۔یا۔۔ کافر۔ لیکن جب مومن دوزخ پر گزریں گے، تو آگ بجھ جائے گی اور ٹھنڈی ہو جائے گی۔ اِس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ بعضے جنتی لوگ ایک دوسرے سے پوچھیں گے، کہ کیا حق تعالیٰ نے ہم سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تم سب دوزخ پر گزرو گے، تو یہ کیا ماجرا ہے کہ ہم نے تو آگ دیکھی ہی نہیں۔ فرشتے کہیں گے کہ تمہارا دوزخ سے گزر تو ہوا، لیکن اس کی آگ تمہارے ایمان کے نور کے سبب بجھ گئی تھی۔ بعض مفسرین نے آیتِ کریمہ میں 'ورود' کو 'دخول' کے معنی میں لیا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ سب نیک و بد اور مومن و کافر کو دوزخ میں حاضر کریں گے، مگر ایمان والوں پر آگ اِس طرح گُل ہو جائے گی جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام پر گُل ہو گئی تھی اور اِسی قول کی تائید کرتا ہے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد، کہ۔۔۔

(پھر بچالے جائیں گے ہم) اُسے (جو ڈرتا رہا) اور ایمان پر ثابت قدم رہا، (اور چھوڑ دیں گے اندھیر والوں کو اُس میں گھٹنے کے بل) یعنی زانو کے بل گرے ہوئے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری روشن آیتیں، تو بولے جنھوں نے انکار کر رکھا ہے انہیں،

اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٧٣﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ

جو مان چکے ہیں کہ "ہم میں تم میں کس کا مکان بہتر ہے، اور کس کی محفل آراستہ ہے" ● اور کتنے طبقے برباد کر دیے ہم نے

مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿٧٤﴾

اِن کے پہلے، کہ جو ساز و سامان و نمائش میں کہیں اچھے تھے ●

مشرکین سرداران قریش کس قدر بے عقل (اور) بدنصیب ہیں، کہ (جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری روشن آیتیں) یا قدرت کی دلیلیں۔۔یا۔۔معجزے پیش کیے جاتے ہیں، (تو بولے جنہوں نے انکار کررکھا ہے اُنہیں جو مان چکے ہیں)۔یعنی کافر مومن سے بولے، (کہ ہم میں تم میں کس کا مکان بہتر ہے اور کس کی محفل آراستہ ہے) یعنی ہمارے مکانات عمدہ عمدہ ہیں اور عیش کے سب اسباب اِن میں مہیا ہیں اور تمہارا حال یہ ہے کہ تمہارے پاس نہ بیٹھنے کی کوئی قاعدے کی جگہ ہے اور نہ ہی عیش و آرام کا کوئی سامان۔۔الغرض۔۔نہ تم خوش حال ہو اور نہ ہی تمہاری مجلس آراستہ و بارونق ہے۔اِس کے برخلاف ہمارے مجمع میں سب سردار و اشراف ہیں اور تمہاری مجلس میں مفلوک الحال اور غلام و ناتواں لوگ ہیں۔

توحق تعالیٰ نے اُن کی ڈینگ اور افتخار کی جڑا کھاڑ کر فرمایا، کہ اَے محبوب! اُن سے کہہ دو۔۔۔

(اور) اُن پر واضح کردو کہ یہ غور کریں، کہ (کتنے طبقے برباد کردیے ہم نے اُن کے پہلے کہ جو سازوسامان و نمائش میں) اِن عرب کے کافروں سے (کہیں اچھے تھے)۔اُن کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں۔نہ اُن کے مال نے اُن کی ہلاکت دفع کی اور نہ ہی اُن کے جمال نے اُن سے عذاب روکا۔تو۔۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَٰنُ مَدًّا ۚ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا

کہہ دو کہ "جو رہا گمراہی میں، تو ڈھیل دیتا ہے اُس کو خدائے مہربان خوب"۔۔۔یہاں تک کہ جب دیکھ لیا

مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا

جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے، خواہ عذاب اور خواہ قیامت، تو جلد ہی جان لیں گے، کہ کس کا مکان سب سے بُرا،

وَأَضْعَفُ جُندًا ۝

اور کس کی پارٹی سب سے زیادہ کمزور ہے●

اَے محبوب! اُن اپنے مال و جمال پر بھروسہ کرنے والوں سے (کہہ دو، کہ جو رہا گمراہی میں) اور راہِ حق سے دُوری میں، (تو ڈھیل دیتا ہے اُس کو خدائے مہربان خوب) اور اُسے مہلت دیتا ہے اور پے در پے نعمت پہنچاتا ہے۔تو خدائے مہربان کی عطا کردہ مہلت سے فائدہ اُٹھانا چاہیے اور راہِ راست پر آجانا چاہیے۔حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ڈھیل کب تک رہے گی؟ (یہاں تک کہ جب دیکھ لیا جس کا اُن سے وعدہ کیا گیا ہے، خواہ عذاب) دُنیا میں قتل اور قید کے سبب سے (اور خواہ قیامت) یعنی آخرت میں انواع و اقسام کی رسوائی اور خرابی دیکھ کر، (تو جلد ہی جان لیں گے کہ کس کا مکان سب سے بُرا اور کس کی پارٹی سب سے زیادہ کمزور ہے)۔اِس واسطے کہ ایمان والوں کے لیے جنتوں کے درجے ہیں

اور اِن کافروں کے لیے دوزخوں کے درکے۔

۔۔یوں ہی۔۔ایمان والوں کو خدا اور ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی طرف سے یاری اور مددگاری پہنچے گی اور مشرکوں کا مطلقاً کوئی یار و مددگار نہ ہوگا۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ ربانی ہے کہ ”نہیں ہے کافروں کے واسطے کوئی مددگار“۔۔۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ

اور بڑھائے اللہ ہدایت اُن کی، جنہوں نے راہ پالی۔اور باقی رہنے والی نیکیاں زیادہ بہتر ہیں،

عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾

تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب میں، اور نہایت خوب ہیں انجام میں ●

(اور) اُن کے برخلاف (بڑھائے اللہ) تعالیٰ (ہدایت اُن کی جنہوں نے راہ پائی) اُس کی کتاب کے سبب سے۔یعنی جس قدر قرآن نازل ہوا، اُس پر ایمان لائے اور جو نازل ہوتا ہے اُس کی تصدیق کرتے جاتے ہیں، اور اُن کی ہدایت خدا زیادہ کرتا ہے۔(اور باقی رہنے والی نیکیاں) یعنی پانچوں نماز۔۔یا۔۔چاروں کلمے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وغیرہ اُن کے واسطے (زیادہ بہتر ہیں تمہارے پروردگار کے نزدیک ثواب میں اور نہایت خوب ہیں انجام میں)۔

۔۔الحاصل۔۔دُنیا میں اگر کافروں کے واسطے مال و جمال ہے، تو آخرت میں وبال و نکال ہوگا، اور مومن دُنیا میں ہدایت بھی رکھتا ہے اور حمایت بھی اور آخرت میں ثواب بھی پائے گا اور اچھا ٹھکانہ بھی۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٧٧﴾ؕ

تو کیا تم نے دیکھا کہ جس نے انکار کر دیا میری آیتوں کا اور ڈینگ ماری کہ ”مجھ کو ضرور دیا جائے گا مال اولاد“●

اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾ۙ كَلَّا ؕ سَنَكْتُبُ

کیا وہ جھانک آیا غیب کو، یا لے رکھا ہے خدائے مہربان کے یہاں کوئی عہد؟● ہرگز نہیں! اب ہم لکھ لیتے ہیں

مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾ۙ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

جو بکتا ہے، اور خوب دراز کریں گے ہم اِس کا عذاب● اور ہم ہی رہ جائیں گے مالک، جو وہ بکتا ہے اور وہ آ گیا ہمارے سامنے تنہا●

(تو) اَے محبوب! (کیا تم نے دیکھا) عاص بن وائل کو، (کہ جس نے انکار کر دیا میری آیتوں

کا اور ڈینگ ماری، کہ) جس طرح مجھے دُنیا میں اولاد و مال والا کیا گیا ہے، اِسی طرح (مجھ کو) آخرت میں بھی (ضرور دیا جائے گا مال اولاد)۔ تو اَے محبوب! اُس سے دریافت کرو، کہ (کیا وہ جھانک آیا غیب کو؟) اور لوحِ محفوظ کا مطالعہ کر کے غیب پر مطلع ہو گیا؟ اور یہ بات وہاں سے کہتا ہے؟ (یا لے رکھا ہے خدائے مہربان کے یہاں کوئی عہد) اِس صورت پر۔ یعنی کیا خدا نے اِس سے اُس کے لیے ایسا کرنے کا کوئی وعدہ کر رکھا ہے؟ (ہرگز نہیں)۔ یعنی ایسا نہیں جو وہ کہتا ہے۔ (اب ہم لکھ لیتے ہیں جو وہ (بکتا ہے)۔۔یا۔۔ اُس کی باتوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں، تاکہ اِس بات کے سبب سے اُسے ہم جزا دیں۔۔یا۔۔ نامۂ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو حکم دیں، کہ وہ لکھ لیں۔ (اور خوب دراز کریں گے ہم اُس کا عذاب) اس طرح کہ عذاب اُسے پہنچائیں گے۔

(اور ہم ہی رہ جائیں گے مالک) اُس کے (جو وہ بکتا ہے)، یعنی مال و اولاد جن کے تعلق سے اُس کا گمان ہے کہ اُسے دیا جائے گا۔ (اور وہ آگیا ہمارے سامنے تنہا)۔ اُس کے ساتھ نہ مال ہوگا اور نہ ہی اولاد۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ

اور بنالیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر مقابلے کے کئی معبود، تاکہ وہ اُن کی عزت بن جائیں ● ہرگز نہیں! بہت جلد یہ سارے بت

بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾ ع ٨

اپنی معبودیت سے انکار کردیں گے، اور ہوجائیں گے پجاریوں کے خلاف ●

کتنے کم عقل ہیں یہ مشرکینِ قریش (اور) کس قدر ناعاقبت اندیش ہیں، کہ (بنالیا انہوں نے اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر مقابلے کے کئی معبود، تاکہ وہ اُن کی عزت بن جائیں) یعنی اُن کے واسطے عزت کا سبب بن جائیں اور مشرکین اِن معبودوں کی شفاعت کی بدولت خدا کے سامنے عزت پائیں۔ ایسا (ہرگز نہیں) ہوسکتا کہ وہ عزت پائیں، بلکہ (بہت جلد یہ سارے بت اپنی معبودیت سے انکار کردیں گے اور ہو جائیں گے پجاریوں کے خلاف)۔۔یا یہ۔۔ سارے پجاری ہولِ قیامت کو دیکھ کر خود اپنے معبودوں کے دشمن ہوجائیں گے اور اِس بات سے انکار کریں گے کہ انہوں نے اِن بتوں کی پرستش کی ہے۔

اب آگے کے ارشاد میں رسولِ کریم ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ یہ کافر جو ایمان نہیں لارہے ہیں، اُس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان اُن کو بھڑکا رہے ہیں، نہ یہ کہ آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی اور قصور ہے۔ تو۔۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيٰطِينَ عَلَى الْكٰفِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿۸۳﴾

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے بھیجا شیطان کو کافروں کے پاس، کہ انہیں خوب ابھارتے ہیں●

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾

تو مت جلدی کرو اُن پر، ہم بس اُن کی مدت شماری کر رہے ہیں●

(کیا تم نے نہیں دیکھا) اور نہیں جانا **(کہ ہم نے بھیجا شیطانوں کو کافروں کے پاس)** یعنی اُن پر ہم نے مسلط کر دیا۔یا۔اُن کا ساتھی اور رفیق کر دیا، جو **(کہ)** گناہ کرنے پر اُنہیں آمادہ کرتے ہیں اور برائی کرنے کے لیے **(انہیں خوب اُبھارتے)** اور برانگیختہ کرتے **(ہیں)** اور وسوسہ دے کر انہیں اُن کی جگہ سے لے جاتے ہیں، **(تو)** آپ **(مت جلدی کرو اُن پر)**، یعنی اُن کے عذاب کے متعلق جلدی نہ کریں۔ **(ہم)** تو **(بس اُن کی مدت شماری کر رہے ہیں)** اور اُن کی میعاد پوری کر رہے ہیں۔ یعنی اُن کی زندگی کے دنوں اور راتوں کو گن رہے ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ اُن کی سانسوں کو گن رہے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ہم اُن کے اعمال کو گن رہے ہیں۔اور ایک قول یہ ہے، کہ۔۔۔

آپ جلدی نہ کریں ہم اُن کو اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں تا کہ اُن کے گناہ زیادہ ہوں اور جو سزا اُن کے لیے مقدر کی جا چکی ہے، وہ اُس کے مستحق ہو جائیں۔ جب وہ ایام پورے ہو جائیں گے، تو نازل ہوگا جو کچھ مقرر رہا ہے۔تو اَے محبوب! یاد کرو وہ دن۔۔۔

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ

جس دن کہ ہم حشر کریں گے ڈرنے والوں کا، خدائے رحمان کی طرف وفد کی صورت میں ● اور ہانکا لگائیں گے مجرموں کا

إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾

جہنم کی طرف پیاسے۔۔●۔۔

(جس دن کہ ہم حشر کریں گے ڈرنے والوں کا خدائے رحمٰن) کی بہشت **(کی طرف وفد کی صورت میں)**۔ اِس حال میں کہ وہ سوار ہوں گے عمدہ اونٹوں پر جو جنت کی سواریاں ہیں۔یعنی اُن کو اِس طرح جنت میں سوار کر کے لے جائیں گے جیسے عزت دار لوگوں کو بادشاہ کی جناب میں سوار کر کے لے جاتے ہیں۔اُن میں سے بعضے تو عبادتوں کے عمدہ اونٹوں پر سوار ہوں گے، اور بعضے ہمتوں کی سواریوں میں سوار ہوں گے۔ جو عبادتوں کی سواریوں پر سوار ہوں گے وہ بہشت کے طالب ہیں، اُن

عزیر علیہم السلام کو خدا کی اولاد قرار دے دیا۔ اَرے نادانو! (یقیناً تم بول آئے بڑا بیہودہ بول) اس بولی کی قباحت وشناعت کا عالم یہ ہے، کہ (بس اب سارے آسمان پھٹ ہی پڑیں اِس بات سے اور زمین پاش پاش ہی ہو جائے اور سارے پہاڑ بالکل ڈھا ہی پڑیں) تو بالکل بجا ہے، کیوں (کہ کہہ ڈالا خدائے مہربان کے لیے اولاد)۔

(اور) یہ بھی نہیں غور کیا، کہ (نہیں زیبا ہے خدائے مہربان کے لیے کہ اختیار فرمائے اولاد)۔ اس لیے کہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کسی کے ہم جنس ہونے سے بَری اور منزہ ہے۔۔یا ۔۔اپنی ذاتی بے نیازی کے سبب سے اولاد کی مدد لینے اور اُن سے اُنس اور اُلفت کرنے کا اور اُن سے سہارا لینے اور اُن کے سبب اپنی زینت کرنے کا محتاج نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ لَقَدْ

سارے جو آسمانوں اور زمین میں، نہیں ہیں مگر آنے والے خدائے مہربان کے یہاں بندہ ہوکر ● اُس نے بلاشبہ

اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾

انہیں شمار میں لے لیا اور ایک ایک کو گن لیا ● اور سب کے سب حاضر ہوں گے اللہ کے حضور قیامت کے دن تنہا ●

(سارے جو آسمانوں اور زمین میں) رہتے ہیں (نہیں ہیں مگر آنے والے خدائے مہربان کے یہاں) یعنی اُس کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے ہیں (بندے ہوکر) نہ کہ بیٹا ہوکر۔۔الغرض۔۔ جو 'عبد' ہے وہ 'ابن' نہیں ہوسکتا، جیسے جو 'ابن' ہے وہ 'عبد' نہیں ہوسکتا۔ ذہن نشین رہے کہ (اُس نے بلاشبہ اُنہیں شمار میں لے لیا اور ایک ایک کو گن لیا) یعنی اُن کی ذاتوں اور ان کے کاموں کو شمار کر لیا ہے جو اُس کی قدرت اور علم کے دائرے سے باہر نہیں ہوسکتے۔ (اور سب کے سب حاضر ہوں گے اللہ) تعالیٰ (کے حضور قیامت کے دن تنہا)۔ نہ کوئی تابع ساتھ ہوگا، نہ کوئی یار و مددگار۔ رہ گئے ایمان والے، تو دُنیا و آخرت میں ان کی شان ہی نرالی ہے، کیونکہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾

بے شک جو مان گئے اور لیاقت کے کام کیے، جلد کردے گا اُن کے لیے خدائے رحمان محبت ●

(بے شک جو مان گئے اور لیاقت کے کام کیے) یعنی نیک کام انجام دیتے رہے (جلد کردے گا اُن کے لیے خدائے رحمٰن) اپنی مخلوق کے دلوں میں (محبت)، یعنی کسی ظاہری ذریعے وسبب کے

بغیر اُن کی محبت دلوں میں ڈال دے گا۔

حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے، تو جبرائیل علیہ السلام کو حکم کردیتا ہے کہ میں فلاں بندے کو دوست رکھتا ہوں تُو بھی اُسے دوست رکھ۔ پس جبرائیل علیہ السلام بھی اُسے دوست رکھتے ہیں اور اہلِ آسمان میں منادی کردیتے ہیں، کہ حق تعالیٰ فلاں بندے کو دوست رکھتا ہے تم بھی اُسے دوست رکھو۔ پس آسمان کے رہنے والے اُسے دوست رکھتے ہیں۔ پھر اُس بندے کی محبت زمین پر ڈالتے ہیں، یہاں تک کہ زمین کے رہنے والے بھی اُسے دوست کر لیتے ہیں۔

تو اَے محبوب! اِس سورۂ مبارکہ میں جو ہدایتیں ہیں اُس کو ہمارے بندوں تک پہنچاؤ ۔۔اسی لیے۔۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾

تو ہم نے آسان کردیا قرآن کو تمہاری زبان میں، تاکہ خوشخبری دو اُس کی ڈرنے والوں کو، اور ڈراؤ اُس سے جھگڑالو لوگوں کو ●

(تو ہم نے آسان کردیا قرآن کو تمہاری زبان میں) یعنی عربی زبان میں ۔۔یا۔۔ اِس کا پڑھنا تمہاری زبان پر ہم نے آسان کردیا، (تاکہ خوش خبری دو اُس کی ڈرنے والوں کو) جنہوں نے شرک سے کنارہ کشی کرلی ہے (اور ڈراؤ اُس سے جھگڑالو لوگوں کو) جو آپ کی سخت عداوت رکھنے والے ہیں۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع ۶ (النصف)

اور کتنے تباہ کردیے ہم نے اُن سے پہلے طبقے۔ کیا دیکھتے ہو اُن میں سے کسی کو، یا سنتے ہو اُن کی کچھ بھنک؟ ●

(اور کتنے تباہ کردیے ہم نے اُن سے پہلے طبقے۔ کیا دیکھتے ہو اُن میں کسی کو، یا سنتے ہو اُن کی کچھ بھنک)؟ یعنی اُن پر جب ہمارا عذاب نازل ہوا، تو سب نیست و نابود ہوگئے۔ نہ ان میں سے کوئی شخص باقی رہا کہ کوئی دیکھے اور نہ آواز آتی ہے کہ کوئی سنے۔ بلکہ قہرِ الٰہی نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔ سب کو ایسا فنا کردیا، کہ گویا پیدا ہی نہ ہوئے تھے۔

بفضلہٖ تبارک وتعالیٰ آج بتاریخ

۱۱ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۷ مارچ ۲۰۱۱ء

بروز پنج شنبہ بوقت ایک بجے دن، سورۂ مریم کی

تفسیر کی تکمیل کی سعادت حاصل کرلی۔دُعا گوہوں کہ

مولیٰ تعالیٰ قرآنِ کریم کی باقی سورتوں کی

تفسیر کی بھی سعادت مرحمت فرمائے۔آمین

یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرْمَتِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ

سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الحمدللہ بعونہٖ تبارک وتعالیٰ آج بتاریخ

۱۳ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۹ مارچ ۲۰۱۱ء

بروز شنبہ، سورۂ طٰہٰ کی تفسیر کا آغاز کردیا۔مولیٰ تعالیٰ

اپنے فضل وکرم سے اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی

تکمیل کی سعادت عطا فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرْمَتِ حَبِیبِكَ سَیِّدِنَا

مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَأَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

سُوْرَةُ طٰهٰ

سورۂ طٰہٰ ۲۰ مکیہ ۴۵ — آیاتہا ۱۳۵ رکوعاتہا ۸

اِس سورہ کا نام طٰہٰ ہے، کیونکہ اِس سورت کا پہلا کلمہ طٰہٰ ہے۔جیسا کہ سورۂ 'ص' اور 'ق' ہیں۔اُن سورتوں کا پہلا کلمہ بھی 'ص' اور 'ق' ہے۔حروفِ مقطعات جو سورتوں کے شروع میں ہیں، ان میں کسی میں اس قدر اختلاف نہیں، جتنا کہ طٰہٰ میں ہے۔بعض اِسے حروفِ مقطعات جانتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ قرآن کا نام۔۔یا۔۔سورت کا نام ہے۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ کے

ناموں میں سے ایک نام ہے۔۔یا۔۔'اسم طاہر' اور 'اسم ہادی' کی ابتداء کے دو حرف ہیں، اور ایک گروہ اِس بات پر ہے، کہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، جیسے مزمل، مدثر، یٰسین وغیرہ۔

حضور کا نام ہونے کی صورت میں اِس سے پہلے 'یا' حرفِ ندا، محذوف ہے۔۔یا۔۔ آنحضرت ﷺ کے دو ناموں یعنی ایک 'طالب' دوسرے 'ہادی' کی طرف اشارہ ہے، یعنی، 'شفاعت کے طالب'، 'شریعت کے ہادی'۔۔یا۔۔ "گناہوں سے طاہر" 'خدا کی معرفت کے ہادی'۔۔یا۔۔ اِن کا دل غیر خدا سے طاہر اور قربِ خدا کی طرف ہادی۔ بعض نے ابجد کے حساب سے 'ط' کا نمبر '۹' اور 'ہ' کا نمبر '۵' اور دونوں کا مجموعی نمبر چودہ ۱۴ سے یہ اشارہ نکالا ہے، کہ اَے چودھویں رات کے چاند اور ندا حضرت رسولِ مقبول کو ہے، اور پورا چاند ہونا آپ کے مرتبۂ جامعیت کے کمال کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ بات عارفوں پر پوشیدہ نہیں۔

یہ ساری توجیہات مسلکِ سالم کی رعایت کرتے ہوئے ہیں۔ رہ گیا مسلکِ اسلم، تو وہ وہی ہے جو حروفِ مقطعات میں سے ہر ہر حرف کے لیے ہے۔ وہ یہ کہ اِس سے اللہ تعالیٰ کی اپنی مراد کیا ہے، وہ وہی جانے۔۔یا۔۔ اُس کے وہ محبوبین جانیں، جنہیں وہ آگاہ فرمادے۔ اور جو اُسے حروفِ مقطعات میں نہیں شمار کرتے، وہ اُسے حبشی یا نبطی۔۔یا۔۔ سریانی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں، جو 'یارجل' یعنی 'اَے مرد' کے مقابلے میں موضوع ہے۔ اِس سورہ میں طٰہٰ کا معنی یہ ہوا، کہ اَے وہ مرد کہ تیری طرح کسی مرد نے میدانِ مردمی میں قدم نہیں رکھا۔ یعنی اَے وہ مرد جو فخرِ آدمیت اور نازشِ انسانیت ہے۔

اِس سورۂ مبارکہ سے پہلے سورۂ مریم ہے، جس میں دس۱۰ انبیاءِ کرام کا اجمالی ذکر ہے، اور اب اس میں ان میں سے بعض کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اِس سورت کو اِس سے پہلی سورت سے دوسری مناسبت یہ ہے، کہ سورۂ مریم کے آخر میں فرمایا کہ آسانی کے لیے قرآنِ مجید کو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان میں نازل کیا ہے، اور اِس سورہ کے شروع میں بھی یہ مضمون ہے، کہ ہم نے آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے قرآن کو نازل نہیں کیا۔ بلکہ آپ کی آسانی کے لیے نازل فرمایا ہے۔ تیسری مناسبت یہ ہے کہ سورۂ مریم کی انتہا بھی قرآنِ مجید کے ذکر پر ہوتی ہے، اور سورۂ طٰہٰ کی ابتداء بھی قرآنِ مجید کے ذکر سے ہوتی ہے۔

'ترتیبِ نزول' کے اعتبار سے اِس سورت کا نمبر پینتالیس۴۵ ہے اور 'ترتیبِ مصحف' کے

اعتبار سے اِس سورت کا نمبر بیسؔ ہے۔ یہ سورۂ مریم کے بعد اور سورۂ واقعہ سے پہلے نازل ہوئی۔ یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی جب مشرکین، مسلمانوں پر بہت مظالم ڈھا رہے تھے اور بہت کم تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے تھے، اور ابھی تک مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی، اور نہ اُس وقت تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بعثتِ نبوی کے پانچ۵ سال بعد اور حبشہ کی طرف ہجرت سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔

یہ سورۂ مبارکہ بہت ہی بابرکت سورۂ مبارکہ ہے، جس کو حدیث شریف میں عرش کے نیچے کے خزانوں میں سے ایک خزانہ قرار دیا گیا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تخلیق سے دو۲۰۰۰ ہزار سال پہلے طٰہٰ و یٰسٓ پڑھا۔ جب ملائکہ نے قرآن سنا، تو کہا کہ مبارک ہو امتِ محمدیہ کو جن پر یہ کلام نازل ہوگا، اور مبارک ہو اُن زبانوں کو جو اِسے تلاوت کریں گی۔ ایسی بابرکت سورۂ مبارکہ کو، شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور ایمان والوں کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

طٰہٰ ﴿۱﴾

طٰہٰ ●

(طٰ ہٰ) اَے طیب و طاہر، فخرِ آدمیت، نازشِ انسانیت، رہبرِ کائنات، آسمانِ رسالت کے بدرِ کامل، آپ قریش کے کفر سے بہت زیادہ افسوس و مشقت نہ اُٹھائیں، کیونکہ آپ کے ذمے تو صرف پیغام پہنچانا ہے، اور آپ نے وہ کرلیا۔ اب آپ کو افسوس کیوں؟ وہ ایمان لائیں۔۔یا۔۔نہ لائیں۔۔یا۔۔ کثرتِ ریاضت اور کثرتِ تہجد کی ادائیگی کے لیے لمبا قیام۔۔یا۔۔عبادت کے لیے قرأت کے طویل فرمانے کی صورت میں ایک قدم پر زور دے کر کھڑا ہونا آپ کو شاق ہو، تو آپ اُس کے مکلف نہیں، اس لیے کہ آپ کا دین، دینِ حنیف ہے جس میں آسانی ہے، دشواری نہیں۔ سہولت ہے، مشقت نہیں۔ ہر مکلف کے لیے قابلِ عمل ہے۔۔ الختصر۔۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝٢ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝٣

نہیں نازل فرمایا ہم نے تم پر قرآن، کہ مشقت میں پڑو● مگر وعظ ہے اُس کے لیے جو ڈرے●

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝٤

یہ اُتارنا ہے اُس کی طرف سے، جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور سارے بلند آسمانوں کو●

اَے محبوب! (نہیں نازل فرمایا ہم نے تم پر قرآن کہ مشقت میں پڑو) اور کافروں کے کفر سے رنج اٹھاؤ۔ یا۔ تمام رات آرام نہ فرماؤ اور نماز کے قیام کو اتنا طویل کردو، کہ پاؤں مبارک سُوج جائیں۔

ممکن ہے کہ یہ مشرکین کے لیے رَد ہو، کیونکہ مروی ہے کہ ابوجہل اور نضر بن حارث نے رسول اللہ ﷺ کو کہا کہ تم "معاذ اللہ" 'شقی' ہو کیونکہ تم نے اپنے آباء کا دین چھوڑ دیا اور تم پر قرآن اس لیے اُترا کہ تم 'شقی' ہو جاؤ۔ اُن کی رَد میں یہ آیت اتری، کہ۔۔۔

اَے محبوب! یہ دینِ اسلام اور قرآن، ہر دونوں، ہر کامیابی کا زینہ ہیں اور ہر سعادت کے حصول کا سبب ہیں۔ اور جس دین پر کافر ہیں، درحقیقت وہی 'شقاوت' ہے۔۔ الغرض۔۔ یہ قرآن شقاوت نہیں ہے (مگر وعظ) یعنی ہدایت و نصیحت (ہے اُس کے لیے جو ڈرے) گو اِس کی نصیحتیں اور ہدایت سارے عالمین کے لیے ہے لیکن اُس کی ہدایت اور نصیحت سے صحیح معنوں میں فائدہ اٹھانے والے وہی ہیں، جو خدا کا خوف رکھنے والے، پرہیزگاری کی زندگی گزارنے کی خواہش رکھنے والے، اور ہدایت کے طلبگار ہیں۔۔ تو۔۔ (یہ) آیاتِ قرآنیہ (اُتارنا ہے اُس کی طرف سے جس نے پیدا فرمایا زمین کو اور سارے بلند آسمانوں کو)۔۔ المختصر۔۔ قرآن نازل فرمانے والا ہے وہ، جو خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔۔ پھر۔۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝٥

خدائے مہربان نے عرش پر توجہ فرمائی●

(خدائے مہربان نے عرش پر توجہ فرمائی) یعنی اُس کا حکم عرش پر غالب و مستولی ہوا۔

گو کہ حق تعالیٰ سب موجودات پر غالب اور مستولی ہے، لیکن 'عرش' سب مخلوقات میں سب سے بڑا ہے، اِسی لیے خصوصی طور پر غلبہ و استیلاء کی نسبت عرش کی طرف فرمادی گئی۔

عرش کے معنی ملک کے بھی آتے ہیں۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے، کہ۔۔۔

حق تعالیٰ اپنے ملک پر غالب و مستولی ہے۔۔ المختصر۔۔ اُسی کی ملکیت ہے۔۔ اور۔۔

لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی ۝۶

اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں، اور جو کچھ زمین میں ہے، اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے، اور جو کچھ تحت الثریٰ ہے●

(اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے اور جو کچھ تحت الثریٰ)۔یعنی زمین کے تمام طبقوں میں سب سے نچلے طبقے میں (ہے)۔

اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کے تعلق سے فیصلہ کن بات یہی ہے، کہ یہ متشابہات میں سے ہے۔خدا ہی کو علم ہے کہ اِس سے اُس کی اپنی مراد کیا ہے۔۔یا پھر۔اُس کی مراد حق تعالیٰ کے اُنہیں محبوبین کو ہوسکتی ہے، جس کو خدا ہی نے علم دیا ہو۔اِس کو متشابہات سے قرار دینا ہی اسلم راستہ ہے۔اِس کی توجیہہ جس نے بھی کی ہو اور جو بھی کی ہو، اگر وہ محکم آیات سے نہیں ٹکراتی اور شان والے کی شان نہیں گھٹاتی، تو اُس توجیہہ کو سالم قرار دے کر قبول کیا جاسکتا ہے۔

۔۔بااِیں ہمہ۔۔کمالِ سلامتی اُسی میں ہے کہ کہا جائے کہ "استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے۔ایمان اِس پر واجب ہے، اور اُس کے تعلق سے سوال کرنا بدعت ہے"۔مذکورہ بالا ارشاد میں اللہ تعالیٰ نے قرانِ کریم کی عظمت بیان فرمائی ہے، کہ اِس کو نازل فرمانے والا وہ عظیم ہے، جو خالق کائنات ہے، مالکِ عرشِ اعظم اور ساری مخلوقات کے لیے رحمٰن ہے۔کیونکہ مخلوق اور نعمت کی عظمت سے اُس کے خالق اور انعام بخشنے والے کی عظمت ظاہر ہوگی، کہ جو مخلوق اِتنی عظیم ہے اُس کا خالق کتنا عظیم ہوگا۔۔یوں ہی۔۔جو نعمت اِس قدر عظیم ہے، اس نعمت کا دینے والا کتنا عظیم ہوگا۔اور جب اِس قدر عظیم ذات نے قرآنِ مجید کو نازل کیا ہے، تو وہ قرآنِ مجید کس قدر عظیم ہوگا۔اور قرآنِ مجید کی عظمت اس لیے بیان فرمائی، تاکہ لوگ اُس کے معانی میں غور وفکر کریں اور اُس کے حقائق میں تدبر کریں، کیونکہ یہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کے پاس اپنا نمائندہ۔۔یا۔۔سفیر بھیجتا ہے، تو اگر وہ بھیجنے والا بہت عظیم اور صاحبِ اقتدار ہو، تو اُس سفیر اور نمائندے کو بہت اہم اور قابلِ قدر قرار دیا جاتا ہے اور پوری تندہی سے اُس کے احکام کی اطاعت کی جاتی ہے۔۔الختصر۔۔ذاتِ خداوندی وہ عظیم ذات ہے، جس کی قدرت بھی عظمت والی اور علم بھی عظیم۔نہ ہی اُس جیسا کوئی قادر ومختار۔۔۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی ۝۷

اور اگر زور سے بولو، تو خیر بولو، کیونکہ بلاشبہ وہ تو جانتا ہے ہر چھپے ڈھکے کو●

(اور) نہ ہی اس جیسا کوئی علیم وخبیر۔۔چنانچہ۔۔(اگر زور سے بولو، تو خیر بولو) مگر اس کے علم وخبر کے لیے زور سے بولنا ضروری نہیں، (کیونکہ بلاشبہ وہ تو جانتا ہے ہر چھپے اور ڈھکے کو)۔۔الغرض۔۔ وہ ہر 'سر واخفی' سے باخبر ہے۔

'سر' وہ ہے جو بندہ کرتا ہے اور جانتا ہے اور چھپاتا ہے، اور 'اخفی' وہ ہے کہ جانتا ہی نہیں کہ کیا کرے گا۔یا۔'سر' وہ ہے جو کسی سے کہیں اور 'اخفی' وہ ہے جو اپنے دل میں چھپائیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ⑧

اللہ، کوئی معبود نہیں اُس کے سوا۔ اُسی کے ہیں سب اچھے نام●

اَے محبوب! سب پر خدا کی عظمتِ شان ظاہر کرنے کے لیے واضح کردو، کہ (اللہ) تعالیٰ اُس ذاتِ جامع الکمالات کا علم ہے، کہ (کوئی معبود) یعنی مستحق عبادت (نہیں اُس کے سوا۔ اُسی کے ہیں سب اچھے نام) اور اچھی صفتیں۔ یعنی اُس کی ذات تمام کمالاتِ تمجیدی اور صفاتِ تنزیہی کی جامع ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایسی صفت سے بھی متصف نہیں، جس میں گو کہ کوئی نقص نہ ہو، مگر کمال بھی نہ ہو۔۔الغرض ۔۔اُس کی ہر صفت صفتِ کمال ہی ہے۔ اِسی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ کس قدر عظیم ہے۔ پھر اُس کی طرف سے نازل شدہ کلام کی عظمت و برتری میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے۔

اب ایسے عظیم و برتر کلامِ الٰہی کے نزول پر کوئی طنز و تعریض کرے، اور اس کے تعلق سے ابوجہل اور نضر بن حارث کی طرح اپنی خام خیالی کا مظاہرہ کرے، تو اَے محبوب! آپ اُس پر رنج نہ فرمائیں، کیونکہ کفار کی طرف سے آپ کو تکلیف پہنچانے کے لیے جو نامناسب حرکتیں کی جارہی ہیں، آپ سے پہلے بھی انبیاءِ کرام کو اِس طرح کی سختیاں پیش آئی ہیں اور انہوں نے صبر کی طاقت سے اُن کا مقابلہ کیا، تو آپ بھی صبر کریں اور اپنی صبر والی روش پر چلتے رہیں۔

انبیاءِ کرام علیہم السلام کے احوال میں حضرت موسیٰ کے ذکر سے ابتداء کی کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت فتنوں اور بہت آزمائشوں کا سامانا کرنا پڑا تھا، تاکہ اِس راہ میں سختیوں کے برداشت کرنے کے لیے آپ کے حق میں تسلی کا سبب فراہم ہو۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوا کہ۔۔۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑨

اور کیا آئی ہے تمہارے پاس موسیٰ کی بات۔۔●۔۔

اَے محبوب! خیال فرماؤ (اور) بتاؤ (کیا آئی ہے تمہارے پاس موسیٰ کی بات؟)۔

حاصلِ کلام یہ ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب کہ آپ کو حضرت موسیٰ کے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ تو معلوم ہی کرایا جاچکا ہے۔ اب آپ کو اُسی خبر پر متنبہ کر رہے ہیں۔

۔۔یا یہ کہ۔۔۔

اب تک آپ کو موسیٰ کی خبر نہیں پہنچی، ہم آپ کو اب موسیٰ کی خبر دے رہے ہیں، وہ یہ کہ۔

جب حضرت موسیٰ نے شعیب علیہما السلام سے اپنے ماں باپ بھائی کو دیکھنے کے واسطے مصر میں جانے کی اجازت چاہی، تو شعیب علیہ السلام نے اُنہیں اجازت دے دی اور اُن کی بی بی کو اُن کے ساتھ روانہ کیا۔ ایک رات بہت اندھیری اور بہت سردی تھی، برف پڑ رہی تھی وہ راہ بھول گئے، اور وادیٔ ایمن کے پاس پہنچے۔ حضرت صفورا جو حضرت شعیب کی بیٹی اور حضرت موسیٰ کی منکوحہ تھیں، ان کو دردِ زہ شروع ہوا، آگ کی حاجت پڑی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر چند کوشش کی چقماق پتھر سے آگ نہ نکلی۔۔ہاں۔۔دور سے انہیں آگ دکھائی دی۔۔تو۔۔

اِذۡ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهۡلِهِ امۡكُثُوۡۤا اِنِّىۡۤ اٰنَسۡتُ نَارًا لَّعَلِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ

جب کہ دیکھا آگ کو، تو کہا اپنی اہلیہ کو کہ "ٹھہرو، میں نے آگ کو دیکھا ہے، لائے دیتا ہوں تمہارے لیے

اَوۡ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ﴿١٠﴾

اِس سے کوئی چنگاری، یا پا جاؤں آگ کی راہ"●

(جب) یہ صورت پیش آئی (کہ) انہوں نے (دیکھا آگ کو، تو کہا اپنی اہلیہ) اور دیگر اہل وعیال اور خادموں (کو، کہ ٹھہرو) اِسی جگہ! (میں نے آگ کو دیکھا ہے، لائے دیتا ہوں تمہارے لیے اُس سے کوئی چنگاری) یعنی اُس آگ میں سے لکڑی جس کا کنارہ سلگتا ہو۔۔یا۔۔اپنی بتی روشن کر لاؤں۔۔یا۔۔کوئی لکڑی جلا لاؤں۔۔یا۔۔انگارہ لے آؤں۔ (یا پا جاؤں آگ کی راہ) یعنی وہ روشنی مجھے ایسی راہ پر لگادے جس پر چل کر میں اپنے مطلوب یعنی آگ تک پہنچ سکوں۔۔چنانچہ۔۔وہ اپنے لوگوں کو چھوڑ کر اکیلے آگ کی طرف چلے۔۔۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ

چنانچہ جب وہ وہاں آئے، تو ندا کی گئی، کہ "اے موسیٰ ● بے شک میں تمہارا رب ہوں،

اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾

پس تم اُتار دو اپنے جوتے کہ تم مقدس وادی طویٰ میں ہو●

(چنانچہ جب وہ وہاں آئے) تو سفید آگ سبز درخت میں جلتی دیکھی۔
وہ درخت عناب یا عوسج کا تھا اور اُس کے گرد کوئی نہ تھا، تو متحیر ہوئے اور آگ کی روشنی اور درخت کی سبزی سے متعجب تھے، اس لیے کہ آگ درخت کو جلا نہیں رہی تھی۔۔۔
(تو) ناگاہ اُسی درخت کے ذریعے (ندا کی گئی کہ اے موسیٰ ● بے شک میں تمہارا رب ہوں) جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ (پس تم اُتار دو اپنے جوتے کہ تم مقدس وادی طویٰ میں ہو)، یعنی پاکیزہ برکت والے تعریف یافتہ میدان میں ہو، تا کہ تمہارے قدم ارضِ مقدسہ کی خاک کو چھو جائیں اور اُن کی برکت تمہارے پاؤں میں براہِ راست بغیر کسی حجاب کے پہنچے۔
۔۔یا یہ کہ۔۔ بادشاہوں کے فرش پر جوتا پہنے بغیر جانے میں تواضع اور کمالِ ادب ہے۔
اور بعضوں نے کہا کہ یہ جو حکم ہوا کہ 'جوتے اتار دو'، اس کے یہ معنی ہیں کہ اپنا دل جورو لڑکوں کی فکر سے فارغ کر لو۔ بعض عارفین نے یہ کہا ہے، کہ 'دونوں جوتے اتار ڈالو' یہ اس طرف اشارہ ہے کہ دُنیا اور آخرت کی فکر اپنے دل سے نکال دو، یعنی 'عالم تفرید' میں دونوں جہاں پر لات مار دو۔۔۔

وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾

اور میں نے تمہیں چنا ہے، تو کان لگا کر سنو جو وحی کیا جائے●

(اور) اچھی طرح سے جان لو، کہ (میں نے تمہیں چنا ہے) یعنی نبوت کے واسطے برگزیدہ کر لیا ہے۔ (تو کان لگا کر) پوری توجہ کے ساتھ (سنو جو وحی کیا جائے)۔ اور وہ وحی یہ ہے، کہ۔۔۔

اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ﴿۱۴﴾

بے شک میں ہی اللہ ہوں، نہیں کوئی معبود میرے سوا، تو میری پوجا کرو، اور پابندی کرو نماز کی میری یاد کے لیے●

(بے شک میں ہی اللہ) تعالیٰ (ہوں) یعنی تیرا اور ساری مخلوقات کا خدا ہوں۔ (نہیں کوئی معبود) یعنی خدا (میرے سوا، تو میری) ہی (پوجا کرو)۔

یہ وحی مقصود تھی توحید مقرر کرنے پر، کہ منتہائے علم ہے اور عبادت کے حکم پر، کہ کمالِ عمل ہے۔ پھر اقسامِ عبادت میں سے نماز کی تخصیص کر کے فرمایا۔۔۔

کہ پہلے توحید کا عقیدہ کرلو (اور) پھر (پابندی کرو نماز کی)، اور وہ بھی صرف (میری یاد کے لیے) تاکہ میں بھی مدح وثنا کے ساتھ تمہیں یاد کروں۔

ذہن نشین رہے کہ توحید پر ایمان اور عبادت واقامتِ صلوٰۃ کا وجوب، اِن دونوں کو لازم فرمادینے کی حکمت یہ ہے، کہ۔۔۔

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾

بے شک قیامت آنے والی ہی ہے، قریب قریب، میں اُسے چھپائے ہوں، کہ بدلہ دیا جائے ہر ایک، جو محنت کر کے لائے●

(بے شک قیامت آنے والی ہی ہے) اور تہویل وتعظیم کی وجہ سے (قریب قریب، میں اُسے چھپائے ہوں) عوام کے علم ودانش سے۔ یعنی اگرچہ قیامت کا دن ایسا امر متحقق ہے جس کا وقوع ہو کر ہی رہے گا، لیکن میں نے عوام کے علم ونظر سے اُسے چھپا رکھا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اُس عذاب سے ڈرنا بہت سخت ہوتا ہے جس کا وقت معلوم نہیں۔ اِسی لیے عوام کو اِس سے بے خبر رکھا اور اپنے خواص میں سے جس کو اُس کا علم دیا اُن کو یہ ہدایت دے رکھی ہے کہ وہ اس کو ظاہر نہ کریں، کیونکہ اس کے وقت کا ظاہر کرنا اُن کے فرائضِ تبلیغ میں نہیں ہے، تاکہ قیامت جب بھی آئے اور جن پر آئے اچانک ہی آئے۔۔۔

اب اگر آیتِ کریمہ میں اِخْفَاء کو سببِ خفا، یعنی پوشیدگی اٹھالینے کے معنی میں رکھیں، تو یہ معنی ہوگا۔۔۔

کہ قریب ہے کہ ظاہر کردیں ہم اُسے۔۔ الحاصل۔۔ قیامت بے شک آنے والی ہے، تا (کہ بدلہ دیا جائے ہر ایک جو محنت کر کے لائے) یعنی ہر ایک کو اُس کے کیے کا پھل دیا جائے۔

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

تو نہ روک رکھے تمہیں اِس سے وہ، جو اِس کو نہیں مانتا، اور غلام ہوگیا اپنی خواہش کا، کہ ہلاک ہو جاؤ●

(تو نہ روک رکھے تمہیں اِس سے) یعنی قیامت کے ذکر اور اِس پر ایمان اور اِس پر غور وفکر کرنے سے (وہ، جو اُس کو نہیں مانتا اور غلام ہوگیا اپنی خواہش کا) یعنی جس نے اپنی خواہش کی اتباع کی اور ایسے مقصد ومراد کے حصول کے پیچھے چلا جو سراسر مبنی بر میلانِ نفس ہے، جس کی نہ 'برہانِ سماوی' تائید کرتی ہے، نہ ہی 'دلیلِ عقلی'۔۔الغرض۔۔ایسا نہ کرو (کہ ہلاک ہو جاؤ)۔

اس میں اگرچہ خطاب موسیٰ علیہ السلام کو ہے، لیکن اُس سے اُن کی امت مراد ہے، جس کا حاصل ہے۔۔۔

کہ اَے موسیٰ علیہ السلام! اگر کوئی تمہارا ہو کر ایسا کرے گا، تو اُس کے لیے بھی ہلاکت ہے۔

۔۔الغرض۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دونوں جوتے پاؤں سے اُتارے اور وادی مقدس میں ٹھہرے، تو خطاب پہنچا۔۔۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿۱۷﴾

اور کیا ہے یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں اَے موسیٰ"●

(اور) اُن سے فرمایا گیا (کیا ہے یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں اَے موسیٰ!)؟

حضرت موسیٰ کو اُنس حاصل ہونے اور اُن کی ہیبت کو دُور ہونے کے واسطے حق تعالیٰ نے اُن سے مذکورہ بالا کلام فرمایا اور یہ بات پوچھی، کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔ اِس پوچھنے میں حکمت یہ ہے کہ دماغ عجائب دیکھنے کے لیے حاضر رہے۔

قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ أَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِي

بولے، "یہ میرا عصا ہے۔ سہارا لگاتا ہوں اِس پر، اور پتے جھاڑتا ہوں اِس سے اپنی بکریوں پر،

وَلِيَ فِيهَا مَاٰرِبُ أُخْرٰى ﴿۱۸﴾

اور میرے اِس میں اور بھی کام ہیں"●

اِس سوال پر حضرت موسیٰ (بولے، یہ میرا عصا ہے)۔

جو جنت کے درخت کی لکڑی کا تھا، دس گز لمبا اور اُس کے اوپر والے سرے پر دو شاخیں نکلی ہوئی تھیں، اور اُس کے نیچے نوک دار شام لگی تھی۔ شام کہتے ہیں دھات کے بنے ہوئے چھلّے کو جو اوزاروں یا چھڑیوں پر لگاتے ہیں۔ اِس عصا کا نام علیق۔۔یا۔۔نبعہ تھا، جو حضرت

آدم علیہ السلام سے حضرت شعیب علیہ السلام کو میراث میں پہنچا تھا اور انہوں نے اُسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا۔ غرضیکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا اور خدا کی نعمتیں شمار کرنے کو جواب میں یہ باتیں اور زیادہ کیں اور کہا، کہ۔۔۔

(سہارا لگاتا ہوں اِس پر) جب تھک جاتا ہوں راہ میں۔۔یا۔۔جب بکریاں چرتی ہوتی ہیں اور میں ان کے پاس ہوتا ہوں۔ (اور) کھلانے کے لیے (پتے جھاڑتا ہوں اِس سے اپنی بکریوں پر اور) اُس کے علاوہ (میرے اِس میں اور بھی کام ہیں)۔

روایتوں میں ہے عصا راہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کرتا اور درندوں اور موذی جانوروں سے ان کی حفاظت کرتا تھا۔ اور جس کنویں پر موسیٰ علیہ السلام پہنچتے، اُس کی لکڑی رسّی اور دونوں شاخیں ڈول بن جاتیں، اور زمین میں گاڑتے تو سایہ دار درخت ہو جاتا۔ اور جو میوہ موسیٰ علیہ السلام کو مرغوب ہوتا، وہ اس میں پیدا ہو جاتا اور اندھیری رات میں شمع اور چراغ کی طرح روشنی دیتا۔ اور چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے مجملاً کہا کہ مجھے اس سے بہت کام ہیں، تو حق تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ﴿١٩﴾

حکم دیا کہ "ڈال دو اِس کو اَے موسیٰ"●

(حکم دیا، کہ ڈال دو اِس کو اَے موسیٰ) تو انہوں نے خیال کیا کہ شاید جوتوں کی طرح اس عصا کو بھی دُور کر دینے کی ہدایت ہے۔

فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿٢٠﴾

تو انہوں نے ڈال دیا کہ اچانک وہ سانپ ہے دوڑتا ہوا●

(تو) فوراً ہی (انہوں نے ڈال دیا) اور اپنے پیچھے پھینک دیا، تو انہوں نے ایک بہت بڑی آواز سنی، پھر کر دیکھا تو انہیں نظر آیا (کہ اچانک وہ) عصا (سانپ) بن گیا (ہے) اور ہر طرف (دوڑتا ہوا) دکھائی دے رہا ہے۔

روایت ہے کہ پہلے تو وہ زرد ہو گیا عصا کی موٹائی کے برابر، پھر بڑھا بڑے اونٹ کے برابر، اور لمبا ہو گیا۔ اور چھوٹے چار پیروں پر کھڑا ہو کر چلنے لگا۔ اُس کے دونوں گلپھڑوں کے

درمیان ستر۔۔یا۔ چالیس گز کا فرق تھا اور منہ میں بڑے بڑے دانت نمایاں تھے۔ اور دونوں آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی تھیں۔ بڑے بڑے پتھر جب سامنے پڑتے تو ایک لقمہ کر جاتا، اور بڑے سے بڑا درخت جڑ سے اکھاڑ کر کھا جاتا۔ حضرت موسیٰ نے اُسے دیکھا تو ڈر کر بھاگے، تو حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو۔۔۔

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿٢١﴾

حکم دیا کہ "اُس کو پکڑ لو اور مت ڈرو"۔۔ کہ ابھی ہم دوبارہ کر دیں گے اُس کی پہلی سیرت ●

(حکم دیا، کہ اُس کو پکڑ لو اور مت ڈرو) کیوں (کہ ابھی ہم دوبارہ کر دیں گے اُس کی پہلی سیرت) یعنی پہلے وہ جیسا تھا اُسے ویسا ہی کر دیں گے۔

جب یہ خطابِ الٰہی موسیٰ علیہ السلام کو پہنچا، تو وہ اژدہے کی طرف منہ کر کے دوڑے اور اپنا ہاتھ اُس کے منہ میں کر دیا اور اُس کے دونوں کلپھڑے پکڑے، تو پھر وہ وہی عصا ہو گیا اور اُس کی دو شاخیں حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں آگئیں۔ تو حضرت موسیٰ کا دِل ٹھہرا۔ اس کے بعد پھر ندا آئی۔۔۔

وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى ﴿٢٢﴾

اور "یکجا کر و اپنے ہاتھ کو اپنے بغل کی طرف،" نکلے گا سفید، بے عیب۔ دوسری نشانی ●

(اور) حکم دیا گیا، کہ اَے موسیٰ! (یکجا کرو اپنے ہاتھ کو اپنے بغل کی طرف) یعنی ملاؤ اور لے جاؤ اپنا ہاتھ اپنے پہلو کی طرف بغل کے نیچے۔ ایسا کرنے کے بعد جب تم اپنا ہاتھ نکالو گے، تو وہ (نکلے گا سفید) روشن ہو کر۔ ایسی سفیدی جو (بے عیب) ہو گی، یعنی وہ کسی بیماری اور عیب کی وجہ سے نہ ہو گی ۔۔الحاصل۔۔ وہ سفید برص کی بیماری نہ ہو گی، بلکہ سفید چمکتا ہو گا۔ بجلی کی طرح اس کی شعاع پڑے گی، تو لے یہ (دوسری نشانی) اور دوسرا معجزہ اپنی نبوت پر۔ ایسا ہم نے اس واسطے کیا۔۔۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿٢٣﴾

تا کہ دکھائیں تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیوں سے ●

(تا کہ دکھائیں تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیوں سے) یعنی بعض اپنی بڑی نشانیاں تمہارے مشاہدے میں لائیں۔

فرعون کے دربار میں پہنچنے سے پہلے ہی عصا کے اژدہا ہو جانے اور ہاتھ کے روشن ہو جانے والی دونوں نشانیوں کو حضرت موسیٰ کو دکھا دینے میں یہ حکمت تھی، کہ جب وہ اُسے فرعون کے دربار میں ظاہر کریں تو خود کسی وحشت یا حیرت کا شکار نہ ہو جائیں، اور یہ معجزات پہلے ہی سے اُن کے جانے بوجھے ہو جائیں۔۔ نیز۔۔ اُن کا دل اُن سے ایسا مانوس ہو جائے کہ اُن کے ظہور کے وقت ان میں قطعی طور پر گھبراہٹ نہ ہو۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَ

"چلے جاؤ فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے"● دُعا کی، "پروردگارا کھول دے میرا اپنا سینہ ● اور

یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾

آسان کر دے میرے لیے میرا کام ● اور کھول دے میری زبان کی گرہ ●

۔۔القصہ۔۔ حکم الٰہی ہوا، کہ اَے موسیٰ اِن دونوں معجزوں کو لے کر (چلے جاؤ فرعون کے پاس) اور بلاؤ اُسے میری عبادت کی طرف، کیوں (کہ وہ سرکش ہو گیا ہے) اور حد سے گزر گیا ہے اور خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی دعوت پر مامور ہوئے، تو اپنے دل میں خیال کیا کہ میں اکیلا فرعون اور اُس کے لشکر کے ساتھ کیونکر مقابلہ کروں گا، تو حق تعالیٰ سے تقویت چاہی اور دُعا شروع کی اور عاجزانہ طور پر۔۔۔

(دُعا کی پروردگارا کھول دے میرا اپنا سینہ) کہ جو مجھ پر وحی نازل فرما، وہ اِس میں سمائے۔۔ یا یہ کہ۔۔ مجھے متحمل اور بُردبار کر دے، تا کہ ہر بات سے دل تنگ نہ ہوں۔ (اور آسان کر دے میرے لیے) تبلیغِ رسالت والا (میرا کام ● اور کھول دے میری زبان کی گرہ)۔

یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾

کہ لوگ سمجھیں میری بولی ●

تا (کہ لوگ سمجھیں میری بولی) یعنی میری گفتگو لوگوں کی سمجھ میں بآسانی آئے۔

اِس سلسلے میں روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بچے تھے، تو فرعون نے ایک دن انہیں گود میں لیا تھا، موسیٰ علیہ السلام نے اُس کی داڑھی پر ہاتھ مارا اور کچھ نوچ لی اور کیفیت یہ

تھی کہ اس کی داڑھی میں موتی وغیرہ جواہر گندھے تھے۔ فرعون کو غصہ آیا، موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا۔ بی بی آسیہ خاتون نے عذر خواہی شروع کی اور یہ بات کہی، کہ اس بچے نے جواہر چمکتے لٹکتے دیکھے، اس وجہ سے داڑھی پر ہاتھ مارا۔ اگر آگ کا انگارہ دیکھے، تو بھی اُس پر ہاتھ ڈال دے۔ اِس امتحان کے واسطے ایک طباق میں آگ، ایک میں یاقوت بھر کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے لائے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہاتھ پکڑ کے انگاروں کی طرف بڑھا دیا۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے ایک انگارہ اٹھا کر اپنے منہ میں رکھ لیا، تو اُن کی زبان جل گئی اور اِس میں گرہ رہ گئی، جس کے نتیجے میں اُن کی بات خوب سمجھ میں نہ آتی تھی، تو اِس جگہ درخواست کی، کہ یا اللہ وہ گرہ کھل جائے۔۔۔

وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ

اور کردے میرا وزیر میرے اپنوں سے ● ہارون میرے بھائی کو ● طاقت دے اِس سے میری کمر کو ● اور شریک کار

فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾

کردے انہیں میرا ● کہ ہم لوگ تیری پاکی بولتے رہیں خوب ● اور تیرا ذکر کرتے رہیں بہت ● بے شک تُو ہمارا نگراں رہا ہے" ●

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰٓى ﴿۳۷﴾

جواب دیا کہ "دیا گیا تم کو تمہارا منہ مانگا اے موسیٰ" ● اور بے شک ہم نے احسان فرمایا تم پر ایک بار اور ●

(اور) یہ بھی عرض کی کہ (کردے میرا وزیر) یعنی مدد دینے والا۔۔یا۔۔ بوجھ بانٹنے والا (میرے اپنوں سے)۔ یعنی (ہارون میرے بھائی کو) اور اس طرح (طاقت دے اُس سے میری کمر کو) یعنی میری پشت کو مضبوط کردے۔ (اور شریک کار کردے انہیں میرا) یعنی انہیں نبوت میں میرا شریک کردے، تا (کہ ہم لوگ تیری پاکی بولتے رہیں خوب) اور تیرے واسطے نماز پڑھا کریں۔ (اور تیرا ذکر کرتے رہیں بہت) یعنی تجھے حمد وثناء اور دُعا کے ساتھ یاد کرتے رہیں۔۔الغرض۔۔ کسی حال میں تجھ سے غافل نہ رہیں۔ (بے شک تُو ہمارا نگراں رہا ہے) اور تو خوب جانتا ہے وہ بات جس میں ہماری بھلائی ہے۔

اِس گزارش پر حق تعالیٰ نے۔۔۔

(جواب دیا کہ دیا گیا تم کو تمہارا منہ مانگا اے موسیٰ)، یعنی جو تم نے درخواست کی وہ میں نے تم کو عطا فرمائی۔ (اور بے شک ہم نے احسان فرمایا تم پر) اس سے پہلے (ایک بار اور)۔ یہ اس وقت

کی بات ہے کہ۔۔۔

اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾

جب کہ ہم نے بتایا تمہاری ماں کو جو بتانا تھا●

(جب کہ ہم نے بتایا) بذریعہ الہام (تمہاری ماں کو جو بتانا تھا)، یعنی تمہاری ماں جس وقت تم کو جنی تھی اور فرعون کے لوگ قتل کرنے کے لیے لڑکوں کی تلاش میں تھے کہ جہاں پائیں قتل کرڈالیں، اور تمہاری ماں تمہارے باب میں عاجز تھی، کہ آخر تمہیں کہاں چھپائے، تو ہم نے ایک فرشتے کی زبانی اُسے الہام کیا اور اُس کے دل میں یہ بات ڈال دی۔۔۔

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

کہ "اُن کو صندوق میں رکھو، پھر صندوق کو دریا میں ڈال دو، پھر دریا ساحل پر پھینک دے، کہ لے اُس کو میرا دشمن، اور اُن کا

يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۚ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِىْ ﴿۳۹﴾

بھی دشمن"۔ اور ڈال دیا میں نے تم پر اپنی محبت، اور تا کہ تم بنائے سنوارے جاؤ میری نگرانی میں ۔۔●۔۔

(کہ اِن کو صندوق میں رکھو، پھر صندوق کو دریا میں ڈال دو) چونکہ فرعون کی معلومات کا ذریعہ صرف نجومیوں کی خبریں تھیں اور نجومی دریا کے اندر کے حالات بتانے سے عاجز تھے، اس لیے کہ اُن کے علم کی رسائی دریاؤں کے احوال تک نہیں تھی۔۔لہٰذا۔۔دریا میں ہونے کے سبب فرعون کو ان کے تعلق سے معلومات نہیں پہنچائی جاسکتی تھی۔۔المختصر۔۔حضرت موسیٰ کی ماں کو الہام ہوا کہ وہ انہیں ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیں، تا کہ (پھر) انہیں (دریا ساحل پر پھینک دے) تا (کہ لے اُس کو میرا دشمن اور اُن کا بھی دشمن)۔

۔۔چنانچہ۔۔اُن کی ماں نے انہیں ایک صندوق میں روئی رکھ کر اس میں رکھ دیا اور صندوق کو اچھی طرح بند کردیا، پھر اُسے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ اُس دریا میں سے ایک نہر فرعون کے گھر میں جارہی تھی۔ اُس نہر کی راہ صندوق فرعون کے باغ میں آیا، فرعون اپنی جورو کو ساتھ لیے ہوئے نہر کے کنارے پر تھا۔ جب صندوق اُن دونوں کے سامنے گیا، تو انہوں نے نکال لیا۔ کھولا تو اس میں ایک لڑکا چاند کی صورت سیاہ چشم نکلا، ان آنکھوں میں ایسی ملاحت تھی کہ جو انہیں دیکھتا محبت کرنے لگتا۔۔چنانچہ۔۔آسیہ اور فرعون نے جو انہیں

دیکھا، تو دونوں کے دل میں اُن کی محبت پیدا ہوگئی۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

(اور ڈال دیا میں نے تم پر اپنی محبت اور) یہ اس لیے (تا کہ تم بنائے سنوارے جاؤ میری نگرانی میں) یعنی تمہاری محبت کا بیج دِلوں میں میں نے بو دیا، تا کہ سب تم پر مہربان ہو جائیں اور اچھی طرح تمہاری پرورش کریں۔

۔۔الحتصر۔۔ فرعون اور اس کی جورو آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنالیا اور جھولا تیار کیا، انا مقرر کرنے میں مشغول ہوئے۔ ہر چند انائیں لائی گئیں، مگر موسیٰ علیہ السلام کسی کا دودھ نہ لیتے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اپنی بیٹی مریم سے کہا تھا کہ دریائے نیل کے کنارے کنارے دیکھتی رہ، کہ یہ صندوق کہاں جاتا ہے۔ جب صندوق فرعون کے باغ میں گیا، تو مریم بھی اس باغ میں چلی گئیں اور یہ حال وہاں کا دیکھا، کہ اُن کا بھائی کسی انا کا دودھ نہیں لیتا۔ پس مریم نے اپنے تئیں آسیہ کے پاس پہنچایا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یاد کرو۔۔۔

إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُۥ ۖ فَرَجَعْنَٰكَ

جب کہ چلیں تمہاری بہن، پھر بولیں کہ "کیا میں بتادوں تم لوگوں کو جو اِن کی پرورش کریں؟" تو لوٹا لائے ہم تم کو تمہاری ماں تک،

إِلَىٰٓ أُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَٰكَ مِنَ ٱلْغَمِّ

کہ ٹھنڈی ہوں اُن کی آنکھیں اور رنج نہ پہنچے۔۔۔ اور تم نے مار ڈالا تھا ایک شخص کو، پھر بچالیا ہم نے تمہیں غم سے،

وَفَتَنَّٰكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِىٓ أَهْلِ مَدْيَنَ

اور تمہاری ہم نے آزمائش خوب کرلی۔۔۔ پھر ٹھہرے رہے تم کئی سال مدین والوں میں،

ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ﴿٤٠﴾

پھر آئے تم پختہ سن پر، اَے موسیٰ●

(جب کہ چلیں تمہاری بہن) آسیہ اور ان کے پاس موجود لوگوں کے پاس، **(پھر بولیں کہ کیا میں بتادوں تم لوگوں کو جو اُن کی پرورش کریں)** یعنی اِس لڑکے کو اپنی کفالت میں لے اور اِسے دودھ دے۔

آسیہ بولیں کہ اگر ایسا ہوگا، تو میں تیرے ساتھ احسان کروں گی۔ مریم باہر آئیں اور اُسی وقت اپنی ماں کو بُلا لائیں۔ پس موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی گود میں دے دیا۔۔۔

(تو) اِس طرح **(لوٹا لائے ہم تم کو تمہاری ماں تک)** تا **(کہ ٹھنڈی ہوں اُن کی آنکھیں)**

تیرے دیدار سے (اور) انہیں (رنج نہ پہنچے) تیری جدائی سے۔

(اور) اے موسیٰ میرے اُس احسان کو بھی یاد کرو، جب (تم نے مارڈالا تھا ایک شخص کو) یعنی بے شان وگمان تمہارے ہاتھ سے ایک قبطی کا قتل ہوگیا تھا، جس کی نالش تجھ سے بنی اسرائیل نے کی تھی اور جب اُس کی خبر فرعونیوں کو ہوئی، تو انہوں نے تمہارے قتل کا ارادہ کیا، تو (پھر) مدین کی طرف ہجرت کا حکم دے کر (بچالیا ہم نے تمہیں غم سے اور تمہاری ہم نے آزمائش خوب کرلی)، یعنی تم پر بلائیں نازل فرماتا رہا اور صاف نجات دیتا رہا۔۔الختصر۔۔ ہر ہر آزمائش میں تم سچے کھرے اور پکے نکلے۔ یہ سب ہمارے ہی فضل وکرم کے جلوے تھے۔۔الغرض۔۔(پھر ٹھہرے رہے تم کئی سال مدین والوں میں) یعنی تقریباً اٹھارہ [١٨]۔۔یا۔۔اٹھائیس [٢٨] سال وہاں رہے۔ (پھر آئے تم پختہ سن پر اے موسیٰ) یعنی ہمارے مقرر کردہ وقت پر، تو یہاں تجھ سے ہم نے کلام کیا۔۔۔

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿٤١﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿٤٢﴾

اور ہم نے کرلیا تمہیں اپنا • "لے جاؤ تم اور تمہارے بھائی میری نشانیوں کو اور سستی نہ کرنا میری یاد میں •

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿٤٣﴾

جاؤ فرعون تک کہ وہ سرکش ہو چکا ہے" •

(اور ہم نے کرلیا تمہیں اپنا) دوست اپنی محبت کے واسطے۔۔الغرض۔۔ہم نے تمہیں اور تمہاری استدعاء پر تمہارے بھائی ہارون کو بھی شرفِ نبوت سے مشرف کیا، تو (لے جاؤ تم اور تمہارے بھائی) جو فی الحال یہاں موجود نہیں ہے، (میری نشانیوں کو)۔ (اور) ہر حال میں اِس بات کا خیال رہے کہ تم دونوں (سستی نہ کرنا میری یاد میں) یعنی توحید وعبادت کے ساتھ میرا ذکر پہنچانے میں، اور میری ہی عبادت اور توحید کا پیغام پہنچانے میں۔۔الحاصل۔۔(جاؤ) تم دونوں (فرعون تک) کیوں (کہ وہ سرکش ہوچکا ہے) اور گناہ میں حد سے گزر گیا ہے۔۔۔

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴿٤٤﴾

"پھر بولو اُسے نرم بولی، کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر سے کام لے" •

(پھر بولو اُسے نرم بولی) یعنی اُس سے گفتگو کرتے وقت تلخ کلامی اور درشت گوئی سے کام نہ لو۔۔بلکہ۔۔گفتگو کا لب ولہجہ ایسا ہو جیسے کوئی کسی کو نیک مشورہ دیتا ہے، تاکہ وہ تم پر غصہ نہ کرے، بلکہ

سنجیدگی سے تمہاری باتیں سنے اور اُن پر غور کرے۔۔یا یہ کہ۔۔نرمی کے ساتھ بات کرکے اُس کی پرورش کے حق کی رعایت رکھو۔۔یا یہ کہ۔۔اُسے کنیت کے ساتھ یعنی ابوالعباس۔۔یا۔۔ابوالولید۔۔یا۔۔ابومرہ کہہ کر مخاطب کرو۔ بہر تقدیر اُس کے ساتھ سخت کلامی نہ کرو، تا (کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر سے کام لے) یعنی خدا کے عذاب کا اُس پر خوف طاری ہوجائے۔

پھر حضرت موسیٰ اُسی جگہ سے مصر کی طرف متوجہ ہوئے اور پھر کر اپنے لوگوں کے پاس نہ گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے لوگ رات بھر منتظر رہے اور وہ نہ آئے اور دن کو بھی ان کی کچھ خبر نہ ملی، وہ لوگ اِس میدان میں متحیر رہے۔ اتفاقاً اہلِ مدین کے لوگوں کی ایک جماعت وہاں پہنچی اور حضرت صفورا کو پہچان کر اُن کے باپ کے پاس لے گئی۔ جب فرعون غرق ہولیا، تو موسیٰ علیہ السلام کی خبر اُن لوگوں کو ملی۔

۔۔قصہ مختصر۔۔موسیٰ علیہ السلام جب مصر کی طرف متوجہ ہوئے تو حضرت ہارون پر وحی آئی، کہ اپنے بھائی کے استقبال کے واسطے مدین کی راہ پر جا۔ پھر دونوں کی اثناءِ راہ میں ملاقات ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام نے تمام حال انہیں مفصل کہہ سنایا، کہ ہم دونوں کو ایک ساتھ فرعون کے پاس جانا چاہیے اور اُسے حق کی طرف بُلانا چاہیے۔ ہارون علیہ السلام بولے، کہ اَے موسیٰ فرعون کی شوکت اور ہیبت جو تم نے دیکھی تھی، اب اس سے کہیں زیادہ ہوگئی ہے۔ ذرا سی بات پر ہاتھ کاٹنے اور سولی دینے کا حکم کر دیتا ہے، پس موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ ہوا اور دونوں بھائی بالاتفاق۔۔۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ﴿۴۵﴾

بولے، "پروردگارا ہم ڈرتے ہیں کہ زیادتی کرے ہم پر، یا سرکشی بڑھادے"●

(بولے پروردگارا! ہم ڈرتے ہیں کہ زیادتی کرے ہم پر) یعنی سختی کرنے میں جلدی کرے اور اتنی بھی مہلت نہ دے کہ ہم معجزہ دکھائیں (یا سرکشی بڑھادے) یعنی اپنے طغیان میں زیادتی کردے اور تیری جنابِ پاک میں کوئی بے ادبی کی بات کہے۔

اس خوف کو 'خوفِ مضرت' کہتے ہیں جو کسی بھی انسان کو کسی بھی ضرر پہنچانے والی مخلوق سے ہوسکتا ہے۔ رہ گیا 'خوفِ الوہیت' یعنی کسی غیر خدا کو خدا سمجھ کر اُس سے ڈرنا، تو یہ خوف کسی غیر خدا سے اللہ والوں کو کبھی اور کہیں نہیں ہوتا، نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔۔الحتصر۔۔

دونوں کی مشترکہ عرض پر حق تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی ﴿۴۶﴾

حکم دیا کہ "ڈرو نہیں،" میں تمہارے ساتھ ہوں، سب سنتا دیکھتا ہوں●

(حکم دیا) اور فرمایا (کہ) اَے موسیٰ اور اَے ہارون (ڈرو نہیں) اُس کی افراط اور زیادتی سے کیونکہ (میں تمہارے ساتھ ہوں) حفاظت ونصرت کے لیے اور میں (سب سنتا) ہوں تمہاری دُعا۔۔۔یا۔۔۔وہ بات جو وہ میری نسبت کہے گا اور (دیکھتا ہوں) جو کچھ وہ تمہارے ساتھ کرے گا۔ یعنی تم خاطر جمع رکھو کہ میں دیکھنے اور سننے والا ہوں، ایسا نہ ہوگا کہ وہ تم کو ضرر پہنچائے۔۔۔

فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ؕ

توتم دونوں وہاں جاؤ، پھر کہو کہ "ہم تیرے پروردگار کے رسول ہیں، تو چھوڑ دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو۔۔ اور ان کو دکھ نہ دے۔

قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی ﴿۴۷﴾

بے شک ہم لائے ہیں تیرے پاس تیرے پروردگار کی نشانی، اور سلام ہے اُس پر جس نے پیروی کی ہدایت کی●

(توتم دونوں وہاں جاؤ) یعنی فرعون کے پاس جاؤ (پھر) اُس سے (کہو کہ ہم تیرے پروردگار کے رسول ہیں) اور تجھے اُس کی عبادت کی طرف بُلاتے ہیں اور ظلم وزیادتی سے باز رہنے کی ہدایت دیتے ہیں، (تو چھوڑ دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو) یعنی اولادِ یعقوب کو، تا کہ ارضِ مقدسہ میں ہم پھر جائیں کہ وہ ہمارے بزرگوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ (اور اُن کو دکھ نہ دے) سخت کاموں کا حکم کر کے، اور خواہ مخواہ کا جُرمانہ عائد کر کے، اور اُن کی اولاد کو قتل کر کے۔

اور سن لے کہ اس بات کو ظاہر اور ثابت کرنے کے لیے کہ ہم اللہ کے رسول ہیں، (بے شک ہم لائے ہیں تیرے پاس تیرے پروردگار کی نشانی) یعنی معجزہ۔ (اور) غور سے سن لے کہ (سلام ہے اُس پر) جنت کے خازنوں کا (جس نے پیروی کی ہدایت کی)۔۔۔یا۔۔۔دونوں جہاں میں سلامتی اُسی کے واسطے ہے جو ایمان کے ساتھ سیدھی راہ چلا اور صراطِ مستقیم پر چلتا رہا۔۔۔اور۔۔۔

اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ﴿۴۸﴾

ہم، تو ہماری طرف وحی کی گئی ہے، کہ عذاب اُس پر ہے جس نے جھٹلایا اور بے رخی کی"●

(ہم تو) بے شک (ہماری طرف وحی کی گئی ہے، کہ) دُنیاوآخرت کا (عذاب اُس پر ہے جس نے جھٹلایا) ہمارے پیغام کو (اور بے رخی کی) ہماری پیش کردہ ہدایت سے۔

پھر موسیٰ اور ہارون علیہما السلام خدا کے حکم سے فرعون کی ڈیوڑھی پر آئے اور مدت کے بعد جب اُس کی ملاقات میسر ہوئی، تو اُس سے یہ بات کہی کہ ہم خدا کے رسول ہیں اور تجھے اُس کی عبادت کی طرف بُلاتے ہیں، اور جو کلمات حق تعالیٰ نے تعلیم فرمائے تھے کہے۔۔تو۔۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ﴿۴۹﴾

وہ بولا کہ "پھر کون ہے تم دونوں کو پالنے والا اَے موسیٰ"●

(وہ) یعنی فرعون (بولا کہ پھر کون ہے تم دونوں کا پالنے والا اَے موسیٰ) کہ مجھے اُس کی عبادت کی طرف بُلاتے ہو؟۔

باوصف اِس کے کہ خطاب دونوں بھائیوں سے تھا، پھر خاص کر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام ہی کو پکار کر جواب چاہا۔ اس میں راز یہ ہے کہ فرعون جانتا تھا، کہ اُن کی زبان میں گرہ ہے اور وہ صاف بات نہیں کرسکتے، تو اس نے چاہا کہ اُن سے کلام کروں یہ جواب صاف تو دے نہ سکیں گے اور ان کی بات خوب سمجھ میں نہ آئے گی، تو حاضرین کے سامنے انہیں ندامت ہوگی۔ اور اُس کو اِس کی خبر ہی نہ تھی کہ وہ گرہ کھل گئی ہے۔ پس حضرت موسیٰ نے بزبانِ فصیح۔۔۔

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ﴿۵۰﴾

جواب دیا کہ "میرا پالنے والا وہ ہے جس نے دیا ہر چیز کو اُس کی صورت، پھر راہ دکھادی"●

(جواب دیا کہ میرا پالنے والا وہ ہے جس نے دیا ہر چیز کو اس کی صورت) اور شکل اس کے حال کے لائق اور موافق۔۔یا یہ کہ۔۔دی مخلوقات میں سے ہر ایک کو وہ چیز کہ ہستی اور معاش میں اس کا قیام اور مستقل رہنا اُس چیز کے سبب سے ہے۔ (پھر راہ دکھادی) یعنی پہچان دے دی کہ اُس سے اِس طرح فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔۔یا۔۔ہر جاندار کو اُس کی زوجہ دی اُسی کے مثل خلقت اور صورت میں اور ملنے اور جفتی کرنے کی راہ اُسے بتادی۔

اِس عبارت کا یہ بھی معنی کیا گیا ہے، کہ دی اپنے پیدا کیے ہوؤں کو وہ چیز جس کی انہیں حاجت تھی اور چونکہ عطا کی ہوئی چیز کا بیان مقصود ہے، تو اُسے مقدم کیا۔ اس صورت میں

تقدیر عبارت یہ ہوگی اَعۡطٰی خَلۡقَہٗ کُلَّ شَیۡءٍ ۔ فرعون نے جو یہ کلام سنا، تو ڈرا کہ ایسا نہ ہو کہ اُس کی قوم ایسے معبود کی عبادت کی طرف جھک پڑے، تو یہ بات کاٹ کر اور ہی ذکر چھیڑا اور موسیٰ علیہ السلام کو عاجز کرنے کے واسطے۔۔۔

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوۡنِ الۡاُوۡلٰی ﴿۵۱﴾

سوال کیا "کہ اگلے زمانے والوں کو کیا حال ہے؟"●

(سوال کیا کہ اگلے زمانے والوں کا کیا حال ہے؟) یعنی نوح علیہ السلام اور عاد وثمود کی قوم جنہوں نے تو اس خدا کی پرستش نہیں کی، تو اب وہ سعادت اور دولت میں ہیں۔ یا۔ شقاوت اور بدنصیبی میں؟

اِس سوال کا جواب آسان تھا، لیکن چونکہ اِس سے فرعون کا مقصود یہ تھا کہ قوم کے ذہن کو ایک غیر ضروری مسئلے کی طرف پھیر دیا جائے اور ایسے سوال و جواب میں الجھا دیا جائے جس سے قوم حقیقتِ حال کو سمجھنے سے عاجز رہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا جو بھی جواب حضرت موسیٰ فرماتے، تو فرعون اُس کا منکر ہو جاتا اور قوم فرعونی فریب کا شکار ہو جاتی۔ اب حضرت موسیٰ کے جواب کا حاصل یہ ہوا، کہ اَے فرعون تو گزرے ہوئے لوگوں کے احوال کو سن کر کیا کرے گا۔ اُن کا حساب کتاب اور سزا اور جزا دینا کچھ تیرے اختیار میں تو ہے نہیں۔۔ ہاں۔۔ جس ذات کو اُن کا حساب کتاب لینا ہے اور جزا و سزا دینی ہے وہ انہیں خوب جانتا ہے۔۔ الغرض۔۔ حضرت موسیٰ نے فرعون کے سوال کا۔۔۔

قَالَ عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ فِیۡ کِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیۡ وَلَا یَنۡسَی ﴿۵۲﴾

جواب دیا کہ "اِس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے ایک کتاب میں۔ نہ بھٹکے میرا پروردگار، نہ بھولے"●

(جواب دیا کہ اِس کا علم میرے پروردگار کے پاس ہے ایک کتاب میں) لکھا ہوا محفوظ۔ **(نہ بھٹکے میرا پروردگار)** یعنی نہ خطا کرے اور نہ ہی اس میں کسی چیز کو چھوڑے۔ اور **(نہ)** ہی **(بھولے)** بلکہ اُس کا علم سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ رہ گیا میں، تو میں وہی جانتا ہوں جس کی خبر خدا مجھ کو دے۔

بعضوں کا کہنا ہے، کہ فرعون کا اپنے اِس سوال سے قیامت کا حال پوچھنا مقصود تھا، کہ ان قوموں کا حال حشر کے بعد کیا ہوگا؟۔۔ الغرض۔۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیال کو دوسری طرف لگانا چاہا، تاکہ وہ توحید پر دیگر مضامین بیان نہ کر سکیں۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی تقریرِ توحید کو جاری رکھا، اور من وجہ فرعون کا

جواب بھی دے دیا، یہ فرما کر کہ اِن باتوں کا علم خدا کو ہے۔اور پھر حضرت موسیٰ اُسی بات کی طرف پھرے، کہ حق تعالیٰ کی صفت بیان کرنے لگے اور بولے، کہ میرا رب وہ ہے، کہ۔۔۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ

جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش، اور چالو کر دیا تمہارے لیے اس میں کئی راستے، اور اتارا

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

آسمان کی طرف سے پانی۔ پھر نکالا ہم نے اِس کے سبب سے جوڑے، متعدد سبزیوں کے●

(جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو فرش) جس پر تم بیٹھتے ہو اور گھر بناتے ہو (اور چالو کر دیا تمہارے لیے اُس میں کئی راستے)۔ایک زمین سے دوسری زمین پر جانے کے لیے اور اپنی مصلحتوں پر قیام کرنے کے لیے (اور اُتارا آسمان کی طرف سے پانی) یعنی بارش نازل فرمائی۔

اور اپنی کمالِ حکمت کو ظاہر فرمانے کے لیے حق تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا۔۔۔

کہ (پھر نکالا ہم نے اِس کے سبب سے جوڑے متعدد سبزیوں کے) یعنی رنگا رنگ اُگنے والی مختلف المزاج چیزوں میں سے کہ باوصف اِس کے کہ زمین ایک اور پانی ایک، مگر ہر ایک کا مزہ، رنگ اور بُو دوسرے کے مخالف ہے۔۔تا۔۔

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع ۱۱

کہ کھاؤ اور چراؤ اپنے مویشی۔ بے شک اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے●

(کہ کھاؤ) اِس میں سے جو ہم نے نکالا ہے کھانے کی چیز، پھل، دانے وغیرہ۔(اور چراؤ اپنے مویشی) چراگاہوں میں، تاکہ وہ گھاس چریں جو چرنے کے لائق ہے۔(بے شک) یہ جو مذکور ہوا (اِس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے) خدا کی قدرت اور وحدت کی۔اس لیے کہ اُن کی عقلیں باطل کی اتباع اور بری باتیں کرنے سے منع کرتی ہیں۔تو سمجھ والو! ذہن نشین کر لو اور یاد رکھو، کہ۔۔۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾

اِسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا فرمایا اور اِسی میں دوبارہ کریں گے ہم تمہیں، اور اِسی سے نکالیں گے ہم تمہیں دوبارہ●

(اسی زمین سے ہم نے تم کو پیدا فرمایا) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی اصل خلقت اور تمہارے بدنوں کا پہلا مادّہ زمین کی خاک ہی ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے کہ جہاں بندہ دفن ہوگا، اس جگہ کی تھوڑی خاک اٹھالا۔ وہ اٹھالاتا ہے اور نطفہ جو اس کے وجود اور ہستی کا مادّہ ہے اس پر وہ خاک ڈال دیتا ہے۔ اور وہ شخص نطفہ اور مٹی سے پیدا ہوتا ہے۔ اور پھر اُسی خاک میں دفن ہوتا ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

کہ تم کو زمین سے پیدا کیا (اور اِسی میں دوبارہ کریں گے ہم تمہیں) مرنے کے بعد، (اور اِسی سے نکالیں گے ہم تمہیں دوبارہ) یعنی دوسری بار حساب وجزا کے واسطے۔

پھر فرعون نے معجزہ طلب کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا زمین پر ڈالا، وہ اژدہا ہوگیا۔ پھر اُٹھالیا تو وہی عصا تھا اور ید بیضاء بھی اُسے دکھایا۔ نو ۹ نشانیوں میں سے ایک کے بعد ایک معجزہ دیکھتا تھا اور ایمان نہ لاتا تھا۔۔ چنانچہ۔۔حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾

اور بے شک دکھا دیا ہم نے اُسے اپنی ساری نشانیاں، پھر بھی جھٹلایا اور انکار کیا●

(اور بے شک دکھا دیا ہم نے اُسے اپنی ساری نشانیاں) یعنی سب معجزے جو ہم نے موسیٰ کو دیے تھے، (پھر بھی) اُس نے موسیٰ علیہ السلام کو (جھٹلایا اور) ایمان لانے اور اطاعت کرنے سے (انکار کیا) اور عناد کی راہ سے۔۔۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾

وہ بولا کہ "کیا تم آئے ہو مجھ تک کہ نکال دو ہم سب کو ہماری آراضی سے، اپنے جادو سے اَے موسیٰ؟●

(وہ بولا، کہ کیا تم آئے ہو مجھ تک کہ نکال دو ہم سب کو ہماری آراضی سے اپنے جادو سے اَے موسیٰ؟)۔۔الغرض۔۔اَے موسیٰ ہم جان گئے کہ تُو ساحر ہے اور چاہتا ہے کہ جادو کے زور سے ہمیں مصر سے نکال دے اور بنی اسرائیل کو یہاں بسا کر اُن پر تُو بادشاہی کرے۔۔۔

فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ

توہم بھی لائیں گے تم تک جادو ایسا ہی، تو کرلو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت کا وعدہ، کہ نہ ہم اُس کے خلاف کریں

وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

اور نہ تم، ہموار میدان میں"●

(تو ہم بھی لائیں گے تم تک جادو ایسا ہی) جو تیرے جادو کے مثل ہوگا۔ اُس جادو کے ذریعے ہم تیرے ساتھ مقابلہ کریں گے، تاکہ لوگ جان لیں تُو پیغمبر نہیں ہے بلکہ جادوگر ہے۔ (تو کرلو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت کا وعدہ، کہ نہ ہم اُس کے خلاف کریں اور نہ تم) بلکہ جب وعدہ آئے تو ہم حاضر ہوں (ہموار زمین میں) جہاں اونچا نیچا نہ ہو، تاکہ سب لوگ دیکھ سکیں۔۔یا۔۔ایسی جگہ کہ وہاں ہماری اور تمہاری قوم برابر ہو۔ حضرت موسیٰ نے۔۔۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾

جواب دیا کہ" تمہارے وعدے کا وقت میلے کا دن ہے، اور یہ کہ لوگ اکٹھا کیے جائیں دن چڑھتے چڑھتے"●

(جواب دیا کہ تمہارے وعدے کا وقت میلے کا دن ہے) جو مصر والوں کے لیے عید کا دن تھا، کہ اس میں آراستہ ہو کر ایک جگہ حاضر ہوتے تھے اور تماشہ دیکھتے تھے۔۔یا۔۔نوروز۔۔یا۔۔عاشورہ کا دن تھا۔۔الختصر۔۔اُس دن لوگوں کو جمع کیا جائے، (اور یہ) خیال رہے (کہ لوگ اکٹھا کیے جائیں دن چڑھتے چڑھتے)، اِس وقت بہت روشنی ہوتی ہے۔ یعنی ہمارا وعدہ لوگوں کے جمع ہونے کے دن چاشت کے وقت کا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ دن اس واسطے مقرر کیا تاکہ سب لوگوں کے سامنے حق ظاہر ہو اور باطل چھپ جائے اور اُس کی خبر تمام عالم میں ہر طرف پھیل جائے۔

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾

تو لوٹا فرعون، پھر یکجا کیا اپنا داؤں، پھر آیا●

(پھر لوٹا فرعون) مجلس سے اور خلوت میں آیا، (پھر یکجا کیا اپنا داؤں) جس کے سبب سے کید اور مکر کرے۔ یعنی ساحروں کو اکٹھا کیا اور سحر کے اسباب کو مہیا کیا۔ (پھر آیا) وعدے کی جگہ پر ساحروں کے ساتھ، تو اُن جادوگروں سے ملاقات ہونے کے بعد۔۔۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ

اُن سب کو موسیٰ نے کہا کہ" تمہاری خرابی ہو، مت گڑھو اللہ پر جھوٹ، کہ تباہ فرمادے تمہیں عذاب سے۔

وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی ﴿۶۱﴾

اور بے شک نامراد رہا جس نے افتراء کیا"●

(اُن سب کو موسیٰ نے کہا، کہ) اَے لوگو! (تمہاری خرابی ہو) یعنی افسوس ہے تم پر ذرا عقل سے کام لو اور (مت گڑھو اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، کہ اس کے عطا کردہ معجزے کو سحر کہتے ہو اور چاہتے ہو کہ اِس کا مقابلہ کرو۔۔یا۔خدا پر جھوٹ نہ باندھو اس کے ساتھ دوسرے کو شریک کر کے (کہ) حق تعالیٰ اُس کے نتیجے میں (تباہ فرمادے تمہیں عذاب سے)۔ایسا عذاب جو تمہیں مٹادے اور جڑ سے اکھاڑ دے۔(اور) یادرکھو کہ (بے شک نامراد رہا) وہ، (جس نے افتراء کیا) خدا پر۔

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی ﴿۶۲﴾

پھر بول چال کی اپنے معاملے میں باہم، اور پوشیدہ مشورہ کیا●

(پھر بول چال کی اپنے معاملے میں) جادوگروں نے (باہم اور پوشیدہ مشورہ کیا) اور فرعون کے ملازموں سے بھید چھپایا اور باہم یہ قرار کیا کہ اگر یہ شخص ہم پر غالب آئے، تو اِس کی متابعت کرنی چاہیے۔فرعون کھڑکی سے دیکھتا تھا کہ جادوگر باہم باتیں کرتے ہیں اور مشورہ کر رہے ہیں، تو پوچھنے لگا کہ یہ ساحر کیا کہتے ہیں، تو وہ سب فرعون کے خوف سے۔۔۔

قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا

بولے کہ "یہ دونوں جادوگر ہیں، چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہاری آراضی سے اپنے جادو سے،

وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰی ﴿۶۳﴾

اور مٹادیں تمہارے دین شریف کو"●

(بولے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں، چاہتے ہیں کہ نکال دیں تمہیں تمہاری آراضی سے) یعنی مصر سے (اپنے جادو سے) اور مصر کا ملک اپنے تصرف میں لائیں، (اور مٹادیں تمہارے دین شریف کو) یعنی اُس مذہب کو فنا کردیں جو سب مذہبوں سے افضل ہے اور اپنا دین اور اپنا مذہب ظاہر کردیں۔۔یا یہ کہ۔۔لے جائیں تمہارے اشراف اور اکابر کو یعنی اُن کا دِل تمہاری طرف سے پھیر دیں اور اپنی طرف متوجہ کرلیں۔غرضیکہ فرعون نے جب ساحروں سے سنا کہ موسیٰ وہارون علیہما السلام جادوگر ہیں اور مصر سے قبطیوں کو نکال دینے کا داعیہ باندھے ہیں، تو فرعون غصے میں آیا اور بولا کہ جب یہی حال ہے۔۔۔

فَاَجۡمِعُوۡا كَيۡدَكُمۡ ثُمَّ ائۡتُوۡا صَفًّا ۚ وَقَدۡ اَفۡلَحَ الۡيَوۡمَ مَنِ اسۡتَعۡلٰى ﴿۶۴﴾

"تو اکٹھا کرلو اپنی اپنی ترکیب، پھر آؤ پرے لگا کر، اور کامیاب آج وہ رہا جو بڑھ گیا"●

(تو) اَے جادوگرو! (اکٹھا کرلو اپنی اپنی ترکیب) یعنی سحر کے آلات کو لاؤ، (پھر آؤ پرے لگا کر) صف باندھے ہوئے، میدان کی طرف، تاکہ تمہاری ہیبت لوگوں کے دلوں پر پڑ جائے اور کوشش کروتا کہ اُن پر غالب آؤ، (اور) سمجھ لو کہ (کامیاب آج وہ رہا جو) اپنے سحر میں (بڑھ گیا)۔۔الغرض۔۔اپنی جادوگری میں جو غالب آ گیا وہی بامراد ہوا۔

۔۔الختصر۔۔ستر[۷۰] ہزار۔۔یا۔۔تینتیس[۳۳] ہزار جادوگروں نے صف باندھی اور موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اُن کے برابر کھڑے ہوئے۔فرعون کے جادوگر، ایک قول کے موافق، رسیاں اور عصے اندر سے خالی کیے ہوئے پارہ بھرے ہوئے، تین گدھوں پر میدان میں لائے اور مؤدّبانہ انداز سے۔۔۔

قَالُوۡا يٰمُوۡسٰٓى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِىَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰى ﴿۶۵﴾

سب بولے کہ "اَے موسیٰ! یا تم ڈالو یا ہم لوگ پہلے ڈالیں"●

(سب بولے، کہ اَے موسیٰ! یا تم ڈالو یا ہم لوگ پہلے ڈالیں)۔حضرت موسیٰ نے اِس خیال سے کہ اِن کا جادو کس حساب کتاب میں ہے اور اِس کا اعتبار ہی کیا، اُنہیں کو پہل کرنے کی اجازت دے دی۔۔یا یہ کہ۔۔ان کی مؤدّبانہ پیش کش کا یہ شریفانہ جواب عطا فرمایا، کہ انہیں کو جادو شروع کرنے کی اجازت دے دی۔۔الغرض۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام۔۔۔

قَالَ بَلۡ اَلۡقُوۡا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمۡ وَعِصِيُّهُمۡ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ

بولے "بلکہ تمہیں لوگ ڈالو" تو اچانک اُن کی رسیاں اور چھڑیاں، انہیں خیال ہوا

مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى ﴿۶۶﴾

اُن لوگوں کے جادو سے، کہ دوڑتی ہیں●

(بولے، بلکہ تمہیں لوگ ڈالو) پس جادوگروں نے اپنے جادو پھینکے اور ہوا کی گرمی کے موافق پارے نے چکر کھایا، (تو اچانک اُن کی رسیاں اور چھڑیاں، انہیں خیال ہوا اُن لوگوں کے جادو سے، کہ دوڑتی ہیں) یعنی حضرت موسیٰ کو ایسا لگا، کہ اُن کے مکر و جادو سے اُن کی رسیاں اور چھڑیاں اِدھر

اُدھر حرکت کرنے لگی ہیں۔۔۔

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾

تو جھجکے اپنے دل میں خوف سے موسیٰ ● ہم نے فرمایا کہ "مت ڈرو، بلاشبہ تمہیں غالب ہو ●

(تو جھجکے اپنے دل میں خوف سے موسیٰ)۔ انہیں یہ خوف لگا کہ کہیں لوگ معجزے اور سحر میں فرق کرنے سے قاصر نہ رہ جائیں۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔میں جب تک اپنا عصا پھینکوں، تو ایسا نہ ہو کہ اِس سے پہلے ہی لوگ اِدھر اُدھر چلے جائیں اور متفرق ہو جائیں اور عصا کا اعجاز نہ دیکھ سکیں۔ اور پھر اپنی کامیابی اور غلبے کا پورے طور پر مظاہرہ نہ ہو سکے۔۔۔الغرض۔۔۔جب موسیٰ جھجکے۔۔۔تو۔۔۔(ہم نے فرمایا کہ مت ڈرو، بلاشبہ تمہیں غالب ہو)۔

وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ ؕ

اور ڈال دو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے، کہ نگل جائے جو ان لوگوں نے بنایا۔ انہوں نے جو کچھ بنایا جادوگر کی ترکیب ہے۔

وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾

اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر کہیں آئے" ●

(اور) اَے موسیٰ! (ڈال دو جو تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے) تا (کہ نگل جائے جو اِن لوگوں نے بنایا ہے) اور اُن کے مکر کی حقیقت ہی کیا ہے، کیونکہ (انہوں نے جو کچھ بنایا ہے جادوگر کی ترکیب ہے اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر کہیں آئے) کہیں جائے۔ اس لیے کہ مکار، مکار ہی ہے، جہاں رہے اور جہاں جائے۔ پس حضرت موسیٰ نے عصا ڈال دیا۔ فوراً وہ بڑا اژدہا ہو گیا اور اپنا منہ پھیلا کر جادوگروں کے سب اسباب نگل گیا، اور لوگ اس کے ڈر کے مارے بھاگنے لگے، اور کئی ہزار آدمی اِس ہلڑ میں کچل کر مر گئے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے اُس اژدہے کو پکڑ لیا تو پھر وہ وہی عصا ہو گیا۔ جادوگروں نے مان لیا کہ یہ سحر نہیں ہے۔ اس واسطے کہ ایک سحر دوسرے سحر کو باطل نہیں کر سکتا، بلکہ سمجھے کہ یہ خدا کی قدرت اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے۔

اِس میں راز کی بات یہ ہے کہ جادو سے، دیکھنے والوں کی نگاہوں کو دھوکا دیا جا سکتا ہے، مگر کسی شے کی حقیقت نہیں بدلی جا سکتی۔ جادوگروں نے صاف دیکھ لیا کہ اُن کی لاٹھیوں اور رسیوں کا تماشہ، تماشہ ہی رہا اور شعبدہ کاری سے آگے نہ بڑھ سکا۔ اِس کے برخلاف

عصائے موسوی کی حقیقت بدل گئی اور وہ حقیقتاً اژدہا بن گیا، اور پھر رسیوں اور لاٹھیوں کو نگل کر اژدہے والا کام بھی انجام دے دیا۔

۔۔الحاصل۔۔ وہ جادو ہے جو شے کی حقیقت نہ بدل سکے اور وہ معجزہ ہے جو شے کی حقیقت بدل دے۔ حضرت موسیٰ کے عصا کا اژدہا ہو جانا، یہ انقلابِ حقیقت کی پہلی مثال ہے اور پھر اژدہے کا عصا ہو جانا، یہ انقلابِ حقیقت کی دوسری مثال ہے۔ تو یہ ایک ہی نہیں بلکہ دو معجزے ہوئے۔ یہ خدائے ذوالجلال قادرِ مطلق کی قدرتِ بے مثال کی عظیم نشانیاں ہیں۔ جب اِن باتوں پر اُن جادوگروں نے غور و تامل کیا۔۔۔

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی ۝۷۰

تو ڈال دیے گئے سارے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے، بولے سب کہ "مان گئے ہم ہارون و موسیٰ کے پروردگار کو"●

(تو) اس غور و تامل نے انہیں منہ کے بل گرا دیا۔۔الغرض۔۔(ڈال دیے گئے سارے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے) اور اِسی حال میں (بولے سب، کہ) دل کی سچائی کے ساتھ (مان گئے ہم ہارون و موسیٰ کے پروردگار کو)۔

اِس آیت میں ہارون علیہ السلام کا نام اِس سے پہلی آیتوں کے خاتموں کے لحاظ اور رعایت کے سبب سے مقدم ہے، جسے 'رِیاعتِ سجع' کہا جاتا ہے ۔۔المختصر۔۔ فرعون نے جب یہ حال دیکھا۔۔تو۔۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

وہ بولا کہ "تم انہیں مان گئے؟ قبل اس کے کہ میں اجازت دوں تمہیں۔ بے شک یہ ضرور تمہارا بڑا ہے، جس نے تم کو جادو سکھایا۔

فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ

تو ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں، ایک کا داہنا دوسرے کا بایاں، اور ضرور پھانسی دوں گا تمہیں کھجور کے درختوں کے

النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰی ۝۷۱

ڈھنڈ پر۔ اور ضرور جان لو گے تم، کہ ہم میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے"●

(وہ بولا کہ تم اُنہیں مان گئے؟ قبل اِس کے کہ میں اجازت دوں تمہیں) یعنی مجھ سے بات کیے بغیر اور مجھ سے پوچھے بغیر فوراً ہی تم نے اُن کا کلمہ پڑھ لیا اور اُن پر ایمان لے آئے۔ اِس سے اندازہ لگتا

ہے کہ اِس کے پیچھے تم سب کی کوئی بڑی سازش ہے اور اِس میں تمہاری کوئی خفیہ ملی بھگت ہے۔ (بے شک یہ ضرور تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو جادو سکھایا) یعنی یہ تمہارا استاد و معلم ہے اور تم جادوگروں کا سردار ہے۔

اِس بے وقوف فرعون کی سمجھ میں معجزہ، اور جادوگری کے درمیان وہ فرق سمجھ میں نہیں آیا جو خود جادوگروں نے سمجھ لیا تھا، تو کم ازکم وہ اتنا تو سوچتا کہ اِن سارے جادوگروں کو حضرت موسیٰ نے اکٹھا نہیں کیا تھا، بلکہ اُس کے حکم سے خود اُسی کے کارندوں نے پورے ملک سے جمع کیا تھا۔۔الحتصر۔۔فرعون نے اپنی بددماغی اور بے عقلی سے اِس کو اُس سے اُس کا ملک چھین لینے کی سازش قرار دیا اور دھمکی دینے لگا کہ اگر تم لوگ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے رب پر ایمان لانے سے پلٹے نہیں۔۔۔

(تو) بطورِ سزا **(ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھ اور پاؤں، ایک کا داہنا اور دوسرے کا بایاں)**، یعنی تمہاری ہر جانب سے ایک ایک حصے کو کاٹوں گا۔۔مثلاً: اگر دایاں ہاتھ کاٹوں گا، تو پاؤں بایاں کاٹوں گا۔یعنی کاٹنے کی ابتداء ہر عضو کے مخالف سمت سے ہوگی۔مثال کے طور پر دایاں ہاتھ ہوگا، تو بایاں پاؤں، ایسے ہی برعکس۔فرعون نے یہ تعیین ڈر اور خوف کی کیفیت میں ہیبت بڑھانے کے لیے بتائی اور صرف اِس سزا پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اُس سے بھی زیادہ سخت اور کڑی سزا دینے کو بولا۔۔۔

(اور) کہا کہ **(ضرور پھانسی دوں گا تمہیں کھجور کے درختوں کے ڈھنڈ پر)** چونکہ قتل کرنے کے لیے کسی کو لٹکانا یعنی سولی پر چڑھانا اور درخت سے لٹکا کر مارنا انسان کے لیے سخت ترین سزا ہوتی ہے، اِسی لیے فرعون نے کہا کہ میں تمہیں دریائے نیل کے کھجوروں کے تنوں سے لٹکا کر قتل کروں گا، تاکہ تمام لوگ تمہارے حال سے عبرت حاصل کریں۔فرعون نے اپنے اِس کلام میں اِس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ انہیں اِس سزا میں ایک عرصے تک مبتلا رکھا جائے گا۔چونکہ کھجور کا درخت لمبا ہوتا ہے اسی لیے اُن کے تنوں پر لٹکانے کی بات کی، تاکہ سب لوگ دیکھیں اور عبرت پکڑیں۔

فرعون نے یہ بھی کہا کہ جب ایسا کردیا جائے گا **(اور)** تمہیں درختوں پر ہاتھ پیر کاٹ کے لٹکا یا دیا جائے گا، تو **(ضرور جان لوگے تم، کہ ہم میں کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیرپا ہے)** یعنی میرا یہ عذاب زیادہ سخت اور دیر تک رہنے والا ہے۔۔یا۔۔موسیٰ کے خدا کا عذاب جس پر تم ایمان لائے ہو۔

چونکہ جادوگر جذبۂ حقانی کے جام سے مست تھے اور انوارِ ربانی متواتر اُن کے دلوں پر

پڑ رہے تھے، اس لیے انہوں نے فرعونی دھمکیوں کا ذرہ برابر بھی خیال نہیں کیا۔۔اور۔۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ
سب نے جواب دیا کہ "ہم ہرگز نہ ترجیح دیں گے تجھے اس پر جو آگئی ہیں ہمارے پاس نشانیاں۔ قسم ہے اُس کی جس نے

مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۖ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۞
ہمیں پیدا فرمایا کہ تُو کر لے جو تجھے کرنا ہو، تُو بس اِسی دُنیاوی زندگی ہی میں کرے گا●

(سب نے) متفقہ طور پر (جواب دیا کہ ہم ہرگز نہ ترجیح دیں گے تجھے اس پر جو آگئی ہیں ہمارے پاس نشانیاں) یعنی کھلے ہوئے معجزات۔

ایک قول کے مطابق سجدے کی حالت میں جنتیں اور اس کی نعمتیں انہیں دکھادی گئی تھیں، تو وہ فرعون سے بولے کہ جو کھلی ہوئی نشانیاں اور نعمتیں ہم نے دیکھیں، اُن پر ہم تیری نعمت کو ترجیح نہیں دیتے۔

اور (قسم ہے اُس کی جس نے ہمیں پیدا کیا، کہ تُو کر لے جو تجھے کرنا ہو) ہم اس کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے۔ ویسے بھی (تُو) جو کچھ کرے گا (بس اِسی دُنیاوی زندگی میں کرے گا) یعنی تیرا حکم اِسی دُنیا میں چلے گا، اِس کے سوا کہیں اور نہیں جاری ہوگا۔۔الختصر۔۔تُو جو کچھ چاہتا ہے یہیں کرسکتا ہے۔ رہ گئی آخرت جو بہت بہتر اور پائدار ہے، وہاں تیرے لیے فضیحت ہے اور وہاں تُو معزول ہوگا اور خود اپنی مصیبت میں مبتلا اور مشغول ہوگا۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ
بے شک ہم مان گئے اپنے پروردگار کو، کہ بخش دے ہماری خطائیں، اور جس جادو پر تُو نے ہمیں مجبور کیا تھا،

وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۞
اور اللہ بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے والا ہے"●

(بے شک ہم مان گئے اپنے پروردگار کو) تا (کہ بخش دے ہماری خطائیں) یعنی ہمارے کفر و معاصی (اور جس جادو پر تُو نے ہمیں مجبور کیا تھا)۔ یعنی وہ گناہ بھی بخش دے جس کو تُو نے ہم سے زبردستی اور بالجبر کرایا۔

اور وہ ہے جادو سیکھنا۔ فرعون جادو سیکھنے کے لیے لوگوں پر زبردستی کرتا تھا۔۔یا یہ کہ۔۔

اُن ساحروں کو اُس کا بلانا زبردستی تھا۔ اس واسطے کہ بادشاہ کا حکم ہی ایک طرح کی زبردستی اور اِکراہ ہے اور انہوں نے خدا سے اُس زبردستی کی بنیاد پر انجام دیے ہوئے عمل کی مغفرت چاہی۔ اِس واسطے کہ سب دینوں میں اِس گناہ پر مواخذہ تھا، جو کسی کی زبردستی سے وقوع میں آئے اور یہ مواخذہ امت محمدی ﷺ سے اٹھالیا گیا ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (بہتر ہے) بدلہ دینے کے رُو سے (اور ہمیشہ رہنے والا ہے) ثواب کی جہت سے۔ اس واسطے کہ اَے فرعون! تُو کفر کے بدلے ہمیں جو اُجرت دینا چاہتا ہے وہ منقطع ہو جانے والی ہے اور خداوندِ کریم ایمان پر ایسا اجر عطا کرتا ہے، کہ اُس کے گرد زوال کی گرد بھی نہیں پہنچتی۔

اِنَّهٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰی ﴿۷۴﴾

بے شک وہ جو آئے گا اپنے پروردگار کے پاس مجرم، تو بلاشبہ اُسی کے لیے جہنم ہے، نہ مرے اُس میں اور نہ جیے ●

(بے شک وہ جو آئے گا اپنے پروردگار کے پاس مجرم) کفر و شرک میں آلودہ ہو کر، (تو بلاشبہ اُسی کے لیے جہنم ہے، نہ مرے اُس میں) کہ عذاب سے چھوٹ جائے (اور نہ) ہی (جیے) ایسی زندگی کے ساتھ جو خوشی سے گزرتی ہو۔

وَ مَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰی ﴿۷۵﴾

اور جو آئے گا اُس کے پاس مانتا ہوا، کہ لیاقت کے کام کر چکا ہے، تو انہیں کے لیے بلند درجے ہیں ●

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ

سدا بہار کا باغ، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، اُس میں ہمیشہ رہنے والے۔

ع ۲۲ ۱۲ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰی ﴿۷۶﴾

یہ ثواب ہے اُس کا کہ پاکیزہ ہو گیا ●

(اور) اِس کے برخلاف (جو آئے گا) اپنے (اُس) رب (کے پاس مانتا ہوا) اور جو (کہ لیاقت کے کام کر چکا ہے)۔۔الغرض۔۔ جو لوگ ایمان و نیک عمل والے ہو کر بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوں گے (تو انہیں کے لیے بلند درجے ہیں ● سدا بہار کا باغ، بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں)۔ یہی گروہ (اُس میں ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔ (یہ ثواب ہے اُس کا) جو (کہ

پاکیزہ ہوگیا) کفر کی نجاستوں سے اور گناہ کے میلوں سے۔۔۔یا۔۔طہارت حاصل کیے ہو طاعتوں اور نیک کاموں سے۔

یہاں تک ساحروں کا کلام ہے، اور چونکہ اِس کا قصہ تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے، تو یہاں پر مختصر طور پر دو تین باتیں بیان کر کے آیتوں کے مضامین پر اکتفاء کی گئی۔فرعون نے جب معجزات دیکھے اور اثر پذیر نہ ہوا اور بنی اسرائیل پر اور زیادہ سختیاں کیں، تو اُس کے بعد کا قصہ۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰىٓ ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا

اور واقعہ یہ ہوا کہ ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ "راتوں رات نکال لے جاؤ میرے بندوں کو، چنانچہ چالو کر دو اُن کے لیے

فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾

ایک خشک راستہ دریا میں۔نہ تمہیں ڈر ہوگا کہ کسی کے ہاتھ لگو، اور نہ خطرہ ہوگا"●

(اور واقعہ یہ ہوا کہ ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کی طرف کہ راتوں رات نکال لے جاؤ میرے بندوں کو) مصر سے۔اور جب سب دریا کے کنارے پہنچیں اور فرعون کا لشکر پیچھے آئے، تو ایسا کرو کہ کسی کے دل میں بھی ان کے پیچھے آجانے کا خوف نہ رہے، (چنانچہ چالو کر دو) اپنا عصا مار کر (ان کے لیے ایک خشک راستہ دریا میں)۔اِس طرح کرنے سے (نہ تمہیں ڈر ہوگا) اور نہ ہی تمہارے ساتھیوں کو (کہ کسی کے ہاتھ لگو)، یعنی فرعون کے لوگ تم کو پالیں گے اِس سے تم سب بے خوف ہو جاؤ گے۔(اور نہ) ہی کسی کو دریا میں ڈوبنے کا (خطرہ ہوگا)۔

پس حضرت موسیٰ حکمِ الٰہی کے موافق بنی اسرائیل کو مصر سے باہر لے گئے، دوسرے دن قبطیوں کو خبر ہوئی، مگر ان میں سے ہر ایک کے گھر ایک بڑی مصیبت واقع ہوئی کہ اپنے حال میں مبتلا رہے۔اِس کے دوسرے دن بہت لشکر جمع ہوئے۔۔۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۷۸﴾

پھر پیچھا کیا اِن لوگوں کا فرعون نے اپنے لشکریوں کے ساتھ، تو اُن کے سر سے اونچا ہو گیا دریا، جو ہونا تھا●

(پھر پیچھا کیا اُن لوگوں کا فرعون نے اپنے لشکریوں کے ساتھ) اور دریا کے کنارے پہنچے موسیٰ علیہ السلام، تو اپنے لوگوں سمیت پار اُتر گئے۔فرعون والے بھی دریا میں آئے، (تو اُن کے سر سے اونچا

ہوگیا دریا، جو ہونا تھا)۔۔الغرض۔۔ایک بڑی موج نے انہیں لے لیا۔وہ موج ایسی عظیم تھی کہ کوئی اُس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکا جس کی تعبیر وہ لفظوں میں کر سکے۔۔الحاصل۔۔بھٹکا دیا۔۔۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

اور گمراہ کردیا فرعون نے اپنی قوم کو، اور راہ نہ دکھائی●

(اور گمراہ کردیا فرعون نے اپنی قوم کو) اور کہنے کو تو یہ کہتا تھا، کہ "اے میری قوم کے لوگو! انہیں بتاتا ہوں تمہیں مگر راہ بھلائی کی" لیکن حقیقت یہ ہے، کہ اس نے اپنی قوم کو صحیح (اور) سیدھی (راہ نہ دکھائی) اور انہیں گمراہ کرتا رہا۔۔یا۔۔اِس کا معنی یہ ہے کہ فرعون نے اپنی قوم کو دریا میں گم کیا اور خود بھی نجات نہ پائی۔۔تو۔۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ

اے بنی اسرائیل، بلاشبہ بچایا ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے اور وعدہ فرمایا ہم نے تمہیں

جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾

کوہِ طور کے داہنی جانب کا، اور اُتارا ہم نے تم پر مَن وسلویٰ●

(اے بنی اسرائیل!) تم میرے اُن احسانات ونوازشات کو یاد کرو، کہ (بلاشبہ بچایا ہم نے تم کو تمہارے دشمن) یعنی فرعون اور اس کی قوم کے لوگوں (سے، اور وعدہ فرمایا ہم نے تمہیں) یعنی تمہارے پیغمبر کو تمہارے واسطے توریت نازل کرنے کی جہت سے، (کوہِ طور کے داہنی جانب کا) یعنی توریت حاصل کرنے کے لیے کوہِ طور کی داہنی طرف آنے کا، (اور) جس وقت تم میدان تیہ میں سرگرداں تھے، تو (اُتارا ہم نے تم پر من وسلویٰ) یعنی ترنجبین اور بُھنا ہوا مرغ، اور پھر کہا ہم نے۔۔۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ

کہ کھاؤ پاکیزہ چیزیں، جو ہم نے روزی فرمائی تمہیں، اور نہ سرکشی کرو اس میں، کہ اتر پڑے تم پر میرا غضب۔

وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾

اور جس پر اتر پڑے میرا غضب، تو وہ ضرور گرا●

(کہ کھاؤ پاکیزہ چیزیں) یعنی پاک اور حلال چیزیں (جو ہم نے روزی فرمائی تمہیں اور نہ سرکشی کرو اُس میں) یعنی حد سے نہ گزرو اس میں، یعنی ظلم نہ کرو اور ہر ایک اپنا ہی حصہ لو۔۔یا۔۔باسی نہ رکھو دوسرے دن کے واسطے۔۔یا۔۔شکر کرنا نہ چھوڑو۔اس واسطے کہ شکر کے سبب سے جو نعمت موجود ہے، وہ نہیں جانے پاتی، اور جو نعمت مفقود ہے وہ آجاتی ہے۔

اِس ارشاد کا یہ معنی ہوسکتا ہے کہ نعمت کو گناہوں میں صرف نہ کرو۔۔۔

(کہ اُتر پڑے تم پر میرا غضب۔اور جس پر اُتر پڑے میرا غضب، تو وہ ضرور گرا) جہنم کے طبقۂ ہاویہ میں۔

۔۔الختصر۔۔جس نے حد سے گزرنے کی مذکورہ بالا شکلوں میں کوئی بھی شکل اختیار کی، اس نے اپنے کو جہنم کا مستحق بنالیا۔۔یا یہ کہ۔۔اس نے اپنی ہلاکت کا سامان کرلیا۔

میرے بندو! مایوس نہ ہو۔۔۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی ﴿٨٢﴾

اور بے شک میں ضرور مغفرت فرمانے والا ہوں جس نے توبہ کی اور ماننے لگا، اور لیاقت کے کام کیے، پھر راہ پر قائم رہا●

(اور) سن لو کہ (بے شک میں ضرور مغفرت فرمانے والا ہوں) اُس کی، (جس نے توبہ کی) شرک وکفر سے (اور ماننے لگا) یعنی دل کی سچائی کے ساتھ میری وحدانیت پر ایمان لایا (اور لیاقت کے کام کیے) یعنی فرائض ادا کرتا رہا (پھر راہ پر قائم رہا)۔یعنی سیدھی راہ چلتا رہا اور نبی کریم کی سنت پر ثابت قدم رہا۔۔یا۔۔ہدایت پر استقامت کی۔۔یا۔۔اہلِ سنت وجماعت کا طریقہ اختیار کیا۔

روایت ہے کہ فرعون کے ہلاک ہوجانے کے بعد بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے استدعاء کی کہ ہمارے واسطے ایک شریعت کے قانون اور اس کے احکام کے قواعد ظاہر اور معین کردیجیے۔موسیٰ علیہ السلام نے اس باب میں درگاہِ رب الارباب میں مناجات کی اور خطاب پہنچا کہ بنی اسرائیل میں جو شریف لوگ ہیں ان کی ایک جماعت ساتھ لے کر کوہِ طور پر آؤ، تاکہ ایک ایسی کتاب ہم تمہیں دیں جس میں شرع کے سب احکام جمع ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنی جگہ پر چھوڑا اور قوم کے ستّر اشراف آدمی کے ساتھ کوہِ طور کی طرف متوجہ ہوئے اور قوم سے وعدہ کرلیا کہ چالیس دن گزرنے کے بعد میں آؤں گا اور ایک کتاب لاؤں گا۔جب کوہِ طور کے پاس پہنچے، تو ساتھیوں کو

چھوڑ دیا اور کلام و پیامِ الٰہی کا شوق جو نہایت درجہ رکھتے تھے، اُس کے سبب سے جھٹ پٹ پہاڑ کے نیچے پہنچے، تو خطابِ ربانی پہنچا۔۔۔

وَمَآ اَعۡجَلَكَ عَنۡ قَوۡمِكَ يٰمُوۡسٰى ﴿۸۳﴾

"اور کس نے جلدی کرائی تم سے اپنی قوم سے اَے موسیٰ" ●

(اور) ارشاد ہوا کہ (کس نے جلدی کرائی تم سے اپنی قوم سے؟ اَے موسیٰ) یعنی اَے موسیٰ! کس لیے تم نے اِس قدر جلد بازی سے کام لیا کہ اپنی قوم سے پہلے ہی میری بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ حضرت موسیٰ نے۔۔۔

قَالَ هُمۡ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىۡ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى ﴿۸۴﴾

عرض کیا کہ "وہ یہ میرے نقشِ قدم پر ہیں، اور میں جلدی حاضر ہو گیا تیرے حضور پروردگار، کہ تو خوش ہو جائے" ●

(عرض کیا کہ وہ یہ میرے نقشِ قدم پر ہیں) یعنی میرے قدموں کے نشان پر ساعت بہ ساعت پہنچنے والے ہی ہیں۔۔ الغرض۔۔۔وہ مجھ سے غیر معمول فاصلے اور دوری پر نہیں ہیں۔ (اور) رہ گئی یہ بات، کہ (میں) جو (جلدی حاضر ہو گیا تیرے حضور پروردگارا) تا (کہ تُو خوش ہو جائے) مجھ سے اس واسطے کہ حکم کے موافق عمل کرنا حاکم کی خوشنودی کا باعث ہے۔ یعنی جو میں قوم سے پہلے آیا، تو اس سے میرا مقصود یہ نہیں کہ میں اُن سے بڑا اور بزرگ ہوں، بلکہ تیری خوشنودی میں نے طلب کی۔۔تو۔۔

قَالَ فَاِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ مِنۡۢ بَعۡدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِىُّ ﴿۸۵﴾

فرمایا، "ہم نے تو آزمایا تمہاری قوم کو تمہارے بعد، اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا" ●

(فرمایا، ہم نے تو آزمایا تمہاری قوم کو) اَے موسیٰ! (تمہارے) یہاں چلے آنے کے (بعد)۔ تمہاری قوم کے لوگ اپنے کو ہدایت پر رکھ نہ سکے (اور اُنہیں سامری نے گمراہ کر دیا) یعنی ان کی گمراہی کا سبب بن گیا۔

جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ سامری بنی اسرائیل کے ایک قبیلہ سامرہ کے بڑے لوگوں میں سے تھا۔ ایک قول ہے کہ وہ کرمان کا رہنے والا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ عراق کے موضع جریا کا رہنے والا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سامری اسرائیلیوں کے ساتھ رہنے والا تھا،

مگر قوم بنی اسرائیل سے نہیں تھا۔۔ بلکہ۔۔ بچھڑا پوجنے والوں کی جماعت سے تھا اور اُسے موسیٰ بن ظفر کہتے تھے۔

ایک قول یہ بھی ہے جس کو سب سے زیادہ صحیح قرار دیا گیا ہے، کہ وہ بنی اسرائیل ہی میں سے تھا۔ جب فرعون ان کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا تو یہ پیدا ہوا، اور پیدا ہونے کے بعد اُس کی ماں نے اُسے دریائے نیل کے کنارے ایک جزیرے میں ڈال دیا تھا اور حق تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اس کی پرورش کرو اور اس کا کھانا پینا پہنچاؤ اور اسی سبب سے وہ جبرائیل علیہ السلام کو پہچانتا تھا۔

جس روز فرعون کے لوگ غرق ہوئے، اُس دن جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سُم کے نیچے سے اُس نے مٹھی بھر خاک اٹھا کر حفاظت سے اپنے پاس رکھی۔ اب جو موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے، تو سامری حضرت ہارون علیہ السلام کے پاس آیا اور یہ بات زبان پر لایا، کہ تھوڑا سا زیور ہم نے قبطیوں سے عاریتاً لیا ہے وہ ہمارے پاس ہے، ہمیں اس میں تصرف کرنا درست نہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل نے آپس کی خرید وفروخت شروع کر دی ہے، تو آپ حکم دے دیجیے کہ سب جمع کر کے جلا دیں۔ ہارون علیہ السلام نے حکم کر دیا۔۔ چنانچہ۔۔ تمام زیورات کو گڑھے میں بھر کر آگ لگا دی۔

سامری چونکہ چالاک سُنار تھا، اس لیے جیسے ہی وہ سونا چاندی پگھلا اس نے سانچہ بنا کر وہ پگھلا ہوا سونا چاندی اس میں ڈال دیا، تو بچھڑے کی صورت اس میں سے ایک چیز نکل آئی۔ سامری نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے گھوڑے کے سم کی جو خاک اٹھا کر اپنی حفاظت میں رکھ لی تھی، اُسے اس نے بچھڑے کی ڈھلی ہوئی صورت میں ڈال دیا، فوراً وہ زندہ ہو گیا اور گوشت و پوست اس میں پیدا ہو گیا اور بولنے لگا۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ زندہ نہیں ہوا مگر جس وضع پر خاک ڈالی تھی، اُسی وضع پر اُس نے ایک آواز کی اور پھر تمام قوم بنی اسرائیل نے اُسے سجدہ کیا۔ حق تعالیٰ نے اِسی بات کی خبر حضرت موسیٰ کو دی، کہ تمہاری قوم نے تمہارے چلے آنے کے بعد بچھڑے کی پرستش اختیار کر لی ہے۔۔۔

فَرَجَعَ مُوۡسٰۤى اِلٰى قَوۡمِهٖ غَضۡبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوۡمِ اَلَمۡ يَعِدۡكُمۡ

تو لوٹے موسیٰ اپنی قوم کی طرف، غصے میں بھرے، افسوس کرتے۔۔ بولے اے قوم! کیا نہیں وعدہ فرمایا تم سے

رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۬ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

تمہارے پروردگار نے اچھا وعدہ؟۔تو کیا تم پر وقت مقرر سے زمانہ زیادہ لمبا ہو گیا؟ یا تمہارا جی چاہا، کہ اتر پڑے

يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿۸۶﴾

تم پر تمہارے رب کا غضب؟ لہٰذا تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا" ●

(تو لوٹے موسیٰ) مقام مناجات سے چالیس دن کے بعد تختیاں لے کر (اپنی قوم کی طرف غصے میں بھرے افسوس کرتے)، یعنی غمگین اُن کے اِس کام کے سبب سے۔اور جب قوم میں پہنچے تو ان کا شور وغل سنا، کہ بچھڑے کے گرد دف بجاتے ہیں اور ناچتے گاتے ہیں، تو خفا ہونا شروع کیا اور ملامت کی راہ سے (بولے، اَے قوم! کیا نہیں وعدہ فرمایا تم سے تمہارے پروردگار نے اچھا وعدہ) کہ تم کو توریت دے گا اور میں تمہاری قوم کے شریف لوگوں کو لے کر توریت کی طلب اور تلاش میں گیا تھا، (تو کیا تم پر وقتِ مقرر سے زمانہ زیادہ لمبا ہو گیا)؟

میں نے جو چالیس دن کا وعدہ کیا تھا اُسی وعدے کے مطابق ہی تو میں واپس آیا۔تو کیا تم میرے آنے تک میرا انتظار نہیں کر سکتے تھے۔(یا تمہارا جی چاہا کہ اُتر پڑے تم پر تمہارے رب کا غضب۔ لہٰذا تم نے میرے وعدے کے خلاف کیا) یعنی آخر تم لوگوں نے میرے عہد۔۔یا۔۔ایمان پر ثابت قدم رہنے اور میرے حکم پر قائم رہنے کا جو وعدہ کیا تھا، اس کے خلاف کیوں کیا؟ اور وہ بھی ایسا کام جس سے تم غضبِ الٰہی کے مستحق ہو گئے، تو کیا تم چاہتے تھے کہ بچھڑا پوجنے کے باعث تم پر غضبِ الٰہی نازل ہو جائے۔اس لیے تم نے وعدہ خلافی کی؟ حضرت موسیٰ کی بات سن کر جواباً۔۔۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ

سب بولے کہ" وعدہ خلافی ہم نے اپنے اختیار سے نہیں کی۔ہاں اٹھوائے گئے ہم سے بوجھ

زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾

اُس قوم کے گہنے کے، تو ہم نے وہ سب ڈال دیے، پھر اس طرح سے ڈالا کچھ سامری نے ●

(سب بولے کہ وعدہ خلافی ہم نے اپنے اختیار سے نہیں کی۔ہاں اٹھوائے گئے ہم سے بوجھ اُس قوم کے گہنے کے) یعنی ہمیں حکم دیا گیا۔۔چنانچہ۔۔ہم نے اٹھا لیا قبطیوں سے عاریتاً لیے ہوئے زیورات کا بوجھ۔پھر جب حضرت ہارون نے حکم دیا (تو ہم نے وہ سب ڈال دیے) گڑھے میں ان

کو جلا ڈالنے کے لیے۔ (پھر اس طرح سے ڈالا کچھ سامری نے) بھی یعنی اس کے پاس جو زیورات تھے اس نے بھی اُسے آگ میں ڈال دیا۔ جب سارے زیورات پگھل گئے، تو سامری نے اپنے بنائے ہوئے سانچے میں اُسے انڈیل دیا۔۔۔

فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ

تو نکالا سب کے لیے ایک بچھڑا، محض بے جان کا دھڑ، گائے کی بولی بولتا، تو وہ کہنے لگے کہ "یہ ہے تمہارے معبود،

وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِیَ ﴿۸۸﴾

اور موسیٰ کا معبود، موسیٰ تو بھول گئے"●

(تو نکالا سب کے لیے ایک بچھڑا، محض بے جان کا دھڑ) یعنی سونے کا پتلا، جو (گائے کی بولی بولتا) یعنی اس کی آواز بچھڑے کی تھی، (تو وہ) یعنی سامری اور اُس کے خیال کے لوگ (کہنے لگے یہ ہے تمہارا معبود اور موسیٰ کا معبود۔ موسیٰ تو بھول گئے) کہ اپنے اس خدا کو ڈھونڈنے کے لیے طور پر گئے۔

یہ بچھڑا پوجنے والوں کا کلام ہے۔ اگر اس کلام میں فَنَسِیَ کو حق تعالیٰ کا کلام قرار دیا جائے، تو اِس کا معنی یہ ہوگا کہ سامری نے چھوڑ دیا اور اِس سے غافل ہوگیا جو اُس پر لازم تھا یعنی ایمان پر ثابت قدم رہنا۔

اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا ۬ وَّ لَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾

تو کیا اُن کو نہیں سوجھتا کہ نہ وہ کسی بات کا جواب دے۔۔۔ اور نہ اختیار رکھے ان کے نقصان کا، نہ نفع کا●

(تو کیا ان کو نہیں سوجھتا) یعنی کیا بچھڑا پوجنے والے نہیں دیکھتے اور نہیں جانتے (کہ نہ وہ کسی بات کا جواب دے) سکے (اور نہ اختیار رکھے اُن کے نقصان کا نہ نفع کا)۔۔ الختصر۔۔ جو چیز اپنے پکارنے والے کو جواب نہ دے سکے، اور انہیں نفع وضرر پہنچانے پر قادر نہ ہو، اُس چیز کو پوجنا کہاں کی دانشمندی ہے؟ اور کیسی حق پسندی ہے؟ ایسی بات نہیں کہ گوسالہ پرستوں کی کوئی ہدایت نہیں کی گئی اور انہیں اُن کے اِس عمل سے روکا نہیں گیا۔۔ بلکہ۔۔ حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی میں حضرت ہارون نے اپنا فریضہ ہدایت بحسن وخوبی ادا فرما دیا تھا۔۔۔

وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ

اور بلاشبہ کہا تھا انہیں ہارون نے پہلے سے کہ "اے قوم بس یہ تمہاری آزمائش کی گئی ہے۔

وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾

اور بے شک تمہارا پروردگار خدائے مہربان ہے، تو میرے پیرو رہو اور میرا حکم مانتے رہو" ●

(اور) انہیں اِس کام سے روکا تھا۔ چنانچہ۔۔ (بلاشبہ کہا تھا انہیں ہارون نے) حضرت موسیٰ کے آنے سے (پہلے) ہی (سے، کہ اَے قوم! بس یہ تمہاری آزمائش کی گئی ہے) یعنی یہ بچھڑا تمہاری آزمائش کا سبب بن گیا ہے۔۔ الغرض۔۔ یہ بچھڑا تمہارا معبود (اور) تمہارا خدا نہیں، بلکہ (بے شک تمہارا پروردگار خدائے مہربان ہے، تو میرے پیرو رہو اور میرا حکم مانتے رہو) اور میرے دین پر ثابت قدم رہو۔ مگر انہوں نے حضرت ہارون کی ہدایت پر دھیان نہیں دیا۔ اور سوچا کہ اب جب حضرت موسیٰ آجائیں گے تو فیصلہ ہو جائے گا۔ ہم خود دیکھ لیں گے کہ حضرت موسیٰ بچھڑے کو اپنا خدا سمجھتے ہیں یا نہیں؟ اور پھر اس کو پوجتے ہیں کہ نہیں۔ اُس وقت سامری کی بات کا سچ اور جھوٹ ظاہر ہو جائے گا۔ یہی سب سوچ کر۔۔۔

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾

انہوں نے جواب دیا کہ "ہم اِس پر آسن لگائے رہیں گے، یہاں تک کہ موسیٰ واپس ہوں ہماری طرف" ●

(انہوں نے جواب دیا کہ ہم اِس پر آسن لگائے رہیں گے، یہاں تک کہ موسیٰ واپس ہوں ہماری طرف) اور ہم اپنی آنکھوں سے اُس کے تعلق سے اُن کا طرزِ عمل دیکھ لیں۔

پھر جب حضرت موسیٰ طور پر سے واپس آئے، تو پہلے اپنی قوم پر غصہ کیا، جیسا بیان ہو چکا اور پھر اپنے بھائی کی طرف متوجہ ہوئے اور بڑے غصے میں ایک ہاتھ سے اُن کی پیشانی کے بال اور ایک ہاتھ سے داڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔۔ الغرض۔۔ غصے کی راہ سے۔۔۔

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ

موسیٰ نے کہا کہ "اَے ہارون تم کو کس چیز نے روکا؟ جب کہ تم نے اُن کو دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں ● کہ میرے پیچھے نہ آگئے،

اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴿٩٣﴾

تو کیا تم نے میرے حکم کو نہیں مانا؟" ●

(موسیٰ نے کہا کہ اَے ہارون تم کو کس چیز نے روکا جب کہ تم نے اُن کو دیکھا کہ گمراہ ہو گئے

ہیں ● کہ میرے پیچھے نہ آ گئے) یعنی اُس وقت خدا کے واسطے اور دین کی حمایت کرنے کے لیے غضبناک ہونے میں میری اتباع کرنے سے تمہارے لیے کون سا امر مانع ہوا؟ ایسے وقت میں حمایتِ دین کے لیے میرے غضب و جلال سے تمہیں کام لینا چاہیے، تو آخر تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟۔۔یا یہ کہ۔۔جب انہوں نے یہ حرکت کی تھی، تو انہیں چھوڑ کر تمہیں میرے پاس چلا آنا چاہیے تھا، اور اپنے کو میرے پاس پہنچا دینا چاہیے تھا۔ تم نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ (تو کیا تم نے میرے حکم کو نہیں مانا؟) اور بنی اسرائیل کو اُن کی مرضی پر چھوڑ دیا اور اُنہیں دین پر قائم رکھنے کی کوئی جدوجہد نہیں کی، اور میں نے ان کی دینی نگرانی ونگہبانی کی جو ذمہ داری تمہیں سپرد کی تھی اس کو پورا نہیں کر سکے۔ اِس گفتگو کو سن کر۔۔۔

قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۚ إِنِّي خَشِيتُ

وہ بولے کہ "میرے ماں جائے نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ سر کے بال، میں تو ڈرا کہ آپ کہیں گے،

أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَاءِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝٩٤

کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی، اور میرے فیصلے کا انتظار نہیں کیا" ●

(وہ) یعنی حضرت ہارون حضرت موسیٰ کو اپنے اوپر مہربان کرنے کے لیے پیار و محبت کے لہجے میں اُن سے (بولے، کہ میرے ماں جائے)۔۔۔

اگر چہ حضرت ہارون اور موسیٰ علیہما السلام سگے بھائی تھے۔ ایک ہی ماں باپ سے، مگر حضرت ہارون نے ماں کا ذکر اس واسطے کیا کہ حضرت موسیٰ کا دل نرم ہو جائے اور پھر یہ بات کہی، کہ۔۔۔

(نہ میری داڑھی پکڑو اور نہ سر کے بال) بلکہ میرا عذر غور سے سنیں۔ مذکورہ بالا دونوں امور میں سے کسی ایک امر کو انجام دینے میں، (میں تو ڈرا) اور مجھے اس بات کا اندیشہ ہوا (کہ) اگر میں نے اُن سے قتال کیا۔۔یا۔۔انہیں چھوڑ کر آپ کے پاس چلا آیا، تو (آپ کہیں گے کہ تم نے بنی اسرائیل میں پھوٹ ڈال دی اور میرے فیصلے کا انتظار نہیں کیا)۔۔یا یہ کہ۔۔میں نے جو بات کہی تھی تم نے اس کا دھیان نہیں رکھا۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر جانے کے وقت ہارون علیہ السلام سے کہا تھا کہ "میری خلافت کے فرائض انجام دینا میری قوم میں اور اصلاح رکھنا"۔ اصلاح جماعت کی نگہبانی اور اُس کے ساتھ مدارات کرنے کا نام ہے۔ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کا یہ عذر مان لیا اور پھر سامری کی طرف متوجہ ہو کر۔۔۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

کہ ہم اُس کو پھونک دیں گے، پھراُس کی خاک بکھیر کر بہادیں گے دریامیں"●

(بولے، کہ) مجھے تیرے قتل کی ممانعت ہوئی، تو ہم میں سے (تُو دُور ہو) جا، کیوں (کہ) اب (تیرا کام اِس زندگی میں یہ ہے، کہ کہتا پھرے کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا)۔۔الغرض۔۔ ہر کوئی تجھ سے نفرت کرے گا اور تجھ سے دُور بھاگے گا۔

۔۔چنانچہ۔۔ایسا ہی ہوا، کہ جب کوئی اُس کے قریب آتا، تو اُس قریب آنے والے کو شدید بخار آجاتا۔تو لوگ اُس سے متنفر ہوگئے۔نہ اس کے قریب ہوتے اور نہ ہی اُسے اپنے قریب آنے دیتے۔وہ اکیلا وحشیوں کی طرح جنگلوں میں پھرتا اور جسے دُور سے دیکھتا تاکید کرتا کہ میرے پاس نہ آنا۔بعض تفسیروں میں ہے کہ سامری کی اولاد بھی جب تک رہی اس میں بھی بعض کا یہی حال رہا۔غرض کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو نکل جانے اور **لَا مِسَاسَ** کہنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ یہ عذاب دُنیا کا ہے۔

(اور) علاوہ ازیں (بلاشبہ تیرے لیے ایک وعدے کا دن ہے) جو (کہ ٹالا نہ جائے گا)۔یعنی آخرت میں تیرے لیے جس عذاب کا وعدہ ہے، وہ کسی بھی وجہ سے ٹالا نہ جائے گا۔۔بلکہ۔۔عذاب کا وعدہ یقیناً وفا کیا جائے گا۔(اور دیکھ اپنے بت کو جس پر خوب آسن لگائے تھا) اور اس کی پرستش کرتا رہا، کیوں (کہ) یقیناً (ہم اُس کو پھونک دیں گے) یعنی اگر گوشت و پوست والا ہے، تو اُسے جلادیں گے ۔۔اور۔۔اگر سونے کا بے حیات ہے، تو اُس کا بُرادہ کردیں گے (پھراُس کی خاک) یا بُرادہ (بکھیر کے بہادیں گے دریامیں) تاکہ لوگ جان لیں کہ جس چیز کو جلاسکیں اور اُس کا بُرادہ بناسکیں اُس پر خدائی کی صفت کا اطلاق کرنا، عین جہالت اور محض گمراہی ہے۔سچی بات تو یہی ہے، کہ۔۔۔

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

بس تمہارا معبود صرف اللہ ہے، کہ نہیں کوئی پوجنے کے قابل اُس کے سوا، گھیر لیا ہر چیز کو علم میں●

(بس تمہارا معبود صرف اللہ) تعالیٰ (ہے، کہ نہیں کوئی پوجنے کے قابل اُس کے سوا) جس نے احاطہ کرلیا اور (گھیر لیا ہر چیز کو) اپنے (علم میں)۔یعنی خدائے برحق وہ ہے، جس کا علم سب چیزوں کو گھیرے ہو، تو بچھڑے کا قالب خدا نہیں ہے، اگرچہ زندہ بھی ہو۔پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرمانے سے لوگوں نے اس بچھڑے کو جلادیا اور اس کی خاک دریا میں ڈال دی۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سامری کے ساتھ تفصیل سے قصہ بیان فرمایا، پھر اس کے بعد دوسری امتوں کی خبریں اور ان کے احوال بیان فرمائے۔ سوارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۚۖ ﴿۹۹﴾

اسی طرح ہم ظاہر کرتے ہیں تم پر واقعات جوگزر چکے۔ اور بے شک دیا ہم نے تمہیں اپنی طرف سے بڑا ذکر●

(اِسی طرح ہم ظاہر کرتے ہیں تم پر واقعات جوگزر چکے) تا کہ آپ کا علم اور آپ کی شان زیادہ ہو اور آپ کے معجزات کی کثرت ہو، کیونکہ ہر آیت کئی وجوہ سے معجزہ ہوتی ہے اور آپ کی امت کے لیے عبرت پکڑنے اور نصیحت حاصل کرنے کے زیادہ مواقع ہوں۔ (اور بے شک، دیا ہم نے تمہیں اپنی طرف سے بڑا ذکر) یعنی یاد کرنا کہ جو شرف کا باعث ہو، یعنی نبوت ۔۔یا۔ کتاب جس میں قصے اور خبریں ہیں۔ یہ ذکر ایسا ہے۔۔۔

مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾

کہ جس نے بے رخی کی اس سے، تو وہ اٹھائے گا قیامت کے دن بوجھ●

(کہ جس نے بے رخی کی اِس سے) یعنی نبوت ۔۔یا۔ قرآن سے (تو وہ) منہ پھیرنے والا (اُٹھائے گا قیامت کے دن بوجھ) اپنے کفر کا۔ حال یہ ہے کہ وہ۔۔۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۗ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ﴿۱۰۱﴾

ہمیشہ رہنے والا اُس میں۔ اور کتنا برا ہے اُن کا قیامت کے دن بوجھ●

(ہمیشہ رہنے والا) ہوگا (اس) بوجھ یعنی کفر و تکذیب کی سزا (میں)۔ (اور) غور کرو کہ (کتنا بُرا ہے اُن کا قیامت کے دن بوجھ)، یعنی ان کے کفر و تکذیب کا بوجھ قیامت کے دن ان کے لیے کس قدر گرانبار ہوگا، اِس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ قیامت کا دن تو قیامت کا دن ہوگا۔۔۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۚۖ﴿۱۰۲﴾

جس دن کہ پھونکا جائے گا صور میں، اور اٹھائیں گے ہم مجرموں کو اُس دن نیلی آنکھیں●

(جس دن کہ پھونکا جائے گا صور میں) یعنی جس دن حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے،
(اور اٹھائیں گے ہم مجرموں) یعنی مشرکوں (کو اُس دن نیلی آنکھیں) رکھنے والا کر کے۔آنکھوں کا نیل
اور چہرے کی سیاہی دوزخیوں کی علامت ہوگی۔

بعضوں نے یہ معنی کہے ہیں، کہ۔۔۔

حشر کریں گے ہم انہیں پیاسے۔یا۔اندھے،اس واسطے کہ اکثر اندھے کہ آنکھ نیلی ہوتی ہے،
اور پیاس کی شدت سے نیلے پن کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور جب غصہ کریں گے ہم ان پر، تو۔۔۔

يَتَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا عَشْرًا ﴿١٠٣﴾

پھسپھساتے باہم کہ "تم لوگ نہیں بسے، مگر دس دن"●

(پھسپھساتے) یعنی چھپا کر اور آہستہ سے کہتے ہوں گے (باہم، کہ تم لوگ نہیں بسے) اپنی
قبروں میں (مگر دس دن)۔یا۔دُنیا میں اتنی مدت سے زیادہ نہیں رہے۔یعنی مدتِ آخرت کی درازی
کے سبب سے دُنیا کی مدت کو کم سمجھیں گے۔حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

ع۵
۱۴ **نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ﴿١٠٤﴾**

ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے، جب کہ کہے گا اُن کا سب سے بڑا لال بجھکڑ کہ "نہیں رکے مگر ایک دن"●

(ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے، جب کہ کہے گا اُن کا سب سے بڑا لال بجھکڑ، کہ نہیں
رُکے مگر ایک دن) یعنی قبر۔یا۔دُنیا میں تمہارا ٹھہرنا ایک ہی دن رات تھا، اس سے زیادہ نہیں۔
کہتے ہیں کہ قیامت کے ہول کے مارے دُنیا اور قبر میں رہنے کا زمانہ بھول جائیں گے
۔یا۔اُس کی درازی کی بہ نسبت دُنیا کی عمر کو کوتاہ جانیں گے، خصوصاً وہ عمر جو جہالت اور گمراہی
میں گزری ہوگی۔حشر کا برپا ہونا اور قیامت کا آنا مشرکین کے فہم وادراک اِن باتوں کو سمجھنے
سے قاصر تھے۔۔چنانچہ۔۔وہ وقتاً فوقتاً اُس کے تعلق سے مختلف انداز سے سوال کیا کرتے تھے
۔۔چنانچہ۔۔قریش کے مشرکوں نے۔یا۔بنی ثقیف میں سے کسی ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ
سے پوچھا، کہ پہاڑ باوصف اِس کے کہ بڑے اور سخت ہیں قیامت کے دن اُن کا کیا حال
ہوگا؟ تو آیت کریمہ نازل ہوئی۔

وَيَسۡـَٔلُونَكَ عَنِ الۡجِبَالِ فَقُلۡ يَنۡسِفُهَا رَبِّىۡ نَسۡفًا ﴿۱۰۵﴾ فَيَذَرُهَا قَاعًا

اور دریافت کرتے ہیں تم سے پہاڑوں کو، تو جواب دو کہ "اُڑا دے گا اُن کو میرا پروردگار، ریزہ ریزہ● پھر چھوڑ دے گا زمین کو

صَفۡصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لَّا تَرٰى فِيۡهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا ﴿۱۰۷﴾ يَوۡمَئِذٍ يَّتَّبِعُوۡنَ الدَّاعِىَ

پٹ پر چورس● نہ دیکھو گے اُس میں کوئی گھاٹی، نہ ٹیلا" اُس دن پیچھے پیچھے چلیں گے پکارنے والے

لَا عِوَجَ لَهٗ‌ۚ وَخَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ لِلرَّحۡمٰنِ فَلَا تَسۡمَعُ اِلَّا هَمۡسًا ﴿۱۰۸﴾

کے، بغیر کسی انحراف کے۔ اور پست ہو گئیں آوازیں خدائے مہربان کے لیے، تو نہ سنو گے، مگر سائیں سائیں●

(اور) ارشاد فرمایا گیا، کہ اَے محبوب! یہ مشرکین (دریافت کرتے ہیں تم سے پہاڑوں کو) یعنی اُن کے مآل کا حال معلوم کرنا چاہتے ہیں، (تو) اُن کو (جواب) دے (دو کہ اُڑا دے گا اُن کو میرا پروردگار، ریزہ ریزہ)۔ یعنی پہلے اُن کو جڑ سے اکھاڑے گا، پھر ریت کی صورت ریزہ ریزہ کر دے گا، پھر ہوا چلائے گا تا کہ اُسے اُڑا دے۔

یہ بھی ایک قول ہے کہ پہاڑوں کو اُن کی جگہوں سے اکھاڑ کر دریا میں ڈال دے گا۔۔۔

(پھر چھوڑ دے گا) ان کی قرار کی جگہ یعنی (زمین کو پٹ پر چورس) یعنی زمین کو ایک ہموار میدان کر کے چھوڑ دے گا۔ (نہ دیکھو گے اس میں کوئی گھاٹی نہ ٹیلا) یعنی جس میں نہ تو نیچا دیکھو گے نہ اونچا۔ (اُس دن پیچھے پیچھے چلیں گے پکارنے والے کے، بغیر کسی انحراف کے)، یعنی پیروی کریں گے سب پکارنے والے کی آواز کی یعنی حضرت اسرافیل کی، کہ وہ حشر کے مقام پر انہیں بلائیں گے اور کوئی پکارا ہوا اس بات کی قدرت نہ رکھے گا کہ پیروی کرنے سے انحراف کرے۔۔ الغرض۔۔ سب پیروی کریں گے۔

۔۔ہاں۔۔ یہ ضرور ہے کہ مومن پیروی کرنے میں جلدی کریں گے، ان کے برخلاف کفار سستی اور دیری کا مظاہرہ کریں گے، لیکن انہیں پیروی کرنی ہی پڑے گی۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آگ آ کر مشرکوں کو میدانِ حشر تک ہنکا لے جائے گی۔

(اور) اِس حال میں (پست ہو گئیں آوازیں خدائے مہربان کے لیے) یعنی خدا کی عظمت و ہیبت کے مارے سب کی آوازیں پست ہو جائیں گی۔۔ یا۔۔ فرمانِ الٰہی سننے کے لیے سب خاموش اور ہمہ گوش ہو جائیں گے، (تو نہ سنو گے مگر سائیں سائیں) یعنی حشر کے واسطے ان کے پاؤں کی چاپ، اور وہ دن اتنا سخت ہوگا، کہ۔۔۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾

اُس دن نہ کام آئے گی شفاعت، مگر وہ جس کواجازت بخش دی خدائے مہربان نے، اور وہ جس کی بات پسند فرمائی اُس نے

(اُس دن نہ کام آئے گی) کسی کے لیے کسی کی **(شفاعت، مگر وہ جس کو اجازت بخش دی خدائے مہربان نے)** یعنی خدا کی طرف سے شفاعت کرنے کے لیے جو ماذون ہوگا، وہی شفاعت کرسکے گا۔ **(اور)** اُسی کی شفاعت کرسکے گا جس کی سفارش کرنے کا اُسے اِذن ملا ہوگا۔۔الغرض۔۔ **(وہ جس کی بات پسند فرمائی اُس نے)**۔یعنی سفارش اُسی کی کی جائے گی جس کے واسطے اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے والے کی بات کو پسند فرمائے۔

۔۔الحاصل۔۔شفاعت صرف اذنِ الٰہی پانے والا ہی کرسکے گا اور وہ بھی صرف اُسی کی شفاعت کرے گا جس کی شفاعت کرنے کی اُسے منجانب اللہ اجازت مل گئی ہوگی۔اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نہ تو کسی ایسے کو اذنِ شفاعت دے سکتا ہے جو اِس کام کے لائق ہی نہ ہو، اور نہ ہی کسی کو کسی ایسے کی سفارش کرنے کی اجازت دے سکتا ہے، جو محلِ شفاعت ہی نہ ہو۔ اس علیم وخبیر اور حکیم وقدیر کی شان یہ ہے، کہ۔۔۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾

وہ جانے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور وہ لوگ نہیں گھیر سکتے اُس کو علم میں●

(وہ جانے جو کچھ اُن) آدمیوں **(کے سامنے ہے)** یعنی ان کی آخرت کے امور **(اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے)** یعنی ان کے دُنیاوی امور۔ **(اور وہ لوگ)** یعنی سارے اہلِ عالَم **(نہیں گھیر سکتے اُس)** علیم وخبیر کی ذات **(کو علم میں)** یعنی خدا کی ذات کی حقیقت معلوم نہیں کی جاسکتی۔

اس لیے کہ علم کی حقیقت معلوم کو احاطہ کرلینا ہے، اور معلوم کا کھل جانا ہے اپنے غیر سے برسبیل تمیز، تو جس کی ذات اِس بات کو مقتضی ہو کہ اُسے کوئی نہ احاطہ کرے، تو اس کو علم احاطہ کرلے یہ محال ہے۔اس لیے کہ ذاتیات کا زوال اور حقائق کا انقلاب عقلاً ممتنع ہے۔اب اگر کسی کا علم اُس کی ذات کا احاطہ نہیں کرپاتا، تو یہ نسبت علمیہ کے قصور اور نقصان کے سبب سے نہیں، بلکہ اُس ذاتِ متعالی کے کمال اور بے نہایتی کے سبب سے ہے۔حشر کے دن اہلِ محشر دیکھ لیں گے کہ سرنگوں ہوگئے۔۔۔

وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

اور جھک پڑے سارے چہرے اُس حی قیوم کے لیے۔اور بے شک نا کام رہا جس نے اندھیر اٹھایا●

(اور جھک پڑے سارے چہرے اُس حی قیوم کے لیے) یعنی خدا کے واسطے جو زندہ اور قائم رہنے والا ہے، جیسے قیدی اسیر ہوں حاکموں کے ہاتھ میں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہاں مشرک اور مجرم لوگ مراد ہیں، یعنی یہی ذلیل ہوں گے۔۔۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (بے شک نا کام رہا) اور یقیناً بے نصیب رہا اور نا امیدی کھینچی (جس نے اندھیر اٹھایا) اور شرک کا بوجھ لے کر میدانِ حشر میں آیا۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾

اور جو کرے لیاقت مندیاں اور وہ ماننے والا بھی ہے، تو اُس کو کوئی خوف نہیں ہوگا کسی اندھیر کا، اور نہ نقصان کا●

(اور) اُس کے بر خلاف (جو کرے لیاقت مندیاں) یعنی اچھے کام، (اور وہ ماننے والا بھی ہے) یعنی ایمان والا بھی ہے۔اس لیے کہ طاعات کی صحت اور خیرات کی قبولیت میں ایمان شرط ہے، (تو) یقیناً جو مومن نیک کام کرے قیامت کے دن (اُس کو کوئی خوف نہیں ہوگا کسی اندھیر کا)، یعنی کسی طرح کی زیادتی و بیداد کا (اور نہ) ہی کسی طرح کے (نقصان کا)، یعنی حق تعالیٰ نہ مسلمان کی نیکیوں میں سے کچھ کم کرے گا، اور نہ برائیوں میں کچھ زیادہ کرے گا۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ

اور اِسی طرح اتارا ہم نے اس کو قرآن عربی زبان میں، اور طرح طرح سے بیان فرمایا اس میں عذاب کو،

يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

کہ وہ خوف کھائیں، یا پیدا کر دے اُن میں کچھ سوچ●

(اور اِسی طرح) یعنی جس طرح نازل کیں ہم نے یہ آیتیں جن میں وعید ہے، اِسی طرح (اُتارا ہم نے اِس کو قرآن عربی زبان میں، اور طرح طرح سے بیان فرمایا اس میں عذاب کو) تا (کہ وہ خوف کھائیں)۔یعنی یہ مشرکین پرہیز کریں اور ڈریں اس بات سے کہ مبادا ایسا ہی عذاب اُن پر نہ نازل ہو، (یا پیدا کر دے اُن میں کچھ سوچ)، یعنی جب وہ آیتیں سنیں تو کچھ نصیحت حاصل کریں۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ کسی کی اطاعت اور عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، اور کسی کی معصیت اور حکم عدولی سے اُس کو کوئی ضرر نہیں ہوتا۔۔۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ

تو سب سے بالا ہے اللہ، سچا بادشاہ۔ اور جلدی مت کیا کرو قرآن میں، اس سے پہلے

اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ ۡ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾

کہ پوری کردی جائے تمہاری طرف اس کی وحی۔ اور دُعا کرو کہ "پروردگارا زیادہ دے مجھے علم"●

(تو) اچھی طرح ذہن نشین رہے، کہ (سب سے بالا ہے اللہ) تعالیٰ، جو (سچا بادشاہ) ہے، کیونکہ اُس کی بادشاہی ذاتی ہے کسی سے مُستفاد نہیں۔ اس کی بادشاہی کو زوال ہے اور نہ اُس میں تغیر ہے، اور نہ اس کے علاوہ کوئی اور اُس کی بادشاہی کے لائق ہے۔ وہ بلند و برتر ہے۔ وہم اور عقل اس کی بلندی کا تصور نہیں کر سکتے۔ وہ اپنی ذات کے نفع کے حصول اور اپنی ذات سے ضرر دور کرنے سے منزہ ہے۔ اُس نے قرآنِ مجید کو اس لیے نازل کیا، کہ لوگ وہ کام نہ کریں جو نامناسب ہوں، اور وہ کام کریں جو کرنے چاہئیں۔ کیونکہ جو اطاعت کرتا ہے، وہ اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ حق تعالیٰ کی توفیق سے بندہ اطاعت کرتا ہے اور اپنے نفس کی شامت اور شیطان کے بہکانے سے انسان گناہ کرتا ہے۔

سابقہ آیت میں قرآنِ کریم کے نازل فرمانے کا ذکر ہے، اب اُسی کے تعلق سے نبی کریم ﷺ کو ہدایت دی جارہی ہے۔۔۔

(اور) فرمایا جارہا ہے، کہ اَے محبوب! (جلدی مت کیا کرو قرآن میں اِس سے پہلے کہ پوری کردی جائے تمہاری طرف اِس کی وحی) یعنی قرآن پڑھنے میں عجلت سے نہ کام لیں، اور پوری وحی کو نازل ہوجانے دیں۔ یا۔ تاوقتیکہ بیان واضح نازل نہ ہولے، مجمل قرآن خلق کو نہ پہنچاؤ۔ یا۔ قرآن کے موافق تب حکم کیا کرو جب وہ نازل ہوچکے۔

۔۔چنانچہ۔۔ حضرت امام حسن بصری سے مروی ہے، کہ ایک مرد نے ایک عورت کو طمانچہ مارا، وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر قصاص کی طالب ہوئی، حضرت نے چاہا کہ قصاص لینے کا حکم فرمائیں، تو یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت نے وہ حکم جاری کرنے میں توقف فرمایا، یہاں تک آیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ نازل

ہوئی۔ تو اب اِس آیت کا معنیٰ وہی ہوا جو مذکورہ بالا آخری توجیہ سے ظاہر ہے۔

تو اَے محبوب! مکمل آیت نازل ہوجانے کے بعد ہی حکم ظاہر فرماؤ (اور دُعا کرو کہ پروردگارا! زیادہ دے مجھے علم) احکامِ شرع کا۔یا۔قرآن اوراس کے معانی کا۔یا۔میرا حفظ زیادہ کر، تاکہ میں بھول نہ جاؤں وہ، جو تو میری طرف وحی کرتا ہے۔یا۔دے مجھے ایک علم کے بعد دوسرا علم۔۔۔

بعض عارفین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب کہ علم کی زیادتی طلب کی، تو حق تعالیٰ نے حضرت خضر کے حوالہ فرمایا اور ہمارے رسولِ مقبول ﷺ کو بے طلب علم زیادہ ہونے کی دُعا تعلیم فرمائی اور اپنے سوا کسی پر حوالہ نہ فرمایا، تاکہ معلوم ہوجائے کہ جس نے ۔۔ اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَادِیْبِیْ ۔۔"سکھایا مجھ کو میرے رب نے پس بہتر ہوا میرا ادب سیکھنا" کے مکتب ادب میں قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا "کہہ اَے میرے رب زیادہ کر میرا علم" کا سبق پڑھا ہو، وہ البتہ۔۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۔۔"اور سکھائی تجھ کو ہم نے وہ چیز جس کا تجھ کو علم نہ تھا" کے مدرسے میں ۔۔فَعَلِمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔۔"پس سیکھ لیا میں نے علم اولین وآخرین کا"۔ مستفیدوں کے گوش ہوش میں پہنچا سکتا ہے۔۔۔

زیرِ تفسیر سورۂ مبارکہ کی آیت ٩٩ میں ارشاد ہے، کہ:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ

"اسی طرح ہم آپ کے اوپر گزرے ہوئے واقعات کے قصے بیان کر رہے ہیں"

۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو پورا کرنے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا۔اس سورت میں چھٹی بار حضرت آدم کا قصہ بیان فرمایا ہے۔پہلی بار سورۂ بقرہ میں۔دوسری بار سورۂ اعراف میں۔تیسری بار سورۂ الحجر میں۔چوتھی بار سورۂ بنی اسرائیل میں اور پانچویں بار سورۂ الکہف میں آپ کا قصہ بیان کیا جاچکا ہے۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ ع ١٥

اور بے شک تاکید کی تھی ہم نے آدم کو اس سے پہلے، تو وہ بھول گئے اور "نہیں پایا ہم نے اُن کا قصد"●

(اور) اب اِس سورہ میں ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ (بے شک تاکید کی تھی ہم نے) بذریعہ وحی (آدم کو اِس) درخت سے کھالینے۔۔یا۔۔اُس زمانے (سے پہلے) اور حکم کر دیا تھا ہم نے کہ جو درخت ہم نے منع کر دیا ہے، اُس کے گرد نہ جانا اور اُسے نہ کھانا، (تو وہ بھول گئے) اُس حکم کو، یعنی وہ

حکمِ الٰہی عین وقت پر اُن کے ذہن میں مستحضر نہ رہا، جو اُن جیسوں کے ذہن میں مستحضر رہنا چاہیے تھا، کیونکہ۔۔۔جن کا رتبہ ہے سوا اُن کو سوا مشکل ہے۔۔ اِسی لیے اُن پر عتاب فرمایا گیا۔ اگرچہ حقیقت (اور) صورتِ واقعہ یہی تھی، کہ (نہیں پایا ہم نے اُن کا قصد) یعنی قصداً اُن سے وہ صورت نہیں واقع ہوئی، بلکہ خطاءً ایسا ہوگیا جس میں گناہ و نافرمانی کا کوئی قصد وارادہ نہیں تھا۔

اُس کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ جو ہم نے ممانعت کردی تھی اُس پر آدم کو صبر نہ تھا۔ مذکورہ بالا واقعے کے آغاز کے تعلق سے اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱٦﴾

اور جب کہ حکم دیا تھا ہم نے فرشتوں کو کہ "سجدہ کرو آدم کا" تو سب نے سجدہ کیا، سوا ابلیس کے۔ اُس نے انکار کردیا●

(اور) اپنے علم وادراک میں حاضر کرلو اُس وقت کو، (جب کہ حکم دیا تھا ہم نے فرشتوں کو)۔ اور گروہِ ملائکہ کے ساتھ رہنے کے سبب یہ حکم ابلیس کے لیے بھی تھا، جس کو وہ خود بھی بخوبی سمجھ رہا تھا۔ اسی لیے انکارِ سجدہ کی جب اُس سے وجہ دریافت کی گئی، تو اُس نے یہ نہیں کہا کہ مجھے حکم ہی کب دیا گیا تھا کہ میں سجدہ کرتا، یہ حکم تو فرشتوں کے لیے تھا؟۔۔ الختصر۔۔ امرِ سجدہ کا مامور فرشتوں کے ساتھ تغلیباً ابلیس بھی تھا۔

۔۔الحاصل۔۔ جب اُن سبھوں کو حکم دیا (کہ سجدہ کرو آدم کا، تو سب نے سجدہ کیا، سوا ابلیس کے۔ اُس نے انکار کردیا)۔

یہ سجدہ تعظیمی تھا، جس سے حضرت آدم کی کرامت وتحیت مقصود تھی۔ انکارِ سجدہ کی وجہ سے اُسے رحمتِ الٰہی سے دُور کردیا گیا۔ شیطان کو ابلیس اِسی لیے کہتے ہیں کہ وہ رحمتِ خداوندی سے دُور کیا جاچکا ہے۔ جب ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا۔۔۔

فَقُلۡنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوۡجِكَ فَلَا يُخۡرِجَنَّكُمَا

تو فرمایا ہم نے کہ "اَے آدم! یہ دشمن ہے تمہارا اور تمہاری بی بی کا، تو یہ نکالنے نہ پائے تم دونوں کو جنت سے،

مِنَ الۡجَنَّةِ فَتَشۡقٰى ﴿۱۱۷﴾

کہ مشقت اٹھانی پڑے●

(تو فرمایا ہم نے کہ اَے آدم) اچھی طرح سے دیکھ لو اور سمجھ لو، کہ (یہ) ابلیس (دشمن ہے تمہارا

اور) صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ (تمہاری بی بی کا) جو تمہارے ہی جسم کے ایک حصہ سے پیدا فرمائی گئی ہیں۔۔الغرض۔۔اُس کی دشمنی ہراُس ذات سے ہوگی جس کی نسبت تمہاری ذات کی طرف ہوگی، تو اُس کی دشمنی کا دائرہ تمہاری قیامت تک آنے والی آل واولاد کو بھی محیط ہوگا، (تو) ہمہ وقت خیال رہے، کہ (یہ نکالنے نہ پائے تم دونوں کو جنت سے کہ مشقت اُٹھانی پڑے)۔ظاہر ہے کہ جب جنت سے تُو باہر جائے گا، تو محنت اور مشقت سے اسبابِ معاش مہیا کرنے ہوں گے۔۔الحاصل۔۔یہ تمہارے جنت سے نکلنے کا سبب نہ بنے۔وہ جنت جس میں راحت ہی راحت ہے، جس میں۔۔۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾

بلاشبہ تمہارے مطلب کی بات یہ ہے، کہ نہ بھوک لگے گی اس میں اور نہ برہنگی ●

(بلاشبہ تمہارے مطلب کی بات یہ ہے) کہ وہ تیرے واسطے یقینی طور پر ایسی ہوگی (کہ نہ بھوک لگے گی اُس میں) تمہیں، اس واسطے کہ اس میں سب نعمتیں مہیا ہیں (اور نہ) ہی (برہنگی) سے سابقہ پڑے گا۔اس لیے کہ جو لباس چاہیے وہ اُس میں موجود ہوگا۔۔۔

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾

اور نہ اس میں تمہیں پیاس لگے گی، اور نہ دھوپ" ●

(اور نہ اس میں تمہیں پیاس لگے گی) اس واسطے کہ اس میں چشمے اور نہریں برابر جاری ہیں، (اور نہ) ہی اس میں تمہیں (دھوپ) ملے گی۔اس واسطے کہ بہشت کا سایہ ہمیشہ پھیلا ہوا ہے، کیونکہ وہاں سورج نہ ہوگا اور بہشتی لوگ دراز سائے میں ہوں گے۔

انسان کو پیٹ بھر کھانا مل جائے، پھر سیر ہو کر پینے کے لیے پانی مل جائے، تن ڈھانپنے کے لیے کپڑا مل جائے، اور درختوں کا سایہ میسر ہو جائے، تو یہ اس کے لیے بہت اور بڑی نعمتیں ہیں۔حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں یہ نعمتیں بغیر کسی محنت اور مشقت کے حاصل تھیں اور ان نعمتوں کی انسان کو اُس وقت قدر ہوتی ہے، جب یہ نعمتیں اُس کو میسر نہ ہوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں اُن نعمتوں کی اضداد کا ذکر فرمایا، کہ جنت میں آپ بھوکے رہتے ہیں نہ پیاسے، نہ برہنہ ہوتے ہیں اور نہ آپ کو دھوپ کی تپش محسوس ہوتی ہے، اور جب آپ جنت سے چلے جائیں گے، تو آپ کو ان تمام نعمتوں کے حصول کے لیے محنت

اور مشقت کرنی ہوگی، اس لیے آپ شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں، تاکہ آپ کو جنت سے جانا نہ پڑے۔۔۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ

تو وسوسہ ڈالا شیطان نے، بولا "اے آدم! کیا میں بتادوں تمہیں درخت حیات،

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾

اور وہ ملک جو کہنہ نہ ہو؟"●

(تو وسوسہ ڈالا شیطان نے) بعد اِس کے کہ، ایک قول کے مطابق بہشت میں آیا، اور حضرت حواء علیہا السلام کو دیکھا اور موت سے انہیں ڈرایا، اور حضرت حواء نے آدم علیہ السلام سے کہا وہ بھی موت سے ڈرے اور ابلیس جو بوڑھی صورت میں ظاہر ہوا تھا اس سے موت کا علاج پوچھا، تو ابلیس (بولا، اے آدم) **شَجَرَةِ الْخُلْدِ** کا میوہ کھانا اِس مرض کا علاج ہے، تو (کیا میں بتادوں تمہیں درخت حیات) کا پتا، کہ جو کوئی اس میں سے کھائے ہرگز نہ مرے۔ (اور) بتادوں (وہ ملک جو کہنہ نہ ہو؟) یعنی راہ بتادوں تجھ کو ایسی بادشاہی کی جو پرانی نہ ہو، یعنی زوال اُسے نہ پہنچے۔

حضرت آدم نے کہا کہ ہاں بتادے۔ تو ابلیس نے یہ راہ بتائی کہ جس درخت سے کھانے کی ممانعت تھی وہی بتادیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی قسم بھی کھالی۔ تو حضرت آدم علیہ السلام نے اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ کی قسم کوئی جھوٹی نہیں کھاسکتا، اور انہوں نے یہ بھی اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے 'تنزیہاً' منع کیا ہے اور یہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے 'تحریماً' منع فرمایا تھا۔۔یا۔۔ انہوں نے یہ اجتہاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے خاص اُس درخت سے منع فرمایا ہے، تو اِس نوع کے کسی اور درخت سے کھالینے پر کوئی حرج نہیں۔ دونوں صورتوں میں اُن کے اجتہاد کو خطا لاحق ہوئی اور وہ بھول گئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نوع شجر سے منع کیا تھا۔

اور یہ واضح رہے کہ اجتہادی خطاء اور نسیان عصمت کے منافی نہیں ہے۔ اور باقی رہا اُن کا عرصہ دراز تک توبہ واستغفار کرنا، تو یہ ان کا کمال تواضع اور انکسار ہے۔ اور رہا یہ سوال کہ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن پر عتاب کیوں فرمایا، تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ نیک لوگوں کی بعض نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔ اور اس لیے کہ اگرچہ یہ فعل حقیقت میں گناہ نہیں لیکن حضرت آدم علیہ السلام کا مقام اور مرتبہ بہت بلند تھا، اس لیے ان کو [illegible] سے چاہیے تھا کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کے حکم کو یاد رکھتے [illegible]

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا

چنانچہ کھالیا اُس سے، تو ظاہر ہوگئیں ان کے لیے ان کی شرم کی چیزیں، اور لگے چپکانے اپنے اپنے اوپر جنت کے پتے۔

مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾

اور بھول گئے آدم اپنے رب کے حکم کو، تو انہوں نے بھی اپنا چاہا کھودیا●

اور اب رہا یہ، کہ وہ بے لباس کیوں ہوگئے، تو ہوسکتا ہے کہ اُس کی وجہ یہ ہو کہ اُس درخت سے کھانا بے لباس ہونے کا سبب ہو، جیسے آگ جلانے کا سبب ہے، اور زہر ہلاکت کا سبب ہے۔ ذہن نشین رہے کہ **فَغَوٰى** کا معنی گمراہ ہونا بھی ہے، اور خراب اور فاسد ہونا بھی ہے، اور یہاں یہی دوسرا معنی مراد ہے، کہ جنت سے آنے کے بعد ان کی زندگی کا عیش و آرام خراب ہوگیا اور ان کو کھانے پینے اور لباس پہننے کے لیے محنت اور مشقت کرنی پڑی۔۔۔

(**چنانچہ**) ابلیس کے کہنے سے دونوں نے (**کھالیا اُس**) شجرِ ممنوعہ (**سے، تو ظاہر ہوگئیں اُن کے لیے اُن کی شرم کی چیزیں**) یعنی بہشت کا لباس اُن پر سے اُتر گیا اور دونوں برہنہ ہوگئے۔

اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اپنے کو برہنہ دیکھنا، خود انہی تک محدود تھا، کسی غیر کی نگاہ نہیں پڑی تھی، تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ آدم علیہ السلام کو کسی بات کی سزا مل رہی ہے۔

اِسی لیے فرمایا کہ "ظاہر ہوگئیں اُن کے لیے" یعنی صرف اُن کے لیے اُن کی شرم کی جگہ، نہ کہ دوسروں کے لیے۔

(**اور**) اُن نفوسِ قدسیہ والوں کو خود اپنی شرمگاہ کا دیکھنا بھی باعثِ شرم تھا، تو ستر پوشی کے لیے (**لگے چپکانے اپنے اپنے اوپر جنت کے پتے**) یعنی جنتی درخت انجیر کے پتے۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ چوڑے پتے تھے، دونوں ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں کی شکل اُسی طرح کی بنائی گئی ہے۔

۔۔الختصر۔۔کلام کا حاصل (**اور**) خلاصہ یہ نکلا، کہ (**بھول گئے آدم اپنے رب کے حکم کو، تو انہوں نے بھی اپنا چاہا کھودیا**) یعنی جو ہمیشہ کی زندگی انہیں مطلوب تھی اور جو ہمیشہ کے لیے جنت کی رہائش چاہتے تھے، یہ باتیں اُنہیں حاصل نہ ہوسکیں۔ پھر توبہ و استغفار کرتے رہے اور حضرت رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلے سے مغفرت چاہی۔۔تو۔۔

ثُمَّ اجۡتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیۡہِ وَہَدٰی ﴿۱۲۲﴾

پھر چن لیا اُن کو اُن کے رب نے، پس توبہ قبول فرمالی ان کی، اور راہ لگادیا●

(پھر چن لیا اُن کو اُن کے رب نے، پس توبہ قبول فرمالی ان کی، اور راہ لگادیا)۔یعنی اُس توبہ پر ہمیشہ کے لیے استقامت عطا فرمادی۔

قَالَ اہۡبِطَا مِنۡہَا جَمِیۡعًۢا بَعۡضُکُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ ہُدًی ۬ۙ

فرمایا، "دونوں اتر جاؤ جنت سے سب کے سب، تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے، اب اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت۔۔

فَمَنِ اتَّبَعَ ہُدَایَ فَلَا یَضِلُّ وَ لَا یَشۡقٰی ﴿۱۲۳﴾

تو جس نے پیچھا دھرا میری ہدایت کا، تو نہ بھٹکے نہ مشقت میں پڑے●

اور پھر (فرمایا) حق تعالیٰ نے، کہ اَے آدم وحواء! تم (دونوں اُتر جاؤ جنت سے سب کے سب) باہم اپنی پشت میں موجود اولاد کے ساتھ۔ یہ جنت لڑنے جھگڑنے کی جگہ نہیں اور حال یہ ہے کہ (تم میں) یعنی تمہاری ہونے والی اولاد میں (ایک دوسرے کا دشمن ہے)، تو لڑنا جھگڑنا اُن کی سرشت ہوگی۔

۔۔چنانچہ۔۔کھلی آنکھ سے ہر دیکھنے والا بنی آدم کی عداوتوں اور اُن کے جھگڑوں کا مشاہدہ کر ہی رہا ہے۔ آگے تمام بنی آدم کو حق تعالیٰ مخاطب فرما کر فرمارہا ہے، کہ زمین میں پہنچنے کے بعد۔۔۔

(اب اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت) کرنے والا۔۔یا۔۔وہ چیز جو ہدایت کی سبب ہو، یعنی کتاب اور رسول، (تو جس نے پیچھا دھرا میری ہدایت کا) اور پیروی کی میری ہدایت کی، (تو) وہ (نہ بھٹکے) گا دُنیا میں اور (نہ) ہی (مشقت میں پڑے) گا آخرت میں۔یعنی وہ آخرت میں سختی اور عذاب میں مبتلا نہ ہوگا۔

وَ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡ ذِکۡرِیۡ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیۡشَۃً ضَنۡکًا وَّ نَحۡشُرُہٗ

اور جس نے بے رخی کی میری یاد سے، تو اس کی زندگی تنگ ہے۔اور اٹھائیں گے ہم اُسے

یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ اَعۡمٰی ﴿۱۲۴﴾

قیامت کے دن اندھا"●

(اور) اِس کے برخلاف (جس نے بے رخی کی میری یاد سے) یعنی ہدایت کرنے والے

جو میری یاد کا سبب ہے۔۔یا۔۔منہ پھیرے گا میری کتاب سے، (تو) پھر بے شک (اُس کی زندگی تنگ ہے) اور سخت ہے دُنیا میں۔یعنی حرام کمائی میں پڑ جائے گا۔۔یا۔۔بُرے کام میں مبتلا ہو جائے گا۔۔یا۔۔قناعت اُس سے جاتی رہے گی اور وہ حرص کے پھندے میں پھنسے گا۔

اور بعضوں نے کہا ہے تنگ معیشت عذابِ قبر ہے۔۔یا۔۔زقوم دوزخ۔

(اور اٹھائیں گے ہم اُسے) یعنی اُس منہ پھیرنے والے کو (قیامت کے دن اندھا) تا کہ جہنم اور اُس کے طرح طرح کے عذاب کے سوا کچھ دیکھے ہی نہ۔اب۔۔

قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ﴿۱۲۵﴾

اگر پوچھا کہ "پروردگارا کیوں اٹھایا تو نے مجھے اندھا، حالانکہ میں انکھیارا تھا؟" ●

(اگر) اُس اندھے نے (پوچھا کہ پروردگارا! کیوں اُٹھایا تُو نے مجھے اندھا) یعنی کس سبب سے تو نے مجھ کو اندھا حشر کیا۔

فعل ماضی لانے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ امر یقینی واقع ہوگا، ایسا یقینی گویا کہ ہو چکا۔۔المختصر۔۔وہ پوچھے گا کہ مجھے اندھا کیوں اٹھایا۔۔۔

(حالانکہ میں انکھیارا تھا) جب کہ قبر سے میں نے سر نکالا تھا۔یعنی قبر سے نکلتے وقت تو میں آنکھ والا تھا، اب میدانِ حشر میں اندھا کیسے ہو گیا؟۔۔۔

قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی ﴿۱۲۶﴾

تو اس کا جواب ہے کہ "اسی طرح آئی تھیں تجھ تک ہماری آیتیں، تو تم نے اُسے بھلا دیا تھا، اور اسی طرح آج بھی تو یاد نہ کیا جائے گا" ●

(تو اِس کا جواب ہے، کہ اِسی طرح آئی تھیں تجھ تک ہماری آیتیں) یعنی ہماری کتاب کی آیتیں۔۔یا۔۔ہماری قدرت کی دلیلیں اور ہماری وحدت کی نشانیاں، (تو تم نے اُسے بھلا دیا تھا) اور اس سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔۔نیز۔۔اُسے ترک کر دیا تھا، (اور) جس طرح تم نے ہماری آیتوں کو یاد نہیں رکھا اور اُن سے اعراض کیا، (اِسی طرح آج بھی تُو یاد نہ کیا جائے گا) اور عذاب میں رہے گا۔ جس طرح تُو نے ہماری آیات کو نظر انداز کیا، اُسی طرح آج تجھے یہاں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔۔الغرض۔۔تُو کسی طرح کی رُو رعایت کا مستحق نہیں رہ گیا۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

اور اسی طرح سے سزا دیتے ہیں ہم جس نے زیادتی کی، اور نہ مانا اپنے پروردگار کی آیتوں کو۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

اور بلاشبہ آخرت کا عذاب تو زیادہ سخت اور دوامی ہے●

(اور) یہ تو ہمارا دستورِ ازلی ہے، کہ (اسی طرح سے سزا دیتے ہیں ہم جس نے زیادتی کی) اور حد سے گزر گیا، یعنی مشرک ہوگیا (اور نہ مانا اپنے پروردگار کی آیتوں کو) بلکہ اُن کی تکذیب کی، (اور بلاشبہ آخرت کا عذاب تو زیادہ سخت) دُنیا کی تنگ معیشت کی سختی سے، (اور دوامی ہے) یعنی ہمیشہ باقی رہنے والا ہے، اس جہت سے کہ کبھی منقطع ہوگا ہی نہیں۔

۔۔الختصر۔۔ آخرت کا عذاب کیفیت اور کمیت دونوں اعتبار سے دُنیا اور برزخ کے عذاب سے زیادہ ہوگا۔ بعض آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر میدانِ حشر میں دیکھنے والا ہوگا، وہ اپنے اعمال نامے کو پڑھے گا اور جنتیوں اور دوزخیوں کو دیکھے گا، تو پھر وہ اندھا کیسے ہوگا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اندھے سے مراد آنکھوں کا اندھا نہیں، بلکہ حجتوں کا اندھا ہے، یعنی دُنیا میں تو اس نے اپنے کفر اور فسق پر حجتیں بنا رکھیں تھیں، لیکن آخرت میں اُس کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی اور وہ بالکل خالی ہاتھ ہوگا۔

اور اگر اُس سے مراد آنکھوں کا اندھا ہی لیا جائے پھر اُس کا معنی یہ ہے، کہ قیامت کے بعض احوال میں اُس کی بینائی نہ ہوگی اور وہ اندھا ہوگا، اور بعض دوسرے احوال میں وہ بینا ہوگا اور قیامت کے ہولناک مناظر کو دیکھنے کے لیے اس کو بینائی عطا کردی جائے گی۔

آیت ۱۲۸ سے پہلے۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا، کہ جو شخص اللہ عزوجل کے ذکر اور اس کے دین سے اعراض کرتا ہے، اُس کا قیامت کے دن کس طرح حشر کیا جائے گا اور اب آیت ۱۲۸ میں یہ بتایا کہ دنیا میں ہونے والے واقعات سے انسانوں کو یہ سبق لینا چاہیے، کہ اللہ تعالیٰ کی تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اس آیت کا معنی یہ ہے، کہ کیا اہلِ مکہ کو ان کی خبر معلوم نہیں ہوئی، جو اُن سے صدیوں پہلے اپنے گھروں میں رہتے تھے۔ یعنی جب اہل مکہ تجارت کرنے اور اپنی روزی طلب کرنے کے لیے سفر پر نکلتے ہیں، اور پچھلی امتوں کے شہروں کے کھنڈرات دیکھتے ہیں اور اُن بستیوں کو دیکھتے ہیں جو اپنی بنیادوں پر گری پڑی ہیں، تو کیا

اُن کو خوف لاحق نہیں ہوتا، کہ اگر وہ اِسی طرح اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کرتے رہے، تو اُن پر بھی وہ عذاب آسکتا ہے جو پچھلی امتوں پر آچکا ہے ۔۔چنانچہ۔۔اِسی نکتے پر توجہ دلانے کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْؕ

توکیا انہیں ہدایت نہ ملی اس سے؟ کہ کتنے ہلاک کردیے ہم نے اِن سے پہلے طبقے کے طبقے، کہ یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں جن کے گھروں میں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی۠ (۱۲۸)

ع ۱۶

بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے●

(توکیا انہیں ہدایت نہ ملی اُس سے کہ کتنے ہلاک کردیے ہم نے ان سے پہلے طبقے کے طبقے) گزرے زمانوں کے لوگوں کے، جیسے قومِ عاد، قومِ ثمود، نمرُود وغیرہ (کہ) آج (یہ لوگ چلتے پھرتے ہیں) بغرضِ تجارت (جن کے گھروں میں) یعنی جن کے رہنے کی جگہوں میں۔ (بے شک) ان کے (اِس) ہلاک کرنے (میں ضرور نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے) عبرت لینے کو۔۔یا۔۔دلیلیں ہیں منکروں کے عذاب پر اُن لوگوں کے واسطے جن کی عقلیں اُن کو تغافل سے منع کرتی ہیں۔۔۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّیؕ (۱۲۹)

اور اگر نہ ایک کلمہ پہلے سے طے ہوتا تمہارے رب کے یہاں، اور وقت مقرر، تو عذاب چپک جاتا●

(اور) اے محبوب! (اگر نہ ایک کلمہ پہلے سے طے ہوتا تمہارے رب کے یہاں) وہ یہ کہ منکرین کو آخرت میں عذاب دیا جائے گا۔۔یا۔۔اُن کی نسل سے مومن پیدا کرے گا (اور) یہ کہ ان کے عذاب کے لیے (وقت مقرر) ہے۔۔الغرض۔۔اگر تاخیرِ عذاب اور اَجَلٌ مُّسَمًّی کا حکم نہ ہو چکا ہوتا، (تو عذاب چپک جاتا) یعنی جو کچھ عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا، وہ سب اِن کافروں پر بھی نازل ہو جاتا۔

فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَاۚ

توصبر کرو جو وہ بکتے ہیں، اور پاکی بیان کرو اپنے رب کی حمد کے ساتھ، سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے،

وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰی (۱۳۰)

اور رات کی گھڑیوں میں، تو پاکی بیان کرو اور دن کے کناروں میں، کہ تم کو خوشی میسر ہو●

(تو) اَے محبوب! (صبر کرو) اِن دل آزار باتوں پر (جو وہ بکتے ہیں)۔۔مثلاً: آپ کے دعوٰی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں اور بہت سارے دلائل و معجزات دیکھنے کے باوجود آپ کی رسالت پر ایمان نہیں لاتے۔۔علاوہ ازیں۔۔بعض آپ کو ساحر کہتے ہیں، بعض آپ کو شاعر یا مجنون کہتے ہیں، اس سے آپ کو بہت رنج و غم ہوتا ہے، تو آپ اس پر صبر کیجیے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہیے۔۔نیز۔۔فرائض رسالت کو ادا کرتے رہیے۔

اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ جہاد کا حکم ۲ھ میں نازل ہو گیا تھا، لیکن اُس وقت بھی فی الفور تمام کافروں کو ملیا میٹ نہیں کر دیا گیا تھا۔ ۷ ہجری میں خیبر فتح ہوا اور ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ غرض کہ کفار کی باتوں اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرنے کے مواقع کافی عرصے تک باقی رہے تھے، سواب بھی ہیں۔ اس لیے اس آیت کو منسوخ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

۔۔الغرض۔۔اَے محبوب! آپ صبر کرو (اور) اپنے رنج و غم کو زائل کرنے کے لیے (پاکی بیان کرو اپنے رب کی حمد کے ساتھ) یعنی رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہو اور پنج وقتہ نمازوں کو اُن کے اوقات میں ادا کرتے رہو، یعنی فجر کی نماز (سورج نکلنے سے پہلے اور) عصر کی نماز (اُس کے ڈوبنے سے پہلے) کیونکہ یہ نماز غروب آفتاب سے پہلے پڑھی جاتی ہے (اور رات کی گھڑیوں میں تو پاکی بیان کرو) یعنی مغرب و عشاء کی نمازیں پڑھو (اور دن کے کناروں میں) ظہر کی نماز ادا کرو۔ اِس واسطے کہ اس کا وقت زوال کے قریب ہے، اور پہلے آدھے دن کا پچھلا کنارہ اور پچھلے آدھے دن کا پہلا کنارہ ہے۔ اور لفظ اطراف کا جمع ہونا اس واسطے ہے کہ دوسرے وقت کا شبہ تک نہ ہو۔

۔۔یا۔۔اطراف کا لفظ دن کے دو حصوں کے اعتبار سے لایا گیا ہے۔ یعنی دن کے نصف اوّل کے آخر اور اس کے نصف ثانی کے اوّل میں جو نماز ہے وہ نماز ظہر ہے۔

۔۔الختصر۔۔اَے محبوب! اِن اوقاتِ مذکورہ میں نماز ادا کرتے رہو، تا (کہ تم کو خوشی میسر ہو) اور وہ بھی ایسی خوشنودی جو ایسی بزرگی کے سبب سے ہوگی، جو حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائے گا اور وہ بزرگی شفاعت ہے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ کسی کے مرتبے و شان کو دیکھ کر اُس کی آرزو کرنا اور اُسے رشک کی نگاہوں سے معمولی طور پر غور سے دیکھنا ایسا امر ہے کہ اُس سے بچنا دشوار ہے اور انسان کے اپنے بس میں نہیں۔ اس لیے کہ بہت سے امور ہمارے سامنے آتے ہیں

ہم اُنہیں دیکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، لیکن بحکم شرع اُس سے آنکھ میچ لیتے ہیں۔ اِس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں۔ ہاں اُسے بار بار بطورِ حسد دیکھنا اور دُنیاوی نقش ونگار میں اپنی نگاہیں اس طرح لگا دینا گویا کہ اُس کے دل میں اُس نے گھر کر لیا ہے، یہ معیوب چیز ہے اور شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن بشری جبلت کے پیش نظر ایسی ہدایت کی ضرورت تھی جو دُنیا کی زیب وزینت اور اُس کے نقش ونگار میں دل لگانے سے لوگوں کو روکے۔ اس کے لیے مناسب و مؤثر طریقہ یہ ہے کہ پیغمبر کی طرف روئے خطاب کر کے اُن کی امت کو یہ پیغام پہنچایا جائے۔ اس میں پیغمبر کے لیے بھی تسلی ہوگی، اُن کی امت کے فقراء ومساکین کو بھی تسلی ہوگی، کہ جب امام الانبیاء علیہ السلام کو دُنیوی زیب وزینت اور رونق کو دیکھنے سے منع کیا گیا ہے، تو ہم کون ہوتے ہیں، کہ اُس کے لیے للچائیں۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا۔۔۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِۦٓ أَزْوَٰجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا

اور مت اٹھا کر دیکھو اپنی آنکھیں، جو رہنے سہنے کو دے ڈالا ہم نے اِن کافروں کے جوڑوں کو دُنیاوی زندگی کا ساز وسامان،

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾

تاکہ انہیں فتنے میں پڑا رہنے دیں اس میں۔ اور تمہارے رب کی روزی بہتر ہے اور دوامی ہے ●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ اَے محبوب! حسبِ معمول (مت اُٹھا کر دیکھو اپنی آنکھیں) رغبت ومیلان کے طور پر اُن چیزوں کی طرف (جو رہنے سہنے کو دے ڈالا ہم نے اِن کافروں کے جوڑوں کو) کافروں کے اصناف میں سے، جیسے وثنی یعنی بت پرست اور کتابی یعنی یہود ونصاریٰ وغیرہ کو، (دُنیاوی زندگی کا ساز وسامان تاکہ انہیں فتنے میں پڑا رہنے دیں اس میں)، یعنی آزمائیں ہم اُن کو اُس میں۔ یعنی ان کے ساتھ وہ سلوک کریں جو اُس کے ساتھ کیا جاتا ہے جس کی آزمائش مقصود ہوتی ہے۔۔ یا۔۔ اُسے ان کے حق میں فتنہ اور بلاء کر دیں۔۔ یا۔۔ قیامت کے دن اُس کے سبب سے ہم اُن پر عذاب کریں۔ (اور) اَے محبوب! (تمہارے رب کی روزی) وہ جو اُس نے تمہیں عطا فرمائی ہے، یعنی نبوت اور ہدایت، وہ (بہتر ہے) ان کے فنا ہو جانے والے بے اعتبار مال سے، (اور دوامی ہے) ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔

دنیاوی مال کو ارشادِ ربانی میں زَهْرَةَ ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا کہنے میں نکتہ یہ ہے، کہ زَهْرَة درحقیقت پھول کی کلی ہے، حق تعالیٰ نے دُنیا کو کلی فرمایا، اس واسطے کہ اُس کی تری اور تازگی

دو تین روز سے زیادہ نہیں رہتی، اور ذرا سی مدت میں پژمردہ اور فنا ہو جاتی ہے۔۔ الختصر۔۔

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ

اور حکم دو اپنے گھر والوں کو نماز کا، اور اُس پر جم کر رہو، ہم تم سے نہیں مانگتے روزی، ہم خود روزی تمہیں دیتے ہیں،

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ﴿١٣٢﴾

اور انجام خیر خوف خدا کا ہے●

اَے محبوب! جیسے ہم نے آپ کو نماز کا حکم فرمایا ہے (اور) ہدایت کی ہے، ایسے آپ (حکم دو اپنے گھر والوں کو نماز کا) کیونکہ صاحبِ فقر کو ضروری ہے، کہ وہ اپنے فقر پر نماز کے ساتھ استعانت کرے۔ اُسے معاشی امور میں نہ گھبرانا چاہیے اور نہ ہی دولت مندوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا چاہیے۔ (اور اس پر جم کر رہو) یعنی ہمیشہ پڑھتے اور حکم کرتے رہو۔

اَے محبوب! (ہم تم سے نہیں مانگتے) اور نہیں چاہتے کہ تم اپنے کو۔۔یا۔۔ اپنے لوگوں کو (روزی) دو۔ یعنی اپنی۔۔یا۔۔ اپنوں کی روزی کے تم ذمے دار نہیں ہو، کہ تمہیں اس کے انتظام کی فکر کرنی پڑے۔ بلکہ سب کے رازِق ہم ہی ہیں، اور (ہم) تنہا (خود روزی تمہیں) اور تمہارے لوگوں کو (دیتے ہیں) تو نماز کے واسطے اور اسباب نیاز مہیا کرنے کو تم فارغ البال رہو، (اور) یاد رکھو، کہ (انجام خیر خوف خدا کا ہے)۔ یعنی بہشت کی شکل میں پسندیدہ انجام اہلِ تقویٰ کے لیے ہے۔ یعنی نیک انجام آپ کے لیے اور اُس کے لیے جو آپ کی تصدیق کرے۔

اہلِ دُنیا کو نیک انجام نصیب نہ ہوگا، کیونکہ دُنیا و آخرت کا اجتماع محال ہے۔ یہاں یہ تنبیہ مقصود ہے کہ جمیع اعمال کا دار و مدار تقویٰ اور خوفِ خدا پر ہے۔ اور تقویٰ کہتے ہیں نفس اور جوارح کو اُن جمیع قبائح سے روکنا، جن کی شریعتِ مطہرہ اور عقلِ سلیم نے مذمت کی ہے ۔۔الحاصل۔۔ جملہ ضروریات طلب کرنے کے لیے نماز جیسا اور کوئی نسخہ نہیں۔ لیکن یہ نعمت ایمان والوں ہی کا مقدر ہے، نہ کہ کفارِ قریش جیسے سرکش بندوں کا۔۔۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ

اور بولے کہ "کیوں نہیں لاتے کوئی نشانی اپنے رب کی؟ کیا نہیں آئی اُن کے پاس کوئی خبر،

مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولٰى ﴿١٣٣﴾

جو پہلے صحیفوں کی ہے"●

(اور) ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہنے والوں کا، جو بہت سارے معجزات دیکھنے کے باوجود (بولے، کہ کیوں نہیں لاتے کوئی نشانی اپنے رب کی) جو ہمارے نزدیک بھی معتبر ہو، جیسے حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ، تو اگر یہ آکر آپ کی رسالت کی گواہی دے دیں، تو ہم بھی تسلیم کرلیں۔۔یا یہ کہ۔۔ہم جن معجزات کی فرمائش کرتے ہیں وہی ہم کو دکھا دیں۔ ذرا اُن ہٹ دھرموں سے پوچھو کہ (کیا نہیں آئی اُن کے پاس کوئی خبر جو پہلے صحیفوں کی ہے)۔۔مثلاً: انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کے سبب عذاب آنا اور معجزات ظاہر ہو جانے کے بعد جن لوگوں نے اپنی خواہش کے مطابق اُن معجزات کی فرمائش کی تھی، اُن کا ہلاک ہو جانا۔۔یا یہ کہ۔۔نہیں آئی اُن کے پاس توریت و انجیل میں مذکور حضرت خاتم الانبیاء کے اوصاف اور اُن کے آنے کی بشارت۔ یعنی کیا انہوں نے اہلِ کتاب سے یہ باتیں نہیں سنیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب انہوں نے معجزہ طلب کیا تو حق تعالیٰ نے ایک بڑے معجزے یعنی قرآنِ کریم کے سبب سے اُن کو الزام دیا اور فرمایا۔

کہ کیا ان کے پاس کھلا ہوا بیان نہیں آیا، جو اِن سب باتوں کا خلاصہ ہے جو اُور آسمانی کتابوں میں تھیں۔ اور یہ کھلا ہوا بیان یعنی قرآنِ کریم جو شخص ان کے پاس لایا وہ 'اُمّی' ہے، جس نے کتابیں نہ دیکھیں نہ سنیں، نہ کسی سے تعلیم لی اور عرب کے سب فصیح اُس کی ایک سورت کے مثل بنانے میں عاجز ہیں۔ تو ایسا کھلا ہوا معجزہ موجود ہوتے ہوئے اُور نشانی ڈھونڈنا عین عناد اور بدترین انکار ہے۔ اور جب صورتِ حال یہ ہے جو مذکور ہوئی، تو اب کافروں کے لیے شرائع و احکام کے ترک پر کوئی عذر نہیں اور نہ ہی اُن کا گمراہی کے راستے پر چلنا کوئی مناسب کام رہ گیا۔۔الغرض۔۔انہیں اب کسی طرح کی حیلہ سازی کی گنجائش نہیں رہ گئی۔

وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا

اور اگر ہم برباد کر دیتے انہیں عذاب سے اس کے پہلے، تو کہتے کہ "پروردگارا کیوں نہ بھیج دیا تُو نے

رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿١٣٤﴾

ہماری طرف رسول، کہ پیروی کرتے ہم تیری نشانیوں کی قبل اس کے کہ ہم ذلیل و رسوا ہوتے"●

(اوراگر) بالفرض (ہم برباد کردیتے انہیں عذاب سے) یعنی اُن کے کفر کے سبب سے اپنی طرف سے ان پر عذاب نازل کر کے انہیں نیست و نابود کر دیتے (اُس کے پہلے)، یعنی بعثتِ محمدی کے پہلے۔۔یا۔۔قرآن نازل کرنے کے قبل، (تو) اُن کے لیے گنجائش ہوتی کہ (کہتے کہ پروردگارا کیوں نہ بھیج دیا تُو نے ہماری طرف رسول، کہ پیروی کرتے ہم تیری نشانیوں کی قبل اِس کے کہ ہم ذلیل ورُسوا ہوتے)، دُنیا میں قتل اور قید ہوکر اور آخرت میں آگ میں داخل ہونے کے سبب سے۔ اِن کافروں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے، اِسی لیے ہم نے حجت تمام کردی، کہ ان کے پاس پیغمبر اور قرآن بھیجا، تاکہ وہ ایمان لے آئیں۔۔۔اُس پر بھی جو ایمان نہیں لاتے۔۔تو۔۔

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۚ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ

کہہ دو کہ "سب منتظر ہیں، تو تم بھی منتظر رہو، کہ جلد معلوم کرلو گے کہ کون سیدھے راستہ والا ہے

وَمَنِ اهْتَدٰى ﴿١٣٥﴾ ع ١٧

اور کس نے راہ پالی"●

(کہہ دو، کہ سب منتظر ہیں) یعنی ہر ایک ہم میں اور تم میں سے انتظار میں ہے، کہ دیکھیں کہ کس کا کیا انجام ہوتا ہے۔تم ہماری خرابی کے امیدوار رہو اور ہم تم پر سختی ہونے کے منتظر ہیں، (تو تم بھی منتظر رہو) اور امیدوار بنے رہو اور انتظار کی گھڑیاں کھینچو، کیوں (کہ جلد معلوم کرلوگے) قیامت میں، (کہ کون سیدھے راستے والا ہے، اور کس نے) حق کی طرف (راہ پالی)۔

یہاں سیدھی راہ پانے والے اور حق کی راہ دکھانے والے سے مراد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ آلہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ہے، کیونکہ۔

راہ دان و راہ بین و راہبر

درحقیقت نیست جز خیر البشر۔۔۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ
وبعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
۲۹/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۴/اپریل ۲۰۱۱ء
بروز دوشنبہ، سولھویں پارے اور سورہ طٰہٰ کی تفسیر مکمل
ہوگئی ہے۔دُعا گوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے
باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت
مرحمت فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔
آمِیۡن یَامُجِیۡبَ السَّائِلِیۡنَ بِحُرۡمَتِ حَبِیۡبِكَ سَیِّدِالۡمُرۡسَلِیۡنَ
صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَسَلَّمَ

١٧

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

٣/ربیع الثانی ١٤٣٢ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ٥/اپریل ...

سورۃ الانبیاء، اور سترھویں پارے کی تفسیر کا آغاز

...لیٰ تعالیٰ اِن کی اور پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کر

توفیق عطا فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں

آمین یا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرمَت ...

سورۃ الانبیاء ۲۱ مکیۃ ۷۳ | آیاتہا ۱۱۲ رکوعاتہا ۷

سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآءِ

حضرت عبداللہ ابنِ مسعود نے اِس سورۃ کو 'الانبیاء' کہا، اور اِس کا کوئی دوسرا نام معروف نہیں۔ بقولِ حضرت عبداللہ ابنِ مسعود، بنی اسرائیل، الکہف، مریم، طٰہٰ، اور الانبیاء، قدیم سورتوں میں سے ہیں اور اِن کو ابتداءِ اسلام سے حفظ کیا جاتا ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ سب سورتیں مکہ میں نازل ہوئی ہیں۔ اِس سورۂ زیرِ تفسیر میں اٹھارہ[۱۸] انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ذکر ہے۔ اکثر انبیاء علیہم السلام کے اسماء کی تصریح ہے اور بعض کی صفات اور القاب کا ذکر ہے۔ اِس سے پہلے سورۂ اَنعام میں بھی اٹھارہ[۱۸] انبیاءِ کرام کے ناموں کا ذکر ہے، لیکن چونکہ اُس میں 'اَنعام' یعنی مویشیوں کا لفظ چھ[۶] بار آیا، اس لیے اُس کے لیے سورۂ اَنعام کا نام مناسب سمجھا گیا۔ ویسے بھی وجہِ تسمیہ کا جامع مانع ہونا ضروری نہیں۔

اِس سے پہلے سورۂ طٰہٰ ہے۔ اُس میں اور اِس سورت میں باہمی مناسبت یہ ہے، کہ سورۂ طٰہٰ کے آخر میں قیامت کے آنے سے خبردار کیا گیا تھا، اور سورۃ الانبیاء کی ابتداء میں قیامت کے آنے سے خبردار فرمایا ہے۔۔ نیز۔۔ سورۂ طٰہٰ کے آخر میں یہ تنبیہ فرمائی تھی، کہ دُنیا کی آرائش اور زیبائش سے فریب نہیں کھانا چاہیے، کیوں کہ یہ سب چیزیں زائل ہونے والی ہیں۔ اور الانبیاء کی پہلی آیت میں یہ فرمایا، کہ قیامت کا وقوع قریب آچکا ہے اور اُس کا تقاضا یہ ہے، کہ دُنیا کی رنگینیوں اور دلچسپیوں سے دِل نہ لگایا جائے، اور عبادت و ریاضت میں دِل لگایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جن چیزوں کا حساب پیش کرنا ہے، اُن میں دِل لگایا جائے اور اُن کی تیاری کی جائے۔ اور اِس طرح سورۂ طٰہٰ کا آخر اور سورۃ الانبیاء کا اوّل، دونوں قیامت کے قرب کی خبر دے رہے ہیں اور اُس کی تیاری کرنے پر برانگیختہ کر رہے ہیں۔

اِس سورۂ مبارکہ میں عقائدِ اسلام، خصوصیت کے ساتھ توحید، رسالت، قیامت، مرنے کے بعد اٹھنا اور جزا اور سزا کا بیان ہے۔۔ نیز۔۔ اِس میں انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کیے گئے ہیں۔ اِس سورت کی ابتداء ہی قیامت کے ذکر سے کی گئی ہے۔ تو قیامت کی ہولناکیوں سے ڈرانے والی، لوگوں کو لہو ولعب اور یادِ الٰہی سے غافل کر دینے والی چیزوں کو ترک کر دینے کی ہدایت دینے والی، اور آخرت کی تیاری میں منہمک ہو جانے کا پیغام دینے والی، سورۂ مبارکہ کو ہم شروع کرتے ہیں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے، اور گنہگار مسلمانوں کا (بخشنے والا) ہے۔

ہر ایک کو خبردار اور ہوشیار ہو جانا چاہیے، اس لیے کہ۔۔۔

اِقۡتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمۡ وَهُمۡ فِي غَفۡلَةٖ مُّعۡرِضُونَ ①

نزدیک آگیا لوگوں کے لیے ان کا حساب، اور وہ ہیں کہ غفلت میں منہ پھیرے ہیں●

(نزدیک آگیا لوگوں کے لیے اُن کا حساب)، یعنی قریب آگیا لوگوں کے واسطے اُن کے اعمال کے محاسبے کا وقت، یعنی قیامت کا دن۔

اِس مقام پر یہ خیال نہ کیا جائے، کہ نبی کریم کی بعثت کو بھی چودہ[۱۴] صدیاں گزر چکیں، ابھی تک تو قیامت آئی نہیں۔ اس لیے کہ اوّلاً اللہ تعالیٰ نے اپنے اعتبار سے یوم حساب کو قریب فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو ایک دن بھی ایک[۱۰۰۰] ہزار سال کا ہوتا ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ سورۂ حج آیت ۴۷ میں ہے کہ "اور یہ آپ سے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں، اور اللہ اپنی وعید کے خلاف ہرگز نہ کرے گا۔ اور بے شک آپ کے رب کے نزدیک ایک دن تمہاری گنتی کے حساب سے ایک[۱۰۰۰] ہزار سال کا ہے"۔۔ ثانیاً۔۔ ہر وہ چیز جس کا آنا یقینی اور حتمی ہو، اُس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ قریب ہے۔۔ ثالثاً۔۔ جب کسی چیز کی میعاد کا اکثر حصہ گزر جائے، تو پھر کہا جاتا ہے کہ وہ قریب ہے۔ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اُن کی امتوں کے گزر جانے کے بعد قیامت آنی تھی، اور کم وبیش ایک لاکھ چوبیس[۱،۲۴،۰۰۰] ہزار انبیاء کرام علیہم السلام اب تک گزر چکے ہیں، اور اب صرف ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت رہ گئی ہے، اس لیے آپ اور آپ کی امت کے لحاظ سے اب یوم حساب قریب آچکا ہے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی کو اُس کی موت کے وقت کی خبر دی ہے اور نہ ہی قیامت کے وقت کو ظاہر فرمایا ہے، تو اپنے وقت معینہ میں دونوں کو اچانک ہی آنا ہے۔ یہ اس لیے، تاکہ انسان ہر وقت گناہ سے بچتا رہے، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ گناہ کر رہا ہو اور اُسی وقت موت آجائے۔ اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہے، تاکہ

اگر اُس کو موت آئے، تو اُس وقت آئے جب وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا ہو۔ قیامت کے دن کو اللہ تعالیٰ نے یوم حساب سے اِس لیے تعبیر فرمایا ہے، تاکہ انسان روزِ قیامت سے ڈرتا رہے، کہ اُس دن اِس کا حساب لیا جائے گا۔

اِس مقام پر یہ بات بھی فائدے سے خالی نہیں، کہ ایک ہے 'عالَمِ شہادت' اور ایک ہے 'عالَمِ غیب'۔ انسان ولادت سے 'عالَمِ شہادت' میں قدم رکھتا ہے، اور اپنی وفات سے 'عالَمِ غیب' میں پہنچ جاتا ہے۔ عالَمِ شہادت 'دارُالعمل' ہے، اور عالَمِ غیب 'دارِ جزا'۔ قبر، برزخ اور قیامت، یہ سب 'عالَمِ آخرت' کے احوال ہیں۔ موت اُسی آخرت کا آغاز ہے قیامت جس کے احوال میں سے ہے، تو موت درحقیقت قیامت کی تمہید ہے۔ تو موت کا آنا گویا قیامت ہی کا آجانا ہے۔

اِسی لیے حدیث شریف میں بھی ہے کہ "جو مرتا ہے اُس کے لیے قیامت قائم ہوجاتی ہے"۔ اور وہ دارِ عمل سے نکل کر دارِ حساب میں پہنچ جاتا ہے۔ اب اُس کا حساب جب بھی لیا جائے، جلدی۔۔۔یا۔۔۔تاخیر سے، وہ رہتا ہے دارِ حساب ہی میں۔ اِس صورت میں ہر شخص کی قیامت کا آغاز اُس کی موت سے ہوگا، اور کسی کو اپنی موت کا وقت معلوم نہیں، وہ کسی بھی وقت ہوسکتی ہے۔۔۔لہٰذا۔۔۔ہر شخص کو ہر وقت چوکنا اور ہوشیار رہنا چاہیے اور اپنی حیات کی ہر آنے والی گھڑی کو اپنی آخری گھڑی سمجھنا چاہیے، تاکہ یہ فکر اُسے محتاط رکھے اور خدا کا نافرمان نہ ہونے دے۔

اب جب موت بھی قیامت کی تمہید ہے، تو موت کا قریب ہونا بھی قیامت ہی کا قریب ہونا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔۔بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ اُنہیں علم ہوچکا ہے، کہ اُن کے حساب کا دِن نزدیک آچکا ہے **(اور)** عنقریب وہ 'دارالحساب' میں پہنچنے والے ہیں، **مگر (وہ ہیں کہ غفلت میں)** ہیں حساب اور مواخذہ سے۔ **اور (منہ پھیرے ہیں)** یعنی اُس میں غور وفکر کرنے کے بھی وہ منکر ہیں۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔توبہ کرنے سے منہ پھیرنے والے ہیں اور اُس سے آگاہ ہونا بھی نہیں چاہتے۔ اُن کا حال یہ ہے کہ۔۔۔

مَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِم مُّحْدَثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٢﴾

نہ آیا ان کے پاس کوئی نیا پیغام اُن کے رب کا، مگر یہ کہ اسے سنا کھیلتے ہوئے●

(نہ آیا اُن کے پاس کوئی نیا پیغام اُن کے رب کا)، یعنی قرآنِ مجید کی آیات کا کوئی حصہ، جو اُنہیں حساب کی مکمل طور پر یاددہانی کراتا ہے، بلکہ اُنہیں غفلت کے خواب سے بیدار کرتا ہے۔ گویا قرآنِ مجید 'عین ذکر' ہے۔

یہ اُس کا 'عین ذکر' ہونا اُس کی فضیلت وشرافت کا بیان ہے اور مشرکین نے اُس کے ساتھ جو سلوک کیا اُس کی مذمت ہے۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ قرآنِ حکیم کا منجانب اللہ نازل ہونا حکمتِ خداوندی کے تقاضے کے عین مطابق ہے، اور بار بار کلام الٰہی کا نزول اُن کو متنبہ کرنے کے لیے ہے، تاکہ نصیحت حاصل کریں۔ باقی رہا اِس کا بدلتے حالات کے وقت نازل کرنا، تو وہ بھی اُن کی مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے ہے۔ اس سے یہ کوئی نہ سمجھے کہ کلام الٰہی 'حادِث' ہے، بلکہ کلام الٰہی تو 'قدیم' ہے۔ ہاں مصلحتوں اور ضرورتوں کی وجہ سے حادِث ہے۔ اس لیے کہ وہ قدیم ازلی ذات کی صفت ہے، تو جیسے ذات قدیم اورازلی ہے، ویسے ہی اُس کی صفت بھی قدیم اور ازلی ہے۔

اِسی بات کی وضاحت یوں بھی کی جاسکتی ہے، کہ ایک ہے 'کلامِ لفظی' اور ایک ہے 'کلامِ نفسی'۔ 'کلامِ لفظی' حروف واصوات سے مرکب وہی نظم وعبارت ہے جس کی 'کلامِ نفسی' پر دلالت ہے۔ اور 'کلامِ نفسی' وہ معنی قدیم ہے، جو ذاتِ باری تعالیٰ سے قائم ہے، جسے ہم الفاظ سے بولتے اور سنتے ہیں۔ تو وقتاً فوقتاً حسبِ مصلحت وحکمت نزول 'کلامِ لفظی' کا ہوتا ہے، جو حادِث ہے۔ رہ گیا 'کلامِ نفسی'، تو اُس کا نزول نہیں ہوتا ۔۔۔ بلکہ۔۔۔ جو نازل ہوتا ہے وہ حروف واصوات سے مرکب کلام اُس 'کلامِ نفسی' پر دلالت کرتا ہے جو صفتِ باری تعالیٰ ہے اور قدیم ہے۔

۔۔۔الحاصل۔۔۔ کفار کی یہ روش ہے، کہ جب کلام الٰہی کا نزول ہوتا ہے، تو اُسے یہ غور سے سنجیدہ ہوکر ہدایت حاصل کرنے کے لیے نہیں سنتے، (مگر یہ کہ اُسے سنا کھیلتے ہوئے)۔ یعنی وہ اِس نصیحت کو بے پرواہی سے سنتے ہیں ۔۔۔یا۔۔۔ اِس نصیحت کا مذاق اڑاتے ہوئے اِس کو سنتے ہیں۔ اِس حال میں، کہ۔۔۔

لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ ۗ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ هَلْ هَٰذَا

اُن کے دل کھلنڈرے۔ اور خفیہ مشورہ کیا اندھیر والوں نے۔ کہ "یہ نہیں ہیں

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۳﴾

مگر تمہاری طرح بشر، تو کیا جادو کے پاس آتے جاتے ہو دیکھتے بھالتے"●

(اُن کے دِل کھلنڈرے) ہیں، یعنی کسی اُور ہی چیز کے ساتھ مشغول ہیں اور قرآن کے معنی اور حقائق پر غور کرنے سے غافل ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ 'قلبِ لاہی' وہ دِل ہے، جو دُنیا کے مال سے مشغول اور عقبیٰ کے احوال سے غافل ہو۔

پیغامِ حق سن کر آپس میں سرگوشیاں کیں، **(اور خفیہ مشورہ کیا اندھیر والوں نے)** جنہوں نے شرک اور گناہ کرکے اپنے اوپر ظلم کیا، **(کہ یہ نہیں ہیں مگر تمہاری طرح بشر)**۔ یعنی کھانے پینے چلنے پھرنے میں، تو یہ یعنی محمد ﷺ 'تمہاری ہی طرح آدمی ہیں، تو انہیں رسول نہ ہونا چاہیے بلکہ رسول تو کسی فرشتے کو ہونا چاہیے۔

کافروں کا اِعتقاد یہ تھا، کہ جنابِ رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ کلام اُن پر پڑھتے ہیں وہ سحر ہے، تو اُنہوں نے چھپا کر باہم مشورہ کیا اور ایک دوسرے سے بولا، کہ تم جانتے ہو جو کچھ وہ پڑھتا ہے وہ سحر ہے۔۔۔

(تو کیا جادو کے پاس آتے جاتے ہو) اور اُس کو مان لینا چاہتے ہو **(دیکھتے بھالتے)**؟ یعنی یہ دیکھتے ہوئے کہ وہ آدمی ہے تمہارے مثل اور فرشتہ نہیں ہے۔ تو کیا فکر کرتے ہو اس کی جس سے اُس کا کام بگڑے؟ یعنی اِس کے کام کو درہم برہم کردینے والی کوئی تدبیر سوچتے ہو۔

حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو اِس خفیہ گفتگو کی خبر دی، تو جواباً۔۔۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۴﴾

نبی نے کہا کہ "میرا رب جانتا ہے ہر بات کو آسمان وزمین کی۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے"●

(نبی نے کہا، کہ میرا رب جانتا ہے ہر بات کو) ہر بات کرنے والے کی **(آسمان وزمین کی)**، علانیہ کہیں ۔۔یا۔۔ چھپا کر۔ **(اور وہ سننے والا)** ہے کافروں کی بات اور **(جاننے والا ہے)** اُن کے دِلوں کے خیالات۔ یہی نہیں جس کا اوپر ذکر کیا گیا۔۔۔

بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْيَاْتِنَا

بلکہ وہ بک دیے کہ "خواب پریشاں ہیں بلکہ من گڑھت ہے، بلکہ وہ شاعر ہیں۔ لہٰذا ہمارے پاس

بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۵

کوئی نشانی لائے، جس طرح اگلے بھیجے گئے تھے"●

(بلکہ وہ بک دیے کہ خواب پریشاں ہیں، بلکہ من گڑھت ہے، بلکہ وہ شاعر ہیں)۔ حاصل یہ، کہ یہ کافر لوگ آنحضرت 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' کے باب میں مضطرب اور متحیر ہو کر کبھی تو آپ کو ساحر کہتے، کبھی شاعر، کبھی مفتری اور کبھی اُکھڑی ہوئی پریشان باتیں کرنے والا بتاتے، اور پھر یہ بھی کہتے، کہ جیسا ہم کہتے ہیں اگر ایسا نہیں ہے، تو چاہیے کہ وہ اِس کو ثابت کرے۔ (لہٰذا ہمارے پاس کوئی نشانی لائے، جس طرح اگلے بھیجے گئے تھے)۔ یعنی اگلے پیغمبروں کی پیش کردہ نشانیوں اور معجزات میں سے کوئی نشانی اور معجزہ پیش کرے۔۔ مثلاً: اونٹنی، عصا، ید بیضا، اور مُردے جلانا، وغیرہ۔

اِس پر حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ اگلے پیغمبروں کے معجزات، تو اُن کو بھی تو۔۔۔

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝۶

نہ مانا اُن سے پہلے کسی آبادی نے جن کو ہم نے تباہ کردیا، تو بھلا کیا یہ مانیں گے●

(نہ مانا اُن سے پہلے کسی آبادی) والوں (نے جن کو ہم نے تباہ کردیا)، یعنی معجزات دیکھ لینے کے بعد اپنے اِنکار اور تکذیب کے سبب ہلاک ہوگئے۔ جب پہلے والوں کا یہ حال رہا، (تو بھلا کیا یہ مانیں گے)؟ چونکہ اگلے مشرکوں کی بہ نسبت یہ بڑے سخت دِل اور جھگڑالو ہیں، تو معجزے دیکھنے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ رہ گیا کافروں کا یہ سوچنا، کہ جو نبی ہوگا وہ آدمی نہ ہوگا بلکہ فرشتہ ہوگا، یہ اُن کی خام خیالی ہے۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ

اور نہیں رسول کیا ہم نے تم سے پہلے مگر مردمیدان، جن کے پاس ہم وحی فرماتے، تو دریافت کرو جاننے والوں سے،

اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۷

اگر تم خود نہیں جانتے●

(اور) یہ اُن کی کج فکری کیوں نہ ہو، اس لیے کہ یہ تو ظاہر ہے، کہ (نہیں رسول کیا ہم نے تم

سے پہلے مگر مرد) اور وہ بھی مردِ (میدان)، نازشِ انسانیت، فخرِ آدمیت (جن کے پاس ہم وحی فرماتے ہیں)۔ یعنی کوئی پیغمبر، فرشتہ نہ تھا، سب آدمی ہی تھے۔ تاکہ ہم جنس ہونے کے سبب سے اُن میں اور اُن کی امتوں میں فائدہ لینا اور فائدہ دینا ظاہر ہو۔ (تو دریافت کرو جاننے والوں سے) کہ انبیاء آدمی تھے یا فرشتے (اگر تم خود نہیں جانتے) کہ رسول کو آدمی ہونا چاہیے۔ اور تم نے اعتقاد جمالیا ہے کہ پیغمبر کے لیے کھانا پینا کیونکر ہوگا، تو سن لو!۔۔۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿۸﴾

اور نہیں بنایا تھا ہم نے انہیں بے جان دھڑ، کہ نہ کھائیں کھانا، اور نہ وہ ہمیشہ یہاں رہنے والے ●

(اور) یاد رکھو! کہ (نہیں بنایا تھا ہم نے اُنہیں بے جان دھڑ، کہ نہ کھائیں کھانا)۔ یعنی وہ ایسے جسم والے نہیں تھے جنہیں کھانے کی ضرورت ہی نہ ہو۔۔ یا۔۔ کھانا اُن کی شایانِ شان نہ ہو۔ (اور نہ) ہی (وہ ہمیشہ یہاں رہنے والے) تھے، کہ دُنیا میں اُن پر موت ہی طاری نہ ہو۔۔ ہاں۔۔ یہ ضرور ہے، کہ ہم نے اُن سے وعدہ کرلیا تھا کہ 'موحد' غالب ہوں گے اور 'مشرک' مغلوب۔۔ تو۔۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۹﴾

پھر ہم نے سچ کر دکھایا انہیں اپنے وعدے کو، چنانچہ بچالیا ہم نے انہیں اور جسے چاہا، اور برباد کر دیا زیادتی کرنے والوں کو ●

(پھر ہم نے سچ کر دکھایا اُنہیں اپنے وعدے کو) جس وعدے کا ابھی اوپر ذکر ہوا۔ (چنانچہ بچالیا ہم نے انہیں) یعنی انبیاءِ کرام کو، (اور جسے چاہا) مومنوں میں سے۔۔ یا۔۔ اُن لوگوں کو جنہیں باقی رکھنے میں کچھ حکمت تھی، (اور برباد کر دیا زیادتی کرنے والوں کو)، جو فضول کام کرنے والے اور فضول باتیں کرنے والے تھے۔ تو اَے گروہِ قریش! تم اپنے اوپر ہمارے فضلِ بے پایاں کو دیکھو، کہ۔۔۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

بے شک اتارا ہم نے تمہاری طرف کتاب، جس میں تمہارے لیے بڑی بات ہے، تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے ●

(بے شک اُتارا ہم نے تمہاری طرف کتاب جس میں تمہارے لیے بڑی بات ہے)، یعنی تمہارا شرف نامہ اور تمہارا آوازہ اور شہرہ۔۔ یا۔ تمہارے واسطے نصیحت اور زندگی گزارنے کے ایسے آئین وضوابط ہیں، جن کو اپنانے اور اُن پر عمل کرتے رہنے ہی میں دُنیا و آخرت کی خوش بختی ہے۔

(تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے)؟ کہ ایسی عظیم وجلیل اور شرف بخشنے والی کتاب کو سمجھتے اور اُس پر ایمان لاتے۔اور "اَشْرَافُ اُمَّتِیْ حَمَلَةُ الْقُرْآن"، یعنی"حاملینِ قرآن ہی میری امت کے اشراف ہیں" کا مصداق بن جاتے۔تو اَے ظلم وزیادتی کرنے والے اور حد سے بڑھنے والے قریشیو! کیا تمہیں ملکِ شام کی ایک بستی 'حضور'۔یا۔'حضورا' کی بات نہیں پہنچی، جہاں حق تعالیٰ نے ایک پیغمبر بھیجا تھا، تو اُن گاؤں والوں نے سرکشی اور عداوت کی راہ سے اُسے قتل کرڈالا۔پس اللہ تعالیٰ کے غضب نے بخت نصر کو اُن پر بادشاہ مقرر کیا، یہاں تک کہ اُس نے اُن لوگوں کو قتل کرنا شروع کیا، اور پھر اِس طرح سب کے سب ہلاک ہوگئے۔۔تو۔۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا

اور کتنی برباد کردیں ہم نے بستی جو اندھیر نگری تھیں، اور پیدا کردیں

بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۱۱﴾

اُن کے بعد دوسری قومیں●

دیکھو (اور) سمجھو! کہ (کتنی برباد کردیں ہم نے بستی جو اندھیر نگری تھیں)، جہاں کے لوگ کفر وشرک کی وجہ سے ظالم تھے، (اور) پھر (پیدا کردیں اُن کے) موضع کو تباہ اور ہلاک کردینے کے (بعد دوسری قومیں) اُن کی جگہ پر۔

یہ بیان فرما کر حق تعالیٰ کفارِ عرب کو تہدید کرتا ہے، کہ جو قادر اگلوں کو ہلاک کردینے میں عاجز نہ تھا، وہ پیچھے آئے ہوؤں کو ہلاک کرڈالنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔۔قصہ مختصر۔۔

فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ﴿۱۲﴾

پھر جب انہوں نے دیکھا ہمارا عذاب، اُسی وقت وہاں سے بھاگنے لگے●

(پھر جب اُنہوں نے)، یعنی 'حضوریوں' نے (دیکھا ہمارا عذاب)، یعنی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ بخت نصر کے لشکر نے اُنہیں گھیر لیا ہے، تو (اُسی وقت وہاں سے بھاگنے لگے) اور اپنے جانوروں کو تیزی سے ہنکانے لگے۔۔المختصر۔۔وہ سب اپنے جانوروں کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔ تو فرشتوں نے استہزاء کے طور پر کہا۔۔۔

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ

"بھاگو مت، اور لوٹ چلو جس آرام میں تھے، اور اپنے گھروں کو،

لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ۝۱۳

کہ تم سے پوچھا جائے"●

(بھاگو مت)، خدا کے عذاب سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے؟ (اور لوٹ چلو جس آرام میں تھے اور اپنے گھروں کو)، یعنی اپنی آرام گاہوں اور عشرت کدوں کی طرف واپس جاؤ، تا (کہ تم سے پوچھا جائے) اور یہ سوال کیا جائے، کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے مقابلے میں تم نے کیا عبادتیں کی ہیں، اور اُس کے دیے ہوئے اُن اِنعامات کا کس طرح شکریہ ادا کیا ہے۔ اُس وقت اُنہوں نے اعتراف کیا، اور۔۔۔

قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۱۴

بولے" ہائے افسوس! ہمیں اندھیر والے تھے"●

(بولے ہائے افسوس! ہمیں اندھیر والے تھے)، کیونکہ ہم نے پیغمبر کو قتل کر ڈالا۔ پھر اُن قوموں پر ایسا عذاب آیا جس نے اُن سب کو جڑ سے اُکھاڑ دیا۔۔ الحاصل۔۔

فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۝۱۵

پھر یہی رہ گئی تھی اُن کی پکار یہاں تک کہ کر دیا ہم نے انہیں کٹا کھیت، بجھی آگ●

(پھر یہی رہ گئی تھی اُن کی پکار) یعنی وہ ہمیشہ **يٰوَيْلَنَآ** کہتے رہے، (یہاں تک کہ کر دیا ہم نے اُن کو کٹا کھیت) چھیلی ہوئی گھاس، یعنی جس طرح کھرپی سے گھاس کاٹتے ہیں اُسی طرح انہیں تلوار سے کاٹ ڈالا، اور کر دیا ہم نے اُنہیں (بجھی آگ) یعنی مرے مُرجھائے ہوئے۔

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا، کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام کو اپنا پیغام دے کر بھیجا، تو کافروں اور مشرکوں نے سرکشی کی اور اُن کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے اِنکار کیا۔ اب اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا، کہ اللہ تعالیٰ کو اُن کی عبادت کی کیا ضرورت ہے، کیونکہ وہ **خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** اور 'مالکِ کائنات' ہے۔ وہ خود اِرشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿١٦﴾

نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان وزمین کو، اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، بے کار●

(نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان وزمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے، بے کار)۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مملوک اور غلام ہے۔ انسانوں کی بہ نسبت فرشتے بہت طاقتور ہیں اور بہت عظیم مخلوق ہیں۔ وہ ہر وقت اُس کی عبادت کرتے رہتے ہیں، اور اُس کی عبادت سے نہیں تھکتے۔

ذہن نشین رہے کہ تسبیح وتحمید کے سوا بعض فرشتوں کے دوسرے بھی فرائض ہیں، تو ممکن ہے کہ فرشتوں کی بناوٹ اور ساخت کچھ اِس قسم کی ہو، کہ وہ اپنے دوسرے فرائض بھی ادا کرتے رہیں اور ہر وقت تسبیح بھی پڑھتے رہیں۔۔یا یہ کہ۔۔جس طرح ہمیں سانس لینا دوسرے کاموں سے مانع نہیں ہے، اِسی طرح فرشتوں کا تسبیح کرنا اُن کو دوسرے امور انجام دینے سے مانع نہ ہو۔۔الحاصل۔۔لہو ولعب کے طور پر کسی شے کی تخلیق شان الٰہی کے منافی ہے۔ بلکہ ایسی چیزیں جو شانِ خداوندی کے منافی ہوں، وہ تحتِ قدرت ومشیت ہوتیں ہی نہیں۔ محالات نہ تو تحتِ قدرت ہوتے ہیں اور نہ ہی تحتِ مشیت۔ قدرت ہو۔۔یا۔۔مشیت، دونوں کا تعلق ممکنات ہی سے ہوتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿١٧﴾

اگر تحتِ قدرت ومشیت ہوتا، کہ ہم اختیار کریں کھلونا، تو اختیار کر لیتے اپنی طرف سے۔ اگر ہمیں کرنا ہوتا●

(اگر تحتِ قدرت ومشیت ہوتا کہ ہم اختیار کریں کھلونا)، یعنی وہ چیز جس سے کھیلتے ہیں اور جسے دیکھنے سے خوش ہوتے ہیں، جیسے جورُو لڑکے، (تو اختیار کر لیتے اپنی طرف سے) ایسے طور پر، جو ہماری شان کے لائق ہوتا۔۔نیز۔۔(اگر ہمیں کرنا ہوتا) اس کام کو۔ لیکن جورُو لڑکے سے ہم پاک اور منزہ ہیں۔۔نیز۔۔ہم لہو ولعب بھی ہرگز اختیار نہیں کرتے۔۔۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَیَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ؕ

بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو باطل پر۔ تو وہ بھیجا نکال دیتا ہے باطل کا، جبھی وہ مٹا مٹایا ہے۔

وَلَكُمُ الْوَیْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿١٨﴾

اور تمہارے لیے خرابی ہے جو باتیں بناتے ہو●

(بلکہ ہم پھینک مارتے ہیں حق کو باطل پر)، یعنی خیر کو لہو ولعب۔۔یا۔۔اسلام کو کفر پر مسلط کرتے ہیں، (تو وہ بھیجا نکال دیتا ہے باطل کا) یعنی حق باطل کو توڑ ڈالتا ہے۔(جبھی) تو (وہ) یعنی لہو ولعب۔۔یا۔۔کفر (مٹا مٹایا ہے)۔یعنی انجام کے لحاظ سے انہیں مٹنا اور زائل ہونا ہی ہے، تو نتیجہ کے لحاظ سے دونوں ہی گویا مٹے مٹائے ہیں۔(اور) اندھیر کرنے والو! (تمہارے لیے خرابی ہے) بہ سبب اُس کے (جو باتیں بناتے ہو) اور اپنے جی سے گڑھ کر خدا کے لیے بیوی اور بیٹے کا قول کرتے ہو۔۔الغرض۔۔ اُس ذاتِ ﷻ کی طرف ایسے وصف کی نسبت کرتے ہو، جو کسی حال میں بھی اُس کا وصف ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔اندھیر کرنے والو سن لو! کہ خدائے عظیم وجلیل اور قادر و مختار کو، نہ تو بیوی بیٹے کی حاجت ہے اور نہ تمہاری عبادتوں کی۔۔۔

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ

اور اُسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔اور جو اُس کے نزدیکی ہیں، نہ بڑے بنیں

عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿١٩﴾

اُس کی عبادت سے، اور نہ تھکیں●

(اور) یہ اس لیے، کہ (اُسی کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے) خواہ روحانیات والے ہوں یا جسمانیات والے۔۔الغرض۔۔سارے آسمان وزمین والے سب کے سب اُسی کی مخلوق اور مملوک ہیں۔(اور) اُن میں (جو) معزز و مشرف اور صاحبانِ عظمت (اُس کے نزدیکی) و مقرب (ہیں)، اُن ملائکہ کی سعادت مندیوں کا حال یہ ہے، کہ (نہ بڑے بنیں اُس کی عبادت) و بندگی (سے)، ایسا کہ سرکشی پر اُتر آئیں، اور عبادت کرنے سے انکار کردیں۔(اور نہ) ہی (تھکیں) یعنی کثرتِ عبادت کے باوجود، نہ وہ عبادت سے تھکتے ہیں اور نہ ہی عبادت سے ذرا بھی باز آتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔اُن کی شان یہ ہے، کہ۔۔۔

یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ ﴿٢٠﴾

پاکی بولیں رات اور دن بے سلسلہ توڑے●

(پاکی بولیں) یعنی حق تعالیٰ کی پاکی بیان کریں۔۔یا۔۔نماز ادا کرتے ہیں۔۔یا۔۔حمد کرتے ہیں (رات اور دن بے سلسلہ توڑے)، یعنی رات دِن امرِالٰہی کی تعظیم میں برابر گزارتے ہیں اور سست اور ضعیف نہیں ہوجاتے۔

اب حق تعالیٰ مشرکوں کی نادانی بیان فرماتا ہے، یعنی اَے مشرکو! تم بتوں کو خدا کہتے ہو، اور خدائی کو یہ بات لازم ہے کہ ممکنات پر قدرت رکھتا ہو، اور تم جانتے ہو کہ بتوں کو قدرت نہیں ہے، تو اُس بے قدرتی کے باوجود۔۔۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا کافروں نے بنالیے بہت سے معبود زمین سے، جو کچھ پیدا کرلیں؟●

(کیا کافروں نے بنالیے بہت سے معبود زمین) کے اجزاء (سے)، جیسے سونے چاندی لکڑی پتھر وغیرہ سے، (جو کچھ پیدا کرلیں) یعنی کسی چیز کو پیدا کرسکیں۔۔یا یہ کہ۔۔مُردے کو زندہ کرسکیں۔

ظاہر ہے کہ جو بھی کسی کی عبادت کرتا ہے، تو وہ اجر وثواب ہی کے لیے کرتا ہے۔ تو اُس کا یہ عقیدہ لازمی ہوگا، کہ وہ اپنے معبود کو اجر وثواب دینے پر قادر مانتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو دُنیا میں اجر وثواب نہیں ملتا، تو اب اُن کا اجر وثواب اُنہیں آخرت ہی میں مل سکے گا۔ تو اب جو ان بتوں کو معبود مانتے ہیں، اُن کا یہ معبود ماننا اِس بات کو واجب کرتا ہے، کہ وہ بتوں کو حیاتِ آفرینی اور زندگی دینے پر قادر مانیں۔ تو یہ مشرکین کی کتنی بڑی جہالت ہے، کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے ہوئے، یہ نہیں مانتے کہ وہ مُردوں کو زندہ کرسکتا ہے، تو دوسری طرف اپنے باطل معبودوں کے تعلق سے ایسے خیالات وابستہ کرلیے ہیں جس سے اِن معبودوں کے لیے بھی مُردوں کو زندہ کردینے کا اعتراف جھلکتا ہے۔ اِن نادانوں کے دماغ میں یہ حقیقت بھی نہ آسکی، کہ۔۔۔

لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ

اگر ہوتے زمین وآسمان میں بہت سے معبود اللہ کے سوا، تو ضرور برباد ہوجاتے، پس پاکی ہے اللہ کی، پروردگار عرش کا،

عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

ان کی من گڑھت باتوں سے●

(اگر ہوتے زمین وآسمان میں بہت سے معبود) جو اُن کے کاموں کی تدبیر کریں (اللہ) تعالیٰ (کے سوا، تو ضرور برباد ہوجاتے) آسمان وزمین اور اُن کا کام خراب ہوجاتا۔

اِس واسطے کہ اگر سب خدا کسی مراد میں موافق ہوتے، تو ایک مقدور پر بہت سی قدرتیں

طاری ہو جاتیں۔اور اگر کسی کام میں مخالفت کرتے، تو وہ کام بغیر بنے توقف میں پڑا رہتا۔
تو تمام عالم کا تدبیر کرنے والا ایک ہی چاہیے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اُور نہیں۔
اِس پر یوں بھی غور کیا جاسکتا ہے، کہ اگر بالفرض عالَم میں تدبیر کرنے والے دو خدا ہوں تو دو حال سے خالی نہ ہوگا۔ایک یہ، کہ دونوں میں کوئی ایک تنہا نظامِ کائنات کے چلانے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔۔یا۔۔دونوں ہی قدرت رکھتے ہوں۔پہلی صورت میں ہر ایک، دوسرے کا محتاج ہوگا تو جو محتاج ہو، وہ خدا نہیں ہوسکتا۔اور دوسری صورت میں جب ایک سے کام چل سکتا ہے، تو دوسرے کی ضرورت نہ ہوگی اور وہ بے کار ہوگا اور وہ بھی خدا نہیں ہوسکتا، جس کی ضرورت ہی نہ ہو۔وہ مدِ فاصل یعنی بے کار ٹھہرے۔

(پس پاکی ہے اللہ) تعالیٰ (کی) جو (پروردگار) ہے (عرش کا، ان) مشرکین (کی مَن گڑھت باتوں سے)۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ اولا دوالا ہونے اور جورُو اختیار کرنے سے پاک وصاف اور بے نیاز ہے۔اُس کی شان یہ ہے، کہ اپنی عظمت اور اپنے وحدہٗ لاشریک ہونے کے سبب سے۔۔۔

لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿٢٣﴾

وہ نہ پوچھا جائے گا جو بھی کرے، اور سب پوچھے جائیں گے●

(وہ نہ پوچھا جائے گا جو بھی کرے)۔یعنی وہ کسی کے بھی سامنے جوابدہ نہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ اپنی مخلوق میں جو قضاء اور فیصلہ فرماتا ہے، اُس کے متعلق اُس سے سوال نہیں کیا جائے گا۔اور مخلوق سے اُن کے اعمال کے متعلق سوال کیا جائے گا، کیونکہ وہ اُس کے غلام ہیں۔

ایک قول کے مطابق آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے کسی قول اور فعل پر گرفت نہیں کی جائے گی اور مخلوق کے اقوال اور افعال پر گرفت ہوگی۔۔الختصر۔۔حکمت و مصلحت دریافت کرنے کی بات الگ ہے، مگر حاکمانہ طور پر اُس کے کسی فعل اور قول کے تعلق سے اُس سے سوال نہیں کیا جاسکتا۔

(اور) اُس کے سوا جو ہیں، (سب پوچھے جائیں گے) اُس کام کے تعلق سے جو وہ کرتے ہیں، کیونکہ وہ سب مملوک ہیں اور مملوک پر لازم ہے کہ اپنی باتوں اور کاموں کا حساب مالک کے ساتھ دُرست کرے۔

ذہن نشین رہے کہ اِلٰہیت جنسیت اور متولیت کے منافی ہے، یعنی جو اِلٰہ ہے اُس کا کوئی

ہم جنس نہیں ہوسکتا۔ اور یوں ہی جو اِلٰہ ہے وہ کسی کا مسئول وجوابدہ نہیں ہوسکتا، تو آخر مشرکین نے کس دلیل کی بنیاد پر غیر خدا کو خدا قرار دے دیا۔۔۔

اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ ۚ هٰذَا ذِكۡرُ مَنۡ مَّعِىَ

یا بنالیا سب نے اللہ کے مقابلے پر کئی معبود۔ مطالبہ کرو کہ "لاؤ اپنی دلیل۔ یہ قرآن ہے تذکرہ میرے ساتھ والوں کا

وَذِكۡرُ مَنۡ قَبۡلِىۡ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَـقَّ فَهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۴﴾

اور مجھ سے پہلوں کا۔" بلکہ ان کے بہتیرے نہیں جانتے حق کو، تو وہ بے رخی کرتے ہیں●

(یا) یہ کہ (بنالیا سب نے) بلا دلیل (اللہ) تعالیٰ (کے مقابلے پر کئی معبود)۔ اور اگر یہ اِس بات کے مدعی ہوں، کہ وہ اپنے اِس مشرکانہ عقیدے کی دلیل رکھتے ہیں، تو اَے محبوب! اُن سے (مطالبہ کرو کہ لاؤ اپنی دلیل)، عقلی ہو۔۔یا۔۔نقلی۔

۔۔عقلاً: تو ایک خدا کے سوا کو باطل کہا جاچکا ہے۔۔نقلاً: بھی اُن کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، اِس لیے کہ تمام آسمانی کتابوں میں توحید ہی کی بات کی گئی ہے۔ ہمارے پاس۔۔تو۔۔

(یہ قرآن ہے) جو (تذکرہ) ہے (میرے ساتھ والوں کا) یعنی میرے امتیوں کا (اور مجھ سے پہلوں کا)، یعنی توریت وانجیل اور صحفِ آسمانی والوں کا۔ اِن سب کتابوں میں توحید کا حکم اور شرک کی ممانعت ہے۔ یقین نہ ہو، تو جولوگ اگلی آسمانی کتابوں کے سچے عالم ہوں اُن سے معلوم کرلو۔ (بلکہ) اب تو صورتِ حال یہ ہے، کہ (ان کے بہتیرے) یعنی سب کے سب (نہیں جانتے حق کو)، تو وہ حق وباطل میں تمیز نہیں کرسکتے، اِسی لیے (تو وہ بے رخی کرتے ہیں) اور اِنکار کرتے ہیں خدا پر ایمان لانے اور اُس کے رسول کی متابعت کرنے سے۔ ایسی بات نہیں کہ اِن کافروں کی فہمائش نہیں کی گئی۔۔۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا نُوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول مگر وحی بھیجا کیے اُس کی طرف کہ "نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل میرے سوا،

اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ ﴿۲۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ بَلۡ عِبَادٌ

تو مجھی کو پوجو"● اور کافر بولے کہ "بنالیا خدائے مہربان نے اولاد،" پاکی ہے اُس کی۔ بلکہ وہ

مُّكۡرَمُوۡنَ ۙ﴿۲۶﴾ لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ وَهُمۡ بِاَمۡرِهٖ يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾

معزز بندے ہیں● جو نہ سبقت کریں اُس سے بات میں، اور اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں●

(اور) اُن کی ہدایت نہیں فرمائی گئی، اس لیے کہ اَے محبوب! (نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول مگر وحی بھیجا کیے اُس کی طرف، کہ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل میرے سوا، تو مجھی کو پوجو)۔ اِس ہدایت کو نظر انداز کر دیا۔ (اور کافر بولے کہ بنالیا خدائے مہربان نے اولاد) تو ملائکہ اُس کے فرزند ہیں۔ (پاکی ہے اُس کی) اِس بات سے۔ (بلکہ وہ)، یعنی ملائکہ اُس کے (معزز بندے ہیں) جنہیں بزرگی دی گئی ہے، اور جو نوازے گئے ہیں (جو نہ سبقت کریں اس سے بات میں)، یعنی اُس کی اجازت کے بغیر کچھ نہیں کہتے۔ اس لیے کفار اِس خام خیالی میں نہ رہیں، کہ فرشتے اُن کی شفاعت کریں گے۔ اس لیے، کہ خدا کے اِذن کے بغیر وہ ہرگز شفاعت نہ کرسکیں گے۔ (اور) یہ اِس لیے، کہ وہ تو صرف (اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں)۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى

وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے، اور نہ شفاعت کریں بجز اُن کی، جنہیں اللہ نے پسند فرمایا،

وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ

اور وہ سب خوفِ خدا سے تھراتے آتے ہیں ● اور جو کہہ دے اُن میں سے کہ میں معبود ہوں اللہ کے مقابل،

ع ١٩ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾

تو ایسے کو سزا دیں ہم جہنم کی۔ اِسی طرح ہم سزا دیتے ہیں اندھیر مچانے والوں کو ●

(وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے)، یعنی وہ بخوبی جانتا ہے جو کچھ اُس سے پہلے وہ کر چکے ہیں اور جو کچھ اُس کے بعد کریں گے۔۔ چنانچہ۔۔ وہ فرشتے نہ درخواست کریں (اور نہ شفاعت کریں بجز اُن کی، جنہیں اللہ) تعالیٰ (نے پسند فرمایا)، یعنی جس کی شفاعت خدا پسند فرمائے۔۔یا۔۔ جو خدا کے پسندیدہ کلمۂ توحید کا اِقرار کرے اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی تصدیق کرے، تو جس نے دُنیا میں کلمۂ طیبہ کو دِل کی تصدیق کے ساتھ زبان سے کہا، اُس کی شفاعت واجب ہوگی۔۔ الغرض۔۔ اُسی کی شفاعت کرنے کا اِذنِ الٰہی ہوگا۔ خواہ وقتِ شفاعت اِذن عطا فرمایا جائے۔۔یا۔۔ ایسوں کی شفاعت کے لیے پہلے ہی سے ماذون فرمادیا جائے۔ بھلا فرشتے خدا کی بارگاہ میں خود آگے بڑھ کر بات کیسے کرسکتے ہیں (اور) وہ کلام میں سبقت کیسے کرسکتے ہیں، جب کہ (وہ سب) بارگاہِ خداوندی میں حاضری کے وقت (خوفِ خدا سے تھراتے آتے ہیں)۔

(اور) یہ خوب جانتے ہیں کہ (جو کہہ دے اُن میں سے کہ میں معبود ہوں اللہ) تعالیٰ (کے مقابل، تو ایسے کو سزا دیں) گے (ہم جہنم کی)، خواہ وہ اُنہی فرشتوں میں سے کوئی ہو۔۔یا۔۔کسی اور مخلوق میں سے کوئی ہو۔ تو یاد رکھو! کہ جس طرح ہم خدائی کا دعویٰ کرنے والے کو جزا اور بدلہ دیتے ہیں، (اسی طرح ہم سزا دیتے ہیں اندھیر مچانے والوں کو) جنہوں نے خدائی کا دعویٰ کرنے والے کی پرستش کر کے اپنے اوپر ظلم کیا۔

اب آگے کی آیات میں اللہ تعالیٰ زمین اور آسمان کی چیزوں سے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرما رہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ

کیا نہیں سوچا جنہوں نے کفر کیا کہ "بلاشبہ سارے آسمان اور زمین بند تھے، پھر ہم نے انہیں کھولا۔

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

اور بنایا ہم نے پانی سے ہر چیز زندہ۔" تو کیا نہیں مانتے؟●

(کیا نہیں سوچا جنہوں نے کفر کیا، کہ بلاشبہ سارے آسمان اور زمین بند تھے) یعنی بندھے ہوئے تھے، یعنی مجتمع تھے اور ایک حقیقت میں تھے۔ (پھر ہم نے اُنہیں کھولا)، یعنی ہم نے اُنہیں ایک سے دوسرے کو قسم کر کے اور تمیز دے کر الگ کر دیا۔۔یا۔۔سب آسمان ایک ہی آسمان تھا، اُسے مختلف حرکتیں دے کر ہم نے کتنے آسمان بنا دیے، اور ایک زمین کو بھی طبقوں کی کیفیتیں اور حال مختلف ہونے کے سبب سے کئی قسم کی ہم نے کر دی۔۔یا۔۔زمین و آسمان ایک میں چپکے اور جمے تھے، اور اُن کے بیچ فرق نہ تھا، ہم درمیان میں ہوا لائے، اور ہم نے اُنہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا۔

ایک قول کے مطابق اِس کا معنی یہ ہے، کہ ایک زمین سے ہم نے چھ طبقے نکالے، تو سات طبقے ہو گئے۔ اور ایک آسمان سے چھ نکالے تو سات ہو گئے۔ بعضوں نے یہ معنی کہے ہیں کہ آسمان بندھا تھا، اور اس سے پانی نہ برستا تھا۔ اور زمین بندھی تھی اور اُس پر گھاس نہ اُگتی تھی، تو ہم نے اُس کو مینھ کے سبب سے اور اِس کو گھاس کے سبب سے کھول دیا۔

(اور بنایا ہم نے پانی سے ہر چیز) کو جو (زندہ ہے) یعنی سب حیوانوں کو ہم نے پانی سے بنایا ہے۔ اِس واسطے کہ جن چیزوں سے یہ بنے ہیں، اُن میں سب سے زیادہ پانی ہی ہے، اور اُن کا پانی سے احتیاج رکھنا اور پانی سے نفع لینا سب پر ظاہر ہے۔۔یا۔۔ہم نے نطفے سے پیدا کیا۔۔یا۔۔ہم نے

پانی کو ہر زندہ کی زندگی کا سبب کر دیا، (تو) پھر (کیا نہیں مانتے) اور ایمان نہیں لاتے مشرک لوگ، باوجود اِن کھلی ہوئی نشانیوں کے۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۠ وَجَعَلْنَا فِيْهَا

"اور گاڑ دیے ہم نے زمین میں پہاڑ، کہ کہیں ہل جائے ان کو لیے۔ اور بنایا ہم نے اِس میں

فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣١﴾

کھلے کھلے راستے، کہ لوگ راہ چلتے پھرتے رہیں●

(اور) ہماری قدرتِ کاملہ تو دیکھو، کہ (گاڑ دیے ہم نے زمین میں پہاڑ کہ کہیں ہل جائے اُن کو لیے)، یعنی اُن کو لے کر ملنے نہ لگے اور آدمیوں کو تباہ اور ہلاک نہ کر دے۔ (اور بنایا ہم نے اُس میں) یعنی زمین میں۔۔یا۔۔ پہاڑوں کے درمیان (کھلے کھلے راستے)، تا (کہ لوگ راہ چلتے پھرتے رہیں)، یعنی سفر کرتے رہیں اور اپنی منزلوں تک پہنچتے رہیں۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۖۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾

اور کر دیا ہم نے آسمان کو محفوظ چھت۔" اور کفار اُس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہیں●

(اور کر دیا ہم نے آسمان کو محفوظ چھت) جو گرنے پڑنے سے محفوظ ہے۔۔یا۔۔ وقتِ معلوم تک نیست و نابود ہونے سے بچی ہوئی ہے۔۔یا۔۔ ہوا میں بے ستون محفوظ ہے۔ (اور کفار) کی حالت یہ ہے، کہ وہ (اُس کی نشانیوں سے منہ پھیرے ہیں)۔ یعنی ہماری نشانیوں سے جو آسمان میں ہیں اور اِس بات پر دلالت کرتی ہیں، کہ بنانے والا موجود ہے اور ایک ہی ہے، اور اُس کی قدرتِ کاملہ کھلی ہوئی ہے، کافر لوگ اُن نشانیوں سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ یعنی جس قدر ہماری نشانیاں دیکھتے ہیں اُن کا انکار بڑھتا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ

"اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا رات اور دن کو، اور سورج اور چاند کو۔

كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾

سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں"●

(اور) یہ منکرین اِن حقائق پر غور وفکر نہیں کرتے، کہ اللہ تعالیٰ ہی (وہی ہے جس نے پیدا فرمایا رات اور دن کو)۔ رات اندھیری، تاکہ اُس میں آرام پائیں اور دن روشن، تاکہ اُس میں چل پھر کر حصولِ معاش کی جدوجہد کریں۔ (اور) پیدا فرمایا (سورج اور چاند کو)۔ سورج کو دِن کی علامت بنایا اور چاند کو رات کی علامت بنایا، تاکہ لوگ مہینوں اور سالوں کا حساب کرسکیں۔ اُن کی رفتار دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ (سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں)۔

یہاں فلک سے مُراد سورج اور چاند کے وہ مدار ہیں جس پر وہ گردش کرتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں اُس کی کوئی تصریح نہیں ہے، کہ یہ مدار آسمان کے اندر ہیں۔۔یا۔ خلاء میں ہیں۔ قدیم فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ یہ مدار آسمانوں میں ہیں اور سورج و چاند اس پر اس طرح دوڑتے ہیں جیسے پیراک پانی پر دوڑتا ہے۔

حالیہ جدید تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے، کہ چاند اور سورج افلاک میں مرکوز نہیں ہیں۔ اور زمین سمیت تمام سیارے خلاء کے اندر اپنے اپنے مدار میں گردش کرتے ہیں۔

چونکہ اِن کے حقائق پر گفتگو کرنا قرآنِ کریم کا موضوع نہیں، اِس لیے وہ صرف اِن کے منافع وفوائد اور اِن کی حکمتوں اور مصلحتوں اور اِن میں موجود قدرتِ الٰہی اور توحیدِ خداوندی کی نشانیوں کی وضاحت فرماتا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ﴿٣٤﴾

اور نہیں کیا ہم نے کسی بشر کے لیے تم سے پہلے یہاں ہمیشہ رہنا، "تو کیا اگر تم انتقال کرجاؤ، تو یہ کافر لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟"

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی چیزوں سے اپنی الوہیت اور اپنی توحید پر استدلال فرمایا تھا، اور اب اِن آیتوں میں یہ بتارہا ہے، کہ زمین اور آسمان کی یہ عظیم الشان چیزیں اس لیے نہیں بنائی گئی ہیں، کہ اِن کا بقا اور دوام ہو۔ اور نہ اُن چیزوں کے لیے بقا اور دوام ہے، جس کے لیے یہ چیزیں بنائی گئیں۔ یہ دُنیا بھی فنا ہوجائے گی اور اِس میں رہنے والے بھی سب فنا ہوجائیں گے۔ روایت ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن گمراہی کی وجہ سے کہتے تھے، کہ ہم یہ انتظار کرتے ہیں، کہ حوادث کی آندھی آئے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یاروں کو متفرق کرکے انہیں ہلاکت میں ڈال دے، تو اپنے حبیب کی تسلی کے لیے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

(اور نہیں کیا ہم نے کسی بشر کے لیے تم سے پہلے یہاں ہمیشہ رہنا، تو کیا اگر تم انتقال کر جاؤ، تو یہ کافر لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟)۔یعنی جو تمہاری موت کے منتظر ہیں ہمیشہ رہیں گے اور موت سے نجات پا جائیں گے، ایسا نہیں۔۔۔اس لیے کہ۔۔۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ

ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔اور ہم آزماتے ہیں تمہیں دکھ اور سکھ سے آزمانے کو۔

وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿٣٥﴾

اور ہمارے ہی طرف لوٹائے جاؤ گے●

(ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے)۔یعنی دُنیا میں ہر 'ممکن' اور ہر 'مخلوق' کے نفس کو موت سے پہلے آنے والے امراض اور اُن کے آلام کا سامنا کرنا ہے۔۔نیز۔۔موت کے مقدمات اور وہ کیفیات جو موت سے پہلے وارد ہوتی ہیں اور جن تکلیفوں میں مبتلا ہو کر جان نکلتی ہے، اُن کا ہر شخص کو سامنا کرنا ہے اور اُن کا ادراک کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھ ملے۔۔یا۔۔دُکھ، یہ دراصل اُس کی طرف سے آزمائش ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ خداوندی۔۔۔

(اور) فرمانِ الٰہی ہے، کہ (ہم آزماتے ہیں تمہیں دُکھ اور سکھ سے)،یعنی بلاؤں اور مصیبتوں میں گرفتار کر کے اور نعمتیں اور بخششیں دے کر (آزمانے کو)۔یعنی ہم تمہارے ساتھ آزمائش کرنے والوں کا معاملہ کرتے ہیں سختی اور آسانی، مفلسی اور تونگری میں، تا کہ ہر ایک کا مرتبہ اہل عالَم کو معلوم ہو جائے۔(اور) یاد رکھو! کہ تم (ہمارے ہی طرف لوٹائے جاؤ گے) اور اپنے اعمال کے موافق جزا پاؤ گے۔

کافروں کی جن باتوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، کہ وہ نبی کریم کے انتقال کے تعلق سے اپنے انتظار کی بات کرتے ہیں، صرف اِتنا ہی نہیں، بلکہ وہ وقتاً فوقتاً دوسرے طریقوں سے گستاخیاں کرتے رہتے تھے۔۔چنانچہ۔۔جب ایک بار آنحضرت ﷺ عرب کے سرداروں کی ایک جماعت کے سامنے سے گزرے، تو اُن میں سے ابوجہل بےادبی کی راہ سے ہنسا اور بولا، کہ یہ نبی! عبدِ مناف کا بیٹا ہے۔یعنی آپ کو بطورِ استہزاء نبی کہا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ

اور جب دیکھا تم کو کافروں نے، تو نہیں قرار دیتے تمہیں مگر مذاق۔ کہ "کیا یہی کہا کرتے ہیں

یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

تمہارے بتوں کو۔" حالانکہ خدائے مہربان کے ذکر سے وہ منکر ہیں●

(اور) فرمایا گیا، کہ (جب دیکھا تم کو کافروں نے، تو) لوگوں کے سامنے (نہیں قرار دیتے تمہیں) یعنی نبی نہیں کہتے، (مگر) بطورِ (مذاق)۔ یعنی وہ ہنسی کی راہ سے تم کو نبی کہتے ہیں، اور آپس میں کہتے ہیں، (کہ کیا یہی کہا کرتے ہیں تمہارے بتوں کو) برا اور اُن کی مذمت کرتے ہیں؟ (حالانکہ خدائے مہربان کے ذکر سے وہ منکر ہیں)، یعنی درحقیقت ہنسے جانے اور مسخرے بننے کے لائق یہ کافر خود ہی ہیں، جو خدا کو یاد کرنے اور اُسے ایک جاننے۔۔یا۔قرآن کے ساتھ۔۔یا۔۔رحمان کے نام پر ایمان نہیں لاتے۔تو یہ اِس لائق ہیں، کہ اُن کی فہم وفراست اور عقل ودانش کا مذاق اڑایا جائے۔ اِن بے وقوفوں کو پیغمبر پر ایمان لانا چاہیے۔ یہ ایمان نہیں لا رہے ہے، بلکہ اپنے اوپر بعجلت عذابِ الٰہی چاہ رہے ہیں۔۔چنانچہ۔۔نضر بن حارث عذاب کی جلدی کرتا تھا۔۔تو۔۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾

پیدا کیا گیا ہے انسان جلد پسندی سے، بہت جلد ہم دکھادیں گے تمہیں اپنی نشانیاں، تو جلد بازی سے کام نہ لو●

(پیدا کیا گیا انسان جلد پسندی سے)۔ جلد پسندی کو اُس کا خمیر بنا کر کمال درجے کا مبالغہ فرمایا گیا ہے، یعنی کاموں میں بہت جلدی کرنے اور دیر کم کرنے کے مادّے سے اُسے بنایا گیا۔۔چنانچہ۔۔ اُس کی جلد بازیوں میں سے یہ بات بھی ہے، کہ وہ عذابِ الٰہی میں بھی جلدی چاہتا ہے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

(بہت جلد ہم دکھادیں گے تمہیں اپنی نشانیاں)۔ دُنیا میں بدر کا واقعہ تھا اور آخرت میں عذابِ دوزخ ہوگا۔ (تو جلد بازی سے کام نہ لو) ہم سے عذاب مانگنے میں۔

اور بعضوں نے کہا ہے، کہ انسان سے حضرت آدم علیہ السلام مراد ہیں۔ اُن کی جلدی یہ تھی کہ جب اُن کے سر اور آنکھوں میں روح آئی، تو اُنہوں نے دیکھا کہ آفتاب ڈوبنے والا ہے، تو بولے یارب آفتاب ڈوبنے سے پہلے میری خلقت پوری کردے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾

اور پوچھتے ہیں کہ "کب یہ وعدہ ہوگا اگر سچے ہو؟" ●

یہ جلد باز (اور) عذابِ الٰہی کے نزول میں عجلت چاہنے والے کافر، پیغمبرِ اسلام اور اُن کے اصحاب سے (پوچھتے ہیں، کہ کب یہ وعدہ ہوگا)۔یعنی عذاب کا یا قیامت کا یہ وعدہ کب ہوگا، ہمیں بتاؤ تو (اگر سچے ہو)؟

تو حق تعالیٰ نے اُن کی بات کے جواب میں فرمایا۔۔۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ

کاش جانتے جنہوں نے کفر کر رکھا ہے، جس وقت، کہ نہ روک سکیں گے اپنے چہرے سے آگ،

وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٣٩﴾

اور نہ اپنی اپنی پشت سے، اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی ●

(کاش جانتے جنہوں نے کفر کر رکھا ہے جس وقت کہ نہ روک سکیں گے اپنے چہرے سے آگ، اور نہ اپنی اپنی پشت سے، اور نہ) ہی (اُن کی مدد کی جائے گی)۔۔الحاصل۔۔آگ اُن کے سارے بدن کو گھیرے ہوئے ہوگی، اور وہ کوئی ایسا یار و مددگار نہ پائیں گے جو عذاب کو ان سے روکے۔تو اگر کافر ایسے عذاب کو جانیں، تو اُس کے نازل ہونے کی جلدی نہ کریں۔۔یا۔۔انہیں اگر پیغمبرِ اسلام کی سچائی اور اپنی غلطی کا علم ہو جائے، جب بھی عذاب کے نزول میں عجلت کا مطالبہ نہ کریں۔اِن منکرین کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے، کہ قیامت اُن پر پہلے ہی سے اپنا وقت بتا کر نہیں آئے گی۔۔۔

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٤٠﴾

بلکہ آپڑے گی اُن پر اچانک تو بھوچکا کر دے گی انہیں، تو اُس کو پھیر سکیں گے اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی ●

(بلکہ آپڑے گی اُن پر اچانک، تو بھوچکا کر دے گی اُنہیں)، یعنی انہیں مبہوت اور متحیر کر دے گی۔(تو اُس کو) نہ تو (پھیر سکیں گے اور نہ) ہی (اُنہیں مہلت دی جائے گی) توبہ اور معذرت کے واسطے۔۔یا یہ کہ۔۔نظر نہ ڈالی جائے گی اُن پر، نہ اُن کی گریہ وزاری پر۔

اب آگے حق تعالیٰ جنابِ حبیبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دِل کو تسلی دینے کے واسطے اگلے انبیاء علیہم السلام کا حال اور اُن کے ساتھ دشمنوں کے ہنسنے کی خبر دیتا ہے۔۔چنانچہ۔۔فرماتا ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ

اور بے شک مذاق اڑایا گیا رسولوں کا تم سے پہلے، تو پڑے گا جو مذاق کرتے تھے اُن سے،

مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٤١﴾ ع ٢

اُن پر اُن کا مذاق●

(اور) بیان کرتا ہے، کہ (بے شک مذاق اُڑایا گیا رسولوں کا تم سے پہلے)۔یعنی اَے محبوب! آپ کے ساتھ جو کافر ہنسی کرتے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں، اس لیے کہ آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق اُڑایا گیا تھا۔ سو مذاق اُڑانے والوں کو اُس عذاب نے گھیر لیا تھا، جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے۔ تو اَے محبوب! آپ رنج وغم نہ کریں، حق بات کہنے والوں کو ہمیشہ ایسی دِل آزار باتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔۔الختصر۔۔ایسی دل آزار بات جب بھی کوئی کرے گا (تو پڑے گا)، یعنی اپنے مذاق کا وہ خود ہی شکار ہو جائے گا اور گھیر لے گا اُس کو اور اُن جیسوں کو (جو مذاق کرتے تھے اُن سے، اُن پر اُن کا مذاق)۔۔ چنانچہ۔۔جو لوگ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مسخرا پن کرتے تھے، اُنہیں اپنے مسخرا پن کی سزا مل گئی۔ تو اَے محبوب! آپ کے ساتھ جو ہنسی کرتے ہیں، اُن کے ساتھ بھی وہی صورت واقع ہوگی۔

کفار اپنے معبودوں کے متعلق یہ کہتے تھے، کہ وہ آخرت میں ہماری مدد کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا رَد فرمایا، کہ نہ تو وہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں، اور نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کی مدد کی جائے گی۔ تو اَے محبوب! اُن ہنسنے اور مذاق اڑانے والوں سے۔۔۔

قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ

پوچھو کہ "کون محفوظ رکھتا ہے تمہیں رات و دن خدائے مہربان سے؟"

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٤٢﴾

بلکہ وہ اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیرے ہیں●

(پوچھو، کہ کون محفوظ رکھتا ہے تمہیں رات و دن خدائے مہربان سے)، یعنی خدا کے عذاب سے، اگر وہ تم سے بدلہ لینا چاہے؟ (بلکہ وہ اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیرے ہیں)۔۔یا۔۔قرآن سے۔۔یا۔۔اُس کی نصیحت سے منہ پھیرنے والے ہیں، کہ دِل میں قرآن۔۔یا۔۔نصیحت نہیں جمتی، تو عذابِ الٰہی سے کیا ڈریں اور اپنے حقیقی نگہبان کو کیوں کر پہچانیں۔ آخر اُن کی سرکشی اور اُن کے اعراض

وانکار کی اُن کے پاس کیا معقول وجہ ہے جس پر وہ مطمئن ہیں۔۔۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ؕ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ

کیا اُن کے بت ہیں جو بچاتے ہیں انہیں میرے مقابلے پر؟ وہ تو سکت نہیں رکھتے اپنے آپ مدد کرنے کی،

وَ لَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور نہ وہ ہم سے مدد کیے جائیں●

(کیا اُن کے) خودساختہ (بت ہیں) جنہیں معبود بنا رکھا ہے (جو بچاتے ہیں اُنہیں میرے مقابلے پر)؟

پھر اُن کے جھوٹے خداؤں کی کیفیت بیان فرماتا ہے، کہ۔۔۔

(وہ) یعنی اُن کے خودساختہ مزعومہ خدا (تو سکت نہیں رکھتے اپنے آپ مدد کرنے کی)، یعنی اگر کوئی اُن کے ساتھ خرابی چاہے جیسے توڑ ڈالنا، نجاست بھر دینا، تو اُس خرابی کو اپنے سے دفع نہیں کر سکتے۔ تو جو اُن کی پرستش کرتے ہیں اُن کی نگہبانی کیونکر کر سکیں گے؟ (اور نہ وہ ہم سے مدد کیے جائیں)، یعنی ایسی بات بھی نہیں کہ بت۔۔۔یا۔۔۔بت پرست ایک دوسرے کی مدد کر کے ہمارے عذاب سے نگاہ رکھے گئے اور پناہ دیے گئے ہیں، یعنی ایسا بھی تو نہیں کہ اللہ کی طرف سے اُنہیں عذابِ الٰہی سے مامون ومحفوظ کر دیا گیا ہو۔۔۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا یَرَوْنَ

بلکہ ہم نے رہنے سہنے دیا ان کو اور ان کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ دراز ہوگئی ان کی عمر، تو کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ

اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾

"ہم اِس ملک کو گھٹاتے جاتے ہیں اُن کے حدود سے۔" تو کیا یہ جیتیں گے؟●

(بلکہ ہم نے رہنے سہنے دیا اُن) مکہ میں رہنے والے گروہ (کو) وسعتِ عیش اور ایمنی اور سلامتی کے ساتھ۔ (اور اُن کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ دراز ہوگئی اُن کی عمر) یعنی اُن کی زندگی لمبی ہوگئی، اُس کے سبب سے وہ مغرور ہو کر سمجھنے لگے کہ ہمیشہ یوں ہی رہیں گے، اور یہ نہ سمجھے کہ عیش اور زندگی دم بہ دم گھٹے گی۔ (تو کیا اُنہیں) یعنی اُن کافروں کو (نہیں سوجھتا، کہ ہم اِس مُلک کو گھٹاتے جاتے ہیں) مسلمانوں کے واسطے (اُن کے حدود سے)۔۔۔چنانچہ۔۔۔وہ روز بروز ایک ملک فتح کرتے

جارہے ہیں، اور ہر روز ایک قلعہ لے لیتے ہیں، اور ایک نئی جگہ اپنے قبضے میں لاتے ہیں۔ جب یہ صورتِ حال ہو، (تو کیا یہ جیتیں گے؟) اور پیغمبر اور مسلمانوں پر غالب آئیں گے؟۔

مگر یہ صورتِ حال اُس وقت کی تھی جب ہم قرآن کے معیار کے مطابق مسلمان تھے، تو زمین کے کنارے ہم پر کشادہ اور وسیع ہورہے تھے اور کفار پر تنگ اور کم ہورہے تھے۔ اور جب ہم قرآن کے معیار کے مطابق مسلمان نہ رہے، تو دُنیا میں حکومت اور اقتدار کا نقشہ بھی بدلنے لگا۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت کے زمانے میں مکہ میں جو کفرواسلام کے درمیان آویزش تھی، اُس میں مکہ کے مسلمانوں پر اگرچہ کفار ظلم وستم کررہے تھے اور بہ ظاہر غالب تھے، لیکن مکہ کے اطراف میں اور مدینہ میں اسلام کی دعوت جڑ پکڑ رہی تھی اور کفار کا حیطۂ اقتدار دن بہ دن کم ہورہا تھا، اور بتدریج اسلام کا غلبہ ہورہا تھا۔ اِن حالات کی طرف اشارہ کرکے فرمایا، کہ۔۔۔

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم اُن پر زمین کے کناروں کو کم کرتے چلے آرہے ہیں، تو کیا یہ اب بھی غالب ہوسکتے ہیں؟ اَے محبوب! اُن سے۔۔۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ

صاف کہہ دو کہ "میں بس ڈراتا ہوں تمہیں وحی سے۔" اور نہیں سنتے بہرے پکارنے کو،

اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

جب کہ وہ ڈرائے جائیں●

(صاف کہہ دو، کہ میں بس ڈراتا ہوں تمہیں وحی سے)۔ یعنی میں جس کلام کو سنا کر تمہیں ڈراتا ہوں، وہ میرا کلام نہیں ہے۔۔بلکہ۔۔۔ یہ تمہارے رب کا کلام ہے۔ تو تم یہ گمان نہ کرو، کہ میں اپنی طرف سے کچھ کہہ رہا ہوں۔ اور اب جب کہ میں نے تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچادیا ہے، تو تم پر اِس کا قبول کرنا لازم ہے۔ اور اگر تم نے اِس پیغام کو قبول نہیں کیا اور اِس کے تقاضوں پر عمل نہیں کیا، تو اِس کا وبال صرف تم پر ہوگا۔

اِس آیت میں اُن کافروں کو بہرا قرار دیا ہے، جو پیغامِ حق کو قبول نہیں کرتے۔ اس لیے کہ سننے کی غرض وغایت یہ ہے، کہ حق کو سن کر اُس کو قبول کیا جائے۔ لیکن جب انہوں نے پیغامِ حق کو قبول نہیں کیا، تو گویا انہوں نے اُس کو نہیں سنا اور وہ بہرے ہیں۔

(اور نہیں سنتے بہرے پکارنے کو، جب کہ وہ ڈرائے جائیں)۔۔الغرض۔۔کافر جو بات سنتے ہیں اُس سے فائدہ نہ حاصل کرنے میں بہروں کے مثل ہیں جو کچھ سنتے ہی نہیں۔اَے محبوب! جو کفار اپنے تکبر اور سرکشی کی وجہ سے عذاب کا مطالبہ کر رہے ہیں، اگر اُن کو معمولی سا عذاب چھو گیا، تو اُن کی ساری اَکڑفوں جاتی رہے گی۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ

اور اگر لگ جاتی انہیں ہوا تمہارے رب کے عذاب کی، تو ضرور بول پڑتے کہ "ہائے بربادی،

اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

بے شک ہم اندھیر والے تھے"●

(اور) فرمایا جا رہا ہے، کہ (اگر لگ جاتی اُنہیں ہوا تمہارے رب کے عذاب کی، تو ضرور بول پڑتے کہ ہائے بربادی، بے شک ہم اندھیر والے تھے)۔ہائے ہماری بدبختی، اللہ کے رسول تو ہمیں اِس عذاب سے بچانے کے لیے آئے تھے، ہم نے خود ہی اُن کے پیغام کو مسترد کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

کس نے کتنا ظلم کیا؟ اور کس قدر بُرائی اکٹھا کی۔۔یوں ہی۔۔کس نے کس قدر نیکیاں جمع کیں، قیامت کے دن سب کا چشم دید کرانے کے لیے حق تعالیٰ کا ارشاد۔۔۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَاِنْ

اور رکھیں گے ہم انصاف کے ترازو قیامت کے دن، تو ظلم نہ کیا جائے گا کوئی کچھ۔اور اگر

كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

کچھ ہو رائی کے دانے کے برابر، تو ہم اُسے بھی لا چکے۔اور ہم کافی حساب کرنے والے ہیں●

(اور) فرمان ہے، کہ (رکھیں گے ہم انصاف کے ترازو قیامت کے دن) جزا دینے کو۔

اِس مقام پر ایک قول کے مطابق 'ترازو' سے مراد 'عدل' ہے، اور یہ دراصل تمثیل ہے ٹھیک ٹھیک حساب اور پوری پوری جزاءِ اعمال کے واسطے۔اکثر مفسرین اس بات پر ہیں، کہ ایک میزان مراد ہے۔اُس کی ایک ڈنڈی اور دو پلڑے ترازو کی طرح ہوں گے، اور اُس میں اعمال

تولیں گے۔ میزان کو جمع کے لفظ سے لانا، اُس کی عظمتِ شان ظاہر کرنے کے لیے ہے۔۔

یا۔۔ یہ بات ہے کہ ہر ایک مکلف کے اعمال اُس ترازو میں تولے جائیں گے، تو ہر ایک کے واسطے ایک ترازو ہوگی، یعنی نیک بدعمل جو اُس میں تولیں گے۔

(تو ظلم نہ کیا جائے گا کوئی کچھ) اپنے حق میں سے، یعنی کوئی نیک بدعمل بے تُلا نہ چھوڑیں گے، **(اور اگر کچھ ہو رائی کے دانے کے برابر)** جو سب دانوں میں چھوٹا ہوتا ہے، **(تو) اُسے بھی ہم لائیں گے** اور ترازو کے پاس حاضر کردیں گے۔ یہ اتنا یقینی معاملہ ہے، گویا **(ہم اُسے بھی لاچکے اور ہم کافی حساب کرنے والے ہیں)**۔ یعنی ہم بس ہیں حساب کرنے والے بندوں کے اعمال کو، اِس واسطے کہ علم اور عدل کا کمال ہم ہی کو ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

اور بے شک دیا ہم نے موسیٰ و ہارون کو توریت، حق و باطل کو جدا کرنے والی، اور روشنی اور نصیحت ڈرنے والوں کے لیے●

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید و رسالت اور قیامت کے دلائل کو مکمل فرمایا، تو اب اُس نے انبیاء علیہم السلام کے قصص کا ذکر شروع فرمایا، تاکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے جس سختی اور ہٹ دھرمی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے میں آپ کو جو مشکلات اور مصائب پیش آ رہے ہیں، اُس میں آپ کو تسلی دی جاسکے، اور آپ کے صبر کے لیے مثالیں اور مواقع فراہم ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اِن آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے دس۱۰ قصص بیان فرمائے ہیں۔ پہلا قصہ۔۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ **(بے شک دیا ہم نے موسیٰ و ہارون کو توریت، حق و باطل کو جدا کرنے والی، اور روشنی اور نصیحت ڈرنے والوں کے لیے)**۔

۔۔ الختصر۔ آیتِ کریمہ میں 'فرقان' سے مراد 'توریت' ہے، جو حق و باطل کو جدا کرنے والی ہے۔۔ یا۔۔ اُس سے مُراد دشمنوں پر فتح و کامیابی ہے۔۔ یا۔۔ دریا کا پھٹ جانا ہے۔

ہم نے یہ روشن کتاب اس لیے دی، تاکہ اُس کی متابعت کرنے والے حیرت اور جہالت کی تاریکی سے چھوٹ جائیں۔ اِس کتاب کی دوسری خوبی یہ ہے، کہ سب کے لیے نصیحت و ہدایت ہے لیکن اُس کی نصیحت سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہوں گے۔۔

الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو ڈریں اپنے رب کو بے دیکھے، اور وہ قیامت سے تھرتھراتے ہیں●

(جو ڈریں اپنے رب کو بے دیکھے)۔یعنی خدا کو دیکھا نہیں اور اُس سے ڈرتے ہیں، اور عذاب دیکھا نہیں اور اُس سے خوف کرتے ہیں۔

ایسے پرہیزگاری کی طرف مائل ہونے والوں کو اُن کے مستقبل کے لحاظ سے متقی کہہ دیا جاتا ہے، جیسے حج کے ارادے سے کوئی مکہ شریف گیا، تو حج کرنے سے پہلے ہی اُسے حاجی کہا جانے لگتا ہے۔

(اور) اُن پرہیزگاروں کی شان یہ ہے، کہ (وہ قیامت سے تھرتھراتے ہیں) یعنی قیامت کے ہَولوں کا ذکر انہیں لرزہ بَراندام کردیتا ہے۔

ذہن نشین رہے، کہ جو کوئی خدا کی وحدانیت، دوزخ، جنت، حشر، حساب، اور میزان کا ایمان رکھتا ہے، وہ بے شک خدا سے پوشیدہ ڈرتا ہے۔ آگے رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ سنو!۔۔۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور یہ نصیحت ہے مبارک، کہ اتارا ہم نے جسے۔ تو کیا تم اُس کے منکر ہو؟●

(اور) یادرکھو! (یہ) قرآنِ کریم (نصیحت ہے) اور (مبارک) ہے، یعنی بہت برکت اور منفعت والا ہے، اس لیے (کہ اتارا ہم نے جسے) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر، یعنی یہ ہمارا نازل کیا ہوا ہے، انہوں نے خود اِسے نہیں بنالیا ہے، (تو کیا تم اُس کے منکر ہو؟) یعنی تم قرآنِ مجید کو نازل کرنے کا کیوں انکار کررہے ہو، حالانکہ ہم اِس سے پہلے 'حضرت' موسیٰ اور 'حضرت' ہارون پر توریت نازل فرما چکے ہیں، جب کہ اِس قرآن میں معجزانہ کلام ہے، جس کی فصاحت وبلاغت اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے۔ اِس میں دلائلِ عقلیہ ہیں اور احکام شرعیہ کا مفصل بیان ہے۔ بھلا ایسی کتاب کا انکار کیا معنی رکھتا ہے؟

چونکہ قرآنِ مجید کے مضامین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت سے مشابہت تامہ ہے، اس لیے قرآنِ کریم کے نزول کے ذکر کے بعد فوراً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ شروع فرمادیا گیا۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝٥١

اور بے شک دیا تھا ہم نے ابراہیم کو اُن کی نیک راہ پہلے ہی سے، اور ہم انہیں جانتے تھے●

(اور) ارشاد فرمادیا گیا، کہ (بے شک دیا تھا ہم نے ابراہیم کو اُن کی نیک راہ) یعنی ہدایت اُس کی صلاحیت موجود ہونے کے باعث (پہلے ہی سے)، یعنی حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے قبل ۔۔یا۔۔محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قبل ۔۔یا۔۔ نبی ہونے کے پہلے ہم نے ابراہیم کو پہچاننے کی توفیق دی تھی۔ (اور ہم اُنہیں جانتے تھے)۔ یعنی ہمیں اُن کے تعلق سے یہ علم تھا، کہ وہ مستحق ہیں کہ انہیں اپنی مخصوص عنایات ونوازشات کا مرکز بنایا جائے، تو اُن کے استحقاق کے موافق ہم نے اُن کو نوازا۔

آگے کے واقعات سے خداوندی نوازش کا صاف اظہار ہو رہا ہے۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝٥٢

جب کہ کہا اپنے بابا سے اور اُس کی قوم سے، "یہ مورتیاں کیا ہیں؟ کہ تم ان کا آسن مارے ہو،" سب نے جواب دیا●

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝٥٣

کہ "ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا کہ اِن کے پجاری ہیں"●

اَے محبوب! یاد کرو، (جب کہ کہا) ابراہیم نے (اپنے بابا) یعنی حقیقی باپ کے بڑے بھائی (سے) جنہیں عُرفاً بابا کہا جاتا ہے، (اور اُس کی قوم سے) یعنی اپنی قوم سے، کہ (یہ مورتیاں کیا ہیں؟) یعنی یہ شکلیں اور صورتیں (کہ تم اُن کا آسن مارے ہو) اور اُن کی پرستش پر مجاور ہو، آخر اُن کی حقیقت کیا ہے؟۔۔یا یہ کہ۔۔تم اُن کی پرستش میں کیوں لگے ہوئے ہو؟۔

وہ بہتر ۷۲ مورتیاں تھیں۔ ایک قول کے مطابق وہ نوّے ۹۰ بت تھے۔ سب سے بڑا جو بت تھا اُسے آزر نے بنایا تھا، اور بہت عمدہ دو ۲ موتی اُس کی آنکھوں کی جگہ جُڑے تھے۔ وہ صورتیں درند، پرند، چارپائے، اور آدمیوں کی تھیں۔ ایک قول یہ ہے کہ تاروں کی شکلیں تھیں۔ بہر تقدیر حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا، کہ یہ کیا صورتیں ہیں جن کو تم پوجتے ہو۔

(سب نے جواب دیا● کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا کہ اُن کے پجاری ہیں)، تو ہم نے بھی اُن کی تقلید کی۔ اِس پر۔۔۔

قَالَ لَقَدۡ كُنۡتُمۡ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۵۴﴾

وہ بولے کہ "بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں تھے" ●

(وہ) یعنی حضرت ابراہیم (بولے، کہ بلاشبہ تم) کھلی گمراہی میں ہو، (اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں تھے)۔۔الحاصل۔۔تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں رہے۔

قَالُوۡۤا اَجِئۡتَنَا بِالۡحَـقِّ اَمۡ اَنۡتَ مِنَ اللّٰعِبِيۡنَ ﴿۵۵﴾

سب بولے کہ "کیا آپ ہمارے پاس حق لائے ہیں، یا بے کار مذاق کرتے ہیں؟" ●

(سب بولے، کہ کیا آپ ہمارے پاس حق لائے ہیں، یا بے کار مذاق کرتے ہیں)۔یعنی اُن کی قوم نے کہا، کہ آیا آپ سنجیدگی سے بات کررہے ہیں یا مذاق کررہے ہیں۔ کیونکہ اُن کے نزدیک یہ بہت بعید تھا، کہ جو کام برسوں سے نسل در نسل چلا آرہا ہو، اُس کو گمراہی کہا جائے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا، کہ اُن کی قوم یہ سمجھ رہی ہے کہ وہ اُن کے ساتھ مذاق کررہے ہیں، تو انہوں نے توحید کا اعلان کیا، تاکہ قوم کو یقین ہوجائے کہ وہ اظہارِ حق میں سنجیدہ ہیں، اس لیے اُنہوں نے اپنی زبان اور عمل سے اپنے عقیدۂ توحید کا اظہار کیا۔۔اور۔۔

قَالَ بَلۡ رَّبُّكُمۡ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ الَّذِىۡ فَطَرَهُنَّ ۖ

وہ بولے "بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پالنہار ہے، جس نے اِن سب کو پیدا فرمایا۔

وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمۡ مِّنَ الشّٰهِدِيۡنَ ﴿۵۶﴾

اور میں اِس پر گواہوں میں سے گواہ ہوں ●

(وہ بولے، بلکہ تمہارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا پالنہار ہے، جس نے اِن سب کو پیدا فرمایا)۔

اِس میں یہ دلیل ہے کہ خالق وہ ہے، جس نے اُن چیزوں کو بندوں کے نفع کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ دُنیا اور آخرت میں بندوں کو ضرر اور عذاب سے بچانے اور نفع اور ثواب پہنچانے پر قادر ہے، سو اُسی کی عبادت کرنی چاہیے۔۔۔

(اور میں اِس پر) کہ اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے، (گواہوں میں سے گواہ ہوں)

۔۔الغرض۔۔میں اپنے دعویٰ میں مذاق نہیں کر رہا ہوں، بلکہ منجملہ اُن لوگوں میں سے ہوں جو اپنے دعویٰ کو دلائل و براہین کے ایسے درجے میں پہنچاتے ہیں، کہ گویا وہ عینی شاہد ہیں، کہ جن کے دلائل و براہین سے دعاوی قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جاتے ہیں۔

روایت ہے کہ نمرودیوں کی عید کا ایک دن تھا، اُس دن وہ میدان میں جاتے اور شام تک سیر کرتے، واپسی کے وقت بت خانے میں آتے اور بتوں کو بنا سنوار کر اُن کے سامنے گاتے بجاتے، پھر پرستش کی رسمیں ادا کر کے اپنے گھروں میں پھر آتے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن میں سے کچھ لوگوں سے اُن مورتیوں کے باب میں مناظرہ کیا، تو وہ بولے، کہ اچھا کل ہماری عید کا دن ہے، شہر سے باہر آ کر دیکھنا، کہ ہمارے دین اور آئین میں کس قدر زیبائش ہے۔ حضرت ابراہیم نے ہاں۔۔یا۔۔نہیں کچھ جواب نہ دیا۔

دوسرے دن جب وہ صحرا کو جانے لگے، تو ابراہیم علیہ السلام کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہا، تو آپ نے اپنی طبیعت کا اضمحلال ظاہر فرمایا اور فرمایا کہ اِنِّیْ سَقِیْمٌ یعنی میں تمہاری حرکتوں سے مضمحل اور رنجیدہ خاطر ہوں۔ اُن لوگوں نے یہ سمجھا، کہ آپ بیمار ہیں۔۔چنانچہ۔۔انہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن سے پوشیدہ یہ بات فرمائی۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۷﴾

اور اللہ کی قسم ضرور میں بگاڑوں گا تمہارے بتوں کو، بعد اس کے کہ تم واپس جاؤ پشت دکھا کر"●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ (اللہ) تعالیٰ (کی قسم ضرور میں بگاڑوں گا تمہارے بتوں کو بعد اس کے کہ تم واپس جاؤ پشت دکھا کر)، یعنی جب بتوں کو چھوڑ کر اپنی سیرگاہ میں جاؤ گے۔

اِن لوگوں میں سے ایک نے یہ بات سن لی اور کسی سے نہیں کہی، مگر جب وہ لوگ چلے گئے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک تبر اٹھالیا اور بت خانے میں گھسے۔۔۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾

تو کر دیا اُن بتوں کو ریزہ ریزہ، مگر اُن میں بڑے کو، کہ وہ لوگ اِدھر واپس ہوں گے●

(تو کر دیا اُن بتوں کو ریزہ ریزہ، مگر اُن میں بڑے) بت (کو) یوں ہی رہنے دیا اور اس کو نہیں توڑا۔۔بلکہ۔۔اُس کی گردن میں تبر رکھ کر نکل آئے۔ اِس خیال سے (کہ وہ) نمرودی (لوگ

اِدھر) یعنی اپنے بڑے بت کی طرف (واپس ہوں گے) اور ان کا حشر دیکھیں گے، اور پھر شاید اس بڑے بت سے پوچھیں، کہ انہیں کس نے توڑ ڈالا۔

اِس واسطے کہ معبود کی شان سے یہ بات ہے، کہ مشکلیں حل ہونے میں اُس کی طرف رجوع کریں۔ اور اس کام سے حضرت ابراہیم کی غرض یہ تھی کہ قوم کو الزام دیں، کہ تم نے ایسے کو معبود بنالیا ہے، جو مشکل کے وقت تمہاری اتنی بھی مدد نہ کر سکے، کہ تمہیں حقیقتِ حال سے آگاہ کردے۔۔۔ اِس آیت کی تفسیر میں اِلَیْہِ میں ضمیر کا مرجع حضرت ابراہیم کو بھی قرار دیا ہے۔ اِس صورت میں معنی یہ ہوگا، کہ حضرت ابراہیم نے اس واسطے بت توڑے، کہ شاید بت پرست اُن کی طرف رجوع کریں اور وہ دلیل قاطع سے بتوں کی عاجزی ثابت کردیں۔

غرضیکہ نمرودی جب شام کو بت خانے میں آئے، تو حال دیکھ کر متحیر ہوئے۔۔اور۔۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٥٩﴾

سب بولے کہ "کس نے کیا یہ ہمارے معبودوں سے؟ بے شک وہ اندھیر کرنے والوں سے ہے" ●

(سب بولے، کہ کس نے کیا یہ ہمارے معبودوں سے)، کہ انہیں توڑ پھوڑ ڈالا، (بے شک وہ اندھیر کرنے والوں سے ہے)۔ یعنی یہ کام کرکے اُس نے اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔

۔۔الختصر۔ نمرود اور اُس کے لوگ اُس شخص کی تلاش میں پڑے اور چاہا کہ بت توڑنے والے کو سب کے سامنے حاضر کریں۔ وہ شخص جس نے بتوں کو بگاڑ دینے کی بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے سنی تھی، اس نے دوسرے سے کہا۔۔الغرض۔۔ایک سے دوسرے کی زبان پر یہ بات آئی، یہاں تک کہ نمرود کے مصاحبوں کو خبر پہنچی۔ اُن میں سے۔۔۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِیْمُ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى

بعض بولے کہ "ہم نے سنا ہے ایک نوجوان کو، کہ ان کے لیے بولتا ہے، اُن کو ابراہیم کہا جاتا ہے" ● سب بولے، "تو اس کو لاؤ

اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا

سب کے سامنے، کہ وہ لوگ گواہی دیں" ● سب نے پوچھا کہ "کیا تم نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ

یٰٓاِبْرٰهِیْمُ ﴿٦٢﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ﳓ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا

اُے ابراہیم؟" ● جواب دیا، "بلکہ کر گزرا ہو، ان کا یہ بڑا۔ تو ان سب سے پوچھو اگر

يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٦٤﴾

بولتے ہوں" • تو سب نے اپنے اپنے جی میں پلٹا کھایا، اور کہنے لگے کہ "بلاشبہ تمہیں اندھیر والے ہو" •

(بعض) نمرود سے (بولے، کہ) (ہم نے) قوم سے (سنا ہے ایک نوجوان کو) جو (کہ اِن) بتوں (کے لیے) برائی سے (بولتا ہے) اور اِن کی مذمت کرتا ہے۔ (اُن کو ابراہیم کہا جاتا ہے) یعنی ان کا نام ابراہیم ہے۔ یہ سن کر نمرود اور اُس کے امیر (سب بولے، تو اُس کو لاؤ سب کے سامنے)، یعنی ایسا کرو کہ لوگ اُسے دیکھیں، تا (کہ وہ لوگ گواہی دیں)، کہ ہاں یہی بتوں کی مذمت کرتا ہے۔۔ الغرض۔۔ سب اُس کو پہچان لیں۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پکڑ کر نمرود کے سامنے حاضر کیا گیا، پھر (سب نے پوچھا، کہ کیا تم نے کیا ہے یہ ہمارے معبودوں کے ساتھ اَے ابراہیم؟) حضرت ابراہیم نے (جواب دیا، بلکہ) کہیں ایسا نہ ہوا ہو، کہ یہ کام (کر گزرا ہو اُن کا یہ بڑا) جس کے کاندھے پر تبر نظر آ رہا ہے۔ اور اُس نے یہ کام اِس غصے میں کیا ہو، کہ میرے ہوتے ہوئے لوگوں نے اِن کو کیوں پوجا۔ تو اگر پوچھنا ہی ہے، (تو اُن سب سے پوچھو) کہ تمہیں کس نے توڑا، (اگر بولتے ہوں) اگر بات کر سکتے ہوں۔ (تو سب نے اپنے اپنے جی میں پلٹا کھایا) یعنی اپنی عقلوں کی طرف رجوع ہوئے۔۔یا۔۔ آپس میں سوالیہ نشان بن کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے، (اور) بعض بعض سے (کہنے لگے کہ بلاشبہ تمہیں اندھیر والے ہو)، ایسی چیز کو پوجنے کے سبب سے جو نہ سنے نہ بولے۔

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ

پھر اوندھے سر کر دیے گئے۔ کہ "تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں" • جواب دیا

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ

"تو کیا پوجا پاٹ کرتے ہو اللہ سے بے واسطہ ہو کر، اُس کا جو نہ بنا سکے تمہارا کچھ، اور نہ بگاڑ سکے تمہارا • تھڑی ہے تم پر

وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور اُن پر جنہیں تم پوجتے ہو، بمقابلہ اللہ کے۔ تو کیا عقل نہیں رکھتے" •

(پھر اوندھے سر کر دیے گئے) یعنی خجالت و شرمندگی سے سر جھکا لیے اور حیرت سے بولے، (کہ تمہیں خوب معلوم ہے کہ یہ بولتے نہیں) اور بات نہیں کرتے، تو پھر جان بوجھ کر یہ بات کیوں کہتے ہو، کہ اُن سے پوچھو۔ پھر جب بت پرستوں نے اپنے خداؤں کی عاجزی کا اقرار کر لیا، تو اُن کی باتوں

کا (جواب دیا، تو کیا پوجا پاٹ کرتے ہو اللہ) تعالیٰ (سے بے واسطہ ہو کر اس کو جو نہ بنا سکے تمہارا کچھ اور نہ بگاڑ سکے تمہارا)۔ یعنی اُس کو تم کتنا ہی پوجو، مگر وہ تم کو نفع نہیں دے سکتا اور یوں ہی اُس کو کبھی بھی نہ پوجو بلکہ توڑ پھوڑ بھی ڈالو جب بھی وہ تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔۔تو۔۔ (تھڑی ہے تم پر)، یعنی بُرائی اور خرابی ہو تم پر، (اور اُن پر جنہیں تم پوجتے ہو بمقابلہ اللہ) تعالیٰ (کے۔تو کیا عقل نہیں رکھتے) یعنی کیا تم اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے، کہ اپنے عمل کی بُرائی معلوم کر لیتے؟ جب نمرود کی قوم نے یہ بات سنی، تو عداوت سے مضرت پہنچانے کی طرف مائل ہو گئے۔۔ چنانچہ۔۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۶۸﴾

سب نے کہا کہ "اِن کو جلا دو، اور مدد کرو اپنے معبودوں کی، اگر کرنا ہے" ●

(سب نے کہا کہ اِن کو جلا دو)، اِس لیے کہ آگ کا عذاب ہولناک ہوتا ہے۔ (اور مدد کرو اپنے معبودوں کی) اِن سے بدلا لے کر (اگر کرنا ہے)، یعنی اگر تم بتوں کی مدد کرنا چاہتے ہو، تو ایسا کرو۔

پھر نمرود نے حکم کیا تو ایک پہاڑ کے سامنے ایک گڑھا بنایا گیا۔ اُس کی دیوار ساٹھ ۶۰ گز بلند تھی اور مہینہ بھر تک لکڑیاں جمع کرتے کرتے اُس گڑھے کو بھر دیا، اور بہت سا تیل تمام ایندھن پر چھڑک کر اُس میں آگ لگا دی، اور حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی گردنِ مبارک میں طوق، ہاتھ میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر منجنیق سے آگ میں ڈال دیا۔ پس حضرت جبرائیل علیہ السلام اُن کے پاس حاضر ہوئے اور پوچھا، کہ آپ کو کچھ حاجت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا، کہ تم سے تو کچھ بھی حاجت نہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا، کہ جس سے حاجت ہو اُس سے مانگیے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا، وہ خود جانتا ہے، مانگنے کی حاجت نہیں۔ چونکہ خدائے جلیل پر حضرت ابراہیم خلیل کا توکل پکا اور ماسوی اللہ سے انقطاع پورا تھا۔۔تو۔۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾

ہم نے حکم دیا کہ "اَے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر" ●

(ہم نے حکم دیا، کہ اَے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر)۔ سلامتی کے حکم نے آگ کو اتنی ٹھنڈی نہیں ہونے دیا جو تکلیف پہنچائے۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۟ۚ

اور اُن لوگوں نے چاہا ابراہیم کا بُرا، پس ہم نے کردیا انہیں کو گھاٹے والا●

(اور) اپنے مذکورہ بالا عمل سے (اُن لوگوں نے چاہا) تھا (ابراہیم کا بُرا، پس ہم نے کردیا اُنہیں کو گھاٹے والا)۔ اِس واسطے کہ اُن کی کوشش کا انجام کار یہ ہوا، کہ حضرت ابراہیم کی حقانیت اور ان کے فعل کا بطلان روشن ہوگیا۔

روایتوں میں ہے، کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آتش کدہ میں پہنچے، تو فوراً اُن کا طوق، بیڑی اور ہتھکڑی جل گئی، اور اُن کے گرد پھول کھل گئے، اور میٹھے پانی کا چشمہ ظاہر ہوگیا۔ سات دن تک نمرودیوں کے گمان میں آتش کدہ میں اور حقیقتاً اپنے گلکدہ میں رہے۔ نمرود نے بلندی پر سے دیکھا، کہ ابراہیم علیہ السلام نہایت شاندار باغ میں بیٹھے ہیں اور نہایت ہی خوش وخرم ہیں اور اُن کے گرداگرد آگ شعلے مارتی ہے، تو نمرود نے پکار کے کہا، کہ اَے ابراہیم تیرا خدا جس کی اتنی بڑی قدرت ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، بڑا خدا ہے، تو کیا میں اُس کے واسطے قربانی کروں۔ ابراہیم علیہ السلام بولے، کہ جب تک تُو اپنے طریقے پر ہے میرا خدا تیری قربانی قبول نہیں کرتا۔ روایت ہے، کہ نمرود نے چار ہزار گائیں قربان کیں، اور حضرت ابراہیم کو ایذاء دینا چھوڑ دیا۔

۔۔ بااین ہمہ۔۔ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو عراق میں جو نمرود اور اُس کی قوم کی جگہ تھی نہیں رکھا۔۔۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ۟ (۷۱)

اور بچالے گئے ہم انہیں اور لوط کو، اُس زمین کی طرف، کہ جس میں ہم نے برکت دے رکھی ہے، جہان والوں کے لیے●

(اور بچالے گئے ہم اُنہیں اور) اُن کے بھتیجے (لوط) بن ہارون (کو اُس زمین کی طرف، کہ جس میں ہم نے برکت دے رکھی ہے جہان والوں کے لیے)۔ یعنی ولایتِ شام میں بخیر وعافیت پہنچادیا، کیونکہ وہاں انبیاء علیہم السلام کے مبعوث ہونے سے برکت اور نعمت ورحمت کی کثرت تھی۔ حضرت ابراہیم فلسطین میں اُترے اور حضرت لوط علیہ السلام 'موتفکات' میں۔ دونوں مقاموں میں ایک دن رات کی راہ تھی۔۔۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَیَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾

اور عطا فرمایا ہم نے انہیں اسحٰق، اور یعقوب پوتا۔ اور سب کو بنایا ہم نے لیاقت والے ●

(اور عطا فرمایا ہم نے اُنہیں) یعنی ابراہیم علیہ السلام کو سارہ سے جو اُن کے چچا کی بیٹی تھیں ایک بیٹا (اسحٰق، اور یعقوب پوتا) جو طلب سے زیادہ تھے۔ یعنی حضرت ابراہیم نے صرف ایک بیٹے کی خواہش کی تھی، ہم نے اُسے بیٹا بھی دیا اور پوتا بھی دیا۔ (اور) ابراہیم، لوط، اسحاق، یعقوب علیہم السلام ۔۔الغرض۔۔اُن (سب کو بنایا ہم نے لیاقت والے)، یعنی نہایت نیک اور شائستہ۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ

اور کردیا ہم نے انہیں امام، کہ ہدایت کریں ہمارے حکم سے، اور وحی بھیجی ہم نے اُن کی طرف، "نیکیوں کے کرنے

وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾ۙ

اور نماز کی پابندی، اور زکوٰۃ دینے کی۔" اور وہ تھے ہمارے ہی پوجنے والے ●

(اور کردیا ہم نے انہیں امام) یعنی پیشوا، تا (کہ) خلق کو (ہدایت کریں) اور راہ دکھائیں ہماری طرف، اور وہ بھی (ہمارے حکم سے)، ہماری ہدایات وارشادات کی روشنی میں۔ (اور وحی بھیجی ہم نے اُن کی طرف نیکیوں کے کرنے) کی کہ خلق کو اُن کی رغبت دلائیں، (اور نماز کی پابندی اور زکوٰۃ دینے کی)، یعنی جسمانی اور مالی ہر طرح کی عبادتیں انجام دینے کی۔

نماز وزکوٰۃ کا ذکر اُن کی فضیلت کی جہت سے ہے۔ اور اِس قول کے بنیاد پر، کہ انبیاء پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، کیونکہ زکوٰۃ مال کو میل سے پاک کرنے کے لیے نکالی جاتی ہے، اور انبیاء کا مال میل سے متلوث نہیں، ارشادِ ربانی کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اُن کو زکوٰۃ کی تبلیغ کرنے کا حکم دیا، نہ کہ زکوٰۃ ادا کرنے کا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے زکوٰۃ سے مراد تزکیۂ نفس ہو، یعنی اُن کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنے باطن کو پاک وصاف رکھیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُنہیں نعمتوں پر نعمتیں عطا فرماتا رہا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے اُس کی عبادت کرتے ہی رہے۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ کا ارشاد۔۔۔
(اور) فرمان ہے، کہ (وہ تھے ہمارے ہی پوجنے والے)۔

وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ

اور لوط کو دیا تھا ہم نے نبوت وعلم، اور نجات دی ہم نے انہیں اُس آبادی سے

تَعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾

جو بدکاری کرتی تھی۔ بلاشبہ وہ تھے بدکردار لوگ، نافرمان●

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے یہ تیسرا قصہ ہے جو حضرت لوط علیہ السلام سے متعلق ہے۔

اُن کے تعلق سے ارشادِ الٰہی۔۔۔

(اور) فرمانِ خداوندی ہے، کہ (لوط کو دیا تھا ہم نے نبوت وعلم)۔ وہ علم جو پیغمبروں کو چاہیے، یعنی ملت کے قواعد۔ (اور نجات دی ہم نے اُنہیں اُس آبادی سے جو بدکاری کرتی تھی) یعنی سدوم نام کے جس گاؤں کے لوگ ناپاک کام کرتے تھے، اور لواطت میں مشغول تھے اور رہزنی بھی کرتے تھے، ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ کیونکہ (بلاشبہ وہ تھے بدکردار لوگ، نافرمان)، فرمان سے نکل جانے والے۔

وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ ع ٥

اور لے لیا ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں۔ بے شک وہ لیاقت مندوں سے ہوئے●

(اور لے لیا ہم نے لوط کو اپنی رحمت میں) یعنی رحمت والوں میں۔۔یا۔۔ جنت میں، کہ رحمت کی جگہ ہے۔ (بے شک وہ لیاقت مندوں سے ہوئے)، یعنی نیکوں اور شائستہ لوگوں سے رہے۔

اِس سے قبل حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے گزرا ہے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ

اور نوح، جب کہ پکارا پہلے اِس سے، تو ہم نے قبول فرما لیا اسے، چنانچہ نجات دی ہم نے انہیں،

وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

اور اُن کے اہل کو بڑی سختی سے●

اِس سورت میں انبیاء علیہم السلام کے جو قصص بیان کیے گئے ہیں، ان میں یہ چوتھا قصہ ہے جس میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کا قصہ ختم کیا، جس کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کے ساتھ یہ مناسبت تھی، کہ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسائے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان کو انگاروں میں ڈال دیا تھا، تو حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا جس میں نوح علیہ السلام کی دُعا سے پانی مسخر کر دیا، اور تمام روئے زمین والوں کو پانی میں غرق کر دیا۔

(اور) اَے رسولِ مکرم! یاد کیجیے (نوح) کو، (جب کہ پکارا) انہوں نے اپنے رب کو (پہلے اِس سے) یعنی حضرت لوط اور حضرت ابراہیم کے واقعات سے پہلے، یعنی اپنی قوم کے ہلاک ہونے کی دُعا کی، (تو ہم نے قبول فرمالیا اُسے) یعنی اُن کی دُعا کو، (چنانچہ نجات دی ہم نے اُنہیں اور اُن کے اہل کو بڑی سختی سے)، یعنی اُن کے فرمانبردار فرزندوں اور عورتوں کو بڑے غم، یعنی طوفان کی مصیبت سے نجات عطا فرمادی۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ

اور مدد فرمائی ہم نے اُن کی اُس قوم سے، جس نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو، بے شک وہ تھے بُرے لوگ،

فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾

تو ہم نے ڈبو دیا اُن سب کو●

(اور مدد فرمائی ہم نے اُن کی اُس قوم سے جس نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو)۔۔الختصر۔۔اُس قوم پر اُنہیں غالب کردیا۔اور چونکہ (بے شک وہ تھے بُرے لوگ، تو ہم نے ڈبو دیا اُن سب کو)۔۔الغرض۔۔ان کو ان کے کیفرِ کردار تک پہنچادیا۔

اب انبیاءِ کرام کے قصص سے متعلق پانچویں قصے کو شروع فرمایا جارہا ہے، جو حضرت داود اور حضرت سلیمان سے متعلق ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ

اور داوٗد و سلیمان، جب کہ فیصلہ کررہے تھے کھیتی کے بارے میں، کہ پڑ گئی تھیں اِس میں لوگوں کی بکریاں،

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾

اور ہم تو اِن کے فیصلے کے وقت حاضر ہی تھے●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ اَے محبوب! یاد کرو (داود و سلیمان) کا واقعہ، (جب کہ فیصلہ کررہے تھے کھیتی کے بارے میں، کہ پڑ گئی تھیں اُس میں لوگوں کی بکریاں اور ہم تو اُن کے فیصلے کے وقت حاضر ہی تھے)، اور دیکھ ہی رہے تھے فریقین پر دونوں نے کیا حکم نافذ کیا ہے، اور داود و سلیمان علیہما السلام نے ایلیا اور یوحنا پر کیا حکم جاری کیا ہے۔

اِس تعلق سے قصہ مختصر یہ ہے، کہ جب داود علیہ السلام دارُ القضاء میں بیٹھتے، تو سلیمان علیہ السلام

دروازے پر کھڑے رہتے، اور جو باہر نکلتا اُس سے اُس کا مقدمہ اور اپنے والد کا فیصلہ پوچھ لیتے۔ ایک دن دو آدمی عدالت میں آئے۔ ایک کسان جس کا نام ایلیا تھا، اور دوسرا بکریوں والا جسے یوحنا کہتے تھے۔ ایلیا نے عرض کیا، یاخلیفۃ اللہ، میرا پڑوسی یوحنا رات کو اپنی بکریاں چَراتا تھا، وہ میرے کھیت میں پڑیں اور سب کھیت چَر گئیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ ایلیا کے باغ میں جا کر بکریاں انگور کے خوشے کھا گئی تھیں اور تلف کر ڈالے تھے۔

داود علیہ السلام نے یوحنا سے پوچھا، اُس نے جواب دیا کہ ہاں ایسا ہی ہوا ہے۔ داود علیہ السلام نے حکم فرمایا، کہ اپنی بکریاں ایلیا کو دے دے۔ اور یہ حکم اس لیے فرمایا کہ آپ کی شریعت میں اسی طرح حکم تھا۔ جب وہ دونوں عدالت سے باہر آئے اور اِس قصے کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہوا، تو وہ دارُ القضاء کے اندر چلے آئے اور اپنے والد سے عرض کی، اگر اس کے سوا اور کچھ حکم ہوتا، تو اولیٰ اور انسب تھا۔ داود علیہ السلام نے پوچھا، کہ کس طرح حکم کرنا چاہیے۔

سلیمان علیہ السلام نے عرض کی، کہ بکریاں ایلیا کو سپرد کرنا چاہیے، کہ اُن سے نفع حاصل کرے اور دودھ، گھی اور اُس کے بالوں سے فائدہ اٹھائے۔ اور باغ۔۔یا۔۔کھیت، یوحنا کو دینا چاہیے، کہ محنت کر کے جیسا پہلے تھا ویسا ہی تیار کر دے۔ جب انگور کے خوشے لگیں۔۔یا۔۔کھیت تیار ہو جائے، تو ایلیا کو سپرد کر کے اپنی بکریاں لے لے، تاکہ دونوں میں کوئی بے نصیب نہ رہے۔ داود علیہ السلام نے پھر اسی طرح حکم فرمایا۔

اِس مقام پر اچھی طرح یہ ذہن نشین رہے، کہ اُس زمانے میں حکم اِسی طرح تھا جو داود علیہ السلام نے دیا تھا۔ حق تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام پر وحی بھیجی۔ اِس وحی نے وہ پہلا حکم منسوخ کر دیا اور حضرت داود علیہ السلام پہلا حکم منسوخ ہو جانے پر جب مطلع ہوئے، تو یہ دوسرا حکم انہوں نے نافذ فرمایا۔ اِسی حقیقت کو واضح فرمانے کے لیے ارشادِ ربانی ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ

تو ہم نے سمجھا دیا معاملہ سلیمان کو۔ اور سب کو دے رکھا تھا ہم نے حکومت وعلم۔ اور قابو میں کر دیا ہم نے

دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝

داوٗد کے ساتھ پہاڑوں کو کہ تسبیح کریں، اور پرند کو۔ اور کرنے والے ہم تھے ●

(تو ہم نے سمجھا دیا معاملہ سلیمان کو)۔ (اور)۔ اِن دونوں باپ بیٹے میں (سب کو دے رکھا تھا ہم نے حکومت) یعنی نبوت۔۔یا۔۔حکم کرنا (وعلم)، یعنی امورِ دین کا علم۔۔ المختصر۔۔ دونوں ہی نبوت

وحکومت وعلم والے تھے۔

تو مذکورہ معاملے میں ابتداءً دونوں کا اختلاف اجتہادی تھا، لیکن جب وحیٔ الٰہی سے فکرِ سلیمانی کی توثیق ہوگئی، تو پھر دونوں کا وہی فیصلہ قرار پایا، جس کی وضاحت اوپر کی جاچکی ہے۔ حضرت داود علیہ السلام کی بلند وبالا شان کے تعلق سے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

(اور قابو میں کردیا ہم نے داود کے ساتھ پہاڑوں کو، کہ تسبیح کریں اور) مسخر کردیا ہم نے اُن کے واسطے (پرندکو)، کہ خدا کی تسبیح وتقدیس میں اُن کا ساتھ دیتے رہیں۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ حضرت داود کا ذوق وشوق تازہ کرنے کے لیے آپ کو پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح سنادیتا تھا۔۔بلکہ۔۔لوگ جس طرح داود علیہ السلام سے ذکرِ الٰہی سنتے تھے، اُسی طرح پہاڑوں اور پرندوں سے بھی سنتے تھے۔ اور یہ اُن کا معجزہ تھا۔ اِس مقام پر یقین کرنے والے مسلمان کو اعتقاد رکھنا چاہیے، کہ پہاڑ اور پرند حضرت داود علیہ السلام کے ساتھ اُسی طرح تسبیح کرتے تھے، کہ سب سننے والے اُن کے حروف اور کلمے سمجھتے تھے، اور قدرتِ الٰہی سے یہ بات عجیب نہیں۔ اور یہ عجب ہو بھی کیسے؟ اس لیے کہ اِس کے تعلق سے فرمانِ خداوندی۔۔۔

(اور) ارشادِ الٰہی ہے، کہ (کرنے والے ہم تھے)۔ تو ایسی باتیں ہماری قدرت میں اچنبھے کی بات نہیں، اگرچہ عام لوگوں کے نزدیک عجیب بات ہے۔

حضرت داود کی ذات میں یہ بھی خوبی تھی جس کا ذکر فرمانِ خداوندی۔۔۔

وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ

اور سکھادیا تھا ہم نے انہیں ایک تمہارے کام کے پہناوے کی کاریگری، کہ تمہاری حفاظت کرے تم لوگوں کی جنگ سے،

فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿٨٠﴾

تو کیا تم شکر گزار ہو؟●

(اور) ارشادِ الٰہی میں ہے، کہ (سکھادیا تھا ہم نے انہیں ایک تمہارے کام کے پہناوے کی کاریگری، کہ تمہاری حفاظت کرے تم لوگوں کی جنگ سے) یعنی ہم نے داود کو تمہارے لیے خاص لباس، یعنی زرہ بنانا سکھایا، تاکہ وہ تم کو جنگوں میں محفوظ رکھے۔ (تو کیا تم شکر گزار ہو؟) اِس نعمت پر۔

یہ دراصل استفہام کی صورت میں حکم ہے، کہ ایسے لباس پر خدا کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ نے

حضرت داود پر اپنے انعامات کا ذکر فرما کر ان کے فرزند پر جو فضل فرمایا اُس کا ذکر شروع کیا۔۔۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

اور سلیمان کے لیے تیز ہوا کو، کہ چلا کرے ان کے حکم سے اُس زمین کی طرف جس میں ہم نے

بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

برکت دے رکھی ہے۔اور ہم ہر چیز کے دانا ہیں●

(اور) فرمایا کہ مسخر کر دیا ہم نے (سلیمان کے لیے تیز ہوا کو)۔اُس سخت اور تیز چلنے والی ہوا کی تیزی یہ تھی، کہ سلیمان علیہ السلام کا تخت اٹھا لے جاتی تھی اور ایک دن میں ایک مہینے کی راہ پر پہنچا دیتی تھی۔اور وہ پابند تھی (کہ چلا کرے اُن کے حکم سے)،اور اُن کی خواہش کے ساتھ (اُس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت دے رکھی ہے) ولایتِ شام میں۔

ملکِ شام میں جنوں نے حضرت سلیمان کے واسطے ایک شہر بنا رکھا تھا۔صبح کو حضرت سلیمان وہاں سے نکلتے اور تمام عالم کے گرد پھرتے، پھر مغرب کی نماز کے وقت ہوا اُنہیں وہیں لے آتی۔ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمان صبح کو 'تدمر' سے یعنی اُس شہر سے جو جنوں نے آپ کے لیے بنایا تھا نکلتے،اور فارس کے شہر 'اصطخر' میں استراحت کرتے،رات کو 'بابل' میں جاتے دوسرے دن 'بابل' سے نکل کر چاشت کے وقت 'اصطخر' میں ہوتے،اور شام کے وقت 'تدمر' میں واپس آ جاتے۔

(اور ہم ہر چیز کے دانا ہیں)۔اِسی لیے ہم اپنی حکمت اور علم کے مطابق ہر شے کا اِجراء کرتے ہیں۔

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ

اور کچھ شیطان تھے کہ غوطے لگاتے اُن کے لیے،اور دوسرے کام کرتے۔

وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور ہم سب کے نگراں تھے●

(اور) ساتھ ہی ساتھ (کچھ شیطان تھے) جنہیں ہم نے سلیمان کے واسطے مسخر کر دیا جو (کہ غوطے لگاتے) دریاؤں میں (اُن کے لیے) نفیس چیزیں نکالنے کے لیے۔(اور) اُس کے سوا

بھی (دوسرے کام کرتے)۔۔ مثلاً: مکان بنانا اور عجیب وغریب مصنوعات تیار کرنا۔ (اور ہم سب کے نگراں تھے) یعنی ہم اُن دیوؤں کے لیے نگہبان تھے، تاکہ یہ حضرت سلیمان سے سرکشی اور بغاوت نہ کرسکیں، اور آپ کے حکم سے باہر نہ ہوجائیں۔۔یا۔۔ یہ شیاطین اپنی فطرت کے مطابق زمین پر فساد نہ برپا کریں۔

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿٨٣﴾

اور ایوب نے جب پکارا اپنے رب کو کہ "پہنچا ہے مجھے دکھ، اور تُو سب رحم والوں سے بڑھ کر رحم والا ہے" ●

انبیاء علیہم السلام کے قصص میں سے یہ چھٹا قصہ ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے قصے میں جو دلائل اور نصیحت آموز باتیں ہیں، وہ کسی اَور قصے میں نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل عظیم کرنے کے باوجود، اُن کو بیماری میں مبتلا کیا، اور اُن پر بہت سخت بیماری نازل کی۔ انہوں نے اس بیماری پر صبر کیا اور کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے۔ اور اِس میں انسانوں کے لیے یہ نصیحت ہے کہ غم ہو۔۔یا۔۔ خوشی، ہر حال میں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے۔ مصائب پر صبر کرے اور نعمتوں پر شکر کرے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب نامہ یہ بیان کیا گیا ہے۔ ایوب بن موص بن زراح بن العیص بن اسحاق ابن ابراہیم الخلیل النبی۔ حضرت ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بستی 'حران' کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ بستی دمشق کے نشیبی علاقوں میں واقع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثرتِ اموال واولاد سے نوازا۔ منقول ہے، کہ آپ کے سات صاحبزادے اور سات صاحبزادیاں تھیں، اور جانوروں کا تو شمار نہ تھا۔

آپ پر ابلیس ملعون نے حسد کر کے کہا، کہ اَے اِلٰہ العالمین! یہ تیرا بندہ عیش اور خیر وعافیت میں ہے اور بہت مال رکھتا ہے، اور اس کی نیک اولاد بھی بکثرت ہے، اگر مال واولاد چھین کر اُسے بلاؤں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا جائے، تو وہ بہت جلد تیری راہ سے پھر جائے گا، اور ناشکری کرے گا۔

اِس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تُو غلط کہتا ہے، کیونکہ وہ میرا پسندیدہ بندہ ہے۔ اگر میں اُسے ہزاروں بلاؤں میں مبتلا کردوں، تب بھی وہ امتحان میں کامیاب ہوگا۔ شیطان کی خام خیالی کو ظاہر فرمانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو آزمائش میں ڈال دیا، کہ تمام اونٹ

بجلی سے اُڑا دیے، اور تمام بکریاں سیلاب میں بہادیں، کھیتی ہوا کی نذر ہوگئی، اولاد دیوار کے نیچے دب کر مرگئی۔ جسم مبارک پر زخم ہوگئے۔ سوائے ایک بیوی کے، باقی تمام لوگوں نے آپ سے علیحدگی اختیار کرلی۔

ایوب علیہ السلام اس آزمائش میں اٹھارہ ١٨ سال۔۔یا۔۔ساٹ سال ساٹ ماہ ساٹ دن ساٹ گھڑیاں مبتلا رہے۔ ایک بار آپ کی زوجہ رحمت بنت افراہیم بن یوسف علیہ السلام نے عرض کی، کہ آپ اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے صحت وعافیت کی دُعا مانگیے۔ آپ نے فرمایا عیش و عشرت اور آرام میں کتنی زندگی گزاری؟ بی بی صاحبہ نے کہا اسّی ٨٠ سال۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے شرم وحیاء آتی ہے، کیونکہ آرام کی زندگی کے مقابلے میں دکھ کی زندگی تھوڑی ہے، اگر عرض کروں تو ناموزوں بات ہے۔

ہر سحر کے وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے آواز آتی، اَے ایوب! کیا حال ہے؟ تو ایوب علیہ السلام شوق وذوق سے ٹھنڈی سانس کھینچ کر عرض کرتے، کہ اَے مولیٰ کریم! آپ کے دیے ہوئے تحفے سے خوش ہوں۔ اِس مقام پر بہت سارے مفسرین نے حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کے تعلق سے اسرائیلی روایات کو شامل تفسیر کرلیا ہے۔ اور آپ کے جسم مبارک میں کیڑے پڑنے کی بات کی ہے، اور آپ کو ایسی بیماری میں مبتلا ظاہر کیا، جس کی وجہ سے لوگوں کو آپ کے قریب جانے سے گھن آئے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ ساری باتیں صحیح نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو ایسے حال میں مبتلا نہیں کرتا جس سے لوگوں کو نفرت ہو، اور وہ اُس سے گھن کھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ "یہ سب ہمارے پسندیدہ اور نیک لوگ ہیں"۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت ایوب پر کوئی سخت بیماری مسلط کی گئی تھی، لیکن وہ بیماری ایسی نہیں تھی جس سے لوگ گھن کھائیں۔ حدیث صحیح مرفوع میں بھی اِس قسم کی کسی چیز کا ذکر نہیں۔ صرف اُن کی اولاد اور اُن کے مال مویشی کے مرجانے اور اُن کے بیمار ہونے پر صبر کا ذکر ہے۔

اِس مقام پر ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ انبیاءِ کرام کو ایسی بیماری۔۔یا۔۔ایسے حال میں مبتلا فرمانا، جو اُن کے فرائضِ نبوت اور دعوت وتبلیغ کی ادائیگی میں رکاوٹ بنے، خداوندی حکمت و مصلحت کے خلاف ہے۔۔قصہ مختصر۔۔ جب حضرت ایوب کی آزمائش مکمل کی جاچکی اور وہ اپنے اختتام کو پہنچنے والی ہوئی، تو حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آئے، اور آپ کو خاموش دیکھ کر پوچھا، کیوں چپ بیٹھے ہو؟ وہ بولے چپ نہ رہوں اور صبر

نہ کروں تو کیا کروں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کے خزانے میں بلائیں بہت ہیں، تم ان کی طاقت نہیں رکھتے، تو خدا سے عافیت اور صحت چاہو۔

تو اَے محبوب! وہ قصہ (اور) واقعہ ذہن میں حاضر کرلو (ایوب نے جب پکارا اپنے رب کو)، شکوہ وشکایت کے طور پر نہیں، بلکہ بشریت کے عجز اور ضعف کو ظاہر فرمانے کے لیے، (کہ) پروردگارا (پہنچا ہے مجھے دُکھ)۔

اِس دکھ کے تعلق سے بہت سارے اقوال ہیں:

﴿١﴾۔۔شیطان کے طعن سے انہیں بہت رنج پہنچا، اِس واسطے کہ شیطان نے اُن کے پاس آکر کہا تھا، کہ تم میرا سجدہ کرو، تو میں تمہیں بَلاء سے نکال دوں۔ اُس وقت حضرت ایوب علیہ السلام نے شیطان کی ضرر رسانی کی شکایت کی، اپنے رنج ومصیبت کی شکایت نہیں کی۔

﴿٢﴾۔۔جو لوگ ایوب علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اُن میں سے بعض نے کہا تھا، کہ اگر اُن میں کچھ بھلائی ہوتی، تو اِس بَلاء میں مبتلا نہ ہوتے۔ اِس سخت کلام نے اُن کے دِل کو زخمی کردیا۔ اور اُنہوں نے جنابِ الٰہی میں اپنی اِس تکلیف کو پیش کردیا۔

﴿٣﴾۔۔فرض نماز اور عرضِ نیاز کے واسطے کھڑے نہ ہوسکتے تھے۔ لیکن زبان کلمہ توحید وتمجید سے تر رہتی تھی، تو ہوسکتا ہے کہ اُنہیں اندیشہ ہوگیا ہو، کہ کہیں ضعفِ بدن اپنی انتہاء کو نہ پہنچ جائے، کہ زبان بھی حرکت نہ کرسکے اور پھر یہ مبارک کلمے ادا نہ ہوسکیں، تو ایسے وقت کے آنے سے خوف زدہ ہوکر بارگاہِ الٰہی میں اپنی عرض پیش کردی، کیونکہ یہ خیال ہی اُن کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔

﴿٤﴾۔۔اُن کی زوجہ کمالِ تہی دستی اور بے چارگی کی وجہ سے اپنا گیسو بیچ کر اُن کے واسطے کھانا لائیں۔ اِس حال سے مطلع ہوکر آپ عرض کر پڑے، کہ اَے پروردگار اِس واقعہ سے مجھے بے حد تکلیف پہنچی۔

﴿٥﴾۔۔ہر صبح کو کسی فرشتے اور انسان کے واسطے کے بغیر بارگاہِ کبریا سے یہ خطابِ مستطاب حضرت ایوب علیہ السلام کو پہنچتا تھا کہ "اَے ہمارے بیمار کیسا ہے؟" اور ایوب علیہ السلام اس پرسش کے ذوق وشوق میں وہ بَلا کا پہاڑ جان پر اُٹھائے ہوئے تھے، اور اِس بیماری میں خوش رہتے۔ جس دن صحت ہونے لگی، اُس صبح اِس خطاب کے تحفے سے

سرفراز نہیں ہوئے، تو فریاد کی اَے میرے رب مجھے اِس بات سے تکلیف پہنچی، کہ آج اُس خطابِ روح افزاء اور دِل افروز کے سننے سے محروم رہا۔

اِس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے خدا سے شکایت کی تھی ۔۔لیکن۔۔خدا کی شکایت نہیں کی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ بندہ اگر اپنے مولیٰ سے اپنی تکلیف بیان نہیں کرے گا، تو کس سے کرے گا۔ تو انہوں نے اپنے مولیٰ سے شکایت کی تھی، لیکن اپنے مولیٰ کی شکایت نہیں کی تھی، کہ اُس نے اُنہیں اِس حال میں کیوں رکھا؟ ۔۔الختصر۔۔ حضرت ایوب کا عمل صبر وتوکل کے خلاف نہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اپنے کلام ہی سے ظاہر فرمادیا، کہ جو کچھ میرے ساتھ ہوا ہے، وہ میرے رب کی طرف سے ظلم وزیادتی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی اُس کے رحم وکرم کا تقاضا ہے، کہ سخت سے سخت تر آزمائش لے کر عظیم و عظیم تر مقام کے لائق بنادیا۔

یہ حضرت ایوب کی بشریت تھی، جس نے اپنی تکلیف کا احساس کیا (اور) یہ آپ کی روحانیت تھی جو بول پڑی، کہ پروردگارا (تُو سب رحم والوں سے بڑھ کر رحم والا ہے)، اس لیے کہ تُو اپنے بندوں پر بغیر کسی غرض کے رحم فرماتا ہے۔ تیرا مطلوب نہ کسی ضرر سے بچنا ہوتا ہے، اور نہ ہی کسی فائدے کا حصول ہوتا ہے۔

ویسے بھی جو بھی رحم کرتا ہے اور جس چیز کے ذریعہ رحم کرتا ہے، وہ خود بھی اور اس کی وہ چیز بھی، سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تو اگر غور سے دیکھا جائے، تو حقیقت میں خدا کے سوا کوئی دوسرا رحم کرنے والا ہی نہیں۔ جتنے رحم کرنے والے ہیں سب اُسی اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْن کے رحم وکرم کے مظاہر ہیں۔ ظاہر ہے کہ بندہ کسی پر اُسی وقت رحم کرتا ہے، جب اُس کے دل میں رحم کرنے کا محرک، باعث اور داعی پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ محرک اور داعی بھی اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے، پھر بندے نے کیا رحم کیا؟ سب کچھ اللہ نے کیا ہے۔ اِسی لیے حضرت ایوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا، کہ تُو سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔۔الختصر۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے، جب ایوب علیہ السلام نے دُعا کی۔۔۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ

تو قبول فرمالیا ہم نے اِسے، تو دُور کردیا ہم نے جو انہیں دکھ تھا، اور دیا ہم نے انہیں اُن کے اہل وعیال کو، اور اتنے ہی

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿٨٤﴾

اُور رحمت فرماتے ہوئے اپنی طرف سے، اور درس اپنے پجاریوں کے لیے●

(تو قبول فرمالیا ہم نے اُسے، تو دُور کردیا ہم نے جو انہیں دکھ تھا) یعنی رنج اور بیماری سے ہم نے اُن کو شفاء دے دی۔ (اور دیا ہم نے اُنہیں اُن کے اہل و عیال کو)، یعنی پہلا کنبہ جو بطورِ آزمائش ہلاک کردیا گیا تھا، اُسے زندہ کردیا گیا۔ (اور) مزید برآں (اُتنے ہی اور)، یعنی اللہ تعالیٰ نے پہلے سے زیادہ مال اور اولاد سے اُنہیں نواز دیا، جو پہلے سے دُگنا تھا، (رحمت فرماتے ہوئے اپنی طرف سے)۔ یعنی یہ کام ایوب علیہ السلام کے ساتھ ہم نے کیے، تو اپنی طرف سے اُس کو رحمت اور انعام پہنچانے کے واسطے کیے۔ (اور درس اپنے پجاریوں کے لیے)، یعنی عبادت کرنے والوں کی نصیحت کے واسطے، کہ جس طرح ایوب علیہ السلام نے صبر کیا، یہ بھی صبر کریں۔ اور جس طرح سے اُنہوں نے بدلا پایا، یہ بھی پالیں۔

اب آگے انبیاء علیہم السلام کا ساتواں قصہ بیان فرمایا جارہا ہے۔۔۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٨٥﴾

اور اسماعیل و ادریس و ذوالکفل۔ سب صبر والے تھے●

اِس سے پہلی آیتوں میں حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر کا ذکر فرمایا تھا، اور اِن آیتوں میں حضرت اسماعیل، حضرت ادریس اور حضرت ذوالکفل علیہم السلام کا ذکر فرمایا ہے، کیونکہ یہ حضرات بھی سختیوں، مصائب اور عبادت کی مشکلات پر صبر کرنے والے تھے۔ رہے حضرت اسماعیل علیہ السلام، تو انہوں نے اپنے والد کے حکم پر ذبح کیے جانے کو صبر کے ساتھ تسلیم کیا، اور اُن کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو غیر آباد بیابان میں چھوڑ کر چلے گئے، اِس پر انہوں نے صبر کیا جہاں پر نہ ایسے مویشی تھے جن کا دودھ دوہا جاسکے اور نہ کھیت باغات تھے، جن سے زمین کی پیداوار حاصل کی جاسکے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام صبر و سکون کے ساتھ اُس جگہ رہتے رہے اور صبر کے ساتھ ہی اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو اِس صبر کا یہ پھل عطا فرمایا، کہ قائد المرسلین اور خاتم النبیین حضرت سیدنا محمد ﷺ کو آپ کی صلب سے پیدا فرمایا۔۔۔

(اور) اَے محبوب! یاد کرو (اسماعیل و ادریس و ذوالکفل) کے قصوں کو، (سب صبر والے تھے)۔

حضرت اسماعیل کے صبر کا اوپر ذکر ہو چکا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے درس و تدریس پر

صبر فرمایا، اور مدتِ دراز تک قوم کی بَلاء اور مصیبت پر صبر کیا۔ حضرت ادریس کی قوم نے اُن کے پیغامِ توحید کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہلاک کر دیا اور حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اٹھالیا۔ اور ذوالکفل نے اُن کاموں پر صبر کیا جس کے متکفل ہوئے تھے، یعنی صیام النہار اور قیام اللیل اور حکومت میں لوگوں کی اذیتوں پر صبر فرمایا، کبھی بھی اُن پر خفا نہ ہوتے۔ اُن کے صبر وشکر کا نتیجہ۔۔۔

وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۶﴾

اور لے لیا ہم نے انہیں اپنی رحمت میں، کہ بلاشبہ وہ لیاقت مندوں سے تھے●

(اور) ثمرہ اُن کے حق میں یہ نکلا، کہ (لے لیا ہم نے انہیں اپنی رحمت میں) نبوت عطا فرما کر۔ ۔۔یا۔۔ یہاں رحمت سے مُراد آخرت کی نعمتیں ہیں، جس کے یہ سب بجا طور پر سزاوار ہیں۔ اُن کے ساتھ یہ مہربانی اس لیے کی گئی، کیوں (کہ بلاشبہ وہ لیاقت مندوں سے تھے)، یعنی فرمانبرداروں میں تھے۔

حضرت ذوالکفل کے تعلق سے ایک روایت یہ ہے، کہ انبیاءِ بنی اسرائیل میں سے ایک نبی پر وحی آئی، کہ میں چاہتا ہوں کہ تیری روح قبض کروں، یعنی تیری روح کے قبض کرنے کا وقت قریب آچکا ہے، تُو اپنا ملک بنی اسرائیل پر پیش کر، کہ جو کوئی اِس کا پابند ہو کہ رات کو نماز پڑھے، فتور نہ کرے، دِن کو روزہ رکھے، افطار نہ کرے، لوگوں میں حکم جاری کرے اور غصہ نہ کرے، اُسے تُو اپنی بادشاہی سپرد کر دے۔ جب اُن پیغمبر صاحب نے یہ بات بنی اسرائیل پر ظاہر کی، تو ایک جوان اُس قوم میں اٹھا اور بولا کہ "میں کفالت کرتا ہوں تیرے واسطے اِس بات کی"، تو پھر اُن پیغمبر علیہ السلام نے ملک اُس جوان کے سپرد کر دیا، اور اُس نے وعدہ وفا کیا۔ پیغمبری کا خلعت پایا، تو حق تعالیٰ نے اُسے ذوالکفل کہا، جو تاحیات قوم کی طرف سے کی گئی زیادتیوں پر صبر کرتے رہے، اور کسی پر غصہ نہیں ہوئے۔

اب حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ شروع فرمایا۔ یہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا آٹھواں قصہ ہے۔ آپ کا ذکر سورۂ یونس میں بھی آچکا ہے۔ اب یہاں یہ فرمایا جارہا ہے، کہ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى

اور ذوالنون، جب کہ چل پڑے تھے غصے میں بھرے، پھر خیال کیا، کہ ہم تنگی نہ ڈالیں گے اِن پر، پھر پکارا

فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝٨٧

اندھیریوں میں کہ "نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا تیرے، پاکی ہے تیری۔ بے شک میں بے جا کرنے والوں سے تھا"●

(اور) ذکر کرو (ذوالنون) یعنی مچھلی والے یونس علیہ السلام کا (جب کہ چل پڑے تھے غصے میں بھرے) اپنی قوم پر، اس واسطے کہ قوم نے اُن کی دعوت قبول نہیں کی تھی۔

بعض اہلِ علم وعرفان کا قول یہ ہے کہ جانے میں اپنے نفس پر اُنہوں نے غصہ کیا، اِس واسطے کہ اُن کے جانے کے واسطے حکمِ الٰہی صادر نہیں ہوا تھا۔ اور بعضوں نے کہا کہ اُنہوں نے اپنی قوم سے عذاب کا وعدہ کیا تھا، جب وعدے کا وقت آیا، تو عذاب آنے میں دیر ہوئی، سمجھے کہ قوم کے لوگ اُنہیں جھوٹا جانیں گے، تو اپنی امت میں سے نکل گئے۔

(پھر خیال کیا)، یعنی اُن سے اس شخص کا سا کام صادر ہوا، جو گمان کرتا ہے **(کہ ہم تنگی نہ ڈالیں گے اُن پر)۔**

حضرت یونس نبی معصوم تھے، اُن سے ایسا فعل صادر ہونا محال ہے۔ اِسی لیے انہیں اُس شخص جیسا قرار دیا گیا، جو ایسے وقت ایسا گمان کرے۔ مروی ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام جب اپنی قوم سے ناراض ہوکر بحرِ روم کی طرف چلے، تو کشتی پار جانے کے لیے تیار تھی، آپ بھی لوگوں کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گئے۔ جوں ہی کشتی دریا کے درمیانی حصے میں پہنچی تو رُک گئی۔ نہ آگے ہوتی تھی، نہ پیچھے ہٹتی تھی۔ ملاحوں نے کہا، کہ یہاں کوئی نافرمان اور گنہگار اور اپنے آقا سے بھاگا ہوا انسان بیٹھا ہے۔ جب تک وہ یہاں ہے، کشتی نہیں چلے گی۔ اور ہماری عادت ہے کہ ہم پردہ فاش نہیں کرتے، بلکہ قرعہ اندازی کرتے ہیں۔ جس کے نام کا قرعہ نکلے اُسے دریا میں پھینک دیتے ہیں۔

تین۳ بار قرعہ ڈالا گیا، ہر بار یونس علیہ السلام کا نام نکلا۔ آپ نے فرمایا، وہ عاصی وآبق بندہ میں ہی ہوں۔ یہ کہہ کر آپ نے خود ہی دریا میں چھلانگ لگادی۔ آپ کو مچھلی نے لقمہ بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا، کہ میرے اِس پیارے بندے کو بال برابر بھی ضرر نہ پہنچانا، اس لیے کہ میں نے تیرے پیٹ کو اُس کے لیے قید خانہ بنایا ہے، یہ تیرا لقمہ نہیں ہے۔۔ چنانچہ۔۔ حضرت یونس علیہ السلام قرعہ اندازی کے بعد دریا میں مچھلی کے پیٹ کے اندر جب پہنچے۔۔ تو۔۔

(پھر پکارا اندھیریوں میں) یعنی ایک دریا، دوسرا مچھلی کا پیٹ، اور تیسرے رات کی تاریکی۔۔ الختصر۔۔ انہوں نے اِن تاریکیوں میں ندا کی، **(کہ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل، سوا تیرے)۔** اور کوئی

تیرے سوا ایسا معبود نہیں، جو اِن ظلمات سے میری حفاظت کر کے مجھے اُن کی آفات سے بچالے۔اور مجھے الہام کے ذریعے بتائے، کہ اِس سخت مقام پر اُسے یاد کروں۔(پاکی ہے تیری)، یعنی میں تیری شان کے لائق تیری تنزیہہ بیان کرتا ہوں اور یقین کرتا ہوں کہ تجھے کوئی شے عاجز نہیں کرسکتی، اور مجھے یقین ہے کہ میری آزمائش بھی کسی سبب ہی سے ہے۔(بے شک میں بے جا کرنے والوں سے تھا)۔ اپنے نفس کو ہلاکت میں میں نے خود ڈالا، جو جدا ہونے اور ہجرت کرنے میں جلدی کی۔

حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مچھلی کے پیٹ ہی میں مشاہداتِ ربانی نصیب ہوئے، تو آپ کو وہی مقام اچھا لگا اور جی چاہا کہ یہیں پر رہ جائیں کیونکہ دُنیا میں ایسے جلوے کہاں۔لیکن پھر جلوے اُن سے پوشیدہ ہوئے، تو حضرت یونس علیہ السلام کو گھبراہٹ ہوئی، تو نجات کے لیے دُعا مانگی۔اِس پر اللہ تعالیٰ نے اُنہیں مچھلی کے بطن کی وحشت سے نجات عطا فرمائی۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ جب یونس نے دُعا کی اور زیادتی کی نسبت اپنی طرف کی۔۔نیز۔۔اپنی عبدیت وعاجزی کا اظہار کیا۔۔۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

تو ہم نے قبول فرمالیا اس پکار کو، اور بچالیا اُن کو غم سے۔اور اِسی طرح بچالیتے ہیں ہم اپنے ماننے والوں کو●

(تو ہم نے) اُسے سعادتمندانہ اعتراف پر، نہایت الطف طریق سے (قبول فرمالیا) یونس علیہ السلام کی (اُس پکار کو)، یعنی اُن کی دُعا کو، (اور بچالیا اُن کو غم سے)، یعنی مچھلی کے نگل جانے اور دریا میں رہنے کے غم سے انہیں نجات دے دی۔۔چنانچہ۔۔ہم نے مچھلی کو حکم دے دیا اور اُس نے دریا کے کنارے انہیں اُگل دیا۔(اور اِسی طرح) یعنی جس طرح یونس علیہ السلام کو ہم نے غم سے نجات دی، (بچالیتے ہیں ہم اپنے ماننے والوں کو) اور انہیں غم سے نجات دے دیتے ہیں۔

مچھلی اور دریا کا قصہ سورۂ صافات میں مفصل آتا ہے۔اب آگے انبیاء علیہم السلام سے متعلق نواں قصہ ہے، جس میں حضرت زکریا کا ذکر ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

وَزَكَرِيَّاۤ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾ۚۖ

اور زکریا نے جب پکارا اپنے رب کو کہ "پروردگار امت چھوڑ مجھے لاوارث، اور تُو سب سے بہتر وارث ہے"●

اَے محبوب! یاد کرو (اور) ذکر کرو (زکریا نے جب پکارا اپنے رب کو، کہ پروردگار امت چھوڑ مجھے لاوارث)۔تُو مجھے ایک فرزند عطا فرما، جو میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی وارث ہو۔

جب زکریا علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو بیس[120] سال اور آپ کی زوجہ محترمہ کی ننانوے[99] سال پہنچی، تو اتنا طویل عرصہ اولاد نہ ہونے کے باعث اُنہیں اولاد کی خواہش ہوئی، تاکہ اُس سے جی بہلائیں اور دُنیوی اور دینی امور میں تقویت حاصل ہو، اور اُن کے وصال کے بعد اُن کی اولاد اُن کی مسند نشیں ہو۔ اِسی لیے سوال ایسے لہجے میں کیا کہ "سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے،" کا ثبوت تھا۔

(اور) یہ اس لیے، کہ **(تُو سب سے بہتر وارث ہے)** جو کسی کے مرنے کے بعد باقی رہے۔ تو اگر تُو مجھے وارث نہ دے گا، تو بھی کچھ پرواہ نہیں۔

اِس سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا مطلوب ہے، کہ وہ تمام مخلوق کے فنا کے بعد بھی باقی رہے گا اور تمام زمین وآسمان اُس کی ملک ہیں۔۔۔القصہ۔۔۔حضرت زکریا کی دُعا کو رب تعالیٰ نے قبول فرمالیا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ جب میرے بندے زکریا نے فرزند کے لیے دُعا کی۔۔۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا

تو ہم نے اِسے قبول فرمالیا اور بخش دیا انہیں یحییٰ۔ اور اُن کے لائق کر دیا ہم نے اُن کی بی بی کو۔ بے شک یہ لوگ

يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾

جلدی کرتے تھے نیکیوں میں۔ اور پکارتے تھے ہمیں خوشی خوشی، اور کانپتے ڈرتے، اور تھے ہمارے سامنے گڑگڑانے والے●

(تو ہم نے اُسے قبول فرمالیا اور بخش دیا اُنہیں یحییٰ) نام کا ایک فرزند، کہ اُس کے سبب سے دین زندہ ہوگیا۔

وہ جب تک باحیات رہے، آپ کے اور آلِ یعقوب کے جانشین بن کر ایک سچے وارث کا کردار انجام دیتے رہے۔۔المختصر۔۔حضرت زکریا نبی تھے اور نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے، تو قرآنی تصریح کے مطابق آپ کی دونوں دُعائیں قبول ہوگئیں۔۔رب تعالیٰ نے انہیں فرزند بھی عطا کیا اور اُس فرزند کو اُن کے فریضے کی ادائیگی میں معاون ومددگار بھی بنایا۔۔چنانچہ۔۔ جب تک وہ باحیات رہے آلِ یعقوب کی جانشینی کا حق ادا کرتے رہے۔

ایک مورث کے وصال کے بعد وارث کا جو کردار ہوتا ہے، وہ مورث کی حیات ہی میں حضرت یحییٰ نے کر دکھایا۔۔لہٰذا۔۔اِس مقام پر یہ کہنا مناسب نہیں، کہ وراثت کے حق میں

زکریا علیہ السلام کی دُعا قبول نہ ہوئی، اس لیے کہ یحییٰ علیہ السلام اپنے والدِ گرامی سے پہلے شہید کر دیے گئے۔

حضرت زکریا کی دُعا صرف لائق وفائق معین ومددگار فرزندِ صالح کے لیے تھی، وہ قبول ہوگئی۔۔ چنانچہ۔۔اب وہ لاولد نہیں رہ گئے۔ رہ گیا اپنے بعد اُس فرزند کے باقی رکھنے کا معاملہ، تو **اَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ** فرما کر اُس سے اپنی بے پرواہی کا اظہار فرما کر، مرضیٔ خداوندی کے سپرد کر دیا تھا۔ اس لیے کہ اپنے بعد کی وراثت والا معاملہ اُن کا خاص مطلوب ومقصود نہیں تھا، بلکہ اُن کی دُعا صرف ایسے فرزندِ صالح سے متعلق تھی، جو جب تک رہے پیغمبرانہ شان سے رہے جسے آلِ یعقوب کی امانتِ علمی ودینی کا محافظ وامین کہا جاسکے۔ اور بے شک ان کی یہ دُعا قبول ہوگئی۔

یہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، وہ اِس فقیر کے ذہن کی بات ہے۔ اگر یہ صحیح ہے، تو فضلِ خداوندی ہے اور اگر غلط ہے، تو خود اِس کے نفس کا دھوکا ہے، مولیٰ تعالیٰ معاف فرمائے۔ اس طرح کے سوالات کے جواب میں یہ بات بھی کہی گئی ہے، کہ "اگرچہ انبیاء مستجاب الدعوات ہوتے ہیں لیکن اُن کی بعض دُعاؤں کا اثر ظاہر نہیں ہوتا، اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے"۔۔ الختصر۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اُن کو فرزند بخش دیا۔۔۔

(**اور اُن کے لائق کر دیا ہم نے اُن کی بی بی کو**)، یعنی اُن کی خواہش پوری کرنے کے لائق اور بچہ جننے کے قابل بنا دیا۔۔ حالانکہ۔۔وہ بانجھ تھیں اور ننانو ٩٩ ے سال کو پہنچ چکی تھیں، اور اس سن میں اُن میں بچہ جننے کی صلاحیت تک نہ رہی تھی۔

ایک قول یہ بھی ہے، کہ آپ کی زوجہ ایشاع بنت عمران پہلے بدخلق تھیں، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں خوش اخلاق بنا دیا، تو اب ارشادِ ربانی کا حاصل یہ ہوا کہ "ہم نے زکریا کی زوجہ کو زکریا کے واسطے خوش اخلاق کر دیا جو پہلے بدخلق تھیں"۔

(**بے شک یہ لوگ**) یعنی سارے پیغمبر جن کا ذکر ہوا (**جلدی کرتے تھے نیکیوں میں**) یعنی اُن پیغمبروں پر جو اللہ تعالیٰ کے انعامات ہوئے ہیں، اُن کے شکر میں ہر طرح کی نیکیوں میں سبقت کرتے تھے اور جو اصل نیکیاں اُن سے مطلوب تھیں اُن پر وہ ثابت قدم تھے۔ (**اور**) اُن کا حال یہ رہتا تھا، کہ (**پکارتے تھے ہمیں خوشی خوشی**) ثواب اور ہمارے لطف وجمال کی طرف رغبت کرتے ہوئے۔ (**اور کانپتے ڈرتے**) ہمارے عذاب وقہر وجلال سے۔ (**اور تھے**) تواضع وعجز ونیاز سے (**ہمارے سامنے**

گڑگڑانے والے)، فروتنی کرنے والے اور حکم ماننے والے۔۔یا۔۔نیاز مند۔
بے شک نیاز اُسی کے واسطے چاہیے، اور ناز اُسی پر لائق ہے۔جو کوئی نیاز اُس کے سامنے لے جاتا ہے، وہ اُس نیاز مند کو تونگر کردیتا ہے۔اور جو کوئی اُس پر ناز کرتا ہے، وہ اُس ناز کرنے والے کو عزت دار بناتا ہے، **كَانُوا لَنَا خٰشِعِيْنَ** یہ نیاز کا بیان ہے۔اور"مجھ جیسا کون ہے، کیونکہ میرا معبود رب العرش ہے۔" یہ ناز کے انداز ہیں۔

وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا

اور وہ جس نے محفوظ رکھی اپنی پاک بازی، تو نفخ روح فرمایا ہم نے، اور بنادیا انہیں

وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾

اور اُن کے بیٹے کو نشانی سارے جہاں کے لیے●

اِس سورت میں انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متعلقین کا یہ دسواں قصہ ہے۔۔چنانچہ۔۔ ارشاد ہے، کہ
اَے محبوب! یاد کرو (اور) ذہن میں حاضر کرلو (وہ) واقعہ، جو اُس پاک طینت عورت سے متعلق ہے (جس نے محفوظ رکھی اپنی پاک بازی)۔اِس سے مراد حضرت مریم بنتِ عمران ہیں، کہ انہوں نے اپنے کو پاک رکھا اور اُن کے دامنِ عصمت تک کسی کا ہاتھ نہیں پہنچا، (تو نفخ روح فرمایا ہم نے)۔یعنی ہم نے جبرائیل کو حکم کیا اور انہوں نے پھونک دی، اُن کے پیراہن میں۔۔یا۔۔شکم میں اُس روح میں سے، جو ہمارے حکم سے ہے۔
حاصل یہ ہے کہ جاری کردی ہم نے اُس میں مسیح علیہ السلام کی روح۔(اور بنادیا انہیں) یعنی اُن کے قصے کو (اور اُن کے بیٹے) کے حال (کو نشانی)، یعنی دلیل اور علامت (سارے جہاں کے لیے)۔یعنی جب اُن کے احوال میں اہلِ عالَم غور وفکر کریں، تو اُن پر یہ بات صاف کھل جائے، کہ فقط روح پھونکنے کے باعث بزرگ پاک دامن عورت سے بے باپ کے بیٹا پیدا ہونا صانعِ حکیم قدیم جل جلالہ کے کمالِ قدرت پر دلالت کرتا ہے۔مذکورہ بالا انبیاءِ کرام کے حالات شاہد عدل ہیں، کہ۔۔۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿٩٢﴾

"بے شک یہ تمہارا دین، ایک ہی دین ہے۔اور میں تم سب کا رب ہوں، تو میری عبادت کرو"●

(اور حرام ہے اُس آبادی) والوں (پر جس کو ہم نے برباد کر دیا ہے کہ وہ لوگ اب یہاں) یعنی دُنیا میں (نہ واپس ہوں گے)۔ یعنی جو لوگ ہلاک ہو گئے اپنے اعمال کی درستی کے واسطے دُنیا میں پھر آنا اُن پر حرام ہے۔

اِس آیت کا یہ بھی معنی کیا گیا ہے، کہ ہلاک ہو جانے والوں پر یہ بات حرام اور ممتنع ہے، کہ حساب کے واسطے محشر کی طرف رجوع نہ کریں۔ بلکہ ضرور آئیں گے اور اُن کا حساب کیا جائے گا۔ پہلا قول یعنی لَا کا زاید ہونا بہت مشہور ہے۔ اِس واسطے کہ اِس عالَم کی طرف انہیں رجوع نہ ہوگی۔ اور اُن شقیوں پر قبروں میں عذاب ہوتا رہے گا۔۔۔

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ

یہاں تک کہ جب کھول دیے گئے یاجوج وماجوج، اور وہ

مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾

ہر ٹیلے سے ڈھلکیں گے●

(یہاں تک کہ جب کھول دیے گئے یاجوج وماجوج) یعنی اُن کی آڑ ہٹا دی گئی۔

یہ قیامت تک کا اشارہ ہے۔ اس واسطے کہ یاجوج اور ماجوج کی آڑ کا کھل جانا قیامت کی علامت ہے۔

(اور) اُس وقت کا عالَم یہ ہوگا، کہ (وہ ہر ٹیلے سے ڈھلکیں گے)۔ وہ بے شمار ہوں گے، تو جب کسی بلندی سے نیچے کی طرف آئیں گے، تو ایسا لگے گا کہ آدمیوں کا سیلاب آ گیا ہے۔ وہ ہر چیز پر بے تحاشا جھپٹیں گے۔ ہر طرف دوڑیں گے۔ سب دریاؤں کا پانی پی جائیں گے، اور خشک و تر جو کچھ پائیں گے کھا جائیں گے۔

یہ بات قیامت کی علامتوں میں سے ہوگی، کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے دجّال اور اُس کے تابع لوگ ہلاک ہو جائیں گے، تو یاجوج ماجوج نکل آئیں گے اور اُن کی آڑ کھل جائے گی اور ایمان والوں کو لے کر عیسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر چلے جائیں گے۔ یہ بھی ایک روایت ہے کہ یاجوج ماجوج جبل الخمر تک جائیں گے جو بیت المقدس کا پہاڑ ہے اور کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم قتل کر چکے، آؤ جو کچھ آسمان پر ہے، اُسے بھی قتل کر ڈالیں اور پھر آسمان کی طرف تیر ماریں گے جو خون آلود واپس ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور

اُن کے ساتھیوں کو دشواری ہوگی، تو وہ دُعا کریں گے۔ پھر حق تعالیٰ دفعتاً یاجوج و ماجوج کو ہلاک کردے گا۔

وَاقۡتَرَبَ الۡوَعۡدُ الۡحَقُّ فَاِذَا هِیَ شَاخِصَةٌ اَبۡصَارُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ؕ

اور نزدیک آگیا وعدہ حقہ، تو اُس دم پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی آنکھیں کافروں کی۔

یٰوَیۡلَنَا قَدۡ كُنَّا فِیۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا بَلۡ كُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۹۷﴾

"ہائے افسوس! ہم غفلت میں پڑے تھے اس جانب سے، بلکہ ہم اندھیر والے تھے"●

یاجوج ماجوج کی آڑ ہٹتے (اور) اُن کے ہلاک ہوتے ہی، (نزدیک آگیا وعدۂ حقہ) یعنی سچا وعدہ، کہ قیامت کو آنا ہے۔ (تو) وہاں قصہ یہ ہے، کہ (اُس دم پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی آنکھیں کافروں کی)۔ ایسا کھل جائیں گی، کہ اُن میں جھپکنا بھی نہ ہوگا۔۔ الغرض۔ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی، اُن میں جھپک بھی پیدا نہ ہوگی، اور اُس وقت وہ کافر کہتے ہوں گے، (ہائے افسوس، ہم غفلت میں پڑے تھے) دُنیا میں (اِس جانب سے)، یعنی اِس دن اور اِس حال سے۔ (بلکہ ہم اندھیر والے تھے) اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے، کہ پیغمبروں کی بات ہم نے نہ سنی اور اُن کے ساتھ تکبر اور جھگڑا کرتے رہے۔ تو اَے کافرو! سن لو! اِس ہائے ہائے کرنے سے اب تمہیں کچھ ملنے والا نہیں۔۔ بلکہ۔۔

اِنَّكُمۡ وَمَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ

"بے شک تم اور تمہارے مِن دونِ اللہ سارے معبود، جہنم کا ایندھن ہیں۔

اَنۡتُمۡ لَهَا وٰرِدُوۡنَ ﴿۹۸﴾

تم اس میں جاؤ گے●

(بے شک تم اور) تمہاری تراشیدہ مورتیاں اور تمہارا مرکزِ اطاعت شیطان ۔۔الغرض۔۔ (تمہارے مِن دونِ اللہ سارے معبود جہنم کا ایندھن ہیں)، یعنی دوزخ کی آگ بھڑکانے والے ہیں۔ خود بھی جلیں گے اور تمہیں بھی جلائیں گے۔۔ المختصر۔۔ (تم) بتوں سمیت دوزخ پر گزرو گے اور (اُس میں جاؤ گے)۔ اُس وقت تمہاری نادانی خود تم پر کھل جائے گی، اور تم دیکھو گے کہ جن کو تم پوجتے تھے، وہ تمہارے ساتھ آگ میں جل رہے ہیں۔ اُس وقت تمہیں اچھی طرح معلوم ہوجائے گا، کہ۔۔۔

لَوۡ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوۡهَا ؕ وَكُلٌّ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿٩٩﴾

اگر یہ معبود ہوتے، تو اِس میں نہ جاتے۔ اور سب اِس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(اگر یہ معبود ہوتے، تو اِس میں نہ جاتے)، اِس لیے کہ خدا تو اَوروں پر عذاب کرتا ہے، خود عذاب میں نہیں ڈالا جاتا۔

یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ بت جو دوزخ میں لائے جائیں گے اُس میں حکمت یہ ہے، کہ بت پرستوں پر اور زیادہ عذاب ہو۔ اِس واسطے کہ بتوں سے اور بھی زیادہ آگ تیز ہو جائے گی اور بت پرست زیادہ جلنے لگیں گے۔

(اور سب) یعنی بت اور بت پرست (اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)، انہیں اُس سے کسی طرح خلاصی نہیں ہے۔۔ نیز۔۔

لَهُمۡ فِيۡهَا زَفِيۡرٌ وَّهُمۡ فِيۡهَا لَا يَسۡمَعُوۡنَ ﴿١٠٠﴾

انہیں اِس میں گدھے کی چیخ ہے، اور وہ اِس میں سن نہ پائیں گے"●

(انہیں اُس میں گدھے کی چیخ ہے)، یعنی وہ گدھوں کی طرح آواز نکالتے رہیں گے۔ (اور وہ اُس میں سن نہ پائیں گے) کوئی ایسی بات جس سے انہیں خوشی میسر آئے۔

اوپر کے ارشاد میں جن جھوٹے معبودوں کے جہنم رسید ہونے کی بات کی گئی ہے، اُس سے مُراد وہی مورتیاں اور شیاطین ہیں۔ رہ گئے حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تو یہ اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر ہیں اور ملائکہ جو خدا کے محبوب بندے ہیں، اگرچہ مشرکین نے اپنی جہالت کی وجہ سے اُن کو بھی اپنا معبود سمجھ لیا ہے، تو اُن کے پجاری تو جہنم میں ضرور جائیں گے۔ لیکن یہ حضرات تو جہنم تو جہنم ہے اُس کی آواز سے بھی دُور رکھے جائیں گے۔۔ کیونکہ۔۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ سَبَقَتۡ لَهُمۡ مِّنَّا الۡحُسۡنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنۡهَا مُبۡعَدُوۡنَ ﴿١٠١﴾

بے شک جن کے لیے پہلے ہو چکا ہماری طرف سے سب سے اچھا انجام، وہ اِس سے دُور رکھے جائیں گے"●

لَا يَسۡمَعُوۡنَ حَسِيۡسَهَا ۚ وَهُمۡ فِىۡ مَا اشۡتَهَتۡ اَنۡفُسُهُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿١٠٢﴾

نہ سنیں گے اِس کی بھنک۔ اور وہ اِس میں جس کو انہوں نے چاہا، ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(بے شک جن کے لیے پہلے ہو چکا ہماری طرف سے سب سے اچھا انجام)، یعنی جنہیں نیکی

کی بات ہے۔۔الحاصل۔۔قیامت کا دن ایک عظیم دن ہے۔
۔۔تو۔۔اَے محبوب! یاد کرو اُس دن کو۔۔۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۗ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ

جس دن کہ لپیٹیں گے ہم آسمانوں کو مثل لپیٹنے سجل کے نوشتوں کو۔ جس طرح کہ ابتدا فرمائی تھی ہم نے پہلی

خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۗ وَعْدًا عَلَيْنَا ۗ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾

پیدائش کی، دوبارہ کردیں گے اُسے، یہ وعدہ ہے ہمارے ذمے، ہم کو ضرور کرنا ہے●

(جس دن کہ لپیٹیں گے ہم آسمانوں کو مثل لپیٹنے سجل کے نوشتوں کو)، یعنی جس طرح رقعوں پر طومار لپیٹ لیا جاتا ہے، اُسی طرح ہم آسمانوں کو لپیٹ لیں گے۔

تو سجل وہ صحیفہ۔۔یا۔۔وثیقہ ہے جس پر حاکم فیصلہ کر کے اپنی مہر لگا دیتا ہے۔۔یا۔۔جس میں کسی معاہدے کو لکھا جاتا ہے۔۔یا۔۔جس میں کسی ملکیت کے انتقال کو لکھ کر اُس پر گواہوں کے دستخط کرائے جاتے ہیں۔۔یا۔۔طلاق لکھ کر اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں اُس کو لپیٹ کر ٹین کے گول اور لمبے ڈبے میں حفاظت سے رکھ دیتے تھے۔ پھر اِس کو لکھ کر فائلوں اور رجسٹروں میں محفوظ کیا جانے لگا۔ اور اب اِس کو کمپیوٹر میں فیڈ کر کے اسٹور کر لیتے ہیں۔

ایک قول یہ ہے، کہ **سجل** کسی ایک کاتب رسول کا نام تھا۔۔نیز۔۔ایک قول یہ بھی ہے کہ **سجل** ایک فرشتے کا نام ہے، **کراماً کاتبین** نامۂ اعمال لکھ کر جب اُسے دیتے ہیں، تو وہ لپیٹ لیتا ہے۔ ویسے پہلے ہی قول کو راجح قرار دیا گیا ہے، کہ **سجل** سے مراد صحیفہ ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ہم سب کو لپیٹ دیں گے **(جس طرح کہ ابتداء فرمائی تھی ہم نے پہلی پیدائش کی) اُسی طرح (دوبارہ کردیں گے اُسے)**۔ یعنی ہم انہیں مرنے کے بعد ابتداءً لوٹائیں گے، جیسے انہیں عدم سے پہلی بار لوٹایا تھا، کہ اُس وقت نہ کوئی مادّہ تھا نہ کسی کی مدد۔

کلامِ الٰہی کا حاصل یہ ہے، کہ ہم تخلیقِ انسانی پر قدرت رکھتے ہیں، جیسے کہ اُس کی تخلیق اوّل میں ہم کسی کے محتاج نہیں ہوئے، تو اُس کے مرنے کے بعد لوٹانے میں بھی کسی کی مدد نہیں چاہیں گے۔ اور آخرت میں لوٹانے کا۔۔۔

(یہ وعدہ ہے ہمارے ذمہ، ہم کو ضرور کرنا ہے)۔ یعنی اُس کا پورا کرنا ہمارے ذمۂ کرم میں

ہے۔۔لہٰذا۔۔ہم اُسے پورا کر کے دکھائیں گے۔اور ضرور بالضرور ہم اُسے پورا کریں گے۔یعنی جس طرح ہم نے اُنہیں 'مغفرت' کے واسطے موجود کیا، تو دوبارہ مکافات کے لیے بھی موجود کریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ نکوکاروں کے لیے بہشت بنائی گئی ہے۔۔۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ

اور بے شک لکھا ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد کہ "بے شک اِس زمین کے

يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾

وارث ہوں گے میرے لیاقت والے بندے"●

(اور بے شک لکھا ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد) یعنی داودؑ' کی کتاب میں توریت کے بعد، یعنی توریت میں لکھنے کے بعد زبور میں بھی ہم نے لکھا (کہ بے شک) بہشت کی (اُس زمین کے وارث ہوں گے میرے لیاقت والے بندے)، یعنی امتِ محمدؐ' کے لوگ۔

اور ایک قول یہ ہے کہ نیک بندوں سے مُراد تمام ایمان والے ہیں۔

إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿١٠٦﴾

بے شک اِس قرآن میں کافی پیغام ہے عبادت کرنے والوں کے لیے●

(بے شک اِس قرآن میں) جو خبریں نصیحتیں، وعدے، وعیدیں، بیان کی ہیں، اُن میں (کافی پیغام ہے عبادت کرنے والوں کے لیے)۔یعنی قرآنی خبریں اور نصیحتیں اپنے مقصودِ اصلی تک پہنچنے کے واسطے خاتم الانبیاء کی امت کے لیے کافی اور بس ہیں۔۔بلکہ۔۔سارے انسانوں کو راہِ ہدایت دکھانے والی ہیں۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾

اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر رحمت سارے جہان کے لیے●

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ اَے محبوب! (نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر رحمت سارے جہاں کے لیے)۔

ذات بابرکت مومنوں کے لیے رحمت ہے [illegible]

نے ہدایت پائی۔ خود آپ کا ارشاد ہے، "نہیں ہوں میں مگر رحمت ہدیہ بھیجی ہوئی"۔ اور آپ کافروں کے واسطے بھی رحمت ہیں۔۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ قرآنی ہے کہ "نہیں ہے اللہ، کہ عذاب کرے گا کافروں پر اور تم ان میں موجود ہوا ے محمد" صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

اِس سلسلے میں مختصر بات یہ ہے، کہ عالَم ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ تو اب جو عالمین کے لیے رحمت ہوگا، تو ظاہر ہے کہ ہر اُس ذات اور ہر اُس شے کے لیے رحمت ہوگا جس پر عالَم کا اطلاق کیا جا سکے۔ ہر ایک کے لیے رحمت کی جہت الگ الگ ہوگی، مگر ہوں گے آپ ہر ایک کے لیے رحمت ہی۔

ذہن نشین رہے کہ آپ کی رحمت سے یہ بات بھی ہے، کہ آپ اپنی اُمت کو کہیں نہیں بھولے۔ نہ مدینہ منورہ میں، نہ مکہ معظمہ میں، نہ مسجدِ حرام میں، نہ حجرۂ طاہرہ میں، یہاں تک کہ عرش پر، مقام **قَابَ قَوْسَيْنِ** پر بھی یاد رکھا، اور فرمایا "اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ" اور کل قیامت کے دن بھی نہ بھولیں گے، اور شفاعت کا فرش بچھا کر فرمائیں گے، امتی امتی۔۔۔ آپ کو **رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ** بتا کر ارشادِ الٰہی کا حاصل یہ ہے، کہ۔۔۔

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٠٨﴾

کہہ دو کہ "یہی وحی کی جاتی ہے میری طرف، کہ بس تمہارا معبود ہے صرف اللہ اکیلا، تو کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟" ●

اَے محبوب! آپ سارے عالم کے لیے رحمت اور کفر و شرک کرنے والوں کے لیے بھی نجات کا ذریعہ ہیں، تو آپ اِن کافروں اور مشرکوں سے۔۔۔ (کہہ دو) جو شرک اور توحید کے تعلق سے نزاع کرتے رہتے ہیں، (کہ) اَے کافرو! (یہی وحی کی جاتی ہے میری طرف، کہ بس تمہارا معبود) برحق (ہے صرف اللہ) تعالیٰ (اکیلا)، نہ کہ اُس کے سوا کوئی دوسرا۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ نبوت اور دیگر عقائد اور احکام، سب توحید ہی کی فرع ہیں۔ جب انسان توحید کو مان لے گا اور اللہ تعالیٰ کے واحد خالق اور مالک ہونے کا اعتراف کرلے گا، تو پھر وہ باقی عقائد اور احکام کو بھی مان لے گا، اور یہ تمام امور توحید کے تابع ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے، کہ تمہارا معبود صرف ایک مستحق عبادت ہے۔۔۔

(تو کیا تم اسلام قبول کرتے ہو) اور اِس بات کے ماننے والے ہو جو وحی چاہتی ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَاِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ

پھر اگر انہوں نے بے رخی کی، تو کہہ دو کہ "میں نے جنگ کا اعلان کر دیا تم سے برابر پر، اور میں کیا اٹکل رکھوں، کہ قریب ہے

اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

یا دُور ہے، جس کا تمہیں وعدہ کیا گیا●

(پھر اگر انہوں نے بے رخی کی، تو کہہ دو کہ میں نے جنگ کا اعلان کر دیا تم سے برابر پر)۔ یعنی جو کچھ مجھ پر وحی آئی، وہ میں نے صاف تمہیں پڑھ کر سنائی۔۔چنانچہ۔۔مسلمان اور کافر اُس کے جاننے میں برابر ہوئے۔۔الغرض۔۔جو کچھ میں نے اعلام کر دیا اس میں، میں اور تم برابر ہو۔(اور اب رہ گئی آگے ہونے والی بات، تو (میں کیا اٹکل رکھوں کہ قریب ہے یا دُور ہے جس کا تمہیں وعدہ کیا گیا)، یعنی حشر۔۔یا۔۔مسلمانوں کا غلبہ۔۔الغرض۔۔اُس کے تعلق سے صرف اپنے اندازے اور قیاس وگمان سے کچھ کہنا میرے لیے مناسب نہیں۔اب رہ گئی کافروں کی بات جو اسلام پر طعن کرتے ہیں ۔۔تو۔۔

اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

بے شک وہ جانتا ہے آواز کی بولی، اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو●

(بے شک وہ جانتا ہے آواز کی بولی)، آواز والی بولی، (اور جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو) یعنی وہ تمہارے دِلوں میں پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں سے جو حسد ہے، اُن سب سے باخبر ہے۔

وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ ﴿۱۱۱﴾

اور میں کیا اٹکل لگاؤں کہ وہ تمہاری آزمائش ہے، اور کچھ وقت کا رہنا سہنا ہے"●

(اور میں کیا اٹکل لگاؤں کہ وہ) یعنی اُس وعدہ کیے ہوئے امر کی تاخیر۔۔یا۔۔تم کو اعمال کی مکافات دیر کو ملنا (تمہاری آزمائش ہے)، یعنی استدراج کی راہ سے تاخیر میں ڈالنا ہے۔(اور) شاید (کچھ وقت کا رہنا سہنا ہے) اور عارضی فائدہ ہو تمہارے واسطے، یہاں تک کہ وقتِ مقرر آپہنچے۔اس تاخیر میں یہ بھی فائدہ ممکن ہے، کہ کوئی توبہ کرلے اور ایمان کی دولت سے مشرف ہو جائے۔ ۔۔قصہ مختصر۔۔نبی کریم نے پیغامِ حق پہنچانے کے بعد۔۔۔

قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع ۱۹ (النصف)

دُعا کی کہ "پروردگارا فیصلہ فرمادے حق۔ اور ہمارا رب بڑا مہربان، اُسی کی مدددرکار ہے جو باتیں تم کرتے ہو" ●

(دُعا کی کہ پروردگارا! فیصلہ فرمادے) میرے اور مکہ والوں کے درمیان (حق) وراستی کے ساتھ۔ (اور) یادرکھو کہ (ہمارا رب بڑا مہربان) ہے اپنے بندوں پر۔ (اُسی کی مدد درکار ہے جو باتیں تم کرتے ہو)۔۔مثلاً: کبھی کہتے ہو کہ وعدہ کیا ہوا عذاب اگر حق ہے، تو ہم پر کیوں نہیں نازل ہوتا۔ اور کبھی کہتے ہو، کہ اسلام دم بہ دم ضعیف ہوتا جائے گا۔۔الغرض۔ تم اِس طرح کی جو بکواس کرتے ہو، اُن کو رَدکرنے اور اُن کا جواب دینے کے لیے ہم خدا ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ بے شک وہ ایسا بادشاہ ہے جس کی درگاہ سے مُراد چاہنے والا کبھی بھی نا امید نہیں ہوتا۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ
وبعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
۲۵؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۰؍اپریل ۲۰۱۱ء
بروز چہارشنبہ، بوقت پونے دس بجے شب، سورۂ انبیاء کی تفسیر مکمل ہوگئی۔
دُعا گوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے باقی قرآنِ کریم
کی تفسیر مکمل کرنے کے سعادت مرحمت فرمائے۔
اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔
آمِین یَامُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِ طٰهٰ وَ یٰسٓ وَ بِحُرْمَةِ
سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ
وبفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
۲۶؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۱؍اپریل ۲۰۱۱ء
بروز پنج شنبہ، 'سورۂ حج' کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔
مولیٰ تعالیٰ اس کی اور پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی
توفیق عطا فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔
آمِین یَامُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحُرْمَةِ حَبِیبِكَ
سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

سُوْرَةُ الْحَجِّ ۲۲ مدنیۃ ۱۰۳ | اٰیاتہا ۷۸ | رکوعاتہا ۱۰

سُوْرَةُ الْحَجِّ

سورۃ الحج ۲۲ مدنیہ ۱۰۳ — آیاتہا ۷۸ رکوعاتہا ۱۰

اِس سورہ کا نام 'سورۃ الحج' عہدِ رسالت ہی میں معروف ہو چکا تھا، اور صحابہ کرام کی زبانوں پر بھی یہی نام جاری تھا۔ 'الحج' کے سوا اِس سورہ کا اور کوئی نام نہیں۔ جمہور کے قول کے مطابق اِس سورت میں بعض آیات مکی ہیں اور بعض مدنی۔ اور یہ آیات ایک دوسرے سے مختلط ہیں، یعنی یہ معین نہیں کہ کون سی آیت مکی ہے اور کون سی آیت مدنی ہے۔ اِس سورت میں جو مکی آیات ہیں، وہ مکہ کے آخری دَور کی آیات ہیں، اور جو مدنی آیات ہیں، وہ ہجرت کے ابتدائی دَور کی آیات ہیں۔

اِس سورت کو اپنی ماقبل سورت یعنی 'سورۂ انبیاء' سے باہمی مناسبت یہ ہے کہ 'سورۂ انبیاء' کی متعدد آیات میں قیامت اور حشر کا ذکر کیا گیا ہے، اور 'سورۂ حج' کو بھی اللہ تعالیٰ نے قیامت اور حشر کی ہولناکیوں کے بیان سے شروع فرمایا ہے۔ ابتداءِ کلام ہی سے قیامت وحشر کی ہولناکیوں سے ڈرانے والی اور خشیتِ الٰہی اور تقویٰ و پرہیزگاری کا درس دینے والی اِس سورۂ مبارکہ کو، شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مؤمنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

اے لوگو! ڈرو اپنے رب کو، بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے●

تو (اے) وہ (لوگو!) جو مکلّف ہیں اور احکامِ شرعیہ کی تکلیف کا محل ہیں، (ڈرو اپنے رب کے عذاب (کو)، اور جان لو کہ (بے شک قیامت کا زلزلہ)، یعنی قربِ قیامت میں یہ ظاہر کرنے کے لیے، کہ اب قیامت آنا ہی چاہتی ہے قادرِ مطلق کا زمین کو ہلا دینا، (بڑی سخت) اور ہَول والی (چیز ہے)۔

روایت ہے کہ پہلے نفخہ کے قبل زمین کو زلزلہ ہوگا اور آسمان سے آواز آئے گی، کہ اَے لوگو خدا کا حکم آپہنچا۔ پس مخلوق میں تہلکہ اور کہرام پڑ جائے گا۔۔۔

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ

جس دن تم دیکھ ہی لوگے کہ بھول گئی ہر دودھ پلانے والی جس کو دودھ پلایا ہے، اور ڈال دے گی ہر

ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى

حاملہ اپنا حمل، اور تم دیکھو گے لوگوں کو کہ نشے کے مارے ہیں، حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہیں۔

وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ﴿٢﴾

لیکن ہاں اللہ کا عذاب سخت ہے●

(جس دن تم دیکھ ہی لوگے کہ بھول گئی ہر دودھ پلانے والی) اُس بچے کو (جس کو دودھ پلایا ہے)۔ باوجودیکہ دودھ پلانے والی کو اُس بچے پر شفقت ہوتی ہے، پھر وہ دودھ پلاتی ہے۔ (اور ڈال دے گی ہر حاملہ اپنا حمل)، یعنی خوف سے سب کا حمل ساقط ہو جائے گا۔ (اور تم دیکھو گے) کہ کمالِ دہشت کی وجہ سے اُس روز (لوگوں کو) ایسا جیسے (کہ نشے کے مارے ہیں)۔ ایسے مست کہ عقل وتمیز زائل ہوگئی ہو، (حالانکہ وہ نشے میں نہیں ہیں)، یعنی حقیقت میں وہ مست نہیں ہوں گے، اِس واسطے کہ خوف اور حیرت سے عقل جاتی رہنا مستی نہیں ہوتی، اگرچہ دیکھنے میں مست کے مانند آدمی دکھائی دے۔ تو وہ لوگ حقیقت میں مست نہ ہوں گے، (لیکن ہاں اللہ) تعالیٰ (کا عذاب سخت ہے)، تو اُس کے ہَول کے مارے لوگ مدہوش نظر آئیں گے۔ اور نضر بن حارث اور ابی بن خلف۔۔۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور کچھ لوگ ہیں کہ جھگڑتے ہیں اللہ کے بارے میں بے جانے بوجھے،

وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿٣﴾

اور پیچھے پیچھے رہتے ہیں ہر شیطان سرکش کے●

(اور) اُن جیسے (کچھ لوگ ہیں) جو (کہ جھگڑتے) اور بحث ومباحثہ کرتے (ہیں) (اللہ) تعالیٰ کی کتاب (کے بارے میں بے جانے بوجھے) بلا دلیل۔۔ چنانچہ۔ نضر بن حارث کہتا ہے، کہ "نہیں ہے یہ، مگر کہانیاں اگلوں کی"۔ یوں ہی۔۔ ابی بن خلف حشر کا منکر ہے۔ اور یہ سب اس لیے ہے،

کہ وہ سب جاہل ہیں۔(اور پیچھے پیچھے رہتے ہیں ہر شیطان سرکش کے)۔یعنی اپنے جھگڑنے۔۔یا۔۔
اپنے سب احوال میں وہ پیروی کرتا ہے سرکش گمراہ شیطان کی۔ایسا سرکش۔۔۔

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ
جس کے لیے طے کر دیا گیا ہے کہ جو اُس کی دوستی کرے، وہ اُس کو گمراہ کرتا ہے، اور لے چلے اُسے
اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾
عذابِ جہنم کی طرف●

(جس کے لیے) لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے اور (طے کر دیا گیا ہے، کہ جو اُس کی دوستی کرے) گا اور اُس کی متابعت کرے گا، (وہ اُس کو گمراہ کرتا ہے) گا (اور لے چلے) گا (اُسے عذابِ جہنم کی طرف)۔یعنی اپنے دوست کو ایسے کام میں لگائے گا جس کی جزا دوزخ ہو۔

عَلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع اگر 'مجادلہ' ہو، تو اب آیت کا معنی یہ ہوگا، کہ خدا نے حکم کر دیا ہے، کہ جو جھگڑنے والا شیطان کی پیروی کرے گا، وہ دوزخ میں جائے گا۔اب حشر کے منکر کافروں کو مخاطب فرمایا جا رہا ہے، کہ۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ
لوگو! اگر "تمہیں شک ہے قیامت میں زندہ اٹھائے جانے میں، تو بلاشبہ ہمیں نے تم کو پیدا فرمایا مٹی سے،
ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ
پھر نطفے سے، پھر گاڑھے خون سے، پھر لوتھڑے سے، صورت پوری بنی یا بے بنی، تا کہ ہم روشن کر دیں حقیقت
لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِى الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ
تمہارے بھلے کو، اور ہم ٹھہرا دیتے ہیں ماں کے پیٹ میں جسے چاہیں، ایک مقرر وقت تک۔پھر
نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ
نکالتے ہیں ہم بچہ، کہ پھر پہنچو تم اپنی جوانی کو اور بعض تمہارے ہیں کہ ان کی عمر پوری کر دی جاتی ہے، اور کچھ وہ کہ
اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ
پھینک دیے گئے نکمی عمر تک، کہ کچھ نہ جانیں، جاننے کے بعد۔اور دیکھا کرتے ہو زمین کو

هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْبَتَتْ

سوکھی پڑی، پھر جب ہم نے گرایا اِس پر پانی، تو ابھری اور پھولی اور اگانے لگی

مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝

ہر قسم کے خوشنما جوڑے ●

(لوگو! اگر تمہیں شک ہے قیامت میں زندہ اٹھائے جانے میں) اور تم کہتے ہو، کہ مر کر اٹھنا نہ تو ممکن ہے اور نہ ہی مقدور ہے، (تو) اپنے حال پر نظر کرو، (بلاشبہ ہمیں نے تم کو پیدا فرمایا مٹی سے) اور تم اُس کی فرع ہو۔ (پھر نطفے سے) بنایا۔ (پھر گاڑھے خون سے)، یعنی خون کے تھکے سے۔ (پھر لوتھڑے سے)، یعنی گوشت کے اتنے ٹکڑے سے جسے چبایا جاسکے۔ (صورت پوری بنی) یعنی خلقت پوری ہو، کہ اُس میں کچھ عیب اور نقصان نہ ہو، (یا بے بنی)، یعنی اَدھوری صورت کہ اُس کے بعضے اجزاء میں نقصان ہو۔

اِس کا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تخلیق کے مندرجہ بالا مراحل کو طے کرانے کے بعد یہ بھی ہو سکتا ہے، کہ صورت مکمل بنادی گئی ہو، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صورت گری کی تکمیل نہ کی گئی ہو۔ یہ بات اُس بچے میں ہے، جو مدتِ حمل پوری ہونے سے قبل ساقط ہوجائے۔ اِس میں سے بعض کی صورت بنی ہوتی ہے اور بعض کی نہیں۔ اِس پورے کلام کا خلاصہ یہ ہے، کہ ارشادِ ربانی ہے، کہ لوگو! تم کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف ہم نے منتقل کیا ہے۔۔۔

(تاکہ ہم روشن کردیں) تمہاری تخلیق کی ابتداء کی (حقیقت تمہارے بھلے کو) تاکہ تم 'مبداء' سے 'معاد' پر دلیل پکڑو اور غور کرو، کہ جو چیز تغیر وتلون کے قابل ہے، دوسری بار بھی اُسے قبول کرسکتی ہے۔ (اور ہم ٹھہراؤ دیتے ہیں ماں کے پیٹ میں جسے چاہیں) کہ رحم میں رہے، اور گر نہ جائے (ایک مقررہ وقت تک) یعنی بچہ پیدا ہونے کا جو زمانہ طے ہے۔

(پھر نکالتے ہیں ہم بچہ) ماؤں کے پیٹ سے۔ وہ کمالِ ضعف کی وجہ سے اِس حال میں ہوتا ہے کہ اپنا کام خود نہ کرسکے۔ پھر تربیت کرتے ہیں ہم تم کو، تا (کہ پھر پہنچو تم اپنی جوانی کو) اور قوت و فہم کے کمال کو۔ یہ کمال تیس[۳۰] اور چالیس[۴۰] برس کے درمیان میں ہے۔ (اور بعض تمہارے ہیں، کہ اُن کی عمر پوری کردی جاتی ہے)۔۔ چنانچہ۔۔ وہ جوانی کے قریب پہنچ کر۔۔ یا۔۔ اُس سے پہلے وفات پاجاتا ہے۔ (اور) تم میں (کچھ وہ) ہیں، جو (کہ پھینک دیے گئے نکمی عمر تک کہ کچھ نہ جانیں جاننے کے

بعد)، یعنی وہ بوڑھے کھوسٹ ہو جاتے ہیں، جو کچھ پڑھا لکھا ہے سب بھول جاتے ہیں۔ وہ بالکل اپنے بچپنے کی ناسمجھی کے دَور میں پہنچ جاتے ہیں۔

اِس سے وہ نفوسِ قدسیہ والے مستثنیٰ ہیں جو فضلِ الٰہی کے سایے میں رہتے ہیں، اور علم و عرفان کا نوراُن کے دل و دماغ کو روشن کیے رہتا ہے۔۔ المختصر۔۔ عام لوگ اپنی انتہاء سے اپنی ابتداء کی طرف پھر جاتے ہیں۔ اِس کلام سے اِس طرف اشارہ ہے، کہ قدرتِ کاملہ پھیرنے میں عاجز نہیں، جیسے پیدا کرنے میں عاجز نہ تھی۔ پھر دوسری بار قیامت کے دن اٹھنے پر دلیل پکڑنے کے واسطے فرماتا ہے۔۔۔

(اور) اُس کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے، کہ اَے شخص! تم (دیکھا کرتے ہو زمین کو سوکھی پڑی) خشک اور بے رونق جیسے مُردہ، (پھر جب ہم نے گرایا) اَبر سے (اُس) زمین (پر پانی، تو اُبھری) اور ہلنے لگی، یعنی لہلہانے لگی وہ زمین گھاس کے سبب سے، (اور پھولی) یعنی بڑھی (اور اُگانے لگی ہر قسم کے خوشنما جوڑے) تروتازہ اور اچھی اور خوشی زیادہ کرنے والی۔ تو سوچو کہ جو قادر مری ہوئی زمین کو پانی سے زندہ کرتا ہے، وہ اِس بات پر بھی قادِر ہے، کہ مُردوں کے اجزاء جمع کر کے اُسی حال پہ لے آئے، جس حال پر وہ تھے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ

یہ سب یوں کہ بلاشبہ اللہ ہی حق ہے۔ بے شک وہ جلاتا ہے مُردوں کو، اور بے شک

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٦

وہ ہر چاہے پر قدرت رکھتا ہے●

(یہ سب) یعنی مختلف مراحل واطوار سے گزر کر آدمی کا پیدا ہونا، قسم قسم کے حالوں میں اُس کا پھرنا، اور موت کے بعد زمین کا زندہ ہونا، (یوں) ہے اور اِس سبب سے ہے، (کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ہی حق ہے)، یعنی ثابت ہے اپنی ذات میں اور صفاتِ کمال کا مستحق ہے۔ یہ سب اُسی کی قدرت و حکمت کے جلوے ہیں، اِسی لیے تو (بے شک وہ جلاتا ہے مُردوں کو، اور بے شک وہ ہر چاہے پر قدرت [illegible] رکھتا ہے) جو چاہے کرے۔۔ چنانچہ۔۔ جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے۔ اس لیے کہ [illegible] سے ہے۔ اُس کی نسبت سب مقدور چیزوں سے برابر ہے۔ تو

دیکھی گئی، تو یہ بات بآسانی سمجھ لی گئی، کہ وہ سب مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ اور یہ دلیلیں لانا اِس واسطے ہے، کہ تا کہ لوگ اچھی طرح سے جان لیں۔۔۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ

اور بے شک قیامت آنے والی ہی ہے، جس میں ذرا بھی شک نہیں۔ اور بے شک اللہ زندہ اٹھائے گا،

مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝۷

جو قبروں میں ہیں"●

(اور) سمجھ لیں کہ (بے شک قیامت آنے والی ہی ہے، جس) کے آنے (میں ذرا بھی شک نہیں اور) یہ بھی جان لیں، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (زندہ اُٹھائے گا جو قبروں میں ہیں)، اپنے وعدے کے موافق ان کا حساب لینے، اور اُنہیں اُن کے اعمال کی جزا دینے کے لیے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى

اور اُن لوگوں میں وہ بھی ہے کہ جھگڑتا ہے اللہ کے بارے میں، بغیر جانے بوجھے اور بغیر راہ پائے،

وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝۸

اور بغیر کسی روشن لکھے کے●

(اور اُن لوگوں میں وہ بھی ہے کہ جھگڑتا ہے اللہ) تعالیٰ (کے بارے میں)، یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام اور اُس کی قدرت میں تکبر کی راہ سے جھگڑتا ہے۔

یہ مضمون اِس کے قبل اِنہیں الفاظ سے مذکور ہو چکا ہے، تو یہ مکرر لانا تاکید کے واسطے ہے۔۔۔ یا یہ کہ۔۔۔ پہلے جو جھگڑنے والے مذکور ہوئے، اُن سے کافروں کے رئیس مراد ہیں، جیسے ابو جہل، نضر، اُبی اور اُس کے مثل، اور یہاں جو جھگڑنے والوں کا ذکر ہے، اُن سے اِن کے تابع اور مقلد لوگ مراد ہیں، کہ اُن میں سے ہر ایک جھگڑا اٹھاتا تھا۔

اور یہ جھگڑا بھی (بغیر جانے بوجھے) یعنی اُسے علم نہیں پھر بھی جھگڑتا ہے۔ (اور بغیر راہ پائے) یعنی اُس کے پاس کوئی ایسی دلیل بھی نہیں ہے جو اُس مقصد کی راہ دکھائے۔ (اور بغیر کسی روشن لکھے کے) یعنی وہ کسی آسمانی روشن کتاب یعنی وحیٔ الٰہی کو بھی پیش نہیں کرتا۔۔ الختصر۔۔ اپنے مجادلے میں اپنے مطلوب کو ثابت کرنے کے لیے، نہ کوئی دلیل پیش کرتا ہے نہ ہی وحیٔ الٰہی سناتا ہے۔۔ الغرض۔۔ اپنی بات

کو ثابت کرنے کے لیے اُس کے پاس نہ 'دلیلِ ضروری' ہے نہ 'حجت نظری' ہے اور نہ ہی 'برہان سمعی' ہے۔۔بلکہ۔۔وہ صرف اندھی تقلید میں گرفتار ہے۔اور قاعدہ یہ ہے، کہ جو کسی سے مناظرہ کرے اُس کے پاس مذکورہ بالا تینوں امور میں کوئی ایک نہ ہو، تو اُس کو جاہلوں اور احمقوں کا سردار ہی قرار دیا جائے گا۔ یہ جاہل۔۔۔

ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ

اپنی گردن جھٹکا کر، تاکہ بے راہ کردے اللہ کی راہ سے، اُس کے لیے دُنیا میں رسوائی ہے

وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۹

اور چکھائیں گے ہم اُسے قیامت کے دن، آگ کا عذاب●

(اپنی گردن جھٹکا کر) یعنی متکبرانہ انداز سے اپنی گردن اکڑا کر مجادلہ کرتا ہے، (تاکہ بے راہ کردے اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)۔یعنی ایسے متکبر اور سرکش کی غرض یہی ہوتی ہے، کہ وہ دوسرے کو سیدھی راہ سے بہکادے۔تو اِن متکبرین کا بھی پروگرام یہی ہے، کہ وہ اہلِ ایمان کو ایمان سے نکال کر کفر کے گھاٹ اُتار دیں۔۔یا۔۔کم از کم یہی ہو، کہ کافرو مشرک اپنے کفروشرک پر ثابت قدم رہیں۔ (اس کے لیے) یعنی اوپر ذکر کیے ہوئے سرکش و متکبر انسان کے لیے (دُنیا میں رسوائی ہے) جیسے قتل کے سبب جنگِ بدر میں ہوئی، (اور چکھائیں گے ہم اُسے قیامت کے دن آگ کا عذاب) اور میں کہوں گا، کہ۔۔۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۱۰ ع ۸

"یہ ہے جو پہلے ہی بھیج دیا تھا تیرے ہاتھوں نے" اور بے شک اللہ نہیں اندھیر کرتا اپنے بندوں کے حق میں●

(یہ) رسوائی و عذاب وہ (ہے) جو اُن اعمال کے سبب سے ہے (جو پہلے ہی بھیج دیا تھا تیرے ہاتھوں نے)، یعنی وہ جو تُو نے کمائی کی ہے کفر اور معصیت۔(اور بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں اندھیر کرتا) ہے (اپنے بندوں کے حق میں)۔یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اُن کے گناہوں کے بغیر عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ یہ تو بندے خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں جو گناہ کر کے اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنالیتے ہیں۔

اب تک کھلے ہوئے کافروں کا ذکر تھا، اب اُن کا ذکر ہو رہا ہے جو ابھی ایمان پر قدم جما نہیں سکیں ہیں۔ وہ اپنا اسلام بھی دُنیاوی فائدے کے لیے ظاہر کرتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ اعرابیوں کا ایک گروہ مدینہ منورہ میں مشرف باسلام ہوا، پھر اُن میں سے جس کسی کو بیماری نہ ہوئی، اور اُس کی عورت بیٹا جنی، اور اُس کی گھوڑی کو بچھیرا پیدا ہوا، اور اُس کے مویشی نے خوب فائدہ دیا، اُس نے تو کہا کہ اسلام خوب نفع بخش دین ہے۔ میں نے جو قبول کیا تو اُس کی برکت سے بہت سی بھلائیاں پیش آئیں۔۔ الغرض۔۔ ایسی صورت میں اُس کے دل نے تو اسلام سے آرام پایا، اور اگر اُس کے برعکس امور پیش آئے تو دین سے برگشتہ ہو کر کہا، کہ اسلام تو ہم کو سازگار نہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ

اور اُن لوگوں میں وہ ہے، جو پوجتا ہے اللہ کو ایمان سے کنارہ کش ہو کر، تو اگر پہنچی اُن تک

خَيْرُ ۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ

بھلائی تو مطمئن ہو گیا۔ اور اگر پہنچی کوئی آزمائش تو پلٹ گیا منہ کے بل۔۔۔

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪

گھاٹا ہو گیا دُنیا و آخرت کا۔ یہی کھلا ہوا گھاٹا ہے●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (اُن لوگوں میں) بعض (وہ ہے جو پوجتا ہے اللہ) تعالیٰ (کو ایمان سے کنارہ کش ہو کر)، یعنی انحراف واضطراب پر قائم رہتے ہوئے۔۔ یا۔۔ کنارے پر کھڑا ہو کر اپنے کام میں بغیر قدم جمائے ہوئے۔ یہ وہ شخص ہے جو نعمت اور راحت کے وقت تو عبادت کرتا ہے، مگر عسرت اور کلفت میں عبادت سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، بلکہ ایمان سے بھی رُوگردانی کر لیتا ہے۔ (تو اگر پہنچی اُن تک بھلائی) جیسے صحت اور مالداری (تو مطمئن ہو گیا) اور اِس بھلائی کے سبب دین پر ثابت ہو گیا۔ (اور اگر پہنچی) اُسے (کوئی آزمائش)۔۔ مثلاً: بیماری اور فقیری وغیرہ، (تو پلٹ گیا منہ کے بل) اپنے منہ پر، یعنی جس طرف سے آیا تھا پھر اُسی طرف پھر جاتا ہے۔

مراد یہ ہے، کہ مرتد ہو جاتا ہے اور دین اسلام سے ہاتھ اٹھا لیتا ہے۔ یعنی پہلے تو زبان سے اسلام کا اقرار کرتا تھا، لیکن آزمائش کے بعد اُس زبانی اقرار سے بھی منحرف ہو جاتا ہے۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے، کہ اگرچہ صحت اور مالداری بھی خدائی آزمائش ہے۔

لیکن یہ منافقین صرف بیماری اور محتاجی ہی کو آزمائش خیال کرتے ہیں۔ تو یہاں گفتگو اُن کے خیال کو سامنے رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ ایک یہودی ایمان لایا اور اندھا ہو گیا اور بہت سی بلائیں اُسے پیش آئیں، اس نے رسولِ مقبول ﷺ سے عرض کی، کہ میں نے دینِ اسلام کو منحوس پایا، مجھے بیعت سے رہا کیجیے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اسلام سے نہیں چھوڑا جاتا پس یہودی مرتد ہو گیا، تو ایسوں کا۔۔۔

(گھاٹا ہو گیا دُنیا و آخرت کا)۔ یعنی وہ دُنیا میں اپنی مراد کو نہ پہنچا، اور آخرت میں بھی اُس کے اعمال نیست و نابود ہو گئے۔ اور (یہی)، یعنی دونوں جہان کا نقصان (کھلا ہوا گھاٹا ہے)، اس لیے کہ سب عقلمندوں پر ظاہر ہے، کہ اِس سے بڑھ کر کوئی نقصان نہیں۔ یہ دین سے پلٹ جانے والا مرتد مشرک ہو جانے کے بعد۔۔۔

يَدْعُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۚ

دُعائیں کرتا ہے مِن دونِ اللہ سے جو نہ بگاڑ سکیں اس کا، اور جو نہ بنا سکیں۔

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾

یہی ہے پلے سرے کی گمراہی●

(دعائیں کرتا ہے مِن دونِ اللہ سے)۔ اور انہیں پکارتا ہے اور پوجتا ہے، (جو نہ بگاڑ سکیں اُس کا) اگر وہ اُسے نہ پوجے، (اور جو نہ بنا سکیں) اس کا کوئی کام، اگرچہ وہ اُس کو پوجے۔ (یہی ہے پلے سرے کی گمراہی) جس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ نہ دُنیا کی بھلائی ملتی ہے اور نہ ہی آخرت کی نجات۔۔ بلکہ۔۔ دونوں جہاں کی حقیقی رسوائی ہی ہاتھ لگتی ہے۔ اُس کی حماقت و سفاہت کا عالم یہ ہے، کہ۔۔۔

يَدْعُوا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى

دُعا مانگتا ہے اُس سے جس کا نقصان زیادہ قریب ہے خیالی نفع سے۔ بے شک کتنا بُرا مولیٰ

وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

اور بے شک کیسا بُرا ساتھی ہے●

(دُعا مانگتا ہے اُس سے) یعنی معبود سمجھ کر اُس کو پکارتا ہے اور اُسے پوجتا ہے (جس کا نقصان زیادہ قریب ہے خیالی نفع سے)۔ یعنی اُس کے اِس پوجنے کا جو نقصان دُنیا میں قتل کی صورت میں اور آخرت میں عذاب کی صورت میں اُسے ملنے والا ہے، وہ اُسے پہلے ہی مل جائے گا، اور اُس نے اِن بتوں سے شفاعت کی درگاہِ الٰہی میں توسل کی جو امید کر رکھی ہے، اُس کی نوبت ہی نہ آئے گی۔۔ الغرض۔۔ اُس کا نقصان یقینی ہے۔ رہ گیا اُس کا مزعومہ فائدہ، تو وہ اُس کی خام خیالی ہے۔ (بے شک) یہ بت (کتنا بُرا مولیٰ) اور یار ہے (اور بے شک کیسا بُرا ساتھی ہے)۔ ایسا یار جو کہیں مدد نہ کر سکے اور ایسا ساتھی جو کہیں نہ ساتھ دے کر کام بنا سکے، تو ایسا بُرا یار اور ایسا بُرا ساتھی اور کون ہوگا۔۔ الحاصل۔ مشرکوں کو اپنے فاسد گمان سے اُن کو اپنا یار و مددگار سمجھنا، خود اُن کی فہم و فراست کا دیوالیہ اور جہل و حماقت کا اشاریہ ہے۔۔۔

مشرکین اور منافقین کے ہولناک انجام کے ذکر کے بعد، اب مؤمنین اور اُن پر فضلِ خداوندی کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے، کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن

بے شک اللہ داخل فرمائے گا جو مان گئے، اور لیاقت مندی کے کام کیے، باغوں میں، کہ بہتی ہیں

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿١٤﴾

جن کے نیچے نہریں۔ بلاشبہ اللہ، کر گزرے جو چاہے●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (داخل فرمائے گا) اُن کو (جو مان گئے اور لیاقت مندی کے کام کیے) یعنی نیک عمل انجام دیے، اُن (باغوں میں کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں) اور ظاہر ہے باغ کی نہایت تروتازگی پانی ہی سے ہے۔

اوپر کے ذکر سے پتا چل گیا، کہ اللہ تعالیٰ مشرک کے ساتھ کیا کرے گا اور موحد مومن کے ساتھ کیا کرے گا، اور کوئی بھی خدائے عزوجل کو اُس کے عمل سے تو روک سکتا نہیں۔ اس لیے۔۔۔

(بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (کر گزرے جو چاہے) مومن کے ساتھ اور جو چاہے مشرک کے ساتھ۔ کون ہے جو دم مارے اور خدا کو اپنے ارادے کے مطابق کرنے نہ دے۔

روایت ہے کہ غطفان کے ایک گروہ نے اسلام قبول کرنے میں کچھ توقف کیا اور بولے،

کہ شاید محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مہم، نصرتِ الٰہی نہ ہونے کے سبب پیش نہ جائے اور وہ فتح مند نہ ہوں، تو جو ہمارے اور یہود کے درمیان دوستی ہے منقطع ہوجائے گی، اور اُن کی مدد پھر ہمیں نہ پہنچے گی۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا، کہ۔۔۔

مَنۡ كَانَ يَظُنُّ اَنۡ لَّنۡ يَّنۡصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ

جو اِس خبط میں ہے کہ "اللہ اپنے نبی کی مدد نہ دُنیا میں فرمائے گا اور نہ آخرت میں،" تو وہ ایک رسّی سے

بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لۡيَـقۡطَعۡ فَلۡيَنۡظُرۡ هَلۡ يُذۡهِبَنَّ كَيۡدُهٗ مَا يَغِيۡظُ ﴿۱۵﴾

لٹک جائے عالم بالا تک، پھر کاٹ دے، اب دیکھے اُس کی ترکیب نے دُور کر دیا جس سے وہ بھنا جاتا ہے●

(جو اِس خبط میں ہے کہ اللہ) تعالیٰ **(اپنے نبی کی مدد نہ دُنیا میں فرمائے گا اور نہ آخرت میں)،** یعنی جو شخص رسول کی مدد آنے سے پہلے، عداوتِ قلبی کے باعث گمان کرتا ہے، کہ دُنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ اپنے اس رسول کی مدد نہیں فرمائے گا، **(تو وہ ایک رسّی سے لٹک جائے عالم بالا تک)** یعنی وہ رسّی کے ذریعہ چھت سے لٹک جائے، **(پھر کاٹ دے)** رسّی کو اور زمین پر گر کر مر جائے۔۔۔یا۔۔۔گلے میں رسّی باندھ کر لٹک جائے اور اپنے کو پھانسی دے لے، **(اب دیکھے)** کہ کیا **(اُس کی)** اُس **(ترکیب نے دُور کر دیا)** اُس چیز کو عداوت کی بنا پر، **(جس سے وہ بھنا جاتا ہے)** اور جو اُسے غصے میں لاتی ہے۔ جب یہ ناممکن ہے، تو سمجھ لے کہ اُس کی تدبیر خودکشی کے سوا کچھ نہیں۔

بعضوں نے کہا ہے کہ آسمانِ دُنیا میں رسّی لٹکائے، اور اُسے پکڑتا ہوا آسمان پر چڑھ جائے، اور پیغمبر کی مدد دفع کرنے میں کمال درجے کی کوشش کرے، پھر نظرِ تامل سے دیکھے کہ باوجود اِن کلفتوں کے کیا لے جاتا اور دفع کرتا ہے اُس کا حیلہ آمیز کام اُس امر کو جو اُسے غصہ میں لایا ہے۔۔الحاصل۔۔حضور ﷺ کا غلبہ کافروں کو ہر وقت غیظ وغضب میں مبتلا رکھتا ہے، لیکن وہ اُن کی فتح ونصرت کو دفع نہیں کر سکتے، اگرچہ وہ اپنے اِس غیظ وغضب میں مر جائیں۔

اِس ارشاد کے تعلق سے دوسرا قول یہ ہے، کہ نبی کریم کے حاسدین اور آپ کے اعداء کو یہ توقع تھی، کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مدد نہیں کرے گا، اور آپ کو آپ کے دشمنوں پر غلبہ نہیں دے گا۔ اور جب انہوں نے یہ دیکھ لیا، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی بہت بھاری مدد کی ہے، تو وہ غیظ وغضب سے جل بھن گئے۔

اور جس طرح ہم نے یہ امر بیان کیا۔۔۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

اور اِسی طرح اتارا ہم نے اِسے روشن آیتیں، اور بے شک اللہ راہ دے جسے چاہے●

(اور) ظاہر کردیا، (اِسی طرح اُتارا ہم نے اِسے روشن آیتیں) جو کہ احکام اور خبروں میں کھلی اور واضح ہوں، تاکہ تم پر ظاہر ہوجائے۔ اِس کتاب میں جو مقطعات ومتشابہات ہیں، اُن کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے اپنے مخصوص بندوں پر واضح فرمادیا ہے۔ اور اُن کے معانی سے انہیں حسب مشیت آگاہ فرمادیا ہے۔ (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (راہ دے جسے چاہے) اُن آیتوں کے سبب سے۔۔یا۔۔ جسے چاہے ہدایت پر ثابت رکھے۔۔یا۔۔ جسے چاہے مکلّف کردے۔۔یا۔۔ جسے چاہے جنت کا راستہ دکھائے۔۔یا۔۔ جسے چاہے ثواب کی راہیں دکھائے۔

جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ ایمان پر ثابت قدم رہیں گے، اُن کی ہدایت کو زیادہ کرتا ہے، اور اُن میں سے جن کو چاہتا ہے اُن پر لطف وکرم فرماتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام بلاغت نظام کے ذریعے حق وباطل، طیب وخبیث اور حلال وحرام کو الگ الگ واضح فرمادیا ہے، ایسے ہی۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ الصّٰبِـِٕيْنَ وَ النَّصٰرٰى

بے شک سارے مسلمان، اور جو یہودی ہیں، اور ستارہ پرست اور عیسائی،

وَ الْمَجُوْسَ وَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖۗ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ

اور آتش پرست اور مشرک لوگ، ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ اُن کے درمیان،

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾

قیامت کے دن۔ بے شک اللہ کے سامنے سب کچھ ہے●

(بے شک سارے مسلمان اور جو یہودی ہیں اور ستارہ پرست اور عیسائی اور آتش پرست اور مشرک لوگ) ہیں، (ضرور فیصلہ فرمائے گا اللہ) تعالیٰ (اُن کے درمیان قیامت کے دن)، حکم محکم اور قضائے مبرم کے ساتھ، تاکہ جو کوئی حق پر ہے وہ اُس سے متمیز ہوجائے جو باطل پر ہے۔

اِس دُنیا میں تو حق وباطل کا پتا غور وفکر سے چلتا ہے، اور قیامت کے دن ہر شخص کو بداہتا علم ہوجائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اُن میں یہ علم پیدا کردے گا جس سے سب کو معلوم ہوجائے گا،

کہ حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (کے سامنے سب کچھ ہے)۔ وہ ہر چیز پر گواہ ہے اور سب کے حال سے آگاہ ہے۔۔ الختصر۔۔ وہ تمام مخلوقات کے اعمال کو، اُن کے اقوال کو، اور اُن کی حرکات کو دیکھ رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں۔ اور سارا عالم اُسی کی بارگاہ میں سجودِ نیاز لُٹا رہا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ "اللہ کا سجدہ کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں اور جو بھی زمین میں ہیں،

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ

اور سورج، اور چاند، اور تارے، اور پہاڑ، اور درخت، اور چوپائے، اور بہتیرے انسان۔" اور بہتیرے ہیں

مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

کہ ان پر عذاب ہونا ہی ہے۔ اور جسے اللہ رسوا کرے، تو اس کو کوئی

مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۩ ﴿١٨﴾

عزت دینے والا نہیں۔ بے شک اللہ کرے جو چاہے●

(کیا تم نے نہیں دیکھا، کہ اللہ) تعالیٰ (کا سجدہ کرتے ہیں جو بھی آسمانوں میں اور جو بھی زمین میں ہیں، اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور بہتیرے انسان)۔۔ الغرض۔۔ سب اپنے اپنے طریقے سے سجدہ کرتے ہیں اُسے طاعت کا۔۔۔

ذہن نشین رہے، کہ حقیقت میں صرف زمین پر ماتھا ٹیکنے کا نام سجدہ نہیں۔ اس واسطے کہ اگر کوئی کسی کے سامنے ازراہِ مذاق زمین پر ماتھا لگا دے، تو اُسے سجدہ نہیں گنتے، بلکہ سجدہ دِلی فروتنی کا نشان اور نہایت درجہ عاجزی اور فروتنی کی علامت، اور کمال مرتبہ تعظیم و تکریم کی دلیل ہے۔ اور عالم میں جتنے ذرے ہیں سب خدا کے سامنے عاجز و فروتر ہیں۔ اِس پر اُن کا حال دلالت کرتا ہے اور یہ دلالت بہت صادق ہے دلالتِ مقال سے۔

ویسے اگر ہر مخلوق کے جملہ احوال میں سے بعض احوال، کسی بھی مناسبت سے دیکھنے والے کو قیام و رکوع اور سجدہ نظر آئے، اور پھر وہ اُن کی نسبت اُس کی طرف اپنے دیکھنے اور سمجھنے کے اعتبار سے کر دے، تو اِس میں کوئی مضائقہ نہیں۔۔ مثلاً: سورج کو اپنے نصف النہار پر ہونے کو، اس کا قیام قرار دے اور پھر زوال کی طرف جانے کو، اُس کا رکوع کہہ دے۔۔ نیز

۔۔غروب ہو جانے کی تعبیر اس کے سجدے سے کر دے۔
اِس پہلو سے اگر غور کیا جائے اور پھر ساری دُنیا کے نصف النہار اور طلوع وغروب کے پیشِ نظر کوئی بات کہی جائے، تو یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ سورج ہر ہر گھڑی مختلف مقامات کا لحاظ کرتے ہوئے قیام میں بھی ہے اور رکوع میں بھی ہے۔۔نیز۔سجدے میں بھی ہے۔ چونکہ سجدہ عاجزی وفروتنی کی انتہاء ہے، اس لیے اِس کے ذکر کو ترجیح دی گئی۔۔الختصر۔۔ساری مخلوق خدائے قادرِ مطلق کے احکامِ تکوینی کی بہ ہزار عجز ونیاز فرمانبردار ہے، اِس کی کوئی بھی شکل ہو۔
انسانوں میں جو سجدہ ریز ہوگئے اور طاعتِ الٰہی میں لگ گئے، تو وہ کامیاب وفیروز بخت ہو گئے۔ (اور) اُن کے سوا (بہتیرے ہیں، کہ اُن پر عذاب ہونا ہی ہے) بہ سبب اس کے، کہ اُنہوں نے سجدے سے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں رُسوا کر دیا۔ (اور جسے اللہ) تعالیٰ (رُسوا کرے، تو اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں) یعنی شقاوت کے سبب سے۔۔یا۔۔گمراہ کرنے کی وجہ سے۔۔یا۔۔بے نصیبی کے باعث۔۔یا۔۔دوزخ میں داخل ہونے کے سبب سے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو ذلیل کرنا چاہے، تو کوئی نہیں ہے جو اُس کو بزرگی دے دے۔۔یا۔۔نواز دے، سعادت دے کر۔۔یا۔۔ہدایت دے کر ۔۔یا۔۔توفیقِ خیر دے کر۔۔یا۔۔جنت میں پہنچا کر۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (کرے جو چاہے)۔ عزت دینا۔۔یا۔۔ذلیل کرنا، یہ سب اُسی کی مشیت کے تحت ہے۔۔الحاصل۔۔ساری فیروز بختی ایمان سے وابستہ ہے اور ساری بدبختی کفر سے ہم رشتہ ہے۔۔چنانچہ۔۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ۫ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ
یہ دو فریق ہیں جو لڑ پڑے اپنے رب کے بارے میں، تو جنہوں نے کفر کیا، تو بیونتے گئے ان کے لیے
ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ﴿۱۹﴾ یُصْهَرُ بِهٖ
آگ کے کپڑے۔ بہایا جائے گا اُن کی کھوپڑیوں پر سے کھولتا پانی ● کہ گل جائے گا جس سے
مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ؕ﴿۲۰﴾ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ﴿۲۱﴾
جو کچھ اُن کے پیٹ میں ہے اور کھال ● اور اُن کے لیے لوہے کے گُرز ہیں ●

(یہ دو فریق ہیں)، یہ وہ تھے جنہوں نے جنگِ بدر میں ایک دوسرے سے مبارزت کی تھی۔
ایک طرف حضرت علی، حضرت حمزہ، اور حضرت عبیدہ تھے، اور دوسری طرف شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، اور ولید بن عتبہ۔۔یا۔۔ایک طرف مؤمنین اور دوسری طرف اہلِ کتاب، جنہوں

یہ تو رہا کافروں کا حال۔ رہ گئی مؤمنین کی حالت، تو وہ اُن کے برعکس ہوگی کیونکہ اُن کو چار قسم کے انعامات سے سرفراز کیا جائے گا۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

بے شک اللہ، داخل فرمائے گا انہیں جو ایمان لائے اور لائق کام کیے، باغوں میں،

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ

جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں، پہنائے جائیں گے اس میں سونے کے کنگن اور موتی،

وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿٢٣﴾

اور لباس اُن کا ہے اِس میں ریشم●

﴿۱﴾۔۔(بے شک اللہ) تعالیٰ (داخل فرمائے گا انہیں جو ایمان لائے) اللہ و رسول کا، (اور لائق کام کیے) یعنی نیک اعمال انجام دیے (باغوں میں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے بہتی ہیں نہریں)۔

﴿۲﴾۔۔ان جنتیوں کو آراستہ کریں گے اور (پہنائے جائیں گے) وہ (اُس میں سونے کے کنگن اور) آراستہ کریں گے انہیں (موتی) سے۔

﴿۳﴾۔۔(اور لباس اُن کا ہے اُس میں) خالص (ریشم) کا بنا ہوا۔

ذہن نشین رہے کہ دُنیا میں عورتوں کی طرح بن سنور کر رہنا مَردوں کی مَردانہ وجاہت کے خلاف ہے، اِسی لیے زینت و آرائش کی نیت سے اُن کے اسباب و آلات کا استعمال مَردوں کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔ اِسی لیے زیورات کا استعمال مَردوں کے لیے ممنوع کر دیا گیا۔ سونے چاندی وغیرہ کے لباس میں ملبوس ہونا، سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا اور سونے چاندی کا تخت، کرسی یا نشست گاہ وغیرہ بنا کر اُس پر بیٹھنا، اور سونے چاندی کی مسہری بنا کر اُس پر سونا، ہر دور میں یہ عام طور پر متکبرین اور مغرورین ہی کا طرزِ عمل رہا ہے، اس لیے اہلِ ایمان کو اِن تمام باتوں سے اس لیے روک دیا گیا، تاکہ وہ غرور و تکبر کا شکار نہ ہونے پائیں اور کبھی بھی اُن میں اپنے تعلق سے احساسِ برتری نہ پیدا ہو، اور وہ ترفع و تعلّی سے باز رہیں۔

جنت کا معاملہ کچھ الگ ہے، وہاں کسی جنتی کو غرور و تکبر کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ وہ گھر اخلاص

والوں، نیک نفسوں کا گھر ہوگا۔ تو اب اگر وہاں جنتیوں کو سونا اور ریشم کے پہننے کی اجازت مل جائے، تو وہاں کوئی مذموم اندیشہ نہیں۔

﴿۴﴾۔۔ جنت میں چوتھا انعام یہ ہوگا، کہ اُن کو پاکیزہ باتوں کی طرف ہدایت کی جائے گی، اور حمد کرنے والوں کے راستے کی طرف اُن کی رہنمائی کی جائے گی۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا۔۔۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾

اور وہ چلائے گئے پاکیزہ بات کی طرف، اور راہ دی گئی مستحق حمد کی●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (وہ چلائے گئے پاکیزہ بات کی طرف)۔۔ چنانچہ۔۔ جب اُن کی نگاہ جنت پر پڑے گی، تو کہیں گے، کہ "شکر ہے اُس اللہ کا جس نے ہدایت کیا ہمیں یہ"۔ اور جب بہشت میں داخل ہوں گے، تو یوں بول اٹھیں گے: "سب تعریف اُس اللہ کو جس نے دُور کیا ہم سے غم" اور جب بہشت کے مکانوں میں پھریں گے، تو کہیں گے "شکر اس اللہ کا سچا پایا ہم نے اُس کا وعدہ"۔۔ یا۔۔ جنت میں پاکیزہ بات یہ ہوگی، کہ لغو فحش جھوٹ کچھ نہ کہیں گے نہ سنیں گے۔ جو بھی کہیں گے۔۔ یا۔۔ سنیں گے، وہ حق اور سچ بات ہوگی۔ (اور) انہیں (راہ دی گئی مستحق حمد کی) یعنی انہیں جنت میں اللہ کے راستے کی طرف ہدایت دی جائے گی، کیوں کہ جنت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت پر مبنی ہو۔۔۔

"وہ چلائے گئے پاکیزہ بات کی طرف اور راہ دی گئی مستحق حمد کی" اِن فقروں کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے، کہ یہ اعزاز اُنہیں دُنیا میں عطا کیا گیا جس کے نتیجے میں وہ آخرت کے اُن انعامات سے سرفراز فرمائے گئے جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ اب رہا یہ سوال، کہ دُنیا کی وہ کون سی پاکیزہ باتیں ہیں جن کی اُن کو ہدایت کی گئی، اور ربِّ حمید کا وہ کون سا راستہ ہے جس کی طرف اُن کی رہنمائی کی گئی؟ پاکیزہ بات کے تعلق سے اکثر مفسرین اس بات پر ہیں کہ دُنیا میں جن اچھی باتوں کی ہدایت کی گئی ہے وہ یہ ہیں۔ کلمۂ شہادت ادا کرنا۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنا۔ اور استغفار کرتے رہنا۔ ویسے پاکیزہ باتوں میں اللہ کا ذکر، مسلمانوں کو نصیحت اور اُنہیں دین کی تعلیم دینا، مومنوں کے لیے دعا [illegible] سب ہی داخل ہیں۔

عارفین میں سے بعض نے کہا ہے کہ [illegible]

خدا کی رضا کے لیے ہو۔ بعض دوسرے عارفین نے کہا کہ پاکیزہ بات وہ ہے، جو دعوے سے پاک ہو اور تکبر سے دُور، اور عجز و نیاز سے نزدیک ہو۔ بعض عارفین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ نیاز سے زیادہ کوئی راہ خدا سے قریب نہیں دیکھی، اور کوئی آڑ دعوے سے بڑھ کر میں نے نہ پائی۔۔۔ ایسے ہی ربِّ حمید کی جس راہ کی دُنیا میں اُن کو ہدایت کی گئی، وہ دین اسلام ہے۔

اوپر اب تک جو بیان کیا گیا اُس سے ظاہر ہو گیا کہ دُنیا میں مسلمانوں کو کس طرزِ عمل کو اپنانے پر مامور کیا گیا، اور پھر آخرت میں اُن پر کیا کیا انعامات کیے گئے۔ ایمان والوں کی روش دُنیا میں یہ رہی ہے، کہ وہ خدا کی راہ پر چلتے رہے اور خدا کی راہ پر چلنے کی ہدایت کرتے رہے۔ اُس کے برخلاف کافروں کی یہ حالت تھی، کہ وہ خدا کی راہ یعنی اُس کی طاعت سے لوگوں کو منع کرتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا جاتا ہے، کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

بے شک جنہوں نے کفر کیا، اور روکتے ہیں اللہ کی راہ سے، اور مسجدِ حرام سے،

الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨالْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ؕ

جس کو بنایا ہم نے ہر انسان کے لیے، خواہ اِس میں سکونت رکھنے والا ہے یا باہر کا ہے۔

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۠﴿۲۵﴾

اور جو بھی چاہے گا اِس میں کسی زیادتی کو ناحق، تو چکھائیں گے ہم اُسے دکھ دینے والا عذاب●

(بے شک جنہوں نے کفر کیا) اور اللہ و رسول کا ایمان نہیں لائے، (اور روکتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)، یعنی اللہ کی طاعت سے لوگوں کو منع کرتے ہیں، (اور مسجدِ حرام) کے طواف (سے) بھی روکتے ہیں۔

۔۔ چنانچہ۔۔ ایک مشہور قول کے مطابق جنگِ حدیبیہ کے دن کافروں نے رسولِ مقبول ﷺ اور اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو خانۂ کعبہ اور مسجدِ حرام کے طواف سے روکا تھا۔

وہ مسجدِ حرام (جس کو بنایا ہم نے ہر انسان کے لیے، خواہ اس میں سکونت رکھنے والا ہے یا باہر کا ہے) کوئی بھی یہاں آکر خدا کی عبادت اور خانہ کعبہ کا طواف کرسکتا ہے۔ ایسا نہیں کہ اِس میں عبادت و طواف کو کسی کے واسطے خاص کر دیا ہو، کسی کے واسطے نہیں۔

منزل ۴

بقولِ امامِ اعظم مسجد سے تمام حرم مراد ہے اور مکہ معظمہ کے گھروں اور اُن میں اترنے کے واسطے مسافر اور مجاور سب یکساں ہیں، یعنی حج کرنے والے عمرہ بجالانے والے اور وہاں کے مقیم لوگ جس گھر میں چاہیں اُتر پڑیں۔

تو جن کافروں کا ذکر ہورہا ہے وہ خصوصی طور پر سن لیں، (اور) دوسرے اُن جیسے ظالمین اچھی طرح سے جان لیں، کہ (**جو بھی چاہے گا اُس میں**) یعنی حرم میں (**کسی زیادتی کو ناحق**)، تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہوگیا۔۔یا۔۔نقصان پانے والا ہے۔ کیوں کہ حرم میں جو کوئی سیدھی راہ سے پھرنے کا ارادہ کرے گا اور ظالمانہ رویہ اختیار کرے گا، (**تو چکھائیں گے ہم اُسے دکھ دینے والا عذاب**)۔

حرم میں وہ ناحق زیادتی کیا ہے، جسے حرم میں **اِلْحَاد** قرار دیا ہے؟ اِس سلسلے میں متعدد اقوال ہیں:

﴿١﴾۔۔جو چیز حرام ہو اور جس کی ممانعت ہے اس کو حرم میں حلال کر دینے کی خواہش، حتی کہ خدمت گار کو گالی دینا بھی **اِلْحَاد** ہے۔

﴿٢﴾۔۔گرانی میں بیچنے کی امید پر غلہ جمع کرنا۔

اکثر علماء اِس بات پر ہیں، کہ حرم میں گناہ کا ارادہ کرنے سے بھی آدمی عذاب کا مستحق ہوجاتا ہے۔ اِس کے برخلاف اگر کوئی حرم کے باہر گناہ کا قصد کرے، مگر گناہ نہ کرے، تو پھر وہ گناہ نہیں لکھا جاتا۔ مگر حرم میں اگر گناہ کا خیال ہی کرے اور اس کا مرتکب نہ بھی ہو، تو بھی اُس کے نام گناہ لکھ لیتے ہیں۔۔المختصر۔۔جس طرح حرم کی نیکیاں دوسرے مقامات کی نیکیوں سے ثواب میں کہیں زیادہ ہوتی ہیں اُسی طرح حرم میں کیا ہوا گناہ، دوسرے مقام کے گناہ سے کہیں زیادہ عذاب کا مستحق بناتا ہے۔

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور کافروں دو فریقوں کا ذکر فرمایا، اور ہر ایک کی اخروی جزا کا بھی ذکر فرمایا، اور اِن آیات کو بیت اللہ کے ذکر پر ختم فرمایا۔ اب اِن کے بعد بیت اللہ یعنی کعبہ کا ذکر فرمایا، اور اِس کی تعمیر کا اور اللہ کے گھر میں حاضر ہونے کی ہدایت دی، کہ لوگ ادب واحترام اور خشوع اور خضوع کے ساتھ اللہ کے گھر حاضر ہونے کا قصد کریں، اور جہاں جہاں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں وہاں سب جمع ہوں۔ اور حج میں چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنتوں اور اُن کے طریقوں پر عمل کیا جاتا ہے اس لیے فرمایا، کہ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا وَّ

اور جب کہ ٹھکانہ بتایا ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ کا کہ "مت شریک بنانا میرا کچھ،

طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْقَآىٕمِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾

اور پاک رکھو میرا گھر طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع والوں اور سجدہ والوں کے لیے●

(اور) اپنے ذہن میں حاضر کرلو، **(جب کہ ٹھکانہ بتایا ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ کا)** جب وہ بنانے لگے، اس طرح پر کہ ہم نے ابر کا ایک ٹکڑا بھیجا اور اُس نے اِس مقدارِ زمین پر سایہ کرلیا جہاں کعبہ بننے کو تھا، ہم نے ہوا چلائی کہ اس نے اُسی قدر زمین کو گھیر لیا، اور ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا دیا۔ اور ہم نے اُن کی طرف وحی بھیجی **(کہ مت شریک بنانا میرا کچھ)**، یعنی کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرانا، نہ میری ذات میں نہ ہی میری صفات میں، اس واسطے کہ میں شریک سے پاک اور منزہ ہوں۔ **(اور پاک رکھو میرا گھر)** بتوں اور ناشائستہ چیزوں سے **(طواف کرنے والوں)** کے لیے، جو اور شہروں سے آکر اُس کے گرداگرد طواف کریں، **(اور قیام کرنے والوں)** کے لیے، یعنی شہرِ مکہ والوں کے لیے۔۔یا ۔۔نماز میں کھڑے ہونے والوں کے لیے، **(اور رکوع والوں اور سجدہ والوں کے لیے)** یعنی خانہء کعبہ کو گندگی اور پلیدی سے پاک رکھو، تا کہ لوگ اِس کا طواف کریں اور اِس میں نماز پڑھیں۔

یہ تو وہ بات ہے جو اہلِ علم کی زبانی ارشاد فرمائی، مگر 'اربابِ اشارت' کی زبانی فرماتا ہے، کہ تمہارا دِل جو میری کبریائی کا دارالسلطنت ہے، اُسے سب چیزوں سے پاک کرو اور کسی غیر کو اس میں راہ نہ دو۔ حضرت داود علیہ السلام کی طرف وحی آئی کہ میرے لیے گھر صاف کر، کہ میری نظرِ عظمت اُس پر پڑے۔ حضرت داود علیہ السلام نے عرض کی، کہ کون سا مکان تیری گنجائش رکھتا ہے، یعنی تیرے جلال اور عظمت کے لائق ہے؟ ارشاد ہوا، کہ "مومن بندے کا دِل"۔ داود علیہ السلام نے پوچھا اُسے کیونکر صاف کروں۔ حکم ہوا، کہ "عشق کی آگ اُس میں لگادے، تا کہ جو کچھ میرے سوا ہے سب کو جلا دے"۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ بنا کر تیار فرمالیا، تو وحی آئی۔۔۔

وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

اور اعلانِ عام کردو انسانوں میں حج کا، تو آئیں گے تمہارے پاس پاپیادہ اور دوڑ والی دبلی

يَأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝٢٧

اونٹنیوں پر، جو آیا کرتی ہیں دُور دراز راہ سے●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ (اعلانِ عام کردو انسانوں میں حج کا) اور بیت اللہ کی زیارت کا۔ عرض کی "میری آواز کہاں تک پہنچے گی"۔ حکم پہنچا، کہ "تیرا کام آواز دینا ہے اور ہمارا کام آواز پہنچانا ہے"، تو ابراہیم علیہ السلام مقام پر۔۔یا۔۔کوہِ صفا پر آئے اور پکار کے کہا، کہ "اَے مومنو، خدا نے اپنے گھر کا حج تم پر فرض کردیا اور تم کو اِس کی طرف بُلاتا ہے، اُس کا حکم قبول کرو"۔

حق تعالیٰ نے اُن کی آواز تمام ذرّوں اور ذُرّیتوں کو پہنچادی، اور سب کو اُن کی پکار کی آواز سنادی۔ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں حج کرنے والا تھا، اُس نے لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ جواب میں کہا۔ ایک قول یہ بھی ہے، کہ یہ پکارنے کا حکم ہمارے رسولِ مقبول ﷺ کو ہے جن سے حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اَے محبوب! ﷺ 'لوگوں کو حج کے فرض ہونے کی خبر دے دو۔

جب تم اعلان کردو گے، (تو آئیں گے تمہارے پاس پاپیادہ اور) سوار (دوڑ والی دبلی اونٹنیوں پر، جو آیا کرتی ہیں دُور دراز راہ سے)۔۔الغرض۔۔تم پکارو کہ سوار اور پیدل لوگ حج کو آئیں گے۔

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ

تا کہ حاضر ہوجائیں اپنے فائدوں کے لیے، اور اللہ کا نام لیں جانے بوجھے دنوں میں،

عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ

اُن جانوروں کے ذبیحہ پر، جو ہم نے روزی فرمائی، چوپائے، تو اِس میں سے کھاؤ اور نادار محتاج

الْفَقِيْرَ ۝٢٨ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا

کو کھلاؤ● پھر دور کریں اپنے جسمانی کچرے کو، اور پوری کریں اپنی منتیں، اور طواف کریں

بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝٢٩

اِس قدیم گھر کا●

(تا کہ حاضر ہوجائیں اپنے) دُنیوی (فائدوں کے لیے) بھی۔ یعنی اُن کا آنا اُن کے حق میں دُنیوی حیثیت سے بھی منفعت بخش ہوگا۔۔الحاصل۔۔ایک طرف وہ دُنیا کا فائدہ (اور) دوسری طرف (اللہ) تعالیٰ (کا نام) بھی (لیں) اور اس کی تسبیح و تہلیل کریں (جانے بوجھے دنوں میں)، یعنی

ذی الحجہ کے پہلے دس۱۰ دن میں ۔۔یا۔ نحر اور تشریق کے دنوں میں خدا کا نام لیں (اُن جانوروں کے ذبیحہ پر جو ہم نے روزی فرمائی چوپائے)۔ یعنی چار پایوں میں سے یعنی اونٹ، گائے، بکرا وغیرہ کی قربانی کریں اور خدا کے نام پر ذبح کریں ۔۔۔

مسلمانو! تم کافروں کا طریقہ مت اپناؤ جو قربانی کرتے تھے، تو قربانی کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ تو مسلمانو! تم خدا کے نام پر قربانی کرو، (تو اُس میں سے کھاؤ)۔ یعنی اگر یہ 'تطوع' ہے، تو تم بلا تکلف کھا سکتے ہو، لیکن اگر یہ 'کفارے' کی قربانی ہو۔۔یا۔ کسی جبر نقصان میں کی جارہی ہو، تو صاحبِ قربانی کو اُس کا گوشت کھانا جائز نہیں۔ (اور) اِس قربانی کا گوشت کسی (نادار محتاج) یعنی عاجز مصیبت کے مارے محتاج فقیر (کو کھلاؤ)۔

بہتر یہ ہے کہ عام قربانی کے گوشت کے تین۳ حصے کیے جائیں، ایک خود کھائے اور اہل وعیال کو کھلائے، اور ایک حصہ احباب ورشتہ داروں کو دے، اور ایک حصہ فقراء کو صدقہ کردے۔ یہ حج کا اعلان اس لیے ہے، کہ تاکہ لوگ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوجائیں (پھر دور کریں اپنے جسمانی کچڑے کو)، یعنی اپنے بدن کے میل کو، مونچھیں کترا کر، ناخن کٹوا کے اور بغلوں وغیرہ کے بال لے کر، (اور) تاکہ (پوری کریں اپنی منتیں) جو نیک ہیں، (اور طواف کریں اِس قدیم گھر کا) جو آزاد ہے لوگوں کی ملک ہونے سے۔۔یا۔ ظالموں کے تسلط سے۔۔یا۔ قدیم گھر اس واسطے ہے کہ پہلا عبادت خانہ وہی ہے۔

اِس سے خانۂ کعبہ مراد ہے۔ اور جس طواف کا ذکر ہے، اُس سے خاص طور پر طوافِ زیارت مراد ہے، جو حج کا رکن ہے۔ اور طوافِ وداع، جو واجب ہے۔ جملہ طوافوں میں اِن دو۲ طوافوں کی خاص اہمیت ہے۔ احکام واعمالِ حج کے تعلق سے اوپر جو باتیں کی گئیں ہیں۔۔۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَ

یہ ہے قانون۔ اور جو تعظیم کرے اللہ کی بخشی حرمتوں کی، تو یہ بہت بہتر ہے اُس کے لیے اُس کے رب کے یہاں۔ اور

اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ

حلال کردیے گئے تمہارے لیے سارے چوپائے، مگر وہ جو ظاہر کردیے گئے تم پر، تو بچو بتوں کی

مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ﴿۳۰﴾

گندگی سے، اور بچو جھوٹ کے بولنے سے●

(یہ ہے قانون) دین خداوندی کا، اور اللہ تعالیٰ کی بخشی حرمتیں ہیں، تو اِن احکامِ الٰہی کی ہتک حرمت روانہیں، (اور) اِن کی تعظیم واجب ہے، تو (جو تعظیم کرے اللہ) تعالیٰ (کی بخشی حرمتوں کی، تو یہ بہت بہتر ہے اُس کے لیے اُس کے رب کے یہاں) ثواب کی راہ سے۔ تو سن لو! (اور) یادرکھو! کہ (حلال کردیے گئے تمہارے لیے سارے چوپائے) جن پر بوقتِ ذبح اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو (مگر وہ، جو ظاہر کردیے گئے تم پر) یعنی جن کی حرمت تم پر ظاہر فرمادی گئی ہے۔۔ مثلاً: مُردار، سور کا گوشت اور اِس کے سوا۔ منشاء یہ ہے کہ تم ظاہری و باطنی طور پر پاک وصاف رہو۔ (تو بچو) اور الگ رہو (بتوں کی گندگی سے)، یعنی بتوں سے کہ وہ خود عین ناپاکی ہیں۔ (اور بچو جھوٹ کے بولنے سے) یعنی الگ رہو جھوٹ بات سے، یعنی کسی غیر خدا کو خدا کا شریک ٹھہرانے سے۔۔یا۔۔ جھوٹی گواہی دینے سے۔۔یا۔۔ اُس بات سے جو زبان پر آئے، مگر دل میں نہ ہو۔۔۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا

یکسو ہو کر اللہ کے لیے، اُس کا شریک نہ بناتے ہوئے۔ اور جو شریک بنائے اللہ کا، تو گویا

خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ

گر پڑا آسمان سے، کہ اچک لے اِسے پرند، یا اُڑا لے جائے اِسے ہوا،

فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿٣١﴾

کہیں دور جگہ●

(یکسو ہو کر اللہ) تعالیٰ (کے لیے) یعنی خلوص رکھنے والے رہو خدا کے ساتھ اور اس کے دین کی طرف مائل رہو۔۔ الختصر۔۔ دینِ اسلام پر ثابت قدم رہو (اُس کا شریک نہ بناتے ہوئے)۔ یعنی خدا کی ذات کے ساتھ تمہارا اخلوص ایسا ہو جس میں شرک کا شائبہ بھی نہ ہو۔ (اور) سن لو کہ (جو شریک بنائے اللہ) تعالیٰ (کا، تو گویا گر پڑا آسمان سے)۔ یعنی وہ ایسا ہے کہ گویا آسمان سے زمین پر گر پڑا اور ہلاک ہو گیا۔

اور ظاہر ہے کہ جو اتنی بلندی سے گرے گا، اُس کے پرخچے اُڑ جائیں گے اور وہ اِس پوزیشن میں آجائے گا۔۔۔

(کہ) زمین میں آنے سے پہلے ہی (اُچک لے اُسے پرند)۔۔یا۔۔ مُردار خور پرندے اُسے

زمین ہی پر نوچ نوچ کر اُس کے اجزاء کو متفرق کر دیں، (یا اُڑا لے جائے اُسے ہوا کہیں دُور جگہ)۔ یعنی گرادے ہَوا اُسے اونچے پر سے ایسی جگہ جو دُور ہو، فریادرس اور دستگیر سے۔

یہ کلمات 'تشبیہاتِ مرکبہ' میں سے ہیں، یعنی جو کوئی ایمان کی بلندی پر سے کفر کی پستی پر گرے، نفس کی خواہشیں اُسے پریشان اور پامال کرتی ہیں۔۔یا۔۔وسوسۂ شیطانی کی ہوائیں اُسے گمراہی کے جنگل میں ڈال دیتی ہیں۔ خلاصۂ کلام مشرکوں کی ہلاکت ہے۔

ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿٣٢﴾

یہی بات ہے۔ اور جو تعظیم کرے اللہ کی یاد دلانے والی چیزوں کی، تو یہ دل میں خوفِ خدا ہونے سے ہے●

(یہی بات ہے) اور یہی کام ہے، جو حکم فرمایا بتوں سے الگ رہنے اور جھوٹ بات سے بچنے کا۔ اس لیے کہ ہلاکت سے بچنے کا یہی راستہ ہے۔ ذہن نشین رہے کہ ہلاکت (اور) نامرادی سے وہ بچتا ہے، (جو تعظیم کرے اللہ) تعالیٰ (کی یاد دلانے والی چیزوں کی)، خواہ وہ مناسکِ حج ہوں ۔۔یا۔۔ ہدیے۔ اور ہدیوں کی تعظیم یہ ہے، کہ وہ فربہ بے عیب، بیش قیمت ہوں۔ اور اُن کے علاوہ ہر وہ چیز جن کی بالواسطہ۔۔یا۔۔ بلا واسطہ خدا کی طرف نسبت ہو۔۔ مثلاً: رسول اللہ، کتاب اللہ، دین اللہ بیت اللہ، اولیاء اللہ، آثار و منسوباتِ محبوبانِ بارگاہِ خداوندی، وغیرہ وغیرہ۔ (تو یہ) تعظیم دراصل (دل میں خوفِ خدا ہونے سے ہے)۔ تو جس کے دِل میں خشیتِ الٰہی نہیں ہے، تو وہ اِن شعائرُ اللہ کی تعظیم کی اہمیت کا ادراک کیسے کر سکتا ہے؟ یاد رکھو کہ جو باتیں عذابِ الٰہی کا سبب ہوں، ان سے ڈرنا اور اپنے کو اُن سے محفوظ رکھنا، دِلوں کی پرہیزگاری ہے۔

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾ ع ٨ ١١

تمہیں ان چوپایوں میں فائدے ہیں مقرر میعاد تک، پھر اُن کو پہنچا دینا ہے اِس قدیم گھر تک●

(تمہیں اِن) قربانی کے (چوپایوں میں فائدے ہیں) دودھ، اُون، بال، سواری، بوجھ لادنا، وغیرہ (مقرر میعاد تک)، وہ قربانی کا وقت ہے۔ (پھر اُن کو پہنچا دینا ہے اُس قدیم گھر تک) جو آزاد ہے طوفان میں غرق ہونے سے۔۔یا۔۔ بزرگ گھر تک۔۔ الحاصل۔۔ قربانی کے وقت پر اُس کے ذبح کی جگہ۔۔یا۔۔ اُس جگہ جہاں اُسے ذبح کرنے کا واجب ہونا منتہی ہوتا ہے، قربانی کا جانور پہنچا دینا ضروری ہے۔ اِس سے پہلے اُس سے جو فوائد حاصل کیے جاسکتے ہوں، اُن کو حاصل کرنے کی اجازت ہے۔

اَے ایمان والو! یہ قربانی کا حکم کچھ تمہارے لیے نیا نہیں ہے، بلکہ تم سے پہلے بھی ہر دین والوں۔۔۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم

اور ہرایک امت کے لیے ہم نے کردیا ہے ایک قربانی، تا کہ وہ اللہ کا نام لیں جو روزی فرمائی،

مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ

بے زبان چوپائے کے ذبیحہ پر۔تو تمہارا معبود ہے اللہ اکیلا، تو اس کے لیے تم لوگ گردن ڈال دو،

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾

اور تم خوشخبری دوایسے بےنفسوں کو●

(اور ہرایک امت کے لیے ہم نے کردیا ہے ایک قربانی) یعنی ہم نے ہر امتِ مومنہ کے لیے مشروع کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے قربانی کریں، (تا کہ وہ) صرف (اللہ) تعالیٰ ہی (کا نام لیں) اور اُسی کو یاد کریں۔اُس کی یاد سے ہٹ کر غیر کی یاد میں مشغول نہ ہوجائیں، اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں قربانی کریں۔

یہاں بندوں کو تنبیہ ہے، کہ مناسک سے اصلی مقصود یادِ الٰہی ہے۔۔الغرض۔۔وہ اللہ تعالیٰ کا نام لیں۔۔۔

(جو روزی فرمائی بے زبان چوپائے کے ذبیحہ پر)، یعنی ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کریں، کہ اُس کریم نے انہیں چار پائے جانور عطا فرمائے۔(تو تمہارا) اور اِن کا سب کا (معبود ہے اللہ تعالیٰ (اکیلا) جو وحدہٗ لاشریک ہے۔(تو اُس کے لیے تم گردن ڈال دو)، یعنی اُسی کے مطیع ہوجاؤ اور قربانی کو شرک سے نہ ملاؤ۔(اور) اَے محبوب! (تم خوشخبری دوایسے بےنفسوں کو) اُس عالَم میں بزرگی اور عظمت کی۔۔یا۔۔ڈرنے والوں کو رحمتِ بے غایت کی۔۔یا۔۔مشتاقوں کو دیدارِ الٰہی کی۔اس واسطے، کہ کوئی خوشخبری اِس سے بڑھ کر نہیں۔

پھر عاجزوں کی صفت میں فرماتا ہے، کہ۔۔۔

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ

وہ، کہ جب یاد کیا گیا اللہ، تو تھرا اٹھے اُن کے دل، اور صبر کرنے والے جو مصیبت آئے انہیں،

وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٥﴾

اور پابندی کرنے والے نماز کے، اور جو ہم نے روزی دی اُس سے خرچ کیا کرتے ہیں●

یہ (وہ) ہیں (کہ جب یاد کیا گیا اللہ) تعالیٰ اُن کے سامنے، (تو) جلالِ ربانی کی ہیبت سے (تھرا اُٹھے اُن کے دِل) اور انوارِ جاودانی کی عظمت سے چاہتے ہیں کہ شمع جمال کے شعلے میں اپنے کو پروانے کی طرح جلا دیں، اور اپنی ہمت کی آنکھ حضرتِ قدیم کے وجہِ مقدس کے سوا اُور کی طرف سے بند کرلیں۔ تو مطلب بر آنے کی خوشخبری انہیں دو، (اور) خوشخبری دو اُن کو جو (صبر کرنے والے) ہیں اِس پر (جو مصیبت آئے انہیں، اور) اُن کو جو (پابندی کرنے والے) ہیں (نماز کے) یعنی نماز کو ہمیشہ کما حقہ وقت پر ادا کرنے والے ہیں، (اور) اُن کو بھی جنہیں (جو ہم نے روزی دی اس) میں (سے خرچ کیا کرتے ہیں) نیک وجہوں اور اچھے مصرفوں میں۔۔۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا

اور ڈیل ڈول والے جانوروں کو ہم نے بنا دیا تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں سے، تمہاری اُن میں بھلائی ہے۔ تو اللہ کا نام لو،

اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَ

اُن پر وہ کھڑے ہی رہیں، پھر جب گر جائیں اپنی اپنی کروٹ، تو کھاؤ اُسے، اور

اَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٣٦﴾

کھلاؤ بے سوال محتاج کو اور سوالی فقیر کو۔ اِسی طرح قابو میں کر دیا انہیں تمہارے کہ شکر گزار رہو●

(اور ڈیل ڈول والے جانوروں کو) یعنی اونٹ گائیں جو قربانی کے لیے ہانکے لیے جاتے ہیں، اُن کے ذبح کو (ہم نے بنا دیا تمہارے لیے اللہ) تعالیٰ کے دین (کی نشانیوں سے)۔۔ الغرض۔۔ (تمہاری اُن میں) دینی اور دنیوی دونوں طرح کی (بھلائی ہے۔ تو اللہ) تعالیٰ (کا نام لو اُن) کے ذبح (پر) اِس حال میں کہ (وہ کھڑے ہی رہیں)۔

ذہن نشین رہے کہ اونٹ کو کھڑے کھڑے ہی نحر کرنا سنت ہے، اور بعضے نحر کے وقت اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَاِلَيْكَ کہتے ہیں۔

(پھر جب گر جائیں) زمین پر (اپنی اپنی کروٹ) اور اُن کی روح نکل جائے، (تو کھاؤ اُسے) یعنی اُن کے گوشت میں سے۔ اور یہ کھانا سنت ہے۔ (اور) اس میں سے (کھلاؤ بے سوال

محتاج کو)، یعنی اُس فقیر کو جو قناعت والے ہیں اور سوال نہیں کرتے۔ (اور سوالی فقیر کو) یعنی خواہش کرنے والے سائل کو۔

ایک قول کے مطابق قانع سے مکہ کے فقیر مراد ہیں اور **مُعْتَرّ** سے آفاقی فقیر۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح ہم نے اُن ڈیل ڈول والے جانوروں کے نحر کی کیفیت بیان کی۔۔۔

(اسی طرح قابو میں کرادیا اُنہیں تمہارے)، کہ باوصف اِس کے کہ اُن کی قوت زیادہ اور جثہ بڑا ہے، تم انہیں پکڑتے کھولتے باندھتے ہو، یعنی تمہارے اشارے پر چلتے ہیں۔ یہ کرم ہم نے اس لیے فرمایا، تا (کہ) تم (شکر گزار رہو) اور خدا کی نعمتوں پر اُس کا شکر کرتے رہو۔

روایت ہے کہ زمانۂ جاہلیت کے لوگ قربانیوں کا خون کعبہ شریف کی دیواروں پر ملتے تھے، اور اِس کو تقرب کا سبب جانتے تھے۔ تو جب ابتدائے اسلام میں اُسی اگلے قاعدے کے موافق کعبۂ معظم کی دیوارِ محترم کو خون سے آلودہ کرنے کا ارادہ کیا، تو حق تعالیٰ نے اِس بات سے منع کر کے فرمایا۔۔۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ

نہیں پہنچتا اللہ کو اُن سب کا گوشت، اور نہ خون، ہاں پہنچتا ہے اُس تک تمہارا اللہ سے ڈرنا۔

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

اسی طرح قابو میں دے دیا انہیں تم لوگوں کے، کہ تکبیر بولو سب اللہ کی جو راہ دی تمہیں۔

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ۝٣٧

اور خوشخبری دو تم احسان والوں کو۔

کہ (نہیں پہنچتا اللہ) تعالیٰ (کو اِن سب کا گوشت) جو تم صدقہ دیتے ہو۔ (اور نہ) ہی اِن کا (خون) جو قربانی کے وقت گراتے ہو۔ (ہاں پہنچتا ہے اس تک تمہارا اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنا)، یعنی محل قبولیت میں اُس کی جناب میں وہ چیز پہنچتی ہے جس چیز کے ساتھ تم سے پرہیزگاری ملی ہے، اور وہ حکم الٰہی کی تعظیم ہے، اور اچھی طرح قربانی کر کے اُس کا قرب حاصل کرنا ہے۔

جس طرح ذکر کیا گیا (اُسی طرح قابو میں دے دیا انہیں تم لوگوں کے) تا (کہ) ذبح کے وقت (تکبیر بولو سب اللہ) تعالیٰ (کی)۔۔۔ یا۔۔۔ ہمیشہ بڑائی کے ساتھ یاد کرو خدا کو اُس کے اُس فضل و

کرم کو یاد کرتے ہوئے (جو راہ دی تمہیں)، یعنی تمہیں قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے اور خدا سے قرب ڈھونڈنے کی ہدایت فرمائی۔ تو اَے محبوب! بتا دو (اور خوشخبری) دے (دو، تم احسان والوں کو)۔ یعنی نیک کام کرنے والوں کو جنت کی۔۔۔یا۔۔قبولِ طاعت کی۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

بے شک اللہ ٹال دیتا ہے بَلا کو اُن سے، جو اُسے مان گئے۔ بے شک اللہ نہیں پسند فرماتا

كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۟ؑ ٣٨

کسی دغاباز ناشکرے کو●

ع ٥ ١٢ (النصف)

(بے شک اللہ) تعالیٰ (ٹال دیتا ہے بَلا کو اُن سے جو اُسے مان گئے)۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ باز رکھتا ہے مشرکوں کے فتنے کو اُن لوگوں سے جو ایمان لائے، یعنی انہیں دشمنوں پر فتح دیتا ہے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا کسی دغاباز ناشکرے کو) جو دین کی امانت میں خیانت کرتا ہے اور خدا کی نعمت پر ناشکرا ہے، کہ حق تعالیٰ تو محض نعمت عطا فرمانے کی راہ سے چارپائے عطا کرتا ہے، اور یہ مشرک لوگ اُسے بتوں کے نام پر قربان کرتے ہیں۔۔۔

مکہ کے کافر ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ایذاء دینے کی کوشش کرتے تھے، اور اصحاب میں ہر گھڑی ایک نہ ایک سر پھٹا، ہاتھ بندھا، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور آتا اور کفار کی شکایت زبان پر لاتا۔ آپ ﷺ فرماتے کہ صبر کرو اُن کے ساتھ قتال کرنے کا ابھی مجھے حکم نہیں۔ جب ہجرت کر کے آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو قتال کا حکم آ گیا اور اس باب میں پہلی آیت جو نازل ہوئی، وہ یہ ہے، کہ۔۔۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ ٣٩

اجازتِ جنگ دے دی گئی انہیں، جن سے جنگ کی جارہی ہے، کہ وہ مظلوم ہیں۔ بے شک اللہ اُن کی مدد پر قدرت رکھتا ہے●

(اجازتِ جنگ دے دی گئی اُنہیں جن سے جنگ کی جارہی ہے)۔ یعنی کافر لوگ جن ایمان والوں سے جنگ کر رہے ہیں، اُن ایمان والوں کو بھی دِفاعی جنگ کی اِجازت دے دی گئی، کیوں (کہ وہ مظلوم ہیں)، دشمنوں کی جفائیں بہت سہہ چکے ہیں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (اُن کی مدد پر قدرت رکھتا ہے)، یعنی مظلوموں کی جو نبی کریم کے اصحاب ہیں مدد پر قادر ہے۔۔۔

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ؕ

جو نکالے گئے اپنے گھروں سے ناحق، مگر یہ کہ "کہا کرتے کہ ہمارا پالنے والا اللہ ہے۔"

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ

اور اگر نہ ہوتا ہٹاتے رہنا اللہ کا لوگوں کو، بعضوں کو بعض سے، تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں، اور عیسائیوں کے گرجے،

وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَٰجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ؕ

اور یہودیوں کے عبادت خانے، اور مسلمانوں کی مسجدیں، جن میں یاد کیا جاتا ہے اللہ کا نام بہت۔

وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ؕ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿٤٠﴾

اور ضرور مدد فرمائے گا اللہ اُس کی، جو اُس کے دین کی مدد کرے، بے شک اللہ ضرور قوت والا غلبے والا ہے●

(جو نکالے گئے اپنے گھروں سے ناحق)۔ آخر اُن سے کون سی ایسی بات ہوگئی جس سے اُن کو شہر بدر کردینا ضروری سمجھا گیا (مگر یہ کہ کہا کرتے، کہ ہمارا پالنے والا اللہ) تعالیٰ (ہے)۔۔ الغرض۔۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب قرار دیتے تھے، اور اُس کی وحدانیت کا اقرار کرتے تھے۔ یہ تو حقیقت میں کوئی ایسی جرم کی بات نہ تھی، مگر اُن ظالموں نے اِس سچائی کے اقرار کو بھی جرم قرار دے دیا۔

حق کے خلاف کافروں کی منفی سوچ (اور) اُن کی بے جا خواہش کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے، کہ (اگر نہ ہوتا ہٹاتے رہنا اللہ) تعالیٰ (کا لوگوں کو بعضوں کو بعض سے)، یعنی مسلمانوں کو کافروں پر غالب کر کے اُن کے ذریعہ اُنہیں دفع نہ کرتا اور اُنہیں مغلوب کر کے ایک کنارے نہ لگادیتا، تو وہ ہرگز ہرگز اپنی تخریبی کاروائیوں سے باز نہ آتے، اور اگر اُن کو مسلمانوں پر غلبہ مل جاتا، پھر (تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں) یعنی درویشوں کے خلوت خانے، (اور عیسائیوں کے گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں یاد کیا جاتا ہے اللہ) تعالیٰ (کا نام بہت)۔ تو جو خدا کے نام ہی سے چڑھتا ہوگا، تو غلبے کی صورت میں اِن مقامات کو کیوں رہنے دے گا جہاں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و کبریائی اور اُس کی توحید کا چرچا ہوگا۔

مذکورہ بالا سارے مقامات خدا کی ربوبیت اور اُس کی توحید کے چرچے کی جگہیں تھیں۔ یہ تو بعد کے یہود و نصاریٰ نے اپنے عبادت خانوں کو مشرکانہ اعمال و حرکات سے ملوث کرلیا ۔۔ الحاصل ۔۔ حق تعالیٰ کو منظور نہیں کہ مشرکین و کفار کا غلبہ ہو اور خدا کے ذکر کرنے کے مقامات برباد اور ویران ہوجائیں۔

۔۔تو۔۔ یقیناً (اور ضرور مدد فرمائے گا اللہ) تعالیٰ (اس کی جو اس کے دین کی مدد کرے)، اور اعلاءِ کلمۃ الحق کے لیے اپنے مقدور بھر جد و جہد کرتا ہے۔۔ نیز۔۔ دین کے فروغ و ارتقاء کی راہ میں ہر آنے والی رکاوٹ دُور کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور قوت والا غلبے والا ہے)۔ وہ مومنوں کی مدد پر قادِر ہے اور سب لوگوں پر غالب ہے، اور سب چیزوں پر خدا جسے چاہے غالب کردے۔

اِس آیت میں حق تعالیٰ نے مظلوم صحابہ رضی اللہ عنہم کو مدد دینے کا وعدہ فرمایا اور وعدہ پورا بھی کیا، کہ روم اور ایران کے بادشاہوں کا ملک و مال انہیں عطا فرمایا۔ پھر دوبارہ ان لوگوں کی صفت میں فرماتا ہے جنہیں قتال کی اجازت دی۔۔ چنانچہ۔۔ فرماتا ہے، کہ یہ۔۔۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ

وہ لوگ کہ جہاں ہم نے مضبوط کیا انہیں اِس ملک میں، تو انہوں نے برپا کر ہی دیا نماز کو، اور دیتے ہی رہے زکوٰۃ،

وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

اور حکم دیا کیے نیکی کا، اور روکا ہی کیے بُرائی سے۔ اور اللہ کے لیے سب کاموں کا انجام ہے●

(وہ لوگ) ہیں، (کہ) اپنی رحمتِ شاملہ سے (جہاں ہم نے مضبوط کیا انہیں اُس ملک میں، تو انہوں نے برپا کر ہی دیا نماز کو) میری تعظیم کے واسطے، (اور دیتے رہے زکوٰۃ) میرے بندوں کی مدد کرنے کے لیے اور انہیں خرچ کرنے کے لیے، (اور حکم دیا کیے نیکی) اور بھلائی، (کا اور روکا ہی کیے بُرائی سے)۔ یعنی اُن باتوں سے جسے عالم و فاضل اور دینی شعور رکھنے والے بُرا جانتے ہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (کے لیے سب کاموں کا انجام ہے)۔ یعنی سب کاموں کا انجام وہی ہوتا ہے جو وہ چاہے۔

اُے محبوب! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قریش کے مشرک اگر تمہاری تکذیب کریں تو تم رنج نہ کرو، کیونکہ قوم کا تکذیب کرنا کچھ تمہارے ہی ساتھ خاص نہیں ہے۔۔۔

وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾

اور اگر جھوٹے جھٹلاتے ہیں تمہیں، تو جھٹلا چکے ہیں اُن سے پہلے نوح کی قوم، اور عاد و ثمود●

وَ قَوْمُ اِبْرٰهِیْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّ اَصْحٰبُ مَدْیَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوْسٰی

وقوم ابراہیم وقوم لوط● اور مدین والے۔ اور جھٹلائے گئے موسیٰ،

فَأَمْلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾

تو میں نے مہلت دی کافروں کو، پھر انہیں پکڑا۔ تو کیسا میرا عذاب تھا●

(اور) یہ صرف تمہارے ہی ساتھ نہیں ہو رہا ہے، تو (اگر جھوٹے جھٹلاتے ہیں تمہیں، تو جھٹلا چکے ہیں اِن) سردارانِ مکہ (سے پہلے نوح کی قوم اور) گروہِ (عادو) قوم (ثمود● وقوم ابراہیم وقوم لوط● اور مدین والے) اپنے اپنے عہد اور اپنے اپنے اندر مبعوث ہونے والے نبیوں کو، یعنی حضرت نوح، حضرت ھود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط، اور حضرت شعیب علیہم السلام کو۔

(اور جھٹلائے گئے موسیٰ) مگر اُن کو اُن کی قوم بنی اسرائیل نے نہیں جھٹلایا، بلکہ قبطیوں نے جھٹلایا، (تو میں نے مہلت دی کافروں کو) یہاں تک کہ اُن کے اوقاتِ مقررہ آپہنچے، تو (پھر انہیں پکڑا)، یعنی لے لیا میں نے انہیں طوفان، آندھی، کڑک، مچھروں کے لشکر، پتھر برسنے، ڈوبنے اور یَوْمِ الظُّلَّةِ کے عذاب میں۔ (تو کیسا میرا عذاب تھا) اور کیسا تھا میرا انہیں ناپسند کرنا۔ یعنی جب اُن کا کام میں نے ناپسند کیا، تو نعمت کو محنت سے، زندگی کو ہلاکت سے، اور عمارت کو خرابی سے بدل دیا۔

فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ

اور کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ویران کر دیا کہ وہ اندھیر نگری تھیں، تو وہ اپنی چھتوں پر

عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَشِيدٍ ﴿٤٥﴾

گری پڑی ہیں، اور کنوئیں کتنے بے کار ہیں، اور کتنے مضبوط محل●

(اور کتنی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ویران کر دیا کہ وہ اندھیر نگری تھیں)۔ وہاں کے رہنے والے مشرک اور ظالم تھے، (تو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں)۔ پہلے اُن مکانوں کی چھتیں گریں، پھر اُن پر دیواریں گر پڑیں (اور کنوئیں کتنے بے کار ہیں) کہ اُن سے پانی لینے والے سب کے سب ہلاک ہو گئے ہیں، اور کوئی نہیں کہ اُن کا پانی لے کر نعمت حاصل کرے۔ (اور کتنے مضبوط محل) کہ اُنہیں ہم نے اُن کے رہنے والوں سے خالی کر دیا۔

اکثر معتبر تفسیروں میں ہے، کہ یہ کنویں ایک پہاڑ کے نیچے حضرموت میں تھے اور محل اُس پہاڑ کی چوٹی پر تھا۔ عادثانی' کا بیٹا 'منذر' اُس محل کا بانی تھا۔ قوم ثمود کے لوگ جب ہلاک ہوئے، تو صالح علیہ السلام چار ہزار مؤمنوں سمیت دیارِ یمن میں آئے اور اُس ملک کے بعض

مکانوں میں حضرت صالح علیہ السلام پر موت حاضر ہوئی۔ غالبًا اِسی وجہ سے اُس کا نام 'حضر موت' رکھا۔ بعد ازاں اُن کے ساتھیوں نے جلاس بن سویدا۔۔یا۔۔جلیس بن جلاس کو اپنے اوپر حاکم کرلیا، اور سخاریب بن سوادہ کو اُن کی وزارت دے دی۔ اور اُس کنویں پر کہ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ کہہ کر جس کی طرف حق تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے، وہ ٹھہرے اور قصرِ مشید تیار کیا، اور ایک مدت کے بعد اُن کی اولاد نے بت پرستی شروع کی، اور اپنے باپ دادا کے دین سے پھر گئے۔ اور حنظلہ بن صفوان ایک پیغمبر جو اُن کے پاس آئے تھے، اُنہوں نے اُن کو بڑی ذلت اور خواری کے ساتھ قتل کیا، اور حق تعالیٰ نے اُن لوگوں کو ہلاک کیا، اور اُن کا کنواں بے کار اور محل خالی پڑا رہا۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ

تو کیا ملک میں نہیں گھومے، کہ ان کے دل ہوجائیں جس سے سمجھیں، یا کان ہوجائیں

يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ

جس سے سن سکیں۔ کیونکہ آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں، لیکن ہاں

تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ ﴿٤٦﴾

سینوں میں دل اندھے ہوجاتے ہیں●

(تو) اَے محبوب! (کیا) تمہاری قوم کے لوگ (ملک میں نہیں گھومے) یعنی سیر نہیں کی، اور نہ ہی سیر کرتے ہیں یمن اور شام کی زمین میں، تا (کہ) عذاب کی نشانیاں منکروں کے دروازوں پر مشاہدہ کرکے عبرت پکڑیں، اور (اُن کے دِل ہوجائیں جس سے سمجھیں)۔ ایسی چیز جو بصیرت حاصل ہونے۔۔یا۔۔عبرت پکڑنے کی سبب ہو۔ (یا) اُن کے واسطے دُور تک کے حالات اور واقعات سننے والے (کان ہوجائیں، جس سے سن سکیں) اگلی امتوں کی خبریں اور اُن کے واقعے۔

تو قصہ یہ ہے کہ آنکھوں کے اندھے نہیں ہیں، (کیونکہ آنکھیں نہیں اندھی ہوتیں)۔ تو اِن کی آنکھوں میں کچھ خلل نہیں، وہ سب چیزیں دیکھتے ہیں، (لیکن ہاں سینوں میں دل اندھے ہوجاتے ہیں) عبرت کی نظر کرنے سے۔۔الغرض۔۔اُن کے دِل کی آنکھیں اگلی قوموں کا حال دیکھنے سے بند ہیں، تو کسی طرح اُن کے حال سے عبرت نہیں لیتے۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ

اور جلد بازی مچار ہے ہیں تم سے عذاب کی، اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہ کرے گا،

وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

اور بلاشبہ ایک دن تمہارے پروردگار کے یہاں، جیسے ہزار سال ہے، جس قاعدے سے تم شمار کیا کرتے ہو●

(اور) اَے محبوب! عبرت لینا تو بڑی بات، یہ نضر بن حارث اور اُس کے سوا دوسرے کفار (جلد بازی مچار ہے ہیں تم سے عذاب کی)، یعنی اُس عذاب کے نازل ہونے کی جس کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اِن نادانوں کو معلوم ہونا چاہیے، کہ عذابِ موعود تو آئے گا ہی، (اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف ہرگز نہ کرے گا۔ اور بلاشبہ ایک دن تمہارے پروردگار کے یہاں، جیسے ہزار سال ہے جس قاعدے سے تم شمار کیا کرتے ہو)۔ یعنی خدا کے نزدیک ایک دن اور ہزار برس برابر ہے۔ اِس واسطے کہ زمانہ کا حکم اس پر جاری نہیں۔ تو اُس کا ہونا نہ ہونا، کمی زیادتی اُس کے نزدیک یکساں ہے۔ جب چاہے عذاب بھیج دے اور یہ جلدی کرنے سے، کہ عذاب کا زمانہ جلد آجائے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔۔۔ یہ فہم وفراست سے عاری لوگ عذاب نازل کرنے میں تاخیر کی حکمت بھی سمجھنے سے عاجز رہے۔۔۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ

اور کتنی آبادیاں ہیں جن کو میں نے ڈھیل دی، اور وہ اندھیر نگری تھیں، پھر دھر پکڑ کی اُن کی۔

وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع ۱۴

اور میرے ہی طرف پھرنا ہے●

(اور) یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ (کتنی آبادیاں ہیں جن کو میں نے ڈھیل دی)، یعنی توبہ کرنے اور حق کی طرف پھرنے کا موقع دیا (اور) باوجود اِس کے کہ (وہ اندھیر نگری تھیں)، ہم نے اُنہیں راہِ حق پر آنے کی مہلت دی۔ جب اُنہوں نے اُس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھایا، اور اپنے کفر پر ڈٹے رہے، تو (پھر دھر پکڑ کی) میں نے (اُن کی) اور اُنہیں سخت دُنیوی عذاب میں مبتلا کر دیا۔ (اور) اُنہیں آخرت میں بھی (میرے ہی طرف پھرنا ہے) اور وہاں بھی جزاء کو پہنچیں گے۔ تو اَے محبوب! آپ، لوگوں کو جو دُنیا وآخرت کے عذاب کے لیے خود اُن کی بھلائی کے لیے ڈرا رہے ہیں ڈراتے رہیں۔ اور اُن سے۔۔۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۹﴾ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کہہ دو کہ "اے لوگو! میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہی ہوں"● تو جو مان گئے،

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۵۰﴾

اور لیاقت والے کام کیے، اُن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی●

(کہہ دو، کہ اے لوگو! میں تمہیں کھلا کھلا ڈرانے والا ہی ہوں) تو جس چیز سے ڈراتا ہوں اُسے ظاہر بھی کر دیتا ہوں۔ (تو) میرے ڈرانے سے (جو) خشیتِ الٰہی والے ہو گئے، اور (مان گئے)، اور ایمان لائے اُس چیز کا جس کا ایمان لانا واجب ہے، (اور لیاقت والے کام کیے)، یعنی نیک اعمال انجام دیے، تو (اُن کے لیے بخشش ہے) گزرے ہوئے گناہوں سے۔ (اور عزت کی روزی) ہے کہ دُنیا میں بے منت اور بے رنج اُن کے لیے رزقِ حلال ہے۔۔یا۔ آخرت میں اُن کے لیے بہشت ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۵۱﴾

اور جنہوں نے دوڑ لگائی ہماری آیتوں میں، کہ ہرا دیں، وہ ہیں جہنم والے●

(اور جنہوں نے دَوڑ لگائی ہماری آیتوں میں کہ ہرا دیں)، یعنی جن لوگوں نے قرآنِ کریم کی آیات کو باطل کرنے کی کوشش کی اور چاہتے ہیں، کہ ہم سے دَرگزریں اور سبقت لے جائیں، اور ہمارا عذاب اُن سے فوت ہو جائے، تو یہ لوگ کسی خام خیالی میں نہ رہیں، اور سمجھ لیں کہ (وہ ہیں جہنم والے)، اور ہمیشہ اُس کی جلتی ہوتی آگ میں رہنے والے۔

آیاتِ قرآنیہ میں بے جا دخل اندازی کے تعلق سے مختصر قصہ یہ ہے، کہ جب سورۂ نجم نازل ہوئی، تو حضرت سیدِ عالم ﷺ مسجد حرام کے اندر قریش کے مجمع میں یہ سورت پڑھتے تھے، اور آیتوں کے درمیان میں توقف فرماتے تھے، تا کہ لوگ غور سے سن کر یاد کر لیں۔ جب یہ آیات کہ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ﴿۲۰﴾ پڑھ کر آپ ٹھہرے، تو شیطان نے موقع پا کر مشرکوں کے کان میں پہنچا دیا کہ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى یعنی لات، عزیٰ، منات، قوم کے بزرگ ہیں۔۔یا۔ اونچے اڑنے والے مرغ ہیں، اور اُن سے شفاعت کی امید رکھنا چاہیے۔

کافر لوگ یہ فقرہ سن کر بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے یہ

کلمات بھی پڑھے اور اُن کے بتوں کی تعریف کی۔ تو سورت کے آخر میں سجدہ کی آیت پڑھ کر جب آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں سمیت سجدہ کیا، تو خواہ مخواہ اکثر مشرک بھی یہ سجدہ کرنے میں شریک ہوئے۔ پس حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے نازل ہوکر یہ حال آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ یہ ماجرا سن کر حضرت ﷺ کا دِل مبارک نہایت غمگین ہوا، تو حق تعالیٰ نے آپ کے دِل کو تسلی دینے کے واسطے یہ آیت نازل فرمائی۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول، نہ نبی، مگر یہ کہ جب پڑھا،

اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ

تو شیطان نے اپنی طرف سے اپنوں کے لیے بڑھا دیا اُن کے پڑھنے میں، تو میٹ دیتا ہے اللہ جو شیطان کا اِلقاء ہے،

ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ۙ

پھر مضبوط فرما دیتا ہے اللہ اپنی آیتوں کو۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ اَے محبوب! (نہیں بھیجا تم سے پہلے کوئی رسول نہ نبی)۔

رسول اور نبی میں فرق یہ ہے، کہ رسول صاحبِ شریعت ہے اور نبی اُس کا تابع ہے اُس شریعت میں، جیسے حضرت لوط تابع تھے حضرت ابراہیم کے، حضرت یوشع تابع تھے حضرت موسیٰ کے، اور حضرت شمعون تابع تھے حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے۔۔یا۔۔رسول پکارنے والا ہے خاص شریعت کی طرف، اور نبی عام ہے اور شامل ہے اسے بھی اور دوسرے کو بھی جو پہلی شریعت مقرر کرنے والا ہو، تو نبی بہت عام ہے رسول سے۔

اور بعضوں نے کہا کہ رسول وہ ہے، کہ معجزہ کو اُس کتاب کے ساتھ جمع کرے جو اُس پر نازل کی گئی، اور نبی کہ غیر رسول ہوتا ہے وہ ہے، جس پر کتاب نازل نہ ہو۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ رسول وہ ہے جس کے پاس فرشتہ وحی لے کر آئے اور نبی وہ ہے جو آواز سنے۔۔یا۔۔ اُسے الہام ہو۔۔یا۔۔خواب دیکھے۔ پس بہر تقدیر حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ میں نے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا۔۔۔

(مگر یہ کہ جب پڑھا، تو شیطان نے اپنی طرف سے اپنوں کے لیے بڑھا دیا اُن کے پڑھنے میں)۔ یعنی جب انہوں نے تلاوت کی، تو ڈال دیا شیطان نے اُس کی تلاوت کے وقت جو کچھ چاہا اِس

طرح پر کہ لوگوں کو شبہ ہوا، کہ یہ بھی پیغمبر نے پڑھا۔

جیسے ہمارے رسولِ اکرم ﷺ نے جب تلاوت فرمائی، تو اُس شیطان نے جسے 'ابیض' کہتے ہیں، آپ کی آواز بنا کر وہ کلمات پڑھ دیے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ اور ایک جماعت نے یہ گمان کیا، کہ یہ کلمات بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھے۔

(تو میٹ دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (جو شیطان کا اِلقاء ہے)۔ یعنی باطل وزائل کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ وہ چیز جو شیطان نے کلماتِ کفر میں سے ملا دی ہے۔ (پھر مضبوط فرما دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (اپنی آیتوں کو)۔ یعنی ثابت کر دیتا ہے اپنی آیتیں جو اُس کا پیغمبر پڑھتا ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے اور جاننے والا ہے لوگوں کے احوال کا، اور (حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے حق حکم اُن پر۔۔۔

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

تا کہ کر دے اِلقاءِ شیطانی کو آزمائش، اُن کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے،

وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ۝۵۳

اور جن کے دل سخت ہیں۔ اور بے شک اندھیر والے پرلے سرے کے جھگڑالو ہیں●

(تا کہ کر دے اِلقاءِ شیطانی کو آزمائش) یعنی شیطان انبیاء علیہم السلام کی تلاوت کے وقت جو اِلقاء کرتا ہے، یہ حق تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے (اُن کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے) کفر کی، یعنی منافق لوگ۔ (اور) اُن کے لیے (جن کے دل سخت ہیں) اور تاریک ہیں۔

کلام کا حاصل یہ ہے کہ منافق اور مشرک لوگ شیطان کے اِلقاء سے شک اور حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔

(اور بے شک) یہ دل کے بیمار اور دل کے سخت، دونوں (اندھیر والے) اور (پرلے سرے کے جھگڑالو ہیں)، اُن میں تکبر وعناد بے پایاں ہے۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ

اور تا کہ جان لیں وہ، جنھیں علم دیا گیا ہے، کہ بلاشبہ یہی ٹھیک ہے تمہارے رب کی طرف سے،

فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا

تو اِس کو مان جائیں، پھر گرویدہ ہو جائیں اِس کے اُن کے دل۔ اور بے شک اللہ ضرور راہ دینے والا ہے انہیں جو مان چکے ہیں،

اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

سیدھی راہ کی طرف●

(اور) اس شیطانی اِلقاء میں یہ بھی حکمت ہے، (تا کہ جان لیں وہ جنھیں علم دیا گیا) یعنی قرآن دیا گیا (کہ بلاشبہ یہی ٹھیک ہے تمہارے رب کی طرف سے) نازل ہوا ہے، شیطان کو اس میں تصرف کی مجال نہیں۔ (تو اِس کو مان جائیں) یعنی قرآن کا ایمان لائیں (پھر گرویدہ ہوجائیں اِس کے اُن کے دل)، یعنی قرآن کے واسطے اُن کے دل نرم ہوجائیں، وہ قرآنی احکام کو دِل سے مان لیں۔ (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور راہ دینے والا ہے اُنہیں جو مان چکے ہیں، سیدھی راہ کی طرف) یعنی جو بات مومنوں پر مشکل ہوتی ہے، تو حق تعالیٰ انہیں راہ دکھا دیتا ہے، نظرِ صحیح اور فکرِ سلیم کے ساتھ، تا کہ جلدی اپنے مقصود کو پہنچ جائیں۔۔۔اب رہ گئے کفر والے۔۔۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ

اور ہمیشہ وہ جو کافر ہے، شک میں رہیں گے اِس کی طرف سے، یہاں تک کہ آجائے اُن پر

السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ۝

قیامت اچانک، یا آجائے اُن پر عذاب اُس دن کا جس کا اچھا پھل نہیں●

(اور) شک وشبہ میں مبتلا افراد، تو (ہمیشہ وہ جو کافر ہے، شک میں رہیں گے اِس کی طرف سے)، یعنی قرآن۔۔یا۔۔رسول۔۔یا۔۔ اِلقاءِ شیطانی کے تعلق سے اُن کے شکوک مٹ نہیں سکتے۔ اِس واسطے کہ مکہ کے کافر کہتے تھے، کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کیا ہوگیا ہے جو ہمارے بتوں کی تعریف سے پشیمان اور شرمندہ ہوگیا۔ تو وہ ہمیشہ شک ہی میں ہیں، (یہاں تک کہ آجائے اُن پر قیامت) یعنی موت جو قیامتِ صغریٰ ہے۔۔یا۔۔ آئیں اُن کے سامنے علاماتِ قیامت (اچانک۔۔یا۔۔آجائے اُن پر عذاب اُس دن کا جس کا اچھا پھل نہیں)، جس دن اُن کی نسل گر جائے، جیسے جنگِ بدر کا دن۔ ایک قول کے مطابق روزِ عقیم سے قیامت کا دن مراد ہے جس کے بعد کوئی دن نہ ہوگا۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

بادشاہی اُس دن صرف اللہ کی ہے، جو فیصلہ فرمائے گا اِن کا۔ تو جس نے مانا اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٥٦﴾

لیاقت کے کام کیے،عیش کے باغوں میں ہیں●

(بادشاہی اُس دِن صرف اللہ) تعالیٰ (کی ہے)۔یعنی اُس دِن سلطنت وحکومت خدا ہی کے واسطے ہے، بے کسی مدعی اور جھگڑنے والے کے۔آج تو بادشاہوں کوسلطنت اور ملک داری کا دعویٰ ہے،اوراُس دن متکبروں سے تکبر کا پٹکا کھول لیں گے،اور بادشاہوں کے سر سے زبردستی کا تاج اُتارلیں گے۔اُن کے دعوے اورگمان جاتے رہیں گے۔مالک الملک اُن بادشاہوں کے تصورات اورتخیلات مٹادے گا۔ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ کی ضرب سے سلاطین کے توہمات اور تفکرات کی چٹانوں کو توڑدے گا۔سب کو بندگی کے اِظہاراور بے چارگی کے اِقرار کے سوا چارہ نہ ہوگا۔

وہ مالک الملک بغیر کسی کی شرکت کے (جو) چاہے گا (فیصلہ فرمائے گاان کا)،یعنی مومن اور کافر بندوں کا۔(توجس نے مانا) یعنی ایمان لائے،(اور لیاقت کے کام کیے) یعنی نیک اعمال انجام دیے،تو وہ خوش نصیب (عیش کے باغوں میں) رہنے والے (ہیں) ناز ونعمت کے ساتھ، بے رنج و محنت۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ ع ٩ ١٤

اورجس نے انکارکیااور جھٹلایا ہماری آیتوں کو،توانہیں کے لیے ہے عذاب ذلیل کرنے والا●

(اورجس نے انکارکیا) یعنی کافر رہے (اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو)،یعنی قرآنِ کریم کو۔۔یا۔۔ نبی کے معجزات کو، (توانہیں کے لیے ہے) جہنم کا (عذاب)،جو (ذلیل کرنے والا) اور رسوا کرنے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا

اورجنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں، پھر شہید کردیے گئے یا انتقال کیا،

لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٥٨﴾

ضروراللہ اُن کواچھی روزی دے گا۔اور بلاشبہ اللہ ضرورسب سے اچھی روزی دینے والا ہے●

(اورجنہوں نے ہجرت کی) اوراپنے گھروں سے نکل گئے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)،یعنی

خدا کی اطاعت میں اور اُسی کی رضا کے واسطے، (پھر شہید کردیے گئے) جہاد کر کے دین کے دشمنوں کے ہاتھ سے، (یا انتقال کیا) اپنی طبعی موت سے، تو (ضرور اللہ) تعالیٰ (اُن کو اچھی روزی دے گا)۔ اور وہ جنت کی نعمت ہے جسے حاصل کرنے میں کچھ محنت نہ ہوگی، اور نہ ہی اُسے کھانے سے کوئی بیماری یا علالت ہوگی، اور نہ اُس روزی کے رکنے کا کوئی دغدغہ ہوگا۔۔۔

بعضے صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ہم دینی بھائیوں کے ایک گروہ کے ساتھ جہاد کو جاتے ہیں اور وہ شہید ہوکر خدا کے عطیوں سے مشرف ہوتے ہیں۔ اگر ہم شہید نہ ہوں، اپنی موت مریں، تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ جب سب جہاد کی نیت میں متفق ہیں، تو سب کو ہم نیک روزی دیں گے۔۔الحاصل۔۔ جہاد پر جانے والے خواہ شہید ہوں یا طبعی موت مریں، ثواب سب کے لیے برابر ہے۔ کیونکہ اُن سب کا پروگرام ایک ہے، یعنی تَقَرُّبُ اِلَى اللهِ اور نصرتِ دین وغیرہ۔

(اور بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ضرور سب سے اچھی روزی دینے والا ہے) تو وہ ہی بہتر ہے روزی دینے والوں سے، اس واسطے کہ بے حساب دیتا ہے۔۔۔

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝

تاکہ داخل فرمائے انہیں ایسی جگہ جو وہ پسند کرتے ہوں۔ اور بے شک اللہ ضرور علم والا حلم والا ہے●

(تاکہ داخل فرمائے انہیں) بہشت میں اِس شان وشوکت کے ساتھ جو خود اُس نے پسند فرمایا اور (ایسی جگہ جو وہ پسند کرتے ہوں)۔۔چنانچہ۔۔فرشتوں کو جنتیوں کے استقبال کے لیے بھیجے گا اور تعظیم کے ساتھ انہیں جنت میں داخل کرے گا، اور جو نعمتیں نہ آنکھوں نے دیکھیں نہ کانوں نے سنیں، نہ ہی کسی بشر کے دل میں گزریں، وہ اُنہیں دے گا۔ (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور علم والا) اور اُن کا حال جانتا ہے، اور اُن کے دشمنوں کے ساتھ بُردبار اور (حلم والا ہے)، اِسی لیے دشمنوں پر عذاب نازل فرمانے میں جلدی نہیں کرتا۔

روایت ہے کہ مشرکوں میں سے ایک قوم نے محرم کے آخر مہینے میں چاہا کہ مسلمانوں کے ساتھ قتال کریں۔ مسلمانوں نے محرم کے مہینے میں قتال سے پرہیز کر کے کہا، کہ صبر کرو محرم کا مہینہ گزر جانے دو۔ کافر راضی نہ ہوئے، مسلمان اُن سے لڑکر فتح مند ہوئے۔ اِس اگلی آیت میں اُس کی خبر دیتا ہے، کہ۔۔۔

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ

یہی بات ہے۔اور جس نے بدلہ لیا جیسا اُس کو دکھ دیا گیا تھا، پھر اُس پر زیادتی کی گئی،

لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

تو ضرور مدد فرمائے گا اُس کی اللہ۔ بے شک اللہ ضرور معاف کرنے والا مغفرت فرمانے والا ہے●

(یہی بات ہے) اور یہ ہی حکم الٰہی ہے، جو کہا گیا مومن اور کافر کے باب میں، کہ جو کوئی عقوبت کرے یعنی مشرکوں کے ساتھ مقاتلہ کرے اُسی طرح کی، جیسے اُس کے ساتھ عقوبت کی گئی (اور) ظلم کیا گیا، تو (جس نے) اُس کا (بدلہ لیا) بالکل اُسی طرح کا (جیسا اُس کو دکھ دیا گیا تھا)، یعنی جس شخص نے کسی شخص کو اُس کے جرم کی اُتنی ہی سزا دی، جتنا اُس کا جرم ہے، تو یہ جرم نہیں بلکہ عدل و انصاف ہے۔۔ مثلاً: کسی شخص نے کسی کا دانت توڑا، تو اُس کا یہ دانت توڑنا جرم ہے۔ اور اُس کے بدلے میں مجرم کا دانت توڑنا عدل وانصاف ہے۔۔ الختصر۔۔ سزا بقدرِ جرم دینا عدل ہے۔

(پھر اُس پر زیادتی کی گئی) یعنی وہ شخص جس پر دوسری بار عقوبت کر کے مظلوم نے اپنا بدلا لیا، وہ پھر مظلوم پر ظلم کرے، (تو ضرور مدد فرمائے گا اس) مظلوم (کی اللہ) تعالیٰ۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور معاف کرنے والا مغفرت فرمانے والا ہے)۔

بدلا لینے والے کو یہ اشارہ ہے، کہ معاف کر دینا بدلا لینے سے بہتر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آیت کا حکم زخموں کے باب میں ہے، یعنی کسی نے دوسرے کو زخمی کیا پھر زخمی نے اپنے برابر ہی اُسے بھی زخمی کر لیا۔ پھر اُس نے زخمی کو اُن زخموں کے مقابلے میں اُور زخم پہنچائے، تو حق تعالیٰ مجروح مظلوم کی مدد کرتا ہے۔ یہ مظلوموں کی مدد بسبب اِس کے ہے، کہ حق تعالیٰ اِس بات پر قادِر ہے کہ ایک چیز کو ایک چیز پر غالب کر دے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ

یہ یوں کہ "بلاشبہ اللہ، رات کو دن میں ڈال دیتا ہے، اور دن کو رات میں سمو دیتا ہے،

وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۶۱﴾

اور بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے"●

(یہ یوں کہ) جیسے (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (رات کو دن میں ڈال دیتا ہے) یعنی دن کی گھڑیاں

زیادہ کردیتا ہے۔۔یا۔۔رات کی تاریکی کو دن کی روشنی کی جگہ رکھ دیتا ہے۔(اور دن کو رات میں سمودیتا ہے) یعنی رات کی ساعتیں بڑھادیتا ہے۔۔یا۔۔دن کی روشنی کو رات کی تاریکی کی جگہ پر لاتا ہے۔ (اور بے شک اللہ) تعالیٰ عقوبت کرنے والے کی بات (سننے والا) ہے، اور بدلا لینے والے کے احوال (دیکھنے والا) ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ

یہ یوں کہ "اللہ ہی حق ہے، اور بلاشبہ کفار جس کی دہائی دیتے ہیں اللہ کے مقابل،

هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٦٢﴾

باطل ہی ہے، اور بلاشبہ اللہ ہی بلندی والا بڑائی والا ہے"●

(یہ یوں کہ)، یعنی یہ وصف جو حق تعالیٰ کے واسطے کمالِ قدرت کے ساتھ کیا گیا بسبب اس کے ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی حق ہے)، یعنی ثابت ہے اپنی ہستی میں اور واجب ہے ذاتِ قدیم میں۔ (اور بلاشبہ) وہ چیز، (کفار جس کی دہائی دیتے ہیں) اور پکارتے پوجتے ہیں، (اللہ) تعالیٰ (کے مقابل) اور اُس کے سوا، یہ سب (باطل ہی ہے)۔۔نیز۔۔سب کے سب معدوم ہیں اپنی ذات کی حد میں۔

خدا تو اپنی ذات سے موجود ہے، اور دوسرے اگرچہ موجود ہیں، مگر اُن کا وجود اُسی کے سبب سے ہے، تو سب اپنی ذات سے باطل ہیں۔ اِس واسطے کہ باطل وہ ہے جو موجود نہ ہو، یعنی جس کا وجود ضروری نہ ہو۔ اِسی لیے سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے لبید شاعر کے اِس مصرع کی تحسین فرمائی ہے۔ اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ آگاہ ہو، کہ سوائے اللہ کے سب باطل ہے۔

(اور) وہ اِس سبب سے، کہ (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ہی بلندی والا بڑائی والا ہے)۔ یعنی سب چیزوں سے برتر و بالا ہے اور بہت بڑا ہے شریک و ہمسر سے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ط

کیا تم نہیں دیکھتے رہتے، کہ اللہ نے برسایا آسمان کی طرف سے پانی، تو صبح کو ہوگئی ساری زمین سبزہ زار۔

اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿٦٣﴾

بے شک اللہ لطف والا خبردار ہے●

(کیاتم نہیں دیکھتے رہتے کہ اللہ) تعالیٰ (نے برسایا آسمان کی طرف سے پانی)۔یعنی اَبر سے پانی برسایا جس کا اثر ایک مدت تک باقی رہتا ہے۔(تو) اُس پانی کے سبب سے (صبح کو ہوگئی ساری زمین سبزہ زار) پژمردہ اور خشک ہوجانے کے بعد۔(بے شک اللہ) تعالیٰ (لطف والا) ہے، یعنی مہربانی کرنے والا ہے بندوں پر گھاس اگانے کے سبب سے، تاکہ بندوں کو اِس کے سبب سے روزی دے۔اور (خبردار ہے) اور جاننے والا ہے روزی اور روزی پانے والوں کا حال۔اور ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ۔۔۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ

اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں، اور جو کچھ زمین میں ہے۔اور بے شک اللہ

لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ ۶۴ ۧ

ضرور ہی بے نیاز لائقِ حمد ہے●

ع ٨ ١٥

(اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے)۔سب کا خالق و مالک وہی ہے۔(اور بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور ہی بے نیاز) ہے اپنی ذات میں سب چیزوں سے، اور (لائق حمد ہے)۔یعنی تعریف کیا ہوا اور تعریف کرنے والا۔۔یا۔۔تعریف وعبادت کے لائق اپنی صفتوں اور احوال کے ساتھ۔۔تو۔۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ

کیاتم نہیں دیکھا کرتے کہ اللہ نے قابو میں کردیا تم لوگوں کے جو کچھ زمین میں ہے، اور کشتیاں چلتی ہیں

فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ

دریا میں اُس کے حکم سے۔اور روکے ہے آسمان کو گر پڑنے سے زمین پر،

اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۶۵

مگر اُس کے حکم سے۔بے شک اللہ لوگوں پر ضرور کرم والا رحم والا ہے●

(کیاتم) اُس کی قدرت وحکمت اور اختیار واقتدار کے یہ مناظر (نہیں دیکھا کرتے، کہ اللہ) تعالیٰ (نے قابو میں کردیا تم لوگوں کے جو کچھ زمین میں ہے) حیوانات وغیرہ، یعنی وہ سب چیزیں جس سے آدمی نفع پاتا ہے۔(اور) مسخر کردیں تمہارے لیے (کشتیاں)، جو (چلتی ہیں دریا میں اُس

کے حکم سے) تو تم جدھر لے جانا چاہو اُدھر جاتی ہیں۔ (اور روکے ہے آسمان کو گر پڑنے سے زمین پر)، یعنی نگاہ رکھتا ہے آسمان کو اِس بات سے کہ گر پڑے زمین پر، (مگر اُس کے حکم سے) اور اُس کے اِذن سے۔ یعنی جب خدا ہی چاہے کہ آسمان زمین پر گر پڑے، تو پھر تو وہ گر ہی پڑے گا۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (لوگوں پر ضرور کرم والا) ہے، کہ منفعتوں کے دروازے اُن کے لیے کھول دیے ہیں، اور (رحم والا ہے) کہ انواع واقسام کی مضرتیں اُن سے رفع کر دیں۔۔اور۔۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ

وہی ہے جس نے تم کو جلایا۔ پھر مارے گا تمہیں، پھر جلائے گا تمہیں۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾

بے شک انسان ضرور ناشکرا ہے●

(وہی ہے جس نے تم کو جلایا) بعد اِس کے کہ تم مُردہ نطفہ تھے۔ (پھر مارے گا تمہیں) جب اَجل آئے گی۔ (پھر جلائے گا تمہیں) قیامت میں۔ (بے شک انسان ضرور ناشکرا ہے)، کہ باوصف اتنی نعمتوں کے نعمت دینے والے کی عبادت چھوڑ دیتا ہے۔

حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ ہم نے ہر وقت اور ہر حال میں کرم فرمایا اور دستگیری کی

۔۔چنانچہ۔۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِى الْاَمْرِ

ہر امت کے لیے بنا دیا تھا ہم نے ان کا طریقۂ عبادت، کہ اُس پر چلا کریں، تو جھگڑا نہ کرنے پائیں اِس امر میں،

وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾

اور بُلاتے رہو اپنے رب کی طرف۔ بے شک تم ضرور سیدھی راہ پر ہو●

(ہر امت کے لیے بنا دیا تھا ہم نے اُن کا طریقۂ عبادت) یعنی ان کے لیے ایک دین اور ایک شریعت معین کر دی، تا (کہ اُس پر چلا کریں، تو جھگڑا نہ کرنے پائیں اِس امر میں) آپ سے۔ یعنی اَے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لازمی طور پر چاہیے کہ سب دین والے آپ سے نزاع نہ کریں۔ اَے محبوب! آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہو (اور بُلاتے رہو) لوگوں کو (اپنے رب کی) عبادت اور توحید (کی طرف۔ بے شک تم ضرور سیدھی راہ پر ہو)۔

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور اگر کافروں نے جھگڑا نکالا، تو کہہ دو کہ "اللہ خوب جانتا ہے تمہارے کرتوت کو●

اَللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾

اللہ فیصلہ فرمائے گا تمہارا قیامت کے دن، جس بارے میں تم جھگڑتے تھے"●

(اور) اب (اگر کافروں نے جھگڑا نکالا) اور حال یہ ہے کہ حق ظاہر ہو گیا اور دلیل لازم ہو چکی، (تو) اُن سے صاف لفظوں میں (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے تمہارے کرتوت کو)۔ تمہارا عناد اور جھگڑا اُس پر پوشیدہ نہیں، اور اس پر وہ تمہیں جزا دے گا۔۔اور۔۔(اللہ) تعالیٰ (فیصلہ فرمائے گا تمہارا قیامت کے دن جس بارے میں تم جھگڑتے تھے)، یعنی حکم کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن اُس چیز میں کہ تم اُس میں اختلاف کرتے تھے دین کے امر میں۔اور حکم یہ ہوگا کہ مومن کو ثواب کے درجوں پر بلند کردے گا، اور مشرک کو عذاب کے گڑھوں میں ڈال دے گا۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ

کیا تم نہیں جانتے کہ "اللہ ضرور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں و زمین میں ہے۔ بلاشبہ یہ

فِیْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ ﴿۷۰﴾

ایک نوشتہ میں ہے۔ بے شک یہ اللہ پر آسان" ہے●

(کیا تم نہیں جانتے)؟ ضرور تم جانتے ہو، (کہ اللہ) تعالیٰ (ضرور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں) میں عجائبِ علویات ہیں (و) جو کچھ (زمین میں ہے) از قسم سفلیات۔ کوئی چیز اُس پر پوشیدہ نہیں۔ کیونکہ جو کچھ آسمان و زمین میں ہے (بلاشبہ یہ ایک نوشتہ) یعنی لوح محفوظ (میں) لکھا ہوا محفوظ (ہے)۔ اور لوحِ محفوظ اُس کے پاس ہے، اُس میں جو کچھ ہے وہ اُس کے علم کے مطابق ہے۔ (بے شک یہ) یعنی سب چیزوں کا علم (اللہ) تعالیٰ (پر آسان ہے)۔ اس لیے کہ تمام معلومات کے ساتھ ان کے علم کا تعلق یکساں ہے۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا

اور من دونِ اللہ کو پوجتے ہیں، جن کی نہ اللہ نے کوئی سند بھیجی،

وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾

اور جن کا خود ہی انہیں علم نہیں ہے۔ اور اندھیر والوں کا کوئی مددگار نہیں●

(اور) اُن کفارِ مکہ کو دیکھو، جو (من دونِ اللہ کو پوجتے ہیں)۔ اور ایسوں کو پوجتے ہیں (جن کی نہ اللہ) تعالیٰ (نے کوئی سند بھیجی)، یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن کی عبادت پر کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اور جب صورتِ حال یہ ہو کہ اُس کی کوئی دلیل ہی نہ ہو، تو پھر بطورِ دلیل کیا چیز نازل کی جائے۔ (اور) اِتنا ہی نہیں، بلکہ (جن کا خود ہی اُنہیں علم نہیں)، یعنی یہ عبادت کرتے ہیں اُس چیز کی، جس کا نہیں ہے اُنہیں کچھ علم، یعنی اُس کی عبادت پر کوئی دلیل نہیں لاسکتے۔۔ بلکہ۔۔ محض جہالت اور تقلید کی راہ سے پوجتے ہیں۔۔ الحاصل۔۔ یہ مشرکین اندھیر پر اندھیر کیے جارہے ہیں (اور اندھیر والوں کا کوئی مددگار نہیں) جو اُن پر سے عذاب دفع کرے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری روشن آیتیں، تو پہچان لوگے اُن کے چہروں میں، جنہوں نے

كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ

انکار کردیا ہے ناگواری کو۔ کہ "اب دھاوا ہی بول دیں اُن پر جو ان پر تلاوت کررہے ہیں ہماری آیتوں کی۔"

قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ

تم بتادو کہ "کیا میں تمہیں بتادوں تمہارے اس حال سے بھی بدتر کو، وہ ہے آگ،" جس کا وعدہ کرچکا اللہ انہیں جو

كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع ۹/۸ ۱۴

کافر ہوئے، اور کتنا بُرا پھرنے کا مقام ہے●

(اور) اِن ظالموں کا حال یہ ہے، کہ (جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری روشن آیتیں)، یعنی قرآن کریم کی وہ آیتیں جو کھلی اور روشن ہیں، نہ اُن میں شبہ ہے نہ ایک دوسرے کے برعکس، نہ اختلاف نہ خلل، (تو) اَے محبوب! (پہچان لوگے اُن کے چہروں میں، جنہوں نے انکار کردیا ہے، ناگواری کو)۔ یعنی قرآنِ کریم کی آیاتِ کریمہ کی تلاوت کے وقت کافروں کے چہروں میں کراہت اور نفرت کا اثر صاف دیکھ لوگے، اِس عداوت کی وجہ سے جو حق تعالیٰ کے ساتھ وہ بدرجہ ءکمال رکھتے ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ کو سن کر اُن کی ناگواری کا عالم یہ ہوتا ہے، کہ لگتا ہے (کہ اب دھاوا ہی بول دیں

گے اُن پر جو اُن پر تلاوت کررہے ہیں ہماری آیتوں کی)۔یعنی قریب ہے کہ گرفتار کریں غضب میں ۔۔یا۔۔جھگڑا کریں۔۔یا۔۔کھولیں ہاتھ اور مار پیٹ شروع کردیں۔اور یہ بدنصیب اِس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے ہیں۔اور خود اُن کے ساتھ جو ہونے والا ہے، اُن کی طرف سے ہونے والے ہر ظلم سے زیادہ بدتر حال کردینے والا ہے۔

تو اَے محبوب! (تم بتادو، کہ کیا میں تمہیں بتادوں تمہارے اِس حال سے بھی بدتر کو)، جو تم قرآن پڑھنے والوں کے ساتھ چاہتے ہو، (وہ ہے) دوزخ کی (آگ)، کہ تم جو غصہ کرتے ہو قرآن پڑھنے والوں پر اُس سے بہت زیادہ بُری اور مکروہ ہے وہ آگ، (جس کا وعدہ کرچکا اللہ) تعالیٰ (انہیں جو کافر ہوئے)۔اُن کافروں کو وعدہ یہ دیا ہے کہ ان کو اُس آگ میں جگہ دے گا۔(اور کتنا بُرا پھرنے کا مقام ہے)۔۔الختصر۔۔اَے مکہ کے کافرو! تمہاری طرف سے پہنچائی گئیں تکلیفیں جہنم کی تکلیف کے سامنے کوئی حیثیت واہمیت نہیں رکھتیں۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

اَے لوگو! ایک کہاوت ہے اِسے سنو۔ بلاشبہ جن کی دُہائی دیتے ہو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ

اللہ کے مقابل، نہ پیدا کرسکیں گے ایک مکھی، گو اِس کے لیے سب مل جائیں۔اور اگر چھین لے اُن سے

الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿٧٣﴾

مکھی کچھ، تو اُس کو اس سے لے نہ سکیں۔ گئے گزرے طالب ومطلوب دونوں ●

سابقہ ارشادات کے ذریعہ یہ بات واضح فرمادینے کے بعد کہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے اور اُن کی عبادت کے اوپر اُن کے پاس نہ کوئی سمعی دلیل ہے اور نہ ہی عقلی دلیل ہے۔اور اب اِس آیت میں اُن کی بدعقیدگی کا رَد فرمایا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے۔۔۔

(اَے لوگو! ایک کہاوت ہے) یعنی ایک مثال ہے جو عجیب وغریب نکتہ پر مبنی ہے، (اِسے) کان کھول کے (سنو!) اور اِس میں غور کرو! کہ (بلاشبہ جن کی دُہائی دیتے ہو) اور معبود سمجھ کر جنہیں پکارتے ہو اور پوجتے ہو (اللہ) تعالیٰ (کے مقابل)، یعنی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اور اُس سے باغی ہو کر، اور وہ تمہارے تین سو ساٹھ ٣٦٠ بت جن کو تم نے کعبہ کے گرد جمع کررکھا ہے، اُن سب کے ضعف وناتوانی

اور عاجزی و بے قدرتی کا عالَم یہ ہے، کہ (نہ پیدا کر سکیں گے ایک مکھی، گو اُس کے لیے سب مل جائیں) اور اس کو پیدا کرنے کے لیے سب اتفاق کرلیں، باوجود اِس کے کہ وہ بہت ذراسی ہوتی ہے۔ (اور) پیدا کرنا تو بہت بڑی بات ہے، (اگر چھین لے اُن سے مکھی کچھ)، یعنی اگر اُڑا لے جائے مکھی اُن سے کوئی چیز خوشبو۔۔یا۔۔میٹھی شے کہ اُس میں آلودہ ہیں، (تو اُس کو اُس سے لے نہ سکیں)۔

بت پرستوں کی رسم یہ تھی کہ بتوں میں شہد اور خوشبو لتھیڑتے اور پھر بت خانوں کے دروازے بند کردیتے۔ مکھیاں بت خانوں کے روزنوں سے گھس کر وہ شہد اور خوشبو چاٹ جاتیں۔ جب چند روز کے بعد شہد اور خوشبو کا نشان بتوں میں نہ پاتے، تو خوشی مناتے کہ ہمارے خدا شہد اور خوشبو چاٹ گئے۔ تو حق تعالیٰ نے بتوں کے عجز اور ضعف سے خبر دی، کہ وہ نہ مکھی پیدا کرنے کی قوت رکھتے ہیں اور نہ اپنے اوپر سے اُنہیں اُڑا سکتے ہیں۔

(گئے گزرے طالب و مطلوب دونوں)۔

یہاں طالب سے مراد بت ہیں اور مطلوب سے مراد مکھی ہے اور دونوں کمزور ہیں۔ بت اس لیے کمزور ہیں، کہ مکھی جو اُن کے اوپر سے اُڑا کر لے گئی اُس کو واپس نہیں کرا سکتے۔ اور نہ وہ مکھی پیدا کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی مکھیوں کو اپنے اوپر سے اُڑا سکتے ہیں۔ اور مکھی کی کمزوری بداہتاً ظاہر ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ طالب سے مراد بت پرست ہیں اور مطلوب سے مراد بت ہیں۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ طالب سے مکھی مراد ہے، جو بت پر شہد و زعفران کی طالب ہے۔ اور مطلوب سے بت مراد ہے۔

مذکورہ بالا اقوال میں سے بعض قول سے جس میں بت اور مکھی کو طالب مطلوب قرار دیا گیا ہے، یہ مقصود نہیں کہ دونوں کے ضعف کو ایک جیسا قرار دیا جائے۔ اس لیے کہ بت تو مکھی سے بھی زیادہ ضعیف و کمزور ہے، اس لیے کہ مکھی حیوان ہے اور بت جماد ہے۔ مکھی غالب ہے اور بت مغلوب ہے۔ اِس سے ظاہر ہو گیا کہ مشرکین نے خدا کو نہیں پہچانا جیسا پہچاننے کا حق ہے۔۔۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾

نہ قدر جانی معبود کی جو جاننے کا حق ہے۔ بے شک اللہ ضرور قوت والا غلبے والا ہے●

اور (نہ قدر جانی معبود کی جو جاننے کا حق ہے)۔ جبھی تو اِس کمزور بت کو اُس کا شریک بتادیا،

اور یہ بھی نہیں سوچا کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ضرور قوت والا) اور (غلبے والا ہے)۔ تو عاجز مغلوب کو اُس قادر وغالب کا شریک وشبیہ کیسے قرار دے دیا۔ خدائے قدیر وحکیم نے ایک نظام ہدایت بنا دیا ہے۔۔تو۔۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ

اللہ چن لیتا ہے فرشتوں سے رسولوں کو اور انسانوں سے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾

بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (چن لیتا ہے فرشتوں سے رسولوں کو) جو خدا اور اُس کے پیغمبروں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں وحی پہنچانے کے سبب سے، جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام (اور انسانوں سے) بھی رسولوں کو برگزیدہ کر لیتا ہے، تاکہ خلق کو حق کی طرف بُلائیں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے پیغمبروں کی بات جو حکم پہنچانے اور خدا کی طرف بُلانے کے وقت وہ کہتے ہیں، اور (دیکھنے والا ہے) اُمت کا حال کہ رسول کی بات مانتی ہے کہ نہیں۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے، اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام●

(جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے) ہے، یعنی جو عمل وہ کر چکے ہیں۔ (اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے)، یعنی وہ کام جو وہ کریں گے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام) یعنی سارے اعمال بارگاہِ خداوندی میں پیش کیے جائیں گے۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ

اے مسلمانو! "رکوع کرو، اور سجدہ کرو، اور پوجو اپنے رب کو،

وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ ۩

اور بھلائی کیا کرو، کہ کامیابی پاؤ●

(اَے مسلمانو! رکوع کرواور سجدہ کرو) نماز میں۔

جب اسلام کی ابتداء تھی تو نماز میں فقط کھڑا ہونا اور بیٹھنا تھا۔ اِس آیت کے سبب رکوع، سجود بھی داخل ہوا۔ اور بعضوں نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ نماز پڑھواور نماز ہی کو رکوع سجود سے تعبیر کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ دونوں نماز کے رکن اعظم ہیں۔ اِسی لیے امام اعظم اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ، اِس آیت میں سجدہ نہیں کرتے۔ اس واسطے کہ رکوع سجود کا باہم ذکر ایما کرتا ہے، کہ اِس سے نماز مراد ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل علیہما الرحمۃ سجدہ کرتے ہیں، اور کہتے ہے کہ ظاہراً سجدہ ہی کرنے کا حکم ہے۔

اور ایک حدیث میں بھی آیا ہے کہ سورۂ حج کی فضیلت دوسجدوں کے سبب ہے، جو دونوں سجدے نہ کرے وہ دونوں کو پڑھے بھی نہ۔ قرآنِ کریم میں یہ کون سے نمبر کا سجدہ ہے؟ اِس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اِس کو ساتواں سجدہ قرار دیتے ہیں۔ بعض بزرگوں نے اِسے 'سجدۃ الفلاح' کہا ہے، اور نیک کام جو اس کے بعد مذکور ہے اُسے سجدہ کرنے میں جلدی کرنے پر حمل کرتے ہیں۔۔ تو۔۔

اَے ایمان والو! (اور) عبادت کرنے والو! (پوجو اپنے رب کو اور بھلائی کیا کرو)، یعنی وہ کام کرو جو شرع میں اچھا ہو۔ تا (کہ کامیابی پاؤ)، یعنی اپنے مطلوب و مقصودِ خیر کو پہنچو۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ

اور جانبازی کرو اللہ کی راہ میں جو جان کی بازی لگانے کا حق ہے۔ اُس نے تم کو چنا اور نہیں رکھی تم پر

فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ۬

دین میں کوئی تنگی، تمہارے مورث ابراہیم کا دین۔ اُس نے تمہارا نام رکھا مسلمان۔۔۔

مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ

پہلے سے، اور اِس کتاب میں بھی، تاکہ ہوں رسول گواہ تمہارے، اور تم بنو گواہ

عَلَى النَّاسِ ۖۚ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ

دوسروں پر۔ تو پابندی کرتے رہو نماز کی، اور دیتے رہو زکوٰۃ کو، اور مضبوط پکڑ لو اللہ کو۔

هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۟ ع ١٠ ١٧

وہی تمہارا مولیٰ ہے۔ تو کیسا اچھا مولیٰ ہے، اور کتنا اچھا مددگار ہے"●

(اور جانبازی کرو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں جو جان کی بازی لگانے کا حق ہے)۔ یعنی صاف دل اور خالص نیت سے جہاد کرو اپنے رب کی رضا کے لیے مشرکوں اور باغیوں سے بھی اور اپنے نفسِ امارہ سے بھی۔

اور نفس کے ساتھ جہاد کرنے کا حق یہ ہے، کہ جتنی دیر پلک مارنے میں ہوتی ہے اتنی دیر بھی مجاہدہ نفس سے باز نہ رہنا چاہیے۔ اس واسطے کہ اُس سے بے خوف ہوسکنا ممکن ہی نہیں۔

ایمان والو! غور سے سنو! کہ (اُس) خدائے برتر و بالا (نے تم کو چنا) اپنے دین کی مدد کرنے کے واسطے، (اور نہیں رکھی تم پر دین میں کوئی تنگی) یعنی احکامِ دین میں تم سے سختی نہیں برتی، اور جس کام کو کرنے کی تم طاقت نہیں رکھتے اُس کا حکم نہیں فرمایا، اور ضرورت کے وقت تمہیں رخصتیں دیں، جیسے نماز میں قصر کرنا، تیمّم کرنا، اور بیماری و سفر میں روزہ نہ رکھنا، وغیرہ وغیرہ۔ اور تمہارے لیے منتخب فرمایا گیا (تمہارے مورث ابراہیم کا دین)۔ تو اپنے باپ ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو۔

چونکہ اکثر اہلِ عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تھے، تو حق تعالیٰ نے تمام امت پر اُن کی تغلیب کی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تمام امت کا باپ فرمایا۔ یہ سبب ہے کہ حضرت ابراہیم ہمارے رسولِ اکرم ﷺ کے باپ ہیں اور رسولِ اکرم ساری امت کے باپ ہیں اور باپ کا باپ، باپ ہی کا حکم رکھتا ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام امت کے باپ ہوئے۔

(اُس نے) یعنی خدا نے (تمہارا نام رکھا مسلمان) قرآن نازل ہونے کے (پہلے سے) اگلی آسمانی کتابوں میں، (اور اِس کتاب میں بھی) یعنی اِس قرآن میں بھی۔۔۔یا۔۔۔ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا اپنے زمانے میں۔ اور اِس زمانے میں بھی تم کو اسلام کے ساتھ یاد فرمایا، جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے کہ **وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ** تو چاہیے کہ تم اُن کے دین کو لازم پکڑو (تا کہ ہوں رسولِ) عربی (گواہ تمہارے)۔ یعنی قیامت کے دن گواہ تم پر، کہ تم نے دعوت قبول کی اور ملتِ ابراہیمی کی متابعت کی، (اور) تا کہ (تم بنو گواہ دوسروں پر)۔ یعنی لوگوں پر، کہ انبیاء علیہم السلام نے لوگوں کو دعوتِ حق پہنچادی۔

(تو) چاہیے کہ (پابندی کرتے رہو نماز کی) امرِ الٰہی کی تعظیم کے واسطے۔ (اور دیتے رہو زکوٰۃ کو) بندگانِ خدا پر مہربانی کی راہ سے۔ (اور مضبوط پکڑلو اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی فضلِ خداوندی کے دامن کو مضبوطی سے تھام لو، اور اپنے سب کاموں میں اُسی پر بھروسہ کرو، اور اُسی سے مدد چاہو، اور قرآن وحدیث کو مضبوط پکڑے رہو۔

یاد رہے کہ خدا کی رسّی کو مضبوط پکڑنا عوام کو حکم ہے، اور اَعْتِصَامُ بِاللّٰہ یعنی خدا کو مضبوط پکڑنا خواص کا کام ہے۔۔ الختصر۔۔ اَعْتِصَامُ بِحَبْلِ اللّٰہ اوامر و نواہی پر ٹھہرنا ہے۔ اور اَعْتِصَامُ بِاللّٰہ غیرِ خدا سے دل کو خالی رکھنا ہے۔

تو اُسی سے سچی لَو لگاؤ، کیونکہ (وہی تمہارا مولیٰ ہے)۔ سارے بندوں کا یار اور سب عاجز اور درماندوں کا مددگار ہے۔ (تو کیسا اچھا مولیٰ ہے اور کتنا اچھا مددگار ہے)۔ یاری کر کے عیب چھپاتا ہے، اور مددگاری فرما کر گناہوں کی بخشش فرماتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ۔۔۔ بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
۲۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۲ھ۔۔ مطابق۔۔ ۲۷ر اپریل ۲۰۱۱
بروز چہار شنبہ، بوقت ساڑھے دس بجے شب سترھویں پارے اور سورۃ الحج کی
دُعا گو ہوں کہ ربِ کریم صاحبِ فضلِ عظیم، اپنے فضل و کرم سے پورے قرآن
مکمل کرنے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت
یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحُرْمَۃِ حَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا مُحَمَّد

قَدْ اَفْلَحَ ١٨

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ۔۔۔ بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ
۲۴ر رجب المرجب ۱۴۳۲ھ۔۔ مطابق۔۔ ۲۷ر جون
کریم کے اٹھارھویں پارے اور 'سورۃ المومنون' کی تفسیر
کریم کی تفسیر کو مکمل کرنے کی سعادت مرحمت فرمائیے
بحقِ طٰہٰ و یٰسٓ و بِحُرْمَۃِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن

سُورَةُ الْمُؤْمِنُوْن ۲۳ مَکِّیَّة ۷۴ — اٰیَاتُہَا ۱۱۸ رُکُوْعَاتُہَا ۶

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن

سورۃ المؤمنون ۲۳ مکیہ ۷۴ — آیاتہا ۱۱۸ رکوعاتھا ۶

اِس مبارک سورت کا نام 'سورۃ المؤمنون' ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مومنین کی صفات کے ذکر سے شروع ہوتی ہے۔۔نیز۔۔متعدد حدیثوں نے اِس کو سورۃ المؤمنون ہی فرمایا ہے جس کی ابتدائی دس۱۰ آیتوں کی شان یہ ہے، کہ جن پر عمل کرنے والوں کی شان میں ارشادِ رسول ہے کہ "وہ جنتی ہیں"۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے، جو مکی دَور کے وسط میں نازل ہوئی۔ 'ترتیبِ مصحف' کے اعتبار سے اِس کا نمبر ۲۳ ہے۔

یہ سورت 'سورۃ الطّور' کے بعد اور 'سورۂ تبارک الذی' سے پہلے نازل ہوئی۔ اِس سے پہلے 'سورۂ حج' میں نماز پڑھنے اور عبادت کرنے پر اُخروی فلاح کی نوید سنائی گئی تھی، اور اُس کا اختتام اخروی فلاح کی بشارت پر فرمایا گیا تھا، تو اُس کے بعد 'سورۂ مؤمنون' کی ابتدا اُخروی فلاح کی نوید سے فرمائی گئی۔۔علاوہ ازیں۔۔'سورۂ حج' کی ابتداء میں انسان کی تخلیق کے مراحل کا ذکر فرمایا گیا ہے، تو 'سورۂ مؤمنون' میں انسان کی تخلیق کے مراحل کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔۔ یوں ہی۔۔جس طرح 'سورۂ حج' میں اللہ تعالیٰ نے مختلف نشانیوں سے اپنی قدرت اور اپنی ذات پر اِستدلال فرمایا ہے، اُسی طرح 'سورۂ مؤمنون' میں بھی اپنی توحید اور اپنی قدرت پر اِستدلال فرمایا ہے۔۔نیز۔۔دونوں سورتوں میں بعض انبیاء علیہم السلام کے قصص اور واقعات بیان فرمائے ہیں تاکہ ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی کا سامان فراہم ہو، اور آپ کفار کی تکذیب اور سرکشی سے دل برداشتہ نہ ہوں، یہ سوچ کر کہ کافر تو انبیاءِ سابقین کے ساتھ بھی یہی سلوک کرتے رہے اور وقتاً فوقتاً عذابِ الٰہی کا شکار ہوتے رہے، لیکن اپنی سرکشی کی عادت سے باز نہیں آتے تھے۔ انبیاءِ سابقین نے اُن کی ایذاؤں پر صبر کیا تھا۔۔۔ تو اَے محبوب! آپ بھی صبر فرماؤ۔۔یہ آپ ﷺ کی محبوبیت کی شان ہے، خود رب کریم آپ کو تسلی عطا فرما رہا ہے۔ ایسی عظیم الشان اور بابرکت سورۂ مبارکہ کو۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے)، جو اپنے تمام بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مومنین کے

گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾

بے شک کامیاب ہوئے ایمان والے● جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں●

(بے شک) دُنیا و آخرت کی رسوائیوں اور ناکامیابیوں سے چھٹکارا پا گئے اور اپنے بلند و بالا مقصد کو حاصل کر لیا۔ الغرض۔۔ (کامیاب ہوئے ایمان والے)، وہ (جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں)۔ اُن کی آنکھیں سجدہ گاہ پر ہوتی ہیں اور دِل بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہو کر مناجات میں مصروف ہوتے ہیں۔ اگر وہ کعبہ کے سامنے نہیں، تو حالتِ نماز میں وہ سجدے کی جگہ کو دیکھتے ہیں اور اگر خانۂ کعبہ کے رُو برُو ہوں، تو کعبہ پر نظر رکھتے ہیں۔

ایک قول کے مطابق خشوع یہ ہے، کہ نماز پڑھنے والا یہ نہ جانے کہ اُس کے دائیں اور بائیں کون ہے؟ بعض عارفین کا کہنا ہے کہ "نماز میں خشوع للہ فی اللہ یہ ہے کہ کوئی غرض نہ ہو اور کچھ عوض کی خواہش نہ رکھے"۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "ظاہر میں خشوع اِس کا نام ہے کہ نماز پڑھنے والا سر جھکائے اور دائیں بائیں نظر نہ کرے، اور داہنا ہاتھ بائیں پر رکھ کر حضوری کے ساتھ قرأت کرے۔ اور باطن میں خشوع اِس کا نام ہے کہ خطرے اور وسوسے روکے اور دل سے مراقبِ حق رہے، اور شہود کے دریا میں مستغرق ہو کر انوارِ جمال و جلال کے آثار ظہور کی مشعلوں سے گداختہ ہو"۔ ایک صاحبِ بصیرت کے نزدیک نماز میں پہلے تو اپنے سے بیزار ہونا چاہیے، پھر قربِ یار کو پہنچنے کا خواستگار ہونا چاہیے۔۔ المختصر۔ کامیاب ہیں وہ ایمان والے جو نماز میں کمالِ خشوع کا مظاہرہ کرتے ہیں۔۔۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾

اور جو بے کار باتوں سے کنارہ کش ہیں●

(اور جو بے کار باتوں) لغو اور ناشائستہ کاموں (سے کنارہ کش) اور اُس سے انکار کرنے والے (ہیں)۔

بعض عارفین نے کہا ہے کہ "جو کچھ خدا کے واسطے ہے خشوع ہے اور جو کچھ تجھے خدا سے باز رکھے باطل اور بھول اور سہو ہے، اور جس بات میں [illegible]

جو کچھ خدا سے نہ ہو لغو ہے"۔ اور حقیقت یہ ہے کہ 'لغو' اُس قول اور فعل کو کہتے ہیں جو کچھ کام نہ آئے۔۔الختصر۔۔لغویات سے بچنے والے کامیاب ہیں۔۔۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝۴

اور جو زکوٰۃ کو ادا کرنے والے ہیں•

(اور) وہ اہلِ ایمان کامیاب ہیں (جو زکوٰۃ کو ادا کرنے والے ہیں)، یعنی نفلی صدقات کے ذریعے اپنے قلوب کو بخل و بے مروتی کی مذموم صفات سے پاک وصاف کرنے والے ہیں۔

اصل میں زکوٰۃ کا معنیٰ نفس کو گناہ کی آلودگیوں اور میل اور کچیل سے پاک وصاف کرنا ہے۔

پھر معروف زکوٰۃ پر بھی زکوٰۃ کا اطلاق کیا جانے لگا، کیونکہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے نفس پاک وصاف ہو جاتا ہے۔یوں زکوٰۃ کا دوسرا معنیٰ ہے بڑھنا: اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بندے کا مال بڑھتا ہے اور منجانب اللہ اِس میں کافی برکت ہوتی ہے۔اِسی لیے نفلی صدقات پر بھی قرآنِ کریم میں زکوٰۃ کا اطلاق فرمایا گیا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ "اُن مشرکین کے لیے بڑا عذاب ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے"۔۔الآیۃ ﴿حم السجدۃ آیت ۶،۷﴾ ۔۔الحاصل۔۔آیت زیرِ تفسیر میں بھی زکوٰۃ سے مراد تزکیۂ نفس۔۔یا۔۔نفلی صدقہ ہے، اس لیے اِس آیت میں زکوٰۃ کا لفظ آنے سے اِس سورہ کے مکی ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝۵ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ

اور جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنے والے ہیں• مگر اپنی نکاحیوں پر،

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶

یا جو باندیاں دستِ ملکیت میں ہیں، کہ اُن پر کوئی الزام نہیں•

(اور) کامیاب ہیں وہ اہلِ ایمان (جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنے والے ہیں) اور فعلِ حرام سے بچاتے ہیں اور کسی کے ساتھ صحبت و مجامعت نہیں کرتے، (مگر) ہاں اپنے اِس عمل کو مخصوص ومنحصر رکھتے ہیں (اپنی نکاحیوں پر۔۔یا۔۔جو باندیاں دستِ ملکیت میں ہیں) اُن پر۔۔الغرض۔۔اپنی جوروؤں اور اپنی مملوکہ عورتوں کے سوا کسی سے مجامعت نہیں کرتے کیوں (کہ) جو مذکورہ بالا طور پر اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے رہیں وہ اگر اپنی منکوحہ یا مملوکہ عورتوں سے مجامعت کریں، تو (اُن پر کوئی الزام نہیں)

بشرطیکہ وہ حیض ونفاس میں نہ ہوں اور فرض روزہ اور احرام انہیں نہ ہو اور دخول بے محل نہ ہو، یعنی پیشاب ہی کے مقام میں ہو۔۔الغرض۔۔جورو اور لونڈی کے علاوہ کسی اور عورت کے ساتھ کسی طرح جماع دُرست نہیں۔۔تو۔۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ

ہاں جس نے ان دو کے سوا کی نفسانی خواہش کی، تو وہ حد سے بڑھ جانے والے ہیں ● اور جو اپنی

لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ﴿۸﴾

امانتوں اور عہد کے خیال رکھنے والے ہیں ●

(ہاں) اب (جس نے اِن دو کے سوا کی) اپنی (نفسانی خواہش کی) تکمیل کی، (تو وہ حد سے بڑھ جانے والے ہیں) اور حلال سے حرام کی طرف جانے والے اور اپنے اوپر زبردست ظلم کرنے والے ہیں۔اور جو لوگ جلق لگاتے ہیں وہ بھی اِنہیں لوگوں میں سے ہیں۔(اور) اِن کے برخلاف (جو اپنی امانتوں اور عہد کے خیال رکھنے والے ہیں) خواہ وہ امانتیں خلق کی ہوں ۔۔یا۔۔خالق کی۔مخلوق کی امانت تو وہ ہے جو وہ اُن کے پاس رکھیں، اور خالق کی امانت اُس کے فرائض ہیں۔۔مثلاً: نماز و روزہ، غسلِ جنابت وغیرہ۔ایسے ہی مخلوق سے جو عہد کرتے ہیں اُس کو پورا کرتے ہیں اور حق تعالیٰ سے جو وعدہ کرتے ہیں اُس کی رعایت کرتے ہیں اور اُس کی حفاظت سے باز نہیں آتے۔۔۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ وقف لازم

اور جو اپنی نمازوں پر نگرانی رکھتے ہیں۔۔●۔۔ وہی لوگ ہیں ایسے وارث ●

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

جو میراث لیں گے فردوس کی۔اُس میں ہمیشہ رہنے والے ●

(اور جو اپنی نمازوں پر نگرانی رکھتے ہیں) یعنی اُن کی محافظت کرتے ہیں اور شرائط و آداب کے ساتھ وقت پر ادا کرتے ہیں۔

اِن سب وصفوں کے اوّل و آخر نماز کا ذکر اِس واسطے ہے کہ نماز میں مومنین کی فلاح اور نجات ہے اور یہ بات ظاہر کرنے کے واسطے کہ نماز کی بڑی شان ہے۔۔تو۔۔

(وہی) مومن (لوگ) جن میں یہ صفتیں جمع ہوں (ہیں ایسے وارث)، یعنی اِس لائق ہیں کہ

اُن کے لیے وراثت کا لفظ بولا جائے، (جو میراث لیں گے) حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے (فردوس کی)، جو جنت کے سب درجوں میں بلند ہے۔ یہ (اُس میں ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔۔۔

کامیاب انسان کون ہیں؟ اُن کی کامیابی کا راز کیا ہے؟ اُن کے اعمال واطوار کیا ہیں؟ اِن امور کی وضاحت کے بعد حق تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ پر انسانی تخلیق سے استدلال فرمارہا ہے اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے اُس کی تخلیق کے مختلف مراحل کی وضاحت فرمارہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے واقع میں پیدا فرمایا ایک انسان کو منتخب مٹی سے ●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (ہم نے واقع میں پیدا فرمایا ایک انسان کو) یعنی آدم علیہ السلام کو (منتخب مٹی سے)، یعنی منتخب مٹی سے اُن کا پیکرِ خاکی تیار کرایا اور اُن میں روح پھونکی، پھر اُن کے بدن کے ایک حصے سے اُن کی زوجہ کی تخلیق کی۔

۔۔یا یہ کہ۔۔

ہم نے پیدا کیا جنس انسان کو منی سے جو نکلی مٹی سے اور وہ مٹی حضرت آدم کا پیکرِ خاکی ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ انسانوں کی اصل حضرت آدم کا پیکرِ خاکی ہے جو زمین کے مختلف حصوں کی مٹی کو چن کر زمین کے صاف شدہ ٹکڑے اور اس کے خلاصے سے تیار کیا گیا۔ پھر پشتِ آدم علیہ السلام میں اُن کی قیامت تک آنے والی اولاد کے لطیف اجزاء کو رکھ دیا گیا۔

ثُمَّ جَعَلۡنٰهُ نُطۡفَةً فِیۡ قَرَارٍ مَّكِیۡنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقۡنَا النُّطۡفَةَ عَلَقَةً

پھر بناتے رہے ہم اُسے ایک قطرہ، ایک مضبوط مقام میں ● پھر بنادیتے رہے قطرے کو گاڑھا خون،

فَخَلَقۡنَا الۡعَلَقَةَ مُضۡغَةً فَخَلَقۡنَا الۡمُضۡغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوۡنَا الۡعِظٰمَ لَحۡمًا

پھر گاڑھے خون کو بوٹی، پھر بوٹی کو ہڈیاں، پھر پہنادیا کیے ہڈیوں کو گوشت۔ پھر اُبھارتے رہے اُور صورت سے۔

ثُمَّ اَنۡشَاۡنٰهُ خَلۡقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ ﴿۱۴﴾

تو کیسی برکت دکھائی اللہ نے نہایت خوب پیدا کرنے والا ●

(پھر بناتے رہے ہم اُسے ایک قطرہ) منی کی شکل میں اور اُس کو رکھا (ایک مضبوط مقام میں)،

یعنی شکم مادر میں جو بہت محفوظ اور مضبوط قرار گاہ ہے۔ وہ چالیس[۴۰] دن اپنی اصل شکل میں رحم کے اندر محفوظ پڑا رہا، اور اُس کا رنگ سفید ہی رہا۔ **(پھر بنا دیتے رہے قطرے کو گاڑھا خون)**، یعنی ہم نے اُس سفید پانی کو سرخ رنگ کی پھٹکی میں تبدیل کیا، **(پھر گاڑھے خون کو)** کر دیا گوشت کی **(بوٹی)** جس میں کسی قسم کا اظہار اور امتیاز نہ تھا۔ پھر چالیس[۴۰] روز اُسی **عَلَقَة** یعنی بوٹی کی صورت میں رکھا، پھر چالیسویں[۴۰] روز **عَلَقَة** سے **مُضْغَة** ہوا۔ **(پھر)** ہم نے اُس **(بوٹی)** کے اکثر اور معظم حصے **(کو)** بنایا **(ہڈیاں)**، یہ تینتالیسویں[۴۳] دن کے بعد ہوا، یعنی اُس عمودی شکل میں انسانی ہیئت و اوضاع کا ڈھانچہ تیار کیا جس طرح ہماری حکمت کا تقاضا تھا۔

(پھر پہنا دیا کیے ہڈیوں کو گوشت)، یعنی ہم نے انہیں مخصوص ہڈیوں پر **مُضْغَة** کے بقایا سے گوشت چڑھا دیا۔ **(پھر اُبھارتے رہے اُور صورت سے)**، یعنی ہم نے اُس میں روح پھونک کر اُسے ایک اور تخلیق بخشی، اور وہ معدوم تھا اُسے موجود کیا۔

--یا-- اُس سے دانت بال وغیرہ کی شکل وصورت بنانے کی طرف اشارہ ہے --یا--

اِس سے مراد یہ ہے کہ۔

اُس کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد ہم نے اُسے دودھ پینے اور دودھ چھڑانے، پھر مختلف غذاؤں کی تربیت اور پھر اُس کے چلنے پھرنے اور حدِ بلوغ تک پہنچنے اور جوانی کے دَور سے گزرنے اور بڑھاپے تک پہنچنے کا اشارہ ہے۔

(تو) عقل والو! غور کرو اور سوچو کہ **(کیسی برکت دکھائی اللہ)** تعالیٰ **(نے)** جو **(نہایت خوب پیدا کرنے والا)** ہے۔

دُنیا کے سارے مصورین کسی چیز کی ظاہر کا عکس تو لے سکتے ہیں اور اُن کا خاکہ بنا سکتے ہیں --یوں ہی-- مجسمے تیار کر سکتے ہیں، مگر اُن میں روح نہیں ڈال سکتے۔ ویسے بھی دُنیا کے مصورین و مجسمہ ساز جو کچھ بناتے ہیں اُن کے اجزاء اور اُن میں استعمال شدہ مفردات میں سے کسی ایک کے بھی وہ خالق نہیں۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ حق تعالیٰ نے عرش و کرسی، لوح و قلم، فرشتے، تارے، آسمان اور زمینیں پیدا کیں، مگر اپنی ذاتِ مقدس کی ایسی تعریف نہیں کی جیسی انسان کو پیدا کرنے کے بعد کی، اور یہ بات انسان کی تعظیم و تکریم پر دلیل ہے۔

بعض اہلِ وجدان کا کہنا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس آیت میں چونکہ بنی آدم کا حال اور ایک

مقام سے دوسرے مقام پر اُس کی ترقی بیان فرمائی اور اُسے علم تھا، کہ اِس کو وہ گویائی نہ ہوگی جس سے ایسی حمد وثنا کرے جو بارگاہِ قِدم اور شانِ خداوندی کے لائق ہو۔۔ چنانچہ۔۔ اپنی ذاتِ مقدس کی تعریف کرنے کے لیے اِن کلماتِ طیبات کی تعلیم فرمائی۔۔ بلکہ۔۔ ایک روایت کی روشنی میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو اِن کلمات کا الہام بھی فرمایا۔۔ چنانچہ۔۔ جب تخلیقِ انسانی کے تعلق سے قرآنی بیان آپ نے سنا، تو فوراً بے ساختہ آپ کی زبان سے نکل گیا کہ **فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ**۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کا کلام وحی الٰہی کے موافق ہوگیا۔۔۔ اِس کے بعد زندگی کے بعد کے مرحلوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿١٦﴾

پھر بلاشبہ تم لوگ اُس کے بعد مرنے والے ہو● پھر یقیناً تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے●

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿١٧﴾

اور ہم نے پیدا فرمایا تمہارے سروں پر سات راستے۔ اور نہ تھے ہم مخلوق سے غافل●

(**پھر بلاشبہ تم لوگ اِس کے بعد مرنے والے ہو**)، یعنی جو تمہاری پیدائش کا حال ہم نے بیان کیا، تو یہ نہ سمجھ لو کہ تم ہمیشہ زندہ ہی رہو گے۔۔ بلکہ۔۔ تم پر موت طاری کی جائے گی، یعنی تمہارا انجامِ کار موت ہے۔ (**پھر یقیناً تم قیامت کے دِن اُٹھائے جاؤ گے**) حساب دینے اور جزا پانے کے لیے۔ پیدا کرنا، مارنا اور پھر قیامت میں اٹھانا یہ سب کچھ ہماری قدرتِ کاملہ کی نشانیاں ہیں اور صرف یہی نہیں۔۔ بلکہ۔۔ آؤ ہماری قدرت کی شان دیکھو (اور) ذہن نشین کرتے جاؤ، کہ یقیناً (**ہم نے پیدا فرمایا تمہارے سروں پر سات راستے**)، یعنی سات آسمان ایک طبقے پر دوسرا طبقہ اور اُس میں سے ہر طبقے تک فرشتوں کی راہوں میں سے ایک راہ ہے۔ (**اور نہ تھے ہم**) اِس (**مخلوق**) یعنی آسمان (**سے غافل**) اور بے خبر، کہ ہم اُسے مہمل چھوڑ دیں۔۔ بلکہ۔۔ وقتِ معلوم تک اُسے خلل سے ہم بچائے ہیں۔ یا۔ سب مخلوقات سے ہم غافل نہیں ہیں، اُن کی بھلائی، برائی، فائدے، نقصان، کفر وایمان پر ہم مطلع ہیں۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ

اور اتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی ایک مقدار میں، پھر اسے رکھا زمین میں۔

وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِۦ لَقَٰدِرُونَ ﴿۱۸﴾

اور ہم اُس کے لے جانے پر قادر ہیں●

مخلوقات کی بھلائی (اور) اُن کے فائدے ہی کے لیے (اتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی) اپنی مشیت کے مطابق (ایک مقدار میں) جتنے میں بندوں کی فلاح ہم نے جانی۔ (پھر اُسے رکھا زمین میں) تاکہ مخلوق اُس سے منفعت حاصل کرے۔ اِس مقام پر اِس حقیقت (اور) صورتِ واقعیہ کو بھی ذہن نشین رکھا جائے، کہ جس طرح اُس پانی کو نازل کرنے اور زمین میں ثابت وساکن کرنے پر قادر تھے، اُسی طرح (ہم اُس کے لے جانے) اور زائل کردینے (پر) بھی (قادر ہیں)۔

فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِۦ جَنَّٰتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَٰبٍ لَّكُمْ فِيهَا فَوَٰكِهُ كَثِيرَةٌ

پھر پیدا فرمایا ہم نے تمہارے لیے اُس سے باغ، کھجور وانگور کے۔۔۔ تمہارے لیے جس میں بہتیرے میوے ہیں

وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۱۹﴾

اور اُس سے تم کھاتے رہتے ہو●

(پھر پیدا فرمایا ہم نے تمہارے) فائدے کے (لیے اُس) پانی کے سبب (سے باغ کھجور وانگور کے)۔

اِن دونوں درختوں کی تخصیص اِس جہت سے ہے، کہ خرما مدینہ منورہ کے لوگوں کے لیے خاص ہے اور انگور اہلِ طائف کے واسطے۔ کھجور اور انگور زمینِ حجاز میں عرب کے سب شہروں سے زیادہ ہوتے ہیں۔

صرف کھجور اور انگور ہی نہیں۔۔ بلکہ۔۔۔ یہ وہ باغ ہیں (تمہارے لیے جس میں بہتیرے میوے ہیں اور اُس سے تم کھاتے رہتے ہو)، یعنی اُس کے پھل تم کھاتے ہو اور اُس سے ضروری معاش حاصل کرتے ہو۔۔۔

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَآءَ تَنۢبُتُ بِٱلدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْءَاكِلِينَ ﴿۲۰﴾

اور ایک درخت جو نکلتا ہے طورِ سینا سے، اگتا ہے تیل لے کر، اور سالن کھانے والوں کے لیے●

(اور) پیدا کیا تمہارے لیے (ایک درخت) زیتون کا (جو نکلتا ہے طورِ سینا سے)، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہاڑ ہے مصر اور ایلہ کے درمیان۔

ایک روایت ہے کہ طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد جو پہلا درخت اُگا، وہ یہی زیتون کا درخت تھا۔

اِس درخت کی خصوصیت یہ ہے، کہ (اُگتا ہے تیل لے کر) یعنی روغن کے ساتھ (اور سالن) ہے (کھانے والوں کے لیے)۔ یعنی درختِ زیتون ایسی چیز کے ساتھ اُگتا ہے جس میں چکنائی بھی ہے اور روٹی سے کھانے والی چیز بھی ہے۔ اُسی تیل سے چراغ بھی جلا سکتے ہیں اور اُسی سے روٹی بھی کھا سکتے ہیں۔ یہ سب قدرتِ خداوندی کی نشانیاں ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ

اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں ضرور سبق ہے۔ کہ ہم پلاتے ہیں تمہیں جو اُن کے پیٹوں میں ہے، اور تمہارے اُن سے

كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿٢٢﴾ ع ۲

بھتیرے فائدے ہیں، اور اُن میں سے ہیں کہ تم کھاتے ہو ● اور اُن پر، نیز کشتیوں پر لادے جاتے ہو ●

(اور) علاوہ ازیں (بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں ضرور سبق ہے)، یعنی تمہارے واسطے چارپایوں یعنی اونٹ، گائے، بکری، ایسی چیز ہے جس کے سبب سے تم عبرت حاصل کرو اور خدا کی قدرت پر دلیل پکڑو۔ غور نہیں کرتے (کہ ہم پلاتے ہیں تمہیں) وہ خالص دودھ (جو اُن کے پیٹوں میں ہے) جسے ہم اُن کے تھنوں سے حاصل کرتے ہیں، (اور) دودھ نوشی کے سوا بھی (تمہارے اُن سے بھتیرے فائدے ہیں)۔ بعض پر تم سواری کرتے ہو، بعض پر بوجھ لادتے ہو اور بعض کے بالوں اور رُوؤں سے فائدہ حاصل کرتے ہو، (اور) بعض (اُن میں سے) وہ (ہیں کہ تم) جنہیں (کھاتے ہو)۔ یعنی اُن کا گوشت کھاتے ہو۔۔یا۔۔ اُن کے سبب سے روزی کھاتے ہو۔ (اور) تم خود (اُن پر) یعنی اُن میں سے اونٹوں پر خشکی میں (نیز کشتیوں پر) تری میں (لادے جاتے ہو)، یعنی اونٹ اور کشتی تمہیں اٹھاتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ ہم نے تم کو مویشیوں کا مالک اور اُن پر متصرف بنا رکھا ہے۔ تم اُن کا گوشت کھاتے ہو اور اُن پر سواری کرتے ہو اور اُن سے طرح طرح کے فوائد حاصل کرتے ہو، یہ تمہاری خشکی کی سواریاں ہیں۔ پھر تمہارے لیے دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرنے کے لیے الگ سواریاں بنائی ہیں۔ کیا اِن تمام نعمتوں سے فائدہ حاصل کرنے کے باوجود اب بھی تمہارے دل میں اُس مالک، رازق

اور منعم پر ایمان لانے اور اُس کا شکرادا کرنے کی تحریک پیدا نہیں ہوتی۔
تو اَے محبوب! اگر یہ سرکش قوم اپنی سرکشی سے باز نہیں آتی تو کوئی نئی بات نہیں، ہر دَور میں سرکش لوگوں کا یہی حال رہا ہے کہ اپنے نبی ورسول پر ایمان لانے سے گریز کرتے رہے ہیں، اور ضد، بغض وعناد، کٹ حجتی اور ظلم وزیادتی سے کام لیتے رہے ہیں، مگر اُن کی تمام نازیبا حرکتوں کے جواب میں ہمارے اولوالعزم رسول صبر وتحمل کے ساتھ اپنی قوم کو سمجھاتے رہے، اور اُن کو صراطِ مستقیم پر لانے کی کوشش کرتے رہے، اور دشمنوں کی شرانگیزیوں کے جواب میں رحمت وہدایت کے پھول برساتے رہے۔ اِس مقام پر اَے محبوب! 'حضرت' نوح کے حالات۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
اور بے شک بھیجا ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف، تو حکم دیا کہ "اَے قوم پوجو اللہ کو، تمہارا
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٢٣﴾
کوئی معبود نہیں اس کے سوا۔ تو کیا اللہ سے نہیں ڈرتے؟" ●

(اور) اُن کے واقعات کو لوگوں پر ظاہر کردو، کہ (بے شک بھیجا ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف)۔ یعنی اَے محبوب! ہم نے آپ سے پہلے نوح 'علیہ السلام' کو اُن کے گروہ کی طرف مبعوث کیا، (تو حکم دیا) نوح نے اور کہا دعوت کی راہ سے، (کہ اَے) میری (قوم پوجو اللہ) تعالیٰ (کو) کیونکہ (تمہارا کوئی معبود نہیں اُس کے سوا) جو عبادت کا مستحق ہو۔۔ الغرض۔۔ تم جسے پوجتے ہو وہ اِس لائق نہیں کہ اُن کی پرستش کی جائے۔ پوجنے کے لائق صرف وہی اللہ تعالیٰ ہے جس کی پرستش کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں، (تو کیا) اَے غیرِ خدا کو پوجنے والو! تم (اللہ) تعالیٰ کے عذاب (سے نہیں ڈرتے)؟ اَے میری قوم کے لوگو ہوش وحواس سے کام لو اور اُس کے عذاب سے ڈرو اور اُس کے سوا اور کسی کی عبادت کی طرف میل نہ کرو۔۔۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ
تو بولے قوم کے چودھری لوگ جنہوں نے کفر کیا، "کہ یہ نہیں ہے مگر تمہاری طرح بشر۔۔۔
يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ
چاہتا ہے کہ بڑھ جائے تم پر۔ اور اگر اللہ چاہتا، تو اتار دیتا فرشتے۔

مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝۲۴

ہم نے نہیں سنا یہ اپنے اگلے باپ دادوں میں •

(تو بولے قوم کے چودھری لوگ جنہوں نے کفر کیا) اُن کی قوم میں سے فقیروں اور عام لوگوں سے، یعنی جب قوم کے بڑے آدمیوں نے چھوٹوں کو نوح علیہ السلام کی دعوت اور دین کی طرف مائل دیکھا، تو انہیں نفرت دلانے کے واسطے کہا (کہ یہ) شخص جو تمہیں توحید کی طرف بُلا رہا ہے، (نہیں ہے مگر) کھانے پینے وغیرہ میں (تمہاری طرح بشر)، جو (چاہتا ہے کہ بڑھ جائے تم پر) یعنی خود سردار بن کر تم سب کو تابع ومحکوم بنالینا چاہتا ہے۔ (اور اگر اللہ) تعالیٰ (چاہتا) کہ آدمیوں پر رسول بھیجے (تو اُتار دیتا فرشتے) تا کہ بھیجا ہوا اُن سے ممتاز ہوتا جن کی طرف بھیجا ہے۔

(ہم نے نہیں سنا یہ) کہ آدمی خدا کا رسول ہوسکتا ہے مخلوق کی طرف (اپنے اگلے باپ دادوں میں)۔ یعنی اپنے باپ دادا کے درمیان جو آگے گے تھے۔

منکرین یہ بات شدتِ عداوت کی وجہ سے کہتے تھے، اِس واسطے کہ حضرت ادریس علیہ السلام سے اِن لوگوں تک بہت مدت نہیں گزری تھی اور انہوں نے سنا تھا کہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں ایک پیغمبر ہوا تھا۔

ساتھ ہی ساتھ حضرت نوح کی دعوت کی اہمیت کو کم کرنے کے لیے یہ بھی بک دیا، کہ۔۔۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝۲۵

وہ بس دیوانگی کا ایک مرد بیمار ہے، تو انتظار کرو کچھ مدت کا" •

(وہ بس دیوانگی کا ایک مرد بیمار ہے)، اس واسطے کہ اگر مجنون نہ ہوتا، تو جان لیتا کہ آدمی رسول ہونے کے لائق نہیں، (تو انتظار کرو کچھ مدت کا) اور دیکھتے رہو ایک وقت تک۔ یعنی صبر کرو یہ شخص تھوڑی ہی مدت میں مرجائے گا اور ہم اِس سے چھٹکارا پا جائیں گے۔۔۔یا۔۔۔جنون سے ہوش میں آجائے گا اور ایسی باتیں کرنا چھوڑ کر اپنے کام میں لگ جائے گا۔ اُن کے ایمان سے ناامید ہوکر مناجات کے طور پر۔۔۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝۲۶ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا

دُعا کی نوح نے کہ "پروردگارا میری مدد فرما، جو اِن سب نے جھٹلا دیا ہے" • تو ہم نے وحی بھیجی اُن کی طرف کہ "کشتی بناؤ،

وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ

ہمارے سامنے اور ہمارے کہے پر، تو جب آ گیا ہمارا حکم، اور اُبلنے لگا تنور، اب چڑھا لو اِس میں ہر چیز کے جوڑے دو،

اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ

اور اپنے گھرانے کو، مگر اُن میں سے جس پر بات پہلے ہی طے ہوگئی، اور مت بولنا مجھے اُن کے لیے

فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

جو اندھیر کر چکے ہیں، کہ وہ بلاشبہ ڈبوئے جائیں گے" ●

(دُعا کی نوح نے کہ پروردگارا! میری مدد فرما) اور اِن سے میرا انتقام لے بہ سبب اِس کے، کہ (جو اِن سب نے جھٹلا دیا ہے) اور میری تکذیب کی ہے۔ (تو ہم نے وحی بھیجی اُن کی طرف کہ کشتی بناؤ ہمارے سامنے)، یعنی ہماری نگہداشت کے ساتھ کہ ہم تیری محافظت کریں کہ تُو خطا نہ کرے (اور ہمارے کہے پر)، یعنی ہمارے حکم اور تعلیم سے۔ یعنی جس طرح کی کشتی بنانے کا ہم حکم دیں اور اُس کے تعلق سے جو ہدایت کریں کشتی اُسی ہدایت و تعلیم کی روشنی میں تیار کرو۔

نوح علیہ السلام نے اُسی ہدایت کے مطابق کشتی تیار کر لی۔

(تو جب آ گیا ہمارا حکم) کشتی پر سوار ہونے کے واسطے ۔۔یا۔۔ ہمارا عذاب نازل ہونے کے تعلق سے (اور اُبلنے لگا تنور) جس کے تعلق سے نوح علیہ السلام کو باخبر کیا جا چکا تھا، کہ اَے نوح جب تمہاری عورت روٹی پکاتی ہو اور آگ میں سے پانی نکلے، تو (اب چڑھا لو اُس میں ہر چیز کے جوڑے) یعنی دونوں قسم کے حیوانات کہ ایک دوسرے کا جوڑا ہیں (دو)، یعنی نر اور مادہ۔

ایک قول ہے کہ نوح علیہ السلام نے اُنہیں جانوروں کے جوڑے کشتی میں داخل کیے جو انڈا ۔۔یا۔۔ بچہ دیتے ہیں۔

(اور) اُن کے سوا (اپنے گھرانے کو) کشتی میں سوار کرا لو، (مگر اُن میں سے جس پر بات پہلے ہی طے ہوگئی)، یعنی کشتی میں گھر والوں میں سے جو ایماندار ہیں اُنہیں سوار کر لو۔ رہ گئے وہ جن کی ہلاکت کی بات روزِ ازل ہی سے لوحِ محفوظ میں لکھی جا چکی ہے، وہ اِس لائق نہیں ہیں کہ اُنہیں کشتی میں سوار کرایا جائے۔ (اور مت بولنا مجھے اُن کے لیے جو اندھیر کر چکے ہیں)۔ یعنی اُن لوگوں کے حق میں جنہوں نے ظلم کیا اپنے اوپر اور ایمان نہ قبول کیا اور تجھے ایذاء دی اور تمہارے ساتھ مسخرا پن کیا، تو تم عذابِ غرق سے اُن کی نجات کی واسطے دُعا نہ کرنا، کیوں (کہ وہ بلاشبہ ڈبوئے جائیں گے)۔ پھر عذاب

ظاہر ہونے کے وقت۔۔۔

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

پھر جب برابر بیٹھ گئے تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر، تو بولو کہ "ساری حمد اللہ کے لیے، جس نے بچایا ہمیں

نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا

اندھیر مچانے والی قوم سے" ● اور دُعا کرو، کہ "پروردگارا مجھ کو اتار کسی مبارک فرودگاہ پر،

وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور تُو بہتر مہمان نواز ہے" ●

(جب برابر بیٹھ گئے تم اور تمہارے ساتھی کشتی پر، تو) خدا کی حمد وثنا کرو اور اُس کا شکر ادا کرو اور (بولو کہ ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کے لیے) ہے، (جس نے بچایا ہمیں اندھیر مچانے والی قوم) مشرکین (سے)۔(اور) کشتی پر بیٹھتے وقت (دُعا کرو کہ پروردگارا! مجھ کو اُتار کسی مبارک فرودگاہ پر)۔یعنی ایسی جگہ پر جو برکت والی ہو اور جہاں مسلمانوں کی نجات اور سلامتی ہے۔(اور) یقیناً پروردگارا! (تُو بہتر مہمان نواز ہے) اور برکت والی جگہ پر اُتارنے والا ہے۔

مشہور بات یہ ہے کہ حضرت نوح نے یہ دُعا کشتی پر چڑھتے ہوئے بھی کی اور اُترتے ہوئے بھی۔بعض عارفین کا کہنا ہے کہ برکت والی وہ جگہیں ہیں جن میں نفسانی خطروں اور شیطانی وسوسوں سے آدمی بے خوف ہو اور مقاماتِ قدس سے قریب ہونے کے آثار وہاں اُترتے ہوں۔ اور جہاں پرتَوِ جمال اکثر ہے، اُس جگہ کی برکت اَور جگہوں سے زیادہ تر ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں، اور بلاشبہ ہم اُن کے امتحان لینے والے تھے ●

(بے شک اِس میں) یعنی نوح علیہ السلام کے قصے میں اور اُس فعل میں جو اِن کی قوم کے ساتھ کیا گیا (ضرور نشانیاں ہیں) عبرت والوں کے لیے، (اور بلاشبہ ہم اُن کے امتحان لینے والے تھے) اور اُس قوم کو مبتلا کرنے والے تھے بڑی بَلا میں۔۔یا۔۔اُن نشانیوں سے ہم سب بندوں کا امتحان کرنے والے ہیں، تاکہ تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے کھل جائیں۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ

پھر اُٹھایا ہم نے اُن کے بعد دوسرے طبقے کو● پھر بھیجا ان میں رسول اُن میں سے

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ ع۲

کہ "پوجو اللہ کو نہیں ہے تمہارا کوئی معبود اُس کے سوا، تو کیا اُسے نہیں ڈرتے"●

(پھر اُٹھایا ہم نے اُن کے بعد) یعنی نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد (دوسرے طبقے کو)، یعنی قوم عاد۔۔یا۔۔قوم ثمود کو، (پھر بھیجا اُن میں رسول اُن میں سے)۔

وہ ہود علیہ السلام تھے۔۔یا۔۔صالح علیہ السلام۔

اور کہا ہم نے اُس قوم سے اُس کے رسول کی زبانی، (کہ پوجو اللہ) تعالیٰ (کو نہیں ہے تمہارا کوئی معبود) جو عبادت کا مستحق ہو (اُس کے سوا، تو کیا اُسے) یعنی اُس کے عذاب سے (نہیں ڈرتے)۔ ہوش سے کام لو اور خدا کے عذاب سے اپنے کو بچاؤ، اور اُس کے سوا کسی اَور کی عبادت میں مشغول نہ ہو۔ تو یہ سن کر بولے۔۔۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

اور جواب دیا اُن کی قوم کے چودھریوں نے، جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو،

وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ

اور آسودہ حال کر رکھا تھا ہم نے انہیں دُنیاوی زندگی میں کہ "یہ نہیں ہیں مگر تمہارے جیسے بشر،

یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾

کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو، اور پیتے ہیں جو تم پیتے ہو●

(اور جواب دیا اُن کی قوم کے چودھریوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اور جھٹلاتے تھے آخرت کی ملاقات کو) یعنی بعث وحشر کے منکر تھے، (اور آسودہ حال کر رکھا تھا ہم نے اُنہیں دُنیاوی زندگی میں) آل واولاد کی کثرت کے سبب سے۔۔الختصر۔۔ناز ونعمت میں پلنے والے کافروں کے بعض اپنے دوسرے بعض سے بولے، (کہ یہ نہیں ہیں مگر تمہارے جیسے بشر۔ کھاتے ہیں جو تم کھاتے ہو، اور پیتے ہیں جو تم پیتے ہو)۔ یعنی یہ رسول جو حق کی طرف بلاتا ہے بشری صفتوں اور حالتوں میں تمہارے جیسا آدمی ہے۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ

اور اگر تم نے کہا مان لیا کسی اپنی طرح سے بشر کا، تو بلاشبہ تم رہے گھاٹے والے ● کیا تم لوگوں سے وہ وعدہ کرتا ہے،

اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾

کہ جہاں تم مرے اور خاک اور ہڈیاں ہو گئے، تو تم نکالے جاؤ گے ●

(اور) اب (اگر تم نے کہا مان لیا کسی اپنی طرح سے بشر کا، تو بلاشبہ تم رہے گھاٹے والے)۔ اس لیے کہ اِس صورت میں تم اپنے جیسے آدمی کی فرمانبرداری اور تابعداری کرو گے اور اُس کے محکوم بن کر رہ جاؤ گے۔ (کیا تم لوگوں سے وہ) پیغمبر حتمی اور یقینی (وعدہ کرتا ہے کہ جہاں تم مرے اور خاک اور ہڈیاں ہو گئے، تو تم نکالے جاؤ گے) قبروں سے زندہ۔ پیغمبروں کا وعدہ تو یقینی ہی رہتا ہے لیکن منکرین اپنے گمان سے اُسے بعید از قیاس ہی سے سمجھتے تھے۔۔ لہٰذا۔ کہہ پڑے۔۔۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ

کہاں کی بات، کوسوں دُور، جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے ● بس یہی ہماری دُنیاوی زندگی ہے، کہ مرتے ہیں

وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾

اور جیتے ہیں، اور ہم اٹھائے نہ جائیں گے ●

(کہاں کی بات) حقیقت و واقعیت سے (کوسوں دُور جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے) یعنی بعث و جزا، ایسا تو ہرگز نہ ہوگا۔ (بس یہی ہماری دُنیاوی زندگی ہے کہ مرتے ہیں اور جیتے ہیں)۔ یعنی ہم میں سے اگر ایک مرتا ہے تو ایک پیدا ہوتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ یہ سلسلہ اب تک چلتا رہا ہے اور آئندہ بھی چلتا رہے گا، (اور ہم اٹھائے نہ جائیں گے) اور نہ ہی زندہ ہونے والے ہیں موت کے بعد۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ٰنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾

یہ بس کوئی شخص ہے جس نے گڑھنت کر لیا اللہ پر جھوٹ، اور ہم لوگ اِس کو نہیں مانتے" ●

(یہ) یعنی ہود۔۔۔ یا۔۔ صالح علیہما السلام (بس کوئی شخص ہے جس نے گڑھنت کر لیا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)۔۔ چنانچہ۔۔ کہتا ہے کہ مجھے خدا نے تمہاری طرف رسول کیا ہے اور تم کو بعد مرگ خدا زندہ کرے گا (اور ہم لوگ) تو (اِس کو نہیں مانتے)، یعنی اُس کی اِس بات کو تسلیم نہیں کرتے جس کی وہ خبر دیتا ہے۔ اِس پر۔۔۔

قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِىۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ ﴿۳۹﴾

انہوں نے دُعا کی، کہ "پروردگارا میری مدد فرما، جو اِن سب نے جھٹلا دیا ہے"●

(اُنہوں نے) یعنی اُن پیغمبروں نے (دُعا کی کہ پروردگارا! میری مدد فرما جو اِن سب نے جھٹلا دیا ہے)۔۔الغرض۔۔پیغمبر نے یہ بات سن کر اور اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہوکر حق تعالیٰ سے دُعا کی، کہ اَے میرے رب! میری مدد فرما، مجھے غالب کردے اور اِنہیں مغلوب کر عذلب کر کے، اِس سبب سے کہ اِنہوں نے میری تکذیب کی۔

قَالَ عَمَّا قَلِيۡلٍ لَّيُصۡبِحُنَّ نٰدِمِيۡنَ ﴿۴۰﴾

ارشاد ہوا کہ "ذرا سے میں یہ صبح کریں گے پچھتاتے ہوئے"●

(ارشاد ہوا کہ ذرا سے میں یہ صبح کریں گے پچھتاتے ہوئے)۔یعنی تھوڑا صبر کر! صبح ہوتے ہی یہ سارے کافر اور تکذیب کرنے والے اپنی تکذیب سے پشیمان اور کفِ افسوس ملتے ہوئے نظر آئیں گے، دُنیا میں نہ سہی تو آخرت میں سہی۔۔چنانچہ۔۔ایسا ہی ہوا کہ جیسے صبح ہوئی۔۔۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ بِالۡحَـقِّ فَجَعَلۡنٰهُمۡ غُثَآءً‌ ۚ فَبُعۡدًا لِّلۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۴۱﴾

تو پکڑ لیا اُنہیں چنگھاڑ نے، حق کی طرف سے، تو بنا دیا اُنہیں کوڑا کرکٹ، تو دُور ہوں اندھیر مچانے والی قوم●

(تو پکڑ لیا اُنہیں چنگھاڑ نے حق کی طرف سے)۔یعنی جبرائیل علیہ السلام نے حکمِ الٰہی سے اتنی تیز آواز نکالی کہ اُن کے دل پھٹ گئے اور وہ سب مر گئے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ جن مفسرین کے نزدیک یہ قوم ثمود کا واقعہ ہے، اُن کی دلیل یہی ہے کہ 'عذاب صیحہ' قوم ثمود پر ہوا تھا۔اور جو مفسر کہتے ہیں کہ یہ قوم عاد تھی، تو اُن کی دلیل یہ ہے کہ 'سورۂ اعراف'، 'سورۂ ہود' اور 'سورۂ شعراء' میں نوح علیہ السلام کے قصے کے بعد قومِ عاد کا قصہ ہے، تو اُسی ترتیب سے یہاں بھی عاد ہی مراد ہے۔اور اِس قول کے موافق یہ بات ہے کہ جس عذاب سے ہلاکت ہو اُسے 'صیحہ' کہہ سکتے ہیں۔بہر تقدیر لے لیا اُنہیں صیحہ نے حکمِ قضا کے سبب سے یا سچے وعدے کے باعث۔۔یا۔۔اِس وجہ سے کہ وہ عذاب کے مستحق تھے۔۔۔

(تو بنا دیا اُنہیں کوڑا کرکٹ)، یعنی کر دیا اُنہیں جیسے تنکے پانی کے بہائے ہوئے، یعنی ہم نے

اُنہیں اِس طرح ہلاک اور نیست ونابود کردیا جیسے تنکوں کو پانی کا بہاؤ کنارے پھینک دیتا ہے اور وہ سیاہ بھوسا ہوجاتے ہیں۔ (تو دُور ہوں اندھیر مچانے والی قوم) خدا کی رحمت سے۔۔الحاصل۔۔خدا کی رحمت سے اندھیر مچانے والی قوم کو دُوری رہے گی۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا

پھر ابھارا ہم نے اُن کے بعد اَور طبقوں کو ● نہ آئی کوئی امت اپنے وقت سے پہلے،

وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿٤٣﴾

اور نہ رہ گئی اپنے وقت سے پیچھے ●

(پھر اُبھارا ہم نے اُن کے بعد اَور طبقوں کو) یعنی اَور قرنوں والوں کو، جیسے شعیب اور لوط علیہما السلام کے عہد والوں کو، اِس اہتمام کے ساتھ، کہ (نہ آئی کوئی امت اپنے وقت سے پہلے اور نہ) ہی (رہ گئی اپنے وقت سے پیچھے)۔۔المختصر۔۔ہر دَور کی امت اپنے اپنے وقت پر جو اُس کے لیے مقدر کردیا گیا تھا آئی گئی، اور ایسے ہی اپنے اپنے متعینہ وقت پر جاتی رہی۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ

پھر بھیجا اپنے رسولوں کو مسلسل۔ جب آیا کسی امت کے پاس اُس کا رسول، تو جھٹلا دیا اُسے، تو ہم نے پیچھے لگا دیا ایک کو

بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٤٤﴾

دوسرے کے، اور بنادی انہیں کہانیاں، تو دُور ہوں نہ ماننے والی قوم ●

(پھر بھیجا اپنے رسولوں کو مسلسل) پے در پے ایک کے پیچھے ایک۔ اور یہ صورت حال بھی پیش آتی رہی، کہ (جب آیا کسی امت کے پاس اُس کا رسول، تو جھٹلا دیا اُسے)۔۔الغرض۔۔اُن کے پیغمبر نے جو کچھ توحید، نبوت، بعث اور حشر کا حال کہا اُسے اُنہوں نے جھوٹ جانا اور اپنے باپ دادا کی پیروی اور اُن کی بُری عادتیں اختیار کرنے کے سبب سے تصدیق کی دولت سے محروم رہے، (تو ہم نے پیچھے لگا دیا ایک کو دوسرے کے) ہلاک کرنے میں۔ یعنی کسی کو ہم نے مہلت نہ دی اور پچھلوں کو اگلوں کی طرح ہم نے عذاب میں ڈالا (اور بنادی اُنہیں کہانیاں)، یعنی اُنہیں ہم نے خلائق کے واسطے عبرت کردیا کہ ہمیشہ اُن کا عذاب یاد کریں اور اُس کی مثال دیا کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اُن کی فقط حکایت ہی باقی رہ گئی، کہ لوگ اُسے کہانی کی طرح کہتے ہیں اور اگر اُن کا ذکرِ خیر اور اچھی باتیں رہتیں، تو کیا ہی خوب ہوتا۔ (تو دُور ہوں) خدا کی رحمت سے (نہ ماننے والی قوم) اور انبیاءِ کرام کی تصدیق نہ کرنے والا گروہ۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾

پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کو۔ اپنی نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ●

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾

فرعون اور اُس کے چودھریوں کی طرف، تو وہ سب بڑے بنے اور تھے اونچے لوگ●

(پھر بھیجا ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں) معجزات، خدائی پیغامات (اور کھلی سند کے ساتھ)، یعنی عصا کے ساتھ۔

عصا کی تخصیص اس لیے فرمائی کہ حضرت موسیٰ کو تمام معجزات سے پہلے عصا ہی کا معجزہ عطا فرمایا گیا اور دوسرے چند معجزے جیسے جادوں کے سانپوں کو نگل جانا، دریا کا پھٹنا، اور پتھر سے پانی جاری ہونا اُسی سے تعلق رکھتا تھا۔

۔۔الحاصل۔۔موسیٰ اور اُن کے بھائی کو نو ۹ معجزوں کے ساتھ ہم نے بھیجا (فرعون اور اُس کے چودھریوں کی طرف) اور اُنہوں نے ہمارا پیغام پہنچادیا، (تو وہ سب بڑے بنے) اور غرور و تکبر کا مظاہرہ کیا۔۔ چنانچہ۔۔ وہ سارے قبطی نہ تو پیغمبر پر ایمان لائے، اور نہ ہی اُن کی پیروی کی۔ (اور) یہ اِس لیے کہ وہ سب (تھے) اپنی قوم میں (اونچے لوگ)، یعنی انہیں دوسرے کمزور لوگوں پر قہر و غلبہ حاصل تھا۔۔۔

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا

چنانچہ بولے کہ "کیا ہم مانیں اپنی طرح کے دو بشر کو؟" اور ان کی قوم ہماری پوجا پاٹ کرنے والی ہے● تو جھٹلایا انہوں نے

فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾

اُن دونوں کو، تو ہلاک ہوگئے●

(چنانچہ بولے کہ کیا ہم مانیں اپنی طرح کے دو بشر کو؟ اور) حال یہ ہے کہ (اِن کی قوم) بنی اسرائیل (ہماری پوجا پاٹ کرنے والی ہے)، یعنی اِس طرح ہمارے حکم میں ہے جیسے غلام مالکوں کے احکام کے تحت رہتے ہیں۔

بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل فرعون کی پرستش کرتے تھے اور فرعون بت پوجتا تھا۔۔یا۔۔بچھڑے کی پرستش کرتا تھا۔

(تو جھٹلایا اُنہوں نے اِن دونوں کو، تو) اِس تکذیب کے سبب سے (ہلاک ہو گئے) اور بحرِ قلزم میں غرق کر دیے گئے۔ فرعون اور اُس کی قوم کے ہلاک ہو جانے کے۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور بے شک دی تھی ہم نے موسیٰ کو کتاب، کہ لوگ راہ پکڑیں●

(اور) اُن کے دریا میں ڈوب جانے کے بعد (بے شک دی تھی ہم نے موسیٰ کو کتاب) توریت، تا (کہ وہ لوگ) یعنی بنی اسرائیل (راہ پکڑیں) اور احکام شریعت سے باخبر ہو جائیں اور اُس کی برکت سے صراطِ مستقیم پر قائم رہیں۔

ع ۳ ۱۸ ۲ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾

اور بنا دیا تھا ہم نے ابن مریم اور ان کی ماں کو نشانی، اور ٹھکانہ دیا ان دونوں کو اونچی زمین پر، ٹھہرنے کے قابل اور بہتا چشمہ●

(اور بنا دیا تھا ہم نے ابن مریم) کو (اور اُن کی ماں) کے قصے (کو نشانی)، یعنی دلیل اپنی قدرت پر۔۔یا۔۔ ہر ایک کو دلیل پکڑنے پر ہم نے نشانی بنایا۔ بیٹے کو اِس طرح کہ اُس نے اپنی ماں کی گود میں اُسی دن بات کی جس دن پیدا ہوا۔ اور ماں کو اِس طرح کہ بے کسی مرد کے ہاتھ لگائے وہ ایسا بیٹا جنی۔ (اور) جب وہ یہود سے بھاگے، تو (ٹھکانہ دیا اُن دونوں) ماں بیٹے (کو اونچی زمین پر) رَبوَہ کی طرف، یعنی بیت المقدس کے ٹیکرے کی جانب۔۔یا۔۔ دمشق۔۔یا۔۔رملہ۔۔یا۔۔ قسطنطین۔۔یا۔۔ مصر کی طرف، (ٹھہرنے کے قابل اور بہتا چشمہ)۔

رَبوَہ ایک موضع تھا قرار والا یعنی ٹھہرنے کی جگہ کہ وہاں آرام کریں اور پانی والا کہ وہ پانی کھلا ہوا پاک جاری تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ رملہ فلسطین کو لازم پکڑو، کہ یہ وہ رَبوَہ ہے جس کا ذکر خدا نے قرآنِ کریم میں کیا ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضرت مریم علیہا السلام اپنے بیٹے اور چچیرے بھائی یوسف بن ماثان کے ساتھ بارہ۱۲ برس اِس موضع میں رہیں اور رتی بٹ کر بیچتیں اور اِس کی قیمت سے غلہ مول لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھانا کھلاتیں اور رزقِ حلال سے آپ کی پرورش فرماتیں۔ رزقِ حلال کی اہمیت کے پیش

نظر ہی ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ

اَے رسولو! "کھاؤ پاکیزہ چیزیں اور عمل کرو اپنے لائق۔

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ؕ﴿۵۱﴾

بے شک میں تمہارے اعمال کا جاننے والا ہوں●

(اَے رسولو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں) طیب و طاہر حلال غذائیں (اور عمل کرو اپنے لائق)، یعنی اپنی شایانِ شان۔

اِس مقام پر یہ بات قابلِ غور ہے کہ حق تعالیٰ نے پاکیزہ کھانے کو نیک کام کرنے پر مقدم رکھا، اِس واسطے کہ نیک کام اُس کھانے کا نتیجہ ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ "لقمہ عمل کا بیج ہے اور عمل اُس کا پھل ہے۔ جس قدر بیج پاکیزہ ہوگا اُسی قدر پھل بہتر ہوگا"۔

ذہن نشین رہے کہ جس غذا کو شرع نے حلال رکھا ہے اُس میں شرع کی عدالت اور استقامت کا حکم سرایت کے لیے ہے۔ جو شخص وہ غذا کھاتا ہے، تو وہ عدالت جو حکمِ شرع سے اُس غذا کے ساتھ ہے کھانے والے کے نفس اور سب اعضا میں ظاہر ہو جاتی ہے اور اُس وقت نفس اور اعضا ادائے عبادت میں نرم اور مطیع ہو جاتے ہیں۔ ارشادِ قرآنی:

ثُمَّ تَلِیْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ﴿۳۹:۲۳﴾

"پھر نرم ہو جاتے ہیں اُن کے ظاہری اعضا اور دل اللہ کے ذکر کی طرف"۔

اِسی طرح اشارہ ہے۔ اور جس چیز کو شرع نے حرام کیا۔۔۔یا۔۔۔اُس کے حلال ہونے کی وجہ مشتبہ اور پوشیدہ ہے اُس غذا کے ساتھ انحراف اور مخالفتِ شرع کا حکم لگا ہوتا ہے، اگرچہ وہ غذا ایک ہی لقمہ ہو۔ اور اِسی طرح اِس غذا کے انحراف کا حکم نفس اور اعضاء میں سرایت کرتا ہے اور حد سے گزرنے، گناہ کرنے، بُری باتوں کے مرتکب ہونے اور بُرے اخلاق پیدا ہونے کے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ

"اللہ پاک ہے اور نہیں قبول فرماتا مگر پاک کو"۔

۔۔۔اِس آیت کریمہ میں 'اَے رسولو' سے خطاب کے تعلق سے چند اقوال ہیں:

﴿۱﴾۔۔۔یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے تعظیم کی راہ سے جمع کے صیغے کے ساتھ۔

﴿۲﴾۔۔یہ سب انبیاء کی طرف خطاب ایک ہی دفعہ نہیں ہے۔اس واسطے کہ وہ مختلف زمانوں میں تھے، بلکہ یہ معنی ہیں کہ اپنے اپنے زمانے میں ہرایک کی طرف یہ خطاب ہوا ہے، توسب اِس خطاب کے تحت داخل ہیں۔

﴿۳﴾۔۔یہ ہمارے سلطان الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف خطاب ہے۔حق تعالیٰ نے آپ کو"سب پیغمبر" کہہ کے پکارااِس واسطے کہ آپ سب پیغمبروں کے سردار ہیں اورآپ کی ذات میں وہ سب کمالات جمع ہیں جو باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں تھے۔

پیغمبروں کو یہ حکم دینے میں حکمت یہ ہے کہ وہ اپنے امتیوں کو حکم کریں کہ وہ حلال کھائیں اورنیک کام کریں اوراچھی طرح جان لیں کہ۔۔۔

(بے شک میں) تمہارا خدا ہوں، (تمہارے اعمال کا جاننے والا ہوں)۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

اور بے شک یہ تم سب کا دستور ایک ہی دستور ہے، اور میں تم سب کا رب ہوں، تو مجھے ڈرو"●

(اور بے شک) اَے رسولو! (یہ تم سب کا دستور ایک ہی دستور ہے)، یعنی عقائد واصول اور بنیادی احکام میں ایک ہی ملت ہے۔۔یا۔اَے امتِ محمد یہ تمہاری جماعت ایک جماعت ہے جوایمان وتوحید میں متفق ومتحد ہے، (اور میں تم سب کا رب ہوں، تو مجھے ڈرو) اور کلمہ توحید میں میری مخالفت سے بچو۔انبیاءِ کرام کے توسط سے مذکورہ بالا پیغام ہردَور کے لوگوں کو دیا گیا اوراہلِ کتاب کو خاص طور پراس کا مخاطب بنایا گیا۔

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

پھر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا انہوں نے اپنے کام کو باہم، فرقہ فرقہ ہو کر، ہر پارٹی جو اپنے اپنے پاس ہے، اُس سے ہر ایک مگن ہے●

(پھر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اُنہوں نے اپنے کام کو باہم فرقہ فرقہ ہو کر)۔۔الختصر۔۔آپس میں اختلاف کر کے مختلف گروہوں میں بٹ گئے اورصورتِ حال یہ بنالی ہے، کہ (ہر پارٹی جو) ان کے (اپنے اپنے پاس ہے اُس سے ہر ایک مگن ہے)۔یعنی سب اپنے اپنے نظریات اوراعتقادات سے خوش ہیں اوراُن پرناز کرتے ہیں، یہ گمان کر کے کہ جواِن کا عقیدہ ہے وہی حق ہے۔تو یہ زبردست خوش فہمی کا شکار ہیں اورایک باطل نشے میں چوُر ہیں۔۔۔

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ

تو انہیں چھوڑ دو اُن کے نشے میں کچھ مدت ● کیا وہ اس خیال میں پڑے ہیں کہ ہم جو مدد کرتے ہیں اُن کی

مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

مال واولاد سے ● تو جلدی جلدی انہیں بھلائیاں دیتے ہیں، بلکہ یہ سارے ہماری منشا سے بے خبر ہیں ●

(تو) اَے محبوب! (اِنہیں چھوڑ دو اِن کے نشہ میں کچھ مدت)، اُس وقت تک کہ وہ مار ڈالے جائیں۔۔یا۔۔مر جائیں۔ (کیا وہ) مشرکین (اِس خیال میں پڑے ہیں کہ ہم جو مدد کرتے ہیں اُن کی مال واولاد سے، تو جلدی جلدی انہیں) مال ودولت، زینتِ دُنیا اور اولادِ کثیر کی صورت میں (بھلائیاں دیتے ہیں)، اُن کے اعمال اِس کے لائق ہیں، یہ اُن کی خام خیالی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے جیسا وہ گمان کرتے ہیں، (بلکہ یہ سارے ہماری منشاء سے بے خبر ہیں)۔ وہ یہ نہیں جانتے کہ یہ مدد دینا آہستہ آہستہ اُن کو عذاب کی طرف کھینچتا ہے، یہ بھلائیوں میں جلدی کرنا نہیں ہے۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ

ہاں! جو اپنے رب کے خوف سے کانپنے والے ہیں ● اور جو اپنے رب کی آیتوں

رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ

کو مانتے ہیں ● اور جو اپنے رب کا شریک نہیں ٹھہراتے ● اور جو دیتے ہیں

يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾

اپنا دیا ہوا، اور اُن کے دِل تھرّا رہے ہیں کہ "وہ سب اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں" ●

(ہاں جو اپنے رب کے خوف سے کانپنے والے ہیں)، اور اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں، (اور جو اپنے رب کی آیتوں کو مانتے ہیں) یعنی قرآنِ کریم۔۔یا۔۔قدرت کی دلیلوں پر ایمان لاتے ہیں، (اور جو اپنے رب کا شریک نہیں ٹھہراتے) یعنی اپنے کو شرکِ جلی اور شرکِ خفی سے بچاتے ہیں، (اور جو دیتے ہیں اپنا دیا ہوا) یعنی وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے ہیں صدقے اور زکوٰۃ اور انواع واقسام کے خیرات وتبرعات کے سبب سے درگاہِ الٰہی میں وسیلہ پکڑتے ہیں، (اور اُن کے دل تھرّا رہے ہیں) کہ کہیں اُن کی خیرات مردود نہ ہو جائے، اور وہ جانتے ہیں (کہ وہ سب اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں) اِن مذکورہ صفات سے جو موصوف ہیں۔۔۔دراصل۔۔

أُولَٰٓئِكَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْخَيْرَٰتِ وَهُمْ لَهَا سَٰبِقُونَ ﴿٦١﴾

وہ ہیں کہ جلدی کر رہے ہیں نیکیوں میں، اور وہ اِس بارے میں بڑھ گئے●

(وہ ہیں کہ جلدی کر رہے ہیں نیکیوں میں) یعنی طاعتوں۔۔یا۔۔دُنیاوی بھلائیاں حاصل کرنے میں، کیونکہ یہ نیک کاموں کی شاخیں ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے، کہ۔۔۔"پھر دیا اُن کو اللہ نے ثوابِ دُنیا کا"۔

(اور وہ اِس بارے میں بڑھ گئے) یعنی بھلائیوں کی طرف پیشی کرنے والے ہیں۔۔یا۔۔کثرتِ عبادت کے سبب سے۔۔یا۔۔ثوابِ کثیر ملنے کے باعث۔۔یا۔۔جنت میں داخل ہونے کی وجہ سے دوسروں پر سبقت کرنے والے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَٰبٌ يَنطِقُ بِٱلْحَقِّ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

اور ہم نہیں حکم دیتے کسی کو، مگر اُس کی سکت بھر کا، اور ہمارے پاس کتاب ہے جو بولتی ہے ٹھیک ٹھیک، اور اُن پر اندھیر نہ ہوگا●

(اور ہم نہیں حکم دیتے) یعنی ہم تکلیف نہیں دیتے (کسی کو مگر اُس کی سکت بھر کا)، یعنی اُس کی گنجائش کے موافق۔۔الغرض۔۔ہم اُسی کام کا حکم کرتے ہیں جس کی وہ قدرت اور طاقت رکھتا ہے (اور ہمارے پاس کتاب) لوحِ محفوظ (ہے جو بولتی ہے ٹھیک ٹھیک)، یعنی خلافِ واقعہ اُس میں کچھ نہیں لکھا ہے۔۔یا۔۔ہمارے پاس ہر شخص کا نامہء اعمال ہے جو اُس کے کردار کی گواہی دیتا ہے، (اور اُن) لوگوں (پر) جو عمل کرنے والے ہیں (اندھیر نہ ہوگا)۔۔نہ اُنہیں زیادہ عذاب دیا جائے گا اور نہ ہی اُن کے ثواب کو کم کیا جائے گا۔۔۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِى غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَٰلٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ

بلکہ اُن کے دِل اُس کی طرف سے غفلت و جہالت میں ہیں، اور اُن کے کام اُس سے الگ تھلگ ہیں،

هُمْ لَهَا عَٰمِلُونَ ﴿٦٣﴾

جسے وہ کیا کرتے ہیں●

(بلکہ) جیسا وہ کریں گے ویسا ہی صلہ پائیں گے۔ کافروں کا تو حال یہ ہے کہ (اُن کے دل اُس کی طرف سے غفلت و جہالت میں ہیں)۔ یعنی وہ غفلت و حیرت میں ہیں اُس بات سے جو کہی گئی ۔۔یا۔۔فرشتوں کے لکھے ہوئے اعمالنامے سے۔۔یا۔۔قرآن سے غافل و جاہل ہیں، (اور اُن کے)

ناپاک (کام) اور بے باک خطائیں (اِس) بڑی خطا (سے الگ تھلگ ہیں جسے وہ کیا کرتے ہیں) یعنی شرک اور قبروں سے اٹھنے وغیرہ کا انکار، جس پر وہ اَڑے ہوئے ہیں۔۔ الختصر۔ شرک کے سوا اُور بھی گناہ ہیں جن کے وہ مرتکب ہیں حکم قضا کے موافق۔ اور قضائے الٰہی کا کوئی رد کرنے والا نہیں۔ اور وہ اسی غفلت و معصیت میں رہیں گے۔۔۔

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا

یہاں تک کہ جب پکڑا ہم نے اُن کے آسودہ حالوں کو عذاب میں، تو اب وہ چلاتے ہیں● "مت چلاؤ

الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾

آج۔۔ یقیناً تمہیں ہم سے مدد نہ دی جائے گی●

(یہاں تک کہ جب پکڑا ہم نے اُن کے آسودہ حالوں کو) فاقہ۔۔ یا۔۔ قتل کے (عذاب میں، تو اب وہ چلاتے ہیں) اور چاہیں گے کہ کوئی فریاد کو پہنچے، اور ہم کہیں گے (مت چلاؤ آج۔۔ یقیناً تمہیں ہم سے) یعنی ہماری طرف سے (مدد نہ دی جائے گی)۔۔ یا۔۔ ہمارے عذاب سے نہ بچو گے۔ تو یہ آرزو نہ رکھو کہ کوئی فریاد کو پہنچے گا۔۔۔ ذرا اپنی سابقہ سرکشی کو یاد کرو۔۔۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾

بے شک ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تم پر، تو تم الٹے پاؤں لوٹتے تھے●

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ

اپنی بڑائی مارتے، اُس کی کہانیاں بناتے، بیہودہ بکتے تھے"● تو کیا غور نہیں کیا بات میں؟ یا آ گیا اُن کے پاس

مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

جو نہیں آیا تھا اُن کے اگلے باپ دادوں کے پاس●

(بے شک ہماری) قرآنی (آیتیں پڑھی جاتی تھیں تم پر، تو تم) اُسے سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے اور (اُلٹے پاؤں لوٹتے تھے● اپنی بڑائی مارتے) کہ ہم حرم کے رہنے والے ہیں، دوسروں سے برتر و بہتر ہیں۔۔ یا یہ کہ۔۔ قرآنِ کریم کی تکذیب کر کے اپنے کو بڑا ظاہر کرنے والے (اُس کی کہانیاں بناتے بیہودہ بکتے تھے)، یعنی قرآنِ کریم کو افسانہ کہہ کر بکواس کرتے تھے۔ (تو کیا غور نہیں کیا بات میں؟) کہ لفظ کے اعجاز اور معنی کے واضح ہونے سے جان لیتے کہ یہ کلامِ حق ہے (یا) اُن کے انکار کی

وجہ یہ ہے کہ، (آگیا ان کے پاس جو نہیں آیا تھا اِن کے اگلے باپ دادوں کے پاس)، یعنی پیغمبر کا اِن کے پاس آنا، یہ کوئی خلافِ عادت اور غیر معمولی کام نہیں ہے، اِس سے پہلے بھی 'حضرت' نوح اور 'حضرت' ابراہیم علیہما السلام وغیرہ پیغمبر آئے تا کہ کوئی عذر نہ کر سکے، کہ ہمیں کتاب اور پیغمبر کی کچھ خبر ہی نہیں۔۔الختصر۔۔اَے محبوب! جس طرح حضرت نوح وابراہیم علیہما السلام کواُن کے باپ دادا کی طرف ہم نے بھیجا تھا، اُسی طرح آپ کو بھی اِن کے واسطے پیدا کیا، تا کہ عذر نہ کریں اور آپ ان کو ڈرائیں، جیسے کہ اِن کے آباءواجداد کو پیغمبروں کے ذریعے ڈرایا گیا۔۔۔

اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

یا انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں، تو اُن کے منکر ہیں●

(یا) یہ کہ (اُنہوں نے اپنے رسول کو پہچانا نہیں، تو اُن کے منکر ہیں)۔یعنی یہ بات بھی نہیں کہ اُنہیں اپنے رسول کی امانت، سچائی، تحمل، وفا، کرم، مروت، خوشخوئی اور کمالِ علم کی معرفت ہی نہیں ہوسکی، اس لیے انکار کر بیٹھے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾

یا کہتے ہیں کہ "انہیں خبط ہے"۔ بلکہ وہ آئے اُن کے پاس بالکل ٹھیک، اور اُن کے بہتیرے حق کو بُرا جانتے ہیں●

(یا) یہ کہ اِنکار کی وجہ میں (کہتے ہیں کہ اِنہیں خبط ہے) اور جنون ہے اس لیے اِن کی باتوں کو لائقِ اعتناء نہیں سمجھتے۔ یہ ساری بکواس جو وہ کرتے ہیں ایک بھی صحیح نہیں۔ (بلکہ) سچی بات یہ ہے، کہ (وہ) پیغمبر (آئے اِن کے پاس بالکل ٹھیک) دینِ حق اسلام۔۔یا۔۔سچ بات یعنی قرآن کے ساتھ۔ (اور اِن) کافروں (کے بہتیرے حق کو بُرا جانتے ہیں) اور حق سے کراہت رکھتے ہیں، اس واسطے کہ حق اِن کی طبیعت اور آرزو کے مخالف ہے۔

'اکثر' کی تخصیص اِس واسطے ہے کہ بعضے کافر حق سے کراہت نہ رکھتے تھے، بلکہ شرم اور عار کے مارے ایمان نہ لاتے تھے۔ حق کیا ہے؟ اِس کے تعلق سے مشرکین کا اعتقاد یہ تھا، کہ اللہ کے ساتھ اُس کے اَور شرکاء بھی عبادت کے مستحق ہیں۔ حالانکہ اگر اللہ کے ساتھ اُور شریک بھی ہوتے، تو آسمانوں اور زمین کا نظام فاسد ہوجاتا، کیونکہ ہر خدا کا حکم دوسرے کے مخالف ہوتا۔۔مثلاً: ایک سورج کو مشرق سے نکالنا چاہتا اور دوسرا مغرب سے۔ دونوں کا ارادہ بیک

وقت پورا ہونا محال تھا۔ پھر کسی ایک کا ارادہ پورا ہوتا اور پھر وہی خدا ہوتا۔

ایسے ہی مشرکین کی خواہش یہ تھی کہ بتوں کی عبادت کی جائے اور سیدنا محمد ﷺ کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کی جائے اور اُن کی اِس خواہش کا پورا ہونا محال تھا، کیونکہ متعدد خداؤں کی عبادت اُس وقت صحیح ہوتی جب واقع میں متعدد خدا ہوتے۔ اور اگر واقع میں متعدد خدا ہوتے تو عالم کا نظام فاسد ہو جاتا۔۔ علاوہ ازیں۔۔ مشرکین کی خواہشات متعارض اور متضاد تھیں اور اگر اِن متضاد خواہشوں کو پورا کیا جاتا، تو عالم کا نظام فاسد ہو جاتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ط

اور اگر پیچھے پیچھے رہتا حق اُن کی خواہشوں کے، تو خراب ہو جاتے سارے آسمان اور زمین، اور جو اِن میں ہے۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ ط

بلکہ ہم تو لائے ان کے پاس ان کے بول بات کو، تو وہ خود اپنے بول بات سے بے رخی کرنے والے ہیں●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (اگر پیچھے پیچھے رہتا حق اِن کی خواہشوں کے، تو خراب ہو جاتے سارے آسمان اور زمین اور) ہلاک ہو جاتے (جو اِن میں ہے)۔

پہلے مضمون میں اُن کی کراہتِ حق کی مذمت کے بعد اب اُن کی دوسری بُری عادت کی مذمت کی جارہی ہے۔۔ چنانچہ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے کافروں کی خواہشات کی موافقت نہیں کی۔۔۔

(بلکہ ہم تو لائے ان کے پاس ان کے بول بات کو)، یعنی ایک کتاب جو اِن کے واسطے وعظ اور نصیحت ہے اور اِن کی عزت اور شرافت اِسی میں ہے۔ (تو وہ خود) اپنے ذکر اور اپنی عزت و شرافت والی نصیحت۔۔ الغرض۔۔ (اپنے) ہی عزت افزا (بول بات سے بے رخی کرنے والے ہیں) اور منہ پھیرنے والے ہیں۔ آخر اِس بے رخی کی معقول وجہ کیا ہے؟ اَے محبوب! کیا تم اِن سے کوئی اپنی دنیوی غرض رکھتے ہو۔۔۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ

یا تم اُن سے معاوضہ مانگتے ہو، کہ تمہارے رب کا دینا سب سے بہتر ہے۔ اور وہ خوب روزی دینے والا ہے● اور بلاشبہ

لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

تم تو انہیں بلاتے ہو سیدھی راہ کی طرف ●

(یا تم اِن سے) احکامِ خداوندی پہنچانے پر (معاوضہ مانگتے ہو)؟ اِن سے آپ کی اجرت طلبی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے، اس لیے (کہ تمہارے رب کا دینا سب سے بہتر ہے)۔ دُنیا کی روزی اور آخرت کا ثواب جو تمہارا رب تمہیں عطا فرما رہا ہے، اُس سے بڑھ کر آپ کو کوئی اور کیا معاوضہ دے سکتا ہے۔ تو حق تعالیٰ ہی ہے آپ کو عطا فرمانے والا (اور وہ خوب روزی دینے والا ہے۔ اور بلاشبہ) بے طمع اور بلا کسی غرض (تم تو انہیں بلاتے ہو) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جانے والی (سیدھی راہ کی طرف) اور وہ دینِ اسلام ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور بے شک جو نہیں مانتے آخرت کو، وہ راہ سے مڑے ہیں ●

اِس سیدھی راہ کی دعوت (اور) اِس کی طرف آنے کی ہدایت تو ہر ایک کو کی جاتی ہے، لیکن (بے شک جو نہیں مانتے آخرت کو) اور قیامت کو اور اُن باتوں کو جو قیامت سے علاقہ رکھتی ہیں، (وہ) اِس سیدھی (راہ سے مڑے ہیں) اور گمراہی کے میدان کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور اگر ہم نے اُن پر رحم فرمایا اور دُور کر دیا اُن کے دکھ کو، تو پھر کھڑے ہوئے کہ اپنی سرکشی میں مدہوش ہیں ●

(اور) اُن کی حالت ایسی ہے کہ (اگر ہم نے اُن پر رحم فرمایا اور دُور کر دیا اُن کے دکھ کو) یعنی قحط اور تنگی کی سختی کو جو اُن پر غالب ہے، اور اُس سختی سے انہیں نجات دے دی، (تو پھر) بھی وہ اپنی سرکشی سے باز نہیں آئے اور (کھڑے ہوئے) اِس طرح (کہ اپنی سرکشی میں مدہوش ہیں)۔۔ الختصر۔۔ اگر ہم اُن پر مزید رحم کریں کہ جو تکلیف اُنہیں پہنچی ہے اُسے دور کر دیں، تو پھر بھی وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے ضرور اصرار کرتے رہیں گے۔ اور جھگڑے اور عناد کی راہ سے اپنی تکذیب اور کفر پر ثابت رہیں گے۔

روایت ہے کہ جب قحط کا ضرر نہایت کو پہنچ گیا اور مکہ کے لوگ مُردار کھانے لگے، تو ابوسفیان مدینہ میں آیا اور جناب رسولِ اکرم ﷺ سے بولا، کہ تم گمان کرتے ہو کہ تم اہلِ عالَم کے واسطے رحمت ہو اور مکہ کے لوگ تمہاری دُعا کے سبب سے عاجز آ گئے ہیں۔ باپوں کو

تم نے تلوار سے قتل کیا اور بیٹوں کو بھوک کے ذریعے مارا۔۔۔تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰٓى

اور بلاشبہ ہم نے انہیں پکڑا تھا عذاب میں، تو نہ جھکے اپنے رب کے لیے، اور نہ گڑگڑاتے ہیں● یہاں تک کہ

اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع ۴

جہاں کھول دیا ہم نے اُن پر کوئی دروازہ سخت عذاب والا، تو وہ اب اِس میں ناامید پڑے ہیں●

(اور) فرمایا کہ (بلاشبہ ہم نے انہیں پکڑا تھا عذاب میں) یعنی جنگِ بدر کے دن عذاب قتل میں، (تو) اِس کے باوجود (نہ جھکے اپنے رب کے لیے)، اور اپنے رب کے حضور فروتنی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ (اور نہ ہی) اِس حال میں (گڑگڑاتے ہیں)۔۔المختصر۔عاجزی اور زاری سے دُور رہ کر اپنی سرکشی اور نافرمانی پر اَڑے رہے، (یہاں تک کہ جہاں کھول دیا ہم نے اِن پر کوئی دروازہ سخت عذاب والا) ۔اور وہ عذاب بھوک ہے۔بھوک کی سختی قتل وقید ہونے سے بڑھ کر ہے۔(تو وہ اب اِس میں ناامید پڑے ہیں) اور رنجیدہ وعاجز ہو کر سرگرداں ہیں یہاں تک کہ اُن میں جو غنی اور مالدار ہیں وہ بھی اَے اللہ کے رسول ﷺ آپ سے مہربانی اور بخشش چاہتے ہیں۔یہ اپنے منعم حقیقی کو نہ پہچان سکے اور اُس پر ایمان نہ لائے۔۔۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور وہ وہی ہے، جس نے پیدا فرمایا تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دِل۔تم بہت کم شکرگزار ہوتے ہو●

(اور) یہ ادراک نہ کر سکے کہ (وہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا تمہارے لیے کان) تاکہ اِس سے سنو سننے کی چیزیں، (اور آنکھیں) تاکہ اِن سے دیکھو دیکھنے کی چیزیں، (اور دل) تاکہ فکر اور غور کرو اِن کے سبب سے، اور سنی اور دیکھی چیزوں سے خالقِ برحق کی قدرت پر دلیل پکڑو، اور تمہارا حال یہ ہے کہ (تم بہت کم شکرگزار ہوتے ہو)۔اس واسطے کہ شکرگزاری میں عمدہ بات یہ ہے کہ اور اک ان آلوں کو اُس چیز میں استعمال کرو جو خالق کی شناخت کی طرف پہنچا دے۔۔۔

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

اور وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین میں، اور اُسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے●

(اور) تم پر واضح کردے، کہ (وہ وہی ہے جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین میں) یعنی پیدا فرما کر تمہیں زمین میں منتشر کر دیا (اور) قیامت کے دن (اُسی کی طرف تم اٹھائے جاؤ گے) اور اُسی کے حضور میں جمع کیے جاؤ گے، اعضاء و اجزاء کے متفرق ہو جانے کے بعد۔۔۔

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٨٠﴾

اور وہ وہی ہے، جو جلائے اور مارے، اور اُسی کا ہے رات دن کا الٹ پھیر۔ تو کیا تم لوگ عقل نہیں رکھتے؟●

(اور وہ وہی ہے جو جلائے اور مارے)۔۔ چنانچہ۔۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارڈالتا ہے۔ (اور اُسی کا ہے رات دن کا اُلٹ پھیر)، یعنی رات دن کی کمی بیشی۔۔یا۔۔ اِن کا ایک دوسرے کے آگے پیچھے آنا۔ (تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟) یعنی کیا تم نہیں سمجھتے کہ ہماری قدرت نے کُل کائنات کو معدوم سے موجود کیا اور ازانجملہ قبروں سے دوبارہ اٹھانا بھی ہے۔ اس واسطے کہ مرجانے کے بعد سب کو ہم زندہ کریں گے، پھر اُس کا انکار کیوں کرتے ہو۔۔۔ مکہ کے کافر یہ بات نہ سمجھے۔۔۔

بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿٨١﴾ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا

بلکہ یہ سب تو بولے جیسے اگلے بولا کیے ● بولے کہ "کیا جب ہم مرچکے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں،

أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿٨٢﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَٰذَا مِنْ قَبْلُ

تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے ● بے شک یہ دھمکی ہم کو بھی دی گئی، اور ہمارے باپ دادوں کو پہلے سے،

إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٨٣﴾

یہ نہیں ہے مگر اگلوں کی کہانیاں"●

(بلکہ یہ سب تو بولے جیسے اگلے بولا کیے)، یعنی اگلے کافروں کی بات دہرائی۔۔ چنانچہ۔۔ (بولے کہ کیا جب ہم مرچکے اور ہو گئے مٹی اور ہڈیاں، تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے)۔ یعنی جب ہم خاک ہو جائیں گے تو ہمیں اکٹھا کرنا اور اٹھانا کیونکر ہو سکتا ہے؟ (بے شک یہ دھمکی ہم کو بھی دی گئی اور ہمارے باپ دادوں کو پہلے سے) یعنی جس طرح حشر و نشر کا وعدہ کر کے ہم کو دھمکایا جا رہا ہے، اِسی طرح اس مدعی رسالت کے آنے سے پہلے پیغمبری کا دعویٰ کرنے والے لوگوں نے بھی ہمارے باپ دادوں کو حشر و نشر کا وعدہ کر کے دھمکایا تھا، مگر ابھی تک تو یہ وعدہ پورا نہیں ہوا، تو (یہ نہیں ہے مگر اگلوں کی کہانیاں) اور اُن کی جھوٹی باتیں جو کتابوں میں لکھ کر چھوڑ گئے ہیں۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ

پوچھو کہ "کس کی ہے یہ زمین، اور جو کچھ اس میں ہے؟ اگر تم لوگ جانتے ہو" ● ابھی بول دیں گے کہ "اللہ کی"

قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

کہو کہ "پھر کیوں نہیں سبق لیتے؟" ●

اَے محبوب! (پوچھو) اِن منکروں سے (کہ کس کی ہے یہ زمین اور جو کچھ اِس میں ہے) مخلوقات؟ یعنی زمین کا مالک اور خالق کون ہے؟ مجھے اِس کا جواب دو (اگر تم لوگ جانتے ہو)، تو وہ تمہارے سوال کے جواب میں عنقریب کہہ پڑیں گے اور (ابھی بول دیں گے کہ اللہ) تعالیٰ (کی) ۔۔الغرض۔۔وہ اِس حقیقت کا اعتراف کرلیں گے کہ زمین اور جو کچھ اِس میں ہے خدا کے واسطے ہیں، خدا ہی اِن کا مالک وخالق ہے۔

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ کے مشرکین اِس بات کے مقر تھے کہ زمین اور اہلِ زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔

تو جب وہ تمہیں جواب دیں، تو اِن سے (کہو کہ پھر کیوں نہیں سبق لیتے) اور یہ بات کیوں نہیں سمجھتے؟ کہ جو ذاتِ پاک پہلی بار اہلِ زمین کو پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوسری بار بھی اُن کو موجود کرنے میں عاجز نہ ہوگی۔اَے محبوب! دوسری بار اِن سے۔۔۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ

پوچھو کہ "کون ہے پروردگار ساتوں آسمانوں کا، اور پروردگار عرش عظیم کا؟" ● ابھی بول پڑیں گے "اللہ کو"

قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

کہو "پھر کیوں نہیں ڈرتے؟" ●

(پوچھو، کہ کون ہے پروردگار ساتوں آسمانوں کا) اِس کی بڑائی اور اونچائی اور عجیب وغریب صورت وہیئت کے ساتھ، (اور) کون ہے (پروردگار عرشِ عظیم کا) جو سب مخلوقات میں بڑا ہے؟ تو اِس کے جواب میں بھی وہ (ابھی بول پڑیں گے) کہ (اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی یہ سب خدا ہی کے واسطے ہے اور سب کا رب وہی ہے۔تو اَے محبوب! اِن سے (کہو، پھر کیوں نہیں ڈرتے) اور ایسے خالق کی طرف شرک کی نسبت کرنے سے پرہیز کیوں نہیں کرتے؟ اور اُس کی مخلوق میں سے اُس کا شریک

کیوں ٹھہراتے ہو؟ اَے محبوب! اِن سے۔۔۔

قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ

سوال کرو کہ "کس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز پر دباؤ؟ اور وہ تو پناہ دیتا ہے اور اُس کے مقابلے پر کوئی پناہ نہیں دی جاسکتی،

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾

اگر جانتے ہو"●

(سوال کرو کہ کس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز پر دباؤ؟) یعنی وہ کون ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں سب چیزوں کی بادشاہی ہے؟ یعنی سب چیزوں کی مضرت اور منفعت یا اُن کے خزانے جس کے اختیار میں ہوں؟ (اور) اُس کی شان یہ ہو کہ (وہ تو پناہ دیتا ہے) اور فریاد کو پہنچتا ہے اور نگہبانی کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے اپنے عذاب سے بے خوف کر دیتا ہے، (اور اُس کے مقابلے پر کوئی پناہ نہیں دی جاسکتی) یعنی کوئی کسی کو اُس کے عذاب سے بے خوف نہیں کرسکتا اور پناہ نہیں دے سکتا، تو اَے مشرکو! جواب دو (اگر جانتے ہو)؟۔۔۔تو یہ مشرکین اِس سوال کا۔۔۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۗ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾

ابھی جواب دیں گے کہ "اللہ کے،" کہو "پھر کیوں خبط میں رہتے ہو؟"●

(ابھی) یہی (جواب دیں گے، کہ) یہ صفتیں جو تم نے بیان کی ہیں، یہ تو خاص (اللہ) تعالیٰ ہی (کے) واسطے ہے، جو ملکوت کا مالک اور بندوں کو پناہ دینے والا ہے۔ تو اَے محبوب! اِن مشرکین سے (کہو پھر کیوں خبط میں رہتے ہو؟) اور کہاں سے فریب کھا جاتے ہو اور کیونکر راہِ حق سے پھر جاتے ہو، باوصف نورِ توحید ظاہر ہونے اور خدائے مجید کی وحدت پر دلیلیں موجود ہونے کے، حق کی راہ چھوڑ کر کہاں جاتے ہو؟

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اِن کو گمراہی میں پڑا رہنے کو پسند نہیں کیا۔۔۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

بلکہ ہم تو اُن کے پاس لائے حق اور بلاشبہ وہی جھوٹے ہیں●

(بلکہ ہم تو اِن کے پاس لائے حق) یعنی درستی کی راہِ توحید اور وعدۂ حشر ونشر۔ رہ گئے مشرکین،

تو وہ حق بات کی تکذیب کرتے ہیں اور خدا کو صاحبِ اولاد کہتے ہیں اور اِس کا شریک ٹھہراتے ہیں، جس سے ظاہر (اور) واضح ہوگیا کہ (بلاشبہ وہی) مشرکین (جھوٹے ہیں)۔۔۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا

نہ اللہ نے اختیار کیا کوئی اولاد، اور نہ اُس کے ساتھ کوئی معبود ہے، کہ یوں تو لے جاتا ہر معبود

خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾

جو پیدا کرتا، اور ضرور چڑھائی بڑائی کرتے ایک دوسرے پر۔ پاکی ہے اللہ کی، جو وہ بک دیتے ہیں●

(نہ) تو (اللہ) تعالیٰ (نے اختیار کیا کوئی اولاد، اور نہ) ہی (اِس کے ساتھ کوئی معبود ہے) جو خدائی میں اِس کا شریک ہو۔ اس واسطے کہ اگر کوئی خدائی میں اِس کا شریک ہو، تو وہ شریک بھی خدا ہوا، اور جو خدا ہوگا وہ خالق بھی ہوگا، تو چاہیے کہ اُس دوسرے خدا کے بھی چند مخلوق ہوں اور ایسا نہیں ہے۔

کیوں (کہ) اگر بالفرض (یوں) ہوتا (تو لے جاتا ہر معبود جو پیدا کرتا)، یعنی ہر ہر معبود اپنی اپنی مخلوق کو الگ کر لیتا اور اپنی مخلوق میں استقلال کے ساتھ ہمیشہ رہتا۔ تو پھر مخلوقات میں علامت ہونی چاہیے۔ جس کے سبب سے معلوم ہو کہ یہ اِس خدا کی مخلوق ہے اور وہ اُس خدا کی مخلوق ہے۔ اور حال یہ ہے کہ سب دیکھتے ہیں کہ تمام مخلوقات میں کوئی علامتِ فرق نہیں ہے، تو ثابت ہوا کہ خدا ایک ہے اور اُس کے ساتھ کوئی اور خدا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اُس خدائے برحق کے ساتھ کوئی اور خدا ہوتا، تو دوسرا خدا اپنی مخلوق کو جدا کرتا اور اُس کا ملک اِس خدا کے ملک سے جدا ہوتا، تو اُن دونوں خداؤں میں لڑائی جھگڑا ظاہر ہوتا، جیسا کہ دُنیا کے بادشاہوں کے حال سے معلوم ہے۔

(اور) تو اگر یہاں بھی ایسا ہوتا کہ دو خدا ہوتے، تو (ضرور چڑھائی بڑائی کرتے ایک دوسرے پر) اور ہر ایک دوسرے پر اپنی فوقیت چاہتا اور غلبہ ظاہر کرتا۔ چونکہ سب کو معلوم ہے کہ لڑائی جھگڑا واقع نہیں ہے، تو اُس خدائے واحد کا کوئی شریک نہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (پاکی ہے اللہ) تعالیٰ (کی جو وہ بک دیتے ہیں) اس کے تعلق سے کہ وہ صاحبِ اولاد ہے۔ یا۔ اِس کا کوئی شریک ہے۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع۵

جاننے والا غیب وشہادت کا، بلند و بالا ہے اُس سے جس کو شریک بناتے ہیں●

وہ حق سبحانہٗ (جاننے والا) ہے (غیب و شہادت کا) یعنی پوشیدہ اور ظاہر کا، اور (بلند و بالا ہے

اُس سے جس کو شریک بناتے ہیں)، یعنی اِس چیز سے جسے اُس کا شریک ٹھہراتے برتر و بالا ہے۔

پھر حضرت رسولِ کریم ﷺ کا دل خوش کرنے کو حق تعالیٰ مشرکوں پر عذاب نازل کرنے کی خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ۔۔۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ

تم دُعا سکھادو کہ "پروردگارا اگر دکھائے بھی تُو مجھے، جو کافروں سے وعدہ کیا گیا ہے ● تو پروردگارا نہ رکھنا مجھے

فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۴﴾

اِن اندھیر مچانے والوں میں" ●

(تم دُعا سکھادو، کہ پروردگارا! اگر دکھائے بھی تُو مجھے جو کافروں سے وعدہ کیا گیا ہے) دُنیا و آخرت کے عذاب کا، (تو پروردگارا! نہ رکھنا مجھے اِن اندھیر مچانے والوں میں)۔

'معارف القرآن' کے ترجمے سے اِس آیت کریمہ کی جو توجیہہ ظاہر ہوتی ہے اُس کی روشنی میں یہ وہ دُعا ہے جو امتیوں کو نبی نے رب تعالیٰ کے حکم سے سکھائی ہے۔ تو اب یہ دُعا کرنے والے امتی ہیں، نہ کہ نبی ﷺ۔ اس لیے کہ کافروں پر جس عذاب کے نازل ہونے کا وعدہ فرمایا گیا ہے اُس عذاب میں کافروں کے ساتھ نبی کا شریک ہونا محالاتِ خرد میں سے ہے، اس لیے کہ نبی معصوم ہوتا ہے۔ اب اگر اِس کو نبی کریم ہی کی دُعا قرار دی جائے، تو یہ بات فروتنی اور کسرِ نفسی کے واسطے ہے اور اِس میں تواضع کا درس ہے۔۔یا۔۔ اِس بات پر آگاہ کرنے کے لیے ہے کہ ظلم کی نحوست ممکن ہے کہ بے گناہ کو بھی پہنچے۔ اور ظلم سے یہاں شرک مراد ہے۔

وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور بلاشبہ ہم اِس پر کہ تم کو دکھادیں جس کا ہم کافروں سے وعدہ کرتے ہیں، یقیناً قادر ہیں ●

(اور) اَے محبوب! (بلاشبہ ہم اِس پر کہ تم کو دکھادیں) وہ عذاب (جس کا ہم کافروں سے وعدہ کرتے ہیں یقیناً قادر ہیں)، مگر اِس میں جو دیر ہوتی ہے اُس کا سبب یہ ہے کہ اِن کافروں میں سے بعض ایمان لائیں گے۔۔یا۔۔ اِن کی اولاد اسلام قبول کرے گی۔

اب آگے حضرت ربّ العزۃ جل جلالہ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو کامل و مکمل، بزرگ و

برتر اور خوب سے خوب تر مکارمِ اخلاق کا حکم فرماتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَصِفُوۡنَ ﴿۹۶﴾

دُور کرتے رہو بڑی بھلائی سے بُرائی کو۔ہم جانتے ہیں جو بات وہ بناتے ہیں●

(دُور کرتے رہو بڑی بھلائی سے بُرائی کو) یعنی عفو و رحمت کے ساتھ مجرموں کے گناہ سے درگزر رو،اس طرح پر کہ کسی طور سے دین کی اہانت نہ ہونے پائے۔۔یا۔۔اپنے حلم کے بدولت نادانوں سے جہالت دُور کرو۔۔یا۔۔طاعت کا حکم کر کے لوگوں کو گناہ سے باز رکھو۔۔یا۔۔کلمۂ توحید کے سبب سے مشرک کا شرک دفع کرو۔۔یا۔۔امر بالمعروف کر کے بُرائی مٹا دو۔

اِس آیتِ کریمہ کی تفسیر کے تعلق سے بعض عارفین کا قول یہ ہے کہ دفع کرو جفا کو وفا سے۔۔یا۔۔نفس کے اشارے کو دل کی بشارت سے۔۔یا۔۔خلائق کی ظلمت کو حقائق کے نور سے۔۔یا۔۔اپنے حظوظ کو خدا کے حقوق سے۔۔یا۔۔حوادث کا میدان طے کرو معرفتِ قِدم کی راہ میں سلوک کا قدم مار کر۔

رہ گئیں مشرکین کی باتیں اور اِن کی بکواس،تو اَے محبوب!(ہم) خوب(جانتے ہیں جو بات وہ بناتے ہیں) اور تمہارے تعلق سے کہتے ہیں کہ تم شاعر ہو،ساحر ہو،وغیرہ وغیرہ۔۔یا۔۔میرے تعلق سے بکتے ہیں کہ میں صاحبِ اولاد ہوں۔۔یا۔۔میرا کوئی شریک ہے،وغیرہ وغیرہ۔تو اَے محبوب! شیاطین کے شر سے بچنے کے لیے اپنے امتیوں کو ہوشیار کر دو۔۔۔

وَقُلۡ رَّبِّ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیۡنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوۡذُ بِكَ رَبِّ

اور تم یہ دُعا سکھا دو،کہ"پروردگارا تیری پناہ ہے،شیطانوں کے وسوسوں سے● اور تیری پناہ ہے اَے رب،

اَنۡ یَّحۡضُرُوۡنِ ﴿۹۸﴾

کہ وہ میرے پاس آئیں"●

(اور تم) اُن کو (یہ دُعا سکھا دو،کہ پروردگارا! تیری پناہ ہے شیطانوں کے وسوسوں سے) جو ضلالت و معصیت کی طرف بُلاتے ہیں۔۔یا۔۔لوگوں کو فریب اور غرور کے سبب سے ہلاکت میں ڈالتے ہیں،(اور تیری پناہ ہے اَے رب! کہ وہ میرے پاس آئیں) نماز۔۔یا۔۔تلاوت کے وقت۔۔یا۔۔اِس بات سے کہ کسی وقت وہ میرے گرد پھریں۔۔یا۔۔اِس بات سے کہ وہ مجھ کو رنج دیں۔اور اَے محبوب!

یہ کافر برابر تمہیں اور ہمیں بُرائی کے ساتھ جو وصف کرتے ہیں یہ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ اپنی گمراہی پر واقف ہوجائیں اور یہ اُس وقت ہوگا جب اُن پر موت کے آثار طاری ہوجائیں گے، اور عذاب کی علامتیں اُنہیں نظر آنے لگیں گی۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الۡمَوۡتُ قَالَ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ ﴿۹۹﴾

بالآخر جب آگئی اُن میں سے کسی کی موت، تو دُعا کرنے لگا کہ "پروردگارا مجھ کولوٹا دے●

(بالآخر جب آگئی اِن میں سے کسی کی موت تو دُعا کرنے لگا کہ پروردگارا! مجھ کولوٹا دے) دنیا میں۔

اِس آیت میں جمع کا صیغہ مخاطب کی تعظیم کے واسطے ہے۔۔یا یہ کہ۔۔وہ کافر کلمہ رَبِّ کہہ کر استغاثہ کرتا ہے خدا سے، اور کلمہ اِرۡجِعُوۡن کہہ کر ملک الموت اور اُن کے مددگار فرشتوں کی طرف رجوع کرتا ہے، کہ تم مجھے پھیر دو اور دُنیا کی طرف واپس کردو۔۔۔

لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَكۡتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

کہ میں کروں لیاقت کے کام دُنیا میں جسے چھوڑ آیا ہوں۔" "ہرگز نہیں" یہ ایک بات ہی بات ہے جو وہ زبانی کہے جاتا ہے۔

وَمِنۡ وَّرَآئِهِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

اور "ان کے اِدھر درمیانی پردہ ہے، اُس دن تک کہ اٹھائے جائیں●

تا (کہ میں کروں لیاقت کے کام دُنیا میں جسے چھوڑ آیا ہوں)، وہ ایمان ہے، یعنی ایمان لاؤں اور اُس میں نیک کام کروں۔ اِس کی یہ خواہش (ہرگز نہیں) پوری کی جاسکتی۔ (یہ) تو صرف (ایک بات ہی بات ہے، جو وہ زبانی کہے جاتا ہے) چونکہ اِس پر حسرت غالب ہوچکی ہے اس لیے وہ یہ بات کہہ رہا ہے۔ وہ یہ بات صرف دفع الوقتی کے لیے کررہا ہے۔ وہ کفر میں اتنا راسخ ہوچکا ہے کہ اِس سے پلٹنے کا امکان نہیں رہ گیا ہے۔ (اور) اب (اِن کے اِدھر درمیانی پردہ ہے اُس دن تک) کے لیے (کہ اٹھائے جائیں) قبر سے۔۔الغرض۔۔انہیں مرنے کے بعد عالم برزخ ہی میں رہنا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ جو چیز دو چیزوں کے درمیان حائل ہو وہ برزخ ہے اور برزخ دُنیا اور آخرت کے درمیان موت کے وقت سے لے کر حشر تک کا وقت ہے۔ سو جو شخص مرگیا وہ عالم برزخ میں داخل ہوگیا۔ جو صور پھونکنے تک اپنی قبر ہی میں رہے گا جو برزخ ہی کا حصہ ہے۔

سر تک چڑھ جائے گا اور نیچے والا ہونٹ ناف تک لٹک آئے گا۔ یہ بھی روایت ہے کہ اُن کے دونوں ہونٹوں میں چالیس گز کا فاصلہ ہوگا، تو حق تعالیٰ اُن سے فرمائے گا۔۔۔

اَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا

"کیا نہیں پڑھی جاتی تھیں تم پر میری آیتیں؟ تو تم انہیں جھٹلاتے تھے"● چیخ پڑے "پروردگارا،

غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا

غالب ہوگئی ہم پر ہماری بدبختی، اور ہم گمراہ لوگ تھے● پروردگارا نکال ہمیں

مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اِس سے، پھر اگر دوبارہ ہم کریں، تو بے شک ہم اندھیر والے ہیں"●

(**کیا نہیں پڑھی جاتی تھیں تم پر میری آیتیں؟**) یعنی تم پر قرآنِ کریم کی آیات کی تلاوت کی جاتی تھی، (**تو تم انہیں جھٹلاتے تھے**) اور اُس کی تکذیب کرتے تھے یہاں تک کہ اِس عذاب کے مستحق ہوگئے۔ اِس پرجلالِ فرمانِ خداوندی کو سن کر وہ جہنمی لوگ (**چیخ پڑے**) کہ (**پروردگارا غالب ہوگئی ہم پر ہماری بدبختی**)۔ وہ شقاوت جو تُو نے ہمارے واسطے لوحِ محفوظ میں لکھ دی تھی اور تُو نے اُس کا حکم کردیا تھا ۔۔یا۔۔ ہمارے گناہ جو شقاوت کا سبب ہیں وہ ہم پر غالب ہوگئے، (**اور ہم گمراہ لوگ تھے**) راہِ حق سے ہٹے ہوئے۔ (**پروردگارا نکال ہمیں اِس سے**) یعنی دوزخ کی آگ سے، تاکہ ہم اپنے حال کا تدارک اور اپنے کام کی درستی کریں۔ (**پھر اگر دوبارہ ہم کریں**) اور کفر وتکذیب کی طرف پھر جائیں، (**تو بے شک ہم اندھیر والے ہیں**)۔

اپنے نفس پر دوزخیوں کا یہ اخیر کلام ہوگا۔ اِس پر حق تعالیٰ کا۔۔۔

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِیْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

فرمان ہوا کہ "دُتکارے پڑے رہو جہنم میں، اور مجھ سے بات نہ کرو"●

(**فرمان ہوا کہ دتکارے پڑے رہو جہنم میں اور**) اپنے نکلنے ۔۔یا۔۔ عذاب دفع ہونے کے باب میں (**مجھ سے بات نہ کرو**)، اس واسطے کہ نہ میں تم کو دوزخ سے نکالوں گا اور نہ ہی تم پر سے عذاب ٹالوں گا۔ بدنصیبو! کیا تم نے نہیں دیکھا، کہ۔۔۔

إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ

بلاشبہ میرے بندوں کی جماعت تھی، وہ دُعا کیا کرتے تھے، کہ "پروردگارا ہم مان گئے، تُو ہمیں بخش دے اور

ارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٠٩﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا

رحم فرما، اور تُو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے" ● "تو بنالیا تھا تم نے انہیں مذاق،

حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾

یہاں تک کہ اِس شغل سے بُھلا دیا تم نے میری یاد کو، اور اُن سے ہنسا کرتے تھے●

(بلاشبہ میرے بندوں) یعنی عمار و بلال وخبیب اور اُن کے مثل رضی اللہ تعالیٰ عنہم (کی) ایک (جماعت تھی جو دُعا کیا کرتے تھے کہ پروردگارا! ہم مان گئے) تجھ پر ایمان لائے (تو ہمیں بخش دے اور رحم فرما اور تُو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے● تو بنالیا تھا تم نے انہیں مذاق)۔ یعنی اُن فقراء صحابہ کا مذاق اڑایا کرتے تھے (یہاں تک کہ اُس شغل سے بھلا دیا تم نے میری یاد کو)، یعنی اُن کے ساتھ مسخرہ پن کرنے میں ایسا مشغول ہوئے کہ تم بھول گئے میری یاد اور تمہیں میرا خیال ہی نہیں آیا، (اور) تم نے اپنی روِش یہ بنالی کہ (اُن) فقراء صحابہ (سے ہنسا کرتے تھے) تکبر کی راہ سے اور اُن کو حقیر و ذلیل سمجھا کرتے تھے۔ وہ فقراء صحابہ تمہاری حرکتوں پر صبر کیا کرتے تھے اور تمہارے مسخرے پن کے رنج و ایذاء کو برداشت کرتے تھے۔ اِس کا یہ خوشگوار نتیجہ ہے کہ۔۔۔

إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾

بلاشبہ میں نے ثواب دیا انہیں آج، جو انہوں نے صبر کیا۔ بے شک وہی کامیاب ہیں"●

(بلاشبہ میں نے ثواب دیا اُنہیں آج)۔ یہ پھل ہے اُس کا کہ (جو انہوں نے) اِن کی اذیت رسانیوں پر (صبر کیا۔ بے شک وہی کامیاب ہیں) یعنی اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں۔۔ الغرض۔۔ اپنے مطلب تک پہنچنا اُن کے صبر کی جزا ہے۔

زمین پر غفلت اور بڑی امید کی راہ سے کافر کہتے تھے کہ دُنیا میں ہم ہمیشہ رہیں گے نیست و نابود نہ ہوں گے، تو غصے اور غضب کی راہ سے خدا نے۔ یا۔ خدا کے حکم سے فرشتہ نے۔۔۔

قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ

پوچھا کہ "کتنا رہے تم زمین میں، سال کے حساب سے"● جواب دیا کہ "ہم رہے ہوں گے ایک دن یا اس سے کم،

(تو کیا تم نے خیال کرلیا کہ ہم نے پیدا فرمایا ہے تمہیں بس بے کار، اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹائے نہ جاؤ گے)۔

اللہ تعالیٰ نے پہلے قیامت کی صفات بیان کیں، پھر قیامت کے دلائل کی طرف متوجہ کیا، کہ اگر قیامت نہ ہوتی تو مطیع اور عاصی، صدیق اور زِندیق، نیک اور بد کے درمیان امتیاز نہ ہوتا، اور اُس وقت اِس جہاں کو پیدا کرنا فضول اور عبث ہوتا۔ اور جب تمہیں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے، تو معلوم ہو گیا کہ اُس کے سوا اور کوئی مالک اور حاکم نہیں۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

پس بلند و بالا ہے اللہ، بادشاہ سچا۔ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اس کے سوا، پروردگار عرشِ مکرم کا●

(پس بلند و بالا ہے اللہ) تعالیٰ (بادشاہ سچا)۔ یعنی وہ تمام اشیاء کا مالک ہے اُس کی سلطنت اور اُس کی قدرت کو کبھی زوال نہیں۔ ملک اور سلطنت حقیقی طور پر اُسی کو سزاوار اور لائق اور زیبا ہے، کیونکہ ہر چیز کی اُسی سے اِبتداء ہے اور اُسی کی طرف اِنتہاء ہے۔ (نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اُس کے سوا۔ پروردگار عرشِ مکرم کا) یعنی پیدا کرنے والا عرشِ بزرگ کا۔۔۔یا۔۔۔ ایسے عرش کا جو کریم ہے کہ بھلائیاں اور برکتیں اُسی سے نازل ہوتی ہیں۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ

اور جو دُہائی دے اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کی، کہ کوئی دلیل نہیں ہے اُس کی اُس کے پاس، تو اُس کا حساب

عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اُس کے رب ہی کے یہاں ہے۔ بلاشبہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہوتے●

(اور) جب خدا کے سوا کوئی مستحقِ عبادت ہو ہی نہیں سکتا، تو پھر (جو دُہائی دے اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ دوسرے معبود کی)، یعنی خدا کے سوا کو بھی شریکِ خدا سمجھے، باوجودے (کہ کوئی دلیل نہیں ہے اُس) غیر خدا کی پرستش کی اور اُس کے مستحق عبادت ہونے (کی اُس کے پاس، تو اُس کا حساب اُس کے رب ہی کے یہاں ہے)۔ یعنی اُس کے عمل کی جزا اور اُس کے کام کا بدلا اُس کے رب کے پاس ہے، جو اِستحقاق کے موافق اُسے بدلا دے گا۔ اور ذہن نشین رہے کہ (بلاشبہ کافر لوگ کامیاب نہیں ہوتے)۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ یہ عذاب سے چھوٹنے والے نہیں۔

اس سورۂ مبارکہ کو قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ سے شروع فرمایا ہے اور لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ پر ختم فرمایا۔۔الحضر۔۔مومنوں کی کامیابی کی نوید سے اِس سورت کو شروع فرمایا اور کافروں کی ناکامی کی وعید پر اِس سورت کو ختم فرمایا، اور یہ اِس سورت کی ابتداء اور انتہا میں بہت قوی مناسبت ہے اور آخری آیت میں دُعا کی تلقین ہے، کہ اَے محبوب! اپنے امتیوں پر کرم فرماؤ۔۔۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

اور دُعا سکھادو کہ "پروردگارا بخش دے اور رحم فرما، اور تُو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے"●

(اور) اِن کو یہ (دُعا سکھادو، کہ پروردگارا! بخش دے اور رحم فرما اور تُو سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے)۔چونکہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت ہی سے ہر آفت، مصیبت اور عذاب سے نجات مل سکتی ہے، اِسی لیے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے، اُس سے مغفرت ورحمت طلب کرنے اور اُس کی پناہ میں آنے کی دُعا کرنے کی ہدایت فرمائی جارہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ سُوْرَۃُ قَدْ اَفْلَحَ کا اوّل اور آخر ایک خزانہ ہے عرشِ الٰہی کے خزانوں میں سے۔جس شخص نے سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ کی پہلی تین۳ آیات پر عمل کیا اور آخری چار۴ آیتوں سے نصیحت حاصل کی وہ نجات پالے گا، اور کامیابی حاصل کرلے گا۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

الحمدللہ! آج بتاریخ

۱۱رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۴رجولائی ۲۰۱۱ء

بروز پنج شنبہ، 'سورۃ المومنون' کی تفسیر مکمل ہوگئی۔

دُعا گوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اجمعین

باسمہ سبحانہ تعالیٰ۔

بفضلہ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۲رشعبان المعظم ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۵رجولائی ۲۰۱۱ء

بروز جمعہ مبارکہ 'سورۃ النور' کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔

دُعاگوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی

سعادت مرحمت فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ وَبِحُرْمَةِ

سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ سَیِّدُنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اجمعین

سُورَةُ النُّور

سورۃ النور ۲۴ مدنیہ ۱۰۲ — آیاتہا ۶۴ رکوعاتہا ۹

وہ مبارک سورت جس میں مذکور ہے کہ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا 'نور' ہے، اُسی کے 'نور' سے آسمان وزمین منور وروشن ہیں اور اُسی کے 'نور' سے جن وانس ہدایت پاتے ہیں۔۔نیز۔۔ جس سورۂ مبارکہ نے تمام انسانوں کی تمدنی اور اجتماعی حیات کے اصول اور احکام منور اور روشن کردیے ہیں۔۔مزید براں۔۔جس کے علم کو حاصل کرنے کے لیے نبی کریم کی طرف سے خاص طور پر ترغیب فرمائی گئی ہے، اِس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور ایمان والوں کے گناہوں کا اپنے فضل وکرم سے (بخشنے والا) ہے۔

سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَفَرَضۡنٰهَا وَاَنۡزَلۡنَا فِیۡهَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ①

یہ ایک سورت ہے، کہ اتارا ہم نے جسے، اور فرض بیان کیا اِس میں، اور اتارا اِس میں کھلی کھلی آیتیں، کہ سبق لو●

(یہ ایک سورت ہے کہ اتارا ہم نے جسے) عالمِ قدس سے جبرائیل کی وساطت سے، یعنی لوحِ محفوظ سے اِس سورت کو یکبارگی نازل فرمایا۔ پھر اِس کو قسط وار حضرت جبرائیل کی زبان سے نازل کرایا۔

۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔
حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اِس سورت کو لوحِ محفوظ سے حفظ کرلیا، پھر اِس کو رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا۔
اور چونکہ اُنہوں نے یہ سورت اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کہ یہ وہ سورت ہے جو ہم نے نازل فرمائی۔ اِس مقام پر **سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا** کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ۔۔۔
ہم نے یہ سورہ رسول اللہ ﷺ کو عطا کردی (اور فرض بیان کیا اِس میں)۔ یعنی فرض کردیے ہم نے تم پر وہ احکام جو مستحبات کے سوا اِس میں مذکور ہیں۔
ذہن نشین رہے، کہ اِس سورت میں جس طرح فرائض و واجبات بیان کیے گئے ہیں، اِسی طرح اِس سورت میں بہت سے مستحبات بھی ہیں۔
(اور اتارا اِس میں کھلی کھلی آیتیں) حدود و احکام کے تعلق سے، تا (کہ سبق لو) اور نصیحت مانو اور حرام کاموں سے بچتے رہو۔ اِن حکموں میں سے ایک حکم یہ ہے، کہ۔۔۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ
زنا کرنے والی اور زنا کرنے والا، تو مارو اُن میں سے ہر ایک کو سو کوڑے۔
وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ
اور نہ آئے تمہیں اُن پر کچھ ترس قانونِ الٰہی میں، اگر تم مانتے ہو اللہ کو
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢﴾
اور پچھلے دن کو۔ اور حاضر رہے اُن کی سزا کے وقت ایک جماعت مسلمانوں کی ●

(زنا کرنے والی) عورت (اور زنا کرنے والا) مرد جب 'غیر محصن' ہو، (تو) اَے حاکمو! اور اَے اماموا (مارو اُن میں سے ہر ایک کو سو کوڑے) یہ حکم اُس زنا کرنے والے کے ساتھ ہے جو 'محصن' نہ ہو۔ اِس واسطے کہ 'محصن' کی حد 'رجم' ہے۔ 'محصن' ہونے کی شرطیں یہ ہیں: ﴿١﴾۔۔آزادی ﴿٢﴾۔۔ بلوغ ﴿٣﴾۔۔عقل ﴿٤﴾۔۔اسلام ﴿٥﴾۔۔نکاحِ صحیح ﴿٦﴾۔۔خاوند اور بیوی دونوں کا اِن صفات پر ہونا ﴿٧﴾۔۔نکاحِ صحیح کے بعد خاوند کا بیوی سے وطی کرنا۔ لہٰذا بچہ، مجنون، غلام، کافر، نکاحِ فاسد، عدمِ وطی اور زوجین کے اِن صفات پر نہ ہونے سے 'احصان' ثابت نہیں ہوگا۔ (اور) خیال رہے کہ حد جاری

کرتے وقت (نہ آئے تمہیں اُن) دونوں زنا کاروں (پر کچھ ترس قانونِ الٰہی) کی تعمیل اور خدا کی فرمانبرداری (میں، اگر تم مانتے ہو اللہ) تعالیٰ (کو اور پچھلے دن کو)۔

۔۔الغرض۔۔ایمان باللہ اور آخرت پر ایمان کا تقاضا یہی ہے، کہ بلا تکلف قانونِ خداوندی پر عمل کیا جائے۔(اور) یہ بھی خیال رہے کہ جس وقت اُن پر حد نافذ کی جائے، تو (حاضر رہے اُن کی سزا کے وقت ایک جماعت مسلمانوں کی) جو اُن کو اِس سزا کو پاتے ہوئے دیکھے، تاکہ اُن کی تشہیر ہو جائے اور اِس فضیحتی کے سبب سے پھر ایسا کام نہ کریں، اور دوسرے بھی اِس سے عبرت حاصل کریں۔

روایت ہے کہ مدینہ کے یہود۔۔یا۔۔مشرکوں کی عورتیں کرائے کے گھروں میں بیٹھ کر ہر ایک اپنے گھر کے دروازے پر ایک جھنڈی گاڑتی اور لوگوں کو اپنے پاس بُلا کر اُس سے عقد کر کے اُس کو بخوبی معاش دیتی، تو غریب مہاجرین جو گھر بار نہ رکھتے تھے، اُن میں سے بعض کو خیال آیا کہ کیوں نہ اِن عورتوں کو نکاح میں لا کر اہلِ جاہلیت کی عادت کے موافق عیش کیجیے۔ تو حق تعالیٰ نے بدنامی سے بچانے کے لیے آیت نازل فرمائی، کہ۔۔۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘ وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ

زانی نکاح نہ کرے، مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ نکاح نہ کرے، مگر زانی،

اَوْ مُشْرِكٌ٘ وَ حُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ۝۳

یا مشرک سے۔ اور حرام کر دیا گیا ہے یہ مسلمانوں پر●

(زانی) مرد (نکاح نہ کرے مگر زانیہ یا مشرکہ سے اور زانیہ) عورت (نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک سے، اور حرام کر دیا گیا ہے یہ) یعنی زنا کاروں سے نکاح کرنا (مسلمانوں پر)۔

ایک قول یہ ہے، کہ یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا اور آیت وَاَنْكِحُوا الْاَیَامٰى سے منسوخ ہو گیا۔ دراصل یہ حکم ابتداء میں اُن کے عام حالات کے پیش نظر دیا گیا تھا، کیونکہ اکثر اور غالب زنا کرنے والے اپنی مثل زانیہ ہی سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ فاسق خبیث جو زنا کرتا ہے وہ کسی نیک خاتون سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتا، وہ اپنی مثل فاسقہ۔۔یا۔۔مشرکہ سے نکاح کرنے کو پسند کرتا ہے۔ اِسی طرح فاسقہ اور خبیثہ عورت کسی نیک، باشرع متقی مرد سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتی، بلکہ اُس سے متنفر رہتی ہے، جیسا کہ اِس دَور میں آزاد اور فیشن ایبل الٹرا ماڈرن لڑکیاں کسی نمازی داڑھی رکھنے والے شخص

سے نکاح کرنے سے نفرت کرتی ہیں۔۔بلکہ۔۔وہ اپنے جیسے فاسق، آزاد اور فیشن زدہ مَرد سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہیں۔

یہ حکم عام اکثر اور غالب افراد کے اعتبار سے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ نیک کام تو صرف پرہیزگار لوگ کرتے ہیں، حالانکہ بعض اوقات فاسق لوگ بھی نیک کام کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اِس آیت کا مجمل یہ ہے کہ زنا کرنے والا مَرد اور زنا کرنے والی عورت صرف اپنے جیسے سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔۔الحاصل۔۔سورۂ نور کی آیت ۳ میں مذکور لفظ 'حرمت' سے۔۔یا۔۔تو 'کراہتِ تنزیہی' مراد لیں گے۔۔یا۔۔پھر بصورتِ دیگر یہ آیت اِسی سورت کی آیت ۳۲ سے منسوخ قرار دی جائے گی۔ مذکورہ بالا ارشاد میں زانیہ اور مشرکہ سے نکاح کی قباحت وشناعت کی طرف واضح اشارہ فرما کر اب یہ بھی واضح فرمادیا جارہا ہے، کہ کسی کی طرف زناکاری کی نسبت کر دینا کچھ آسان۔۔۔

وَالَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ ثُمَّ لَمۡ یَاۡتُوۡا بِاَرۡبَعَۃِ شُہَدَآءَ

اور جو تہمت لگائیں، پاکباز بیبیوں کو، پھر نہ لائے چار گواہ، تو

فَاجۡلِدُوۡہُمۡ ثَمٰنِیۡنَ جَلۡدَۃً وَّلَا تَقۡبَلُوۡا لَہُمۡ شَہَادَۃً اَبَدًا ۚ

لگاؤ انہیں اسّی کوڑے، اور نہ مانو اُن کی گواہی کبھی۔

وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ۙ﴿۴﴾

اور خود وہی نافرمان ہیں●

(اور) معمولی بات نہیں، اس لیے کہ (جو تہمت لگائیں) زنا کی (پاکباز بی بیوں کو) یا پاکباز مَردوں کو۔

یہاں 'محصنات' کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ اُن پر بہتان تراشی عموماً ہوا کرتی ہے، ورنہ اِس حکم میں عورتیں اور مَرد برابر ہیں۔ یہاں 'صاحبِ احصان' وہ ہے جس میں پانچ صفتیں ہوں: ﴿۱﴾۔۔آزادی ﴿۲﴾۔۔بلوغ ﴿۳﴾۔۔عقل ﴿۴﴾۔۔اسلام اور ﴿۵﴾۔۔زنا سے پاک رہنا۔

تو جو لوگ کسی ایسے مرد۔۔یا۔۔عورت کو زنا کی تہمت لگائیں جس میں یہ پانچوں صفتیں پائی جاتی ہیں، (پھر) اِس کو ثابت کرنے کے لیے (نہ لائے) حاکموں کے پاس ایسے (چار گواہ) عادل جو آزاد،

بالغ اور مسلمان ہوں اور اپنی چشم دید گواہی دیں (تو لگاؤ انہیں) بطورِ حد (اسّی کوڑے)۔

خیال رہے کہ 'غیر محصن' کو زنا کی تہمت لگانے میں 'تعزیر' ہے حد نہیں۔اور تہمت لگانے والی 'حد' زنا کی 'حد' سے، جس کا ثبوت قرآنِ کریم سے ہوا، اور شراب کی 'حد' سے جس کا ثبوت اقوالِ صحابہ سے ہوا، بہت ہلکی ہے۔ کیونکہ جس سبب سے 'حد قذف' جاری ہوتی ہے اُس میں یہ احتمال ہے کہ شاید سچ ہو۔

۔۔الحاصل۔۔اُن تہمت لگانے والوں کو اسّی ۸۰ کوڑے لگاؤ (اور نہ مانو اُن کی گواہی کبھی) یعنی اُن کو جنہوں نے تہمت لگائی اور گواہ نہ لا سکے جس کے نتیجے میں کوڑے کھائے، اُن کو عمر بھر کے لیے 'مردود الشہادۃ' کر دو۔

۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق۔۔۔

جب تک یہ دل سے کھری اور سچی توبہ نہ کرلیں، اُن کی گواہی قبول نہ کرو۔ (اور) یاد رکھو کہ (خود ہی) تہمت لگانے والے لوگ (نافرمان ہیں) اُن سب کے 'فسق' کا حکم کیا گیا ہے۔۔۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

مگر جس نے توبہ کرلی اِس کے بعد، اور لائق بنالیا اپنے کو، تو بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے●

(مگر جس نے توبہ کرلی اِس) تہمت لگانے (کے بعد) اور پھر کسی پر تہمت نہ لگائیں، (اور لائق بنالیا اپنے کو)۔

یعنی اپنی نیتوں کو درست کرلیا، اِس تعلق سے کہ اب وہ کسی مسلمان پر تہمت نہ لگائیں گے، ایسی صورت میں فسق کا نام اُن پر سے اُٹھ جائے گا، مگر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب میں اُن کی گواہی ہمیشہ مردود رہے گی۔

۔۔الختصر۔۔اپنی حالت کی درستگی کرلینے کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت کا مستحق ہو جائے گا، (تو) اِس سے ظاہر ہو گیا کہ (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (غفور) یعنی بندوں کے گناہ بخشنے والا ہے اور (رحیم ہے)، یعنی توبہ کرنے والوں پر مہربان ہے۔

اب اگر کبھی بالفرض ایسی صورت پیش آجائے، جو حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کے چچیرے بھائی عویمر کو پیش آگئی، جس کی شکایت اُنہوں نے عاصم سے کی، کہ انہوں نے اپنی بیوی خویلہ کو شریک ابن سحما کے ساتھ رنگے ہاتھ دیکھ لیا ہے۔۔الختصر۔۔شریک کو اپنی

بیوی خویلہ کے سینے سے لگا ہوا مصروفِ معصیت اپنی نگاہوں سے دیکھ لیا تھا، مگر اس کو ثابت کرنے کے لیے اگر مجرم اعتراف نہ کرے، تو چار گواہوں کو پیش کرنا اُن کے لیے ممکن نہ تھا۔ اور گواہ نہ پیش کرنے کی صورت میں وہ 'حد قذف' کے مستحق ہو رہے تھے، اور اگر بالفرض وہ خاموش رہتے، تو ایسی صورت میں مرد و عورت کے درمیان باعزت طور پر نباہ دشوار ترین امر تھا۔

چونکہ حضرت عاصم اِس مسئلے کے تعلق سے حضور ﷺ سے مسئلہ دریافت کر چکے تھے اور مِن وعَن انہوں نے جو صورت پیش کی وہی، اُن کے برادر کے ساتھ پیش آ گئی، تو پھر وہ سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے اور اِس مسئلے کا حل چاہا۔ حضور ﷺ نے خویلہ کو طلب فرما کر اُن سے اِس کے تعلق سے دریافت کیا، تو اُنہوں نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا، کہ میں نے زنا نہیں کیا۔ بعض تفسیروں میں عاصم کی جگہ سعد بن عبادۃ اور عویمر کی جگہ ہلال ابن امیہ کا ذکر ہے۔ تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ

اور جو عیب لگائیں اپنی بیبیوں کو، اور نہ ہوں اُن کے گواہ سوا خود اپنے کے، "تو فریقین میں سے ایک کی گواہی ہے

اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦ وَالْخَامِسَةُ

چار مرتبہ گواہی دینا، اللہ کے نام سے، کہ وہ سچا ہے● اور پانچویں

اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٧

یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر، اگر وہ جھوٹا ہے"●

(اور) یہ ارشادِ الٰہی ہوا کہ (جو عیب لگائیں اپنی بی بیوں کو اور نہ ہوں اُن کے گواہ سوا خود اپنے کے)، یعنی اپنے سوا کوئی دوسرا گواہ نہ ہو، (تو فریقین میں سے ایک کی گواہی ہے چار مرتبہ گواہی دینا اللہ) تعالیٰ (کے نام سے کہ وہ سچا ہے) اِس عورت کو زنا کے ساتھ منسوب کرنے میں۔

۔۔المختصر۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم کھا کر ایک بار اپنی سچائی کی گواہی دینا، یہ ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ ایسے ہی دوسری قسم دوسرا گواہ اور تیسری قسم تیسرا گواہ، اور چوتھی قسم چوتھا گواہ قرار پائے گی۔ اِس کے لیے ہر ہر قسم کا مضمون یہی ہوگا، کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر گواہی دیتا ہوں کہ میں نے جو زنا کا الزام لگایا ہے اُس میں میں سچا ہوں۔ (اور پانچویں) گواہی میں اُسے (یہ) کہنا ہوگا (کہ اللہ) تعالیٰ

(کی لعنت ہو اِس پر اگر وہ جھوٹا ہے)۔

۔۔الختصر۔۔مَرد کا لِعان یہ ہے کہ چار بار کہے کہ خدا کی قسم میں نے اِس عورت کو جو بُری بات کہی ہے اُس میں میں سچا ہوں، اور پانچویں بار کہے کہ جو بُری بات میں نے اِس عورت کو کہی، اگر میں اُس میں جھوٹا ہوں، تو مجھ پر خدا کی لعنت۔ اور ہر بار اِس عورت کی طرف اشارہ کرے۔ اور اِس لِعان کا حکم یہ ہے کہ مَرد پر سے 'قذف' کی حد ساقط اور جورُو خاوند میں جدائی کر دیں گے۔ یہ امامِ اعظم کے نزدیک 'طلاق کی جدائی' ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک 'فسخ کی جدائی' ہے۔ اور عورت پر زنا کی حد ثابت ہو جائے گی اور اگر شوہر لعان سے انکار کرے، تو امامِ اعظم کے مذہب پر اُسے قید کریں گے۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ

اور ہٹا دیتا ہے عورت سے سزا کو، یہ کہ "وہ دے چار بار گواہیاں اللہ کے نام سے،

الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹

کہ مَرد جھوٹا ہے● اور پانچویں کہ اللہ کا غضب ہو اُس پر، اگر مَرد سچا ہو"●

(اور ہٹا دیتا ہے عورت سے) قید۔۔یا۔۔حد کی (سزا کو یہ، کہ وہ دے چار بار گواہیاں اللہ تعالیٰ (کے نام سے کہ مرد جھوٹا ہے) اُس بُری بات میں جو اُس نے مجھے کہی، (اور پانچویں) گواہی یہ کہ (اللہ) تعالیٰ (کا غضب ہو اِس) عورت (پر اگر مرد سچا ہو) اُسے وہ بُری بات کہنے میں۔

عورت کا لعان یہ ہے کہ چار بار کہے کہ گواہی دیتی ہوں میں بخدا کہ یہ مرد جھوٹا ہے اُس بُری بات میں جو اُس نے مجھے لگائی، اور پانچویں بار کہے کہ اگر یہ مرد اِس بُری بات میں سچا ہو، تو مجھ پر خدا کا غضب پڑے اور ہر بار مرد کی طرف اشارہ کرے۔

روایت ہے کہ حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے نمازِ عصر کے بعد عویمر اور خویلہ کو طلب فرمایا اور جس طور پر مذکور ہوا اُسی طرح مرد و عورت دونوں نے گواہی دی اور لعنت اور غضب کا جب ان دونوں نے نام لیا، تو آنحضرت ﷺ نے آمین کہا اور لوگوں نے بھی۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

اور کیا ہوتا، اگر نہ ہوتا، اللہ کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت، اور یہ کہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا حکمت والا ہے●

غور کرو (اور) سوچو کہ (کیا ہوتا اگر نہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت، اور یہ کہ اللہ) تعالیٰ (توبہ قبول فرمانے والا حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے حدوں کا۔ تو اگر وہ فضل وکرم والا نہ ہوتا، تو حکموں میں ضرور تم کو فضیحت کرتا اور جھوٹے کو عذاب میں مبتلا کرتا۔

اور بعضے یہ معنی کہتے ہیں، کہ۔۔۔

اگر تم پر عذاب کی تاخیر کر کے فضل ورحمت نہ فرماتا، تو تم ہلاک ہو جاتے۔۔یا۔۔اگر سزائیں مقرر فرما کر اور بُری باتوں سے منع کرنے کے سبب سے خدا فضل نہ فرماتا، تو تمہاری نسل منقطع ہو جاتی اور لوگ ایک دوسرے کو ہلاک کر ڈالتے۔۔یا۔۔توبہ قبول فرما کر اگر تم پر رحم نہ کرتا، تو تم ناامیدی میں حیران رہتے، تو اُس نے تم کو توبہ کی توفیق دے کر امیدوار کیا۔

اِس کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بری الذمہ ہونے کے باب میں آیتیں ہیں۔ اِس واقعہ کے اجمالی بیان سے پہلے یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے، کہ حضرت ام المومنین پر منافقین نے ایک تہمت لگائی، جو قطعی اور یقینی طور پر غلط تھی، رب قدیر جس کو بخوبی جانتا تھا۔۔۔

وہ اگر چاہتا تو فوراً ہی اُن کی پاکی کی آیات نازل فرما دیتا، لیکن اُس نے آیات نازل فرمانے میں تاخیر فرمائی، تاکہ جو منافقین، مومنین مخلصین کی جماعت میں چھپے ہوئے ہیں، وہ کھل کر سامنے آجائیں اور پھر اِس کے بعد جب خدائے قادرِ مطلق نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی کو ظاہر فرمانا چاہا، تو کائنات کی کسی شے سے آپ کی پاکی کی گواہی نہیں دلائی۔

وہ خدا جس نے حضرت مریم کی پاکی کی گواہی ایک شیر خوار بچے، یعنی حضرت عیسیٰ سے ایامِ شیر خوارگی میں دلوائی۔۔یوں ہی۔۔حضرت یوسف کی پاکی کی گواہی ایک بے شعور بچے سے دلائی۔ وہ قادرِ مطلق اگر چاہتا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی کی گواہی بھی کائنات کی کسی شے سے بھی دلا سکتا تھا۔ درختوں، پتھروں، جانوروں، شیر خوار بچوں، وغیرہ وغیرہ کسی سے بھی دلوا سکتا تھا۔ مگر اُس نے اِن میں سے کسی کو بھی گواہ نہیں بنایا۔۔بلکہ۔۔اپنی حکمتِ کاملہ سے ایسے حالات ظاہر فرما دیے کہ خود اپنے محبوب ﷺ کو بھی خاموش رکھا، تاکہ وہ بھی پاکی کی شہادت دینے سے گریز کریں۔

ایسا لگتا ہے جیسے حکمتِ خداوندی ارشاد فرما رہی ہو، کہ اَے محبوب! یہ تمہاری زوجہ پاک کی طہارت وپاکی کی گواہی کی بات ہے، یہ کام میں عرش وفرش اور زمین وآسمان کی کسی مخلوق سے

نہیں لوں گا۔ یہاں تک کہ خود تم کو بھی گواہ نہیں بناؤں گا، بلکہ میں خود پاکی کی شہادت دوں گا۔ میری شہادت میرا کلام ہوکر قرآنِ کریم کا جزء ہوگی جو اِس قدر قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہوگی، کہ آپ کی زوجہ پاک کی پاکی وطہارت کا عقیدہ ضروریاتِ دین میں ہوجائے گا جس کا منکر کافر و مرتد ہوجائے گا۔۔نیز۔۔اُن کی طہارت کا ڈنکا قیامت تک بجتا رہے گا۔

اِس مقام پر یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اِس مقام پر رسولِ کریم کی اِس تعلق سے خاموشی، صحیح صورتِ حال سے آپ کی لاعلمی کی دلیل نہیں۔۔بلکہ۔۔یہ واقعہ خداوند قادرِ مطلق کی حکمتِ تامہ اور اُس کی قدرتِ کاملہ کی دلیل ہے جس نے ایک حکمتِ بالغہ کے تحت اِس واقعہ کی طرف اپنے محبوب کی توجہ ہونے نہیں دی۔

غور کیجیے کہ یہ تو کوئی سعادتمند کہہ ہی نہیں سکتا، کہ نبی کریم کو تمام اسلامی بنیادی عقیدوں کا بھی علم نہیں تھا۔اور جب آپ سارے اسلامی عقائد سے باخبر تھے، تو ضرور بالضرور اس عقیدے سے بھی باخبر ہوں گے کہ نبی کی بیوی کافرہ تو ہوسکتی ہے فاحشہ نہیں ہوسکتی۔اس لیے کہ کفر بری چیز تو ضرور ہے، مگر بدکاری وغیرہ فواحشات کی طرح گھنونی نہیں۔۔چنانچہ۔۔نبی کی ازواج فواحشات سے ہمیشہ پاک وصاف رہیں۔اور یہ عقیدے کا مسئلہ ہے، تو رسولِ کریم کو اِس کا علم یقینی طور پر ہوگا۔

اور نبی کریم کو اِس بات کا بھی یقینی علم ہے، کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی کی زوجہ ہیں، تو پھر اِس صورت میں آپ ﷺ کو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکی وطہارت سے لاعلم ہونے کا سوال ہی کہاں رہ جاتا ہے۔ذہن نشین رہے کہ حکمت ومصلحت کے پیشِ نظر کسی بات کا اظہار نہ کرنا جہل کی دلیل نہیں۔اور وہ بھی اِس صورت میں جب کہ خود سرکار ﷺ نے فرمادیا ہو کہ میں "اپنی اہل سے خیر کے سوا کچھ نہیں جانتا"۔۔الختصر۔۔خدائی گواہی سے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو جو اعزاز ملا ہے، وہ اُور کسی کی گواہی سے نہیں مل سکتا تھا۔اب مناسب لگتا ہے کہ ادب واحترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اِس واقعہ کو مختصراً اور اجمالاً بیان کردیا جائے۔

ہجرت کے پانچویں برس جنگ مریسیع کا اتفاق ہوا، تو جنابِ صدیقہ اُس سفر میں ساتھ تھیں اور وہ ایک منزل میں کجاوہ سے اتریں، اور اُن کا ہار کھوگیا۔اُسے ڈھونڈھنے کے لیے ٹھہرنے کی جگہ سے دُور تشریف لے گئیں اور ذرا دیر ہوئی۔اِدھر خادموں نے کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا، یہ نہ دیکھا کہ کجاوہ خالی ہے۔۔یا۔۔جنابِ صدیقہ اِس میں بیٹھی ہیں اور وہ

لوگ وہاں سے چل نکلے۔ حضرت صدیقہ جب پھر وہاں تشریف لائیں اور دیکھا کہ وہاں کوئی نہیں، تو اُسی جگہ ٹھہر گئیں یہاں تک کہ صفوان بن معطل جو حضرت رسولِ کریم ﷺ کے حکم سے لشکر کے پیچھے پیچھے آیا کرتے، وہ وہاں پہنچے اور حضرت صدیقہ اُن کے اونٹ پر سوار ہو کر لشکر میں جا ملیں۔

ابن ابی رئیس المنافقین نے صفوان کے اونٹ پر اُنہیں سوار دیکھ کر وہ بات کہی جو حضرت سیدِ عالم ﷺ کے حرم محترم کی نسبت کہنا لائق نہ تھا۔ اور جب مدینہ منورہ میں سب پہنچے، تو یہ خبر حضرت ﷺ سے عرض کی گئی، اور حضرت صدیقہ بیمار ہوگئی تھیں۔ اُنہیں اِس بات کی خبر نہ ہوئی، مگر حضرت ﷺ کی طرف سے بے التفاتی دیکھتیں، اجازت لے کر اپنے والد کے گھر آئیں۔ وہاں یہ حال سنا، تو اِس صدمے سے مرض اُور بڑھا۔ دن رات رویا کرتیں۔

اور پھر آنحضرت ﷺ حضرت بی بی عائشہ کا حال تحقیق کرنے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اپنی بی بیوں اور بڑے بڑے صحابہ سے آپ پوچھتے، سب اُن کی پاکدامنی پر گواہی دیتے۔ ایک دن حضرت ﷺ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لائے اور حضرت عائشہ کو روتے دیکھ کر فرمایا، کہ اَے عائشہ اگر تم نے گناہ کیا ہے، تو خدا سے توبہ کرو اور بخشش چاہو۔ حضرت عائشہ نے اپنے ماں باپ سے کہا، کہ آپ لوگ حضرت کی اِس بات کا جواب دیں۔ کسی نے جرأت نہ کی، تو خود حضرت صدیقہ نے نہایت خوف و دہشت کے عالم میں یہ بات عرض کی، کہ یارسول اللہ دشمنوں نے یہ خبر اڑادی ہے اور میں جو کہتی ہوں کوئی باور نہیں کرتا۔ تو میں اب وہی کہتی ہوں جو یوسف علیہ السلام کے باپ نے کہا تھا کہ **فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ**۔ بس اِس گفتگو کے ساتھ حضرت ﷺ پر وحی کا اثر ظاہر ہوا اور برأت کی آیتیں نازل ہوئیں۔۔ کہ۔۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ

بے شک جنہوں نے گڑھا اتنا بڑا ابہتان تمہیں سے کچھ ہیں۔ اُس کو اپنے لیے بُرا نہ سمجھو،

بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ

بلکہ وہ بہت اچھا ہے تمہارے لیے ان میں سے ہر ایک کا گناہ وہ جو اُس نے کمایا،

وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑪

اور جس نے بڑا حصہ لیا اُس کے لیے بڑا عذاب ہے●

(بے شک جنہوں نے گڑھا اتنا بڑا بہتان) اور جھوٹ صدیقہ کی شان میں، (تمہیں سے کچھ ہیں)۔

وہ پانچ آدمی تھے: ﴿۱﴾۔۔عبداللہ بن ابی، منافقوں کا پیشوا۔﴿۲﴾۔۔زید بن رفاعہ۔

﴿۳﴾۔۔حسان بن ثابت شاعر۔﴿۴﴾۔۔مسطح بن اثاثہ، حضرت صدیق اکبر کی خالہ کا بیٹا۔

﴿۵﴾۔۔حمنہ بنت جحش، ام المومنین حضرت زینب کی بہن۔ اِن میں ابن ابی اُس فتنے کا سرغنہ تھا جس نے اس بات کو اڑایا تھا، باقی اُس کے فریب خوردہ افراد تھے۔

تو اَے محبوب! اور اَے صدیقہ اور اَے صفوان! تم لوگ (اِس کو اپنے لیے بُرا نہ سمجھو بلکہ وہ بہت اچھا ہے تمہارے لیے)، اس واسطے کہ تم نے بڑا ثواب پایا اور تمہاری براءت اور پاکی میں آیتیں نازل ہوئیں، اور تمہاری بزرگی اور عظمتِ شان سب پر ظاہر ہوگئی اور سب جھوٹ بولنے والوں اور بہتان باندھنے والوں کے باب میں وعید ہوگئی، کہ (اُن میں سے ہر ایک کا گناہ وہ جو اُس نے کمایا، اور جس نے بڑا حصہ لیا اُس کے لیے بڑا عذاب ہے)۔۔الختصر۔۔ہر شخص کا اِس کے کرتوت کے مطابق مواخذہ ہوگا۔

اِس قضیہ کے تعلق سے بھی مختلف لوگوں کا مختلف رویہ رہا۔ بعض ہنسے تھے، بعض نے بُری باتیں کہی تھیں، بعض چپ رہے اور منع نہیں کیا۔۔الغرض۔۔جس جس نے گستاخی کی اُس کو اُس کی سزا مل گئی۔ اب رہ گئی یہ بات کہ اُس گروہ میں وہ کون تھا جس نے بہت بُری اور بہت بدتر بات کی؟ وہ عبداللہ ابن ابی رئیس المنافقین تھا، جس کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے اور دُنیا میں بھی اُس پر حدِ قذف جاری کی گئی اور اِس سے وہ ذلیل ورسوا ہوگیا۔ ایک قول ہے کہ بڑی بات کہنے والے حسان تھے جو آخری عمر میں نابینا ہوگئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ مسطح تھے جن کے ہاتھ شل ہوگئے۔۔الختصر۔۔ہر شخص اپنے کرتوت کی سزا دُنیا ہی میں پا گیا۔

یہ وہ موقع تھا کہ ایمان والے اپنی ایمانی شان کا مظاہرہ کرتے۔۔تو۔۔

لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا

کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے سنا اُسے، تو گمان رکھتے ایمان والے مرد وعورت، اپنوں کے ساتھ اچھا؟

وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾

اور کہہ دیتے کہ "یہ کھلا ہوا بہتان ہے"●

(کیوں نہ ہوا) ایسا (کہ جب تم نے سنا اِسے) یعنی یہ بہتان والی بات سنی، (تو گمان رکھتے

ایمان والے مرد وعورت اپنوں کے) یعنی اپنے دین والوں کے (ساتھ اچھا)، جیسا کہ خود اپنی ذاتوں کے ساتھ گمان کرتے ہیں۔ یعنی مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ یہ جھوٹ بات سن کر حضرت عائشہ اور حضرت صفوان کی طرف نیک گمان کرتے، (اور کہہ دیتے) جس طرح یقین کرنے والا کوئی مرد کسی حال پر مطلع ہو کر کہتا ہے، (کہ یہ کھلا ہوا بہتان ہے)۔ اس واسطے کہ حق تعالیٰ پیغمبروں کی بی بیوں کو ایسے حال سے محفوظ رکھتا ہے، اُن کی تعظیم وتکریم کے واسطے۔ اگر یہ بہتان طراز دُنیاوی لحاظ سے بھی جھوٹے نہیں تھے۔۔تو۔۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ

کیوں نہ لائے اس کے چار گواہ؟ اب جو نہ لائے گواہ،

فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں●

(کیوں نہ لائے اُس کے چار گواہ) کہ گواہی دیں اِس بات کی جس پر وہ قذف کرتے ہیں۔ اور (اب جو) وہ (نہ لائے) چار (گواہ، تو وہی اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک) یعنی حکمِ خداوندی میں (جھوٹے ہیں)۔ ظاہر اور باطن میں اس واسطے کہ اگر گواہ لاتے، تو ظاہر حکم میں جھوٹے نہ ہوتے، مگر حقیقت میں جھوٹے ہوتے۔ اس واسطے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواجِ مطہرات پر یہ صورت محال ہے اور چونکہ گواہ نہ لائے تو ظاہر میں بھی جھوٹے ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ

اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر، اور اس کی رحمت دُنیا وآخرت میں، تو ضرور پہنچ جاتا تمہیں

فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾

اس میں جس میں تم لوگ پڑ گئے تھے، بڑا عذاب●

(اور اگر نہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت دُنیا وآخرت میں)، دُنیا میں توبہ کی توفیق دے کر اور آخرت میں عفو ومغفرت فرما کر، (تو ضرور پہنچ جاتا تمہیں اُس میں جس میں تم لوگ پڑ گئے تھے بڑا عذاب) کہ حدِ قذف اور لوگوں کی ملامت کی سختی اُس عذاب کے سامنے حقیر ہوتی۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ

جوایک دوسرے کی زبان سے لیتے تھے، اور اپنے منہ سے کہہ ڈالتے تھے، جس کا تمہیں کچھ علم نہیں،

وَّ تَحْسَبُوْنَهٗ هَیِّنًا ۖۗ وَّ هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمٌ ﴿۱۵﴾

اور تم خیال کرتے رہے اِس کو معمولی بات۔ اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات ہے●

(جوایک دوسرے کی زبان سے لیتے تھے)، یعنی جب تم یہ تہمت اپنی زبانوں سے نقل کرتے رہے (اور اپنے منہ سے کہہ ڈالتے تھے)۔ یعنی اپنے مونہوں سے وہ بات کہتے رہے (جس کا تمہیں کچھ علم نہیں) تھا، (اور تم خیال کرتے رہے اِس کو معمولی بات۔ اور) صورتِ حال یہ ہے کہ (وہ اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک) بہت (بڑی) اور بڑی ہی سنگین (بات ہے)۔

وَ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖۗ

اور کیوں نہ ہوا کہ جب سنا تھا تم نے اُسے، تو "کہہ دیتے کہ ہمیں حق نہیں کہ ایسا بولیں۔

سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۶﴾

پاکی ہے تیری، یہ بڑا بہتان ہے"●

(اور کیوں نہ ہوا کہ جب سنا تھا تم نے اُسے، تو کہہ دیتے کہ ہمیں حق نہیں کہ ایسا بولیں)۔

جیسا کہ ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا، جب کہ اُن کی زوجہ نے اُن سے پوچھا تھا، کہ تم نے وہ بات سنی ہے جو حضرت عائشہ کے باب میں لوگ کہتے ہیں۔ حضرت ابوایوب بولے کہ ہاں سنی ہے، وہ بات جھوٹ ہے۔ کیا تُو اپنی نسبت اِس فعل کو جائز رکھتی ہے؟ اُن کی زوجہ بولیں، واللہ نہیں! پس ابوایوب نے کہا کہ واللہ عائشہ صدیقہ تجھ سے بہتر ہیں۔ تو پیغمبر کی بی بی کی نسبت یہ کام کب ممکن ہوسکتا ہے۔ یہ بہتانِ عظیم ہے۔

(پاکی ہے تیری) اَے خدا! اِس سے کہ اپنے پیغمبر کے حرم محترم میں خرابی اور بُرائی ڈال سکے۔ بے شک (یہ) کلام (بڑا بہتان ہے) جو منافقین کا باندھا ہوا ہے۔

یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ۚ

نصیحت فرمائے دیتا ہے تمہیں اللہ کہ "دوبارہ ہوا ایسا کبھی، اگر ماننے والے ہو"●

(نصیحت فرمائے دیتا ہے تمہیں اللہ) تعالیٰ (کہ دوبارہ ہوا ایسا کبھی)۔ یعنی جب تک زند

ہو ہرگز کبھی ایسی بات پھر نہ کہنا (اگر ماننے والے ہو) اور خدا پر ایمان والے ہو۔ اس واسطے کہ ایمان مسلمانوں کے باب میں طعن کرنے کو عموماً مانع ہے، خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے باب میں جو مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور بیان فرماتا ہے، اللہ تمہارے لیے آیتوں کو۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارے لیے آیتوں کو) تاکہ نیک ادبوں کی تم کو راہ بتائیں، تاکہ تم نصیحت پکڑو اور ادب کی راہ سے نہ پھرو۔ (اور اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، وہ خوب جانتا ہے حضرت عائشہ کی پاکدامنی کو اور (حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے کہ وہ عیب اور عار سے بالکل بری الذمہ ہیں۔۔۔ یاد رکھو کہ۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ

بے شک جو چاہتے ہیں کہ پھیل جائے بُرا چرچا مسلمانوں میں، ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے۔

اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

دُنیا و آخرت میں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم لوگ نہیں جانتے●

(بے شک جو چاہتے ہیں کہ پھیل جائے بُرا چرچا مسلمانوں میں) اور اُن کی خواہش یہ ہو، کہ وہ اس شرمناک بات کو اپنی زبان سے بیان کریں اور اِس کو شہرت دیں، (اُن کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہے دُنیا) میں 'حدِ قذف' اور بدنامی کی صورت میں، (و آخرت میں) عذابِ دوزخ کی شکل میں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے) اُس کی بُرائی جس میں تم نے فکر کی ہے۔ (اور تم لوگ نہیں جانتے)۔ اگر جانتے، تو تہمت لگانے والی حرکت سے اپنے کو باز رکھتے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ ع ۸ النصف

اور غضب تھا اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اُس کی رحمت، اور یہ کہ اللہ بڑا مہربان رحم فرمانے والا ہے●

(اور) کیا ہی (غضب تھا! اگر نہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر) تحمل و برُدباری کے ساتھ (اور اُس کی رحمت) مہربانی اور شانِ ربوبیت کے ساتھ، (اور یہ کہ اللہ) تعالیٰ (بڑا مہربان) ہے۔

جس پر افتراء کیا گیا ہے اُس کا بری الذمہ ہونا ظاہر کرتا ہے اور (رحم فرمانے والا ہے)۔ اگر توبہ کے سبب سے افتراء کرنے والے کا گناہ نہ بخشتا، تو ضرور تم پر عذاب نازل ہوتا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ

اے ایمان والو! نہ لگو شیطان کے قدموں سے۔ اور جو لگا شیطان کے قدموں سے،

الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

تو بلاشبہ وہ تو حکم دے بے حیائی اور برائی کا۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر

وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ

اور اُس کی رحمت، تو کوئی تم میں سے پاکیزہ کبھی نہ ہوتا۔ لیکن اللہ

يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

پاک فرمادے جسے چاہے۔ اور اللہ سننے والا علم والا ہے●

(اے ایمان والو! نہ لگو شیطان کے قدموں سے) اور اُس کی پیروی نہ کرو۔ یعنی گناہوں کی طرف اُس کی راہوں کی۔ اور حضرت عائشہ پر تہمت رکھنے میں اُس کے وسوسوں کی پیروی نہ کرو۔ (اور جو لگا شیطان کے قدموں سے) اور اُس کے اثروں کی متابعت کرے، (تو) اُسے تو غلط روی کا شکار ہونا ہی ہے، کیونکہ (بلاشبہ وہ تو حکم دے) گا (بے حیائی اور بُرائی کا)۔

بے حیائی سے مراد وہ امور ہیں جو عقلاً اور عرفاً معیوب ہوں، اور منکر سے مراد اُس کام کا حکم کرنا ہے جو شرعاً بُرا ہے۔

(اور اگر نہ ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا فضل تم پر) توبہ کی توفیق دے کر۔۔۔یا۔۔حدیں مقرر کر کے، جو گناہوں کا کفارہ ہیں (اور اس کی رحمت) تمہیں پاک کرنے کو، (تو کوئی تم میں سے پاکیزہ کبھی نہ ہوتا) اُس عیب جوئی اور بدگوئی کے میل سے۔ (لیکن اللہ) تعالیٰ (پاک فرمادے) توبہ قبول کر کے (جسے چاہے اور اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے لوگوں کی باتیں اور (علم والا ہے)، اُن کی نیتوں کو جانتا ہے۔۔۔

چونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی منافقین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اُن کے ہم خیال ہو گئے تھے، بعد میں اُنہوں نے سچی اور کھری توبہ کر لی تھی، پھر بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن کے تعلق سے طے کر لیا تھا کہ میں اپنے خلیرے بھائی

مسطح کو نہ خرچ دوں گا اور نہ ہی اُن کے ساتھ کوئی بھلائی کروں گا، اور اِس کے لیے قسم بھی کھائی تھی۔ تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَى

اور نہ قسم کھا بیٹھیں تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے، قرابت والوں

وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ

اور مسکینوں اور راہِ خدا میں گھر بار چھوڑنے والوں کو دینے سے، اور چاہیے کہ معاف کردیں اور درگزر کریں۔

أَلَا تُحِبُّوْنَ أَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾

کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ بخش دے تمھیں۔ اور اللہ غفور رحیم ہے●

(اور) چاہیے کہ (نہ قسم کھا بیٹھیں تم میں فضیلت والے) بزرگی والے جو دین میں بزرگی رکھتے ہیں (اور گنجائش والے)، یعنی مقدرت والے جو مال کی رُو سے فراغت رکھتے ہیں (قرابت والوں اور مسکینوں اور راہِ خدا میں گھر بار چھوڑنے والوں کو دینے سے)۔

مسطح قرابت دار بھی تھے اور محتاج بھی اور مہاجر بھی۔

(اور) جب اُنھوں نے سچی توبہ کرلی ہے، تو (چاہیے کہ) انہیں (معاف کردیں اور) اُن سے (درگزر کریں۔ کیا تم لوگ نہیں چاہتے کہ اللہ) تعالیٰ (بخش دے تمھیں) تو تم بھی اُوروں کے گناہ سے درگزر رو۔ (اور) سوچو کہ (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے باوصف اِس کے کہ بدلا لینے پر کمالِ مرتبہ اُسے قدرت حاصل ہے اور (رحیم ہے) یعنی گنہگاروں پر مہربان ہے۔ تو تمھیں بھی چاہیے کہ اُس کے اخلاق سے خلق حاصل کرو۔

یہ آیت کریمہ اصحابِ کرام میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلتِ مطلقہ پر روشن دلیل ہے۔ چونکہ سورۂ نور کی آیت ۴ اور آیت ۵ میں عام مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے کے متعلق حکم نازل ہوچکا ہے۔ اِس لیے اگلی تین ۳ آیات بھی حضرت عائشہ کی تہمت سے برأت اور آپ کی فضیلت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہیں۔ حضرت عائشہ پر تہمت لگانے کی جو سزا آگے مذکور ہے، وہ عام مسلمان عورتوں پر تہمت لگانے کی سزا سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ 'حدِ قذف' میں صرف اسّی ۸۰ کوڑے کی سزا ہے، پھر جب وہ توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں، تو اُن کی مغفرت ہوجائے گی۔ لیکن ام المومنین پر بدکاری کی تہمت لگانا کوئی معمولی اور سرسری جرم

نہیں، اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُس کی سزا میں تین ۳ آیتیں نازل فرمائیں۔

ایک یہ کہ اُس پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کی جائے گی، دوسری سزا یہ ہے کہ قیامت کے دن اُس کی زبان اور اُس کے ہاتھ اور پاؤں اُس کے خلاف گواہی دیں گے، کہ وہ دُنیا میں کیا کرتا رہا تھا، اور اُس کو اِس طرح رسوا کیا جائے گا۔ اور تیسری سزا یہ ہے کہ اُس کو قیامت کے دن پورا پورا عذاب دیا جائے گا، اور یہ بہت سخت سزا ہے۔ یہ سزا اُس کو دی جائے گی جس کا جرم بہت سنگین ہو۔ الختصر۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا

بے شک جو عیب لگائیں پارسا، انجان مسلمان عورتوں کو، وہ لعنت کیے گئے ہیں

فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾

دُنیا وآخرت میں۔ اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے●

(**بے شک جو عیب لگائیں پارسا، انجان مسلمان عورتوں کو**)، ایسی عورتوں کو جو پاکباز ہوں اور جنہیں اُس چیز کی خبر بھی نہیں جن کی انہیں تہمت لگاتے ہیں اور جو سچی ایمان والیاں ہیں۔

یہاں عورتوں سے مراد کیا ہیں؟ اِس کے تعلق سے جو راجح قول ہے اُس کا ذکر میں نے اوپر کر دیا ہے، کہ وہ حضرت عائشہ ہیں۔ مگر اِس کے تعلق سے دوسرے بھی اقوال ہیں:

﴿۱﴾۔۔اِس سے مراد رسولِ کریم کی تمام ازواجِ مطہرات ہیں۔

﴿۲﴾۔۔یہ مہاجروں کی شان میں ہے۔

﴿۳﴾۔۔یہ عام ہے تمام مسلمانوں کو شامل ہے۔

جہاں تک کہ تہمت کی سزا کی بات ہے تو وہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی پر تہمت لگائی جائے، تہمت لگانے والا مذکورہ بالا تینوں سزاؤں کا مستحق ہوگا۔ لیکن تہمت واقع میں صرف حضرت عائشہ پر لگائی گئی اس لیے خاص کر کے ام المومنین حضرت عائشہ کو مراد لینا ہی قرین قیاس ہے۔ بہر تقدیر جو لوگ ایسی ذات کو تہمت لگاتے ہیں۔

(**وہ لعنت کیے گئے ہیں دُنیا وآخرت میں**)۔ دُنیا میں نیک نامی سے دُور پڑے ہیں اور آخرت میں رحمت سے۔ یعنی اِس عالَم میں ملعون اور مَردود ہیں اور اُس جہاں میں مبغوض اور مطرود ہیں۔ (**اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے**) بڑے گناہ کے سبب سے، اور وہ عذاب اُن پر ہوگا اُس دن۔۔۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

جس دن کہ گواہی دیں گی اُن پر اُن کی زبانیں، اور اُن کے ہاتھ اور اُن سب کے پاؤں، جو کیا کرتے تھے●

(جس دن گواہی دیں گی اُن پر اُن کی زبانیں اور اُن کے ہاتھ اور اُن سب کے پاؤں)۔۔ الحاصل۔۔اُن کی زبانیں خود گواہی دیں گی، کہ انہوں نے جو بہتان لگایا تھا وہ بہتان ہی تھا، اور اُن کے ہاتھ اور پاؤں بھی اُن کے کرتوتوں کو ظاہر کریں گے، اِس طرح انہیں اہلِ محشر کے سامنے رسوائی و ذلت حاصل ہوگی۔۔الختصر۔۔اُن کے اعضاءِ بدن گواہ ہوں گے اُس پر (جو کیا کرتے تھے) گناہ، اور صرف اِسی قدر نہیں۔۔بلکہ۔۔

يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ

اُس دن پورا پورا دے گا انہیں اللہ اُن کا ٹھیک ٹھیک بدلا، اور وہ سب جان لیں گے کہ بلاشبہ اللہ

هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾

ہی حق، روشن ہے●

(اُس دن پورا پورا دے گا انہیں اللہ) تعالیٰ (اُن کا ٹھیک ٹھیک بدلا) جو اُن کے لائق ہے۔ (اور) پھر (وہ سب جان لیں گے کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ہی حق)، یعنی ثابت ہے اپنی ذات سے اور (روشن ہے)، یعنی ظاہر ہے اپنی الوہیت اور قدرت کے ساتھ جو عذاب و ثواب پر قادر ہے۔ ذہن نشین رہے کہ۔۔۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ

گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے۔ اور پاکدامن، پاکبازوں کے لیے،

وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ

اور پاکباز پاکدامنوں کے لیے ہیں۔ وہ بَری ہیں اُس سے، جو لوگ بکتے ہیں۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع

اُن کے لیے بخشش اور عزت والی روزی ہے●

(گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے) ہیں۔۔الغرض۔۔ناپاک لوگ ہی

ناپاک باتیں زبان سے کہتے ہیں اور انہیں سے بُری باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ایسے ہی پلید لوگ پلید باتوں کے قابل ہیں۔اس واسطے کہ اُن کی طبیعتیں پلیدگی کی وجہ سے پلید باتوں کی طرف مائل ہیں،(اور) اِن کے برعکس (پاکدامن پاکبازوں کے لیے اور پاکباز پاکدامنوں کے لیے ہیں)۔

۔۔الغرض۔۔ناپاک عورتیں ناپاک مَردوں کے واسطے ہیں، اِسی لیے ناپاک مَردوں کی طرف رغبت کرتی ہیں اور پاک عورتیں پاک مَردوں کے واسطے ہیں، اِسی لیے پاک مردوں کی طرف مائل ہیں۔۔

الختصر۔۔جس طرح بُری اور ناپاک باتیں ناپاکوں کے واسطے ہیں، پاکیزہ باتیں پاک لوگوں کے واسطے ہیں۔ یعنی اُن میں سرایت کرتی ہیں اور اثر کرجاتی ہیں۔اور پاکیزہ لوگ بھی پاکیزہ باتوں کے لائق ہیں۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو تمام موجودات میں سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں، آپ کے واسطے حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سی محرم سزاوار ہے اس واسطے کہ جنسیت، الفت اور صحبت کا سبب ہوتی ہے۔

۔۔الختصر۔۔(وہ) لوگ یعنی حضرت رسولِ اکرم ﷺ اور حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت صفوان رضی اللہ عنہ (بری) اور پاک ومبرا ہیں (اُس سے جو) گنہگار تہمت لگانے والے (لوگ بکتے ہیں)۔

حضرت سلطان الانبیاء ﷺ کی شان اور آپ کا منصب پاک اور بہت بلند ہے اِس بات سے کہ آپ کی زوجہ طاہرہ کا دامنِ عصمت ایسے شبہ سے آلودہ ہو۔اور صفوان بھی ایک مرد پاکیزہ اولیاء صحابہ میں سے ہے، اِس پر بھی یہ تہمت نہیں رکھ سکتے، کیوں کہ (اُن کے لیے) منجانب اللہ (بخشش اور عزت والی روزی ہے) جو انہیں بغیر محنت ملے گی اور کبھی زائل نہ ہوگی۔

اِس سے جنت کی نعمت مراد ہے۔اسلام پاک دین ہے اور پاکوں کا دین ہے، جو شرم وحیا اور طہارت ونظافت کا داعی ہے۔یہ پاکیزہ خصلت رکھنے والوں کا دین ہے، اسی لیے جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں ایک خاتون حاضر ہوئیں اور عرض کیا، کہ اَے اللہ کے رسول ﷺ! میں گھر میں ایک وقت ایسی حالت میں ہوتی ہوں اُس وقت میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے دیکھے، لیکن آنے والے اچانک آہی جاتے ہیں، تو فرمایئے میں کیا کروں؟ آپ نے اُسے فرمایا، اب چلی جا یعنی اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوگا اُس کی میں تجھے خبر دے دوں گا۔ تب وہ چلی گئی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا غَيۡرَ بُيُوۡتِكُمۡ حَتّٰى تَسۡتَاۡنِسُوۡا

اَے مسلمانو! "نہ جاؤ گھروں میں، اپنے اپنے گھروں کے سوا، یہاں تک کہ اجازت لے لو

وَتُسَلِّمُوۡا عَلٰٓى اَهۡلِهَا‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝۲۷

اور سلام کرو گھر والوں پر۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اگر سوچو" ●

(اَے مسلمانو! نہ جاؤ گھروں میں، اپنے اپنے گھروں کے سوا، یہاں تک کہ اجازت لے لو اور سلام کرو گھر والوں پر۔ یہ) اجازت لینا اور سلام کرنا (تمہارے لیے بہتر ہے) اِس بات سے کہ بے اجازت چلے جاؤ۔ ہم نے یہ حکم کیا ہے تمہاری بہتری کے لیے تم (اگر سوچو) اور نصیحت مانو۔

بعضوں نے تو یہاں تک کہا ہے، کہ جو کوئی اپنے بال بچوں میں آئے اُسے بھی چاہیے کہ بلند آواز سے بات۔۔یا۔۔چاپ۔۔یا۔۔کھکھار کے سبب سے آگاہ کردے، تاکہ گھر والے سترِ عورت کرلیں اور مناسب حالت میں آجائیں۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَـكُمۡ‌ ۚ وَاِنۡ قِيۡلَ لَـكُمُ

پھر اگر نہ پایا تم نے اس میں کسی کو، تو اس میں نہ جاؤ، یہاں تک کہ اجازت دی جائے تمہیں۔ اور اگر تمہیں کہہ دیا جائے

ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا‌ هُوَ اَزۡكٰى لَـكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ۝۲۸

کہ "واپس جاؤ" تو واپس ہو جاؤ، یہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔ اور اللہ جو کرو وہ جانتا ہے ●

(پھر اگر نہ پایا تم نے اُس) گھر (میں کسی کو) یعنی سلام کی آواز، پیروں کی چاپ اور کھکھار نے کی صدا پر بھی اندر سے کوئی جواب نہ آئے اور تمہیں محسوس ہو کہ اندر کوئی نہیں ہے، (تو اُس میں نہ جاؤ یہاں تک کہ اجازت دی جائے تمہیں)۔ یعنی کوئی ظاہر ہو کر تم کو اجازت دے۔ اس واسطے کہ کسی کے خالی گھر میں بے اِذن چلے جانے میں چوری کی تہمت کا محل ہے۔ (اور اگر) اجازت مانگنے کے بعد (تمہیں کہہ دیا جائے، کہ واپس جاؤ، تو واپس ہو جاؤ) اور وہاں نہ ٹھہرو اور نہ ہی دروازے پر بیٹھو، اس واسطے کہ اِس میں گھر والے کی مضرت ہے۔ اور (یہ) واپس ہو جانا (تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے) اور بہت خوب کام ہے (اور اللہ) تعالیٰ، اجازت مانگنا۔۔یا۔۔نہ مانگنا۔۔الغرض۔۔(جو کرو) اُسے (وہ) خوب (جانتا ہے) اور اُس پر بدلا دے گا۔

اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ

ﷺ ملک شام اور عراق کی راہ میں تاجروں کو اتفاق پڑتا ہے کہ خالی گھر اور سرائے میں ٹھہرتے ہیں، چونکہ کوئی وہاں مقیم نہیں، تو کس سے اجازت مانگیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

تمہارے لیے کوئی مضائقہ نہیں، کہ جاؤ ایسے گھروں میں جس میں کوئی خاص نہ رہتا ہو، اُس میں تم کو رہنے کا حق ہے،

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝۲۹

اور اللہ جانتا ہے تم لوگ جو ظاہر کرو اور جو چھپایا کرو●

(تمہارے لیے کوئی مضائقہ نہیں کہ جاؤ ایسے گھروں میں) اجازت کے بغیر (جس میں کوئی خاص نہ رہتا ہو)، یعنی وہ کسی کے رہنے کی خاص جگہ نہ ہو، بلکہ وہاں لوگ آتے ہوں اور چلے جاتے ہوں، جیسے قافلہ اترنے کی جگہ اور سرائے۔ اس لیے کہ (اُس میں تم کو رہنے کا حق ہے)۔

۔۔ چنانچہ۔ تم سردی اور گرمی سے وہاں پناہ لیتے ہو اور تمہارے مال اور جانور وہاں محفوظ رہتے ہیں۔ تو بنیادی طور پر وہ مقامات تمہاری جان و مال کی راحت وحفاظت ہی کے لیے ہیں اور تمہیں فائدہ پہنچانے ہی کے لیے ہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے تم لوگ جو ظاہر کرو)، یعنی اذن طلب کرنا (اور جو چھپایا کرو) یعنی بدنیتی سے داخل ہونا۔ اے محبوب! اجازت کے بغیر کسی کے گھر داخل ہو جانا یہ تو بڑی بات ہے، مومنین ومومنات کے لیے یہ بھی جائز نہیں کہ کسی غیر محرم کو بالقصد دیکھیں، تو اے محبوب!۔۔۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ

حکم دو اپنے ماننے والوں کو کہ "اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں۔"

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰

یہ زیادہ پاکیزہ ہے ان کے لیے۔ بے شک اللہ باخبر ہے جو بھی وہ کریں●

(حکم دو اپنے ماننے والوں کو، کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) اور بالقصد اپنی آنکھوں سے نامحرم نہ دیکھیں، اس لیے کہ نگاہ سے فتنہ پیدا ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ جسم انسانی میں شیطان کا بہت [illegible] اپنے اپنے ٹھکانے پر ہیں، تاوقتیکہ کوئی چیز اُن تک نہیں [illegible] اُسے دریافت کرنے میں [illegible] نہیں ہوسکتے۔ مگر دیدہ ایسا حاسہ ہے کہ دور اور نزدیک سے [illegible] بعض

عارفین نے کہا ہے کہ اِس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اَے محبوب! مومنین سے کہہ دو کہ "سامنے کی آنکھیں اُن کی طرف سے بند کریں جن پر نظر ڈالنا حرام ہے اور دل کی آنکھ ماسوی اللہ کی طرف سے بند کرلیں"۔

(اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں) یعنی حرام کاری سے بچاتے رہیں۔۔یا۔۔چھپائیں اپنی شرم گاہیں ناف سے گھٹنے کے نیچے تک۔ **(یہ)** یعنی آنکھ بند کرنا اور فرج بچانا **(زیادہ پاکیزہ ہے اُن کے لیے)** اور بڑے ہی فائدے کی بات ہے اُن کے واسطے دُنیا اور آخرت میں۔ **(بے شک اللہ تعالیٰ باخبر ہے جو بھی وہ کریں)**، خواہ حلال وحرام پر اُن کا نگاہ ڈالنا ہو۔۔یا۔۔ہاتھ پاؤں سے عبادت وگناہ کا کام کرنا ہو۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ

اور حکم دو ایمان والیوں کو کہ "وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت رکھیں، اور نہ ظاہر کریں

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۪ وَلَا يُبْدِيْنَ

اپنی آرائش کو، مگر جو خود ظاہر ہے اور ڈال لیا کریں اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر۔ اور نہ ظاہر کریں

زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ

اپنے بناؤ سنگار کو، مگر اپنے شوہروں کے لیے، یا اپنے باپ، یا خسر، یا اپنے بیٹوں، یا اپنے شوہروں کے بیٹوں، یا

بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ

اپنے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں، یا اپنے بھانجوں، یا اپنی عورتوں یا اپنے

مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ

دستِ مِلکیت کی لونڈیوں یا نوکروں پر، جو ابھی جوان مرد نہیں، یا بچوں پر،

الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ

جو ابھی نہیں جانتے عورتوں کی شرم کی چیزوں کو۔ اور نہ ماریں اپنے پاؤں،

مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا

تاکہ جان لیا جائے جو چھپائے ہیں اپنی آرائش"۔ اور توبہ کرو اللہ سے سب کے سب

اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾

اَے ایمان والو، کہ تم اپنی مراد پاؤ●

(اور) یوں ہی اَے محبوب! (حکم دو ایمان والیوں کو، کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں) اور نامحرم مَردوں کو نہ دیکھیں (اور) زنا سے (اپنی شرمگاہوں کی حفاظت رکھیں)، بلکہ بدکاری کی تحریک پیدا کرنے والے اسباب سے بھی اپنے کو دُور رکھیں۔۔چنانچہ۔۔غیر معمولی احتیاط سے کام لیں (اور نہ ظاہر کریں اپنی آرائش کو) یعنی زیور، خوبصورت لباس اور رنگ وغیرہ سے اپنا سنگار کر کے کسی کے سامنے نہ آئیں (مگر جو خود ظاہر ہے) ان میں سے کام کرتے وقت، جیسے انگوٹھی اور کپڑے کے کنارے اور آنکھ کا سرمہ اور ہاتھ کا رنگ۔

بعضوں نے کہا کہ زینت سے زینت کے مقام مراد ہیں تو منہ اور ہتھیلیاں مستثنٰی ہیں۔

(اور ڈال لیا کریں اپنے دوپٹوں کو اپنے گریبانوں پر)۔یعنی اپنی گردن اوڑھنی سے چھپالیں، تا کہ اُن کے بال، کان، گردن اور سینے چھپے رہیں۔(اور نہ ظاہر کریں اپنے بناؤ سنگار) کی جگہوں (کو)۔ یعنی سر، بازو، سینہ اور پنڈلی کو جو چھپکے، بازوبند، چنپا کلی اور پازیب کی جگہیں ہیں، اُن کو ظاہر نہ کریں، (مگر اپنے شوہروں کے لیے)۔اس واسطے کہ سنگار انہیں کے واسطے ہے۔

(یا اپنے باپ) کے واسطے، اور دادا پردادا باپ کے حکم میں ہیں۔(یا خسر) یعنی اپنے شوہروں کے باپوں کے واسطے کیونکہ وہ عورت کے واسطے باپ کے حکم میں ہیں۔(یا اپنے بیٹوں) کے لیے۔ پوتے اور پوتوں کے بیٹے جتنے بھی ہوں سب بیٹوں کے حکم میں داخل ہیں۔(یا اپنے شوہروں کے بیٹوں) کے لیے۔ اِس واسطے کہ یہ عورتوں کے واسطے بیٹوں کے حکم میں ہیں۔(یا اپنے بھائیوں) کے لیے۔ (یا اپنے بھتیجوں) کے واسطے، اس لیے کہ وہ بھائیوں کا حکم رکھتے ہیں۔(یا اپنے بھانجوں) کے لیے اور یہ سب ایک ایسی جماعت ہیں کہ اِن کے ساتھ عورت کا نکاح درست نہیں اور رضاعی محرموں میں بھی یہ حکم ثابت ہے۔

حق تعالیٰ نے چچاؤں اور ماموؤں کا ذکر نہ کیا اِس واسطے کہ وہ بھائیوں کے حکم میں ہیں۔
پھر بھی ایک قول کے مطابق احتیاط یہ ہے کہ زینت کی جگہیں چچا اور ماموں کے سامنے بھی عورت نہ کھولے، کہ شاید وہ اپنے بیٹوں کے سامنے تعریف کریں اور اس سبب سے کوئی فتنہ پیدا ہو۔

(یا اپنی عورتوں) یعنی اپنی ہم عقیدہ ایمان والی عورتوں کے لیے۔۔الغرض۔۔یہودی، نصرانی، مجوسی، بت پرست عورتیں غیر مرد کا حکم رکھتی ہیں۔اس واسطے مسلمان عورت کو اُن کے سامنے پوشیدہ

زینت ظاہر کرنا درست نہیں۔ اس واسطے کہ دین کے حکم نے مسلمانوں اور کافروں میں آشنائی اور دوستی کی رسم مٹادی، اس لیے پاکدامن بی بیوں کو بدکار عورتوں کی ملاقات سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔

اِس مقام پر بعض مفسرین اس بات پر ہیں کہ نِسَآئِهِنَّ کے لفظ سے سب عورتیں مراد ہیں ۔۔چنانچہ۔۔عورتوں میں کسی سے پرہیز کرنے کی ضرورت نہیں۔ مذکورہ بالا اختلاف کی صورت میں مناسب راہ یہ نکلتی ہے، کہ بدکار، بدقماش اور علانیہ بے حیائی و بے شرمی کا مظاہرہ کرنے والی عورتوں سے مکمل پرہیز کیا جائے۔ اور اِن کے سوا عورتوں سے پرہیز کی ضرورت نہیں۔ جن عورتوں سے پرہیز کی ہدایت کی گئی ہے، اُن کے لیے بھی شدید ضرورت اور حاجت کی صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

(یا اپنے دستِ ملکیت کی لونڈیوں) پر اپنی زینت ظاہر کریں۔ یعنی عورتیں اُن کے سامنے آنے سے پرہیز نہ کریں جو اُن کے ہاتھ کا مال ہوں۔ وہ لونڈیاں خواہ ایمان والی ہوں خواہ کافرہ۔

۔۔یا یہ کہ۔۔ وہ لونڈیاں عورتوں میں داخل ہیں اُن کو یہاں خاص طور پر ذکر کر دیا، تا کہ معلوم ہو جائے کہ اُس لونڈی سے بھی پرہیز لازم نہیں جو ایمان والی نہیں۔ اس مقام پر اہلِ تحقیق مفسرین کا یہ کہنا ہے، کہ یہ آیتِ کریمہ صرف لونڈیوں سے متعلق ہے اور غلاموں سے متعلق نہیں ہے۔ اس واسطے کہ عورتیں اکثر لونڈیاں ہی مول لیتی ہیں غلام نہیں۔ اور عورت کا غلام غیر مرد کے حکم میں ہے۔ اُسے نہ اپنی مالک بی بیوں پر نظر ڈالنا درست اور نہ ہی ان کی زینت کی جگہوں میں سے کسی جگہ پر نظر ڈالنا صحیح ہے۔

ایک قول کی بنیاد پر آیتِ کریمہ لونڈی اور غلام دونوں کو شامل ہے۔ اِس سلسلے میں بعض کا کہنا یہ ہے کہ اگر غلام نیک نیت اور پاکدامن ہو، تو وہ اپنی مالک بی بی پر نظر ڈال سکتا ہے اور اگر ایسا نہ ہو، تو نہیں ڈال سکتا۔

(یا نوکروں پر جو بھی جوان مرد نہیں) یعنی وہ مرد جو کھانا مانگنے گھروں میں آتے ہیں اور عورتوں سے کچھ حاجت ہی نہیں رکھتے، یعنی اُن سے شہوت کا دغدغہ نہیں جیسے۔ بہت بوڑھا۔۔اور۔۔نامرد۔۔یا ۔۔وہ احمق جو مباشرت سے بالکل خبر ہی نہیں رکھتا، اور اس کی نیت کھانے میں لگی رہتی ہے۔

ویسے اکثر ائمہ احناف اِس بات پر ہیں کہ ہیجڑے، زنانے، نامرد نگاہ ڈالنے کی حرمت میں غیر مَردوں کا حکم رکھتے ہیں۔ اس واسطے کہ اِن کو مباشرت کی خواہش تو ہے، اگر چہ وہ اُس کی قوت نہیں رکھتے۔

(یا بچوں پر جو ابھی نہیں جانتے عورتوں کی شرم کی چیزوں کو) یعنی نہ اُن کو کچھ تمیز ہے نہ عورتوں کے ساتھ مباشرت کرنا جانتے ہیں۔۔الختصر۔۔وہ ابھی بالغ ہی نہیں ہوئے اور نہ اُن میں شہوت پیدا ہوئی۔(اور نہ ماریں) عورتیں (اپنے پاؤں) گھنگھرو پہنے ہوئے زمین پر چلتے وقت، (تاکہ جان لیا جائے جو چھپائے ہیں اپنی آرائش)، یعنی اپنا زیور کہ وہ پائل چھاگل پازیب ہے، یعنی اُن زیوروں کی آواز بھی مَردوں کے کان تک نہ پہنچائیں کہ آواز سن کر مَردوں کو اُن کی طرف رغبت ہو۔(اور توبہ کرو اللہ) تعالیٰ (سے سب کے سب اَے ایمان والو) تا (کہ تم اپنی مراد پاؤ) توبہ کے سبب سے۔

حق تعالیٰ نے سب کو توبہ کا حکم فرمایا، اس واسطے کہ کوئی آدمی خطرے اور گناہ سے خالی نہیں۔بعض عارفین نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ اُسے توبہ کی حاجت ہے جو اپنے کو توبہ کا محتاج نہیں جانتا۔ذہن نشین رہے کہ حق تعالیٰ نے مطیع اور عاصی سب کو توبہ کا حکم اِس واسطے فرمایا کہ عاصی شرمندہ نہ ہو، اس لیے کہ اگر یوں فرماتا کہ ”اَے گنہگارو! تم توبہ کرو“ تو اُن کی رسوائی ہوتی۔یہاں پر یہ اشارہ رحمت ملتا ہے کہ حق تعالیٰ گناہ گاروں کی رسوائی جب دُنیا میں نہیں چاہتا، تو امید ہے کہ عقبیٰ میں بھی اُن کو رسوا نہ فرمائے گا۔

اِس سورت کو اللہ تعالیٰ نے زنا کی حرمت وممانعت سے شروع فرمایا ہے اور زنا کا مقدمہ یہ ہے کہ مرد اجنبی عورت کی طرف دیکھے، اور عورت اجنبی مرد کی طرف دیکھے، اس لیے سابقہ آیات میں حق تعالیٰ نے دونوں کو ایک دوسرے پر قصداً نظر ڈالنے سے منع فرمایا ہے۔اس مقام پر یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ عورتوں کے اعضاء دیکھنے کے چار قاعدے ہیں:

﴿۱﴾۔۔تمام اعضاء کو دیکھنا: جیسے شوہر اپنی زوجہ کے تمام اعضاء کو دیکھ سکتا ہے۔۔ہاں۔۔زوجین کا آپس میں ایک دوسرے کی شرم گاہوں کو بلاوجہ دیکھنا مکروہ وناپسندیدہ ہے اس سے بینائی بھی جاسکتی ہے۔اور ایسے ہی اپنی لونڈی کو بھی دیکھ سکتا ہے۔

﴿۲﴾۔۔چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا: یہ بوقتِ ضرورت غیر محرم مرد کو دیکھنا جائز ہے، بشرطیکہ جانبین سے خطرۂ شہوت نہ ہو۔

﴿۳﴾۔۔سینہ، سر، پنڈلی کو دیکھنا۔یہ محرم کے لیے ہے۔۔مثلاً: ماں، بہن، پھوپھی، خالہ، باپ کی زوجہ، بیٹے کی منکوحہ یعنی بہو، عورت کی ماں یعنی ساس۔یہ رشتہ رضاع کے ہوں۔۔یا۔۔نسب کے ہوں۔

﴿۴﴾۔۔جب خطرہ ہو کہ عورت کے کسی عضو کو دیکھوں گا تو شہوت کا حملہ ہوگا، تو پھر ہر صورت میں ہر عضو کا دیکھنا حرام ہے۔

اِس سورت کے زیادہ تر احکام زنا اور اُس کے دواعی اور محرکات کے سد باب اور عفت و پاکیزگی اور پاک دامنی سے متعلق ہیں اور نکاح کرنا زنا کے سد باب کا ایک بہت قوی ذریعہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ‌ ؕ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا

اور نکاح کردو اپنے ناکتخداؤں کا، اور لائق غلاموں اور باندیوں کا۔ اگر وہ نادار ہیں، تو

فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۳۲﴾

اللہ غنی کردے گا انہیں اپنے فضل سے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے●

(اور) حکم دیا کہ (نکاح کردو اپنے ناکتخداؤں کا)۔ یعنی جس مرد کی جورو نہ ہو اُسے جورو والا کردو، اور جس عورت کے شوہر نہ ہو اُسے شوہر والا کردو۔ (اور لائق غلاموں اور باندیوں کا) بھی نکاح کردو۔

صالح کی تخصیص اُن کے اہتمامِ شان کے واسطے ہے اور اس لیے ہے کہ نکاح کے سبب سے اپنی نیکی اور پاکی میں رہیں۔

(اگر وہ) عورتیں جو بے شوہر ہیں اور صالح لونڈی غلام (نادار ہیں) اور فقیر محتاج ہیں، (تو اللہ) تعالیٰ (غنی کردے گا انہیں اپنے فضل سے) بہ سبب صبر کے۔۔۔یا۔۔۔بوجہ اجتماعِ روزی کے ایک گھر میں۔

جیسا کہ ارشادِ رسول ہے کہ "ایک آدمی کا کھانا کفایت کرتا ہے دو آدمیوں کو"۔ ہر ایک کا الگ الگ رزق ہوتا ہے، تو زوجین میں کس کو معلوم کہ کس کا رزق کتنا ہے؟ اِس صورت میں ایک کا رزق دوسرے کے لیے بھی کافی ہوسکتا ہے۔ اور یہ خدا ہی جانتا ہے کہ اُس نے کس کے لیے کتنا رزق مقدر فرمایا ہے۔

(اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (وسعت والا) ہے یعنی بڑی بخشش والا ہے اور فراخئ معاش وہی دیتا ہے اور (علم والا ہے)۔ یعنی جاننے والا ہے کہ کون کتنے رزق کا مستحق ہے۔۔۔چنانچہ۔۔۔اُس کے استحقاق کے موافق اُسے روزی عنایت فرماتا ہے۔

وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ ؕ

اور پاکدامن رہیں جو نہ پائیں نکاح کی سکت، یہاں تک کہ غنی کردے انہیں اللہ اپنے فضل سے۔

وَالَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ

اور جولوگ چاہیں تمہارے لونڈی غلاموں سے اپنے مال دینے کی شرط پر آزادی کی کوئی تحریر، تو لکھ کر دے دو اگر تم نے جان لیا ہو

فِیْهِمْ خَیْرًا ۖۗ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ

اُن میں کوئی بھلائی۔ اور تم لوگ دے دیا کرو انہیں اللہ کے مال سے، جو اس نے دے رکھا ہے تمہیں۔ اور نہ مجبور کرو اپنی

عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ

جوان لونڈیوں کو بدکاری پر، اگر وہ پاکبازی چاہیں، کہ تم چاہو دُنیاوی زندگی کی پونجی۔

وَمَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۳۳

اور جو انہیں مجبور کرے گا، تو بے شک اللہ اُن کے مجبور کیے جانے کے بعد غفور رحیم ہے●

(اور) لازم ہے (پاکدامن رہیں) یعنی حرام سے الگ رہیں اور پرہیز گاری اختیار کریں وہ لوگ، (جو نہ پائیں نکاح کی سکت) یعنی مہر کی ادائیگی اور نان ونفقہ دینے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، (یہاں تک کہ غنی کر دے انہیں اللہ) تعالیٰ (اپنے فضل سے) اور اپنے کرم کی زیادتی سے۔ اور پھر وہ اُن اسباب پر قادر ہو جائیں جس کے سبب سے ناکتخدا ہو سکیں۔

اوپر کے ارشاد میں غلاموں کا ذکر آ گیا، تو اُس کے تعلق سے آگے کے ارشاد سے یہ اشارہ مقصود ہے کہ اسلام بنیادی طور پر غلامی پسند نہیں فرماتا۔۔ چنانچہ۔۔ اِس کو اُس نے بتدریج ختم کیا ہے۔ غلام کو آزاد کرنے پر دوزخ سے نجات کی بشارت دی ہے، قتلِ خطاء، ظہار، قسم توڑنے اور روزہ توڑنے کے کفارے میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔

غلامی کو ختم کرنے کی ایک صورت یہ بھی ظاہر فرما دی، کہ غلام کو 'مکاتب' کر دیا جائے۔ جس کی شکل یہ ہے کہ ایک شخص اپنے غلام سے کہے کہ تم۔۔ مثلاً: پانچ ہزار ۵۰۰۰ روپے مجھے لا کر دو، تو تم آزاد ہو۔ اِس فعل کو 'مکاتبت' کہتے ہیں اور اُس غلام کو 'مکاتب' کہتے ہیں۔ اب اِس غلام کے ذمہ یہ ہے، کہ وہ محنت ومزدوری کرے اور اپنے آقا کو وہ رقم لا کر دے، تو وہ آزاد ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی مد میں ایک یہ شق بھی رکھی ہے کو غلاموں کو آزاد کرانے کی مد میں زکوٰۃ ادا کر دی جائے، اور مسلم معاشرے میں مسلمان اپنے ایک غلام بھائی کو غلامی سے آزاد کرانے کے لیے رقم خرچ کریں۔ اور اِس اگلی آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے جو مال دیا ہے اُس مال کو غلام آزاد کرنے میں خرچ کرو۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ الٰہی۔۔۔

(اور) فرمانِ خداوندی ہے کہ (جو لوگ چاہیں تمہارے لونڈی غلاموں سے اپنے مال دینے کی شرط پر آزادی کی کوئی تحریر، تو) تمہارے لیے مستحب یہی ہے کہ انہیں (لکھ کر دے دو)۔ یہی لکھ کر دینا 'مکاتبت' ہے۔ (اگر تم نے جان لیا ہو اُن میں کوئی بھلائی)۔ یعنی مکاتبت سے پہلے یہ دیکھ سمجھ لو کہ نیکی، صلاحیت اور امانت والا ہے۔۔یا۔۔کمائی کر کے اِس غلام میں مال ادا کرنے کی قوت ہے۔۔یا۔۔ یہ قسط ادا کرنے کے لیے بھیک نہیں مانگے گا، اس واسطے کہ یہ بات بہت مکروہ ہے کہ لونڈی غلام بھیک مانگ کر کتابت کا مال ادا کرے۔ (اور) یہ بھی کارِ خیر ہی ہے، کہ (تم لوگ دے دیا کرو اُنہیں اللہ) تعالیٰ (کے مال سے جو اُس نے دے رکھا ہے تمہیں)۔ اپنی زکوٰۃ وغیرہ کی رقم سے اُس کی اعانت کرو، تا کہ وہ مالِ کتابت ادا کر کے مخلوق کے بندہ ہونے سے اپنی گلوخلاصی کرا سکے۔

اسی سبب سے اِس کارِ خیر کو **فَكُّ رَقَبَةٍ** کہتے ہیں اور اِس کی بدولت عقوبت کی گھاٹی سے گزر جانا ممکن ہے۔ اسلام چونکہ شرم وحیا، عفت و پاکیزگی کا دین ہے، اس لیے اُس نے لونڈیوں اور باندیوں کی بھی عفت و پاکیزگی کے تحفظ کا بے حد پاس ولحاظ رکھا ہے۔ اِسی لیے دینِ اسلام کو نازل فرمانے والے حق تعالیٰ نے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی کے بے حیائی و بے شرمی کے کردار کو پسند نہیں فرمایا۔ وہ منافقین کا پیشوا چھ خوبصورت لونڈیاں رکھتا تھا اور زبردستی اُن سے زنا کروا کے اُس کی کمائی سے کچھ اُن سے لیا کرتا تھا۔

اُس کی اِس حرکت سے عاجز آ کر معاذہ اور مسیکہ نام کی دو لونڈیوں نے آپس میں کہا کہ یہ کام جو ہم کرتے ہیں، اگر بہتر ہے تو اب تک بہت کیا اب اِس سے کنارہ کشی کر لینا چاہیے۔ اور اگر بُرا ہے تو اب وقت یہ ہے کہ ہم اُسے ترک کریں۔ پھر دونوں نے جناب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر کیفیت عرض کی، تو یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی، کہ مسلمانو! شرم وحیا سے کام لو (اور نہ مجبور کرو اپنی جوان لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاکبازی چاہیں)۔

پاکبازی چاہنے کی قید اس لیے لگا دی ہے کہ جن باندیوں کی عرض پر یہ ارشاد ہوا ہے اُن کی حالت یہی تھی، کہ وہ پاکبازی کی خواستگار تھیں۔ تو پاکبازی کے ارادے کا ذکر اُن کے حال کے موافق ہے۔۔المختصر۔۔یہ کوئی احترازی قید نہیں ہے، کہ جو پاکبازی نہ چاہیں اُن کو بدکاری کی اجازت مل جائے، اور بدکاری کے لیے اُن پر جبر کیا جا سکے۔۔الحاصل۔۔کوئی باندی پاکبازی چاہے یا نہ چاہے، دونوں صورتوں میں بدکاری کے لیے اُس پر جبر کرنا منع ہے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔

کہ تم زبردستی نہ کرو اس لیے (کہ تم چاہو دُنیاوی زندگی کی پونجی) اُن کی کمائی سے اور اُن کی اولاد سے۔ بطور زِنا لڑکا پیدا ہوتا تو وہ سَو اونٹ دے کر وہ لڑکا لے لیتا۔ (اور) یاد رکھو کہ (جو انہیں مجبور کرے گا) زنا کے واسطے، (تو بے شک اللہ) تعالیٰ (اُن کے مجبور کیے جانے کے بعد) یعنی بعد اِس کے کہ اُن کے آقا اُن پر جبر کریں (غفور) ہے۔ یعنی مجبور لونڈیوں کو بخش دینے والا ہے۔ اور (رحیم ہے) یعنی اُن پر مہربان ہے۔ اُس برے کام کا وبال جبر کرنے والے ہی پر ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَّ مَثَلًا مِّنَ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

اور بے شک اتارا ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں، اور واقعے اُن کے، کہ تم سے پہلے ہو گزرے،

وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ۠ ﴿۳۴﴾ ع ۸ ۱۰

اور نصیحت ڈر جانے والوں کے لیے●

اَے محبوب! یہ ہمارا کرم (اور) فضل ہے کہ (بے شک اتارا ہم نے تمہاری طرف) حرام و حلال اور حدود و احکام کی (روشن آیتیں اور واقعے، اُن) لوگوں (کے) واقعات کی طرح جو (کہ تم سے پہلے ہو گزرے)۔ یعنی اَے محبوب! جو واقعات تمہیں پیش آئے، وہ اگلے لوگوں کے قصے کے مانند ہیں۔۔ مثلاً: ام المومنین حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصہ تہمت واقع ہو جانے میں حضرت مریم علیہا السلام سے بہت مشابہت رکھتا ہے، اور بری الذمہ ہو جانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے مثل ہے۔ (اور) بھیجی ہم نے اُن آیتوں میں (نصیحت ڈر جانے والوں کے لیے) یعنی متقیوں کے لیے۔

متقیوں اور پرہیز گاروں کی تخصیص اس واسطے ہے کہ قرآنِ کریم کی نصیحتوں سے وہی کما حقہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مذکورہ بالا آیاتِ بینات جو حق تعالیٰ نے ہمارے واسطے بیان فرمائی ہیں، اور جو دُنیا و آخرت میں ہمارے ہی کام آنے والی ہیں، ہمیں وہ ساری چیزیں خدا ہی کے سبب سوجھیں۔۔ کیونکہ۔۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا۔ اس کے نور کی مثال جیسے ایک طاق، اس میں چراغ ہے۔ چراغ فانوس میں ہے۔ فانوس

فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ

گویا ستارہ ہے موتی جیسا، روشن کیا جاتا ہے مبارک درخت زیتون سے،

لَا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ۭ

جو نہ پورب کا نہ پچھم کا۔ اب اس کا تیل روشن ہونے کو ہے، گو نہ چھو جائے اُسے آگ۔ نور بالائے نور۔

يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ

اللہ اپنے نور کی راہ دے جسے چاہے۔ اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے۔

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ۳۵

اور اللہ ہر موجود کو جاننے والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (نور ہے آسمانوں اور زمین کا)۔

ظاہر ہے کہ جب اندھیرا ہوتا ہے تو کوئی نہ ساکن کو جانتا ہے نہ متحرک کو، نہ اونچے کو پہچانتا ہے نہ نیچے کو، نہ اچھے کو تمیز کرتا ہے نہ بُرے کو۔ جب نور پھیلتا ہے تو اندھیرا دُور ہو جاتا ہے اور سب کیفیتیں کھل جاتی ہیں۔ صاف اور میلے، اچھے اور بُرے، جوہر اور عرض میں تمیز ہو جاتی ہے۔ انسان یہ تو جانتا ہے کہ 'نور' کے سبب سے یہ سمجھ اور بوجھ آتی ہے، مگر 'نور' کو پہچاننے میں متحیر رہتا ہے۔ اِس واسطے کہ جانتا ہے کہ عالَم نور سے بھرا ہوا ہے اور نور پوشیدہ ہے۔ اُور چیزوں کا حال کھولنے کے سبب ظاہر ہے اور خود پوشیدہ ہے، تو حق سبحانہٗ کی ذات کہ جس کی بدولت ہمیں ادراک کی دولت نصیب آئی اور چیزوں کی پہچان ہوئی، اِس بات کی سزاوار ہے کہ اُسے 'نور' کہیں۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ 'نورِ حقیقی' حق تعالیٰ ہی کی ہستی ہے، کہ سب موجودات اُسی کے سبب سے ظاہر ہیں اور وہ سب سے پوشیدہ ہے۔

یہ حقیقت بھی اپنی جگہ پر ثابت ہے کہ انسان جو کچھ ادراک کرتا ہے تو پہلے ہستی ہی ادراک میں آتی ہے، اگرچہ وہ ادراک کے ادراک سے غافل ہو، اور وہ ہستی کمالِ ظہور کی وجہ سے مخفی رہتی ہے۔ جیسے رنگوں اور شکلوں کا ادراک اُس روشنی کے ادراک کے سبب سے ہے، جو انہیں گھیرے ہوئے ہے اور جس پر اِن رنگوں اور شکلوں کا دیکھنا موقوف ہے۔ اور باوصف اِس کے دیکھنے والا جب رنگوں اور شکلوں کو ادراک کرتا ہے تو روشنی کے ادراک سے غافل ہوتا ہے۔ اور جب روشنی غائب ہو جاتی ہے، تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ ان رنگوں اور شکلوں کے علاوہ اور کسی چیز کا بھی ادراک تھا کہ وہ روشنی ہے۔

اِسی طرح ہستی حقیقی کا نور جو روشنی اور رنگوں اور شکلوں اور دیکھنے والے اور سب موجوداتِ ذہنی وخارجی کو گھیرے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے، اور ہر چیز کا ادراک بے اُس نور کے

ادراک کے محال ہے۔ اگرچہ انسان اُس نور کے ادراک سے غافل ہے اور یہ غفلت بھی اِس سبب سے ہے کہ اُس نور کو ہمیشہ ظہور ہے۔ اگر یہ نور بھی اُس روشنی کی طرح غائب ہو جاتا، تو یہ بات ظاہر ہو جاتی کہ موجودات کو ادراک کرنے کے وقت اُور ایک امر بھی مدرک تھا، کہ وہ وجودِ حق تعالیٰ کا نور ہے۔

ذہن نشین رہے کہ خدا کی ہستی سب ہستیوں سے زیادہ ظاہر ہے، اِس واسطے کہ وہ آپ سے آپ ظاہر ہے اور سب ہستیوں کا ظہور اُسی کے سبب سے ہے۔ سب چیزیں اُس کی ہستی کے بغیر عدم محض ہیں اور سب ہستیوں کا ادراک اُسی سے پیدا ہوتا ہے۔ ادراک کرنے والے کی طرف سے اور اُس چیز کی جانب سے بھی جو ادراک میں آئی اور جو کچھ کوئی ادراک کرتا ہے، تو پہلے یہی ہستی ادراک میں آتی ہے، اگرچہ وہ اس ادراک کے ادراک سے غافل رہے اور شدتِ ظہور کی وجہ سے یہ ہستی مخفی معلوم ہوتی ہے۔ آیات زیرِ تفسیر کی مندرجہ ذیل توجیہیں بھی کی گئی ہیں۔

﴿۱﴾۔۔ **نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**: کا معنی یہ ہیں کہ اہلِ آسمان اور اہلِ زمین کی ہدایت کرنے والا۔ اِس واسطے کہ سب اُسی کی ہدایت سے اپنی ہستی کی طرف راہ پاتے ہیں اور اُسی کے راہ بتانے سے اپنے دین و دُنیا کی مصلحتیں پہچانتے ہیں۔

﴿۲﴾۔۔ **نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**: یعنی سرور السمٰوات والارض، اِس واسطے کہ تاریکی میں رنج و ملال اور خوف و وحشت ہوتی ہے، اور جب کوئی تاریکی کی مصیبت سے روشنی کی راحت میں پہنچتا ہے، تو اُسے فرحت اور مسرت زیادہ ہوتی ہے۔

﴿۳﴾۔۔ نور وہ ہے جو چیزوں کو روشن کر دے تاکہ وہ چیزیں نظر آئیں، اور چونکہ حق تعالیٰ نے ہمارے واسطے دو چیزیں بیان فرمائیں جو دُنیا و آخرت میں ہمارے کام آئیں اور ہمیں وہ چیزیں خدا ہی کے سبب سے سوجھیں، تو خدا کو 'نور' کہہ سکتے ہیں۔

﴿۴﴾۔۔ **نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**: کا معنی ہے "ذو نور السمٰوات والارض"، یعنی آسمانوں اور زمین کا جو نور ہے حق تعالیٰ اُس نور کا خداوند ہے۔ مضاف محذوف ماننے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ نور مشہور کیفیت ہے، کہ باصرہ یعنی نگاہ پہلے اُسے پاتی ہے، اور اُس کے واسطے دوسری بار دیکھنے کی چیزوں کو ادراک کرتی ہے۔ جیسے وہ کیفیت جو آفتاب سے اُن کثیف چیزوں پر پڑتی ہے جو آفتاب کے محاذی واقع ہوں اور اِن معنوں میں 'نور' کا لفظ حق تعالیٰ کی نسبت بولنا درست نہیں۔ اور چونکہ اُس نے اپنا یہ نام رکھا، تو ایک مضاف مقدر ماننا ضروری

ہے۔اسی سبب سے **نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** کا یہ معنی بھی کیا گیا ہے، کہ آسمانوں اور زمین کا جو نور ہے حق تعالیٰ اُس نور کا خداوند ہے۔۔یا۔نور ہے آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں کا، یعنی عالَمِ ہستی کے اجزا جو کچھ بلندی اور پستی میں نور رکھتے ہیں ذاتی یا عرضی، سب اللہ تعالیٰ کے فیض کا عطیہ ہے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کو 'نور' فرمایا، تو ہم اُسے 'نور' تو کہیں گے، مگر روشن نہ کہیں گے۔اس لیے کہ روشنی تاریکی کی ضد ہے، اور حق تعالیٰ اِن دونوں ضدوں کا خالق ہے۔

﴿۵﴾۔۔'نور' کو 'تنویر' کے معنی میں لے لیا جس کا معنی ہے روشن ہونا اور روشن کرنا، اور 'تنویر' مصدر کو اسم فاعل یعنی 'منور' کے معنی میں لے لیا، تو اب **نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** کا معنی **مُنَوِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** ہوگیا۔یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو روشن فرمانے والا ہے۔آسمانوں کو ملائکہ مقربین کے سبب سے روشن فرماتا ہے اور زمین کو انبیاء کرام کی بدولت نور عطا فرماتا ہے۔۔یا۔آسمانوں اور زمین میں جو رہنے والے ہیں اُن کے دلوں کو معرفت اور توحید کے نور سے روشنی بخشتا ہے۔۔یا یہ کہ۔آراستہ کرنے والا ہے آسمان و زمین یعنی سارے جہان کا، اور دل کھول دینے والا ہے۔

بعض مفسرین آسمان اور زمین کی آرائش کے باب میں کہتے ہیں، کہ آسمان کو آراستہ کیا 'صوامع قدس' سے، کہ فرشتوں کی طاعت کے مکان ہیں اور زمین کو آراستہ کیا 'مساجدِ انس' سے، کہ اہلِ اسلام کے عبادت خانے ہیں۔۔یا۔آسمانوں کو آفتاب، ماہتاب اور ستاروں سے روشن کیا اور زمین کو انبیاء، علماء اور مؤمنین سے منور کردیا۔۔یا۔آسمان کو تسبیح و تقدیس کرنے والوں کی تسبیح و تقدیس سے روشن فرمادیا، اور زمین کو حاجیوں کے لبیک، موذنوں کی اذان اور غازیوں کے نعرۂ تکبیر سے منور کردیا۔۔یا۔آسمان کو 'بیت المعمور' سے اور زمین کو 'کعبہ سراپا سرور' سے تابناک کردیا۔

﴿۶﴾۔۔**نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ**: کا معنی **مُدَبِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ** یعنی اہلِ آسمان اور اہلِ زمین کے امور جیسے چاہیے تھے ویسے ہی بنا کر اُس کی تدبیر میں ہے۔اس لیے کہ جو جس قوم۔۔یا۔شہر کے کام انجام اور اُس کے مہم کی تدبیر کرے، اُسے عرب کے محاورے میں اُس قوم اور اُس شہر کا 'نور' کہا جاتا تھا۔اِس تقدیر پر یہ معنی ہوئے، کہ وہی سب آسمان اور زمین والوں کے کام بناتا ہے اور سب کو جو کچھ اُن کے پاس ہے عطا کرکے خوش فرماتا ہے۔

﴿٧﴾۔۔ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ سے مراد مَدۡلُوۡلُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ہے، اِس واسطے کہ اُس کی قدرت کے دلائل اوراس کی نعمت کے عجائب جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، وہ اُس کی قدرت علم وحکمت پر کھلی ہوئی دلالت رکھتے ہیں۔

توہر چیز میں ایک نشانی اِس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ ایک ہے۔(اُس کے) اُس (نور کی مثال) جواُس کی طرف منسوب ہے، اُس کی صفت یہ ہے (جیسے ایک طاق) مثل روشن دان کے، جو دیوار کے پار نہ ہو طاق کی طرح۔(اُس میں) جلتا ہوا ایک (چراغ ہے) جوخوب روشن ہے۔ (چراغ فانوس میں ہے)۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ مِشْکوٰۃ لوہے کی چھوچھی یعنی لوہے کی نلکی ہے جولالٹین کے بیچ میں ہوتی ہے،اور اِس قول کے موافق مِصْبَاحٌ بتی ہوئی، جواُس نلکی میں جلتی ہے۔جلتی ہوئی بتی فانوس یعنی لالٹین میں ہے۔

اور وہ (فانوس) یعنی لالٹین نہایت صفائی اور لطافت کی وجہ سے (گویا ستارہ ہے،موتی جیسا) چمکتا ہے، جیسے زہرہ مشتری۔ وہ جلتی ہوئی بتی یعنی چراغ پہلے پہل (روشن کیا جاتا ہے مبارک درخت) کے تیل یعنی (زیتون سے)۔

زیتون کا درخت اِس لیے بابرکت ہے کہ یہ اوّلاً مقامِ مقدس میں اُگا ہوا ہے اور ستر پیغمبروں نے اِس کے حق میں دُعائے برکت کی ہے۔اُن میں سے ایک حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام بھی ہیں۔اِس کی تخصیص بھی اِسی لیے ہے کہ اِس کی روشنی بہ نسبت دوسرے درختوں کے تیل کے روشن وصاف ہوتی ہے۔

(جو نہ پورب کا نہ پچھم کا) بلکہ یہ جنتی درخت ہے جو جنت سے دُنیا میں اتارا گیا۔

تو یہ اپنی اصل کے لحاظ سے نہ دُنیا کے مشرقی شہروں کا ہے اور نہ ہی مغربی شہروں کا۔۔ چنانچہ۔آج بھی وہ اِن کے درمیان کے ممالک میں پیدا ہوتا ہے جیسے علاقہ شام۔اس لیے کہ اِس ملک کا زیتون اچھا ہوتا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔یہ 'قبۃ الارض' کا درخت ہے، جو جملہ زمین آباد وغیر آباد کے وسط میں واقع ہے، اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہمیشہ موسم معتدل رہتا ہے اور رات اور دن کے اوقات برابر ہوتے ہیں، یعنی اُس کا دن بھی بارہ۱۲ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات بھی بارہ۱۲ گھنٹے کی ہوتی ہے۔

۔۔یا یہ کہ۔۔ یہ ایسا ہے کہ کسی وقت بھی اِس پر سورج کی دھوپ کا اثر نہیں پڑتا، جیسے کوئی

شے پہاڑ کی غار میں یا جنگل کی اُوٹ میں ہو۔ ایسے درخت کے میوے خوب پکتے ہیں اور اُس کا تیل صاف وشفاف ہوتا ہے۔۔یا۔۔ اِس کا معنی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر نہیں، کہ جسے دھوپ کی گرمی جلا دے اور نہ ہی ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سورج کی گرمی کا اثر بھی نہ پڑتا ہو۔

۔۔المختصر۔۔ نہ یہ آفتاب سے ملا ہوا ہے کہ جل جائے اور نہ ہی ہمیشہ سایہ میں رہتا ہے، کہ اُس کا میوہ کچا رہے۔۔ بلکہ۔۔ آفتاب کی گرمی سے بھی بہرہ مند ہے اور سایہ کی پناہ میں بھی محفوظ ہے۔۔الحاصل۔۔ زیتون کا درخت بہت بابرکت درخت ہے۔

(اب اُس کا تیل روشن ہونے کو ہے) یعنی اپنی ذات سے روشنی دینے والا ہے **(گو نہ چھوجائے اُسے آگ)** یعنی اُس میں ایسی چمک اور صفائی ہے کہ بے آگ روشنی دے، **(نور بالائے نور)** یعنی روشنی پر روشنی۔ یعنی زیتون کی صفائی بتی کی لَو سے ملی اور لالٹین کی لطافت مزید براں ہوئی اُس نلکی میں جو شعاعوں کو تھامے اور نوروں کو جمع کیے ہوئے ہے۔ **(اللہ)** تعالیٰ **(اپنے نور)** معرفت **(کی راہ دے جسے چاہے اور اللہ)** تعالیٰ **(مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے)** یعنی عقل میں آنے والی باتوں کو حواس میں آنے والی صورت پر بیان فرماتا ہے، تاکہ لوگ بآسانی اور جلدی سمجھ لیں اور بات کا مطلب اُن پر واضح ہوجائے۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(ہر موجود کا جاننے والا ہے)** یعنی اللہ تعالیٰ جملہ معقولات و محسوسات کے دقائق۔۔ نیز۔۔ جلیات وخفیات کے حقائق کا جاننے والا ہے۔

آیتِ کریمہ میں جو تمثیل دی گئی ہے اُس کے تعلق سے علمائے مفسرین کی بہت ساری توجیہات منقول ہیں جن میں چند یہ ہیں۔

﴿١﴾۔۔ اِس 'نور' سے نورِ ایمان مراد ہے، کہ حق تعالیٰ نے مومن کے سینے کو اُس طاق سے تشبیہ دی جس میں لالٹین روشن ہو، اور اُس کے دل کو لالٹین سے، کہ طاق سینہ میں ہے۔ اور ایمان کو شمع سے مثال دی کہ دل کی لالٹین میں روشن ہے۔ اور لالٹین کو 'روشن ستارہ' سے تشبیہ دی۔ اور کلمہء اخلاص کو برکت والے درخت کے ساتھ، کہ آفتاب خوف کی تابش اور سایۂ رجا کی ٹھنڈک سے بہرہ مند ہے، اور قریب ہے کہ کلمہ کا فیض بے اِس کے کہ مومن کی زبان پر آئے عالَم کو منور فرمائے۔ جب زبان پر اُس کا اقرار جاری ہوا اور دل میں اُس کی تصدیق اقرارِ زبانی کے ساتھ ملی، تو **نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ** ہوگیا۔

ذہن نشین رہے کہ 'نورِ ایمان' کو 'چراغ' سے تشبیہ اس واسطے دی کہ جس گھر میں چراغ

روشن ہوتا ہے چور اُس کے گرد نہیں جاتا۔ اِسی طرح جس دل میں 'نورِ ایمان' ہوتا ہے شیطان اُس کی راہ نہیں پاتا۔۔ یا یہ کہ۔۔ چراغ سے گھر کا اندر روشن ہوتا ہے اور روشندانوں سے اُس کا پَرتو باہر پڑتا ہے اور باہر کی طرف بھی روشنی ہو جاتی ہے۔ اِسی طرح 'نورِ ایمان' دل کو روشن کرتا ہے اور وہاں سے حواسوں کے روشن دانوں میں 'معرفت' کی شعاعیں پڑتی ہیں اور اعضاء و جوارح پر طاعتوں کا نور ظاہر ہوتا ہے۔

اور مومن کے دل کو شیشہ سے اس لیے تشبیہ دی کہ اُسے ظلم کے پتھر سے نہ توڑیں، اس واسطے کہ ٹوٹا ہوا شیشہ جہاں لگ جاتا ہے کاٹ دیتا ہے، اور ٹوٹے ہوئے دل سے جہاں زخم لگا اُس کی کچھ دوا ہی نہیں۔

﴿۲﴾۔۔ بعضوں نے کہا کہ **نُوْر** اسرارِ الٰہی کی معرفت کا نور ہے، اور **زُجَاجَة** عارف کا دل اور **مِشْكٰوة** اُس کا سینہ ہے۔ اور زیتون سے وجودِ مبارکِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یعنی 'چراغِ معرفت' عارف کے دل اور سینہ میں برکت، ہدایت اور تلقین حضرت محمد ﷺ سے روشن ہے، کہ وہ ذاتِ جامع الکمالات نہ شرقی ہے نہ غربی ہے۔۔ بلکہ۔۔ مکی ہے اور مکہ نافِ عالم ہے۔ اور عارف جب وہ 'اسرار حضرتِ سیدِ ابرار کی تعلیم سے حاصل کرتا ہے، تو **نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ** کا بھید معلوم ہوتا ہے۔

﴿۳﴾۔۔ ایک قول یہ ہے کہ **نُوْر** قرآن ہے، اور مسلمان کا دل **زُجَاجَة** اور اُس کی زبان **مِشْكٰوة**، اور قرآن **مِصْبَاح** اور **شَجَرَة** وحیٔ حق تعالیٰ، کہ نہ پیدا کی گئی ہے اور نہ پیدا ہونے والی۔ قریب ہے کہ ابھی قرآن نہ پڑھا گیا اور اُس کی دلیلیں سب پر کھل گئیں، پھر جب اس کی قرأت کریں تو **نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ** ہو جائے۔

﴿۴﴾۔۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ **نُوْر** نورِ محمدی ہے اور **مِشْكٰوة** حضرت آدم اور **زُجَاجَة** حضرت نوح اور **زَيْتُوْن** حضرت ابراہیم علیہم السلام، کہ نہ دین یہود کی طرف مائل ہیں کہ یہود نے جانب غرب کو قبلہ بنایا اور نہ ہی دین نصاریٰ کی جانب جو جانب مشرق متوجہ ہیں۔ اور **مِصْبَاح** ہمارے آنحضرت ﷺ۔۔ یا۔۔ **مِشْكٰوة** حضرت ابراہیم اور **زُجَاجَة** حضرت اسماعیل اور **مِصْبَاح** حضرت محمد ﷺ اور **شَجَرَة** 'شجرۂ نبوت' کہ نہ جھوٹ بات ہے اور نہ از قسم ہزلیات۔

۔۔ یا۔۔ **مِشْكٰوة** حضرت سلطان الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کا سینہ کھلا ہوا، اور **زُجَاجَة** آپ کا دل پاک و صاف، اور **مِصْبَاح** آپ کا علم کامل اور **شَجَرَة** آپ کا خلق شامل کہ نہ

زیادتی اور افراط کی طرف مائل ہے اور نہ کمی اور تفریط کی جانب بلکہ طریقِ اعتدال پر ہے، کہ خَیرُ الْاُمُورِ اَوْسَطُھَا واقع ہوا اور صِرَاطُ السَّوِیّ اُسی سے عبارت ہے۔ بعض عارفین کا قول ہے کہ 'محبت حبیب کا نور'، 'خلتِ خلیل کے نور' کے ساتھ نُورٌ عَلٰی نُوْر ہے۔

اِس سے پہلی آیت میں جس طاق کا ذکر فرمایا ہے، کہ اُس میں ایک فانوس ہے جس میں ایک روشن چراغ ہے، اب اگلی آیت میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ وہ طاق کہاں ہے؟۔۔۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ

اِن گھروں میں جن میں حکم دیا اللہ نے کہ بلند کی جائیں، اور اِن میں اُس کے نام کا چرچا کیا جائے، اُس کی تسبیح کرتے ہیں اِس میں صبح

وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ

وشام ● ایسے مردمیدان، کہ نہ مشغول کرلیتی انہیں دکانداری اور نہ خرید وفروخت اللہ کو یاد کرنے سے، اور

الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾

نماز کی پابندی اور زکوۃ کے دینے سے، ڈرتے ہیں اُس دن کو، کہ الٹ پلٹ ہوجائیں گے جس میں دِل اور آنکھیں ●

وہ طاق **(اُن گھروں میں)** ہے **(جن میں حکم دیا اللہ)** تعالیٰ **(نے کہ بلند کی جائیں)** اُن کی قدر تعظیم کے ساتھ، یعنی اُن کی قدر بلند اور مرتبہ بزرگ جانیں۔۔یا۔۔اُن گھروں میں تسبیح وتہلیل کی آوازیں بلند کریں۔۔یا۔۔اُن گھروں میں حق تعالیٰ کی طرف اپنے دستِ دُعا اٹھائیں اور حاجتیں مانگیں۔ **(اور اُن میں اُس کے نام کا چرچا کیا جائے)**۔

یہاں گھروں سے مسجدیں مراد ہیں کہ سب مکانوں سے عالی قدر اور بزرگ مرتبہ ہیں۔ وہاں یادِ الٰہی اور نمازوں میں مشغول ہونا چاہیے اور دُنیا کے کلام اور بے معنی بات سے پرہیز کرنا چاہیے۔۔یا۔۔انبیاء علیہم السلام کے گھر مراد ہیں۔۔یا۔۔شہرِ مدینہ کے مکانات یا ازواجِ مطہرات کے حجرے۔۔یا۔۔گھروں سے وہ چار گھر مراد ہیں جو حکمِ الٰہی کے موافق پیغمبروں کے ہاتھ سے تعمیر ہوئے۔ ایک کعبہ شریف کہ حضرت ابراہیم کی کوشش اور حضرت اسماعیل کی مدد سے پورا ہوا۔ دوسرا بیت المقدس کہ اُس کی بنیاد حضرت داود علیہ السلام کے عہدِ خلافت میں رکھی گئی اور حضرت سلیمان کے زمانے میں اُس کی تعمیر مکمل ہوئی۔ تیسری مسجدِ مدینہ اور چوتھی مسجدِ قبا کہ جناب سلطان الانبیاء کے ارشاد سے تعمیر ہوئیں۔

اُن مقدس مقامات میں ہر ایک کی شان یہ ہے، کہ **(اُس کی تسبیح کرتے ہیں اُس میں صبح وشام**

● ایسے مردِمیدان) جو تسبیح کرنے والے اور نماز پڑھنے والے ہیں اور کمالِ استغراق کی وجہ سے مقامِ شہود میں خدا کی طرف متوجہ رہنے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے (کہ) نہ تو وہ خود کسی غیرِ خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور (نہ) ہی ایسا ہوا کہ (مشغول کر لیتی انہیں دکانداری اور نہ) ہی (خرید و فروخت اللہ) تعالیٰ (کو یاد کرنے سے اور نماز کی پابندی اور زکوٰۃ کے دینے سے)۔

اور ظاہر ہے کہ خرید و فروخت جو دُنیا کے بڑے شغل ہیں، جب وہ یادِ الٰہی سے انہیں نہیں مانع ہوئے، تو چھوٹے چھوٹے کام بطریق اولیٰ مانع نہ ہونگے۔۔ الحتصر۔۔ اُن کا ظاہر تو خلق کے ساتھ ہے اور ان کا باطن اسماء اور صفاتِ الٰہی کے مشاہدے میں ہے۔۔ الحتصر۔۔ آخرت کے فائدے کو دنیوی فائدوں پر ہر حال میں ترجیح دیتے ہیں اور ہر گھڑی خدا کی رضا و خوشنودی کے خواستگار رہتے ہیں۔ اِس توجہ و استغراق کے باوجود وہ (ڈرتے ہیں اُس دن کو کہ الٹ پلٹ ہو جائیں گے جس میں دل اور آنکھیں)۔ دِل ہول کے مارے متحیر ہوں گے، اور آرام کی صفت اضطراب سے بدل جائے گی، اور وہ ہر طرف دیکھیں گے کہ اُن کا نامہءاعمال کدھر سے اُن کے پاس پہنچتا ہے۔ ان کے ڈرنے کی وجہ یہ ہے۔۔۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ

تاکہ ثواب دے انہیں اللہ، اُن کے کیے سے زیادہ بہتر، اور زیادتی فرمائے اپنے فضل سے۔

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۸

اور اللہ روزی دے جسے چاہے اَن گنت ●

(تاکہ) اُن کے اِس خوف کی وجہ سے (ثواب دے اُنہیں اللہ) تعالیٰ (اُن کے کیے سے زیادہ بہتر) یعنی بہشت، جس کا اُن سے وعدہ ہے۔ (اور زیادتی فرمائے اپنے فضل سے)، یعنی انہیں ایسے عطیے مرحمت فرمائے جو اُن کے وہم و گمان سے بھی زیادہ ہوں۔ (اور) اِس میں کیا شک ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (روزی دے) دُنیا میں (جسے چاہے اَن گنت) یعنی بے حساب روزی دے اور اِس کا حساب بھی نہ کرے، اور آخرت میں اِس سے بھی کہیں زیادہ روزی عطا فرمائے جو شمار میں نہ آسکے۔

اِس پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اعمال کی مثال بیان فرمائی تھی اور اِس اگلی آیت میں کافروں کے اعمال کی مثال بیان فرمائی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے۔۔۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَاۗءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ

اور جنہوں نے کفر کیا، اُن کا سب کیا دھرا، جیسے چمکتی ریت چٹیل میدان کی، کہ خیال کرتا ہے پیاسا کہ پانی ہے، یہاں تک کہ جب آیا

لَمْ يَجِدْهُ شَـيْـــًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۳۹

اُس کے پاس، تو نہ پایا اُسے کچھ، اور اللہ ہی کو وہاں پایا، تو اُس نے پورا پورا حساب کتاب کر دیا۔ اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے●

(اور) فرمایا جارہا ہے **(جنہوں نے کفر کیا)** اور حق کو چھپایا اور اُس کے موافق نہ ہوئے **(اُن کا سب کیا دھرا)** یعنی اُن کے وہ سارے اعمال جو بظاہر اچھے معلوم ہوں، جیسے رشتہ داروں سے میل رکھنا، لونڈی غلام آزاد کرنا اور فقیروں کو کھانا کھلانا، وغیرہ وغیرہ وہ سب ایسے ہی ہیں **(جیسے چمکتی ریت چٹیل میدان کی)** جسے سراب کہتے ہیں۔ آفتاب کی شعاع دوپہر کو برابر زمین پر پڑے اور اُس کی چمک موج مارتے ہوئے پانی کی طرح دکھائی دے، یہی سراب ہے۔ کیوں **(کہ)** اُس کو دیکھ کر **(خیال کرتا ہے پیاسا کہ پانی ہے)**، پھر اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے **(یہاں تک کہ جب آیا اِس کے پاس)** پانی کا گمان کرکے، **(تو نہ پایا اِسے)** یعنی اپنے اُس گمان اور تصور کی ہوئی کو **(کچھ)** اپنے خیال کے مطابق۔ وہ تو پانی سمجھ کر وہاں آیا تھا مگر جب پہنچا، تو دیکھا کہ یہاں تو پانی کا نام ونشان بھی نہیں ہے۔

اِسی طرح وہ کافر جو منکرِ قیامت نہیں ہے اور جو بظاہر اچھے کام کرتا ہے، وہ اِس گمان میں ہے کہ قیامت کے دن یہ ہمارے اپنے اچھے نظر آنے والے اعمال کا اچھا انجام اور اچھا صلہ ہم کو ملے گا، لیکن جب یہ وہاں پہنچا، تو صلہ **(اور)** انعام تو بڑی بات ہے اُس نے صرف **(اللہ)** تعالیٰ **(ہی)** کے غضب وجلال **(کو وہاں پایا، تو اُس نے پورا پورا حساب کتاب کر دیا)**۔ یعنی پوری دے گا اللہ تعالیٰ اُسے جزا اُس کے کام کی، حساب کے موافق۔۔ الختصر۔۔ دُنیا میں ایمان وتوحید اور اطاعتِ رسول سے انحراف اور کفر وشرک کے ارتکاب کی پوری پوری سزا اُسے مل جائے گی۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(جلد حساب کرنے والا ہے)** اور ایک کا حساب اُسے دوسرے کے حساب سے باز نہ رکھے گا۔

اپنے مذکورہ بالا ارشاد میں مثال دی اللہ نے کافروں کے اعمال کو چمکتی ریت کے ساتھ جس پر پانی کا دھوکا ہوتا ہے، اور کافروں کو پیاسوں کے ساتھ۔ تو جس طرح پیاسا چمکتی ریت سے ناامید ہوا ہو، تو پیاس کی شدت اور زیادہ ہوتی ہے۔ کافر جو اپنے اعمال کے ثواب کی امید رکھتے ہیں جب وہ امید پوری نہ ہوگی، تو اُن کی حسرت زیادہ ہوگی۔ کافروں کے عمل کی اب دوسری تمثیل بیان کی جارہی ہے۔

اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌؕ

یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈ والے دریا میں، جسے ڈھانپے ہے موج، اُس کے اوپر پھر موج، اُس کے اوپر بادل۔

ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَاؕ

تاریکیاں ہیں ایک پر ایک۔ جہاں اپنا ہاتھ نکالا، تو دیکھ نہ پایا۔

وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۠ ﴿۴۰﴾ ع ۱۱

اور جس کے لیے اللہ نے نور نہ رکھا، تو اُس کے لیے کوئی نور ہی نہیں ●

(یا جیسے اندھیریاں کسی کنڈ والے دریا میں) یعنی 'دریائے عمیق' میں، (جسے ڈھانپے ہے موج، اُس کے اوپر پھر موج، اُس کے اوپر بادل)۔۔ الغرض۔۔ (تاریکیاں ہیں ایک پر ایک)۔ ایک تو دریا کی تاریکی، اُس پر اوّل موج کی تاریکی، اُس پر دوسری موج کی تاریکی، اور اُس پر بادل جو تاروں کی روشنی چھپائے ہیں۔ تاریکی کی شدت کا عالَم یہ ہے، کہ (جہاں اپنا ہاتھ نکالا)۔۔۔

اِسی لیے کہ ہاتھ ہی ہے جو بہ نسبت تمام اعضاء کے آنکھ سے قریب ہے، تو اُس کو دیکھنا چاہا۔۔۔

(تو) گھٹا ٹوپ اندھیرے کی وجہ سے اُسے (دیکھ نہ پایا)۔۔ المختصر۔ آدمی کو اپنا ہاتھ بھی نظر نہیں آتا اور نہ قریب ہے کہ نظر آئے۔

یہ دوسری تمثیل ہے۔ ظلمات تو اِس کے تاریک عمل ہیں، اور دریائے عمیق اُس کا دل ہے، اور موج وہ جہل اور شرک ہے، جو اِس کے دل کو چھپالیتا ہے، اور اُس پر بیکسی کا ابر۔ تو کافر کا کام اور بات ظلمات ہے، اور اِس کا آنا جانا ظلمت ہے، اور قیامت کے دن اُس کا رجوع بھی ظلمت کی طرف ہے۔ اِس مقام پر جان لو۔۔۔

(اور) یاد رکھو کہ (جس کے لیے اللہ) تعالیٰ (نے) قسمتِ ازلی میں (نور نہ رکھا، تو اُس کے لیے کوئی نور ہی نہیں)۔۔ الحاصل۔۔ مومن کے واسطے نور پر نور ہے اور کافر کے واسطے ظلمتوں پر ظلمتیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍؕ

کیا تم نے نہیں دیکھا؟ کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں آسمانوں والے، اور زمین والے، اور پرندے اُڑتے ہوئے۔

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَ تَسْبِیْحَهٗؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

سب جانکار ہیں اپنی نماز و تسبیح کے۔ اور اللہ کو علم ہے جو سب کرتے ہیں ●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب کے انوار اور کفار اور جاہلوں کے قلوب کی ظلمات کا بیان فرمایا تھا، اور اب اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنی الوہیت اور توحید کے دلائل بیان فرمارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔فرماتا ہے کہ اَے محبوب!۔۔۔

(کیا تم نے نہیں دیکھا) یعنی کیا تم نے نہیں جانا۔

اس لیے کہ جن امور کا ذکر آگے آرہا ہے اُن کا تعلق علم وعقل سے ہے، نہ کہ ظاہر حواس سے۔اِس کلام میں نبی کریم کے توسط سے سارے انسانوں سے خطاب ہے اور یہ استفہام تقریری ہے اور "کیا آپ کو نہیں معلوم" سے مراد یہ ہے کہ یہ بات آپ کو معلوم ہے۔

(کہ اللہ) تعالیٰ **(کی تسبیح کرتے ہیں آسمانوں والے اور زمین والے)** یعنی جو کوئی آسمانوں اور زمینوں میں ہیں سب عبادتِ خداوندی اور تسبیح ربانی میں لگے ہوئے ہیں اور زبانِ قال سے۔۔یا۔۔دلالتِ حال سے سب خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ **(اور پرند اڑتے ہوئے)** یعنی چڑیاں بھی اُس کی تسبیح کرتی ہیں جب پر کھولے قطار باندھے اڑتی ہیں۔

چڑیوں کو خاص کر کے بیان فرمانا اس لیے ہے کہ وہ زمین وآسمان کے درمیان میں ہیں ۔۔یا۔۔خدا کی صنعت کی دلیلیں اُن میں بہت کھلی ہوئی ہیں۔اِس واسطے کہ بھاری جسم جو اپنی اصل میں مرکز یعنی نیچے کی طرف مائل ہیں، اُن کو محیط یعنی اوپر کی طرف میل کرنے کی قوت اور ہوا میں ٹھہرنے کی قدرت عطا فرمانا اور غول باندھنے میں باوصف اس کے کہ اُن کے بازووں میں سمٹنے کی بھی قوت ہے، پھیلانے کا طریقہ انہیں الہام فرمانا کمالِ قدرتِ صانع پر یقینی دلیل ہے۔

۔۔الختصر۔۔ہر ایک اہلِ آسمان اور اہلِ زمین۔۔یا۔۔چڑیاں۔۔یا۔۔سب کے **(سب جانکار ہیں اپنی نماز وتسبیح کے)** یعنی اپنی دُعا اور تنزیہہ کے۔۔یا۔۔خدا کی دُعا اور تسبیح کے۔۔یا۔۔خدا جانتا ہے سب کی نماز اور نیاز کو۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(کو علم ہے جو سب کرتے ہیں)** یعنی وہ سب کی طاعت وعبادت سے باخبر ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾

اور اللہ ہی کی ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی۔اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے●

(اور اللہ) تعالیٰ **(ہی کی ہے ملکیت آسمانوں اور زمین کی)** یعنی آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی

اُسی کے لیے ہے، اِس واسطے کہ اِن سب کا خالق وہی ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف) سب کو (لوٹنا ہے)، یعنی اللہ کی طرف ہی سب کی بازگشت ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ

کیا تم نے نہ دیکھا؟ کہ اللہ حرکت دیتا ہے بادل کو، پھر اکٹھا کرتا ہے اِن سب کو، پھر کرتا ہے انہیں تہہ پر تہہ،

يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ

تو دیکھتے ہو کہ قطرہ نکلتا ہے اُس کے اندر سے۔ اور اتارتا ہے آسمان کی طرف سے اِن کے پہاڑوں سے اولے،

مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ۖ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾

پھر بہاتا ہے جس پر چاہے، اور روک دیتا ہے جس سے چاہے، اُس کی بجلی کی چمک، لے ہی جانے کو ہے آنکھیں●

اَے محبوب! (کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ) تعالیٰ (حرکت دیتا ہے بادل کو) اور اٹھاتا ہے اُسے ٹکڑے ٹکڑے، (پھر اکٹھا کرتا ہے اُن سب کو) یعنی بعض کو بعض سے ملا دیتا ہے، (پھر کرتا ہے اُنہیں تہہ پر تہہ) یعنی تلے اوپر جما ہوا، (تو پھر دیکھتے ہو) مینھ کو (کہ قطرہ نکلتا ہے اُس کے اندر سے) یعنی اُس کے درمیان سے۔ (اور اُتارتا ہے آسمان کی طرف سے اُن کے پہاڑوں سے اولے) جو اُن میں ہیں، یعنی ابر کے بڑے بڑے ٹکڑے جو پہاڑوں کے برابر ہیں۔۔ الغرض۔۔ برساتا ہے اُس اولے میں سے جو ابَر میں ہے۔

(پھر بہاتا ہے) اُس اولے سے حاصل پانی کو (جس پر چاہے)۔ یعنی جس کے کھیت اور باغ میں بہانا چاہے۔ (اور روک دیتا ہے جس سے چاہے)، یعنی جس سے چاہے اُن کو پھیر دیتا ہے ۔۔یا۔۔ بارش تو برساتا ہے مگر باغ وغیرہ کو ثمر بار نہیں ہونے دیتا اور انہیں میووں سے اور پھلوں سے محروم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کیسا قادرِ مطلق ہے اور اُس کی قدرتِ کاملہ کی کیا شان ہے، کہ ایک ضد سے دوسری ضد پیدا کر دیتا ہے، اور سخت ٹھنڈے طبقے میں آگ پیدا کر دیتا ہے۔ اور پانی برسانے والے اَبر سے آگ کا شعلہ نکالتا ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ (اُس کی بجلی کی چمک لے ہی جانے کو ہیں آنکھیں) یعنی بجلی کی چمک کی تیزی سے دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور بعض اوقات بینائی زائل ہو جاتی ہے۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۴۴

الٹا پلٹتا ہے اللہ رات اور دن کو، بے شک اس میں درس ہے آنکھ والوں کے لیے●

(الٹا پلٹتا ہے اللہ) تعالیٰ (رات اور دن کو) یعنی رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات کو لاتا ہے۔ کبھی دن کا کچھ حصہ رات میں داخل کر لیتا ہے اور کبھی رات کا کچھ حصہ دن میں داخل کر دیتا ہے، اور کبھی اُن کے موسم کو سرد کر دیتا ہے اور کبھی اُن کے موسم کو گرم کر دیتا ہے۔ (بے شک اِس میں) یعنی یہ جو مذکور ہوا اِس میں (درس ہے آنکھ والوں کے لیے)۔

یعنی دن اور رات کے اِس توارد میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اُس کی توحید پر نشانیاں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کامل ہونے اور ہر چیز کو اُس کے علم کے محیط ہونے اور اُس کے احکام کے نافذ ہونے اور تمام نظام کائنات کے اُس کی قدرت اور مشیت کے تابع ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ آگے مخلوقات کے تنوع سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر استدلال فرمایا جا رہا ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اللہ نے پیدا فرمایا ہر چلتے جاندار کو پانی سے، تو کوئی ہے کہ پیٹ کے بَل چلتا ہے۔ اور کوئی

مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۭ

چلتا ہے دو پایوں پر۔ اور کوئی چلتا ہے چار پر۔ اللہ پیدا فرمائے جو چاہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۵

بے شک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(اور) ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے پیدا فرمایا ہر چلتے جاندار کو) مخصوص (پانی)، یعنی نطفے (سے)۔

اِس میں تغلیباً اکثر جانوروں پر تمام جانوروں کا حکم لگا دیا ہے، کیونکہ بعض حیوانات نطفے سے پیدا نہیں ہوتے۔ جنات و ملائکہ اس حکم میں داخل نہیں، کیونکہ جنات آگ سے پیدا کیے گئے ہیں اور ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی سے، حضرت حواء حضرت آدم کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نفخ جبرائیل سے پیدا کیے گئے۔

(تو) اِن میں (کوئی ہے کہ جو پیٹ کے بل چلتا ہے) جیسے سانپ اور حشر الارض جو پیٹ کے بل رینگنے والے ہیں، (اور کوئی چلتا ہے دو پایوں پر) جیسے انسان اور پرندے (اور کوئی چلتا ہے

چار پر) جیسے چرندے، درندے اور چوپائے اور جن کی ٹانگیں چار سے زیادہ ہوتی ہیں جیسے مکڑیاں، وہ بھی اِن ہی میں داخل ہیں۔ اور (اللہ) تعالیٰ (پیدا فرمائے جو چاہے) یعنی اللہ تعالیٰ مختلف صورت اور شکل اور مختلف اعضاء اور حرکات اور افعال اور مختلف خواص کی مخلوقات پیدا فرماتا ہے، حالانکہ اِن سب کو ایک ہی عنصر سے پیدا فرمایا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے اور اُس کی صفت کے کمال پر دلالت کرتا ہے، اور (بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔ آسمان اور زمین میں کوئی چیز اُس کو عاجز کرنے والی نہیں۔ جو چیز وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتی ہے اور جو چیز وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی۔

آگے ہر چاہے پر قدرت والا ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾

بے شک اتارا ہم نے روشن آیتوں کو۔ اور اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہے، راہِ راست کی●

(بے شک اتارا ہم نے روشن آیتوں کو)، یعنی ایسی آیتیں نازل فرمائی ہیں جو واحد خالق پر تفصیل اور وضاحت سے دلالت کرتی ہیں، جو اِس تمام نظامِ کائنات کو صرف اپنی تدبیر سے چلا رہا ہے۔ اِن آیتوں میں دُنیا اور دین کی رشد اور فلاح کا وضاحت سے بیان ہے اور بُرے کاموں سے نفس کی آلودگی کی تطہیر کی، اور نیک کاموں سے نفس کو مزین کرنے کی مکمل ہدایت ہے۔ پھر جو شخص نیکی اور صلاحیت کو اپنائے اور ایمان اور تقویٰ کے حصول کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس میں یہ اوصاف پیدا فرما دیتا ہے، اور جو بُرائی کا ارادہ کرتا ہے اُس میں اللہ تعالیٰ بُرائی پیدا فرما دیتا ہے۔ (اور) اِنہی آیات میں غور و فکر کرنے کے سبب سے (اللہ) تعالیٰ (راہ دیتا ہے جسے چاہے راہِ راست کی)، یعنی سیدھی ٹھیک راہ کی طرف اور وہ جنت کی راہ ہے۔

بشر منافق اور ایک یہودی میں جھگڑا پڑا۔ یہودی بولا "آؤ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے محکمہ میں اپنا فیصلہ کرائیں"۔ منافق کہنے لگا کہ "کعب بن اشرف کے سامنے یہ مقدمہ پیش کریں"، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔۔۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ

اور کہہ تو دیتے ہیں کہ "ہم مان گئے اللہ اور رسول کو،" اور حکم مانا، پھر کچھ ان میں سے پھر جاتے ہیں

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اس کے بعد۔ اور وہ ماننے والے ہی نہیں ہیں●

وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور جب بُلائے گئے اللہ ورسول کی طرف، کہ فیصلہ کردیں اِن کا اُس وقت، اِن میں سے کچھ بے رخی کرنے والے ہیں ●

(اور) یہ منافق لوگ (کہہ تو دیتے ہیں کہ ہم مان گئے اللہ) تعالیٰ (اور) اُس کے (رسول کو اور حکم مانا) یعنی ہم نے دونوں کی فرمانبرداری کی، (پھر کچھ اِن میں سے پھر جاتے ہیں) اور حکم ماننے سے انکار کرتے ہیں (اِس کے) یعنی ایمان واطاعت کے اقرار کرچکنے کے (بعد۔اور) حقیقت یہ ہے کہ (وہ) یعنی اِس گروہ کے لوگ (ماننے والے ہی نہیں ہیں) یعنی دل سے ایمان والے نہیں ہیں۔۔یا ۔۔ایمان پر ثابت نہیں ہیں۔

شانِ نزول کے تعلق سے ایک روایت یہ بھی ہے، کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور مغیرہ بن وائل میں پانی اور زمین کی بابت جھگڑا پڑا تھا۔ ہرچند حضرت علی نے چاہا کہ اُسے رسولِ مقبول کی خدمت میں لائیں، مگر یہ بات ممکن نہ ہوئی۔ مغیرہ بولا کہ وہ تمہارا حق ثابت کریں گے، اس واسطے کہ اُن کے چچازاد بھائی ہو۔ اور اصل بات یہ ہے کہ وہ ملعون جانتا تھا کہ معاملے میں حضرت علی کا حق ہے، اور رسولِ مقبول حق والے کے حق ہی میں فیصلہ فرمائیں گے۔ تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، کہ منافق لوگ ایمان اور فرمانبرداری کا اقرار کرتے ہیں اور پھر خدا ورسول کے حکم سے انکار کرتے ہیں۔

(اور) اُن کا حال یہ ہے کہ (جب بُلائے گئے اللہ) تعالیٰ (ورسول کی طرف) تا (کہ فیصلہ کردیں) پیغمبر درستی کے ساتھ (اُن کا اُس وقت)، تو (اُن میں سے) بشر اور مغیرہ جیسے (کچھ) لوگ (بے رخی کرنے والے ہیں) اور محکمہ عالیہ نبویہ سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ یہ ہمیشہ اُس صورت میں ہوتا تھا جب وہ جانتے تھے کہ وہ حق نہیں۔ لہٰذا۔۔ بارگاہِ رسول سے اُن کے حق میں فیصلہ نہیں ہوسکتا۔

وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور اگر ہو اِن کے حق میں فیصلہ، تو آئیں اُس کی طرف یقین مانتے ●

(اور اگر) یہ صورتِ حال (ہو) کہ وہ اپنے معاملے میں صحیح اور حق ہوں اور برحق ہونے کی وجہ سے (اُن کے حق میں فیصلہ) ہو، (تو) ایسی صورت میں وہ (آئیں) گے (اُس کی طرف یقین مانتے) ۔۔المختصر۔۔ اگر جانیں کہ انہیں کا حق ثابت ہوگا، تو فرمانبردار ومطیع ہیں اور اگر معلوم ہو کہ دوسرے کا حق ثابت ہوگا، تو منکر ہیں۔ آخر وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟۔۔۔

أَفِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَن يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

کیا اِن کے دلوں میں بیماری ہے؟ یا شک کر رکھا ہے، یا ڈرتے ہیں کہ زیادتی کریں گے اِن پر اللہ

وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٠﴾

ورسول۔ بلکہ خود وہی اندھیر مچانے والے ہیں●

(کیا اُن کے دلوں میں) کفر وظلم کی طرف میلان کی (بیماری ہے؟ یا شک کر رکھا ہے) پیغمبر کی نسبت۔ اور اُن سے کوئی ناانصافی دیکھی ہے کہ اُن پر اعتماد باقی نہیں رہا، (یا ڈرتے ہیں کہ زیادتی کریں گے اُن پر اللہ) تعالیٰ (ورسول)۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُن پر ظلم وزیادتی کا حکم فرمائے گا اور رسول اُس حکم کو نافذ فرمانے کا ارادہ فرمائے گا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ خدا اور رسول ظالم نہیں، (بلکہ خود وہی اندھیر مچانے والے ہیں) اور ظلم کرنے والے ہیں دوسرے فریق پر، جس کی حق تلفی چاہتے ہیں۔۔یا۔۔ظلم کرنے والے ہیں اپنی جانوں پر اپنے انکار کے سبب سے۔۔یا۔۔خدا اور رسول کے حکم سے خود کو باز رکھ کر۔ اِن منافقین کے برخلاف۔۔۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

مسلمانوں کی بات تو بس یہ ہے، کہ جب بھی بلائے گئے اللہ اور رسول کی طرف،

أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾

تا کہ وہ رسول فیصلہ فرمادیں اُن میں، تو عرض کریں کہ سن لیا اور کہا مان لیا۔ وہی کامیاب ہیں●

(مسلمانوں کی بات تو بس یہ ہے، کہ جب بھی بلائے گئے اللہ) تعالیٰ کی کتاب (اور) اُس کے (رسول کی طرف، تا کہ وہ رسول فیصلہ فرمادیں) اور حکم کردیں (اُن میں) اُن کے درمیان جھگڑے کے وقت، (تو) اُن کا طرزِ عمل یہی رہا، کہ (عرض کریں کہ سن لیا) آپ کا کلام (اور کہا مان لیا)۔ یعنی ہم آپ کے حکم کے فرمانبردار ہیں۔ (وہی) لوگ جو ایسا کہتے ہیں (کامیاب ہیں)۔ یعنی عذابِ ربانی کے درکوں سے چھٹکارا پانے والے ہیں اور رضائے سبحانی کے درجوں پر پہنچنے والے ہیں۔

وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٥٢﴾

اور جو کہا مانے اللہ اور اس کے رسول کا، اور ڈرے اللہ کو، اور خوف رکھے اس کا، تو وہی کامیاب ہیں●

(اور جو کہا مانے اللہ) تعالیٰ کا فرائض میں، (اور اُس کے رسول کا)، یعنی اُس کے رسول کی

اطاعت کرے سنتوں میں۔یا۔ ہر ایک بات میں جو وہ فرمائیں، (اور ڈرے اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی عذاب الٰہی سے گزرے ہوئے گناہوں پر، (اور خوف رکھے اُس کا) یعنی اُس کے غضب کا اور گناہ نہ کرے آئندہ، (تو وہی) گروہ والے (کامیاب ہیں) یعنی مُراد کو پہنچنے والے ہیں جنت کی نعمتوں کے ساتھ۔

ایک بادشاہ نے علماء سے التماس کیا کہ ایک آیت ایسی بتائیے کہ اُس پر عمل کرنا کافی ہو، اور پھر دوسری آیت کی احتیاج باقی نہ رہے۔تو علماء نے اِسی آیت پر اتفاق کیا، اِس واسطے کہ فوز وفلاح کا حصول سوا فرمانبرداری اور خوف اور پرہیزگاری کے متصور ہی نہیں۔

منافقین بھی عجیب تھے کہ اپنی واضح منافقانہ سرشت کو صرفِ نظر کر کے بک گئے۔۔۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ

اور وہ لوگ قسم کھا گئے اللہ کی، بڑے زور کی قسم کہ "اگر آپ نے حکم دیا انہیں تو ضرور لڑنے کو نکل پڑیں گے۔" کہہ دو کہ "قسمیں نہ کھاؤ،

طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾

کہا مان لینا ہی اصل نیکی ہے، بے شک اللہ باخبر ہے جو تم کرو گے"●

(اور وہ لوگ قسم کھا گئے اللہ) تعالیٰ (کی بڑے زور کی قسم)، یعنی بہت سخت اپنی قسموں سے کہ وہ ایسے فرمانبردار ہیں کہ اِس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔۔ چنانچہ۔۔وہ کہہ پڑے (کہ) اَے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) (اگر آپ نے حکم دیا اُنہیں تو ضرور لڑنے کو نکل پڑیں گے) اور اپنا گھربار مال ومتاع سب چھوڑ دیں گے، اور نکلنے میں وہ لحظہ بھر کے لیے توقف نہ کریں گے۔

اَے محبوب! اُن سے (کہہ دو کہ قسمیں نہ کھاؤ)۔ جھوٹی قسم کھانا کوئی نیکی نہیں۔ ہم تم سے جھوٹی قسم نہیں چاہتے، بلکہ تم سے مقصود فرمانبرداری ہے، کیونکہ (کہا مان لینا ہی اصل نیکی ہے)۔کوئی اِس خیال میں نہ رہے کہ خدا اِس کے دلی خیالات سے بے خبر ہے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے جو تم کرو گے)۔تمہارا انفاق اُس سے پوشیدہ نہیں ہے۔تو اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ

حکم دے دو کہ "کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا۔" پھر بھی اگر بے رخی کی، تو رسول پر ذمہ داری وہی ہے جو اُن کے اوپر لگائی گئی ہے،

وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ

اور تم لوگوں پر وہ بوجھ ہے جو تم پر لادا گیا ہے۔اور اگر اُن کا کہا مانو، تو راہ پا جاؤ۔اور رسول پر

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾

ذمہ داری صرف علانیہ تبلیغ کی ہے●

(حکم دے دو کہ کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا) خلوصِ نیت کے ساتھ، (اور کہا مانو) اُس کے (رسول کا) صاف دلی کے ساتھ۔ (پھر بھی اگر بے رخی کی، تو رسول پر ذمہ داری وہی ہے جو اِن کے اوپر لگائی گئی ہے) یعنی احکام کی تبلیغ (اور تم لوگوں پر وہ بوجھ ہے جو تم پر لادا گیا ہے) یعنی اطاعت وفرمانبرداری۔ (اور) یہ حقیقت ہے کہ (اگر اِن کا کہا مانو) گے (تو راہ پا جاؤ) گے۔ (اور رسول پر ذمہ داری صرف علانیہ تبلیغ کی ہے) جس سے وہ عہدہ برا ہو چکے۔ اب جو تمہاری ذمہ داری ہے یعنی رسول کے احکام کو مان لینا اور اِن کی پرخلوص اطاعت کرنا، اُسی کا پورا ہونا باقی رہ گیا ہے۔

غریب مہاجرین جنہوں نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں انصار کے گھروں میں قیام کیا اور اکثر قبائلِ عرب جو مکہ اور مدینہ میں تھے، قریش اُن سے مل کر اِن غریبوں کے ساتھ لڑنے کو متفق ہوئے، اور دن رات دھمکیاں دیتے اور سخت پیغام کہلا بھیجتے تھے۔ وہ غریب مہاجر اکثر ہتھیار اپنے پاس رکھتے اور خوف وہراس میں بسر کرتے۔ ایک دن آپس میں کہنے لگے، کہ کوئی زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ہم لوگ اپنے کو مطمئن اور بے خوف دیکھیں اور فراغت سے خیر وعافیت کے ساتھ بیٹھیں۔ تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور وعدہ کر کے قسم ارشاد فرمائی، کہ۔۔۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ

وعدہ فرمالیا اللہ نے اُن سے، جو تم میں سے ایمان لاچکے اور لیاقت والے کام کیے، کہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں،

كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي

جس طرح حکومت دی تھی انہیں، جو اِن سے پہلے ہوئے، اور ضرور جمادے گا ان کے لیے اس دین کو، جس کو

ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ

پسند فرمالیا ان کے لیے، اور ضرور بدلے میں دے گا اِن کے خوف کے امن کو۔ کہ مجھ کو پوجتے رہیں اور نہ شریک بنائیں میرا

بِيْ شَيْـًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾

کسی چیز کو۔ اور جس نے ناشکری کی اِس کے بعد، تو وہ نافرمان ہیں●

(وعدہ فرمالیا اللہ) تعالیٰ (نے اُن سے جو تم میں سے ایمان لاچکے اور لیاقت والے کام کیے)

یعنی مہاجرین سے، (کہ ضرور خلیفہ بنائے گا انہیں زمین میں) کافروں کی سرزمین پر عرب وعجم میں، (جس طرح حکومت دی تھی اُنہیں جو اِن سے پہلے ہوئے)، یعنی بنی اسرائیل کہ اُنہیں مصر اور شام کی زمین عطا فرمائی، یہاں تک کہ اُنہوں نے وہاں ایسا تصرف کیا جیسا بادشاہ اپنے ملکوں میں کرتے ہیں۔

تھوڑی ہی مدت میں مومنین مہاجرین سے اپنا وعدہ وفا کیا۔ عرب کے جزیرے اور کسریٰ کے شہر اور روم کے شہر انہیں عطا فرمائے، اور امید ہے کہ حکم لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کے موافق تمام مشارق اور مغارب کے اطراف واکناف ملازمانِ شرع نبوی اور متابعانِ احکام مصطفوی کی تسخیر وتصرف میں آجائیں۔ یہ آیت اعجازِ قرآن اور صحتِ نبوت اور خلفائے راشدین کی خلافت پر دلیل ہے۔ آگے فرمایا کہ۔۔۔

(اور ضرور جمادے گا اِن کے لیے اِس دین کو جس کو پسند فرمالیا اِن کے لیے)، یعنی دینِ اسلام کو سب دینوں پر غالب کردے گا۔ اور دینِ اسلام کی حقانیت اور اِس کے سوا سارے دینوں کے بطلان کو دلیل وبرہان کی زبردست استدلالی قوت کے ساتھ ظاہر فرمادے گا۔ (اور ضرور بدلے میں دے گا اِن کے خوف کے امن کو)۔ یعنی اِن کے دلوں سے خوف زائل فرمادے گا اور اُس کی جگہ انہیں امن وسکون اور اطمینان وچین مرحمت فرمائے گا۔

زمانۂ خلافت میں اِن کی یہ شان رہے گی (کہ مجھ کو پوجتے رہیں) گے (اور نہ شریک بنائیں گے (میرا کسی چیز کو)۔ یعنی جاہ ودولت، اختیار وقدرت، اِنہیں توحید اور عبادت سے باز نہ رکھے گی۔ (اور جس نے ناشکری کی اِس کے بعد) یعنی یہ وعدہ سچ ہونے کے بعد، (تو وہ) ناشکرا گروہ (نافرمان ہیں)۔ تو اَے ایمان والو! اپنے کو نافرمانی سے باز رکھو۔۔۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور پابندی رکھو نماز کی، اور دیتے رہو زکوٰۃ کو، اور کہا مانو رسول کا، کہ تم رحم کیے جاؤ●

(اور پابندی رکھو نماز کی اور دیتے رہو زکوٰۃ کو اور کہا مانو رسول کا)، یعنی رسولِ کریم جو کچھ حکم فرمائیں اُن کی فرمانبرداری کرو، تا (کہ تم رحم کیے جاؤ) اور تم پر فضلِ الٰہی کا نزول ہوتا رہے۔

آگے خطاب کا روئے سخن پیغمبر کے توسط سے امتیوں کی طرف ہے۔۔ چنانچہ۔ فرمایا جاتا ہے کہ اَے محبوب!۔۔۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۚ
اِس کا خیال بھی نہ کرنا کہ جنہوں نے کفر کیا، ہم سے بھاگ نکلیں گے زمین میں۔ اور اُن کا ٹھکانا تو ہے آگ،

وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ ع ۱۴

اور واقع میں کتنا بُرا ٹھکانا ہے●

(اِس کا خیال بھی نہ کرنا کہ جنہوں نے کفر کیا ہم سے بھاگ نکلیں گے زمین میں)۔ تو نہ تو یہ خدا کو عذاب دینے سے عاجز کر سکتے ہیں، اور نہ ہی اِس کا عذاب اپنے سے دُور کر سکیں گے۔ (اور اِن کا ٹھکانہ تو ہے) دوزخ کی (آگ، اور واقع میں کتنا بُرا ٹھکانہ ہے) اور کتنی خراب بازگشت ہے۔

نماز وزکوٰۃ جو اہم ترین فرائض سے ہیں اُن کے ذکر کے بعد چند اُن احکام کی وضاحت کی جارہی ہے جو تہذیبی و معاشرتی اور اخلاقی اقدار پر مشتمل ہیں، جن کا پاس ولحاظ رکھنا ایک مومن کامل کے لیے ضروری اور اطاعتِ رسول کے حکم کی تعمیل بھی ہے۔۔ تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا
اَے مسلمانو! اجازت لے لیا کریں گھر میں آنے کی جو تمہارے دستِ ملکیت میں ہیں، اور جو ابھی بالغ نہیں

الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ۗ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ
ہوئے تم میں سے، تین موقع پر۔ نمازِ فجر سے پہلے، اور جب کہ اتار کر

ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۗ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ۗ
رکھ دیتے ہو تم اپنے کپڑوں کو دوپہر کا وقت، اور نماز عشاء کے بعد۔۔ یہ تین شرم کے اوقات ہیں۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ۗ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ
نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی الزام ہے اِن وقتوں کے بعد۔ آنے جانے والے ایک دوسرے

عَلٰى بَعْضٍ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۸﴾
کے پاس۔ اِس طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لیے آیتیں۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اَے مسلمانو! اجازت لے لیا کریں گھر میں آنے کی جو تمہارے دستِ ملکیت میں ہیں) یعنی غلام۔۔ یا۔۔ لونڈی غلام سب، (اور) وہ لڑکے بھی (جو ابھی بالغ نہیں ہوئے) یعنی سن بلوغ کو نہیں پہنچے (تم میں سے) یعنی تمہاری قوم سے۔۔ الغرض۔۔ غلام اور لڑکوں کو چاہیے کہ تمہارے گھروں

میں آنے کے واسطے پہلے اجازت چاہیں، (تین موقع پر) دن رات میں۔ایک تو (نمازِ فجر سے پہلے) کیونکہ سونے کے بعد آدمی اٹھ کر چاہتا ہے کہ خلوت کے کپڑے اتارے اور لوگوں سے ملاقات کرنے کا کپڑا پہنے۔(اور) دوسری بار اُس وقت (جب کہ اُتار کے رکھ دیتے ہو تم اپنے کپڑوں کو) یعنی (دوپہر کا وقت)۔(اور) تیسری بار (نمازِ عشاء کے بعد) کیونکہ وہ کپڑے اتار کر بچھونے پر لیٹنے کا وقت ہے۔

(یہ تین شرم کے اوقات ہیں)، تو پردے کے اِن تین وقتوں کو نگاہ میں رکھو۔اور جان لو کہ (نہ تم پر اور نہ)ہی (اُن پر) یعنی غلاموں اور لڑکوں پر، (کوئی الزام ہے اِن وقتوں کے بعد آنے جانے والے ایک دوسرے کے پاس)۔یعنی تمہارے غلام جو تمہارے پاس تمہارے کام سے برابر آنے جانے والے اور تمہارا چکر لگانے والے ہیں، تو اُن کو ہر وقت اجازت مانگنے کی ضرورت نہیں۔۔الختصر۔۔بعض تم میں سے بعض پر، یعنی مملوک لوگ آقاؤں کے کام پر آتے ہی رہتے ہیں۔تو اُنہیں اس کی اجازت ہے۔

(اِس طرح بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارے لیے آیتیں) یعنی حق بات کی دلیلیں اور شرع کے احکام، (اور اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے۔۔چنانچہ۔۔وہ بندوں کی مصلحتیں جانتا ہے، اور (حکمت والا ہے) یعنی مراسمِ آداب کی رعایت کا حکم کرنے والا ہے۔

اِس آیتِ کریمہ کو بعض علماء نے منسوخ قرار دیا ہے، لیکن محکم ابن جبیر رضی اللہ عنہ نے اِن لوگوں کے جواب میں فرمایا ہے کہ خدا کی قسم یہ آیت منسوخ نہیں، مگر لوگ اِس حکم کی تعمیل میں سستی کرتے ہیں۔

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ

اور جب پہنچ چکیں تمہارے بچے بلوغ کو، تو انہیں بھی اجازت مانگنی چاہیے، جس طرح اجازت مانگا اُن سے عمر کے پہلوں

مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٥٩﴾

نے۔اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لیے اپنی آیتوں کو، اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اور جب پہنچ چکیں تمہارے بچے بلوغ کو)۔

یعنی اُنہیں احتلام ہونے لگے، مراد یہ ہے کہ جوان ہو جائیں، کیونکہ احتلام جوانی کی کھلی دلیل ہے، تو جب بچے اِس عمر کو پہنچ جائیں۔۔۔

(تو انہیں بھی) ہر وقت (اجازت مانگنی چاہیے جس طرح اجازت مانگا اِن سے عمر کے پہلوں

نے)۔ یعنی وہ لوگ جو بالغ ہوں اُن سے پہلے۔۔ الختصر۔۔ اجازت مانگنے میں اِن کا وہی حکم ہے جو اُور سب مَردوں کا ہے۔ یعنی جب آزاد لڑکا بالغ ہو جائے، تو وہ کسی شخص اور اُس کی بیوی کے یہاں کسی بھی وقت بغیر اجازت کے داخل نہ ہو اور جس طرح اُور مرد گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کرتے ہیں، وہ بھی اجازت طلب کرے۔ جس طرح یہ حکم بیان کیا ہے (اِسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارے لیے اپنی آیتوں کو اور اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے۔ وہ تمہارے احوال خوب جانتا ہے اور (حکمت والا ہے)، یعنی حکم کرنے والا ہے حکمت کے ساتھ شریعت کی طرحیں اور وضعیں مُعَیَّن کرنے میں۔

اِن دونوں اسماءِ الٰہیہ کا اِن دونوں آیتوں کے اخیر میں مکرر لانا مبالغہ اور تاکید کی جہت سے ہے۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاۗءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ

اور بیٹھ جانے والی بوڑھی عورتیں، جنہیں نہیں رہ گئی امید نکاح کی، تو اُن پر

جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ

کچھ الزام نہیں، کہ رکھ دیا کریں اپنے اوپری کپڑے، بغیر مقام زینت کو دکھلاتے۔

وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۶۰

اور اِس سے بھی بچنا زیادہ بہتر ہے اُن کے لیے۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے●

(اور) گھر (بیٹھ جانے والی بوڑھی عورتیں جنہیں نہیں رہ گئی امید) اپنے (نکاح کی)، یعنی انہیں یہ آرزو نہیں کہ اُن سے کوئی نکاح کرے، اس وجہ سے کہ وہ بوڑھی ہیں۔ اُن کا حیض آنا بند ہو گیا ہے اور وہ بچے پیدا نہیں کرسکتیں، اور اُن کو دیکھنے والے کے دل میں اُن کی طرف ہلکی سی رغبت پیدا نہ ہو سکے، بلکہ بڑھاپے کی وجہ سے گھن آئے، (تو اُن پر کچھ الزام نہیں کہ رکھ دیا کریں اپنے اوپری کپڑے) جیسے چادر اور اوڑھنی، (بغیر مقام زینت کو دکھلاتے)۔ یعنی چادر اُتارنے سے سر، گردن، کان اور بال کھولنا مقصود نہ ہو۔ (اور اِس سے بھی بچنا زیادہ بہتر ہے اُن کے لیے) اور تہمت سے بہت بعید ہے۔

اِس مقام پر ذہن نشین رہے، کہ ستر اور حجاب میں فرق ہے۔ عورت کا پورا جسم سوا چہرے، ہاتھوں اور پیروں کے 'واجب ستر' ہے۔ اور اُس کے سر کے بالوں کا بھی ستر واجب ہے۔ اور

چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو چادر سے ڈھانپنا حجاب ہے۔ اس لیے بوڑھی عورت کے لیے چادر کا اتارنا اور چہرے، ہاتھوں اور پیروں کو کھولنا جائز ہے، لیکن سر کے بالوں کو ڈھانپنا واجب ہے۔ بوڑھی عورت ستر میں جوان عورت کے مثل ہے۔ وہ گھر میں قمیص پہنے اور دوپٹہ اوڑھے، اور اوپر اوڑھنے والی چادر اتار سکتی ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے مُردوں کے ساتھ اُن کی باتیں، اور (جاننے والا ہے) اُن کی باتوں کا مطلب۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ "تم ایک دوسرے کا مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ" تو مسلمانوں نے بیماروں، اپاہجوں، اندھوں اور لنگڑوں کے ساتھ کھانے میں حرج سمجھا اور اُنہوں نے کہا، کہ ہمارا تو سب سے افضل مال، کھانا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے 'ناحق' مال کھانے سے منع فرمایا ہے۔ اور اندھا کھاتے وقت یہ نہیں دیکھ سکتا کہ پلیٹ میں اچھا طعام۔۔ مثلاً: بوٹیاں اور انڈے وغیرہ کس جگہ رکھے ہیں، اور لنگڑا پوری طرح بیٹھنے پر قادر نہیں اور وہ صحیح طرح نہیں کھا سکتا، اور بیمار آدمی کمزوری کی وجہ سے اچھی طرح نہیں کھا سکتا، اس لیے وہ اِن معذوروں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج سمجھنے لگے۔

۔۔ یوں ہی۔۔ لنگڑے، اندھے اور بیمار، تندرستوں کے ساتھ کھانا کھانے میں حرج سمجھتے تھے، کیونکہ لوگوں کو اُن سے گھن آتی تھی اور وہ اُن کے ساتھ کھانا کھانے میں کراہت محسوس کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اندھا بعض اوقات زیادہ کھا جاتا ہے اور لنگڑا زیادہ جگہ گھیر کر بیٹھتا ہے۔ ایسے ہی مسلمان جب کسی غزوہ میں جاتے، تو بیماروں اور اپاہجوں کو اپنے گھروں میں چھوڑ جاتے، اور اپنے گھروں کی چابیاں اُنہیں دے دیتے تھے، اور وہ لوگ کہتے تھے کہ ہمارے لیے اِن کے گھروں سے کھانا پینا حلال نہیں ہے اور اِس میں حرج سمجھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ جب کہ وہ لوگ غائب ہیں، تو ہمیں اِن کے گھروں سے کھانا پینا جائز نہیں ہے۔ اِن تمام لوگوں کے خیالات کی اصلاح کے لیے ارشادِ ربانی ہوا کہ۔۔۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ

نہ اندھے پر الزام، اور نہ لنگڑے پر جرم۔ اور نہ بیمار کی

حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ

پکڑ۔ اور نہ تم سب پر، کہ کھا لو اپنوں کے گھر، یا اپنے باپ دادا کے گھر،

اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ

یا اپنی ماں کے گھر، یا اپنے بھائیوں کے گھر، یا اپنی بہنوں کے گھر، یا اپنے چچاؤں کے گھر،

اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ

یا اپنی پھوپھیوں کے گھر، یا اپنے ماموؤں کے گھر، یا اپنی خالاؤں کے گھر، یا جس گھر

مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ

کی کنجیاں ملکیت میں ہوں، یا اپنے دوست کے یہاں۔ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ جمع ہو کر کھاؤ یا الگ الگ۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً

تو جب جانا چاہا کسی گھر میں، تو سلام کرو اپنے لوگوں پر، دُعائے ملاقات، مبارک و پاکیزہ کرتے ہوئے اللہ سے۔

طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع ۱۴

اِس طرح سے بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لیے آیتیں، کہ عقل سے کام لو●

(نہ اندھے پر الزام اور نہ لنگڑے پر جرم اور نہ بیمار کی پکڑ اور نہ تم سب پر) کوئی حرج (کہ کھالو اپنوں کے گھر)۔ اپنے گھروں کے کھانوں میں سے جن میں تمہارے اہل و عیال ہیں۔ اور بیٹوں کے گھر بھی اِس میں داخل ہیں۔

اِس حدیث کے حکم سے کہ "تو اور تیرا مال تیرے باپ کے واسطے ہے"۔ اور صحیح یہ ہے کہ بہت پاکیزہ وہ چیز ہے جو آدمی اپنی کمائی میں سے کھائے، اور بیٹا بھی اُسی کی کمائی میں سے ہے، تو بیٹے کا مال باپ کے لیے حلال طیب ہے۔

(یا اپنے باپ دادا کے گھر) سے، (یا اپنی ماں کے گھر) سے، (یا اپنے بھائیوں کے گھر) سے، (یا اپنی بہنوں کے گھر) سے، (یا اپنے چچاؤں کے گھر) سے، (یا اپنی پھوپھیوں کے گھر) سے، (یا اپنے ماموؤں کے گھر) سے، (یا اپنی خالاؤں کے گھر) سے، (یا جس گھر کی کنجیاں ملکیت میں ہوں)، یعنی جن گھروں کے نقد و جنس کے تم مالک ہوئے۔

یہ خطاب وکیلوں اور تحویلداروں سے ہے، اور بعضوں نے کہا کہ اِن گھروں سے لونڈی غلاموں کے گھر مراد ہیں۔ ذہن نشین رہے کہ لونڈی غلام اور اولاد کے گھروں کے سوا کھانا

کھانے میں گھر والے کی رضامندی شرط ہے۔
(یا اپنے دوست کے یہاں) اُس کی رضامندی سے۔
حقیقت یہ ہے کہ اگر دلی دوست ہو، تو کھانا کھانے سے وہ بہت خوش ہوتا ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ "جب کوئی اپنے دوست سے کہے کہ اپنے مال میں سے مجھ کو کچھ عطا کر! اور وہ دوست پوچھے کہ کس قدر؟ تو وہ دوستی کے قابل نہیں۔ یعنی اُس دوست کو چاہیے جو کچھ اِس کے پاس ہے اپنے حاجتمند دوست کے سامنے رکھ دے۔ اور یہ پوچھنے سے درگزرے کہ کس قدر؟ اور کیونکر؟ اِس واسطے کہ دوست جانی مالِ فانی سے بہتر ہے"۔
خیال رہے کہ یہ اُن دوستوں کا ذکر ہے جن کی دوستی خالصاً لوجہ اللہ ہو اور جو اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ کے پیکر ہوں۔ روایت ہے کہ بنی لیث بن عمرو کے لوگ تنہا کھانا کھانا حرام جانتے تھے، اور صبح سے شام تک خوان چنے ہوئے مہمان کا انتظار کیا کرتے۔ جب ایک تہائی رات جاتی اور کوئی مہمان نہ آتا، تو کچھ کھا لیتے۔۔۔یا۔۔ انصار میں سے ایک گروہ کا حال یہ تھا، کہ اپنی جان پر مشقت گوارا کرتے، اور بے مہمان ہرگز کھانا نہ کھاتے۔۔۔یا۔۔ ایک گروہ کے لوگ جو دسترخوان پر جمع ہو کر کھانا کھانے سے پرہیز کرتے۔ اِن سب کی ہدایت کے لیے ارشادِ ربانی ہوا، کہ۔۔۔

(تم پر کوئی گناہ نہیں کہ جمع ہو کر کھاؤ یا الگ الگ)۔ دونوں طرح سے کھانے کی تمہیں اجازت ہے، اکٹھا ہو کر کھاؤ۔۔۔یا۔۔ تنہا تنہا کھاؤ۔ یہ خیال رہے کہ جن گھروں میں تمہارے جانے کی اجازت ہے، (تو جب) تم نے (جانا چاہا) اُن میں سے (کسی گھر میں)، یا اپنے گھروں میں۔۔۔یا۔۔ خالی مکانوں میں۔۔۔یا۔۔ مسجدوں میں، (تو سلام کرو اپنے) دین والے (لوگوں پر) اور کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا مِنْ رَّبِّنَا وَعِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔
بہر تقدیر سلام کرنا چاہیے (دُعائے ملاقات) کے طور پر (مبارک و پاکیزہ کرتے ہوئے اللہ) تعالیٰ (سے)۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اچھی دُعا کرو، کہ برکت اور پاکیزگی اللہ کی طرف سے نازل ہو۔ جس طرح سلام کا بیان فرمایا (اِس طرح سے بیان فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارے لیے آیتیں) یعنی اپنی حکمت کی نشانیاں، تا (کہ) تم (عقل سے کام لو) اور پھر حق اور ثواب کی راہ دریافت کر لو اور ایمانی اور اسلامی شان کا مظاہرہ کرو۔ اور سن لو کہ۔۔۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ

مسلمان تو وہی ہیں جو مان گئے اللہ اور اس کے رسول کو، اور جب ہوں رسول کے ساتھ کسی کام میں،

لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

جس نے اکٹھا سب کو کیا ہو، تو پھر نہ گئے یہاں تک کہ رسول سے اجازت لے لی۔ بے شک جو اجازت لیتے ہیں تم سے،

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ

وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کو۔ تو جب اجازت مانگ لی تم سے اپنی کسی بات کی، تو اجازت دے دو انہیں

لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾

جسے چاہو، اور اللہ کی مغفرت چاہو ان کے لیے، بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(مسلمان تو وہی ہیں جو مان گئے اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کو، اور) جن کی شان یہ ہے کہ (جب ہوں رسول کے ساتھ کسی کام میں جس نے اکٹھا سب کو کیا ہو)۔ یعنی ایسی کسی مہم پر کہ شرع کی رُو سے اُن کو اُس میں جمع ہونا چاہیے، جیسے جمعے، عیدین، جہاد، مشورے اور نمازِ استسقا۔ الغرض۔۔ ان نیک کاموں کے لیے جمع ہوئے، (تو پھر نہ گئے یہاں تک کہ رسول سے اجازت لے لی) اور آپ نے اجازت عطا فرمادی۔ تو اَے محبوب! (بے شک جو اجازت لیتے ہیں تم سے وہی ہیں جو) صدقِ دل سے (مانتے ہیں اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کو۔ تو جب اجازت مانگ لی تم سے اپنی کسی بات کی، تو اجازت دے دو انہیں جسے چاہو)، یعنی جو کھلا ہوا عذر رکھتا ہو۔

اِس ارشادِ مذکورہ بالا میں منافقوں کے اُس گروہ پر طعن اور تعریض ہے جس نے جنگِ تبوک سے پھر جانے کی اجازت مانگی اور اُن کی شان میں آیت نازل ہوئی، کہ اَے محبوب! "یہ تم سے اجازت مانگنے والے وہ ہیں جو اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتے"۔ آیت زیرِ تفسیر میں جس اجازت کا ذکر ہے اُس کا تعلق مومنین مخلصین کی اجازت طلبی سے ہے، جنہوں نے عذرِ صحیح کی بنیاد پر اجازتیں طلب کیں، تو حکمِ الٰہی ہے، کہ اَے محبوب! آپ اُن کو اجازت مرحمت فرمادو۔۔۔

(اور) باوصف اجازت دینے کے (اللہ) تعالیٰ (کی مغفرت چاہو اُن کے لیے)، اس لیے کہ ضرورتِ دین پر دُنیا کے کام مقدم کرنا اگرچہ عذر کے سبب سے [illegible] اور گویا کہ جماعت سے نکل جانے کے باعث گنہگار ہیں، تو تم اِن کے لیے مغفرت چاہو۔ (بے شک

اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے اور بندوں کی تقصیریں بخشنے والا ہے اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے کہ اُن پر تکلیف میں تخفیف فرماتا ہے۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

نہ قرار دو رسول کی پکار کو، باہم جیسے ایک دوسرے کو تمہارا پکارنا ہے، بے شک اللہ جانتا ہے انہیں، جو کھسک نکلتے ہیں

يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ

تمہارے مجمع سے آڑ لے کر۔ تو ڈرتے ہی رہیں جو مخالفت کریں حکم رسول سے، کہ پہنچا چاہتا ہے اُن تک

فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

کوئی فتنہ، اور پہنچ کے رہے گا انہیں دکھ والا عذاب●

اور (نہ قرار دو رسول کی پکار کو باہم جیسے ایک دوسرے کو تمہارا پکارنا ہے)۔ یعنی تم جو ایک دوسرے کو پکارتے ہو اُس پکارنے پر رسول کے پکارنے کو بھی قیاس کر کے منہ پھیر سکو۔۔یا۔۔ جواب میں سستی کر سکو، اس واسطے کہ رسول کا حکم بجالانے میں جلدی کرنا واجب ولازم ہے۔ اور اُن کے اِذن کے بغیر مراجعت حرام اور نادرست ہے۔۔یا۔۔ اپنے اوپر رسول کی دُعائے ہلاکت۔۔یا۔۔ اپنے حق میں اُن کی دُعائے خیر کو ویسی دُعا نہ جانو جیسی دُعا تم ایک دوسرے کے حق میں کرتے ہو، اس لیے کہ رسول کی دُعا بے شک قبول ہے خدا کی درگاہ میں۔۔یا۔۔ تم رسول کو اِس طرح نہ پکارا کرو جس طرح ایک دوسرے کو فقط نام لے کر پکارتے ہو۔۔ بلکہ۔۔ چاہیے کہ تعظیم کے ساتھ پکارا کرو، جیسے کہ یارسول اللہ۔۔ یانبی اللہ۔۔ یاحبیب اللہ، وغیرہ۔

اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام کو قرآن میں نام لے کر پکارا اور اپنے حبیب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے بزرگی کے ساتھ خطاب کیا۔ منافقین کی بھی عجیب روش تھی کہ جب رسولِ مقبول خطبہ پڑھتے، تو منافق تنگ آ کر ایک دوسرے کی آڑ ہو جاتے اور مسجد کے باہر چل دیتے، تو اُن کے لیے یہ آیت نازل فرمائی گئی، کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے اُنہیں جو کھسک نکلتے ہیں تمہارے مجمع سے آڑ لے کر، تو) چاہیے کہ (ڈرتے ہی رہیں) وہ لوگ (جو مخالفت کریں حکمِ رسول سے کہ پہنچا چاہتا ہے اُن تک کوئی فتنہ)، یعنی کوئی آزمائش حق تعالیٰ کی طرف سے۔۔ مثلاً: گمراہی۔۔یا۔۔ جان مال اولاد میں تکلیف۔۔یا

۔۔ظالم بادشاہ کا تسلط۔۔یا۔۔دل پر غفلت طاری ہونا۔۔یا۔۔توبہ کا رد ہونا۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ فتنہ دل کی سختی ہے اور معرفتِ الٰہی سے دل کا اثر نہ قبول کرنا۔

(اور) بصورتِ دیگر (پہنچ کے رہے گا انہیں دکھ والا عذاب) آخرت میں۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَیَوْمَ

اچھی طرح سمجھ لو، کہ بلاشبہ اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ وہ جانتا ہے جس پر تم ہو۔ اور اس دن کو

یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾ ع ۱۵

کہ لوگ لوٹائے جائیں گے اُس کی طرف، تو بتادے گا انہیں، جو کر رکھا ہے۔ اور اللہ ہر علم کا علیم ہے●

(اچھی طرح سمجھ لو کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) یعنی سب اُسی کی ملک ہیں اور وہی سب کا مالک ہے، اس واسطے کہ سب کا خالق وہی ہے۔ اور (وہ جانتا ہے) وہ بات (جس پر تم ہو) اے مکلف لوگو! موافقت اور مخالفت، نفاق اور اخلاص، طاعت اور معصیت، یا جس صفت پر تم ہو۔ (اور) جانتا ہے (اُس دن کو کہ لوگ لوٹائے جائیں گے اُس کی طرف، تو بتادے گا انہیں جو کر رکھا ہے)۔ یعنی منافقوں کو اُن کے برے کاموں سے آگاہ فرمادے گا اور انہیں اُس کی سزا دے گا۔ (اور) بے شک (اللہ) تعالیٰ (ہر علم کا)، ہر اس کا جس سے علم متعلق ہو سکے، (علیم ہے)۔ اُس پر کوئی پوشیدہ نہیں۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۶ر رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۷راگست ۲۰۱۱ء

بروز یکشنبہ، سورۂ النور کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ

مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت

مرحمت فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ وَبِحُرْمَةِ

سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اجمعین

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۷؍رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۸؍اگست ۲۰۱۱ء

بروز دوشنبہ مبارکہ کو سورۃ الفرقان کی تفسیر کا آغاز کر دیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی سعادت نصیب فرمائے۔

آمِيْن يَا مُجِيْبَ السَّائِلِيْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ يٰسٓ وبِحَقِّ ن و ص وَبِحُرْمَةِ

سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدُنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اجمعین

سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ

سورۃ الفرقان ۲۵ مکیہ ۴۲ — آیاتہا ۷۷ رکوعاتہا ۶

’سورۃ الفرقان‘ جس کی پہلی آیت میں قرآنِ کریم کو’الفرقان‘ کہا گیا ہے، اور جسے عہدِ رسالت میں بھی’سورۃ الفرقان‘ کے نام سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ جو اپنے ماقبل موجود’سورہ النور‘ سے ابتداء اور انتہاء میں معنوی اتصال رکھتی ہے، اور مضامین میں گہری مناسبت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ دونوں کے درمیانی مضامین میں توحید کے دلائل ہیں، رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی تاکید ہے اور کافروں کے اعمال کی بے مائیگی اور اُن کا رائیگاں ہونا بیان فرمایا ہے۔۔نیز۔۔جس میں ستہتر ۷۷ آیتیں اور چھ ۶ رکوع ہیں۔ ایسی بابرکت، باعظمت سورہ کو شروع کرتا ہوں میں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے تمام بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) اور ایمان والوں کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ①

کتنا برکت والا ہے جس نے اتارا فیصلہ حق و باطل قرآن کو اپنے بندے پر، تا کہ ہوں سارے جہان کو ڈرانے والے ●

(کتنا برکت والا ہے) یعنی برکت اُس سے ہے۔

یہ اُس کی کارسازی و بندہ نوازی کی طرف اشارہ ہے۔۔یا۔۔ بزرگ و برتر ہے۔ یہ صفتِ سرمدی کا بیان اور عزتِ ازلی وابدی کا نشان ہے۔۔یا۔۔دائم اور ثابت ہے، یہ اُس کے دوامِ ذات سے عبارت ہے، کہ نہ زائل تھا اور نہ زائل ہوگا۔۔۔

(جس نے اتارا فیصلہ حق و باطل قرآن کو)، جو حق اور باطل، حلال اور حرام میں فرق کر دینے والا ہے، (اپنے) مخصوص ومکرم (بندہ پر، تاکہ ہوں) وہ عبدِ مکرم (سارے جہاں) بالخصوص آدمیوں اور جنوں (کو ڈرانے والے) عذابِ الٰہی سے۔ یا قرآن ہر زمانے میں ہر قرن والے کو اُن باتوں سے ڈرانے والا ہے جو خدا کی ناراضی اور غضب کا سبب ہیں۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ

وہ کہ، جس کی ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی، اور نہیں اختیار فرمایا اولاد کو، اور نہ اُس کا

لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۲

کوئی شریک ہے پادشاہی میں، اور پیدا فرمایا ہر چیز کو، پھر اُس کا مناسب اندازہ رکھا●

(وہ) خدا، (کہ جس کی ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی)، اِس واسطے کہ اکیلے اُسی نے اِن کو پیدا کیا، تو اُسی کو اِس میں تصرف کرنے کا حقیقی طور پر اختیار ہے۔ (اور نہیں اختیار فرمایا اولاد کو) جیسا کہ یہود و نصاریٰ کو گمان ہے، (اور نہ اُس کا کوئی شریک ہے پادشاہی میں)، جیسا کہ ثنویہ و ثنیہ کہتے ہیں۔ یعنی اُس کے واسطے بادشاہی ہے بے فرزند کے، کہ اُس کا قائم مقام ہو سکے۔۔یا۔۔ بے شریک کے، کہ اُس کا مقابلہ کر سکے۔ (اور پیدا فرمایا ہر چیز کو) مخصوص مادوں، مختلف ہیئتوں اور انواع واقسام کی شکلوں پر۔ (پھر اُس کا مناسب اندازہ رکھا)، یعنی جو خصائص اور افعال کہ اُس سے چاہیے اُس کے واسطے مہیا کر دیے۔۔یا۔۔ اُس وقتِ معلوم تک اُس کی بقا کا اندازہ کر دیا۔ ایسے قادرِ مطلق، خالقِ کائنات اور سارے عالم کے حقیقی کارساز کے موجود ہونے کے باوجود کا فروں۔۔۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ

اور لوگوں نے بنا لیے معبود، اُن من دونِ اللہ کو، جو نہ پیدا کریں کچھ، اور وہ پیدا کیے جاتے ہیں،

لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۳

اور نہ کر سکیں اپنا نقصان نہ نفع، اور اختیار رکھیں مرنے کا، نہ جینے کا، نہ اٹھنے کا●

(اور) مشرک (لوگوں نے بنالیے معبود اُن) من دون اللہ' کو جو نہ پیدا کریں کچھ، اور) حال یہ ہے کہ (وہ) خود (پیدا کیے جاتے ہیں)۔ ہر مخلوق ہستی میں خدا کی محتاج ہے، اور محتاج خدائی کے لائق نہیں۔ تو جن بتوں کو بندے تراشتے ہیں اور جیسی چاہتے ہیں اُن کی صورت بنالیتے ہیں، وہ بت کیونکر پرستش کے لائق ہیں۔ یہ بت باوجود مخلوق ہونے کے توانائی اور استطاعت نہیں رکھتے، (اور نہ) اُنہیں اِس کا اختیار ہے کہ (کرسکیں اپنا نقصان نہ نفع)۔ یعنی اپنی جانوں کے واسطے ضرر روکنے کی۔۔یا۔۔نفع حاصل کرنے کی اُن میں استطاعت ہی نہیں۔ تو نہ تو وہ اپنے کو کچھ فائدہ پہنچاسکتے ہیں اور نہ ہی اپنے سے کچھ نقصان روک سکتے ہیں۔ اور خدا تو وہی ہوسکتا ہے، جو حقیقی طور پر 'ضار' بھی ہو اور 'نافع' بھی۔

(اور) اِن باطل معبودوں کی حالت یہ ہے، کہ نہ ہی (اختیار رکھیں مرنے کا، نہ جینے کا، نہ) ہی (اٹھنے کا)۔ یعنی یہ نہ تو کسی کو مار ڈالنے پر قادر ہیں اور نہ ہی کسی کو زندہ کرنے پر پہلے پہل۔۔یا۔۔اُس کی زندگی باقی رکھنے پر اور نہ ہی بعث وحشر پر۔ اور خدا تو وہی ہوسکتا ہے جو جلانے والا ہو اور مار ڈالنے والا ہو۔ یعنی ہر ایک کی موت وحیات پر جس کو اختیار ہو اور جو اٹھانے والا ہو، یعنی بعث وحشر پر جو قادر ہو۔۔۔ حقائق کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔۔۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ࣙافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ

اور بک دیے جنہوں نے کفر کر رکھا ہے کہ "نہیں ہے یہ قرآن مگر بہتان، جس کو رسول نے گڑھ لیا ہے، اور مدد کردی اس

قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۟ۚ ﴿۴﴾

پر دوسروں نے"، تو یہ بکنے والے خود اُتر آئے اندھیر اور جھوٹ پر ●

(اور بک دیے جنہوں نے کفر کر رکھا ہے، کہ نہیں ہے یہ قرآن) جو محمد ﷺ ہمارے پاس لائے ہیں (مگر بہتان، جس کو رسول نے گڑھ لیا ہے، اور مدد کردی اِس) گڑھنے (پر دوسروں نے)۔ یعنی ایک اُور قوم نے۔

جیسے حویطب کے آزاد کردہ غلام عداس، عامر بن حضرمی کے غلام یسار اور اُنہیں کے ایک دوسرے آزاد کردہ غلام جبر نے۔ یہ تینوں اہلِ کتاب میں سے تھے۔ جنہوں نے کہا کہ یہ گزشتہ لوگوں کی کہانیاں ہیں۔۔۔ اِس سلسلے میں کافروں کا کہنا یہ تھا، کہ یہ مذکورہ بالا لوگ اگلی خبریں پیغمبر کو سناتے ہیں جسے آپ عربی عبارت میں ہم کو سناتے ہیں۔ اس قول کا قائل

منزل۴

نضر بن حارث تھا۔۔۔

(تو یہ بکنے والے خود اتر آئے اندھیر اور جھوٹ پر)۔یعنی جو کفار یہ کہتے ہیں کہ قرآن جھوٹ ہے اور ایک قوم کی مدد سے بنایا جاتا ہے، وہ شرک اور ظلم اور بہتان پر ہیں۔

وَقَالُوٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝

اور وہ سب بولے کہ "اگلوں کی کہانیاں ہیں جن کو رسول نے لکھ لی ہیں، تو وہی پڑھی جاتی ہیں اُن پر صبح وشام"●

(اور وہ سب) کافر (بولے، کہ) یہ محمد عربی ﷺ کا کلام جو وہ ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، دراصل (اگلوں کی کہانیاں ہیں) جو اگلوں کی کتابوں میں لکھی ہیں (جن کو رسول نے لکھ لی ہیں)، یعنی لکھوالی ہیں، کیوں کہ آپ کو خود اپنے ہاتھ سے لکھنے کی مشق نہیں تھی۔ (تو وہی پڑھی جاتی ہیں اِن پر صبح وشام) یعنی دن کو دونوں وقت۔۔یا۔۔دن رات اِس کو پیغمبر کے سامنے پڑھتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اُسے یاد کر لیتے ہیں۔اور جب یاد کر لیا تو ہمارے سامنے پڑھ کر کہتے ہیں، کہ یہ وحی ہے۔کافروں کے منہ میں خاک! اَے محبوب۔۔۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

جواب دو کہ "اِس کو اتارا ہے اُس نے جو جانتا ہے بھید کو آسمانوں اور زمین میں۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

بے شک وہ غفور رحیم ہے"●

(جواب دو کہ اِس کو اُتارا ہے اُس نے جو جانتا ہے بھید کو آسمانوں اور زمین میں) اور اِس پر دلیل یہ ہے، کہ یہ کلام شامل ہے غیب کی خبروں پر اور بذاتِ خود علمِ غیب حق تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔ دوسرے یہ کہ تمہارے سب فصیح لوگ اِس کے مثل لانے سے عاجز ہیں۔ ایسا کلام مالکِ علام کے سوا کس کا ہوسکتا ہے؟ (بے شک وہ غفور) ہے، یعنی بندوں کے گناہوں پر اپنے کرم کا پردہ ڈالتا ہے اور (رحیم ہے)، کہ گنہگاروں پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ

اور وہ بکا کیے کہ "کیا ہے اِس رسول کو کہ کھاتا ہے کھانا، اور چلتا ہے بازاروں میں۔

لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مَلَکٌ فَیَکُوۡنَ مَعَہٗ نَذِیۡرًا ۙ﴿۷﴾

کیوں نہ اتارا گیا اُن کی طرف کوئی فرشتہ، کہ ہوتا اِن کے ساتھ ڈرانے والا●

(اور وہ) یعنی سردارانِ قریش جیسے ابوجہل، عتبہ، امیہ، عاص، وغیرہ (بکا کیے، کہ کیا ہے اِس رسول کو کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں) طلبِ معاش کے واسطے اُوروں کی طرح۔ اگر اِس کا دعویٰ صحیح اور درست ہو، تو چاہیے کہ اِس کا حال اُوروں کے حال کے مخالف ہو۔

چونکہ وہ کافر مرتبۂ محسوسات ہی میں اَٹکے ہوئے تھے، تو حضرت ﷺ کے حال سے غافل ہوکر سمجھے کہ رسول کی تمیز اُن کے غیر سے امورِ جسمانی ہی کے سبب سے ہوتی ہے، اور یہ نہ سمجھے کہ نبوت، بشریت کے منافی نہیں ہے، بلکہ اُس کی مقتضی ہے، تاکہ مناسبت اور مجانست جو فائدہ دینے اور فائدہ لینے کا سبب ہے حاصل ہو۔۔ الغرض۔۔ مشرک کہتے تھے کہ چاہیے تھا کہ وہ خود فرشتہ ہوتا۔ اور اگر فرشتہ نہیں ہے۔۔ تو۔۔

(کیوں نہ اتارا گیا اُن کی طرف کوئی فرشتہ، کہ ہوتا اُن کے ساتھ ڈرانے والا)، یعنی ڈرانے میں مدد دینے والا۔

اَوۡ یُلۡقٰۤی اِلَیۡہِ کَنۡزٌ اَوۡ تَکُوۡنُ لَہٗ جَنَّۃٌ یَّاۡکُلُ مِنۡہَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوۡنَ

یا آپڑتا اِن کی طرف غیبی خزانہ، یا ان کے باغ ہوتے، جس سے کھاتے رہتے۔" اور اِن اندھیر والوں نے کہہ دیا کہ

اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا ﴿۸﴾

"نہیں پیروی کرتے ہو مگر ایک جادو کیے ہوئے شخص کی"●

(یا آپڑتا اُن کی طرف غیبی خزانہ)، تاکہ اُس کے سبب سے مطمئن ہوکر بازاروں میں تحصیلِ معاش سے مستغنی ہو جاتے۔ (یا اُن کے باغ ہوتے جس سے کھاتے رہتے)۔ یعنی اُس کے میوے بھی کھاتے اور اُس سے حاصل آمدنی کو وجہ معاش بنالیتے۔

۔۔ الختصر۔۔ مشرکینِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر یہ اعتراض کیا تھا، کہ آپ تجارت اور کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں چلتے ہیں۔ اُن کا یہ اعتراض بالکل لغو تھا، کیونکہ تجارت اور کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں جانا مباح ہے۔۔ نیز۔۔ جب نبی کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں گئے، تو امت کے لیے کسبِ معاش کے لیے بازاروں میں جانے کا نمونہ فراہم ہوگیا، اور تجارت کرنا سنت اور باعثِ ثواب ہوگیا۔ قابلِ اعتراض

چیز بازاروں میں شور کرنا ہے اور بدکلامی کرنا ہے اور نبی کریم ﷺ اِن چیزوں سے پاک اور منزہ تھے۔ شانِ نبوت کو سمجھنے کے لیے ذرا بھی عقل ودانش سے کام نہیں لیا۔۔۔

(اور اِن اندھیر والوں نے) یہاں تک (کہہ دیا کہ نہیں پیروی کرتے ہو، مگر ایک جادو کیے ہوئے شخص کی)۔

مَسْحُوْر اُسے کہتے ہیں جس پر کسی نے جادو کیا ہو اور اُس کی عقل جاتی رہی ہو۔ بعض تفسیروں میں **مَسْحُوْر** کو ساحر کے معنی میں لیا ہے۔

یعنی تم لوگ ایک جادوگر کی پیروی کرتے ہو کہ تم کو بات میں پھسلا لیتا ہے۔ اَے محبوب!۔۔۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۹ ع ۱۶

دیکھو تو کیسی کہاوت بولے تمہارے لیے، تو ایسے بے راہ ہوئے، کہ نہ رہ گئی کوئی راہ●

(دیکھو تو) چشمِ بصیرت سے تاکہ معاندین کو سمجھ لو کہ **(کیسی کہاوت بولے تمہارے لیے)**۔ یعنی تم کو بُری باتیں کہیں اور **مَسْحُوْر** سے تشبیہ دی، اور تم کو مفتری اور سکھایا پڑھایا ہوا کہا، اور آپ کی ذاتِ مقدسہ کی تذلیل وتوہین پر اتر آئے۔ **(تو ایسے بے راہ ہوئے کہ نہ رہ گئی کوئی راہ)**، یعنی گمراہ ہوگئے اُس راہ سے جس سے انبیاء کی پہچان حاصل ہو اور غیر انبیاء سے انبیاء علیہم السلام کی تمیز ہو جائے۔ اب وہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آسکتے۔

اِس مقام پر ایک نکتہ قابل لحاظ ہے، کہ ایک ہے نبی کا دشمن اور ایک ہے نبی کا گستاخ۔ چونکہ دشمن کا مطمحِ نظر خود پیغمبر کی ذات کی تذلیل وتوہین نہیں، بلکہ وہ صرف پیغمبر کے پیغام اور اُن کے مشن کا مخالف ہوتا ہے، اور ایسے کو انتہاء درجے کی دشمنی کی صورت میں بھی توبہ کی توفیق مل جاتی ہے، اور وہ ایمان والا ہو جاتا ہے۔ **اِن کے برخلاف جو نبی کے گستاخ ہیں، تو چاہے وہ اپنی قوم کے کتنے ہی بڑے دانشور کیوں نہ ہوں، لیکن اُن سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے، اس لیے وہ مرتے دم تک بھی ایمان قبول نہیں کر پاتے۔**

مثال کے طور پر: فاروقِ اعظم، حضرت خالد بن ولید، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ابوسفیان، حضرت عکرمہ اور اُن جیسے کثیر افراد ایمان لانے سے پہلے نبی کے دشمن تھے، اور دشمنی کی انتہا تک پہنچ چکے تھے، لیکن کبھی نبی کی ذات پر سوقیانہ حملہ نہیں کیا اور نبی کی گستاخی نہیں کی۔ تو اللہ کے فضل وکرم سے یہ سب کے سب ایمان والے ہوگئے، اور ایمان کے

درجہ کمال تک پہنچ گئے۔

اِن کے برعکس ابوجہل، عتبہ، شیبہ، عقبہ ابن معیط، ولید ابن مغیرہ، عاص ابن وائل، اور اُن جیسے لوگ جو نبی کے دشمن تو تھے ہی، نبی کے گستاخ بھی تھے۔ تو اپنی قوم کے زبردست دانشور اور سردار ہونے کے باوجود مرتے دم تک ایمان نہ لا سکے۔ ظاہر ہو گیا کہ کوئی کسی قوم کا کتنا ہی بڑا عالم و فاضل کیوں نہ ہو، اگر اُس کی زبان وقلم میں سے کسی سے بھی پیغمبر کی گستاخی سرزد ہوگئی ہے، تو اُس سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ وہ زندگی بھر اپنے گستاخانہ قول اور اپنے گستاخانہ عمل کی تاویل میں اور اُس کو صحیح باور کرانے میں الجھا رہے گا، مگر توبہ نہیں کرے گا۔

ہمارے عصر میں بھی اِس کی بہت ساری مثالیں مشہور و معروف ہیں۔ اِس کی بہت واضح مثال ابلیس ہے کہ جو علم وتقویٰ کی بنیاد پر ترقی کرتا ہے، پھر حضرت آدم علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے سے مردود کر دیا جاتا ہے اور پھر اُس نے مہلت تو مانگی لیکن مغفرت نہیں طلب کی۔۔ الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں پیغمبر کے گستاخ کو توبہ کی توفیق ملے، کہ وہ توبہ کر کے مغفرت کرالے اور پھر جنت کا مستحق بن جائے۔ جنت تو صرف پیغمبر سے سچی محبت رکھنے والوں کے لیے ہے، پیغمبر کے گستاخوں کے لیے نہیں۔۔۔

اَے محبوب! یہ کفار تمہارے لیے کس باغ کی بات کر رہے ہیں، انہیں خبر نہیں کہ۔۔۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ

بڑی برکت والا ہے جو انشاء اللہ دے چکا تمہیں اِس سے بہتر، ایسے باغ کہ بہتی ہیں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

جس کے نیچے نہریں اور کر دکھائے گا تمہارے لیے عالیشان محل ●

(بڑی برکت والا ہے) اور بڑا ہی بزرگ ہے وہ، (جو انشاء اللہ دے چکا تمہیں اِس سے بہتر)۔ یعنی اُس خزانے اور اُس باغ سے بہتر ہے جو وہ کہتے ہیں، (ایسے باغ کہ بہتی ہیں جس کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں اور کر دکھائے گا تمہارے لیے) اُن باغوں میں (عالیشان محل) یعنی اونچے اور بلند مکانات۔ اَے محبوب! تمہاری فقیری اور بے سروسامانی کفار کو اِس بات کی مانع نہیں ہے کہ تمہارا ایمان لاتے۔۔۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۟ (۱۱)

بلکہ وہ تو قیامت کو جھٹلا چکے۔۔اور مہیا فرمادیا ہم نے اُس کے لیے جس نے جھٹلایا قیامت کو، جہنم●

(**بلکہ وہ تو قیامت کو جھٹلا چکے**) ہیں اور انکارِ نبوت سے تکذیبِ قیامت کا اُن کا داعیہ ہے۔

(**اور مہیا فرمادیا ہم نے اُس کے لیے جس نے جھٹلایا قیامت کو جہنم**) کی جلتی ہوئی آگ۔

اور بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کے ناموں سے ایک نام **سَعِیْر** بھی ہے۔

اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ۟ (۱۲)

جہاں اُس نے دیکھ پایا اُن کافروں کو دُور سے، تو اُن سب نے سنا اُس کا جوش اور شور●

(**جہاں اُس نے دیکھ پایا اِن کافروں کو دُور سے**) یعنی قیامت کے منکروں کو، آتشِ دوزخ قدرتِ خداوندی کی عطا کردہ بصارت سے سوؔ برس۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق پانچ سوؔ برس کی راہ کی دُوری سے دیکھے گی۔ (**تو اُن سب نے**) حق تعالیٰ کے سنا دینے سے (**سنا اُس کا جوش اور شور**) یعنی چلّانے کی آواز جیسے غصے والے چلّاتے ہیں اور شیر غراتے ہیں۔

بعض مفسر اِس بات پر ہیں، کہ یہ دیکھنا اور غرانا محافظِ دوزخ کا ہوگا۔ ویسے ہمارے نزدیک حیات، جثہ کے ساتھ مشروط نہیں۔ ممکن ہے کہ حق تعالیٰ آگ کو زندگی عطا فرمائے، کہ آگ ہی دیکھے اور غرائے۔

وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۟ؕ (۱۳)

اور جب ڈالے جائیں گے اُس کے کسی تنگ جگہ میں جکڑے ہوئے، تو وہاں مانگنے لگے موت کو●

(**اور جب ڈالے جائیں گے**) مشرک لوگ (**اُس کے**) یعنی دوزخ کے (**کسی تنگ جگہ میں جکڑے ہوئے**) جس کے سبب سے کرب اور زیادہ ہو۔۔۔

جہنم کافروں پر ایسا تنگ ہوگی، جیسے نیزے کے نیچے والا لوہا نیزے پر تنگ ہوتا ہے اور اُسے کسے رہتا ہے۔

تو ایسے تنگ مکان میں ڈال دیں گے اُن کے ہاتھوں اور گردنوں کو زنجیروں سے جکڑ کر۔۔یا یہ کہ۔۔ہر کافر کو اُس کے ساتھی شیطان کے ساتھ آگ کی زنجیر میں جکڑ دیں گے، (**تو وہاں مانگنے لگے موت کو**) ہلاکت کو، یعنی اپنے اوپر ہلاکت کی بدُعا کریں گے۔۔یا۔۔کہیں گے **یَا ثُبُوْرَاہ** اور یہ کلمہ وہ

شخص کہتا ہے جو اپنی ہلاکت کا آرزومند ہو۔ اور بعض تفسیروں میں مذکور ہے کہ دوزخیوں میں سب سے پہلے جسے لباس پہنائیں گے وہ ابلیس ہوگا۔ اُسے آگ کا حلہ پہنائیں گے اور وہ اُسے پیشانی پر رکھ کر نیچے کھینچے گا اور اُس کی ذریت اُس کے پیچھے یَاثُبُوْرَاہ کہہ کر چلاتی ہوئی چلے گی، تو اُن سے حق تعالیٰ فرمائے گا۔۔۔

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾

"مت مانگو آج ایک موت، اور مانگو بہت سی موتیں"●

(مت مانگو آج ایک موت اور مانگو بہت سی موتیں)، یعنی ایک ہی بار اپنے اوپر نفریں نہ کرو بلکہ بہت سی نفرینیں کرو۔ اس واسطے کہ تم پر انواع واقسام کے عذاب ہوں گے اور ہر قسم کے عذاب پر شدت کی وجہ سے ثبور واقع ہوگا۔۔۔

قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاۗءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

پوچھو کہ "کیا یہ بہتر ہے، یا سدابہار جنت؟" جس کا وعدہ کیے گئے اللہ سے ڈرنے والے۔ یہ ہے اُن کا ثواب اور ٹھکانہ●

اے محبوب! (پوچھو) اُن لوگوں سے جو ظاہری بے سروسامانی کی وجہ سے تمہیں ملامت کرتے ہیں، (کہ کیا یہ) یعنی خزانہ اور باغ دینا (بہتر ہے یا سدابہار جنت جس) میں داخل ہونے (کا وعدہ کیے گئے) ہیں (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والے۔ یہ ہے اُن کا ثواب) یعنی خدا کے علم میں متقیوں کے واسطے اُس بہشت میں اُن کے اعمال کی جزا، (اور) یہی بہشت ہے اُن کا (ٹھکانہ) آخرت میں جس کی طرف پھریں گے۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰي رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾

اُن کے لیے اس میں ہے جو چاہیں، ہمیشہ رہنے والے۔ یہ تمہارے رب کا ذمے دارانہ وعدہ ہے●

اور (اُن کے لیے اُس میں) یعنی بہشت میں (ہے جو چاہیں) جنت کی نعمتیں اپنے استحقاق کے موافق۔

اس واسطے کہ ضعیف ایمان والوں کو آرزو کرنے سے کامل ایمان والوں کے مرتبہ میں سے حصہ نہ ہوگا، بلکہ جو مرادا اپنے حال کے مناسب چاہیں گے پائیں گے۔اِس مقام پر تحقیق یہ ہے کہ ہر جنتی وہاں اپنے حال کے مناسب ہی آرزو کرے گا۔۔لہٰذا۔اُس کے دل میں اُس چیز کی خواہش ہی نہ پیدا ہوگی جو اس کے حال کے مناسب نہیں۔

وہ سب کے سب جنت میں (ہمیشہ رہنے والے) ہیں۔(یہ تمہارے رب کا ذمہ دارانہ وعدہ ہے)۔یہ وعدہ اِس لائق ہے کہ خدا سے اُس کی درخواست کریں۔۔یا۔۔مومنوں نے اس کی درخواست کی ہے، اور عرض کیا ہے کہ "اَے رب! دے ہمیں جس چیز کا وعدہ کیا تُو نے ہم سے"۔۔یا۔۔فرشتے مومنوں کے واسطے درخواست کرتے ہیں کہ "اَے رب! ہمارے اور داخل کرا نہیں 'جناتِ عدن' میں جس کا وعدہ کیا تھا تُو نے اُن سے"۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ

اور جس دن اٹھائے گا انہیں، اور جو اُن کے معبود من دونِ اللہ ہیں اُن کو، پھر فرمائے گا، "کیا تم نے گمراہ کیا تھا

عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾

میرے اِن بندوں کو، یا انہوں نے خود کھو دیا راہ کو؟" ●

(اور) اَے محبوب! اپنے دائرۂ ادراک میں حاضر کرلو اُس دن کو (جس دن اُٹھائے گا) اللہ تعالیٰ (اُنہیں، اور جو اُن کے معبود من دون اللہ ہیں اُن کو)، خواہ وہ ذوی العقول ہوں۔۔یا۔۔غیر ذوی العقول۔

بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں بت ہی مراد ہیں، اس لیے کہ اِس آیت میں بت پرستوں ہی کا ذکر مقصود ہے۔

تو حق تعالیٰ اُن سے بات کرائے گا (پھر) اُن سے (فرمائے گا، کیا تم نے گمراہ کیا تھا میرے اِن بندوں کو یا انہوں نے خود کھو دیا راہ کو)؟ یعنی صاف صاف ظاہر کردو کہ میرے اِن مشرک بندوں کو تم نے گمراہ کر دیا تھا۔۔یا۔۔یہ خود فصیح مرشد کی بات سے انکار کر کے خود ہی گمراہ ہو گئے، اور پھر راہِ راست پر نہ آئے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ

سب بولے، "پاکی ہے تیری، ہمیں حق نہیں کہ بنائیں تجھے چھوڑ کر مقابلے کے مددگار،

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ۝۱۸

ہاں تُو نے ہی اُن کو رہنے سہنے دیا اور اُن کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ سب بھول گئے سبق، اور ہو گئے ہلاک ہو جانے والے"

(سب) بت (بولے، پاکی ہے تیری)۔ یعنی تیرے ہی واسطے پاکی ہے اور ہم تجھے پاکی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور شریک و مثل سے منزہ جانتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ (ہمیں حق نہیں کہ بنائیں تجھے چھوڑ کر مقابلے کے مددگار)، یعنی ہمیں لائق اور روا نہیں کہ بنالیں ہم اُسے اپنا دوست جو ہمیں پوجے تیرے سوا، یعنی جو تیری عبادت نہ کریں۔۔ الحاصل۔۔ تیری عبادت سے دست بردار ہو کر جو لوگ ہماری پرستش کریں، تو ہمیں نہیں پہنچتا کہ ہم انہیں اپنا ولی دوست اور مددگار بنالیں، اور یہ سمجھ لیں کہ خدا کے مدمقابل یہ ہمارے مددگار ہیں۔

(ہاں تو نے ہی اِن کو رہنے سہنے دیا اور اِن کے باپ دادوں کو) بھی۔۔ نیز۔۔ اِن کو اور اِن کے باپ دادوں کو مال، اولاد، عمر درازی اور صحتِ بدن، وغیرہ نعمتوں سے نوازا اور انہیں فائدہ مرحمت فرمایا، (یہاں تک کہ سب بھول گئے سبق) جو انبیاءِ کرام نے دیے تھے اور اُس بات کو فراموش کر دیا جس کی طرف انبیاءِ کرام اِنہیں بلاتے تھے، (اور ہو گئے ہلاک ہو جانے والے)۔۔ المختصر۔۔ انہوں نے خود اپنے کو تباہ کیا ہے اور اپنی تباہی کے وہ خود ذمہ دار ہیں۔

حق تعالیٰ نے خود بتوں سے کافروں کے سامنے سچائی کا اعتراف کرا کے کافروں کے لیے لب کشائی کی بھی گنجائش نہیں رکھی۔ بتوں سے اعترافِ حقیقت کرانے کے بعد حق تعالیٰ کافروں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے، کہ دیکھو۔۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَ

تو بلاشبہ اَے کافرو، تمہیں تو اِن سب نے جھٹلا دیا، تو نہ اپنی بلا پھیر سکو اور نہ مدد پا سکو۔ اور

مَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝۱۹

جو اندھیر مچائے گا تم لوگوں میں سے، تو چکھا دیں گے ہم اُسے بڑے عذاب کا مزہ●

(تو بلاشبہ اَے کافرو! تمہیں تو اِن سب نے) یعنی تمہارے سارے خداؤں نے (جھٹلا دیا) اُس بات میں جو تم کہتے ہو کہ خدا کے شریک ہیں۔ اور انہوں نے تو مجھے شرک سے منزہ رکھا۔ (تو) اچھی طرح سے جان لو کہ شرک کرنے کی وجہ سے اب (نہ اپنی بلا پھیر سکو) گے (اور نہ) ہی (مدد پا سکو)

گے۔یعنی نہ تو تم میرے عذاب کو اپنے اوپر سے پھیر سکو گے اور نہ ہی عذاب سے نجات کے لیے ایک دوسرے کی مدد کر سکو گے۔(اور) یہ عدلِ خداوندی کا فیصلہ ہے، کہ (جو اندھیر مچائے گا تم لوگوں میں سے) اَے مکلفو! (تو چکھا دیں گے ہم اُسے بڑے عذاب) یعنی آتشِ دوزخ (کا مزہ)، جس میں انہیں ہمیشہ جلنا ہے۔

کافروں کو اِس بات پر حیرت تھی، کہ یہ کیسے رسول ہو سکتے ہیں جو ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں اور بازاروں میں اپنی ضرورت کے لیے چلتے پھرتے ہیں۔رسول کو تو اپنے جملہ افعال میں دوسروں سے ممتاز ہونا چاہیے۔اِس خام خیالی۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ

اور نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو، مگر یہ کہ وہ کھانا کھاتے ہیں، اور بازاروں

فِى الْاَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۗ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ

میں چلتے ہیں۔اور بنا دیا ہم نے تم سے ایک کو دوسرے کے لیے امتحان۔کیا صبر سے کام تم لوگ لوگے؟

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ﴿۲۰﴾ ع ۱۱ ۱۷

اور تمہارا پروردگار دیکھ رہا ہے●

(اور) کج فکری کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اَے محبوب! تمہارا رسول ہوتے ہوئے کھانا پینا اور ضرورتاً بازاروں میں چلنا کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ (نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو، مگر یہ) کہ اُن کو سبھوں نے دیکھا (کہ وہ کھانا کھاتے ہیں اور) اپنے کام کے لیے (بازاروں میں چلتے ہیں)۔رسولوں کا یہ عمل اس لیے ہوتا ہے تاکہ سب پر واضح ہو جائے، کہ وہ کون سا کھانا ہے جس سے رب تعالیٰ راضی ہے، اور وہ کون سا چلنا پھرنا ہے جو حق تعالیٰ کو پسند ہے۔اَے محبوب! تم اِن کافروں کی حرکتوں سے دل برداشتہ نہ ہو، اس لیے کہ آپ جن جن کی طرف مبعوث کیے گئے، وہ آپ کے لیے ایک آزمائش ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے (اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (بنا دیا ہم نے تم سے ایک کو دوسرے کے لیے امتحان) اور آزمائش۔۔چنانچہ۔۔پیغمبروں کی آزمائش اُن کی امتوں سے ہے، اور فقیروں کی آزمائش مالداروں سے ہے۔بیمار کی آزمائش تندرست سے ہے، اور اندھے کی آزمائش آنکھوں والوں سے

ہے۔خلاصہ کلام یہ ہے کہ دُنیا امتحان کی جگہ ہے،تو ضروری ہے کہ لوگوں کے احوال اس میں مختلف ہوں،اور ہم اِس اختلاف کے سبب سے لوگوں کی آزمائش کرتے ہیں،تاکہ صبر وشکر والے بے صبروں اور ناشکروں سے ممتاز ہوجائیں۔

روایت ہے کہ ابوجہل اور ولید وغیرہ جب حضرت بلال،عمار،صہیب اور سب غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھتے،تو آپس میں کہتے کہ کیا اسلام لاکر ہم بھی ان فقیروں کے ساتھ انہی کی طرح ناچیز ہوجائیں۔

توحق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی، کہ(کیا صبر سے کام تم لوگ لوگے) آزمائش کی صورت میں، یا بے صبری کروگے؟اچھی طرح سے سن لو(اور) یادرکھو! کہ(تمہارا پروردگار) صابرین اور بے صبروں، سب کو(دیکھ رہاہے)۔توجیسا کرے گاویساہی اُس کا پھل پائے گا۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ۔۔۔بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۸؍رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۹؍اگست ۲۰۱۱ء

بروز سہ شنبہ،اٹھارھو۱۸یں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔دُعا گوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ

اپنے فضل وکرم سے باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی

توفیقِ رفیق عطا فرمائے اور فکروقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِ طٰهٰ وَ یٰسٓ بِحَقِ ن و س

بحقِ یَابُدُّوحُ وَبِحُرمَۃِ سَیِّدِ الْمُرسَلِینَ سَیِّدُنَا

مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اجمعین

حسبنا الله ونعم الوکیل

تشریحِ لغات

-- ﴿ آ ﴾ --

آسن: جوگیوں کا عبادت کے واسطے بیٹھنا۔
آسودہ حال: خوش حال۔۔مالدار۔۔امیر۔۔بے فکر۔
آوازہ: شہرہ۔۔ناموری۔۔دھوم۔
آویزش: چپقلش۔۔لڑائی۔

-- ﴿ ا ﴾ --

اِتباع: پیروی۔۔تقلید۔
اُتر: شمال (سمت)۔
اِتصال: قرب۔۔نزدیکی۔
اَجل: موت۔۔مرگ۔۔قضا۔
اچھنبے: حیرت۔۔تعجب۔۔حیرانی۔
احتلام: خواب میں ناپاک ہونا۔۔بدخوابی۔
احتیاج: ضرورت۔۔حاجت۔
احکامِ تکوینی: وہ احکامات جو پیدا کرنے اور وجود میں لانے سے تعلق رکھتے ہیں۔
اِدراک: عقل۔۔فہم۔۔رسائی۔
اِذن: اجازت۔
اِرتکاب: (کوئی غلط یا ناجائز) کام کرنا۔
ازانجملہ: سب میں سے۔۔اُن میں سے۔
استحقاق: مستحق ہونا۔۔سزاوار ہونا۔
استدراج: خلافِ معمول کام کرنا۔۔خارقِ عادت عمل۔
استدعاء: خواہش۔۔درخواست۔۔التجا۔
استدلال: دلیل۔۔برہان۔۔ثبوت۔
اِستراحت: آرام چاہنا۔۔راحت طلب کرنا۔
استطاعت: طاقت۔۔دسترس۔
اِستعانت: مدد۔۔مدد مانگنا۔۔معاونت۔
اِستعدادیں (استعداد کی جمع): لیاقت۔۔قابلیت۔۔فطری صلاحیتیں۔
اِستغراق: خدا کی یاد میں محو ہو جانا۔
اِستفہام: دریافت کرنا۔۔پوچھنا۔
اِستقامت: کسی امر پر مضبوط رہنا۔
اِستقلال: مضبوطی۔۔قرار۔
اِستہزا: ہنسی اُڑانا۔
استیلا: غلبہ۔۔غالب ہونا۔۔قابو میں رکھنا۔
اِصرار: ہٹ۔۔ضد۔۔اَڑ۔
اصناف (صنف کی جمع): نوع۔۔جنس۔۔قسم۔
اَصوات (صوت کی جمع): آواز۔
اَضداد (ضد کی جمع): متضاد خبریں جو بیک وقت ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں، جیسے اندھیرا اور اُجالا۔
اِضطراب: بے چینی۔۔گھبراہٹ۔
اِضمحلال: کسل۔۔سستی۔۔افسردگی۔
اَطوار (طور کی جمع): طریقہ۔
اِعانت: مدد۔۔سہارا۔
اِعتراف: اقرار کرنا۔۔تسلیم کرنا۔۔مان لینا۔
اعتقاد: عقیدہ۔۔یقین۔۔ایمان۔۔دل میں مضبوطی کے ساتھ کوئی بات بٹھانا۔
اعجاز: معجزہ۔۔خرقِ عادت۔۔کرامت۔
اعدا (عدو کی جمع): دشمن۔۔بدخواہ۔۔مخالف۔
اعراض: منہ پھیرنا۔۔رُوگردانی کرنا۔
اعضاء (عضو کی جمع): جسم کا کوئی ٹکڑا۔۔ہاتھ پاؤں وغیرہ۔۔
اَعضاء وجوارح: انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء۔

اِعلام: خبر دینا۔۔آگاہ کرنا۔۔ظاہر کرنا۔۔کھولنا۔
افتراء: تہمت۔۔بہتان۔۔جھوٹا الزام۔
اِفراط: زیادتی۔۔حدِ اعتدال سے بڑھ جانا۔۔کثرت۔۔بہتات۔
اَکابر(اکبر کی جمع): بڑے لوگ۔۔مقتدر آدمی۔۔بزرگ۔
اِکتفاء: کفایت کرنا۔۔کافی سمجھنا۔۔کافی ہونا۔
اکڑفوں: غرور۔۔گھمنڈ۔۔شیخی۔
اِلتماس: درخواست۔۔عرض۔۔گزارش۔۔التجا۔
اَمرِ محقق: ٹھیک و درست معاملہ جس میں کوئی شک شبہ نہ ہو۔
انّا: دایہ۔۔دودھ پلانے والی عورت۔
انحراف: اِنکار۔۔مخالفت۔۔نافرمانی۔
اِنقطاع: کٹ جانا۔
اَوضاع(وضع کی جمع): صورت۔۔حلیہ۔۔ظاہری حالت۔۔بناوٹ۔۔ساخت۔۔ترکیب۔
اولوالعزم: صاحبانِ عزم وارادہ۔۔عالی حوصلہ۔
اَولیٰ وانسب: اعلیٰ۔۔ارفع۔۔بہترین۔
اِہانت: توہین کرنا۔۔ہتک۔۔ذلت۔۔بےعزتی۔
اہلِ وجدان: جاننے اور دریافت کرنے کی قوت رکھنے والے لوگ۔۔ذکی۔
ایما: اشارہ۔۔منشا۔
ایمنی: بےخوف۔۔امن کے ساتھ۔

-- ﴿ ب ﴾ --

بارگاہِ قِدم: ہمیشگی والی دربار۔۔یعنی خدا کی بارگاہ۔
باک: اندیشہ۔۔ڈر۔
بالقصد: ارادے کے ساتھ، نیت کے ساتھ۔
باور: یقین۔۔اعتبار۔
بتدریج: درجہ بہ درجہ ہونا۔۔آہستہ آہستہ ہونا۔
برانگیختہ: اُکسانا۔۔آمادہ کرنا۔
برسبیلِ تمیز: پہچان کے طور پر۔
بطلان: باطل ہونا۔۔جھوٹ ہونا۔
بعث وحشر: مرنے کے بعد زندہ ہونا اور قیامت۔
بعید: دور۔۔علیحدہ۔
بعید از قیاس: وہ بات جو خیال میں بھی نہ آسکے۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پراگندہ: منتشر۔۔تتر بتر۔
پرتوِ جمال: حسن وجمال کا سایہ اور عکس وغیرہ۔
پرسش: دیکھ بھال۔۔پوچھنا۔
پژمردہ: کملایا ہوا۔۔مرجھایا ہوا۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تابع: ماتحت۔۔ملازم۔۔نوکر۔
تامل: شبہ۔۔شک۔۔تذبذب۔
تبر: کلہاڑی۔۔ایک قسم کا فولادی آلہ جس سے لکڑی چیرتے اور درخت کاٹتے ہیں۔
تبرعات: دینا۔۔کسی کو ذاتی منفعت کی امید کے بغیر دینا۔۔خیرات۔۔بخشش۔
تتمہ: کسی چیز کا آخرہ حصہ۔
تحریماً: حرام کرتے ہوئے۔۔ممانعت کرتے ہوئے۔
تحیر واضطراب: حیرانی وبےچینی۔
تخصیص: خصوصیت۔
تخفیف: کمی۔۔گھٹاؤ۔۔افاقہ۔۔آرام۔
تدارُک: تدبیر۔۔بندوبست۔۔درستی۔۔اصلاح۔
تدبر: انجام پر غور کرنا۔۔دُور اندیشی۔
ترفع وتعلی: غرور۔۔تکبر وشیخی۔۔ڈینگ۔
تسخیر: فرمانبردار بنانا۔۔تابع کرنا
تسلط: قبضہ۔۔دخل۔
تشریع: شرع۔
تشہیر: مشہور کر۔۔شہرت دینا۔۔لوگوں کو خبر دینا۔

تصرف: قبضہ۔۔اختیار۔

تصریح: واضح کرنا۔۔صاف طور پر بیان کرنا۔

تطوع: فرض سے زیادہ کرنا۔۔ایسے حکم کی تعمیل کرنا جس کا کرنا فرض نہ ہو۔۔مستحب ونوافل کا ادا کرنا۔

تطہیر: پاک کرنا۔۔پاکی۔۔طہارت۔

تعب: محنت۔۔مشقت۔۔سختی۔۔تکلیف۔

تعریض: اعتراض کرنا۔

تعیین: مخصوص کرنا۔۔مقرر کرنا۔

تغافل: جان بوجھ کر غفلت کرنا۔۔بے التفاتی۔۔بے پرواہی۔

تغلیب:

تغلیباً:

تغیر: بدلنا۔۔پلٹنا۔۔انقلاب۔۔ایک حالت سے دوسری حالت میں جانا۔

تغیر وتکون: بدلنا۔۔پلٹنا۔۔پیدا ہونا۔۔وجود میں آنا۔

تفکرات (تفکر کی جمع): سوچ بچار۔۔فکر۔۔اندیشہ۔

تقدیس: پاکیزگی۔۔پاکی۔۔تقدس۔

تقرب: نزدیکی۔۔قرب۔

تقصیریں (تقصیر کی جمع): خطا۔۔قصور۔

تقویت: طاقت۔۔قوت۔۔مدد۔

تکذیب: جھٹلانا۔

تکوین: پیدا کرنا۔۔وجود میں لانا۔

تلف: برباد۔۔تباہ۔

تمثل: مشابہ یا مطابق ہونا۔

تمثیل: مثال۔۔تشبیہ دینا۔

تمہید: کسی بات کا آغاز۔

تندہی: محنت۔۔جانفشانی۔۔سعی۔۔کوشش۔

تنزیہہ: پاکی۔

تنزیہاً: بُری باتوں سے دور رکھنے کے لیے۔۔عیب سے پاک وصاف رکھنے کے لیے۔

تنوع: قسم قسم کا۔۔ہونا۔۔مختلف رنگ کا ہونا۔۔گونا گونی۔

توارُد: باہم ایک جگہ اُترنا۔

تواضع: عاجزی۔۔انکساری۔

توثیق: تصدیق۔

توسل: ذریعہ۔۔وسیلہ۔

توقف: دیر۔۔تاخیر۔۔وقفہ۔

تونگری: دولتمندی۔۔امارت۔۔مالداری۔

توہمات (توہم کی جمع): وہم۔۔گمان۔

تہدید: ڈرانا۔۔دھمکانا۔

تہلکہ: شور۔۔غوغا۔۔کھلبلی۔۔آفت۔۔کہرام۔

تھکے: جمے ہوئے۔۔لوند۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جانبین: دونوں جانب۔۔دونوں طرف۔

جبلت: سرشت۔۔فطرت۔۔اصلی طبیعت۔۔خلقت۔

جثہ: جسامت۔۔جسم۔

جفتی: نر اور مادہ کا ملنا۔

جلق: ہاتھ کی مدد سے انزال کرنا۔۔مشت زنی۔

جلیات: روشن۔۔واضح۔۔ظاہر۔

جنابت: ناپاکی۔۔خصوصاً وہ ناپاکی جو مرد وعورت کے صحبت کرنے یا احتلام سے ہو۔

جنسیت: یکسانیت۔۔ہم جنس ہونا۔

جوارح: انسان کے ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء۔

جورو: بیوی۔۔گھر والی۔۔زوجہ۔۔رفیقۂ حیات۔

جہت: وجہ۔۔سبب۔۔باعث۔

-- ﴿ ح ﴾ --

حسرت: افسوس۔۔کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس۔

حظوظ (حظ کا جمع): مزہ۔۔عیش ونشاط۔

حکم محکم: مضبوط فیصلہ۔

حکمت ایزدی: خدائی غرض۔۔اللہ کی مرضی۔
حیطۂ اقتدار: حکومت واختیار کا احاطہ۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خازنوں: محافظ۔۔نگہبان۔
خاطر مدارت: آؤ بھگت۔۔مہمان نوازی۔
خجالت: شرمندگی۔۔ندامت۔
خسیس: کمتر۔
خفیات: پوشیدہ۔۔چھپی ہوئی۔۔مخفی۔
خلاصی: رہائی۔۔آزادی۔۔چھٹکارا۔۔نجات۔
خلعت: تحفہ۔۔عطیہ۔
خلوت: تنہائی۔۔علیحدگی۔
خواستگار: امیدوار۔۔سائل۔

-- ﴿ د ﴾ --

دارین: دونوں جہان۔۔دنیاوعقبیٰ۔
داعیہ: خواہش۔۔مرضی
دام تزویر: مکر کا جال۔۔فریب کا پھندا۔
دخول: گزر۔۔داخل ہونا یا کرنا۔
دخول بے محل: غلط جگہ داخل ہونا یا کرنا۔
درشت گوئی: سخت کلامی۔۔سختی سے پیش آنا۔
درکوں: دوزخ کے خاص طبقے۔
درکے: دوزخ کے خاص طبقے۔
دعاوی (دعویٰ کی جمع): مطالبہ۔۔استحقاق۔
دغدغہ: خوف۔۔اندیشہ۔۔خدشہ۔۔کھٹکا۔
دفع الوقتی: وقت ٹالنا۔۔حیلے حوالے کرنا۔
دقائق (دقیقہ کی جمع): باریکیاں۔۔نکتے۔
دلالت: ہدایت۔۔راہنمائی۔
دلالت مقال: زبانی دلیل۔۔گفتگو سے ثبوت۔۔کلامی حجت۔

-- ﴿ ذ ﴾ --

ذریت: اولاد۔۔نسل۔
ذوی العقول: عقل والے۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجح: قابل ترجیح۔
راسخ: پکا۔۔مضبوط۔
رحم: عورت کا عضو مخصوص جو پیڑ کی ہڈیوں کے درمیان شانے کے بیچ ہوتا ہے۔اِسی میں حمل قرار پاتا ہے۔۔بچہ دان۔
رشک: یہ آرزو کہ جو چیز دوسرے کو حاصل ہے مجھے مل جائے۔
رضاع: دودھ شریک۔
رفع: دُور کرنا۔۔نکالنا۔۔چھوڑنا۔
رفیع المنزلت: بڑی شان والا۔۔اونچے مرتبے والا۔
رنجیدہ خاطر: ناخوش۔۔دُکھی۔۔ناراض۔۔افسردہ۔۔اداس۔
روزنوں (روزن کی جمع): سوراخ۔۔روشن دان۔
روش: طور۔۔رویہ۔۔طریقہ۔
ریلا: بھیڑ۔۔ہجوم۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زائل: دُور۔۔کم۔
زندیق: وہ شخص جو خدا کی وحدانیت کا قائل نہ ہو۔

-- ﴿ س ﴾ --

ساقط: گرا ہوا۔
ساکت: خاموش۔۔چپ۔
ساکن: رُکا ہوا۔۔بے حرکت۔۔پڑا ہوا۔
سبقت: کسی سے آگے نکل جانا۔۔پیش قدمی۔۔پہل کرنا۔
ستر پوشی: ستر یا شرم گاہ چھپانا۔
ستودہ صفات: جس میں قابل تعریف خوبیاں ہوں۔۔اچھے اوصاف والا۔

سدباب: قطعاً روک دینا۔۔ بالکل ختم کردینا۔
سرایت: تاثیر کرنا۔۔ اثر کرنا۔۔ سماجانا۔۔ نفوذ کرنا۔
سرشت: خو۔۔ خصلت۔۔ عادت۔
سرنگوں: شرمندہ۔۔ خجل۔
سرِ خفی: بھید۔۔ راز۔۔ خفیہ بھید۔۔ چھپا ہوا راز۔
سزاوار: لائق۔۔ مناسب۔۔ واجب۔
سفاہت: بے وقوفی۔۔ حماقت۔
سلیم الطبع: دانش مند۔۔ دُور اندیش۔
سن: عمر۔۔ مقدارِ عمر۔۔ سال۔۔ برس۔
سوقیانہ: بازاری۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شاہد عدل: سچے گواہ۔
شقاوت: بدبختی۔۔ بدنصیبی۔
شل: بے حس۔۔ جسم کے کسی عضو کا بے کار ہو جانا۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صاحب بشرہ: چہرہ مہرہ رکھنے والے۔
صادر: جاری ہونے والا۔۔ نکلنے والا۔
صادق الوعد: دعوے کا سچا۔۔ وعدہ پورا کرنے والا۔
صانع: پیدا کرنے والا۔۔ خالق۔۔ اللہ تعالیٰ۔
صحبت: ہم بستری۔
صفات تنزیہی: پاک اور اچھی صفتیں۔
صلب: نسل۔
صوامع قدس: پاک عبادت خانے (خاص طور پر فرشتوں کے لیے)۔

-- ﴿ ض ﴾ --

ضار: مارنے والا۔۔ چوٹ لگانے والا۔
ضخیم: بڑے جسم والا۔۔ بہت بڑا۔۔ موٹا۔

ضرر: نقصان۔۔ تکلیف۔
ضلالت: گمراہی۔۔ گناہ۔۔ خطا۔
ضیافت: مہمانی۔۔ دعوت۔۔ کھانا کھلانا۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طمع: لالچ۔۔ حرص۔
طومار: کتاب۔۔ صحیفہ۔۔ دفتر۔۔ لمبا خط۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظن وتخمین: خیال واندازہ۔
ظنی: عقل کے قریب۔۔ قیاس۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عار: غیرت۔۔ شرم۔۔ لاج۔۔ برائی۔۔ عیب۔
عاریتاً: چندروز کے لیے کوئی چیز ادھار مانگ لینا۔۔ قرضے کے طور پر۔
عبث: بے فائدہ۔۔ فضول۔۔ بے کار۔۔ ناحق۔۔ بلاوجہ۔
عجلت: جلدی۔۔ پھرتی۔
عدالت: برابری۔
عدم محض: بالکل نہ ہونا۔۔ بالکل نیست۔۔ ناپیدی۔
عسرت: تنگی۔۔ مفلسی۔۔ دشواری۔
عفت: پرہیزگاری۔۔ عصمت۔۔ پارسائی۔۔ پاک دامنی۔
عقوبت: دکھ۔۔ سزا۔۔ تکلیف۔
عِلاقہ: تعلق۔
عَلَم: نام۔
عناد: دشمنی۔۔ بیر۔۔ عداوت۔۔ کینہ۔۔ نفاق۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فارغ البال: آزاد۔۔ آسودہ۔۔ مطمئن۔
فاسد: تباہ۔۔ برباد۔۔ بگڑا ہوا۔

فرج: عورت کا اندام نہانی۔۔شرم گاہ۔
فرع: وہ جس کی اصل کوئی اور چیز ہو۔
فروتر: کمتر۔
فروتنی: عاجزی۔۔خاکساری۔
فرودگاہ: اترنے کی جگہ۔۔پڑنے کا مقام۔۔قیام گاہ۔
فصیح: خوش بیان۔۔شیریں کلام۔
فضیحت: ذلت۔۔بدنامی۔۔رسوائی۔
فضیحتی: فضیحت کا بگاڑ۔
فوقیت: بڑائی۔۔برتری۔
فہمائش: ہدایت۔۔نصیحت۔۔تلقین۔۔سمجھانا۔۔آگاہ کرنا۔
فیروزبختی: خوش نصیبی۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قالب: سانچہ۔۔ڈھانچہ۔
قانع: قناعت کرنے والا۔۔جو مل جائے اُس پر راضی رہنے والا۔
قباحت وشناعت: برائی وبدی۔۔عیب، نقص گندگی۔
قبائح (قبیحہ کی جمع): برائیاں۔
قبیح: بری۔۔معیوب۔۔شرمناک۔
قذف: کسی پر زنا کی تہمت لگانا۔
قرن: اسی یا ایک سو بیس برس کا زمانہ۔۔بڑی مدت۔
قصد: ارادہ۔۔نیت۔۔مقصد۔
قصص (قصہ کی جمع): ذکر۔۔بیان۔
قضائے مبرم: نہ ٹلنے والا حکم۔۔وہ موت جو کسی طرح نہ ٹلے۔
قضیہ: جھگڑا۔۔بحث۔۔تکرار۔
قطر یمن: یمن کا علاقہ۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کثیف: دبیز۔۔موٹی۔
کجاوہ: اونٹ کی کاٹھی جس پر دو شخص ایک دوسرے کے مقابل بیٹھتے ہیں۔

کرب: تکلیف (حد درجہ)۔
کسرِ نفسی: اپنے آپ کو کم رتبہ ظاہر کرنا۔۔عاجزی۔۔انکساری۔
کفایت: کافی ہونا۔
کلفت: رنج۔۔تکلیف۔۔مصیبت۔
کمالات تمجیدی: اللہ کے کمالات جو بزرگی اور تعریف کے قابل ہیں۔
کوہستان: پہاڑی ملک۔۔پہاڑوں کا سلسلہ۔
کہرام: آفت۔۔قیامت۔۔شور ہونا۔۔آفت برپا ہونا۔
کہنا: پرانا۔۔دیرینہ۔۔سال خوردہ۔
کید: مکر۔۔فریب۔۔دھوکا۔۔دغا۔
کیفرِ کردار: کیے کی سزا۔۔برے کام کا بدلہ۔
کیفیت: حالت۔۔احوال۔۔حقیقت۔

-- ﴿ م ﴾ --

ماحضر: جو موجود ہو۔۔جو کچھ حاضر ہو۔
ماذون: اجازت دیا گیا۔
مانع: سدراہ۔۔روک۔۔روکنے والا۔
مبادا: ایسا نہ ہوا۔۔خدا نہ کرے۔۔خدانا خواستہ۔
مبارزت: لڑائی۔۔جنگ۔
مباشرت: عورت مرد کی ہم بستری۔۔جماع۔۔مجامعت صحبت۔
مبالغہ: کسی کام میں سخت کوشش کرنا۔
مبداء: آغاز۔۔شروع۔۔ابتدا۔۔اصل۔۔بنیاد۔
مبغوض: قابل نفرت۔
مبنی برمیلان نفس: نفس کی خواہشات پر منحصر ہونا۔
مبہوت: حیران۔۔متحیر۔۔ہکا بکا۔
متابعت: پیروی۔۔فرمانبرداری۔۔اطاعت۔
متجاوز: اپنی حد سے بڑھنے والا۔۔تجاوز کرنے والا۔
متحرک: حرکت میں آیا ہوا۔
متحمل: تحمل کرنے والا۔۔برداشت کرنے والا۔۔مستقل مزاج۔۔صابر۔

متحیر: حیران۔
مترتب: ترتیب دیا گیا۔
متصرف: قبضہ کرنے والا۔۔قابض۔
متصف: صفت رکھنے والا۔
متصور: خیال کیا گیا۔۔سوچا گیا۔تصور میں لایا ہوا۔
متضاد: برعکس۔۔خلاف۔۔الٹا۔
متعارض: ایک دوسرے کے خلاف۔
متعالی: بلند و برتر۔
متعجب: تعجب کرنے والا۔۔حیران۔۔متحیر۔۔دنگ۔
متعدد: بہت۔۔کئی۔۔چند۔مختلف۔
متعینہ (متعین کی تانیث): تعین کیا ہوا۔۔مقرر کیا ہوا۔
متفرق: جدا جدا۔۔الگ الگ۔۔پراگندہ۔۔منتشر۔
متکفل: ضامن۔۔ذمہ دار۔
متمیز: الگ ہونے والا۔۔جدا۔
متنبہ: خبردار۔۔آگاہ۔ہوشیار۔
متنفر: نفرت کرنے والا۔۔کراہت کرنے والا۔۔بے زار۔
مجادلہ: حجت تکرار۔۔مباحثہ۔
مجامعت: ہم بستری۔۔جماع۔۔صحبت۔۔ہم خوابی۔
مجانست: ہم جنسی۔۔ہم جنس ہونا۔
مجتمع: اکٹھا۔۔جمع کیا ہوا۔
مجروح: زخمی۔۔گھائل۔۔چوٹ کھایا ہوا۔۔جس کے زخم لگا ہو۔
مجمل: اجمال کیا گیا۔مختصر کیا گیا۔۔خلاصہ۔۔اختصار۔
محاذی: مقابل۔۔سامنے۔۔روبرو۔۔برابر۔
محاسبہ: حساب۔۔شمار۔۔پڑتال۔حساب کی پوچھ گچھ۔
محال: غیر ممکن۔۔اَن ہونی۔
محالات (محال کی جمع): ناممکن۔
محالاتِ خرد: عقلاً ناممکن۔
محذوف: حذف کیا گیا۔۔علیحدہ کیا ہوا۔۔الگ کیا گیا۔۔
نکالا گیا۔
محرکات: اُبھارنے والے۔۔اُکسانے والے۔

محل: موقع۔۔وقت۔
محل قبولیت: قبول ہونے کا موقع اور وقت۔
محو: زائل۔۔دور۔۔معدوم۔۔گم۔۔مٹا ہوا۔۔فنا۔
مختلط: نامعلوم۔
مخفی: پوشیدہ۔
مدِ فاضل: فضول اور بے کار چیز۔
مدح وثناء: تعریف۔۔توصیف۔۔ستائش۔
مدرک: وہ چیز یا قوت جس سے انسان اشیاء کی حقیقت
دریافت کر سکے۔
مذموم: برا۔۔خراب۔۔قبیح۔
مراجعت: واپسی۔۔واپس ہونا۔۔لوٹنا۔۔رجوع۔
مراسم آداب: تعلقات و میل جول کے طریقے۔
مرتکب: ارتکاب کرنے والا۔۔کسی فعل کا کرنے والا۔۔
قصوروار۔۔مجرم۔
مرکوز: گڑا ہوا۔۔محکم کیا ہوا۔
مزعومہ: گمان کیا ہوا۔۔زعم کیا ہوا۔
مَس: چھونا۔۔ہاتھ لگانا۔۔ملنا۔۔رگڑنا۔
مستثنٰی: استثنا کیا گیا۔۔الگ کیا گیا۔۔ماسوا۔۔بجز۔
مستحضر: یاد رکھا ہوا۔۔وہ بات جو یاد ہو۔
مستطاب: مبارک۔۔خجستہ۔۔سعید۔۔نیک۔
مستغرق: ڈوبا ہوا۔۔نہایت مصروف۔
مستغنی: آزاد۔۔بَری۔۔بے پرواہ۔
مستفاد: فائدہ حاصل کیا ہوا۔۔جو چیز فائدے میں حاصل ہو۔
مستولی: غالب۔۔چھا جانے والے۔۔قابو پانے والا۔
مسئول: جس سے سوال کیا جائے۔۔جواب دہ۔
مشابہت: مطابقت۔۔موافقت۔
مشابہت تامہ: مکمل مطابقت۔۔پوری موافقت۔
مشتبہ: مشکوک۔۔جس میں شبہ ہو۔۔شبہ والا۔
مشتق: نکلا ہوا۔۔وہ لفظ جو کسی دوسرے لفظ سے بنایا گیا ہو۔
مشروط: شرط کیا گیا۔۔کسی شرط پر موقوف۔

مشروع: شرع کے موافق۔۔جائز کیا گیا۔
مصاحبوں (مصاحب کی جمع): ساتھی۔۔جلیس۔۔ہم نشین۔۔ ہم صحبت۔۔خاص۔
مصائب: مصیبت کی جمع۔
مصداق: آلہ تصدیق۔۔ثبوت صداقت۔
مصرفوں: خرچ کرنے کی جگہیں اور موقعیں۔۔مطلب۔۔ کام۔۔غرض۔
مصورین (مصور کی جمع): تصویر بنانے والا۔۔نقاش۔۔ آرٹسٹ۔۔رنگ بھرنے والا۔۔بیل بوٹے بنانے والا۔
مضاف: علم نحو میں وہ اسم جو کسی دوسرے اسم کے ساتھ لگایا جائے، جیسے امجد کی کتاب۔اس میں کتاب مضاف ہے اور امجد مضاف الیہ ہے۔
مضرت: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضرتیں: مضرت کی جمع:ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضطرب: بے چین۔۔بے قرار۔
مضمحل: اداس۔۔دل گیر۔۔رنجیدہ۔۔مغموم۔
مطرود: دھتکارا ہوا۔نکالا ہوا۔۔مردود۔
مطمح نظر: مرکز نگاہ۔۔اصلی مقصد۔
مطیع: اطاعت کرنے والا۔۔فرمانبردار۔۔تابع۔۔ماتحت۔
معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔۔واپس جانے کا مقام۔۔عقبیٰ آخرت۔۔قیامت۔۔حشر۔
معاندین (معاند کی جگہ): عناد رکھنے والا۔۔دشمن۔۔مخالف۔
معبد: عبادت گاہ۔۔جائے پرستش۔
معتدل: اعتدال والا۔۔درمیانی درجے کا۔۔متوسط۔
معدوم: نابود۔۔ناپید۔۔وجود میں نہ ہونا۔
معرفت قدم: اللہ تعالیٰ کی پہچان۔
معروضہ: عرض۔۔عریضہ۔۔گزارش۔
معزول: گناہ۔۔قصور۔۔نافرمانی۔۔انحراف۔
معین: مقرر کیا گیا۔۔مقررہ۔
معیوب: قابل شرم۔۔باعث ندامت۔

مغلوب: دبا ہوا۔۔عاجز۔۔زیر۔۔شکست خوردہ۔
مفتری: افترا پرداز۔۔الزام لگانے والا۔۔بہتان لگانے والا۔
مفردات (مفردہ کی جمع): تنہا۔۔اکیلا۔۔علیحدہ۔۔غیر مرکب۔
مفقود: ناپید۔۔ندارد۔
مفلوک الحال: تباہ حال۔۔خستہ حال۔
مقتضاء: تقاضا کیا گیا۔۔مطلب۔
مقتضی: تقاضا کرنے والا۔
مقدرت: بساط۔۔حیثیت۔
مقدم: ضروری۔۔لازم۔
مقدور: بس۔۔قابو۔۔دسترس۔۔اختیار۔
مُقِر: اقراری۔۔معترف۔۔اعتراف کرنے والا۔۔ تسلیم کرنے والا۔
مکافات: عوض۔۔بدلہ۔۔پاداش۔۔سزا۔
مکلف: تکلیف دیا گیا۔۔عاقل۔۔بالغ۔
ملال: رنج۔۔غم۔۔کلفت۔۔افسوس۔
ممتنع: باز رکھا گیا۔۔روکا گیا۔
مملوک: غلام۔۔بندہ۔
ممنوع: ناجائز۔۔ناروا۔۔خلاف شرع۔
مناجات: دُعا۔۔عرض۔۔التجا۔
منادی: اعلان کر دینا۔۔ڈھنڈورا۔
مناقشے: قضیہ۔۔نزاع۔
منتشر: پھیلا دینا۔
منجنیق: ایک آلہ جس سے بڑے بڑے پتھر پھینکے جاتے تھے۔ سنگ باری کی قدیم دستی مشین۔
منحصر: موقوف۔۔مشروط۔۔انحصار کیا ہوا۔
منزہ: عیبوں سے بَری۔۔پاک۔۔مبرا۔
منسوب: نسبت کیا ہوا۔۔متعلق کیا ہوا۔
منعم: نعمت دینے والا (یہاں اللہ تعالیٰ مراد ہے)۔
منفعت: نفع۔۔فائدہ۔
منفعتوں: منفعت کی جمع۔

منقطع: اختتام کو پہنچا ہوا۔
منہمک: کسی کام میں بہت مصروف۔۔انہاک کرنے والا۔
مواخذہ: جواب طلبی۔۔گرفت۔۔بازپرس۔
موحد: خدا کو ایک ماننے والا۔۔پکا سچا مسلمان۔
موصوف: تعریف کیا گیا۔۔جس کی تعریف یا توصیف کی جائے۔
موضع: گاؤں۔۔جگہ۔
موقوف: انحصار کیا گیا۔
مہمل: چھوڑا ہوا۔۔ترک کیا ہوا۔
مَیل: رغبت۔۔رجحان۔۔میلان۔۔توجہ۔
میلان: توجہ۔۔رجحان۔۔التفات۔۔خواہش۔

-- ﴿ ن ﴾ --

ناخلف: نالائق۔۔بدچلن۔۔بدذات۔
ناعاقبت اندیش: انجام نہ سوچنے والا۔۔انجام کی فکر نہ کرنے والا۔
نافع: نفع دینے والا۔
نالش: دعویٰ۔۔حاکم کے سامنے چارہ جوئی۔
نحر: ذبح کرنا۔۔قربانی کرنا۔۔اونٹ کو ذبح کرنا۔
نزاع: تکرار۔۔تنازعہ۔۔جھگڑا۔
نسب: اصل۔۔نسل۔۔سلسلۂ خاندان۔
نسیان: بھول چوک۔
نظافت: پاکیزگی۔۔صفائی۔
نفریں: ملامت۔۔پھٹکار۔۔لعنت۔
نقب: چور کا دیوار میں بڑا سوراخ کرنا۔۔سرنگ۔۔شگاف۔
نوع: قسم۔۔جنس۔
نوید: مژدہ۔۔بشارت۔۔خوشخبری۔
نیو: بنیاد۔۔دیوار کی جڑ۔

-- ﴿ و ﴾ --

وثیقہ: معاہدہ۔۔عہد و پیمان۔
ورود: اترنا۔۔اندر آنا۔۔داخل ہونا۔۔پہنچنا۔
وساطت: وسیلہ۔۔ذریعہ۔۔واسطہ۔
وسط: درمیان۔
وصف: پہچان۔۔شناخت۔
وصفوں: وصف کی جمع۔
وضع حمل: بچہ جننا۔۔بچہ پیدا ہونا۔
وطی: جماع کرنا۔
وعید: سزا دینے کی دھمکی۔۔سزا دینے کا وعدہ۔

-- ﴿ ہ ﴾ --

ہزلیات (ہزل کی جمع): بیہودہ باتیں۔
ہمسر: برابر کا۔۔ہم رتبہ۔
ہمہ گوش: پوری توجہ سے سننا۔
ہنکا: ہانکنا۔۔پاس سے دور کرنا۔۔بھگایا جانا۔
ہول: خوف۔۔اندیشہ۔۔گھبراہٹ۔
ہیئت: بناوٹ۔۔صورت۔۔شکل۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا، 'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۴۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾

('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالاتِ شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّما الاَعمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲صفحات﴾

'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہء دعوت وتبلیغ' ﴿۳۶صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد ششم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔علاوہ ازیں ۔۔۔۔کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک و ملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

جلد ہشتم

وقال الذین ۱۹ - امن خلق ۲۰ - اتل ما اوحی ۲۱

لاہور - کراچی - پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد ہفتم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کورڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

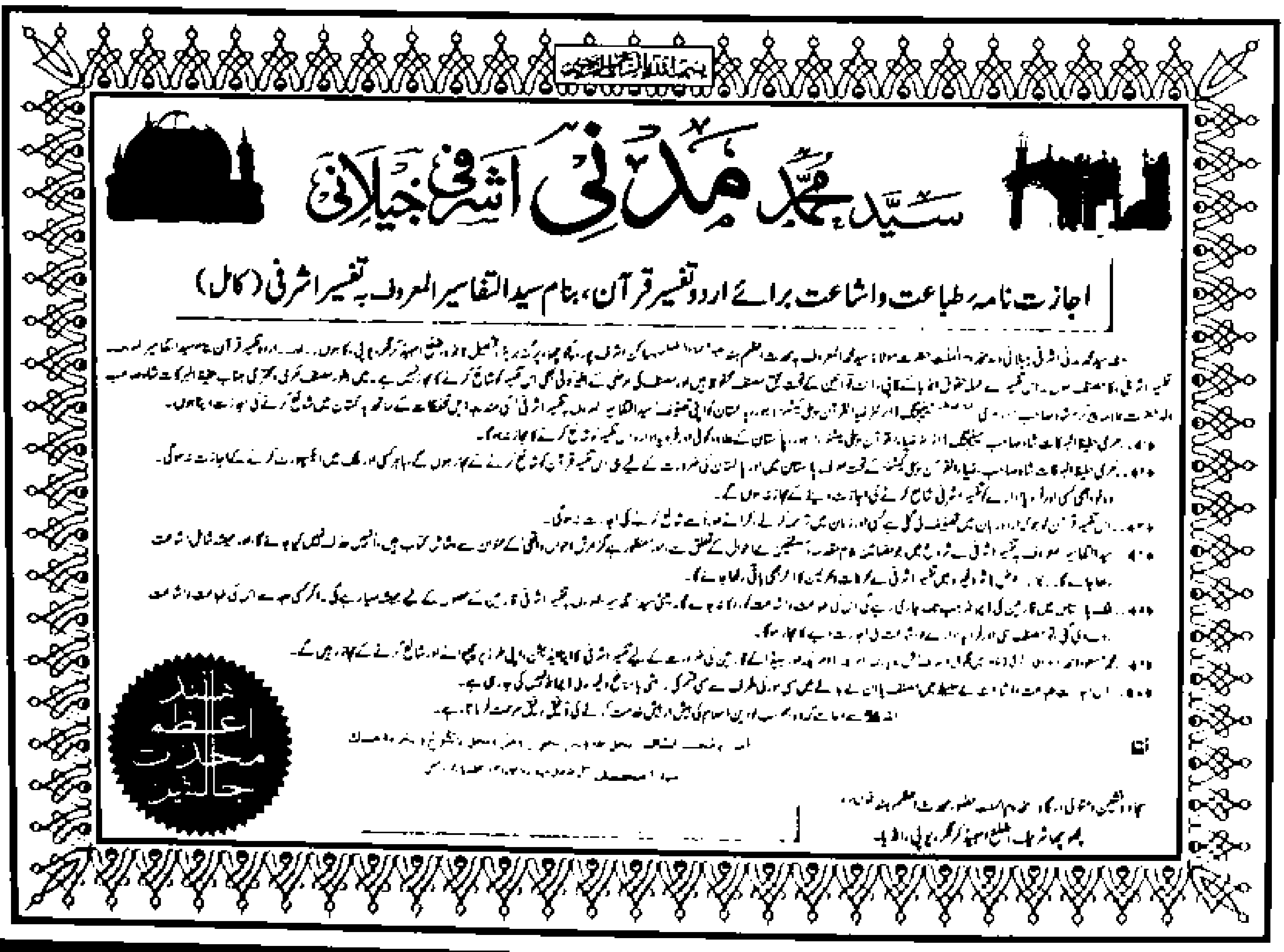
ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212



فہرست

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیرِ اشرفی کی اِس جلد ہفتم کے متنِ تفسیر میں ۸،۱۷،۹۳۹ (آٹھ لاکھ سترہ ہزار نو سو انتالیس) حروف۔۔۔
۸۹،۸۱۰ (نواسی ہزار آٹھ سو دس) الفاظ۔۔۔ ۷،۵۷۴ (سات ہزار پانچ سو چوہتر) سطریں۔۔۔
اور ۳،۷۱۷ (تین ہزار سات سو سترہ) پیراگراف شامل ہیں۔۔۔
کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے،
تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں۔۔۔ ﴿ادارہ﴾

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ـــــ اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

الحمدللہ! ثم الحمدللہ! کہ رب تبارک وتعالیٰ کی توفیق رفیق سے سید التفاسیر المعروف بہ تفسیرِ اشرفی کی جلد ہفتم جو کہ انیسویں، بیسویں اور اکیسویں پارے کی تفسیر پر مبنی ہے، قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دُعا ہے کہ مفسرِ محترم حضور شیخ الاسلام والمسلمین حضرتِ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی صحت اور عمر میں برکت عطا ہو، اور تفسیری کام اِسی طرح چلتا رہے اور جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ ﴿آمین﴾

ہم شیخ الاسلام والمسلمین کے پُر اخلاص خادمین کے بھی شکرگزار ہیں جو ہر دفعہ ہمارے ساتھ کمپوزنگ، پروفنگ، اور دوسرے طباعتی واشاعتی مراحل میں ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اُن تمام اصحاب وافراد کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو مفسرِ محترم کی سرپرستی میں رہتے ہوئے دینِ اسلام کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیقِ رفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ امین! بِجَاهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ﴾

۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۱۱ر اپریل ۲۰۱۲ء

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

۱۹

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۲ر اگست ۲۰۱۱ء

بروز جمعہ مبارکہ، انیسویں پارہ کی تفسیر شروع کردی ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی سعادت اپنے
فضل وکرم سے مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کی حفاظت فرماتا رہے۔

آمین یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰہٰ وَیٰسٓ وَبِحَقِّ نٓ وصٓ
وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى

اور بولے جونہیں مانتے ہمارے ملنے کو کہ "کیوں نہ اتارے گئے ہم پر فرشتے، یا ہم خود دیکھ لیتے

رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِىْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿٢١﴾

اپنے رب کو" بے شک اُنہوں نے خوب ڈینگ ماری بڑائی کی اپنے جی میں، اور بڑی سرکشی پر آ گئے ●

احمقانہ ومتکبرانہ بکواس کی (اور بولے) اہلِ مکہ (جونہیں مانتے ہمارے ملنے کو)، یعنی بعث و حشر کے منکر ہیں۔۔۔یا۔۔۔ہمارا عذاب دیکھنے سے نہیں ڈرتے، (کہ کیوں نہ اُتارے گئے ہم پر فرشتے، یا) ایسا کیوں نہ ہوا کہ (ہم خود دیکھ لیتے اپنے رب کو)، جو ہم سے بات کرے اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق واتباع کا حکم فرمائے۔ (بے شک اُنہوں نے خوب ڈینگ ماری بڑائی کی اپنے جی میں)، (اور) اپنے اِس قول کی وجہ سے (بڑی سرکشی پر آ گئے)۔ اُنہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور پیغمبر کے معجزات دیکھنے کے بعد اُسے ایمان لانے اور تصدیق کرنے کے لیے کافی نہیں سمجھا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ فرشتوں کو دیکھنے اور خدا سے ملاقات کی فرمائش کر بیٹھے۔

سوچنے کی بات ہے کہ جو معجزات کو دیکھ کر ایمان نہ لا سکا، وہ فرشتوں کو بھی دیکھ کر کیسے ایمان والا ہو جائے گا۔ ظاہر ہے کہ فرشتے اگر اپنی اصلی صورت میں آتے ہیں، تو اُن کو دیکھنے کی یہ تاب ہی کہاں سے لا سکیں گے۔ اور اگر آدمی کی شکل میں آئیں گے، جیسا بعض اوقات آدمی کی شکل میں آئے بھی، تو یہ کیسے سمجھ سکیں گے کہ یہ فرشتے ہیں۔ پھر اُن کو فرشتہ ثابت کرنے کے لیے دوسرے فرشتوں کی ضرورت ہوگی اور پھر وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں آئیں گے، تو اُن کو فرشتہ ثابت کرنے کے لیے اور فرشتوں کا مطالبہ کریں گے۔۔۔ الغرض۔۔۔ یہ ایک ایسا تسلسل ہوگا جس کی کہیں اِنتہاء نہ ہوگی۔

اور جب یہ فرشتوں کو اُن کی اصلی صورت میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور آدمی کی شکل میں ہونے کی صورت میں اُن کو فرشتہ باور کرنے کی سمجھ نہیں رکھتے، تو پھر یہ خدا کو کیسے دیکھ سکتے ہیں، اس لیے کہ کوئی آنکھ نہ تو خدا کو دیکھ سکتی ہے اور نہ ہی اُس کا اِدراک کر سکتی ہے۔ اِن نادانوں کو یہ بھی نہیں معلوم کہ فرشتے صرف موت کے وقت دکھائی دیں گے۔۔۔یا۔۔۔نزولِ عذاب کے وقت۔ اِن بکواس کرنے والوں نے رسول اللہ ﷺ کے پیش کیے ہوئے معجزات کو اور اِس قرآن کو کافی نہیں سمجھا، جس کی نظیر لانے سے تمام انسان اور جن عاجز رہے، تو پھر

فرشتوں کو دیکھ لینا اِن کے لیے کیسے کافی ہوسکتا تھا؟

یہ کافر اچھی طرح سے سن لیں کہ۔۔۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ

جس دن دیکھ لیں گے فرشتوں کو، تو اُس دن کوئی خوشی نہ ہوگی مجرموں کو،

وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۲۲﴾

اور چیخ پڑیں گے کہ "کوئی آڑ ہو روک بنی ہوئی"●

(جس دن دیکھ لیں گے فرشتوں کو، تو اُس دن کوئی خوشی نہ ہوگی مجرموں کو)۔ اِس کا معنی یہ ہے کہ فرشتوں کو کوئی شخص موت سے پہلے نہیں دیکھ سکتا۔ موت کے وقت فرشتے مؤمنوں کو جنت کی بشارت دیں گے اور کافروں پر لوہے کے گُرز مار کر اُن کی روحوں کو اُن کے جسموں سے نکالیں گے۔۔ الختصر۔۔ اُس وقت وہ فرشتوں کو دیکھیں گے اور **لَا بُشْرٰى** کی وعید سنیں گے، **(اور چیخ پڑیں گے)** کاش **(کہ کوئی آڑ ہو روک بنی ہوئی)**۔ تو کافر یہ کہہ کر فرشتوں کی ملاقات سے خدا کی پناہ مانگیں گے۔

ایک قول کے مطابق اِس کی تفسیر یہ ہے کہ "فرشتے اُن سے کہیں گے کہ خدا کا دیدار تم پر حرام اور باز رکھا گیا ہے۔۔ الختصر۔۔ اگر یہ قول فرشتوں کا ہو تو اِس کا معنی یہ ہوگا، کہ تمہارے لیے وہ چیزیں ممنوع اور حرام ہیں اور تم اُن چیزوں سے محروم ہو جن کی بشارت مؤمنوں کو دی جاتی ہے۔ اور اگر یہ قول کافروں کا ہو تو اس کا معنی یہ ہے، کہ جب کافر موت کے وقت فرشتوں کو گُرز مارتے ہوئے دیکھیں گے، تو کہیں گے "کاش ہمارے اور فرشتوں کے درمیان کوئی رکاوٹ اور حجاب ہوتا اور ہم فرشتوں کو نہ دیکھ سکتے۔"

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

اور ہم بڑھے اُن کاموں کی طرف جو وہ کر چکے، تو کر دیا ہم نے اُسے اُڑتا غبار●

(اور ہم بڑھے اُن کاموں کی طرف جو وہ کر چکے) جو ظاہر میں اچھا معلوم ہوتا ہے، جیسے قرابت والوں سے میل اور مہمانداری، اور بھوکوں کو کھانا دینا، یتیموں کو کھلانا اور اُن کی تعظیم اور خاطرداری کرنا، مظلوموں کی فریادرسی اور اِسی طرح کے دوسرے کام، **(تو کر دیا ہم نے اُسے اُڑتا غبار)** جیسے ذرّے پراگندہ ہوا میں۔۔ یا۔۔ غبار پھیلا ہوا۔۔ یا۔۔ خاک برباد۔ یعنی اُن کے اُن اعمال کو ہم حبط اور بے کار

کر دیں گے۔اس واسطے کہ قبولِ اعمال میں ایمان شرط ہے اور ایمان اُن کو نصیب نہ تھا۔رہ گئے۔۔۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿٢٤﴾

جنت والے، اُس دن اُن کا ٹھکانہ سب سے بہتر، اور دوپہر کی سب سے اچھی خواب گاہ ہے●

(جنت والے) یعنی جنت کے رہنے والے، ہوگا (اُس دن اُن کا ٹھکانہ سب سے بہتر)۔ یعنی آخرت میں جنتیوں کے مکانات بہتر ہیں کافروں کے اُن مکانوں سے جو دُنیا میں ہیں، (اور دوپہر کی سب سے اچھی خواب گاہ ہے) جہاں وہ استراحت کریں گے۔

یہاں خواب گاہ سے مراد استراحت گاہ ہے، اس لیے کہ بہشت میں نیند اور سونا نہ ہوگا۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾

اور جس دن کہ پھٹ جائیں گے آسمان بادلوں سے، اور اُتارے گئے سارے فرشتے●

(اور) اَے محبوب! یاد کرو اُس دن کو (جس دن کہ پھٹ جائیں گے آسمان بادلوں سے)، یعنی ابرِ سفید کے سبب سے جو آسمان کے ساتوں طبقوں کے اُوپر ہے اور دَل اُس بادل کا سب آسمان کے برابر ہے اور وہ سب آسمانوں سے زیادہ بھاری ہے۔

حق تعالیٰ نے ابھی اُسے اپنی قدرتِ کاملہ سے روک رکھا ہے، قیامت کے دن اُسے آسمانوں پر ڈال دے گا۔ جس آسمان پر وہ بادل گرے گا، تو وہ آسمان پھٹ جائے گا۔

(اور اُتارے گئے سارے فرشتے) اُس جگہ سے زمین پر۔ یہاں تک کہ تمام روئے زمین فرشتوں سے بھر جائے گی۔ فرشتے سات صفیں باندھ کر عالَم کے گرد آئیں گے۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾

سچی بادشاہی اُس دن اللہ مہربان کی ہے۔ اور وہ کافروں پر دشوار دن ہے●

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ

اور جس دن کہ اندھیر والا خود اپنے ہاتھ چبائے گا، کہتا ہوا کہ "کاش میں نے لیا ہوتا

مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾

رسول کے ساتھ راستے کو●

(سچی بادشاہی اُس دن اللہ) تعالیٰ (مہربان کی ہے)، اس لیے کہ مدعیوں نے مالکیت کے دعوی سے زبان بند کر لی ہوگی۔ (اور وہ) دن (کافروں پر دشوار دن ہے● اور) ایسا دن ہے (جس دن کہ اندھیر والا) کمالِ حسرت کے سبب سے (خود اپنے ہاتھ چبائے گا)، یعنی دانتوں سے اپنا ہاتھ نوچے گا جیسے حسرت والے کرتے ہیں۔۔ الغرض۔۔ "بہت چابے گا انگشتِ ندامت"۔

۔۔چنانچہ۔۔ گستاخِ رسول عقبہ ابن معیط کے لیے، بعض تفسیروں میں ہے کہ وہ روز چار ہزار" بار چابے گا انگلیوں کے سرے سے کہنی تک، اور حق تعالیٰ ہر بار اُس کے ہاتھ کو ویسا ہی کردے گا جیسا تھا، اور پھر وہ چابے گا اور اُسے کچھ خبر نہ ہوگی۔

(کہتا ہوا کہ کاش میں نے لیا ہوتا رسول کے ساتھ راستے کو)۔ یعنی اُس راہ پر چلا ہوتا جس پر رسول چلے، اس واسطے کہ وہی راہِ نجات ہے۔

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ

ہائے وائے۔ کاش نہ بناتا میں فلاں کو دوست● بلاشبہ مجھ کو گمراہ کر دیا نصیحت سے،

بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾

بعد اس کے کہ وہ میرے پاس آئی"۔ اور شیطان انسان کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے والا ہے●

(ہائے وائے۔ کاش نہ بناتا میں فلاں کو) یعنی اُبی کو (دوست● بلاشبہ) اُس نے (مجھ کو گمراہ کر دیا) اور باز رکھا (نصیحت سے)، یعنی یادِ الٰہی اور ذکرِ ربانی سے، (بعد اِس کے کہ وہ میرے پاس آئی)۔ یعنی وہ نصیحت اور ہدایت میرے پاس آچکی تھی، اُس کے بعد میں نے اُس کو ماننے سے سرتابی اور سرکشی کی۔ (اور) بے شک دوست گمراہ، آدمی صورت شیطان سیرت، جو کہ (شیطان) الانس ہے، (انسان کو بے یار و مددگار چھوڑ دینے والا ہے)۔۔یا۔۔ ابلیس ملعون کہ حکم خدا اور رسول کی مخالفت کرنے کے واسطے آدمیوں کو وسوسہ دیتا ہے۔ جب آدمی ہلاکت کے پھندے میں پھنستے ہیں، تو شیطان چھوڑ دیتا ہے اور فائدہ نہیں پہنچاتا، بلکہ اُس سے بیزاری ظاہر کرتا ہے۔

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾

اور دُعا کی رسول نے کہ "پروردگارا! لوگوں نے بنا دیا اس قرآن کو چھوڑنے کی چیز"●

(اور دُعا کی) دُنیا میں (رسول) صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (نے)۔۔یا۔۔ آخرت میں کہیں گے (کہ

پروردگارا!) میری قوم کے کافر (لوگوں نے بنادیا اِس قرآن کو چھوڑنے کی چیز)۔۔چنانچہ۔۔کافروں نے قرآنِ مجید کو متروک بنالیا تھا اور اُس سے اعراض کرتے تھے اور اُس پر ایمان نہیں لاتے تھے اور اُس کے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے۔۔یا یہ کہ۔۔کافر قرآنِ مجید کو فضول باتیں اور ہذیان قرار دیتے تھے۔اور زعم کرتے تھے کہ قرآنِ مجید شعر وشاعری اور سحر کا نتیجہ ہے۔

۔۔الختصر۔۔قیامت کے دن سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی قوم کے مشرکین کی اپنے رب سے شکایت کریں گے، کہ اُنہوں نے قرآنِ مجید کو فضول اور مہمل کلام قرار دیا تھا۔اِس شکایت کا دُنیا میں ہونے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا، کہ اَے رب ہماری قوم کے کافروں نے اِس قرآن کریم کو فضول و مہمل کلام اور شعر وشاعری قرار دے دیا ہے۔اِسی لیے نہ تو وہ اِس پر ایمان لاتے ہیں اور نہ ہی اِس کے احکام پر عمل کرتے ہیں، بلکہ اِس سے مکمل اعراض کرتے ہیں۔اِن مذکورہ بالا دوصورتوں میں جو بھی صورت ہو، اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دینے کے لیے فرمائے گا۔۔۔

کہ جس طرح اِن کافروں کو ہم نے تیرا دشمن کردیا۔۔۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ

اور اِسی طرح بنایا ہم نے ہر نبی کا دشمن، جرائم پیشہ لوگوں سے۔اور تمہارا رب کافی

هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾

ہدایت ونصرت کرنے والا ہے●

(اور) تیرا باغی بنادیا، (اِسی طرح بنایا ہم نے ہر نبی کا دشمن جرائم پیشہ لوگوں سے)۔جیسے نمرود کو حضرت ابراہیم کے واسطے اور فرعون کو حضرت موسیٰ کے واسطے۔تو اُنہوں نے صبر کیا، تو اُن کی دِل آزار باتوں اور تکلیف دہ حرکتوں پر تم بھی صبر کرو، (اور تمہارا رب کافی ہدایت ونصرت کرنے والا ہے) تو وہ تمہیں صبر کی ہدایت اور دشمنوں پر نُصرت دینے والا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ

اور بولے کافر کہ "کیوں نہ بھیج دیا گیا اُن پر قرآن یکبارگی"۔ایسا یوں ہے،

لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِیْلًا ﴿۳۲﴾

تا کہ ہم مضبوط بنائیں تمہارے دِل کو، اور ہم نے اِس کا پڑھنا ٹھہر ٹھہر کے کیا●

(اور بولے) وہ، جو (کافر) ہوئے یہود ونصاریٰ میں سے ۔۔یا۔۔ مشرکانِ عرب میں سے، (کہ کیوں نہ بھیج دیا گیا اِن پر قرآن یکبارگی) توریت وانجیل کی طرح، جنہیں اُن کے نبیوں پر یکبارگی نازل فرمایا گیا۔ (ایسا یوں ہے)، یعنی اِن آیات کو متفرق نازل فرمانے میں حکمت یہ ہے، (تا کہ ہم مضبوط بنائیں تمہارے دِل کو) اور ثابت کر دیں اور قوت دیں ہر وقت وحی بھیج کر تیرے دِل کو، یعنی متفرق وحی کر کے تیرے دِل میں حفظ کر دیں۔ (اور) اِسی لیے (ہم نے اِس کا پڑھنا ٹھہر ٹھہر کے کیا) مہلت کے ساتھ۔ ایسا بھی نہیں کہ اِس کا نزول مدتِ مدید اور زمانہ بعید تک منقطع ہو گیا ہو۔

ذہن نشین رہے کہ مشرکوں کا یہ اعتراض محض بے اصل ہے، اس واسطے کہ قرآن تھوڑا تھوڑا نازل ہو ۔۔یا۔۔ اکٹھا، اُس کے اعجاز میں فرق نہیں آتا اور متفرق نازل کرنے میں بہت فائدے ہیں۔ ایک تو حفظ کرنے میں سہولت ہے اس واسطے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت داود علیہما السلام پر کتاب جو ایک بار اُتری تو وہ لکھتے پڑھتے تھے، اور ہمارے حضرت خاتم النبیین ﷺ اُمی تھے۔ اگر اُن کی کتاب ایک ہی بار نازل ہوتی، تو اُس کو یاد کرنا مشکل ہوتا۔ حق تعالیٰ کو منظور نہیں تھا، کہ اپنے محبوب کو اِس زحمت سے دوچار کرے۔ دوسرے یہ کہ اُس کا نزول حسبِ ضرورت مزید بصیرت کا سبب ہے، اور اِس وجہ سے اُس کے معنی میں خوب خوض کیا جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ جو آیت اُترتی غلبہ دکھاتی اور قرآن کا اعجاز اور کافروں کا عجز ظاہر ہوتا۔ چوتھے یہ کہ گھڑی گھڑی حضرت جبرائیل امین کے نازل ہونے سے حضرت ﷺ کے دِلِ مبارک کو تسکین اور تسلی ہوتی۔ پانچویں یہ کہ قرآن میں ناسخ منسوخ آیتیں ہیں اور وہ مختلف وقتوں سے علاقہ رکھتی ہیں، اور ضروری ہے کہ ناسخ منسوخ کے بعد ہو۔ ایک آن میں دونوں کا اجتماع نہ چاہیے۔ چھٹے یہ کہ قرآن میں سوال وجواب بھی ہیں، اور جواب سوال کے بعد چاہیے۔ اِن کے سوا بھی یکبارگی نازل نہ فرمانے کی اور بھی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

وَلَا یَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِیْرًا ﴿۳۳﴾

اور نہ لائیں گے کفار تمہارے پاس کوئی بات، مگر یہ کہ ہم لے آئے تمہارے پاس حق، اور بہتر بیان●

(اور) اَے محبوب! (نہ لائیں گے کفار تمہارے پاس کوئی بات مگر یہ کہ ہم لے آئے تمہارے

پاس حق اور بہتر بیان)۔ یعنی یہ کافرلوگ آپ کے پاس جو بھی مثال یا اعتراض لائیں گے، ہم اُس کی برحق اور عمدہ توجیہہ بیان کریں گے۔ یہ اعتراض کرنے والے مشرک وہ لوگ ہیں۔۔۔

الَّذِیْنَ یُحْشَرُوْنَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ اِلٰی جَهَنَّمَ اُولٰٓئِكَ

جو ہانکے جائیں گے اپنے اپنے منہ کے بَل جہنم کی طرف، وہ لوگ

شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیْلًا ﴿۳۴﴾

ٹھکانے کے بہت بُرے، اور راہ سے سب سے زیادہ بے راہ ہیں●

(جو ہانکے جائیں گے اپنے اپنے منہ کے بَل جہنم کی طرف)۔ یعنی منہ زمین پر رکھ کر چلیں گے۔ اور یہ کوئی ناممکن چیز نہیں، اس لیے کہ جس قادرِ مطلق نے اُنہیں پیروں کے بَل چلایا ہے وہ اُن کو منہ کے بَل چلانے پر قادر ہے۔۔ الختصر۔۔ یہ منہ کے بَل چلنے والے (وہ لوگ) ہیں، جو اپنے (ٹھکانے کے) لحاظ سے (بہت بُرے) ہیں۔ اُن کے مکان اُن مکانوں سے بھی بدتر ہیں جن میں مسلمان دُنیا میں رہتے تھے اور یہ کافر طعن کرتے تھے۔ (اور راہ سے سب سے زیادہ بے راہ ہیں)، یعنی وہ سب سے زیادہ سیدھی راہ سے بھٹکنے والے ہوں گے۔ اس واسطے کہ اُن کی راہ آتشِ دوزخ میں پہنچا دینے والی ہے۔

اب عبرت ونصیحت کے لیے بعض انبیاءِ سابقین اور اُن کی امتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے

۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِیْرًا ﴿۳۵﴾

اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب، اور بنادیا اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو وزیر●

فَقُلْنَا اذْهَبَاۤ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِیْرًا ﴿۳۶﴾

پھر حکم دیا ہم نے کہ "دونوں چلے جاؤ اُن لوگوں تک، جنہوں نے جھٹلا دیا ہے ہماری آیتوں کو" بالآخر ڈھادیا ہم نے اُنہیں بالکل●

(اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب) توریت، فرعون کے غرق ہونے کے بعد۔ (اور بنادیا) نزولِ کتاب سے پہلے (اُن کے ساتھ اُن کے بھائی ہارون کو وزیر)۔ یعنی دعوت اور کلمۂ حق بلند کرنے میں یار ومددگار۔ (پھر حکم دیا ہم نے کہ دونوں چلے جاؤ اُن لوگوں تک جنہوں نے جھٹلا دیا ہے ہماری آیتوں کو)۔ وہ جائے حکم پر گئے اور اُس قوم کو دعوتِ اسلام کی۔ اُس قوم کے لوگوں نے اُن کے ساتھ تکبر کیا، تو (بالآخر ڈھادیا ہم نے انہیں بالکل)۔ یعنی اُنہیں دریائے قلزم میں غرق کر کے نیست و

نابود کردیا۔۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَ جَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً

اور قوم نوح کو، جب کہ اُن لوگوں نے جھٹلایا رسولوں کو، تو ڈبو دیا ہم نے اُنہیں، اور بنادیا ہم نے اُنہیں لوگوں کے لیے نشانی،

وَ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿٣٧﴾ وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ

اور مہیا کردیا ہم نے اندھیر والوں کے لیے دکھ والا عذاب ● اور عاد و ثمود کو، اور اصحاب الرس کو،

وَ قُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ﴿٣٨﴾

اور اُن کے درمیان کے بہتیرے طبقوں کو ●

(اور) ایسے ہی (قوم نوح کو جب کہ اُن لوگوں نے جھٹلایا رسولوں کو)۔ یعنی حضرت نوح کی تکذیب کی اور اُن پیغمبروں کی جو اُن سے پہلے تھے، جیسے حضرت شیث اور حضرت ادریس 'علیہم السلام'۔۔ یا۔۔ یہی ایک حضرت نوح 'علیہ السلام' کی تکذیب کی، اور ایک پیغمبر کی تکذیب سب پیغمبروں کی تکذیب ہے۔۔یا۔۔ مطلقاً رسولوں کی بعثت سے اِنکار کیا، (تو ڈبو دیا ہم نے اُنہیں) طوفان کے عذاب میں۔ (اور بنادیا ہم نے اُنہیں) یعنی اُن کے قصے کو (لوگوں کے لیے نشانی)، تاکہ اُس سے عبرت لیں۔ (اور مہیا کردیا ہم نے اندھیر والوں کے لیے دُکھ) دینے (والا عذاب ● اور) ہلاک کردیا ہم نے قوم (عاد) کو ہود 'علیہ السلام' کی تکذیب کے سبب سے، (و) قوم (ثمود کو) صالح 'علیہ السلام' کی تکذیب کے سبب سے، (اور اصحاب الرس کو) اپنے پیغمبر کی تکذیب واذیت رسانی وقتل کردینے کے سبب سے۔ (اور اُن کے درمیان کے بہتیرے طبقوں کو) یعنی قبائلِ عاد وثمود اور اصحابِ رس کے بہت سے قرن، کہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اَصْحٰبَ الرَّسِّ کے تعلق سے مفسرین سے بہت سارے اقوال منقول ہیں، جن میں بعض مفسرین نے اِس بات کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ حنظلہ بن صفوان کے اصحاب ہیں۔ جب اُنہوں نے اپنے نبی کی تکذیب کی، تو حق تعالیٰ نے لمبی گردن کا ایک پرندہ پیدا کیا، کہ اُس کے بازو سب رنگ کے تھے اور گردن لمبی ہونے کی وجہ سے اُسے عنقاء کہتے تھے، اور ایک پہاڑ زمح۔۔یا۔۔فتخ نام کی چوٹی پر وہ جانور رہتا تھا، اُن لوگوں پر خدا نے اُسے مسلط کردیا۔ پس وہ آتا اور اُن لوگوں کے مویشی اور چھوٹے بچوں کو اٹھالے جاکر نگل لیتا۔ اس وجہ سے 'مغرب' اُس کا لقب کیا تھا، یعنی نگل جانے والا اور غائب کرلینے والا۔

ایک روز ایک نوجوان لڑکی کو اُن لوگوں میں سے اُٹھالے گیا۔ وہ لوگ پیغمبرِ وقت کے پاس شکایت کرنے لگے اور یہ شرط کرلی کہ اگر اُس جانور کا شر پوشیدہ ہوجائے، تو ہم سب ایمان لائیں گے۔ اُن پیغمبر علیہ السلام نے دُعا فرمائی، کہ الٰہی اُس جانور کو لے لے اور اُس کی نسل قطع کردے۔ اُن پیغمبر علیہ السلام کی دُعا قبول ہوئی اور وہ جانور غائب ہوگیا، پھر اُس کا کچھ پتا نہ لگا، نام ہی نام باقی رہ گیا۔ نایاب چیز کو اُس سے مثال دیتے ہیں۔۔الغرض۔۔ 'عنقاء' غائب ہوجانے کے بعد اُس قوم نے تمرد اور عناد بڑھایا اور حنظلہ علیہ السلام کو شہید کرڈالا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اصحاب رَس کو ہم نے ہلاک کردیا۔

اور ہم نے عذاب دینے میں کسی پر بھی ظلم وزیادتی نہیں کی۔۔۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْأَمْثَالَ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيرًا ﴿٣٩﴾

اور سبھی کو ہم نے اپنی کہاوتیں دیں۔ اور ہر ایک کو ہلاک کردیا ہم نے تابڑتوڑ●

(اور) ہلاک کرنے سے پہلے (سبھی کو ہم نے اپنی کہاوتیں دیں)۔ اُن کے واسطے مثالیں یعنی اگلوں کے قصے اُن سے اور اُن کی امتوں سے بیان کرکے ہم نے ڈرایا اور پیغمبر بھیج کر اُن سے حجت تمام کرلی۔ جب انہوں نے کچھ نہ سنا اور اِنکار پر مصر ہوئے، تو ہم نے عذاب بھیجا (اور ہر ایک کو ہلاک کردیا ہم نے تابڑتوڑ)۔ یعنی انہیں نیست ونابود کردیا۔

وَلَقَدْ أَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي أُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ۚ أَفَلَمْ

اور بے شک یہ لوگ ہو آئے ہیں اُس بستی پر، کہ جہاں بُرا بادل برسایا گیا ہے۔ تو کیا

يَكُونُوا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿٤٠﴾

نہیں سوجھائی پڑتا تھا انہیں؟ بلکہ یہ خیال ہی نہیں کرتے تھے مرنے کے بعد اُٹھنے کا●

(اور) اَے محبوب! (بے شک یہ) قریش کے (لوگ ہو آئے ہیں اُس بستی پر)۔ یعنی اُس بستی پر سے یہ اہلِ قریش گزرے ہیں، (کہ جہاں) یعنی جس بستی پر (بُرا بادل برسایا گیا ہے) یعنی پتھر کی بارش کی گئی۔

اِس بستی سے 'سدوم' کی بستی مراد ہے جو 'موتفکات' میں سے ایک بہت بڑا شہر تھا اور حضرت لوط علیہ السلام وہاں بیٹھتے، اور اُس کے اُلٹ جانے کے بعد حق تعالیٰ نے اُس شہر والوں

پر پتھر برسائے اور اُس دیار میں کفارِ قریش کا گزر رہوا۔۔۔

(تو کیا نہیں سوجھائی پڑتا تھا اُنہیں؟) کہ اپنی گزرگاہوں پر ہونے والے عذاب کے آثار کو دیکھتے اور اُس سے عبرت پکڑتے۔ ایسی بات نہیں کہ اُنہیں یہ آثار نظر نہیں آئے، (بلکہ) اُن کی اصل گمراہی اور خام خیالی یہ تھی، کہ (یہ خیال ہی نہیں کرتے تھے مرنے کے بعد اُٹھنے کا)۔ یعنی حشر پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۴۱﴾

اور جب اُنہوں نے تمہیں دیکھا، تو نہ قرار دیا تم کو مگر مذاق کہ "کیا یہی ہیں جس کو بھیجا ہے اللہ نے رسول"●

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ

"یہ تو ہمیں بہکا دینے ہی کو تھے ہمارے معبودوں سے، اگر نہ جمے رہ جاتے ہم اُن پر۔" اور جلد ہی

يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

جان لیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے، کہ کون گم کردہ راہ ہے●

(اور) اِسی لیے اَے محبوب! (جب اُنہوں نے تمہیں دیکھا، تو نہ قرار دیا تم کو مگر مذاق)۔۔ چنانچہ۔۔ از راہِ مذاق کہتے، (کہ کیا یہی ہیں جس کو بھیجا ہے اللہ) تعالیٰ (نے رسول) بنا کے۔ (یہ تو) اپنی دلفریب باتوں، اور دعوت کرنے میں بڑی کوششوں سے، اور اپنے مدعا پر دلیلیں ظاہر کر کے، (ہمیں بہکا دینے ہی کو تھے ہمارے معبودوں سے)۔ یعنی ہمارے خداؤں کی پرستش سے، (اگر نہ جمے رہ جاتے ہم اُن پر)۔

یعنی اگر ہم اپنے معبودوں کی عبادت پر نہ مستقل رہتے، تو یہ رسول ہم کو باز رکھتا اور گمراہ کر دیتا، تو حق تعالیٰ نے اُن کے جواب میں فرمایا۔۔۔

(اور جلد ہی جان لیں گے جب عذاب کو دیکھیں گے کہ کون گم کردہ راہ ہے)۔ یعنی اُن پر واضح ہو جائے گا کہ ایمان والوں اور کافروں میں سے کون شخص بڑا گمراہ ہے۔

اب تک تو راہ کی گمراہی کا ذکر ہو رہا تھا، اب راہ والے کی گمراہی کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے، کہ مشرک لوگ پتھر۔۔یا۔۔ڈھیلے۔۔یا۔۔لکڑی کو پوجتے ہیں، یعنی اگر کوئی پتھر۔۔یا۔۔ ڈھیلا۔۔یا۔۔لکڑی کا ٹکڑا خوشنما اور خوبصورت دیکھتے، تو اپنے معبود کو چھوڑ کر اُس کی پرستش کرنے لگتے، تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ﴿۴۳﴾

کیا تم نے دیکھا، جس نے بنالیا ہے اپنا معبود اپنی خواہش کو، تو کیا تم ہو گے اُن پر ذمہ دار نگراں؟●

(کیا تم نے دیکھا) اُسے (جس نے بنالیا ہے اپنا معبود اپنی خواہش کو)، یعنی اپنی آرزو ہی کو اپنا خدا سمجھ لیا ہے، اور اُسی کو پوجتے ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ جو کوئی خدا کے سوا اور کسی چیز کو دوست رکھے اور اُسے پوجے، وہ حقیقت میں اپنی خواہش کو پوجتا ہے، اس واسطے کہ اُس کی خواہش ہی تو غیر خدا کی محبت پر اُسے رکھتی ہے۔ اُس کا غلبہ اور قدرت اِس قدر ہے کہ "خواہش پہلا معبودِ باطل بندہ کا ہے زمین میں" کا نکتہ اُس کی شان میں ہے۔ اور یہ آیت اِس کے بیان میں ہے کہ "کیا دیکھا تُو نے اُسے جس نے ٹھہرالیا اپنا معبود اپنی خواہش کو"۔ گویا ہَوا اور ہَوَس اصل ہے اور سب معبودِ باطل اُس کی فرع ہیں۔ اور اِسی سبب سے ہَوا و ہَوَس کی مخالفت دخولِ جنت کا سبب ہے۔

(تو) اَے محبوب! (کیا تم ہو گے اُن پر) جنہوں نے اپنی ہَوا و ہَوَس کو اپنا خدا بنالیا (ذمہ دار نگراں)، یعنی کیا آپ اُس کی حمایت کر سکتے ہیں؟

اِس آیت میں نبی ﷺ کو اُن لوگوں پر متعجب کرایا جو زبان سے یہ اقرار کرتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ اُن کا خالق اور رازق ہے، اِس کے باوجود وہ بغیر کسی دلیل کے پتھروں سے تراشیدہ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ۔۔۔

کیا آپ ایسے شخص کی حفاظت اور کفالت کر سکتے ہیں اور اُس کو کفر سے ایمان کی طرف اور بُرائی سے نیکی کی طرف لا سکتے ہیں؟۔۔ الختصر۔۔ اَے محبوب! آپ کی ذمہ داری صرف حق تک پہنچنے والا راستہ دکھلانا ہے، جسے آپ بخوبی انجام دے رہے ہیں اور دیتے رہیں۔ رہ گیا مطلوبِ حق تک پہنچادینا، اُس کی ذمہ داری آپ کو نہیں دی گئی ہے۔ تو اب اگر یہ نفس کے پرستار راہِ حق پر نہ آئیں، تو اس کے لیے آپ افسردہ خاطر نہ ہوں، اِس سے آپ کے فرائضِ نبوت کی ادائیگی میں کوئی کمی نہیں آتی۔۔ القصہ۔۔ اَے محبوب! کیا تم خود کو اُن نفس پرستوں کا وکیل اور نگہبان سمجھتے ہو؟

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ

یا تم خیال کرتے ہو، کہ اُن کے بہتیرے سنتے یا سمجھتے ہیں۔ نہیں ہیں وہ مگر جیسے چوپائے،

بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾

بلکہ یہ اُن سے زیادہ گمراہ ہیں●

(یا تم خیال کرتے ہو کہ اُن کے بہتیرے سنتے ہیں) گوش ہوش سے، (یا سمجھتے ہیں) دِل سے توحید کی دلیلیں۔

'اکثر' کی قید میں سارے معاند مشرکین داخل ہیں، اور جو اخیر کو ایمان لائے وہ خارج ہیں۔

اَے محبوب! سمجھے رہو کہ (نہیں ہیں وہ، مگر جیسے چوپائے) کلام سن کر فائدہ نہ حاصل کرنے میں، اور قدرت کی دلیلوں کو دِل میں جگہ نہ دینے میں، (بلکہ یہ اُن سے زیادہ گمراہ ہیں)۔ اس لیے کہ چوپائے اُس کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں جو اُن سے اطاعت لے اور مشرک اپنے رب سے اِنکار کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ چوپائے اُس چیز کے طالب ہیں جس سے اُن کو فائدہ ہے، اور اُس چیز سے بھاگتے ہیں جس سے اُن کو ضرر رہے، اور مشرک ثواب سے بھاگتے ہیں جو بڑی منفعت ہے اور بُرے کاموں سے لپٹتے ہیں جس میں بڑی مضرت ہے۔ اَے محبوب!۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ

کیا نہیں دیکھا کرتے ہو اپنے پروردگار کو، کہ کیسا بڑھایا سایہ۔ اور اگر چاہتا تو کر دیتا اُسے ٹھہرا ہوا۔

ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾

اور بنادیا ہم نے سورج کو اُس کی دلیل●

(کیا نہیں دیکھا کرتے ہو اپنے پروردگار کو!) یعنی اپنے رب کی صفت کو، (کہ) محض قدرت سے (کیسا بڑھایا سایہ) اور پھیلا دیا اُس نے سایہ کو صبح ظاہر ہونے سے آفتاب نکلتے تک۔ اور اِس سایہ کا زمانہ سب زمانوں سے زیادہ بہتر ہے، اِس واسطے کہ خالص تاریکی سے طبیعت کو نفرت ہوتی ہے اور آنکھ کی روشنی بندھی رہتی ہے، اور آفتاب کی شعاع سے ہَوا گرم اور آنکھ کی روشنی پراگندہ ہو جاتی ہے، اور ظہورِ صبح سے طلوعِ آفتاب تک دونوں باتیں نہیں ہوتیں۔ اِسی وجہ سے جنت کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ظل ممدود بھی ہے۔ (اور اگر چاہتا) خدا (تو کر دیتا اُسے) ثابت اور ایک انداز پر (ٹھہرا ہوا، اور) پھر (بنادیا ہم نے سورج کو اُس کی دلیل)۔ یعنی آفتاب کو سایہ پہچاننے پر دلیل کر دیا، اس واسطے کہ سایہ آفتاب ہی سے پہچانا جاتا ہے۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ﴿۴۶﴾

پھر سمیٹا ہم نے اپنی طرف ذرا ذرا●

(**پھر سمیٹا ہم نے اپنی طرف ذرا ذرا**)۔ یعنی جس قدر تھوڑا تھوڑا آفتاب بلند ہوا، اُسی قدر ذرا ذرا اُس کی شعاع کو سایہ کی جگہ پر ہم لائے اور سایہ کو ہم نے لے لیا، اس واسطے کہ اگر سایہ ایک ہی بار لے لیا جاتا، تو لوگوں کے جو کام سایہ سے متعلق ہیں معطل رہ جاتے۔

بعض مفسرین کے نزدیک **ظِلّ** سے زمین مراد ہے، یعنی رات کا اندھیرا۔ اور معنی یہ ہیں کہ خدا نے رات کے وقت زمین کا سایہ پھیلا دیا اور عالم کو تاریک کیا، اور اُس کی تاریکی کو ہمیشگی نہیں دی، بلکہ آفتاب کو طلوع فرما کر اُس کی شناخت پر دلیل کیا، اس واسطے کہ سب چیزیں اپنی ضِد سے پہچانی جاتی ہیں۔ اچھے سے بُرے کی تمیز ہوتی ہے، اور گورے سے کالے کی، اور دِن کو بھی ہمیشہ کے واسطے نہیں بنایا، بلکہ وہ دلیل جو آفتاب ہے اُسے بھی غروب کر کے لے لیا، یہاں تک کہ پھر رات ہوئی۔ اور یہ دونوں وقت خلق کی آسائش اور آرائش کے واسطے معین فرمائے۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ **ظِلّ** اشارہ ہے زمانہ فترت کی طرف، کہ اُس زمانے میں لوگ ظلمتِ حیرت میں تھے، اور آفتاب اِشارہ ہے نورِ اسلام کی طرف، کہ آفتابِ جمالِ محمدی ﷺ کے سبب سے یہ نورِ اسلام پھیلا اور یہ آفتاب اعزاز و اکرام کے افق سے طالع ہوا اور وہ سایہ ہمیشہ رہتا، تو خلق غفلت کی تاریکی میں پھنسی رہتی اور نورِ آگاہی تک نہ پہنچتی۔

بعض عارفین کہتے ہیں کہ یہ آیت ظاہر کے رُو سے معجزۂ نبوی ہے اور اہلِ تحقیق کی فہم کے موافق آنحضرت ﷺ کے قرب و کرامت کی طرف اِشارہ ہے۔ معجزہ کا بیان اِس طرح پر ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ ایک مرتبہ سفر میں تھے، قیلولہ کے وقت ایک درخت کے نیچے اُترے، اصحاب بہت سے ساتھ اور درخت کا سایہ تھوڑا۔ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اُس درخت کا سایہ پھیلا دیا۔۔ چنانچہ۔۔ تمام اہلِ اسلام کے لشکر نے اُس ایک درخت کے سایہ میں آسائش کی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

اور آپ کی قربت و خصوصیت کی نشانی اِس آیت میں یہ ہے، کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّكَ** یعنی اَے محمد ﷺ تم اپنے رب کی طرف نہیں دیکھتے۔ ایک وہ عالم تھا کہ حضرت موسیٰ نے عرض کی تھی کہ "اَے رب میں تیری رویت اور دید چاہتا ہوں"، جواب ملا

کہ "تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔" اور ہمارے حضرت سلطان الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو بے سوال اِس آیت میں ارشاد ہوا کہ "اَے میرے حبیب! تم میری طرف نہیں دیکھتے اور کیا چاہتے ہو۔

بعض عارفین نے یہ بھی کہا ہے کہ **مَدَّ الظِّلَّ** سے آنحضرت ﷺ پر سایۂ عصمت کا پھیلنا مراد ہے، اور آفتابِ معرفت جو آپ کے دلِ منور کے مطلع سے طلوع ہوا، وہ اِس کی دلیل ہے اور **قَبْض** اشارہ ہے رسموں اور واسطوں کے ساقط ہوجانے کی طرف۔ 'لمعات' میں مذکور ہے کہ جب آفتابِ محبت مشرقِ غیب سے چمکا، تو محبوب نے اپنے سایہ کا پردہ صحرائے ظہور میں کھینچ لیا، اُس وقت محب نے کہا **اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ** یعنی وہ پردہ کھینچنے میں تُو میری طرف نہیں دیکھتا "کہ ہر ایک عمل کرتا ہے اپنے طریق پر۔" اور کیا تُو اعتبار نہیں کرتا، کہ اگر شخص کو حرکت نہ ہو سایہ متحرک نہیں ہوتا اور اگر ہماری اَحدیت کا آفتاب مطلع عزت سے چمکے، تو سایہ کا اثر نہ رہے۔ اس واسطے کہ سایہ آفتاب کا ہم سایہ ہوتا ہے، تو **ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا** کے حکم کے موافق آفتاب اُسے اپنے میں کھینچ لیتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا

اور وہی ہے جس نے کر دیا تمہارے لیے رات کو پردہ، اور نیند کو راحت،

وَّ جَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ۝۴۷

اور کر دیا دن اُٹھنے کو۔

(اور وہی ہے جس نے کر دیا تمہارے لیے رات کو پردہ)، کہ اِس میں آرام لیتے ہو (اور نیند کو راحت)، کہ اُس کے سبب سے آسائش پاتے ہو۔ (اور کر دیا) اس نے (دن اٹھنے کو)، یعنی اٹھنے کے واسطے اور طلبِ معیشت میں چلنے پھرنے کے لیے۔

اور بعضوں نے کہا کہ 'نیند' موت کے مشابہ ہے اور **نُشُوْرًا** سو کر اٹھنا ہے، جیسے مُردوں کو مر کر قبر سے پھر اٹھنا۔ اور لقمان کی حکمتوں میں مذکور ہے کہ جس طرح تُو سوتا ہے پھر اٹھتا ہے، اِسی طرح مر کر پھر جیے گا اور قبر سے اٹھے گا۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَ اَنْزَلْنَا

وہی ہے جس نے چلا دیا ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری سناتے، اور اُتارا ہم نے

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿٤٨﴾

آسمان کی طرف سے پاک کرنے کو پانی●

اور (وہی ہے جس نے چلا دیا ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری سناتے)، یعنی یہ ہوائیں خوشخبری دینے والیاں ہیں، جو اُس کی رحمت نازل ہونے کے آگے آگے ہوتی ہیں اور وہ رحمت بارش ہے، یعنی برسات کے دنوں میں ہوا چلنا اِس بات پر دلالت کرتا ہے غالبًا بارش ہوگی۔ (اور اُتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پاک کرنے کو پانی) جو پاک بھی ہے اور پاک کرنے والا بھی ہے۔

لِّنُحْیِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا وَّنُسْقِیَهٗ مِمَّا خَلَقْنَاۤ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِیَّ كَثِیْرًا ﴿٤٩﴾

تاکہ زندہ کردیں ہم اُس سے مُردہ شہر کو، اور پانی پلائیں جو ہم نے پیدا فرمارکھا ہے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو●

(تاکہ زندہ کردیں ہم اُس) پانی کے سبب (سے مُردہ) یعنی مَرے ہوئے (شہر کو)، یعنی اُس موضع کو جس میں خشک سالی تھی۔۔۔یا۔۔اُس مکان کو جو گرمی میں خشک اور بے رونق پڑا تھا۔ (اور پانی پلائیں جو ہم نے پیدا فرمارکھا ہے بہت سے چوپایوں اور انسانوں کو) یعنی بہت لوگوں کو جو جنگل میں رہتے ہیں۔

اس واسطے کہ گاؤں اور شہر والوں کے واسطے نہریں وغیرہ ہیں، کہ اُن کے سبب سے وہ مینھ کے پانی کے محتاج نہیں۔ ویسے بھی آج کل واٹر ورکس اور ٹیوب ویل کے ذریعہ شہروں میں پانی کا معقول انتظام رہتا ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَیْنَهُمْ لِیَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾

اور بے شک یہ بار بار ہم کرتے ہی رہے اُن میں، کہ وہ غور کریں۔ بہتیروں نے نہ کیا مگر ناشکری●

(اور بے شک یہ بار بار ہم کرتے ہی رہے اُن میں)، یعنی ہم اَبر و باراں کا ذکر قرآن میں مکرر رلائے، تا (کہ وہ غور کریں) اور میری قدرت کو یاد کریں اور اِس نعمت میں فکر کریں اور اس کا شکر بجالائیں، تو (بہتیروں نے نہ کیا مگر ناشکری) اور کفرانِ نعمت ہی کو قبول کیا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِیْ كُلِّ قَرْیَةٍ نَّذِیْرًا ﴿٥١﴾ فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ

اور اگر ہم چاہتے، ضرور بھیج دیتے ہر بستی میں ایک ڈرانے والا● تو کہا نہ مانو کافروں کا،

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

اور جہاد کرو اُن سے اِس قرآن سے، بڑا جہاد●

(اور) اَے محبوب! **(اگر ہم چاہتے ضرور بھیج دیتے ہر بستی میں ایک ڈرانے والا) پیغمبر۔ مگر** اَے محبوب تمہاری شان بڑی کرنے کو اور مرتبہ بلند کرنے کو ہم نے بعثت عامہ ختم کر دی اور تمہیں کو سب مسلمانوں اور سب لوگوں پر قیامت تک ہم نے پیغمبر کیا۔ **(تو) تم (کہا نہ مانو کافروں کا) جو تم کو اپنے** باپ دادا کے دین کی طرف بُلاتے ہیں، **(اور جہاد کرو اُن سے اِس قرآن سے)**۔۔یا۔۔اسلام سے ۔۔یا۔۔فتنہ دفع کرنے والی تلوار سے۔۔یا۔۔اُن کی پیروی نہ قبول کر کے **(بڑا جہاد)**، یعنی بہت بڑا اور سخت مقابلہ اسلام کی سربلندی اور اُن کے فتنوں کو ختم کر دینے کے لیے۔ حق تعالیٰ کی کیا شانِ قدرت ہے؟۔۔۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ

وہی ہے جس نے ملے جلے بہائے دو دریا، یہ میٹھا خوشگوار اور یہ نمکین تلخ۔

وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ﴿۵۳﴾

اور کر دیا اُن کے درمیان پردہ اور آڑ روک کی●

(وہی ہے جس نے ملے جلے بہائے دو دریا) یعنی اِس طرح ملا کر بہائے کہ ایک دوسرے سے مل نہیں جاتے۔ **(یہ میٹھا خوشگوار)** پانی **(اور یہ نمکین اور تلخ)**۔ یعنی دونوں دریا میں ایک دریا کا پانی میٹھا اور خوشگوار ہے، جو پیاس بجھانے والا ہے اور دوسرے دریا کا پانی کھاری اور تلخی مارتا ہوا۔ یعنی روم اور فارس کے دونوں دریا۔ **(اور کر دیا اُن)** دونوں دریاؤں **(کے درمیان پردہ اور آڑ روک کی)**۔ اپنی قدرت سے بند بندھا ہوا۔۔یا یہ۔۔بات ہم نے حرام اور ناروا کر دی کہ ایک دوسرے پر غلبہ کرے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ **عَذْبٌ فُرَاتٌ** بڑی بڑی نہریں ہیں جیسے نیل، سیحون، جیحون، دجلہ اور **مِلْحٌ اُجَاجٌ** سب دریا ہیں، اور پردہ اُن میں بیابان اور شہر واقع ہوئے ہیں۔ بعض اہلِ تحقیق اِس بات پر ہیں کہ وہ دریا 'خوف اور رجا' کے ہیں، کہ مسلمان کے دِل میں کوئی دوسرے پر غلبہ نہیں رکھتا، کہ اگر ایمان دار کے خوف اور رجا دونوں تُولے جائیں تو برابر نکلیں، اور برزخ 'حمایتِ الٰہی' اور 'عنایتِ نامتناہی' ہے۔ قدرتِ الٰہی کے بیان کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے۔۔۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ط

اور وہی ہے جس نے پیدا فرمایا پانی سے بشر کو، پھر کر دیا اُسے نسل والا اور سسرال والا۔

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِیْرًا ﴿٥٤﴾

اور تمہارا رب قدرت والا ہے●

(اور) واضح کیا جارہا ہے کہ (وہی ہے جس نے پیدا فرمایا پانی سے بشر کو) یعنی آدم علیہ السلام کو۔ پانی سے اُن کی مٹی کو خمیر کیا۔۔ چنانچہ۔۔ وہ پانی اُن کے مادہ کا ایک جزء ہے۔۔ یا یہ کہ۔۔ پیدا کیا آدمی کو آبِ منی سے، (پھر کر دیا اُسے نسل والا اور سُسرال والا) صِهْرًا اور 'نسب' میں فرق یہ ہے، کہ نسب کا رجوع آباء کی جہت سے ولادتِ قریبہ کی طرف یعنی باپ کی طرف ہوتا ہے اور صِهْرًا وہ رشتہ ہے جو تزویج اور نکاح کی وجہ سے وجود میں آتا ہے، یعنی سُسرالی رشتے۔ (اور تمہارا رب قدرت والا ہے) یعنی لڑکے اور لڑکیاں پیدا کرنے پر قادر ہے۔

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُهُمْ وَلَا یَضُرُّهُمْ ط

اور کافر لوگ پوجتے ہیں من دونِ اللہ کو، جو نہ اُن کا بنا سکیں اور نہ بگاڑ سکیں۔

وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰی رَبِّهٖ ظَهِیْرًا ﴿٥٥﴾

اور کافر اپنے پروردگار کے خلاف مددگار رہے●

(اور کافر لوگ) بھی عجیب ہیں جو اُس قادرِ مطلق کو چھوڑ کر (پوجتے ہیں من دونِ اللہ کو) جنہیں اُن لوگوں نے خدا کا مدِّ مقابل سمجھ رکھا ہے، اور وہ ایسے کمزور و ناتواں ہیں (جو نہ اُن کا بنا سکیں) یعنی کچھ فائدہ دے سکیں اگرچہ وہ اُس کو پوجتے رہیں۔ (اور نہ) ہی اُن کا کچھ (بگاڑ سکیں) اگر وہ اُسے نہ پوجیں۔ اِس سے بت مراد ہیں۔۔ یا۔۔ ہر وہ معبود مراد ہے، جو خدا کے سوا ہو، اور خدا کا باغی ہو۔ (اور کافر اپنے پروردگار کے خلاف) اپنے رب کی نافرمانی پر (مددگار رہے) شیطان کا اور اس کی پشت پناہی کر رہا ہے۔ اَے محبوب! تم اِن سرکشوں کی سرکشی اور نافرمانی پر آزردہ خاطر نہ ہو، اُنہیں راہِ راست اور منزلِ مقصود تک پہنچا دینا آپ کی ذمہ داری نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا ﴿٥٦﴾ قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ

اور نہیں بھیجا ہم نے تم کو، مگر خوشخبری سناتا اور ڈراتا● اعلان کر دو کہ "میں نہیں مانگتا تم سے

مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٥٧﴾

اس پر کوئی مزدوری، مگر جو چاہے کہ بنالے اپنے رب کی طرف راستہ"●

(اور نہیں بھیجا ہے ہم نے تم کو مگر خوشخبری سناتا اور ڈراتا)۔ تو آپ ایمان والوں کو ثوابِ الٰہی کی خوشخبری دیں اور عذابِ ناتمنا ہی سے کافروں کو ڈرائیں۔ اور اَے محبوب! تم (اعلان کردو کہ میں نہیں مانگتا تم سے اِس) تبلیغِ احکام (پر کوئی مزدوری، مگر جو چاہے کہ بنالے اپنے رب کی طرف راستہ)۔ اپنے رب کی رضامندی اور قرب کی طرف راہ، یعنی مؤمنوں کا ایمان اور طاعت میری اُجرت ہے۔ اِس واسطے کہ اِس بات پر میرے واسطے خدا کے یہاں اجر اور ثواب مقرر ہے۔ اور یہ بات ثابت ہے کہ ہر پیغمبر کو اُس کی امت کے عابدوں اور صالحوں کے برابر ثواب ملے گا۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۚ وَكَفٰى بِهٖ

اور بھروسہ کرو اُس زندہ پر، جو مَرے گا ہی نہیں۔ اور پاکی بولو اُس کی حمد کے ساتھ۔ اور اپنے بندوں کے

بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٨﴾ۛ

گناہوں پر وہ کافی خبردار ہے●

(اور) اَے محبوب! اِس اُجرت طلبی پر بھی (بھروسہ کرو اُس زندہ پر جو مَرے گا ہی نہیں)۔ اس واسطے کہ جو شخص اُور زندوں پر بھروسہ کرتا ہے، تو جب وہ مَر جاتے ہیں تو یہ بھروسہ کرنے والا بے نصیب رہ جاتا ہے۔ (اور پاکی بولو اُس) لائقِ بھروسہ ذات (کی حمد کے ساتھ)، یعنی پاکی کے ساتھ یاد کرو خدا کو نقصان کی صفتوں سے، اِس حال میں کہ اُس کی تعریف کرنے والا ہو اوصافِ کمال کے ساتھ۔ (اور) بلاشبہ (اپنے بندوں کے گناہوں پر وہ) قادرِ مطلق اور علیم وخبیر (کافی خبردار ہے)۔ بندوں کے سارے پوشیدہ اور آشکارا گناہ اُس پر ظاہر ہیں۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، اور جو اُن کے درمیان ہے، چھ دنوں میں۔ پھر توجہ کی

عَلَى الْعَرْشِ ۛ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٩﴾

عرش پر۔ اللہ مہربان، تو اُس کو پوچھو کسی باخبر سے●

(جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو) اپنی قدرتِ بے عجز سے (اور) پیدا فرمایا وہ (جو

اُن کے درمیان ہے) ہوا، پانی، آگ، خاک، نباتات، جمادات اور حیوانات وغیرہ (چھ دنوں) کی مقدار (میں) دُنیا کے دنوں میں سے۔ (پھر توجہ کی عرش پر) یعنی پھر غالب ہوا اُس کا حکم عرشِ مجید پر جو سب مخلوقات میں بڑا ہے۔۔۔ (اللہ) تعالیٰ (مہربان، تو اُس کو پوچھو کسی باخبر سے)، یعنی اُس کی ذات وصفات کے تعلق سے معلومات حاصل کرنے لیے کسی خبر رکھنے والے سے دریافت کرو۔۔یا۔۔ اُس کے پیدا کرنے اور غالب آنے کا حال اُس سے پوچھو جو جانتا ہو۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ق

اور جب حکم دیا گیا اُنہیں کہ "سجدہ کرو اللہ مہربان کا" جواب دیا کہ "اللہ مہربان کون؟"

اَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ ﴿٦٠﴾

کیا ہم سجدہ کریں جس کا تم ہمیں حکم دے دو؟ اور بڑھ گئی اُن کی نفرت●

(اور) اِن مشرکین کا تو حال یہ ہے کہ (جب حکم دیا گیا اُنہیں کہ سجدہ کرو اللہ) تعالیٰ (مہربان) یعنی رحمٰن (کا)، تو انہوں نے (جواب دیا، اللہ) تعالیٰ (مہربان کون؟)۔ یعنی رحمٰن ایسا نام ہے کہ اس نام والے کو ہم نہیں پہچانتے۔

اِس واسطے کہ کافر لوگ خدا کو رحمٰن کے نام سے نہیں جانتے تھے۔

تو جب سجدہ کرنے کا حکم ہوا، تو بولے کہ ہم رحمٰن کو نہ جانتے ہیں نہ پہچانتے ہیں، تو (کیا ہم سجدہ کریں جس کا تم ہمیں حکم دے دو)۔۔الغرض۔۔جس کو ہم رحمٰن کے نام سے جانتے پہچانتے ہی نہیں تمہارے کہنے سے ہم اُس کا سجدہ کرنے والے نہیں ہیں۔۔الغرض۔۔اُنہوں نے سجدہ کرنے سے انحراف کیا۔ رحمٰن۔۔یا۔۔رحمٰن کو سجدہ کرنے کے حکم نے اُنہیں گریز پر آمادہ کیا، (اور بڑھ گئی اُن کی نفرت)۔۔ لہٰذا۔۔وہ ایمان اور راہِ حق سے اُور بھی دُور بھاگ گئے۔

حضرت امام اعظم کے قول پر یہ ساتواں سجدہ ہے اور حضرت امام شافعی کے نزدیک آٹھواں[۸]۔

'فتوحات' میں لکھا ہے کہ یہ سجدہ نفور اور انکار کا سجدہ ہے، اور فرمایا کہ مؤمن جب یہ آیت پڑھ کر سجدہ کرتا ہے تو بھاگنے والوں اور انکار کرنے والوں سے ممتاز یعنی الگ ہو جاتا ہے، تو اِس سجدہ کو 'سجدۂ امتیاز' بھی کہہ سکتے ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا وَّ قَمَرًا مُّنِیْرًا ﴿٦١﴾

بڑی برکت کا ہے جس نے بنایا آسمان میں بُرجوں کو، اور کر دیا اُس میں چراغ، اور چمکیلا چاند●

(بڑی برکت کا) اور بڑا ہی بزرگ (ہے) وہ خدا (جس نے) اپنی قدرتِ کاملہ سے (بنایا) اور پیدا فرمایا (آسمان میں) بارہ[1] (بُرجوں کو)۔۔یا۔۔بارہ[2] مکان عالی شان، کہ اُن کی حقیقت اُس کے سوا اُور کوئی نہیں جانتا، (اور کر دیا اُس میں) یعنی آسمانوں میں۔۔یا۔۔بُرجوں میں (چراغ) اور وہ آفتاب ہے، (اور چمکیلا چاند) جو روشن بھی ہے اور روشن کرنے والا بھی۔۔اور۔۔

وَ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾

وہی جس نے کر دیا رات اور دن کو ہر ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے اُس کے لیے جو غور کرنا چاہے، یا شکر ادا کرتا ہو●

(وہی) ہے (جس نے) اپنی حکمتِ کاملہ سے (کر دیا رات اور دن کو ہر ایک دوسرے کے پیچھے پیچھے)، یعنی آنے جانے میں ایک کو دوسرے کے پیچھے۔۔یا۔۔صفات واحوال میں ایک دوسرے کے مخالف۔۔یا۔۔ہر ایک اِس حیثیت سے ایک دوسرے کا نائب وخلیفہ ہے، کہ اگر کسی کے دن کے وظائف وعبادات کے معمولات میں کبھی کوئی کمی رہ جائے۔۔یا۔۔وہ اُنہیں دن میں حسبِ معمول نہ کر سکے تو پھر وہ اُسے رات میں پورا کر لے۔۔یا۔۔رات کی کمی کو دن میں پورا کر لے، تو یہی سمجھا جائے گا کہ اُس نے اپنے وظائف واذکار کو اپنے روزمرہ کے معمول کے مطابق ہی ادا کیا ہے۔

یہ لیل ونہار کی گردش اور یہ ایک حال سے دوسرے حال میں پھیرنا، دلیل ہے (اُس کے لیے جو غور کرنا) اور یاد کرنا (چاہے) عجیب عجیب قدرتوں اور طرفہ طرفہ خلقتوں کو، جو رات دن کے پیدا کرنے میں ہیں۔ (یا شکر ادا کرتا ہو)، یعنی شکر گزاری چاہتا ہو حضرتِ باری کی نعمتوں پر، کیونکہ رات دن کا آگے پیچھے آنا بھی اُن نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ یہ فکر ونظر سے کام لینے والے۔۔۔

وَ عِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَهُمُ

اور اللہ رحمٰن کے بندے جو چلیں زمین پر دبے لیے، اور جب چھیڑا اُن کو

الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾

جاہلوں نے، تو بولے، "سلام لو سلام"●

(اوراللہ) تعالیٰ (رحمٰن کے) شکرگزار (بندے) ایک خاص فضیلت والے ہیں۔ جس طرح 'رحمٰن' نام حق تعالیٰ کے واسطے خاص ہے، اُسی طرح یہ بندے بھی اُس کی بارگاہِ قرب کے خاص لوگ ہیں، اور یہ بندے وہ ہیں (جو چلیں زمین پر دبے پاؤں) فروتنی کی راہ سے ۔۔یا۔۔ وقار کے ساتھ ۔۔یا۔۔ چلتے ہیں بُردباروں اور نکوکاروں کی طرح۔ (اور جب چھیڑا اُن کو جاہلوں نے) اور اُن سے بے اَدبانہ بات کی، (تو بولے) وہ خاص بندے جواب میں، (سلام لو سلام)۔ یعنی ایسی بات کہتے ہیں جس میں گناہ سے سلامت رہیں۔

اس سے مراد یہ ہے کہ وہ خاص بندے احمقوں سے تعرض نہیں کرتے اور اُن سے نہیں لڑتے جھگڑتے۔ خلق کے ساتھ اِن خاص بندوں کا معاملہ جو 'حالتِ صحت' میں ہوتا ہے جب اُس کی خبر دے چکا، تو اب حق تعالیٰ کے ساتھ 'حالتِ خلوت' میں جو اِن کا معاملہ ہے اِس دوسری آیت میں اُس کی خبر دیتا ہے۔۔۔

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾

اور جو رات گزاریں اپنے پروردگار کے لیے سجدہ کرتے قیام کرتے●

(اور) فرماتا ہے رحمٰن کے یہ خاص بندے وہ ہیں، (جو رات گزاریں اپنے پروردگار کے لیے سجدہ کرتے قیام کرتے)، یعنی اپنے رب کے لیے شب بسر کرتے ہیں اور عبادت کرتے ہوئے حالتِ نماز میں کبھی سجدہ کرتے ہیں اور کبھی قیام کرتے ہیں۔

'قعدہ' قیام میں شامل ہے، اس لیے کہ بیٹھ کر پڑھی جانے والی نمازوں میں 'قعدہ' ہی قیام کا قائم مقام ہے۔۔یوں ہی۔۔ رکوع سجدہ میں داخل ہے، اِسی لیے کہ اَز روئے لغت سجدہ کا معنیٰ 'انحناء' بھی قرار دیا گیا ہے جو رکوع ہی کی شکل ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٦٥﴾

اور جو دُعا کریں کہ "پروردگارا پھیر دے ہم سے جہنم کا عذاب" کہ بلاشبہ اُس کا عذاب اُن چھٹ ہے●

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴿٦٦﴾

بے شک وہ بُرا ٹھکانہ اور جگہ ہے●

(اور) وہ خاص بندے وہ ہیں (جو) کہ باوصف اِس کے کہ طاعت میں کوشش کرتے ہیں

اور دن بھر خشوع میں اور رات بھر خضوع میں رہتے ہیں، پھر بھی (دُعا کریں) خوف کی راہ سے (کہ پروردگارا! پھیر دے ہم سے جہنم کا عذاب)، کیوں (کہ بلاشبہ اُس کا عذاب اَن چھٹ ہے)، یعنی دائم اور لازم اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اور (بے شک وہ بُرا ٹھکانہ اور جگہ ہے) یعنی بُری قرار گاہ اور بُری جگہ رہنے کی ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿٦٧﴾

اور جنہوں نے جب خرچ کیا، تو نہ فضول خرچی کی اور نہ کم خرچی کی، اور رہے درمیانی اعتدال میں●

(اور) یہ رحمٰن کے بندے وہ ہیں (جنہوں نے جب خرچ کیا، تو نہ فضول خرچی کی اور نہ) ہی (کم خرچی کی)۔۔الغرض۔۔اُنہوں نے نہ اسراف کیا اور نہ حد سے بڑھایا، یعنی نہ گناہوں میں اور حرام کاموں میں صَرف کیا، اور نہ ہی بخل سے کام لیا۔ یعنی اللہ کا مقرر کیا ہوا حق مستحق سے نہ روکا، بلکہ اُس تک پہنچانے کی کوشش کرتے رہے۔ (اور) خرچ کرنے میں وہ لوگ (رہے درمیانی اعتدال میں) یعنی اسراف اور بخل کے درمیان میں۔۔الغرض۔۔اعتدال کی راہ چلے اور دونوں طرف یعنی اسراف اور بخل سے جو کہ مذموم ہیں بچتے رہے۔

روایت ہے کہ بعض مشرکوں نے جنابِ رسالت مآب کی خدمت میں عرض کی، کہ اَے محمد 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' ہم نے شرک کیا اور خونِ ناحق بہت کیے اور بدکاری اور دوسرے بُرے کام ہم سے صادر ہوئے، تو جس خدا کی عبادت کی طرف تم ہمیں پکارتے ہو، اگر وہ خدا ہمارے گناہوں سے دَرگزر رے تو ہم ایمان لاسکتے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی جس کے ذریعہ مختلف گناہوں میں ملوث رہنے والوں کو سلامتی و نجات کی ایک راہ دکھائی گئی ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ

اور جو نہ دُہائی دیں اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی، اور نہ مار ڈالیں کسی ایسی جان کو کہ حرمت دی جس کی اللہ نے،

اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿٦٨﴾

مگر حق کے ساتھ، اور نہ بدکاری کریں۔ اور جو ایسا کرے گا وہ سزا بھگتے گا●

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ رحمٰن کے مخصوص بندے وہ ہیں، (جو نہ دُہائی دیں اللہ) تعالیٰ (کے

ساتھ کسی دوسرے معبود کی)، بلکہ صرف خدائے برحق ہی کو پوجیں۔(اور نہ مارڈالیں کسی ایسی جان کو کہ حُرمت دی جس کی اللہ) تعالیٰ (نے) یعنی مؤمن اور کافر ذمی مطیع الاسلام کی جان، (مگر حق کے ساتھ)۔ یعنی اُن باتوں پر جن کے سبب سے قتل کرنا شرعاً درست ہے، جیسے مرتد ہوجانا، زنا اور قتلِ ناحق اور زمین میں فساد کی کوشش کرنا۔(اور) یہ بندگانِ خاص جن کا اوپر ذکر ہوا ہے، ایسے خوش خصال ہیں کہ (نہ) ہی (بدکاری کریں۔ اور جو ایسا کرے گا) یعنی اُن کبیرہ گناہوں کا ارتکاب جن کا ذکر اُوپر ہوا ہے، تو (وہ سزا بھگتے گا)۔ کیونکہ اور گناہوں کی اصل یہی تین[۳] گناہِ کبیرہ ہیں۔

--چنانچہ-- صحیحین میں حضرت ابن مسعود سے منقول ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا گناہ بہت بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا، یہ کہ تُو خدا کا شریک ٹھہرائے، حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا۔ میں نے عرض کیا کہ پھر دوسرا بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا کہ روٹی دینے کے خوف سے اپنے فرزند کو تُو قتل کرے۔ پھر میں نے کہا اُور بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا کہ اپنی پڑوسی عورت سے تُو گناہ کرے، تو رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی تصدیق کے واسطے یہ آیت نازل ہوئی، کہ نیک بندے شرک نہیں کرتے اور قتلِ ناحق اور زنا کے مرتکب نہیں ہوتے۔ اور جو ایسا کرے گا وہ اپنے گناہوں کی جزا دیکھے گا۔

آیت میں 'اثام' کا لفظ ہے، اِس کی ایک تفسیر وہی ہے جو اُوپر کی جاچکی۔ بعضوں نے کہا کہ 'اثام' ایک میدان ہے دوزخ میں، کہ زناکاروں پر اُس میدان میں عذاب کریں گے۔ --یا-- 'اثام' ایک چیز ہے کہ خون پیپ کی طرح دوزخیوں کے جسم سے بہتی ہے --یا-- 'اثام' اور 'غی' دوزخ میں دو کنویں ہیں۔ ایک گروہِ مقرر کے عذاب کے واسطے---

يُضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ﴿٦٩﴾ اِلَّا مَنْ

بڑھایا جائے گا اس کا عذاب قیامت کے دن، اور ہمیشہ رہے گا اُس میں ذلیل ● مگر جس نے

تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ

توبہ کی، اور ایمان قبول کرلیا، اور نیک کام کیے، تو وہ ہیں کہ بدل کر کردے گا اللہ اُن کے گناہ کو نیکیاں۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٧٠﴾

اور اللہ غفور رحیم ہے ●

(بڑھایا جائے گا اُس کا عذاب قیامت کے دن اور ہمیشہ رہے گا اُس میں ذلیل) یعنی اِس

حال میں کہ وہ ذلیل اور بے اعتبار ہوگا۔ (مگر جس نے توبہ کی) شرک سے، (اور) خدا اور سول پر (ایمان قبول کرلیا اور نیک کام کیے، تو وہ ہیں کہ بدل کردے گا اللہ) تعالیٰ (اُن کے گناہ کو نیکیاں)۔ یعنی اگلے گناہ توبہ کے سبب سے محو کرتا ہے اور نئی عبادتیں اُن کی جگہ پر قائم کرتا ہے۔۔یا۔۔نفس میں جو گناہ کا ملکہ ہے اُسے عبادت کے ملکہ سے بدل دیتا ہے۔۔یا۔۔پہلے جو بُرے کام اُس سے وقوع میں آئے، اس کے خلاف جو نیک کام ہیں، اُن کی توفیق دیتا ہے۔۔یا۔۔دُنیا میں اُس کے کفر کو ایمان سے بدل دیتا ہے اور آخرت میں اُس کے گناہ نیکیوں سے بدل دیتا ہے۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو؟ اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے، یعنی توبہ کے سبب سے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور (رحیم ہے)، یعنی اُن کے دِل میں توبہ ثابت رکھ کر اُن پر مہربان ہے۔

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا ﴿٧١﴾

اور جس نے توبہ کی اور لیاقت کے کام کیے، تو بے شک اُس نے اللہ کی توبہ کی، جیسی چاہیے●

(اور جس نے) اُن تین کبیرہ گناہوں کے سوا اپنے دوسرے گناہوں سے بھی (توبہ کی اور لیاقت کے کام کیے)، یعنی جو کام فوت ہوئے اُس کا بدلا کردے، (تو بے شک اُس نے اللہ) تعالیٰ (کی توبہ کی جیسی چاہیے)۔ یعنی توبہ کا اور اللہ کی طرف رجوع کا جو حق ہے اُس نے ادا کردیا، تو خدا کی طرف اُس کا رجوع ایک اچھا اور عمدہ رجوع ہے۔

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴿٧٢﴾

اور جو نہ گواہی دیں جھوٹی، اور جب گزرے کسی بے کار شغل پر، تو گزر گئے عزت آبرو رکھے●

(اور) یاد رکھو کہ خدا کے خاص بندے وہ ہیں (جو نہ گواہی دیں جھوٹی)۔۔یا۔۔مشرکوں اور یہود ونصاریٰ کی عیدگاہوں میں۔۔یا۔۔اُن کے میلوں میں۔۔یا۔۔ناچ گانے کی محفلوں میں۔۔یا۔۔بدعتیوں کی صحبت میں حاضر نہ ہوں۔ (اور جب گزرے کسی بے کار شغل پر، تو گزر گئے عزت آبرو رکھے) بزرگوں اور پرہیزگاروں کی طرح۔۔یا۔۔اُس سے منع کرتے ہوئے اور ہدایت کے پھول برساتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا ﴿٧٣﴾

اور وہ کہ جب یاد دلائی گئیں اُنہیں اُن کے رب کی آیتیں، تو نہیں پھٹ پڑتے اُس پر بہرے اندھے●

(اور) بندگانِ حق (وہ) ہیں (کہ جب یاد دلائی گئیں اُنہیں اُن کے رب کی آیتیں، تو نہیں پھٹ پڑتے اُس پر بہرے) اور (اندھے)۔ یعنی جب انہیں قرآنی نصیحتوں کو سنایا گیا تو ایسا نہیں ہوا کہ وہ منہ کے بل گر پڑتے اُس پر بہروں کی طرح کہ اُس کے اسرار نہ سنیں۔۔یا۔۔اندھوں کی طرح کہ اُس کے انوار نہ دیکھیں، بلکہ انہوں نے گوشِ ہوش سے سنا اور چشمِ بصیرت سے اُس کے جمال کے جلوے دیکھے۔۔الحاصل۔۔آیاتِ الٰہی سے غفلت نہیں کی۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ

اور جو دُعا کرتے رہیں کہ "پروردگارا دے ہمیں ہماری بیبیوں سے، اور ہماری اولاد سے، آنکھوں کی ٹھنڈک،

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ﴿٧٤﴾

اور بنادے ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا"●

(اور) یہ وہ لوگ ہیں بارگاہِ خداوندی میں (جو دُعا کرتے رہیں) ہیں (کہ "پروردگارا! دے ہمیں ہماری بی بیوں سے اور ہماری اولاد سے) وہ، جو ہماری (آنکھوں کی ٹھنڈک) ہو۔"

اِس سے اچھی اولاد اور نیک بی بیاں مراد ہیں۔ جب مسلمان اپنے جورُو اور لڑکوں کو زندگی میں نیک پاک دیکھتا ہے، تو اُس کا دل خوش اور آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔

(اور بنادے ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا)، یعنی ہمیں ایسا پرہیزگار کردے کہ پرہیزگاروں کی امامت کے لائق ہوجائیں۔ اور تقویٰ کی زندگی گزارنے کی خواہش رکھنے والے ہمارے پرہیزگاری کے اعمال کی پیروی کریں۔ یہ لوگ جن کا ذکر ہوا۔۔۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ﴿٧٥﴾

وہ ہیں کہ بدلہ دیے جائیں گے خاص بالاخانہ جو صبر کرتے رہے، اور استقبال اُن کا کیا جائے گا مُجرے اور سلامی سے●

(وہ ہیں کہ بدلہ دیے جائیں گے) بہشت میں (خاص بالاخانہ)۔ یعنی بہشت میں اُن کو بلند مقام ملے گا۔

بعضوں نے کہا کہ غُرْفَةٌ ایک نام ہے بہشت کے ناموں میں سے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ غُرْفَةٌ کوٹھے ہیں چار ستونوں پر رکھے ہوئے سونے چاندی، موتی مونگے کے۔

اور ایسے مکان اُن لوگوں کو دیں گے (جو صبر کرتے رہے)۔ بسبب اِس کے کہ اُنہوں نے

صبر کیا دُنیا میں مشقت پر اور کافروں کی ایذاء پر، اور مزے کی چیزیں چھوڑنے پر۔۔یا۔۔فقیری محتاجی پر ۔۔یا۔۔فرض ادا کرنے پر، (اور استقبال اُن کا کیا جائے گا مجرے اور سلامی سے)۔زندگی لازوالی اور آفتوں سے سلامتی۔۔یا۔۔زندگی اور سلامتی کی دُعا سنیں گے۔۔یا۔۔فرشتے ان پر تحیت اور سلام کہیں گے ۔۔یا۔۔تحیت فرشتوں سے پائیں گے اور سلام حق تعالیٰ سے سنیں گے۔اِسی شان کے ساتھ۔۔۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۷۶﴾

ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔ کتنا اچھا ٹھکانہ اور مقام ہے●

(ہمیشہ رہنے والے ہیں اُس میں) یعنی بہشت میں ۔۔یا۔۔مدام رہیں گے تحیت اور سلام میں۔(کتنا اچھا ٹھکانہ اور مقام ہے) یہ بہشت، اور کیا شان ہے اُس میں تحیت وسلام کی۔

اب آگے کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کو یہ خبر دی ہے کہ اگر تم ایمان نہ لائے اور تم نے اپنی حاجات میں اللہ کو نہ پکارا، اور تم مسلسل اُس کی تکذیب کرتے رہے، تو پھر اللہ تعالیٰ کو بھی تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا۔اگر انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کریں، تو پھر اُن میں اور جانوروں، درختوں اور پتھروں میں کیا فرق ہے۔

۔۔نیز۔۔اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ کی طرف رسول بھیج کر انہیں اپنی توحید اور اپنی عبادت کی دعوت دی اور اُنہوں نے اِس رسول کی تکذیب کی اور اِس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا۔اب یہ تکذیب اُن کو لازم رہے گی اور اُن کو توبہ کی توفیق نہیں دی جائے گی، یہاں تک کہ اُن کو اُن کے اعمال کی سزا دی جائے۔۔الخضر۔۔اُنہیں ہمیشہ عذاب ہوگا۔حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا اِس سے مراد وہ عذاب ہے، جو اہلِ مکہ کو جنگِ بدر کے دن دیا گیا۔اُن کے ستر افراد کو قتل کیا گیا اور ستر افراد کو قید کیا گیا، اور اُس عذاب کے ساتھ آخرت کا عذاب بھی اُس کے ساتھ متصل اور لازم ہے۔

اِس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اُن ہی بندوں کی طرف توجہ اور التفات فرماتا ہے جو اُس کی عبادت کرتے ہیں، اُس سے دُعا کرتے ہیں اور اُس کو پکارتے ہیں، اُس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں، اُس کے آگے سرِ اطاعت خم کرتے ہیں اور اُسی کے آگے اپنی جبینِ نیاز جھکاتے ہیں اور اُسی کے نام کی مالا جپتے ہیں۔اور جو اُس کو یاد نہیں

کرتے، نہ اس کو پکارتے ہیں، نہ اس کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں، بھلا اُس بے نیاز ذات کو ایسے لاتعلق رہنے والوں، منحرف سرکش لوگوں کی طرف التفات اور توجہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔تو۔۔۔

اَے محبوب۔۔۔

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ

کہہ دو کہ "کچھ پرواہ نہیں تمہاری میرے رب کو، اگر نہ تمہاری عبادت ہو۔ کہ بلاشبہ تم تو جھٹلا چکے ہو،"

فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾

تو جلد ہی عذاب گلے لگے گا●

(کہہ دو) مکہ کے لوگوں سے (کہ کچھ پرواہ نہیں تمہاری میرے رب کو، اگر نہ تمہاری عبادت ہو)۔اس واسطے کہ آدمی کی خوبی معرفت اور عبادت میں ہے۔اَے کافرو تم کسی التفاتِ خاص کے مستحق نہیں، کیوں (کہ بلاشبہ تم تو جھٹلا چکے ہو) رسول کو اور خدا کی عبادت میں تقصیر کی ہے، (تو جلد ہی عذاب گلے لگے گا)، ایسا کہ اُس سے چھٹکارا بھی نہ مل سکے گا۔۔الختصر۔تمہاری تکذیب کا وبال اُس وقت تک رہے گا جس وقت تک دوزخ میں تم کو نہ پہنچائے اور وہاں بھی تم کو نہ چھوڑے گا۔

بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۱۴ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۵ اگست ۲۰۱۱ء

بروز دوشنبہ، سورۃ الفرقان کی تفسیر مکمل ہوگئی۔دعا گوہوں

کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی توفیق رفیق

مرحمت فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

اٰمِیْن یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ

وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بفضلہٖ تعالیٰ وبعونہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۱۵ رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۶ اگست ۲۰۱۱ء

بروز سہ شنبہ، سورۃ الشعراء کی تفسیر کا آغاز کر دیا ہے۔

مولیٰ تعالیٰ اس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت

مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظتِ خاص میں رکھے۔

آمِیْن یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ وَبِحُرْمَةِ

سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

سُوْرَةُ الشُّعَرَآءِ ٢٦ مَكِّيَّة ٤٧ — اٰيَاتُهَا ٢٢٧ رُكُوْعَاتُهَا ١١

سُوْرَةُ الشُّعَرَآء

سورۂ شعراء۔۔۲۶ مکیہ ۴۷ — آیا تہا ۲۲۷۔۔رکوعاتہا ۱۱

وہ سورۂ مبارکہ جس کو 'الشعراء' کے نام سے متعارف کرایا گیا ہے، اس لیے کہ قرآنِ کریم میں 'الشعراء' کا لفظ ایک ہی بار استعمال فرمایا گیا ہے، اور وہ بھی اِسی سورت میں۔ اِس سورت کا نام طٰسٓمٓ بھی ہے، لیکن زیادہ مشہور 'الشعراء' ہے۔ احادیث وآثار میں اِن دونوں ناموں کا ذکر ہے۔۔نیز۔۔اِس سورت کو سورۃ الفرقان کے بعد رکھا گیا، اس واسطے کہ سورۃ الفرقان اور سورۃ الشعراء دونوں سورتوں کی اِبتداء قرآنِ مجید کی تعظیم سے ہوئی ہے۔ اور دونوں سورتوں کی اِنتہاء کافروں کی مذمت اور مومنوں کی مدح پر ہوئی ہے۔

۔۔علاوہ ازیں۔۔حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت نوح، عاد، ثمود، اصحاب الرس، جن کا ذکر سورۃ الفرقان میں اجمالی طور پر تھا، اِس سورت میں اُن کو تفصیلاً بیان کیا گیا ہے۔ ۔۔نیز۔۔بعض دیگر انبیاء علیہم السلام اور اُن کی امتوں کا بھی اِس سورت میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اُن سورتوں میں سے ہے جو صرف ہمارے رسول ﷺ کو عطا فرمائی گئیں۔ آپ سے پہلے اِن کو کسی نبی نے نہیں پڑھا۔ ایسی باعظمت اور رفیع الشان سورۂ مبارکہ کو ۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۲﴾

ط س م ● یہ آیتیں ہیں روشن کتاب کی●

(طٰسٓمّٓ)

اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔

۔۔یا۔۔ یہ قرآن کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔۔یا۔۔ اِسی سورت کا نام ہے۔۔یا۔۔ اللہ تعالیٰ نے اِس کے ذریعہ اپنی بلندی، اپنی قوت اور اپنی سلطنت کی قسم ارشاد فرمائی ہے۔۔یا ۔۔طاء سے طاہر، سین سے ساتر، اور میم سے مجید کی طرف اِشارہ ہے۔۔یا۔۔ طاء سے طوبیٰ، سین سے سدرۃ المنتہیٰ اور میم سے محمد ﷺ کی طرف اِشارہ ہے۔۔یا۔۔ طاء سے 'طلبِ مبتدیان'، سین سے 'سرورِ متوسطان' اور میم سے 'مشاہدۂ منتہیان' کی طرف اِشارہ ہے۔۔ الغرض۔۔ اِن حروفِ مقطعات کے ہر ہر حرف سے اپنی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، جو ان کا نازل فرمانے والا ہے۔۔یا۔۔ اُسی کے بتانے سے اُس کا محبوب جانے جس پر یہ حروف نازل ہوئے ہیں ۔۔یا۔۔ خدا اور محبوبِ خدا کے علم دینے سے، وہ محبوبین بھی جانیں جن کو اسرارِ خداوندی سے باخبر کرنے کے لیے اِن کو نازل فرمایا گیا ہو۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حق جل جلالہ اپنی طہارتِ عزتِ ازلی اور سنائے جبروتِ ابدی اور مجدِ جلالِ سرمدی کی قسم ارشاد فرما کر فرماتا ہے، کہ۔۔۔

(یہ) سورہ (آیتیں ہیں روشن کتاب کی) یعنی قرآن کی، کہ اِس میں حلال و حرام کے احکام کھلے ہوئے ہیں۔۔یا۔۔ قرآنِ شریف حق اور باطل کو ظاہر کرتا ہے اور ہدایت کے مقدموں اور ضلالت کے نتیجوں کو کھول دیتا ہے۔

اور چونکہ قریش ایسی کتاب کی تکذیب کر کے ایمان نہ لائے اور حضرت ﷺ اُن کے ایمان کے بہت حریص تھے، تو اُن کی یہ تکذیب آپ کے دِلِ مبارک پر بہت گراں گزری، تو حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے یہ آیت بھیجی، کہ۔۔۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۳﴾

کیا تم کہیں کھیل جاؤ گے اپنی جان پر، کہ یہ کافر لوگ نہیں مانتے؟●

(کیا تم کہیں کھیل جاؤ گے اپنی جان پر کہ یہ کافر لوگ) قرآن کو (نہیں مانتے) اور اس پر ایمان نہیں لاتے۔ تو اَے محبوب! آپ اپنے اُوپر شفقت کیجیے اور بلاوجہ حزن سے اپنے آپ کو نہ ماریے،

یعنی آپ تسلی کیجیے اور اپنی حالت ویسی نہ بنالیجیے جیسی جان کی بازی لگانے والے بنالیتے ہیں، اَے محبوب آپ اِس خوف سے جان کی بازی لگارہے ہیں، یعنی اپنے دِل کو صدموں اور غموں کے بوجھ کے نیچے دبا رکھا ہے کہ قریش ایمان نہیں لا رہے ہیں، ایسے موقع پر خوف وحزن غیر مفید ہوتا ہے، جب کہ اُن کے لیے مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ یہ ایسے ہیں جیسے کہ تم آزما چکے ہو، کہ اِن کو قرآنِ مجید کی نصیحتیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں، اس واسطے آپ غم نہ کھایئے۔

بعض عارفین نے کہا کہ اِس آیت کا حاصلِ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا، کہ اَے محبوب! یہ لوگ بیگانے اور میرے قہر وغضب کے مارے ہوئے اور راندۂ درگاہ ہیں۔۔لہٰذا۔۔آپ اِن کی فکر نہ کیجیے، اور اِن کے ساتھ دِل نہ لگایئے اور نہ ہی اِن کے اِنکار پر تشویش کیجیے، اِنہیں ہمارے حکم کے سپرد کر دیجیے اور خود میرے ساتھ مشغول ہو جایے۔

اَے محبوب!۔۔۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝۴

اگر ہم چاہتے تو اُتار دیتے اُن پر آسمان سے کوئی نشانی، کہ اُن کی اونچی اونچی گردن، جھکی رہ جاتی ●

(اگر ہم چاہتے تو اُتار دیتے اُن پر آسمان سے کوئی نشانی) جو دلیل بن کر اُنہیں ایمان پر مجبور کر دیتی۔ جیسے ملائکہ کا نزول۔۔یا۔۔کوئی آفت جو اُنہیں تباہ و برباد کر ڈالتی، جیسے آثارِ قیامت کا کوئی نشان، تا (کہ اُن کی اونچی اونچی گردن جھکی رہ جاتی) اور اُن کے لیے ایمان لائے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔ پھر اُن میں کوئی ایسا نہ رہ جاتا جس کا قلب معصیت وسرکشی کی طرف مائل ہو، لیکن ہم ایسا نہیں کرتے، کیونکہ اُس ایمان کا کوئی اِعتبار نہیں جو قہر وغلبہ سے مجبور کر کے منوایا جائے جیسے کہ قیامت کے دن اُن کا ایمان لانا اُن کے لیے غیر مفید ہوگا۔

۔۔الختصر۔۔جبری ایمان اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اُس کی مصلحت کے خلاف ہے، پھر اللہ کو کیا ضرورت ہے کہ لوگوں کو جبراً مومن بنائے۔ وہ اگر ابتداء مومن پیدا کرنا چاہتا۔ وہ چاہتا تو لوگوں کو فرشتوں کی طرح بنا دیتا، اُن میں اختیار اور اِرادہ نہ رکھتا، اور وہ اضطراری طور پر اُس کی عبادت کرتے رہتے۔ لیکن وہ اپنی قدرتِ کاملہ کو ظاہر کرنے کے لیے چاہتا تھا کہ ایک ایسی مخلوق بنائے، جس میں خیر اور شر کی دونوں قوتیں ہوں۔ اس لیے اُن کی ہدایت کے لیے نبی پیدا کیے اور گمراہ کرنے کے لیے شیطان کو پیدا کیا، اور انسان کے اندر بھی دو

قوتیں رکھ دیں۔

ایک وہ قوت ہے جو اُسے نیکی کی طرف اُبھارتی ہے اور ایک وہ طاقت ہے جو اُس کو برائی کی طرف اُبھارتی ہے۔ پھر دُنیا میں ایسی چیزیں پیدا کیں جن میں بعض نیکی کی اور بعض بُرائی کی ترغیب دیتی ہیں۔ اور انسان کو عقل اور شعور دے دیا اور اِس کائنات میں توحید پر دلالت کرنے والی نشانیاں رکھ دیں اور خود انسان کے اندر بھی اُس کی ذات کی معرفت کی نشانیاں پیدا کر دیں۔ اور اُن نشانیوں کی طرف متوجہ کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا، اور علمائے ربانیین کو پیدا کیا اور انسان کو اختیار اور اِرادہ دیا، تاکہ وہ اپنے اختیار اور اِرادہ سے نبی کی ہدایت کو قبول کرے اور علماء ربانیین کی رہنمائی سے اسلام قبول کرے۔۔یا۔۔ اِس کائنات کی نشانیوں سے۔۔یا۔۔خود اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور اُس کا عرفان حاصل کرے۔ اور قبولِ حق کے راستہ سے منحرف کرنے کے لیے جو شیطانی قوتیں اُس کو گمراہ کرنے کی کوشش کریں اور عبادت و ریاضت سے روکنے کے لیے دُنیاوی لذتوں اور شہوتوں کی ترغیبات سامنے آئیں، اُن سب کو آہنی اِرادہ سے رَد کر دے، اور اپنے اختیار اور پختہ عزم سے ایمان پر قائم رہے اور اعمالِ صالحہ پر جما رہے۔ سو ایسا ایمان اور ایسے اعمالِ صالحہ اُس کو مطلوب ہیں۔ اِن ہی پر انعام و اکرام عطا کرنے کے لیے اُس نے جنت بنائی ہے اور اُن سے اعراض اور اِن کا اِنکار کرنے والوں کے لیے اُس نے دوزخ بنائی ہے۔ یعنی اختیاری اطاعت اور اختیاری معصیت کے لیے اُس نے جزاء اور سزا کا سلسلہ قائم کیا ہے، ورنہ جبری اطاعت پر کسی انعام کی ضرورت تھی نہ کسی سزا کی۔

وَمَا يَأْتِيهِم مِّن ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ مُحْدَثٍ إِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ۝٥

اور نہیں آتی اُن کے پاس کوئی نئی نصیحت اللہ مہربان کی، مگر یہ اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں ●

۔۔قصہ مختصر۔۔اَے محبوب! آپ جن منکرین کے ایمان کے حریص ہیں، (اور) جن کو کفر کی تباہی سے بچانا چاہتے ہیں اُن کا حال یہ ہے، کہ (**نہیں آتی اُن کے پاس کوئی نئی نصیحت اللہ**) تعالیٰ (**مہربان کی**) جو بڑا بخشنے والا ہے، یعنی ایک کے بعد کوئی دوسری سورت قرآن میں نہیں نازل ہوتی، (**مگر یہ اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں**)۔ یہ انحراف کی ابتدائی حالت ہوئی اور پھر دوسری حالت یہ ہوئی کہ یہ اُس کی تکذیب کرتے ہیں۔

فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑥

توبلاشبہ اُنہوں نے جھٹلایا، تواب آہی رہی ہیں اُن کے پاس خبریں جو وہ مذاق اُڑاتے رہے●

(تو) اِس عادت کے پیشِ نظر (بلاشبہ اُنہوں نے جھٹلایا) یعنی قرآنِ کریم کی تکذیب کی اوراپنی تکذیب پر مصر رہے، (تواب آہی رہی ہیں اُن کے پاس خبریں جو وہ مذاق اُڑاتے رہے)۔۔الغرض۔۔ وہ اوّلاً: اعراض کرتے، ثانیاً: تکذیب کرتے، اور ثالثاً: مذاق اُڑاتے۔جن خبروں کا یہ مذاق اڑاتے رہے اوراُن کو باور نہیں کرتے تھے، قریب ہے کہ آئیں اُنہیں مرتے وقت۔۔یا۔۔قبر سے اٹھتے وقت ۔۔یا۔۔ جنگِ بدر کے دن، اوروہ خبریں آچکنے کے بعد پشیمانی نفع نہ دے۔

حق تعالیٰ اپنی قدرت وحکمت کو سمجھانے کے لیے فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ⑦

کیا اُنہیں نہیں سوجھائی دی زمین، کہ کتنے اُگادیے ہم نے اِس میں ہر قسم کے معزز جوڑے؟●

(کیا اُنہیں نہیں سوجھائی دی زمین، کہ) محض قدرت سے (کتنے اُگادیے ہم نے اِس میں) مَرجانے اور مُرجھانے کے بعد (ہر قسم کے معزز جوڑے)۔یعنی ہر قسم کی پیداوار میں سے اچھی اور بہت فائدے والی۔

ذہن نشین رہے کہ زمین کی پیداوار دو قسم کی ہیں: ایک وہ ہیں جو نفع بخش ہوں اور دوسری قسم وہ ہیں جو نقصان دہ ہوں۔۔یا۔۔زیادہ نفع بخش نہ ہوں۔بعض محققین کا کہنا ہے کہ لوگ بھی زمین کی پیداوار ہیں۔جو جنت میں داخل ہوگا وہ کریم ہے، اور جو دوزخ میں داخل ہوگا وہ لئیم ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑧

بے شک اِس میں یقیناً نشانی ہے۔اوراُن کے بہتیرے ماننے والے نہیں ہیں●

(بے شک اِس) اُگانے (میں یقیناً نشانی ہے) اُگانے والے کی کمالِ قدرت اور حکمت پر۔(اوراُن کے بہتیرے) یعنی اُن میں سے اکثر علمِ ازلی میں (ماننے والے نہیں)، باوصف اِس کے کہ ایسی ایسی نشانیاں دیکھتے ہیں۔

قتل کر دیں۔خدا کا (حکم ہوا) کہ اپنے اِس خیال سے باز آؤ، اِس لیے کہ وہ لوگ تم پر قابو (ہرگز نہیں) پا سکیں گے، تو (تم دونوں جاؤ ہماری نشانیوں کے ساتھ) یعنی اُن معجزوں کے ساتھ جو میری قدرت اور تمہاری نبوت پر دلیل ہیں۔(بے شک ہم تمہارے ساتھ) ہیں اور (سب سننے والے ہیں)۔وہ بات جو تم میں اور فرعون والوں میں ہوگی، یعنی تم اور وہ جو کہو گے اور کرو گے ہم پر کچھ پوشیدہ نہیں۔۔۔ (تو فرعون کے پاس دونوں جاؤ، پھر کہہ دو کہ ہم رسول ہیں سارے جہان کے رب کے)۔اور بات یہ ہے (کہ چھوڑ دے ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو)۔یعنی اُن سے دست بردار ہو جا، تا کہ وہ ہمارے ساتھ زمینِ شام میں جائیں، جہاں اُن کے باپ دادا رہتے تھے۔

تو موسیٰ علیہ السلام حکمِ الٰہی کے موافق اپنے بھائی ہارون کو ساتھ لے کر فرعون کی ڈیوڑھی پر آئے۔سال بھر کے بعد فرعون کی ملاقات میسر آئی۔جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، تو پہچانا اور احسان جتانے کے طور پر۔۔۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ

وہ بولا کہ "کیا نہیں پرورش کی ہم نے تمہاری بچپن میں، اور تم رہے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال ● اور تم کر گزرے تھے

فَعْلَتَكَ الَّتِيْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

وہ کام جو کر ہی گزرے، اور تم ناشکرے ہو" ●

(وہ بولا، کہ) اے موسیٰ! (کیا نہیں پرورش کی ہم نے تمہاری بچپن میں، اور تم رہے ہم میں اپنی عمر کے کئی سال)، یعنی بیس برس ہمارے پاس تم نے اپنی عمر بسر کی (اور تم کر گزرے تھے وہ کام، جو کر ہی گزرے) یعنی فاتون نام کا قبطی جو میرا باورچی تھا اُسے تُو نے مار ڈالا، (اور) تمہارے اِس عمل سے ظاہر ہو گیا کہ (تم ناشکرے ہو) کہ میرا احسان نہ مانا اور میرے خواص میں سے ایک کو قتل کر ڈالا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ فَعَلْتُهَآ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ

جواب دیا کہ "میں نے وہ کیا تھا جب میں بے خبر تھا ● اسی لیے بھاگ گیا تھا میں تم لوگوں سے، کہ تم سے ڈر لگا تھا،

فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۱﴾ وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا

پھر دیا میرے رب نے مجھے حکم اور بنا دیا مجھے رسول ● اور یہی تیرا احسان ہے جو مجھ پر جتاتا ہے،

عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿٢٢﴾

کہ غلام بنالیا تھا تُو نے بنی اسرائیل کو"●

(جواب دیا کہ میں نے وہ کیا تھا جب میں بے خبر تھا)، یعنی یہ نہ جانتا تھا کہ میں ایک گھونسا ماروں گا تو وہ مَر ہی جائے گا۔ (اِسی لیے) تو (بھاگ گیا تھا میں تم لوگوں سے)، کیوں (کہ تم سے ڈر لگا تھا) کہ تم مجھے مار ڈالو گے۔۔ چنانچہ۔۔میں مدین چلا گیا۔ (پھر) مدین سے پھرتے وقت (دیا) اور بخشا (میرے رب نے مجھے حکم)، یعنی علم اور فہم ۔۔یا۔۔نبوت۔ (اور بنا دیا مجھے رسول)، یعنی اپنے رسولوں میں جو رسول خلق کی طرف بھیجے، اُن کے زمرہ میں مجھے بھی داخل کیا۔ (اور یہی تیرا احسان ہے جو مجھ پر جتاتا ہے کہ غلام بنالیا تھا تُو نے بنی اسرائیل کو) اور مجھے فرزندی میں لیا۔

اور بعضوں نے کہا کہ یہاں 'ہمزۂ انکار' کا پوشیدہ ہے۔ اصل کلام یہ ہے کہ۔۔۔

کیا وہ نعمت جس کا تُو مجھ پر احسان جتاتا ہے یہی ہے کہ بنی اسرائیل کو تُو نے لونڈی غلام بنالیا، یعنی اگر تُو اُن کو لونڈی غلام نہ بناتا، تو میری ماں مجھے دریا میں نہ ڈالتیں، اور میری قوم ہی کے لوگ میری پرورش کرتے اور میں تیرا محتاج نہ ہوتا۔

حضرت موسیٰ نے اِس وضاحت سے یہ بتایا، کہ۔۔۔

نہ میں نے کوئی ناشکری کی اور نہ تمہارا مجھ پر کوئی احسان ہے، بلکہ درحقیقت تم نے میرے ساتھ بدسلوکی کی، کیونکہ جو فعل مجھ سے سہواً سرزد ہوا، تم نے اُس کی وجہ سے میرے قتل کا منصوبہ بنایا۔ ایسے ہی بنی اسرائیل کی حریت کو سلب کرلینا اور لونڈی غلام بنالینا، یہ ان پر احسان نہیں ہے بلکہ ظلم ہے۔ اور اگر بہ نظرِ غائر دیکھا جائے، تو یہ سوچنا حقیقت کے قریب نظر آتا ہے کہ تمہارے طرح طرح کے مظالم کو صبر و تحمل کے ساتھ سہنا اور تمہاری غلامی کرنا، یہ خود اُن بنی اسرائیلیوں کا احسان ہے تم پر اور تمہاری قوم پر۔ اور سنو کہ تم نے تو میرے ساتھ بدسلوکی کی ہے، لیکن میرے رب نے مجھ پر احسان فرمایا۔۔ بایں طور۔۔مجھے حکم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنایا۔

چونکہ فرعون سن چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہے، کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں، تو اپنی بات کا رخ موڑ کر بطورِ امتحان۔۔۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بولا فرعون کہ "سارے جہان کا رب کون؟"● جواب دیا کہ "سارے آسمانوں اور زمین

وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿٢٤﴾

اور اُن کے درمیان کا رب، اگر تم یقین کرو"●

(بولا فرعون، کہ سارے جہاں کا رب کون) ہے؟ فرعون نے رب کی ماہیت پوچھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اِس ماہیت کے جواب سے اِنکار کیا، اور حکمت کی کھلی ہوئی دلیلوں اور قدرت کے نشانوں سے خدا کی پہچان کروائی، اور (جواب دیا کہ سارے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کا رب! اگر تم یقین کرو) صفاتِ حق کی تحقیق میں۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ أَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿٢٥﴾

وہ بولا اُنہیں جو گردو پیش تھے کہ "کیا اِن کی سنتے ہو؟"●

(وہ) یعنی فرعون (بولا اُنہیں جو) اُس کے (گردو پیش) قبطیوں کے اشراف میں سے پانچ سو آدمی زیور پہنے ہوئے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے (تھے)۔۔الغرض۔۔اپنے درباریوں سے بولا (کہ کیا اِن کی سنتے ہو؟) یعنی کیا تم نہیں سنتے جواب اِس مَرد کا، کہ میں تو اِس کے رب کی حقیقت پوچھتا ہوں، اور یہ اُس کے افعال کو بیان کرتا ہے۔

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْأَوَّلِيْنَ ﴿٢٦﴾

موسیٰ نے کہا "تم لوگوں کا رب اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب"●

(موسیٰ نے) دوبارہ (کہا تم لوگوں کا رب اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب!)۔ یعنی میرا خدا تمہارا پیدا کرنے والا ہے اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا خالق ہے۔ حضرت موسیٰ نے بہت کھلی ہوئی نشانیوں سے رجوع کی اُن نشانیوں کی طرف، جو بہت نزدیک ہیں دیکھنے والے اور تامل کرنے والے سے۔

قَالَ إِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٢٧﴾ قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ

وہ بولا کہ "لوگو! تم لوگوں کا رسول جو بھیجا گیا ہے تم لوگوں کی طرف، ضرور پاگل ہے"● موسیٰ نے کہا کہ "پورب

وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٨﴾

اور پچھم اور جو اُس کے درمیان ہے سب کا رب۔ اگر عقل سے کام لو"●

(وہ) یعنی فرعون (بولا) اپنی قوم کے لوگوں سے بطورِ مذاق اور استہزاء کرتے ہوئے، (کہ لوگو! تم لوگوں کا رسول جو بھیجا گیا ہے تم لوگوں کی طرف ضرور پاگل ہے) کیوں کہ سوال کے مطابق جواب نہیں دیتا۔ (موسیٰ نے کہا کہ پورب اور پچھم اور جو اُس کے درمیان ہے سب کا رب! اگر عقل سے کام لو) تو تم پر ظاہر ہو جائے کہ تمہارے سوال کا جواب اِس طور کے سوا ہو ہی نہیں سکتا، اس واسطے کہ کسی کو حق تعالیٰ کی حقیقت سے آگاہی ممکن ہی نہیں، اس لیے کہ جو کچھ عقل اور فہم اور وہم میں آئے، اور حواس اور قیاس اُسے دریافت کرلے، خدا کی ذات اُس سے منزہ اور مقدس ہے۔ اس لیے کہ یہ سب نئے پیدا ہوئے ہیں، اور نئے پیدا ہوئے اُسی کو پہچان سکتے ہیں جو نیا پیدا ہو۔۔ الحتصر۔۔ حادث، حادث کی حقیقت سمجھ سکتا ہے، اُسے قدیم کی حقیقت کی معرفت نہیں ہوسکتی۔ مناظرہ سے جب عاجز آچکا۔۔تو۔۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿٢٩﴾ قَالَ

بولا، "یقیناً اگر اختیار کیا تم نے کوئی معبود میرے سوا، تو بنالوں گا تم کو قیدی"● موسیٰ نے کہا کہ

اَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿٣٠﴾

"گولایا ہوں میں تیرے پاس روشن چیز؟"●

(بولا، یقیناً اگر اختیار کیا تم نے کوئی معبود میرے سوا، تو بنالوں گا تم کو قیدی)۔

روایت ہے کہ فرعون کی قید قتل سے بدتر تھی، اس واسطے کہ قیدیوں کو حکم کرتا تھا کہ گہرے گڑھے میں ڈال دیے جائیں جہاں وہ کچھ نہ دیکھتے تھے اور نہ سنتے تھے، اور جب تک قیدی مَر نہ جائے اُسے باہر نہیں نکالتے تھے۔

قید خانے کا ذکر سن کر (موسیٰ نے کہا، کہ گولایا ہوں میں تیرے پاس روشن چیز)؟ یعنی کیا تُو میرے ساتھ یہ کرے گا اِس صورت میں بھی کہ میں ایک کھلی ہوئی چیز تیرے پاس لاؤں، یعنی اگر میں کھلا ہوا معجزہ دکھاؤں، تو بھی تُو مجھے قتل کرے گا؟۔۔۔

قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٣١﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ

وہ بولا کہ "تو لاؤ اُسے اگر سچے ہو"● چنانچہ ڈال دیا اپنے عصا کو،

فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ ﴿۳۲﴾ وَّ نَزَعَ یَدَهٗ فَاِذَا هِیَ بَیْضَآءُ لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۳۳﴾

تو وہ فوراً کھلا ہوا اژدہا ہے ● اور نکالا اپنا ہاتھ، تو اُسی وقت وہ چمکتا ہوا ہے سارے دیکھنے والوں کے لیے ●

(وہ) یعنی فرعون (بولا کہ تو لاؤ اُسے اگر سچے ہو) اپنے دعوے میں۔ (چنانچہ ڈال دیا) حضرت موسیٰ نے (اپنے عصا کو)۔ جیسے ہی اُنہوں نے عصا پھینکا، (تو) صاف نظر آیا کہ (وہ) عصا (فوراً کھلا ہوا اژدہا) بن گیا (ہے)، جس کا اژدہا ہونا ظاہر تھا فریبِ نظر نہیں تھا۔ فرعون وہ اژدہا دیکھ کر خوف سے لرزہ براندام ہو گیا، اور جو لوگ وہاں جمع تھے بے اختیار بھاگے۔۔ چنانچہ۔۔ بھاگتے وقت ایک دوسرے سے کچل کر "پچیس"[۲۵] ہزار آدمی مر گئے۔ حضرت موسیٰ نے دوسرا معجزہ دکھانے سے پہلے اپنے گندم گوں ہاتھ کو فرعون کو دکھا کر اپنے گریبان میں ڈالا (اور) پھر (نکالا اپنا ہاتھ، تو اُسی وقت) سب حاضرین نے دیکھا، کہ (وہ چمکتا ہوا ہے سارے دیکھنے والوں کے لیے)۔ وہ سفید چمکتا ہوا تھا بجلی کی طرح دیکھنے والوں کی نگاہ میں۔

روایت ہے کہ جس طرح نورِ آفتاب سے نگاہ کو خیرگی ہوتی ہے، اُسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دستِ مبارک کی چمک سے ہوتی تھی۔

یہ دیکھ کر۔۔۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖۗ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

وہ بولا اپنے گرد وپیش کے سرداروں کو کہ "بلاشبہ یہ یقیناً جادوگر ہے دانا ● چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہاری آراضی سے اپنے جادو سے، تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو؟ ●

(وہ) یعنی فرعون (بولا اپنے گرد وپیش کے سرداروں کو کہ بلاشبہ یہ یقیناً جادوگر ہے دانا)۔ پھر فرعون ڈرا کہ اُس کے لوگ حضرت موسیٰ کا ایمان لائیں گے، تو اُس نے حیلہ کیا اور کہنے لگا کہ یہ جادوگر ہے اور جادوگری میں مہارتِ کامل رکھتا ہے، (چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہاری آراضی سے اپنے جادو سے، تو تم لوگ کیا مشورہ دیتے ہو) اور کیا حکم کرتے ہو تم مجھے اس کے معاملے میں۔۔ الغرض۔۔ حضرت موسیٰ کے معجزے نے فرعون کو 'دعویٰ خدائی' کی بلندی سے 'مشورہ باہمی' کے گڑھے میں ڈال دیا، یہاں تک کہ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کے رتبہ سے گھٹ کر اپنی پوجا کرنے والوں سے حضرت موسیٰ

کے باب میں مشورہ چاہا۔

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾

سب بولے کہ" رہنے دو اُنہیں اور ان کے بھائی کو، اور بھیجو سارے شہروں میں ہانک ہانک کرلانے والوں کو●

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾

کہ لے آئیں تمہارے پاس سارے ہوشیار بیڈھب جادوگر"●

(سب بولے کہ رہنے دو اُنہیں اور اُن کے بھائی کو)، یعنی ابھی اُنہیں قتل نہ کرو جب تک اُن کا جھوٹ ظاہر نہ ہوجائے، تاکہ لوگوں کو شبہ نہ پڑے۔ (اور بھیجو سارے شہروں میں ہانک ہانک کر لانے والوں کو) یعنی ہر شہر میں اپنا ایلچی روانہ کردو جو (کہ لے آئیں تمہارے پاس سارے ہوشیار بےڈھب جادوگر) جو دانا ہوں اور فنِ سحر میں کامل ہوں۔ تو فرعون نے اپنے لوگ جادوگر ڈھونڈنے کو بھیجے۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۳۸﴾ وَّقِيْلَ لِلنَّاسِ هَلْ اَنْتُمْ

چنانچہ جمع کیے گئے جادوگر ایک مقرر دن کے وعدہ پر● اور اعلان کیا گیا سب لوگوں کو کہ" کیا سب

مُّجْتَمِعُوْنَ ﴿۳۹﴾ لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ اِنْ كَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۰﴾

اکٹھا ہوجاؤ گے؟● کیونکہ شاید ہم پیرو ہوجائیں ان جادوگروں کے، اگر یہ جیتے"●

(چنانچہ جمع کیے گئے جادوگر ایک مقرر دن کے وعدہ پر)۔۔الحاصل۔۔'یوم الزینۃ' کو سب کو جمع کرنے کا وعدہ کرلیا گیا، (اور اعلان کیا گیا) فرعون کی طرف سے (سب لوگوں کو، کہ کیا سب اکٹھا ہوجاؤ گے؟ کیونکہ شاید ہم) سب متفق ہوکر (پیرو ہوجائیں اُن جادوگروں کے)۔ یعنی موسیٰ کو دفع کرنے میں ہم سب اُن کی متابعت کریں اور اُنہیں مدد دیں۔۔یا۔۔ہم اُن جادوگروں کے دین کی پیروی کریں (اگر یہ جیتے)، اور موسیٰ وہارون پر غالب ہوگئے۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالُوْا لِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۴۱﴾

چنانچہ جب آگئے جادوگر، بولے فرعون کو کہ" کیا ہمیں کوئی مزدوری ملے گی؟ اگر ہم جیت گئے"●

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿٤٢﴾

بولا، "ہاں۔اور بے شک تم اُس وقت میرے مقرب بھی ہوجاؤ گے"●

(چنانچہ جب آگئے جادوگر)۔فرعون نے اُن کی زبردست خاطرداری کی،تو شبہ پا کروہ بڑی بے باکی سے (بولے فرعون کو، کہ کیا ہمیں کوئی مزدوری ملے گی؟اگر ہم جیت گئے) اور غالب ہوگئے جادوگری کے مقابلے میں۔(بولا ہاں!اور بے شک تم اُس وقت میرے مقرب بھی ہوجاؤ گے)۔یعنی میرے دربار میں سب سے پہلے آنے والے تم ہوگے اور سب سے آخر میں نکلنے والے بھی تم ہوگے۔

فرعونی دربار میں اُس کے مقربین کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ سب سے پہلے حاضرِ دربار ہوں اور سب سے آخر میں دربار سے رخصت ہوں، یہ غایتِ قرب کی نشانی تھی۔

پس وہ وعدہ پر اعتماد کر کے اپنے جادو میدان معین پر لائے اور وقتِ معلوم پر موسیٰ علیہ السلام کے برابر صف جما کر بولے کہ اَے موسیٰ! کیا پہلے تُو اپنا جادو ڈالتا ہے۔۔یا۔ہم ڈالیں؟۔تو۔۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿٤٣﴾ فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِیَّهُمْ وَ

کہا اُنہیں موسیٰ نے کہ "ڈالو جو ڈالنا ہو"● تو ڈالا اُنہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں، اور

قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٤٤﴾ فَاَلْقٰى مُوْسٰى عَصَاهُ

بولے کہ "قسم ہے عزتِ فرعون کی، کہ ہم ضرور جیتیں گے"● پھر ڈال دیا موسیٰ نے اپنے عصا کو،

فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ ﴿٤٥﴾

تو فوراً نگل جاتا ہے جو اُن کی فرضی چیزیں تھیں●

(کہا اُنہیں موسیٰ نے، کہ ڈالو جو ڈالنا ہو● تو ڈالا اُنہوں نے اپنی رسیاں) جو ستر ہزار تھیں (اور لاٹھیاں)، یہ بھی ستر ہزار تھیں، جن میں خول بنا کر اُس کو پارہ سے بھر دیا گیا تھا۔جب اُن کے عصے اور لاٹھیاں آفتاب کی گرمی سے حرکت میں آئیں اور لوگوں نے شور کیا، (اور بولے کہ قسم ہے عزتِ فرعون کی کہ ہم ضرور جیتیں گے)۔یعنی فرعون کی بزرگی، قوت اور غالبیت کے سبب سے جیت ہماری ہوگی۔(پھر ڈال دیا موسیٰ نے اپنے عصا کو) حکمِ خدا سے، اور فوراً وہ اژدہا بن گیا۔جونہی عصا اژدہا ہوا (تو فوراً نگل جاتا ہے جو اُن کی فرضی چیزیں تھیں)، یعنی جو کچھ انہوں نے مکر کیا تھا اور لوگوں کو سانپ کی صورت پر دکھاتے تھے۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿٤٦﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٤٧﴾

تو اُلٹ دیے گئے جادوگر سجدہ کرتے ہوئے • بولے کہ "مان گئے ہم سارے جہان کے رب کو•

رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿٤٨﴾

موسیٰ وہارون کے رب کو"•

(تو اُلٹ دیے گئے) یعنی منہ کے بَل گرادیے گئے (جادوگر سجدہ کرتے ہوئے)، یعنی سارے جادوگر بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہوگئے۔ اس واسطے کہ انہوں نے سمجھ لیا کہ عصے کا اژدہا ہوجانا جادو کی وجہ سے نہیں، اور صدق کی راہ سے (بولے کہ مان گئے ہم سارے جہان کے رب کو)۔ پھر اُنہوں نے مزید وضاحت کی، کہ (موسیٰ وہارون کے رب کو) مان گئے، تاکہ فرعون کی خدائی کا توہم رفع ہو جائے۔ اور جب فرعون نے سنا کہ جادوگر ایمان لائے، تو اُن کو بُلا کر۔۔۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ

فرعون بولا، "تم لوگ اُس کو مان گئے، قبل اِس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں، بے شک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھایا ہے جادو،

فَلَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۬ؕ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

تو یقیناً جلد تمہیں معلوم ہوجائے گا۔ میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھوں اور دوسری طرف کے پاؤں کو،

وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٩﴾

اور ضرور پھانسی دے دوں گا تم سب کو"•

(فرعون بولا) کہ (تم لوگ اُس کو مان گئے قبل اِس کے کہ میں تمہیں اِجازت دوں) اس کا ایمان لانے کی۔ تمہارے اِس عمل سے تمہاری حقیقت سمجھ میں آ گئی اور تمہارا خفیہ راز کھل کر سامنے آ گیا، کہ (بے شک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تم کو سکھایا ہے جادو)، یعنی یہ تمہارا سردار ہے اور جادو سکھانے میں تمہارا اُستاد ہے۔ تم سب مجھے ہلاک کرنے اور میرے ملک میں فساد ڈالنے کے واسطے باہم مل گئے ہو۔ (تو یقیناً جلد تمہیں معلوم ہوجائے گا) کہ کیا عذاب کرتا ہوں میں تم پر، موسیٰ کے خدا پر ایمان لانے کے سبب سے۔ پھر عذاب بیان کیا کہ (میں ضرور کاٹوں گا تمہارے ہاتھوں اور دوسری طرف کے پاؤں کو)۔ یعنی ایک طرف کا ہاتھ دوسری طرف کا پاؤں۔۔یا۔۔تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا اِس جہت سے کہ تم نے مجھ سے خلاف کیا۔ (اور ضرور پھانسی دے دوں گا تم سب کو) تاکہ سب مرجاؤ اور

سب مخالف لوگ عبرت پکڑیں۔

قَالُوْا لَا ضَيْرَ اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿٥٠﴾

وہ بولے، "کچھ حرج نہیں، بے شک ہم اپنے رب ہی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں ●

(وہ) جادوگر لوگ جو ایمان لا چکے تھے (بولے، کچھ حرج نہیں)، یعنی تمہارے دھمکانے کا ہم پر کوئی اثر نہیں اور ہم موت سے نہیں ڈرتے۔اور بھلا ہم موت سے کیوں ڈریں، اس لیے کہ (بے شک ہم اپنے رب کی طرف) یعنی اُس کے ثواب کی طرف (پلٹ کر جانے والے ہیں) اور اُس سے ثواب پانے والے ہیں۔

اِنَّا نَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطٰيٰنَآ اَنْ كُنَّآ اَوَّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥١﴾ ع۱۸

بلاشبہ ہماری لالچ ہے کہ بخش دے ہمیں ہمارا پروردگار ہماری خطائیں، کہ ہم نے سب سے پہلے مانا" ●

(بلاشبہ ہماری لالچ ہے کہ بخش دے ہمیں ہمارا پروردگار ہماری خطائیں) اس واسطے (کہ ہم نے) ان محفل والوں میں سے (سب سے پہلے مانا) اور سب سے پہلے خدا پر ایمان لائے۔

روایت ہے کہ فرعون نے حکم دیا اور فرعون کے لوگوں نے اُن مؤمنوں کا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ کاٹ کے اونچے مکان پر سے نیچے گرادیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اُن کے لیے روتے تھے، پس حق سبحانہ تعالیٰ نے پردے اُٹھادیے اور اُن مؤمنوں کے منازلِ قرب اور مقاماتِ اُنس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دکھادیے، تو اُن کے دِل کو تسلی ہوئی۔ پھر یہ صورت واقع ہونے کے بعد کئی برس تک حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے لوگوں میں دعوت اور ہدایت فرماتے رہے اور معجزات دکھاتے رہے، اور روز بروز اُن کی عداوت اور خرابی زیادہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ اُن کی ہلاکت قریب پہنچی اور حکمِ الٰہی صادر ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سمیت مصر کے باہر جائیں، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿٥٢﴾

اور وحی بھیجی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ "رات ہی رات چل دو میرے بندوں کو لے کر، کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا ●

(اور وحی بھیجی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ رات ہی رات چل دو میرے بندوں کو لے کر) کیونکہ تمہاری نجات اور کافروں کی ہلاکت اِسی میں ہے، اور جان لو (کہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا)۔یعنی فرعون

اور اُس کی قوم کے لوگ تمہارے پیچھے تمہارا تعاقب کرتے ہوئے آئیں گے، تم کو تو ہم دریا کے پار کریں گے اور اُنہیں ڈبو دیں گے۔

روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم فرمایا کہ یہ بہانہ کر کے قبطیوں سے زیور مانگ لو کہ ہماری عید قریب ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اُس سے اپنی عورتوں کا سنگار کریں۔ بنی اسرائیل نے زیور مانگ لیے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا کہ فلانی رات جب چاند نکلے، تو تم سب فلاں مقام پر جمع ہونا۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ جب کوچ کا وقت آیا، تو مصر سے نکلنے کی راہ بھول گئے، اور معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ بنی اسرائیل جب تک اُن کا تابوت اپنے ساتھ نہ لے چلیں گے، مصر کے باہر نہ جا سکیں گے، اور اُن لوگوں میں سے کسی کو خبر نہ تھی کہ حضرت یوسف کہاں دفن ہیں۔

پس خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ندا کرتے تھے کہ جو کوئی حضرت یوسف کے صندوق کا پتا بتا دے، وہ جو مراد چاہے لے۔ قوم بھر میں ایک بڑھیا بڑی عمر کی بولی، کہ اِس شرط سے میں بتاتی ہوں کہ بہشت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بی بی ہوں، اور اسی شرط پر اُس نے پتا بتایا کہ وہ صندوق دریائے نیل کے گڑھے میں ہے۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اُسے نکالنے میں مشغول ہوئے۔ جب چاند آدھے آسمان پر پہنچا، تو اپنا کام کر کے راہ لی۔ اور دوسرے دن اخیر وقت بنی اسرائیل کے نکل جانے کی خبر قبطیوں کو پہنچی۔ اب تک قبطی یہی جانتے تھے کہ بنی اسرائیل اپنے گھروں میں عید کا سامان کر رہے ہیں۔ دوسرے دن قبطیوں نے چاہا کہ اُن کا پیچھا کریں، تو ہر قبطی کے گھر ایک عزیز مر گیا۔ سب اُس کی تعزیت میں مشغول ہوئے۔ اُس دن فرعون نے لشکر جمع ہونے کا حکم دیا۔۔۔

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِیْلُوْنَ ﴿۵۴﴾

تو بھیج دیا فرعون نے سارے شہروں میں اعلان کرنے والوں کو ● کہ "یہ لوگ معمولی اقلیت ہیں ●

وَ اِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ اِنَّا لَجَمِیْعٌ حٰذِرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور بلاشبہ ہم سب اُن سے جلتے ہیں ● اور بے شک ہم سب تیاری کو ہوشیار ہیں" ●

(تو بھیج دیا فرعون نے) اُن (سارے شہروں میں) جو اُس کی تخت گاہ کے قریب تھے (اعلان کرنے والوں کو) اور لشکر جمع کرنے والوں کو، اور کہہ دیا (کہ یہ لوگ) یعنی گروہِ بنی اسرائیل (معمولی

اقلیت ہیں)، یعنی تھوڑے لوگوں پر مشتمل ایک گروہ ہے۔۔حالانکہ۔۔بنی اسرائیل میں کارگزار مرد جن کا سن بیس[20] برس سے زیادہ اور ساٹھ[60] برس سے کم تھا، ستر ہزار چھ سو تھے، اور سب قوم بنی اسرائیل، عورت مرد بوڑھے جوان، تو بارہ لاکھ[12] سے کچھ زیادہ تھے۔مگر فرعون نے اُن کو اپنے لشکر کے مقابلہ میں تھوڑا شمار کیا، اور بولا کہ یہ لوگ تو بہت ہی تھوڑے ہیں۔(اور بلاشبہ ہم اُن سے جلتے ہیں) غصے کی آگ میں، اِس واسطے کہ ہم سے بھاگے ہیں۔۔یا۔۔ہماری قوم کا زیور لے گئے ہیں۔(اور بے شک ہم سب تیاری کو ہوشیار ہیں)۔یعنی ہمارے لشکر کے سب لوگ ہتھیار رکھتے ہیں، لڑائی کے طریقے جانتے ہیں۔

یہ طعن ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگ نہ سب ہتھیار رکھتے ہیں اور نہ ہی لڑائی کا طریقہ جانتے ہیں۔

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۷﴾ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۵۸﴾ كَذٰلِكَ

چنانچہ نکال دیا ہم نے انہیں باغوں اور چشموں ● اور خزانوں اور اچھے اچھے گھر سے ● یہی ہوا،

وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

اور اُن کی جگہ وارث کردیا ہم نے بنی اسرائیل کو ●

(چنانچہ نکال دیا ہم نے اُنہیں باغوں اور چشموں اور خزانوں اور اچھے اچھے گھر سے)۔۔الحتصر۔۔ہم نے اُن کے دِلوں میں نکلنے کا اِرادہ پیدا کیا، یہاں تک کہ وہ نکل آئے باغوں، جاری چشموں، سونے چاندی سے بھرے ہوئے خزانوں اور اچھے اچھے مکانوں سے۔(یہی ہوا)، یعنی ایسا ہی کیا ہم نے اُن کے ساتھ (اور اُن کی جگہ) اُن باغوں چشموں، خزانوں اور رفیع الشان مکانوں کا (وارث کردیا ہم نے بنی اسرائیل کو)، یعنی اولادِ یعقوب علیہ السلام کو۔

اس واسطے ایک قول یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے قوم فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر میں آکر قبط کے سب مال پر اپنا قبضہ اور تصرف کیا۔اور بہت صحیح یہ بات ہے کہ حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کے زمانۂ حکومت میں ملک مصر پر غلبہ پاکر بنی اسرائیل نے قبطیوں کے املاک پر قبضہ و تصرف کیا۔۔القصہ۔۔فرعون نے چھ لاکھ سوار لشکر کے آگے روانہ کیے، اور چھ لاکھ سوار داہنی طرف اور چھ لاکھ سوار بائیں طرف متعین کیے، اور چھ لاکھ سوار لشکر کے پیچھے مقرر کیے، اور بہت مخلوق کے ساتھ خود لشکر کے بیچ میں ٹھہرا۔

فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ﴿٦٠﴾

ہاں، تو فرعون والوں نے پیچھا کیا اُن کا دن نکلتے●

(ہاں تو) پھر (فرعون والوں نے پیچھا کیا اُن کا دن نکلتے)، یعنی آفتاب طلوع ہوتے وقت بنی اسرائیل کے قریب پہنچ گئے، اور اُس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر دریائے قلزم کے کنارے پہنچ کر پار اُترنے کی تدبیر کر رہا تھا، کہ ناگاہ فرعون والوں کا نشان ظاہر ہوا۔

فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿٦١﴾

چنانچہ جب نظر آنے لگیں دونوں طرف کی جماعتیں، بولے موسیٰ کے ساتھی کہ "ہم ضرور دھر لیے گئے"●

(چنانچہ جب نظر آنے لگیں دونوں طرف کی جماعتیں) یعنی جب دیکھا دونوں گروہ نے ایک دوسرے کو، تو (بولے موسیٰ کے ساتھی کہ ہم ضرور دھر لیے گئے)، یعنی فرعون کا لشکر ہمیں پکڑ لے گا اور ہم اُن کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائیں گے۔

قَالَ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿٦٢﴾

جواب دیا، "ہرگز نہیں، بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے، ابھی وہ مجھے راہ دے گا"●

(جواب دیا) حضرت موسیٰ نے کہ (ہرگز نہیں!)، وہ ہمیں نہیں پکڑ سکتے، کیونکہ (بلاشبہ میرے ساتھ میرا رب ہے) یاری اور مددگاری کو۔ (ابھی وہ مجھے راہ دے گا) اور حیرت میں نجات کا طریقہ ظاہر فرما دے گا۔

محققین کا کہنا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کلام میں معیت، یعنی اپنے ساتھ ہونے کو مقدم کیا اور رب کا نام بعد میں لیا۔ اور ہمارے رسول نے اپنے قول میں کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا۔ معیت کو موخر کیا اور اللہ کا نام پہلے لیا، تاکہ عارفوں کے دِلوں پر ظاہر ہو جائے کہ حضرت کلیم علیہ السلام نے اپنے سے حق کی طرف دیکھا اور یہ مرتبہ مرید یعنی اِرادہ کرنے والے کا ہے، اور جنابِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حق سے اپنی طرف دیکھا، اور یہ مرتبہ مُراد یعنی اِرادہ کیے ہوئے کا ہے۔ 'مرید' کو جو کچھ کہیں وہ کرتا ہے، اور 'مراد' جو کچھ کہے ویسا ہی کرتے ہیں۔

اِس مقام پر یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ۔ یعنی

جھڑکی دے کر فرمایا، کہ میرے ساتھ میرا رب ہے۔ اور شبِ ہجرت حبیب نے اپنے رفیق سے شفقت کے ساتھ فرمایا، کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا، یعنی تم نہ ڈرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت کلیم نے کہا میرے ساتھ، اور حبیب نے کہا ہم سب کے ساتھ۔ حضرت کلیم نے معیتِ خداوندی کو اپنی ذاتِ خاص کے ساتھ فرمایا ہے، اور حبیب نے جمعیت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔۔۔ بے شک کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو، تم ایسے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہو۔

روایت ہے کہ جب فرعون کا لشکر بنی اسرائیل کے قریب پہنچا، تو حق تعالیٰ نے ایک ایسا پردہ بُخارات کا دونوں فریق میں پیدا کر دیا کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھتے تھے۔ فرعون نے اپنی قوم کو کہا کہ اُتر پڑو جب تک آفتاب اونچا ہو کر بُخارات درمیان سے جاتے رہیں اور ہم اُن کے سر پر جا پڑیں۔ اِس واسطے کہ بچنے کی راہ اُن پر بند ہے، کہ آگے دریا ہے اور پیچھے ہمارا لشکر ہے، اب یہ کہاں جاسکتے ہیں۔ مگر بنی اسرائیل اِس قدر مضطرب ہوئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آبدیدہ ہوگئے اور پھر وحی آئی، کہ اَے موسیٰ ہم نے دریا کو تیرے حکم میں کر دیا ہے، اُسے کنیت سے پکار اور اُس پر حکم کر، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ

تو وحی بھیجی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ "مارو اپنے عصا سے دریا کو۔" تو وہ پھٹ گیا، اور ہو گئے

كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿٦٣﴾

دونوں سمت، جیسے بڑا پہاڑ●

(تو وحی بھیجی ہم نے موسیٰ کی طرف کہ مارو اپنے عصا سے دریا کو)۔ پس موسیٰ علیہ السلام دریا کے کنارے آئے اور اُس پر عصا مارا اور کہا، کہ اَے ابو خالد ہمیں راہ دے۔ (تو وہ پھٹ گیا) اور اُس میں بارہ ١٢ راہیں پیدا ہوگئیں (اور ہو گئے دونوں سمت جیسے بڑا پہاڑ)، یعنی اُس کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہو گیا۔ اور اُسی وقت ایک ہوا دریا پر چلی اور اُس کی کیچڑ خشک ہوگئی اور ہر ایک سبط ایک ایک راہ سے دریا میں داخل ہوئے۔

وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٤﴾

اور قریب کر دیا ہم نے وہاں دوسری جماعت کو●

(اور قریب کردیا ہم نے وہاں دوسری جماعت کو) جو قوم فرعون کے لوگ تھے، یعنی سب کو ہم نے دریائے قلزم کے کنارے اکٹھا کیا فرعون کے گرد۔ اور جب فرعون نے دریا کے کنارے پہنچ کر یہ حال دیکھا، تو چاہا کہ اپنی قوم کے احمقوں کو دھوکا دے، تو بولا اَے قوم! کیا دیکھتے ہو کہ یہ دریا میری ہیبت سے پھٹ گیا۔ ہامان نے مشورے کی راہ سے کہا، کہ اَے فرعون تُو خود جانتا ہے کہ یہ صورت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے واقع ہوئی۔ خبردار دریا میں تُو نہ جانا، کیونکہ تُو ہلاک ہی ہوجائے گا۔

فرعون نے چاہا کہ گھوڑے کی باگ موڑے، جبرائیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر سوار تھے، اپنی گھوڑی فرعون کے گھوڑے کے آگے ڈال دی، فرعون بہت تیز و تند گھوڑے پر سوار تھا۔ گھوڑے نے گھوڑی کی بُو پائی، فرعون کے قابو سے جاتا رہا اور دریا کی طرف رخ کیا اور فرعون سمیت دریا میں اُتر گیا۔ فرعون کے لشکر والے ہر ایک راہ سے دریا میں جا پڑے۔ میکائیل علیہ السلام اِس لشکر کے پیچھے آئے تھے اور اِس لشکر کو دریا کی طرف ہنکاتے تھے، یہاں تک کہ تمام لشکر دریا میں آگیا، اور حکم الٰہی پہنچا کہ اَے دریا! پھر اپنے حال پر ہوجا، اور دفعتاً سب پانی باہم مل گیا اور سب فرعون والے ڈوب مرے اور بنی اسرائیل صحیح سلامت پار اُتر کر دریا کے کنارے ٹھہرے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، کہ۔۔۔

وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٦٦﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور بچالیا ہم نے موسیٰ اور اُن کے سب ساتھیوں کو ● پھر ڈبو دیا ہم نے دوسری جماعت والوں کو ● بے شک اس میں

لَاٰيَةً ۖ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿٦٨﴾ ع ۴ ۸

یقیناً نشانی ہے، اور اُن کے بہتیرے ماننے والے نہ تھے ● اور بے شک تمہارا پروردگار ضرور عزت والا رحم والا ہے ●

(اور بچالیا ہم نے موسیٰ اور اُن کے سب ساتھیوں کو ● پھر ڈبو دیا ہم نے دوسری جماعت والوں کو)، یعنی اُوروں کو۔ (بے شک اِس میں) یعنی موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کی نجات اور فرعون اور اُس کے لشکر کی ہلاکت میں (یقیناً نشانی ہے) کھلی ہوئی قدرتِ الٰہی پر۔ (اور اُن کے) یعنی قوم فرعون کے (بہتیرے ماننے والے نہ تھے)۔

اِس واسطے کہ تمام قبط میں حزقیل علیہ السلام کے سوا اہلِ فرعون میں اور کوئی مؤمن نہ تھا۔

اور کہتے ہیں کہ جو کوئی ایمان لایا تھا، وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ باہر آیا تھا۔

(اور بے شک تمہارا پروردگار ضرور عزت والا) ہے۔ یعنی ایسا غالب ہے کہ اُس پر کسی کو غلبہ

کی قوت نہیں، اور (رحم والا ہے) یعنی مہربان ہے عذاب نہیں کرتا مگر دلیل اور حجت لازم کر لینے کے بعد۔

اِس سورت کی ابتداء میں یہ ذکر فرمایا تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کو تبلیغ میں بے اِنتہاء کوشش کرنے کے باوجود کفارِ مکہ کے ایمان نہ لانے سے بے حد رنج اور صدمہ ہوتا تھا، تو اِس سورت میں آپ کو تسلی دینے کے لیے پہلے حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ ذکر فرمایا، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی سالوں تک فرعون کو تبلیغ کی اور بڑے بڑے معجزات دکھائے اُس کے باوجود فرعون کی قوم سے صرف تین[۳] نفر مسلمان ہوئے: ﴿۱﴾۔۔حزقیل، ﴿۲﴾۔۔ اُس کی بیٹی آسیہ جو فرعون کی بیوی تھی، ﴿۳﴾۔۔مریم نام کی ایک بوڑھی عورت تھی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر کی نشاندھی کی تھی، تاکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ معلوم ہو کہ آپ کے ساتھ جو سانحہ پیش آیا ہے وہ کوئی نیا نہیں ہے، حضرت موسیٰ بھی اِس صدمے سے دوچار ہو چکے ہیں۔

پھر آپ کی مزید تسلی کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا کہ تبلیغ دین کے خاطر خواہ اثرات مرتب نہ ہونے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اِن حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اُنہوں نے اپنے عُرفی باپ آزر کو اور اپنی قوم کو، بتوں کی عبادت کرنے پر دوزخ کے عذاب سے ڈرایا، لیکن اُن میں سے بہت کم لوگ ایمان لائے۔ اِن اگلی آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُن ہی تبلیغی کاوشوں کا بیان فرمایا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اِرشاد ہوتا ہے کہ اَے محبوب! عرب کے مشرکوں پر ظاہر کر دو۔۔۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٠﴾

اور پڑھ سناؤ اُنہیں ابراہیم کی خبر۔۔● ۔۔ جب کہ وہ بولے اپنے بابا اور اُس کی قوم کو کہ "کس کو پوجتے ہو؟" ●

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿٧١﴾

سب بولے کہ "ہم بتوں کو پوجتے ہیں، چنانچہ اُن کے لیے آسن جمائے رہتے ہیں" ●

(اور پڑھ) کر (سناؤ اُنہیں ابراہیم کی خبر) کیونکہ وہ اپنے کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اُن کی اولاد میں ہونے پر فخر اور اِعتماد کرتے ہیں، (جب کہ وہ بولے اپنے بابا) بڑے باپ، (اور اُس کی قوم کو کہ کس کو پوجتے ہو؟) یعنی اَے اہل بابل! کیا ہے وہ، جسے تم پوجتے ہو؟ (سب بولے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں چنانچہ اُن کے لیے آسن جمائے رہتے ہیں)، یعنی ہم اُن کی مجاوری

کرتے ہیں اور برابر ہم اُن کی عبادت کرتے ہیں۔
یہاں بتوں سے وہ تصویریں مراد ہیں جو سونے چاندی سے مختلف صورتوں میں بنا کر ہمیشہ وہ پوجا کرتے تھے۔

قَالَ هَلْ یَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾ اَوْ یَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ یَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾

کہا کہ "کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب مانگتے ہو؟ ● یا بناتے ہیں تمہارا، یا بگاڑتے ہیں؟" ●

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ یَفْعَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

سب بولے، "بلکہ پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو، کہ یہی کرتے رہے" ●

(کہا) ابراہیم علیہ السلام نے (کہ کیا وہ تمہاری سنتے ہیں جب مانگتے ہو؟) یعنی کیا وہ تمہاری پکار کا جواب دیتے ہیں اور تمہاری بات مانتے ہیں؟ (یا بناتے ہیں تمہارا)۔ تمہاری پرستش کی وجہ سے تمہیں فائدہ پہنچاتے ہیں؟ اور تمہیں رزق دیتے ہیں؟ (یا بگاڑتے ہیں) یعنی نقصان پہنچاتے ہیں تمہیں اگر تم اُن کی پرستش سے اِنکار کرو اور اُن کی مذمت کرو؟ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے لوگ "ہاں" کہہ کر اِس کا جواب نہ دے سکے، تو تقلید کا بہانہ پیش کیا اور (سب بولے، بلکہ پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو کہ یہی کرتے رہے)۔ یعنی اِنہیں بتوں کی پرستش کرتے تھے اور اِس پر ثابت قدم تھے۔۔تو۔۔۔

قَالَ اَفَرَءَیْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۵﴾ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاِنَّهُمْ

کہا کہ "کیا تم کو بھی سوجھا، کہ کیا پوجتے رہے ● تم اور تمہارے اگلے باپ دادا؟" ● "بلاشبہ میرے

عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۷﴾ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾

تو یہ سب دشمن ہیں، سوا رب العالمین کے ● جس نے مجھ کو پیدا فرمایا، پھر وہی راہ دے مجھے ●

(کہا) ابراہیم علیہ السلام نے (کہ کیا تم کو بھی سوجھا کہ کیا پوجتے رہے ● تم اور تمہارے اگلے باپ دادا؟ بلاشبہ میرے تو یہ سب دشمن ہیں)۔
حضرت ابراہیم نے بتوں پر دشمن کا اطلاق اس لیے کیا ہے، کہ یہ بت آخرت میں کفار کے دشمن بن جائیں گے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اُن کو زندہ فرما دے گا حتیٰ کہ وہ کفار کو اُس کی عبادت کرنے پر ڈانٹیں گے اور اُن کی عبادت سے اپنی براءت اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔

اِس پر یوں بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ جب کفار نے ان بتوں کی تعظیم کی اور اُن کی عبادت کی اور اُن سے نفع پہنچانے اور ضَرر دُور کرنے کی امید کی، تو کفار نے اپنے اعتقاد میں اُن کو زندہ عقل والا قرار دے دیا۔ اور جب واقع میں اُن بتوں نے کفار کو دُنیا میں نفع پہنچایا نہ آخرت میں، اور دُنیا میں اُن سے ضَرر دُور کیا نہ آخرت میں، تو انجام کار وہ بت کفار کے دشمن ثابت ہوئے، کہ کفار کی اتنی تعظیم اور عبادت کے باوجود دُنیا اور آخرت میں اُن کے کسی کام نہ آسکے۔ تو اگر بفرضِ محال آپ کفار کی جگہ پر ہوتے، تو اُن کی دشمنی حضرت ابراہیم کے تعلق سے بھی ظاہر ہو جاتی۔

یہ کلام بطورِ تعریض بھی ہوسکتا ہے۔ تعریض اِس کو کہتے ہیں کہ صراحتاً ایک شخص کی طرف اسناد کیا جائے اور اِشارہ دوسرے کی طرف ہو۔ تو حقیقت میں وہ بت کفار کے دشمن تھے، مگر حضرت ابراہیم نے تعریضاً کہا کہ وہ میرے دشمن ہیں۔ اپنے پجاریوں کے ساتھ بتوں کی دشمنی ظاہر ہے اِس واسطے کہ ان کی عبادت کرنے سے جو ضَرر عبادت کرنے والے کو پہنچتا ہے وہ ضَرر کسی دشمن سے متصور نہیں۔۔۔یا۔۔۔ اِس کے معنی یہ ہیں کہ میں دشمن ہوں اُن بتوں کا اِس واسطے کہ جو کوئی دوسرے کو دشمن رکھتا ہے، تو دوسرا بھی اُسے دشمن رکھتا ہے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دشمنی اُن کی دشمنی کے پردے میں ظاہر کی، اس لیے کہ نصیحت کے محل میں اشارۃً حکم کرنا صراحۃً حکم کرنے کے بہ نسبت بہت مفید ہوتا ہے۔ تو اب اُن کے کلام کا حاصل یہ ہوا کہ میں اُن کا مخالف اور دشمن ہوں اور میرا کوئی ایسا دوست نہیں جو میرا معبود ہو۔۔۔

(سوا رب العالمین کے ● جس نے مجھ کو پیدا فرمایا) اور عدم سے وجود میں لایا۔ **(پھر وہی راہ دے مجھے)** سیدھی میرے اقوال و افعال میں ۔۔یا۔۔ پیدا کیا اُس نے مجھے حق بات قائم کرنے کو اور راہ دکھاتا ہے خلق کو دعوتِ اسلام کی۔۔اور۔۔

وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾

وہی ہے جو کھلاتا ہے مجھے، اور پلاتا ہے مجھے ●

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾

اور جب میں بیمار پڑا، تو وہ مجھے شفا دے ●

(پروردگارا! بخشے رکھ مجھ کو حکم) علم میں، کہ اُس کے سبب سے خلافتِ حق اور ریاستِ خلق کا مستعد اور مستحق ہو جاؤں۔ (اور ملائے رکھ مجھ کو) علم و عمل میں کمالِ توفیق کے سبب سے (لیاقت والوں میں)، یعنی راہ کے شائستہ اور درگاہ کے برگزیدہ لوگوں کے ساتھ۔ (اور کردے میری تعریف میں سچی بول پچھلوں میں)، یعنی جو لوگ میرے بعد پیدا ہوں اُن کی زبان پر میری نیک نامی اور شہرہ جاری کردے۔

اور یہ دُعا قبول ہوئی، اِس واسطے کہ مجوس، یہود، نصاریٰ اور اہلِ اسلام سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ثنا کرتے ہیں، اور بعضوں نے کہا ہے کہ مراد لِسَانَ صِدْقٍ سے مَردِ صادق ہے۔ اور اِس آیت کا معنی یہ ہیں کہ ظاہر کر میرا اصل دین نیا کرنے کو ایک سچا آدمی اخیر امتوں میں، اور اِس سے جناب سلطان الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مراد ہیں۔

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿٨٥﴾

اور بنائے رکھ مجھ کو آرام والی جنت کے وارثوں سے●

وَاغْفِرْ لِاَبِیْۤ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿٨٦﴾

اور بخش دے میرے بابا کو، کہ وہ بلاشبہ گمراہوں سے تھا●

(اور بنائے رکھ مجھ کو آرام والی جنت کے وارثوں سے) جو نعمتوں سے بھری ہے۔ یعنی مجھے اُن لوگوں میں رہنے دے جو بہشت کے مکانوں میں اُتریں گے، (اور بخش دے میرے بابا) آزر (کو) یعنی ایمان نصیب کر، تاکہ وہ بخش دیا جائے، کیوں (کہ وہ بلاشبہ گمراہوں سے تھا)۔ یعنی طریقِ حق سے بھٹکا ہوا تھا۔

ذہن نشین رہے کہ آزر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر کے وعدہ پر اعتماد کر کے اُس کے لیے مغفرت کی دُعا کی تھی، اور جب وہ اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس سے بیزار ہو گئے۔ سورۂ توبہ آیت ۱۱۴ میں ہے۔۔۔"اور اس کا اپنے بابا یعنی عرفی باپ کے لیے مغفرت کی دُعا کرنا صرف اُس وعدہ کی وجہ سے تھا جو اُس نے اُن سے کر لیا تھا، اور جب ابراہیم پر یہ منکشف ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے، تو وہ اُس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بہت نرم دِل اور بہت بُردبار تھے"۔۔۔

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾ اِلَّا مَنْ

اور مت رُسوا کرنا مجھے جس دن لوگ اُٹھائے جائیں گے ● جس دن نہ کام آئے مال اور نہ اولاد ● مگر جو آیا

اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿٨٩﴾

اللہ کے یہاں صحیح سلامت دِل کے ساتھ" ●

(اور مت رسوا کرنا مجھے جس دن لوگ اُٹھائے جائیں گے) اپنی قبروں سے۔ یہ دُعا بھی امتوں کی تعلیم ہے، ورنہ انبیاء علیہم السلام کو ذلت اور رسوائی نہ ہوگی۔ (جس دن) فائدہ نہ دے اور (نہ) ہی (کام آئے) گا (مال اور نہ اولاد)۔ یعنی کسی کا مال اور اُس کے بیٹے اُس دن اُس کے کام نہ آئیں گے، (مگر جو آیا اللہ) تعالیٰ (کے یہاں صحیح سلامت دِل کے ساتھ)۔ یعنی ایسے دِل کے ساتھ جو خالی ہے کفر اور گناہ سے۔ اِس واسطے کہ اُس دِل والے نے خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کیا ہوگا، اور اپنے فرزندوں کو راہِ حق اِرشاد اور تعلیم کی ہوگی، تو ایسا مال اور فرزند اُسے نفع پہنچائیں گے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی گواہی میں اخلاص دل کی سلامتی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ 'دلِ سلیم' وہ ہے جو محبتِ دُنیا سے خالی ہو، اور بعضوں نے کہا کہ جس دل میں حسد اور خیانت نہ ہو۔ یہ قول بعض اہل بیتِ ازواج نبی ﷺ اور بعض اصحابِ رسول ﷺ سے نقل کیا ہے۔ بعض عارفین کا کہنا یہ ہے کہ 'قلبِ سلیم' وہ ہے، جو خالی ہو غیر خدا سے۔ اور بعض صوفیاء کا کہنا یہ ہے، کہ 'دلِ سلیم' وہ ہے جس میں نہ دُنیا کی آفتیں سمائیں اور نہ عقبیٰ کی طمعیں آئیں۔۔۔ یا۔۔۔ جو دل بدعت سے خالی ہو اور سنت پر مطمئن ہو۔۔۔ یا۔۔۔ بقولِ سیدالطائفہ قدس سرہ 'سلیم' سانپ کا ڈسا ہوا ہوتا ہے، اور سانپ کا ڈسا ہمیشہ قلق اور اضطراب رکھتا ہے، تو معنی یہ ہوئے کہ 'دلِ سلیم' وہ ہے جو ہمیشہ مقامِ بے صبری اور عاجزی اور زاری میں ہے، خوفِ جدائی۔۔۔ یا۔۔۔ شوقِ وصال کے سبب سے۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِلْغٰوِيْنَ ﴿٩١﴾ وَقِيْلَ لَهُمْ

اور قریب کردی گئی جنت ڈرنے والوں کے واسطے ● اور ظاہر کردیا گیا جہنم بے راہوں کے لیے ● اور فرمان صادر کیا گیا اُنہیں

اَيْنَمَا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٩٢﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿٩٣﴾

کہ "کہاں ہیں جن کو معبود مانتے تھے تم ● اللہ سے الگ ہوکر؟ کیا وہ تمہاری مدد کریں گے یا بدلہ لیں گے؟" ●

(اور) وہ دن ایسا دن ہوگا کہ (قریب کردی گئی) اُس دن (جنت ڈرنے والوں کے واسطے)، تا کہ اپنے ٹھہرنے کی جگہ سے اُسے دیکھیں اور منازل اور مقامات کو دیکھ کر خوش ہوں۔ (اور ظاہر کردیا گیا جہنم بے راہوں کے لیے)، یعنی گمراہوں کے واسطے، تا کہ اُس میں اپنے مقامات دیکھیں اور اُن کا غم اور اَلم زیادہ ہو۔ (اور) خدا کا (فرمان) فرشتوں کے ذریعہ (صادر کیا گیا انہیں)، یعنی فرشتوں کو مامور کیا گیا کہ وہ اُن سے پوچھیں، (کہ کہاں ہیں) وہ (جن کو معبود مانتے تھے تم)؟ اور ہمیشہ اُنہیں پوجتے تھے (اللہ) تعالیٰ (سے الگ ہوکر) اور اُس کے باغی ہوکر۔ تو بتاؤ وہ تمہارے خدا کہاں ہیں جن سے تم امیدوار تھے۔ (کیا وہ تمہاری مدد کریں گے) تم پر سے عذاب دفع کرنے میں (۔۔یا۔۔ بدلہ لیں گے) یعنی کیا وہ تمہارا بدلہ لے سکتے ہیں؟

فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوٗنَ ﴿٩٤﴾ وَجُنُوْدُ اِبْلِيْسَ اَجْمَعُوْنَ ﴿٩٥﴾

تو منہ کے بَل جھونک دیے گئے وہ سب جہنم میں، اور سارے بے راہ لوگ ● اور ابلیس کا لشکر سارا ●

(تو منہ کے بَل جھونک دیے گئے وہ سب) بت (جہنم میں، اور) انہیں کے ساتھ اُن کو پوجنے والے (سارے بے راہ لوگ) جہنم رسید کردیے گئے۔ (اور ابلیس کا لشکر سارا) دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ ابلیس کے لشکر سے مراد وہ جن اور آدمی ہیں جو اُس کے تابع ہیں۔

قَالُوْا وَهُمْ فِيْهَا يَخْتَصِمُوْنَ ﴿٩٦﴾ تَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٧﴾

بولے، اور وہ اُسی میں لڑجھگڑ رہے ہیں ● کہ "خدا کی قسم ہم یقیناً کھلی گمراہی میں تھے ●

اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٨﴾ وَمَآ اَضَلَّنَآ اِلَّا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿٩٩﴾ فَمَا لَنَا

کہ ہم تمہاری برابری کرتے تھے رب العالمین سے ● اور نہیں بے راہ کیا تھا ہمیں مگر مجرموں نے ● تو نہیں ہے

مِنْ شَافِعِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴿١٠١﴾

ہمارا کوئی سفارشی ● اور نہ غم خوار دوست ●

(بولے) کافر (اور) حال یہ ہے کہ (وہ اُسی) جہنم (میں لڑجھگڑ رہے ہیں)۔۔ چنانچہ۔۔ بت پرست بتوں سے کہیں گے، (کہ خدا کی قسم ہم یقیناً کھلی گمراہی میں تھے) جب (کہ ہم) استحقاقِ عبادت میں (تمہاری برابری کرتے تھے رب العالمین سے ● اور نہیں بے راہ کیا تھا ہمیں) اور گمراہی پر نہیں رکھا (مگر مجرموں نے)۔ یعنی بُرے لوگوں اور بدکاروں نے یعنی ہمارے سرداروں نے۔۔یا۔۔

شیطانوں نے، (تو نہیں ہے ہمارا کوئی سفارشی) جیسا کہ مؤمنوں کے واسطے ہیں، (اور نہ غم خوار دوست)۔ یعنی ایسا یار کوئی نہ ہوگا جو اُس دن یاری اور اہتمام کرے کافروں کی مہم میں اور دوستی کی شرط بجالائے۔

جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "دوست اُس دن بعضے اُن کے بعضوں کے دشمن ہیں مگر پرہیزگار لوگ"۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ حَمِیْمٍ دراصل 'ہمیم' ہے، تو قربِ مخرج کے سبب سے 'ہائے ہوز' کو 'حائے حطی' سے بدل دیا۔ اور 'ہمیم' ماخوذ ہے اہتمام سے۔ یعنی وہ یار کوئی نہ ہوگا جو اُس دن یاری اور اہتمام کرے کافروں کی مہم میں اور دوستی کا حق ادا کرے۔ پھر کافر حسرت کی راہ سے کہیں گے۔۔۔

فَلَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٢﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ

تو کاش ہمیں دوبارہ جانا ہو، تو ہو جائیں ہم مسلمان● بے شک اس میں ضرور نشانی ہے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٠٣﴾

اور نہ تھے اُن کے بہتیرے ماننے والے●

(تو کاش ہمیں دوبارہ جانا ہو، تو ہو جائیں ہم مسلمان)۔ یعنی کاش ایسا ہوتا کہ ہمیں دُنیا میں واپس کردیا جاتا اور وہاں جا کر ہم ایمان والوں میں سے ہو جاتے۔ (بے شک اس میں) یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خبر میں اور قوم کے ساتھ اُن کی دلیلیں پیش کرنے میں (ضرور نشانی ہے) کہ عقلمند اُس کے سبب سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔ (اور نہ تھے اُن کے) یعنی حضرت ابراہیم کی قوم کے (بہتیرے ماننے والے)۔ اس واسطے کہ اہلِ بابل میں سے نمرود کی بیٹی کے سوا کوئی ایمان نہ لایا تھا۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾

ع ٥ ٩

اور بلاشبہ تمہارا پروردگار ہی عزت والا رحم والا ہے●

(اور بلاشبہ تمہارا پروردگار ہی عزت والا) ہے، تو وہ غالب ہے مشرکوں پر، اس واسطے کہ اُس کے قہر کو رَد نہیں کیا جاسکتا۔ اور (رحم والا ہے)، یعنی ایسا مہربان ہے جو بندوں کی توبہ کو رَد نہیں فرماتا۔

اب انبیائے کرام کے قصص میں سے اِس سورت میں جو قصہ بیان کیا جارہا ہے، وہ تیسرا قصہ ہے جو حضرت نوح سے متعلق ہے۔ اس سے پہلے حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم کے قصے بیان فرمائے تھے اور یہ بتایا تھا، کہ۔۔۔

ہے۔۔چنانچہ۔۔(میں نہیں مانگتا تم سے اُس پر کوئی اُجرت، نہیں ہے میری اُجرت مگر رب العالمین پر) یعنی پروردگارِ عالم پر، جس نے مجھے رسول بنایا ہے اور فریضہ رُسالت کو ادا کرنے کی ذمہ داری دی ہے، وہی اپنے فضل وکرم سے مجھے اجر عطا فرمائے گا۔ میرا کام خدا کے حکم اور اُسی کی رضا کے لیے ہے، تو پھر بندوں سے اِس کام کی اُجرت لینے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾

تو ڈرو اللہ کو اور میرا کہا مانو" ● سب بولے کہ "کیا ہم تمہیں مانیں؟ حالانکہ پیروی کی تمہاری اُچھوتوں نے" ●

(تو ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو اور میرا کہا مانو)۔

ڈرنے اور اطاعت کے کرنے کا حکم مکرّر لانا تاکید کے واسطے ہے، اس واسطے کہ نوح علیہ السلام کی قوم نہایت سخت دِل تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے جواب میں (سب بولے کہ کیا ہم تمہیں مانیں) اور تمہاری تصدیق کریں (حالانکہ پیروی کی تمہاری اُچھوتوں نے)، یعنی بے قدروں اور کمینوں نے۔ اور یہ لوگ ظاہر میں تیرے تابع ہیں اور باطن میں مخالف۔ حضرت نوح نے۔۔۔

قَالَ وَمَا عِلْمِیْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّیْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾

جواب دیا کہ "مجھے کیا بحث، کہ وہ کیا کرتے رہتے تھے ● اُن کا حساب نہیں، مگر میرے پروردگار پر، کاش تمیز سے کام لو ●

(جواب دیا کہ مجھے کیا بحث، کہ وہ کیا کرتے رہتے تھے)، یعنی میرا حکم تو ظاہر پر ہے۔ اس واسطے کہ ظاہر میں تو یہ لوگ ایمان والوں کے کام کرتے ہیں، خواہ اخلاص کی راہ سے کرتے ہیں۔۔یا۔۔ نفاق کی راہ سے۔ (اُن) کے باطن (کا حساب نہیں) ہے (مگر میرے پروردگار) کے ذمۂ کرم (پر)، جو مطلع ہے اُن کے باطن کے احوال سے۔ (کاش تمیز سے کام لو) اور عقل وشعور سے سمجھو، اور جان لو کہ بذاتِ خود عالم الغیب وہی ہے۔ اے میری قوم کے لوگو! تم جان لو کہ میں سچا ہوں۔ تو قوم کے لوگ بولے کہ اے نوح! اُن کمینوں کو تم اپنی مجلس سے نکال دو تو ہم تمہارے پاس آئیں اور تمہاری باتیں سنیں۔ تو نوح علیہ السلام نے فرمایا۔۔۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾ قَالُوْا

اور نہیں ہوں میں نکال دینے والا مسلمانوں کو ● میں کھلا کھلا ڈر سنانے والا ہی ہوں" ● سب بولے

لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ یٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِیْنَ ﴿١١٦﴾

"اگر تم باز نہ آئے اَے نوح! تو ضرور پتھراؤ کیے جاؤ گے"●

(اور نہیں ہوں میں نکال دینے والا مسلمانوں کو● میں کھلا کھلا ڈر سنانے والا ہی ہوں) یعنی خدا نے مجھے مکلّف لوگوں کو دعوتِ اسلام کرنے کے واسطے بھیجا ہے، وہ لوگ غنی ہوں یا فقیر۔ تو (سب بولے اگر تم باز نہ آئے اَے نوح!) اُس بات سے جو تُو کہتا ہے، یعنی اسلام کی طرف بُلانا اور شرک سے ڈرانا، تو اگر تم نے اپنی اِن دو باتوں کو جاری رکھا، (تو ضرور پتھراؤ کیے جاؤ گے) اور تم پتھروں کے مارے مَرے ہوؤں میں سے۔۔یا۔۔نکالے ہوؤں میں سے ہو جاؤ گے۔ اِس بات کو سن کر اور قوم کے ایمان سے نا امید ہونے کے بعد، حضرت نوح نے۔۔۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِیْ

دُعا کی کہ "پروردگارا! بے شک میری قوم نے جھٹلا دیا مجھے● تو فیصلہ فرمادے میرے اور اُن کے درمیان پورا پورا، اور بچالے مجھے،

وَ مَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿١١٨﴾ فَاَنْجَیْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِی الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾

اور جو میرے ساتھ ہیں مسلمان"● تو بچالیا ہم نے اُنہیں، اور جو اُس کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں●

(دُعا کی کہ پروردگارا! بے شک میری قوم نے جھٹلا دیا مجھے)، یعنی میری تکذیب کی اور مجھے جھوٹا بنادیا۔ تو (تُو فیصلہ فرمادے میرے اور اِن کے درمیان پورا پورا، اور بچالے مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں مسلمان) سب کو اُن کے شَر سے۔ (تو بچالیا ہم نے اُنہیں اور جو اُن کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں)۔ کیونکہ اُس میں آدمی، حیوانات اور اسباب اور کھانے کی چیزیں تھی۔۔ الحنصر۔۔ جو کشتی میں تھے سب کو ہم نے بچالیا۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِیْنَ ﴿١٢٠﴾ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً ؕ وَ مَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿١٢١﴾

پھر ڈبو دیا ہم نے اس کے بعد باقی لوگوں کو● بے شک اس میں ضرور نشانی ہے۔ اور نہ تھے اُن کے بہتیرے ماننے والے●

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ﴿١٢٢﴾ ع ١٨ ١٠

اور بے شک تمہارا پروردگار ہی عزت والا رحم والا ہے●

(پھر ڈبو دیا ہم نے اُس کے بعد باقی لوگوں کو● بے شک اُس میں) یعنی ایذاءِ قوم پر نوح کے

صبر کرنے میں (ضرور نشانی ہے) اِس بات پر، کہ صبر موجب ظفر ہے۔ (اور نہ تھے اُن کے بہتیرے) لوگ (ماننے والے)۔ بلکہ اُن کی امت میں سے صرف اُناسی[79] آدمی ایمان لا کر اُن کے ساتھ کشتی میں تھے۔ (اور بے شک تمہارا پروردگار ہی عزت والا) ہے جو کافروں کو عذاب کرنے پر قادر ہے، اور (رحم والا ہے) اُن پر، کہ عذاب میں تاخیر فرماتا ہے۔۔۔یا۔۔۔پیغمبروں کو حلم اور بُردباری اور کافروں کے ساتھ حجت اور دلیل کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادُ ۨالْمُرْسَلِيْنَ ۚ﴿١٢٣﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۚ﴿١٢٤﴾

جھٹلا دیا عاد نے سب ہی رسولوں کو● جب کہ کہا اُنہیں اُن کی قوم کے ہود نے کہ "کیا تم لوگ نہ ڈرو گے؟●

حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم اور حضرت نوح علیہم السلام کے قصوں کے بعد یہ چوتھا قصہ حضرت ہود علیہ السلام کا ہے۔ عاد حضرت ہود علیہ السلام کی قوم تھی۔ اُن کے تعلق سے اِرشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

(جھٹلا دیا) قوم (عاد نے سب ہی رسولوں کو) اِس واسطے کہ جو کوئی ایک پیغمبر کا منکر ہوا وہ سب کا منکر ہو چکا۔ اَے محبوب! یاد کرو اُس بات کو (جب کہ کہا اُنہیں اُن کی قوم کے ہود نے) جو اُن کے نسبی بھائی تھے، (کہ کیا تم لوگ نہ ڈرو گے) عذاب الٰہی سے، اور پرہیز نہ کرو گے شرک سے۔ اور سنو! کہ۔۔۔

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۙ﴿١٢٥﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوْنِ ۚ﴿١٢٦﴾ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ

بلاشبہ میں تمہارے لیے رسول ہوں امانت دار● تو ڈرو اللہ کو اور میرا کہا مانو● اور میں نہیں چاہتا تم سے

مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ﴿١٢٧﴾

اس پر کوئی اُجرت۔ نہیں ہے میری اُجرت مگر رب العالمین پر●

(بلاشبہ میں تمہارے لیے رسول ہوں امانت دار) یعنی فریضۂ رسالت ادا کرنے میں امانت والا، (تو ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) اور اُس کے حکم کی مخالفت چھوڑ دو (اور میرا کہا مانو)۔ یعنی میری اطاعت کرو اُس بات میں جس کی طرف میں تم کو بُلاتا ہوں۔ (اور میں نہیں چاہتا تم سے اِس) دعوتِ اسلام (پر کوئی اُجرت) دُنیا کے مال و متاع میں سے۔ (نہیں ہے میری اُجرت مگر رب العالمین پر) یعنی پروردگارِ کائنات پر۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ﴿١٢٨﴾ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ﴿١٢٩﴾

کیا تم رکھتے ہو ہر ٹیلے پر ایک بنیادی نشانی، کہ بیہودگی برتو● اور بناتے ہو مضبوط مضبوط گھر کہ تم اُس میں ہمیشہ ہی رہو گے●

(کیا تم رکھتے ہو ہر ٹیلے پر ایک بنیادی نشانی، کہ بے ہودگی برتو) اور وہاں بیٹھ کر راہ چلتوں پر ہنسو اور اُن کا مذاق اُڑاؤ۔۔یا۔۔مکان بنا کر اُس میں رہنے سے گریز کرو، گویا کہ عبث ہیں۔۔یا۔۔کبوتر خانے بناتے ہو اور کبوتر بازی سے لطف اندوز ہوتے ہو۔ (اور بناتے ہو مضبوط مضبوط گھر)، یعنی مضبوط کوٹھے۔۔یا۔۔اونچے محل، گویا (کہ تم اُس میں ہمیشہ ہی رہو گے)۔ اور یہ ہمیشہ آباد رہیں گے اور کبھی برباد نہیں ہوں گے۔

وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٣١﴾

اور جب کسی کو پکڑا تم نے تو بے دردوں کی طرح پکڑا● تو ڈرو اللہ کو اور کہا مانو میرا●

(اور) تمہارا حال یہ ہے کہ (جب کسی کو پکڑا تم نے تو بے دردوں کی طرح پکڑا)۔ یعنی جب تم کسی پر حملہ آور ہوتے ہو، تو تمہارا حملہ بڑا ہی شدید ہوتا ہے، اور پھر جو تمہاری گرفت میں آتا ہے، اُس سے بہت ہی بے دردانہ اور ظالمانہ سلوک کرتے ہو، اور اپنی قوت وطاقت کا مظاہرہ کرتے ہو سرکش اور متکبر ہو کر۔ یعنی اُس وقت شفقت اور مہربانی نہیں کرتے۔۔یا۔۔بدلہ لیتے ہو، تو ظالموں کی طرح بدلہ لیتے ہو۔ (تو ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) اور سرکشی اور تکبر جو تمہارے لائق نہیں، اُسے چھوڑ دو۔ (اور کہا مانو میرا)، یعنی میرے احکام کی اطاعت کرو اِس واسطے کہ اس میں تمہارا نفع ہے۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٣٢﴾ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَجَنّٰتٍ

اور ڈرو اُسے جس نے مدد فرمائی تمہاری اُس سے، جو تم جانتے ہو● مدد فرمائی تمہاری چوپایوں سے اور اولاد سے● اور باغوں

وَّعُيُوْنٍ ﴿١٣٤﴾ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٣٥﴾

اور چشموں سے● بے شک میں ڈر رہا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کو"●

(اور ڈرو اُسے جس نے مدد فرمائی تمہاری اُس سے جو تم جانتے ہو) اقسامِ نعمت میں سے۔ اور (مدد فرمائی تمہاری چوپایوں سے) جیسے اونٹ، گائے، بکری کہ اُن کے سبب سے فائدے اُٹھاتے ہو۔ (اور اولاد سے) جو ہر حال میں تمہارے یار و مددگار ہیں۔ (اور باغوں) سے کہ اُن کے میوے

کھاتے ہو، (اور چشموں سے) پانی پینے کی ضرورت اور کھیتی کی پنچائی اور سرسبزی اُسی سے پوری ہوتی ہے۔اور سن لوکہ (بے شک میں ڈررہا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کو)۔یعنی مجھے خوف ہے کہ اگر تم شرک پر اڑے رہوگے تو غضب کی آندھی آنے کے دن۔۔یا۔قیامت کے دن مبتلائے عذاب ہو جاؤ گے۔حضرت ہودعلیہ السلام کے جواب میں۔۔۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ﴿١٣٦﴾ اِنْ هٰذَآ

سب بولے، "یکساں ہے ہمارے لیے کہ نصیحت تم نے کی یا نہ کی ● نہیں ہے یہ،

اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣٧﴾ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿١٣٨﴾

مگر اگلوں کی چال ● اور ہمیں عذاب نہ دیا جائے گا" ●

(سب بولے، یکساں ہے ہمارے لیے کہ نصیحت تم نے کی یا نہ کی)، یعنی ہم اپنا طریقہ نہ چھوڑیں گے۔کیونکہ (نہیں ہے یہ) کام جس پر ہم لوگ ہیں جیسے بت پرستی، سرکشی اور اونچے اونچے مکانات بنانا، (مگر) ہمارے (اگلوں کی چال)۔یعنی ہمارے باپ دادوں کی روش، تو ہم اِس سے باز آنے والے نہیں۔(اور) ہماری اپنی اِن عادتوں کے سبب سے (ہمیں عذاب نہ دیا جائے گا)۔تو اَے ہود جس عذاب سے تم ہمیں ڈراتے ہو، وہ ہم تک پہنچنے والا نہیں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

تو اُن لوگوں نے جھٹلا دیا اُنہیں، چنانچہ برباد کر دیا ہم نے اُنہیں۔بے شک اس میں ضرور نشانی ہے، اور اُن کے بہتیرے

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٤٠﴾ ع ١٨ ١١

ماننے والے نہ تھے ● اور بے شک تمہارا پروردگار ضرور غلبہ والا رحم والا ہے ●

(تو اُن لوگوں نے جھٹلا دیا اُنہیں) اور اُن کے رسول ہونے کی تکذیب کی۔(چنانچہ برباد کر دیا ہم نے اُنہیں) آندھی سے۔(بے شک اِس میں) قوم عاد کی ہلاکت میں (ضرور نشانی ہے) یہ حقیقت ظاہر کرنے والی، کہ جھٹلانے والے بالآخر عذاب میں مبتلا ہوتے ہیں۔(اور اُن کے بہتیرے ماننے والے نہ تھے)، اس واسطے کہ اُس قبیلہ کے تھوڑے سے آدمی حضرت ہود کے ساتھ امن میں تھے، باقی سب عذاب میں مبتلا ہوئے۔(اور بے شک تمہارا پروردگار ضرور غلبہ والا) ہے، کہ کافروں پر عذاب کرنے

میں باک نہیں رکھتا، اور (رحم والا ہے) یعنی ایمان والوں کو عذاب سے بچاتا ہے۔

کَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿١٤١﴾

جھٹلا دیا ثمود نے سب رسولوں کو●

انبیاءِ کرام کے قصوں میں یہ پانچواں قصہ ہے جو حضرت صالح علیہ السلام سے متعلق ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔ اِرشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

(جھٹلا دیا ثمود نے سب رسولوں کو) یعنی حضرت صالح کی تکذیب کے ضمن میں سارے انبیاء کے پیغام کی تکذیب کر دی، اس لیے کہ سارے نبیوں کا پیغام توحید و رسالت، قیامت، حشر و نشر، حساب کتاب وغیرہ کے تعلق سے ایک ہی ہے، تو کسی ایک نبی کے پیغام کا اِنکار سارے نبیوں کے پیغاموں کے اِنکار کو مستلزم ہے۔ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

اِذۡ قَالَ لَهُمۡ اَخُوۡهُمۡ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿١٤٢﴾ اِنِّیۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِیۡنٌ ﴿١٤٣﴾

جب کہ کہا اُنہیں اُن کی قوم کے صالح نے کہ "کیا تم نہیں ڈرو گے؟"● بے شک میں تمہارے لیے رسول امانت دار ہوں●

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوۡنِ ﴿١٤٤﴾

تو ڈرو اللہ کو اور کہا مانو میرا●

(جب کہ کہا اُنہیں اُن کی قوم کے صالح نے) یعنی اُن کے قرابتی بھائی صالح نے، (کہ کیا تم نہیں ڈرو گے) خدا کے عذاب سے، کہ اُس کے ساتھ خدائی میں دوسرے کو شریک کرتے ہو۔ (بے شک میں تمہارے لیے رسول امانت دار ہوں)۔ میری امانت داری اور سچائی تم سب میں مشہور ہے، اور تم سب اُس سے باخبر ہو۔ (تو) میری سنو اور (ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو)، اور اس طرح عذابِ الٰہی سے بچتے رہو۔ (اور کہا مانو میرا) امر و نہی میں۔

وَمَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ ۚ اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿١٤٥﴾

اور نہیں مانگتا میں تم سے اِس پر کوئی اجرت۔ نہیں ہے اُجرت میری، مگر رب العالمین پر●

اَتُتۡرَكُوۡنَ فِیۡ مَا هٰهُنَاۤ اٰمِنِیۡنَ ﴿١٤٦﴾ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّعُیُوۡنٍ ﴿١٤٧﴾ وَّزُرُوۡعٍ وَّ

کیا چھوڑ دیے جاؤ گے تم؟ جو کچھ یہاں ہے امن و امان میں● باغوں میں اور چشموں میں● اور کھیتوں میں اور

نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيمٌ ﴿١٤٨﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا فٰرِهِيْنَ ﴿١٤٩﴾

کھجوروں میں، جن کے خوشے نرم نازک پختہ ہیں • اور تراش لیتے ہو پہاڑوں سے گھروں کو اتراتے ہوئے •

(اور نہیں مانگتا میں تم سے اِس پر)، یعنی اِس نصیحت پر جو میں تمہیں کرتا ہوں (کوئی اُجرت)، کہ تم مجھ پر حرص وآز کی تہمت لگا سکو۔ (نہیں ہے اُجرت میری مگر رب العالمین پر)، جو رب ہے سارے اہلِ عالم کا۔ اَے میری قوم کے لوگو! (کیا) تم اِس خام خیالی میں ہو، کہ (چھوڑ دیے جاؤ گے تم؟ جو کچھ یہاں ہے امن وامان میں • باغوں میں اور چشموں میں • اور کھیتوں میں اور کھجوروں میں، جن کے خوشے نرم ونازک پختہ ہیں • اور تراش لیتے ہو پہاڑوں سے گھروں کو اِتراتے ہوئے)۔ یعنی تم یہ نہ سمجھو کہ تم دُنیا کے جن مکانوں اور سرسبز وشاداب جگہوں میں ہو اُن میں ہمیشہ امن وامان کے ساتھ رہ جاؤ گے اور یہ تم سے چھوٹے گا نہیں۔۔۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٥٠﴾ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٥١﴾ الَّذِيْنَ

تو ڈرو اللہ کو اور کہا مانو میرا • اور نہ مانو فضول خرچوں کا حکم • جو

يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿١٥٢﴾

فساد مچائیں زمین میں، اور درست نہ کریں" •

(تو ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) اور دُور دراز امید نہ رکھا کرو۔ (اور کہا مانو) احکام میں (میرا • اور نہ مانو فضول خرچوں کا حکم • جو فساد مچائیں زمین میں) یعنی زمینِ حجر میں تباہی مچائیں، (اور) اپنا حال (درست نہ کریں)۔

اُن کافروں سے وہ کافر مراد ہیں جنہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جن کا قصہ انشاء المولیٰ تعالیٰ سورۂ نمل میں مذکور ہوگا۔

حضرت صالح کے جواب میں قومِ ثمود کے لوگ۔۔۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ﴿١٥٣﴾ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚۖ

سب بولے کہ "تم بس جادو کیے ہوئے ہو • تم ہماری ہی طرح بشر ہو۔

فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٥٤﴾

لاؤ تو کوئی نشانی اگر سچے ہو" •

(سب بولے کہ تم بس جادو کیے ہوئے ہو)۔ یعنی تجھ پر بڑا جادو کیا گیا ہے، جس سے تیری عقل گُم ہوگئی ہے۔ (تم ہماری ہی طرح بشر ہو)۔

قوم نے حضرت صالح علیہ السلام کی صورت ہی پر نظر کی اور اُن کی حقیقت سے ناواقف رہ کر یہ نہ جانا، کہ صورت کے سوا اُن کے واسطے اَور کوئی چیز بھی حاصل ہے۔

۔۔۔القصہ۔۔۔قوم نے آپ سے کہا، کہ (لاؤ تو کوئی نشانی اگر سچے ہو) اپنے دعوے میں۔ پس صالح علیہ السلام نے پوچھا کہ تم کیا نشانی مانگتے ہو؟ اُنہوں نے فرمائش کی کہ خاص اسی پتھر میں سے ایسی ہی صورت کی اونٹنی نکال۔ جب اُن کا مدعا حاصل ہوگیا، تو حضرت صالح نے اُن کے نشانی طلب کرنے کا۔۔۔

قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿١٥٥﴾ وَلَا تَمَسُّوْهَا

جواب دیا کہ "یہ اونٹنی ہے، ایک دن اِس کا پینا ہے اور ایک مقرر دن تمہارے پینے کا ہے ● اور مت چھونا اِس کو

بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥٦﴾

بُرائی سے، کہ پکڑے تمہیں بڑے دن کا عذاب" ●

(جواب دیا) اور فرمایا (کہ یہ اونٹنی ہے) جو تم نے مانگی۔ (ایک دن اِس کا پینا ہے اور ایک مقرر دن تمہارے پینے کا ہے) تو اِس کے باری والے دن اِس سے مزاحمت نہ کرنا۔ (اور مت چھونا اِس کو بُرائی سے) یعنی اُسے مارنے یا مار ڈالنے کا اِرادہ نہ کرنا، کیوں (کہ) اگر ایسا کروگے، تو (پکڑے گا (تمہیں بڑے دن کا عذاب)۔ اُس دن کی بڑائی اُس عذاب کی بڑائی کے سبب سے ہے جو اُس دن ہوگا۔ قومِ ثمود کے لوگ اِس ہدایت پر عمل نہ کرسکے۔۔۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ﴿١٥٧﴾ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ

چنانچہ کونچیں کاٹ دیں اُس کی، تو صبح کی اُنہوں نے پچھتاتے ● کہ پکڑ لیا اُنہیں عذاب نے۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے۔

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٥٨﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٥٩﴾ ع ٨ ١٢

اور اُن کے بہتیرے مسلمان نہ تھے ● اور بے شک تمہارا پروردگار ضرور وہی عزت والا رحم والا ہے ●

(چنانچہ کونچیں کاٹ دیں اُس کی، تو صبح کی اُنہوں نے پچھتاتے) ہوئے بلا نازل ہونے

کے قریب۔ کیوں (کہ پکڑلیا اُنہیں عذاب نے) جس کا وعدہ تھا، یعنی سخت آواز کے عذاب نے۔ (بے شک اِس میں ضرور نشانی ہے) یعنی وہ عذاب جو قومِ ثمود پر نازل ہوا دلیل ہے اِس بات پر کہ مانگے ہوئے معجزے ظاہر ہونے کے بعد، کفر پر باقی رہنا عذاب نازل ہونے کا سبب ہے۔ (اور اُن کے بہتیرے مسلمان نہ تھے) یعنی قومِ ثمود کے اکثر ایمان والے نہ تھے۔ (اور بے شک تمہارا پروردگار! ضرور وہی عزت والا) ہے، یعنی ایسا غالب ہے جو مغلوب ہوتا ہی نہیں، اور (رحم والا ہے) کیونکہ جب تک کوئی قابلِ عذاب نہ ہو، تب تک عذاب نہیں کرتا۔ انبیاءِ سابقین کی قوموں کی طرح۔۔۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾

جھٹلادیا لوط کی قوم نے سب رسولوں کو●

(جھٹلادیا لوط کی قوم نے) یعنی موتفکات والوں نے۔۔۔

جن کو از راہِ شفقت، حضرت لوط کا بھائی کہا گیا ہے۔ حضرت لوط اُس قوم میں باہر سے آئے تھے۔۔لہٰذا۔۔اُن سے نہ تو نسبی قرابت رکھتے تھے اور نہ ہی اُن کے ہم قبیلہ تھے، مگر نبی چونکہ امتی پر شفیق و مہربان ہوتا ہے اور اخوت میں بھی شفقت ہوتی ہے، اس لیے بھائی کہہ دیا گیا۔

۔۔۔(سب رسولوں کو) جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام وغیرہم کو۔ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٦٢﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

جبکہ کہا اُنہیں اُن کی قوم کے لوط نے کہ "کیا خوف سے کام نہ لوگے؟● بے شک میں تمہارے لیے اللہ کا بھیجا ہوا امانت دار ہوں● تو ڈرو اللہ کو

وَاَطِيْعُوْنِ ﴿١٦٣﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٤﴾

اور کہا مانو میرا● اور میں نہیں چاہتا تم سے اِس پر کوئی اجرت۔ میری اُجرت بس رب العالمین پر ہے●

(جب کہ کہا اُنہیں اُن کی قوم کے لوط نے، کہ کیا خوف سے کام نہ لوگے) گناہ میں خدا سے۔ (بے شک میں تمہارے لیے اللہ) تعالیٰ (کا بھیجا ہوا امانت دار ہوں)، یعنی سچا رسول ہوں نصیحت میں، یعنی تمہارا خیر خواہ ہوں، (تو ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) میری نصیحت چھوڑ دینے میں، (اور کہا مانو میرا) میری نصیحت ماننے میں۔ (اور میں نہیں چاہتا تم سے اِس پر) یعنی اِس نصیحت پر جو کرتا ہوں (کوئی اُجرت)،

اس واسطے کہ (میری اُجرت بس رب العالمین پر ہے) یعنی پروردگارِ عالم پر ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٥﴾

کیا بدکاری کرتے ہو مردوں سے سارے جہان میں●

(کیا بدکاری کرتے ہو مَردوں سے سارے جہان میں)۔ یعنی تم اولادِ آدم میں سے مَردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔

حالانکہ اُن کے شہر میں عورتیں بہت زیادہ تھیں، باوجود اُس کے وہ باہر سے آنے والے مسافروں اور غریب لوگوں سے مباشرت کرنے کی رغبت رکھتے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی چار بستیاں تھیں۔ اُن کا سب سے بڑا شہر 'سدوم' تھا۔ حضرت لوط اس بستی میں مبعوث کیے گئے تھے۔ یہ شہر بھی 'الموتفکات' میں سے تھا، یعنی اُن بستیوں میں اُس کا شمار تھا جو اُلٹ دی گئی تھیں۔۔ الختصر۔۔ حضرت لوط نے موتفکات والوں سے فرمایا، کہ یہ تمہاری کتنی بے شرمی ہے کہ تم مَردوں سے بدکاری کرتے ہو۔

وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿١٦٦﴾

اور چھوڑ بیٹھے ہو وہ جو پیدا فرمایا تمہارے لیے، تمہارے پروردگار نے تمہاری بیبیاں، بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ گئے ہو"●

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿١٦٧﴾

سب بولے کہ "اگر تم باز نہ آئے اَے لوط، تو ضرور نکال دیے جاؤ گے"●

(اور چھوڑ بیٹھے ہو وہ جو پیدا فرمایا تمہارے لیے تمہارے پروردگار نے تمہاری بیبیاں) تمہاری عورتوں میں سے۔ (بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ گئے ہو) کہ جوروئیں موجود ہوتے ہوئے، مَردوں سے مباشرت کرنے کی رغبت رکھتے ہو۔ اِس کے جواب میں قومِ لوط کے (سب) لوگ (بولے، کہ اگر تم باز نہ آئے اَے لوط!) ہمارے کام کو بُرا کہنے سے اور ہمیں منع کرنے سے، (تو ضرور نکال دیے جاؤ گے)۔

حضرت لوط نے۔۔۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿١٦٨﴾ رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٩﴾

جواب دیا کہ "بے شک میں تمہارے کرتوت سے بیزار ہوں● پروردگارا! بچائے رکھ مجھ کو اور میرے اہل کو ان کے کرتوتوں سے"●

فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٧٠﴾ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٧١﴾

تو بچالیا ہم نے اُنہیں اور اُن کے سب یگانوں کو● مگر ایک بوڑھی عورت پچھڑ جانے والوں سے●

(جواب دیا کہ بے شک میں تمہارے کرتوت سے بیزار ہوں)۔ پھر قوم کی طرف سے منہ پھیر کر مناجات شروع کی، کہ (پروردگارا! بچائے رکھ مجھ کو اور میرے اہل کو اِن کے کرتوتوں سے) یعنی اُس برائی سے جو وہ کرتے ہیں۔ (تو بچالیا ہم نے انہیں اور اُن کے سب یگانوں کو)۔۔۔ الغرض۔۔ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر والے، اُن کی بی بی اور دو بیٹیاں اور دو داماد تھے۔ سب نے رہائی پائی، (مگر ایک بوڑھی عورت پچھڑ جانے والوں سے) مبتلائے عذاب ہوئی۔ کیونکہ وہ عورت لوط علیہ السلام کے ساتھ نہیں نکلی اور بولی، کہ میں اِس بات پر راضی ہوں کہ جو کچھ قوم پر گزرے وہ مجھ پر بھی گزرے۔

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٧٢﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿١٧٣﴾ اِنَّ

پھر برباد کر دیا ہم نے اوروں کو● اور برسایا ہم نے اُن پر ایک برساؤ، تو کیسی بُری ہوئی ڈرائے جانے والوں کی بارش● بے شک

فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۚ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٧٤﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٧٥﴾ ع ٩ ١٦ ١٣

اِس میں ضرور نشانی ہے۔ اور نہ تھے اُن کے بہتیرے ماننے والے● اور بے شک تمہارا پروردگار ضرور وہی عزت والا رحم والا ہے●

(پھر برباد کر دیا ہم نے اوروں کو● اور برسایا ہم نے اُن پر ایک برساؤ) پتھر کا۔۔یا۔۔گندھک اور آگ کا۔ (تو کیسی بُری ہوئی ڈرائے جانے والوں کی بارش)۔ یعنی جن کو ڈرایا گیا اور وہ پھر بھی ایمان نہیں لائے، اُن کے لیے یہ بارش کس قدر تباہ کن ہوئی۔ (بے شک اِس میں) یعنی موتفکہ والوں پر عذاب ہونے میں (ضرور نشانی ہے) حکم نہ ماننے والوں کے عذاب پر۔ (اور نہ تھے اُن کے بہتیرے ماننے والے)۔

صحیح قول یہ ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں فقط ایمان لائی تھیں، اور بعض نے کہا ہے کہ لوط علیہ السلام کے دو داماد بھی ایمان لائے تھے۔

اِس نشانی نے ظاہر کر دیا (اور) واضح فرما دیا کہ (بے شک تمہارا پروردگار! ضرور وہی عزت والا) ہے۔ یعنی ایسا غالب ہے کہ ہرگز عاجز نہیں ہوتا، اور (رحم والا ہے) یعنی ایسا مہربان ہے جو آگاہ کرنے اور راہ بتانے کے قبل عذاب نہیں کرتا۔ سابق جھٹلانے والوں کی طرح۔۔۔

كَذَّبَ أَصْحَٰبُ لْـَٔيْكَةِ ٱلْمُرْسَلِينَ ﴿١٧٦﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٧٧﴾

جھٹلایا جھاڑی والوں نے سارے رسولوں کو ● جب کہ کہا اُن سے شعیب نے کہ "کیا ڈرو گے نہیں؟" ●

إِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿١٧٨﴾ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ﴿١٧٩﴾

بے شک میں تمہارے لیے امانت والا رسول ہوں ● تو ڈرا کرو اللہ کو اور کہا مانا کرو میرا ●

(جھٹلایا جھاڑی والوں نے سارے رسولوں کو) یعنی تکذیب کی ایکہ کے رہنے والوں نے سارے پیغمبروں کی۔

ایکہ ایک جنگل تھا مدین کے قریب۔ اُس جنگل میں پھل اور درخت بہت تھے۔ 'جذام' ایک قوم کا نام ہے، ایکہ کے لوگ اُسی قوم سے تھے۔ حق تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو جس طرح مدین والوں پر پیغمبر کیا تھا، اُن لوگوں پر بھی پیغمبر کیا۔

تو اَے محبوب! یاد کرو (جب کہ کہا اُن سے شعیب نے کہ کیا ڈرو گے نہیں) عذابِ الٰہی سے کہ اُس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ (بے شک میں تمہارے لیے امانت والا رسول ہوں) کیونکہ میں تمہارے حال کی درستگی ہی چاہتا ہوں، (تو ڈرا کرو اللہ) تعالیٰ (کو) کفر اور جھٹلانے سے اور ڈرتے رہو خدا کے غضب سے۔ (اور کہا مانا کرو میرا)، وہ کام چھوڑ دینے میں جو منع ہیں۔

وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١٨٠﴾ أَوْفُوا۟ ٱلْكَيْلَ

اور میں نہیں چاہتا تم سے اِس پر کوئی بدلہ۔ میرا ثواب بس رب العالمین پر ہے ● پوری ناپ ناپو،

وَلَا تَكُونُوا۟ مِنَ ٱلْمُخْسِرِينَ ﴿١٨١﴾ وَزِنُوا۟ بِٱلْقِسْطَاسِ ٱلْمُسْتَقِيمِ ﴿١٨٢﴾

اور کم ناپنے والوں سے مت بنو ● اور تولا کرو سیدھی ڈنڈی ●

وَلَا تَبْخَسُوا۟ ٱلنَّاسَ أَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا۟ فِى ٱلْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿١٨٣﴾

اور نہ کمی کرو لوگوں کی چیزوں میں، اور نہ پھرو زمین میں فساد مچاتے ●

(اور) جان لو کہ (میں نہیں چاہتا تم سے اِس پر) یعنی حکمِ الٰہی پہنچانے پر (کوئی بدلہ)، کیونکہ (میرا ثواب) تو (بس رب العالمین پر ہے) جو پروردگار کائنات ہے۔ میری قوم کے لوگو! میری باتوں کو غور سے سنو! اور (پوری ناپ ناپو، اور کم ناپنے والوں سے مت بنو)، یعنی اُن نقصان پہنچانے والوں میں سے مت بنو جو لوگوں کے حق گھٹاتے ہیں۔ (اور تولا کرو سیدھی ڈنڈی اور نہ کمی کرو لوگوں کی چیزوں

میں) جواُن کے حقوق میں سے ہیں۔یعنی کسی کی حق تلفی نہ کرواور جس کا جوحق بنتا ہے وہ اُسے سپرد کردو، (اورنہ پھروزمین) ایکہ (میں فساد مچاتے)،لُوٹ ماراورڈکیتی کرکے۔

وَاتَّقُوا الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ وَ الۡجِبِلَّۃَ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۱۸۴﴾ قَالُوۡۤا اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مِنَ

اورڈرواُسے جس نے تمہیں پیدا کیا،اوراگلے لوگوں کو"● سب بولے،"تم بس

الۡمُسَحَّرِیۡنَ ﴿۱۸۵﴾ وَ مَاۤ اَنۡتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا وَ اِنۡ نَّظُنُّکَ لَمِنَ الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۱۸۶﴾

جادو مارے ہو● اورتم ہماری ہی طرح بشر ہو،اورہم سمجھتے ہیں تمہیں جھوٹا●

فَاَسۡقِطۡ عَلَیۡنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۱۸۷﴾

گراتو دوہم پرکوئی ٹکڑا آسمان کا،اگرسچے ہو"●

(اورڈرواُسے) یعنی اس کے عذاب سے (جس نے تمہیں پیدا کیااوراگلے لوگوں کو)۔ایکہ کے لوگ جواباً (سب بولے،تم بس جادو مارے ہو) یعنی تم پرکسی نے جادوکردیا ہے۔اورتم کسی کے جادوکاشکارہوگئے ہو اِس سے تمہاری عقل زائل ہوگئی ہے۔۔المختصر۔۔تم سحرزدہ لوگوں میں سے ہوجن پر بار بار جادوکیا گیا ہو۔

(اورتم ہماری ہی طرح بشرہو) یعنی صفاتِ بشریہ میں ہمارے مثل ہو، پھرکس چیز کے سبب ہم پر بزرگی ظاہرکرتے ہو،اوریہ رسالت کادعویٰ کہاں سے لائے۔(اور) غور سے سن لوکہ (ہم سمجھتے ہیں تمہیں جھوٹا) یعنی تُو جھوٹادعویٰ کرتا ہے۔(گراتو دوہم پر) یعنی اپنے خدا سے کہہ، کہ پھینک دے ہم پر (کوئی ٹکڑا آسمان کا) کہ اُس میں عذاب ہو، (اگرسچے ہو) اِس بات میں کہ ہم پرعذاب ہوگا۔ شعیب علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ رَبِّیۡۤ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۸۸﴾

جواب دیا، کہ"میراپروردگارخوب جانتا ہے جوتمہارے کرتوت ہیں"●

(جواب دیا کہ میراپروردگارخوب جانتا ہے جوتمہارے کرتوت ہیں) یعنی وہ چیز جوتم کرتے ہو۔۔مثلاً: بت پرستی، ذخیرہ اندوزی، ناپ تول میں کمی کرنا اورتمہارے دوسرے گناہ۔۔چنانچہ۔۔جو عذاب تمہارے گناہوں کابدلہ ہوگا وہ تم پرنازل کرے گا۔اگرمہلت ہوتو ہو،لیکن چھوڑے گانہیں۔

روایت ہے کہ جب شعیب علیہ السلام کی قوم اِنکار اور تکبر میں حد سے بڑھی، تو حق تعالیٰ نے سات دن رات تک سخت گرمی میں اُن کو مبتلا کیا، یہاں تک کہ اُن کے کنوؤں اور چشموں کا پانی سخت گرمی سے اُبلنے لگا، اور وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے تہہ خانوں میں جا گھسے۔ گرمی اُور زیادہ ہوئی تو جنگل کی راہ پکڑی۔ گرمی کی شدت نے وہاں بھی پیچھا نہیں چھوڑا، کہ ناگاہ سیاہ اَبر ظاہر ہوا اور ٹھنڈی ہَوا چلنے لگی۔ ایکہ کے لوگ خوش ہوئے۔ ایک نے دوسرے کو آواز دی کہ آؤ ابر کے سایے میں آرام کرلیں۔ بس اُن سب کا اَبر کے نیچے جمع ہونا ہی تھا، کہ آگ اُس سے نکلی اور سب کو جلا دیا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، کہ۔۔۔

شعیب علیہ السلام نے انہیں عذاب سے ڈرایا۔۔۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۗ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٨٩﴾

تو جھٹلا دیا سب نے اُنہیں، تو پکڑ لیا اُنہیں شامیانہ والے دن کے عذاب نے۔ بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا●

(تو جھٹلا دیا سب نے اُنہیں، تو پکڑ لیا اُنہیں شامیانہ والے دن کے عذاب نے۔ بے شک وہ بڑے دن کا عذاب تھا)۔

اُس عذاب کو عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ کہتے ہیں۔ ظُلَّة عرب میں سائبان کو کہتے ہیں۔ چونکہ اُس دن اَبرِ سیاہ سائبان کی صورت میں اُن کے سروں پر تھا، اس لیے اُس دن کو يَوْمِ الظُّلَّةِ کہا گیا ہے۔ یہ بھی روایت ہے کہ جب اُن کی گرمی حد کو پہنچی، تو حق تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر سائبان کی طرح ہَوا میں ٹھہرا رہے، اور اُس کے نیچے ٹھنڈا پانی پیدا ہوگیا۔ پس اُن کافروں نے اُس پہاڑ کے نیچے پناہ لی اور وہ پہاڑ اُن پر گرا، اور وہ دَب کر ہلاک ہوگئے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۗ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٩٠﴾

بے شک اُس میں ضرور نشانی ہے، اور اُن کے بہتیرے ایمان والے نہ تھے●

(بے شک اُس) عذاب (میں ضرور نشانی ہے) کہ پانی والے اَبر سے آگ برسی، جو منتقمِ حقیقی کے کمالِ قدرت پر روشن دلیل ہے۔ (اور) حضرت شعیب جن کے لیے مبعوث کیے گئے (اُن کے بہتیرے ایمان والے نہ تھے)۔ ایکہ والے تو سارے کے سارے ہی ایمان نہ لائے، ہاں مدین والے

کچھ لوگ ایمان لے آئے تھے۔۔المختصر۔۔حضرت شعیب کو جن جن کی طرف بھیجا گیا، اُن میں اکثر بے ایمان ہی رہے۔

وَاِنَّ رَبَّکَ لَهُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ﴿۱۹۱﴾

ع ۱۰ ۱۴

اور بے شک تمہارا پروردگار ہی عزت والا رحم والا ہے●

(اور بے شک تمہارا پروردگار ہی عزت والا) ہے جو انبیائے کرام کو اُن کے دشمنوں پر غالب کرنے والا ہے۔اور (رحم والا ہے) یعنی انبیائے کرام اور اُن کے متبعین پر مہربان ہے۔

مذکورہ بالا قصہ سات پیغمبروں کے قصے میں اخیر قصہ ہے، جو کہ سلطان الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دلِ مبارک کی تسلی کے لیے مختصر طور پر اِس سورت میں مذکور ہوئے۔اور کفارِ قریش کے لیے اِن قصوں میں دھمکی بھی ہے، تاکہ اُنہیں معلوم ہوجائے کہ جس امت نے کسی پیغمبر کی تکذیب کی اُس پر عذاب نازل ہوا، تو اُن پر بھی آنحضرت ﷺ کی تکذیب کے سبب سے عذاب ہوگا۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے انبیاءِ سابقین علیہم السلام کے احوال اور اُن کی نبوت کے دلائل ذکر فرمائے تھے اور اُن کی قوموں نے جو اُن کی نبوت کا اِنکار کیا تھا اور اُس اِنکار کے نتیجے میں اُن پر جو اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا تھا، اُن کا ذکر فرمایا تھا۔

اور اب اگلی آیت میں ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے دلائل ذکر فرمائے ہیں، کیوں کہ ان آیتوں میں انبیاء علیہم السلام کے قصص اور اُن کے واقعات بیان فرمائے جب کہ نبی ﷺ نے اُن واقعات کو کسی سے نہیں سنا تھا، کیونکہ قریش مکہ جانتے تھے کہ آپ اہلِ علم اور اہلِ تاریخ کی مجلس میں نہیں بیٹھے تھے، اُس کے باوجود آپ نے اُن کے واقعات بالکل درست بیان فرمادیے۔اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن تمام واقعات سے آپ کو بذریعہ وحی مطلع فرمادیا۔اور آپ پر وحی کا نزول آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے یہ واقعات سابقہ کتابوں میں مذکور ہیں اور آپ نے سابقہ کتابیں نہیں پڑھی تھیں، کیونکہ آپ اُمّی تھے، اُس کے باوجود آپ نے یہ واقعات اُسی تفصیل کے ساتھ بیان فرمادیے اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب آپ پر وحی نازل ہو، اور نزولِ وحی آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝ عَلٰى قَلْبِكَ

اور بے شک یہ ضرور رب العالمین کا اُتارا ہوا ہے ● اس کو لے کر اُترے روح الامین ● تمہارے دِل پر،

لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ۝

کہ ڈرسنانے لگو تم ● صاف عربی زبان میں ●

(اور) صاف لفظوں میں ظاہر فرما رہا ہے، کہ (بے شک یہ) قرآن جس میں انبیاءِ سابقین کے حالات و واقعات بیان فرمائے گئے ہیں، (ضرور رب العالمین کا اُتارا ہوا ہے ● اِس کو لے کر اُترے روح الامین) سیدنا جبرائیل علیہ السلام (تمہارے دِل پر)، اور اے اللہ کے رسول تم نے اُن سے قرآن لے لیا، تو تمہارا دِل اُس کا ظرف ہوگیا۔ اور یہ ایسا ہوا گویا کہ قرآن تمہارے دِل پر اُترا۔۔یا یہ کہ۔۔جبرائیل علیہ السلام نے آپ پر اُس کی قرأت کی اور آپ نے اُسے یاد کرلیا اور اپنے دِل میں یاد رکھا۔ ایسا اس لیے کیا، تا (کہ ڈرسنانے لگو تم ● صاف عربی زبان میں)۔

وَاِنَّهٗ لَفِيْ زُبُرِ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اور بے شک اِس کا بیان اگلی کتابوں میں ہے ●

زبانِ عرب میں ڈرسنانے والے شعیب، ہود، صالح اور اسماعیل علیہم السلام بھی تھے، (اور بے شک اُس کا بیان اگلی کتابوں میں ہے)۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ عرب کے مشرک اپنے بعض مشکل کاموں میں بنی اسرائیل کے علماء کی طرف رجوع کرتے تھے، اور علماء جو بات اُس باب میں کہتے، وہ اُسے قبول کرکے دلیل جانتے۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ۔۔۔

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝

کیا نہیں ہے اُن کے لیے کوئی نشانی؟ کہ جانتے ہیں اُنہیں بنی اسرائیل کے علماء ●

(کیا نہیں ہے اُن کے لیے) یعنی قریش کے مشرکوں کے لیے (کوئی نشانی؟) قرآنِ کریم کی صحت اور نبی کریم کی نبوت پر، (کہ جانتے ہیں اُنہیں) یعنی قرآن کو اُس کی صفت کے ساتھ۔۔یا۔۔پیغمبر اسلام کو اُن کی نعت کے ساتھ (بنی اسرائیل کے علماء) جنہوں نے اگلی کتابیں پڑھی ہیں۔ اور کسی چیز پر عالم کی گواہی کے سبب اُس چیز کا یقین ہو جاتا ہے اور وہ چیز محقق ہو جاتی ہے۔

حق تعالیٰ نے قرآنِ کریم کو عربی زبان میں نازل فرما کر بہت ساری لب کشائیوں کے دروازے بند فرما دیے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْاَعْجَمِیْنَ ﴿۱۹۸﴾ فَقَرَاَهٗ عَلَیْهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ مُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۹۹﴾

اور اگر ہم اُتارتے اِس کو کسی غیر عربی پر● پھر وہ پڑھتا اِسے اُن پر، یہ لوگ نہ مانتے●

(اور اگر) ایسا ہوتا کہ (ہم اُتارتے اِس) قرآن (کو کسی غیر عربی پر) عربی ہی زبان میں، (پھر وہ پڑھتا اُسے اُن پر) اُن کی زبان میں اور اِس سے اعجازِ قرآنی زیادہ ظاہر ہوتا، کہ عجمی آدمی اِس کلامِ عربی کو پڑھے جو نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ ہو، اُس پر بھی (یہ) قریش کے مشرک (لوگ نہ مانتے) اور عذر یہ کرتے کہ عرب کو عجم کی متابعت سے عار ہے۔۔یا۔۔اگر قرآن کو مردِ عجمی پر زبانِ عجمی میں ہم اُتارتے، تو عرب کے کافر اس کا ایمان نہ لاتے اور کہتے کہ ہم تو یہ سمجھتے ہی نہیں اور اِس کے معنی ہمارے عقل ہی میں نہیں آتے۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۲۰۰﴾ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى یَرَوُا

اسی طرح پرو دیا ہے ہم نے جھٹلانے کو مجرموں کے دِلوں میں● وہ نہ مانیں گے اِسے، یہاں تک کہ دیکھ لیں

الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۲۰۱﴾ فَیَاْتِیَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

دکھ والا عذاب● تو وہ آ ہی جائے گا اُن پر اچانک، اور وہ بے خبر ہوں گے●

فَیَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

تو چلائیں گے کہ "کیا ہمیں مہلت ملے گی؟"●

(اسی طرح پرو دیا ہم نے) اِنکار، دشمنی، اور (جھٹلانے کو مجرموں) یعنی مشرکینِ مکہ (کے دلوں میں)۔اُن کی ضد، ہٹ دھرمی اور سرکشی کا عالم یہ ہے کہ (وہ نہ مانیں گے اِسے) یعنی اِس قرآن کو، (یہاں تک کہ دیکھ لیں دکھ والا عذاب) جو دُنیا میں دکھ دینے والا ہو جیسا کہ اگلی امتوں نے دیکھا۔۔یا۔۔قیامت میں۔(تو وہ آ ہی جائے گا اُن پر اچانک، اور وہ) اُس کے آنے کے وقت سے (بے خبر ہوں گے ٥ تو چلائیں گے کہ کیا ہمیں مہلت ملے گی) کہ ہم ایمان لائیں اور تصدیق کریں۔اُن کا حال یہ ہے کہ عذاب دیکھ کر مہلت مانگتے ہیں اور جب تک عذاب نہیں دیکھا تھا، تو کوئی کہتا کہ "برسا ہم پر پتھر"۔۔اور کوئی بولتا "لا ہم پر وہ عذاب جس کا وعدہ کیا تھا ہم سے"۔۔۔

أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٠٤﴾ أَفَرَءَيْتَ إِن مَّتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿٢٠٥﴾ ثُمَّ جَاءَهُم

تو کیا ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟● تمہیں دیکھو! کہ اگر مہلت دی ہم نے انہیں چند سال کی● پھر آ گیا اُن کے

مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿٢٠٦﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يُمَتَّعُونَ ﴿٢٠٧﴾

پاس جس سے ڈرائے گئے ہیں● تو کیا کام دے گا انہیں جو رہنے سہنے دیے گئے●

(تو) اَے محبوب! اس طرح عذاب کا مطالبہ کرنے والے جو کہتے ہیں کہ ہمیں کب تک اس عذاب سے ڈراتے رہو گے۔ آخر وہ عذاب کب آئے گا، تو (کیا ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں) اور ہمارے عذاب کو جلد طلب کر رہے ہیں۔ تو اچھا اَے محبوب! (تمہیں دیکھو) اور بتاؤ (کہ اگر مہلت) دے بھی (دی ہم نے انہیں چند سال کی● پھر) اُس کے بعد (آ) ہی (گیا اُن کے پاس) وہ عذاب (جس سے ڈرائے گئے ہیں● تو کیا کام دے گا انہیں جو رہنے سہنے دیے گئے)۔۔الغرض۔۔ وہ سامان اُن کے کس کام آئے گا جس سے فائدہ اُٹھانے کی اُنہیں مہلت دی گئی۔ یعنی اُن کی طویل العمری اور دُنیوی عیش وعشرت اُنہیں عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے گا، اور نہ ہی اُس میں تخفیف ہو سکے گی۔ حق تعالیٰ کا ارشاد۔۔۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ ﴿٢٠٨﴾ ذِكْرَىٰ وَمَا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٢٠٩﴾

اور نہیں برباد فرمایا ہم نے کسی آبادی کو، مگر اُس کے لیے ڈرانے والے ہوئے● یاد دِہانی کو۔۔ اور ہم نہیں اندھیر والے●

(اور) فرمان ہے کہ (نہیں برباد فرمایا ہم نے کسی آبادی کو) یعنی کسی گاؤں کے لوگوں کو (مگر اُس کے لیے ڈرانے والے ہوئے● یاد دہانی کو) اور نصیحت کرنے کو۔ یعنی پہلے ہم نے پیغمبر بھیجے، وہ اُن گاؤں والوں کو حق کی طرف بُلاتے تھے اور عذابِ الٰہی سے ڈراتے تھے۔ جب اُن لوگوں نے پیغمبروں کی تصدیق نہ کی اور عداوت وانکار میں زیادتی کی، تو عذاب کے مستحق ہو گئے۔ (اور ہم نہیں ہیں (اندھیر والے) ظالم، کہ ڈرانے سے پہلے ہلاک کر دیں۔

اب رہا کفارِ قریش کا یہ کہنا کہ 'وحی' نام کا شیطان محمد ﷺ' کے پاس آتا ہے اور اُن کے سامنے قرآن پڑھتا ہے، تو حق تعالیٰ نے اُن کی بات جھوٹی کر کے فرمایا۔۔۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيَاطِينُ ﴿٢١٠﴾ وَمَا يَنبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿٢١١﴾

اور نہیں اُتار لائے اِس کو شیطان● اور نہ وہ اِس لائق ہیں، اور نہ وہ ایسا کر سکیں●

إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ ﴿۲۱۲﴾

بلاشبہ وہ سننے سے ہٹادیے گئے ہیں●

(اور) واضح کردیا کہ (نہیں اُتارلائے اِس کو شیطان) یعنی نہیں اُترتے قرآن سمیت شیطان، (اور نہ وہ اِس) کے (لائق ہیں اور نہ) ہی (وہ ایسا کرسکیں)۔ یعنی وہ اِس کام کی سکت نہیں رکھتے، اور نہ ہی اِس پر قادر ہیں، اس واسطے کہ آگ کی مار اور فرشتے شیطانوں کو آسمان پر جانے سے مانع ہیں۔ (بلاشبہ وہ سننے سے ہٹادیے گئے ہیں)۔ یعنی اُن کو کنارے لگادیا گیا ہے اور اتنا دُور کردیا گیا ہے، کہ وہ فرشتوں کے کلام کو سن ہی نہیں سکتے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذَّبِينَ ﴿۲۱۳﴾

تو نہ دُہائی دو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی، کہ عذاب دیے جاؤ●

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۴﴾

اور ڈرسناؤ اپنے قریبی رشتہ داروں کو●

اُوپر عذابِ الٰہی کا ذکر ہوا تھا۔ اب اُس سے بچنے کی صورت اِرشاد فرمائی جارہی ہے، کہ جس میں خطاب نبی سے ہے اور مراد امتی ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اَے محبوب! اپنے ہر ہر امتی تک پیغامِ الٰہی پہنچادو اور اُن سے فرمادو، کہ اَے مخاطب! صرف اللہ تعالیٰ ہی مستحقِ عبادت ہے۔۔۔

(تو نہ دُہائی دو اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی کہ عذاب دیے جاؤ) اور عذاب یافتہ لوگوں میں سے ہوجاؤ۔

اب خاص کرکے آنحضرت ﷺ کو مخاطب فرماکر فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب! راہِ ہدایت کی طرف بُلاؤ (اور ڈرسناؤ اپنے قریبی رشتہ داروں کو) اُس عذاب سے جو شرک اور گناہ کبیرہ کی وجہ سے ہوتا ہے۔

قریبی رشتہ داروں سے بنو ہاشم مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے میں اُن سے اِبتداء کرنا اُسی طرح اولیٰ ہے جس طرح نیکی اور صلہ رحم میں اُن سے اِبتداء کرنا اولیٰ ہے۔

اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے کوہِ صفا پر چڑھ کر اُن میں سے ایک

ایک کو پکارا۔ جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا، کہ اگر میں کہوں کہ اِس پہاڑ کے پیچھے سواروں کا ایک گروہ ہے، تو تم میری بات مانو گے؟ سب بولے کہ ہاں مانیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ڈرانے والا ہوں تم کو عذابِ سخت سے جو کہ درپیش ہے۔ لوگ یہ بات سن کر بددِل ہو کر متفرق ہو گئے اور ابولہب آپ کو ایذاء دینے پر مستعد ہو گیا۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٢١٥﴾ فَاِنْ عَصَوْكَ

اور جھکا دو اپنے بازو کو اُن کے لیے، جو تمہارے پیچھے پیچھے چلیں مسلمان ● اب اگر تمہاری نافرمانی اُنہوں نے کی،

فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٢١٦﴾

تو کہہ دو کہ "بلاشبہ میں بیزار ہوں تمہارے کرتوت سے" ●

نبی کریم سے فرمادیا گیا **(اور جھکا دو اپنے بازو کو اُن کے لیے جو تمہارے پیچھے پیچھے چلیں مسلمان)**۔ یعنی اَے محبوب! مہربانی کرو معزز کر کے بزرگی سے نواز دو اُس شخص کو جس نے تیری پیروی کی ایمان داروں میں سے۔ **(اب اگر تمہاری نافرمانی اُنہوں نے کی، تو کہہ دو کہ بلاشبہ میں بیزار ہوں تمہارے کرتوت سے)**۔ یعنی اگر تمہارے رشتہ دار بھی تمہارے نافرمان ہو جائیں، تو تم اُن سے اپنی براءت ظاہر کر دو اور اُن پر واضح کر دو کہ تمہارے کاموں پر مجھ سے مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اَے محبوب! ہر حال میں خاص کر کے فریضۂ دعوت و تبلیغ و ہدایت انجام دینے کی صورت میں توکل سے کام لو۔۔۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ﴿٢١٧﴾ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿٢١٨﴾ وَتَقَلُّبَكَ

اور بھروسہ رکھو عزت والے رحم والے پر ● جو نگرانی فرماتا ہے تمہاری جب کھڑے ہوتے ہو ● اور تمہاری اُلٹ پھیر کو

فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿٢١٩﴾ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٢٠﴾

نمازیوں میں ● بے شک وہی سننے والا علم والا ہے ●

(اور بھروسہ رکھو عزت والے) خدائے غالب پر، جو قادر ہے دشمنوں کو مغلوب اور مقہور کرنے پر۔ اور **(رحم والے پر)** یعنی خدائے مہربان پر جو قدرت رکھتا ہے دوستوں کو مدد پر۔ **(جو نگرانی فرماتا ہے تمہاری)** اَے محبوب! **(جب)** نمازِ تہجد کے لیے تنہا **(کھڑے ہوتے ہو، اور)** دیکھتا ہے **(تمہاری اُلٹ پھیر کو نمازیوں میں)**۔ یعنی نمازیوں کے بیچ حالتِ نماز میں تمہارے قیام اور رکوع و سجود اور امامت کرنے پر ربّ کریم کی خاص نظر ہے۔ **(بے شک وہی سننے والا)** ہے تمہاری بات، اور **(علم والا ہے)**

جو تمہاری نیت کو جانتا ہے۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿٢٢١﴾ تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿٢٢٢﴾

کیا میں تمہیں بتادوں کہ "کس پر اترتے ہیں شیطان؟" ● اترتے ہیں ہر افترا پرداز گنہ گار پر ●

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿٢٢٣﴾ وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿٢٢٤﴾

سنی سنائی کہہ ڈالتے ہیں، اور اُن میں زیادہ تر جھوٹے ہیں ● اور شاعر لوگوں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں ●

اِس سے پہلے حق تعالیٰ بیان فرما چکا ہے کہ محمد ﷺ پر شیطان کا اُترنا روا نہیں، اس واسطے کہ باہم کوئی مناسبت نہیں ہے۔ اور اب یہاں فرماتا ہے، کہ۔۔۔

(کیا میں تمہیں بتادوں کہ کس پر اُترتے ہیں شیطان)؟ وہ (اُترتے ہیں ہر افترا پرداز گنہ گار پر)، جیسے کاہن جو شیطان سے (سنی سنائی) باتیں (کہہ ڈالتے ہیں، اور) حال یہ ہے کہ (اُن میں زیادہ تر جھوٹے ہیں) یعنی وہ سب کے سب جھوٹے ہیں۔ (اور) مشرک (شاعر لوگوں کی پیروی) اور اُن کی باتوں پر اعتماد (گمراہ لوگ کرتے ہیں)۔ مشرک شاعر جیسے ابن زبعری، ہبیرہ، مساع اور امیہ ثقفی وغیرہ کے اشعار وغیرہ کی روایت اُن کے گمراہ شاگرد اور عرب کے احمق لوگ کرتے ہیں۔

منقول ہے کہ دو شاعروں نے حضرت رسالت پناہ علیہ السلام کے باب میں اور اسلام کی مذمت میں شعر کہے اور مشرکوں نے یاد کرلیے جسے وہ پڑھا کرتے تھے، یہ آیت اُن کی شان میں نازل ہوئی۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ﴿٢٢٥﴾

کیا تم نے نہ دیکھا کہ وہ ہر میدان میں بہکا کرتے ہیں ●

(کیا تم نے نہ دیکھا) اَے محبوب! (کہ وہ ہر میدان میں بہکا کرتے ہیں) جیسے کہ محبوب کے وصف میں شعر کہنا، فضول بکواس کرنا، اور قصہ و کہانی گڑھنا، دِل لگی کے مضمون نظم کرنا، نسبوں میں طعن کرنا، غیر مستحق کی مدح کرنا، نالائق کی تعریف کرنا، اور کسی کی مذمت میں مبالغہ کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ﴿٢٢٦﴾

اور بے شک وہ کہتے ہیں، جو خود نہیں کرتے ●

(اور بے شک وہ) شاعرلوگ (کہتے ہیں) وہ بات (جوخود نہیں کرتے)، یعنی بغیر گناہ کیے ہوئے اپنے اوپر ازراہِ حماقت گناہ کی گواہی دیتے ہیں۔ جو پیغام کہیں نہیں بھیجے اُسے نظم کرتے ہیں، اور اُس کو ہر جگہ بھیجنے کی اپنی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اور اُس کے علاوہ بھی بہت سارے خرافات کرتے رہتے ہیں۔

اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت حسان بن ثابت، عبداللہ بن رواحہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے شاعروں کا ایک گروہ حضرت رسولِ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض پیش کی، کہ حق تعالیٰ جانتا ہے کہ ہم شاعر ہیں۔ حضرت ابن رواحہ نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ میں اِسی وصف میں مرجاؤں۔ یعنی مجھ سے شاعری کبھی نہ چھوٹے اور تاحیات شاعری کے شغل میں مبتلا رہوں، تو حضرت ﷺ نے فرمایا کہ مؤمن جہاد کرتا ہے اپنی شمشیر سے اور تم لوگ اپنی زبان سے کافروں کی شان میں جو شعر کہتے ہو، وہ تیر اور نیزے سے زیادہ اُن پر سخت ہیں۔ اِس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ جن شاعر کے تابع احمق لوگ ہیں، وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ

مگر جو ایمان لائے اور لیاقت مندی کے کام کیے، اور تذکرہ کیا اللہ کا بہت، اور بدلہ لیا بعد اس کے

مَا ظُلِمُوْا ۭ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿٢٢٧﴾ ع ١٥

کہ ستائے گئے۔ اور جلد ہی جان لیں گے جنہوں نے ستایا ہے، کہ کس کروٹ پلٹا کھاتے ہیں●

(مگر) وہ لوگ (جو ایمان لائے اور لیاقت مندی کے کام کیے) اور رب تعالیٰ کی حمد و ثنا میں اور محبوبِ رب کی شان میں نعت کہی اور کافروں کے ہجو اور مذمت میں مشغول ہوئے، (اور تذکرہ کیا اللہ) تعالیٰ (کا بہت) اپنے اشعار میں، (اور بدلہ لیا) مشرکوں سے (بعد اِس کے کہ ستائے گئے) تھے ہجو کے سبب سے، یعنی اُن کی ہجاء اُنہیں کی طرف پھیر دی۔

۔۔چنانچہ۔۔ نبی کریم نے حضرت حسان سے فرمایا کہ "مشرکوں کی ہجو کر، پس جبرائیل تیرے ساتھ ہیں"۔ بعض عارفین کا ارشاد ہے، کہ ہر چند حق تعالیٰ نے آیہ کریمہ والشعراء ۔۔الآیۃ میں شاعروں کو جو کہ دریائے شعر کے پیراک ہیں جمع کر لیا ہے، اور لامِ استغراق کی کمند اُن کی گردنوں میں ڈال دی ہے، کبھی انہیں حماقت کے دریائے بے نہایت میں ڈالنا

ہے، اور کبھی انہیں حیرت اور گمراہی کے جنگل میں پیاسا سرگرداں کرتا ہے، مگر اکثر اُن میں سے نیک کام کرنے کے سبب اور سچا ایمان رکھنے کے باعث **اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** کی کشتی میں امن وامان اور سکون وآرام سے بیٹھے ہیں اور **ذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا** کے بادبان کے واسطہ سے خلاص کے ساحل اور نجات کے کنارے پہنچ گئے۔

مؤمنین کے ساتھ ظلم (اور) زیادتی کرنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے، کہ **(جلد ہی جان لیں گے جنہوں نے ستایا ہے)** کفر اور افتراء کر کے۔۔یا۔۔پیغمبر کی طرف شاعری کی نسبت کر کے، **(کہ)** موت کے بعد **(کس کروٹ پلٹا کھاتے ہیں)**۔ مراد یہ ہے کہ اُن کا مکان آتشِ دوزخ میں ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۳ / رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۴ / اگست ۲۰۱۱ء

بروز چہارشنبہ سورۃ الشعراء کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ

مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل

کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ وَبِحَقِّ نٓ وصٓ

وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا **مُحَمَّد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

بفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۴ / رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۵ / اگست ۲۰۱۱ء

بروز پنجشنبہ، سورۃ النمل کی تفسیر کا آغاز کر دیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس کی

اور باقی پورے قرآنِ کریم کی تفسیر کرنے کی سعادت اپنے فضل وکرم

سے مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ وَبِحَقِّ نٓ وصٓ

وَبِحَقِّ یَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ وَنَبِیِّكَ

سَیِّدِنَا **مُحَمَّد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

سُوْرَةُ النَّمْلِ ٢٧ مكية ٤٨ — اٰيَاتُهَا ٩٣ — رُكُوْعَاتُهَا ٧

سُوْرَةُ النَّمْلِ

سورۂ نمل ۔۔۔ ۲۷ مکیہ ۴۸ — آیاتہا ۹۳ ۔۔۔ رکوعاتہا ۷

یہ سورۂ مبارکہ نزول کے اِعتبار سے جس کا نمبر ۴۸ ہے اور ترتیبِ مصحف کے اِعتبار سے جس کا نمبر ۲۷ ہے۔ جو مکی ہے اور سورۃ الشعراء کے بعد اور سورۃ القصص سے پہلے نازل ہوئی۔ اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ کے نزدیک اِس کی پچانوے ۹۵ آیتیں ہیں اور اہلِ شام، بصرہ اور کوفہ کے نزدیک اِس کی چورانوے ۹۴ آیات ہیں۔ ہمارے مصاحف میں اِس کی ترانوے ۹۳ آیات لکھی ہوئی ہیں۔ آیات کا یہ اختلاف اُن کے شمار کے اعتبار سے ہے۔ اِس سورہ کی آیت ۱۸ میں 'النمل' کا ذکر ہے، اس لیے اِس کا نام 'سورۃ النمل' قرار دے دیا گیا۔ اِس سے پہلی سورت میں انبیاء علیہم السلام کے قصص بیان کیے گئے تھے، لیکن اس میں حضرت داود اور حضرت سلیمان کا قصہ نہیں تھا۔ اِس میں اُن کا قصہ بھی ہے۔ سو یہ سورہ سابقہ سورت کا تتمہ ہے۔

سابقہ سورت میں جن انبیاءِ کرام علیہم السلام کے قصص اجمالی طور پر بیان کیے گئے تھے، اِس سورت میں اُن کے قصص تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ اِس سے پہلی سورۃ یعنی سورۃ الشعراء کی اِبتداء میں قرآنِ مجید کا وصف بیان فرمایا تھا، تو اِس سورہ کی اِبتداء میں بھی قرآنِ کریم کا وصف بیان فرمایا ہے۔ اِن دونوں سورتوں میں نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے، کہ آپ کفار کی اِیذاء رسانی سے گھبرائیں نہیں اور نہ پریشان ہوں۔ اِس سورہ میں جو امور بیان کیے گئے ہیں، اُن کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لائے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے کی تصدیق کرے، اور اپنی زندگی گزارنے کے لیے قرآنِ کریم کو چراغِ ہدایت مان لے۔ ایسی بابرکت، ہدایت افروز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور ایمان والوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ ①

طٰ س ۔۔۔ یہ ہیں آیتیں قرآن کی، اور روشن کتاب کی ●

(طٰس)

اللہ تعالیٰ ہی جانے اِن حروف سے اپنی مراد کو۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ ہی کے علم دینے سے وہ جانیں جن پر اِن کو نازل فرمایا گیا ہے۔۔یا۔۔خدا کے وہ محبوبین جانیں جن پر ان حروف میں مخفی اسرار ورموز کو کھول دیا گیا ہے۔تو قسم ہے طہارتِ قدسِ الٰہی کی اور سنائے عزنا متناہی کی۔۔یا۔۔قسم ہے طالبینِ راہِ مولیٰ کی، جن کے دِلوں کو ماسویٰ اللہ سے سلامتی حاصل ہے۔

(یہ) سورت (ہیں آیتیں قرآن کی) جنہیں بکثرت پڑھا جاتا ہے، (اور) آیتیں ہیں (روشن کتاب کی) جنہیں بکثرت لکھا جاتا ہے۔

تو پڑھنے کی جہت سے وہ قرآن ہیں، اور لکھنے کی جہت سے وہ کتاب ہیں۔ پہلے قرأت ہوئی پھر کتابت، اس لیے بیان کی ترتیب میں پہلے قرآن اِرشاد فرمایا گیا پھر کتاب کا ذکر کیا گیا۔یہ روشن کتاب کس لیے ہے؟۔۔۔

هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

ہدایت اور خوشخبری مان جانے والوں کے لیے●

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾

جو پابندی کریں نماز کی، اور دیں زکوٰۃ، اور وہ آخرت پر یقین رکھیں●

(ہدایت) دینے (اور خوشخبری) سنانے کے لیے (مان جانے والوں کے لیے)۔ یہ کتاب راہ تو سب کو دکھاتی ہے اور اُس کی ہدایت سب کے لیے ہے، لیکن اُس کی ہدایت سے کماحقہٗ فائدہ اُٹھانے والے وہی ہیں جو ایمان والے ہیں۔اور (جو پابندی کریں نماز کی) اور اُسے کماحقہٗ ہمیشہ ادا کرتے رہیں (اور دیں زکوٰۃ) یعنی اپنے مالوں میں سے مستحقوں کو دیتے رہیں۔

مکہ شریف میں اِسی قدر حکم تھا۔۔ہاں۔۔مدینہ شریف میں معروف ومتعارف زکوٰۃ کا اُس کے تمام قواعد وضوابط کے ساتھ حکم نازل فرمایا گیا۔

(اور وہ آخرت پر یقین رکھیں)۔

اِس مقام پر ذہن نشین رہے کہ انسان کے شرف کے تین۳ مراتب ہیں، پہلا مرتبہ یہ ہے کہ اُس کو مبدءِ فیاض کا علم ہو اور اُس پر ایمان ہو، اور آخری مرتبہ یہ ہے کہ اُس کو معاد اور آخرت کا علم ہو اور اُس پر ایمان ہو، اور متوسط مرتبہ یہ ہے کہ وہ اِن دونوں مرتبوں کے ثبوت

اور تصدیق کے لیے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام پر عمل کرے۔

اور اُن احکام میں اہم حکم یہ ہے کہ وہ اپنی جان اور مال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں صَرف کرے۔ نماز پڑھے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ اور جو اِن اَحکام پر پابندی سے عمل کرے گا وہ باقی اَحکام پر بھی پابندی سے عمل کرے گا۔ اس لیے اِس آیت میں پہلے انسان کے شرف اور کمال کے پہلے مرتبہ کا ذکر فرمایا اور وہ اللہ و رسول پر ایمان لانا ہے، پھر متوسط مرتبہ کا ذکر کیا اور وہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے، اور اُس کے بعد آخری مرتبہ کا ذکر کیا اور وہ آخرت پر یقین رکھنا ہے۔

یہاں یہ بھی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جو لوگ نفس پر دشواری کے باوجود نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، دراصل وہی مسلمان آخرت پر یقین رکھنے والے ہیں۔ کیونکہ آخرت کا خوف ہی اُن کو شہوت اور غضب کے غلبہ کے وقت گناہوں سے باز رکھتا ہے اور نیک اعمال بالخصوص فرائض و واجبات و مؤکدات پر عمل کرنے کو اُبھارتا ہے۔ مؤمنین کے ذکر کے بعد قرآنِ کریم اپنے اسلوب کے مطابق کافروں کا ذکر فرما رہا ہے، اس لیے کہ ایک ضد کی معرفت سے اس کے دوسرے ضد کا تعارف بخوبی ہو جاتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۴﴾

بے شک جو نہ مانیں آخرت کو، تو اچھا لگنے دیا ہم نے اُن کی نگاہوں میں اُن کے کرتوتوں کو، تو وہ مدہوش ہیں●

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۵﴾

وہی ہیں جن کے لیے بُرا عذاب ہے، اور وہی ہیں آخرت میں گھاٹے والے●

(بے شک جو نہ مانیں آخرت کو، تو) اُن کا حال یہ ہے، کہ **(اچھا لگنے دیا ہم نے اُن کی نگاہوں میں اُن کے کرتوتوں کو)**۔۔ چنانچہ۔۔ اُن کے بُرے کاموں کو اُن کی طبیعت کا مرغوب اور اُن کے نفس کا محبوب کر دیا ہے۔ اِس طرح کہ اُن میں امیدوں اور خواہشوں کو ملا دیا ہے کہ بُرے کام انہیں اچھے نظر آتے ہیں، **(تو وہ مدہوش ہیں)** اور سرگرداں ہیں اپنی گمراہی میں۔ **(وہی ہیں جن کے لیے بُرا عذاب ہے)** دُنیا میں، جیسے کہ قتل اور قیدی ہونا جنگِ بدر کے دن۔ **(اور وہی ہیں آخرت میں گھاٹے والے)**۔ یعنی آخرت میں بڑا نقصان اُٹھانے والے وہی ہیں، ثواب فوت ہونے اور مستحقِ عذاب ہو جانے کے سبب سے۔ آغازِ سورہ میں جس قرآنِ کریم کی آیات کا ذکر ہے اَے محبوب! وہ تم پر نازل ہوا۔۔۔

وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ ﴿٦﴾

اور بے شک تم سکھائے جاتے ہو قرآن کو، حکمت والے علم والے کی طرف سے●

(اور بے شک تم سکھائے جاتے ہو قرآن کو حکمت والے علم والے کی طرف سے)۔یعنی اَے محبوب! تم قرآن حاصل کر لیتے ہو جبرائیل کے سکھانے سے، کہ وہ تمہارے پاس آتے ہیں پاس سے اُس خداوند کے جس کے کام راست اور درست ہیں، اور جو ہر غیب وشہادت کا جاننے والا ہے۔

اب اِس سورت میں قصصِ انبیاء علیہم السلام میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پہلا قصہ بیان فرمایا جارہا ہے۔

اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ

جب کہا تھا موسیٰ نے اپنی اہلیہ کی خاطر کہ "مجھے دکھ پڑی ہے آگ۔ بہت جلد تمہارے پاس اس کی خبر لاتا ہوں،

اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٧﴾

یا لے آؤں گا تمہارے لیے چمکتی چنگاری، کہ تم تاپ لو"●

(جب کہا تھا موسیٰ نے اپنی اہلیہ کی خاطر) اپنے اُن لوگوں سے جو اُن کے ساتھ تھے اُس وقت جب وہ مدین سے مصر کی طرف متوجہ ہوئے اور راہ بھول گئے، اور اُن کی بی بی کو دردِ زہ ہوا اور جاڑے نے شدت کی تھی، تو حضرت موسیٰ نے کہا (کہ مجھے دکھ پڑی ہے آگ) جلتی ہوئی۔ (بہت جلد تمہارے پاس اُس کی خبر لاتا ہوں) یعنی جو کوئی اُس آگ کے قریب ہو اُس سے راہ کی خبر پوچھوں، (یا لے آؤں گا تمہارے لیے چمکتی چنگاری) یعنی آگ کا شعلہ، تا (کہ تم تاپ لو) اور اُس آگ کے سبب سے گرم ہو جاؤ۔

فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِی النَّارِ وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ

چنانچہ جب آئے اُس آگ کے پاس، تو پکارا گیا کہ "مبارک ہیں، جو اِس روشنی میں ہیں، اور جو اس کے گرداگرد ہیں،

وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٨﴾

اور پاکی ہے اللہ کی، سارے جہان کا پالنے والا"●

(چنانچہ جب آئے اُس آگ کے پاس) تو ایک روشنی دیکھی بے گرمی کی سبز درخت میں۔
اور بعضوں نے کہا آگوں کی طرح اُس آگ میں بھی گرمی تھی۔ بہر تقدیر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے۔۔۔

(تو پکارا گیا) اور ندا کی گئی، (کہ مبارک ہیں جو اِس روشنی میں ہیں) یعنی آگ کے مقام پر بقعۂ مبارک میں ہیں۔۔یا۔۔آگ کی تلاش میں ہیں، یعنی موسیٰ علیہ السلام (اور جو اِس کے گرداگرد ہیں) یعنی فرشتے۔ (اور پاکی ہے اللہ) تعالیٰ (کی) تشبیہ سے، جو (سارے جہان کا پالنے والا ہے)۔
جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ ندا سنی، تو کہا کہ کون ندا کرتا ہے؟ پھر ندا آئی کہ۔۔۔

يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا

"اے موسیٰ، بے شک واقعہ یہی ہے کہ میں ہی اللہ ہوں، عزت والا حکمت والا ● اور ڈال دو اپنا عصا۔" پھر جب دیکھا اُسے

جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ

کہ رینگتا ہے، گویا کہ وہ سانپ ہے، تو ہٹ گئے منہ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا۔ "اے موسیٰ ڈرو نہیں۔۔

اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ڰ

بے شک میں ہوں کہ نہیں ڈرتے میرے ہوتے، رسول لوگ" ●

(اَے موسیٰ! بے شک واقعہ یہی ہے کہ میں ہی اللہ) تعالیٰ (ہوں عزت والا حکمت والا) یعنی غالب حکم کرنے والا مضبوطی کے ساتھ۔ (اور) اَے موسیٰ علیہ السلام (ڈال دو اپنا عصا)۔
موسیٰ علیہ السلام نے عصا ڈال دیا، وہ فوراً سانپ ہو کر چلنے لگا۔

(پھر جب دیکھا اُسے) موسیٰ علیہ السلام نے (کہ رینگتا ہے) اور حرکت کرتا ہے اضطراب کے ساتھ اور ہر طرف جاتا ہے (گویا کہ وہ سانپ ہے) باریک تیز چلنے والا۔
پہلے تو چھوٹا سا سانپ ہوتا تھا، پھر آخر کو اژدہا ہو جاتا تھا۔۔یا۔۔ایک تفسیر کے مطابق کہ وادی مقدس میں چھوٹا اور پتلا سانپ تھا اور فرعون کے سامنے اژدہا بن گیا۔ ویسے صورتِ حال کے پیشِ نظر مناسب یہی ہے کہ کہا جائے وادی مقدس میں بھی حضرت موسیٰ کے سامنے بھی وہ اژدہا ہو گیا اور پھر حسبِ حکمت چھوٹا بڑا ہوتا رہا۔

۔۔الختصر۔۔ جب حضرت موسیٰ نے اُسے دیکھا (تو ہٹ گئے منہ پھیر کر) یعنی اُس کے خوف سے بھاگے (اور) پھر اُسے (مڑ کر نہ دیکھا) اور واپس نہ ہوئے، تو دوبارہ ندا پہنچی، کہ (اَے موسیٰ)

میرے سوا کسی سے (ڈرونہیں)، کیونکہ (بے شک میں) ہی (ہوں کہ نہیں ڈرتے میرے ہوتے رسول لوگ) اِس واسطے کہ اُن کے لیے میرے پاس بُرا انجام نہیں کہ اُس سے ڈریں، اور ڈرنا چاہیے ظالموں کو۔ اِسی لیے نہیں ڈرتے مجھ سے۔۔۔

اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿١١﴾

مگر جس نے ظلم کیا، پھر اگر نیکی کا بدلہ دیا بُرائی کے بعد، تو بے شک میں بخشنے والا رحم فرمانے والا ہوں●

(مگر جس نے ظلم کیا۔ پھر اگر نیکی کا بدلہ دیا بُرائی کے بعد)، یعنی بُرائی کے بعد توبہ کرلے اور نیک کام انجام دینے لگے، (تو بے شک میں بخشنے والا) ہوں توبہ کرنے والوں کو۔ اور (رحم فرمانے والا ہوں) اُن پر۔

وَاَدْخِلْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ

"اور ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں، نکلے گا سفید روشن، بغیر کسی عیب کے۔۔۔ یہ نو معجزات میں سے ہے

اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿١٢﴾

فرعون اور اس کی قوم کی طرف۔ کہ بلاشبہ وہ نافرمان لوگ تھے"●

(اور) اَے موسیٰ علیہ السلام! (ڈالو اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں)۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کُرتے میں آستین نہ تھی، تو حکم ہوا۔ کہ۔۔۔

ہاتھ گریبان میں ڈالو، اُس میں سے تمہارا ہاتھ (نکلے گا سفید روشن) چمکتا ہوا نورانی (بغیر کسی بیماری کے (عیب کے)۔ یعنی ہاتھ کے سفیدی بُرص کی بیماری کے سبب نہ ہوگی، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گریبان میں ہاتھ ڈالا اور چمکتا ہوا نورانی نکالا، تو ندا پہنچی کہ (یہ) دونوں نشانیاں، اِن کا ہر ایک تمہارے (نو معجزات میں سے ہے)۔ تو جاؤ اِن نشانیوں کے ساتھ رسول ہوکر (فرعون اور اُس کی قوم کی طرف)، کیوں (کہ بلاشبہ وہ) پہلے ہی سے (نافرمان لوگ تھے)۔۔ الختصر۔۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰیٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ

پھر جب آگئیں ہماری نشانیاں اُن کے پاس آنکھیں کھول دینے والی، تو سب بولے کہ "یہ کھلا جادو ہے"● اور اُن کا انکار کردیا،

ع ١٤ ١٩

اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴﴾

اور یقین رکھتے تھے اُن کے دِل ظلم وغرور سے۔تو دیکھ لو کہ کیسا انجام ہوا فسادیوں کا●

(پھر جب آگئیں ہماری) قدرت کی (نشانیاں) اور موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی دلیلیں (اُن کے) یعنی فرعون اور اُس کی قوم کے (پاس آنکھیں کھول دینے والی) کھلی ہوئی صاف، (توسب) فرعونی (بولے کہ یہ کھلا جادو ہے) یعنی سب جانتے ہیں کہ یہ جادو ہے۔(اور اُن کا اِنکار کردیا)۔۔الغرض۔۔ اُن معجزات کے منکر ہوگئے۔(اور) صورتِ حال درحقیقت یہ تھی کہ (یقین رکھتے تھے اُن کے دِل) کہ یہ نشانیاں خدا کے پاس سے ہیں، جادو نہیں ہیں۔اُن کا اِنکار صرف (ظلم وغرور) کی وجہ (سے) تھا۔وہ اپنی بڑائی کے زعم اور متکبرانہ فکر کے سبب اِنکار کر بیٹھے۔(تو دیکھ لو کہ کیسا انجام ہوا فسادیوں کا)۔دُنیا میں پانی کے اندر ڈوبے اور عقبیٰ میں آگ کے اندر جلیں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ فَضَّلَنَا

اور بے شک ہم نے دیا تھا داؤد وسلیمان کو علم۔اور دونوں نے خطبہ دیا کہ "ساری حمد اللہ کی، جس نے بڑائی دی ہمیں،

عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵﴾

بہتیرے اپنے ماننے والے بندوں پر"●

سابقہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا تھا، اور اِس اگلی آیت میں حضرت داود اور حضرت سلیمان کا قصہ شروع فرمایا ہے۔حضرت موسیٰ اور حضرت داود اور حضرت سلیمان کے قصص تورات میں مذکور ہیں، اور قریشِ مکہ کو معلوم تھا کہ ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تورات اور انجیل نہیں پڑھیں اور نہ آپ علماءِ اہلِ کتاب کی مجلس۔۔یا۔۔اُن کے مدرسہ میں رہے ہیں، اُس کے باوجود آپ انبیاءِ سابقین کے متعلق وہ چیزیں بیان فرماتے ہیں جس کی تصدیق اُن کی کتابوں میں تھی، اور اُس سے یہ یقین حاصل ہوتا ہے کہ آپ کو انبیاءِ سابقین کے متعلق اِن باتوں کا علم اللہ تعالیٰ کی وحی سے حاصل ہوا، اور یہ آیتیں آپ کی بنائی ہوئی نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی آیتیں ہیں، اور مختلف سورتوں میں اللہ تعالیٰ بار بار ان انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرماتا ہے، تاکہ اِس کلام کے وحیِ الٰہی ہونے پر بار بار تنبیہ ہوتی رہے اور قریش کو بار بار یاد دِہانی ہوتی رہے اور سننے والوں کے دِلوں میں اور اُن کے دماغوں میں ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ کی نبوت پر دلائل تازہ ہوتے رہیں

۔۔الحختصر۔۔حضرت داوداور حضرت سلیمان علیہما السلام کے تعلق سے اِرشاد ہوتا ہے۔۔۔

(اور) فرمایا جاتا ہے (بے شک ہم نے دیا تھا داود و سلیمان کو) احکام شریعت کا (علم) (اور) علم حاصل کرنے کے بعد (دونوں نے خطبہ دیا کہ ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کی، جس نے) علم کے سبب سے (بڑائی دی ہمیں بہتیرے اپنے ماننے والے بندوں پر)۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ

اور گدی پائی سلیمان ہی نے داؤد کی، اور شاہی خطبہ دیا کہ "اے لوگو! ہم سکھلائے گئے ہیں پرند کی بولی،

وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾

اور ہمیں ہر چیز سے کچھ عطا فرما دیا گیا ہے۔ بے شک یہ کھلا ہوا فضل ہے"●

(اور) حضرت سلیمان پر کرم بالائے کرم یہ ہوا کہ علم و نبوت کے ساتھ ساتھ (گدی پائی سلیمان ہی نے داود کی)۔

حضرت داود علیہ السلام کے انیس[19] بیٹے تھے۔ ہر ایک کو سلطنت کا دعویٰ تھا۔ حق تعالیٰ نے ایک نامہ مہر کیا ہوا آسمان سے بھیجا اور اُس میں چند سوالات لکھے تھے، اور فرمایا کہ اَے داود تمہارے بیٹوں میں سے جو اِن سوالوں کا جواب دے، وہ تمہارے بعد سلطنت کا مالک ہوگا۔ حضرت داود علیہ السلام نے بیٹوں کو جمع کیا اور علماء اور شرفاء کو بُلا کر سوالات اپنے بیٹوں کے سامنے پیش کیے، کہ بتاؤ:

﴿١﴾۔۔سب سے زیادہ نزدیک کیا ہے؟ ﴿٢﴾۔۔اور سب سے زیادہ دُور کیا ہے؟

﴿٣﴾۔۔اور کس چیز کے ساتھ سب سے زیادہ اُنس و محبت ہوتی ہے؟

﴿٤﴾۔۔اور کس چیز سے نفرت اور وحشت ہوتی ہے؟ ﴿٥﴾۔۔اور کون دو[2] قائم؟

﴿٦﴾۔۔اور دو[2] مختلف؟ ﴿٧﴾۔۔اور دو[2] دشمن ہیں؟ ﴿٨﴾۔۔اور کون سا کام ہے جس کا انجام بہتر ہے؟ ﴿٩﴾۔۔اور کس کام کا انجام بُرا ہے؟

پس داود علیہ السلام کے اَور بیٹے اُن کے جواب سے عاجز آئے، مگر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اجازت ہو، تو میں جواب دوں۔ داود علیہ السلام نے اجازت دی تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا، کہ۔۔۔

﴿١﴾۔۔آدمی کے ساتھ سب چیزوں سے زیادہ نزدیک موت ہے۔

﴿٢﴾۔۔اور سب سے زیادہ دُور وہ چیز ہے جو دُنیا میں سے گزرتی ہے۔

﴿٣﴾۔۔اور انس ومحبت جس کے ساتھ بہت ہے وہ انسان کا جسم ہے روح سمیت۔

﴿٤﴾۔۔اور سب سے زیادہ نفرت جسم بے روح کے ساتھ ہوتی ہے۔

﴿٥﴾۔۔اور دو قائم زمین وآسمان ہیں۔ ﴿٦﴾۔۔اور دو مختلف دن رات ہیں۔

﴿٧﴾۔۔اور دو دشمن موت اور زندگی ہیں۔

﴿٨﴾۔۔اور جس کا انجام بہتر ہے وہ بُردباری ہے غصے کے وقت۔

﴿٩﴾۔۔اور جس کا انجام بُرا ہے وہ تیزی ہے غصہ کی حالت میں۔

اور چونکہ سوالات کے جوابات اُتری ہوئی کتاب کے موافق تھے، تو بنی اسرائیل کے بڑے بڑے علماء اور شرفاء نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فضل وکمال کا اعتراف کیا اور حضرت داود نے سلطنت انہیں سپرد کی اور دوسرے ہی دن وفات پائی۔۔الحاصل۔۔یہ سلطنت وراثت کی بنیاد پر انہیں نہیں ملی بلکہ علم کی بنیاد پر حاصل ہوئی۔۔چنانچہ۔۔حضرت سلیمان علیہ السلام تخت پر بیٹھے۔۔۔

(اور شاہی خطبہ دیا کہ اَے لوگو! ہم سکھلائے گئے ہیں پرند کی بولی)۔ چڑیوں کے ہر گروہ کی ایک آواز ہے کہ اُسی قسم کی چڑیاں اُس آواز کے معنی اور غرضیں سمجھ لیتی ہیں، اور جو سلیمان علیہ السلام کو سکھایا وہ یہی تھا جو چڑیاں آپس میں سمجھتی ہیں۔۔غرضیکہ۔۔پرندوں کی زبان پہچاننا حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ اِسی سبب سے فرمایا، کہ خدا نے مجھے **مَنْطِقَ الطَّيْرِ** سکھائی۔ (اور ہمیں ہر چیز) میں (سے) جس کی مجھے حاجت تھی (کچھ عطا فرما دیا گیا ہے۔ بے شک یہ) عطا، وہ تو (کھلا ہوا فضل ہے) کہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿١٧﴾

اور اکٹھا کیے گئے سلیمان کی خاطر اُن کے لشکر، جن اور انسان و پرند، تو روکے جاتے تھے بڑھ جانے سے●

(اور اکٹھا کیے گئے سلیمان کی خاطر اُن کے لشکر، جن اور انسان و پرند) جو چلائے جاتے تھے سیر کے وقت (تو روکے جاتے تھے بڑھ جانے سے) تاکہ باہم مل جائیں۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ باوصف اِس کے کہ شمار میں وہ لشکر بڑا تھا، مگر تتر بتر نہ ہوتا تھا ۔۔بلکہ۔۔اس طرح سے رہتا تھا کہ لشکر والوں میں سے کوئی اپنے ٹھہرنے کی جگہ، نہ ذرّہ

برابر آگے بڑھ سکتا تھا اور نہ ہی پیچھے ہٹ سکتا تھا۔

تفسیروں میں یہ بھی ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے لشکر پڑنے کا میدان سو۱۰۰ فرسخ یعنی تین ۳۰۰ سو میل لمبا اور سو۱۰۰ فرسخ چوڑا تھا۔ پچیس۲۵ فرسخ جنوں کے لشکر کے واسطے اور اِسی قدر آدمیوں کے لشکر کے لیے، اور اِسی مقدار چڑیوں کے واسطے اور اُتنا ہی وحشی جانوروں کے لیے، اور ایک ایک فرسخ تک ریشمی فرش بچھا کر بیچ میں تخت رکھا جاتا تھا، اور رؤسا اور شرفاء اُن کرسیوں پر بیٹھتے تھے جو تخت کے گرداگرد تھیں۔ ہوا اُس فرش کو اُٹھاتی، دِن بھر میں مہینہ بھر کی راہ لے جاتی۔ ایک دن ولایتِ شام سے یمن کی طرف جاتے تھے۔۔۔

حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَوْا عَلٰی وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ یّٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا

یہاں تک کہ آئے چیونٹی کی وادی پر۔ بولی ایک چیونٹی کہ "اَے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے

مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَ جُنُوْدُهٗ ۙ وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اپنے سوراخ میں، کہ کچل نہ ڈالیں تمھیں سلیمان اور اُن کا سارا لشکر، انجانی میں"●

(یہاں تک کہ آئے چیونٹی کی وادی پر) یعنی جنوبی طائف میں جو وادی ہے اُس کے نیچے نیچے آتے تھے، تو (بولی ایک چیونٹی) جو تمام چیونٹیوں کی سردار تھی، (کہ اَے چیونٹیو! گھس جاؤ اپنے اپنے سوراخ میں، کہ) کہیں (کچل نہ ڈالیں تمھیں سلیمان اور اُن کا سارا لشکر انجانی میں)۔۔ الغرض۔۔ تم یہاں نہ ٹھہرو کہ روندی جاؤ۔

روایت ہے کہ ہوا نے تین۳ میل کے فاصلے سے یہ بات سلیمان علیہ السلام کے کان میں پہنچائی ۔۔الحاصل۔۔ حضرت سلیمان نے تین۳ میل کے فاصلے سے چیونٹی کی آواز سن لی، اور اِس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ چیونٹی نے تین۳ میل کے فاصلے سے حضرت سلیمان کے لشکر کو دیکھ لیا، اُن کے آنے کی چاپ کو سن لیا، اور اُن کے لشکر کی کثرت کو سمجھ لیا۔

اِس سے صاف ظاہر ہوگیا کہ اگر قادرِ مطلق سنانا اور دکھانا چاہے، تو ایک چیونٹی کو بھی محیر العقول سماعت و بصارت سے نواز سکتا ہے، چہ جائیکہ انبیاءِ کرام اور خدا کے محبوبین۔ اس لیے کہ ایسوں کو دُور کی سنا دینا ۔۔یا۔۔ دُور کی دکھا دینا اُس ربِّ قدیر کے لیے کیا مشکل ہے؟ ۔۔القصہ۔۔

جب چیونٹی کی بات سماعت فرمائی۔۔۔

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾

ضرور اُسے سخت سزا دوں گا، یا ذبح ہی کرڈالوں گا، یا وہ لے آئے میرے سامنے کوئی روشن وجہ" ●

(ضرور اُسے سخت سزا دوں گا)۔ اُس کے پَر نوچ کر اُسے دھوپ میں ڈال دوں گا۔۔یا۔۔ اُس کے جوڑے سے جدا کردینے کا حکم کروں گا، تاکہ اکیلا اور تنہا ہوجائے۔۔یا۔۔ اُس کے مخالف جانوروں کے ساتھ اُسے پنجرے میں رکھوں گا۔۔یا۔۔ اپنی خدمت سے نکال دوں گا۔۔(یا)۔۔ پرندوں کی عبرت کے واسطے اُسے (ذبح ہی کرڈالوں گا)۔ (یا وہ لے آئے میرے پاس کوئی روشن وجہ) اور کھلی ہوئی دلیل اِس بات پر کہ اُس کے غائب ہونے کا کیا سبب تھا؟

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ

چنانچہ آ گیا وہ ذرا دیر میں، پھر عرض کی کہ "میں نے دیکھ لیا جس کو آپ نے نہیں دیکھا، اور میں لایا ہوں

مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾

شہر سبا سے یقینی اطلاع ●

(چنانچہ آ گیا وہ ذرا دیر میں)، تو سلیمان علیہ السلام نے اُس پر غصہ کرنا شروع کیا، (پھر) ہُد ہُد نے اپنی (عرض) پیش (کی) اور کہا، (کہ میں نے دیکھ لیا) اور اُس تک پہنچ گیا (جس کو آپ نے نہیں دیکھا) اور نہ اُس تک پہنچے، (اور میں لایا ہوں شہر سبا سے) آپ کی خدمت میں ایک (یقینی اطلاع) جو سننے کے لائق ہے۔

وہ خبر یہ ہے کہ ہَوا میں ایک ہُد ہُد سے میری ملاقات ہوئی، کہ وہ اُس ملک کا تھا۔ اُس نے اپنے بادشاہ کی عظمت اور وہاں کی ہَوا کی خوبی بیان کی۔ اُسے دیکھنے کی آرزو کر کے میں گیا اور دیکھ آیا۔ سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ اُن کا بادشاہ کون ہے؟ اور دین کیا ہے؟ اور رعیت کیسی ہے؟ ہُد ہُد نے کہا۔۔۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ

میں نے پایا ایک عورت کو جو اُن پر بادشاہی کرتی ہے، اور دی گئی ہے ہر چیز سے کچھ نہ کچھ،

وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾

اور اُس کا تخت بڑا ہے ●

(میں نے پایا ایک عورت کو جو اُن پر بادشاہی کرتی ہے) جس کا نام بلقیس ہے، (اور) وہ (دی گئی ہے ہر چیز سے کچھ نہ کچھ) جو بادشاہوں کے کام آتی ہیں، (اور اُس کا تخت بڑا ہے) اس کی نسبت کر کے۔۔یا۔۔بادشاہوں کے تختوں کے لحاظ سے۔

روایت ہے کہ تیس۳۰ گز سے تیس۳۰ گز۔۔یا۔۔اسّی۸۰ گز سے اسّی۸۰ گز، عرض اور بلندی اُس تخت کی تھی، جو سونے چاندی سے بنایا گیا تھا اور جواہرات سے جڑاؤ تھا۔

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ

اور میں نے اُسے پایا اور اُس کی قوم کو کہ سجدہ کرتے ہیں سورج کا بمقابلہ اللہ کے، اور بھلا لگا دیا اُن کی نگاہوں میں

الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾

شیطان نے اُن کے کرتوتوں کو، تو روک دیا انہیں راہ سے، تو وہ راہ نہیں پاتے"●

(اور میں نے اُسے پایا اور اُس کی قوم کو کہ) نادانی کی وجہ سے (سجدہ کرتے ہیں سورج کا) اور اُسے پوجتے ہیں (بمقابلہ اللہ) تعالیٰ (کے)، اس لیے کہ آراستہ کر دیا ہے (اور بھلا لگا دیا ہے اُن کی نگاہوں میں شیطان نے اُن کے کرتوتوں کو)، یعنی آفتاب کی پرستش اور سارے بُرے کام۔ (تو روک دیا) اور باز رکھا شیطان نے (انہیں راہ سے، تو وہ راہ نہیں پاتے) طریقِ حق کی شیطان کے بہکانے کی وجہ سے۔ تعجب و حیرت ہے اُس قوم پر کہ یہ عقل و شعور ہوتے ہوئے۔۔۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ

کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کا؟ جو نکالے چھپی چیزوں کو آسمانوں اور زمین میں، اور جانے

مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾

جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو●

(کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ) تعالیٰ (کا؟ جو) ایسا قادرِ مطلق ہے کہ (نکالے چھپی چیزوں کو آسمانوں اور زمین میں)۔ یعنی مینہ کے قطرے آسمان میں ظاہر کرتا ہے اور اُگنے والی چیز زمین سے نکالتا ہے۔ (اور جانے جو تم چھپاؤ) اپنے دِلوں میں (اور جو ظاہر کرو) اپنی زبان اور اپنے کردار سے ۔۔الغرض۔۔ مخلوقات جو کچھ پوشیدہ اور ظاہر کرتی ہے، اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٦﴾

اللہ نہیں ہے کوئی معبود، مگر وہی عرشِ عظیم کا رب ہے ●

(اللہ) تعالیٰ ہی وہ خدائے برحق ہے کہ (نہیں ہے کوئی معبود) حقیقی، (مگر وہی) جو (عرشِ عظیم کا رب ہے) اور اُسے پیدا فرمانے والا ہے۔ وہ عرش جو کرسی کو گھیرے ہے اور کرسی نے گھیرا ہے آسمانوں اور زمینوں کو، تو بلقیس کے تخت کی بڑائی اُس تخت کی بڑائی کے سامنے کیا حقیقت رکھتی ہے۔

یہ امامِ اعظم کے قول کے مطابق آٹھواں سجدہ ہے۔ اس سجدہ کو 'سرِ خفی' کا سجدہ کہتے ہیں اور سجدہ کرنے کی جگہ میں اختلاف ہے۔ بعضے **مَا تُعْلِنُوْنَ** پر سجدہ کرتے ہیں اور بعضے **رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ** پڑھ کر۔ روایت ہے کہ جب ہُد ہُد اپنی بات پوری کر چکا، تو حضرت سلیمان نے۔۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ

فیصلہ کیا کہ "بہت جلد ہم دیکھ لیتے ہیں کہ تُو سچ بولا، یا جھوٹا ہے ● میرا یہ فرمان لے کر جا

هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾

اور اُن کی طرف ڈال دے، پھر اُن سے ہٹ کر دیکھ، کہ کیا جواب میں کرتے ہیں" ●

(فیصلہ کیا کہ بہت جلد ہم دیکھ لیتے ہیں کہ تُو سچ بولا۔۔ یا جھوٹا ہے)۔ پھر سلیمان علیہ السلام نے نامہ لکھا اور ہُد ہُد سے کہا کہ (میرا یہ فرمان لے کر جا اور اُن کی طرف ڈال دے، پھر اُن سے ہٹ کر دیکھ کہ کیا جواب میں کرتے ہیں)، یعنی نوشتہ کے جواب میں باہم کیونکر رجوع کرتے ہیں۔ حسبِ حکمِ سلیمانی ہُد ہُد نامہ چونچ میں لے کر آیا اور جس جماعت میں بلقیس تخت پر بیٹھی تھی اور ارکانِ سلطنت حاضر تھے تخت کے اُوپر اڑنے لگا۔ لوگوں نے اُس کی طرف دیکھا تو اُس نے نامہ ڈال دیا۔ اور ایک مشہور روایت یہ بھی ہے کہ بلقیس اپنے خلوت خانہ میں چت لیٹی تھی اور دروازے بند تھے۔ ہُد ہُد ایک روشن دان میں سے اندر آیا اور نامہ اُس کے سینہ پر ڈال دیا۔ بلقیس اچھل پڑی اور نامہ اُٹھا کر پڑھا، اور حکم دیا کہ ارکان بارگاہ میں حاضر ہوں۔ سب حاضر ہوئے، نامہ ایک طرف رکھ کر اُن کی طرف متوجہ ہوئیں۔۔ الختصر۔۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾

ملکہ سبا بولی کہ "اے دربار کے سردارو! میرے پاس ایک معزز تحریر ڈالی گئی ہے ●

(ملکہ سبا) اُن ارکانِ سلطنت سے (بولی، کہ اَے دربار کے سردارو! میرے پاس ایک معزز تحریر ڈالی گئی ہے)۔

اُس تحریر کو معزز بزرگ اور کریم اِس لیے کہا گیا ہے، کیونکہ وہ ایک بزرگ پیغمبر کی بھیجی ہوئی تھی۔۔یا۔۔اِس سبب سے کہ وہ نوشتہ ایک پرندہ لایا تھا اور یہ عجیب وغریب بات تھی۔۔یا۔۔اِس سبب سے کہ نامہ پر مہر تھی۔۔یا۔۔اِس وجہ سے کہ اِس میں کچھ ملک وسلطنت کی طمع تو تھی نہیں، بلکہ مالک الملک جل شانہ کی طرف بُلانے والا تھا۔ یہ بھی بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ چونکہ اُس نامہ کا مضمون خدا کے نام کے ساتھ شروع تھا، تو وہ نامہ سب ناموں سے زیادہ بزرگ ہوا۔ غرض کہ بلقیس نے کہا کہ نامہ میرے پاس آیا ہے۔ ارکانِ سلطنت نے پوچھا، یہ کس کی طرف سے ہے۔۔۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿٣٠﴾ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ

اور یہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور اس کا مضمون ہے کہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ● یہ کہ مجھ پر نہ بڑھو،

وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ ﴿٣١﴾ ع ١٧

اور میرے پاس حاضر ہو نیاز مند ہوکر"●

(اور) اِسے کس نے بھیجا؟ ملکہ سباء نے جواب دیا، (یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس کا مضمون) یہ (ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)، شروع ہے اللہ مہربان بخشنے والے کے نام کے ساتھ (یہ، کہ مجھ پر نہ بڑھو)، یعنی مجھ سے بڑے نہ بنو اور میرے سامنے گردن اونچی نہ کرو، (اور میرے پاس حاضر ہو نیاز مند ہوکر)، یعنی فرمانبردار ہوکر۔ وہ لوگ جب نامہ کے مضمون سے مطلع ہوئے اور دیکھا کہ عبارت چست اور مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے معنی پیدا کرتی ہے، تو سب پریشان حال ہوئے اور گھبرا گئے، تو ملکہ۔۔۔

قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِیْ فِیْۤ اَمْرِیْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا

بولی اَے چودھریو! "بتاؤ مجھے میرے اِس معاملہ میں، میں نے کسی معاملہ کا قطعی فیصلہ نہیں کیا،

حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾

یہاں تک کہ تم لوگ حاضر ہو"●

(بولی اَے چودھریو!)، وہ تین ۳۱۳ سو تیرہ بڑے آدمی ارکانِ سلطنت میں سے تھے، اُن میں کا ہر ایک دس دس ہزار آدمی کا افسر تھا۔ بلقیس نے اُن سب کو جمع کر کے کہا، کہ (بتاؤ مجھے میرے اِس معاملے میں)۔ جو بات میرے حق میں صلاح کی ہو اور پکی ہو کہو۔ یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ (میں نے کسی معاملے کا قطعی فیصلہ نہیں کیا یہاں تک کہ تم لوگ حاضر ہو)، یعنی بے تمہارے حاضر ہوئے اور بغیر تم سے مشورہ لیے میں کوئی کام نہیں کرتی۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ

سب بولے کہ "ہم زور والے اور سخت جنگجو ہیں۔۔۔اور فیصلہ تمہارے سپرد ہے،

فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾

تو تمہیں اختیار ہے جو حکم دے دو" ●

(سب بولے کہ ہم زور والے اور سخت جنگجو ہیں اور فیصلہ تمہارے سپرد ہے، تو تمہیں اختیار ہے جو حکم دے دو)۔ جب بلقیس نے دیکھا کہ یہ لوگ لڑائی پر آمادہ ہیں، تو یہ بات پسند نہ کی اور بولی کہ لڑنا ہم کو مصلحت نہیں، اس لیے کہ جنگ میں فتح و شکست دونوں ہی کے امکان ہیں۔ اب اگر بالفرض وہ غالب آئے تو ہمارا ملک و مال تلف ہوتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔وہ۔۔۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ

بولی کہ "بادشاہ لوگ جب داخل ہوئے کسی آبادی میں تو اُلٹ پلٹ دیا اُسے، اور کر ڈالا آبادی کے عزت

اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾

والوں کو ذلیل، اور یہی کرتے رہتے ہیں ●

(بولی کہ بادشاہ لوگ جب داخل ہوئے کسی آبادی میں تو اُلٹ پلٹ دیا اُسے، اور کر ڈالا آبادی کے عزت والوں کو ذلیل)، یعنی انہیں قید کر کے بے قدر کر دیا اور اُن کی بستی کو لوٹ کر تباہ و برباد کر دیا۔ (اور) غالب ہونے والے سلاطین مغلوبین کے ساتھ (یہی کرتے رہتے ہیں)۔۔لہٰذا۔۔غیظ و غضب سے کام نہ لو۔۔۔

وَاِنِّیْ مُرْسِلَةٌ اِلَیْهِمْ بِهَدِیَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ یَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝

اور میں تو بھیج رہی ہوں اُن کی طرف ایک تحفہ، پھر دیکھتی ہوں کہ کیا جواب لاتے ہیں قاصد" ●

(اور) سنو! کہ (میں تو بھیج رہی ہوں اُن کی طرف ایک تحفہ، پھر دیکھتی ہوں کہ کیا جواب لاتے ہیں قاصد)۔ اس واسطے کہ اگر سلیمان نے میرا ہدیہ قبول کرلیا، تو وہ بادشاہ ہیں اور نہیں تو پیغمبر۔

روایت ہے کہ بلقیس نے پانچ سو[500] غلاموں کو لونڈیوں کے کپڑے اور زیور پہنائے اور پانچ سو[500] لونڈیوں کو غلاموں کے لباس اور زیور سے آراستہ کیا۔ اور سونے کی ہزار[1000] اینٹیں اور ایک تاج موتی اور یاقوت سے جڑاؤ اور کسی قدر مشک وعنبر اور ڈبا اس میں موتی اور کوڑیاں تھیں، یعنی ایک قسم کا چھوٹا سنکھ جو پُرانے زمانے میں ادنی سکہ کا کام بھی دیتا تھا۔ موتی کا سوراخ نہیں نکالا گیا اور کوڑیوں کے سوراخ ٹیڑھے نکالے گئے۔

منذر ابن عمرو کے ساتھ ایک اُور بڑے آدمی کو اپنی قوم میں چھانٹ کر بھیجنے کے واسطے مقرر کیا اور کہہ دیا، اَے منذر! خوب احتیاط کرنا۔ اگر 'حضرت' سلیمان غضب کی نظر سے تیری طرف دیکھیں، تو سمجھ لینا کہ بادشاہ ہیں اور اگر خوشی اور خوش خوئی کے ساتھ تجھ سے بات کریں، تو سمجھ لینا کہ پیغمبر ہیں۔ اور اُن کی نبوت پر دوسری دلیل یہ ہے کہ غلاموں اور لونڈیوں میں تمیز کرلیں گے۔

ہُد ہُد تمام کارروائی سن کر سلیمان علیہ السلام کے ہاں پہنچ گیا اور تمام ماجرا عرض کردیا۔ آپ نے حکم فرمایا کہ ایک میدان میں اٹھارہ[18] میل کا ایک احاطہ تیار کرو جس کا فرش سونے چاندی کا ہو، اور اُس میدان کے اِرد گرد دیوار کھینچو جس پر صرف سونا چاندی ہو اور حسین ترین دریائی اور جنگلی جانور لائے جائیں۔ دریائی جانور منقش پلنگ مختلف رنگ کے لائے گئے اور میدان کے دائیں بائیں باندھنے کا حکم دیا گیا۔

جنّات نے آناً فاناً یہ کام سرانجام دیا۔ اُس میدان کے درمیان میں آپ نے اپنا تخت بچھایا۔ آپ کے اِرد گرد کرسیاں بچھائی گئیں۔ چار[4] ہزار کرسیاں آپ کے دائیں اور چار ہزار[4] کرسیاں آپ کے بائیں بچھائی گئیں۔ پھر کئی میلوں تک جنّات صف بستہ کھڑے ہوئے۔ ایسے ہی انسانوں، جانوروں، درندوں اور وحشیوں وغیرہ کی صفیں کھڑی کی گئیں، اور پرندے اُوپر سے سایہ کیے ہوئے تھے۔

۔۔الغرض۔۔ یہ ایسی مجلس قائم ہوئی کہ چشمِ فلک نے ہزاروں سال میں نہ دیکھی ہوگی۔

جب بلقیس کے نمائندے اُس میدان میں پہنچے، تو مبہوت ہوگئے کہ یہاں تو سونے اور چاندی پر سلیمان علیہ السلام کے جانور پیشاب کر رہے ہیں۔۔چنانچہ۔۔اُنہیں خیال گزرا کہ اِس معمولی پونجی کو واپس لے جائیں، کیونکہ اتنے بڑے خزانے کے سامنے اُن کی پونجی کس کام کی؟ یوں بھی جن کا میدان سونے سے پُر ہو اُن کے یہاں سونا ہدیہ لے جانا حماقت ہے۔ پھر سوچا کہ ہمیں اِس تھوڑی سی پونجی سے شرمساری کاہے کی، ہمیں تو اپنی ملکہ کا حکم پورا کرنا ہے۔ اس لیے کہ ہمیں اپنی ملکہ کی فرمانبرداری ضروری ہے۔ اب اگر حضرت سلیمان کہیں گے کہ واپس لے جاؤ، تو انہیں کے حکم سے واپس لے جائیں گے۔

جب نمائندگان نے جنّات وشیاطین کی ڈراونی شکلوں اور اُن کی کثرت کو دیکھا، تو گھبرا گئے۔ جنّات وشیاطین نے کہا بلا خوف وخطر چلے چلو۔ جب سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرتپاک خیر مقدم کیا اور کہا کیا لائے ہو؟ منذر نے آگے بڑھ کر بلقیس کا پیغام سنایا اور ساتھ ہی اس کا مکتوب بھی سلیمان علیہ السلام کو پیش کر دیا۔ جب خط پڑھا تو فرمایا موتیوں کا ڈبہ لاؤ۔ ڈبہ پیش کیا گیا، تو فرمایا اِس میں بیش بہا اور قیمتی موتی ہیں جن کا سوراخ نہیں نکالا گیا ہے اور کوڑیاں ہیں جن کے سوراخ ٹیڑھے نکالے گئے ہیں۔

ممکن ہے آپ کو اِس کا علم جبرائیل علیہ السلام کے خبر دینے سے ہوا ہو۔۔یا۔۔ہُد ہُد کے ذریعے، جیسا کہ قصے کا سیاق بتاتا ہے۔ حضرت سلیمان نے جنّات اور انسانوں کو بُلا کر پوچھا کہ موتیوں اور کوڑیوں کے ساتھ کیا کیا جائے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ پھر شیاطین کو بُلایا وہ بھی اُس سے بے خبر تھے، صرف یہ بتایا کہ دیمک کو بُلاؤ وہ کچھ خبر رکھتی ہے۔ آپ نے دیمک سے پوچھا، تو اُس نے بال منہ میں لیا اور موتی میں سوراخ کر کے دوسری طرف نکل گئی۔ آپ نے اُس سے کہا کہ تو منہ مانگا انعام مانگ، عرض کی میرا رزق درختوں میں مقرر فرما دیجیے۔ اُسی روز سے اُس کا رزق درختوں میں مقرر ہو گیا۔ اُس کے بعد کوڑیوں کے سوراخ کے متعلق پوچھا، تو عرض کی مجھے اُس کے متعلق معلوم نہیں۔ سفید کیڑے نے اُٹھ کر عرض کی کہ یہ ڈیوٹی میرے ذمہ لگایے۔ آپ کی اجازت سے سفید کیڑے نے تاگہ منہ میں لیا اور کوڑی میں داخل ہو کر دوسری طرف سے نکل آیا۔

آپ نے اُس سے بھی فرمایا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ عرض کی یا نبی اللہ میرا رزق پھلوں میں مقرر فرمایے۔ اُس روز سے اُس کا رزق پھلوں میں مقرر ہو گیا۔ اُس کے بعد آپ نے تاگے

کے دونوں سروں کو پکڑ کر مُہر لگا کر نمائندگان کو واپس کر دیا۔ اُس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے پانی طلب کیا اور کنیزوں اور غلاموں کو حکم فرمایا، کہ گرد وغبار سے اپنے چہرے پانی سے صاف کرلو۔ اس طرح سے آپ اپنی پرکھ بتانا چاہتے تھے، کہ اُن میں غلام کون ہیں اور کنیزیں کون۔

--چنانچہ-- کنیزوں نے برتن سے پانی لے کر ہاتھ پر رکھا، پھر منہ دھودیا اور غلاموں نے برتن ہی سے پانی لے کر منہ دھویا۔ اِس سے واضح ہوگیا کہ کنیزیں کون ہیں اور غلام کون ہیں۔ پھر ہدیہ واپس کر دیا۔ یہ بھی اس لیے کہ بلقیس نے کہا تھا اگر ہدیہ لے لیں گے، تو بادشاہ ہیں۔ پھر ہمیں کوئی خطرہ نہیں بادشاہ سے ہم نپٹ لیں گے۔ اگر ہدیہ واپس کر دیں، تو پھر نبی ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ

چنانچہ جب آیا قاصد سلیمان تک، انہوں نے کہا کہ "کیا میری مدد کرتے ہو مال سے؟ تو جو دے رکھا ہے مجھے اللہ نے، وہ بہتر ہے

مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾

اُس سے جو تم کو دے دیا ہے، بلکہ تم لوگ تو اپنے اِس تحفہ پر اِتراتے ہو●

(**چنانچہ جب آیا قاصد سلیمان تک**) تحائف کے ساتھ تو ڈبے کے کھولنے اور دیگر تفتیش کا معاملہ ختم ہونے کے بعد بلقیس کے فرستادہ سے (**اُنہوں نے کہا کہ کیا میری مدد کرتے ہو مال سے؟ تو جو دے رکھا ہے مجھے اللہ**) تعالیٰ (**نے وہ بہتر ہے اُس سے جو تم کو دے دیا ہے**)۔ **مجھے تو اللہ تعالیٰ نے** اپنے فضل وکرم سے مُلک، نبوت اور عِلم سب کچھ دے رکھا ہے۔ اِس کے برعکس تمہارے پاس کیا ہے؟ صرف دُنیا کی تھوڑی سی پونجی، (**بلکہ**) اپنی کم ظرفی کے سبب (**تم لوگ تو اپنے اِس تحفہ پر اِتراتے ہو**) اور اپنے ہدیہ کے سبب خوش ہوتے ہو اور ناز کرتے ہو، اس واسطے کہ تمہاری نظر صرف حیاتِ دُنیا ہی پر ہے۔ تو یہ سارے تحائف---

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ

واپس لے جاؤ اُن کی طرف، اب ہم لائیں گے اُن کے پاس ایسے لشکر کہ مقابلہ نہ کر سکیں وہ جن کا، اور ہم ضرور نکال دیں گے

مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾

اُنہیں آبادی سے ذلیل کر کے، کہ وہ دبے پڑے ہیں"●

(واپس لے جاؤ اُن کی طرف) اور اُس گروہ سے کہہ دو، کہ اگر اطاعت کرتے ہوئے نہیں آتے ہو، تو پھر (اب ہم) ہی (لائیں گے اُن کے پاس ایسے لشکر کہ مقابلہ نہ کرسکیں وہ جن کا)، کمالِ قوت اور کثرت کی وجہ سے طاقت کی نہ ہوگی اُن کو اُن لشکروں کے ساتھ۔ (اور) پھر (ہم ضرور نکال دیں گے انہیں آبادی سے ذلیل کر کے)۔ صاف نظر آئے گا (کہ وہ دبے لچے ہیں)۔۔۔ الحتصر۔۔ وہ قید کرلیے جائیں گے اور ذلیل وخوار ہوں گے۔

منذر پھرا اور سب احوال بلقیس سے کہا، تو انہوں نے کہا کہ میں تو پہلے ہی سمجھ گئی تھی، کہ وہ بادشاہ نہیں بلکہ نبی ہیں، اور ہم سے اُن کا مقابلہ نہیں ہوسکے گا۔ یہ کہہ کر سلیمان علیہ السلام کی طرف ایک قاصد بھیج دیا اور عرض کی، کہ اپنے سرداروں کو لے کر حاضر ہو رہی ہوں، جو آپ کا حکم ہوگا اُسے ہم بجالائیں گے اور آپ کا دین قبول کریں گے۔۔۔ القصہ۔۔۔ بلقیس نے سامانِ سفر کیا اور اپنا تخت گھر میں خوب احتیاط سے رکھ کر اُس پر نگہبان مقرر کر دیا اور مکان کے دروازے پر قفل لگا کر کنجی اپنے پاس رکھی اور لشکر سمیت حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت گاہ کی طرف چلیں۔ اُس وقت آپ اپنے مشیروں کی طرف متوجہ ہوئے، اور۔۔۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿۳۸﴾

حکم دیا کہ "اے میرے درباریو! تم میں کون ہے جو لے آئے اُس کا تخت، قبل اس کے کہ وہ گردن ڈالے آئیں؟" ●

(حکم دیا کہ اے میرے درباریو! تم میں کون ہے جو لے آئے اُس کا تخت قبل اس کے کہ وہ گردن ڈالے آئیں)۔

یہ حکم اس لیے دیا کہ اُن کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ وہ مسلمان ہو کر آرہی ہے، لیکن وہ عجائبات دیکھنا چاہتی ہے جو سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائے ہیں اور وہ عجائبات اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں، تو سلیمان علیہ السلام نے حکم فرمایا کہ بلقیس کا وہ تخت لاؤ جس کی حفاظت کے لیے وہ بہت بڑی وصیتیں کر کے آئی ہے، اور وہ ابھی میرے سامنے نہ پہنچ پائے کہ تخت یہاں آجائے۔

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ

بولا ایک ہیکڑ جن کہ "میں اُسے لے آؤں گا قبل اس کے کہ آپ اس دربار سے اُٹھیں۔

وَاِنِّیۡ عَلَیۡہِ لَقَوِیٌّ اَمِیۡنٌ ﴿۳۹﴾

اور بلاشبہ میں اس پر قابو رکھنے والا امانتدار ہوں"●

(بولا ایک ہیکڑ) یعنی خبیث و سرکش (جن، کہ میں اُسے لے آؤں گا قبل اس کے کہ آپ اس دربار سے اُٹھیں)، یعنی آپ کی عدالت کے آخری وقت بارہ[۱۲] بجے سے پہلے۔

اُس جن کے نام میں اختلاف ہے۔۔ الغرض۔۔ اس کا نام ذکوان۔۔یا۔۔کوذی۔۔یا۔۔ اصطخر تھا۔ یہ تمام جنات کا سردار تھا۔ یہ پہلے حضرت سلیمان کے ساتھ سرکشی کر چکا تھا، بعد کو تابع ہوا۔ یہ بہت بڑا اقد آور تھا۔ دُور سے معلوم ہوتا تھا کہ ایک بہت بڑا پہاڑ ہے، تاحدِّ نگاہ قدم رکھتا تھا۔۔ المختصر۔۔ اُس جن نے حضرت سلیمان سے عرض کیا، کہ میں ابھی اکیلا ہی وہ تخت لانے والا ہوں۔

(اور بلاشبہ میں اُس) کے لانے (پر قابو رکھنے والا) اور طاقت وقوت والا ہوں۔ اُس کا بوجھ اٹھانا میرے لیے مشکل نہیں اور ساتھ ہی ساتھ (امانت دار) بھی (ہوں)۔۔ چنانچہ۔۔ اُس میں جتنے جواہر اور نفیس چیزیں ہیں چراؤں گا نہیں، اور نہ ہی تبدیل کروں گا۔ جب سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس سے بھی زیادہ جلدی چاہیے۔۔ تو۔۔

قَالَ الَّذِیۡ عِنۡدَہٗ عِلۡمٌ مِّنَ الۡکِتٰبِ اَنَا اٰتِیۡکَ بِہٖ قَبۡلَ اَنۡ یَّرۡتَدَّ

بولے وہ، جن کے پاس نوشتہ کا علم تھا کہ "میں لاؤں گا تمہارے پاس اُسے، قبل اس کے کہ

اِلَیۡکَ طَرۡفُکَ ؕ فَلَمَّا رَاٰہُ مُسۡتَقِرًّا عِنۡدَہٗ قَالَ ہٰذَا مِنۡ فَضۡلِ رَبِّیۡ ۟ۖ

جھپکے آپ کی نگاہ۔" تو جب دیکھا اُسے کہ رکھا ہے سامنے، بولے کہ "یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔۔

لِیَبۡلُوَنِیۡۤ ءَاَشۡکُرُ اَمۡ اَکۡفُرُ ؕ وَمَنۡ شَکَرَ فَاِنَّمَا یَشۡکُرُ لِنَفۡسِہٖ ۚ

کہ مجھے جانچے کہ شکر گزار رہتا ہوں یا ناشکری کرنے لگتا ہوں، اور جو شکر گزار رہا، وہ شکر کرتا ہے اپنے نفع کو۔

وَمَنۡ کَفَرَ فَاِنَّ رَبِّیۡ غَنِیٌّ کَرِیۡمٌ ﴿۴۰﴾

اور جس نے ناشکری کی، تو بلاشبہ میرا رب بے پرواہ کرم والا ہے"●

(بولے وہ، جن کے پاس نوشتہ کا علم تھا)۔ یہ حضرت آصف بن برخیا تھے، جو حضرت سلیمان کے خالہ زاد اور آپ کے وزیر اور کاتب تھے۔۔ بلکہ۔۔ بچپن میں سلیمان علیہ السلام کی تربیت بھی انہی

کے سپرد تھی۔ بہت ہی سچے اور تعلیم یافتہ تھے۔ سابقہ کتب روز پڑھا کرتے تھے۔ وہ اسم اعظم جانتے تھے جس کے ذریعہ وہ جو دُعا مانگتے قبول ہو جاتی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت سلیمان علیہ السلام کی مدد و نصرت ہی کے لیے پیدا کیا تھا، تاکہ وہ اُن کے ساتھ مل کر احکامِ کتاب کا نفاذ کریں۔

اِس آیت میں کتاب سے مراد وہ کتابیں ہیں جو حضرت موسیٰ و حضرت ابراہیم علیہما السلام پر نازل ہوئیں۔۔یا۔۔ اِس سے لوحِ محفوظ مراد ہے۔۔یا۔۔ اسرارِ مکتومہ مراد ہیں۔۔الغرض۔۔ حضرت آصف نے عرض کیا۔۔۔

(کہ میں لاؤں گا تمہارے پاس اُسے، قبل اِس کے کہ جھپکے آپ کی نگاہ)۔

حضرت سلیمان نے اُنہیں اجازت بخشی، تو اُنہوں نے سجدہ میں جا کر کہا۔۔ یاحیُّ یاقیوم۔۔ جسے عبرانی زبان میں 'اھیا اشراھیا' کہا جاتا ہے۔۔یا۔۔ یاذوالجلال والاکرام کہا۔ بہر تقدیر جب دُعا کی، تو بلقیس کا تخت اپنی جگہ پر زمین میں دھنس گیا اور پلک مارتے ہی حضرت سلیمان کے تخت کے سامنے زمین سے نکلا۔۔۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے وہاں تخت کو معدوم کیا اور سلیمان علیہ السلام کے پاس موجود کر دیا۔

(تو جب دیکھا اُسے) سلیمان علیہ السلام نے **(کہ رکھا ہے سامنے)**، تو **(بولے کہ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے)** تا **(کہ مجھے جانچے)** اور میری آزمائش کرے **(کہ)** کیا **(شکر گزار رہتا ہوں یا ناشکری کرنے لگتا ہوں۔ اور جو شکر گزار رہا، وہ شکر کرتا ہے اپنے نفع کو)**۔ اس واسطے کہ شکر کرنے سے نعمت ہمیشہ رہتی ہے۔ **(اور جس نے ناشکری کی)** اپنے رب کی نعمت کی، **(تو بلاشبہ میرا رب بے پرواہ)** ہے لوگوں کے شکر اور ناشکری سے، اور **(کرم والا ہے)** مستحقوں کو نعمت دے کر۔ اِس کے بعد حضرت سلیمان نے۔۔۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ

حکم دیا کہ "اُس کی دیکھی صورت بدل دو، اُس کے تخت کی، دیکھیں کہ پہچانتی ہے

لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٤١﴾

یا انجان رہتی ہے"●

(حکم دیا، کہ اُس کی دیکھی صورت بدل دو اُس کے تخت کی، دیکھیں پہچانتی ہے کہ انجان رہتی

ہے) یعنی اُس تخت کے تعلق سے بلقیس کی جانی پہچانی شکل وہیئت کو تبدیل کردو۔ یعنی اُس کے اُوپر کی چیز نیچے اور آگے کی پیچھے کردو۔۔یا۔۔اُس کے جواہر بدل دو۔ سبز کی جگہ سرخ اور سفید کے مقام پر زرد کردو۔ اِس طرح اُن کی آزمائش ہوجائے گی، کہ وہ اپنے تخت کو پہچان پاتی ہیں۔۔یا۔۔نہیں۔

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ؕ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَ اُوْتِيْنَا الْعِلْمَ

چنانچہ جب وہ آئی، پوچھا گیا کہ "کیا ایسا ہی تیرا تخت ہے؟" بولی "گویا یہ وہی ہے۔ اور ہمیں آپ کا علم

مِنْ قَبْلِهَا وَ كُنَّا مُسْلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾

پہلے ہی ہو چکا، اور ہم نیاز مند ہو چکے"●

(چنانچہ جب وہ آئی) حضرت سلیمان کے پاس اور اُس کا تخت حضرت سلیمان کے تخت کے سامنے رکھا تھا، تو اُس سے (پوچھا گیا کہ کیا ایسا ہی تیرا تخت ہے؟ بولی گویا یہ وہی ہے)۔ یقین کے ساتھ نہ کہا، کہ یہ تو وہی ہے۔ اس جہت سے کہ ممکن ہے کہ کوئی تخت ہو مثل اُس تخت کے، اور یہ کمالِ عقل کی وجہ سے تھا۔۔نیز۔۔کہا (اور ہمیں آپ کا علم) یعنی کمالِ قدرتِ الٰہی اور آپ کی نبوت کی صحت کا علم اِس معجزے کے مشاہدہ کرنے سے (پہلے ہی ہو چکا، اور ہم نیاز مند ہو چکے)۔

وَ صَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور روک رکھا تھا اُس کو جسے پوجا کرتی تھی اللہ کے مقابلہ میں۔ بے شک وہ کافر قوم سے تھی●

(اور روک رکھا تھا اُس کو جسے پوجا کرتی تھی اللہ) تعالیٰ (کے مقابلہ میں، بے شک وہ کافر قوم سے تھی)۔

یہ بیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ اظہارِ اسلام سے تاحال اُسے سورج پرستی نے روک رکھا تھا اطاعت سے۔ اس لیے غیر اللہ کی عبادت میں مشغول رہی، چونکہ وہ کافروں میں رہتی تھی، یہاں تک کہ سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں آگئی، اب وہ دائرۂ ایمان میں ہے۔ اُن کے تعلق سے یہ بات بھی سامنے آئی تھی کہ وہ قوم جنیہ سے ہیں، یعنی اُن کا ننھیال قوم جن میں ہے اور ایسوں کے پیروں میں بال ہوتے ہیں۔

اِس بات کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے حضرت سلیمان کے حکم سے ایک عالیشان مکان تیار کیا گیا، اُس کی زمین سفید شفاف شیشے کی بنائی اور اُس کے نیچے پانی بھر کر اُس

میں مچھلیاں چھوڑ وادیں۔۔چنانچہ۔۔اُس مکان کے صحن میں پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا۔پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا تخت اُس عالی شان مکان کے بیچ میں بچھا کر بی بی بلقیس کو بُلایا، جب مکان کے دروازے پر پہنچیں۔۔۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ؕ

اُسے کہا گیا، کہ "صحن میں آؤ" تو جب اُس نے وہ صحن دیکھا، تو خیال کیا اُسے گہرا پانی، اور کپڑا اُٹھایا اپنی دونوں پنڈلیوں سے۔

قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ؕ قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ

سلیمان بولے کہ "یہ صحن ہے شیشہ جڑا ہوا"۔وہ بولی "پروردگارا! میں نے اندھیر کر رکھا تھا

ع ٣ ١٣ ١٨ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٤٤

اپنے حق میں، اور میں نے گردن جھکا دی، سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے لیے●

(اُسے کہا گیا کہ صحن میں آؤ، تو جب اُس نے وہ صحن دیکھا تو خیال کیا اُسے گہرا پانی، اور کپڑا اٹھایا اپنی دونوں پنڈلیوں سے) تا کہ کپڑا بھیگنے نہ پائے۔سلیمان علیہ السلام نے دیکھا کہ اُس کے پاؤں تو آدمیوں ہی کے پیروں کے مثل ہیں۔اُس کو دامن کھینچتے ہوتے دیکھ کر حضرت (سلیمان بولے کہ) اَے بلقیس! دامن مت کھینچ، اس لیے کہ یہ پانی نہیں ہے، بلکہ (یہ صحن ہے شیشہ جڑا ہوا۔۔وہ بولی پروردگارا! میں نے اندھیر کر رکھا تھا اپنے حق میں) آفتاب پوج کر۔(اور میں نے گردن جھکا دی سلیمان کے ساتھ اللہ) تعالیٰ (رب العالمین کے لیے) جو پروردگار ہے سارے عالَم کا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعدد معجزات دیکھ کر بلقیس اُن کی نبوت پر ایمان لے آئیں اور اُن کا جو پیغام تھا، کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اُس کو مان لیا، اور اُن کو اپنی سابقہ زندگی پر تاسف اور ملال ہوا کہ اُنہوں نے سورج کی پرستش میں اپنی عمر ضائع کی اور اب حضرت سلیمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔گویا اب بلقیس پر یہ بات منکشف ہوگئی تھی، کہ اب تک وہ سورج کی پرستش کرتی رہی تھی۔اور سورج تو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے۔اور ہر چیز کا رب اللہ تعالیٰ ہے جو واحد لاشریک ہے، مفسرین کا اِس میں اختلاف ہے کہ حضرت سلیمان نے بلقیس سے خود نکاح کر لیا تھا۔۔یا۔۔اُن کا نکاح کسی اَور سے کر دیا تھا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ

اور بے شک بھیجا ہم نے ثمود کی طرف اُن کی برادری کے صالح کو کہ "لوگو خدا کو پوجو" تو اُس وقت وہ

فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۵

دو فرقے ہو گئے جھگڑا کرتے●

اِس سورتِ مبارکہ میں تیسرا قصہ حضرت صالح علیہ السلام کا ہے۔ جو قومِ ثمود میں پیدا ہوئے۔ قومِ عاد کی ہلاکت کے وقت جو ایمان والے حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے بچ گئے تھے، یہ قوم اُن کی نسل سے ہے۔ اُس کو عادِ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ اُس کے قصوں۔۔۔

(اور) حالات کو بیان کرتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ (بے شک بھیجا ہم نے ثمود کی طرف اُن کی برادری کے صالح کو)۔ اُن کا پیغام یہ تھا (کہ لوگو! خدا کو پوجو، تو اُس وقت وہ دو فرقے ہو گئے) جو آپس میں (جھگڑا کرتے) رہے۔

اُن کے جھگڑے کا ذکر الاعراف آیت ۷۵ ، ۷۶ میں موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "ان کی قوم کی متکبر سرداروں نے اُن کمزور لوگوں سے کہا، جو اُن میں ایمان لا چکے تھے، کہ کیا تمہیں اِس پر یقین ہے کہ صالح اپنے رب کی طرف سے مبعوث کیے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ جس پیغام کے ساتھ بھیجے گئے ہیں ہم اُس پر ایمان لانے والے ہیں۔ متکبرین نے کہا تم جس پر ایمان لائے ہو ہم اُس کا کفر کرنے والے ہیں"۔۔ اِس پر۔۔

قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ

اُنہوں نے کہا کہ "اے میری قوم، کیوں جلدی مچاتے ہو بُرائی کی بھلائی سے پہلے،

لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۴۶

کیوں نہیں مغفرت مانگتے اللہ سے، کہ تم رحم کیے جاؤ؟"●

(اُنہوں نے) حضرت صالح نے (کہا، کہ اے میری قوم کیوں جلدی مچاتے ہو بُرائی کی) اور عذاب نازل ہونے کی (بھلائی) یعنی توبہ (سے پہلے)۔ تو (کیوں نہیں مغفرت مانگتے اللہ) تعالیٰ (سے)، تا (کہ تم رحم کیے جاؤ) اور تم پر عذاب نازل نہ ہو۔ تمہاری یہ ضِد کھوٹی ہے کہ جب ہم عذاب دیکھ لیں گے، تو توبہ کر لیں گے۔ عذاب کے بعد تم رہو گے ہی کہاں، جو توبہ کر لو گے؟

قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

سب بولے کہ "ہم نے بُرا شگون لیا ہے تم سے، اور اُن سے جو تمہارے ساتھ ہیں"، جواب دیا کہ "تمہاری بدشگونی اللہ کے قبضہ میں ہے،

بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ﴿٤٧﴾

بلکہ تم لوگ فتنے میں گرفتار کیے گئے ہو"●

(سب بولے کہ ہم نے بُرا شگون لیا ہے تم سے اور اُن سے جو تمہارے ساتھ ہیں)۔یعنی ہم نے تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے سبب سے بُری فال لی ہے، کہ جب سے تم نے اور تمہارے ساتھ والوں نے اسلام کی طرف بُلانا شروع کیا ہے، ہم لوگ کلفت ومحنت اور شدید مشقت میں مبتلا ہو گئے ہیں، اور ہمارے اندر اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔۔الختصر۔۔ہم تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اپنی قوم کے لیے منحوس سمجھتے ہیں۔حضرت صالح علیہ السلام نے **(جواب دیا کہ تمہاری بدشگونی اللہ) تعالیٰ (کے قبضہ میں ہے)** یعنی جس سبب سے تمہارے ہاں شر آیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے ہے۔۔یا۔۔تمہارے اُن اعمال کی شامت ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں۔۔الختصر۔۔خیر وشر منجانب اللہ ہیں، ان کا سبب تو تمہارے گناہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھے ہوئے ہیں۔اور اُس کا حکم ازلی ابدی ہے جو میری وجہ سے تبدیل نہیں ہوگا۔

'تقدیر' کو **طٰٓئِر** سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے، کہ جس طرح پرندہ تیز اُڑتا ہے ویسے ہی تقدیر تیزی سے گھیرتی ہے۔جبھی کہا جاتا ہے کہ "تقدیرِ مبرم سے کوئی شے تیز تر نہیں"۔

۔۔الغرض۔۔تم پر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ کسی بدشگونی کا نتیجہ نہیں، **(بلکہ تم لوگ فتنے میں گرفتار کیے گئے ہو)** اور خیر وشر کے نزول سے آزمائش کیے جا رہے ہو، تا کہ کبھی دولت دے کبھی غربت اور کبھی سہولت دے، تو کبھی مشقت۔۔یا یہ کہ۔۔تم عذاب میں مبتلا کیے جاؤ گے۔

یہ دراصل اُن کے بدفالی کے قول سے اعراض ہے، کہ واقعی یہ جو تم مصائب میں گھر گئے ہو یہ بدفالی سے نہیں ہے، بلکہ تمہارے اعمال کی شامت ہے۔ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ [illegible] مبتلا ہوجائے، کہ اُن میں کون کھرا ہے اور کون کھوٹا۔

اب آگے اُن نو۹ اشخاص کے اوصاف کا بیان آرہا ہے جو حِجر کے علاقے میں جرائم کے ارتکاب سے فساد پھیلاتے تھے۔یہی وہ نو۹ بدبخت ہیں جنہوں نے اونٹنی کو مارنے کی کوشش کی اور جو قوم صالح میں بڑے سرکش انسان تھے، حالانکہ اُن کے اسلاف قوم کے برگزیدہ

لوگ تھے۔۔المختصر۔حق تعالیٰ بیان۔۔۔

وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ﴿٤٨﴾

اور تھے شہر میں نوشخص، کہ فساد مچاتے زمین میں اور درستگی نہ چاہتے●

(اور) ارشاد فرمارہا ہے، کہ (تھے) اُس (شہر میں) جس میں حضرت صالح رہتے تھے (نو شخص)۔

جن کے ناموں کے تعلق سے مختلف روایات ہیں۔

یہ نو۹ افراد ایسے تھے جو (کہ فساد مچاتے زمین میں)۔

"شہر" کی جگہ "زمین" فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اُن کا فساد اُسی شہر تک محدود نہ تھا، بلکہ تمام علاقہ اُن کے شروفساد کی لپیٹ میں تھا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ یہاں زمین سے مطلقاً زمین مراد نہیں، بلکہ ایک مخصوص علاقہ مراد ہے۔

(اور) اُن فسادیوں کا حال یہ تھا کہ کسی طرح کی (درستگی نہ چاہتے)، یعنی کسی قسم کی اصلاح کے روادار نہ تھے۔۔الغرض۔۔فساد ہی فساد اُن کا شیوہ تھا اور اصلاح کا نام ونشان اُس میں نہیں تھا۔

اب آگے اُن کے فساد کے بعض کارناموں کا بیان ہے۔ جب حضرت صالح علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کو قتل کیا، تو تم پر تین۳ دنوں کے اندر عذاب آجائے گا اور تمہاری شکلیں بھی بدل جائیں گی۔۔اُس پر۔۔

قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا

انہوں نے اللہ کی قسم کھائی، بولے کہ "ہم ضرور شب خون ماریں گے اُن پر، اور اُن کے اپنوں پر، پھر کہہ دیں گے اُن کے حقدار سے،

مَهْلِكَ اَهْلِهٖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٤٩﴾

کہ ہم حاضر نہ تھے اُن کی ہلاکت کے وقت، اور ہم بالکل سچے ہیں"●

(اُنھوں نے) یعنی اُن کی مجلسِ شوریٰ کے بعض ممبروں نے (اللہ) تعالیٰ (کی قسم کھائی) اور (بولے کہ ہم ضرور شب خون ماریں گے اُن پر اور اُن کے اپنوں پر) اور رات کے وقت اچانک دھاوا بول کر اُسے اور اُس کے گھر والوں کو قتل کردیں گے۔ پھر جب اُن کے حقدار ومتولی لوگ صالح علیہ السلام کے قتل کے بارے میں پوچھیں گے، (پھر) ہم (کہہ دیں گے اُن کے حقدار سے کہ ہم حاضر نہ تھے

اُن کی ہلاکت کے وقت اور ہم) اپنے دعوےٰ میں (بالکل سچے ہیں)۔۔الغرض۔۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٥٠﴾

اور وہ چلے اپنی چال، اور ہم نے نکالی اپنی توڑ، اور وہ نہ تاڑ سکے●

(اور وہ چلے اپنی چال اور ہم نے نکالی اپنی توڑ)۔یعنی اُن کے مکر کی جزا اُن کو دی، اس طرح پر کہ اُن کے مکر کو اُن کی ہلاکت کا سبب کر دیا (اور وہ نہ تاڑ سکے)، اور انہیں اُس کا شعور بھی نہ ہو سکا۔

روایت ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے ایک مسجد ایک غار میں بنائی تھی، راتوں کو وہاں نماز پڑھتے تھے۔ وہ نوؤں آدمی بولے کہ ہم پر عذاب آنے کا وعدہ تو تین دن کے بعد ہے، تو ہم اِس سے پہلے ہی صالح علیہ السلام کا کام کر دیں، تو پہلی شب اُس کے اندر آ کر گھات میں بیٹھے کہ جیسے ہی صالح علیہ السلام آئیں، تو اُن کو قتل کر ڈالیں۔ ناگاہ ایک پتھر اُن پر پھٹ پڑا اور اُن سب کو دبالیا اور غار کا منہ بند کر دیا۔ وہ نو آدمی وہیں ہلاک ہو گئے اور باقی کافر حضرت جبرائیل علیہ السلام کی چیخ سے مَرے۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٥١﴾ فَتِلْكَ

تو دیکھ لو، کہ کیسا ہوا انجام اُن کی چال کا، بے شک ہم نے برباد کر دیا اُنہیں، اور اُن کی ساری قوم کو● چنانچہ یہ

بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ﴿٥٢﴾

اُن کے گھر ہیں گرے پڑے، بدلہ ہے اُس کا جو اندھیر مچا رکھا تھا۔ بے شک اُس میں ضرور نشانی ہے اُن کے لیے جو علم رکھتے ہیں●

(تو دیکھ لو کہ کیسا ہوا انجام اُن کی چال کا، بے شک ہم نے برباد کر دیا اُنہیں) کچھ کو غار میں (اور) باقی (اُن کی ساری قوم کو) حضرت جبرائیل کی چیخ سے۔(چنانچہ یہ اُن کے گھر ہیں) زمینِ حجر میں۔انہیں دیکھو کہ کیسا (گرے پڑے) ہیں۔یہ (بدلہ ہے اُس کا جو اندھیر مچا رکھا تھا) اور خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا۔(بے شک) جو کچھ ہم نے قوم ثمود کے ساتھ کیا (اُس میں ضرور نشانی ہے) اور عبرت ہے (اُن کے لیے جو علم رکھتے ہیں) اور اُس کے سبب سے نصیحت مانتے ہیں۔

وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٥٣﴾

اور بچا لیا ہم نے اُنہیں جو ایمان لائے اور خوف کھاتے تھے●

(اور بچالیا ہم نے انہیں جو) صالح علیہ السلام پر (ایمان لائے اور خوف کھاتے تھے) یعنی کفر اور گناہوں سے پرہیز کرتے تھے۔ اِسی سبب سے انہوں نے نجات پائی۔

اب اِس سورت میں مذکور حضرت لوط علیہ السلام کا قصہ جو اِس سورت کا چوتھا قصہ ہے بیان فرمایا جارہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہے کہ اَے محبوب! یاد کیجیے۔۔۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور لوط کو، جب کہ کہا اپنی قوم کو کہ "تم لوگ آتے ہو بے شرمی پر، اور تم آنکھ رکھتے ہو●

(اور) ذہن میں حاضر کر لیجیے (لوط) کے واقعہ (کو جب کہ کہا اپنی قوم کو، کہ تم لوگ) اُتر (آتے ہو بے شرمی پر اور) وہ بھی اِس حال میں کہ (تم آنکھ رکھتے ہو)، اور آپس میں کھلے عام لوگوں کو یہ بُرائی کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔۔یا۔۔اُس کام کے بُرے ہونے کا علم وشعور رکھتے ہو، اور ظاہر ہے کہ یہ بہت بُری اور بے شرمی کی بات ہے۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۵۵﴾

کیا تم آتے ہو مَردوں کے پاس مستی میں، عورتوں کو چھوڑ کر؟ بلکہ تم لوگ جہالت کرتے ہو"●

(کیا تم آتے ہو مَردوں کے پاس مستی میں) اپنی منکوحہ (عورتوں کو چھوڑ کر) جو شہوت اُتارنے کے واسطے پیدا ہوئی ہیں، (بلکہ) سچی بات تو یہ ہے کہ (تم لوگ جہالت کرتے ہو)، یعنی ایسے گروہ کے لوگ ہو جو اپنے کام کا انجام نہیں جانتے۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ

تو نہ تھا اُن کی قوم کا جواب، مگر یہ، کہ بولے کہ "نکال دو لوط کے لوگوں کو اپنی آبادی سے،

اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۵۶﴾

یہ لوگ بڑے پاک رہتے ہیں"●

(تو نہ تھا اُن کی قوم کا جواب مگر یہ کہ بولے نکال دو لوط کے لوگوں کو اپنی آبادی سے، یہ لوگ بڑے پاک رہتے ہیں) یعنی اپنے کو پاکیزہ جانتے ہیں اور ہم کو ناپاک سمجھتے ہیں۔

فَأَنْجَيْنٰهُ وَأَهْلَهٗٓ إِلَّا امْرَأَتَهٗ ۫ قَدَّرْنٰهَا مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾

تو بچالیا ہم نے اُنہیں، اور اُن کے اپنوں کو، مگر اُن کی عورت کہ تقدیر کردی تھی ہم نے اُس کی پچھڑنے والوں کے ساتھ●

(تو بچالیا ہم نے انہیں اور اُن کے اپنوں کو، مگر اُن کی عورت) کیوں (کہ تقدیر کردی تھی ہم نے اُس کی پچھڑنے والوں کے ساتھ) باقی رہنے والوں میں سے جو عذاب میں مبتلا ہوئے۔

ع ۴ ۱۴ ۱۹

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٥٨﴾

اور برسایا ہم نے اُن پر خوب ہی، تو کیسی بُری بارش تھی ڈرائے جانے والوں پر●

(اور) بَلا نازل ہونے اور مؤتفکات اُلٹ پلٹ ہوجانے کے بعد (برسایا ہم نے ان پر خوب ہی) پتھر کی بارش، (تو کیسی بُری بارش تھی ڈرائے جانے والوں پر) جنہوں نے ڈرانے کو سچ نہ جانا۔ کہا ہم نے لوط علیہ السلام کو کہ۔۔۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٩﴾

تم کہہ دو کہ "ساری حمد اللہ کی، اور سلام ہے اُس کے بندوں پر، جن کو اُس نے چنا"۔ کیا اللہ بہتر ہے یا جس کو وہ لوگ شریک بناتے ہیں؟●

(تم کہہ دو کہ ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کی) اور شکر ہے خدا کا کافروں کی ہلاکت پر (اور سلام ہے اُس کے بندوں پر جن کو اُس نے چنا)۔ یعنی برگزیدہ کرلیا معصوم کر کے اور بچایا ہے بُرے کاموں سے اور نجات دی ہے عذابوں سے۔

اِس سلسلے میں صحیح ترین بات یہ ہے، کہ اِس آیت میں حمد کرنے کا حکم ہمارے پیغمبر ﷺ کو ہے، اس واسطے کہ جب حق تعالیٰ نے اِس سورت میں ایسے قصے بیان فرمائے جو کمالِ قدرت پر دلالت کرتے ہیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور جو بڑی نشانیاں اور معجزے رسولوں ہی کے ساتھ خاص ہونے پر دلالت کرتا ہے جیسے حضرت سلیمان کا قصہ، اور جس میں دشمنوں کی ہلاکت اور دوستوں کی فتح ونصرت کا ذکر ہے، جیسے حضرت صالح اور حضرت لوط علیہما السلام کا قصہ، اور اُن قصوں سے واقف ہونا بڑی نعمت ہے۔

تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو خدا کی حمد وشکر کا حکم فرمایا اور سلام کا مژدہ سنایا برگزیدہ بندوں پر، کہ وہ انبیاء علیہم السلام ہیں۔۔۔یا۔۔۔آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام ہیں۔۔۔یا۔۔۔قرآن کریم پر ایمان لانے والے اور اُس کی ہدایتوں کو عام کرنے والے ہیں۔۔۔یا۔۔۔سب سچے

پکے مسلمان ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ سلام والے وہ لوگ ہیں جن کا دِل لوث علائق اور جن کا سر فکرِ خلائق سے خالی ہے۔ وہ لوگ آج تو واسطہ سے سلام سنتے ہیں اور کل قیامت کے دن بے واسطہ سنیں گے، کہ **قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ**۔

فکر و شعور رکھنے والو! اب غور کرو اور بتاؤ، کہ (کیا اللہ) تعالیٰ (بہتر ہے یا) وہ، (جس کو وہ لوگ شریک بناتے) ہیں۔ قادِر و مختار خدا بہتر ہے۔۔یا۔۔ باطل و عاجز معبود؟ جو خود اپنے پرستاروں کے ہاتھوں ہی سے گڑھے گئے ہیں، اور ایسا مجبور ہیں کہ اپنے وجود میں بھی اپنے پجاریوں کے محتاج ہیں۔

بعونہٖ تعالیٰ و بفضلہٖ آج بتاریخ
۲۸ر رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۹ر اگست ۲۰۱۱ء
بروز دوشنبہ، انیسویں (۱۹) پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ
مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی توفیقِ رفیق
مرحمت فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظتِ خاص میں رکھے۔
آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ بِحَقِّ نٓ وَصٓ،
بِحَقِّ یَا بُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
سَیِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

اَمَّنْ خَلَقَ ۲۰

حَامِداً وَّمُصَلِّیاً وَّمُبَسْمِلاً۔۔ بعونہٖ تعالیٰ و بفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ
۱۹ر شوال المکرم ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۸ر ستمبر ۲۰۱۱ء۔۔۔ بروز یکشنبہ، بیسویں پارہ کی تفسیر کا آغاز کر دیا ہے۔
مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور اِس کے بعد پورے قرآنِ کریم کی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے،
اور فکر و قلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔۔۔ آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ بِحَقِّ نٓ وَصٓ
وَبِحَقِّ یَابُدُّوْحُ وَ بِحُرْمَةِ حَبِیْبِكَ سَیِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وبرحمتک یا ارحم الراحمین

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً

یا وہ، جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، اور اُتارا تمہارے بھلے کو آسمان کی طرف سے پانی،

فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ

پھر اُگائے ہم نے اُس سے بارونق باغوں کو۔ تمہارے بس میں نہ تھا کہ اُگاؤ اُن کے درخت۔

ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ یَّعْدِلُوْنَ ﴿۶۰﴾

کیا کوئی معبود اور بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ بلکہ وہی لوگ راہ سے بے راہ ہیں ●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ "کیا اللہ اچھا ہے یا وہ بت، جن کو وہ اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔" اب اِس کے بعد اللہ تعالیٰ دلائل سے بیان فرما رہا ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہی اچھا ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر آسمانوں سے اِستدلال کیا، پھر زمین سے، پھر دُعاؤں کے قبول کرنے سے، پھر بحر و بر میں کام آنے سے، اور پھر موت کے بعد زندہ کرنے اور حشر میں اُٹھانے سے۔ ارشادِ ربانی کا حاصل یہ ہے، کہ ہوش و خرد والو! بتاؤ کہ کیا وہ معبودانِ باطل عاجز بہتر ہیں جنہیں مشرکین شریک کرتے ہیں۔۔۔

(یا وہ) خدائے برحق بہتر ہے (جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو) اپنی قدرت سے؟ یہ آسمان و زمین وہ ہیں کہ جو عالَم کے بننے اور بگڑنے کے اصول ہیں۔ **(اور) جس نے (اُتارا تمہارے بھلے کو آسمان کی طرف سے)** بذریعہ اَبر **(پانی)**۔۔ چنانچہ۔۔ اُس کا اِرشاد ہے کہ ہم نے بارش نازِل فرمائی، **(پھر اُگائے ہم)** ہی **(نے اُس)** پانی کے سبب **(سے بارونق باغوں کو)**۔

'غیبت' سے 'تکلّم' کی طرف پھرنا، اُس کی ذات کے ساتھ فعلِ خاص ہونے کی تاکید کے واسطے ہے۔ یعنی بارش کے پانی سے بس ہم ہی اُگا سکتے ہیں باغوں کو جن کی چاردیواری کھنچی ہے، اور خوبی اور خوشی والے یعنی زیبا اور آراستہ ہیں۔

(تمہارے بس میں نہ تھا کہ) تم **(اُگاؤ اُن)** باغوں **(کے درخت)**۔ تو **(کیا کوئی معبود اور بھی ہے اللہ)** تعالیٰ **(کے ساتھ)** جو اِن کاموں میں اُس کی مدد کرے۔ ہرگز ایسا نہیں۔ اِس واسطے کہ وہ پیدا کرنے میں اکیلا ہے۔ **(بلکہ)** ایسا کہنے والے **(وہی لوگ)** ہیں جو **(راہ سے بے راہ ہیں)** یعنی توحید کی راہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔۔۔ یا۔۔۔ شریک کرتے ہیں خدا کے ساتھ اور اُس کا مثل ثابت کرتے ہیں۔ تو جسے وہ مثل اور برابر ٹھہراتے ہیں، آیا وہ بہتر ہے۔۔۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَاۤ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ

یا وہ، جس نے بنائی زمین اُس نے بسنے کو، اور کردیں اُس کے نشیبوں میں نہریں، اور بنایا اُس کے لیے پہاڑوں کا لنگر، اور کر دیا

بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۱﴾

دو دریاؤں کے درمیان روک۔ کیا کوئی معبود اور بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ بلکہ اُنہیں کے بہتیرے جاہل ہیں●

(یا وہ، جس نے بنائی زمین اُس نے بسنے کو) یعنی آدمیوں اور چارپایوں کی قرار گاہ بنایا، (اور کردیں اُس کے نشیبوں میں نہریں اور بنایا اُس) کی مضبوطی (کے لیے پہاڑوں کا لنگر) جن میں کھانیں ہوئی ہیں اور جن کے نیچے سے چشمے نکلتے ہیں۔ (اور کر دیا دو دریاؤں کے درمیان روک) کھارے اور میٹھے میں۔۔یا۔۔روم اور فارس کی دو نہروں میں، تو اُس مانع کی وجہ سے ایک دوسرے سے مل نہیں جاتے، تو (کیا کوئی معبود اور بھی ہے اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ) جو چیزیں پیدا کرنے میں اُس کا مددگار ہو؟ ہرگز نہیں! (بلکہ اُنہیں کے بہتیرے جاہل ہیں) جنہیں خدائے برحق کا وحدہٗ لاشریک ہونا معلوم نہیں، جبھی وہ اُس کے شریک کے قائل ہیں۔ تو آیا وہ شریک عاجز وناتواں بہتر ہیں۔۔۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَ یَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَ یَجْعَلُكُمْ

یا وہ، جو سنتا ہے بے قرار کی، جب اُسے پکارا، اور دُور کرتا ہے سختی کو، اور بناتا رہتا ہے تم کو

خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۶۲﴾

زمین کا حقدار۔ کیا کوئی معبود اور بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ تم لوگ بہت کم سوچتے ہو●

(یا وہ، جو سنتا ہے) ایسے (بے قرار کی) جس کا خدا کے سوا کوئی حیلہ اور وسیلہ نہ ہو (جب اُسے پکارا)۔

بعضوں نے کہا کہ **مُضْطَرّ** وہ ہے جس نے اپنی جان سے ہاتھ اُٹھایا ہو، جیسے دریا میں ڈوبتا ہوا آدمی۔۔یا۔۔بیابانِ بے پایاں میں راہ بھولا ہوا۔۔یا۔۔وہ بیمار جو صحت سے ناامید ہو۔ ایک بزرگ کسی بیمار کی عیادت کے لیے گئے، بیمار نے کہا کہ "اَے شیخ! میری صحت کے واسطے دُعا کیجیے۔" فرمایا کہ "تُو خود دُعا کر کہ **مُضْطَرّ** ہے اور قبولیت **مُضْطَرّ** کی دُعا سے بندھی ہوئی ہے، اِس واسطے کہ اُس کی نیاز اور آرزو بہت زیادہ ہوتی ہے اور [redacted] بیچاروں کی آرزو بَر لانے کو دوست رکھتا ہے۔"

پس جب نیاز مند بے چارہ دُعا کرتا ہے (اور) عاجزانہ طور پر خدا کو پکارتا ہے، تو حق تعالیٰ (دُور کرتا ہے سختی کو) اور اُٹھالیتا ہے بُرائی کو، یعنی جو کچھ اُسے بُرا معلوم ہوتا ہے وہ اُس سے دفع کر دیتا ہے۔ (اور) اِتنا ہی نہیں، بلکہ (بنا تا رہتا ہے تم کو زمین کا حقدار)، یعنی تم کو اگلوں کا جانشین کرتا ہے اور زمین کو اُن کے بعد تمہارے تصرف میں لاتا ہے۔ تو (کیا کوئی معبود اور بھی ہے اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ) جو ان کاموں میں اُس کی اِعانت کرے؟ ہرگز نہیں! اور ایسا ہو بھی نہیں سکتا۔ ظاہر ہو گیا کہ (تم لوگ بہت کم سوچتے ہو)۔ اِس تعلق سے نہ تو نصیحت مانتے ہو اور نہ ہی خدا کو یاد رکھتے ہو۔۔یا۔۔خدا کو بہت کم یاد کرتے ہو۔۔۔

اور بعضوں نے کہا کہ 'کمی' سے 'بالکل نہ کرنا'، مراد ہے، یعنی خدا کو یاد ہی نہیں کرتے ہو اور بتوں کو پوجتے ہو۔ تو تم جن بتوں کو پوجتے ہو، آیا وہ بہتر ہیں۔۔۔

امّن يّهديكم في ظلمت البرّ والبحر ومن يّرسل الرّيح بشرًا

یا وہ، کہ راہ دے تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں، اور جو بھیجے ہواؤں کو خوش خبری سناتی

بين يدي رحمته ءاله مّع الله تعلى الله عمّا يشركون ﴿۶۳﴾

اپنی رحمت سے پہلے، کیا کوئی معبود اور بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ بلند و بالا ہے اللہ اُس سے جس کو وہ شریک قرار دیتے ہیں●

(یا وہ، کہ) جو (راہ دے تمہیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں)، یعنی دریاؤں اور بیابانوں کے اندھیروں میں، (اور جو بھیجے ہواؤں کو خوشخبری سناتی اپنی رحمت) یعنی بارش (سے پہلے)۔ تو (کیا کوئی معبود اور بھی ہے اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ؟) ہرگز نہیں! بے شک (بلند و بالا ہے اللہ) تعالیٰ (اُس سے جس کو وہ شریک قرار دیتے ہیں)۔ اِس واسطے کہ خالق قادر پاک ہے، مخلوق عاجز کی مشارکت سے۔ آیا کہ ایسا شریک بہتر ہے۔۔۔

امّن يّبدؤا الخلق ثمّ يعيده ومن يّرزقكم مّن السّماء والارض

یا وہ، جو مخلوقات کی ابتدا کرے، پھر دوبارہ پیدا فرمائے گا اُن کو، اور روزی دے تمہیں آسمان و زمین سے۔

ءاله مّع الله قل هاتوا برهانكم ان كنتم صدقين ﴿۶۴﴾

کیا کوئی معبود اور بھی ہے اللہ کے ساتھ؟ کہہ دو کہ "لاؤ اپنی دلیل اگر سچے ہو"●

(یا وہ، جو مخلوقات کی ابتداء کرے) اور معدوم کو موجود کر دے۔ اور اُس کی یہ شان ہو گی، کہ

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا

بلکہ کیا رسائی پالی اُن کے علم نے آخرت کے بارے میں۔۔۔ بلکہ وہ تو اُس کی طرف سے شک میں پڑے ہیں۔۔

ع ۵ / ۸ / ۱

بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

بلکہ وہ اُس کی طرف سے اندھے ہیں●

(بلکہ) غور کرو، کہ (کیا رسائی پالی اُن کے علم نے آخرت کے بارے میں)، یعنی اُن کو آخرت کا پورا علم حاصل ہو گیا؟ نہیں، (بلکہ وہ تو اُس کی طرف سے شک میں پڑے ہیں۔۔ بلکہ) اُن کے تعلق سے یہ کہنا بھی صحیح ہے، کہ (وہ اُس کی طرف سے اندھے ہیں) یعنی بالکل جاہل ہیں۔

اِس آیت کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک اِس کا معنی ہے، کہ آخرت کے متعلق اُن کا علم غائب ہو گیا اور وہ اُس کو نہ سمجھ سکے۔ بعض نے کہا، کہ اِس کا معنی ہے کہ آخرت کے متعلق وہ شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں۔ کبھی وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو بہت بعید کہتے تھے، اور اِس پر حیرت کا اِظہار کرتے تھے اور کبھی آخرت کا صاف اِنکار کر دیتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آخرت کے متعلق اُن کا علم الجھا ہوا تھا۔ اور بعض نے کہا، کہ اِس کا معنی یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ میں اُن کا علم کامل ہو جائے گا، لیکن اُس وقت یہ سُودمند نہ ہوگا۔۔ المختصر۔۔ یہ کافر اِمر آخرت سے اندھے ہیں، یعنی اُن کے دیدۂ دِل بعث و حشر کی دلیلیں دیکھنے سے بند ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَاۗؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور سوال کیا کافروں نے کہ "کیا جب ہو چکے ہم خاک اور ہمارے باپ دادے، تو کیا ہم پھر نکالے جائیں گے؟"●

لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ

"واقعہ ہے کہ اِس سے ہم بھی دھمکائے گئے، اور ہمارے باپ دادے بھی ہم سے پہلے۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۶۸﴾

یہ نہیں ہے مگر اگلوں کی کہانیاں"●

(اور) اِسی اندھے پن کی وجہ سے (سوال کیا کافروں نے، کہ کیا جب ہو چکے ہم خاک اور ہمارے باپ دادے) بھی خاک ہو گئے، (تو کیا ہم پھر نکالے جائیں گے؟) قبروں سے۔۔۔یا۔۔

باہر نکلے ہوئے تنگیِ فنا سے اندر آئے ہوئے وسعتِ حیات میں۔اور (واقعہ) یہ (ہے کہ اِس سے ہم بھی دھمکائے گئے اور ہمارے باپ دادے بھی ہم سے پہلے)۔یعنی پیغمبر اسلام کی طرف سے یہ دھمکی نئی نہیں ہے، بلکہ اِس طرح کی دھمکیاں ہمارے باپ دادوں کو پیغمبروں کی زبانی ملتی رہی ہیں، اور اب تک اِس وعدہ کو پورا ہوتے دیکھا نہیں گیا، تو (یہ نہیں ہے مگر اگلوں کی کہانیاں)، یعنی بنائی ہوئی بے اصل کہانیوں کے مثل۔تو اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۶۹﴾

تم جواب دو کہ "زمین میں چلو، پھر دیکھو کہ کیسا ہوا انجام جرم کرنے والوں کا"●

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور تم رنج نہ کرو اُن کا، اور نہ دِل تنگ ہو اُس سے، جو یہ سب چال کیا کرتے ہیں●

(تم جواب دو، کہ) تکذیب کرنے والوں کی (زمین میں چلو)، یعنی دِیارِ حجر' اور 'احقاف' اور 'موتفکات' کی سیر کرو۔(پھر دیکھو کہ کیسا ہوا انجام جرم والوں کا)۔اَے محبوب! مشرکین کی تکذیب (اور) اِنکار کے سبب سے (تم رنج نہ کرو اُن کا) اور اُن کے تعلق سے رنجیدہ خاطر نہ ہو (اور نہ) ہی (دِل تنگ ہو اُس سے جو یہ سب چال کیا کرتے ہیں) اور مکر کرتے ہیں۔اِس واسطے کہ تم تو ہماری عصمت اور نگہبانی کی پناہ میں ہو، اور تمہاری حفاظت کا کفیل تو میں ہوں۔اُن کافروں کی دیدہ دلیری۔۔۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۷۱﴾ قُلْ عَسٰۤى

اور بحث کرتے ہیں کہ "کب آئے گا یہ وعدہ اگر سچے ہو؟"● جواب دو کہ "قریب ہے

اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہ تمہارے پیچھے آ لگے کچھ اس کا، جس کی جلدی پڑی ہے تمہیں"●

(اور) اُن کی بے جا جسارت تو دیکھو، کہ تم سے اور تمہارے اصحاب سے (بحث کرتے ہیں) اور اَز راہِ تمسخر پوچھتے ہیں، (کہ کب آئے گا یہ وعدہ) کیا ہوا عذاب کا، (اگر سچے ہو)۔
یہاں مخاطب پیغمبر اور آپ کے اصحاب ہیں جو کافروں کو برابر عذابِ الٰہی سے ڈراتے تھے۔
(جواب دو، کہ قریب ہے کہ تمہارے پیچھے آ لگے کچھ اُس) عذاب (کا جس کی جلدی پڑی

ہے تمہیں)۔

۔۔چنانچہ۔۔جنگ بدر کے دن کے عذاب۔۔یا۔۔قحط۔۔یا۔۔گرانی کے عذاب سے وہ جلد ہی دوچار ہو گئے۔

ربِّ کریم بندوں پر گناہ کے سبب سے عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا ہے۔اِس میں حکمت۔۔۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور بلاشبہ تمہارا پروردگار فضل والا ہے لوگوں پر، لیکن اُن کے بہتیرے شکرگزار نہیں●

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور بلاشبہ تمہارا پروردگار، خوب جانتا ہے جواُن کے سینے چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں●

(اور) اِس کا راز یہ ہے کہ (بلاشبہ تمہارا پروردگار فضل والا ہے لوگوں پر، لیکن اُن کے بہتیرے شکرگزار نہیں)۔یعنی شکر نہیں کرتے اور تاخیرِ عذاب جو ایک نعمت ہے، اُس کا حق نہیں پہچانتے۔(اور بلاشبہ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جو اُن کے سینے چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں)۔یعنی اُن کے سینے میں چھپا ہوا حسد اور ظاہر میں کی جانے والی تکذیب اور عداوت، یہ سب کچھ علم الٰہی میں ہے۔

وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۵﴾ اِنَّ هٰذَا

اور نہیں کوئی غیب آسمان اور زمین کا، مگر لکھا ہوا بیان کرنے والی کتاب میں● بے شک یہ

الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۷۶﴾

قرآن، ظاہر کر دیتا ہے بنی اسرائیل پر بہتیری باتیں، جس میں وہ جھگڑتے ہیں●

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور بے شک وہ ضرور ہدایت ورحمت ہے مان جانے والوں کے لیے●

(اور) اُس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔۔چنانچہ۔۔(نہیں) ہے (کوئی غیب آسمان اور زمین کا، مگر لکھا ہوا بیان کرنے والی کتاب) لوحِ محفوظ (میں)۔۔المختصر۔۔رب کی طرف سے عذاب میں تاخیر کسی لاعلمی کی بنیاد پر نہیں، بلکہ یہ اُس کا فضل وکرم ہے کہ وہ توبہ کے لیے مہلت عطا فرماتا ہے۔

(بے شک یہ قرآن) جو سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے (ظاہر کردیتا ہے بنی اسرائیل پر بہتیری باتیں جس میں وہ جھگڑتے ہیں)۔ یعنی اُن بکثرت باتوں کے درمیان محاکمہ کردیتا ہے، جن میں بنی اسرائیل اپنی جہالت کی وجہ سے اختلاف کرتے ہیں۔

جیسے کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام کے متعلق اُن کا اختلاف ہے۔ اور اِس میں اُن کا اختلاف ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ جسموں کو زندہ کرکے اکٹھا کیا جائے گا۔۔۔یا۔۔ صرف روحوں کو جمع کیا جائے گا۔ اور جنت اور دوزخ کے صفات کے بارے میں اُن کا اختلاف ہے اور اِس میں اُن کا اختلاف ہے، کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے یا نہیں ہے۔ اِسی طرح اور بہت چیزوں میں اُن کا اختلاف ہے۔ وہ ایک دوسرے پر لعنت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ اگر وہ انصاف سے کام لیتے اور قرآنِ مجید کو مان لیتے، اسلام کو قبول کرلیتے، تو دائمی عذاب سے سلامت رہتے۔۔۔

(اور) یہ اس لیے کہ (بے شک وہ) یعنی قرآنِ کریم (ضرور ہدایت ورحمت ہے مان جانے والوں کے لیے)۔

چونکہ قرآنِ مجید کی ہدایت سے صرف ایمان والے ہی مستفید ہوتے ہیں، اِسی لیے اُن کی تخصیص فرمادی گئی۔

اِنَّ رَبَّکَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَہُمۡ بِحُکۡمِہٖ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۷۸﴾

بے شک تمہارا رب فیصلہ فرماتا ہے اُن کا اپنے حکم سے۔ اور وہ عزت والا علم والا ہے●

فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّکَ عَلَی الۡحَقِّ الۡمُبِیۡنِ ﴿۷۹﴾

تو بھروسہ رکھو اللہ پر، بلاشبہ تم کھلے ہوئے حق پر ہو●

(بے شک تمہارا رب فیصلہ فرماتا ہے اُن) اختلاف کرنے والے بنی اسرائیلیوں (کا اپنے) صحیح اور درست (حکم سے، اور وہ عزت والا) ہے۔ یعنی ایسا غالب ہے کہ اُس کا حکم رَد نہیں کرسکتے، اور (علم والا ہے) یعنی اپنے حکم کی حقیقت کو جاننے والا ہے، (تو) اَے محبوب! دشمنوں کی دشمنی سے تم کچھ باک نہ رکھو، اور (بھروسہ رکھو اللہ) تعالیٰ (پر۔ بلاشبہ تم کھلے ہوئے حق پر ہو)، یعنی تمہاری راہ سیدھی ہے اور تمہارا کام درست ہے۔

إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ ﴿٨٠﴾

بے شک تمہارا پیغام نہ کان کھول سکے اُن مُردہ دِلوں کا، اور نہ اُن کان رکھتے ہوئے بہروں کا، جب یہ پیٹھ دکھا کر پھر گئے●

وَمَا أَنتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَن ضَلَالَتِهِمْ ۖ إِن تُسْمِعُ إِلَّا مَن يُؤْمِنُ

اور نہ تم ہو اُن اندھوں کو راہ دینے والے اُن کی گمراہی سے۔ تم نہیں کان کھولتے مگر اُن کا جو مان جائیں

بِآيَاتِنَا فَهُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨١﴾

ہماری آیتوں کو، پھر وہ نیاز مند ہیں●

(**بے شک تمہارا پیغام نہ کان کھول سکے اُن مُردہ دلوں کا**) یعنی مُردہ دِل کافر تمہاری بات قبول نہیں کر سکتے، اس لیے کہ قبول کرنا زندہ دِل کا کام ہے نہ کہ مردہ دِل کا، (**اور نہ**) ہی (**اُن کان رکھتے ہوئے بہروں کا جب یہ پیٹھ دکھا کر پھر گئے**)۔ یعنی اُن کے دِلوں کے کان بہرے ہیں اسی لیے قرآن سننے سے اِنکار کرتے ہیں، اور منہ پھیرتے ہیں، تو یہ بہروں کے مشابہ ہیں نہ سننے میں، خصوصاً وہ بہرا جو پھر جائے اور اپنے پکارنے والے کی طرف پیٹھ پھیرے۔ اُس صورت میں اُس کو سنانا بہت مشکل ہے اور اشارہ کنایہ بھی وہ نہیں دیکھتا، کہ اشارے سے بات سمجھے۔ اَے محبوب! تمہارے فرائضِ نبوت میں ایسے اندھوں کو راہ پر لانا (اور) صراطِ مستقیم تک پہنچانا نہیں۔ تو (**نہ تم ہو اُن اندھوں کو راہ دینے والے**) اور اُن کو (**اُن کی گمراہی سے**) نکالنے والے۔۔ چنانچہ۔۔ (**تم نہیں کان کھولتے مگر اُن کا جو مان جائیں ہماری آیتوں کو، پھر وہ نیاز مند ہیں**)۔ یعنی اَے محبوب! تمہاری بات صرف ایمان والے ہی سنتے ہیں جو تمہارے حکم کو ماننے والے ہیں اور تمہارا کہا یقینی جاننے والے ہوں۔ نہ ماننے والے کس خواب وخیال میں ہیں؟ اُنہیں معلوم ہونا چاہیے۔۔۔

وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ

اور جہاں پڑگئی اُن پر ہونے والی بات، کہ نکال دیا ہم نے اُن کے لیے ایک چوپایہ زمین سے،

تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿٨٢﴾ ع ۲

کہ اُن سے بات چیت کرنے لگے، کہ بلاشبہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہیں رکھتے●

(اور) اچھی طرح جان لینا چاہیے، کہ (**جہاں پڑگئی اُن پر ہونے والی بات**)، یعنی جب اُن پر عذاب واجب ہو جائے گا اور حضرت رب الارباب کا قہر آئے گا اور مؤمنوں اور کافروں کے درمیان

تمیز کردینے کا وقت آجائے گا، اور صورتِ حال یہ ہوجائے گی، (کہ نکال دیا ہم نے اُن کے لیے ایک چوپایہ زمین سے)، جیسے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی پتھر سے نکالی، تا (کہ اُن سے بات چیت کرنے لگے)، کیوں (کہ بلاشبہ لوگ ہماری نشانیوں کا یقین نہیں رکھتے) تو وہ جب اپنے سر کی آنکھوں سے دَآبَّۃُ الۡاَرۡضِ کو دیکھیں گے، تو خدا کی نشانی پر یقین کرنے کے سوا چارہ کار نہیں رہ جائے گا۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ قیامت کی بڑی علامتوں میں سے پہلی آسمانی علامت، مغرب کی طرف سے آفتاب نکلنا ہے، اور زمین کی پہلی علامت دَآبَّۃ کا نکلنا ہے۔ اُس دَآبَّۃ کی شکل وصورت اور اُس کی ہیئت کے تعلق سے مختلف اقوال ہیں، اور وہ زمین کے کس حصے اور کہاں سے نکلے گا، اُس میں بھی اقوال مختلف ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اُس کے ساتھ ہوگی۔ ایمان والوں کے چہرے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا چھودے گا، پس چہرہ اُن کا سفید ہوجائے گا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کافروں کی دونوں آنکھوں کے درمیان مَل دے گا، پس اُن کے چہرے سیاہ ہوجائیں گے۔ دُنیا میں کوئی ایسا نہ رہ جائے گا جو سفید رُو۔۔یا۔۔سیاہ رُو نہ ہو۔ اور پھر جو سفید رُو ہوگا اُسے جنتی اور جو سیاہ رُو ہوگا اُسے دوزخی کہا جائے گا۔ اُس کے سوا کسی کو کسی اور لقب سے پکارا نہ جائے گا۔ اِن علامتوں کے ظاہر ہوجانے کے بعد تمام کافروں سے توبہ کی توفیق چھین لی جائے گی۔

وَيَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ فَوۡجًا مِّمَّنۡ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ ﴿۸۳﴾

اور جس دن کہ ہم ہانکا کر کے اکٹھا کریں گے ہر امت سے ایک فوج، جو جھٹلاتی رہتی ہے ہماری آیتوں کو، تو ایک دوسرے پر بڑھنے سے روکے جائیں گے●

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡ قَالَ اَكَذَّبۡتُمۡ بِاٰيٰتِىۡ وَلَمۡ تُحِيۡطُوۡا بِهَا عِلۡمًا اَمَّاذَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۴﴾

یہاں تک کہ جب سب آچکے، فرمان ہوا کہ کیا "تمہیں لوگوں نے جھٹلایا تھا میری آیتیں، حالانکہ نہ پہنچ سکا اُس تک تمہارا علم، یا تم آخر کیا کرتے تھے●

(اور) اَے محبوب! پھر یاد کرو اُس دن کو (جس دن کہ ہم ہانکا کر کے اکٹھا کریں گے ہر امت سے ایک فوج) اُن کے رؤسا اور اشراف کی (جو جھٹلاتی رہتی ہے ہماری آیتوں کو)، یعنی ہمارے کلام کی آیتوں کو۔۔یا۔۔ہماری قدرت کی دلیلوں کو، (تو ایک دوسرے پر بڑھنے سے روکے جائیں گے) تا کہ قوم کے رذیل اور کمینے لوگ بھی اُن تک پہنچ جائیں اور اپنے اشراف کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اسی لیے کہ اشراف کو آگے جانے سے روک دیا جائے گا یہاں تک کہ اُن کے کمینے لوگ بھی اُن کے ساتھ ہوجائیں۔ (یہاں تک کہ جب سب آچکے) اور ایک جگہ اکٹھا ہوگئے، تو خداوندی (فرمان

ہوا کہ کیا تمہیں لوگوں نے جھٹلایا تھا میری آیتیں)، یعنی ابتداءً ہی تم نے تکذیب کر دی، (حالانکہ نہ پہنچ سکا اُس تک تمہارا علم) یعنی تم نے اُن آیتوں پر غور نہ کیا اور اُن کی تہہ تک نہ پہنچے (یا تم آخر کیا کرتے تھے) یعنی آیا وہ کیا چیز تھی جو تم تھے کرتے، یعنی خدا و رسول کا ایمان نہ لانے کے بعد تم نے کیا کام کیا؟۔۔۔

وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۵﴾ أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا

اور آپڑی آنے والی بات اُن پر، جو اندھیر مچا رکھا ہے، تو اب بولی نہیں نکلتی ● کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا

جَعَلْنَا اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

کہ "ہم نے بنائی رات کہ آرام لیں اُس میں، اور دن کو دیکھ بھال کرانے والا"۔ بے شک اِس میں ضرور

لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۶﴾

نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو مان جائیں ●

(اور) بالآخر (آپڑی آنے والی بات اُن پر) بہ سبب اُس کے (جو اندھیر مچا رکھا ہے، تو اب بولی نہیں نکلتی)۔ ایسے وقت میں وہ کیا بات کر سکیں گے۔۔ چنانچہ۔۔ مبتلائے عذاب ہو جائیں گے اور عذر کرنے کی بھی مہلت نہ پائیں گے۔ (کیا اُنہوں نے) یعنی حشر کا اِنکار کرنے والوں نے، (نہیں دیکھا کہ ہم نے بنائی رات، کہ آرام لیں اُس میں اور دن کو دیکھ بھال کرانے والا) کہ اُس میں معاش ڈھونڈیں۔ (بے شک اُس میں) یعنی اُس اُجالے اندھیرے کے آگے پیچھے آنے میں ایک خاص صورت پر (ضرور نشانیاں ہیں) حشر و نشر پر (اُن کے لیے جو مان جائیں)۔ یعنی یہ یقین رکھنے والے ہیں کہ جو دن رات کو بدلنے پر قادر ہے، وہ یقیناً مُردوں کے بدنوں کے مادّے میں موت کو زندگی سے بدلنے کی بھی قدرت رکھتا ہے، اور دن رات جو آتے ہیں اُن سے بھی دلیل پکڑ سکتے ہیں زندگی اور موت پر۔۔۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ

اور جس دن پھونکا جائے گا صور میں، کہ گھبرا اُٹھے آسمانوں والے اور زمین والے،

إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ ۚ وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ ﴿۸۷﴾

مگر سوا اُن کے جنہیں اللہ نے چاہا، اور سب حاضر آئے عاجزوں کی طرح ●

(اور) اے محبوب! یاد کرو اُس دن کو (جس دن) پہلی بار (پھونکا جائے گا صور میں) بذریعہ حضرت اسرافیل علیہ السلام۔ پھر صورتِ حال یہ ہوئی (کہ گھبرا اُٹھے) اُس کی ہَول اور ہیبت سے (آسمانوں والے اور زمین والے، مگر سوا اُن کے جنہیں اللہ) تعالیٰ (نے چاہا)۔

یعنی بہشت اور دوزخ کے فرشتے۔۔یا۔۔شہید لوگ۔۔یا۔۔اسرافیل علیہ السلام جو کہ پھونکنے والے ہیں۔۔یا۔۔چاروں مقرب فرشتے یعنی جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام۔۔یا۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ اُن کو طور پر غش تھا۔ ایک روایت ہے کہ وہ ادریس علیہ السلام ہیں۔۔الحتصر۔۔اُس صور کی آواز سے لوگ گھبرا کر مر جائیں گے اور پھر بعد میں جو صور پھونکا جائے گا، اُس کی آواز سن کر لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے۔۔۔

(اور) اُن کی حالت یہ ہوگی، کہ (سب حاضر آئے عاجزوں کی طرح) میدانِ حشر میں۔۔۔

وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۭ

اور دیکھو گے پہاڑوں کو، خیال کرو گے کہ جمے ہیں، حالانکہ وہ بادل کی طرح چل رہے ہیں۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۭ اِنَّهٗ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٨٨﴾

یہ کاریگری ہے اللہ کی، جس نے مناسب مضبوطی بخشی ہر چیز کو۔ بے شک وہ خبردار ہے جو کچھ تم لوگ کرو●

(اور) اُس دن (دیکھو گے پہاڑوں کو)، تو پہلی نظر میں (خیال کرو گے کہ جمے ہیں، حالانکہ وہ بادل کی طرح چل رہے ہیں)۔

اِس واسطے کہ بڑے اَجرام جب ایک طرح پر حرکت کرتے ہیں تو اُن کی حرکت خوب ظاہر نہیں ہوتی، جیسا کہ اَبر کی سیر اور حرکت میں ہم دیکھتے ہیں۔ ایک محقق نے فرمایا ہے، کہ اولیاءِ کرام بھی خلق میں رسوم کی حد پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور خلق کو اُن کے باطنوں کی حرکت کی خبر نہیں، کہ دم بھر میں ایک عالم طے کر لیتے ہیں۔

(یہ کاریگری ہے اللہ) تعالیٰ (کی جس نے مناسب مضبوطی بخشی ہر چیز کو) اور آراستہ کر دیا جس طرح پر کہ چاہیے۔ (بے شک وہ خبردار ہے جو کچھ تم لوگ کرو)۔۔تو۔۔

مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَىِٕذٍ اٰمِنُوْنَ ﴿٨٩﴾

جو کر لایا نیکی، تو اُس کے لیے اُس سے بھی بہتر ہے۔ اور وہ گھبراہٹ سے اُس دن امن میں ہیں●

وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ؕ

اور جو کر لایا بُرائی، تو اوندھے منہ جھونک دیے گئے جہنم میں۔

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۰﴾

نہیں بدلہ دیے جاؤ گے، مگر جو کرتوت کر لائے ہو●

(جو کر لایا نیکی، تو اُس کے لیے اُس سے بھی بہتر ہے) جزا۔ اِس واسطے کہ فانی کو دیتا ہے اور باقی کو لیتا ہے، اور ایک کا بدلہ سات سو پاتا ہے۔

اور اگر حَسَنَۃ سے کلمۂ شہادت مراد رکھیں، تو کلمہ کہنے والے کو اُس کی برکت سے بہت بھلائیاں حاصل ہیں۔

(اور) اُن کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ (وہ گھبراہٹ سے اُس دن امن میں ہیں)۔

(اور) اُن کے برخلاف (جو کر لایا بُرائی) اور شرک سے ملوث ہو گیا، (تو) وہ لوگ (اوندھے منہ جھونک دیے گئے جہنم میں)۔ یعنی اُن مشرکوں کو اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیں گے اور اُن سے کہا جائے گا، کہ (نہیں بدلہ دیے جاؤ گے مگر جو کرتوت کر لائے ہو)، یعنی تمہارے کرتوتوں کے مطابق تمہاری سزائیں ہوں گی۔ رہ گیا میرا معاملہ۔۔۔

اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۫

مجھے بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ "معبود مانوں اِس شہر کے رب کو، جس نے حرمت بخشی اِسے، اور اُسی کا سب کچھ ہے"۔

وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ "میں فرمانبردار رہوں● اور تلاوت کرتا رہوں قرآن کی"۔ تو جو

اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ

راہ پر آیا، تو وہ اپنے ہی لیے بَر سرِ راہ ہے۔ اور جو بے راہ ہوا،

فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

تو کہہ دو کہ "میں بس تمہیں ڈر سنا دینے والا ہوں"●

تو (مجھے) تو (بس یہی حکم دیا گیا ہے، کہ معبود مانوں اِس شہر) مکہ (کے رب کو) جو ساری کائنات کا پروردگار ہے، اور (جس نے حرمت بخشی اُسے) یہاں تک کہ اُس کا کانٹا بھی توڑنے کی

اجازت نہیں، اور اُس کی گھاس تک کاٹنے کی رخصت نہیں، اور نہ ہی اُس کے شکار کو ہنکا سکتے ہیں، (اور اُسی کا سب کچھ ہے) یعنی سب کچھ اُس شہرِ مبارک کے خداوند ہی کا ہے۔ (اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں)، یعنی ملتِ اسلامیہ پر ثابت قدم رہوں۔ (اور تلاوت کرتا رہوں قرآن کی) ہمیشہ، تاکہ اُس کے حقائق مجھ پر کھلتے رہیں۔ (تو جو) میری متابعت کے سبب سے (راہ پر آیا) اور اسلامی احکام پر عمل کرتا رہا، (تو وہ) صرف (اپنے ہی) فائدے کے (لیے برسرِ راہ) اور صراطِ مستقیم پر (ہے۔ اور جو بے راہ ہوا) ان احکامِ اسلامیہ میں تمہاری مخالفت کرنے کی وجہ سے، (تو) اُے محبوب! اُن سے (کہہ دو، کہ میں بس تمہیں ڈر سنا دینے والا ہوں) اور میرے ذمہ صرف حکم پہنچا دینا ہے، اور دوسرے کی گمراہی کا وبال مجھے نہیں پہنچتا ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا

اور کہو کہ "ساری حمد اللہ کی، جلد دکھا دے گا تمہیں اپنی نشانیاں، تو پہچان لو گے اُنہیں۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع ۱۱ ۲

اور نہیں ہے تمہارا رب غافل اُے لوگو! تمہارے کرتوت سے ●

(اور) اُے محبوب! بطورِ تحدیثِ نعمت (کہو کہ ساری حمد) وثناء (اللہ) تعالیٰ (کی)، نعمتِ نبوت پر۔۔یا۔۔ اِس بات پر کہ مجھے علمِ نافع اور عملِ صالح اُس نے عطا کیا، تو (جلد دکھا دے گا تمہیں) حق تعالیٰ (اپنی) قدرت کی (نشانیاں)، دابۃ الارض کا نکلنا وغیرہ۔۔یا۔۔ دُنیا میں قہر کی نشانیاں کہ بدر کا واقعہ ہے، اور آخرت میں کہ عذابِ ابدی ہے، (تو پہچان لو گے اُنہیں)۔ مگر اُن نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد اُن کا پہچان لینا تمہیں مفید نہ ہوگا، اور اُس سے تمہیں کسی طرح کا نفع حاصل نہ ہوگا۔ (اور نہیں ہے تمہارا رب غافل اُے لوگو! تمہارے کرتوت سے)، تو تم پر عذاب نازل ہونے میں دیر بھی حکمت کے ساتھ ہے کہ اِس کا بھید بھی وہی جانتا ہے۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہ سبحانہٗ سورۂ نمل کی تفسیر آج بتاریخ۔۔۲۳ر شوال المکرم ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۲ر ستمبر ۲۰۱۱ء بروز پنجشنبہ مکمل ہوگئی۔ مولیٰ تعالیٰ باقی پورے قرآن کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِ طٰهٰ وَ یٰس بِحَقِ نٓ وصٓ وَبِحَقِ یَا بُدُّوحُ
وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ

٢٥ رشوال المکرم ١٤٣٢ھ۔۔مطابق۔۔٢٤ رستمبر ٢٠١١ء

بروز شنبہ، سورۃ القصص کی تفسیر کا آغاز کر دیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اس کی تکمیل کی اور باقی قرآنِ کریم کی مکمل تفسیر کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِ طٰهٰ وَ یٰس بِحَقِ نٓ وصٓ وَبِحَقِ یَا بُدُوْحُ

وَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

سورۃ القصص ٢٨ مکیۃ ٤٩ — آیاتہا ٨٨ رکوعاتہا ٩

سُورَةُ الْقَصَصِ

سورۂ قصص۔۔٢٨ مکیہ ٤٩ آیاتہا ٨٨۔۔رکوعاتہا ٩

اِس سورۂ مبارکہ کا نام 'القصص' ہے جو اِسی سورہ کی آیت ٢٥ سے لیا گیا ہے، اور نام رکھنے کے لیے اِتنی ہی مناسبت کافی ہے۔ اِس سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جو تینتالیس ٤٣ آیتوں پر محیط ہے۔۔نیز۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ایک شخص قارون کا بھی قصہ بیان کیا گیا ہے، جو مال و دولت کی کثرت کی وجہ سے متکبر اور سرکش ہو گیا تھا، اور بالآخر اُس کا بُرا انجام ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اِس سے پہلے کی دو سورتوں میں بھی بیان کیا گیا ہے، لیکن جن چیزوں کو اُن سورتوں میں اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا تھا اِس سورت میں اُن کی تفصیل کر دی گئی ہے۔

ایک اُور وجہ سے سورۃ النمل اور سورۃ القصص میں یہ مناسبت ہے، کہ سورۃ النمل میں حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں کو ہلاک کرنے کا قصہ اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے، اور سورۃ القصص میں یہ قصہ تفصیل کی ساتھ بیان فرمایا ہے۔۔نیز۔۔سورۃ النمل کے آخر میں اُن مشرکین کی مذمت فرمائی ہے جو قیامت کا اِنکار کرتے تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کو نہیں مانتے تھے، اور سورۃ القصص میں اُس چیز پر زیادہ دلائل بیان فرمائے ہیں اور اُس موقف کو زیادہ تفصیل اور زیادہ وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اِس کے علاوہ بھی یہ سورۂ مبارکہ اعلیٰ مقاصد اور عظیم مطالب پر مشتمل ہے۔ ایسی عظیم الشان سورۂ مبارکہ کو۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

طٰسٓمّٓ ①

طٰ س م●

(طٰس م)۔

اِن کلماتِ مقطعات سے اپنی مراد کو خدائے برتر و بالا ہی جانے۔۔یا۔۔خدا ہی کے علم دینے سے وہ جانے جن پر اِن کلمات کا براہِ راست نزول فرمایا گیا ہے۔۔یا۔۔خدا اور سول کے بتانے سے خدا کے وہ محبوبین جانیں، جن پر منجانب اللہ اِن کلمات کے اسرار و معارف ظاہر فرما دیے گئے ہیں۔ بعض عارفین نے کہا کہ 'طاء' سے اشارہ ہے طہارتِ نفوسِ عابداں کی طرف، کہ غیروں کی عبادت سے اُن کے نفس طاہر ہیں۔۔اور۔۔طہارتِ قلوبِ عارفاں کی جانب، کہ حضرت جبار کے سوا اُوروں کی تعظیم سے اُن کے قلوب طاہر ہیں۔۔اور۔۔طہارتِ ارواحِ محباں کی طرف، کہ اُن کی روح میں ماسوی اللہ سے محبت نہیں۔۔اور۔۔طہارتِ اسرارِ موحداں کی جانب، کہ غیر خدا کا مشاہدہ نہیں کرتے۔۔۔

۔۔یوں ہی۔۔ 'سین' اسرارِ الٰہی میں سے ایک رمز ہے عاصیوں کے ساتھ نجات کا، اور مطیعوں کے ساتھ درجات کا، اور محبوبوں کے ساتھ دوامِ مناجات کا۔۔اور۔۔ 'میم' ایماء ہے منتِ خالق کی طرف، کہ تمام مخلوق پر ہے، بقدرِ حاجت سب کے کام چلانے اور مطالب بَر لانے میں۔۔الختصر۔۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى

یہ ہیں آیتیں روشن کتاب کی● ظاہر کر رہے ہیں تم پر ٹھیک واقعہ موسیٰ

وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ③

اور فرعون کا، اُن کے لیے جو مان لیں●

قسم ہے اپنے دامن میں اسرار و رموز کی ایک کائنات لیے ہوئے اِن مقدس حرفوں کی، (یہ ہیں آیتیں روشن کتاب کی) جو ظاہر کرنے والی ہے طریقِ احسن کو۔۔چنانچہ۔۔ہم (ظاہر کر رہے ہیں) جبرائیل کے توسط سے (تم پر ٹھیک واقعہ موسیٰ اور فرعون کا) حق اور راستی کے ساتھ، (اُن کے لیے جو

مان لیں) اور دِل کی سچائی کے ساتھ اُس کی تصدیق کریں۔ اگرچہ سچے واقعات سبھی کی آنکھ کھولنے کے لیے ہوتے ہیں، لیکن اُس سے عبرت، درس اور صحیح فائدہ وہی حاصل کرسکیں گے، جو اُس کو دِل سے تسلیم کرلیں۔۔۔قصہ مختصر۔۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً

بے شک فرعون بڑھ چڑھ گیا تھا اُس زمین میں، اور بنادیا تھا وہاں والوں کو شیعہ شیعہ۔ اُن میں سے ایک گروہ کو

مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٤﴾

پست جانتا، ذبح کردیتا اُن کے بیٹوں کو، اور زندہ چھوڑتا اُن کی عورتوں کو، بے شک وہ فساد مچانے والوں سے تھا●

(بے شک فرعون بڑھ چڑھ گیا تھا اُس زمین میں) یعنی زمینِ مصر میں۔۔۔الغرض۔۔اُس نے بلندی اور برتری ڈھونڈی اور تکبر اور کمزوروں پر زبردستی کی، (اور بنادیا تھا وہاں والوں کو) یعنی مصر کے قبطیوں اور سبطیوں کو (شیعہ شیعہ) اور گروہ گروہ، اور ہر ایک گروہ کو ایک کام کے ساتھ نامزد کردیا۔ (اُن میں سے ایک گروہ کو) یعنی بنی اسرائیل کو (پست جانتا)۔۔چنانچہ۔۔(ذبح کردیتا اُن کے بیٹوں کو)، کیوں کہ اُس نے کاہنوں سے سن رکھا تھا، کہ بنی اسرائیل میں ایک بیٹا پیدا ہونے والا ہے کہ اُس کے سبب سے تیری سلطنت میں زوال ہوگا۔۔الحتصر۔۔اُس نے نوّے ۹۰۰۰۰ ہزار بیٹوں کو قتل کروادیا۔ تو وہ بیٹوں کو تو قتل کرادیتا تھا (اور زندہ چھوڑتا تھا اُن کی عورتوں کو) قبط کے سرداروں کی خدمت کے واسطے۔ (بے شک وہ فساد مچانے والوں سے تھا) کیونکہ وہ پیغمبروں کی اولاد کے قتل پر جرأت کرتا اور آزاد لوگوں کو غلام بنالیتا تھا۔۔۔

وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ

اور ہمارا ارادہ تھا کہ ہم احسان کریں اُن پر، جو پست کیے گئے ہیں اُس سرزمین میں۔ اور کردیں اُنہیں

أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴿٥﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ

پیشوا، اور بنادیں اُنہیں حقدار● اور جمادیں ہم اُنہیں زمین میں، اور ہم دکھا ہی دیں فرعون

وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿٦﴾

وہامان اور اُن کے لشکر کو، جس کو وہ ڈرا کرتے تھے●

(اور ہمارا ارادہ تھا کہ ہم احسان کریں اُن پر جو پست کیے گئے ہیں) اور ناچار پڑے ہوئے

ہیں (اُس سرزمین) مصر (میں) اوراُس کے نواح میں۔یعنی بنی اسرائیل۔تو ہم نے اُن پر اس طرح احسان رکھنا چاہا (اور) یہ ارادہ کیا، کہ ہم اُس بَلاء اورفرعون کی شدت سے چھڑا کر (کردیں اُنہیں پیشوا) دین کے کام میں۔۔چنانچہ۔۔اُنہیں خیر وصلاح کا داعی بنادیں (اور بنادیں اُنہیں) فرعون والوں کے مال ومتاع اوراُن کے املاک کا (حقدار● اور جمادیں ہم اُنہیں زمین میں) یعنی مصر وشام کی زمین کا اُنہیں مالک بنادیں۔ (اور ہم دکھادیں فرعون وہامان اوراُن کے لشکر کو جس کو وہ ڈرا کرتے تھے)۔ یعنی بنی اسرائیل سے اُنہیں جو خوف تھا، کہ یہی اُس کی سلطنت کے زوال اوراُن کی ہلاکت کا باعث ہیں، تو یہ سارا منظر وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔اور یہ صورت اُنہوں نے اُس وقت دیکھی جب دریا میں ڈوبنے کی علامت مشاہدہ کی، اور بنی اسرائیل خوش وخرم دریا کے کنارے نظر آئے، تو فرعون نے یقین کرلیا، کہ ہم ظلم اور تعدی کے سبب سے مغلوب ومقہور ہوئے اور جو بیچارے مظلوم تھے وہ اپنی مراد کو پہنچے اور غالب وسرفراز ہوگئے۔

روایت ہے کہ فرعون نے مصر کی دائیاں بنی اسرائیل کی حاملہ عورتوں پر تعینات کردی تھیں اور دوسری ایک جماعت کو بھی اُن پر مسلط کردیا تھا، کہ جس حاملہ کو بیٹا پیدا ہو، تو فوراً اُس بیٹے کو قتل کرڈالو۔جو دائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں پر مسلط تھی، لڑکا پیدا ہوتے وقت حاضر ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھالیا اوراُن کے چہرے کی طرف دیکھتے ہی اُن کے حسن وجمال پر عاشق ہوگئی، اوراُس فرزندِار جمند کے ساتھ بڑی محبت اُس کے دِل میں پیدا ہوئی۔اور حضرت موسیٰ کی والدہ سے بولی کہ "بی بی میں تیرا بھید نہ کھولوں گی اور جو لوگ متعین ہیں اُن سے کہہ دوں گی کہ وہ بچہ لڑکی تھی، مری ہوئی، اُسے میں نے خاک میں دبادیا۔مگر شرط یہ ہے، کہ تیرے فرزند کو تیرا کوئی عزیز قریب پڑوسی نہ دیکھے۔"

حضرت موسیٰ کی ماں نے تین[۳] مہینے۔۔یا۔۔زیادہ حضرت موسیٰ کو پوشیدہ رکھا۔اور ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ پیدا ہوئے، تو فوراً فرعون کے تعینات کیے ہوئے سپاہیوں کا ایک گروہ گھر میں گھس آیا، حضرت موسیٰ کی بہن نے حضرت موسیٰ کو اُٹھا کر گرم تنور میں ڈال دیا۔ سپاہیوں نے جب بچہ نہ دیکھا، تو گھر سے باہر نکل آئے۔حضرت موسیٰ کی ماں نے تنور کے قریب آکے دیکھا، تو کیا دیکھتی ہیں، کہ آگ گل بوٹا ہوگئی ہے اور موسیٰ علیہ السلام اُس سے کھیل رہے ہیں۔غرضیکہ اُن کو چھپا کر پرورش کرتے رہے اور ہر وقت ڈرتے رہے اِس واسطے کہ فرعون کے لوگ حد سے زیادہ کھوج میں تھے، تو اُس وقت الہام الٰہی حضرت موسیٰ کی ماں کو

پہنچا، جیسا کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤی اُمِّ مُوْسٰۤی اَنْ اَرْضِعِیْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ

اور ہم نے دِل میں ڈالا موسیٰ کی ماں کے کہ "انہیں دودھ پلاؤ۔ پھر جب ڈر لگے اِن پر تو ڈال دو انہیں دریا میں،

وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝

اور نہ کچھ ڈرو نہ رنج کرو، ہم اِس کو لوٹا کر تمہارے پاس لانے والے ہیں، اور اِن کو رسولوں سے بنانے والے ہیں"●

(اور ہم نے دِل میں ڈالا موسیٰ کی ماں کے، کہ اُنہیں دودھ پلاؤ) اور پرورش کرتی رہو۔ (پھر جب ڈر لگے اُن پر) اور سمجھ لے، کہ لوگوں نے اُن کا پیدا ہونا جان لیا اور اُسے ہلاک کرنے کا قصد کریں، (تو ڈال دو اُنہیں دریا میں)۔ یعنی اُسے صندوق میں رکھ کر آبِ نیل میں ڈال دو۔ (اور نہ کچھ ڈرو)۔ اس واسطے کہ وہ ضائع اور ہلاک نہ ہوگا۔ اور (نہ) ہی (رنج کرو) یعنی اُس کے فراق میں غمزدہ نہ ہو، کیونکہ بے شک (ہم اُس کو لوٹا کر تمہارے پاس لانے والے ہیں) تھوڑے ہی زمانے میں، اُس صورت پر جو کہ تیری خاطر خواہ ہو، (اور اُن کو رسولوں سے بنانے والے ہیں)، یعنی اُسے نبوت کی بزرگی ہم عطا کریں گے۔

پس جب حضرت موسیٰ کی ماں کو دریافت ہوا، کہ فرعون کے لوگ بنی اسرائیل کے بیٹوں کی تلاش میں بڑا مبالغہ اور بڑی ہی کوشش کر رہے ہیں، تو ایک بڑھئی جو عمران کا دوست تھا اُس سے کہا، کہ ایک صندوق پانچ٥ بالشت لمبا اور پانچ٥ بالشت چوڑا گڑھ کے بنا دے۔ اور وہ بڑھئی خربیل بن صبورا تھا۔ اُس نے صندوق تیار کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے حوالہ کر دیا اور اُس کے دِل میں یہ بات آئی کہ اِس عورت کو لڑکا ہے، چاہتی ہے کہ صندوق میں بند کر کے فرعون کے سپاہیوں سے بچا لے جائے۔

پس وہ بڑھئی فرعون کے کارندے کے پاس آیا اور چاہا کہ صورتِ حال بیان کرے، اُس کی زبان بند ہوگئی، اپنے گھر پھر آیا اور چاہا کہ فرعون کے پاس جائے، اور آنکھ کے اشارے سے اُسے بتائے، تو اُس کی آنکھ اندھی ہوگئی۔ پس وہ سمجھ گیا کہ جس لڑکے کا پتا کاہنوں نے بتایا تھا وہ یہی ہے، بس فوراً بے دیکھے ہوئے ایمان لایا اور فرعون کے لوگوں میں مؤمن وہی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے صندوق کو سیاہ روغن سے مضبوط کیا کہ پانی اُس میں نہ جائے، اور حضرت موسیٰ کو اُس میں لٹا دیا اور صندوق کا منہ اُسی روغن سے مضبوط بند کر کے رُودِ نیل میں ڈال دیا۔ فرعون کی ایک بیٹی تھی برص کے مرض میں مبتلا۔ کاہنوں نے کہہ

دیا تھا کہ فلانے دن رُودنیل میں ایک آدمی کا بچہ پایا جائے گا یہ بیماری اُس کے آب دھن یعنی تھوک سے زائل ہوگی۔ اُسی دن فرعون اور اُس کی جورو اور بیٹی وغیرہ رُودِنیل کے کنارے آئے اور اُس خبر دیے ہوئے بچے کا انتظار کرتے رہے، کہ دفعتاً وہ صندوق پانی پر نمودار ہوا۔ فرعون نے نوکروں کو حکم دیا، کہ اُس صندوق کو نکال لاؤ۔

فَالْتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ

چنانچہ اُٹھالائے اُنہیں فرعون کے اپنوں نے، تاکہ ہوں اُن کے لیے دشمن اور سببِ غم۔ بے شک فرعون وہامان

وَجُنُوْدَهُمَا كَانُوْا خٰطِـِٕيْنَ ۞۸

اور اُن کے سارے لشکر خطا کار تھے●

(چنانچہ اُٹھالائے اُنہیں فرعون کے اپنوں نے، تاکہ ہوں) بالآخر (اُن کے لیے دشمن اور سببِ غم)۔ یعنی اُنہوں نے اس لیے نہیں اُٹھایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اُن کے دشمن۔۔یا۔۔حزن کا سبب ہوں گے، لیکن انجام کار یہ ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اُن کے دشمن اور غم وحزن کا سبب ثابت ہوئے۔

اُسی معنی پر وہ علت کی جگہ پر واقع ہوئی اور چونکہ اُنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اُٹھایا، تو یہی اُٹھانا علت کے مشابہ ہوگیا، کیونکہ دشمنی اور حزن کی غرض اُسی سے مرتب ہوئی، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے گھر والوں کی محبت اور بیٹا بنانا اُسی التفات کے بعد ہوا۔ المختصر ۔۔حضرت موسیٰ علیہ السلام بالآخر اُن کے دشمن ثابت ہوئے، جو فرعون کی وجہ سے دریا میں غرق ہوئے اور حزن وغم کا سبب اُن عورتوں کے لیے بنے جو اُن کے تعلق میں تھیں۔

(بے شک فرعون وہامان اور اُن کے سارے لشکر خطا کار تھے)، یعنی اپنے جملہ امور میں خطا کار تھے جن کو عمل میں لانا تھا۔۔یا۔۔عمل میں نہیں لانا تھا۔ اور اُنہوں نے یہ کوئی نئی بات نہیں کی، کہ موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ہزاروں کو قتل کرڈالا اور پھر اُسے خود پالا اور خود ہی اُسے جوان کیا، اور جس بات سے وہ ڈرتے تھے وہی موسیٰ علیہ السلام سے ہوکر رہی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کے کرشمے دکھایا کرتا ہے، اُن کے ساتھ جو کچھ ہوا وہ کوئی نیا معاملہ نہ تھا۔

روایت ہے کہ جب صندوق کا پٹرا کھولا، تو موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، تو جو لوگ حاضر تھے اور جنہوں نے دیکھا، سب کے دِلوں میں حضرت موسیٰ کی محبت پیدا ہوگئی اور فرعون کو دغدغہ ہوا کہ یہ بچہ کیونکر قتل سے بچا، جس لڑکے کی خبر کاہن دیتے ہیں مبادا یہی ہو۔ فرعون کی جورو

بولی، کہ میں نے نجومیوں سے سنا ہے، کہتے تھے کہ فرعون پر جو بات ہونے سے ہم ڈرتے تھے فلانی رات اُس سے ہمیں دلجمعی ہوگئی۔ تو اے فرعون! اب اِس بچہ کے قتل سے ہاتھ اُٹھا، کہ اِس کے سبب ہم اپنی بیٹی کا علاج کریں۔ پھر حضرت موسیٰ کا ذرا سا تھوک لے کر اُس لڑکی کے سفید داغ پر مَل دیا، اسی وقت داغ زائل ہوگیا۔۔۔

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ

اور بولی فرعون کی عورت، "آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے اور تمہارے لیے۔ اِس کو قتل نہ کرو۔

عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹

قریب ہے کہ ہمیں نفع دے، یا بنالیں ہم اِس کو بیٹا" اور وہ لوگ بے خبر تھے●

(اور بولی فرعون کی عورت) کہ یہ بچہ **(آنکھوں کی ٹھنڈک ہے میرے اور تمہارے لیے)** کہ اُس کے باعث میری بیٹی نے شفاء پائی، تو **(اِس کو قتل نہ کرو)** کیونکہ **(قریب ہے کہ)** یہ **(ہمیں نفع دے)** اِس واسطے کہ برکت کی نشانی اُس کی پیشانی سے ظاہر ہے۔ **(یا بنالیں ہم اِس کو بیٹا)** اِس واسطے کہ وہ اِس کی لیاقت رکھتا ہے۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی جورو آسیہ بنتِ مزاحم کے حوالہ کر دیا، اور آسیہ اُس کی پرورش میں مشغول ہوئیں۔

(اور) درحقیقت **(وہ لوگ بے خبر تھے)**۔ یعنی وہ لوگ نہ جانتے تھے کہ فرعون کی ہلاکت اِسی فرزند یعنی موسیٰ 'علیہ السلام' کے ہاتھ سے ہے۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ

اور صبح کی موسیٰ کی ماں کے دِل نے بے صبری سے۔ یقیناً قریب تھا کہ وہ اُنہیں ظاہر کر دیتی،

اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰

اگر ہم نہ ڈھارس بندھاتے اُن کے دِل پر، تا کہ وہ رہے ہماری بات کے ماننے والوں سے●

(اور صبح کی موسیٰ کی ماں کے دِل نے بے صبری سے)، یعنی جب اُنہوں نے سنا کہ وہ صندوق فرعون کے ہاتھ پڑا، تو بے صبر و بیقرار ہوگئیں۔ **(یقیناً قریب تھا کہ وہ اُنہیں ظاہر کر دیتی)** کہ یہ میرا بیٹا ہے اِسے قتل نہ کرو۔

اور ایک قول یہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ کی ماں نے سنا، کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو بیٹا بنالیا ہے، تو اُن کا دِل غم سے خالی ہوگیا اور نزدیک تھا کہ خوشی کے مارے ظاہر کردیں، کہ یہ میرا بیٹا ہے۔

(اگر ہم نہ ڈھارس بندھاتے اُن کے دِل پر) یعنی ہم نے باندھ دیا اور محکم کردیا اُس کے دِل کو صبر اور ثبات کے ساتھ، (تاکہ وہ) عورت (رہے ہماری بات کے ماننے والوں سے) اور ہمارے وعدہ کو باور کرنے والوں سے۔ اور اگر ہم یہ مہربانی نہ کرتے، تو وہ ظاہر کردیتی اپنے بیٹے کو۔ اُس کے بعد حضرت موسیٰ کی ماں نے اپنے اطمینانِ قلب کے لیے ایک تدبیر کی۔۔۔

وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ۫ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ

اور بولی اُن کی بہن کو کہ "اُس کے پیچھے پیچھے جا" تو وہ دیکھتی رہی اُس کو دُور سے،

وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١١﴾

اور اُن سب کو خبر نہیں ●

(اور بولی اُن کی) یعنی حضرت موسیٰ کی (بہن کو) جس کا نام مریم تھا۔

اور ایک صحیح قول کے مطابق اُس کا نام کلثوم تھا، جس کے شوہر کو غالب بن یوشا کہتے تھے ۔۔۔ الغرض۔۔

موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اُس سے کہا (کہ اُس کے پیچھے پیچھے جا) اور اُس کی خبر لا۔ کلثوم دربارِ فرعون کے دروازے پر آئی (تو وہ دیکھتی رہی اُس کو)، یعنی اپنے بھائی کو (دُور سے) آسیہ کی گود میں، (اور اُن سب کو خبر نہیں) کہ یہ اِس فرزند کی بہن ہے۔۔۔

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰٓى اَهْلِ بَيْتٍ

اور ہم نے روک رکھا تھا اُن پر ساری دائیوں کو پہلے سے، تو وہ بول پڑی کہ "کیا میں بتادوں تمہیں ایسے گھرانے کو، جو اُس کی

يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ﴿١٢﴾

پرورش کردیں تمہارے لیے اور وہ لوگ خیرخواہ ہیں" ●

(اور ہم نے روک رکھا تھا اُن پر ساری دائیوں کو) اُن کی بہن کے آنے کے (پہلے سے)۔۔ چنانچہ۔۔ آٹھ[٨] دن رات موسیٰ علیہ السلام نے کسی انّا کا دودھ نہیں لیا، یہاں تک کہ آسیہ اور اُس کی قوم کے

لوگ ناچار ہوئے، مگر موسیٰ علیہ السلام اپنا انگوٹھا چوستے تھے اور پاک صاف دودھ اُس میں نکلتا تھا اُسے پیتے تھے۔ جب کلثوم نے دیکھا کہ آسیہ انّا کے واسطے مضطرب ہے، (تو وہ بول پڑی، کہ کیا میں بتادوں تمہیں ایسے گھرانے کو جو) شفقت کی راہ سے اُس لڑکے کو لے لیں اور (اُس کی پرورش کردیں تمہارے لیے، اور) حال یہ ہے کہ (وہ لوگ) اُس کے (خیر خواہ ہیں)، لہٰذا اِسے دودھ پلانے اور پرورش کرنے میں کمی نہ کریں گے۔

روایت ہے کہ جب ہامان نے یہ بات سنی، تو بولا کہ اِس عورت کو پکڑو، یہ جانتی ہے کہ یہ لڑکا فلاں گھرانے کا ہے۔ کلثوم سمجھ گئیں اور بولیں، کہ میں نے یہ خیال کر کے کہا کہ وہ لوگ بادشاہ یعنی فرعون کے خیر خواہ ہیں لڑکے کے نہیں۔ تو کلثوم کی خاطر داری کر کے کہا، کہ جاؤ جنہیں کہتی ہو لے آؤ۔ کلثوم جا کر ماں کو بُلا لائیں۔ اُس وقت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی گود میں تھے، ہر چند انّائیں لاتے اور وہ موسیٰ علیہ السلام کو گود میں اٹھاتیں مگر حضرت موسیٰ اُن سے منہ پھیر لیتے اور کسی کا دودھ نہ لیتے۔

جب اُنہیں ماں کی گود میں دیا اور ماں کی بُو اُن کے دماغ میں پہنچی، تو اُن کی طرف متوجہ ہوئے اور چھاتی منہ میں لی۔ فرعون بولا تُو کون ہے کہ اِس دودھ پیتے بچے نے تیری طرف رغبت کی؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں بولیں، کہ میں عورت ہوں بہت پاکیزہ اور مجھ میں خوشبو آتی ہے اور میرا دودھ بہت لطیف اور شیریں ہے، جو لڑکا میرے پاس آتا ہے میرا دودھ پی ہی جاتا ہے۔ فرعون نے کہا، کہ اِس کی اُجرت مقرر کرو۔ اُجرت مقرر ہوئی۔ بس فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی ماں کے سپرد کیا اور حکم دیا کہ اپنے گھر لے جا، ہفتہ بھر میں ایک بار میرے پاس لایا کرنا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اُن کی ماں نے لے لیا اور نہایت خوشی سے اپنے گھر واپس ہوئیں، کہ خدا کا وعدہ سچا ہوا جیسا کہ خود حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَ لَا تَحْزَنَ وَ لِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

چنانچہ واپس لائے ہم انہیں اُن کی ماں تک، کہ اُن کی آنکھ ٹھنڈی ہو، اور رنج نہ کرے، اور تا کہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ

حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى

ٹھیک ہے۔ لیکن اُن کے بہتیرے جاہل ہیں ● اور جب وہ پہنچ چکے اپنی مضبوط عمر کو اور ڈیل ڈول کے برابر ہو گئے،

نے بطریقِ مناجات۔۔۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ
دُعا کی کہ"پروردگارا! بے شک میں نے خود اپنے کوستایا، تو بخش دے مجھے"، تو بخش دیا اُنہیں۔ بے شک وہ غفور

الرَّحِیۡمُ ﴿۱۶﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَکُوۡنَ
رحیم ہے● اقرار کیا کہ"پروردگارا! چونکہ انعام فرمایا تُو نے مجھ پر، تو نہ رہوں گا میں

ظَهِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۷﴾
مجرموں کا مددگار"●

(دُعا کی کہ پروردگارا! بے شک میں نے خود اپنے کوستایا) یعنی بلا قصد سہواً مجھ سے ایک عمل ہوگیا جس نے خود مجھے افسوس میں ڈال دیا اور غمزدہ کردیا۔ (تو بخش دے مجھے، تو بخش دیا اُنہیں) اللہ تعالیٰ نے اُن کے استغفار کے سبب سے۔ (بے شک وہ غفور رحیم ہے) یعنی بندوں کو بخشنے والا مہربان ہے۔ اُس وقت حضرت موسیٰ نے (اقرار کیا، کہ پروردگارا! چونکہ انعام فرمایا تُو نے مجھ پر) میری سہو وخطا کو معاف فرماکر، (تو) ہرگز (نہ رہوں گا میں مجرموں کا مددگار) اور اُن کا پشت پناہ۔ یعنی ایسے کسی کی مدد نہ کروں گا کہ وہ گناہ کا سبب ہو، جیسے اُس سبطی کی مدد کے سبب سے قبطی قتل ہوگیا۔

فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ
پھر صبح کی اُس شہر میں ڈرتے ہوئے چوکنے، کہ اچانک وہی جس نے مدد مانگی تھی اُن کی کل،

یَسۡتَصۡرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰۤی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸﴾
چلّا رہا ہے اُن سے۔ بولے اُسے موسیٰ کہ "بے شک تُو یقیناً کھلا ہوا جھگڑالو ہے"●

(پھر صبح کی) موسیٰ نے (اُس شہر میں ڈرتے ہوئے چوکنے)، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی اُنہیں بُلائے اور قصاص لے۔ حضرت موسیٰ اِسی فکر میں تھے (کہ اچانک وہی جس نے مدد مانگی تھی اُن کی) گزشتہ (کل، چلّا رہا ہے اُن سے) اور دوسرے قبطی پر مدد چاہتا ہے۔ یعنی ابھی ایک کے جھگڑے سے اُسے فرصت ملی تو وہ دوسرے سے جھگڑنے لگا، تو (بولے اُسے موسیٰ، کہ بے شک تُو یقیناً کھلا ہوا جھگڑالو ہے)۔۔قصہ مختصر۔۔

کنارے پر تھی، وہ شخص (دوڑتا) ہوا حضرت موسیٰ کے پاس آیا اور (بولا، کہ اَے موسیٰ! بے شک سارے درباری مشورہ کررہے ہیں تمہارے لیے کہ قتل کردیں تم کو، تو) آپ اِس شہر سے (نکل جایئے) اور کہیں دُور چلے جایئے۔ (بے شک میں آپ کے خیر خواہوں سے ہوں)، میں نہیں چاہتا کہ فرعونی لوگ اپنے ارادے میں کامیاب ہوں۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ ۡ قَالَ رَبِّ نَجِّنِىۡ

تو نکل پڑے وہاں سے ڈرتے چوکنے۔ دُعا کی کہ "پروردگارا! بچالے مجھ کو

مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۲۱﴾ ع

ان ظالم لوگوں سے"●

ع ۸ ۵

(تو) حضرت موسیٰ فوراً ہی اُسی دم بے زادِراہ، بے سواری، اور بے ساتھی (نکل پڑے وہاں سے ڈرتے چوکنے)، اِس کا لحاظ رکھتے ہوئے کہ اُن کے پیچھے کہیں اُن کی تلاش میں کوئی آتو نہیں رہا ہے۔ اُس وقت حضرت موسیٰ نے (دُعا کی کہ پروردگارا! بچالے مجھ کو اُن ظالم لوگوں سے) یعنی فرعون اور فرعون کے لوگوں سے۔ حضرت جبرئیل نے حضرت موسیٰ کو یہ مشورہ بھی دیا، کہ آپ مدین کی طرف چلے جائیں اور پھر آپ کو مدین کی راہ پر لگا بھی دیا اور چونکہ آپ کو الہام کے ذریعہ مدین جانے کا حکمِ خداوندی بھی ہوچکا تھا۔۔ چنانچہ۔۔ آپ چل پڑے۔۔۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلۡقَآءَ مَدۡيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّىۡۤ اَنۡ يَّهۡدِيَنِىۡ

اور جب رُخ کیا مدین کی طرف، بولے کہ "قریب ہے کہ میرا رب چلائے مجھے

سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۲۲﴾

سیدھی راہ"●

(اور جب رُخ کیا مدین کی طرف) تو (بولے، کہ قریب ہے کہ میرا رب چلائے مجھے سیدھی راہ) مدین تک۔ یعنی مدین تک پہنچنے والے صحیح راستے سے بھٹکنے نہ دے۔

مدین شہر کا نام 'مدین ابن ابراہیم' کے نام پر رکھا گیا جو اُس کے آباد کرنے والے تھے۔

مصر سے وہاں تک آٹھ ۸ دن کی راہ ہے۔۔ المختصر۔۔ حضرت موسیٰ اُسی رُخ پر سفر کرتے رہے اور آٹھ ۸ دن رات برابر چلتے رہے، گھاس پات کے علاوہ اور کچھ کھانا نہ تھا۔ بعض عارفین

نے کہا ہے، کہ دورانِ سفر حضرت موسیٰ کا منہ تو مدین کی طرف تھا، اور دِل حضرت ذوالمنن کی طرف، مدین کے میدانوں کی راہیں طے کرنے میں شوقِ لقا اُن کے ساتھ تھا۔ الحاصل۔۔ حضرت موسیٰ چلتے رہے۔۔۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ ۬

اور جب اُترے مدین کے پانی کے پاس، تو پایا وہاں پر لوگوں کا ایک گروہ، کہ جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔

وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۖ

اور پایا اُن لوگوں سے الگ دو عورتیں، کہ روک رہی ہیں اپنے جانور۔ پوچھا کہ "تم دونوں کا کیا حال ہے"؟

قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۖ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾

وہ بولیں کہ "ہم پلائیں گے، یہاں تک کہ پلا کر واپس لے جائیں چرواہے ۝ اور ہمارے باپ بڑے بوڑھے ہیں"●

(اور جب اُترے مدین کے پانی کے پاس)، اور وہ ایک کنواں تھا شہر کے کنارے، **(تو پایا وہاں پر لوگوں کا ایک گروہ)** جو (کہ) اپنے اپنے **(جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں۔ اور پایا اُن لوگوں سے الگ)** یعنی اُس مقام کے نیچے **(دو عورتیں)** جو **(کہ روک رہی ہیں اپنے جانور)**، یعنی اپنی بکریاں چرا رہی تھیں اور اُن کی نگرانی کر رہی تھیں، تا کہ وہ اُوروں کے گلّے میں نہ مِل جائیں۔ چونکہ 'شفقت' انبیاء علیہم السلام کی صفتِ ذاتی ہے، اِس واسطے حضرت موسیٰ آگے بڑھے اور مہربانی کی راہ سے اُن سے **(پوچھا، کہ تم دونوں کا کیا حال ہے)** اور تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟ اپنی بکریوں کو اور بکریوں کے ساتھ گھاس چرنے اور پانی پینے سے روکتی ہو۔

(وہ بولیں کہ ہم نہ پلائیں گے یہاں تک کہ پلا کر واپس لے جائیں چرواہے) اپنے گلّوں کو کنویں پر سے، اور اُن کے مویشیوں سے جو چارہ بچ رہتا ہے وہ ہم اپنی بکریوں کو دیتے ہیں، اِس واسطے کہ ہم کوئی معین و مددگار نہیں رکھتے، **(اور ہمارے باپ بڑے بوڑھے ہیں)** جو اتنی سکت نہیں رکھتے، کہ یہاں آئیں اور ہماری مدد فرمائیں۔

بعضوں نے کہا ہے کہ وہ شعیب علیہ السلام کے بھائی۔۔ یا۔۔ بھتیجے کی بیٹیاں تھیں، اور بہت مشہور بات یہ ہے کہ خود حضرت شعیب کی بیٹیاں تھیں۔ بڑی کا نام صفورا تھا اور چھوٹی کا نام صغیرہ۔۔ یا۔۔ صفوارا تھا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اُن کا حال معلوم ہوا، تو چرواہوں کے پاس آئے اور یہ بات فرمائی، کہ اُن بیچاری عورتوں کو کیوں انتظار کرنے دیتے ہو، پہلے اُنہی

کے چار پایوں کو پانی پلادیا کرو، تاکہ یہ اپنے گھر جلدی واپس ہوجائیں۔ اُنہوں نے تحکم کی راہ سے کہا، کہ ہم تو اِنہیں پانی نہیں دیتے، اگر تم کو کچھ بَل ہے تو آؤ پانی پلاؤ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور اُن لوگوں کی نگاہ اُن کی دونوں بھوؤں کی بیچ میں پڑی، تو ڈر کے مارے بھاگے اور ایک طرف کھڑے ہوکر دیکھنے لگے۔

پس موسیٰ علیہ السلام کنویں پر آئے اور جو ڈول دس۱۰ آدمی مل کر کھینچتے تھے، انہوں نے اُسے اکیلے کھینچا، حالانکہ آٹھ۸ دن رات گزرے تھے کہ کچھ کھانا نہ کھایا تھا۔ المختصر۔۔اُن پیغمبر زادیوں کی بکریوں کو سیراب کردیا۔ بعضوں نے کہا، کہ حضرت موسیٰ دوسرے کنویں پر گئے جس کے منہ پر ایک ایسا پتھر تھا جس کو چالیس۴۰ آدمی مل کر اُٹھاتے تھے، آپ نے کنویں کے منہ سے اُسے اکیلے اُٹھایا، اور وہ بڑا ڈول جسے چالیس۴۰ آدمی مل کر کھینچتے تھے، آپ نے تنہا اُس سے پانی کھینچا۔۔۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ

تو پانی پلایا موسیٰ نے دونوں کے جانوروں کو، پھر گھوے سایہ کی طرف، تو دُعا کی کہ "پروردگارا! جو کچھ بھی تُو مجھ تک اُتار دے کھانے

اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ﴿۲۴﴾

کو میں اُس کا حاجت مند ہوں"●

(تو پانی پلایا موسیٰ نے دونوں کے جانوروں کو) اور وہ چلی گئیں۔ (پھر گھوے) موسیٰ علیہ السلام دیوار۔۔یا۔۔درخت کے (سایہ کی طرف، تو) اُس سایہ دار جگہ پر پہنچ کر (دُعا کی پروردگارا! جو کچھ بھی تُو مجھ تک اُتار دے کھانے کو میں اُس کا حاجت مند ہوں)۔۔یا۔۔جو کچھ نیکیوں میں سے تُو نے میری طرف بھیجا، کہ وہ کمالِ دین کی مدد ہے، اُس کے واسطے میں فقیر ہوا دُنیا میں اور وسعتِ عیش اور مالداری جو فرعون کے پاس میں رکھتا تھا، وہ میں نے چھوڑی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں اُس روز بہت جلدی گھر پر آئیں۔ باپ نے جلدی آنے کا سبب پوچھا، بیٹیوں نے تمام قصہ عرض کیا۔ پس اُنہوں نے اپنی ایک بیٹی کو حکم دیا، کہ جا اور اُس جوانمرد کو جلد لے آ۔۔۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ ۫ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ

تو آئی اُن کے پاس اُن دونوں سے ایک شرم کے ساتھ چلتی۔ بولی کہ "بے شک میرے باپ بُلا رہے ہیں آپ کو، تاکہ دیں

لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۚ فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ

آپ کواُجرت، جو پانی پلادیا تھا آپ نے ہمارے آرام کو"پس جب آئے وہ اُن کے پاس اور بتادیے اُنہیں سارے واقعات،

قَالَ لَا تَخَفْ ۖ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

جواب دیا کہ"مت ڈرو۔تم بچ نکلے ظالم لوگوں سے"●

(تو آئی اُن کے پاس اُن دونوں سے ایک شرم کے ساتھ چلتی)۔ وہ حضرت صفورا تھیں جو اِس طرح آئیں جیسے شرم والی کنواریاں چلتی ہیں۔۔الختصر۔۔وہ آنے والی **(بولی، کہ بے شک میرے باپ بُلا رہے ہیں آپ کو، تاکہ دیں آپ کواُجرت، جو پانی پلادیا تھا آپ نے ہمارے آرام کو)**، یعنی آپ نے ہماری بکریوں کو جو پانی پلایا ہے۔اور اِس سلسلے میں اگر ایک طرف آپ نے ہماری بکریوں کو سیراب کیا، تو دوسری طرف ہم کو بھی آرام پہنچایا، کہ ہم پانی پلانے کی مشقت سے بچ گئے اور ایک طرح کی راحت محسوس کی، تو اِس سلسلے میں میرا باپ چاہتا ہے کہ آپ کواُجرت عطا کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اُجرت لینے کے خیال سے تو نہیں، بلکہ صرف حضرت شعیب سے ملاقات اوراُن کی زیارت کے خیال سے حضرت صفورا کے پیچھے پیچھے روانہ ہوگئے۔ پھر آپ نے دیکھا، کہ ہَوا کی وجہ سے حضرت صفورا کا کپڑا کچھ اُڑ جاتا ہے جس سے اُن کا بدن کچھ کھل جاتا ہے، تو حضرت موسیٰ نے اُن سے کہا، کہ تم میرے پیچھے پیچھے چلو اور زبان سے مجھے راستہ بتاتی رہو۔

۔۔چنانچہ۔۔اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ **(پس جب آئے وہ اُن کے پاس اور بتادیے اُنہیں سارے واقعات)** اور اپنا سب حال بیان کردیا، تو حضرت شعیب نے پہچان لیا کہ یہ جوان اہلِ بیتِ نبوت میں سے ہے۔سارے حالات سن کر حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ کو **(جواب دیا، کہ مت ڈرو! تم بچ نکلے ظالم لوگوں سے)**، یعنی فرعون اور اُس کی قوم سے، اِس واسطے کہ اِس ملک میں اُن کا کچھ قابو نہیں۔ پھر حضرت شعیب کے فرمانے سے کھانا حضرت موسیٰ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ حضرت موسیٰ نے کھانے سے اِنکار کیا، اور فرمایا کہ میں آخرت کا کام دُنیا کے عوض نہیں بیچتا، یعنی بکریوں کو پانی میں نے خدا کے واسطے پلایا ہے اُجرت کے لیے نہیں۔ حضرت شعیب نے فرمایا، کہ کھانا تمہارے کام کی اُجرت نہیں، بلکہ میری عادت ہے کہ جو کوئی میرے گھر میں آتا ہے بطورِ ضیافت میں اُس کی خدمت کرتا ہوں۔ اب تم میرے مہمان ہو اور جو کچھ حاضر تھا موجود ہے، مروّت چاہتی ہے کہ اُسے رَد نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُس کھانے میں سے کچھ نوش فرمایا۔ اِس اثناء میں۔۔۔

قَالَتْ إِحْدٰىهُمَا يٰٓأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ

اُن دونوں میں سے ایک بولی کہ "اَے میرے باپ اُن کو اُجرت پر رکھ لیجیے۔ کہ اچھا جسے اُجرت پر رکھیے وہ ہے،

الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ﴿٢٦﴾

جو مضبوط امانت دار ہو"●

(اُن دونوں میں سے ایک بولی، کہ اَے میرے باپ! ان کو اُجرت پر رکھ لیجیے، کہ اچھا جسے اُجرت پر رکھیے وہ ہے جو مضبوط امانت دار ہو)۔ یہ کنایہ ہے اِس طرف کہ موسیٰ علیہ السلام میں قوت اور امانت دونوں چیزیں ہیں۔ حضرت شعیب نے اپنی بیٹی صفورا سے پوچھا، کہ تجھے اُن کی قوت اور امانت کیونکر معلوم ہوئی، تو حضرت صفورا نے ڈول کھینچنے کا قصہ اور راہ میں انہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے کو کہنے کا حال بیان کیا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ تو۔۔

قَالَ إِنِّيٓ أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰىٓ أَن تَأْجُرَنِي

وہ بولے کہ "میں چاہتا ہوں کہ تمہارا نکاح کردوں اپنی اِن دونوں بیٹیوں میں سے ایک سے، اِس پر کہ تم کام کرو

ثَمٰنِيَ حِجَجٍ ۚ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ ۚ وَمَآ أُرِيدُ أَنْ

میرا آٹھ سال۔ پھر اگر پورا کر دیا تم نے دس سال، تو یہ تمہاری طرف سے ہے۔ اور میں یہ نہیں چاہتا

أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِيٓ إِن شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿٢٧﴾

کہ مشقت ڈالوں تم پر۔ آئندہ پاؤ گے مجھے، انشاء اللہ، اہلیت والوں سے"●

(وہ) حضرت موسیٰ سے (بولے، کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارا نکاح کر دوں اپنی اِن دونوں بیٹیوں میں سے ایک سے، اِس پر کہ تم کام کرو میرا آٹھ سال)۔

اگلی شریعتوں میں بیٹیوں کے مہر کا اختیار باپوں کو تھا، وہ مہر لیتے تھے اور ہماری شریعت میں منسوخ ہو گیا، اِس حکم کے سبب سے کہ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۔ اور یہ بات کہ مزدوری منافع مہر ہو سکے، امام اعظم کے نزدیک ممنوع ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے کہ مزدوری یہ ہے کہ تیرے نکاح میں اپنی بیٹی دیتا ہوں، اور میری بیٹی کا مہر یہ ہے کہ آٹھ ۸ برس تم میری بکریاں چراؤ۔

(پھر اگر پورا کر دیا تم نے دس سال تو یہ تمہاری طرف سے) عنایت و مہربانی (ہے۔ اور میں

یہ نہیں چاہتا کہ مشقت ڈالوں تم پر) اور خواہ مخواہ کے لیے تم پر بار رکھوں دس۱۰ سال پورے کرنے کا۔۔یا یہ کہ۔۔میں تم سے جھگڑا کرتا رہوں کہ ہر وقت تم میرا ہی کام کرتے رہو۔۔الغرض۔۔میں تم سے وہی کام لوں گا جس کے انجام دینے میں تمہیں آسانی ہو اور تم تکلیف میں نہ پڑو۔(آئندہ پاؤ گے مجھے انشاء اللہ اہلیت والوں سے)، جو خوش معاملگی اور عہد پورا کرنے اور آدابِ صحبت بجالانے میں شائستہ ہیں۔موسیٰ علیہ السلام نے۔۔۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا

جواب دیا کہ "یہ ہو چکا میرے آپ کے درمیان۔دونوں میں سے جو مدت میں نے پوری کردی، تو مجھ پر

عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۲۸ ع

کوئی الزام نہیں۔اور اللہ ہم لوگ جو کہہ رہے ہیں اُس کا ضامن ہے"●

(جواب دیا، کہ) اچھا لیجیے (یہ ہو چکا میرے آپ کے درمیان) عہد۔اب ہم میں سے کوئی اُس کا خلاف نہ کرے۔اور آٹھ۸۔۔یا۔۔دس۱۰ برس کی اِن (دونوں) مدتوں (میں سے جو) بھی (مدت میں نے پوری کردی، تو مجھ پر کوئی الزام نہیں)، ایسی صورت میں میری اہلیہ کو میرے حوالے کردینا چاہیے اور اُس کو مجھ سے روک نہ رکھنا چاہیے۔(اور اللہ) تعالیٰ (ہم لوگ جو کہہ رہے ہیں اُس کا ضامن ہے)، جو ہماری اِس گفتگو پر گواہ ہے اور میرا کارساز ہے، کہ میں اپنا کام اُس کے سپرد کرتا ہوں کہ اُس کی مدد اور توفیق سے اپنا عہد پورا کروں۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ

تو جب پوری کرلی موسیٰ نے مدت، اور چلے لے کر اپنی بی بی کو، محسوس کیا طور کی طرف سے آگ۔

قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا

بولے اپنی بی بی سے کہ "ٹھہرو میں نے دیکھ لی ہے آگ، شاید میں وہاں سے تمہارے پاس

بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝۲۹

کوئی خبر لاؤں، یا آگ کی دہکتی چنگاری کہ تم تاپ لو"●

(تو جب پوری کرلی موسیٰ نے) اُن دونوں مدتوں میں دس۱۰ سال والی بڑی (مدت)، یعنی دس۱۰

برس تک بکریاں چرائیں اور مزید دس برس حضرت شعیب کی صحبت میں اور رہے۔ پھر جب چالیس برس کا سن ہو گیا، تو حضرت شعیب کی اجازت سے مصر کی طرف چلے۔ جب راہ میں قدم رکھا (اور چلے لے کر اپنی بی بی کو) جاڑے کی اندھیری رات تھی اور آپ راہ بھول گئے، قریب تھا کہ اُن کی بی بی کو لڑکا ہو۔ ہوا کی شدت اور بجلی کی چمک سے بکریاں اِدھر اُدھر بھاگیں، گلّہ متفرق ہو گیا۔ دو پتھروں کے رگڑنے سے بھی آگ نہ جھڑتی تھی۔

ایسی صورتِ حال میں اُنہوں نے (محسوس کیا طور کی طرف سے آگ)، تو (بولے اپنی بی بی سے) اور دوسرے رفقاءِ سفر سے (کہ ٹھہرو میں نے دیکھ لی ہے آگ، شاید میں وہاں سے تمہارے پاس کوئی خبر لاؤں)۔ یعنی جو لوگ آگ کے پاس ہیں اُن سے خبر پوچھ آؤں، کہ راہ کدھر ہے؟ (یا آگ کی دہکتی چنگاری) لے آؤں، تا (کہ تم تاپ لو) اور اپنے کو اُس کے سبب سے گرم کرلو۔۔۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ

توجب آئے وہاں، پکارے گئے میدان کے داہنے کنارے سے، اُس سرزمینِ شریف میں

الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۰﴾

درخت سے کہ "اے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ ہوں، سارے جہان کا پالنے والا●

(توجب آئے) موسیٰ علیہ السلام (وہاں) یعنی اُس آگ جیسی محسوس ہونے والی چیز کے پاس، تو (پکارے گئے میدان کے داہنے کنارے سے اُس سرزمین شریف میں) یعنی برکت والی جگہ میں، ثمر دار۔۔یا۔۔خاردار۔۔یا۔۔عناب کے (درخت سے، کہ اَے موسیٰ! بے شک میں ہی اللہ) تعالیٰ (ہوں سارے جہان کا پالنے والا)۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے درخت کی طرف نگاہ کی۔ ایک طرف آگ دیکھی بے دھویں کی سفید، پھر اپنے دِل کی طرف جو نظر کی تو شوقِ لقائے محبوب کی آگ کا شعلہ مشاہدہ کیا۔ یہ دو آگیں دیکھنے سے قریب تھا کہ بالکل سوخت ہو جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام اَنْ یّٰمُوْسٰۤی کی ندا سے عشق اور شوق میں سوختہ اور گداختہ ہو کر اُور بھی درخت کے سامنے کھڑے ہوئے، اور اُس ندا سے دو مضمون پیدا تھے، ایک تو یہ کہ یّٰمُوْسٰۤی اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۔۔۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ

اور یہ کہ ڈال دو اپنا عصا، "توجب دیکھا اُسے کہ رینگتا چلتا ہے، گویا کہ وہ سانپ ہے، تو چلنے لگے منہ پھیر کر اور مُڑ کر

یُعَقِّبْ ؕ یٰمُوۡسٰۤی اَقۡبِلۡ وَ لَا تَخَفۡ ۟ اِنَّكَ مِنَ الۡاٰمِنِیۡنَ ﴿۳۱﴾

نہ دیکھا۔"اے موسیٰ! سامنے آؤ اور مت ڈرو۔۔بے شک تم امن والوں سے ہو●

(اور) دوسرا (یہ، کہ ڈال دو اپنا عصا)۔۔چنانچہ۔۔حضرت موسیٰ نے اپنا عصا ڈال دیا۔(تو جب دیکھا اُسے کہ رینگتا چلتا ہے، گویا کہ وہ سانپ ہے) تڑپنے والا، کہ عُرف میں اُس کو تیز سانپ کہتے ہیں۔۔الختصر۔۔حضرت موسیٰ نے جب سانپ کو دیکھا، (تو چلنے لگے منہ پھیر کر اور مڑ کر نہ دیکھا)۔ یعنی اُس وادی سے رُخ پھیر کر اپنے لوگوں کی طرف چلے، تو پھر دوبارہ ندا آئی (اے موسیٰ! سامنے آؤ اور مت ڈرو۔۔بے شک تم امن والوں سے ہو) یعنی تمہیں امان دی جا چکی ہے، لہٰذا تم اپنے لیے کسی طرح کا کوئی خطرہ محسوس نہ کرو۔۔اور۔۔

اُسۡلُکۡ یَدَکَ فِیۡ جَیۡبِکَ تَخۡرُجۡ بَیۡضَآءَ مِنۡ غَیۡرِ سُوۡٓءٍ ۫ وَّ اضۡمُمۡ

لے جاؤ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں، نکلے گا سفید روشن بغیر کسی بیماری کے۔اور اکٹھا کرلیا کرو

اِلَیۡکَ جَنَاحَکَ مِنَ الرَّہۡبِ فَذٰنِکَ بُرۡہَانٰنِ مِنۡ رَّبِّکَ

اپنی طرف اپنے بازو کو ڈر لگنے سے، تو یہ تمہاری دو نشانیاں ہیں، تمہارے رب کی

اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہٖ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۳۲﴾

طرف سے فرعون اور اُس کے درباریوں کی طرف، بے شک یہ لوگ نافرمان ہیں"●

(لے جاؤ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں)۔وہ ہاتھ (نکلے گا سفید روشن بغیر کسی بیماری کے)۔ یعنی اُس کی سفیدی کوئی بیماری نہیں جو بُری معلوم ہو اور اُس سے طبیعت نفرت کرے، جیسے کہ برص کی سفیدی سے طبیعت نفرت کرتی ہے۔(اور اکٹھا کرلیا کرو اپنی طرف اپنے بازو کو ڈر لگنے سے)، یعنی خوف کی صورت میں اپنے سینے پر اپنا ہاتھ رکھو تاکہ تسکین پاؤ۔

۔۔یا۔۔

ہاتھ بائیں بغل کے نیچے لاؤ، جیسا کہ ڈرے ہوئے آدمی اپنے خوف کو زائل کرنے کے خیال سے کرتے ہیں۔(تو) اے موسیٰ! (یہ تمہاری دو نشانیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے) جو تمہارے رب العالمین کے رسول ہونے کی دلیل ہیں، تو تم اِن دونوں معجزوں سمیت جاؤ (فرعون اور اُس کے درباریوں کی طرف۔بے شک یہ لوگ نافرمان ہیں)۔دائرۂ فرمان سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۳۳﴾ وَاَخِیْ

عرض کی کہ "اے میرے رب! میں نے مارڈالا تھا اُن میں سے ایک شخص کو، تو میں اندیشہ کرتا ہوں کہ مجھ کو قتل کردیں ● اور میرے بھائی

هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ

ہارون، مجھ سے زیادہ صاف زبان کے ہیں، تو اُن کو رسول بنادے میرے ساتھ مددگار، کہ میری تصدیق کرتے رہیں،

اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ﴿۳۴﴾

کیوں کہ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ مجھ کو وہ لوگ جھٹلائیں گے" ●

حضرت موسیٰ نے (عرض کی، کہ اَے میرے رب! میں نے مارڈالا تھا اُن میں سے ایک شخص کو، تو میں اندیشہ کرتا ہوں کہ) کہیں ایسا نہ ہو، کہ وہ میرا پیغام اور میری ہدایت سننے سے پہلے ہی اُس کے بدلہ میں (مجھ کو قتل کردیں)۔ دوسری بات یہ ہے کہ میری زبان میں وہ روانی اور صفائی نہیں ہے، جو میرے بھائی ہارون کی زبان میں ہے۔ (اور) بے شک (میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ صاف زبان کے ہیں، تو اُن کو) بھی (رسول بنادے میرے ساتھ مددگار) کے طور پر تا (کہ) وہ اپنی فصیح وبلیغ زبان وبیان سے (میری تصدیق کرتے رہیں)۔ اور یہ اس لیے بھی ضروری ہے (کیونکہ میں اندیشہ کرتا ہوں کہ) میری باتوں اور میرے بیان کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے (مجھ کو وہ لوگ جھٹلائیں گے) اور ممکن ہے کہ میری زبان مناظرہ کے وقت یاری نہ کرے۔ حق تعالیٰ کا۔۔۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ

فرمان ہوا کہ قریب ہے کہ ہم مضبوط فرمادیں گے تمہارے بازو کو تمہارے بھائی سے، اور دیں گے تم دونوں کو ہیبت،

اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَآ ۚۛ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ﴿۳۵﴾

کہ نہ پہنچ سکیں وہ تم دونوں تک، ہماری نشانیوں کے سبب۔ تم دونوں اور جس نے تمہاری پیروی کی جیتنے والے ہیں ●

(فرمان ہوا، کہ قریب ہے کہ ہم مضبوط فرمادیں گے تمہارے بازو کو تمہارے بھائی سے، اور دیں گے تم دونوں کو ہیبت)، یعنی دشمنوں پر غلبہ وتسلط، تا (کہ نہ پہنچ سکیں وہ تم دونوں تک)، یعنی تم پر وہ غلبہ نہ پائیں گے، تو جاؤ تم دونوں ہماری دلیلوں سمیت، یعنی ہماری قدرت کی دلیلیں لے کر۔ یقیناً (ہماری نشانیوں کے سبب، تم دونوں اور جس نے تمہاری پیروی کی) سب کے سب (جیتنے والے ہیں)۔ اس واسطے کہ ہماری نشانیوں کا جھنڈا بلند ہے، اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہماری امداد اور اعانت متواتر ہے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى

پھر جب لے آئے اُن کے پاس موسیٰ ہماری روشن نشانیاں، سب بولے کہ "یہ نہیں ہے مگر گڑھنت جادو،

وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور ہم نے نہیں سنا اُسے اپنے اگلے باپ دادوں میں"●

(پھر جب لے آئے اُن کے پاس موسیٰ ہماری روشن نشانیاں) اور ہمارے دیے ہوئے معجزے، تو (سب بولے کہ یہ نہیں ہے مگر گڑھنت جادو)، یعنی افتراء کیا ہوا اور بنایا ہوا جادو اِس کا، کہ اور کسی نے ایسا جادو نہیں کیا اور ایسا جادو ہم نے نہیں دیکھا۔ (اور ہم نے نہیں سنا اُسے اپنے اگلے باپ دادوں میں)، یعنی ایسا جادو نہ ہوا ہوگا ہمارے باپ دادوں کے زمانے میں جو ہم سے پہلے تھے۔

یہ بات انہوں نے اس واسطے کہی، کہ خود اُن کے اور اُن کے باپ دادا کے زمانے میں جادوگر بہت تھے۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى مِنْ عِنْدِهٖ

اور کہا موسیٰ نے کہ "میرا رب خوب جانتا ہے جو لایا ہدایت اُس کی طرف سے،

وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور جس کا بھلا ہوگا گھر کا انجام۔ بلاشبہ ناکام رہیں گے اندھیر مچانے والے"●

(اور کہا موسیٰ نے کہ میرا رب خوب جانتا ہے) اُس شخص کو انبیاء علیہم السلام میں سے (جو) کہ (لایا ہدایت اُس کی طرف سے اور) اُسے بھی خوب جانتا ہے (جس کا بھلا ہوگا گھر کا انجام)۔ یعنی جس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔۔یا۔۔آخرت میں انجام بہتر ہو، یعنی اُسے دوزخ سے نجات حاصل ہو اور وہ جنت میں داخل ہو۔ اور (بلاشبہ ناکام رہیں گے اندھیر مچانے والے) انجام بخیر نہ ہونے کے سبب سے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد۔۔۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ ۚ

اور بولا فرعون کہ "اے درباریو! میں نہیں جانتا تمہارا کوئی معبود اپنے سوا۔

فَاَوْقِدْ لِيْ يٰهَامٰنُ عَلَى الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَطَّلِعُ

تو پکواؤ میرے لیے اے ہامان! مٹی کی اینٹیں، پھر بناؤ میرے لیے بلند گھر،

اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾

کہ شاید میں جھانک آؤں موسیٰ کے معبود کو۔ اور میں تو خیال کرتا ہوں اُنہیں جھوٹا"●

(اور) یہ گفتگو سننے کے بعد (بولا فرعون) اپنے درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے، (کہ اَے درباریو! میں نہیں جانتا تمہارا کوئی معبود اپنے سوا) کہ تم اُس کی پرستش اور تعظیم کرو، اور موسیٰ کہتا ہے کہ خدا اُور ہے جس نے آسمان پیدا کیے۔ (تو پکواؤ میرے لیے اَے ہامان! مٹی کی اینٹیں) تاکہ وہ پختہ ہو جائیں۔ اُس سے جو بنیاد رکھی جائے اُس میں مضبوطی ہو۔۔ الغرض۔۔ فرعون نے اپنے وزیر سے کہا کہ اینٹیں پکاؤ۔ (پھر بناؤ میرے لیے بلند گھر)۔ اُس کی سیڑھیاں ہوں کہ اُس کی چھت پر چڑھوں، تا (کہ شاید میں جھانک آؤں موسیٰ کے معبود کو)۔ یعنی تاکہ میں دیکھ آؤں کہ کیا ایسا ہی ہے جیسا کہ موسیٰ کہتے ہیں۔ (اور میں تو خیال کرتا ہوں اُنہیں جھوٹا) یعنی جھوٹوں میں سے۔

فرعون نے تصور کیا تھا، کہ حق تعالیٰ جسم والا ہے اور آسمان پر اُس کا مکان ہے اور اُس کی طرف چڑھ جانا ممکن ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ہامان نے مزدوروں کے علاوہ پچاس ہزار کاریگر جمع کیے، اور اینٹیں پاتھنے، چونا پکانے، لکڑی کاٹنے، اور مکان اُٹھانے کا حکم دیا۔ محل اُٹھا نہایت اونچا اور پکا مضبوط، کہ کسی نے اِس سے پہلے ایسا محل نہ بنایا تھا۔ جب مکان بن چکا، تو فرعون اُس کی چھت پر چڑھا اور اُس کے خیال میں تھا کہ آسمان کے نزدیک پہنچا ہوگا۔ جب اُس نے دیکھا، تو آسمان کو اُس محل پر سے بھی ویسا ہی دیکھا، جیسا کہ زمین پر سے دیکھتا تھا، تو نہایت شرمندہ ہو کر بولا، ایک تیر آسمان کی طرف مارو۔ لوگوں نے تیر مارا، وہ تیر خون میں بھرا ہوا گرا۔ بس فرعون بولا، کہ میں نے موسیٰ کے خدا کو مار لیا۔ پس حق تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، اُنہوں نے اپنا ایک پَر جو اُس محل پر مارا، تو وہ تین ٹکڑے ہو کر گرا۔ ایک ٹکڑا تو فرعون کے لشکر گاہ پر، اور اُس سے ہزاروں قبطی دب کر مر گئے۔ اور ایک ٹکڑا دریا میں، اور ایک مغرب کی طرف چلا گیا۔ اور اُن کاریگروں اور مزدوروں میں سے کوئی زندہ نہ بچا۔ باوجود اِس بات کے فرعون متنبہ نہ ہوا، اور اُس کا تکبر اور غرور اُور بھی زیادہ ہوا۔۔۔

وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُوْدُهٗ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَيْنَا

اور بڑا بنا وہ اور اُس کے سارے لشکر اُس سرزمین میں ناحق۔ اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف

لَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ

نہ لوٹائے جائیں گے ● تو پکڑا ہم نے اُسے اور اُس کے لشکروں کو، پھر جھونک دیا اُن سب کو دریا میں،

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

تو دیکھ لو کیسا انجام ہوا ظالموں کا ●

(اور بڑا بنا وہ اور اُس کے سارے لشکر اُس سرزمین) مصر (میں ناحق)، کیونکہ اُسے استحقاق اور لیاقت نہ تھی۔ (اور سمجھے کہ وہ ہماری طرف) یعنی ہماری جزا اور سزا کی طرف (نہ لوٹائے جائیں گے) حشر ونشر کے سبب سے۔ (تو پکڑا ہم نے اُسے اور اُس کے لشکروں کو، پھر جھونک دیا اُن سب کو دریا میں، تو دیکھ لو) اے محبوب! کہ (کیسا انجام ہوا ظالموں کا) یعنی مشرکوں کا۔ اور اپنی قوم کو ایسے قصے اور واقعے سنا کر ڈراؤ۔

وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ

اور بنا رکھا ہم نے اُنہیں لیڈر، کہ بُلایا کریں جہنم کی طرف۔ اور قیامت کے دن اُن کی مدد نہ کی جائے ● اور

اَتْبَعْنٰهُمْ فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ﴿۴۲﴾ ع

پیچھے لگا دی اُن کے اِس دُنیا میں لعنت۔ اور قیامت کے دن وہ بُرے ہیں ●

(اور بنا رکھا) ہے (ہم نے اُنہیں لیڈر کہ بُلایا کریں جہنم کی طرف) یعنی ایسے کاموں کی طرف بُلایا کریں جس کے سبب سے لوگ دوزخ میں ہوں، جیسے کفر اور معصیت (اور قیامت کے دن اُن کی مدد نہ کی جائے) گی۔ یعنی اُن کا کوئی یار ومددگار اُن سے عذاب نہ روکے گا۔ (اور پیچھے لگا دی اُن کے اِس دُنیا میں لعنت) کیونکہ فرشتے اور ایمان والے اُن پر لعنت کرتے ہیں، (اور قیامت کے دن وہ) بہت ہی (بُرے ہیں) یعنی بدصورتوں میں سے ہوں گے۔۔۔یا۔۔راندۂ درگاہ ہوں گے۔

مندرجہ ذیل چار آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر دلیل قائم کی ہے اور قرآنِ مجید کا معجزہ اور کلام اللہ ہونا بیان فرمایا ہے، کیونکہ ہمارے نبی ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان کس طرح مکالمہ ہوا؟ اور مناظرہ ہوا؟ کوہِ طور پر آپ پر کس طرح وحی نازل کی گئی؟ یہ تمام چیزیں آپ نے بیان فرمائیں، حالانکہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں موجود نہ تھے اور آپ اُمّی تھے۔ آپ نے یہ واقعات

توراۃ میں نہیں پڑھے۔نہ آپ علماءِ اہلِ کتاب کی مجلس میں رہے، پھر آپ نے یہ غیب کی خبریں کیسے بیان کردیں؟ اُس کی صرف یہی صورت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آپ کو اُن خبروں پر مطلع فرمایا۔یہی آپ کے برحق رسول ہونے کی دلیل ہے۔۔چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ سابقہ ہونے والے واقعات کے متعلق ارشاد فرمارہا ہے۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَکْنَا الْقُرُوْنَ

اور بے شک دی تھی ہم نے موسیٰ کو کتاب، بعد اِس کے کہ ہم برباد فرما چکے تھے پہلی امتوں کو،

الْاُوْلٰی بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

دِل کی آنکھیں کھولنے والی لوگوں کی، اور ہدایت ورحمت، کہ وہ لوگ نصیحت پائیں●

(اور) واضح فرمارہا ہے، کہ (بے شک دی تھی ہم نے موسیٰ کو کتاب، بعد اِس کے کہ ہم برباد فرما چکے تھے پہلی امتوں کو)، یعنی قومِ نوح، قومِ ہود، قومِ صالح اور قومِ لوط کو۔ اِس حال میں کہ وہ آیتیں تھیں (دل کی آنکھیں کھولنے والی لوگوں کی) یا روشنی تھیں، جو کہ دیدۂ بصیرت کو روشن کردیں۔۔المختصر۔۔ وہ آیتیں حکمتوں اور تابانیوں کی حامل تھیں (اور ہدایت ورحمت) پر مشتمل تھیں، یعنی احکام شرع کی راہ بتانے والی تھیں اور اپنے تابعوں اور عالموں کے واسطے رحمت تھیں، تا (کہ وہ لوگ نصیحت پائیں) اور اُسے قبول کریں۔

وَمَا کُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ وَمَا کُنْتَ

اور تم نہ تھے پچھمی جانب، جب کہ بھیجا ہم نے موسیٰ کی طرف حکم، اور نہ تم

مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَلٰکِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا کُنْتَ

وہاں حاضر تھے● لیکن ہاں پیدا فرماتے رہے ہم امتوں کو، پھر دراز ہوئیں اُن پر عمریں۔اور نہ تھے تم

ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا وَلٰکِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿۴۵﴾

قیام پذیر مدین والوں میں، تلاوت کرتے اُن پر ہماری آیتوں کی۔لیکن ہاں ہم ہیں رسولوں کے بھیجنے والے●

(اور) اَے محبوب! (تم نہ تھے پچھمی جانب) کی وادی میں جو نواحِ طور میں واقع ہے، اور مقامِ موسیٰ سے طور مغرب کی طرف تھا۔۔الحاصل۔۔اَے محبوب تم کوہِ طور پر موجود نہ تھے، (جبکہ بھیجا ہم نے موسیٰ کی طرف حکم، اور نہ تم وہاں حاضر تھے) کہ گواہ ہوجاؤ اہلِ فرعون کی طرف موسیٰ کو بھیجنے پر۔

(لیکن ہاں) بطورِ وحی بھیجا ہم نے وہ قصہ تمہاری طرف اِس واسطے کہ (پیدا فرماتے رہے ہم امتوں کو، پھر دراز ہوئیں اُن پر عمریں) یعنی بڑی مدتیں اُن قرن والوں پر گزریں، اور خبریں صحت اور صواب کی راہ سے بدل گئیں، اور علم مُندَرِس ہوگئے، تو ہم نے تم پر وہ خبریں تازہ کردینے کے واسطے بھیجیں، تا کہ عقلمند لوگ جان لیں کہ ایسی خبریں بغیر وحی خدا نہیں ہوسکتیں۔

(اور) اَے محبوب! (نہ تھے تم قیام پذیر مدین والوں میں تلاوت کرتے اُن پر ہماری آیتوں کی) جس طرح کہ حضرت موسیٰ وحضرت شعیب وہاں قیام پذیر تھے۔ لہٰذا یہ بھی امکان نہیں رہ گیا، کہ وہاں کے کسی اور جانکار سے یہ واقعات آپ نے سن لیے ہیں اور اُس سے تعلیم حاصل کرلی ہے۔۔ الغرض ۔۔ آپ جب مدین میں تھے ہی نہیں، تو یہ قصہ وہاں کے کسی شخص سے حاصل کرنے اور معلوم کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟ (لیکن ہاں ہم ہیں رسولوں کے بھیجنے والے) تمہاری طرف اور تمہیں خبر کرنے والے، اُن قصوں کی۔۔ المختصر۔۔ اُن واقعات کا علم تم کو ہماری فرستادہ وحی سے ہی ہوا ہے۔

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً

اور نہ تھے تم طور کے کسی سمت، جب کہ ہم نے نِدا فرمائی تھی۔ لیکن ہاں یہ غیب کی تعلیم رحمت ہے

مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

تمہارے رب کی، تا کہ ڈراتے رہو اُنہیں جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈر سنانے والا

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

تم سے پہلے، کہ وہ نصیحت پاسکیں●

(اور) یوں ہی (نہ تھے تم طور کے کسی سمت جبکہ ہم نے ندا فرمائی تھی) موسیٰ کو اور اُنہیں توریت عطا فرمائی۔

اِس آیت کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "ندا کی امتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور نوازا" اُس کے تعلق سے روایت یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کہا، کہ الٰہی توریت میں ایک امت کی صفت اور سیرت میں پڑھا کرتا ہوں کہ نیک خصلتوں اور صفتوں سے موصوف ہے، یہ کس پیغمبر کی امت ہوگی؟ جواب ملا، کہ اَے موسیٰ! یہ امت ہمارے حبیب محمد ﷺ کی ہوگی۔ پس موسیٰ علیہ السلام کو آرزو ہوئی کہ اُس امت کو دیکھیں۔ حق تعالیٰ نے

فرمایا، کہ اَے موسیٰ! ابھی یہ امت ظاہر ہونے کا وقت نہیں ہے۔ اگر تم کو منظور ہو، تو اُس کی آواز سنا دوں۔

پھر حق تعالیٰ نے خطاب فرمایا، کہ اَے امتِ محمد ﷺ! سب نے اپنے باپوں کی پشت سے جواب دیا لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ۔ جب حضرت موسیٰ کو امتِ محمدی کی آواز حق تعالیٰ نے سنائی، تو یہ نہ چاہا کہ بے تحفہ دیے پھیر دے۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا، عطیہ دیا ہم نے تم کو قبل اِس کے کہ تم مجھ سے مانگو۔ اور میں نے تم کو بخش دیا پہلے اِس سے کہ تم مجھ سے بخشش چاہو۔ سبحان اللہ! امتِ محمدی کو حق تعالیٰ نے کیا مرتبہ عطا فرمایا ہے، کہ باوصف یہ مرتبہ پانے کے کہ آنحضرت ﷺ اور قرآن کے ساتھ ہیں، اِس طرح پر خوشخبری پائی ہے۔ اور جب ایسی سرفرازی امت کو آنحضرت ﷺ کے واسطہ سے حاصل ہے، تو آپ سے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَے ہمارے حبیب! تم کوہِ طور پر حاضر نہ تھے جب کہ ہم نے تمہاری امت کو پکارا۔۔۔

(لیکن ہاں یہ غیب کی تعلیم رحمت ہے تمہارے رب کی) یعنی اُس رحمت کے سبب سے ہے جو واقع ہے تم پر تمہارے رب کی طرف سے، اور ہم نے تم کو یہ قصے اس لیے سکھائے (تاکہ ڈراتے رہو) اَے محمد ﷺ '(اُنہیں) یعنی اُس گروہ کو (جن کے پاس نہیں آیا کوئی ڈر سنانے والا تم سے پہلے)۔

یعنی اُس زمانہ میں جو حضرت عیسیٰ اور حضرت سرورِ انبیاء علیہما السلام کے درمیان میں تھا۔

اگرچہ حضرت اسماعیل کو عرب میں رسول کیا تھا لیکن اُس زمانہ کو بہت مدت گزر گئی تھی، پھر اس زمانہ میں حضرت ﷺ کو حق تعالیٰ نے رسول کیا۔

تا (کہ وہ نصیحت پا سکیں) اور اپنے ازلی عہد کی تجدید کر سکیں جو کلمۂ شہادت سے ہوئی ہے۔ اور کلمۂ شہادت ہی دارین کی نجات کا موجب ہے۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِیْبَهُمْ مُّصِیْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَیَقُوْلُوْا رَبَّنَا

اور اگر نہ ہوتا یہ کہ آئندہ پہنچتی اُنہیں مصیبت، بوجہ اُس کے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے کر رکھا تھا، تو یہ کہہ سکتے کہ "پروردگارا!

لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

کیوں نہ بھیجا تُو نے ہمارے پاس رسول، کہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی، اور ہوتے ماننے والوں سے"●

(اور اگر نہ ہوتا یہ کہ آئندہ پہنچتی اُنہیں مصیبت، بوجہ اُس کے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے کر

رکھا تھا)، یعنی شرک، ظلم اور گناہ جو اُنہوں نے کیے، (تو) نزولِ عذاب کے وقت (یہ کہہ سکتے کہ پروردگارا! کیوں نہ بھیجا تُو نے ہمارے پاس رسول، کہ ہم پیروی کرتے تیری آیتوں کی اور ہوتے ماننے والوں سے)۔ خلاصہ آیت کا یہ ہے، کہ اگر وہ اپنے کردار پر عذاب کے نزول کے وقت عذرِ مذکور نہ کرتے، تو آپ کو رسول بنا کر نہ بھیجتے۔ لیکن چونکہ اُن کا قولِ مذکور محقق ہے جس سے وہ کسی قسم کا اِنکار نہیں کر سکتے، اِسی لیے ہم نے آپ کو قطعی طور پر اُن کا رسول بنایا تا کہ پھر قیامت میں کسی قسم کا عذر نہ کر سکیں، اس لیے کہ ہم نے اپنی حجت قویہ قائم کر دی ہے۔

قریش کے گروہ نے یہود سے رسولِ مقبول کے بارے میں سوال کیا اور اُنہوں نے آپ کی نبوت کا اقرار کر دیا اور آپ کی نعت اور صفت توریت سے پڑھی، تو مشرکوں نے توریت سے بھی اِنکار کر کے کہا، کہ محمد عربی ﷺ اگر پیغمبر ہیں، تو جو معجزے حضرت موسیٰ رکھتے تھے، یہ کیوں نہیں رکھتے؟

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِیَ مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی ؕ

چنانچہ جب آ گیا ان کے پاس حق ہماری طرف سے، تو کہنے لگے کہ "کیوں نہ دیا گیا جس طرح دیا گیا موسیٰ کو"۔

اَوَلَمْ یَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۙ

کیا نہیں اِنکار کر دیا تھا جو دیا گیا تھا موسیٰ کو پہلے ہی؟ بولے "دونوں جادو ہیں۔۔ باہم پشت پناہ"۔

وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور بولے کہ "ہم سب سے اِنکاری ہیں"●

(چنانچہ جب آ گیا اُن کے پاس حق ہماری طرف سے، تو کہنے لگے کہ کیوں نہ دیا گیا) محمد عربی ﷺ کو (جس طرح دیا گیا موسیٰ کو) معجزات، عصا اور ید بیضاء وغیرہ۔ لوگو! جواب دو، کہ (کیا نہیں اِنکار کر دیا تھا) مشرکین قبط نے اُن اُن معجزات کا جو (جو دیا گیا تھا موسیٰ کو پہلے ہی)، یعنی نو [9] نشانیاں۔ (بولے دونوں جادو ہیں) جو (باہم پشت پناہ) ہیں خوارقِ عادات ظاہر کرنے میں۔۔ یا۔۔ عرب کے مشرکوں نے کہا، کہ دُو جادو ایک دوسرے کے معین ہیں یعنی توریت اور قرآن۔ (اور بولے) قبطی۔۔ یا۔ عرب کے مشرکین، (کہ ہم سب سے اِنکاری ہیں) یعنی اُن دونوں جادووں میں سے ہر ایک کے۔۔ یا۔ سب پیغمبروں اور اُن کی کتابوں کے ساتھ کافر ہیں۔ اَے پیغمبر!۔۔۔

قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدٰى مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۹﴾

کہہ دو کہ "پھر لے آؤ تمہیں اللہ کی طرف سے کوئی کتاب، جو زیادہ ہدایت کرے ان دونوں سے، کہ ہم اُس کی پیروی کریں اگر سچے ہو"●

فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ أَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ

پھر اگر نہ قبول کیا تمہارے چیلنج کو، تو یقین جانو کہ وہ اپنی خواہشوں ہی کے غلام ہیں، اور اُس سے زیادہ گمراہ کون ہے، جس نے

هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۰﴾ ع ۸

پیروی کی اپنی خواہش نفسانی کی، بغیر کسی ہدایت کے، اللہ کی طرف سے۔ بے شک اللہ نہیں راہ دیتا ظالم لوگوں کو●

(کہہ دو، کہ پھر لے آؤ تمہیں اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے کوئی کتاب، جو زیادہ ہدایت کرے اُن دونوں) کتابوں (سے) جو مجھ پر اور موسیٰ علیہما السلام پر نازل ہوئی، (کہ ہم اُس کی پیروی کریں اگر) تم اِس بات میں (سچے ہو) کہ توریت اور قرآن جادو ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جادو کا جواب جادو سے دیا ہی جاسکتا ہے۔ (پھر اگر نہ قبول کیا) اُن کافروں نے (تمہارے چیلنج کو) اور تمہیں جواب نہ دے سکیں۔۔۔نیز۔۔کوئی کتاب نہ پیش کرسکے، (تو) پھر (یقین جانو کہ وہ اپنی خواہشوں ہی کے غلام ہیں)۔ نہ اُن کے پاس علم ہے اور نہ دلیل۔ (اور) ظاہر ہے کہ (اُس سے زیادہ گمراہ کون ہے جس نے پیروی کی اپنی خواہش نفسانی کی) بغیر بصیرت اور (بغیر کسی ہدایت کے اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے)، تو (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں راہ دیتا) اور منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا (ظالم لوگوں کو) جو اپنے نفس اور خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

اور بے شک ہم نے لگاتار نازل فرمائی بات، کہ وہ یاد رکھا کریں● جنہیں دی ہم نے کتاب

مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ النصف

اِس کے پہلے، وہ اِسے بھی مانتے ہیں●

(اور بے شک ہم نے لگاتار نازل فرمائی بات)۔ یعنی قرآنِ کریم کو ہم نے ملا ہوا بھیجا، ایک آیت دوسری آیت کے بعد، اور ایک سورت دوسری سورت کے بعد، ایک دوسرے سے معنوی طور پر مربوط۔۔۔یا یہ کہ۔۔ملائی ہم نے اُن کے واسطے بات یعنی دعوت کو دلیلوں سے، نصیحت کو وعیدوں اور عبرتوں سے اور قصوں کو مثالوں سے، تا (کہ وہ) بخوبی سمجھیں اور پھر (یاد رکھا کریں● جنہیں ہم نے

دی کتاب) توریت (اِس) قرآن (سے پہلے)، تو (وہ) توریت پر تو ایمان لائے ہی تھے، اور اب (اسے بھی مانتے ہیں)۔ یعنی قرآن کریم پر بھی ایمان لاتے ہیں۔

مفسرین کے ایک گروہ کے نزدیک اِس آیت سے وہ یہود مراد ہیں جو ایمان لائے، جیسے حضرت ابن سلام اور اُن کے اصحاب۔ اور بہت مشہور یہ بات ہے کہ کتاب سے انجیل اور اہلِ کتاب سے حبشہ اور شام کے وہ چالیس نصاریٰ مراد ہیں، جو آنحضرت ﷺ کے پاس مکہ معظمہ میں مشرف بہ اِسلام ہوئے۔ اِس واسطے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اور ابن سلام اور اُن کے یار مدینہ منورہ میں ایمان لائے۔ مگر بعضے مفسر کہتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ میں اُتری ہے۔

وَإِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا

اور جب تلاوت کی جاتی ہے اُن پر، کہنے لگے کہ "ہم مان چکے اِس کو، کہ بلاشبہ حق ہے ہمارے رب کی طرف سے، بے شک ہم

مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿٥٣﴾

اُس کے پہلے ہی سے نیازمند تھے"●

(اور جب تلاوت کی جاتی ہے اُن) نفوسِ قدسیہ رکھنے والوں (پر)، تو اُن کا طرزِ کلام یہ رہا، کہ وہ (کہنے لگے، کہ ہم مان چکے) ہیں (اِس کو کہ بلاشبہ) یہ کلام خدا کا ہے، جو بالکل (حق ہے)۔ یعنی صحیح اور درست ہے۔ اور اُترا ہے (ہمارے رب کی طرف سے، بے شک ہم اِس کے) اترنے سے (پہلے ہی سے) اِس کے (نیازمند تھے)۔ اِس جہت سے کہ اگلی کتابوں میں اِس کا ذکر ہم نے پایا تھا، اور اِس کی حقیقت ہم پہچانے ہوئے تھے۔

أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ

یہ لوگ ہیں کہ ثواب دیے جائیں گے ڈبل، کہ صبر کرتے رہے اور ہٹائیں نیکی سے بُرائی کو،

السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٥٤﴾ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ

اور جو روزی دی ہم نے اُنھیں، اُس سے خرچ کریں● اور جہاں سنا بے ہودہ بات کو، رخ پھیر لیا اُس سے،

وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ

اور کہہ دیا کہ "ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں، اور تمہیں تمہارے کرتوت ہیں، ہمارا اسلام لو۔

لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ۝

ہم نہیں پسند کرتے جاہلوں کو"●

(یہ) دونوں کتاب والوں کے وہ (لوگ ہیں) جو (کہ ثواب دیے جائیں گے ڈبل)، کیوں (کہ) یہ (صبر کرتے رہے) اور ثابت قدم تھے توریت۔۔یا۔۔انجیل کے۔۔یا۔۔قرآن شریف کے ایمان پر، (اور) اُن کی عمدہ خصلت یہ ہے کہ (ہٹائیں نیکی سے بُرائی کو)۔

روایت ہے کہ نصاریٰ جب ایمان لائے، تو ابوجہل وغیرہ اُن کو گالیاں دیتے تھے اور وہ اُن کے جواب میں کہتے تھے، کہ خدا تم کو توفیق دے اور ہدایت فرمائے۔۔یا۔۔مدینہ کے منافق اور یہود، ابن سلام اور اُن کے یاروں رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طعن کرتے تھے، اور یہ بھی اُن کو نرمی کے ساتھ جواب دیتے تھے۔حق تعالیٰ نے اُن کی تعریف کی، کہ نیک بات کہہ کر اُن احمقوں کے کلام کو رَد کرتے ہیں۔۔۔

(اور) ان کی روش یہ ہے کہ (جو روزی دی ہم نے اُنہیں)، خدا کی راہ میں (اُس سے خرچ کریں ● اور جہاں سنا بے ہودہ بات کو، رُخ پھیر لیا اُس سے)، یعنی کافروں اور منافقوں کی طعن و تشنیع کو، تو اعراض کرتے ہیں اُس سے اور چپ ہو رہتے ہیں اور کسی سے کچھ تعرض نہیں کرتے، (اور) یہاں تک کہ اُن کی شرافت کا عالم یہ ہے، کہ (کہہ دیا کہ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہیں تمہارے کرتوت ہیں، ہمارا اسلام لو)۔یعنی سلامتی ہے تم کو ہم سے، یعنی تمہاری لغوبات کے جواب میں ہم لغو نہیں کہتے۔۔۔المختصر۔۔تمہاری لغو اور احمقانہ باتیں تمہارے واسطے ہیں اور ہمارا تحمل اور بُردباری ہمارے لیے ہے۔۔یا یہ کہ۔۔ہمارے لیے ہے ہمارا دین اور تمہارے لیے ہے تمہارا دین۔

بعضوں نے کہا کہ یہ سلام رخصتی اور چھوڑ دینے کا ہے، تحیت اور دُعا کا نہیں ہے۔یعنی ہم نے تمہیں چھوڑا، کیونکہ۔۔۔

(ہم نہیں پسند کرتے جاہلوں کو) یعنی اُن کی صحبت کو، اور تمہارے اوصاف ہم اپنے میں نہیں پیدا کرتے، اِس واسطے کہ بُروں کی صحبت دُنیا میں سببِ بدنامی، عقبیٰ میں باعثِ بدانجامی ہے۔

۔۔ہاں۔۔دعوت وتبلیغ کا فریضہ ادا کر سکنے والوں کے لیے اُس فریضے کی ادائگی کے لیے جاہلوں اور گمراہوں کے قریب جانا انبیاء ومرسلین کی سنت ہے۔۔چنانچہ۔۔پیغمبرِ اسلام بھی اِس فریضے کو ادا کرتے ہیں۔چونکہ آپ سب کے ایمان کے حریص تھے، اس لیے خصوصی طور

پر گھر والوں اور خاندان والوں کے لیے آپ کے دِل میں یہ فطری خواہش تھی کہ سب ایمان والے ہو جائیں۔ ایسی صورت میں اگر کوئی عزیز ترین قرابت والا ایمان سے اپنے کو محروم بنا کر رکھتا، تو آپ کو اُس کا دکھ ہوتا۔ جو بلند و بالا ہستی ایک عام انسان کی ہلاکت کے خیال سے رنجیدہ خاطر ہو جاتی ہو، وہ خود اپنے گھر والوں اور خاندانی عزیزوں کی ہلاکت کو سوچ کر کیوں نہ افسردہ خاطر ہو گی، اس لیے نبی کریم کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ

بے شک یہ تم نہیں ہدایت کر رہے ہو جس کی چاہا، لیکن ہاں، یہ اللہ راہ دے رہا ہے جسے چاہے۔

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝٥٦

اور وہ خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو●

(**بے شک یہ تم نہیں ہدایت کر رہے ہو جس کی چاہا، لیکن ہاں، یہ اللہ**) تعالیٰ (**راہ دے رہا ہے جسے چاہے**)۔۔لہٰذا۔ فریضہء ہدایت ادا کرنے والوں کی صرف اتنی ہی ذمہ داری ہے کہ وہ حق راستہ دکھا دیا کریں اور بس۔ رہ گیا راستہ پر اور منزلِ مقصود پر پہنچا دینا، اُس کو رب کریم نے اپنے ذمہٴ کرم پر رکھا۔ (اور) یہ اس لیے کہ (**وہ خوب جانتا ہے راہ پانے والوں کو**)۔ یعنی اُن لوگوں کو جو ہدایت پانے پر مستعد ہیں۔۔یا۔۔وہ لوگ حکمِ ازلی جن کی ہدایت کے واسطے نازل ہوا ہے، اس واسطے کہ حکمِ ازلی ہدایت میں اصل ہے۔

کچھ لوگوں کو ہدایت قبول کرنے میں یہ بات مانع تھی، کہ کہیں ہمیں اُس کے نتیجے پر کفار حرم کی زمین سے باہر نہ کر دیں، اور تھوڑے ہونے کے سبب ہم اُن سے مقابلہ بھی نہ کر سکیں اور پھر دربدری کی زندگی بسر کریں۔۔چنانچہ۔۔حارث بن عثمان بن نوفل نے رسالتِ مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اِس خدشے کا اظہار کیا تھا اور عرض کیا تھا، کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کی بات حق ہے اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ زندگی میں ہماری دولت کا سبب ہے اور وفات کے بعد ہماری سعادت کا ذریعہ ہے، مگر آپ کی متابعت تمام عرب کی مخالفت کا باعث ہے، تو میں ڈرتا ہوں کہ اگر آپ کی پیروی کروں، تو عرب مجھے زمینِ حرم سے نکال دیں گے اور میرے یار و مددگار تھوڑے سے ہیں، مجھے عرب سے مقابلہ کرنے کی قوت نہ ہو گی۔ تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ

اور کہنے لگے کہ "اگر ہم پیروی کریں ہدایت کی آپ کے ساتھ، تو اُچک لیے جائیں گے ہم اپنے وطن سے۔"

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ

کیا نہیں ٹھکانہ دیا ہم نے اُنہیں امن والے حرم میں؟ کھینچ لائے جاتے ہیں جس کی طرف ہر چیز کے

رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

پھل، روزی ہماری طرف سے، لیکن اُن کے بہتیرے نادان ہیں●

(اور کہنے لگے) بعض کافر، (کہ اگر ہم پیروی کریں ہدایت کی آپ کے ساتھ)، یعنی آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی اطاعت شروع کر دیں، (تو) اندیشہ ہے کہ (اُچک لیے جائیں گے ہم اپنے وطن سے)، یعنی کفارِ عرب ہمیں اِس دیار سے نکال دیں گے۔ حالانکہ اُنہیں سوچنا چاہیے تھا، کہ (کیا نہیں ٹھکانہ دیا ہم نے اُنہیں امن والے حرم میں) کہ کوئی اُن پر قابو نہ پائے۔ (کھینچ لائے جاتے ہیں جس کی طرف ہر چیز کے پھل) یعنی ہر قسم کے میوے، ہر قسم کی منفعت اور ہر جگہ کی عجیب چیز وہاں لاتے ہیں۔ اور دی ہم نے اُس 'وادئ غیر ذی زرع' اور بنجر میدان میں (روزی ہماری طرف سے) بے منتِ غیر۔

تو جب باوجود بت پرستی کے ہم اُنہیں بے خوف اور مطمئن اور مرفہ الحال رکھتے ہیں، تو اگر وہ ایمان لائیں تو کیونکر اُنہیں خوف اور نکال دیے جانے سے ہم امان میں نہ رکھیں گے۔ (لیکن اُن کے بہتیرے نادان ہیں) اور اِس نکتے کی طرف اُن کا ذہن نہیں جاتا۔ یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ ایمان والوں اور مخلص اطاعت شعاروں پر ہماری ہمیشہ نوازش رہی ہے۔۔۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ

اور کتنی برباد کر دیں ہم نے آبادیاں جو اِتراتی تھیں اپنے عیش آرام پر۔ تو یہ اُن کے گھر بار ہیں،

لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾

نہیں رُکا جاتا تم سے جہاں اُن کے بعد، مگر ذرا سا، اور ہمیں رہ گئے وارث●

(اور) اُن کے برخلاف (کتنی برباد کر دیں ہم نے آبادیاں جو اِتراتی تھیں اپنے عیش آرام پر)۔۔ چنانچہ۔۔ وہ اپنی زندگی میں کافر ہو گئے۔ یعنی نعمت کے وقت طاغی اور باغی ہو گئے۔ اور ہم نے

اُن طاغیوں کو ہلاک کردیا۔ (تو) آج اُن کا حال دیکھو، کہ (یہ اُن کے گھر بار ہیں) جس میں کوئی مستقل رہنے والا نہیں، یہاں تک کہ (نہیں رکا جاتا تم سے) بھی (جہاں اُن کے بعد)، یعنی ان کے ہلاک ہونے کے بعد، (مگر ذرا سا) یعنی تھوڑے سے راہ چلتے، وہاں دِن بھر کے لیے۔۔یا۔۔ اِس سے بھی کم وقت کے لیے وہاں رہتے ہیں اور پھر خالی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ جیسے سرائے میں راہ چلتے لوگ تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرتے ہیں پھر اُسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ (اور) اِس صورتِ حال میں بس (ہمیں رہ گئے) اُس کے (وارث)، یعنی ہیں ہم وارث اُن گھروں کے گھر والوں کے بعد ۔۔الحاصل۔۔ سب کے فنا ہوجانے کے بعد ہمیں باقی ہیں۔

اب رہ گیا اِس مقام پر یہ سوال کہ جو کفار اپنی خوشحالی پر اتراتے تھے، جب اللہ تعالیٰ نے اُن کو ہلاک کردیا، تو سیدنا محمد ﷺ سے پہلے جو کفار کفر وعناد میں مستغرق تھے، اُن کو کیوں نہیں ہلاک کیا؟ اِس کا اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا، کہ آپ کا رب بستیوں کو اُس وقت تک ہلاک کرنے والا نہیں ہے، جب تک اُن کے مرکز میں کسی رسول کو نہ بھیج دے جو اُن پر ہماری آیتوں کو تلاوت کرتا ہو۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ ربانی۔۔۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ

اور تمہارا رب بستیوں کو برباد فرمانے والا نہیں، یہاں تک کہ بھیج دے اُس کے مرکز میں کوئی رسول، جو تلاوت کرے اُن پر

اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾

ہماری آیتیں، اور ہم نہیں ہیں آبادیوں کو تباہ کرنے والے، مگر یہ کہ وہاں والے اندھیر مچانے والے ہوں●

(اور) فرمانِ خداوندی ہے کہ (تمہارا رب بستیوں کو برباد فرمانے والا نہیں، یہاں تک کہ بھیج دے اُس کے مرکز میں کوئی رسول جو تلاوت کرے اُن پر ہماری آیتیں)۔ یہاں مرکز سے مراد اُس دیار کی بڑی بستی ہے۔ اس لیے کہ بڑی بستی کے رہنے والے آدمی گاؤں کے رہنے والوں کے بہ نسبت زیادہ ہوشیار اور سمجھدار ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ انہی میں رسول پیدا فرماتا ہے تاکہ وہ حکمِ الٰہی سے پڑھے اُن پر حق تعالیٰ کی آیتیں حجت کو قائم کرنے کے لیے اور قطع معذرت کے لیے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے اِسے سنو! (اور) یاد رکھو! کہ (ہم نہیں ہیں آبادیوں کو تباہ کرنے والے)۔ یعنی ہم بلا وجہ آبادیوں کو عذاب سے تباہ و برباد کردینے والے نہیں، (مگر یہ کہ وہاں والے اندھیر مچانے والے ہوں)، رسولوں کی تکذیب اور حق سے اِنکار کرکے۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا ۚ

اور جوتم دیے گئے ہو کچھ، تو وہ دُنیاوی زندگی کا رہن سہن اور اُس کی آرائش ہے۔

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ۶۰

اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے، بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟●

ع ۹

(اور) نادانو! تم جس آرائشِ حیات اور دُنیوی سرمایہ کے بنیاد پر ڈینگیں مار رہے ہو اور ایک دوسرے پر فخر کر رہے ہو، وہ سب بے اعتبار ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ (جوتم دیے گئے ہو کچھ، تو وہ) صرف (دُنیاوی زندگی کا رہن سہن اور اُس کی آرائش ہے) جس کا کچھ اعتبار نہیں۔ وہ سب کے سب فنا ہو جانے والے ہیں۔ (اور) اُس کے برخلاف (جو کچھ اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے) دُنیاوی ساز وسامان سے (بہتر اور) ہمیشہ (باقی رہنے والا ہے)۔ اور وہ ثواب ہے اور ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں۔ یہ نعمتیں اس لیے بھی بہتر ہیں کہ اُس کی لذتیں، مشقت اور محنت کی کدورت سے خالص ہیں۔ (تو کیا تم عقل نہیں رکھتے)۔ اور سوچتے نہیں؟ کیونکہ باقی کو فانی سے، اور مرغوب کو معیوب سے، بدلتے ہو؟ اور اِس خیال سے ایمان نہیں لاتے کہ ہمارے پاس دُنیا کی جو نعمتیں ہیں کہیں وہ ہم سے چھن نہ جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم دُنیا کی جن نعمتوں کے زوال کے خوف سے ایمان نہیں لا رہے ہو، وہ دُنیا کی زندگی کا عارضی سامان ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس آخرت میں جو اجر ہے وہ دائمی ہے اور وہی اچھا ہے۔ کفار اپنی بدعقلی سے خود کو مؤمنین سے اور اپنے دھرم کو دینِ اسلام سے بہتر خیال کرتے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ اِس تعلق سے حضرت علی اور حضرت حمزہ نے ابوجہل کے ساتھ بڑی بحث کی۔ بعضوں نے کہا کہ یہ بحث حضرت عمار ابن یاسر اور ولید ابن مغیرہ کے درمیان ہوئی تھی۔ کافروں کے پاس اپنی بہتری کی دلیل اُن کی اپنی دُنیاوی آسائشِ حیات کی فراوانی تھی، اِس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔۔۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ

تو کیا جس سے وعدہ فرمایا ہم نے اچھا، تو وہ اُسے ملنے والا ہی ہے ایسا ہے، جسے رہنے دیا ہم نے

مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ۝ ۶۱

دُنیاوی زندگی کی رہن سہن، پھر وہ قیامت کے دن پکڑ کر حاضر کیے ہوئے ہیں●

(تو کیا جس سے وعدہ فرمایا ہم نے اچھا) نیک، کہ اُس میں خلاف متصور نہیں، (تو وہ) بلاشبہ (اُسے ملنے والا ہی ہے)۔یعنی اُس سے جو وعدہ فرمایا گیا ہے وہ پورا ہو کے رہے گا۔تو کیا یہ (ایسا ہے)، اُس شخص کے مانند ہے (جسے رہنے دیا ہم نے دُنیاوی زندگی کی رہن سہن، پھر وہ قیامت کے دن پکڑ کر حاضر کیے ہوئے ہیں) عذاب۔۔یا۔۔حساب کے واسطے۔

۔۔الختصر۔۔حضرت علی، حضرت حمزہ اور حضرت عمار ابن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم خصوصی طور پر اور سارے مؤمنین عمومی طور پر، ابوجہل اور ولید ابن مغیرہ سے خصوصی طور پر اور سارے کافروں سے عمومی طور پر بَرتر و بہتر ہیں۔

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٢﴾

اور جس دن اُنہیں ندا فرمائے گا، تو فرمائے گا کہ "کہاں ہیں جن کو تم ہمارا شریک سمجھا کرتے تھے؟"●

قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا

بول دیے جن پر درست نکلی بات کہ "پروردگارا! یہ ہیں جنہیں ہم نے گمراہ کیا۔جیسے ہم گمراہ تھے، ویسا ہی گمراہ کیا۔

أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا ۖ تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ ۖ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٦٣﴾

ہم اُن سے باز آئے تیری طرف۔وہ ہمیں نہیں پوجتے تھے"●

اَے محبوب! کافروں کی بدتری، بے کسی اور بے بسی کا منظر ظاہر (اور) نمایاں کرنے کے لیے یاد کرو اُس دن کو (جس دن اُنہیں ندا فرمائے گا) حق تعالیٰ، (تو فرمائے گا کہ کہاں ہیں جن کو تم ہمارا شریک سمجھا کرتے تھے) اور گمان کرتے تھے، کہ وہ ہمارے شریک ہیں؟ (بول دیے) کافروں کے رئیس۔۔یا۔۔شیطان۔۔الغرض۔۔(جن پر درست نکلی) ہماری (بات) یعنی وعید کی آیتیں، (کہ پروردگارا! یہ ہیں) ضعیف و بے چارے ناسمجھ اور عقل سے کورے، (جنہیں ہم نے گمراہ کیا) اور اِس بات کا خیال رکھا، کہ (جیسے ہم) خود (گمراہ تھے ویسا ہی) اُنہیں (گمراہ کیا)۔ضال و مضل ہونے کی حیثیت سے ہمیں جو کچھ کرنا تھا ہم کر چکے، مگر اب (ہم اُن سے باز آئے تیری طرف) اور اُس کفر سے بھی باز آئے جو اُنہوں نے اختیار کیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ (وہ ہمیں نہیں پوجتے تھے) بلکہ وہ اپنی خواہش کی پرستش کرتے تھے۔یعنی بنیادی طور پر وہ اپنے نفس کے پرستار تھے، اور اُسی کے مطیع و فرمانبردار تھے۔وہ اُنہیں جدھر جھکاتا تھا جھک جاتے تھے۔لیکن اُن کی یہ بات ناقابل قبول اور بچکانہ

ٹھہری۔ انہیں سوچنا تھا کہ جس طرح اُن کا نفس اُنہیں باطل کی دعوت دے رہا تھا، اُسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول اُنہیں حق کی طرف بُلا رہے تھے، تو اُنہوں نے رسول کی بات کیوں نہیں مانی، اور نفس کی بات کیوں مان لی؟۔۔۔

وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ

اور حکم دیا گیا کہ "بُلاؤ اپنے ساختہ شریکوں کو" تو اُنہوں نے پکارا اُنہیں، تو نہیں جواب دیا اُنہیں،

وَرَاَوُا الْعَذَابَ ۚ لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور دیکھنا پڑا سب کو عذاب۔ کاش وہ راہ پائے ہوتے●

(اور) پھر (حکم دیا گیا کہ بُلاؤ اپنے) خود (ساختہ شریکوں کو) جن کو ہمارا شریک کرتے تھے بتوں میں سے کہ وہ آکر تم پر سے عذاب دفع کریں، (تو اُنہوں نے پکارا اُنہیں) مدد کی امید پر، (تو نہیں جواب دیا اُنہیں) بتوں نے (اور) بالآخر (دیکھنا پڑا سب کو عذاب)، تابع کو بھی اور اُن کو بھی جن کے تابع تھے۔ اور تمنا کریں گے کہ (کاش وہ راہ پائے ہوتے) حیلہ کی، کہ عذاب اپنے اوپر سے دفع کرتے۔۔یا۔۔راہ پائے ہوتے حق کی طرف کہ عذاب سے بے خوف ہو جاتے۔۔۔

وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶۵﴾ فَعَمِيَتْ

اور جس دن ندا فرمائے گا اُنہیں، تو فرمائے گا کہ "کیا جواب دیا تھا تم نے رسولوں کو؟"● تو اندھرا گئیں

عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

اُن پر ساری باتیں اُس دن، تو وہ پوچھ گچھ نہ کریں گے●

(اور) اَے محبوب! یاد کرو اُس دن کو (جس دن ندا فرمائے گا) حق تعالیٰ (اُنہیں) یعنی تکذیب کرنے والوں کو پکارے گا، (تو فرمائے گا کہ کیا جواب دیا تم نے رسولوں کو) جب اُنہوں نے تم کو حق کی طرف بُلایا تھا، (تو اندھرا گئیں اُن پر ساری باتیں) یعنی اُنہیں کچھ بھی یاد نہ رہا کہ پیغمبروں نے اُن سے کیا فرمایا تھا۔۔یا یہ کہ۔۔بھول جائیں گے دلیلیں۔ (اُس دن) نہ جانیں گے کہ کیا کہیں، (تو وہ) ایک دوسرے سے (پوچھ گچھ نہ کریں گے) کہ ہم کیا جواب دیں۔ اِس جہت سے پوچھنے والا اور وہ جس سے پوچھے، دونوں عاجز ہوں گے۔۔یا۔۔نہایت دہشت اور حیرت کے مارے پوچھنے کی پرواہ نہ کریں گے۔۔۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ

توہاں جس نے توبہ کی، اور ایمان لایا، اور لیاقت کے کام کیے، تو قریب ہے

مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

کہ کامیابوں سے ہو●

(توہاں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور لیاقت کے کام کیے، تو قریب ہے کہ کامیابوں سے ہو) یعنی نیکوں اور چھٹکارا پانے والوں میں سے ہو اور ظالموں سے نہ ہو۔ اور نہ ہی سوال کے وقت عاجز رہنے والوں میں سے۔۔الحاصل۔۔فلاح ونجات آنحضرت ﷺ کا دین قبول کرنے کے ساتھ بندھی ہے۔

عرب کے سردار اپنی خام خیالی اور کم عقلی کے سبب طعنہ دیتے تھے، کہ حق تعالیٰ محمد عربی ﷺ کو نبوت کے لیے کیوں اختیار کرنے لگا۔ چاہیے کہ ایسا منصبِ عالی مکہ اور طائف میں جو سب سے زیادہ بزرگ ہو اُسے پہنچے، تو حق تعالیٰ نے اُس کے جواب میں فرمایا۔۔۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ؕ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ

اور تمہارا رب پیدا کرے جسے چاہے اور چن لے۔ اُن لوگوں کا کچھ اختیار نہیں۔ پاکی ہے اللہ کی،

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور وہ بلند وبالا ہے اُن سے جن کو سب شریک بناتے ہیں●

(اور تمہارا رب پیدا کرے جسے چاہے) بے موجب اور بے مانع اور اُن میں سے برگزیدہ کرلے۔۔نیز۔۔احکام پہنچانے کے لیے اختیار کرلے **(اور چن لے)** جسے چاہے۔ اِس سلسلے میں **(ان)** کافر **(لوگوں کا کچھ اختیار نہیں)**، اِس انتخاب کا حق اللہ تعالیٰ کو ہے۔ ولید ابن مغیرہ جیسے کافروں کو حق نہیں پہنچتا، کہ وہ نبوت کے واسطے کسی کو برگزیدہ کریں اور خدا جسے چاہے اُسے رَدّ کردیں۔ **(پاکی ہے اللہ)** تعالیٰ **(کی)** اِس بات سے کہ اُس پر کسی کو اختیار ہو۔ **(اور وہ بلند وبالا ہے اُن سے جن کو سب شریک بناتے ہیں)**۔۔المختصر۔۔اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہو اُس سے وہ برتر وبالا ہے۔

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

اور تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپائیں اُن کے سینے، اور جو کچھ وہ ظاہر کریں● اور وہی اللہ ہے، کہ نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا،

لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰی وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٧٠

اُسی کی حمد ہے دُنیاوآخرت میں۔اوراُسی کا حکم ہےاوراُسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤگے●

(اور تمہارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ چھپائیں اُن کے سینے) یعنی پیغمبر اسلام سے عداوت اور ایمان والوں کے ساتھ کینہ، اِن باتوں سے خدا بے خبر نہیں، (اور جو کچھ وہ ظاہر کریں)۔۔مثلاً: نبوت پر طعن اور قرآنِ کریم کی تکذیب، حق تعالیٰ اِن سے بھی ناواقف نہیں۔(اور وہی اللہ) تعالیٰ (ہے) عبادت کا مستحق، (کہ نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا) اور (اُسی کی حمد ہے دُنیا وآخرت میں)۔یعنی اِس جہان میں اور اُس جہان میں۔اِس واسطے کہ دُنیوی اور اخروی نعمتوں کا مالک وہی ہے۔(اور اُسی کا حکم ہے) یعنی اُس کے لیے ہی حکومت ہے، (اور) بالآخر (اُسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤگے) قیامت کے دن۔اَے محبوب! اُن سے۔۔۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

پوچھو کہ"ذرا دیکھوتو، کہ اگر کردے اللہ تم پر رات کو ہمیشہ کے لیے قیامت تک، تو کون معبود ہے، اللہ کا غیر، جو لائے تمہارے

مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝٧١

پاس روشنی، تو کیا تمہارے کان نہیں ہیں؟"●

(پوچھو کہ ذرا دیکھوتو، کہ اگر کردے اللہ) تعالیٰ (تم پر رات کو ہمیشہ کے لیے قیامت تک)، اِس طرح کہ آفتاب کو زمین کے نیچے ہی رکھے۔۔یا۔۔زمین کے بالکل نچلے اور پست حصے کے حوالی میں حرکت دے، کہ آفتاب اُفق کے اوپر آ ہی نہ سکے، (تو کون معبود ہے اللہ) تعالیٰ (کا غیر، جو) اپنی قدرت کا مظاہرہ کرسکے اور (لائے تمہارے پاس روشنی)، یعنی روزِ روشن جس میں طلبِ معاش کرتے ہو، (تو کیا تمہارے کان نہیں ہیں؟) یعنی کیا تم نہیں سنتے ہو نصیحت فکر واعتبار کے کان سے۔یوں ہی اَے محبوب! اُن سے۔۔۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

پوچھو کہ"ذرا دیکھوتو، کہ اگر کردے اللہ تم پر دن کو ہمیشہ کے لیے قیامت تک،

مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝٧٢

تو کون معبود ہے اللہ کا غیر، جو لائے تمہارے پاس رات، کہ آرام کرو جس میں، تو کیا آنکھ نہیں رکھتے؟"●

(پوچھو کہ ذرا دیکھو تو، کہ اگر کردے اللہ) تعالیٰ (تم پر دن کو ہمیشہ کے لیے قیامت تک)، اِس طرح کہ آفتاب کو وسط آسمان پر۔۔۔یا۔۔فوق الارض کے مدار پر حرکت دے، (تو کون معبود ہے اللہ) تعالیٰ (کا غیر، جو) تم پر کرم فرمائے اور اپنے فضل ورحمت سے نوازے اور (لائے تمہارے پاس رات، کہ آرام کرو جس میں) اور دن کے کاموں کی تھکن سے رحمت طلب کرو، (تو کیا آنکھ نہیں رکھتے؟) یعنی کیا نہیں دیکھتے ہو آثارِ قدرت کو فکر کرنے اور بصیرت چاہنے کی آنکھ سے۔غور سے سنو!۔۔۔

وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ

اور اُس کی رحمت سے ہے، کہ بنایا تمہارے لیے رات اور دن، تاکہ آرام کرو اُس میں،

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ

اور تاکہ تلاش کرو اُس کا فضل، اور شکر گزاری کرو● اور جس دن ندا فرمائے گا اُنہیں،

فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

تو فرمائے گا کہ "کہاں ہیں جنہیں میرا شریک تم سمجھتے تھے؟"●

(اور) یاد رکھو! کہ (اُس کی رحمت سے ہے کہ بنایا تمہارے) فائدے کے (لیے رات اور دن، تاکہ آرام کرو اُس میں) یعنی رات میں، (اور تاکہ تلاش کرو) دن میں (اُس کا فضل) یعنی وہ روزی جو خدا نے اپنے فضل سے مقرر کی ہے۔ (اور) اللہ کی عطا فرمودہ رات اور دن کی نعمت پر (شکر گزاری کرو● اور) اَے محبوب! یاد کرو اُس دن کو (جس دن) اللہ تعالیٰ (ندا فرمائے گا اُنہیں) یعنی بت پرستوں کو پکارے گا۔

یہاں اِس نداء کی تکرار پھٹکار پر پھٹکار ہے۔۔۔

(تو) اُن بت پرستوں سے (فرمائے گا، کہ کہاں ہیں جنہیں میرا شریک تم سمجھتے تھے) یعنی تم گمان کرتے تھے کہ وہ میرے شریک ہیں اور تم جھوٹ کہتے تھے۔۔۔چنانچہ۔۔۔ہم نے تمہارے جھوٹ کو ظاہر کردیا۔

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا

اور کھینچ نکالا ہم نے ہر امت سے گواہ، تو ہم نے فرمایا کہ "لاؤ اپنا ثبوت،" تو سب جان گئے

اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝ ع۱۵

کہ حق اللہ کے لیے ہے، اور گم ہوگیا اُن سے جوگڑھا کرتے تھے●

(اور کھینچ نکالا ہم نے ہر امت سے گواہ) اُن کے قول اور فعل پر، یعنی اُن کے پیغمبر کو ہم گواہ لائیں گے، (تو) پھر (ہم نے فرمایا) امتوں سے (کہ لاؤ اپنا ثبوت)، یعنی اپنی دلیل جو شرک اور تکذیب پر رکھتے ہو۔ (تو سب جان گئے) اُس وقت (کہ حق اللہ) تعالیٰ (کے لیے ہے)۔۔بے شک سچائی۔۔یا۔۔عبادت۔۔یا۔۔توحید اللہ ہی کے واسطے ہے، (اور گم ہوگیا اُن سے جوگڑھا کرتے تھے) جو وہ افتراء کرتے تھے جھوٹی باتیں۔۔یا۔۔امیدِ شفاعت جو بتوں سے رکھتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد والوں کے قصوں میں قارون کا قصہ بھی بڑا ہی سبق آموز اور عبرتناک ہے، لہٰذا اب اُس قصے کو بیان فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ

بے شک قارون تھا موسیٰ کی قوم سے، پھر باغی ہوگیا قوم کا۔اور دے رکھا تھا ہم نے اُسے اتنے خزانے،

مَاۤ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ

کہ اُس کی کنجیاں بھاری بوجھ ہو جاتیں زورمند جماعت پر۔جب کہ کہا اُسے اُس کی قوم نے کہ

لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ۝ وَابْتَغِ فِيْمَاۤ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ

"مت اِترا! بے شک اللہ نہیں پسند فرماتا اِترانے والوں کو● اور تلاش کر اُس مال میں جو دے رکھا ہے تجھے اللہ نے دارِ

الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَاۤ اَحْسَنَ اللّٰهُ

آخرت کو، اور مت بھول میں رہ اپنے دُنیاوی حصہ کے۔اور احسان کیا کر جس طرح کہ احسان بھیجا اللہ نے

اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۝

تیری طرف، اور مت چاہا کر فساد ملک میں۔بے شک اللہ نہیں پسند فرماتا فساد مچانے والوں کو"●

(بے شک قارون تھا موسیٰ کی قوم سے) جو حضرت موسیٰ کا چچازاد بھائی تھا۔

کیونکہ قارون یصہر بن قاہث کا بیٹا ہے اور حضرت موسیٰ عمران بن قاہث کے فرزند ہیں، اور قاہث لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔اور قارون چونکہ نہایت خوبصورت اور زیبا طلعت تھا، اُس وجہ سے اُسے 'منور' کہتے تھے۔بنی اسرائیل بھر میں توریت خوب پڑھتا تھا،

اوراس کے سترٔ مختاروں میں سے ایک یہ بھی ہے مفلسی اورمحتاجی کے زمانہ میں منکسر المزاج اور خلیق آدمی تھا، مالدار ہوتے ہی اُس کا حال بدل گیا۔۔۔

(پھر باغی ہوگیا قوم کا) اور حضرت موسیٰ کی قوم پر یعنی خود اپنی ہی قوم پر ظلم وزیادتی کرنے لگا، اور چاہا کہ سب پر حاکم بن جائے۔ **(اور دے رکھا تھا ہم نے اُسے اتنے خزانے کہ اُس کی کنجیاں بھاری بوجھ ہو جاتیں زورمند جماعت پر)**، یعنی چالیسؔ طاقتور مَردقارون کے خزانوں کی کنجیاں اُٹھاتے تھے۔

ایک روایت ہے کہ ساٹھؔ اونٹ اُس کے خزانوں کی کنجیاں اُٹھاتے تھے۔ ہرخزانے کی ایک کنجی اورکوئی کنجی انگلی بھر سے زیادہ نہ تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ کنجیوں سے مال کے صندوق مراد ہیں اور وہ چارلاکھ چالیسؔ ہزارؔ سونے چاندی سے بھرے ہوئے صندوق تھے۔

۔۔تو۔۔اَے محبوب! یاد کرو اُس دن کو **(جب کہ کہا اُسے اُس کی قوم)** کے بعض نکوکار لوگوں **(نے)** اُس کی متکبرانہ چال ڈھال دیکھنے کے بعد، **(کہ مت اِترا)** اور اپنے قد سے لمبے کپڑے پہن کر اِتراتے ہوئے متکبرانہ انداز سے مت چل، **(بے شک اللہ)** تعالیٰ **(نہیں پسند فرماتا اِترانے والوں کو)**، یعنی اللہ تعالیٰ ایسوں کو دوست نہیں رکھتا، جو کہ مالِ دُنیا پر نامعقول انداز سے خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ **(اور)** تیرے حق میں دانشمندی یہ ہے، کہ **(تلاش کر اُس مال میں جو دے رکھا ہے تجھے اللہ)** تعالیٰ **(نے، دارِ آخرت کو)**۔ یعنی اپنا مال راہِ خدا میں دے اور اِس ذریعہ سے اُس جہان کا ثواب حاصل کر۔ **(اور مت بھول میں رہ اپنے دُنیاوی حصّہ کے)** یعنی رحلت کے وقت اِس جہان سے فقط کفن ہی تجھے نصیب ہوگا، تو اُس حال کا خیال کر اور دُنیا کے مال ومنال پر گھمنڈ مت کر۔

بعضوں نے کہا اُس کا معنی یہ ہیں، کہ۔۔۔

اپنا حصہ بھول نہ جا، یعنی جس قدر مال تجھ کو کفایت کرے اُسی پر بس کر۔ **(اور)** باقی سے **(احسان کیا کر جس طرح کہ احسان بھیجا اللہ)** تعالیٰ **(نے تیری طرف)**۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیری طرف نعمتیں بھیجی ہیں، اُسی طرح تُو بھی اُن نعمتوں سے دوسرے ضرورتمندوں کو مستفیض کر۔ **(اور مت چاہا کر فساد ملک میں)**، یعنی اپنی سرزمین پر تباہ کاری، ظلم اور زیادتی کا خواہشمند مت رہ، اور نہ ہی متکبرانہ انداز سے زمین پر چل۔ کیونکہ **(بے شک اللہ)** تعالیٰ **(نہیں پسند فرماتا فساد مچانے والوں کو)** جو دُنیا کے سبب سے تفاخر کرتے ہیں اور بڑائی ڈھونڈھتے ہیں۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اُوْتِیْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِیْ ؕ اَوَ لَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ

اُس نے جواب دیا کہ "مجھے دیا گیا ہے یہ، صرف میرے علم کی بنا پر جو میرے پاس ہے"۔ کیا اُس نے نہ جانا،

مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّ اَكْثَرُ جَمْعًا ؕ

کہ بلاشبہ اللہ نے برباد فرمادیا اُس کے پہلے کتنی قوموں کو، جو اُس سے زیادہ تھے زور میں، اور بہت جمع والے تھے،

وَ لَا یُسْـَٔلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور نہیں پوچھے جایا کرتے اپنے گناہوں کے بارے میں مجرم لوگ●

(اُس نے) یعنی قارون نے اُس کا (جواب دیا، کہ مجھے دیا گیا ہے یہ صرف میرے علم کی بنا پر جو میرے پاس ہے)، یعنی علمِ توریت، اِس واسطے کہ بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ میں توریت کا عالم ہوں، اور اُس کے رموز واسرار کا سب سے بڑا عارف ہوں۔۔یا۔۔تجارت اور کاشت کاری اور دیگر پیشوں کا علم جس کو اعلیٰ پیمانے پر انجام دے کر میں نے یہ دولت اکٹھا کی۔۔یا۔۔حضرت یوسف کے خزانے اُسے معلوم ہوگئے اور وہ اُٹھالایا تھا۔

اور بعضوں نے کہا کہ علم سے 'علم کیمیا' مراد ہے، کہ حضرت موسیٰ نے اپنی بہن کو بتادیا تھا اور اُنہوں نے قارون کو تعلیم کیا تھا۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ معجزہ وکرامت سے تو پتھر وغیرہ کا سونا ہوجانا ممکن ہے، لیکن ایسا کوئی علم نہیں جس سے پتھر وغیرہ سونا بن سکے، یہ ایک تخلیقی عمل ہے جو قدرتِ خداوندی ہی سے ممکن ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا خالق ہے۔ قارون کو اپنی بے پناہ دولت اور خزانوں پر مغرور نہیں ہونا چاہیے تھا۔ فنا ہوجانے والی دولت کب کسی کے کام آسکی ہے؟ نہ دولت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اور نہ ہی دولت والے۔۔۔

(کیا اُس نے) یعنی قارون نے (نہ جانا) اور توراۃ میں نہیں پڑھا اور مورخوں سے نہیں سنا، (کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (نے برباد فرمادیا اِس) قارون (کے پہلے کتنی قوموں کو جو اُس سے زیادہ تھے زور میں)، یعنی اَزروئے قوت، وہ اُس سے کہیں زیادہ قوی تھے۔ (اور) اَزروئے مال و دولت (بہت جمع والے تھے)۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قارون اپنی قوت اور کثرتِ مال پر کیوں مغرور ہوا، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ جو لوگ اُس سے زیادہ قوی اور غنی تھے اُن کو ہم نے ہلاک کیا ہے۔ تو تہدید کی رُو سے فرماتا ہے (اور) آگاہ کرتا ہے، کہ (نہیں پوچھے جایا کرتے اپنے گناہوں کے بارے میں مجرم لوگ) یعنی مشرک لوگ، کہ اُنہیں اُن کی پیشانی کے نشان سے پہچان لیں گے۔۔یا۔۔اُن سے بتانے کا سوال نہ

ہوگا، اس واسطے کہ حق تعالیٰ مطلع ہے اُس پر۔۔یا۔عذاب کرنے میں اُن سے کچھ سوال نہ ہوگا، اِس واسطے کہ وہ بے حساب دوزخ میں جائیں گے۔۔المختصر۔قارون آسائشِ حیات کی کثرت کے نشے میں چُور رہا۔۔۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِیْ زِیْنَتِهٖؕ قَالَ الَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا

تو نکلا اپنی قوم پر اپنی سجاوٹ میں۔بولے جو چاہتے ہیں دُنیاوی زندگی کو

یٰلَیْتَ لَنَا مِثْلَ مَاۤ اُوْتِیَ قَارُوْنُۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ۝۷۹

کہ" اَے کاش! ہمارا ہوتا، جیسا کہ دیا گیا ہے قارون۔بے شک وہ بڑے نصیبہ والا ہے"●

(تو نکلا) ہفتہ کے دن (اپنی قوم پر اپنی سجاوٹ میں)۔یعنی اپنی آرائش کے ساتھ سفید خچر پر سوار، سنہرا زین کسے، زرد جوڑا پہنے، چار ہزار سوار اِسی کیفیت اور صفت پر اُس کے ساتھ۔

ایک روایت کے مطابق نوّے ہزار آدمی سرخ لباس پہنے اُس کے ساتھ سوار تھے، اور اُس سے پہلے کسی نے 'کُسم' کا رنگ نہ دیکھا تھا۔یہ بھی روایت ہے کہ ہزار لڑکیاں سفید خچروں پر اُس کے ساتھ سوار تھیں، سنہرے زین کسے، زرد جوڑے پہنے، سفید موزے چڑھائے۔

جب قارون اِس شوکت اور دبدبہ کے ساتھ قوم کے لوگوں میں داخل ہوا، تو (بولے) اُس کی قوم کے وہ لوگ (جو چاہتے ہیں دُنیاوی زندگی کو) اور اُس کی رغبت رکھنے والے ہیں، (کہ اَے کاش! ہمارا ہوتا)، یعنی ہمارے پاس بھی ایسا ہی مال و منال ہوتا، (جیسا کہ دیا گیا ہے قارون۔بے شک وہ بڑے نصیبہ والا ہے) اور بڑا ہی مزا لوٹنے والا ہے۔۔۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَیْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ

اور کہا اُنہوں نے جن کو علم دیا گیا ہے کہ" تم پر افسوس ہے، اللہ کا ثواب بہتر ہے اُن کے لیے جو ایمان لائے

وَعَمِلَ صَالِحًاۚ وَلَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ۝۸۰

اور لیاقت والے کام کیے۔اور نہیں پاتے یہ، مگر صبر کرنے والے"●

(اور) اُن کے برعکس (کہا اُنہوں نے جن کو) احوالِ آخرت کا (علم دیا گیا ہے)، اور جو لوگ قناعت کی برکت اور توکل کی عزت کو جانتے ہیں، جیسے حضرت یوشع علیہ السلام اور اُن کے اصحاب، (کہ تم پر افسوس ہے) اَے دُنیا کے طلب کرنے والو! کیا تمہیں خبر نہیں، کہ (اللہ) تعالیٰ (کا ثواب

بہتر ہے) دُنیا کے مالوں سے (اُن کے لیے جو ایمان لائے اور لیاقت والے کام کیے، اور نہیں پاتے) ہیں (یہ)، یعنی عالموں نے جو یہ بات کہی اُس کی تلقین نہ کریں گے اور دِل اور زبان پر نہ رکھیں گے، (مگر صبر کرنے والے) طاعت پر۔۔یا۔۔مصیبت پر۔۔المختصر۔۔اُن علماء کی باتوں کو سمجھنے والے اور اُن پر عمل کرنے والے صرف صابرین ہی ہیں، جن کی نگاہوں میں دُنیا کی آرائش کی کوئی حقیقت نہیں ۔۔الحاصل۔۔خدا نیک کاموں کی توفیق نہیں دیتا مگر صابروں کو۔

چونکہ قارون اپنے مال و دولت اور جاہ و حشم پر بہت فخر اور تکبر کرتا تھا اور اللہ تعالیٰ بسا اوقات تکبر کرنے والوں کو زمین میں دھنسا دیتا ہے اور اُس کو نشانِ عبرت بنا دیتا ہے۔۔چنانچہ ۔۔قارون کے تعلق سے بھی حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ جب وہ غرور و تکبر میں حد سے زیادہ بڑھ گیا۔۔۔

فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ

تو دھنسا دیا ہم نے اُسے اور اُس کے گھر کو زمین میں۔۔تو نہ رہ گیا اُس کا کوئی گروہ، جو مدد کرے اُس کی

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿٨١﴾

اللہ کے مقابل۔اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا●

(تو دھنسا دیا ہم نے اُسے اور اُس کے گھر کو) مال و متاع سمیت (زمین میں)۔

اُس کے زمین میں دھنسنے کی دوسری وجہ مفسرین اور مورخین نے یہ بیان کی ہے، کہ حضرت موسیٰ نے اُس کے خلاف دُعا کی تھی۔اُس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ نے اُس پر زکوٰۃ دینا لازم کر دیا تھا، اس لیے وہ آپ کا دشمن ہو گیا تھا۔دشمنی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ آپ پر حسد کرتا تھا اور کہتا تھا، کہ آپ نبی ہیں اور ہارون امام ہیں، میرے لیے کوئی منصب نہیں۔

پھر قارون نے ایک فاحشہ عورت کو رشوت دے کر اِس پر تیار کیا کہ جب حضرت موسیٰ بنی اسرائیل میں خطبہ دے رہے ہوں، تو وہ آپ سے کہے کہ تم وہی ہو نا جس نے میرے ساتھ فحش کام کیا تھا۔حضرت موسیٰ یہ سن کر کانپ اُٹھے، اُسی وقت دُو رکعت نماز پڑھی اور اُس عورت سے کہا، کہ میں تم کو اُس ذات کی قسم دیتا ہوں جس نے دریا میں تمہارے لیے خشک راستہ بنایا، جس نے تمہیں اور تمہاری قوم کو فرعون کے مظالم سے نجات دی، تم سچا واقعہ بیان کرو۔

دیتا ہم کو) بھی زمین میں۔ (افوہ!) ہمیں یہ خیال ہی نہ رہا، کہ (نہیں کامیابی پاتے کافر لوگ)۔یعنی عذاب سے چھٹکارا نہیں پاتے کافر۔۔یا۔۔ناشکرے۔۔یا۔۔تکذیب کرنے والے۔رہ گئے۔۔۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ

یہ آخرت والے گھر ہم اُن کے لیے کرتے ہیں جو نہ چاہیں بڑا ابناز مین میں،

وَلَا فَسَادًا ۚ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور نہ فساد، اور انجام بخیر ہونا ڈر جانے والوں کے لیے ہے●

(یہ آخرت والے گھر) یعنی تمہاری سمجھی بوجھی بہشت، (ہم اُن کے لیے) مقدر (کرتے ہیں، جو نہ چاہیں بڑا ابناز مین میں)، یعنی زمین والوں کے ساتھ بڑائی اور تکبر سے پیش نہ آئیں۔ (اور نہ) ہی زمین پر (فساد) برپا کریں، جیسا کہ قارون نے چاہا تھا۔ (اور انجام بخیر ہونا) تو صرف (ڈر جانے والوں) یعنی پرہیزگاروں (کے لیے ہے)۔

بعض عارفین نے فرمایا، کہ رضا کا گھر اُس جماعتِ ارواح کے واسطے ہے جو صفاتِ نفسانیہ کے میلوں سے پاک ہوگئی ہے، اس لیے کہ زمینِ بشریہ میں وہ روحیں بڑائی اور برتری کی طالب نہیں ہوتیں، اور فرعونوں اور جابروں کے نفوس کی طرح فساد نہیں چاہتیں، یعنی یہ نفوسِ قدسیہ والے حضرتِ الٰہی کے سوا اور سے نظر اُٹھا کر کسی آدمی اور کسی چیز کی طرف التفات نہیں کرتے، اور عالمِ ملک وملکوت کو مالک الملک کی نصرت میں چھوڑتے ہیں، کہ جو تصرف کون ومکاں میں چاہے کرے اور اُن کو اُس پر کچھ اعتراض نہیں ہوتا۔

اور جب یہ ظاہر ہو چکا کہ انجام بخیر ہونا پرہیزگاروں کے لیے ہے۔۔تو۔۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ

جو کر لایا نیکی، تو اُسے اُس سے بھی بہتر ہے۔ اور جو کر لایا بُرائی،

فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾

تو نہ بدلہ دیے جائیں گے جنہوں بدکاری کی، مگر جو اُن کا کرتوت ہے●

(جو کر لایا نیکی)، نیک خصلت اپنائی۔۔یا۔۔توحیدِ ربانی کی معرفت حاصل کرلی۔۔یا۔۔ اخلاص کے ساتھ اطاعت شعار ہوگیا، (تو اُسے) آخرت میں (اُس) کی نیکی (سے بھی بہتر) ثواب

(ہے۔اور) اُس کے برعکس (جو کر لایا بُرائی) اُسے اُس کی بُرائی کے مطابق سزا دی جائے گی۔ (تو نہ بدلہ دیے جائیں گے جنہوں نے بدکاری کی، مگر جو اُن کا کرتوت ہے)۔ یعنی مثل اُس کے جو تھے دُنیا میں عمل کرتے۔

ظاہر آیت اِس بات پر دلیل ہے کہ نیکی کا ثواب اُس سے بہتر ہوگا، اور بُرائی کی جزا اُس کے مثل ملے گی۔ 'ضمیر' کی جگہ 'اسم' ظاہر کو لانا بدکاروں کے حال کی خرابی ظاہر کرنے کو ہے، اور اُن کی طرف بُرائی کی اسناد مکرر کرنے سے فائدہ یہ ہے، کہ عقلمندوں کو زجر ہو اور بُرائی سے باز رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اِس سورت کو اِس بشارت پر ختم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کر کے مکہ کی طرف لَوٹائے گا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ ۚ قُلْ رَّبِّي

بے شک جس نے تم پر ذمہ داری لگادی قرآن کی، ضرور واپس لانے والا ہے تمہیں، تمہاری واپسی کی جگہ پر۔ کہہ دو کہ "میرا رب

أَعْلَمُ مَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٥﴾

خوب جانتا ہے، جو ہدایت لے کر آیا، اور جو کھلی گمراہی میں ہے"●

(بے شک جس نے تم پر ذمہ داری لگادی قرآن کی، ضرور واپس لانے والا ہے تمہیں تمہاری واپسی کی جگہ پر) فتح مکہ کے بعد۔ اَے محبوب! آپ کے تعلق سے کافروں کا یہ کہنا، کہ آپ گمراہ ہیں، اُن کی ایک لایعنی بکواس ہے۔ تو اَے محبوب! واضح لفظوں میں اعلان کر دو اور (کہہ دو، کہ میرا رب خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا)، یعنی جو صراطِ مستقیم۔۔ یا۔۔ توحید۔۔ یا۔۔ قرآن لے آیا۔ اور سنو! وہ لانے والا میں ہی ہوں۔ حق تعالیٰ اِس حقیقت کو بخوبی جانتا ہے۔ (اور) وہ اُسے بھی جانتا ہے (جو کھلی گمراہی میں ہے) جیسے وہ لوگ جو میرے منکر ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ رب کریم جب کسی پر اپنا فضل فرمانا چاہتا ہے، تو اُس کی طلب وتمنا اور انتظار وتوقع کے بغیر اُسے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے، خواہ اُس شرف سے مشرف ہونے کا علم اُس کو مشرف ہونے سے پہلے ہو۔۔ یا۔۔ نہ ہو۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کی شان یہ تھی کہ نزولِ وحی سے پہلے ہی مختلف ذرائع سے آپ کو معلوم ہو چکا تھا، کہ آپ پر وحی نازل ہونے والی ہے، اور فریضۂ نبوت کی ادائیگی کا حکم من جانب اللہ ملنے والا ہے، مگر چونکہ آپ بذاتِ خود اُس کے امیدوار نہیں تھے، اِسی لیے حق تعالیٰ نے آپ کو مخاطب فرمایا، پھر ارشاد فرمایا۔۔۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ

اور تم امید نہیں کرتے تھے کہ "پہنچائی جائے گی تم تک کتاب"، مگر رحمت ہے تمہارے رب کی طرف سے،

فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ

تو کبھی نہ ہونا مددگار کافروں کے ●

(اور) واضح کر دیا کہ (تم امید نہیں کرتے تھے کہ پہنچائی جائے گی تم تک کتاب، مگر) تم پر یہ کتاب کا نزول اور منصبِ نبوت سے تمہاری سرفرازی، صرف (رحمت ہے تمہارے رب کی طرف سے) ۔۔الحاصل۔۔آپ پر صرف آپ کے رب کی رحمت کی وجہ سے یہ کتاب نازل کی گئی ہے، اور کسی وجہ سے یہ کتاب نازل نہیں کی گئی۔۔یا۔۔آپ پر رحمت کے سوا اور کسی حال میں یہ کتاب نازل نہیں کی گئی۔ (تو کبھی نہ ہونا مددگار کافروں کے) یعنی اُن کے ساتھ مدارانہ کرو اور جو کچھ وہ چاہیں اُسے قبول نہ کرو۔

اِس آیت میں تعریض ہے۔ بہ ظاہر مشرکین کی مدد نہ کرنے کا خطاب نبی علیہ السلام کو ہے، اور مراد آپ کی امت ہے۔۔۔

یعنی آپ کی امت جب دُنیا میں تبلیغ کے لیے اُٹھے، تو مشرکین کے دباؤ سے اللہ کے پیغام سنانے میں کوئی نرمی نہ کرے، اور نہ کسی قسم کی تحریص اور ترغیب سے متاثر ہو کر مداہنت کرے۔۔۔

وَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَادْعُ

اور نہ کبھی وہ روک بن سکیں تمہارے، اللہ کی آیتوں سے، اُس کے بعد کہ نازل فرمائی گئیں تمہاری طرف، اور بُلاتے رہو

اِلٰى رَبِّكَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۚ وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ

اپنے رب کی طرف، اور کبھی نہ ہونا مشرکین سے ● اور نہ دُہائی دینا اللہ کے ساتھ

اِلٰهًا اٰخَرَ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۟ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ ۭ وقف لازم

دوسرے معبود کی۔۔نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا۔۔ہر چیز مٹنے والی ہے سوا اُس کی ذات کے۔

لَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ع ۱۲

اُسی کا حکم ہے، اور اُسی کی طرف تم لوگ لوٹائے جاؤ گے ●

(اور نہ کبھی وہ روک بن سکیں تمہارے اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں سے)، یعنی وہ آپ کو اللہ کی آیتوں کی تبلیغ سے نہ روک دیں (اس کے بعد کہ نازل فرمائی گئیں تمہاری طرف)۔

جو ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔ اور اُس کے سوا ہر ایک چیز ممکن ہے، اور ہلاک ہونے والی ہے۔ اور جو چیز ممکن ہو وہ اپنے ہونے میں کسی اور کی طرف محتاج ہوگی۔ اور جو اپنے وجود میں غیر کا محتاج ہو، وہ عبادت کا مستحق کب ہوسکتا ہے۔

پھر فرمایا کہ "اُسی کا حکم ہے۔" یہ اُس کے مستحقِ عبادت ہونے کی دوسری دلیل ہے۔ جس کا حکم چلتا ہو، اور جو حاکم علی الاطلاق ہو، وہی عبادت کا مستحق ہوسکتا ہے۔ اور فرمایا تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ یہ اُس کے مستحقِ عبادت ہونے کی تیسری دلیل ہے۔ تم نے زندگی میں جو بھی عمل کیے ہیں، آخرت میں تم سے اُس کی بازپُرس ہوگی۔ اور تمہارا اُس کی طرف لوٹایا جانا اِسی لیے ہوگا کہ تم سے سوال کیا جائے، کہ تم نے کس کی عبادت کی ہے۔ اور یہ سوال اور بازپُرس وہی کرے گا۔ اِسی لیے عبادت کا مستحق بھی وہی ہے۔ سو اُسی کی عبادت کرو اور اُس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۱۹/ ذی القعدہ ۱۴۳۲ھ۔۔ مطابق۔۔ ۱۸/ اکتوبر ۲۰۱۱ء

بروز سہ شنبہ، سورۃ القصص کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِینَ یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ بِحَقِّ نٓ وصٓ وَبِحَقِّ یَا بُدُّوحُ

وَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۲۰/ ذی القعدہ ۱۴۳۲ھ۔۔ مطابق۔۔ ۱۹/ اکتوبر ۲۰۱۱ء

بروز چہار شنبہ، سورۃ العنکبوت کی تفسیر کا آغاز کردیا۔ مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظتِ خاص میں رکھے۔

آمِینَ یَا مُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ بِحَقِّ نٓ وصٓ وَبِحَقِّ یَا بُدُّوحُ

وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

تک کافروں کے جوار میں رہو گے تمہارا اسلام پورا نہیں ہے، تو بعضے اُن میں ہجرت کی نیت کر کے نکلے اور مشرک آگاہ ہو گئے اور اُنہیں راہ سے پھیر لے گئے، تو حق تعالیٰ نے اُن کی تسلی کے واسطے یہ آیت بھیجی کہ یہ نہ تصور کرنا چاہیے، کہ بلا کشاکشِ بلاء دعویٰ ولا صحیح ہو۔

۔۔الحتصر۔۔ ہر ایمان والے کو آزمائشِ خداوندی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ رب کریم جو بھی کرے اُسے اُس کا اختیار ہے اور اُس میں اُس کی حکمت و مصلحت ہے۔

ایمان والے لوگو! خداوندِ کریم صرف تمہاری ہی آزمائش نہیں فرما رہا، بلکہ اُس کا فرمان۔۔۔

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا

اور بلاشبہ ہم نے آزمایا جو اِن سے پہلے ہوئے، تو ضرور بتا دے گا اللہ اُنہیں جو سچے ہیں،

وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳﴾

اور ضرور بتا دے گا جھوٹوں کو●

(اور) ارشاد ہے، کہ (بلاشبہ ہم نے آزمایا جو اِن سے پہلے ہوئے)۔ یعنی یہ صورت تو سب امتوں میں واقع تھی اور سب کے دعووں کو بلاء کے ذریعہ آزمایا گیا۔ (تو) اُس آزمائش کے ذریعہ (ضرور بتا دے گا) اور سب پر ظاہر فرما دے گا (اللہ) تعالیٰ (اُنہیں جو سچے ہیں) اپنے دعویٰ ایمان میں۔ (اور ضرور بتا دے گا) اور ظاہر فرما دے گا (جھوٹوں کو) جو دین میں جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔۔ یا ۔۔دکھا دے گا اُن دونوں کا حال خلق کو۔۔ یا۔۔ جزا دے گا اُس چیز کی جو جانتا ہے اُن کا سچ اور جھوٹ۔ یعنی سچ کی اچھی جزا اور جھوٹ کی عبرتناک سزا دے گا۔ تو کیا صرف زبان سے آمنا کہہ دینے والوں نے گمان کر لیا ہے، کہ اُن کی آزمائش نہ ہو گی۔۔۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۴﴾

یا سمجھ بیٹھے ہیں جو کرتے ہیں بُرے کام، کہ "وہ ہم سے بڑھ نکلیں گے۔" کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہیں●

(یا سمجھ بیٹھے ہیں جو کرتے ہیں بُرے کام) جیسے کفر اور گناہ، (کہ وہ ہم سے بڑھ نکلیں گے)، یعنی پیشی کریں گے ہم پر اور ہم کو عاجز کر دیں گے اُن کو گناہوں کی جزا دینے سے۔ (کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہیں)۔ یعنی وہ جو حکم کرتے ہیں وہ کتنا بُرا حکم ہے۔

اِس آیت کی یہ بھی توجیہ کی گئی ہے، کہ۔۔۔

کیا گمان کرتے ہیں گنہ گار، کہ اپنے گناہوں کے سبب سے میری مغفرت اور شمول رحمت پر سبقت لے جائیں۔ یہ حکم ناپسند ہے اس واسطے کہ میری رحمت سبقت لے گئی ہے اُن کے گناہوں پر جو موجب غضب ہوتے ہیں۔۔تو۔۔

مَنۡ كَانَ يَرۡجُوۡا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝۵

جولو لگائے ہے اللہ سے ملنے کی، تو یقیناً اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے، اور وہی سننے والا جاننے والا ہے●

(جولو لگائے اللہ) تعالیٰ (سے ملنے کی) بہشت میں۔۔یا۔۔ثواب پانے کی۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ جو کوئی ڈرتا ہے روزِ قیامت سے اور اِس بات سے کہ میں خدا کے سامنے حاضر کیا جاؤں گا۔

(تو) اُس سے کہہ دو کہ آمادہ رہے، (یقیناً اللہ) تعالیٰ (کا مقرر کیا ہوا وقت ضرور آنے والا ہے)۔ بے شک جو مدت کہ خدا نے مقرر کردی ہے آخرت میں لقاءِ الٰہی کی، وہ یقیناً آنے والی ہے۔ (اور وہی سننے والا) ہے بندوں کی بات اور (جاننے والا ہے) اُن کے دِلوں کے ارادے اور خیالات۔

وَمَنۡ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفۡسِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَـغَنِىٌّ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۶

اور جس نے جہاد کیا، تو وہ اپنے بھلے کو جہاد کرتا ہے۔ کہ یقیناً اللہ بے پرواہ ہے سارے جہان سے●

(اور جس نے جہاد کیا) کفار سے۔۔یا۔۔اپنے نفسِ غدار سے، (تو وہ اپنے) ہی (بھلے کو جہاد کرتا ہے)۔ یعنی اپنے ہی فائدے کے واسطے جہاد کرتا ہے۔ اِس واسطے کہ اُس کا ثواب اُسی کو ملے گا۔ کیوں (کہ یقیناً اللہ) تعالیٰ (بے پرواہ ہے سارے جہان سے)۔ یعنی اہلِ عالم کی طاعتوں اور مجاہدوں سے۔۔الختصر۔۔وہ بندوں کو عبادت کی تکلیف اُنہی کے احوال کی درستی کے واسطے دیتا ہے۔

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَـنُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ

اور جو مان گئے اور کرنے کے کام کیے، تو ہم ضرور میٹ دیں گے اُن کے گناہوں کو،

وَلَـنَجۡزِيَنَّهُمۡ اَحۡسَنَ الَّذِىۡ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝۷

اور ضرور اُنہیں بدلہ دیں گے زیادہ بہتر، اس سے جو وہ عمل کرتے تھے●

(اور جو مان گئے اور کرنے کے) لائق (کام کیے، تو ہم ضرور میٹ دیں گے اُن کے گناہوں

کو)۔یعنی اُن کے گناہوں کو مٹا دیں گے۔(اور ضرور اُنہیں بدلہ دیں گے زیادہ بہتر اُس سے جو وہ عمل کرتے تھے)۔یعنی توحید کی جزا، کہ اُن کے سب عملوں میں یہی بہتر ہے، اور باقی کام چونکہ فضیلت میں اُس کے برابر نہیں ہیں، اُن کی جزا اُن کے موافق ہم دیں گے اُن کے عمل سے بہتر اور زیادہ، ایک کے بدلے دس اور اُس سے بھی زیادہ سات سوتک۔اِس واسطے کہ وہ محتاج ہیں اور میں بے نیاز ہوں۔اس لیے محتاج کو یہ زیب نہیں دیتا کہ مجھ بے نیاز کی اطاعت پر میرے کسی غیر کی اطاعت کو ترجیح دیں اور میری نافرمانی کر بیٹھیں۔گو والدین کی اطاعت بھی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔۔۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ

اور ہم نے تاکید فرمادی انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کی۔اور اگر وہ دونوں دباؤ ڈالیں تم پر،

بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ

کہ شریک بناؤ میرا، جس کا تمہیں کسی طرح بھی علم نہیں، تو مت کہا مانو اُن کا۔میری طرف تم سب کا لوٹنا ہے،

فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٨﴾

تو بتادوں گا تمہیں جو تم کرتے رہے●

(اور) اِسی لیے (ہم نے تاکید فرمادی انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کی)۔یعنی ایسے کام کی جو محض نیکی ہو۔لیکن والدین کی اطاعت کے تعلق سے اِس بات کا خیال (اور) لحاظ رہے، کہ (اگر وہ دونوں دباؤ ڈالیں تم پر کہ شریک بناؤ میرا جس کا تمہیں کسی طرح بھی علم نہیں)۔

یہاں 'علم نفی اُلوہیت' کی تعبیر 'نفی علم اُلوہیت' کے ساتھ کی گئی ہے۔۔۔

یعنی ماں باپ اگر تجھے حکم کریں اِس بات کا کہ اُس چیز کو میرا شریک ٹھہرا جس کی خدائی کو تُو نہ جانتا ہو، اور واقع میں خدائی میرے سوا کسی کے واسطے ثابت ہی نہیں۔۔الختصر۔۔اگر ماں باپ شرک کرنے کو کہیں (تو مت کہا مانو اُن کا)۔اِس واسطے کہ خالق کے گناہ میں مخلوق کی فرمانبرداری درست نہیں ہے۔

مذکورہ آیتِ کریمہ اُس وقت نازل فرمائی گئی، جب حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ رسولِ کریم ﷺ میں عرض کیا، کہ میری ماں نے اِس بات کی ضد کرلی ہے، کہ اُس وقت تک میں نہ تو سائے میں رہوں گی اور نہ ہی کچھ کھاؤں گی پیوں گی، جب تک تُو دین

محمدی کو ترک نہیں کر دیتا۔ تو آیتِ کریمہ نے ظاہر فرما دیا کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک تو بہتر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کسی حال میں بھی جائز نہیں۔ تو والدین کی خدمت اور دِل جوئی میں اِس بات کا بہرحال خیال رکھا جائے، کہ ہمارے کسی عمل سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ ہونے پائے۔۔ الحاصل۔۔ ارشادِ خداوندی ہے، کہ۔۔۔

میری معصیت کر کے کسی کی اطاعت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ جبکہ حقیقی صورتِ حال یہ ہے، کہ (میری طرف) ہی (تم سب کا لوٹنا ہے)۔ مؤمن ہو۔۔ یا۔۔ مشرک، فرمانبردار بیٹا ہو۔۔ یا۔۔ نافرمان، قیامت کے دن سب کو میری جزا کی طرف ہی پلٹنا ہے، (تو بتادوں گا تمہیں جو تم کرتے رہے)۔۔ المختصر۔۔ سب روزِ قیامت اپنے اعمال نامے سے باخبر ہو جائیں گے، اور وہ دُنیا میں جو کرتے رہے ہیں اُس کا اُنہیں علم ہو جائے گا۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ⑨

اور جو مان گئے اور کرنے کے کام کیے، تو ضرور ہم داخل کریں گے اُنہیں لیاقت والوں میں●

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ

اور کچھ لوگ ہیں کہ "کہتے ہیں کہ ہم مان گئے اللہ کو"، پھر جب دکھ دیا گیا اللہ کی راہ میں،

فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۭ وَلَىِٕنْ جَاۗءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ

تو بنانے لگے لوگوں کے فتنہ کو، اللہ کے عذاب کے برابر۔ اور اگر آ گئی مدد تمہارے رب کی طرف سے، تو ضرور کہیں گے

اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ۭ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ⑩

کہ "ہم آپ کے ساتھی تھے۔" کیا اللہ خوب نہیں جانتا؟ جو سارے جہان کے سینوں میں ہے●

(اور جو مان گئے اور کرنے کے) لائق (کام کیے، تو ضرور ہم داخل کریں گے اُنہیں لیاقت والوں میں) یعنی نیکوں کے گروہ میں۔۔ یا۔۔ لائیں گے ہم اُنہیں اُن کے داخل ہونے کی جگہ میں، کہ وہ بہشت ہے۔ اُن صالحین کے برعکس (اور کچھ لوگ ہیں) جو (کہ کہتے ہیں کہ ہم مان گئے اللہ) تعالیٰ (کو)۔

یہ منافق۔۔ یا۔۔ ضعیف الایمان لوگ تھے جو کہتے تھے کہ ہم بھی ایمان رکھتے ہیں۔

(پھر) اُنہیں (جب دکھ دیا گیا اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)، یعنی راہِ خدا میں اپنے دین کے

سبب سے، یعنی جب کافر اُن پر سختی کرنے لگے، (تو بنانے لگے لوگوں کے فتنہ کو) یعنی اُن کی طرف سے رنج اور سختی کو (اللہ) تعالیٰ (کے عذاب کے برابر)۔ یعنی خلق کی تکلیف اور ایذاء رسانی کے سبب سے ایمان چھوڑ دیتے ہیں، جس طرح عذابِ الٰہی کے خوف سے کفر ترک کر دینا چاہیے۔ (اور اگر آ گئی مدد تمہارے رب کی طرف سے) یعنی فتح و غنیمت حاصل ہوگئی، (تو ضرور کہیں گے کہ ہم آپ کے ساتھی تھے) دین اور ملت میں، تو ہمیں بھی غنیمت میں حصہ ملنا چاہیے۔ (کیا اللہ) تعالیٰ (خوب نہیں جانتا جو سارے جہان کے سینوں میں ہے) یعنی جو آدمیوں کے دِلوں میں ہے۔ اخلاص کی صفائی۔۔۔یا۔۔۔ دلوں کا مَیل۔

وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور ضرور بتادے گا اللہ ایمان لانے والوں کو، اور ضرور معلوم کرادے گا منافقوں کو●

(اور ضرور بتادے گا اللہ) تعالیٰ (ایمان لانے والوں کو، اور ضرور معلوم کرادے گا منافقوں کو)۔ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے منافقوں کو، تو اُن کو دُنیا میں ممتاز کر دے گا رنج میں مبتلا کر کے اور بلاء میں ڈال کر اُن کا امتحان لے کر۔ اِس واسطے کہ بلاء و مصیبت میں مَردوں کا جوہر پہچانا جاتا ہے، جس طرح آگ میں سونے چاندی کا کھرا کھوٹا پن کھل جاتا ہے۔ یہ کفار بھی عجیب کج فہمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔۔۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ۭ

اور بولے کفر کرنے والے ایمان لانے والوں کو کہ "چل پڑو ہماری راہ، اور ہم اپنے ذمہ لیں گے تمہارے گناہوں کو۔"

وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾

حالانکہ وہ اُن کے گناہوں کے ذمہ دار کچھ بھی نہیں ہیں۔ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں●

(اور) بے عقلی سے کام لیتے ہیں۔۔۔چنانچہ۔۔۔(بولے کفر کرنے والے ایمان لانے والوں کو، کہ چل پڑو ہماری راہ، اور ہم اپنے ذمہ لیں گے تمہارے گناہوں کو)۔ یعنی اگر تم اپنے باپ دادا کے طریقے پر رہو اور ہماری متابعت کرو، تو ہم تمہارے گناہ اُٹھالیں اور اُس کے ذمہ دار ہو جائیں۔ (حالانکہ وہ اُن کے گناہوں کے ذمہ دار کچھ بھی نہیں ہیں) اور نہ ہو سکتے ہیں۔ (بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں) اپنی اِس

بات میں جو کہتے ہیں، کہ ایمان والے کے گناہوں کا بوجھ ہم اُٹھالیں گے۔اور وہ اُسے اُٹھانے پر قادر نہ ہوں گے۔نہ تھوڑے کے نہ بہت کے، اپنے گناہوں کے بار کی جہت سے، اور اُن کے گناہوں کے بوجھ کے باعث سے بھی، کہ اُنہیں کافروں کے سبب سے وہ گمراہ ہوئے اور اُن کافروں کی متابعت کی، جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔۔۔

وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور ضرور اپنا بھاری بوجھ وہ اُٹھائیں گے، اور اُن بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ۔اور ضرور پوچھے جائیں گے قیامت کے دن،

عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ ع۱۴

جو گڑھا کرتے تھے ● اور بے شک بھیجا ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف، تو رہے اُن میں

أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ

ایک ہزار برس، پچاس سال کم۔تو پکڑا اُنہیں طوفان نے،

وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۴﴾

اور وہ اندھیر والے تھے●

(اور) واضح فرمادیا ہے، کہ (ضرور) بالضرور (اپنا بھاری بوجھ وہ اُٹھائیں گے) قیامت کے دن، (اور اُن بوجھوں کے ساتھ) دوسرے (اُور بوجھ) بھی۔یعنی جن لوگوں کو اِن کافروں نے گمراہ کیا ہے اُن کے وبال کے بوجھ کو اِن کافروں کے گناہوں کے بوجھ پر اضافہ کریں گے، بغیر اِس بات کے کہ گمراہوں کے گناہوں میں سے کچھ کم ہو۔(اور ضرور پوچھے جائیں گے) تابع اور متبوع لوگ (قیامت کے دن) اُس چیز کے تعلق (جو) افتراء کرتے تھے اور (گڑھا کرتے تھے) باطل باتیں اور حیلے جس کے سبب سے خلق گمراہ ہوتی ہے۔

اب آگے حضرت نوح کا قصہ اِس جہت سے بیان فرمایا، کہ حضرت سیّدِ انام ﷺ کے دلِ مبارک کو تسکین ہو اور قوم کی ایذاء اور ظلم اُٹھانے پر آپ کو آگاہی ہو جائے، اور طوفانِ نوح کا حال سن کر تکذیب کرنے والوں کو دھمکی ہو جائے۔چنانچہ۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

(اور) فرمایا جاتا ہے کہ (بے شک بھیجا ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف تو) قوم کے لوگوں کو راہِ حق کی طرف بُلانے کے واسطے (رہے اُن میں ایک ہزار برس پچاس سال کم)۔

حضرت نوح کے تعلق سے یہ روایت بہت مشہور ہے، کہ آپ چالیس[۴۰] برس کے سن میں مبعوث ہوئے اور نو سو پچاس برس خلق کو خدا کی طرف پکارا، اور طوفان کے بعد ساٹھ[۶۰] برس زندہ رہے۔ حضرت وہب سے منقول ہے کہ حضرت نوح 'علیہ السلام' کی عمر چودہ[۱۴۰۰] سو برس کی ہوئی۔ ایک قول یہ ہے کہ تین[۳۰۰] سو ستر برس میں مبعوث ہوئے، اور نو سو[۹۵۰] پچاس برس دعوت کی اور طوفان کے بعد تین[۳۵۰] سو پچاس برس زندہ رہے۔ قبضِ روح کے وقت ملک الموت علیہ السلام نے پوچھا، کہ اے سب پیغمبروں میں بڑی عمر والے، آپ نے دُنیا کو کیسا پایا؟ فرمایا کہ جیسے دو[۲] دروں کا ایک گھر، کہ ایک سے آئیں دوسرے سے نکل جائیں۔۔ المختصر۔۔ حضرت نوح 'علیہ السلام' نے نو سو[۹۵۰] پچاس برس تک قوم کی ایذاء سہی اور دعوتِ اسلام کرتے رہے اور کوئی ایمان نہ لایا۔

(تو پکڑا اُنہیں طوفان نے اور وہ اندھیر والے تھے) کفر کے سبب سے۔۔۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ وَجَعَلْنٰهَاۤ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۵﴾ وَاِبْرٰهِیْمَ

پھر بچالیا ہم نے نوح اور سارے کشتی والوں کو، اور کر دیا ہم نے اُس کو نشانی سارے جہان کے لیے ● اور ابراہیم،

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

جب کہ کہا اپنی قوم کو، کہ "پوجو اللہ کو، اور اُسے ڈرو، یہی بہتر ہے تمہارے لیے اگر علم سے کام لو ●

(پھر بچالیا ہم نے نوح اور سارے کشتی والوں کو) یعنی جو کوئی اُن کے ساتھ تھا ایمان والے آدمی اور اقسام جانور (اور کر دیا ہم نے اُس کو) یعنی کشتی کو۔۔ یا۔۔ حضرت نوح کے واقعے کو، (نشانی سارے جہان کے لیے)۔ یعنی سارے اہلِ عالم کے لیے۔ تاکہ اُس سے دلیل پکڑیں۔۔ یا۔۔ نصیحت مانیں۔ (اور) ایسے ہی ہدایت و رہبری کے لیے بھیجا ہم نے (ابراہیم) کو، (جبکہ کہا اپنی قوم کو کہ پوجو صرف (اللہ) تعالیٰ (کو اور اُسے) یعنی اُس کے عذاب سے (ڈرو، یہی) عبادتِ خداوندی اور خوفِ الٰہی (بہتر ہے تمہارے لیے) تمہارے خود ساختہ دین و آئین سے (اگر علم سے کام لو)، اور سمجھ سکو کہ خیر کیا ہے شر کیا ہے، اور نفع کس میں اور ضرر کس میں ہے۔ تمہارا تو جاہلانہ کردار یہ ہے۔۔۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا وَّتَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ

تم بس پوجا کرتے ہو اللہ کے مقابل بتوں کی، اور گڑھنت گڑھتے ہو۔ بے شک جنہیں

تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا

تم پوجتے ہو اللہ کے مقابل، نہیں مالک ہیں تمہاری روزی کے، تو تلاش کرو

عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوْهُ وَاشْكُرُوْا لَهٗ ۭ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑰

اللہ کے یہاں روزی، اور پوجو اُسے اور شکر کرتے رہو اُس کا۔ اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے●

کہ (تم) تو (بس پوجا کرتے ہو اللہ) تعالیٰ (کے مقابل بتوں کی اور گڑھنت گڑھتے ہو)، یعنی جھوٹ بولتے ہو اور اُس کا نام خدا رکھتے ہو، یعنی جھوٹا خدا اپنے دِل سے پیدا کرتے ہو۔ (بے شک جنہیں تم پوجتے ہو اللہ) تعالیٰ (کے مقابل)، وہ (نہیں مالک ہیں تمہاری روزی کے)۔ یعنی اُن میں تمہیں روزی دینے کی سکت اور قدرت نہیں۔ (تو) سمجھ سے کام لو اور (تلاش کرو اللہ) تعالیٰ (کے یہاں روزی)، کہ وہ رزق کھانے والوں کو رزق پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے، (اور پوجو اُسے) اُس کو وحدہٗ لاشریک مانتے ہوئے، (اور شکر کرتے رہو اُس کا) اِس واسطے کہ شکر سے نعمتِ حال باقی رہتی ہے، اور آئندہ نعمت بڑھتی ہے۔ اور اچھی طرح سے جان لو، کہ (اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)، تو پھر اُسی سے کیوں نہ لو لگاؤ جس کی طرف پلٹ کے جانا ہے اور جس کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے؟

یہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول تھا۔ اب حق تعالیٰ کفارِ قریش کو تہدید فرماتا ہے اور دھمکی سناتا ہے۔۔۔

وَاِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ۭ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ

اور اگر تم نے جھٹلایا، تو بے شک جھٹلا چکی ہیں امتیں تم سے پہلے۔ اور نہیں ہے رسول کے ذمہ،

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ⑱

مگر صاف صاف پہنچا دینا"●

(اور) فرماتا ہے کہ (اگر تم نے جھٹلایا، تو) یہ کوئی نئی بات نہ ہوگی، بلکہ (بے شک جھٹلا چکیں ہیں امتیں تم سے پہلے) اپنے اپنے پیغمبروں کو، جیسے قومِ نوح، قومِ ہود، اور قومِ صالح علیہم السلام۔ اور اُن کی تکذیب سے پیغمبروں کو کوئی ضرر نہیں پہنچا، بلکہ اُن کی بھی مضرت اُنہیں امتوں کے لاحق حال ہوئی، کہ وہ لوگ دُنیا اور آخرت میں مستحق عذاب ہوئے۔ تو اَے کفارِ قریش! تمہاری تکذیب سے میرے حبیب کو کیا نقصان؟ (اور) اِس میں ہمارے رسول کے لیے کسی نقصان کا سوال ہی کیا ہے، اس لیے

کہ (نہیں ہے) ہمارے (رسول کے ذمہ مگر صاف صاف پہنچا دینا)۔ اور وہ کام اُنہوں نے کر دیا ۔۔ چنانچہ۔۔ اُنہوں نے پیغام پہنچا کر، خوف اور امید دلا کر تم کو راہِ حق کی طرف بُلایا اور عذابِ آخرت سے تم کو ڈرایا، اور تم حشر ونشر کے منکر ہوئے۔۔ تو۔۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ

کیا اُنہیں نہیں سوجھا، کہ کیسے ابتدا فرماتا ہے اللہ خلق کی، پھر دوبارہ بنائے گا اُسے۔

اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۹﴾

بے شک یہ اللہ کو آسان ہے●

(کیا اُنہیں) یعنی ان حشر ونشر کے منکروں کو (نہیں سوجھا، کہ کیسے ابتداء فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (خلق کی) اور کس طرح نیست کو ہست کرتا ہے، اور (پھر دوبارہ بنائے گا اُسے)، یعنی موت کے بعد زندگی عطا فرمائے گا۔ (بے شک یہ) یعنی پہلے پہل پیدا فرمانا اور دوبارہ زندہ فرمانا (اللہ) تعالیٰ (کو آسان ہے)۔ اِس حقیقت کو بالکل سمجھانے کے لیے اَے محبوب! اُن کو۔۔۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ

بتاؤ کہ "سیر کر ڈالو زمین میں، پھر دیکھو کہ کس طرح شروع کیا خلق کو، پھر اللہ

يُنْشِئُ النَّشْاَةَ الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ۚ

پیدا فرمادے گا دوبارہ۔" بے شک اللہ ہر چاہے پر قادر ہے●

(بتاؤ کہ سیر کر ڈالو زمین میں، پھر دیکھو کہ کس طرح شروع کیا خلق کو) اور پیدا کیا اُن کو مختلف شکلوں، مختلف فعلوں، اور مختلف حالوں پر، اور اُس کام میں اُس کو کوئی دشواری نہیں ہوئی، اُسی طرح (پھر اللہ) تعالیٰ (پیدا فرمادے گا دوبارہ) اور اُس کام کے لیے بھی اُسے کیا مشکل پیش آئے گی؟ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب تم نے دیکھا اور جان لیا کہ ابتداء میں سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، تو تم پر دوبارہ پیدا کرنے کی دلیل اور حجت لازم ہو جائے گی اور خواہی نخواہی جان لوگے، کہ جو ابتداء میں خلائق کا پیدا کرنے والا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ دوبارہ پیدا کرنے والا بھی ہو۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر ہے) جو چاہے کرے۔ ابتداءً پیدا کرنے پر بھی قدرت ہے اور دوبارہ زندگی بخشنے پر

بھی قدرت ہے۔

اِس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ قدرت اُس کی صفتِ ذاتی ہے، اور اُس کی ذات سب ممکنات کے ساتھ نسبت کر کے یکساں ہے۔ تو جب وہ پہلی بار پیدا کرنے پر قادر ہے، تو یقینی دوبارہ پیدا کرنے سے بھی عاجز نہ ہوگا۔۔ المختصر۔۔ وہ ہر چاہے پر قادر ہے۔۔ تو۔۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿۲۱﴾

عذاب دے جسے چاہے، اور رحم فرمائے جس پر چاہے۔ اور اُسی کی طرف تم سب پھیرے جاؤ گے●

(عذاب دے جسے) عذاب دینا (چاہے، اور رحم فرمائے جس پر) رحم کرنا (چاہے۔ اور اُسی) کے حکم (کی طرف) روزِ جزا میں (تم سب پھیرے جاؤ گے)۔

بعضوں نے کہا ہے کہ عذاب کرتا ہے چھوڑ دینے اور کفران کے ساتھ، اور رحم کرتا ہے توفیقِ ایمان دے کر۔ بعض عارفین کا کہنا ہے کہ عذاب اُس کا عدل کی راہ سے ہے، اور رحمت اُس کے فضل کی رُو سے۔ جس کے ساتھ چاہتا ہے عدل کرتا ہے اور سامنے سے ہنکا دیتا ہے، اور جس پر چاہتا ہے فضل کرتا ہے اور مہربانی کے ساتھ بُلاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ عذاب بدخوئی کے سبب سے ہے اور رحمت حسنِ خلق کے باعث سے۔ اور بعضوں نے نزدیک عذاب دُنیا کی طرف مَیل اور رغبت کرنے سے، اور رحمت دُنیا کو ترک اور نفرت کرنے سے۔۔ یا۔۔ عذاب و رحمت حرص و قناعت کے باعث۔۔ یا۔۔ عذاب بدعت کی وجہ سے، اور رحمت ملازمتِ سنت کے سبب سے۔۔ یا۔۔ عذاب پریشانی خاطر اور رحمت جمعیت دل کے ساتھ۔ بعض عارفین کا کہنا ہے کہ عذاب یہ ہے کہ بندے کو اُسی پر چھوڑ دے اور رحمت یہ ہے کہ خود بندے کے کاموں کا کفیل ہو جائے۔

تو اے لوگو! سنو۔۔۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور نہ تم ہرا سکنے والے زمین میں، اور نہ آسمان میں، اور نہ تمہارا اللہ کے مقابل

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۲۲﴾ ع ۱۴

کوئی یار اور نہ مددگار●

(اور) یادرکھو! کہ (نہ تم ہرا سکنے والے) ہو خدا کو (زمین میں اور نہ آسمان میں)، کہ وہ تمہیں عذاب دینے سے عاجز آجائے اور عذاب نہ دے سکے، اور تم کہیں چھپ کر اپنے کو اُس کے عذاب سے خود کو بچالو۔۔الختصر۔۔زمین والی مخلوق زمین میں اور آسمان والی مخلوق آسمان میں، دونوں ہی خدا کی قدرت ومشیت کے تحت ہیں، اور کوئی بھی اُن میں خدا کو عاجز کرنے پر قادر نہیں۔ (اور نہ تمہارا اللہ) تعالیٰ (کے مقابل کوئی یار اور نہ مددگار) ہے، جو تمہیں عذابِ الٰہی سے بچائے۔۔یا۔۔تم پر سے عذاب الٰہی اٹھائے۔تمہیں معلوم ہے کہ عذابِ الٰہی کے مستحق کون ہیں؟ تو آؤ سن لو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ

اور جنہوں نے اِنکار کردیا اللہ کی آیتوں کا، اور اُس کے ملنے کا، وہ سب ناامید ہو چکے میری رحمت سے،

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

اور اُنہیں کے لیے ہے دکھ والا عذاب●

(اور) یادرکھو! کہ (جنہوں نے اِنکار کردیا اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا)، یعنی اُس کی کتابوں کا ایمان نہ لائے۔۔یا۔۔اُس کی حکمت اور وحدانیت کی دلیلیں نہ مانیں، (اور اُس کے ملنے کا) یعنی اُس کی ملاقات اور دیدار کا، یعنی آخرت اور حشر ونشر کے منکر ہوئے، (وہ سب ناامید ہو چکے میری رحمت سے) اِس دُنیا میں، اور قیامت میں بھی ناامید ہوں گے۔ (اور) سن لو! کہ (انہیں کے لیے ہے دکھ والا عذاب)، یعنی وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اپنے کفر کے سبب سے۔

جملہ معترضہ کے طور پر مذکورہ باتیں ارشاد فرمانے کے بعد حضرت ابراہیم کے قصے کا باقی حصہ بیان فرمایا جاتا ہے، کہ جب حضرت ابراہیم اپنی قوم کو بت پرستی سے منع فرما چکے اور بت توڑ دیے۔۔۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ

پس نہ تھا اُن کی قوم کا کوئی جواب، مگر یہ کہ بول پڑے کہ "مارڈالو انہیں، یا جلادو اُن کو،" تو بچالیا

اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

اللہ نے اُنہیں آگ سے۔ بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو مانیں●

(پس نہ تھا اُن کی قوم کا کوئی جواب، مگر یہ کہ) اُن کے بعض (بول پڑے، کہ مار ڈالو اُنہیں یا جَلا دو اُن کو)، اور جلانے پر متفق ہو کر اُنہیں آگ میں ڈال دیا۔ (تو بچالیا اللہ) تعالیٰ (نے اُنہیں آگ) کے ضرر (سے)، اور آگ اُن پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی کر دی۔ (بے شک اُس) نجات دینے (میں ضرور نشانیاں ہیں) اُس کی قدرت کی، کہ آگ کو بجھایا، خلیل کو سلامت بچایا، اُن کی تفریح کے واسطے آتش کدہ کو گل کدہ بنا دیا۔ یہ قدرت کی نشانیاں کن کے واسطے ہیں؟ (اُن کے لیے جو مانیں)۔ اس لیے کہ ماننے والے ہی حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قصہ سن کر اُس پر غور و فکر کرتے ہیں اور فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ

اور ابراہیم نے کہا کہ "تم لوگوں نے بنا رکھا ہے اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو، اپنی آپس کی محبت سے

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ

یہی دُنیاوی زندگی میں۔ پھر قیامت کے دن اِنکار کرے گا تمہارا ایک دوسرے سے،

وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۝٢٥

اور لعنت بھیجے گا ایک دوسرے پر۔ اور تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا، اور نہ ہوگا تمہارا کوئی مددگار"●

(اور ابراہیم نے کہا، کہ تم لوگوں نے بنا رکھا ہے اللہ) تعالیٰ (کو چھوڑ کر بتوں کو) خدا (اپنی آپس کی محبت سے)، اپنے درمیان دوستی ہونے کے سبب سے، یعنی تا کہ تم اور بت پرست باہم مل جاؤ اور بتوں کی پرستش میں اجتماع کر لو (یہی دُنیاوی زندگی میں)، یعنی جب تک دُنیا میں رہو وہ دوستی باقی ہے، اور (پھر قیامت کے دن اِنکار کرے گا تمہارا ایک دوسرے سے اور لعنت بھیجے گا ایک دوسرے پر)۔ بعضے تمہارا، یعنی پیروی کرنے والے اور رذیل لوگ اُن پر جو آگے چلنے والے رئیس لوگ ہیں۔ (اور) اُس وقت حال یہ ہوگا کہ (تمہارا) یعنی تم سب کا (ٹھکانہ جہنم ہوگا، اور نہ ہوگا تمہارا کوئی مددگار) جن کی مدد سے تم آتشِ جہنم سے نجات پاؤ۔ اور جب حضرت ابراہیم آگ سے نکلے۔۔۔

فَآمَنَ لَهُ لُوطٌ ۘ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي ۖ

وقف لازم

تو مان گئے اُن کو لوط۔۔۔ اور ابراہیم بولے کہ "میں سب کو چھوڑ کر چلا اپنے رب کی طرف۔

اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴿۲۶﴾

بے شک وہی غلبہ والا حکمت والا ہے●

(تو) تصدیق کی اُن کی اور (مان گئے اُن کو لوط) جو حضرت ابراہیم کے بھانجے۔۔یا۔۔بھتیجے تھے۔(اور ابراہیم بولے) حضرت لوط علیہ السلام سے اور حضرت سارہ سے جو کہ اُن کی چچازاد بہن تھیں اور اُن کا ایمان لائی تھیں، (کہ میں سب کو چھوڑ کر چلا اپنے رب کی طرف)۔یعنی میں ہجرت کرنے والا ہوں اُس قوم سے اُس جگہ جہاں میرے رب کا حکم ہو۔(بے شک وہی غلبہ والا) ہے جو مجھے دشمنوں سے مغلوب نہ کرے گا، اور (حکمت والا ہے) یعنی حکمت کے ساتھ میرا کام بنانے والا ہے۔

پھر لوط علیہ السلام اور سارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اتفاق کر کے پہاڑ پر سے جو کوفہ کے سامنے ہے نجران کو گئے، اور وہاں سے ملک شام میں داخل ہوئے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں ٹھہرے، اور لوط علیہ السلام موتفکہ میں گئے۔ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اُس وقت پچھتر ۷۵ برس کے تھے، اور اُسی سال حق تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کو اُن کے گھر پیدا کیا حضرت ہاجرہ سے، جو ایک قول کے مطابق حضرت سارہ کی لونڈی تھیں، اور جب حضرت ابراہیم کا سن شریف ایک سو بارہ ۱۱۲۔۔یا۔۔ایک سو بیس ۱۲۰ کا ہوا، تو حق تعالیٰ نے حضرت سارہ سے بھی اُنہیں فرزند عطا کیا۔جیسا کہ ارشادِ خداوندی۔۔۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اور بخشا ہم نے اُنہیں اسحاق اور یعقوب، اور کر دیا اُن کی نسل میں نبوت اور کتاب کو،

وَاٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴿۲۷﴾

اور دیا ہم نے اُنہیں اُن کا اجر دُنیا میں۔اور بلاشبہ آخرت میں ہماری اہلیت والوں سے ہیں●

(اور) فرمانِ الٰہی ہے، کہ (بخشا ہم نے اُنہیں) بڑھاپے میں ایک فرزند (اسحاق) نامی (اور) ایک پوتا (یعقوب) نامی، (اور کر دیا اُن کی نسل میں) یعنی بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل میں (نبوت اور کتاب کو)، یعنی توریت، انجیل، زبور، اور قرآن کو۔(اور دیا ہم نے اُنہیں) یعنی ابراہیم کو (اُن) کی ہجرت (کا اجر دُنیا میں) اس طرح، کہ ہم نے اُنہیں فرزند عطا کیا بڑھاپے میں بانجھ بڑھیا سے۔۔یا۔۔ہم نے ذریت پاکیزہ عطا فرمائی اور پیغمبری اور کتابیں اُنہیں مرحمت کیں۔۔یا۔۔اُنہیں ہم

نے مقبول خلق اور ہر دل عزیز کر دیا، کہ سب ملتوں والے اُن کی طرف اپنی نسبت ٹھیک کرتے ہیں۔۔یا ۔۔ہم نے حکم کر دیا اُن پر درود پڑھنے کا آخر زمانہ تک۔

ایک قول کے مطابق دُنیا میں اُن کا اجر اُن کی ضیافت باقی رہنا ہے، یعنی جس طرح اُن کی زندگی میں اُن کے مہمان خانہ میں دعوت کا دستر خوان بچھا رہتا تھا، اب بھی ہے اور سب خاص وعام اُس دستر خوان سے بہرہ مند ہیں۔

(اور بلاشبہ آخرت میں ہماری اہلیت والوں سے ہیں)، یعنی مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے ہیں۔

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمۡ

اور لوط، جب کہ کہا اپنی قوم کو کہ "تم کرنے آتے ہو بے شرمی کو، نہیں پہلے کیا تم سے

بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۸﴾

کسی نے سارے جہان سے●

(اور) اَے محبوب! یاد کرو (لوط) کو جن کا ضمناً ذکر ابھی اوپر ہو چکا ہے، (جبکہ کہا اپنی قوم کو) جو موتفکات کے رہنے والے تھے، (کہ تم کرنے آتے ہو بے شرمی کو؟) یعنی کیا تم وہ کام کرتے ہو جو نہایت بُرا ہے اور اُس کی بُرائی کے سبب سے (نہیں پہلے کیا تم سے کسی نے سارے جہان سے)، تو تم اُس بُرے کام کو انجام دینے میں سب پر سبقت لے گئے۔

اَئِنَّكُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ وَتَقۡطَعُوۡنَ السَّبِيۡلَ ۙ وَتَاۡتُوۡنَ

کیا تم بدکاری کرتے ہو مَردوں سے، اور روک کاٹ کرتے رہتے ہو راستہ کی۔۔اور اپنی

فِىۡ نَادِيۡكُمُ الۡمُنۡكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوۡمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوا ائۡتِنَا

بھری مجلس میں ناشائستہ کام کرتے ہو،" تو نہ تھا اُن کی قوم کا کوئی جواب، مگر یہ کہ بولے کہ

بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۲۹﴾

"لے آؤ اللہ کا عذاب اگر سچے ہو"●

(کیا تم بدکاری کرتے ہو مَردوں سے) یعنی اُن سے مباشرت کرتے ہو، (اور روک کاٹ کرتے رہتے ہو راستہ کی)، یعنی راہ ماری کرتے ہو راہ چلتوں پر، یعنی اُن کا مال لے کر اُنہیں قتل

کر ڈالتے ہو۔۔یا۔۔غریبوں پر اُس کام کے واسطے جبر کرتے ہو، اور اِسی سبب سے لوگوں نے دریا کی راہ سے آمدورفت اختیار کی ہے اور خشکی کی راہ بند ہوگئی ہے۔

(اور اپنی بھری مجلس میں ناشائستہ کام کرتے ہو)، یعنی ایسے کام جو عاقلوں اور عارفوں کے نزدیک اچھے نہیں ہیں، جیسے گالی دینا، فحش آمیز ہنسی کرنا، سیٹی بجانا اور انگلی سے ایک کا دوسرے کو کنکری مارنا، اور راہ چلتوں کو مٹی کی گولی۔۔یا۔۔کنکری سے مارنا، شراب پینا، اور مسافروں سے مسخراپن کرنا وغیرہ وغیرہ۔

(تو نہ تھا اُن کی قوم کا کوئی جواب، مگر یہ، کہ بولے) اور مطالبہ کر بیٹھے **(کہ)** اَے لوط! **(لے آؤ اللہ)** تعالیٰ **(کا عذاب اگر سچے ہو)** اس بات میں کہ یہ کام بُرے ہیں، اور اُس کے سبب سے تم پر عذاب نازل ہوگا۔ یعنی ہم یہ کام نہ چھوڑیں گے اَے لوط! اگر تم سچ کہتے ہو کہ خدا ہے اور تم اُس کے پیغمبر ہو، تو اُس سے کہو کہ عذاب ہم پر بھیجے۔

جب حضرت لوط علیہ السلام اُن کافروں سے ناامید ہوئے کہ یہ ایمان نہ لائیں گے، تو حضرت لوط خاموش نہ رہ گئے، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

ع ۸ ۱۵ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ عَلَی الْقَوْمِ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۳۰﴾ وَلَمَّا جَآءَتْ

لوط نے دُعا کی کہ "پروردگارا! مجھ کو فتح دے فساد مچانے والی قوم پر" ● اور جب آپہنچے

رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ ۚ

ہمارے قاصد ابراہیم کے پاس خوش خبری لے کر، تو بولے کہ "ہم ضرور برباد کر دینے والے ہیں اس بستی والوں کو۔

اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

بلاشبہ، یہاں کے لوگ اندھیر والے تھے" ●

(لوط نے دُعا کی کہ پروردگارا! مجھ کو فتح دے) عذاب نازل فرما کے **(فساد مچانے والی قوم پر ● اور)** پھر **(جب)** حکمِ الٰہی پا کر **(آپہنچے ہمارے قاصد)** یعنی فرشتے **(ابراہیم کے پاس)** فرزند کی **(خوشخبری لے کر، تو بولے کہ ہم ضرور برباد کر دینے والے ہیں)** سدوم نام کی **(اُس بستی)** کے رہنے **(والوں کو)** کیونکہ اَے ابراہیم! **(بلاشبہ یہاں کے لوگ اندھیر)** مچانے **(والے تھے)**، جو آپ کے بھانجے لوط علیہ السلام کی تکذیب کرتے رہے۔ حضرت ابراہیم نے۔۔۔

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ۫ لَنُنَجِّيَنَّهٗ

کہا کہ "اُسی میں لوط ہیں"۔ سب بولے، "ہم خوب جانتے ہیں جو اُس میں ہیں۔۔ ہم اُنہیں ضرور بچالیں گے

وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۲

اور اُن کے والوں کو، مگر اُن کی عورت کو جو پچھڑ جانے والی تھی"●

(کہا کہ اُسی میں لوط) بھی تو (ہیں)، اور وہ تو ظالموں میں سے نہیں ہیں۔ (سب) آنے والے فرشتے (بولے، ہم خوب جانتے ہیں جو اُس میں ہیں)۔ اُس بستی میں رہنے والے مؤمن وکافر سب ہی ہمارے علم میں ہیں۔۔ الغرض۔۔ ہم لوط علیہ السلام کے حال سے غافل نہیں ہیں (ہم اُنہیں ضرور بچالیں گے اور اُن کے والوں کو، مگر اُن کی عورت کو جو پچھڑ جانے والی تھی) اور عذاب سے باقی رہ جانے والی تھی۔۔ یا۔۔ گاؤں میں رہ جانے والی تھی۔ یعنی ہم کہہ دیں گے، کہ لوط علیہ السلام قوم میں سے نکل جائیں اپنے لوگوں سمیت اور اُن کے سب لوگ نکل جائیں گے، مگر اُن کی جورو قوم کے لوگوں میں رہے گی، اور اُن کے ساتھ ہلاک ہوجائے گی۔

وَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا

اور جب یہ ہوا کہ آگئے ہمارے قاصد لوط کے پاس، تو بُرا لگا اُنہیں اُن کا آنا، اور دل تنگ ہوئے اُن سے،

وَّقَالُوْا لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ ۫ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ

اور سب بولے کہ "مت ڈرو اور نہ رنجیدہ ہو۔۔ ہم بچانے والے ہیں تم کو اور تمہارے لوگوں کو،

اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۳۳

سوا تمہاری عورت کے" کہ پچھڑ جانے والوں سے تھی●

(اور جب یہ ہوا کہ آگئے ہمارے قاصد لوط کے پاس، تو بُرا لگا اُنہیں اُن کا آنا اور دل تنگ ہوئے اُن سے) اِس خیال سے کہ مبادا اُن کی قوم کے لوگوں سے اِن تازہ واردوں کو رنج پہنچے۔۔ بایں وجہ۔۔ کہ قوم کے لوگ غریبوں، مسافروں سے متعرض ہوتے تھے۔ فرشتوں نے رنج کے آثار حضرت لوط کے چہرے پر دیکھ کر انہیں تسلی دی، (اور سب بولے، کہ) اَے لوط! (مت ڈرو اور نہ رنجیدہ ہو۔۔ ہم بچانے والے ہیں تم کو اور تمہارے لوگوں کو، سوا تمہاری عورت کے)، جو (کہ) خود ہی (پچھڑ جانے والوں سے تھی) اور اَے لوط! آپ سن لیں، کہ۔۔۔

کم ناپ تول کر کے، (تو جھٹلا دیا سب نے اُنہیں) اور تباہی اور خرابی سے باز نہ آئے، (تو پکڑا اُنہیں زلزلہ نے)۔۔۔یا۔۔۔جبرائیل علیہ السلام کی چیخ نے، جس کے سبب سے اُن کے دِل تھرا گئے (تو صبح کی اپنے گھروں میں گھٹنے کے بل اوندھے)۔

وَعَادًا وَّثَمُوْدَاْ وَقَدْ تَّبَيَّنَ لَكُمْ مِّنْ مَّسٰكِنِهِمْ ۫ وَزَيَّنَ لَهُمُ

اور عاد و ثمود، اور روشن ہو چکے تمہیں اُن کے گھر۔۔۔اور بھلا لگا دیا اُن کی نظر میں

الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَكَانُوْا مُسْتَبْصِرِيْنَ ﴿۳۸﴾

شیطان نے اُن کے کرتوتوں کو، تو روک دیا اُنہیں راہ سے۔ حالانکہ وہ آنکھ والے تھے●

(اور) اَے لوگو! یاد کرو (عاد و ثمود) کی قوموں کو (اور روشن ہو چکے تمہیں اُن کے گھر) جو حجاز و یمن میں واقع ہیں، کہ وہاں تمہارا گزر ہوتا ہے اور عذاب کے آثار دیکھتے ہو۔ (اور بھلا لگا دیا اُن کی نظر میں شیطان نے اُن کے کرتوتوں کو)۔۔۔چنانچہ۔۔۔اُنہوں نے کفر و تکذیب ہی کو اچھا سمجھ لیا (تو روک دیا اُنہیں راہ سے) جس کی طرف انبیاء علیہم السلام اُنہیں بلاتے ہیں (حالانکہ وہ آنکھ والے تھے)۔ دیدۂ بصیرت سے ملاحظہ اور نظر و فکر کر سکتے تھے، مگر اُس طرف متوجہ اور مشغول نہ ہوئے۔۔۔یا۔۔۔اپنے گمان میں ہوشیار اور باریک بیں تھے، مگر پیغمبروں کی باتوں کو نا معقول جانا۔

وَقَارُوْنَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ ۫ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ

اور قارون و فرعون و ہامان۔۔۔اور بلا شبہ آئے اُن کے پاس موسیٰ نشانیوں کے ساتھ،

فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ وَمَا كَانُوْا سٰبِقِيْنَ ﴿۳۹﴾

تو یہ سب بڑے بنے ملک میں، اور نہ تھے بڑھ نکلنے والے●

(اور) یاد کرو اَے محبوب! (قارون و فرعون و ہامان) کو۔ ہامان فرعون کا وزیر تھا۔ حق تعالیٰ نے اُن کو راہ دکھائی (اور) حکمِ الٰہی سے (بلا شبہ آئے اُن کے پاس موسیٰ نشانیوں کے ساتھ، تو یہ سب بڑے بنے ملک) مصر (میں)۔۔۔الغرض۔۔۔سرکشی اختیار کی اور اپنی بڑائی چاہی۔ (اور) حقیقت یہ ہے کہ وہ (نہ تھے بڑھ نکلنے والے)۔ یعنی نہ تھے سبقت لے جانے والے حکمِ الٰہی پر بلکہ حکمِ الٰہی اُن میں جاری۔۔۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ

توہرایک کو پکڑاہم نے اُس کے گناہ کے سبب۔تو کوئی وہ ہے جس پر چھوڑا ہم نے پتھریلی آندھی،اور کوئی وہ

مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ

جس کو لے لیا چنگھاڑ نے،اور کوئی وہ ہے جس کو دھنسادیا ہم نے زمین میں،اور کوئی وہ

مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۰﴾

جس کو ڈبودیا ہم نے،اور یہ بات نہ تھی کہ اللہ ظلم کرے ان پر،لیکن وہ خود اپنے اوپر اندھیر مچاتے تھے●

(توہرایک کو) اُن میں سے جن کا ذکر کیا،(پکڑاہم نے اُن کے گناہ کے سبب۔تو کوئی وہ ہے جس پر چھوڑا ہم نے پتھریلی آندھی) کہ اُس میں سنگریزے تھے اور یہ قوم لوط تھی،(اور کوئی وہ جس کو لے لیا چنگھاڑ نے)،یعنی قوم ثمود اور اہل مدین کو،(اور کوئی وہ ہے جس کو دھنسادیا ہم نے زمین میں) جیسے قارون کو،(اور کوئی وہ جس کو ڈبودیا ہم نے) جیسے قوم نوح اور فرعون کو۔

(اور یہ بات نہ تھی کہ اللہ) تعالیٰ (ظلم کرے اُن پر) اور بغیر جرم کے اُن پر عذاب نازل فرمادے،(لیکن وہ خود اپنے اوپر اندھیر مچاتے تھے) اور جہل وعناد کے سبب سے کفر ومعصیت کر کے اپنے کو عذابِ الٰہی کا مستحق بناتے تھے۔۔الغرض۔۔وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم وزیادتی کرنے والے تھے۔اُن لوگوں نے اپنی جہالت وحماقت سے بتوں اور شیاطین کو اپنا یار ومددگار سمجھ لیا ہے اور اس خام خیالی میں مبتلا ہیں کہ یہ مصیبت ومشکل کے وقت میں ہمارے کام آئیں گے۔۔تو۔۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ

اُن کی مثال جنہوں نے بنارکھا ہے اللہ سے بے تعلق ہو کر اپنے یار،مکڑی کی مثال کی طرح ہے۔

اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۚ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

کہ بنالیا گھر،اور بلاشبہ گھروں سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہے۔۔اگر علم رکھتے ہوتے●

(اُن کی مثال جنہوں نے بنارکھا ہے اللہ) تعالیٰ (سے بے تعلق ہو کر اپنے یار) ومددگار (مکڑی کی مثال کی طرح ہے)،جس نے (کہ) اپنے واسطے (بنالیا گھر) یعنی جالا لگالیا،(اور بلاشبہ سب گھروں سے زیادہ کمزور مکڑی کا گھر ہے) جس میں نہ چھت ہوتی ہے،نہ دیوار،اور جو نہ گرمی سے بچائے نہ ہی سردی سے۔

ربع

یہ کفار (اگر علم) وشعور (رکھتے ہوتے)، تو اِتنا تو سمجھ ہی لیتے کہ اُن کے دین کی مثال ایسی ہی ہے جیسے مکڑی کا جالا، کہ بے اصل ہے اور کسی کے کام کے لائق نہیں۔ اِسی لیے تو مکڑی جس گھر میں جالا لگاتی ہے، گھر والے اُسے صاف کرتے رہتے ہیں۔ اِسی طرح اُن کا دین بھی ذلیل وخوار اور بے مقدار ہے، جس سے کسی طرح کی بھلائی حاصل نہیں ہوتی۔

یہ بھی سب پر روشن ہے کہ مکڑی جتنا اپنے اوپر جالا تنتی ہے اپنی ذات کے واسطے قید خانہ بناتی ہے اور اپنے ہاتھ پاؤں پھنساتی ہے، تو اُس کا گھر اُس کا قید خانہ ہے، تو جو لوگ خدائے برحق کے سوا اُور معبود ٹھہراتے ہیں، یعنی ہَوا پرستی، اور محبتِ دُنیا اور متابعتِ شیطان کی طرف میل کرتے ہیں، وہ طوق زنجیروں ۔۔یا۔۔ اُور وبال میں مقید ہوکر خلاص ہونے کا منہ اور نجات کی راہ نہیں رکھتے، اور وہ بالآخر عاقبت کو دوزخ کے ہلاکت خانہ اور دوری ومحرومی کے گڑھے میں پڑ کر مبتلائے عذاب ہوں گے۔

اور بعضوں نے ہوائے نفسانی کو بے اعتباری اور بے ثباتی میں مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی ہے۔

حق تعالیٰ کافروں کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ۔۔اور۔۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ

بلاشبہ اللہ جانتا ہے، وہ لوگ جس چیز کی معبود جان کر دُہائی دیتے ہیں، اُس کے مقابلہ پر۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴۲﴾

اور وہی عزت والا حکمت والا ہے●

(بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے وہ لوگ جس چیز کی معبود جان کر دُہائی دیتے ہیں اُس کے مقابلہ پر) جیسے بت، فرشتے، آدمی، ستارے، اللہ تعالیٰ اُن میں سے کسی سے بھی بے خبر نہیں۔ اور یہ سب کے سب اُس کے آگے مغلوب ہیں۔ (اور وہی) حق تعالیٰ ہی (عزت والا) ہے، یعنی غالب ہے اور اپنی بادشاہی میں شریک نہیں رکھتا۔ اور (حکمت والا ہے) یعنی حکمت کے ساتھ کام کرنے والا ہے۔ کسی حکمت سے مشرکوں پر عذاب نازل کرنے میں تاخیر کرتا ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور یہ مثالیں ہیں کہاوت بناتے ہیں ہم لوگوں کے لیے۔ اور نہیں سمجھتے اُسے، مگر علم والے●

مذکورہ بالا مکڑی کے جالے کی مثال (اور) اُس کے سوا دوسری قرآنی مثلیں، (یہ مثالیں ہیں) جنہیں (کہاوت بناتے ہیں) اور ضرب المثل قرار دیتے ہیں (ہم لوگوں کے لیے، اور) فہم و شعور رکھنے والوں کے لیے۔ مگر (نہیں سمجھتے اُسے) یعنی اُس کے ثمرہ نتیجہ کو، (مگر علم) و شعور (والے)۔ جو غور کرتے ہیں چیزوں کی حقیقتوں میں، وہ خوب اچھی طرح جانتے ہیں، کہ۔۔۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

پیدا فرمایا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک۔ بے شک اس میں ضرور

لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۴﴾

نشانی ہے ایمان والوں کے لیے●

(پیدا فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے آسمانوں اور زمین کو ٹھیک)، جو باطل اور کھیل نہیں، اور اُن کی تخلیق برحق ہے، اور اظہارِ حق کے لیے ہے، کھیل تماشے کے لیے نہیں۔ (بے شک اُس) کے پیدا کرنے (میں ضرور) کھلی ہوئی (نشانی ہے)۔۔۔یا۔۔۔مثال دینے میں عبرت ہے (ایمان والوں کے لیے)، جو اپنی فراستِ ایمانی سے نصیحت قبول کرنے والے، عبرت پکڑنے والے، اور سبق حاصل کرنے والے ہیں۔

حَامِداً وَ مُصَلِّیاً وَمُبَسْمِلاً

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہ آج بتاریخ

۲۷؍ذی القعدہ ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۶؍اکتوبر ۲۰۱۱ء

بروز چہار شنبہ کو بیسویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیقِ رفیق مرحمت فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

آمِیْنَ یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ بِحَقِّ نٓ وصٓ

وَبِحَقِّ یَا بُدُّوْحُ وَ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

حامداً ومصلیاً و مبسملاً

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۱۵/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۲/نومبر ۲۰۱۱ء

بروز شنبہ، اکیسویں(۲۱) پارہ کی تفسیر کا آغاز کر دیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ

اِس کی اور اِس کے سوا پورے قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی

توفیقِ رفیق عطا فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰہٰ وَ یٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وصٓ،

وَبِحَقِّ یَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَۃِ حَبِیْبِکَ سَیِّدِنَا

محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَبِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ

۲۱

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اب اگلی آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی ہے، کہ اگر آپ کو اِس بات سے رنج اور افسوس ہوتا ہے کہ آپ کے پیہم تبلیغ کرنے کے باوجود اہلِ مکہ ایمان نہیں لاتے۔۔تو۔۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ

پڑھتے رہو جو وحی کی گئی ہے تمہاری طرف کتاب، اور پابند رہو نماز کے۔ کہ نماز

تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَاللّٰهُ

روکتی رہتی ہے بے شرمی اور ناگوار کام سے۔ اور بے شک اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے۔ اور اللہ

یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

جانتا ہے جو تم لوگ کرو●

آپ (پڑھتے رہو جو وحی کی گئی تمہاری طرف کتاب) یعنی قرآنِ کریم، جس میں حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح اور حضرت ابراہیم علیہم السلام وغیرہم کے قصص نازل کیے گئے ہیں۔ اُنہوں نے اللہ کا پیغام آپ سے بہت زیادہ عرصہ تک لوگوں کے پاس پہنچایا، معجزات پیش کیے اور دلائل بیان کیے، اِس کے باوجود اُن کی قوم سے بہت کم لوگ ایمان لائے، اور وہ اپنی گمراہی، جہالت اور کفر و شرک سے باز نہیں آئے۔۔الختصر۔۔ اِن کافروں کے ایمان لانے سے مایوس ہونے کے بعد جب آپ اِن آیات کی تلاوت کریں گے، تو آپ کا غم دُور ہوگا اور آپ کو تسلی ہوگی، کہ آپ کے ساتھ کوئی نیا معاملہ پیش نہیں آیا، بلکہ تاریخ حسبِ سابق اپنے کو دُہرا رہی ہے۔

اَے محبوب! اپنے دِل و دماغ کے اطمینان و سکون کے لیے ذکرِ الٰہی کرتے رہو (اور پابند رہو نماز کے)، کیوں (کہ نماز روکتی رہتی ہے بے شرمی)، یعنی ایسے کاموں سے جو عقل کے نزدیک بُرے ہوتے ہیں (اور ناگوار کام سے)، یعنی ایسے کام سے جس کی ممانعت حکمِ شرع کی رُو سے ہے۔۔الحاصل ۔۔نماز گناہوں سے باز رہنے کا سبب ہوتی ہے، اس لیے کہ نماز کی مداومت دوامِ ذکر کا سبب ہے، اور دوامِ ذکر کا نتیجہ کمالِ خوفِ الٰہی ہے۔ اور جس دِل میں خوف ہو، تو اُس میں ارادۂ گناہ نہیں ہوسکتا۔ تو نماز کی خصوصیت یہ ہے کہ بندے کو گناہ سے باز رکھتی ہے۔

﴿۱﴾۔۔لطیفۂ نفس: ناف کے مقام سے لفظ اللہ نکالنا۔

﴿۲﴾۔۔لطیفۂ قلب: جس کا محل دِل ہے۔

﴿۳﴾۔۔لطیفۂ روح: جس کا مقام سینے میں دائیں طرف ہے۔

﴿۴﴾۔۔لطیفۂ سر: جس کا مقام فم معدہ ہے۔

﴿۵﴾۔۔لطیفۂ خفی: جس کا محل پیشانی ہے۔

﴿۶﴾۔۔لطیفۂ اخفی: جس کا مقام کاسۂ سر ہے۔

۔۔۔اور ظاہر ہے کہ اگر یہ سارے لطائف اپنی اپنی نمازوں میں مشغول ہو جائیں اور ان نمازوں کے تقاضوں کو اپنا لیں، تو پھر پیکرِ انسانی میں کسی طرح کی بھی گندگی اور آلودگی کا سوال ہی کہاں رہ جاتا ہے۔ بلاشبہ یہ عبادتیں انسان کو مجلی و مصفی کر دیتی ہیں۔۔المختصر۔۔ جس نماز کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ وہ انسان کو فواحش ومنکرات سے پاک کر دیتی ہے، وہ وہی کماحقہٗ اخلاص کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز ہے، جسے حقیقی نماز کہا جاسکے۔ جو صرف صورتِ نماز اور نماز کی نقالی نہ ہو۔۔بلکہ۔۔حقیقتِ نماز ہو۔حقیقی نماز اَز اوّل تا آخر ذکرِ الٰہی ہے۔

(اور بے شک اللہ) تعالیٰ **(کا ذکر بہت بڑا ہے)** سب چیزوں کے ذکر سے، اِس واسطے کہ اُس کا ذکر عبادت ہے، اور غیر خدا کا ذکر عبادت نہیں۔۔ہاں۔۔اگر غیر خدا کا ذکر ذکرِ خداوندی کے ضمن میں ہو اور رضائے خدا کے لیے ہو، تو وہ بھی خدا کی عبادت ہے۔

اِسی لیے نماز کے جملہ ارکان اور اس میں مذکور نبی کریم پر درود وسلام، نبی کریم پر لفظ 'یاء' کے ذریعہ خطاب کر کے سلام عرض کرنا، تمام صالحین پر خصوصی طور پر سلام پیش کرنا، تمام مؤمنین ومؤمنات۔۔نیز۔۔مسلمین ومسلمات کے لیے دُعائے مغفرت کرنا، خصوصاً اپنے والدین اور اعزہ واقارب کے لیے دُعا کرنا، وغیرہ وغیرہ جو کچھ نماز میں ہے، وہ سب عبادتِ الٰہی اور ذکرِ خداوندی ہی ہے۔۔یا۔۔اللہ کا ذکر بہت بڑھ کر اِس بات سے ہے، کہ کوئی اُس کی قدر پہچانے۔۔یا۔۔بہت بڑھ کر ہے اِس بات سے ہے کہ کسی اور کا ذکر اُس کے ساتھ برابری کرے۔

اب اگر یہاں ذکر سے مراد خصوصی طور پر نماز لے لیا جائے، تو معنی یہ ہونگے کہ نماز بہت بڑی عبادت ہے سب عبادتوں سے۔۔یا۔۔اِس سبب سے بہت بڑی ہے کہ نماز پڑھنے والوں

کو سببِ عذاب سے باز رکھتی ہے، یعنی شرعاً اور عقلاً جو بُری باتیں ہیں اُن سے روکتی ہے۔

اِس آیت زیرِ تفسیر کی توجیہہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے، کہ یاد کرنا خدا کا بندہ کو بہت بڑھ کر ہے اِس بات سے، کہ بندہ خدا کو یاد کرے۔ اس واسطے کہ بندے کا خدا کو یاد کرنا غرضوں کے ساتھ ملا ہوا ہے، اور بندہ کو خدا کا یاد فرمانا صاف ہے بے غرض اور بے غایت۔۔۔یا۔۔۔ بندے کا یاد کرنا خدا کو اب ہے اور جلد فنا ہو جائے گا، اور خدا کا یاد کرنا بندے کو باقی ہے، کبھی زائل ہی نہ ہوگا۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ خدا کا بندے کو یاد فرمانا اِس سبب سے بہت بڑا امر ہے، کہ جب وہ پہلے تجھے یاد کر لیتا ہے تو تُو اُسے یاد کرتا ہے۔ ایسے ہی بعض اہلِ دِل حضرات کا کہنا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے جو اَزل میں تمھیں یاد فرمایا ہے، یہ یاد فرمانا بہت بہتر ہے اِس سے کہ اب تم اُس کو یاد کرتے ہو۔ بعض بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ خدا کا یاد کرنا بہت بڑھ کر ہے، نہ اِس طرح کہ تُو اُسے یاد کرتا ہے بلکہ وہ تجھے یاد فرماتا ہے، اِس سبب سے اُس کا ذکر بہت بڑھ کر ہے۔ تیرا یاد کرنا پیدا ہوا ہے، کہاں تک رہے گا؟

(اور اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے جو تم لوگ کرو)، نماز اور روزہ وغیرہ۔۔۔چنانچہ۔۔۔تمہارے اعمال کے مطابق جزا ہوگی۔ لہٰذا تمہارے لیے ضروری ہے کہ اپنے اقوال وافعال میں محتاط رہو۔

وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اور تم لوگ مت جھگڑو اہلِ کتاب سے، مگر خوبصورت طریقہ سے۔ مگر جس نے اندھیر مچایا

مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا

اُن میں سے، اور کہہ دیا کرو کہ ہم نے مان لیا ہے جو نازل کیا گیا ہے ہماری طرف، اور جو نازل کیا گیا تمہاری طرف، اور ہمارا

وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾

تمہارا معبود ایک ہے، اور ہم اُسی کے آگے گردن ڈالے ہیں۔

(اور تم لوگ مت جھگڑو) اِن **(اہلِ کتاب سے)** جو تمہارے عہد میں ہیں۔۔۔یا۔۔۔جنھوں نے جزیہ دینا قبول کر لیا ہے، **(مگر خوبصورت طریقہ سے)**۔ یعنی ایسے طریقے سے جو سنجیدہ ہو۔۔۔مثلاً: سختی کی بجائے نرمی سے، جوش اور غیظ وغضب کی بجائے حوصلہ سے، شر انگیزی کی بجائے پند ونصیحت سے، اور عجلت کی بجائے تاخیر واحتیاط سے معاملات سلجھاؤ، تاکہ درمیان میں الجھنیں نہ پیدا ہو جائیں، اور نہ ہی

اُن کے ساتھ دُنیوی امور کے بڑے بڑے معاملات کالین دین کرو۔۔الغرض۔۔اُن کے ساتھ خوش خوئی اور تحمل کا مظاہرہ کرو۔۔۔

(مگر جس نے اندھیر مچایا اُن میں سے) اور عہد شکنی کی۔۔یا۔۔جزیہ روک لیا، تو ایسے ظالموں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے جس کے وہ اہل ہیں۔۔مثلاً: زبانی گفتگو سختی سے ہو۔۔یا۔۔تلوار سے۔۔یا۔۔تیروں سے۔اب اگر اہلِ کتاب اپنی کتابوں کو عربی میں ترجمہ کر کے سنائیں، تو اُن کی تصدیق کرو اور نہ ہی تکذیب کرو۔تصدیق اس لیے نہیں، کہ اُنہوں نے اپنی کتابوں میں تحریف کر رکھی ہے، تو ممکن ہے کہ تحریف شدہ مضمون پیش کر رہے ہوں۔اور تکذیب اس لیے نہیں، کہ اُن کی کتابوں میں بعض باتیں حق بھی ہیں، تو کہیں حق کی تکذیب نہ ہو جائے۔۔۔تو بہتر شکل (اور) محتاط صورت یہ ہے کہ اُن سے (کہہ دیا کرو کہ ہم نے مان لیا ہے جو نازل کیا گیا ہے ہماری طرف) یعنی قرآن کریم کو، (اور جو نازل کیا گیا تمہاری طرف)، یعنی توریت وانجیل اور زبور کو۔(اور) ہم نے تسلیم کر لیا ہے کہ (ہمارا تمہارا معبود ایک ہے، اور ہم اُسی کے آگے گردن ڈالے ہیں)، یعنی اُسی کے مخلص اور موحد ہیں۔اور تمہارا حال ہمارے حال سے برعکس ہے، کیونکہ تم نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اپنا رب بنا لیا ہے۔۔الختصر۔۔اَے محبوب!۔۔۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ

اور اسی طرح نازل فرمایا ہم نے تمہاری طرف کتاب۔تو جنہیں ہم دے چکے ہیں کتاب، وہ اس کو بھی مانیں۔

وَمِنْ هٰٓؤُلَاۗءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۷

اور اُن مکہ والوں سے بھی کوئی مان جاتے ہیں اس کو۔اور نہیں انکار کرتے ہماری آیتوں کا، مگر کافر●

جس طرح ہم نے اُتاریں (اور) نازل فرمائیں انبیاء علیہم السلام پر اپنی کتابیں، (اُسی طرح نازل فرمایا ہم نے تمہاری طرف کتاب) یعنی قرآن، جو اصولِ دین میں اگلی کتابوں کے موافق ہے۔ (تو جنہیں ہم دے چکے ہیں کتاب)، جیسے ابن سلام اور اُن کے یار لوگ، اُن کی شان یہ ہے کہ (وہ اِس) قرآن (کو بھی مانیں) جیسا کہ وہ اپنے اوپر نازل شدہ کتاب پر ایمان لا چکے۔۔چنانچہ۔۔وہ اِس پر ایمان لا چکے ہیں۔

یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کے مبعوث ہونے کے قبل آپ پر اور قرآن پر ایمان لائے، جیسے قس بن ساعدہ، بحیرا، نسطورا، ورقہ اور اُن کے مثل۔۔۔

(اور اِن مکہ والوں سے بھی کوئی مان جاتے ہیں اِس) قرآن (کو) یا پیغمبرِ اسلام کو، (اور نہیں اِنکار کرتے ہماری) کتاب کی (آیتوں کا) یا پیغمبر کے پیش کردہ دلائل کا، (مگر کافر) لوگ۔ یہود میں سے جیسے کعب بن اشرف اور عرب میں سے جو عناد رکھتے ہیں، جیسے ابوجہل اور اس کے مثل۔

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ

اور نہیں پڑھا کرتے تھے تم اِس کے پہلے کوئی کتاب، اور نہ لکھتے تھے کچھ اپنے ہاتھ سے،

اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

کہ اُس وقت تو شک نکالتے باطل والے●

(اور) اَے محبوب! یہ حقیقت کس قدر واضح ہے کہ (نہیں پڑھا کرتے تھے تم اِس) قرآن (کے) نازل ہونے سے (پہلے کوئی کتاب) جو نازل شدہ ہو، (اور نہ) ہی (لکھتے تھے کچھ اپنے ہاتھ سے)۔ کیوں (کہ) اگر ایسا ہوتا، تو (اُس وقت تو شک نکالتے باطل والے)، یعنی ٹیڑھی چال چلنے والے مشرکانِ عرب۔ اور کہتے کہ جب محمد عربی 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم' لکھتے پڑھتے ہیں، تو قرآن کو اگلی کتابوں میں سے چھانٹ کر ہم پر پڑھ دیتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔ یہود شک میں پڑتے کہ ہم نے تو کتابوں میں پڑھا ہے کہ پیغمبر آخرالزماں لکھتے پڑھتے نہ ہوں گے، اور یہ تو لکھتے پڑھتے ہیں۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہنا چاہیے، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے سوا اور لوگوں کے واسطے لکھنا پڑھنا بزرگی اور فضیلت کی بات ہے، اور نہ لکھنا پڑھنا آنحضرت ﷺ کا معجزہ اور آپ کے حق میں فضیلت کی بات۔ اور جب معجزہ ظاہر ہو چکا اور آپ کے اُمّی ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ رہا، تو حق تعالیٰ نے اخیر عمرِ شریف میں لکھنے پڑھنے کی فضیلت بھی آپ کو عطا فرمائی، تا کہ یہ دوسرا معجزہ ہو۔

۔۔الحاصل۔۔ آپ کا پہلا معجزہ یہ رہا ہے کہ بغیر کسی سے پڑھے لکھے معلم کائنات ہو گئے، اور دوسرا معجزہ یہ رہا کہ اخیر عمر میں بغیر مشق وتمرین پڑھنے اور لکھنے والے بھی ہو گئے۔ صحت و صواب کے قریب یہی بات ہے کہ بنیادی طور پر آپ اوّل عمر سے آخر تک اُمّی ہی تھے، لیکن اگر کبھی آپ سے لکھنا پڑھنا ظاہر ہو گیا، تو یہ بطورِ اعجاز تھا۔

۔۔الغرض۔۔ یہ قرآنِ کریم نہ تو اگلی کتابوں سے کیا ہوا خلاصہ ہے۔۔ اور نہ ہی۔۔ دُنیاوی معلمین کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔۔۔

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ

بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں اُن کے سینوں میں، جنہیں علم دیا گیا ہے۔

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور نہیں دانستہ انکار کرتے ہماری آیتوں سے، مگر ظلم والے●

(بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں اُن کے سینوں میں جنہیں علم دیا گیا ہے)۔

یعنی اہلِ کتاب میں سے جو ایمان لائے۔۔یا۔۔صحابۂ کرام، کہ وہ اِسے یاد کرتے تھے تاکہ اِس میں کوئی تبدیل اور تحریف نہ کر سکے۔اور دِل سے حفظِ قرآن پڑھنا امّتِ محمدی کا خاصہ ہے، اس واسطے کہ اگلی اور آسمانی کتابیں اوراق میں لکھ کر دیکھ کر پڑھتے تھے۔ایک قول کے مطابق آیتِ کریمہ کا معنی یہ ہے، کہ۔۔۔

اَے محبوب!" آپ، آپ کے کام اور آپ کا علم، باوصف اِس کے کہ آپ اُمّی ہیں، کھلی ہوئی نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے واسطے جو اگلی کتابوں کے عالم ہیں اور آپ ﷺ کی صفتوں اور نشانیوں سے واقف ہیں۔**(اور نہیں دانستہ اِنکار کرتے ہماری آیتوں سے)**، یعنی قرآن وصاحبِ قرآن سے **(مگر ظلم والے)**، جو اپنے ظلم پر کامل ہیں کہ مناظرہ اور مکابرہ کرتے ہیں، باوصف اِس کے کہ کھلے ہوئے معجزے دیکھتے ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ

اور بکنے لگے کہ" کیوں نہیں اُتاری جاتیں اُن پر عذاب کی نشانیاں اُن کے رب کی طرف سے۔جواب دو کہ" وہ نشانیاں

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

اللہ کے پاس ہیں، اور میں بس صاف صاف ڈر سنانے والا ہوں"●

(اور) اِس طرح کے ظالم **(بکنے لگے کہ" کیوں نہیں اُتاری جاتیں ان پر عذاب کی نشانیاں ان کے رب کی طرف سے")**، یعنی" ایسے معجزے ان پر کیوں نہیں نازل کیے جاتے جو انبیاءِ سابقین پر نازل فرمائے گئے۔۔مثلاً: حضرت صالح کو اونٹنی اور حضرت موسیٰ کو عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مائدہ عطا ہوا تھا"۔اَے محبوب! ان کو **(جواب دو کہ" وہ نشانیاں اللہ)** تعالیٰ **(کے پاس ہیں)** جس وقت جس پر جو معجزہ چاہتا ہے اُتارتا ہے اور بذاتِ خود وہ میرے اختیار اور اقتدار میں نہیں۔**(اور میں)** تو **(بس صاف صاف ڈر**

سنانے والا ہوں) اور تم کو خوف دلاتا ہوں اس زبان میں جس کو تم خوب سمجھتے ہو"۔ ان سے پوچھو، کہ۔۔۔

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کیا اُنہیں کافی نہیں کہ ہم نے اُتاری تم پر کتاب جو پڑھی جاتی ہے اُن پر۔ بے شک اس میں

لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع ۵ ۱

یقیناً رحمت اور نصیحت ہے، اُن کے لیے جو مانیں●

(کیا انہیں) یہ کھلی ہوئی دلیل اور ظاہر معجزہ (کافی نہیں، کہ ہم نے اُتاری تم پر کتاب جو پڑھی جاتی ہے ان پر) انہیں کی زبان میں۔ اور وہ بڑے فصیح لوگ ہیں، بلاغت کے اسرار اور فصاحت کے اطوار ان پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ اور تم نے انہیں اپنے پاس بُلایا اور سب سے چھوٹی سورت جو قرآن کی ہے اُس کے مثل عبارت ان سے چاہی، تو وہ اس کے مثل عبارت بنانے میں مشغول نہ ہوئے۔ جنگ وجدال کرنا اور جان ومال کو ہارنا اور گنوا دینا انہیں آسان لگا، اور قرآنِ کریم کا جواب لانا انہیں اپنے بس سے باہر نظر آیا۔ اِس سے زیادہ کھلا ہوا اور کون سا معجزہ ہوگا، اور کہاں سے آئے گا۔

اِس آیت کی شانِ نزول کے تعلق سے ایک قول یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہود کے بعضے کلمات لکھ کر لائے اور اس کا مقصد یہ ظاہر کیا، کہ ہم ایسی چیز چاہتے ہیں جس سے اپنے علم کو بڑھائیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پچھلی قوم کی یہی گمراہی ہے، کہ جو کچھ اُن کا نبی اُن پر لایا اُسے چھوڑ کر رغبت کرتے ہیں ایسی چیز کی طرف جو اُن کے نبی کے سوا دوسرا لایا۔ اور اس وقت یہ آیتِ مذکور نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے، کہ کیا انہیں یہ قرآن کفایت نہیں کرتا جو اُن پر پڑھا جاتا ہے۔

(بے شک اِس) کتاب (میں یقیناً) بڑی (رحمت) اور نعمت ہے اُس شخص کے لیے جو قرآن کی متابعت کرے (اور نصیحت ہے اُن کے لیے جو مانیں) اور تصدیق کریں۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ

کہہ دو کہ "کافی ہے اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ۔" وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور جو مان گئے باطل کو، اور انکار کر دیا اللہ کا، وہی گھاٹے والے ہیں●

(کہہ دو، کہ کافی ہے اللہ) تعالیٰ (میرے اور تمہارے درمیان گواہ) میری بات پر۔اس واسطے کہ معجزات عطا فرما کر میری تصدیق فرماتا ہے، اور (وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے)۔ تو میرا اور تمہارا حال بھی اُس پر پوشیدہ نہ رہے گا۔(اور) اچھی طرح ذہن نشین کرلو، کہ (جو مان گئے باطل کو) اور ایمان لائے ناحق پر، جیسے یہودی اور نصرانی۔۔یا۔۔ایمان لائے ہیں باطل معبودوں کا (اور انکار کردیا اللہ) تعالیٰ (کا)، یعنی خدائے برحق کے منکر ہوگئے، (وہی گھاٹے والے) اور نقصان اُٹھانے والے (ہیں)، کیونکہ انہوں نے کفر کو ایمان پر ترجیح دی۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ۚ

اور جلدی مچاتے ہیں تم سے عذاب کی۔اور اگر نہ ہوتا اُس کا مقرر وقت، تو ضرور آجاتا اُن تک عذاب۔

وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور ضرور آئے گا اُن کے پاس اچانک، اور وہ بے خبر ہوں گے●

(اور) اس پر نضر بن حارث وغیرہ کی دیدہ دلیری تو دیکھو، کہ (جلدی مچاتے ہیں تم سے عذاب کی۔اور اگر نہ ہوتا) مشیتِ خداوندی میں (اس کا) یعنی ہر قوم پر عذاب اُتارنے کا (مقرر وقت، تو ضرور آجاتا ان تک عذاب) جس کا وعدہ ہے۔(اور) انشاء اللہ تعالیٰ وہ (ضرور آئے گا اُن کے پاس اچانک)، دُنیا میں موت کے وقت۔۔یا۔۔آخرت میں۔(اور) حال یہ ہوگا کہ (وہ) عذاب کے آنے سے (بے خبر ہوں گے)۔اور اے محبوب! یہ کافر لوگ۔۔۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۚ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ ۙ

جلد بازی کرتے ہیں تم سے عذاب کی۔اور بلاشبہ جہنم گھیرے میں لیے ہے کافروں کو●

(جلد بازی کرتے ہیں تم سے عذاب کی، اور) حال یہ ہے کہ (بلاشبہ جہنم گھیرے میں لیے ہے کافروں کو)۔بہر صورت انہیں جہنم میں جانا ہی ہے، گویا ابھی سے انہیں جہنم نے اپنے چنگل میں لے رکھا ہے، جبھی تو وہ کفر کے دائرے میں محصور ہیں۔

۔۔یا۔۔آیت میں اسم فاعل مستقبل کے معنی میں ہے، یعنی۔۔۔

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ

جس دن ڈھانپ لے گا انہیں عذاب اُن کے اُوپر سے اور اُن کے پاؤں تلے سے،

وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۵۵﴾

اور فرمائے گا، کہ "چکھومزا اپنے کرتوت کا"●

گھیرے گا انہیں عذاب (جس دن ڈھانپ لے گا انہیں عذاب ان کے) سروں کے (اوپر سے اوران کے پاؤں تلے سے، اور فرمائے گا) حق تعالیٰ۔

۔۔یا۔۔فرشتہ کہے گا خدا کے حکم سے۔۔یا۔۔کوئی آدمی کہے گا دوزخیوں سے۔۔۔

(کہ چکھومزا اپنے کرتوت کا)، یعنی دُنیا میں جو کرتے تھے اب اُس کا بدلہ لو۔اس لیے کہ دُنیا عمل کرنے کا گھر ہے اور عقبیٰ جزا پانے کا گھر۔جو وہاں تم بوآئے ہو یہاں کاٹو۔

روایت ہے کہ کچھ مسلمانوں نے مکہ معظمہ ہی میں قیام کیا۔خرچ راہ کم ہونے۔۔یا۔۔قوتِ استعداد کی قلت۔۔یا۔۔وطن کی محبت۔۔یا۔۔بھائیوں کی صحبت کے خیال سے ہجرت نہ کرتے تھے، اور خوف وہراس کے ساتھ خدا کی عبادت پوشیدہ کرتے تھے، تو حق تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی، کہ۔۔۔

يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾

اَے میرے وہ بندو! جو مان چکے ہو، بلاشبہ میری زمین لمبی چوڑی ہے، تو مجھی کو معبود مانتے رہو●

(اَے میرے وہ بندو! جو مان چکے ہو)، مشرکوں سے الگ ہو جاؤ اور مومنوں کا ساتھ ڈھونڈو۔ اگر مکہ میں میری عبادت علانیہ نہیں کر سکتے ہو، تو دیکھ لو کہ (بلاشبہ میری زمین لمبی چوڑی ہے) اور بہت کشادہ ہے، (تو) تم خوف کی جگہ سے امن کے مقام پر ہجرت کر جاؤ، اور (مجھی کو معبود مانتے رہو)، اور اطمینان وسکون سے سراپا اخلاص ہو کر میری عبادت کرتے رہو۔اور سن لو! کہ اگر اہل وعیال کی محبت کے سبب سے اپنا شہر نہیں چھوڑ سکتے، تو ایک دن مفارقت ضرور ہونا ہے، کیوں کہ۔۔۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۵۷﴾

ہر نفس مزا چکھنے والا ہے موت کا۔۔پھر ہماری طرف تم لوگ لوٹائے جاؤ گے●

(ہر نفس مزہ چکھنے والا ہے موت کا) اور مَر کر ہر جگہ اور ہر شخص سے چھوٹنا ہوگا، (پھر ہماری طرف تم لوگ لوٹائے جاؤ گے) جزا پانے کو۔تو مشرکوں کے شہر میں ذلیل وخوار ہو کر اور خوف وہراس

کے سایے میں نہیں رہنا چاہیے، اور کعبہ امان یعنی آستانِ پیغمبرِ آخر الزماں کی طرف رخ کرنا چاہیے
۔۔الختصر۔۔ایک نہ ایک دن آخرت کی طرف لوٹنا تو ہے سبھی کو۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ

اور جو ایمان لائے اور لیاقت کے کام کیے، تو ضرور ہم ٹھکانہ دیں گے اُنہیں جنت کے بالا خانے، بہہ رہی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۵۸﴾

جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔کتنا اچھا ثواب ہے عمل والوں کا●

(اور) ہر ایک کو بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہونا ہے، تو (جو) ان میں (ایمان لائے اور لیاقت کے کام کیے) اور اپنے فرائض ادا کرتے رہے، (تو ضرور ہم ٹھکانہ دیں گے اُنہیں جنت کے بالا خانے) یعنی اونچے اونچے مکان، (بہہ رہی ہیں جن) مکانوں (کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔کتنا اچھا ثواب ہے) نیک (عمل والوں کا) جنت اور اُس میں عالی شان مکان۔یہ نیک عمل والے وہی ہیں۔۔۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۵۹﴾

جنہوں نے صبر سے کام لیا اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھیں●

(جنہوں نے) مشرکوں کی اذیت پر اور وطنوں سے ہجرت پر (صبر سے کام لیا اور) ان کی شان یہ ہے، کہ یہ (اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھیں)، اُس کے سوا کسی اور پر نہیں۔

۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرتے ہیں اور اپنا کام اُسی کو سونپتے ہیں۔مکہ کے مسلمانوں نے یہ آیتیں سنیں اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی عزیمت اور نیت کی، تو دوسرا دغدغہ پیدا ہوا، کہ جس شہر میں ہمارے لیے اسبابِ معیشت مہیا نہیں ہیں وہاں کیونکر جاسکتے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ

اور کتنے جاندار ہیں کہ نہیں اُٹھائے رکھتے اپنی روزی۔اللہ اُنہیں روزی دے اور تم کو بھی۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۰﴾

اور وہی سننے والا علم والا ہے●

(اور) ارشاد ہوا کہ (کتنے جاندار ہیں کہ نہیں اٹھائے رکھتے اپنی روزی)، یعنی اُسے اٹھانے کی طاقت اور قوت نہیں رکھتے۔۔۔یا۔۔جمع نہیں کر رکھتے اور کسی وجہ سے اکٹھا کر کے اُسے محفوظ نہیں کرتے۔

جمع کر کے رکھنے والے صرف تین۳ جاندار ہیں: ﴿۱﴾۔آدمی، ﴿۲﴾۔چوہا، ﴿۳﴾۔چیونٹی اور بعضوں نے کہا کہ جنگلی کوا بھی جمع کر کے رکھتا ہے اور بھول بھی جاتا ہے۔بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ بلبل کو میں نے دیکھا کہ اپنی خوراک بازو کے نیچے چھپاتی ہے۔غرضیکہ بہت جانور ایسے ہیں وحوش وطیور درندوں کیڑوں مکوڑوں میں کہ اپنے کھانے کو جمع نہیں کر رکھتے اور اپنے اوپر لادے نہیں پھرتے، اور۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ ہی ہے جو (انہیں) بھی (روزی دے اور تم کو بھی)، لہٰذا تم غربت ومسافت میں اسبابِ معیشت نہ ہونے کے سبب سے اندیشہ نہ کرو، (اور) جان لو کہ بے شک (وہی سننے والا) ہے تمہاری بات جو تم کہتے ہو، کہ پردیس میں ہجرت کر کے ہم جائیں گے تو روزی کہاں سے کھائیں گے، اور (علم والا ہے) یعنی اُسے بخوبی معلوم ہے کہ وہ تمہیں روزی کہاں سے دے گا۔

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

اور اگر تم سوال کرو اُن سے کہ "کس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، اور قابو میں رکھا سورج

وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور چاند کو؟" تو ضرور جواب دیں گے کہ "اللہ"، تو پھر کہاں اوندھے جاتے ہیں●

(اور) اَے محبوب! (اگر تم سوال کرو ان سے) یعنی اہلِ مکہ سے، (کہ کس نے پیدا فرمایا) ہے (آسمانوں اور زمین کو اور قابو میں رکھا سورج اور چاند کو؟ تو ضرور جواب دیں گے کہ اللہ) تعالیٰ۔ چونکہ یہ مسئلہ سب کی عقلوں میں جما ہوا ہے، کہ انتہا سب ممکنات کی اُس ایک کی طرف واجب ہے جس کی ذات واجب الوجود ہے، اور چونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے، (تو پھر کہاں اوندھے جاتے ہیں) اور توحید سے منہ پھیرے جاتے ہیں۔۔الغرض۔۔راہِ حق سے کیوں منہ پھیرتے ہیں اور باطل کی طرف کیوں دوڑتے ہیں۔بے شک وہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔۔۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ

اللہ کشادہ کرے روزی جس کی چاہے اپنے بندوں سے، اور تنگی کرے جس کی چاہے،

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝۶۲

بے شک اللہ ہر ایک کا جاننے والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (کشادہ کرے روزی جس کی چاہے اپنے بندوں سے، اور تنگی کرے جس کی چاہے)۔ اور اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ ایک ہی بندے پر کبھی رزق کشادہ فرمادے، اور کبھی اس پر رزق کی تنگی فرمادے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کا جاننے والا ہے)۔۔ چنانچہ۔۔ روزی کی تنگی اور فراخی اور بندوں کی مصلحت اُس پر پوشیدہ نہیں۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ

اور اگر تم پوچھو اُن سے کہ "کس نے اُتارا آسمان کی طرف سے پانی، پھر زندہ فرمادیا اُس سے زمین کو اُس کے

بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝۶۳ ع ۶/۱۲

مرجانے کے بعد؟" ضرور کہہ دیں گے کہ اللہ۔ بولو، 'الحمدللہ'۔ بلکہ اُن کے بہتیرے عقل نہیں رکھتے●

(اور) ایسے ہی اے محبوب! (اگر تم پوچھو ان) عرب کے مشرکین (سے، کہ کس نے اُتارا آسمان کی طرف سے پانی، پھر زندہ فرمادیا اُس سے زمین کو اُس کے مرجانے کے بعد) یعنی مُردہ اور افسردہ ہوجانے کے بعد؟ تو جواب میں (ضرور کہہ دیں گے، کہ اللہ) تعالیٰ۔۔ الحاصل۔۔ اِس بات کا انہیں اقرار ہے کہ ممکنات کا پیدا کرنے والا وہی ہے، اور باوجود اِس کے بعضے مخلوقات اُس کی عبادت میں اوروں کو شریک کرتے ہیں۔ تو اَے محبوب! (بولو "الحمدللہ")، یعنی حمد وشکر خدا کے واسطے ہے کہ اُس نے گمراہی سے محفوظ رکھا مجھے اور میری اتباع کرنے والوں کو۔ (بلکہ اُن کے بہتیرے عقل نہیں رکھتے)، اِسی لیے اگر ایک طرف خدائے برحق کے خالق ہونے کا اعتراف کرتے ہیں، تو دوسری طرف مخلوق کو اُس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ اِس سے بڑھ کر اور بے عقلی کیا ہوسکتی ہے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ

اور نہیں ہے یہ دُنیا والی زندگی مگر کھیل کود۔ اور بے شک آخرت والا گھر،

لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٤﴾

وہی زندگی ہے۔۔۔اگر وہ جان سکتے●

ان بے عقلوں (اور) ناسمجھوں کو یہ بھی خبر نہیں، کہ (نہیں ہے یہ دُنیاوالی زندگی مگر کھیل کود)۔ بے کار کی مشغولیت اور جھٹ پٹ گزر جانے میں لڑکوں کے کھیل کے مثل ہے، کہ ایک جگہ جمع ہوتے ہیں اور گھڑی بھر کھیل سے خوش ہوتے ہیں اور پھر دم بھر میں تھک کر اور رنجیدہ ہو کر متفرق ہو جاتے ہیں۔ (اور) اِس کے برعکس (بے شک آخرت والا گھر، وہی زندگی ہے) اور حیاتِ ابدی کی جگہ ہے۔ وہی ایسی جگہ ہے جہاں ہمیشہ زندگی ہوگی۔ (اگر وہ جان سکتے) تو سرائے جاودانی پر دُنیائے فانی کو ترجیح نہ دیتے۔

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ

تو جہاں سوار ہوئے کشتی میں، پکارنے لگے اللہ کو، اخلاص رکھتے ہوئے اُس کے ساتھ عقیدہ کا۔۔

فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾

پھر جب بچالایا اُنہیں خشکی کی طرف، اب وہ شریک بنانے لگے●

ان بے عقلوں کا (تو) حال یہ ہے، کہ دریائی سفر میں (جہاں سوار ہوئے کشتی میں) اور موج وطغیانی سے مضطرب ہوئے، تو (پکارنے لگے اللہ) تعالیٰ (کو اخلاص رکھتے ہوئے اُس کے ساتھ عقیدہ کا)، یعنی ظاہر میں مخلصوں کی ایسی صورت بناتے ہیں۔ اس واسطے کہ اُس وقت خدا ہی کو یاد کرتے ہیں اور خوف واضطراب دفع کرنے کو اُسی کی پناہ ڈھونڈھتے ہیں۔ (پھر جب بچالیا انہیں) اللہ تعالیٰ نے اور (خشکی کی طرف) میدان میں پہنچادیا، (اب وہ شریک بنانے لگے) اور اپنی سابقہ عادت کی طرف پھر گئے۔۔۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾

تاکہ ناشکری کریں جو ہم نے دیا اُنہیں، اور اُسے برتیں۔۔تو جلد خمیازہ جان ہی لیں گے●

(تاکہ ناشکری کریں) اُس چیز کے ساتھ (جو ہم نے دیا) ہے (انہیں)، یعنی نجات کی نعمت کا عملاً انکار کر کے ناشکرے ہو جائیں (اور اُسے برتیں)، یعنی بت پرستی پر اکٹھا ہو کر فائدہ اٹھائیں۔۔یا

۔۔اس جہان کی زندگی سے پھل کھائیں، (تو جلد خمیازہ جان ہی لیں گے) اور عذاب کے وقت اپنے کام کا انجام انہیں معلوم ہی ہو جائے گا۔

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا تھا کہ مشرکین جب دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرتے ہیں اور جب طوفانی ہوائیں چلتی ہیں اور اُن کی سلامتی خطرہ میں پڑ جاتی ہے، تو وہ اخلاص کے ساتھ گڑگڑا کر صرف اللہ کو پکارتے ہیں اور شرک کو ترک کر دیتے ہیں اور اللہ اُن کو سلامتی سے پار لے آتا ہے۔

اب اِس اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بتا رہا ہے، کہ جس اللہ نے سمندروں میں تم کو زندگی دینے کا احسان کیا تھا، وہی اللہ مکہ کی سرزمین میں بھی تم پر سلامتی اور زندگی کی حفاظت کرنے کا احسان فرما رہا ہے۔ کیونکہ تم جس شہر میں رہتے ہو اُس کے آس پاس کے علاقوں میں قتل اور اغواء کی وارداتیں ہوتی رہتی ہیں اور ہم نے سرزمینِ مکہ کو حرم بنا دیا ہے اور وہاں کے رہنے والوں کو قتل کیے جانے اور اغواء کیے جانے سے محفوظ کر دیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ سمندروں میں تم کو غرق ہونے کا خطرہ ہو تو تم صرف اللہ کو پکارتے ہو، اور خشکی میں اللہ تعالیٰ تم کو قتل وغارت گری اور اغواء اور پکڑ دھکڑ سے محفوظ رکھے، تو تم اُس کا احسان نہیں مانتے۔ پھر تم بتوں کو کیوں مانتے ہو اور اُن پر ایمان لا کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں شرک کرتے ہو؟ اخلاص کے ساتھ صرف اللہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا جا رہا ہے، کہ۔۔۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ

کیا اُنہیں سوجھا نہیں کہ "ہم نے بنا رکھا ہے حرم کو امن کی جگہ، اور اچک لیے جاتے ہیں لوگ اُن کے اردگرد کے۔"

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۝۶۷

تو کیا باطل تو مانیں، اور اللہ کی نعمت کی ناشکری ہی کرتے رہیں●

(کیا انہیں سوجھا نہیں کہ ہم نے بنا رکھا ہے حرم کو امن کی جگہ) یعنی وہاں کے لوگ لُوٹ مار سے بے خوف ہیں۔ (اور) حال یہ ہے کہ (اچک لیے جاتے ہیں لوگ ان کے اردگرد کے)۔ یعنی شہرِ مکہ کے اطراف میں رہنے والے لوگوں کو قتل اور قید کرتے ہیں، لیکن مکہ والوں سے کوئی تعرض نہیں کرتا۔ (تو کیا) جو اِن کی روش ہے، یہ انصاف ہے اور معقول بات ہے، کہ بُت اور شیطان جیسے (باطل) کو

(تو مانیں اوراللہ) تعالیٰ (کی نعمت) جیسے حرم میں مکان بنانا، خوف سے محفوظ ہوجانا، وغیرہ (کی ناشکری ہی کرتے رہیں)۔اوران کے کفرانِ نعمت کی دلیل شرک ہے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْکَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ط

اور اُس سے زیادہ اندھیر والا کون، جو گڑھے اللہ پر جھوٹ، یا جھٹلائے حق، جب وہ پاس آجائے۔

اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًی لِّلْکٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا

کیانہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ کافروں کا● اور جنہوں نے جھیلا ہماری راہ میں،

لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۶۹﴾ ع ۷

تو ضرور ہم راہ دیں گے اُنہیں اپنی۔اور بے شک اللہ یقیناً اخلاص والوں کے ساتھ ہے●

(اور اِس سے زیادہ اندھیر والا کون ہے جو گڑھے اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، اور گمان کرے کہ خدا کا شریک ہے، (یا جھٹلائے حق)، یعنی تکذیب کرے قرآن کی۔۔یا۔۔رسول کی (جب وہ پاس آجائے۔کیا نہیں ہے؟) یعنی ہے (جہنم میں ٹھکانہ کافروں کا)، اور ضرور ہے۔(اور) ان کے برخلاف (جنہوں نے جھیلا ہماری راہ میں) اور ہمارے کلمہ حق کو بلند کرنے اور ہمارے دین کو قائم رکھنے کے لیے مشقتیں اٹھائیں، (تو ضرور ہم راہ دیں گے انہیں اپنی۔اور بے شک اللہ) تعالیٰ (یقیناً اخلاص والوں) یعنی مجاہدینِ فی سبیل اللہ (کے ساتھ ہے) اور انہیں فتح ونصرت عطا فرمانے والا ہے۔

یہاں مجاہدہ کا لفظ مطلق فرمایا تا کہ ظاہری اور باطنی دونوں جہادوں کو شامل رہے، تو اِس آیت کے یہ معنی ہوئے، کہ۔۔۔

جولوگ جہاد کرتے ہیں میری راہ میں دین کے دشمنوں کے ساتھ، اور نفس اور خواہش کے ساتھ، تو دکھاتے ہیں ہم انہیں دولتِ لقا کو پہنچنے کی راہ۔

بعض عارفین کا کہنا ہے، کہ۔۔۔

جولوگ کوشش کرتے ہیں اقامتِ سنت میں، راہیں دکھاتے ہیں ہم انہیں جنت کی۔

بعض کاملین کا ارشاد ہے کہ اِس کلام کا معنی یہ ہے، کہ۔۔۔

جولوگ آراستہ کرتے ہیں اپنا ظاہر مجاہدات سے، آراستہ کردیتے ہیں ہم اُن کا باطن مشاہدات سے۔

بعض آیت کے معنی یوں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔
جو کوشش کرتا ہے میرے واسطے، تو میں راہ دیتا ہوں اُسے اپنی طرف۔
بعض عارفین کا یہ بھی قول ہے کہ اِس آیت میں ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔
جو کوئی کوشش کرتا ہے میری طلب میں، تو میں اُسے اپنے پا جانے کی راہ بتاتا ہوں، یعنی آگاہ ہو جاؤ کہ جس نے مجھے ڈھونڈا اُس نے مجھے پایا۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ
۲۱/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۱۸/نومبر ۲۰۱۱ء
بروز جمعہ مبارک، سورہ العنکبوت کی تفسیر مکمل ہوگئی۔دُعا گو
ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی
سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کی حفاظت فرماتا رہے۔
آمِین یَامُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ،
بِحَقِّ ن وص، بِحَقِّ یَابُدُّوحُ بِحُرمَةِ سَیِّدِ الْمُرسَلِینَ
سَیِّدِنَا **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

حامداً ومصلیاً ومبسملاً
بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ
۲۳/ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ۔۔مطابق۔۔۲۰/نومبر ۲۰۱۱ء
بروز یکشنبہ، سورہ الروم کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔مولیٰ تعالیٰ
اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق رفیق
عطا فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔
آمِین یَامُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ،
بِحَقِّ ن وص، بِحَقِّ یَابُدُّوحُ بِحُرمَةِ سَیِّدِ الْمُرسَلِینَ
سَیِّدِنَا **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

سورة الروم ۳۰ مكية ۸۴ — ایاتها ۶۰ — رکوعاتها ۶

سُوْرَةُ الرُّوْمِ

سورۂ روم۔۔۳۰ مکیہ۸۴ — آیاتہا۶۰۔۔رکوعاتہا۶

اِس سورت کا نام 'الروم' ہے۔ نبی کریم اور آپ کے اصحاب کے عہد میں اِس سورت کا یہی نام تھا اور یہ نام اِسی سورت کی دوسری آیت سے ماخوذ ہے۔ اِس سورت کو اپنے ماقبل والی 'سورت العنکبوت' سے پہلی مناسبت یہ ہے کہ ان دونوں کو 'ال م' سے شروع کیا گیا اور اِن حروفِ مقطعات کے بعد اِن دونوں سورتوں میں قرآن، کتاب اور تنزیل کا ذکر نہیں کیا گیا، ورنہ 'سورہ القلم' کے علاوہ ہر سورہ میں حروفِ مقطعات کے بعد قرآن، کتاب اور تنزیل میں سے کسی ایک کا ذکر کیا گیا ہے۔ اِن دونوں میں دوسری مناسبت یہ ہے: 'سورہ العنکبوت' کا اختتام جہاد کے ذکر پر ہوا ہے، اور 'سورہ الروم' کی ابتداء غلبہ اور نصرت کے ذکر سے کی گئی ہے، جو اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور تیسری مناسبت یہ ہے کہ 'سورہ العنکبوت' میں اجمالی طور پر توحید پر دلائل بیان کیے گئے ہیں، اور اِس سورت میں توحید پر دلائل کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ ایسی بصیرت افروز، چشم کشا اور ہدایت آفریں سورۂ مبارکہ کو۔۔یا۔۔قرآنِ حکیم کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور ایمان والوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓمّٓ ۝۱

ال م●

(ال م)

حضرت عبداللہ ابن عباس سے منقول ہے کہ حروف مقطعہ آیت ربانیہ ہیں۔ ہر ایک حرف اشارہ ہے اُس کی صفت کی طرف جس کے ساتھ خدا کی ثنا کرتے ہیں، جیسے کہ 'ال م' میں 'الف' الوہیت سے کنایہ ہے، اور 'لام' لطف سے، اور 'میم' ملک سے۔ اور بعضوں نے کہا کہ 'الف'

اشارہ ہے اسم اللہ کی طرف، اور 'لام' جبرائیل کی جانب، اور 'میم' اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جبرائیل امین کے ذریعہ وحی بھیجی محمد ﷺ کی طرف، کہ۔۔۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝۲ فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳

ہار گئے رومی● قریب کی زمین میں، اور وہ اپنی ہار کے بعد جلد جیتیں گے●

فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ

چند سال میں۔۔۔ اللہ ہی کا حکم ہے پہلے اور پیچھے۔ اور اُس دن خوش ہو جائیں گے

الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵

ایمان والے● اللہ کی مدد سے۔ وہ مدد فرمائے جس کی چاہے۔ اور وہ غلبہ والا رحم والا ہے●

(ہار گئے رومی) اور فارسی اُن پر غالب آئے **(قریب کی زمین میں)** یعنی اُس زمین میں جو بہت نزدیک ہے عرب سے زمینِ روم کی بہ نسبت۔

ایک قول کے مطابق وہ شہر اُردن اور فلسطین تھا۔ اور وہ غلبہ اِس طرح پر تھا، کہ خسرو پرویز نے شہر یار اور فرخان کہ اُس کے ۲ دو امیر تھے اُن کو بڑے لشکر کے ساتھ بھیجا اور ملک روم میں سے انہوں نے کچھ فتح کر لیا اور روم کے لوگ شکست کھا گئے۔ رسولِ مقبول ﷺ کے مبعوث ہونے کے نویں ۹ برس یہ خبر مکہ میں پہنچی، تو کافر خوش ہوئے اور مسلمانوں سے بدخواہی کے طور پر بولے، کہ تم اور نصاریٰ دونوں اہلِ کتاب ہو اور ہم اور فارسی دونوں اُمّی ہیں، تو روم پر فارس کے غلبہ سے ہم یہ فال نکالتے ہیں کہ ہم تم پر غالب ہوں گے، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔۔۔

(اور) ارشاد فرمایا، کہ **(وہ اپنی ہار کے بعد جلد جیتیں گے چند سال میں)**۔ یعنی رومی اپنے مغلوب ہونے کے بعد تھوڑے برسوں میں یعنی تین ۳ اور نو ۹ برس کے درمیان فارس پر غالب ہوں گے۔

اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابو بکر نے مشرکوں سے کہا، کہ تمہاری آنکھیں روشن نہ ہوں، قسم ہے خدا کی! کہ روم کے لوگ چند سال میں فارس پر غالب ہوں گے۔ ابی ابن خلف بولا کہ ایسا نہیں ہے، ہم تمہارے ساتھ شرط کرتے ہیں، پس تین ۳ برس کی مدت مقرر کر کے دس ۱۰ دس ۱۰ جوان اونٹ شرط لگائے، پھر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حال عرض کیا۔ پس آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ

بِضْع تین ۳ اور نو ۹ کے درمیان ہے، تم جاؤ مال اور مدت بڑھاؤ۔ حضرت صدیق پھر آئے اور نو ۹ برس تک کی مدت مقرر کر کے سَو ۱۰۰ اونٹ پر شرط کی، اور باہم ضمانت لی۔

جنگِ بدر کے دن جب مسلمان، کفارِ قریش پر غالب ہوئے، تو فارسیوں پر رومیوں کے غلبہ کی بھی خبر پہنچی اور بعضوں نے کہا کہ یہ خبر جنگِ حدیبیہ کے دن تحقیق ہوئی۔ پہلے قول کے موافق حضرت صدیق نے سَو ۱۰۰ اونٹ ابی بن خلف سے لیے، اور دوسرے قول پر اُس کے ضامن سے۔ اس واسطے کہ ابی جنگِ احد میں قتل ہو گیا تھا۔ اور حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ بہتر ہے، یعنی صدقہ دے دو۔ غرضیکہ یہ آیت خبر دینا ہے ہونے والے امور سے اور یہ اعجازِ قرآن کے اقسام میں سے ہے۔ اِن معرکوں سے ظاہر ہو گیا کہ۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ (ہی کا حکم ہے پہلے) جب فارس پر روم کا غلبہ نہ ہوا تھا، **(اور پیچھے)** جب روم فارس پر غالب ہو گیا۔ یعنی ہر وقت اللہ تعالیٰ ہی کا حکم جاری ہے اور سب کام اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔

بعض بزرگوں نے کہا کہ قبل 'ازل' ہے اور بعد 'ابد'، یعنی 'امرِ ازلی وابدی' اُسی کو ہے، اس واسطے کہ وہ خداوند ازلی وابدی ہے۔

(اور اُس دن) یعنی جب رومی فارسیوں پر غلبہ کریں گے **(خوش ہو جائیں گے ایمان والے اللہ) تعالیٰ (کی مدد) کے سبب (سے)**، کہ وہ اہلِ کتاب کو مدد اور فتح دے گا اُس قوم پر جو کتاب نہیں رکھتے۔

اِس واسطے کہ فارس کی فتح کا اُلٹ جانا نیک فال ہے مسلمانوں کے واسطے، اور ایمان والوں کی دی ہوئی خبر کا صدق ظاہر کرنا ہے، اور کی ہوئی شرط کا لینا ہے، اور صحابۂ کرام کے یقین کا زیادہ ہونا ہے، تو ضرور ایمان والے خوش وخرم ہوں گے۔

اور بعضوں نے کہا کہ مسلمانوں کی خوشی کا باعث یہ ہے کہ رومیوں اور فارسیوں کی لڑائی میں بعضے دین کے دشمنوں نے بعض پر غلبہ کیا۔ ایک جماعت کو نیست ونابود کر دیا، اور اُس کی کیفیت اِس طرح پر ہے کہ شہریار اور فرخان ملک روم کے بعضے شہروں پر غالب ہوئے، اور پرویز، بعض اہلِ غرض کی غمازی اور چغلی کھانے سے دونوں بھائیوں سے ناراض ہوا، اور اُس نے چاہا کہ ایک کو دوسرے کے ہاتھ سے ہلاک کرے۔ دونوں بھائی اِس حال کی حقیقت سے واقف ہو گئے اور قیصرِ روم کو یہ کیفیت لکھی اور نصاریٰ ہو گئے، اور پھر لشکرِ روم کے سپہ سالار

ہو کے فارسیوں کو مغلوب کیا اور اُن کے بعضے شہر فتح کر لیے۔ قصہ مختصر اللہ تعالیٰ کی نصرت سے اہلِ کتاب کو غلبہ حاصل ہو گیا، اور۔۔۔

(وہ) ربِّ کریم (مدد فرمائے جس کی چاہے اور وہ غلبہ والا) ہے انتقام لیتا ہے ایک گروہ سے اور (رحم والا ہے)۔۔ چنانچہ۔۔ غلبہ دیتا ہے ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر۔

وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑥

اللہ کا وعدہ۔ نہ خلاف کرے گا اللہ اپنے وعدے کا۔ لیکن بہتیرے لوگ بے علم ہیں●

(اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ) غلبہ رُوم کا۔۔یا۔۔ مسلمانوں کی خوشی کا، برحق ہے جو پورا ہو کے رہے گا، کیونکہ (نہ خلاف کرے گا اللہ) تعالیٰ (اپنے وعدے کا)۔ اس لیے کہ جھوٹ اُس پر محال ہے بلکہ وہ اپنا وعدہ سچ ہی کرتا ہے، (لیکن بہتیرے لوگ بے علم ہیں) جو نہیں جانتے اُس کے وعدہ کی صحت اور سچائی۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ښ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ⑦

وہ لوگ جانتے ہیں دُنیاوی زندگی کے ظاہر حال کو، اور آخرت سے وہ سب لوگ غافل ہیں●

(وہ لوگ) تو (جانتے ہیں) صرف (دُنیاوی زندگی کے ظاہر حال کو) یعنی دُنیاوی زندگی میں سے دُنیا کا مال ومتاع، جاہ ودولت۔۔یا۔۔ معیشتوں اور تجارتوں کے اسباب۔

ایک تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے، کہ دُنیا سے مراد مکان بنانا، کھیتی کرنا، نہریں جاری کرنا اور کھیت اور باغ میں پانی لانا، کیونکہ اکثر دُنیا کے لوگ اُس کے قواعد جانتے ہیں۔

(اور آخرت سے) کہ غایت مقصود وہی ہے، (وہ سب لوگ غافل ہیں) اور بے خبر ہیں۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کیا اُنہوں نے نہیں سوچا اپنے دلوں میں۔۔ کہ "نہیں پیدا فرمایا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو،

وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے مگر درست، اور مقرر میعاد کے لیے۔" اور بے شک بہتیرے لوگ

بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ⑧

اپنے رب کے ملنے سے انکار کرنے والے ہیں●

(کیا انہوں نے نہیں سوچا اپنے دلوں میں) اور اپنی ذاتوں میں، جو ممکنات کا آئینہ ہے، یعنی جو کچھ آفاق میں ہے اُس کی نمود نفسوں میں پا سکتے ہیں۔

۔۔یا یہ معنی، کہ۔۔

اپنے کاموں میں کیوں تفکر نہیں کرتے، تاکہ اپنے پہلے پہل پیدا ہونے سے دوبارہ قیامت کے دن اٹھنے پر دلیل پکڑیں۔ کیوں (کہ نہیں پیدا فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اِن کے درمیان ہے مگر درست)، حکمت کے ساتھ۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ زمین آسمان اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، اُس کا پیدا کرنا کھیل کے واسطے نہیں، بلکہ اُس کا پیدا کرنا اس واسطے ہے کہ حضرتِ باری تعالیٰ کی توحید پر اُس سے دلیل پکڑیں۔

(اور) یہ سب (مقرر میعاد کے لیے) ہیں۔ جب وقت آ پہنچے گا تو یہ سب نہایت کو پہنچ جائیں گے۔ اِس سے قیامت کا دن مراد ہے۔ (اور بے شک بہتیرے لوگ اپنے رب کے ملنے سے) یعنی قیامت کے دن سے، جو کہ لقاءِ الٰہی کا وقت ہے (اِنکار کرنے والے ہیں)، اِس پر ایمان لانے والے نہیں۔ اور یہ اِس لیے کہ وہ اپنے اِس کفر و اِنکار کے انجام سے غافل و بے خبر ہیں۔ یہ لوگ اپنے پہلوں کے انجام سے بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔۔تو۔۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

کیا اُنہوں نے سیر نہ کی زمین میں، کہ دیکھیں کہ "کیسا ہوا انجام اُن سے

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ وَعَمَرُوْهَآ

پہلوں کا؟" تھے وہ ان سے زیادہ زور میں، اور اُنہوں نے زمین توڑی، اور اس کو بسایا تھا

اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

اس سے زیادہ جو اُنہوں نے بسایا ہے، اور لائے تھے اُن کے پاس اُن کے رسول نشانیاں، تو اللہ نہیں تھا

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

کہ ظلم کرتا اُن پر، لیکن ہاں وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے تھے●

(کیا انہوں نے سیر نہ کی زمین میں) اور تجارت کے وقت عاد و ثمود کے علاقوں اور اُن کے رہنے کے مکانوں کی تباہی کے آثار کا مشاہدہ نہیں کیا؟۔۔الغرض۔۔انہوں نے ان کے علاقوں کی سیر

اِس ارادے سے نہیں کی (کہ دیکھیں کہ کیسا ہوا انجام اِن سے پہلوں کا)، درآنحالیکہ (تھے وہ اِن) اہلِ مکہ (سے زیادہ زور میں)، جیسے قومِ عاد اور ثمود کے لوگ (اور) مثل ان کے، کہ (انہوں نے زمین توڑی) یعنی بیج بونے، درخت لگانے، کھانے نکالنے اور پانی لینے کے واسطے زمین پھاڑی (اور اس کو بسایا تھا اس سے زیادہ جو اِنہوں نے) یعنی مکہ والوں نے (بسایا ہے)۔

اس لیے کہ مکہ والے اس میدان کے رہنے والے ہیں کہ یہاں کھیت نہ تھا۔۔یا یہ کہ۔۔

وہ لوگ عمر رکھتے تھے دُنیا میں کفارِ قریش کی عمروں سے زیادہ۔

(اور لائے تھے اُن کے پاس اُن کے رسول نشانیاں)۔ کھلی ہوئی آیات۔۔یا۔۔ظاہر معجزے، تو وہ کافر اُن پر ایمان نہیں لائے، تو حق تعالیٰ نے اُن سب کو ہلاک کردیا۔ (تو اللہ) تعالیٰ (نہیں تھا کہ ظلم کرتا اُن پر) کہ بغیر رسول بھیجے اور بغیر کفر وتکذیب کے اُن کو ہلاک کردیتا۔ (لیکن ہاں!) عذابوں کے موجبات اور اسباب کے باعث، (وہ اپنے اوپر خود ظلم کرتے تھے)۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓآٰى اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

پھر ہو گیا انجام اُن کا، جنہوں نے خوب بُرائی کی، کہ جھٹلانے لگے اللہ کی آیتیں،

وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰ ع

اور اُن سے ٹھٹھے کرتے تھے۔

(پھر ہو گیا) بُرا (انجام اُن کا جنہوں نے خوب بُرائی کی) کیوں (کہ جھٹلانے لگے اللہ) تعالیٰ (کی آیتیں)، یعنی انہوں نے قرآن کو نہ مانا۔۔یا۔۔دلائلِ قدرت کے سبب سے اُنہوں نے عبرت نہ پکڑی۔ (اور ان) آیتوں (سے ٹھٹھے کرتے تھے) اور اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ خاص طور پر جب بعث وحشر کا ذکر سنتے، تو بطورِ استہزا اپنی حیرت واستعجاب کا اظہار کرتے، حالانکہ پیدا فرمانا، پھر موت طاری کرنا، اور پھر دوبارہ زندگی دینا، اُن میں سے کوئی بھی چیز قدرتِ الٰہی سے باہر نہیں ہے۔۔چنانچہ۔۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱ وَيَوْمَ

اللہ ابتدا فرمائے خلق کی، پھر دوبارہ لائے گا اِس کو، پھر اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جس دن

تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۲

کھڑی ہو جائے گی قیامت، تو مایوس ہوں گے مجرم لوگ۔

(اللہ) تعالیٰ وہ ہے جو (ابتداء فرمائے خلق کی)، پھر اُسے جب چاہے فنا کردے گا، (پھر دوبارہ لائے گا اس کو) اور اُسے وجود بخشے گا موت وفنا کے بعد، (پھر اُسی کی) جزا اور اس کے حکم کی (طرف لوٹائے جاؤ گے o اور جس دن کھڑی ہوجائے گی قیامت، تو مایوس ہوں گے مجرم لوگ) یعنی مشرکین ناامید ہوجائیں گے اور حجت منقطع ہوجائے گی۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور نہ رہے اُن کے لیے اُن کے معبودوں سے، کوئی سفارش والے۔ اور وہ خود اپنے معبودوں کے منکر ہوگئے●

(اور) صاف نظر آئے گا کہ (نہ رہے اُن کے لیے اُن کے معبودوں سے کوئی سفارش والے)۔ یعنی خداؤں میں سے جن کا نام انہوں نے شریک رکھا تھا، جیسے فرشتے اور بت، اُن میں سے اُن کا کوئی نہ ہوگا جو اُن کی شفاعت کرے۔ یعنی یہ کافر دُنیا میں کہتے تھے کہ ہمارے خدا ہماری شفاعت کریں گے اور اُس دن کافر اُن کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ بلکہ صورتِ حال یہ ہوگی (اور) یہ منظر سامنے ہوگا کہ (وہ خود اپنے معبودوں کے منکر ہوگئے)۔ یعنی جب وہ اپنے مطلوب سے ناامید ہوں گے، تو اپنے خداؤں سے بیزار ہوجائیں گے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جس دن قائم ہوگی قیامت، تو اُس دن سب الگ الگ ہوجائیں گے●

(اور) یہ حقیقت ظاہر ہوجائے گی کہ (جس دن قائم ہوگی قیامت، تو اُس دن سب الگ الگ ہوجائیں گے) یعنی لوگ ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے۔ ایک گروہ **اَعْلٰی عِلِّیِّیْن** کی طرف جائے گا اور ایک گروہ **اَسْفَلَ سٰفِلِیْن** میں گر پڑے گا۔ ایک تو 'درجہ وصلت' پر ہوگا، اور ایک 'درکہ فرقت' میں پڑے گا۔ کچھ تو محبت کے تخت پر ہوں گے اور کچھ محنت ومصیبت کی چٹان پر۔ بعض کو طرح طرح کا ثواب ہوگا اور بعض پر قسم قسم کا عذاب ہوگا۔۔ الغرض۔۔ ایک گروہ 'دولتِ مواصلت' سے نازش کرے گا، اور ایک گروہ 'آتش مفارقت' میں جلے بھنے گا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾

تو جو ایمان لاچکے اور صلاحیت کے کام کیے، تو وہ جنت کی کیاری میں ہیں، وہ خوش کیے جائیں گے●

(تو جو ایمان لا چکے اور صلاحیت کے کام کیے، تو وہ جنت کی کیاری میں ہیں، وہ خوش کیے جائیں گے) یعنی وہ ایسے باغ میں خوش کیے گئے ہوں گے جو پھلا پھولا سرسبز و شاداب ہوگا، نہریں اُس میں چھلکتی ہوں گی، اور وہ نیک لوگ اُس میں ایسے خوش ہوں گے، کہ خوشی کا اثر اُن کے چہروں سے ظاہر ہوگا۔۔یا۔۔بزرگی کیے گئے اور نعمت دیے گئے۔۔یا۔۔انہیں حلّوں سے آراستہ کیا جائے گا۔اُن کو تاج پہنائے جائیں گے، اور اُن کو ایسی اچھی آواز سنائی جائے گی، کہ اُس کے سننے کے برابر کسی چیز میں لذت نہ ہوگی۔

۔۔المختصر۔۔خدا کے دوست بہشت کے باغوں میں چمنستانِ انس کے درمیان خوشی کے ساتھ یہ سماع کریں گے کہ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ اور حضرت داوٗد علیہ السلام کو حکم پہنچے گا، کہ وہ دلپذیر نغمہ اور شوق انگیز تر آواز جو ہم نے تم کو عطا کی ہے، اُس سے زبور پڑھو۔ اَے موسیٰ! تم توریت پڑھو۔اَے عیسیٰ! تم انجیل پڑھنے میں مشغول ہو۔اَے طوبیٰ! دِل آراستہ کرنے والی آواز میری تسبیح کے ساتھ نکال۔اَے اسرافیل! تُو قرآن شروع کر۔

امام ثعلبی امام اوزاعی رحمہما اللہ سے نقل کرتے ہیں، کہ حضرت اسرافیل سے زیادہ کوئی خوش آواز نہیں۔ جب وہ خوش آوازی کرتے ہیں، تو سب فرشتے اپنے اوراد اور افکار سے باز رہتے ہیں۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ انوارِ تجلی کے مشاہدہ کے بعد جنت میں سب سے بہتر لذت سماع کی ہوگی۔

وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآئِ الْاٰخِرَةِ

اور جنھوں نے نہ مانا، اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو، اور آخرت کے ملنے کو،

فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

تو وہ سب عذاب میں دھر لیے جائیں گے●

(اور) ایمان والوں کے برعکس (جنھوں نے نہ مانا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو)، یعنی قرآن کو ۔۔یا۔۔قدرت کی دلیلوں کو، (اور) نہ تسلیم کیا (آخرت کے ملنے کو) یعنی حشر و نشر کو، (تو وہ سب عذاب میں دھر لیے جائیں گے)۔

اوپر کے بیان سے ظاہر ہوگیا کہ خدا کی تسبیح و تحمید جنتیوں کا پسندیدہ عمل ہے، اور تسبیح ربانی اور تحمیدِ خداوندی کی آواز بہشتیوں کے لیے سب سے پسندیدہ اور پیاری آواز ہے۔۔۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو پاکی ہے اللہ کی جس وقت تم لوگ شام کرو، اور جس وقت صبح کرو●

(تو) دِل کے اخلاص کے ساتھ کہتے رہو، کہ (پاکی ہے اللہ) تعالیٰ (کی جس وقت تم لوگ شام کرو) یعنی مغرب وعشاء کی نماز پڑھتے رہو، (اور جس وقت صبح کرو)۔اس سے نمازِ فجر مراد ہے۔

وَلَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَعَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اُسی کی حمد ہے آسمانوں اور زمین میں، اور سرِشام، اور جب دوپہر کرو●

(اور) جان لو کہ (اُسی کی حمد ہے آسمانوں میں اور زمین میں) یعنی جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے وہ اُس کی حمد کرتا ہے، زبانِ حال سے بھی اور زبانِ قال سے بھی۔(اور) نماز پڑھو (سرشام) یعنی آخر دن کے کنارے عصر کی۔(اور جب دوپہر کرو) اور ظہر کے وقت میں داخل ہو جاؤ، تو نمازِ ظہر پڑھو۔

مذکورہ بالا ارشاد میں مغرب وعشاء اور نماز فجر یعنی جہری نمازوں کے ذکر کو تسبیح کے ذکر سے ملایا ہے، کیوں کہ تسبیح کا معنی ہے بلند آواز کرنا، تو یہ جہری نمازوں کے مناسب ہے۔اور حمد کے لیے بلند آواز ضروری نہیں ہے، تو اسے سِرّی نمازوں سے ملانے میں کافی مناسبت ہے۔ اوپر حمد وتسبیح کا ذکر ہے اور اختیاری خوبیوں پر تعریف کرنے کو حمد کہتے ہیں۔اور چونکہ اللہ تعالیٰ تمام کمالاتِ جمالیہ وجلالیہ والا ہے، تو حقیقتاً وہی حمد کے لائق ہے۔۔یوں ہی۔۔وہی حقیقی طور پر تمام عیوب ونقائص سے پاک ہے، اِسی لیے صرف وہی حقیقتاً تسبیح وتنزیہ کا مستحق ہے، تو آگے کے ارشادات میں اُسی کی قدرتِ کاملہ اور اختیارِ کلی کے جلوے پیش کیے گئے ہیں اور جابجا اُسی سے حشر ونشر پر دلیل قائم کی گئی ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ

وہ نکالے زندہ کو مُردہ سے، اور نکالے مُردہ کو زندہ سے،

وَیُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع ۲ ۵

اور جِلا دے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد۔اور اُسی طرح تم لوگ بھی نکالے جاؤ گے●

(وہ نکالے زندہ کو مُردہ سے) جیسے بڑے پیڑ گٹھلی سے اور چھوٹے بوٹے بیج سے، اور پرند

انڈے سے اور انسان نطفہ سے۔۔یا۔۔ مصلح کو مفسد سے اور مؤمن کو کافر سے اور عالم کو جاہل سے پیدا کرنا ہے۔ (اور نکالے مُردہ کو زندہ سے) جیسے اس کا عکس جو مذکور ہوا، یعنی بڑے پیڑ سے گٹھلی اور چھوٹے بوٹے سے بیج، اور پرندے سے انڈا اور انسان سے نطفہ۔۔یا۔۔ مصلح سے مفسد، عالم سے جاہل، مؤمن سے کافر وغیرہ۔ (اور جلا دے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد) یعنی اس کے مُردہ اور افسردہ ہو جانے کے بعد اس کو سبزہ زار بنا دے، تو جس طرح وہ مُردہ زمین کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے، اسی طرح مُردہ انسانوں کو بھی دوبارہ زندہ فرمائے گا (اور) اُنہیں حیات بخشے گا۔۔الغرض۔۔ (اِسی طرح تم لوگ بھی نکالے جاؤ گے) اپنی قبروں سے۔

اِس رکوع میں جتنی آیات ہیں اِن سب میں بھی یہی دلائل دیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے بعد تمام مُردہ انسانوں کو دوبارہ زندہ فرمائے گا، اور اس کے ساتھ یہ دلائل بھی ہیں، کہ یہ پوری کائنات کوئی اتفاقی حادثہ نہیں، اور نہ بہت سے خداؤں کی اجتماعی کوشش کا نتیجہ ہے۔۔ بلکہ۔۔ یہ کائنات اُس خدائے واحد کی تخلیق کا عظیم شاہکار ہے۔ اِس مطلوب پر اللہ تعالیٰ نے پہلے انسان کی پیدائش سے استدلال ذکر فرمایا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿٢٠﴾

اور اُس کی نشانیوں سے ہے کہ پیدا فرمایا تمہیں مٹی سے، پھر اب تم چہرے مہرے والے ہو، پھیلتے جاتے ہو●

(اور) فرمایا جاتا ہے، کہ (اُس کی نشانیوں سے ہے کہ پیدا فرمایا تمہیں) یعنی تمہاری اصل آدم علیہ السلام کو (مٹی سے، پھر اب تم چہرے مہرے والے ہو، پھیلتے جاتے ہو) زمین میں اسبابِ معیشت میں تصرف کرنے کے واسطے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا

اور اُس کی نشانیوں سے ہے کہ پیدا فرمایا تمہارے لیے، تمہیں سے جوڑے، کہ آرام پاؤ اُن کی طرف۔

وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

اور کر دیا تمہارے درمیان محبت اور رحمت۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں

لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾

اُن کے لیے جو سوچیں●

(اور اُس کی) قدرت کی (نشانیوں سے ہے کہ پیدا فرمایا تمہارے لیے تمہیں سے) یعنی تمہاری جنس سے (جوڑے)، عورتیں، تا (کہ آرام پاؤ اُن کی طرف) یعنی تاکہ ہم جنس ہونے کے سبب تم اُن کی طرف میل کرو اور اُن سے آرام وسکون حاصل کرو۔ اس واسطے کہ ہم جنس ہونا باہم میل کرنے کا سبب ہے، اور مخالفت باہم نفرت کرنے کا باعث ہے۔ (اور) کرم بالائے کرم دیکھو! کہ (کردیا تمہارے درمیان محبت اور رحمت) یعنی ظاہر کی تمہارے اور تمہاری عورتوں کے درمیان دوستی اور مہربانی۔

خیال رہے کہ عورتوں کے ساتھ محبت تو فقط عقد تزویج ہوتے ہی ہوجاتی ہے اور مہربانی لڑکا جننے کے سبب سے ہوتی ہے۔۔یا۔محبت تو کمسنوں کے ساتھ ہوتی ہے اور مہربانی بوڑھیوں پر۔

(بے شک اِس میں) یعنی عورتوں کو بشریت میں مَردوں کے مشابہ اور ہم شکل پیدا کرنے میں (ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو سوچیں)۔ یعنی جو فکر ونظر سے کام لیتے ہیں اور پھر اُس کی حکمت پر مطلع ہوجاتے ہیں۔

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر وہ نشانیاں بتائی تھیں جو انسان کے اپنے نفس میں ہیں۔اب اپنی توحید کی وہ نشانیاں بتارہا ہے جو اس خارجی کائنات میں ہیں۔۔چنانچہ۔۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ

اور اُس کی نشانیوں سے ہے پیدا فرمانا آسمانوں اور زمین کو، اور جُدا جُدا ہونا تمہاری زبانوں

وَاَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝۲۲

اور رنگوں کا۔ بے شک اِس میں یقیناً نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لیے●

حق تعالیٰ (اور) ربِّ قدیر ارشاد فرماتا ہے، کہ (اُس کی نشانیوں سے ہے پیدا فرمانا) عظیم الشان (آسمانوں اور) طویل وعریض (زمین کو، اور جدا جدا ہونا تمہاری زبانوں) کا۔ تو تم میں سے کوئی بلند آواز سے بات کرتا ہے، کوئی آہستہ سے، کوئی فصاحت کے ساتھ کوئی ہکلا کے۔ مختلف زبانوں میں، عربی فارسی ترکی ہندی وغیرہ ہیں۔

منقول ہے کہ سب مختلف زبانوں کی اصل بہتر ۷۲ ہیں۔ انیس ۱۹ اولادِ سام میں، سترہ ۱۷ حام کی اولاد میں، اور چھتیس ۳۶ اولادِ یافث میں۔ اُس کے بعد شاخ در شاخ جو زبانیں نکلتی گئیں

اُن کا شمار مشکل ہے اور غیر مفید بھی ہے، جس سے کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

(اور) جس طرح زبانوں کا اختلاف قدرتِ خداوندی کی ایک نشانی ہے، اسی طرح (رنگتوں کا) اختلاف بھی خدا کی قدرت کی عظیم نشانی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ کوئی سرخ ہے تو کوئی سفید، کوئی زرد ہے تو کوئی سیاہ۔۔ یا۔۔ اعضا اور ہیئتوں اور شکلوں میں، کہ کوئی آدمی سب چیزوں میں دوسرے کے مشابہ نہیں، یہاں تک کہ جو دو لڑکے جڑواں پیدا ہوتے ہیں، باوجود اِس کے کہ ایک ہی مادّے اور ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوتے ہیں، مگر اُن کی بھی کسی نہ کسی چیز میں فرق ہوتا ہے۔

(بے شک اِس میں) یعنی آدمیوں کی زبانیں اور رنگ مختلف ہونے میں، باوصف اِس کے کہ ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں، (یقیناً نشانیاں ہیں جاننے والوں کے لیے)، جو ان میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس کی کنہ تک پہنچتے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان میں نشانیاں ہے اہلِ عالم یعنی فرشتہ، جن اور انسان کے لیے۔۔

الختصر۔۔ کسی عقل والے پر یہ بات پوشیدہ نہیں، کہ اس اختلاف میں حکمتِ کلی مندرج اور شامل ہے، اس واسطے کہ اگر اس وجہ پر اختلاف نہ ہوتا، تو شخصوں میں امتیاز مشکل پڑتا اور بہت کام نہ ہو سکتے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ

اور اُس کی نشانیوں سے ہے تمہارا سونا، رات اور دن، اور تمہارا تلاش کرنا اُس کے فضل کو۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو گوش ہوش رکھتے ہوں●

(اور) یوں ہی (اُس کی) قدرتِ کاملہ کی (نشانیوں سے ہے تمہارا سونا رات اور دن) میں، قوائے نفسانی کی استراحت اور قوائے طبعی کی قوت کے واسطے، (اور تمہارا تلاش کرنا اُس کے فضل کو) یعنی اُس کے فضل سے اپنی روزی کو۔۔ الختصر۔۔ رات و دن معاش ڈھونڈنا۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ سونا مخصوص ہے رات کے ساتھ، اور روزی ڈھونڈنا دن کے ساتھ۔ دن کی ابتداء رات سے ہوتی ہے، تو اُس کا ذکر پہلے ہے کہ وہ آرام کے لیے ہے، اور دن رات کے بعد آتا ہے اس لیے اس کا ذکر بعد میں ہے کہ وہ کام کے لیے ہے۔ ہاں دن میں بھی مختصر سے وقت کے

لیے قیلولہ کرنا، تو وہ بھی باقی اوقات میں تازہ دم ہوکر کام کی استعداد پیدا کرنے کے لیے ہے، اس لیے اس کا بھی شمار دن ہی کے مشاغل و مقاصد میں ہوگا۔ (بے شک اس) رات کے سونے اور دن کو معیشت ڈھونڈنے (میں ضرور نشانیاں) عبرتیں اور دلالتیں (ہیں اُن کے لیے جو گوش ہوش رکھتے ہوں) اور سماعِ قبول سے سنتے ہوں اور حکیمانہ نظر سے دیکھتے ہوں۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

اور اُس کی نشانیوں سے ہے کہ دکھاتا رہتا ہے تمہیں بجلی، ڈراتی اور لالچ لگاتی، اور اُتارتا ہے آسمان کی طرف سے پانی،

فَيُحْيٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

تو زندہ کر دیتا ہے اِس سے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد۔ بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو عقل رکھتے ہیں●

(اور اُس کی) حکمت کی (نشانیوں سے ہے کہ دکھاتا رہتا ہے تمہیں بجلی) جو بطورِ خاص تمہارے مسافروں کو (ڈراتی) ہے۔ چنانچہ۔ انہیں اپنے اوپر گرنے کا اندیشہ ہو جاتا ہے۔ (اور) تمہارے مقیم لوگوں کو (لالچ لگاتی) ہے اور بارش کی امید دلاتی ہے۔ (اور اُتارتا ہے آسمان کی طرف سے پانی، تو زندہ کر دیتا ہے اُس سے زمین کو) یعنی اس میں تر و تازہ گھاس اُگتی ہے (اس کے مرنے) یعنی افسردہ و پژمردہ ہونے (کے بعد۔ بے شک اِس) برق و باراں (میں ضرور نشانیاں ہیں) قدرتِ الٰہی پر (اُن کے لیے جو عقل رکھتے ہیں) اور سمجھتے ہیں کہ ہر نئی پیدا ہوئی چیز میں حق تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا ظہور ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ

اور اُس کی نشانیوں سے ہے یہ، کہ قائم ہیں آسمان و زمین اُس کے حکم سے۔ پھر جہاں اُس نے ایک پکار تمہیں

دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾

پکارا۔ زمین سے، فوراً تم نکل پڑو گے●

(اور اُس کی) قدرت کی (نشانیوں سے ہے یہ، کہ قائم ہیں آسمان) بے ستون، (و زمین) پانی پر (اُس کے حکم سے) اور اُس کی نگہبانی سے جو ان کے ساتھ علاقہ رکھتی ہے۔ (پھر جہاں اُس نے) بذریعہ صورِ اسرافیل (ایک پکار تمہیں پکارا)، کہ اے مُردو! نکلو (زمین سے)، تو (فوراً تم نکل پڑو گے) اپنی قبروں سے۔ خلق کا قبروں سے نکلنا بھی اُس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۝۲۶

اور اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں۔ سب اُس کے فرمانبردار ہیں●

(اور اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں)۔ سب کا خالق و مالک اور رب وہی ہے، اور **(سب)** موت و زندگی، حشر ونشر میں **(اُس کے فرمانبردار ہیں)** جو اِن احوال میں اُس کے حکم سے سرکشی نہیں کر سکتے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ

اور وہی ہے جو ابتدا فرماتا ہے خلق کی، پھر دوبارہ لائے گا اُنہیں، اور یہ زیادہ آسان ہے اُس پر۔ اور اُسی کی شان

الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۲۷ ع ۳/۸

بلند و بالا ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہ غلبہ والا حکمت والا ہے●

(اور وہی) قادرِ مطلق **(ہے جو ابتداء فرماتا ہے خلق کی، پھر دوبارہ لائے گا انہیں۔ اور یہ)** دوبارہ زندہ کرنا **(زیادہ آسان ہے اُس پر)** جیسا کہ پہلی بار پیدا کرنا اُس پر آسان تھا۔۔الحاصل۔۔ ربِّ قدیر پر دونوں باتیں آسانی میں یکساں ہیں۔۔یا۔۔ تمہارے اعتقاد کے موافق دوبارہ بنانا پہلی مرتبہ بنانے سے زیادہ آسان ہے۔ پھر جب تم اِس بات کے قائل ہو کہ پہلی بار اُس نے پیدا کیا، تو دوبارہ پیدا کرنے سے کیوں منکر ہو۔

۔۔المختصر۔۔ پہلی بار اور دوبارہ پیدا کرنا اُس کی قدرت کے آگے یکساں ہے۔ **(اور)** یہ اِس لیے کہ **(اُسی کی شان بلند و بالا ہے)**۔ وہ قدرتِ کاملہ، حکمتِ شاملہ، وحدتِ ذات، اور عظمتِ صفات والا ہے۔ **(آسمانوں اور زمین میں)** ہر جگہ اُسی کی قدرتِ کاملہ کا ظہور ہے۔ **(اور وہ غلبہ والا)** ہے، یعنی وہ غالب ہے عاجز نہیں، کہ ممکن کو پیدا نہ فرما سکے۔۔یا۔۔ پیدا فرما کر موت دے کر پھر دوبارہ زندہ نہ کر سکے۔ اور وہ **(حکمت والا ہے)** اور صواب و درست کو خوب جاننے والا ہے، اس واسطے کہ اُس کے افعال اُس کی حکمت کے موافق ہوتے ہیں۔

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے شرک کے ابطال پر متعدد دلائل قائم فرمائے تھے، اور اب اگلی آیتوں میں شرک کے رَد پر ایک واضح حسّی دلیل بیان فرما رہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ

ایک تمہاری ضرب المثل بنائی خود تمہیں سے کہ "کیا تمہارا کوئی زیردست غلاموں سے،

مِّنْ شُرَكَآءَ فِیْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِیْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِیْفَتِكُمْ

کوئی شریک ہے، اُس مال میں جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے، کہ تم اُس میں برابر برابر ہو، اُن سے ڈرتے رہتے ہو، جیسے اپنوں سے

اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

تمہارا ڈرنا ہے؟ اس طرح ہم مفصل بیان کرتے ہیں آیتوں کو اُن کے لیے جو عقل سے کام لیں●

حق تعالیٰ نے (ایک تمہاری ضرب المثل بنائی خود تمہیں سے) یعنی تمہاری ذاتوں کے احوال سے، (کہ) اَے آزاد لوگو! (کیا تمہارا کوئی زیردست غلاموں سے کوئی شریک ہے اُس مال میں جو ہم نے تمہیں دے رکھا ہے، کہ تم اُس میں برابر برابر ہو)۔ یعنی جس طرح تم اپنے مال اور ملک میں تصرف کرتے ہو اس طرح وہ بھی کر سکتے ہوں۔ اور (اُن سے ڈرتے رہتے ہو) کہ کہیں وہ تصرف میں مستقل نہ ہو جائیں، (جیسے اپنوں سے تمہارا ڈرنا ہے)۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اَے لونڈی اور غلاموں کے مالکو! کیا تم اپنے لونڈی غلاموں کو اپنے ملک و مال میں شریک کرتے ہو، کہ اُس پر تسلط اور تصرف کرنے میں تم اور وہ برابر ہو، اور اُن کے ہمیشہ مستقل قابض و متصرف ہونے سے ڈرتے ہو۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے یہ آیت سردارانِ قریش کے سامنے پڑھی، تو وہ بولے کہ ہرگز نہیں۔ واللہ نہ ہوگا ایسا کبھی۔ پس آنحضرت نے فرمایا کہ تم اپنے لونڈی غلاموں کو اپنی ملک میں شرکت نہیں دیتے ہو، تو مخلوق جو خدا کے بندے ہیں انہیں اُس کی ملک میں کیونکر شریک کرتے ہو۔

(اس طرح) یعنی اسی تفصیل کے مطابق (ہم مفصل بیان کرتے ہیں) اپنی وحدانیت کی (آیتوں) اور دلیلوں (کو اُن کے لیے جو عقل سے کام لیں) یعنی اس گروہ کے واسطے جو لوگ اپنی عقل مثالیں سوچنے سمجھنے میں لگاتے ہیں۔ مگر منکر اور ظالم لوگ ان باتوں کی حقیقت سے بے خبر ہیں۔۔۔

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ یَّهْدِیْ

بلکہ پیچھے لگ گئے ظالم لوگ اپنی خواہشوں کے، بے جانے بوجھے۔ تو کون راہ دے اُسے

مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۲۹﴾

جسے بے راہ رکھا اللہ نے، اور نہیں ہے اُن کا کوئی مددگار●

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُونُوا

اُس کی طرف جھکتے ہوئے اور اُسے ڈرو، اور پابندی کرتے رہو نماز کی، اور نہ ہو کبھی

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۳۱﴾

شرک کرنے والوں سے●

(اس کی طرف جھکتے ہوئے) اور غیرِ حق سے منہ پھیرتے ہوئے اور اعراض کرتے ہوئے نظر آؤ۔

انابت خلق سے حق کی طرف رجوع کرنا ہے اور منیب اُسے کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ کے سوا کسی اور طرف رجوع نہ ہو۔

۔۔الغرض۔۔اَے رسول کے امتیو! اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو (اور اُسے ڈرو اور پابندی کرتے رہو نماز کی، اور نہ ہو کبھی شرک کرنے والوں سے) قصداً نماز ترک کر کے، اس واسطے کہ قصداً ترکِ نماز کافرانہ اور مشرکانہ فعل ہے۔۔اور۔۔

مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ۖ كُلُّ حِزْبٍ

ان لوگوں سے جنہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اپنا دین، اور ہو گئے شیعہ شیعہ، ہر گروہ

بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۳۲﴾

جو اُن کے نزدیک ہے، اُسی سے خوش ہیں●

(اُن لوگوں سے جنہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اپنا دین اور ہو گئے شیعہ شیعہ) اِس سے مشرکین مُراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا اور اُس سے الگ رہ کر مختلف راہ پر چلتے رہے۔ کچھ بُت پوجنے لگے، کچھ نے فرشتوں کی پرستش اختیار کی، اور کچھ ستاروں کے پجاری ہو گئے۔۔یا۔۔یہود و نصاریٰ مراد ہیں، کہ اُن میں سے ہر ایک کے کئی گروہ ہو گئے۔۔یا۔۔خارجی اور رافضی مُراد ہیں کہ۔۔۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے اِس باب میں ایک حدیث مرفوع روایت ہے۔

۔۔یا۔۔بدعتی مُراد ہیں۔

اِس مقام پر یہ بات بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ شیعہ کا معنی اگرچہ گروہ ہے۔۔چنانچہ۔۔ جنگِ صفین میں ایک گروہ نے اپنے کو شیعانِ علیؓ اور دوسرے گروہ نے خود کو شیعانِ معاویہؓ

قرار دیا۔لیکن اُس دور میں لفظ شیعہ کسی مذہبی گروہ کی شناخت نہیں بنا۔مگر اب صدیوں سے یہ ایک مذہبی فرقے کا نام پڑ گیا ہے۔اور یہ بھی اتفاق کہ آیتِ کریمہ میں جن کو شیعہ کہہ کر اُن سے دُور رہنے کی ہدایت کی ہے، آج کے اصطلاحی شیعہ بھی بدعت وضلالت میں اُن سے کم نہیں ہیں، اس کے باوجود یہ بھی اوران کے اگلے بھی۔۔الغرض۔۔ان میں کا۔۔۔

(ہر گروہ جواُن کے نزدیک ہے اُسی سے خوش ہیں) اوراُن کو گمان یہی ہے کہ وہی حق پر ہیں۔

ذہن نشین رہے کہ انسان کی طبیعت میں روح کی ہدایت اور اطاعت بھی ہے اور نفس کی گمرہی، اس کی نافرمانی اور سرکشی بھی ہے۔تو جب ان پر آفتوں اور مصیبتوں کی یلغار ہوتی ہے۔

وَإِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُم مُّنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَآ

اور جب چھو گیا لوگوں کو نقصان، تو پکارنے لگے اپنے رب کو رجوع کرتے اُس کی طرف، پھر جب

أَذَاقَهُم مِّنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

چکھا دیا اُنہیں اپنی طرف سے رحمت کو، تو اب ان کا ایک فریق اپنے رب سے شرک کرنے لگا●

(اور جب چھو گیا لوگوں کو نقصان) از قسم سختی۔۔یا۔۔بیماری۔۔یا۔۔مفلسی وغیرہ، تو اُن کے نفوس مضمحل ہو جاتے ہیں اور نافرمانی کے محرکات معطل ہو جاتے ہیں، پھر اُن کی ارواح شہوتوں اور نفسانی تقاضوں کے قیود سے نکلتی ہیں اور اپنی طبیعت کے تقاضوں کی طرف لوٹ آتی ہیں، (تو پکارنے لگے اپنے رب کو رجوع کرتے اُس کی طرف)۔اِن حالات میں لوگ اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں اور اُن کے نفوس بھی اپنے طبعی تقاضوں کے خلاف اپنی ارواح کی موافقت کرتے ہیں اور اللہ کی نافرمانی کو چھوڑ دیتے ہیں۔

(پھر جب چکھا دیا) حق تعالیٰ نے (اُنہیں اپنی طرف سے رحمت کو) یعنی انہیں اس شدت سے چھڑا لیا اور آسانی۔۔یا۔۔صحت۔۔یا۔۔مالداری عطا فرما دی، تو ان کے سرکش نفوس اپنی بُری عادتوں کی طرف پھر لوٹ آتے ہیں۔۔المختصر۔۔جب آسانی پائی (تو اب ان کا ایک فریق اپنے رب سے شرک کرنے لگا)، یعنی بلاء سے نجات پانے کے عوض ایسا عمل کرتے ہیں۔۔۔

لِيَكْفُرُوا بِمَآ آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾

تاکہ ناشکری کریں جو ہم نے اُنہیں دے رکھا ہے۔تو برت لو۔۔۔کہ جلد انجام جان لوگے●

(تاکہ ناشکری کریں جو ہم نے انہیں دے رکھا ہے) یعنی تاکہ کافر اور ناشکرے ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کی تہدید فرمائی۔

اچھا! (تو برت لو)، یعنی تم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں اور رحمتوں سے عارضی فائدہ اٹھالو، پھر تم نے اپنی نافرمانی اور سرکشی کے موافق جو عمل کیے ہیں اس کی سزا پالو گے، اور یہ (کہ جلد) اپنا (انجام جان لوگے) اور وہ عذابِ آخرت ہے۔

اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ یَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوْا بِهٖ یُشْرِكُوْنَ ﴿٣٥﴾

یا ہم نے اُتاری ہے اُن پر کوئی سند، کہ وہ بتاتی ہے جو وہ شریک بناتے تھے●

آ(یا) کیا (ہم نے اُتاری ہے ان پر کوئی سند، کہ وہ بتاتی ہے جو وہ شریک بناتے تھے) یعنی کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے جو اُن کے شرک کی تصدیق کرتی ہے؟ یعنی کتاب۔۔۔یا۔۔۔ رسول صاحب کتاب۔۔۔یا۔۔۔فرشتہ دلیل کے ساتھ۔ ان میں سے کسی کا بھی ارشاد بطورِ سند ان کی تائید کر رہا ہے؟

اِس ارشاد میں یہ اشارہ ہے کہ بندوں کے اعمال جب اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے دلائل کے موافق ہوں گے، تو وہ اعمال اُن کے حق میں مفید ہوں گے۔ اور جب اُن کے اعمال اُن کے سرکش نفوس کے تقاضوں کے موافق ہوں گے، تو وہ اُن کے حق میں مضر ہوں گے۔ پس محض اپنی طبیعت کے موافق عمل کرنا گمراہی ہے، اور اللہ کی نازل کی ہوئی دلیل کے موافق عمل کرنا ہدایت ہے۔ اب آگے کفار و مشرکین کی نفسیات کی تصویر کشی فرمائی جارہی ہے۔۔۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ

اور جب چکھایا ہم نے لوگوں کو رحمت، تو خوش ہو گئے اُس سے۔ اور اگر لگی اُنہیں بُرائی،

بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ اِذَا هُمْ یَقْنَطُوْنَ ﴿٣٦﴾

بسبب اُس کے جو پہلے کر رکھا ہے اُن کے ہاتھوں نے، تو اب وہ نا امید ہیں●

(اور) فرمایا جارہا ہے، کہ (جب چکھایا ہم نے لوگوں کو رحمت) اور انہیں اپنی نعمت سے نوازا (تو خوش ہو گئے اُس سے)، یعنی اس نعمت کے سبب سے۔ (اور اگر لگی اُنہیں بُرائی) یعنی زحمت، بیماری،

اور قحط وغیرہ (بہ سبب اُس کے جو پہلے کر رکھا ہے ان کے ہاتھوں نے) یعنی اُن کی شامتِ اعمال سے، (تو اب وہ نا امید ہیں)۔۔ الغرض۔۔نہ وہ نعمت پر شکر کرتے ہیں اور نہ ہی مصیبت پر صبر۔ یہ خوبی تو ایمان والوں کی ہے کہ وہ نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰہَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ؕ

کیا نہیں دیکھا اُنہوں نے کہ "بلا شبہ اللہ کشادہ فرماتا ہے روزی جس کی چاہے، اور تنگ کرتا ہے۔"

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو مانیں ●

(کیا نہیں دیکھا) ہے، یعنی نہیں جانا ہے، (انہوں نے کہ بلا شبہ اللہ) تعالیٰ (کشادہ فرماتا ہے روزی جس کی چاہے اور تنگ کرتا ہے) روزی جس پر چاہتا ہے۔ (بے شک اس) روزی کی وسعت اور قلت (میں ضرور نشانیاں) اور عبرت کی دلیلیں (ہیں اُن کے لیے جو مانیں) اور تصدیق کریں حکم الٰہی کی وسعت اور تنگیٔ رزق میں۔ اور بھلائی پر شکر کریں اور بُرائی پر صبر۔ اس واسطے کہ مومن کے کام کی بنیاد اور ایمان کی اصل انہی ۲ دو صفتوں پر ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ایمان والا قانونِ الٰہی کے مطابق حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ہی کو صبر و شکر کے سائے میں ادا کرتا رہتا ہے۔

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ

تو دیا کرو قرابت دار کو اُس کا حق اور مسکین کو اور مسافر کو۔ یہ بہتر ہے

لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ ۫ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۳۸﴾

اُن کے لیے جو چاہتے ہیں اللہ کا کرم۔ اور یہی لوگ کامیاب ہیں ●

(تو) اَے محبوب! (دیا کرو قرابت دار کو اُس کا حق) مالِ غنیمت میں۔

بعضوں نے کہا ہے کہ ظاہر میں تو یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ہے، اور سب ایمان والے اِس حکم میں داخل ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو حکم فرماتا ہے کہ قرابت داروں کو حق دو۔ یعنی رشتہ جوڑے رہو احسان کر کے، انعام دے کر، اور تعظیم و توقیر کر کے۔ امامِ اعظم نے 'ذوی الارحام' کو نفقہ دینا واجب ہونے پر اِسی آیت سے دلیل نکالی ہے۔

(اور) دو حق (مسکین) یعنی محتاجوں اور عاجزوں (کو اور مسافر کو)، اس میں سے جو دینا مقرر ہوا ہے مالِ زکوٰۃ میں سے۔ (یہ) حقوق دینا (بہتر ہے) حق روکنے سے (ان کے لیے جو چاہتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کا کرم)۔۔یا۔۔اُس کا دیدار۔۔یا۔۔اُس کی رضامندی۔۔یا۔۔اُس کا تقرب اس دینے سے۔ اور کسی غرض اور بدلے کی جہت سے نہیں دیتے۔ (اور یہی) نفقہ دینے والے (لوگ کامیاب) اور فلاح پانے والے (ہیں)۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۠ فِيْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

اور جو تحفہ کی چیز تم لوگوں نے دی بڑھتی کو کہ "بڑھ جائے دینے والے کا مال،" تو نہ بڑھتی ہوگی اللہ کے یہاں۔

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو چیز خیرات کو دو، چاہتے ہوئے اللہ کا کرم، تو وہی ہیں دونا کرنے والے●

(اور) یاد رکھو کہ (جو تحفہ کی چیز تم لوگوں نے دی) بدلے کی توقع پر اور اپنے مال کی (بڑھتی کو) تا (کہ بڑھ جائے دینے والے کا مال)، یعنی کسی کو ہدیہ دیتے ہو اور اُس کی قیمت سے زیادہ کی توقع رکھتے ہو، تاکہ تمہارا مال بڑھے، (تو نہ بڑھتی ہوگی اللہ) تعالیٰ (کے یہاں) خدا کے نزدیک، اور اُس سے برکت جاتی رہتی ہے۔۔یا۔۔جو کچھ دیتے ہو معاملات میں حرام زیادتی کے طور پر، یعنی روپیہ کا سود، تاکہ سود کھانے والوں کے مال میں بڑھتی ہو، تو ایسا نہیں ہوتا اور اس میں برکت نہیں رہتی۔ (اور) اِس کے برعکس (جو چیز خیرات کو دو)، خواہ وہ فرض زکوٰۃ میں سے ہو۔۔یا۔۔صدقہ، (چاہتے ہوئے اللہ) تعالیٰ (کا کرم) اور اس کا ثواب، (تو وہی ہیں) اپنے سرمایہ کو (دونا کرنے والے) زیادتی والے۔۔یا۔۔زیادتی پانے والے کہ ایک کے بدلے دس'۔۔یا۔۔زیادہ پائیں گے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو صاحبِ فضلِ عظیم اور قادرِ مطلق ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ

اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا تمہیں، پھر روزی دی تمہیں، پھر مارے گا تمہیں، پھر جلائے گا تمہیں،

هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ ۭ

کیا تمہارے بنائے شریک میں کوئی ہے، جو کر سکے اُن میں سے کچھ؟

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾ ع

پاکی ہے اُس کی، اور بلند و بالا ہے اُن سے، جن کو شریک بناتے ہو●

بے شک (اللہ) تعالیٰ ہی (ہے جس نے پیدا فرمایا تمہیں) اور تم نہ تھے، (پھر روزی دی تمہیں) اور دیتا ہے جب تک تم زندہ ہو، (پھر مارے گا تمہیں) جب تمہاری مدتیں پوری ہو چکیں گی، (پھر جلائے گا تمہیں) اور زندہ کرے گا اور اٹھائے گا قیامت کے دن۔ تو اَے کافرو! (کیا تمہارے بنائے شریک میں کوئی ہے، جو کر سکے اِن میں سے کچھ؟) یعنی وہ بت جو تمہارے زعم میں خدا کے شریک ہیں، کیا اُن میں سے کوئی پیدا کرنے، روزی دینے، مار ڈالنے، پھر جلانے پر قادر ہے؟ تو آخر وہ کیسے اِس لائق ہو گیا کہ اُس کی پرستش کی جائے۔۔ الختصر۔۔ چونکہ اِن کاموں میں سے کچھ بھی اُن سے نہیں ہوتا، تو اُن کو شریک ٹھہرانا نہ چاہیے۔ (پاکی ہے اُس کی) کہ کوئی اُس کا شریک ہو۔ (اور بلند و بالا ہے ان سے جن کو شریک بناتے ہو)۔ اِسی کفر و شرک اور معصیت کی کثرت کی نحوست کی وجہ سے۔۔۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ

پھیل گئی گڑبڑ، خشکی وتری میں، بسبب اُس کے جو کمایا لوگوں کے ہاتھوں نے،

لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

تاکہ چکھا دے مزہ اُنہیں کچھ اس کا، جو کرتے رہے، کہ وہ باز آئیں●

(پھیل گئی گڑبڑ خشکی وتری میں، بہ سبب اُس کے جو کمایا لوگوں کے ہاتھوں نے)۔ یعنی اُن کے گناہوں کے وبال کے سبب سے۔

اکثر علماء اِس بات پر ہیں کہ فساد سے مینھ نہ برسنا مُراد ہے۔ اس واسطے کہ جب پانی نہیں برستا، تو میدان میں گھاس نہیں اُگتی، اور دریا میں موتی اور جواہر نہیں بنتے۔ ایک قول یہ ہے کہ جب پانی نہیں برستا، تو دریا کے جانوروں کی بینائی کم ہو جاتی ہے، یہاں تک کہ بعض اندھے ہو جاتے ہیں۔۔ یا یہ کہ۔۔ خشکی کے فساد کی بنیاد اُسی وقت پڑ گئی تھی جب قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا اور دریا کا فساد یہ تھا کہ کشتیاں غصب کر لیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فساد سے فاسد کا اثر مراد ہے، یعنی اس کا نتیجہ ظاہر ہوا خشکی میں 'اہلِ قُریٰ' کو ہلاک کرنے سے، اور دریا میں قومِ نوح اور آلِ فرعون کو غرق کرنے سے۔ بہر تقدیر حضرت ملک قدیر نے اسباب دنیوی کا فساد آدمیوں سے کیا۔۔۔

(تا کہ چکھادے مزہ انہیں کچھ اُس کا جو کرتے رہے)۔ رہ گئی پوری جزا، وہ تو آخرت میں ہوگی۔ اور یہ بعضے جزا کا مزہ بھی اس لیے چکھایا گیا، تا (کہ وہ باز آئیں) اور پھریں شرک سے توحید کی طرف اور گناہ سے طاعت کی جانب۔

بعض عارفین کا کہنا ہے کہ بَرّ سے نفس مراد ہے اور بَحر سے قلب۔ جس کا 'بحرِ دل' مراقبہ ترک کرنے سے خراب ہو جاتا ہے، تو اس کے 'برِ نفس' میں خرابی ظاہر ہو جاتی ہے۔ ایک قول ہے کہ 'برِ نفس' کا فساد خطرات کا مرتکب ہونے سے ہے، اور 'بحرِ دل' کا فساد بُرے اخلاق کے سبب سے جو رسموں اور عادتوں کی پابندی کے سبب سے ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ 'بر' علمائے ظاہر کی زبان ہے اور 'بحر' اہل تحقیق کی زبان ہے۔ فاسد تاویلوں سے علماءِ ظاہر کی زبان بگڑتی ہے اور باطل دعوؤں سے عارفوں کی زبان خراب ہوتی ہے۔

اوپر کے بیان میں جس فساد کا ذکر ہے، اُس سے مراد وہ خرابی اور بگاڑ ہے جس سے انسانی معاشرہ میں امن وسکون تباہ ہو جائے۔ یہ کبھی انسان کے ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہوتی ہے، جیسے نعمتوں کا زائل ہونا اور آفات ومصائب کا آنا۔ مثلاً: قحط آنا، زمین میں پیداوار کا نہ ہونا، بارشوں کا رک جانا۔۔۔ یا۔۔۔ بہ کثرت سمندروں میں طوفانوں کا آنا، دریاؤں میں سیلاب آنا، فوائد کا کم اور نقصانات کا زیادہ ہونا، زلزلوں کا آنا، آگ لگ جانے، ڈوب جانے، مال چھن جانے، چوری اور ڈاکہ کے واقعات کا زیادہ ہونا، اور عہدِ حاضر میں دہشت گردی کے واقعات کا عام ہونا، وغیرہ وغیرہ۔

مکہ کے کفار سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی مخالفت کرتے تھے اور کفر وشرک کو ترک نہیں کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے فرمایا اے محبوب! اہل مکہ سے۔۔۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ

کہہ دو کہ "سیر کرو زمین میں، تو دیکھو کہ کیسا ہوا انجام اُن کا،

مِنْ قَبْلُ ۭ كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ۝۴۲

جو پہلے ہوئے۔" اُن کے بہتیرے مشرک تھے۔

(کہہ دو، کہ سیر کرو زمین میں، تو دیکھو کہ کیسا ہوا انجام اُن کا جو پہلے ہوئے) اور (اُن کے بہتیرے مشرک تھے)۔ یعنی تم زمین میں پچھلی امتوں پر آئے ہوئے عذاب کی نشانی پر غور کرو۔ عاد اور

ثمود کی بستیوں میں تباہی کے آثار کو دیکھو، دشتِ لوط پر غور کرو۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح سابقہ امتوں کو اُن کے کفر اور شرک اور فطرت سے بغاوت کرنے کی وجہ سے ہلاک کردیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اُس کے رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے اُن کو کس طرح ملیامیٹ کردیا گیا اور صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا۔

سو تم اُن کے انجام سے عبرت حاصل کرو اور شرک و کفر سے توبہ کرلو اور ہمارے رسول جس دعوت کو لے کر اٹھے ہیں، جس نظامِ زندگی پر عمل کرنے کے لیے تم سے کہہ رہے ہیں، اور ہمارے جس پیغام کو پہنچا رہے ہیں، اُس کو قبول کرلو اور ایمان لے آؤ۔ اور نیک اعمال کر کے اپنی دُنیا اور آخرت کو برباد ہونے سے بچالو۔ اے محبوب! آپ نے اپنا پیغامِ ہدایت پہنچا کر اپنا فریضۂ رسالت بخوبی ادا فرما دیا۔ اب اگر مشرکین اِس کو قبول نہیں کرتے۔۔۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ الْقَیِّمِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ

تو اپنا رخ سیدھا رکھو سیدھے دین کے لیے، قبل اس کے کہ آئے وہ دن

لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ یَوْمَىٕذٍ یَّصَّدَّعُوْنَ ۝۴۳

جسے ٹلنا نہیں ہے، اللہ کی طرف سے، اُس دن سب پھٹ چھنٹ جائیں گے ●

(تو) اس کے لیے فکر مند نہ ہوں۔ کیونکہ اب آپ کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ خود (اپنا رخ سیدھا رکھو سیدھے دین کے لیے، قبل اِس کے کہ آئے وہ دن جسے ٹلنا نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے)۔ یعنی خدا اُس دن کو پھیرے گا نہیں۔۔یا۔۔ایک دن آئے گا خدا کی طرف سے کہ اُسے کوئی نہ پھیر سکے گا۔ (اُس دن سب پھٹ چھنٹ جائیں گے) اور وہ دن ہوگا کہ لوگ دو راھے پر ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے۔ ایک فریق جنت میں جائے گا اور ایک فریق دوزخ میں۔۔اور۔۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَیْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ یَمْهَدُوْنَ ۝۴۴

جس نے نہ مانا، تو اُس پر اُس کا کفر ہے۔ اور جس نے لیاقت کے کام کیے، تو اپنے لیے وہ سامان شروع کرتے ہیں ●

(جس نے نہ مانا تو اُس پر اُس کا کفر ہے)۔ یعنی اُس کے کفر کی جزا ہے، تو وہ ہمیشہ آتشِ دوزخ میں رہے گا۔ (اور جس نے لیاقت کے کام کیے، تو اپنے لیے) یعنی اپنی ذاتوں کے واسطے (وہ سامان شروع کرتے ہیں)۔ یعنی جگہ درست کرتے ہیں بہشت میں۔۔الغرض۔۔یہیں سے اپنی جنت

کو اپنے لیے آراستہ کر رہے اور وہاں اپنا بستر بچھا رہے ہیں۔ ذہن نشین رہے کہ قیامت کے دن بندوں کا علیحدہ ہونا واقع ہے۔۔۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

تاکہ ثواب دے جو ایمان لائے اور کرنے کے کام کیے، اپنے فضل سے۔

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

بے شک وہ نہیں پسند فرماتا انکار کرنے والوں کو●

(تاکہ ثواب دے) حق تعالیٰ اُن کو (جو ایمان لائے اور کرنے کے) لائق (کام کیے، اپنے فضل) وکرم (سے)۔

یہاں کافروں کی جزا کا ذکر نہیں کیا، اِس جہت سے کہ مقصود بالذات ایمان والے ہیں۔

(بے شک وہ نہیں پسند فرماتا اِنکار کرنے والوں کو) کہ ایمان والوں کے ساتھ اکٹھا کرے، بلکہ کافروں کو جدا کر کے دوزخ میں بھیجے گا۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ

اور اُس کی نشانیوں سے ہے کہ چلا دیتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دیتی، اور تاکہ چکھادے تمہیں اپنی رحمت سے،

وَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور تاکہ رواں ہوں کشتیاں اُس کے حکم سے، اور تاکہ تلاش کرو اُس کا فضل، اور شکر گزار ہو جاؤ●

(اور اُس) ربِّ قدیر کی قدرت (کی نشانیوں سے ہے کہ چلا دیتا ہے) شمالی، جنوبی (ہواؤں) اور بادِ صبا (کو) جو (خوش خبری دیتی) ہیں مینھ کی۔ (اور) یہ اس لیے (تاکہ چکھادے تمہیں اپنی رحمت سے) جو مینھ کے تابع ہیں یعنی فراخ معیشت اور رفاھیت، (اور تاکہ رواں ہوں کشتیاں) دریا میں (اُس کے حکم سے، اور تاکہ تلاش کرو) دریاؤں کی تجارت میں (اُس کا فضل) روزی، جو خدا محض اپنے فضل سے دیتا ہے (اور) تم (شکر گزار ہو جاؤ) ان نعمتوں پر۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

اور بے شک بھیجا ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو اُن کی قوم کی طرف، تو وہ لائے اُن کے پاس روشن نشانیاں، تو بدلہ لیا ہم نے اُن

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ كَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾

سے جنہوں نے جُرم کیا۔اور ہمارے ذمہ کرم پر ہے ماننے والوں کی مدد کرنا●

اے محبوب! اگر یہ سرکش آپ کی ہدایت نہیں قبول کررہے ہیں، تو یہ کوئی نئی بات نہیں، آپ کے عہد کے پہلے کافروں کا بھی یہی وطیرہ رہا ہے، کہ بعض ایمان لائے (اور) بعض منکر ہوئے ۔۔القصہ۔۔(بے شک بھیجا ہم نے تم سے پہلے رسولوں کو اُن کی قوم کی طرف، تو وہ لائے اُن کے پاس روشن نشانیاں)، کھلے ہوئے معجزات ۔۔یا۔۔ حلال وحرام کے ظاہر احکامات، تو بعضے لوگ قوم میں سے اُن پر ایمان لائے اور بعضے کافر ہوئے، (تو بدلہ لیا ہم نے اُن سے جنہوں نے جرم کیا) اور کافر ہوگئے۔ انہیں ہم نے ہلاک کردیا اور مدد کی ہم نے اُن کی جو ایمان لائے۔ (اور) یہ اس لیے کہ (ہمارے ذمہ کرم پر ہے ماننے والوں کی مدد کرنا)، کیونکہ وہ مدد کے مستحق ہیں۔۔تو۔۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ

اللہ ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو، پھر وہ اُٹھاتی ہیں بادل، پھر پھیلا دیتا ہے اُس کو آسمان میں

كَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ

جس طرح چاہے، اور کردیتا ہے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے، تو دیکھتے ہو کہ نکلتا ہے اُس کے اندر سے مینھ۔

فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ۚ

تو جب پہنچا دیا اُسے جس کو چاہا اپنے بندوں سے، تو اب وہ خوشی مناتے ہیں●

وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ ﴿۴۹﴾

گو وہ تھے، قبل اس کے کہ اُتارا جائے اُن پر، پیشتر سے ناامید●

(اللہ) تعالیٰ (ہے جو چلاتا ہے ہواؤں کو، پھر وہ اُٹھاتی ہیں بادل، پھر پھیلا دیتا ہے اُس کو آسمان میں جس طرح چاہے) یعنی جب کبھی چاہتا ہے اَبر کو ملا اور گھرا رکھتا ہے آسمان کی طرف چلتا ہوا ۔۔یا۔۔ تھما ہوا۔ (اور) کبھی (کردیتا ہے اُس کے ٹکڑے ٹکڑے) اور ہر ٹکڑے کو ہر طرف۔ (تو دیکھتے ہو کہ نکلتا ہے اُس کے اندر سے مینھ)۔ اَبر ملا ہوا اور گھرا ہوا ہوتا ہے جب بھی اور جدا جدا ہوتا ہے تب بھی۔ (تو جب پہنچا دیا اُسے جس کو چاہا) یعنی جس کی زمین کو سیراب کرنا چاہا (اپنے بندوں سے، تو اب وہ خوشی مناتے ہیں)۔ بارش پانے پر اظہارِ مسرت کرتے ہیں۔ (گو وہ تھے قبل اِس کے کہ اُتارا

جائے) اور برسایا جائے (ان پر) مینھ پہلے ہی اور (پیشتر سے ناامید) بارش کے تعلق سے۔

فَانْظُرْ اِلٰۤى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ

تو دیکھو اللہ کی رحمت کے فائدوں کو، کیسا زندہ کر دیتا ہے زمین کو اُس کی موت کے بعد۔

اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰى ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

بے شک وہ ضرور مُردوں کو جلانے والا ہے۔ اور وہ ہر چاہے پر قدرت رکھتا ہے●

(تو دیکھو اللہ) تعالیٰ (کی رحمت کے فائدوں کو) یعنی بارش کا اثر ملاحظہ کرو، کہ (کیسا زندہ کر دیتا ہے زمین کو) پیڑوں پھلوں کھیتوں بوٹوں سے، (اُس کی موت) یعنی اُس کے مُردہ اور افسردہ ہو جانے (کے بعد)۔۔ الحاصل۔۔ رحمتِ الٰہی اور بخشائشِ نامتناہی کے آثار دیکھو، کہ مَری ہوئی زمین کو زندگی عطا فرماتا ہے۔ (بے شک) جو مَری ہوئی زمین کو زندگی عطا فرمانے پر قادر ہے، (وہ ضرور مُردوں کو جلانے والا ہے)۔ اس لیے کہ زمین کو زندہ کرنا دراصل اُس کی نباتی قوتوں کو پیدا کر دینا ہے۔ اور مُردوں کو زندہ کرنا، مُردوں کے مادّوں کی قوتوں کو پیدا کرنا ہے۔ (اور وہ) ربِّ قدیر (ہر چاہے پر قدرت رکھتا ہے) جو چاہے کرے، اس واسطے کہ اُس کی قدرت سب مخلوق کے ساتھ یکساں ہے۔

بعض محققین کا قول یہ ہے کہ رحمت کا اثر مینھ کے ظاہر میں یہ ہے، کہ سب کی زندگی اُسی کے سبب سے ہے۔ اور باطن میں اِس کا ذکر ہے کہ دِل کی زندگی اس کے سبب سے ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ اثر رحمت نشان اس دانہ کا ہے جس سے زمینِ دِل زندہ ہوتی ہے، اور بعضوں کے نزدیک اثر رحمت خود دِل ہے کہ حق تعالیٰ کی نظر پڑنے کی جگہ ہے۔ اوپر جن ہَواؤں کا ذکر ہوا وہ رحمت کی بشارت دینے والی ہَواؤں کا تھا اور اب ہلاک کرنے والی ہَواؤں کا ذکر فرماتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ۔۔۔

وَ لَىِٕنْ اَرْسَلْنَا رِیْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ یَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور اگر چلائی ہم نے ہَوا، پھر دیکھ لیا اُنہوں نے اُس کے سبب رنگین کھیتی، تو ضرور ہو گئے اُس کے بعد ناشکرے●

(اور اگر) کبھی ایسا ہوا کہ (چلائی ہم نے) ہلاک کرنے والی عذاب کی (ہوا)، جیسے 'دبور' اور یہ ہَوا اُن کے کھیتوں پر چلے، (پھر دیکھ لیا اُنہوں نے اُس کے سبب رنگین کھیتی) زرد سبزی کے بعد مَری ہوئی ایسی کہ اُس سے فائدہ نہ لے سکیں، (تو ضرور ہو گئے اُس) کھیت کے زرد ہو جانے (کے بعد

ناشکرے)۔گزری ہوئی نعمتوں پر چاہیے یہ تھا کہ حق تعالیٰ سے التجا کرتے اوراُس کی رحمت سے ناامید نہ ہوتے ،اوراَے محبوب! کافروں سے یہ امید نہ رکھو کہ وہ باتیں سمجھیں اور کہا مانیں، کیوں؟۔۔۔

فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٢﴾

کہ بلاشبہ تم نہیں کان دے سکتے اُن مُردوں کو،اورنہ پیغام سننے کے قابل کرسکواُن بہروں کو،جب اُنہوں نے رخ پھیرلیا پیٹھ دکھا کر●

(کہ بلاشبہ تم نہیں) قبول کرلینے والا (کان دے سکتے) ہو (اُن مُردوں) کاحکم رکھنے والوں (کو)،اس واسطے کہ اُن کادل مُردہ ہے۔(اورنہ) ہی (پیغام سننے کے قابل کرسکو) گے (اُن بہروں کو)،اوروہ بھی خاص کرکے اُس صورت میں (جب انہوں نے رخ پھیرلیا) بھاگتے ہوئے (پیٹھ دکھاکر)۔

'پھرنے' اور'بھاگنے' کی قید تاکید حکم اورسنانا محال ہونے کے واسطے ہے۔یعنی وہ بہرا جس کامنھ بات کرنے والے کی طرف ہوتاہے،اگرچہ وہ سنتانہیں مگرلب ودہان کی حرکت اورسراورہاتھ کے اشارے سے کچھ دریافت کرلیتاہے۔لیکن جس بہرے کی پیٹھ بات کرنے والے کی طرف ہو،وہ اِس قدر بھی دریافت کرنے سے محروم ہے۔تواَے محبوب! اگریہ بہرے نہیں سنتے ،توآپ فکرمندنہ ہوں۔۔۔

وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ

اورنہیں ہے تمہارے ذمہ اُن اندھوں کوراہ دینااُن کی بے راہی سے۔تم نہیں سناتے مگرجومانیں

بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٥٣﴾ ع ۵ ۱۴ ۸

ہماری آیتوں کو،پھروہ نیازمندی والے ہیں●

(اور) رنجیدہ خاطرنہ ہوں،اس لیے کہ (نہیں ہے تمہارے ذمہ) تمہارے فریضۂ تبلیغ میں (اُن اندھوں کوراہ) پرپہنچا(دینا) اور (اُن کی بے راھی سے) انہیں دُورکردینا اورہٹادینا۔الختصر۔۔ اَے محبوب! یہ تمہاری ذمہ داری نہیں ہے کہ مشرکوں کوایمان کی توفیق دو۔درحقیقت (تم نہیں سناتے مگر) اُنہی سعادتمندروح رکھنے والوں کو(جومانیں ہماری آیتوں کو)۔اس لیے کہ ایمان انہیں اس بات پررکھتاہے کہ الفاظِ قرآن کویادکرلیتے ہیں اوراس کے معنی پرغوروفکرکرتے ہیں۔(پھروہ نیازمندی والے) ہوجاتے(ہیں)۔۔الختصر۔۔اَے محبوب! مؤمنین آپ کی ہدایت سے فائدہ اٹھانے والے ہیں

جو خدائی اوامر و نواہی کو ماننے والے ہیں اور اُن کا ایمان ہے کہ۔۔۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً

اللہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں کمزور، پھر دیا کمزوری کے بعد زور،

ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ

پھر دی زور کے بعد کمزوری اور بُڑھاپا۔ پیدا کرے جو چاہے۔

وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ۝۵۴

اور وہی علم والا قدرت والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (ہے) خداوندِ مطلق اور معبودِ برحق (جس نے پیدا کیا تمہیں کمزور) مادّہ یعنی نطفہ سے، (پھر دیا) بچپنے کی (کمزوری کے بعد) جوانی کا (زور، پھر دی) جوانی کے (زور کے بعد کمزوری اور بڑھاپا)۔۔الحاصل۔۔(پیدا کرے جو چاہے)، ضعف وقوت اور جوانی و بوڑھاپا۔ (اور وہی علم والا ہے بندوں کے احوال کا اور (قدرت والا ہے)، یعنی ان کی کیفیتیں اور صفتیں بدلنے پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کے منکرین کا دونوں جہان میں جھوٹ بولنا ہی کام ہے۔۔۔

وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ

اور جس دن قائم ہوگی قیامت، قسم کھائیں گے مجرم لوگ۔۔کہ "نہیں رہے تھے مگر گھڑی بھر۔"

كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ۝۵۵

اُسی طرح یہ اوندھے جاتے تھے●

(اور) یہی اُن کی روش ہے۔۔چنانچہ۔۔(جس دن قائم ہوگی قیامت) اور وہ آخری ساعت ہوگی دُنیا کی ساعتوں میں، تو (قسم کھائیں گے مجرم لوگ) یعنی کفار و مشرکین، (کہ) وہ دُنیا میں۔۔یا۔۔قبروں میں (نہیں رہے تھے مگر گھڑی بھر)۔ اور سب ایمان والے جانیں گے کہ یہ جھوٹ کہتے ہیں۔ جس طرح آخرت میں سچ سے برگشتہ ہوکر جھوٹ بولیں گے، (اسی طرح) دُنیا میں حشر ونشر کے اِنکار کے سبب سے (یہ اوندھے جاتے تھے) یعنی پھیرے جاتے تھے سچائی کی راہ سے۔۔الغرض۔۔جھوٹ بولنا ان کا کام ہے دونوں جہان میں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى

اور بتایا جنہیں دیا گیا ہے علم وایمان کہ" بے شک تم رہے اللہ کے لکھے میں

يَوْمِ الْبَعْثِ ؗ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اُٹھنے کے دن تک۔تو یہ اٹھنے کا دن ہے،لیکن تم لوگ نہیں جانتے تھے●

(اور) جب وہ قسم کھا چکیں گے کہ ہم دُنیا میں نہیں رہے،تو انہیں (بتایا) ان لوگوں نے (جنہیں دیا گیا ہے علم وایمان)،یعنی مؤمن اور عالم فرشتے اور آدمی کہیں گے (کہ) کیوں جھوٹ بولتے ہو۔ (بے شک تم رہے) دُنیا میں۔تمہارا ٹھہرنا مذکور ہے (اللہ) تعالیٰ (کے لکھے) اور اس کی کتاب (میں) یعنی لوحِ محفوظ۔۔یا۔۔قرآن شریف۔۔یا۔۔علمِ الٰہی۔۔یا۔۔اس کے حکم میں۔۔یا۔۔اس میں جو کچھ تمہارے واسطے لکھا ہے کہ تمہارے ٹھہرنے کا زمانہ ہوگا اور تم اسی قدر دُنیا میں۔۔یا۔۔قبروں میں رہے ہو (اُٹھنے کے دن تک)۔

(تو یہ اٹھنے کا دن ہے،لیکن تم لوگ نہیں جانتے تھے)۔۔چنانچہ۔۔اِس دن کا اِنکار کرتے تھے۔ کمالِ نادانی اور غور فکر سے کام نہ لینے کے سبب سے تمہیں خبر نہ ہوسکی کہ قیامت کے دن قبر سے اٹھنا برحق ہے۔تو کافر عذر شروع کر کے کہ جو گزر گیا اُس کے تدارک کے واسطے،دُنیا میں پھر آنے کی اجازت مانگیں گے اور اجازت نہ پائیں گے۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۵۷﴾

تو آج کے دن نہ نفع دے گا جنہوں نے اندھیر مچا رکھا تھا اُن کا کوئی بہانہ،اور نہ اب توبہ کرائے جائیں گے"●

(تو آج کے دن نہ نفع دے گا جنہوں نے اندھیر مچا رکھا تھا) کفر کر کے (اُن کا کوئی بہانہ،اور نہ اب توبہ کرائے جائیں گے)۔۔الغرض۔۔اب نہ اُنہیں توبہ کا حکم دیا جائے گا۔اس لیے کہ توبہ کا وقت ختم ہو چکا ہے اور نہ ہی اُن کو خدا کی رضامندی طلب کرنے کی ہدایت کی جائے گی۔اس لیے کہ اب خدا اُن سے راضی ہی نہ ہوگا۔۔۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ

اور بے شک بیان کر دی ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی کہاوت۔اور اگر لے آئے

جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

تم اُن کے پاس کوئی نشانی، تو ضرور کہیں گے جنہوں نے کفر کر رکھا ہے کہ "تم بس باطل والے ہو"●

سنو (اور) یاد رکھو! کہ (بے شک بیان کردی ہم نے لوگوں) کے فائدے (کے لیے اِس قرآن میں ہر طرح کی کہاوت)، جو اُن کے کام آئے توحید اور حشر اور سب رسولوں کے سچے ہونے کے بیان میں۔ قرآنِ کریم کی آیات، حق کو سمجھنے اور ماننے کے لیے کافی ہیں۔ مگر منکرین (اور) نہ ماننے والوں کی نفسیات ہی عجیب ہے، تو اَے محبوب! آپ سے جو آپ کی نبوت کی دلیل میں معجزات طلب کر رہے ہیں، تو (اگر لے) بھی (آئے تم اُن کے پاس کوئی نشانی، تو) شدتِ عداوت وعناد اور غایت سرکشی وفساد کی وجہ سے (ضرور کہیں گے جنہوں نے کفر کر رکھا ہے، کہ) اَے پیغمبر اور مؤمن لوگ (تم بس باطل والے ہو) یعنی تباہ کار، جھوٹے اور افتراء کرنے والے ہو۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾

اِسی طرح چھاپ لگا دیتا ہے اللہ اُن کے دلوں پر، جو بے علم ہیں●

(اِسی طرح چھاپ لگا دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (اُن کے دِلوں پر جو بے علم ہیں)۔ نہ تو خود جانتے ہیں اور نہ ہی کسی سے جاننا چاہتے ہیں۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

تو صبر کرو۔ بے شک اللہ کا وعدہ درست ہے۔ اور نہ بے برداشت بنا سکیں تمہیں، جو یقین نہیں رکھتے●

(تو) اَے محبوب! اُن کی ایذاء رسانی پر (صبر کرو۔ بے شک اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ) تمہاری فتح ونصرت اور اعلاءِ کلمۃ الحق اور تمہارے دین کے غالب ہونے کے باب میں (درست) اور سچ (ہے)، اور خدا اپنا یہ وعدہ وفا فرمائے گا۔ (اور نہ بے برداشت بنا سکیں) گے (تمہیں) اور نہ سبک دیکھ سکیں گے وہ، (جو یقین نہیں رکھتے) معاد کے باب میں۔ یا تم کو اس بات پر نہ لائیں گے کہ اُن پر جلد عذاب نازل ہونے کی دُعا کرو، کیونکہ وہ ایک وقت مقرر پر موقوف ہے۔ جب وہی وقت آئے گا تو حکمِ الٰہی ظاہر ہو جائے گا۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۴؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۳۰؍نومبر ۲۰۱۱ء

بروز چہارشنبہ 'سورہ الروم' کی تفسیر مکمل ہوگئی۔مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کومکمل کرنے کی توفیق رفیق مرحمت فرمائے،اور فکروقلم کی حفاظت فرماتا رہے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ وَبِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ۔۔۸؍محرم الحرام ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۴؍دسمبر ۲۰۱۱ء

بروز یکشنبہ 'سورۂ لقمان' کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔مولیٰ تعالیٰ اس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے،اور فکروقلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ بِحَقِّ ن وص، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ

سورۂ لقمان۔۔۳۱ مکیہ ۵۷ | آیاتہا ۳۴۔۔رکوعاتہا ۴

سُوْرَةُ لُقْمٰنَ جو سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰت کے بعد،اور سُوْرَةُ سَبَا سے پہلے نازل ہوئی۔

اس کو سُوْرَةُ لُقْمٰنَ اس لیے کہا گیا کہ اِس کی آیت ۱۲ میں حضرت لقمان کا ذکر ہے۔۔نیز۔۔ اِس سورت میں حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو نصیحتیں اور اُس کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔

مشرکینِ قریش نے نبی ﷺ سے یہ سوال کیا تھا،کہ وہ اُن کو لقمان اور اُن کے بیٹوں کے متعلق بتائیں،تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل کردی اور اِس میں پہلے نبی کریم کے دائمی معجزہ یعنی قرآنِ کریم کو ذکر فرمایا،پھر اپنی توحید اور قدرت پر دلائل قائم کیے،اُس کے بعد لقمان حکیم کا قصہ بیان فرمایا،کہ اُس نے اپنے بیٹے کو کیا نصیحتیں کیں اور اس کا مقصود لوگوں کو ہدایت دینا تھی کہ وہ شرک کو چھوڑ دیں،ماں باپ کے ساتھ نیکی کریں اور ہر قسم کے صغیرہ اور کبیرہ گناہ سے بچیں اور نماز قائم کریں اور نیکی کا حکم دیں اور بُرائی سے منع کریں،تواضع

اور انکسار کو اختیار کریں اور تکبر نہ کریں۔ زمین پر نرمی اور آہستگی سے چلیں اور اپنی آوازیں پست رکھیں ۔۔ الغرض ۔۔ ایسی بصیرت افروز اور ہدایت بخش سورۂ مبارکہ ۔۔یا۔۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے جو بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓمّٓ ۚ ①

ا ل م ●

(ال م)۔

حروفِ مقطعہ جو سورتوں کا آغاز اور غیب کے خزانوں کی کنجیاں ہیں، اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اِن حروف سے اُس کی اپنی مُراد کیا ہے ۔۔یا۔۔ پھر خدائے تعالیٰ کے بتانے سے وہ جانتے ہیں جن پر اِن حروف کو نازل فرمایا گیا ہے ۔۔یا۔۔ پھر نبی کریم کے خبر دینے سے حق تعالیٰ کے وہ محبوبین جانیں منجانب اللہ جن کو آگاہ کرنے کا اذن نبی کریم کو ملا، اور پھر آپ نے اُن کو آگاہ فرمادیا ۔۔۔

مسلکِ سالم کی رعایت کرتے ہوئے اِن کی یہ تفسیر کی گئی ہے کہ 'الف' اشارہ ہے 'انا' کی طرف، اور 'لام' 'لی' کی جانب اور 'میم' 'منّی' کی طرف یعنی "اَنَا اللّٰهُ لِیَ جَمِيْعُ الصِّفَاتِ وَ مِنِّیَ الْغُفْرَانُ وَالْاِحْسَانُ" یعنی میں معبودِ برحق ہوں۔ میرے ہی واسطے ہیں کمال کی سب صفتیں۔ اور میری ہی طرف سے ہے بخشش دینا اور احسان۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۙ ② هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۙ ③ الَّذِيْنَ

یہ آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی ● ہدایت ورحمت مخلصوں کے لیے ● جو

يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۗ ④

پابندی کریں نماز کی، اور دیں زکوٰۃ۔ اور وہ آخرت پر یقین رکھیں ●

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾

وہی ہیں ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے، اور وہی ہیں کامیاب●

(یہ) سورت (آیتیں ہیں حکمت والی کتاب کی) یعنی اس کتاب کی جو صاحبِ حکمت ۔۔یا ۔۔متضمنِ حکمت ۔۔یا۔۔ قرآنِ محکم ہے، کہ اِس میں تناقض نہیں ۔۔یا۔۔ قرآنِ حاکم کی، کہ حلال وحرام کا حکم کرتا ہے، جو (ہدایت) کرنے والا (ورحمت) خدا ہے نیک کام کرنے والے (مخلصوں کے لیے جو پابندی کریں) فرض (نماز کی) یعنی اُسے ہمیشہ کماحقہٗ ادا کرتے رہیں، (اور دیں زکوٰۃ) جن کا دینا اُن پر واجب ہے، (اور وہ آخرت پر یقین رکھیں) یعنی قبر سے اٹھنے اور جزا پانے کی تصدیق کرتے رہیں، تو وہ لوگ جو اِن صفتوں سے موصوف ہیں، (وہی ہیں ہدایت پر اپنے رب کی طرف سے اور وہی ہیں کامیاب) نجات پانے والے۔

قرآنِ کریم جیسی حکمت والی کتاب کی نظیر ومثال پیش کرنے کی کوشش دماغ کے خلل کے سوا کچھ بھی نہیں ۔۔۔ چنانچہ۔۔ نضر بن حارث تجارت کے واسطے فارس کی طرف گیا تھا اور رستم اور اسفندیار کا قصہ مول لاکر قریش کے مجمع میں اِس طرح سناتا کہ سب شیفتہ وفریفتہ ہوتے اور ڈینگ مارتا کہ اگر محمد عربی 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' عاد وثمود کی حکایت اور سلیمان و داوٗد 'علیہما السلام' کی بادشاہی کی عظمت بیان کرتے ہیں، تو میں بھی فارس کے بادشاہوں کی سلطنت اور ان کی شان وشوکت کی حکایت بیان کرتا ہوں، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی ۔۔۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ

اور کچھ لوگوں میں وہ ہے، جو مول لے غفلت میں ڈالنے والی بات، تاکہ بہکادے اللہ کی راہ سے

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٦﴾

نادانی سے۔ اور بنالے اُسے مذاق۔ اُنہیں کے لیے عذاب ہے رسوا کرنے والا●

(اور) ارشاد فرمایا، کہ (کچھ لوگوں میں وہ ہے جو مول لے غفلت میں ڈالنے والی بات)، یعنی فریب دینے والی اور حق سے باز رکھنے والی بات ۔۔ الغرض۔۔ اختیار کرتا ہے نامعتبر کہانی (تاکہ بہکادے اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے) یعنی قرآنِ کریم کے سننے سے۔ اور یہ باز رکھنا بھی (نادانی سے) ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ (اور) تاکہ (بنالے اسے) یعنی خدا کی آیتوں کو (مذاق) ہنسی اور مسخراپن (اُنہیں

کے لیے عذاب ہے رسوا کرنے والا) کیونکہ قید اور قتل ہے دُنیا میں اور عذاب ہے آخرت میں۔
اور بعضوں نے کہا کہ یہ آیت اُن لوگوں سے متعلق ہے جو گانے والی لونڈیاں مول لیتے
اور لوگوں کو اُن کی آواز اور الحان سنا کر کلام حق سننے سے باز رکھتے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا

اور جب تلاوت کی جائیں اُس پر ہماری آیتیں، تو اُس نے منہ پھیر لیا بڑائی کی ڈینگ لیتا، گو جیسے اُسے سنا ہی نہیں،

كَاَنَّ فِیْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷

گویا اُس کے کانوں میں ٹینٹ ہے۔ تو مژدہ دے دو اُسے دکھ والے عذاب کا●

(اور جب تلاوت کی جائیں اُس پر ہماری آیتیں) جس نے کھیل کی بات مول لی ہے اور اُسے عظمت دی ہے، (تو) حال یہ ہے کہ (اُس نے منہ پھیر لیا بڑائی کی ڈینگ لیتا)، یعنی اس کی طرف التفات نہیں کرتا، (گو جیسے اُسے سنا ہی نہیں، گویا اُس کے) دونوں (کانوں میں ٹینٹ ہے)، یعنی کاگ وڈاٹ ہے جس کی وجہ سے وہ سن نہیں پاتا۔ (تو مژدہ دے دو اُسے دکھ والے عذاب کا) یعنی پکار دو تم اُسے اور خوش خبری کی جگہ پر ڈرا دو اُسے دکھ دینے والے عذاب سے۔ اُن کے برخلاف۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸

بے شک جو ایمان لائے اور لیاقت کے کام کیے، اُنہیں کے لیے ہیں عیش کے باغ●

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹

ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔ اللہ کا وعدہ بالکل ٹھیک۔ اور وہی عزت والا حکمت والا ہے●

(بے شک جو ایمان لائے اور لیاقت کے کام کیے انہیں کے لیے ہیں عیش کے باغ) کی نعمتیں ۔۔۔یا۔۔۔ نعمتوں والی جنتیں۔

(ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اُس میں)۔ حق تعالیٰ نے اُس کا وعدہ فرمالیا ہے، اور (اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ بالکل ٹھیک ہے) جس کا خلاف نہیں ہوسکتا (اور وہی عزت والا) ہے۔ کوئی بھی اُسے عہد اور وعدہ وفا کرنے سے مانع نہیں ہوتا۔ اور (حکمت والا ہے) یعنی درست کام کرنے والا ہے۔ جو کچھ کرتا ہے حکمت ہی کی راہ سے کرتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اُس عزیز و حکیم اور قادرِ مطلق نے۔۔۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ

پیدا فرمایا آسمانوں کو بغیر کھمبے کے، تم لوگ دیکھ رہے ہو، اور ٹھونک دیا زمین میں پہاڑوں کے لنگر،

اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

کہ کہیں ہل جائے تم کو لے کر، اور پھیلا دیا اُس میں ہر قسم کے جانور۔ اور اُتارا ہم نے آسمان کی طرف سے پانی،

فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ﴿۱۰﴾

تو اُگا دیا ہم نے اُس میں ہر قسم کے عمدہ جوڑے●

(پیدا فرمایا آسمانوں کو بغیر کھمبے کے) یعنی بے ستون (تم لوگ دیکھ رہے ہو) انہیں اٹھے ہوئے، (اور ٹھونک دیا زمین میں پہاڑوں کے لنگر) یعنی زمین پر پیدا فرمادیے بلند پائدار پہاڑ، (کہ کہیں ہل جائے تم کو لے کر)، یعنی تاکہ نہ ہلائے اور نہ مضطرب بنائے تم کو زمین۔ اس واسطے کہ زمین پانی پر ہلتی تھی کشتی کی طرح، پہاڑوں کے بوجھ سے دب کر تھم گئی۔

ایک روایت کے مطابق حق تعالیٰ نے انیس[19] پہاڑوں کو میخِ زمین کر دیا کہ زمین ٹھہر گئی۔ ان میں سے کوہ قاف ہے اور ابوقبیس اور جودی اور لبنان اور سین اور طورِ سینا اور شبر وغیرہ ہیں۔

(اور پھیلا دیا اس میں ہر قسم کے جانور۔ اور اُتارا ہم نے) ہی (آسمان کی طرف سے پانی)۔ یعنی ہمارے سوا کسی نے نہیں بھیجا، ہم ہی نے بھیجا آسمان کی طرف سے مینھ یعنی بارش کا پانی، (تو اگا دیا ہم نے اس) زمین (میں) اس پانی کے سبب سے (ہر قسم کے عمدہ جوڑے) یعنی ہر قسم کی گھاس اچھی اور فائدہ والی۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ

یہ اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے، تو تم لوگ مجھے دکھا دو کہ "کیا پیدا کیا اُنہوں نے جو اُس کے فرضی مقابل ہیں؟"

بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۱﴾ ع۱۰

بلکہ ظالم لوگ کھلی گمراہی میں ہیں●

(یہ) جو مذکور ہوا یعنی آسمان، زمین، پہاڑ حیوان اور نبات، یہ سب کا سب (اللہ) تعالیٰ (کا پیدا کیا ہوا ہے، تو تم لوگ مجھے دکھا دو کہ) عالَم میں (کیا پیدا کیا انہوں نے جو اُس کے فرضی مقابل ہیں؟)

اس سے مراد بُت ہیں کہ کافر انہیں خدا کا شریک کہتے تھے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب تو میری مخلوق ہیں، تمہارے بتوں نے کیا چیز پیدا کی ہے؟

(**بلکہ**) سچی بات تو یہی ہے کہ (**ظالم لوگ**) یعنی مشرک لوگ (**کھلی گمراہی میں ہیں**) کہ عاجز کو قادر کے ساتھ، مخلوق کو خالق کے ساتھ پرستش میں شریک کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ لقمان حکیم کا قصہ اور اُن کی وصیتیں یہود میں بڑی شہرت رکھتی تھیں اور عرب جس مہم میں یہود کی طرف رجوع کرتے، یہود لقمان کی حکمتوں میں سے اُن کے واسطے مثال دیتے، تو حق تعالیٰ نے اُن کے حال سے خبر دی۔

وَلَقَدۡ اٰتَيۡنَا لُقۡمٰنَ الۡحِكۡمَةَ اَنِ اشۡكُرۡ لِلّٰهِ ؕ وَمَنۡ يَّشۡكُرۡ فَاِنَّمَا يَشۡكُرُ لِنَفۡسِهٖ ۚ

اور بے شک دی ہم نے لقمان کو حکمت کہ "شکر ادا کرو اللہ کا" اور جو شکر ادا کرے، تو وہ شکر ادا کرتا ہے اپنے بھلے کو۔

وَمَنۡ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيۡدٌ ﴿۱۲﴾

اور جس نے ناشکری کی، تو بلاشبہ اللہ بے پرواہ حمد والا ہے●

(**اور**) فرمایا، کہ (**بے شک دی ہم نے لقمان کو حکمت**) یعنی درست وصائب بات اور کام پورا کرنے کی عادت ۔۔یا۔۔ توحید کی شناخت اور شرک کی نفی ۔۔ الختصر۔۔ توحید مقرر کرنا اور رسولوں پر ایمان کے واسطے عقلی دلیلیں قائم کرنا، اور شرک کی نفی اور اُس کی طرف سمعی دلیلوں کی اضافت کرنا، یہ سب حضرت لقمان کی حکمت سے ہے۔

اکثر علماء اِس بات پر ہیں کہ حضرت لقمان پیغمبر نہ تھے، بلکہ حکیم تھے جو حضرت داوٗد علیہ السلام کی سلطنت سے دسوئیں برس پیدا ہوئے۔ اور حضرت یونس کے زمانے تک زندہ رہے۔ بعضوں نے کہا کہ اُن کی عمر ہزار ۱۰۰۰ برس ہوئی۔ جن اکثر علماء کے نزدیک آپ پیغمبر نہ تھے، وہ آیت میں مذکور 'حکمت' کو 'نبوت' کے معنی میں نہیں لیتے۔ اور اُن کے برخلاف سدی، عکرمہ اور شعبی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک چونکہ وہ پیغمبر تھے، اس لیے وہ 'حکمت' سے مراد 'نبوت' ظاہر کرتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

حضرت لقمان کی شخصیت کے تعلق سے بھی مختلف اقوال ہیں۔۔ مثلاً: بعضوں نے کہا کہ آپ کسی کے غلام تھے اور بکریاں چرایا کرتے ۔۔یا۔۔ درزی ۔۔یا۔۔ بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ اور بعضوں نے کہا کہ حبشی تھے، بنی اسرائیل میں فتویٰ پوچھتے۔ ایک قول کے مطابق

بندگانِ توبہ میں سے تھے۔مرد سیاہ رنگ، موٹے موٹے ہونٹ۔

ایک دن حکیم لقمان کے گھر میں دن کو سونے کے وقت فرشتے آئے اور لقمان پر سلام کیا، لقمان نے انہیں نہیں دیکھا اور جواب دیا۔فرشتے بولے کہ اَے لقمان! ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں، تم کو زمین پر ہم خلیفہ کرتے ہیں کہ صحت اور درستی کے ساتھ لوگوں میں حکم کیا کرو۔ پس لقمان نے جواب دیا کہ اگر اِس کام پر میرے رب کی طرف سے حکم قطعی ہے، تو سن کر طاعت کے طور پر میں قبول کرتا ہوں، اور امید رکھتا ہوں کہ مجھے توفیق دے اور میری مدد کرے۔اور اگر مجھے اختیار دیا ہے، تو میں عاقبت اختیار کرتا ہوں اور فتنہ سے متعرض نہیں ہوتا۔

فرشتوں کو اس بات سے تعجب آیا۔حق تعالیٰ نے لقمان کی بات کو پسند فرمایا اور اُن کی طرف حکمت افاضہ کی۔تقریباً دس ''۱۰'' ہزار کلمے اُن سے منقول ہیں کہ ہر کلمہ ایک عالم کے برابر ہے۔ بنی اسرائیل میں سے ایک بڑا آدمی ایک مرتبہ حکیم لقمان کے سامنے سے گزرا، اور ایک جماعت لوگوں کی ان کے پاس تھی، کچھ بیٹھے کچھ کھڑے حکمت کی باتیں سنتے تھے، اُس بڑے بزرگ آدمی نے پوچھا، کہ اَے لقمان کیا تُو وہ کالا غلام نہیں ہے جو بکریاں چَرا تا تھا فلاں شخص کی؟ لقمان بولے کہ ہاں میں وہی ہوں۔ پھر اُن بزرگ نے پوچھا کہ کس چیز نے تجھے اِس مرتبہ پر پہنچادیا؟ لقمان بولے کہ تین ''۳'' چیزوں نے: ﴿۱﴾۔سچ بولنے، ﴿۲﴾۔ امانت کی نگہبانی کرنے، ﴿۳﴾۔فضول بات چھوڑ دینے نے۔

آپ کی حکمتوں میں سے ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک دن ان کے آقا نے اور غلاموں کے ساتھ انہیں باغ میں بھیجا کہ میوہ لائیں، اور غلام راہ میں میوہ کھا گئے اور کہہ دیا کہ لقمان نے کھالیا۔آقا لقمان پر خفا ہوا۔لقمان بولے، میوہ اِن غلاموں نے کھایا ہے اور مجھے جھوٹ لگایا ہے۔آقا بولا، کہ اِس بات کی حقیقت کیونکر معلوم ہو؟ لقمان بولے کہ ہم سب کو گرم پانی پلایئے اور میدان میں دوڑایئے کہ ہم قے کریں۔جس کے پیٹ میں سے میوہ گرے وہ خائن ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔آقا نے سب غلاموں کو پانی پلا کر میدان میں دوڑایا، سب نے قے کی تو لقمان کے سوا سب کے پیٹ سے میوہ گرا، تو لقمان کی حکمت سے جب خائنوں کی خیانت کھل گئی، تو خدائے حکیم کی حکمت کے سامنے کسی کی خیانت کب چھپے گی؟ روایت ہے کہ

ایک دن داوٗد علیہ السلام نے لقمان سے پوچھا کہ کیونکر صبح کی؟ لقمان نے جواب دیا کہ صبح کی دوسرے کے ہاتھ میں۔ اِس سے فضل اور عدل کا قبضہ مُراد ہے۔ حضرت داوٗد نے اِس بات میں فکر کی اور ایک نعرہ مار کر بے ہوش ہوگئے۔ غرضیکہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی اور اُس سے کہا۔۔۔

(کہ شکرادا کرو اللہ) تعالیٰ (کا) نعمتِ حکمت پر، (اور جو شکرادا کرے تو وہ شکرادا کرتا ہے اپنے بھلے کو)، یعنی شکر کا فائدہ اُسی کی ذات کو پہنچے گا۔ اس واسطے کہ شکر کا نفع ہمیشہ نعمت کا باقی رہنا اور زیادتی کا مستحق ہونا ہے۔ (اور جس نے ناشکری کی، تو بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (بے پرواہ) ہے، کسی کے شکر کی پروا نہیں رکھتا۔ اور وہ (حمد والا ہے) یعنی حمد کے لائق وہی ہے، اگرچہ کوئی اُس کی حمد نہ کرے۔۔یا۔۔ محمود ہے کہ تمام کائنات زبانِ قال اور زبانِ حال سے اُس کی شکر گزار ہے۔ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ

اور جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے کو، اور وہ اُسے نصیحت کر رہے تھے کہ "میرے بیٹے مت شریک ٹھہرانا اللہ کے ساتھ۔۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

بے شک شریک ٹھہرانا یقیناً بڑا اندھیر ہے"●

(اور) ذہن میں حاضر کرلو اُس واقعہ کو، کہ (جب کہا لقمان نے اپنے بیٹے) انعم۔۔یا۔۔ ماثان۔۔یا۔۔ ساران۔۔یا۔۔ اشکم۔۔یا۔۔ مشکور (کو، اور) اس حال میں کہ (وہ اُسے نصیحت کر رہے تھے کہ میرے بیٹے مت شریک ٹھہرانا اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ)، یعنی نہ شرک کرنا خدا کے ساتھ کیونکہ (بے شک) خدا کے ساتھ (شریک ٹھہرانا یقیناً بڑا اندھیر ہے)، اس واسطے کہ مشرک آدمی مخلوق کو خالق کے ساتھ برابر کرتا ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ

اور تاکید فرمائی ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے حق میں، پیٹ میں رکھا اُس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری سہتی ہوئی، اور اُس کا دودھ

فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾

چھوٹنا دو برس میں ہے کہ "شکر گزار رہو میرے اور اپنے ماں باپ کے،" میری ہی طرف پھر آنا ہے●

(اور تاکید فرمائی ہم نے انسان کو اُس کے ماں باپ کے حق میں) کہ اپنے ماں باپ کے

ساتھ نیکی کر۔اور نیکی کرنے کا ایک سبب یہ ہے، کہ (پیٹ میں رکھا) اُس کو (اُس کی ماں نے) تھوڑی مدت اور اُس کے حمل اور اٹھانے میں سست رہی، اور (کمزوری پر کمزوری سہتی ہوئی) ناطاقتی پر ناطاقتی برداشت کرتی رہی، اور اُس کو دودھ پلاتی رہی (اور) چونکہ (اُس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے) تو اتنی مدت تک اُسے دودھ دیا، تو ہر ماں کا اپنے بچے پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ اُس کی پیدائش سے پہلے بھی تکلیف اٹھاتی رہی اور پھر پیدائش کے بعد اپنا خون دودھ کی شکل میں پلا کر اس کی پرورش کرتی رہی، اور سرد و گرم سے بچاتی رہی۔خود تکلیف اٹھا کر اُسے آرام پہنچاتی ہے۔

اور انسان کو ہم نے دوسرا حکم کیا، (کہ شکر گزار رہو میرے)۔کسی کو میرا شریک نہ ٹھہراؤ اور میری مخلصانہ اطاعت کرتے رہو۔(اور اپنے ماں باپ کے) بھی شکر گزار رہو، اور حق تعالیٰ کی نافرمانی کے سوا ہر بات میں اُن کی فرمانبرداری کرو، انہیں تکلیف نہ پہنچاؤ اور اُن کی راحت و آرام کا خیال کرتے رہو۔اچھی طرح جان لو کہ (میری ہی طرف پھر آنا ہے) آدمیوں کا۔تو جو شکر والے ہیں وہ اچھی جزاء پائیں گے، اور جو شرک والے ہیں وہ دردناک سزا پانے والے ہوں گے۔گو والدین کی اطاعت تم پر لازم ہے مگر ہر حال میں یہ خیال۔۔۔

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

"اور اگر دباؤ ڈالیں تم پر، اِس پر کہ شریک بناؤ میرا جس کا تمہیں کچھ علم نہیں، تو مت کہا مانو اُن کا،

وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ

اور اُن کا ساتھ دو دُنیا میں اچھی طرح سے۔اور تقلید کرو اُس شخص کے طریقہ کی، جس نے رجوع کیا میری طرف۔

ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۵

پھر میرے ہی طرف تم لوگوں کا لوٹنا ہے، تو بتادوں گا میں تم کو جو تم کرتے تھے"

(اور) ملحوظِ خاطر رہے، کہ (اگر) والدین (دباؤ ڈالیں تم پر، اس پر کہ شریک بناؤ میرا) اس چیز کو (جس) کی شرکت کے مستحق ہونے (کا تمہیں کچھ علم نہیں)، بلکہ دلائل و براہین جس کے شریک خدا ہونے کو باطل قرار دیتے ہوں، (تو مت کہا مانو اُن کا) اور اس راہ سے اگر اُن کو کوئی تکلیف۔۔۔یا۔۔۔ اذیت پہنچتی ہے، تو اُس کا مت خیال کرو۔۔۔ہاں۔۔۔یہ ضرور خیال رہے (اور) اِس کا دھیان رکھنا ضروری ہے، کہ (اُن کا ساتھ دو) اور ان دونوں کی مصاحبت کرو (دُنیا میں اچھی طرح سے) جو اُن کی بزرگی کا

مقتضی ہواور شریعت اسلامیہ کے موافق ہو۔

اور دین میں پیروی (اور تقلید کرو اُس شخص کے طریقہ کی جس نے رجوع کیا) توحید اور اخلاص کے ساتھ (میری طرف)، اور وہ میرے محبوب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور انہیں میں صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور اُن جیسے دوسرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ (پھر میرے ہی) یعنی میری ہی جزا کی (طرف تم لوگوں کو لوٹنا ہے، تو بتادوں گا میں تم کو جو تم) از قسم بھلائی۔۔۔یا۔۔۔بُرائی (کرتے تھے)۔

یہ آیت حضرت سعد بن وقاص کی شان میں نازل ہوئی، جیسا کہ سورۂ عنکبوت میں مذکور ہے اور لقمان کے قصے میں اس حکم کا ذکر ممانعتِ شرک کی مناسبت کے سبب سے ہے۔ روایت ہے کہ حضرت سعد بن وقاص کی ماں نے تین۳ دن کھانہ کھایا نہ پانی پیا، یہاں تک کہ اُن کا منھ لکڑی سے کھول کر حلق میں پانی ڈال دیا اور حضرت سعد یہی کہتے تھے کہ بالفرض اگر اِس کی ستر۷۰ روحیں ہوں اور ایک ایک قبض کریں، یعنی اگر ستر۷۰ بار مرے، تو بھی میں دینِ اسلام سے نہیں پھرتا۔۔۔ پھر دوبارہ لقمان کی وصیت حق تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔۔۔

يٰبُنَىَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِىْ صَخْرَةٍ

"اے میرے بیٹے! بلاشبہ اگر کرتوت رائی کے دانے برابر ہو، پھر وہ ہو کسی پتھر میں،

اَوْ فِى السَّمٰوٰتِ اَوْ فِى الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ⑯

یا آسمانوں میں، یا زمین میں، لے آئے گا اُسے اللہ۔ بے شک اللہ ہر باریک کا جاننے والا بتانے والا ہے●

(اے میرے بیٹے) آدمی جو نیک۔۔۔یا۔۔۔بدکام کرتا ہے (بلاشبہ اگر) اس کا یہ (کرتوت رائی کے دانے برابر ہو) جو سب دانوں سے چھوٹا ہوتا ہے، (پھر وہ کسی) بڑے (پتھر میں) اور وہ بھی ایسے جو ساتویں۷ زمین کے نیچے ہو، (یا) وہ کام (آسمانوں میں) یا بلند و بالا وسیع تر آسمانوں کے اوپر ہو (یا) طویل وعریض (زمین میں) کسی پوشیدہ جگہ ہو، تو (لے آئے گا اُسے اللہ) تعالیٰ، اور حاضر کردے گا اور اُس کا حساب لے گا۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر باریک) اور چھوٹی سی چھوٹی چیز (کا جاننے والا) ہے۔ اُس کا علم ہر پوشیدہ چیز کو گھیرے ہوئے ہے، تو وہ سب کو جاننے والا اور اپنے مخصوص بندوں میں سے جس کو چاہے اس کو (بتانے والا ہے)۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اور اُن میں کس کا ٹھکانہ کدھر ہوگا اُس سے بھی باخبر ہے۔

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ

اَے میرے بیٹے پابندی رکھو نماز کی، اور حکم دو نیکی کا، اور روکو بُرائی سے، اور صبر کرو

عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۚ﴿۱۷﴾

اُس پر جو مصیبت آئے تمہاری۔ بے شک یہ حوصلے کے کام ہیں●

(اے میرے بیٹے پابندی رکھو نماز کی) تاکہ تیرا نفس مرتبہ کمال کو پہنچے، (اور حکم دو نیکی کا، اور روکو بُرائی سے) تاکہ اور لوگ تیرے سبب سے کامل ہوں **مَعْرُوْف** وہ ہے جو شریعت اور سنت کے موافق ہو اور 'منکر' وہ ہے جو عقل ونقل کے مخالف ہو۔ (اور) اَے میرے بیٹے (صبر کرو اس پر جو مصیبت آئے تمہاری)، خصوصاً اوامر ونواہی کی تعمیل کی صورت میں تم کو جن مشقتوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے، اُس پر صبر وضبط سے کام لو۔ (بے شک یہ) جو حکم کیا گیا ہے وہ واجباتِ امور سے اور (حوصلے کے کام ہیں)، خدائے تعالیٰ کی طرف سے جن کا قطعی حکم ہے اور جن کی ادائیگی واجب ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ

اور مت بے رخی کرنا لوگوں سے، اور نہ چلنا زمین میں اِترا کر۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۚ﴿۱۸﴾

بے شک اللہ نہیں پسند فرماتا کسی اِترانے والے، ڈینگ مارنے والے کو●

(اور) اَے میرے بیٹے! ہمیشہ اسلامی اخلاقی قدروں کا پاس ولحاظ رکھنا اور (مت بے رخی کرنا لوگوں سے) تکبر کی وجہ سے، بلکہ فروتنی کے ساتھ اُن کی طرف متوجہ رہنا۔ (اور نہ چلنا زمین میں اِترا کر) جیسے کہ خود غرضی کے واسطے ہنسی کھیل کرنے والے مغرورین، چلتے ہیں۔ یعنی جاہل دُنیا پرستوں کی طرح نہ چلنا، کیونکہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا کسی اِترانے والے ڈینگ مارنے والے کو) جو اسباب تنعم کے سبب سے لوگوں کے سامنے اکڑتا ہے۔

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ

اور میانہ روی رکھو اپنی چال میں، اور پست رکھا کرو اپنی آواز۔ بے شک سب سے زیادہ ناگوار آواز

لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۚ﴿۱۹﴾ ع ٢ ٨ ١١

یقیناً گدھے کی آواز ہے"●

(اور میانہ روی رکھو) یعنی اوسط درجہ اختیار کرو (اپنی چال میں)، یعنی جلد اور آہستہ چلنے کے درمیان کی رفتار اختیار کرو، اس واسطے کہ جلدی جلدی چلنا ہلکے پن اور سبکساری کی علامت ہے اور ٹھہر ٹھہر کر دیر سے قدم اُٹھانا تکبر اور اپنے احساسِ برتری کی نشانی ہے۔۔ المختصر۔۔ نہ تو اپنی رفتار میں ہلکے پن کا مظاہرہ کرو اور نہ ہی اُس میں غرور کا شائبہ آنے دو، بلکہ میانہ رو رہ کر فروتنی کے ساتھ قدم رکھو۔ (اور پست رکھا کرو اپنی آواز)، یعنی چیخنے اور چلاّنے سے پرہیز کرو، کہ تمہیں زبان دراز اور سخت گو سمجھا جانے لگے۔ یاد رکھو! آواز بلند کرنے میں کچھ فضیلت نہیں۔ دیکھو گدھے کہ آواز کتنی بلند ہوتی ہے، باوصف اس کے طبیعت کو بُری معلوم ہوتی ہے اور دماغ کو پریشان کر دیتی ہے۔ یہ بات کسی پر پوشیدہ نہیں کہ (بے شک سب سے زیادہ ناگوار آواز یقیناً گدھے کی آواز ہے)۔

عرب کے مشرک آواز بلند ہونے پر تفاخر کرتے تھے۔ اِس آیت میں حق تعالیٰ نے اُن کے فخر کو اُن پر رَد کر دیا اور نبی کریم نرم آواز پسند فرماتے تھے، اور بلند آواز سے کراہت فرماتے تھے۔ انجیل میں مذکور ہے کہ حکم کر میرے بندوں کو کہ میرے ساتھ مناجات کیا کریں، تو اپنی آوازوں کو سُلا دیں یعنی آہستہ مناجات کریں، کیونکہ میں سنتا ہوں اور جو کچھ اُن کے دلوں میں ہے جانتا ہوں۔

اِس مقام پر عربوں کے اسلوبِ بیان کی رعایت کی گئی ہے، کیونکہ وہ بطورِ مثل گدھے کی آواز کو سب سے زیادہ مکروہ اور بدتر آواز قرار دیتے تھے۔ اب اگر بعض حیوانوں کی آواز اِس سے بھی بُری ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، اس لیے کہ عربوں کے محاورات میں کسی اور جانور کے حق میں اَنْکَرُ الْاَصْوَاتِ کی مثل رائج نہ تھی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر حیوان کی آواز اُس کی تسبیح ہے، مگر گدھے کی چیخ شیطان کو دیکھنے سے ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب سنو تم گدھے کی آواز سیپوں، تو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کہو، اس واسطے کہ بے شک گدھے نے شیطان کو دیکھا ہے۔ بعض عارفین سے گدھے کی آواز بدتر ہونے کی وجہ یہ منقول ہے، کہ چونکہ گدھا اکثر گھاس پانی کے واسطے چلاّتا ہے۔۔ یا۔۔ شہوت جھاڑنے کو۔۔ یا۔۔ دوسرے گدھے سے لڑنے کے لیے آواز نکالتا ہے، تو اُس کی آواز اُس کی بہیمی اور سبعی صفات کی پیداوار ہوتی ہے، اس لیے وہ سب آوازوں سے بدتر ہوتی ہے۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ جو ندا صاحبِ اخلاقِ ربانی اور فرشتہ خصلت لوگوں سے آتی

ہے، وہ سب صداؤں اور نداؤں سے بہتر ہوگی۔

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اِس سے استدلال فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر ستونوں کے آسمان بنائے جنہیں تم دیکھتے ہو، اور زمین میں مضبوط پہاڑوں کو نصب کر دیا تاکہ وہ تمہیں لرزا نہ سکے، اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیے، اور آسمان سے پانی نازل کیا، سو ہم نے زمین میں ہر قسم کے عمدہ غلے اور میوے پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں سے اپنی الوہیت اور توحید پر استدلال فرمایا تھا۔ اب آگے والی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید پر اپنی دی ہوئی مزید نعمتوں سے استدلال فرمایا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَیْكُمْ

کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا، کہ بلاشبہ اللہ نے قابو میں کر دیا تمہارے، جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور بھرپور اتارتم پر

نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ

اپنی ظاہر و باطن نعمتوں کو۔ اور اُنہیں لوگوں میں وہ ہے کہ جھگڑتا ہے اللہ کے بارے میں، نہ علم

وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ﴿۲۰﴾

اور نہ ہدایت، اور نہ کوئی روشن کتاب ●

(کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا) اے لوگو! **(کہ بلاشبہ اللہ)** تعالیٰ **(نے قابو میں کر دیا تمہارے)** اور مسخر کر دیا تمہارے واسطے **(جو کچھ آسمانوں میں ہے)** یعنی آفتاب و ماہتاب، کہ ان کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے ہو اور ستارے کہ اُن کے سبب سے راہ پاتے ہو۔ **(اور جو کچھ زمین میں ہے)**۔۔ مثلاً: پہاڑ، میدان، دریا، حیوانات، نباتات اور کھانیں کہ اُن سے نفع حاصل کرتے ہو **(اور بھرپور اُتارا تم پر اپنی ظاہر و باطن نعمتوں کو)** یعنی جو نعمتیں تم پہچانتے ہو اور جو نہیں پہچانتے۔۔ یا۔۔ نعمتیں جو محسوس ہیں یعنی حواس سے پہچانی جاتی ہیں اور جو معقول ہیں کہ عقل سے دریافت ہوتی ہیں۔

علماء نے 'نعمت' کی تین سو ۳۰۰ تفسیر کی ہے، اور جو نعمت ظاہر اور مشہور ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ اور 'نعمتِ باطن' فرشتوں کی امداد۔ ایک قول کے مطابق 'نعمتِ ظاہر' خوبصورتی ہے اور 'نعمتِ باطن' نیک سیرتی ہے۔۔ یا۔۔ توحید کا اقرار نعمتِ ظاہر ہے اور تصدیق نعمتِ باطن ہے۔۔ یا۔۔ نطق و گویائی نعمتِ ظاہر ہے اور عقل و فہم نعمتِ

باطن ہے۔۔یا۔۔وجودِ نعمت نعمتِ ظاہر ہے اور شہودِ منعم نعمتِ باطن ہے۔۔یا۔۔درستی اعضاء نعمتِ ظاہر ہے اور معرفتِ ملک اعلیٰ نعمتِ باطن ہے۔۔یا۔۔حفظِ قرآن نعمتِ ظاہر ہے اور اُس کے معنی سمجھنا نعمتِ باطن ہے۔۔یا۔۔دن نعمتِ ظاہر ہے اور رات نعمتِ باطن ہے ۔۔یا۔۔نماز نعمتِ ظاہر ہے اور روزہ نعمتِ باطن ہے۔۔یا۔۔زبان سے ذکر نعمتِ ظاہر ہے اور ذکرِ قلبی نعمتِ باطن ہے ۔۔یا۔۔بدنوں کی صحت نعمتِ ظاہر ہے اور دینوں کی صحت نعمتِ باطن ہے۔۔یا۔۔بصر نعمتِ ظاہر ہے اور بصیرت نعمتِ باطن ہے۔۔یا۔۔منافع کھینچنا نعمتِ ظاہر ہے اور ضرر دفع کرنا نعمتِ باطن ہے۔۔یا۔۔زیادتی اموال نعمتِ ظاہر ہے اور صفائی احوال نعمتِ باطن ہے۔۔یا۔۔نبوت نعمتِ ظاہر ہے اور ولایت نعمتِ باطن ہے۔۔یا۔۔فقیر کو دن میں انصاف دینا نعمتِ ظاہر ہے اور اُس کو رات میں انصاف دینا نعمتِ باطن ہے ۔۔الحتصر۔۔انسانوں کو جو جو نعمتیں ملی ہیں وہ سب کی سب خدائے قدیر ہی کی عطا کردہ ہیں، خواہ وہ ظاہری ہوں۔۔یا۔۔باطنی۔لیکن یہ کس قدر بے توفیقی کی بات ہے کہ بعض بدنصیب انسان ایسے انعام فرمانے والے اور نعمتوں کو عطا فرمانے والے کی ذات وصفات کے تعلق سے بحث ومباحثہ پر اتر آتے ہیں۔آخر وہ کون ہیں؟ تو سنو۔۔۔

(اور) یاد رکھو! کہ (اُنہیں لوگوں میں) سے نضر بن حارث (وہ ہے) جو (کہ جھگڑتا ہے اللہ) تعالیٰ کی کتاب (کے بارے میں) یعنی قرآنِ کریم کو اگلوں کی کہانی کہتا ہے۔اتنا بڑا دعویٰ اور وہ بھی (نہ) کسی (علم) صحیح کی بنیاد پر (اور نہ) ہی کسی (ہدایت) کا ثمرہ (اور نہ) ہی (کوئی روشن کتاب) اُس کو ثابت کرنے والی۔اُس کی یہ پوری بکواس صرف اس کے ضد وعناد اور جہل وطغیان کی پیداوار ہے ۔۔بلکہ۔۔یہ سب کچھ اپنے باطل آباءواجداد کی تقلید کی راہ سے بک رہا ہے۔۔یہی وجہ۔۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

اور جب کہا گیا اُنہیں کہ "پیروی کرو اُس کی، جسے اُتارا اللہ نے" بولے کہ "ہم پیروی کرتے ہیں جس پر پایا ہم نے اپنے باپ

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

دادوں کو"۔کیا گو شیطان بُلا رہا ہو اُنہیں جہنم کے عذاب کی طرف !○

(اور) یہی سبب ہے، کہ (جب کہا گیا اُنہیں) یعنی نضر بن حارث اور اُس کے ہم خیالوں سے (کہ پیروی کرو اُس کی جسے اُتارا اللہ) تعالیٰ (نے) اور اس پر ایمان لاؤ، تو (بولے کہ ہم پیروی

کرتے ہیں) اُس چیز کی (جس پر پایا ہم نے اپنے باپ دادوں کو) یعنی خدا کی نازل فرمودہ کتاب کی ہم پیروی نہیں کرتے اور نہ ہی اس پر ایمان لاتے ہیں، بلکہ ہم تو اپنے باپ دادوں ہی کی پیروی کرتے ہیں۔۔۔الغرض۔۔اپنے بزرگوں کی ہی راہ پر ہم چلتے رہیں گے۔(کیا گو)، یعنی خواہ (شیطان) اپنے وسوسوں کے ذریعہ (بلا رہا ہو انہیں جہنم کے عذاب کی طرف)، تو بھی یہ اِسی طرح پیروی کرتے رہیں گے اُس کی، اور تقلیدِ باطل سے نہ درگزریں گے۔

اب اِس کے بعد ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔سب سے مضبوط رسّی اور سب سے مضبوط رستہ اللہ کی جانب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی اور منقطع ہوجانے والی ہے اور اللہ تعالیٰ باقی ہے اور اس کا کوئی انقطاع نہیں ہے۔اور جو شخص اللہ کے رستہ اور اُس کے سہارے کو پکڑ لے گا، تو وہ اُس کو اللہ تک پہنچادے گا۔اُس کا انجام بہت اچھا ہوگا اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ جس شخص کے معاملات کا رجوع صرف ایک ذات کی طرف ہو، پھر وہ اس کے پہنچنے سے پہلے اس کی طرف ہدیے بھیجتا رہے، تو جب اُس ذات کی طرف پہنچے گا، تو اُس کو اُس ذات کے فوائد حاصل ہوجائیں گے۔

اِسی مضمون کی طرف سورۂ بقرہ کی آیت ۱۱۰ میں اشارہ ہے کہ "اور تم نے اپنے نفع کے لیے جو کچھ پہلے بھیجا ہے تم اُس کے اجر و ثواب کو اللہ کے پاس پالو گے"۔۔چنانچہ۔۔اس تعلق سے فرمانِ خداوندی۔۔۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ

اور جو جھکا دے اپنا رخ اللہ کی طرف، اور وہ مخلص ہے، تو اُس نے تھام لیا مضبوط کڑی کو۔

وَاِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۲۲

اور اللہ ہی کی طرف ہے سارے کاموں کا انجام●

(اور) ارشادِ الٰہی ہے، کہ (جو جھکا دے اپنا رخ اللہ) تعالیٰ (کی طرف اور وہ مخلص) یعنی نیک کام کرنے والا موحد (ہے، تو اُس نے) بے شک و شبہ (تھام لیا) کلمۂ شہادت۔یا۔اسلام۔یا۔قرآن۔یا۔حب لِلّٰہ و بغض لِلّٰہ۔یا۔طریقہ سنت و جماعت کی (مضبوط کڑی کو، اور اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف ہے سارے کاموں کا انجام)۔یعنی جملہ اہلِ امور یعنی تمام خلائق کو اُسی کی طرف پھرنا ہوگا۔

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے احوال ذکر فرمائے تھے۔اب ان

آیتوں میں کفار کے احوال بیان فرما رہا ہے کیونکہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔۔
چنانچہ۔۔ارشادِ خداوندی۔۔۔

وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ۭ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۭ

اور جس نے کفر کیا، تو نہ رنجیدہ کرے تمہیں اُس کا کفر۔ ہمارے ہی طرف اُن کا لوٹنا ہے، پھر بتادیں گے ہم جو اُنہوں نے کر رکھا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۲۳

بے شک اللہ جانتا ہے سینے والی بات کو●

(اور) فرمانِ الٰہی ہے، کہ اے محبوب! (جس نے کفر کیا) اور ایمان نہ لایا اور عُرْوَةُ الْوُثْقٰى کو نہ تھاما۔۔الحاصل۔۔آپ کی تکذیب کی، (تو نہ رنجیدہ کرے تمہیں اُس کا کفر)۔ کیونکہ جس شخص کی تکذیب کی جائے اور اُس کو یقین ہو کہ عنقریب اُس کا صدق ظاہر ہو جائے گا، تو اس کو کوئی غم نہیں ہوتا۔۔بلکہ۔۔ تکذیب کرنے والا دشمن جب غیر ہدایت یافتہ ہو اور اس کو یہ بھی معلوم ہو کہ جس کی وہ تکذیب کر رہا ہے، وہ صادق اور برحق ہے، تو وہ بہت جلد شرمندگی اور رسوائی سے دوچار ہوتا ہے۔ پس غم اور افسوس تو اُن کافروں کو کرنا چاہیے جو آپ کی تکذیب کر رہے ہیں، نہ کہ آپ کو غم اور افسوس کرنا چاہیے، کیونکہ وہ شرمندگی اور رسوائی کے خطرہ میں ہیں، اور بالآخر (ہماری ہی طرف اُن کا لوٹنا ہے، پھر) ان کے مناسب حال اُن کو عذاب دے کر (بتادیں گے ہم جو انہوں نے کر رکھا ہے)۔ یعنی اُن کے کرتوتوں کے مطابق انہیں عذاب دے کر اُن کے اعمال کی قباحت و شناعت ہم اُن پر ظاہر کر دیں گے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ خوب (جانتا ہے سینے والی بات کو)۔ بھلائی بُرائی دل میں جو بھی ہو اللہ تعالیٰ اُن سب سے باخبر ہے۔ دُنیا میں اِن کافروں کو خوشی اور نعمت کے سبب سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ۔۔۔

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۲۴

برتنے دیتے ہیں ہم اُنہیں کچھ، پھر بیتاب کر دیں گے ہم اُنہیں سخت عذاب کی طرف●

(برتنے دیتے ہیں ہم انہیں کچھ) تھوڑی مدت، کہ جلد تمام ہو جائے۔ (پھر بے تاب کر دیں گے ہم انہیں سخت عذاب کی طرف)، یعنی پھر لائیں گے ہم انہیں مضطر اور ناچار کر کے سخت، گاڑھے اور بھاری عذاب کی طرف جو ہرگز سبک نہ ہوگا، بلکہ عذاب میں روز بروز ترقی ہوگی۔

مذکورہ بالا آیت کی ایک توجیہہ یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ کفار دُنیا میں رسولوں کو جھٹلاتے ہیں اور آخرت میں ان پر منکشف ہوگا کہ رسول تو سچی خبریں دے رہے تھے، اور جواُن کو جھٹلا رہے تھے وہی غلط اور باطل تھے۔ اس وقت وہ خجل اور شرمندہ ہوں گے اور اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے گھبرائیں گے، تو فرشتے انہیں گھسیٹ کر دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ اس لیے فرمایا، کہ۔۔۔

آپ اُن کے کفر اور تکذیب سے غم نہ کریں۔ ہم روزِ قیامت ان کو ان کے کاموں کی خبر دیں گے۔۔۔

وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ

اور اگر تم نے پوچھا اُن سے کہ "کس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو؟" تو ضرور جواب دیں گے کہ "اللہ"۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

کہو کہ "الحمد للہ"۔ بلکہ اُن کے بہتیرے بے علم ہیں●

اَے محبوب! ان کافروں (اور) مشرکوں کا حال عجیب ہے، کہ (اگر تم نے پوچھا اُن سے کہ کس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، تو) لاشعوری طور پر ہی سہی، (ضرور جواب دیں گے کہ اللہ) تعالیٰ نے، اس واسطے کہ غیر خدا کی طرف پیدا کرنے کی اسناد کو باطل کرنے والی دلیلیں بہت کھلی ہوئی ہیں۔ تو اَے محبوب! شکر کرو اور (کہو کہ الحمد للہ) یعنی سب تعریفیں اللہ کے واسطے ہیں، اور شکر کرو کہ وہ اقرار کرتے ہیں اُس چیز کا جس سے اُن کا اعتقاد باطل ہونا ثابت ہے، (بلکہ اُن کے بہتیرے بے علم ہیں) انہیں خبر ہی نہیں کہ اِس اقرار کے سبب سے اُن پر کیا الزام آتا ہے؟ اور جب یہ ظاہر ہو گیا کہ خدائے تعالیٰ ہی خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ہے تو یہ بھی ثابت ہو گیا کہ۔۔۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بے شک اللہ ہی بے پرواہ حمد والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے)۔ تو جب ساری کائنات کا خالق و مالک وہی ہے، تو پھر اُس کے سوا کوئی مستحق عبادت نہیں، اور (بے شک اللہ) تعالیٰ (ہی بے پرواہ) ہے اپنی ذات سے سب چیزیں پیدا ہونے کے قبل سے، اور (حمد والا ہے) اپنی صفات کے ساتھ سب

زندوں کی گویائی کے قبل سے۔۔یا۔۔بے پرواہ ہے سب تعریف کرنے والوں کی تعریف سے اور تعریف کیا ہوا ہے بے اُن کی تعریف کیے ہوئے۔

سورۂ کہف کے آخر میں گزرا کہ یہود نے قرآن پر اعتراض کیا، کہ کہیں تو اِس میں ہے کہ تم کو حکمت کے ساتھ ہم نے سب کچھ دیا ہے، اور کہیں ہے کہ تم کو تھوڑا سا علم دیا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا یعنی کہہ دو کہ اگر دریا ہو سیاھی۔۔الخ اس صورت میں بھی اُس خبر کی تاکید کے واسطے فرماتا ہے۔۔۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ

اور اگر بلاشبہ جو کچھ زمین میں ہیں درخت، قلم ہوں، اور سمندر روشنائی ہو اُن کی، ایک کے پیچھے

سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ؀

ساتھ سمندر، تو بھی نہ ختم ہوں اللہ کے کلمے۔۔بے شک اللہ عزت والا حکمت والا ہے●

(اور) نازل کرتا ہے، کہ (اگر بلاشبہ جو کچھ زمین میں ہیں درخت) وہ سب (قلم ہوں اور سمندر) بحرِ محیط باوصف اپنی وسعت کے (روشنائی ہو اُن کی)، اور صرف ایک ہی سمندر نہیں بلکہ (ایک کے پیچھے سات سمندر)۔۔الغرض۔۔صرف ایک ہی سمندر کی روشنائی نہیں بلکہ سات سمندر کی روشنائی ہو جو اس بحرِ محیط کا پانی تمام ہو جانے کے بعد اُس کو مدد دے اور سارے اقلام ان دریاؤں کے پانی کی سیاھی سے لکھیں، (تو بھی نہ ختم ہوں اللہ) تعالیٰ (کے کلمے)۔یعنی علم الٰہی اور عجائبِ صنع بادشاہی۔۔۔یا۔۔دُنیا میں جو کچھ پیدا کیا ہے اور عقبیٰ میں جو کچھ پیدا کرے گا اُن کے نام۔۔یا۔۔اُس کے حکم اور فرمان۔۔یا۔۔جو نعمتیں کہ دونوں جہاں میں بندوں کو پہنچاتا ہے، اس واسطے کہ سیاھی اور قلم کی نہایت ہے، اور یہ جو مذکور ہوا بے نہایت ہے۔۔الحاصل۔۔مخلوقات کے علوم کو قلیل و کثیر جو بھی کہا جاتا ہے، وہ مخلوقات کے اعتبار سے ہی کہا جاتا ہے۔

رہ گیا علم الٰہی؟ تو اُس کے سامنے ساری مخلوقات کے علم کو وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہے، اس لیے کہ قطرہ کی نسبت سمندر کی طرف متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے، اور جملہ مخلوقات کے علوم و معارف کی نسبت ذاتِ الٰہی وصفاتِ ربانی کی طرف متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (عزت والا) ہے جو غالب ہے احکام بے نہایت میں اور (حکمت والا ہے)،

کوئی چیز اُس کی حکمت اور علم سے باہر نہیں۔

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ إِلَّا كَنَفْسٍ وَاحِدَةٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۲۸﴾

نہیں ہے تم سب کا پیدا کرنا اور تم سب کو اُٹھانا، مگر جیسے ایک جان کا۔ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے●

اُے مکہ والو! خدا کے علم وحکمت اور غلبہ وقدرت کی شان یہ ہے، کہ (نہیں ہے تم سب کا پیدا کرنا اور تم سب کو اُٹھانا) موت کے بعد، (مگر جیسے ایک جان کا) پیدا کرنا اور اُسے مرنے کے بعد اُٹھانا۔ اِس واسطے کہ حق تعالیٰ پیدا کرنے میں اوزار اور مددگار کا محتاج نہیں، بلکہ ایک لفظ کُنْ سے لاکھ عالم پیدا کرتا ہے۔ اور مُردوں کو اٹھانے میں پہلے کچھ چیزیں کرنے کی احتیاج نہیں رکھتا، بلکہ حضرت اسرافیل کو حکم کردے گا کہ کہہ دو، کہ "اٹھو قبروں سے،" بس ایک ہی پکار میں سب مخلوق اپنی اپنی قبروں سے نکل آئیں گے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے سب سننے کی باتیں اور (دیکھنے والا ہے) سب دیکھنے کی چیزیں، اور یقیناً ایسے قادرِ مطلق کی قدرتِ کاملہ میں عاجزی کو دخل نہیں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ داخل کرتا ہے رات کو دن میں، اور داخل کرتا رہتا ہے دن کو رات میں، اور قابو میں رکھا سورج

وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى وَأَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۹﴾

اور چاندکو۔ ہر ایک چل رہا ہے میعادِ مقرر تک، اور بے شک اللہ جو تم لوگ کرو اُس سے باخبر ہے●

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (داخل کرتا ہے رات) کے اندھیرے (کو دن) کے اُجالے (میں)۔ یہ شام کو ہوتا ہے۔ (اور داخل کرتا رہتا ہے دن) کے اُجالے (کو رات) کے اندھیرے (میں)۔ یہ صبح ہوئے ہوتا ہے۔

۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ رات دن کی مقداریں کم اور زیادہ کرتا ہے۔

(اور قابو میں رکھا سورج اور چاند کو)۔ اِن دونوں کے سبب سے خلق کو فائدے پہنچتے ہیں۔ (ہر ایک چل رہا ہے) اپنے آسمان میں اپنی (میعادِ مقرر تک) کے لیے۔ اور وہ قیامت کا روز ہے۔ اُس دن ان کا چلنا البتہ بند ہو جائے گا۔ (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (جو تم لوگ کرو اُس سے باخبر ہے) اور سب امور کی باریکی پہچانتا ہے اور۔۔۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ

یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے، اور بے شک جس کی وہ لوگ دُہائی دیتے ہیں اللہ کے خلاف، باطل ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝۳۰

اور بے شک اللہ ہی بلند بڑائی والا ہے●

(یہ) وسعتِ علم اور شمولِ قدرت (اس لیے) اور اِس سبب سے ہے، (کہ اللہ) تعالیٰ (ہی حق ہے)۔ یعنی ثابت ہے اپنی ذات میں اور واجب ہے اپنے وجود میں۔ (اور بے شک جس کی وہ) مشرک (لوگ دُہائی دیتے ہیں) اور پوجتے ہیں (اللہ) تعالیٰ (کے خلاف)، وہ (باطل) یعنی بے ہودہ اور ناحق (ہے۔ اور بے شک اللہ) تعالیٰ (ہی بلند) و برتر اور سب پر غالب (بڑائی والا ہے)۔ اُس سے بڑا کوئی نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ

کیا نہیں دیکھا تم نے کہ کشتیاں چلتی ہیں دریا میں اللہ کے کرم سے، تاکہ دکھادے تمہیں اپنی کچھ نشانیاں،

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۱

بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے●

(کیا نہیں دیکھا تم نے) اور نہیں جانا تُو نے (کہ کشتیاں چلتی ہیں دریا میں اللہ) تعالیٰ (کے کرم سے) اور اُس کے احسان سے، کہ وہی کشتی کی پانی کے اوپر نگہبانی کرتا ہے اور ہوا کہ کشتی چلانے کے واسطے بھیجتا ہے، (تاکہ دکھادے تمہیں اپنی) قدرت کی (کچھ نشانیاں) کشتی کے چلنے، ہلنے، اور دریا کے بعضے عجائبات میں۔ (بے شک اِس میں) یعنی کشتی اور دریا کے امور میں شمولِ قدرت، کمالِ حکمت اور وفورِ نعمت کی (ضرور نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے)۔ یعنی اُن کے لیے جو اُس کی بلاء پر صبر کرتے ہیں اور اُس کی نعمتوں پر شکر کرتے ہیں۔

یوں تو کشتی سبھی اپنے سواروں کو پار لگاتی ہے، لیکن کشتی میں جو ایمان والے ہوتے ہیں، صرف وہی کشتی میں حالتِ اضطراب میں اپنی مانگی ہوئی دُعا اور امید پر ثابت رہتے ہیں۔ اور مشرک لوگ دریا سے نجات پاتے ہی منکر ہوجاتے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ اُن کی حالت۔۔۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰهُمْ

اور جہاں چھانپ لیا اُنہیں موج نے مثل سائبان کے، تو پکارنے لگے اللہ کو نِرے اللہ کے ہوکر عقیدہ میں۔۔پھر جب بچالیا اُنہیں

اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿٣٢﴾

خشکی کی طرف، تو کوئی ہے کہ اعتدال پر ہے۔ اور نہیں انکار کرتا ہماری آیتوں کا، مگر سارے بدعہد ناشکرے●

(اور) کیفیت یہ ہوتی ہے، کہ (جہاں چھانپ لیا انہیں موج نے مثل سائبان کے)، یعنی پہاڑوں کے مانند۔۔یا۔۔ابروں کے مثل، (تو پکارنے لگے اللہ) تعالیٰ (کو نِرے اللہ) تعالیٰ (کے ہوکر عقیدہ میں)، تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کشتی کے مسافروں کے دِلوں سے اس خوف شدید کو زائل فرمادے، جو دو مخالفین کے درمیان گھر جانے سے انہیں پیش آگیا ہے۔

ایک طرف ہوا کہ آفت اور کشتی کا اپنے فطری انداز سے چلنا ہے، اور دوسری طرف ملاحوں کا اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی کوشش کرنا ہے۔ اوّل کی کوشش یہ ہے کہ کشتی اپنے اصل مقام تک نہ پہنچے، اور دوسرے کی سعی ومحنت یہ ہے کہ کشتی اپنے اصلی مقام اور منزلِ مقصود تک پہنچ جائے۔ ظاہر ہے اِس کشاکش کے نتیجے میں کشتی سواروں کے دلوں میں جو خوف پیدا ہوتا ہے وہ لازمی طور انہیں خدا کی یاد دلاتا ہے، اور اُس وقت وہ بھی یقین کرلیتے ہیں کہ اِس مصیبت سے نجات بخشنے والا ربِّ قدیر کے سوا کوئی دوسرا نہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ بہت ہی عاجزی وفروتنی کے ساتھ حق تعالیٰ کو پکارنے لگتے ہیں۔

(پھر جب بچالیا انہیں)، چھڑالیا حق تعالیٰ نے انہیں اُس آفت سے اور صحیح وسالم پہنچادیا (خشکی کی طرف) کنارے میدان میں، (تو کوئی ہے کہ اعتدال پر ہے) یعنی طریقِ توحید پر ثابت قدم ہے، اور بعضے مُڑنے والے ہیں راہِ حق سے۔ (اور نہیں اِنکار کرتا ہماری آیتوں) اور ہماری قدرت کی نشانیوں (کا مگر سارے بدعہد) اور (ناشکرے) جو غدر کرنے والے اور عہد توڑنے والے ہیں۔

اب آگے عام خطاب فرمایا جاتا ہے۔ اس خطاب کے مخاطب وہ کشتی والے بھی ہیں جو اپنی دُعا اور امید پر ثابت ہوں۔۔یا۔۔جو اُن کا غیر ہو۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫

اے لوگو! ڈرو اپنے رب کو، اور خوف کرو اُس دن کا، کہ نہ کام آئے گا باپ اپنے بچے کے۔

وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ

اور نہ کوئی بچہ ہی کام آئے اپنے باپ کے کچھ۔ بے شک اللہ کا وعدہ درست ہے، تو نہ دھوکے میں ڈالے تمہیں

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۪ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ؀

دُنیاوالی زندگی۔۔اور نہ دھوکا دے سکے تمہیں اللہ کے بارے میں پکا دھوکے باز، شیطان●

(اَے لوگو! ڈرو اپنے رب کو) یعنی اپنے رب کے عذاب سے۔۔یا۔۔پرہیز کرو بُری باتوں سے، (اور خوف کرو اُس دن کا، کہ نہ کام آئے گا) کوئی بدعہد، ناشکرا اور کافر (باپ اپنے بچہ کے، اور نہ کوئی بچہ ہی کام آئے) گا (اپنے) کافر (باپ کے کچھ۔ بے شک) ثواب اور عذاب کے باب میں (اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ درست) اور سچا (ہے)۔ اِس میں کچھ خلاف نہیں اور نہ ہوگا۔

(تو نہ دھوکے میں ڈالے تمہیں دُنیاوالی زندگی)۔۔الغرض۔۔دُنیا کے دلفریب مال ومتاع اور اس کی زینت پر فریفتہ نہ ہو جاؤ (اور نہ دھوکا دے سکے تمہیں اللہ) تعالیٰ (کے بارے میں پکا دھوکے باز، شیطان)، جو تم کو لمبی لمبی امیدیں دلا کر راستے سے بے راہ کر دیتا ہے اور دِل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ آج گناہ کرلو، کل توبہ کرلینا۔ اور کل کا عذر ایسا ہے کہ ساری عمر ختم ہو جائے، مگر کل کا آنا باقی رہتا ہے۔ موت کا آنا یقینی ہے، مگر وہ کب آئے گی؟ اِس کا علم حق تعالیٰ ہی کے خزانہ مشیت میں ہے۔

۔۔چنانچہ۔۔جب حارث۔۔یا۔۔وارث بن عمر اور ایک محارب جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی، کہ اَے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قیامت کب ہوگی؟ اور میں نے کھیت بویا ہے پانی کب برسے گا؟ اور میری عورت حاملہ ہے اُس کے پیٹ میں لڑکا ہے۔۔یا۔۔لڑکی؟ اور مجھے بتادو کہ میں کل کیا کام کروں گا؟ اور میں پیدا ہونے کی جگہ تو جانتا ہوں، بھلا میں دفن کہاں ہوں گا؟

تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی، کہ ہمارے حبیب تم کہہ دو، کہ ان پانچوں چیز کا ذاتی علم میرے رب ہی کے خزانہ مشیت میں ہے۔ اس کی اطلاع کی کنجی اَے سائل! ابھی تک حق تعالیٰ نے کسی آدمی کے ہاتھ میں نہیں دی ہے۔۔تو۔۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ

بے شک اللہ کو ہے قیامت کا علم۔ اور وہ اُتارے مینہ کو۔ اور وہ جانے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ

اورنہیں اٹکل رکھتا کوئی، کہ کیا کمائے گا کل۔اور نہ قیاس کرسکے کوئی،

بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ﴿٣٤﴾ ع ١٣

کہ کس زمین میں مرے گا۔بے شک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (کو ہے قیامت کا علم) یقینی وذاتی۔(اور وہ اُتارے مینہ کو) اُس مقام پر جو ٹھہرایا اور مقرر فرمایا ہے۔(اور وہ جانے جو کچھ ماؤں کے پیٹ میں ہے) لڑکا۔۔یا۔۔لڑکی، پورا ۔۔یا۔۔ناقص (اور نہیں اٹکل رکھتا کوئی، کہ کیا کمائے گا کل) بھلائی۔۔یا۔۔بُرائی، (اور نہ قیاس کرسکے کوئی کہ کس زمین میں مرے گا) اور کس وقت مرے گا۔(بے شک اللہ) تعالیٰ عقل وحواس سے غائب ہر پوشیدہ چیز کا (جاننے والا) ہے، جب تک چاہے اُسے اپنے پردۂ کرم میں چھپائے رکھے۔اور (بتانے والا ہے) غیب کی باتیں اپنے منتخب بندوں کو، تو جب چاہے اُن پر غیب ظاہر فرمادے۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

٢١ رمحرم الحرام ١٤٣٣ھ ۔۔مطابق۔۔١٧ ردسمبر ٢٠١١ء

بروز شنبہ 'سورۂ لقمان' کی تفسیر مکمل ہوگئی۔دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کو مکمل کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

٢٢ رمحرم الحرام ١٤٣٣ھ ۔۔مطابق۔۔١٨ ردسمبر ٢٠١١ء

بروز یکشنبہ 'سورہ السجدۃ' کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی سورتوں کی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق رفیق عطا فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ ۳۲ مَكِّيَّة ۷۵ — اٰيَاتُهَا ۳۰ رُكُوْعَاتُهَا ۳

سورۂ سجدہ۔۔۳۲ مکیہ ۷۵ — آیاتہا ۳۰۔۔رکوعاتہا ۳

سُوْرَةُ السَّجْدَةِ

اِس سورہ کا نام 'السجدۃ' ہے، کیوں کہ اِس سورت کی آیت ۱۵ میں اِس بات پر مؤمنین کی تعریف وتحسین کی گئی ہے، کہ وہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور قرآنِ مجید کی آیات سن کر اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح کرتے ہیں۔ یہ سورۂ مبارکہ اپنے پڑھنے والے کی قبر میں وکالت کرے گی، اور کہے گی، کہ اَے اللہ اگر میں تیری کتاب سے ہوں، تو اِس شخص سے متعلق میری شفاعت قبول فرما، اور اگر میں تیری کتاب سے نہیں ہوں، تو مجھے اپنی کتاب سے مٹادے۔ اور یہ سورہ ایک پرندہ کے مانند ہوگی، اور اپنے پر اُس شخص پر پھیلادے گی۔ اُس کی شفاعت قبول کرلی جائے گی اور اُس کو عذاب سے محفوظ کردیا جائے گا۔

بعض بزرگ اِسے اور **تَبٰرَكَ الَّذِيْ** کو پڑھے بغیر نہیں سوتے تھے۔ اِس لیے کہ **تَبٰرَكَ الَّذِيْ** میں بھی یہی خوبی ہے۔ اِس سے پہلے سورۂ لقمان میں عقائد کی دواصلیں یعنی توحید اور حشر ونشر کے دلائل بیان کیے گئے تھے، اور اِس سورہ کی ابتداء عقائد کی تیسری اصل سے کی گئی ہے اور وہ رسالت ہے۔ ایسی عظیم الشان بابرکت سورۂ مبارکہ۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مؤمنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

الٓمّٓ ۝۱

ال م ●

(ال م)۔

خدا کی ہر کتاب کا ایک خلاصہ ہوتا ہے، قرآنِ کریم کا خلاصہ 'حروف مقطعہ' ہیں۔ **الٓمّٓ** کے تعلق سے ایک قول ہے، کہ 'الف' حلق کی انتہا سے نکلتا ہے، اور وہ حروف نکلنے کی سب جگہوں میں اوّل ہے۔ اور 'لام' زبان کے کنارے سے نکلتا ہے اور وہ حروف نکلنے کی جگہوں

میں اوسط ہے۔اور 'میم' ہونٹوں سے نکلتا ہے اور وہ حروف نکلنے کی جگہوں میں آخر ہے۔
تو یہ بات اس طرف اشارہ ہے کہ بندے کو چاہیے کہ اپنے اقوال وافعال کی ابتداؤں اور درمیان اور انتہاؤں میں اللہ کے ذکر کے ساتھ انس چاہتا رہے۔اب رہا یہ کہ اِن کلمات سے رب تعالیٰ کی اپنی مراد کیا ہے، یہ وہی علیم وخبیر جانے۔۔۔یا۔۔جسے وہ باخبر فرمائے وہ جانے۔
عام اذہان کو تو صرف اِتنا ہی سمجھ لینا اور مان لینا کافی ہے، کہ۔۔۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ

کتاب کا نازل فرمانا، اِس میں کوئی شک نہیں، کہ رب العلمین کی طرف سے ہے● یا کہتے ہیں یہ لوگ

افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ

کہ گڑھ لیا ہے اُسے۔بلکہ وہ ٹھیک ہے تمہارے رب کی طرف سے، تاکہ ڈر سنا دو اُس قوم کو، کہ نہیں آیا اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا

مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣﴾

تم سے پہلے، کہ وہ راہ پالیں●

(کتاب کا نازل فرمانا، اِس میں کوئی شک نہیں، کہ رب العالمین کی طرف سے ہے)، یعنی بلاشبہ یہ کتاب خدا کی طرف سے اُتاری گئی ہے۔تو کیا تصدیق کرتے ہیں مکہ کے لوگ، کہ یہ خدا کے پاس سے ہے؟ **(یا کہتے ہیں یہ لوگ کہ گڑھ لیا ہے اسے)**، یعنی محمد عربی ﷺ نے اسے اپنے جی سے بنالیا ہے۔
ایسا نہیں جو وہ کہتے ہیں۔**(بلکہ وہ ٹھیک)** یعنی صحیح و درست بات **(ہے)** اور کلام حق ہے جو **(تمہارے رب کی طرف سے)** اُتارا گیا ہے، **(تاکہ ڈر سنادو)** عذاب الٰہی سے **(اُس قوم کو کہ نہیں آیا اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا تم سے پہلے)**۔اِس سے فترت کا زمانہ مراد ہے۔اَے محبوب! حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے زمانے والوں کے واسطے ڈرانے والے تھے، اور تم اَے حبیب اپنی قوم کو ڈرانے والے ہو۔تو تم انہیں ڈراؤ شاید **(کہ)** تمہارے ڈرانے سے **(وہ راہ پالیں)** اگر میں چاہوں۔اَے محبوب! قوم کو سنادو، کہ۔۔۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ

اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے چھ دن میں، پھر

اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ

توجہ کی عرش پر۔ نہیں ہے تمہارا اُس سے الگ رہ کر کوئی یار نہ سفارشی۔

اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ④

تو "کیا سوچتے نہیں ہو؟"●

(اللہ) تعالیٰ ہی (ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے چھ دن میں)۔ یعنی چھ٦ دن کی مقدار میں دُنیا کے دنوں میں سے۔ (پھر توجہ کی عرش پر)۔۔ چنانچہ۔۔ غالب ہوا اُس کا حکم عرش پر، جو کہ ساری مخلوق سے بڑا ہے۔ تو اُس خدا پر ایمان لاؤ اور اُس کی راہ سے منہ نہ پھیرو، کیونکہ دُنیا و عقبیٰ میں (نہیں ہے تمہارا اُس سے الگ رہ کر کوئی یار نہ سفارشی) جو تمہارا مددگار ثابت ہو۔ (تو کیا سوچتے نہیں ہو) اور نصیحت نہیں مانتے خدا کے اور قرآن کے پند و نصائح سے۔ اور حق تعالیٰ کی شانِ کارسازی کو نہیں دیکھتے، کہ۔۔۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْهِ فِیْ یَوْمٍ كَانَ

وہ تدبیر فرماتا ہے ہر امر کی آسمان سے زمین تک، پھر بڑھ چلیں گے وہ اُس کی طرف اُس دن میں،

مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤

کہ جس کی مقدار ہزار سال ہے، جس قاعدہ سے تم شمار کرتے رہتے ہو●

(وہ تدبیر فرماتا ہے ہر امر کی آسمان سے زمین تک)۔ یعنی فرشتوں کو حکم کر کے ہر کام کراتا ہے۔ جو فرشتہ جس کام پر معین ہے حکمِ الٰہی پا کر اُس کام کو انجام دیتا ہے۔۔ الختصر۔ آسمان سے زمین کی طرف مامور فرشتہ آتا ہے اور وہ کام بجالاتا ہے۔ کام بجالانے کے بعد (پھر بڑھ چلیں گے وہ اُس کی طرف) یعنی آسمان کی طرف (اُس دن میں کہ جس کی مقدار ہزار سال ہے جس قاعدے سے تم شمار کرتے رہتے ہو)۔ یعنی آسمان سے اُترنا اور چڑھنا اتنی مدت میں کہ اگر آدمی جائے تو ہزار برس سے کم میں جانا میسر نہ آئے۔ اس واسطے کہ آسمان سے زمین تک پانچ سَو٥ برس کی راہ ہے، تو اُترنے اور چڑھنے کا زمانہ ہزار١٠٠٠ برس ہوا۔ اور جان لو کہ۔۔۔

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ⑥

یہ ہے چھپے اور کھلے کا جاننے والا، عزت والا رحم والا●

(یہ) ربِّ قدیر جو بندوں کا کام بناتا ہے (ہے چھپے اور کھلے کا جاننے والا)۔یعنی دُنیا وآخرت کے ظاہر و پوشیدہ امور کو جانتا ہے۔۔یا۔۔جانتا ہے جو کچھ ہو چکا اور ہوتا ہے اور ہوگا۔وہ (عزت والا) اور غالب ہے مقدر اور مقرر کرنے میں۔اور (رحم والا) مہربان ہے بندوں پر کام بنانے میں۔وہ علیم و حکیم اور قدیر و خبیر۔۔۔

الَّذِیْۤ اَحْسَنَ كُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ

جس نے خوب بنایا ہر چیز کو جسے پیدا فرمایا، اور شروع کیا انسان کی پیدائش کو مٹی سے●

(جس نے خوب بنایا ہر چیز کو) یعنی بہ مقتضائے حکمت ہر چیز کو آراستہ کیا اچھی صورت پر (جسے پیدا فرمایا، اور شروع کیا انسان کی) اصل حضرت آدم کی (پیدائش کو مٹی سے)، جس میں مٹی کا عنصر غالب ہے۔

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۚ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ

پھر کر دیا اُس کی نسل کو ذلیل پانی کے جوہر سے● پھر سڈول کیا اُسے، اور پھونکا اُس میں اپنی روح،

وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۹

اور دیا تمہیں کان اور آنکھیں اور دِل۔کتنا کم تم لوگ شکر گزار ہو●

(پھر کر دیا اُس کی نسل کو ذلیل پانی) یعنی نطفہ (کے جوہر سے● پھر سڈول کیا اُسے) یعنی سیدھا کیا آدم کا قالب (اور پھونکا اُس میں اپنی روح)۔اپنی روح میں اضافت، بندگی اور سرفرازی کی ہے، اور یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ روح بزرگ مخلوق ہے۔(اور) از راہِ نوازش پھر (دیا تمہیں کان) تاکہ سنو، (اور آنکھیں) تاکہ دیکھو، (اور دِل) تاکہ دریافت کرلو۔اور تمہارا حال ہے کہ (کتنا کم تم لوگ شکر گزار ہو) کہ ایسی نعمتوں پر بھی کماحقہٗ شکر ادا نہیں کرتے۔اور ابی ابن خلف جیسے بعض انسانوں کا خدائے عزیز و قدیم کی قدرت و حکمت پر ایمان نہ لانے کا یہ حال رہا۔۔۔

وَ قَالُوْۤا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ۬

اور بول دیے کہ "کیا جب ہم کھو گئے مٹی میں، تو کیا نئے سرے سے پیدائش میں آئیں گے"۔

بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۰﴾

بلکہ وہ اپنے رب کے ملنے سے اِنکاری ہیں●

(اور) یہ سوچ رہی کہ (بول دیے کہ کیا جب ہم کھو گئے مٹی میں، تو کیا نئے سرے سے پیدائش میں آئیں گے)۔

یہ استفہام اِنکار کے طور پر ہے، یعنی جب ہم خاک ہوجائیں گے تو نئی پیدائش ہمارے متعلق نہ ہوگی۔

اِتنا ہی نہیں، (بلکہ وہ) سِرے سے (اپنے رب کے ملنے سے) ہی (اِنکاری ہیں)۔ یعنی آخرت جو دیدار کی جگہ ہے، اُس پر اُن کا ایمان ہی نہیں۔ اَے محبوب! اُن آخرت کے منکروں سے۔۔۔

قُلْ یَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع ۱ ۱۴

کہہ دو کہ "تمہاری زندگی پوری کردے گا موت کا فرشتہ، جو مسلط کیا گیا ہے تم پر، پھر اپنے رب ہی کی طرف لوٹائے جاؤ گے"●

(کہہ دو، کہ تمہاری زندگی پوری کردے گا) اور تمہاری روح نکال لے گا (موت کا فرشتہ)، عزرائیل علیہ السلام (جو مسلط کیا گیا ہے تم پر) اور مقرر کیا گیا ہے تمہاری روح قبض کرنے پر (پھر اپنے رب ہی کی طرف) حساب اور جزا کے واسطے (لوٹائے جاؤ گے)۔

روایت ہے کہ عزرائیل علیہ السلام روحوں کو پکارتے ہیں وہ جواب دیتی ہیں، پھر وہ اپنے مددگاروں کو قبضِ ارواح کا حکم دیتے ہیں۔ بعض تفسیروں میں ہے، کہ ملک الموت کا ایک چہرہ آگ کا ہے۔ اُس چہرے سے کافروں پر ظاہر ہوتے ہیں اور اُن کی روح قبض کرتے ہیں، اور ایک چہرہ اُن کا ظلمت اور سیاہی کا ہے۔ اُس چہرے سے ظاہر ہو کر منافقوں کی روح نکالتے ہیں، اور ایک چہرہ آدمیوں کا سا ہے۔ وہ چہرہ ظاہر کر کے ایمان والوں کی روح نکالتے ہیں، اور ایک چہرہ ہے نور کا۔ اُس چہرے سے ظاہر ہو کر انبیاء اور صدیقوں کی روح قبض کرتے ہیں اور ان کے مددگار رحمت کے فرشتے بھی ہیں اور عذاب کے بھی۔ پس آدمی سے تعجب ہے کہ اُس کی گھات میں تو ایسا حریف لگا ہوا ہے، پھر وہ کیوں کر آرام طلبی کا دم بھرتا ہے اور غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ اَے دیکھنے والو! حشر کے دن۔۔۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا

اور اگر کہیں دیکھو کہ جب مجرم لوگ اپنا سر جھکائے ہیں اپنے رب کے یہاں کہ "پروردگارا! ہم نے دیکھ لیا

وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور سن لیا، اب دوبارہ بھیج دے ہمیں کہ ہم کریں نیک کام، بلاشبہ ہم یقین والے ہوگئے"●

(اور) بارگاہِ عدالت میں حضوری کے وقت (اگر کہیں دیکھو کہ جب مجرم لوگ اپنا سر جھکائے ہیں) خجالت وندامت کی وجہ سے (اپنے رب کے یہاں)۔ یعنی اس مقام پر جو عرض وگزارش کا محل و موقف ہے۔ البتہ دیکھے گا تُو ہول بھرے کام اور اُس وقت وہ کہیں گے (کہ پروردگارا ہم نے دیکھ لیا) جو کچھ تُو نے وعدہ کیا تھا، (اور سن لیا) ہم نے تجھ سے پیغمبروں کی تصدیق۔۔یا۔۔قیامت کے دن کی ہول ہم نے دیکھی اور صور کی آواز سنی۔ (اب دوبارہ بھیج دے ہمیں) دُنیا میں تا (کہ ہم کریں نیک کام، بلاشبہ ہم یقین والے ہوگئے) آخرت کے۔ اِس واسطے کہ اب ہم نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔۔چنانچہ۔۔ اب ہمیں شبہ نہیں رہا۔ پس حق تعالیٰ کا ارشاد ہوگا۔۔۔

وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدٰىهَا وَلٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّيْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ

اور اگر ہم چاہتے، تو ضرور دے دیتے ہر ایک کو اس کی راہ، لیکن بات ٹھیک ہوچکی میری طرف سے کہ "ضرور بھر دوں گا جہنم کو

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳﴾

جنات اور انسان سب سے"●

(اور) وہ فرمائے گا، کہ (اگر ہم چاہتے تو ضرور دے دیتے ہر ایک کو اُس کی راہ) یعنی اگر ہماری مشیت ہوتی تو دُنیا ہی میں وہ چیز عطا فرمادیتے جس سے وہ ایمان اور نیک کام کی طرف راہ پاجاتا۔ (لیکن بات ٹھیک ہوچکی میری طرف سے، کہ ضرور بھر دوں گا جہنم کو جنات اور انسان سب سے)۔ یہ بات مکمل طور پر میرے علم میں ہے، کہ جنات اور انسانوں میں کافروں کی اتنی تعداد ہوگی، جس سے جہنم بھر جائے گا اور ظاہر ہے کہ میرا علم ہر طرح کی بھول چوک، سہو ونسیان سے پاک ہے، اور میرے پاس جہل کا گزر نہیں۔۔الختصر۔۔مذکورہ بالا فیصلہ میرے علم کے مطابق ہے جس میں جہل کا امکان نہیں ہے، تو وہ ہو کے ہی رہے گا۔

فَذُوْقُوْا بِمَا نَسِيْتُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ اِنَّا نَسِيْنٰكُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ

تو چکھو، جو بُھلا دیا تھا تم لوگوں نے اپنی اس دن کی حاضری کو۔ بلاشبہ ہم نے بھی تمہاری بھول کی سزا دی، اور چکھا کرو ہمیشہ کے عذاب،

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

جو کرتوت کرتے تھے●

(تو) اب عذر و معذرت اور عرض و معروض کرنے کو چھوڑو، اور (چکھو) تم عذاب بہ سبب اُس کے (جو بھلا دیا تم لوگوں نے اپنی اِس دن کی حاضری کو) تو (بلاشبہ ہم نے بھی تمہاری بھول کی سزا دی اور) اب (چکھا کرو ہمیشہ کے عذاب) اُس کے بدلے (جو کرتوت کرتے تھے)، یعنی یہ تمہاری بداعمالیوں اور کفر کا نتیجہ ہے۔ اَے کافرو! تم نے ہمارے کلام کو کیا مانا؟۔۔۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ

بس مانتے ہیں ہماری آیتوں کو وہی، جنہیں جب یاد دلائی گئی اُن کی، تو گر پڑے سجدہ کرتے ہوئے، اور پاکی بیان کی

رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۱۵﴾ السجدۃ

اپنے رب کی حمد کے ساتھ، اور وہ بڑا نہیں بنتے●

(بس مانتے ہیں ہماری آیتوں) یعنی ہمارے کلام پاک کی آیتوں (کو وہی جنہیں جب یاد دلائی گئی اُن کی، تو گر پڑے سجدہ کرتے ہوئے اور پاکی بیان کی اپنے رب کی) اس چیز سے جو اس کی عظمت اور کبریائی کے لائق نہ ہو۔ ایسی تسبیح جو اُس کی (حمد کے ساتھ) ہو یعنی نالائق صفتوں سے تنزیہہ کرتے ہیں اور موافق صفتوں کے ساتھ تعریف کرتے ہیں۔ (اور وہ بڑا نہیں بنتے)۔ یعنی وہ ایمان، اطاعت اور سجدوں سے سرکشی نہیں کرتے۔

امام اعظم کے قول پر یہ نواں ۹ سجدہ ہے اور حضرت امام شافعی کے نزدیک دسواں۔ بعض بزرگوں نے اس کو 'سجدہ تذکر' کہا ہے۔ سجدہ کرنے والے کو چاہیے کہ اُس چیز کو یاد کرے جس سے غافل ہوا ہے، اور وجودِ واحد کی دلالت کی تصدیق کرے، کہ وہ دلالت سب چیزوں میں موجود ہے۔ جن مؤمنین کا اوپر ذکر ہوا انہیں میں بعض نفوسِ قدسیہ رکھنے والے ایسے بھی ہیں، کہ۔۔۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا

الگ رہتے ہیں اُن کے پہلو خوابگاہوں سے، دُہائی دیتے ہیں اپنے رب کی ڈرتے اور امید رکھتے۔

وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿١٦﴾

اور اُس سے جو ہم نے دے رکھا ہے اُنہیں خرچ خیرات کرتے ہیں●

(الگ رہتے ہیں اُن کے پہلو خواب گاہوں سے، دُہائی دیتے ہیں اپنے رب کی) اُس کے غضب سے (ڈرتے اور) اُس کی خوشنودی کی (امید رکھتے) ہوئے۔

اُن میں سے تو بعض وہ ہیں جو نمازِ عشاء کے وقت مسجدِ نبوی میں حاضر ہوتے پھر نمازِ فجر کی جماعت میں شرکت کے بعد ہی گھر واپس ہوتے۔ بعض صالحین میں سے کسی نے پوری شب صرف قیام، کسی نے صرف رکوع، اور کسی نے صرف سجدہ ہی میں گزار دیا۔۔یا۔۔کسی ایک ہی نے متعدد راتیں صرف ایک ایک رکنِ صلوٰۃ کو ادا کرنے میں گزار دی۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت اویس قرنی ہر رات کو مختلف رکن کے نام سے موسوم کرتے، کہ یہ سجدہ کی رات ہے، یہ رکوع کی رات ہے۔ پھر ایک ہی سجدہ میں۔۔یا۔۔ایک ہی رکوع میں پوری رات گزار دیتے۔ اُن سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کیونکر عبادت کی یہ طاقت رکھتے ہو، کہ بڑی بڑی راتیں ایک حال میں گزار دیتے ہو، حضرت اویس نے کہا بڑی بڑی رات کہاں ہے، کاش! کہ اَزل سے اَبد تک ایک ہی رات ہوتی کہ میں ایک ہی سجدہ میں اُسے تمام کر دیتا اور اس سجدہ میں نالہ زار اور گریہ بے شمار کرتا۔

۔۔المختصر۔۔جن کا اوپر ذکر ہوا وہ رات میں عبادت کرتے ہیں، (اور) دن میں (اُس سے جو ہم نے دے رکھا ہے اُنہیں خرچ خیرات کرتے ہیں)۔۔الحاصل۔۔رات میں وہ میری درگاہ میں گدائی کرتے ہیں اور دن کو میری راہ میں فقیروں کو دیتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٧﴾

تو کوئی نہ جانے کہ کیا چھپا رکھی گئی ہے اُن کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ ثواب اُن کے اعمال کا●

(تو کوئی نہ جانے کہ کیا چھپا رکھی گئی ہے اُن کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک۔ ثواب اُن کے اعمال کا)، یعنی وہ چیز جس سے آنکھیں روشن ہوں۔

جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے کہ "وعدہ کی گئی ہے میرے نیک بندوں کے واسطے وہ چیز جسے نہ آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا، اور نہ آدمی کے دِل پر گزری"۔ محقق لوگ اس بات پر ہیں کہ اُس پوشیدہ نعمت کو زبان پر نہ لانا انسب ہے۔ اُس نعمت کو دریافت کر لینے کا دعویٰ

صرف اہلِ مشاہدہ ہی کے لائق ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ ⑱ اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

"تو کیا جو مان گیا، ایسا ہے جیسا نافرمان؟" وہ برابر نہیں ہیں● کہ جو مان گئے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى نُزُلًا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑲

لیاقت والے کام کیے، تو اُن کے لیے ٹھکانے کے باغ ہیں مہمان داری میں، جو وہ عمل کرتے تھے●

(تو) غور کرو کہ (کیا جو مان گیا)۔۔مثلاً: حضرت علی کرم اللہ وجہہ (ایسا ہے جیسا نافرمان؟)۔۔ مثلاً: ولید ابن عقبہ جس نے ڈینگ کے طور پر اپنی سنان اور زبان کو حضرت علی کی زبان وسنان سے بہتر کہا تھا۔ خبر دار ہو جاؤ کہ (وہ برابر نہیں ہیں) بزرگی و مرتبہ۔۔یا۔۔جزاو ثواب میں۔ کیوں (کہ جو مان گئے اور لیاقت والے کام کیے) یہاں تک کہ رات میں آرام کے وقت اپنے بچھونے سے پہلوتہی کرتے رہے (تو اُن کے لیے ٹھکانے کے باغ ہیں)، یعنی ایسے باغ جو حقیقی مَاْوٰی اور رہنے کی جگہ ہیں جہاں سے کبھی نکلنا نہیں۔

بعضوں نے کہا کہ جَنّٰتُ الْمَاْوٰی ایک بہشت ہے، جو حق تعالیٰ کے عرش کے داہنے جانب ہے۔

حق تعالیٰ یہ جنت مؤمنوں کو عطا فرمائے گا۔ (مہمان داری میں)۔ یعنی انہیں وہ چیزیں اس طرح پیش کی جائیں گی جس طرح مہمان کے سامنے اُس کی خاطر مدارات کرتے ہوئے ماحضر پیش کیا جاتا ہے، اور کلی نعمتیں جنت میں داخل ہونے کے بعد انہیں عطا ہوں گی۔ یہ پیشکش بہ سبب اُس کے ہے (جو وہ عمل کرتے تھے) جس کی بدولت اِس بزرگی کے مستحق ہوئے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا

اور جس نے نافرمانی کی، تو اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ جب اُنہوں نے چاہا کہ نکل جائیں اُس سے، پلٹ دیے گئے

فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑳

اُسی میں، اور کہہ دیا گیا اُنہیں کہ "چکھتے رہو جہنم کا عذاب، جس کو تم جھٹلاتے تھے"●

(اور) اُس کے برخلاف (جس نے نافرمانی کی، تو اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے) یعنی جَنّٰتُ الْمَاْوٰی تو ایمان والوں کے واسطے ہے، اس کے مقابلے میں فاسقوں کو مَاْوٰی اور ٹھکانہ دوزخ میں دیں گے۔ (جب انہوں نے) یعنی فاسقوں نے (چاہا، کہ نکل جائیں اُس سے) یعنی آتشِ دوزخ سے، (تو پلٹ

دیے گئے اُسی میں)۔
روایت ہے کہ جوش کے وقت دوزخ فاسقوں کو اوپر پھینک دے گی، یہاں تک کہ وہ دوزخ کے دروازوں کے قریب پہنچ جائیں گے اور باہر نکل جانے کی توقع کریں گے، پس دوزخ کے مہتمم فرشتے آگ کے گُرزوں سے انہیں مار کر ہانکیں گے اور دوزخ کے گڑھے میں ڈال دیں گے۔
(اور) پھر (کہہ دیا گیا انہیں) اہانت کی راہ سے، **(کہ چکھتے رہو جہنم کا عذاب جس کو تم جھٹلاتے تھے)** یعنی آتشِ جہنم کے جس عذاب کی تم تکذیب کرتے تھے اور باور نہ کرتے تھے۔

وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ

اور ضرور چکھائیں گے ہم اُنہیں کچھ نزدیک والا عذاب، علاوہ بڑے عذاب کے،

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾

کہ وہ باز آویں●

(اور ضرور چکھائیں گے ہم انہیں) یعنی مکہ والوں کو **(کچھ نزدیک والا عذاب)** یعنی دُنیا میں قتل۔۔یا۔۔قید۔۔یا۔۔قحط میں مبتلا کریں گے۔ یہ عذاب نسبتاً چھوٹا عذاب ہے **(علاوہ بڑے عذاب کے)**، اور وہ دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے۔ تا **(کہ وہ)** لوگ جو اُن میں سے باقی رہ جائیں وہ **(باز آویں)** اور پھر جائیں راہِ حق کی طرف اور کفر سے توبہ کرلیں۔
چھوٹے اور بڑے عذاب کے تعلق سے مختلف اقوال ہیں:
﴿۱﴾۔۔وہی جو مذکور ہوا۔
﴿۲﴾۔۔دُنیا کا تھوڑا مال جمع کرنا چھوٹا عذاب ہے، اور دوزخ میں 'اثام' نام کا میدان بڑا عذاب ہے۔
﴿۳﴾۔۔ادنیٰ عذاب قبر کا ہے، اور بڑا عذاب دوزخ ہے۔
﴿۴﴾۔۔ادنیٰ عذاب 'خذلان' ہے یعنی بندوں کو خدا کا چھوڑ دینا، اور بڑا عذاب 'نیران' ہے یعنی دوزخ کی آگ۔
﴿۵﴾۔۔چھوٹا عذاب نرخ کی گرانی، اور بڑا عذاب امام مہدی کا شمشیر آبدار کے ساتھ نکلنا۔

﴿۶﴾۔۔چھوٹا عذاب دُنیا کی خواری ہے، اور بڑا عذاب عقبیٰ کی نگوساری، یعنی گناہوں میں پڑنا اور درجاتِ قربِ الٰہی سے گرنا۔

۔۔الحاصل۔۔عذاب چھوٹا ہو۔۔یا۔۔بڑا، خود انسان کی اپنی فکری اور عملی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے تو اُس سے زیادہ بدنصیب۔۔۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ

اور اُس سے زیادہ اندھیر والا کون ہے، جسے یاددلائی گئیں اُس کے رب کی آیتیں، تو منہ پھیر لیا اُس سے۔

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع ۲ / ۱۱ / ۱۵

بلاشبہ ہم مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں●

(اور اُس سے زیادہ اندھیر والا کون ہے جسے یاددلائی گئیں اُس کے رب کی آیتیں) یعنی قرآن کریم (تو) اُس نے (منہ پھیر لیا اُس سے) اور اُس میں غور وتامل نہ کیا، تو ہم نے عذاب نازل فرما کے اور ہلاک کر کے اُس سے بدلہ لے لیا، کیونکہ (بلاشبہ ہم مجرموں سے بدلہ لینے والے ہیں)۔

اِس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا اور آخرت میں مؤمنوں کے ثواب اور کافروں کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا، اور اِس رکوع کی ابتدائی آیتوں میں رسالت کا ذکر ہے اور رسالت کے ذکر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا۔ حالانکہ جو رسول نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے قریب تھے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا، کہ یہود حضرت عیسیٰ کی رسالت سے اتفاق نہیں کرتے تھے، اُس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کو مانتے تھے، گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فریقین کے درمیان 'متفق علیہ' رسول تھے، اس لیے اِس آیت میں ذکر فرمایا، آپ اُن سے ملاقات میں شک نہ کریں۔

دراصل بات یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے رسول کریم سے وعدہ کیا تھا، کہ دُنیا سے رحلت کرنے سے قبل تم حضرت موسیٰ کو دیکھو گے، یہاں اس وعدہ کی تاکید کے واسطے فرماتا ہے، کہ موسیٰ کی ملاقات میں شک نہ کرو۔۔ چنانچہ۔۔ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی معراج ہوئی تو حضرت موسیٰ کو چھٹے آسمان پر دیکھا، عرش پر جاتے وقت بھی اور زمین پر آتے وقت بھی۔ خاص کر کے حضرت موسیٰ کے ذکر میں آنحضرت ﷺ کی تسلی بھی ہے کہ اَے محبوب!۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ

اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب، تو نہ رہو کسی شک میں اُس کے ملنے سے،

وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۳﴾

اور کر دیا تھا ہم نے اُسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے●

(اور بے شک) یقیناً **(دی ہم نے موسیٰ کو کتاب)** توریت، جس طرح اَے محبوب! تمہیں دیا قرآن۔ حضرت موسیٰ کے عہد والوں نے جس طرح اپنے پرائے سبھی نے انہیں تکلیف پہنچائی، کافروں نے کافرانہ حرکتیں کر کے اور اپنوں نے وقتاً فوقتاً بے جا مطالبات کر کے، اور گاہے بگاھے نافرمانی کا مظاہرہ کر کے، مگر حضرت موسیٰ سب کچھ صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے، اُسی سے ملتی جلتی صورت آپ کے ساتھ بھی پیش آئی، کہ غیروں نے بھی آپ کو ستایا اور آپ کا کلمہ پڑھ پڑھ کر بھی آپ کو اذیت دی گئی۔۔ چنانچہ۔۔ آپ بھی صبر و تحمل کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کرتے رہیں۔

اَے محبوب! اِسی عزیمت والے رسول سے ملاقات کرانے کا جو میں نے تم سے وعدہ کیا ہے، **(تو نہ رہو کسی شک میں اُس ملنے کے سے)**۔ جس کتاب کو ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دی تھی **(اور)** اُن پر نازل فرمائی تھی، **(کر دیا تھا ہم نے اُسے ہدایت بنی اسرائیل کے لیے)** جو راہ دکھانے والی تھی بنی اسرائیل کو۔

وَجَعَلْنَا مِنْھُمْ اَئِمَّۃً یَّھْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ۬ؕ وَکَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور بنایا تھا ہم نے ان میں سے کئی پیشوا، جو ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے، جب کہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا۔۔

اور ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے●

(اور بنایا تھا ہم نے اُن میں سے کئی پیشوا جو ہدایت کرتے تھے ہمارے حکم سے) احکام توریت کی۔ یہ منصب امامت اور درجہ قیادت انہیں اِس صورت میں حاصل ہوا **(جبکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا)** ایمان پر۔۔یا۔۔قوم کی شدتوں پر۔۔یا۔۔عبادت کر کے۔۔یا۔۔بُری باتوں سے بچ کر **(اور)** اُن کی یہ شان تھی کہ وہ **(ہماری آیتوں کا)** اُن علامتوں کے ساتھ جو ہم نے موسیٰ کو دی تھیں **(یقین رکھتے تھے)**، کہ یہ سارے دلائل و معجزات حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔

اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ یَفْصِلُ بَیْنَھُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

بے شک تمہارا رب فیصلہ فرمائے گا اُن کا قیامت کے دن، جس میں وہ جھگڑا کرتے تھے●

(بے شک تمہارا رب فیصلہ فرمائے گا اُن کا قیامت کے دن جس میں وہ جھگڑا کرتے تھے) امرِ دین میں سے۔ تو حکمِ الٰہی اُس دن جدا کردے گا اُسے جو حق پر تھا اُس سے جو باطل پر تھا، اور ہر ایک کو اُس کے مناسب حال جزا ملے گی۔

اَوَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ

کیا ہدایت نہ ہوئی اُن کی، کہ کتنی برباد کردیں ہم نے اُن سے پہلے سنگتیں، کہ چلتے پھرتے ہیں اُن کے رہنے کی جگہوں میں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ اَفَلَا یَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں۔ تو کیا وہ سنتے نہیں●

(کیا ہدایت نہ ہوئی ان کی)۔ یعنی کیا اہلِ مکہ کی اُن عذابوں سے جو تکذیب کرنے والوں کو پہنچے، کوئی رہنمائی نہ ہوئی، اور انہوں نے یہ غور نہیں کیا، (کہ کتنی برباد کردیں ہم نے اُن سے پہلے سنگتیں) قرنوں والوں میں سے، جیسے کہ قومِ عاد قومِ ثمود۔ یہ وہ لوگ تھے (کہ چلتے پھرتے ہیں) اہلِ مکہ (اُن کے رہنے کی جگہوں میں)۔ یعنی حالتِ سفر میں اُن کے مکانوں اور مسکنوں میں ان کا گزر ہوتا رہتا ہے۔ تو وہ اُن کی بربادی کے آثار کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھتے رہتے ہیں۔ (بے شک اُس میں)، یعنی ہم نے اگلے زمانے والوں کو جو ہلاک کردیا اس ہلاک کرنے میں، (ضرور نشانیاں ہیں) اور عبرتیں ہیں اگلوں کے لیے۔ آباد کو برباد کردینا اور برباد کو آباد کردینا، اِس میں حکمتِ الٰہی اور قدرتِ خداوندی کے جلوے ہیں، (تو کیا وہ) عقل کے کان سے (سنتے نہیں)۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا تَاْكُلُ مِنْهُ

کیا نہیں دیکھتے کہ ہم پہنچاتے ہیں پانی کو سوکھی زمین کی طرف، پھر نکال دیتے ہیں اُس سے کھیتی، کہ کھائیں اُسے

اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ اَفَلَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اُن لوگوں کے چوپائے، اور وہ خود۔ تو کیا نہیں سوجھائی دیتا اُنہیں؟●

الحاصل۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ (کیا) یہ منکرین (نہیں دیکھتے) اور نہیں جانتے (کہ ہم پہنچاتے ہیں پانی کو سوکھی زمین کی طرف، پھر نکال دیتے ہیں اُس سے کھیتی، کہ کھائیں اُسے اُن لوگوں کے چوپائے اور وہ خود)۔ یعنی گھاس اور پتے چوپائے کھائیں، اور میوہ اور غلہ وہ کھائیں۔ (تو کیا نہیں

سوجھائی دیتا نہیں)۔یعنی کیا وہ نہیں دیکھتے یہ قدرت کی نشانی تا کہ کمالِ قدرتِ الٰہی پر دلیل پکڑیں، اور جان لیں کہ جو خدا خشک زمین پر گھاس اُگانے پر قادر ہے، وہ مَرنے کے بعد پھر زندہ کرنے کی بھی قدرت رکھتا ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْفَتْحُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٢٨﴾

اور پوچھتے ہیں کہ "کب ہے یہ فیصلہ؟ اگر سچے ہو"●

(اور) یہ کمالِ قدرت الٰہی کے منکرین (پوچھتے ہیں، کہ کب ہے یہ فیصلہ؟) جب مؤمنین کی زبان سے کفارِ مکہ نے سنا، کہ وہ کہتے ہیں کہ حشر برپا ہوگا اور اُس دن اللہ تعالیٰ ہمیں مشرکین پر فتح دے گا یعنی اپنے فضل سے ہمیں نجات عطا فرمائے گا، تو کفار بطورِ استہزا اصحابِ رسول سے پوچھنے لگے کہ یہ فتح جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے کب ہوگی؟ ہمیں جلدی دکھادو (اگر سچے ہو)۔

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنفَعُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِيمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٢٩﴾

جواب دو کہ "فیصلہ کے دن نہ کام آئے گا جنہوں نے کفر کر رکھا ہے اُن کا مان جانا۔ اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے"●

اَے محبوب! اُن کو (جواب دو) اور ان پر واضح کردو (کہ فیصلہ کے دن نہ کام آئے گا جنہوں نے کفر کر رکھا ہے ان کا مان جانا، اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے)۔۔۔

آج لے اُن کی پناہ آج مدد مانگ اُن سے
پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

قیامت کے دن ایمان لانا ایمان بالشہادہ ہے، اور نجات کے لیے ایمان بالغیب چاہیے۔ اُن کو اِس بات کی مہلت نہ دی جائے گی، کہ وہ تلافی مافات کے لیے پھر دُنیا میں بھیجے جائیں، جہاں وہ نیک عمل انجام دیں۔۔ یا یہ کہ۔۔ آخرت میں انہیں مہلت نہ دی جائے گی، کہ عذاب اُن پر سے کچھ دیر کے لیے روک دیا جائے، اور ٹھہر ٹھہر کر عذاب دیا جائے۔ بلکہ عذاب مسلسل ہوگا، اُس سے کبھی ایک لمحے کے لیے بھی فرصت نہ ہوگی۔

فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَانتَظِرْ إِنَّهُم مُّنتَظِرُونَ ﴿٣٠﴾ ع

ع ۳ ۸ ۱۶

تو منہ پھیر لو ان سے، اور انتظار کرو، کہ وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں●

(تو) اَے محبوب! تم اہانت کے طور پر (منہ پھیرلو اُن سے اور انتظار کرو) حکم الٰہی اور تصرفِ خداوندی کا، کیوں (کہ وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں)۔ وہ آپ پر حوادثِ زمانہ کے نزول کا انتظار کرر ہے ہیں، اور آپ اُن کے اوپر عذابِ الٰہی کا انتظار کیجیے۔۔یا۔۔وہ اِس انتظار میں ہیں کہ بت اُن کی مدد کریں گے، آپ اللہ کی مدد کا انتظار کریں۔۔یا۔۔وہ استہزاءً قیامت کا انتظار کرر ہے ہیں، آپ سنجیدگی سے قیامت کا انتظار کیجیے۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۲۵ رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۲۱ ردسمبر ۲۰۱۱ء

بروز چہارشنبہ 'سورہ السجدہ' کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔

آمین بِحَقِّ طٰہٰ وَ یٰسٓ بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ بِحُرْمَةِ سَیِّدِنَا **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۲۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۲۲ ردسمبر ۲۰۱۱ء

بروز پنج شنبہ 'سورۃ الاحزاب' کی تفسیر شروع کردی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور پورے قرآنِ کریم کی تفسیر بخیر وخوبی پوری کرنے کی توفیقِ رفیق مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظتِ خاص میں رکھے۔

آمین یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰہٰ وَ یٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سورۃ الاحزاب ۳۳ مدنیۃ ۹۰ | آیاتہا ۷۳ رکوعاتہا ۹

سُورَۃُ الْاَحْزَابِ

سورۂ احزاب۔۔۳۳ مدنیہ ۹۰ آیا تہا ۷۳۔۔رکوعاتہا ۹

اِس سورت کا نام ’الاحزاب‘ ہے۔ احادیث، کتبِ تفسیر اور آثار میں غزوۂ خندق کو ’الاحزاب‘ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اِس غزوہ میں مشرکینِ مکہ، یہودی اور منافقین کی تمام جماعتوں نے متحد اور متفق ہوکر مدینہ منورہ پر حملہ کیا تھا، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے اطراف میں خندق کھود کر مدینہ کا دفاع کیا تھا۔ اُس لیے اس کو غزوۂ خندق بھی کہا جاتا ہے۔

اِس سورہ کی آیت ۲۰ میں ’الاحزاب‘ کا لفظ بھی مذکور ہے۔ یہ سورہ ’الانفال‘ کے بعد اور ’المائدۃ‘ سے پہلے ۵ ہجری میں نازل ہوئی، جب کنانہ اور غطفان وغیرہ کے دس ۱۰ ہزار افراد نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلیا تھا، اور اُن کی پشت پر بنو قریظہ موجود تھے۔

اِس سورہ کے اسبابِ نزول میں مذکور ہے کہ واقعہ اُحد کے بعد ابوسفیان، عکرمہ اور ابوالاعور مکہ معظّمہ سے مدینہ طیبہ میں آئے اور مرکزِ نفاق یعنی عبد اللہ ابن ابی ابن سلول کے پاس آکر ٹھہرے۔ آمد کے دوسرے روز حضور سرورِ عالم ﷺ کے پاس نمائندہ بھیجا، کہ آپ انہیں امان دے کر گفتگو فرمائیں۔ آپ نے انہیں امان دے دی، تو ابوسفیان وغیرہ چند منافقین کو لے کر بارگاہِ حضور ﷺ میں پہنچے، اور کہا کہ آپ ہمارے معبودوں کی مذمت چھوڑ کر فرمائیں، کہ قیامت میں یہ بھی شفاعت کریں گے، اور جو لوگ ان کی پرستش کرتے ہیں انہیں یہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں، ہم تمہیں اور تمہارے معبود کو کچھ نہ کہیں گے۔

آپ کو اُن کی یہ بات ناگوار گزری۔ آپ نے اُن سے چہرۂ مبارک پھیرلیا۔ اِس پر عبد اللہ ابن ابی ابن سلول اور ابن قشیر اور جد بن قیس منافقین نے کہا، یارسول اللہ ﷺ ’ آپ اشرافِ مکہ کی بات مان لیں اِسی میں مصلحت ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم سے رہا نہ گیا، حمیتِ اسلامی وصلابتِ دینی سے جوش میں آکر کافروں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اُے عمر! رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں نے انہیں پناہ دی ہے، تم میرے معاہدے کو توڑتے ہو؟

اُس کے بعد حضرت عمر نے ان منافقین کو مسجدِ نبوی ہی سے نہیں بلکہ مدینہ طیبہ سے نکال کر فرمایا، کہ ”اُے لعینو! اللہ تعالیٰ کی لعنت وغضب سر پر اٹھا کر نکل جاؤ“۔ اِس سے واضح ہوا

کہ گستاخانِ رسول کو مساجد سے نکالنا سنت ہے۔ اِس پر یہ سورۂ مبارکہ نازل فرمائی گئی جس کا زیادہ تر حصہ منافقین کے رَد سے متعلق ہے۔ ایسی سبق آموز اور ہدایت افروز سورۂ مبارکہ ۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) اور مومنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَؕ

اَے نبی! ڈرتے ہی رہو اللہ کو، اور مت کہنا ماننا کافروں اور منافقوں کا۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًاۙ۝۱

بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے●

اَے عزت وشرافت، رفعت وبلندی والے، یعنی (اَے نبی ڈرتے ہی رہو اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی جو آپ کی شانِ اتقاء ہے اُسی پر قائم رہیں۔

یہ اُسی طرح کا کلام ہے کہ کسی کھڑے ہوئے انسان سے کہا جائے کہ تم کھڑے رہو۔ تو اِس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اپنی حالت قیام پر قائم رہو۔

۔۔الحاصل۔۔اَے نبی اللہ تعالیٰ سے ڈرو عہد کے توڑنے اور امان کے ختم کرنے کے بارے میں، اور تقویٰ پر ثابت قدم رہو اور اُس میں بڑھتے رہو کیونکہ تقویٰ کے درجات کی کوئی حد نہیں۔

اور ظاہر ہے کہ جو پہلے ہی سے کسی فعل میں مشغول ہو، پھر اُسے اُسی کام کا حکم دیا جائے، تو اُس سے اُس کی مداومت مراد ہوگی۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ تقویٰ کے حکم کو غفلت پر محمول نہیں کرنا چاہیے، اس لیے کہ یہ لفظ نبی کے منافی ہے، کیونکہ وہ خبیر ہوتا ہے اور غفلت سے منزہ ہوتا ہے۔

(اور مت کہنا ماننا) ابوسفیان، عکرمہ وغیرہ مکہ کے (کافروں اور) ابن ابی وغیرہ مدینے کے (منافقوں کا)۔ وہ سب جو پروگرام بنا کے آئے اور آپ سے جو کہلانا چاہتے ہیں، اُس کا اقرار کرنا تو

بڑی بات، اُس کی طرف توجہ بھی نہ فرمائیں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے اور اُن کی باتیں خوب جانتا ہے اور (حکمت والا ہے) جو عہد پورا کرنے کا حکم فرماتا ہے۔

وَّاتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۙ﴿۲﴾

اور پیروی کرتے رہو جو وحی کی جائے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرو اُس سے خبردار ہے●

وَّ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیۡلًا ﴿۳﴾

اور بھروسہ رکھے رہو اللہ پر۔ اور کافی ہے اللہ کارساز●

(اور پیروی کرتے رہو جو وحی کی جائے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے)، جیسے اُن کا کہا ماننے کی ممانعت۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (جو کچھ تم کرو اُس سے خبردار ہے اور بھروسہ رکھے رہو اللہ) تعالیٰ (پر)، یعنی اپنا کام اُس کے سپرد کر دو۔ (اور کافی ہے اللہ) تعالیٰ (کارساز) کام بنانے والا، مشکل حل کرنے والا، اور نگہبان اور کفایت کرنے والا امہمات کا۔ اَے محبوب! وہ منافقین جو اپنی بات آپ سے منوانا چاہتے ہیں، اُن کی سفاہت وحماقت کا حال یہ ہے کہ اُن کے بعض کہتے ہیں، کہ آنحضرت ﷺ کے دو دِل ہیں، ایک ہمارے ساتھ اور ایک اپنے اصحاب کے ساتھ۔

پس حق تعالیٰ نے فرمایا کہ منافق جھوٹے ہیں، اس لیے کہ۔۔۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَیۡنِ فِیۡ جَوۡفِہٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزۡوَاجَکُمُ

نہیں بنایا اللہ نے کسی شخص کے لیے دو دِل اُس کے اندر۔ اور نہ بنایا تمہاری بیبیوں کو

الّٰٓیِٴۡ تُظٰہِرُوۡنَ مِنۡہُنَّ اُمَّہٰتِکُمۡ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدۡعِیَآءَکُمۡ

جنہیں تم ماں کہو، تمہاری مائیں۔ اور نہ بنایا تمہارے لے پالکوں کو

اَبۡنَآءَکُمۡ ؕ ذٰلِکُمۡ قَوۡلُکُمۡ بِاَفۡوَاہِکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ یَقُوۡلُ الۡحَقَّ

تمہارے بیٹے۔ یہ تو تمہاری بول ہے اپنے منہ سے۔

وَ ہُوَ یَہۡدِی السَّبِیۡلَ ﴿۴﴾

اور اللہ بولتا ہے حق، اور وہ دیتا ہے راہ●

(نہیں بنایا اللہ) تعالیٰ (نے کسی شخص کے لیے دو دل اُس کے) سینے کے (اندر)۔ اس لیے کہ دِل روحِ حیوانی کا معدن ہے۔ اور قوتوں کا منبع ہے، تو ایک دِل سے زیادہ نہ ہونا چاہیے، اس واسطے

کہ روحِ حیوانی ایک ہی ہے۔ اِسی حقیقت کو عام فہم بنانے کے لیے ارشاد فرمایا جاتا ہے (اور) مثال دے کر سمجھایا جاتا ہے، کہ (نہ بنایا) حق تعالیٰ نے (تمہاری بی بیوں کو جنھیں تم ماں کہو تمہاری مائیں)۔ یعنی تم جس عورت کو کہتے ہو، کہ تو ہم پر ہماری ماں کے برابر ہے، اُس عورت کو اللہ نے تمہاری ماں نہیں کر دیا۔ اس واسطے کہ جورُو ہونے اور ماں ہونے کا اجتماع ایک عورت میں محال ہے کہ ہو سکے، کیونکہ جورُو ہونا چاہتا ہے کہ عورت مرد کی خدمت کرے اور ماں ہونا چاہتا ہے کہ مرد اُس عورت کی خدمت کرے، جو ماں ہے۔ (اور) یوں ہی حق تعالیٰ نے (نہ بنایا تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے)۔ یعنی تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا سگا بیٹا نہیں بنایا۔ اس واسطے کہ بیٹا ہونا امرِ اصلی ہے، اور منہ سے بیٹا کہہ کر پکارنا صورتِ عارضی ہے، تو چاہیے کہ ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہ ہوں۔

عرب کے نزدیک ظہار طلاق تھی، اور منہ بولا بیٹا سگے بیٹے کے مثل میراث لیتا تھا۔ حق ﷻ نے فرمایا کہ جس طرح دو دِل ایک سینے میں اکٹھا نہیں ہوتے، اُسی طرح جورُو ہونا اور ماں ہونا بھی ایک عورت میں، اور متبنّی ہونا اور حقیقی فرزند ہونا، ایک شخص میں جمع نہیں ہوتا۔

۔۔ چنانچہ۔۔ یہ بات کہ ظہار کی ہوئی عورت کو طلاق دی ہوئی عورت جانتے ہو، اور بنائے ہوئے بیٹے کو اصلی بیٹا کہتے ہو، (یہ تو تمہاری) اپنی (بول ہے) جو تم (اپنے منہ سے) اور اپنی زبان سے بولتے ہو، اِس بات کی کچھ حقیقت نہیں (اور اللہ) تعالیٰ (بولتا ہے حق) جو مطابق واقع کے ہے۔ (اور وہ دیتا ہے) یعنی دکھاتا ہے حق (راہ)۔۔ الغرض۔۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

اُنہیں پکارو، اُنہیں کے باپ کا کہہ کر، یہ بڑا انصاف ہے اللہ کے نزدیک۔

فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْۤا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِی الدِّیْنِ

تو اگر نہ جانو اُن کے باپ کو، تو وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں،

وَ مَوَالِیْكُمْ ؕ وَ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ فِیْمَاۤ

اور تمہارے اپنے ہیں۔ اور تم پر اُس میں کچھ گناہ نہیں، جو بے جانے بوجھے

اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ

تم سے صادر ہوئے۔ ہاں وہ گناہ ہے جو جان بوجھ کے کرو۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۝

اور اللہ غفور رحیم ہے●

(انہیں پکارو انہیں کے باپ کا کہہ کر)۔

اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ حضرت زید بن حارث کو' جو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے غلام تھے اور جنہیں آپ نے آنحضرت ﷺ کو بخش دیا تھا۔۔چنانچہ۔۔رسولِ کریم نے فرزند کی طرح اُن کی پرورش کی'' زید بن محمد ﷺ کہتے تھے۔لیکن اِس آیت کے نزول کے بعد انہیں زید بن حارث کہا جانے لگا۔

(یہ) یعنی اُن کے باپوں کے ساتھ اُنہیں پکارنا **(بڑا انصاف ہے)** اور بہت ہی سچ ہے **(اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک۔تو اگر نہ جانو اُن کے باپ کو)** کہ اُن کی طرف منسوب کرسکو، **(تو وہ تمہارے بھائی ہیں دین میں)**۔یعنی وہ تمہارے اسلامی بھائی ہیں، انہیں اَے بھائی کہہ کر بلاؤ، **(اور)** مزید برآں وہ **(تمہارے اپنے ہیں)** اور تمہارے دوست ہیں، تو انہیں مولائی کہہ کر خطاب کرو۔۔یا۔۔دوست کہہ کر پکارو۔ **(اور تم پر اُس میں کچھ گناہ نہیں جو بے جانے بوجھے تم سے صادر ہوئے)**۔۔المختصر۔۔لاعلمی کی وجہ سے اگر کسی نے زید بن محمد ﷺ' کہہ دیا، تو اس کی وجہ سے وہ کسی گناہ کا مرتکب نہیں ہوا۔ **(ہاں وہ گناہ ہے جو جان بوجھ کے کرو)**۔یعنی قصداً کسی کو اُس کے باپ کے سوا اور کسی کی طرف منسوب کرو۔ **(اور اللہ) تعالیٰ (غفور)** ہے یعنی بخشنے والا ہے اُسے جو خطا کرے اور **(رحیم ہے)** یعنی مہربان ہے صاحبِ قصد پر جب وہ توبہ کرے۔

۔۔الحاصل۔۔ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو یا تو اپنے حقیقی رشتے سے پکارے۔۔یا۔۔اگر وہ بڑا ہے، تو اُسے یا مولیٰ۔۔یا۔۔حضرت وغیرہ کہہ کر ندا کرے۔۔یا۔۔اگر وہ ہم عمر ہے، تو اَے دوست کہہ کر آواز دے۔۔یا۔۔اگر وہ چھوٹا ہے تو شفقت کے کلمات سے پکارے۔۔یا۔۔کبھی کو اَے بھائی کہہ کر ہی خطاب کرے۔مسلمانوں کے درمیان یہ آپس کی اخوت اور دوستی یہ سب صدقہ ہے بعثتِ مصطفیٰ کا اور جلوے ہیں رسولِ کریم کی شانِ رحمۃ للعالمینی کے، جو۔۔۔

اَلنَّبِىُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَاَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ ؕ وَاُولُوا

آنحضرت بہتر مالک، قریب ہیں ایمان والوں کے اُن کی جان سے زیادہ، اور اُن کی

الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ

بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔اور رشتہ دار لوگ، کوئی زیادہ قریب ہے کسی سے اللہ کے لکھے میں دوسرے مسلمانوں

وَالْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ

اور مہاجروں سے، مگر یہ کہ کرو اپنے دوستوں کی طرف کوئی احسان۔

كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝۶

یہ کتاب میں لکھا ہوا ہے●

(آنحضرت بہتر مالک قریب ہیں ایمان والوں کے اُن کی جان سے زیادہ)۔تو پیغمبر مؤمنین کو جس قدر عزیز و محبوب ہونے چاہئیں، خود اُن کی اپنی ذات انہیں اس قدر عزیز اور محبوب نہ ہونا چاہیے، اس واسطے کہ پیغمبر علیہ السلام جو حکم کریں گے بندوں کی عین صلاح وفلاح ہے، بہ نسبت اُن کے نفس کے کہ نفس کا حکم شقاوت کا سبب ہوتا ہے۔پس چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم بندہ کے نزدیک زیادہ دوست ہوں اس کے نفس کے بہ نسبت۔یعنی حضرت کو اپنی جان سے زیادہ محبوب اور عزیز رکھنا چاہیے۔

اِسی لیے حضور نے فرمایا ہے، کہ تم میں سے کوئی مؤمن نہیں ہوتا، جب تک اُس کو میرے ساتھ محبت نہ ہو، اپنے ماں باپ، اپنی آل اولاد، اور اپنے نفس اور سب لوگوں سے زیادہ۔۔

چنانچہ۔۔آنحضرت ﷺ نے جنگِ تبوک کا ارادہ فرمایا اور سب کو اس جنگ میں شرکت کا حکم فرمایا، تو بعض لوگوں نے کہا کہ ذرا ہم اپنے والدین سے اجازت لے لیں، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ پیغمبرِ اسلام اولیٰ تر ہیں مؤمنوں کے واسطے ان کی جانوں کی بہ نسبت۔تو چاہیے کہ آپ کا حکم سب حکموں سے زیادہ اپنے اوپر لازم جانیں۔۔الختصر۔۔آپ کی ذات سے محبت زیادہ رکھنا سزاوار ہے اپنی جان کے ساتھ۔۔یا۔۔اوروں کے ساتھ محبت رکھنے سے۔

(اور اُن کی بیبیاں مسلمانوں کی مائیں ہیں) تحریم اور تعظیم کی جہت سے۔یعنی مسلمانوں پر حرام ہیں ماں کی طرح اور سب مسلمانوں پر اُن کی تعظیم واجب ہے ماں کے مثل۔محرمیت اور وراثت کے سبب سے نہیں، اس واسطے کہ انہیں دیکھنا روا نہیں اور مسلمان اُن کے مال کے وارث نہیں ہیں۔

حضرت ابی کے مصحف اور حضرت ابن مسعود کی قرأت میں یہ عبارت یوں تھی وَهُوَ اَبٌ لهم وازواجه امهاتهم **"یعنی رسولِ مقبول مسلمانوں کے باپ ہیں اور اُن کی بیبیاں** مسلمانوں کی مائیں ہیں"۔ظاہر ہے کہ **نبی کریم کا مسلمانوں کا باپ ہونا اور آپ کی ازواج**

مطہرات کا مسلمانوں کی ماں ہونا نسبی حیثیت سے نہیں ہے، صرف دینی اور روحانی حیثیت سے ہے۔

توجب کہ قرآن کریم نے پیغمبر آخرالزماں کے آپ کی امتیوں کے درمیان باپ بیٹے کا رشتہ خود ہی واضح فرمادیا ہے، تو پھر اس بات کی گنجائش نہیں رہ گئی کہ کوئی امتی نبی کریم کو اپنا بڑا بھائی کہہ سکے، اس لیے کہ بڑا اور چھوٹا بھائی ہونا تو نسبی رشتوں میں ہوا کرتا ہے جو یہاں مفقود ہے۔ ذہن نشین رہے کہ دینی بھائی، روحانی بھائی، وطنی بھائی وغیرہ وغیرہ، اِس میں کوئی چھوٹا بڑا نہیں ہوتا۔ اِس مقام پر گستاخوں کی طرف سے لفظ 'بڑا' کے استعمال نے بتادیا ہے کہ گستاخ آپ کو اپنے نسبی بھائی کی طرح سمجھتا ہے۔ یہ اُس کی انتہائی درجے کی جہالت وضلالت ہے۔

۔۔الختصر۔۔رسولِ کریم کو مؤمنین کا باپ اور ازواجِ مطہرات کو مؤمنین کی ماں فرما کر 'شفقتِ تمام' اور 'رحمتِ لاکلام' کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ چونکہ ابتدائے اسلام میں ہجرت کے سبب سے اور دوستی اور بھائی چارے کی وجہ سے میراث لیتے تھے، تو حق تعالیٰ نے وہ حکم منسوخ فرمادیا۔

(اور) ارشاد فرمایا کہ **(رشتہ دار لوگ، کوئی زیادہ قریب ہے کسی سے)** یعنی بعضے اُن کے بہت سزاوار ہیں بعض کے ساتھ وارث ہونے میں **(اللہ)** تعالیٰ **(کے لکھے میں)**، یعنی لوحِ محفوظ میں۔۔یا۔۔ اُس میں جو بھیجا ہے قرآن میں سے۔ یعنی وہ آیت جس میں وراثت کا بیان ہے اور حکم فرمادیا کہ 'اولوالارحام' بہت مستحق ہیں میراث پانے کے **(دوسرے مسلمانوں اور مہاجروں سے)**۔

تو اس آیت نے پہلی آیت کو منسوخ کردیا، اور اب قرابت اور رشتہ داری وراثت کا سبب ہے، اور ہجرت وراثت کا سبب نہیں ہے۔

دراصل قصہ یہ ہے کہ مسلمان ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، اور نبی کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا جو بھائی بنادیا تھا اُس وجہ سے بھی وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، اور وہ اسلام اور ہجرت کی وجہ سے ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، اور جو شخص اسلام لاتا اور ہجرت نہیں کرتا تھا، وہ اُس کا وارث نہیں ہوتا تھا۔

اور جب 'الانفال' کی آیت ۷۵ نازل ہوئی، تو یہ حکم منسوخ ہوگیا اور زیرِ تفسیر آیت یعنی 'الاحزاب' آیت ۶ میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے، کہ "اللہ کی کتاب میں رشتہ دار

دوسرے مؤمنوں اور مہاجروں کے بہ نسبت ایک دوسرے کے زیادہ قریب ہیں، یعنی وہی ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں۔۔الحاصل۔۔'الانفال' آیت ۵ کے اور 'الاحزاب' آیت ۶ کا مضمون واحد ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ تمہارے دوست تمہارے وارث نہیں ہوسکتے۔۔۔

(مگر یہ کہ کرو اپنے دوستوں کی طرف کوئی احسان) تو یہ کرسکتے ہو۔۔مثلاً: اُن کے لیے اپنے تہائی مال سے وصیت کرسکتے ہو، اور ان کو ہدیے اور تحفے وغیرہ دے سکتے ہو، اور ان پر نفلی صدقہ کرسکتے ہو۔ (یہ) حکم (کتاب میں لکھا ہوا ہے)، یعنی لوحِ محفوظ میں ثابت ہے۔

۔۔یا۔۔اس کا معنی یہ ہے کہ یہ حکم قرآن کریم کی اس آیت میں ہے۔۔یا۔۔اس کا معنی یہ ہے کہ یہ حکم اللہ کی سنت میں ہے۔۔یا۔۔اس کی تقدیر میں ہے۔۔یا۔۔جو ذکر کیا گیا ہے یعنی پیغمبر کا اولیٰ ہونا اور 'ذوی الارحام' کا میراث لینا، یہ سب قرآن کریم۔۔یا۔۔لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور ثابت ہے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہوسکتے ہیں، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وارث اور مورث دونوں مسلمان ہوں، کیونکہ کافر مسلمان کا اور مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا۔ ربِّ علیم وحکیم کی سنت ہے کہ جو احکام نازل فرماتا ہے، اور جس سے جو بھی وعدہ وعید فرماتا ہے، اور کسی سے جس طرح کا بھی عہد و میثاق لیتا ہے، اُسے اپنی کتاب یعنی لوحِ محفوظ میں ثابت فرما دیتا ہے۔۔۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَہُمۡ وَمِنۡکَ وَمِنۡ نُّوۡحٍ وَّاِبۡرٰہِیۡمَ

اور جب کہ لیا ہم نے نبیوں سے اُن کا مضبوط عہد، اور تم سے اور نوح وابراہیم

وَمُوۡسٰی وَعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ۪ وَاَخَذۡنَا مِنۡہُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ۙ﴿۷﴾

وموسیٰ وعیسیٰ ابنِ مریم سے، اور لیا ہم نے اُن سے گاڑھا عہد●

لِّیَسۡـَٔلَ الصّٰدِقِیۡنَ عَنۡ صِدۡقِہِمۡ ۚ وَاَعَدَّ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۸﴾ ع ۱ ۱۴

تاکہ دریافت فرمائے سچوں سے اُن کی سچائی کو۔ اور تیار فرما لیا کافروں کے لیے دکھ والا عذاب●

(اور) محفوظ کر دیتا ہے۔۔چنانچہ۔۔یاد کرو (جبکہ لیا ہم نے نبیوں سے اُن کا مضبوط عہد) اس بات پر کہ خدا کی عبادت کریں اور خدا کی عبادت کی طرف بُلائیں، اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں

اور امت کو نصیحت کریں۔۔یا۔۔ ہر ایک کو بشارت دیں اُس پیغمبر کی جو اُن کے بعد ہوں گے۔ یہ عہد پیغمبروں سے 'روزِ الست' میں لیا تھا۔ان پیغمبروں میں اَے محبوب تم بھی (اور) تمہارے ساتھ ساتھ جو دوسرے اولوالعزم رسول تھے وہ سب بھی شامل تھے،تو وہ عہد لیا گیا (تم سے اور نوح وابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ ابن مریم سے) بھی،یعنی تمہارے ساتھ ساتھ ان پیغمبروں سے بھی عہد لیا گیا۔

جن پیغمبروں کا نام لے کر ذکر فرمایا گیا ہے، یہ اُن کے اولوالعزم ہونے کی وجہ سے،اور ہمارے رسول ﷺ کا ذکر سب سے مقدم آپ کی تعظیم کی جہت سے ہے۔

(اور لیا ہم نے اُن سے گاڑھا عہد) یعنی مضبوط عہد قسم کے ساتھ **(تا کہ دریافت فرمائے)** حق تعالیٰ **(سچوں سے)** یعنی پیغمبروں سے **(اُن کی سچائی کو)** اُس بات میں جو انہوں نے اپنی قوم سے کہی۔۔یا۔۔قوم کی تصدیق کا حال، کہ انہوں نے ان پیغمبروں کی تصدیق کی۔ **(اور تیار فرمالیا)** حق تعالیٰ نے رسولوں پر نہ ایمان لانے والے **(کافروں کے لیے دکھ)** دینے **(والا عذاب)**۔

کافروں پر دردناک عذاب کے ذکر کے بعد مؤمنین پر اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کی یاد دہانی کرائی جارہی ہے اور فرمایا جارہا ہے، کہ۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا

اَے ایمان والو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر، جب آئے تمہارے پاس بہت سے لشکر، پھر بھیج دیا ہم نے

عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۹

اُن پر ایک ہَوا، اور ایسا لشکر کہ تم لوگوں نے نہ دیکھا جنہیں۔ اور اللہ، جو کرو اُس کا دیکھنے والا ہے●

(اَے ایمان والو! یاد کرو اللہ) تعالیٰ **(کی نعمت کو اپنے اوپر)** جو اُس نے انعام کی تم پر **(جب آئے تمہارے پاس بہت سے لشکر)**۔ جیسے قریش غطفان کنانہ یہود دس۱۰ ہزار کے قریب۔ **(پھر بھیج دیا ہم نے اُن پر ایک ہَوا اور ایسا لشکر)** فرشتوں کا **(کہ تم لوگوں نے نہ دیکھا جنہیں، اور اللہ)** تعالیٰ **(جو کرو اُس کا دیکھنے والا ہے)**۔

اس آیت میں جنگِ احزاب کا بیان ہے اور مجملاً وہ قصہ اس طرح پر ہے۔۔۔بنی نضیر کو جلاوطن کرنے کے بعد یحییٰ بن اخطب، یہود کے ایک گروہ کے ساتھ مکہ میں گیا اور ابوسفیان اور اُس کے تابعوں سے رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مقابلہ اور مقاتلہ

کرنے پر عہد باندھا۔ اور قریش اور امراءِ اعراب میں سے دس ہزار سے زیادہ جمع کر کے مدینہ منورہ کی طرف عازم ہوا۔

یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی۔ مدینہ منورہ سے تین ہزار آدمی لے کر آپ روانہ ہوئے، اور آپ کا لشکر گاہ 'جبل سلع' کے سامنے مقرر ہوا۔ وہاں سب مسلمان اُترے۔ آپ نے دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے باب میں اصحاب سے مشورہ کیا۔ وہ شمار میں بہت اور ہتھیاروں سے آراستہ تھے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ خندقوں کی وضع سے واقف تھے، کہ عجم کے شہروں میں ہوتی ہیں، اُن کا کچھ حال بیان کیا۔

حضرت کی رائے عالی نے اِس کو قبول فرمایا۔ پس صحابہ پر زمین تقسیم فرمادی اور خندق کھودنے کا اشارہ فرمایا۔ صحابہ اُس کام میں مشغول ہوگئے۔ حضرت ﷺ بھی بہ نفس نفیس مٹی نکالنے میں مشغول تھے، اور صحابہ کو فتح کی خوشخبری دیتے اور زبانِ مبارک پر یہ دُعا جاری تھی

"اللھم العیش عیش الآخرہ فاغفر للمھاجرین والانصار"

اَے اللہ! عیش تو بس آخرت کا عیش ہے، تو بخش دے مہاجرین وانصار کو۔

اِس اثناء میں ایک بہت بڑا پتھر خندق میں ظاہر ہوا، کہ تبر وغیرہ اس پر کام نہ کرتا تھا۔ صحابہ نے حضرت کو خبر دی۔ آپ پتھر کے قریب تشریف لائے، اور کدال دستِ مبارک میں لیا، بِسْمِ اللہ کہہ کر اُس پتھر پر کدال مارا۔ دو انگل پتھر اُس میں سے ٹوٹا، اور ایک نور بجلی کی طرح چمکا۔ اس روشنی میں نظر مبارک شام کے محلوں پر پڑی۔ پس آپ نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ ملک شام کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں۔

دوبارہ پھر آپ نے اُس پتھر پر کدال مارا، تھوڑا پتھر ٹوٹا اور نور چمکا، اس میں ملک یمن کے محل حضور کو نظر آئے۔ آپ نے فرمایا اَللّٰہُ اَکْبَرُ ملک یمن کی کنجیاں میرے قبضۂ اختیار میں دیں۔ تیسری مرتبہ تمام پتھر ٹوٹ گیا اور بہت نور اُس میں سے چمکا۔ کسریٰ کے اونچے اونچے مکان آپ کو اُس نور میں نظر آئے، فرمایا کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ فارس کے ملک میرے قبضۂ قدرت میں آئے۔

منافق بولے کہ یہ مرد خلق کو دم دیتا ہے دشمنوں کے خوف سے۔ آج خندق کھودتا ہے اور ملک فارس اور یمن اور شام فتح کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔۔ غرضیکہ۔۔ چھ دن میں خندق کی مہم ختم ہوئی، اور خندق کھد چکی تو دشمنوں کا لشکر وہاں پہنچا۔ مالک بن عوف اور عتبہ بن حصن اور

غطفان اور فرازہ اور یہود اس میدان کے اوپر سے آئے، جو مدینہ کے مشرق کی طرف ہے، اور ابوسفیان وغیرہ کفارِ قریش اُس میدان کی دوسری طرف سے، یعنی مغرب کی جانب سے ظاہر ہوئے۔ اور بنو قریظہ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عہد باندھا تھا، ابن اخطب کے بھڑکانے سے وہ عہد توڑ کر کافروں کے مددگار ہو گئے، اور کفار کے لشکر کی ہیبت اور کثرت دیکھ کر ضعیف مسلمان کے دل ہٹ گئے، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ

جب آئے تم پر، تمہاری بلندی پر سے، اور تمہارے نشیب سے، اور جب کہ جھپک کر رہ گئیں آنکھیں،

وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ۝۱۰

اور چڑھ آئے دِل گلوں تک، اور تم لوگ گمان کرنے لگے اللہ کے ساتھ طرح طرح کے گمان ●

(جب آئے تم پر تمہاری بلندی پر سے)، تمہارے اوپر سے، یعنی میدان کے اوپر کی جانب سے، (اور تمہارے نشیب سے)، تمہارے نیچے سے یعنی میدان کے جانب اسفل سے، (اور جب کہ جھپک کر رہ گئیں آنکھیں)، یعنی آنکھیں خوف کے مارے اپنے گڑھوں میں بدل گئیں اور کمی کرنے لگیں یعنی دھنس گئیں، (اور چڑھ آئے) خوف کے مارے (دِل گلوں تک)۔

اس واسطے کہ پھیپھڑا شدت سے پھول جاتا ہے، اور دِل اُس کی بلندی کے سبب سے حلق تک پہنچتا ہے۔

(اور تم لوگ گمان کرنے لگے اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ طرح طرح کے گمان)۔ مخلصوں کو تو یہ گمان کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو غالب کرے گا اور مؤمنوں کو فتح دے گا، اور منافقوں کو یہ گمان کہ لشکرِ اسلام اُن لشکروں سے لڑنے کی تاب نہ لا کر تباہ ہو جائے گا۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِيْدًا ۝۱۱

اُس وقت آزمائے گئے تھے ایمان والے، اور ہلائے گئے تھے سخت ●

(اُس وقت آزمائے گئے تھے ایمان والے)، اور ثابت قدم لوگ راہِ تزلزل سے ممتاز ہوئے (اور ہلائے گئے تھے سخت)۔ ایسا ہلانا کہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے، یہاں تک کہ بد دِل لوگوں نے سفر کا ارادہ کر دیا اور بے صبروں نے جدا ہونے کا قصد کیا۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ

اور جب بول پڑے منافق لوگ، اور جن کے دِل میں بیماری ہے کہ "نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ

وَرَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

اور اُس کے رسول نے، مگر دھوکے کا" ●

(اور) یاد کرو (جب بول پڑے) ابن قشیر اور اُس جیسے (منافق لوگ، اور) وہ لوگ (جن کے دل میں) ضعفِ اعتقادی کی (بیماری ہے، کہ نہیں وعدہ کیا ہم سے اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول نے) شام و یمن کی فتح کا (مگر دھوکے کا)، یعنی یہ وعدہ صرف دِل لگی اور دم دینے کی بات تھی۔۔ الحاصل۔۔ یہ وعدہ حقیقت پر مبنی نہ تھا، بلکہ فریب پر مشتمل تھا۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰۤاَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا

اور جب بکنے لگا ایک گروہ اُن کا کہ "اے یثرب والو، یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تمہارا، تو گھر واپس جاؤ۔"

وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ

اور اجازت لینے لگا ہے ایک گروہ اُن کا نبی سے۔ کہتے ہیں کہ "ہمارے گھر بے پناہ ہیں۔"

وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

حالانکہ وہ بے پناہ نہیں۔ وہ نہیں چاہتے مگر بھاگ جانا ●

(اور) اُسے بھی یاد کرو (جب بکنے لگا ایک گروہ اُن کا) جیسے اوس بن قبطی، ابو عرابہ اور ابن ابی وغیرہ منافق لوگ، (کہ اَے یثرب والو!)۔

یثرب ایک زمین ہے کہ مدینہ طیبہ اُس کے ایک ناحیہ میں واقع ہے، غرضیکہ ان منافقوں نے مدینہ کے لوگوں سے کہا۔۔

(یہاں کوئی ٹھکانہ نہیں ہے تمہارا)۔ یعنی محمد عربی کے لشکر گاہ میں تمہارے رہنے کی جگہ نہیں ہے۔۔ یا۔۔ یہاں تمہارے کھڑے ہونے کی کیا وجہ؟ (تو گھر واپس جاؤ) مدینہ میں۔۔ یا۔۔ دین اسلام پر قائم رہنے کی تم کو کوئی وجہ نہیں، تو تم اپنے باپ دادا کے دین کی طرف پھر جاؤ اور محمد ﷺ عربی کو دشمنوں کے حوالے کردو۔ پس دیکھا (اور) محسوس کیا کہ (اجازت لینے لگا ہے ایک گروہ اُن کا نبی سے)۔ یعنی بنو حارثہ اور بنو سلمہ حضرت نبی کریم سے اجازت چاہنے لگے، اور عذر پیش کرتے ہوئے

(کہتے ہیں کہ ہمارے گھر بے پناہ ہیں) شہر مدینہ میں، یعنی خالی ہیں اور مضبوط نہیں ہیں، (حالانکہ وہ بے پناہ نہیں)۔ نہ تو وہ خالی تھے اور نہ ہی کمزور بلکہ خوب مضبوط تھے۔ اُس اجازت طلبی اور عذر خواہی سے (وہ نہیں چاہتے مگر) میدانِ جنگ اور لڑائی سے (بھاگ جانا)۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا

اور اگر فوجیں گھس پڑتیں اُن پر مدینہ کے ہر طرف سے، پھر کہے جاتے یہ لوگ فتنہ برپا کرنے کو، تو ضرور اُسے کر گزرتے،

وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾

اور نہ دیر کرتے اُس سے مگر تھوڑی●

(اور) اُن کا حال تو یہ ہے کہ (اگر) مدینہ کے کافروں کی (فوجیں گھس پڑتیں اُن پر مدینے کے ہر طرف سے) اور اُن کو گھیر لیتیں، (پھر کہے جاتے یہ) بھاگنے والے (لوگ فتنہ برپا کرنے کو)، یعنی اگر کفارِ مدینہ انہیں گھیر کر اُن سے کہیں کہ تم شرک اختیار کرو۔۔یا۔۔ مسلمانوں سے لڑو، (تو ضرور اُسے کر گزرتے اور نہ دیر کرتے اُس سے) یعنی اس فتنہ اٹھانے میں (مگر تھوڑی)۔۔الحاصل۔۔اس میں ذرا دیر نہ کرتے بلکہ بہت جلد مشرک ہو جاتے، یا مسلمانوں سے محاربہ اور مقاتلہ کرنے لگتے۔

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ

حالانکہ بلاشبہ عہد کر چکے تھے اللہ سے پہلے ہی کہ "نہ پھیریں گے پیٹھ۔"

وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾

اور اللہ سے عہد کا سوال ہوگا●

(حالانکہ بلاشبہ) یہ بنوحارثہ اور بنوسلمہ انابت کی رُو سے (عہد کر چکے تھے اللہ) تعالیٰ (سے پہلے ہی) غزوۂ اُحد کے دن، (کہ نہ پھیریں گے پیٹھ) لڑائی میں، (اور اللہ) تعالیٰ (سے عہد کا سوال ہوگا)۔ یعنی اُس پر سوال کیا جائے گا اور عہد توڑنے اور وفا کرنے کی جزا اُن کو دیں گے۔

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ

کہہ دو کہ "ہرگز کام نہ دے گا تمہیں بھاگنا، اگر تم بھاگے موت سے یا مارے جانے سے،

وَاِذًا لَّا تُمَتَّعُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۱۶﴾

اور اب بھی رہنے نہ دیے جاؤ گے مگر کچھ"●

اَے محبوب! (کہہ دو، کہ ہرگز کام نہ دے گا تمہیں بھاگنا) (اگر تم بھاگے موت سے۔۔یا۔۔ مارے جانے سے)۔تو یہ بھی سوچ لو کہ ہر شخص کو وقتِ معین پر موت آنا۔۔یا۔۔قتل ہونا لازم ہے، کہ حکمِ قضا اُس کے ساتھ جاری ہوتا ہے۔(اور اب بھی) یعنی بھاگنے کی صورت میں بھی (رہنے نہ دیے جاؤ گے مگر کچھ) یعنی تھوڑا زمانہ، اس واسطے کہ آخر فنا ہونا ہے۔اَے محبوب! اُن بھاگنے والوں سے۔۔۔

قُلۡ مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يَعۡصِمُكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَ بِكُمۡ سُوۡٓءًا اَوۡ اَرَادَ بِكُمۡ

پوچھو کہ" کون ہے جو بچائے تمہیں اللہ سے؟ اگر اُس نے چاہا تمہارے لیے بُرائی، یا چاہا تم پر

رَحۡمَةً ‌ؕ وَلَا يَجِدُوۡنَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ﴿۱۷﴾

رحمت۔" اور نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے خلاف کو، یار نہ مددگار●

(پوچھو کہ کون ہے جو بچائے تمہیں اللہ) تعالیٰ کے عذاب (سے، اگر اُس نے چاہا تمہارے لیے بُرائی) اور شکست، (یا چاہا تم پر رحمت)، تو وہ کون ہے جو منع کرے اُسے (اور نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ) تعالیٰ (کے خلاف کو یار) جو نفع پہنچائے، (نہ مددگار) جو ضرر کو روکے۔

روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لشکر گاہ سے مدینہ منورہ میں گیا۔ وہاں اُس نے اپنے بھائی کو دیکھا کہ عیش وطرب کے اسباب مہیا کیے ہوئے ہے، شراب کی بوتلیں اُس کے سامنے ہیں۔ وہ شخص بولا، کہ اَے بھائی تو یہاں عیش وطرب میں مشغول ہے، اور حضرت ﷺ میدانِ جنگ میں نیزہ وتلوار کا سامنا کر رہے ہیں۔ بھائی نے جواب دیا کہ تو بھی آ بیٹھ، کیونکہ تجھے اور تیرے دوستوں کو بلا گھیرے ہوئے ہے۔ محمد عربی ﷺ ہرگز اِس معرکے سے سلامت نہ بچیں گے۔

وہ شخص وہاں سے پھرا، اور بولا کہ جاتا ہوں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تیری بات سناتا ہوں۔ جب وہ حضرت کے پاس پہنچا، حضرت جبرائیل علیہ السلام اس سے پہلے ہی آچکے تھے اور یہ آیت لاچکے تھے۔۔۔

قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الۡمُعَوِّقِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَالۡقَآئِلِيۡنَ لِاِخۡوَانِهِمۡ هَلُمَّ اِلَيۡنَا ‌ۚ

بے شک جانتا ہے اللہ، جو روکنے والے ہیں تم میں سے۔ اور جو کہنے والے ہیں اپنے بھائیوں کو کہ" آؤ ہماری طرف،"

وَلَا يَأْتُونَ الْبَأْسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۸﴾

اور نہیں آتے لڑائی کو مگر تھوڑے●

(بے شک جانتا ہے اللہ) تعالیٰ اُن کو (جو) نصرتِ رسول سے (روکنے والے ہیں تم میں سے، اور جو کہنے والے ہیں اپنے بھائیوں کو کہ آؤ ہماری طرف)۔

بعضوں نے کہا کہ منافق لوگ مسلمانوں کو ڈراتے تھے۔۔یا۔۔ابوسفیان۔۔یا۔۔یہود منافقوں کو کہتے تھے، کہ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اور محمد عربی ﷺ کی یاری اور مددگاری سے بھاگو۔

منافقوں نے یہود کی بات سنی اور لڑائی سے پہلوتہی کرتے تھے، (اور نہیں آتے) منافق لوگ (لڑائی کو، مگر تھوڑے)۔ یعنی تھوڑا آنا۔۔یا۔۔تھوڑی لڑائی کرتے تھے دکھانے سنانے کی راہ سے۔۔۔

أَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۖ فَإِذَا جَاءَ الْخَوْفُ رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ

جان چراتے ہوئے تمہاری مدد میں۔ پھر جب خوف پیش آگیا، تو تم نے دیکھا اُنہیں کہ نظر کرتے ہیں تمہاری طرف،

كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِأَلْسِنَةٍ

گھومتی پھرتی ہیں اُن کی آنکھیں، جیسے وہ جس پر موت چھا جائے۔ پھر جب چلا گیا خوف، تو گھس پڑے تم لوگوں میں

حِدَادٍ أَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ۚ أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ ۚ

تیز زبان لے کر، للچاتے ہوئے مال پر۔ یہ لوگ ایمان نہیں لائے، تو ملیامیٹ کر دیا اللہ نے اُن کے عملوں کو۔

وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۱۹﴾

اور یہ اللہ کو آسان ہے●

(جان چُراتے ہوئے تمہاری مدد میں)، اس حال میں کہ بخیل ہیں مدد دینے میں۔۔یا۔۔خرچ دینے میں۔۔یا۔۔یہ نہیں چاہتے کہ فتح اور غنیمت تمہیں پہنچے۔ (پھر جب) دشمن کا (خوف پیش آگیا، تو) اَے محبوب! (تم نے دیکھا انہیں کہ) کمالِ بددِلی کی وجہ سے (نظر کرتے ہیں تمہاری طرف، گھومتی پھرتی ہیں اُن کی آنکھیں) اپنے گڑھوں میں، (جیسے وہ جس پر موت چھا جائے) اور سکرات کی کیفیت طاری ہو جائے۔

(پھر جب چلا گیا خوف تو گھس پڑے تم لوگوں میں تیز زبان لے کر)، یعنی تیز زبانی اور سخت

کلامی کرنے لگے (للچاتے ہوئے مال پر)، یعنی مالِ غنیمت کے حریص ہیں۔ اور غنیمتوں کا مال تقسیم ہوتے وقت لڑتے جھگڑتے ہیں۔ اُن کے طرزِ عمل سے ظاہر ہو گیا، کہ (یہ لوگ ایمان نہیں لائے، تو ملیامیٹ) اور باطل (کر دیا اللہ) تعالیٰ (نے اُن کے عملوں کو) یعنی جو جہاد انہوں نے ریاء اور غرض کے سبب سے کیا، وہ باطل اور نامقبول ہے۔۔یا۔ اللہ ظاہر کر دے گا اُن کے اعمال کا باطل ہونا۔ (اور یہ) ظاہر کر دینا (اللہ) تعالیٰ (کو آسان ہے)۔ ان منافقین کی خام خیالی کا عالم یہ ہے، کہ۔۔۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَاِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ

یہ لوگ خیال کر رہے ہیں کہ "سارے دشمن لشکر والے نہیں بھاگے۔" اور اگر وہ سارے لشکر اب آ جائیں، تو یہ چاہیں گے کہ "کاش ہوتے

فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ۖ وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۝٢٠ ع ۱۲ ۱۸

گاؤں کے دیہاتیوں میں۔" دریافت کیا کریں تم لوگوں کی خبریں، اور اگر تمہیں میں رہتے، تو بھی لڑائی کو نہ آتے مگر تھوڑے●

(یہ لوگ خیال کر رہے ہیں کہ سارے دشمن لشکر والے) یعنی گروہِ احزاب (نہیں بھاگے) اور مدینہ چھوڑ کر چلے نہیں گئے۔ یعنی منافق ایسے ڈر رہے ہیں اور اس طرح انہوں نے جی چھوڑ دیے ہیں، کہ باوجود اِس بات کے کہ منافق لوگ شکست کھا گئے ہیں، مگر یہ منافق یہی گمان کرتے ہیں کہ وہ مدینہ کو گھیرے ہوئے لڑنے کو کھڑے ہیں۔ (اور اگر وہ سارے لشکر اب آ جائیں) دوبارہ، (تو یہ) منافق لوگ (چاہیں گے کہ کاش ہوتے گاؤں کے دیہاتیوں میں) یعنی منافق لوگ بے دلی کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ مدینہ کے اندر نہ رہیں، بلکہ جنگلوں کے اندر جا کر بیٹھ رہیں۔ (اور دریافت کیا کریں تم لوگوں کی خبریں)۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ

یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں اچھا نمونہ ہے اُس کے لیے، جو امیدوار رہا اللہ کا

وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝٢١

اور پچھلے دن کا، اور یاد کرتا رہا اللہ کو بہت●

۔۔الحاصل۔۔ان منافقوں کی بزدلی اور کم ہمتی اور اُن کے خوف اور دہشت کا یہ عالم ہے کہ ہر چند کہ کفار کے لشکر ناکام اور نامراد ہو کر واپس جا چکے ہیں، لیکن اُن کا ابھی تک یہ خیال ہے کہ کفار کا

لشکر ہنوز اپنے خیموں اور مورچوں میں موجود ہے۔اور اگر بالفرض کفار کا لشکر دوبارہ حملہ کرنے کے لیے آجائے ،تو اُن کی تمنا یہ ہوگی کہ کاش وہ یہاں اُن کے سامنے اُن کے مقابلہ میں نہ ہوتے اور کسی جنگل میں ہوتے ،اور وہیں سے تمہارے متعلق لوگوں سے پوچھا کرتے کہ مسلمان جنگ میں ہلاک ہوئے یا نہیں؟ (اور اگر) یہ منافق (تمہیں میں رہتے) یعنی مدینے ہی میں رہتے اور دشمنوں سے مقابلہ ہوتا، (تو بھی لڑائی کو نہ آتے ،مگر تھوڑے)۔اُن کے اکثر پہلوتہی ہی سے کام لیتے۔حقیقت تو یہ ہے کہ اَے دلاورو! اور بے دلو! (یقیناً تمہارے لیے اللہ) تعالیٰ (کے رسول) کے افعال (میں اچھا نمونہ ہے) ۔۔لہٰذا۔۔آپ ہی کی پیروی ومتابعت کرو۔جس طرح آپ لڑائی میں ثابت قدم اور سختیوں مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں، تم بھی ایسا ہی کرو۔۔یا۔۔آپ کی ذات میں پیروی کرنے کے واسطے نیک خصلتیں ہیں (اُس کے لیے، جو امیدوار رہا اللہ) تعالیٰ کے ثواب اور اُس کی لقاء (کا، اور پچھلے دن) کی نعمتوں (کا، اور یاد کرتا رہا اللہ) تعالیٰ (کو بہت)، دِل اور زبان سے۔

جنگِ احزاب کے تعلق سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو خبر دے دی تھی 'احزاب' یعنی کفار کے لشکروں کے آنے کی، اور فرمادیا تھا کہ اُن کے اکٹھا ہونے سے تم پر کام سخت ہوجائے گا، اور آخر تم ہی اُن پر فتح پاؤ گے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد کے مطابق کفار کے لشکر آ گئے۔

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ

اور جب دیکھا ایمان والوں نے اُن سارے لشکروں کو، کہنے لگے کہ "یہ ہے جس کا وعدہ فرمایا ہم سے اللہ اور اُس کے رسول نے،

وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ﴿۲۲﴾

اور سچ فرمایا اللہ اور اُس کے رسول نے۔" اور نہیں بڑھا اُن کا، مگر ایمان و نیازمندی●

(اور جب دیکھا ایمان والوں نے اُن سارے لشکروں کو) جنگِ خندق کے دن، کہ لشکرِ اسلام کے سامنے اُنہوں نے صف باندھی، تو (کہنے لگے کہ یہ ہے جس کا وعدہ فرمایا ہم سے اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول نے)، اللہ کا وعدہ یہ تھا کہ "کیا گمان کیا تم نے یہ کہ تم داخل ہو بہشت میں اور ابھی نہیں آئی تم کو حالت ان لوگوں کی کہ گزرے پہلے تم سے"۔اور رسول نے یہ فرمایا تھا "قریب ہے کہ سخت ہو جائے کام لشکروں کے جمع ہونے سے"۔۔القصہ۔۔مسلمانوں نے کہا (اور) بولے کہ (سچ فرمایا اللہ)

تعالیٰ (اور اُس کے رسول نے۔اور) اُن لشکروں کو دیکھنے سے (نہیں بڑھا ان کا مگر ایمان و نیاز مندی)۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدہ پر یقین اور نبی کریم کے حکم کے آگے سر جھکانے کی سعادت مندی میں ہی اضافہ ہوا۔۔چنانچہ۔۔صحابہ کرام میں سے حضرت حمزہ، حضرت مصعب، حضرت عثمان، حضرت طلحہ اور حضرت انس بن النصر وغیرھم نے نذر کی تھی، کہ جب میدانِ جنگ میں حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوں، ثابت قدم رہ کر کفار سے خوب مقابلہ اور مقاتلہ کریں گے، اور جب تک شربتِ شہادت نہ پئیں آرام نہیں لیں گے، تو حق تعالیٰ اُن کی صفت میں فرماتا ہے، کہ۔۔۔

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ

مسلمانوں میں وہ مردِ میدان ہیں، کہ سچ کر دکھایا جس کا عہد کیا اللہ سے۔تو کسی نے پوری کرلی

قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِیْلًا ﴿۲۳﴾

اپنی منت، اور کوئی انتظار کر رہا ہے، اور وہ کچھ بھی نہ بدلے●

(مسلمانوں میں وہ مردِ میدان ہیں، کہ سچ کر دکھایا جس کا عہد کیا اللہ) تعالیٰ (سے)۔انہوں نے خدا سے عہد کرلیا تھا کہ قتال پر ثابت رہنا ہے، حضرت ملک متعال کی رضامندی کے واسطے۔(تو کسی نے پوری کرلی اپنی منت)، اور قتال کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے، جیسے حمزہ، مصعب اور انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم، (اور کوئی انتظار کر رہا ہے)۔۔مثلاً: حضرت عثمان اور طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، (اور وہ کچھ بھی نہ بدلے) یعنی اپنی بات سے نہیں پھرے۔۔۔

لِّیَجْزِیَ اللّٰهُ الصّٰدِقِیْنَ بِصِدْقِهِمْ وَیُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ اِنْ شَآءَ

تاکہ ثواب دے اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا، اور عذاب دے منافقوں کو اگر چاہے،

اَوْ یَتُوْبَ عَلَیْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۴﴾

یا توفیق توبہ دے انہیں۔بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(تاکہ ثواب دے اللہ) تعالیٰ (سچوں کو اُن کی سچائی کا) اور اُن کی فرمانبرداری کا، (اور عذاب دے منافقوں کو اگر چاہے) کہ وہ نفاق پر مریں، (یا توفیق توبہ دے انہیں۔بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور ہے، بخشنے والا ہے توبہ کرنے والے کا، اور (رحیم ہے)، مہربان ہے اُس پر جو توبہ پر مرے۔

روایت ہے کہ بیس[20] روز۔۔یا۔۔ستائیس[27] دن لشکر مدینے کے باہر ٹھہرے، اور خندق کے کنارے آتے اور دونوں طرف سے تیر اور پتھر کی لڑائی ہوتی، راتوں کو شب خوں مارنے کا ارادہ کرتے، اور حضرت ﷺ بنفس نفیس صحابہ کو ساتھ لے کر شب خوں کے دفع میں مشغول ہوتے۔

ایک دن عمرو بن عبید نامی کافر کہ شجاعِ عرب تھا، اور اُسے ہزار جنگی آدمیوں کے مقابل کرتے تھے، عرب کے چار[4] شجاع کافر ساتھ لیے ہوئے خندق اُتر کر سامنے آیا، اور مقابل طلب کیا۔ پس عمرو تو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ہاتھ سے مارا گیا، اور نوفل کو مسلمانوں نے سنگسار کیا، اور امیر المومنین حضرت علی نے اس کی کمر دو ٹکڑے کر دی۔

پس کافروں کا دِل ٹوٹ گیا، جی چھوٹ گیا۔ اور حضرت ﷺ نے دوشنبہ، منگل بدھ تین[3] دن تک مسجد میں فتح کے واسطے دُعا کی۔ بدھ کے دن ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان میں فتح کا انتظار ہوا، اور حق تعالیٰ نے بادِ صبا کو لشکرِ اسلام کی مدد کے واسطے بھیجا۔ پس صبا نے اُس لشکر میں زلزلہ ڈال دیا اور اُن کی آگیں بجھانے لگی اور فرشتوں نے آسمانوں سے اُتر کر اُن کے خیموں کی رسیاں توڑ دیں اور میخیں اکھاڑ ڈالیں۔ وہ عاجز ہو کر بھاگ نکلے اور بے دغدغہ قتال یمن واقبال کی کنجیوں سے فتح ونصرت کے دروازے کھل گئے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَكَفَى اللّٰهُ

اور پلٹا دیا اللہ نے جنہوں نے کفر کیا اُن کی جلن کے ساتھ، نہ پائی اُنہوں نے کوئی بھلائی۔ اور کافی رہا اللہ

الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۚ﴿۲۵﴾

ایمان والوں کے لیے لڑائی میں۔ اور اللہ قوت والا غلبہ والا ہے●

(اور پلٹا دیا اللہ) تعالیٰ (نے) مدینہ سے اُن کو (جنہوں نے کفر کیا اُن کی جلن کے ساتھ، نہ پائی انہوں نے کوئی بھلائی)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کو اُن کے دِلوں کی جلن کے ساتھ ناکام و نامراد لوٹا دیا، اور وہ کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکے۔ (اور کافی رہا اللہ) تعالیٰ (ایمان والوں کے لیے لڑائی میں)۔۔چنانچہ۔۔بادِ صبا اور فرشتوں کے ذریعہ کافروں کو تباہ کر دیا۔ (اور) ایسا کیوں نہ ہو اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (قوت والا غلبہ والا ہے)۔ جو چاہے اُس کے پیدا کرنے پر قادر ہے اور سب چیزوں پر غالب ہے۔

کافروں کے بھاگ جانے کے بعد حکم ہوا کہ بنی قریظہ سے لڑائی کے واسطے مسلمان جائیں۔ اس واسطے کہ انہوں نے عہد کو توڑ کر کافروں کی مدد کی تھی۔ لشکرِ اسلام نے پندرہ[15] دن رات اُن کا محاصرہ کیا اور اُن پر کام تنگ ہوا۔ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کہ امیر لشکر تھے، ان کے حکم سے مسلمان اُترے اور سعد نے حکم فرمایا، کہ اُن کے مَردوں کو قتل کریں عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنائیں، اور اُن کے مال مؤمنوں پر تقسیم کریں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اَے سعد تم نے وہ حکم کیا، کہ حق تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر وہی حکم دیا تھا، تو حق تعالیٰ اس واقعہ کی خبر دیتا ہے۔

وَاَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَقَذَفَ

اور اُتار دیا اُنہیں، جنہوں نے مدد کی تھی اُن کی اہلِ کتاب سے، اُن کے قلعوں سے، اور ڈال دیا

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَتَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ﴿۲۶﴾

اُن کے دِلوں میں ہیبت، کچھ کو تم لوگ قتل کرتے، اور کچھ کو قید کرتے●

(اور) ارشاد فرماتا ہے کہ (اُتار دیا انہیں جنہوں نے مدد کی تھی اُن کی) یعنی احزاب کی، اور اُن کے پشت پناہ ہوگئے (اہلِ کتاب سے)، یعنی اہلِ توریت سے یہود قریظہ، (اُن کے قلعوں سے اور ڈال دیا اُن کے دِلوں میں) پیغمبر اور اُن کے لشکر کی (ہیبت) اور خوف۔ پھر صورتِ حال یہ ہوئی کہ (کچھ کو تم لوگ قتل کرتے) ہو (اور کچھ کو قید کرتے) ہو۔

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ۚ وَكَانَ اللّٰهُ

اور قبضہ دیا تمہیں اُن کی زمین اور گھروں اور مالوں پر، اور اُس زمین پر کہ تم نے قدم نہ رکھا جہاں۔ اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ﴿۲۷﴾ ع ۱۹

ہر چاہے پر قادر رہا●

(اور قبضہ دیا تمہیں اُن کی زمین اور گھروں اور مالوں پر)۔۔ الغرض۔۔ اُن کے کھیت، باغ، اُن کے گھر قلعے وغیرہ، اور اُن کے مال، نقد جنس چار پائے سب کا تمہیں مالک بنا دیا۔ (اور) ان کے علاوہ (اس زمین پر) بھی (کہ تم نے قدم نہ رکھا جہاں) ابھی تک۔۔یا۔۔ اس کے مالک نہیں ہوئے ہو۔ اِس سے مراد خیبر ہے۔۔یا۔۔ دیارِ روم اور ممالک فارس، اور بعضوں نے کہا کہ جو زمین

قیامت تک مسلمانوں کے قبضہ میں آئے وہ اس خبر میں داخل ہے۔
(اور اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قادر رہا) تو شہروں کے فتح کرنے اور اُن پر رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم کردینے پر بھی قادر ہے۔

اِس کے باوجود جب دُنیا اور آخرت میں سے کسی ایک کے انتخاب کی بات آئی، تو آپ نے دُنیا کے مقابلے میں آخرت کو اختیار کرلیا تھا۔ سو اِس نہج پر آپ کو حکم دیا، کہ آپ اپنی ازواج کو اختیار دیں، تاکہ آپ کی ازواج کا حال بھی آپ کے مثل ہو۔۔ چنانچہ۔۔ ہجرت کے نویں ۹ برس جب ازواجِ مطہرات نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایسی چیزوں کی خواہش ظاہر کی جن کا تعلق دُنیا کی آرائش وراحت سے تھا، تو سرکار غمگین اور ملول خاطر ہوئے اور اُن سے کنارہ کشی کر کے مسجد کے ایک گوشے میں رونق افروز ہوئے۔ انتیس ۲۹ دن کے بعد کہ وہ مہینہ بھی انتیس ۲۹ دن کا ہوا تھا، حضرت جبرائیل یہ 'آیتِ تخییر' لائے، کہ۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا

اے آنحضرت! کہہ دو اپنی بیبیوں کو کہ "اگر تم چاہتی ہو دُنیاوی زندگی اور اُس کی آرائش،

فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾

تو آؤ میں سامان دے دوں تمہیں، اور چھوڑ دوں اچھی طرح ●

(اے آنحضرت کہہ دو اپنی بیبیوں کو کہ اگر تم چاہتی ہو دُنیاوی زندگی) کے عیش وآرام (اور اُس کی آرائش) زیب وزینت۔۔ مثلاً: لباسِ فاخرہ اور پر تکلف زیورات، (تو آؤ میں سامان دے دوں تمہیں) متاعِ طلاق، (اور چھوڑ دوں اچھی طرح)۔ یعنی رغبت سے رہا کردوں کراہت سے نہیں۔

وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور اگر چاہتی ہو اللہ اور اُس کے رسول کو اور پچھلے گھر کو، تو بے شک اللہ نے

اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

تیار کر رکھا ہے نیک بیبیوں کے لیے تم میں سے، بڑا ثواب"●

(اور اگر چاہتی ہو اللہ) تعالیٰ کے ثواب کو (اور اُس کے رسول) کی خوشی (کو اور پچھلے گھر)، یعنی

آخرت کی نعمتوں (کو، تو بے شک اللہ) تعالیٰ (نے تیار کر رکھا ہے نیک بیبیوں کے لیے تم میں سے)، یعنی اُن بیبیوں کے لیے جو دوسری شق اختیار کریں، (بڑا ثواب)، کہ دُنیا کی مزخرف چیزیں اُس کے مقابلے میں حقیر اور کم ہیں۔

روایت ہے کہ بیبیوں میں سے جس نے سب سے پہلے خدا اور رسول کو اختیار کیا، وہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں۔ آگے انہیں ازواجِ مطہرات کی عظمت ورفعت اور اُن کی خصوصیت اور شانِ یکتائی کو ظاہر کرنے کے لیے اُن کو مخاطب فرمایا جاتا ہے، کہ۔۔۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ

اَے آنحضرت کی بیبیو! "جو کر لائے تم میں سے کوئی کھلی نافرمانی، تو دونا کیا جائے گا اُس کا عذاب ڈبل۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۳۰

اور یہ اللہ کو آسان ہے●

(اَے آنحضرت کی بیبیو! جو کر لائے تم سے کوئی کھلی نافرمانی)، اور وہ رسول مقبول کی نافرمانی ہے، (تو دُونا کیا جائے گا اُس کا عذاب ڈبل)۔ دو حصے اُس کے بہ نسبت جو اوروں کی عورتوں کے واسطے ہو۔ اس واسطے کہ ازواجِ مطہرات سے گناہ کا ہونا بہت بُرا ہے۔ کیونکہ

"جن کا رتبہ ہے سوا اُن کو سوا مشکل ہے"۔

(اور یہ) عذاب کا دُونا کرنا (اللہ) تعالیٰ (کو آسان ہے)، کیونکہ وہ قادرِ مطلق اور مختارِ کُل ہے۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۶ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ۔ مطابق۔۔ یکم جنوری ۲۰۱۲ء

بروز یکشنبہ، اکیسویں (۲۱) پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ

مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق رفیق

عطا فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

آمِيْن يَا مُجِيْبَ السَّائِلِيْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ يٰسٓ بِحَقِّ نٓ وَصٓ، بِحَقِّ يَا بُدُّوْحُ بِحُرْمَةِ

سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ سَيِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

تشریحِ لغات

--﴿ آ ﴾--

آتشِ مفارقت: جدائی، فرقت، علیحدگی کی تکلیف۔
آراستہ: سجا ہوا۔۔سنوارا ہوا۔
آرائش: زیب وزینت۔۔سجاوٹ۔
آزردہ خاطر: اُداس۔۔غمگین۔۔رنجیدہ۔
آسائش: راحت۔۔آرام۔
آسن: پوجا پاٹ کرتے وقت بیٹھنے کا ڈھنگ اور طریقہ۔
آشکارا: ظاہر۔۔نمایاں۔۔کھلا ہوا۔۔واضح۔
آگاہی: واقفیت۔۔خبر۔علم۔۔واقف کاری۔

--﴿ ا ﴾--

ابطال: باطل کرنا۔۔غلط قرار دینا۔۔جھوٹا کرنا۔
اجمالی: مختصر۔۔سرسری۔
احاطہ: چار دیواری سے گھری ہوئی جگہ۔
احدیت: ایک ہونا۔۔یکتائی۔
اختصار: مختصر کرکے۔۔خلاصہ۔
اخوت: برادری۔۔بھائی بندی۔۔بھائی چارا۔
اذھان ﴿ذہن کی جمع﴾: عقل۔۔سمجھ۔۔ادراک۔
ارتکاب: کوئی غلط یا ناجائز کام کرنا۔
ازراہ تمسخر: مذاق کے طور پر۔۔مذاق اڑانے کے طور پر۔
ازروئے لغت: لغت کے اعتبار سے۔
ازلی: ہمیشہ سے۔
اسباب تنعم: عیش وآرام کے ذرائع اور چیزیں
استحقاق: مستحق ہونا۔۔سزاوار ہونا۔
استدعا: خواہش۔۔درخواست۔۔التجا۔
استدلال: دلیل۔۔برہان۔۔ثبوت۔۔دلیل لانا۔

استراحت: آرام چاہنا۔۔راحت طلب کرنا۔
استعجاب: تعجب۔۔حیرانی۔۔حیرت۔
استعداد: لیاقت۔۔قابلیت۔
استغراق: محویت۔۔کسی خیال میں ڈوب جانا۔
استفہام: دریافت کرنا۔۔پوچھنا۔
استہزاء: ہنسی مذاق۔۔ہنسی اُڑانا۔
اسرار ﴿سر کی جمع﴾: بھید۔۔پوشیدہ باتیں۔
اسرار ومعارف: پوشیدہ باتیں اور پہچان۔
اسرار ورموز: بھید وراز۔۔پوشیدہ باتیں۔
اسرار مکتومہ: چھپی ہوئی اور پوشیدہ باتیں۔
اسراف: فضول خرچی۔۔بے جا خرچی۔
اسفل: نہایت نیچا۔
اسلاف ﴿سلف کی جمع﴾: اگلے وقتوں کے لوگ۔۔بزرگ۔
اسلوب: طریقہ۔ طرز۔۔روش۔
اسناد: سند کی جمع۔
اشراف ﴿شریف کی جمع﴾: عالی خاندان وذی عزت لوگ۔
اضطراب: گھبراہٹ۔۔بوکھلاہٹ۔۔بے قراری۔۔بے چینی۔
اضطراری ﴿اضطرار سے منسوب﴾: بے قرار۔۔بے اختیار۔
اطوار ﴿طور کی جمع﴾: ڈھنگ۔۔طریقے۔۔طرز۔
اعانت: مدد۔۔سہارا۔۔حمایت۔
اعتدال: نہ کمی نہ زیادتی۔۔درمیانی درجہ۔۔میانہ روی۔
اعتراف: اقرار کرنا۔۔تسلیم کرلینا۔۔مان لینا۔
اعتقاد: دل میں مضبوطی کے ساتھ کوئی بات بٹھانا۔۔عقیدہ۔۔ بھروسا۔۔یقین۔
اعجاز: معجزہ۔
اعراض: منہ پھیرنا۔۔بچنا۔۔رُوگردانی کرنا۔
اعلاء کلمۃ الحق: حق بات کو غالب کرنا۔

اغیار﴿غیر کی جمع﴾: دوسرا۔۔سوا۔
افاضہ: فیض پہنچانا۔۔فائدہ پہنچانا۔
افتراء: تہمت۔۔بہتان۔۔جھوٹا الزام۔
افسردہ خاطر: رنجیدہ۔۔اُداس۔۔بجھے ہوئے دل والا۔
افعال﴿فعل کی جمع﴾: کام۔۔اعمال۔۔خواص۔
افق: وہ جگہ جہاں زمین وآسمان ملے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔۔ حدِ نگاہ۔۔آسمان کا کنارہ۔
اقلام﴿قلم کی جمع﴾: لکھنے کا آلہ۔
التفات: متوجہ ہونا۔۔توجہ۔۔مہربانی۔
الحان: اچھی آواز سے پڑھنا۔۔لَے۔
امتیاز: فرق۔۔تمیز۔۔ترجیح۔
امور﴿امر کی جمع﴾: معاملہ۔۔باب۔
انّا: دایہ۔۔دودھ پلانے والی عورت۔
اِنابت: رجوع۔
انحراف: انکار۔۔مخالفت۔۔نافرمانی۔
اُنس: محبت۔۔پیار۔۔رغبت۔
انسب: زیادہ مناسب۔۔بہت ٹھیک۔
اِنفعال: اثر قبول کرنا۔۔متاثر ہونا۔
انقطاع: بریدہ ہوجانا۔۔کٹ جانا۔
اَنگشت: اُنگلی۔
اوامر ونواہی: احکامات وممنوعات۔
اولوالعزم: صاحبانِ عزم وارادہ۔۔عالی حوصلہ۔
اَولیٰ: اعلیٰ۔۔اَرفع۔۔بہترین۔
اہانت: توہین کرنا۔۔ذلیل کرنا۔۔حقارت۔
ایذاء: دکھ دینا۔۔تکلیف پہنچانا۔
ایلچی: قاصد۔۔پیغام بر۔۔سفیر۔
اِدراک: عقل۔۔فہم۔۔رسائی۔
اَجرام﴿جرم کی جمع﴾: اجسام۔۔ستاروں اور جواہرات کے جسم
اَزخود: آپ سے۔۔خود ہی۔۔اپنے آپ۔۔خود بخود۔
اَز روئے قدرت: طاقت کے اعتبار سے۔
اَز روئے مال: مال ودولت کے اعتبار سے۔
اَزل: وہ زمانہ جس کی کوئی ابتداء نہ ہو۔۔شروع۔۔آغاز۔

-- ﴿ ب ﴾ --

بادبان: وہ کپڑا جو کشتی کی رفتار تیز کرنے اور اس کا رخ موڑنے کے لیے لگاتے ہیں۔
باعث: وجہ۔۔سبب۔۔علت۔۔موجب۔
باک: خوف۔۔ڈر۔۔اندیشہ۔۔دہشت۔
باگ: لگام۔۔عنان۔
باور: یقین۔۔بھروسا۔۔اعتماد۔۔اعتبار۔
براءت: پاکیزگی۔
بردباری: تحمل۔۔صبر۔۔برداشت۔
برعکس: بخلاف۔۔اُلٹ۔۔خلاف۔۔مخالف۔
برگزیدہ: منتخب۔۔چنا ہوا۔۔پسندیدہ۔
بڑھنتی: زیادتی۔۔اضافہ۔
بصیرت: دانائی۔۔آگاہی۔
بعث وحشر: روزِ قیامت۔
بعثت: رسالت۔۔پیغمبر کا بھیجنا۔۔رسالت کا زمانہ۔
بعید: دُور۔۔فاصلے پر۔۔علیحدہ۔
بقعہ مُبارک: زمین کا مبارک ٹکڑا یا حصہ۔
بکثرت: زیادہ تعداد میں۔۔کئی کئی دفعہ۔
بلاغت: فصیح کلام۔۔حسبِ موقع گفتگو۔۔کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ مطلب بیان کرنا۔
بہ نظرِ غائر: سرسری نظر سے۔
بہیمی: حیوانیت۔
بھید: راز۔۔پوشیدہ بات۔
بیابانِ بے پایاں: صحرا۔۔ریگستان۔۔جس کا کنارا نظر نہ آئے۔
بے باکی: شوخی۔۔شرارت۔۔بے حیائی۔
بَل: زور۔۔طاقت۔۔قوت۔
بُخارات﴿بخار کی جمع﴾: غبار۔۔بھاپ۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پراگندہ: بکھرا ہوا۔
پرتپاک: بھرپور گرم جوشی۔۔خوب آؤ بھگت۔
پرکھ: پہچان۔۔شناخت۔

پست: کمینہ۔۔رذیل۔۔ذلیل۔

پلنگ: چیتے۔

پندونصیحت: نصیحت۔۔ہدایت۔۔بھلی بات۔

پندونصائح: نصیحت۔۔ہدایت۔۔بھلی بات۔

پیراک: پانی میں تیرنے والا۔۔شناور۔

پیرو: پیچھے چلنے والا۔۔تقلید کرنے والا۔

پیروکاروں: کسی معاملے میں کسی کی طرف سے پیروی کرنے والا۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تابانیوں﴿تابانی سے﴾: روشنی۔۔نور۔۔چمک۔

تابع: ماتحت۔۔مطیع۔۔فرمانبردار۔

تابعوں﴿تابع سے﴾: ماتحت۔۔مطیع۔۔فرمانبردار۔

تاپ: حرارت۔۔گرمی۔۔آگ سے ہاتھ پاؤں کے لیے حرارت وگرمی حاصل کرنا۔

تاخیر: دیر۔۔توقف۔۔وقفہ۔

تاڑ: فراست۔۔سمجھ۔

تاسف: افسوس۔۔حیرت۔۔رنج وملال۔

تاکید: باربار کہنا۔۔زور دینا۔

تامل: سوچ بچار۔۔فکر۔

تائید: حمایت۔۔مدد۔استحکام دعویٰ کی دستاویز۔

تبر: کلہاڑی۔۔ایک قسم کا فولادی آلہ جس سے پتھر وغیرہ، یالکڑی کوکاٹا یاتوڑا جائے۔

تتمہ: بقیہ۔۔بچاہوا۔۔کسی چیز کا آخری حصہ۔

تجدید: نئے سرے سے کام شروع کرنا۔

تحدیث: بات کرنا۔۔خبر کرنا۔

تجرید: ایک چیز کودوسری چیز سے جدا کرنا۔

تحریص: لالچ دینا۔۔حرص دلانا۔۔ترغیب۔

تحریف: بدل دینا۔۔تحریر میں اصل الفاظ بدل کر کچھ اور لکھ دینا۔

تحمید: تعریف۔۔حمد۔۔ثنا۔

تحکم: زبردستی۔۔زبردستی کی حکومت۔

تخصیص: خصوصیت۔۔حق مخصوص۔

تخفیف: کمی۔۔گھٹاؤ۔۔افاقہ۔۔آرام۔

تدارک: درستی۔۔اصلاح۔

تدبیر: سوچ بچار۔۔کوشش۔۔بندوبست۔

تراشیدہ: چھیلا ہوا۔۔کاٹا ہوا۔

ترغیب: رغبت دلانا۔۔کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرنا۔

ترغیبات: ترغیب کی جمع۔

ترک: چھوڑنا۔

تزلزل: ہلنا۔۔حرکت کرنا۔۔ہلچل۔۔گڑبڑ۔

تزویج: جوڑا جوڑا کرنا۔۔شادی کرنا۔۔نکاح۔۔شادی۔

تسلط: حکومت۔۔غلبہ۔۔قابو۔۔قبضہ۔۔دخل۔

تشبیہ: مشابہت۔۔تمثیل۔۔ایک چیز کودوسری چیز کے مانند ٹھہرانا۔۔جیسے زید شیر جیسا بہادر ہے۔

تشنیع: برابھلا کہنا۔۔لعن طعن۔

تصرف: قبضہ۔۔اختیار۔۔استعمال۔

تعاقب: پیچھے جانا یادوڑنا۔۔پیچھا کرنا۔

تعدی: حد سے بڑھ جانا۔۔ظلم وستم۔۔جوروجفا۔۔ناانصافی۔

تعرض: مزاحمت۔۔روک۔۔سامنے آنا۔

تعریض: تعریض اس کو کہتے ہیں کہ صراحتاً ایک شخص کی طرف اسناد کیا جائے اور اشارہ کسی دوسرے کی طرف ہو۔۔ اشارے کنائے سے بات کہنا۔

تعریضاً: تعریض کے طور پر۔

تعزیت: مُردے کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی۔۔پرسا۔

تفاخر: ڈینگ مارنا۔۔فخر کرنا۔۔غرور کرنا۔

تفکر: سوچ بچار۔۔فکر۔

تقرب: نزدیکی یاقرب ڈھونڈنا۔۔نزدیکی۔۔قرب۔

تقصیر: کوتاہی۔۔کمی۔۔خطا۔۔قصور۔

تقلید: پیروی۔۔کسی کے قدم بہ قدم چلنا۔۔کسی کی متابعت کرنا۔

تکذیب: جھٹلانا۔۔جھوٹ بولنے کاالزام لگانا۔

تکلم: بات کرنا۔۔بولنا۔۔کلام کرنا۔۔گفتگو۔۔بات چیت۔

تلف: برباد۔۔تباہ۔۔گم۔۔ضائع۔

تمرد: سرکشی۔۔بغاوت۔۔گستاخی۔۔نافرمانی

تمرین: عادت ڈالنا۔۔خوگر کرنا۔۔مشق۔

تناقض: ایک دوسرے کی ضد یامخالف ہونا۔

تنبیہ: واقفیت۔۔خبرداری۔۔آگاہی۔۔تاکید۔

تنزیہہ: پاکی اور صفائی۔

تنور: ایک گول لبوترا کچی مٹی کا برتن جسے گڑھے میں لگا کر یا زمین کے اوپر رکھ کر روٹیاں پکاتے ہیں۔

توجیہہ: وجہ بیان کرنا۔۔دلیل لانا۔۔دلیل۔۔وجہ۔

توسط: ذریعہ۔۔وسیلہ۔

توکل: خدا پر بھروسہ کرنا۔۔اپنے کام کو اللہ کے حوالے کر دینا۔

تہدید: ڈرانا۔۔دھمکانا۔۔سرزنش۔۔دھمکی۔

تیرگی: سیاہی۔۔تاریکی۔۔دل کی کدورت۔

-- ﴿ ث ﴾ --

ثبات: پائداری۔۔مضبوطی۔۔ثابت قدمی۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جاڑے ﴿جاڑا کی جمع﴾: سردی۔۔خنکی۔۔ٹھنڈ۔

جانکار: واقفیت رکھنے والا۔۔ماہر۔۔شناسا۔

جائے حکم: حکم کی جگہ پر۔۔جس جگہ کے لیے حکم ہو۔

جبری: زبردستی سے۔۔مجبوری سے۔

جڑاؤ: جواہرات جڑا ہوا۔۔مرصع۔

جسارت: حوصلہ۔۔جرأت۔۔بے باکی۔

جملہ معترضہ: اعتراض والی بات۔

جوار: پڑوس۔۔ہمسائیگی۔

-- ﴿ چ ﴾ --

چاپ: پاؤں کی آہٹ یا آواز۔

-- ﴿ ح ﴾ --

حاجت: خواہش۔۔ضرورت۔۔آرزو۔

حجت تمام: اعتراض کی گنجائش ختم ہونا۔

حرص و آز: لالچ۔۔حرص۔۔طمع۔

حریت: آزادی۔

حریص: لالچی۔۔یہاں خواہشمند کے معنی لیے جائیں تو بہتر ہے۔

حریف: دشمن۔

حزن: رنج۔۔ملال۔۔غم۔

حسرت: کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس۔

حضرت ذوالمنن: اللہ رب العزت احسان فرمانے والا۔

حِلم: بردباری۔۔برداشت۔۔نرمی۔

حلّوں ﴿حلہ کی جمع﴾: بہشتی لباس۔

حوادث ﴿حادثہ کی جمع﴾: واردات۔۔واقعہ۔۔سانحہ صدمہ۔

حوالی: گردونواح۔۔آس پاس۔

حیلہ: دھوکا۔۔مکر۔۔فریب۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خاطر خواہ: حسب مرضی۔۔حسب منشا۔۔خواہش کے مطابق۔

خاطرداری: آؤ بھگت۔۔مہمان نوازی۔۔تواضع۔

خاطر مدارات: آؤ بھگت۔۔مہمان نوازی۔

خام خیالی: غلط گمان۔۔غلط خیال۔۔جھوٹا خیال۔۔وہم۔

خائن: خیانت کرنے والا۔۔بددیانت۔

خجالت: شرمندگی۔۔ندامت۔

خجل: شرمندہ۔۔نادم۔۔شرمسار۔

خرافات ﴿خرافت کی جمع﴾: بے ہودہ باتیں۔۔بکواس فضول۔

خلاص: رہائی۔۔آزادی۔۔آزاد۔۔چھوٹا ہوا۔

خلوت: تنہائی۔۔علیحدگی۔۔گوشہ نشینی۔

خمیر: سرشت۔۔فطرت۔۔مزاج۔۔طبیعت۔

خوارق عادات: عادت کے خلاف باتیں۔

خوش خصال: صاحب اَخلاق۔۔مہذب۔

خوض: غور۔۔سوچ۔۔فکر۔۔تحقیق۔۔تجسس۔

خیرگی: چکاچوند۔۔آنکھوں کے سامنے اندھیرا آجانے کی کیفیت۔

-- ﴿ د ﴾ --

دارین ﴿دار کا تثنیہ﴾: دونوں جہان۔۔دُنیا و عقبیٰ۔

داعی: بُلانے والا۔۔دعوت دینے والا۔

دانا: عقل مند۔۔ہوشیار۔۔دانش مند۔

دائم: ہمیشہ۔۔سدا۔۔دوام۔

دائمی: ہمیشہ رہنے والا۔۔سدا کا۔۔ابدی۔
دَبور: بادِصبا۔۔بادِنسیم۔
دُخول: گزر۔۔رسائی۔۔داخل ہونا یا کرنا۔
درجہ وصلت: وصل کا مقام۔۔یہاں اللہ سے ملاقات کا درجہ مراد ہے۔
دردِزہ: بچہ پیدا ہونے کا درد۔۔جننے کا درد
درکہ فرقت: دوری کی جگہ: یہاں اللہ سے دوری مراد ہے جو جہنم میں ہوگی۔
دغدغہ: تشویش۔۔خدشہ۔۔کھٹکا۔
دل: جسامت۔۔موٹائی۔
دلالت: دلیل۔۔ثبوت۔۔علامت۔۔نشان۔
دل آزار: دل کو ستانے والا۔۔دل کو دُکھانے والا۔
دل پذیر: مرغوب۔۔پسندیدہ۔
دلجمعی: تسلی۔۔اطمینان۔۔بےفکری۔
دلفریب: دل کو لبھانے والا۔۔دل رُبا۔
دم: طاقت۔۔قوت۔۔زور۔۔اولوعزمی۔۔بلند حوصلگی۔
دوام: ہمیشگی۔۔مداومت
دولت مواصلت: یہاں مراد ہے یعنی سے قریب ہونے قربت کی دولت۔۔کی دولت۔
دھاوا: حملہ۔۔چڑھائی۔۔یورش۔
دیار﴿دار (گھر) کی جگہ﴾: گھروں۔
دید: دیکھنا۔
دیدہ دلیری: بےباکی۔۔بےحیائی۔

--﴿ ڈ ﴾--

ڈھونے: بوجھ اُٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا۔۔لادنا۔
ڈیوڑھی: صدر دروازے کے سامنے کا کمرا۔۔دہلیز۔

--﴿ ر ﴾--

راجح: قابل ترجیح۔۔بہتر۔۔فائق۔
راست: سچ۔۔ٹھیک۔۔درست۔
راندۂ درگاہ: وہ شخص جو درگاہِ الٰہی سے نکالا گیا ہو۔۔مردود۔

رجوع: واپس ہونا۔۔مڑنا۔۔لوٹنا۔۔توجہ
رحلت: مدت۔۔انتقال۔
رخصت: اجازت۔۔منظوری۔۔رضا۔
رعیت: وہ لوگ جو کسی بادشاہ کے ملک میں رہتے ہوں۔پرجا۔
رغبت: خواہش۔۔رجحان۔۔میلان۔۔شوق۔
رفاھیت: خوشی۔۔بھلائی۔۔بہتری۔۔آرام۔
رفع: دُور کرنا۔۔نکالنا۔۔چھوڑنا۔
رمز: اشارہ۔۔بھید۔۔راز۔
رنجیدہ خاطر: ناخوش۔۔دُکھی۔۔افسردہ۔۔اداس۔
روا: جائز۔۔مباح۔۔درست۔۔ٹھیک۔
روادار: جائز رکھنے والا۔۔گوارا کرنے والا۔
روش: طور۔۔طریقہ۔۔ڈھنگ۔۔رواج۔۔چلن۔
روندی﴿روندنا سے﴾: پاؤں سے کچلنا۔
رؤسا﴿رئیس کی جمع﴾: سردار۔۔دولت مند۔۔مال دار۔
رُودِنیل: ندی، نالہ، نہر جو دریائے نیل سے نکلتی تھی۔

--﴿ ز ﴾--

زاری: گریہ۔۔عجز و نیاز۔
زائل: دُور ہونے والا۔۔کم ہونے والا۔
زجر: روک۔۔ڈانٹ ڈپٹ۔۔دھمکی۔۔تنبیہ۔
زدوکوب: مار پیٹ۔
زعم: گمان۔۔ظن۔۔غرور۔
زمانہ بعید: دورِ زمانہ۔۔لمبے عرصے۔
زمانہ فترت: حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حضور ﷺ کے درمیان کا زمانہ جب کوئی نبی یا رسول مبعوث نہیں کیا گیا۔
زمرہ: جماعت۔۔گروہ۔
زیب: بھلا۔۔موزوں۔
زیبا: زیب دینے والا۔۔خوشنما۔۔خوبصورت۔۔موزوں۔
زیبا طلعت: خوبصورت شکل کا۔۔حسین۔

--﴿ س ﴾--

سالک﴿تصوف کی اصطلاح﴾: خو خدا کا قرب چاہے۔

سائبان: بچنے کے لیے جو چھپر بنا دیتے ہیں مکان یا خیمے کے آگے دھوپ اور بارش سے بچنے کے لیے جو چھپر بنا دیتے ہیں۔
سبط: یہودی قوم۔
سبک: تیز۔
سبکساری: چھچھوراپن۔
سڈول: متناسب۔۔زیبا۔۔موزوں۔۔خوش نما۔
سرتابی: سرکشی۔۔نافرمانی۔۔حکم عدولی۔۔بغاوت۔
سرشار: لبالب۔
سرگرداں: حیران وپریشان۔۔آوارہ۔
سرورِ متوسطان: درمیانی درجے والوں کی فرحت وانساط۔
سزاوار: لائق۔۔مناسب۔۔واجب۔۔حقدار۔
سفاہت: بے وقوفی۔۔حماقت۔
سکت: طاقت۔۔قوت۔۔بل۔۔توانائی۔
سلب: چھین لینا۔
سماعِ قبول: مان لینے اور قبول کر لینے کے لیے سننا۔
سنان: نیزے کی انی۔۔تیر کی نوک۔۔بھالا۔۔نیزہ۔۔برچھی۔
سنگتیں: رفاقت۔۔ساتھ۔۔صحبت۔۔ہم نشینی۔
سوخت: جلن۔۔سوزش۔۔تکلیف۔
سوختہ: جلا ہوا۔ جھلسا ہوا۔
سُودمند: مفید۔۔فائدہ بخش۔
سہواً: بھولے سے۔۔بلا ارادہ۔
سہو ونسیان: بھول چوک۔۔غلطی۔۔فروگذاشت۔
سیاق: ربطِ مضمون۔
سینچائی: آب پاشی۔۔کھیتوں کو پانی دینا۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شغل: مشغلہ۔۔پیشہ۔۔تفریحِ طبع۔
شقاوت: بدبختی۔۔بدنصیبی۔۔بدمعاشی۔۔سنگ دلی۔
شگون: شگنی۔۔فال۔
شمشیر: تلوار۔۔تیغ۔
شمولِ رحمت: رحمت میں شامل ہونا۔
شوق انگیز: اشتیاق بڑھانے والی۔
شوکت: مرتبہ۔۔شان۔۔شکوہ۔
شہوت: جنسی خواہش۔۔خواہش جماع۔
شیفتہ وفریفتہ: متحیر۔
شیوہ: طور۔۔طریق۔۔ڈھنگ۔۔انداز۔۔دستور۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صادر: جاری ہونے والا۔۔نکلنے والا۔۔نافذ۔
صانع: پیدا کرنے والا۔۔خالق۔۔اللہ تعالیٰ۔
صائب: رَسا۔۔پہنچنے والا۔۔درست۔۔ٹھیک۔
صحت: سچائی۔۔درستی۔
صراحتاً: کھلم کھلا۔۔صاف طور پر۔
صَرف: خرچ۔
صلابت: سختی۔۔مضبوطی۔۔استحکام۔
صلاح: نیکی۔۔بھلائی۔۔بہتری۔۔اچھائی۔

-- ﴿ ض ﴾ --

ضال ومضل: گمراہ وگمراہ گر۔
ضرر: نقصان۔۔خسارہ۔۔زیاں۔
ضعف: کمزوری۔
ضلالت: گمراہی۔۔گناہ۔۔خطا۔
ضیافت: مہمانی۔۔دعوت۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طاغی: سرکشی۔۔باغی۔۔مالک کا نافرمان۔
طالع: طلوع ہونے والا۔۔چمکنے والا۔
طاہر: پاک۔۔صاف۔۔مطہر۔
طرفہ طرفہ: عجیب عجیب۔۔انوکھا۔۔نادر۔۔عمدہ۔
طریق: مذہب۔۔شریعت۔
طغیان: بڑی زیادتی۔۔ظلم۔۔نافرمانی۔۔سرکشی۔
طغیانی: سیلاب۔۔پانی کا چڑھاؤ۔
طلبِ مبتدیان: ابتدائی درجے کے لوگوں کی خواہش وآرزو۔
طلبِ معیشت: روزی روزگار کو حاصل کرنے میں۔

طمع: لالچ۔۔حرص۔۔خواہش۔۔چاہ۔
طمعیں: طمع کی جمع کے طور پر۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظرف: صرف ونحو میں وہ اسم ذات جو جگہ یا وقت کے معنوں پر دلالت کرے۔
ظہار: ایک قسم کی طلاق۔۔فقہ کی اصطلاح میں مرد کا اپنی بیوی کو ماں یا بہن یا اُن عورتوں سے تشبیہ دینا جو شرعاً اُس پر حرام ہیں۔ایسی صورت میں مرد جب تک کفارہ نہ دے،وہ عورت اُس پر حرام ہوتی ہے۔
ظہور اَنانیت: خود بینی وخود ستائی،مطلق العنانی کا ظاہر ہونا۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عار: غیرت۔۔شرم۔۔برائی۔۔عیب۔
عارفین ﴿عارف کی جمع﴾: پہچاننے والا۔۔خداشناس۔۔ولی۔
عازم: قصد کرنے والا۔۔ارادہ کرنے والا۔
عاصیوں ﴿عاصی کی جمع﴾: گناہ گار۔۔خطا کار۔
عبارت: مراد۔
عبث: بےکار۔
عبرت: نصیحت پکڑنا۔۔خوف۔۔اندیشہ۔
عجز: کمزوری۔۔ہار۔۔شکست۔
عجلت: جلدی۔۔تیزی۔
عداوت: دشمنی۔
عدم: نیستی۔۔ناپیدی۔۔نہ ہونا۔
عذر: بہانہ۔
عروہ وثقیٰ: مضبوط گرفت۔
عزیمت: ارادہ۔۔قصد۔
عصمت: عزت۔۔پارسائی۔
عقد تزویج: نکاح۔۔شادی بیاہ۔۔زوج بننا۔
علاقہ: تعلق۔۔واسطہ۔
علت: وجہ۔۔سبب۔۔باعث۔
علم اَزلی: ہمیشہ سے موجود علم۔۔اللہ تعالیٰ کا علم۔

عناد: دشمنی۔۔نفرت۔
عیوب ونقائص ﴿عیب اور نقص کی جمع﴾: برائیاں خرابیاں۔
عُرف: عام نام۔

-- ﴿ غ ﴾ --

غایت قرب: انتہائی نزدیکی۔۔بہت ہی پاس۔
غیبت: غیر موجودگی۔۔غیر حاضری۔۔پس پشت۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فترت: دو پیغمبروں کے درمیان کا وقفہ۔
فراخ معیشت: روزی کی کشادگی۔۔روزی وافر مقدار میں
فراستِ ایمانی: دانائی۔۔سمجھداری جو ایمان سے حاصل ہو۔
فراق: جدائی۔۔ہجر۔۔علیحدگی۔
فراوانی: زیادتی۔۔بہتات۔
فرستادہ: پیغام رساں۔۔پیغام بر۔۔سفیر۔۔بھیجا ہوا۔۔قاصد۔
فرع: وہ جس کی اَصل کوئی اور چیز ہو۔
فروتنی: عاجزی۔۔خاکساری۔
فریق: جماعت۔۔گروہ۔۔فرقہ۔
فصیح: خوش بیان۔۔شیریں کلام۔
فکرِ خلائق: لوگوں کی فکرات۔
فم: منہ۔۔دہن۔
فواحش ﴿فاحش کی جمع﴾: شرمناک۔۔قبیح۔
فوت: نیست۔۔معدوم۔۔موت۔۔چھوٹنا۔
فوق الارض: زمین کی اونچائی۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قالب: سانچہ۔۔ڈھانچہ۔
قباحت وشناعت: برائی وبدی۔۔عیب۔۔نقص گندگی۔
قدآور: لمبا۔۔لمبے قد کا۔۔دراز قد۔
قرن: اَسی یا ایک سو بیس برس کا زمانہ۔۔بڑی مدت۔
قصد: ارادہ۔۔نیت۔۔مقصد۔
قصداً: ارادہ۔۔جان بوجھ کر۔

قطع: ٹکڑا۔۔ڈھنگ۔

قطع معذرت: معذرت کوتوڑنے کے لیے۔

قطعی: حتمی۔۔آخری۔۔پوراپورا۔۔کامل۔

قفل: تالا۔

قلق: بے قراری۔۔بے چینی۔

قناعت: تھوڑی چیز پر خوش رہنا۔۔جومل جائے اس پر راضی رہنا۔

قوام: قیام۔۔ٹھہراؤ۔

قیاس: ذہن۔۔رائے۔۔سوچ بچار۔۔اندازہ۔

قیلولہ: دوپہر کوکھانے کے بعد تھوڑا آرام کرنا۔

قیود: قید کی جمع۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کامل: پورا۔۔تمام۔۔سب۔۔جملہ۔

کاوشوں ﴿کاوش کی جمع﴾: کوشش۔

کاہنوں ﴿کاہن کی جمع﴾: جادوگر۔

کج فہمی: ناسمجھی۔۔غلط فہمی۔

کدورت: آلودگی۔

کراہت: نفرت۔۔بیزاری۔۔گھن۔

کسرنفسی: اپنے آپ کوکم رتبہ ظاہر کرنا۔۔عاجزی۔۔انکساری۔

کشاکش: تکلیف فکر۔۔کھینچاتانی۔

کفالت: ذمے داری۔۔ضمانت۔۔ضامنی۔

کفایت: بچت۔۔حسب ضرورت۔

کلفت: رنج۔۔تکلیف۔۔مصیبت۔

کم ظرفی: اوچھاپن۔

کمند: پھندا۔۔حلقہ۔

کنایہ: اشارہ۔۔مبہم بات۔

کنجی: چابی۔

کنہ: کسی چیز کی انتہا۔۔تہہ۔۔حقیقت۔۔باریکی۔

کنیت: وہ نام جو باپ، ماں، بیٹا، بیٹی وغیرہ کے تعلق سے بولا جائے۔

کوچ: روانگی۔۔ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔

کورے ﴿کورا کی جمع﴾: محض جاہل۔۔احمق۔۔نادان۔

کھانیں ﴿کھان کی جمع﴾: کان۔۔معدن۔۔جس جگہ سے کوئی معدنیات نکلیں۔

کھوج: خبر۔۔واقفیت۔۔سراغ۔۔تحقیق۔

-- ﴿ گ ﴾ --

گداختہ: پگھلا ہوا۔۔گلا ہوا۔

گرانی: بوجھ۔۔مہنگائی۔

گراں: ناگوار۔۔تکلیف دہ۔

گریز: اجتناب۔۔پرہیز۔

گلے: مویشیوں کے ریوڑ۔

گھات: کمین گاہ۔۔وہ جگہ جہاں شکاری یادشمن کے انتظار میں بیٹھیں۔

گھمنڈ: تکبر۔۔غرور۔

گرزوں ﴿گرز کی جمع﴾: ایک ہتھیار جو اوپر سے گول، موٹا اور نیچے سے پتلا ہوتا ہے۔

-- ﴿ ل ﴾ --

لایعنی: لغو۔۔بیہودہ۔۔فضول۔

لب ودہان: ہونٹ ومنہ۔

لرزہ براندام: وہ جس پر کپکپی طاری ہو۔۔کانپنے والا۔

لغو: بیہودہ۔۔فضول۔

لوازم الوہیت: وہ چیزیں جو اللہ کے ساتھ لازم ہیں۔

لوث علائق: دنیا کے بکھیڑے وغیرہ کی آلودگی اور آمیزش۔

لئیم: ناکس۔

لیاقت: قابلیت۔

لیل ونہار: رات ودن۔

-- ﴿ م ﴾ --

ماجرا: واقعہ۔۔واردات۔۔سرگزشت۔۔جوکچھ گزرگیا۔

ماحضر: جوموجود ہو۔۔جوکچھ حاضر ہو۔

ماخوذ: اخذ کیا گیا۔۔حاصل کیا گیا۔

مامور: مقرر۔۔متعین۔

مانع: سدراہ۔۔روک۔۔روکنے والا۔
مائل: راغب۔۔متوجہ۔
ماہیت: حقیقت۔۔کیفیت۔۔اصل۔۔جوہر۔۔مادہ۔
مبادا: ایسا نہ ہو۔۔خدا نہ کرے۔۔خدانخواستہ۔
مباشرت: عورت مرد کی ہم بستری۔۔جماع صحبت۔۔مجامعت۔
مبالغہ: کسی کام میں سخت کوشش کرنا۔
مبدءِ فیاض: فیض کا سرچشمہ۔۔خدائے تعالیٰ۔
مبعوث: بھیجا گیا۔۔نبی کا بھیجا جانا۔
مبہوت: ہکابکا۔۔دیوانہ۔۔باؤلہ۔۔مدہوش۔
متابعت: پیروی۔۔فرمابرداری۔۔اطاعت۔
متاع: پونجی۔۔اثاثہ۔۔تجارت کا سامان۔
متبعین ﴿متبع کی جمع﴾: اتباع کرنے والے۔۔
پیروی کرنے والے۔
متبوع: اتباع کیا گیا۔۔پیروی کیا گیا۔۔سردار۔۔پیشوا۔
متحرک: حرکت کرنے والا۔۔جاری۔۔رواں۔
متروک: ترک کیا ہوا۔۔چھوڑا ہوا۔
متصرف: قبضہ کرنے والا۔۔قابض۔
متصل: پاس۔۔قریب۔۔لگا ہوا۔۔نزدیک۔۔برابر ملنے والا۔
متصور: خیال کیا گیا۔۔سوچا ہوا۔
متعجب: تعجب کرنے والا۔۔حیران۔۔متحیر۔۔دنگ۔
متعدد: بہت۔۔کئی۔۔چند۔۔مختلف۔
متفرق: جداجدا۔۔الگ الگ۔۔پراگندہ۔۔منتشر۔
متفق: اتفاق کیا ہوا۔
متکبر: غرور کرنے والا۔۔مغرور۔
متوسط: اوسط درجے کا۔۔درمیانہ۔۔بیچ کا۔
مثل: یکساں۔۔نظیر۔۔ویسا ہی۔
مجاوری: مجاور کا عہدہ۔۔مجاور کا حق۔
مجد و لطافت: بڑائی۔۔بزرگی۔۔شرف۔۔عظمت۔
مجلیٰ و مصفیٰ: پاک صاف۔۔ستھرا ہوا۔۔چمکا ہوا۔
محاکمہ: منصف بن کر جھگڑا نمٹانا۔
محال: دشوار۔۔مشکل۔۔کٹھن۔۔غیر ممکن۔
محرکات: ابھارنے والی چیزیں۔۔اُکسانے والی چیزیں۔

محصور: حصر کیا گیا۔۔گھرا ہوا۔۔روکا ہوا۔۔مقید۔
محقق: جو درجہ حقیقت کو پہنچ جائے۔
محل: موقع۔۔وقت۔
محلِ عبرت: سبق حاصل کرنے کا موقع یا وقت۔
محمول: قیاس، گمان کیا گیا۔۔ظن کیا گیا۔
محو: منطق میں وہ خبر جو مبتدا کے مقابل واقعہ ہوتی ہے۔۔
زائل۔۔دور۔۔معدوم۔۔گم۔۔مٹا ہوا۔۔فنا۔
محیر العقول: عقل کو حیرت میں ڈالنے والا۔
مخفی: چھپا ہوا۔۔پوشیدہ۔
مدار: اجرام فلکی کے گردش کرنے کا راستہ۔
مدارا: مدرات کا مخفف۔۔اچھی طرح پیش آنا۔
مدام: ہمیشہ۔۔سدا۔۔دائم۔
مداومت: ہمیشگی۔۔قیام۔۔ثبات۔۔دوام۔
مداہنت: سستی۔
مدت مدید: لمبا زمانہ۔۔عرصۂ دراز۔
مدح: تعریف۔۔توصیف۔۔ستائش۔
مدعا: مطلب۔۔مقصد۔۔مراد۔۔غرض۔۔خواہش۔
مدعیوں ﴿مدعی کی جمع﴾: دعویٰ کرنے والا۔
مذکور الصدر: جس کا ذکر پہلے کیا گیا۔
مذمت: برائی۔۔ہجو۔
مربوط: ربط کیا گیا۔۔بندھا ہوا۔۔لگا ہوا۔۔وابستہ۔
مرتکب: ارتکاب کرنے والا۔۔کسی فعل کا کرنے والا۔۔
قصوروار۔۔مجرم۔
مرغوب: محبوب۔۔پیارا۔۔من پسند۔
مرفہ الحال: خوشحال۔۔آسودہ۔
مروّت: اخلاق۔۔خلق۔
مژدہ: خوشخبری۔۔بشارت۔۔مبارک باد۔
مستعد: آمادہ۔۔تیار۔۔کمربستہ۔
مستغرق: ڈوبا ہوا۔۔نہایت مصروف۔
مستفید: فائدہ چاہنے والا۔۔فائدہ طلب کرنے والا۔
مستفیض: فیض چاہنے والا۔۔فیض کا خواہاں۔
مستقل: پکا۔۔قائم۔

مستحکم: مضبوط۔۔مستقل۔۔پیوستہ۔
مسلط: مغلوب کیا گیا۔۔فتح کیا گیا۔
مشابہ: مانند۔۔مثل۔۔یکساں۔
مشارکت: باہم شرکت کرنا۔۔حصے داری۔
مشاہدہ: صوفیوں کی اصطلاح میں نورِالٰہی کا نظارہ۔
مشغول: شغل میں لگا ہوا۔۔مصروف۔
مشق وتمرین: بار بار لکھنا یا کوئی کام کرنا۔
مصاحبت: ہم نشینی۔۔ساتھ رہنا۔۔ساتھ اُٹھنا بیٹھنا۔
مصائب: مصیبت کی جمع۔
مضر: ضرر پہنچانے والا۔۔نقصان رساں۔
مضرت: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضطر: بےبس۔۔بےاختیار۔
مضطرب: بےچین۔۔بےقرار۔
مضمحل: اُداس۔۔دلگیر۔۔رنجیدہ۔۔مغموم۔
مطلع: اطلاع دیا گیا۔۔خبردار کیا ہوا۔۔واقف۔۔آگاہ۔
مطلوب: مقصود۔۔خواہش کیا گیا۔
مطیع: اطاعت کرنے والا۔۔فرمانبردار۔۔حکم بردار۔۔تابع۔
مطیعوں: مطیع کی جمع۔
معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔۔واپس جانے کا مقام۔۔
عقبٰی۔۔آخرت۔۔قیامت۔۔حشر۔
معاش: روزگار۔۔کاروبار۔
معاند: عناد رکھنے والا۔۔دشمن۔۔مخالف۔
معترض: اعتراض کرنے والا۔
معدن: کان۔۔جہاں سے کوئی چیز نکلے۔
معدوم: نابود۔۔ناپید۔۔وجود میں نہ ہونا۔
معصیت: گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔نافرمانی۔۔انحراف۔
معطل: بےکار۔۔کام سے خالی۔۔سست۔
معقول: عقل میں لایا گیا۔۔قرین عقل۔۔عقل کے قریب۔
معیت: ساتھ۔۔ہمراہ ہونا۔
معین: مقرر کیا گیا۔۔مقررہ۔
معیوب: قابل شرم۔۔باعث ندامت۔
مغلوب: دبا ہوا۔۔عاجز۔۔زیر۔۔شکست خوردہ۔

مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔
مفقود: ناپید۔۔نادارد۔
مقتضاء: تقاضا کیا گیا۔۔مطلب۔
مقتضی: تقاضا کرنے والا۔
مقدر: پہلے سے لکھا گیا۔۔تقدیر کیا گیا۔۔قسمت کا لکھا۔
مقرب: قریب کیا گیا۔۔مصاحبِ خاص۔۔دوست۔۔ہمراز۔
مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہوا۔
مقید: قید کیا گیا۔۔قیدی۔۔اسیر۔۔پابند۔
مکابرہ: مقابلہ۔۔مجادلہ۔
مکتوب: خط۔
مکر: فریب۔۔دھوکا۔
مکرر: دوبارہ۔۔پھر سے۔۔دوسری دفع۔
مکلف: تکلیف دیا گیا۔۔عاقل۔۔بالغ۔
ملاحت: سانولاپن۔
ملال: رنج۔۔غم۔۔کلفت۔۔افسوس۔
ملکہ: مشق۔۔ہنر۔۔تجربہ۔
ملوث: آلودہ۔۔بھرا ہوا۔
ملول خاطر: اُداس۔۔رنجیدہ۔۔غمگین۔
مناجات: دُعا۔۔عرض۔۔التجا۔
منازلِ قرب: قرب کے مقامات۔
مناسبت: باہمی تعلق۔
منال: مال واسباب۔۔دھن۔۔دولت۔۔جاگیر۔
منحرف: پھرنے والا۔۔باغی۔۔سرکش۔۔غدار۔
مندرج: درج کیا گیا۔۔لکھا گیا۔
مندرس: مٹا ہوا۔۔کاٹا ہوا۔۔گھسا ہوا۔
مزخرف: بناوٹ کی بات۔۔وہ جھوٹی بات جو سچ کی طرح
آراستہ کی گئی ہو۔۔بیہودہ بات۔
منزہ: عیبوں سے بری۔۔پاک۔۔مبرا۔
منسوب: نسبت کیا ہوا۔۔متعلق کیا ہوا۔
منصب: رتبہ۔۔عہدہ۔۔مرتبہ۔۔درجہ۔
منفعت: نفع۔۔فائدہ۔
منقطع: قطع کیا گیا۔۔اختتام کو پہنچا ہوا۔

منقول: نقل کیا گیا۔۔بیان کیا گیا۔
منکسر المزاج: غریب مزاج۔۔مسکین طبع۔۔وہ جس کی طبیعت میں انکسار ہو۔
منکشف: کھلنے والا۔۔کھلا ہوا۔۔عیاں۔۔ظاہر۔۔آشکارا۔
منیب: آقا۔۔مالک۔۔مربی۔۔سرپرست۔
مواخذہ: جواب طلبی۔۔گرفت۔۔بازپرس۔
موافق: مطابق۔۔یکساں۔۔ٹھیک۔
موافقت: مطابقت۔
موجب: واجب کرنے والا۔۔لازم کرنے والا۔
موجبات: واجب کرنے والی چیزیں۔۔لازم کرنے والی چیزیں۔
موخر: آخر کیا گیا۔۔پچھلا۔۔آخری۔۔اخیر کا۔
موصوف: تعریف کیا گیا۔۔جس کی تعریف وتوصیف کی جائے۔
موضع: گاؤں۔۔جگہ۔
موقوف: انحصار کیا گیا۔
مہتمم: اہتمام کرنے والا۔۔منتظم۔۔سربراہ کار۔
مہمات ﴿مہم کی جمع﴾**:** بڑا کام۔۔بھاری کام۔۔معرکے کا کام۔
مہمل: بیہودہ۔۔فضول۔۔بے معنی۔۔لغو۔۔زائد۔
میانہ رُو: متوسط چال چلنے والا۔۔وہ جو قول وفعل میں نہ زیادتی اختیار کرے، نہ کمی۔
میل: جھکاؤ۔۔رغبت۔۔رجحان۔۔میلان۔۔توجہ۔
مُصِر: اصرار کرنے والا۔۔کسی چیز پر اَڑ جانے والا۔

-- ﴿ ن ﴾ --

ناتواں: ناطاقت۔۔بودا۔۔لاغر۔۔ضعیف۔۔کمزور۔
نافع: نفع دینے والا۔
ناگاہ: اچانک۔۔یکا یک۔
نامتناہی: لامحدود۔۔بے انتہا۔۔بے حد۔۔بے تھاہ۔
نامعتبر: جس کا اعتبار نہ ہو۔جو لائق اعتبار نہ ہو۔
نباتی: گھاس کا۔۔جڑی بوٹیوں کا۔
ندا: آواز۔۔صدا۔۔پکار۔
ندارد: غیر حاضر۔۔غائب۔۔گم۔۔نیست۔
نرخ: بھاؤ۔۔شرح۔۔در۔۔قیمت۔
نصرت: مدد۔۔حمایت۔۔فتح۔۔جیت۔
نطق وگویائی: بات۔۔گفتگو۔۔بولنے کی قوت۔
نفر: آدمی۔
نفقہ: خرچہ۔۔اخراجات۔
نفور: نفرت کرنے والا۔۔بھاگنا۔۔نفرت کرنا۔
نگوساری: شرمساری۔
نمود: علامت۔۔نشان۔
نواح: مضافات۔۔اردگرد کا علاقہ۔۔قرب وجوار۔
نہایت: حد۔۔انتہا۔۔انجام۔۔آخر۔
نیاز: حاجت۔۔احتیاج۔۔آرزو۔۔تمنا۔
نیازمند: عاجزی اور انکسار کا اظہار کرنے والا۔۔حاجت والا۔۔خواہش رکھنے والا۔
نیست: عدم۔۔نابود۔۔معدوم۔۔فنا۔

-- ﴿ و ﴾ --

وادیٔ غیر ذی زرع: وہ جگہ جہاں سبزہ نہ پیدا ہو۔
واردوں ﴿وارد کی جمع﴾**:** آنے والا پہنچنے والا۔۔موجود۔
واضح: ظاہر۔۔عیاں۔۔آشکارا۔
وسعت: گنجائش۔۔کشادگی۔۔پھیلاؤ۔
وصال: مرجانا۔۔انتقال کرجانا۔
وصف: خوبی۔۔اچھائی۔۔صفت۔
وضاحت: واضح کرنا۔۔تفصیل کے ساتھ بیان کرنا۔
وطیرہ: عادت۔۔دستور۔۔شیوہ۔
وعید: سزا دینے کی دھمکی۔۔سزا دینے کا وعدہ۔
وفور: افراط۔۔بہتات۔۔زیادتی۔۔کثرت۔
وقوع: واقع ہونا۔۔ظہور۔۔اظہار۔

-- ﴿ ہ ﴾ --

ہانکا: بھگایا جانا۔۔پاس سے دُور کرنا۔
ہانکیں: بھگائیں۔۔دور کریں۔
ہجو: مزمت۔۔برائی۔۔بدگوئی۔
ہذیان: شدتِ بخار کی حالت میں بے معنی گفتگو۔

ہست: ہستی۔۔زندگی۔۔حیات۔۔وجود۔
ہنکاتے: بھگاتے۔۔دور کرتے۔
ہوش وخرد: عقل۔۔دانائی۔۔سمجھ۔
ہَول: خوف۔۔اندیشہ۔۔گھبراہٹ۔
ہیئت: بناوٹ۔۔صورت۔۔شکل۔

-- ﴿ ھ ﴾ --

ھویت: ہونا۔

-- ﴿ ی ﴾ --

یکبارگی: ایک ہی دفعہ میں۔۔ایک ہی وقت میں۔
یلغار: دشمن کی فوج پر حملہ۔۔دھاوا۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمۂ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،
'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'مسئلہ قیام و سلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۴۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾
('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾
('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالاتِ شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَاالْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲ صفحات﴾

'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہء دعوت وتبلیغ' ﴿۳۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

مزید براں ادارے کے اشاعتی پروگرام میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆۔۔۔معارف القرآن کا گجراتی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔معارف القرآن کا تفصیلی تقابلی جائزہ۔۔۔☆

☆۔۔۔مضامین معارف القرآن۔۔۔☆

☆۔۔۔تفسیر اشرفی کا گجراتی میں ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دیگر تصنیفات۔۔۔☆

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب، بنام:

سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی ﴿جلد ہفتم﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیات کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔ کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک و ملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

المعروف بہ

جلد ہشتم

وَمَنْ يَّقْنُتْ ۲۲ – وَمَالِیَ ۲۳ – فَمَنْ اَظْلَمُ ۲۴

شیخ الاسلام والمسلمین

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿ جلد ہشتم ﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کورڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212



فہرست

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیرِ اشرفی کی اِس جلد ہشتم کے متنِ تفسیر میں ۸،۴۱،۴۰۶ (آٹھ لاکھ اکتالیس ہزار چار سو چھ) حروف---
۹۲،۶۷۵ (بانوے ہزار چھ سو پچھتر) الفاظ---۷،۸۲۷ (سات ہزار آٹھ سو ستائیس) سطریں---
اور ۳،۸۹۶ (تین ہزار آٹھ سو چھیانوے) پیراگراف شامل ہیں---کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جا چکی ہے،
پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے، تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں---﴿ادارہ﴾

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ۔۔۔اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

الحمدللہ! ثم الحمدللہ! کہ رب تبارک وتعالیٰ کی توفیقِ رفیق سے سید التفاسیر المعروف بہ تفسیرِ اشرفی کی جلد ہشتم جو کہ بائیسویں[۲۲]، تیئیسویں[۲۳] اور چوبیسویں[۲۴] پارے کی تفسیر پر مبنی ہے، قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مفسرِ محترم حضور شیخ الاسلام والمسلمین حضرتِ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی صحت اور عمر میں برکت عطا ہو، اور تفسیری کام اِسی طرح چلتا رہے اور جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ ﴿آمین﴾۔۔ مزید براں۔۔ دلی مسرت کے ساتھ ہم یہ اعلان کر رہے ہیں کہ مفسرِ محترم کی اجازت بہ سعادت سے اب ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے مینیجنگ ڈائریکٹر جناب محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب تفسیرِ اشرفی کو پاکستان کے قارئین کے لیے شائع کیا کریں گے۔

ہم شیخ الاسلام والمسلمین کے تمام پُر اخلاص خادمین کے بھی شکرگزار ہیں جو ہر دفعہ ہمارے ساتھ کمپوزنگ، پروفنگ، اور دوسرے طباعتی واشاعتی مراحل میں ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن تمام اصحاب وافراد کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو مفسرِ محترم کی سرپرستی میں رہتے ہوئے دینِ اسلام کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیقِ رفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ امین! بِجَاهِ النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ﴾

نصف شعبان ۱۴۳۳ھ۔۔ مطابق۔۔ ۴؍جولائی ۲۰۱۲ء

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

۲۲

وَمَنْ يَّقْنُتْ

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ
۲۱؍صفر المظفر ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔۱۶؍جنوری ۲۰۱۲ء
بروز دوشنبہ، بائیسویں پارہ کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔
دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل
کرنے کی سعادت عطا فرمائے، اور فکر و قلم کی حفاظت فرماتا رہے
آمِيْن يَامُجِيْبَ السَّائِلِيْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَيٰسٓ
بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ يَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْ...
سَيِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ...

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا

اور جو فرمانبردار رہے تم میں سے اللہ اور اُس کے رسول کا، اور کرے کرنے کے کام، تو دیں گے ہم اُس کا ثواب

مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

دونا۔ اور تیار کر لیا ہے ہم نے اُن کے لیے عزت والی روزی"●

اِس سے پہلی آیت ِکریمہ میں ازواجِ مطہرات کا ذکر فرمایا گیا تھا اور بتایا گیا تھا، کہ۔۔۔

اُن میں سے جو بھی اللہ و رسول کی کھلی نافرمانی کریں گی، تو اُن کو دوسری عورتوں کے بہ نسبت دونا عذاب دیا جائے گا۔ (اور) اب یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے، کہ (جو فرمانبردار رہے تم میں سے اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کا)، یعنی ہمیشہ خدا اور رسول کی فرمانبرداری کرتی رہے، (اور کرے کرنے کے کام) یعنی نیک عمل انجام دے، (تو دیں گے ہم اُس کا ثواب دونا)۔ یعنی اگر عام عورتوں کو اُن کی نیکیوں پر دس گنا ثواب دیا جاتا ہے، تو اُن کو بیس گنا دیا جائے گا۔

۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔

ہم اُن کو اُن کا اجر دو بار دیں گے۔ ایک بار تو خدا کی فرمانبرادی کے واسطے، اور ایک بار پیغمبر کی خوشنودی ڈھونڈنے کے لیے۔ (اور) صرف اِتنا ہی نہیں، بلکہ (تیار کر لیا ہے ہم نے اُن کے لیے) بہشت میں (عزت والی روزی) اُن کے اجر سے زیادہ۔

ذہن نشین رہے کہ ہر وہ چیز جو اپنی جنس میں شرف والی ہو وہ کریم ہے، اور جنت کی نعمتوں کے 'رزقِ کریم' ہونے میں کیا شک ہے؟ جو شخص جنت کی نعمتوں کا ارادہ کرتا ہے، وہ دُنیا کی نعمتوں کو ترک کر دیتا ہے۔ اور وہ شخص دُنیا کی عیش و عشرت میں بہت زیادہ غلو نہیں کرتا، اور نہ ہی دُنیا کی لذتوں میں منہمک ہو کر یادِ خدا اور فکرِ آخرت کو فراموش کر دیتا ہو، یہاں تک کہ بندوں کے حقوق نہ ادا کرتا ہو۔ الغرض۔۔ مطلقاً اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونا منع نہیں ہے بلکہ مطلوب اور مستحسن ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ

اَے آنحضرت کی بیبیو! "تم نہیں ہو اور کسی عورتوں کی طرح، اگر خدا سے ڈرتی رہو، تو مت لوچ پیدا کرو

بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿٣٢﴾

بات کرنے میں کہ للچائے وہ جس کے دِل میں بیماری ہے، اور بولتی رہو اچھی بولی ●

(اَے آنحضرت کی بیبیو! تم نہیں ہو اور کسی عورتوں کی طرح)، اس واسطے کہ تم کو سب عورتوں پر بڑی فضیلت ہے، نبی کریم کی ازواجِ مطہرات ہونے کی حیثیت سے اور امہات المومنین ہونے کی حیثیت سے۔

اِس کو جزوی فضیلت کہتے ہیں، جو اِس بات کو مستلزم نہیں کہ ہر ہر حیثیت سے فضیلت حاصل ہو۔ اِس طرح کی فضیلت کی تعبیر خصوصیت سے بھی کی جاتی ہے، جیسے حضرت فاطمہ کو یہ خصوصیت ہے کہ وہ جسمِ رسول کا جزء ہیں۔ یہ خصوصیت خلفائے راشدین کو بھی حاصل نہیں۔۔الختصر۔۔

اَے نبی کی بیبیو! تم بے مثل و بے نظیر ہو، (اگر خدا سے ڈرتی رہو) اور اُس کا حکم مانتی رہو، (تو مت لوچ پیدا کرو بات کرنے میں کہ للچائے وہ جس کے دِل میں بیماری ہے)، یعنی کسی سے لچک دار لہجہ میں بات نہ کرو، کہ جس کے دِل میں بیماری ہو وہ کوئی غلط امید لگا بیٹھے، جیسے کہ آوارہ عورتیں اجنبی مَردوں سے باتیں کرتی ہیں، اور جس سے فساق کے دِلوں میں نفسانی خواہشات بیدار ہوتی ہیں، بلکہ دستور کے مطابق شریفانہ لب ولہجہ میں بات کرو۔ (اور بولتی رہو اچھی بولی) جو نیک ہو اور شبہ سے دُور ہو۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ

اور ٹھہری رہا کرو اپنے گھروں میں اور نہ بن سنور کر پھرو اگلی جاہلیت کی طرح، اور پابندرہو

الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ

نماز کی، اور دیتی رہو زکوٰۃ کو، اور کہا مانتی رہو اللہ اور اُس کے رسول کا، یہی چاہتا ہے اللہ

لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ﴿٣٣﴾

کہ دُور کردے تم سے ہر ناپاکی کو۔ اَے نبی کے گھرانو! اور پاک کردے تمہیں خوب ●

(اور ٹھہری رہا کرو اپنے گھروں میں) جو ایک باوقار خاتون کو زیب دیتا ہے، تو بلا ضرورتِ شرعی گھر سے باہر نہ نکلو، (اور نہ) ہی (بن سنور کر پھرو اگلی جاہلیت کی طرح)، جیسے کہ حضرت ابراہیم کے

دور میں عورتیں پوشاک موتیوں کا بنا کر پہنتی تھیں اور اپنے کو مردوں کے سامنے پیش کرتی تھیں۔

یہ جاہلیت اولیٰ تھی اور جاہلیت اُخریٰ حضرت عیسیٰ اور جناب سلطان الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ کے درمیان میں تھی۔ اِس آیت کا یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے، کہ۔۔۔

زمین پر نہ چلو اُس انداز کی چال جیسے زمانہ جاہلیت کی عورتیں لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے مٹک مٹک کر چلتی تھیں۔ (اور پابند رہو نماز کی) جو عبادتِ بدنیہ کی جڑ ہے، (اور دیتی رہو زکوٰۃ کو) جو عباداتِ مالیہ میں ایک بڑی عبادت ہے، (اور کہا مانتی رہو اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کا)، یعنی خدا کا فرائض میں اور رسول کا سنتوں میں حکم مانتی رہو، کیونکہ (یہی چاہتا ہے اللہ) تعالیٰ (کہ دُور کردے تم سے ہر ناپاکی کو، اَے نبی کے گھرانو!) خواہ تم بیتِ سُکنیٰ والے ہو۔۔یا۔۔بیتِ نسب والے۔ (اور) تاکہ (پاک کردے تمہیں خوب)، اس طرح کہ ناپاکی تمہارے قریب آنے ہی نہ پائے۔ یعنی بُری خواہشات، دُنیا کی میل کچیل اور دُنیا کی طرف رغبت سے تم کو دُور رکھے گا، اور تمہارے دِلوں میں بخل اور طمع نہ آنے دے گا، اور تم کو سخاوت اور ایثار کے ذریعہ پاک اور صاف رکھے گا۔

نبی کریم کی قولی اور عملی تفسیر نے ظاہر فرمادیا، کہ آیتِ کریمہ میں مذکور لفظ 'اہل بیت' سے ازواجِ مطہرات تو مُراد ہیں ہی، لیکن اُن کے ساتھ ساتھ آلِ عباء یعنی حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اُن کی آل واولاد بھی اُس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ آگے حق تعالیٰ کا ارشاد۔۔۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ

اور یاد کرتی رہو جو تلاوت کی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتیں، اور حکمت۔

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

بے شک اللہ لطیف باخبر ہے"●

ع ۱

(اور) فرمان ہوتا ہے، کہ (یاد کرتی رہو جو تلاوت کی جاتی ہیں تمہارے گھروں میں اللہ) تعالیٰ (کی آیتیں) قرآنِ کریم کی شکل میں، (اور حکمت) کی باتیں رسولِ کریم کے ارشادات میں، جو کہ محض حکمت ہیں۔۔الغرض۔۔قرآن وحدیث کو حفظ کرلو، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے جن احوال وافعال اور آپ کے جن خصائل اور شمائل کا مشاہدہ کرتی ہو، اُن کو خود بھی یاد رکھا کرو اور لوگوں کے سامنے بھی

حسبِ ضرورت اور حسبِ موقع بطورِ وعظ و نصیحت بیان کرتی رہو۔ یعنی پہلے اُن آیات اور احادیث سے اپنے اندر کمال پیدا کرو، اور پھر اُن آیات اور احادیث اور سنن سے دوسروں کی تکمیل کا ذریعہ بنو۔

یہاں اللہ تعالیٰ کی آیات سے مراد قرآنِ کریم کی آیات بھی ہوسکتی ہیں، اور اُس سے وہ نشانیاں، دلائل، اور معجزات بھی مراد ہوسکتے ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (لطیف)، یعنی تمہارے ساتھ نیک کام کرنے والا ہے، اور تمہاری باتوں اور تمہارے کاموں سے (باخبر ہے)۔

یہ آیات ازواجِ مطہرات کے باب میں نازل ہونے کے بعد مسلمان عورتوں کی ایک جماعت نے کہا، کہ ہمارے واسطے کچھ نہیں نازل ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔۔۔

اِنَّ الۡمُسۡلِمِيۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ وَالۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡقٰنِتِيۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ

بلاشبہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں، اور عبادت گزار مرد اور عبادت گزار عورتیں،

وَالصّٰدِقِيۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيۡنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالۡخٰشِعِيۡنَ وَالۡخٰشِعٰتِ

اور سچے مرد اور سچی عورتیں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور خشوع والے مرد اور خشوع والی عورتیں، اور صدقہ دینے والے مرد

وَالۡمُتَصَدِّقِيۡنَ وَالۡمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيۡنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالۡحٰفِظِيۡنَ

اور صدقہ دینے والی عورتیں، اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں اور اپنی شرم گاہوں کی نگہبانی کرنے والے مرد اور نگہبانی کرنے

فُرُوۡجَهُمۡ وَالۡحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيۡنَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا وَّالذّٰكِرٰتِ

والی عورتیں، اور اللہ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں،

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۳۵﴾

تیار کرلیا ہے اللہ نے اُن کے لیے مغفرت، اور بڑے ثواب کو۔

(بلاشبہ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں، اور عبادت گزار مرد اور عبادت گزار عورتیں، اور سچے مرد اور سچی عورتیں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور خشوع والے مرد اور خشوع والی عورتیں، اور صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، اور روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی نگہبانی کرنے والے مرد اور نگہبانی کرنے والی

عورتیں، اور اللہ) تعالیٰ (کو بہت یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں، تیار کرلیا ہے اللہ) تعالیٰ (نے اُن) سب (کے لیے مغفرت اور بڑے ثواب کو)، جو اُن کی اطاعت سے کہیں زیادہ ہے۔۔ الحاصل۔۔مؤمنین و مؤمنات پر لازم ہے، کہ اللہ و رسول کی کامل اطاعت کریں اور اپنے اختیار کو خدا و رسول کے اختیار کا تابع کردیں۔

۔۔چنانچہ۔۔جب آنحضرت ﷺ نے بی بی زینب بنتِ جحش کی خواہش حضرت زید بن حارث ؓ کے واسطے کی، بی بی زینب نے اِس گمان پر یہ پیام قبول کرلیا، کہ آنحضرت ﷺ اپنے لیے میری خواہش کرتے ہیں۔ جب اُنہیں معلوم ہوا کہ حضرت زید کے لیے یہ خواہش ہے، تو اِنکار کیا۔ اس واسطے کہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ رسولِ کریم کی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ بولیں کہ "میں آزاد کیے ہوئے غلام کی جورو کیوں بنوں"۔ اُن کے بھائی حضرت عبداللہ بھی اُس اِنکار میں اپنی بہن کے شریک تھے، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔۔۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا

اور نہیں ہے کسی مومن نہ مومنہ کو حق، جب کہ حکم دے دیا اللہ اور اُس کے رسول نے کسی امر کا،

اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ

کہ رہ جائے اُنہیں کچھ بھی اختیار اپنے معاملہ کا۔ اور جو نافرمانی کرے اللہ

وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ؕ﴿۳۶﴾

اور اُس کے رسول کی، تو بے شک بہک گیا علانیہ ●

(اور) فرمایا، کہ (نہیں ہے کسی مؤمن نہ مؤمنہ کو حق، جب کہ حکم دے دیا اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول نے کسی امر کا، کہ رہ جائے انہیں کچھ بھی اختیار اپنے معاملہ کا)۔ یعنی حضرت زید کے ساتھ بی بی زینب کے نکاح کا فیصلہ جب خدا اور سول نے کردیا، تو اب نہ تو بی بی زینب کو اور نہ ہی اُن کے برادر کو اختیار رہا کہ وہ اس کے تعلق سے چون و چرا کریں، اور نکاح کرنے سے اِنکار کردیں۔ (اور) اُس فرمانِ واجب الاذعان کے بعد (جو نافرمانی کرے اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کی) اور قرآن و حدیث کے حکم سے درگزرے، (تو بے شک بہک گیا علانیہ)۔ یعنی کھلی ہوئی گمراہی اختیار کرلی، اس واسطے کہ اگر اعتقاد کے رُو سے خلاف کرے تو کفر ہے۔

یہ آیت نازل ہونے کے بعد بی بی زینب بھی راضی ہوگئیں اور اُن کے بھائی بھی، اور

حضرت زید کے ساتھ اُن کا نکاح ہوگیا۔ اور حق تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو علم دیا، کہ میرے علم قدیم میں یہ بات ٹھہری ہوئی ہے، کہ زینب تمہاری بیبیوں میں داخل ہوں گی۔ پھر حضرت زینب اور حضرت زید میں ناموافقت ظاہر ہوئی، یہاں تک کہ کئی مرتبہ انہوں نے طلاق دینے کا ارادہ کیا، اور آنحضرت ﷺ منع فرماتے تھے، جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے، کہ۔۔۔

وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَیْهِ اَمْسِكْ عَلَیْكَ

اور جب کہا کرتے تم اُسے جس پر انعام فرمایا اللہ نے، اور انعام کیا تم نے کہ "روکے رکھو اپنے ذمہ اپنی

زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِیْ فِیْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِیْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ

بیوی کو، اور ڈرا کرو اللہ کو،" اور چھپاتے رہے تم اپنے دِل میں جس کو اللہ ظاہر کردینے والا ہے، اور تم خیال کرتے تھے لوگوں کا،

وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ۭ فَلَمَّا قَضٰى زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْ

اور اللہ کا زیادہ حق ہے کہ اُسی کو ڈرتے رہو۔ پھر جب پوری کرلی زید نے اپنی غرض اُس سے، تو نکاح کر ہی دیا ہم نے تمہارا اُس سے،

لَا یَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآىِٕهِمْ اِذَا قَضَوْا

تا کہ نہ رہ جائے مسلمانوں پر کوئی حرج اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں میں اُس وقت بھی،

مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۳۷

کہ پوری کرلی اُن سے غرض، اور اللہ کا حکم ہو کر رہا●

اَے محبوب! یاد کرو (اور) اُس بات کو ذہن میں حاضر کرلو، (جب کہا کرتے تم اُسے جس پر انعام فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے)، اسلام کی دولت عطا کر کے اور تمہاری خدمت اور متابعت کی توفیق دے کر، (اور انعام کیا تم نے) پرورش، آزاد اور متبنیٰ کر کے، یعنی زید جو خدا اور رسول کی نعمتوں کے دریا میں ڈوبے ہوئے ہیں، اُن سے تم نے کہا، (کہ روکے رکھو اپنے ذمہ اپنی بیوی کو) یعنی بی بی زینب کو، (اور ڈرا کرو اللہ) تعالیٰ (کو) اُس کے کام میں، اور ضرر کی راہ سے اُس کو طلاق نہ دو۔ (اور) اُس وقت (چھپاتے رہے) تھے (تم اپنے دِل میں) وہ بات، (جس کو اللہ) تعالیٰ (ظاہر کردینے والا ہے)۔ وہ بات یہ تھی کہ زینب تمہاری بیبیوں میں داخل ہوگی۔ (اور تم خیال کرتے تھے لوگوں) کی ملامت (کا)، کہ کہیں گے، کہ اپنے متبنیٰ کی زوجہ کی خواہش کی، (اور اللہ) تعالیٰ (کا زیادہ حق ہے کہ اُسی کو ڈرتے رہو) اُس بات میں جس میں ڈرنا چاہیے۔ (پھر جب) طلاق دے کر (پوری کرلی زید نے اپنی) طلاق دینے

والی (غرض اُس سے، تو) عِدّت کے بعد (نکاح کر ہی دیا ہم نے تمہارا اُس سے)۔
اُس میں یہ حکمتِ بالغہ تھی، (تا کہ نہ رہ جائے مسلمانوں پر کوئی حرج) یعنی تنگی۔۔یا۔۔گناہ۔۔یا۔۔وبال (اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیبیوں میں اس وقت بھی، کہ پوری کرلی اُن سے غرض) یعنی وہ بیٹے اُنھیں طلاق دے کر اُن سے بے غرض ہوگئے، اور اپنے طلاق دینے کی مراد پوری کرلی۔ تو اب اُن کو منہ بولا بیٹا بنانے والے اُن کی بیبیوں سے نکاح کرسکیں۔۔الحتصر۔۔اللہ نے جو چاہا وہی ہوا، (اور اللہ) تعالیٰ (کا حکم ہوکر رہا)۔ کیونکہ وہ بہرحال ہونے والا ہی تھا، جیسے حضرت زینب کا کام۔
پس حضرت سید عالم ﷺ اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد اُم المومنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں اُن کی بے اجازت چلے گئے۔ وہ بولیں کہ "یارسول اللہ ﷺ بے خطبہ اور بے گواہ؟" آپ نے فرمایا کہ "اللہ نے نکاح کردیا اور جبرائیل گواہ ہیں"۔ حضرت زینب اور دوسری بیبیوں پر فخر کرتی تھیں، کہ میرا نکاح خود خدا نے اپنے رسول کے ساتھ کردیا اور تمہارے نکاح کے مہتمم اور متولی تمہارے ولی لوگ تھے۔
۔۔الحتصر۔۔اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت زینب سے نکاح کو مقدر فرمادیا تھا، سو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اُس نکاح کو کرنا قضا وقدر کے مطابق تھا، اور نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ اِس سے پہلے نبیوں اور رسولوں پر مشروع فرماچکا ہے، اس لیے نبی کریم پر یہ اعتراض کرنا درست نہیں، کہ جب آپ کے عقد میں پہلے سے ازواجِ مطہرات موجود تھیں، تو پھر آپ نے حضرت زینب سے نکاح کیوں کیا؟۔۔تو۔۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ ۖ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ
نہیں ہے نبی پر کوئی حرج، اس میں جسے فریضہ بنایا اللہ نے اُن کے لیے۔ اللہ کا دستور رہا اُن میں
خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا ﴿٣٨﴾
جو گزرے پہلے۔ اور اللہ کا حکم تقدیر کا لکھا ہے●

(نہیں ہے نبی پر کوئی حرج اِس میں جسے فریضہ بنایا اللہ) تعالیٰ (نے اُن کے لیے) اور اُن کے لیے مقدر فرمادیا۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ (اللہ) تعالیٰ (کا دستور رہا اُن میں جو گزرے پہلے)۔
۔۔چنانچہ۔۔حضرت داوٗد علیہ السلام کے عقد میں سو۱۰۰ بیویاں تھیں اور اُن کے پاس تین سو۳۰۰ کنیزیں تھیں، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے عقد میں تین سو۳۰۰ بیویاں تھیں اور سات سو۷۰۰

کنیزیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے معاملے میں انبیاء علیہم السلام پر کوئی تنگی نہیں رکھی ہے، اور اِس معاملے میں اُن کو وسعت حاصل رہی ہے۔ اور ایمان کے بعد دُنیا کی عبادت میں سے صرف نکاح ہی ایسی عبادت ہے جو جنت میں بھی حاصل ہوگی۔

(اور اللہ) تعالیٰ (کا حکم تقدیر کا لکھا ہے)۔ 'قدر' سے مراد اللہ تعالیٰ کا 'علم ازلی' ہے اور 'قضا' سے مراد ہے 'اللہ تعالیٰ کا اُس علم کو لوح میں محفوظ کرلینا'۔ ہر چیز جو تدریجاً وقوع پذیر ہورہی ہے، وہ مقدور ہے۔

اِس آیت میں یہ اشارہ ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے نبی۔۔یا۔۔ولی کے لیے کسی کام کو مقدر فرما دیتا ہے، تو خواہ بظاہر اُس میں کوئی حرج۔۔یا۔۔نقصان ہو، لیکن حقیقت میں اُس میں کوئی حرج۔۔یا۔۔نقصان نہیں ہوتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینب کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مقدر کردیا تھا۔

بہ ظاہر یہ نکاح بعض منافقین کے طعن و تشنیع کا سبب بنا، کہ آپ نے حضرت زید کو اپنا بیٹا بنانے کے بعد اُن کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرلیا، لیکن حقیقت میں اس میں کوئی غلط بات نہ تھی۔ کیونکہ منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا نہیں ہوتا، اور اُس کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنا حقیقی بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کی طرح نہیں ہے۔ اور اِس میں عام مسلمانوں اور مومنوں کے لیے یہ نمونہ ہے اور یہ ہدایت ہے، کہ وہ منہ بولے بیٹے کے اوپر حقیقی بیٹے کے احکام جاری نہ کریں، اور منہ بولے بیٹے کو نسبی بیٹا نہ قرار دیں۔ اور ہر وقت خدا سے ڈرتے رہیں اور سن لیں، کہ۔۔۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

جو پہنچاتے رہے اللہ کے پیغاموں کو، اور ڈرتے رہے اُسے، اور نہ ڈرے کسی کو اللہ کے سوا۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝۳۹

اور اللہ کافی ہے حساب لینے والا●

(جو پہنچاتے رہے اللہ) تعالیٰ (کے پیغاموں کو اور ڈرتے رہے اُسے، اور) وہ بھی اس شان سے، کہ (نہ ڈرے کسی کو اللہ) تعالیٰ (کے سوا۔ اور اللہ) تعالیٰ (کافی ہے) ڈرنے والے بندوں کا (حساب لینے والا)۔۔یا۔۔بندوں کو شمار کرنے والا۔ اور جب حساب و کتاب اُسی کے ہاتھ میں ہے تو چاہیے کہ خوف بھی اُسی سے ہو۔

اُن ڈرنے والوں میں۔۔۔

انبیاءِ کرام اللہ تعالیٰ کے عتاب سے ڈرتے ہیں، یعنی اُن سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اُس کی منشاء کے خلاف ہو اور وہ اس پر عتاب فرمائے یعنی ناپسندگی کا اظہار فرمائے۔

اور اولیاءِ کرام اللہ تعالیٰ کے حجاب سے ڈرتے ہیں، یعنی اُن سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے مطالعہ اور اُس کی تجلیات سے محروم ہوں، اور اُن کے اور اللہ تعالیٰ کے جلووں کے درمیان حجاب آجائے۔

اور عام مسلمان اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے ہیں، خواہ قبر کا عذاب ہو۔۔یا۔۔حشر کا عذاب ہو۔۔یا۔۔دوزخ کا عذاب ہو۔

۔۔الغرض۔۔خدا سے حقیقی طور پر ڈرنے والا خدا کے سوا کسی سے بھی نہیں ڈرتا، اِس معنی میں کہ اُس کو اعتقاد رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اور حکم کے بغیر انہیں کوئی چیز ضرر اور نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ اِس کو علم ہوتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے ہوتی ہے۔

اور جن بعض واقعات میں اُن کو غیر اللہ سے ڈر ہوا، اُن کو وہ ڈر بشری تقاضوں سے عارض ہوا، جیسے کہ اُن کا سونا، کھانا، پینا، اور ازواج کے ساتھ مشغول ہونا بشری تقاضوں سے تھا، ورنہ اُن کا اللہ تعالیٰ سے قرب اور اُس کی معرفت کا تقاضہ تو یہ تھا، کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تجلیات کے مشاہدہ میں منہمک اور مستغرق رہتے، اور اس کی یاد اور اس کے ذکر کے سوا اور کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔

ام المومنین حضرت زینب کے اس معاملہءِ نکاح کے بعد بے ادبوں نے زبانِ طعن دراز کی، کہ محمد عربی ﷺ لوگوں کو تو نصیحت کرتے ہیں کہ بیٹے کی جورُو تم پر حرام ہے، اور خود زید کو بیٹا بنایا اور اُس کی مطلقہ عورت سے نکاح کرلیا۔ وہ لوگ متبنّیٰ کو حکم شرع میں اصلی بیٹے کے برابر جانتے تھے، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی، کہ۔۔۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ

"نہیں ہیں محمد کسی کے بھی باپ تم مردوں سے، لیکن اللہ کے رسول، اور سارے نبیوں میں پچھلے زمانہ والے۔"

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیۡءٍ عَلِيۡمًا ۝

اور اللہ ہر ایک کو جانتا رہا●

ع ۵

(نہیں ہیں محمد کسی کے بھی باپ تم مَردوں سے)۔

اگرچہ آنحضرت ﷺ طیب وطاہر اور قاسم وابراہیم کے باپ تھے، مگر یہ چاروں پیغمبر زادے مردی یعنی جوانی کی حد تک نہیں پہنچے۔ تو درحقیقت آپ کی صلب سے کوئی بیٹا نہیں، کہ اُس کی زوجہ آپ پر حرام ہو، اور نہ ہی کوئی آپ کا رضاعی بیٹا ہے۔ ذہن نشین رہے کہ 'تبنیت' کے لحاظ سے بھی جو کسی کو کسی کا 'فرزند' کہا جاتا ہے، وہ اُس صورت میں ہے جبکہ اُس کا حقیقی باپ غیر معروف اور مجہول ہو، اور حضرت زید بن حارث اپنے حقیقی باپ ہی کی طرف منسوب ہیں، تو اب کسی صورت سے بھی انہیں محمد عربی ﷺ کا بیٹا نہیں قرار دیا جاسکتا۔ رہ گیا نبی اور امتی کا آپس کا رابطہ، تو بے شک ہمارے نبی اپنے امتیوں کے روحانی باپ اور ازواجِ مطہرات امتیوں کی روحانی مائیں ہیں۔ اور مسئلہ زیرِ بحث کا اُس سے کوئی تعلق نہیں۔

(لیکن) وہ (اللہ) تعالیٰ (کے رسول) ہیں (اور سارے نبیوں میں پچھلے زمانہ والے) ہیں۔

آپ کے سبب سے نبوت پر 'مہر' ہوگئی اور پیغمبری آپ پر ختم کی گئی اور آپ خاتم الانبیاء ہیں 'نورِ ظہور' میں، جس طرح اُن کے اوّل ہیں 'ظہورِ نور' میں۔

(اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کو جانتا رہا) کہ کون شخص اِس کے لائق ہے کہ اُس پر نبوت ختم ہو۔

ہر نوشتے کی صحت 'مہر' کے سبب سے ہے اور حق تعالیٰ نے پیغمبر کو 'مہر' کہا، تا کہ لوگ جان لیں، کہ محبتِ الٰہی کے دعویٰ کی تصحیح آپ کی متابعت ہی سے کر سکتے ہیں۔ ہر کتاب کا شرف اور بزرگی 'مہر' کے سبب سے ہے، تو سب پیغمبروں کا شرف حضرت کی ذات سے ہے۔ اور ہر کتبہ کی گواہ اُس کی 'مہر' ہوتی ہے، تو محکمہ قیامت میں گواہ آپ ہوں گے۔

اور جہاں کتاب پر 'مہر' کی گئی تو کتاب تمام ہو جاتی ہے۔ چونکہ نبوت پر آپ کی ذات 'مہر' ہے، تو آپ کے سبب سے نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اور چونکہ سب انبیاء سے 'مہرِ نبوت' کے ساتھ آپ مخصوص ہوئے، تو اُن کی ختمیت کے ساتھ بھی آپ نے اختصاص پایا۔

اِس سورت کے مقاصد میں یہ ہے کہ نبی ﷺ کو، آپ کی ازواج کو، اور آپ کی امت کو، نیک خصائل اور عمدہ شمائل کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ الاحزاب آیت ۱ میں فرمایا، کہ اَے نبی! اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہیے اور سب سے زیادہ مقرب بارگاہِ الٰہی ہونے کی وجہ سے اُس سے بے خوف نہ ہو جائیں۔ یہ حکم تعلیم امت کے لیے ہے اس لیے کہ نبی کا خدا سے بے خوف ہو جانا محال اور ناممکن ہے۔

اور الاحزاب آیت ۲۸ سے آیت ۳۴ تک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو نیکی، تقویٰ اور ذکر کی تلقین فرمائی، اور الاحزاب آیت ۴۱ میں نبی کریم کی امت کو یہ ترغیب دی، کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کیا کریں، تاکہ دُنیاوی کاموں میں اتنا منہمک نہ ہوں، کہ خدا کو بھول جائیں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾ وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً

اَے ایمان والو! یادکرو اللہ کی، بہت یاد ● اور پاکی بولو اُس کی صبح

وَّاَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

وشام ●

(اَے ایمان والو! یاد کرو اللہ) تعالیٰ (کی بہت یاد)۔یعنی اکثر اوقات۔۔یا۔۔بہت طرح سے یاد کرو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنے سے، اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر، (اور پاکی بولو اُس کی صبح وشام)۔اس لیے کہ صبح وشام کے وقت نماز ادا کرنا بہت شاق ہے۔

بعض عارفین کا کہنا ہے، کہ ذِكْرًا كَثِيْرًا سے دِلی ذکر مُراد ہے، اس واسطے کہ ہمیشہ ذکر کرنا دِل ہی سے ہوتا ہے، زبان سے ممکن نہیں۔ ذِكْرًا كَثِيْرًا کا حکم اشارہ ہے حق تعالیٰ کی محبت کی طرف یعنی اُسے دوست رکھو، اس لیے کہ جو کسی کو دوست رکھتا ہے تو اکثر اُس کا ذکر کرتا ہے۔ ذکر کی کثرت محبت کی علامت ہے۔محبت چھوڑتی ہی نہیں، کہ زبان۔۔یا۔۔دِل دوست کے ذکر سے خالی رہے۔اِس مقام پر جس ذاتِ رحیم وکریم کے ذکر کی بات ہو رہی ہے۔۔وہ۔۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

وہی ہے جو درود بھیجے تم پر، اور اُس کے فرشتے، تاکہ نکال رکھے تمہیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف۔

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

اور وہ مسلمانوں کے لیے رحمت والا رہا ●

(وہی ہے جو درود بھیجے تم پر) اور رحمت نازل فرمائے، (اور اُس کے فرشتے) بھی درود بھیجتے ہیں تم پر اور مغفرت چاہتے ہیں تمہارے گناہوں کی۔اور یہ خدا اور فرشتوں کا درود تم پر اس واسطے ہے، (تاکہ نکال رکھے تمہیں) کفر کی (اندھیریوں سے) ایمان کی (روشنی کی طرف)۔یعنی کفر کی ظلمتوں سے

نکال کر ایمان کی روشنی پر ثابت رکھے۔
یہاں پر ایمان کی طرف نکالنے سے مراد ہمیشہ نکالے رکھنا اور نکلنے پر قائم کردینا ہے۔اس واسطے کہ خدا اور فرشتوں نے جب اُن پر دُرود بھیجا، تو اُس وقت وہ تاریکیوں میں نہ تھے۔اور بعضوں نے کہا ہے کہ نکالنا 'ظلمتِ معصیت' سے تھا 'نورِ طاعت' کی طرف ۔۔یا۔۔شک سے یقین کی جانب ۔۔یا۔۔'تدبیر کے اندھیرے' سے 'یقین کے اُجالے' کی طرف۔۔یا۔۔'ظلماتِ بشریت' سے 'نورِ روحانیت' کی طرف۔ (اور وہ) ربِّ کریم (مسلمانوں کے لیے رحمت والا رہا)۔خود تو رحمت کرتا ہی ہے، اور فرشتوں کو بھی اُن کی بخشش چاہنے کا حکم فرماتا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿٤٤﴾

اُن کی دُعائے ملاقات ہے، جب ملیں گے اُس کو کہ "سلام"۔اور تیار کر رکھا ہے اُن کے لیے باعزت ثواب●

(اُن کی دُعائے ملاقات ہے جب ملیں گے اُس کو، کہ 'سلام')۔یعنی جب مؤمن موت کے وقت اللہ سے ملاقات کریں گے۔۔یا۔۔جب قبروں سے اٹھ کر میدانِ حشر میں اللہ سے ملاقات کریں گے۔۔یا۔۔جب دخولِ جنت کے وقت اللہ سے ملاقات کریں گے، تو اُن کو اللہ کی طرف سے 'سلام' پیش کیا جائے گا، جو ہر خوف اور ہر آفت سے سلامتی کی خبر دے رہا ہوگا۔

اِس آیت کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے، کہ جب ملک الموت مؤمن کی روح قبض کرنے کے لیے آئے گا، تو کہے گا کہ تمہارا رب تم کو 'سلام' بھیجتا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔جس دن وہ حضرت عزرائیل علیہ السلام کو دیکھیں گے، تو عزرائیل علیہ السلام اُن پر 'سلام' کہیں گے۔

(اور) صرف اتنا ہی نہیں بلکہ باوجود اُس تحیت کرنے کے، جنت اور اُس کی نعمت کی شکل میں (تیار کر رکھا ہے اُن کے لیے باعزت ثواب)۔اور یہ سب کچھ اس لیے کہ یہ سب تیرے غلاموں اور تجھ پر مخلصانہ ایمان لانے والوں میں سے ہیں۔۔تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿٤٥﴾

اَے آنحضرت! بے شک بھیجا ہم نے تم کو ہر جگہ کا چشم دید گواہ، اور خوشخبری دینے والے، اور ڈر سنانے والے●

(اَے آنحضرت) بزرگ و برتر، میری بارگاہِ قدس میں حاضر رہنے والے، اور میرے فضل و کرم اور میری عطا سے ایسی خبر دینے والے جس کا دینا آپ ہی کے لیے مقدر فرمادیا گیا ہے، (بے شک

بھیجا ہم نے تم کو ہر جگہ کا چشم دید گواہ) بنا کر۔

چونکہ آپ کا نور اوّل مخلوقات ہے، تو جو کچھ عدم سے نکل کر وجود میں آتا رہا، آپ سب کا مشاہدہ فرماتے رہے، آپ نے جس جس چیز کی گواہی دی، دیکھ کر دی۔ یہاں تک کہ آپ نے رب تعالیٰ کی 'وحدانیت واحدیت' کی گواہی بھی دیکھ کر دی ہے۔ ظاہر ہے جب آپ سب سے پہلی مخلوق ہیں، تو پیدا ہوتے ہی آپ نے 'واحدِ حقیقی' کو دیکھا اور اُس کی 'وحدانیت' کو دیکھا، 'احد' کو دیکھا اور اُس کی 'احدیت' کو دیکھا۔ آپ کے سوا باقی تمام گواہی دینے والوں نے فرشتوں سے سن کر گواہی دی ہے۔ انشاء المولیٰ تعالیٰ جنت میں 'واحد تعالیٰ' اور 'احد عزّ و جلّ' کو سارے مؤمنین دیکھیں گے، لیکن اُس کی 'وحدانیت واحدیت' کو دیکھنے والی صرف نگاہِ مصطفیٰ ہی ہے۔۔ الختصر۔۔ آپ چشم دید گواہ ہیں مصدقین کی تصدیق کے اور مکذبین کی تکذیب کے۔ حشر کے میدان میں بھی فیصلہ آپ ہی کی گواہی پر فرمایا جائے گا۔ بنیادی طور پر وہاں آپ ہی گواہ ہوں گے۔ رہ گئے آپ کے اُمتی، تو اُن کی گواہی آپ ہی کی گواہی کی بنیاد پر ہوگی۔

(اور خوش خبری دینے والے) ہماری رحمت کی، (اور ڈر سنانے والے) ہمارے عذاب کے۔۔۔

وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ﴿۴۶﴾

اور بلانے والے اللہ کی طرف اُس کے حکم سے، اور روشن کرنے والا سورج ●

(اور بلانے والے اللہ) تعالیٰ (کی طرف اُس کے حکم سے) یا اُس کی توفیق سے، (اور روشن کرنے والا سورج)۔ یعنی قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والا، جس نے اپنے نورِ وجود سے اور اپنی تلاوت کی تابانیوں سے کفر کے اندھیروں کو جہان سے نیست و نابود کر دیا۔

حق تعالیٰ نے آفتاب کو بھی چراغ فرمایا اور ہمارے پیغمبر کو بھی چراغ فرمایا۔ آفتاب چراغِ آسمان ہے اور جناب رسالت مآب چراغِ زمین و زمان ہیں۔ وہ چراغِ دُنیا، آپ چراغِ دین ہیں۔ وہ منازلِ فلک کا چراغ، اور آپ محافلِ ملک کے چراغ۔ وہ چراغِ آب و گل، آپ چراغِ جان و دِل۔ آفتاب کا چراغ جلنے سے لوگ خواب سے بیدار ہوتے ہیں، اور آپ کے نور کا چراغ روشن ہونے سے سب 'خوابِ عدم' سے اُٹھ کر 'میدانِ وجود' میں آئے۔

ویسے بھی آسمانی آفتاب ظاہر کو روشن کرتا ہے اور باطن تاریک رہتا ہے، آدھی دُنیا کو روشن کرتا ہے اور آدھی دُنیا تاریک رہتی ہے۔ اُس پر کبھی گہن لگتا ہے اور کبھی وہ بادلوں کے پیچھے چھپ جاتا ہے، اُس صورت میں اُس کی روشنی باہر نہیں آتی۔ مگر آفتابِ رسالت کی شان ہی کچھ اور ہے، وہ ظاہر و باطن دونوں کو روشن کرتا۔ ایک ہی وقت میں ساری دُنیا کو منور کیے ہوئے، پر اس پر کبھی گہن نہیں لگتا، اور نہ ہی کسی طرح حجاب اُس کے نور کے سامنے حائل ہوتا۔

مگر یہ خیال رہے کہ سورج کا کام درو دیوار پر لگی ہوئی سیاہیوں کو مٹانا نہیں ہے، بلکہ دکھانا ہے۔ جب سورج نہیں نکلا تھا تو پتہ ہی نہیں تھا کہ دیوار پر سیاہی کہاں ہے؟ اور سفیدی کہاں؟ سرخی کہاں ہے؟ اور سبزی کہاں؟ اندھیری رات میں رسّی کو سانپ، اور سانپ کو رسّی سمجھ لیا، لیکن جب سورج نکل آتا ہے تو سفیدی و سیاہی اور سرخی و سبزی کے درمیان امتیاز ہو جاتا ہے، کوئی سانپ کو رسّی اور رسّی کو سانپ سمجھنے کی غلطی نہیں کرتا۔

یہی ہے امتیاز والی روشنی جو دِل و دماغ کو منور کر دیتی ہے۔ تو جب تک آفتابِ رسالت طلوع نہیں ہوا تھا، پتہ ہی نہ تھا کہ کفر کدھر ہے، ایمان کدھر؟ شرک کدھر ہے، توحید کدھر؟ منافقت کدھر ہے اخلاص کدھر؟ ابوجہلیت کدھر ہے، صدیقیت کدھر؟ وغیرہ وغیرہ۔ مگر آفتابِ رسالت نے طلوع ہو کر ساری دُنیا کو ایسا روشن کر دیا، کہ اب بُرائیاں اپنا چہرہ چھپا نہ سکیں گی اور نہ ہی اچھائیاں پوشیدہ رہ سکیں گی۔ یہی ہے ساری دُنیا کو روشن کر دینا۔

اور اگر چراغ سے گھر کا چراغ مراد لیا جائے، تو ذاتِ رسالت مآب کی چراغ سے مناسبت کی بعض صورتیں یہ ہیں:

﴿١﴾۔۔ جو کچھ گھر میں گم ہو جاتا ہے اُسے چراغ کی روشنی میں پا سکتے ہیں۔ تو جو حقائق لوگوں سے پوشیدہ تھے اُس چراغ کے نور سے انوارِ معرفت حاصل کرنے والوں پر روشن ہو گئے۔

﴿٢﴾۔۔ چراغ گھر والوں کے امن و امان اور راحت کا سبب ہوتا ہے اور چور کو خجلت اور عقوبت کا باعث ہوتا ہے، تو آنحضرت ﷺ دوستوں کے واسطے سلامت اور کرامت کے سبب ہیں، اور منکروں کے لیے حسرت اور ندامت کے باعث ہیں۔

اور مُنِيْرًا کی تاکید نے بتا دیا کہ آپ چراغ ہیں، مگر اور چراغوں کی طرح نہیں، جو کبھی بجھتے ہیں اور کبھی روشن ہوتے ہیں، بلکہ آپ اوّل سے آخر تک روشن ہیں۔ دوسرے چراغ ہَوا سے جھلملاتے تھے، لیکن آپ کے نور کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ دوسرے چراغ رات کو

روشن کیے جاتے ہیں دن کو نہیں، مگر آپ نے 'ظلماتِ دُنیا' کی رات کو 'دعوتِ اسلام' کے نور سے روشن کر دیا، اور قیامت کے دن کو بھی 'مشعلِ شفاعت' سے آپ روشن کر دیں گے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِأَنَّ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ﴿۴۷﴾

اور خوشخبری دو ایمان والوں کو کہ "بلاشبہ اُن کے لیے اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہے"●

تو اے محبوب! آگاہ کر دو (اور خوشخبری دو ایمان والوں کو کہ بلاشبہ اُن کے لیے اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے بڑا فضل ہے) جو ان کے کام کے اجر سے زیادہ ہے، یعنی دولتِ لِقاء کہ بہت بڑی عطا اور بہت ہی خوب جزا ہے۔

وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ اَذٰىهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور نہ کہا ماننا کافروں اور منافقوں کا، اور اُن کے ایذا دینے پر خود در گزر کر دو، اور بھروسہ رکھو اللہ پر۔

وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۴۸﴾

اور اللہ کافی کارساز ہے●

(اور نہ کہا ماننا کافروں اور منافقوں کا) یعنی اُن کے کہے پر ثابت نہ رہ۔ (اور) اے ہمارے حبیب (اُن کے ایذاء دینے پر خود در گزر کر دو)۔ یعنی اُن سے بدلہ لینے کے درپے نہ ہو، کہ میں اُن کی بُرائی کو کفایت کرتا ہوں، (اور بھروسہ رکھو اللہ) تعالیٰ (پر)، یعنی انہیں دفع کرنے میں خدا پر توکل کرو۔ (اور اللہ) تعالیٰ (کافی کارساز ہے)۔ یعنی بس ہے کارساز، مہم پرداز۔۔یا۔۔نگہبان۔۔یا۔۔ضامن تمہارے واسطے نصرت اور غالبیت کے وعدے پر۔

اپنے رسول سے خطاب فرما کر حق تعالیٰ نے مؤمنین کی طرف خطاب کا رخ فرما کر آفتابِ ہدایت کی شعاعوں کا رخ اُن کی طرف کر دیا، اور فرمایا۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ

اے ایمان والو! جب نکاح کر لیا تم نے ایمان والی عورتوں سے، پھر طلاق دیدی اُنہیں، قبل اس کے

اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ

کہ اُنہیں ہاتھ لگاؤ، تو نہیں ہے تمہارے لیے اُن پر کچھ عدت، کہ تم اُسے شمار کرو۔ تو اُنہیں کچھ پونجی دے دو

وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۴۹﴾

اور چھوڑ دوخوبی سے●

(اَے ایمان والو! جب نکاح کرلیاتم نے ایمان والی عورتوں سے، پھر طلاق دیدی انہیں قبل اِس کے کہ انہیں ہاتھ لگاؤ)۔۔۔

۔۔یعنی۔۔امام شافعی کے نزدیک ’مباشرت‘ کرو۔۔یا۔۔امام اعظم کے نزدیک ’خلوتِ صحیحہ‘ کرو۔

۔۔الحاصل۔۔جب طلاق دوتم عورتوں کو ’دخول‘۔۔یا۔۔’خلوتِ صحیحہ‘ سے پہلے، (تو نہیں ہے تمہارے لیے اُن) طلاق دی ہوئی عورتوں (پر کچھ عدت کہ تم اُسے شمار کرو، تو انہیں کچھ پونجی دے دو)۔

اِس آیت میں بیوی کو ہاتھ نہ لگانے کا ذکر ہے، اور فقہائے احناف کے نزدیک ’خلوتِ صحیحہ‘ بیوی کو ہاتھ لگانے یعنی ’عملِ زوجیت‘ کے قائم مقام ہے۔ اور ’خلوتِ صحیحہ‘ کی تعریف یہ ہے، کہ ”خاوند کی بیوی کے ساتھ خلوت میں ’عملِ زوجیت‘ سے کوئی ’شرعی مانع‘ نہ ہو۔۔مثلاً: دونوں میں سے کسی نے احرام باندھا ہو۔۔یا۔۔کسی کا روزہ ہو۔۔یا۔۔بیوی کو حیض ہو۔ اور نہ کوئی ’حسی مانع‘ ہو۔۔مثلاً: بیوی کو ایسی بیماری ہو، کہ وہ اُس عمل سے مانع ہو۔ اور نہ کوئی ’عقلی مانع‘ ہو۔۔مثلاً: وہاں کوئی ایسا شخص ہو جس کی وجہ سے خاوند اُس عمل سے حیا کرے۔“

اگر اِس طریقہ سے خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہو، پھر خاوند نے اُس عمل سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی، تو خاوند پر مکمل مہر واجب ہوگا، اور اُس عورت پر احتیاطاً عدّت واجب ہوگی۔ اور اگر اس طرح خلوت نہ ہوئی ہو اور نہ خاوند نے ’عملِ تزویج‘ کیا ہو، تو اُس پر نصف مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدّت واجب نہیں ہوگی۔ فقہائے احناف کے نزدیک مطلقات کی چار قسمیں ہیں:

﴿۱﴾۔۔جس عورت کے ساتھ حقیقۃً۔۔یا۔۔حکماً، یہ عمل نہیں کیا گیا اور نہ اس کا مہر مقرر کیا گیا ہے، اُس کو متاع دینا واجب ہے، اور یہ قمیص، دوپٹہ اور تہبند ہے۔

﴿۲﴾۔۔جس کے ساتھ حقیقۃً۔۔یا۔۔حکماً یہ عمل نہیں کیا گیا اور اُس کا مہر مقرر کیا گیا ہے، اس کو نصف مہر دینا واجب ہے اور اُس کو متاع دینا مستحب ہے۔

﴿۳﴾۔۔جس عورت کے ساتھ حقیقۃً۔۔یا۔۔حکماً، یہ عمل کیا گیا اور اُس کا مہر مقرر کیا گیا تھا، اُس کو پورا مہر دینا واجب ہے اور اُس کو متاع دینا مستحب ہے۔

﴿۴﴾۔۔جس عورت کے ساتھ حقیقۃً۔۔یا۔۔حکماً، یہ عمل کیا گیا اور اُس کا مہر مقرر نہیں کیا

گیا تھا، اس کو مہر مثل دینا واجب ہے اور اس کو بھی متاع دینا مستحب ہے۔

۔۔الحاصل۔۔اوپر آیت کریمہ میں مذکور جن عورتوں پر طلاق کے بعد عدت واجب نہیں ہے، تو پھر ان کو جانے دو (اور چھوڑ دو خوبی سے) کسی طعن وتشنیع کے بغیر۔ **سَرَاحًا جَمِيلًا** کا یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے، کہ خاوند عورت کو جو کچھ دے چکا ہے اس سے واپس نہ مانگے۔اب خاص کر کے خطاب نبی کریم سے ہے، اس لیے کہ آگے چل کر بعض امور ایسے بھی مذکور ہیں جو نبی کے ساتھ خاص ہیں، اور ان کی اجازت عام مؤمنین کو نہیں۔۔چنانچہ۔۔فرمایا جاتا ہے۔۔۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ

اے آنحضرت! بے شک حلال کر دیا ہم نے تمہارے لیے تمہاری بیبیاں، جن کا مہر تم دے ہی چکے، اور جن پر مالکانہ قبضہ کر لیا

يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ

تمہارے ہاتھوں نے، جنہیں مال غنیمت میں دیا تمہیں اللہ نے، اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور تمہاری پھوپھی کی بیٹیاں، اور تمہارے ماموں کی بیٹیاں

وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبَتْ

اور تمہاری خالہ کی بیٹیاں، جنہوں نے ہجرت کی تمہارے ساتھ۔اور ایمان والی عورت، اگر وہ دے ڈالے

نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَكَ مِنْ دُونِ

اپنے کو آنحضرت کے لیے۔اگر چاہا آنحضرت نے بھی، کہ نکاح کر لیں اس سے۔صرف تمہارے لیے ہے سارے

الْمُؤْمِنِينَ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

مسلمانوں سے الگ۔بے شک ہم نے جان لیا جو مقرر کر دیا ہے ان پر ان کی بیبیوں کے بارے میں، اور ان کی لونڈیوں کے

لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٥٠﴾

بارے میں، تاکہ نہ رہ جائے تم پر کوئی تنگی۔اور اللہ غفور رحیم ہے●

(اے آنحضرت! بے شک حلال کر دیا ہم نے تمہارے لیے تمہاری بیبیاں جن کا مہر تم دے ہی چکے) ہو۔حلال کر دینے کو مقید کرنا، مہر عطا کرنے کے ساتھ، طریق افضل کے ایثار کی جہت سے ہے، حلال ہونا اس پر موقوف ہونے کی وجہ سے نہیں۔**(اور)** حلال کر دیا ان کو **(جن پر مالکانہ قبضہ کر لیا تمہارے ہاتھوں نے)**، یعنی تمہاری لونڈیاں **(جنہیں مال غنیمت میں دیا تمہیں اللہ)** تعالیٰ **(نے)** جیسے حضرت صفیہ اور حضرت ریحانہ وغیرہما۔**(اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور تمہاری پھوپھی کی بیٹیاں)**

اولادِ عبد المطلب میں سے، (اور تمہارے ماموں کی بیٹیاں اور تمہاری خالہ کی بیٹیاں) عبد مناف بن زہرہ کی اولاد میں سے (جنہوں نے ہجرت کی تمہارے ساتھ)۔

ذکر کی ہوئی عورتوں کو حلال کرنا ہجرت کی قید کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے حق میں خاص ہے، اور حضرت اُمّ ہانی کا یہ قول اِس احتمال کی تائید کرتا ہے کہ حضرت نے میرے ساتھ نکاح کا پیغام دیا، اور اِس آیت کے سبب سے میں آپ پر حرام ہوگئی، اس واسطے کہ میں نے ہجرت نہ کی تھی۔

(اور) حلال کردی ہم نے نبی کے لیے (ایمان والی عورت اگر وہ دے ڈالے اپنے کو آنحضرت کے لیے، اگر چاہا آنحضرت نے بھی کہ نکاح کرلیں اُس سے)۔ اَے محبوب! یہ حکم (صرف تمہارے لیے ہے، سارے مسلمانوں سے الگ)۔ یعنی دوسرے مؤمنین اِس حکم میں شامل نہیں۔

--الغرض-- آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مخصوصات سے یہ بات ہے کہ فقط 'ھبہ' کے ساتھ ہی 'بے مہر' اور 'بے نکاح' عورت پر آپ تصرف کرسکتے تھے۔ امام اعظم نے فرمایا، کہ 'ھبہ' کے لفظ سے 'نکاح' بندھ جاتا ہے، مگر 'مہر مثل' لازم ہے۔ اور اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ صورت کس بی بی کے ساتھ واقع ہوئی۔ بہت مشہور بات یہ ہے، کہ 'ھبہ' واقع ہوئی حضرت زینب بنت خزیمہ الانصاریہ جنہیں اُمّ المساکین کہا جاتا تھا۔ --یا-- حضرت خولہ بنت حکیم --یا-- حضرت میمونہ بنت حارث --یا-- حضرت ام شریک بنت جابر رضی اللہ عنہن۔ ایک قول یہ ہے کہ قبیلہ بنی اسد کی حضرت ام سھل سے یہ واقعہ ہوا۔ اگر 'ھبہ' کرنے والی حضرت زینب تھیں، تو اُن کی 'ھبہ' رمضان ۳ھ میں واقع ہوئی، اور چند مہینے حضرت ﷺ کی حرم محترم میں رہ کر ربیع الاوّل ۴ھ میں وفات پائی، مگر اہل سیر کے نزدیک 'ام شریک' سے 'ھبہ' واقع ہوا۔ اور اِن بی بی صاحبہ کو دولتِ عقد حاصل نہیں ہوئی۔

اِس کے تعلق سے ایک دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کے نکاح میں کوئی ایسی خاتون نہیں تھی، جنہوں نے آپ کے ساتھ نکاح کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا ہو۔ جن خواتین نے اپنے آپ کو آپ کے ساتھ نکاح کے لیے پیش کیا تھا، آپ نے اُن میں سے کسی کو قبول نہیں فرمایا اور یہ آپ کے لیے مباح تھا، اور آپ کے ساتھ مخصوص تھا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اگر نبی اُن کے ساتھ نکاح کرنا چاہیں یعنی اُن کو پسند کرلیں"۔ احزاب ۵۰--- تو نکاح کرسکتے ہیں۔

(بے شک ہم نے جان لیا جو مقرر کردیا ان) مؤمنین (پراُن کی بیبیوں کے بارے میں اور اُن کی لونڈیوں کے بارے میں)۔یعنی شرائطِ عقداوراُس کے حقوق جس قدراہلِ ایمان پرفرض کیے گئے ہیں،آپ کی تعظیم وتکریم کے پیشِ نظرآپ پرکوئی فرض نہیں۔یہ صرف آپ کے لیےتوسیع ہے،ورنہ ہم نے دوسرے مسلمانوں پرعورتوں اور کنیزوں کے بہت سے حقوق فرض کررکھے ہیں۔اورآپ کی خصوصیت سے یہ ہے،کہ آپ بلامہرو ولی وشہودوغیرہ کے نکاح کریں۔

آپ کے برعکس دوسرے مسلمانوں پرمہرو ولی وشہودونفقہ،اورآزاداورکنیزوں کے درمیان باری کی پوری تقسیم،اورآزادعورتوں میں سے صرف چارؔ سے نکاح کرنا،اورکنیزیں بھی وہی رکھنا جو 'ملک شرعی' سے حاصل ہوں۔۔الختصر۔۔یہ مذکورہ باتیں فرض ہیں۔آپ پراُن امورِ مذکورہ کے فرض نہ فرمانے کا خصوصی حکم اس لیے ہے،(تاکہ نہ رہ جائے تم پرکوئی تنگی) نکاح کے معاملے میں۔اوردین کے فروغ وارتقاءاوراُس کی توسیع واشاعت۔۔نیز۔۔احکامِ شرعیہ کوعام کرنے کے لیے جن جن قبیلوں اورخانوادوں کی خواتین سے نکاح آپ ضروری خیال فرمائیں،اُن سے بآسانی اوربلا تکلف نکاح کرسکیں (اور) ایسا کیوں نہ ہو،اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے وہ چیزیں جن سے بچنادشوار ہے۔اور(رحیم ہے) یعنی مہربان ہے وسعت دے کراس مقام پرجہاں حرج کا گمان ہو۔تو حق تعالیٰ فرماتا ہے،کہ اَے محبوب!۔۔۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَتُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ

ہٹائے رکھو جس کو چاہواُن میں سے،اورٹھکانہ دواپنے پاس جسے چاہو۔اورجس کی تم نے خواہش کی اُن میں سے

عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَلَا یَحْزَنَّ

جنہیں معزول کردیا تھا،توتم پرکوئی حرج نہیں ہے۔یہ زیادہ قریب ہے کہ ٹھنڈی ہوں اُن کی آنکھیں،اورنہ رنج کریں

وَیَرْضَیْنَ بِمَاۤ اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ

اورخوش رہیں،جوکچھ دے دیاتم نے،سب کی سب۔اوراللہ جانتا ہے جوکچھ تم لوگوں کے دلوں میں ہے۔

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ۝۵۱

اوراللہ علم والاحلم والا ہے●

(ہٹائے رکھو جس کو چاہواُن) اپنی ازواج (میں سےاورٹھکانہ دواپنے پاس جسے چاہو)۔

اِس آیت کے سبب سے باری باٹنا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سے ساقط ہو گیا۔
اُمّ المومنین حضرت سودہ کے سوا اور سب بیبیوں میں حضرت نے آخر عمر تک باری کی رعایت رکھی، اس واسطے کہ حضرت سودہ نے اپنی باری ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بخش دی تھی۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ ۵ بیبیوں کو الگ رکھا، یعنی اُمّ المومنین حضرت سودہ، حضرت صفیہ، حضرت جویریہ، حضرت میمونہ اور حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن کو، اور اُن میں باری کی رعایت فرماتے تھے جب چاہتے اور جس طرح چاہتے۔
اور چار ۴ بیبیوں کو اپنے ساتھ رکھا، حضرت بی بی عائشہ صدیقہ، حضرت حفصہ، حضرت اُمّ سلمہ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

(اور) اَے محبوب! (جس کی تم نے خواہش کی اُن میں سے جنہیں معزول کر دیا تھا)، یعنی جن سے کنارے رہتے ہو اور انہیں الگ رکھتے ہو، (تو تم پر کوئی حرج نہیں) یعنی کوئی گناہ اور کوئی تنگی نہیں۔ بلکہ (یہ) معزول بیبیوں کو طلب کرنا اور دُور رہنے والیوں کو اپنے پاس بُلانا، (زیادہ قریب ہے کہ ٹھنڈی ہوں اُن کی آنکھیں۔ اور نہ رنج کریں اور خوش رہیں جو کچھ دے دیا تم نے سب کی سب)، یعنی جو عطا فرمایا اُن سب کو۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ جب اُنہوں نے جان لیا، کہ اَے محبوب! جو کچھ تم کرتے ہو، الگ رکھنا، ساتھ رکھنا، اور پاس بُلانا، اور دُور کر دینا، یہ سب خدا کے حکم سے ہے، تو رنجیدہ نہ ہوں گی اور بہ سروچشم مان لیں گی۔ (اور اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے جو کچھ تم لوگوں کے دِلوں میں ہے) رغبت اور کراہت۔ (اور اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے۔ اُس سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ اور (حلم والا ہے) یعنی بُردبار ہے، کہ گنہگاروں پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔ اور اَے محبوب!۔۔۔

لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ
نہیں حلال ہیں تمہیں عورتیں اِن کے بعد، اور نہ یہ کہ اِن کی جگہ پر لاؤ دوسری بیبیاں، گو
وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ ؕ وَکَانَ اللّٰهُ
اچھی لگے تمہیں اُن کی خوبصورتی مگر تمہارے ہاتھ کی مقبوضہ۔ اور اللہ
عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ رَّقِیْبًا ﴿۵۲﴾ ع ۶ / ۴
ہر چیز پر نگہبان ہے●

(نہیں حلال ہے تمہیں عورتیں ان) نو ۹ بیبیوں (کے بعد) جو تمہارے عقد نکاح میں ہیں،

اس واسطے کہ آپ کے حق میں نو۹ بیبیاں ایسی ہیں جیسے امت کے حق میں چار۔ (اور نہ) ہی (یہ) حلال ہے (کہ اُن کی جگہ پر لاؤ دوسری بیبیاں)۔ یعنی اُن میں سے ایک کو طلاق دو اور اُس کی جگہ دوسری سے نکاح کرلو۔ الغرض۔۔ یہ بھی حلال نہیں، (گو اچھی لگے تمہیں اُن کی خوبصورتی)۔۔ الحاصل۔۔ یہ نو۹ بیبیاں جور کھتے ہو، اُن کے بعد تم پر حلال نہیں اور عورتیں، (مگر) وہ عورت جو (تمہارے ہاتھ کی مقبوضہ) ہو، یعنی جو عورت تمہارے قبض و تصرف میں آئے اور تمہارے ہاتھ کا مال ہو جائے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (ہر چیز پر نگہبان ہے) اور مہربان ہے۔

جو کوئی حق تعالیٰ کے رقیب ہونے سے آگاہ ہے، اُسے 'مراقبہ' سے چارہ نہیں۔ 'مراقبہ' یہی ہے کہ حق تعالیٰ کو دانا بینا جاننا، اور ظاہر اور پوشیدہ ادب اور حرمت سے زندگی بسر کرنا۔ ادب و حرمت کا تقاضہ یہ بھی ہے، کہ۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ

اے ایمان والو! مت اندر جاؤ آنحضرت کے گھروں میں، مگر یہ کہ اجازت دی جائے تمہیں

اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ

کھانے کی۔ نہ پہلے سے انتظار کرتے ہوئے پکنے کا، لیکن جب تم پکارے جاؤ تو اندر جاؤ، پھر جب کھا چکے

فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ

تو نکل پھیلو، اور بغیر دل بہلاتے ہوئے باتوں میں۔ بلاشبہ تمہارا یہ طریقہ تکلیف دیتا تھا آنحضرت کو،

فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا

تو وہ لحاظ کرتے تم لوگوں سے، اور اللہ نہیں شرماتا ٹھیک بات بتانے سے۔ اور جب مانگا بھی تم نے اُن سے کوئی سامان،

فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ

تو مانگو اُن سے پردے کے باہر سے۔ یہ زیادہ پاکیزہ ہے تمہارے دلوں کے لیے، اور اُن کے دلوں کے لیے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ

اور تمہیں جائز نہیں کہ تکلیف دو اللہ کے رسول کو، اور نہ یہ کہ نکاح کرلو ان کی بیبیوں سے

مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝۵۳

ان کے بعد کبھی۔ بے شک یہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے●

(اَے ایمان والو! مت اندر جاؤ آنحضرت کے گھروں میں، مگر یہ کہ اجازت دی جائے تمہیں کھانے کی)، یعنی جب تم کو بلائیں (نہ پہلے سے انتظار کرتے ہوئے پکنے کا)۔ یعنی ایسا نہ کرو کہ دھواں دیکھ کر ہی گھروں میں داخل ہو جاؤ اور وہیں بیٹھ کر کھانے کے پکنے کا انتظار کرو۔ (لیکن جب تم) کھانے کے لیے (پکارے جاؤ تو اندر جاؤ، پھر جب کھا چکے تو نکل چلو)۔ باہر نکل کر اِدھر اُدھر منتشر ہو جاؤ، (اور) ایسا کرو (بغیر دِل بہلاتے ہوئے باتوں میں)، یعنی وہاں نہ بیٹھے رہو آرام سے باتیں کرنے کے لیے۔

(بلاشبہ تمہارا یہ طریقہ تکلیف دیتا تھا آنحضرت کو، تو وہ لحاظ کرتے) ہیں (تم لوگوں سے) اور از راہِ شرم صاف لفظوں میں تم سے یہ نہیں فرماتے، کہ باہر نکل جاؤ۔ (اور اللہ) تعالیٰ (نہیں شرماتا ٹھیک بات بتانے سے)۔ اللہ تعالیٰ کو ہرگز یہ منظور نہیں کہ تمہارے کسی عمل سے اُس کے حبیب کو اذیت پہنچے، اور تمہیں اُس اذیت رساں عمل کے کرنے کی اجازت دی جائے۔

مذکورہ بالا واقعہ میں جس قصے کی طرف اشارہ ہے وہ یہ تھا، کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حکم خدا سے بی بی زینب کو قبول کیا، تو ولیمہ ترتیب دیا۔ لوگوں کو بُلا کر دعوت دی۔ جب کھانا کھا چکے تو لوگ باتیں کرنے لگے، اور حضرت زینب گھر کے گوشے میں دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھی تھیں۔ حضرت چاہتے تھے کہ لوگ چلے جائیں، تو آپ خود مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے اور اکثر صحابہ بھی چلے گئے، لیکن تین ۳ آدمی اُسی طرح باتیں کرتے رہے۔ حضرت ﷺ گھر کے دروازے پر آئے اور اُن سے عذر چاہنے میں آپ شرماتے تھے۔ بہت انتظار کے بعد خلوت ہوئی۔

حضرت انس کہتے ہیں، کہ آنحضرت ﷺ حضرت زینب کے گھر میں داخل ہوئے، میں نے چاہا کہ میں بھی اندر جاؤں، آپ نے حجرے کے دروازے پر پردہ ڈال لیا، پھر یہ آیتِ حجاب، جس کا بعض حصہ اوپر مذکور ہو چکا نازل ہوئی۔ آگے فرمایا جاتا ہے، کہ۔۔۔

اَے ایمان والو! اس ادب (اور) تہذیب کا بھی پاس ولحاظ رکھو، کہ (جب مانگا بھی تم نے ان سے کوئی سامان) گھر کے اسباب میں سے کہ اس سے اپنا کام کرلو، (تو مانگو ان سے پردہ کے باہر سے) یعنی حجاب کی آڑ سے۔ (یہ) حجاب کی آڑ سے مانگنا (زیادہ پاکیزہ ہے تمہارے دِلوں کے لیے اور اُن) بیبیوں (کے دلوں کے لیے) خیالاتِ شیطانی اور خطراتِ نفسانی سے حفاظت کے نقطۂ نظر سے۔

اس آیتِ حجاب کے نازل ہونے کے اسباب میں اور بھی دوسری روایتیں ہیں، لیکن اس مختصر کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ اوپر کے واقعے سے پتہ چلا، کہ آنحضرت ﷺ کو تھوڑی بھی اذیت پہنچانا اور اُن کے حضور میں وہ کرنا جو انہیں بُرا لگے، کسی ایمان والے کو زیب نہیں دیتا۔

۔۔لہٰذا۔ تمہارے لیے کسی حال میں مناسب نہیں (اور تمہیں جائز نہیں، کہ تکلیف دو اللہ) تعالیٰ (کے رسول کو) کہ وہ بات کرو جو انہیں بُری معلوم ہو، (اور نہ) ہی چاہیے تمہیں (یہ کہ نکاح کرلو اُن کی بیبیوں سے) جو اُن کے تصرف میں آئی ہوں، (اُن) کی وفات (کے بعد) یا اُن کی طلاق دینے کے بعد، اس واسطے کہ پیغمبر ﷺ کی بیبیاں تمہاری مائیں ہیں اور ماں بیٹے پر حرام ہے، تو تم کو اُن کے ساتھ نکاح نہ کرنا چاہیے ہرگز (کبھی)۔

(بے شک یہ) یعنی آنحضرت ﷺ کی ایذاء اور آپ کی بیبیوں سے نکاح کرنا، (اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک بڑی بھاری بات ہے) اور بڑا ہی عظیم گناہ ہے، اِس واسطے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت آپ کی ظاہری حیات میں اور آپ کی ظاہری وفات کے بعد لازم ہے، بلکہ آنحضرت ﷺ کی تعظیم اور حرمت آپ کی حیات میں اور وفات کے بعد حقوق تعظیم ادا کرنے میں یکساں ہے۔ اس واسطے کہ 'خلافتِ عظمیٰ' کی خلعت حالتِ حیاتِ ظاہری میں، اور 'شفاعتِ کبریٰ' کا لباس وفات کے بعد آپ کے قد وقامت سراپا رفعت پر چست کردیا ہے۔

روایت ہے کہ صحابہ میں ایک شخص نے یہ بات کہی تھی، کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وفات فرمائیں، تو میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ نکاح کروں، اور دوسرے کسی صحابی کے دل میں یہ بات گزری تھی زبان پر نہ آئی تھی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۵۴

اگر ظاہر کرو کچھ یا چھپاؤ اُسے، تو بے شک اللہ ہر ایک چیز کا جاننے والا ہے●

(اگر ظاہر کرو کچھ یا چھپاؤ اُسے) یعنی بعض امہاتِ مومنین کے ساتھ نکاح کرنے کا لفظ زبان پر لاؤ۔۔یا۔۔اُس بات کو اپنے دِل میں چھپاؤ اور زبان سے نہ کہو، (تو بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر ایک چیز کا) وہ چھپی ہو۔۔یا۔۔کھلی (جاننے والا ہے)، اور اُس پر تم کو جزا دے گا۔

روایت ہے کہ پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد حکم ہوا اور سب بیبیاں پردے بیٹھیں، تو اُن کے باپوں، بھائیوں اور قرابتداروں نے عرض کی، کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جب

عورتوں کو پردہ کا حکم ہوا تو اب ہم کو پردہ کی آڑ میں ان سے بات چیت کرنا چاہیے یا نہیں؟ تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآىِٕهِنَّ وَلَآ اَبْنَآىِٕهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ

نہیں حرج ہے ان پر، ان کے باپ، اور بیٹوں اور بھائیوں، اور

اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآىِٕهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ

بھتیجوں، اور بھانجوں، اور اپنی عورتوں، اور ہاتھ کی ملکیت لونڈیوں میں۔

وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۵۵﴾

اور ڈرتی رہو اللہ کو۔ بے شک اللہ ہر چیز پر نگراں ہے●

(نہیں حرج ہے ان پر ان کے باپ اور بیٹوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بھانجوں اور اپنی ایمان والی **(عورتوں اور)** وہ جو **(ہاتھ کی ملکیت)** یعنی **(لونڈیوں میں)** ہیں، کہ اُن کو اپنا چہرہ دکھائیں۔

اِس آیت میں جن محارم کا ذکر کیا گیا ہے، وہ امام اعظم کے نزدیک اُس عورت کے چہرے کو، اُس کے سر کو، اُس کی پنڈلیوں کو، اور اُس کے بازوؤں کو دیکھ سکتے ہیں۔ اور اُس کی پشت کو، اور اُس کی رانوں کو، اور اُس کے پیٹ کو نہیں دیکھ سکتے۔ کسی خاتون کے محارم کے لیے اس کو دیکھنا اس لیے جائز قرار دیا گیا ہے، کہ محارم کا گھروں میں آنا جانا بہت زیادہ ہوتا ہے اور خواتین کو اُن سے ملنے جلنے کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

اس طرح عورتوں پر ہم دین خواتین کا پردہ نہیں رکھا گیا ہے۔۔لہٰذا۔ایک مسلم عورت دوسری مسلم عورت کی طرف اُس کی ناف اور گھٹنوں کے درمیان کے ماسوا کی طرف دیکھ سکتی ہے۔ اِسی طرح عورتوں پر اُن کی باندیوں سے بھی پردہ نہیں رکھا۔ اپنے غلاموں کے تعلق سے خاص کر کے ہمارے زمانہ میں، امام اعظم اور جمہور کا یہی قول ہے، کہ اُس کا حکم وہی ہے جو کسی اجنبی مَرد کا ہوتا ہے، اور یہی حکم تقویٰ سے زیادہ قریب ہے۔

اس لیے کسی عورت کا اپنے غلام کے ساتھ حج۔۔یا۔۔کسی اور سفر پر جانا جائز نہیں ہے۔ غلام اگر شہوت سے مامون ہو، تو اُس کا اپنی مالکہ کے چہرے اور ہاتھوں کی طرف دیکھنا جائز ہے، لیکن اُس سے اُس کا محرم ہونا لازم نہیں آتا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم کو جو حجاب میں رہنے کا حکم دیا ہے اِس لیے ہے تا کہ تم تقویٰ شعار بن جاؤ۔۔۔

(اور ڈرتی رہو اللہ) تعالیٰ (کو۔ بے شک اللہ) تعالیٰ تمہارے اقوال وافعال میں سے (ہر چیز پر نگراں ہے)۔ یعنی گواہ ہے اور جو کچھ تمہارے دِلوں میں خیال گزرتا ہے اُس پر آگاہ ہے، تو تم کو چاہیے کہ تم اپنی عادات کو احکام شرعیہ کے مطابق ڈھال لو۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر اور تمہارے محارم پر یہ احسان فرمایا ہے کہ اُن کے لیے تمہارے اوپر حجاب واجب نہیں کیا، سو تم اُس احسان کا شکر بجالاؤ اور اللہ نے تمہیں جو پردے کا حکم دیا ہے اُس کی خلاف ورزی نہ کرو۔

ان آیتوں سے جو اوپر مذکور ہوئیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی شرائطِ تعظیم اور وظائفِ تکریم کو لازم پکڑنا معلوم اور مفہوم ہوتا ہے، تو اُن آیتوں سے ملی ہوئی ایسی ایک آیت نازل فرمائی جو حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کمال مرتبہ عنایت کو ظاہر کرتی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

بے شک اللہ اور اُس کے سارے فرشتے درود بھیجتے رہتے ہیں آنحضرت پر۔ اَے ایمان والو!

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿٥٦﴾

تم بھی درود بھیجو اُن پر، اور خوب سلام عرض کرو●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے سارے فرشتے درود بھیجتے ہیں آنحضرت پر۔ اَے ایمان والو! تم بھی درود بھیجو اُن پر اور خوب سلام عرض کرو) جیسا کہ سلام عرض کرنے کا حق ہے۔۔ یا۔۔ خوب اطاعت کرو اُن کے حکم کی جیسی اطاعت کرنے کا حق ہے۔

ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کا 'درود'، 'رحمت' اور 'اوروں کا درود'، 'طلبِ رحمت' ہے۔

یہاں آیتِ کریمہ میں **يُصَلُّونَ** سے تعریف وتوصیف اور مدح وثنا مراد ہے۔۔ لہٰذا۔۔ اس لفظ کے ۲ دو معنی نہیں ہیں بلکہ ایک ہی معنی ہے جس کی نسبت خدا کی طرف بھی اور فرشتوں کی طرف بھی ہے۔

آیتِ مذکور میں حکم **صَلُّوا** کے جواب میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ اِس کے معنی کے تعلق سے ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ سبحانہ نے ہم کو آپ پر صلوٰۃ پڑھنے کا حکم دیا اور ہم کو معلوم نہیں تھا، کہ آپ کا کیا مرتبہ ہے اور آپ پر کس طرح صلوٰۃ پڑھنی چاہیے، تو ہم نے صلوٰۃ پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا، اور ہم نے کہا،

اَے اللہ اپنے رسولِ مکرم کے مرتبے کو تُو ہی جاننے والا ہے، تو اُن کے مرتبہ کے موافق تُو ہی اُن پر صلوٰۃ پڑھ سکتا ہے، سو تُو ہی اُن پر صلوٰۃ پڑھ۔۔الختصر۔۔ ہماری طرف سے تُو ہی اپنے حبیب کی شایانِ شان درود اُن پر پہنچا دے۔

اللہ تعالیٰ اِس بات پر قادر ہے کہ ہماری زبان سے نکلے ہوئے درود کے کلموں کو اُس تحفے میں بدل دے، جو تحفہ وہ اپنے حبیب تک پہنچانا چاہتا ہے، اور پھر اُسے حبیب تک پہنچا دے ۔۔الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کے نبی پر صلوٰۃ پڑھنے کا معنی ہے فرشتوں کے سامنے آپ کی حمد وثنا کرنا، اور فرشتوں کے صلوٰۃ پڑھنے کا معنی یہ ہے، کہ آپ کے حق میں دُعا کرنا۔

الاحزاب آیت ۵۶ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اور فرشتوں کے صلوٰۃ کو جمع فرمایا ہے، تو یہاں صلوٰۃ کا معنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حمد وثنا کرنا اور آپ کی تعظیم وتکریم کو ظاہر کرنا ہے۔ اور ہم کو جو آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، اُس کا معنی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ سے اُسی صلوٰۃ کو طلب کریں، جو صلوٰۃ اللہ تعالیٰ آپ پر پڑھتا ہے اور جو صلوٰۃ فرشتے آپ پر پڑھتے ہیں۔

۔۔الختصر۔۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ پر صلوٰۃ پڑھے، اور اللہ کی آپ پر صلوٰۃ یہ ہے کہ وہ آپ کی حمد وثنا کرے اور آپ کے ذکر کو بلند کرنے اور آپ کو مقرب بنانے کا ارادہ فرمائے ۔۔الغرض۔۔ جب ہم آپ پر صلوٰۃ پڑھتے ہیں، تو اللہ سے ایسا کرنے کی دُعا کرتے ہیں۔ اِسی لیے یہ ہمارا دُرود بھی کہلاتا ہے جو آپ کی حمد وثنا اور آپ کے شرف اور فضیلت کے ذکر اور آپ کی محبت کو متضمن ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کے معنی یہ ہیں کہ ''اَے اللہ! عظمت ظاہر فرمانا محمد ﷺ کی دُنیا میں اُن کا دین بلند کر کے، اور دعوت ظاہر فرما کر، اور ذکر کو بزرگی دے کر، اور شریعت کو باقی رکھ کر، اور آخرت کے دن امت کے حق میں اُن کی شفاعت قبول فرما کر، اور ثواب دونا کر کے، اور اولین وآخرین پر اُن کی بزرگی ظاہر کر کے، اور سب انبیاء مرسلین اور ملائکہ اور آدمیوں پر انہیں مقدم رکھ کر۔

جمہور علماء اِس بات پر ہیں، کہ اِس آیت میں دُرود کا حکم محمول ہے وجوب پر، مگر اُس واجب کی مقدار میں اختلاف ہے۔ اِس تعلق سے عطرِ تحقیق یہ ہے کہ ساری عمر میں ایک بار دُرود پڑھنا ہر مکلف پر واجب ہے، اور اس سے زیادہ مندوب ومستحب ہے نماز کے 'قعدۂ اخیرہ' میں دُرود پڑھنا امام شافعی کے نزدیک واجب ہے۔ اور امام اعظم کے نزدیک سنت۔

بعض علماء فرماتے ہیں حضور ﷺ کا جب جب نام لیا جائے ۔۔یا۔۔ سنا جائے، دُرود

شریف پڑھنا واجب ہے۔ بعضے اس بات پر ہیں کہ ایک مجلس میں ایک۔۔یا۔۔تین بار دُرود پڑھنا واجب ہے۔ اور فتویٰ اِس بات پر ہے، کہ ایک مجلس میں ہر چند آپ کا نام مکرر لیا جائے۔ دُرود پڑھنا ایک بار تو واجب ہے، باقی سنت۔

سابقہ آیتوں میں وضاحت کردی گئی ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے اور ہر چیز کا نگراں ہے اور خدا اور رسول کا دشمن اُس کی گرفت سے اپنے کو بچا نہیں سکتا۔ چنانچہ۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ

بلاشبہ جو دکھ دیں اللہ اور اُس کے رسول کو، پھٹکار دیا اُنہیں اللہ نے دُنیا و آخرت میں،

وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾

اور تیار کرلیا ہے اُن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب●

(بلاشبہ جو دکھ دیں اللہ) تعالیٰ کو، یعنی ایسے کام کے مرتکب ہوں جو خدا کے نزدیک مکروہ ہے۔۔مثلاً: اُس کے ساتھ شریک اور جورُو لڑکے لڑکی کی نسبت کرنا، اور کفر کے کلمے کہنا، (اور) اذیت دیں (اُس کے رسول کو) زبان سے شاعر و ساحر کہہ کر، اور ہاتھ سے چہرے اور دندانِ مبارک کو صدمہ پہنچا کر، تو (پھٹکار دیا اُنہیں اللہ) تعالیٰ (نے دُنیا و آخرت میں)، یعنی اُن موذیوں کو اپنی رحمت سے دُور کردیا۔ (اور تیار کرلیا ہے ان کے لیے) آخرت میں (رسوا کرنے والا عذاب)، جو اُنہیں اہلِ محشر میں ذلیل کردے گا۔

وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا

اور جو دکھ دیں ایمان والوں اور ایمان والیوں کو، بغیر کچھ کیے،

فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ ع

تو بے شک اُنہوں نے بار لیا بہتان کا، اور کھلے گناہ کا●

(اور جو دکھ دیں ایمان والوں) جیسے حضرت صفوان سہمی رضی اللہ عنہ کو، (اور ایمان والیوں کو) جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو (بغیر کچھ کیے)، یعنی بے ایسا کام کیے ہوئے جس کے سبب ایذاء کے مستحق ہوں۔ (تو بے شک انہوں نے بار لیا بہتان کا، اور کھلے گناہ کا)۔

بعضوں نے کہا ہے کہ یہ آیت منافقوں کی شان میں اُتری ہے، کہ نالائق باتوں سے

حضرت مولیٰ علی کو رنج دیتے تھے۔ اِس آیت کے اسباب نزول میں سے یہ بھی ہے، کہ ایک دن حضرت فاروقِ اعظم نے ایک لونڈی بناؤ سنگار کیے دیکھی کہ بدکاری کی میل رکھتی تھی، اُسے ملامت کی بلکہ ادب دے کر جھڑکا۔ لونڈی اپنے آقا کے پاس شکایت لے گئی، اُس بے ادب نے سخت اور بُری باتیں حضرت فاروقِ اعظم کے منہ پر کہیں، اور یہ آیت اُس کے باب میں نازل ہوئی۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ زناکاروں کی شان میں نازل ہوئی، کہ راتوں کو سرِ راہ بیٹھتے اور لونڈیوں پر دست درازی کرتے۔

سدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے، کہ اس وقت میں آزاد عورت کی یہ علامت تھی، کہ سر کو چادر سے چھپا کر راہ میں چلتیں اور لونڈیاں ننگے سر پھرتیں۔ چونکہ وہ بدکار لوگ اُن عورتوں سے دُور رہتے جو سر چھپائے رہتی تھیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ

اُے آنحضرت! کہہ دو اپنی بیبیوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہ "ڈال رکھا کریں

عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ

اپنے چہروں پر اپنی چادریں" یہ زیادہ قریب ہے کہ پہچان لی جائیں، تو ستائی نہ جائیں۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اور اللہ غفور رحیم ہے●

(اُے آنحضرت! کہہ دو اپنی بیبیوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو، کہ) گھر سے باہر نکلتے وقت (ڈال رکھا کریں اپنے چہروں پر اپنی چادریں) اور اپنے منہ اور بدن اُس سے چھپالیں۔ (یہ) سر اور منہ اور بدن چھپانا، (زیادہ قریب ہے کہ پہچان لی جائیں)، نیک بختی اور پاکدامنی کے ساتھ ۔۔یا۔۔ پہچان لی جائیں کہ آزاد بیبیاں ہیں لونڈیاں نہیں ہیں، (تو ستائی نہ جائیں)، یعنی وہ زناکار مَرد اُن سے تعرض نہ کریں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے بخشنے والا ہے پچھلے گناہ، جب توبہ کریں۔ اور (رحیم ہے) مہربان ہے، کہ بندوں کی مصلحت اُن سے بیان کرتا ہے۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ

یقیناً اگر باز نہ آئے منافق لوگ، اور جن کے دلوں میں بیماری ہے، اور جھوٹی گپ اڑانے والے

فِی الْمَدِیْنَةِ لَنُغْرِیَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوْنَكَ فِیْهَاۤ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۶۰﴾

مدینہ میں، تو ہم ضرور مسلط کردیں گے تمہیں اُن پر، پھر نہ پڑوسی رہ جائیں گے تمہارے اِس میں، مگر کچھ دن●

مَّلْعُوْنِیْنَ ۚۛ اَیْنَمَا ثُقِفُوْۤا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا ﴿۶۱﴾

سب کے سب لعنتی۔۔اب جہاں ملے دھرلیے گئے اور کاٹ کر رکھ دیے گئے●

(یقیناً اگر باز نہ آئے منافق لوگ) اپنے نفاق سے، (اور جن کے دِلوں میں بیماری ہے) یعنی زناکار لوگ زنا کے قصد اور بُری باتوں کو طرف میل سے اگر باز نہ آئیں، (اور جھوٹی گپ اڑانے والے مدینہ میں)، یعنی وہ لوگ جو بُری خبریں مشہور کرتے ہیں اسلامی لشکروں کے تعلق سے اور مومنین کی عیب جوئی کرتے ہیں، (تو ہم ضرور مسلط کردیں گے تمہیں اُن پر) اور حکم کریں گے اُن کے قتل کا۔ (پھر نہ پڑوسی رہ جائیں گے تمہارے اُس میں مگر کچھ دن)، یعنی شہر سے جلدی نکل جائیں گے (سب کے سب لعنتی) راندے ہوئے عاجز ہوکر۔ (اب جہاں ملے، دھرلیے گئے اور کاٹ کر رکھ دیے گئے)۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ جہاں ملیں چاہیے کہ انہیں گرفتار کرلیا جائے اور ذلت کے ساتھ انہیں قتل کردیا جائے۔ یہی ہمیشہ سے۔۔۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ﴿۶۲﴾

اللہ کا دستور رہا اُن میں بھی جو گزر چکے پہلے، اور نہ پاؤ گے اللہ کے دستور میں ادل بدل●

(اللہ) تعالیٰ (کا دستور رہا) اور یہی اُس نے اپنی سنت و عادت رکھی (اُن میں بھی جو گزر چکے پہلے)، یعنی اگلی امتوں میں یہ بات مقرر کی، کہ انبیاء کو منافقین کے قتل کا حکم تھا۔ (اور نہ پاؤ گے اللہ) تعالیٰ (کے دستور میں ادل بدل) کوئی تغیر و تبدل۔

اب آگے کی آیتوں میں اُن لوگوں کا بیان ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچاتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کافروں کو آخرت اور قیامت کے عذاب سے ڈراتے تھے، تو وہ قیامت کے آنے کو بہت بعید سمجھتے تھے اور اُس کے آنے کی تکذیب کرتے تھے، اور لوگوں کے دماغوں میں یہ وہم ڈالتے تھے، کہ قیامت نہیں آئے گی، اس لیے وہ استہزاءً رسول اللہ ﷺ سے سوال کرتے تھے کہ بتایئے قیامت کب آئے گی؟ اُسی سوال کے تعلق سے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ

پوچھتے ہیں لوگ تم سے قیامت کے بارے میں، کہہ دو کہ "اس کا علم اللہ ہی کے پاس ہے"

وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ۝۶۳

اور کیا اٹکل ہے تمہیں، ممکن ہے کہ قیامت نزدیک ہی ہو●

اَے محبوب! (پوچھتے ہیں) کافر (لوگ تم سے قیامت کے بارے میں)، تو اَے محبوب! لوگوں کے سوال کے جواب میں اُن سے (کہہ دو، کہ اُس کا) ذاتی (علم اللہ) تعالیٰ (ہی کے پاس ہے)۔ اُس کو از خود بغیر تعلیم الٰہی کوئی نہیں جان سکتا۔ یہ اپنے اٹکل سے بتانے والی چیز نہیں (اور) نہ ہی قیاس آرائی ہی سے اُس کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ تو اُس کے وقوع کے قرب و بعد کے تعلق سے (کیا اٹکل ہے تمہیں)، کہ اپنے ظن و تخمین کی بنیاد پر کوئی جواب دے سکو۔ (ممکن ہے کہ قیامت نزدیک ہی ہو)۔ اچانک آجانے والی شے کبھی بھی آسکتی ہے۔

ہر دانشمند کو تو یہی سمجھنا چاہیے کہ قیامت آہی جانے والی ہے، تاکہ خوفِ قیامت سے وہ بے راہ روی سے اپنے کو بچاتا رہے۔ ہر آنے والی گھڑی کو اپنے لیے آخری گھڑی تصور کرے۔

ہر انسان کے حق میں اُس کی قیامت کا آغاز اُس کی موت سے شروع ہو جاتا ہے، اور کس کی موت کب آجائے گی؟ اُس کا علم اُن سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

اُن بعث و نشر کے منکرین کو اِس طرح کے سوالات کے جوابات سے کیا فائدہ پہنچنے والا ہے۔ اُن کے سوچنے اور سمجھنے کی چیز تو یہ ہے، کہ۔۔۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ۝۶۴ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ

بے شک اللہ نے پھٹکار دیا کافروں کو، اور تیار کر رکھا ہے اُن کے لیے دہکتی آگ● رہنے والے اِس میں ہمیشہ ہمیشہ۔

لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۶۵

نہ پائیں گے یار نہ مددگار●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (نے پھٹکار دیا) یعنی اپنی رحمت سے دُور کر دیا (کافروں کو، اور تیار کر رکھا ہے اُن کے لیے دہکتی آگ)، مبتلائے عذاب (رہنے والے اس میں ہمیشہ ہمیشہ۔ نہ پائیں گے) اُس میں (یار) جو انہیں دوزخ سے باہر نکالے اور (نہ مددگار) جو عذاب اُن پر سے ٹالے۔ یاد کرو۔۔۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا

جس دن الٹے پلٹے جائیں گے اُن کے چہرے جہنم میں، کہیں گے" اَے کاش! ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ کا، اور کہا مانا ہوتا

الرَّسُوْلَا ﴿۶۶﴾ وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿۶۷﴾

رسول کا" ● اور بول پڑے کہ "پروردگارا! ہم نے کہا مانا تھا اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا، تو انہوں نے بھلا دیا ہمیں راستہ ●

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿۶۸﴾ ع

ع ۱۰ ۸ ۵

پروردگارا! دے اُنہیں دونا عذاب، اور مار اُن پر بڑی پھٹکار" ●

(جس دن الٹے پلٹے جائیں گے اُن کے چہرے جہنم میں)، تو وہ (کہیں گے،" اَے کاش! ہم نے کہا مانا ہوتا اللہ) تعالیٰ (کا اور کہا مانا ہوتا رسول کا)" یعنی خدا اور رسول کی اطاعت کی ہوتی، تو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ اُس وقت تابع (اور) رذیل قوم کے لوگ (بول پڑے کہ "پروردگارا! ہم نے کہا مانا تھا اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا) جو ہمارے قبیلوں میں تھے، (تو انہوں نے بھلا دیا ہمیں راستہ) یعنی راہ سے بے راہ کر دیا اور قصے کہانیاں کہہ کر فریب دیا۔ (پروردگارا! دے اُنہیں دونا عذاب) اُس عذاب سے جو تُو نے ہم کو دیا ہے، اس واسطے کہ وہ خود بھی گمراہ تھے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے تھے (اور مار اُن پر بڑی پھٹکار) کہ کبھی بھی عذابِ الٰہی سے باہر نہ نکل سکیں۔۔ تو۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ

اَے ایمان والو! نہ ہو جاؤ اُن کی طرح جنہوں نے ستایا موسیٰ کو، تو بَری فرما دیا اُنہیں اللہ نے اُس سے

مِمَّا قَالُوْا ؕ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾ ؕ

جو وہ کہتے تھے۔ اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے ●

(اَے ایمان والو! نہ ہو جاؤ اُن کی طرح جنہوں نے ستایا موسیٰ کو)۔ یعنی تم ہمارے رسول کو ایذاء نہ دو، جس طرح بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو ایذاء دی اور اُن پر زنا کی تہمت لگا دی، (تو بَری فرما دیا اُنہیں اللہ) تعالیٰ (نے اُس سے جو وہ کہتے تھے)۔ یعنی اُس بات سے جو انہوں نے کہی تھی اور جس عورت کو انہوں نے رشوت دی تھی کہ حضرت موسیٰ کے حق میں افتراء کرے، اُسی نے ان کی پاکی کا اقرار کیا۔

--یا--

جس وقت حضرت ہارون کے ساتھ حضرت موسیٰ کوہِ طور پر گئے تھے اور حضرت ہارون نے وہاں وفات پائی، تو بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ کو کہا، کہ تم نے اُن پر حسد کیا اور انہیں قتل کر دیا، تو حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا اور فرشتے انہیں قبر سے نکال لائے اور قوم میں لاکر رکھ دیا، تو معلوم ہوا کہ مقتول نہیں ہیں۔

--یا--

حق تعالیٰ نے حضرت ہارون کو زندہ فرمادیا اور انہوں نے خود اپنے بھائی موسیٰ کو بَری الذمہ ہونے کا اقرار کیا۔

--یا--

بنی اسرائیل کہتے تھے کہ حضرت موسیٰ میں کوئی عیب ہے، اس واسطے کہ یہ تنہا نہاتے ہیں، تو ایک دن انہوں نے اپنے کپڑے اُتار کے پتھر پر رکھ دیے اور خود پانی میں اُترے۔ پس وہ پتھر کپڑوں سمیت چلا اور قوم میں آیا۔ حضرت موسیٰ بھی اُس کے پیچھے ننگے دوڑے اور بنی اسرائیل کو معلوم ہو گیا، کہ ان میں کوئی عیب نہیں۔ (اور وہ اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک آبرو والے تھے)۔ یعنی صاحبِ وجاہت اور صاحبِ قربت --یا-- مقبول --یا-- مستجاب الدعوات تھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝

اَے ایمان والو! ڈرو اللہ کو، اور بولا کرو درست بولی●

(اَے ایمان والو! ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو) خدا سے ناگوار باتیں کرنے میں اور بچو رسول کو ایذاء دینے سے، (اور بولا کرو درست بولی)۔

ایمان والوں کے باب میں اِس کلام سے مراد یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولو اور بات میں کجی نہ کرو، جیسے حضرت عائشہ پر تہمت کی بات اور حضرت زینب کا قصہ، اور بعضوں نے کہا کہ قَوْلًا سَدِيْدًا کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے --یا-- جس بات سے خدا کی رضامندی ڈھونڈیں۔ اور قولِ جامع اس باب میں یہ ہے کہ قَوْلًا سَدِيْدًا وہ بات ہے جو سچ ہو جھوٹ نہ ہو، صواب ہو خطا نہ ہو، سنجیدگی ہو بکواس نہ ہو، خالص ہو اس میں کسی غلط چیز کی آمیزش نہ ہو۔ تو اَے ایمان والو! ایسی بات کہو، تا---

يُّصۡلِحۡ لَـكُمۡ اَعۡمَالَـكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ

کہ درست کردے اللہ تمہارے اعمال کو، اور بخش دے تمہارے گناہ۔ اور جو کہا مانے اللہ اور اُس کے رسول کا،

فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ﴿۷۱﴾

تو بے شک کامیاب ہوا بڑی کامیابی●

(کہ درست کردے اللہ) تعالیٰ (تمہارے اعمال کو)۔ یعنی تمہارے اعمال کو قبول ہونے کی صلاحیت دے اور اُن پر ثواب مرتب کرے۔ (اور بخش دے) تمہارے واسطے (تمہارے گناہ۔ اور جو کہا مانے اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کا)۔ یعنی خدا کے رسول کی اُس نے اطاعت کی، جس چیز میں اُس نے حکم کیا۔ (تو بے شک کامیاب ہوا، بڑی کامیابی)۔ وہ بُرائی سے نکل کر بھلائی کی طرف پہنچ گیا، اور اُس کو اُس کی بڑی مراد یعنی دیدارِ الٰہی ۔۔ یا۔۔ بہشت حاصل ہوگئی۔

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا

بے شک پیش فرمایا ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر، تو انکار کردیا سب نے کہ یہ بار لیں،

وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۙ‏ ﴿۷۲﴾

اور ڈر گئے اِس سے۔ اور اٹھا لیا اِس کو انسان نے۔ بے شک وہ جفاکش نادان ہے●

(بے شک پیش فرمایا ہم نے امانت کو) یعنی طاعتِ الٰہی ۔۔ یا۔۔ شرعی حدود کو۔۔۔

ایک قول یہ ہے کہ 'امانت' سے مراد نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد اور امانت داری ہے۔۔

یا۔۔ فضول بات سے زبان کو بچانا۔ اور بعضوں نے کہا کہ غسلِ جنابت ہے۔ بہر تقدیر۔۔۔

ہم نے پیش کی امانت (آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر) ثواب اور عذاب کی شرط پر، اس وقت جب کہ اُن میں سمجھ پیدا کی تھی، (تو اِنکار کردیا سب نے کہ یہ بار لیں) اور امانت کو اُٹھالیں، (اور ڈر گئے اُس سے) اور بولے کہ ہم اس میں حکم کے تابع ہیں، اس واسطے کہ تُو نے ہمیں پیدا کیا، تو ہمیں نہ ثواب کی حاجت ہے اور نہ ہی عذاب کھینچنے کی طاقت۔

۔۔یا۔۔

پیش کی امانت اہلِ آسمان پر کہ فرشتے ہیں اور زمین اور پہاڑوں کے رہنے والوں پر، کہ دریائی اور خشکی کے جانور ہیں، اور انہوں نے بارِ امانت اٹھانے سے اِنکار کیا۔ خوف کی راہ سے، مخالفت کی وجہ

سے نہیں۔۔۔

(اور اُٹھالیا اُس کو) ضعیف و ناتواں (انسان نے۔ بے شک وہ جفاکش نادان ہے)، جس نے اپنے نفس کو مشقت میں ڈال دیا، اور وہ بارِ امانت اُٹھالیا جس سے بڑے بڑے اجرام، یعنی آسمان، زمین، پہاڑوں نے پہلوتہی کی۔ اور اُس نے باوصف اپنی عاجزی کے، وہ امانت قبول کرلی۔ وہ اس کے انجام سے یعنی اس امانت میں خیانت کے عذاب سے نادان ہے۔ حق تعالیٰ نے اس امانت کو اس لیے پیش فرمایا۔۔۔

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ

تاکہ عذاب دے اللہ منافق مَردوں اور نفاق والی عورتوں کو، اور مشرک مَردوں اور شرک والی عورتوں کو،

وَيَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

اور توبہ قبول کرے اللہ، مومن مرد اور مومنہ عورتوں کی۔

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۧ

اور اللہ غفور رحیم ہے●

ع ۵

(تاکہ عذاب دے اللہ) تعالیٰ (منافق مَردوں اور نفاق والی عورتوں کو) امانت ضائع کرنے کے سبب سے (اور مشرک مردوں اور شرک والی عورتوں کو) امانت میں خیانت کرنے کے سبب سے۔ (اور) تاکہ (توبہ قبول کرے اللہ) تعالیٰ (مؤمن مَرد اور مؤمنہ عورتوں کی) امانت کی حفاظت کے سبب سے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے، یعنی بخشنے والا ہے توبہ کرنے والوں کو۔ اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے اُن پر۔

ایک گروہ نے اِس آیت کے معنی یہ ڈھالے ہیں، کہ اِس امانت کی شان اتنی بڑی ہے، کہ اگر اُن بڑے اجرام پر پیش کی جائے اور اُن کو شعور اور فہم دی جائے، تو اُس امانت کو اٹھانے سے اِنکار کریں۔ اور حق بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ان اجرام کو شعور اور ادراک دیا اور اُن پر اِس امانت کو پیش کیا اور اختیار دے کر پیش کیا، تو انہوں نے اُسے اٹھانے سے انکار کیا، اپنی عاجزی کی حیثیت سے معصیت کی راہ سے نہیں۔ اور انسان نے وہ امانت اٹھالی ہمت کی راہ سے قوت کی وجہ سے نہیں۔

بعض عارفین نے کہا، کہ اُن اجرام پر امانت عرض کی اور انسان پر فرض کی۔ وہاں عرض

تھی، انہوں نے اِنکار کر دیا۔ یہاں فرض تھی، انہوں نے اٹھالی۔ شیخ جنید قدس سرہ نے فرمایا کہ آدم کی نظر خدا کے پیش کرنے پر تھی، امانت پر نہیں۔ پیش کرنے کے مزے نے امانت کا بوجھ بھلا دیا، تو ضرور لطفِ ربانی نے زبانِ عنایت سے فرمایا، کہ اٹھالینا تیری طرف سے ہے، اور نگہبانی میری جانب سے ہے۔ چونکہ تو نے خوشی سے میری امانت کا بوجھ اٹھالیا، میں نے بھی سب میں سے تجھ کو اُٹھالیا اور سب کو تمہارا مسخر کر دیا۔

ایک قول یہ ہے، کہ چاہیے یہاں امانت سے مراد عقل اور تکلیف ہو۔ چونکہ آسمان، زمین اور پہاڑوں کو اُسے اٹھانے کی استعداد نہ تھی، تو انسان نے اپنی قابلیت کے سبب سے قبول کیا۔ اس واسطے کہ **ظَلُوْم** ہے قوتِ غضبی کے غلبہ کے سبب سے، اور **جَهُوْل** ہے قوتِ شہوی کے غلبہ کی جہت سے، اور عقل سے یہ فائدہ ہے کہ دونوں قوتوں کو زیادتی سے بچا کر طریقۂ اعتدال پر ثابت رکھے اور تکالیف سے بڑا مقصود انہی دونوں قوتوں کو اعتدال پر کر دینا ہے، جو صفتِ سبعی اور بہیمی کی نتیجہ ہیں۔ پس 'ظلومی' اور 'جہولی' امانت اُٹھالینے کی علت ہے۔ بعضوں نے کہا کہ انسان کی شان سے ظلم اور جہل ہے، جیسا کہ تُو کہے کہ پانی طہور ہے یعنی طہارت اس کی شان سے ہے، اسی طرح یہ دونوں آدمیوں کی شان سے ہیں۔ لیکن چونکہ آدمی امانت اٹھانے والے ہوئے، تو بعضوں نے 'ظلم' اور 'جہل' چھوڑ دیا اور ایک گروہ اُسی حال پر رہا۔۔یا۔۔خود یہ دونوں صفتیں آدمی کے واسطے اِس اعتبار سے ثابت ہیں، کہ اکثر آدمیوں میں پائی جاتی ہیں۔

یہ قول بھی ہے کہ یہ 'ظلوم وجہول' خلق کے نزدیک ہے، حق تعالیٰ کے نزدیک نہیں۔ خواجہ محمد پارسا کی تفسیر میں مذکور ہے، کہ حق ﷻ نے اہلِ آسمان، اہلِ زمین، اہلِ جبال پر امانت پیش کی، انہوں نے اپنی بے استعدادی کی وجہ سے اُس کے اٹھانے سے اِنکار کیا۔ اور چونکہ انسان کو اُس کو اُٹھانے کی استعداد تھی، اُس نے بے تنگی اور مبالغہ کے قبول کر لی۔ اور وہ 'ظلم' کرنے والا ہے اپنے نفس پر، کہ اپنی ذات کو فنا کرتا ہے 'ھویۃ مطلقہ' میں اور 'جہول' یعنی نادان ہے، کہ خدا کے سوا کسی کو نہیں پہچانتا اور لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہہ کر ماسوئ کی نفی کرتا ہے۔

فتوحات میں ہے کہ امانت 'اسماءِ حسنیٰ' کے ساتھ متصف ہونا ہے، کہ سب موجودات پر پیش کی اور انسان نے قبول کر لی۔ وہ 'ظلوم' ہوتا یعنی اپنے اوپر ظلم کرتا، اگر یہ امانت اُٹھا نہ لیتا۔ اور 'جہول' یعنی عالم ہے اس واسطے کہ اللہ کو جاننے کی نہایت یہ ہے، کہ اُسے پہچاننے

سے اپنے عاجز اور جاہل ہونے کا اقرار ہو۔ بے شک۔۔۔

العجز عن درك الادراك ادراك۔

اُس کے اِدراک کے درک ووا قفیت سے عاجز ہونا ہی اُس کا اِدراک ہے۔

تو جو کہے، کہ میں نے خدا کو سمجھ لیا، اُس نے کچھ نہیں سمجھا۔ اور جو کہے کہ میں نے خدا کو کچھ نہیں سمجھا، سمجھ لو کہ اُس نے کچھ سمجھ لیا ہے۔

بعض بزرگوں نے امانت کو خلافتِ ربانی پر ڈھالا ہے، اور یہ بات کہی ہے کہ 'ظلم اور جہل' 'عدل اور علم' کی ضد ہیں۔ اور جب کوئی چیز اپنی حد سے متجاوز ہو جاتی ہے، تو وہ اپنی ضد میں بدل جاتی ہے، اسی لیے ظلم کی جو آخری حد ہے وہاں سے عدل کا آغاز ہو جاتا ہے۔۔۔ یوں ہی۔۔ جہل کی جو آخری حد ہے، وہاں سے علم شروع ہو جاتا ہے۔ تو 'ظلوم وجہول' مبالغہ کے صیغے ہیں۔ جب یہ دونوں صفتیں اپنی حد سے تجاوز ہوئیں، تو ضرور اپنی ضد کے ساتھ مبدل ہو جائیں گی۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ 'ظلوم وجہول' یہاں پر 'مدح' ہے 'مذمت' نہیں۔ آدم علیہ السلام نے بارِ امانت اپنی ہمت سے اُٹھا لیا جو اُن کی طاقت سے بڑھ کر تھا۔ اُن سے کہا، کہ تم نے ظلم کیا اپنی جان پر، نہ سمجھے کہ بوجھ بھاری ہے۔ جواب دیا، کہ میں غیرِ حق سے جاہل تھا۔ پس اُن کی 'ظلومی اور جہولی' کا شہرہ دونوں عالم میں ہو گیا، اور اہلِ عالم اُس کے بھید سے غافل ہیں۔

اِس مقام کی مناسبت کے لحاظ سے یہ توضیح بھی کی گئی ہے، کہ جب آفتابِ امانت عرض الوہیت کے بُرج سے چمکا، تو آسمان بولا، کہ مجھے بلندی کی صفت حاصل ہے، زمین چلائی کہ مجھے کشادگی کی صفت ثابت ہے، پہاڑ سے آواز آئی، کہ مجھے ثابت قدمی کا وصف حاصل ہے، ہم اِس بوجھ کا تحمل نہیں رکھتے، شاید ہم پر آفت نہ آئے اور یہ صفت ہم سے چھن نہ جائے۔

آدم خاکی بولا، کہ مجھ میں کیا ہے جو مجھ سے چھین لیں گے۔ مَردانہ وار سامنے آیا اور جو بوجھ آسمانوں کے جسم نہ اٹھا سکے، اپنے کاندھے پر لے کر **هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ** کا نعرہ مارنے لگا۔ بس حکم ہوا، کہ اَے خاکی دلیر یہ سب قوت کہاں سے لایا؟ پس یہ مشتِ خاک زبانِ حال سے بولا، کہ بارِ گراں یارِ مہرباں کی مدد سے کھینچ سکوں گا۔

۔۔الغرض۔۔انسان جس کے نام نامی پر **اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً** کا پروانہ لکھا

ہے، اُس کے قامت با استقامت کے سوا کسی کے قد پر امانت اٹھانے کا خلعت ٹھیک نہ ہوا۔ اور جب اتنا بڑا کام اور ایسی بھاری مہم اُس کے نامزد ہوئی، تو حسد کرنے والے شیطان جو اس کے پرانے دشمن ہیں، اُن کی نظر بد سے حفاظت کے لیے، غیرت کی آگ میں ڈال کر **اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا** کا اسپند اُس پر کر دیا، تاکہ جسے دیکھنا اچھا نہ لگے وہ اندھا ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعونہٖ تعالیٰ و بفضلہٖ سبحانہ، آج بتاریخ

۲۹ رصفر المظفر ۱۴۳۳ھ۔ مطابق۔ ۲۴ جنوری ۲۰۱۲ء

بروز سہ شنبہ 'سورہ الاحزاب' کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں

کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی

توفیقِ رفیق عطا فرمائے، اور فکر و قلم کی حفاظت فرماتا رہے۔

آمِیۡن یَامُجِیۡبَ السَّائِلِیۡنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ

بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوۡحُ وَبِحُرۡمَةِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ

سَیِّدِنَا **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

باسمہٖ تعالیٰ و بحمدہٖ آج بتاریخ

یکم ربیع النور شریف ۱۴۳۳ھ۔ مطابق۔ ۲۵ جنوری ۲۰۱۲ء

بروز چہار شنبہ 'سورۂ سبا' کی تفسیر کا آغاز کر دیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ

اِس کی اور پورے کلام پاک کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت

مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

آمِیۡن یَامُجِیۡبَ السَّائِلِیۡنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ

بِحَقِّ ن وص، بِحَقِّ یَابُدُّوۡحُ وَبِحُرۡمَةِ سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ

سَیِّدِنَا **محمد** صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

سورۃ سبا ۳۴ مرکیۃ ۵۸ — آیاتہا ۵۴ رکوعاتہا ۶

سُوْرَۃُ سَبَا

سورہ سبا۔۳۴ مکیہ ۵۸ — آیاتہا ۵۴۔ رکوعاتہا ۶

اِس سورہ مبارکہ کا نام 'سبا' ہے، جو اِسی سورہ کی آیت ۱۵ سے ماخوذ ہے۔ 'سبا' یمن کے ایک علاقہ کا نام ہے، جو 'صنعاء' اور 'حضرموت' کے درمیان ہے، جس کا مرکزی شہر مآرب ہے۔ اِس علاقے میں سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کی ایک شاخ آباد تھی، اس لیے اِس علاقے ہی کو سبا کہا جانے لگا۔ یہ علاقہ بھی بہت سرسبز وشاداب اور نعمتوں سے بھرا ہوا تھا، لیکن جب اُس شہر کے لوگوں نے اُن نعمتوں کی ناشکری کی، تو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں چھین لیں اور اُس شہر کے رہنے والوں کو ہلاک کردیا۔۔۔

سورہ احزاب کے آخر میں دعویٰ فرمایا تھا، کہ اللہ تعالیٰ منافقین اور مشرکین کو عذاب دے گا۔ سورہ سبا کی پہلی آیت میں اُس پر دلیل ہے، کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کا مالک ہے، اس لیے وہ منافقین اور مشرکین کو عذاب دینے پر بھی قادر ہے، اور مؤمنین کو اجر وثواب دینے پر بھی قادر ہے۔ یہ تو رہی سورہ سبا کی سورہ احزاب میں پہلی مناسبت، اِس کے علاوہ چند مناسبتیں اور بھی ہیں۔

۔۔مثلاً: سورہ احزاب کی آخری آیت کے آخر میں فرمایا تھا **وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا** اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔ سورہ سبا میں آیت ۲ کے آخر میں فرمایا **وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ** وہ نہایت مہربان، بہت بخشنے والا۔۔الختصر۔۔دونوں سورتیں اپنے دامنِ کرم میں رحمت وغفران کا مژدۂ جانفزا لیے ہوئے ہیں۔ ایسی مبارک، باکرامت، بشارت آمیز، اور ہدایت افروز سورہ مبارکہ کو۔۔یا۔قرآنِ کریم کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے، اور مؤمنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ

ساری خوبیاں اللہ کے لیے، وہ جس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اُسی کی حمد ہے

فِى الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ①

آخرت میں۔اور وہی حکمت والا باخبر ہے●

(ساری خوبیاں) اچھائیاں، برتریاں، جملہ کمالاتِ تحمیدی اور تمام صفاتِ تنزیہی کے جامع (اللہ) تعالیٰ (کے لیے) ہے۔(وہ) صاحبِ جمال وجلال (جس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے) یعنی بڑی بڑی نعمتوں کے وسائط، (اور جو کچھ زمین میں ہے) یعنی مہربانیوں اور بخششوں کے روابط، (اور اُسی کی حمد ہے آخرت میں)، حکم کرنے کی راہ سے نہیں، بلکہ خوشی کی وجہ سے، جیسا کہ کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰنَا لِهٰذَا۔۔الخ وغیرہا مِنْ اَمْثَالِهَا۔

بعضوں نے کہا، کہ سب آخرت والے اُس کی حمد کریں گے۔دوست اُس کے فضل کے سبب سے حمد وثنا کریں گے، اور دشمن اُس کے عدل کے باعث ستائش کریں گے۔

(اور وہی حکمت والا باخبر ہے)، یعنی وہ ہے کام جاننے والا اور بندوں کے احوال ظاہر اور پوشیدہ حالات سے باخبر۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ

جانتا ہے جو کچھ داخل ہو زمین میں، اور جو نکل پڑے اس سے، اور جو کچھ اُترے آسمان سے،

وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ②

اور جو کچھ چڑھے اس میں، اور وہی رحیم غفور ہے●

وہ (جانتا ہے جو کچھ داخل ہو زمین میں) بارش کا پانی، (اور جو نکل پڑے اُس سے) سبزے گل بُوٹے۔۔یا۔۔جاننے والا ہے اُسے جو کچھ زمین کے اندر ہے جیسے خزانے، دفینے، مُردے، اور جو کچھ زمین کے اوپر ہے حیوان، چشمے، سونا، چاندی۔(اور) جانتا ہے (جو کچھ اُترے آسمان سے) جیسے فرشتے، کتابیں، روزی اور مینھ کے اندازے۔(اور جو کچھ چڑھے اُس میں) جیسے فرشتے، بندوں کے اعمال نامے، اور دُعائیں، اور کلماتِ طیبات، اور ارواحِ طاہرہ۔

ایک قول یہ ہے کہ جو آسمان سے اُترتا ہے، اُس سے حضرت جبرائیل مراد ہیں۔اور جو آسمان پر جاتا ہے، اُس سے جناب سلطان الانبیاء کا شبِ معراج میں آسمان میں تشریف لے جانا مقصود ہے۔بعض عارفین کا ارشاد ہے کہ اُس کے معنی یہ ہیں، کہ اُس کے علم قدیم پر پوشیدہ نہیں، جو اترتے ہیں اولیاء کے دِلوں پر واردات اور کشوفات، اور جو کچھ اوپر جاتے

ہیں اولیاء اور اصفیا کے نفائس انفاس سب اوقات میں۔

۔۔یا۔۔جو کچھ اترتا ہے الطاف وکرم، کہ بارگاہِ قدم سے دلوں کی طرف متوجہ ہوا، جہاں کہیں آشنائی کی بُو آتی ہے وہیں منزل اور مقام کرتا ہے۔اور جو کچھ اوپر جاتا ہے توبہ کرنے والوں کا نالہ اور مفلسوں کی آہ ہے، جب صبح کو اُن کے سینے کے خلوت خانہ سے یہ نالہ وآہ درگاہِ رحمت پناہ کی طرف منہ کرتی ہے، تو فوراً قبول ہو جاتی ہے۔

یہ الطافِ بے پایاں اور کرم بے نہایت کیوں نہ ہو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی زمین وآسمان کا مالک ہے۔(اور وہی رحیم) اور (غفور) بھی (ہے)، یعنی اگر ایک طرف وہ اپنی نعمت پوری کرنے میں مہربان ہے، تو دوسری طرف بندوں کے گناہوں کو اپنے پردۂ رحمت میں چھپانے والا بھی ہے۔

اِس سے پہلے سورۂ الاحزاب، آیت ٦٣ میں قیامت کے آنے کے تعلق سے کافر لوگوں کے سوال کرنے کا ذکر اور اس کا حقیقت افروز جواب بھی ہے۔لیکن کافروں کی یہ عجیب روش تھی، کہ وہ اکثر سوالات صحیح جوابات جاننے کی غرض سے نہیں کرتے تھے، بلکہ ہنسی مذاق کے طور پر۔۔یا۔۔کھلم کھلا تکذیب کرنے کے لیے کرتے تھے۔۔چنانچہ۔۔بکواس کی۔۔۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ

اور بولے جنہوں نے کفر کیا ہے کہ "نہ آئے گی ہم پر قیامت۔" کہہ دو کہ "نہیں کیا میرے عالم الغیب

عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ

رب کی قسم، ضرور آئے گی تمہارے پاس۔" "نہیں غائب ہے اُس سے ذرہ برابر، آسمانوں میں اور نہ زمین میں،

وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٣ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

اور نہ اس سے چھوٹی چیز، اور نہ بڑی، مگر صاف بیان کرنے والی کتاب میں ہے ● تاکہ ثواب دے اُنہیں جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٤

ایمان لائے اور نیکیاں کیں۔ اُنہیں کے لیے مغفرت، اور باعزت روزی ہے●

(اور بولے) وہ لوگ (جنہوں نے کفر کیا ہے، کہ نہ آئے گی ہم پر قیامت)۔اس میں سرے سے قیامت ہی سے انکار ہے۔۔یا۔۔انکار کے ساتھ ساتھ ہنسی اور ٹھٹھا بھی مقصود ہے۔

۔۔الغرض۔۔ابوسفیان نے لات اور عزیٰ کی قسم کھا کر کہا، کہ بعث ونشر کچھ بھی نہیں ہے، تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

اَے محبوب! تم بھی قسم کھاؤ اور (کہہ دو، کہ) وہ بات نہیں ہے جو تم کہتے ہو، (نہیں کیا) یعنی کیونکر نہ آئے گی، (میرے عالم الغیب رب کی قسم، ضرور آئے گی تمہارے پاس)۔ میں اُس رب کی قسم کھا کے کہہ رہا ہوں، جو جاننے والا ہے چھپی چیزوں کو، (نہیں غائب ہے اُس سے ذرّہ برابر آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہ) ہی (اُس سے چھوٹی چیز، اور نہ) ہی (بڑی)۔

۔۔الختصر۔۔نہیں ہے آسمان وزمین کی چھوٹی سے چھوٹی چیز۔۔یا۔۔بڑی سی بڑی شے، (مگر) وہ سب کی سب (صاف بیان کرنے والی کتاب) لوحِ محفوظ (میں) محفوظ (ہے● تاکہ ثواب دے) اللہ تعالیٰ (انہیں جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں)۔ وہ ایمان لانے والوں اور نیک کام کرنے والوں کا گروہ ایسا خوش بخت ہے، کہ (انہیں کے لیے مغفرت) ہے خطاؤں سے، (اور باعزت روزی ہے) جو بے طلب اور بے رنج وتعب انہیں حاصل ہو گی۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝

اور جنہوں نے کوشش کی ہماری آیتوں میں ہرانے کے لیے، انہیں کے لیے دردناک سختی کا عذاب ہے●

(اور جنہوں نے کوشش کی ہماری آیتوں میں ہرانے کے لیے)، یعنی جنہوں نے ہماری آیتیں باطل کرنے میں کوشش کی۔ عناد کرنے والے۔۔یا۔کوشش کرنے والے، اس بات میں کہ لوگ اُن آیتوں سے نفرت کریں۔۔یا۔۔اپنے زعم میں ہم پر پیش لے جانے والے، تاکہ اُن پر سے ہمارا عذاب فوت ہو جائے، تو وہ لوگ وہ ہیں، کہ (انہیں کے لیے دردناک سختی کا عذاب ہے)۔ اہلِ علم کو اچھی طرح معلوم ہے۔۔۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ

اور دیکھ رہے ہیں جن کو علم دیا گیا ہے، کہ جو اتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے، وہ حق ہے۔

وَيَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝

اور بتاتا ہے عزت والے حمد والے کی راہ●

(اور دیکھ رہے ہیں) آپ کے اصحاب۔یا۔مؤمنین اہلِ کتاب (جن کو علم دیا گیا ہے، کہ جو کلام (اُتارا گیا ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے، وہ حق ہے)۔ صحیح اور درست ہے۔ (اور بتاتا ہے عزت والے) خدائے غالب (حمد والے کی راہ) جس کی حمد کی جاتی ہے نعمتوں پر، کمال درجہ کی حمد۔

وَقَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا هَلۡ نَدُلُّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُکُمۡ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ

اور بولے جنہوں نے کفر کیا ہے کہ "کیا ہم بتادیں تمہیں ایسا شخص جو خبر دیتا ہے تمہیں، کہ جب ریزہ ریزہ

کُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّکُمۡ لَفِیۡ خَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ۚ﴿۷﴾

کردیے جاؤ گے تم بالکل، تو تم نئے جنم میں ہوگے"●

(اور بولے جنہوں نے کفر کیا ہے) اور بعث ونشر کا اِنکار کیا ہے اُن کے بعض بعض سے، (کہ کیا ہم بتادیں تمہیں ایسا شخص جو خبر دیتا ہے تمہیں کہ جب ریزہ ریزہ کردیے جاؤ گے تم بالکل، تو تم نئے جنم میں ہوگے)۔

اِس کلام میں کافروں کا اشارہ سیدنا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات کی طرف تھا۔۔۔

جو کہتے ہیں کہ جب ٹکڑے کیے جاؤ گے، یعنی متفرق ہوجائیں گے تمہارے سب اجزا بالکل ٹکڑے ٹکڑے کیے ہوئے، یعنی جب تمہارے جسم بالکل خاک میں ریزہ ریزہ ہوجائیں گے، پھر نئے سرے سے زندہ کیے جاؤ گے۔ کافروں نے باہم کہا کہ جو مَرد یہ خبر دیتا ہے، اُس نے جان بوجھ کر۔۔۔

اَفۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَمۡ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ

کیا گڑھ لیا ہے اللہ پر جھوٹ، یا اُسے جنون ہے؟" بلکہ جو نہیں مانتے

بِالۡاٰخِرَةِ فِی الۡعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الۡبَعِیۡدِ ﴿۸﴾

آخرت کو، وہی عذاب میں، اور دُور کی گمراہی میں ہیں●

(کیا گڑھ لیا ہے اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ، یا اُسے جنون ہے) کہ جو چیز نہیں جانتا وہ کہتا ہے۔ ایسا نہیں جو وہ کہتے ہیں، (بلکہ جو) لوگ (نہیں مانتے آخرت کو وہی عذاب میں) ہیں اُس جہان میں، (اور دُور کی گمراہی میں ہیں) اِس جہان میں ایسی گمراہی جو راہِ صواب سے بہت دُور ہے۔

اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ؕ

تو کیا نہیں نظر کی؟ اُس کی طرف جو اُن کے آگے اور پیچھے آسمان وزمین ہے۔

اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡهِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ

اگر ہم چاہیں تو دھنسادیں اُنہیں زمین میں، یا گرادیں اُن پر ایک ٹکڑا آسمان سے۔

ع ۹

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيبٍ ۝٩ ع

بے شک اِس میں ضرور نشانی ہے ہر توجہ کرنے والے بندے کے لیے ●

(تو کیا) بعث ونشر کے منکرین نے قدرتِ خداوندی میں بالکل غور وتامل سے کام نہیں لیا اور (نہیں نظر کی؟ اُس کی طرف جو اُن کے آگے اور پیچھے آسمان وزمین ہے)، اور یہ آسمان وزمین میں محبوس اور محصور ہیں۔ (اگر ہم چاہیں تو دھنسا دیں انہیں زمین میں، یا گرادیں اُن پر ایک ٹکڑا آسمان سے۔ بے شک اِس میں) یعنی آسمان وزمین پر نظر کرنے میں۔۔یا۔۔زمین میں دھنسا دینے اور آسمان کا ٹکڑا گرادینے کی جو قدرت ہمیں ہے، اُس میں غور وتامل کرنے میں (ضرور نشانی ہے) اور دلالت وعبرت ہے (ہر توجہ کرنے والے بندہ کے لیے) جو حق کی طرف رجوع کرتا ہے، اس واسطے کہ وہ غور وفکر کرتے ہیں ہماری قدرت اور حکمت کی دلیلوں میں۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ ۖ وَأَلَنَّا لَهُ

اور بے شک دے رکھا تھا ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضل۔ کہ "اے پہاڑ واللہ کی تسبیح کرو داؤد کے ساتھ" اور پرندوں کو بھی۔ اور نرم کردیا ہم نے

الْحَدِيدَ ۝١٠ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ ۖ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ

اُن کے لیے لوہے کو ● کہ بناؤ کشادہ زرہیں، اور یکسانیت رکھو کڑیوں کے جوڑنے میں، اور کرتے رہو نیکی۔

إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝١١

بے شک میں، جو کچھ کرو نگراں ہوں ●

(اور بے شک) یہ ہماری قدرت ہی کے جلوے تھے، کہ (دے رکھا تھا ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے فضل) اُس زمانے کے سب لوگوں پر۔ یعنی نبوت۔۔یا۔۔زبور۔۔یا۔۔بادشاہی۔۔یا۔۔حسن خلق۔۔یا۔۔رغبت فیصلہ کرنے میں۔۔یا۔۔عدل کی توفیق۔۔یا۔۔ضعیفوں اور عاجزوں پر بخشش۔۔یا۔۔مناجات کی حلاوت۔۔یا۔۔عِلم اِس بات کا، کہ اُس کی بارگاہ کے سوا اور کوئی التجا اور پناہ کی جگہ نہیں ہے۔

ایک قول ہے کہ 'فضل' سے 'اچھی آواز' مراد ہے۔ اس واسطے کہ داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھنے میں مشغول ہوتے، تو درندے اور وحشی جانور اپنے مقاموں سے نکل آتے، اور اُن کی آواز دل نواز سنا کرتے، اور پرند اُن کے نغماتِ جانفزا سے مضطرب ہوکر اپنے کو ہوا سے زمین پر گراتے۔ بعضوں نے کہا ہے، کہ یہاں 'فضل' سے مراد وہی ہے جس کا ذکر

آگے فرماتا ہے۔۔۔

(کہ اَے پہاڑ والله) تعالیٰ (کی تسبیح کرو داوٗد کے ساتھ) اُن کی تسبیح کے وقت، یعنی اُن کے ساتھ موافقت کرو۔۔یا۔۔جہاں وہ جائیں اور تم کو بھی بُلائیں تم اُن کے ساتھ سیر کرو۔

اور یہ حضرت داوٗد علیہ السلام کا معجزہ تھا، کہ جب وہ چاہتے تو پہاڑ اُن کے ساتھ چلتے۔۔۔

(اور پرندوں کو بھی) اُن کا مسخر کردیا۔۔چنانچہ۔۔ذکر کے وقت وہ اُن کی موافقت کرتے تھے۔

روایت ہے کہ جب حضرت داوٗد تسبیح کہتے، تو پہاڑ آواز سے انہیں مدد دیتے، اور پرند اُن کے سر کے اوپر صف باندھ کر الحانِ دِل آویز سے اُن کی مدد کرتے۔اور وہ نغمے سننے والے بہتیرے اپنی جان دے دیتے۔روایت ہے کہ ایک دن ایک فرشتہ حضرت داوٗد کی زیارت کو آیا اور عرض کیا، کہ آپ خدا کے پیغمبر اور خلیفہ ہیں، اولیٰ یہ ہے کہ آپ کا کھانا آپ کی کمائی سے ہو۔داوٗد علیہ السلام نے خدا سے پیشہ طلب کیا۔حکم ہوا کہ زرہ بنایا کرو اور یہ پیشہ حق تعالیٰ نے اُن پر آسان کردیا۔جیسا کہ فرماتا ہے۔۔۔

(اور نرم کردیا ہم نے اُن کے لیے لوہے کو o کہ بناؤ کشادہ) فراخ دامن (زرہیں اور یکسانیت رکھو کڑیوں کے جوڑنے میں)۔یعنی اُس کی کڑیاں برابر برابر بناؤ تا کہ اُس کی وضع مناسب پڑے۔

حضرت داوٗد ہر روز ایک زرہ بناتے اور چھ ہزار [6000] درم کو بیچتے۔چار ہزار [4000] تصدق کرتے، دو ہزار [2000] اہل وعیال پر خرچ کرتے۔جب حضرت داوٗد نے وفات پائی، تو چھ ہزار [6000] زرہیں اُن کے گھر میں تھیں۔

(اور) کہا ہے ہم نے کہ اَے داوٗد! (کرتے رہو نیکی) اپنے لوگوں کے ساتھ، یعنی اُن کے ساتھ ایسا سلوک کرو جو خالص اور غرضوں سے خالی ہو۔(بے شک میں جو کچھ کرو، نگراں ہوں)، اُسی کے لائق جزا دوں گا۔

حضرت داوٗد کے واقعات میں بھی قدرتِ خداوندی کے جلووں کی تابناکیاں صاف ظاہر ہیں۔۔یوں ہی۔۔اُن کے صاحب زادے حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات بھی قدرتِ خداوندی کا شاہکار ہیں۔۔چنانچہ۔۔ارشاد۔۔۔

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ

اور سلیمان کے لیے ہوا کو، اُس کی صبح کی منزل ایک مہینہ اور شام کی منزل ایک مہینہ۔اور بہادیا ہم نے اُن کے لیے پگھلے تانبے

الۡقِطۡرِؕ وَمِنَ الۡجِنِّ مَنۡ يَّعۡمَلُ بَيۡنَ يَدَيۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖؕ وَمَنۡ يَّزِغۡ

کا چشمہ۔اور کچھ جن تھے، جو کام کرتے اُن کے سامنے، اُن کے رب کے حکم سے۔اور جو کج روی کرے

مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِيۡرِ ﴿۱۲﴾

اُن میں سے ہمارے حکم سے، تو چکھائیں گے ہم اُسے دہکتی آگ کا عذاب●

(اور) فرمانِ خداوندی ہے، کہ ہم نے (سلیمان کے لیے ہَوا کو) مسخر کر دیا۔ (اُس کی صبح کی منزل ایک مہینہ) کی راہ (اور شام کی منزل ایک مہینہ) کی راہ۔

حضرت سلیمان علیہ السلام صبح کو تدمر سے چلتے اور اصطخر شیراز میں قیلولہ کرتے، اور شام کو کابل میں پہنچ کر شب باش ہوتے۔ (اور بہادیا ہم نے اُن کے لیے پگھلے تانبے کا چشمہ)۔ وہ کھان سے پانی کی طرح نکلتا، اور یہ کھان ملکِ یمن میں صنعان کے قریب ایک موضع میں تھی۔ ہر مہینے میں تین دن تانبہ اُس سے بہتا، جو کچھ چاہتے بناتے۔ (اور) حضرت سلیمان کے تابع جنوں میں سے (کچھ جن تھے جو کام کرتے) تھے (اُن کے سامنے اُن کے رب کے حکم سے۔ اور) مقرر کر دیا ہم نے کہ (جو) کوئی جن (کج روی) اور سرکشی (کرے ان) جنوں (میں سے ہمارے حکم سے) اور سلیمان کی طاعت سے، (تو چکھائیں گے ہم اُسے) آخرت میں (دہکتی آگ کا عذاب)۔

اور ایک قول یہ ہے کہ دُنیا میں جو فرشتہ آگ کا کوڑا ہاتھ میں لیے رہتا ہے، وہ جنوں پر مسلط اور مقرر تھا کہ جو جن حضرت سلیمان کے حکم سے باہر ہو، وہ آگ کا کوڑا مار کے اُسے جلا دے۔

دربارِ سلیمانی میں جنوں کی ڈیوٹی یہ تھی، کہ وہ کام۔۔۔

يَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِيۡبَ وَتَمَاثِيۡلَ وَجِفَانٍ كَالۡجَوَابِ

بنایا کرتے اُن کے لیے جو وہ چاہتے محرابی گھر، اور تصویریں، اور لگن جیسے بڑے حوض

وَقُدُوۡرٍ رّٰسِيٰتٍؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُكۡرًاؕ وَقَلِيۡلٌ

اور جمی دھری رہنے والی دیگیں کہ "کرتے رہو اے داؤد والو شکر" اور تھوڑے ہیں،

مِّنۡ عِبَادِيَ الشَّكُوۡرُ ﴿۱۳﴾

میرے بندوں سے شکر گزار●

(بنایا کرتے اُن کے لیے جو وہ چاہتے)۔۔ مثلاً: (محرابی گھر) جس کے دَر اور دالان اچھے اور

دیواریں خوب ہوتی تھیں۔
ایک قول ہے کہ 'محراب' اُس مکان کو کہتے ہیں، کہ ایک درجہ چڑھ کر اُس پر جا سکیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ **مَحَارِیۡبَ** سے یہاں 'حرب' یعنی لڑائی کی جگہ مراد ہے، جیسے اونچے قلعے اور چوڑے پشتے۔ جنوں نے ولایتِ یمن میں حضرت سلیمان کے واسطے عجیب عجیب قلعے بنائے تھے۔

(اور) بناتے تھے (**تصویریں**) یعنی مورتیاں اور فرشتوں کے نام اُن کی خیالی تصویریں، اور انبیاء علیہم السلام کی صورتیں اس وضع پر جس پر کہ وہ عبادت کے وقت رہتے تھے، تاکہ لوگ اُن تصویروں کو دیکھ کر اُسی صورت سے عبادت کریں۔ اور اس زمانہ میں تصویر لینا اور رکھنا مباح تھا۔
'عین المعانی' میں لکھا ہے کہ لوھے سے آدمیوں کی مورتیں بناتے تھے۔ اور جب دشمنوں سے لڑائی کا وقت آتا، تو حق تعالیٰ اُن میں روح پھونک دیتا، تاکہ قتال میں قوی اور سخت رہیں۔
اور بعضوں نے کہا، کہ دو شیر بنائے تھے حضرت سلیمان کے تخت کے نیچے، اور دو کرگس تخت کے اوپر۔ جب حضرت سلیمان چاہتے کہ تخت پر چڑھیں، تو دونوں شیر اپنے شانے پھیلا دیتے اور اُن پر قدم رکھ کر حضرت سلیمان تخت پر چڑھ جاتے۔ اور جب تخت پر بیٹھتے، تو دونوں کرگس اپنے پروں سے اُن پر سایہ کرلیتے۔

(اور) بناتے حضرت سلیمان کے لیے لکڑی وغیرہ کی (**لگن جیسے بڑے حوض**) یعنی وہ کاسے بڑے حوضوں کے مثل ہوتے۔ (**اور جمی دھری رہنے والی دیگیں**) اونچی اونچی تپائی پر رکھیں پہاڑوں کے مانند۔
بارہ ہزار باورچی تھے جو اُن دیگوں میں کھانا پکاتے تھے۔ 'صاحبِ تفسیرِ حسینی' کے زمانہ تک ولایتِ شام میں بعض مقامات پر ایسی دیگیں پتھر سے ترشی ہوئی موجود تھیں۔ مذکورہ بالا نعمتوں کو عطا فرما کر حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

(**کہ کرتے رہو اے داؤد والو! شکر**) ان نعمتوں کا کہ ثابت ہیں۔ (**اور تھوڑے ہیں میرے بندوں سے شکر گزار**)، جنہیں **شَکُوۡر** کہا جا سکے۔ اس لیے کہ **شَکُوۡر** اُسے کہتے ہیں جو دِل اور زبان، اور ہاتھ پاؤں سے اکثر اوقات مراسم شکر گزاری ادا کرے۔ اور شکر میں باوصف اِس قدر ڈوبے رہنے کے اپنے کو ادائے شکر سے عاجز جانے، اِس واسطے کہ شکر کی توفیق ایک اور نعمت ہے جو دوسرے شکر کو چاہتی ہے۔

اور اسی جگہ سے کہا ہے، کہ **شکور** یعنی حقیقی شکر گزار وہ ہے جو دیکھے اپنا عجز ادائے شکر سے۔روایت ہے کہ بیت المقدس کی بنا حضرت داوٗد علیہ السلام نے شروع کی تھی، اور حضرت سلیمان نے اُسے پورا کرنے میں بڑی کوششیں کیں۔ابھی اُس کے پورا ہونے میں سال بھر کا کام باقی تھا، کہ موت کا پیام حضرت سلیمان کو آپہنچا، تو ایک روایت کے مطابق اخیر وقت حضرت سلیمان نے اپنے لوگوں کو وصیت کی کہ میری موت ظاہر نہ کرنا، اور مرنے کے بعد مجھے میرے عصے کی ٹیک لگا کر کھڑا کر دینا، تا کہ جن اپنے کام سے باز نہ رہیں اور مسجد کا کام پورا ہو جائے۔

پھر جب سلیمان علیہ السلام اس جہان سے گزر گئے، تو انہیں غسل دیا جنازہ کی نماز پڑھی، اور عصے کی آڑ میں کھڑا کر دیا۔جن دُور سے انہیں زندہ جانتے تھے، اور اپنے اپنے کام میں مستعد تھے، یہاں تک کہ ایک سال گزرنے کے بعد عصے کو نیچے کی طرف سے دیمک نے کھالیا اور حضرت سلیمان زمین پر آرہے، تو سبھوں کو اُن کی موت کا حال معلوم ہوا۔جن بھاگے اور پہاڑوں کی کھائیوں اور جنگلوں کے درمیان میں چل دیے، جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔۔۔

فَلَمَّا قَضَيۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّهُمۡ عَلٰى مَوۡتِهٖۤ اِلَّا دَآبَّةُ الۡاَرۡضِ

پھر جب حکم بھیجا ہم نے ان پر موت کا، تو نہ پتا دیا اُن جنوں کو اُن کی موت کا، مگر دیمک نے،

تَاۡكُلُ مِنۡسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ الۡغَيۡبَ

کہ کھاتی رہی اُن کا عصا۔چنانچہ جب وہ گر پڑے، تو کھل گئے جن۔کہ اگر جانتے غیب کو،

مَا لَبِثُوۡا فِى الۡعَذَابِ الۡمُهِيۡنِ ؕ ۱۴

تو نہ پڑے رہتے ذلت والے عذاب میں●

(**پھر جب حکم بھیجا ہم نے اُن پر موت کا**) اور مرنے کے بعد انہیں لوگوں نے عصے کی ٹیک لگا کر کھڑا کر دیا، (**تو نہ پتہ دیا اُن جنوں کو اُن کی موت کا مگر دیمک نے**)، جو (کہ) زمین سے نکلی اور (**کھاتی رہی اُن کا عصا۔۔چنانچہ۔۔جب وہ گر پڑے تو کھل گئے جن**) یعنی جان لیا جنوں نے، کہ اگر جانتے غیب کو جیسا کہ اُن کے بعض کو گمان تھا کہ وہ غیب جانتے ہیں اور لوگوں سے ایسا ہی ظاہر کرتے تھے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے، (**کہ اگر جانتے غیب کو، تو نہ پڑے رہتے**) سال بھر (**ذلت والے عذاب**

میں)اور عمارت بنانے میں جو سخت تکلیفیں اُن کو اُٹھانی پڑیں وہ نہ اُٹھاتے۔

اِس آیت کی تفسیر میں یہ بات بھی کہی گئی ہے، کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کے اوپر موت کا حکم نافذ کردیا، تو اُن کی موت پر جنات کو صرف دیمک نے مطلع کیا جو اُن کے عصا کو کھا رہی تھی۔ پھر جب سلیمان گر پڑے تب جنات پر یہ بات آشکارا ہوئی، کہ اگر اُن کو غیب ہوتا، تو وہ اس ذلت والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

اِس مقام پر حضرت سلیمان کی وفات کے تعلق سے یہ روایت بھی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دُعا کی، کہ اَے اللہ! جنات کو میری موت سے ناواقف رکھ، حتی کہ انسانوں کو معلوم ہوجائے کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔ پھر آپ عصا کے سہارے ٹیک لگا کر کھڑے ہوگئے اور جنات آپ کو زندہ سمجھ کر کام میں مشغول رہے۔ اِدھر دیمک اُس عصا کو کھاتی رہی اور انسانوں کو معلوم ہوگیا، کہ جنات کو غیب کا علم نہیں ہوتا، کیونکہ اگر اُن کو غیب کا علم ہوتا، تو وہ ایک سال تک کام کی مشقت میں مبتلا نہ رہتے۔

۔۔قصہ مختصر۔۔ حضرت سلیمان خود اپنے عصا کے سہارے کھڑے ہوئے تھے، ایسا نہیں تھا کہ وصیتِ سلیمانی کے سبب دوسروں نے بعد وفات آپ کو عصا کی ٹیک لگا کر کھڑا کردیا ہو۔ اور اُسی حال میں اُن کی روح قبض کرلی گئی اور ایک سال تک جن اور انسان یہی گمان کرتے رہے کہ آپ زندہ ہیں۔ آپ کے جسم میں کوئی تغیر نہیں ہوا اور نہ چہرے کی آب و تاب اور رعب وجلال میں کوئی فرق آیا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی ہوتی ہے اور موت سے اُن کا جسم بوسیدہ نہیں ہوتا، اور اُن کی حیات اور موت میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

باقی رہا یہ کہ وہ عصا کے سہارے کھڑے تھے اور جب دیمک نے اُن کے عصا کو کھالیا، تو وہ زمین پر آرہے۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کو اُن کی تجہیز و تکفین کرانی تھی، اور ان کی تدفین کرانی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ امور کیسے واقع ہوتے؟ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں سے نکل کر زمین وآسمان کے اطراف میں آتے جاتے ہیں اور تصرف کرتے ہیں۔ اس مختصر میں اِس تعلق سے اِس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اِس سورۂ مبارکہ کی تفسیر کے شروع میں سبا نام کے یمن کے جس علاقے اور قبیلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔۔۔

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِیْ مَسْكَنِهِمْ اٰیَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنْ یَّمِیْنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوْا

بلاشبہ قبیلہ سبا کے لیےاُن کی بستیوں میں نشانی ہے۔دو باغ داہنے بائیں۔۔۔کہ کھاؤ

مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَیِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

اپنے رب کی روزی،اور شکرادا کرواُس کا،پاکیزہ شہراور پالنے والا بڑامغفرت والا●

(بلاشبہ) اُس (قبیلہ سبا کے لیےاُن کی بستیوں میں نشانی ہے) یعنی علامت ہے جو وجودِ صانع اوراس کی قدرتِ کاملہ پر روشن دلالت ہے۔

قومِ سبا یمن میں رہتی تھی،قومِ تبع بھی انہیں میں سے تھی،بلقیس بھی یہیں کی رہنے والی تھی۔یہاں لوگ بہت نعمتوں اورراحتوں میں تھے۔اُن کے دونوں جانب پہاڑ تھے، جہاں سے نہریں اور چشمے بہہ بہہ کراُن کے شہروں میں آتے تھے۔اِسی طرح نالےاوردریا بھی اِدھر اُدھر سے آتے تھے۔قدیم بادشاہوں میں سے کسی نے اُن دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک مضبوط پشتہ بنوادیا تھا،دریا کے دونوں جانب باغ اور کھیت اُگادیے تھے، پانی کی کثرت اورزرخیز ہونے کی وجہ سے یہ علاقہ بہت سرسبز رہا کرتا تھا۔

قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اگرکوئی عورت اپنے سر پرٹوکرا رکھ کرنکلتی،تو کچھ دُور جانے کے بعدوہ ٹوکرا پھلوں سے بھرجاتا۔درختوں سے اتنا زیادہ پھل گرتے تھے کہ ہاتھ سے توڑنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ مآرب میں ایک دیوارتھی جوصنعاء سے تین منزل پرتھی اور 'سدمآرب' کے نام سے مشہورتھی،وہاں زہریلے جانوراور مکھی اور مچھر بھی نہیں ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ تمام نعمتیں اس لیےتھیں،کہ وہ اللہ تعالیٰ کوواحد ماننے پر برقراررہیں اوراخلاص کے ساتھ اُس کی عبادت کریں۔ یہ اُس نشانی کی تفصیل ہے جس کا ذکر اِس آیت زیرتفسیر میں ہے۔اس میں جس بستی کا ذکر ہے۔۔۔

(دوباغ) اُس میں تھے،ایک (داہنے) طرف اوردوسرا (بائیں) طرف، بڑے ہی سرسبز و شاداب،میووں اورپھلوں سے بھرے ہوئے،تا (کہ کھاؤ) اَے اس علاقے کے رہنے والو! (اپنے رب کی) عطاکردہ (روزی)۔

۔۔المختصر۔۔اُس عہد کے پیغمبروں نے اُن نعمتوں کوکھانے کی اجازت دی (اور) ساتھ ساتھ ہدایت فرمادی، کہ (شکرادا کرواُس کا) اور جان لوکہ یہ شہرجس میں۔۔یا۔۔جس سے روزی دیتا ہے

خدا تم کو، (پاکیزہ شہر) ہے۔ جہاں کی ہوا تندرست رکھنے والی ہے، اور پانی میٹھا ہے، اور خاک پاک ہے۔ وہاں مچھر، کھٹمل، بچھو، کچھ نہ تھے، اور کپڑوں میں بھی چیلھڑ نہ پڑتے تھے۔ جو مسافر وہاں پہنچتا، اُس کے کپڑوں کے چیلھڑ بھی مَر جاتے۔

۔۔الحاصل۔۔ بہت ہی آرام دہ اور راحت فزا شہر ہے (اور پالنے والا بڑا مغفرت والا) ہے یعنی شرک سے توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ

تو اُنہوں نے روگردانی کی، تو ہم نے کھول دیا اُن پر زور کے سیلاب کا بند، اور بدل دیا ہم نے اُنہیں، اُن کے دو باغوں کے عوض

ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّاَثْلٍ وَّشَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿١٦﴾

دو دوسرے باغ، بدمزہ پھل والے، اور جھاؤ، اور کچھ تھوڑی سی بیریاں●

(تو انہوں نے روگردانی کی) اپنے پیغمبروں سے اور اُن کی ہدایت پر عمل نہیں کیا۔۔چنانچہ۔۔ ربّ کریم کی شکر گزاری نہیں کی۔

روایت ہے کہ تیرہ [۱۳] پیغمبر اُن کے پاس آئے، اُنہوں نے سب کی تکذیب کی، یہاں تک کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے اُٹھ جانے کے بعد ان میں جو آخری پیغمبر مبعوث ہوئے، اُن کو اُن ناشکروں نے بہت ایذاء دی، تو حق تعالیٰ نے جنگلی چوہے اُس پانی کے باندھ کے نیچے پیدا کر دیے اور انہیں حکم فرمایا، تو انہوں نے اس باندھ میں سوراخ کر دیے۔ آدھی رات کو، کہ جب سب سوتے تھے باندھ ٹوٹ گیا۔ ہر طرف سے پانی کا ریلا آ گیا۔ بس ان ناشکروں کے مکان اور باغ برباد ہو گئے اور چار پائے ہلاک ہو گئے، اور بے شمار آدمی لاپتہ ہو گئے۔ جیسا کہ خود حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ۔۔۔

جب انہوں نے حق سے منہ پھیرا، (تو ہم نے کھول دیا اُن پر زور کے سیلاب کا بند)۔

بعضوں نے کہا عَرِم اُس پانی کے باندھ کا نام تھا۔۔یا۔۔اس جنگل کا نام تھا جس سے پانی آتا تھا۔۔یا۔۔اس جنگلی چوہے کا نام تھا جس نے باندھ میں سوراخ کیا تھا۔

(اور بدل دیا ہم نے انہیں اُن کے دو باغوں کے عوض، دو دوسرے باغ، بدمزہ پھل والے اور جھاؤ اور کچھ تھوڑی سی بیریاں)۔ ایسے مقام کو باغ کہنا ہم شکل باغ ہونے کے سبب سے ہے۔ اُس

شور زمینوں میں تھوڑے سے بیر کے درخت ہم نے پیدا کر دیے، تا کہ اُس کے سبب سے گزرے ہوئے میوے یاد کریں جو لوگ اُس کا ذائقہ لے چکے ہیں۔۔یا۔۔اُس کے تعلق سے واقعات اور حالات سن چکے ہیں۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَهَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

یہ سزا دی ہم نے اُنہیں جو اُنہوں نے کفر کیا۔ اور ہم نہیں سزا دیتے، مگر ناشکرے کو●

(یہ) عذاب کر کے (سزا دی ہم نے انہیں) بہ سبب اُس کے (جو انہوں نے کفر کیا) اور ناشکری کر کے رسولوں پر ایمان نہ لائے۔ (اور) جان لو کہ (ہم نہیں سزا دیتے مگر ناشکرے کو)۔

ایک قرأت کی روشنی میں ترجمہ یہ ہے کہ "کیا سزا دیا جاتا ہے مگر ناشکرا"۔ جزا عام ہے ہر مؤمن اور کافر کو اور مجازات کفار کے ساتھ خاص ہے۔ روایت ہے کہ شہر سبا میں جو لوگ باقی رہ گئے تھے انہوں نے پیغمبر کے پاس آ کر کہا، کہ ہم نے اپنے خدا اور رسول کو پہچان لیا، اس کے بعد اگر پھر وہ ہم کو نعمت عطا فرمائے، تو ہم ناشکری نہ کریں گے۔ اور اتنی عبادت کرتے رہیں گے کہ کبھی کسی قوم نے نہ کی ہوگی۔ تو حق تعالیٰ نے دوسری بار نعمت کا دروازہ اُن پر کھول کر فرمایا، کہ۔۔۔

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً

اور کر دیا ہم نے اُن کے درمیان اور اُن آبادیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی ہے کھلی راہ پر،

وَّقَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَاَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

اور اندازے پر رکھا ہم نے اُن میں سفر کو، کہ چلو پھرو اُن میں رات دن امن و امان سے●

(اور کر دیا ہم نے اُن کے درمیان) یعنی سبا کے درمیان، (اور اُن آبادیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دے رکھی ہے) ولایتِ شام میں سے، جیسے فلسطین، اردن، اریحا اور ایلیا (کھلی راہ پر) کئی نمایاں بستیاں، جو ایک دوسرے کے متصل اور قریب قریب تھیں۔

'بحرالمعانی' میں ہے کہ مآرب، جو سبا والوں کا مسکن تھا، سے لے کر شام تک درمیان میں چار سو سات بستیاں تھیں۔

(اور اندازے پر رکھا ہم نے اُن میں سفر کو)، یعنی ہم نے ان بستیوں میں سفر کی منازل مقدر

کردیں، تا (کہ چلو پھرو اُن میں رات دن امن وامان سے)۔ ایسے بہتر طریقے سے کہ ایک بستی سے صبح کو چلنے والا دوپہر کو دوسری بستی میں قیلولہ کر سکے۔ پھر دوپہر کے بعد چلے، تو شام کو ایک اور بستی میں پہنچ جائے اور وہاں شب باشی کے بعد اُسی طرح آرام سے چلتے چلتے آسانی سے ملک شام پہنچ جائے۔ اُسے راستہ طے کرنے کے لیے زادِراہ کی ضرورت نہ پڑے، اور نہ ہی پانی ساتھ لے جائے۔ یہ اُن کی نعمتوں کی تکمیل ہے کہ علاوہ دیگر نعمتوں کے سفر وحضر میں ہر طرح کی نعمتوں سے نوازے ہوئے ہوں۔

جب انہیں سیر کی قدرت دی گئی اور سیر کے اسباب مہیا فرمادیے گئے، تو گویا زبانِ حال سے اب انہیں اجازت دے دی گئی، کہ اُن بستیوں میں اپنی ضروریات کے لیے جاؤ جب چاہو راتوں میں۔۔یا۔۔دنوں میں۔ جب ان آبادیوں میں تمہاری کثرت ہوگی، تو نہ دشمن حملہ کر سکیں گے اور نہ ہی چور آسکیں گے اور نہ ہی درندے۔۔الغرض۔۔تم مامون ومحفوظ رہو گے۔۔یا۔۔امن پاؤ گے بھوک اور پیاس سے بسبب اس کے کہ تمہاری بستیاں آباد اور سرسبز ہیں، کسی وقت میں بھی تمہارے امن اور چین میں کمی نہیں آئے گی۔

۔۔یا۔۔یہ معنی ہے، کہ۔۔۔

تم اپنی زندگی کے دن اور رات امن وچین سے گزاروگے۔ اپنی زندگی کے تمام لحات میں امن اور چین پاؤ گے، لیکن یہ امر حقیقی طور پر نہیں، بلکہ صرف اس معنی پر کہ تمہیں سیر مذکور پر پوری قوت دی گئی ہے اور تمہاری سیر کے اسباب آسان بنادیے گئے ہیں۔

اہلِ سبا نعمتیں پاکر اکڑ گئے، بلکہ کثرتِ عیش وعشرت سے اُکتا گئے، اور تندرستی وعافیت سے اُن کا جی بھر گیا، اِسی لیے دکھ درد اور تکالیف کے اُسی طرح خواہاں ہوئے جیسے بنی اسرائیل نے 'من وسلویٰ' سے اُکتا کر لہسن اور پیاز وغیرہ مانگا، اور کہتے کہ کاش یہ باغات اور پھل ہم سے کوسوں دُور ہوتے، تاکہ ہمیں اُن کی خواہش نہ ہوتی۔ اور آرزو کی کہ شام اور اُن کے شہروں کے درمیان باغات اور آبادی کے بجائے جنگلات ہوں، تاکہ وہ سواریوں پر سفر کریں اور زادِراہ کو سر پر اُٹھا کر سفر کریں اور فقر وفاقہ اتنا کہ ہم دوسرے فقراء اور تنگدستوں پر فخر و مباہات کر سکیں۔ یعنی دولتمندوں نے فقیروں اور تنگدستوں پر حسد کیا، کہ ہمارے اور اُن کے درمیان سفر طے کرنے کا کوئی فرق نہیں۔ اسی لیے جب اس امتیاز کے لیے کہ دولتمند سوار ہو کر جائیں اور فقراء وتنگدست پیدل، انہیں کوئی شکل نظر نہ آئی۔۔تو۔۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ

پھر اُنہوں نے دُعا کی کہ پروردگارا! دُور کردے ہماری منزلوں کو، اور بُرا کیا خود اپنا، تو بنادیا ہم نے اُنہیں کہانیاں،

وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑲

اور تتر بتر کردیا اُنہیں بالکل۔ بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں ہر صبر کرنے والے شکر گزار کے لیے●

(پھر انہوں نے) یعنی اُن کے اغنیاء نے (دُعا کی کہ پروردگارا! دُور کردے ہماری منزلوں کو)، یعنی ایک منزل سے دوسری منزل تک جنگل پیدا فرمادے، تا کہ لوگ زادِراہ اور سواری کے بغیر سفر نہ کرسکیں۔ (اور) حقیقت یہ ہے کہ یہ دُعا کرکے انہوں نے (بُرا کیا خود اپنا) شرک میں ملوث ہوکر، کفرانِ نعمتِ خداوندی کرکے۔ انبیاءِ کرام کی تکذیب کرکے، خدائی قہر وغضب کے مستحق ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کی دُعا فوراً قبول فرمالی، یہاں تک کہ اُن کے شہر فوراً تباہ وبرباد ہوگئے۔ وہاں چٹیل میدان بنادیا گیا، کہ نہ کوئی بُلانے والے کی بات سنے اور نہ ہی جواب دے۔ (تو بنادیا ہم نے انہیں کہانیاں)، اِس حیثیت سے کہ لوگ تعجب کرتے ہوئے ایک دوسرے سے اُن کے حالات سنیں گے اور اُن کے انجام وعاقبت سے عبرت حاصل کریں گے۔

(اور تتر بتر کردیا انہیں بالکل) یہاں تک کہ اُن میں ایک بھی مآرب میں نہیں رہا۔ قبیلہ غسان تو شام چلا گیا، اور قضاعہ مکہ میں، اور اسد بحرین میں، اور انمار یثرب میں، اور جزام تہامہ میں اور ازد عمان میں۔ (بے شک) جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے (اُس میں ضرور نشانیاں ہیں) عبرتیں ہیں (ہر صبر کرنے والے) کے واسطے جو محنتوں پر صبر کرتا ہے، اور (شکر گزار کے لیے) جو نعمتوں پر شکر کرتا ہے۔۔ چنانچہ ۔۔ تاریخ گواہ ہے کہ اہلِ سبا خوش حالی کے ساتھ بسر کرتے تھے، بے صبری اور ناشکری کے سبب سے گزری جو کچھ اُن پر گزری۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا

اور واقعی سچا کر دکھایا اُن پر ابلیس نے اپنا گمان، چنانچہ اُنہوں نے پیروی کی اُس کی، مگر ایک گروہ

مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑳

مسلمانوں کا●

(اور واقعی سچا کر دکھایا اُن پر) اُن کے عہد میں اور دیگر کافروں پر اُن کے اُن کے دَور میں (ابلیس نے اپنا گمان)۔ شیطان نے گمان یہ کیا تھا کہ آدمیوں پر میں قابو پاؤں گا، اُن کی شہوت اور اُن کے غضب کے سبب سے جو اُن کے اندر موجود ہے، اور اُسی سبب سے میں اُن کو گمراہ کروں گا، تو اُس کا گمان گمراہوں کے باب میں سچا ہوا۔ (چنانچہ انہوں نے پیروی کی اُس کی) شرک اور معصیت میں، (مگر ایک گروہ مسلمانوں کا) کہ وہ مستثنیٰ ہیں جن پر شیطان کا قابو نہ چل سکا۔

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ

اور نہ تھا اُسے اُن پر کوئی قابو، مگر تا کہ ہم چھانٹ بتائیں جو مانتا ہے آخرت کو

مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِىْ شَكٍّ ۗ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۱۲ ۸

اُس سے، جو اُس کی طرف سے شک میں ہے۔ اور تمہارا رب ہر ایک کا نگراں ہے●

(اور) یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ (نہ تھا اُسے اُن) لوگوں (پر) جن کے باب میں اُس کا گمان محقق ہوا (کوئی قابو) یعنی تسلط و غلبہ، (مگر) اُس میں حکمت یہ تھی (تا کہ ہم چھانٹ بتائیں) اور الگ الگ ظاہر کر دیں اُسے (جو مانتا ہے آخرت کو اُس سے، جو اُس کی طرف سے شک میں ہے)، تا کہ ہمارے دوست اہلِ ایمان والوں اور شک والوں کو پہچان لیں۔ (اور تمہارا رب ہر ایک کا نگراں ہے)۔ یعنی وہ ہر چیز کا عالم ہے، اس لیے وہ بندوں کو جزا اور سزا دیتا ہے۔

آیاتِ سابقہ میں قدرتِ خداوندی کے بعض آثار کا ذکر ہے۔ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے، اے محبوب! اُن بنی ملیح کے مشرکین سے۔۔۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ

کہہ دو کہ "دہائی دے کر دیکھ لو اُن کی جن کو تم لوگوں نے خیال کر لیا ہے اللہ کے خلاف، کہ نہیں مالک ہیں

ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ

وہ ذرہ بھر کے، آسمانوں میں اور نہ زمین میں، اور نہیں ہے اُن کا دونوں جگہ میں کوئی حصہ،

وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

اور نہیں ہے اللہ کا اُن سے کوئی پشت پناہ"●

(کہہ دو، کہ دُہائی دے کر دیکھ لواُن کی) کہ جن چیزوں کا میں نے ذکر کیا ہے، کیا تمہارے خودساختہ معبودوں کوان چیزوں میں سے کسی چیز پر قدرت ہے؟۔۔الحاصل۔۔مدد کے لیے پکاروان کو (جن کو تم لوگوں نے خیال کرلیا ہے اللہ) تعالیٰ (کے خلاف) ومدمقابل معبود، اور پھر دیکھو نفع حاصل کرنے اور ضرر دُور کرنے میں اُن سے مدد پاتے ہو؟ یعنی بے خدا کی مدد کے انہیں کچھ اختیار اور قدرت نہیں ہے۔

۔۔یا۔۔سب کافروں سے کہو کہ اپنے خداؤں کو پکارو، کہ کچھ تمہارا کہا مانیں۔اور کیونکر وہ تمہاری عرض قبول کرسکتے ہیں، اس واسطے (کہ نہیں مالک ہیں وہ ذرّہ بھر کے آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہیں ہے اُن کا دونوں جگہ میں کوئی حصہ)۔یعنی نہ تو یہ پیدا کرنے میں شریک ہیں اور نہ ہی تصرف کرنے میں۔(اور نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (کا) تدبیر وتقدیر میں (ان) بتوں اور فرشتوں میں (سے کوئی پشت پناہ) اور یار ومددگار۔

یادرکھو کہ بارگاہِ خداوندی میں اپنے جن سفارشیوں کی شفاعت کا گمان رکھتے ہو، وہ شفاعت فائدہ بخش اور سودمند نہ ہوگی۔۔۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ

اور نہ کام آئے گی سفارش اُس کے یہاں، مگر جسے اجازت دی۔ یہاں تک کہ جب دُور کردی گئی گھبراہٹ

قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿٢٣﴾

اُن کے دلوں سے، تو باہم بولے کہ "اخاہ، کیا فرمایا تمہارے رب نے؟" بولے کہ "حق فرمایا" اور وہی بلند بڑا ہے●

(اور نہ کام آئے گی سفارش اُس کے یہاں، مگر جسے) اُس نے سفارش کرنے کی (اجازت دی) اور جس کے واسطے اجازت دی۔ قیامت کے دن شفاعت کرنے والا اور وہ جس کی شفاعت کرے گا، دونوں منتظر رہیں گے اور خوف میں ہوں گے، کہ دیکھیے حضرت رب العزۃ سے کیا حکم ہوتا ہے۔اور اسی انتظار میں رہیں گے، (یہاں تک کہ جب دُور کردی گئی گھبراہٹ اُن کے دلوں سے) یعنی شفاعت کی اجازت عطا فرمادی گئی۔۔۔

(تو باہم بولے، کہ اخاہ)، آہا بہت خوب۔ (کیا فرمایا تمہارے رب نے) شفاعت کے باب میں۔ تو وہ (بولے، کہ حق فرمایا) یعنی صحیح اور درست فرمایا۔ اور صاف وضاحت فرمادی، کہ شفاعت

کرنے والے صرف مؤمنین کی شفاعت کریں گے، کافروں کی نہیں۔ (اور وہی بلند بڑا ہے) یعنی خدا برتر اور بڑھ کر اس بات سے، کہ پیغمبر اور فرشتے بغیر اُس کے اِذن کے شفاعت کرسکیں۔

اَے محبوب! مؤمنین موحدین کی حقانیت کو ظاہر کرنے کے لیے اور مشرکین کو ساکت کرنے کے لیے اور اُن سے اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کا اقرار کرانے کے لیے اُن کافروں سے۔۔۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ

پوچھو کہ "کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمانوں اور زمین سے۔" جواب بتادو کہ "اللہ"، اور بلاشبہ ہم یا تمہیں

لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾

ہدایت پر ہیں یا کھلی گمراہی میں●

(پوچھو، کہ کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمانوں) سے مینھ برسا کر (اور زمین سے) سبزہ اُگا کر۔ یہ کفار دِل سے ماننے کے باوجود الزام کے خوف سے اِس سوال کا جواب زبان پر نہ لائیں گے، تو اَے محبوب! تمہیں (جواب بتادو) اور وہ بھی ایسا جواب کہ اُس سوال کا اُس کے سوا کوئی جواب ہی نہیں جس کے کفار بھی دِل سے معترف ہیں۔ اور وہ جواب یہ ہے (کہ اللہ) تعالیٰ، یعنی اللہ تعالیٰ ہی روزی دیتا ہے۔

(اور) اُن سے یہ بھی کہو، کہ (بلاشبہ ہم) مؤمن جو روزی دینے والے کو 'ایک' کہتے ہیں اور اُس 'وحدہٗ لاشریک' کی عبادت کرتے ہیں، جو ہر صفت میں ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں، (یا تمہیں) یعنی تم مشرک لوگ جماد کو جو ممکنات میں مرتبہ کی راہ سے سب سے کمتر ہے، واجب الوجود کے ساتھ شریک کرتے ہو۔ الحاصل۔۔ ہم دونوں کے متضاد عقائد ہیں۔۔ لہٰذا۔۔ دونوں تو سچے نہیں ہوسکتے، ضرور ایک حق پر ہے اور دوسرا باطل پر ہے۔ ایک ہدایت پر ہوگا اور دوسرا گمراہ ہوگا۔

۔۔الحاصل۔۔ ہم دونوں میں سے صرف ایک ہی گروہ کے لوگ (ہدایت پر ہیں یا) پھر (کھلی گمراہی میں) ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ وہی گمراہ ہے جو بے جان بتوں کو اپنا معبود اور حاجت روا کہتا ہے، جن کا آسمان اور زمین سے روزی پہنچانے میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ وہ بارش برسا سکتے ہیں نہ کسی چیز کو اُگا سکتے ہیں۔ اس لیے موحد ہی حق پر ہے نہ کہ مشرک۔ اَے محبوب! اُن کافروں سے۔۔۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

کہہ دو کہ "تم نہ پوچھے جاؤ گے جو ہم نے جرم کیا، اور نہ ہم پوچھے جائیں گے جو تم لوگ کرتے ہو"●

(کہہ دو، کہ تم نہ پوچھے جاؤ گے جو)۔۔بالفرض۔۔(ہم نے جرم کیا اور نہ ہم پوچھے جائیں گے جو تم لوگ کرتے ہو)۔ بلکہ ہمارا پروردگار ہر ایک سے اُسی کے اعمال پوچھے گا، اور اُس کے مناسب جزا دے گا۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ۗ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿٢٦﴾

کہہ دو کہ "اکٹھا فرمائے گا ہم سب کو ہمارا رب، پھر فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان بالکل حق۔اور وہی فیصلہ فرمانے والا علم والا ہے"●

اَے محبوب! (کہہ دو، کہ اکٹھا فرمائے گا ہم سب کو ہمارا رب، پھر فیصلہ کرے گا ہمارے درمیان بالکل حق)۔پس جو لوگ حق پر ہیں انہیں باغِ وصال میں بھیجے گا، اور جو باطل پر ہیں اُن کو زندان وبال میں۔(اور وہی فیصلہ فرمانے والا) ہے مشکل قضیوں میں۔اور (علم والا ہے) یعنی جاننے والا ہے حکم کی کیفیت۔اَے محبوب! اُن کافروں سے۔۔۔

قُلْ اَرُوْنِیَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٢٧﴾

کہو کہ "مجھے تو دکھادو سکت اُن شریکوں کی، جن کو ملا رکھا ہے تم نے اللہ سے۔" ہرگز نہیں، بلکہ وہ اللہ ہی غلبہ والا حکمت والا ہے●

(کہو، کہ مجھے تو دکھادو سکت اُن شریکوں کی جن کو ملا رکھا ہے تم نے اللہ) تعالیٰ (سے)۔ذرا دکھاؤ تو، کہ کس صفت کے سبب سے بتوں کو خدا کا شریک بناتے ہو عبادت میں۔تمہارا یہ شریک کرنا بتوں کی صلاحیت وحقیت اور غلبہ وقدرت کے سبب سے (ہرگز نہیں)، اس لیے کہ یہ بت غلبہ وحکمت اور صلاحیت وقدرت والے ہیں ہی نہیں۔(بلکہ وہ اللہ) تعالیٰ (ہی) ہے جو (غلبہ والا) ہے سب پر، کوئی اُس کا شریک ہونے کا دم نہیں مار سکتا۔اور (حکمت والا ہے) یعنی جاننے والا ہے اُن احکام کا جو اس حکمت کے ساتھ موصوف ہیں جو حدِ کمال تک پہنچی ہوئی ہے، تو پھر خدا کے ساتھ کسی کی ہمسری کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟

اَے محبوب! آپ کتنی ہی سلیس اور دِل نشین انداز سے اپنے ارشاد پیش فرمائیں، جو ازلی بد بخت ہیں وہ اُس کو ماننے والے نہیں، اور ویسے بھی کسی کو حق منوا دینا اور منزلِ مقصود پر پہنچا دینا، آپ کے فرائضِ نبوت میں سے نہیں ہے۔آپ کا کام پیغامِ الٰہی کو پہنچا دینا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ الٰہی۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ

اور نہیں رسول کیا ہم نے تم کو مگر سارے انسانوں کا، خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے، لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾

بہتیرے لوگ نہیں جانتے●

(اور) فرمانِ خداوندی ہے، کہ اَے محبوب! (نہیں رسول کیا ہم نے تم کو مگر سارے انسانوں کا)۔ آپ (خوشخبری سنانے والے) ہیں فضلِ خداوندی اور جنت کی اُسے، جو توحید کا اقرار کرے۔ (اور ڈرانے والے) ہیں عدلِ خداوندی سے اور جہنم سے اُسے، جو شرک پر اصرار کرے۔ (لیکن بہتیرے لوگ) آپ کے فضائل وکمالات (نہیں جانتے) اور جہلِ مرکب اُن کو آپ کی مخالفت پر رکھتا ہے۔ اسلئے سید ھے سوالات پوچھنا اُن کا مشغلہ ہے۔۔ چنانچہ۔۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور پوچھتے ہیں کہ "کب ہوگا یہ وعدہ، اگر سچے ہو"●

(اور پوچھتے ہیں کہ کب ہوگا یہ وعدہ) عذاب کا۔۔یا۔۔ قیامِ قیامت کا پورا۔ اے پیغمبر اور پیغمبر کے ماننے والو بتاؤ (اگر) تم (سچے ہو)۔ اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ (النصف) ع ۹

جواب دے دو کہ "تمہارے لیے ایک ایسے مقرر دن کی میعاد ہے کہ نہ پیچھے ہٹ سکو جس سے گھڑی بھر، اور نہ آگے بڑھ سکو"●

(جواب دے دو، کہ تمہارے لیے ایک ایسے مقرر دن کی میعاد ہے، کہ نہ پیچھے ہٹ سکو جس سے گھڑی بھر اور نہ آگے بڑھ سکو)۔۔الحاصل۔۔وعدہ اُس دن کا ہے کہ جب وہ آپہنچے گا، تو پھر اس میں ذرّہ برابر بھی تقدیم وتاخیر نہ ہوسکے گی۔ اور وہ وقت اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اچانک آئے گا۔ یعنی قیامت سے پہلے تمہارے مرنے کا ایک وقت متعین ہے، جس میں تم کو لازماً مر جانا ہے، پھر تم کو میرے قول کی حقیقت معلوم ہوجائے گی۔

ذہن نشین رہے کہ ہر ایک اپنی موت کے بعد آخرت کے مراحل میں داخل ہو جاتا ہے اور آخرت کے امور مشیت الٰہی کے مطابق اُس سے وابستہ ہوجاتے ہیں [illegible]

سے ہی اُس کے حق میں آخرت کے احوال شروع ہوجاتے ہیں۔ میعادِ مذکور کی تفسیر میں ایک قول یہ ہے، کہ اُس سے مُرادمَر کر دوبارہ اُٹھنے کا وقت ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے، کہ اُس سے مرادیومِ بدر ہے، کیونکہ اللہ کے حکم میں اُن کو دُنیا میں یہ عذاب دینے کا وقت مقرر تھا۔

اُن کفارِ مکہ کا بھی عجیب حال تھا۔ اہلِ کتاب کے علماء سے معلومات حاصل کرتے، مگر مانتے وہی تھے جسے اُن کا دِل قبول کرے۔۔ چنانچہ۔۔ کفارِ قریش نے اہلِ کتاب سے پیغمبر اسلام کا حال پوچھا، وہ بولے کہ ہاں ہم نے اپنی کتابوں میں اُن کی نعت پڑھی ہے اور پیغمبر برحق ہیں۔ اِس پر ابوجہل۔۔۔

وَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ بِهٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَلَا بِالَّذِىۡ بَيۡنَ

اور بولے جنھوں نے کفر کیا تھا کہ "نہ مانیں گے ہم یہ قرآن، اور نہ جو اس کے آگے

يَدَيۡهِ ؕ وَلَوۡ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ مَوۡقُوۡفُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۖۚ يَرۡجِعُ بَعۡضُهُمۡ

تھیں۔" اور کہیں دیکھو، جب ظالم کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے یہاں۔ ڈالیں گے ایک

اِلٰى بَعۡضِ اۨلۡقَوۡلَ ۚ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا

دوسرے پر بات۔ کہیں گے کمزور چھوٹے لوگ، اُنہیں جو بڑے بنے تھے

لَوۡلَاۤ اَنۡتُمۡ لَـكُنَّا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۳۱﴾

کہ "اگر تم نہ ہوتے تو ہم ہوتے ایمان والے"●

(اور) اس جیسے (بولے جنھوں نے کفر کیا تھا، کہ نہ مانیں گے ہم یہ قرآن، اور نہ) ہی وہ (جو اُس کے آگے تھیں) یعنی آسمانی کتابیں جو اس سے پہلے نازل فرمائی گئیں۔۔ الحاصل۔۔ جو کتاب پیغمبر اسلام پر اُتری اور جو کتابیں اِس سے پہلے دوسرے پیغمبروں پر اُتاری گئیں، ہم کسی کو بھی نہیں مانتے۔ خیر دُنیا میں تو جو بولے وہ بولے، آخرت میں اُن کا حال اور بھی قابلِ دید اور لائقِ عبرت ہوگا۔

(اور) اَے محبوب! (کہیں) میدانِ قیامت کا منظر (دیکھو، جب ظالم کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے یہاں) محاسبہ کے موقف میں، تو البتہ دیکھو گے کہ اُن کے لیے معاملہ کتنا سخت ہے اور وہ کس قدر خوفزدہ ہیں۔ اُن میں سے کوئی بھی اپنے جرم کے اعتراف کے لیے آمادہ نہ ہوگا، بلکہ (ڈالیں گے ایک دوسرے پر بات)۔ یعنی اُن کا یہ منظر نظر آتا ہے، کہ باہم باتیں کرتے ہیں اور ایک

دوسرے کی طرف بات پھیرتا ہے۔۔چنانچہ۔۔(کہیں گے کمزور چھوٹے لوگ) جو ذلیل بیچارے پکڑے گئے تھے، یعنی تابع اور پیرولوگ (انہیں، جو بڑے بنے تھے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ہوتے ایمان والے)، مگر تم نے ہم کو گمراہ کیا اور ایمان سے باز رکھا۔۔اُس پر۔۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ

کہنے لگے جو بڑے بنے تھے اُنہیں جو کمزور چھوٹے تھے کہ "کیا ہم نے روکا تھا تمہیں

عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

ہدایت سے؟ بعد اس کے کہ آچکی تھی تمہارے پاس، بلکہ تم خود مجرم تھے"●

(کہنے لگے جو بڑے بنے تھے) اور حق بات سے سرکشی کرتے تھے، یعنی پیشوا اور بزرگ لوگ (انہیں جو کمزور) اور (چھوٹے تھے)، یعنی ان لوگوں سے جو دُنیا میں حقیر اور عاجز گرفتار تھے، (کہ کیا ہم نے روکا تھا تمہیں ہدایت سے، بعد اس کے کہ آچکی تھی تمہارے پاس)۔یعنی ہم نے کب تمہیں ایمان وہدایت قبول کرنے سے روکا تھا؟ (بلکہ تم خود مجرم تھے) یعنی تم اپنی ذات ہی سے گناہ گار اور مشرک تھے۔ہم نے تمہیں کفر وشرک پر مجبور نہیں کیا تھا۔تم خود کفر وشرک پر اصرار کررہے تھے۔۔المختصر۔۔تم خود ہی مجرم تھے۔اِس پر خاموش نہ رہے۔۔۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اور بول پڑے جو دبے تھے اُنہیں جو بڑے بنے تھے کہ "بلکہ رات دن کی چالبازی تھی،

اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ

جب کہ تم لوگ حکم دیتے تھے ہمیں، کہ ہم نہ مانیں اللہ کو، اور بنائیں اُس کے مدِمقابل۔" اور دِل میں شرمائے،

لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۭ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جب دیکھ لیا عذاب کو۔اور ہم نے ڈال دیے طوق ان کی گردنوں میں، جنہوں نے انکار کیا تھا۔

هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

نہیں بھگتیں گے مگر جیسی کرنی کرتے تھے●

(اور بول پڑے جو دبے) کمزور بے چارے (تھے انہیں، جو بڑے بنے تھے) اور حق بات کو

قبول کرنے میں سرکشی کی تھی، (کہ) ایسا نہیں کہ ہم خود کافر ہو گئے، (بلکہ رات دن کی چالبازی تھی)۔ یعنی دن رات تمہارا مکر وفریب ہم کو ایمان سے باز رکھنے والا تھا۔ (جبکہ تم لوگ حکم دیتے تھے ہمیں کہ ہم نہ مانیں اللہ) تعالیٰ (کو اور بنائیں اُس کے مدمقابل)، یعنی ٹھہرائیں اُس کے ہمسر اور شریک۔ دونوں گروپ کے لوگ آپس میں گفت وشنید (اور) ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بعد، (دل میں شرمائے جب دیکھ لیا عذاب کو۔ اور ہم نے ڈال دیے طوق اُن کی گردنوں میں جنہوں نے اِنکار کیا تھا)۔ یعنی تابع اور متبوع۔

مستقبل کو لفظ ماضی کے ساتھ لانا تحقیق وقوع کے جہت سے ہے، اور اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ پر لانا اِس بات پر آگاہ کرتا ہے کہ طوقِ آتشیں اُن کی گردنوں میں کفر کے سبب سے ہوں گے۔ ابتداءً تو اُن کی یہی خواہش رہی ہوگی، کہ اُن کے دِلوں کی ندامت ایک دوسرے پر ظاہر نہ ہو سکے، لیکن جب دونوں ایک دوسرے کی ملامت کرتے کرتے تھک گئے، اور عذابِ الٰہی کو دیکھ لیا کہ دونوں ہی مبتلائے عذاب ہیں اور لعنت کا طوق دونوں ہی کے گردنوں میں ہے، تو اُن کی دِلی کیفیت ایک دوسرے پر ظاہر ہو کے رہی۔

یہ سزا انہیں کے کرتوت کا نتیجہ ہے، تو (نہیں بھگتیں گے مگر جیسی کرنی کرتے تھے)۔۔الحاصل ۔۔جیسا اُن کا عمل ہوگا ویسی ہی اس کی سزا ہوگی۔

پھر حق تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی فرماتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْھَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِہٖ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی آبادی میں کوئی ڈرسنانے والا، مگر یہ کہ کہنے لگے اُس کے پیٹ بھرے، کہ "ہم جس امر کے ساتھ تم لوگ بھیجے گئے ہو

کٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَکْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۳۵﴾

منکر ہیں"● اور کہنے لگے کہ "ہم بڑھے چڑھے ہیں مال واولاد میں۔ اور ہم عذاب نہ دیے جائیں گے"●

(اور) ارشاد فرماتا ہے، کہ (نہیں بھیجا ہم نے کسی آبادی) یعنی کسی گاؤں اور شہر (میں کوئی ڈر سنانے والا) یعنی کوئی پیغمبر، (مگر یہ کہ کہنے لگے اس) آبادی (کے پیٹ بھرے) یعنی مالدار اور متکبر لوگ اُن پیغمبروں کو، (کہ ہم، جس امر کے ساتھ تم لوگ بھیجے گئے ہو) اپنے زعم میں اُس کے کافر اور (منکر ہیں ٥ اور) مزید یہ (کہنے لگے کہ ہم بڑھے چڑھے ہیں مال واولاد میں)۔ یعنی ہمارے مال اور فرزند

تم سے زیادہ ہیں۔تو ہم رسالت کا دعویٰ کرنے کی لیاقت تم سے بڑھ کر رکھتے ہیں، (اور ہم عذاب نہ دیے جائیں گے)۔یعنی خدا ہم پر عذاب نہ کرے گا، اس واسطے کہ ہمیں نعمت کے سبب سے بڑا اور بزرگ کیا ہے، تو مصیبت کے سبب سے ذلیل نہ کرے گا۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ

جواب دے دو کہ "بے شک میرا رب کشادہ فرماتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہے، اور تنگی بھی ڈالتا ہے"

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع ۱۰

لیکن بہتیرے لوگ نہیں جانتے●

(جواب دے دو، کہ بے شک میرا رب کشادہ فرماتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہے) مشرکوں اور گنہگاروں میں سے اپنی مشیت کی رُو سے، اُن کی بڑائی اور بزرگی کی وجہ سے نہیں۔ (اور تنگی بھی ڈالتا ہے) جس پر چاہتا ہے اپنی حکمت کی جہت سے، اُس کی ذلت کی رُو سے نہیں۔ (لیکن بہتیرے لوگ نہیں جانتے) اور گمان کرتے ہیں کہ مال اور اولاد کی کثرت، شرافت اور بزرگی کے واسطے ہے۔ یہ اتنا بھی نہیں سوچتے کہ شاید کہ مہلت دینے اور تھوڑا تھوڑا عذاب سے قریب کرنے کی جہت سے ہو۔۔ چنانچہ۔۔حق تعالیٰ متنبہ۔۔۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ

اور نہیں ہیں تمہارے مال نہ اولاد، جو نزدیک پہنچا سکیں تمہیں ہمارا یہاں کچھ، مگر جو ایمان لایا،

وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ

اور لیاقت کے کام کیے، اُن کے لیے دوگنا ثواب ہے، جو اُنہوں نے عمل کیے، اور وہ بالا خانوں میں ہیں

فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿۳۷﴾

امن وامان سے●

(اور) باخبر فرماتا ہے کہ (نہیں ہیں تمہارے مال) اور (نہ اولاد جو نزدیک پہنچا سکیں تمہیں ہمارے یہاں) یعنی ہمارے نزدیک (کچھ)، اِس واسطے کہ خدا کی نزدیکی نیک کاموں کے سبب سے ہوتی ہے اور تم کو وہ حاصل نہیں۔تو مال اور اولاد کسی کو حق تعالیٰ سے قریب نہیں کرتے۔ (مگر جو ایمان

لایااور لیاقت کے کام کیے)۔ایسے کام جو قبولیت کے قابل ہوں، یعنی اپنے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرے اور اولاد کو دین کا علم سکھائے اور صلاحیت میں تربیت کرے، تو (اُن کے لیے دوگنا ثواب ہے)۔یعنی زیادہ پر زیادہ اجر، ایک کے بدلے دس بلکہ زیادہ سات سو تک، بہ سبب اس کے کہ کیں انہوں نے نیکیاں اور (جوانہوں نے) اچھے (عمل کیے، اور) انہیں نیک اعمال کی وجہ سے (وہ) بہشت کے (بالا خانوں میں ہیں امن وامان سے)، اور بے خوف ہیں ناگوار چیزوں اور آفتوں اور سختیوں سے۔

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور جو کوشش کریں ہماری آیتوں میں ہرانے کے لیے، وہ عذاب میں دھر لیے جائیں گے●

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ؕ

کہہ دو کہ" بے شک میرا رب کشادہ فرمائے روزی، جس کے لیے چاہے اپنے بندوں سے، اور تنگی ڈالے جس کے لیے چاہے۔

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾

اور جو کچھ خیرات کیا تم نے، تو وہ اور دے گا تمہیں۔ اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے"●

(اور جو کوشش کریں ہماری آیتوں میں ہرانے کے لیے)، یعنی قرآنی آیتوں میں اِس گمان سے طعن کریں کہ اِس طرح وہ اِسے نازل کرنے سے ہمیں عاجز کر سکتے ہیں ۔۔یا۔۔لوگوں کو اِسے ماننے اور اِس پر ایمان لانے سے باز رکھ سکتے ہیں، تو یہ سب اُن کی خام خیالی ہے۔ (وہ) ہم کو کیا عاجز کر سکتے ہیں، بلکہ خود وہی (عذاب میں دھر لیے جائیں گے) اور دوزخ میں حاضر کر دیے جائیں گے۔ اَے محبوب! ربِّ قدیر کی اس شانِ فضل وعدل کو سب پر ظاہر کر دو اور (کہہ دو، کہ بے شک میرا رب کشادہ فرمائے روزی جس کے لیے چاہے اپنے بندوں سے)، کافر ہو یا عاصی، اپنی مشیت کے موافق۔ (اور تنگی ڈالے جس کے لیے چاہے) اپنی حکمت کی رُو سے۔ (اور جو کچھ خیرات کیا تم نے) راہِ خدا میں، (تو وہ اور دے گا تمہیں) اُس کا عوض دُنیا میں ۔۔یا۔۔ ذخیرہ رکھتا ہے تمہارے واسطے آخرت میں۔ (اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے)۔ اُس کے سوا جو کوئی کسی کو کچھ دیتا ہے، وہ روزی پہنچانے میں واسطہ ہے اور رزاقِ حقیقی وہی ہے۔

فرشتوں کے پجاری مشرکین کو یہ گمان تھا، کہ فرشتے خدا کی بارگاہ میں اُن کی سفارش کریں، تو انہیں مشرکوں کو سنانے اور انہیں جھڑکی دینے کے لیے حشر کے دن فرشتوں سے سوال ہوگا۔ اُسی سوال کے تعلق سے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ

اور جس دن کہ اٹھائے گا ان سب کو، پھر فرمائے گا فرشتوں کو کہ "کیا یہی تمہیں

كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۴۰﴾

معبود جانتے تھے؟"●

(اور) اپنے محبوب کو یاددہانی کراتا ہے، کہ اے محبوب! یاد کرو اُس دن کو (جس دن کہ اُٹھائے گا) تمہارا رب (ان سب کو، پھر فرمائے گا فرشتوں کو، کہ کیا یہی تمہیں معبود جانتے تھے)۔

اس سوال میں حکمت یہ ہے کہ فرشتوں کی اپنے حق میں شفاعت سے مشرکین کی امید منقطع ہوجائے اور ان پر ان کی خام خیالی واضح ہوجائے۔

اِس سوال کے جواب میں۔۔۔

قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ۚ

انہوں نے عرض کیا کہ "پاکی ہے تیری، تُو ہمارا دوست ہے، نہ کہ یہ لوگ۔ بلکہ یہ پوجا کرتے تھے شیطانوں کو۔

أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُونَ ﴿۴۱﴾

اُن کے بہتیرے اُنہیں کے ماننے والے ہیں"●

(اُنہوں نے عرض کیا، کہ پاکی ہے تیری) اس بات سے کہ تیرے غیر کو پوجیں۔ (تُو ہمارا دوست ہے نہ کہ یہ لوگ)۔ یعنی تُو ہی ہمارا خداوند ہے اور ہمارا معبود ہے، اور ہم خود اپنے کو تیری عبادت میں کمی کرنے والا جانتے ہیں، تو اپنا معبود ہونا ہم کس وجہ سے روا رکھیں گے؟

۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔

تُو ہی ہے ہمارا دوست ان کے سوا، یعنی ہمارے اور ان کے درمیان کچھ دوستی نہیں۔ اور حاشا ہم نے اپنی پرستش کی اُن کو اجازت نہیں دی۔ (بلکہ یہ پوجا کرتے تھے شیطانوں کو)۔ یعنی شیاطین جن کی فرمانبرداری کرتے تھے باطل معبودوں کی پرستش میں۔

۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔

جن انواع واقسام کی صورتیں پکڑ کر ان پر ظاہر ہوتے تھے، اور اُن کے خیال میں ڈالتے کہ ہم فرشتے ہیں۔۔۔الحاصل۔۔۔(اُن کے بہتیرے انہیں کے ماننے والے ہیں) یعنی انہیں جنوں پر ایمان

رکھتے ہیں اور اُنہیں کی پیروی کرتے ہیں۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ

تو آج نہیں اختیار ہوگا تم میں سے کسی کو، کسی کے نفع کا نہ نقصان کا۔ اور ہم کہیں گے اُنہیں

ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

جنہوں نے اندھیر مچایا تھا کہ "چکھو جہنم کا عذاب، جس کو تم جھٹلاتے تھے" ●

(تو آج) کہ بالکل حکم خدا ہی کے واسطے ہے۔ (نہیں اختیار ہوگا تم میں سے کسی کو کسی کے نفع کا نہ نقصان کا)۔ یعنی کسی معبودِ باطل کو اپنی پرستش کرنے والے کے واسطے نہ فائدہ پہنچانے کی قوت ہے، نہ نقصان دُور کرنے کی طاقت۔ (اور ہم کہیں گے انہیں جنہوں نے اندھیر مچایا تھا) اپنی جان پر بے محل عبادت کر کے، (کہ چکھو) اسی (جہنم) کی آگ (کا عذاب جس کو تم جھٹلاتے تھے)۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری آیتیں صاف صاف، بول پڑے کہ "نہیں ہیں یہ، مگر ایک شخص، چاہتے ہیں کہ

اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۭ

روک دیں تمہیں اس سے، جو پوجا پاٹ کرتے تھے تمہارے باپ دادا۔" اور بولے کہ "نہیں ہے یہ، مگر گڑھا ہوا بہتان۔"

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾

اور کہہ دیا کافروں نے حق کو، جب آ گیا اُن کے پاس کہ "نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو" ●

(اور) وہ یوں بھی اندھیر مچاتے، کہ (جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری) کتاب قرآنِ کریم کی (آیتیں) جو (صاف صاف) واضح المراد ہیں، تو یہ خاموش نہ رہ سکے اور (بول پڑے کہ نہیں ہیں یہ)، یعنی محمد ﷺ جو قرآن پڑھتے ہیں (مگر ایک شخص)، جو (چاہتے ہیں کہ روک دیں تمہیں اُس سے جو پوجا پاٹ کرتے تھے تمہارے باپ دادا)۔۔ الختصر۔۔ اُن کا مدعا یہ ہے کہ تم کو بت پرستی سے باز رکھیں، اور جو نیا آئین انہوں نے بنایا ہے اُس پر لائیں اور لوگوں کو اپنا تابع بنائیں۔ (اور بولے کہ نہیں ہے یہ) کلام جو یہ شخص پڑھتا ہے، یعنی قرآنِ کریم (مگر گڑھا ہوا بہتان) جسے خدا کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ (اور کہہ دیا) کفارِ مکہ میں سے ان (کافروں نے) جو ایمان نہ لائے سچے پیغمبر پر، (حق

کو) یعنی قرآن کریم کو، (جب آ گیا ان کے پاس، کہ نہیں ہے یہ، مگر کھلا جادو)۔اور یہ لوگ یہ بات کہاں سے کہتے ہیں؟۔۔۔

وَمَآ اٰتَیۡنٰهُمۡ مِّنۡ كُتُبٍ یَّدۡرُسُوۡنَهَا وَمَآ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهِمۡ

اور نہیں دی تھیں ہم نے اُنہیں کچھ کتابیں جسے پڑھتے ہوں، اور نہ ہی بھیجا تھا ہم نے اُن کی طرف تم سے

قَبۡلَكَ مِنۡ نَّذِیۡرٍ ﴿۴۴﴾

پہلے کوئی ڈرسنانے والا●

(اور) حال یہ ہے کہ (نہیں دی تھیں ہم نے انہیں کچھ کتابیں جسے پڑھتے ہوں) اور اس میں قرآن کے باطل ہونے کی دلیل ہو۔یعنی جو کتابیں اُن پر اُتاری گئیں اُن میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کرسکتے، کہ قرآنِ کریم گڑھی ہوئی کتاب ہے۔(اور نہ ہی بھیجا تھا ہم نے ان کی طرف تم سے پہلے) فترت کے زمانے میں (کوئی ڈرسنانے والا)۔یعنی کوئی پیغمبر جو انہیں حق کی طرف دعوت کرے اور اس کی تکذیب پر ڈرائے۔

اس وقت یہ کہا کرتے تھے، کہ اگر ہم پر کوئی کتاب نازل ہوتی۔۔یا۔۔ہم میں کوئی اللہ کا رسول آتا، تو ہم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار اور اطاعت شعار ہوتے۔لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ دیرینہ آرزو پوری کی، تو وہ اس کتاب اور اس رسول کا اِنکار کرنے لگے اور ان کی تکذیب کرنے لگے۔اِن سے پہلی امتوں کا انجام اِن کے سامنے ہے اُن پر جو عذاب نازل ہوا تھا۔پچھلی امتیں قوت، طاقت، مال ومتاع اور دُنیاوی اسباب ان سے زیادہ رکھتے تھے، یہ تو ابھی اُس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے۔اُنہوں نے بھی میرے رسولوں کی تکذیب کی، لیکن جب ان لوگوں پر میرا عذاب نازل ہوا، تو ان سے میرے عذاب کو نہ اُن کا مال ومتاع دُور کرسکا نہ اُن کی اولاد، اور نہ اُن کی رشتہ داریاں کسی کام آسکیں۔

۔۔چنانچہ۔۔فرمانِ الٰہی۔۔۔

وَكَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۙ وَمَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ مَاۤ اٰتَیۡنٰهُمۡ

اور جھٹلایا تھا جو اِن سے پہلے تھے۔اور یہ نہیں پہنچے دسواں حصہ اُس کا جو دیا تھا ہم نے اُنہیں، پھر جھٹلا دیا

ع۵ ۱۱

فَكَذَّبُوا رُسُلِيْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿٤٥﴾

میرے رسولوں کو۔۔اور کیسی ہوئی ناگواری میری●

(اور) ارشادِ خداوندی ہے، کہ (جھٹلایا تھا) انبیاء کو اُن لوگوں نے (جو اِن سے پہلے تھے)، (اور) حال (یہ) ہے کہ اہلِ مکہ (نہیں پہنچے دسواں حصہ اُس کا جو دیا تھا ہم نے انہیں)، یعنی بڑی قوت اور لمبی عمر اور مال بکثرت۔

۔۔یا یہ۔۔معنی، کہ۔۔۔

اَے ہمارے حبیب! تمہارے زمانے کے کافروں کے واسطے جو دلیلیں اور ہدایت کے اسباب ہم نے ظاہر کیے، اگلے کافروں کے لیے اِس کا دسواں حصّہ بھی نہ تھا۔ (پھر جھٹلادیا) اگلے کافروں نے (میرے رسولوں کو اور) پھر اُن کی تکذیب پر (کیسی ہوئی) اُن پر (ناگواری میری)۔ یعنی اُن کو میرا ناپسند کرنا اور اُن پر عذاب کرنا۔ تو چاہیے کہ تمہاری قوم کے لوگ بھی ایسے حالات سے ڈریں۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى

کہہ دو کہ "میں نصیحت کرتا ہوں تمہیں ایک بات کی، کہ کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے دو دو، اور الگ الگ،

ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ

پھر سوچو۔۔۔کہ تمہارے پاس آنے والے میں کوئی جنون نہیں ہے۔ وہ نہیں ہیں مگر ڈر سنانے والے تمہیں،

بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾

سخت عذاب سے آگے"●

اَے محبوب! (کہہ دو، کہ میں نصیحت کرتا ہوں تمہیں ایک بات کی) اور وہ بات یہ ہے، (کہ کھڑے ہو جاؤ) پیغمبر کی مجلس سے (اللہ) تعالیٰ کی رضا (کے لیے دو دو)، تا کہ ایک دوسرے سے مشورہ کرسکو، (اور الگ الگ)، تا کہ اژدحام سے تمہارا دِل تشویش میں مبتلا نہ ہو جائے، اور تم کوئی فیصلہ نہ کرسکو، (پھر سوچو) اور تفکر کرو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے امر میں۔ ابتدائے حال سے اب تک کے اُن کے اطوار یاد کرو، تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے (کہ تمہارے پاس آنے والے میں کوئی جنون نہیں ہے) ،کہ جس کے باعث انہوں نے رسالت کا دعویٰ کیا ہو۔ بلکہ تم پہچان لوگے اُن کا کمالِ عقل اور اُن کی بات سچ ہونے میں کافی ہے۔ اور (وہ نہیں ہیں مگر ڈر سنانے والے تمہیں سخت عذاب سے) آخرت

کے، جو (آگے) آنے والا ہے۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ

کہہ دو کہ "جو میں نے مانگا ہو تم سے کوئی اجر، تو وہ تمہیں رکھ لو۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ پر۔

وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾

اور وہ ہر چیز پر نگراں ہے"۔

(کہہ دو، کہ جو میں نے مانگا ہو تم سے کوئی اجر، تو وہ تمہیں رکھ لو)۔ اِس سے سوال کی نفی مراد ہے، یعنی کچھ بدلا میں نہیں چاہتا۔ (نہیں ہے میرا اجر مگر اللہ) تعالیٰ (پر، اور وہ ہر چیز پر نگراں ہے)۔ یعنی وہ ہر چیز کا عالم ہے، غیب اور شہادت اور ظاہر اور باطن ہر چیز پر مطلع ہے۔ وہ میرے صدق اور خلوصِ نیت کو جانتا ہے۔

اِس میں یہ اشارہ ہے، کہ جو شخص مخلوق کو اللہ کی طرف دعوت دے، اُس کی یہ دعوت خالص اللہ کے لیے ہونی چاہیے، اور اُس میں دُنیا کی کسی چیز کی طمع نہ ہونی چاہیے۔

اَے محبوب! جو اِس بات کو بعید سمجھتے ہیں، کہ اُن میں سے کسی شخص کو رسول بنالیا جائے، اُن سے ---

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾

کہو کہ "بے شک میرا رب ڈالتا ہے دِل میں حق۔" غیبوں کا بڑا جاننے والا۔

(کہو، کہ بے شک میرا رب) جس کو نبوت کے لیے منتخب فرمالیتا ہے، (ڈالتا ہے) اور اِلقاء فرماتا ہے اُس کے (دل میں حق)۔ یعنی اُس کے دل پر وحی نازل فرماتا ہے اور وہ آسمانوں اور زمینوں میں جو چیز بھی غائب ہو اُن کو سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ اور اُس کی مخلوق میں جو تغیرات ہوتے رہتے ہیں، وہ ان تمام تغیرات کو بھی جاننے والا ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جس کو جو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ کسی کی صلاحیت ولیاقت اور استعداد اُس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ (غیبوں کا بڑا جاننے والا) ہے۔

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾

کہہ دو کہ "حق آگیا، اور باطل کا نہ اِدھر سرا، نہ اُدھر"۔

اَے محبوب! (کہہ دو، کہ حق آ گیا) یعنی آ گئی صحیح اور درست بات، یعنی قرآن۔۔یا۔۔اسلام ۔۔یا۔۔پیغمبر کا مبعوث ہونا۔ (اور باطل کا نہ اِدھر سر نہ اُدھر)۔ یعنی ابلیس اور بت، نہ تو ابتداء میں کسی کو پیدا کر سکیں اور نہ ہی دوبارہ کسی کو زندہ کر سکیں۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰى نَفْسِىْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ

کہہ دو کہ "اگر میں گمراہ ہوتا، تو بھٹکتا اپنے بُرے کو۔ اور اگر میں ہدایت پر ہوں،

فَبِمَا يُوْحِىْٓ اِلَىَّ رَبِّىْ ؕ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿۵۰﴾

تو اُس کے سبب جو وحی فرماتا ہے میرے پاس میرا رب، بے شک وہ سننے والا نزدیک ہے"●

اَے محبوب! (کہہ دو، کہ اگر میں گمراہ ہوتا) جیسا کہ اَے لوگو! تم میرے تعلق سے گمان کرتے ہو، (تو بھٹکتا اپنے بُرے کو) اور اُس کا وبال مجھی پر ہوتا۔ (اور اگر میں ہدایت پر ہوں، تو اُس کے سبب جو وحی فرماتا ہے میرے پاس میرا رب)۔ اس واسطے کہ ہدایت کی توفیق اُس کی عنایت کے ساتھ بندھی ہے۔ (بے شک وہ سننے والا) ہے بندوں کی دُعا کو اور (نزدیک ہے) آرزومندوں کی امید سے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾

اور کہیں دیکھو جب گھبراہٹ میں پڑے وہ کافر، تو کہیں بچاؤ نہیں۔ اور پکڑ لیے گئے نزدیک جگہ سے●

(اور) اَے محبوب! کاش (کہیں) وہ وقت (دیکھو، جب گھبراہٹ میں پڑے) ہوں (وہ کافر)۔ یعنی جب ڈریں گے موت کے قریب۔۔یا۔۔دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھنے کے وقت۔۔یا۔۔جنگِ بدر کے دن، تو دیکھو گے عجیب امر ہولناک۔۔الحتصر۔۔اَے محبوب! اگر آپ اُس وقت ان کو دیکھ لیتے، تو آپ بہت ہولناک اور وحشت ناک امر دیکھتے۔ (تو کہیں بچاؤ نہیں)۔ نہ بھاگنے سے کام چلنے والا، اور نہ ہی کسی قلعہ میں پناہ لینے کی صورت۔۔الغرض۔۔کچھ بھی عذاب اُن سے فوت نہ ہوگا۔ (اور پکڑ لیے گئے نزدیک جگہ سے)، یعنی زمیں کے اوپر سے۔۔یا۔۔زمین کے نیچے دھنسا دیے جائیں گے۔۔یا۔۔موقف سے دوزخ میں ڈھکیل دیے جائیں گے۔۔یا۔۔میدانِ بدر سے کنویں میں جھونک دیے جائیں گے۔ بہر حال یہ جس جگہ بھی ہوں اللہ کے اعتبار سے قریب ہیں، اور اُس کی گرفت اور پکڑ سے باہر نہیں۔ ان کافروں نے جب حشر کے دن آخرت کا عذاب دیکھا، تو سخت گھبراہٹ میں پڑ گئے۔۔۔

وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۚۖ﴿۵۲﴾

اور بولنے لگے کہ "ہم مان گئے اِس کو" اور کہاں اُنہیں کچھ پانا، دُور جگہ پہنچ کر●

(اور بولنے لگے، کہ ہم مان گئے اس) قرآن (کو)، اور خدا اور رسول کو، اور حشر کے دن کو۔ ہمیں پھر بھیجو دُنیا میں، تاکہ ہم وہاں نیک اعمال انجام دے کر اپنے کو نجات کا مستحق بنالیں۔ حالانکہ تکلیف ایمان کی جگہ دُنیا تھی وہاں ایمان لانا تھا، (اور) اب آخرت میں ایمان لانے سے (کہاں انہیں کچھ پانا) اور کچھ حاصل ہونا ہے۔ اور وہ بھی اتنی (دُور جگہ پہنچ کر)۔ وہ دُور کی جگہ عالَمِ آخرت ہے، اور ظاہر ہے کہ آخرت کے مشاہدہ ہوتے اُسے ایمان کچھ نفع نہ کرے گا۔ ایسی صورت میں ان کا باایمان ہونا کہاں سے انہیں حاصل ہوگا؟

وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

حالانکہ بلاشبہ انکار کردیا تھا اِس کا پہلے۔ اور غیب کی اُڑاتے پھرتے ہیں، دُور ہی دُور سے●

(حالانکہ بلاشبہ اِنکار کردیا تھا اِس کا پہلے) جبکہ وہ تعمیلِ حکم کی جگہ میں تھے۔ جہاں انہیں خدا و رسول کو ماننا تھا اور آخرت پر ایمان لانا تھا۔ وہاں ان کی یہ حالت (اور) روش دیکھی گئی، کہ (غیب کی اڑاتے پھرتے ہیں)۔ اپنے گمان کی بنیاد پر پوشیدگی میں مہمل باتیں کرتے ہیں، اور قرآن اور رسول پر طعن کرتے ہیں، اور بہت دُور کی کوڑی لاتے ہیں، (دُور ہی دُور سے) جس کو وہ بھی نہیں سمجھ پاتے کہ کیا کہتے ہیں؟

وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ

اور آڑ ڈال دی گئی ان کے درمیان، اور جو وہ چاہتے ہیں اُس کے درمیان، جیسا کیا جاچکا ہے ان کے شیعوں سے پہلے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾ ع ۹ ۱۲

بے شک وہ تھے شک میں پڑے ہوئے●

(اور آڑ ڈال دی گئی اُن کے درمیان اور جو وہ چاہتے ہیں اُس کے درمیان)، یعنی اُن کی خواہش پوری نہیں کی گئی۔ اور اُن کی اُس آرزو کو مسترد کردیا گیا، کہ اُن کو دُنیا میں پھر بھیجا جائے اور ان کا ایمان قبول کرلیا جائے، (جیسا کیا جاچکا ان کے شیعوں سے پہلے)، یعنی عقائد و نظریات میں اُن کے

مشابہ اوراُن کے ہم عقیدہ ہم مسلک گروہوں سے جوسلوک پہلے زمانے میں کیا جاچکا ہے، کہ کسی سے بھی اُن کا ایمانِ یاس قبول نہیں کیا گیا۔(بے شک وہ) لوگ (تھے) رسولوں، مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنے، اور جنت اور جہنم کے متعلق سخت (شک میں پڑے ہوئے)۔

اِس آخری آیت کا یہ بھی معنی ہوسکتا ہے، کہ۔۔۔

دُنیا میں جب کافروں کا کام شک ہی شک تھا، تو پھر آخرت میں انہیں یقین کیا فائدہ دے گا۔ اس لیے کہ دُنیا جودارِ تکلیف تھی، سے نکل کر دارِ آخرت میں چلے گئے، وہاں عذاب کو دیکھ کر اظہارِ ایمان کریں گے، تو انہیں وہ اظہارِ ایمان کوئی فائدہ نہ دے گا، اگرچہ وہ اُس وقت یقین سے کہیں گے۔

بحمدہٖ سبحانہٗ وبعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ عزوجل، آج بتاریخ

٨ربیع النور شریف ١٤٣٣ھ۔۔مطابق۔۔یکم فروری ٢٠١٢ء

بروز چہار شنبہ، سورۂ سبا کی تفسیر مکمل ہوگئی۔دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظتِ خاص میں رکھے۔

آمِین یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ

بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

٩ربیع النور شریف ١٤٣٣ھ۔۔مطابق۔۔٢فروری ٢٠١٢ء

بروز پنج شنبہ، سورۂ فاطر کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت عطا فرمائے، اور فکر وقلم کو لغزشوں سے بچاتا رہے۔

آمِین یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ

بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

سُوْرَۃُ فَاطِرٍ ۳۵ مکیۃ ۴۳ — اٰیاتہا ۴۵ رکوعاتہا ۵

سورۂ فاطر

سورۂ فاطر۔۔۳۵ مکیہ ۴۳ آیاتہا ۴۵۔۔رکوعاتہا ۵

اِس سورہ کا نام 'سورۂ فاطر' اور 'سورۂ ملائکہ' ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اِس سورت کی پہلی آیت میں 'فاطر' اور 'ملائکہ' کے الفاظ ہیں، اور اس آیت میں ملائکہ کی صفات کا بھی ذکر ہے۔ سورۂ سبا میں جنات کی الوہیت کا بطلان بتایا گیا تھا، اور اِس سورت میں ملائکہ کی الوہیت کا بطلان بتایا گیا ہے۔ اِس سورۂ مبارکہ میں تقریباً وہی مضامین بیان کیے گئے ہیں، جو عموماً مکی سورتوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔ ایسی ہدایت آفریں، چشم کشا اور بصیرت افروز سورۂ مبارکہ کو۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے تمام بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ

ساری خوبیاں اللہ کی، بنانے والا آسمانوں اور زمین کا، کردینے والا فرشتوں کو قاصد،

اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ

پر والے، دو دو، تین تین، چار چار۔ وہ بڑھائے آفرینش میں جو چاہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

بے شک اللہ، ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

تمام لائق و فائق اور شایانِ شان حمد و ثنا اور (ساری خوبیاں اللہ) تعالیٰ (کی) جو کائنات کی تمام خوبیوں، اور ان خوبیوں والوں کو پیدا فرمانے والا ہے، اور بلا مثال و نظیر بالکل نیا (بنانے والا) ہے (آسمانوں اور زمین کا)، اور (کردینے والا) ہے (فرشتوں کو قاصد)، یعنی انہیں رسالت کے ساتھ انبیاء کے پاس بھیجتا ہے۔

اور بعضے کہتے ہیں، کہ اللہ کی رسالتیں پیغمبروں کے پاس پہنچاتے ہیں وحی کے سبب سے،

اور اولیاء کے پاس الہام کرکے، اور مؤمنوں کو سچے خوابوں کے ساتھ۔ پھر حق تعالیٰ فرشتوں کی صفت بیان فرماتا ہے، کہ۔۔۔

یہ (پَر والے) ہوتے ہیں جن کے (دو دو) یا (تین تین) یا (چار چار) پَر ہوتے ہیں آرائش کے لیے۔

اِس سے اُن عددوں کی خصوصیت اور زیادہ کی نفی مقصود نہیں، اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے چھ سو بازو ہیں۔

(وہ) قادرِ مطلق (بڑھائے آفرینش میں جو چاہے)۔ تو وہ فرشتوں کے بازو کو بھی چار سے زیادہ کرسکتا ہے۔

راجح قول یہ ہے، کہ یہاں 'خلق' سے مراد آدمی ہیں اور اُن میں زیادتی۔۔یا۔۔ عقلی ہوتی ہے، جیسے فصاحت، علم اور کرم۔۔یا۔۔ جسمی ہوتی ہے، جیسے خوبصورتی، ملاحت، بڑی آنکھیں۔ بعضوں نے کہا اچھا خط مراد ہے۔۔یا۔۔ مخلوق کے دِل میں محبت مراد ہے۔ بعض عارفین کا کہنا ہے کہ عالی ہمتی۔۔یا۔۔ تقدیر پر راضی ہونا۔۔یا۔۔ مرتبہ قرب کا شوق مقصود ہے۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ اشراف میں خاکساری، اور اغنیاء میں سخاوت، اور فقیروں میں عفت، اور مؤمنوں میں سچائی، اور محبوں میں شوق مقصود ہے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ فرشتوں کو رسول کرنے اور خلق میں زیادتی کرنے۔۔ المختصر۔۔ **(ہر چاہے پر قدرت والا ہے)۔۔** چنانچہ۔۔

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ

جو کچھ کھول دے اللہ لوگوں کے لیے کوئی رحمت، تو کوئی روکنے والا نہیں ہے اُس کا۔ اور جو کچھ روک دے،

فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②

تو نہیں ہے کوئی چھوڑنے والا اُس کا اُس کے بعد۔ اور وہی عزت والا حکمت والا ہے●

(جو کچھ کھول دے اللہ) تعالیٰ **(لوگوں کے لیے کوئی رحمت)**، جیسے نعمت، عافیت، صحت، علم اور توبہ وغیرہ۔ **(تو کوئی روکنے والا نہیں ہے اُس کا)**۔ یعنی خدا جس کے ساتھ جو کرنا چاہے، تو کسی میں دم نہیں، کہ اُس کو نہ کرنے دے۔ خدا جو چاہے گا کرے گا۔ **(اور)** یوں ہی **(جو کچھ روک دے)** اپنی بخشش کے آثار، **(تو نہیں ہے کوئی چھوڑنے والا اُس کا)**۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اگر خدا اپنی نعمتوں کا

رخ کسی کی طرف سے پھیر دے، تو کوئی اُن نعمتوں کو اُس تک پہنچادے اور اُسے بھیج دے (اس کے بعد)، یعنی نعمتوں کو پھیر لینے کے بعد۔ (اور وہی عزت والا) غالب ہے پھیر لینے میں، اور (حکمت والا ہے) یعنی پکا کام کرنے والا ہے بھیجنے میں۔ ایسے عزیز وحکیم کی نعمتوں کو فراموش کر دینا کہاں کی دانائی ہے؟۔۔تو۔۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ

اَے لوگو! یاد کرو اللہ کی نعمت کو اپنے اوپر۔" کیا کوئی پیدا کرنے والا ہے اللہ کا بیگانہ،

يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③

کہ روزی دے تمہیں آسمان اور زمین سے؟" نہیں ہے کوئی معبود سوا اُس کے۔تو تم کہاں اوندھائے جارہے ہو؟●

(اَے لوگو! یاد کرو اللہ) تعالیٰ (کی نعمت کو اپنے اوپر) جیسے رسولوں کو بھیجنا اور روزی پہنچانا، وغیرہ وغیرہ۔ ذرا سوچو، کہ (کیا کوئی پیدا کرنے والا ہے اللہ) تعالیٰ (کا بیگانہ)، یعنی اُس کے سوا جو (کہ روزی دے تمہیں آسمان) سے مینھ برسا کر، (اور زمین سے) درخت اُگا کر۔ بے شک (نہیں ہے کوئی معبود) لائقِ عبادت (سوا اُس کے) جو شانِ الوہیت رکھنے والا ہے۔ (تو تم کہاں اوندھائے جا رہے ہو)، یعنی پھر کہاں پھیرے جاتے ہو راہِ توحید سے، اور راہِ مستقیم سے ہٹ کر بھٹکتے پھر رہے ہو؟

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④

اور اگر یہ لوگ جھٹلائیں تمہیں، تو بے شک جھٹلائے گئے رسول تم سے پہلے، اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام●

(اور) اَے محبوب! (اگر یہ) مکہ کے (لوگ جھٹلائیں تمہیں، تو) یہ قوم کا اپنے پیغمبروں کی تکذیب کرنا کوئی نئی بات نہیں، کیونکہ (بے شک جھٹلائے گئے رسول) جو (تم سے پہلے) مبعوث کیے گئے۔تو اُن پیغمبروں نے صبر سے کام لیا، تم بھی ان کی طرح صبر کرو (اور) ذہن نشین رکھو! کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام)۔ تو حق تعالیٰ تم کو صبر کی جزا، اور اُن کو تکذیب کی سزا دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ

اَے لوگو! بے شک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے، تو نہ دھوکا دے تمہیں دُنیاوی زندگی۔۔

وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝

اور نہ دھوکہ دے تمہیں اللہ کی طرف بڑا دھوکے باز شیطان●

(اَے لوگو) کسی خام خیالی میں نہ رہو اور اچھی طرح جان لو! کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ) حشر اور جزا کے باب میں (ٹھیک ہے)، سچ ہے، حق وصحیح ہے، اور اُس میں خلاف نہیں۔ (تو نہ دھوکا دے تمہیں دُنیاوی زندگی) کہ آخرت کو بھول جاؤ، (اور نہ دھوکا دے تمہیں اللہ) تعالیٰ (کی طرف بڑا دھوکے باز شیطان)۔

یعنی شیطان تم کو اللہ کے تعلق سے دھوکے میں نہ رکھے، اور اُس کے کرم کی امید دلا کے تم سے اُس کی نافرمانی کراتا رہے۔ اور گناہ پر اصرار کے ساتھ مغفرت کی آرزو تمہارے دِل میں ڈالے۔ اور اگرچہ یہ بات ممکن ہے، مگر ایسی بات ہے جیسے کوئی زہر کھائے اِس امید پر کہ طبیعت دفع کر دے گی۔۔ یا۔۔طبیب سنبھال لے گا۔

بزرگوں نے فرمایا ہے، کہ ابلیس کے فریبوں میں ایک فریب توبہ میں تسویف ہے، یعنی ٹالنا اور بار بار یہ کہنا کہ ابھی کرلوں گا، تو ابلیس بندہ کی توبہ کو تاخیر میں ڈالتا ہے اور کہتا ہے، کہ فرصت باقی ہے، نقد عیش وعشرت ہاتھ سے نہ کھو۔ عاقل کو چاہیے کہ یہ فریب کھا کے راہ سے نہ پھرے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ

بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے، تو اُس کو بنائے رکھو دشمن۔ وہ اِسی لیے بلاتا ہے

لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۝

اپنی جمعیت کو کہ "سب ہو جائیں جہنمیوں سے"●

(بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے) اُس کی عداوت تمہارے ساتھ قدیمی اور میراثی ہے، (تو اُس کو) بھی (بنائے رکھو) اپنا (دشمن) اور اُس سے بچتے رہو، اور اُس کی آرزو کی پیروی نہ کرو، اور اپنے نفس کی خواہش کے تابع نہ ہو، اور جو کچھ کرو چاہیے کہ وہ شرع کے موافق اور طبع کے مخالف ہو۔ (وہ اِسی لیے بُلاتا ہے اپنی جمعیت کو) خواہش کی اتباع اور دُنیا کی رغبت کی طرف، تا (کہ سب ہو جائیں) آخرت میں اُس کے ساتھ (جہنمیوں سے)۔ یاد رکھو! کہ۔۔۔

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۬ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جنہوں نے کفر کیا، اُن کے لیے سخت عذاب ہے۔۔اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے،

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ۠ ۷

اُن کے لیے بخشش ہے، اور بڑا اجر ہے●

(جنہوں نے کفر کیا) اور شیطان کا کہا مانا، (اُن کے لیے) آخرت میں (سخت عذاب ہے۔ اور جو ایمان لائے) اور شیطان کے ساتھ مخالفت کی، (اور اچھے) خالص، پاکیزہ (کام کیے اُن کے لیے بخشش ہے) اُن کے رب کے پاس سے، (اور بڑا اجر ہے) بہشت میں ثوابوں کا۔

اَفَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًاؕ فَاِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ

تو کیا وہ بھی اُس کا مستحق ہے، جس کی بداعمالی اُس کی آنکھ میں بھلی کردی گئی، چنانچہ سمجھنے لگا اُسے اچھا، تو بلاشبہ اللہ،

مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۖؗ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَیْهِمْ

بے راہ رکھے جسے چاہے اور راہ دے جسے چاہے۔تو نہ جائے تمہاری جان اُن لوگوں پر

حَسَرٰتٍؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۸

افسوس کرنے میں۔بے شک اللہ جاننے والا ہے جو یہ لوگ کریں●

(تو کیا وہ بھی اُس کا مستحق ہے جس کی بداعمالی اُس کی آنکھ میں بھلی کردی گئی۔۔چنانچہ۔۔سمجھنے لگا اُسے اچھا)۔تو کیا ایسا شخص اُس شخص کے مثل ہے، جو اچھے کو بُرے سے تمیز کرتا ہے؟ اور ہر ایک کو اُس صفت پر دیکھتا ہے جو واقع میں ہے۔

جن بداعمالوں اور گمراہوں کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، انہیں میں ابوجہل اور عاص بن وائل ہے، جن کا بُرا کام شرک اور تکذیب ہے۔اِس سے یہود و نصاریٰ بھی مراد ہوسکتے ہیں، جن کا کام آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے عناد اور جھگڑا رہا۔ممکن ہے کہ اُس سے مراد خارجی اور رافضی ہوں، جن کا بُرا کام باطل تاویلیں ہیں۔

(تو بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (بے راہ رکھے جسے چاہے اور راہ دے جسے چاہے، تو) اے محبوب! (نہ جائے تمہاری جان اُن لوگوں پر افسوس کرنے میں)۔۔الغرض۔۔آپ کا دِل اُن پر حسرت زدہ نہ ہو۔یعنی اُن کی گمراہی پر آپ جو تاسف کرتے ہیں اور تحسر کا مظاہرہ فرماتے ہیں، آپ اُس کے مکلف نہیں۔تو

آپ تاسف نہ فرمائیں، اوراُن کے کاموں کے پیچھے اپنے جی کو مشقت میں نہ ڈالیں۔ (بے شک اللہ تعالیٰ (جاننے والا ہے جو یہ لوگ کریں)، تو وہ اُن کے کاموں پر اُن کو جزادے گا۔

۔۔الختصر۔۔اَے محبوب! اُن کافروں کے کفر پر ڈٹے رہنے اور شرک پر جمے رہنے سے، آپ کو جو غم ہورہا ہے اُس غم سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ جب انہوں نے کفر کو اختیار کرلیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُن میں گمراہی کو پیدا کردیا۔ اگر یہ ہدایت کو قبول نہیں کرتے، تو آپ اس پر افسوس نہ کریں، کیونکہ ہدایت کا پیدا کرنا اللہ کا کام ہے، آپ کا فریضہ نہیں ہے۔ اور نہ یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔

اب آگے حق تعالیٰ بنجر زمین کی زرخیزی سے حشر ونشر پر استدلال فرمارہا ہے۔۔۔

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ

اور اللہ ہے جس نے بھیجا ہواؤں کو، تو وہ اٹھاتی ہیں بادل کو، پھر ہم لے گئے اُسے مُردہ زمین والے شہر کی طرف،

فَاَحْيَيْنَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ⑨

پھر زندگی دی اُس سے زمین کو اُس کے مرچکنے کے بعد۔ اِسی طرح قیامت میں اٹھنا ہے●

(اور) فرماتا ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (ہے جس نے بھیجا ہواؤں کو، تو وہ اُٹھاتی ہیں بادل کو، پھر) یہ ہمارا ہی کام ہے، کہ (ہم لے گئے اُسے مردہ زمین والے شہر کی طرف)، اُس کی افسردگی ختم کر کے اُسے زندہ کرنے کے لیے۔ (پھر زندگی دی اس) پانی کے سبب (سے) جو ابَر سے برساتھا بنجر (زمین کو اُس کے مرچکنے) اور افسردہ ہوجانے (کے بعد)۔ (اِسی طرح) زندہ ہوکر (قیامت میں اُٹھنا ہے)۔ یعنی مَری ہوئی چیزوں کو جلانا اور مردوں کو قبروں سے اُٹھانا، دونوں اُس کی قدرت میں یکساں ہیں۔

تو جس طرح تم اُس ویران زمین کو آباد کرنے کے منکر نہیں ہوسکتے، ایسے ہی قبور سے زندہ اٹھنے کے بھی منکر نہ بنو۔ مشرکین بھی اپنی عجیب ذہنیت کا مظاہرہ کرتے تھے اور بت پرست ہونے پر اپنے کو معزز سمجھتے تھے، اور منافقین بھی جو مشرکین کی طرف سے معزز سمجھے جاتے تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ کافر جس کو عزت سمجھتے ہیں وہ مصنوعی عزت ہے، جو درحقیقت ذِلت ہے۔ اس لیے کہ حقیقی عزت وہ ہے جو دائمی اور باقی رہنے والی ہے۔ اور یہ کافروں کو نصیب نہیں۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ

جو چاہتا ہو عزت، تو اللہ ہی کے لیے ہے ساری عزت۔ اُسی کی طرف چڑھیں پاکیزہ کلمے،

الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَالَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ

اور نیک کام کو وہ بلندی دیتا ہے۔ اور جو چال کریں بُرائیوں کی، اُن کے لیے

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَمَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩

سخت عذاب ہے۔ اور اِن سب کی چال ملیامیٹ ہو جائے گی●

(جو چاہتا ہو عزت، تو) وہ اچھی طرح سمجھ لے، کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے ہے ساری عزت)۔ وہ دُنیوی عزت ہو۔۔یا۔۔اُخروی، کیونکہ اُس کے سوا کوئی اُس کا مالک نہیں۔ اُسی سے طاعت وعبادت اور تقویٰ سے عزت طلب کی جائے۔

دوسری آیت میں فرمایا گیا ہے، کہ "عزت اللہ ورسول اور اہلِ ایمان کے لیے ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عزت بحیثیت الٰہیت اور ربوبیت کے ہے، اور بحیثیت عطا اور منت اور فضل کے رسول کریم اور اہلِ ایمان کو ہے۔۔الحاصل۔۔اللہ تعالیٰ کی عزت سے رسول اور اہلِ ایمان معزز ہیں، بوجہ اُس کی عزت کے موافق ہونے کے۔ اور جو ذلیل ہیں تو اس کی مخالفت کی وجہ سے۔ حدیث میں ہے کہ "بے شک تمہارا پروردگار روزانہ اعلان فرماتا ہے، کہ میں عزیز ہوں۔ جو دارین کی عزت چاہتا ہے وہ عزیز کی اطاعت کرے۔۔المختصر۔۔عزت کی طلب کا ذریعہ ایمان اور اعمالِ صالحہ ہیں۔

اور (اُسی کی) رضامندی اور اس کی درگاہِ قبولیت کی (طرف چڑھیں پاکیزہ کلمے)، یعنی پاک باتیں۔۔یا۔۔جن صحیفوں میں نیک باتیں لکھی ہیں، وہ بلند ہونا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی قدرتِ الٰہی سے باہر نہیں کہ وہ انہیں پاکیزہ کلمات کو مجسم فرمادے، اور پھر انہیں اپنی بارگاہ میں حاضری کا شرف بخشے۔ (اور) بے شک اپنے کرم سے (نیک کام کو وہ بلندی دیتا ہے) اور اُس کو محلِ قبول میں پہنچاتا ہے، اس واسطے کہ اکیلی بات۔۔مثلاً: اخلاص، بغیر نیک عمل کے نفع بخش نہیں۔۔یا۔۔کلمہ طیب دُعا ہے اور عملِ صالح مساکین کو صدقہ دینا، اس واسطے کہ اکثر دُعائیں قبول ہونا صدقے دینے کے سبب سے ہے۔۔یا۔۔کلمہ اماموں کی دُعا ہے اور عملِ صالح مقتدیوں کا آمین کہنا۔۔یا۔۔کلمہ غازی کی تکبیر ہے اور عمل راہِ حق میں تلوار چلانا۔۔یا۔۔کلمہ استغفار ہے اور عمل ندامت۔ اور ان سب صورتوں میں کلموں کو اٹھانے والا،

عمل ہے۔

اور بعضے مفسرین اُٹھانے کی نسبت کلمہ طیب یعنی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کی طرف کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ توحید عمل کو اُٹھاتی ہے، اس واسطے کہ اعمال کا قبول ہونا توحید پر موقوف ہے۔ اور ایک قول یہ بھی ہے، کہ خدا اُٹھاتا ہے عملِ صالح کو، یعنی اُس کے مرتبہ کی قدر بلند فرماتا ہے۔ اِس سے مَردِ مخلص ہی کا عمل مُراد ہے، کہ کوئی چیز اس کی قدر و قیمت پر نہیں۔ اور جس کام میں ریاء ہو، وہ کام سب چیزوں سے زیادہ خوار اور بے مقدار ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ نہ ریا کاروں کے لیے کوئی اچھا انجام ہے (اور) نہ ہی مکر و فریب سے کام لینے والوں کا کوئی اچھا نتیجہ۔۔ چنانچہ۔۔ **(جو چال کریں برائیوں کی)** جس طرح قریش نے 'دارالندوہ' میں آنحضرت "صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم" کے تعلق سے پروگرام بنایا تھا، کہ آپ کو قید کیجیے۔۔ یا۔۔ قتل کر ڈالیے۔۔ یا ۔۔ شہر بدر کر دیجیے، جیسا کہ سورۂ انفال میں مذکور ہو چکا، تو (اُن) جیسے مکاروں **(کے لیے سخت عذاب ہے)** آخرت میں۔ **(اور)** دُنیا میں **(اُن سب کی چال ملیامیٹ ہو جائے گی)**۔

۔۔الغرض۔۔ اُن کا مکر بیکار اور کھوٹا ہو جائے گا، اور آگے نہ چلے گا۔ 'دارالندوہ' کے کفار کی چال جس طرح ملیامیٹ کر دی گئی، ہر دَور کے چالبازوں کا اُسی طرح کا ناکامیابی اور رسوائی کا انجام ہوتا رہے گا۔ اس سلسلے میں بنیادی بات یہی ہے کہ خدا نے جو چاہا وہی ہوا اور خدا ہی جو چاہے گا وہی ہوگا۔ خدا کی قدرت اور اس کی حکمت کو سمجھنے کے لیے خود اپنی ہی تخلیق پر کوئی غور کرے، تو یہ سمجھنا اُس کے لیے مشکل نہیں رہ جائے گا، کہ اللہ تعالیٰ ہی حقیقی قدرت و حکمت والا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ غور کرو۔۔۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمۡ اَزۡوَاجًا

اور اللہ نے پیدا فرمایا تمہیں مٹی سے، پھر ایک قطرہ سے، پھر کر دیا تمہیں جوڑا جوڑا۔

وَمَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ

اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت، اور نہ جنتی ہے، مگر اُس کے علم سے۔ اور نہیں عمر دیا جاتا کوئی سن رسیدہ،

وَّلَا يُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرٌ ⑪

اور نہ گھٹایا جائے اُس کی عمر سے، مگر سب ایک کتاب میں ہے۔ بے شک یہ اللہ کو آسان ہے ●

(اور) سوچو کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(نے پیدا فرمایا تمہیں)**، یعنی تمہاری اصل آدم علیہ السلام کو **(مٹی**

سے) جو بعث و نشور کی صحت پر واضح دلیل ہے۔ یعنی ابتداءً مٹی سے آدم علیہ السلام کے ضمن میں تمہاری اجمالی تخلیق فرمائی، تاکہ تم مٹی کی طرح متواضع اور متخاشع ہو۔ (پھر ایک قطرہ) صاف پانی (سے) جو باپ کی پشت اور ماں کے سینے سے خارج ہوتا ہے۔ قلیل ہو یا کثیر، تاکہ تم پانی کی طرح ہر کمال کو قبول کرنے والے ہو جاوٗ۔ یہی حیات کا سر اور عناصرِ اربعہ کا مبدء ہے۔

۔۔الختصر۔۔حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا، کیونکہ وہی تمام انسانوں کی اصل ہیں۔ اُس کے بعد نطفہ سے یعنی تناسل و توالد کے ذریعہ ذرّیتِ آدم پھیلائی۔ (پھر کر دیا تمہیں جوڑا جوڑا)، یعنی تمہیں مختلف رنگوں میں بنایا۔ سرخ سفید، کالے۔۔یا۔۔مرد اور عورتیں۔ اور اُن میں سے ہی تمہیں ایک دوسرے کے زن و شوہر بنایا۔ (اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی عورت اور نہ جنتی ہے، مگر اُس کے علم) اور مشیت (سے)۔

اِس کلام کا معنی یہ ہوا، کہ ہر حاملہ کا حمل اور وضعِ حمل کا عِلم اُسی کو ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اُس کا حمل کہاں ہے، کیا ہے، کتنے دن اور کتنی ساعات پیٹ میں رہے گا، اُس کے احوال کیا ہیں، کچا نکلے گا۔۔یا۔۔پورے ماہ کا ہو کر پیدا ہوگا، نر ہے۔۔یا۔۔مادہ وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ کو اِن ساری باتوں کا علم آلات و ذرائع کی مدد کے بغیر حمل ٹھہرنے سے پہلے ہی حاصل ہے۔

(اور نہیں عمر دیا جاتا کوئی سن رسیدہ، اور نہ گھٹایا جائے اُس کی عمر سے، مگر سب ایک کتاب میں ہے)، یعنی لوحِ محفوظ۔۔یا۔۔علمِ الٰہی میں۔۔یا۔۔ہر انسان کے صحیفے میں۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے، کہ معمر یعنی جو شخص طویل عمر پانے کے قابل ہو، اُس کو طویل عمر عطا کی جاتی ہے۔ اِس کا معنی یہ نہیں ہے، کہ اُس کی عمر پہلے لمبی تھی پھر گھٹائی جائے، بلکہ معنی یہ ہے کہ اس کی وہی عمر جو ابتداء میں کم رکھی گئی، وہ کتاب میں محفوظ ہے۔۔الحاصل۔۔جس کی جو عمر مقدر ہے، کم ہو۔۔یا۔۔زیادہ اُس میں کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔

ذہن نشین رہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں: 'تقدیرِ مبرم' اور 'تقدیرِ معلق'۔ 'تقدیرِ مبرم' اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اُس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ اور اُس میں تغیر ہونا اللہ تعالیٰ کے عِلم میں تغیر ہونے کو مستلزم ہے، اور اللہ تعالیٰ کے علم میں تغیر ہونا اس کے عِلم کے حدوث کو بلکہ جہل کو مستلزم ہے، اور تقدیر کی دوسری قسم 'تقدیرِ معلق' ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا علم اور اُس کی صفت نہیں ہے۔ کسی کی دُعا یا کسی نیکی سے تقدیر بدل جاتی ہے۔۔مثلاً: پہلے لوحِ محفوظ میں ایک شخص کی

عمر ساٹھ سال لکھ دی۔ اُس نے کوئی نیکی کی تو ساٹھ سال کو مٹا کر ستر سال لکھ دی۔ اگر نیکی نہ کی تو اُسی ساٹھ سال کو برقرار رکھا۔ یہ 'قضاءِ معلق' میں تبدیلی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو ازل میں علم تھا، کہ وہ نیکی کرے گا۔۔یا۔۔نہیں اور وہی 'قضاءِ مبرم' ہے۔

(بے شک یہ) یعنی تخلیق اور اُس کا مابعد، باوجودیکہ جملہ امور حیران کن ہیں، مگر ان کا ہر ایک (اللہ) تعالیٰ (کو آسان ہے)۔ کیونکہ اُسے اسباب کی ضرورت نہیں۔ جیسے یہ امور اس کے لیے آسان ہیں، تو مَرنے کے بعد تمہارا اُٹھنا بھی اس کے لیے آسان ہے۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ اُس کی قدرت کا عالَم یہ ہے، کہ دو دریا پیدا فرمائے۔ دیکھنے میں دونوں ایک طرح نظر آتے ہیں اور برابر معلوم ہوتے ہیں۔۔۔

وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ۖ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۖ

اور نہیں برابر ہیں دونوں دریا۔ کہ یہ میٹھا شیریں خوشگوار پانی والا، اور یہ کھاری تلخ۔

وَمِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ

اور ہر ایک سے کھاتے رہتے ہو تازہ گوشت، اور نکالتے رہتے ہو زیور جسے پہنتے ہو۔

وَتَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۲

اور دیکھتے رہتے ہو کشتیوں کو اس میں پھاڑتی چیرتی ہوئی، تاکہ تلاش کرو اُس کا فضل، اور تاکہ شکر ادا کرو●

(اور) حقیقتِ حال یہ ہے کہ (نہیں برابر ہیں دونوں دریا)، کیوں (کہ) اس میں سے ایک (یہ) ہے جو (میٹھا شیریں خوشگوار پانی والا) ہے، (اور) دوسرا (یہ) ہے جو (کھاری تلخ) ہے، جس کی کڑواہٹ اور ناگواری کے سبب اُس کو پی نہیں سکتے۔ تو دونوں دریا ایک جیسے کیسے رہے؟ اُن دونوں دریاؤں کی شیرینی اور تلخی اپنی جگہ پر، لیکن اُن سے بھی تمہیں خدا کی نعمتیں ملتی رہتی ہیں۔ (اور ہر ایک سے کھاتے رہتے ہو تازہ گوشت) یعنی مچھلی، (اور نکالتے رہتے ہو) دریائے شور سے خاص کر کے موتی کا (زیور)، جسے تمہاری عورتیں پہنتی ہیں۔ اور چونکہ عورتوں کے پہننے کے لائق بنا کر تم اپنی عورتوں کو پہناتے ہو، تو یہ خود تمہارا استعمال کرنا ہوا۔ تو اب یہ مجازاً کہا جاسکتا ہے، کہ (جسے) تم (پہنتے ہو) یعنی استعمال کرتے ہو اور اپنی عورتوں کو پہناتے ہو، (اور) دریا سے دوسرے فائدے بھی حاصل کرتے رہتے ہو۔۔چنانچہ۔۔(دیکھتے رہتے ہو کشتیوں کو اُس میں)۔ یعنی اُن دونوں دریاؤں میں سے ہر ایک

میں (پھاڑتی چیرتی ہوئی) ان کے پانی کو اور پانی پر چلتی ہوئی، (تا کہ تلاش کرو اُس کا فضل) دریائی تجارتی سفر کا نفع، (اور تا کہ شکر ادا کرو) ایسی نعمت پر۔ اُس کی قدرت اور اُس کا کرم تو دیکھو، کہ ہمارے فائدے کے لیے۔۔۔

يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ

وہ سموتا ہے رات کو دن میں، اور سموتا ہے دن کو رات میں۔ اور مسخر کر دیا سورج اور چاند کو۔

كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ

ہر ایک چلتا رہتا ہے وقتِ معین تک۔ یہ ہے اللہ، تمہارا پالنے والا، اُسی کا ملک ہے۔ اور جن کی

تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ﴿۱۳﴾

دُہائی دیتے ہو اُس کے خلاف، نہیں ملکیت رکھتے کھجور کی گٹھلی کے چھلکے برابر●

(وہ سموتا ہے رات کو دن میں) یعنی رات کو کسی قدر دن میں بڑھا دیتا ہے جب کہ دن رات سے بڑھ جاتا ہے، (اور سموتا ہے دن کو رات میں)، یعنی دن کی گھڑیوں میں سے رات کی گھڑیوں میں بڑھا دیتا ہے کہ رات کی ساعتیں دن کی ساعتوں سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔ (اور مسخر کر دیا سورج اور چاند کو)، یعنی اپنے حکم کا تابع کر لیا۔ (ہر ایک چلتا رہتا ہے وقتِ معین تک)۔ یعنی زمانہ معلوم تک، کہ اپنا دور تمام کریں۔۔یا۔۔قیامت کے دن تک، کہ اپنی سیر سے باز رہیں۔

(یہ ہے اللہ) تعالیٰ جو خالق اور فاعل ان چیزوں کا ہے، اور (تمہارا پالنے والا) ہے۔ اور (اُسی کا ملک ہے) یعنی اُسی کے لیے سارے جہان کی بادشاہی ہے۔ (اور) کافرو لوگو! تم (جن کی دُہائی دیتے ہو) اور جن معبودوں کو پکارتے ہو (اُس کے خلاف) یعنی خدا کے سوا، وہ (نہیں ملکیت رکھتے کھجور کی گٹھلی کے چھلکے برابر)۔ پس مالکِ مطلق اور معبودِ برحق وہی ہے۔

اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ

اگر اُن کی دُہائی دیتے ہو، تو وہ نہیں سنتے تمہاری دُہائی کو۔ اور اگر سنتے، تو کام نہیں آتے تمہارے۔

وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ ع

اور قیامت کے دن انکار کر دیں گے تم لوگوں کے شرک کا۔ اور تمہیں نہ بتائے گا اللہ خبیر کی طرح●

(اگراُن کی دہائی دیتے ہو) اورانہیں پکارتے ہوجوتمہارے معبودِ باطل ہیں، (تو وہ نہیں سنتے تمہاری دُہائی کو)۔تو وہ نہ تم کو نفع پہنچا سکتے ہیں، اور نہ ہی تم سے کوئی مضرت زائل کر سکتے ہیں۔(اور اگر) بالفرض (سنتے ،تو کام نہیں آتے تمہارے)۔اس واسطے کہ وہ نفع پہنچانے ،ضرر دفع کرنے پر قادر نہیں ہیں۔(اور قیامت کے دن اِنکار کردیں گےتم لوگوں کے شرک کا)۔یعنی تم لوگوں کے شرک کے باطل ہونے کا اقرار کریں گے۔۔یا۔۔سرے سے تمہاری پرستش ہی کے منکر ہو جائیں گے، کہ ''نہ تھے تم ہم کو پوجتے''۔ بلکہ تم اپنی ہَوا ہوس اوراپنی ہی خواہش کے پجاری تھے۔سنو(اور) یادرکھو! کہ کافروں کی مذکورہ بالا اِنکار کی باتیں اورکاموں کی حقیقت (تمہیں نہ بتائے گا اللہ) تعالیٰ (خبیر کی طرح)، کیونکہ وہی ہے جوحقیقتِ امور جانتا ہے۔

خیال رہے کہ ''مثل فلان خبیر'' یہ کلامِ عرب کاایک محاورہ ہے۔اسے ایسی مخبر کی خبروں میں استعمال کرتے ہیں جس کا کلام نفس الامر میں معتمد اور پختہ ہو۔اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے سوا معتمد، پختہ اور سچا کس کا کلام ہوسکتا ہے؟

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾

اَے لوگو! تم لوگ محتاج ہو اللہ کے، اور اللہ ہی بے نیاز حمد والا ہے●

(اَے لو! گوتم لوگ محتاج ہو اللہ) تعالیٰ (کے)، اس کی روزی اور بخشش اور خوشی اور بہشت پانے میں۔(اور اللہ) تعالیٰ (ہی بے نیاز) ہے۔اپنی مطلق بے نیازی کے ساتھ نعمت دینے والا ہے سب موجودات کو۔اور (حمد والا ہے) یعنی تعریف کیا ہوا ہے نعمتِ عام اور فضل شامل پر۔

جاننا چاہیے کہ ماہیاتِ ممکنہ اپنے وجود میں محتاج ہیں فاعل کی، اور اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اشارہ اس کی طرف ہے کہ حق تعالیٰ اپنے کمالِ ذاتی کے سبب سے عالَم اور اہل عالم کے وجود سے مستغنی ہے۔اور اَللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ اُسی سے عبارت ہے۔اور چونکہ کمالِ آسمانی کا ظہور موقوف ہے اعیان ممکنات کے وجود پر، تو ان کی ایجاد بڑی نعمت ہے کہ ایجاد کرنے والا احمد وثنا کا مستحق ہے۔اور کلمہ اَلْحَمِيْدُ اُس کی طرف اشارہ کررہا ہے۔وہ حکیم وقدیر۔۔۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾

اگر چاہے تو لے جائے تمہیں اور لے آئے نئی مخلوق● اور نہیں ہے یہ اللہ پر دشوار●

(اگر چاہے تو لے جائے تمہیں) روئے زمین سے، یعنی ہلاک کردے (اور لے آئے نئی مخلوق)۔ یعنی ایسی قوم جو تم سے زیادہ فرمانبردار ہو۔۔۔یا۔۔۔ایسا گروہ پیدا کرے کہ کسی نے نہ دیکھا نہ سنا ہو۔ (اور نہیں ہے یہ) تمہارا لے جانا اوراوروں کا لانا، (اللہ) تعالیٰ (پر دشوار)۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ

اور نہیں اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ۔ اور اگر کوئی بوجھ سے لدی جان، بُلائے بوجھ بٹانے کو،

مِنْهُ شَیْءٌ وَّلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ

تو نہ بوجھ اٹھایا جائے گا اس کا کچھ، گو رشتہ دار ہو۔ تم ڈرنے والا اُنہیں کو کرتے ہو جو خوف کھائیں اپنے رب کا بے دیکھے،

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَمَنْ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِهٖ ؕ

اور پابندی کی نماز کی۔ اور جو ستھرا ہوا، تو وہ ستھرا ہوتا ہے اپنے ہی لیے۔

وَاِلَی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۸﴾

اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے●

(اور نہیں اُٹھائے گا کوئی) نفس گمراہ، گناہوں کا (بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے) کے گناہوں (کا بوجھ، اور اگر کوئی) گناہوں کے (بوجھ سے لدی جان بلائے بوجھ بٹانے کو، تو نہ بوجھ اٹھایا جائے گا اُس کا کچھ)۔ یعنی جو پکارا گیا ہے وہ کچھ پکارنے والے کے گناہ میں سے نہ اٹھائے گا۔ (گو) جسے پکارا گیا ہے، وہ (رشتہ دار) ہی (ہو)۔ یعنی ہر چند کوئی گنہ گار اپنے قرابت والوں کو پکارے اور چاہے کہ کچھ اُس کی خطاؤں میں سے اُٹھالیں، کوئی جواب بھی نہ دے گا۔ اس واسطے کہ سب اپنے حال میں عاجز اور درماندہ ہوں گے۔

اَے محبوب! (تم ڈرنے والا انہیں کو کرتے ہو جو خوف کھائیں اپنے رب کا بے دیکھے)۔ یعنی اس کا عذاب اُن سے چھپا ہوا ہے، اور بے دیکھے اُس عذاب سے ڈرتے ہیں۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔اپنے رب سے پوشیدہ ڈرتے ہیں۔ یعنی خلوتوں میں ڈر کا اثر اُن پر ظاہر ہے، صحبتوں میں نہیں۔۔۔الغرض۔۔۔وہ اپنے خوفِ الٰہی کی نمائش نہیں کرتے۔

۔۔۔المختصر۔۔۔وہ ڈرتے رہے (اور پابندی کی نماز کی)۔ اور [illegible] پابندی [illegible] کرتے رہے۔ تو یہی وہ لوگ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت [illegible]

ہیں۔اور اپنے کو مزکی، مصفٰی اور ستھرا بنا لینے والے ہیں۔(اور جو ستھرا ہوا، تو وہ ستھرا ہوتا ہے اپنے ہی لیے)۔اس لیے کہ پاکیزگی کا نفع اُسی کی ذات کو ملنے والا ہے۔(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف) سب کا (پھرنا ہے)۔اور اُسی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔تو پاکیزہ لوگوں کو اُن کی پاکیزگی پر جزا دے گا۔

وَمَا يَسۡتَوِي الۡاَعۡمٰى وَالۡبَصِيۡرُ ﴿١٩﴾ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوۡرُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظِّلُّ

اور نہیں برابر ہے اندھا، اور آنکھ والا● اور نہ اندھیریاں اور اجالا● اور نہ سایہ

وَلَا الۡحَرُوۡرُ ﴿٢١﴾ وَمَا يَسۡتَوِي الۡاَحۡيَآءُ وَلَا الۡاَمۡوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسۡمِعُ

اور دھوپ● اور نہ برابر ہوں زندے اور مُردے۔بے شک اللہ سننے کا فائدہ دے

مَنۡ يَّشَآءُ ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ بِمُسۡمِعٍ مَّنۡ فِي الۡقُبُوۡرِ ﴿٢٢﴾

جسے چاہے۔اور تم نہیں ہو سننے کا فائدہ دینے والے، اِن دفن کیے ہوؤں کو●

(اور نہیں برابر ہے اندھا) یعنی کافر۔۔یا۔۔جاہل۔۔یا۔۔گمراہ، (اور آنکھ والا) یعنی مؤمن ۔۔یا۔۔عالم۔۔یا۔۔ہدایت یافتہ۔(اور نہ) باطل۔۔یا۔۔گناہوں کی (اندھیریاں اور) حق واطاعت کا (اجالا● اور نہ سایہ) یعنی ثواب۔۔یا۔۔بہشت۔۔یا۔۔راحت (اور دھوپ) یعنی عذاب۔۔یا۔۔دوزخ۔۔یا۔۔زحمت۔(اور نہ برابر ہوں زندے اور مُردے)۔یعنی مؤمنوں کو کافروں کے ساتھ برابری نہیں۔(بے شک اللہ) تعالیٰ (سننے کا فائدہ دے جسے چاہے) توفیق اور ہدایت کے ساتھ۔(اور تم نہیں ہو سننے کا فائدہ دینے والے اُن دفن کیے ہوؤں کو)۔

مَّنۡ فِي الۡقُبُوۡرِ کا ذکر مُردوں کے ساتھ کافروں کی تمثیل ہے۔

مذکورہ بالا ارشاد کا حاصل یہ ہے، کہ ارشاد و ہدایت کا فائدہ اُسی کو ملتا ہے، جو اُسے قبول کرے۔اور کسی پیغام کو قبول کرا دینا، یہ صرف خدائے قادر و مختار کے اختیار میں ہے۔ان کافروں کا حال یہ ہے کہ آنکھ رکھتے ہیں مگر حق نہیں دیکھتے، تو گویا اندھے ہیں۔کان رکھتے ہیں مگر حق نہیں سنتے ہیں، تو گویا بہرے ہیں۔منہ رکھتے ہیں مگر حق نہیں بولتے، تو گویا گونگے ہیں۔اور جان رکھتے ہیں مگر حق پر قربان نہیں کرتے، تو گویا مُردے ہیں۔دھرتی کے اوپر چلتے ہیں مگر حق کی حمایت نہیں کرتے، تو گویا زمین کے اندر اپنی قبروں میں ہیں۔

اِن تمثیلات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے، یہ کافر دھرتی کے اوپر چلتے پھرتے مُردے ہیں۔تو حق کو قبول کرنے کے تعلق سے اُن کے جملہ اوصاف و احوال مُردوں کے احوال

واوصاف سے مشابہت رکھتے ہیں۔ تو اَے محبوب! آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ آپ بحسن خوبی اپنا فریضۂ نبوت ادا فرما رہے ہیں، کیونکہ۔۔۔

إِنْ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ

تم تو بس ڈرسنا دینے والے ہو● بے شک ہم نے بھیجا تمہیں حق کے ساتھ، خوشخبری دینے والا ڈرسنانے والا۔

وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ﴿٢٤﴾

اور نہیں ہے کوئی امت، مگر گزرا اُس میں کوئی ڈرسنانے والا●

(تم تو بس ڈرسنا دینے والے ہو● بے شک ہم نے بھیجا تمہیں) دینِ (حق کے ساتھ) یعنی اسلام کے ساتھ۔ (خوشخبری دینے والا) ثواب کی، (اور ڈرسنانے والا) عذاب کا۔ (اور) اَے محبوب! تمہارا نذیر ہونا کوئی نئی اور نادر بات نہیں، کیونکہ (نہیں ہے کوئی امت مگر گزرا اس میں) میرا فرستادہ (کوئی ڈرسنانے والا) اور آگاہی دینے والا۔

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور اگر جھٹلائیں تمہیں، تو بے شک جھٹلا چکے ہیں جو اُن سے پہلے تھے۔ لاتے رہے اُن کے پاس اُن کے رسول

بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾

دلیلوں اور صحیفوں اور روشن کرنے والی کتاب کو●

(اور اگر جھٹلائیں تمہیں) قریش کے معاند (تو) تعجب نہ کریں، کیونکہ (بے شک جھٹلا چکے ہیں) اپنے پیغمبروں کو (جو ان سے پہلے تھے) درآنحالیکہ (لاتے رہے اُن کے پاس اُن کے رسول دلیلوں) یعنی ظاہر معجزوں (اور صحیفوں) یعنی آسمانی چھوٹی کتابوں، جیسے حضرت شیث اور حضرت ادریس اور حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہم السلام کے صحیفوں اور حلال وحرام کے احکام کو بیان کرنے والی (اور روشن کرنے والی کتاب کو)، جیسے توریت وانجیل۔

ثُمَّ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾ ع ۱۴ ۱۵

پھر گرفتار کیا میں نے اُنہیں، جنہوں نے انکار کیا، تو کیسی ہوئی میری ناگواری●

(پھر) تکذیب کے بعد (گرفتار کیا میں نے انہیں جنہوں نے اِنکار کیا) اور ایمان نہ لائے،
(تو کیسی ہوئی میری ناگواری) اُن کے تعلق سے عذاب و عقاب کے ساتھ۔
یعنی جب کافروں پر اللہ تعالیٰ کی حجت تمام ہوگئی اور وہ اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے باز نہیں آئے، تو پھر اللہ تعالیٰ کے عذاب نے اُن کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ فَأَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا ۚ
کیا تم نے نہیں دیکھا، کہ بلاشبہ اللہ نے اتارا آسمان کی طرف سے پانی، پھر نکالا ہم نے اُس سے کئی پھل، جدا جدا رنگوں کے
وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿۲۷﴾
اور پہاڑوں سے راستے، سفید و سرخ رنگا رنگ، اور کالے بھوجنگے●

اِس سے پہلی آیتوں میں کفار سے خطاب فرمایا تھا اور اِس آیت میں دو احتمال ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اِس آیت میں بھی کفار سے خطاب فرمایا ہو، اور ان پر اپنی توحید کی دلیل پیش کی۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اِس آیت میں نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم سے خطاب فرمایا ہو، اور آپ کے سامنے اپنی توحید کی دلیل پیش کی، تاکہ آپ یہ دلیل لوگوں کو سمجھائیں۔

اس آیت سے توحید پر اِس طرح استدلال ہے، کہ پانی کی طبیعت واحدہ ہے، اور واحد چیز کا اثر بھی واحد ہوتا ہے۔ پس اگر پھولوں کی پیدائش میں یہ پانی موثر ہوتا، تو تمام پھول ایک ہی رنگت کے ہوتے۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ پھول مختلف رنگ کے ہیں، تو معلوم ہوا کہ پانی اُن پھولوں کی پیدائش میں موثر نہیں۔

پھر اگر کسی کو یہ تردد ہو کہ زمین اور پہاڑی علاقے پھولوں کی پیدائش میں موثر ہیں، تو اِس کا ازالہ فرمایا، کہ پہاڑ سفید، سرخ اور گہرے سیاہ ہیں، تو پھر زرد پھول اور نیلے پھول کس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور پہاڑوں میں اُن مختلف رنگوں کو کون پیدا کرنے والا ہے۔ پھولوں کی پیدائش میں تم جس پانی اور زمین کو موثر سمجھ رہے ہو، اُس پانی اور زمین کا خالق کون ہے؟

دوسری آیت کے شروع میں بھی رنگوں کے اختلاف سے اپنی توحید پر استدلال فرمایا، کہ انسانوں، جانوروں اور چوپایوں کے بھی مختلف رنگ ہیں، ان مختلف رنگوں کا خالق کون ہے؟ حضرت عیسیٰ اور عزیر اُن کے خالق نہیں ہوسکتے، کیونکہ اُن کے پیدا ہونے سے پہلے بھی اُن کے مختلف رنگ تھے۔

سورج، چاند اور ستارے اُن کے خالق نہیں ہوسکتے، کیونکہ جب یہ غروب ہوجائیں۔۔یا ۔۔اُن کو گہن لگ جائے، تب بھی یہ رنگ اُسی طرح وجود میں آتے رہتے ہیں۔۔نیز۔۔سورج اور چاند تو خود ایک نظام کے تابع ہوکر گردش کررہے ہیں۔سیاروں کی گردش اور ستاروں کا طلوع اور غروب بھی ایک نظام کے تابع ہے، اور جو خود کسی کے تابع ہو وہ کسی دوسرے کے لیے موثر کب ہوسکتا ہے؟ اور رہی پتھر کی وہ مورتیاں جن کو تم خود اپنے ہاتھوں سے تراش کر اُن کی پرستش کرتے ہو، تو اُن کا کسی چیز کے لیے موثر ہونا بداھۃً باطل ہے، جو اپنے وجود میں تمہارے بنانے کے محتاج ہیں، وہ تمہارے خالق کب ہوسکتے ہیں؟ انہیں مذکورہ بالا حقائق کو سمجھانے کے لیے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

(کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (نے اُتارا آسمان کی طرف سے) اَبر سے (پانی، پھر نکالا ہم نے اُس سے کئی پھل) میوے، (جدا جدا رنگتوں کے)۔یعنی اُن کی جنسیں۔۔یا۔۔قسمیں رنگ رنگ کی ہیں۔۔یا۔۔اُن کی شکلیں اور ہیئتیں مختلف ہیں۔ (اور) جو چیز پیدا کی ہم نے۔(پہاڑوں سے راستے) مختلف رنگ کے، یعنی کوئی رنگارنگ کی لکیروں والے ہیں، اور کوئی (سفید و سرخ رنگارنگ) والے، یعنی اُن کی سرخیاں بھی طرح طرح کی ہیں، کوئی تیز اور شوخ اور نہایت سرخ اور بعض ہلکے رنگ کے۔(اور) یوں ہی (کالے بھوچنگے) یعنی سیاھیاں نہایت سیاہ۔

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ

اور انسانوں میں، اور جانوروں اور چوپایوں میں، الگ الگ رنگ ہیں اُسی طرح۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

اللہ سے ڈرتے ہیں اُس کے بندوں سے صرف عالم لوگ۔بےشک اللہ غلبہ والا مغفرت فرمانے والا ہے●

(اور انسانوں میں اور جانوروں اور چوپایوں میں الگ الگ رنگ ہیں اِسی طرح)۔یعنی پھلوں اور پہاڑوں کے رنگ مختلف ہونے کے مانند۔اور جو کوئی نہ جانے گا خدا کی قدرت چیزیں پیدا کرنے میں، اور ہر چیز کو ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھیرنے کا علم نہ رکھتا ہوگا، وہ کیونکر خدا سے ڈرے گا۔اسی لیے (اللہ) تعالیٰ (سے ڈرتے ہیں اس کے بندوں سے صرف عالم لوگ)۔اس واسطے کہ جس سے ڈرتے ہیں اُسے اور اُس کا علم اور صفتیں اور افعال جاننا ڈرنے میں شرط ہے

کو علم زیادہ ہوتا ہے اس کو خوف زیادہ ہوتا ہے۔

اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ میں تم میں سے سب سے زیادہ خدا کا علم رکھتا ہوں، اسی لیے تم میں سے سب سے زیادہ خشیتِ الٰہی والا ہوں۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (غلبہ والا) ہے۔ یعنی غالب ہے بدلہ لینے میں اُس سے جو خدا سے نہ ڈرے، اور (مغفرت فرمانے والا ہے) اور بخشنے والا ہے ڈرنے والوں کو۔۔اور۔۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَٰبَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ

بے شک جو تلاوت کریں اللہ کی کتاب کو، اور پابندی کی نماز کی، اور خیرات کیا جو ہم نے اُنہیں روزی دی،

سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ ﴿٢٩﴾

چھپا کر اور دکھا کر، وہ صحیح امیدوار ہیں ایسی تجارت کے جو برباد نہ ہوگی●

(بے شک جو تلاوت کریں اللہ) تعالیٰ (کی کتاب) قرآنِ کریم (کو)، اور اس کی پیروی کریں، (اور) ساتھ ہی ساتھ انہوں نے (پابندی کی نماز کی) اُس کے آداب وشرائط کے ساتھ، (اور خیرات کیا) ہماری خوشنودی کے لیے ہماری راہ میں اُس میں سے (جو ہم نے انہیں) حلال (روزی دی، چھپا کر) ریاکاری کے خیال سے بچنے کے لیے، (اور دکھا کر) اوروں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی رغبت دلانے کے لیے۔

۔۔یا۔۔ چھپانا مسنون صدقوں میں ہوتا ہے، اور ظاہر کرنا ان میں جو فرض ہیں۔ (وہ صحیح امیدوار ہیں ایسی تجارت کے جو برباد نہ ہوگی)۔ یہ ایسی سوداگری ہے جو نہ ہلاک ہو، نہ بگڑے اور نہ ہی اُس میں نقصان پہنچے، بلکہ بازارِ قیامت کے دن اُن کے اعمال کی متاع خوب رواج پائے ان عملوں پر جو انہوں نے کیے ہیں۔

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِۦٓ ۚ إِنَّهُۥ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٣٠﴾

تا کہ پورا پورا دے اُنہیں اُن کی مزدوریاں، اور زیادہ دے اُنہیں اپنے فضل سے۔۔بے شک وہ مغفرت فرمانے والا قدر فرمانے والا ہے●

(تا کہ پورا پورا دے) حق تعالیٰ (انہیں اُن کی مزدوریاں) یعنی اُن کے کاموں کا اجر۔ (اور زیادہ دے انہیں) یعنی بڑھائے اُن کی نیکیاں (اپنے فضل سے)۔ یعنی ان کو شفاعت کا مرتبہ عطا

فرمائے، اور اُن کی شفاعت ان لوگوں کے باب میں قبول فرمائے، جن پر دوزخ کی آگ واجب ہوچکی ہے۔ (بے شک وہ مغفرت فرمانے والا) ہے گنہگاروں کی، اور (قدر فرمانے والا ہے) یعنی اجر عطا فرمانے والا ہے شکر گزاروں کو۔

وَالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ ؕ

اور جو وحی بھیجی ہم نے تمہاری طرف کتاب، وہ بالکل ہی درست ہے، تصدیق کرنے والی اپنے سے اگلی کتابوں کی۔

اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیْرٌۢ بَصِیْرٌ ﴿۳۱﴾

بے شک اللہ اپنے بندوں سے یقیناً خبر دار نگراں ہے●

(اور) اَے محبوب! (جو وحی بھیجی ہم نے تمہاری طرف کتاب) یعنی قرآنِ کریم، (وہ بالکل ہی درست) اور حق و صحیح (ہے) جو (تصدیق کرنے والی) ہے (اپنے سے اگلی کتابوں کی)۔ یعنی اگلی آسمانی کتابوں کے مطابق ہے، اُن کے عقائد اور اصولِ احکام میں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (اپنے بندوں سے یقیناً خبر دار) ہے، وہ اُن کی دِلی باتوں سے بے خبر نہیں اور ان پر (نگراں ہے)، اور اُن کے ظاہری کام دیکھتا ہے۔ اور بندوں کے حالات اُس پر پوشیدہ نہیں، کہ قرآنِ کریم کی تصدیق کرتے ہیں۔۔یا۔تکذیب؟

پھر فرمایا، کہ ہم نے اگلی کتابیں تو اگلی امتوں پر بھیجیں۔۔۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِیْنَ اصْطَفَیْنَا مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ

پھر وارث بنایا ہم نے کتاب کا اُنہیں، جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں سے۔ تو کوئی اُن کا ظالم ہے

لِّنَفْسِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَیْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

اپنے اوپر، اور کوئی درمیانی چال کا۔ اور کوئی آگے بڑھ جانے والا بھلائیوں میں اللہ کے حکم سے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ ﴿۳۲﴾

یہ بڑا ہی فضل ہے●

(پھر وارث بنایا ہم نے کتاب کا انہیں)، یعنی قرآنِ کریم کو تاخیر سے نازل فرمایا اور بطور میراث دیا اُن کو (جن کو چن لیا ہم نے اپنے بندوں سے) اور اپنا برگزیدہ بنالیا۔ یعنی خاتم الانبیاء ﷺ

کی امت کو۔

'عطا' کو حق تعالیٰ نے 'میراث' فرمایا، اس لیے کہ 'میراث' وہ مال ہوتا ہے جو بے محنت اور بے مانگے ہاتھ آئے، اسی طرح یہ بڑا عطیہ یعنی قرآن بے مؤمنوں کی جستجو کے، محض عنایتِ ربانی سے اُن تک پہنچا ہے۔۔یا۔۔جس طرح بیگانہ 'میراث' میں داخل نہیں، اُسی طرح دشمن بھی قرآن سے بے نصیب ہیں۔۔یا۔۔'میراث' کے حصوں میں 'تفاوت' ہے، جیسے آٹھواں حصہ، چھٹا حصہ، چوتھائی، ایک تہائی، نصف، دوتہائیاں، اور کوئی میراث پوری لے لیتا ہے، تو اِسی طرح اہلِ قرآن کے حصے بھی متفاوت ہیں۔ ہر ایک اپنے استحقاق اور استعداد کے موافق قرآن کے حقائق سے بہرہ مند ہوتا ہے۔

(تو کوئی ان کا ظالم ہے اپنے اوپر) قرآنِ کریم کے موافق عمل کرنے میں کمی کرکے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈالنے والا۔ **(اور کوئی درمیانی چال کا)**، جو اکثر اوقات قرآن پر عمل کرتا ہے۔ **(اور کوئی آگے بڑھ جانے والا بھلائیوں میں)**۔ کیونکہ ہمیشہ احکامِ قرآنی پر عمل کرتا ہے **(اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے)** اور اُس کی توفیق سے۔ اور **(یہ)** وارث کردینا اور برگزیدہ کرلینا، اللہ تعالیٰ کا **(بڑا ہی فضل ہے)**۔

حضرت فاروقِ اعظم نقل کرتے ہیں، کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے، کہ ہم میں سے 'سابق' یعنی پیشی لے جانے والا سب پر پیشی لے گیا ہے، اور ہمارے 'مقتصد' یعنی میانہ رُو نے نجات پائی، اور ہم میں جو 'ظالم' ہے وہ بخشا ہوا ہے۔ حضور ﷺ سے ان تینوں گروہوں کے تعلق سے، یہ تفسیر بھی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ 'سابق' وہ لوگ ہیں، جو بے حساب بہشت میں جائیں گے۔ اور 'مقتصد' وہ ہے جس کا حساب آسانی سے ہوجائے گا۔ اور 'ظالم' وہ جو ایک مدت تک موقفِ حساب میں رہیں گے، اور حق تعالیٰ اپنی 'رحمتِ واسعہ' سے اُن کے حال کی تلافی کرے گا۔

ذوالنون قدس سرہٗ نے کہا ہے، کہ ہمارے 'سابق' اہلِ جہاد ہیں، اور ہمارے 'مقتصد' وہ ہیں جو گھر میں رہیں جہاد میں نہ جائیں، مگر جماعتِ نماز میں حاضر ہوں۔ اور ہمارے 'ظالم' وہ ہیں جو میدانوں میں رہتے ہیں، نہ جہاد پر کمر باندھتے ہیں نہ جماعت کی دولت پاتے ہیں۔

امام ابواللیث نے فرمایا ہے، کہ 'سابق' وہ ہے، جو ہجرت سے پہلے ایمان لایا، اور 'مقتصد' وہ ہے جو ہجرت کے بعد مکہ معظمہ فتح ہونے کے قبل ایمان لایا، اور 'ظالم' وہ ہے جو فتحِ مکہ کے بعد اسلام میں داخل ہوا۔

اصحابِ تفسیر وتذکیراورارباب تحقیق وتدقیق نے اُن تینوں گروہوں کے باب میں بہت کچھ کہا ہے۔تبرکاً چند باتیں یہاں بیان کی جاتی ہیں، اُس ترتیب پر جو قرآنِ کریم میں مذکور ہے، یعنی پہلے 'ظالم'، درمیان میں 'مقتصد'، اوراخیر میں 'سابق'۔

حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے فرمایا ہے، کہ۔۔وہ جاہل[1] ہیں۔۔اور۔۔علم[2] حاصل کرنے والے ہیں۔۔اور۔۔عالم[3] ہیں۔

بعضوں نے کہا کہ طالبِ[1] دُنیا ہیں۔۔اور۔۔مائلِ[2] عقبیٰ۔۔متوجہ[3] بمولیٰ۔۔یا۔۔صاحب کبیرہ[1]۔۔اور۔۔مرتکبِ صغیرہ[2]۔۔اور۔۔جرم[3] سے مبرا۔۔یا۔۔گناہ[1] پر مصر۔۔اور۔۔تائب[2] توبہ شکن۔۔اور۔۔تائب[3] جو ثابت ہو توبہ پر اوّل سے آخر تک۔۔یا۔۔جس کی[1] معاش معاد پر غالب ہو۔۔اور۔۔وہ جو[2] دونوں سے متعلق ہو۔۔اور۔۔وہ جس کی[3] معاد معاش پر غالب ہو۔۔یا۔۔عبادت[1] کرنے والا عادت کے طور پر۔۔اور عبادت[2] کرنے والا خوف اور طمع سے، اور عبادت[3] کرنے والا للہ فی اللہ یعنی خالصاً لوجہ اللہ۔۔یا۔۔بے صبری[1] کرنے والا ابتلا پر۔۔اور۔۔صبر[2] کرنے والا ابتلا پر۔۔اور۔۔لذت[3] پانے والا ابتلا سے۔۔یا۔۔حرام[1] کھانے والا۔۔اور۔۔مائل[2] مالِ مشتبہ پر۔۔اور۔۔حلال کھانے[3] والا۔۔یا۔۔ذکر[1] سے غافل۔۔اور۔۔ذکر[2] میں مشغول۔۔اور۔۔مذکور[3] کی طرف متوجہ۔۔یا۔۔گنہگار[1]۔۔اور۔۔تائب[2]۔۔اور۔۔متقی[3]۔۔یا۔۔غافل[1]۔۔اور۔۔طالب[2]۔۔اور۔۔واجد[3] یعنی پانے والا۔۔یا۔۔وہ[1] جس کی بُرائیاں نیکیوں پر زیادہ ہوں۔۔اور۔۔جس کی[2] نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں، وہ[3] جس کی نیکیاں بُرائیوں سے زیادہ ہوں۔۔یا۔۔وہ[1] جس کا ظاہر باطن سے بہتر ہو۔۔اور۔۔وہ[2] جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو۔اور وہ[3] جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہو۔۔یا۔۔وہ[1] جو دوسروں سے لے اور دے نہیں۔اور جو[2] لے بھی اور دے بھی اور وہ[3] جو دے اور لے نہیں۔۔یا۔۔وہ[1] جو اپنی روزی سے زیادہ ڈھونڈھے۔اور وہ[2] جو بقدرِ ضرورت روزی ڈھونڈے۔اور وہ[3] جو بالکل ڈھونڈھے ہی نہ۔

امام قشیری فرماتے ہیں، وہ اہلِ[1] سخاوت اور اہلِ[2] جود اور اہلِ[3] ایثار ہیں۔طالبِ[1] نجات، اور طالب[2] درجات، اور طالب[3] مناجات ہیں۔

بعض عارفین فرماتے ہیں، دیکھنے[1] والا آپ سے اپنی طرف، اور دیکھنے[2] والا آپ سے آخرت کی جانب، اور دیکھنے[3] والا حق سے حق کو۔

صاحبِ فتوحات نے فرمایا ظالم وہ[1] ہے جو ہمیشہ خوابِ غفلت میں رہے، اور مقتصد[2] وہ

ہے جو کبھی خوابِ غفلت سے چونکے بھی، اور سابق[۳] وہ ہے جو ہمیشہ بیدار رہے۔

بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ ظالم[۱] وہ ہے جو نعمت سے منعم کی طرف نہ پھرے، اور مقتصد[۲] وہ ہے جو منعم سے نعمت کی طرف نہ پھرے، اور سابق وہ[۳] ہے جو منعم سے منعم کی طرف نہ پھرے، یعنی منعم کے مشاہدے میں رہے اور اُس سے نعمتیں حاصل کرے۔

ظالم و مقتصد و سابق کی مذکورہ بالا تشریحات سے ظلم و اقتصاد و سبقت کی مختلف صورتوں کا تعارف ہو جاتا ہے، تو ہر ظالم و مقتصد و سابق کا درجہ اُس کے ظلم و اقتصاد و سبقت کی نوعیت کی روشنی ہی میں متعین کیا جائے گا۔

ذہن نشین رہے کہ 'ظلم' کہتے ہیں اندھیر کو اور اپنے نفس پر اندھیر کے درجات بہت ہیں۔ اب اگر کوئی اپنے نفس کی خیر خواہی اور اس کے لیے بہتری نہ کرے، تو اس نے بھی اپنے نفس پر 'ظلم' کیا۔ مذکورہ بالا تفسیری تشریحات نے انسانوں کو اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ تین[۳] خانوں میں بانٹ دیا ہے۔ اور اعلیٰ کو 'سابق'، اوسط کو 'مقتصد' اور ادنیٰ کو 'ظالم'، یعنی اپنے نفس پر زیادتی کرنے والا اور اُس کی خیر خواہی نہ کرنے والا قرار دیا۔ بعض تفسیروں میں ان مسلمانوں کو جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، وقت پر اپنے نفس کی خیر خواہی کرنے والا نہیں قرار دیا۔ اس لیے اُن کو تیسرے[۳] خانے میں رکھا۔ مذکورہ بالا ساری تفسیری عبارتوں کو میری اِس وضاحت کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔۔۔

حق تعالیٰ نے اگلی امتوں میں سے کسی امت کو یہ نوازش نہیں فرمائی اور یہ بزرگی عطا نہیں کی، کہ برگزیدگی کا نشان سب کے صفحۂ حال پر کر دیا، اور 'ظالم' سے ابتداء کی تاکہ شرمندہ نہ ہوں اور رحمتِ بے غایت سے امیدوار رہیں۔۔۔

اور بعضوں نے کہا، کہ 'ظالم' کی تقدیم فضل کی وجہ سے ہے، اور اُس کی تاخیر عدل کی راہ سے ہے۔ اور حق تعالیٰ فضل کو عدل سے زیادہ دوست رکھتا ہے۔ اور سابق کی تاخیر اس جہت سے ہے، تاکہ ثواب سے قریب ہو جائے اور ثواب دخولِ جنت ہے۔۔یا۔۔اس جہت سے کہ اپنے عمل پر اعتماد نہ کرے اور طاعت پر خود پسند نہ ہو جائے۔ اِس واسطے کہ خود پسندی وہ آگ ہے، کہ جب جَلائی جائے، تو عبادت کی ہزار گھڑیاں اُس سے جَل جاتی ہیں۔

۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ فضلِ عظیم والا ہے جس نے بنایا ہے۔۔۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ

ہمیشہ رہنے کے باغ، داخل ہوں گے جس میں، پہنائے جائیں گے اس میں کنگن سونے کے اور موتی۔

وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ﴿۳۳﴾

اور اُن کا لباس اِس میں ریشم کا●

(ہمیشہ رہنے کے باغ، داخل ہوں گے جس میں) یہ تینوں گروہ جنہیں (پہنائے جائیں گے اُس میں کنگن سونے کے اور موتی) کے۔

'عین المعانی' میں ہے کہ سونے کے کنگن اور موتی عرب کے بادشاہوں کا زیور تھا، اور وہ اُس زیور کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے۔ جس طرح بادشاہانِ عجم کے واسطے تاج مخصوص ہے۔

(اور اُن کا لباس اس میں) یعنی بہشت میں (ریشم کا) ہوگا، جو دُنیا کے ریشمی کپڑوں کا سا نہیں، یعنی نہ اس میں تاگا ہوگا اور نہ وہ کسی کا بُنا ہوا ہوگا۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۴﴾

اور بول پڑے کہ "ساری حمد اللہ کو، جس نے دُور فرما دیا ہم سے رنج کو۔ بے شک ہمارا رب یقیناً مغفرت فرمانے والا قدر فرمانے والا ہے●

(اور بول پڑے) وہ گروہ جب دوزخ کے گڑھے سے رہائی پاکر جنت میں داخل ہوئے، (کہ ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کو، جس نے دُور فرما دیا ہم سے رنج کو) دوزخ کا۔۔یا۔۔ جو خوف طاعت رَد ہونے سے ہم رکھتے تھے، طاعت قبول فرما کر وہ ہم سے دفع کر دیا۔

بعضوں نے کہا کہ اِس سے دُنیا کے رنج مراد ہیں، جیسے موت کا ڈر۔۔یا۔۔شیطان کا وسوسہ ۔۔یا۔۔ بھوک پیاس کا ضرر۔۔یا۔۔ بادشاہ کا خوف۔۔یا۔۔لوگوں کے حسد اور بغض کرنے کا دغدغہ۔

(بے شک ہمارا رب یقیناً مغفرت فرمانے والا) یعنی گنہگاروں کو بخشنے والا ہے۔ اور (قدر فرمانے والا ہے) یعنی شکر گزاروں کو جزا دینے والا ہے۔

الَّذِیْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیْهَا نَصَبٌ

جس نے اتارا ہمیں ٹھہرنے کے قابل گھر میں اپنے فضل سے۔ نہیں پہنچتی ہمیں اس میں کوئی تکلیف،

وَلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

اور نہ لگتی ہے اس میں کوئی تھکان"●

(جس نے اُتارا ہمیں ٹھہرنے کے قابل گھر میں اپنے فضل سے)۔ ہمارے عمل کے سبب نہیں۔ اور وہ بھی ایسے گھر میں جہاں سے کبھی نکلنا نہیں ہے۔ (نہیں پہنچتی ہمیں اس میں کوئی تکلیف)۔ یہاں نہ طلبِ معیشت کا رنج ہے، اور نہ ہی دُنیاوی مشقتیں۔ (اور نہ) ہی (لگتی ہے اس میں کوئی تھکان)، اس لیے کہ جنت کلفت اور محنت کی جگہ نہیں، بلکہ عیش وحضور اور فرحت وسرور کی جگہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ

اور جنہوں نے کفر کیا، اُن کے لیے جہنم کی آگ ہے۔ نہ قضا آئے گی اُن پر کہ مرجائیں، اور نہ ہلکا کیا جائے گا

عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ﴿۳۶﴾

اُن سے عذابِ جہنم۔ اِسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر پکے ناشکرے کو●

(اور جنہوں نے کفر کیا) اور خدا اور رسول پر ایمان نہ لائے، (اُن کے لیے جہنم کی آگ ہے) جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہے، کیوں کہ (نہ قضا آئے گی اُن پر کہ مَر جائیں) اور عذاب سے چھوٹیں۔ (اور نہ) ہی (ہلکا کیا جائے گا ان سے عذابِ جہنم)، بلکہ جب آگ کے شعلے کم ہوجائیں گے، تو اس کو زیادہ جَلائیں اور بھڑکائیں گے۔ (اِسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ہر پکے ناشکرے کو)، جو کفر اور ناشکری میں نہایت کو پہنچا ہو۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ

اور وہ چلّائیں گے اُس میں، کہ پروردگارا! نکال دے ہمیں، کہ کریں ہم نیکی اُس کے خلاف، جو ہم کیا کرتے تھے۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ

کیا نہیں دی تھی تمہیں عمر؟ کہ سبق حاصل کرتا جس میں جس کو سبق لینا ہوتا، اور آچکا تھا تمہارے پاس ڈرسنانے والا۔

فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۳۷﴾ ع ۱۶

اب مزہ چکھتے رہو، کہ اندھیر والوں کا کوئی مددگار نہیں●

(اور وہ) کافر (چلّائیں گے اس میں) یعنی دوزخ میں، اور فریاد چاہیں گے اور کہتے ہوں

گے، (کہ پروردگارا! نکال دے ہمیں) اِس سے، اور دُنیا میں بھیج دے، تا (کہ کریں ہم نیکی اس کے خلاف جو ہم کیا کرتے تھے)۔ اس واسطے کہ اب عذاب ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا، اور جان لیا کہ دُنیا میں ہمارے کام اچھے نہ تھے۔ تو حق تعالیٰ فرمائے گا، (کیا نہیں دی تھی تمہیں عمر؟ کہ سبق حاصل کرتا جس میں جس کو سبق لینا ہوتا)۔ اِس سے وہ عمر مراد ہے، جس میں مکلّف فکر کرنے اور نصیحت پکڑنے کے ساتھ متمکن ہو۔

بعضوں نے کہا وہ عمر بیس ۲۰ اور ساٹھ ۶۰ برس کے درمیان میں ہے۔ اور ایک قول کے مطابق ستر ۷۰ برس تک زمانہ نصیحت پکڑنے کا ہے۔ اُس کے بعد بڑھاپے کا زمانہ ہے۔ مقصودِ کلام یہ ہے، کہ۔۔۔

ہم نے تم کو عمر عطا فرمائی اِس واسطے کہ تم نصیحت قبول کرو اور متنبہ ہو جاؤ۔ (اور) اسی کے ساتھ ساتھ (آ چکا تھا تمہارے پاس ڈر سنانے والا)۔ یعنی وہ پیغمبر جو تم کو نصیحت کرتا تھا۔۔ یا۔۔ کتاب۔۔ یا۔۔ عقل۔۔ یا۔۔ قرابت والوں اور پڑوسیوں کی موت، کیونکہ۔۔۔

"کفی بالموت واعظاً"

موت نصیحت کے لیے کافی ہے۔

۔۔۔ اور اکثر علماء اِس بات پر ہیں، کہ ڈرانے والے سے بڑھاپا مراد ہے، اس واسطے کہ بڑھاپے کا زمانہ شعلۂ حیات کو بجھانے والا ہے، اور آئینۂ ذات پر زنگ بڑھانے والا ہے۔ منقول ہے کہ جب دوزخی استغاثہ کریں گے اور غُل مچائیں گے اور کہیں گے، کہ یا اللہ! ہمیں پھر دُنیا میں بھیج تا کہ نیک کام کریں، تو جب سے دُنیا پیدا ہوئی اور جب تک ختم ہوئی اتنے زمانے تک فریاد کیا کریں گے۔ حق تعالیٰ استفسار فرمائے گا، کہ میں نے تم کو دُنیا میں زندگی دی تھی۔ وہ جواب دیں گے کہ ہاں ہم نے زندگی بھی پائی تھی، ڈرانے والے کو بھی دیکھا تھا۔ تو حق تعالیٰ فرمائے گا۔۔۔

(اب مزہ چکھتے رہو) عذابِ دوزخ کا، کیوں (کہ اندھیر والوں کا کوئی مددگار نہیں) جو اُن پر سے عذاب اُٹھالے۔ کافروں کو چیخ و پکار کرکے اپنی حالت بتانے کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ۔۔۔

إِنَّ اللَّهَ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٣٨﴾

بے شک اللہ جاننے والا ہے غیب کو آسمانوں اور زمین کے۔ بے شک وہ جاننے والا ہے سینوں والی بات کو●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (جاننے والا ہے غیب کو آسمانوں اور زمین کے)، تو کافروں کے احوال اُس پر پوشیدہ نہ ہوں گے۔ (بے شک وہ جاننے والا ہے سینوں والی بات کو)۔ یعنی جو باتیں سینوں میں چھپی ہیں وہ اُن کو بھی جانتا ہے، تو جو کچھ کافروں پر ظاہر میں ہو رہا ہے وہ اُس کے علم کے باہر کیسے ہوسکتا ہے؟۔۔وہ۔۔

هُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ فِی الۡاَرۡضِ ؕ فَمَنۡ کَفَرَ فَعَلَیۡہِ کُفۡرُہٗ ؕ

وہی ہے جس نے بنایا تمہیں جانشین اگلوں کا زمین میں۔ تو جس نے کفر کیا، تو اُسی پر اُس کا کفر ہے۔

وَ لَا یَزِیۡدُ الۡکٰفِرِیۡنَ کُفۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ اِلَّا مَقۡتًا ۚ وَ لَا یَزِیۡدُ الۡکٰفِرِیۡنَ

اور نہ بڑھائے گا کافروں کو اُن کا کفران کے رب کے یہاں، مگر بیزاری کو۔ اور نہ بڑھائے گا کافروں کو

کُفۡرُہُمۡ اِلَّا خَسَارًا ﴿۳۹﴾

اُن کا کفر، مگر نقصان●

(وہی ہے جس نے بنایا تمہیں جانشین اگلوں کا زمین میں)۔ یعنی تم کو اگلوں کی جگہ پر صاحبِ مکان بنایا، اور زمین میں تصرف کرنے کی کنجیاں تمہارے قبضۂ اقتدار میں چھوڑ دیں۔ اور یہ بڑی نعمت ہے۔ (تو جس نے کفر کیا) اور ناشکری کی۔۔یا۔۔نعمت دینے والے پر ایمان نہ لایا، (تو اُسی پر اُس کا کفر ہے)۔ یعنی اس کے کفر کی جزا اُسی کو دی جائے گی۔ (اور نہ بڑھائے گا کافروں کو ان کا کفران کے رب کے یہاں، مگر بیزاری کو)۔ یعنی اُن کے کفر کا نتیجہ نہیں ہے مگر بغضِ ربانی کے سبب غضبِ جاودانی، وہی ہو سکے گا۔ (اور نہ بڑھائے گا کافروں کو اُن کا کفر مگر نقصان)۔ یعنی کافروں کا کفر و شرک قیامت میں ان کے نقصان کی زیادتی ہی کا سبب ہوگا۔

۔۔المختصر۔۔کافروں اور مشرکوں کو عقل سے کام لینا چاہیے، قادرِ مطلق خدائے برتر و بالا کی ہی پرستش کرنی چاہیے۔ ذرا یہ مشرکین بتائیں کہ یہ بتوں کو عاجز سمجھتے ہیں کہ قادر؟ اگر عاجز سمجھتے ہیں، تو اُن کو پوجتے کیوں ہیں؟ اور اگر قادر سمجھتے ہیں، تو اَے محبوب! ان سے سوال کرو اور اُن سے صاف لفظوں میں۔۔۔

قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ شُرَکَآءَکُمُ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا

کہہ دو کہ ”ذرا بتاؤ؟ کہ تمہارے بنائے شریک جن کی تم دہائی دیتے ہو اللہ کے خلاف، مجھے دکھاؤ کہ کیا

خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ

پیدا کیا اُنہوں نے زمین سے؟" یا اُن کی کچھ شرکت ہے آسمانوں میں۔ یا ہم نے دے رکھی ہے اُنہیں کتاب، تو وہ

عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ بَلْ اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ﴿٤٠﴾

اس سے کسی دلیل پر ہیں۔ بلکہ نہیں وعدہ دیتے اندھیر والے ایک دوسرے کو، مگر دھوکے کا●

(کہہ دو، کہ ذرا بتاؤ کہ تمہارے بنائے شریک جن کی تم دُہائی دیتے ہو اللہ) تعالیٰ (کے خلاف) اور اس کے سوا، تو (مجھے دکھاؤ) اور مجھے خبر دو (کہ کیا پیدا کیا) ہے (اُنہوں نے زمین سے؟)۔ یعنی زمین کے اوپر اور اُس کے نیچے جو چیزیں ہیں اُس میں کس چیز کے خالق تمہارے یہ بت ہیں۔ (یا ان کی کچھ شرکت ہے آسمانوں میں؟) یعنی آسمانوں کی تخلیق میں اُن کی شرکت رہی ہو؟

(یا ہم نے دے رکھی ہے انہیں کتاب) جو یہ بات بتانے والی ہے، کہ ہم نے ان کو اپنا شریک بنالیا ہے؟ (تو وہ اُس) کی وجہ (سے کسی) کھلی ہوئی (دلیل پر ہیں)۔ اور بت پرستی کی صحت پر آسمانی اور ربانی سند رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کچھ بھی نہیں، (بلکہ نہیں وعدہ دیتے اندھیر والے ایک دوسرے کو مگر دھوکے کا)۔ یعنی مشرکین کے رؤساء اور اشراف اپنے تابع اور پیروکاروں سے بتوں کی شفاعت کا جو وعدہ دیتے ہیں، وہ سراسر دھوکا ہے جس کا وجود نہیں۔

کفار و مشرکین، بالخصوص یہود و نصاریٰ، ایسی حرکت سے بھی باز نہیں آتے، جس سے وہ خود کو بڑی سی بڑی سزا کا مستحق بنالیتے ہیں۔۔ مثلاً: یہود نے حضرت عزیر کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دیا۔ یہ ایسی بڑی بات ہے، کہ یہ اس بات کے مستحق ہوگئے کہ اُن پر آسمان گر پڑے۔۔ یا ۔۔ زمین پھٹ جائے، اور یہ اُسی میں دفن ہو جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ حلیم ہے، وہ عذاب دینے میں جلدی نہیں فرماتا اور توبہ کی مہلت دیتا ہے۔۔ تو۔۔

اِنَّ اللّٰهَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَىِٕنْ زَالَتَاۤ اِنْ اَمْسَكَهُمَا

بے شک اللہ روکے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ ہل سکیں۔۔ اگر ہل پڑیں، تو نہیں روک سکتا اُنہیں کوئی،

مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ اِنَّهٗ كَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا ﴿٤١﴾

اللہ کے بعد۔ بے شک اللہ حلم والا مغفرت والا ہے●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (روکے ہے آسمانوں) کو گرنے سے (اور زمین کو) پھٹنے سے، (کہ)

اپنی جگہ سے (ٹل سکیں)۔یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو اس لیے روک رکھا ہے، تاکہ وہ اپنی جگہ زائل نہ ہوجائیں، اس لیے کہ ممکن کو بقا کے حال میں نگاہ رکھنے والا ضرور چاہیے۔

۔۔المختصر۔۔ جب یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو خدا کے بیٹے ہونے کے ساتھ نسبت کیا، تو قریب تھا کہ آسمان اور زمین پھٹ جائیں۔حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اپنی قدرت سے اُن کو نگاہ رکھتا ہوں، تاکہ زوال نہ پائیں، یعنی اپنی جگہ سے ہٹ نہ جائیں۔اور (اگر ٹل پڑیں) اور زائل ہوجائیں، (تو نہیں روک سکتا انہیں کوئی اللہ) تعالیٰ (کے بعد)۔یعنی حق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جو انہیں زائل ہونے سے بچالے۔۔یا یہ کہ۔۔اگر اپنی جگہ سے ہٹ جائیں اور زائل ہوجائیں، تو کوئی نہیں جو اُن کے زائل ہونے کے بعد اُن کو اُن کی جگہ پر لائے خدا کے سوا۔(بے شک اللہ) تعالیٰ (حلم والا) اور بُردبار ہے، کہ یہود اور نصاریٰ پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔۔نیز۔۔(مغفرت والا ہے) یعنی بخشنے والا ہے اُسے جو اِس بات سے رجوع کر کے اُس کی وحدانیت پر ایمان لائے، اور جان لے کہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ اُس کی صفت ہے۔۔۔

رؤساءِ قریش نے سنا تھا، کہ اہلِ کتاب نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، تو آپس میں کہتے تھے کہ لعنت کرے اللہ یہود و نصاریٰ پر۔یہ کیسے دو گروہ ہیں کہ اپنے پیغمبر کی تکذیب کرتے ہیں۔خدا کی قسم! اگر کوئی پیغمبر ہمارے پاس آتا، تو ہم اُن سے زیادہ راہ پائے ہوئے ہوتے، اور اُس کی تصدیق میں بڑی جلدی کرتے۔حق تعالیٰ نے خبر دی۔۔۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ

اور قسم کھائی ان لوگوں نے اللہ کی، اپنے قسموں میں زور کی کہ "اگر آیا اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا، تو ضرور ہوکر رہیں گے زیادہ

مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿٤٢﴾

ہدایت والے کسی دوسری امت سے۔" پھر جب آگیا اُن کے پاس ڈرانے والا، تو نہیں بڑھی اُن میں مگر نفرت●

(اور قسم کھائی ان لوگوں نے اللہ) تعالیٰ (کی اپنے قسموں میں زور کی)۔وہ قسم جو ان کے نزدیک ان میں رائج عام قسموں سے زیادہ مضبوط، طاقت ور اور واجب الوفاء ہوتی ہے۔(کہ اگر آیا اُن کے پاس کوئی ڈرانے والا، تو ضرور ہوکر رہیں گے زیادہ ہدایت والے کسی دوسری امت سے)، یعنی یہود و نصاریٰ وغیرھم سے۔(پھر جب آگیا اُن کے پاس ڈرانے والا)، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم، (تو نہیں بڑھی) اُس نذیر کے آنے سے (اُن میں، مگر نفرت)۔ یعنی حق سے بھاگنا اور اُس سے دُور ہونا۔ اور نہ بڑھایا ان میں مگر حکمِ الٰہی سے تکبر اور سرکشی۔۔۔

اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ

بڑا بننا زمین میں، اور بُرائی کی چالبازی کرنا، مگر اپنے ہی اوپر۔

فَهَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ

تو کیا انتظار کر رہے ہیں وہی اگلوں کے دستور کا؟ تو ہرگز نہ پاؤ گے تم اللہ کے دستور میں کوئی تبدیلی۔۔

وَلَن تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ﴿٤٣﴾

اور ہرگز نہ پاؤ گے تم اللہ کے قانون میں اُلٹ پھیر●

(بڑا بننا زمین میں اور بُرائی کی چالبازی کرنا)۔۔ الغرض۔۔ انہوں نے بہت ہی بُرا مکر کیا، یعنی اُس نذیر کو ہلاک کرنے کے لیے حیلے اور بہانے سوچے۔ (اور) وہ چالباز یہ بھی نہ سوچ سکے، کہ (نہیں اُترتی بُری چالبازی مگر اپنے ہی اوپر)۔ یعنی ہر مکر کرنے والے کا مکر احاطہ کرتا ہے اور اس کے اطراف وجوانب لے لیتا ہے۔ اور جو کچھ کسی دوسرے کے باب میں اُس نے سوچا ہو، وہی اپنے بارے میں مشاہدہ کرتا ہے۔

اس کے لیے۔۔۔ "چاہ کن را چاہ درپیش"۔۔۔ کا محاورہ زبان زدِ خاص وعام ہے۔

(تو کیا) یہ تکذیب کرنے والے مکار (انتظار کر رہے ہیں وہی اگلوں کے دستور کا)؟ اور امید نہیں رکھتے، مگر عادتِ الٰہی کی، جو اگلوں میں جاری تھی اور وہ اہلِ تکذیب پر عذاب اور مکاروں پر عقوبت ہے۔ (تو ہرگز نہ پاؤ گے تم) اَے محبوب! (اللہ) تعالیٰ (کے دستور) اور اُس کی عادت (میں کوئی تبدیلی)۔ یعنی عذاب کو ثواب سے کوئی نہیں بدل سکتا ہے۔ (اور ہرگز نہ پاؤ گے تم اللہ) تعالیٰ (کے قانوں میں اُلٹ پھیر)۔ یعنی جو قانون تکذیب کرنے والوں اور مکاروں کے لیے ہے، تو وہ انہیں پر نافذ کیا جائے گا۔ ایسا نہیں کہ اُن کے سوا دوسروں پر نافذ کر دیا جائے۔۔۔ یا۔۔۔ جو قانون اگلے تکذیب کرنے والوں اور مکاروں پر نافذ کیے گئے، وہی موجودہ تکذیب کرنے والوں اور مکاروں کے لیے بھی ہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کیا سیر نہیں کی اُنہوں نے زمین میں کہ دیکھیں کہ کیسا ہوا انجام اُن کا، جو ان سے پہلے تھے،

وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ

حالانکہ وہ زیادہ زوردار تھے ان سے، اور نہیں ہے اللہ، کہ ہرادے اُسے کوئی چیز

فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا ﴿۴۴﴾

آسمانوں اور نہ زمین میں۔ بے شک وہ علم والا قدرت والا ہے●

(کیا سیر نہیں کی انہوں نے) یعنی اہلِ مکہ نے (زمین میں، کہ دیکھیں) شام ویمن کی راہ میں، (کہ کیسا ہوا انجام اُن کا جو اِن سے پہلے تھے)۔ یعنی قومِ عاد اور قومِ ثمود۔ (حالانکہ وہ زیادہ زوردار تھے اِن سے) از روئے قوت۔ اور باوجود اس کے انہوں نے عذاب سے رہائی نہ پائی۔ اور ہر قوم کی ہلاکت کے آثار اُن کے شہر و دیار میں باقی ہیں۔ (اور نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (کہ ہرادے اُسے) اور عاجز کردے (کوئی چیز آسمانوں اور نہ زمین میں)۔ تو وہ جو چاہے کرے، کوئی بھی اس کے حکم پر پیش نہیں کرتا۔ (بے شک وہ علم والا) ہے سب چیزوں کے احوال جانتا ہے۔ اور (قدرت والا ہے) یعنی ان میں تصرف پر قادر ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ

اور اگر دھر پکڑ کردے اللہ لوگوں کی، جو کمائی کی انہوں نے، تو نہ چھوڑا ہوتا زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا،

وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ

لیکن وہ تو ڈھیل دے رہا ہے اُنہیں ایک مقرر وقت تک۔ پھر جب آ گیا اُن کا وقت، تو بے شک اللہ

كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ ع ۵ / ۸ / ۱۷

اپنے بندوں کا نگراں ہے●

(اور اگر دھر پکڑ کرے اللہ) تعالیٰ (لوگوں کی) اُس کے بدلے میں (جو) کفر و معصیت کی (کمائی کی انہوں نے، تو نہ چھوڑا ہوتا زمین کی پیٹھ پر کوئی چلنے والا) آدمیوں میں سے۔۔۔یا۔۔۔جن و انس میں سے۔

اور بعضوں نے کہا کہ سب حیوانات مراد ہیں، کہ بنی آدم کے گناہوں کی شامت سے

ہلاک ہوتے ہیں۔جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں مشرکوں کے کفر کی نحوست سے سب جانور بھی ہلاک ہوئے۔صرف وہی جانور بچے جو کشتی میں تھے۔تو اِس وقت بھی اگر اُن کو گنہگاروں کے گناہ کے وبال میں پکڑیں، تو سب نیست و نابود ہو جائیں۔

(لیکن وہ تو ڈھیل دے رہا ہے انہیں ایک مقرر وقت تک) کے لیے۔ **(پھر جب آگیا اُن کا)** مقررہ آخری **(وقت، تو بے شک اللہ)** تعالیٰ **(اپنے بندوں کا نگراں ہے)**۔وہ جانتا ہے کہ ہلاک ہونے کا مستحق کون ہے اور نجات پانے کے قابل کون؟ تو ہر ایک کو اُس کے حال کے مطابق جزا دے گا۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۱۴ / ربیع الاوّل ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۷ / فروری ۲۰۱۲ء

بروز سہ شنبہ، سورۂ فاطر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی

تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ

بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۱۵ / ربیع النور شریف ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۸ / فروری ۲۰۱۲ء

بروز چہار شنبہ، سورۂ یٰسین شریف کی تفسیر شروع کر دی ہے۔مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ،

بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

سورۂ یٰسٓ ۳۶ مکیہ ۴۱ — آیاتہا ۸۳ رکوعاتہا ۵

سُورۃُ یٰسٓ

سورۂ یٰسین ۔۔ ۳۶ مکیہ ۴۱ آیاتہا ۸۳ ۔۔ رکوعاتہا ۵

حروفِ مقطعہ میں سے ہر ایک حرف ایک بھید ہے خزانۂ غیب کے بھیدوں میں سے، کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ السلام کو اُس پر اطلاع دی، یہاں تک کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جو اُن حروف کو لے کر نازل ہوئے، اُن کو بھی اُن کے بھید سے واقف نہیں کیا گیا۔ نبی کریم کے پاس یہ کلمات حضرت جبرائیل ہی لائے، مگر اُن کے اسرار و رموز اپنے حبیب کو ربِّ علیم و خبیر نے بلاواسطہ تعلیم فرمائے۔

بعضے علماء نے یٰسین کی تفسیر میں کہا ہے، کہ یہ قرآن کا نام ہے۔ کسی نے کہا، کہ یہ اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ بعضوں نے کہا، یہ سورۃ کا نام ہے۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کے جو سات نام قرآنِ کریم میں مذکور ہیں، اُن میں ایک یٰسین ہے۔ اِسی لیے اہلِ بیت کو آلِ یٰسین بھی کہا جاتا ہے۔

ایک قول ہے، کہ اُن سے انسان کی طرف اشارہ ہے، اور انسانیت کے ساتھ مخاطب آنحضرت ﷺ ہیں۔ اس واسطے کہ کمالِ انسانیت کی صفت حضرت ﷺ کے واسطے ثابت ہے۔ منقول ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے فرمایا "ہر چیز کا ایک دِل ہے اور یٰسین قرآن کا دِل ہے"۔ شاید کہ کلمہ سین سید کی طرف اشارہ ہو، اور معنی یہ ہو، کہ 'یا سید البشر' اور حدیث "انا سید ولد آدم" ان حرفوں کی تفسیر ہو۔

جو کوئی سورۂ یٰسین پڑھے یا لکھے، وہ قرآنِ کریم کے بارہ[۱۲] پاروں کا ثواب پاتا ہے۔ اور اِس سورت کو 'مُتمِّم' کہتے ہیں، اس لیے کہ اپنے پڑھنے والے پر دونوں جہاں کی نیکی تمام کر دیتی ہے۔ اور 'دافعہ' کہتے ہیں، اس لیے کہ سب بُرائیاں دفع کرتی ہے۔ اور 'قاضیہ' کہتے ہیں کہ پڑھنے والے کی سب حاجتیں پوری کرتی ہے۔ ایسی بابرکت، باعظمت، مشکل کشا، حاجت روا، اور دافع البلاء سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو اپنے سارے بندوں پر (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

يٰسٓ ①

یٰسین●

منقول ہے کہ کفارِ مکہ نے کہا، کہ اَے محمد ﷺ 'تم خدا کے رسول نہیں ہو، تو حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ---

(یٰسٓ) یعنی، اَے سید البشر!

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ② اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ③ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ④

قسم ہے حکمت والے قرآن کی● بے شک تم رسولوں سے ہو● سیدھی راہ پر●

(قسم ہے حکمت والے) یعنی قرآنِ مُحکم --یا-- حق حکم کرنے والے --یا-- صاحبِ حکمت (قرآن کی● بے شک تم رسولوں سے ہو) جنہیں خدا نے خلق کی طرف بھیجا ہے۔ جو تھے (سیدھی راہ پر) یعنی راہِ توحید پر --یا-- تم بھیجے گئے ہو طریقۂ استقامت کے ساتھ، کہ وہ راہ مقصود تک پہنچا دینے والی ہے۔

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ⑤ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ

اتارا ہوا عزت والے رحم والے کا● کہ ڈر سناؤ اُس قوم کو، جس کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے،

فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ⑥

تو وہ بے خبری میں پڑے ہیں●

یہ قرآن (اُتارا ہوا) ہے بہت ہی غالب (عزت والے رحم والے) مہربان (کا)۔ اور اَے محمد ﷺ 'تم رسولوں میں سے ہو، تا (کہ) تم (ڈر سناؤ) یعنی ڈراؤ عذابِ ربانی سے (اُس قوم کو جس کے باپ دادے نہیں ڈرائے گئے، تو وہ بے خبری میں پڑے ہیں)۔

اِس سے مراد اہلِ مکہ کے قریبی آباء واجداد ہیں، ورنہ اُن کے سلسلۂ نسب میں جو زیادہ اوپر اور بعید آباء ہیں، اُن کو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے عذاب سے ڈرایا تھا، اور انہیں حضرت ابراہیم کی شریعت پہنچائی تھی۔ اور ان میں سے بعض لوگ وہ تھے، جنہوں نے مکمل طریقہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کی تھی۔ پھر اُس پر کافی زمانہ گزر گیا اور بے عملی اور جاہلیت اُن میں نفوذ کرتی رہی، حتیٰ کہ جس زمانہ میں ہمارے نبی علیہ السلام کی

بعثت ہوئی، اُس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کا صرف نام رہ گیا تھا۔

جن آیات میں یہ ذکر کیا گیا ہے، کہ اہلِ مکہ کے آباء کے پاس کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا، اُس سے مراد اُن کے سلسلۂ نسب میں قریب کے آباء ہیں۔ اور مطلقاً عذاب سے ڈرانا کسی زمانہ میں بھی منقطع نہیں ہوا، ورنہ بندوں پر اللہ کی حجت پوری نہیں ہوگی۔ اور جب ڈرانے والوں کی تبلیغ کے آثار مٹ گئے، تو نبی ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔

اِس تفسیر کی بناء پر اِس آیت کا معنیٰ یہ ہے، کہ اہلِ مکہ کے پاس عذاب سے ڈرانے کے لیے کوئی رسول نہیں آیا۔ اور اِس آیت کا یہ معنیٰ نہیں، کہ اُن کے پاس مطلقاً کوئی عذاب سے ڈرانے والا نہیں آیا، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اُن کو کسی عالم نے اللہ کے عذاب سے ڈرایا ہو، جو نبی نہ ہو، جیسے زید بن عمرو بن نفیل اور قُس بن ساعدہ وغیرہ۔

ڈرانے کے لیے نبی ہونا ضروری نہیں ہے، کیونکہ ڈرانا تو عقلی دلائل سے بھی ہوسکتا ہے ۔۔لیکن۔۔ بشیر ہونے کے لیے نبی ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ مخصوص اجر وثواب کی بشارت بغیر وحی کے نہیں ہوسکتی، اس لیے بشارت دینا صرف نبی کا کام ہے۔۔لیکن۔۔ نذیر، نبی کے علاوہ عالم بھی ہوسکتا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰۤى اَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اِنَّا جَعَلْنَا

یقیناً ٹھیک اُتر گئی بات اِن کے بہتیروں پر، تو وہ نہ مانیں گے ● بے شک ہم نے ڈال دیا

فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝۸

اُن کی گردنوں میں طوق، کہ وہ ٹھوڑی تک چڑھے ہیں، تو وہ رہ گئے منہ اُٹھائے ●

(یقیناً ٹھیک اُتر گئی) عذاب کی (بات اُن کے بہتیروں پر) یعنی۔۔۔

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

"ہم ضرور بھر دیں گے جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے"

۔۔۔کا کلمہ حق ہوا ان پر۔ (تو وہ) علم الٰہی میں ازلی کفار، جن کو خدا ازل میں جانتا تھا، کہ کفر ہی پر مریں گے ۔۔یا۔۔ شرک پر قتل ہوں گے، جیسے ابو جہل اور اُس جیسے دوسرے، (نہ مانیں گے ● بے شک ہم نے ڈال دیا اُن کی گردنوں میں طوق، کہ وہ ٹھوڑی تک چڑھے ہیں، تو وہ رہ گئے منہ اُٹھائے)۔

یہ تمثیل مشرکوں کی ہے اس گروہ کے ساتھ جو گردن میں طوق ڈالے ہیں، جن کی گردن

اِدھر اُدھر گھوم نہیں سکتی بس اوپر کی طرف اٹھی رہتی ہے۔ منقول ہے کہ ابوجہل نے قسم کھائی کہ پیغمبر کو نماز میں دیکھے، تو آپ کا سر توڑ دے۔ ایک دن دیکھا، کہ آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے ہیں، پتھر اُٹھایا آپ کے پاس آیا، جب پتھر مارنے کو ہاتھ اُٹھایا، تو وہ ہاتھ اُسی کی گردن میں لپٹ گیا، اور پتھر اُس کے ہاتھ میں جم کر گردن میں رہ گیا، اور یہ آیت نازل ہوئی، کہ ہم نے اُس کو باز رکھا جس طرح طوق اور ہتھکڑی پہنے ہوئے آدمی کاموں سے باز رکھے جاتے ہیں۔

اور بعضوں نے کہا ہے، کہ قوم بنی مخزوم نے ابوجہل کا ہاتھ اُس کی گردن سے بمشکل تمام چھڑایا اور ایک مخزومی بولا، کہ میں جاتا ہوں اور اسی پتھر سے محمد ﷺ کو قتل کرتا ہوں۔ جب آپ کے قریب آیا تو اندھا ہو گیا، اور یہ آیت نازل ہوئی۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا

اور بنا دیا ہم نے اُن کے آگے ایک روک، اور اُن کے پیچھے ایک روک،

فَأَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ۝۹

پھر ڈھانک دیا اُنہیں، کہ وہ دیکھ نہ سکیں●

(اور بنا دیا ہم نے اُن کے آگے ایک روک، اور اُن کے پیچھے ایک روک، پھر ڈھانک دیا انہیں، کہ وہ دیکھ نہ سکیں)۔

محققین کا کہنا ہے، کہ سامنے کی آڑ بڑی بڑی امید کرنا ہے، اور پیچھے کی آڑ گزرے ہوئے گناہوں سے غفلت ہے۔ اور جس کو ایسی دو آڑیں گھیرے ہوں، تو دلائلِ قدرت میں نظر کرنے سے اُس کی آنکھ ڈھپی ہوگی، اور ایسے لوگ فلاح اور ہدایت کی راہ نہیں دیکھ سکتے۔

وَسَوَاۗءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۱۰

اور یکساں ہے اُن پر، خواہ ڈرایا تم نے اُنہیں، یا نہ ڈرایا، وہ نہ مانیں گے●

(اور یکساں ہے اُن پر خواہ ڈرایا تم نے انہیں، یا نہ ڈرایا، وہ نہ مانیں گے) اور ایمان نہ لائیں گے، اس واسطے کہ علمِ قدیم اور تقدیرِ ازلی خدائے حکیم کی کفر پر اُن کے قتل اور موت کا حکم لگا چکی ہے۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ

تمہارا ڈرانا کام کرتا ہے اُس کے جو پیروی کرنے لگا ذکر کی، اور ڈرنے لگا اللہ مہربان کو بے دیکھے۔

فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ﴿١١﴾

تو خوشخبری دو بخشش کی، اور باعزت اجر کی●

اَے محبوب! (تمہارا ڈرانا کام کرتا ہے اُس کے) حق میں، (جو پیروی کرنے لگا ذکر کی) یعنی قرآن کی اور اُس کی نصیحتیں قبول کرنے کو سنتا ہے۔ (اور ڈرنے لگا اللہ) تعالیٰ (مہربان کو بے دیکھے)، اُس چیز میں جو اُس سے غائب ہیں، یعنی امورِ آخرت میں۔۔یا۔۔ڈرتا ہے خدا سے پوشیدگی میں، یعنی چھپا ہوا اُس سے ڈرتا ہے خلق کی نظر میں نہیں۔ (تو) اَے محبوب! اُس ڈرنے والے کو (خوشخبری دو بخشش کی)، یعنی پچھلے گناہ بخشنے کی۔ (اور) آئندہ زمانہ میں (باعزت اجر کی) یعنی بہشت کی۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۣ وَكُلَّ شَيْءٍ

بے شک ہم زندہ کریں مُردوں کو، اور لکھ لیتے ہیں جو وہ پہلے کر چکے، اور اُن کی پچھلی نشانیوں کو۔۔اور ہر چیز کا

اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٢﴾ ع

شمار کر لیا ہم نے روشن رہنمائی کی کتاب میں●

(بے شک ہم زندہ کریں مُردوں کو) قبروں سے اُٹھا کر۔۔یا۔۔ہدایت فرما کر، (اور لکھ لیتے ہیں جو وہ پہلے کر چکے) نیکی۔۔یا۔۔بُرائی۔ (اور) ہم لکھتے ہیں (اُن کی پچھلی نشانیوں کو)، یعنی اُن کے پاؤں کے نشان کہ چل کر مسجد میں جاتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ اُن کی خطائیں مٹا دیں گے اور ہر قدم پر عنایت کا نشان اُن کے صفحۂ اعمال پر کھینچا جائے گا۔ (اور ہر چیز کا شمار کر لیا ہم نے روشن رہنمائی کی کتاب میں)۔ ہم نے نگاہ رکھی ہیں۔۔یا۔۔ہم نے بیان کی ہیں اس دفتر میں جو پیشوا ہے کھلا ہوا، یعنی لوحِ محفوظ۔

نمازیوں میں سب سے زیادہ بزرگ وہ آدمی ہے مسجد میں جس کے آنے کی راہ بہت دُور ہو۔ اور بعضوں نے کہا اٰثَارَ عام ہیں اس بات سے کہ نیک ہو، جیسے علم جو لوگوں کو سکھائیں۔۔یا۔۔وہ وقف جو نیک مقاموں پر کریں۔۔یا۔۔جاری رہنے والا صدقہ، جیسے پل، سرا۔۔یا۔۔مسجد۔۔یا۔۔اٰثَارَ بد ہوں جیسے باطل امروں کو شائع کرنا، اور ظلم کی جڑ مضبوط کرنا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب اٰثَارَ لکھتا ہوں اور وقت پر ہر اَمر کے مناسب جزا دوں گا۔

وقف غفران ١٢ ع ١٨

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٣﴾

اور دوانہیں مثال اُس آبادی والوں کی۔۔جب کہ آئے تھے اُن کے پاس قاصد لوگ●

(اور) اَے محبوب! (دوانہیں) یعنی اہلِ مکہ کو (مثال اُس آبادی والوں کی، جب کہ آئے تھے اُن کے پاس قاصد لوگ)۔

منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر اٹھ جانے کے قبل شمعون الصنعا کے ساتھ دو حواریوں کو انطاکیہ کی طرف بھیجا کہ خلق کو خدا کی طرف بلائیں۔ یہ جب شہر کے قریب پہنچے، تو ایک بوڑھا آدمی دیکھا کہ بکریاں چَراتا ہے، اُسے سلام کیا۔ اُس نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ وہ بولے کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بھیجے ہوئے ہیں۔ خلق کو ضلالت کے جنگل سے منزلِ ہدایت کی راہ پر ہم بُلاتے ہیں۔

وہ بوڑھا بولا، کہ اپنا دعویٰ سچا ہونے پر کوئی دلیل بھی رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا ہاں ہم بیماروں کو اچھا کردیتے ہیں، سفید داغ والے اور مادر زاد اندھے کو حالتِ صحت پر پھیر لاتے ہیں۔ بڈھا بولا، کہ برسوں گزر گئے کہ میرا بیٹا بیمار ہے اور طبیب اُس کے علاج سے عاجز ہیں، اگر تم اُس کے درد کی دوا کردو، تو میں تمہارے خدا پر ایمان لاؤں۔

انہوں نے اُس بیمار کے سرہانے آکر دُعا کی، بیمار نے صحتِ کامل پائی۔ بس وہ بڈھا ایمان لایا، وہی حبیب نجار ہے، کہ اُسے صاحبِ یٰسین کہتے ہیں، جو ہمارے رسول کے زمانے سے چھ سو برس قبل آپ پر ایمان لایا تھا۔ ایمان میں سبقت لے جانے والوں میں سے ایک وہ بھی ہے۔ غرضیکہ حضرت عیسیٰ کے اُن دونوں بھیجے ہوئے آدمیوں کی خبر انطاکیہ میں مشہور ہوئی، اور سب بیماروں نے اُن کی برکت سے صحت پائی۔

شہر کے بادشاہ نے جو بت پرست تھا اُن شخصوں کی خبر پائی، اور اُن کی دعوت کے مضمون کی بھی خبر پائی، کہ یہ خدائے واحد کی طرف بندوں کو بُلاتے ہیں اور بت پرستی سے منع فرماتے ہیں۔ بس اُن کو قید خانے میں بھیج دیا اور شمعون اُن کے پیچھے آئے اور بادشاہ کے خواص سے دوستی اور آشنائی شروع کی، اور علم وحکمت کی وجہ سے بادشاہ کے مقرب ہوگئے، تو حق نے اُس قصے سے خبر دی۔۔۔

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا

جب کہ بھیجا ہم نے اُن کی طرف دو کو، پھر جھٹلایا اُنہوں نے اُن دونوں کو، پھر کمک بھیجا تیسرے کو، تو اُنہوں نے کہا،

اِنَّآ اِلَیۡکُمۡ مُّرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾

کہ بلاشبہ ہم تمہاری طرف قاصد ہیں●

(جب کہ بھیجا ہم نے اُن کی طرف) یعنی انطا کیہ والوں کی طرف (دوکو)، جن کو ہمارے حکم سے عیسیٰ اور شمعون علیہما السلام نے اُن کی طرف بھیجا۔ چونکہ یہ ہمارے ہی حکم سے بھیجنا ہوا تھا، تو یہ ہمارا ہی بھیجنا قرار پایا۔ (پھر جھٹلایا اُنہوں نے اُن دونوں کو، پھر کمک بھیجا تیسرے کو)، یعنی اُس تیسرے کے ذریعہ ہم نے اُن کو قوت دی اور غالب کر دیا۔

یہ تیسرے شمعون الصنعا تھے اور یہی صحیح ترین قول ہے۔ ویسے یہ بھی منقول ہے کہ وہ شمعان۔۔یا۔۔سلوم۔۔یا۔۔یونس تھے۔

(توانہوں نے) یعنی ان تینوں نے اہلِ انطا کیہ سے (کہا، کہ بلاشبہ ہم تمہاری طرف قاصد ہیں) عیسیٰ علیہ السلام کے پاس سے۔۔یا۔۔اُن کے خلیفہ کے پاس سے۔ تو اس شہر کے لوگ۔۔۔

قَالُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ۙ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ الرَّحۡمٰنُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ

سب بولے کہ "تم نہیں ہومگر ہماری طرح بشر۔ اور نہیں نازل کیا اللہ رحمٰن نے کچھ۔

اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا تَکۡذِبُوۡنَ ﴿۱۵﴾

تم تو بس جھوٹ بولتے ہو"●

(سب بولے، کہ تم نہیں ہومگر ہماری طرح بشر) اکثر صفاتِ بشریہ میں، پھر تم کو رسالت کے ساتھ کیوں خاص کیا۔ (اور نہیں نازل کیا اللہ) تعالیٰ (رحمٰن نے کچھ) کوئی چیز وحی اور رسالت میں سے۔ (تم تو بس جھوٹ بولتے ہو) اور اپنے دعویٰ رسالت میں تم جھوٹے ہو۔

قَالُوۡا رَبُّنَا یَعۡلَمُ اِنَّاۤ اِلَیۡکُمۡ لَمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۱۶﴾ وَ مَا عَلَیۡنَاۤ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۷﴾

سب نے جواب دیا کہ "ہمارا رب جانتا ہے بے شک ہم تمہاری طرف قاصد ہیں● اور نہیں ہے ہم پر مگر صاف صاف پیغام رسانی"●

(سب نے جواب دیا، کہ ہمارا رب جانتا ہے کہ بے شک ہم تمہاری طرف قاصد ہیں● اور نہیں ہے ہم پر مگر صاف صاف پیغام رسانی)۔ اور ہم اپنا کام کر چکے، اور ہم نے پیغام پہنچا دیا۔ اگر تم ہماری دعوت نہ قبول کرو گے، اور ہمارا دین نہ اختیار کرو گے تو تم پر عذاب نازل ہوگا۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ

وہ سب بولے کہ "ہم نے بدفالی نکالی ہے تم سے، اگر تم لوگ نہ باز آئے تو ضرور پتھراؤ کریں گے ہم تم پر، اور ضرور پہنچے گا تمہیں

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸﴾

ہماری طرف سے دکھ والا عذاب"●

(وہ سب بولے، کہ ہم نے بدفالی نکالی ہے تم سے)، کہ جب سے تم اِس شہر میں آئے ہو مینھ نہیں برسا اور ہماری سب کھیتیاں خشک ہوگئیں۔ (اگر تم لوگ نہ باز آئے) اپنے دعویٰ سے (تو ضرور پتھراؤ کریں گے ہم تم پر)، اور اِس طرح مارڈالیں گے ہم تم کو، (اور ضرور پہنچے گا تمہیں ہماری طرف سے) ہماری اس سنگباری سے (دکھ والا عذاب)۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

قاصدوں نے جواب دیا کہ "تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے، کیا یہی جو تمہیں نصیحت کی گئی ہے۔ بلکہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو"●

(قاصدوں نے جواب دیا، کہ تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے)۔ یعنی تمہارے فاسد عقیدوں اور باطل عملوں کی شامت ہے۔ (کیا یہی) جواب ہے اُس کا (جو تمہیں نصیحت کی گئی ہے) کہ تم اِس سے بدفالی لیتے ہو اور مارڈالنے کی دھمکی دیتے ہو؟ (بلکہ) سچی بات تو یہ ہے، کہ (تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو)، یعنی ڈینگ مارنے والے اور حد سے گزرے ہوئے ہو۔

روایت ہے کہ شمعون بادشاہ کے ساتھ بتخانہ میں آئے اور حق تعالیٰ کو سجدہ کیا، لوگوں نے سمجھا کہ وہ بت کو پوجتے ہیں۔ بادشاہ اُن پر بڑا اعتماد کرنے لگا۔ بے اُن کے مشورہ کے کسی مہم پر قدم نہ مارتا۔ ایک دن شمعون نے پوچھا، کہ بادشاہ سلامت، میں نے سنا ہے کہ آپ نے دو مسافر غریب قید کیے ہیں، اُن کو قید کرنے کی کیا علت ہے؟ بادشاہ بولا، کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ تمہارے بتوں کے سوا اور خدا ہے۔ شمعون نے تعجب کی راہ سے کہا، کہ حکم کیجیے ذرا انہیں حاضر تو کریں، کہ وہ تو عجیب بات کہتے ہیں۔

بادشاہ نے حکم دیا وہ دونوں حاضر کیے گئے۔ جب انہوں نے شمعون کو دیکھا، تو اپنے دل میں خوش ہوئے اور دلیر ہوگئے۔ شمعون نے اُن سے پوچھا تم کس کی عبادت کرتے ہو؟ وہ بولے کہ ہم اُس کی عبادت کرتے ہیں جس نے زمین آسمان پیدا کیا۔ شمعون نے کہا کہ تمہارا خدا کیا کرتا ہے؟ وہ بولے کہ اندھوں کو آنکھوں والا کردیتا ہے۔ شمعون نے بادشاہ

سے التماس کی اور کئی اندھے حاضر کیے گئے۔ شمعون نے اُن دونوں سے کہا، کہ بھلا اپنے خدا سے کہو، کہ اِن اندھوں کو آنکھوں والا کردے۔ انہوں نے دُعا کی، پس فوراً پلک مارتے ہی اُن اندھوں کی آنکھیں کھل گئیں۔

شمعون بولے کہ بادشاہ سلامت ہم بھی اپنے خداؤں سے درخواست کریں، کہ وہ بھی یہی کام کردکھائیں۔ بادشاہ نے چپکے سے کہا کہ شمعون تم نہیں جانتے کہ یہ خدا نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں، نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں۔ شمعون نے دوبارہ کہا کہ جوانو! تمہارا خدا اور کیا کرسکتا ہے؟ وہ دونوں غریب بولے کہ مُردہ کو زندہ کرتا ہے۔ شمعون نے کہا، کہ اگر تمہارا خدا یہ کام کرتا ہے تو ہم سب اس پر ایمان لاتے ہیں۔ تو ایک بادشاہ کو جسے مرے ہوئے مدت گزرگئی تھی ۔۔یا۔۔ سات دن کے کسی مُردے کو اُنہوں نے دُعا کرکے زندہ کردیا۔ بس بادشاہ تمام قوم سمیت اُسی وقت ایمان لایا، اور کچھ لوگوں نے مؤمنوں کو ایذاءرسانی اور قتل کا قصد کیا۔ حبیب نجار کو خبر ہوئی، وہ اپنی جگہ سے اُس طرف متوجہ ہوا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ۔۔۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور آیا شہر کے کنارے سے ایک شخص دوڑتا، بولا کہ "اے میری قوم! پیروی کرو ان قاصدوں کی●

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۱﴾

تقلید کرو اِن اماموں کی، جو نہیں مانگتے تم سے کوئی اُجر، اور وہ راہ پائے ہوئے ہیں"●

(اور آیا شہر کے کنارے سے ایک شخص دوڑتا) اُن بھیجے ہوئے کو جتانے کے واسطے اور پہنچتے ہی **(بولا کہ اے میری قوم! پیروی کرو اِن قاصدوں کی● تقلید کرو اِن اماموں کی، جو نہیں مانگتے تم سے کوئی اجر)**، یعنی کچھ بدلا پیغام پہنچانے پر، **(اور وہ راہ پائے ہوئے ہیں)** خیر کے ساتھ دونوں جہان میں۔

بحمدہٖ تعالیٰ وبعونہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ
۱۶ ربیع النور شریف ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔۹ رفروری ۲۰۱۲ء
بروز پنج شنبہ بائیسویں ۲۲ پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔
آمِيْن يَامُجِيْبَ السَّائِلِيْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ يٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وصٓ وَبِحُرْمَةِ سَيِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

۲۳

وَمَالِیَ

باسمہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ
۲۰ ربیع النور شریف ۱۴۳۳ھ -- مطابق -- ۱۳ فروری
بروز دوشنبہ، تیئیسویں ۲۳ پارہ کی تفسیر شروع کردی۔ مولیٰ تعالیٰ
اس کی اور پورے قرآنِ پاک کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق
عطا فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے
یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، وَ
سیدنا محمد صلی

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾ ءَاَتَّخِذُ

اور میری کیا مجال کہ نہ پوجوں اُسے، جس نے بنایا مجھ کو، اور اُسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے ● کیا بنالوں

مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ

اُس کے خلاف دوسرے معبود؟ کہ اگر چاہے خدائے مہربان میرا بُرا، تو کام نہ آئے میرے اُن کی سفارش

شَیْـًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾ اِنِّیْۤ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾

کچھ، اور نہ وہ بچا سکیں ● بلاشبہ جب تو میں کھلی گمراہی میں ہوں ●

(اور میری کیا مجال) ہے (کہ) اپنے قول وعمل سے سچائی کا اعتراف نہ کروں اور (نہ پوجوں اُسے جس نے بنایا مجھ کو) اور معدوم سے موجود کر دیا، (اور اُسی کی) جزا اور اُسی کے حکم کی (طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے) قیامت کے دن۔

اپنی طرف پیدا کرنے کی اضافت شکر ظاہر کرتا ہے اور پھر زندہ ہو کر اُٹھنے کی اضافت کافروں کے ساتھ زجر اور تہدید میں مبالغہ ہے۔۔تو۔۔

(کیا) یہ دانشمندی ہے کہ میں (بنالوں اُس کے خلاف دوسرے معبود؟) جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے، (کہ اگر چاہے خدائے مہربان میرا بُرا) اور کچھ ضرر مجھ کو پہنچائے، (تو کام نہ آئے میرے اِن) بتوں (کی سفارش کچھ)۔یعنی بت مجھ سے بَلا کو دفع نہیں کر سکتے اور نہ ہی کرا سکتے ہیں، (اور نہ وہ بچا سکیں) اور نہ ہی رہائی دِلا سکیں۔۔الحاصل۔۔اگر میں اُس کو پوجوں جو نہ نفع پہنچانے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ ضرر سے بچانے کی، اور جو نفع پہنچانے اور ضرر سے بچانے کی قدرت رکھتا ہے اُس سے ہاتھ اٹھالوں۔۔۔(بلاشبہ جب تو میں کھلی گمراہی میں ہوں)۔

جب کافروں نے حبیب نجار سے یہ بات سنی تو انہیں قتل کرنے کا قصد کیا، تو وہ پیغمبر کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔۔۔

اِنِّیْۤ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾ؕ

بے شک میں تو مان گیا تم لوگوں کے پروردگار کو، تو تم لوگ بھی سن رکھو! ●

(بے شک میں تو مان گیا تم لوگوں کے پروردگار کو، تو تم لوگ بھی سن رکھو!) تا کہ کل قیامت کے دن میرے ایمان کی گواہی دو۔

بعضوں نے کہا کہ قوم کی طرف مخاطب ہو کر یہ بات کہی، اور قوم کے لوگ انہیں پتھر مارنے

لگے یہاں تک کہ وہ شہید ہوگئے، اور بازارِ انطاکیہ میں اُن کی قبر ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ لوگوں نے تو انہیں مار ڈالا، لیکن حق تعالیٰ نے انہیں پھر زندہ کر کے بہشت میں داخل فرمایا۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اِس بات پر ہیں کہ جب لوگوں نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کیا، تو حق تعالیٰ نے کرامت و بزرگی کی وجہ سے انہیں بہشت میں پہنچا دیا۔۔تو۔۔

قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ ۖ قَالَ يٰلَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي

کہا گیا اُسے کہ "چلے جاؤ جنت میں۔" بولا، "اَے کاش میری قوم جان لیتی ● جو بخش دیا مجھے میرے رب نے،

وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۷﴾

اور کر دیا مجھے باعزت لوگوں میں"●

(کہا گیا اُسے، کہ چلے جاؤ جنت میں)۔ جب وہ بہشت میں گئے، (بولا اَے کاش! میری قوم جان لیتی ● جو بخش دیا مجھے میرے رب نے)۔ یعنی اَے کاش! میری قوم اُس چیز سے واقف ہو جاتی جس کے سبب سے رب تعالیٰ نے میری بخشش فرمادی (اور کر دیا مجھے باعزت لوگوں میں)، یعنی اُن لوگوں میں جنہیں نوازا گیا اور بزرگی دی گئی۔

ایک قول یہ ہے کہ وہ بھیجے ہوئے پیغام پہنچانے والے اور بادشاہ اور مؤمن سب قتل ہوگئے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ سب تو سلامت بچ گئے، فقط حبیب نجار قتل ہوئے۔۔یا۔۔ آسمان پر چلے گئے۔

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ

اور نہیں اُتارا ہم نے اُس کی قوم پر اُس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے،

وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿۲۸﴾

اور نہ ہم کو اتارنا تھا●

(اور نہیں اُتارا ہم نے اُس کی) یعنی حبیب نجار کی (قوم پر اُس کے) قتل۔۔یا۔۔آسمان پر اُٹھ جانے کے (بعد کوئی لشکر آسمان سے، اور نہ ہم کو اُتارنا تھا) کوئی لشکر کسی قوم کو ہلاک کرنے کے واسطے۔ یعنی کافر ایسے ذلیل وخوار اور بے مقدار ہیں، کہ انہیں ہلاک کرنے کے واسطے آسمانی لشکر کی ضرورت نہیں۔

اور جنگ بدر اور حنین کے دن آسمان سے فرشتے جو اُترے، یہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی تعظیم

کے واسطے تھا، نہ اس لیے کہ کافروں کا لشکر کسی حساب میں ہو۔

اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ ﴿۲۹﴾ يٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ ۚ

نہ تھا اُن پر کوئی عذاب مگر ایک چیخ۔ اُسی وقت وہ بجھ کے رہ گئے ● ہائے افسوس اُن بندوں پر۔۔

مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۳۰﴾

نہ آتا اُن کے پاس کوئی رسول، مگر یہ اُس سے ٹھٹھا کرتے رہتے ●

(نہ تھا اُن پر) یعنی اہلِ انطاکیہ پر (کوئی عذاب مگر ایک چیخ)۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اُن کے شہر کے دونوں بازار گھیر کر ایک چیخ ماری، (اُسی وقت وہ بجھ کے رہ گئے) یعنی سب مر گئے، جیسے ایک ہی بار آگ بجھ جاتی ہے۔ (ہائے افسوس اُن) کافر (بندوں پر)! جنہوں نے عجیب وغریب اپنی روش بنا رکھی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ (نہ آتا اُن کے پاس کوئی رسول، مگر یہ اُس سے ٹھٹھا کرتے رہتے) اور ہنسی مذاق میں اُس کی بات کو اُڑا دیتے اور سنجیدگی سے اُس پیغمبر کے پیغام پر غور نہ کرتے۔۔ تو۔۔

اَلَمۡ يَرَوۡا كَمۡ اَهۡلَكۡنَا قَبۡلَهُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ اَنَّهُمۡ اِلَيۡهِمۡ لَا يَرۡجِعُوۡنَ ﴿۳۱﴾

کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ کتنی برباد کر دیں ہم نے اُن سے پہلے امتیں؟ کہ بلاشبہ وہ اُن کی طرف واپس نہیں ہوتیں ●

وَاِنۡ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيۡعٌ لَّدَيۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ ﴿۳۲﴾

اور نہیں ہیں سب، مگر یہ کہ سارے ہمارے سامنے حاضر کیے جائیں گے ●

(کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا) اور اُنہیں معلوم نہیں ہوا، (کہ کتنی برباد کر دیں ہم نے اُن سے پہلے امتیں؟)۔ اور وہ ایسا برباد ہوئیں (کہ بلاشبہ وہ) اب دُنیا میں (اُن کی طرف واپس نہیں ہوتیں ● اور نہیں ہیں سب مگر یہ کہ ہمارے سامنے) میدانِ قیامت میں (حاضر کیے جائیں گے) جزا کے واسطے۔ یعنی ان کے اگلے کافروں میں سے جن کو ہم نے ہلاک کیا اور یہ مخالف جو پیچھے رہے، سب میدانِ حشر میں ہمارے حضور حاضر ہوں گے، اور اپنے افعال اور اقوال کے موافق جزا اور سزا پائیں گے۔ یعنی بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے اور محرومی کے قید خانہ میں ہمیشہ کے واسطے قید ہوں گے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الۡاَرۡضُ الۡمَيۡتَةُ ۖۚ اَحۡيَيۡنٰهَا وَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهَا حَبًّا فَمِنۡهُ يَاۡكُلُوۡنَ ﴿۳۳﴾

اور نشانی ہے اُن کے لیے مُردہ زمین، کہ زندہ فرما دیا ہم نے اُسے، اور نکالا ہم نے اُس سے غلہ، تو اُسے کھاتے ہیں ●

وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ﴿۳۴﴾

اور بنائے ہم نے اُس میں باغ کھجوروں کے، اور انگوروں کے، اور جاری کیے اُس میں چشمے●

لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

تا کہ کھائیں اُس کے پھل۔ اور نہیں کیا اُس کو اُن کے ہاتھوں نے، تو کیا شکرادا نہ کریں گے؟●

(اور) ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے ایک (نشانی ہے اُن کے لیے مُردہ زمین) یعنی خشک بے گھاس، (کہ) مینھ کے سبب سے (زندہ فرمادیا ہم نے اُسے)، یعنی سرسبز وشاداب کردیا۔ (اور نکالا ہم نے اُس سے غلّہ، تو اُسے کھاتے ہیں● اور بنائے ہم نے اُس میں باغ) مختلف قسم کی (کھجوروں کے اور) مختلف انواع کے (انگوروں کے، اور جاری کیے اُس میں چشمے● تا کہ کھائیں اُس کے پھل) جن کا ذکر اوپر کیا گیا۔ مذکورہ بالا جن میووں، اناج وغیرہ کو یہ کھا رہے ہیں (اور) فائدہ اٹھا رہے ہیں، (نہیں کیا اُس کو) ظاہر ہونے میں (اُن کے ہاتھوں نے)۔ یعنی اُن میووں میں سے کھاتے ہیں جن میں ان کے ہاتھوں نے کچھ کام ہی نہیں کیا، محض قدرتِ الٰہی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ (تو کیا شکرادا نہ کریں گے) ان نعمتوں کے مقابل اور منعم کی پرستش نہ کریں گے؟

بعض عارفین نے اِس آیت کی تفسیر میں بڑی ہی لطیف بات پیش کی ہے: فرماتے ہیں کہ اہلِ اشارت کی زبان پر اِس آیت کے معنی یہ ہیں کہ 'زمینِ دِل' کو ہم نے زندہ کردیا 'عنایت کے مینھ' سے، اور پیدا کیا ہم نے اُس سے 'طاعت' کا دانہ، کہ روحیں اُس سے غذا پاتی ہیں۔ اور پیدا کیے ہم نے باغ 'ذکروں کے خرموں' اور 'شوقوں کے انگوروں کے' اور حکمت کے چشمے' اُس میں ہم نے جاری کردیے کہ مکاشفوں اور مشاہدوں کے پھلوں سے فائدہ لیتے ہیں۔ اور جو کام کہ انہوں نے کیے ہیں خیر اور صدقے، اُس کے نتیجوں سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

کیا شکرگزاری نہیں کرتے؟ یعنی شکر کرنا چاہیے اُس ظاہری اور باطنی نعمت پر، تا کہ اس کی زیادتی کا سبب ہو۔۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے کہ "اگر شکر کرو گے تو البتہ زیادہ کروں گا میں"۔ زبانی اور اعتقادی شکر یہ ہے، کہ اِس بات کا پختہ عقیدہ رکھا جائے اور زبان سے بھی کہا جائے کہ۔۔۔

سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ

پاکی ہے اُس کی جس نے پیدا فرمائے جوڑے سارے اُن چیزوں سے، جنہیں زمین اگائے، اور خود اِن لوگوں سے،

وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿٣٦﴾

اور اُن چیزوں سے جس کو وہ نہیں جانتے●

(پاکی ہے اُس کی) تمام عیب سے اور ہر اُس شے سے جو اُس کی شان کے لائق نہیں، اور اُن تمام صفات سے مشرکین جن چیزوں سے اُس کا موصوف ہونا بیان کرتے ہیں۔۔ الختصر۔۔ اُن سب سے پاک اور بَری ہے (جس نے پیدا فرمائے جوڑے سارے)، یعنی اپنی قدرتِ کاملہ سے سب قسمیں اور نوعیں (اُن چیزوں سے جنہیں زمین اُگائے) جیسے چھوٹے بڑے درخت، (اور خود اُن لوگوں سے) یعنی بشر، مرد عورت۔ (اور اُن چیزوں سے جس کو وہ نہیں جانتے) اقسامِ خلائق میں سے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿٣٧﴾ وَالشَّمْسُ

اور نشانی ہے اُن کے لیے رات، کہ ہم کھینچ لیتے ہیں اِس سے دن کو، تو اُسی دم وہ اندھیرے میں ہیں● اور سورج

تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۭ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿٣٨﴾

چلا کرتا ہے اپنے ٹھکانے۔ یہ زبردست علم والے کا مقرر کیا ہوا ہے●

(اور) ہماری قدرت پر دوسری (نشانی ہے اُن کے لیے رات، کہ ہم کھینچ لیتے ہیں اُس سے دن کو)، یعنی دن کی روشنی اُس سے دُور کر دیتے ہیں، (تو اُسی دم وہ) آنے والے (اندھیرے میں ہیں۔ اور) اُس کی قدرت کی نشانی (سورج) ہے، جو (چلا کرتا ہے اپنے ٹھکانے) اور قرارگاہ کی طرف جو اُس کے واسطے ہے۔

قرارگاہ سے مراد حدِ معین ہے، کہ آفتاب کا دَور اُس پر تمام ہو۔

(یہ) یعنی اُس کا اپنی قرارگاہ کی طرف جانا، (زبردست علم والے کا مقرر کیا ہوا ہے)، جو غالب ہے اپنی قدرت کے سبب سے ہر مقدور پر اور جاننے والا ہے ہر معلوم کو۔

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ﴿٣٩﴾

اور چاند کے لیے مقرر فرمادیں ہم نے منزلیں، یہاں تک کہ پھر ہو گیا جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی●

(اور چاند کے لیے مقرر فرمادیں ہم نے منزلیں) اُس کے سیر کی، جو کہ اٹھائیس ۲۸ ہیں بارہ ۱۲ بُرجوں میں، اس واسطے کہ ہر بُرج کا حصہ ۲ دو منزلیں اور ایک تہائی ہوتا ہے، اور ہر روز ایک منزل کے

قریب قطع کرتا ہے۔ اور 'منازلِ اجتماعیہ' میں اُس کا نور بڑھتا ہے اور 'منازلِ استقبالیہ' میں گھٹتا ہے، اور جھکنے اور کمان ہونے کی طرف میل کرتا ہے۔ (یہاں تک کہ) اخیر منزل میں باریکی، زردی اور کجی کے سبب سے (پھر ہوگیا جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی)، مانند اُس لکڑی کے جو یک سالہ شاخ خرما کی ہو، خشک اور ٹیڑھی، ہلال کی شکل۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِي لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ

نہ آفتاب کی مجال ہے کہ پکڑے چاند کو، اور نہ رات بڑھ جانے والی ہے دن پر،

وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝۴۰

اور سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں●

(نہ آفتاب کی مجال ہے کہ پکڑے چاند کو)، یعنی چاند کو پا جائے اپنی تیز رفتاری سے، اس واسطے کہ چاند سب بُرجوں کو ایک مہینے میں قطع کرتا ہے، اور آفتاب ایک برس میں، تو آفتاب اگر جلد سیر کرنے میں چاند کے مثل ہو جائے، تو سال کی چاروں فصلیں اپنی وضع سے گر جائیں اور اُگنے والی چیزوں کے پیدا ہونے اور حیوانات کی زندگی میں خلل پڑ جائے۔ (اور نہ رات بڑھ جانے والی ہے دن پر)، کہ دن کی روشنی پر غالب آجائے اور ہر وقت رات ہی رات رہے، بلکہ رات دن کے پیچھے ہے۔

بعضوں نے کہا کہ دن رات سے اُن کی دونوں نشانیاں یعنی ماہتاب اور آفتاب مراد ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر آفتاب جلدی کی راہ سے ماہتاب کو نہیں پاتا ہے، تو ماہتاب بھی روشنی میں آفتاب سے بڑھ نہیں جاتا۔

(اور سب) ستارے آفتاب ماہتاب، وغیرہ (ایک دائرے میں تیر رہے ہیں)، یعنی اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پانی میں مچھلی تیر رہی ہے۔

وَاٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝۴۱

اور ایک نشانی ہے اُن کے لیے یہ کہ ہمیں نے سوار کیا تھا کشتی والوں کو اُن کی نسل کے ساتھ، بھری کشتی میں●

(اور) مذکورہ بالا قدرت کی نشانیوں کے ساتھ ساتھ (ایک نشانی ہے اُن کے لیے یہ) بھی (کہ ہمیں نے سوار کیا تھا کشتی والوں کو اُن کی نسل کے ساتھ بھری کشتی میں)۔ 'ذریت' سے مراد اولاد ہیں، جنہیں تجارت کے لیے بھیجا جاتا تھا۔۔۔یا۔۔۔عورتیں اور بچے ہیں، جنہیں سفر میں ساتھ رکھا جاتا تھا

چونکہ اُن کے بچوں کو خشکی میں سفر کرنے کی قوت نہیں، تو اُن کے واسطے ہم نے کشتی مقرر کردی۔

وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاِنْ نَّشَاْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيْخَ لَهُمْ

اور پیدا فرمایا ہم نے اُن کے لیے بھی اُسی قسم کی سواریاں کہ سوار ہوں • اور اگر ہم چاہیں تو ڈبو دیں اُنہیں، تو نہ اُن کا کوئی فریادرس ہو،

وَلَا هُمْ يُنْقَذُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۴۴﴾

اور نہ یہ بچائے جائیں • مگر ہماری رحمت، اور ایک وقت تک رہنے دینا •

(اور پیدا فرمایا ہم نے اِن کے لیے بھی اُسی قسم کی سواریاں کہ سوار ہوں)۔

جیسے ڈونگا یعنی چھوٹی کشتی۔۔۔بجرا۔۔چھوٹی ناؤ، اور بیڑا یعنی بیڑا بانسوں کو باندھ کر سطح آب پر بنایا ہوا چبوترا جو کشتی کا کام دیتا ہے۔ بعض نے کہا اونٹ مراد ہیں، جو گویا میدانوں کی کشتی ہیں۔

(اور اگر ہم چاہیں تو ڈبو دیں انہیں) یعنی کشتی والوں کو، **(تو نہ کوئی اُن کا فریادرس ہو)** جو انہیں ڈوبنے سے بچائے، **(اور نہ یہ بچائے جائیں)** موت سے، **(مگر)** یہ کہ **(ہماری رحمت)** ہو جائے اُن پر **(اور)** ان کو فائدہ دیں اس طرح کہ **(ایک وقت تک)** یعنی اس زمانہ تک، کہ اُن کی اجل اُن تک پہنچ آئے ان کا **(رہنے دینا)** باقی رکھنا، تاکہ وہ رہ سکیں اور اس وقت تک متاعِ دُنیا سے عارضی فائدہ حاصل کرتے رہیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّقُوْا مَا بَيْنَ اَيْدِيْكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور جب حکم دیا گیا اُنہیں کہ "ڈرو جو تمہارے سامنے نقد ہے، اور جو تمہارے پیچھے وعدہ ہے، کہ تم رحم کیے جاؤ" •

(اور جب حکم دیا گیا انہیں، کہ ڈرو جو تمہارے سامنے نقد ہے)، یعنی ڈرو اُس عذاب سے جو تم سے پہلے تکذیب کرنے والے گروہوں کو پہنچا، **(اور جو تمہارے پیچھے وعدہ ہے)**، یعنی ڈرو اُس عذاب سے بھی جو تمہارے پیچھے ہے، یعنی آخرت میں ہونے والا ہے۔ مراد یہ ہے کہ ایمان لاؤ تا **(کہ تم رحم کیے جاؤ)**۔ مگر ان کا حال یہ ہے کہ انکار کر کے لڑائی جھگڑا بڑھاتے ہیں۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور نہیں آئی اُن کے پاس کوئی نشانی، اُن کے رب کی نشانیوں سے، مگر وہ منہ پھیرے ہیں •

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ

اور جب حکم دیا گیا اُنہیں کہ "خیرات کرو اُس سے، جو روزی دی تمہیں اللہ نے" جواب دیا کافروں نے

آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٤٧﴾

مسلمانوں کو کہ "کیا ہم کھلائیں جسے اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا؟" تم بس کھلی گمراہی میں ہو●

(اور نہیں آئی اُن کے پاس کوئی نشانی اُن کے رب کی نشانیوں سے) یعنی قرآن -- یا -- وحدت کی دلیلوں میں سے، (مگر وہ منہ پھیرے ہیں) اور اُس کو ماننے اور قبول کرنے سے اعراض کرتے ہیں۔ اُن کی دیدہ دلیری، تلخ کلامی (اور) کج فکری کا عالم یہ ہے کہ (جب حکم دیا گیا انہیں، کہ) محتاجوں اور ضرورتمندوں پر (خیرات کرو اُس سے جو روزی دی تمہیں اللہ) تعالیٰ (نے، جواب دیا کافروں نے مسلمانوں کو) اور بطورِ استہزا بولے، (کہ "کیا ہم کھلائیں جسے اللہ) تعالیٰ (چاہتا تو خود کھلا دیتا) یعنی تمہارے زعم میں خدا خلق کو رزق پہنچانے پر قادر ہے، تو چاہیے کہ اُن کو کھانا دیتا۔ جب اُسی نے نہ دیا، تو ہم بھی نہیں دیتے۔ تو اَے مسلمانو! (تم بس کھلی گمراہی میں ہو) کہ ہم کو مشیتِ الٰہی کے خلاف کرنے کا حکم کرتے ہو۔"

اور اُن کی یہ بات خطا اور غلط تھی، اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے بعضے لوگوں کو مالدار کیا ہے اور بعضوں کو فقیر، اور امتحان کے واسطے حکم فرمایا کہ مالدار مال میں سے جو خدا نے مقرر کیا ہے محتاجوں کو بہرہ مند کریں، تو مشیت کو بہانہ کرنا اور خرچ کرنے کے باب میں جو خدا نے حکم فرمایا ہے اُسے چھوڑ دینا، محض خطا اور نرا ظلم و جفا ہے۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾ مَا يَنظُرُونَ

اور کہتے ہیں کہ "کب ہے یہ وعدہ؟ اگر تم سچے ہو"● نہیں انتظار کرتے

إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾

مگر ایک چیخ کا، جو گرفتار کرلے اُنہیں، اِس حال میں کہ وہ جھگڑ رہے ہیں●

(اور) اس کھلی ہوئی گمراہی میں رہنے والے کافر (کہتے ہیں، کہ کب ہے یہ وعدہ) کیا ہوا تمہارا؟ یعنی قیامت قائم ہونا اور دوبارہ زندہ ہوکر اٹھنے کا وقت، بتاؤ (اگر تم سچے ہو)۔ یہ قیامت کا انتظار کرنے والے غافل، (نہیں انتظار کرتے مگر ایک چیخ کا، جو گرفتار کرلے انہیں اِس حال میں کہ وہ

جھگڑ رہے ہیں)۔۔الغرض۔۔جس چیز کے وہ منتظر ہیں وہ ایک سخت آواز ہے، کہ لے لے اُن کو یعنی 'نفخۂ صاعقہ' جو کہ 'نفخۂ فزع' کے بعد ہے جو اُن کو لے لے گا، درانحالیکہ وہ اس وقت سودے اور معاملہ میں لڑائی جھگڑے کے ساتھ مشغول ہوں گے اور دُنیا کے کام بنا رہے ہوں گے، کہ حضرت اسرافیل ایک بار صور پھونکیں گے اور تمام خلق وہیں مرجائیں گے، مگر جسے اللہ بچائے۔۔۔

ع ۱۸ / ۲

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿٥٠﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ

تو نہ کوئی وصیت کرسکیں گے، اور نہ اپنے لوگوں کی طرف واپس ہوں گے● اور پھونکا گیا صور،

فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ﴿٥١﴾

تو اُسی وقت وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے●

(تو نہ کوئی وصیت کرسکیں گے) ان لوگوں کو جوان کے پاس حاضر ہوں، (اور نہ اپنے) غیر حاضر (لوگوں کی طرف واپس ہوں گے) یعنی بازار سے گھر جانے کی مجال نہ پائیں گے۔ (اور) چالیس برس کے بعد دوبارہ (پھونکا گیا صور، تو اُسی وقت وہ قبروں سے اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے)۔ یہ چالیس برس کافروں پر عذاب نہ ہوگا۔۔چنانچہ۔۔جب اُٹھائے گئے، تو۔۔۔

قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ

بولے "ہائے افسوس ہم پر، کس نے اٹھادیا ہمیں ہماری خواب گاہ سے"۔۔۔ "یہ ہے جس کا وعدہ فرمایا تھا اللہ مہربان نے،

وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٢﴾

اور سچ بتایا تھا رسولوں نے"●

(بولے ہائے افسوس ہم پر! کس نے اُٹھادیا ہمیں ہماری خواب گاہ سے) یعنی ہماری قبروں سے، تو فرشتے جواب دیں گے، کہ (یہ ہے جس کا وعدہ فرمایا تھا اللہ) تعالیٰ (مہربان نے)، یعنی خدا نے جو بعث ونشر کا وعدہ کیا تھا اور تم کہتے تھے کہ "کب ہے یہ وعدہ"۔ (اور سچ بتایا تھا رسولوں نے) قبروں سے اُٹھنے اور جزا پانے کے باب میں، اور تم نے اُن کا کہا با ورنہ کیا، کہ۔۔۔

إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿٥٣﴾

یہ نہ ہوگی مگر ایک چیخ، تو اب وہ سارے ہمارے سامنے حاضر کردیے گئے ہیں●

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَّلَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴿۵۴﴾

تو آج کے دن نہ ستایا جائے گا کوئی کچھ بھی، اور نہ بدلا دیے جاؤ گے، مگر جو تم لوگ کر چکے ہو●

(یہ) قیامت (نہ ہوگی مگر ایک چیخ)، یعنی 'نفخۂ اخیر' کا ایک نعرہ، یعنی ایک ہی نفخہ کے ساتھ زندہ ہو جائیں گے، (تو اب وہ سارے ہمارے سامنے حاضر کر دیے گئے ہیں● تو آج کے دن) جو جزا کا دن ہے، (نہ ستایا جائے گا کوئی کچھ بھی)۔ یعنی نہ تو اُن کے ثواب میں سے گھٹائیں گے اور نہ عذاب میں بڑھائیں گے۔ جس قدر جزا۔۔یا۔۔سزا کے مستحق ہیں اُسی قدر پائیں گے۔ (اور نہ بدلا دیے جاؤ گے) اے اہلِ محشر! (مگر جو تم لوگ کر چکے ہو) بھلا اور بُرا۔۔تو۔۔

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِىْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ﴿۵۵﴾

بے شک جنت والے آج کے دن اپنے مشغلوں میں خوش خوش ہیں●

(بے شک جنت والے آج کے دن اپنے مشغلوں میں خوش خوش ہیں) شاداں اور نازاں، میوے کھاتے، مزے اُڑاتے۔

اور وہ کام حوروں کا قرب۔۔یا۔۔حمدِ الٰہی کے ترانے، اور تسبیح وتہلیل کے نغمات کی سماعت ۔۔یا۔۔آپس کی ملاقات۔۔یا۔۔خدا کا مہمان ہونا۔۔یا۔۔نعمت حاصل کرنے میں مشغول ہوں گے۔ اور دوزخیوں کے امور اور عذابوں میں تامل کرنے سے فارغ ہوں گے۔۔یا۔۔ خدا انہیں ایسے شغل میں مشغول فرمائے گا، کہ جو لوگ دوزخ میں ہوں گے انہیں یہ بھول جائیں گے، اس واسطے کہ انہیں یاد کرنے میں عیش میں خلل پڑے گا۔

'بحر الحقائق' میں ہے، کہ اصحابِ جنت سے طالبانِ بہشت مراد ہیں، کہ اُن کو جنت کی نعمتیں ہی مقصود تھیں، حق تعالیٰ انہیں نعمتیں حاصل کرنے میں مشغول کرے گا۔ اور یہ حال اگرچہ دوزخیوں کے بہ نسبت بڑی نعمت ہے، مگر طالبانِ حق کی نسبت بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ اور اس جگہ سے اَكْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْبُلْهُ کا بھید مل سکتا ہے، کہ عام طور سے جنتی بھولے اور سادہ لوح ہوتے ہیں۔

روایت ہے کہ یہ آیت شبلی قدس سرہ کے سامنے پڑھی، تو انہوں نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہوگئے، اور جب ہوش میں آئے تو بولے، کہ بیچارے اگر جانیں کہ کس سے غافل ہو کر کس

چیز میں مشغول ہیں، تو ابھی ہلاکت میں پڑیں۔ شیخ الاسلام انصاری قدس سرہ نے فرمایا کہ بہشت کی نعمتوں میں مشغول ہونا تمام مومنوں کا حصہ ہے، لیکن مقربانِ حضرت 'مطالعہ شہود' اور 'ملاحظہ نورِ وجود' سے ایک لحظہ نعمتِ بہشت کی طرف مشغول نہ ہوں گے۔

هُمْ وَاَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ

وہ اور اُن کی بیبیاں سایوں میں، اپنے اپنے تخت پر تکیہ لگائے ہیں● اُن کے لیے اُس میں میوہ ہے،

وَّلَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور اُن کے لیے جو مانگ لیں●

(وہ) یعنی اصحابِ جنت (اور اُن کی بیبیاں) جو دُنیا میں تھیں۔۔یا۔۔حوریں (سایوں میں) عالی شان مکانوں کے، یعنی ایسے مقام پر جو حرارتِ آفتاب سے دُور ہوگا، (اپنے اپنے) آراستہ (تخت پر تکیہ لگائے ہیں)۔

تخت پر تکیہ لگانا تنعم کی دلیل ہے۔

(اُن کے لیے اُس میں میوہ ہے، اور اُن کے لیے جو مانگ لیں) جو کچھ چاہیں اور جو آرزو کریں۔

حضرت ابنِ عباس سے روایت ہے، کہ کھانے پینے کی چیزوں میں سے جنتی جو کچھ خیال کرے گا، بے اُس کے زبان پر لائے اُسے اپنے سامنے حاضر دیکھے گا۔۔۔

سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴿۵۸﴾

اُن پر سلام ہے۔۔ربِ رحیم کا فرمایا ہوا●

(اُن پر سلام ہے ربِ رحیم کا فرمایا ہوا)۔

حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، کہ اہلِ بہشت اپنی نعمتوں میں ڈوبے ہوں گے کہ ناگاہ ایک نور اُن پر ظاہر ہوگا، جب وہ سر اُٹھائیں گے، تو حضرت ربّ العزت فرمائے گا:

"سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ"

سلام ہو تم پر! تم خوب رہے، تو جاؤ اُس میں ہمیشہ رہنے کو اے جنت والو!۔۔۔

وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٩﴾

اور الگ کھسکو آج اَے مجرم لوگو!●

(اور الگ کھسکو آج اَے مجرم لوگو!) یعنی اَے مشرکو! موحدوں سے اور اَے منافقو! مخلصوں سے جدا ہو جاؤ، اس واسطے کہ تم کو دشمنوں کے قید خانہ میں ہنکاتے ہیں اور انہیں دوستوں کے باغ میں بُلاتے ہیں۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ

کیا نہیں عہد لیا تھا میں نے تمہارا اَے اولادِ آدم! کہ "نہ پوجنا شیطان کو، کہ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا

مُّبِينٌ ﴿٦٠﴾ وَأَنِ اعْبُدُونِي ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٦١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ

دشمن ہے● اور یہ کہ پوجو مجھے۔ یہی سیدھا راستہ ہے"● اور بے شک اُس نے گمراہ کر دیا

مِنكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا ۖ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٦٢﴾

تم میں سے بہت مخلوق کو، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے؟●

(کیا نہیں عہد لیا تھا میں نے تمہارا اَے اولادِ آدم!) اور کیا نہیں حکم کیا تھا تم کو؟ (کہ نہ پوجنا شیطان کو)، یعنی شیطان کے کہنے سے بتوں کی پرستش نہ کرنا۔ کیوں (کہ بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے) اور تمہارے باپ آدم کے ساتھ اُس کی دشمنی سب پر ظاہر ہے۔ (اور) کیا نہیں عہد لیا تھا میں نے (یہ، کہ پوجو مجھے) ہی۔ کیوں کہ (یہی سیدھا راستہ ہے) جنت کا۔ (اور بے شک اُس نے گمراہ کر دیا تم میں سے بہت مخلوق کو) تم سے پہلے، (تو کیا تم عقل نہیں رکھتے تھے) اس بات کی، کہ خود کو اُس کے ہاتھ کی گرفت اور اُس کے پھندے میں آنے سے بچاتے رہتے اور اُس کے فریب میں نہ آتے۔ اور اَے کافرو!۔۔۔

هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٦٣﴾ اصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٦٤﴾

یہ ہے وہ جہنم، جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا● جاؤ اس میں آج جو کفر کیا کرتے تھے●

(یہ ہے وہ جہنم جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا تھا) دُنیا میں، تو (جاؤ اِس میں آج) بہ سبب اُس کے (جو کفر کیا کرتے تھے)، حق کو چھپاتے تھے اور پیغمبروں کی تصدیق نہیں کرتے تھے۔

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ

آج کے دن مہر لگا دیں گے ہم اُن کے مونہوں پر، اور گفتگو کریں گے ہم سے اُن کے ہاتھ، اور گواہی دیں گے اُن کے پاؤں،

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾

جو وہ کمائی کرتے تھے●

(آج کے دن مہر لگا دیں گے ہم اُن کے مونہوں پر)، تاکہ کہہ نہ سکیں کہ ہم مشرک نہ تھے اور ہم نے رسولوں کی تکذیب نہیں کی اور شیطان کو ہم نے نہیں پوجا۔۔ الحاصل۔۔ اُن کی زبان اِس طرح کی غلط بیانی نہ کر سکے۔ اُس کی گویائی کی طاقت سلب کر لی جائے گی۔ (اور گفتگو کریں گے ہم سے اُن کے ہاتھ اور گواہی دیں گے ان کے پاؤں) اس کی کہ دُنیا میں ان سے (جو وہ کمائی کرتے تھے)۔

'کشف الاسرار' میں فرمایا ہے کہ جس طرح دشمنوں کے ہاتھ پاؤں اُن کے بُرے کاموں کی گواہی دیں گے، اُسی طرح دوستوں کے ہاتھ پاؤں اُن کی طاعت اور عبادت پر گواہی دیں گے۔ جیسا کہ آثار میں وارد ہوا ہے، کہ حق تعالیٰ بندہ مؤمن سے خطاب کرے گا، کہ کیا لایا ہے؟ تو وہ بندہ مؤمن شرمائے گا کہ اپنی عبادات اور طاعات اور خیرات شمار میں لائے، تو حق تعالیٰ اُن کے اعضاء سے بات کروائے گا اور ہر ایک عضو اپنے اعمال کہیں گے، یہاں تک کہ انگلیاں تسبیحوں کی گواہی دیں گی۔ ظاہر ہے کہ یہ سب بھی قدرتِ خداوندی ہی کے مظاہرے ہیں۔ مزید اپنی مشیت وقدرت کی شان سمجھانے کے لیے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰٓى اَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾

اور اگر ہم چاہتے، تو ضرور چوپٹ کر دیتے اُن کی آنکھیں، تو راستے میں دوڑتے پھرتے، پھر بھی کہاں دیکھ سکتے●

(اور) واضح انداز میں بیان فرما رہا ہے، کہ (اگر ہم چاہتے تو) دُنیا ہی میں (ضرور چوپٹ کر دیتے اُن کی آنکھیں) اور اُن کی بصارت کو زائل کر دیتے، (تو راستہ میں دوڑتے پھرتے، پھر بھی کہاں دیکھ سکتے)۔ اپنے جانے بوجھے راستہ پر چلنا کیا اُن کے لیے ممکن رہتا؟

وَلَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰى مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِيًّا وَّلَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ ع

اور اگر ہم چاہتے، تو ضرور صورتیں بدل دیتے اُن کی اُن کے مقام پر، تو نہ آگے چل سکتے اور نہ واپس ہو سکیں●

(اور) یوں ہی (اگر ہم چاہتے تو ضرور صورتیں بدل دیتے اُن کی اُن کے مقام پر) یعنی اگر

ہم چاہتے تو مشرکین اہلِ مکہ کی صورتوں کو مسخ کر کے کسی قبیح جانور کی صورت میں تبدیل کر دیتے، جیسے بعض بنی اسرائیل کی صورتوں کو مسخ کر کے خنزیر کی شکل سے تبدیل کر دیا تھا، اوران کو درجہ انسانیت سے گرا کر حیوانیت کے درجہ میں لاکھڑا کر دیا تھا۔ تبدیلی کی شکل یہ بھی ہے کہ اُن کو پتھر کی شکل سے تبدیل کر دیں اور اُن کو درجہ حیوانیت سے بھی گرادیں، پھر (تو) وہ **(نہ آگے چل سکتے اور نہ واپس ہوسکیں)**۔

یعنی اگر وہ کسی جگہ جانا چاہیں تو نہ جاسکیں، اور لوٹنا چاہیں تو نہ لوٹ سکیں، کیونکہ بصارت سے محروم ہونے کے بعد انہیں راستہ کس طرح دکھائی دیتا۔ یہ تو ہمارا رحم اور حلم ہے، کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔ اور اگر ہم اُنہیں پتھر بنادیتے، تو وہ پتھر کی طرح ایک جگہ پڑے رہتے اور اُن کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا ممکن نہ ہوتا۔

مسخ کی صورت میں بھی اگر اُن کو بندروں اور سووروں کی شکل میں تبدیل کر کے اُن کی جگہ پر ٹھنڈا کر دیا جائے، تو بھی نہ وہ آگے چل سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی پچھلی شکل وصورت کی طرف واپس آسکتے ہیں۔ ابھی اوپر آنکھوں کو چوپٹ کر دینے اور صورت کو بدل دینے کی جو بات مذکور ہوئی، یہ دونوں باتیں ربِّ قدیر کی قدرت سے باہر نہیں ہیں۔ اُس کی قدرت کا عالَم تو یہ ہے، کہ صاف۔۔۔

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۚ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿٦٨﴾

اور جس کی عمر ہم دراز کریں، تو اُس کو الٹا دیں پیدائش میں، تو کیا یہ لوگ عقل نہیں رکھتے؟

(اور) واضح لفظوں میں ارشاد فرماتا ہے، کہ **(جس کی عمر ہم دراز کریں، تو اُس کو الٹا دیں پیدائش میں)** یعنی قوت کو ضعف اور جسم کی باڑھ کو کمی سے، اور دانائی کو نادانی سے ہم بدل دیتے ہیں۔ **(تو کیا یہ لوگ عقل نہیں رکھتے)**؟ کہ سمجھیں کہ جو کوئی صورت بنانے اور بدل دینے پر قادر ہے، وہ مٹا دینے اور مسخ کر دینے پر بھی قادر ہوگا۔ کافروں کی بے عقلی کا حال یہ ہے، کہ قرآنِ کریم کو شعر اور نبی کریم کو شاعر کہہ دیا۔ اِس غلط۔۔۔

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ۚ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿٦٩﴾

اور نہیں تعلیم دی یہ ہم نے آنحضرت کو شاعری کی، اور نہ اندازِ شاعری اُن کے لائق ہے۔ یہ نہیں ہے مگر نصیحت، اور روشن قرآن۔

(اور) باطل خیال کے رَد میں حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ (نہیں تعلیم دی یہ ہم نے آنحضرت کو شاعری کی، اور نہ) ہی (اندازِ شاعری اُن کے لائق ہے)۔ اس لیے کہ شعر متکلّف اور مصنوعی و بناوٹی وزن وقافیہ کے طریقہ کا نام ہے، اور وہ خیالاتِ فاسدہ واوہام ضعیفہ پرمبنی ہے، اور یہ بات 'کلام منزہ و مقدس' کی شان کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کلام الٰہی فنونِ حکمت واحکام سے پُر ہے۔ کلام بشر کو اُس سے معمولی سی مناسبت بھی نہیں۔ اِس سے دارین کی سعادت نصیب ہوتی ہے۔ نامعلوم اِن بدبختوں کو کیا سوجھی کہ اِسے شعر کہہ دیا۔ کہاں شعر اور کہاں یہ محبوبانہ حکیمانہ کلام۔

شعرِ منطقی تو اقوالِ کاذبہ اور خیالاتِ فاسدہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور جو اصطلاحی شعر ہے، اُس میں بھی بالقصد قافیہ وردیف وغیرہ کی رعایت لازمی ہے۔ اس لیے بلا قصد اگر کبھی موزوں کلام زبان سے نکل جائے، تو وہ نہ تو منطقی شعر ہے اور نہ ہی اصطلاحی۔ منطقی شعر اس لیے نہیں، کہ منطقی شعر میں جھوٹ ضروری ہے، اور اصطلاحی شعر اس لیے نہیں ہے کہ اُس میں قصد وارادہ ضروری ہے۔

کافروں نے نبی کو شاعر اور قرآن کو شعر بطورِ 'مدح' نہیں کہا تھا، بلکہ اُس معنی میں کہا تھا جو اُن کے ماحول میں معروف ومروج تھا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ شعر وشاعری آپ ﷺ کے لائق کیسے ہوسکتی ہے۔۔تو۔۔

(یہ) کلام بلاغت نظام (نہیں ہے مگر نصیحت اور روشن قرآن)، یعنی کھلی ہوئی کتاب معانی اور حقائق میں۔۔یا۔۔جو احکام اور حدود ہم نے بھیجے اُن کو ظاہر کرنے والی ہے۔

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

تاکہ ڈرائے جو زندہ ہو، اور ٹھیک کردے حجت کافروں پر●

(تاکہ ڈرائے) اور فائدہ دے اُس کو (جو زندہ ہو)، یعنی زندہ دل ہو۔ یعنی عقل وفہم والا ہو، اس واسطے کہ غافل اور جاہل، مُردہ کے مثل ہے۔

۔۔یا۔۔

اُسے جو علم الٰہی میں مؤمن ہے، اس واسطے کہ 'حیاتِ ابدی' اور بقائے سرمدی' ایمان کے سبب سے ہے۔ اور مؤمن کے ساتھ ڈرانے کی تخصیص اِس جہت سے ہے کہ وہ ڈرانے سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ (اور) علاوہ ازیں (ٹھیک کردے حجت کافروں پر) جو قرآن کو قبول نہیں کرتے۔

اَوَلَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَهُمۡ لَهَا مٰلِكُوۡنَ ﴿۷۱﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا، کہ ہم نے پیدا فرمایا اُن کے لیے اپنے ہاتھوں سے چوپایوں کو، تو وہ اُن کے مالک ہیں●

(کیا انہوں نے نہیں دیکھا، کہ ہم نے پیدا فرمایا اُن کے لیے اپنے ہاتھوں سے) اُس چیز میں سے جو کیا، اور بنایا ہم نے بے واسطہ اور بے شرکت اور بے وکالت۔ یعنی ہم یکتا تھے اُسے پیدا کرنے میں لوگوں کے درمیان۔

یہ مثل ہے کہ جو کام کوئی تنہا کرتا ہے، تو کہتا ہے کہ میں نے یہ کام اپنے ہاتھ سے بنایا ہے، یعنی کسی دوسرے نے یہ کام بنانے میں میری مدد نہیں کی، تو اب اِس ارشاد کا معنی یہ ہوا، کہ۔۔۔

ہم نے پیدا کیے اُن کے واسطے اپنی ہی قدرت سے بے مشارکت کسی غیر کے (چوپایوں کو)، جیسے اونٹ، گائے، بکری، (تو وہ اُن کے مالک ہیں) اور انہیں تصرف میں لانے والے ہیں۔

وَذَلَّلۡنٰهَا لَهُمۡ فَمِنۡهَا رَكُوۡبُهُمۡ وَمِنۡهَا یَاۡكُلُوۡنَ ﴿۷۲﴾ وَلَهُمۡ فِیۡهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا یَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۳﴾

اور دبّو کر دیا انہیں اُن کے لیے، تو کچھ اُن کی سواری ہیں، اور بعض وہ کھاتے رہتے ہیں● اور انہیں اُس میں منفعتیں ہیں، اور پینے کی چیزیں ہیں، تو کیا شکر گزار نہ ہوں گے●

(اور دبّو کر دیا) یعنی تابع کر دیا (انہیں اُن کے لیے، تو کچھ اُن کی سواری ہیں) کہ اُن پر وہ سوار ہوتے ہیں جیسے اونٹ، (اور بعض وہ کھاتے رہتے ہیں) جیسے بکری، (اور انہیں اُس میں منفعتیں ہیں) یعنی فائدے کی چیزیں ہیں، جیسے رواں، بال اور کھال وغیرہ۔ (اور پینے کی چیزیں ہیں) جیسے دودھ۔ اور فائدے بھی ہیں۔ (تو کیا شکر گزار نہ ہوں گے) خدا کی نعمتوں کے، کہ اُس نے چارپائے پیدا کیے اور انہیں تابع کر دیا اور چارپاؤں سے بڑے فائدے اُن کو پہنچائے۔ اِن نعمتوں پر شکر گزار ہونا تو بڑی بات، ناشکری کی بدترین شکل اپنالی۔۔۔

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ﴿۷۴﴾ؕ لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ نَصۡرَهُمۡ ۙ وَهُمۡ لَهُمۡ جُنۡدٌ مُّحۡضَرُوۡنَ ﴿۷۵﴾

اور بنالیا انہوں نے اللہ کے خلاف کئی معبود، کہ وہ مدد کیے جائیں گے● وہ کر ہی نہیں سکتے اُن کی مدد۔ اور وہ اُن کے لشکر سب پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے●

(اور بنالیا اُنہوں نے اللہ) تعالیٰ، معبودِ برحق اور مستحق عبادت، (کے خلاف) اور اُس کے سوا (کئی معبود)، جو قطعی طور پر عبادت کا استحقاق نہیں رکھتے۔ اور وہ بھی اِس خام خیالی میں (کہ وہ مدد کیے جائیں گے) حالانکہ (وہ) بت (کر ہی نہیں سکتے اُن کی مدد)، اس واسطے کہ اُن کو کچھ شعور اور قدرت نہیں۔ (اور وہ) بت پرست جو آج (اُن کے لشکر) ہیں اور اُن کی نگہبانی اور دیکھ ریکھ کرتے ہیں، سب کے (سب پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے)۔

--یا--

کل قیامت کو یہ اُن کے لشکر ہوں گے جو اُن کے ساتھ دوزخ میں حاضر ہوں گے۔

وقف لازم

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٦﴾

تو نہ رنج دے تمہیں اُن کی بکواس۔۔۔ بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپائیں، اور جو کچھ ظاہر کریں●

(تو) اَے محبوب! (نہ رنج دے تمہیں اُن کی بکواس) جو حق تعالیٰ کے تعلق سے وہ بکتے ہیں، کہ معاذ اللہ وہ صاحبِ اولاد ہے، اور اُس کے شریک ہیں۔۔یا۔ تمہاری رسالت کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور شاعر و ساحر بناتے ہیں۔ (بے شک ہم جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپائیں) یعنی بغض و عداوت۔ (اور جو کچھ ظاہر کریں) یعنی کفری کلمات۔ اُن کی اِن باتوں پر ہم اُن کو جزا دیں گے۔

روایت ہے کہ عاص بن وائل۔۔یا۔۔ ابو جہل۔۔یا۔۔ قولِ مشہور پر ابی بن خلف نے تھوڑی سی پرانی ہڈیاں پیس کر ہاتھ میں لیں، اور آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آیا۔ وہاں قریش کے بعضے سردار موجود تھے۔ پس وہ آکر بولا، کہ وہ کون ہے جو اِن متفرق اجزاء۔۔یا۔۔ کٹے ملے اعضا کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کردے؟ پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اُن کو قیامت کے دن اٹھا کھڑا کرے گا اور تجھ کو زندہ کر کے دوزخ میں لے جائے گا۔ اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

أَوَلَمْ يَرَ الْإِنسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِن نُّطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿٧٧﴾ وَ

کیا نہیں دیکھا انسان نے، کہ بلاشبہ پیدا فرمایا ہم نے اُسے ایک قطرے سے، تو اب وہ علانیہ جھگڑالو ہے● اور

ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ ۖ قَالَ مَن يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿٧٨﴾

ضرب المثل بنایا ہمارے لیے، اور بھول گیا اپنی پیدائش کو۔ بولا کہ "کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو، جب کہ وہ گلی ہیں"●

(کیا نہیں دیکھا) اور نہیں جانا اُس (انسان نے)، یعنی ابی بن خلف جیسوں نے؟ (کہ بلا شبہ پیدا فرمایا ہم نے اُسے ایک قطرہ سے)، یعنی منی سے اور اُسے ٹھگا بنا کر درجہ بدرجہ ترقی دی، یہاں تک کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا بن کر پیدا ہوا، اور بچپنے سے بزرگی کو پہنچا، اور باتیں کرنے والا اور دلیر ہوا، (تو اب وہ علانیہ جھگڑالو ہے● اور) اُس کم فہم اور یتیم العقل نے (ضرب المثل بنایا ہمارے لیے) اور ایک عجیب بے وقوفی کی حرکت کی۔۔ چنانچہ۔۔ایک پسی ہوئی ہڈی کو مٹھی میں لایا اور اُسے ہوا میں اُڑا دیا (اور بھول گیا اپنی پیدائش کو، بولا کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کہ وہ گلی ہیں)؟ اور ریزہ ریزہ ہوگئی ہیں۔ نہ اُن میں گوشت ہے نہ پوست نہ رگیں نہ پٹھے۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۙ﴿۷۹﴾

جواب دو کہ "زندہ کرے گا اُسے وہ، جس نے پیدا فرمایا اُسے پہلی بار" اور وہ ہر پیدائش کا علم والا ہے●

اَے محبوب! (جواب دو، کہ زندہ کرے گا اُسے وہ) اپنی قدرتِ کاملہ سے (جس نے پیدا فرمایا اُسے پہلی بار)، اور معدوم سے موجود کیا۔ (اور وہ ہر پیدائش کا علم والا ہے)۔ تفصیل کے ساتھ مخلوقات اُسے معلوم ہیں، اور اشخاص کے اجزاء کو متفرق اور پراگندہ ہونے کی حالت میں پہچانتا ہے، اور اُسے اکٹھا کرنے اور ملا دینے پر قادر ہے۔ وہ وہی قادرِ مطلق ہے۔۔۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ﴿۸۰﴾

جس نے پیدا کیا تمہارے لیے ہرے درخت سے آگ، تو اب تم اُس سے سلگاتے رہتے ہو●

(جس نے پیدا کیا تمہارے لیے ہرے درخت سے آگ، تو اب تم اُس سے سلگاتے رہتے ہو)۔

عرب کے جنگلوں میں اکثر جگہ دو درخت ملتے ہیں۔ ایک کا نام 'مَرخ' ہے اور دوسرے کا نام 'عفار' ہے۔ 'مَرخ' کی شاخ 'عفار' پر رگڑتے ہیں، تو اُس میں سے آگ نکلتی ہے۔

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ۔۔۔

جو ہرے درخت سے آگ پیدا کرنے پر قادر ہے، کہ اُس میں تری آگ کے جوہر کی ضد اور مخالف ہے، وہ البتہ قادر ہے اُس چیز کی طراوت پھیر لانے پر بھی جو پہلے تر و تازہ ہو اور پھر خشک ہوگئی۔۔ المختصر۔ غور کرو۔۔۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى أَنْ يَّخْلُقَ

کیا نہیں وہ جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو قادر اِس پر، کہ پیدا فرمادے

مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾

اُن جیسے کو۔ کیوں نہیں ہے۔ کہ وہی خوب پیدا کرنے والا علم والا ہے●

(کیا نہیں) ہے (وہ جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو) اُن کے جرم اور جسم بڑے ہونے کے ساتھ (قادر اِس پر، کہ پیدا فرمادے اُن جیسے کو) چھوٹے جسموں اور حقیر جرموں کے ساتھ۔ (کیوں نہیں ہے)؟ کیوں (کہ وہی خوب پیدا کرنے والا) اور (علم والا ہے)۔ یعنی وہ بے شمار مخلوق کا پیدا فرمانے والا ہے اور مخلوقات کے احوال کی حقیقت جاننے والا ہے۔

إِنَّمَآ أَمْرُهٗٓ إِذَآ أَرَادَ شَيْـًٔا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

اُس کا یہی کام ہے، کہ جب چاہا کسی چاہے کو، تو حکم دے اُسے، کہ 'ہوجا'، تو وہ ہوجاتا ہے●

(اُس کا یہی کام ہے، کہ جب چاہا کسی چاہے کو، تو حکم دے اُسے کہ 'ہوجا'! تو وہ ہوجاتا ہے)۔

بعض کے نزدیک یہ 'تمثیل' ہے تاثیر قدرت کی اُس چیز میں، جو مراد قدرت ہے اللہ کے حکم کے ساتھ۔ اور تفسیرِ کبیر میں لکھا ہے، کہ اِس کلام سے چیزوں کے پیدا کرنے میں حکم جلدی جاری ہونا مراد ہے بہت جلدی کے طور پر جو ممکن ہو اور یہ کلمہ بولنا مقصود نہیں ہے۔ اور بعض مفسر کہتے ہیں، کہ یہ کلمہ ایک علامت ہے کہ جب فرشتے سنیں تو جان لیں، کہ کوئی چیز نئی پیدا ہوگی۔

فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

تو پاکی ہے اُس کی، جس کے ہاتھ میں اختیار ہے ہر چاہے کا، اور اُسی کی طرف تم لوگ لوٹائے جاؤ گے●

(تو پاکی ہے اُس کی، جس کے ہاتھ میں اختیار ہے ہر چاہے کا، اور اُسی کی طرف تم لوگ لوٹائے جاؤ گے) اعمال کا بدلہ پانے کو۔

یہ آیت دوستوں کو فرحت بخش وعدہ اور دشمنوں کو سخت عذاب کی وعید ہے۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ
۲۵ ربیع النور شریف ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۱۸ فروری ۲۰۱۲ء
بروز شنبہ، سورۂ یٰسین شریف کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعاگو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ
پورے قرآن کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے۔
آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ وَبِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ
وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

باسمہٖ تعالیٰ وبعونہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ
۲۵ ربیع النور شریف ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۱۸ فروری ۲۰۱۲ء
بروز شنبہ، سورۂ الصّٰفّٰت کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی قرآنِ کریم
تفسیر کی تکمیل کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے، اور فکر وقلم کو لغزشوں سے بچاتا رہے۔
آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، وَبِحَقِّ نٓ وصٓ،
وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

سُوْرَةُ الصّٰفّٰت

سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷ مکیۃ ۵۶ — آیاتھا ۱۸۲ رکوعاتھا ۵

سورۃ الصفات۔۔۳۷ مکیہ ۵۶ — آیاتہا ۱۸۲۔۔رکوعاتہا ۵

اِس سورۂ مبارکہ کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ 'سورۂ انعام' کے بعد اور 'سورۂ لقمان' سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ حضرموت کے سرداروں کا وفد آنحضرت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اثناءِ گفتگو میں جب آپ نے کتابِ الٰہی کی عظمتوں کو اُجاگر کیا، تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں اِس کتاب سے کچھ سنائیں، تو آپ نے **وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا** سے لے کر **رَبُّ الْمَشَارِقِ** تک تلاوت فرمائی، پھر رسول اللہ ﷺ پرسکون ہوگئے، اور آپ کی ڈاڑھی مبارک پر آنسو بہہ رہے تھے۔ انہوں نے کہا، کہ ہم آپ کو روتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ کیا آپ اُس ذات سے خوفزدہ ہیں جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا میں اُسی سے خوفزدہ ہوں۔ اُس نے مجھے اُس صراطِ مستقیم پر بھیجا ہے، جو تلوار کی دھار کی

طرح ہے۔ اگر میں اُس سے سرِمو بھٹک جاؤں، تو ہلاک ہو جاؤں گا۔

اِس سورۂ مبارکہ کے فضائل میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے جمعہ کے دن **یٰسٓ** اور **الصّٰفّٰت** کو پڑھا، پھر اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کیا، تو اللہ تعالیٰ اُس کا یہ سوال پورا کر دے گا۔ ایسی فضیلت والی بابرکت سورۂ مبارکہ کی تلاوت کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(**نام سے اللہ**) تعالیٰ (**کے**) جو اپنے تمام بندوں پر (**بڑا**) ہی (**مہربان**) ہے اور مومنین کی خطاؤں کا (**بخشنے والا**) ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿١﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿٢﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿٣﴾

قسم ہے باقاعدہ صف باندھنے والوں کی • پھر ڈانٹ کر چلانے والوں کی • پھر قرآن کے تلاوت کرنے والوں کی •

(**قسم ہے باقاعدہ صف باندھنے والوں کی**)، یعنی اُن فرشتوں کی جو مقامِ عبودیت میں صف باندھے ہوئے ہیں، جیسا کہ صف بستہ ہونے کا حق ہے۔ (**پھر ڈانٹ کر چلانے والوں کی**)، یعنی اُن فرشتوں کی جو شیطان کو ڈپٹ کر ہنکاتے ہیں۔ وہ شیطان جو خفیہ طور پر بات لینے کے لیے چوروں کی طرح اُوپر جاتا ہے۔ (**پھر قرآن کی تلاوت کرنے والوں کی**)، یعنی اُن فرشتوں کی جو خدا کی وحی انبیاءِ کرام کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہوتے ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔ حق تعالیٰ قسم ارشاد فرماتا ہے، اُن فرشتوں کی جو ہوا میں صف باندھے کھڑے ہیں، کہ جو کچھ حکم ہو اُس کی تعمیل کریں۔۔۔یا۔۔ نمازیوں کی قسم ہے، جو جہاد میں صف باندھے ہیں۔۔۔یا۔۔ ایمان والوں کی قسم ہے جو نماز کی جماعت میں صف باندھتے ہیں۔۔۔یا۔۔ عالموں کی قسم کہ فائدہ دینے کی صف میں فیض پہنچانے کی صف کے ساتھ قائم اور قرار پکڑنے والے ہوتے ہیں۔۔۔یا۔۔ پرندوں کی قسم کہ ہوا میں صف باندھ کر اڑتے ہیں۔

اگر فرشتے مراد ہیں، تو ہنکانے والے بھی وہی ہیں، کہ بدلی کو ہنکاتے ہیں اور پڑھنے والے بھی وہی ہیں، کہ ہمیشہ تسبیح تمجید تحمیدِ الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اگر غازی مراد ہیں تو اُن کا ہنکانا یہ ہے کہ گھوڑوں کو ہنکاتے ہیں۔۔۔یا۔۔ دشمنوں کو بھگاتے ہیں اور ان کا

پڑھنا تکبیر اور تہلیل ہے۔۔۔اور اگر مؤمن مراد ہیں تو 'انوارِ خدمت' سے شیطان کو ہنکاتے ہیں۔۔یا۔اپنے نفس کو گناہ سے روکتے ہیں، اور اثناءِ نماز میں قرآن پڑھتے ہیں۔۔اور۔۔ اگر عالم ہیں، تو وہ کفر اور فسق سے روکتے ہیں، دلیلیں کر کے پڑھنے والے ہیں کہ خلق کو احکام شریعت پڑھ کر سناتے ہیں۔اور اگر پرند ہیں، تو خدا کا ذکر کر کے انواع واقسام کی آفتیں اپنے اُوپر سے ٹالتے اور ہنکاتے ہیں۔

بعض عارفین نے کہا، کہ حق تعالیٰ راہِ توحید کے سالکوں کے نفسوں کی قسم یاد فرماتا ہے، کہ وہ مشاہدہ کی موافقت پر صف باندھ کر شیطانی پکاروں اور شہواتِ نفسانی کے جھگڑوں کو دُور کرتے ہیں۔اور انواع ذکر، زبانی۔۔یا۔۔ دِلی۔۔یا۔۔سری۔۔یا۔۔روحی میں اپنے احوال کے موافق مشغول رہتے ہیں۔

'بحر الحقائق' میں ہے، **الصّٰفّٰتِ** یعنی صف باندھنے والی روحیں ہیں، اور **الزّٰجِرٰتِ** الہامات ِربانی ہیں، کہ عوام کو مناھی سے، خواص کو عبادتوں میں ریا سے، اخص الخواص کو کونین کی طرف التفات کرنے سے روکتے ہیں، اور **التّٰلِیٰتِ** ذکر کرنے والے نفس ہیں، جو کہ مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ کے موافق ہمیشہ حق تعالیٰ کی یاد میں گزارتے ہیں۔

مکہ کے کافر تعجب کی راہ سے کہتے تھے کہ محمد عربی 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم' سب خداؤں کے بدلے ایک خدا لائے ہیں، ایسا کیونکر ہوسکتا ہے۔ اِس واسطے کہ ہم اتنے خدا جو رکھتے ہیں اُن کے سبب سے ہمارا کام درست نہیں ہوتا، تو ایک خدا سے کیونکر ہوسکتا ہے۔تو اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں قسم یاد فرما کر ارشاد کیا، کہ۔۔۔

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا

بلاشبہ تمہارا معبود یقیناً ایک ہے۔ پروردگار آسمانوں اور زمین کا، اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے،

وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝

اور پروردگار تمام مشرقوں کا۔

(بلاشبہ تمہارا معبود یقیناً ایک ہے) جو اپنی ذات میں یگانہ اور یکتا ہے۔(پروردگار آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے) سب کا پیدا کرنے والا ہے۔(اور پروردگار ہے تمام مشرقوں کا) اور اُس کی ضد یعنی تمام مغربوں کا۔

تو اِس میں ضمناً مغرب کا ذکر ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ۔۔ مثلاً: سورج اگر کہیں سے غروب ہوتا ہے، تو اُسی وقت کہیں پر طلوع ہوتا ہے۔ ایک ہی وقت میں کوئی یہ کہتا ہے کہ سورج ڈوب گیا، اُسی وقت کوئی یہ کہتا ہے کہ سورج نکل آیا۔ تو جو کسی ایک علاقے کے لحاظ سے مغرب ہے، وہی دوسرے مقام کے لحاظ سے مشرق ہے۔ اب آیتِ کریمہ کا معنیٰ یہ ہوا، کہ۔۔۔

اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والا ہے تمام تاروں کے مشرقوں کا۔

اس واسطے کہ ہر تارے کی ایک مشرق ہے، کہ وہاں سے طلوع ہوتا ہے۔۔یا۔۔ آفتاب کی مشرقیں مراد ہیں، اس واسطے کہ سال بھر میں ہر روز دوسری مشرق سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس طرح آفتاب کی مشرقیں متعدد ہیں، اُسی طرح آفتاب کی مغربیں بھی مختلف ہیں، اس واسطے کہ ہر روز ایک دوسری مغرب میں چھپتا ہے۔ آسمان کا ذکر فرما کر حق تعالیٰ آگے ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِزِيۡنَةِ ۨالۡكَوَاكِبِ ۙ‏ ﴿۶﴾

بے شک ہم نے آراستہ کیا سب سے قریب کے آسمان کو، آرائش سے ستاروں کی●

(بے شک ہم نے آراستہ کیا) کرۂ زمین سے (سب سے قریب کے آسمان کو آرائش سے ستاروں کی)۔ یہاں **الْكَوَاكِبِ** سے اُن کی مختلف شکلیں مراد ہیں۔ جیسے 'جوزا' کی شکل، 'ثریا' کی ہیئت اور بنات النعش وغیرہ کی شکلیں اڑتالیس[۴۸] شکلوں میں سے، اور چاند کی اٹھائیس[۲۸] منزلوں میں سے۔

وَحِفۡظًا مِّنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ‏ ﴿۷﴾ لَا يَسَّمَّعُوۡنَ اِلَى الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰى وَ

اور بچاؤ ہر شیطان سرکش سے● نہیں کان لگائے رکھ سکتے عالَمِ بالا کی طرف، اور

يُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ‌ۖ‏ ﴿۸﴾ دُحُوۡرًا‌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ‏ ﴿۹﴾

مار پھینک کیے جاتے ہیں ہر طرف سے● دھتکارنے کو، اور اُن کے لیے عذاب ہے دائمی●

اِلَّا مَنۡ خَطِفَ الۡخَطۡفَةَ فَاَتۡبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ‏ ﴿۱۰﴾

مگر جس نے کچھ اُچک لیا، تو پیچھے لگا اُس کے چمکتا انگارا●

(اور بچاؤ) کا ذریعہ بنا دیا ہے (ہر شیطان سرکش) اور نافرمان (سے) کہ وہ اوپر چڑھ نہ سکیں ۔۔چنانچہ۔۔(نہیں کان لگائے رکھ سکتے عالَمِ بالا کی طرف) کہ بزرگ فرشتوں کی باتوں کو جو "لوحِ محفوظ

کے بعضے بھیدوں سے واقف ہیں اور ایک دوسرے سے کہا کرتے ہیں،" سن سکیں۔ (اور) جب یہ آسمان پر کسی طرف سے بھی چڑھنے کا ارادہ کرتے ہیں، تو (مار پھینک کیے جاتے ہیں ہر طرف سے)۔ یعنی اُن پر آگ کے شعلے ڈالے جاتے ہیں۔۔یا۔۔ ہنکائے جاتے ہیں ذلت وخواری کے ساتھ (دھتکارنے کو، اور اُن) شیطانوں (کے لیے عذاب ہے دائمی) آخرت میں۔۔یا۔۔ وہ ہمیشہ دُنیا میں ذلیل وخوار رہیں گے اور فرشتوں کے کلام کو سننے کی طاقت نہ پاسکیں گے۔ (مگر جس نے کچھ اُچک لیا) اور کچھ باتیں چوری کر کے اُڑا لیا اور اُن کو اُن کے کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لیے اتنی چھوٹ مل گئی، (تو پیچھے لگا اُس کے چمکتا انگارہ) یا آگ جلانے والی۔ وہ آگ جس شیطان پر ماری جاتی ہے اُسے ایذاء پہنچاتی ہے۔۔یا۔۔ جلا دیتی ہے اور وہ اُس آگ مارے جانے سے بھاگتے ہیں۔ اور پھر آسمان کا قصد کرتے ہیں۔ اور پھر اُن کا وہی حشر ہوتا ہے۔

روایت ہے کہ رکانہ بن زید وغیرہ کو اپنی جسمانی طاقت وقوت پر بہت غرور تھا اور یہ بعث وحشر کے منکر تھے اور قریش میں اپنی زور آوری کی ڈینگیں مارا کرتے تھے، تو حق تعالیٰ نے اُن کے تعلق سے آیت بھیجی، کہ اَے محبوب! یہ بکنے والے جو بکتے ہیں۔۔۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ⑪

تو اُن سے پوچھو کہ "کیا وہ زیادہ مضبوط ہیں پیدائش میں؟ یا جو اور ہم نے پیدا فرمایا ہے۔" بے شک ہم نے اُنہیں تو پیدا کیا ہے لیس دار مٹی سے۔

(تو ان) مکہ کے مشرکین (سے پوچھو، کہ کیا) مخلوقات میں (وہ زیادہ مضبوط) اور سخت (ہیں پیدائش میں، یا جو اور) اُن کے علاوہ (ہم نے پیدا فرمایا ہے؟)۔۔ مثلاً: آسمان، زمین، تارے، مشرقیں، آگ کے شعلے، وغیرہ۔ (بے شک ہم نے انہیں تو)، یعنی اُن کے دادا آدم کو، (پیدا کیا لیس دار مٹی سے)۔ تو اُن کا اصل مادہ تو کیچڑ اور گارا ہے، اور وہ بنا ہے زمین کے اجزاء اور پانی کے اجزء ملنے سے۔

اِس کلام میں 'معاد' کا ثابت کرنا اور اُسے کافروں کے محال ٹھہرانے کا رَد مراد ہے، اس واسطے کہ اگر مادہ کے ناقابل ہونے کی وجہ سے محال ٹھہراتے ہیں تو مادہ باقی ہے ملادینے کے قابل۔ اور فاعل کو قدرت نہ ہونے کے سبب سے محال ہونے کے قائل ہیں، تو جو کوئی اُن ذکر کی ہوئی چیزوں کے پیدا کرنے پر قادر ہو، تو ضرور اُن اجزاء کو پھر ملانے اور اُن میں زندگی پھیر لانے پر بھی قادر ہوگا۔

چونکہ 'قدرت' صفت ذاتی ہے، تو ہرگز متغیر نہیں ہوتی، اور سب مقدور چیزوں کی نسبت

قدرت یکساں ہوتی ہے۔تو جب قدرت کا آفتاب مطلع ارادت سے طلوع کرتا ہے، تو مقدورات کے ذرّے پیدا ہونے کی ہوا میں جلوہ نما ہوتے ہیں۔بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ پیغمبر ﷺ کو گمان تھا، کہ جو کوئی قرآن سنتا ہے تو اس پر ایمان لاتا ہے، اور مکہ کے مشرکوں نے سنا تو اس پر ایمان نہ لائے، بلکہ اس پر ہنسی کی۔تو پیغمبر علیہ السلام اِس بات سے متعجب ہوئے، تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ۔۔۔

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

بلکہ تم تو تعجب کرنے لگے، اور وہ لوگ مذاق ہی کر رہے ہیں●

(بلکہ تم تو تعجب کرنے لگے) اَے محبوب! اِس بات پر کہ وہ قرآن پر ایمان نہ لائے، (اور وہ لوگ مذاق ہی کر رہے ہیں) قرآن کے ساتھ۔۔یا۔تم تعجب کرتے ہو کہ باوصف قدرتِ الٰہی کے، دوبارہ زندہ ہو کر اُٹھنے سے کیوں اِنکار کرتے ہیں، اور وہ ہنسی کرتے ہیں تمہارے تعجب پر۔

وَاِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب اُن کو نصیحت کی گئی، تو نہیں قبول کرتے● اور جب دیکھا کوئی نشانی، تو ٹھٹھا کرنے لگتے ہیں●

(اور) اُن کا انداز یہ ہے، کہ (جب اُن کو نصیحت کی گئی تو نہیں قبول کرتے● اور جب دیکھا کوئی نشانی) یعنی معجزہ جو تمہاری بات سچ ہونے پر دلیل ہے جیسے چاند کے ٹکڑے ہو جانا، (تو ٹھٹھا کرنے لگتے ہیں) اور ایک دوسرے کو مسخرہ پن کے ساتھ پکارتے ہیں۔

وَقَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

اور وہ سب بولے کہ "نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو● کیا جب مر چکے ہم اور ہو گئے خاک اور ہڈیاں، تو کیا ہم

ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَوَاٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾ قُلْ نَعَمْ وَاَنْتُمْ دَاخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اٹھائے جائیں گے؟● یا ہمارے اگلے باپ دادے"● جواب دو کہ "ہاں، اور تم لوگ ذلیل ہو گے"●

(اور) اِسی لیے جب کوئی معجزہ ظاہر ہوا، تو (وہ سب بولے، کہ نہیں ہے یہ مگر کھلا جادو) اور نہ سمجھ میں آنے والی بات۔غور تو کرو! کہ (کیا جب مر چکے ہم اور ہو گئے خاک اور ہڈیاں) بے گوشت بے پوست، (تو کیا ہم اُٹھائے جائیں● گے یا ہمارے اگلے باپ دادے) زندہ کیے جائیں گے؟ (جواب

دو، کہ ہاں!) تم سب اٹھائے جاؤ گے اپنے باپوں سمیت۔ (اور) صرف یہی نہیں بلکہ جب قیامت آئے گی، تو (تم لوگ ذلیل ہو گے) اور بے قدر رہو گے۔

فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا

وہ تو بس ایک ڈانٹ ہے، کہ پھر اُس وقت وہ لوگ دیکھنے لگیں گے● اور بول پڑے کہ "ہائے افسوس ہم پر، یہ

یَوْمُ الدِّیْنِ ﴿۲۰﴾ هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۵

جزا کا دن ہے"● یہ فیصلے کا دن ہے، جسے تم لوگ جھٹلاتے تھے●

(وہ تو بس ایک ڈانٹ ہے)، یعنی ایک بار صور پھونک دینا ہے، کیوں (کہ پھر اُس وقت) زندہ ہو کر قبر سے نکل کر (وہ لوگ دیکھنے لگیں گے● اور) پھر اُس وقت (بول پڑے، کہ ہائے افسوس ہم پر! یہ جزا) پانے (کا دن ہے● یہ فیصلہ کا دن ہے) اور نیکوں کو بُروں سے جدا کرنے کا دن ہے۔ اور فرشتے کہیں گے، ہاں! یہ وہی دن ہے اَے کافرو! (جسے تم لوگ جھٹلاتے تھے) اور اِس کو باور نہ کرتے تھے۔ پھر حق تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو حکم پہنچے گا۔۔۔

اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾

ہانک لے جاؤ اُنہیں، جنھوں نے اندھیر مچایا تھا، اور اُن کے جوڑوں کو، اور جسے یہ پوجتے تھے●

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ ﴿۲۳﴾

اللہ کے خلاف، تو لے چلو اُنہیں راہِ جہنم کی طرف●

(ہانک لے جاؤ اُنہیں، جنھوں نے اندھیر مچایا تھا) اپنے اوپر شرک کر کے، (اور اُن کے جوڑوں کو) بھی، جو اُن کے مثل و مشابہ ہیں۔ یعنی بت پرست کو بت پرست کے ساتھ اور ستارہ پرست کو ستارہ پرست کے ساتھ اور علیٰ ھذا القیاس۔۔یا۔۔ اُن کے ساتھیوں کو شیطانوں میں سے۔۔یا۔۔ اُن کی جوروؤں کو جو کافرہ تھیں۔۔ الغرض۔۔ اُن سب کو جمع کرو اور اکٹھا کر لاؤ۔

بعضے مفسر کہتے ہیں کہ ظالموں سے وہ لوگ مراد ہیں، جنھوں نے جور کر کے خلق پر ظلم کیا اور گناہ کر کے اپنے اوپر زیادتی کی۔ اور حشر یہ ہے کہ انہیں حشر میں رکھیں [illegible] کے ساتھ۔ زنا کاروں کو زنا کاروں کے ساتھ، شراب خواروں کو شراب خواروں [illegible] ۔۔یا۔۔ اُن کے مددگاروں کے ساتھ، یعنی اُن کے [illegible]

تھے۔اور اِس مقام پر بہت صحیح بات یہ ہے، کہ یہ ظالم مشرک ہیں اِس دلیل سے کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے، کہ حشر کرو اور اکٹھا کرو اِنہیں۔۔۔

(اور) اُسے **(جسے یہ پوجتے تھے• اللہ)** تعالیٰ **(کے خلاف)** اور اُس کے سوا بتوں وغیرہ میں سے۔۔یا۔۔ابلیس اور اُس کے لشکر کو۔۔الختصر۔۔پکارو ظالموں کو اور اُن کے معبودوں کو۔۔۔ **(تو لے چلو انہیں راہِ جہنم کی طرف)** یعنی انہیں جہنم کی راہ بتادو۔اور جب اُن کو دوزخ کی راہ پر لائیں گے، تو کہا جائے گا۔۔۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾

اور ٹھہراؤ اُنہیں، کہ اُن سے پوچھا جائے گا• "کیا ہوا تمہیں؟ کہ باہمی مدد نہیں کرتے"•

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾

بلکہ وہ آج کے دن گردن ڈالے ہیں•

(اور) حکم دیا جائے گا، کہ **(ٹھہراؤ انہیں)** موقف پر۔۔یا۔۔پل صراط پر، کیوں **(کہ اُن سے پوچھا جائے گا)** اُن کے عقائد و اعمال کو زیادہ جھڑکنے اور گھڑکنے کو، اور اُن سے کہیں گے **(کیا ہوا تمہیں؟ کہ باہمی)** آپس میں ایک دوسرے کی **(مدد نہیں کرتے)**، اور موقف کی قید سے چھڑا نہیں لیتے، تو وہ جواب نہ دیں گے۔تو حق تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا، کہ یہ ایک دوسرے کو مدد نہیں دیتے **(بلکہ وہ آج کے دن گردن ڈالے ہیں)** جھکائے ہوئے اور مانے ہوئے عاجزی کی وجہ سے اور مطیع ہیں۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾

اور سامنا کیا ایک نے دوسرے کا، باہم پوچھ گچھ کرتے• کچھ بولے کہ "تم لوگ آئے تھے ہمارے پاس داہنے بازو سے"•

(اور) اُس وقت **(سامنا کیا ایک نے دوسرے کا)**، یعنی قوم کے رئیس اور ضعیف ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوکر **(باہم پوچھ گچھ کرتے)** ہوئے پوچھیں گے، کہ یہ کیا حال ہے جو ہم پر پیش آیا۔۔یا۔۔ایک دوسرے کی ملامت کریں گے، تو ان میں **(کچھ)** یعنی تابع لوگ **(بولے)** اپنی قوم کے رئیسوں سے، **(کہ تم لوگ آئے تھے ہمارے پاس داہنے بازو سے)**، یعنی افضل اور قوی جانب سے،

اور ہمیں حکم دیا اس لیے ہم نے تمہاری پیروی کی، اور تم نے ہم کو کفر وشرک پر مجبور کر دیا۔ بظاہر نصیحت و خیر خواہی کا مظاہرہ کیا اور بزعم خود یمن و برکت کی راہ دکھائی۔۔یا۔۔زور وظلم سے کام لیا۔۔یا۔۔قسم کو اپنی بات منوانے کا ذریعہ بنایا۔ یعنی تم قسم کھاتے تھے، کہ یہ دین حق ہے جس پر ہم تم کو بلاتے ہیں۔ اِس گفتگو کا۔۔۔

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

اُنہوں نے جواب دیا کہ "بلکہ تم خود ایمان نہیں لاتے تھے ● اور نہ تھا ہمیں تم پر کوئی زور۔

بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾

بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے ●

(انہوں نے) یعنی اُن کے رئیسوں نے (جواب دیا، کہ) ایسا نہیں ہے، (بلکہ تم خود ایمان نہیں لاتے تھے ● اور نہ تھا ہمیں تم پر کوئی زور)۔ یعنی ہمارے پاس ایسی قدرت وطاقت نہ تھی، کہ ہم تمہاری مرضی کے خلاف تمہارے دِل ودماغ پر تصرف کر کے تم کو کافر اور مشرک بنا دیتے۔ (بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے) جس کی سرکشی اور نافرمانی انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو عذاب دینے کی خبر دی ہے، اور اُس کی دی ہوئی خبر صادق اور برحق ہے۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ إِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فَأَغْوَيْنٰكُمْ إِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾

تو درست نکلا ہم پر ہمارے رب کا فرمانا۔ بے شک ہم سب چکھنے والے ہیں ● اس لیے گمراہ کیا ہم نے تمہیں کہ بلاشبہ ہم خود گمراہ تھے" ●

(تو درست نکلا ہم پر ہمارے رب کا فرمانا)، تو (بے شک) آج (ہم سب) عذاب (چکھنے والے ہیں ● اس لیے) کہ اگرچہ بالجبر نہ سہی پھر بھی گمراہی کی طرف دعوت دے کر (گمراہ کیا ہم نے تمہیں)، تو ہم تمہاری گمراہی کا سبب بنے اور یہ ہم نے اس لیے بھی کیا (کہ بلاشبہ ہم) بھی (خود گمراہ تھے)، تو چاہا کہ تم بھی ہمارے ایسے ہو جاؤ۔۔۔

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾ إِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ

تو بلاشبہ وہ سب اُس دن عذاب میں باہم شریک ہیں ● بے شک ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں

بِالْمُجْرِمِیْنَ ﴿۳۴﴾

مجرموں کے ساتھ●

(تو بلاشبہ وہ سب) تابع اور متبوع (اُس دن عذاب میں باہم شریک ہیں) جس طرح گمراہی میں شریک تھے۔ (بے شک ہم ایسا ہی کیا کرتے ہیں) کفر و شرک کے (مجرموں کے ساتھ) کیونکہ یہ جرم ہی ایسا ہے کہ اُس کے مرتکب کو ایسی ہی سزا دی جانی چاہیے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْۤا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۳۵﴾

بلاشبہ یہ تھے کہ جب کہا گیا انہیں کہ "نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل، سوا اللہ کے، تو بڑے بننے لگیں"●

(بلاشبہ یہ) وہی تو (تھے، کہ جب کہا گیا انہیں، کہ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا اللہ) تعالیٰ (کے، تو بڑے بننے لگیں) یعنی کلمہ کہنے سے سرکشی کرتے ہیں۔۔یا۔ کہلوانے والے سے تکبر کرتے ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْۤا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿۳۶﴾

اور بولیں کہ "کیا ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں ایک شاعر مجنون کے لیے"●

(اور) پھر ایسی بولی (بولیں، کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں) اور اُن کی پرستش سے باز آنے والے ہیں (ایک شاعر مجنون کے لیے)، یعنی اُس کے کہنے سے ہم بت پرستی نہ چھوڑیں گے۔

مکہ کے کافر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شعر اور جنون کی طرف نسبت کرتے تھے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے ایسا نہیں۔۔۔

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

بلکہ وہ لائے حق کو، اور تصدیق کی رسولوں کی● بے شک تم لوگ چکھنے والے ہو دکھ والے عذاب کو●

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور نہیں بدلہ دیے جاؤ گے، مگر جو کرتوت کرتے تھے● مگر اللہ کے چنے بندے●

(بلکہ وہ لائے حق کو) راستی اور درستی کے ساتھ، (اور تصدیق کی رسولوں کی) جو اِن سے پہلے تھے۔ (بے شک) اے کافرو! (تم لوگ چکھنے والے ہو دکھ والے عذاب کو) شرک اور تکذیب کے سبب

سے۔ (اور نہیں بدلہ دیے جاؤ گے، مگر جو کرتوت کرتے تھے● مگر اللہ) تعالیٰ (کے چنے بندے) جو پاک ہیں شرک اور کافرانہ شک کے میلوں سے۔ جس کام میں ہیں اُس کی جگہ 'المضاعف' پائیں گے، کیوں۔۔۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتِ

کہ اُنہیں کے لیے ہے بتائی ہوئی روزی● میوے، اور وہ عزت دیے گئے ہیں● راحت کے

النَّعِيْمِ ۝ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝

باغوں میں● اپنے اپنے تخت پر آمنے سامنے●

(کہ انہیں کے لیے ہے بتائی ہوئی روزی) جو ظاہر ہے پوشیدہ نہیں۔۔یا۔۔معلوم ہیں اس کے خاصے کہ ہمیشہ باقی رہنا اور محض لذت ہونا ہے۔ وہ روزی (میوے) ہیں ہر طرح کے تر اور خشک، (اور وہ عزت دیے گئے ہیں) یعنی نوازے گئے ہیں (راحت کے باغوں میں) جو ناز اور نعمت والے ہیں (اپنے اپنے تخت پر آمنے سامنے)، یعنی ایک دوسرے کے رُوبرُو، تا کہ دیدار سے بھی خوش وخرم رہیں۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ۝ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝

دَور چلایا جائے گا اُن پر بہتی شراب کے جام کا● سفید مزے دار، پینے والوں کے لیے●

لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۝

نہ اُس میں نشہ، اور نہ اُس سے اُن کا سر پھرے گا●

(دَور چلایا جائے گا اُن پر بہشتی شراب کے جام کا) جو بھرا ہوا ہوگا شراب سے جو چشموں سے ظاہر۔۔یا۔۔جاری ہوگی، (سفید) شراب، جو دودھ سے زیادہ سفید ہوگی اور (مزہ دار) ہوگی (پینے والوں کے لیے)۔ اُس کی خوبی یہ ہوگی، کہ (نہ اس میں نشہ) ہوگا اور نہ اُس میں کوئی آفت اور علت ہوگی جو دُنیا کی شراب میں ہوتی ہے، جیسے خراب حالی اور بے عقلی اور دردِ سر وغیرہ، (اور نہ اُس سے اُن کا) یعنی جنتیوں کا (سر پھرے گا) کہ وہ مست ہو جائیں اور عقل وفہم اُن سے جاتی رہے۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ۝ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۝

اور اُن کے پاس ہیں اپنی آنکھیں اُنہیں پر رکھنے والیاں، بڑی بڑی آنکھ والیاں● گو وہ چھپائے ہوئے انڈے ہیں●

(اور اُن کے پاس) یعنی اُن کے مکانوں میں (ہیں اپنی آنکھیں انہیں پر رکھنے والیاں)، یعنی لونڈیاں ہوں گی نیچی نگاہ والیاں جو اپنے شوہروں کے سوا اور کسی طرف نہ دیکھیں گی، خوبصورت (بڑی بڑی آنکھ والیاں) اور پوشیدہ رہنے والیاں (گو) یا (وہ چھپائے ہوئے انڈے ہیں)۔

حق تعالیٰ حوروں کی تشبیہ دیتا ہے، ملاحت اور پاکی اور خوش رنگی میں شترمرغ کے بیضہ کے ساتھ۔ اس واسطے کہ یہ بات ثابت ہے کہ شترمرغ اپنا انڈا پروں کے نیچے چھپائے رکھتا ہے، تاکہ اُس پر گرد و غبار نہ پڑے، اور اُس کا انڈا سفید ہوتا ہے ذرا زردی لیے ہوئے۔ اہلِ عرب کے نزدیک یہی بدن کا بہت خوب رنگ ہوتا ہے۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝٥٠ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ

تو سامنا کیا ایک نے دوسرے کا پوچھ گچھ کرتے ● بولا ایک بولنے والا اُن کا

اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ۝٥١ يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ۝٥٢

کہ "میرے ساتھ کا ایک بیٹھنے والا تھا ● کہا کرتا کہ کیا تم حشر کو سچ مانتے ہو؟ ●

(تو سامنا کیا) جنتیوں میں سے (ایک نے دوسرے کا پوچھ گچھ کرتے) دُنیا کے احوال، اور جو کچھ اُن پر گزری ہوگی دوست دشمن کے ساتھ، تو (بولا ایک بولنے والا اُن کا) یعنی جنتیوں میں سے ایک اپنے دوستوں سے کہنے لگا، (کہ) جب میں دُنیا میں تھا، تو (میرے ساتھ کا ایک بیٹھنے والا تھا) اور حشر و نشر کا منکر تھا، جو پوچھا کرتا اور (کہا کرتا، کہ کیا تم حشر کو سچ مانتے ہو؟)۔

منقول ہے کہ دُو بھائی تھے: ایک یہودا اور دوسرا قطروس۔ یہودا مؤمن تھا، تو وہ جنتیوں سے اپنے بھائی کا قصہ بیان کرے گا، کہ میرا بھائی یہ کہا کرتا تھا، کہ کیا تو حشر کو باور کرنے والا ہے؟۔۔۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ۝٥٣ قَالَ هَلْ

کیا جب ہم مرچکے اور ہو گئے خاک اور ہڈیاں، تو کیا ہم بدلہ دیے جائیں گے؟" ● بولا کہ "کیا

اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ۝٥٤ فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝٥٥

آپ لوگ جھانک کر اُسے دیکھیں گے" ● پھر جھانکا، تو اُسے دیکھا، کہ جہنم کے درمیان پڑا ہے ●

(کیا جب ہم مر چکے اور ہو گئے خاک اور ہڈیاں، تو کیا ہم بدلہ دیے جائیں گے؟) یعنی کیا ہم کو پھر زندہ کر کے جزا دیں گے؟ پھر (بولا) یہودا جنتیوں سے، (کہ کیا آپ لوگ جھانک کر اُسے دیکھیں گے)۔

مراد یہ ہے کہ دوزخیوں کو دیکھو تا کہ میرے بھائی کا حال مجھے بتاؤ، کہ دوزخ کے کس درکہ میں ہے اور کس قسم کے عذاب میں مبتلا ہے۔ جنتی کہیں گے کہ تم اُسے خوب پہچانتے ہو خود ہی دوزخ میں دیکھ لو۔

(پھر) اُس نے (جھانکا، تو اُسے دیکھا کہ جہنم کے درمیان پڑا ہے)۔۔تو۔۔

قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ﴿۵۶﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿۵۷﴾

بولا کہ "خدا کی قسم قریب تھا کہ تُو مجھے ہلاک کر دے ● اور اگر نہ ہوتی میرے رب کی نعمت، تو ہوتا میں پکڑ کر حاضر کیے ہوؤں میں"●

(بولا کہ) اَے قطروس! (خدا کی قسم قریب تھا کہ تُو مجھے ہلاک کر دے) اور میرے دِل میں وسوسہ ڈال کر راہ سے بے راہ کر دے۔ لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے بچالیا۔ (اور اگر نہ ہوتی) مجھ پر (میرے رب کی نعمت، تو ہوتا میں پکڑ کر حاضر کیے ہوؤں میں) جہنم میں۔

اَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۵۹﴾

کیا اب تو ہم نہ مریں گے ● مگر ہماری پہلی موت، اور نہ ہم عذاب دیے جائیں گے ●

پھر یہودا فرشتوں سے کہے گا، اِس طرح پر کہ اُس کا بھائی سنے۔ (کیا اب تو ہم نہ مریں گے؟) یعنی ہم جنت میں ہمیشہ جیتے رہیں گے کبھی نہ مریں گے۔ (مگر ہماری پہلی موت) جو دُنیا میں ہو چکی۔۔الغرض۔۔جس موت کا مزہ دُنیا میں چکھنا تھا وہ ہم چکھ چکے، اب جنت میں ہمیں دوسری موت سے سابقہ نہ پڑے گا۔ (اور نہ ہم عذاب دیے جائیں گے)۔ فرشتے کہیں گے، کہ ہاں! اب ہرگز تم نہ مرو گے اور تم پر عذاب نہ ہوگا۔ پھر یہودا کہیں گے۔۔۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

بے شک یہ تو یقیناً بڑی کامیابی ہے ● ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کریں عمل کرنے والے ●

(بے شک یہ تو) یعنی جنت میں ہمیشہ رہنے اور عذاب سے بے خوف ہو جانے کی نعمت، (یقیناً بڑی کامیابی ہے● ایسی ہی کامیابی کے لیے عمل کریں عمل کرنے والے)، دُنیا کے مال وجاہ کے واسطے نہیں۔اس واسطے کہ وہ زائل ہو جانے والا ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾

کیا یہ بہتر مہمانی ہے، یا تھوہڑ کا درخت؟● بے شک بنایا ہم نے اُسے آزمائش، ظالموں کے لیے●

(کیا یہ) جو مذکور ہوئیں جنتیوں کے واسطے نعمتیں (بہتر مہمانی ہے) اور اچھی مہمان نوازی ہے، (یا تھوہڑ کا درخت)؟

یہ درخت ولایتِ تہامہ میں ہے۔اِس میں چھوٹی چھوٹی پتیاں ہوتی ہیں اور اُس کا پھل نہایت کڑوا اور بدبودار ہوتا ہے۔حق سبحانہ تعالیٰ نے اُس درخت کا نام یہی رکھا، جس کا میوہ دوزخیوں کو پیش کیا جائے گا اور انہیں اُسے زبردستی کھلایا جائے گا۔اور فرمایا کہ۔۔۔

(بے شک بنایا ہم نے اُسے آزمائش ظالموں کے لیے) یعنی اس درخت کو اُن کے لیے مشقت وعذاب قرار دیا آخرت میں۔۔۔یا۔۔۔اُس درخت کو دُنیا میں ان کے واسطے ہم نے امتحان کر دیا، اس واسطے کہ جب انہوں نے سنا کہ زَقُّوم ایک درخت ہے دوزخ میں، تو بولے کہ بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ حالانکہ آگ تو لوہے کو گلا اور جلا دیتی ہے، اور انہوں نے یہ نہ جانا کہ جو آگ میں آتشی جانور پیدا کرنے پر قادر ہے جیسے سمندر، وہ یہ بھی قدرت رکھتا ہے کہ آگ میں درخت پیدا فرمائے اور جَل جانے سے اُسے بچائے۔

'معالم' میں ہے، کہ ابن الزبعری نے رؤسائے قریش سے کہا، کہ محمد عربی ﷺ 'ہمیں زَقُّوم سے ڈراتے ہیں اور بربرہ اور افریقیہ کی زبان میں زقوم مسکے اور خرمے کو کہتے ہیں، تو ابوجہل کھڑا ہو گیا اور عرب کے بڑے آدمیوں کو گھر میں جمع کیا اور لونڈی سے بولا، ہمیں زَقُّوم دے۔بس لونڈی مسکا اور خرما لے آئی۔ابوجہل نے کہا، کھاؤ یہی زَقُّوم ہے جس سے محمد علیہ السلام' ہمیں ڈراتے ہیں۔تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی کہ زَقُّوم وہ نہیں ہے جسے یہ کا فرگمان کرتے ہیں، بلکہ۔۔۔

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ۟ۙ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ۝۶۵

بے شک وہ ایک درخت ہے جو نکلتا ہے جہنم کی جڑ میں • اُس کا شگوفہ، گویا دیووں کا سر •

(بے شک وہ ایک درخت ہے جو نکلتا ہے جہنم کی جڑ میں) یعنی دوزخ کے گڑھے سے، اور اُس کی شاخیں بلند ہو کر سب درکوں میں پہنچتی ہیں۔ (اُس کا شگوفہ) یعنی اُس درخت کے خوشے بُرے اور ہولناک ہونے میں (گویا دیووں کا سر)۔

بعضے کہتے ہیں کہ اُس سے مراد ہولناک شیاطین سانپ ہیں۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ کے گرد کالے پتھر تھے جنہیں رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ کہتے تھے۔

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۶۶ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ

یہ لوگ ضرور کھانے والے ہیں اُسے، پھر بھر لینے والے ہیں اُس سے اپنے اپنے پیٹ • پھر اُن کے لیے ہے

عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ۝۶۷

اِس پر ضرور کھولتے پانی کی ملونی •

(یہ) جہنمی (لوگ ضرور کھانے والے ہیں اُسے) یعنی اُس درختِ زَقُّوْم سے، (پھر بھر لینے والے ہیں اُس سے اپنے اپنے پیٹ) بھوک کی شدت کی وجہ سے۔۔یا۔۔زبردستی انہیں پیٹ بھر کھلائیں گے۔ (پھر اُن کے لیے ہے اُس پر ضرور کھولتے پانی کی ملونی)۔ ایسا گرم پانی جو آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ یعنی جب زَقُّوْم کھائیں گے، تو اُس کے اوپر گرم پانی انہیں پلائیں گے، کہ وہ زَقُّوْم سے مل جائے۔

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِیْمِ ۝۶۸ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّیْنَ ۝۶۹

پھر بلاشبہ اُن کے لوٹنے کی جگہ یقیناً جہنم کی طرف ہے • انہوں نے پایا اپنے باپ دادوں کو گمراہ •

فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ یُهْرَعُوْنَ ۝۷۰

تو یہ بھی اُن کے نشانِ قدم پر دوڑے جاتے ہیں •

(پھر) زَقُّوْم کھانے اور کھولتا پانی پینے کے بعد، (بلاشبہ اُن کے لوٹنے کی جگہ یقیناً جہنم کی طرف ہے)۔ جہنم میں بھیجنے سے پہلے یہ زَقُّوْم کھلانا اور کھولتا پانی پلانا ابتدائی پیشکش اور ماحضر کے طور

پر ہوگا۔ اُن کی کم فہمی اور بے عقلی اُسی سے ظاہر ہوگئی، کہ (انہوں نے پایا اپنے باپ دادوں کو گمراہ ● تو یہ بھی اُن کے نشانِ قدم پر دوڑے جاتے ہیں) اور انہیں کے قدم بقدم چلنے لگتے ہیں۔ تو جو اُن کا انجام ہوا وہی اِن کا بھی انجام رہا۔ اِن کی گمراہی کوئی نئی بات نہیں۔۔۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور بے شک گمراہ ہوگئے اُن سے پہلے، اگلوں کے بہتیرے ● اور یقیناً بھیجا ہم نے اُن میں ڈر سنانے والے ●

(اور) کوئی نیا واقعہ نہیں، بلکہ (بے شک گمراہ ہوگئے اِن سے پہلے اگلوں کے بہتیرے) جیسے قومِ نوح اور قومِ عاد وثمود کے لوگ۔ (اور یقیناً بھیجا ہم نے اُن میں ڈر سنانے والے) پیغمبروں کو، جو اُن لوگوں کو ہمارے عذاب سے ڈراتے رہے، لیکن اُن لوگوں نے نہ مانا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾ ع ۲

تو دیکھو کہ کیسا ہوا انجام ڈرائے جانے والوں کا ● مگر اللہ کے چنے ہوئے بندے ●

(تو) اَے محبوب! (دیکھو کیسا ہوا انجام ڈرائے جانے والوں کا) یعنی ان پر عذاب نازل ہوا، (مگر اللہ) تعالیٰ (کے چنے ہوئے بندے) جو ڈرانے کے سبب سے غیرِ حق سے الگ ہوگئے، اور خدائی عذاب سے محفوظ رہے۔

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

اور بے شک پکارا ہم کو نوح نے، تو کیسا اچھا ہم قبول فرمانے والے ہیں ● اور بچالیا ہم نے اُنہیں اور اُن کے والوں کو، بڑی بے چینی سے ●

(اور بے شک پکارا ہم کو) انہیں ڈرانے والوں میں سے (نوح نے) اور ہلاکتِ قوم کی دُعا کی، اور ہم نے دُعا قبول کرلی، تو (کیسا اچھا ہم قبول فرمانے والے ہیں) کہ قومِ نوح کو طوفان کے سبب سے ہم نے غرق کردیا۔ (اور بچالیا ہم نے انہیں اور اُن کے والوں کو، بڑی بے چینی سے) یعنی غرق ہونے کے غم سے۔۔یا۔۔قوم کی ایذاءرسانی سے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾

اور کر دیا ہم نے اُن کی نسل کو، کہ وہی رہ گئے●

(اور کر دیا ہم نے اُن کی نسل کو)، یعنی اُن کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث کو، (کہ وہی رہ گئے) باقی، نسل کی جہت سے، قیامت تک۔

اس واسطے کہ حدیث میں ہے کہ حضرت نوح کی اولاد میں سام اور حام اور یافث کے سوا کوئی باقی نہ رہا، اور سب لوگ انہیں کی نسل سے ہیں۔ سام کی اولاد میں عرب فارس اور روم کے لوگ ہیں، اور یافث کی اولاد میں ترک خرز سقلاب کے لوگ ہیں، اور حام کی نسل میں ہند اور حبش اور زنگ اور بربر کے لوگ ہیں۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾

اور باقی رکھا ہم نے اُن کی بلندیٔ ذکر کو پچھلوں میں● کہ "سلام ہو نوح پر" سارے جہان میں●

(اور باقی رکھا ہم نے اُن کی بلندیٔ ذکر کو پچھلوں میں) یعنی بعد میں آنے والی نسلوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ذکرِ خیر کو جاری رکھا، اور بعد میں آنے والے انبیاء اُن کی تعریف اور تحسین فرماتے رہے، اور کہتے رہے (کہ سلام ہو نوح پر، سارے جہان میں)، یعنی قیامت تک لوگ اُن پر صلوٰۃ پڑھتے رہیں گے۔ اُن کا ذکر بُرائی سے نہیں کیا جائے گا۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ ابتداء کلام ہے اور حق تعالیٰ حضرت نوح پر سلام کر کے فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾

بے شک اُسی طرح ہم ثواب دیتے ہیں احسان والوں کو●

(بے شک اسی طرح ہم) جس طرح حضرت نوح کو جزا دی (ثواب دیتے ہیں احسان والوں کو) اور نیک کام کرنے والوں کو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے جو نیک کام کیے تھے اللہ تعالیٰ نے اُس کی جزا میں اُن کے ذکرِ خیر کو دُنیا میں شائع کر دیا۔

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨١﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٨٢﴾

بے شک وہ میرے ماننے والے بندوں سے ہیں● پھر ڈبو دیا ہم نے دوسروں کو●

وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ﴿٨٣﴾

اور بلاشبہ اُن کی سنت و جماعت سے ہیں ابراہیم۔۔●۔۔

(بے شک وہ میرے ماننے والے بندوں سے ہیں)۔ وہ اعلیٰ درجہ کے کامل ایمان والے تھے۔ (پھر) نوح علیہ السلام کی دُعا کے بعد (ڈبو دیا ہم نے دوسروں کو) یعنی اُن کی قوم کے کافروں کو۔ (اور بلاشبہ اُن کی سنت و جماعت سے ہیں ابراہیم) یعنی 'اصولِ شرع' اور 'طریق توحید' میں حضرت ابراہیم، حضرت نوح کے ہم عقیدہ و ہم مسلک تھے۔ دونوں کی شریعتوں کا اصول اور بنیادی پیغام ایک ہی تھا۔ یہ حضرت ابراہیم وہ ہیں، جو۔۔۔

إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ﴿٨٤﴾

کہ لائے اپنے رب کے پاس غیروں سے محفوظ دِل●

(کہ لائے اپنے رب کے پاس غیروں سے محفوظ دل)۔ یعنی ایسے دِل کے ساتھ حاضرِ بارگاہِ خداوندی ہوئے، جو پاک تھا علاقوں سے۔۔یا۔۔خالی تھا دُنیا کی محبت سے۔۔یا۔۔غیروں کی محبت سے۔ یعنی درگاہِ رب العزت کی طرف حضرت ابراہیم جب متوجہ ہوئے، تو اُن کا دِل پاک تھا کونین کے تعلق اور 'حظ نفس' سے۔ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ﴿٨٥﴾ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ﴿٨٦﴾

جب کہ کہا اپنے بابا کو اور اپنی قوم کو کہ "یہ کیا پوجتے ہو؟● کیا گڑھ کر، دوسرے کئی معبود اللہ کے خلاف چاہتے ہو؟●

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾

تو تمہارا کیا گمان ہے رب العالمین کے ساتھ؟"●

(جب کہ کہا) ابراہیم نے (اپنے بابا) یعنی عرفی باپ (کو اور اپنی قوم کو، کہ یہ کیا پوجتے ہو؟) یعنی یہ کیا چیز ہے جسے تم پوجتے ہو؟ (کیا گڑھ کر دوسرے کئی معبود اللہ) تعالیٰ (کے خلاف) اور اُس کے سوا (چاہتے ہو؟● تو تمہارا کیا گمان ہے رب العالمین کے ساتھ) کہ وہ تم پر عذاب کرے گا اِس بات پر کہ وہ جو مستحقِ عبادت ہے اُس کی عبادت کو چھوڑ کر اُس کے غیر کو پوجتے ہو۔

وقف لازم

قوم کے لوگوں نے حضرت ابراہیم کو یہ جواب دیا، کہ کل ہماری عید ہے اور صحرا کی طرف ہم جائیں گے۔ آج کھانے پکاتے ہیں جسے بتوں کے گرد رکھ جائیں گے، تاکہ جب صحرا سے پھریں تو بتخانہ میں جا کر اُن کھانوں میں سے تبرکاً تقسیم کرلیں۔ تم بھی آؤ اور ہمارے مجمع کا تماشہ دیکھو، اور وہاں سے ہمارے ساتھ بتخانہ میں آنا اور بتوں کی زیب و زینت اور شکل و ہیئت دیکھنا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ انہیں دیکھ کر ہمیں ملامت کرنے سے اپنی زبان بند کرلوگے، اور ہم کو اُن کی پرستش کے باب میں معذور رکھو گے۔ پس حضرت ابراہیم نے کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے دن اُن کے یاروں نے کہا، کہ اَے ابراہیم آؤ چلیں۔۔تو۔۔

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ﴿٨٨﴾ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ﴿٨٩﴾

پھر دیکھا گھور کر ستاروں میں • تو کہا کہ "میں بیمار ہوجانے والا ہوں" •

(پھر دیکھا گھور کر) حضرت ابراہیم نے (ستاروں میں) یعنی اوّلاً ستاروں میں اُن کے ملنے اور پھرنے کے مواقع دیکھے۔۔یا۔۔علم نجوم کی کتاب میں دیکھا اور چونکہ اُن کی قوم کے لوگ علم نجوم مانتے تھے، تو اُن کے ساتھ انہیں کے علم کی رُو سے کلام کیا، (تو کہا) حضرت ابراہیم نے، (کہ میں بیمار ہوجانے والا ہوں)۔

یہ خیال فرما کر کہ یقیناً مجھے مرض الموت میں مبتلا ہونا ہے، لیکن سننے والوں کا ذہن اُس معنی کی طرف نہیں گیا، بلکہ **سَقِيمٌ** کا وہ معنی جو اُن میں معروف و متعارف تھا، وہ سمجھا۔ تو انہوں نے عید کے میلہ میں آپ کے نہ جانے کو ایک عذر خیال کیا۔

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿٩٠﴾ فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهَتِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿٩١﴾

تو پھر گئے سب لوگ اُن سے پیٹھ دے کر • تو چھپ کر چلے اُن کے بتوں کی طرف، تو کہا کہ "کیا تم لوگ نہیں کھاتے؟ •

مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ﴿٩٢﴾

تمہیں کیا ہے کہ نہیں بولتے؟" •

(تو پھر گئے سب لوگ اُن سے پیٹھ دے کر) یعنی وہ آپ کے پاس سے چلے گئے۔ جب قوم کے لوگ ابراہیم علیہ السلام کو چھوڑ کر صحرا میں گئے، تو ابراہیم علیہ السلام بتخانہ کی طرف متوجہ ہوئے، (تو چھپ کر چلے اُن کے بتوں کی طرف)۔ بتوں کو دیکھا کہ آراستہ ہیں اور کھانے کے خوان اُن کے سامنے

چنے ہوئے ہیں، (تو) حضرت ابراہیم نے ہنسی کی راہ سے (کہا، کہ کیا) بات ہے کہ (تم لوگ نہیں کھاتے) یہ چنے ہوئے کھانے، اور (تمہیں کیا) ہو گیا (ہے کہ نہیں بولتے) اور میری باتوں کا جواب نہیں دیتے؟ پھر چھپے ہوئے آئے۔۔۔

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ﴿٩٣﴾ فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ﴿٩٤﴾

تو نظر بچا کر اُن پر پوری چوٹ لگائی داہنے ہاتھ سے● تو سب لوگ سامنے آئے اُن کی طرف دوڑتے●

(تو نظر بچا کر اُن پر پوری چوٹ لگائی داہنے ہاتھ سے) اور انہیں ٹکڑے کر دیا۔

اور اِس طرح آپ نے اپنی قسم پوری کر دی جس کا ذکر سورۂ انبیاء میں ہو چکا ہے۔

جب نمرودی اپنی عیدگاہ سے بتخانہ میں آئے، تو یہ حال دیکھا، سمجھے کہ یہ کام ابراہیم ہی کا ہے۔ (تو سب لوگ سامنے آئے اُن کی طرف دوڑتے) اور اُن کو پکڑنے میں جلد بازی کا مظاہرہ کرتے۔ آخر انہیں نمرود کے پاس پکڑ لائے۔ بڑے مباحثے کے بعد جس کا کچھ حصہ ذکر ہو چکا، حضرت ابراہیم نے۔۔۔

قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ﴿٩٥﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

پوچھا کہ "کیا تم لوگ پوجتے ہو اِسے، جس کو خود تراشتے ہو؟"● اور اللہ نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم بناتے ہو"●

(پوچھا کہ تم لوگ پوجتے ہو اُسے جس کو خود تراشتے ہو) پتھر اور لکڑی سے اپنے ہاتھوں سے، (اور) صورتِ حال یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے پیدا فرمایا تمہیں اور جو تم بناتے ہو)، یعنی تمہاری جملہ مصنوعات کا بھی خالق وہی ہے۔

اِس آیت میں دلیل ہے کہ بندے اور بندوں کے کام سب خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔

جب حضرت ابراہیم نے اُن کو الزام دیا اور اُس کے اطمینان بخش معقول اور قابلِ قبول جواب سے عاجز رہے، تو اپنے کمالِ غضب کا مظاہرہ کیا اور نمرودی اور نمرود کے خواص۔۔۔

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ﴿٩٧﴾ فَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا

سب بولے کہ "بناؤ اُس کے لیے ایک آتش کدہ، پھر ڈال دو اُنہیں دہکتی آگ میں"● چنانچہ اُنہوں نے چاہی ان سے چال،

فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِیْنَ ﴿۹۸﴾

تو کر دیا ہم نے اُنہیں کو نیچا●

(سب بولے، کہ بناؤ اُس کے لیے ایک آتش کدہ) یعنی ایک عمارت بناؤ اور اُس میں لکڑیاں بھر دو، پھر اُس میں آگ لگا دو، (پھر ڈال دو انہیں) اُسی (دہکتی) ہوئی (آگ میں● چنانچہ انہوں نے چاہی اُن سے چال) حضرت ابراہیم کو جلا دینے کے لیے، (تو کر دیا ہم نے انہیں کو نیچا) یعنی ذلیل و خوار۔ اِس واسطے کہ اُن کی آگ کو ابراہیم علیہ السلام پر باغ کر دیا اور یہ حضرت ابراہیم کی حقیت اور نمرود کے بطلان پر کھلی ہوئی دلیل تھی۔

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور کہا ابراہیم نے کہ "بے شک میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف، وہ جلد راہ دے گا مجھے"●

"پروردگارا! بخش دے مجھے لیاقت والی اولاد"●

(اور کہا ابراہیم نے) جب آگ سے صحیح و سلامت باہر آئے، (کہ بے شک میں ہجرت کرنے والا ہوں اپنے رب کی طرف، وہ جلد راہ دے گا مجھے) ایسی جو مجھے میرے مقصد تک پہنچا دے اور دنیوی واخروی مصلحتوں سے ہمکنار کر دے۔

پھر حضرت ابراہیم ملک شام کی طرف متوجہ ہوئے، اور وہاں بی بی ہاجرہ حضرت سارہ کے ہاتھ آئیں، اور حضرت سارہ نے بی بی ہاجرہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بخش دیں، اور جب حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم کی ملک ہوگئیں، تو آپ نے دُعا کی، کہ۔۔۔

(پروردگارا! بخش دے مجھے لیاقت والی اولاد) جو میرا معین و مددگار ہو طاعت میں، اور میرا مونس ہو غربت اور مسافرت میں۔۔۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ﴿۱۰۱﴾

تو خوشخبری دی ہم نے اُسے ایک بُردبار بیٹے کی●

(تو خوش خبری دی ہم نے اُسے ایک بُردبار بیٹے کی)، یعنی ایسے فرزند کی خوشخبری کہ جب وہ بلوغ کو پہنچے تو بُردبار ہو۔

پھر حق تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیے۔ اور حکم الٰہی کے موافق زمین شام سے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو مکہ معظمہ

میں لائے، اور حضرت اسماعیل وہاں بڑھے اور پرورش ہوئے۔ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم شام سے اپنے فرزند اسماعیل کو دیکھنے کے لیے آئے تھے، تین رات برابر خواب میں یہ حکم سنا، کہ اپنے فرزند کو قربانی کر۔ بقرعید کا دن تھا، حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل کو لے کر منیٰ کی طرف چلے، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے، کہ۔۔۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ

چنانچہ جب وہ بیٹا پہنچا اُن کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو، بولے کہ "اے میرے بیٹے، بے شک میں دیکھتا ہوں خواب میں کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں،

فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۫ سَتَجِدُنِيْٓ

تو تم دیکھو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟" جواب دیا کہ "اے میرے باپ! آپ کر گزریں جس کا آپ کو حکم کیا جاتا ہے۔ جلد ہی آپ پائیں گے مجھ کو

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۰۲

انشاء اللہ صبر کرنے والوں سے"•

(چنانچہ جب وہ بیٹا پہنچا اُن کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کی عمر کو)، تو (بولے) حضرت ابراہیم (کہ اَے میرے بیٹے! بے شک میں دیکھتا ہوں خواب میں، کہ میں تم کو ذبح کر رہا ہوں) یعنی برابر خواب میں یہی حکم سنتا ہوں، کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر، (تو تم دیکھو) اور تم بھی غور و کرو، (کہ) اِس سلسلے میں (تمہاری کیا رائے ہے؟) آیا تم اِسے حکمِ الٰہی سمجھتے ہو یا خواب و خیال پر محمول کرتے ہو۔۔ الغرض۔۔اس تعلق سے تم مجھے کیا مشورہ دیتے ہو۔ حضرت اسماعیل نے برجستہ (جواب دیا، کہ اَے میرے باپ! آپ کر گزریں جس کا آپ کو حکم کیا جاتا ہے)، اس لیے کہ انبیاءِ کرام کا خواب بھی وحیِ الٰہی ہے۔ (جلد ہی آپ پائیں گے مجھ کو انشاء اللہ) تعالیٰ (صبر کرنے والوں سے) ذبح پر۔۔یا۔۔حکمِ قضا پر۔ حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے سے مشورہ لے کر حکمِ خدا پر قربان ہونے کے عمل کو خود اپنے بیٹے کا اختیاری اور پسندیدہ عمل بنا دیا، اور ایک ہی وقت میں باپ اور بیٹے دونوں ہی کا امتحان ہو گیا، اور دونوں ہی سرخروئی اور کامیابی کے مژدہ میں شریک ہو گئے۔

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ۝۱۰۳ۚ

تو جب دونوں نے گردن جھکا دی اور لٹا دیا باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل•

(تو جب دونوں نے گردن جھکادی) حکمِ خدا کے سامنے، اور حضرت ابراہیم اپنے بیٹے کو فدا کرنے پر آمادہ ہو گئے، اور حضرت اسماعیل نے اپنے کو قربان کرنے کی اجازت دے دی، اور واقع ہوا جو کچھ واقع ہونا تھا، (اور لٹادیا باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل)۔ خود بیٹے کی خواہش کے مطابق اُن کی پیشانی زمین پر رکھی۔

شاید اُس میں حکمت یہ ہو کہ ذبح کے وقت باپ بیٹے کا چہرہ نہ دیکھے، کہ فطری محبت میں جوش آجائے اور حکمِ الٰہی کی تعمیل میں ہاتھوں میں ہلکی سی لرزش آجائے۔ 'معالم' میں ہے، کہ جب حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کا ارادہ کیا، تو حضرت اسماعیل نے تین ۳ وصیتیں کیں: ایک یہ کہ میرے ہاتھ پاؤں مضبوط باندھیے، تاکہ میں تڑپوں نہ، کہ تڑپتے وقت آپ کے کپڑے خون آلود ہو جائیں اور میں اِس بے ادبی کی وجہ سے گنہگار اور بدنام ہوں، اور مجھے اُس جناب میں ندامت اور خسارت ہو۔

دوسری یہ کہ جب گھر میں تشریف لے جایئے گا، تو میری والدہ دِل خستہ کو میرا اسلام پہنچا کر میرا کُرتا انہیں حوالہ فرمایئے، تاکہ اُن کو اِس کرتے کے سبب سے تسلی رہے۔

تیسری یہ کہ میرا منہ زمین کی طرف کیجیے، کہ ذبح کرتے وقت آپ کی نظر میرے چہرے پر نہ پڑنے پائے اور شفقتِ پدری جوش میں نہ آئے، کہ مبادا حکمِ الٰہی کی تعمیل میں تاخیر اور تقصیر ہو۔

پس حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دِل کو مضبوط کر کے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھے اور چھری اُن کے حلق پر رکھی، حق تعالیٰ نے تانبے کا پتر حلقہ کی شکل پر حضرت اسماعیل کے حلق پر پیدا کر دیا، کہ اُس نے چھری کو کاٹنے سے روکا۔ اور بعضوں نے کہا ہے، کہ اُن کی گردن کٹتی تھی اور پھر درست ہو جاتی تھی۔ اس سلسلے میں یہ بھی منقول ہے کہ حضرت جبرائیل نے حکمِ الٰہی سے حضرت ابراہیم کی چھری کو اُلٹ دیا تھا کہ وہ کاٹ نہ سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ۔۔۔

ہم نے ابراہیم علیہ السلام کا کام پسند فرمایا اور وہ ہمارا حکم بجالایا۔

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ

اور ہم نے آواز دی اُنہیں کہ "اَے ابراہیم ۝ بے شک سچ کر دکھایا تم نے خواب کو۔" بے شک ہم اسی طرح

نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

ثواب دیتے ہیں مخلصوں کو●

(اور ہم نے آواز دی انہیں، کہ اَے ابراہیم!● بے شک سچ کر دکھایا تم نے خواب کو) کیونکہ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا، کہ میں اپنے فرزند کو قتل کرتا ہوں مگر خون کا اثر نہیں دیکھا تھا، جاگتے میں بھی وہی صورت واقع ہوئی۔ (بے شک ہم اِسی طرح ثواب دیتے ہیں مخلصوں کو)، یعنی نیک کام کرنے والوں کو ہم یونہی شدت کے بعد آرام وراحت مرحمت فرماتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾

بلاشبہ یہ یقیناً کھلا امتحان تھا● اور فدیہ دیا ہم نے اُن کا شاندار ذبیحہ کو●

(بلاشبہ یہ یقیناً کھلا) ہوا (امتحان تھا)، کہ اُس کے سبب سے مخلص اور غیر مخلص میں تمیز ہو جاتی ہے۔ (اور فدیہ دیا ہم نے اُن کا شاندار ذبیحہ کو) یعنی فربہ اور سینگوں والا بڑا مینڈھا جو چالیس برس بہشت میں چرا تھا۔

اور بعضوں نے کہا یہ وہ مینڈھا تھا، جسے ہابیل نے قربان کیا تھا اور حق تعالیٰ نے اُسے قبول کر لیا تھا۔۔یا۔۔ایک بکرا کوہِ ثبیر پر سے اُترا تھا، پھر حضرت ابراہیم کے پاس آکھڑا ہوا۔ اور بہت مشہور یہ بات ہے کہ حضرت جبرائیل آسمان سے اترتے ہوئے جنت سے ساتھ لائے تھے۔

اُس انعام کے سوا بھی ہم نے ابراہیم کو نوازا۔۔۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾ كَذٰلِكَ نَجْزِي

اور چھوڑ رکھا اُن کی بلندئ ذکر کو پچھلوں میں● کہ "سلام ہو ابراہیم پر"● اِسی طرح ثواب دیتے ہیں

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾

ہم مخلصوں کو● بے شک وہ میرے ماننے والے بندوں سے ہیں●

(اور چھوڑ رکھا اُن کی بلندئ ذکر کو پچھلوں میں) یعنی امتِ محمدی میں۔۔یا۔۔اُسے ہم نے باقی رکھا کہ لوگ کہتے ہیں (کہ سلام ہو ابراہیم پر)۔۔یا۔۔ہم اُس پر سلام کرتے ہیں۔ (اسی طرح ثواب دیتے ہیں ہم مخلصوں کو)، تو پھر ابراہیم کو یہ بلندئ درجات کیوں نہ دی جاتی۔ (بے شک وہ

میرے ماننے والے بندوں سے ہیں)۔

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰۤى اِسْحٰقَ ؕ

اور خوشخبری دی ہم نے اُنہیں اسحاق کی، نبی لیاقت مندوں سے ● اور برکت بھیجی ہم نے اُن پر اور اسحاق پر۔

وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ ﴿۱۱۳﴾ ع ۳۹

اور اِن دونوں کی اولاد سے کوئی احسان والا ہے اور کوئی اپنے اوپر علانیہ اندھیر مچانے والا●

(اور) مزید برآں (خوشخبری دی ہم نے انہیں اسحاق کی)، یعنی حضرت اسماعیل کے بعد اسحاق نام کے ایک فرزند کی، جو (نبی لیاقت مندوں سے) ہیں۔ (اور برکت بھیجی ہم نے اُن پر اور) اُن کے بیٹے (اسحاق پر)، کہ اُن کی پشت سے انبیاءِ بنی اسرائیل وغیرہ جیسے حضرت ایوب کو ہم نے پیدا کیا، (اور اُن دونوں کی اولاد سے کوئی احسان والا ہے) یعنی نیک کام کرنے والا ہے ایمان اور طاعت کے ساتھ، (اور کوئی اپنے اُوپر علانیہ اندھیر مچانے والا) ہے کفر اور معصیت کے سبب سے ۔۔الختصر۔۔اُس کا ظلم کھلا ہوا ہے۔۔الحاصل۔۔اُن کی نسل میں سے نیک کام کرنے والے ایماندار بھی ہیں اور کافر ستمگار بھی۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَنَجَّیْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ

اور بے شک احسان فرمایا ہم نے موسیٰ و ہارون پر● اور بچالیا اُنہیں اور اُن کی قوم کو بڑی

الْعَظِیْمِ ﴿۱۱۵﴾ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِیْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَاٰتَیْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِیْنَ ﴿۱۱۷﴾

بے چینی سے● اور مدد فرمائی ہم نے اُن کی، تو ہوئے وہی جیتے ہوئے● اور دیا ہم نے اُن دونوں کو روشن کتاب●

(اور بے شک احسان فرمایا ہم نے) انہیں کی نسل کے (موسیٰ وہارون پر) نعمتِ نبوت عطا فرما کر، (اور بچالیا انہیں اور اُن کی قوم) بنی اسرائیل (کو بڑی بے چینی سے)، یعنی قبطیوں کے غلبہ اور ایذاء سے۔ (اور مدد فرمائی ہم نے اُن کی) اُن کی قوم سمیت (تو ہوئے وہی جیتے ہوئے)، یعنی اپنے دشمنوں پر غلبہ پائے ہوئے۔ (اور دیا ہم نے اُن دونوں کو روشن کتاب) جو ظاہر اور کھلی ہوئی ہے۔

وَهَدَیْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ﴿۱۱۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِمَا فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ سَلٰمٌ

اور ہدایت فرمائی اُن کی سیدھی راہ کو● اور چھوڑ رکھا دونوں کی بلندیٔ ذکر کو پچھلوں میں● کہ "سلام ہو

عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾ اِنَّهُمَا

موسیٰ وہارون پر"● بے شک ہم اِسی طرح ثواب دیتے ہیں احسان والوں کو● بے شک وہ دونوں

مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

ہمارے ماننے والے بندوں سے ہیں●

(اور ہدایت فرمائی اُن کی سیدھی راہ کو) جو منزلِ مقصود کو پہنچا دینے والی تھی۔ (اور چھوڑ رکھا دونوں کی بلندئ ذکر کو پچھلوں میں) یعنی ان دونوں کی تعریف وثنا پچھلی امتوں میں ہوتی رہے گی۔۔ یا۔۔جو بات ہم نے باقی چھوڑی وہ یہ ہے کہ وہ کہیں، (کہ سلام ہو موسیٰ وہارون پر)۔۔یا۔۔ہم سلام کہتے ہیں دونوں پر۔ (بے شک ہم اِسی طرح ثواب دیتے ہیں احسان والوں کو) یعنی نیک کام کرنے والوں کو۔ (بے شک وہ دونوں ہمارے ماننے والے بندوں سے ہیں)۔

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اور بے شک الیاس پیغمبروں سے ہیں● جب کہ کہا اپنی قوم کو کہ "کیا تم لوگ نہیں ڈرتے؟●

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾

کیا دُہائی دیتے ہو بعل کی، اور چھوڑے ہوئے ہو نہایت اچھے خالق کو●

(اور) اُن کے سوا (بے شک الیاس) بن یاسین بن بشیر بن فخاص بن العیزار بن ہارون (پیغمبروں سے ہیں)۔ اَے محبوب! یاد کرو اُسے (جبکہ کہا) اُس نے (اپنی قوم کو، کہ کیا تم لوگ نہیں ڈرتے) عذابِ الٰہی سے؟ (کیا دُہائی دیتے ہو بعل کی)۔

بعل ایک بت تھا بیس گز اونچا اور اُس کے چار منہ تھے اور بک نام ایک زمین کا ہے ملک شام میں، چونکہ بعل وہاں تھا، تو اُس جگہ کو بعلبك کہتے ہیں اور اِسی نام سے وہ مقام مشہور ہے۔ غرضیکہ الیاس علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم پکارتے اور پوجتے ہو بعل کو۔۔۔

(اور چھوڑے ہوئے ہو نہایت اچھے خالق کو) جو بہت خوب پیدا کرنے والا ہے۔۔الحاصل۔۔ تم نے چھوڑ رکھا ہے اپنے اچھے خالق۔۔۔

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

اللہ کو، اپنے رب کو، اور اپنے اگلے باپ دادوں کے رب کو"●

(اللہ) تعالیٰ (کو، اپنے رب کو اور اپنے اگلے باپ دادوں کے رب کو)، تو اُسی کی عبادت کیا کرو اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

حق تعالیٰ نے حضرت الیاس کو بعلبک کے لوگوں کی طرف بھیجا۔ اُن لوگوں کا ایک بادشاہ تھا اَجب نام کا۔ پہلے وہ مسلمان تھا آخیر کو اپنی جورو کے بہکانے سے بت پرستوں میں شریک ہو گیا۔ پس حضرت الیاس نے دُعا فرمائی اور وہ لوگ تین[٣] برس تک قحط میں مبتلا رہے اور حضرت الیاس کی طرف رجوع کی، اور اپنے خلل اور خرابی کا تدارک اور عذر خواہی کرنے لگے۔

حضرت الیاس نے فرمایا ایمان لانا چاہیے اور خدا کی وحدانیت کا اقرار کرنا چاہیے۔ اُن لوگوں نے تامل کیا۔ پس حضرت الیاس علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ میرے اور تمہارے دین کا حق اور باطل ہونا ظاہر ہو جائے، تو آؤ میں اپنے خدا کو پکاروں اور تم اپنے بتوں کو پکارو۔ جو دُعا قبول کرلے وہ عبادت کے لائق ہے۔ پس وہ لوگ اِس بات پر راضی ہوئے اور اپنے بت کو آراستہ کر کے اُس کی بڑی تعریف کی اور اُس سے مینھ مانگا۔ دُعا قبول ہونے کا اثر ظاہر نہ ہوا۔ پھر حضرت الیاس نے جو دُعا کی تو فوراً مینھ برسا اور اُن کی قوم نے اِنکار میں زیادتی کی۔۔۔

فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿١٢٧﴾ إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿١٢٨﴾

تو جھٹلایا لوگوں نے اُن کو، تو بے شک وہ پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے • مگر اللہ کے مخلص بندے •

(تو جھٹلایا لوگوں نے اُن کو، تو بے شک وہ پکڑ کر حاضر کیے جائیں گے) دوزخ میں۔ (مگر اللہ) تعالیٰ (کے مخلص بندے) جو پاک ہیں کفر اور نفاق کے شائبہ سے۔

روایت ہے کہ حضرت الیاس علیہ السلام نے رنجیدہ ہو کر خدا سے یہ بات چاہی کہ عذاب نازل ہونے کے قبل انہیں قوم میں سے نکال دے۔ حکم ہوا کہ فلاں دن فلاں جگہ جائیں اور جو کچھ اُن پر ظاہر ہو اُس پر سوار ہوں۔ حضرت الیاس اُسی وقتِ معین میں مقرر کی ہوئی جگہ پر گئے، ایک شیر۔۔یا۔۔گھوڑے کی صورت آگ کی اُن کے سامنے آئی اُس پر سوار ہو لیے، اور حضرت الیسع کو اپنا خلیفہ کر دیا، اور حق تعالیٰ نے انہیں بازو اور پَر عنایت کیے اور کھانے پینے اور عورت کی خواہش ان سے دُور کر کے فرشتوں کے ساتھ انہیں اُڑا لیا۔۔ چنانچہ۔۔اُن

کی صفت میں آیا کہ وہ آدمی کے ساتھ ساتھ فرشتہ اطوار بھی ہیں۔ ارضی بھی ہیں اور آسمانی بھی۔ اور وہ بیابانوں پر معین ہیں جیسے حضرت خضر دریاؤں پر۔ عرفات میں باہم ملاقات کرتے ہیں اور رمضان میں بیت المقدس میں افطار کرتے ہیں۔ امت کے نیک لوگوں میں سے ایک گروہ اُن کو دیکھتا ہے۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿١٢٩﴾ سَلَامٌ عَلَىٰ إِلْ يَاسِينَ ﴿١٣٠﴾

اور چھوڑ رکھا ہم نے اُن کی بلندیٔ ذکر کو پچھلوں میں ● کہ "سلام ہو الیاس پر"●

(اور چھوڑ رکھا ہم نے اُن کی بلندیٔ ذکر کو پچھلوں میں)۔۔ چنانچہ۔۔ اُن کی تعریف توصیف ہوتی رہے گی۔۔یا۔۔ یہ بات چھوڑی، کہ لوگ کہیں (کہ سلام ہو الیاس پر)۔

الیاسین آپ ہی کا نام ہے، جیسے میکال اور میکائیل ایک ہی فرشتے کا نام ہے۔ یونہی سینا اور سنین ایک ہی پہاڑی کا نام ہے۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣١﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣٢﴾

بے شک ہم اسی طرح ثواب دیتے ہیں احسان والوں کو● بے شک وہ ہمارے ماننے والے بندوں سے ہیں●

(بے شک ہم اسی طرح ثواب دیتے ہیں احسان والوں کو) یعنی نیک کام کرنے والوں کو۔ (بے شک وہ ہمارے ماننے والے بندوں سے ہیں)۔ 'ایمان' ایک اسم ہے جو جامع ہے سب کمالاتِ ظاہری اور باطنی کو، اور 'بندگی' ایک بزرگی خاص ہے اہلِ اختصاص کے واسطے۔

وَإِنَّ لُوطًا لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٣٣﴾ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿١٣٤﴾ إِلَّا عَجُوزًا

اور بے شک لوط، یقیناً پیغمبروں سے ہیں● جب کہ بچالیا ہم نے اُنہیں اور اُن کے سب لوگوں کو● مگر ایک بڈھی

فِي الْغَابِرِينَ ﴿١٣٥﴾ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿١٣٦﴾

پچھڑ جانے والوں سے● پھر تہس نہس کر دیا ہم نے اَوروں کو●

(اور بے شک لوط یقیناً پیغمبروں سے ہیں)۔ یاد کرو اُس دن کو (جبکہ بچالیا ہم نے انہیں اور اُن کے سب لوگوں کو) یعنی اُن کے سب گھر والوں کو، (مگر ایک بڈھی) جو اُن کی جورو تھی، اس واسطے کہ وہ (پچھڑ جانے والوں سے) تھی۔۔ چنانچہ۔۔ وہ ٹھہر گئی اُن پیچھے رہنے والوں میں، جو مبتلائے عذاب

ہوئے، اس واسطے کہ وہ کافرہ تھی اور اُس نے حضرت لوط کا ساتھ نہیں دیا۔ (پھر تہس نہس کردیا ہم نے اوروں کو) اُن کی قوم میں سے۔ اور اُن کے مکانات ہم نے الٹ پلٹ کردیے۔

وَاِنَّكُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿۱۳۷﴾ وَبِالَّيۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ ع ۷۵ ۸

اور تم لوگ خود گزرتے رہتے ہو ان پر صبح کو ● اور رات میں، تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے؟ ●

(اور) اَے اہلِ قریش! (تم لوگ) ملک شام کے سفر میں (خود گزرتے رہتے ہو اُن پر صبح کو ○ اور رات میں)۔ یعنی اُن کے منازل اور مکانات پر دن رات تمہارا گزر ہوتا ہے۔ (تو کیا عقل سے کام نہیں لیتے؟) اور خیال نہیں کرتے، کہ تکذیب کرنے والوں کا انجام ہلاکت ہی ہے۔

وَاِنَّ يُوۡنُسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۱۳۹﴾ ؕ

اور بلاشبہ یونس، یقیناً پیغمبروں سے ہیں ●

(اور بلاشبہ یونس یقیناً پیغمبروں سے ہیں)۔

حق تعالیٰ نے انہیں نینوا کے لوگوں کی طرف بھیجا، جو موصل کے شہروں میں سے ہے۔ قوم کے لوگوں نے اُن کی تکذیب کی، اور حضرت یونس نے عذاب مانگا اور قوم کے لوگوں میں سے نکل گئے۔ جب عذاب کا اثر ظاہر ہو چکا، تو حضرت یونس کی قوم کے لوگ ایمان لائے اور عذاب اُٹھ گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے یہ خبر پائی اور وہ قوم سے عذاب کا وعدہ کر چکے تھے کہ تم پر عذاب نازل ہوگا، تو اِس اندیشہ سے کہ قوم کے لوگ انہیں جھوٹا کہیں گے دریا کی طرف چلے۔

اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

اِذۡ اَبَقَ اِلَى الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۴۰﴾

جب بھاگ نکلے بھری کشتی کی طرف ●

(جب) یونس اپنی قوم کے درمیان سے (بھاگ نکلے) لوگوں اور مال ومتاع سے (بھری کشتی کی طرف) اور اُس پر سوار ہوگئے اور کشتی چل پڑی، پھر جب وہ بیچ دھارے پر پہنچی تو ٹھہر گئی۔ ملاح بولے، کہ کوئی بھاگا ہوا غلام اِس کشتی پر آ گیا ہے، اس لیے یہ کشتی آگے نہیں بڑھ رہی ہے۔ حضرت

یونس علیہ السلام بولے کہ وہ بھاگا ہوا غلام میں ہوں۔

چونکہ آپ نے اپنے بھاگنے سے پہلے وحی الٰہی کا انتظار نہیں فرمایا، تو گویا مالک کے اِذن کے بغیر نکل گئے۔ اِسی لیے اپنے کو بھاگا ہوا غلام قرار دیا۔ آپ کے چہرۂ مبارک کو دیکھنے کے بعد کشتی والوں کو یقین نہیں آیا، کہ آپ غلام ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ وہ بولے حاشا! کہ آپ غلام ہوں گے۔ آپ کے چہرۂ مبارک سے یہ بات چمک رہی ہے کہ آپ جوانمرد آزاد ہیں۔ یونس علیہ السلام نے مبالغہ اور اصرار کیا کہ بھاگا ہوا میں ہی ہوں۔ اور اُس قوم کا طریقہ یہ تھا کہ بھاگے ہوئے غلام کو دریا میں ڈال دیتے تھے، تو کشتی رواں ہو جاتی تھی۔ جب یونس علیہ السلام نے اِس باب میں بہت گفتگو کی اور وہ لوگ آپ کی بات نہ سنتے تھے۔

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

تو قرعہ ڈالا، تو وہ ہوئے ہار جانے والوں سے●

(تو) سبھوں نے یہ آپس میں مشورہ کر کے تین بار (قرعہ ڈالا) اور تینوں مرتبہ انہیں کا نام نکلا، (تو وہ ہوئے ہار جانے والوں سے) یعنی مغلوبوں میں سے ہو گئے۔

پس اہلِ کشتی نے انہیں اُٹھا کر قصد کیا کہ دریا میں ڈال دیں۔ یکا یک بحکمِ خدا ایک مچھلی جو دریا کی تہ میں رہتی تھی، کشتی کے پاس آئی اور حضرت یونس کی طرف منہ کھولا۔ ملاحوں نے یہ حال دیکھ کر چاہا کہ حضرت یونس کو اور طرف دریا میں ڈالیں۔۔ غرضیکہ۔۔ جدھر جدھر ملاح حضرت یونس کو لے جاتے تھے، اُدھر اُدھر مچھلی ظاہر ہوتی تھی۔ آخر حضرت یونس نے اپنا سر کملی میں چھپا کر اپنے تئیں آپ دریا میں ڈال دیا۔۔۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ﴿۱۴۲﴾

تو نگل لیا انہیں مچھلی نے، اور وہ اپنے کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے●

(تو نگل لیا انہیں مچھلی نے) یکبارگی۔ (اور وہ اپنے کو بُرا بھلا کہہ رہے تھے) اور خود اپنے نفس کو ملامت کر رہے تھے، کہ آخر وہ قوم سے کیوں بھاگ نکلے۔ پس مچھلی کو حکم پہنچا، کہ میں نے اِسے تیرا کھانا نہیں کیا ہے، بلکہ تیرے پیٹ کو اس کا قید خانہ بنایا ہے۔ خبردار! اِس کے اعضاء کی ترکیب میں فرق نہ پڑے۔

پس مچھلی اُن کی نگہبانی میں ایسی رعایت کرنے لگی، جیسی رعایت ماں اپنے فرزند کی حفاظت میں کرتی ہے۔اور سر پانی سے باہر نکال کر تیرتی تھی اور حضرت یونس اُس کے پیٹ میں سانس لیتے تھے۔ تین دن۔۔یا۔۔سات دن اُس کے پیٹ میں رہے، اور بہت مشہور بات یہ ہے کہ چالیس دن مچھلی کے پیٹ میں رہے، اور مچھلی سات دریاؤں میں پھری اور حق تعالیٰ نے اُس کا گوشت اور پوست ایسا باریک اور صاف کر دیا تھا جیسے شیشہ، کہ یونس علیہ السلام نے دریا کے عجائب وغرائب مشاہدہ کیے اور برابر خدا کی یاد میں مشغول رہے۔۔۔

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ لَلَبِثَ فِىْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

تو اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ تھے تسبیح کرنے والوں سے● ضرور ٹھہرے رہتے اُس کے پیٹ میں اُس دن تک، کہ لوگ اُٹھائے جائیں●

(تو اگر نہ ہوتی یہ بات کہ وہ تھے تسبیح کرنے والوں سے) مچھلی کے پیٹ میں، کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ کہتے تھے۔۔یا یہ کہ۔۔مچھلی کے پیٹ میں جانے سے پہلے اگر وہ ذکرِ الٰہی کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں میں نہ ہوتے، تو (ضرور ٹھہرے رہتے اُس کے پیٹ میں اُس دن تک کہ لوگ اُٹھائے جائیں) قبروں میں سے، مگر خدا کے ذکر کی برکت نے انہیں بہت جلد رہائی دی۔

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

تو نکال پھینکا ہم نے اُنہیں میدان پر اور وہ بیمار ہیں●

(تو نکال پھینکا ہم نے) یعنی ہمارے حکم سے مچھلی نے (انہیں) ایسے (میدان پر) جہاں درخت گھاس پتی پہاڑ کچھ نہ تھا۔۔الغرض۔۔ایسی جگہ انہیں ڈال دیا (اور) حال یہ ہے کہ (وہ بیمار ہیں) یعنی کمزور اور دُبلے جیسے لڑکا اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔

وَاَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾

اور اُگا دیا ہم نے اُن پر کدّو کی بیل●

(اور اُگا دیا ہم نے اُن پر کدّو کی بیل) کہ اُس نے اپنے پتوں سے اُن پر سایہ کر لیا۔ کدّو کے پتے کی خاصیت یہ ہے کہ اُس کے گرد مکھی نہیں آتی۔ جب حق تعالیٰ نے درخت

کدو میں چھپا دیا تو مکھیوں کی تکلیف اور آفتاب کی گرمی سے وہ بے خوف ہو گئے، اور پہاڑی بکری کو حکم دیا کہ وہ آتی اور حضرت یونس کو دودھ پلاتی، یہاں تک کہ اُن کی کھال مضبوط ہوئی اور اُن کا گوشت بھر آیا، تو پھر وہ اپنی حالتِ اصلی پر آ گئے۔

وَاَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۝۱۴۷

اور بھیجا ہم نے اُنہیں ایک لاکھ، بلکہ زیادہ کی طرف●

(**اور بھیجا ہم نے انہیں**) دوبارہ (**ایک لاکھ بلکہ زیادہ کی طرف**) یعنی ایک لاکھ بیس ہزار۔۔یا ۔۔ایک لاکھ ستر ہزار پر ہم نے یونس کو رسول کیا۔

تعداد کے تعلق سے شک ناظرین کی وجہ سے ہے، کہ دیکھنے والا محسوس کرتا کہ شاید یہ لوگ لاکھ سے بیس یا ستر ہزار مزید ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کو شک کیسا؟ اُس کے لیے تو شک محال ہے اور اِس کلام سے صرف اُن کی کثرت کا اظہار مقصود ہے۔ یہی جواب ہر جگہ کام آئے گا، یعنی جہاں اللہ تعالیٰ کے کلام میں لفظ اَوْ واقع ہو، وہاں مخاطبین کا شک مراد ہوگا۔

جب نینوا کے لوگوں کو حضرت یونس کے آپہنچنے کی خبر پہنچی، تو بادشاہ تمام قوم سمیت اُن کے استقبال کو نکلا۔۔۔

فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۝۱۴۸

تو مان گئے وہ سب، چنانچہ رہنے سہنے دیا ہم نے اُنہیں ایک مدت تک●

(**تو مان گئے وہ سب**) یعنی اُن کے ہاتھوں پر ایمان کی تجدید کی۔ (**چنانچہ رہنے سہنے دیا ہم نے انہیں ایک مدت تک**) یعنی اُس وقت تک جبکہ اُن کی اَجل پہنچی۔ اور جب متقاضی اَجل آپہنچتا ہے کہ ودیعت روح پھیر دو، پھر وہ کسی طرح نہیں رُکتا۔ نہ لڑنے جھگڑنے سے نہ مال خرچ کرنے سے۔ اِس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ نبیوں کے قصص اور واقعات کا ذکر فرمایا، تاکہ مشرکین کو معلوم ہو کہ سیدنا محمد ﷺ نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام پہنچایا ہے، یہ کوئی نئی اور انوکھی بات نہیں ہے۔

اِس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کے رسول آتے رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو بیان کرتے رہے ہیں۔ اور تم جو میری رسالت کی تکذیب کر رہے ہو یہ بھی کوئی نئی بات نہیں، ہمیشہ سے

مشرکین رسولوں کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔

اوران آنے والی آیات میں اللہ تعالیٰ نے پھر مشرکین کے باطل نظریات اور غلط اقوال کا رَدفرمایا۔ وہ اللہ سبحانہ کے لیے اولاد کو ثابت کرتے تھے، اور اولاد بھی مؤنث ثابت کرتے تھے۔ اور یہ کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ جیسے خزاعہ، بنو ملیح، عبدالدار وغیرہا دیگر کفارِ مکہ کا یہ عقیدہ تھا، کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا رَد کرتے ہوئے فرمایا۔۔۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

تو اُن سے پوچھو کہ "کیا تمہارے رب کے لیے بیٹیاں ہیں، اور تمہارے لیے بیٹے؟"●

(تو اُن سے پوچھو کہ کیا تمہارے رب کے لیے بیٹیاں ہیں، اور تمہارے لیے بیٹے؟) یہ کس قدر قابلِ افسوس اور قابلِ مذمت بات ہے کہ کفار اپنے لیے بیٹیوں کو ناپسند کرتے تھے، بلکہ باعثِ عار سمجھتے تھے۔ بعض شقی القلب پیدا ہوتے ہی اُس کو زندہ دفن کردیتے تھے۔ پھر کس قدر افسوس کی بات ہے کہ بیٹی کا وجود ان کے لیے اِس قدر بُرا اور باعثِ عار اور نفرت انگیز ہے، اُس کے باوجود وہ بیٹیوں کے وجود کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے تھے۔ تو اُن سے سوال کرو کہ اپنی اِس مذکورہ خام خیالی کو ثابت کرنے کے لیے کون سی نقلی دلیل اور شہادت اُن کے پاس تھی۔۔۔یا۔۔۔کس مخبرِ صادق نے انہیں خبر دی ہے، کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

یا کیا پیدا کیا ہم نے فرشتوں کو مادہ، اور وہ حاضر تھے؟●

(یا کیا) جب (پیدا کیا ہم نے فرشتوں کو مادہ اور وہ حاضر تھے) اور فرشتوں کی تخلیق کے عمل کا مشاہدہ کررہے تھے؟ آخر کس دلیل سے انہوں نے اتنا بڑا باطل اور قابلِ مذمت دعویٰ کردیا۔ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، یہ سراسر اُن کا بہتان ہے۔۔۔اور۔۔۔

اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

یاد رکھو کہ بلاشبہ اپنی بہتان بازی سے بک رہے ہیں● کہ "اللہ نے جنا" اور بلاشبہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں●

(یادرکھو کہ بلاشبہ اپنی بہتان بازی سے بک رہے ہیں ● کہ اللہ) تعالیٰ (نے جنا) یعنی اس کے فرزند ہیں۔ (اور بلاشبہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں) اس بات میں کہ خدا کی طرف باپ ہونے کو منسوب کرتے ہیں، کہ خدا والد ہے اور اُس کی اولاد ہے۔ مشرکو! بتاؤ۔۔۔

اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

کیا چنا اُس نے بیٹیوں کو بیٹوں پر؟ ●

(کیا چنا اُس نے بیٹیوں کو) جو تم کو بُری معلوم ہوتی ہیں (بیٹوں پر؟) جو تمہارے واسطے افتخار اور قوت اور مدد حاصل کرنے کا مادّہ اور سبب ہیں۔

مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

تمہیں کیا ہو گیا ہے؟۔۔ کیسا حکم لگاتے ہو ● تو کیا کچھ نہیں سوچتے؟ ●

(تمہیں کیا ہو گیا ہے)؟ اِس بانٹ میں (کیسا حکم لگاتے ہو)؟ کہ خدا کی طرف وہ چیز منسوب کرتے ہو جو اپنے واسطے نہیں پسند کرتے۔ (تو کیا کچھ نہیں سوچتے) اور یہ بھی خیال نہیں کرتے، کہ حق تعالیٰ پاک ہے زوجہ اور اولاد سے، اس واسطے کہ باپ بیٹے کو ایک ہی جنس سے ہونا چاہیے اور دونوں کا مثل ہونا ضروری ہے۔ اور حضرت رب العزۃ مثل اور شبہ سے پاک ہے۔

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾ فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

یا تمہارے لیے کوئی روشن سند ہے؟ ● تو لاؤ اپنی کتاب، اگر سچے ہو ●

(یا تمہارے لیے کوئی روشن سند ہے؟) جس کی روشنی میں تم فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہو ۔۔یا۔۔ کوئی کتاب آسمان سے اُتری ہو، جس سے یہ بات ثبوت کو پہنچی ہو؟ (تو لاؤ اپنی) وہ آسمانی (کتاب اگر سچے ہو) اپنے دعوے میں۔

روایت ہے کہ بنی خزاعہ میں سے بعضے لوگوں نے کہا، کہ حق تعالیٰ نے جنوں کے خاندان میں اپنی سسرال کی اور بعض جنات کے ساتھ ملنے سے فرشتے پیدا ہوئے ۔۔یا۔۔ معاذ اللہ وہ لوگ کہتے تھے کہ خدا اور شیطان بھائی ہیں، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

وَجَعَلُوْا بَیْنَهٗ وَبَیْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ

اور بنالیا ان لوگوں نے اپنے اور دیوؤں کے درمیان نسب۔ حالانکہ یقیناً معلوم ہے جنوں کو،

اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۙ﴿۱۵۸﴾

کہ وہ حاضر کیے جائیں گے●

(اور بنالیا ان لوگوں نے اپنے اور دیوؤں کے درمیان نسب) یعنی نسبی قرابت داری مقرر کرلی، (حالانکہ یقیناً معلوم ہے جنوں کو) اور شیاطین کو (کہ) قیامت کے دن یہ کہنے والے ۔۔یا۔۔ (وہ) سب کے سب (حاضر کیے جائیں گے) عذاب کے واسطے۔

ایک گروہ اِس بات پر ہے کہ جن سے فرشتے مراد ہیں، اس واسطے کہ جو مخلوق آنکھ سے پوشیدہ ہو عرب اُسے جن کہتے ہیں اور کافروں نے حق تعالیٰ اور فرشتوں میں نسبت ٹھہرادی اور بعض کہتے ہیں کہ فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں اور فرشتے جانتے ہیں کہ وہ سوال کے واسطے حاضر کیے جائیں گے اور کافروں کی پرستش کے سبب سے اُن سے جواب طلب ہوگا اور وہ جواب باصواب دیں گے، جس کا ذکر سورۂ سبا میں موجود ہے کہ وہ صاف عرض کردیں گے، کہ بلکہ "وہ جنوں کو پوجتے تھے"۔

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ۙ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۶۰﴾

پاکی ہے اللہ کی اِس سے جو یہ لوگ بولتے ہیں● مگر اللہ کے مخلص بندے●

(پاکی ہے اللہ) تعالیٰ (کی اُس سے جو یہ) کافر (لوگ بولتے ہیں)، یعنی اُس کی طرف قرابت اور ولادت کو جو منسوب کرتے ہیں۔ اور وہ کافروں کی بات سے بیزار ہے۔ اور وہ سب خدا کو ایسا ہی کہتے ہیں۔ (مگر اللہ) تعالیٰ (کے مخلص بندے) جو پاک کیے گئے ہیں شبہوں کے میلوں سے، کہ وہ اُس کی شان کے لائق اُس کی حمد کرتے ہیں۔

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۱۶۱﴾ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ بِفٰتِنِیْنَ ۙ﴿۱۶۲﴾

تو بے شک تم اور جس کو پوجتے ہو● تم سب، ان پر فتنہ نہیں چلا سکتے●

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ ﴿۱۶۳﴾

مگر اُس پر جو دہکتی آگ میں جانے والا ہے●

(تو بے شک تم) اَے کافرو! (اور جس کو پوجتے ہو) یعنی تمہارے بت، (تم سب) مل کر بھی (اُن پر فتنہ نہیں چلا سکتے) اور انہیں گمراہ وتباہ نہیں کر سکتے، (مگر) تمہارا فتنہ (اُس پر) ہی چل سکتا ہے (جو دہکتی آگ میں جانے والا ہے)، یعنی علمِ ازلی میں جو یقینی دوزخی ٹھہرا ہوا ہے۔

اور جو لوگ فرشتوں کو پوجتے تھے، اُن کا قول رَد کرنے کو حق تعالیٰ نے فرشتوں کا اقرار بیان کر دیا، کہ وہ بندے ہونے کے مقر ہیں۔۔۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿۱۶۴﴾ وَّاِنَّا لَنَحۡنُ الصَّآفُّوۡنَ ﴿۱۶۵﴾

اور نہیں ہم فرشتوں میں سے، مگر اُس کا ایک مقام معلوم ہے● اور بلاشبہ ہم صف باندھے کھڑے ہیں●

(اور) وہ کہتے ہیں، کہ (نہیں ہم فرشتوں میں سے مگر اُس کا ایک مقام معلوم ہے) یعنی خدمت اور عبادت میں ہمارے لیے ایک مقام معین اور مقرر کیا ہوا ہے، کہ اُس سے ہم تجاوز نہیں کر سکتے۔

جیسے خوف ورجاء اور محبت ورضا، کہ ہر ایک مقربانِ خطائرِ ملکوت اور مقدساتِ جوامع جبروت میں سے ایک مقام پر اُس میں سے مقیم اور متمکن ہے۔

(اور بلاشبہ ہم صف باندھے کھڑے ہیں) ادائے اطاعت اور موقف ملازمت میں۔

وَّاِنَّا لَنَحۡنُ الۡمُسَبِّحُوۡنَ ﴿۱۶۶﴾

اور بے شک ہم تسبیح کرنے والے ہیں●

(اور بے شک ہم تسبیح کرنے والے ہیں) یعنی جو چیز اُس کی ذاتِ مقدس کے لائق نہ ہو، اُس سے اس کی پاکی بیان کرنے والے ہیں۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ یہ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مؤمنوں کا کلام ہے، کہ کہتے ہیں فردائے قیامت کو ہم ہر ایک مقام معلوم رکھتے ہیں بہشت میں، اور آج صف میں کھڑے ہونے والے ہیں نماز میں، اور پاکی کے ساتھ یاد کرنے والے ہیں خدا کو۔۔ المختصر۔۔ بے شبہ قصور اور بے شائبہ فتور ہم طاعت وذکرِ الٰہی میں لگے ہوئے ہیں۔

خواہ یہ کلام منسوب ہو ملائکہء کرام کی طرف، خواہ حضرت سید انام ﷺ اور اہلِ ایمان یعنی اصحابِ عظام رضی اللہ عنہم کی طرف، دونوں صورتوں میں رسولِ مقبول کے مبعوث ہونے کے قبل۔۔۔

وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

اور یہ لوگ کہا کرتے تھے● کہ "اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی اگلوں سے●

لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾

تو ضرور ہم ہوتے اللہ کے کھرے بندے"● پھر انہیں نے انکار کر دیا اُس کا، تو جلد معلوم کرلیں گے●

(اور) اظہارِ نبوت سے پہلے، (یہ) مشرک (لوگ کہا کرتے تھے● کہ اگر ہمارے پاس کوئی نصیحت ہوتی اگلوں سے)، یعنی اگر ہمارے واسطے بھی کوئی کتاب ہوتی اور ہم پر بھی حکم نازل ہوتا، (تو ضرور ہم ہوتے اللہ) تعالیٰ (کے کھرے بندے) یعنی کفر و شرک کے لوث سے پاک کیے ہوئے۔ اور جب اُن کے پاس کتاب آئی، جو سب آسمانی کتابوں میں اشرف اور بزرگ ہے، یعنی قرآنِ کریم ۔۔تو۔۔ (پھر انہیں نے اِنکار کر دیا اُس کا) اور اُس پر ایمان نہیں لائے۔ (تو جلد معلوم کرلیں گے) اپنے کفر کا انجام، کہ عذاب اور مغلوبیت ہے۔

وَ لَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اِنَّهُمْ

اور بے شک پہلے سے ہو چکی ہماری بولی اپنے پیغمبر بندوں کے لیے● کہ "بلاشبہ اُنہیں

لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ وَ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾

کی مدد کی جائے گی● اور بے شک ہمارا ہی لشکر جیتے گا●

(اور بے شک پہلے سے ہو چکی ہماری بولی اپنے پیغمبر بندوں کے لیے) اور اِس وعدہ کا حکم لوحِ محفوظ میں ثبت کیا گیا ہے، اور اپنے رسولوں کے لیے نصرت کا وعدہ فرمایا جا چکا ہے، (کہ بلاشبہ انہیں کی مدد کی جائے گی● اور بے شک ہمارا ہی لشکر جیتے گا)، یعنی انبیاءِ کرام کے تابع لوگ ہی فتحیاب ہوں گے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾ وَّ اَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾

تو منہ پھیر لو اُن سے کچھ وقت تک● اور دیکھتے رہو اُنہیں، کہ جلد ہی یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے"●

(تو) اَے محبوب! (منہ پھیر لو اُن سے کچھ وقت تک) یعنی اس وقت تک جب کہ قتال کا حکم ہو۔۔یا۔۔ وعدۂ نصرت کے زمانے تک، کہ جنگِ بدر۔۔یا۔۔ فتحِ مکہ کا دن ہے۔ (اور دیکھتے رہو انہیں

کہ جلد ہی یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے) دُنیا میں تمہاری نصرت اور آخرت میں تمہارا مرتبہ۔
جب کافروں نے "جلد یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے" کی وعید سنی تو بولے، کہ آخر یہ کب ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ

تو کیا ہمارے عذاب کی جلدی مچاتے ہیں؟● وہ تو جہاں اُترا اُن کے آنگن میں، تو کیسی بُری صبح ہوئی اُن کی،

الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾ وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾ وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

جو ڈرائے گئے ہیں● اور منہ پھیر لو اُن سے کچھ وقت تک● اور دیکھتے رہو کہ جلد ہی یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے●

(تو کیا ہمارے عذاب کی جلدی مچاتے ہیں) اور عذاب آنے کا وقت پوچھتے ہیں، تو فرما دو، کہ (وہ تو جہاں اترا اُن کے آنگن میں، تو کیسی بُری صبح ہوئی اُن کی جو ڈرائے گئے ہیں)۔

روایت ہے کہ عرب کے قبیلوں میں لُوٹ مار بہت تھی اور جو لشکر کسی قبیلے کا قصد کرتا تمام رات راہ چل کر صبح کو، کہ نیند غالب ہونے کا وقت ہے، اُن کو گھیر لیتے اور اُن کے لُوٹنے مارنے قید کر لینے پر ہاتھ بڑھاتے اور قوم کی بیخ کنی کرتے۔ اور چونکہ صبح کے وقت غارت ہوا کرتی تھی، تو 'غارت' کا نام 'صبح' رکھ دیا تھا۔ اور اگرچہ اور وقت بھی غارت ہوتی، مگر اس وقت کو 'صبح' ہی کہتے۔ اِس آیت میں عذاب کی تشبیہ اُس لشکر کے ساتھ دی گئی جو ناگاہ اُن پر ہجوم کرے گا اور اُن پر غارت ہوگی، کہ وہ بیخ کنی کا عذاب ہے۔ حق تعالیٰ دوبارہ تاکید کے واسطے فرماتا ہے کہ اَے محبوب!۔۔۔

(اور منہ پھیر لو اُن سے کچھ وقت تک) تاوقتیکہ آیتِ سیف نازل ہو، (اور دیکھتے رہو کہ) ان پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ اور (جلد ہی یہ لوگ بھی دیکھ لیں گے) انواع عذاب دُنیا میں اور عقبیٰ میں۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾

پاکی ہے تمہارے رب کی، بڑی عزت والا، اُس سے جو یہ لوگ بکتے ہیں● اور سلام ہے رسولوں پر●

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾ ع ۵/۹

اور حمد اللہ کی، پروردگار سارے عالم کا●

(پاکی ہے تمہارے رب کی) جو (بڑی) ہی (عزت) وقوت وغلبہ (والا) ہے (اُس سے جو یہ) مشرک (لوگ بکتے ہیں ● اور سلام ہے رسولوں پر ● اور حمد اللہ) تعالیٰ (کی) جو (پروردگار) ہے (سارے) اہلِ (عالم کا)۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ بندوں کو تسبیح کرنا، سلام بھیجنا، حمد کرنا تعلیم فرماتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے، جو کوئی یہ بات دوست رکھتا ہے کہ اُس کو ثواب واجر بکثرت عطا کرے اُسے چاہیے کہ اپنی مجلس میں ختم کلام اِس آیت پر کرے۔ سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۚ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۚ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ

بحمدہٖ تعالیٰ وبعونہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ
۶ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ۔۔ مطابق۔۔ ۲۹ فروری ۲۰۱۲ء
بروز چہارشنبہ، سورہ والصافات کی تفسیر مکمل ہوگئی۔
مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت
مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کی حفاظت فرماتا رہے۔
آمِین یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، وَبِحَقِّ نٓ وصٓ،
وَبِحَقِّ یَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ
۶ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ۔۔ مطابق۔۔ ۲۹ فروری ۲۰۱۲ء
بروز چہارشنبہ، سورہ صٓ کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔ دُعاگو ہوں
کہ مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل
کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظتِ خاص میں رکھے۔
آمِین یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، وَبِحَقِّ نٓ وصٓ،
وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

سُوۡرَۃُ صٓ ۳۸ مکیۃ ۳۸ | آیاتہا ۸۸ رکوعاتہا ۵

سُوۡرَۃُ صٓ

سورۂ ص۔۔۳۸ مکیہ ۳۸ — آیاتہا ۸۸۔۔رکوعاتہا ۵

اِس سورۂ مبارکہ کا پہلا کلمہ صٓ ہے، اِسی مناسبت کی وجہ سے اِس سورہ کا نام 'سورۂ صٓ' ہے۔ یہ سورت 'الاعراف' سے پہلے اور 'اقتربت الساعۃ' کے بعد نازل ہوئی۔ اِس حرف 'صاد' کے متعلق بہت سے اقوال ہیں۔ یہ خدا کا نام ہے۔۔یا۔۔قرآن کا نام ہے۔۔یا۔۔سورت کا نام ہے۔۔یا۔۔اسم صمد اور صانع اور صادق الوعد کی کنجی ہے۔۔یا۔۔صدق اللہ۔۔یا۔۔صدق محمد ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔۔یا۔۔محمد ﷺ کا نام ہے۔ امام قشیری نے فرمایا ہے، کہ حق تعالیٰ دوستوں کی صفائے محبت کی قسم ارشاد فرماتا ہے۔ بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، کہ قسم ہے صفائے دِلِ عارفاں کی۔ 'تاویلات' میں ہے کہ قسم ہے صورتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی۔ 'بحر الحقائق' میں ہے کہ قسم ہے اُس کی صمدیت کے 'صاد' کی اَزل میں، اور صوریت کے 'صاد' کی اَبد میں، اور صانعیت کے 'صاد' کی دونوں کے درمیان میں۔ ایسی اسرار و رموز پر مشتمل معنی خیز، سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے تمام بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

صٓ وَالۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ①

صٓ، قسم ہے نصیحت والے قرآن کی●

(صٓ)۔

اللہ تعالیٰ ہی جانے کہ اس کلمے سے اُس کی اپنی مراد کیا ہے۔۔یا۔۔اللہ تعالیٰ ہی کے مطلع فرمانے سے وہ جانے جس پر اس کلمہ کا نزول ہوا۔۔یا۔۔خدا ہی کے علم دینے سے اُس کے دوسرے محبوبین جانیں۔

(قسم ہے نصیحت والے قرآن کی) جو عظمت و شرف اور شہرت والا ہے۔۔یا۔۔ایسے قرآن کی قسم جس میں حاجت کی چیزوں کا ذکر ہے، وہ بات نہیں جو کافر سمجھتے ہیں۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝۲

بلکہ جنہوں نے انکار کیا، ڈینگ اور دشمنی میں ہیں●

(بلکہ) رؤسائے قریش میں سے (جنہوں نے اِنکار کیا) وہ خواہ مخواہ کی (ڈینگ اور دشمنی) کے نشے (میں ہیں)، جبھی حق بات قبول کرنے میں سرکشی کرتے ہیں۔ اور خدا کی مخالفت اور رسول کی عداوت پر اُتر آئے ہیں۔ اُسی تکبر اور عداوت کرنے کی وجہ سے۔۔۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝۳

کتنے برباد کردیے ہم نے اِن سے پہلے اہل زمانہ، تو ہائے پکار لگائی، اور نہ تھا وقت رہائی کا●

(کتنے برباد کردیے ہم نے اِن سے پہلے اہلِ زمانہ کو) یعنی اگلی امتوں کو، (تو ہائے پکار لگائی) یعنی چیخے کہ کوئی ان کی فریاد کو پہنچے، (اور نہ تھا وقت رہائی کا) کہ بھاگ کر کسی بچنے کی جگہ پر پہنچتے۔

'معالم التنزیل' میں فرمایا ہے کہ کفارِ مکہ کی عادت یہ تھی کہ جب لڑائی بڑھتی اور کڑی پڑتی، تو مَنَاص مَنَاص پکارتے یعنی بھاگو بھاگو، تو حق تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ عذاب آنے کے وقت دربدر مَنَاص مَنَاص پکاریں گے، اور کہیں بھاگنے کی جگہ نہ پائیں گے۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝۴

اور یہ لوگ تعجب میں پڑگئے کہ آیا ہے اُن کے پاس ایک ڈرسنانے والا اُنہیں سے، اور بولے کافرلوگ کہ "یہ جادوگر جھوٹے ہیں●

(اور یہ) کافر (لوگ تعجب میں پڑگئے کہ آیا ہے اِن کے پاس ایک ڈرسنانے والا) پیغمبر (اُنہیں سے) یعنی بشران کی صورت کا۔۔یا۔۔ان کے قبیلہ کا، (اور بولے کافرلوگ کہ یہ) ڈرانے والا (جادوگر) ہے اُن چیزوں میں جو خلاف دکھاتا ہے اور (جھوٹے ہیں) دعویٰ نبوت میں۔۔یا۔۔خدا کی طرف قرآن کو اسناد کرنے میں۔ کیا اندھی رائے ہے کہ وحی کو تاریکیٔ سحر سے امتیاز نہیں کرتی، اور کیا بصیرت ہے، کہ صدق کی شعاعوں کے آثار کو ظلماتِ کذب سے شناخت نہیں کرتی۔

روایت ہے کہ حضرت حمزہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایمان لانے کے بعد اشراف قریش مضطرب ہوکر ابوطالب کے پاس آئے اور بولے، کہ اَے عبد مناف کے بیٹے! تم ہمارے بزرگ اور سردار ہو۔ ہم اس واسطے آئے کہ ہمارا اور اپنے بھتیجے کا فیصلہ کردو۔ ہماری قوم کے بے عقلوں میں سے ایک ایک کو تمہارا بھتیجا پھسلاتا ہے اور اپنا نکالا ہوا دین اور بنائے

ہوئے آئین اُن کے سامنے چمکا تا ہے، اور ہمارے گروہ میں ہر وقت پھوٹ ڈالتا ہے اور اب وہ زمانہ قریب ہے، کہ اِس آگ کو بجھانے کی تدبیر اور تدارک سے ہم عاجز آجائیں۔

ابوطالب نے حضرت ﷺ کو بُلایا اور یہ بات کہی، کہ اَے محمد ﷺ تمہاری قوم کے لوگ میرے پاس آئے ہیں، اور تم سے اُن کا مدعا یہ ہے کہ انحراف کا طریق نہ اختیار کرو، اور اُن کی جو تمنا ہے اُس میں ذرا غور و تامل کرو۔ حضرت علیہ السلام نے فرمایا، کہ اَے گروہِ قریش! مجھ سے تم کیا بات چاہتے ہو؟ وہ بولے کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا دین توڑنے سے تم دست بردار ہو جاؤ اور ہمارے خداؤں کو بُرا کہنا تم چھوڑ دو، کہ ہم بھی نہ تم سے متعرض ہوں نہ تمہارے تابعوں سے۔

حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی تم سے ایک بات چاہتا ہوں کہ ایک کلمہ میں میرے ساتھ متفق ہو جاؤ، تاکہ ممالک عرب تمہارے مسخر ہو جائیں اور عجم کے بڑے بڑے لوگ تمہاری فرمانبرداری کریں۔ اُنہوں نے پوچھا وہ کیا کلمہ ہے؟ حضرت ﷺ نے فرمایا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ دفعۃً اشرافِ قریش حضرت علیہ السلام کی طرف سے رخ پھیر کر باہم کہنے لگے کہ۔۔۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ﴿۵﴾

کیا بنادیا بہت سے معبودوں کو ایک معبود۔ بے شک یہ عجیب بات ہے"●

(کیا بنادیا) محمد علیہ السلام نے (بہت سے معبودوں کو ایک معبود)؟ یعنی ہمارے بہت سارے خداؤں کو ایک خدا بنادیا۔ (بے شک یہ) یعنی خدا کا ایک ہونا (عجیب بات ہے)، اس واسطے کہ ہمارے تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت جب صرف ایک شہر مکہ کا کام نہیں کرسکتے، تو محمد علیہ السلام جو ایک خدا کہتے ہیں وہ تمام عالم کا کام کیونکر بنا سکتا ہے؟

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰۤى اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ

اور چل دیے اُن میں سے سردار لوگ کہ "چلے چلو اور جمے رہو اپنے معبودوں پر۔

اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ یُّرَادُ ﴿۶﴾ۖ

بے شک یہ کوئی مطلب کی بات ہے●

(اور چل دیے) ابوطالب کے گھر میں سے، (ان میں سے سردار لوگ) ایک دوسرے سے یہ کہتے ہوئے (کہ چلے چلو اور جمے رہو اپنے معبودوں پر) یعنی انہیں پوجتے رہو۔ (بے شک یہ کوئی مطلب کی بات ہے) اور اس کے پیچھے کوئی سوچی سمجھی اسکیم ہے۔ یہ ہمارے زمانے کے حوادث میں سے ہے، اور اس کے وقوع سے چارہ نہیں ہے، یعنی بڑائی اور برتری جو محمد علیہ السلام کا مدعا ہے، یہ ایک چیز ہے جس کی خواہش کی جاتی ہے، یعنی سب لوگ یہی چاہتے ہیں کہ ہم بڑے اور عالی رتبہ رہیں۔ اور یہ جو محمد ﷺ خدا کی وحدانیت کے تعلق سے کہتے ہیں یہ ایسی بات ہے کہ۔۔۔

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۚ

ہم نے تو نہیں سنا اسے پچھلے دین میں بھی۔ یہ نہیں ہے مگر گڑھنت"•

(ہم نے تو نہیں سنا اسے پچھلے دین میں بھی)۔ یعنی حضرت عیسیٰ کی ملت میں، کہ سب ملتوں سے اخیر ہے، اس واسطے کہ وہ تین[۳] خداؤں کے قائل ہیں، ایک ہونے کے قائل نہیں ہیں۔ (یہ) یعنی توحید جس کا ذکر پیغمبر کرتے ہیں (نہیں ہے مگر گڑھنت)۔ یہ ایسا جھوٹ ہے جسے خود پیغمبر نے اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے۔

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ

یا اتاری گئی نصیحت ان پر ہمارے درمیان۔ بلکہ وہ شک میں ہیں میری نصیحت کی طرف سے۔

بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝

بلکہ ابھی چکھا نہیں ہے میرا عذاب•

(یا) کیا ایسا ہوا کہ (اتاری گئی نصیحت) صرف (اُن پر) ہی (ہمارے درمیان)۔ یعنی ہمارے گروہ میں سے محمد ﷺ ہی وحی کے ساتھ کیوں مخصوص ہوں، اور ہمارے دوسرے بزرگ کیوں محروم رہیں؟

اُن کافروں نے یہ بات حسد کی راہ سے کہی تھی، یہ نہیں کہ انہیں اس بات کا اعتقاد ہو کہ قرآن شریف میں وحی الٰہی ہے۔۔۔

(بلکہ وہ شک میں ہیں میری نصیحت کی طرف سے) اور اس کو وحی الٰہی سمجھنے کے تعلق سے (بلکہ ابھی چکھا نہیں ہے میرا عذاب)۔ اور جب عذاب کا مزہ چکھیں گے، تو ان کا شک جاتا رہے گا

اور سب جان لیں گے، کہ جو کچھ ہمارے رسول نے وحی کے طریق پر ادا کیا سب حق تھا۔ یعنی جب ان پر عذاب نازل ہوگا تو سب تصدیق کا دم بھریں گے، اور اُس وقت تصدیق فائدہ نہ دے گی۔

أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾

کیا اُنہیں کے پاس ہیں خزانے تمہارے رب، عزت والے بڑی عطا والے کی رحمت کے●

(کیا انہیں کے پاس ہیں خزانے تمہارے رب، عزت والے بڑی عطا والے کی رحمت کے) جو مستحق ہی کو اپنی رحمت سے نوازتا ہے۔۔الختصر۔۔نبوت کی کنجیاں کافروں کے ہاتھ میں نہیں اور نہ ہی ان کے تصرف میں ہیں، کہ اپنے بعضے سرداران قریش کو نبوت دے دیں۔ بلکہ یہ ایک عطیہ ہے حق سبحانہ تعالیٰ کی درگاہ سے، کہ اپنے فضل وکرم سے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

أَمْ لَهُم مُّلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾

یا اُنہیں کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیز کی۔۔تو پھر چڑھ جائیں رسیوں کو لٹکا کر●

(یا) کافروں کی یہ سوچ کہ اُن کے بڑوں پر وحی کیوں نہیں کیا اس لیے ہے کہ **(انہیں کی ہے سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی چیز کی)**؟ اور اگر وہ اس ملک کے مالک ہیں، **(تو پھر)** چاہیے کہ وہ **(چڑھ جائیں رسیوں کو لٹکا کر)**۔۔الحاصل۔۔اگر کافروں کو ملک زمین وآسمان میں اختیار واقتدار ہے، تو چاہیے کہ اپنے ذرائع واسباب استعمال کر کے آسمان پر چڑھ جائیں اور عرش پر ٹھہریں، اور عالَم کے کاموں کی تدبیر میں مشغول ہو جائیں اور پھر جس سے چاہیں وحی پھیر لیں اور جس پر چاہیں وحی بھیجیں۔

یہ بات کافروں کی تحقیر وتذلیل کے لیے ہنسی کی راہ سے فرمائی جارہی ہے۔

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾

یہ ایک لشکر ہے یہاں شکست دیے ہوئے لشکروں سے●

(یہ ایک لشکر ہے یہاں شکست دیے ہوئے لشکروں سے) یعنی جس جگہ کفار کی یہ جماعتیں مل کر سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر زبانِ طعن دراز کر رہی ہیں، اُسی جگہ اُن کی لڑنے والی ایک قلیل اور حقیر جماعت شکست کھائے گی۔

اِس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا تھا کہ اگر بالفرض یہ آسمانوں اور زمینوں اور اُن کے درمیان کی سب چیزوں کے مالک ہیں، تو پھر یہ رسیاں باندھ کر آسمانوں پر چڑھ جائیں اور عرش پر قبضہ کر کے دُنیا کے نظم ونسق کو چلائیں، پھر جس کو چاہیں اپنی مرضی سے نبی بنائیں اور اس پر وحی نازل کریں۔ اب اس آیت میں یہ حقیقت بیان فرمائی ہے، کہ یہ لوگ آسمانوں اور زمینوں کے کیا مالک ہوں گے، یہ تو ایک کم تعداد کی حقیر جماعت ہے جو عنقریب اِسی جگہ شکست کھائے گی، جس جگہ یہ ہمارے نبی کی نبوت پر اعتراض کر رہی ہے۔ اور یہ لوگ مکہ میں آپ کی نبوت پر اعتراض کر رہے تھے، تو فتح مکہ کے دن معمولی سی مُڈبھیڑ کے بعد کفار کی تمام جماعتیں شکست کھا گئیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ۔۔۔

آپ کی نبوت پر اعتراض کرنے والی جماعت، سابقہ رسولوں کی نبوت پر اعتراض کرنے والی جماعتوں کی طرح ہے، سو آپ اُن کے اعتراضات کی پرواہ نہ کریں اور اُن کے طعن اور ملامت سے افسردہ اور غمگین نہ ہوں۔ سابقہ زمانوں میں کافروں کی وہ جماعتیں بھی شکست کھا چکی تھیں، سو کافروں کی یہ جماعت بھی ایک دن اسی جگہ آپ سے مقابلہ میں شکست کھا جائے گی۔۔۔

اور فتح مکہ کے دن اِسی طرح ہوا۔ اِس آیت میں یہ اشارا بھی ہے کہ

یہ کفار بھی عاجز ہیں اور ان کے خود ساختہ معبود بھی عاجز ہیں۔ ان کے پاس اپنے معبودوں کے حق ہونے پر کوئی دلیل نہیں اور نہ ان کے معبود اِن سے کسی ضرر کو دور کر سکتے ہیں اور نہ کسی نفع کو پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اہلِ مکہ نے پیغمبر اسلام کی نبوت کی جو تکذیب کی ہے یہ کوئی نئی بات نہیں، اس لیے کہ۔۔۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿۱۲﴾

جھٹلایا اِن سے پہلے قومِ نوح نے اور عاد، اور میخوں والے فرعون نے●

(جھٹلایا اِن سے پہلے) اپنے اپنے عہد کے پیغمبروں کو (قومِ نوح نے اور عاد) یعنی قومِ ھود نے (اور میخوں والے فرعون نے)۔

'میخوں والا' کہہ کر یہ بتانا ہے کہ اُس کا ملک ثابت و برقرار تھا۔ اُس ملک کو خیمہ سے تشبیہ دی کہ خیمہ رسیوں اور میخوں کے سبب سے مضبوطی پاتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ چارمیخ مراد ہے کہ مؤمنوں پر اُس کے ذریعہ سختی کرتا تھا۔

وَثَمُوْدُ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ لْــَٔيْكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الْاَحْزَابُ ﴿۱۳﴾ اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ

اور ثمود وقوم لوط اور جھاڑی والوں نے۔ یہ ہیں وہی لشکر• اُن سبھوں نے بس جھٹلا دیا

الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ وَمَا يَنْظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً

ع ۱۰/۱۴

رسولوں کو، تو بالکل درست ہوا میرا عذاب• اور نہیں انتظار کرتے یہ لوگ، مگر ایک چیخ کا،

مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾

کہ نہیں جس کے لیے کچھ بھی پھر جانا•

(اور) تکذیب کی (ثمود وقوم لوط اور جھاڑی والوں نے) اپنے اپنے پیغمبروں کی، یعنی قوم ثمود نے حضرت صالح علیہ السلام کی، اور قوم لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کی، اور جھاڑی والوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی۔(یہ) جن کا اوپر ذکر ہوا (ہیں وہی) تکذیب کرنے والے (لشکر)۔

(ان سبھوں نے بس جھٹلایا رسولوں کو تو بالکل درست ہوا میرا عذاب)، تو حق ہوا میرا عقاب اُن پر اور نازل ہوا میرا عذاب اُن پر۔ تو کفارِ قریش کا یہ شکست خوردہ گروہ بھی انہیں میں سے ہوگا۔ اُن کی دیدہ دلیری (اور) جاہلانہ بے باکی کا عالم یہ ہے، کہ (نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر ایک چیخ کا)۔ یعنی وہ لوگ ایک سخت آواز کے منتظر ہیں کہ وہ پہلا نفخہ ہے اور اُسی کے ساتھ مرجائیں گے۔ ایسی آواز (کہ نہیں جس کے لیے کچھ بھی پھر جانا)، یعنی کوئی اُس کو رد نہ کر سکے گا۔

وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۱۶﴾

اور بولے کہ "پروردگارا! جلدی دے دے ہمیں ہمارا حصہ، حساب کے دن سے پہلے"•

(اور بولے) معاندانِ قریش، جیسے نضر بن حارث اور اُس کے علاوہ دوسرے کفار، (پروردگارا! جلدی دے دے ہمیں ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے)۔ یعنی جلدی دے ہمارا حصہ اُس عذاب میں سے، جس سے ہم کو محمد ﷺ دھمکاتے ہیں۔۔۔یا۔۔۔جلد دے ہم کو ہمارا نامۂ اعمال، کہ ہم اُس میں دیکھیں۔

روزِ حساب سے پہلے ہی یہ جلدی کا مطالبہ وہ بطورِ تمسخر کرتے تھے۔ اُس سے آنحضرت ﷺ کے دلِ مبارک کو رنج ہوتا تھا تو حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ اَے محبوب!۔۔۔

اِصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوٗدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

صبر کرو اِس پر، جو وہ بکتے ہیں اور یاد کرو ہمارے زوردار بندے داؤد کو، بے شک وہ بڑے رجوع کرنے والے ہیں•

(صبر کرو اِس پر جو وہ بکتے ہیں)۔

یہ حکم 'آیتِ سیف' سے منسوخ ہے۔

(اور یاد کرو ہمارے زوردار بندے داؤد کو) جو قوت، لڑائی اور ملک داری میں تو زوردار تھے ہی، ساتھ ہی ساتھ عبادت میں بھی بہت توانا اور مضبوط تھے۔

۔۔چنانچہ۔۔آدھی رات فقط عبادت میں بسر کرتے تھے اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن نہیں، اور یہ بہت بڑی مشقت کی بات ہے روزانہ بلاناغہ روزہ رکھنے سے۔ اس لیے کہ جو مسلسل روزہ رکھتے ہیں، تو وہ اُن کی عادت ہوجاتا ہے اور جب اُس کے وہ عادی ہوجاتے ہیں، تو اُس عمل کے انجام دینے میں انہیں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔

(بے شک وہ بڑے رجوع کرنے والے ہیں) ہماری طرف، یعنی ہمیشہ ہماری ہی طرف لَو لگائے رکھنے والے تھے۔ وہ اپنی تمام حاجات میں، تمام مہمات میں، اور تمام کاموں میں اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔

کفارِ مکہ کے اِنکار اور اُن کی معاندانہ باتوں کے سننے سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جو رنج پہنچا تھا، اُس کے ازالہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ یاد دلایا اور گویا کہ یوں فرمایا۔۔۔

کہ اگر یہ کفار آپ کا اِنکار کررہے ہیں، تو آپ کو کیا کمی ہے، اکابر انبیاء علیہم السلام آپ کی موافقت کرتے ہیں۔۔نیز۔۔آپ اِس پر غور کریں کہ مخالفین آپ کو یتیم اور فقیر کہتے ہیں، تو مال و دولت کی کثرت کسی کو غم سے نجات نہیں دیتی۔ حضرت داؤد علیہ السلام عظیم الشان سلطنت کے مالک تھے، اُس کے باوجود وہ رنج اور غم سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ جبکہ اُن کی شان یہ تھی، کہ۔۔۔

اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِشْرَاقِ ﴿۱۸﴾

بے شک ہم نے قابو میں کردیا پہاڑوں کو، اُن کے ساتھ تسبیح کرتے، شام کو اور سورج نکلتے وقت•

(بے شک ہم نے قابو میں کردیا پہاڑوں کو)۔ جہاں داؤد علیہ السلام چاہتے پہاڑ وہاں چلے جاتے، اور (اُن کے ساتھ تسبیح کرتے، شام کو اور سورج نکلتے وقت)۔

"صاحبِ کشف الاسرار" نے فرمایا ہے کہ پہاڑوں اور پتھروں کی تسبیح اگرچہ عاقلوں پر پوشیدہ ہے، مگر خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اور کنکریوں کی تسبیح حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے ہاتھ میں خدا کی قدرت پر ایک گواہ ہے۔ اولیاءاللہ میں سے ایک ولی نے ایک پتھر کو دیکھا کہ مینھ کی بوندوں کی طرح پانی اُس میں سے ٹپکتا ہے۔ ایک ساعت وہاں توقف کر کے غور سے اُس کو دیکھا، تو پتھر اُس ولی سے باتیں کرنے لگا، کہ اَے اللہ کے ولی! کئی برس ہوئے کہ اللہ نے مجھے پیدا کیا اور اُس کی سیاست کے خوف سے میں حسرت کے آنسو بہاتا ہوں۔

اُس خدا کے ولی نے مناجات کی کہ اِس پتھر کو بے خوف کر دے۔ اُن کی دُعا قبول ہوئی اور امان کی خوشخبری اُس پتھر کو پہنچی۔ پھر ایک مدت کے بعد وہ ولی اُس مقام پر پہنچے اور پھر اُس پتھر کو دیکھا، کہ پہلی بار سے زیادہ آنسو بہاتا ہے۔ پوچھا کہ اَے پتھر! جبکہ تُو بے خوف ہو چکا، تو اب یہ رونا کس لیے ہے؟ اُس نے کہا پہلے مجھ سے جو قطرے ٹپکتے تھے، خوفِ عذاب کے سبب سے تھے، اور اب جو میں روتا ہوں تو یہ رونا امن کی خوشی سے ہے۔ ہمیں اُس درگاہ میں رونے کے سوا کچھ کام نہیں۔

حضرت داوُد علیہ السلام پر مزید انعامات کے تعلق سے حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾

اور پرندا کٹھا ہو کر۔ سب اُن کے فرمانبردار تھے●

(اور) مسخر کر دیا ہم نے داوُد کا (پرند) وں کو جو (اکٹھا ہو کر) اُن کے پاس رہتے اور صف بستہ ہو کر اُن کے سر پر سایہ کرتے، کیونکہ (سب اُن کے فرمانبردار تھے) اور اُن کے مطیع تھے۔۔یا۔۔ پھیرنے والے اپنی آوازیں اُن کے ساتھ تسبیح کر کے۔ یعنی تسبیح کرنے میں اُن کی آواز میں اپنی آواز ملا کر اُن کی پیروی کرتے تھے۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾

اور مضبوط کر دیا ہم نے اُن کی حکومت کو، اور دیا ہم نے اُنہیں حکمت اور ہر بات کا فیصلہ●

(اور مضبوط کر دیا ہم نے اُن کی حکومت کو) مظلوموں کی دُعا کے سبب سے۔۔یا۔۔ نصیحت

کرنے والے وزیروں کے باعث سے۔۔یا۔۔رعیت پر سے ظالموں کا ہاتھ کوتاہ کرنے سے۔۔یا۔۔ دشمنوں کے دِلوں میں اُن کا رعب ڈال کر۔۔یا۔۔زرہ اور لڑائی کے ہتھیار بنانے سے۔۔یا۔۔لشکر کی کثرت کے باعث۔۔یا۔۔پاسبانوں کی کثرت کے سبب سے، اس واسطے کہ ہر شب چھتیس[۳۶] ہزار مرد اُن کے گھر کی نگہبانی رکھتے تھے۔

امام ابواللیث نے فرمایا، کہ بادشاہی کا استحکام اِس سبب سے تھا کہ حق تعالیٰ نے آسمان سے ایک زنجیر لٹکائی اور زنجیر حضرت داوٗد کے محکمہ پر ٹھہری۔ متخاصمین میں سے جو کوئی حق پر ہوتا، اُسی کا ہاتھ زنجیر تک پہنچتا اور فریقِ ثانی کا ہاتھ نہ پہنچتا۔

(اور دیا ہم نے انہیں حکمت) یعنی تمام علم اور کمالِ عمل **(اور ہر بات کا فیصلہ)**، یعنی پاکیزہ بات، کہ مخاطب اپنا مقصود بے شبہے کے دریافت کرلیتا۔۔یا۔۔بات اوسط درجے کے مطلب کو گھیرے ہوئے، اور فضول ذرا بھی نہیں۔ تقریر نہ بہت دراز اور نہ مختصر۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے **فَصْلَ الْخِطَابِ** کی یہ تفسیر کی ہے، کہ "اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ" اور حقیقت میں کتنے ہی متخاصم ہوں سب کا کلام اِس حکم سے منقطع ہوجاتا ہے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ حضرت داوٗد علیہ السلام کے قصے میں، اور 'اوریا' کی عورت کے ساتھ اُن کے نکاح کرنے میں بہت اختلاف ہے۔ اِس واقعہ کے تعلق سے سب سے زیادہ صحیح اور بے غبار بات یہی نظر آتی ہے، کہ 'اوریا' نے ایک عورت کے ساتھ اپنے نکاح کا پیام دیا، اور قریب تھا کہ اُس کا نکاح اُس عورت کے ساتھ ہوجائے۔ عورت کے ولیوں کو اُس کے ساتھ کچھ خرخشہ اور جھگڑا پڑا تھا۔ انہوں نے اُس عورت کو اوریا کے ساتھ نکاح نہ کرنے دیا۔

اُس کے بعد حضرت داوٗد علیہ السلام نے اپنے ساتھ نکاح کا پیام دیا، اور حضرت داوٗد کی ننانوے[۹۹] بیبیاں تھیں۔ آپ نے اُس کی بھی خواہش کی۔ "جنکا رتبہ ہے سوا اُن کو سوا مشکل ہے" کے اصول کے پیشِ نظر یہ بات آپ کی شایانِ شان نہ تھی، اس لیے آپ کو عتابِ الٰہی سے سامنا کرنا پڑا۔ یہ عتاب صرف اِس وجہ سے ہوا کہ اوریا کے پیام دینے کے بعد آپ علیہ السلام کو پیام نہ دینا چاہیے تھا۔ یہ چیز آپ کے منصب و مقام کے زیادہ مناسب تھی۔ قرآنِ کریم میں اُن کا حال اِس طرح پر ہے۔۔۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾

اور کیا آئی تمہارے پاس خبر اُن جھگڑنے والوں کی ۔۔۔ جب کہ وہ لوگ دیوار پھاند کر آئے مسجد میں ●

(اور) اُس کو یوں بیان فرمایا گیا ہے، کہ اَے محبوب! (کیا آئی تمہارے پاس خبر اُن جھگڑنے والوں کی) جو بظاہر ایک دوسرے کے فریق کی شکل میں تھے۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ حضرت جبرائیل اور میکائیل علیہما السلام جن میں ہر ایک کے پاس فرشتوں کا گروہ تھا، فریقین کی صورت میں حضرت داوٗد علیہ السلام کے پاس آئے۔ حضرت داوٗد نے دن تقسیم کردیے تھے، ایک دن عبادت کرتے، ایک دن فیصلہ۔ ایک دن وعظ کہتے، ایک دن اپنے خاص کاموں میں مشغول ہوتے۔ عبادت کے دن بالا خانے پر جاتے اور پاسبان اُن کے اردگرد کھڑے ہوکر لوگوں کو اوپر جانے سے منع کرتے۔ اُس دن فرشتے آدمی کی صورت میں غیر معروف راستے سے حضرت داوٗد کے گھر میں آئے اور ان کے عبادت خانے پر چڑھ گئے، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

(جبکہ وہ لوگ دیوار پھاند کر آئے مسجد میں) اور عبادت خانہ کے اندر آکر۔۔۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا

جب وہ لوگ داخل ہوئے داوٗد پر، تو وہ گھبرا گئے اُن لوگوں سے، وہ سب بولے کہ "ڈریے نہیں، دو فریق ہیں کہ زیادتی کی ایک نے

عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾

دوسرے پر، تو فیصلہ کردیجیے ہمارے درمیان بالکل ٹھیک اور جبر و جنبہ داری نہ کیجیے، اور بتا دیجیے ہمیں سیدھی راہ ●

(جب وہ لوگ داخل ہوئے داوٗد پر)، یعنی آپ کے سامنے آئے اور آپ علیہ السلام نے انہیں دیکھا، (تو وہ گھبرا گئے اُن لوگوں سے)، اس واسطے کہ وہ بے اجازت اوپر چلے گئے تھے۔ (وہ سب بولے کہ ڈریے نہیں)۔ ہم (دو فریق) جیسے (ہیں، کہ زیادتی کی) جس میں سے (ایک نے دوسرے پر، تو فیصلہ کردیجیے ہمارے درمیان بالکل ٹھیک) حق حق، (اور جبر و جنبہ داری نہ کیجیے)۔ یعنی حکم میں کسی پر کوئی زیادتی نہ ہو۔ (اور بتا دیجیے ہمیں سیدھی راہ)، یعنی عدل و درستی کی راہ۔ داوٗد علیہ السلام نے کہا کہ جھگڑا بیان کرو۔ ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کرکے داوٗد علیہ السلام سے کہا۔۔۔

اِنَّ هٰذَاۤ اَخِیْ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِیَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ۫

بلاشبہ یہ میرا بھائی ہے۔۔۔ اُس کی ننانوے دنبیاں ہیں، اور میری ایک دنبی ہے۔۔

فَقَالَ اَكْفِلْنِیْهَا وَ عَزَّنِیْ فِی الْخِطَابِ۝۲۳

تو یہ بولا کہ میرے سپرد کر دے اُس کو بھی اور دبا ڈالا مجھ پر بات چیت میں"●

(بلاشبہ) دین ومحبت کی راہ سے، (یہ میرا بھائی ہے۔۔۔ اُس کے پاس ننانوے دنبیاں) یعنی بھیڑیں (ہیں، اور میری ایک دنبی ہے۔۔تو یہ بولا، کہ میرے سپرد کردے اُس کو بھی، اور دبا ڈالا مجھ پر بات چیت میں)، اور مجھے اُس امر میں عذر کرنے کی بھی مہلت نہ دی۔ حضرت داؤد نے۔۔۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ

جواب دیا کہ "بے شک اِس نے ظلم کیا تم پر مانگ کر تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں۔اور بے شک بہتیرے ساجھے والے

لَیَبْغِیْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِیْلٌ

زیادتی کرتے رہتے ہیں ایک دوسرے پر، مگر جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، اور وہ بہت کم ہیں۔"

مَّا هُمْ ؕ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ۝۲۴ (السجدۃ ۱۰)

اور سمجھ گئے داؤد کہ "یہ ہم نے اُنہیں کو آزمایا تھا،" تو مغفرت چاہی اپنے رب کی اور گرے رکوع کرتے ہوئے اور رجوع کرلیا●

(جواب دیا کہ) اگر یہ کیفیت واقعی ہے، تو (بے شک اُس نے ظلم کیا تم پر مانگ کر تیری دنبی کو اپنی دنبیوں میں۔اور بے شک بہتیرے ساجھے والے زیادتی کرتے رہتے ہیں ایک دوسرے پر)، اور اپنے حق سے زیادہ مانگتے ہیں۔ (مگر) وہ (جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، اور وہ بہت کم ہیں)۔ شریکوں میں عام طور پر تو ہر ایک اپنا ہی فائدہ چاہتا ہے۔

حضرت داؤد کا یہ فیصلہ چونکہ دونوں فریقوں کے سامنے ہوا، اور فریق ثانی نے خاموش رہ کر اُس فیصلے کو قبول کرلیا، تو اب اِس بات کی ضرورت نہ رہ گئی کہ حضرت داؤد فریق ثانی کو بھی گفتگو کا موقع دیتے، اور اُن کی بات سماعت فرما کر فیصلہ دیتے۔ جب حضرت داؤد نے اپنا فیصلہ سنا دیا، تو آنے والے سب اٹھ کھڑے ہوئے اور نظر سے غائب ہوگئے۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام سوچ میں پڑ گئے۔۔۔

(اور سمجھ گئے داؤد کہ یہ ہم نے اُنہیں کو آزمایا تھا) اُس فیصلہ میں تا کہ وہ متنبہ ہو جائیں۔(

مغفرت چاہی اپنے رب کی اور گرے رکوع کرتے ہوئے اور رجوع کرلیا)۔

یہاں سجدہ کی تعبیر رکوع سے کی ہے، اس لیے کہ سجدہ کا آغاز رکوع ہی سے ہوتا ہے، اور سجدہ کرنے والا رکوع سے ہوتا ہوا سجدے میں جاتا ہے۔ اور سجدۂ تلاوت رکوع کر لینے سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔ امام اعظم کے نزدیک یہ سجدۂ عزیمت ہے، اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت پڑھ کر سجدہ کرنا چاہیے نماز اور غیر نماز میں۔ اور امام شافعی کے نزدیک عزیمتوں میں سے نہیں ہے، اور امام احمد ابن حنبل سے اس سجدہ میں دو روایتیں ہیں۔ اور امام اعظم کے قول کے مطابق یہ دسواں سجدہ ہے۔ فتوحاتِ مکیہ میں اِسے 'سجدۂ انابت' کہا ہے، اور فرمایا ہے کہ یہ سجدہ شکر کا بھی کہا جاتا ہے، اِس واسطے کہ داوٗد علیہ السلام نے خدا کی جناب میں یہ شکر کا سجدہ کیا۔۔۔

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۭ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۵﴾

تو ہم نے درگزر کر دیا یہ اُن سے۔ اور بے شک اُن کے لیے ہمارے پاس یقیناً قرب ہے، اور اچھا انجام●

(تو ہم نے درگزر کر دیا یہ اُن سے)، یعنی بخش دی ہم نے داوٗد علیہ السلام کو وہ چیز جن کی بخشش اُس نے اُس روز چاہی تھی۔۔۔ المختصر۔۔۔ ہم نے اُن کی اِس بات کو معاف کر دیا جس کی انہوں نے معافی چاہی تھی۔ (اور) صرف یہی نہیں، بلکہ (بے شک اُن کے لیے ہمارے پاس یقیناً قرب ہے) مغفرت کے بعد، (اور اچھا انجام) ہے جنت میں۔ اور کہا ہم نے اُن سے۔۔۔

يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا

"اُے داوٗد! ہم نے بنایا تمہیں نائب زمین میں، تو حکم دیا کرو لوگوں میں بالکل ٹھیک، اور نہ

تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَضِلُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

پیروی کرو خواہش کی، کہ بے راہ کر سکے تمہیں اللہ کی راہ سے۔" بے شک جو بے راہ ہو جائیں اللہ کی راہ سے،

لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا نَسُوْا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾ ع ۱۲

انہیں کے لیے سخت عذاب ہے، جو بھول گئے تھے حساب کا دن●

(اُے داوٗد! ہم نے بنایا تمہیں نائب زمین میں) یعنی خلافت کا رتبہ ہم نے تجھ کو عطا کیا۔۔۔ یا ۔۔۔ جو انبیاء تجھ سے قبل تھے اُن کا خلیفہ ہم نے تجھ کو کیا، (تو حکم دیا کرو لوگوں میں بالکل ٹھیک) اور برحق۔

(اور نہ پیروی کرو خواہش کی) اور اُس کی آرزوؤں کی، (کہ بے راہ کرسکے تمہیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے۔ بے شک جو بے راہ ہوجائیں اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے)، یعنی اُن دلیلوں سے جو خدا نے راہِ حق پر نصب کی ہیں، (انہیں کے لیے سخت عذاب ہے) بہ سبب اُس کے (جو بھول گئے تھے حساب کا دن) اور اُس دن کے واسطے کچھ وقت اُنہوں نے نہیں صَرف کیا۔

اس ارشاد ہی سے سمجھ لینا چاہیے کہ بادشاہی سخت کام ہے اور شہریاری کیا بھاری بوجھ ہے، کہ حضرت داوٗد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام باوصف کمال درجہ نبوت اور جلال مرتبہ رسالت کے، ایسے حکم سے مامور اور ایسے خطاب کے ساتھ مخاطب ہوئے، کہ **فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ** یعنی لوگوں میں حکم کر عدل وانصاف کے ساتھ اور قدم راہِ حق پر رکھ طریق باطل پر نہیں اور اپنے نفس کی خواہش کی پیروی اختیار نہ کر، کہ تجھے ہماری مرضیوں کی راہ سے گمراہ کردے۔ اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام اور تمام افعال مبنی بر حکمت ہوتے ہیں۔۔ چنانچہ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان وزمین اور اُن کے درمیان کی چیز کو بیکار، یہ گمان ہے اُن کا جنہوں نے کفر کیا۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

تو ہلاکی ہے اُن کے لیے جنہوں نے کفر کیا، آگ سے●

(اور) آگاہ کرتا ہے کہ (نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمان وزمین اور اُن کے درمیان کی چیز کو بیکار)۔ بلکہ اِس واسطے کہ اِس سے دلیل پکڑیں ہماری قدرتِ کامل اور حکمتِ شامل پر۔ اور یہ بات کہ چیزوں کا پیدا کرنا بے کسی حکمت کے ہوتا ہے، (یہ گمان ہے ان کا جنہوں نے کفر کیا) اور خلقت کے بھید تک نہیں پہنچے۔ (تو ہلاکی ہے اُن کے لیے جنہوں نے کفر کیا) اور دینِ حق قبول نہ کیا۔ اور ایسا گمان رکھا، تو انہیں ہلاک کردیا جائے گا (آگ سے) یعنی آتشِ دوزخ سے۔

کفارِ قریش نے مومنوں سے کہا، کہ ہم کو آخرت میں تمہارے برابر یا تم سے زیادہ عطیہ دیں گے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِي الْاَرْضِ

کیا ہم قرار دیں اُنہیں، جو ایمان لائے اور لیاقت مندیاں کیں، اُن کی طرح، جو فساد مچانے والے ہیں زمین میں،

اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِیْنَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

یا قرار دیں ڈر جانے والوں کو بدکاروں کی طرح●

(کیا ہم قرار دیں انہیں، جو ایمان لائے اور لیاقت مندیاں کیں اُن کی طرح، جو فساد مچانے والے ہیں زمین میں، یا قرار دیں ڈر جانے والوں کو) یعنی پرہیزگاروں کو (بدکاروں کی طرح)۔۔ الحاصل۔۔ہم ایسا کرنے والے نہیں، کہ کافروں کے ساتھ مؤمنوں والا سلوک کریں، اور بدکاروں کو نکوکاروں کا درجہ دے دیں۔قرآنِ کریم پر ایمان لانے والا اُس کی طرح کیسے ہوسکتا ہے، جو اس کتابِ حق نما پر ایمان نہیں لاتے اور اُسے کلام الٰہی تسلیم نہیں کرتے۔جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ۔۔۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾

یہ کتاب ہے اتارا ہم نے اس کو تمہاری طرف برکت سے بھری، تا کہ سوچیں، اس کی آیتوں کو اور نصیحت پائیں عقل والے●

(یہ کتاب ہے اُتارا ہم نے اِس کو تمہاری طرف برکت سے بھری، تا کہ سوچیں اِس کی آیتوں کو) اور اِس کے معانی و حقائق میں فکر کریں (اور نصیحت پائیں عقل والے)، اور اِن نصیحتوں پر عمل کریں۔

اب تک حضرت داوٗد علیہ السلام کا ذکر تھا اور اب اُن کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر شروع فرمایا جارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے۔۔۔

وَ وَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَیْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۳۰﴾

اور بخشا ہم نے داوٗد کو سلیمان۔کیسا اچھا بندہ، بے شک وہ بڑے فرمانبردار ہیں●

(اور بخشا ہم نے داوٗد کو سلیمان۔کیسا اچھا بندہ، بے شک وہ بڑے فرمانبردار ہیں) اور ہر حال میں خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے دمشق اور نصیبین کے کافروں سے قتال کیا اور ہزار گھوڑے اُن سے لیے۔اور بعضے کہتے ہیں کہ حضرت داوٗد نے عمالقہ سے قتال کیا تھا اور ہزار گھوڑے لیے تھے، وہ حضرت سلیمان کو میراث پہنچے۔'معالم' میں ہے کہ دریائی گھوڑے تھے، اور وہ پَر رکھتے تھے۔دیو دریا میں سے حضرت سلیمان کے واسطے لائے تھے۔

گھوڑوں کو پالنا اور اُن کو اصطبل میں رکھنا اُن کے دین میں اس طرح پسندیدہ تھا، جس

طرح ہمارے دین میں گھوڑوں کو جہاد کے لیے رکھنا پسندیدہ ہے۔ پھر حضرت سلیمان علیہ السلام جب جہاد کے لیے جانے لگے، تو وہ ایک مجلس میں بیٹھے اور گھوڑوں کو حاضر کرنے کا حکم دیا، اور گھوڑوں کو مشق کرانے کے لیے اُن کو دوڑانے کا حکم دیا، اور یہ فرمایا کہ میں دُنیا کی وجہ سے ان گھوڑوں سے محبت نہیں کرتا، بلکہ میں اللہ کے ذکر کی اشاعت اور اُس کے دین کی سربلندی کے لیے گھوڑوں سے محبت کرتا ہوں، کیونکہ جہاد میں اِن پر سواری کی جاتی ہے۔

پھر آپ نے جب گھوڑوں کو دوڑانے کا حکم دیا اور وہ آپ کی نظروں سے اوجھل ہوگئے، تو آپ نے اُن کو حکم دیا جو گھوڑوں کو مشق کرا رہے تھے کہ وہ گھوڑوں کو واپس لائیں۔ اور جب وہ گھوڑے واپس آگئے، تو آپ شفقت سے اُن گھوڑوں کی پنڈلیوں اور اُن کی گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے، اور اُن پر ہاتھ پھیرنے سے حسبِ ذیل امور مطلوب تھے:

﴿۱﴾۔۔گھوڑوں کی تکریم کرنا اور اُن کی قدر و منزلت واضح کرنا، کیونکہ دشمنانِ اسلام سے جنگ کرنے میں گھوڑوں کا بہت بڑا حصہ ہے۔

﴿۲﴾۔۔حضرت سلیمان علیہ السلام یہ بتانا چاہتے تھے کہ ملک کا نظم و نسق چلانے میں وہ بعضے کاموں کو خود اپنے ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔

﴿۳﴾۔۔حضرت سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کے احوال، اُن کی بیماریوں اور اُن کے عیوب کو دوسروں کی بہ نسبت خود سب سے زیادہ جانتے تھے، اس لیے وہ اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیر کر یہ جانچ رہے تھے، کہ اُن میں کوئی عیب یا مرض تو نہیں ہے۔

۔۔قصہ مختصر۔۔اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

اِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصّٰفِنٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾

جب پیش کیے گئے ان پر سہ پہر کو گھوڑے، ایک سُم پر کھڑے ہونے والے تیز رفتار●

(جب پیش کیے گئے اُن پر سہ پہر کو گھوڑے، ایک سم پر کھڑے ہونے والے) یعنی تین پاؤں اور چوتھے پاؤں کے سم کے کنارے پر کھڑے ہونے والے۔

اِس طرح کھڑے ہونا گھوڑے میں پسندیدہ صفت ہے۔۔مزید برآں۔۔

(تیز رفتار)۔یعنی یہ گھوڑے تیز رفتار تھے۔

فَقَالَ اِنِّیْۤ اَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَیْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّیْ ۚ حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾

تو بولے کہ "مجھے اِن اچھے گھوڑوں کی محبت پیاری لگی، اپنے پروردگار کی یاد دلانے کی وجہ سے،" یہاں تک کہ چل کر آنکھوں کے پردے سے چھپ گئے ۔۔●۔۔

(تو) حضرت سلیمان (بولے کہ مجھے ان اچھے گھوڑوں کی محبت پیاری لگی، اپنے پروردگار کی یاد دلانے کی وجہ سے)۔ کیونکہ یہ گھوڑے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی اشاعت اور دین کی سربلندی کے لیے بنیادی کام کرتے ہیں۔اُن کو دیکھ کر جہاد، اعلاءِ کلمۃ الحق، اور خدا کے دین کی اشاعت کی یاد آتی ہے۔ اور پھر اس طرح یہ رب کو یاد کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔۔ الختصر۔۔ حکمِ سلیمانی پر گھوڑے مشق کرانے کے لیے دوڑائے گئے، (یہاں تک کہ چل کر آنکھوں کے پردہ سے چھپ گئے) یعنی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔

رُدُّوْهَا عَلَیَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوْقِ وَ الْاَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

"تو لوٹالاؤ اب اُنہیں مجھ پر۔" تو ہاتھ پھیرنے لگے پنڈلیوں اور گردنوں پر●

(تو) حضرت سلیمان نے مشق کرانے والوں کو حکم دیا، کہ (لوٹالاؤ اب انہیں مجھ پر)۔ جب وہ لوٹالائے، (تو) آپ ازراہِ شفقت (ہاتھ پھیرنے لگے) اُن کی (پنڈلیوں اور گردنوں پر) اوپر ذکر کردہ وجوہ کی بنا پر۔

وَ لَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ وَ اَلْقَیْنَا عَلٰى كُرْسِیِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ﴿۳۴﴾

اور بے شک آزمایا ہم نے سلیمان کو، اور ڈال دیا اُن کے تخت پر جسم بے جان، پھر اُنہوں نے رجوع کیا●

(اور بے شک آزمایا ہم نے سلیمان کو)۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کس وجہ سے آزمائش میں مبتلا کیا؟ اور وہ کیا آزمائش تھی؟ اور حضرت سلیمان کو کس طرح اُس آزمائش سے نجات ملی؟ قرآنِ مجید میں اُس کا ذکر نہیں۔قرآنِ مجید میں صرف حضرت سلیمان کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اُن کے استغفار کرنے کا ذکر ہے۔ اِسی طرح احادیث میں بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ ذکر نہیں، کہ فلاں تقصیر کی وجہ سے حضرت سلیمان کو کسی آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔ اور نہ یہ بیان ہے کہ وہ تقصیر کیا تھی۔

البتہ بعض احادیثِ صحیحہ میں صرف اتنا مذکور ہے، کہ ایک بار حضرت سلیمان نے کہا تھا

کہ آج رات میں اپنی تمام ازواج کے پاس جاؤں گا اور ہر زوجہ سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والا بیٹا پیدا ہوگا، لیکن وہ انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔ تو صرف ایک ناتمام اور اَدھورا بچہ پیدا ہوا۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس واقعہ کا کسی بڑی آزمائش اور ابتلاء سے کوئی تعلق نہیں، جو اِس آیت کی تفسیر بن سکے۔

پس جب اللہ اور اُس کے رسول نے اُس آزمائش کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا، تو ہمیں بھی اُس کی تفتیش کے درپے نہیں ہونا چاہیے۔ ایک روایت ہے کہ حضرت سلیمان بیمار ہوئے اور اِس قدر کہ کمالِ ضعف کی وجہ سے اُن کا جسم بے روح معلوم ہوتا تھا، مگر اُن کو تخت پر بٹھاتے تھے، تا کہ امورِ سلطنت میں خلل نہ پڑے۔ پھر صحت کی طرف واپس آگئے، یعنی اچھے ہو گئے۔ ضعف ونقاہت کے دَور میں بھی انہیں تخت نشیں رکھا۔۔۔

(اور) یہ ایسا ہی محسوس ہوا کہ گویا (ڈال دیا اُن کے تخت پر جسم بے جان) کو۔ اچھی طرح صحت یاب ہونے کے بعد (پھر انہوں نے رجوع کیا) اور مغفرت چاہی اُس خلافِ اولیٰ سے جس کا علم خدا تعالیٰ ہی کو ہے۔ اور اُس پر جو آزمائش فرمائی گئی اللہ تعالیٰ ہی اُس سے باخبر ہے۔۔ الحاصل۔۔ حضرت سلیمان پھرے خدا کی طرف اور اہلِ عالم پر ظاہر ہوگیا کہ "جنکا رتبہ ہے سوا اُن کو سوا مشکل ہے" ۔۔ الختصر۔۔ حضرت سلیمان نے۔۔۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِيٓ

دُعا کی "پروردگارا! بخش دے مجھے، اور دے ڈال مجھ کو ایسی حکومت کہ مناسب نہ ہو کسی کے لیے میرے بعد۔

إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

بے شک تُو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے"●

(دُعا کی پروردگارا! بخش دے مجھے) اُس چیز میں جو مجھ سے صادر ہوئی، (اور دے ڈال مجھ کو ایسی حکومت کہ مناسب نہ ہو کسی کے لیے میرے بعد)۔ تا کہ ایسی بادشاہی میرا ہی معجزہ ہو۔۔ یا۔۔ کوئی مجھ سے نہ لے سکے۔۔ یا یہ کہ۔۔ مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما، کہ کوئی دوسرا اُس کے طلب کی ہوس نہ کرے، اور بَلا اور فتنہ میں نہ پڑے، اس واسطے کہ بے قوتِ نبوت اتنی بڑی سلطنت میں فتنہ سے کوئی بے خوف نہیں ہوسکتا۔ (بے شک تُو ہی بڑا عطا فرمانے والا ہے) جو کچھ جس کسی کو تُو چاہے عطا فرمائے۔

امام قشیری نے فرمایا کہ حضرت سلیمان نے الہام الٰہی سے یہ بات جان لی تھی، کہ نبی

آخر الزماں محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو سلطنتِ دُنیا کی طرف التفات نہ ہوگا، اس جہت سے اُس دُعا کی جرأت کی، کہ اُن کی ہمتِ عالی کے سامنے دُنیا و مافیہا بے اصل و بے حقیقت وحقیر تر ہے، یہاں تک کہ مچھر کے پر کے برابر بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ 'فتوحات' میں ہے کہ حضرت سلیمان کا مطلب اور مقصود اُس دُعا میں یہ تھا، یاالٰہی! مجھے ایسی سلطنت عطا فرما کہ بالفعل اُس کا ظہور کسی کے لائق نہ ہو، اِس واسطے کہ بالقوہ حضرت سلطان الانبیاء کو وہ سلطنت حاصل تھی۔

صحیحین میں وارد ہے، کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ ناگاہ جن میں کا ایک عفریت میرے پاس آیا، تاکہ نماز مجھ پر قطع کردے۔ حق تعالیٰ نے مجھے قوت عطا فرمائی اور یہ بات ممکن کردی کہ میں نے اُس کو گرفتار کیا، اور چاہا کہ مسجد کے ستونوں میں سے کسی ستون میں اُسے باندھ دوں، کہ تم اُسے دیکھو۔ پھر مجھے سلیمان علیہ السلام کی دُعا یاد آئی، تو اس کو میں نے رہا کردیا اور وہ بے بہرہ اور نامید پھرا۔ القصہ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام نے یہ دُعا کی۔۔۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿٣٦﴾ وَالشَّيَاطِينَ

تو قابو میں کردیا ہم نے اُن کے ہوا کو، چلتی اُن کے حکم سے آہستہ آہستہ جہاں پہنچنا چاہتے ● اور دیوؤں کو،

كُلَّ بَنَّاءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿٣٧﴾

سارے معماروں اور غوطہ خوروں کو ●

(تو قابو میں کردیا ہم نے اُن کے ہوا کو) کہ اُن کی فرمانبرداری کرے۔ چنانچہ۔ وہ (چلتی اُن کے حکم سے آہستہ آہستہ جہاں پہنچنا چاہتے ● اور) مسخر کردیا ہم نے سلیمان کے لیے (دیوؤں کو)، یعنی اُن کے (سارے معماروں اور غوطہ خوروں کو)، تاکہ معماران کے واسطے عمارتیں بنائیں اور غوطہ خوران کے واسطے دریا سے جواہر نکالیں۔

وَآخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٣٨﴾

اور دوسرے بھی جکڑے ہوئے زنجیروں میں ●

(اور) اُن کے سوا (دوسرے بھی) جن (جکڑے ہوئے زنجیروں میں)۔ تو جو کاریگر تھے وہ

حضرت سلیمان کے واسطے کام کرتے، اور جو سرکش اور متمرد تھے وہ قید کردیے جاتے، تاکہ کسی کو ضرر نہ پہنچائیں۔ پھر ہم نے سلیمان سے کہا کہ۔۔۔

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝٣٩

یہ ہے ہمارا دینا، تو احسان کرو یا روک رکھو، کوئی حساب نہیں●

(یہ ہے ہمارا دینا)، یعنی ایسی بادشاہی جو ہم نے تم کو دی ہے ہماری عطا ہے۔ (تو) تمہیں پورا اختیار ہے کہ (احسان کرو)، یعنی دوسروں کو بھی اِس عطیہ میں سے محظوظ کرو، (یا روک رکھو) اپنی عطا جس سے چاہو، (کوئی حساب نہیں)۔ یعنی اِس عطا میں تصرف کرنا تمہارے چاہنے پر موقوف ہے، اور اِس کا حساب تم سے نہ ہوگا۔

وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝٤٠ ع ۱۲

اور بے شک اُن کے لیے ہمارے یہاں یقیناً قرب ہے اور اچھا انجام●

(اور بے شک اُن کے لیے) یعنی حضرت سلیمان کے لیے، (ہمارے یہاں یقیناً قرب ہے)، اُن کی طاعت قبول ہونے کے سبب سے ۔۔یا۔۔ آخرت میں حضرت سلیمان بارگاہِ صمدیت کے مقربوں میں سے ہوں گے، باوصف اِس کے کہ دُنیا میں سب سے بڑی سلطنت انہیں حاصل تھی۔ (اور) اُن کے لیے ہے (اچھا انجام)۔ جنت میں اُن کے لیے درجات ہیں۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝٤١ وقف لازم

اور یاد کرو ہمارے بندے ایوب کو جب کہ پکارا اپنے رب کو۔۔۔ کہ "مجھ کو لگادی شیطان نے تکلیف اور دکھ"●

(اور) اَے محبوب! (یاد کرو ہمارے بندے ایوب کو)، جو بہت مالدار شخص تھے۔ اُن کے پاس ہر قسم کا مال تھا، مویشی اور غلام تھے۔ اور زرخیز اور غلہ سے لہلہاتے ہوئے کھیت اور باغات تھے۔ اور آپ علیہ السلام کی اولاد بھی بہت تھی، پھر اُن کے پاس سے یہ نعمتیں جاتی رہیں۔

وہ اُن تمام مصائب میں صابر تھے اور ثواب کی نیت سے صبح وشام اور رات ودن اللہ تعالیٰ کا ذکر دل وزبان سے کرتے رہتے تھے۔ اُن کے مرض نے بہت طول کھینچا، حتیٰ کہ اُن کے دوست اور احباب اُن سے اکتا گئے، اور اُن کو اُس شہر سے باہر کردیا گیا۔ اُن کی بیوی

کے سوا اُن کی دیکھ بھال کرنے والا اور کوئی نہ تھا۔

تو اَے محبوب! میرے اُس صابر بندے کو یاد کرو، (جبکہ پکارا اپنے رب کو، کہ مجھ کو لگا دی شیطان نے تکلیف اور دکھ)۔ یعنی مجھ سے ایک تکلیف دہ بات کہہ دی کہ "ایوب! تم نے کیا کیا کہ حق تعالیٰ نے اپنی ساری نعمتیں تم سے چھین لیں اور اُن کے فائدے سے تم کو محروم کر دیا اور دکھ کے شدائد تم پر مسلط کر دیے۔"

یہ بات شیطان نے آپ سے بطورِ ملامت کہی۔ اور بعضوں نے کہا کہ شیطان اُن کے تابعوں کو وسوسہ ڈالتا، یہاں تک کہ تابعوں نے انہیں اپنے گھر سے نکال دیا اِس خوف سے کہ کہیں اُن کی بیماری ہمیں نہ لگ جائے۔۔ المختصر۔ حق تعالیٰ نے حضرت ایوب کی دُعا قبول فرمائی اور حضرت جبرائیل کو اُن کے پاس بھیجا۔۔۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾

تو حکم ہوا کہ "مارو زمین میں اپنے پاؤں سے، یہ نہانے کا ٹھنڈا چشمہ ہے، اور پینے کو"●

(تو) بواسطہء حضرت جبرائیل، حضرت ایوب کو (حکم ہوا، کہ مارو زمین میں اپنے پاؤں سے)۔ حضرت ایوب نے حضرت جبرائیل کے کہنے کے موافق پاؤں زمین پر مارا، اور پانی کا ایک چشمہ اُن کے قدم کے نیچے جوش مارنے لگا۔ حضرت جبرائیل نے کہا کہ (یہ نہانے کا ٹھنڈا چشمہ ہے اور پینے کو)، یعنی یہ ٹھنڈا چشمہ ہے نہانے اور پینے کے لیے۔ تو حضرت ایوب نے اُس چشمے میں غسل کیا، اور اُن کی سب ظاہری بیماریاں مٹ گئیں پھر اس ٹھنڈے چشمے سے پانی پیا، تو امراض باطنی بالکل زائل ہو گئے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ وہ چشمہ ایسا تھا کہ پینے کے وقت اس کا پانی ٹھنڈا ہوتا، اور غسل کے وقت گرم۔

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِی الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾

اور عطا فرمایا ہم نے اُنہیں اُن کی پہلی اہل کو، اور اُسی قدر اُن کے ساتھ رحمت ہماری طرف سے، اور یادگار عقل والوں کے لیے●

(اور) اِس فضل وکرم کے ساتھ ساتھ (عطا فرمایا ہم نے اُنہیں اُن کی پہلی اہل کو)، یعنی اُن کے فرزندوں کو ہم نے پھر زندہ کر دیا، (اور اُسی قدر اُن کے ساتھ رحمت ہماری طرف سے)۔ یعنی اتنی

اولاد اور بھی عطا فرمائی۔ تو پہلے جتنی اولاد تھی اب اُس کی دونی ہوگئی، جو بطورِ رحمت ہماری طرف سے انہیں عطا کی گئی۔ (اور) بطورِ (یادگار عقل والوں کے لیے)، تا کہ بلاؤں میں راحت اور فرحت کا انتظار صبر کے ساتھ کریں، اور خدا سے پناہ مانگیں، اس واسطے کہ خدا کی رحمت نے کشایش کو صبر کے ساتھ باندھ دیا ہے۔ بے شک صبر کشادگی کی کنجی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے زمانۂ مرض میں اُن کی بی بی رحیمہ نامی کسی کام کو گئی تھیں، وہاں انہیں دیر ہوگئی، تو حضرت ایوب نے قسم کھائی کہ اُن کو سو لکڑیاں ماروں گا۔ جب انہیں صحت ہوئی اور جوانی کی حالت پر پلٹ آئے، تو چاہا کہ اپنی قسم پوری کریں، تو حکمِ الٰہی پہنچا۔۔۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ

اور لو اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو، تو مار دو اُسی سے اہلیہ کو، اور قسم نہ توڑو۔ بے شک ہم نے پایا اُنہیں صبر کرنے والا۔

نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾

کیسا اچھا بندہ، بے شک وہ فرمانبردار تھے۔

(اور) ارشاد ہوا، کہ اَے ایوب! (لو اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو) یعنی اذخر گھاس کی شاخوں کا مٹھا۔۔۔یا۔۔۔خشک تنکے کہ سو ہوں، (تو مار دو اُسی سے اہلیہ کو، اور قسم نہ توڑو) کہ جھوٹے ہو جاؤ۔ (بے شک ہم نے پایا انہیں صبر کرنے والا) اُس بلاء پر جو اُن کی ذات اور مال اور اولاد کو پہنچی۔ (کیسا اچھا بندہ، بے شک وہ فرمانبردار تھے)، اور رجوع کرنے والے ہماری درگاہ کی طرف پورا پورا۔

وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾

اور یاد کرو ہمارے بندے ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کو، بازوؤں والے اور آنکھوں والے۔

(اور) اَے محبوب! (یاد کرو ہمارے بندے ابراہیم و اسحٰق و یعقوب کو)، یعنی حضرت ابراہیم اور اُن کے بیٹے اور اُن کے پوتے کو، جو سب کے سب (بازوؤں والے اور آنکھوں والے) تھے، یعنی بزرگ عمل اور نفع بخش علم والے تھے۔

عمل کی تعبیر ہاتھ سے کی، اس واسطے کہ اکثر کام ہاتھ سے ہوتے ہیں۔ اور آنکھ سے معرفتوں کی تعبیر کی، اس واسطے کہ معرفتوں کے مبادی میں سے بہت قوی مبدءَ آنکھ یعنی نگاہ ہے۔۔۔یا۔۔۔ ہاتھوں سے طاعت میں قوت مراد ہے اور ابصار سے دین میں بصیرت مقصود ہے۔

إِنَّآ أَخْلَصْنٰهُم بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿٤٦﴾

بے شک ہم نے کندن کر دیا تھا اُنہیں ایک کھری بات سے، جواُن کے گھرانے کی یادگار ہے●

(بے شک ہم نے کندن کر دیا تھا) یعنی خالص کر دیا تھا (اُنہیں ایک کھری بات سے)، یعنی ایسی پاکیزہ خصلتوں کے ساتھ جو پاک ہیں عیبوں کے شائبوں سے۔۔یا۔۔نعمتوں سے جو خالص ہیں سلب اورزوال کے لَوث سے۔اور (جواُن کے گھرانے کی یادگار ہے)۔اور وہ یاد کرنا ہے آخرت کا، اس واسطے کہ انبیاء علیہم السلام کی نظر حضرتِ کبریا کے دیدار ہی حاصل ہونے پر پڑتی ہے، اور وہ آخرت میں میسر ہوگا۔

وَإِنَّهُمْ عِندَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٧﴾

اور بے شک وہ ہمارے یہاں چنے ہوئے بہتر لوگوں سے ہیں●

(اور بے شک وہ) سارے پیغمبر لوگ (ہمارے یہاں چنے ہوئے بہتر لوگوں سے ہیں)۔ یعنی سب کے سب انبیاء ہمارے برگزیدہ ہیں اور نیک لوگوں میں سے ہیں۔

وَاذْكُرْ إِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۖ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿٤٨﴾

اور یاد کرو اسمٰعیل والیسع وذوالکفل کو، اور سب اچھے لوگوں سے ہیں●

(اور) اَے محبوب! (یاد کرو اسماعیل والیسع وذوالکفل کو، اور سب اچھے لوگوں سے ہیں) یعنی اسماعیل بن ابراہیم کو یاد کیجیے۔

اِس سے پہلے حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق کا ذکر فرمایا تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر اُن کے والدِ گرامی اور بھائی سے منفصل کیا ہے، متصل نہیں کیا۔ اِس میں یہ تنبیہ کرنا ہے، کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام صبر میں سب سے بڑھ کر تھے اور یہاں صبر کی صفت کا ہی بیان مقصود ہے۔ اور وہ صبر میں سب سے بڑھ کر اس لیے ہیں، کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں ذبح کرنے کے لیے پیش کر دیا تھا۔۔یا۔۔اس لیے کہ وہ تعظیم کے زیادہ مستحق ہیں کیونکہ افضل الانبیاء سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ کریم ہیں۔

الیسع ابن اخطوب کو حضرت الیاس نے بنی اسرائیل پر خلیفہ بنایا تھا، پھر اُن کو نبی بنایا گیا۔

ذوالکفل، یہ حضرت الیسع کے عم زاد ہیں۔ اُن کو اُن کے والد کی وفات کے بعد شام کی طرف مبعوث کیا گیا۔ اُن کی نبوت میں اختلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس تعریف وتحسین کے ساتھ

ان کا ذکر انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کیا ہے، اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی ہیں۔ امام ابومنصور ماتریدی نے لکھا ہے کہ ایک قول یہ ہے، کہ الیسع اور ذوالکفل دونوں بھائی تھے، اور ذوالکفل ایک نیک آدمی کے نیک اعمال کے کفیل ہو گئے تھے جو ہر روز سو نمازیں پڑھتا تھا۔

هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾ جَنّٰتِ عَدْنٍ

یہ نصیحت ہے۔ اور بے شک ڈرنے والوں کا یقیناً اچھا انجام ہے۔ ہمیشہ کے باغ،

مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾

کھلے ہوئے اُن کے لیے سارے دروازے۔

(یہ) قرآن اور انبیاء علیہم السلام کی خبر سبب ذکر اور (نصیحت ہے) تم کو، اَے محبوب! ﷺ، اور تمہاری قوم کو، (اور بے شک ڈرنے والوں کا) اور پرہیزگاروں کے واسطے (یقیناً اچھا انجام ہے)۔ قیام کرنے کے لیے (ہمیشہ کے باغ، کھلے ہوئے اُن کے لیے سارے دروازے) جس دروازے سے جہاں چاہیں جائیں۔ وہ تختوں پر۔۔۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾

تکیہ لگائے ہیں اس میں، طلب کر رہے ہیں اس میں بہت سے میوے اور شراب۔

(تکیہ لگائے) آرام سے بیٹھے (ہیں اُس میں)، اور حسبِ خواہش (طلب کر رہے ہیں اس میں بہت سے میوے اور شراب)۔ اس واسطے کہ میوہ خوری لذت کے واسطے ہوتی ہے، اور غذا کا تن پروری کے لیے۔ اور جنت میں تن پروری نہ ہوگی، اِس وجہ سے جنتی میووں کی طرف رغبت بہت کریں گے، اور چاہیں گے پینے کی چیز۔

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾

اور اُن کے پاس انہیں پر آنکھ رکھنے والی ہم سن ہیں۔

(اور اُن کے پاس) ہونگیں (انہیں پر آنکھ رکھنے والی) ایسی عورتیں جو اپنے شوہروں کے سوا کسی اور کی طرف نہ دیکھیں، اور جو اُن کی (ہم سن ہیں)۔ یعنی سب ایک ہی سن کی ہوں گیں۔ اور بعضوں نے کہا کہ جنت میں سب عورتیں اپنے شوہروں کے برابر ہونگیں کہ سب کا

سن تینتیس ۳۳ برس کا ہوگا۔ اور بعضے مفسرین کا قول ہے، کہ اَتۡرَابٌ سے یہ مراد ہے کہ ساری عورتیں حسن میں برابر ہونگی۔ کسی کو کسی پر وہاں فوقیت نہ ہوگی۔ کہ اُس کی طرف کسی کی طبیعت رغبت کرے جو حسن میں فوقیت رکھتی ہے، اور اُس سے پھر جائے جس پر فوقیت رکھتی ہے۔ اُس وقت فرشتے جنتیوں سے کہیں گے، کہ۔۔۔

هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِيَوۡمِ الۡحِسَابِ ۝٥٣ اِنَّ هٰذَا لَرِزۡقُنَا مَا لَهٗ مِنۡ نَّفَادٍ ۝٥٤

یہ ہے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے تم سے حساب کے دن کا• بے شک یہ ہے ہماری روزی، نہیں ہے اُسے کبھی ختم ہونا•

(یہ ہے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے تم سے حساب کے دن کا)۔ تو جنتی لوگ فرحت اور خوشی میں کہیں گے (بے شک یہ ہے ہماری روزی) جو حضرت رزّاق نے بے منت ہماری عطا فرمائی۔ (نہیں ہے اِسے کبھی ختم ہونا) اور نہ ہی کچھ کم ہونا۔۔۔

(المنزلۃ)

هٰذَا ؕ وَاِنَّ لِلطّٰغِيۡنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝٥٥ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ۝٥٦

اُنہیں تو یہ ہے، اور بے شک سرکشوں کے لیے یقیناً بُرا انجام ہے• جہنم، جس میں یہ جائیں گے، تو کتنا بُرا بستر ہے•

(اُنہیں تو یہ ہے)۔ یعنی یہ ہے، جو کہ جنتیوں کو حاصل ہوگا۔ (اور) اُس کے برعکس (بے شک سرکشوں کے لیے) یعنی نافرمانوں اور کافروں کے لیے (یقیناً بُرا انجام ہے) یعنی بُری جگہ ہے پھرنے کی، کہ وہ (جہنم) ہے (جس میں یہ جائیں گے، تو کتنا بُرا بستر ہے) جو اُن کا ٹھکانہ ہے یعنی دوزخ ہی میں انہیں رہنا ہے۔

هٰذَا ۙ فَلۡيَذُوۡقُوۡهُ حَمِيۡمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝٥٧ وَّاٰخَرُ مِنۡ شَكۡلِهٖۤ اَزۡوَاجٌ ۝٥٨

"یہ دیکھو، اب اُس کو چکھو، کھولتا پانی ہے اور پیپ"• اور دوسرے اُسی صورت کے جوڑے•

(یہ) ہے عذاب، اِس کو (دیکھو) اور (اب اِس کو چکھو) اَے کافرو! وہ پینے کے لیے (کھولتا پانی ہے) کہ جب منہ کے سامنے جائے تو اُسے جلا دے۔ اور جب پئیں گے، تو ٹکڑے ہوجائیں گے۔ (اور) کھانے کے لیے (پیپ) جو کہ دوزخیوں کے گوشت و پوست اور زنا کاروں کی شرمگاہوں سے بہتا ہوگا، اُسے جمع کر کے دوزخیوں کو پلائیں گے۔ (اور) دوزخیوں کے لیے (دوسرے) عذاب بھی ہیں جو (اِسی) مذکورہ بالا عذاب کی شکل و (صورت کے جوڑے) ہیں۔ یعنی انواع و اقسام کے

عذاب، مگر سختی اور دکھ پہنچانے میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔

روایت ہے کہ کافروں کے سردار جب دوزخ میں داخل ہوں گے، تو اُن کے تابعوں کو بھی ان کے پاس پہنچائیں گے اور فرشتے سرداروں سے کہیں گے۔۔۔

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ ۚ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿٥٩﴾

"دیکھو یہ ایک فوج دھنسی پڑتی ہے تمہارے ساتھ۔" بولے، "نہ کھلی جگہ ملے انہیں، بے شک یہ آگ میں جانے والے ہی ہیں"●

(دیکھو یہ ایک فوج دھنسی پڑتی ہے تمہارے ساتھ)۔ یعنی یہ گروہ ہے جو دوزخ میں داخل ہونے والا ہے رنج اور سختی سمیت تمہارے ساتھ۔ تو وہ (بولے، نہ کھلی جگہ ملے انہیں) یعنی انہیں کسی جگہ کوئی خوش آمدید کہنے والا نہ ہو، کیونکہ (بے شک یہ آگ میں جانے والے ہی ہیں) اپنے اعمال کی شامت سے جس طرح ہم دوزخ میں داخل ہوئے۔

مَرْحَبًا ایک کلمہ ہے جو مہمان کے اعزاز واکرام کے واسطے کہتے ہیں، تو سردار کافر اپنے تابعوں کو نفریں کریں گے لَا مَرْحَبًا بِهِمْ کہہ کر۔ اور جب تابع لوگوں نے سرداروں سے یہ بات سنی۔۔ تو۔۔

قَالُوا بَلْ أَنتُمْ لَا مَرْحَبًا بِكُمْ ۖ أَنتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا ۖ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿٦٠﴾

یہ لوگ بولے، "بلکہ تم ہو۔۔ کہ کھلی جگہ تمہیں نہ میسر ہوں، تم ہی آگے لائے اُس کو ہمارے لیے بھی،" "تو کتنا برا ٹھہراؤ ہے●

(یہ لوگ بولے بلکہ تم ہو۔۔ کہ کھلی جگہ تمہیں نہ میسر ہوں) یعنی یہ تابعین اپنے سرداروں سے لَا مَرْحَبًا بِهِمْ کہہ کر اُن سے اپنی نفرت کا اظہار کریں گے اور آرزومند ہوں گے کہ اُن کی بھی کہیں خوش آمدید نہ ہو۔ اور کہیں گے، کہ (تم ہی آگے لائے اِس کو ہمارے لیے بھی)۔ اِن عذاب کو واجب کرنے والی چیزوں کو ہم پر مسلط کرنے والے تمہیں ہو۔ تم نے ہم کو ذہنی طور پر اغوا کیا اور تمہارے ہی گمراہ کرنے کے سبب سے ہم دوزخ میں آئے۔ (تو کتنا برا ٹھہراؤ) اور قیام کی جگہ (ہے) جہاں تم نے ہم کو پہنچا دیا۔ پھر دوبارہ یہ تابع لوگ۔۔۔

قَالُوا رَبَّنَا مَن قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿٦١﴾

یہ بولے کہ "پروردگارا! جو آگے لایا ہمارے لیے اس عذاب کو، تو بڑھا دے اُس کا دونا عذاب جہنم میں"●

(بولے کہ پروردگارا! جو آگے لایا ہمارے اِس عذاب کو، تو بڑھادے اُس کا دونا عذاب جہنم میں)۔ ایک خود گمراہ ہونے کے سبب سے، اور دوسرا گمراہ کرنے کے سبب سے۔۔ المختصر۔۔ آتشِ دوزخ میں جتنا عذاب اُن پر ہے اُتنا ہی اور بڑھادے۔

بعضے کہتے ہیں کہ وہ تو دگنے عذاب کے مستحق پہلے ہی سے تھے۔۔ چنانچہ۔۔ دوزخ کے سانپ اور بچھو اُن پر مسلط ہوجائیں گے۔

کفار ومشرکین جب دوزخ میں دیکھیں گے۔۔۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ؁۶۲

اور کہنے لگے کہ "ہمیں کیا ہے کہ ہم نہیں دیکھ رہے ہیں ان مردوں کو، جن کو ہم شمار کیا کرتے تھے بُروں سے؟●

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ؁۶۳

کیا ہمیں نے محض ہنسی بنا رکھی تھی یا چکرا گئی ہیں اُن کی طرف سے ہماری آنکھیں؟"●

(اور) دُنیا میں خستہ حال رہنے والے مسلمانوں کو وہاں نہیں پایا، جیسے حضرت عمار اور صہیب اور خباب اور بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہم انہیں نظر نہیں آئے، تو (کہنے لگے کہ ہمیں کیا ہے کہ ہم نہیں دیکھ رہے ہیں اُن مَردوں کو، جن کو ہم شمار کیا کرتے تھے بُروں سے ● کیا ہمیں نے محض ہنسی بنا رکھی تھی) اور اُن کا ناحق مذاق اڑایا تھا؟ (یا چکرا گئی ہیں اُن کی طرف سے ہماری آنکھیں)۔ یعنی انہیں دوزخ میں تو لایا گیا ہے، لیکن ہماری آنکھیں اُن کی طرف سے ہٹ کر دوسرے رخ پر چلی گئی ہیں، یعنی اُن کی طرف سے مڑ گئی ہیں؟ آخر ماجرا کیا ہے؟ جو وہ ہمیں نہیں دِکھ رہے ہیں؟

بعض آثار میں وارد ہے کہ حق تعالیٰ مسلمان فقیروں کے اس گروہ کو جنت کی کھڑکیوں میں جلوہ دے گا، تا کہ کافر دیکھیں اور ان کی حسرت زیادہ ہو۔

ع۴ اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ؁۶۴

بے شک یہ بالکل ٹھیک ہے جہنمیوں کی لڑائی●

(بے شک یہ) یعنی ہم نے جو حکایت بیان کی ہے، (بالکل ٹھیک ہے جہنمیوں کی لڑائی) یعنی بے شک دوزخیوں کا یہ جھگڑا ضرور برحق ہے۔ اور اُن کا جو ماجرا بیان کیا گیا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔

اِس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا تھا، کہ جب سیدنا محمد ﷺ نے کفارِ مکہ کو توحید اور رسالت کی دعوت دی، اور یہ فرمایا کہ قیامت برحق ہے، تو انہوں نے آپ کی تکذیب کی اور آپ کا مذاق اُڑایا، اور آپ کو جادوگر اور جھوٹا کہا، اور کہا کہ ہم نے اِس سے پہلے یہ بات کسی دین میں نہیں سنی، یہ محض اُن کی من گھڑت بات ہے۔۔ نیز۔۔ کہا کہ کیا ہم میں سے صرف انہیں پر وحی نازل کی گئی ہے؟ نبی ﷺ کو اُن دِل آزار باتوں سے رنج پہنچتا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے رنج کو زائل کرنے کے لیے اور آپ کو تسلی دینے کے لیے انبیاءِ سابقین کے واقعات آپ پر نازل کیے۔

اور اِس لیے بھی کہ کفار کو اُن واقعات سے اندازہ ہو، کہ آپ نے کسی عالم کی شاگردی نہیں کی، کسی مکتب میں نہیں گئے، کسی کتاب کو نہیں پڑھا، پھر آپ نے انبیاءِ سابقین کے یہ واقعات ٹھیک ٹھیک بیان کر دیئے ہیں، تو سوائے اللہ کی وحی کے آپ کے پاس علم کا اور کون سا ذریعہ تھا؟ ہوسکتا ہے یہ سوچ کر وہ اپنے کفر وشرک سے باز آجائیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کے اخروی ثواب کو اور کفار کے اخروی عذاب کو بیان فرمایا، تا کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اخروی عذاب سے ڈر کر۔۔یا۔۔اخروی ثواب کی طمع میں ایمان لے آئیں۔

اِس بیان کو ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر اُن ہی مطالب اور مقاصد کو دُہرایا جن کو اوّل سورت میں بیان فرمایا تھا، اور توحید، رسالت اور وقوعِ قیامت پر ایمان لانے کی دعوت دی، اور فرمایا کہ اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝٦٥

کہہ دو کہ "میں ہی ڈر کا سنادینے والا ہوں۔ اور نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ واحد قہار کے●

(کہہ دو کہ میں ہی ڈر کا سنادینے والا ہوں) یعنی میں صرف اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا ہوں (اور) اچھی طرح یقین کرلو کہ (نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ) تعالیٰ (واحد)، کہ اُس کی ذات شرکت قبول ہی نہیں کرتی، اور کثرت کو اس کی وحدت میں راہ نہیں ہوتی، اور (قہار کے) قہر کرنے والا کہ امیدوں کی بنا کو اَجلوں کی آندھیوں سے توڑ دیتا ہے۔۔یا۔۔شرکتِ موہوم اور کثرتِ بے اعتبار کو جو کہ نفس الامر میں وجود نہیں رکھتی، عارفوں کی نظر میں مضمحل اور پراگندہ کردیتا ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ۔۔۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا الْعَزِیْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾

پروردگار آسمانوں اور زمین اور جو اُن کے درمیان ہے سب کا، عزت والا مغفرت والا"●

(پروردگار) ہے (آسمانوں اور زمین اور جو اُن کے درمیان ہے سب کا)۔ ایسا خداوند کہ (عزت والا) ہے، یعنی غالب ہے عذاب کرنے پر، اور (مغفرت والا) ہے، کہ بخشنے سے کچھ باک ہی نہیں رکھتا۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ ﴿۶۷﴾ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾

کہہ دو کہ "یہ بہت بڑا پیغام ہے● تم اُس کے انکاری ہو●

اَے محبوب! (کہہ دو کہ یہ بہت بڑا پیغام ہے) جو میں نے تم کو دیا۔ قیامت کے عذاب سے ڈرایا، اور (تم اِس کے اِنکاری ہو) یعنی کمالِ غفلت کی وجہ سے اِس سے منہ پھیرنے والے ہو۔۔یا۔۔ میری نبوت کی بڑی شان ہے اور تم اُس کے منکر ہو۔ آخر دیکھو تو، کہ اگر میں نبی نہ ہوتا۔۔تو۔۔

مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤی اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾

نہ ہوتا مجھے کچھ علم عالَمِ بالا کا، جب کہ فرشتے بحث کرتے تھے●

(نہ ہوتا مجھے کچھ علم عالَمِ بالا کا، جبکہ فرشتے بحث کرتے تھے)۔ یعنی جب وہ گفتگو کرتے تھے حضرت آدم کی شان میں کہ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ، تو میری نبوت پر اِس سے زیادہ کھلی ہوئی اور کوئی دلیل نہیں ہے کہ حضرت آدم اور فرشتوں کا قصہ بیان کرتا ہوں اُس تقریر پر جو اگلی کتابوں میں مذکور ہے، حالانکہ نہ میں نے بذاتِ خود اُن کتابوں میں دیکھا اور نہ کسی استاد سے سنا۔ ذہن نشین کرلو، کہ۔۔۔

اِنْ یُّوْحٰۤی اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷۰﴾ اِذْ قَالَ رَبُّكَ

یہی وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ میں بس صاف صاف ڈر سنادینے والا ہوں"● جب کہ فرمایا تمہارے رب نے

لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ﴿۷۱﴾

فرشتوں کو کہ "میں پیدا کرنے والا ہوں ایک چہرے مہرے والے کو مٹی سے●

(یہی وحی کی جاتی ہے میری طرف، کہ میں بس صاف صاف ڈر سنادینے والا ہوں) اور ظاہر

کر دینے والا ہوں اُن چیزوں کو جو عذاب کی موجب ہیں۔ اَے محبوب! یاد کرو (جبکہ فرمایا تمہارے رب نے فرشتوں کو، کہ میں پیدا کرنے والا ہوں ایک چہرے مہرے والے کو مٹی سے)۔

یہاں صاحب بشرہ سے حضرت آدم مراد ہیں۔

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۷۲﴾

تو جہاں میں نے سڈول کر لیا اُسے، اور پھونکا اُس میں اپنی طرف سے روح، تو گر جاؤ اُس کا سجدہ کرتے ہوئے"●

(تو جہاں میں نے سڈول کر لیا اُسے) یعنی جب پوری کر دی اُن کی خلقت اور صورت، اور اُن کا قالب بہت خوب شکل پر بنا چکا، (اور پھونکا اُس میں اپنی طرف سے روح)۔

حق تعالیٰ نے رُوح کو اپنی ذات کی طرف اضافت فرما کر مشرف اور معزز فرمایا۔ اس کی نفاست اور پاکیزگی کی وجہ سے۔۔۔

(تو گر جاؤ اُس کا سجدہ کرتے ہوئے) تعظیم کی جہت سے۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۭ اِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾

تو سجدہ کیا سارے فرشتوں نے سب کے سب● مگر ابلیس نے۔ بڑا بننے لگا، اور وہ تھا ہی کافر ہو جانے والوں سے●

(تو سجدہ کیا سارے فرشتوں نے سب کے سب) ان کی روح پھکنے کے بعد (مگر ابلیس نے)، باوجود اِس کے کہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ گروہِ ملائکہ میں رہنے کے سبب وہ بھی حکمِ سجدہ کے مامورین میں سے ہے۔ اِسی لیے جب اُس سے دریافت کیا گیا، کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اُس نے یہ جواب نہیں دیا، کہ مجھے سجدہ کرنے کا حکم ہی کب تھا؟ وہ تو فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے اور میں کوئی فرشتہ تو ہوں نہیں۔ اِس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خوب جانتا تھا کہ حکمِ سجدہ میں میں شامل ہوں۔ اب اُس کے سجدہ نہ کرنے کی وجہ یہ ہے، کہ اُس نے اپنی بڑائی چاہی اور (بڑا بننے لگا، اور وہ) علمِ ازلی میں (تھا ہی کافر ہو جانے والوں سے)۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔وہ اُس نافرمانی کی وجہ سے کافروں میں سے ہو گیا۔ تو حق تعالیٰ نے۔۔۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۭ

فرمایا "اَے ابلیس! کس چیز نے روکا تجھ کو سجدہ کرنے سے اُس کے، جس کو بنایا میں نے اپنے ہاتھ سے، کیا ڈینگ کی لی تُو نے،

اَسۡتَكۡبَرۡتَ اَمۡ كُنۡتَ مِنَ الۡعَالِيۡنَ۝

یا تھا ہی تُو میرے حکم سے بالا بننے والوں سے؟"●

(فرمایا اے ابلیس! کس چیز نے روکا تجھ کو سجدہ کرنے سے اُس کے جس کو بنایا میں نے اپنے ہاتھ سے)۔

'ہاتھ' کا ذکر اِس بات کی تحقیق کے واسطے ہے، کہ حضرت آدم کا پیدا کرنا حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہے، یعنی میں نے بذاتِ خود آدم کو پیدا کیا، بغیر اِس کے کہ اُس کے پیدا ہونے میں ماں باپ۔۔یا۔۔کوئی اور غیر واسطہ ہو۔ خیال رہے کہ ملائکہ 'صفتِ لطف' کے مظہر ہیں اور شیطان 'صفتِ قہر' کا، اور آدمی دونوں صفتوں کی تجلّی کا مظہر ہے، اور اِس جامعیت کے سبب سے اُسے مسجود ہونے کے قابل کیا ہے۔۔المختصر۔۔ابلیس سے پوچھا گیا، تیرے سجدہ نہ کرنے کا سبب کیا ہے؟ تُو خود اپنی زبان سے ظاہر کردے۔۔۔

(کیا ڈینگ کی لی تُو نے؟) یعنی تکبر کیا تُو نے بے استحقاق؟ (یا تھا ہی تو میرے حکم سے بالا بننے والوں سے)۔ یعنی تھا تُو برتروں میں سے جو برتری کا استحقاق رکھتے ہیں؟ ابلیس نے دوسری شق کو اختیار کیا اور جواب میں۔۔۔

قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ؕ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ طِيۡنٍ۝

بولا، "میں بہتر ہوں اُن آدم سے، تُو نے پیدا کیا مجھے آگ سے اور تُو ہی نے پیدا کیا اُسے مٹی سے"●

(بولا، میں بہتر ہوں ان آدم سے)۔۔۔ پھر اپنی بہتری بیان کرتا ہے۔۔۔ کہ (تُو نے پیدا کیا مجھے آگ سے) اور اُس میں لطافت اور نورانیت ہے۔ (اور تُو ہی نے پیدا کیا اِسے مٹی سے) کہ اُس میں کثافت اور تاریکی ہے۔

ابلیس نے اِس قیاس میں زبردست خطا کی۔ اُس نے نہیں سوچا کہ آگ فرقت کا سبب ہے، اور مٹی وصلت کا سبب۔ آگ کا کام ہے جلا کر خاکستر کر دینا، اور مٹی کا کام ہے گل وگلزار اور سبزہ زاروں سے دھرتی کو معمور وآباد کر دینا۔ آگ سے ٹوٹنا ہوتا ہے، اور خاک سے ملنا ہوتا ہے۔ حضرت آدم خاک سے تھے ملے رہے، یہاں تک کہ ثُمَّ اجۡتَبٰهُ رَبُّهٗ کا خلعت ملا اور رب نے انہیں چن لیا۔ ابلیس آگ سے تھا ٹوٹ گیا، یہاں تک کہ فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا کے حکم سے مردود ہوگیا۔ ابلیس جب اپنی برتری کا دعویٰ کر چکا، تو حق تعالیٰ نے اُس سے۔۔۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۷۸

فرمایا،"تو نکل جا یہاں سے، کہ تُو بے شک مَردود ہے● اور بے شک تجھ پر میری پھٹکار ہے قیامت تک"●

(فرمایا، تو نکل جا یہاں سے، کہ تُو بے شک مردود ہے● اور بے شک تجھ پر میری پھٹکار ہے قیامت تک) یعنی تُو بہشت۔۔یا۔۔آسمان۔۔یا۔۔گروہِ ملائکہ سے باہر ہو جا کیونکہ تو راندہ ہوا ہے رحمت سے، اور دُور ہوا ہے رتبۂ کرامت سے۔ اور بے شک تجھ پر ہے میری لعنت اور پھٹکار اور غضب روزِ جزا تک۔ تو ابلیس۔۔۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۷۹ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۸۰

بولا،"پروردگارا! تو مہلت دے مجھ کو اُس دن تک، کہ لوگ اٹھائے جائیں گے"● فرمایا،"بے شک تجھے مہلت دی گئی●

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۸۱ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۲

وقتِ معلوم کے دن تک"● بولا،"پھر تو تیری عزت کی قسم، ضرور گمراہ کردوں گا ان سب کو●

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۸۳ قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝۸۴

مگر تیرے کھرے بندوں کو"● فرمایا،"تو ٹھیک، اور میں ٹھیک ہی فرماتا ہوں●

لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۸۵

کہ ضرور بھر دوں گا میں جہنم کو تجھ سے، اور اُن سب سے، جنھوں نے پیروی کی تیری اِن میں سے"●

(بولا، پروردگارا! تو مہلت دے مجھ کو اُس دن تک کہ لوگ اُٹھائے جائیں گے)۔
ابلیس کی غرض یہ تھی کہ موت کا مزہ نہ چکھے۔ حق تعالیٰ نے۔۔۔

(فرمایا، بے شک تجھے مہلت دی گئی● وقت معلوم کے دن تک) یعنی اُس دن تک کہ وقت معلوم ہے، یعنی پہلی بار صور پھونکنے تک، کہ اس وقت سب مر جائیں گے۔ ابلیس (بولا، پھر تو تیری عزت کی قسم) یعنی قسم ہے مجھے تیرے غالب اور قاھر ہونے کی، کہ جس طرح بھی کرسکوں (ضرور گمراہ کردوں گا اُن سب کو) یعنی ساری اولادِ آدم کو، (مگر تیرے کھرے بندوں کو) جو پاک کر دیے گئے ہیں شرک اور عصیان کے لوث سے۔ (فرمایا) حق تعالیٰ نے (تو ٹھیک، اور میں ٹھیک ہی فرماتا ہوں)۔ یعنی پس یہ برحق ہے اور میں حق بات ہی فرماتا ہوں، (کہ ضرور بھر دوں گا میں جہنم کو تجھ سے اور اُن سب سے جنھوں نے پیروی کی تیری اِن میں سے) یعنی آدمیوں اور جنوں میں سے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ﴿۸۶﴾

کہہ دو کہ "نہیں مانگتا میں تم سے اِس پر کوئی اُجر، اور نہ میں تکلف کرنے والوں سے ہوں●

اَے محبوب! (کہہ دو، کہ نہیں مانگتا میں تم سے اِس پر) یعنی تبلیغِ احکام پر (کوئی اجر) کچھ بدلا، (اور نہ میں تکلف کرنے والوں سے ہوں)۔

تکلف کرنے والوں کی تین۳ علامتیں ہیں: ایک یہ کہ اُس کے ساتھ جھگڑتا ہے جو اُس سے برتر ہے۔ دوسری یہ کہ چاہتا ہے کہ جو چیز لینا مقدور سے باہر ہے وہ بھی لے لے۔ تیسری وہ بات کہتا ہے جو اُسے معلوم نہیں۔

۔۔الغرض۔۔میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی طرف سے بنا کر ایسی بات ظاہر کرتے ہیں جو جانتے نہیں۔تو یہ قرآنِ کریم کچھ ہمارا خود ساختہ نہیں ہے۔

رکوع ۵ ۱۴

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ﴿۸۸﴾

یہ بس نصیحت ہے سارے جہان کے لیے● اور ضرور معلوم کرلوگے اِس کے پیغام کو کچھ مدت بعد"●

(یہ بس نصیحت ہے سارے جہان کے لیے)۔یعنی اہلِ عالَم کے لیے، جن ہوں۔۔یا۔۔انسان۔(اور ضرور معلوم کرلوگے اِس کے پیغام کو کچھ مدت بعد)۔یعنی قریب ہے کہ جانوگے تم قرآنِ کریم کی خبر، یعنی جو کچھ اِس میں ہے وعدہ وعید۔۔یا۔۔جانوگے سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خبر، اور اُن کی بات کا سچ ہونا تم کو معلوم ہوجائے گا ایک مدت کے بعد، اور وہ موت کی گھڑی ہے۔۔یا۔۔قیامت کا دن ہے۔۔یا۔۔اسلام کے غالب وظاہر ہونے کا وقت۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۱۲/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۶/مارچ ۲۰۱۲ء

بروز سہ شنبہ 'سورۂ ص' کی تفسیر مکمل ہوگئی۔اور آج ہی اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ توفیق سے 'سورۂ الزمر' کی تفسیر کا آغاز کردیا۔مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو لغزشوں سے بچائے اور اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

اٰمِيْن يَامُجِيْبَ السَّآئِلِيْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَيٰسٓ، وَبِحَقِّ نٓ وَصٓ، وَبِحُرْمَةِ سَيِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

سورۃ الزمر ۳۹ مکیۃ ۵۹ — آیاتہا ۷۵ رکوعاتہا ۸

سُوْرَةُ الزُّمَرِ

سورۃ الزمر۔۔۳۹ مکیہ ۵۹ — آیاتہا ۷۵۔۔رکوعاتہا ۸

اِس سورت کا نام الزُّمَرِ ہے جس کا معنی کئی جماعتیں اور کئی گروہ ہیں۔قرآنِ کریم میں اِس سورہ کی آیت ۷۱ اور آیت ۷۳ میں اِس کا ذکر آیا ہے، اور قرآنِ کریم میں صرف اِسی سورہ میں زُمَرِ کا لفظ آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سُوْرَةُ صٓ کو قرآنِ مجید کے اِس وصف پر ختم کیا ہے کہ "یہ قرآن تو صرف تمام جہان والوں کے لیے نصیحت ہے" اور سُوْرَةُ الزُّمَرِ قرآنِ مجید کے اِس وصف سے شروع ہوری ہے کہ "اس کتاب کا نزول کرنا اللہ کی طرف سے ہے، جو بہت غالب اور بیحد حکمت والا ہے"۔

۔۔الحاصل۔۔ سُوْرَةُ صٓ کا اختتام وصفِ قرآنی پر فرمایا گیا، تو سُوْرَةُ الزُّمَرِ کا آغاز وصفِ قرآنی سے کیا گیا۔۔نیز۔۔ سُوْرَةُ صٓ میں اللہ تعالیٰ نے آیت ۷۱، ۷۵ میں حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا ہے، اور الزُّمَرِ آیت ۶ میں بھی انسان کی پیدائش کے سلسلہ میں اُس کا ذکر فرمایا ہے۔ایسی مبارک، ہدایت افروز، چشم کشا سورۂ مبارکہ کو۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

اُتارنا کتاب کا اللہ عزیز حکیم کی طرف سے ہے● بے شک ہم نے نازل فرمایا تمہاری طرف اس کتاب کو بالکل درست،

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ②

تو پوجو اللہ کو، اُسی کے قانون کا عقیدہ رکھ کر●

سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر (اُتارنا کتاب) یعنی قرآن (کا اللہ) تعالیٰ، جو (عزیز) یعنی غالب ہے تقدیر میں اور (حکیم) یعنی دانا ہے تدبیر میں، (کی طرف سے ہے)۔اے محبوب (بے شک ہم نے نازل فرمایا تمہاری طرف اِس کتاب کو بالکل درست) صحت اور راستی کے ساتھ

۔۔یا۔۔حق ثابت اور بیان کرنے کو، (تو پوجو اللہ) تعالیٰ (کو، اُسی کے قانون کا عقیدہ رکھ کر) اِس حال میں کہ پاک کرنے والا ہے تُو اس کے واسطے اپنی عبادت کو شرک اور ریاکاری سے۔یعنی عبادت کا مقصود صرف خدا ہی کی خوشنودی اور اُس کی اطاعت ہو۔

اِس آیت میں خطاب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے اور مراد امت کے لوگ ہیں، کہ انہیں حکم ہے کہ اپنی عبادت کو شرک اور ریاء سے پاک کریں۔

ركوع

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ

یاد رکھو کہ اللہ ہی کے لیے ہے دین خالص، اور جنہوں نے بنالیا اُس کے خلاف دوسرے والی۔۔کہ "ہم لوگ

إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ

نہیں پوجتے اُنہیں، مگر تاکہ نزدیک کردیں ہمیں اللہ کے پاس"۔ بے شک اللہ فیصلہ فرمائے گا اُن کے درمیان،

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ﴿٣﴾

جس میں یہ لوگ، جھگڑ رہے ہیں۔۔۔بے شک اللہ نہیں راہ دیتا اُسے، جو جھوٹا ناشکرا ہے●

(یاد رکھو کہ اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے ہے دین خالص) یعنی شرک سے پاک عبادت، یعنی وہ سزاوار اِس کا ہے کہ اُس کی عبادت خالص ہو، اس واسطے کہ صفتِ 'الوہیت' کے ساتھ وہ منفرد اور یکتا ہے۔(اور جنہوں نے بنالیا اُس کے خلاف دوسرے والی) دوست، یعنی بہت سے خدا عام اس سے کہ وہ فرشتے ہوں۔۔یا۔۔بت وغیرہ۔اور پھر یہ کافر کہتے ہیں (کہ ہم لوگ نہیں پوجتے انہیں، مگر تاکہ نزدیک کردیں ہمیں اللہ) تعالیٰ (کے پاس)، تاکہ وہ ہماری شفاعت کریں، اور اُن کی شفاعت سے ہم بڑا مرتبہ پائیں۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ قیامت کے دن (فیصلہ فرمائے گا اُن کے درمیان جس میں یہ) مشرک (لوگ جھگڑ رہے ہیں) یعنی اپنے معبودوں کے تعلق سے اختلاف کر رہے ہیں۔یعنی آج کوئی تو فرشتہ کو پوجتا ہے جیسے 'بنو ملیح'، کوئی آدمی کو جیسے یہود و نصاریٰ، اور اِسی طرح بت، آفتاب، ستاروں، بچھڑے، درخت، پتھر، جن، آگ کو پوجتے ہیں، اور ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ اُسی کا معبود برحق ہے اور باقی باطل۔ تو حق تعالیٰ قیامت کے دن اُن کے درمیان فیصلہ کرے گا اور ہر ایک کا بطلان ظاہر کردے گا۔

ذہن نشین کرلو کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں راہ دیتا اُسے جو جھوٹا) ہے اور کہتا ہے کہ

ہمارے خدا ہماری شفاعت کریں گے، اور وہ (ناشکرا ہے) جو منعمِ حقیقی کا منکر ہے۔

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ سُبْحٰنَهٗ

اگر ممکن ہوتا کہ اللہ بنالے اپنے لیے بچہ، تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جو چاہتا۔ پاکی ہے اُس کی،

هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

وہی ہے ایک اللہ، غلبے والا●

(اگر ممکن ہوتا کہ اللہ) تعالیٰ (بنالے اپنے لیے بچہ، تو چن لیتا اپنی مخلوق سے جو چاہتا)۔ تو اَے مشرکو! پھر تم یہ تخصیص کیوں کرتے ہو، کہ عزیر اُس کا بیٹا ہے۔۔ یا۔ عیسیٰ اُس کا بیٹا ہے۔۔ یا۔۔ فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں۔

اِس میں یہ بھی اشارا ہے کہ اگر وہ اپنی اولاد بنا سکتا، تو بیٹوں کو اولاد بناتا جو بیٹیوں کی بہ نسبت افضل اور اکمل نوع ہیں اور تم بیٹیوں کی نسبت اُس کی طرف کرتے ہو۔ مگر مخلوق خالق کے مثل نہیں ہے اور باپ بیٹے کو ایک جنس ہونا ضروری ہے، تو اُس کا کوئی فرزند نہیں اور نہ ہو سکتا ہے۔

(پاکی ہے اُس کی) اِس سے کہ وہ فرزند پیدا کرے، کیونکہ (وہی ہے ایک اللہ) تعالیٰ۔ اس کی وحدتِ ذاتی اُس کے غیر کے ساتھ مثل ہونے کی منافی ہے، اور وہی (غلبہ والا) ہے، یعنی قہر فرمانے والا ہے، اور مشرکوں کے توہمات اور تصورات توڑنے والا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ

پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو سراپا حق۔ لپیٹتا رہتا ہے رات کو دن پر، اور لپیٹتا رہتا ہے دن کو رات پر

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤

اور قابو میں رکھا سورج اور چاند کو۔ سب چل رہے ہیں مقرر میعاد کے لیے۔ یاد رکھو کہ "وہی عزت والا مغفرت والا ہے"●

(پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو سراپا حق) جو ہزاروں حکمتوں اور بے شمار مصلحتوں پر مشتمل ہیں، اُن میں باطل اور عبث کو دخل نہیں۔۔ الغرض۔۔ اُن کے ہر ایک میں ہزاروں آثارِ قدرت اور بے شمار اطوارِ حکمت ہیں، تاکہ انہیں عبرت کی نگاہ سے دیکھا جائے، اور اُس سے معرفت کے دلائل کا مطالعہ کریں۔ (لپیٹتا رہتا ہے رات کو دن پر اور لپیٹتا رہتا ہے دن کو رات پر)، یعنی دن رات ہر ایک

دوسرے کو ڈھانپتے ہیں، ایسے جیسے لباس لباس والے کو ڈھانپ لیتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ رات کو دن میں لاتا ہے، کہ رات کے ظلمانی پردے دن کی نورانیت کو پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ اور دن کو رات پر یوں لاتا ہے، کہ اُس کے شعلے اور روشنی رات کی تاریکی کو چھپا لیتے ہیں۔

دراصل وجہ یہ ہے کہ 'نور و ظلمت' اللہ تعالیٰ کے دو بھاری اور عظیم لشکر ہیں، ہر ایک دن اور رات میں ایک دوسرے پر حملہ کر کے غلبہ پاتے رہتے ہیں۔۔یا۔۔ ہر ایک دوسرے میں ایسا چھپ جاتا ہے جیسے ملفوف لفافہ میں، کہ دیکھنے والا نہیں دیکھ سکتا۔۔یا۔۔ یوں سمجھو کہ جیسے پگڑی کا بل دوسرے کو لپیٹ کر اس کو اندر کر لیتا ہے، ایسے رات دن میں اور دن رات میں چھپ جاتے ہیں۔

(اور قابو میں رکھا سورج اور چاند کو) یعنی اُن دونوں کو امرِ الٰہی کے تابع فرمایا۔ **(سب چل رہے ہیں)** اپنے بروج پر **(مقررہ میعاد کے لیے)**، کہ ہر روز، اور ہر مہینے، اور ہر برس، اُن کی سیر تمام ہونے کا وقت ہے۔۔یا۔۔ سیر منقطع ہونے کے وقت تک یعنی قیامت تک۔ **(یاد رکھو وہی عزت والا)** ہے۔ یعنی سب چیزوں پر غالب ہے اور تمام مخلوقات اور مکونات اُس کے مغلوب اور مقہور ہیں۔ اور **(مغفرت والا ہے)** باوصف اِس کے کہ آدمی شرک اور گناہ کرتے ہیں، مگر وہ ایسا بخشنے والا ہے، کہ یہ نعمتیں اُن سے سلب نہیں کرتا اور لے نہیں لیتا۔

ذہن نشین رہے کہ **غَفَّارُ** وہ ہے جو اچھے فعل کو ظاہر کرتا ہے، اور قبائح اور ذنوب کو دُنیا میں ڈھانپتا ہے، اور آخرت میں اُس کی سزا سے تجاوز کرتا ہے۔ الغفر الستر کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ کی ستاری کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ انسان کے بدن کے قبائح وعیوب کو ایسے طریقے سے چھپایا ہے، کہ اُن پر کسی کی نگاہ نہیں پڑتی، کہ جس سے کسی کو حقارت و نفرت کا موقع مل سکے۔

انسان کے وہ قبائح پوشیدہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بندے کے باطن میں اُس کے ظاہری جمال سے چھپا رکھا ہے۔ غور کیجیے کہ انسان میں کتنے اندرونی قبائح ہیں جو پوشیدہ ہیں۔ اُس کے کتنے حسین منظر ہیں جو ظاہر ہیں۔ تو حق تعالیٰ ایسا کریم ہے جس نے بندے کے قبائح کو چھپایا اور اُس کے حسین منظر کو ظاہر فرمایا۔

اور اُس کی دوسری ستاری کی دلیل یہ ہے، کہ انسان کے مذموم خیالات کی استقرار گاہ

قلب کو بنایا، کہ اُس پر کوئی بھی آگاہ نہیں ہوسکتا۔ اگر مخلوق کو معلوم ہو جائے کہ وہ دل میں کیا تصور رکھتا ہے، اور کھوٹ اور خیانت اور لوگوں سے بدظنی کے کیا کیا ارادے رکھتا ہے، تو اُس سے نہ صرف یہ کہ بیزار ہو جائیں، بلکہ اُس کی جان نکال لیں۔ دیکھا تم نے، کہ اُس نے کس طرح انسان کے اسرار وعوارف کو پوشیدہ رکھا ہے۔

اُس کی ستاری کی تیسری دلیل یہ ہے، کہ بندے کے وہ گناہ بخش دیئے کہ جن کا بھرے مجمع میں وہ رسوائی کا مستحق تھا، بلکہ بندے سے وعدہ فرمایا کہ اُس کے سیئات کو حسنات سے بدل دے گا، تا کہ اُس کے گناہوں کے قبائح نیکیوں کے ثواب سے چھپ جائیں بشرطیکہ اُس کا خاتمہ ایمان پر ہو۔ بندے کو اِس اسم **اَلْغَفَّارُ** سے حظ یہ ہے کہ دوسرے مؤمن بھائی کے وہ عیوب ڈھانپے جن کے ظاہر ہونے کو وہ نہیں چاہتا۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جس نے اپنے مسلم بھائی کے عیوب چھپائے، تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اُس کے عیوب چھپائے گا۔۔ہاں۔۔گلہ گو، عیب کا متلاشی، بُرائی کا بُرائی سے بدلہ دینے والا، اِس حدیث سے مستغنی ہے، کیوں کہ وہ ایسی صفت سے موصوف نہیں ہوسکتے، بلکہ وہ شخص اُس صفت سے موصوف ہوسکتا ہے جو مخلوق میں کسی کا عیب ظاہر نہ کرے، بلکہ ہو سکے تو اُس کے ساتھ احسان کرے، کیونکہ مخلوق میں اگر نیکی ہے تو برائی بھی ہے، اور کمال ہے تو نقص بھی ہے۔ جو شخص مخلوق کے قبائح سے بے خبر ہے، لیکن اُس کے محاسن کھول کر نہیں بتاتا ہے، تو ایسا شخص خوش نصیب نہ ہوگا، یعنی ایسے شخص کو اسم **اَلْغَفَّارُ** سے وافر حصہ نصیب نہیں ہوا۔ اَے لوگو! اللہ تعالیٰ نے۔۔۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ

پیدا فرمایا تم لوگوں کو ایک جان سے، پھر بنایا اُسی سے اُس کا جوڑا، اور اتارا تمہارے لیے چوپایوں سے

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ

آٹھ جوڑے۔ پیدا فرماتا ہے تم لوگوں کو تمہاری ماؤں کے شکم میں، ایک شکل کے بعد دوسری شکل، تین کوٹھریوں کے اندر،

ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٦﴾

یہ ہے اللہ، تمہارا رب، اُسی کی سلطنت ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا، تو کدھر پھیرے جاتے ہو۔

(پیدا فرمایا تم لوگوں کو ایک جان سے) یعنی آدم علیہ السلام سے، (پھر بنایا اُسی) کی بائیں پسلی

(سے اُس کا جوڑا، اور اُتارا) یعنی پیدا فرمایا (تمہارے لیے چوپایوں سے آٹھ جوڑے)۔
یہاں 'تخلیق' کی تعبیر 'انزال' سے کی گئی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور بندوں کی قسمتیں 'نزول من السماءٗ سے تعبیر کی جاتی ہیں، کہ انہیں لوحِ محفوظ میں لکھا جاتا ہے۔۔یا۔۔ چونکہ ان کی تخلیق ان اسباب کے ساتھ ہوتی ہے جو آسمان سے نازل ہوتے ہیں، جیسے بارش اور ستاروں کی شعاعیں، تو اس لیے اُن کی تخلیق کی تعبیر 'انزال' سے فرمادی گئی۔ اِس کی نظیر **قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْكُمْ لِبَاسًا** ہے۔
ظاہر ہے کہ آسمان سے لباس نہیں اُترا، ہاں اُس کا سبب آسمان سے اُترا ہے، یعنی بارش کا پانی جس سے روئی اون پیدا ہوئے، اور اُن سے لباس تیار ہوا۔ اِس ارشاد میں آٹھ[۸] جوڑے کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن میں کا ہر ایک نر اپنی مادہ کا زوج ہے، اور اس کی مادہ اپنے نر کے لیے زوج ہے۔ اور یہاں اونٹ اور گائے، بھیڑ اور بکری کا نر مادہ اُن کا مجموعہ آٹھ[۸] ہوا۔ چونکہ انسان اِن چوپایوں سے بہت زیادہ نفع حاصل کرتا ہے، اِسی لیے اُن کی تخصیص ہوئی ۔۔مثلاً: گوشت، چمڑا، بال اور اون، وغیرہ وغیرہ۔۔اور۔۔
(پیدا فرماتا ہے تم لوگوں کو تمہاری ماؤں کے شکم میں، ایک شکل کے بعد دوسری شکل، تین[۳] کوٹھریوں کے اندر)۔ پہلی کوٹھری وہ جھلی جو رحم میں ہوتی ہے۔ دوسری کوٹھری رحم مادر اور تیسری کوٹھری شکمِ مادر۔۔یا۔۔ پہلی کوٹھری صلب اور دوسری کوٹھری شکم اور تیسری کوٹھری رحم۔ چونکہ ان تینوں مقام پر تاریکی ہی رہتی ہے، اس لیے اُن کی تعبیر تین[۳] ظلمتوں سے کر دی گئی ہے۔
جان لو کہ جو وہ یہ کام کرتا ہے (یہ ہے)، یعنی وہی ہے (اللہ) تعالیٰ (تمہارا رب، اُسی کی سلطنت ہے)، بادشاہی مطلق، کہ اُس میں زوال اور فنا کو دخل ہی نہیں۔ (نہیں ہے کوئی معبود) مستحقِ عبادت (اُس کے سوا، تو کدھر پھیرے جاتے ہو) راہِ حق سے، باوجود ان کھلی ہوئی دلیلوں کے۔ اَے مکہ والو!۔۔۔

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكُمْ ۟ وَلَا یَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا

اگر تم لوگوں نے نہ مانا، تو بلاشبہ اللہ بے نیاز ہے تم سے۔۔اور نہیں پسند فرماتا اپنے بندوں کا کفر۔ اور اگر شکر گزار تم لوگ ہو جاؤ،

یَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَیُنَبِّئُكُمْ

تو پسند فرماتا ہے اُس کو تمہارے ہی بھلے کو، اور نہیں اٹھاتا کوئی بوجھ والا دوسرے کے بوجھ کو، پھر اپنے رب ہی کی طرف تم لوگوں کا لوٹنا ہے،

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝

پھر وہ بتادے گا تمہیں جو کیا کرتے تھے، بے شک وہ سینوں کی بات کا جاننے والا ہے●

(اگر تم لوگوں نے نہ مانا) اور کفر ہی پر رہے، (تو بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (بے نیاز ہے تم سے) یعنی تمہارے ایمان اور تمہاری عبادت سے۔ خدا کو تمہارے ایمان وعبادت کی ضرورت نہیں، تم اُس کو معبود مانو۔۔یا۔۔نہ مانو، اُس کو پوجو۔۔یا۔۔نہ پوجو، ہر حال میں صرف وہی معبودِ برحق ہے، اور ہمیشہ وہی معبود برحق رہے گا۔

(اور) یہ بات ضرور ہے، کہ وہ (نہیں پسند فرماتا اپنے بندوں کا کفر) اور کفر سے اس کا ناراض ہونا اِس سبب سے نہیں ہے کہ اُس کو کچھ ضرر پہنچتا ہے، بلکہ وہ یہ پسند نہیں فرماتا کہ کفر کا ضرر بندوں کو پہنچے۔ (اور اگر شکر گزار تم لوگ ہو جاؤ) نعمتِ توحید پر۔۔یا۔۔شکر گزاری کرو اُس نعمت کی، کہ محمد ﷺ راہِ حق کی طرف تمہیں بلاتے ہیں، (تو پسند فرماتا ہے اُس کو تمہارے ہی بھلے کو)، اس لیے کہ یہ شکر گزاری تمہاری فلاح کا سبب ہے۔

(اور) یاد رکھو (نہیں اُٹھاتا) ہے (کوئی بوجھ والا دوسرے کے) گناہوں کے (بوجھ کو)، بلکہ ہر ایک اپنے ہی گناہ کا بوجھ اُٹھائے گا اور اُس کا ذمہ دار ہوگا۔ (پھر اپنے رب ہی کی طرف تم لوگوں کا لوٹنا ہے) اور اُس کی بارگاہِ عدل میں حاضر ہونا ہے۔ (پھر وہ بتادے گا تمہیں) اور تم پر واضح کردے گا (جو) تم (کیا کرتے تھے)۔ اور اُس کی خبر کرنا حساب کرنے اور جزا دینے کے سبب سے ہوگا، یعنی اس کے حساب وجزا سے سبھی کو معلوم ہو جائے گا، کہ اُن کے اعمال کیا تھے؟ (بے شک وہ سینوں کی بات کا جاننے والا ہے)۔ اور جو سینوں کی نیتوں اور ارادوں سے باخبر ہو، وہ بھلا دوسرے ظاہری اعمال سے کیسے بے خبر ہوگا۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ

اور جب پہنچی انسان کو کوئی مصیبت، تو پکارنے لگا اپنے رب کو رجوع کرتا ہوا اُس کی طرف، پھر جب دی اُسے کوئی نعمت اپنی طرف سے،

مَا كَانَ يَدْعُوْۤا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ

تو بھول گیا جو دُہائی دیتا تھا اللہ کی پہلے، اور بنالیا اللہ کے برابری والوں کو، تاکہ گمراہ کردے اُس کے راستے سے،

قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ⑧

کہہ دو "رہ لے اپنے کفر کے ساتھ کچھ دن، بے شک تُو جہنمیوں سے ہے"•

(اور) اگر بعض انسانوں کے نفسیات کو سمجھنا ہو، تو دیکھو کہ (جب پہنچی) عتبہ بن ربیعہ۔۔یا۔۔ حنیفہ بن مغیرہ جیسے (انسان کو کوئی مصیبت)، یعنی بیماری اور مفلسی اور بلاء، (تو پکارنے لگا اپنے رب کو رجوع کرتا ہوا اُس کی طرف)۔ یعنی بت پرستی ترک کر کے اور بتوں کی خواہش سے منہ موڑ کر، اُسی سے فریادرسی کرنے لگتا ہے۔

(پھر جب دی) حق تعالیٰ نے (اُسے کوئی نعمت اپنی طرف سے)، اور وہ سختی اُس سے دفع کردی، اُسے اپنی طرف سے بہت بڑی نعمتوں سے نوازا، اُس کے جملہ امور کی کفالت کی، اُس کے معاملات سنوارے اور اس کے احوال اچھے بنادیئے، (تو بھول گیا جو دُہائی دیتا تھا اللہ) تعالیٰ (کی پہلے)۔ یعنی جس کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارتا تھا یعنی اُس دکھ کو بھول جاتا ہے جس سے نجات پانے کی دعائیں مانگتا تھا دولت مند ہونے سے پہلے۔

۔۔یا۔۔اِس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے پروردگار کو بھول گیا جس سے دکھ ٹالنے کی دُعائیں مانگتا اور اُس کے حضور میں گڑگڑاتا تھا۔ اِس اعتبار سے کہ مَا بمعنی مَنْ ہے جیسے کہ باری تعالیٰ کے قول وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ میں مَا بمعنی مَنْ ہے۔۔یا۔۔اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اس کا نسیان انتہائی مقام پر پہنچتا ہے، گویا وہ مدعو یعنی جس سے دُعا مانگتا تھا اُس کو جانتا تک نہیں، چہ جائیکہ کہ اُسے یاد رکھتا ہو، کہ وہ اِس سے پہلے کسی سے دُعا مانگتا تھا۔ اس لیے یہ بہت بڑا ناشکرا اور انتہائی درجہ کا مجرم سمجھا جاتا ہے۔۔الحاصل۔۔اُس نے خدا کو اور اپنے سابقہ دکھ کو، اور اس کے ٹلنے کے لیے خدا سے اپنی عاجزانہ فریاد کو، بھلا دیا۔۔۔

(اور بنالیا اللہ) تعالیٰ (کے برابری والوں کو)۔ یعنی اللہ کا شریک بنالیا اور بتوں کی عبادت کی طرف لوٹ گیا۔ (تاکہ) اس ذریعے سے (گمراہ کردے) لوگوں کو (اُس کے راستہ سے)، یعنی راہِ خدا سے جو اسلام ہے۔ اَے محبوب! (کہہ دو، رہ لے اپنے کفر کے ساتھ کچھ دن)، اور دُنیا کی عارضی زندگی میں دُنیا کی فائدہ کی چیزوں میں سے جس چیز کے ساتھ چاہے مشغول ہولے، بالآخر (بے شک تُو جہنمیوں میں سے ہے)۔ اور دُنیا کی لذتیں عذابِ دوزخ کے مقابلے میں نہایت حقیر اور ناچیز ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ۔۔۔

اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّیۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا یَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَ یَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ

کیاوہ جوعبادت گزار ہے رات کے اوقات میں، سجدہ کرتا اور کھڑے رہتا، ڈر رہا ہے آخرت کو، اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی،

قُلۡ هَلۡ یَسۡتَوِی الَّذِیۡنَ یَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ؕ

پوچھو کہ "کیا برابر ہیں جو علم رکھتے ہیں اور جو بے علم ہیں؟"

اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۹﴾ ع ۱۵

نصیحت قبول کرتے ہیں بس عقل والے●

(کیا) ایسا کافر بہتر ہے یا (وہ، جو عبادت گزار ہے؟ رات کے اوقات میں سجدہ کرتا) خدا کا، (اور کھڑے رہتا) نماز میں، (ڈر رہا ہے آخرت کو) یعنی اُس کے عذاب کو، (اور امید رکھتا ہے اپنے رب کی رحمت کی)۔ یعنی باوصف اِس کے کہ طاعت بہت کرتا ہے اور طریقہ مجاہدہ لازم پکڑے ہوئے ہے، پھر بھی متردد ہے خوف ورجاء کے درمیان۔

یعنی کبھی تو کعبۂ خوف کے گرد طواف کرتا ہے، کبھی میدانِ امید میں سیر۔ اور 'مرغِ ایمان' اقبال کے اِن دو بازوؤں یعنی خوف وامید کے سوا 'ہوائے کمال' میں اُڑ نہیں سکتا۔

یہاں سے حق کا بیان ہے اور علم وعمل کی شرافت کا اظہار ہے۔

اَے حبیب! (پوچھو، کہ کیا برابر ہیں جو علم رکھتے ہیں) یعنی جو اعمال کے حقائق کے عالم ہیں، اور اپنے علم کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں۔ **قانت** مذکور کی طرح، (اور جو بے علم ہیں؟) یعنی وہ مذکورہ حقائق سے کچھ نہیں جانتے، بلکہ اپنے جہل کے موافق عمل کر کے گمراہ ہو جاتے ہیں، جیسے کافر۔

استفہام میں تنبیہ ہے، کہ علم والے بہت مراتبِ خیر میں ہیں اور بے علم جاہل شر کے انتہائی مدارج میں ہیں۔ ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جن میں علم کے حقائق موجود ہیں اور جن میں نہیں، ہر دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ غور کیجیے کہ خدا کی توحید جاننے والے 'اربابِ فضائل' خدا کی وحدت نہ جاننے والے 'اصحابِ رذائل' کی طرح کیسے ہوسکتے ہیں؟

اِن آیاتِ بیناتِ واضحہ سے (نصیحت قبول کرتے ہیں بس عقل والے)۔ جن کے عقول شوائب خلل ووہم سے خالص ہیں، اور کافر لوگ اُس سے کوسوں دُور ہیں۔ تو اَے محبوب! میری قدرت کی دلیلوں سے نصیحت قبول کرنے والے عقل والوں سے جو وہم کی آلودگی سے پاک ہیں۔۔۔

قُلۡ يٰعِبَادِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّكُمۡ‌ؕ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِىۡ هٰذِهِ الدُّنۡيَا حَسَنَةٌ‌ ؕ

تم کہو کہ "اَے میرے وہ بندو جو ایمان لا چکے، ڈرتے رہو اپنے رب کو" اُن کے لیے جنہوں نے بھلائی کی اُس دُنیا میں بھلائی ہے۔

وَاَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ‌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَهُمۡ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ بھرپور دیے جاتے ہیں صبر کرنے والے ہی اپنا اُجر، بے حساب●

(تم کہو، کہ اَے میرے وہ بندو جو ایمان لا چکے! ڈرتے رہو اپنے رب کو)، اور پرہیز کرتے رہو، اور تقویٰ کی علامت، طاعت کرنا اور گناہ سے بچنا ہے۔ اور جان لو کہ (اُن کے لیے جنہوں نے بھلائی کی اُس دُنیا میں بھلائی ہے) آخرت میں۔ یہاں کی بھلائی ایمان کے ساتھ نیکیاں کرنا ہے اور آخرت کی بھلائی ثواب بہشت ہے۔

--یا-- جن لوگوں نے طاعتوں کے التزام کے ساتھ نیکیاں کیں، دُنیا میں اُن کے واسطے نیک بدلا ہے، اور وہ صحت اور عافیت ہے۔

--یا-- جن لوگوں نے اخلاقِ الٰہی اپنے میں پیدا کیے، تو دُنیا میں دِل کی روشنی، چہرہ کی تازگی، اور تعریف وتوصیف، اُن کے لیے ہے۔

--یا-- جن لوگوں نے مشاہدہ کے طریقے پر عبادت کی، دُنیا میں ان کے واسطے بھلائی، انوارِ تجلیاتِ جمال دیکھنا ہے۔

بعضے عالموں کے قول پر یہ آیت حبشہ کے مہاجروں کی شان میں ہے، جیسے حضرت جعفر بن ابی طالب اور اُن کے اصحاب رضی اللہ عنہم۔ تو نیکی کرنے کی تفسیر ہجرت کرنے سے بھی کی جاسکتی ہے---

یعنی جن لوگوں نے ہجرت کی انہیں دُنیا میں دشمنوں سے راحت اور بلاء سے نجات ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (کی زمین) ہجرت کرنے کے لیے (کشادہ ہے)۔ ہجرت کرنے والے کچھ خسارے میں نہیں رہتے، بلکہ (بھرپور دیئے جاتے ہیں صبر کرنے والے ہی اپنا اجر بے حساب)۔ وہ صابرین جو وطنوں کی مفارقت پر۔ یا۔ مسافرت اور غربت کی سختی اور کربت پر۔ یا۔ عبادت کی مشقت پر۔ یا۔ دشمنوں کی ایذاء سے پرہیزگاری کرتے ہیں، اُن سب کو بے شمار اجر عطا فرمایا جاتا ہے، اِس قدر کہ شمار میں نہ آئے۔

اُن کا عالَم یہ ہوگا، کہ قیامت کے دن اُن بَلا کھینچنے والے صابرین کو 'عرصات' میں نہ تو حاضر کریں گے اور نہ ہی ان کے لیے ترازو کھڑی کریں گے، نہ اعمال نامہ رکھیں گے،

بلکہ اُن کے اوپر بے حساب اجر کی بارش کردی جائے گی۔ اور اُن کو وہ درجہ حاصل ہوگا کہ دُنیا میں جو خیر وعافیت سے رہے اور کبھی کسی دکھ اور ظلم میں نہیں پھنسے، وہ تمنا کریں گے کہ کاش کہ ہمارے بدن قینچیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کردیے گئے ہوتے، کہ آج بلاء والوں کے ساتھ ہم کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہوتا۔

کفارِ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے کہا، کہ آپ ہمارے پاس جو پیغام لے کر آئے ہیں، اِس پر آپ کو کس نے برانگیختہ کیا ہے؟ کیا آپ نے اپنے آباء واجداد کی ملت کو نہیں دیکھا؟ آپ اُس پر کیوں نہیں عمل کرتے؟ اِس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اِس آیت میں ایک تو رسول اللہ ﷺ کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے اور دوسرا یہ فرمایا گیا ہے، کہ اللہ کی عبادت شرک جلی اور شرکِ خفی سے خالص ہونی چاہیے۔ چونکہ عبادت ظاہری اعضاء اور ارکان سے ہوتی ہے اور اخلاص کا تعلق دِل سے ہے، اِسی لیے اخلاص کے ذکر سے پہلے عبادت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ﴿۱۱﴾ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲﴾

کہہ دو کہ "بلاشبہ حکم دیا گیا ہے مجھے کہ پوجتا رہوں اللہ کو مخلصانہ عقیدے کے ساتھ • اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہوں سب سے پہلا مسلمان"•

(کہہ دو کہ بلاشبہ حکم دیا گیا ہے مجھے کہ پوجتا رہوں اللہ) تعالیٰ (کو مخلصانہ عقیدہ کے ساتھ • اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہوں سب سے پہلا مسلمان)۔ یعنی اِس امت میں مجھے سب سے پہلے اسلام لانے کا حکم دیا گیا ہے۔

کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنایا ہے اُس پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اطاعت واجب ہے۔ کیونکہ رسول کو سب سے پہلے احکام کی معرفت ہوتی ہے، اس لیے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اُس پر واجب ہوگی۔ اِن آیتوں میں اخلاص کے ساتھ اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اخلاص کے تعلق سے حضرت جنید کا ارشاد یہ ہے، کہ اخلاص یہ ہے کہ خلوت اور جلوت کے تمام کام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اور اس میں کوئی اور شریک نہ ہو۔

اِس آیت کا یہ معنیٰ بھی کیا گیا ہے، کہ میں مسلمانوں کا پہلا بن کر رہوں، کیونکہ دُنیا و آخرت میں اُن کا امام اور اُن کے آگے چلنے والا ہوں، تو میرے لیے مناسب یہی ہے کہ ہر خوبی اور ہر کمال میں مسلمانوں پر مقدم اور اُن کا اوّل رہوں۔

اور اَے محبوب! اِن کافروں سے دوسری بار۔۔۔

قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۳﴾

کہہ دو کہ "بلاشبہ میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کرتا اپنے رب کی، بڑے دن کے عذاب کو"●

(کہہ دو) کہ اَے کافرو! جو تم مجھے اپنے مشرکانہ طریقوں پر عمل کی دعوت دے رہے ہو، اور بت پرستی اختیار کرنے کو کہہ رہے ہو، تو اِس کی امید مجھ سے نہ رکھو، اس لیے کہ یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا، کیوں (کہ بلاشبہ میں ڈرتا ہوں) کہ (اگر نافرمانی کرتا اپنے رب کی) اور تمہاری خواہش کے مطابق تمہارا مشرکانہ طریقہ اختیار کر لیتا، (بڑے دن کے عذاب کو)، کہ بڑی ہیں اُس کی گردشیں اور بہت ہیں اُس کی ہولیں۔ اَے محبوب!۔۔۔

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِیْنِیْ ﴿۱۴﴾

کہہ دو کہ "اللہ کو پوجتا رہتا ہوں اپنے مخلصانہ عقیدے سے●

(کہہ دو، کہ) میں (اللہ) تعالیٰ (کو پوجتا رہتا ہوں اپنے مخلصانہ عقیدہ سے) اِس حال میں کہ پاک کرنے والا ہوں اس کے واسطے اپنے دین کو شرک سے، اور خالص کرنے والا ہوں اپنے عمل کو ریاء سے۔ رہ گیا تمہارا خودساختہ معاملہ۔۔۔

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ اِنَّ الْخٰسِرِیْنَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

تو تم لوگ پوج دیکھو جسے چاہو اُس کے خلاف۔" کہہ دو کہ "بے شک گھاٹے والے وہ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے کو،

وَ اَهْلِیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ ﴿۱۵﴾ لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ

اور اپنے والوں کو، قیامت کے دن۔" خبردار یہی کھلا ہوا گھاٹا ہے● اُنہیں کے لیے ہے کہ "اُن کے اوپر آگ گھیرے ہے

مِّنَ النَّارِ وَ مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

اور اُن کے نیچے سے گھیرے ہے۔" یہ ہے جس سے ڈراتا ہے اللہ اپنے بندوں کو، "اَے میرے بندو! تو مجھے ڈرو"●

(تو تم لوگ پوج دیکھو جسے چاہو اُس کے خلاف)۔تمہیں کسی طرح کی بھلائی ملنے والی نہیں، اور ہر خیر سے محرومی ہی تمہارا مقدر ہے۔

ایک قول پر یہ حکم تہدید اور اُن کے محروم رہنے کی تنبیہ کے لیے ہے، تو 'آیتِ سیف' سے یہ حکم منسوخ ہے۔عرب کے مشرکین نے یہ حکم سن کر یہ جواب دیا، کہ اَے محمدﷺ 'تم نے اپنا نقصان کیا، اپنے باپ دادا کے دین کی مخالفت میں۔تو یہ آیت نازل ہوئی، کہ اَے محبوب! جواباً۔۔۔

(کہہ دو، کہ بے شک گھاٹے والے وہ ہیں جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا اپنے کو) یعنی خود گمراہ ہوگئے، (اور اپنے والوں کو) بھی گھاٹے میں ڈالا، یعنی انہیں بھی گمراہ کردیا۔(قیامت کے دن) یعنی قیامت میں، وہ بہشت کی بجائے دوزخ میں داخل ہوں گے جبکہ انہیں دائمی عذاب کے لیے پیش کیا جائے گا، اور جہنم میں ڈالا جائے گا، اور ایسے ہی تباہی و بربادی کا نشانہ بنایا جائے گا، کہ اُس جیسی کوئی تباہی و ہلاکت اور نہ ہوگی۔(خبردار یہی) تباہی اور ہلاکت (کھلا ہوا گھاٹا ہے ۞ انہیں کے لیے ہے، کہ اُن کے اوپر آگ گھیرے ہے اور اُن کے نیچے سے گھیرے ہے)۔

اوپر والے کا تو سائبان کی طرح ہونا ظاہر، مگر نیچے والے کو سائبان اِس لیے کہا گیا، کہ اگرچہ وہ اپنے اوپر رہنے والے کے لیے فرش کی طرح ہے، لیکن اُس کے نیچے رہنے والے کے لیے گویا کہ سائبان ہے۔چونکہ جہنم کے بہت سارے درکات ہیں، ہر اوپر والا درکہ اپنے نیچے والے درکہ کے لیے گویا سائبان ہے۔مقصودِ کلام یہ ہے کہ جہنمی نیچے اوپر ہر طرف سے آگ کی چادروں میں گھرا ہوگا۔چونکہ منافقین 'درکِ اسفل' میں رہنے والے ہیں جس کے نیچے کوئی درکہ نہ ہوگا، تو اُن کے نیچے کا فرش اُن کے لیے آگ کا فرش تو رہے گا، مگر کسی اور کے لیے وہ سائبان کی طرح نہ ہوگا۔

(یہ) وہی عذاب (ہے جس سے ڈراتا ہے اللہ) تعالیٰ (اپنے بندوں کو) تاکہ پرہیز کریں ایسی چیز سے جو انہیں اُس عذاب میں مبتلا کرے، جیسے شرک اور معصیت۔اللہ تعالیٰ بندوں کو اپنے اِس ارشاد کے ذریعہ ڈراتا ہے، کہ (اَے میرے بندو! تو مجھے ڈرو) اور جو چیز میرے غضب کی موجب ہو اس سے اپنے کو بچاتے رہو۔اپنے قول وفعل سے کوئی ایسی بات نہ کرو، جو میرے غضب کا باعث ہو۔

روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک گروہ نے خالق کی وحدانیت کا اقرار کیا، جیسے

حضرت سلمان فارسی اور ابوذر غفاری اور زید بن عمر بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تو حق تعالیٰ اُن کی شان میں فرماتا ہے۔۔۔

وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ

اور جو بچے رہے بتوں سے کہ اُسے پوجتے، اور رجوع کیا اللہ کی طرف، اُنہیں کے لیے خوشخبری ہے۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ

تو خوشخبری دو میرے بندوں کو۔ جو سنتے رہیں بات، پھر پیروی کریں اُس کی بہتر تعلیم کی،

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿١٨﴾

یہی ہیں جنہیں راہ دی اللہ نے، اور وہی عقل والے ہیں۔

(**اور جو بچے رہے بتوں سے کہ اُسے پوجتے**) یعنی شیطان۔۔یا۔۔اصنام۔۔یا۔۔کاہنوں سے۔۔یا۔۔ہر چیز سے جس کو خدا کے سوا پوجتے ہیں، اُن سب سے کنارے ہو گئے، (**اور رجوع کیا اللہ**) تعالیٰ (**کی طرف**) اس کے حکم کی طرف بالکل، اور اپنے دِل کو حق کی طرف متوجہ کیا، (**اُنہیں کے لیے خوشخبری ہے**) دُنیا میں مرتے وقت، فرشتوں کی زبانی سلامتی کا مژدہ اور عقبیٰ میں گناہوں کی مغفرت اور ہمیشہ کے واسطے جنت کی بشارت۔

اسبابِ نزول میں لکھا ہے جب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ حضرت رسالت پناہ ﷺ کی خدمت میں سرفراز ہوئے تو چھ آدمی جو بعد کو عشرہ مبشرہ میں سے ہوئے، یعنی حضرت عثمان، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعید بن زید، حضرت سعد بن ابی وقاص، اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُن سے ملاقات کی، تو حقیقتِ ایمان کی خبر پوچھی اور جو باتیں حضرت صدیق نے فرمائیں، اُن سے ان لوگوں نے سچائی کی خوشبو محسوس کی اور سب مسلمان ہو گئے۔ اُن کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

(**تو خوشخبری دو میرے بندوں کو۔ جو سنتے رہیں بات، پھر پیروی کریں اُس کی بہتر تعلیم کی، یہی ہیں جنہیں راہ دی اللہ**) تعالیٰ (**نے**) منزلِ مقصود کی، (**اور وہی عقل والے ہیں**) جن کی عقلیں صاف ہیں وہموں کے شائبوں سے اور خالی ہیں عوام کی عادتوں سے۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں بعضوں نے کہا ہے کہ بات سننا اور بہتر بات کی پیروی کرنا عام ہے، اور **قول** سے قرآنِ کریم مراد ہے۔ اور اُس میں **اَحْسَن** محکم ہے منسوخ کے سوا۔ اور

عزیمت ہے رخصت کے سوا۔

'احقاف' میں ہے کہ قرآن شریف میں دشمنوں کی خرابیاں اور مذمتیں ہیں اور دوستوں کی خوبیاں اور صفتیں ہیں، تو یہ لوگ 'احسن' کی اتباع کرتے ہیں۔

'لباب' میں ہے کہ ملتوں والوں کے قول مراد ہیں، اور سب ملتوں میں دین اسلام **اَحْسَنَ** ہے۔

اور بہت مشہور بات یہ ہے کہ **قَوْلَ** سے وہ باتیں مراد ہیں جو مجلسوں اور محفلوں میں ہوتی ہیں، اور اہلِ دِل لوگ اُن باتوں میں سے بہتر بات کی متابعت کرتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ:

خُذْمَا صَفَا وَدَعْ مَاکَدِرَ

جو بات دِل کے لیے صاف وشفاف ہو اُسے قبول کرو،

اور جو دِل کو مکدر کرے اُس کو چھوڑ دو۔

'بحرالحقائق' میں ہے، کہ **قَوْلَ** عام ہے خدا کا کلام ہو۔۔یا۔۔فرشتوں کی بات۔۔یا۔۔ آدمی کا قول۔۔یا۔۔شیطان کی بات یا نفس کی۔ تو آدمی تو حق اور باطل نیک اور بد سب کچھ کہتا ہے، اور شیطان گناہ ہی کی بات کرتا ہے، اور نفس آرزوؤں ہی کی رغبت دلاتا ہے، اور فرشتہ طاعت اور عبادت کی طرف بُلاتا ہے، اور حق تعالیٰ اپنی طرف پکارتا ہے، تو خالص بندے وہ ہیں جو **اَحْسَنَ** اقوال کو، کہ وہ حضرت رب الارباب کا خطاب ہے، اور یہ خطاب جنابِ رسول خدا ﷺ کی زبانی سنا اُسی کی پیروی کرتے ہیں، تو وہی فلاح یافتہ اور کامیاب ہیں۔

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ۭ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿١٩﴾

تو کیا جس پر درست ہو چکی عذاب کی بات، تو "کیا تم رہائی چاہو گے اُس کی جو جہنمی ہی ہے؟"

(تو کیا جس پر درست ہو چکی عذاب کی بات)، یعنی اُن کے جہنمی ہونے کی بات، (تو کیا تم رہائی چاہو گے اُس کی جو جہنمی ہی ہے)۔۔الحتصر۔۔ابولہب اور عتبہ جیسوں کی جہنم سے رہائی تمہارے ہاتھ میں نہیں، اور نہ تم اُن جیسوں کی رہائی چاہ سکتے ہو۔ اب جب وہ مؤمن ہو ہی نہیں سکتے، تو پھر اُن کی نجات کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے؟ انہیں ہر حال میں دوزخ ہی میں رہنا ہے اور اس کا عذاب سہنا ہے۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ

لیکن جو ڈرے اپنے رب کو، اُن کے لیے بالا خانے پر بالا خانے بنے ہوئے ہیں۔

تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ⑳

بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں۔۔اللہ کا وعدہ ہے، نہیں خلاف کرتا اللہ وعدے کے●

(لیکن) اِن کے برعکس ہے اُن کا حال (جو ڈرے اپنے رب کو) یعنی رب کے عذاب سے ڈرے اور ایمان اور اطاعت سے متصف اور آراستہ ہوئے، (اُن کے لیے بالاخانے پر بالاخانے بنے ہوئے ہیں) اور اُن کے یہ مستحکم مکانات ایسی زمین پر بنے ہوئے ہیں، کہ (بہتی ہیں اُن کے نیچے) جنت کی (نہریں)۔ یہ (اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ ہے) جو پورا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ (نہیں خلاف کرتا اللہ) تعالیٰ اپنے (وعدہ کے)۔

اللہ تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں سے مغفرت کا وعدہ کیا ہے اور اطاعت کرنے والوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ اور جو اُس کے دیدار کے مشتاق ہیں اور محب صادق ہیں اُن سے اپنے قرب، اپنی رضا، اور اپنے دیدار کا وعدہ کیا ہے۔ یہ سارے وعدے انشاء اللہ تعالیٰ پورے ہو کر رہیں گے۔ اِس مقام پر یہ خیال رہے 'وعد' اور 'وعید' میں فرق ہے۔

انعام واکرام کی خبر دینے کو وعدہ کہا جاتا ہے، اور سزا کی خبر دینے کو وعید کہا جاتا ہے۔ وعدہ کے خلاف کرنا بخل ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے۔ اور وعید کے خلاف کرنا کرم ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لیے جائز ہے۔ تو جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے سزا کی خبر دی ہے، اگر وہ اُس کے خلاف کرے اور سزا نہ دے، تو یہ اُس کا کرم ہے اور یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جن آیات میں گنہگاروں کے عذاب کی خبر دی وہ حتمی نہیں ہے، بلکہ اُس شرط کے ساتھ مشروط ہے، کہ اگر میں چاہوں۔ اور ظاہر ہے کہ اِس طرح کی مشروط خبر کے خلاف کرنا کذب نہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہے، بلکہ یہ کرم ہے اور اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔

--ہاں-- یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے جو سزا کی خبر دی ہے، وہ حتمی اور لازمی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں فیصلہ فرمادیا، کہ کفر و شرک کو تو وہ معاف ہی نہیں کرے گا اُس کے سوا جن گناہ کو چاہے بخش دے۔ آگے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت وقدرت اور فضل وکرم کے جلوئے محسوس حقائق کی روشنی میں ظاہر فرمارہا ہے، کہ اَے محبوب!۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ

کیا نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ نے اتارا آسمان کی طرف سے پانی، پھر جاری کیا اُس سے چشمے زمین میں، پھر نکالتا ہے اُسی سے

زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا

کھیتی رنگارنگ کی، پھر وہ سوکھ جاتی ہے تو دیکھتے ہو اُس کو زرد، پھر کر دیتا ہے اُس کو چورا چورا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۲۱﴾ ع ۲ ۱۴

بے شک اِس میں سبق ہے عقل والوں کے لیے●

(کیا نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (نے اُتارا آسمان کی طرف سے پانی، پھر جاری کیا اُس سے چشمے زمین میں، پھر نکالتا ہے اُسی سے کھیتی رنگارنگ کی) جیسے سبز، زرد، سرخ اور اُن رنگوں کے سوا۔۔یا۔۔جدا جدا جنسیں جو، گیہوں، تل اور اُن کے مثل۔ (پھر وہ سوکھ جاتی ہے) ہری ہونے کے بعد، (تو دیکھتے ہو اُس کو زرد) تازگی اور سبزی کے بعد۔ (پھر کر دیتا ہے) اللہ تعالیٰ (اُس کو چورا چورا) ریزہ ریزہ اور ملا اور روندا ہوا۔ (بے شک اس) پانی برسانے اور سبزہ اگانے (میں، سبق ہے عقل والوں کے لیے)۔۔یا۔۔اُس میں نصیحت ہے عقلمندوں کے لیے، کہ مالِ دُنیا کو اُس تروتازہ کھیت سے تشبیہ دیتے ہیں اور اُس پر اعتماد نہیں کرتے، اس واسطے کہ تھوڑے ہی زمانے میں وہ تروتازگی جاتی رہتی ہے اور زردی اور خشکی آجاتی ہے، اور حوادث کے سبب سے پامال ہو کر اور کٹ کر تلف ہو جاتی ہے۔ دُنیا کی بے ثباتی اور یہ سمجھنا کہ دُنیا دھوکے کا گھر ہے، یہ اُسی وقت ممکن ہے جب دِل میں نور داخل ہو جاتا ہے، اور شرح صدر ہو جاتا ہے۔۔۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ

تو کیا شک کہ "وہ شخص کہ کھول دیا اللہ نے جس کا سینہ اسلام کے لیے، تو وہ روشنی پر ہے اپنے رب کی طرف سے،" تو ہلاکی ہے اُن کے لیے

قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

کہ "سخت ہیں جن کے دل اللہ کی یاد سے، وہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں"●

(تو کیا شک، کہ وہ شخص، کہ کھول دیا اللہ) تعالیٰ (نے جس کا سینہ اسلام کے لیے) یعنی قبولِ اسلام اور اطاعتِ حکمِ مَلِکِ علام اور متابعتِ سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے، (تو وہ روشنی پر ہے اپنے رب کی طرف سے) یعنی اپنے رب کی طرف سے یقین و بصیرت پر ہے۔ تو وہ اُس کے مثل نہیں ہو سکتا جس کا سینہ حق بات اور اسلام قبول کرنے سے تنگ ہے۔

روایت ہے کہ یہ آیت حضرت علی مرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

شان میں ہے، کہ حق تعالیٰ نے اُن کے دِل نورِ معرفت سے منور فرمادیے، پھر ابولہب اور اُس کے بےادب بیٹے جیسوں کے تعلق سے فرمایا۔۔۔

(تو ہلاکی ہے اُن کے لیے کہ سخت ہیں جن کے دِل اللہ) تعالیٰ (کی یاد سے)۔یعنی ان کے دل یادِ الٰہی سے اِنکار کرنے والے ہیں۔۔یا۔۔اُس سے خالی ہیں۔(وہ) گروہِ غافل اور سنگدل (لوگ کھلی گمراہی میں ہیں)۔جوکوئی ذرا بھی فہم رکھتا ہے، اُس پر اُس کی گمراہی ظاہر ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے، کہ سینہ کشادہ اور دِل کھلا رہنے کی نشانی پھرنا ہے 'دارالخلود' کی طرف، یعنی آخرت کی طرف متوجہ ہونا۔اور پہلوتہی کرنا ہے 'دارالغرور' سے یعنی دُنیا سے پرہیز کرنا ہے۔ایک بار صحابہ کرام نے حضرت سیدانام علیہ السلام سے عرض کی، کہ کیا ہی اچھا ہوا گر آپ ہمارے واسطے کچھ کلماتِ طیبات ارشاد فرمائیں، اور اپنے لب شکر بار سے بات کہہ کر سننے والوں کی طوطیانِ ارواح کو شیریں کام کردیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ

اللہ نے اُتاری سب سے بہتر بات کی کتاب، باہم برابر ملتی جلتی، دوہرے بیان کی۔رونگٹے کی طرح تھرااُٹھیں جس سے بدن،

يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ

اُن کے جوڈریں اپنے رب کو، پھر نرم ہوجائیں اُن کے اعضاء ودِل اللہ کی یاد کی طرف۔یہ اللہ کی ہدایت ہے،

يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۲۳﴾

ہدایت دے اُس کی جسے چاہے اور جسے بےراہ رکھے اللہ، تو نہیں ہے اُسے کوئی راہ دینے والا●

(اللہ) تعالیٰ (نے اُتاری سب سے بہتر بات کی کتاب باہم برابر ملتی جلتی)، یعنی اس کی بعض آیتیں بعض کے مشابہ ہیں اعجاز میں۔۔یا۔۔لفظ کی بلاغت اور معنی کی صحت میں۔۔یا۔۔اس میں بعض تصدیق کرنے والی ہے بعض کی، اور اِس میں کچھ تناقض اور اختلاف نہیں (دوہرے بیان کی)، یعنی اِس میں 'دو دو' خبریں جوڑ کی طرح مذکور ہیں، جیسے امرونہی، وعدووعید، ذکروفکر، رحمت وعذاب، بہشت ودوزخ، اور مؤمن وکافر، وغیرہ (رونگٹے کی طرح تھرااُٹھیں جس) کی وعیدوں (سے بدن اُن کے جوڈریں اپنے رب کو، پھر نرم ہوجائیں اُن کے اعضاء ودِل اللہ) تعالیٰ (کی یاد کی طرف)۔یعنی خداوندکریم کی رحمت اور مغفرت یاد کرنے کی طرف۔

امام قشیری نے فرمایا کہ تھراتے ہیں ہیبتِ الٰہی سے، اور تسکین پاتے ہیں انسِ بادشاہی سے۔ بعضوں نے کہا، کہ تھرانا اور آرام پانا قبض وبسط کے آثار سے حاصل ہوتا ہے۔۔یا۔۔ پوشیدگی اور تجلی کے سبب سے۔

(یہ) قرآن (اللہ) تعالیٰ (کی ہدایت ہے، ہدایت دے اُس کی جسے چاہے) یعنی راہ دکھانا اور ارشاد فرمانا خلق کو ہے خدائے خالق کی طرف سے۔ (اور جسے بے راہ رکھے) اور اُس کی گمراہی پر چھوڑ دے (اللہ) تعالیٰ، (تو نہیں ہے اُسے کوئی راہ دینے والا) جو اُس کی حیرانی اور سرگردانی سے اُسے نجات دے۔

أَفَمَنْ يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا

تو کیا راہ ہوئی اُس کی، جو بچت کی ڈھال بنائے اپنے چہرے کو بُرے عذاب سے قیامت کے دن، اور کہہ دیا گیا ظالموں کو کہ

مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۲۴﴾

"چکھتے رہو جو کماتے تھے"●

(تو کیا راہ ہوئی) عذاب سے نجات کی (اس) بے راہ (کی، جو بچت کی ڈھال بنائے اپنے چہرے کو بُرے عذاب سے قیامت کے دن؟)۔ تو یہ ڈرنے والا کیا اُس کے مثل ہے جو عذاب سے نڈر ہو کر جنت میں راحت کی زندگی بسر کرنے والا ہے۔

'وسیط' میں کلبی سے منقول ہے، کہ اِس آیت میں ابوجہل کی طرف اشارہ ہے، کہ اُسے دوزخ میں لے جائیں گے ہاتھ گردن میں باندھ کر، اور وہ چاہتا ہوگا کہ آتشِ دوزخ کی طرف منھ نہ کرے اور اُس سے بچے۔

(اور کہہ دیا گیا ظالموں کو، کہ چکھتے رہو جو کماتے تھے) یعنی تم جو اپنے پیغمبر کی تکذیب کرتے تھے، اُس کا مزا چکھو۔

كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۵﴾

جھٹلایا اُنہوں نے جو اِن سے پہلے ہوئے، تو آیا اُن پر عذاب جہاں سے وہ بے خبر تھے●

(جھٹلایا انہوں نے) یعنی اُن بدنصیبوں نے اپنے پیغمبروں کو (جو اِن سے پہلے ہوئے)، یعنی کفارِ مکہ سے قبل ہوئے، (تو آیا اُن پر عذابِ) الٰہی (جہاں سے وہ بے خبر تھے)۔ یعنی جہاں سے

عذاب آنے کی وہ توقع نہیں رکھتے تھے۔ وہ امن کے ساتھ نہایت آرام اور چین کے ساتھ وقت بسر کر رہے تھے، کہ اچانک اُن کی امن کی جگہوں میں عذاب آ پہنچا۔ اُن کو اُس کا وہم وگمان نہ تھا، اور نہ ہی اُن کے دِل میں کبھی تصور آ سکتا تھا، کہ ایسے عذاب میں وہ مبتلا ہوں گے، کیونکہ وہ امن میں تھے اور عذاب سے بالکل غافل تھے۔

فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ

توچکھادیا اُنہیں اللہ نے رسوائی کو دُنیاوی زندگی میں۔ اور یقیناً آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے۔۔۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

کاش یہ جانتے!●

(توچکھادیا انہیں اللہ) تعالیٰ (نے رسوائی کو)۔ یعنی وہ اُسے ایسا محسوس کرتے تھے جیسے چکھنے والا شے کا ذائقہ محسوس کرتا ہے (دُنیاوی زندگی میں)۔ اور وہ رسوائی، مسخ وخسف، غرق وقتل، قید وجلا وطنی، جیسے عبرت ناک عذاب تھے۔ اور یہ تو ادنیٰ عذاب ہے، (اور) اِس کے مقابلے میں (یقیناً آخرت کا عذاب بہت بڑا ہے)، اس لیے کہ وہ سخت اور دائمی ہے۔ (کاش یہ جانتے) اور اُس سے عبرت پکڑتے اور پھر کبھی اللہ ورسول کی نافرمانی نہ کرتے، اور خود کو عذاب سے چھڑا لیتے۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور بے شک بیان فرمایا ہم نے لوگوں کے لیے اِس قرآن میں، ہر طرح سے، کہ یہ نصیحت قبول کریں●

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾

قرآن عربی زبان، جس میں کچھ بھی کجی نہیں، کہ لوگ ڈریں●

(اور بے شک بیان فرمایا ہم نے لوگوں کے لیے) عموماً، اور اہلِ مکہ کے لیے خصوصاً، (اِس قرآن میں ہر طرح سے)، یعنی ہر طرح کی مثل جو امرِ دین میں کام آئے، تا (کہ) شاید اب (یہ نصیحت قبول کریں) اِس کے سبب سے، اور وہ کتاب جو ہم نے اتاری ہے وہ (قرآن) ہے، جو (عربی زبان) میں ہے، (جس میں کچھ بھی کجی نہیں)۔ نہ اُس میں عیب ہے نہ خلل ہے، اور نہ ہی تناقض، اور غیر مخلوق ہے، اور۔۔۔ بہر تقدیر۔۔۔ اُتارا گیا ہے اُسے اِس لیے (کہ لوگ ڈریں) یعنی اُس

کے معنی میں غور و تامل کرنے کے سبب سے پرہیز کریں کفر اور تکذیب سے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ

ضرب المثل فرمایا اللہ نے کہ "ایک غلام ہے جس میں کئی ساجھے والے ہیں، سب بدطینت، اور ایک غلام صرف ایک شخص کا،

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۹﴾

کیا دونوں کی مثال برابر ہے؟ الحمدللہ" بلکہ اُن کے بہتیرے تو نادان ہیں●

(ضرب المثل فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے، کہ ایک غلام ہے جس میں کئی ساجھے والے ہیں) یعنی اُس کے کئی مالک ہیں، (سب بدطینت) بدخواہ اور ناموافق ہیں، اور ہر ایک اُس مرد کو کام کا حکم دے، اور وہ کسی کا کام پورا نہ کر سکے، اور کوئی شریک اُس سے راضی نہ ہو۔ (اور) اِس کے برعکس (ایک) مرد جو (غلام) ہے (صرف ایک شخص کا)، یعنی ایک غلام اُس کا ایک ہی آقا ہو، اور کوئی اُس میں جھگڑا نہ کرے، تو البتہ یہ غلام بالکل اپنے آقا کے کام میں متوجہ ہو کر اُس کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

(کیا دونوں کی مثال برابر ہے)؟ ہرگز نہیں! دونوں غلام برابر نہیں ہو سکتے، اس واسطے کہ ایک تو اپنے آقاؤں کے جھگڑے کے سبب سے عاجز ہوتا ہے، اور سب آقا اُس سے ناراض رہتے ہیں، اور دوسرا شریکوں کی منازعت سے سالم اور محفوظ ہے، تو اُس کا آقا اُس سے خوش اور راضی رہتا ہے۔

'مشرک' تو پہلے غلام کے مثل ہے، کہ اُس نے اپنا دِل اپنے معبودوں میں سے ہر ایک کی عبادت کر کے پراگندہ کیا۔ اور 'موحد' دوسرے غلام کے مثل ہے، کہ خدا کے سوا نہ کسی کی عبادت کرتا ہے اور نہ کسی کو خدا سمجھ کر دوست رکھتا ہے، اور نہ ہی بارگاہِ خداوندی کو چھوڑ کر اُس کی کوئی امید گاہ ہے۔

(الحمدللہ) سب تعریف اللہ کے واسطے ہے جو خدائی میں اپنا شریک نہیں رکھتا۔ (بلکہ اُن کے بہتیرے تو نادان ہیں)، جو نہیں جانتے ہیں کہ وہ مالکِ مطلق ہے۔

کفارِ مکہ کہتے تھے، کہ ہم امید رکھتے ہیں، کہ محمد 'صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم' وفات پا جائیں اور پھر ہم اِن سے نجات پائیں، تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اَے محبوب!۔۔۔

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿۳۰﴾

بے شک تمہاری موت آنی ہے اور بلاشبہ وہ لوگ بھی مرجانے والے ہیں●

(بے شک تمہاری موت آنی ہے اور بلاشبہ وہ لوگ بھی مرجانے والے ہیں)۔تو اپنی موت سے بے فکر اور بے خوف ہونا، اور دوسرے کی موت کا انتظار کرنا، عینِ جہالت اور کمالِ حماقت ہے۔ اگر انتظار کرنے والا ہی پہلے مرگیا، تو اُس کی موہومہ نجات کا کیا حشر ہوگا۔

ع ۱۷ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾

پھر بلاشبہ تم لوگ قیامت کے دن اپنے رب کے پاس جھگڑو گے●

(پھر بلاشبہ تم لوگ) اَے مؤمنو! (قیامت کے دن اپنے رب کے پاس) کافروں سے (جھگڑو گے) امرِ دین میں، اور اُن پر غلبہ تمہیں کو ہوگا۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ جھگڑا عام ہے کہ بعضے لوگ بعضوں سے جھگڑیں گے دُنیا کے قصے قضیوں میں، اور ہر ایک اپنے حق کو پہنچے گا۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ آج بتاریخ

۱۵/ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۹/مارچ ۲۰۱۲ء

بروز جمعہ مبارک، تیئیسویں ۲۳ پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی، اور

آج ہی بفضلہٖ تعالیٰ چوبیسویں ۲۴ پارہ کی تفسیر کا آغاز کردیا۔

مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت

مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

آمِيْن يَامُجِيْبَ السَّائِلِيْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَيٰسٓ،

وَبِحَقِّ نٓ وصٓ وَبِحَقِّ يَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ

سَيِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

٢٤

فَمَنْ أَظْلَمُ

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ

تو اُس سے زیادہ ظالم کون ہے، جو جھوٹ لگائے اللہ پر، اور جھٹلا دیا سچائی کو، جب آ گئی اُس کے پاس۔

اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ کافروں کا؟●

آگے کی آیتوں میں اللہ عزوجل اُن مشرکین سے خطاب فرمارہا ہے، جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا اور اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک کر لیا، اور اُنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور انہوں نے اللہ کے لیے اولاد ثابت کی، اور جب اللہ تعالیٰ کے رسل کرام صلوات اللہ علیہم اُن کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے، تو انہوں نے اُس پیغام کو جھٹلایا۔ اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

(تو اُس سے زیادہ) بڑا **(ظالم کون ہے جو جھوٹ لگائے اللہ)** تعالیٰ **(پر)**، اور اُس کے لیے زن، فرزند، اور شریک منسوب اور ثابت کرے **(اور)** جھوٹ جانے سچ بات کو۔۔ چنانچہ۔۔ **(جھٹلا دیا)** سراپا **(سچائی)** یعنی قرآنِ کریم **(کو، جب آ گئی)** وہ سچائی قرآنِ کریم کی شکل میں **(اُس کے پاس)**۔

بعضوں نے کہا ہے کہ 'صدق' سے مراد سیدنا محمد ﷺ ہیں کہ وہ جب اُن کافروں کے پاس تشریف لاتے ہیں، تو وہ کافر تکذیب کرتے ہیں اور جھوٹا بناتے ہیں۔

(کیا) مذکورہ کاذبین اور مکذبین اِس خام خیالی میں ہیں کہ **(نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ کافروں کا؟)**۔

اب معنی یہ ہوا کہ۔۔۔

جہنم کاذبین اور مذکورہ مکذبین اور دیگر کفار کی منزل اور اُن کا مقام ہے۔ یہ اُن کے کفر و تکذیب کی جزا ہے۔

وَالَّذِىْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جو لایا سچائی کو، اور تصدیق کی اُس کی، وہی پرہیزگار ہیں●

(اور جو لایا سچائی کو، اور) جس نے **(تصدیق کی اُس کی، وہی پرہیزگار ہیں)**۔

بعضے مفسرین کہتے ہیں کہ **جَآءَ بِالصِّدْقِ** سے جبرائیل امین مراد ہیں کہ قرآن لائے اور **صَدَّقَ بِهٖ** سے آنحضرت ﷺ مقصود ہیں کہ آپ نے اُس کی تصدیق فرمائی، اور قبول کر لیا۔

بعضوں نے کہا کہ قرآن لانے والے رسول مقبول ہیں اور اُس کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے مَردوں میں حضرت صدیق اکبر اور بچوں میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ اُس سے سارے مؤمنین مراد ہیں، کیونکہ سب اُس کی تصدیق کرنے والے ہیں۔

لَهُمْ مَّا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٤﴾

اُنہیں کے لیے ہے جو چاہیں اپنے رب کے یہاں۔ یہ ثواب ہے احسان والوں کا۔

لِيُكَفِّرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا وَيَجْزِيَهُمْ أَجْرَهُمْ

تاکہ اتار دے اللہ اُن سے بڑی سے بڑی بُرائی جو انہوں نے کی، اور ثواب دے اُنہیں

بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٣٥﴾

بڑی سے بڑی نیکی کا جو کر چکے تھے۔

(انہیں) پرہیزگاروں (کے لیے ہے) کہ وہ (جو چاہیں) نعمت اور کرامت (اپنے رب کے یہاں۔ یہ ثواب ہے احسان والوں کا) یعنی یہ جزا ہے اہلِ تصدیق کی۔ حق تعالیٰ اُن کو جزا دیتا ہے (تاکہ اُتار دے اللہ) تعالیٰ (اُن سے بڑی سے بڑی بُرائی جو انہوں نے کی)۔

یہاں بڑی بُرائی کا ذکر مبالغہ کے واسطے ہے، یعنی جب بہت زیادہ بُرے کام کو مٹائے اور چھپائے گا، تو جو کم بُرے کام ہیں انہیں بطریق اولیٰ محو اور مخفی فرمائے گا۔

(اور ثواب دے انہیں بڑی سی بڑی نیکی کا جو کر چکے تھے)۔ اور وہ بہت اچھا کام ایمان ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ اُن کے احسن اعمال کی جزا زیادہ عطا کریں گے، اور باقی اعمال کا اجر بدستور دیں گے۔

أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ ۖ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ ۚ

کیا نہیں ہے اللہ کافی اپنے بندے کو؟ اور ڈراتے ہیں تم کو اُن سے، جو اللہ کے خلاف ہیں۔

وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾

اور جس کو بے راہ رکھے اللہ، تو نہیں ہے اس کا کوئی راہ دینے والا۔

(کیا نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (کافی اپنے بندہ) محمد ﷺ (کو؟)۔

اِس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل شانہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنوں کے شر سے بچانے
کے لیے کافی ہے۔ اور وہ اپنے حبیب کی نصرت کر کے مشرکوں پر غالب کرے گا اور دین
محمدی کو سب دینوں پر غلبہ دے گا۔ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کفار کے
باطل معبودوں کا عیب بیان کرتے تو کافر کہتے، اَے محمد ﷺ ایسا نہ کہو، ورنہ ہمارے خداتم
کو رنج پہنچائیں گے اور تمہارا حال تباہ ہو جائے گا، تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔
(اور) کافروں کے خیال کو باطل قرار دے دیا، کہ اَے محبوب! یہ کافر لوگ (ڈراتے ہیں تم کو
اُن سے جو اللہ) تعالیٰ (کے خلاف ہیں) یعنی خدا کے سوا ان کے معبود ہیں، تو اُن پر واضح کر دو (اور)
بتادو کہ (جس کو بے راہ رکھے اللہ) تعالیٰ کہ گمراہی کی وجہ سے وہ خوف دلائے اُن چیزوں کا جو کنکر پتھر
ہیں، نہ ضرر پہنچا سکتے ہیں نہ فائدہ، (تو نہیں ہے اُس کا کوئی راہ دینے والا) جو اُن کی ہدایت کرے۔۔۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۳۷﴾

اور جسے راہ دے اللہ، تو نہیں اُس کا کوئی گمراہ کرنے والا۔ کیا نہیں ہے اللہ عزت والا انتقام لینے والا؟●

(اور جسے راہ دے اللہ) تعالیٰ (تو نہیں) ہے (اُس کا کوئی گمراہ کرنے والا) کہ اُسے راہ سے
بہکا دے، تو (کیا نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (عزت والا؟) یعنی دشمنوں پر غالب اور کافروں سے (انتقام
لینے والا؟) اَے محبوب! یہ کافر عجیب ناقص دماغ کے لوگ ہیں جو خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اللہ تعالیٰ
ہی کو کہتے ہیں، لیکن بے قدرت و بے اختیار بتوں کو اور لاچار پتھروں وغیرہ کو اپنا معبود بھی بنالیا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ

اور اگر پوچھا تم نے اُن سے کہ "کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو؟" تو ضرور کہہ دیں گے کہ "اللہ۔" پوچھو کہ

اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ

"ذرا بتاؤ، کہ جس کی دُہائی دیتے ہو اللہ کے خلاف، اگر اللہ نے چاہا مجھے نقصان پہنچانا،

هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ

تو کیا وہ اُس کی نقصان رسانی کو دور کر دیں گے؟ یا اللہ نے چاہا مجھ پر رحمت بھیجنا، تو کیا وہ اُس کی

رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۳۸﴾

رحمت کو روک دیں گے؟" کہو کہ "کافی ہے مجھے اللہ۔ اُسی پر بھروسہ رکھیں بھروسہ والے"●

(اور) اب (اگر پوچھا تم نے اُن سے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو؟ تو ضرور کہہ دیں گے کہ اللہ) تعالیٰ۔ اِس واسطے کہ زمین اور آسمان کا پیدا کرنا اُس کے خالق اور ایک ہونے پر بہت کھلی ہوئی دلیل ہے۔ تو اَے محبوب! ان کافروں سے (پوچھو کہ ذرا بتاؤ کہ جس کی دُہائی دیتے ہو اللہ) تعالیٰ (کے خلاف، اگر اللہ) تعالیٰ (نے چاہا مجھے نقصان پہنچانا)، سختیوں اور تکلیفوں میں مبتلا کر دینا، (تو کیا وہ) تمہارے معبود (اُس کی نقصان رسانی کو دُور کر دیں گے؟ یا) بصورتِ دیگر، اگر (اللہ) تعالیٰ (نے چاہا مجھ پر رحمت بھیجنا) اور راحت و منفعت پہنچانا، (تو کیا وہ اُس کی رحمت کو روک دیں گے؟)۔

'مقاتل' کہتے ہیں کہ رسولِ مقبول نے مشرکوں سے پوچھا تو وہ چپ ہو رہے، تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

کہ اَے محبوب! (کہو کہ) بھلائی پہنچانے اور بُرائی سے بچانے کو (کافی ہے مجھے اللہ) تعالیٰ، تو (اُسی پر بھروسہ رکھیں بھروسہ والے)، یعنی ہر باب اور ہر حال میں اپنا کام اُسی پر چھوڑیں۔

سابقہ ارشادات میں جب اللہ تعالیٰ نے قوی اور مستحکم دلائل کے ساتھ کفار کا رَد کر دیا اور وہ پھر بھی آپ کی رسالت اور آپ کے پیغام پر ایمان نہیں لائے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

کہہ دو کہ "اَے میری قوم! تم لوگ کر گزرو اپنی جگہ، میں بھی اپنا عمل کر رہا ہوں۔ تو جلد ہی جان لوگے●

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾

کہ کون ہے کہ آتا ہے اُس پر عذاب، جو رسوا کر دے اُسے، اور اترے اُس پر ٹھہر جانے والا عذاب"●

(کہہ دو کہ اَے میری قوم! تم لوگ کر گزرو اپنی جگہ) جس کو تم مناسب گمان کرتے ہو، (میں بھی) اللہ تعالیٰ پر کامل توکل کے ساتھ (اپنا عمل کر رہا ہوں۔ تو جلد ہی جان لوگے● کہ کون ہے کہ آتا ہے اُس پر عذاب جو رسوا کر دے اُسے، اور اُترے اُس پر ٹھہر جانے والا عذاب)۔

۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کے دشمنوں کو جنگِ بدر کے دن رسوا کیا کہ اُن میں سے ایک گروہ مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہوا اور ایک گروہ قید۔ یہ تو دُنیا میں حال ہوا اور اُن کے لیے آخرت میں **عَذَابٌ مُّقِيْمٌ** یعنی دائمی عذاب ہوگا، جو اُن کے ساتھ قائم رہے گا اور کبھی اُن سے جدا نہ ہوگا۔ اُس **عَذَابٌ مُّقِيْمٌ** سے بچنے کی صرف یہی شکل ہے کہ

حق تعالیٰ نے اپنے محبوب پر جو کتاب نازل فرمائی ہے، اس پر دِل کی سچائی کے ساتھ ایمان لایا جائے اور اُس کے احکامات پر عمل کیا جائے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَے محبوب!۔۔۔

إِنَّآ أَنزَلْنَا عَلَيْكَ ٱلْكِتَـٰبَ لِلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ ۖ فَمَنِ ٱهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِۦ ۖ

بے شک ہم نے اُتارا تم پر کتاب کو سب لوگوں کے لیے بالکل حق۔ تو جس نے ہدایت پائی، تو اپنے ہی بھلے کو۔

وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَمَآ أَنتَ عَلَيْهِم بِوَكِيلٍ ﴿٤١﴾ ع۴

اور جو بے راہ ہوا، تو اپنے بُرے کو بے راہ ہوتا ہے۔ اور نہیں تم اُن کے ذمہ دار●

(بے شک ہم نے اتارا تم پر کتاب کو) یعنی قرآن کو (سب لوگوں کے لیے بالکل حق)، یعنی بیان حق کے ساتھ، اس واسطے کہ قرآنِ شریف میں لوگوں کی معاش ومعاد کی مصلحتیں بیان ہیں۔ (تو جس نے ہدایت پائی) قرآن کے سبب سے، یعنی اُس کے احکامات پر عمل کر کے، (تو اپنے ہی بھلے کو)، یعنی اُسی کے واسطے ہے اُس عمل کرنے کا فائدہ۔ (اور جو بے راہ ہوا) یعنی قرآنِ کریم سے اپنا منہ پھیرلیا، (تو) سوااس کے نہیں کہ ایسا بے راہ ہونے والا (اپنے بُرے کو بے راہ ہوتا ہے)، یعنی اُس کی گمراہی کا وبال اُسی پر ہے۔ (اور) اَے محبوب! (نہیں) ہو (تم اُن کے ذمہ دار) کہ انہیں گمراہ نہ ہونے دو۔۔یا۔۔اُن کے وکیل نہیں ہو ہدایت اور ضلالت کے اختیار میں، بلکہ تمہارے ذمہ پر تو فقط حکم پہنچادینا ہے اور بس۔۔۔

اب یہ انسان کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ ہدایت کو قبول کرے اور مرنے سے پہلے راہِ مستقیم پر آجائے، کیونکہ ایک دن تو سب کچھ چھوڑ کر اِس دُنیا سے رخصت ہونا ہی ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

ٱللَّهُ يَتَوَفَّى ٱلْأَنفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَٱلَّتِى لَمْ تَمُتْ فِى مَنَامِهَا ۖ

اللہ پوری کر دیتا ہے زندگیوں کو اُن کی موت کے وقت، اور جنہیں جاگتے موت نہ آئی، تو اُس کے سوتے میں۔

فَيُمْسِكُ ٱلَّتِى قَضَىٰ عَلَيْهَا ٱلْمَوْتَ وَيُرْسِلُ ٱلْأُخْرَىٰٓ

چنانچہ روک لیتا ہے جس کا فیصلہ فرمادیا موت کا، اور چھوڑ دیتا ہے باقی کو

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

مقرر میعاد تک۔ بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو سوچیں ●

(اللہ) تعالیٰ (پوری کر دیتا ہے زندگیوں کو اُن کی موت کے وقت) یعنی اللہ ہی روحوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کرتا ہے۔ (اور جنہیں جاگتے موت نہ آئی، تو اُس کے سوتے میں)، یعنی نیند میں اُس کی روح قبض کرتا ہے۔ (چنانچہ روک لیتا ہے) اس کی روح کو (جس کا فیصلہ فرما دیا موت کا، اور چھوڑ دیتا ہے باقی) کی روحوں (کو) ایک (مقرر میعاد تک) کے لیے۔ (بے شک اِس میں ضرور نشانیاں ہیں) کمالِ قدرت پر اور بعث وحشر کے واسطے (اُن کے لیے جو سوچیں) اور غور وفکر کریں موت طاری کرنے کے معاملے میں، جو کہ نیند کے مشابہ ہے اور زندہ کرنے کے باب میں کہ وہ جاگنے کے مثل ہے۔

توریت میں ہے کہ اَے بنی آدم! جس طرح تُو سوتا ہے اُسی طرح مرتا ہے، اور جس طرح تُو جاگتا ہے اُسی طرح مرنے کے بعد اُٹھایا جائے گا۔ اور کافر اِس پر کچھ غور وتامل نہیں کرتے۔

اِس مقام پر یہ بھی جان لینا مفید ہے کہ ہر آدمی کے ۲ نفس ہیں: ایک 'نفس حیات' دوسرا 'نفس تمیز'۔ 'نفس حیات' تو آدمی سے موت ہی کے وقت مفارقت کرتا ہے، اور اُس کے زائل ہونے سے 'نفس تمیز' بھی زائل ہو جاتا ہے۔ اور 'نفس تمیز' سوتے وقت مفارقت کرتا ہے، اور اُس کے زائل ہونے سے 'نفس حیات' نہیں زائل ہوتا۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَ لَوْ كَانُوْا لَا یَمْلِكُوْنَ شَیْــٴًـا

کیا بنالیا اُنہوں نے اللہ کے خلاف کو اپنے سفارشی۔ پوچھو کہ "کیا گو نہ اختیار رکھیں کسی چیز کا،

وَّ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اور نہ عقل رکھیں؟" ●

اَے محبوب! (کیا بنالیا) اپنی بے عقلی میں (انہوں نے اللہ) تعالیٰ کو چھوڑ کر اُس (کے خلاف کو اپنے سفارشی) کہ خدا سے اُن کی سفارش کریں گے۔ اَے محبوب! اُن سے (پوچھو کہ کیا) وہ اِس صورت میں بھی سفارش کریں گے (گو) اگرچہ (نہ اختیار رکھیں کسی چیز کا) شفاعت میں سے، یعنی شفاعت کرنے کے قدرت ہی نہ رکھیں؟ (اور نہ) ہی (عقل رکھیں؟) کہ اپنے پوجنے والوں کو جان لیں؟۔۔ الحاصل۔۔ اَے نادانو! جمادات سے شفاعت کی توقع نہ رکھو، اس لیے کہ حال یہ ہے کہ وہ قدرت اور علم دونوں سے بے بہرہ ہیں۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کہہ دو کہ "اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے ساری سفارش۔ اُسی کی ہے شاہی آسمانوں اور زمین کی۔

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

پھر اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے"۔

اَے محبوب! (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (ہی کے ہاتھ میں ہے ساری سفارش)، یعنی حکم شفاعت اُسی کے پاس ہے اور بے اُس کے حکم کے کوئی شفاعت نہ کر سکے گا، اور وہ جس کے لیے شفاعت کرنے کے حکم دے گا، صرف اُسی کے لیے سفارش کر سکے گا۔ اس لیے کہ (اُسی کی) یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی (ہے شاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پھر اُسی کی طرف) قیامت کے دن (لوٹائے جاؤ گے)۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور جب ذکر کیا گیا ایک اللہ کا، تو سکڑ گئے دِل اُن کے، جو نہیں مانتے

بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

آخرت کو۔ اور جب یاد کی گئی اُن کی جو اللہ کے خلاف ہیں، اُس وقت وہ خوش ہوتے ہیں۔

(اور جب ذکر کیا گیا) اُن نادانوں سے (ایک اللہ) تعالیٰ (کا، تو) لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سنتے ہی (سکڑ گئے دِل اُن کے جو نہیں مانتے آخرت کو)، تو وہ از راہِ نفرت اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ (اور) اِس کے برخلاف (جب یاد کی گئی اُن کی) اور ذکر کیا گیا اُن کا (جو اللہ) تعالیٰ (کے خلاف ہیں)۔۔ المختصر۔۔ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کا ذکر کیا جائے، (اُس وقت وہ خوش ہوتے ہیں)۔

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ

تم کہو کہ "یا اللہ! بنانے والا آسمانوں اور زمین کا، جاننے والا غیب وشہادت کا، تُو

تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

فیصلہ فرمائے گا اپنے بندوں کے درمیان، جس میں وہ جھگڑا کرتے تھے"۔

اَے محبوب! (تم کہو کہ یا اللہ) تُو (بنانے والا) ہے (آسمانوں اور زمین کا) اور (جاننے والا غیب وشہادت کا، تُو فیصلہ فرمائے گا) آخرت میں (اپنے بندوں کے درمیان، جس میں وہ جھگڑا کرتے

تھے) امرِ دین میں سے۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ

اور اگر واقعی ہو جائے اُن کا جنہوں نے اندھیر مچایا تھا جو کچھ ہے زمین میں سب، اور اتنا ہی اور اُس کے ساتھ،

لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

تو ضرور دے ڈالتے چھٹکارے کو بُرے عذاب سے، قیامت کے دن۔ اور ظاہر ہوا اُنہیں اللہ کی طرف سے،

مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

جس کا گمان نہ کرتے تھے●

(اور اگر واقعی ہو جائے اُن کا جنہوں نے اندھیر مچایا تھا جو کچھ ہے زمین میں سب، اور اُتنا ہی اور اُس کے ساتھ)۔ اور یہ صورت بھی نکل آئے کہ یہ سب کچھ اپنے فدیہ میں دے کر یہ نجات حاصل کر سکتے ہیں، (تو ضرور دے ڈالتے) یہ سارے مال واسباب (چھٹکارے کو بُرے عذاب سے قیامت کے دن۔ اور) اُس دن (ظاہر ہوا انہیں اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے جس کا گمان نہ کرتے تھے)۔ یعنی اُن کو تو گمان یہ تھا کہ بتوں کی شفاعت کے وسیلہ سے قربت کا درجہ ملے گا۔ جب عذاب میں گرفتار ہوں گے، تو جو اُن کو گمان تھا اُس کے خلاف اُن کو پہنچے گا۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ظاہر ہو گئیں اُنہیں جو کما چکے تھے بُرائیاں، اور پھٹ پڑا اُن پر جس کا مذاق اُڑاتے تھے●

(اور) مزید برآں (ظاہر ہو گئیں انہیں جو کما چکے تھے بُرائیاں) یعنی اُن برائیوں کا عذاب پیش آیا۔ (اور پھٹ پڑا اُن پر جس کا مذاق اُڑاتے تھے) یعنی رسولِ مقبول جن اُمور سے انہیں خوف دلاتے تھے اور ڈراتے تھے اور وہ اُس پر ہنسی کرتے اور اُن کا مذاق اُڑاتے، اُن سب سے انہیں دوچار ہونا پڑا۔ اور وہ سب بے بسی اور بے چارگی کی تصویر بن کر اپنے اوپر جو گزر رہی تھی اُس کو دیکھتے رہے۔ اور فریاد کرنے لگے۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ؗ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ

تو جب پہنچا انسان کو نقصان، "تو دہائی دینے لگا میری،" پھر جب دی ہم نے اُسے کوئی نعمت اپنی طرف سے، تو بولا کہ

اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِىَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

"مجھے بس دیا گیا ہے یہ علم کی بنا پر۔" بلکہ وہ نعمت ایک آزمائش ہے۔لیکن اُن کے بہتیرے نادان ہیں●

(توجب پہنچا) عتبہ اور ابوحذیفہ۔۔یا۔۔اُس جیسے کسی بھی (انسان کونقصان) یعنی سختی اور مفلسی، (تو دُہائی دینے لگا میری، پھر جب دی ہم نے اُسے کوئی نعمت) یعنی دولت وثروت (اپنی طرف سے فضل کی راہ سے، اُس کے استحقاق کی وجہ سے نہیں، (تو) وہ کافر انسان (بولا کہ مجھے بس دیا گیا ہے یہ علم کی بنا پر)۔یعنی مال کمانے اور حاصل کرنے کی راہیں میں نے جانیں، تو یہ مال مجھے میری دانائی اور ہوشیاری سے حاصل ہوا۔۔یا۔۔خود خدا ہی نے جانا کہ میں اِس نعمت کا مستحق ہوں۔حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں جو وہ کہتے ہیں، (بلکہ وہ نعمت ایک آزمائش ہے) تاکہ ظاہر ہو جائے کہ شکر گزار کون ہے؟ اور ناشکرا کون ہے؟ (لیکن اُن کے بہتیرے نادان ہیں) جو اِس حکمت کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں اور یہ اُن کی کوئی نئی بات نہیں۔۔بلکہ۔۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

بے شک یہ کہہ چکے ہیں، جو ان سے پہلے ہوئے، تو نہیں کام آیا اُن کے جو کماتے تھے●

(بے شک یہ)، یعنی اِسی سے ملتی جلتی بات، (کہہ چکے ہیں) بعض وہ لوگ (جو ان سے پہلے ہوئے)۔۔مثلاً: قارون نے کہا تھا کہ مجھے جو یہ دولت وثروت ملی ہے وہ میرے اُس علم کی بنیاد پر ہے جو میرے پاس ہے، یعنی یہ سب کچھ میرے علم وہنر کا نتیجہ وثمرہ ہے۔اور اُس کی قوم کے لوگوں نے اُس کی یہ بات پسند کی تھی۔(تو نہیں کام آیا اُن کے جو) وہ (کماتے تھے) یعنی اُن کے کمائے ہوئے دُنیاوی مال ومتاع انہیں عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ

تو پہنچیں اُنہیں برائیاں اُس کی جو کمایا تھا۔اور جنہوں نے اندھیر کر رکھا ہے، ان لوگوں میں سے جلد سے جلد پہنچیں گی انہیں

سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾

بھی برائیاں اُس کی جو کما رکھا ہے، اور نہیں ہیں یہ ہرا سکنے والے●

(تو پہنچیں انہیں بُرائیاں اُس کی) یعنی وبال اُن بُرائیوں کا، (جو) انہوں نے (کمایا تھا)

اور کر گزرے تھے۔۔چنانچہ۔۔وہ اپنے مال سمیت زمین میں دھنس گئے۔(اور) اے محبوب! (جنہوں نے اندھیر کر رکھا ہے) اور ناشکری کی، (اُن) مشرک (لوگوں میں سے) جو تمہارے زمانے میں ہیں (جلد سے جلد پہنچیں گی انہیں بھی بُرائیاں اُس کی)، یعنی اُن کی برائیوں کی جزا (جو کمار کھا ہے اور نہیں ہیں یہ ہرا سکنے والے)، یعنی ہم کو عذاب سے عاجز کر دینے والے۔۔یا۔۔سبقت لے جانے والے ہمارے عذاب پر۔

اَوَلَمۡ یَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ

کیا اُنہوں نے نہ جانا کہ "بلاشبہ اللہ کشادگی دیتا ہے روزی کی جسے چاہے اور تنگی بھی دیتا ہے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ ع ۵ / ۲

بے شک اُس میں ضرور نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو مانیں"۔

(کیا انہوں نے نہ جانا کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (کشادگی دیتا ہے روزی کی جسے چاہے)، اُس کی قدر بڑھانے کو نہیں، بلکہ محض اپنی مشیت سے۔(اور تنگی بھی دیتا ہے)، جس کسی کے واسطے کہ چاہتا ہے۔ اُس کی خواری، بے مقداری اور مذلت کے واسطے نہیں، بلکہ اپنی حکمت کی رُو سے۔(بے شک اس میں) یعنی روزی تنگ کرنے اور کشادہ کرنے میں (ضرور نشانیاں ہیں) اُس کی قدرت اور اُس کے ارادہ کے کمال پر (اُن کے لیے جو مانیں) خدا کو، جو روزی دینے والا ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ جس کو دیتا ہے اُسی کے ضمن میں مصلحتِ کلی ہے۔

سابقہ آیات میں مؤمنین کے شکر اور کافرین کی ناشکری کا ذکر فرما کر اب حق تعالیٰ اپنے سارے بندوں کو ایک مژدۂ جانفزا سنا رہا ہے، اور اپنے محبوب سے ارشاد فرما رہا ہے، کہ اے محبوب!۔۔۔

قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ

تم یوں کہو کہ " اے میرے وہ بندو! جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جانوں پر، نا امید نہ ہو اللہ کی

اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾

رحمت سے۔ بے شک اللہ بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔ کہ یقیناً وہی بخشنے والا رحم والا ہے"۔

(تم یوں کہو کہ اَے میرے وہ بندو! جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جانوں پر)، یعنی گناہوں میں افراط کی ہے اور حد سے زیادہ کیے ہیں، (ناامید نہ ہواللہ) تعالیٰ (کی رحمت سے۔ بے شک اللہ) تعالیٰ (بخش دیتا ہے سارے گناہوں کو۔ کہ یقیناً وہی بخشنے والا) اور (رحم والا ہے)۔

اِس آیت کے شانِ نزول میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے کہا کہ یہ مشرکین کے متعلق نازل ہوئی، اور بعض نے کہا کہ یہ گناہ کبیرہ کرنے والے مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی، اور بعض نے کہا کہ یہ آیت حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ تینوں اقوال کو حدیث شریف کی پشت پناہی حاصل ہے۔

حضرت مخدوم الملت قدس سرہ نے اپنے ترجمے کے ذریعہ جس توجیہہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ گنہگار مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اِس آیت میں مسلمانوں کو خادم و مطیع کے معنی میں خود رسولِ کریم کا بندہ قرار دیا ہے، اور رسول سے ارشاد فرمایا کہ اَے محبوب! تم مسلمانوں کو اپنا بندہ کہہ کر مخاطب کرو۔۔ المختصر۔۔قل فرما کر، آگے کے پورے جملے کو خود رسولِ کریم کا مقولہ قرار دے دیا۔ اِسی مناسبت سے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ ارشاد فرمایا گیا۔ اگر عِبَادِی میں لفظ عِبَادِ سے خدا کے بندے مراد ہوتے اور یہ خطاب خدا کی طرف سے فرمایا جانا مقصود ہوتا، تو اِس مقام پر مِنْ رَّحْمَتِیْ کا لفظ زیادہ مناسب تھا۔

اب رسول کے فرمان کا حاصل یہ ہوا کہ "اَے میرے بندو اور میرے غلامو! جنہوں نے زیادتی کی ہے اپنی جانوں پر، ناامید نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے"۔ اور اگر اسی کو خدا کی طرف سے خطاب کرنا قرار دے دیا جائے، تو خطاب کی یہ شکل بنتی ہے کہ۔۔۔"اَے میرے بندو! جنہوں نے زیادتی کی اپنی جانوں پر، ناامید نہ ہو میری رحمت سے"۔۔۔

اگرچہ اِس آیت کا شانِ نزول کوئی ایک ہی ہوگا، لیکن اس کا حکم سارے بندوں کے لیے عام ہے۔ یہ کلام بلاغت نظام نہایت فرحت بخش اور امید افزا ہے۔ خطاب میں بھی کتنی مہربانی ہے کہ "اَے میرے بندو!" ارشاد فرمایا، "اَے گنہگارو!" نہیں فرمایا۔ عتاب میں بھی نرمی کے جلوے ہیں کہ "اسراف کیا" فرمایا "خطا کی" نہیں فرمایا۔

اِس میں اسبابِ رحمت پر بھی تنبیہ فرمائی گئی کہ "ناامید نہ ہو" فرمایا۔ اور ظاہر ہے کہ لَا تَقْنَطُوْا 'نہی' ہے، اور جس چیز سے حق تعالیٰ نے 'نہی' فرمائی، تو اُس سے باز رہنا بندوں کو لازم ہے۔ تو ناامید ہونا کسی وجہ سے روا نہیں، اِس واسطے کہ ناامیدی کفر ہے۔۔ الحاصل۔۔ اللہ

تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دے گا اگرچہ وہ بکثرت ہوں، بجز شرک اور کفر کے۔ اس لیے کہ شرک و کفر ہرگز نہ بخشا جائے گا، اُس کے لیے توبہ کرنی لازم ہے۔ اُس کے سوا سارے گناہوں کی مغفرت کردی جائے گی۔

یاد رکھنا چاہیے کہ بخشش کا دار و مدار صرف خدائے کریم کے فضل و کرم پر ہے، کسی کے استحقاق پر نہیں۔ وہ چاہے تو حساب لینے سے پہلے بخش دے اور اگر چاہے تو حساب لے کر بخش دے۔۔ یونہی۔۔ اگر چاہے سزا دیئے بغیر بخش دے، اور اگر چاہے تو سزا کے بعد بخش دے۔ گناہِ کبیرہ کی توبہ کو جو ضروری قرار دیا گیا ہے اصل مغفرت کے لیے نہیں، بلکہ بے سزا اور بے حساب و کتاب مغفرت کے لیے ہے۔۔ الغرض۔۔ خدائی عتاب اور اُس کے عذاب سے بچنے کے لیے گناہوں سے بھی توبہ ضروری ہے۔

وَ اَنِیْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ الْعَذَابُ

اور توبہ کر ڈالو اپنے رب کی طرف، اور گردن جھکا دو اُس کے لیے قبل اس کے، کہ آئے تم پر عذاب،

ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی●

تو اَے خطا کارو!۔۔ (اور) گناہگارو! (توبہ کر ڈالو اپنے رب کی طرف) طاعت۔۔ یا۔۔ دُعا اور عاجزی کے ساتھ۔ (اور گردن جھکا دو اُس کے) دین کے (لیے)، یعنی اخلاص اختیار کرو توحید میں، (قبل اِس کے کہ آئے تم پر عذاب، پھر تمہاری مدد نہ کی جائے گی)۔ یعنی تم سے عذاب دفع کرنے میں کوئی مدد نہ دے گا۔

وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَكُمُ

اور پیروی کرو اِس بہتر کی، جو اتارا گیا تم لوگوں کی طرف تمہارے رب کی طرف سے، قبل اِس کے، کہ آئے تم پر

الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

عذاب اچانک، اور تم کو خبر ہی نہ ہو●

(اور پیروی کرو اِس بہتر کی جو اُتارا گیا تم لوگوں کی طرف تمہارے رب کی طرف سے)۔ یعنی 'عزیمت' کی متابعت کرو 'رخصت' کی نہیں، اور 'ناسخ' کی پیروی کرو 'منسوخ' کی نہیں، (قبل اِس

کے کہ آئے تم پر عذاب) ناگہاں (اچانک)، یعنی بلاء اور عقوبت۔۔۔یا۔۔مرگ مفاجات (اور تم کو خبر ہی نہ ہو) اُس کے آنے کی کہ تدارک کر سکو۔

اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰہِ

یہ کہ بول پڑے کوئی جان کہ "ہائے افسوس اُس پر! جو زیادتی کی میں نے اللہ کے بارے میں،

وَ اِنۡ کُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾

اور تھا میں مسخروں سے"●

(یہ) توبہ واتباع و پیروی ہو جانا چاہیے اُس سے پہلے، (کہ بول پڑے کوئی جان) یعنی کہہ پڑے کوئی شخص، (کہ ہائے افسوس اُس پر! جو زیادتی کی میں نے اللہ) تعالیٰ (کے بارے میں، اور تھا میں) ضرور مذاق اُڑانے والے (مسخروں سے)۔ اِسی لیے میں خدا کی رضا اور جوارِ رحمت اور قربتِ حضرت ڈھونڈھنے سے باز رہا۔ ہائے افسوس میری اُن کوتاھیوں پر! جو میں نے اللہ کے متعلق کی ہیں۔۔۔اور۔۔

اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰہَ ہَدٰىنِیۡ لَکُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۵۷﴾ اَوۡ تَقُوۡلَ حِیۡنَ

یا بول پڑے کہ "اگر اللہ نے ہدایت کی ہوتی میری، تو میں بھی ہوتا ڈرنے والوں سے"● یا کہہ پڑے جب

تَرَی الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ کَرَّۃً فَاَکُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾ بَلٰی

دیکھ لے عذاب کو کہ "اگر میری واپسی ہو، تو ہو جاؤں احسان والوں سے"● ہاں کیوں نہیں!

قَدۡ جَآءَتۡکَ اٰیٰتِیۡ فَکَذَّبۡتَ بِہَا وَ اسۡتَکۡبَرۡتَ

یقیناً آئیں تیرے پاس میری آیتیں، تو جھٹلا دیا تُو نے اُسے، اور غرور کیا

وَ کُنۡتَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۵۹﴾

اور رہا کافروں سے"●

(یا) یہ (بول پڑے کہ اگر اللہ) تعالیٰ (نے ہدایت کی ہوتی میری، تو میں بھی ہوتا ڈرنے والوں سے) اور شرک و معصیت میں آلودہ نہ ہوتا۔ (یا کہہ پڑے جب دیکھ لے عذاب کو، کہ اگر میری واپسی ہو) دُنیا کی طرف (تو) نیک عمل انجام دے کر (ہو جاؤں احسان والوں سے)۔ اُس سے کہیں

گے (ہاں کیوں نہیں!) بے شک تمہیں ہدایت کی گئی، اور (یقیناً آئیں تیرے پاس میری آیتیں) یعنی میری کتاب قرآنِ کریم، (تو جھٹلا دیا تُو نے اُسے، اور غرور کیا) اور اُس پر ایمان لانے سے سرکشی کی (اور رہا کافروں سے)۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ

اور قیامت کے دن دیکھو گے اُنہیں، جنہوں نے جھوٹ رکھا اللہ پر، کہ اُن کے چہرے سیاہ کر دیے گئے ہیں۔

اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۶۰

"کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ مغروروں کا؟"●

(اور) اَے محبوب! آپ (قیامت کے دن دیکھو گے انہیں، جنہوں نے جھوٹ رکھا اللہ) تعالیٰ (پر)، یعنی خدا کو کہا کہ اُس کی اولاد اور شریک ہیں، (کہ اُن کے چہرے سیاہ کر دیئے گئے ہیں) دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے ہی۔ (کیا نہیں ہے جہنم میں ٹھکانہ مغروروں کا؟) ضرور بالضرور ہے تکبر کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم۔

وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ

اور نجات دے گا اللہ اُنہیں، جو ڈرا کیے۔ اُن کی کامیابی کے سبب نہ پہنچے اُنہیں کوئی سختی،

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۱

اور نہ وہ رنجیدہ ہوں●

(اور) اِن کے برعکس (نجات دے گا اللہ) تعالیٰ (اُنہیں جو ڈرا کیے) اور شرک سے پرہیز کرتے رہے۔ (اُن کی کامیابی کے سبب)، یعنی ایمان اور نیک اعمال کے سبب جو اسبابِ نجات ہیں، (نہ پہنچے) گی (اُنہیں کوئی سختی اور نہ وہ رنجیدہ ہوں) گے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۶۲

اللہ پیدا فرمانے والا ہے ہر چاہے کا۔ اور وہ ہر ایک کا کارساز ہے●

(اللہ) تعالیٰ (پیدا فرمانے والا ہے ہر چاہے کا) یعنی خیر ہو۔۔یا۔۔شر، ایمان ہو۔۔یا۔۔کفر ۔۔یا۔۔اِن کے سوا۔۔الختصر۔۔اپنے ہر چاہے کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جسے چاہے پیدا کرے، جو چاہے

پیدا کرے، اور جہاں چاہے پیدا کرے۔۔ الغرض۔۔ وہ ہر چاہے پر قادر ہے جو چاہے کرے۔ لیکن کفر کا اِرتکاب بندہ خود کرتا ہے۔ جب وہ اُس کے اسباب کو اختیار کرتا ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ اُس کے کفر کو پیدا فرما دیتا ہے۔ (اور وہ ہر ایک کا کارساز ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مصالح کا متکفل اور اُن کے جملہ امور کا ضامن ہے۔ اور جسے یقین ہوگا کہ اُس کے جملہ امور کا وہی کفیل ہے، تو وہ کبھی کسی معاملہ میں 'تدبیر' کو سامنے نہ لائے گا، اور نہ ہی کسی شے پر سہارا کرے گا۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اُسی کی ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی۔ اور جنہوں نے انکار کیا اللہ کی آیتوں کا،

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۶۳ ع

وہی خسارہ والے ہیں ●

(اُسی کی ہیں کنجیاں آسمانوں اور زمین کی) یعنی علوی اور سفلی امور کا مالک وہی ہے، اُس کے غیر کو اُن میں تصرف ممکن نہیں۔ جس طرح خزانوں میں وہی دخل کر سکتا ہے جس کے ہاتھ میں اُن کی کنجیاں ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی تفسیر کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یہ تفسیر ہے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ وَاسْتَغْفِرُ اللّٰهَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ، يُحْيِىْ وَيُمِيْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر ۔ یعنی یہ کلمات آسمان اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ جو کوئی یہ کلمات پڑھے اُن خزانوں کے نقد فیض اُسے پہنچیں گے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ آسمان کے خزانے مینھ ہیں، اور زمین کے خزانے گھاس اور سبزہ زار، اور اِن خزانوں کی کنجی اُسی کے قبضۂ تصرف میں ہے۔ جب چاہتا ہے مینھ برساتا ہے اور نباتات میں سے جو کچھ چاہتا ہے اُگاتا ہے۔

(اور جنہوں نے اِنکار کیا اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا) یعنی اُس کی قدرت کی دلیلوں کا، اور اُس کی کتاب کی آیتوں کا، (وہی خسارہ والے ہیں)، اس واسطے کہ اُن کے رجوع کرنے کی جگہ دوزخ ہے۔

ایک مرتبہ اپنی کج فہمی کے سبب کفارِ قریش نے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کو اپنے باپ دادا کے دین کی طرف بُلایا، تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اَے محبوب!۔۔۔

قُلۡ اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ تَاۡمُرُوۡٓنِّیۡۤ اَعۡبُدُ اَیُّہَا الۡجٰہِلُوۡنَ ﴿۶۴﴾

کہہ دو کہ "کیا اللہ کے غیر کے لیے تم لوگ کہتے ہو مجھے کہ میں پوجوں؟ اے جاہلو!

(کہہ دو کہ کیا اللہ) تعالیٰ (کے غیر کے لیے تم لوگ کہتے ہو مجھے کہ میں پوجوں) اور وہ بھی دلائلِ توحید کو سن لینے کے بعد۔ (اے جاہلو!) تمہارا یہ مطالبہ غایت جہل کی دلیل ہے۔ اے محبوب! بھلا یہ غیر خدا کی پرستش تم سے کیسے ممکن ہے۔۔۔

وَلَقَدۡ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ وَاِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ لَئِنۡ اَشۡرَکۡتَ

اور بے شک وحی بھیجی گئی تمہاری طرف اور جو تم سے پہلے ہوئے کہ "اگر شریک بناتے تم،

لَیَحۡبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۵﴾

تو ضرور اکارت جاتے تمہارے عمل، اور یقیناً ہو جاتے تم خسارہ والوں سے"

(اور) تم اِن مشرکوں کی خواہش کیسے پوری کر سکتے ہو، اس لیے کہ (بے شک وحی بھیجی گئی تمہاری طرف اور) اُن پیغمبروں کی طرف (جو تم سے پہلے ہوئے، کہ اگر) بہ فرضِ محال (شریک بناتے تم، تو ضرور اکارت جاتے تمہارے عمل اور یقیناً ہو جاتے تم خسارہ والوں سے)۔

اِس کی تفسیر میں، بہت صحیح بات یہ ہے کہ ظاہر میں اگر چہ مخاطب پیغمبر ہیں، مگر مراد اُن کی امتوں کے مسلمان ہیں۔ یعنی حق تعالیٰ اُن میں سے ہر ایک سے فرماتا ہے کہ۔۔۔

اگر تُو شرک کرے گا، تو ضرور ضرور حبط و تباہ ہو جائے گا تمہارا وہ عمل جو تُو نے حالتِ ایمان میں کیا ہے، اور پھر تُو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائے گا۔ اور عزتِ دین حاصل کر لینے کے بعد ذلتِ شرک میں مبتلا ہو جائے گا۔۔۔ الحاصل۔۔۔ اے ایمان والو! ایسا نہ کرو۔۔۔

بَلِ اللّٰہَ فَاعۡبُدۡ وَکُنۡ مِّنَ الشّٰکِرِیۡنَ ﴿۶۶﴾

بلکہ اللہ کو تو پوجتے رہو اور رہو شکر گزاروں سے

(بلکہ اللہ) تعالیٰ (کو تو پوجتے رہو، اور رہو شکر گزاروں سے) جو توحید اور عبادت کی نعمت پر شکر کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ علماءِ یہود میں سے ایک عالم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا کہ اے محمد ﷺ! تم جانتے ہو کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن ایک انگلی پر

آسمان، ایک پر زمین، ایک پر پہاڑ، ایک پر پانی اور مٹی، ایک پر تمام مخلوق کو رکھے گا، پھر اپنی انگلیاں ہلائے گا اور فرمائے گا کہ اَنَا الْمَلِكُ وَاَيْنَ الْمُلُوْكُ، یعنی آج میں ہی بادشاہ ہوں کہاں ہیں اور بادشاہ۔ حضرت ﷺ اُس کی بات سن کر مسکرائے اور چپ رہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ

اور نہیں قدر کی اُنہوں نے اللہ کی، جیسا کہ اُس کا حق ہے۔ اور زمین ساری اُس کی مٹھی میں ہے قیامت کے دن،

الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور سارے آسمان لپیٹے ہوئے اُس کے دستِ قدرت میں ہیں۔ پاکی ہے اُس کی، اور وہ بلند و بالا ہے اُس سے جو شریک بناتے ہیں●

(اور) ارشاد ہوا کہ (نہیں قدر کی انہوں نے اللہ) تعالیٰ (کی جیسا کہ اُس کا حق ہے)، یعنی جیسی اُس کی قدر اور اُس کی تعظیم کرنی چاہیے۔ کیونکہ اُنہوں نے اللہ وحدہٗ کی عبادت کو ترک کر کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی عبادت کرنی شروع کر دی، اور انہوں نے اپنے سے بھی گھٹیا اور ادنیٰ چیزوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیا۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا، قیامت اور بعثت کا اِنکار کر کے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اِنکار کیا۔۔ المختصر۔۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی تعظیم نہیں کی، جیسی اس کی تعظیم کا حق تھا۔ بے شک اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہے (اور زمین ساری اُس کی مٹھی میں ہے قیامت کے دن، اور سارے آسمان لپیٹے ہوئے اُس کے دستِ قدرت میں ہیں)۔

'معالم' میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ کر اپنے یمین یعنی داہنے ہاتھ میں لے گا، اور پھر فرمائے گا کہ:

اَنَا الْمَلِكُ وَاَيْنَ الْجَبَّارُوْنَ وَاَيْنَ الْمُتَكَبِّرُوْنَ

یعنی میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں جبار اور کہاں ہیں متکبر

پھر لپیٹ کر زمین کو اپنے شمال یعنی بائیں ہاتھ میں لے گا اور وہی کلمات فرمائے گا۔

اہل ایمان ایسی باتوں میں تشبیہ سے اُس کی تنزیہ کا اعتقاد رکھتے ہیں، یعنی تشبیہ سے وہ پاک ہے۔ صاحبِ 'بحر الحقائق' نے فرمایا کہ ہمارا مذہب اِس آیت کی تحقیق میں یہ ہے کہ اِسے ہم اُس معنی پر چھوڑ دیں جو اللہ جل شانہ نے اِس سے مراد لیے ہیں، اس واسطے کہ ایسے

کلمات متشابہات میں شمار کیے گئے ہیں۔ اوراس کی حقیقت میں کچھ بات نہ کہنا چاہیے، یہی اسلم طریقہ ہے جس میں سلامتی ہی سلامتی ہے۔

(پاکی ہے اُس کی) جواہر اور اعراض کے وصف سے، (اور وہ بلند و بالا ہے اُس سے جو شریک بناتے ہیں)۔۔الغرض۔۔وہ برتر و بالا ہے اُس چیز سے کہ شرک کرتے ہیں اور اُس کا شریک بناتے ہیں۔ آسمان و زمین سب کے سب خدائے قادرِ مطلق کے قبضہ قدرت میں ہیں۔۔۔

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

اور پھونکا گیا صور میں تو بیہوش ہوگئے، جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں،

اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۗ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿۶۸﴾

لیکن جسے اللہ نے چاہا۔ پھر پھونکا گیا اِس میں دوبارہ، تو اُس وقت وہ سب کھڑے دیکھ رہے ہوں گے●

(اور) اُسی کے زیرِ فرمان ہیں۔۔چنانچہ۔۔جب (پھونکا گیا صور میں)۔۔۔

پہلی بار اُن کے قول کے موافق جو دو نفخے ثابت کرتے ہیں، اور اِس نفخہ کو 'نفخہ صعقہ' کہتے ہیں، اس واسطے کہ جب اس بار صور پھونکا گیا۔۔۔

(تو بے ہوش ہوگئے جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، لیکن جسے اللہ) تعالیٰ (نے چاہا)۔

وہ عرش اُٹھانے والے فرشتے ہیں۔۔یا۔۔شہید لوگ۔۔یا۔۔بہشت اور دوزخ کے اہل کار فرشتے۔ ذہن نشین رہے کہ اِس مقام پر بے ہوش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب مرجائیں گے۔

(پھر پھونکا گیا اُس میں دوبارہ)۔ اِس نفخہ کو 'نفخہ بعث' کہتے ہیں، (تو اُس وقت وہ سب کھڑے دیکھ رہے ہوں گے) اپنی قبروں کے کنارے مبہوتوں کی طرح۔۔یا۔۔اِس انتظار میں ہوں گے کہ دیکھیے اب ہمارے ساتھ کیا کیا جاتا ہے۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِاْىٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ

اور چمک اُٹھی زمین، اپنے رب کے نور سے، اور رکھ دیا گیا نوشتہ، اور لائے گئے انبیاء

وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور اُن کے گواہ، اور فیصلہ ہوگیا اُن کے درمیان بالکل ٹھیک، اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے●

(اور چمک اٹھی)، یعنی روشن ہوگئی (زمین) محشر (اپنے رب کے نور سے)، یعنی اُس نور سے جونورِ خدا اُس زمین میں پیدا کرے گا۔

اور بعضوں نے کہا کہ 'نور' سے 'عدل کی روشنی' مراد ہے کہ اُس روشنی سے خلائق اور خالق کے حق ظاہر ہوجائیں گے اور ظلم کی ظلمت جاتی رہے گی۔

(اور رکھ دیا گیا نوشتہ) یعنی اعمالنامہ، کسی کے داہنے ہاتھ میں اور کسی کے بائیں ہاتھ میں۔ (اور لائے گئے انبیاء) امتوں پر دعویٰ کرنے کو، کہ ہم نے انہیں حکم پہنچادیے، (اور اُن کے گواہ) پیغمبروں کے دعوے صحیح اور ثابت کرنے کے واسطے۔۔اُن گواہوں سے امتِ محمدی ﷺ مراد ہے۔۔ (اور فیصلہ ہوگیا اُن کے درمیان بالکل ٹھیک) حق حق، سچائی اور عدل کے ساتھ۔ (اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے)۔ نہ اُن کا ثواب کم کیا جائے گا، اور نہ ہی اُن کا عذاب بڑھنے دیا جائے گا۔

ع ۷

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾ وَسِيْقَ

اور پورا پورا دیا جائے گا ہر ایک، جو کچھ کر رکھا ہے۔ اور وہ خوب جانتا ہے جو کچھ کر رہے ہیں • اور ہانکے گئے

الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا

جنہوں نے کفر کیا جہنم کی طرف گروہ گروہ۔ یہاں تک کہ جب آگئے وہاں، تو کھول دیے گئے اُس کے دروازے،

وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ

اور کہا انہیں اُس کے سب داروغہ نے کہ "کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول حضرات تم میں سے، تلاوت کرتے تم پر تمہارے رب کی آیتوں کو،

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ

اور ڈراتے تم کو تمہارے اُس دن کے ملنے سے؟" سب نے جواب دیا کہ "کیوں نہیں"۔ لیکن درست نکلی

كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٧١﴾

عذاب کی بات کافروں پر •

(اور پورا پورا دیا جائے گا ہر ایک) جزا اُس کی (جو کچھ کر رکھا ہے، اور وہ) یعنی حق تعالیٰ، (خوب جانتا ہے جو کچھ کر رہے ہیں) تو اُس کے مناسب جزا دے گا۔ (اور ہانکے گئے جنہوں نے کفر کیا جہنم کی طرف گروہ گروہ) ایک دوسرے کے پیچھے۔ (یہاں تک کہ جب آگئے وہاں) یعنی دوزخ کے دروازے پر، (تو کھول دیے گئے اُس کے دروازے) اُن کے داخل ہونے کے واسطے۔ (اور)

ملامت کی رُو سے (کہا انہیں اُس کے سب داروغہ نے، کہ کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول حضرات تم میں سے؟) جو بحکمِ خداوندی (تلاوت کرتے تم پر تمہارے رب کی آیتوں کو) جو اُس نے اُتاری تھیں (اور ڈراتے تم کو تمہارے اِس دن کے ملنے سے۔ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں!)۔ یعنی بے شک رسول آئے اور انہوں نے ہمیں ڈرایا۔ (لیکن درست نکلی عذاب کی بات کافروں پر) یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں پر عذاب کی جو بات ارشاد فرمائی تھی، اور اُن کو جو حکمِ عذاب دیا تھا وہ حق ثابت ہوا اور اُس کو تو درست نکلنا ہی تھا۔ پھر اُن سے۔۔۔

قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى

کہا گیا کہ "داخل ہو جہنم کے دروازوں میں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔" تو کتنا بُرا ٹھکانہ ہے

الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۭ

مغروروں کا● اور چلائے گئے جو ڈرتے تھے اپنے رب کو، جنت کی طرف گروہ گروہ۔

حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا

یہاں تک کہ جب آئے وہاں اور کھول دیے گئے اُس کے دروازے، اور کہا انہیں اُس کے سب داروغہ نے کہ

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ﴿۷۳﴾

"سلام ہو تم پر، تم خوب رہے، تو جاؤ اُس میں ہمیشہ رہنے کو"●

(کہا گیا کہ داخل ہو جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ رہنے والے اس میں۔ تو کتنا بُرا ٹھکانہ ہے مغروروں کا) جنہوں نے کفر و شرک اختیار کر کے اپنی عاقبت خراب کر لی۔ (اور) اُن کے برعکس (چلائے گئے جو ڈرتے تھے اپنے رب) کے عذاب (کو)۔۔ چنانچہ۔۔ انہوں نے پرہیزگاری کی زندگی گزاری، (جنت کی طرف) نرمی اور مہربانی کے ساتھ (گروہ گروہ)۔ اُن کے مراتبِ بہشت کے تفاوت کے موافق، اُن متقیوں کو سوار کر کے پورے اعزاز کے ساتھ اُن کی سواریوں کو جنت کی طرف چلائیں گے، (یہاں تک کہ جب آئے وہاں) یعنی دروازۂ جنت پر اور سعادتِ تمام اور دولتِ لاکلام تک پہنچ گئے، (اور کھول دیے گئے اُس کے دروازے، اور کہا انہیں اُس کے سب داروغہ نے) یعنی جنت کے خازن نے۔ یہ دروازے اُن کے پہنچنے سے پہلے ہی کھول دیے جائیں گے، تاکہ اُن کو ذرا انتظار نہ کرنا پڑے۔ یہاں پہنچنے کے بعد اُن سے خازن نے کہا۔۔۔

(کہ سلام ہو تم پر) یعنی درود و سلام ہو تم پر۔۔۔یا۔۔۔سلامتی اور بے خوفی تمہارے حال کو لازم رہے، (تم خوب رہے)۔ دُنیا میں گناہوں سے پاک رہے۔۔۔یا۔۔۔جنت میں تمہارا مقام پاکیزہ ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جب جنتی جنت میں پہنچیں گے، تو وہاں ایک درخت دیکھیں گے کہ اُس کے نیچے دو چشمے جاری ہیں، تو ایک میں غسل کریں گے اور اُن کا ظاہری جسم پاک ہو جائے گا اور صاف و شفاف ہو جائے گا، اور دوسرے میں پانی پئیں گے تو اُن کا باطن منور ہو جائے گا۔ اور اُس محل پر فرشتے کہیں گے کہ۔۔۔

بہت خوب تم ظاہر و باطن میں پاک ہو گئے (تو جاؤ اس) جنت (میں ہمیشہ رہنے کو) یعنی اب یہی تمہارے لیے ہمیشہ کی رہائش گاہ ہے۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ

اور اُن سب نے کہا کہ "ساری حمد اللہ کی، جس نے سچ کر دکھایا ہمیں اپنا وعدہ، اور وارث بنا دیا ہمیں اِس سرزمین کا، کہ

مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِیْنَ ﴿۷۴﴾

رہیں ہم جنت میں جہاں چاہیں۔" تو کتنا اچھا ثواب ہے کام کرنے والوں کا●

(اور) جنت میں داخل ہونے کے بعد (اُن سب) ایمان والوں (نے کہا کہ ساری حمد اللہ تعالیٰ (کی، جس نے سچ کر دکھایا ہمیں) ثواب کا (اپنا وعدہ، اور وارث بنا دیا ہمیں اِس سرزمین کا کہ رہیں ہم جنت میں جہاں چاہیں)۔ اِس میں کہیں آنے جانے سے کوئی روک ٹوک نہیں۔ (تو کتنا اچھا ثواب ہے کام کرنے والوں کا) اور حکم ماننے والوں کا۔

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ

اور دیکھو گے فرشتوں کو گھیرے ہوئے عرش کے گرداگرد، پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔

وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۵﴾ ع۸

اور فیصلہ کر دیا گیا سب لوگوں کے درمیان بالکل حق، اور کہا گیا کہ "ساری حمد اللہ کی، پروردگار سارے جہان کا"●

(اور) اَے محبوب! (دیکھو گے) تم (فرشتوں کو) یعنی جب تم مَقْعَدِ صِدْقٍ میں رتبۂ قرب پر ہو گے، تو جدھر دیکھو گے فرشتے نظر آئیں گے (گھیرے ہوئے عرش کے گرداگرد)، اِس حال میں کہ

(پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ)۔یعنی سُبحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمدِہٖ کہتے ہیں،اور تسبیح کرکے ذاتِ الٰہی سے نفی کرتے ہیں اُن صفتوں کی جو اُس کو سزاوار نہیں،اور حمد کرکے وہ صفتیں ثابت کرتے ہیں جو اُس کے سزاوار ہیں۔

(اور فیصلہ کردیا گیا سب لوگوں کے درمیان بالکل حق) راستی کے ساتھ،یعنی ہر ایک جنتی کو اُس کے مقام پر اُتاریں گے۔(اور کہا گیا) یعنی فرشتوں نے ایمان والوں سے کہا،(کہ ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کی) جو (پروردگار) ہے (سارے جہان کا)۔

جس طرح آسمان اور زمین پیدا کرنے کی ابتداء میں اُس نے اپنی حمد کی کہ اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ اُسی طرح اپنے مقامات اور منازل میں زمین وآسمان کے قرار پکڑتے وقت وہی حمد کی،تاکہ جان لیں کہ شروع اور خاتمہ میں حمد وثنا کا مستحق وہی ہے۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ،آج بتاریخ

۲۳ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۱۷ مارچ ۲۰۱۲ء

بروز شنبہ،سورۃ الزمر کی تفسیر مکمل ہوگئی۔دعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے۔

آمِین یَامُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰہٰ وَیٰسٓ وَبِحَقِّ نٓ وصٓ

وَبِحَقِّ یَابُدُّوحُ وَبِحُرمَۃِ سَیِّدِالمُرسَلِینَ

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ،آج بتاریخ

۲۵ ربیع الآخر ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۱۹ مارچ ۲۰۱۲ء

بروز دوشنبہ،سورۃ المومن کی تفسیر کا آغاز کردیا۔مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے،اور فکر وقلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَامُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰہٰ وَیٰسٓ وَبِحَقِّ نٓ وصٓ

وَبِحَقِّ یَابُدُّوحُ وَبِحُرمَۃِ سَیِّدِالمُرسَلِینَ

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

سورۃ المؤمن ۔۔ ۴۰ مکیہ ۶۰ آیاتہا ۸۵ رکوعاتہا ۹

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنْ

سورۃ المومن ۔۔ ۴۰ مکیہ ۶۰ آیاتہا ۸۵ ۔۔ رکوعاتہا ۹

قرآنِ کریم کے سات 'حوامیم' میں سے یہ پہلا حٰمٓ ہے۔ ویسے تو سارے 'حوامیم' خصوصی فضیلت کے حامل ہیں ۔۔ چنانچہ ۔۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میں 'حوامیم' کی تلاوت کرتا ہوں، تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا جنت کے باغوں میں آ گیا ہوں، کہ وہ باغ نرم زمین ہیں اور میں متعجب ہو کر اُنہیں دیکھتا ہوں ۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر ایک شے کا مغز ہوتا ہے اور قرآنِ کریم کا مغز 'حوامیم' ہیں۔ اور بعض صحابہ اور تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم 'حوامیم' کو 'عرائسِ قرآن' اور 'دیباجِ قرآن' کہتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے صبح اُٹھ کر 'آیۃ الکرسی' اور حٰمٓ سے لے کر اِلَیْهِ الْمَصِیْرُ تک یعنی سورۂ مؤمن کی ابتدائی تین ۳ آیتیں پڑھیں، اُس کی صبح سے شام تک حفاظت کی جائے گی۔ اور جس نے اُن کو شام میں پڑھا، اُس کی صبح تک حفاظت کی جائے گی۔ اِس سورت کو اِس سے پہلی والی سورت 'الزمر' سے مناسبت یہ ہے کہ 'سورۂ الزمر' میں بھی زیادہ تر یومِ قیامت کے احوال اور حشر کے دن کافروں کے عذاب کی کیفیت اور مؤمنوں کی جزا کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، اور اِس سورت کا بھی یہی موضوع ہے۔

'سورہ الزمر' کے آخر میں کفار کی سزا اور متقین کی جزا کا ذکر ہے، اور یہ سورت اِس آیت سے شروع ہوتی ہے کہ اللہ گناہوں کا بخشنے والا ہے، تاکہ کافر کو ایمان لانے کی ترغیب ہو اور کفر کو ترک کرنے کی تحریص اور تحریک ہو۔ اِس سورت کی آیت ۲۸ میں آلِ فرعون میں سے ایک مردِ مومن کا مخصوص ذکر ہے، اس لیے اِس کا نام 'المومن' رکھ دیا گیا۔۔ نیز ۔۔ اِس سورہ کو 'سورۂ الغافر' بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ یہ لفظ اِسی سورت کی آیت ۳ میں مذکور ہے۔ اور نام رکھنے کے لیے اتنی مناسبت کافی ہے۔

ایسی فضیلت والی، راہِ ہدایت دکھانے والی، حفاظتِ خداوندی کے سایے میں لے جانے والی، اور مژدۂ مغفرت سنانے والی، سورت مبارکہ کو شروع کرتا ہوں ۔۔ یا ۔۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور ایمان والوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

حٰمٓ ۱

ح م●

(ح م)۔

اللہ تعالیٰ ہی جانے اِن کلمات سے اپنی مراد۔۔یا۔اللہ تعالیٰ ہی کے بتانے سے وہ جانے جس پر یہ کلمات نازل فرمائے گئے۔۔یا۔اللہ تعالیٰ کے وہ محبوبین جانیں جنہیں خدا ورسول نے اپنے فضل وکرم سے باخبر کردیا ہو۔۔۔یہ تو رہا اُس کے تعلق سے 'مسلک اسلم' اور طریقہء اہلِ تفویض۔رہا اِس کی تفسیر کے تعلق سے 'مسلکِ سالم' اور روشِ اہلِ تاویل تو اُس کی روشنی میں کہا جاتا ہے، کہ قسم ہے حکمِ حق کی جو ہرگز رَد نہیں ہوتا اور نہ رکتا ہے، اور قسم ہے ملک خداوندی کی جو کبھی زائل اور فانی نہیں ہوگا۔۔۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۲ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ

یہ اُتارنا اِس کتاب کا عزت والے علم والے اللہ کی طرف سے ہے● گناہ کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول فرمانے والا،

شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۳

سخت عذاب والا، کرم والا۔نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اُس کے سوا۔اُسی کی طرف پھرنا ہے●

(یہ اُتارنا اِس کتاب کا) یعنی قرآن کا (عزت والے) غالب وقادر (علم والے) جانے والے، جو کچھ جس پر جس وقت نازل کرتا ہے، یعنی (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے)، جو اُس کے (گناہ کا بخشنے والا) ہے جو صدقِ دِل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتا ہے۔(اور توبہ کا قبول فرمانے والا) ہے کلمہء توحید کہنے والے سے۔اور (سخت عذاب والا) ہے اُس کے لیے جو کلمہء توحید کہنے سے اِنکار کرے۔اور (کرم والا) ہے یعنی بخشش وبزرگواری والا ہے، تو جس پر چاہے اپنے فضل سے کرم فرمائے اور اُسے بخش دے۔اُس کی شانِ عظمت ایسی ہے کہ (نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل

اس کے سوا)۔اور بالآخر اپنی جزا پانے کو سب بندوں کا (اُسی کی طرف پھرنا ہے) اور اُسی کی بارگاہِ عدالت میں حاضر ہونا ہے۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ

نہیں جھگڑتے اللہ کی آیتوں میں، مگر جنہوں نے کفر کیا، تو دھوکہ نہ دے سکے تمہیں

تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ④

اُن کا چلتے پھرتے رہنا شہروں میں●

(نہیں جھگڑتے) اور طعن نہیں کرتے (اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں میں) اِس تعلق سے کہ اُس کا اترنا محقق ہو چکا ہے، (مگر) طعن وتشنیع کرنے والے (جنہوں نے کفر کیا) اور حق کو چھپایا۔ (تو دھوکا نہ دے سکے تمہیں) اَے مخاطب! تجارت کی غرض سے (اُن کا چلتے پھرتے رہنا) شام ویمن وغیرہ (شہروں میں)۔یعنی تم اُس مہلت وفرصت سے جو انہیں دی گئی ہے غلط فہمی کا شکار نہ ہو جانا، اس لیے کہ دُنیاوی راحتیں فنا ہو جانے والی ہیں اور ان کا انجام کار خاتمہ روزگار خسارہ اور نقصان پر ہوگا ۔۔اور۔۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ

جھٹلایا تھا اُن سے پہلے قومِ نوح نے اور کئی امتوں نے اُن کے بعد۔اور قصد کیا ہر امت نے

بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ

اپنے اپنے رسول کو، کہ گرفتار کریں اُنہیں اور جھگڑتے رہے بیکار باتوں سے، تاکہ ڈگمگادیں اُس سے حق کو،

فَاَخَذْتُهُمْ ۣ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ⑤

تو میں نے پکڑا انہیں کو۔۔تو کیسا ہوا میرا عذاب؟●

(جھٹلایا تھا اِن) کفارِ مکہ (سے پہلے قومِ نوح نے، اور کئی امتوں نے اُن کے بعد۔اور قصد کیا ہر امت نے اپنے اپنے رسول کو، کہ گرفتار کریں انہیں) اور اُن پر قابو پالیں۔(اور جھگڑتے رہے بیکار باتوں سے)، یعنی باطل شبہات سے حق کی تکذیب کرتے رہے، (تاکہ ڈگمگادیں) یعنی مغلوب کردیں اپنے (اس) طرزِ عمل (سے حق کو) جس کی متابعت واجب تھی۔(تو میں نے پکڑا انہیں کو)، یعنی اُن پر اپنا عذاب بھیجا جس نے اُن کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔

پس اگر کفارِ مکہ بھی اپنی اِس روش پر برقرار رہے، اور قرآنِ مجید میں جدال کرنے پر اصرار کرتے رہے، تو میں اِن پر بھی ایسا ہی عذاب نازل کروں گا اور اِنہیں بھی سابقہ قوموں یعنی قومِ ثمود اور قومِ عاد وغیرہ کی طرح ہلاک کردوں گا اُس کی مکافات میں۔ (تو کیسا ہوا میرا عذاب) عاد وثمود وغیرہ سابقہ امتوں پر۔ اور یہ بھی دیکھ لو کہ جس طرح واجب ہوا تھا عذاب اگلی امتوں کے تکذیب کرنے والوں پر، اور جس طرح سابقہ امتوں کے مسلسل اِنکار اور اُن کی ہٹ دھرمی کی بنا پر اُن کے متعلق آپ کے رب نے اُن کے دوزخی ہونے کا فیصلہ فرما دیا تھا۔۔ بالکل۔۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ

اور اُسی طرح ٹھیک ہوگئی تمہارے رب کی بات اُن پر، جنہوں نے کفر کیا، کہ بلاشبہ وہ

اَصْحٰبُ النَّارِ ۶ ﶋ

جہنم والے ہیں۔۔●۔۔

(اور) ہو بہو (اُسی طرح ٹھیک ہوگئی تمہارے رب کی بات اِن پر) یعنی مکہ کے مشرکین میں سے جو مسلسل ہٹ دھرمی کررہے ہیں، اور آپ کی طرف رجوع نہیں کررہے ہیں۔ آپ کے رب نے اِن کے دوزخی ہونے کا بھی فیصلہ فرما دیا ہے، اور واضح فرما دیا ہے کہ (جنہوں نے کفر کیا کہ بلاشبہ وہ جہنم والے ہیں)، یعنی اِس جہان میں بھی عذاب کے مستحق ہیں۔ اور اے محبوب! اگر تمہاری قوم حق تعالیٰ کی عبادت سے منہ پھیرتی ہے، تو حق تعالیٰ کی بادشاہی میں کچھ خلل نہیں پڑتا، اِس واسطے کہ اُس کی عبادت اور حمد کرنے والے خواص مخلوقات میں سے بہت ہیں از انجملہ وہ فرشتے ہیں۔۔۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

جو اٹھائے ہیں عرش کو، اور جو اِس کے گرداگرد ہیں، پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ،

وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ

اور مانتے ہیں اُسے، اور مغفرت چاہتے ہیں اُن کی جو مان گئے ہیں کہ "پروردگارا! سمو دیا تُو نے ہر چیز میں

رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ

اپنی رحمت وعلم، تو بخش دے اُنہیں جنہوں نے توبہ کی، اور چلے تیری راہ،

وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ⑦

اور بچالے اُنہیں جہنم کے عذاب سے●

(جو اٹھائے ہیں عرش کو)۔اور یہ حاملانِ عرش بزرگ فرشتوں میں سے ہیں کہ حق تعالیٰ تمام فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ صبح وشام اعزاز واکرام کی راہ سے حاملانِ عرش پر سلام کرتے ہیں۔(اور) وہ فرشتے کروبیوں میں سے (جو اُس کے گردا گرد ہیں) کہ طواف کیا کرتے ہیں۔

انہیں 'طوّاف' کہتے ہیں اور اُن کی ستر ہزار صفیں ہیں عرش کو بیچ میں لیے ہوئے۔۔۔

نہایت ذوق وشوق سے (پاکی بولتے ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ)،یعنی خدا کا ذکر کرنے والے ہیں اُس کی تمام صفتوں اور ثناؤں کے ساتھ۔

'معالم' میں شہر بن حوشب سے منقول ہے کہ حاملانِ عرش آٹھ^ ہیں۔ چار کہتے ہیں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ اور دوسرے چار کہتے ہیں سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى عَفُوِّكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ اور گویا وہ فرشتے آدمیوں کے گناہوں کے ساتھ کرمِ الٰہی کی نسبت میں یہ کلمات کہتے ہیں۔

(اور مانتے ہیں اُسے) یعنی ایمان لاتے ہیں اپنے پروردگار پر۔(اور مغفرت چاہتے ہیں) اپنے پروردگار سے (اُن) لوگوں (کی جو مان گئے ہیں) اور ایمان والے ہیں،اِن لفظوں سے (کہ پروردگارا! سمودیا تو نے ہر چیز میں اپنی رحمت وعلم) یعنی تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور سب کو محیط ہے،(تو بخش دے انہیں) اپنی رحمت سے (جنہوں نے توبہ کی اور چلے تیری راہ)، یعنی دینِ اسلام کو قبول کرلیا اور اُس پر قائم رہے،جنہیں تُو خوب جاننے والا ہے۔(اور بچالے انہیں جہنم کے عذاب سے) یعنی اُن پر اپنی نگاہِ رحمت رکھ کہ جہنم میں وہ داخل نہ ہوں۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ٍۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ

پروردگارا! اور داخل فرما اُنہیں ہمیشہ کی جنتوں میں،جس کا وعدہ دیا تُو نے اُنہیں،اور جو لیاقت مند ہوئے اُن کے

اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ⑧

باپ دادوں اور بیبیوں اور اولاد میں سے۔بے شک تُو ہی عزت والا حکمت والا ہے●

(پروردگارا!) مہربانی فرما (اور داخل فرما انہیں) یعنی توبہ کرنے والوں،دینِ اسلام کی پیروی

کرنے والوں۔۔الختصر۔۔سب ایمان والوں کو (ہمیشہ کی جنتوں میں)، کہ محض اپنے فضل سے (جس کا وعدہ دیا تُو نے انہیں، اور) انہیں بھی، (جو لیاقت مند ہوئے اُن کے باپ دادوں اور بیبیوں اور اولاد میں سے)۔

یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ 'جنات عدن' مخصوص حضرات کے لیے ہے، عوام اُس میں داخل نہ ہوں گے۔ ایسے ہی 'جنت الفردوس' کا حال ہے، کیونکہ ہر مقام کے لیے خاص عمل ہے، اُس عمل والے کے سوا کوئی اُس کا مستحق نہ ہوگا۔ جب عمل 'اخص' اور 'ارفع' ہو، تو مقام بھی بلند تر اور ارفع واعلیٰ نصیب ہوتا ہے۔ تو جنات عدن۔۔یا۔۔جنت الفردوس کا وعدہ جن سے کیا گیا ہے، یہ ضروری نہیں کہ اُن کے ایمان والے اور نیک عمل والے باپ دادا اور اہل وعیال بھی اُس مقام کے لائق ہوں، لیکن ربِّ کریم اپنے فضل وکرم سے صرف 'جنت عدن' اور جنت الفردوس والوں کی خوشی اور اُن کی فرحت وسرور میں اضافہ کرنے کے لیے اُن مذکورہ بالا قرابت داروں کو وہی مقام عطا فرما کر اُن کے قریب کردے گا، تاکہ وہ سب ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش اور مسرور ہوتے رہیں۔

اِس سے معلوم ہوا کہ تائب کی برکات اُس کے آباء وازواج اور ذریات تک پہنچتے ہیں، تاکہ وہ اُس کی وجہ سے جنت عدن۔۔یا۔۔جنت الفردوس اور اُس کی نعمتیں پائیں۔۔الحاصل ۔۔پروردگارا! جنت عدن اور جنت الفردوس میں رہنے والوں کے قریب اُن کے ایمان والے قرابت داروں کو بھی کردے۔

(بے شک تُو ہی عزت والا) ہے یعنی غالب ہے کسی سے عاجز نہیں، اور (حکمت والا ہے) جو کچھ کرتا ہے حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ

اور بچالے اُنہیں گناہوں سے۔ اور جو بچ نکلے گناہوں سے اُس دن، تو بے شک تُو نے رحم فرمایا اُس پر۔

وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ ع ۹

اور یہی بڑی کامیابی ہے"۔

(اور بچالے انہیں گناہوں سے) یعنی انہیں گناہوں سے باز رکھ اور گناہوں سے دُوری عطا فرما۔ (اور جو بچ نکلے گناہوں) کی شامت (سے اُس دن، تو بے شک تُو نے رحم فرمایا اُس پر)۔۔یا یہ

کہ۔۔ جوآج کے دن دُنیا میں گناہوں سے باز رہا اور بُرائیوں سے کنارہ کشی کی، تو بے شک تُو نے قیامت کے دن اُس کی مغفرت فرمادی۔ (اور یہی بڑی کامیابی ہے) اس واسطے کہ جو صاحبِ دولت 'عصمتِ الٰہی' کی پناہ میں ہے، وہ کل 'رحمتِ نامتناہی' کے سایے میں ہوگا۔

جب کافر دوزخ میں آئیں گے اور اپنے نفسوں سے دشمنی شروع کر کے غصہ اور ملامت کریں گے، کہ جب اختیار کا زمانہ تھا، تو تم ایمان کیوں نہ لائے؟ ظاہر ہے کہ اِس کا کوئی جواب اُن کے پاس نہ ہوگا۔۔تو۔۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ

بے شک جنہوں نے کفر کیا، پکار دیے جائیں گے کہ "یقیناً اللہ کی بیزاری کہیں زیادہ بڑی ہے تمہاری خود اپنی ذات سے

إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ۝١٠

بیزاری سے، کہ جب بُلائے جاتے تم ایمان کی طرف، تو انکار کردیتے"•

(بے شک جنہوں نے کفر کیا) فرشتوں کے توسط سے (پکار دیے جائیں گے)، یعنی فرشتے انہیں پکار کر کہیں گے (کہ یقیناً اللہ) تعالیٰ (کی بیزاری) تم سے تمہارے کفر کے سبب سے (کہیں زیادہ بڑی ہے تمہاری خود اپنی ذات سے بیزاری سے)۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ کفار جہنم میں اپنے 'نفسِ امّارہ' کو کوسیں گے کہ اُس نے ہی کرایا جو کچھ کرایا، کہ نہ وہ اتباعِ خواہشات کرتے نہ ایسے دائمی جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوتے۔ اور وہ نفس پر ایسا شدید غضب ظاہر کریں گے، کہ انگلیوں کو چبا چبا کر شدت غیظ و غضب کا مظاہرہ کریں گے۔ اور اُن کا یہ مظاہرہ برسرِ مجلسِ عام ہوگا۔۔ المختصر۔ کفار جب جہنم میں پہنچیں گے، تو اپنے نفسوں سے دشمنی کا آغاز کرتے ہوئے انہیں غیظ وغضب کے ساتھ جھڑکیں گے، کہ تم نے باوجود اختیار کے ایمان قبول نہ کیا۔ اُس وقت ملائکہ اُن کو پکاریں گے اور کہیں گے کہ بخدا اللہ تعالیٰ کا غضب تمہارے 'نفوسِ امّارہ' پر بہت بڑا ہے تمہارے اپنے نفسوں پر غصہ کرنے سے، کیوں۔۔۔

(کہ جب بُلائے جاتے) تھے (تم ایمان کی طرف، تو) اُس کو قبول کرنے سے تم (انکار کردیتے) تھے، اور اللہ تعالیٰ اور اُس کی توحید سے کفر کرتے تھے، اور اپنے نفسوں کی اتباع اور اُن کی خواہشات کی طرف تیزی سے جاتے تھے۔۔وہ۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا

بول پڑے کہ "پروردگارا! تُو نے مردہ رکھا ہمیں دوبار، اور زندہ کیا دوبار، اب اقرار کرلیا ہم نے اپنے گناہوں کا،

فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ⑪

تو کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟"●

(بول پڑے کہ پروردگارا! تُو نے مُردہ رکھا ہمیں دوبار)۔ پہلی موت وہ جو دُنیا میں زندگی دینے کے بعد طاری کی گئی، اور دوسری موت وہ ہے جو صورِ اسرافیل کے ذریعہ دی گئی۔ (اور زندہ کیا دوبار)۔ پہلی زندگی یعنی وہی دُنیا کی زندگی اور دوسری زندگی قیامت کے بعد والی زندگی۔

یہی ۲ موتیں اور ۲ زندگیاں ایسی ہیں جو ظاہر اور محسوس ہیں۔۔ الحاصل۔۔ کافر زندہ کرنے اور مار ڈالنے کا اقرار کریں گے اور کہیں گے، کہ۔۔۔

(اب اقرار کرلیا ہم نے اپنے گناہوں کا)۔ جو ہم نے بعث وحشر کا اِنکار کیا تھا اور دوبارہ زندہ ہونے کی تکذیب کی تھی، وہ ہماری بہت بڑی غلطی تھی، (تو کیا) اب (یہاں سے نکلنے کی کوئی راہ ہے؟) یعنی کوئی ایسا طریقہ ہے جس پر ہم چلیں اور دوزخ سے چھوٹ کر جنت میں پہنچ جائیں۔

اِس سے قبولِ ایمان اور توبہ مراد ہے، تو کیا اب ہمارے لیے ایمان اور توبہ کی گنجائش ہے۔۔۔

پس فرشتے اُن کو نا امید کر کے کہیں گے، یہ جو تم دوزخ میں آئے ہو یہاں ہمیشہ رہنے کا حکم ہے۔۔ اور۔۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ

یہ اس لیے کہ بلاشبہ جب دُہائی دی جاتی صرف اللہ کی، تو تم نے انکار ظاہر کیا، اور اگر شریک بنایا جاتا اُس کا، تو تم لوگ مان جاتے،

فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ⑫

تو حکم اللہ کا ہے سب سے بلند بڑا●

(یہ اس لیے کہ بلاشبہ جب دُہائی دی جاتی صرف اللہ) تعالیٰ (کی، تو تم نے اِنکار ظاہر کیا) اور اُس کے منکر ہوگئے، اور اُس کی یگانگی نہ مانی، اور کہنے لگے کہ کیا بہت سارے معبودوں کو صرف ایک معبود بنادیا۔ معبودِ برحق کا وحدہٗ لاشریک ہونا تمہاری سمجھ میں نہ آسکا، اور تم اُس کا اِنکار کرتے رہے۔ (اور اگر شریک بنایا جاتا اُس کا تو تم لوگ مان جاتے) اور خدا کے سوا اپنے خود ساختہ شریکوں کو بھی معبود

بنا لیتے۔ (توحکم اللہ) تعالیٰ (کا ہے سب سے بلند)، یعنی جو برتر ہے اِس بات سے کہ اُس کے ساتھ دوسرے کوخدائی میں شریک کریں، اور (بڑا) ہے اِس بات سے کہ کسی غیر کواُس کے برابر ٹھہرائیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ

وہی ہے جودکھاتا ہے تم لوگوں کواپنی نشانیاں، اوراُتارتا ہے تمہارے لیے آسمان سے روزی،

وَ مَا یَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ ﴿۱۳﴾

اورنہیں نصیحت پاتامگر جوتوبہ کرے●

(وہی ہے جو) کمالِ قدرت کے ساتھ (دکھاتا ہے تم لوگوں کواپنی نشانیاں) وحدت پر دلالت کرنے والی، (اوراُتارتا ہے تمہارے لیے آسمان سے روزی) کے اسباب، جیسے مینھ۔۔یا۔۔فرشتوں کو بھیجتا ہے اُس تدبیر کے ساتھ جوسببِ رزق ہو۔ (اورنہیں نصیحت پاتا) اوراُن نشانیوں سے عبرت نہیں پکڑتا، (مگر) وہ (جوتوبہ کرے) اور معصیت سے پھر کر خدا کی اطاعت کی طرف توجہ کرے۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

"تودہائی دُواللہ کی مخلصانہ عقیدہ رکھتے، گوبُرامانیں کافرلوگ"●

(تودُہائی دواللہ) تعالیٰ (کی مخلصانہ عقیدہ رکھتے) ہوئے، یعنی تمہاری عبادت واطاعت شرک اورریاسے پاک ہو۔ (گوبُرامانیں کافرلوگ) اُس کی توحید میں تمہارے اخلاص سے۔ اِس واسطے کہ وہ نعمتِ ایمان سے کافر ہیں اورتم اُس نعمت پرشاکر ہو، توتم میں اوراُن میں باہم نفرت ہے۔ اورتمہارے اعمال اوراقوال اُن کومحبوب اورمرغوب نہیں ہیں، جس طرح کہ اُن کے کام اورباتیں تمہیں مکروہ معلوم ہوتی ہیں۔۔وہ ہے۔۔

رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ

بلندفرمانے والا درجوں کو، عرش والا، بھیجتا ہے روح الامین کواپنے بندوں سے، تاکہ وہ

مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾ ۙ

ڈرادے سب کے ملنے کے دن سے●

(بلند فرمانے والا) بندوں کے (درجوں کو) دُنیا میں تفاوتِ طبقات کے ساتھ، اور عقبیٰ میں مراتب اور مقامات کا تفاوت کر کے۔۔یا۔۔انبیاء علیہم السلام کے درجے بلند کرنے والا ہے۔

حضرت آدم کا درجہ 'صفوت' کے ساتھ بلند کیا۔ اور حضرت نوح کا درجہ 'دعوت' کے سبب سے۔ اور حضرت ابراہیم کو 'خلت' اور حضرت موسیٰ کو 'قربت' اور حضرت عیسیٰ کو 'زہادت' اور حضرت سید الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو 'شفاعت' عطا فرما کر۔

بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جب کسی کا درجہ چاہتا ہے بلند کرتا ہے، حقائق کی شناخت اور معرفت کے سبب سے۔ 'بحر الحقائق' میں ہے کہ اپنے محبین کا درجہ بلند فرماتا ہے مُحبیّت سے فنا کر کے محبوبیت کے ساتھ باقی رکھ کر۔۔ایک عارف نے فرمایا ہے جب تک تُو 'شربتِ فنا' نہ پیئے گا 'خلعتِ بقا' نہ پہنے گا۔

(عرش والا) خداوندِ عرش یعنی جو عرش کا خالق و مالک ہے۔۔یا۔۔ملک اور سلطنت کا خداوند ہے، (بھیجتا ہے روح الامین) حضرت جبرائیل (کو اپنے حکم سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے)، یعنی جسے چاہتا ہے مرتبہء نبوت عطا فرماتا ہے، (تا کہ وہ) جس پر وحی آئے (ڈرا دے) لوگوں کو (سب کے ملنے کے دن سے)۔ یعنی اُس دن سے، جس دن روحیں بدنوں سے ملیں گی۔

۔۔یا۔۔اہلِ زمین اور اہلِ آسمان باہم ملاقات کریں گے۔۔یا۔۔اولین و آخرین۔۔یا۔۔جھوٹے معبود اور اُن کی عبادت کرنے والے۔۔یا۔۔مظلوم اور ظالم۔۔یا۔۔ہر عمل کرنے والا ملاقی ہوگا اپنے عمل سے۔۔یا۔۔یہ سب جو مذکور ہوئے، ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے، اور۔۔۔

يَوْمَ هُم بَارِزُونَ ۖ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۚ لِّمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ

جس دن وہ سب کھلم کھلا ہیں۔۔۔نہ چھپ سکے اللہ پر اُن میں سے کوئی۔ "کس کی بادشاہی ہے آج؟

لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٦﴾

صرف اللہ واحد قہار کی●

(جس دن وہ سب کھلم کھلا ہیں)۔۔چنانچہ۔۔ظاہر ہوں گے قبر والے قبروں سے نکل کر، اور (نہ چھپ سکے اللہ) تعالیٰ (پر اُن میں سے کوئی) باوصف بندوں کی کثرت کے، ذاتوں اور اعمال اور احوال میں۔ بلکہ حق تعالیٰ سب کو جانتا ہے اور سب کو عمل کے موافق جزا دے گا۔ اور ندا کرنے والا ندا

کرے گا، کہ (کس کی بادشاہی ہے آج) کے دن؟ تو سب بندے، متفق ہوکر جواب دیں گے (صرف اللہ) تعالیٰ (واحد قہار کی)، جو ایک ہے حکم میں اور توڑنے والا ہے اُن کے جھگڑے جو ملک کے مدعی تھے۔

اور چونکہ کافروں کو خدا کی وحدانیت کا ضروری علم حاصل ہوگا، تو وہ اُس جواب میں ایمان والوں سے موافقت کریں گے۔

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آج کے دن بدلہ دیا جائے گا ہر ایک، جو کما چکا ہے۔ نہیں زیادتی ہوگی آج۔ بے شک اللہ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

جلد حساب فرمانے والا ہے●

(آج کے دن بدلہ دیا جائے گا ہر ایک) اپنے اُن اعمال کا (جو) وہ (کما چکا ہے)۔۔ الختصر۔۔ ہر ایک کو اُس کے کیے کی جزا۔۔یا۔۔سزا ملے گی اور کسی پر (نہیں زیادتی ہوگی آج)، نہ کسی کے ثواب میں سے کم کریں گے اور نہ کسی پر عذاب بڑھائیں گے۔ نہ کسی کو دوسرے کے گناہ میں پکڑیں گے، نہ نیکی کا بدلہ بدی دیں گے نہ بدی کا بدلہ نیکی۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (جلد حساب فرمانے والا ہے)۔

یعنی اُس کے حساب کی تکمیل میں بہت کم وقت لگے گا۔ کوئی شے بھی اُسے حساب لینے میں آڑے نہیں آئے گی، یعنی باوجودیکہ اُس وقت مخلوق کی کثرت ہوگی، لیکن اُن سب کے حساب میں بہت کم وقت خرچ آئے گا۔ ہر ایک کو تھوڑے سے وقت میں اُن کے استحقاق پر جزا و سزا مرتب ہو جائے گی۔ اِس معنی پر یہ **اَلْيَوْمَ تُجْزٰى** کی علت ہوگی، کیونکہ وہی دن ہے جس میں سب قبور سے نکل کر ایک دوسرے سے ملیں گے۔ اِسی لیے کفار کو اُس دن کے وقوع کے لیے بُعد کی تمنا ہوگی۔

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ

اور ڈراؤ انہیں جلد آنے والی مصیبت کے دن سے، جب کہ اُن کے دِل گلوں کے پاس ہوں گے غمناک۔۔

مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ ﴿۱۸﴾

نہیں رہا ظالموں کا کوئی دوست اور نہ سفارشی جس کا کہا مانا جائے●

(اور) اَے محبوب! (ڈراوٴانہیں) یعنی کافروں کو خوف دلاوٴ (جلد آنے والی مصیبت کے دن سے)، یعنی روزِ قیامت کے عذاب سے، کہ وہ ضرور آئے گا۔اور جو کچھ آنے والا ہے وہ پہنچنے کے قریب ہے۔تو ڈراوٴانہیں اُس دن سے (جبکہ اُن کے دِل گلوں کے پاس ہوں گے غمناک)۔ یعنی اُس دن کے ہَول سے۔اُن کے دِل اپنی جگہوں سے نکل جانے کا میل کر کے حلقوں میں آجائیں گے، اور وہیں اٹک رہیں گے۔نہ اپنی جگہ پھر سکیں گے کہ دِل والے کو آرام ہو جائے، نہ نکل جائیں گے کہ نجات پالے۔ ایسے دِل والے ہوں گے غمگین، غصے میں بھرے ہوئے۔اور صورتِ حال یہ ہوگی کہ (نہیں رہا ظالموں کا کوئی دوست)، قرابت دار مشفق اور کوئی یار مہربان، جو کہ عذاب اُن پر سے دفع کرے۔ (اور نہ ہی کوئی (سفارشی جس کا کہا مانا جائے)۔ یعنی اُن کے لیے ایسا سفارشی نہ ہوگا جس کی شفاعت قبول کی جائے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے باز رکھنے لیے ضروری ہے، کہ دِل میں خدا کا خوف راسخ ہو، اس لیے کہ انسان جو نافرمانی کرتا ہے اُس کا تعلق ظاہری اعضاء سے بھی ہوتا ہے اور باطنی اعضاء سے بھی ہوتا ہے۔ظاہری اعضاء سے نافرمانی وہ ہے جو نظر آتی ہے، اور باطنی اعضاء سے جو نافرمانی ہوتی ہے وہ سینہ میں چھپی ہوئی ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ سے بندوں کی کوئی معصیت چھپی ہوئی نہیں ہے، خواہ وہ آنکھوں سے نظر آنے والی خیانت ہو خواہ سینہ میں چھپی ہوئی خیانت ہو۔۔چنانچہ۔۔

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾

اللہ جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو، اور جو چھپائے رکھتے ہیں سینے●

(اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور جو چھپائے رکھتے ہیں سینے)۔

بعض مفسرین نے کہا کہ آنکھوں کی خیانت وہ ہے، جو انسان اجنبی عورتوں کی طرف شہوت سے دیکھتا ہے۔ہاں اگر اتفاقاً کسی طرف نظر پڑ جائے، تو وہ انسان کے لیے معاف ہے۔لیکن اُس کو دوسری نظر ڈالنے کی اجازت نہیں۔۔المختصر۔۔یوم حساب سے ڈرانے کی وجہ یہ بھی ہے کہ انسان اپنے کو آنکھوں اور دِلوں کی خیانتوں سے بچاتا رہے۔اور دِل ونگاہ کو خدا کی نافرمانی سے باز رکھے، اس لیے کہ یہ ساری نافرمانیاں علم الٰہی سے باہر نہیں ہوسکتیں۔

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ۭ

اور اللہ فیصلہ فرماتا ہے بالکل ٹھیک، اور جن کی دُہائی دیتے ہیں اُس کے خلاف، نہیں فیصلہ کر سکتے کچھ۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۲۰ ع ۱۱

بے شک اللہ ہی سننے والا دیکھنے والا ہے●

(اور اللہ) تعالیٰ (فیصلہ فرماتا ہے بالکل ٹھیک)، یعنی راستی اور صحت کے ساتھ نیک اور بدکام کرنے والوں کی جزا میں۔ (اور جن کی دُہائی دیتے ہیں) یعنی پوجتے ہیں مشرکین (اُس کے خلاف) یعنی اس کے سوا خدا کا مدمقابل خیال کر کے، (نہیں فیصلہ کر سکتے کچھ)، اس واسطے کہ وہ جماد ہیں، انہیں حکم کرنے کی قدرت ہی نہیں۔ اور اگر حیوان ہیں تو مخلوق اور مملوک ہیں۔ اور مملوک کو حکم کی قدرت نہیں ہوتی۔ غلام غلام ہی رہتا ہے مالک نہیں بن جاتا۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ہی سننے والا) ہے بندوں کی باتیں، اور (دیکھنے والا ہے) اُن کے کام۔

کفر و معصیت کی نحوست اور اُن کا عبرتناک انجام سمجھنے کے لیے، زمین کی سیر اور مختلف مقامات کے حالات کی جانکاری بھی بہت کارآمد ہوتی ہے۔۔تو۔۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا

کیا اُنہوں نے سیر نہیں کی زمین میں؟ کہ دیکھ لیں کہ کیسا انجام ہوا اُن کا جو

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ

ان سے پہلے تھے۔ وہ زیادہ تھے ان سے قوت میں، اور زمین میں اپنی چھوڑی نشانیوں میں،

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۲۱

تو پکڑا اُنہیں اللہ نے اُن کے گناہوں کے سبب۔ اور نہ رہا اُن کا اللہ سے کوئی بچانے والا●

(کیا اُنہوں نے) یعنی مکہ کے مشرکین نے (سیر نہیں کی زمین میں، کہ دیکھ لیں) اور جان لیں (کہ کیسا انجام ہوا اُن کا جو اِن سے پہلے تھے)۔ بتانا یہ ہے کہ یہ سب اِن مشرکین کا دیکھا بھالا اور سمجھا بوجھا ہے۔ یہ اپنے تجارتی سفر میں یمن اور شام وغیرہ کا چکر لگاتے ہی رہتے ہیں، اور تکذیب کرنے والوں، یعنی عاد و ثمود اور اصحابِ موتفکہ کے مقامات و مکانات سے اِن کا گزر ہوتا رہتا ہے، وہ سب کے سب ہلاک و برباد ہوگئے۔ اُن کی ہلاکت و بربادی کے نشانات اِنہیں مختلف علاقوں میں نظر آتے ہیں۔

اور یہ بھی انہیں خوب معلوم ہے کہ (وہ زیادہ تھے اِن سے قوت میں) لشکر وسپاہ کی کثرت اور جسمانی طاقت وقدرت کے لحاظ سے، (اور زمین میں اپنی چھوڑی نشانیوں میں)۔ جیسے اونچے اونچے قلعے اور بڑے بڑے شہر وغیرہ۔ (تو) جب (پکڑا اُنہیں اللہ) تعالیٰ (نے) اور اُن پر عذاب نازل فرمایا (اُن کے گناہوں کے سبب)، یعنی کفر وتکذیب کی وجہ سے، تو وہ بیکس ولاچار ہو کر رہ گئے۔ (اور نہ رہا اُن کا اللہ) تعالیٰ کے عذاب (سے کوئی بچانے والا) کہ اُس عذاب کو اُن پر سے دفع کرے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

یہ اس لیے کہ آتے رہے اُن کے پاس اُن کے رسول نشانیوں کے ساتھ، تو اُنہوں نے انکار کردیا، تو پکڑا اُنہیں اللہ نے۔

اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

بے شک وہ قوت والا سخت عذاب والا ہے●

(یہ اس لیے کہ آتے رہے اُن کے پاس اُن کے رسول نشانیوں کے ساتھ) یعنی دلیلوں اور ظاہر معجزوں کے ساتھ، (تو اُنہوں نے) اُن دلیلوں اور معجزوں کو ماننے سے (اِنکار کردیا)، اور اپنے پیغمبر پر ایمان نہیں لائے، (تو پکڑا انہیں اللہ) تعالیٰ (نے) اور اُن پر غصہ اور عذاب کیا۔ (بے شک وہ قوت والا) ہے۔ قوی وقادر ہے جو چاہے کرے۔ اور (سخت عذاب والا ہے) مشرکوں پر۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾

اور بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ کو نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو پچھلی قوموں کی عمومی تکذیب کا حال سنا کر تسلی دی تھی، اور ان آیتوں میں آپ کو بالخصوص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حال سنا کر تسلی دے رہا ہے کہ اُن کو قوم فرعون کی طرف بھیجا گیا تھا اور اُس کی قوم نے اُن کے متعدد معجزات دیکھنے کے باوجود اُن کی تکذیب کی۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ کا فرمان۔۔۔

(اور) ارشاد ہے کہ (بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ کو نشانیوں اور کھلی سند کے ساتھ)، یعنی نو معجزات کے ساتھ اور ان نو کے سوا عصا کا ایک معجزہ ایسا بھی تھا جو عظمت کی رُو سے اُن سب میں روشن سند کی حیثیت رکھتا تھا۔

فرعون اور اُس کی قوم اُس عظیم معجزہ سے بہت خائف تھے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غلبہ میں اُس کا بہت موثر کردار تھا، اس لیے اُس کا ذکر الگ فرمایا گیا۔۔ القصہ۔۔وہ نو۹ معجزات یہ تھے۔﴿۱﴾۔۔حضرت موسیٰ کی زبان کی گرہ کھول دینا، پھر وہ روانی سے بات کرنے لگے۔ ﴿۲﴾۔۔قوم فرعون یعنی قبطیوں پر طوفان کا آنا۔﴿۳﴾۔۔اُن پر جوؤں کی کثرت۔﴿۴﴾۔۔ اُن پر مینڈکوں کی کثرت۔﴿۵﴾۔۔اُن پر خون کی کثرت۔﴿۶﴾۔۔ان پر ٹڈیوں کی کثرت۔ ﴿۷﴾۔۔بنی اسرائیل کے لیے سمندر کو چیر دینا۔﴿۸﴾۔۔پتھر پر لاٹھی مارنا، جس سے بارہ۱۲ چشمے پھوٹ نکلے۔﴿۹﴾۔۔آلِ فرعون کو قحط اور پھلوں کی کمی میں مبتلا کرنا۔الختصر۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو بھیجا۔۔۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

فرعون وہامان وقارون کی طرف، تو وہ سب بولے کہ "یہ جادوگر بڑے جھوٹے ہیں"●

(فرعون وہامان وقارون کی طرف)۔

فرعون عمالقہ مصر میں سب سے بڑا تھا اور خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، ہامان فرعون کا وزیر تھا، اور قارون فرعون کا مقرب اور مشیر تھا اور ابتداءً وہ مؤمن تھا اور قومِ بنی اسرائیل میں سب سے بڑا عالم تھا اور تورات کا حافظ تھا۔ پھر مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے اُس کا حال متغیر ہوگیا، تو یہ سامری کی طرح منافق ہوگیا اور کفر کر کے فرعون اور ہامان کے ساتھ مل گیا اور اُن ہی کی طرح ہلاک ہوگیا۔

جب حضرت موسیٰ نے اُن کو دعوت پیش کی (تو وہ سب بولے کہ یہ جادوگر) ہیں، کہ سحر کے زور سے ہم کو خلافِ عقل باتیں دکھاتے ہیں، اور (بڑے جھوٹے ہیں) اِس بات میں جو یہ کہتے ہیں کہ ایک خدا ہے اور میں اُس کا رسول ہوں۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

پھر جب لائے اُن کے پاس حق کو ہماری طرف سے، تو بولے کہ "قتل کردو اُن کے بیٹوں کو، جو ایمان لائے اُن کے ساتھ،

وَ اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

اور زندہ رکھو اُن کی عورتوں کو۔" اور نہیں رہی چال بازی کافروں کی، مگر بے کار●

(پھر جب لائے اُن کے پاس) موسیٰ علیہ السلام پیغام (حق کو ہماری طرف سے، تو) آپس میں مشورہ کر کے وہ سب فرعونی (بولے، کہ قتل کر دو اُن کے بیٹوں کو جو ایمان لائے اِن کے ساتھ)۔

یعنی فرعون کے لوگ حضرت موسیٰ کی ولادت کے قبل بنی اسرائیل کے فرزندوں کو قتل کرتے تھے، پھر حضرت موسیٰ کے پیدا ہونے کے بعد ہاتھ روکا تھا۔ جب حضرت موسیٰ آئے اور نبوت کا دعویٰ کیا، تو پھر فرعون کے امراء بولے، کہ بنی اسرائیل کے بیٹوں کو قتل کرو تا کہ اُن کے دِل شکستہ ہوں اور موسیٰ کی مدد نہ کریں۔

(اور زندہ رکھو اُن کی عورتوں کو) تا کہ قبطیوں کی عورتوں کی خدمت کریں۔ (اور نہیں رہی چالبازی کافروں کی) انبیاءِ کرام اور مؤمنوں کی نسبت (مگر بیکار)۔ یعنی کافروں کی سازش محض گمراہی پر مبنی ہے۔

۔۔ چنانچہ۔۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوت کو کم کرنے اور اُن کے دین کو نیچا دکھانے کے لیے جو تدبیریں اور سازشیں کر رہا تھا، وہ انجام کار ناکام اور نامراد ہوں گی، اور حضرت موسیٰ کو فتح و کامرانی حاصل ہوگی، اور خود فرعون ہلاک ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جس پر رحمت فرمائے اُس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ خود فرعون بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ پیغمبر ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ وہ انہیں قتل کرنے سے ڈرتا تھا، مگر مصاحبوں اور خواصوں کے سامنے ڈینگ ماری۔۔۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ

اور بولا فرعون کہ "مجھے چھوڑ دو کہ قتل کر دوں موسیٰ کو اور وہ دہائی دیں اپنے رب کی۔ کہ میں ضرور ڈرتا ہوں

اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۲۶

کہ بدل دیں تمہارا دین، یا کہ کھلم کھلا کریں زمین میں فساد"۔

(اور بولا فرعون! کہ مجھے چھوڑ دو کہ) ذلت وخواری کے ساتھ (قتل کر دوں موسیٰ کو اور) کہہ دو موسیٰ سے کہ (وہ دُہائی دیں اپنے رب کی) کہ وہ میرے اِس قتل کو موسیٰ پر سے روکے۔

دراصل اُس کے مصاحبین نے اُس کو چند اندیشوں کے پیشِ نظر قتل کرنے کی بجائے جادوگروں سے مقابلے کا مشورہ دے دیا جسے اُس نے مان بھی لیا تھا، اور اِس طرح اُسے ڈینگنے کا موقع مل گیا۔

اور فرعون نے یہ بھی کہا، (کہ میں ضرور ڈرتا ہوں کہ بدل دیں تمہارا دین)۔ اور تم کو میری پرستش سے باز رکھیں۔ (یا) یہ (کہ) اپنا دین ظاہر کر کے اور اپنی دعوت پیش کر کے (کھلم کھلا کریں زمین میں فساد)، یعنی جب اُن کے بہت لوگ تابع ہو جائیں، تو وہ تمہارے ساتھ جنگ کریں اور تم پر کامیاب ہو کر تمہارا ملک تم سے چھین لیں اور خود تم کو اپنا محکوم بنالیں۔

وَقَالَ مُوسَىٰٓ إِنِّي عُذْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُم مِّن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ

اور کہا موسیٰ نے کہ "بے شک میں نے پناہ لی اپنے رب اور تم لوگوں کے رب کی، ہر ایسے مغرور سے جو نہ مانے

بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾ ع ۸

حساب کے دن کو"●

(اور) جب یہ مغرورانہ باتیں اور متکبرانہ گفتگو سنیں، تو (کہا موسیٰ نے کہ بے شک میں نے پناہ لی اپنے رب اور تم لوگوں کے رب کی ہر ایسے مغرور سے، جو نہ مانے حساب کے دن کو) اور اپنی بڑائی مارے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا نام نہیں لیا، لیکن اپنے بیان میں جو نشاندھی کی ہے وہ اُس کو اور اُس کے مصاحبوں کو شامل ہے۔

جب حضرت موسیٰ کے قتل کی خبر مشہور ہوئی، کہ فرعون انہیں قتل کر دینا چاہتا ہے، تو دشمن خوش ہوئے۔۔۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا

اور بولا ایک شخص مسلمان آل فرعون سے، جو چھپائے رکھتا ہے اپنے ایمان کو کہ "کیا قتل کرو گے اُس مرد کو؟ یوں کہ کہتے ہیں

أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ ۖ وَإِن يَكُ

کہ میرا رب اللہ ہے، حالانکہ وہ بلاشبہ لائے تمہارے پاس روشن دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے، اور اگر یہ

كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ ۖ وَإِن يَكُ صَادِقًا يُصِبْكُم بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ ۖ

جھوٹے ہوتے، تو اُن پر اُن کا جھوٹ پڑتا۔ اور اگر سچے ہیں، تو پہنچ جائے گا تمہیں کچھ اُس کا جس کا وعدہ دیتے ہیں تمہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾

بے شک اللہ نہیں راہ دیتا اُس کو، جو حد سے بڑھنے والا بڑا جھوٹا ہے●

(اور) دوست غمگین ہوئے، تو انہیں دوستوں میں سے (بولا ایک شخص مسلمان) جو (آل فرعون سے) یعنی فرعون کے قرابت داروں سے تھا، اور (جو چھپائے رکھتا ہے اپنے ایمان کو)۔

وہ خربیل۔۔یا۔۔شمعان تھے، جو کئی برس پہلے ہی ایمان لاچکے تھے مگر اُس کو اب تک چھپائے رکھا تھا۔ جب انہیں حضرت موسیٰ کے قتل کی خبر ملی، تو وہ بول پڑے۔۔۔

(کہ کیا قتل کروگے اُس مَرد کو؟ یوں کہ)، یعنی اس واسطے کہ وہ (کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ تعالیٰ (ہے، حالانکہ وہ بلاشبہ لائے تمہارے پاس روشن دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے۔ اور اگر یہ جھوٹے ہوتے، تو اُن پر اُن کا جھوٹ پڑتا)۔ اور اُن کے جھوٹ کا وبال انہیں ہلاک کردیتا، یا کبھی نہ کبھی کردے گا۔

مگر یہ بھی تو سوچو، (اور) غور کرو کہ (اگر) وہ (سچے ہیں، تو پہنچ جائے گا تمہیں کچھ اُس کا جس کا وعدہ دیتے ہیں تمہیں)، اور کہتے ہیں کہ دُنیا اور آخرت کا عذاب تم کو پہنچے گا۔ تو اگر وہ اپنے وعدہ میں سچا ہے تو اُس عذاب میں سے بعض یعنی دُنیا کا عذاب تم کو جلد پہنچے گا۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں راہ دیتا) یعنی ہدایت کی توفیق نہیں دیتا (اُس کو جو حد سے بڑھنے والا) ہے لڑکوں کا خون ناحق کرنے میں، اور بہت (بڑا جھوٹا ہے) خدائی کے دعوے میں۔

يٰقَوۡمِ لَكُمُ الۡمُلۡكُ الۡيَوۡمَ ظٰهِرِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَمَنۡ يَّنۡصُرُنَا مِنۡۢ بَاۡسِ

اے میری قوم! تمہاری بادشاہی ہے آج، غالب ہو زمین میں، تو کون مدد دے گا ہمیں

اللّٰهِ اِنۡ جَآءَنَا ؕ قَالَ فِرۡعَوۡنُ مَاۤ اُرِيۡكُمۡ اِلَّا مَاۤ اَرٰى

اللہ کے عذاب سے، اگر آگیا ہمارے اوپر۔" بولا فرعون کہ "میں وہی رائے دیتا ہوں جو میری رائے ہے،

وَمَاۤ اَهۡدِيۡكُمۡ اِلَّا سَبِيۡلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

اور نہیں بتاتا تمہیں مگر بھلائی کی راہ۔

(اے میری قوم! تمہاری بادشاہی ہے آج)، اِس حال میں کہ تم (غالب ہو) بنی اسرائیل پر اور اُن کی بہ نسبت عالی رتبہ ہو اِس (زمین) مصر (میں، تو) ذرا یہ بھی تو غور کرو، کہ (کون مدد دے گا ہمیں اللہ) تعالیٰ (کے عذاب سے، اگر آگیا ہمارے اوپر)۔ ایسی صورت میں ہمیں نجات کی راہ کون دکھائے گا؟ اور ہمیں کون منزلِ نجات تک پہنچائے گا؟ تو تم حضرت موسیٰ کے قتل کا قصد نہ کرو اور اُن

سے ہاتھ اٹھالو۔ (بولا فرعون) اُس مردِ مؤمن سے جو حضرت موسیٰ کے قتل سے منع کرتا تھا اور ان لوگوں سے جو اُس کے قریب موجود تھے، (کہ میں وہی رائے دیتا ہوں جو میری رائے ہے) یعنی موسیٰ کے قتل میں میں نے صلاح دیکھی، تو وہی راہِ صواب تم کو بتادی۔ (اور نہیں بتاتا تمہیں مگر بھلائی کی راہ) اپنے گمان کے لحاظ سے۔

خربیل نے جب یہ بات سنی، تو دوبارہ محبتِ قومی نے زور کیا اور خود اُس کے ایمان نے جوش مارا، تو قوم کو ڈرانے لگا جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿۳۰﴾

اور کہا اُس نے جو مسلمان تھا کہ "اے میری قوم میں تو ضرور ڈر رہا ہوں تم پر پہلے گروہوں کے دن کی طرح ہونے کو"●

(اور) ظاہر کرتا ہے کہ (کہا اُس نے جو مسلمان تھا، کہ اَے میری قوم) کے لوگو! (میں تو ضرور ڈر رہا ہوں) اور خوف کھا رہا ہوں (تم پر) موسیٰ کی تکذیب اور تعرض کے سبب سے، (پہلے گروہوں کے دن کی طرح ہونے کو)، یعنی جیسے اُن لشکروں کے دن جنہوں نے تکذیب کی۔

یَوْمِ الْاَحْزَابِ سے اُن لشکروں کے ہلاک ہونے کا دن مراد ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ۔۔۔

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ

جیسا ڈھنگ رہا نوح کی قوم اور عاد و ثمود، اور جو اُن کے بعد ہوئے سب کا۔"

وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿۳۱﴾

اور اللہ نہیں چاہتا ظلم بندوں کے لیے●

(جیسا ڈھنگ رہا نوح کی قوم اور عاد و ثمود اور جو اُن کے بعد ہوئے سب کا)۔ حضرت نوح کی قوم طوفان سے ہلاک ہوئی، عاد تند ہوا سے غارت ہوگئے، اور قومِ ثمود ایک چیخ سے سب مرگئی، اور اُن کے بعد والے جیسے اہلِ موتفکہ جن کا شہر الٹ پلٹ کر دیا گیا، اور اصحابِ ایکہ جو عذابِ ظلہ میں گرفتار ہوئے۔ (اور) یہ جو کچھ مذکورہ بالا ہلاک ہونے والوں کے ساتھ پیش آیا، یہ اُن کے کرتوت کا نتیجہ تھا۔ اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (نہیں چاہتا ظلم بندوں کے لیے)۔ یعنی اُن پر بے گناہ عذاب نازل نہیں کرتا۔ تو تم بھی ظلم نہ کرو تا کہ تم پر عذاب نہ آئے۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝

"اور اَے میری قوم! بے شک میں ڈر رہا ہوں تم پر پکار مچنے کے دن کو۔"

(اور اَے میری قوم) کے لوگ! (بے شک میں ڈر رہا ہوں تم پر پکار مچنے کے دن کو) یعنی روزِ قیامت کے عذاب کا خوف کرتا ہوں کہ اُس دن ایک دوسرے کو بُلائے اور پکارے گا، کہ ہماری فریاد کو پہنچو۔۔۔یا۔۔جنتی اور دوزخی ایک دوسرے کو پکاریں گے، جیسا کہ سورۂ اعراف میں مذکور ہوا۔۔یا۔۔موت ذبح ہونے کے بعد ندا ہوگی، کہ یَااَھْلَ الْجَنَّةِ خُلُوْدٌ وَلَا مَوْتَ وَیَااَھْلَ النَّارِ خُلُوْدٌ وَلَا مَوْتَ۔۔یا۔۔ اُس دن منادی ندا کرے گا کہ فلاں شخص نیک بخت ہوا کہ ابد تک بد بخت نہ ہوگا، اور فلاں شخص بد بخت ہوا کہ ابد تک نیک بختی نہ پائے گا۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ

جس دن کہ پھیر دیے جاؤ گے پیٹھ دکھا کر۔ نہیں ہے تمہارا اللہ سے کوئی بچانے والا۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝

اور جسے بے راہ رکھے اللہ، تو نہیں ہے اُس کا کوئی راہ دینے والا۔

(جس دن کہ پھیر دیے جاؤ گے پیٹھ دکھا کر) موقفِ حساب سے۔ اور چلو گے پھرے ہوئے وہاں سے دوزخ میں، تو اُس دن (نہیں ہے تمہارا اللہ) تعالیٰ (سے کوئی بچانے والا۔ اور جسے بے راہ رکھے اللہ) تعالیٰ، (تو نہیں ہے اُس کا کوئی راہ دینے والا) جو اُسے منزلِ مقصود تک پہنچائے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ

اور بے شک لائے تمہارے پاس یوسف پہلے سے روشن نشانیاں، تو تم لوگ ہمیشہ رہے شک میں جس کو لائے تھے

مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ

تمہارے پاس۔ یہاں تک کہ جب وہ نہ رہے، تو تم لوگوں نے کہا کہ "ہرگز نہ بھیجے گا اللہ اُن کے بعد کوئی رسول۔"

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُۨ ۝

اِسی طرح بے راہ رکھتا ہے اللہ اُسے، جو حد سے بڑھا شکی ہے۔

(اور بے شک لائے تمہارے پاس یوسف) بن یعقوب علیہما السلام موسیٰ کے (پہلے سے روشن نشانیاں)۔

روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا فرعون وہی فرعون ہے، جو حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں تھا۔ فرعون کا بیش قیمت گھوڑا مر گیا تھا، تو حضرت یوسف کی دُعا سے خدا نے اُسے زندہ کر دیا اور فرعون اُن کا ایمان لایا۔ جب یوسف علیہ السلام نے وفات پائی، تو فرعون دین سے برگشتہ ہو گیا اور حضرت موسیٰ کے زمانے تک زندہ رہا۔ تو مردِ مؤمن نے یہ بات کہی کہ اِس سے قبل یوسف علیہ السلام تمہارے پاس کھلے ہوئے معجزات کے ساتھ آئے تھے کہ گھوڑا زندہ کرنا اور اُن کی برأت پر بچہ کا گواہی دینا ہے۔۔۔اور۔۔

بعضوں نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ کے زمانے کا فرعون حضرت یوسف کے زمانے کے فرعون کی اولاد میں سے تھا۔ حق تعالیٰ نے حضرت یوسف کو اُس فرعون کی طرف رسول کیا۔ حضرت یوسف بیس۲۰ برس تک اُن لوگوں میں رہے اور معجزے دکھایا کیے، مگر وہ لوگ ایمان نہ لائے۔ تو اُس مردِ مؤمن نے اس کی خبر دی کہ حضرت یوسف تمہارے پاس آئے تھے۔۔۔

(تو تم لوگ) اس کے امر دین ہونے میں (ہمیشہ رہے شک میں جس کو لائے تھے تمہارے پاس۔ یہاں تک کہ جب وہ نہ رہے، تو تم لوگوں نے کہا کہ ہرگز نہ بھیجے گا اللہ) تعالیٰ (اُن کے بعد کوئی رسول)۔ چونکہ ہم نے اُس رسول کی بات نہ سنی، تو اب کوئی دوسرا رسول نہ آئے گا اِس خوف سے کہ اُس کی بات بھی ہم رَد کر دیں گے۔ (اِسی طرح بے راہ رکھتا ہے اللہ) تعالیٰ (اُسے جو حد سے بڑھا) ہے اِنکار میں اور (شکی ہے) اُس چیز کے تعلق سے جو معجزے سے ثابت ہو۔

آگے حق تعالیٰ مسرفوں اور شکیوں کی کیفیت بیان فرماتا ہے۔ حد سے بڑھنے والے اور شکی وہ ہیں۔۔۔

الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۖ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ

جو جھگڑا کیا کریں اللہ کی آیتوں میں بغیر کسی سند کے، جو آئی ہو اُن کے پاس۔ یہ بہت بڑی بیزاری کا سبب ہے اللہ کے نزدیک،

وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾

اور اُن کے نزدیک جو ایمان لا چکے۔ اِسی طرح چھاپ لگا دیتا ہے اللہ ہر مغرور سرکش کے دِلوں پر●

(جو جھگڑا کیا کریں اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں میں بغیر کسی سند کے جو آئی ہو اُن کے پاس)، یعنی جو انبیاءِ کرام کے ساتھ جھگڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں باطل اور دفع کرنے میں، بغیر کسی ایسی دلیل کے جو اُن کے پاس آئی ہو۔ (یہ بہت بڑی بیزاری کا سبب ہے اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک، اور اُن کے نزدیک

جو ایمان لاچکے)۔ یعنی حق تعالیٰ اُن کے جھگڑے کو سخت دشمن رکھتا ہے اور مؤمن لوگ بھی اُس کے دشمن ہیں۔۔ الختصر۔۔ سب ہی اُن کے اِس طرزِ عمل سے بیزار ہیں۔ یعنی کسی کو بھی اُن کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں۔

(اِسی طرح چھاپ لگا دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (ہر مغرور سرکش کے دِلوں پر) جو فرمانبرداری سے سرکشی کرتا ہے اور خودغرض اور خود پسند واقع ہوا ہے، اور دوسروں سے اپنے کو برتر جانتا ہے۔ خزبیل کی نصیحتوں میں فرعون نے اندیشہ کیا کہ ناگاہ اُس کی بات سننے والوں کے دِلوں پر اثر کرے، تو اُس نے بات کا رخ بدلنے کے لیے اپنے وزیر کو بلایا، اور لوگوں کی توجہ دوسری طرف کر دی۔۔۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ﴿۳۶﴾ اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ

اور بولا فرعون کہ "اَے ہامان! بنالو میرے لیے بلند گھر، تاکہ پہنچ جاؤں سب راستوں تک ● آسمانوں کے راستے،

فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ

پھر جھانکوں موسیٰ کے معبود کی طرف، اور میں تو ضرور خیال کرتا ہوں اُنہیں جھوٹا۔" اور اِسی طرح سے بھلی کر دی گئی فرعون کی

سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾ ع ۹

نظر میں اُس کی بدکرداری، اور روک رکھا گیا راہ سے۔ اور نہیں چالبازی فرعون کی، مگر غارت کی ہوئی ●

(اور بولا فرعون) اپنے وزیر سے (کہ اَے ہامان! بنالو میرے لیے بلند گھر، تاکہ) اُس پر چڑھ کر (پہنچ جاؤں سب راستوں تک) جو (آسمانوں کے راستے) ہیں۔۔ یا یہ کہ۔۔ آسمانی دروازوں تک میری پہنچ ہو جائے، (پھر جھانکوں موسیٰ کے معبود کی طرف)۔ یعنی اُس کے حالات سے میں باخبر ہو جاؤں کہ آخر وہ ہے بھی۔۔ یا۔۔ نہیں؟

یہ ساری فضول حرکت اور بکواس صرف اپنے درباریوں کی توجہ کو مردِ مؤمن کی باتوں سے ہٹانے کے لیے کی اور اُس مردِ مؤمن کو اپنی گفتگو جاری نہ رکھنے کا حیلہ بنایا۔

(اور) یہاں تک بول گیا کہ (میں تو ضرور خیال کرتا ہوں اُنہیں جھوٹا) اپنے دعویٰ رسالت میں۔۔۔ یا۔۔۔ اِس بات میں کہ اُس کا خدا ہے جس نے آسمان پیدا فرمایا۔ پھر مکان بنانا شروع کیا۔ موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں کی حماقت دیکھ کر رنجیدہ خاطر ہو گئے۔ تو وحی آئی کہ اَے موسیٰ! غمگین نہ ہو، دیکھو تو کہ میں اُس کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔ پھر حق تعالیٰ نے اُس کے اونچے محل کو پورا بن چکنے کے بعد برباد کر دیا۔۔۔ جیسا کہ 'سورۂ قصص' میں مذکور ہو چکا۔

(اور اسی طرح سے بھلی کردی گئی فرعون کی نظر میں اُس کی بدکرداری اور روک رکھا گیا راہ) مستقیم (سے)۔۔الختصر۔۔فرعون نے اپنے طور پر جس کو اچھا سمجھا اُس کے حق میں بُرا ثابت ہوا، اور جس کو عقل ودانش کا کام باور کیا، اُس سے اُس کی کمالِ حماقت کا مظاہرہ ہوا۔ (اور نہیں چالبازی فرعون کی)، یعنی قوم کو دھوکا دینے کے لیے جو اُس نے اونچا مکان بنا کر مکر کیا اور جو چالبازی کی، وہ نہیں ثابت ہوئی، (مگر غارت کی ہوئی) تباہی اور نیستی ہی اس کا مقدر رہی۔

وَقَالَ الَّذِيٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿۳۸﴾ يٰقَوْمِ اِنَّمَا

اور بولا جو ایمان لا چکا تھا کہ "اے میری قوم! تم لوگ میرے پیچھے پیچھے رہو، تو دوں گا تمہیں بھلائی کی راہ ● اے میری قوم!

هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۹﴾

یہ دُنیاوی زندگی محض کچھ رہ سہہ لینا ہے۔" اور بے شک آخرت ہی ٹھہرنے کا گھر ہے●

(اور) اِس کے بعد (بولا جو ایمان لا چکا تھا، کہ اَے میری قوم) کے لوگ! (تم لوگ میرے پیچھے پیچھے رہو) اور میری پیروی کرتے رہو (تو دوں گا تمہیں بھلائی کی راہ● اَے میری قوم) کے لوگ! اچھی طرح سمجھ لو کہ (یہ دُنیاوی زندگی محض کچھ رہ سہہ لینا ہے)۔ یہ باقی رہنے والی زندگی نہیں، تو اِس عارضی زندگی کے عارضی آرام وراحت سے دھوکا نہ کھاؤ۔ (اور) جان لو کہ (بے شک آخرت ہی ٹھہرنے کا گھر ہے)۔ اُسے نہ زوال ہے اور نہ ہی اس پر کوئی آفت ہے۔ ایمان اور نیک اعمال والے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جنت کی راحتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ آخرت میں حق تعالیٰ کا نظامِ عدل نافذ ہوگا۔۔تو۔۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى

جس نے برائی کی، تو نہ بدلہ دیا جائے گا مگر اتنا ہی، اور جس نے صلاحیت کے کام کیے، مرد یا عورت،

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

اور وہ مسلمان ہیں، تو وہ داخل ہوں گے جنت میں، روزی دیے جائیں گے اُس میں بے حساب●

(جس نے بُرائی کی، تو نہ بدلہ دیا جائے گا مگر اُتنا ہی) محض عدلِ الٰہی کے حکم سے، (اور جس نے صلاحیت کے کام کیے، مرد یا عورت، اور وہ مسلمان ہیں)، اس لیے کہ عمل قبول ہونے میں ایمان

اصل ہے، (تو وہ داخل ہوں گے جنت میں)۔۔یا یہ کہ۔۔داخل کیے جائیں گے جنت میں، اور (روزی دیے جائیں گے اُس میں بے حساب) یعنی بے شمار۔ یعنی عمل کے اندازہ پر نہیں بلکہ اُس سے بہت زیادہ، اور یہ فضلِ نامتناہی کی رُو سے ہے۔

فرعون کے لوگ خربیل کی باتوں سے سمجھ گئے کہ وہ ایمان لا چکے ہیں، پس سبھوں نے اُن کی ملامت شروع کردی کہ تجھے شرم نہیں آئی کہ فرعون کی پرستش چھوڑ کر دوسرے کی عبادت کی طرف متوجہ ہوا۔ پس خربیل نے تنبیہ کی رُو سے ندا کی کہ شاید وہ لوگ خوابِ غفلت سے بیدار ہوں۔۔چنانچہ۔۔انہوں نے پکارا۔۔۔

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿٤١﴾

"اور اَے میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں بُلاتا ہوں تمہیں نجات کی طرف، اور تم لوگ بُلا رہے ہو مجھے جہنم کی طرف۔

(اور) ندا کی، کہ (اَے میری قوم! مجھے کیا ہے کہ میں بُلاتا ہوں تمہیں نجات کی طرف، اور تم لوگ بُلا رہے ہو مجھے جہنم کی طرف)۔ یعنی میرے اِس مخلصانہ عمل سے مجھے کیا ملنے والا ہے جو میں تمہیں نجات کی طرف بُلا رہا ہوں اور خدا پر ایمان لانے اور رسول کی پیروی کرنے کی دعوت دے رہا ہوں، تاکہ تم عذاب سے نجات پاؤ۔ اِس میں تو سراسر تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اِس کے برخلاف تم مجھے ہلاکت اور آتشِ دوزخ کی طرف بُلا رہے ہو اور مجھے فرعون کی پرستش کی دعوت دے رہے ہو۔ آخر اِس میں میری کون سی خیرخواہی ہے۔ تمہاری جہالت یہ ہے کہ۔۔۔

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ز

تم بُلاتے ہو مجھے کہ انکار کردوں اللہ کا، اور شریک بناؤں اُس کا اُسے جس کا مجھے کچھ علم نہیں،

وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾

اور میں بُلا رہا ہوں تم کو عزت والے غفار کی طرف۔

(تم بلاتے ہو) اور اس بات کی دعوت دیتے ہو (مجھے، کہ) میں (انکار کردوں اللہ) تعالیٰ (کا، اور شریک بناؤں اُس کا اُسے جس) کے شریکِ خدا ہونے (کا مجھے کچھ علم نہیں)۔ یعنی خدائے برحق کے سوا اور کسی کو میں خدا نہیں جانتا، تو اُس کے ساتھ دوسرے کو خدائی میں کیونکر شریک کروں۔ (اور میں بُلا رہا ہوں تم کو عزت والے غفار کی طرف)، جو غالب ہے مشرکوں کو عذاب کرنے پر اور

بخشنے والا اور مٹا دینے والا ہے مومنوں کے گناہوں کو۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ لَیْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَا فِی الْاٰخِرَةِ

بس یہی ہے کہ جس کی طرف تم لوگ بلاتے ہو مجھے، نہیں ہے اُس کی کوئی بلاہٹ دُنیا میں اور نہ آخرت میں،

وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ الْمُسْرِفِیْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

اور بے شک ہمیں لَوٹنا ہے اللہ کی طرف، اور بے شک زیادتی کرنے والے ہی جہنمی ہیں●

(بس یہی ہے)، اِس کے سوا کچھ بھی نہیں، (کہ جس کی طرف تم لوگ بلاتے ہو مجھے، نہیں ہے اُس کی کوئی بلاہٹ دُنیا میں نہ آخرت میں)۔ یعنی جو نہ دُنیا میں عبادت کا مستحق ہے نہ آخرت میں اُس کی پکار۔ اور لایعنی بات کا اعتبار نہ دُنیا میں ہے اور نہ ہی آخرت میں۔۔ الغرض۔۔ اِس کی دعوت کہیں بھی مقبول نہیں۔ (اور بے شک ہمیں لَوٹنا ہے اللہ) تعالیٰ (کی طرف) اور وہ ہم کو جزا دے گا۔ (اور بے شک زیادتی کرنے والے ہی جہنمی ہیں)، جو ضلالت و گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں اور آتشِ دوزخ کے مستحق ہیں۔

پھر فرعونیوں نے اُس مردِ مومن کو دھمکانا شروع کیا اور اُس کے قتل کا قصد کیا۔۔۔

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

تو اب جلد ہی یاد کرو گے جو کہہ رہا ہوں میں تمہیں، اور سپرد کرتا ہوں اپنے معاملے کو اللہ کے، بے شک اللہ نگراں ہے بندوں کا●

(تو) وہ بولا کہ (اب جلد ہی یاد کرو گے جو کہہ رہا ہوں میں تمہیں) یعنی جب تم عذاب دیکھو گے، تو تم کو یاد آئے گی وہ بات جو میں تم سے کہتا ہوں۔ میں تو اب اپنا کام خدائے برحق پر چھوڑتا ہوں (اور سپرد کرتا ہوں اپنے معاملہ کو اللہ) تعالیٰ (کے، بے شک اللہ) تعالیٰ (نگراں ہے بندوں کا)۔

منقول ہے کہ فرعون نے حکم دیا کہ خربیل کو قتل کر دو، تو وہ پہاڑ کی طرف چلے گئے اور وہاں غار میں مشغول ہو گئے۔ پس حق تعالیٰ نے درندوں کا لشکر بھیج دیا۔ درندے اُن کے اردگرد پاسبانی کرنے لگے۔ اپنے کام خدا پر چھوڑنے کا نتیجہ بہت جلد انہیں حاصل ہو گیا، اور وہ دشمنوں کے شر سے بے خوف ہو گئے۔ یہ بھی روایت ہے کہ فرعون نے اپنے خواص میں سے ایک گروہ کو بھیجا کہ خربیل کو لاؤ۔ وہ جو پہاڑ پر چڑھے، تو دیکھا کہ خربیل نماز میں مشغول ہیں اور درندے اُن کی پاسبانی کر رہے ہیں، وہ سب ڈر کے بھاگے اور فرعون کے

پاس آکر حال بیان کیا، فرعون نے اُن سب کو دھمکایا اور تاکید کی کہ یہ بات فاش اور مشہور نہ ہو۔ تو حق تعالیٰ خربیل کے حال سے خبر دیتا ہے کہ۔۔۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

تو بچالیا اُس کو اللہ نے خرابیوں سے اُس کے، جو چالبازیاں کیں لوگوں نے، اور گھیر لیا فرعونیوں کو عذاب کی تباہی نے۔

جب اُن کے تعلق سے فرعونی اپنی چال چلے۔۔۔ (تو بچالیا اُس) مردِ مؤمن (کو اللہ) تعالیٰ (نے خرابیوں سے اس کے جو چالبازیاں کیں لوگوں نے)۔۔ المختصر۔۔ اِس باب میں فرعونیوں نے جو سازش کی تھی، اُس میں وہ سب ناکام رہے بلکہ اپنی نگاہوں میں بھی ذلیل ورسوا ہوگئے۔ (اور) علاوہ ازیں (گھیر لیا فرعونیوں کو) جو خربیل کے قتل کرنے کے ارادے سے گئے تھے، (عذاب کی تباہی نے)، یعنی وہ سب قتل ہوگئے۔

اور اگر یہاں سارے فرعونی مراد ہوں، تو عذاب سے اُن سب کا غرق ہوجانا مراد ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہاں **سُوْٓءُ الْعَذَابِ** سے مراد **اَلنَّارُ** ہے جس کو اُس کا بدل قرار دیا گیا ہے۔۔ تو۔۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫

آگ پر پیش کیے جاتے ہیں وہ لوگ صبح وشام۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی۔۔۔

اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾

کہ "جھونک دو فرعونیوں کو سخت عذاب میں"۔

(آگ پر پیش کیے جاتے ہیں وہ لوگ صبح وشام)۔ یعنی اُن فرعونیوں کو صبح وشام دوزخ میں جو اُن کا ٹھکانہ ہے اُس کو دکھایا جاتا ہے، اور ڈانٹتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمہارے گھر ہیں۔

۔۔یا۔۔

اُن کو صبح وشام اُن کی قبروں میں آگ کا عذاب دیا جاتا ہے۔

اور یہ عذاب خصوصاً آلِ فرعون کے لیے ہے۔۔یا۔۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود کے بقول۔۔

آلِ فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں ہیں۔ وہ پرندے صبح وشام جہنم پر وارد ہوتے ہیں اور اُن کو آگ پر پیش کرنے کے یہی معنی ہے۔ (اور جس دن قیامت قائم ہوگی) تو حق تعالیٰ فرشتوں

سے فرمائے گا، (کہ جھونک دو فرعونیوں کو سخت عذاب میں) اُس عذاب کے بہ نسبت جس میں پہلے تھے۔

۔۔یا یہ کہ۔۔فرشتے فرعون والوں سے کہیں گے۔۔۔

کہ تم سب داخل ہو جاؤ سخت عذاب میں۔

وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ

اور جب حجت بازی کریں گے جہنم میں، تو کہیں گے اُن کے کمزور لوگ انہیں، جو بڑے بنتے تھے کہ "بے شک ہم تو تھے تمہارے پیچھے

تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿۴۷﴾

چلنے والے، تو کیا تم لوگ ہٹا لو گے ہم سے کچھ حصہ آگ سے؟"●

(اور جب حجت بازی کریں گے جہنم میں) باہم دوزخی، (تو کہیں گے اُن کے کمزور لوگ) ضعیف، بے چارے اور کمترین سمجھے جانے والے لوگ (انہیں)، یعنی اُن سے (جو بڑے بنتے تھے) وہ سرکش اور مغرور جو اپنی قوم میں بڑے اور معزز سردار سمجھے جاتے تھے (کہ بے شک ہم تو تھے تمہارے پیچھے چلنے والے، تو کیا تم لوگ ہٹا لو گے ہم سے کچھ حصہ آگ سے؟)۔ یعنی تم نے ہم کو شرک اور انبیاء کی تکذیب کی طرف بُلایا اور دوزخ میں ہمارے داخل ہونے کا سبب تمہیں ہوئے، تو کیا اب تم ہمارے عذاب میں تخفیف کرا سکو گے، اور عذاب کا کچھ حصہ دفع کرا کے ہماری اذیت کم کرا سکو گے۔ اِس کا۔۔۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۴۸﴾

جواب دیا جو بڑے بنتے تھے کہ "واقعہ تو یہ ہے ہم بھی اُسی میں ہیں۔" بے شک اللہ نے فیصلہ فرما دیا بندوں کے درمیان●

(جواب دیا) اُن کے سرداروں نے (جو بڑے بنتے تھے، کہ واقعہ تو یہ ہے ہم بھی اِسی میں ہیں) تو تم سے عذاب کو کیوں کر روکیں۔ اور اگر ہم کو عذاب دفع کرنے کی قدرت ہوتی، تو پہلے اپنے اُوپر سے عذاب دفع کرتے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نے فیصلہ فرما دیا بندوں کے درمیان) اور ہر ایک کو ایسی جگہ بھیجا ہے جو جگہ اُس کے لائق ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا

اور بول پڑے جو آگ میں ہیں جہنم کے داروغوں کو کہ "دُعا کرو اپنے رب سے کہ ہلکا کر دے ہم سے

يَوۡمًا مِّنَ الۡعَذَابِ ﴿۴۹﴾

ایک دن عذاب"۔

(اور بول پڑے) وہ لوگ (جو) دوزخ کی (آگ میں ہیں) ایک دوسرے سے ناامید ہو چکنے کی صورت میں (جہنم کے داروغوں کو، کہ دُعا کرو اپنے رب سے کہ ہلکا کردے ہم سے ایک دن عذاب)، یعنی دُنیا کے دنوں میں سے ایک دن کی مقدار ہم پر سے عذاب اٹھا لے، تاکہ ہم کچھ راحت لے لیں۔

قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ تَكُ تَاۡتِيۡكُمۡ رُسُلُكُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوۡا بَلٰى ؕ قَالُوۡا فَادۡعُوۡا ۚ

اُنہوں نے پوچھا کہ "کیا نہیں آتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول روشن نشانیوں کے ساتھ۔" سب بولے، "کیوں نہیں۔"

وَمَا دُعٰٓؤُا الۡكٰفِرِيۡنَ اِلَّا فِىۡ ضَلٰلٍ ﴿۵۰﴾ ع ۱۲

تو جواب دیا کہ "پھر تمہیں دُہائی مچاؤ۔" اور نہیں ہے کافروں کی دُعا مگر بےکار۔

(اُنہوں نے پوچھا کہ کیا نہیں آتے تھے تمہارے پاس تمہارے رسول) یعنی وہ رسول جو تمہاری ہدایت کے لیے بھیجے گئے، (روشن نشانیوں) اور ظاہر معجزوں (کے ساتھ؟) اور انہوں نے تم کو خدا کی طرف بُلایا۔ (سب) دوزخی (بولے، کیوں نہیں)۔ مگر ہم نے اُن کی تکذیب کی۔ (تو جواب دیا) دوزخ کے فرشتوں نے (کہ) جب یہ حال ہے، (پھر تمہیں دُہائی مچاؤ) اور عذاب کی تخفیف چاہو۔ کیونکہ ہم کو تم ایسے کافروں کے واسطے دُعا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ پھر وہ کافر دُعا کریں گے اور اُن کی دُعا قبول نہ ہوگی۔ (اور) وہ اس لیے کہ (نہیں ہے کافروں کی دُعا مگر بیکار) باطل، ضائع ہونے والی، قبول نہ ہونے میں۔

اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ﴿۵۱﴾

بے شک ہم ضرور مدد فرمائیں گے اپنے رسولوں کی اور اُن کی جو ایمان لائے، دُنیاوی زندگی میں، اور جس دن کھڑے ہوں گے گواہ لوگ

سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آلِ فرعون کے مردِ مؤمن کو فرعون کی سازشوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ اور اِس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کی اور ایمان والوں کی مدد فرمائے گا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

(بے شک ہم ضرور مدد فرمائیں گے اپنے رسولوں کی اور اُن کی جو ایمان لائے، دُنیاوی زندگی

میں)۔یعنی اِس جہان میں بھی ہم رسولوں کی نصرت کرتے ہیں اُن کے دشمنوں کو ہلاک کر کے،اور اُن کو اور اُن کے تابعوں کو نجات دے کر۔اور اگر قتل ہو جائیں تو قاتلوں سے انتقام لے کر۔۔۔

جیسا کہ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے قتلِ ناحق کے وبال میں ستر ہزار آدمی قتل ہوئے، جو حضرت یحیٰی کے قتل سے راضی تھے۔رسولوں اور مؤمنین کی نصرت کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ دلائل اور حجت سے اُن کی مدد فرمائی جائے۔یہ مدد ہمیشہ قائم رہتی ہے۔۔یا یہ کہ۔۔اللہ تعالیٰ تعریف و تحسین سے اُن کی مدد فرمائے۔کیونکہ ظالم اِس پر قادر نہیں ہے کہ لوگوں کی زبانوں سے اُن کی تعریف و تحسین سلب کرلے۔۔یا یہ کہ۔۔اُن پر آنے والی مشکلات کے عوض اُن کے درجات بلند کردیئے جائیں۔

یہ تو رہی اِس دُنیا کی مدد (اور) علاوہ ازیں اُن کی اُس دن بھی مدد کی جائے گی (جس دن کھڑے ہوں گے گواہ لوگ)۔یعنی ایک گروہ لوگوں کی گواہی دے گا اور وہ انبیاء علیہم السلام ہوں گے اور امتِ محمدی کے لوگ۔اور وہ دن ایسا ہوگا کہ۔۔۔

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

جس دن نہ کام آئے گی ظالموں کے اُن کی تاویل،اور اُنہیں کے لیے پھٹکار ہے اور اُنہیں کے لیے دارِ آخرت کی خرابی ہے●

(جس دن نہ کام آئے گی ظالموں کے اُن کی) معذرت آمیز (تاویل)،اس واسطے کہ اُس دن معذرت باطل ہے،اور قبول کا محل نہیں رکھتی۔(اور اُنہیں کے لیے پھٹکار ہے)،یعنی رحمتِ الٰہی سے دُوری ہے۔(اور اُنہیں کے لیے دارِ آخرت کی خرابی ہے)۔

اِس آیت میں مؤمنین کے عظیم ثواب کی خبر دی جارہی ہے کہ مؤمنین جنت میں بلند درجات پر فائز ہوں گے اور اُن کے مخالف اور دشمن ذلت میں ہوں گے۔اِس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں اور مؤمنین کی دُنیا و آخرت میں نصرت فرماتا ہے۔سو اِن دُو آیتوں میں رسولوں اور ایمان والوں کی دُنیا میں نصرت فرمانے کی ایک نوع بیان فرمارہا ہے۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾ هُدًى

اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو ہدایت،اور وارث بنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا● ہدایت

وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۞

ونصیحت عقل والوں کے لیے●

(اور) ارشاد فرما رہا ہے کہ (بے شک دی ہم نے موسیٰ کو ہدایت) یعنی وہ چیز جس کے سبب سے ہدایت پاتے ہیں، جیسے معجزے اور شریعتوں کے صحیفے۔ (اور وارث بنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب کا) یعنی توریت کا، جس کو ہم نے اُن کے درمیان باقی رکھا، تاکہ اُس کی برکت کی جہت سے راہ پائیں۔۔۔یا۔۔۔وہ کتاب (ہدایت ونصیحت) ہے (عقل والوں کے لیے) جن کی عقلیں سلیم ہیں۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ

تو صبر کرتے رہو، بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے، اور بخشواتے رہو اپنے وابستوں کو، اور پاکی بولتے رہو اپنے رب کی حمد

بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۞

کے ساتھ شام وصبح●

(تو) اَے محبوب! کفار کی ایذاء پر (صبر کرتے رہو، بلاشبہ) انبیاء کی نصرت اور دشمنوں کی ہلاکت کے باب میں (اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ حق ہے)۔ یعنی سچ ہے جو ہو کے رہے گا۔ (اور بخشواتے رہو اپنے وابستوں کو)۔ یعنی اپنی امت کے واسطے طلبِ مغفرت کرتے رہو، کہ وہ تمہاری جناب میں امیدوار ہیں۔۔۔یا۔۔۔ ہر ہر گھڑی رفع درجات کے لیے عبادت کے ساتھ ساتھ کثرت سے استغفار کرتے رہو۔

۔۔چنانچہ۔۔۔آپ روزانہ بلاناغہ کم ازکم ستّر بار استغفار ضرور فرماتے تھے، اور اِس انداز سے امت کی تعلیم وتربیت فرماتے تھے، تاکہ آپ کی اتباع میں وہ بھی بکثرت استغفار کرتے رہیں اور خلاف اولیٰ انجام دینے پر بھی، جو بنیادی طور پر گناہ نہ سہی، توبہ واستغفار کرنے کی عادت بنالیں، اور اِس طریقے سے یَاغَفَّارُ کی تسبیح پڑھتے رہیں۔ اور جب اِس عملِ استغفار کی مخلصانہ ثابت قدمی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انہیں جو مغفرت حاصل ہوگی، وہ نبی کریم ہی کی تعلیم وتربیت کا ثمرہ ہوگی، اور اُس کو نبی کریم ہی کا بخشوانا قرار دیا جائے گا۔

تو اَے محبوب! اپنے وابستگانِ دامن کے لیے دُعائے مغفرت کرتے رہو، (اور پاکی بولتے

رہواپنے رب کی حمد کے ساتھ) یعنی سُبحَانَ اللہِ وَبِحَمدِہٖ کہا کرو (صبح وشام)۔

منقول ہے کہ کفار قرآن نازل ہونے، اور مرنے کے بعد پھر زندہ ہوکر اٹھنے کے باب میں جھگڑا کرتے تھے۔ تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیۡرِ سُلۡطٰنٍ اَتٰىہُمۡ ۙ اِنۡ فِیۡ صُدُوۡرِہِمۡ

بے شک جو جھگڑا نکالیں اللہ کی آیتوں میں، بغیر کسی سند کے جو آئی ہو اُن کے پاس، نہیں ہے اُن کے سینوں میں

اِلَّا کِبۡرٌ مَّا ہُمۡ بِبَالِغِیۡہِ ۚ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۵۶﴾

مگر بڑائی کی ہوس، جس تک وہ پہنچنے والے نہیں، تو پناہ لو اللہ کی۔ بے شک وہی سننے والا دیکھنے والا ہے●

(بے شک جو جھگڑا نکالیں اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں میں)، یعنی انہیں باطل ثابت کرنے اور انہیں دفع کرنے کی جدوجہد کریں، اور وہ بھی (بغیر کسی سند کے جو آئی ہو اُن کے پاس)، آسمان پر سے ۔۔یا۔۔ وہ کوئی معقول بات ہو۔ سچی بات تو یہ ہے کہ (نہیں ہے اُن کے سینوں میں مگر بڑائی کی ہوس)۔ یعنی حق بات سے سرکشی ۔۔یا۔۔ سرداری کا ارادہ ۔۔یا۔۔ حکومت کا قصد ۔۔یا۔۔ عظمتِ موہوم، (جس تک وہ پہنچنے والے نہیں، تو پناہ لو اللہ) تعالیٰ (کی) اُن کے شر سے۔ (بے شک وہی سننے والا) ہے اُن کے اقوال کو اور (دیکھنے والا ہے) اُن کے افعال کو۔

مذکورہ بالا ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ۔۔۔

جس بڑائی کی یہ کفار ہوس کررہے ہیں وہ کبھی اُن کے ہاتھ نہیں آئے گی، کیونکہ بالآخر مکہ مکرمہ اَے محبوب! آپ کے ہاتھوں فتح ہوگا، اور آج جو لوگ چودھری بنے ہوئے ہیں کل وہ سب آپ کے ماتحت ہوں گے، اور سب کی گردنیں آپ کی تلوار کے نیچے ہوں گی۔ سو آپ اُن کی سازشوں کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کریں۔ بے شک اللہ اُن کی باتوں کو خوب سننے والا ہے، اور اُن کے کاموں کو اچھی طرح دیکھنے والا ہے۔ پس وہ آپ کو اُن کی سازشوں کے شر سے محفوظ اور مامون رکھے گا، اور آپ کو اُن کے اوپر غالب کردے گا۔

ہرچند یہ آیت اُن کافروں کے حق میں نازل ہوئی ہیں، جو اپنی بڑائی کی ہوس میں اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا اِنکار کرتے تھے۔ لیکن دراصل یہ آیت اُن تمام بدمذہب اور مبتدعین کو شامل ہے، جن کے سامنے مذہبِ حق پر دلائل پیش کیے جاتے ہیں، اور وہ اُن کو صرف اس

لیے نہیں مانتے کہ اگر اُن دلائل کو تسلیم کرلیا، تو اُن دلائل پر مبنی مذہب حق کو بھی ماننا پڑے گا، اوراس کو ماننے میں اُن کی بڑائی میں فرق آئے گا۔

ایسے ضدی، معاند اور جھگڑالو لوگ ہر دَور میں ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ ایسے لوگوں کے فتنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ فتنہ کوئی بھی ہو، کیسا بھی ہو، اور کسی بھی دَور میں ہو اُس سے پناہ مانگنی ہی چاہیے۔۔ چنانچہ۔۔ سرکار نے ارشاد فرمایا کہ "دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرو،" اِس پر مسلمانوں نے کہا کہ "ہم دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں"۔

اوراس میں کوئی شک نہیں کہ ہر دَور کے ضدی، ہٹ دھرم اور معاند لوگ، بہت بڑا فتنہ ہیں اور اُن کا فتنہ دجال کے فتنے سے کم نہیں، تو ہم سب کو اُن فتنوں سے بھی اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرنی چاہیے۔ اُن فتنہ گروں میں ایسے بھی کم عقل لوگ تھے، جو یہ تو مانتے تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، لیکن یہ بھی کہتے تھے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد اُن کو دوبارہ پیدا کرنا ممکن نہیں۔ حالانکہ یہ قاعدہ ہے کہ جو ایک چیز کے بنانے پر قادر ہو وہ اُس جیسی دوسری چیز کے بنانے پر بھی قادر ہوتا ہے۔ اور جو ایک چیز کے بنانے پر قادر ہو وہ اُس سے کم درجہ کی چیز بنانے پر بطریقِ اولیٰ قادر ہوتا ہے۔ اور یہ وہ اصول ہیں جو ہر صاحبِ عقل کے نزدیک مسلّم ہیں۔ اور اُن اصولوں کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اُن کا رَد کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ۔۔۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ

یقیناً پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا زیادہ بڑی بات ہے انسان کے پیدا کرنے سے، لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

اُن کے بہتیرے نادان محض ہیں۔

(یقیناً پیدا کرنا آسمانوں اور زمین کا زیادہ بڑی بات ہے انسان کے پیدا کرنے سے)، تو جو قادر ہو آسمان و زمین پیدا کرنے پر باوصف اُن کی عظمت اور وسعت کے، پہلے پہل بے اصل اور بے مادہ کے، البتہ وہ قادر ہوگا آدمی کو دوبارہ پیدا کرنے پر اصل اور مادہ سے، (لیکن اُن کے بہتیرے نادان محض ہیں) نہیں جانتے کہ پیدا کرنا آسان ہے۔

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور نہیں برابر ہے اندھا اور آنکھ والا۔۔اور جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں،

وَلَا الْمُسِيْٓءُ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور گنہگار۔کم ہی سوچتے ہو●

(اور) ظاہر ہے کہ (نہیں برابر ہے اندھا اور آنکھ والا)۔یعنی جو شخص اِس کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں سے اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور قیامت اور حشر ونشر پر استدلال کرتا ہے، وہ اُس شخص کے برابر نہیں ہے جو اپنے مشرک آباء واجداد کی اندھی تقلید میں اُن حقائق کا اِنکار کرتا ہے۔(اور) نہ ہی مؤمنین صالحین (جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں) برابر ہیں اُن کے جو بدکار (اور گنہگار) ہیں۔تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو، کیونکہ (کم ہی سوچتے ہو) اور زیادہ غور وفکر اور عقلِ سلیم سے کام نہیں لیتے۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے، اس میں ذرا بھی شک نہیں، لیکن بہتیرے لوگ نہیں مانتے●

اِس سے پہلی آیتوں میں قیامت کے امکان پر دلائل قائم فرمائے تھے اور اِس آیت ۵۹ میں قیامت کے وقوع کی خبر دی ہے۔اور قیامت کے وقوع کی خبر دینے میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جس طرح دُنیا میں کافر ومؤمن برابر نہیں، اُسی طرح عقبیٰ میں بھی یہ دونوں برابر نہ ہوں گے۔ ایک جنت کے درجوں میں ساکن ہوگا اور ایک دوزخ کے درکوں میں مقیم ہوگا۔اور جب ثابت ہوگیا کہ نیک کام کرنے والے اور بُرا کام کرنے والے ثواب اور عذاب میں برابر نہیں۔اور دُنیا تکلیف کا گھر ہے، تو دوسرا گھر ضرور ہے جہاں جزا پائیں، اور وہ قیامت میں ہوگا۔تو۔۔

(بے شک قیامت ضرور آنے والی ہے، اِس میں ذرا بھی شک نہیں) اس لیے کہ سب رسولوں نے قیامت واقع ہونے کا وعدہ کیا ہے، (لیکن بہتیرے لوگ) اپنی کوتاہ نظری کی وجہ سے (نہیں مانتے) اور محسوسات کی اُلفت کے سبب سے اُس کی تصدیق نہیں کرتے۔اور جب یہ طے ہے کہ قیامت ضرور بالضرور آئے گی، اور اس وقت کی خیر وعافیت ربِّ کریم کے فضل وکرم ہی سے وابستہ ہے، اور خدا کے حضور میں ہی سرِ نیاز جھکانا وہاں کام آئے گا، پھر خدا ہی کی بارگاہ میں ہر ہر مقام کی خیر وعافیت کے لیے دستِ دُعا بلند کرنا چاہیے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ

اور فرمایا تم لوگوں کے رب نے کہ "دُعا کرو مجھ سے، میں قبول فرمالوں گا تمہارے لیے۔" بے شک جو کھنچیں بڑائی میں

عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ۝

میری عبادت سے، تو جلد ہی جائیں گے جہنم ذلیل ہوکر●

(اور) اَے ایمان والو! یہ تو کرم بالائے کرم ہے کہ خود ہی (فرمایا تم لوگوں کے رب نے، کہ دُعا کرو مجھ سے، میں قبول فرمالوں گا تمہارے) فائدہ کے (لیے)۔ یعنی تم میری مخلصانہ عبادت کرو، تاکہ میں تمہیں ثواب دوں۔

دُعا سے مراد عبادت ہے۔ اِس کی تائید اِس قول سے بھی ہوتی ہے کہ۔۔۔

(بے شک جو کھنچیں بڑائی میں میری عبادت سے تو جلد ہی جائیں گے جہنم ذلیل ہوکر) اپنی سرکشی کے نتیجے میں۔

بعضوں نے کہا کہ دُعا استغاثہ کے معنی میں ہے۔۔ یعنی۔۔

فریاد چاہو مجھ سے عاجزی کے وقت، کہ میں تمہاری فریاد کو پہنچوں۔

اور علماء کے ایک گروہ کے قول کے موافق دُعا سے 'سوال' مراد ہے۔۔ یعنی۔۔

تم مجھ سے سوال کرو تاکہ میں تم کو عطا کروں اِس واسطے کہ میری رحمت کا خزانہ بھرا ہوا ہے، اور میرا کرم آرزوئیں بَر لانے والا ہے۔ کون فقیر ایسا ہے جس نے میرے سامنے ہاتھ پھیلایا، اور میں نے نقد مراد اُس کے ہاتھ پر نہیں رکھ دیا۔

بعضوں نے کہا دُعا 'ثنا' کے معنی میں اور استجابت 'قبول' کے معنی میں ہے۔۔ یعنی۔۔

میری حمد وثنا کرو تاکہ اپنے فضلِ کامل سے تمہاری حمد وثنائے ناقص قبول کروں۔

۔۔یا۔۔ دُعا سے توبہ مراد ہے، اس واسطے کہ توبہ کرنے والا خدا کو پکارتا ہے اُس کی طرف رجوع کرنے کے وقت، اور اجابت سے توبہ قبول کرنا مراد ہے۔۔ یعنی۔۔

توبہ کرو تاکہ میں تمہاری توبہ قبول کروں۔

اَللّٰهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ

اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے لیے رات کو کہ آرام کرو اُس میں، اور دن کو سب کچھ دکھادینے والا۔ بے شک اللہ

لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

فضل والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دُعا کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ اپنی ضرورت کا سوال مجھ سے کرو، میں تمہارے سوال کو پورا کروں گا۔ اِس آیت میں اور اِس کے بعد کی آیات میں اِس پر دلائل قائم فرمائے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ ہر سوال کو پورا کرنے پر قادر ہے۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت پر، اُس کی توحید پر اور اُس کی قدرت پر دلائل ہیں۔ پہلی تین۳ آیتوں کا تعلق آسمان سے ہے، اور بعد کی آیتوں کا تعلق زمین اور زمین کی مخلوق سے ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ وہ (ہے، جس نے بنایا تمہارے لیے رات کو) اندھیری ٹھنڈے مزاج کے ساتھ، تا (کہ آرام کرو اُس میں)۔ یعنی رات کو بیکار اور عبث حرکتوں میں جاگ کر نہ گزارو اور آرام کرکے حواس کو سکون پہنچاؤ۔ (اور) بنایا (دن کو سب کچھ دکھا دینے والا)، روشن کرنے والا گرم مزاج کے ساتھ، تاکہ دیکھو چیزیں اور معاش حاصل کرنے میں تمہاری حرکتیں قوی ہو جائیں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (فضل والا ہے لوگوں پر)، دن رات پیدا کرکے۔۔ یا۔۔ آدمیوں کو پیدا کرکے اور روزی دے کر۔۔ یا۔۔ ایسے امور مرتب فرما کر جس کے سبب سے اُن کے نفس اور مال میں مصلحتیں قائم ہیں۔ (لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں) کہ اپنے منعم حقیقی کی بارگاہ میں سرِ نیاز اور جبینِ عبادت نہیں جھکاتے۔۔ بلکہ۔۔ اُس کی عطا کردہ نعمتوں کو خود اُس کی نافرمانی میں خرچ کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا فضل و کرم فرمانے والا۔۔۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾ وقف لازم

یہ ہے اللہ، تمہارا رب، پیدا فرمانے والا ہر چاہے کا۔۔ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اِس کے سوا، تو کہاں اوندھائے جاتے ہو●

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

اُسی طرح اوندھائے گئے وہ، جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے●

(یہ ہے اللہ) تعالیٰ جو (تمہارا رب) اور (پیدا فرمانے والا ہر چاہے کا) ہے، (نہیں ہے کوئی) معبود (پوجنے کے قابل اِس کے سوا، تو کہاں اوندھائے جاتے ہو؟) یعنی کس وجہ سے پھیرے جاتے

ہواُس کی عبادت سے اُس کے غیر کی عبادت کی طرف۔ جس طرح پھیری گئیں یہ قومیں، (اُسی طرح اوندھائے گئے وہ) لوگ (جو اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا انکار کرتے تھے) اور عناد کی رُو سے انہیں قبول نہیں کرتے تھے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

اللہ ہے جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کو اور آسمان کو قبہ، اور صورت بنائی تمہاری تو حسین بنایا تمہاری صورتوں کو،

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور روزی دی تمہیں پاکیزہ۔ یہ ہے اللہ تمہارا رب۔ تو برکت والا ہے اللہ، سارے جہان کا پالنہار●

(اللہ) تعالیٰ (ہے جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو ٹھہرنے کو) قرار اور آرام کی جگہ، کہ اِس پر چلتے پھرتے ہو اور لیٹتے ہو، (اور) بنایا (آسمان کو قبہ) یعنی کر دیا آسمان کو تمہارے سروں پر اٹھا ہوا سائبان کی طرح۔ (اور صورت بنائی تمہاری) اَے آدمیو! (تو حسین بنایا تمہاری صورتوں کو)۔ یعنی تمہارے قد سیدھے کیے اور چہرے دلکش، اور اعضاء ایک دوسرے کے مناسب پیدا کیے۔ (اور روزی دی تمہیں پاکیزہ) چیزوں میں سے، یعنی کھانے کی لذیذ چیزیں اور تمہاری روزی کو ممتاز کر دیا حیوانات کی روزی سے۔

'بحرالحقائق' میں فرمایا ہے کہ انسان کی صورت کا حسن اِس بات میں ہے کہ وہ آئینۂ جہاں نما ہے۔ سب علوی اور سفلی حقائق اور ظاہری باطنی دقائق کو جامع ہے، اور ذات اور صفات کی معرفت کے انوار حقیقت جامعہ سے ظاہر ہیں۔

(یہ ہے اللہ) تعالیٰ (تمہارا رب) جس نے ایسی صورت بنائی، (تو برکت والا) بزرگ و برتر (ہے اللہ) تعالیٰ (سارے جہان کا پالنہار)۔ یعنی سارے اہل عالم جن وانس وغیرہ کا پروردگار ہے۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ

وہی زندہ ہے، نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل اُس کے سوا، تو دُہائی دو اُس کی مخلصانہ عقیدہ سے۔ ساری حمد اللہ کی، رب

الْعٰلَمِيْنَ ۝ قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

سارے جہان کا● کہہ دو کہ "بے شک میں روکا گیا ہوں، کہ پوجوں جن کی دُہائی دیتے ہو تم اللہ کے خلاف،

لَمَّا جَآءَنِیَ الْبَیِّنٰتُ مِنْ رَّبِّیْ٘ وَ اُمِرْتُ اَنْ اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۶﴾

جب کہ آگئیں میرے پاس روشن نشانیاں میرے رب کی طرف سے۔اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سر جھکا دوں رب العالمین کے لیے●

(وہی زندہ ہے) یعنی حیاتِ ازلی کے ساتھ اکیلا ہے، تو (نہیں ہے کوئی) معبود (پوجنے کے قابل اُس کے سوا، تو دُہائی دو اُس کی مخلصانہ عقیدہ سے)، اِس حال میں کہ پاک کرنے والے ہو اُس کے واسطے اپنا دین شرک سے۔۔یا۔۔اپنی عبادت ریا سے۔اور کہو (ساری حمد اللہ) تعالیٰ (کی، رب سارے جہان کا)۔یعنی پروردگار ہے سب اہلِ عالم کا۔

اور اَے محبوب! جو تم سے یہ کہتے ہیں کہ "اپنے مشرک باپ دادا کے دین پر متدین ہو جاؤ" اُن سے جواباً (کہہ دو کہ "بے شک میں روکا گیا ہوں کہ پوجوں) اُن کو (جن کی دُہائی دیتے ہو تم اللہ) تعالیٰ (کے خلاف) یعنی اُس کے سوا، (جب کہ آگئیں میرے پاس روشن نشانیاں) یعنی واضح دلیلیں اور آیتیں، (میرے رب کی طرف سے۔اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سر جھکا دوں رب العالمین کے لیے) اور مطیع ہو جاؤں اہلِ جہان کے پروردگار کے واسطے۔اور بے شک وہی ہے کہ اُس کی مخلصانہ عبادت و اطاعت کی جائے، کیونکہ وہ قادرِ مطلق اور خالقِ کائنات ہے۔۔چنانچہ۔۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ

وہی ہے جس نے پیدا فرمایا تمہیں مٹی سے، پھر ایک قطرے سے، پھر لوتھڑے سے،

ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ

پھر نکالا کرتا ہے تمہیں بچہ، پھر تاکہ پہنچو اپنے زور کو، پھر تاکہ ہو جاؤ بڈھے۔

وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى

اور کوئی ہے جو وفات دیا جاتا ہے پہلے ہی، اور تاکہ پہنچ جاؤ اپنی مدتِ معین کو،

وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور تاکہ تم عقل سے کام لو●

(وہی ہے جس نے پیدا فرمایا تمہیں) یعنی تمہارے دادا آدم کو (مٹی سے، پھر) تم کو اَے آدمیو! پیدا فرمایا (ایک قطرہ سے، پھر لوتھڑے سے)، کہ چالیس دن کے بعد منی تھکے کی صورت میں ہو جاتی ہے۔(پھر نکالا کرتا ہے تمہیں) یعنی تم میں سے ہر ایک کو ماں کے شکم سے (بچہ) بنا کر۔(پھر)

روک رکھتا ہے تم کو (تا کہ پہنچو) تم (اپنے زور کو) یعنی اپنی کمال قوت کو کہ منتہائے شباب ہے، (پھر) اُس درجے سے بڑھتے ہو (تا کہ ہو جاؤ بڈھے۔ اور) تم میں سے (کوئی ہے جو وفات دیا جاتا ہے) جوان اور بوڑھا ہونے سے (پہلے ہی، اور) باقی رکھتا ہے تم کو (تا کہ پہنچ جاؤ اپنی مدتِ معین کو) کہ وہ موت کا وقت ہے۔ (اور) یہ سب اس لیے، (تا کہ تم عقل سے کام لو) اور غور وفکر کرو اپنی پیدائش میں، اور ایک درجے سے دوسرے درجے پر منتقل ہونے پر۔۔اور۔۔

هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۶۸﴾ ع ۸ ۱۲

وہی ہے جو زندہ فرمائے اور مارے۔ چنانچہ جب چاہا کسی اُمر کو، تو بس فرما دیتا ہے اُسے کہ "ہوجا" تو وہ ہوجاتا ہے●

(وہی ہے جو زندہ فرمائے اور مارے۔۔ چنانچہ۔۔ جب چاہا کسی امر کو، تو بس فرما دیتا ہے اُسے، کہ 'ہوجا' تو وہ ہوجاتا ہے)۔ یعنی جس وقت وہ کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے اور تکوین کا ارادہ کرتا ہے اور کسی شے کو مقدر کرنا چاہتا ہے، اور چاہتا ہے کہ وہ ہوجائے، تو بے شک اُسے کہتا ہے 'ہوجا'، تو وہ ہوجاتی ہے بغیر کسی توقف اور دیر کے۔ کیونکہ اُس تکوین کو آلہ اور وقت وفرصت کی محتاجی نہیں۔

اِس آیت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کسی چیز کو وجود میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ وہ جب چاہتا ہے جس کو پیدا فرمانا چاہتا ہے اس کو پیدا فرما دیتا ہے، تو پھر اُس کے لیے مرنے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ وہ قیامت کے بعد صرف ایک لفظ کُنْ فرمائے گا اور تم سب جیتے جاگتے انسان بن کر کھڑے ہوجاؤ گے۔

یہ معاندین اور مکذبین بھی عجیب تھے، جو اللہ تعالیٰ کی آیات کا اور قرآنی دلائل کا رَد کرنے کے لیے بے جا حجت بازی سے کام لیتے تھے، جب کہ یہ آیتیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی رسالت کے ثبوت میں بالکل واضح ہیں۔ اور اگر انصاف سے اِن آیات کو پڑھا جائے اور اِن پر ٹھنڈے دِل سے غور کیا جائے، تو انسان کے لیے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ سے جدال ونزاع کرنے والوں کی اِس سورت میں بھی کئی جگہ مذمت کی ہے، یا تو اس لیے کہ مجادلین متعدد اقوام تھیں۔۔ یا یہ کہ۔۔ مختلف انداز سے جھگڑا کرتے تھے۔۔ یا یہ کہ۔۔ صرف تاکید مقصود ہے۔ اِس کے علاوہ دیگر سورتوں میں بھی اُن مجادلین کی مذمت کی ہے۔ ایک آیت میں اُن کے جھگڑنے کی نوعیت یہ بیان فرمائی، کہ یہ

آپ ﷺ اور اللہ کے پیغام کی تکذیب کرتے تھے۔ اور چونکہ وہ آپ کے مکذب تھے اسی لیے آپ سے جھگڑا کیا کرتے تھے۔۔ الختصر۔۔ یہ تکذیب ہی ایک طرح کا جدال ونزاع ہے۔ اُسی کے تعلق سے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَے محبوب!۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِىْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ۚۛ﴿۶۹﴾

کیا نہیں دیکھا تُو نے اُنہیں جو جھگڑے نکالتے ہیں اللہ کی آیتوں میں، کہ کہاں پھیر دیے گئے •

(کیا نہیں دیکھا تُو نے انہیں جو جھگڑے نکالتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں میں)، یعنی جو کافر قرآن کی آیتوں کے منکر ہیں، (کہ کہاں پھیر دیے گئے) اور کس طرح گھما دیئے گئے اُس کی تصدیق کی طرف سے۔ اُنہیں تو تصدیق کرنی چاہیے تھی وہ تکذیب کر بیٹھے، اور قرآنِ کریم کی حقانیت کے واضح دلائل سے آنکھیں چرالیں۔ یہ جھگڑا کرنے والے وہ لوگ ہیں۔۔۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۷۰﴾

جنہوں نے جھٹلایا کتاب کو، اور جس چیز کے ساتھ بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کو۔۔ تو جلد ہی معلوم کرلیں گے •

اِذِ الْاَغْلٰلُ فِىْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلٰسِلُ ؕ يُسْحَبُوْنَ ۙ﴿۷۱﴾ فِى الْحَمِيْمِ ۙ

جب کہ طوق اُن کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں، گھسیٹے جائیں گے • کھولتے پانی میں۔۔

ثُمَّ فِى النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۚ﴿۷۲﴾

پھر جہنم میں جھونک دیے جائیں گے •

(جنہوں نے جھٹلایا کتاب کو) یعنی قرآن کو۔۔ یا۔۔ سب آسمانی کتابوں کو، (اور) اِنکار کر دیا اُس چیز کا بھی (جس چیز کے ساتھ بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کو)، یعنی رسولوں کی طرف سے پیش کردہ احکام اور اُن کی شریعتوں کے بھی منکر ومکذب ہوگئے۔ (تو جلد ہی معلوم کرلیں گے) تکذیب اور اِنکار کا انجام، (جبکہ) آگ کے (طوق اُن کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں) بھی اس میں ہوں گی، (گھسیٹے جائیں گے) منہ کے بل زنجیریں پکڑ کرتا کہ اُن کو ڈال دیں (کھولتے پانی میں۔ پھر جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے) یعنی کھولتے پانی اور آگ کے ذریعہ انواع عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿۷۳﴾ مِنْ دُونِ اللّٰهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا

پھر فرمان ہوگا اُنہیں کہ "کہاں ہیں جن کو شریک بناتے تھے تم؟● اللہ کے خلاف۔" جواب دینا پڑا اُنہیں کہ "وہ تو کھو گئے ہم سے،"

بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِينَ ﴿۷۴﴾

بلکہ ہم دُہائی دیتے ہی نہ تھے پہلے کسی کی۔ اسی طرح بے راہ رکھتا ہے اللہ کافروں کو●

(پھر فرمان ہوگا انہیں کہ کہاں ہیں جن کو شریک بناتے تھے تم؟● اللہ) تعالیٰ (کے خلاف) جنہیں تم نے خدا کا مدمقابل سمجھ رکھا تھا۔ جواب دیے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا اس لیے، **(جواب دینا پڑا انہیں، کہ وہ)** شریک کیے ہوئے **(تو کھو گئے ہم سے)** اور اب ہم اُن کو نہیں پاتے، وہ ہماری آنکھوں سے چھپ گئے ہیں۔ حالانکہ وہ اُن کے سامنے پڑے ہوں گے انہیں مٹا نہیں دیا جائے گا۔

--یا یہ کہ-- اللہ تعالیٰ اُن منکرین سے اُن کے معبود کو دُور کر دے گا، ایسا کہ آپس میں ملنا ممکن نہ ہو۔ اس لیے کہ جہنم کے متعدد مقامات اور مختلف طبقات ہیں --یا-- اِس کا معنی یہ ہے کہ---

وہ بت ہمارے سے ضائع ہو گئے کہ اُن سے جو ہم امیدیں وابستہ رکھتے تھے وہ ہم پا نہیں سکتے۔ ہم تو اُن سے امداد کی توقع رکھتے تھے، انہوں نے ہم کو بلا میں چھوڑ دیا۔ ہم انہیں بہت کچھ سمجھتے تھے، لیکن اب واضح ہو گیا ہے کہ یہ تو بے کار اور غیر معتبر تھے، جو کسی کام کے لائق نہیں۔ **(بلکہ)** حیرت واضطراب کے عالم میں وہ یہ جھوٹ بھی بول دیں گے کہ **(ہم دُہائی دیتے ہی نہ تھے پہلے کسی کی)**، اور اس سے پہلے کسی کی عبادت نہ کرتے تھے حالانکہ انہیں بخوبی علم ہو گیا تھا، کہ اِس غلط بیانی سے انہیں کچھ فائدہ حاصل ہونے والا نہیں۔ **(اِسی طرح بے راہ رکھتا ہے اللہ)** تعالیٰ **(کافروں کو)**--چنانچہ-- اُن کو ایسے عقائد واعمالِ صالحہ نصیب نہ ہو سکے، جو انہیں آخرت میں فائدہ دیتے۔ پھر اُن سے کہیں گے کہ عقبیٰ میں---

---

ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿۷۵﴾

یہ بدلہ ہے اُس کا جو تم خوش ہوتے تھے زمین میں ناحق سے، اور جو اترایا کرتے تھے●

اُدْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۷۶﴾

داخل ہو جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ کے لیے اس میں۔ تو کتنا بُرا ٹھکانہ ہے مغروروں کا●

(یہ) آج تمہاری خرابی (بدلہ ہے اُس کا جو تم خوش ہوتے تھے زمین میں)، یعنی دُنیا میں (ناحق سے)، یعنی اُس چیز کے ساتھ جو حق نہ تھی یعنی شرک کے سبب سے۔ (اور جو اترایا کرتے تھے)، یعنی بہ سبب اُس کے کہ تھے تم ناز کرتے اور متکبرانہ انداز سے چلتے تھے۔ تو (داخل ہو جاؤ جہنم کے) ساتوں (دروازوں میں) سے اپنے اپنے اُس دروازے سے، جو تمہارے ہر ہر گروہ کے لیے تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ یعنی ہر گروہ دوزخ کے ایک درکہ میں داخل ہوگا۔ (ہمیشہ) رہنے (کے لیے اُس میں۔ تو) یہ دوزخ (کتنا بُرا ٹھکانہ ہے مغروروں کا)۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ

تو تم صبر کرتے رہو، بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے۔ تو خواہ ہم دکھا دیں تمہیں بھی کچھ جس کا وعدہ فرماتے ہیں اُنہیں،

اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾

یا وفات دیں تمہیں، وہ تو ہماری طرف لوٹائے جائیں گے●

(تو) اَے محبوب! (تم) قوم کی ایذاء پر (صبر کرتے رہو، بے شک) دوستوں کی نصرت کرنے اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کے باب میں (اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ حق ہے)، اور بے شک وہ واقع ہوگا۔ (تو خواہ ہم دکھا دیں تمہیں بھی کچھ جس کا وعدہ فرماتے ہیں انہیں)، یعنی اُن کے قتل۔۔یا۔۔قید کا وعدہ، (یا وفات دیں تمہیں) اُس عذابِ موعود کے ظاہر ہونے سے پہلے۔ (وہ تو) بالآخر قیامت کے دن (ہماری طرف لوٹائے جائیں گے) اور اپنی جزا پائیں گے۔ یعنی کسی طرح ہم انہیں نہ چھوڑیں گے۔

۔۔المختصر۔۔حق تعالیٰ نے کفار کا کچھ عذاب۔۔مثلاً: قتل، قید اور قحط وغیرہ آنحضرت ﷺ کو دکھایا، اور باقی اُن کے عذاب عقبیٰ میں دکھائے گا۔ سابقہ آیات میں جن جھگڑالو کافروں کا ذکر فرمایا گیا ہے، اُن میں سے بعض کافر جھگڑے کی راہ سے بہت معجزوں کی فرمائش کرتے تھے، جیسے چشمے جاری ہو جانا، باغ ظاہر کرنا، آسمان پر چڑھ جانا، اُن کے رُوبرو اِس صورت سے جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں مذکور ہوا، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَیْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور بے شک بھیجا ہم نے بہت سے رسول تم سے پہلے، ان میں سے وہ ہیں کہ جن کے واقعات نازل فرما دیے ہم نے تم پر، اور کچھ ہیں

لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ

کہ" قرآن میں جن کا ذکر نہیں بھیجا تم پر۔" اور کسی رسول کا کام نہیں، کہ کوئی نشانی لائے مگر اللہ کے حکم سے۔

فَاِذَا جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۷۸﴾ ع ۱۲

تو جہاں آ گیا اللہ کا عذاب، فیصلہ کر دیا گیا بالکل حق، اور خسارہ اُٹھایا وہاں باطل والوں نے●

(اور) ارشاد فرمایا کہ (بے شک بھیجا ہم نے بہت سے رسول تم سے پہلے)۔ بعض (ان میں سے وہ ہیں کہ جن کے واقعات نازل فرمادیے ہم نے تم پر، اور کچھ ہیں کہ قرآن میں جن کا ذکر نہیں بھیجا تم پر)۔

قرآنِ کریم میں جن کے واقعات بیان کیے گئے ہیں، وہ انتیس ۲۹ پیغمبر ہیں۔ اور جن کے واقعات نہیں بیان کیے گئے اُن میں بعض تو وہ ہیں، جن کا نام قرآنِ کریم میں مذکور ہے۔ مثلاً: الیسع، اور باقی وہ ہیں جن کے نام بھی ظاہر نہیں کیے گئے، تو نہ اُن کے واقعات ہی سے خبر دی گئی اور نا ہی اُن کے ناموں سے۔ مفسروں کا ایک گروہ اِس بات پر ہے کہ سب انبیاء بنی اسرائیل میں آٹھ ۸۰۰۰ ہزار تھے، اور باقی مخلوقات میں چار ۴ ہزار، کل بارہ ۱۲۰۰۰ ہزار ہوئے۔ اور مشہور بات یہ ہے کہ کل انبیاءِ کرام ایک لاکھ چوبیس ۱۲۴۰۰۰ ہزار تھے، اُن سب پر ایمان لانا ضروری ہے، اور اُن کی تفصیل اور گنتی جاننا اور اُن کو نام ونسب کے ساتھ پہچاننا شرط نہیں ہے۔

۔۔۔ المختصر۔۔۔ اِس قدر انبیاء ومرسلین آئے، انہوں نے اپنے طور پر کوئی معجزہ نہیں پیش کیا، (اور کسی رسول کا) یہ (کام) بھی (نہیں، کہ کوئی نشانی لائے مگر اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے)۔ یعنی اَے کافرو! تم میرے پیغمبر سے معجزوں کی فرمائش کرتے ہو، تو اچھی طرح سن لو! کہ وہ معجزہ دکھانے میں مستقل اور خود مختار نہیں ہیں، کہ میرے بے حکم دکھا سکیں۔ اور معجزہ نہ ظاہر ہونے میں حکمت یہ ہے کہ معجزہ ظاہر ہو جانے کے بعد ایمان نہ لانے پر منکرین پر عذابِ الٰہی نازل ہو جاتا ہے۔

(تو جہاں آ گیا اللہ) تعالیٰ (کا عذاب)، تو (فیصلہ کر دیا گیا بالکل حق) یعنی راستی کے ساتھ۔ یعنی مشرک عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور مؤمن نجات پاتا ہے۔ (اور) ایسی صورت میں (خسارہ اُٹھایا وہاں باطل والوں نے)، یعنی معاند اور جھوٹے لوگوں نے۔ جو معجزۂ نبوت پر دلالت کرتا ہے اُسے دیکھنے کے بعد اور معجزے طلب کرتے ہیں۔ آخر اَے منکرین! تم خدائے قادرِ مطلق کی کن کن نشانیوں کا اِنکار کرو گے۔ کیا تم یہ دیکھتے نہیں کہ۔۔۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾

اللہ نے، جس نے پیدا فرمایا تمہارے لیے چوپائے کہ کچھ سواری کرو اُن کی اور کچھ کھاتے رہو●

وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ

اور تمہارے لیے اُن میں بہتیرے فائدے ہیں، اور تاکہ پہنچو اُن پر لاد کر اپنے دل کے مقصد کو،

وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور اُن پر اور کشتیوں پر سوار کیے جاؤ●

(اللہ) تعالیٰ وہ (ہے، جس نے پیدا فرمایا تمہارے لیے چوپائے کہ کچھ سواری کرو اُن کی) جیسے کہ اونٹ اور گھوڑے وغیرہ، (اور کچھ) اِس لائق ہیں کہ (کھاتے رہو) اُن کا گوشت، جیسے بکری وغیرہ۔ (اور) کچھ ایسے بھی ہیں جو کھانے کے بھی لائق ہیں اور سواری کے بھی، جیسے گائے بیل وغیرہ ۔۔الغرض۔۔ (تمہارے لیے اُن میں بہتیرے فائدے ہیں)۔ یعنی اُن چوپاؤں سے تم دودھ اور اون بھی حاصل کرتے ہو (اور) اُن سے یہ بھی فائدہ ہے (تاکہ پہنچو اُن پر لاد کر اپنے دل کے مقصد کو) یعنی اُن سواریوں پر سفر کرتے ہوئے اپنے مال واسباب کے ساتھ سوار ہو جاؤ، اور پھر تمہیں تجارت کر کے جو منافع ومقاصد جہاں سے حاصل کرنا ہو وہاں جاؤ، اور اپنے دلی مقصد کو حاصل کرلو۔

(اور) خشکی کے سفر میں (ان) چوپاؤں (پر اور) دریا کے سفر میں (کشتیوں پر سوار کیے جاؤ) وہ کشتیاں تمہیں تمہاری مطلوبہ منزل تک پہنچائیں۔ چوپاؤں کو تمہارے قابو میں کر دینا، دریا میں کشتیوں کو سلامتی کے ساتھ منزل تک پہنچانا، اور دریا میں دریائی آفتوں سے تمہیں بچائے رہنا، یہ سب رب کریم کا کرم۔۔۔

وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور دکھاتا رہتا ہے تم کو اپنی نشانیاں۔ تو اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرتے رہوگے●

(اور) یہ خدائے قادر کی قدرت کی نشانیاں ہیں اور وہ اپنے فضل سے (دکھاتا رہتا ہے تم کو اپنی نشانیاں، تو) تم (اللہ) تعالیٰ (کی کن کن نشانیوں کا اِنکار کرتے رہوگے)۔ ایسے ہی غیب کی خبر دینا، چاند کے ٹکڑے کر دینا، یہ سب نبوت کی دلیلیں ہیں، تو تم کن کن دلیلوں کے منکر بنوگے؟

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن

توکیا نہیں سفر کیا زمین میں؟ کہ دیکھ لیتے کہ کیسا انجام ہوا تھا اُن کا، جو اُن سے

قَبْلِهِمْ ۚ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ

پہلے تھے۔ تھے وہ کہیں زیادہ ان سے اور کہیں بڑھ کر قوت اور زمین میں

فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٢﴾

چھوڑی نشانیوں میں اُن سے، تو نہیں کام آئی اُن کے جو وہ کماتے تھے●

(توکیا) اُن منکرین نے (نہیں سفر کیا) عاد و ثمود کی (زمین میں، کہ دیکھ لیتے) اُن کی تباہی کے آثار اور سمجھ لیتے (کہ کیسا انجام ہوا تھا اُن کا جو اِن سے پہلے تھے) اگلی امتوں میں۔ (تھے وہ کہیں زیادہ اِن سے) تعداد میں (اور کہیں بڑھ کر قوت اور زمین میں چھوڑی نشانیوں میں اِن سے)، یعنی اونچے اونچے بلند و بالا مکانات اور قلعوں کی شکل میں بکثرت اُن کی رہائش گاہیں تھیں، لیکن جب اُن پر عذابِ الٰہی نازل ہوا، (تو نہیں کام آئی اُن کے وہ جو کماتے تھے)۔ یعنی مال و متاع کا اکٹھا کرنا اور لشکر و سپاہ کا آراستہ کرنا، کچھ بھی اُن کے کام نہ آسکا۔

فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم مِّنَ الْعِلْمِ

چنانچہ جب لے آئے اُن کے پاس اُن کے رسول روشن نشانیاں، تو وہ خوش رہے جو کچھ اُن کے پاس تھا علم،

وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٨٣﴾

اور آپڑا اُنہیں پر جس کا مذاق اُڑاتے تھے●

(چنانچہ جب لے آئے اُن کے پاس اُن کے رسول روشن نشانیاں) اور کھلے معجزات اور واضح دلائل، (تو) وہ اُن سے متاثر نہ ہوئے، بلکہ (وہ خوش) ہو (رہے) اُس سے (جو کچھ اُن کے پاس تھا علم) اُن کے زعم میں، یعنی جہل کہ اُس کا نام علم رکھا تھا اور اُس سے مراد اُن کے باطل عقیدے اور بے اعتبار شبہے ہیں۔

اور بعضوں نے کہا کہ پیشوں اور تجارتوں کا علم مراد ہے۔۔یا۔۔علم نجوم وغیرہ کہ اُس کے زور پر خوشی سے پھولتے اور انبیاء کرام کے معجزوں کے ساتھ ہنسی کرتے، تو حق تعالیٰ نے اُن کو ہلاک کر دیا۔

(اور) اُن کے کردار کے سبب سے (آپڑا انہیں پر جس کا مذاق اُڑاتے تھے)۔۔ چنانچہ۔۔ پکڑا اور گھیر لیا انہیں اُس چیز کی جزا نے جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہنسی اور مسخرا پن کرتے تھے، کہ دُنیا میں طرح طرح کا عذاب تھا اور عقبیٰ میں اُس وعدہ کو پہنچیں گے جو کچھ وعدہ اُن سے کیا گیا ہے۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ

پھر جب دیکھ لیا ہمارا عذاب، بول پڑے کہ "ہم نے مان لیا ایک اللہ کو، اور انکار کر دیا جسے ہم

مُشْرِكِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ

شریک بناتے تھے" • تو نہ کام آسکا اُن کے اُن کا اب مان جانا، جب کہ دیکھ چکے ہمارا عذاب۔

ع ۹ ۷ ۱۴ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اللہ کا دستور جو ہوتا رہا اُس کے بندوں میں۔ اور خسارہ اُٹھائے وہاں کافر لوگ •

(پھر جب دیکھ لیا ہمارا عذاب) دُنیا میں اور اس عذاب کی سختی سے باخبر ہو گئے، (تو بول پڑے کہ ہم نے مان لیا ایک اللہ) تعالیٰ (کو)، بے شک وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ (اور اِنکار کر دیا) اُس کی الٰہیت اور الوہیت کا خدا کے سوا (جسے ہم) خدا کا (شریک بناتے تھے)، یعنی بتوں کے ساتھ ہم نے کفر اختیار کیا۔۔۔ (تو نہ کام آسکا اُن کے اُن کا اب مان جانا، جبکہ دیکھ چکے ہمارا عذاب)۔ اِس واسطے کہ جب عذاب دیکھا تو اُس وقت تکلیف اُٹھ جاتی ہے، اور ایمان تکلیف کے زمانے میں مقبول ہے، عذاب دیکھنے کے بعد نہیں۔ یہی (اللہ) تعالیٰ (کا دستور) ہے (جو ہوتا رہا اُس کے بندوں میں)۔ اگلی امتوں میں سے کہ ایمانِ یاس کسی حال میں مقبول نہیں ہے۔ (اور خسارہ اٹھائے وہاں) اس وقت (کافر لوگ) یعنی اُن کا نقصان اس وقت ظاہر ہو گیا، اگرچہ تمام عمر نقصان میں تھے۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ، آج بتاریخ

۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ۔۔ مطابق۔۔ ۲۶؍مارچ ۲۰۱۲ء

بروز دوشنبہ، سورۃ المومن کی تفسیر مکمل کر کے سُوْرَۃ حٰمٓ السَّجْدَۃ کی تفسیر شروع کر دی۔

مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور پورے قرآنِ کریم کے تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے۔

آمِین یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، وَبِحَقِّ نٓ وصٓ، وَبِحُرْمَۃِ وَبِحَقِّ

یَابُدُّوحُ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

سورۂ حٰم السجدہ ۔۔ ۴۱ مکیہ ۶۱

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ

آیاتہا ۵۴ ۔۔ رکوعاتہا ۶

اِس سورت کا نام حٰمٓ السَّجْدَةِ مشہور ہے۔ حٰمٓ کی وجہ یہ ہے کہ المؤمن سے 'الاحقاف' تک سب سورتوں کی ابتداء حٰمٓ سے ہوئی ہے، اور السَّجْدَةِ اِس لیے کہ اس سورت میں ایک سجدۂ قرآن ہے۔ اِس سورہ کا نام 'سورۂ فصلت' بھی ہے، کیونکہ اِس سورہ کی تیسری آیت میں یہ لفظ مذکور ہے۔ اِس طرح یہ سورت اُن دوسری سورتوں سے ممیّز اور ممتاز ہو جاتی ہے، جن کی ابتداء حٰمٓ سے کی گئی ہے۔ حٰمٓ بھی حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ بعض محققین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا اسمِ اعظم حروف مقطعہ میں پوشیدہ ہے، ہر ایک کو اُسے نکالنے میں دسترس نہیں ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ 'ح' اشارہ ہے 'حکمت' کی طرف، اور 'میم' 'منت' کی جانب۔ یعنی اللہ کا احسان ہے مؤمنوں پر حکمت نازل کر کے۔

صاحبِ 'بحر الحقائق' نے فرمایا حٰمٓ اُس چیز کی طرف اشارہ ہے، جو حق تعالیٰ اور اُس کے حبیب کے درمیان راز و نیاز ہے کہ کوئی مقرب فرشتہ اور نبی مرسل اُس سے آگاہ نہیں۔ اِس واسطے کہ 'ح' اور 'میم' ۲ دو حرف اسم 'رحمٰن' کے درمیان میں ہیں، اور یہی ۲ دو حرف اسم محمد ﷺ کے بیچ میں بھی ہیں، تو اُن دونوں مبارک ناموں کے بیچ میں جو یہ دونوں حرف ہیں خدا اور حبیبِ خدا کے درمیان کسی راز و نیاز کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، تو ایسی حکمت والی سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

حٰمٓ ﴿١﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾

ح م ● یہ اُتارا ہے مہربان بخشنے والے کی طرف سے ●

قسم ہے نام رحمٰن اور اسم محمد ﷺ کے درمیانی ۲ دو حرفوں یعنی (ح م) کے بھید کی، کہ (یہ) قرآن (اُتارا ہے مہربان بخشنے والے کی طرف سے)، جو بخشش کرنے والا ہے نفوسِ عوام کو ہدایت کر کے، اور

مہربان ہے قلوبِ خواص کی رعایت فرما کر۔۔۔

اور تَنْزِیْلٌ کو اُن دونوں ناموں کی طرف اضافت کرنا، اِس بات کی دلیل ہوسکتی ہے کہ دینی دنیوی اور باطنی ظاہری مصلحتیں قرآن کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں۔

اور یہ اُتاری ہوئی۔۔۔

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

ایسی کتاب کہ مفصل فرمائی گئیں جن کی آیتیں۔ قرآن، عربی زبان میں، اُن کے لیے جو دانا ہیں ● خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا۔

فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝۴

تو منہ پھیر لیا اُن کے بہتیروں نے، تو وہ سنتے ہی نہیں ●

(ایسی کتاب) ہے، (کہ مفصل فرمائی گئیں جن کی آیتیں)۔ سب امر ونہی اور وعدہ ووعید کے ساتھ مشرح ہیں۔ اِس حال میں کہ یہ (قرآن عربی زبان) میں ہے، تاکہ سہولت کے ساتھ پڑھیں اور سمجھیں اور اس کی آیتوں کی تفصیل کی گئی (اُن کے لیے جو دانا ہیں)، یعنی جو جانتے پہچانتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتری ہے۔ اِس کا پیغام (خوشخبری دینے والا) ہے اُن لوگوں کو جو اِس پر عمل کرتے ہیں۔ (اور ڈر سنانے والا) ہے اُن لوگوں کو جو اِس پر ایمان نہیں لاتے۔ (تو منہ پھیر لیا) یعنی قبول نہیں کیا (اُن کے بہتیروں نے) اُن کافروں میں سے۔ (تو) ایسا لگا کہ (وہ سنتے ہی نہیں)۔۔ یا۔ اس لیے منہ پھیرا کہ اُسے نہ سنیں۔۔ یا۔۔ منہ پھیرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہو کہ ہم اِسے سننا ہی نہیں چاہتے، تو وہ کہہ پڑے۔۔۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ

اور بولے کہ "ہمارے دِل غلافوں میں چھپے ہیں اس سے، جس کی طرف تم بلا رہے ہو ہمیں، اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ ہے،

مِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝۵

اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان پردہ پڑا ہے، تو تم اپنی کرو، ہم بلاشبہ اپنی کرنے والے ہیں" ●

(اور بولے کہ ہمارے دِل غلافوں میں چھپے ہیں اُس سے جس کی طرف تم بلا رہے ہو ہمیں)، یعنی ہم قرآن نہیں سمجھتے اور نہ ہی قرآنی ہدایت کو اپنے دِلوں تک پہنچنے دیتے ہیں۔ (اور ہمارے کانوں

میں ڈاٹ ہے) تو اَے محمد ﷺ 'جو تم پڑھتے ہو اُسے ہم سنتے ہی نہیں، اور اِس کو سمجھنے کے لیے توجہ دیتے ہی نہیں۔ ہم نے اپنی حالت ایسی بنا رکھی ہے گویا کہ ہم سنتے ہی نہیں۔ (اور ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان پردہ پڑا ہے) کہ تمہاری نبوت کا جمال ہم نہیں دیکھتے۔۔یا۔۔آڑ ہے کہ ہمیں تجھ سے ملنے نہیں دیتی۔ (تو تم اپنی کرو) یعنی اپنے دین پر عمل کرو، اور (ہم بلاشبہ اپنی کرنے والے ہیں) یعنی اپنے آئین پر عمل کرنے والے ہیں۔

۔۔یا۔۔اُن سب نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ جو کچھ تم کر سکتے ہو ہمارے حق میں کرو، اور جو کچھ ہم تمہارے ساتھ کر سکتے ہیں اُس میں ہم بھی کمی نہ کریں گے۔ یہ بھی تفسیر کی گئی ہے کہ۔۔۔تُو کام کر اپنی آخرت کے واسطے ہم اپنی دُنیا کے لیے کام کرنے والے ہیں۔

کافروں کی لایعنی باتوں کو سن کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا کس قدر غیر معقول ہے کہ تم میری باتوں کو سمجھ ہی نہیں پا رہے ہو، جبکہ میں کوئی فرشتہ اور جن نہیں ہوں۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اَے محبوب! اُن کو۔۔۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا

جواب دو کہ "میں بس چہرے مہرے والا ہوں جیسے تم" وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود صرف 'معبودِ واحد' ہے، تو سیدھی راہ چلو

اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴿۶﴾ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

اُس کی طرف، اور مغفرت مانگو اُس سے، اور ہلاکی ہے شریک بنانے والوں کی ● جو نہ زکوٰۃ دیں،

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾

اور وہ آخرت کے منکر ہیں ●

(جواب) دے (دو، کہ میں بس چہرے مہرے والا ہوں جیسے تم)۔ تو صرف چہرہ مہرہ رکھنے میں تمہاری طرح ہوں۔ تم بھی چہرہ مہرہ رکھتے ہو، میں بھی چہرہ مہرہ رکھتا ہوں۔ تو اس چہرہ مہرہ رکھنے میں ہم تمہاری طرح ہیں اور مماثلتِ جزئی کے لیے اسی قدر کافی ہے۔۔۔الغرض۔۔دُو چیزوں کے درمیان مماثلتِ کلی تو ہوتی نہیں، اور مماثلتِ جزئی کے لیے ہر ہر صفت میں مماثل ہونا لازم نہیں۔

۔۔الحاصل۔۔اَے منکرو! جب چہرہ مہرہ رکھنے میں ہم تم ایک جیسے آدمی ہیں، تو پھر ایک آدمی کی بات دوسرا آدمی نہ سمجھ سکے، یہ زبردستی کی ہٹ دھرمی کے سوا کچھ بھی نہیں، ویسے بھی میں تمہیں ایسا

پیغام نہیں دیتا جس سے سماعت کو کراہیت اور طبیعت کو نفرت ہو، بلکہ (وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا معبود) برحق (صرف معبودِ واحد ہے)۔۔الحاصل۔۔تمہارا صرف ایک خدا ہے (تو سیدھی راہ چلو جو تمہیں (اُس کی طرف) ہی لے جائے، اور متوجہ ہو جاؤ اُس کی طرف توحید اور طاعت کے ساتھ اور اُس پر مقیم رہو۔ (اور مغفرت مانگو اُس سے) اُن گناہوں کی جو ایمان کے بعد تم سے ہو جائیں۔

ذہن نشین رہے کہ افعال واقوال اور احوال ظاہر و باطن میں برابر ہونے کا نام 'استقامت' ہے۔۔۔

یعنی چاہیے کہ تمہارا ظاہر و باطن ایک ہو جائے اور تم 'استقامت' کے مرتبہ پر پہنچ جاؤ، تو استغفار کرو اپنے عمل پر نظر کرنے سے، اس واسطے یہ بڑا گناہ ہے (اور ہلاکی ہے شریک بنانے والوں کی ● جو نہ زکوٰۃ دیں)، یعنی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ نہیں کہتے، جو نفسوں کی زکوٰۃ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ توحید اختیار کر کے اپنے کو شرک کے میل سے پاک نہیں کرتے۔۔یا یہ کہ۔۔ مال کی زکوٰۃ نہیں دیتے۔ یعنی خیر و خیرات نہیں کرتے۔

مشرکوں کے ساتھ زکوٰۃ نہ دینے اور خیر و خیرات نہ کرنے کی تخصیص اور کاموں کے بہ نسبت اس واسطے ہے، کہ مال انہیں بہت عزیز اور محبوب ہے۔ اور مال خرچ کرنا اور کاموں کے بہ نسبت اُن کی جان پر بہت سخت ہوتا ہے، تو یہ بات بیان کرنا اُن کے بخل اور خست کی طرف اور خلق پر شفقت نہ کرنے کی جانب اشارہ ہے۔ اور 'بخل' سب رذیل کاموں اور بُری صفتوں میں بڑھ کر ہے۔ اور ایک مقولہ ہے کہ جس مالدار میں سخاوت اور احسان نہیں، وہ مثل ایک لاش کے ہے کہ اُس میں جان نہیں۔۔یا۔۔وہ ایسا ہے کہ گویا درخت بے پھل کا ہے۔

(اور وہ) مشرک لوگ (آخرت کے منکر ہیں) اِس جہت سے خرچ نہیں کرتے کہ اُس عالم میں بدلہ اور ثواب ملنا باور نہیں کرتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ⑧ ع ۱/۸ ۱۵

بے شک جو ایمان لائے اور کرنے کے کام کیے، اُنہیں کے لیے ہے ثواب بے حد●

(بے شک جو ایمان لائے اور کرنے کے) لائق نیک (کام کیے، انہیں کے لیے ہے ثواب بے حد) بے حساب، جن کا ثواب نہ کم کیا جاتا ہے اور نہ ہی منقطع۔

یہاں تک کہ اگر کوئی بیمار اور عاجز اپنے ضعف وعاجزی کی حالت میں عبادت ادا کرنے سے عاجز ہو جائے، تو حق تعالیٰ اُسے عبادت کا ثواب ویسا ہی عطا فرماتا ہے، جیسا کہ حالتِ صحت کی عبادت کا عطا کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ بندہ جب نیک طریقہ پر ہوتا ہے عبادت میں، تو جب بیمار ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ اُس فرشتے کو حکم دیتا ہے جو اُس بندہ پر متعین ہے کہ اس بیمار بندہ کے واسطے، تُو ویسا ہی عمل لکھتا رہ، جیسا کہ اُس کی صحت کے وقت لکھتا تھا، جب تک میں اُسے صحت نہ دوں۔۔یا۔۔اپنے پاس بُلا نہ لوں۔

اِس سورت کی آیت ۶ میں واضح فرمادیا گیا کہ معبودِ واحد کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں، تو اب مشرکین کا عبادت کے استحقاق میں بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دینا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور اُس کی دلیل یہ ہے کہ جس ذات کی شان یہ ہو کہ عظیم الشان آسمانوں اور زمینوں کو صرف چھ ۶ دن کی قلیل مدت میں پیدا فرمادے، اُس کی عبادت کے استحقاق میں ان بے جان لکڑی پتھر کی مورتیوں کو اُس کا شریک قرار دینا کس طرح درست ہو سکتا ہے۔

کہاں وہ قادرِ مطلق جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے صرف چھ ۶ دنوں میں یہ پوری جیتی جاگتی کائنات کھڑی کردی، اور کہاں لکڑیوں اور پتھروں کی بے جان مورتیاں اور حقیر مجسمے۔ یہ کون سی دانائی ہے کہ عظیم الشان خالق کو چھوڑ کر، حقیر مورتیوں کی پرستش کی جائے۔

تو اَے محبوب! ان مشرکین سے۔۔۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ

پوچھو کہ "کیا تم نہیں مانتے اُسے، جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو ہی دن میں؟

وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹

اور بناتے ہو اُس کے برابر والے۔" یہ ہے رب العٰلمین۔

(پوچھو کہ کیا تم نہیں مانتے اُسے جس نے پیدا فرمایا زمین کو دو ہی دن میں؟ اور بناتے ہو اُس کے برابر والے)۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اُس قادرِ مطلق کے برابر کوئی ایک بھی نہیں، چہ جائیکہ چند ہوں۔ اور صرف یہی نہیں کہ کوئی اُس کے برابر نہیں، بلکہ کسی کا بھی اُس کے برابر ہونا عقلاً محال ہے،

کیونکہ وہ خدا جس نے زمین پیدا کی (یہ ہے رب العالمین)، سب اہلِ عالم کا پروردگار۔

وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ

اور گاڑدیے اِس میں پہاڑوں کے لنگر اس کے اوپر سے، اور برکت دی اِس میں، اور مقدر فرمادیں

فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ ۖ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴿١٠﴾

اِس میں غذائیں چار ہی دن میں صحیح صحیح۔ پوچھنے والوں کے لیے●

(اور گاڑدیے اُس میں پہاڑوں کے لنگر اُس کے اوپر سے)، تا کہ وہ اپنے محور پر گردش کرتی رہے اور اپنے مرکز سے اِدھر اُدھر نہ ہو، **(اور برکت دی اُس میں)**۔ یعنی اُس میں خیرِ کثیر کو پیدا فرمایا، یعنی زمین میں دریا پیدا کیے، درخت پیدا کیے، اور درختوں میں پھل پیدا کیے، اور مختلف قسم کے حیوانات پیدا کیے، اور اُس میں ہر وہ چیز پیدا کی جس کی جانداروں کو زندگی گزارنے کے لیے ضرورت ہوسکتی ہے۔

(اور مقدر فرمادیں اُس میں غذائیں) اہلِ زمین کی، یعنی ہر موضع اور ہر مقام کے رہنے والوں کے لیے روزی مقرر کردی، جیسے گیہوں، جو، چاول، خرما، گوشت اور اِن کے مثل، کہ اِن میں سے ایک ایک چیز ہر شہر والے کی اپنی پسند ہے۔۔ الختصر۔ رازقِ کائنات نے کرۂ ارض کے ہر مرزوق کا رزق مقدر اور مقرر فرمادیا **(چار ہی دن میں)**۔ یعنی چاؔر دن کے تتمہ اور بقیہ میں، کہ وہ اور دُو دن ہیں۔

۔۔الختصر۔۔ چاؔر دنوں میں زمین والوں کے لیے غذا پیدا کرنے کا جو ذکر ہے اُسی میں وہ دُو دن بھی شامل ہیں جن دُو دنوں میں زمین پیدا کی گئی۔ تو صورت حال یہ رہی کہ زمین خود اور اس کے جملہ لوازمات غذائیہ وغیرہ کل کے کل صرف چاؔر دن میں پیدا کردیے گئے۔ اُسی چاؔر دن میں اُس کا پھیلانا اور ہموار کرنا بھی ہے۔

اِس مقام پر یہ خیال رہے کہ نفسِ زمین اور اُس کے مادّے آسمان کی تخلیق سے پہلے پیدا فرمائے گئے، لیکن زمین کو آسمان کو پیدا کرنے کے بعد بچھایا گیا اور ہموار کیا گیا۔ تو جس آیت میں زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کرنے کا ذکر ہے، اُس سے مراد یہ ہے کہ نفسِ زمین اور اُس کے مادّے کو آسمان سے پہلے بنایا۔ اور جس آیت میں آسمان کے بعد زمین بنانے کا ذکر ہے، اُس سے مراد ہے زمین کو پھیلانا اور اُس کو ہموار کرنا۔۔۔

(صحیح صحیح پوچھنے والوں کے لیے)۔ یعنی مذکورہ بالا وضاحت کے ذریعہ اُن کو صحیح صحیح جواب دے دیا گیا، جو زمین اور جو کچھ زمین میں ہے اُس کے پیدا کرنے کی مدت پوچھتے ہیں اُن کا پورا پورا

جواب بیان کر دیا گیا۔

اِس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ سائلین سے مراد طالبین ہیں، جواُن اقوات کے محتاج ہیں خواہ سوال کریں۔۔یا۔۔نہ کریں، ہرایک کا رزق مقرر ومقدر کر دیا گیا ہے جو ان کی حاجت وضرورت کے بالکل موافق اور برابر ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا

پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف جب کہ وہ دھواں ہے تو فرمایا اُسے اور زمین کو کہ "دونوں حاضر ہو

طَوْعًا اَوْ کَرْھًا ؕ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ ⑪

خوشی سے، یا دباؤ سے۔" دونوں بولے کہ "ہم حاضر ہو گئے خوشی سے"●

(پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف) یعنی اُس کے پیدا کرنے کا قصد فرمایا (جب کہ وہ دھواں ہے)۔حالانکہ وہ دھواں تھا یعنی پانی کا بخار کہ دھویں کی ہیئت پر ہے۔

'زادالمسیر' میں ہے کہ حق تعالیٰ نے جب پانی پیدا کیا، تو اُس پر آگ کو مسلط کر دیا کہ پانی کو جوش میں لائی اور اُس سے جو بخار اُٹھا، اُس سے حق تعالیٰ نے آسمان پیدا فرمایا۔

'عین المعانی' میں ہے کہ حق تعالیٰ نے سبز جوہر پیدا کر کے ہیبت کی نظر سے اُسے دیکھا۔ پس وہ پگھل کر بہہ نکلا۔ پس اُس پر آگ مسلط کر دی، تو وہ اُسے جوش میں لائی، اور کف اور بخار اُس سے اٹھا۔ اُس 'کف' سے تو زمین پیدا کی اور 'بخار' سے آسمان۔۔۔

(تو) آسمان پیدا کر کے (فرمایا اُسے اور زمین کو، کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے یا دباؤ سے)، یعنی فرمانبرداری کی رُو سے۔۔یا۔۔ناخوشی اور بے رغبتی کے ساتھ خواہ مخواہ آؤ۔ آنے کے سوا تم کو چارہ نہیں۔

اِس سے کمالِ قدرت کو ظاہر کرنا مراد ہے، اُن کی خوشی اور ناخوشی ثابت کرنا مقصود نہیں۔

بعضوں نے کہا کہ آسمان کو حکم فرمایا کہ اپنے آفتاب، ماہتاب اور ستارے ظاہر کر دے اور زمین کو حکم کیا اپنی نہریں اُبھار دے اور اپنے درخت نکال دے۔

(دونوں بولے کہ ہم حاضر ہو گئے خوشی سے)۔

روایت ہے کہ زمین کے اجزا میں سے پہلے اُس مقام نے کلام کیا جہاں کعبہ شریف ہے، پھر آسمان کے اجزا میں سے جو اُس کے مقابل تھا اُس نے کلام کیا، اُسی وجہ سے وہ

'کعبۂ اسلام' اور 'قبلۂ انام' ہوگیا۔ اور اُس کے اوپر بالکل سیدھ میں آسمان کا حصہ 'بیت المعمور' اور قبلۂ ملائکہ ہوگیا۔

اِس تعلق سے بعض مفسرین کا ارشاد ہے کہ اُس سے زمین اور آسمان کا آنا جانا۔۔یا۔۔معروف طریقہ سے حاضر ہونا مراد نہیں، بلکہ اُس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان سے فرمایا، تم وجود میں آجاؤ سو وہ وجود میں آگئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کے متعلق فرمایا 'ہوجا' تو وہ ہوجاتی ہے ۔۔الختصر۔۔ خدا نے حکم دیا اور زمین آسمان وجود میں آگئے، پھر آسمان کے کئی حصے کردیے۔۔۔

فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ

تو پورا فرمایا اُنہیں سات آسمان دو ہی دن میں، اور حکم بھیجا ہر آسمان میں اُس کے کام کا۔

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ

اور سنوارا ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے۔ اور نگہبانی کو۔

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

یہ ہے مقدر فرمانا عزت والے علم والے کا●

(تو پورا فرمایا اُنہیں سات آسمان) اور پورے کردیے اُن کے امور، پنجشنبہ اور جمعہ یعنی (دو ہی دن میں، اور حکم بھیجا ہر آسمان میں اُس کے کام کا)۔ یعنی ہر آسمان کے فرشتوں کو حکم کردیا کہ اِس طرح عبادت کرو۔۔یا۔۔ ہر آسمان سے جو کچھ ہوتا ہے وہ اُس کے واسطے مقرر کردیا۔ (اور سنوارا ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے)، یعنی ستاروں سے جو چراغوں کی طرح روشن ہوتے ہیں۔ (اور نگہبانی کو) یعنی حفاظت کی ہم نے آسمان کی آفتوں اور شیطانوں سے جو چُرا کر وہاں کی باتیں سننے کا داعیہ رکھتے ہیں۔ (یہ ہے مقدر فرمانا عزت والے علم والے کا)۔ یعنی یہ جو کچھ عجیب خلقتوں میں سے بیان کیا گیا ہے، یہ پیدا کرنا اور اندازہ کرنا ہے خدائے غالب کا کہ اپنی پادشاہی میں قدرت کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور چونکہ وہ علم والا ہے، تو جو کچھ کرتا ہے حکمت کی رُو سے کرتا ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾ؕ

پھر بھی اگر منہ پھیرے رہے، تو کہہ دو کہ "ڈراچکا میں تمہیں کڑک سے،" جیسے عاد وثمود کی کڑک●

(پھر بھی اگر) مکہ کے کافر (منہ پھیرے رہے) اور ایسے صاف صاف بیان کے بعد بھی ایمان لانے سے اعراض کرتے رہے، (تو کہہ دو کہ ڈرا چکا میں تمہیں کڑک سے، جیسے عاد وثمود کی کڑک)۔ یعنی حضرت جبرائیل کی ایک ہی چیخ سے بے ہوش اور ہلاک کر دینے والا عذاب۔۔الختصر۔۔تم نے اپنے کو اُس عذاب کا مستحق بنالیا ہے، اب اگر ربِّ کریم اپنے محبوب کے وجودِ مسعود کی برکت ظاہر فرمانے کے لیے، تمہارے درمیان آپ ﷺ کے موجود رہنے کے سبب تم پر وہ عذاب نازل نہ فرمائے، تو اِس سے اُس عذاب کا تمہارا استحقاق ختم نہیں ہو جاتا۔

تو تمہیں یہ سوچ کر ہی ڈرنا چاہیے کہ ممکن ہے حق تعالیٰ اپنے حبیب کو تمہارے بیچ سے نکال کر کہیں اور مثلاً آسمان وغیرہ میں پہنچا دے اور تم پر وہ عذاب نازل فرما دے جس کے تم مستحق ہو چکے ہو۔۔الختصر۔۔عاد وثمود کے عذاب کا امکانی خطرہ تمہارے سروں پر تو رہتا ہی ہے۔ اُن دونوں قوموں یعنی عاد وثمود کی تخصیص اِس واسطے ہے کہ کفارِ قریش جاڑے اور گرمی کے سفر میں اُن قوموں کے مقاموں پر گزرتے تھے، اور عذاب کے آثار دیکھتے تھے کہ وہ 'صاعقہ' اور 'صیحہ' کے مستحق ہوئے۔۔۔

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ

جب کہ آتے رہتے تھے اُن کے پاس رسول اُن کے آگے اور پیچھے سے کہ

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً

"مت پوجو اللہ کے سوا" سب بولے تھے کہ "اگر چاہتا ہمارا رب تو ضرور اُتارتا فرشتوں کو،

فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

ہم لوگ تو یقیناً جس چیز کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو منکر ہیں"۔

(جبکہ آتے رہتے تھے اُن کے پاس رسول)۔۔مثلاً: حضرت ھود اور حضرت صالح (اُن کے آگے اور پیچھے سے) یعنی اُن کے سامنے سے اور اُن کے پیچھے سے یعنی ہر طرف سے اُن کے پاس نرمی سختی اور نصیحت فضیحت کے ساتھ آئے۔۔یا۔۔لگاتار آئے اور دعوت دی، (کہ مت پوجو اللہ) تعالیٰ (کے سوا)، یعنی صرف خدا ہی کی عبادت کرو۔ تو اُس کے جواب میں (سب بولے تھے کہ اگر چاہتا ہمارا رب تو ضرور اُتارتا فرشتوں کو) تمہاری جگہ اپنا رسول بنا کر۔ (ہم لوگ تو یقیناً جس چیز کے ساتھ تم

بھیجے گئے ہو منکر ہیں)، اِس واسطے کہ تم ہماری طرح آدمی ہو اور ہم پر تم کو کچھ فضیلت اور شرافت نہیں۔

ظاہر ہو گیا کہ مشرک لوگ انبیاء علیہم السلام کی صورت ہی میں پھنسے ہوئے تھے، اور اُن کے باطن سے غافل تھے۔ پھر اُن کے قصے کی تفصیل کرتا ہے اور فرماتا ہے۔۔۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا مَنْ اَشَدُّ

تو عاد تو بڑے بنتے رہے، زمیں میں ناحق، اور کہتے کہ "کون بڑھ کر ہے

مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ

ہم سے قوت میں۔" کیا نہیں سوجھا کہ بلاشبہ جس اللہ نے پیدا فرمایا تھا انہیں، وہ زیادہ

مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

قوت والا ہے اِن سے۔ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے●

(تو) اُن میں سے (عاد تو بڑے بنتے رہے زمین میں ناحق)۔۔ چنانچہ۔۔ انہوں نے تکبر کیا زمینِ احقاف میں۔۔ یا۔۔ یمن کے شہروں میں ناحق۔ یعنی تکبر کا استحقاق نہ رکھتے تھے۔ پھر داود علیہ السلام نے انہیں عذاب سے ڈرایا۔ اُنہوں نے تکبر کی وجہ سے اس کی طرف التفات بھی نہ کیا۔ (اور کہتے کہ کون بڑھ کر ہے ہم سے قوت میں)۔۔ الغرض۔۔ قوم عاد کے لوگ اپنی قوت اور شوکت پر مغرور ہوئے اِس واسطے کہ لمبے، چوڑے، موٹے، تازے، قوی لوگ تھے۔ ہاتھ مار کر پہاڑ سے پتھر اُکھاڑ لیتے۔

(کیا) اُن مغرورین کو (نہیں سوجھا)، اور اُنہوں نے نہیں جانا جنہیں اپنی قوت پر غرور تھا، (کہ بلاشبہ جس اللہ) تعالیٰ (نے پیدا فرمایا تھا انہیں وہ زیادہ قوت والا ہے اُن سے)۔ کیونکہ وہ قدرت اور قوت ایسی چیز پر رکھتا ہے کہ اُس کے سوا اور کسی کو وہ قدرت نہیں۔ رہ گئے قوم عاد کے لوگ، تو تعصب (اور) تکبر کی وجہ سے (وہ ہماری آیتوں کا اِنکار کرتے تھے) باوصف اِس کے کہ وہ جانتے تھے کہ وہ حق ہے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ

تو چھوڑ دیا ہم نے اُن پر آندھی سخت ٹھنڈی، منحوس دنوں میں، کہ چکھا دیں اُنہیں رسوائی کا عذاب

الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى

دُنیاوی زندگی میں۔ اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے،

وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور وہ مدد نہ کیے جائیں گے●

(تو چھوڑ دیا ہم نے اُن پر آندھی سخت ٹھنڈی) اُن کے (منحوس دنوں میں)۔
یعنی شوال کے اخیر عشرہ میں ایک بدھ کی فجر سے دوسرے بدھ کے آخر تک کہ آٹھ ۸ دن اور سات راتیں ہوتی ہیں، جو اُس قوم کے لیے کسی نہ کسی وجہ سے مشیتِ خداوندی سے نامبارک ثابت ہوتی رہیں۔
انہیں دنوں میں ہم نے اُن پر بادِ صَرْصَرًا بھیجی، تا (کہ چکھادیں انہیں رسوائی کا عذاب دُنیاوی زندگی میں)۔ یعنی تاکہ سب کو ہم ہلاک کردیں۔ (اور یقیناً آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے، اور وہ مدد نہ کیے جائیں گے)۔ یعنی آخرت میں اُن کی کسی طرح کی نصرت نہ کی جائے گی۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ

اور ثمود، تو راہ بتائی ہم نے اُنہیں، تو پسند کیا اُنہوں نے اندھے رہنے کو راہ دیکھنے سے، تو پکڑ لیا اُنہیں

صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾

ذلت کے عذاب کی کڑک نے، جو وہ کما چکے تھے●

اوپر جو کچھ بیان ہوا وہ قومِ عاد کا قصہ تھا۔۔۔
(اور) رہا قومِ (ثمود) کا معاملہ (تو راہ بتائی ہم نے انہیں) سیدھی راہ۔۔یا۔۔بھلائی اور بُرائی دونوں راہیں ہم نے اُن کو دکھائیں، (تو پسند کیا انہوں نے اندھے رہنے کو راہ دیکھنے سے)، یعنی علم، ہدایت اور ایمان پر انہوں نے جہل، گمراہی اور کفر کو ترجیح دی، (تو پکڑ لیا انہیں ذلت کے عذاب کی کڑک نے)۔ یعنی حضرت جبرائیل کی چیخ نے اُن کو ہلاک کردیا اور یہ سزا انہیں دی گئی اُس کے سبب سے (جو وہ کما چکے تھے)۔ یعنی حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی اور منع کرنے کے باوجود اونٹنی کی کوچیں کاٹیں۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُ ع ۱۶

اور بچا لیا ہم نے اُنہیں جو ایمان لائے اور ڈرا کرتے تھے● اور جس دن ہانکے جائیں گے

اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ⑲

اللہ کے سارے دشمن آگ کی طرف، تو وہ روک روک کر جمع کیے جائیں گے●

(اور بچالیا ہم نے انہیں جو) حضرت صالح علیہ السلام پر (ایمان لائے اور) خدا سے (ڈرا کرتے تھے)، یعنی اپنے کو شرک سے بچاتے تھے۔ اے محبوب! یاد کرو (اور) ذہن میں حاضر کرلو اُس دن کے واقعات کو (جس دن ہانکے جائیں گے اللہ) تعالیٰ (کے سارے دشمن) دوزخ کی (آگ کی طرف)۔ یعنی پہلے (تو وہ روک روک کر جمع کیے جائیں گے) پھر وہ ہنکائے جائیں گے دوزخ میں۔۔ یا ۔۔اگلوں کو روک رکھیں گے جب تک پچھلے پہنچیں، پھر سب کو دوزخ میں ہنکادیں گے۔

حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ

یہاں تک کہ جب آگئے وہاں، تو گواہی دینے لگے اُن پر اُن کے کان، اور اُن کی آنکھیں،

وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑳

اور اُن کی کھالیں، جو کچھ وہ کرتے تھے●

(یہاں تک کہ جب آگئے وہاں) یعنی دوزخ میں (تو گواہی دینے لگے اُن پر اُن کے کان) جو کچھ انہوں نے سنا ہو اُس کی، (اور اُن کی آنکھیں) جو کچھ انہوں نے دیکھا ہو اُس کی، (اور اُن کی کھالیں) یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ۔

اور اُن کے بدن میں جو عضو پہلے اُن سے کلام کرے گا وہ بائیں ران اور داہنے ہاتھ کی ہتھیلی ہوگی، اور بعضوں نے کہا کہ اُن کی شرمگاہیں گواہی دیں گی اُس چیز کی۔۔۔

(جو کچھ وہ کرتے تھے)۔ اپنے اعضاءِ بدن کی باتیں سن کر کفار تعجب میں پڑ گئے۔۔ یا یہ کہ۔۔ غصے میں آگئے، تو جھڑکنے لگے۔۔۔

وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ قَالُوْۤا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْۤ

اور لگے کہنے اپنی کھالوں کو کہ "کیوں گواہی دی تم نے ہم پر۔" کھالیں بولیں کہ "گویائی بخشی ہم کو اللہ نے،" جس نے

اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ㉑

گویائی دی ہے ہر ایک کو، اور اُسی نے پیدا فرمایا تمہیں پہلی بار، اور اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے●

(اور لگے کہنے اپنی کھالوں کو) یعنی اپنے بدن کے اعضاء کو، (کہ کیوں گواہی دی تم نے ہم پر)۔ اِس کا بھی خیال نہ کیا کہ ہم تم پر دُنیا میں حکومت کرتے تھے، اور تم کو تکلیف سے بچاتے تھے۔ تو (کھالیں بولیں) اور اُن کے اعضاء کہنے لگے کہ ہمیں ملامت نہ کرو، ہم اپنے اختیار سے بات نہیں کرتے۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ حق تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے ہو رہا ہے۔ کیوں (کہ گویائی بخشی ہم کو اللہ) تعالیٰ (نے جس نے گویائی دی ہے ہر ایک کو، اور) حال یہ ہے کہ (اُس نے پیدا فرمایا تمہیں پہلی بار) اور نیست سے ہست کیا، (اور اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) تم جزا کے واسطے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ

اور تم چھپا نہیں سکتے تھے کہ گواہی دیں تم پر تمہارے کان،

وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ

اور نہ تمہاری آنکھیں، اور نہ تمہاری کھالیں لیکن گمان رکھتے تھے کہ "اللہ

لَا يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

جانتا ہی نہیں بہت سی چیزوں کو جو کر رہے ہو"●

(اور تم چھپا نہیں سکتے تھے کہ گواہی دیں تم پر تمہارے کان، اور نہ تمہاری آنکھیں، اور نہ تمہاری کھالیں، لیکن گمان رکھتے تھے کہ اللہ) تعالیٰ (جانتا ہی نہیں بہت سی چیزوں کو جو کر رہے ہو)۔ یعنی تم اِس وجہ سے اپنے گناہ نہیں چھپاتے تھے کہ تمہارے خلاف تمہارے کان تمہاری آنکھیں اور تمہاری کھالیں گواہی دیں گے، لیکن تمہارا یہ گمان تھا کہ تم جو کچھ کام کر رہے ہو اُن کو اللہ تعالیٰ نہیں جانتا۔

وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ

اور یہ ہے تمہارا گمان، جو رکھتے تھے اپنے رب سے، تباہ کر دیا اُس نے تمہیں، تو ہو گئے

مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ

تم خسارہ والوں سے● اب اگر صبر بھی کریں، تو جہنم ٹھکانہ ہے اُن کا۔

وَاِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور اگر خوشامد کریں، تو نہیں ہیں وہ خوشامد قبول کیے ہوؤں سے●

(اور یہ ہے تمہارا گمان جو رکھتے تھے اپنے رب سے، تباہ کر دیا اُس نے تمہیں، تو ہو گئے تم خسارہ والوں سے)۔ یہ کافر (اب اگر صبر بھی کریں، تو) اُس سے اُن کو کوئی راحت ملنے والی نہیں، کیونکہ ہر صورت میں (جہنم ٹھکانہ ہے اُن کا)۔۔ الختصر۔۔ وہ صبر کریں۔۔یا۔۔بے صبری، ہر حال میں انہیں جہنم رسید ہونا ہے۔ (اور اگر خوشامد کریں) اور حق تعالیٰ کی خوشنودی ڈھونڈیں، (تو نہیں ہیں وہ خوشامد قبول کیے ہوؤں سے)۔ یعنی یہ اُن لوگوں میں سے نہیں جن کی خوشامد قبول کر لی جاتی ہے، اور اُن کی خوشنودی طلب کرنے کو مقبول کر لیا جاتا ہے۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اور متعین فرمایا ہم نے اُن کے کچھ ساتھیوں کو، تو خوبصورت بنایا اُن کی نظر میں جو سامنے کی دُنیا ہے، اور جو بعد کی آخرت ہے،

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنِّ

اور درست ہوگئی اُن پر بات، اُنہیں امتوں میں ہو کر جو گزر چکیں اُن سے پہلے، جنات

وَالْإِنْسِ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿٢٥﴾ ع ۱۷

وانسان سے۔ بے شک وہ خسارہ والے تھے●

(اور متعین فرمایا ہم نے اُن کے کچھ ساتھیوں کو) یعنی ہم نے مقرر کیا مشرکوں کے واسطے دوست اور ہم نشین شیطانوں میں سے اور اُن پر مسلط کر دیا، (تو خوبصورت بنایا) اور آراستہ کر دیا شیطانوں نے (اُن کی نظر میں جو سامنے کی دُنیا ہے)، یعنی دُنیا کی زینت اور نفس اور خواہش کی متابعت، یہاں تک کہ اُن کی طلب میں وہ قائم ہو گئے، (اور جو بعد کی آخرت ہے) یعنی جو اُن کے پیچھے ہیں امور اخروی اور وعدے وعید میں سے کہ اُن کے منکر ہوئے۔ (اور درست ہوگئی اُن پر بات انہیں امتوں میں ہو کر جو گزر چکی اُن سے پہلے، جنات وانسان سے)۔ یعنی اُن کے حق میں اللہ کا وہ قول ثابت ہو گیا، جو اُن سے پہلے جنات اور انسانوں کے گروہوں میں ثابت ہو چکا تھا جنہوں نے یہی کام کیے تھے، یعنی اگلی امتوں نے تکذیب کی جس طرح وہ عذاب کی مستحق ہوئیں، اُسی طرح یہ گروہ بھی عذاب کے لائق ہے۔

'کشف الاسرار' میں ہے کہ جب حق تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے، تو اُس کو دوست نیک اور ہم نشیں اچھا عطا فرماتا ہے کہ عبادت میں اُس کا معین اور مددگار رہے۔

اور جب بندے کے ساتھ بُرائی کرنا چاہتا ہے، تو اُسے رفیق بد اور مصاحب فاسق و فاجر کے ساتھ مبتلا کرتا ہے کہ اُسے حق کی مخالفت میں ترغیب وتحریص کرتا ہے، جس طرح شیطانوں کو اُن کا ہم نشیں کر دیا اور وہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔

(بے شک وہ) کافر لوگ (خسارہ والے تھے) یعنی دونوں جہان میں نقصان پانے والے۔

روایت ہے کہ کفارِ قریش ایک دوسرے کو نصیحت اور وصیت کرتے تھے کہ جب آنحضرت ﷺ کو قرآن پڑھتے دیکھیں، تو اِس طرح پراگندہ اور پریشان کر دیں کہ آپ غلطی کریں اور پڑھ نہ سکیں۔ تو جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم قرآن پڑھتے، تو لوگ متعرض ہو کر بلند آوازوں سے بیہودہ باتیں کرتے، اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے اور مہمل اشعار پڑھتے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ

اور بولے جنہوں نے کفر کیا ہے کہ "مت سنا کرو اِس قرآن کو، اور بے ہودہ شور

لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾

مچایا کرو اُس میں کہ جیت جاؤ"●

(اور بولے جنہوں نے کفر کیا ہے)، یعنی عرب کے مشرکین باہم ایک دوسرے سے بولے، (کہ مت سنا کرو اُس قرآن کو) جو محمد ﷺ پڑھتے ہیں۔ (اور بے ہودہ شور مچایا کرو اُس میں)، یعنی پڑھنے کے درمیان لغو باتیں کیا کرو۔۔۔یا۔۔ آپ کے منہ کے سامنے کھڑے ہو کر چیخو چلاؤ، تا (کہ جیت جاؤ)۔ یعنی شاید تم غلبہ پالو آپ کی تلاوت پر، اور آپ قرآن پڑھنے سے باز رہیں۔

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ

تو ضرور چکھائیں گے ہم اُنہیں جنہوں نے انکار کیا ہے سخت عذاب۔ اور یقیناً بدلہ دیں گے اُنہیں

اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

اُن کے بُرے سے بُرے کام کا جو کرتے تھے●

(تو ضرور چکھائیں گے ہم انہیں جنہوں نے اِنکار کیا ہے سخت عذاب)۔ یعنی بہت اور ہمیشہ رہنے والا۔

یہاں کافر سے یہ کہنے والوں کا گروہ مراد ہے۔۔یا۔۔سب کافر مقصود ہیں۔بہر تقدیر۔۔۔
اُن کو سخت عذاب دیں گے (اور یقیناً بدلہ دیں گے اُنہیں اُن کے بُرے سے بُرے کام کا جو کرتے تھے)۔یعنی ہم اُن کے بدترین کاموں کی سزا ضرور دیں گے۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا
یہ ہے اللہ کے دشمنوں کی سزا آگ۔اُن کا اس میں ہمیشہ کا گھر ہے۔سزا ہے جو وہ

بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ
ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ● اور دُعا کرنے لگے جنہوں نے کفر کیا ہے کہ"پروردگارا! دکھادے ہمیں اُنہیں،

اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا
جنہوں نے گمراہ کیا تھا ہمیں جنات وانسان سے، کہ کچل ڈالیں ہم اُن کو اپنے پاؤں کے نیچے،

لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾
تا کہ وہ ہوجائیں سب سے نیچوں سے"●

(یہ ہے اللہ) تعالیٰ (کے دشمنوں کی سزا) یعنی (آگ۔اُن کا اُس میں ہمیشہ کا گھر ہے) یعنی وہ ہمیشہ آتشِ دوزخ میں رہیں گے۔یہ (سزا ہے) بہ سبب اُس کے (جو وہ ہماری آیتوں کا) یعنی ہمارے کلام کی آیتوں کا (اِنکار کرتے تھے ● اور) آتشِ دوزخ میں پہنچنے کے بعد (دُعا کرنے لگے جنہوں نے کفر کیا ہے کہ پروردگارا! دکھادے ہمیں اُنہیں)، دُنیا میں (جنہوں نے گمراہ کیا تھا ہمیں جنات وانسان سے کہ کچل ڈالیں ہم اُن کو اپنے پاؤں کے نیچے، تا کہ وہ ہوجائیں سب سے نیچوں سے) یعنی دوزخ کے سب سے نچلے طبقے سے ہوجائیں۔

جنات میں سب سے پہلے جس نے گمراہ کیا وہ ابلیس ہے، اور ابن آدم میں سے جس نے سب سے پہلا گناہ کیا اور بعد کے لوگوں کو گمراہ کیا، وہ قابیل ہے جس نے ہابیل کو قتل کیا تھا۔اب کلام کا حاصل یہ ہوا کہ۔۔۔

پروردگارا! ابلیس جس نے تیری نافرمانی کی اور قابیل جس نے پہلے پہل خونِ ناحق کیا، اُن دونوں شخصوں کو ہمیں دکھا، کہ کریں ہم اُن دونوں کو اپنے قدموں کے نیچے اور اُن دونوں سے بدلا لیں، تا کہ ہوجائیں وہ دونوں بہت نیچے رہنے والے لوگوں میں سے۔یعنی دوزخ

میں سب سے نیچے والے درکہ میں ہوں۔۔یا۔۔سب نیچوں سے نیچے ہو جائیں۔ یہ تو رہا کافروں کا حال، اور اُس کے برعکس اُن کا حال ہے۔۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ

بے شک جنہوں نے کہا کہ "ہمارا رب اللہ ہے" پھر جم گئے، اُترتے ہیں

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ

اُن پر فرشتے، کہ مت ڈرو اور رنجیدہ نہ ہو، اور خوش ہو جاؤ اُس جنت سے،

كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا●

(بے شک جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ) تعالیٰ (ہے، پھر) اُسی پر (جم گئے) یعنی اُسی پر قائم ہو گئے اور اِدھر اُدھر ذرّہ برابر نہیں کھسکے۔

حضرت صدیقِ اکبر نے اُس کی تفسیر میں کہا کہ شرک نہیں کیا، فاروقِ اعظم نے فرمایا امر ونہی پر قائم ہو گئے، عثمانِ غنی نے کہا کہ اپنے عمل پاکیزہ اور خالص کر لیے، حضرت علی کا ارشاد ہے کہ فرائض ادا کرتے رہے۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا طاعتیں اور عبادتیں کیں اور گناہوں سے بچے۔ بعضوں نے کہا کہ دُنیائے فانی سے منہ پھیرا اور سرائے باقی کی طرف راغب ہوئے۔ بعض کا قول ہے کہ **رَبُّنَا اللّٰهُ** کہنا توحید اقراری ہے، اور **ثُمَّ اسْتَقَامُوْا** سے توحیدِ معرفت کی طرف اشارہ ہے۔

استقامت کی جو تفسیریں اُوپر مذکور ہوئی ہیں، اُس کی عبارتیں ہر مفسر کے اپنے ذوق کے مطابق ہیں، جو اگرچہ مفاھیم کے لحاظ سے الگ الگ ہیں، لیکن جو اُن میں سے کسی ایک کا مصداق ہوگا، وہ سبھی کا مصداق ہوگا۔

یہ توحید و استقامت والے اُن کی شان ایسی ہے، کہ (**اُترتے ہیں اُن پر فرشتے**) اُن کی موت کے قریب۔۔یا۔۔قبر سے باہر آتے وقت۔۔یا۔۔قبر کے اندر۔۔یا۔۔اُن سب وقتوں میں جو مذکور ہوئے، ساتھ اس بات کے کہ اُن سے کہیں گے (**کہ مت ڈرو**) ان سے جو تمہارے آگے ہیں امورِ اخروی، اس واسطے کہ وہ تم پر آسانی سے گزر جائیں گے۔ (**اور رنجیدہ نہ ہو**) اُس کے سبب سے جو چھوڑ آئے ہو اہل وعیال کہ حق تعالیٰ ان کے کام بخوبی بنائے گا۔ (**اور خوش ہو جاؤ اُس جنت**) کے سبب (**سے**،

جس) جنت (کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا) پیغمبر کی زبانی۔۔۔اور۔۔۔

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا

ہم تمہارے دوست ہیں دُنیاوی زندگی میں اور آخرت میں۔اور تمہارے لیے اُس میں

مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿۳۱﴾

جس کو چاہے تم لوگوں کا جی، اور تمہارے لیے اُس میں جو کچھ مانگو●

(ہم تمہارے دوست ہیں دُنیاوی زندگی میں)، تم کو آفتوں سے بچاتے رہے، اور سچا الہام دیتے رہے، اور بھلائی کی باتیں بتاتے رہے، اور مدد کرتے رہے۔(اور) ایسے ہی ہم تمہارے دوست رہیں گے (آخرت میں) بھی، تمہاری تعظیم و تکریم کرکے، اور جس کسی کو خدا چاہے اُس کی شفاعت میں مدد کرکے، (اور تمہارے لیے) ہے (اُس میں) یعنی آخرت میں، یعنی جنت میں ہر وہ چیز (جس کو چاہے تم لوگوں کا جی) لذتوں اور کرامتوں میں سے۔(اور تمہارے لیے اُس میں) ہے (جو کچھ مانگو)۔یعنی تم جو چاہو گے عقبیٰ میں وہ تمہیں عطا کیا جائے گا۔۔دراصل یہ۔۔

ع ۴ ۱۸

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿۳۲﴾

مہمانی ہے غفور رحیم کی طرف سے●

(مہمانی ہے غفور رحیم کی طرف سے)، یعنی خدائے مہربان بخشنے والے کی طرف سے۔

'نزول' کے ساتھ 'رحیم' لانا اس طرح اشارہ کرتا ہے جو اہلِ استقامت کی تمنا ہے، وہ اُن نعمتوں کے سامنے جو عطا کی جائیں گی، ایسی ہے جیسے مہمان کے سامنے جو ما حضر لاتے ہیں۔ اُسے ان نعمتوں کے ساتھ نسبت ہے جو اس کی ضیافت کے واسطے اہتمام اور تکلف کے ساتھ تیار کی جاتی ہے۔

اور یہیں سے بزرگوں نے کہا ہے کہ 'نہایت کرامت' ''نتیجہء استقامت' ہے۔اس واسطے کہ 'سلوکِ طریقت' میں اُس سے عالی کوئی درجہ نہیں۔۔۔سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار کے ایسے اقوال نقل فرمائے تھے جن سے پتہ چلتا ہے وہ نبی ﷺ کی دعوت سے سخت اعراض کرتے ہیں۔۔مثلاً: انہوں نے کہا آپ ہمیں جس دین کی طرف بُلا رہے ہیں، اُس کے خلاف ہمارے دِلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔اور انہوں نے کہا اُس قرآن کو مت

سنو اور اُس کی تلاوت کے وقت لغو باتیں کرو۔ اب گویا اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسول سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے یہ فرمایا، ہر چند کہ اہلِ مکہ نے دِل آزار اور سنگین باتیں کہی ہیں، لیکن آپ اُن باتوں سے متاثر نہ ہوں اور اُن کو اُسی طرح پیہم تبلیغ کرتے رہیں، کیونکہ دینِ حق کی دعوت دینا سب سے بڑی عبادت ہے اور سب سے اہم اطاعت ہے، اس لیے فرمایا اُس سے عمدہ کلام کس کا ہوسکتا ہے۔۔۔

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا

اور کون زیادہ بہتر ہے بات میں اُس سے؟ جس نے بُلایا اللہ کی طرف اور کام کیا لیاقت والا،

وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝

اور کہہ دیا کہ "بلاشبہ میں مسلمانوں سے ہوں"●

(اور کون زیادہ بہتر ہے بات میں اُس سے؟ جس نے بلایا اللہ) تعالیٰ (کی طرف اور کام کیا لیاقت والا) یعنی نیک کام کیا، (اور کہہ دیا کہ بلاشبہ میں مسلمانوں سے ہوں)۔

سابقہ آیات سے مناسبت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی فضیلت کا ایک مرتبہ یہ ہے کہ وہ بُری صفات کو ترک کرکے اور نیک صفات کو اپنا کر خود کامل ہو جائے۔ اور اِس سے بھی بڑی فضیلت یہ ہے کہ خود کامل ہونے کے بعد دوسروں کو کامل بنائے، تو اِس سے پہلی آیت میں انسان کے کامل ہونے کا مرتبہ فرمایا تھا، کہ بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ اُس پر مستقیم رہے۔ اور اِس آیت میں انسان کے کامل گر ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے اور یہ انسان کی زیادہ بڑی فضیلت ہے۔

اِس آیت کا آنحضرت ﷺ کی شان میں ہونا تو ظاہر ہے کہ آپ نے خلق کو خدا کی طرف بُلایا۔ امام ابواللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہا ہے کہ اِس سے علماء مراد ہیں جو دین کے امور لوگوں کو سکھاتے ہیں اور اپنے علم کے موافق عمل کرتے ہیں۔۔۔یا۔۔ محتسب لوگ مراد ہیں کہ امر معروف اور نہی منکر کے قاعدوں کی تمہید کرتے ہیں اور اُن کا عمل صالح صبر وعمل ہے، ان سختیوں اور مکروہات پر جو انہیں پہنچتی ہیں۔

بعضوں نے فرمایا کہ سب امام اور مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ اِس آیت میں داخل ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ارشاد ہے یہ آیت موذنوں کی شان میں ہے۔ صاحب عین المعانی

نے لکھا ہے کہ جب حضرت بلال اذان دیتے، تو یہود کہتے کہ کوا چلاتا ہے اور نماز کے واسطے بُلاتا ہے۔ اور اُس کے سوا بھی بیہودہ باتیں اُن کی زبان پر آتیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اِس تقدیر پر کہ یہ آیت موذنون کی شان میں ہو، تو اُن کا نیک عمل یہ ہے کہ اذان اور تکبیر کے درمیان میں دو رکعت نماز پڑھیں۔۔ الختصر۔۔ اوپر کے ارشادات سے واضح ہوگیا۔۔۔

وَلَا تَسْتَوِی الْحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ

اور نہیں برابر ہوسکتی نیکی وبدی۔ "ہٹایا کرو ہٹانے کی چیز کو نہایت بھلائی سے"

فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَبَیْنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾

تو اُس وقت وہ، کہ تمہارے درمیان اور اُس کے درمیان دشمنی ہے، گویا کہ دوست ہے رشتہ دار●

(اور) روشن ہوگیا کہ جزاؤں اور مکافات میں (نہیں برابر ہوسکتی نیکی وبدی)۔ یعنی خدا کو ایک جاننا اور خدا کا شریک ٹھہرانا برابر نہیں ہے۔ پہلا بہشت میں درجے بلند ہونے کا باعث ہے، اور دوسرا دوزخ کے درکوں میں گرنے کا سبب ہے۔

کہا گیا ہے کہ حَسَنَۃٌ نرمی ہے اور سَیِّئَۃٌ سختی ہے۔۔یا۔۔ حَسَنَۃٌ علم ہے اور سَیِّئَۃٌ جہل ہے۔ تبیان اور عین المعانی میں ہے کہ حَسَنَۃٌ آلِ رسول ﷺ سے محبت ہے، اور سَیِّئَۃٌ اُن کے ساتھ عداوت ہے۔

حکمت ودانائی کا تقاضا یہی ہے کہ (ہٹایا کرو ہٹانے کی چیز کو نہایت بھلائی سے)۔ یعنی دفع کیجیے اُس کے ساتھ جو زیادہ بہتر ہے۔ تو غصہ کو حلم سے تسکین دے، اور گناہ کو معاف کر کے مٹا دے، اور لغو سے غفلت کے ساتھ درگزر۔

یہ اچھی خصلت کے حسنِ انجام کا بیان ہے، یعنی جب تمہیں کسی دشمن سے کوئی بُرائی عارض ہو، تو اُسے ایسی بھلائی سے دفع کریں جو اُس سے بہتر ہو۔ یعنی بُرائی کا بدلہ احسان سے دیں، کیونکہ یہ عفو سے احسن ہے۔

جب تم ایسا کرو گے (تو اُس وقت وہ کہ تمہارے درمیان اور اُس کے درمیان دشمنی ہے) اُس کے دِل سے عداوت دُور ہوجائے گی اور ایسا لگے گا کہ (گویا کہ) وہ تمہارا (دوست ہے)، اور وہ بھی (رشتہ دار) ہے، یعنی تمہارا حامی وخیر خواہ ہے۔

وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۳۵﴾

اور نہیں دیا جاتا یہ، مگر جنہوں نے صبر سے کام لیا۔ اور نہیں پاتے یہ، مگر بڑے نصیب والے●

(اور نہیں دیا جاتا یہ، مگر جنہوں نے صبر سے کام لیا)۔ یعنی یہ صفت اُنہیں کو عطا کی جاتی ہے، جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ (اور نہیں پاتے یہ) خوبی (مگر بڑے نصیب والے)۔

یعنی اُن لوگوں کو جو پورا حصہ حاصل رکھتے ہیں ایمان میں سے۔۔یا۔۔کمالِ نفس۔۔یا۔۔ خیر۔۔یا۔۔اخلاقِ حسنہ میں سے۔ اور بعضوں نے کہا حَظٍّ عَظِيْمٍ بہشت ہے۔۔الغرض ۔۔یہ خوبی بہشتیوں کا مقدر ہے۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ

اور اگر کونچے تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی کونچا، تو پناہ مانگ لے اللہ کی۔

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۶﴾

بے شک وہی سننے والا علم والا ہے●

(اور اگر کونچے تمہیں شیطان کی طرف سے کوئی کونچا)۔ یعنی اَے مخاطب اگر پہنچے تجھے شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ۔۔یا۔۔تباہی، یعنی اگر وسوسۂ شیطانی چاہے کہ یہ صفت جو مذکور ہوئی اُس کی جڑ کاٹ دے اور اُسے توڑ ڈالے، (تو پناہ مانگ لے اللہ) تعالیٰ (کی) اُس کے شر سے۔ (بے شک وہی سننے والا) ہے تمہارے پناہ مانگنے کو۔ اور (علم والا ہے) یعنی جانتا ہے تمہاری نیت کو۔

اِس سورہ کی آیت ۳۳ میں بیان فرمایا تھا کہ اُس سے عمدہ اور کس کا کلام ہوسکتا ہے، جو اللہ کے دین کی دعوت دے اور اِس اگلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود، اُس کی الوہیت، اُس کی توحید، اُس کی قدرت، اور اُس کی حکمت پر دلائل پیش کیے جائیں۔ رات اور دن سورج اور چاند وغیرہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت، اُس کی توحید پر دلالت کرتے ہیں، اور اُس کی تقریر یہ ہے کہ سورج اور چاند کا طلوع وغروب ایک مقرر شدہ نظام کے تحت تسلسل سے وجود میں آرہا ہے۔

اِس سے معلوم ہوا کہ سورج اور چاند کسی ناظم کے تابع ہیں، اور چونکہ پوری کائنات میں یہ نظام واحد ہے، اِس سے واضح ہوتا ہے کہ اُس کا ناظم بھی واحد ہے۔ اور اِس پوری دُنیا میں سورج سے عظیم وقوی چیز ہمیں کوئی نظر نہیں آتی۔ وہ اگر اپنے مقام سے ذرا نیچے ہوتا، تو

اُس کی تپش سے روئے زمین پر کوئی زندہ نہ رہتا۔ اور اگر اوپر ہوتا تو سب سردی سے منجمد ہو جاتے۔ تو جس ذات نے اِس عظیم سیارے کو اپنے نظام کا پابند کیا ہوا ہے، وہی خلاقِ عالم ہے۔ پھر وہ جب چاہتا ہے تو اُس عظیم آفتاب کو گہن لگا کر بے نور کر دیتا ہے۔ اور یہ اس کی قدرت کی بہت بڑی نشانی ہے، اور اِس میں اُس پر متنبہ کرنا ہے کہ جو اتنے عظیم سورج کے نور کو سلب کرنے پر قادر ہے، وہ ہماری آنکھوں سے بصارت کے نور کو اور ہمارے دِلوں سے بصیرت کے نور کو زائل کرنے پر بطریقِ اولیٰ قادر ہے۔۔ چنانچہ۔ فرمانِ الٰہی۔۔۔

وَمِنْ اٰیٰتِهِ الَّیْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ

اور اُس کی نشانیوں سے ہے رات اور دن، اور سورج اور چاند، مت سجدہ کرو سورج کا

وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور نہ چاند کا، اور سجدہ کرو اللہ کا، جس نے پیدا فرمایا اُنہیں، اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو●

(اور) ارشادِ خداوندی ہے کہ (اُس) کی قدرت وحکمت (کی نشانیوں میں سے ہے رات اور دن)، کہ ایک دوسرے کے پیچھے ہے۔ دن آرائش کے لیے اور رات آسائش کے لیے۔ (اور سورج اور چاند) کہ سیرِ مقدر اور اندازۂ مقرر کے ساتھ آتے جاتے ہیں، اور یہ سب بھی تمہاری طرح مخلوق ہی ہیں، تو (مت سجدہ کرو سورج کا اور نہ چاند کا، اور سجدہ کرو اللہ) تعالیٰ (کا، جس نے پیدا فرمایا اُنہیں)، یعنی آفتاب ماہتاب اور رات دن وغیرہ ساری کائنات کو، (اگر تم اُسی کی عبادت کرتے ہو)۔ اِس لیے کہ سجدہ ایک بہت خاص عبادت ہے اور وہ خالق کے واسطے چاہیے، مخلوق کے لیے نہیں۔

امام شافعی اِسی مقام پر سجدہ کرتے ہیں، تا کہ سجدہ حکم کے ساتھ ملا رہے۔ اور یہ روایت حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ یُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّیْلِ

پھر بھی اگر ڈینگ کی لیں، تو جو تمہارے رب کے پاس ہیں، تسبیح بولتے اُس کی رات

وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا یَسْــٴَـمُوْنَ ﴿۳۸﴾ السجدۃ

اور دن، اور وہ نہیں تھکتے●

(پھر بھی اگر ڈینگ کی لیں) یعنی از راہِ تکبر سرکشی کریں خدا کو سجدہ کرنے سے، (تو) اُس سے

اُس کا نقصان کیا ہے، اس لیے کہ وہ اُن کی عبادت اور اُن کی تسبیح وتحمید کا محتاج نہیں، اس لیے کہ اَے محبوب! (جو تمہارے رب کے پاس) فرشتے (ہیں تسبیح بولتے) ہیں (اُس کی رات اور دن)، یعنی برابر اُس کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، (اور وہ نہیں تھکتے) بہت عبادت اور تسبیح وتحمید کرنے سے۔

امام اعظم یہاں پر سجدہ کرتے ہیں، اس واسطے کہ سجدہ کا ذکر یہاں تمام ہوا، اور یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ اِس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ یہ قرآنی سجدوں میں سے گیار۱۱ہواں سجدہ ہے۔

حضرت شیخ قدس سرہٗ نے فتوحات میں اِس سجدہ کو 'سجدۂ اجتہاد' کہا ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر پہلی آیت کے آخر پر سجدہ کریں، تو 'سجدۂ شرط' ہوگا۔ اس واسطے کہ حق تعالیٰ کے قول اِنۡ كُنۡتُمۡ اِيَّاهُ تَعۡبُدُوۡنَ سے ملا ہوگا۔ اور اگر دوسری آیت کے بعد سجدہ کریں، تو 'نشاط' اور 'محبت' کا سجدہ ہوگا، اس لیے کہ هُمۡ لَا يَسۡـَٔمُوۡنَ کے کلمے سے ملا ہوا ہے۔ آسمانی قدرت کی نشانیوں کے ذکر کے بعد اب زمینی نشانیوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔۔۔

وَمِنۡ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الۡاَرۡضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهَا

اور اُس کی نشانیوں سے ہے، کہ بلاشبہ تم دیکھ رہے ہو زمین کو دبی پڑی، پھر جب اُتارا ہم نے اُس پر پانی،

الۡمَآءَ اهۡتَزَّتۡ وَرَبَتۡ ؕ اِنَّ الَّذِىۡۤ اَحۡيَاهَا لَمُحۡىِ الۡمَوۡتٰى ؕ

تو پھر پھرائی اور بڑھی۔ بے شک جس نے اُس کو زندہ کیا یقیناً مُردوں کو جلانے والا ہے۔

اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۳۹﴾

بے شک وہ ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے●

(اور) فرمایا جارہا ہے کہ (اُس کی نشانیوں سے ہے کہ بلاشبہ تم دیکھ رہے ہو زمین کو دبی پڑی) اور سوکھی، (پھر جب اُتارا) اور برسایا (ہم نے اُس پر پانی، تو پھر پھرائی) یعنی جنبش میں آئی، اُس سے سبزہ اُگنے کے سبب سے، (اور بڑھی) یعنی اُگی اور بڑھی گھاس کے سبب سے۔ (بے شک جس نے اُس) مردہ زمین (کو زندہ کیا، یقیناً مُردوں کو جلانے والا ہے) اور (بے شک وہ ہر چاہے پر قدرت رکھنے والا ہے) جو چاہے کرے۔ الختصر۔۔ بے شک وہ سب چیزوں پر زندہ کرنے اور مار ڈالنے پر قادر ہے، اور اُس کی قدرت سب مقدوروں کے ساتھ ایک ہی ہے۔

اِسی سورۂ مبارکہ کی آیت ۳۳ میں یہ بتایا تھا، کہ انسان کا سب سے عمدہ منصب اور مرتبہ

'اللہ کے دین کی دعوت دینا ہے'، یعنی خود بھی سیدھے راستے پر رہنا اور دوسروں کو بھی سیدھے راستے پر چلانے کی کوشش کرنا۔ اُس کے برخلاف۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۭ اَفَمَنْ يُّلْقٰى

بے شک جو ٹیڑھی چال چلیں ہماری آیتوں میں، وہ نہیں پوشیدہ ہیں ہم پر۔ تو کیا جو ڈال دیا جائے

فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْٓ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ

آگ میں وہ بہتر ہے یا جو آئے بحالتِ امن، قیامت کے دن؟ کر ڈالو جو جی چاہے۔

اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰

بے شک وہ جو کچھ کرو دیکھ رہا ہے اُنہیں بھی●

(بے شک جو ٹیڑھی چال چلیں ہماری آیتوں میں)، یعنی ہماری آیتوں کی تکذیب کریں۔۔یا۔۔ہماری آیتوں سے انحراف کریں۔۔یا۔۔ہماری آیتوں سے کفر کریں۔۔یا۔۔ہمارے رسولوں سے عناد رکھیں۔۔یا۔۔تلاوتِ قرآن کے وقت سیٹیاں بجائیں اور تالیاں پیٹیں۔۔یا۔۔قرآنی آیات میں تاویلِ باطل کریں۔۔یا۔۔طعن و تشنیع کریں، تو (وہ نہیں پوشیدہ ہیں ہم پر)۔ یعنی ہم سب کو جانتے ہیں اور اُن کے طعن اور الحاد کی جزا ہم اُن کو دیں گے۔ (تو) اِس مقام پر غور کریں غور کرنے والے، کہ (کیا) ابوجہل صفت انسان (جو ڈال دیا جائے آگ میں وہ بہتر ہے؟ یا جو آئے بحالتِ امن قیامت کے دن)۔

جیسے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے چاہنے والے اور آپ پر ایمان لانے والے آپ کے غلام۔۔مثلاً: حضرت حمزہ، حضرت عمار، حضرت عمر، حضرت عثمان وغیرہم رضی اللہ عنہم ہیں۔ حق تعالیٰ نے پھر منکرین کو ڈراتے اور دھمکاتے ہوئے فرمایا کہ۔۔۔

(کر ڈالو جو جی چاہے۔ بے شک وہ جو کچھ کرو دیکھ رہا ہے اُنہیں بھی) اور اُس پر تم کو جزا دے گا۔ اور سن لو کہ۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝۴۱ۙ

جنہوں نے انکار کر دیا نصیحت کا جب کہ آئی اُن کے پاس، اور بلاشبہ یہ یقیناً عزت والی کتاب ہے●

(جنہوں نے اِنکار کر دیا نصیحت کا جبکہ آئی اُن کے پاس) اور اِس طرح وہ قرآنِ کریم، یعنی

ذکروں میں سب سے بہتر ذکر کے منکر ہو گئے، (اور) وہ عداوت اور جھگڑا کرنے والے یہ بھی نہ سوچ سکے، کہ (بلاشبہ یہ یقیناً عزت والی کتاب ہے)، جسے 'ربِّ عزیز' نے [illegible] 'رسولِ عزیز' پر 'امتِ عزیز' کے واسطے نازل فرمایا۔

---یا یہ کہ---

'دوست کا نامہ ہے دوست کے پاس، اور دوست کا نامہ دوستوں کے نزدیک عزیز ہوتا ہے۔

یہ ایسی کتاب عزیز ہے کہ---

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ

نہیں آسکتا باطل اُس کے آگے اور نہ پیچھے سے۔

تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾

اُتاری ہوئی حکمت والے حمد والے کی طرف سے●

(نہیں آسکتا باطل اُس کے آگے اور پیچھے سے)۔ یعنی کسی جہت سے کوئی باطل امر اُس کی طرف آ ہی نہیں سکتا---یا---گھٹانا یا بڑھانا اُس کی طرف راہ نہیں پاتا، اور اگلی پچھلی خبریں جو اُس میں ہیں ان خبروں میں کچھ بھی جھوٹ نہیں پایا جاتا۔ اور ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے، اس لیے کہ یہ کتاب--- (اُتاری ہوئی حکمت والے حمد والے کی طرف سے)، یعنی خداوند دانا اور پروردگار حمید نے اِسے نازل فرمایا ہے۔ اور اَے محبوب! تمہاری قوم کے کافروں سے---

---

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو

نہ کہا جائے گا تمہیں، مگر جو کہا گیا رسولوں کو پہلے تم سے۔ بے شک تمہارا رب یقیناً

مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾

مغفرت والا، اور دردناک عذاب والا ہے●

(نہ کہا جائے گا تمہیں مگر جو کہا گیا رسولوں کو پہلے تم سے)۔

اِس میں نبی کریم کے لیے تسلی ہے کہ آپ [illegible]

نئی بات نہیں، بلکہ آپ کے عہد کے پہلے کے کافروں [illegible]

طرح کی بکواس کی تھی۔

تو اَے محبوب! کافروں کی اِن باتوں سے آپ غمگین نہ ہوں، اس لیے کہ خدا کی مہربانیاں آپ کے ساتھ اور دوسرے پیغمبروں کے ساتھ ہیں۔ (بے شک تمہارا رب یقیناً مغفرت والا) ہے، جو انبیاءِ کرام کو اذنِ شفاعت دے کر ان کے درجات بلند کرنے والا ہے، اور اُن کے سارے وفادار امتیوں کو اپنے فضل اور اُن کی شفاعت سے بخشنے والا ہے۔ (اور) کافروں اور تکذیب کرنے والوں کو (دردناک عذاب) میں مبتلا کرنے (والا ہے)۔

روایت ہے کہ کفارِ قریش نے کہا کہ قرآن زبانِ عجم میں کیوں نہیں نازل ہوتا، اور کچھ عربی اور کچھ عجمی کیوں نہیں ہوتا، تا کہ دونوں قوم کے لوگ اُس سے حصہ لیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَاَعْجَمِيٌّ

اور اگر بناتے ہم اُسے قرآن عجمی زبان کا، تو ضرور کہتے کہ "کیوں نہ صاف صاف بولی گئیں اُس کی آیتیں"۔ "کیا عجمی پیغام

وَّعَرَبِيٌّ ؕ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ وَالَّذِيْنَ

اور عربی پیغمبر؟" کہہ دو کہ "وہ اُن کے لیے جو مان گئے، ہدایت وشفاء ہے۔" اور جو

لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ؕ

نہ مانیں، اُن کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہے، اور وہ اُن پر اندھرایا ہوا ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۴۴﴾ ع

جیسے وہ لوگ پکارے جاتے ہیں دُور جگہ سے●

(اور) فرمایا گیا کہ (اگر بناتے ہم اِسے قرآن عجمی زبان کا) یعنی غیر عرب کی زبان میں، (تو ضرور کہتے) کفارِ عرب (کہ کیوں نہ صاف صاف بولی گئیں اِس کی آیتیں) ایسی زبان میں جس کو ہم سمجھتے۔ یہ بھی (کیا) بات رہی کہ (عجمی پیغام) ہے (اور عربی پیغمبر) اور مخاطب بھی عرب ہیں۔۔ الختصر۔۔ جو کٹ حجتی ہی کرنا چاہتے ہوں، وہ ہر صورت میں اپنی کٹ حجتی کے لیے راستہ نکال ہی لیں گے۔ تو اَے محبوب! اُن سے (کہہ دو، کہ وہ اُن کے لیے جو مان گئے ہدایت وشفاء ہے)، جو حق کی طرف راہ دکھانے والا ہے، اور شک وشبہ کی بیماریوں سے شفاء بخشنے والا ہے۔ (اور جو نہ مانیں اُن کے کانوں میں ڈاٹ لگی ہے)، یعنی وہ بہرے بنے جاتے ہیں اور گوشِ ہوش سے اُس کو نہیں سنتے۔ (اور وہ اُن پر

اندھرایا ہوا ہے)، یعنی اُن کا اندھا پن اور نابینائی چھائی ہوئی ہے کہ وہ اُس کے جمال کمال کا جلوہ نہیں دیکھتے۔ اور وہ گروہ جو قرآن سننے اور اس کی حقیقت کی طرف سے اندھے ہیں وہ ایسے ہیں، (جیسے وہ لوگ پکارے جاتے ہیں دُور جگہ سے)، یعنی اُن کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی کو دُور دراز مسافت سے پکاریں کہ وہ نہ پکارنے والے کو دیکھے نہ اُس کی آواز سنے، تو اُس کو اُس پکار سے کیا فائدہ؟

سابقہ آیت میں کتاب کے تعلق سے کافروں کی باتوں کا ذکر تھا، اور اب آگے حق تعالیٰ یہ واضح فرما رہا ہے کہ اپنے عہد کی آسمانی کتاب کے تعلق سے اِس عہد کے لوگوں نے بھی مختلف رویہ اختیار کیا تھا۔ بعض نے تصدیق کی اور بعض نے تکذیب، بلکہ پانچ سو ۵۰۰ سال کے بعد اُس کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔

تو اے محبوب! یہی تمہاری قوم کا بھی حال ہے کہ ہم نے اُن کو قرآنِ کریم دیا، تو بعض نے تصدیق کی اور بعض نے کفر کیا۔ مگر یہ لوگ قرآن کریم کو بدل نہ سکے، اس لیے کہ اُس کی حفاظت کو خود ہم نے اپنے ذمہءِ کرم میں رکھ لیا تھا۔ اور چونکہ تمہاری امت کے حق میں یہ لکھ دیا گیا ہے، اور حکمِ ازلی میں یہ طے کر دیا گیا ہے کہ دُنیا میں اُن کو ہلاک کر دینے والا اور اُن کو جڑ سے اکھاڑ دینے والا عذاب نہیں دیا جائے گا، بلکہ ان کا اور اہلِ ایمان کا فیصلہ قیامت میں ہوگا۔ اور یہ بھی طے کر دیا گیا کہ آپ کی موجودگی میں ان پر عذاب نازل نہیں کیا جائے گا، اس لیے کہ اُن کو یہاں مہلت و فرصت نصیب ہوگئی ہے، ورنہ یہ بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ایسے سرکشوں کی سرکشی کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ مذکورہ بالا بات کی وضاحت۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ

اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب، تو جھگڑا نکالا گیا اُس میں۔ اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے ہو چکی تمہارے رب کی

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۴۵

طرف سے، تو ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اُن کے درمیان۔ بے شک وہ ضرور شک میں ہیں اُس کی طرف سے، تردد میں پڑے •

(اور) صاف صاف بیان کر دینے کے لیے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ (بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب) توریت (تو جھگڑا نکالا گیا اُس میں)، اُس کی تصدیق و تکذیب کر کے اور اُس میں تحریف کر کے۔ (اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے ہو چکی تمہارے رب کی طرف سے)، یعنی قیامت کا وعدہ، میدانِ حشر میں جھگڑے فیصل کرنا۔ یا۔ تکذیب کرنے والوں کے عذاب میں تاخیر، (تو

ضرور فیصلہ کردیا جاتا اُن کے درمیان) اور پھر وہ نیست و نابود ہو جاتے۔ (بے شک وہ) یعنی عرب کے مشرک۔۔یا۔۔یہود (ضرور شک میں ہیں اُس کی طرف سے) یعنی قرآن۔۔یا۔۔توریت کے تعلق سے، اور ایسا شک جس کی وجہ سے وہ (تردد میں پڑے) ہیں اور اضطراب کا شکار ہیں، سچی بات تو یہ ہے کہ۔۔۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ

جس نے لیاقت مندی کی، تو اپنے بھلے کو، اور جس نے بُرائی کی تو اُسی پر ہے۔

وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

اور نہیں ہے تمہارا رب ظلم کرنے والا، بندوں کے لیے●

(جس نے لیاقت مندی کی، تو اپنے بھلے کو) یعنی اُس کا فائدہ اُسی کو پہنچے گا۔ (اور جس نے بُرائی کی، تو اُسی پر ہے) اُس کا وبال اور اُس کا ضرر۔ (اور نہیں ہے تمہارا رب ظلم کرنے والا) اپنے (بندوں کے لیے) کہ عمل کے لائق بدلہ نہ دے۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ

۶/جمادی الاوّل ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۳۰/مارچ ۲۰۱۲ء

بروز جمعہ مبارکہ چوبیسویں (۲۴) پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں

کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت

مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظتِ خاص میں رکھے۔

آمِيْن يَامُجِيْبَ السَّائِلِيْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَيٰسٓ، وَبِحَقِّ نٓ وَصٓ،

وَبِحُرْمَةِ سَيِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

تشریحِ لغات

-- ﴿ آ ﴾ --

آشکارا: ظاہر۔۔نمایاں۔۔کھلا ہوا۔
آفرینش: پیدائش۔۔مخلوق۔۔دُنیا۔
آلودہ: بھرا ہوا۔۔پھنسا ہوا۔۔گناہگار۔

-- ﴿ ا ﴾ --

ابتلاء: آزمائش۔۔امتحان۔۔مصیبت۔۔بلا۔
اٹکل: اندازہ۔۔قیاس۔۔تخمینہ۔
احتمال: شک وشبہ۔۔وہم۔۔گمان۔
اختصاص: خاص کرنا۔۔خصوصیت رکھنا۔
اخص: خاص الخاص۔۔نہایت خصوصیت والا۔
اذن: اجازت۔
ارفع: نہایت بلند۔۔عالی مرتبہ۔
ازالہ: زائل کرنا۔۔دُور کرنا۔۔مٹانا۔۔ہٹانا۔
ازانجملہ: سب میں سے۔۔اُن میں سے۔
ازدحام: بھیڑ۔۔مجمع۔
اسپند: کالا نشان جو اکثر گورے چہروں پر نظرِ بد سے بچاؤ کے لیے لگایا جاتا ہے۔
استجابت: التجا کو سننا اور قبول کرنا۔
استحقاق: مستحق ہونا۔۔سزاوار ہونا۔
استحکام: مضبوطی۔۔استواری۔۔پختگی۔
استدلال: دلیل۔۔برہان۔۔ثبوت۔
استعداد: لیاقت۔۔قابلیت۔۔فطری صلاحیت۔
استغاثہ: داد۔۔فریاد۔
استفسار: دریافت کرنا۔۔پوچھنا۔۔پوچھ گچھ۔
استقرارگاہ: ٹھہرنے کی جگہ۔۔قائم ہونے کا مقام۔
استہزا: ہنسی مذاق۔۔ہنسی اُڑانا۔
استہزاءً: ہنسی اُڑانا۔۔ہنسی کے چور پر۔
اسرار رموز: بھید و راز۔۔پوشیدہ باتیں۔
اسناد: سند پیش کرنا۔۔سند لانا۔
اصرار: ہٹ۔۔ضد۔۔اَڑ۔
اضافت: نسبت۔۔لگاؤ۔
اطوار﴿طور کی جمع﴾: طریقہ۔
اعتدال: نہ کمی نہ زیادتی۔۔درمیانی درجہ۔۔میانہ روی
اعتراف: اقرار کرنا۔۔تسلیم کر لینا۔۔مان جانا۔
اعراض: منہ پھیرنا۔۔بچنا۔۔رُوگردانی کرنا۔
افتخار: فخر۔۔عزت۔۔ناز۔
افراط: زیادتی۔۔حدِ اعتدال سے بڑھ جانا۔۔کثرت۔
اقسام خلائق: مخلوق کی قسمیں۔
اقوات﴿قوت کی جمع﴾: کھانے کی چیزیں۔
اقوالِ کاذبہ: جھوٹے قول۔۔من گھڑت باتیں۔
اکارت: بے کار۔۔ضائع۔۔برباد۔
التزام: کسی بات کو لازم کر لینا۔۔ضروری قرار دے لینا۔
التفات: متوجہ ہونا۔۔توجہ۔۔مہربانی۔
الحانِ دل آویز: دل کو خوش کر دینے والی آواز۔۔اچھی آواز۔
انحراف: اِنکار۔۔مخالفت۔۔نافرمانی۔
انواع﴿نوع کی جمع﴾: جنس۔۔وضع۔۔شکل۔
اوہامِ ضعیفہ: کمزور اور بے بنیاد وہم اور خیالات۔
ایثار: دوسرے کے نفع کو اپنے نفع پر ترجیح دینا۔
ایذا: دکھ۔۔تکلیف۔۔اذیت۔
ایذارسانی: دکھ پہنچانا۔۔تکلیف دینا۔۔اذیت دینا۔
ایمانِ یاس: خوف کے وقت کا ایمان۔۔آخری وقت جب موت دکھائی دی تو مان جانا۔
اِدراک: عقل۔۔فہم۔۔رسائی۔
اَجل: موت۔۔مرگ۔۔قضا۔

اُلفت: پیار۔۔محبت۔۔دوستی۔

-- ﴿ ب ﴾ --

بار: تکلیف۔۔ذمہ داری۔
بارگاہِ قدم: ہمیشگی والی دربار۔۔خدا کی بارگاہ۔
باڑھ: اٹھان۔
باغِ وصال: جنت۔۔جہاں اللہ کا دیدار ہوگا۔
بالجبر: زبردستی۔
باور: یقین۔۔بھروسا۔۔اعتبار۔۔اعتماد۔
برانگیختہ: اُکسانا۔۔آمادہ کرنا۔
برگزیدہ: منتخب۔۔چنا ہوا۔۔پسندیدہ۔
برلانے: پورا کرنا۔۔انجام کو پہنچانا۔
بروج ﴿برج کی جمع﴾**:** ستارے کا مقام۔۔نظری طور پر۔۔ آسمانی دائرے کا بارہواں حصہ۔
بزعم خود: خود اپنے گمان میں۔۔اپنے گمان کے مطابق۔
بطریق اولیٰ: بہتر طریقے سے۔۔بہتر انداز سے۔
بطلان: باطل ہونا۔۔جھوٹ ہونا۔۔تردید۔
بطن: پیٹ۔۔شکم۔
بطور تمسخر: ہنسی کے طور پر۔۔مذاق اُڑانے کے انداز میں۔
بعث ونشر: روزِ قیامت۔۔مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا۔
بُعد: دوری۔۔فاصلہ۔
بعید: دور۔۔علیحدہ۔
بنا: بنیاد۔۔شروع۔
بہرہ مند: فائدہ اٹھانے والا۔
بہیمی: حیوانیت۔
بھید: راز۔۔پوشیدہ بات۔
بیضہ: انڈا۔
بے بہرہ: محروم۔۔بے نصیب۔
بے ثباتی: ناپائیداری۔
بَری: آزاد۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پاسبانی: حفاظت۔
پتر: کسی دھات کا پتلا سا ٹکڑا۔
پراگندہ: منتشر۔۔تتر بتر۔
پہلوتہی: کنارہ کشی کرنا۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تابانیوں ﴿تابانی سے﴾**:** روشنی۔۔نور۔۔چمک۔
تابع: ماتحت۔۔مطیع۔۔فرمانبردار۔
تاخیر: دیر۔۔توقف۔۔وقفہ۔
تاسف: افسوس۔۔حیرت۔۔رنج وملال۔
تامل: سوچ بچار۔۔فکر۔
تائب: توبہ کرنے والا۔۔گناہ کی معافی مانگنے والا۔
تبنیت: متبنّٰی بنانا۔۔گود لینا۔۔لے پالک بنانا۔
تپائی: تین پایوں کی چوکی۔
تتمہ: بقیہ۔۔بچا ہوا۔۔کسی چیز کا آخری حصہ۔
تجدید: نئے سرے سے کام شروع کرنا۔
تحریص: لالچ دینا۔۔حرص دلانا۔۔ترغیب۔
تحسر: حسرت۔۔غم۔۔رنج۔۔افسوس۔
تحمل: برداشت۔۔صبر۔
تخصیص: خصوصیت۔۔حق مخصوص۔
تخفیف: کمی۔۔گھٹاؤ۔۔افاقہ۔۔آرام۔
تدارک: درستی۔۔اصلاح۔
تدریجا: درجہ درجہ ہونا۔۔آہستہ آہستہ ہونا۔
تدقیق: غور وفکر۔۔سوچ وبچار۔۔باریک بینی۔
تذکیر: ڈرانے سے۔
تردد: شش وپنج۔۔سوچ۔۔فکر۔
ترک: چھوڑنا۔
تسویف: ٹالنا۔۔کل کے لیے رکھ چھوڑنا۔
تصدق: صدقہ دینا۔۔قربانی۔۔صدقہ۔۔خیرات۔
تصرف: قبضہ۔۔اختیار۔۔استعمال۔
تعب: دکھ۔۔محنت مشقت۔۔تکلیف۔
تعرض: مزاحمت کرنا۔۔روکنا۔
تغیر وتبدل: الٹ پھیر۔
تفاوت: فاصلہ۔۔دُوری۔

تفاوتِ طبقات: درجوں میں فاصلہ۔۔ایک سے ایک بڑا درجہ۔
تقدیم: مقدم سمجھنا۔۔مقدم ہونا۔۔ترجیح۔۔فوقیت۔
تقصیر: کوتاہی۔۔کمی۔۔سہو۔۔بھول چوک۔
تقلید: پیروی۔۔کسی کے قدم بہ قدم چلنا۔۔کسی کی متابعت کرنا۔
تکذیب: جھٹلانا۔۔جھوٹ بولنے کا الزام لگانا۔
تکوین: پیدا کرنا۔۔وجود میں لانا۔
تلافی: نقصان کا عوض۔۔بدلہ۔
تلف: برباد۔۔تباہ۔۔گم۔۔ضائع۔
تمثیل: مثال۔۔تشبیہ دینا۔
تمجید: خدا کی بزرگی کی تعریف کرنا۔
تمہید: کسی بات کا آغاز۔۔کسی مضمون کا عنوان۔
تن پروری: بدن کو پالنا۔۔جسم کی ضرورت کے لیے کھانا پینا۔
تناسل: نسل بڑھانا۔۔اولاد پیدا کرنا۔
تناقض: ایک دوسرے کی ضد یا مخالف ہونا۔
تند: تیز۔۔سخت۔۔شدید۔۔پرزور۔
تنزیہہ: پاکی۔
تنعم: عیش و آرام۔
توالد: اولاد پیدا کرنا۔
توبہ شکن: توبہ کر کے توڑ دینے والا۔
توسیع: وسعت۔۔کشادگی۔۔فراخ کرنا۔
توضیح: شرح۔۔وضاحت۔
توقف: دیر۔۔تاخیر۔۔وقفہ۔
توھمات ﴿توہم کی جمع﴾: وہم۔۔گمان۔
تہدید: ڈرانا۔۔دھمکانا۔
تھکے: جمے ہوئے۔۔لوند۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جامع: مکمل۔۔ہمہ گیر۔
جامعیت: ہمہ گیری۔۔جس میں سب کچھ آ گیا ہو۔۔کاملیت۔
جانکاری: واقفیت۔
جبوترا: چبوترا۔
جدال: جھگڑا۔۔بحث۔۔تکرار۔۔قضیہ۔
جدال و نزاع: لڑائی جھگڑا۔۔بحث و تکرار۔
جرم: جسم۔۔بدن۔۔دھڑ۔۔تن۔
جلوت ﴿خلوت کی ضد﴾: سب کے سامنے۔
جماد: پتھر۔۔یہاں پتھر کے بت مراد ہیں۔
جمادات ﴿جماد کی جمع﴾: پتھروں کے بت۔
جنابت: ناپاکی۔۔خصوصاً وہ ناپاکی جو مرد و عورت کے صحبت کرنے یا احتلام سے ہو۔
جور: ظلم۔۔ستم۔۔سختی۔۔زبردستی۔۔بے رحمی۔۔جفا۔
جورو: بیوی۔۔گھر والی۔۔زوجہ۔۔رفیقۂ حیات۔
جہت: وجہ۔۔سبب۔۔باعث۔
جہل مرکب: دوہری جہالت۔۔جاہل ہونا اور خود کو عالم فاضل سمجھنا۔
جھاؤ: ایک قسم کا پودا جو دریا کے کنارے اگتا ہے اور جس سے ٹوکریاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں۔

-- ﴿ چ ﴾ --

چارۂ کار: تدبیر۔۔درستی۔
چیلڑ: ایک قسم کی جوں جو میلے کپڑوں میں پیدا ہوتی ہے۔

-- ﴿ ح ﴾ --

حاجت روا: ضرورت پوری کرنے والا۔
حاشا: (حرفِ تردید)۔۔ہرگز نہیں۔۔بالکل نہیں۔۔انکار اور لاعلمی کے لیے بطورِ قسم استعمال ہوتا ہے۔
حبط: ضائع۔۔برباد۔۔مٹنا۔
حتمی: آخری۔
حدِ معین: مقرر کی ہوئی حد، جس سے نہ آگے بڑھا جائے اور نہ پیچھے ہٹا جائے۔
حدوث ﴿قدیم کی ضد﴾: نیا۔۔تازہ۔۔پیدائش و وجود میں آنا۔
حضر ﴿سفر کی ضد﴾: ایک جگہ قیام۔۔پڑاؤ۔۔اقامت۔
حظِ نفس: حیوانی مزہ۔۔بدنی خوشی۔
حقیت: حق۔۔حقداری۔۔ملکیت۔
حوادث ﴿حادثہ کی جمع﴾: واردات۔۔واقعات۔۔سانحہ صدمہ۔
حیلہ: دھوکا۔۔مکر۔۔فریب۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خادم و مطیع: نوکرو فرمانبردار۔
خام خیالی: غلط گمان۔۔غلط خیال۔۔جھوٹا خیال۔۔وہم۔
خائف: خوفزدہ۔
ختمیت: آخری ہونا۔
خرخشہ: جھگڑا۔۔بکھیڑا۔۔پریشانی۔۔خلجان۔
خسارت: نقصان۔۔خسارہ۔۔شرمندگی۔
خست: ذلت۔
خصائل: سیرت۔۔عادات۔
خلت: دوستی اور محبت۔
خلعت: تحفہ۔۔عطیہ۔۔وہ پوشاک جو بادشاہ یا امراء کی طرف سے بطور عزت افزائی ملے۔
خلوت: تنہائی۔۔علیحدگی۔۔گوشہ نشینی۔
خود ساختہ: اپنا بنایا ہوا۔۔خود سے قائم کیا ہوا۔
خیالات فاسدہ: بُرے تصورات۔۔بے ہودہ خیال۔

-- ﴿ د ﴾ --

دارالخلود: آخرت کا گھر۔
دارین: دونوں جہان۔
داعیہ: خواہش۔۔مرضی۔
دائمی: سدا کا۔۔ابدی۔۔ثبات والا۔
درماندہ: مصیبت زدہ۔۔بے چارے۔
دست درازی: ظلم وستم۔۔بے انصافی۔۔زبردستی۔
دسترس: پہنچ۔۔رسائی۔۔قدرت۔
دغدغہ: تشویش۔۔خدشہ۔۔کھٹکا۔
دلالت: دلیل۔۔ثبوت۔۔علامت۔۔نشان۔
دنیا و مافیہا: دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے۔
دیباچ قرآن: قرآن کا مقدمہ، تمہید، پیش لفظ۔
دیرینہ: قدیم۔۔پرانی۔

-- ﴿ ڈ ﴾ --

ڈپٹ: دھمکی۔۔حملہ۔

-- ﴿ ذ ﴾ --

ذات ستودہ صفات: وہ ذات جس میں قابل تعریف خوبیاں ہوں۔۔اچھے اوصاف والا۔
ذریات: اولادیں۔۔نسلیں۔
ذریت: اولاد۔۔نسل۔
ذنوب ﴿ذنب کی جمع﴾: گناہ۔۔قصور۔۔جرم۔۔بُرا کام۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راسخ: پکا۔۔مضبوط۔
راندا: نکالا ہوا۔۔دھتکارا ہوا۔
راندے: نکالے ہوئے۔۔دھتکارے ہوئے۔
رجاء: امید۔
رخصت: اجازت۔۔منظوری۔۔رضا۔
رضاعی: دودھ شریک۔۔وہ بچے جنہوں نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہو۔
رقیب: نگہبان۔۔پاسبان۔۔محافظ۔۔خدا کا ایک صفاتی نام۔
روا: جائز۔۔مباح۔۔درست۔۔ٹھیک۔
رواج: عام دستور۔۔ریت۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زادراہ: توشہ۔۔سفرخرچ۔
زائل: دُور ہونے والا۔۔کم ہونے والا۔
زجر: روک۔۔ڈانٹ ڈپٹ۔۔دھمکی۔۔تنبیہ۔
زندان وبال: قید خانے کی مصیبت۔۔دوزخ۔
زوج: جفت۔۔جوڑا۔
زہادت: پرہیزگاری۔۔تقویٰ۔

-- ﴿ س ﴾ --

ساقط: گرا ہوا۔
ساکت: خاموش۔۔چپ۔
سالکوں: خدا کا قرب چاہنے والے۔
سبعی: حیوانی۔
ستائش: تعریف۔۔حمد وثناء۔

سرمو: ذرا سا بھی۔
سلب: چھین لینا۔ کھینچنا۔۔لے جانے یا مٹانے کا عمل۔۔جذب کرنا۔
سلیم: ٹھیک۔۔درست۔۔کامل۔۔پوری۔
سمندر: ایک جانور جس کی بابت مشہور ہے کہ آگ میں پیدا ہوتا ہے اور وہیں رہتا ہے اور آگ سے باہر نکلتے ہی مر جاتا ہے۔
سنگباری: پتھروں کی بارش۔ پتھر برسانا۔
سیئات: برائیاں۔۔بدیاں۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شاق: مشکل۔۔دشوار۔۔دوبھر۔۔ناگوار۔
شائبہ: شک وشبہ۔
شب باش: رات کی رات رہنے والا۔
شرح صدر: کھلے سینے سے۔۔دل میں بات کھل کر آ جانا یا رہنا۔
شق: قسم۔۔نوع۔۔طرف۔۔جانب۔
شقی القلب: سنگ دل۔۔ظالم۔
شمائل: سیرت۔
شوائب ﴿شائبہ کی جمع﴾: شک شبہ۔۔گمان۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صادق الوعد: وعدے کا سچا۔ وعدہ پورا کرنے والا۔
صانع: پیدا کرنے والا۔۔خالق۔۔اللہ تعالیٰ۔
صانعیت: خالقیت۔۔پیدا کرنے کی قدرت۔
صحت: صحیح ہونا۔ غلطی سے پاک۔
صفاتِ تنزیہی: پاک اور اچھی صفتیں۔
صفوت: برگزیدگی۔۔خالص۔۔بہترین۔
صلاح: نیکی۔۔بھلائی۔۔بہتری۔۔اچھائی۔
صلب: نسل۔

-- ﴿ ض ﴾ --

ضرر: نقصان۔۔خسارہ۔۔زیاں۔
ضلالت: گمراہی۔۔گناہ۔۔خطا۔
ضیافت: مہمانی۔۔دعوت۔

-- ﴿ ط ﴾ --

طعن وتشنیع: طنز وملامت۔
طمع: لالچ۔۔حرص۔
طول: لمبائی۔۔درازی۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظلمتِ معصیت: گناہوں کے اندھیرے۔
ظن وتخمین: خیال واندازہ۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عار: غیرت۔۔شرم۔۔لاج۔۔برائی۔۔عیب۔
عاصی: گنہ گار۔
عالی ہمتی: بلند حوصلے والا۔۔مضبوط ہمت والا۔
عبث: بے کار۔۔بے مقصد۔۔بے فائدہ۔
عتاب: ملامت۔۔غصہ۔۔ناراضی۔
عذر: بہانہ۔
عرائسِ قرآن: قرآن کی خوبصورتیاں۔
عرصات ﴿عرصہ کی جمع﴾: جہاں آخری فیصلہ سنایا جائے گا۔۔روزِ محشر۔
عزیمت: ارادہ۔۔قصد۔
عصیان: گناہ۔
عفریت: دیو۔۔بھوت پریت۔
عقاب: دکھ۔۔تکلیف۔۔عذاب۔۔سزا۔
عقبیٰ: آخرت۔۔عاقبت۔
عقوبت: عذاب۔۔سزا۔ تکلیف۔۔دکھ۔
علت: وجہ۔۔سبب۔۔باعث۔
علوی اور سفلی: بلند اور نیچا۔ آسمانی اور زمینی۔
علیٰ ھذا القیاس: اسی طرح۔۔اسی قیاس پر۔
عناصرِ اربعہ: مادی دنیا کے چاروں بنیادی اجزاء۔۔پانی، ہوا، آگ، مٹی۔
عیوب ﴿عیب کی جمع﴾: برائی۔۔خرابی۔

-- ﴿ غ ﴾ --

غالبیت: غالب آنے کی صفت۔۔غالب آجانا۔
غایت جہل: انتہائی درجہ کی جہالت۔۔انتہائی بے علمی۔
غل: شور۔۔ہنگامہ۔چیخم دھاڑ۔
غور و تامل: سوچ بچار۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فاش: ظاہر۔۔کھلا۔۔آشکارا۔۔صریح۔
فاعل: کام کرنے والا۔
فخر و مباہات: فخر۔۔بڑائی۔۔شیخی۔۔ناز۔۔گھمنڈ۔
فرستادہ: بھیجا ہوا۔۔قاصد۔۔ایلچی۔
فرقت: جدائی۔۔ہجر۔۔علیحدگی۔
فرمانِ واجب الاذعان: وہ حکم جس کی فرمانبرداری لازم ہو۔
فساق ﴿فاسق کی جمع﴾: گناہ گار۔۔فسق و فجور میں پڑا ہوا۔۔
جھوٹا۔۔دروغ گو۔
فصاحت: خوش کلامی۔۔خوش بیانی۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قبائح ﴿قبیحہ کی جمع﴾: برائیاں۔
قبض و بسط: تصوف کی اصطلاح میں دل کا خدا کی یاد کی طرف کبھی متوجہ ہونا اور کبھی نہ ہونا۔
قبیح: بُری۔۔معیوب۔۔شرمناک۔
قصد: ارادہ۔۔نیت۔۔مقصد۔
قصے قضیوں: لڑائی۔۔جھگڑے۔۔بکھیڑے۔
قضیوں: جھگڑے۔۔بکھیڑے۔
قطع: کاٹنا۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کاسے ﴿کاسہ کی جمع﴾: کٹورا۔۔پیالہ۔۔بادیہ۔
کٹ حجتی: بے جا حجت۔۔بے جا ضد بحث۔
کثافت: گاڑھا پن۔۔موٹائی۔۔غلاظت۔۔نجاست۔
کثرت: زیادتی۔۔بہتات۔۔اِفراط۔
کج فکری: غلط سوچ۔
کجی: ٹیڑھا پن۔
کراہیت: نفرت۔۔بیزاری۔۔گھن۔
کرگس: گدھ۔
کف: جھاگ۔
کفایت: کمی کرنا۔
کلفت: رنج۔۔تکلیف۔۔مصیبت۔
کمالاتِ تمجیدی: اللہ کے کمالات جو بزرگی اور تعریف کے قابل ہیں۔
کوتاہ: کم۔۔تھوڑا۔
کوتاہ نظری: تنگ نظری۔۔کم فہمی۔
کونچا: یہاں شیطانی وسوسہ مراد ہے۔
کونچے: یعنی کوئی شیطانی وسوسہ تمہیں پہنچے۔
کھان: کان۔۔معدن۔۔جس جگہ سے معدنیات نکلتے ہیں۔
کھڑکنے: ڈانٹنے۔۔دھمکانے۔
کیفرِ کردار: کیے کی سزا۔۔بُرے کام کا بدلہ۔

-- ﴿ ل ﴾ --

لطافت: باریکی۔۔پاکیزگی۔۔صفائی۔
لغو: بیہودہ۔۔فضول۔
لوچ: نرمی۔۔ملائمت۔۔نزاکت۔۔لچک۔
لوث: آمیزش۔۔ملاوٹ۔۔آلودگی۔

-- ﴿ م ﴾ --

ماحضر: جو موجود ہو۔۔جو کچھ حاضر ہو۔
ماخوذ: اخذ کیا گیا۔۔حاصل کیا گیا۔
مامور: مقرر۔۔متعین۔
مانع: سدراہ۔۔روک۔۔روکنے والا۔
ماہیاتِ ممکنہ: وہ مادّے اور مغز جو ممکن ہوں۔
مباح: جائز۔۔روا۔۔حلال۔۔درست۔۔مسنون۔۔پاک۔
مبادا: ایسا نہ ہو۔۔خدا نہ کرے۔۔خدا نا خواستہ۔

مبادی ﴿مبدء کی جمع﴾: ابتدائی۔۔ بنیادی۔
مبالغہ: کسی کام میں سخت کوشش کرنا۔ کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔ حد سے زیادہ تعریف یا برائی کرنا۔
مبتدعین: دین میں کوئی نئی بات نکالنے والے۔
مبدل: بدلا ہوا۔۔ پلٹا ہوا۔۔ تبدیل شدہ۔۔ متغیر۔
مبدء: ابتدا۔۔ بنیاد۔۔ شروع ہونے کی جگہ۔
مبرا: پاک۔۔ بے عیب۔۔ صاف۔۔ منزہ۔
مبنی بر حکمت: حکمت و دانائی کی بنیاد پر۔
مبہوتوں: ہکا بکا۔۔ دیوانہ۔۔ باؤلہ۔۔ مدہوش۔
متابعت: پیروی۔۔ فرمانبرداری۔۔ اطاعت۔
متاع: پونجی۔۔ اثاثہ۔۔ تجارت کا سامان۔
متبنی: فرزندی میں لیا ہوا۔۔ گود لیا ہوا۔۔ لے پالک بیٹا بنایا ہوا۔
متبوع: اتباع کیا گیا۔۔ پیروی کیا گیا۔۔ سردار۔۔ پیشوا۔
متجاوز: اپنی حد سے بڑھنے والا۔۔ تجاوز کرنے والا۔
متخاشع: منکسر المزاج۔۔ عاجز۔۔ خاکسار۔
متخاصمین: طرفین جو جھگڑا کریں۔۔ فریقین۔۔ باہم مخالف۔
متدین: قائم ہو جانے والے۔۔ پکے ہو جانے والے۔۔ پکڑ لینے والے۔
متردد: تردد کرنے والا۔۔ پس و پیش کرنے والا۔۔ سوچ میں پڑ جانے والا۔۔ پریشان۔۔ مضطرب۔
متصف: صفت رکھنے والا۔
متصل: پاس۔۔ قریب۔۔ لگا ہوا۔۔ نزدیک۔۔ برابر ملنے والا۔
متضاد: برعکس۔۔ خلاف۔۔ الٹا۔
متضمن: داخل کیا ہوا۔۔ شامل کیا ہوا۔
متعجب: تعجب کرنے والا۔۔ حیران۔۔ متحیر۔۔ دنگ۔
متعدد: بہت۔۔ کئی۔۔ چند۔۔ مختلف۔
متعرض: روکنے والا۔۔ آگے آنے والا۔
متغیر: بدلا ہوا۔۔ تبدیل شدہ۔۔ پلٹا ہوا۔
متفاوت: فرق رکھنے والا۔۔ ایک دوسرے سے دور۔
متفرق: جدا جدا۔۔ الگ الگ۔۔ پراگندہ۔۔ منتشر۔
متقاضی: تقاضا کرنے والا۔۔ مانگنے والا۔۔ طلب کرنے والا۔
متکفل: کفالت کرنے والا۔۔ کفیل۔۔ ضامن۔۔ ذمہ دار۔
متمرد: تمرد کرنے والا۔۔ سرکشی کرنے والا۔۔ نافرمان۔۔ سرکش۔۔ باغی۔
متمکن: جگہ پکڑنے والا۔۔ قرار پکڑنے والا۔۔ جاگزیں۔۔ قائم۔
متنبہ: خبردار۔۔ آگاہ۔۔ ہوشیار۔
متواضع: تواضع کرنے والا۔۔ عاجزی کرنے والا۔
متولی: انتظام کرنے والا۔۔ عاجزی کرنے والا۔
مثل: مانند۔۔ ملتا ہوا۔
مثل و مشابہ: ملتا ہوا۔۔ ہم شکل۔
مثلوں ﴿مثل کی جمع﴾: مانند۔۔ ملتا ہوا۔
مجادلین ﴿مجادل کی جمع﴾: لڑنے والا۔۔ جھگڑنے والا۔
مجازات: سزا۔۔ کیفر کردار کو پہنچنا۔
مجازاً: فرضاً۔۔ مراداً۔
مجسم: جسم والا۔
مجہول: نامعلوم۔۔ غیر معلوم۔
محارم ﴿محرم کی جمع﴾: ایسا قریبی رشتہ دار جس کے ساتھ نکاح جائز نہ ہو۔
محاسبہ: حساب۔۔ شمار۔۔ پڑتال۔۔ حساب کی پوچھ گچھ۔
محال: غیر ممکن۔
محالاتِ خرد: عقل کے لیے ناممکن باتیں۔۔ وہ چیزیں جن کا ہونا از روئے عقل ممکن نہ ہو۔
محبوس: جس میں رکھا گیا۔۔ قید میں رکھا گیا۔
محصور: حسر کیا گیا۔۔ گھرا ہوا۔۔ روکا ہوا۔۔ مقید۔
محل: موقع۔۔ وقت۔
محل قبول: قبول ہونے کا موقع اور وقت۔
محمول: قیاس و گمان کیا گیا۔۔ ظن کیا گیا۔
محو: زائل۔۔ دور۔۔ معدوم۔۔ گم۔۔ مٹا ہوا۔۔ فنا۔
مخبر: خبر دینے والا۔
مخفی: چھپا ہوا۔۔ پوشیدہ۔
مدح: تعریف۔۔ توصیف۔۔ ستائش۔
مدعا: مطلب۔۔ مقصد۔۔ مراد۔۔ غرض۔۔ خواہش۔
مدعی: دعویٰ کرنے والا۔
مذلت: ذلت۔۔ رسوائی۔۔ بدنامی۔۔ خواری۔
مذمت: برائی۔۔ ہجو۔

مذموم: بُرا۔۔خراب۔۔قبیح۔۔وہ جس کی برائی کی جائے۔
مرتکب: کسی فعل کا کرنے والا۔۔قصوروار۔۔مجرم۔
مرزوق: رزق دیا گیا۔۔جس کو رزق دیا جاتا ہے۔
مرگِ مفاجات: اتفاقی موت۔۔ناگہانی موت۔
مزکی: پاک کرنے والا۔
مژدۂ جانفزا: خوشی یا پیغام جس کو سن کر دلی مسرت ہو۔
مستثنٰی: استثنا کیا گیا۔۔الگ کیا گیا۔۔ماسوا۔۔بجز۔
مستجاب الدعوات: جس کی دعائیں درگاہِ الٰہی میں شرفِ قبولیت پائیں۔
مستحسن: نیک۔۔پسندیدہ۔۔خوب۔۔بہتر۔
مستحکم: پکا۔۔مضبوط۔۔سخت۔۔قائم رہنے والا۔
مسترد: رَدکیا گیا۔۔واپس کیا گیا۔
مستعد: آمادہ۔۔تیار۔۔کمربستہ۔
مستغرق: ڈوبا ہوا۔۔نہایت مصروف۔
مستغنی: آزاد۔۔بری۔۔بے پرواہ۔
مستلزم: کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا۔
مسخ وخسف: اچھی صورت بدل کر بری صورت ہو جانا۔
مسخر: تسخیر کیا گیا۔۔تابع کیا گیا۔۔قبضہ کیا گیا۔
مسرفوں ﴿مسرف کی جمع﴾: فضول خرچ۔۔کھاؤ اڑاؤ۔
مسلّم: درست۔۔بجا۔۔ٹھیک۔۔بے شک۔
مسنون: سنت کام۔۔وہ کام جسے خود حضور ﷺ نے کیا ہوا۔
مشابہت: مطابقت۔۔موافقت۔
مشرح: تشریح کیا گیا۔۔شرح کیا گیا۔۔مفصل۔۔واضح۔
مشروع: شرع کے موافق۔۔جائز کیا گیا۔
مشفق: شفقت کرنے والا۔۔مہربان۔۔شفیق۔
مصاحب: ساتھی۔۔جلیس۔۔ہم نشین۔۔ہم صحبت۔
مصالح ﴿مصلحت کی جمع﴾: نیک صلاح۔۔اچھا مشورہ۔۔مناسب تجویز، حکمت، پالیسی۔
مصداق: آلۂ تصدیق۔۔ثبوتِ صداقت۔
مصفّٰی: پاک صاف۔
مضرت: ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضطرب: بے چین۔۔بے قرار۔
مضمحل: اداس۔۔دل گیر۔۔رنجیدہ۔۔مضموم۔

مطلقات: طلاق دی ہوئی عورتیں۔
مطیع: فرمانبردار۔۔اطاعت کرنے والا۔۔تابع۔۔ماتحت۔
معاد: لَوٹ کر جانے کی جگہ۔۔واپس جانے کا مقام۔۔عقبٰی۔۔آخرت۔۔قیامت۔۔حشر۔
معاند: عناد رکھنے والا۔۔دشمن۔۔مخالف۔
معترف: اعتراف کرنے والا۔۔اقرار کرنے والا۔
معتمد: اعتماد کیا گیا۔۔بھروسا کیا گیا۔۔قابلِ اعتماد۔
معدوم: نابود۔۔ناپید۔۔وجود میں نہ ہونا۔
معصیت: گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔نافرمانی۔۔انحراف۔
مغلوب: دبا ہوا۔۔عاجز۔۔زیر۔۔شکست خوردہ۔
مغلوبیت: اطاعت۔۔عاجزی۔۔فرمانبرداری۔
مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔
مفاہیم: مفہوم۔۔مطالب۔
مقدور: بَس۔۔قابو۔۔دسترس۔۔اختیار۔
مقر: اقراری۔۔معترف۔۔اعتراف کرنے والا۔۔تسلیم کرنے والا۔
مقید: قید کیا گیا۔۔اسیر۔۔پابند۔
مکاشفوں: اوامرِ غیبی کے انکشافات۔
مکافات: عوض۔۔بدلہ۔۔پاداش۔۔سزا۔
مکدر: ملول۔۔ناراض۔۔رنجیدہ۔۔غمگین۔
مکذب: جھٹلانے والا۔۔جھوٹا بنانے والا۔
مکلف: تکلیف دیا گیا۔۔عاقل۔۔بالغ۔
مکونات ﴿مکون کی جمع﴾: مخلوقات۔۔موجودات۔
ملاحت: سانولاپن (چہرے کا)۔
ملاقی: ملنے والا۔۔ملاقات کرنے والا۔
ملامت: بُرا بھلا۔۔جھڑکی۔۔ڈانٹ ڈپٹ۔
ملفوف: لپیٹا ہوا۔۔لفافے میں بند۔
مماثل: مانند۔۔مثل۔۔مشابہ۔۔ایک۔۔نظیر۔
مماثلت جزئی: تھوڑی مشابہت۔۔کسی چیز میں ایک جیسا ہونا۔
مملوک: غلام۔۔بندہ۔
ممیّز: تمیز کیا گیا۔۔پہچانا گیا۔
منادی: پکارنے والا۔۔اعلان کرنے والا۔
منازعت: جھگڑا۔

منازل اجتماعیہ: چاند جس راستے پر زمین کے گرد چکر لگاتا ہے۔ انہیں منزل کہتے ہیں۔۔یہ وہ منزلیں ہیں جہاں چاند بڑھتا ہے۔

منازل استقبالیہ: یہ وہ منزلیں ہیں جہاں چاند گھٹتا ہے۔

منتہائے شباب: جوانی کی انتہا، پھر جہاں سے بڑھاپا شروع ہوتا ہے۔

منجمد: سردی سے جما ہوا۔

منعم: نعمت دینے والا (یہاں اللہ تعالیٰ مراد ہے)۔

منفصل: علیحدہ کیا ہوا۔

منفعتیں ﴿منفعت کی جمع﴾: نفع۔۔فائدہ۔

منہمک: کسی کام میں بہت مصروف۔۔انہماک کرنے والا۔

موافقت: مطابقت۔

موثر: تاثیر کرنے والا۔۔اثر کرنے والا۔۔کارگر۔

موجب: واجب کرنے والا۔۔لازم کرنے والا۔

موحد: خدا کو ایک ماننے والا۔

موذیوں ﴿موذی کی جمع﴾: ظالم۔۔جابر۔۔شریر۔۔بدذات۔

مورد الزام: جس پر کوئی الزام وارد ہو۔۔مجرم۔

موصوف: تعریف کیا گیا۔۔جسکی تعریف یا توصیف کی جائے۔

موضع: گاؤں۔۔جگہ۔

موعود: وعدہ کیا گیا۔۔اقرار کیا گیا۔

موقوف: انحصار کیا گیا۔

موہوم: وہم کیا گیا۔

موہومہ: وہمی۔۔خیالی۔۔قیاسی۔۔فرضی۔

مہتمم: اہتمام کرنے والا۔۔منتظم۔۔سربراہِ کار۔

مہمل: بیہودہ۔۔فضول۔۔بے معنی۔۔لغو۔۔زائد۔

میخوں ﴿میخ کی جمع﴾: کیلیں۔۔خیموں کو مضبوط کرنے کے لیے جو لوہے یا لکڑی کی کیلیں زمین میں گاڑی جاتی ہیں جن پر رسیاں باندھ کر خیموں کو مضبوط کیا جاتا ہے۔

میل: رغبت۔۔رجحان۔۔التفات۔۔خواہش۔

-- ﴿ ن ﴾ --

ناگاہ: اچانک۔۔یکا یک۔

ندا: آواز۔۔صدا۔۔پکار۔

نزول من السماء: آسمان سے نازل ہونا۔

نسیان: بھول چوک۔۔فراموشی۔

نصرت: مدد۔۔حمایت۔۔فتح۔۔جیت۔

نفائس انفاس: اچھے اعمال۔

نفریں: ملامت۔۔پھٹکار۔۔لعنت۔

نفس الامر: حقیقت۔۔درحقیقت۔۔اصل مدعا۔۔واقعی بات۔

نفوذ: سرایت کرنا۔۔اندر گھسنا۔۔اثر کرنا۔

نقاہت: کمزوری۔۔ضعف۔

نورِ طاعت: فرمانبرداری کی چمک، روشنی، سفیدی۔

نوعیں ﴿نوع کی جمع﴾: قسمیں۔۔جنسیں۔

نیست: عدم۔۔نابود۔۔معدوم۔۔فنا۔

-- ﴿ و ﴾ --

واجب الوفاء: جس کا پورا کرنا لازم ہو۔

وارد: آنے والا۔۔پہنچنے والا۔۔موجود۔

واضح المراد: جس کا معنی مراد ظاہر ہوں۔

ودیعت: امانت۔۔سپردگی۔

وصلت: ملاپ۔۔ملنا۔

وضع: صورت۔۔ظاہری حالت۔

-- ﴿ ہ ﴾ --

ہست: ہستی۔۔زندگی۔۔حیات۔۔وجود۔

ہمسری: برابری۔

ہنکاتے: دور کرتے۔۔بھگاتے۔۔دھکیلتے۔

ہیئت: بناوٹ۔۔صورت۔۔شکل۔

ہَول: خوف۔۔اندیشہ۔۔گھبراہٹ۔

-- ﴿ ی ﴾ --

یمن: برکت۔۔سعادت۔۔اقبال مندی۔۔کامیابی۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا، 'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۴۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جبرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾

('حدیث جبرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'مقالاتِ شیخ الاسلام' ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'اِنَّمَا الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ' ﴿۳۲ صفحات﴾

'حدیث نیت' کی محققانہ تشریح'

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس' ﴿۴۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'فریضہء دعوت وتبلیغ' ﴿۳۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'دین کامل' ﴿۳۲ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

مزید براں ادارے کے اشاعتی پروگرام میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆۔۔۔معارف القرآن کا گجراتی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔معارف القرآن کا تفصیلی تقابلی جائزہ۔۔۔☆

☆۔۔۔مضامین معارف القرآن۔۔۔☆

☆۔۔۔تفسیر اشرفی کا گجراتی میں ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دیگر تصنیفات۔۔۔☆

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یوایس اے کی کتاب، بنام:

'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿ جلد ہشتم ﴾

کی طباعت کے وقت اسکے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفیکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔علاوہ ازیں ۔۔۔۔کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مد ظلہ العالی

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیرِ اشرفی

جلد نہم

الیہ یرد ۲۵ - حم ۲۶ - قال فما خطبکم ۲۷

شیخ الاسلام والمسلمین
حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور - کراچی ○ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد نہم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کورڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یوایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔فون: 37247350 فیکس: 042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

اجازت نامہ طباعت واشاعت برائے اردو تفسیر قرآن، بنام سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی (کامل)

[illegible]

خانوادہ اعلیٰ حضرت محدث اعظم جانشین

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ:

تفسیرِ اشرفی کی اس جلد نہم کے متنِ تفسیر میں ۸،۳۵،۴۷۴ (آٹھ لاکھ پینتیس ہزار چار سو چوہتر) حروف ۔۔۔ ۹۸،۰۴۰ (اٹھانوے ہزار چالیس) الفاظ ۔۔۔ ۷،۳۱۱ (سات ہزار تین سو گیارہ) سطریں ۔۔۔ اور ۳،۴۵۷ (تین ہزار چار سو ستاون) پیراگراف شامل ہیں ۔۔۔
کئی مرتبہ پروف ریڈنگ کی جاچکی ہے، پھر بھی اگر کوئی غلطی سامنے آئے تو ہمیں اطلاع دے کر قارئین شکریہ کے مستحق ہوں ۔۔۔ ﴿ادارہ﴾

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِیْمِ۔۔۔۔اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

الحمدللہ! ثم الحمدللہ! کہ رب تبارک وتعالیٰ کی توفیقِ رفیق سے سید التفاسیر المعروف بہ تفسیرِ اشرفی کی جلد ہشتم جو کہ پچیسویں، چھبیسویں اور ستائیسویں پارے کی تفسیر پر مبنی ہے، قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ مفسرِ محترم حضور شیخ الاسلام والمسلمین حضرتِ علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی صحت اور عمر میں برکت عطا ہو، اور تفسیری کام اِسی طرح چلتا رہے اور جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ ﴿آمین﴾۔۔مزید براں۔۔دلی مسرت کے ساتھ ہم یہ اعلان کررہے ہیں کہ مفسرِ محترم کی اجازت بہ سعادت سے اب ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے مینیجنگ ڈائریکٹر جناب محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب تفسیرِ اشرفی کو پاکستان کے قارئین کے لیے شائع کیا کریں گے۔

ہم شیخ الاسلام والمسلمین کے تمام پُر اخلاص خادمین کے بھی شکرگزار ہیں جو ہر دفعہ ہمارے ساتھ کمپوزنگ، پروفنگ، اور دوسرے طباعتی واشاعتی مراحل میں ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن تمام اصحاب وافراد کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم سب کو مفسرِ محترم کی سرپرستی میں رہتے ہوئے دینِ اسلام کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیقِ رفیق مرحمت فرمائے۔

﴿ اٰمِیْن! بِجَاہِ النَّبِیِّ الْكَرِیْمِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ﴾

۱۰ رمحرم ۱۴۳۴ھ۔۔مطابق۔۔ ۲۳ رنومبر ۲۰۱۲ء

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یوایس اے

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

۲۵

پچیسواں پارہ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ

۹/جمادی الاوّل ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۲/اپریل ۲۰۱۲ء

بروز دوشنبہ، پچیسویں[۲۵] پارہ کی تفسیر شروع کردی۔ دُعا گوہوں

کہ مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی

سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمین یَامُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰہٰ وَیٰس، بِحَقِّ نٓ وَصٓ،

بِحَقِّ یَابُدُّوحُ وَبِحُرْمَۃِ سَیِّدِالْمُرْسَلِینَ

سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

اِلَیْهِ یُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا

اُسی کی طرف حوالہ کیا جاتا ہے علم قیامت کا، اور نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے خول سے،

وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَ یَوْمَ یُنَادِیْهِمْ اَیْنَ

اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی مادہ، اور نہ جنے، مگر اُس کے علم میں۔ اور جس دن اعلان فرمائے گا اُنہیں کہ "کہاں ہیں میرے

شُرَكَآءِیْ ۙ قَالُوْۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِیْدٍ ﴿۴۷﴾

شریک لوگ؟" تو بول پڑے کہ "ہم بتا چکے تجھ کو، کہ نہیں ہے ہم میں کوئی گواہ"●

سورۂ زیرِ تفسیر کی آیت ۵۰ میں کافروں کا یہ خیال مذکور ہے کہ وہ گمان نہیں کرتے تھے کہ قیامت قائم ہوگی، تو وہ اکثر سوال کیا کرتے تھے کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ چونکہ اِس کا بالذات علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، اسی طرح اِس کائنات میں جو بھی حوادث رونما ہوتے ہیں، کسی مادہ کو جب بھی حمل ہوتا ہے۔۔یا۔۔وضع حمل ہوتا ہے، جب بھی باغات میں پھل لگتے ہیں اور پھول کھلتے ہیں، سب چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے، اور وہ بھی بغیر کسی آلہ وسبب کے اور بغیر تعلیم کے، بالذات یقینی اور قطعی علم ہوتا ہے۔ انبیاءِ کرام اور اولیاءِ کرام کو جو غیب کا علم ہوتا ہے اُس میں بھی وحی اور الہام کا ذریعہ ہے، بالذات اُنہیں بھی یہ علوم حاصل نہیں ہوتے ۔۔اسی لیے۔۔جب کوئی قیامت کے بارے میں پوچھتا ہے۔۔تو۔۔

(اُسی کی طرف) یعنی خدا ہی کی طرف **(حوالہ کیا جاتا ہے علم قیامت کا)** اور اُسی کی طرف حوالہ کرنا ہی چاہیے، کیونکہ اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا، **(اور)** یوں ہی **(نہیں نکلتا کوئی پھل اپنے خول سے)** یعنی پردوں اور غلافوں میں سے، **(اور نہیں حاملہ ہوتی کوئی مادہ)** انسانوں کی۔۔یا۔۔جانوروں کی **(اور نہ جنے)** ہی **(مگر اُس کے علم میں)**۔ یعنی یہ سب کچھ اُس کے علم کے باہر نہیں بلکہ وہ سب سے باخبر ہے۔ یعنی جس طرح قیامت کو وہ جانتا ہے، اُسی طرح پھل اور بچہ پیدا ہونے کا علم بھی اُسی کے واسطے خاص ہے۔

(اور) اَے محبوب! یاد کیجیے اُس دن کو **(جس دن)** حق تعالیٰ **(اعلان فرمائے گا اُنہیں کہ کہاں ہیں)** بزعم شما **(میرے شریک لوگ؟ تو بول پڑے کہ ہم بتا چکے تجھ کو کہ نہیں ہے ہم میں کوئی گواہ)** جو اُن کے متعلق شرکت کی گواہی دے، کیونکہ جب سے ہم نے اُن کا حالِ زار دیکھا ہے تو ہم اُن سے بیزار ہو چکے ہیں۔ یہ سوال اُن سے بطورِ زجر و توبیخ ہوگا۔

وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۴۸﴾

اور کھو گیا اُن سے جن کی دُہائی دیتے تھے پہلے، اور سمجھ لیا کہ نہیں ہے اُن کے لیے کوئی بھاگنے کی جگہ۔

(اور کھو گیا اُن سے) وہ، جن کو انہوں نے معبود بنا رکھا تھا، اور دُنیا میں (جن کی دُہائی دیتے تھے پہلے) اور اُن کی پرستش کرتے تھے۔ (اور) اب (سمجھ لیا کہ نہیں ہے اُن کے لیے کوئی بھاگنے کی جگہ)۔ یعنی اُن کے لیے کوئی نجات کا راستہ نہیں۔ انسانی نفسیات کچھ ایسی ہے۔۔کہ۔۔۔

لَا يَسۡـئَمُ الۡاِنۡسَانُ مِنۡ دُعَآءِ الۡخَيۡرِ وَاِنۡ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـئُوۡسٌ قَنُوۡطٌ ﴿۴۹﴾

نہیں تھکتا انسان بھلائی مانگنے سے، اور اگر پہنچی اُسے بُرائی، تو ناامید ہے بے آس۔

(نہیں تھکتا انسان بھلائی مانگنے سے) یعنی دُعائے خیر کرنے سے۔ (اور) یہ بات بھی ہے کہ (اگر پہنچی اُسے بُرائی)۔۔ مثلاً: مفلسی اور بیماری وغیرہا، (تو ناامید ہے) راحت سے اور (بے آس) ہے رحمت سے۔ اور یہ یاس وقنوط کافروں اور گمراہوں کی صفت ہے۔

وَلَئِنۡ اَذَقۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنَّا مِنۡۢ بَعۡدِ ضَرَّآءَ مَسَّتۡهُ لَيَقُوۡلَنَّ هٰذَا لِىۡ ۙ وَمَاۤ

اور اگر چکھا دیا ہم نے اُسے رحمت اپنی طرف سے، بعد مصیبت کے جو اُسے پہنچی، تو ضرور بولے گا کہ "یہ میرا حق ہے اور میں

اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنۡ رُّجِعۡتُ اِلٰى رَبِّىۡۤ اِنَّ لِىۡ عِنۡدَهٗ لَـلۡحُسۡنٰى

نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے۔ اور اگر میں واپس کیا گیا اپنے رب کی طرف، تو میرے لیے اُس کے پاس یقیناً بھلائی ہے۔"

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِمَا عَمِلُوۡا وَلَنُذِيۡقَنَّهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِيۡظٍ ﴿۵۰﴾

تو ضرور ہم بتا دیں گے اُنہیں، جنہوں نے کفر کیا، جو کچھ اُنہوں نے کیا۔ اور ضرور چکھائیں گے اُنہیں گاڑھا عذاب۔

(اور اگر چکھا دیا ہم نے اُسے رحمت اپنی طرف سے) جیسے صحت۔۔یا۔۔ دولت مندی دے دی (بعد مصیبت کے جو اُسے پہنچی، تو ضرور بولے گا کہ یہ) خیر وعافیت (میرا حق ہے) اور میں اس کا مستحق ہوں۔۔یا۔۔ میرے واسطے ہمیشہ رہے گی کبھی زائل ہی نہ ہوگی۔ (اور میں نہیں سمجھتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے)۔ اِس سے بعث وحشر کا اِنکار مراد ہے۔ (اور اگر) قیامت قائم ہو ہی گئی، جیسا کہ مسلمانوں کو وہم ہے کہ قیامت قائم ہوگی، اور (میں واپس کیا گیا اپنے رب کی طرف، تو میرے لیے اُس کے پاس یقیناً بھلائی ہے)۔ یعنی نعمت وکرامت کا استحقاق میرے واسطے ثابت ہے، خواہ دُنیا میں خواہ عقبیٰ میں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ کافروں کی دو عجیب تمنائیں ہیں، جن میں ایک دنیا میں ظاہر کرے گا دوسری عقبیٰ میں۔ دنیا میں اُس کا کہنا یہ ہوگا کہ بہشت کی نعمتیں میرے واسطے ہیں؛ اور عقبیٰ میں کہے گا کہ "کاش کہ میں مٹی ہوتا"۔ اور دونوں تمناؤں میں سے کوئی بھی پوری نہ ہوگی۔

(تو ضرور ہم بتا دیں گے انہیں جنہوں نے کفر کیا، جو کچھ انہوں نے کیا) کفر اور تکذیب۔ (اور) عذاب کی فقط خبر کیا، بلکہ (ضرور چکھائیں گے انہیں گاڑھا عذاب)، یعنی بہت بڑا اور سخت عذاب اُن کو پہنچے گا برخلاف اُس کے جو وہ نعمت اور بزرگی حاصل ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ

اور جب نعمت فرمائی ہم نے انسان پر، تو منہ پھیر لیا، اور ہٹ گیا اپنی طرف۔

وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

اور جب پہنچی اُسے برائی تو لمبی چوڑی دعا والا ہے۔

(اور جب نعمت فرمائی ہم نے انسان پر) یعنی جب ہم نعمت دیتے ہیں کسی کافر کو اور خیر و عافیت کا دروازہ کھولتے ہیں اُس کے لیے، (تو منہ پھیر لیا) شکر ادا کرنے سے (اور ہٹ گیا اپنی طرف) یعنی راہِ حق سے خود کو دور کر لیا۔۔۔یا۔۔۔اپنے کو کنارے کھینچتا ہے شکر گزاری سے۔ (اور جب پہنچی اُسے بُرائی) کوئی بلاء اور مصیبت، (تو) پھر وہ (لمبی چوڑی دعا والا ہے)۔ بہت زیادہ اور بہت دیر تک دعا مانگتا رہتا ہے۔ اے محبوب! اُن سے۔۔۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ

پوچھو کہ "ذرا بتاؤ کہ اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے، پھر تم نے انکار کر دیا ہے اُس کا، تو کون زیادہ بے راہ ہے

مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

اُس سے، جو دور دراز ضد میں ہے"۔

(پوچھو کہ ذرا بتاؤ کہ اگر) درحقیقت (یہ کتاب اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے) اور (پھر تم نے انکار کر دیا ہے اِس کا) یعنی اِس پر غور و تامل نہیں کیا اور کافر ہو گئے، (تو کون زیادہ بے راہ ہے اُس سے جو دور دراز ضد میں ہے)۔ یعنی تم سے زیادہ کون گمراہ ہے کہ ہمیشہ مقابلہ اور عناد اور فساد کرتے رہتے ہو۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا، اِس آیت میں انسان سے مراد عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف جیسے ہیں، جنہوں نے اسلام سے منہ پھیر لیا اور اُس سے دُور ہو گئے۔ اور یہ جو فرمایا کہ "پہلو بچا کر ہم سے دُور ہو جاتا ہے" اُس کا معنی ہے کہ وہ حق کی اطاعت اور اتباع سے خود کو بلند سمجھتا ہے اور انبیاء علیہم السلام کے سامنے تکبر کرتا ہے۔ اور جب اُس پر کوئی مصیبت آتی ہے، تو پھر لمبی چوڑی دُعائیں کرتا ہے اور گڑگڑاتا ہے اور فریاد کرتا ہے۔۔ الختصر۔۔ کافر مصیبت میں اپنے رب کو پہچانتا ہے اور راحت میں اپنے رب کو نہیں پہچانتا۔۔ تو۔۔

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ

اب ہم دکھا ہی دیں گے اُنہیں اپنی نشانیاں، ہر طرف اور خود اُنہیں میں، یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے اُنہیں،

أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۵۳﴾

کہ بلاشبہ یہ حق ہے۔ کیا نہیں کافی ہے کہ "تمہارا رب، بلاشبہ ہر ایک کا گواہ ہے"●

(اب ہم دکھا ہی دیں گے اُنہیں) یعنی کفارِ قریش کو (اپنی نشانیاں ہر طرف اور خود اُنہیں میں)۔ یعنی ہم عنقریب اُن کو اپنی نشانیاں اطرافِ عالم میں بھی دکھائیں گے، اور خود اُن کے نفسوں میں بھی۔ (یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے اُنہیں کہ بلاشبہ یہ) قرآن بر (حق ہے)۔ اِسے برحق سمجھنے کے لیے (کیا نہیں کافی ہے کہ تمہارا رب بلاشبہ ہر ایک کا گواہ ہے)۔ یعنی اَے حبیب! اگر کفار تمہارے معجزوں سے اِنکار کرتے ہیں۔۔ یا۔۔ قرآنی آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور اِس کو کلامِ خداوندی ماننے سے اِنکار کرتے ہیں، تو اُن کی بکواس کا خیال نہ کرو، اس لیے کہ تمہارا خالق تمہارا گواہ بس ہے۔ کافروں کی مذکورہ بالا سرکشی کی بنیادی وجہ کے تعلق سے۔۔۔

أَلَا إِنَّهُمْ فِي مِرْيَةٍ مِنْ لِقَاءِ رَبِّهِمْ ۗ أَلَا إِنَّهُ

یاد رکھو کہ وہ لوگ شک میں ہیں اپنے رب کے ملنے کی طرف سے۔ یاد رکھو کہ وہ

بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ ﴿۵۴﴾ ع

ہر چیز کو گھیرے ہے●

(یاد رکھو کہ وہ لوگ شک میں ہیں اپنے رب کے ملنے کی طرف سے)۔ یعنی بعث اور جزا پر اُن کا ایمان نہیں۔۔ یوں ہی۔۔ اِس کا بھی یقین کر لو اور (یاد رکھو کہ وہ) یعنی ربِّ قدیر (ہر چیز کو گھیرے

ہے)۔علم وقدرت کے ساتھ،اور سب چیزوں کی جمعیت اور تفصیلیں جانتا ہے۔اور جو کچھ اپنے ملک میں کرنا چاہے کرسکتا ہے، کسی کو چون وچرا کی مجال نہیں۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ

۹/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔۲/اپریل ۲۰۱۲ء

بروز دوشنبہ 'سورہ حم السجدۃ' کی تفسیر مکمل کرکے، آج ہی 'سورہ الشوریٰ'

کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔مولیٰ تعالیٰ پورے قرآنِ کریم کی تفسیر کی

تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے،اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَامُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ،

بِحُرْمَةِ سَیِّدِالْمُرْسَلِینَ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی

سورۃ الشوریٰ ۔۔۴۲ مکیہ ۶۲ | آیاتہا ۵۳ ۔۔رکوعاتہا ۵

اِس سورہ کا نام 'الشوریٰ' ہے، جس کا معنیٰ 'مشورہ' ہے۔ اِس سورت کی آیت ۳۸ میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان اپنے کام باہمی مشورے سے کرتے ہیں، کیونکہ ہر شخص نہ عقلِ کل کا مالک ہوتا ہے اور نہ ہر شخص کی ہر رائے صائب اور صحیح ہوتی ہے۔ جمہور علماء اور مفسرین کے نزدیک یہ سورہ مکی ہے۔حضرت ابن عباس اور قتادہ نے قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى کو مدنی آیات میں شمار کیا ہے۔مقاتل نے کہا ہے کہ وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ مدنی ہے۔۔نیز۔۔انہوں نے کہا کہ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْىُ بھی مدینہ منورہ میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا ہے کہ اِس سورت کا نزول بعثتِ نبوی کے آٹھویں سال میں ہوا ہے جب اہلِ مکہ سے بارش روک لی گئی تھی،اور بعثتِ نبوی کے نویں سال تک اُس کا نزول جاری رہا۔اُس وقت نقباءِ انصار مدینہ سے مکہ حاضر ہوکر 'لیلۃ العقبہ' میں مشرف باسلام ہوچکے تھے۔

اِس سورۂ مبارکہ کا آغاز حروفِ مقطعہ یعنی ح،م،ع،س،ق سے کیا گیا ہے۔ اِس کا ہر

ہر حرف اسرار و معانی کی ایک کائنات اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے جس کا علم صرف اُسی عالم الغیب والشہادہ کو ہے جس نے اِسے نازل فرمایا۔۔یا۔۔پھر اُس کے بتانے اور علم دینے سے اُس کے محبوب ﷺ کو ہے جس پر یہ حروف نازل فرمائے گئے۔۔یا۔۔دیگر محبوبین کو بھی اللہ تعالیٰ نے جس قدر انہیں عطا فرمایا ہے۔

یہ حروف اگر ایک طرف اشارہ ہے حرق، مہلکہ، عذاب، مسخ، قذف یعنی ہونے والے فتنے اور واقعات کی طرف، تو دوسری طرف حکم، مجد، علم، سنا اور قدرت کی طرف بھی اشارہ ہے، اور حکیم، مجید، علیم، سمیع اور قدیر کی حمد کو بھی متضمن ہیں۔۔نیز۔۔اُن عطاؤں کی طرف بھی اشارہ ہے جو حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مرحمت فرمائیں۔ 'ح' اشارہ ہے حوضِ مورود یعنی حوضِ کوثر کی طرف، کہ اُس حوض سے اپنی امت کے پیاسوں کو سیراب کردیں گے۔اور 'میم' ملکِ ممدود کی طرف کہ مشرق سے مغرب تک آپ کی امت کے تصرف میں آئے گا، اور 'عین' آپ کے عز و جاہ کی طرف، اس واسطے کہ آپ حق تعالیٰ کے نزدیک سب چیزوں سے زیادہ عزیز ہیں۔اور 'سین' آپ کی ثنائے مشہود کی جانب کہ آپ کے مرتبہ کی بلندی کو کوئی نہیں پہنچتا۔اور 'قاف' مقامِ محمود کی طرف کہ شبِ معراج میں درجہ اَوْ اَدْنٰی ہے، اور قیامت کے دن شفاعتِ کبریٰ ہے۔ایسی مبارک اور اسرار و معارف سے بھری ہوئی سورتِ عظیمہ کو۔۔یا۔۔تلاوتِ قرآنِ کریم کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور ایمان والوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

حٰمٓ ۝۱ عٓسٓقٓ ۝۲ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ

ح م ۝ ع س ق ۝ اسی طرح وحی بھیجتا ہے تمہاری طرف اور اُن کی طرف، جو تم سے پہلے ہوئے،

اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳

اللہ عزت والا حکمت والا ۝

(ح م ۝ ع س ق) ایسے ہی معانی، جیسے اِس سورت میں ہیں۔ (اسی طرح وحی بھیجتا ہے

تمہاری طرف اور اُن کی طرف جو تم سے پہلے) رسول (ہوئے) وہ (اللہ) تعالیٰ جو (عزت والا) غالب ہے اور اُسے وحی نازل کرنے سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا۔ اور (حکمت والا) ہے اور اُس کے حال کو بخوبی جانتا ہے جس پر وحی نازل ہونا سزاوار ہو۔ اُس کی عظمت و برتری اور حکمت و عزت کا عالم یہ ہے کہ۔۔۔

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۴

اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور وہی نہایت بلند عظمت والا ہے●

(اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں) میں ہے علویات، (اور جو کچھ زمین میں ہے) اَز قسمِ سفلیات۔ (اور وہی نہایت بلند عظمت والا ہے)۔ یعنی وہ برتر ہے اور بہت بزرگ ہے کہ بڑائی اور پادشاہی اُسی کی شان ہے۔ ایسی عظمت والا کہ اُس کے جلال کے ظاہر ہونے پر قریب ہے۔۔۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

کہ پھٹ پڑیں سارے آسمان اپنی بلندی سے، اور فرشتے پاکی بولتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ،

وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ اللّٰهَ

اور مغفرت مانگتے ہیں اُن کے لیے جو زمین میں ہیں۔ یاد رکھو کہ بلاشبہ اللہ

هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵

ہی غفور رحیم ہے●

(کہ پھٹ پڑیں سارے آسمان اپنی بلندی سے)۔ یعنی پہلے وہ آسمان پھٹے جو بہت بلند ہے، پھر اُس کے نیچے کا ایک ایک آسمان پھٹ جائے۔

سب سے اوپر والا آسمان سارے آسمانوں کو محیط ہے اور سب سے بڑا ہے، تو اُس سے پھٹنے کی ابتداء عظمتِ پروردگار کے آثار پر بڑی دلیل ہے۔

(اور) اُس کی شان یہ ہے کہ (فرشتے) جن میں حاملانِ عرش بھی شامل ہیں، (پاکی بولتے ہیں (اپنے رب کی حمد کے ساتھ)، اس واسطے کہ ایک یعنی تسبیح نفی ہے ان چیزوں کی جو اُس کی ذات کے لائق نہیں، اور دوسری یعنی حمد اثبات ہے، اُن باتوں کا جو اُس کی شان کے لائق ہیں۔ (اور) وہ فرشتے (مغفرت مانگتے ہیں اُن) مؤمنین (کے لیے جو زمین میں ہیں)۔

سننے والو گوش ہوش سے سنو! اور (یادرکھو کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ہی غفور رحیم ہے)۔ یعنی وہی بخشنے والا ہے بندوں کے گناہوں کو اور وہی مہربانی فرمانے والا ہے اُن پر، توبہ قبول فرما کر۔ تو یہ مغفرت و رحمت کا اعزاز انہیں کے لیے ہے جو ایمان والے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ

اور جنہوں نے بنالیا ہے اُس کے خلاف اپنے والی، اللہ نگراں ہے اُن پر۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦﴾

اور تم نہیں ہو اُن کے ذمہ دار●

(اور) رہ گئے وہ (جنہوں نے بنالیا ہے اُس کے خلاف اپنے والی)، یعنی خدا کے سوا کو اُس کا مثل اور شریک قرار دے دیا اور محبت کے ساتھ اس کی پرستش کرتے ہیں، تو (اللہ) تعالیٰ (نگراں ہے اُن پر) یعنی اُن کے اقوال واحوال واعمال پر، تو اُن کے مناسب جزا دے گا۔ (اور) اَے محبوب! (تم نہیں ہو اُن کے ذمہ دار) کہ اُن کے اعمال کی محافظت کرو، بلکہ تمہارا کام خدا کی طرف بلانا اور احکام شریعت پہنچانا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا

اور اسی طرح وحی بھیجی ہم نے تمہاری طرف قرآن کی عربی زبان میں، کہ ڈر سنادو آبادیوں کی اصل مکہ کو، اور اُس کے چوطرف والوں کو،

وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴿٧﴾

اور ڈرادو اکٹھا ہونے کے دن سے، جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ ایک جماعت جنت میں اور ایک جمعیت جہنم میں●

(اور) اَے محبوب! جس طرح ہر پیغمبر پر ہم نے اُس کی قوم کی زبان میں وحی بھیجی (اُسی طرح وحی بھیجی ہم نے تمہاری طرف قرآن کی عربی زبان میں) جو تمہاری قوم کی زبان ہے، تا (کہ ڈر سنادو آبادیوں کی اصل) یعنی (مکہ) کے رہنے والوں (کو، اور اُس کے چوطرف) رہنے (والوں کو)، یعنی جو کوئی اُس کے گرداگرد ہیں اُسے، یعنی سب شہر والوں کو۔

اور یہ بات ثابت ہے کہ تمام زمین کو مکہ معظمہ ہی کی زمین سے پھیلایا ہے، تو سب شہروں کی اصل وہی ہے اور سب شہر اُس کے اردگرد ہیں۔

(اور ڈرادو) سب کو (اکٹھا ہونے کے دن سے)، یعنی قیامت کے روز سے (جس میں کوئی

شک نہیں ہے)۔یعنی اُس کے واقع ہونے میں شک نہیں، یقیناً اُسے واقع ہونا ہے۔

حق تعالیٰ نے 'روز جمع' اس لیے فرمایا کہ اولین وآخرین ساری مخلوق سب وہاں مجتمع ہوگی ۔۔یا۔۔جمع کریں گے ارواح ۔۔یا۔۔اجسام ۔۔یا۔۔اعمال کو۔۔یا۔۔ ہر ایک کو اُس کے مثل کے ساتھ اور اجتماع اور حساب کتاب کے بعد پھر اُن کو متفرق کردیں گے اس طرح۔۔۔

(کہ ایک جماعت جنت میں) پہنچادی جائے گی اور وہ مؤمن اور موحد لوگ ہوں گے۔**(اور ایک جمعیت جہنم میں)** جھونک دی جائے گی اور وہ منافق اور مشرک لوگ ہوں گے۔تو اَے محبوب! آپ کے فریضۂ نبوت میں اُن کو بزور اور جبراً مؤمن اور موحد بنانا نہیں ہے۔

ہاں اگر اللہ چاہتا تو اُن سب کو اپنی قدرت سے جبراً مؤمن اور موحد بنادیتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے زیادہ قادر ہے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے بعض کو مؤمن بنایا اور بعض کو اُن کے کفر پر چھوڑ دیا، اس لیے فرمایا اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے۔

اِس قول میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کو ایمان اور اطاعت میں داخل کرتا ہے، اور جس کو وہ اپنی رحمت میں داخل کرتا اُس کے ولی اور نصیر ہیں، یعنی انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کرام اُن کے دُنیا اور آخرت میں کارساز اور مددگار ہیں، جن کے وسیلے سے اُن کو دُنیا میں نعمتیں حاصل ہوں گی اور اُن کی دُعائیں قبول ہوں گی۔اور آخرت میں ان کی شفاعت ان کے کام آئے گی اور ان کو عذاب سے نجات ملے گی اور جنت ملے گی۔اور دوسرا گروہ جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت میں داخل نہیں کیا وہ آخرت میں بے یار ومددگار رہوگا۔۔چنانچہ۔۔ فرمانِ خداوندی۔۔۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ

اور اگر چاہتا اللہ، تو یقیناً کردیتا اُنہیں ایک ہی قوم، لیکن وہ داخل فرماتا ہے جسے چاہے

فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ وَالظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝۸

اپنی رحمت میں۔اور اندھیر والوں کا نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار ہے●

(اور) ارشادِ ربانی ہے کہ **(اگر چاہتا اللہ)** تعالیٰ **(تو یقیناً کردیتا انہیں ایک ہی قوم)** جو راہِ ہدایت پر ہوتی ۔۔یا۔۔طریقِ ضلالت پر ہوتی، یعنی سب کے سب مؤمن ہوتے ۔۔یا۔۔سب کے سب کافر ہوتے۔**(لیکن)** اُس نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ **(وہ داخل فرماتا ہے جسے چاہے)** ہدایت فرما کر اور

عبادت کی توفیق دے کر (اپنی رحمت میں) یعنی بہشت میں، (اور اندھیر والوں کا) یعنی منافقوں اور مشرکوں کا (نہ کوئی یار ہے) جو اُن کے کام کا متولی ہو، (اور نہ) ہی کوئی (مددگار ہے) جو اُن کے اوپر سے عذاب اٹھائے۔ آخر یہ منافقوں اور مشرکوں کی بے راہ روی اور سرکشی کس لیے ہے؟۔۔۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۖ فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ

"کیا بنالیا اُنھوں نے اللہ کے خلاف دوسرے والی؟" تو اللہ ہی والی ہے، اور وہ زندہ کرے گا مُردوں کو۔

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٩﴾ ع ۲

اور وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

(کیا بنالیا انہوں نے اللہ) تعالیٰ (کے خلاف) اور اُس کے مدمقابل (دوسرے والی)، جیسے اُن کے بت جن کی محبت کا دم بھرتے اور دعویٰ کرتے تھے، آج میدانِ حشر میں دیکھ لو کہ یہ کسی کام کے نہیں، یہ کیا کسی کی مدد کریں گے۔ (تو) یاد رکھو کہ صرف (اللہ) تعالیٰ (ہی والی ہے) جو دوستوں کی دستگیری فرماتا ہے۔ (اور وہ زندہ کرے گا مُردوں کو) اپنی قدرت سے، اور یہ کام بتوں کے بس کی بات نہیں (اور) یہ خدا ہی کرسکتا ہے، کیونکہ (وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے) جو چاہے کرے۔ اِن کافروں کے بتوں کو یہ قدرت نہیں۔

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِن شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي

اور جس بات میں تم لوگوں نے اختلاف کیا ہے، تو اُس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے۔ "یہ ہے اللہ میرا رب،

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿١٠﴾

اُسی پر میں نے بھروسہ کیا، اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں"●

اِس سے پہلی آیتوں میں یہ بتایا تھا کہ کافروں کو مؤمن بنادینا رسول اللہ ﷺ کی قدرت اور اختیار میں نہیں ہے، اور اِس آیت میں یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ کسی معاملہ میں بھی بحث نہیں کرنی چاہیے، اُن کافروں کے ساتھ جس چیز میں بھی اختلاف ہو اُن کو چاہیے کہ اُس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن اہلِ حق کو جزا دے گا اور اہلِ باطل کو سزا دے گا۔ اپنے نزاعی معاملات کے تصفیے کی یہ بہترین۔۔۔

(اور) آسان شکل ہے کہ (جس بات میں تم لوگوں نے اختلاف کیا ہے، تو) طے کرلیا جائے

کہ (اُس کا فیصلہ اللہ) تعالیٰ (کے سپرد ہے) اور وہ حکم کرے گا اُس باب میں قیامت کے دن۔ (یہ ہے اللہ) تعالیٰ (میرا رب) جو خود حق ہے اور حق حکم کرنا جس کی صفت ہے، (اُسی پر میں نے بھروسہ کیا) اپنے سب کاموں میں اور اپنے سب مہمات اُسی کے کرم پر حوالہ کردیے۔ (اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں)۔ فی الحقیقت بندے کے واسطے اُس کی درگاہ کے سوا کوئی رجوع کرنے اور پھرنے کی جگہ نہیں۔

مفسرینِ کرام نے اِس آیت کریمہ کے اور بھی محامل بیان فرمائے ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

﴿۱﴾۔۔مسلمانوں کا جس سے بھی کوئی اختلاف ہو، تو وہ اس معاملہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے فیصلہ کرائیں، کسی اور سے فیصلہ نہ کرائیں۔۔چنانچہ۔۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اگر تمہارا کسی چیز میں اختلاف ہو، تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹادو۔"

﴿۲﴾۔۔جب تمہارا کسی ایسی چیز میں اختلاف ہو جس کے علم اور اُس کی حقیقت تک رسائی کا تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہ ہو، تو اُس چیز کے فیصلہ کو تم اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو، جیسے کہ روح کی حقیقت کو جاننے کا مسلمانوں کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔قرآنِ مجید میں ہے کہ "اور یہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہیے کہ روح میرے رب کے امر سے ہے۔"

﴿۳﴾۔۔اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ آپ مسلمانوں سے یہ فرمائیں کہ جب تمہارا کسی معاملہ میں کفار سے اختلاف ہو، تو اُن سے بحث نہ کرو اور اُس معاملہ کو اللہ پر چھوڑ دو۔

﴿۴﴾۔۔اِس آیت میں علماء کو یہ ہدایت دی ہے کہ جب اُن کے سامنے کوئی نیا مسئلہ آئے، تو اُس کا حل قرآنِ مجید، رسول اللہ ﷺ کی سنت، اور اجماعِ امت میں تلاش کریں۔

﴿۵﴾۔۔عام مسلمانوں کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہو اور اُن کو اُس کا شرعی حکم معلوم نہ ہو، تو وہ خود اپنی عقل سے اُس کا حکم تلاش نہ کریں، بلکہ اہلِ علم اور اہلِ فتویٰ علماء سے اُس کا حل دریافت کریں۔قرآنِ مجید میں ہے کہ "اگر تم کو کسی چیز کا علم نہیں، تو اہلِ علم سے اُس کو دریافت کرو۔"

اِس مقام پر یہ خیال رہے کہ 'قیاسِ صحیح' یعنی 'قیاسِ مجتہد' جو قرآن وسنت اور اجماع کے ضابطوں

کی روشنی میں حاصل ہوتا ہے، وہ بھی دلیل شرعی ہے۔ تو ضرورت کے وقت اُس کی طرف رجوع بھی دراصل قرآن وسنت اور اجماعِ امت ہی کی طرف رجوع ہے۔۔ المختصر۔۔ اللہ کی طرف رجوع اصل الاصول ہے۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ

بنانے والا آسمانوں اور زمین کا۔ پیدا کیا تمہارے لیے تمہیں سے جوڑے، اور

مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ يَذْرَؤُكُمْ فِيْهِ ؕ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ

چوپایوں سے جوڑے۔ پھیلاتا رہتا ہے تمہیں اُسی انداز میں۔ نہیں ہے اُس جیسے کی طرح کوئی۔

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿١١﴾

اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے●

وہ اللہ جو۔۔۔ (بنانے والا) ہے (آسمانوں اور زمین کا)، جس کی شانِ کریمی یہ ہے کہ (پیدا کیا تمہارے لیے تمہیں سے جوڑے)، یعنی تمہاری ہی جنس سے عورتیں۔ (اور چوپایوں سے جوڑے)، قسمیں طرح طرح کی۔ اور (پھیلاتا رہتا ہے تمہیں اُسی انداز میں)، یعنی یوں ہی لڑکوں اور اُن کی جوروں کو پیدا فرماتا رہتا ہے۔ (نہیں ہے اُس جیسے کی طرح کوئی) یعنی اُس ذات کی طرح کوئی نہیں۔

یہ عرب کا ایک محاورہ ہے جس میں 'مثل' ذات کے معانی میں ہے، جیسے کہتے ہیں مثلك لایفعل کذا یعنی آپ ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔ یا۔۔ مثلك لایبخل یعنی آپ بخیل نہیں، تو اب لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کا معنی ہوا، خدا کی ذات بے مثل ہے۔

(اور وہی سننے والا) ہے سب سننے کی باتیں، اور (دیکھنے والا ہے) سب دیکھنے کی چیزیں۔ وہی ہے خالق کائنات، قادرِ مطلق اور مالکِ کل۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ

اُسی کی ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین کی۔ کشادہ فرمادے روزی جس کی چاہے، اور تنگ بھی کرے۔

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٢﴾

بے شک وہ ہر ایک کا جاننے والا ہے●

(اُسی کی ہیں کنجیاں آسمانوں کی اور زمین) کے خزانوں (کی)۔ یعنی [illegible]

کے دستِ قدرت میں ہیں۔ اس واسطے کہ آسمانوں کا خزانہ مینھ ہے اور زمین کا خزانہ اُگنے والی چیزیں۔ اُسی کو پورا اختیار ہے کہ (کشادہ فرمادے روزی جس کی چاہے) اپنے ارادہ سے، (اور تنگ بھی کرے) جس کی چاہے اپنی مشیت سے۔ (بے شک وہ ہر ایک کا جاننے والا ہے)۔ چیزوں کے قبض اور بسط کے دقیقے سب اُس پر واضح ہیں، وہ اُن سب کو بخوبی جاننے والا ہے۔ یہ بھی اُس کا بڑا ہی فضل وکرم ہے کہ۔۔۔

شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا

راہ بنائی تم لوگوں کے لیے دین کی جس کا حکم دیا تھا نوح کو، اور جو وحی بھیجی ہم نے تمہاری طرف، اور جس کا

وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ

حکم دیا ہم نے ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کو کہ "تم لوگ درست رکھو دین کو، اور نہ پھوٹ ڈالو اِس میں"

كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ

گراں گزرا مشرکوں پر جس کی طرف بُلاتے ہو تم اُنہیں۔ اللہ چن لے اپنی طرف

مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَن يُنِيبُ ﴿۱۳﴾

جسے چاہے، اور راہ دے اپنی طرف اُسے، جو رجوع کرے●

(راہ بنائی تم لوگوں کے لیے دین کی) وہی (جس کا حکم دیا تھا نوح کو، اور جو وحی بھیجی ہم نے تمہاری طرف اور جس کا حکم دیا ہم نے ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کو) اصولِ دین میں سے، یہ (کہ تم لوگ درست رکھو دین کو)، یعنی دین کی جس جس چیز پر ایمان لانا واجب ہے اُس پر ایمان قائم رکھو اور خدا کی فرمانبرداری کرتے رہو، (اور نہ پھوٹ ڈالو اس میں)۔ یعنی دین کی اصل توحید اور طاعت ہے، تو اس میں اختلاف نہ کرو اس واسطے کہ شریعتوں کے فروع میں زمانوں اور وقتوں اور بندوں کی مصلحتوں کے موافق اختلاف ہوتا ہے، مگر اصلِ دین میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں۔ اصل دین تمام انبیاءِ کرام کی ہدایتوں میں مشترک رہا۔

(گراں گزرا مشرکوں پر جس کی طرف بلاتے ہو تم انہیں)، یعنی توحید کو اپنانے اور شرک سے بچنے کا پیغام مشرکوں پر گراں گزرا۔ اب اگر اُس گرانی کی وجہ سے مشرکین تمہارے پیغام کو قبول نہیں کرتے تو فکر نہ کرو، اس واسطے کہ حق راستہ دکھا دینا یہ تمہاری ذمہ داری ہے، راستے پر لا کر کھڑا کر دینا

یہ تمہارا فریضہ نہیں، یہ تو اللہ نے اپنے ذمۂ کرم میں رکھا ہے۔۔چنانچہ۔۔(اللہ) تعالیٰ (چن لے) صحیح اور درست دین، یعنی (اپنی) ہدایت کی (طرف) جدھر تم انہیں بلاتے ہو (جسے چاہے، اور راہ دے اپنی طرف اُسے جو رجوع کرے)۔

یعنی جو کوئی غیر خدا سے منہ پھیر کر خدا کی طرف متوجہ ہوتا ہے اُسے سیدھی راہ دکھاتا ہے ۔۔الحتصر۔۔اللہ تعالیٰ جسے چاہے اپنی دوستی کے لیے برگزیدہ کرے۔۔یا۔۔جسے چاہے منصبِ رسالت عطا فرمادے۔۔یا۔۔جسے چاہے صحیح راستے کی ہدایت فرمائے۔یہ سارے امور اُسی کی مشیت سے ظہور پذیر ہوتے ہیں ہر نبی ورسول کے عہد والوں کو حکم تھا کہ دین میں پھوٹ نہ ڈالو، لیکن عاد وثمود واصحابِ ایکہ وغیرہ دین کے باب میں پراگندہ ہوگئے۔۔۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
اور نہیں پھوٹ ڈالی اُنہوں نے، مگر بعد اِس کے کہ آچکا تھا اُن کے پاس علم، آپس کی ضد سے۔اور اگر نہ ہوتی ایک بات،
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
جو پہلے ہو چکی تمہارے رب کی طرف سے ایک میعاد مقرر تک، تو ضرور فیصلہ کردیا جاتا اُن کے درمیان۔اور بے شک جو
اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾
وارث بنائے گئے کتاب کے اُن کے بعد، یقیناً شک میں ہیں تردّد کرنے والے●

(اور) وہ بھی (نہیں پھوٹ ڈالی اُنہوں نے مگر بعد اِس کے کہ آچکا تھا اُن کے پاس علم) ان کے پیغمبروں کے خبر دینے سے۔۔یا۔۔یہود ونصاریٰ دین سے نہیں پھرے مگر جب کہ پیغمبرِ اسلام کو توریت اور انجیل کی آیتوں سے پہچان لیا۔اور ظاہر ہے کہ علم حاصل ہوجانے کے بعد تفرق سراسر گمراہی ہے اور اُن کا پھر جانا (آپس کی ضد سے) تھا، جو ریاست وجاہ طلبی کا ثمرہ ہے۔۔یا۔۔اُس حسد کے سبب سے تھا جو پیغمبر کے ساتھ رکھتے تھے۔

(اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو پہلے ہو چکی تمہارے رب کی طرف سے ایک میعاد مقرر تک) اُن کو مہلت دینے کے باب میں آخر عمر۔۔یا۔۔روز قیامت تک کی، (تو ضرور فیصلہ کردیا جاتا اُن کے درمیان)۔اہلِ باطل پر عذاب نازل کرکے، اور اہلِ حق کو نجات دے کر۔(اور بے شک جو وارث بنائے گئے کتاب کے) یعنی قرآن کے (اُن کے بعد)، یعنی اگلی امتوں کے بعد، (یقیناً شک میں ہیں)

دین۔۔یا۔۔قرآن۔۔یا۔۔پیغمبر کی طرف سے اور (تردد کرنے والے) ہیں۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ

تو اِسی لیے پھر بلاؤ، اور جمے رہو جس طرح حکم دیا گیا تمہیں، اور مت چلو اُن کی خواہشوں پر، اور کہہ دو کہ

اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا

"میں نے مان لیا جو کچھ اتارا اللہ نے کتاب۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ انصاف کرتا رہوں تم لوگوں کے درمیان۔ اللہ ہمارا رب ہے

وَرَبُّكُمْ ؕ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا

اور تمہارا پالنے والا ہے۔ ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں، اور تمہارے لیے تمہارے کرتوت۔ کوئی بحث نہیں چھوٹی ہمارے

وَبَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

اور تمہارے درمیان۔ اللہ اکٹھا کرے گا ہم سب کو، اور اُسی کی طرف پھرنا ہے"●

(تو) اَے محبوب! **(اِسی لیے پھر بلاؤ)** انہیں ملتِ اسلام پر متفق ہو جانے کی طرف، **(اور جمے رہو جس طرح حکم دیا گیا تمہیں)**۔ یعنی اپنی دعوت پر قائم رہو اور دین وملت پر ثابت قدم رہو۔ **(اور مت چلو اُن کی خواہشوں پر)** دینِ حق سے انحراف کی صورت میں۔۔۔ ولید ابن مغیرہ اپنا آدھا مال دینے کو تیار ہے اور شیبہ بن ربیعہ اپنی بیٹی کے ساتھ شادی کر دینے پر راضی ہے۔۔۔

تو اَے محبوب! سنا دو اُن کو **(اور کہہ دو کہ میں نے مان لیا جو کچھ اُتارا اللہ)** تعالیٰ **(نے کتاب)** مجھ پر اور انبیاء پر مجھ سے پہلے، یعنی جتنی کتابیں نازل ہوئی ہیں سب پر ایمان رکھتا ہوں اور حق تعالیٰ نے سب کتابوں میں توحید کا حکم کیا ہے۔ **(اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ انصاف کرتا رہوں تم لوگوں کے درمیان)**۔ یعنی اشراف اور ارزال کو برابر حق کی طرف بلاؤں اور احکام پہنچانے میں کسی کی طرف جھک نہ جاؤں۔ **(اللہ)** تعالیٰ **(ہمارا رب ہے اور تمہارا پالنے والا ہے۔ ہمارے لیے ہمارے عمل)** کی جزائیں **(ہیں، اور تمہارے لیے تمہارے کرتوت)** کی سزائیں ہیں۔

۔۔یا یہ کہ۔۔

ہر شخص کے عمل کا مواخذہ اُسی سے کیا جائے گا، تو نہ تو ہمارے اعمال کا مواخذہ تم سے کیا جائے گا اور نہ ہی تمہارے اعمال کا مواخذہ ہم سے کیا جائے گا۔ ہر فرد اپنے اپنے عمل کا ذمہ دار اور اُس کے تعلق سے جوابدہ ہے۔ **(کوئی بحث نہیں چھوٹی ہمارے اور تمہارے درمیان)**۔ حق ظاہر ہو چکا، اتمام حجت

ہو چکی، اب خصومت کرنے کی مجال نہیں رہی۔ اور اگر اب کوئی خلاف کرے، تو عناد اور سرکشی کی وجہ سے ہوگا۔ (اللہ) تعالیٰ قیامت میں (اکٹھا کرے گا ہم سب کو اور اُسی کی طرف پھرنا ہے) سب کو۔
بعضوں کے نزدیک خصومت نہ کرنے کا حکم آیتِ سیف سے منسوخ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُحَاجُّوْنَ فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اسْتُجِيْبَ لَهٗ حُجَّتُهُمْ
اور جو دلیل بازی کریں اللہ کے بارے میں بعد اس کے کہ "مان لیا گیا ہے اُسے"، اُن کی کٹ حجتی
دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۶﴾
بے بنیاد ہے اُن کے رب کے نزدیک، اور اُن پر غضب ہے، اور اُنہیں کے لیے سخت عذاب ہے●

(اور جو دلیل بازی کریں اللہ) تعالیٰ (کے بارے میں بعد اس کے کہ مان لیا گیا ہے اُسے)، یعنی اللہ کا قول روزِ میثاق میں اور اُس کے رب ہونے کا اقرار کر چکے ہیں۔

۔۔یا۔۔ یہود مراد ہیں کہ انہوں نے خدا کی بات توریت میں مان لی اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لا چکے تھے۔۔یا یہ کہ۔۔ جھگڑتے ہیں بعد اس کے کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کی دُعا قبول فرمائی اور معجزے ظاہر فرمائے، جو اُن کے سچے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

(اُن کی کٹ حجتی بے بنیاد ہے اُن کے رب کے نزدیک)، اس واسطے کہ معجزے ظاہر ہونے کے بعد دشمنوں کا حجتیں کرنا محض عناد ہے، (اور اُن پر غضب ہے) خدا کا، کیونکہ وہ دینِ خداوندی کو باطل ثابت کرنے کی نیت سے جھگڑ رہے ہیں۔ (اور انہیں کے لیے سخت عذاب ہے) آتشِ دوزخ کا اُن کے کفر کے سبب سے۔

اَللّٰهُ الَّذِىْۤ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ؕ وَمَا يُدْرِيْكَ
اللہ ہے جس نے اُتارا کتاب کو بالکل درست، اور انصاف کے ترازو کو۔ اور کیا خبر تجھے
لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيْبٌ ﴿۱۷﴾
کہ قیامت نزدیک ہی ہو●

(اللہ) تعالیٰ (ہے جس نے اتارا کتاب کو بالکل درست) یعنی صحت اور درستی کے ساتھ، (اور) قائم فرمایا (انصاف کے ترازو کو) جس میں تولنے کی چیزیں تولی جاتی ہیں، تاکہ لوگ بیچنے اور مول لینے کے باب میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کریں۔

بعض محقق لوگ اِس بات پر ہیں کہ ترازو سے معاملات میں عدل مراد ہے۔ اور عدل اور راستی کو ترازو کے ساتھ کنایہ کیا ہے، اس لیے کہ ترازو آلہ عدل ہے اور عدل کرنا عبارت ہے عدل کے حکم سے۔ 'عین المعانی' میں ہے کہ ترازو سے ذاتِ محمدی ﷺ مراد ہے، اس واسطے کہ عدل کا قاعدہ اور قانون آپ ہی کے سبب سے درست ہوتا ہے، اور عدل کرنا آپ کو رسول کر کے بھیجنا ہے۔۔ الختصر۔۔ الْكِتٰبَ سے قرآن مراد ہے اور الْمِيْزَانَ سے صاحبِ قرآن مراد ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب اسلام کے برحق ہونے پر دلائل قائم فرما دیے، تو اسلام کے مخالفین کو قیامت کے وقوع سے ڈرایا۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کافروں اور مشرکوں کو عموماً قیامت کے اچانک واقع ہونے سے ڈراتے تھے، اور اہلِ مکہ نے ابھی وقوعِ قیامت کی علامات میں سے کوئی علامت نہیں دیکھی تھی، اس لیے وہ آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ کاش قیامت ہوجاتی تا کہ ہم کو بھی پتا چل جاتا کہ آیا ہم حق پر ہیں یا محمد ﷺ حق پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِس بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔۔۔

(اور) اَے مخاطب! (کیا خبر تجھے کہ قیامت نزدیک ہی ہو)۔ یعنی یقیناً جس ساعت میں قیامت قائم ہوگی وہ نزدیک ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔۔۔

اس لیے کہ لَعَلَّ یعنی شاید کا لفظ کلامِ الٰہی میں تحقیق ہی کے لیے ہوتا ہے۔

يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ

جلدی مچاتے ہیں اُس کی وہی، جو اُس کو نہیں مانتے، اور جو مان چکے ہیں کانپ رہے ہیں اُس سے۔

وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۗ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ

اور جانتے ہیں کہ "بلاشبہ وہ حق ہے۔" یادرکھو کہ جو شک کریں

فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿۱۸﴾

قیامت کے بارے میں، یقیناً دور دراز کی بے راہی میں ہیں۔

(جلدی مچاتے ہیں اُس کی وہی جو اُس کو نہیں مانتے) یعنی اُس کے جلد آنے کا مطالبہ وہی کرتے ہیں جو اُس پر ایمان نہیں رکھتے۔ (اور جو مان چکے ہیں کانپ رہے ہیں اس سے)، یعنی جو لوگ قیامت کے آنے پر یقین رکھتے ہیں وہ اُس کے آنے سے ڈرتے ہیں، اس واسطے کہ وہ نہیں جانتے کہ

خدا اُن کے ساتھ کیا کرے گا؟ اور حساب کیونکر ہوگا؟ اور جزا کیا ملے گی؟ (اور جانتے ہیں کہ بلاشبہ وہ حق ہے) یعنی قیامت کا آنا برحق ہے۔ (یادرکھو! کہ جو شک کریں قیامت کے بارے میں، یقیناً دُور دراز کی بے راہی میں ہیں)۔ یعنی گمراہی میں ہیں اور راہِ صواب سے بہت دُور ہیں۔ حق تعالیٰ نہیں پسند فرماتا کہ اُس کے بندے راہِ صواب سے ہٹے رہیں۔۔ کیونکہ۔۔

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ ع ۲

اللہ لطف فرمانے والا ہے اپنے بندوں پر، روزی دے جسے چاہے، اور وہی قوت والا عزت والا ہے●

(اللہ) تعالیٰ (لطف فرمانے والا ہے اپنے بندوں پر)، یعنی اپنے بندوں کو نیکی کی توفیق دینے والا ہے اور گناہوں سے حفاظت فرمانے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اِس آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر شفیق ہے۔ عکرمہ نے کہا وہ بندوں کے ساتھ نیکی کرنے والا ہے۔ مقاتل نے کہا کہ وہ نیک اور بد دونوں کے ساتھ لطیف ہے کیونکہ وہ بدکاروں کے گناہوں کی وجہ سے اُن کو بھوکا نہیں مارتا۔ یہ اُس کی مہربانی ہی ہے کہ۔۔۔

(روزی دے جسے چاہے اور وہی قوت والا) ہے مہربانی اور رحمت میں، اور (عزت والا ہے) یعنی غالب ہے حکم اور ارادے میں۔

امام جعفر صادق نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رزق عطا فرمانے میں دو اعتبار سے لطیف ہے۔ ایک یہ کہ اُس نے تم کو طیبات سے رزق عطا فرمایا ہے، دوسرے یہ کہ اُس نے تم کو ایک ہی بار سب رزق نہیں عطا فرما دیا، بلکہ وہ تم کو بتدریج رزق عطا فرماتا ہے۔ امام غزالی نے فرمایا کہ **لَطِيْفٌ** وہ ہے جو اشیاء کی باریک ترین مصلحتوں کا جاننے والا ہو، اور ہر مصلحت کو اُس کے مستحق تک نرمی اور آسانی سے پہنچانے والا ہو۔

علماء فرماتے ہیں کہ **لَطِيْفٌ** کے چار معنی ہیں۔ ایک مہربان: یہ اس کی مہربانی ہے کہ کفایت سے زیادہ دیتا ہے اور قوت سے بہت کم کام کا حکم فرماتا ہے۔ دوسرے نوازنے والا: اِس سے بڑھ کر نوازنا اور کیا ہے کہ اس نے اپنی طرف بندوں کی نسبت فرمائی۔ تیسرے باریک داں اور دور بیں: کہ چھپے ہوئے امور جانتا ہے اور سبھوں کے بھید اُس سے پوشیدہ نہیں۔ چوتھے کام چھپانے والا: کسی کو اس کے قضا و قدر کی بھیدوں کی طرف راہ نہیں اور اس

کے کاموں میں چون و چرا کا دخل نہیں۔

ایک قول ہے کہ **لَطِیْفٌ** اُسے کہتے ہیں جو سب امور اپنے علم سے جانے اور جرائم جمہور سے بسبب حلم کے درگزر رے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ **لَطِیْفٌ** وہ ہے جس کا علم شامل مصلحتوں کو محیط اور جس کی حکمتِ باہرہ منفعتوں کو شامل ہو۔ کشف الاسرار میں **لَطِیْفٌ** کے معنی اس طرح پر لکھے ہیں کہ نعمت تو اپنی شایانِ شان دے اور شکر بندہ کی استطاعت کے مطابق چاہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ

جو چاہتا رہے آخرت کی کھیتی کو، تو ہم ترقی دیں اُسے اُس کی کھیتی میں، اور جو دُنیا کی کھیتی

حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾

چاہتا رہے، دے دیں گے ہم اُسے اس سے، اور نہیں ہے اُس کا آخرت میں کوئی حصہ●

سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کو **لَطِیْفٌ** اور بہت زیادہ احسان فرمانے والا فرمایا۔

اب اِس آیت میں یہ بتایا ہے کہ بندوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نیک کاموں کی طلب میں بہت کوشش کریں اور بُرے کام سے بچنے کی کوشش کریں۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کے طالب اور دُنیا کے طالب میں حسبِ ذیل وجوہ سے فرق کیا ہے۔

﴿۱﴾۔۔آخرت کے طالب کو دُنیا کے طالب پر مقدم فرمایا۔

﴿۲﴾۔۔آخرت کے طالب کے متعلق فرمایا کہ ہم اُس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے۔ اور دُنیا کے طالب کے متعلق فرمایا کہ ہم اُس کی کھیتی میں سے اُس کو کچھ حصہ دیں گے۔

﴿۳﴾۔۔آخرت کے طالب کے متعلق یہ نہیں بتایا کہ اُس کو دُنیا میں کچھ دیں گے۔۔یا۔۔نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ اُس کو دُنیا میں سے کچھ حصہ دیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کو دُنیا میں سے کچھ بھی نہ دیا جائے۔ اور دُنیا کے طالب کے متعلق فرمایا کہ اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔

﴿۴﴾۔۔دُنیا کا حصہ نقد ہے اور آخرت کا حصہ اُدھار ہے، لیکن آخرت کے حصہ میں زیادتی اور دوام ہے، اور دُنیا کے حصہ میں نقصان اور بطلان ہے۔

﴿۵﴾۔۔کھیتی سے جو حصہ حاصل ہوتا ہے اُس میں مشقت کرنی پڑتی ہے۔۔ مثلاً: زمین میں ہل چلانا، بیج ڈالنا، پانی سینچنا، فصل پکنے کے بعد دانے کو بھوسوں سے الگ کرنا وغیرہ

وغیرہ۔ مگر اس مشقت اور اس کے ثمرات کے لیے فنا ہے۔ اِس کے برخلاف انسان جو آخرت کی کھیتی میں مشقت کرتا ہے اُس کو بقا حاصل ہوتی ہے۔۔الحاصل۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

(جو چاہتا رہے) اپنے عمل سے (آخرت کی کھیتی کو) یعنی کھیتی اچھی آخرت کی۔۔یا۔۔اس کی جزا، (تو ہم ترقی دیں اُسے اُس کی کھیتی میں)۔۔یا۔۔ثواب میں۔

کھیتی کا ذکر کر کے آخرت کے ثواب کی خبر دی تمثیل کی جہت سے، یعنی جس طرح کھیتی دانہ کو زیادہ کرتی ہے کہ ایک دانہ اُس سے بہت دانے ہو جاتے ہیں، اُسی طرح مؤمن کا عمل روز بروز خدا کے نزدیک زیادہ ہوتا ہے، یہاں تک کہ ایک ذرہ کوہِ اُحد کے برابر ہو جاتا ہے۔

(اور جو) اپنے کردار سے (دُنیا کی کھیتی چاہتا رہے) یعنی صرف دُنیا حاصل کرنے کی کوشش میں لگا رہے، تو (دے دیں گے ہم اسے اُس سے) جو کچھ قسمتِ ازلی میں اُس کا حصہ مقرر ہو، (اور نہیں ہے اُس کا آخرت میں کوئی حصہ)۔

اِس سے کافر مراد ہیں کہ اِسی دُنیا کو چاہتے ہیں بس۔۔یا۔۔وہ منافق جو جہادوں میں مؤمنوں کے ساتھ شریک ہوتے، لیکن اُن کی غرض فقط یہ ہوتی کہ مالِ غنیمت حاصل ہو، تو حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ جو کوئی دُنیا چاہتا ہے تو جس قدر ہم مقدر کر چکے ہیں اُس کو دے دیں گے، اور آخرت کی نعمت سے وہ بے نصیب رہے گا۔ اور جو کوئی آخرت طلب کرتا ہے وہ دُنیا میں بھی اپنا حصہ لیتا ہے اور آخرت میں زیادہ سے زیادہ فیض پائے گا۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةُ

کیا اُن کے کچھ شریک ہیں کہ راہ بنادی اُن کے لیے دین کی، جس کی نہیں اجازت دی اللہ نے۔ اور اگر نہ ہو چکی ہوتی

الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾

فیصلے کے متعلق بات، تو ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اُن کا۔ اور بے شک اندھیر والوں کے لیے دکھ والا عذاب ہے●

اِس سے پہلی آیت میں دُنیا اور آخرت کے لیے کوشش کرنے والوں کے احوال اور ان کے انجام بتائے، اور اِس آیت میں گمراہی کی اصل بتائی جس کی وجہ سے انسان آخرت کی بجائے دُنیا کو اپنا مقصود بنا لیتا ہے۔۔چنانچہ۔۔اس آیت میں کفار کے شرکاء کا ذکر فرمایا ہے۔
ان شرکاء سے مراد کافروں کے وہ شیاطین ہیں جنھوں نے اُن کے لیے کفر و شرک کو، قیامت

کے انکار کو، اور دُنیا کی رنگینیوں کو اور زیب و زینت کو، کھانے پینے اور جنس کی ناجائز لذات کو مزین کیا۔۔یا۔۔اُن سے مراد اُن کے وہ بت ہیں جن کو کفار استحقاقِ عبادت میں اللہ کا شریک قرار دیتے تھے۔ یہ اگرچہ بے جان تھے مگر اُن کے گمراہ ہونے کا سبب تھے، اس لیے گمراہ کرنے کی نسبت اُن کی طرف کردی گئی۔۔یا یہ کہ۔۔اہلِ مکہ کو قدیم زمانے کے کفار نے گمراہ کیا اور اُن کے لیے ایک شریعت بنادی جس میں بتوں کی پرستش کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔

تو (کیا اُن) طالبانِ دُنیا اور آخرت بیزار لوگوں (کے کچھ شریک ہیں) جنہوں نے (کہ راہ بنادی ان کے لیے دین کی)۔۔مثلاً: شرک، قیامت سے انکار، دُنیا کے واسطے کام کرنا اور بحیرہ اور سائبہ کو حرام کرلینا وغیرہ وغیرہ، پر مشتمل ایک نیا دستور اور نیا دھرم ہی بناڈالا (جس کی نہیں اجازت دی اللہ تعالیٰ (نے)۔ سب کچھ من مانی کرڈالا۔ (اور اگر نہ ہو چکی ہوتی فیصلہ کے متعلق بات)، یعنی اگر تاخیرِ مکافات کے باب میں پہلا حکم نہ ہو چکا ہوتا، (تو ضرور فیصلہ کردیا جاتا ان کا)۔ یعنی مشرکوں اور ان کے شریکوں کا۔ اور ہر ایک نے سزا پائی ہوتی، مگر ان میں فیصلہ ہونے کا وعدہ قیامت کے دن ہے۔ (اور بے شک اندھیر والوں کے لیے دکھ والا عذاب ہے) جو ہمیشہ رہے گا اور کبھی تمام نہ ہوگا۔

تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا وَهُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

دیکھو گے اُن ظالموں کو سہمے ہوئے، جو کمائی کر رکھی ہے، اور وہ ہونے والا ہی ہے اُنہیں۔ اور جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۗ

اور نیکیاں کیں، وہ جنت کی پھلواریوں میں ہیں۔ اُن کے لیے ہے جو چاہیں اپنے رب کے یہاں۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۲۲﴾

یہی بڑا فضل ہے●

(دیکھو گے ان ظالموں کو) قیامت کے دن (سہمے ہوئے) بہ سبب اُس کرتوت کے (جو کمائی کر رکھی ہے، اور وہ) یعنی اُن کے اعمال و افعال کا وبال (ہونے والا ہی ہے انہیں)۔ یہ وبال اُن تک پہنچے گا ہی جس سے وہ اپنے کو بچا نہیں سکتے۔ (اور) وہ لوگ (جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں وہ جنت کی پھلواریوں میں ہیں) یعنی جنت میں جو مقام بہت خوب اور فرحت بخش اور نزہت زیادہ کرنے والا ہے، وہاں ہوں گے۔ (ان کے لیے ہے) بہشت میں (جو چاہیں اپنے رب کے یہاں)، یعنی

اُن کی ہر آرزو وہاں پوری کی جائے گی۔ یہ جو مذکور ہوا جنتیوں کی بزرگی کے تعلق سے، (یہی بڑا فضل ہے)۔۔اور۔۔

ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

یہ ہے جس کی خوشخبری دیتا ہے اللہ اپنے بندوں کو، جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں۔

قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى ؕ وَمَنْ یَّقْتَرِفْ حَسَنَةً

کہہ دو کہ "میں نہیں مانگتا تم سے اس پر کوئی اجر، مگر دوستی قرابت داروں کی۔" اور جو کمالے خوبی کو،

نَّزِدْ لَهٗ فِیْهَا حُسْنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ۝۲۳

بڑھادیں گے ہم اُس کے لیے اُس میں خوبی کو۔ بے شک اللہ مغفرت فرمانے والا قدر فرمانے والا ہے●

(یہ ہے جس کی خوش خبری دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (اپنے بندوں کو جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں)، تاکہ وہ جان لیں کہ ہمارے کام ضائع ہونے والے نہیں ہیں۔

سورہ زیرِ تفسیر کی اِسی آیت ۲۳ میں ایمان والوں اور نیک عمل والوں کو بہشت کی بشارت دی ہے، اُس سے ایمان و عملِ صالح کی عظمت و اہمیت کا پتا چلتا ہے۔ ان دونوں کی اہمیت کا اندازہ ایسے بھی لگتا ہے کہ ان کا تعارف اجرِ رسالت کے طور پر کرایا گیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ حکمِ خداوندی سے آپ ﷺ قرآنِ کریم کی تمام ہدایات اور آیات کی تبلیغ فرماتے رہے اور اس راہ کی صعوبتیں برداشت کرتے تھے، تو آپ کی طرف سے یہ وضاحت ضروری تھی۔ آپ یہ مشقت کسی مالی منفعت یا اقتدار کے حصول کے لیے نہیں اٹھا رہے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔آپ کسی معروف اجر مثلاً: مال و دولت، سونا چاندی۔۔یا۔۔دُنیا کا عیش و آرام اور یہاں کی سلطنت و حکومت کے متمنی نہیں ہیں۔ رسولِ کریم اگر اجر بھی چاہیں گے تو وہ معروف اجر کے سوا ہوگا، جس سے خود رسول کا اپنا ذاتی فائدہ نہیں، بلکہ وہ اجر بھی خود اجر دینے والوں کے ہی فائدہ کے لیے ہوگا۔۔۔

تو اَے محبوب! علانیہ (کہہ دو کہ میں نہیں مانگتا تم سے اِس پر) یعنی تبلیغِ احکام پر (کوئی اجر مگر دوستی قرابت داروں کی)۔ اس لیے کہ یہ دوستی اور محبت اُن سے قربت کا ذریعہ ہوگی، اور یہ قربت اُن سے مخلصانہ دِلی تعلق کی تمہید ہو جائے گی، اور یہ دلی تعلق اُن کو اطاعت و اتباع پر مجبور کردے گی، اور یہ اطاعت و اتباع تمہاری اخروی نجات کی ضامن ہوگی، تو میں اپنے اجر میں تم سے تمہاری اسی نجات کا

طالب ہوں۔ یہ کوئی معروف اجر نہیں ہے جس سے میرا کوئی ذاتی فائدہ وابستہ ہو۔

اپنی آل کی محبت کو اپنا اجرِ رسالت قرار دینا نبی علیہ السلام کی طرف سے ایک واضح اشارہ ہے کہ آپ کے اہل بیت خود رسول کریم کے اسوۂ مبارکہ کا آئینہ ہیں۔ اُن کی اطاعت و اتباع خود نبی کریم کی اطاعت واتباع ہے۔۔المختصر۔۔ نبی کریم کے مذکورہ بالا مطالبہء اجر کو اقرباء پروری کا نام نہیں دیا جاسکتا۔

اِس آیت کی تفسیر میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ اِس آیت میں قُرْبٰی سے مراد اللہ تعالیٰ کا قرب ہے۔ اب آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے جو تمہارے لیے دلائل و ہدایت کی تبلیغ کی ہے میں اُس پر تم سے اِس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تم اللہ سے محبت رکھو اور اُس کی اطاعت کر کے اُس کا قرب حاصل کرو۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی وہ اجر معروف نہیں جس کی طلب کی نفی کی گئی ہے، اور یہ بھی وہ مبارک اجر ہے جس سے اجر دینے والا ہی مستفیض ہوتا ہے اور اُس میں اُسی کا سراسر فائدہ ہے۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کے تعلق سے یہ قول بھی ہے کہ اِس آیت میں قُرْبٰی سے مراد رحم کی قرابت ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ میں تم سے اِس کے سوا اور کوئی سوال نہیں کرتا کہ تمہارے ساتھ جو میری قرابت ہے اُس قرابت کا خیال رکھو، اور اسی قرابت کی وجہ سے تم مجھ سے محبت رکھو اور میرے اور تمہارے درمیان جو قرابت ہے اس کی حفاظت کرو اور اُس کی بناء پر میرے ساتھ ملاپ سے رہو۔

چونکہ قریش کے ہر قبیلہ میں آپ کی قرابت اور رشتہ داری تھی، اسی لیے کہا گیا کہ آپ کہیے کہ میں تم سے اِس کے سوا کوئی اجر طلب نہیں کرتا کہ تم میری حفاظت کرو اور مجھ سے ضرر کو دُور کرو کیونکہ میری تم سے قرابت ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کی ذات سے محبت کرنا شرعاً مطلوب ہے۔ کیونکہ جب قبائلِ عرب آپ کی ذات سے محبت کریں گے اور آپ کی حفاظت کریں گے، تو اُس سے اُن کے اسلام قبول کرنے میں آسانی ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ معروف اجر نہیں اور یہ وہ اجر نہیں ہے جس کو طلب کرنے کی دیگر آیات میں نفی کی گئی ہے۔ اِس آیت میں مذکور قُرْبٰی کی تفسیر میں جو تینؔ اقوال پیش کیے گئے، یعنی قرابت داروں سے محبت۔ قربِ خداوندی کی محبت۔ قرابت ورشتہ داری کی محبت، یہ سب نیکیاں ہی نیکیاں اور خوبیاں ہی خوبیاں ہیں۔

(اور جو کمالے) کسی (خوبی کو، بڑھادیں گے ہم اُس کے لیے اُس میں خوبی کو)، یعنی اس

نیکی کا ثواب ہم زیادہ کردیں گے۔(بے شک اللہ) تعالیٰ (مغفرت فرمانے والا) ہے گنہگاروں کی، اور (قدر فرمانے والا ہے) فرمانبرداروں کی اُن کی طاعت قبول فرماکے۔اَے محبوب!۔۔۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۭ

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ "بہتان باندھا ہے اللہ پر جھوٹ" تو اگر اللہ چاہے، تو حفاظت کی مہر لگادے تمہارے دِل پر۔

وَيَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

اور مٹا دیتا ہے اللہ باطل کو، اور درست رکھتا ہے حق کو اپنی باتوں سے۔بے شک وہ جاننے والا ہے سینوں کی بات●

(کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ بہتان باندھا ہے) محمد ﷺ نے (اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ) نبوت کے دعوے اور قرآن نازل ہونے میں۔(تو اگر اللہ) تعالیٰ (چاہے تو حفاظت کی مہر لگادے تمہارے دِل پر) تا کہ آپ کے دِل کے اندران کافروں کی تکذیب کی اذیت کا گزر ہی نہ ہو، اور آپ ان کے قول کی ایذا رسانی پر صبر فرمائیں۔

اِس آیت مذکورہ بالا کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ کفار کا مطلب یہ تھا کہ آپ نے جو نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ قرآنِ مجید کی تلاوت کر کے یہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے، سو آپ کا یہ کہنا جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُن کے اِس قول کا رَد کرتے ہوئے فرمایا، پس اگر اللہ چاہے تو وہ آپ کے دِل پر مہر لگادے، یعنی اگر اللہ چاہتا تو آپ کے دِل پر ایسی مہر لگادیتا کہ آپ کسی چیز کا ادراک نہ کر سکتے، نہ کسی حرف یا لفظ کا تلفظ کر سکتے حتیٰ کہ آپ کوئی بات نہ کر سکتے۔پس اگر بالفرض آپ اللہ پر افتراء کرتے، تو اللہ تعالیٰ آپ کے دل پر ایسی مہر لگادیتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے آپ کے دِل پر ایسی مہر نہیں لگائی، تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر افتراء نہیں باندھا اور کفار کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔حضرت سہیل بن عبداللہ سے منقول ہے کہ اِس کے یہ معنی ہیں کہ شوقِ ابدی اور محبتِ سرمدی کی مہر تمہارے دِل پر رکھ دے، تا کہ اُس کے سوا کی طرف تم التفات نہ کرو اور خلق کے قبول کرنے اور انکار کرنے سے فارغ ہو جاؤ۔

(اور مٹا دیتا ہے اللہ) تعالیٰ (باطل کو اور درست رکھتا ہے حق کو اپنی باتوں سے)، اپنے کلمات سے یعنی وحی سے۔۔یا۔۔حکم قضا سے کہ کوئی اُسے دفع نہیں کر سکتا۔

کلام مذکور کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض آنحضرت ﷺ نے اللہ پر افترا باندھا ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اُس کو مٹا دیتا اور حق کو ثابت کر دیتا۔ اِس کا ایک دوسرا معنی یہ ہوسکتا ہے کہ یہ کفار جو آپ کی نبوت پر طعن کر رہے ہیں کہ آپ پر حقیقۃً وحی نازل نہیں ہوئی اور آپ نے اللہ تعالیٰ پر 'معاذ اللہ' افتراء باندھا ہے، اُن کا یہ طعن باطل ہے اور آپ کی نبوت برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے طعن کو مٹا دے گا اور آپ کی نبوت کو ثابت کر دے گا۔

(بے شک وہ جاننے والا ہے سینوں کی بات)۔ جو کچھ دلوں میں ہے یعنی تمہارا سچا ہونا اور اُن کا یہ گمان کہ تم افتراء کرتے ہو خدا پر پوشیدہ نہیں۔

عین المعانی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ آیت **قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا** نازل ہونے کے بعد بعض لوگوں کے دِل میں یہ بات آئی کہ ہمارے رسول اپنے قرابت داروں کے ساتھ دوستی کرنے کا حکم فرماتے ہیں، تاکہ آپ کے بعد ہم اُن کی فرمانبرداری کریں اور وہ ہمارے حاکم بنیں۔ بس جبرائیل امین نے حضرت ﷺ کو یہ خبر کر دی کہ یہ لوگ اِس آیت کے سبب سے آپ کے تعلق سے یہ خیال کرتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے کہا، انہوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ سچے ہیں، یعنی ہم کو یہ خیال آیا تھا اور ہم اپنے اس خیال سے توبہ کرتے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ

وہی ہے جو قبول فرماتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے، اور درگزر فرمائے گناہوں سے،

وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور جانے جو تم لوگ کرو●

(وہی ہے جو) اپنے کرم سے (قبول فرماتا ہے توبہ کو اپنے بندوں سے) یعنی جب بندے اُس کی طرف رجوع ہوتے ہیں اور جو گناہ کیا ہے اُس پر نادم ہوتے ہیں، تو حق تعالیٰ اُس رجوع کو قبول کر لیتا ہے۔ (اور) پھر اُس کی کریمی یہ ہے کہ (درگزر فرمائے گناہوں سے) یعنی توبہ کے بعد اُن کے گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔ (اور جانے جو تم لوگ کرو) یعنی گناہ اور توبہ دونوں سے باخبر ہے۔۔یا۔۔ توبہ کے بعد جو کچھ تم کرو گے نیکی۔۔یا۔۔بدی سب اُس کے علم میں ہے۔

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ

اور دُعا قبول فرمائے اُن کی جو ایمان لاچکے اور نیکیاں کیں، اور ترقی دے انہیں اپنے فضل سے۔

وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿٢٦﴾

اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے●

(اور دُعا قبول فرمائے اُن کی جو ایمان لاچکے اور نیکیاں کیں)۔

دُعا قبول فرمانے کی تین[۳] شکلیں ہیں۔ نمبر ایک تو یہی کہ سائل جو سوال کرے وہی اُسے عطا فرمادیا جائے۔ نمبر دو[۲] یہ کہ اُس کا نعم البدل دے دیا جائے۔ نمبر تین[۳] یہ کہ اُس کی دُعا کو قیامت کے دن کے لیے محفوظ کرلیا جائے، جہاں وہ باعثِ دفعہ سیئات۔۔یا۔ سبب رفعِ درجات بنے۔ قبولیت کی یہ تیسری شکل عارفین کے نزدیک سب سے اعلیٰ وارفع ہے۔

(اور ترقی دے انہیں اپنے فضل سے)۔ یعنی ان کو وہ نعمت عطا فرمائے جس کے مانگنے کی جرأت تک اُن سے نہ ہوسکی ہو، اور وہ دیدارِ الٰہی اور سلامِ خداوندی ہے۔ (اور) اُن کے برعکس (کافروں کے لیے سخت عذاب ہے)۔ اور وہ حجاب کی ذلت ہے اور ہمیشہ کا عذاب اور عقوبت ہے۔ اور کوئی رنج اور عذاب ذلتِ حجاب سے بدتر نہیں۔

روایت ہے کہ اصحابِ صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کہ فقر و فاقہ میں گزران کرتے تھے، ایک دن اُن میں سے کسی کے دِل میں یہ بات آئی کہ کیا خوب بات ہوتی کہ ہم مالدار ہوتے اور اپنا مال فلاں فلاں نیک مصرف میں صرف کرتے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ لَبَغَوْا فِي الْأَرْضِ وَلَٰكِن يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ

اور اگر کشادہ فرمادیتا اللہ روزی کو اپنے سارے بندوں کے لیے، تو ضرور سرکش ہوجاتے زمین میں، لیکن اُتارتا رہتا ہے

مَّا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿٢٧﴾

اللہ جس قدر چاہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور نگراں ہے●

(اور اگر کشادہ فرمادیتا اللہ) تعالیٰ (روزی کو اپنے سارے بندوں کے لیے) اور ان پر فراخ کردیتا (تو ضرور سرکش ہوجاتے زمین میں) یعنی غلبہ و برتری ڈھونڈھتے۔۔یا۔ تکبر اور فساد کرتے۔

اور یہ بات اکثر ہے سب لوگوں کے تعلق سے نہیں، اس لیے کہ حضرت عثمان غنی اور

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سب اصحاب میں بہت مالدار تھے اور ہرگز ظلم اور زیادتی کا اثر بھی اُن سے ظاہر نہیں ہوا۔۔اور۔۔بعضوں نے کہا ہے کہ دُنیا کا مال مینھ کے مثل ہے کہ سب زمین پر پہنچتا ہے اور اُس کے ہر قطرے سے گھاس اُگتی ہے۔اور چونکہ خلق کی اکثر طبیعتیں ہوا وہوس کی طرف مائل ہیں اور صفاتِ بہیمی کی پرورش ان پر غالب ہے اور دُنیا کا مال اِس باب میں بہت قوی ترین اسباب سے ہے، تو اگر حق تعالیٰ روزی کشادہ کرتا، تو اکثر آدمی ظالم اور باغی ہوجاتے، تو اس کو حکمت کے ساتھ تقسیم کیا، جیسا کہ فرمایا ہے کہ۔۔۔

(لیکن اتارتا رہتا ہے اللہ) تعالیٰ (جس قدر چاہے) اور جس کے لیے چاہے۔(بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور نگراں ہے)۔سب کو دیکھتا ہے اور جانتا ہے کہ کس کو کیا چاہیے؟ اور کس قدر چاہیے؟ اور کب چاہیے؟

وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ ۚ

اور وہی ہے جو اُتارے بارش کو، اُس کے بعد کہ ناامید ہوگئے لوگ، اور پھیلادے اپنی رحمت کو۔

وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٢٨﴾

اور وہی سب کا والی حمد والا ہے●

(اور وہی ہے جو اُتارے بارش کو اِس کے بعد کہ ناامید ہوگئے لوگ) اُس کے برسنے سے، (اور پھیلادے اپنی رحمت کو) یعنی مینھ کو میدانوں اور پہاڑوں میں منتشر کردے (اور وہی) ہے اپنے (سب) بندوں (کا والی)، اُن کا کام بنانے والا مینھ برسا کر اور رحمت منتشر فرما کر۔اور (حمد والا ہے) جس کی تعریف ہر زبان میں کی گئی۔۔یا۔۔جس نے اپنے حمد کرنے والے بندوں کی تعریف کی، اور وہ قادرِ مطلق ہے۔

وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَثَّ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ ۚ

اور اُس کی نشانیوں سے ہے پیدائش آسمانوں کی اور زمین کی، اور جو کچھ پھیلا رکھا ہے اُن میں چلنے والے۔

وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾ ع

اور وہ اُن کے اکٹھا کرنے پر جب چاہے قدرت رکھنے والا ہے●

(اور اُس کی) قدرت کی دلیلوں اور خلقت کی (نشانیوں سے ہے پیدائش آسمانوں کی اور زمین

کی اور جو کچھ پھیلا رکھا ہے اُن میں) یعنی آسمان وزمین میں (چلنے والے) زندہ اور جان دار، جیسے فرشتے، جن، انسان اور سب حیوان۔تو دَآبَّۃٍ اِس آیت میں 'مجاز' پر محمول ہے۔(اور وہ ان کے اکٹھا کرنے پر جب چاہے قدرت رکھنے والا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ نے جن مخلوقات اور جانداروں کو زمین و آسمان میں پھیلا دیا ہے وہ جب چاہے اور جہاں چاہے اُس کو جمع کرنے پر قادر ہے، اور اُس کے سوا سب اِس بات میں عاجز ہیں۔

اوپر کے ارشادات میں ربِّ قدیر نے اپنی قدرت ورحمت کے جلوے دکھائے ہیں۔

اب آگے ایمان والوں کوعفو ومغفرت کا مژدہ سنا رہا ہے، یہ واضح کرنے کے بعد کہ گناہ مصائب کا سبب ہوتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔فرماتا ہے کہ اَے ایمان والو!۔۔۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾

اور جو پہنچی تمہیں کوئی مصیبت، تو اُس کی سبب سے ہے جو کمائی کی تمہارے ہاتھوں نے، اور معاف فرماتا ہے، بہت کچھ●

(اور) نبی کریم کے غلامو! (جو پہنچی تمہیں کوئی مصیبت) اور آفت مال میں۔۔یا۔۔بدن اور اہل وعیال میں، (تو اُس کی سبب سے ہے جو کمائی کی تمہارے ہاتھوں نے) یعنی تمہارے گناہوں کی شامت سے ہے۔ہر چند میرے حکم سے ہے مگر تمہارے گناہوں کی عقوبت اور وبال ہے۔(اور معاف فرماتا ہے بہت کچھ)۔یعنی اکثر گناہوں کی مغفرت فرما دیتا ہے اور وہ بڑا رحیم وکریم ہے، جو گناہ ایک بار دُنیا میں معاف کر چکا دوبارہ عقبیٰ میں اُس کے سبب مواخذہ نہ کرے گا۔

مصائب کے آنے کے اسباب کے سلسلے میں عطرِ تحقیق یہ ہے کہ عام بندۂ مؤمن پر دُنیا میں جو مصائب آتے ہیں، وہ اُس کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں۔البتہ انبیاءِ کرام علیہم السلام پر جو مصائب آتے ہیں، وہ اُن کے درجات میں ترقی کے لیے ہوتے ہیں، اور صالحین پر جو مصائب آتے ہیں، وہ اُن کے امتحان کے لیے ہوتے ہیں، اور دیوانوں اور بچوں پر جو مصائب آتے ہیں، وہ اُن کے والدین کے لیے اجر وثواب کا باعث ہیں، بشرطیکہ وہ صبر کریں۔اور کافروں اور زندیقوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ اُن کی توہین کے لیے ہوتے ہیں۔

۔۔الختصر۔۔مؤمنین فاسقین کو اگر جہنم میں لے جایا گیا، تو یہ اُن کی گناہوں سے تطہیر کے لیے ہوگا۔اور کفار ومشرکین اور منافقین کو جہنم میں لے جانا اُن کی تذلیل کے لیے ہوگا۔اب آگے جماعتِ مشرکین کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم روئے زمین میں کہیں بھی جاؤ مجھے عاجز نہیں

کر سکتے، تو تم زمین میں کہیں بھی بھاگ کر جاؤ میری گرفت سے باہر نہ ہو گے۔ اور جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو یہ اللہ کے مقابلہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۚ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور نہیں ہو تم بے قابو کر دینے والے زمین میں۔ اور نہیں ہے تمہارا اللہ کے خلاف

مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٣١﴾

کوئی یار اور نہ مددگار●

(اور) اَے کافرو! (نہیں ہو تم بے قابو کر دینے والے) یعنی عاجز کر دینے والے خدا کو حکم جاری کرنے۔۔ یا۔۔ مستحق پر عذاب کرنے سے (زمین میں)۔ یعنی تم زمین میں جہاں بھی رہو گے میری گرفت اور میرے قابو میں رہو گے۔ (اور نہیں ہے تمہارا اللہ) تعالیٰ (کے خلاف کوئی یار) دُنیا میں جو تمہارا کام بنائے، (اور نہ مددگار) عقبیٰ میں جو عذاب کو باز رکھے۔

اب آگے کے ارشاد سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وجود، اُس کی قدرت، اس کی حکمت اور اس کی توحید پر استدلال کیا جائے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشادِ خداوندی۔۔۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِى الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿٣٢﴾ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ

اور اُس کی نشانیوں سے ہیں چلنے والی دریا میں، جیسے پہاڑ● اگر چاہے تو روک دے ہوا کو، تو رکی رہ جائیں

رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۚ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿٣٣﴾

دریا کی سطح پر۔ بے شک اس میں ضرور نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے، بڑے شکر گزار کے لیے●

(اور) فرمانِ الٰہی ہے کہ (اُس کی نشانیوں) میں (سے ہیں چلنے والی) کشتیاں (دریا میں جیسے پہاڑ) بڑائی میں۔ (اگر) حق تعالیٰ (چاہے تو روک دے ہوا کو) جو کشتی کو چلا رہی ہے، (تو) کشتیاں (رکی رہ جائیں دریا کی سطح پر) اور کشتی والے مضطرب ہو جائیں۔ (بے شک اِس میں) یعنی ہوا کو مسخر کرنے اور کشتیوں کو رواں کرنے میں (ضرور نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے)، جو کشتی میں صبر کرتا ہے اور ہر (بڑے شکر گزار کے لیے) جو کشتی سے اترتے وقت شکر کرتا ہے۔

اَوْ یُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَ یَعْفُ عَنْ كَثِیْرٍ ۟ۙ﴿۳۴﴾

یا ہلاک کردے اُنہیں جو لوگوں نے کما رکھا ہے، اور معاف فرمادے بہت کچھ۔

اِس سے پہلی والی آیت میں ہے کہ اگر اللہ چاہے تو ہوا کو روک لے اور یہ کشتیاں کھڑی کی کھڑی رہ جائیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو ہواؤں کو چھوڑ دے اور تیز ہواؤں اور آندھیوں کی وجہ سے یہ کشتیاں تباہ ہو جائیں اور ان کشتیوں میں بیٹھنے والے ہلاک ہو جائیں۔۔ الحاصل۔۔ اللہ اگر چاہے تو ہوا روک دے۔۔۔

(یا) تیز ہوا چلا کر (ہلاک کردے انہیں) بہ سبب اُس کے (جو لوگوں نے کما رکھا ہے، اور) یا یہ کہ (معاف فرمادے بہت کچھ) یعنی اُن کی بہت ساری خطاؤں کو درگزر فرما کر اُن کو غرق ہونے سے بچالے۔

بعضوں نے یہ تفسیر کی ہے کہ حق تعالیٰ نجات دیتا ہے بہتوں کو غرق ہونے سے۔ پس اگر چاہے تو مومنوں کو نجات دے اور اگر چاہے تو کافروں کو غرق کردے کہ اُن سے انتقام اور بدلہ ہو جائے۔

وَّ یَعْلَمَ الَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِیْصٍ ﴿۳۵﴾ فَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ

اور بتادے اُنہیں جو کٹ حجتی کریں ہماری آیتوں میں کہ "نہیں ہے اُن کے لیے کوئی بھاگنے کی جگہ"۔ تو جو کچھ دیا گیا ہے

مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی لِلَّذِیْنَ

تم لوگوں کو، تو وہ پونجی ہے دُنیاوی زندگی کی۔ اور جو کچھ اللہ کے یہاں ہے، بہت بہتر ہے، اور باقی رہنے والی ہے

اٰمَنُوْا وَ عَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَ الَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ

اُن کے لیے جو مان گئے، اور اپنے رب پر بھروسہ رکھیں۔ اور جو بچا کریں کبیرہ گناہوں سے

وَ الْفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ یَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور بے شرمیوں سے، اور جب غصہ آیا لوگوں پر تو بخش دیں۔

(اور) تا (کہ بتادے انہیں جو کٹ حجتی کریں ہماری آیتوں میں) یعنی ہماری قدرت کی نشانیوں میں کہ) بلاء نازل ہونے کے محل میں، (نہیں ہے اُن کے لیے کوئی بھاگنے کی جگہ۔ تو جو کچھ دیا گیا ہے تم لوگوں کو) مال اور فرزند، (تو وہ پونجی ہے دُنیاوی زندگی کی)، یعنی جب تک زندہ ہو اُس

سے فائدہ لیتے رہو۔ (اور جو کچھ اللہ) تعالیٰ (کے یہاں ہے) آخرت کا ثواب اور جنت کی نعمتیں، اُس میں کی ہر شے (بہت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے اُن کے لیے جو مان گئے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھیں ● اور جو بچا کریں کبیرہ گناہوں سے اور بے شرمیوں سے، اور) اُن کی شان یہ ہے کہ (جب غصہ آیا لوگوں پر) رنج۔۔یا۔۔نقصان۔۔یا۔۔بُرائی کے سبب جو انہیں پہنچائی گئی ہو، (تو بخش دیں) اور معاف کر دیں۔

یہ آیتِ کریمہ اگرچہ خاص طور پر صدیق اکبر اور فاروقِ اعظم کی شان میں نازل فرمائی گئی، لیکن بالعموم اُن سارے مسلمانوں کے حق میں بھی ہے، جو اُن بزرگوں کا طریقہ اختیار کریں۔ جمع کا صیغہ اِس مضمون پر دلالت کرتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠

اور جنہوں نے قبول کرلیا اپنے رب کو اور پابندی کی نماز کی، اور اُن کا کام مشورہ کر لینا ہے آپس میں۔

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ

اور اُس سے جو روزی دی ہم نے خیرات کرتے رہیں ● اور وہ جنہیں پہنچی

الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

بغاوت، تو وہ بدلہ لیں ●

(اور) ان لوگوں کے واسطے بھی (جنہوں نے قبول کرلیا اپنے رب کو)۔

اُس سے انصار مراد ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں ایمان کی طرف بلایا، تو اُسی وقت انہوں نے خوشی کے ساتھ ایمان قبول کرلیا۔

(اور پابندی کی نماز کی) اور اس کے تمام شرائط وارکان کے ساتھ وقت پر پڑھی اور پھر کماحقہٗ ادا کرتے رہے۔ (اور ان کا کام مشورہ کر لینا ہے آپس میں) جب وہ کوئی کام کرتے ہیں، تو باہم صلاح اور مشورہ کر کے کرتے ہیں۔ (اور اُس سے جو روزی دی ہم نے خیرات کرتے رہیں ● اور وہ جنہیں پہنچی بغاوت) یعنی ان پر کافروں نے ظلم کیا (تو وہ بدلہ لیں)، اس واسطے کہ مذکورہ بالا صورتِ حال میں کافروں سے اہلِ استطاعت اور صاحبانِ کفایت کا بدلہ لینا فرض ہے اور ان پر جہاد کرنا لازم ہے۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ

اور بُرائی کا بدلہ اُسی کے برابر کی بُرائی ہے۔ تو جس نے معاف کردیا اور صلح کرلی، تو اُس کا اجر

عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

اللہ پر ہے۔ بے شک وہ نہیں پسند فرماتا ظالموں کو●

(اور بُرائی کا بدلہ اُسی کے برابر کی بُرائی ہے)۔ چونکہ ظلم کرنے والا جن افعال وآلات کے ذریعہ ظلم کرتا ہے تو اُس کے ظلم کا جواب دینے والا بھی اُسی طرح کے افعال وآلات سے جواب دیتا ہے، لیکن پہل کرنے والے کے عمل میں جارحیت ہے اس لیے وہ ظلم ہے، اور جواب دینے والے کا عمل دفاعی ہے اس لیے وہ عدل وانصاف کا تقاضہ ہے۔ اگرچہ عمل کی صورت دونوں جگہ ایک ہی جیسی نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقت میں پہلا ظلم ہے اور دوسرا عدل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب مسلمانوں کے خلاف کوئی اجتماعی طور پر بغاوت کرے۔۔یا۔۔ظلم کرے، تو اُس کو کیفرِ کردار تک پہنچانا واجب ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان دوسرے مسلمان پر انفرادی طور پر کوئی ظلم۔۔یا۔۔زیادتی کرے، اور بعد میں اُس پر نادم ہو اور اپنی زیادتی پر معافی کا خواستگار ہو، تو اُس کو معاف کردینا اور اُس سے بدلہ نہ لینا افضل ہے۔ اِسی لیے ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

(تو جس نے معاف کردیا اور صلح کرلی، تو اُس کا اجر اللہ) تعالیٰ (پر ہے)۔

مبہم وعدہ اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وعدہ کی ہوئی چیز بہت بڑی اور بہتر ہے۔ حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ قیامت کے دن ندا پہنچے گی کہ جو کوئی خدا پر اجر رکھتا ہے اُس سے کہو کہ اٹھے اور اپنا اجر لے لے، تو کوئی نہ اٹھے گا مگر وہی جس نے ظالم کا ظلم معاف کردیا ہو۔

(بے شک وہ نہیں پسند فرماتا ظالموں کو)، یعنی اُن لوگوں کو جو پہلے ظلم کرتے ہیں۔۔یا۔۔ بدلہ لینے میں حد سے گزر جاتے ہیں۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ

اُس کے لیے جس نے بدلہ لیا اپنے مظلوم ہونے کے بعد، تو وہ ہیں جن پر پکڑ کی کوئی راہ نہیں ● اُس کی راہ اُنہیں پر ہے،

عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَيَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ

جو زیادتی کریں لوگوں پر، اور بغاوت پھیلائیں زمین میں ناحق۔

أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۲﴾

وہی ہیں جن کے لیے دکھ والا عذاب ہے●

(اُس کے لیے جس نے بدلہ لیا اپنے مظلوم ہونے کے بعد، تو وہ ہیں جن پر پکڑ کی کوئی راہ نہیں)، یعنی اُن پر غصہ کرنے اور ملامت کرنے کا کوئی جواز نہیں۔۔یا۔۔اُن پر کچھ گناہ نہیں۔ہاں (اُس کی راہ انہیں پر ہے جو زیادتی کریں لوگوں پر، اور بغاوت پھیلائیں زمین میں ناحق)۔یعنی اپنی زیادتیوں میں حد سے گزر جائیں اور بلا جواز لوگوں کو ستائیں اور روئے زمین میں ناحق سرکشی کرتے پھریں۔

یعنی اسلحہ کے زور پر لوگوں کا مال چھین لیں اور جبراً بھتہ وصول کریں۔حکومت پر لازم ہے کہ ایسے لوگوں سے مواخذہ کرے اور اُن کو ڈاکہ ڈالنے اور جبراً بھتہ لینے سے روکے۔بنیادی طور پر اگرچہ اس آیت کا روئے سخن ان ظالم مشرکین کی طرف ہے جو ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمانوں پر ظلم کرتے تھے، اور وہ لوگ جو علانیہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے تھے ۔۔لیکن۔۔قتادہ نے فرمایا یہ آیت ہر قسم کے ظلم کرنے والوں کے لیے عام ہے۔

(وہی ہیں جن کے لیے دکھ والا عذاب ہے) جس میں سب سے کڑا عذاب دوزخ کا عذاب ہے۔

ع ۴ | ۵

وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۴۳﴾

اور جس نے صبر کیا، اور بخش دیا، تو بے شک یہ حوصلہ مندی کے کاموں سے ہے●

(اور جس نے صبر کیا) لوگوں کی ایذاء پر (اور بخش دیا) یعنی معاف کر دیا اور ظالموں سے اُن کے ظلم کا بدلہ نہیں لیا، (تو بے شک یہ) صبر کرنا اور معاف کر دینا (حوصلہ مندی کے کاموں سے ہے) یعنی بہتر کاموں میں سے ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاف کرنے والا بلند و بالا حوصلے والا ہے اور اُس کی فکر برتر و بزرگ تر ہے۔

وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن وَلِيٍّ مِّن بَعْدِهِ ۗ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا

اور جسے بے راہ رکھے اللہ، تو نہیں اُس کا کوئی مددگار اُس کے بعد۔اور دیکھو گے ظالموں کو کہ جہاں

رَأَوُا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ ﴿۴۴﴾

دیکھ لیا عذاب کو، تو کہیں گے کہ "کیا واپس جانے کی کوئی راہ ہے"●

(اور جسے بے راہ رکھے اللہ) تعالیٰ اور اس میں ہدایت نہ پیدا فرمائے کہ وہ راہ پر آسکے، (تو نہیں اُس کا کوئی مددگار) اُس کو خدا کے (اِس) چھوڑ دینے (کے بعد) جو اُس کا کام بنائے۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ ہدایت وضلالت دونوں خدا ہی کے طرف سے ہے اور خدا نے اپنے بندوں کو دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کر لینے کی قوت دے رکھی ہے، تو جب بندہ اپنے خداداد اختیار سے اُن میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا ایسا عزم کر لیتا ہے جس کے بعد وہ فعل ظاہر ہو جائے، تو خدائے تعالیٰ اس فعل کو بندے کی ذات میں پیدا فرما دیتا ہے، تو بندہ اُس فعل کا کاسب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُس فعل کا خالق ہوتا ہے۔

جزاء وسزا کا دارومدار بندے کے کسب ہی پر ہے۔ ہر چند کہ ہدایت اور گمراہی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تخلیق کی وجہ سے، لیکن اس کے ظہور میں بندے کا کسب بھی دخیل ہے، تو اَز راہِ ادب کہنا یوں چاہیے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور گمراہی انسان کے اپنے اختیار اور اُس کے نفس کے شر کی طرف سے ہے۔

(اور دیکھو گے ظالموں کو) یعنی کافروں کو (کہ جہاں دیکھ لیا عذاب کو) یعنی قیامت کے دن کو، (تو کہیں گے کہ کیا) دُنیا کی طرف (واپس جانے کی کوئی راہ ہے)؟ کہ پھر وہاں جائیں اور جو نیک کام ہم سے فوت ہوئے اُن کا تدارک کریں۔

وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُوْنَ مِنْ طَرْفٍ

اور دیکھو گے انہیں کہ پیش کیے جاتے ہیں اُسی آگ پر جھکے پڑے، ذلت سے دیکھتے ہیں، چھپی نگاہ

خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

سے۔ اور بول پڑے وہ جو ایمان لا چکے تھے کہ "بے شک خسارہ والے وہ ہیں، جنہوں نے خسارے میں ڈالا خود اپنے کو،

وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اَلَآ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ فِيْ عَذَابٍ مُّقِيْمٍ ﴿۴۵﴾

اور اپنے والوں کو قیامت کے دن۔" یاد رکھو کہ بلاشبہ اندھیر والے ہمیشہ والے عذاب میں ہیں●

(اور دیکھو گے انہیں کہ پیش کیے جاتے ہیں اُسی آگ پر جھکے پڑے ذلت سے) اِس حال میں کہ فروتر اور حقیر ہوں گے اور ذلت اور رسوائی کے سبب سے (دیکھتے ہیں چھپی نگاہ سے)۔ یعنی کنکھیوں سے دوزخ کی طرف دیکھتے ہوں گے اور اُس کے ہَول اور ہیبت سے سر اٹھانے کی مجال نہ ہوگی۔۔ یا یہ کہ۔۔ دیکھیں گے گوشۂ چشم سے، کبھی فرشتوں کو، کبھی عرش کی طرف، اور کبھی دوزخ کی جانب، یعنی وہ

پوری طرح آنکھیں کھول کرنہیں دیکھ رہے ہوں گے جس طرح کوئی شخص اُس چیز کو دیکھتا ہے جواُس کو بہت مرغوب اور پسند ہو۔اور جس چیز سے انسان بہت خوفزدہ اور دہشت زدہ ہواُس کوتھوڑی سی پلکیں اٹھا کر دیکھتا ہے، خصوصاً اُس چیز کو جس کا منظر بہت خوفناک اور بہت دہشت ناک ہو۔

سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۷ میں ہے کہ "اللہ قیامت کے دن اُن کو مونہوں کے بَل اٹھائے گا، اُس وقت یہ اندھے بہرے اور گونگے ہوں گے۔" اور سورہ الشوریٰ کی مذکورہ بالا آیت ۴۵ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بینا ہوں گے اور کنکھیوں سے دیکھ رہے ہوں گے۔اس کا جواب یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ابتداء میں وہ بینا ہوں اور بعد میں اُن کی بینائی سلب کر کے اُن کو اندھا کر دیا جائے۔یہ بھی ہوسکتا کہ کفار کا ایک گروہ بینا ہواور دوسرا گروہ اندھا ہو۔

جب اُن کو اِس حال (اور) اس مصیبت میں دیکھا، تو (بول پڑے وہ) لوگ (جو ایمان لا چکے تھے کہ بے شک خسارہ والے وہ ہیں، جنہوں نے خسارہ میں ڈالا خود اپنے کو اور اپنے والوں کو قیامت کے دن)۔

نقصان یہ ہے کہ اپنے کو بتوں کی عبادت کے سبب سے دوزخ کا مستحق کرلیا۔اور اپنے لوگوں میں نقصان کی شکل یہ ہے کہ اگر وہ دوزخی ہیں، تو ان کو ایمان سے باز رکھا اور اگر جنتی ہیں تو یہ نقصان ہے کہ خود اُن کے دیدار سے محروم رہے۔

(یادرکھو کہ بلاشبہ اندھیر والے ہمیشہ والے عذاب میں ہیں)، جو باقی رہے گا کبھی منقطع نہیں ہوگا۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

نہ رہے اُن کے کچھ دوست کہ مدد کریں اُن کی اللہ کے خلاف۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۶﴾

اور جسے بے راہ رکھے اللہ، تو نہیں ہے اُس کے لیے کوئی راہ●

(نہ رہے اُن کے کچھ دوست)، یعنی نہ ہوگا اُن کافروں کے واسطے عذاب کے وقت کوئی دوستوں اور مدد کرنے والوں میں سے، جو (کہ مدد کریں اُن کی اللہ) تعالیٰ (کے خلاف)۔یعنی خدا کے سوا کسی کو یہ طاقت نہ ہوگی کہ اُن پر سے عذاب دُور کر سکے، اور صورتِ حال یہ ہوگی کہ خدا انہیں عذاب سے نہ بچائے گا۔(اور جسے بے راہ رکھے اللہ) تعالیٰ، (تو نہیں ہے اُس کے لیے کوئی) نجات کی (راہ)۔

تو اَے لوگو!۔۔۔

اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِرَبِّکُمۡ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ

"حکم مان لو اپنے رب کا اِس سے پہلے کہ آجائے وہ دن، جس کی واپسی نہیں اللہ کی طرف سے۔

مَا لَکُمۡ مِّنۡ مَّلۡجَاٍ یَّوۡمَئِذٍ وَّ مَا لَکُمۡ مِّنۡ نَّکِیۡرٍ ﴿۴۷﴾

نہیں ہے تمہاری کوئی پناہ گاہ اُس دن، اور نہ تمہارا کوئی عذاب روکنے والا"●

(حکم مان لو اپنے رب کا)، یعنی ایمان اور توحید کا جو اُس نے حکم کیا ہے اُسے مان لو، (اِس سے پہلے کہ آجائے وہ دن جس کی واپسی نہیں اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) جس دن کے آنے کا حکم ہوا ہے۔ اور یہ حکم نہ ٹلے گا۔ (نہیں ہے تمہاری کوئی پناہ گاہ) اور گریز گاہ (اُس دن، اور نہ تمہارا کوئی عذاب روکنے والا)۔ اُس دن تم اپنے عملوں سے منکر نہ ہوسکو گے، اس واسطے کہ کراماً کاتبین نے اعمال ناموں میں لکھا ہوگا اور تمہارے اعضاء بھی اُن اعمال پر گواہی دیں گے۔

فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ عَلَیۡہِمۡ حَفِیۡظًا ؕ اِنۡ عَلَیۡکَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ

تو اگر ان لوگوں نے منہ پھیر لیا، تو ہم نے نہیں بھیجا تمہیں اُن کا ذمہ دار نگراں۔ تم پر بس پیغام پہنچا دینا ہے۔

وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ مِنَّا رَحۡمَۃً فَرِحَ بِہَا ۚ وَ اِنۡ تُصِبۡہُمۡ سَیِّئَۃٌۢ

اور بے شک ہم نے جب چکھایا انسان کو اپنی طرف سے رحمت، تو خوش ہوگیا اُس سے۔ اور اگر پہنچے انہیں کوئی مصیبت،

بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ فَاِنَّ الۡاِنۡسَانَ کَفُوۡرٌ ﴿۴۸﴾

بسبب اُس کے جو پہلے بھیج چکے اُن کے ہاتھ، تو بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے●

(تو) اَے محبوب! (اگر ان) مشرک (لوگوں نے منہ پھیر لیا) دعوت اسلام قبول کرنے سے (تو) تم فکر مند نہ ہو، اس لیے کہ (ہم نے نہیں بھیجا تمہیں اُن کا ذمہ دار نگراں) بنا کر کہ تم انہیں بُرے کاموں سے بچائے رکھو، کیونکہ (تم پر بس پیغام پہنچا دینا ہے)۔ پیغام کا منوانا تمہارے فریضۂ نبوت میں نہیں ہے۔ رہ گیا پیغام کا پہنچانا، تو وہ تم بحسن وخوبی ادا کر چکے ہو۔

اب آگے یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ کفار کی اپنے مذہب باطلہ پر اصرار کرنے کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کی وجہ۔۔۔۔

(اور) اُس کا سبب یہ ہے کہ (بے شک ہم نے جب چکھایا انسان کو اپنی طرف سے رحمت) اور اُسے نعمتیں حاصل ہوئیں، خوش حالی اور آسودگی ملی، اور بہت سے لوگوں پر اس کو ریاست حاصل ہوئی،

(تو خوش ہوگیا اُس سے)، اور اُس میں تکبر و غرور پیدا ہوگیا، اور حق کی پیروی میں اُسے عار محسوس ہونے لگا۔ یہ ہمارا شکر ادا کرنے سے گریز کرنے لگا بلکہ ان نعمتوں کو خود اپنی عقل وفہم کا نتیجہ سمجھنے لگا۔

(اور اگر پہنچے انہیں کوئی مصیبت) جیسے بیماری، مفلسی اور محنت وغیرہا (بہ سبب اُس) کرتوت (کے جو پہلے بھیج چکے اُن کے ہاتھ)، یعنی ان کی اپنی بداعمالیوں کے سبب، تو یہ مصیبت میں توبہ واستغفار کرکے ہماری طرف رجوع نہیں کرتا۔ (تو بے شک انسان بڑا ناشکرا ہے)۔

اگر اِس آیت میں انسان سے کافر انسان مراد ہے، تو اُس کی ناشکری اور بے ایمانی تو ظاہر ہے۔ اور اگر انسان سے سب آدمی مراد ہوں، تو اکثر اُن میں سے ایسے ہی ہیں کہ راحت و نعمت بھول جاتے ہیں اور محنت اور مصیبت کو سخت اور بہت جانتے ہیں۔

یہ مغرور اور سرکش انسان دُنیاوی حکومت وریاست پر ناز کرنے والا کس خام خیالی میں ہے، کیا وہ نہیں جانتا کہ درحقیقت۔۔۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا

اللہ ہی کی ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پیدا فرمائے جو چاہے۔ اور دے جسے چاہے بیٹیاں،

وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝۴۹ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ

اور دے جسے چاہے بیٹے۔ یا جوڑے دے انہیں بیٹے اور بیٹیاں، اور کردے

مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝۵۰

جسے چاہے بانجھ۔ بے شک وہ علم والا قدرت والا ہے۔

(اللہ) تعالیٰ (ہی کی ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی۔ پیدا فرمائے جو چاہے۔ اور دے جسے چاہے بیٹیاں اور دے جسے چاہے بیٹے)۔

جیسے حضرت لوط علیہ السلام کو صرف بیٹیاں عطا فرمائیں، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صرف بیٹے عطا فرمائے۔

(یا جوڑے دے انہیں بیٹے اور بیٹیاں) یعنی بیٹے اور بیٹی دونوں عطا فرمائے، جیسے کہ ہمارے رسول مقبول کو عطا فرمائے۔۔۔

اِس مقام پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ جہاں صرف بیٹیاں۔۔یا۔۔صرف بیٹے عطا کرنے کی بات کی، اُسے اپنی مشیت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ لیکن جسے دونوں کو عطا فرمانے کی

بات ارشاد فرمائی وہاں مشیت کا ذکر نہیں فرمایا، حالانکہ یہ عنایت بھی مشیت ہی کے مرہونِ منت ہے۔

شاید اس اندازِ کلام میں حکمت یہ ہو کہ جہاں صرف بیٹی عطا کرتا ہے وہاں شاید ماں باپ کو بیٹے کی تمنا ہو، اور جہاں فقط بیٹا عطا فرماتا ہے وہاں شاید ماں باپ کو بیٹی کی آرزو ہو، تو وہاں اپنی مشیت کے ساتھ متعلق کیا کہ ہم جو کچھ چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں۔اور جہاں بیٹا اور بیٹی دونوں عطا فرمائے تو ماں باپ کی کوئی آرزو نہیں باقی رہتی کہ اس کی نفی کرنے کی ضرورت ہو۔۔الختصر۔۔وہ قادرِ مطلق جسے چاہے بیٹی دے۔۔یا۔۔جسے چاہے بیٹا دے اور جسے چاہے دونوں عطا فرمادے۔۔۔

(اور کردے جسے چاہے بانجھ) یعنی لاولد کہ اُس کے اولاد پیدا ہی نہ ہو۔(بے شک وہ علم والا) ہے یعنی جو کچھ دیتا ہے اُسے جانتا ہے اور (قدرت والا ہے) یعنی قادر ہے ہر چیز پر جس کی تخلیق فرماتا ہے۔اُس کا علم اور دانائی جہل اور نادانی سے مقدس اور مبرّا ہے، اور اُس کی قدرت اور توانائی عجز سے منزہ اور معرا ہے۔

اِس مقام پر کسی کے حاشیہ ٔ خیال میں یہ سوال آسکتا ہے کہ آخر اس میں کیا حکمت ہے کہ قادرِ مطلق نے کسی سے آمنے سامنے ہو کر بالمشافہ کلام نہیں فرمایا۔۔چنانچہ۔۔ایک روایت بھی ہے کہ یہود نے حضرت سید عالم ﷺ سے کہا کہ آپ کا خدا آپ سے بے واسطہ بات کیوں نہیں کرتا کہ آپ اُس کا دیدار بھی کریں۔یہودیوں کے خیالِ فاسد میں یہ بات بھی تھی کہ حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ سے کلام بھی فرماتے تھے اور اُسے دیکھتے بھی تھے۔دونوں باتوں کا جواب اِس ارشادِ ربانی۔۔۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ

اور نہیں ہوسکتا کسی بشری صورت والے کے لیے کہ بات کرے اُس سے اللہ، مگر خواب و بیداری کی وحی یا پردۂ جاہ وجلال سے

أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ ﴿٥١﴾

یا بھیج دے کوئی قاصد، تو وحی پہنچائے اُس کے حکم سے جو وہ چاہے۔بے شک وہ بلندی والا حکمت والا ہے●

(اور) فرمانِ خداوندی میں ہوگیا کہ یہ (نہیں ہوسکتا کسی بشری صورت والے کے لیے کہ بات کرے اُس سے اللہ) تعالیٰ (مگر خواب و بیداری کی وحی۔۔یا۔۔پردۂ جاہ وجلال سے۔۔یا۔۔بھیج

دے کوئی قاصد) یعنی کوئی فرشتہ اُس بشر پر، (تو وحی پہنچائے) وہ فرشتہ اُس بشر کو جس کی طرف بھیجا گیا ہے (اس کے حکم سے) یعنی خدا کے اِذن سے (جو وہ چاہے)، یعنی جو خدا چاہے۔ (بے شک وہ بلندی والا) ہے، یعنی برتر ہے صفاتِ مخلوق سے اور غالب ہے وحی پہنچانے میں (حکمت والا ہے) یعنی جاننا ہے بشر کے ساتھ کلام کرنا حکمت کی رُو سے جس طرح پر کہ چاہیے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ

اور اِسی طرح وحی کی جان بھیجی ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے۔ "تم قیاس نہیں کر سکتے تھے کہ کیا چیز ہے کتاب اللہ،

وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ

نہ ایمان کا" لیکن بنادیا ہم نے اِس قرآن کو نور، راہ دیتے ہیں اِس سے جسے چاہیں اپنے بندوں سے۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۵۲

اور بے شک تم ہدایت دیتے ہو سیدھی راہ کی●

(اور) جس طرح وحی بھیجی ہم نے پیغمبروں کی طرف تم سے پہلے، (اُسی طرح وحی کی جان بھیجی ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے)۔

اِس آیت میں 'وحی کی روح' سے مراد قرآنِ کریم ہے، اس واسطے کہ اس کے سبب سے دِل زندہ ہوتے ہیں۔ جس طرح بدن روح سے زندگی پاتا ہے۔۔۔

(تم قیاس نہیں کر سکتے تھے کہ کیا چیز ہے کتاب اللہ) وحی کے قبل۔ یعنی جب قرآن اُتارا نہیں گیا تھا تو تم اُسے نہ جانتے تھے۔۔یا۔۔ اَزل میں جو سعادت و شقاوت لکھی گئی تم کو کچھ معلوم نہ تھی اور (نہ) ہی (ایمان) کی تفصیلات (کا) علم تھا۔ ایمان کی طرف دعوت کرنا اور بلانا۔۔یا۔۔ ایمان کے احکام اور شرائع، اُس کے علم کے تم عالم نہ تھے۔۔یا۔۔ اہلِ ایمان یعنی وہ لوگ جو تم پر ایمان لانے والے تھے اُن سے باخبر نہ تھے، (لیکن بنادیا ہم نے اِس قرآن کو نور، راہ دیتے ہیں اُس سے جسے چاہیں اپنے بندوں سے)۔ یعنی جب بندے اُس کو قبول کر لیتے ہیں تو طریق دین کی راہ پاتے ہیں۔

(اور بے شک تم ہدایت دیتے ہو سیدھی راہ کی) وحی کے سبب سے لوگوں کو۔ تمہارا پکارنا تو عام ہے تمام خلق کو، اور میری ہدایت خاص ہے، جسے میں چاہتا ہوں ہدایت کرتا ہوں۔ تمہارا کام ہے سیدھا راستہ دکھانا جو ہماری مخلوقات کے لیے عام ہے، اور میرا فضل ہے منزل تک پہنچا دینا، جس کو

میں پہنچانا چاہوں۔ جس سیدھی راہ کی تم ہدایت دیتے ہو، وہ۔۔۔

صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ

اللہ کی راہ۔ کہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔

اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيۡرُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۵۳﴾

یادرکھو کہ اللہ کی طرف پھر کر جاتے ہیں سارے کام●

ع ۵

(اللہ) تعالیٰ (کی راہ) ہے۔ وہ خدا، (کہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ یادرکھو کہ اللہ) تعالیٰ (کی طرف پھر کر جاتے ہیں سارے کام)۔ یعنی ہر وقت اور ہر حال میں سب کام اُسی کی طرف پھرتے ہیں۔ یعنی جملہ مخلوق کے جملہ امور دُنیا و آخرت میں اُسی کی طرف راجع ہیں، اس لیے کہ وہ جملہ امور کا مدبّر ہے۔ اُس کی قضاء وقدر سے کوئی امر خارج نہیں ہوتا۔

بعونہٖ تعالیٰ گزشتہ روز 'سورہ الشوریٰ' کی تفسیر مکمل کر کے آج بتاریخ
۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ۔۔ مطابق۔۔ ۹ر اپریل ۲۰۱۲ء
بروز دوشنبہ 'سورہ الزخرف' کی تفسیر شروع کردی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی
کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی خاص حفاظت میں
آمین یَامُجِیۡبَ السَّائِلِیۡنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وَصٓ
وَبِحُرۡمَةِ سَیِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

سُوۡرَةُ الزُّخۡرُف

سُوۡرَةُ الزُّخۡرُف ۴۳ مکیہ ۶۳ — اٰیاتہا ۸۹ رکوعاتہا ۷

سورۂ زخرف۔۔۔ ۴۳ مکیہ ۶۳ — آیاتہا ۸۹۔۔۔ رکوعاتہا ۷

'زخرف' کا معنی ہے سونا، کسی چیز کے کمالِ حسن کو بھی 'زخرف' کہتے ہیں۔ اور کسی چیز پر سونے کی ملمع کاری کی جائے، تو اس کو 'مزخرف' کہتے ہیں۔ زمین پر رنگ برنگ کے سبزہ اور پھول کھلے ہوں، تو اُسے 'مزخرف' کہتے ہیں۔ اِس سورہ کا نام 'الزخرف' ہے، اس لیے کہ اِسی سورہ کی آیت ۳۵ میں 'زخرف' کا لفظ آیا ہے، تو پوری سورۂ مبارکہ کا نام یہی رکھ دیا گیا۔ اِس کمالِ حسن و جمال رکھنے والی سورۂ مبارکہ کو۔۔۔ یا۔۔۔ تلاوتِ قرآنِ کریم کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ﴿۲﴾

ح م ● قسم ہے روشن کتاب کی ●

(ح م) حروفِ مقطعہ آگاہی اور جتانے کے واسطے ہیں، تا کہ سننے والوں کو خوابِ غفلت سے ہوشیار کر دیں۔

ثعلبی کے اُس قول سے اِس بات کی تائید ہوتی ہے جہاں انہوں نے کہا ہے کہ حروفِ تہجی ادائے تنبیہ کے واسطے آتے ہیں الا کے مقام پر، تو یہاں ح اور میم کلام اعظم سننے کو آگاہ کرنے کے واسطے ہیں۔ 'کشف الاسرار' میں ہے کہ 'ح' حیاتِ حق کی طرف اشارہ ہے، اور 'م' اُس کے ملک کی طرف۔

وہ قسم یاد کرتا ہے حیاتِ بے زوال اور ملکِ بے انتقال کی اور (قسم ہے روشن کتاب کی)، یعنی قرآن کی جو روشن اور ظاہر ہے دلائلِ اعجاز کے ساتھ اور ظاہر کرنے والا ہے احکام شرع کا اور ہدایت کی راہوں کا۔

اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳﴾

بلاشبہ بنایا ہم نے قرآن کو عربی زبان میں، کہ تم لوگ سمجھ سکو ●

(بلاشبہ بنایا ہم نے قرآن کو عربی زبان میں) اس لیے کہ یہ آسمان والوں کی زبان ہے۔۔یا۔۔ اس لیے کہ یہ خود اُس نبی کی اور اُس کی قوم کی زبان ہے جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے، تا (کہ) اَے عرب والو! (تم لوگ سمجھ سکو)، اس لیے کہ تم اِس کے مخاطبِ اوّل ہو۔۔۔یا۔۔اَے عرب وعجم والو! تم غور وفکر کر سکو اس لیے کہ قرآن تمام اہلِ عالَم کے لیے ہدایت ہے۔

وَاِنَّهٗ فِيۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ﴿۴﴾

اور بے شک وہ اصل نوشتہ میں ہمارے پاس، یقیناً بلند رتبہ سراپا حکمت ہے ●

(اور بے شک وہ) یعنی قرآن (اصل نوشتہ میں)، یعنی ساری آسمانی کتابوں کی اصل، لوحِ محفوظ میں جو ہر طرح کے تغیرّ سے محفوظ ہے، (ہمارے پاس یقیناً بلند رتبہ سراپا حکمت ہے)۔ محکم کیا ہوا کہ اِس میں تناقض نہیں ہے۔ اور اگلی آسمانی کتابوں کو منسوخ کرنے والا ہے، اور خود منسوخ نہیں ہوتا۔

اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ ۝

تو کیا ہم نصیحت کا پہلو پھیر دیں؟ اس پر، کہ تم لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہو●

(تو کیا ہم نصیحت کا پہلو پھیر دیں) اَے مشرکو! (اس) بات (پر کہ تم لوگ) اپنی تکذیب و اِنکار میں (حد سے بڑھ جانے والے ہو)؟ یعنی باوصف اِس کے کہ تم قرآن سے اِنکار کرتے ہو اور اِس کی تکذیب کرتے ہو، مگر ہم اپنی وحی نہ روکیں گے، بلکہ تمہیں راہِ ہدایت پر لانے کے لیے پے در پے بھیجیں گے۔

ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ۔۔۔

تمہارے شرک کے سبب سے قرآن کو ہم آسمان پر نہ اٹھالیں گے، اس واسطے کہ ہم جانتے ہیں کہ عنقریب وہ لوگ پیدا ہوں گے جو اِس پر ایمان لائیں گے اور اِس کے احکام پر عمل کریں گے۔

وَكَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ ۝ وَمَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ

اور کتنے بھیجے ہم نے نبی اگلوں میں● اور نہ آتا اُنہیں کوئی نبی مگر اُس کی

يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝ فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّمَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝

ہنسی بناتے تھے● تو برباد کر دیا ہم نے اِن لوگوں سے زیادہ پکڑ میں سخت لوگوں کو، اور گزر چکا اگلوں کا حال●

(اور کتنے بھیجے ہم نے نبی اگلوں میں) کہ وہ لوگ مشرک اور مسرف تھے اور اُن کے کفر نے ہمیں رسول بھیجنے سے نہیں روکا۔ (اور نہ آتا انہیں کوئی نبی مگر) قوم کے معاند لوگ (اُس کی ہنسی بناتے تھے)، جس طرح قریش کے منکر تمہارے ساتھ ہنسی اور مسخراپن کرتے ہیں، (تو) ہنسی اور تمسخر کرنے کے سبب سے (برباد کر دیا ہم نے ان لوگوں سے زیادہ پکڑ میں سخت لوگوں کو)۔ یعنی اِن کافروں سے زیادہ جو قوی تھے اُن کو ہم نے ہلاک کر دیا، اور اُن کی سختی اور شوکت نے ہم کو عاجز نہیں کیا۔ (اور) قرآنِ کریم میں کئی جگہ (گزر چکا اگلوں کا حال) اور اُن کا قصہ کہ انہوں نے پیغمبروں کے ساتھ کیا کیا اور ہم نے اُن کے ساتھ کیا کیا۔

اِس جگہ سے حضرت رسولِ مقبول ﷺ سے نصرت کا وعدہ اور دشمنوں کے لیے عذاب اور عقوبت کی وعید نکلتی ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ

اور اگر تم نے اُن سے پوچھا کہ "کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو،" تو ضرور کہہ دیں گے

خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۙ﴿۹﴾

کہ "پیدا کیا ہے اُنہیں عزت والے علم والے نے"●

(اور) اَے محبوب! (اگر تم نے) اپنی قوم کے (اِن) مشرکین (سے پوچھا کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ تو ضرور کہہ دیں گے کہ پیدا کیا ہے انہیں عزت والے علم والے نے)، جو غالب ہے اپنے حکم میں اور جاننے والا ہے بندوں کے احوال، اس واسطے کہ پیدا کرنا کسی جاہل اور عاجز کا کام نہیں ہوسکتا۔

یہ آیت ان کافروں کے کمالِ جہالت اور حماقت سے خبر دیتی ہے کہ اقرار تو کرتے ہیں کہ پیدا کرنے والا قوی اور دانا ہے، اور اُس کے غیر کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ اپنی صفت میں فرماتا ہے کہ خدائے علیم وقدیر وہ ہے۔۔۔

الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِيْهَا

جس نے کر دیا تمہارے لیے زمین کو بستر، اور بنائے تمہارے لیے

سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۚ﴿۱۰﴾

اُس میں راستے، کہ راہ پاؤ●

(جس نے کر دیا تمہارے لیے زمین کو بستر) یعنی تمہاری قرارگاہ، (اور بنائے تمہارے لیے اس میں راستے) تا (کہ) تم جن شہروں اور مکانوں کی طرف جانا چاہو اُدھر جانے کی (راہ پاؤ) اور اپنے مطلوبہ مقام پر بآسانی پہنچ جاؤ۔

وَالَّذِىْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ

اور جس نے اُتارا آسمان کی طرف سے پانی ایک اندازے سے، پھر اُٹھا کر کھڑا کر دیا ہم نے اُس مُردہ آبادی کو۔

كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۱﴾

اِسی طرح تم لوگ نکالے جاؤگے●

(اور جس نے اُتارا آسمان کی طرف سے پانی ایک اندازے سے) بقدرِ حاجت اور مصلحت کے قدر۔ یعنی نہ تو بہت کہ اُس کے سبب سے غرق ہو جائیں جیسے طوفانِ نوح، اور نہ تھوڑا کہ کھیتوں کی ضرورت کو کافی نہ ہو۔ (پھر اٹھا کر کھڑا کر دیا ہم نے اُس مردہ آبادی کو)۔ یعنی جس شہر کی زمین خشک بے آب وگیاہ ہوگئی تھی، پانی کے سبب وہ سرسبز وشاداب ہوگئی، اُس کے پودوں کو اور اُس کی گھاس کو تروتازگی مل گئی جو اُس کی زندگی کی طرح ہے۔

آیتِ کریمہ میں غیبت سے تکلم کی طرف التفات اِس جہت سے ہے کہ یہ فعل اُسی کے ساتھ خاص ہے۔

(اسی) زندہ کرنے کی (طرح تم لوگ نکالے جاؤگے) قبروں سے زندہ ہوکر۔

وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ

اور جس نے پیدا فرمایا سارے جوڑے، اور بنایا تمہارے لیے کشتیوں

وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور چوپایوں سے وہ، جن کی سواری کرتے ہو●

(اور) وہ خداوند وہ ہے (جس نے پیدا فرمایا سارے جوڑے)۔ یعنی مذکر ومونث پر مشتمل جوڑے پیدا فرمائے۔۔یا۔۔ازواج سے مراد اقسام ہیں، یعنی ہر قسم کی چیزوں کو پیدا فرمایا۔۔یا۔۔ہر چیز کا مقابل پیدا کیا جو مل کر ایک جوڑا ہو گئے۔۔مثلاً: سردی اور گرمی۔۔رات اور دن۔۔آسمان اور زمین۔۔سورج اور چاند۔۔جنت اور دوزخ وغیرہ وغیرہ۔

ایک چوتھی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اُس سے مراد انسانوں کے وہ احوال وصفات ہیں جن میں وہ منتقل ہوتے رہتے ہیں۔۔مثلاً: خیر اور شر۔۔ایمان اور کفر۔۔خوش حالی اور تنگ دستی اور صحت اور بیماری وغیرہ۔۔الختصر۔۔قطع نظر اس بات کے اِس آیت کریمہ میں ازواج سے خاص طور پر کیا مراد ہے؟ مگر یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ اوپر جن کا ذکر کیا گیا، وہ سب اور اُن کے سوا سارے مخلوقات کو اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا۔۔

(اور بنایا تمہارے لیے کشتیوں اور چوپایوں سے وہ، جن کی سواری کرتے ہو)۔ کشتیوں

سے دریا میں اور چوپایوں سے خشکی میں۔۔۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ

تا کہ جم کر بیٹھو اُن کی پیٹھوں پر، پھر یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جہاں ٹھیک بیٹھ چکے تم اُس پر،

وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور کہو کہ "پاکی ہے اُس کی جس نے قابو میں کر دیا ہمارے اُس کو، اور نہ تھے ہم اُن کے بوتے والے●

وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں"●

(تا کہ جم کر بیٹھو اُن کی پیٹھوں پر، پھر یاد کرو اپنے رب کی نعمت کو جہاں ٹھیک بیٹھ چکے تم اس پر)۔ وہیں پر سکون سے بیٹھنے کے بعد۔۔یا۔۔جیسے ہی تم اُس پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، تو دِل سے خدا کی نعمت کو یاد کرو، **(اور)** زبان سے **(کہو کہ پاکی ہے اُس)** خدائے برتر و بالا **(کی، جس نے قابو میں کر دیا ہمارے اِس)** کشتی۔۔یا۔۔اِس چارپایہ **(کو)** کہ اِن پر سوار ہو کر ہم خشکی اور تری طے کرتے ہیں، **(اور نہ تھے)** اپنی قوت سے **(ہم اِس کے بوتے والے)** یعنی اِس کو تھامنے والے اور اپنا فرمانبردار کرنے والے۔

(اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف ضرور لوٹنے والے ہیں) اپنی آخری عمر میں اُس سواری جس کو جنازہ کہتے ہیں۔ اور دُنیا کی سواریوں میں وہ اخیر سواری ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب آنحضرت ﷺ رکاب میں پائے مبارک رکھتے، تو **بِسْمِ اللّٰهِ** کہتے اور جب سواری کی پشت پر بیٹھ جاتے، تو کہتے کہ الحمد لله علی کل حال **سُبْحٰنَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ**

حضرت امام حسین نے کسی کو دیکھا کہ سواری پر بیٹھا اور آیت **سُبْحٰنَ الَّذِیْ** آخر تک پڑھی، حضرت امام نے فرمایا کہ تم کو کس نے یہ حکم کیا ہے؟ سوار نے عرض کی کہ اَے فرزندِ رسول! اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم فرمایا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد فرمایا ہے "کہ یاد کرو اپنے رب کی نعمت سوار ہوتے وقت،" یہ اس طرف اشارہ ہے کہ سوار ہوتے وقت حمد کرنے سے غافل نہ رہو۔

۔۔کافروں کی خدا فراموشی اور اُن کی جہالت کا عالَم یہ ہے کہ خدا کی خالقیت اور عزت اور

علم کا اقرار کرنے کے بعد، اس کے واسطے اولاد ثابت کرتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔انہوں نے اپنی جہالت کا مظاہرہ کیا۔۔۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۱۵ ع۱۵

اور بنالیا اُس کے لیے اُس کے بندوں سے جزء۔ بے شک انسان ضرور کھلا ناشکرا ہے●

(اور بنالیا اُس کے لیے بندوں سے جزء)، یعنی اُس کے بندوں میں سے ایک حصہ، یعنی کہتے ہیں کہ فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں۔ اِس طرح انہوں نے بعض اللہ کے بندوں کو اُس کا جزء قرار دے دیا۔ اور اُس کے جنس میں شامل کر دیا، اور وہ یہ نہیں جانتے کہ ولادت اجسام کی صفتوں میں سے ہے اور وہ سب جسموں کا خالق ہے۔

(بے شک انسان ضرور کھلا ناشکرا ہے)۔ اُس کی ناشکری اور اُس کا کفر بالکل واضح ہے، کیونکہ وہ حق تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کرتا ہے۔

اور ان کافروں کی جہالت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیٹیوں کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں اور اپنے واسطے بیٹے چاہتے ہیں، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّاَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ۝۱۶

کیا اُس نے لیا جو مخلوق فرماتا ہے اُس سے بیٹیاں، اور چن رکھا ہے تمہارے لیے بیٹے؟●

(کیا اس نے) یعنی حق تعالیٰ نے اپنے واسطے (لیا جو مخلوق فرماتا ہے اُس) میں (سے بیٹیاں)، جو خود کافروں کی نگاہ میں بہت بُری، لائقِ شرم اور ناقص ہوتی ہیں، تو اُن ناقصات کو خدا نے اپنے لیے رکھ لیا؟ (اور چن رکھا ہے تمہارے لیے بیٹے) جو نسبتاً بہتر اور کامل ہوتے ہیں۔ اور یہ بات کیونکر ہو چاہیے کہ خدا کا بچہ بندہ کے بچہ سے کمتر ہو۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ

حالانکہ جب خوشخبری دیا گیا اُن میں کا کوئی، جو خدائے مہربان کے لیے کہاوت بنالی ہے،

وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝۱۷

تو سارا دن اُس کا چہرہ کالا ہے اور وہ گھٹتا رہتا ہے●

(حالانکہ جب خوش خبری دیا گیا اُن میں کا کوئی) اُسی کی (جو خدائے مہربان کے لیے کہاوت بنالی ہے)، اور جس کے ساتھ اُس نے رحمٰن کو متصف کیا ہے اور اُسے بیٹی والا قرار دیا ہے، تو اب اگر اُسی کو اس کے یہاں بیٹی کی پیدائش کی خبری دی جائے، (تو) صاف نظر آئے گا کہ (سارا دن اُس کا چہرہ کالا ہے) رنج وغم کی وجہ سے، (اور وہ گھٹتا رہتا ہے)۔ یعنی غم اور بے چینی اور بے صبری میں اپنے دل ہی دل میں غم کھاتا رہتا ہے۔ پس اَے کافرو! جب تم اپنے واسطے بیٹیاں پسند نہیں کرتے، تو خدا کے واسطے کیوں روا رکھتے ہو۔

اَوَمَنْ يُنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾

کیا جس کی نشو ونما کی جائے گہنوں میں، اور وہ بحث میں صاف نہ بول سکے●

(کیا جس کی نشو ونما کی جائے گہنوں میں) یعنی ناز سے پرورش کی جائے اور اُس کو لڑائی اور معرکہ آرائی کی قوت نہ ہو، (اور وہ بحث میں صاف نہ بول سکے)۔

عرب کو شجاعت اور فصاحت پر فخر تھا اور اکثر عورتوں میں یہ دونوں صفتیں نہیں ہوتی ہیں، تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ۔۔۔

کیا جو کوئی ایسا ہو، تو خدا اُس کو اپنی فرزندی میں لے لے گا؟ اَے کافرو! آخر تمہاری اس بے عقلی کو کیا کہا جائے؟ جس کو تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے، اُسے خدا کے لیے روا رکھتے ہو۔ ان کافروں کی بے عقلی بڑھتی گئی۔۔۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ۭ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ۭ

اور قرار دیا اُن لوگوں نے فرشتوں کو، جو خدائے مہربان کے بندے ہیں عورتیں، کیا اُنہوں نے دیکھی ہے اُن کی پیدائش؟

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾

اب لکھ لی جائے گی اُن کی گواہی، اور باز پرس کیے جائیں گے●

(اور قرار دیا ان لوگوں نے فرشتوں کو جو خدائے مہربان کے بندے ہیں عورتیں)، یعنی فرشتوں کو جو ہروقت عبادت و بندگی میں مشغول رہتے ہیں اُن کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ (کیا انہوں نے دیکھی ہے اُن کی پیدائش؟) اور اُن میں عورت ہونے کی صفت دیکھی ہے؟

معالم میں ہے کہ حضرت رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے کافروں سے پوچھا کہ تم کیونکر جانتے

ہو کہ فرشتے عورتیں ہیں؟ تو کافروں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا سے سنا ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

(اب لکھ لی جائے گی اُن کی گواہی، اور باز پرس کیے جائیں گے) قیامت کے دن کہ یہ بات بتاؤ تمہارے پاس فرشتوں کے عورت ہونے کی دلیل کیا ہے؟ اور ان فرشتوں کی پرستش کرنے کا سبب کیا ہے؟ اِس بات پر کفار کٹ حجتی پر اتر آئے۔۔۔

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ۗ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۗ

اور یہ لوگ بولے کہ "اگر چاہتا خدائے مہربان، تو ہم نہ پوجتے اُنہیں۔" نہیں اُنہیں اِس کا کوئی علم۔

اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝٢٠

یہ لوگ بس اٹکل دوڑاتے ہیں●

(اور یہ لوگ بولے)، یعنی بنی ملیح نے خزاعہ سے کہا **(کہ اگر چاہتا خدائے مہربان، تو ہم نہ پوجتے انہیں)**۔

یہ بات انہوں نے بطور کٹ حجتی کہی اور اس اعتقاد کی راہ سے نہیں کہی کہ خدا کی مشیت بندوں کی مشیت پر غالب ہے، اس لیے کہ یہ اعتقاد تو ایمان میں سے ہے اور وہ مؤمن ہی کب تھے جو یہ اعتقاد رکھتے، اسی لیے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

(نہیں انہیں اِس کا کوئی علم۔ یہ لوگ) تو **(بس اٹکل دوڑاتے ہیں)**۔۔ چنانچہ۔۔ جو کچھ کہتے ہیں وہ علم کی رُو سے نہیں کہتے۔ مشیتِ الٰہی کا نام تو صرف نادانوں کو دھوکا دینے کے لیے لے لیا ہے اور حکمِ الٰہی کو ضائع کرنے کے لیے مشیت کو بطورِ دلیل پیش کر دیا ہے۔

اور اس گفتگو سے اُن کا مدعا یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں اُن کی پرستش لکھ دی ہے، اور اس بات پر خدا راضی ہے تو اس بات کے سبب سے ہم پر عذاب نہ کرے گا۔ تو وہ جھوٹ کہتے تھے اس واسطے کہ حق تعالیٰ کسی کافر کے کفر سے راضی نہیں۔ جو وہ کہتے ہیں ایسا نہیں ہے۔

اُن سے دریافت کرو کہ۔۔۔

اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ۝٢١

کیا دے رکھی ہے ہم نے اُنہیں کوئی کتاب اِس کے پہلے سے، تو وہ اُسی سے دلیل لانے والے ہیں●

(کیا دے رکھی ہے ہم نے انہیں کوئی کتاب اِس) قرآن (کے پہلے سے) جس سے اُن کی بات کا سچ ہونا ثابت ہو (تو وہ اُسی سے دلیل لانے والے ہیں؟)۔ اور یہ بات مقرر ہے کہ ہم نے قرآن سے پہلے کوئی کتاب نہیں دی کہ اُس سے کوئی دلیل اور نقل لائیں، اور عقل کی راہ سے بھی کوئی دلیل نہیں رکھتے۔۔۔

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۲۲﴾

بلکہ وہ تو کہہ چکے کہ "بلاشبہ ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک جمعیت پر، اور بے شک ہم اُن کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں"●

(بلکہ وہ تو) خود (کہہ چکے کہ بلاشبہ ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک جمعیت پر) یعنی ایک طریقہ اور ایک خصلت پر، (اور بے شک ہم اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں) اور انہیں کے طور و طریقے کو اپنانے والے ہیں۔

اِس مقام پر تین چیزیں ہیں۔ ایک مشیت ہے، دوسری چیز اللہ تعالیٰ کی رضا ہے، اور تیسری چیز اللہ تعالیٰ کا امر اور اُس کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس وقت راضی ہوتا ہے، جب اُس کے امر اور اُس کے حکم پر عمل کیا جائے، اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُس کا ارادہ، اُس کی رضا اور اُس کے حکم سے عام ہے۔ اِس کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُس کے ارادہ سے ہوتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ہر چیز سے راضی نہیں ہوتا، اور نہ ہر چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔

جہاں تک انسانوں کے افعال کا تعلق ہے، انسانوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ انسان کے اُسی فعل کو پیدا کرتا ہے جس فعل کو انسان خود اختیار کرتا ہے، اور اُسی اختیار کی بنا پر اس کو جزاء اور سزا دی جاتی ہے۔ اگر انسان کو اختیار نہ دیا گیا ہوتا، تو پھر رسولوں کو بھیجنا، حساب اور کتاب لینا، میزان قائم کرنا، جزاء اور سزا دینا، یہ تمام امور عبث اور بے کار ہو جائیں گے اور قرآنِ پاک کی وہ ساری آیتیں محلِ نظر ہو جائیں گی جو اس بات پر دلیل ہیں کہ انسان کو اچھے اور بُرے کاموں اور ایمان اور کفر کا اختیار دیا گیا ہے، اور اس کے نیک کاموں پر اس کو جزا ملے گی اور بُرے کاموں پر وہ سزا کا مستحق ہوگا۔

اُے محبوب! یہ جو آپ کے عہد کے کفار اپنے باپ دادوں کی پیروی کی بات کرتے ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں۔۔۔

وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِىْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ

اور اسی طرح نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کسی آبادی میں کوئی ڈرانے والا، مگر کہا کیے اُس کے آسودہ لوگ،

اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴿۲۳﴾ قٰلَ اَوَلَوْ

کہ "ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک جمعیت پر، اور ہم اُن کے نشان قدم پر پیچھے پیچھے ہیں"● اُنہوں نے جواب دیا

جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ

کہ "کیا گو ہم لے آئیں تمہارے پاس نہایت بڑی ہدایت اُس سے، جس پر پایا تم نے اپنے باپ دادوں کو؟ سب بول کر رہ گئے

اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۴﴾

کہ "ہم سب اس سے، جس کے تم پیغمبر بنائے گئے ہو انکاری ہیں"●

(اور) یہ کوئی ان کا نیا عذر نہیں، بلکہ اِن کے اگلوں کی بھی یہی بولی رہی ہے۔۔چنانچہ۔۔(اسی طرح نہیں بھیجا ہم نے تم سے پہلے کسی آبادی میں کوئی ڈرانے والا) کہ اُس نے عذاب سے اُس قریہ والوں کو ڈرایا اور شرک سے توحید کی طرف بلایا، (مگر کہا کیے اُس کے آسودہ لوگ) یعنی دولت منداور سردار لوگ (کہ ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک جمعیت پر اور ہم اُن کے نشانِ قدم پر پیچھے پیچھے ہیں● اُنہوں نے جواب دیا کہ کیا گو ہم لے آئیں تمہارے پاس نہایت بڑی ہدایت اُس سے، جس پر پایا تم نے اپنے باپ دادوں کو)۔وہ اپنی اندھی تقلید پر ایسے کڑے اور اَڑے ہوئے تھے کہ محض عناد کی راہ سے (سب بول کر رہ گئے کہ ہم سب اُس سے جس کے تم پیغمبر بنائے گئے ہو اِنکاری ہیں) تو اندھی تقلید کی شامت سے اُن کا کام تکبر اور دشمنی کو پہنچا۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۵﴾ (النصف ۲ ع ۸)

تو بدلہ لیا ہم نے اُن سے، تو دیکھو لو کہ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا●

(تو بدلہ لیا ہم نے اُن سے) اور ان مقلدوں اور معاندوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔(تو دیکھو لو کہ کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا)۔

اِس کلام میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تسلی ہے۔پھر فرماتا ہے کہ اگر اپنے باپ دادوں ہی کی تقلید کرنی ہے، تو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی کرو جو تمہارے باپ دادا میں سب سے زیادہ شریف اور بزرگ ہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِيْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور جب کہ کہا ابراہیم نے اپنے بابا سے اور اپنی قوم سے کہ "بلاشبہ میں بیزار ہوں اُس سے جسے تم لوگ پوجتے ہو●

اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ ﴿۲۷﴾

مگر وہ جس نے پیدا فرمایا مجھے کہ بلاشبہ وہ راہ دے گا مجھے"●

(اور) یاد کرو اُس کو (جب کہ کہا ابراہیم نے) غار سے باہر نکلنے کے بعد (اپنے بابا اور اپنی قوم سے)، جب انہیں بت پرستی کرتے دیکھا، (کہ بلاشبہ میں بیزار ہوں اُس سے جسے تم لوگ پوجتے ہو ● مگر وہ جس نے پیدا فرمایا مجھے) اور میں صرف اُسی کا پرستار ہوں، کیوں (کہ بلاشبہ وہ راہ دے گا مجھے) یعنی راہِ حق پر ثابت قدم رکھے گا۔

وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور بنا رکھا اُسے باقی رہنے والی بات اپنے بعد والوں میں، کہ وہ باز آئیں●

(اور بنا رکھا ہے اُسے باقی رہنے والی بات اپنے بعد والوں میں)۔ یعنی حضرت ابراہیم نے کلمہ توحید کو اپنی ذریت میں باقی رہنے والا کلمہ بنا دیا ہے۔ اِسی وجہ سے حضرت ابراہیم کی اولاد میں موحد اور توحید کی طرف بلانے والے ہوئے۔

بعضوں نے کہا کہ "عقب ابراہیم" علیہ السلام سے آلِ محمد ﷺ ۔۔۔یا۔۔۔ امتِ محمدی ﷺ مراد ہے اور بعضے اِس بات پر ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں کلمہ توحید کو باقی چھوڑا۔۔۔

تا (کہ وہ) جو کفر و شرک پر ہیں وہ حضرت ابراہیم کے دین پر (باز آئیں)۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ توقع پوری نہیں ہوئی کہ اُن کی تمام اولاد عقیدۂ توحید اور اسلام پر قائم رہے۔ حق تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ہمارے نبی علیہ السلام کے زمانے میں جو اہلِ مکہ تھے وہ نسلِ ابراہیم سے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو خوب نوازا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

ہم نے انہیں محروم نہیں چھوڑ دیا۔۔۔

بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۹﴾

بلکہ مال و متاع دیا ہم نے اُنہیں، اور اُن کے باپ دادوں کو، یہاں تک کہ آگیا اُن کے پاس حق، اور صاف صاف بتانے والا رسول●

(بلکہ مال ومتاع دیا ہم نے انہیں) پیغمبرِ اسلام کے عہد والوں کو، (اوران کے باپ دادوں کو)۔ سبھی کو دُنیاوی نعمتیں اور آسائشیں دیں اور وہ ان نعمتوں اور آسائشوں اور اُن کی لذتوں میں ڈوب کر عقیدۂ توحید اور اسلام کے احکام سے غافل ہو گئے۔ (یہاں تک کہ آ گیا اُن کے پاس حق) قرآنِ کریم (اور) قرآنِ کریم کے احکام کو (صاف صاف بتانے والا رسول)، جس کی رسالت اُس کے پیش کردہ معجزات کی وجہ سے بالکل ظاہر تھی، اور جو اللہ تعالیٰ کی توحید کے دلائل کو بیان کرنے والا تھا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب آ گیا اُن کے پاس حق، تو بولے کہ "یہ جادو ہے، اور ہم بے شک اُس کے انکاری ہیں"●

(اور جب آ گیا اُن کے پاس حق، تو بولے کہ یہ جادو ہے، اور ہم بے شک اِس کے اِنکاری ہیں)۔

یہ لوگ عقیدۂ توحید سے غافل ہو چکے تھے اور جب ہمارے نبی ﷺ اُن کو خوابِ غفلت سے جگانے کے لیے آئے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے آئے، تو انہوں نے آپ کا اور آپ کے پیغام کا اور قرآنِ مجید کا اِنکار کیا۔۔۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اور بولے کہ "کیوں نہ نازل کیا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر؟ دونوں آبادیوں سے"●

(اور بولے کہ کیوں نہ نازل کیا گیا یہ قرآن کسی بڑے آدمی پر؟ دونوں آبادیوں سے)، یعنی مکہ معظمہ اور شہر طائف کے کسی صاحبِ مال اور صاحبِ جاہ انسان پر کیوں نہیں اتارا گیا؟

۔۔مثلاً: مکہ میں ولید ابن مغیرہ پر۔۔یا۔۔عتبہ بن ربیعہ پر۔۔یا۔۔اخنس بن شریف پر اور طائف میں عروہ ثقفی۔۔یا۔۔خبیب بن عمر پر۔۔یا۔۔کنانہ پر۔ کافروں کا مدعا یہ تھا کہ رسالت بڑا منصب ہے، چاہیے تھا کسی بزرگ آدمی کو ملتا، اور بزرگی اُن کے نزدیک مزخرفاتِ دُنیوی جمع ہونے اور حکومت کرنے اور گروہ اور حشمت کی کثرت پر منحصر تھی۔ اور انہوں نے یہ نہ جانا کہ رسالت عالی رتبہ اور اُس کا استحقاق فضائل روحانی اور کمال قدسی سے آراستہ ہونا ہے۔ اور اُن سب اختصاص کے ساتھ جاننا چاہیے کہ حضرت واہب العطایا کے خاص فضل سے یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ تو حق تعالیٰ نے اُن کے جواب میں فرمایا کہ۔۔۔

اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ

"کیا یہ لوگ بانٹتے ہیں تمہارے رب کی رحمت کو؟" ہم نے خود بانٹا ہے اُن کے درمیان،

فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ

اُن کے سامانِ زندگی کو دُنیاوی زندگی میں، اور اونچا کیا ایک کو دوسرے پر بہت کچھ، تا کہ بنائے رکھیں

بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

ایک دوسرے کو دبتا ہوا۔ اور تمہارے رب کی رحمت بہتر ہے اُس سے، جو وہ جمع جتھا کرتے رہتے ہیں●

(کیا یہ لوگ بانٹتے ہیں تمہارے رب کی رحمت کو؟) یعنی نبوت کو، تو کیا رسالت کی کنجیاں اُن کے دستِ تصرف میں ہیں تا کہ جس پر چاہیں نبوت کا دروازہ کھول دیں؟ (ہم نے خود بانٹا ہے اُن کے درمیان اُن کے سامانِ زندگی کو دُنیاوی زندگی میں)۔ یعنی وہ چیز جس کے سبب سے زندہ رہتے ہیں دُنیا میں اور اُس کی تدبیر اور تغییر میں عاجز ہیں۔ پس کہاں امرِ رسالت میں کہ مراتب انسانیہ میں اعلیٰ رتبہ ہے دخل دیتے ہیں۔

(اور اونچا کیا ایک کو دوسرے پر بہت کچھ) روزی میں کہ ایک مالدار ہے دوسرا فقیر۔۔یا۔۔ حریت میں کہ ایک آزاد ہے دوسرا غلام۔۔یا۔۔ بزرگیوں میں کہ ایک فاضل ہے دوسرا مفضول۔ درحقیقت درجوں کا فرق نیک اخلاق کے سبب سے ہے۔ جس کی خو بہت نیک، اُس کا درجہ بہت بلند۔ اور یہ تفاوت ہم نے اس لیے کیا۔۔۔ (تا کہ بنائے رکھیں ایک دوسرے کو دبتا ہوا)، کام کرنے والا تابعدار، تا کہ اُن کام کرنے والوں کا بھی کام بنے۔

ایک کام کرانے والا ہے اور دوسرا کام کرنے والا ہے، تو جو کام کرانے والا ہے وہ اپنے مال سے کام کرنے والے کی مدد کرتا ہے، اور جو کام کرنے والا ہے وہ اپنے اعمال سے کام کرانے والے کی مدد کرتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں اور اِسی محتاجی کے سبب امورِ دُنیوی کا انتظام ہوتا ہے۔

(اور تمہارے رب کی رحمت) یعنی نبوت (بہتر ہے اُس سے جو وہ جمع جتھا کرتے رہتے ہیں) یعنی مالِ دُنیا۔ اور اُسے بزرگی کا سبب جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُنیا بہت حقیر ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ دُنیا کی محبت کی وجہ سے لوگ کفر اختیار کر لیتے اور کافروں کے گھروں میں انواع و اقسام کی نعمتیں اور عیش و عشرت کا

سامان دیکھ کر کفر کی طرف رغبت کرتے، اور یہ وہم کر لیتے کہ کفر ہی میں فضیلت ہے، تو ضرور اللہ تعالیٰ کافروں کے گھر اور ان کا ساز و سامان سونے کا بنا دیتا، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

وَلَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ

اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ داخل ہو جائیں سب لوگ، ایک ہی اُن کی جمعیت میں، تو بنا دیتے ہم اُن کے لیے جو انکار کریں

بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

خدائے مہربان کا، اُن کے گھروں کے لیے سونے چاندی کی چھت اور زینے، جس پر چڑھا کرتے●

وَلِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾

اور اُن کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی، جس پر تکیہ لگاتے رہیں●

(اور اگر نہ ہوتی یہ بات کہ داخل ہو جائیں گے سب لوگ) حرص پر مجتمع ہونے میں۔۔۔یا۔۔۔ آخرت پر دُنیا کو اختیار کر لینے میں، (ایک ہی اُن کی جمعیت میں، تو بنا دیتے ہم اُن کے لیے جو انکار کریں خدائے مہربان کا، اُن کے گھروں کے لیے سونے چاندی کی چھت اور زینے جس پر چڑھا کرتے)، تا کہ دوسرے انہیں دیکھیں (اور اُن کے گھروں کے دروازے اور تخت بھی، جس پر تکیہ لگاتے رہیں) سب کو چاندی کا بنا دیتے۔

وَزُخْرُفًا ۭ وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ

اور دوسرے سامانِ آرائش، اور یہ سب محض دُنیاوی زندگی کی پونجی ہے، اور آخرت تو تمہارے رب کے یہاں ڈر جانے والوں

رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ ع

کے لیے ہے● اور جس کو رتوندھی ہو خدائے مہربان کے ذکر سے، تو ہم مسلط کر دیں گے اُس کے لیے شیطان کو، تو وہ اُس کا

قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾ وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾

ساتھی رہے● اور بے شک وہ شیاطین یقیناً روکتے رہتے ہیں اُنہیں راہ سے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ راہ پائے ہوئے ہیں●

(اور) اِن کے علاوہ بھی اُن کے گھروں کو (دوسرے سامانِ آرائش) سے آراستہ کر دیتے۔

اِس آیت میں اشارہ ہے دُنیا کی حقارت کی طرف، یعنی وہ خدا کے نزدیک اتنی قیمتی نہیں ہے، اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ لوگ دُنیا کے طلب کرنے اور جمع کرنے میں مشغول ہو جاتے، اس واسطے کہ اکثر طبیعتیں دُنیا کی محبت کے ساتھ مخلوق ہیں اور اس کے سبب سے

عبادتِ الٰہی اور فرمانبرداری سے باز رہ کر کفر اور ناشکری کی طرف لوگ میل کرتے ہیں۔

(اور) صورتِ حال یہ ہے کہ **(یہ سب محض دُنیاوی زندگی کی پونجی ہے)**، اور اِس قدر حقیر ہے کہ مقصودِ حیات بنانے کے لائق نہیں، کیونکہ اس کو فنا ہے۔ اور جو فانی ہو وہ متاع مقصود کیسے ہو سکتی ہے؟ **(اور)** اسے آخرت پر کیسے ترجیح دی جاسکتی ہے، اس لیے کہ **(آخرت)** کی نعمت یعنی بہشت **(تو تمہارے رب کے یہاں ڈر جانے والوں کے لیے ہے)**۔ یعنی ان پرہیزگاروں کے لیے ہے، جنہوں نے شر اور گناہوں سے احتراز کیا اور لذت حاصل کرنے کی چیزیں اور اس جہاں کی نعمتیں جو فنا ہو جانے والی ہیں، اُن کو اپنا مقصودِ حیات بنانے سے اجتناب کرتے رہے اور خود کو بچاتے رہے۔

اِس مقام پر یہ خیال آسکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کے دروازے مسلمانوں پر کھول دیتا، تو تمام لوگوں کے لیے اسلام پر مجتمع ہونے کا سبب بن جاتا، لیکن خدا نے ایسا نہیں کیا اِس میں حکمت کیا ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اُس صورت میں لوگ دُنیا طلب کرنے کے لیے اسلام کو قبول کرتے، تو یہ منافقین کا ایمان ہوتا۔ اسلام کو حقانیت کی وجہ سے قبول کرنا اور رضائے الٰہی کے لیے اپنانا مطلوبِ خداوندی ہے۔

(اور جس کو رتوندھی ہو خدائے مہربان کے ذکر سے)، یعنی وہ ذکرِ الٰہی سے آنکھ چرائے اور انکار کرے۔۔۔الحاصل۔۔۔خدائے مہربان کے ذکر سے غافل ہو کر گویا کہ اندھا ہو جائے، **(تو ہم مسلط کر دیں گے اُس کے لیے شیطان کو، تو وہ اُس کا ساتھی رہے)** گا۔ **(اور بے شک وہ شیاطین یقیناً روکتے رہتے ہیں انہیں)** اپنے ساتھی آدمی کو **(راہ)** حق **(سے، اور)** کافر لوگ **(یہ سمجھتے ہیں کہ)** شیطان کی متابعت کے سبب سے **(راہ پائے ہوئے ہیں)**۔۔۔یا۔۔۔گمان کرتے ہیں کہ شیطان اہلِ ہدایت ہیں اور اِسی گمان پر رہتے ہیں۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیْتَ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَیْنِ

یہاں تک کہ جب آنا پڑا ہمارے پاس، تو کہنے لگے کہ ''اے کاش! میرے اور تجھ شیطان کے درمیان پورب پچھم کی دُوری ہوتی''

فَبِئْسَ الْقَرِیْنُ ﴿۳۸﴾

تو کتنا برا ساتھی ہے●

(یہاں تک کہ جب آنا پڑا ہمارے پاس) اُن اِنکار کرنے والوں کو۔۔۔

اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ منکراور اُس کے ساتھی شیطان کوایک زنجیر میں باندھ کر میدانِ حشر میں لائیں گے، اور دوزخ میں ڈال دیں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب کافروں کواٹھا کر میدانِ حشر میں لائیں گے، تو جو شیطان دُنیا میں ان کا ساتھی ہوگا، اُس وقت اُس کے ساتھ ہوگا جدانہ ہوگا۔ یہاں تک کہ دوزخ میں جائیں گے۔

۔۔غرضیکہ۔۔جب میدانِ حشر میں آئے، **(تو کہنے لگے)** اُن میں سے عاصی اپنے قرین سے یعنی اُس شیطان سے جواُن کا ساتھی رہا، **(کہ اَے کاش! میرے اور تجھ شیطان کے درمیان پورب پچھم کی دُوری ہوتی۔ تُو کتنابُرا ساتھی ہے)**۔

آیتِ کریمہ میں تغلیباً مشرق کے لفظ سے مغرب مرادلیا ہے۔ اہلِ زبان میں یہ استعمال عام طور سے رائج ہے۔ یہ بھی ایک قول ہے کہ **مَشْرِقَيْن** سے جاڑے اور گرمی کی دُو مشرقین مراد ہیں اوران دونوں مشرقوں میں بھی بہت فاصلہ ہے۔ غرض یہ کہ کافراپنے ساتھی شیطان سے کہے گا کہ کاش کہ تُو مجھ سے اور میں تجھ سے دُور ہوتا، پس تو بُرا ساتھی ہے۔ **پھر کہنے والا** اُن سے کہے گا۔۔۔

وَلَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۹

اور ہرگز کام نہ آئے گا تمہارے اُس دن، جب کہ اندھیر مچا چکے ہوتم، بے شک تم سب عذاب میں شریک ہو●

(اور) اُن پر واضح کردے گا کہ **(ہرگز کام نہ آئے گا تمہارے اِس دن)** یعنی آج آخرت کے دن تمہارا یہ آرزو کرنا، **(جبکہ اندھیر مچا چکے ہوتم)** دُنیا میں، تو آج **(بے شک تم سب عذاب میں شریک ہو)** اور یہ ہونا بھی چاہیے کہ تم لوگ عذاب میں شریک رہو، جس طرح سببِ عذاب میں شریک رہے۔

بعضوں نے یہ معنی ارشادفرمائے ہیں کہ تم کو یہ بات کچھ فائدہ نہ دے گی کہ تم عذاب میں شریک رہو، یعنی عذاب میں شریک ہونے کے سبب سے کسی پر سے عذاب کم نہ ہوجائے گا۔ روایت ہے کہ جناب رسولِ کریم ﷺ کا دِلِ مبارک قوم کے ایمان لانے کے ساتھ بہت متعلق رہتا تھا۔۔چنانچہ۔۔دعوتِ اسلام پر آپ بہت قائم رہتے اور کافروں کو اکثر دعوت فرماتے، اور کافروں کا عناد اور اُن کا اِنکار بڑھتا ہی جاتا، تو حق تعالٰی نے فرمایا کہ۔۔۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِي الْعُمْيَ وَمَنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۴۰

کیاتم اُن بہروں کوسناؤ گے؟ یا اُن اندھوں کوراہ دکھاؤ گے؟ اور جو کھلی بے راہی میں ہیں●

(کیا تم اُن بہروں کو سناؤ گے یا اُن اندھوں کو راہ دکھاؤ گے)، یعنی جن کے دِل کے کان بہرے ہیں تم کیا حق بات انہیں سنا سکتے ہو؟۔۔یا۔۔جو دِل کے اندھے ہوں کیا تم انہیں راہِ حق دکھا سکتے ہو؟ (اور) اَے محبوب! (جو کھلی بے راہی میں ہیں)، تو کیا تم انہیں ہدایت دے سکتے ہو؟۔۔الحاصل۔۔ اے محبوب! تمہارا فریضہ صرف صراطِ مستقیم اور سیدھا راستہ دکھانا ہے۔ صراطِ مستقیم پر پہنچا دینا تمہاری ذمہ داری ہی نہیں، تو تم اپنے نفس کو بہت رنج اور تکلیف نہ دو۔ اَے محبوب! ہماری مشیت نے یہ طے کر رکھا ہے کہ اِن کافروں پر عذاب ضرور نازل کیا جائے گا، خواہ آپ کی حیات ہی میں۔۔یا۔۔آپ کی وفات کے بعد۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

فَإِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُونَ ﴿۴۱﴾ أَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِي وَعَدْنٰهُمْ

تو یا ہم اُٹھالے جائیں تمہیں، پھر اُن سے بدلہ لیں • یا تمہیں بھی دکھادیں جس کا وعدہ دیا ہم نے اُن لوگوں کو،

فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُونَ ﴿۴۲﴾ فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ

بہر حال ہم اُن پر قدرت رکھنے والے ہیں • تو تم مضبوط پکڑے رہو جو وحی کی گئی تمہاری طرف۔

إِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۴۳﴾

بے شک تم سیدھی راہ پر ہو •

(تو یا ہم اٹھالے جائیں تمہیں، پھر ان سے بدلہ لیں •۔۔یا۔۔تمہیں بھی دکھادیں جس کا وعدہ دیا ہم نے اِن لوگوں کو) دُنیا میں عذاب کا۔ (بہر حال ہم ان پر قدرت رکھنے والے ہیں • تو تم مضبوط پکڑے رہو جو وحی کی گئی تمہاری طرف)، یعنی جو آیتیں اور احکام تم پر نازل فرمائے گئے حسبِ دستور اُس پر ثابت قدم رہو، اور اُن کو مضبوطی سے تھامے رہو۔

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ ۚ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ﴿۴۴﴾

اور بے شک یہ شرف ہے تمہارا اور تمہاری قوم کے لیے۔ اور جلد تم لوگ پوچھے جاؤ گے •

اور (بے شک یہ شرف ہے تمہارا اور تمہاری قوم کے لیے) یعنی قومِ قریش کے لیے۔

مجاہد نے فرمایا کہ قوم سے تمام عرب مراد ہیں کہ قرآن اُن کی زبان میں ہے، اور قریش کو ایک خصوصیت ہے کہ آپ اُن میں سے ہیں۔ اور اُن میں بنی ہاشم کو اور زیادہ خصوصیت ہے۔ اور بعض نے کہا کہ قوم سے اُمت مراد ہے۔

(اور جلد تم لوگ پوچھے جاؤ گے) نعمت اور شکر گزاری کے تعلق سے۔ یعنی تم سے نعمت اور شکر گزاری کا سوال ہوگا۔

وَسۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ

اور پوچھ لو اُن سے جن کو ہم نے بھیجا تم سے پہلے اپنے رسولوں سے کہ "کیا قرار دیا تھا ہم نے خدائے رحمٰن کے خلاف

اٰلِهَةً يُّعۡبَدُوۡنَ ﴿۴۵﴾

کچھ اور معبود، جسے پوجا کریں"●

(اور) اَے محبوب! (پوچھ لو اُن سے جن کو ہم نے بھیجا تم سے پہلے اپنے رسولوں سے، کہ کیا قرار دیا تھا ہم نے خدائے رحمٰن کے خلاف کچھ اور معبود، جسے پوجا کریں)۔

اِس آیت سے صرف یہ مراد ہے کہ مشرکینِ قریش وغیرھم کو یہ باور کرایا جائے کہ کسی رسول نے یہ کہا ہے، اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب میں یہ مذکور ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کی جائے۔ اور چونکہ نبی کریم کو اس تعلق سے کوئی شک وشبہ نہیں تھا، تو آپ نے سوال کرنا ضروری نہیں خیال فرمایا۔

تو معراج کی رات بھی جبکہ سارے انبیاءِ کرام بیت المقدس میں موجود تھے آپ نے اُن سے یہ سوال نہیں کیا۔ سوال تو کسی شک وشبہ کو دُور کرنے ہی کے لیے کیا جاتا ہے۔ تو جب آپ کو یقینِ کامل تھا کہ کسی نبی نے ایسا نہیں فرمایا، پھر اُن سے سوال کرنے کی ضرورت ہی کیا۔۔ تو۔۔اب نبی کریم سے سوال کرنے کی جو بات ارشاد فرمائی گئی ہے، اس میں صرف یہی حکمت ہے کہ کافروں کو یقین آجائے کہ وہ خدا کے سوا کی جو پرستش کرتے ہیں اُس کا تعلق کسی بھی نبی کی ہدایت سے نہیں ہے۔

بلکہ اِس آیتِ کریمہ میں کافروں کو اِس بات پر برانگیختہ کیا گیا ہے کہ وہ خود انبیاءِ سابقین کی شریعتوں پر غور وفکر کریں اور اُن کی لائی ہوئی آسمانی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ جب وہ فکرِ مستقیم اور طبع سلیم کے ساتھ یہ کام کریں گے، تو اُن پر خود ہی واضح ہوجائے گا کہ بت پرستی اور غیر خدا کو پوجنے کا تعلق انبیاءِ کرام کی ہدایات سے نہیں ہے۔

اِس مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ جو ذکر کیا گیا ہے، اُس سے اِس مضمون کی تاکید کرنا مقصود ہے جو اس سے پہلے گزر چکا ہے، کیونکہ کفار نے ہمارے نبی ﷺ پر یہ

اعتراض کیا تھا کہ آپ کے پاس مال کی کثرت نہیں ہے اور نہ معاشرہ میں آپ کو کوئی بڑا منصب حاصل ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے سامنے ایسے قوی معجزات پیش کیے جن کے صحیح ہونے میں شک اور شبہ نہ تھا، تو اُس وقت فرعون نے بھی حضرت موسیٰ پر ایسا ہی اعتراض کیا تھا، جیسا کہ کفارِ مکہ نے سیدنا محمد ﷺ پر کیا تھا۔

اُس نے کہا کہ میں غنی ہوں اور میرے پاس بہت مال ہے اور میرے ماتحت بہت بڑی فوجیں ہیں اور تمام مصر کے ملک پر میری حکومت ہے اور میرے محل کے کنارے دریا بہہ رہے ہیں، اور رہے موسیٰ تو وہ فقیر ہیں اور معاشرہ میں کم حیثیت ہیں۔ اُن کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قدرت نہیں۔ اور جو شخص فقیر اور کم حیثیت ہو، اُس کو اتنے بڑے بادشاہ کے دربار میں سفیر بنا کر کیسے بھیجا جا سکتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی شبہ ہے جیسا کفارِ مکہ نے کیا تھا کہ یہ قرآن اِن دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ نازل ہوا؟

ایسا ہی اعتراض فرعون نے حضرت موسیٰ پر کیا تھا، تو ہم نے فرعون سے انتقام لیا اور فرعون اور اُس کی قوم کو سمندر میں غرق کر دیا۔ اور اِس قصہ کو یہاں ذکر کرنے سے تین۳ چیزوں کی تاکید کرنا ہے۔

﴿۱﴾۔۔کفار اور مشرکین ہمیشہ انبیاء علیہم السلام پر اِس قسم کے رکیک اعتراضات کرتے چلے آئے ہیں ۔۔لہٰذا۔۔اِن اعتراضات کی پرواہ نہ کی جائے۔

﴿۲﴾۔۔فرعون روئے زمین کا بہت بڑا بادشاہ تھا، اُس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں خائب و خاسر اور ناکام اور نامراد ہوا، اسی طرح مکہ میں آپ سے کفار و مشرکین ناکام اور نامراد رہیں گے۔

﴿۳﴾۔۔حضرت موسیٰ کا مخالف فرعون بہت بڑا بادشاہ تھا اور اس کے ماتحت بہت بڑا لشکر تھا اور اس کے درباری اور معاون اُس زمانہ کے بہت بڑے جادوگر تھے، اور اس کی پوری قوم اس کی خدائی کو مانتی تھی۔ اور سیدنا محمد ﷺ کے جو مخالفین تھے وہ فرعون کی طرح طاقتور نہ تھے اور سب مختلف قبائل اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس کوئی فوج تھی نہ طاقت اور اقتدار تھا۔ تو جب فرعون حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں پسپا ہو گیا، تو یہ کفارِ مکہ تو فرعون کی طرح اقتدار والے نہ تھے، اُن کا سیدنا محمد ﷺ کے مقابلہ میں پسپا ہونا بہت یقینی ہے اور یہ بہت جلد اپنے انجام کو پہنچنے والے ہیں۔۔قصہ مختصر۔۔فرمانِ الٰہی۔۔۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ

اور بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف، تو اُنہوں نے کہا کہ "بلاشبہ میں

رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

رسول ہوں رب العلمین کا" ● تو جب لے آئے اُن کے پاس ہماری نشانیاں، اب وہ اُس سے ہنس رہے ہیں ●

(اور) ارشادِ خداوندی ہے کہ (بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ)، یعنی اپنے معجزات کے ساتھ، کیونکہ معجزہ نبوت کی کھلی ہوئی علامت ہے، (فرعون اور اُس کے سرداروں کی طرف، تو انہوں نے) یعنی موسیٰ علیہ السلام نے (کہا) اُن کو (کہ بلاشبہ میں رسول ہوں رب العالمین کا ● تو جب لے آئے) موسیٰ علیہ السلام (اُن کے پاس ہماری نشانیاں)، جیسے عصا اور ید بیضا وغیرہ، تو (اب وہ) یعنی اُس وقت وہ لوگ اُس میں غور وفکر کرنے اور (اُس سے) ہدایت حاصل کرنے کے بجائے (ہنس رہے ہیں) اور اُس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔

وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا٘ وَاَخَذْنٰهُمْ

اور نہیں دکھاتے ہم اُنہیں کوئی نشانی، مگر یہ بڑی ہوتی پہلی سے۔ اور گرفتار کیا ہم نے اُنہیں

بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

دُکھ میں، کہ توبہ کر ڈالیں ●

(اور نہیں دکھاتے ہم انہیں کوئی نشانی مگر یہ بڑی ہوتی پہلی سے) جو اُس کے مثل اور مانند تھی۔ یعنی ہر ایک ایک قسم اعجاز کے ساتھ خاص کیے گئے تھے کہ اس کی جہت سے دوسرے پر تفضیل دیے گئے تھے، اُس بزرگی اور بڑائی کے ساتھ۔۔ الحاصل۔۔ سارے معجزے، معجزے تو تھے ہی، لیکن ہر ایک اپنی اپنی ایک خاص خصوصیت بھی رکھتے تھے جس میں وہ دوسرے سے ممتاز تھے۔ پہلے اُن کو کچھ سمجھنے کا موقع بھی دیا (اور) پھر (گرفتار کیا ہم نے انہیں) قحط، جوؤں اور ٹڈیوں وغیرہ کے عذاب اور (دکھ میں کہ شاید (توبہ کر ڈالیں) اور اپنے آئینِ باطل سے انحراف کر لیں۔ توبہ ورجوع تو بڑی بات رہی، وہ طنز و تعریض پر اُتر آئے۔۔۔

وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور وہ سب بولے کہ "اے جادوگر، دُعا کر دو ہمارے لیے اپنے رب سے وسیلہ سے، اُس کے جو عہد رکھا ہے تمہارے پاس۔

بے شک ہم راہ پر آجانے والے ہیں" ●

(اور وہ سب بولے کہ اَے جادوگر!)، یعنی اَے وہ شخص! جو علم سحر میں مقدم ہے اور سب ساحروں پر غالب ہے۔۔یا۔۔چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہمیشہ ساحر کہہ کے پکارتے تھے، اُسی عادت کے مطابق اُس وقت بھی کہتے جب اُن پر کوئی عذاب نازل ہوتا، کہ اَے ساحر! (دُعا کر دو ہمارے لیے اپنے رب سے وسیلہ سے اُس کے، جو عہد رکھا ہے تمہارے پاس)۔۔چنانچہ۔۔وہ آپ کی دُعا قبول فرماتا ہے۔یعنی جو دُعا آپ کرتے ہیں اُسے آپ کا خدا قبول فرماتا ہے، تو ہم پر سے عذاب دفع ہونے کے واسطے بھی آپ اُسے پکاریے، اس لیے کہ اگر آپ کی دُعا سے ہم پر سے عذاب دفع ہو جائے تو ہم آپ پر ایمان لائیں، اور اِس صورت میں (بے شک ہم راہ پر آ جانے والے ہیں)۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿٥٠﴾

پھر جب دُور کر دیا ہم نے اُن سے عذاب کو، اب وہ عہد شکنی کر رہے ہیں●

(پھر جب) موسیٰ علیہ السلام کی دُعا سے (دُور کر دیا ہم نے اُن سے عذاب کو)، تو (اب وہ عہد شکنی کر رہے ہیں)۔حضرت موسیٰ کی دُعا قبول ہونے سے فرعون متردد ہوا کہ مبادا لوگ اُن کا ایمان لائے، تو بات کا رخ پھیرنے کے لیے ندا کی۔۔۔

وَنَادَىٰ فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ

اور پکار لگائی فرعون نے اپنی قوم میں، بولا کہ "اَے قوم! کیا نہیں ہے میرے لیے مصر کی شاہی

وَهَٰذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي ۖ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾

اور یہ نہریں؟ بہتی رہتی ہیں میرے نیچے۔تو کیا تم لوگ نہیں دیکھا کرتے؟●

(اور پکار لگائی فرعون نے اپنی قوم میں) اور (بولا کہ اَے قوم! کیا نہیں ہے میرے لیے مصر کی شاہی)، اسکندریہ سے شام کی سرحد تک، اور (یہ) آب نیل کی (نہریں) جو (بہتی رہتی ہیں میرے محل کے (نیچے)؟

نیل کا پانی تین سو ساٹھ ۳۶۰ نہروں میں تقسیم تھا اور اُس میں بڑی چار ۴ نہریں فرعون کے باغ میں جاری تھیں، اور یہ نہریں فرعون کے محل کے نیچے سے بہتی تھیں۔

پس فرعون نے اُن نہروں کے سبب سے فخر کیا اور کہا کہ میرے باغوں میں یہ نہریں بہتی ہیں (تو کیا تم لوگ نہیں دیکھا کرتے) اِن مناظر کو جو میری عظمت و برتری کی دلیل ہیں؟

اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ مَهِیْنٌ ۙ وَّ لَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴿۵۲﴾

یا میں ہی بہتر ہوں اُس سے جو ذلیل ہے۔۔اور بات صاف کرتا معلوم نہیں ہوتا●

(یا) اِس بات کے حقیقت ہونے میں تم کو شک وشبہ ہے کہ **(میں ہی بہتر ہوں اُس سے جو)** ایک مرد **(ذلیل)** اور بے قدر **(ہے۔۔اور بات صاف)** صاف **(کرتا معلوم نہیں ہوتا)**، یعنی اُس کی زبان ہکلی ہے اور اُس میں لکنت ہے۔

حالانکہ یہ بات اُس ملعون نے غلط کہی، اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے اُس دُعا سے کہ **وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ** اُس گرہ کو کھول دیا تھا۔مگر یہ بات قوم پر پوشیدہ تھی، اس لیے کہ رسول ہونے کے قبل حضرت موسیٰ کو انہوں نے ایسا ہی جانا اور دیکھا تھا۔

فرعون بولا کہ اگر موسیٰ سچ کہتا ہے کہ قوم کی سرداری اور ریاست اُس کے نامزد ہو چکی ہے۔۔۔

فَلَوْ لَاۤ اُلْقِیَ عَلَیْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِیْنَ ﴿۵۳﴾

تو کیوں نہیں ڈال دیے گئے اُن پر سونے کے کنگن؟ یا آتے اُس کے ساتھ فرشتے مددگار؟ ہر وقت کے ساتھی"●

(تو) حق تعالیٰ کی طرف سے **(کیوں نہیں ڈال دیے گئے اِن پر سونے کے کنگن؟)**

اِس لیے کہ اُس زمانے کا یہ رواج تھا کہ جس کو افسری یا پیشوائی دیتے تھے، تو سونے کا کنگن اُس کے ہاتھ میں اور سونے کا گلوبند اُس کے گلے میں پہنا دیتے تھے۔

(یا آتے اُس کے ساتھ فرشتے مددگار؟ ہر وقت کے ساتھی)، اس واسطے کہ جو بادشاہ اپنی جگہ پر ایلچی بھیجتا ہے، تو اپنے خواص کا ایک گروہ اُس ایلچی کی خدمت کے واسطے نامزد کرتا ہے کہ اُس کا لشکر بہت ہو جائے اور وہ خواصِ سلطانی ہر حال میں اُس کے مدد و معاون رہیں۔تو یہ کیونکر ہوگا کہ حق تعالیٰ ایک مردِ فقیر بیکس کو اپنے پاس سے رسول کر کے بھیجے۔

فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ﴿۵۴﴾

تو اُس نے بنا دیا کم سمجھ اپنی قوم کو، تو سب نے کہا مانا اُس کا، بے شک وہ نافرمان لوگ تھے●

(تو اُس نے بنا دیا کم سمجھ) ہلکی عقل والا **(اپنی قوم کو، تو)** فرعون کا فریب اُن پر اثر کر گیا اور **(سب نے کہا مانا اُس کا)** اور حضرت موسیٰ کی متابعت نہیں کی۔**(بے شک وہ نافرمان لوگ تھے)**۔یعنی ایسے گروہ کے لوگ تھے جو عبادتِ خدا سے اور اطاعتِ خداوندی کے دائرے سے باہر ہو چکے تھے۔

فَلَمَّآ اٰسَفُوْنَا انْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۵﴾

تو جب وہ لوگ غضب میں لے آئے ہم کو، تو بدلہ لیا ہم نے، چنانچہ ڈبودیا ہم نے اُن سب کو●

(تو جب وہ لوگ) اپنی حرکتوں اوراپنے کرتوتوں سے **(غضب میں لے آئے ہم کو)**۔۔یا۔۔ غصے میں لائے ہمارے رسول کو، **(تو بدلہ لیا ہم نے، چنانچہ ڈبودیا ہم نے اُن سب کو)** اُسی پانی میں جس کی نہروں اور دریاؤں پر فرعون کو ناز تھا۔

فَجَعَلْنٰهُمْ سَلَفًا وَّمَثَلًا لِّلْاٰخِرِيْنَ ﴿۵۶﴾

ع ۱۱ | ۵

تو کردیا ہم نے اُنہیں پرانی کہانی، اور ضرب المثل پچھلوں کے لیے●

(تو کردیا ہم نے انہیں پرانی کہانی اور ضرب المثل پچھلوں کے لیے)۔یعنی فرعون اور اُس کے متبعین کو ہم نے بھولا بسرا واقعہ اور قصہ پارینہ بنادیا، اور بعد کے لوگوں کے لیے عبرت اور نصیحت بنادیا۔فرعون نے اپنی قوم کی کم فہمی اور بے عقلی سے فائدہ اٹھا کر انہیں غلط سوچ میں ڈال دیا۔اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود بھی ڈوبا اور اپنی قوم کو بھی لے ڈوبا۔

ذہن وفکر کو بھٹکا دینے کی ایک دوسری مثال وہ ہے جو ابن زبعری نے پیش کی، ایسا کہ قوم نے یہ سمجھ لیا کہ ابن زبعری نے تو رسولِ عربی کو لاجواب کردیا، اس پر سبھوں نے خوب ٹھٹھے لگائے اور تمسخر واستہزا کا مظاہرہ کیا۔۔قصہ مختصر۔۔قرآنِ کریم نے یہ ارشاد فرمایا کہ "تحقیق کہ تم اور جس کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا پتھر ہیں دوزخ کے"۔۔۔

تو اِس آیت کے نزول کے بعد ابن زبعری نے کہا کہ خدا کے سوا عیسیٰ علیہ السلام کو نصاریٰ نے پوجا، تو جب حضرت عیسیٰ آگ میں ہوں گے تو ہم اور ہمارے خدا بھی آگ میں ہوں گے۔۔الغرض۔۔مشرکین نے کہا کہ "آیا ہمارے خدا بہتر ہیں یا عیسیٰ" جب عیسیٰ جہنم کے پتھر ہوں گے تو ہمارے خدا بھی ہوں تو کیا حرج ہے؟ ابن زبعری نے اپنی قوم کو اپنی اِس گفتگو میں کئی چکمے دیے:

﴿۱﴾۔۔آیت کریمہ میں اسم موصول **مَا** کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا زبانِ عرب میں حقیقی استعمال 'غیر عاقل' کے لیے ہوتا ہے، تو آیتِ کریمہ میں **مَا** سے بے جان پتھروں کے بت مراد ہیں۔

﴿۲﴾۔۔آیت میں خطاب کفارِ قریش سے ہے جو حضرت عیسیٰ کے پجاری نہیں تھے۔

﴿۳﴾۔۔عاقلین میں بھی وہ لوگ اپنے پرستاروں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے جنہوں نے انہیں اپنی پرستش کا حکم دیا ہوگا۔

﴿۴﴾۔۔جہنم میں اللہ تعالیٰ کے وہ محبوبین نہیں جائیں گے جن سے اللہ تعالیٰ نے حسنِ خاتمہ کا وعدہ فرمالیا ہے۔

شعوری۔۔یا۔۔غیر شعوری طور پر مذکورہ بالا اُن تمام حقائق کو نظر انداز کر کے ابن زبعری اپنی کٹ حجتی میں لگا رہا اور اپنی پوری قوم کو دھوکا دے دیا اور ان کو قہقہہ لگانے کا موقع دے دیا۔ اِس قصے کے تعلق سے حق تعالیٰ کا بیان۔۔۔

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ ﴿۵۷﴾

اور جب ضرب المثل بنائی گئی ابنِ مریم کی، تو اُس وقت تمہاری قوم کے لوگ اُس سے کھلکھلاتے ہیں●

(اور) ارشاد ہے کہ (جب ضرب المثل بنائی گئی ابن مریم کی)، یعنی حضرت عیسیٰ کا واقعہ بطورِ مثال پیش کیا گیا، اور پیش کرنے والا ابن زبعری ہی تھا جس نے وہ بات کہی جس کا اوپر ذکر کیا جاچکا ہے، (تو اس وقت تمہاری قوم کے لوگ اُس سے کھلکھلاتے ہیں)، اس غلط فہمی کی وجہ سے کہ انہوں نے سمجھا کہ ابن زبعری نے رسولِ عربی کو لاجواب کردیا ہے، اب اُن کے پاس اِس کا معقول جواب ہے ہی نہیں۔

وَقَالُوا ءَأَلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ ۚ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ﴿۵۸﴾

اور بولے کہ "ہمارے معبود بہتر ہیں" کہ وہ نہیں کہاوت بولے اُن کی تم سے، مگر ہٹ دھرمی کو۔ بلکہ وہ لوگ جھگڑالو ہیں●

(اور بولے کہ ہمارے معبود بہتر ہیں، کہ وہ؟) یعنی حضرت عیسیٰ۔ تو جو حضرت عیسیٰ کا حشر ہوگا وہی ہمارے معبودوں کا بھی اِس میں فکر کی کون سی بات ہے۔ ابن زبعری کی اِس مہمل بات پر اُس کی قوم نے خوب قہقہے لگائے، تالیاں بجائیں، شاباشیاں دیں۔ ایسا لگا کہ پیغمبرِ اسلام کو لاجواب کر کے سارا معرکہ سر کرلیا۔ حالانکہ اَے محبوب! (نہیں کہاوت بولے اُن کی تم سے)، یعنی اُن کی مثال نہیں دی حق کو باطل سے تمیز کرنے کے لیے، (مگر ہٹ دھرمی کو) اور جدال اور خصومت کے واسطے۔ (بلکہ وہ سب امور میں ایسے گروہ کے (لوگ) ہیں جو بہت ہی (جھگڑالو ہیں)۔ اُن کا مقصد صرف بلاوجہ جھگڑا کرنا اور غیر معقول طور پر کٹ حجتی کرنا ہے۔ جن ابن مریم علیہ السلام کا واقعہ بطورِ مثال پیش کیا ہے۔۔۔

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۵۹﴾

نہیں ہیں وہ ابنِ مریم، مگر ایک بندہ، جن پر انعام فرمایا ہم نے، اور کر دیا اُنہیں ایک مثال، بنی اسرائیل کے لیے●

(نہیں ہیں وہ ابن مریم مگر ایک بندہ، جن پر انعام فرمایا ہم نے) نبوت و رسالت دے کر، **(اور کر دیا انہیں ایک مثال)**، یعنی ایک نشانی اور امر عجیب **(بنی اسرائیل کے لیے)**۔ یعنی بے باپ کے اُن کا پیدا ہونا عجیب قصوں میں سے ایک قصہ ہے اور سب قصوں کے مثل۔۔ الحاصل۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا۔۔ یا۔۔ اُس کے بیٹے نہ تھے، وہ ہمارے بندوں میں سے ایک بندے تھے اور بہت مقدس اور مقرب بندے تھے۔

بنی اسرائیل کے لیے ہم نے اُن کو اپنی قدرت کا نمونہ بنا دیا۔ تاہم عظیم الشان معجزات کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبدیت کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کرنا صحیح نہیں، اور نہ اُن کی عبادت کرنا درست ہے۔۔ ہاں۔۔ ان معجزات سے یہ ضرور پتا چلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے انتہائی مکرم اور مقرب بندے اور عظیم الشان رسول تھے۔

وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ﴿۶۰﴾

اور اگر ہم چاہے ہوتے، تو بناتے تمہاری جگہ فرشتوں کو زمین میں، کہ رہا کرتے●

(اور اگر ہم چاہے ہوتے تو بناتے تمہاری جگہ فرشتوں کو زمین میں کہ رہا کرتے)، یعنی تم کو ہلاک کر دیتے اور پھر تمہاری جگہ زمین پر فرشتوں کو آباد کر دیتے۔۔ الغرض۔۔ فرشتوں کے آسمان پر رہنے میں کوئی ایسی فضیلت نہیں ہے کہ اُن کی عبادت کی جائے۔۔ یا۔۔ یہ کہا جائے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔

اس کا دوسرا معنی یہ ہے۔۔۔

کہ اگر ہم چاہتے تو اَے مَردو! ہم تم سے فرشتوں کو پیدا کر دیتے اور تمہارے بعد زمین پر فرشتے اس طرح رہتے جس طرح تمہاری اولاد تمہارے بعد رہتی ہے۔ اور جس طرح ہم نے عیسیٰ کو عورت سے بغیر مرد پیدا کر دیا، تاکہ تم ہماری عظیم قدرت کو پہچانو اور تم یہ جان لو کہ فرشتوں کا بھی اُسی طرح پیدا ہونا ممکن ہے اور اللہ تعالیٰ اِس سے بہت بلند ہے کہ فرشتے اُس کی بیٹیاں ہوں۔

وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۱﴾

اور بے شک وہ ابنِ مریم، یقیناً علاماتِ قیامت سے ہیں، تو ہرگز شک نہ کرنا قیامت میں۔

"اور پیچھے پیچھے تم لوگ رہو میرے، یہ سیدھا راستہ ہے"●

(اور بے شک وہ ابن مریم یقیناً علاماتِ قیامت سے ہیں)۔ یعنی اُن کے سبب سے جانو گے کہ قیامت نزدیک ہے، اس لیے کہ قیامت کی علامت میں سے ایک حضرت عیسیٰ کا اترنا ہے کہ جب اہلِ زمین پر دجال کا تسلط ہو جائے گا، تو وہ دمشق کے پورب طرف کے کنارے 'منارۂ بیضا' کے قریب اُتریں گے۔

رنگین کپڑے پہنے ہوئے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے ہوں گے اور اُن کے رخسارِ مبارک پر پسینہ آیا ہوگا۔ جب سر آگے جھکائیں گے تو قطرے اُن کے چہرے سے ٹپک پڑیں گے، اور جب سر اوپر اٹھائیں گے تو قطرے اُن کے چہرے پر موتیوں کی طرح رواں ہوں گے۔ اور جس کافر پر اُن کی سانس پہنچے گی وہ مر جائے گا۔ اور جہاں تک اُن کی نگاہ پڑے گی وہاں تک اُن کی سانس بھی پہنچے گی۔ پھر وہ دجال کی تلاش میں چلیں گے۔ باب "لُد" جو ایک موضع ہے ولایتِ شام میں، جب وہاں پہنچیں گے تو اُس کو قتل کریں گے، تو اُس وقت یاجوج ماجوج نکلیں گے، اور عیسیٰ علیہ السلام مسلمانوں کو کوہِ طور پر لے جائیں گے اور وہاں پناہ اور آڑ پکڑیں گے۔۔ غرضیکہ۔۔ جب معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام قربِ قیامت کی ایک نشانی ہیں۔۔۔

(تو) اَے مخاطب! (ہرگز شک نہ کرنا قیامت میں) اور جھگڑا مت مچانا قیامت کے آنے میں، (اور پیچھے پیچھے تم لوگ رہو میرے) یعنی میرے رسول کی شریعت کی پیروی کرتے رہو، کیونکہ (یہ سیدھا راستہ ہے) کہ اِس پر چلنے والا کوئی گمراہ نہیں ہوتا۔

وَلَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۶۲﴾

اور نہ روک لے تمہیں شیطان۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے●

(اور) خیال رہے کہ (نہ روک لے تمہیں شیطان) اُس پر چلنے سے اپنے وسوسے کے سبب سے، تو اُس کی متابعت نہ کرو۔ (بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)۔ اُس کی دشمنی ڈھکی چھپی نہیں، جبھی اُس نے وسوسے ڈال کے بنی اسرائیلیوں میں کئی گروپ بنا دیے۔۔ چنانچہ۔۔ فرمانِ خداوندی۔۔۔

وَلَمَّا جَآءَ عِيسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ

اور جب لائے عیسیٰ روشن دلیلیں، بولے کہ "بلاشبہ میں لایا ہوں تمہارے پاس حکمت، اور تا کہ بیان کردوں

بَعْضَ الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۶۳﴾

تمہیں کچھ وہ، جس میں تم لوگ جھگڑتے ہو، تو اللہ کو ڈرو اور میرا کہا مانو●

(اور) ارشادِ ربانی ہے کہ (جب لائے عیسیٰ روشن دلیلیں) انجیل کی آیتوں ۔۔یا۔۔ کھلے ہوئے معجزوں کے ساتھ، تو (بولے) عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے (کہ بلاشبہ میں لایا ہوں تمہارے پاس حکمت) شرع کے ساتھ جو مشتمل ہے قولی اور فعلی حکمت پر، (اور) اس واسطے (تا کہ بیان کردوں تمہیں کچھ وہ جس میں تم لوگ جھگڑتے ہو)، اور وہ امورِ دین ۔۔یا۔۔ احکامِ توریت ہیں۔ (تو اللہ) تعالیٰ کے عذاب (کو ڈرو اور میرا کہا مانو) جو کچھ میں تمہیں حکم کروں اُس کی پیروی کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۶۴﴾

بے شک اللہ ہی میرا رب، اور تمہارا پالنے والا ہے، تو پوجو اُس کو۔ یہ سیدھا راستہ ہے"●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (ہی) جس کے حکم سے میں حکم کرتا ہوں (میرا رب اور تمہارا پالنے والا ہے، تو پوجو اُس کو) یگانگی کے ساتھ۔ (یہ سیدھا راستہ ہے) جس میں نہ کجی ہے نہ موڑ۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

پھر کئی ٹولیاں ہوگئیں اُن کی۔ تو ہلاکی ہے اُن کی جنہوں نے اندھیر مچایا،

مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۶۵﴾

دردناک دن کے عذاب سے●

(پھر کئی ٹولیاں ہوگئیں اُن) نصاریٰ (کی) حضرت عیسیٰ کے بعد، جیسے یعقوبیہ، نسطوریہ ملکانیہ، شمعونیہ وغیرہا، (تو ہلاکی ہے اُن کی جنہوں نے اندھیر مچایا دردناک دن) یعنی قیامت کے دن (کے عذاب سے)۔

خیال رہے کہ اُن کا اختلاف عیسیٰ علیہ السلام کے تین ۳۰۰ سو سال بعد ہوا، اُن کی موجودگی میں سب متفق تھے کیونکہ انہوں نے جملہ بدعات اُن کے رفع الی السماء کے بعد نکالیں۔ اس آیت میں جو دردناک عذاب کے دن کی وعید ہے وہ اُن یہودیوں کے بارے میں ہے جو

حضرت عیسیٰ کی شان میں کمی کرتے تھے، اور یوں ہی اُن عیسائیوں سے متعلق ہے جو حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔۔لہٰذا۔اس وعید میں وہ ایمان والے شریک نہیں ہیں، جنہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔مذکورہ بالا یہود و نصاریٰ۔۔۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَن تَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٦﴾

کس کا انتظار کرتے، مگر قیامت کا۔کہ آجائے اُن پر اچانک، اور وہ بے خبر ہیں●

(کس کا انتظار کرتے مگر قیامت کا کہ آجائے اُن پر اچانک، اور وہ بے خبر رہیں)۔

چونکہ اُن کے ہاں قیامت کا آنا لازمی امر تھا، اِسی لیے گویا وہ انتظار کرتے تھے۔اِسی لیے اُن سے فرمایا گیا کہ وہ آئے گی اچانک۔قیامت کے اچانک آنے کا یہ مطلب ہے کہ ایسا نہیں کہ وہ اس کے متعلق کسی وہم و گمان میں ہوں گے، بلکہ وہ اُس سے بالکل غافل اور امورِ دُنیا میں سخت مشغول بلکہ اُس کے بالکل منکر ہوں گے۔اِسی لیے اُن کے لیے فرمایا کہ انہیں اُس کے آنے کا شعور بھی نہ ہوگا۔

یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ بہت سے ایسے امور ہوتے ہیں جن کا آنا اچانک ہوتا ہے اور اُس کے وقوع کا شعور بھی ہوتا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ وہ امر آئے گا اور اسے خیال گزرتا ہے کہ اُس کے لیے تیاری کرنی چاہیے، اور بعض امور ایسے ہوتے ہیں جن کے وقوع کو نہیں جانتا کہ وہ واقع ہو یا نہ ہو لیکن واقع ہو جاتا ہے۔ظاہر ہے جس کسی کو کسی امر کے واقع ہونے سے انکار ہو تو وہ اُس سے بالکل غافل ہوتا ہے، اِسی لیے ایسوں کے لیے یہ کہنا مناسب ہے کہ اُسے اُس امر کے آنے کا شعور بھی نہ ہوگا۔اس پر ہر ایک کو اس کے عمل پر جزا اور سزا ملے گی۔

قیامت کا دن وہ دن ہے کہ اُس روز صاف نظر آئے گا کہ۔۔۔

الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴿٦٧﴾ ع ۱۱/۱۲

سارے گہرے دوست اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہیں، مگر اللہ سے ڈر جانے والے●

(سارے گہرے دوست) کفر اور معصیت کے (اُس دن ایک دوسرے کے دشمن ہیں، مگر اللہ) تعالیٰ (سے ڈر جانے والے)، یعنی پرہیزگار اہلِ ایمان۔چونکہ کافروں کی آپس کی دوستی کفر اور معصیت پر باہم اعانت کرنے کے واسطے تھی، اس لیے وہ باہم دشمن ہو جائیں گے اور آپس میں ایک

دوسرے پر لعنت کریں گے۔ اور مؤمن لوگ جن کی محبت خدا کے واسطے تھی، اُن کی دوستی برقرار رہے گی کہ ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے۔

'تاویلاتِ کاشی' میں ہے کہ دوستی چار قسم پر ہوتی ہے:

﴿۱﴾۔۔پہلی دوستی حقیقی: کہ محبت روحانی ہے اور وہ مستند ہے روحوں کے تناسب اور تعارف کے سبب سے، جیسے انبیاء، اولیاء، شہداء اور اصفیا کی محبت ایک دوسرے سے۔

﴿۲﴾۔۔دوسری محبتِ قلبی: اور اِس کی اسناد اوصافِ کاملہ اور اخلاقِ فاضلہ کے تناسب کے سبب سے ہے، جیسے صالح اور ابرار لوگوں کی محبتِ باہمی اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ امتوں کی محبت، اور پیروں کے ساتھ مریدوں کی ارادت، اور اِس قسم کی دونوں محبتوں میں خلل نہیں آتا، دُنیا میں نہ آخرت میں۔ اور ان دونوں محبتوں سے ظاہری اور باطنی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

﴿۳﴾۔۔تیسری محبتِ عقلی: کہ اسبابِ معاش حاصل ہونے اور دُنیا کی مصلحتیں آسان ہونے کے سبب سے مستند ہے، جیسے تاجروں اور کاریگروں کے ساتھ محبت، اور خادموں کی دوستی مخدوموں کے ساتھ، اور حاجتمندوں کی محبت دولت مندوں کے ساتھ۔

﴿۴﴾۔۔چوتھی محبتِ نفسانی: حسی لذتوں اور نفسانی خواہش کی چیزوں کے سبب سے اُس کی اسناد ہے، تو قیامت میں کہ ان دو قسم کی محبت کے اسباب فانی اور زائل ہوجائیں گے، تو یہ دونوں محبتیں بھی فنا اور زائل ہوجائیں گی، بلکہ جب تمنا کی ہوئی چیز نہ پائی جائے گی اور غرض اور حاجت نہ حاصل ہوگی، تو وہ دوستی دشمنی کے ساتھ بدل جائے گی۔۔قصہ مختصر۔۔مذکورہ بالا اللہ سے ڈرنے والے متقی ہی ہوں گے۔۔۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا

مخاطبین اِس کے کہ "اے میرے بندو! نہ تم پر کوئی ڈر ہے آج، اور نہ تم رنجیدہ ہو"● جو مان گئے تھے ہماری آیتوں کو،

وَكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿۶۹﴾ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور مسلمان تھے● "داخل ہو جنت میں، تم اور تمہاری بیبیاں، تم لوگ خوش کیے جاؤ گے"●

(مخاطبین اِس) خطابِ الٰہی (کے کہ اَے میرے بندو! نہ تم پر کوئی ڈر ہے آج) مکروہات پیش آنے کے سبب سے، یعنی تم پر کوئی ناپسندیدہ چیز پیش آنے والی نہیں، (اور نہ) ہی (تم رنجیدہ ہو)

گے مقاصد فوت ہونے کے سبب سے، یعنی تمہارا ہر مقصد پورا ہوگا۔

آگے اُن بندوں کے اوصاف کا ذکر فرما رہا ہے، جن سے خطاب فرمایا کہ یہ وہ ہیں۔۔۔

(جو مان گئے تھے ہماری آیتوں کو) اور ایمان لائے ہمارے کلام کی آیتوں پر (اور مسلمان تھے)۔ گردن جھکائے ہوئے حکمِ الٰہی کے سامنے۔ اُس وقت ندا کرنے والا اُن سے کہے گا کہ (داخل ہو جنت میں تم اور تمہاری) مسلمان (بیبیاں، تم لوگ خوش کیے جاؤگے)۔ یعنی تم کو شادکام کیا جائے گا ۔۔یا۔۔ بزرگی عطا کی جائے گی ۔۔یا۔۔ تمہیں آراستہ کیا جائے گا۔۔ الغرض۔۔ جو بھی کیا جائے گا وہ تمہاری خوشی اور شادمانی کا باعث ہوگا۔۔ اور۔۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ ۚ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ

دَور چلایا جائے گا اُن پر سونے کے پیالوں اور ساغروں کا۔ اور اُس میں ہے جس چیز کو چاہے اُن کا جی،

وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۚ

اور مزہ لیں آنکھیں۔" اور تم اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہو"●

(دَور چلایا جائے گا اُن پر) جو بہشت میں داخل ہوں گے (سونے کے پیالوں اور ساغروں کا)۔ یعنی بے دستے کے اور بے گوشے کے کوزوں کا، یعنی صُراحیاں طرح طرح کی پینے کی چیزوں سے بھری ہوئیں۔ (اور اُس) بہشت (میں ہے) اُن کے لیے (جس چیز کو چاہے اُن کا جی، اور) جس چیز کو دیکھنے میں (مزہ لیں) خوش ہوں اور لذت حاصل کریں اُن کی (آنکھیں)۔

وسیط میں ہے کہ یہ دو کلمے فرما کر حق تعالیٰ نے جنتیوں کے واسطے جو نعمتیں ہیں اُن سب کی خبر دے دی، اس واسطے کہ جنت کی نعمتیں یا نفس کا حصہ ہیں ۔۔یا۔۔ آنکھ کا۔ ایک درویش نے فرمایا کہ اہلِ نظر جانتے ہیں کہ آنکھ کی لذت کس چیز میں ہو سکتی ہے۔ ہر صاحبِ بصیرت پر یہ بات ظاہر ہے کہ اہلِ شوق کے واسطے آنکھ کی لذت جمالِ محبوب کے مشاہدہ کے سوا اور کسی چیز میں متصور نہیں۔

امام قشیری نے لکھا ہے کہ لذتِ دیدار اشتیاق کے قدر ہے۔ عاشقوں کو جس قدر شوق زیادہ ہوتا ہے اُسی قدر لذتِ دیدار بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ذوالنون مصری سے منقول ہے کہ شوق محبت کا ثمرہ ہے، جسے جس قدر محبت ہوگی اُسے اُسی قدر محبوب کے دیدار کا شوق زیادہ ہوگا۔ زبور میں ہے کہ اَے داوٗد! میری بہشت مطیعوں کے لیے ہے، اور میری کفایت

متوکلوں کے لیے ہے، اور میری زیادتی شکر گزاروں کے واسطے ہے، اور میرا انس طالبوں کا حصہ ہے، اور میری رحمت نیک کام کرنے والوں کا حق ہے، اور میری مغفرت توبہ کرنے والوں کے واسطے ہے، اور میں خاص اپنے مشتاقوں کا ہوں۔

اب آگے جنتیوں کی پوری لذت کے واسطے فرماتا ہے۔۔۔

(اور تم اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہو) اور کمالِ نعمت اسی میں ہے جس کے زوال کا کھٹکا نہ ہو۔

وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۲﴾ لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ

"اور یہ جنت ہے، جس کے وارث تم بنائے گئے، بسبب اُن اعمال کے جو کرتے تھے ● تمہارے لیے اُس میں میوہ ہے

كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۳﴾

بکثرت، کہ اُن میں سے کھاؤ گے" ●

(اور یہ جنت ہے جس کے وارث تم بنائے گئے بسبب اُن اعمال) خیر (کے) دُنیا میں (جو کرتے تھے)۔

حق تعالیٰ نے میراث کے لفظ سے یاد کیا، اِس واسطے کہ خالص ہے اور استحقاق کے سبب سے ہاتھ آئی ہے۔

(تمہارے لیے اُس میں میوہ ہے بکثرت کہ اُن میں سے کھاؤ گے) وہ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

معالم میں ہے کہ حدیث میں وارد ہوا کہ جو کوئی بہشت میں درخت سے میوہ لے گا فوراً ہی ایسا ہی میوہ اُس درخت میں پھر پیدا ہو جائے گا۔ قرآنِ کریم اپنے اسلوب کے مطابق مؤمنین کے ذکر کے بعد کافروں کا ذکر فرما رہا ہے کہ۔۔۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۷۴﴾ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ

بلاشبہ مجرم کفر لوگ، جہنم کے عذاب میں ہمیشہ پڑے رہنے والے ہیں ● نہیں تخفیف کی جائے گی اُن سے، اور وہ اُس میں

مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۶﴾

بے آس ہیں ● اور ہم نے زیادتی نہیں فرمائی اُن پر، لیکن وہ خود ہی ظالم تھے ●

(بلاشبہ مجرم کفر لوگ جہنم کے عذاب میں ہمیشہ پڑے رہنے والے ہیں ● نہیں تخفیف کی

جائے گی اُن سے)، یعنی اُن کا عذاب کبھی ہلکا نہیں کیا جائے گا، (اور وہ اُس) عذاب (میں) عذابوں کی قلت اور خفت سے (بے آس ہیں) اور بالکل مایوس ہیں۔ (اور ہم نے) عذاب کرنے میں (زیادتی نہیں فرمائی اُن پر، لیکن وہ خود ہی ظالم تھے)، کیونکہ اُنہوں نے شرک کیا اور بے محل عبادت کی۔ جب نجات کی امید منقطع ہوگی، تو اُن فرشتوں کو پکاریں گے جو دوزخ کے مہتمم ہیں۔۔ چنانچہ۔ آواز لگائی۔

وَنَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور پکار مچائی اُنہوں نے کہ "اَے مالک! مار ڈالے ہمیں تمہارا رب۔" اُس نے جواب دیا کہ "تم لوگ اِسی طرح ہمیشہ رہنے والے ہو"●

(اور پکار مچائی انہوں نے کہ اَے مالک! مار ڈالے ہمیں تمہارا رب)۔ یعنی کہیں گے کہ اَے مالک! درخواست کر خدا سے تا کہ حکم کرے ہم پر، یعنی ہم کو مار ڈالے تیرا رب تا کہ عذاب کھینچنے سے ہم رہائی پائیں۔ (اُس نے) ہزار برس کے بعد۔

۔۔یا۔۔ایک قول کے مطابق چالیس دن کے بعد اُس جہان کے دنوں میں سے، کہ ایک دن یہاں کے ہزار برس کے برابر ہوگا۔۔۔

(جواب دیا کہ تم لوگ اِسی طرح ہمیشہ رہنے والے ہو) دوزخ میں، کہ نہ تم مروگے نہ تم پر تخفیفِ عذاب ہوگی۔

پھر حق تعالیٰ مالک کے جواب دینے کے بعد اُن سے فرمائے گا کہ۔۔۔

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

بے شک لائے ہم تمہارے پاس حق، لیکن تمہارے بہتیرے حق سے ناگواری رکھنے والے ہیں●

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

کیا اُنہوں نے قطعی طے کرلیا ہے کسی امر کو، تو بلاشبہ ہم بھی قطعی طے کرلینے والے ہیں●

(بے شک لائے ہم تمہارے پاس حق)، یعنی پیغمبروں کی زبانی ہم نے تمہارے پاس کلام صحیح و درست بھیجا، (لیکن تمہارے بہتیرے حق سے ناگواری رکھنے والے ہیں)۔ انہوں نے حق کو قبول کرنے سے کراہت کا مظاہرہ کیا اور اُسے پسند نہ کیا۔ (کیا انہوں نے قطعی طے کرلیا ہے کسی امر کو)، یعنی حق کو باطل اور رَدّ کرنے کو۔۔یا۔۔ پیغمبروں کے ساتھ مکر کرنے کو، (تو بلاشبہ ہم بھی قطعی طے کرلینے والے ہیں) کام اُن کے مکافات کے واسطے۔۔یا۔۔انبیاء کی نصرت کے ساتھ کافروں کا مکر

باطل کرنے کو۔

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿٨٠﴾

کیا خیال کرتے ہیں کہ "ہم نہیں سنتے اُن کے راز کو، اور اُن کے باہمی مشورہ کو؟" کیوں نہیں!

حالانکہ ہمارے قاصد اُن کے پاس لکھتے رہتے ہیں●

(کیا خیال کرتے ہیں کہ ہم نہیں سنتے اُن کے راز کو) جو وہ دل میں رکھتے ہیں، (اور اُن کے باہمی مشورہ کو؟) جو اپنی زبانوں سے باہم ایک دوسرے سے کرتے ہیں اپنی مصلحتوں کے پیش نظر۔ (کیوں نہیں) ہاں! سنتے ہیں ہم اُسے، ہمارے اُن باتوں سے بے خبر رہنے کا سوال ہی کیا ہے۔ (حالانکہ ہمارے قاصد) یعنی ہمارے بھیجے ہوئے محافظ فرشتے، جو اُن پر مسلط اور موکل ہیں (ان کے پاس، لکھتے رہتے ہیں) اُسے میرے حکم سے۔ اور جب اُن کی پوشیدہ باتیں میرے فرشتوں پر ظاہر ہیں، تو ہم جو خداوند ہیں، ہم پر کیونکر پوشیدہ ہوں گی۔ اَے محبوب!

قُلْ إِن كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ ﴿٨١﴾

کہہ دو کہ "اگر ہوتا خدائے رحمٰن کے لیے بچہ، تو میں ہوتا سب سے پہلا پجاری"●

(کہہ دو کہ اگر ہوتا خدائے رحمٰن کے لیے بچہ) جیسا کہ تم گمان کرتے ہو، (تو میں ہو) جا (تا سب سے پہلا) اُس کی تعظیم کرنے والا اور اُس کا (پجاری)، یعنی اگر کوئی خدا کا فرزند ہوتا اور صحیح دلیل سے ثابت ہو جاتا، تو میں سب سے پہلے اُس کی تعظیم کرتا۔ یعنی میں کہ ہمیشہ خدا کی تعظیم کرتا ہوں، اگر اُس کا کوئی فرزند ہوتا تو اُس کی بھی تعظیم کرتا، اس لیے کہ بیٹے کی تعظیم باپ کی تعظیم ہوتی ہے۔

یہ بات تمثیل کے طور پر ہے اور اُس میں حق تعالیٰ کے فرزند نہ ہونے میں مبالغہ ہے۔

اِس کلام میں اِس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ۔۔۔

میں اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلی مخلوق ہوں، سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے ہی نور کو پیدا کیا۔ اُس وقت مخلوقات میں میرے سوا کوئی نہ تھا۔ تو اگر بالفرض کوئی خدا کا فرزند ہوتا تو اُس کی پرستش میں ہی کرتا اور اس کام میں کوئی دوسرا میرا شریک نہ ہوتا۔ الغرض۔ خدا کے فرزند پر سب سے پہلے ایمان میں لاتا، اُس کے وجود کا سب سے پہلا اعتراف میں کرتا۔ الحاصل۔ اُس کا سب سے پہلا پجاری میں ہوتا۔ لیکن جب ایسی بات ہے ہی نہیں اور خدا کا فرزند ہونا محالاتِ خرد میں سے ہے، جس کا عقلاً نقلاً باطل ہونا ظاہر ہے، اس لیے کہ۔۔۔

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿٨٢﴾

پاکی ہے آسمانوں اور زمین کے رب، عرش والے کی، اُس سے جو یہ بتاتے ہیں۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ ﴿٨٣﴾

تو چھوڑو انہیں، کہ بکتے رہیں اور کھیلا کریں، یہاں تک کہ پا جائیں اپنے اُس دن کو، جس کا وعدہ دیے گئے ہیں۔

(پاکی ہے آسمانوں اور زمین کے رب عرش والے کی) یعنی خداوند عرش کی (اُس سے، جو یہ) کافر (بتاتے ہیں)، یعنی دُنیا میں اُسے صاحبِ اولاد کہتے ہیں، (تو) اَے محبوب! (چھوڑو انہیں کہ بکتے رہیں)، یعنی باطل کی حمایت میں کوشش کرتے رہیں، (اور کھیلا کریں) یعنی دُنیاوی لہو ولعب میں مشغول رہیں، (یہاں تک کہ پا جائیں اپنے اُس دن کو جس کا وعدہ دیے گئے ہیں) یعنی قیامت کا دن۔

وَهُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿٨٤﴾

اور وہی ہے جو آسمان میں معبود، اور زمین میں بھی معبود۔ اور وہی حکمت والا علم والا ہے۔

(اور وہی ہے جو آسمان میں معبود) یعنی مستحقِ عبادت ہے، (اور زمین میں بھی معبود) یعنی مستحقِ عبادت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے زمین وآسمان میں کوئی ظرف نہیں ہے، لیکن دونوں جگہ عبادت کا مستحق صرف وہی ہے۔ لہٰذا۔ آسمان پر رہنے والے فرشتے آسمان پر اُسی کی عبادت کرتے ہیں، اور زمین پر رہنے والے انبیاء ومرسلین اور سارے مؤمنین زمین پر اُسی کی پرستش کرتے ہیں۔ یہ دلیل ہے کہ زمین وآسمان کہیں بھی اُس کی اولاد نہیں، اسی لیے تنہا وحدہ لاشریک معبودِ برحق ہے۔ (اور وہی حکمت والا) ہے، یعنی تدبیر خلق میں راست کار ہے اور (علم والا ہے)، یعنی ان کی مصلحتیں جاننے والا ہے۔

وَتَبٰرَكَ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۚ

اور بڑا بابرکت ہے وہ، جس کی شاہی آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان میں ہے۔

وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٨٥﴾

اور اُسی کے پاس ہے قیامت کا علم۔ اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

(اور بڑا بابرکت) بزرگی والا (ہے وہ، جس کی شاہی آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان میں ہے)۔ یعنی اُس کا حکم سب مخلوقات کے اجزاء پر جاری ہے۔ (اور اُسی کے پاس ہے قیامت کا علم)، یعنی اُس ساعت کا علم جس میں قیامت قائم ہوگی۔ (اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے) یعنی سب خلائق اُس دن اُس کی طرف پھیری جائے گی۔

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ

اور نہیں اختیار رکھتے، جن کی یہ لوگ دُہائی دیتے ہیں اللہ کے خلاف سفارش کی، مگر جس نے گواہی دی

بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

حق کی، اور وہ علم رکھتے ہیں●

(اور نہیں اختیار رکھتے) وہ، (جن کی یہ) کافر (لوگ دُہائی دیتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے خلاف سفارش کی)۔ یعنی کافروں کے معبود، جن، انسان، فرشتے، بت کہ مشرک اُن کی شفاعت کے امیدوار ہیں، وہ اُس دن شفاعت نہ کرسکیں گے، (مگر جس نے گواہی دی حق کی) جیسے فرشتے اور حضرت عیسیٰ اور حضرت عزیر علیہم السلام کہ اُن کو شفاعت کرنے کا رتبہ من جانب اللہ حاصل ہے، اس لیے کہ انہوں نے شہادتِ برحق ادا کی ہے۔ (اور وہ علم رکھتے ہیں) اس بات کا کہ انہوں نے گواہی دی ہے اور وہ گنہگار مومنوں کے سوا اور کسی کی شفاعت نہ کریں گے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور اگر پوچھ لیا تم نے کہ "کس نے پیدا کیا اُنہیں"، تو ضرور جواب دیں گے کہ "اللہ"، تو کہاں اوندھائے جاتے ہیں●

(اور) اَے محبوب! (اگر پوچھ لیا تم نے) اُن عبادت کرنے والوں سے اور اُن سے جن کی یہ عبادت کرتے ہیں (کہ کس نے پیدا کیا انہیں؟ تو ضرور جواب دیں گے کہ اللہ) تعالیٰ، اس واسطے کہ یہ جواب ایسا ظاہر ہے کہ اِس سے اِنکار نہ کرسکیں گے۔ (تو کہاں اوندھائے جاتے ہیں)، یعنی کیونکر پھیرے جاتے ہیں مشرک لوگ اُس کی عبادت سے اُس کے غیر کی عبادت کی طرف۔

وَقِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ

قسم ہے آنحضرت کے اُس قول کی کہ "پروردگارا! یہ لوگ نہیں مانتے"●۔۔ تو درگزر کرو اُن سے، اور کہو کہ

وقف لازم

سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾

"میرا تو سلام ہے" کہ جلد ہی وہ لوگ جان جائیں گے۔

(قسم ہے آنحضرت کے اِس قول کی کہ پروردگارا! یہ لوگ نہیں مانتے)، یعنی یہ ایمان لانے والے نہیں، (تو) اے محبوب! (درگزر کرو اُن سے) اور اُن سے انتقام نہ لو، (اور کہو کہ میرا تو سلام ہے)۔ یعنی تمہیں چھوڑ دینا مجھے منظور ہے، یعنی دُنیا میں میری طرف سے تم کو سلامتی ہے۔

یہ حکم آیتِ قتال سے منسوخ ہے۔

۔۔الختصر۔۔اے محبوب! فی الحال انہیں سلامتی کا پروانہ دے دو، کیوں (کہ جلد ہی وہ لوگ جان جائیں گے) دُنیا میں جنگِ بدر کے دن، اور عقبیٰ میں آتشِ دوزخ میں داخل ہونے کے سبب سے۔

بعونہٖ تعالیٰ آج بتاریخ

۲۱ رجمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۱۴ را پریل ۲۰۱۲ء

بروش شنبہ 'سورۂ زخرف' کی تفسیر مکمل کر کے آج ہی 'سورۂ الدخان' کی تفسیر شروع کردی۔ مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں ر[کھے]

آمین یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وَصٓ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ

سورۃ الدخان ۴۴ — مکیۃ ۶۴ | **سُوۡرَۃُ الدُّخَانِ** | آیاتہا ۵۹ — رکوعاتہا ۳

سورۂ الدخان۔۔۴۴ مکیہ ۶۴ — آیاتہا ۵۹۔۔رکوعاتہا ۳

اِس سورۃ کی ابتداء 'سورۃ الزخرف' کی ابتداء کے مشابہ ہے، کیونکہ دونوں سورتوں کے شروع میں قرآنِ مجید کی عظمت اور شان بیان کی گئی ہے، اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، اور اِس میں یہ دلیل ہے کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اِس سورت کا نام 'الدخان' ہے، کیونکہ اِس سورت کی آیت ۱۰ میں 'الدخان' کا لفظ آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس شخص نے صبح کو

اٹھ کر حٰمٓ الدخان کی تلاوت کی، اُس کے لیے ستر ہزار فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے جمعہ کی شب حٰمٓ الدخان کی تلاوت کی، اُس کی مغفرت کردی جائے گی۔ ایسی نجات دہندہ مغفرت آثار سورۂ مبارکہ ۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر، اور ایمان والوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

ركوع ۱۲

حٰمٓ ﴿۱﴾

ح م●

(ح م)۔

امام ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر میں امام محمد حکیم ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ جو سورتیں حروفِ مقطعہ سے شروع کی گئی ہیں اُن میں جتنے احکام اور قصے مذکور اور مجتمع ہیں، وہ مجملاً حروفِ مقطعہ میں بھی جمع ہیں، مگر چونکہ نبی اور ولی کے سوا حروفِ مقطعہ میں اُن احکام اور قصوں کو کوئی نہیں پہچانتا، تو عوام کو سمجھانے کے لیے پوری سورت میں مفصل ذکر کیے ہیں۔۔اور۔۔بعضوں نے کہا کہ وہ حروف کلمات کی طرف اشارہ ہیں۔۔چنانچہ۔۔حٰمٓ میں کہا ہے حَمَیۡتُ الۡمُحِبِّیۡنَ کی طرف، یعنی میں نے حمایت کی ہے اپنے دوستوں کی ماسوی کی طرف متوجہ ہونے سے۔۔۔

وَالۡكِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ فِیۡ لَیۡلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ ﴿۳﴾

قسم ہے روشن کتاب کی ● کہ بے شک نازل فرمایا اُسے مبارک رات میں، بے شک ہم ہیں ڈرانے والے ●

(قسم ہے روشن کتاب کی ● کہ) محض اپنے کرم سے (بے شک نازل فرمایا اُسے مبارک رات میں) جو بزرگ اور برکت والی ہے کہ وہ شب قدر ہے، تو اُس کے برابر اور کیا برکت ہوسکتی ہے کہ اُس رات میں کتابِ کریم جو دینی دُنیوی فائدوں اور ظاہری باطنی واسطوں کے سبب سے لوحِ محفوظ

سے آسمانِ دُنیا پر نازل ہوئی، (بے شک ہم ہیں ڈرانے والے) اُس شب قرآن نازل کر کے۔

اور ایک گروہ اِس بات پر ہے کہ لیلۂ مبارکہ شبِ براءت اور وہ ماہِ شعبان کی پندرھویں[۱۵] شب ہے۔ اُس کی برکت فرشتے نازل ہونے، اور دُعائیں قبول ہونے اور حکم جاری ہونے اور نعمتیں تقسیم ہونے میں ہے۔

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ﴿٤﴾

اُسی وقت میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ہر حکمت والا حکم۔

(اُسی وقت میں تقسیم کر دیا جاتا ہے ہر حکمت والا حکم) یعنی اُس رات میں ہر حکمت والے کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔۔ مثلاً: روزیوں کا اور اَجلوں کا۔ اور شبِ براءت اُن بزرگ راتوں میں سے ہے جو اِس امت کو عطا ہوئیں۔

حدیث میں ہے کہ اس رات اتنے گنہگار بخشے جاتے ہیں، جتنے روئیں قبیلہ بنی کلب کی بکریوں کے جسم پر ہیں، اور اُس رات آبِ زمزم زیادہ ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جو کوئی اِس شب میں سو[۱۰۰] رکعت نماز پڑھتا ہے، حق تعالیٰ سو فرشتے بھیجتا ہے کہ وہ اُس نماز پڑھنے والے کے ساتھ رہتے ہیں، تیس[۳۰] فرشتے اُسے بہشت کی بشارت دیتے ہیں، اور تیس[۳۰] فرشتے اُسے دوزخ سے بے خوف کرتے ہیں اور تیس[۳۰] فرشتے اُسے دُنیا کی آفتوں سے بچاتے ہیں، اور دس[۱۰] فرشتے اُس سے شیطان کے مکر کو دفع کرتے ہیں۔ اور اُس رات بندوں پر نعمت تقسیم کرتے ہیں، اور۔۔۔

أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿٥﴾ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ

ہماری طرف سے حکم۔ بے شک ہم بھیجنے والے ہیں۔ رحمت تمہارے رب کی طرف سے۔

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٦﴾

بے شک وہی سننے والا جاننے والا ہے۔

(ہماری طرف سے) ایک (حکم) کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ (بے شک ہم بھیجنے والے ہیں) تم کو اَے محبوب! (رحمت) بنا کر (تمہارے رب کی طرف سے) خلق پر، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَمَآ أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۔۔یا۔۔ بھیجنے والے ہیں ہم جبرائیل کو قرآن کے ساتھ اپنے

حبیب پر۔۔یا۔۔اُس رات فرشتوں کو ہم نے بھیجا مؤمنوں پر سلام کے ساتھ۔(بے شک وہی سننے والا) ہے اُن کی باتیں اور (جاننے والا ہے) اُن سب کی نیتیں۔

وقف لازم

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِیْنَ ۝۷

پالنے والا آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان جو کچھ ہے سب کا۔۔اگر تم یقین کرو●

(پالنے والا آسمانوں اور زمین کا اور اُن کے درمیان جو کچھ ہے سب کا۔۔اگر تم یقین کرو)۔ یعنی اگر تم کسی شے کا یقین کر سکتے ہو، تو صرف مذکورہ بالا کو یقین کرو کہ وہ بہت زیادہ ظاہر ہے، تو اگر تم کسی شے کے تعلق سے یقین کا ارادہ رکھتے ہو، تو وہی یقین کے لائق ہے اور بس۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ۝۸

نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل، سوا اُس کے، وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔تمہارا رب، اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب●

بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ یَّلْعَبُوْنَ ۝۹

بلکہ وہ شک میں پڑے کھیل رہے ہیں●

(نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا اُس کے۔وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے)، یعنی زندگی اور موت کا موجود کرنے والا وہی ہے اور وہی (تمہارا رب اور تمہارے اگلے باپ دادوں کا رب) ہے، (بلکہ وہ) یعنی کافر (شک میں پڑے کھیل رہے ہیں)۔۔چنانچہ۔۔وہ اس بات پر یقین کرنے والے نہیں۔

فَارْتَقِبْ یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۰ یَّغْشَى النَّاسَ ؕ

تو انتظار کرو اُس دن کا، کہ لے آئے گا آسمان دھواں دکھائی پڑنے والا● چھا جائے گا لوگوں پر۔

هٰذَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۱۱

یہ ہے دکھ والا عذاب●

(تو انتظار کرو) اُن کے واسطے (اُس دن کا کہ لے آئے گا آسمان دھواں دکھائی پڑنے والا) جو (چھا جائے گا لوگوں پر)۔

جو شر غالب ہوتا ہے عرب اُسے **دُخَان** کہتے ہیں۔اِس سے وہ عذاب مراد ہے جو

قرآن کے ساتھ ہنسی کرنے والوں پر نازل ہوگا۔عین المعانی میں ہے کہ دھوئیں سے وہ غبار مراد ہے، جو فتح مکہ کے دن اٹھا تھا اور پوری فضا پر چھا گیا تھا۔۔اور۔۔بعض کہتے ہیں کہ قحط کا زمانہ مراد ہے کہ رسول مقبول کی دُعا سے کفار بھوکے مرنے لگے اور مرے ہوئے کتوں کو ہڈی سمیت کھا جاتے تھے،اور دھویں سے وہ دھند مراد ہے کہ جو بھوک کی شدت میں آدمی کو ضعفِ بصارت کے سبب سے اپنے اور آسمان کے درمیان دُھویں کی ایسی ایک چیز نظر آتی ہے۔۔۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ قحط کے ساتھ خشک سالی کے سبب سے سیاہ غبار زمین سے اٹھتا ہے دھویں کی شکل میں اِسی واسطے قحط کے برس کو 'سنة الغبرا' کہتے ہیں اور 'عام الرماد' نام ہونے کی وجہ یہی ہے۔اور بعض کا قول یہ ہے کہ یہ دھواں قیامت کی نشانیوں میں سے ہوگا، جیسا کہ 'اشراط الساعة' کی حدیث میں آیا ہے 'فذكر الدخان والدجال' یعنی پھر ذکر کیا دھواں اور دجال کا۔اور وہ دھواں ہوگا مشرق سے مغرب تک گھیر لے گا لوگوں کو اور چالیس دن کے بعد موقوف ہوگا،اور اُس کے سبب سے مؤمنوں کی ایسی حالت ہوگی جیسے زکام میں ہوتا ہے،مگر کافروں کو بے ہوش اور سراسیمہ کردے گا۔

فرشتے اُن سے کہیں گے (یہ ہے دکھ والا عذاب) جو حق تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا۔پس کافر روئیں گے اور کہیں گے۔۔۔

رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى

"پروردگارا! دُور کردے ہم سے اِس عذاب کو،بے شک ہم مانے لیتے ہیں"● اُنہیں کہاں نصیحت ماننا،

وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ﴿١٣﴾

حالانکہ آیا اُن کے پاس رسول،صاف صاف بتانے والا●

(پروردگارا! دُور کردے ہم سے اِس عذاب کو،بے شک ہم مانے لیتے ہیں) یعنی عذاب دفع ہونے کے بعد ہم ضرور ایمان لائیں گے،تو حق تعالیٰ فرماتا ہے (انہیں کہاں نصیحت ماننا) اتنے عذاب سے، (حالانکہ آیا اُن کے پاس رسول صاف صاف بتانے والا) اور معجزوں کو ظاہر کرنے والا، انہوں نے اس سبب سے نصیحت نہیں مانی۔۔۔

ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾

پھر وہ پھر گئے اُس سے، اور بولے کہ "سکھایا ہوا پاگل ہے" --●--

(پھر وہ) معجزات کو دیکھنے کے باوجود (پھر گئے اُس سے) اور اُس کا اِنکار کر بیٹھے (اور بولے کہ) یہ شخص جبیر اور یسار کا شاگرد اور (سکھایا ہوا) ہے، جو اُسے قرآن سکھاتے ہیں۔۔نیز۔۔(پاگل ہے)، دیوانہ ہے اُس کے دماغ میں خبط ہو گیا ہے۔ باوصف ان باتوں کے اگر وہ ایمان کا وعدہ کرتے ہیں۔۔تو۔۔

اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ﴿۱۵﴾

بے شک ہم ہٹائے دیتے ہیں عذاب کو کچھ دن کے لیے، بلاشبہ تم پھر یہی کرنے والے ہو --●--

(بے شک ہم ہٹائے دیتے ہیں عذاب کو کچھ دن کے لیے)، یعنی پیغمبر کی دُعا سے اِن کافروں کے مرتے دم ہم قحط اٹھا لیں گے مگر کچھ فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ (بلاشبہ تم پھر یہی کرنے والے ہو) اور کفر کی طرف پھر جانے والے ہو۔

روایت ہے کہ قحط کے زمانہ میں ابوسفیان قریش کے ایک گروپ کے ساتھ مدینہ میں آیا اور خدا اور رحمان کی قسم پیغمبر کو دی، اور آنحضرت ﷺ نے دُعا فرمائی تو قحط کی بلاء دفع ہوگئی اور وہ اُسی طرح کفر پر جمے رہے۔ اور بعضے لوگ جو دھویں کو علاماتِ قیامت میں سے لیتے ہیں، کہتے ہیں کہ جب دُعا اور زاری کریں گے، تو چالیس دن کے بعد دھواں اٹھ جائے گا اور وہ اُسی حال پر پھر آئیں گے، جس شرک اور فسق کے حال پر پہلے تھے۔ یاد کرو کہ۔۔۔

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾

جس دن پکڑیں گے ہم بہت بڑی پکڑ، تو بے شک ہم بدلہ لے لینے والے ہیں●

(جس دن پکڑیں گے ہم) کافروں کو (بہت بڑی پکڑ) یعنی قیامت کے دن۔

اور تفسیرِ دمیاطی میں لکھا ہے کہ جنگِ بدر کا دن مراد ہے کہ حق تعالیٰ مشرک کو وعید کرتا ہے کہ اُس دن بڑے عذاب میں ہم تم کو مبتلا کریں گے اور وہ قتل اور قید ہے۔۔۔

(تو بے شک ہم بدلہ لے لینے والے ہیں) اُس روز۔

وَلَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ وَجَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ ﴿۱۷﴾

اور بے شک آزمایا ہم نے اُن سے پہلے فرعونیوں کو، اور آیا اُن کے پاس ایک رسول مکرم●

اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَىَّ عِبَادَ اللّٰهِ‌ؕ اِنِّىۡ لَـكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ﴿۱۸﴾

کہ "دے دو مجھے اللہ کے بندوں کو، یقیناً میں تمہارا امانت دار رسول ہوں●

(اور بے شک آزمایا ہم نے اِن) کفارِ مکہ (سے پہلے فرعونیوں کو، اور آیا اُن کے پاس ایک رسول مکرم)، یعنی حسب نسب میں بزرگ موسیٰ بن عمران اِس بات کے ساتھ، (کہ دے دو مجھے اللہ تعالیٰ (کے بندوں) بنی اسرائیل (کو، یقیناً میں تمہارا امانت دار رسول ہوں)۔ وحی کی امانت رکھنے والا اور مجھ پر کوئی تہمت نہیں اور میں خلق کا خیر خواہ ہوں۔

وَّاَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَى اللّٰهِ‌ۚ اِنِّىۡۤ اٰتِيۡكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ‌ۚ ﴿۱۹﴾

اور یہ کہ ڈینگ کی نہ لو اللہ پر۔ بے شک میں لے آیا ہوں تمہارے پاس روشن سند●

(اور) آیا ہوں میں تمہارے پاس (یہ) بات لے کر (کہ ڈینگ کی نہ لو اللہ) تعالیٰ (پر) یعنی سرکشی اور تکبر نہ کرو اور اُس کی وحی کی اہانت نہ کرو، اور (بے شک میں) اپنے مدعا کے سچ ہونے پر (لے آیا ہوں تمہارے پاس روشن سند) یعنی کھلی ہوئی دلیل۔

فرعون والوں نے یہ بات سن کر حضرت موسیٰ کو ایذاء دینے کا قصد کیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔۔۔

وَاِنِّىۡ عُذۡتُ بِرَبِّىۡ وَرَبِّكُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ﴿۲۰﴾ وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِىۡ فَاعۡتَزِلُوۡنِ ﴿۲۱﴾

اور میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب اور تمہارے پالنے والے کی، کہ تم سنگسار کرسکو مجھے●

اور اگر تم لوگوں نے نہ مانا مجھے، تو مجھ سے دُور ہو●

(اور میں نے پناہ لے لی ہے اپنے رب اور تمہارے پالنے والے کی) اِس سے (کہ تم سنگسار کرسکو مجھے) یا قتل کرو۔۔یا۔۔گالی دو، اِس واسطے کہ وہ میرا نگہبان ہے۔ (اور اگر تم لوگوں نے نہ مانا مجھے) اور مجھ پر ایمان نہیں لائے، (تو مجھ سے دُور ہو) اور مجھ کو ایذاء نہ دو۔ اُن کافروں نے حضرت موسیٰ کی بات نہ مانی اور ہاتھ اور زبان سے ایذاء دینا شروع کی۔۔تو۔۔

...نَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر عرض کیا اپنے رب سے کہ "بلاشبہ یہ لوگ جرائم پیشہ ہیں"● "تو نکال لے جاؤ میرے سب بندوں کو راتوں رات، کہ ضرور تم لوگ پیچھا کیے جاؤ گے●

(پھر) موسیٰ علیہ السلام نے (عرض کیا اپنے رب سے کہ بلاشبہ یہ لوگ جرائم پیشہ ہیں) جو کفر اور تکبر پر مصر ہیں، یا اللہ! تُو اِن کو ہلاک کردے کیونکہ وہ مشرک ہیں اور جہنم کے کافر ہیں۔ تو حق تعالیٰ نے جب اُن کی دُعا قبول فرمائی، (تو) حکم دیا کہ (نکال لے جاؤ) مصر سے (میرے سب بندوں کو راتوں رات)، اور یہ ذہن نشین رہے (کہ ضرور تم لوگ پیچھا کیے جاؤ گے) یعنی جب تم جاؤ گے تو فرعون اور اُس کی قوم کے لوگ خبر پائیں گے اور تمہارے پیچھے آئیں گے، اور جب دریا کے کنارے تم پہنچنا تو اپنا عصا دریا پر مارنا کہ وہ پھٹ جائے گا اور اُس میں راہیں ظاہر ہو جائیں گی، تاکہ بنی اسرائیل گزر جائیں۔

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور چھوڑ رکھو دریا کو کھلی کھلی راہ، کہ بے شک وہ لوگ لشکر والے ڈبو دیے جائیں گے"●

(اور چھوڑ رکھو دریا کو کھلی کھلی راہ)، ساکن اور ٹھہرا ہوا، اُسی طرح اُس پر راہیں کھلی ہوئیں، یعنی دوبارہ اُس پر عصا نہ مارنا کہ پہلے حال پر آجائے، اور اُسے اُسی طرح چھوڑ دینا کہ قبطی اُس میں آئیں اور ڈرنا نہیں، کیوں (کہ بے شک وہ لوگ لشکر والے ڈبو دیے جائیں گے)، یعنی دریا میں ڈوب جائیں گے، تو فرعون کے لوگ سب غرق ہو گئے۔

كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۲۵﴾ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۶﴾ وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا

کتنے چھوڑے اُنہوں نے باغ اور چشمے● اور کھیتیاں اور شاندار گھر● اور نعمت جس میں

فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ﴿۲۷﴾ كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ﴿۲۸﴾

رہتے تھے خوش خوش● ایسا ہی ہوا۔ اور وارث بنایا ہم نے اُس کا دوسرے لوگوں کو●

(کتنے چھوڑے اُنہوں نے باغ اور چشمے● اور کھیتیاں اور شاندار گھر● اور نعمت)، یعنی اسبابِ عیش و آرام (جس میں رہتے تھے خوش خوش)۔۔ المختصر۔۔ ہمارے کلام کی تکذیب کرنے والوں کے ساتھ (ایسا ہی ہوا۔۔) کہ اُن کو تو ہلاک کردیا (اور وارث بنایا ہم نے اُس) ملکیت (کا دوسرے لوگوں کو) یعنی بنی اسرائیل کو۔

فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ﴿۲۹﴾

تو نہ رویا اُن پر آسمان وزمین، اور نہ مہلت دی گئی اُنہیں ●

(تو نہ رویا اُن پر آسمان وزمین) یعنی اُن کے ہلاک ہونے کا کسی نے حساب نہیں کیا اور اُن کی ہلاکت پر کسی کو افسوس نہیں ہوا۔

معالم میں ہے کہ جب کوئی مومن مرتا ہے تو آسمان اور زمین اُس پر چالیس دن تک رویا کرتے ہیں۔ حضرت انس سے منقول ہے کہ کوئی بندہ نہیں آسمان میں جس کے واسطے دو دروازے نہ ہوں: ایک دروازے سے اُس کی روزی اُترتی ہے اور دوسرے دروازے سے اُس کے عمل آسمان پر جاتے ہیں، تو جب وہ بندہ مرجاتا ہے تو یہ دونوں دروازے اس کی روزی اترنے اور عمل اوپر جانے سے محروم ہوجاتے ہیں اور اُس پر روتے ہیں۔

عطاء رحمہ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آسمانوں کا رونا اُس کے کناروں کی سرخی ہے۔ معالم میں ہے کہ جب سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اُن پر آسمان رویا، اور اس کا رونا یہ تھا کہ اُس کے کنارے سرخ ہوگئے۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ آسمان وزمین کا رونا بھی آدمیوں کا سا رونا ہے۔

اور بعضے اِس بات پر ہیں کہ آسمان وزمین پر ایسی علامت ظاہر ہوتی ہے، جو حزن اور افسوس پر دلیل ہو، جیسے کہ رونا اکثر غم اور رنج پر دلالت کرتا ہے۔ اور بہر تقدیر چونکہ فرعون والوں کا کوئی عمل ایسا نہ تھا جو آسمان پر جائے اور زمین پر بھی۔ انہوں نے کوئی نیک کام نہیں کیا تھا تو آسمان وزمین اُن پر نہ روئے، اور اُن کی ہلاکت پر رنجیدہ نہ ہوئے۔

(اور نہ مہلت دی گئی انہیں) ایک وقت سے دوسرے وقت تک کی۔

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ

اور بے شک بچالیا ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل عذاب سے ● فرعون کی طرف سے،

اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾

بے شک وہ تھا ڈینگ مارنے والا، حد سے بڑھ جانے والوں سے ●

(اور بے شک بچالیا ہم نے بنی اسرائیل کو ذلیل عذاب سے ● فرعون کی طرف سے) کہ وہ فرعون کی بندگی اور غلامی تھی اور اُن کے بیٹوں کا قتل اور کام میں رنج وتعب۔ (بے شک وہ) یعنی فرعون

تھاڈینگ مارنے والا، حد سے بڑھ جانے والوں سے)، سرکش اپنے کو بڑا اور بلند جاننے والا، کافروں
یں سے کہ وہ ایمان کی حدوں سے تجاوز کیے ہوئے ہیں۔

وَلَقَدِ اخْتَرْنٰهُمْ عَلٰى عِلْمٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مِّنَ الْاٰيٰتِ

اور بے شک چنا ہم نے اُنہیں جان کر سارے اہلِ زمانہ پر• اور دیں ہم نے اُنہیں نشانیاں

مَا فِيْهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيْنٌ ﴿۳۳﴾

جس میں کھلا ہوا انعامی امتحان ہے•

(اور بے شک چنا ہم نے انہیں) یعنی موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو (جان کر سارے اہلِ
زمانہ پر)۔ یعنی ہم جانتے تھے کہ یہ برگزیدہ کرنے کے لائق ہیں، تو ہم نے اس کے زمانے کے اہلِ
عالم پر اُن کو چن لیا۔ (اور دیں ہم نے انہیں نشانیاں) قدرت کی نشانیوں میں سے، (جس میں کھلا ہوا
انعامی امتحان ہے)۔ یعنی وہ چیز جس میں نعمت تھی کھلی ہوئی جیسے دریا کا پھٹ جانا اور من وسلویٰ اترنا۔

اوپر کے بیان سے ظاہر ہو گیا کہ فرعون اور قومِ فرعون باوجود اِس کے کہ انہیں نزولِ
عذاب سے ڈرایا گیا، مگر وہ اپنی ضلالت پر مصر رہے۔ انہیں سے ملتا جلتا حال کفارِ قریش کا
ہے جن کو عذاب سے ڈرایا گیا لیکن اِس کے باوجود وہ اپنی ضلالت اور جاہلانہ خیالات پر
مصر رہے۔۔ چنانچہ۔۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۳۴﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِيْنَ ﴿۳۵﴾

بے شک یہ لوگ کہتے ہیں• کہ "نہیں ہے مگر یہی پہلی موت ہماری، اور نہیں ہیں ہم اُٹھائے جانے والے•

(بے شک یہ لوگ) یعنی کفارِ قریش (کہتے ہیں• کہ نہیں ہے مگر یہی پہلی موت ہماری)۔
جب انہیں خبر دی گئی کہ اُن کی زندگی کا انجام کیا ہو گا، یعنی موت اور اُس کے بعد قیامت میں اٹھنا، تو
انہوں نے اِسے کہا کہ نہایتِ امر کا حصر صرف موتِ اوّل پر ہے۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ موتِ اوّل ہی
حیاتِ دُنیویہ کو زائل کرنے والی ہے، اُس کے بعد اٹھنا نہیں ہے۔

اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے اُوْلٰی کی صفت سے یہ ثابت کیا جائے کہ مخالف کو کوئی
دوسری موت بھی واقع ہوگی، بلکہ اِس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا مقصد اِنکار ہی ہے۔
اس لیے کہ اوّل کا اثبات اُس کو مستلزم نہیں کہ اُس کا آخر بھی ہو۔۔ مثلاً: اگر کوئی کہتا ہے کہ

"وہ پہلا عبد جس کا وہ پہلے مالک ہوگا وہ آزاد ہے۔" تو وہ جس عبد کا مالک ہوگا وہ آزاد ہو جائے گا، خواہ اُس کے بعد کسی عبد کا مالک ہو یا نہ ہو۔۔الحاصل۔۔کفارِ مکہ کا کہنا ہے کہ یہ جو موت ہماری ہوتی ہے، تو دُنیا میں اِس کے بعد کوئی زندگی نہیں ہے۔۔۔

(اور نہیں ہیں ہم اٹھائے جانے والے) یعنی ایسا نہیں ہوگا کہ مرنے کے بعد ہم زندہ کیے جائیں اور پھر اُٹھائے جائیں۔

فَاْتُوْا بِاٰبَآىِٕنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝۳۶

"تو لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر سچے ہو"●

(تو لے آؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر سچے ہو) اِس بات میں کہ موت کے بعد اٹھنا ہے۔

اُن کی یہ بات نادانی کے سبب سے تھی، اس واسطے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جو بات ظاہر ہونا ایک وقت پر موقوف ہے تو دوسرے کی خواہش سے ہر وقت اس کا ظہور لازم نہیں۔ تو موت کے بعد پھر اُٹھنے کا وعدہ آخرت میں ہے۔ اگر دُنیا میں ظاہر نہیں ہوتا تو اُس پر کچھ تحکم نہیں پہنچتا۔ کفارِ قریش کی یہ خام خیالی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ ہم ہلاک ہونے والے نہیں، اس لیے کہ ہم اس وقت سب سے بہتر ہیں لشکر و جاہ کے لحاظ سے بھی، قوت و طاقت کے لحاظ سے بھی۔

تو اُن سے پوچھو کہ۔۔۔

اَهُمْ خَیْرٌ اَمْ قَوْمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ اَهْلَكْنٰهُمْ ۫ اِنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ۝۳۷

"کیا یہ لوگ بہتر ہیں کہ تبع، شاہِ یمن کی قوم، اور جو اُن سے پہلے ہوئے؟" ہم نے برباد کر دیا انہیں، کہ وہ لوگ مجرم تھے●

(کیا یہ لوگ بہتر ہیں کہ تبع، شاہِ یمن کی قوم) جو عظیم لشکر والی اور دبدبے والی قوم تھی۔ اُس کے بادشاہ حمیری کے پاس مال و دولت اور قوت و شوکت کی کمی نہ تھی۔ (اور) وہ لوگ، یعنی عاد و ثمود (جو اُن سے پہلی ہوئے)۔ اُن کی دُنیاوی شان و شوکت اور قوت و طاقت کے باوجود (ہم نے برباد کر دیا انہیں) کیوں (کہ وہ لوگ مجرم تھے) یعنی کافر تھے اور بعث و حشر کے منکر تھے۔

بعث و حشر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے، اس لیے کہ حکمت کو یہ بات سزاوار نہیں کہ آدمیوں کو معطل و مہمل یعنی بے ثواب اور بے عذاب چھوڑ دیا جائے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ

کا فرمان۔۔۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ مَا خَلَقْنٰهُمَآ

اورنہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو اُن کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے ● نہیں پیدا فرمایا ہم نے اُنہیں،

اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

مگر بالکل ٹھیک، لیکن اُن کے بہتیرے نہیں جانتے ●

(اور) اس کا ارشاد ہے کہ (نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو اُن کے درمیان ہے کھیلتے ہوئے) یعنی کھیل کے طور پر۔ آسمان وزمین وغیرہ کی تخلیق کوئی کھلواڑ نہیں جس میں کوئی حکمت ہی نہ ہو۔۔ چنانچہ۔۔(نہیں پیدا فرمایا ہم نے انہیں مگر بالکل ٹھیک)۔تو اہلِ آسمان اور اہلِ زمین کا طاعت پر ثواب پانا اور معصیت پر عذاب اٹھانا بالکل حق اور حکمت کا تقاضا ہے، (لیکن اُن کے بہتیرے) شرک میں ملوث ہونے اور غفلت میں پڑے رہنے کی وجہ سے (نہیں جانتے) کہ حکیم کا کام حق اور حکمت کے ساتھ ہوتا ہے۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى

بے شک فیصلہ کا دن، اُن سب کا مقرر شدہ وقت ہے ● جس دن نہ کام آئے گا دوست کسی دوست

شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾

کے کچھ، اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے ●

(بے شک فیصلہ کا دن اُن سب کا مقرر شدہ وقت ہے) اور جدا کرنے والا ہے اس وقت حق باطل سے، مؤمن کافر سے، اور مطیع عاصی سے، جدا نظر آئے گا (جس دن نہ کام آئے گا دوست کسی دوست کے کچھ اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے)۔ یعنی کوئی دوست۔۔یا۔۔کوئی قرابتی کسی کے عذاب میں سے کچھ کمی نہ کرا سکے گا، اور نہ کسی کو کسی چیز کے سبب کوئی فائدہ پہنچا سکے گا۔۔۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾ ع ۱۴ / ۱۵

مگر جس پر رحم فرمایا اللہ نے۔ بے شک وہی عزت والا رحم والا ہے ●

(مگر جس پر رحم فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے)، یعنی مؤمن کہ شفاعت کر کے ایک دوسرے کی مدد

کرے گا۔(بے شک وہی عزت والا) ہے اور غالب ہے کہ جس پر وہ عذاب کرے گا اس کی کوئی مدد نہ کر سکے گا، اور (رحم والا ہے) یعنی مہربان ہے کہ جس پر رحمت کرے گا، اُسے رتبہ شفاعت عطا فرمائے گا۔

تبع اور اس کی قوم کا ذکر اوپر آیا، اُسی سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا ایسا غلبہ و عزت والا ہے کہ پوری سرکش قوم کو ہلاک کر دیا، اور ایسا رحم والا ہے کہ خود تبع کو ایمان کی توفیق دے دی جس کا مختصر قصہ یہ ہے۔ 'تبع' ایک بادشاہ تھا 'حمیرہ' کا۔ اُس کی کنیت 'ابو کرب' تھی۔ یہ بادشاہ بڑے جاہ و حشم اور لشکر کے ساتھ مشرق سے عالم کی مغربی حد تک پھرا، پھر 'حمیرہ' اُسی نے آباد کیا۔ اور بہت مشہور بات یہ ہے کہ سمرقند بھی اُسی کا آباد کیا ہوا ہے۔ حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ 'تبع' کو گالی نہ دو، وہ ایمان لایا ہے اور اسی واسطے حق تعالیٰ نے اس کی قوم کی مذمت کی، خود اُس کی مذمت نہیں کی۔

معالم میں ہے کہ ایک وقت مدینہ میں اُس کے بیٹے کو لوگوں نے قتل کر ڈالا تھا، اور اس نے وہاں کے لوگوں کو قتل کرنے کے قصد سے لشکر کشی کی، اور بنی قریظہ کے دو عالم کہ ان کا نام 'کعب' اور 'اسد' تھا انہوں نے جب خبر سنی، تو تبع کے پاس گئے، اور کہا کہ یہ جرأت نہ کر اس واسطے کہ مدینہ نبی آخر الزماں کی ہجرت گاہ ہے، اور حضرت ﷺ کی تعریف بیان کی، تو تبع اپنے قصد سے باز آیا، مدینہ منورہ کے لوگوں کو نہ قتل کیا نہ قید۔ اور وہ آتش پرست تھا۔ اور اُن دونوں عالموں کے ہاتھ پر مسلمان ہوا اور اہلِ کتاب کے ایک گروپ کے ساتھ یمن کی طرف چلا، تو راہ میں چند آدمی 'ہذیل' کے اس کے سامنے آئے اور یہ بات زبان پر لے آئے کہ ہم تمہیں ایسا مکان بتا دیں کہ جس میں چاندی، موتی، زمرد کا خزانہ ہے۔ تبع نے پوچھا وہ کہاں؟ وہ بولے کہ مکہ میں، اور اُن آدمیوں کی غرض یہ تھی کہ خانۂ کعبہ کھودنے کا ارادہ کرے اور ہلاک ہو جائے۔

تبع نے خزانہ اور مکان کا حال عالموں سے بیان کیا، علماء بولے خبردار ایسا ارادہ ہرگز نہ کرنا، تمام روئے زمین میں وہ مقام بہت بزرگ اور شریف ہے اور جو کوئی اس کے ساتھ بے ادبی کا ارادہ کرتا ہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ تمہیں وہاں جانا چاہیے اور اُس مکان کی تعظیم بجا لانا چاہیے۔ تبع وہاں گیا اور کعبہ شریف پر غلاف چڑھایا اور چھ ہزار اونٹ قربانی کیے اور وہاں سے یمن کی طرف رخ کیا۔ اور اُس کی قوم جو حمیرہ میں تھی اُس نے مخالفت اور بغاوت شروع کی کہ تُو ہمارے دین سے پھر گیا ہم تجھ سے نہیں ملتے۔ تبع نے خدا کی عبادت کرنے کی

دلیلیں اُن کے سامنے بیاں کیں اور انہوں نے عناد اور عداوت زیادہ کی اور بولے، ہم آگ سے امتحان کرتے ہیں۔ یمن کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کے دامن میں آگ تھی، جب دو آدمیوں میں جھگڑا ہوتا، تو اُس آگ میں آتے۔ جو ناحق پر ہوتا وہ تو جل جاتا، اور جو حق پر ہوتا اُسے کوئی آفت نہ پہنچتی۔۔ غرضیکہ۔۔ علماء اپنی کتابوں سمیت آگ میں گئے اور صحیح و سلامت نکل آئے اور اُن کے لوگ جل گئے۔

ارباب سیر کے نزدیک یہ بات ثبوت کو پہنچی ہے کہ تبع نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مکتوب لکھا، اور 'شامول یہودی' کو دیا کہ اگر حضرت ﷺ کا زمانہ پائے تو خود آپ کی خدمت میں پہنچائے، ورنہ اپنی اولاد کو سپرد کر کے وصیت کرے۔

شامول کی بیسویں پشت میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے اُنہوں نے وہ نامہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچایا اور آپ نے تین بار فرمایا مرحبا بالاخ الصالح۔ رقاشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے کہ ابوکرب اسعد حمیری ہمارے پیغمبر پر آپ کی نبوت اور بعثت کے سات سو برس قبل ایمان لائے تھے اور 'درج الدرر' میں ہے کہ ایک ہزار ترپن ۱۰۵۳ برس ہجرت کے قبل کہ نبوت سے ایک ہزار ۱۰۴۰ چالیس برس پہلے ہوئے وہ ایمان لائے تھے۔

إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ ۚ

بے شک تھوہڑ کا درخت ● گنہگار کی غذا ہے ● جیسے پگھلا تانبا۔

يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿۴۵﴾ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ ﴿۴۶﴾

جوش مارے گا پیٹوں میں ● جیسے کھولتے پانی کا جوش ●

مذکورہ بالا آیات میں **یَوْمَ الْفَصْلِ** کا ذکر فرمایا گیا اور اُس دن کافروں کی بے چارگی کا عالم کیا ہوگا اُس کی طرف اشارہ کیا گیا۔ اور اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جو شخص اپنی خواہشوں کے بتوں کی پرستش کرتا ہو اور حرص کا درخت اُگاتا ہو، اُس کا پھل دُنیا میں تو نفسانی لذیذ شہوات ہیں، لیکن آخرت میں اُس کی خوراک انتہائی بدذائقہ اور تلخ ہوگی۔۔ کیونکہ۔۔

(**بے شک تھوہڑ کا درخت**) ابوجہل جیسے (**گنہگار کی غذا ہے**) اور زقوم جب کھائیں گے تو ایسا لگے گا (**جیسے پگھلا تانبا**) جو (**جوش مارے گا پیٹوں میں ● جیسے کھولتے پانی کا جوش**) یعنی ان کی آنتوں وغیرہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ پھر حق تعالیٰ دوزخ کے فرشتوں کو حکم فرمائے گا کہ۔۔۔

خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ

پکڑو اُس کو، پھر گھسیٹو اُس کو ٹھیک جہنم کی طرف • پھر ڈالو اُس کے سر پر

مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾

کھولتے پانی کا عذاب •

(پکڑو اُس) گنہگار (کو، پھر گھسیٹو اُس کو) یعنی قہر کے ساتھ زبردستی اس کو کھینچو (ٹھیک جہنم کی طرف • پھر ڈالو اُس کے سر پر کھولتے پانی کا عذاب)۔ اِس طرح اُس کے بدن پر اور بدن کے ہر طرف اُس پانی کے سبب سے عذاب ہوگا اور اندر زقوم کے سبب عذاب ہوگا اور کہیں گے اُس سے---

ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾

چکھ۔ کیا کہنا ہے، "تو ہی عزت والا بزرگ ہے" •

(چکھ) اور کھینچ یہ عذاب۔ (کیا کہنا ہے، تو ہی عزت والا بزرگ ہے) دُنیا میں جو بہت ہی معزز اور مکرم اپنے کو ظاہر کرتا تھا، تو لے اپنی خود ساختہ کرامت وعزت کا مزہ چکھ۔

--چنانچہ--ابو جہل کہتا تھا کہ اپنے وطن والوں میں سب سے زیادہ عزت اور بزرگی والا ہوں۔ بطحا میں مجھ سے زیادہ کوئی عزت والا نہیں ہے، تو قیامت میں حق تعالیٰ فرمائے گا کہ اِس پر عذاب کرو جو عزیز اور کریم ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔

اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

بے شک یہ ہے، جس میں تم شک کرتے تھے •

(بے شک یہ) وہی عذاب (ہے جس میں تم شک کرتے تھے) یہاں تک کہ تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ یہ تو کافروں کا حال ہوگا اور اُن کے برعکس ایمان والوں کی شان ہوگی۔ صاف نظر آئے گا کہ---

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾ يَّلْبَسُوْنَ

بلا شبہ ڈرنے والے امن وامان کی جگہ میں ہیں • باغوں اور چشموں میں • پہنیں گے

مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَۚ﴿۵۳﴾

ریشمی کپڑے نرم اور دبیز، آمنے سامنے بیٹھے●

(بلاشبہ ڈرنے والے) پرہیزگار (امن وامان کی جگہ میں ہیں)۔ ایسے مقام میں جہاں آفات اور کوئی خوف کی بات نہ ہوگی۔ (باغوں اور چشموں میں)، یعنی مقام کے ہر طرف باغ اور چشمے ہوں گے اور (پہنیں گے ریشمی کپڑے نرم اور دبیز)، اِس حال میں کہ ایک دوسرے کے باہم محبت رکھنے والے (آمنے سامنے بیٹھے) ہوں گے۔

منقول ہے کہ یہ رُوبرو بیٹھنا مہمانی کے دن ہوگا 'دارالجلال' میں، کہ حق تعالیٰ سب مومنوں کو ایک خوان پر بٹھائے گا اور سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر مسرور رہوں گے۔

كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍؕ﴿۵۴﴾

ایسا ہی ہے۔۔اور بیاہ دیا ہم نے اُنہیں بڑی بڑی آنکھوں والی گوریوں سے●

(ایسا ہی ہے)، یعنی اِسی طرح اور اِسی حال پر رہیں گے بے تغیر وتبدیل کے۔ (اور بیاہ دیا ہم نے انہیں بڑی بڑی آنکھوں والی گوریوں سے)۔ یعنی ہم جوڑا کر دیں گے متقیوں کو گوری عورتوں کے ساتھ۔

اِس بات میں اختلاف ہے کہ یہ دُنیا کی عورتیں ہوں گی یا جنت کی حوریں۔۔۔

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَۙ﴿۵۵﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ

طلب کریں گے اُس میں ہر قسم کا میوہ امن وامان سے● نہ چکھیں گے اُس میں موت،

اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰىۚ وَوَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِۙ﴿۵۶﴾ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَؕ

سوا پہلی موت کے۔اور بچالیا اُنہیں جہنم کے عذاب سے● فضل ہے تمہارے رب کی طرف سے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴿۵۷﴾

یہی ہے بڑی کامیابی●

(طلب کریں گے اُس میں ہر قسم کا میوہ امن وامان سے)، یعنی چاہیں گے ہر میوہ جو آرزو کریں گے، اِس حال میں کہ بے خوف ہیں اُس کے ضَرر سے۔۔یا۔ منقطع ہو جانے سے۔ (نہ چکھیں گے اُس میں) یعنی آخرت میں (موت، سوا پہلی موت کے) جو دُنیا میں چکھ چکے۔

جب لوگوں کے نزدیک یہ بات ٹھہری ہوئی ہے کہ ہر زندگی کے پیچھے پیچھے موت لگی ہوئی ہے، تو حق تعالیٰ نے خبر دی کہ جنت میں جو زندگی ہے اُس کے بعد موت نہیں ہے۔

(اور بچالیا انہیں جہنم کے عذاب سے)۔ یہ بہت بڑا **(فضل ہے تمہارے رب کی طرف سے)** جہنم سے نجات اور بہشت میں حیاتِ ابدی۔ **(یہی ہے بڑی کامیابی)**۔

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ۝٥٨

توبس ہم نے آسان کردیا اِس قرآن کو تمہاری زبان میں، کہ وہ نصیحت پکڑیں●

فَارْتَقِبْ إِنَّهُمْ مُرْتَقِبُونَ ۝٥٩ ع

ع ۳/۱۷/۱۶

توانتظار کرتے رہو، وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں●

(توبس ہم نے آسان کردیا اِس قرآن کو تمہاری زبان میں، کہ وہ نصیحت پکڑیں)۔ یعنی شاید تیری قوم کے لوگ سمجھیں اور نصیحت مانیں۔ اور انہوں نے نصیحت نہ مانی **(توانتظار کرتے رہو)** اور امید رکھو اُس چیز کی جو اُن پر اُترے گی، اور **(وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں)** کہ تم پر کیا نازل ہوتا ہے۔ مگر تمہارے واسطے نصرتِ الٰہی ہوگی اور اُن کے لیے عذابِ نامتناہی۔ دوستوں کو ہر دم فتح تازہ ہے اور دشمنوں کو ہر وقت رنج بے اندازہ ہے۔

۲۳۔۔۵۔۔۱۴۳۳ھ
دوشنبہ
۱۶۔۔۴۔۔۲۰۱۲ء

۲۴۔۔۵۔۔۱۴۳۳ھ
سہ شنبہ
۱۷۔۔۴۔۔۲۰۱۲ء

سورۃ الجاثیۃ

سورۃ الجاثیۃ ۴۵ مکیۃ ۶۵ — آیاتہا ۳۷ رکوعاتہا ۴

سورۂ الجاثیہ۔۔۴۵ مکیہ ۶۵ — آیاتہا ۳۷۔۔رکوعاتہا ۴

اِس سورہ کا نام 'الجاثیہ' ہے۔ اِس کا معنی ہے دوزانو۔۔یا۔۔گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی۔ اِسی سورہ کی آیت ۲۸ میں یہ لفظ مذکور ہے۔ یہ سورت اپنے ماقبل والی سورت 'الدخان' کے

مشابہ ہے کہ دونوں ہی کا آغاز قرآنِ مجید کے ذکر سے کیا گیا۔ دوسری مشابہت یہ ہے: سورہ الدخان میں کائنات کی تخلیق، اللہ تعالیٰ کی توحید اور اُس کے وجود پر استدلال کیا گیا تھا اور مشرکین کے عقائدِ فاسدہ کا رَد کیا گیا تھا، اور اِس سورت میں بھی اِنہیں مضامین کو بیان کیا گیا ہے۔

قیامت کے دن اُس دن کے خوف کی شدت سے ہر امت گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی اور اِس انتظار میں ہوگی، کہ اللہ تعالیٰ حساب لینا شروع کردے، اور جو نیک لوگ ہیں وہ جنت میں چلے جائیں اور جو کفار و بدکار ہیں وہ دوزخ میں چلے جائیں۔

اپنے نام ہی سے دل دہلا دینے والی، اور قیامت کے دن خوف کی شدت کا احساس دلانے والی، اور 'سورہ الدخان' کے بعد اور 'سورہ الاحقاف' کے پہلے نازل ہونے والی، اِس سورۂ مبارکہ کو۔۔۔یا۔۔۔قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور ایمان والوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

حٰمٓ ۝۱ تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ۝۲

ح م ● اُتارنا کتاب کا ہے عزت والے حکمت والے اللہ کی طرف سے ●

(ح م) جو مخفف ہیں اسمائے الٰہی کے۔۔۔چنانچہ۔۔۔'ح' اشارہ ہے 'حَی' اور 'حفیظ' کی طرف۔ اور 'میم' کنایہ ہے 'مَلک' اور 'مجید' سے۔۔۔یا۔۔۔'ح' حکمِ ازلی ہے اور 'میم' ملک ابدی ہے۔

تو قسم ہے حکمِ ازلی کی اور قسم ہے ملک ابدی کی! یہ (اتارنا کتاب کا) قرآن کریم کا (ہے عزت والے حکمت والے اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے)، جو سب پر غالب ہے اور دانا ہے مطالب میسر کرنے اور عطایا مقدر کرنے میں۔

اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ۝۳ وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ

بے شک آسمانوں اور زمین میں یقیناً نشانیاں ہیں ماننے والوں کے لیے ● اور تمہاری پیدائش میں، اور جو کچھ

مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ۝۴

پھیلا رکھا ہے جانور، نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو یقین کریں●

(بے شک آسمانوں) میں ثابت اور سیارہ ستارے (اور زمین میں) پہاڑ درخت حیوانات، (یقیناً نشانیاں ہیں ماننے والوں کے لیے) صانع کی وحدت اور قدرت پر۔ (اور تمہاری پیدائش میں)، نطفے اور اس کے بدلنے میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف، (اور جو کچھ پھیلا رکھا ہے) زمین میں (جانور) جنبش کرنے والوں میں سے۔ اُن کی صورتیں اور شکلیں مختلف ہونے کے سبب سے (نشانیاں ہیں) حضرتِ ذوالجلال کی حکمت پر (اُن کے لیے جو یقین کریں)۔ یعنی اس گروہ کے لیے جو یقین کرنے والے ہیں۔

وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ

اور رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں، اور جو کچھ اُتارا اللہ نے آسمان کی طرف سے روزی کا سامان،

فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ۝۵

پھر زندہ فرمادیا اُس سے زمین کو اُس کے مرچکنے کے بعد، اور ہواؤں کے چل پھر میں، نشانیاں اُن کے لیے جو عقل رکھیں●

(اور رات اور دن کے اُلٹ پھیر میں)، یعنی رات و دن کے اختلاف میں۔ (اور جو کچھ اُتارا اللہ) تعالیٰ (نے آسمان کی طرف سے روزی کا سامان)، یعنی مینھ جو روزی کا سبب ہے۔ (پھر زندہ فرمادیا اُس) مینھ (سے زمین کو اُس کے مرچکنے کے بعد)، یعنی خشک اور پژمردہ ہوجانے کے بعد۔ (اور ہواؤں کے چل پھر میں)، جہتوں کے اختلاف اور احوال کے اختلاف کے ساتھ، (نشانیاں) ہیں کھلی ہوئی کمالِ قدرتِ الٰہی پر (اُن کے لیے جو عقل رکھیں)۔

تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ

یہ ہیں اللہ کی آیتیں، کہ تلاوت فرماتے ہیں جنہیں تم پر، بالکل حق۔ تو "کس بات کو اللہ

وَاٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ ۝۶

اور اُس کی آیتوں کے بعد مانیں گے؟"●

(یہ ہیں اللہ) تعالیٰ کے کلام قرآنِ کریم (کی آیتیں کہ تلاوت فرماتے ہیں جنہیں تم پر بالکل

حق) صحت و درستی کے ساتھ، (تو کس بات کو اللہ) تعالیٰ (اور اُس کی آیتوں کے بعد مانیں گے)۔ یعنی اَے کافرو! تم اِن باتوں پر نہیں ایمان لاتے، تو پھر کن پر ایمان لاؤ گے؟

وَيْلٌ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ۝٧ يَسْمَعُ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَىٰ عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا

ہلاکی ہے ہر بہتان والے گنہگار کی ● کہ سنتا ہے اللہ کی آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں اُس پر، پھر بھی اَڑا رہتا ہے بڑا بنتا ہوا،

كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا ۖ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝٨

گویا سنا ہی نہیں اُسے، تو پیشین گوئی سنا دو اُسے دکھ والے عذاب کی ●

(ہلاکی ہے) نضر بن حارث جیسے (ہر بہتان والے گنہگار کی ● کہ سنتا ہے اللہ) تعالیٰ (کی آیتیں جو پڑھی جاتی ہیں اُس پر، پھر بھی اَڑا رہتا ہے) اپنے کفر پر (بڑا بنتا ہوا، گویا سنا ہی نہیں اُسے) یعنی جب اِدھر کان نہ لگایا اور اُس سے نفع نہ اٹھایا، تو گویا اُسے سنا ہی نہیں۔ (تو) اَے محبوب! بطورِ (پیشین گوئی، سنا دو اُسے دکھ والے عذاب کی) خبر جو دوزخ میں ہوگا۔

وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٩

اور جب آگاہ ہوا ہماری آیتوں سے کچھ پر، تو بنا لیا اُسے ٹھٹھا۔ اُنہیں کے لیے ہے ذلیل کرنے والا عذاب ●

(اور) اُس کا حال یہ ہے کہ (جب آگاہ ہوا ہماری آیتوں سے کچھ پر)، یعنی اُسے جب کوئی دلیل پہنچتی ہے اور جانتا ہے کہ قرآن میں سے ہے، (تو بنا لیا اُسے ٹھٹھا)۔ یعنی اُس پر ہنسی اور مسخراپن کرتا ہے اور ایسی صورت سے ظاہر کرتا ہے کہ حق اور صواب سے وہ دُور رہتی ہے۔ (انہیں) ٹھٹھا کرنے والوں اور آیاتِ قرآنی پر ہنسنے والوں (کے لیے ہے ذلیل کرنے والا عذاب)۔

مِّن وَرَائِهِمْ جَهَنَّمُ ۖ وَلَا يُغْنِي عَنْهُم مَّا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا

اُن کے پیچھے جہنم ہے۔ اور کام نہ آئے گا اُن کے جو اُنہوں نے کمایا ہے کچھ بھی، اور نہ جس کو بنا رکھا ہے

مِن دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝١٠

اللہ کے خلاف مددگار۔ اور اُنہیں کے لیے بڑا عذاب ہے ●

(اُن کے پیچھے جہنم ہے) کیونکہ یہ جہنم سے اعراض کر کے دُنیا کی طرف متوجہ ہوں گے۔۔ یا یہ کہ۔۔ اُن کے سامنے جہنم ہے کیونکہ یہ اُس عذاب کی طرف متوجہ ہوں گے جو جہنم میں اُن کے لیے تیار

کیا گیا ہے۔(اور کام نہ آئے گا اُن کے جو انہوں نے کمایا ہے کچھ بھی)۔یعنی اُن کا مال و متاع اور اُن
کی اولاد عذابِ الٰہی سے انہیں بچانے میں کچھ بھی اُن کے کام نہ آسکے گی۔(اور نہ)ہی وہ کام آسکے
(جس کو بنا رکھا ہے اللہ) تعالیٰ (کے خلاف مددگار)،یعنی دوست اور معبود۔۔الختصر۔۔اُن میں سے
کوئی بھی عذابِ الٰہی کو دفع نہ کر سکے گا۔(اور انہیں کے لیے بڑا عذاب ہے) کہ اُس کی شدت حد
سے متجاوز ہے۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رِّجْزٍ أَلِيمٌ ﴿١١﴾ ع ۱۷

یہ ہدایت ہے۔اور جنہوں نے انکار کر دیا اپنے رب کی آیتوں کا،انہیں کے لیے سختی سے دردناک عذاب ہے●

(یہ) قرآن (ہدایت ہے)،راہ دکھانے والا ہے۔(اور جنہوں نے اِنکار کر دیا اپنے رب
کی آیتوں کا) یعنی قرآنِ کریم کا۔۔یا۔۔اپنے رب کی قدرت وحکمت کی دلیلوں کا،(انہیں کے لیے سختی
سے دردناک عذاب ہے)۔یعنی سخت عذابوں میں جو سب سے زیادہ دردناک عذاب ہے وہ اُن کے
لیے ہے۔

اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا

اللہ ہے جس نے قابو میں کر دیا تمہارے دریا کو،تاکہ چلیں پھریں کشتیاں اُس میں اُس کے حکم سے،اور تاکہ تلاش کرتے رہو

مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾

اُس کا فضل،اور کہ شکر ادا کرتے رہو●

(اللہ) تعالیٰ وہ (ہے جس نے قابو میں کر دیا تمہارے دریا کو)،یعنی اُس کی سطح برابر کر دی
تاکہ جو چیز اندر سے سبک اور خالی ہیں،اس کے اوپر ٹھہری رہیں۔

اور بعضوں نے کہا کہ دریا کا مسخر ہونا یہ ہے کہ وہ اپنے میں غوطہ لگانے اور سیر کرنے
سے باز نہیں رکھتا۔۔۔

(تاکہ چلیں پھریں کشتیاں اُس میں اُس کے حکم سے،اور تاکہ تلاش کرتے رہو اُس کا فضل)
انواع واقسام کے فائدے،جیسے تجارت اور مچھلی کا شکار وغیرہ۔(اور) اس لیے بھی تا (کہ شکر ادا کرتے
رہو) خدا کا اِن نعمتوں پر۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ

اور قابو میں کر دیا تمہارے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اپنی طرف سے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

بے شک اُس میں یقیناً نشانیاں ہیں اُن کے لیے جو سوچیں●

(اور قابو میں کر دیا تمہارے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) یعنی آفتاب، ماہتاب، ستارے، بارش اور پہاڑ، دریا، درخت، پھل وغیرہ۔ یہ **(سب)** اُسی کی **(اپنی طرف سے)** عطا ہے، اس کے سوا کسی اور کی دین نہیں۔ **(بے شک اِس میں)** یعنی ہر چیز کے مسخر کر دینے میں، **(یقیناً نشانیاں ہیں)** قدرتِ الٰہی اور حکمتِ پادشاہی پر **(اُن کے لیے جو سوچیں)** اور تفکر کریں اُس کی عجیب وغریب صنعتوں اور خلقتوں میں جو کہ صفحۂ حیات سے ظاہر ہیں۔

روایت ہے کہ کسی غفاری نے شہرِ مکہ میں فاروقِ اعظم کو گالی دی، اور حضرت فاروق نے بمقتضائے شجاعت چاہا کہ اُسے پکڑیں اور انتقام لیں، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا

سمجھا دو انہیں جو ایمان لا چکے کہ "ابھی درگزر کرتے رہیں اُنہیں، جو امید نہیں رکھتے اللہ کے دنوں کی، تا کہ بدلہ دے قوم کو

بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾

جو کماتے تھے●

(سمجھا دو انہیں جو ایمان لا چکے، کہ ابھی درگزر کرتے رہیں انہیں، جو امید نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ (کے دنوں کی)۔ یعنی وہ عذابِ الٰہی کے ایام سے نہیں ڈرتے۔

تو آیت کا معنی یہ ہے کہ درگزر کرو اُن لوگوں سے جو کافروں کے ہلاک ہونے کے دنوں میں غور و تامل نہیں کرتے اور اس سے نہیں ڈرتے۔۔۔

(تا کہ بدلہ دے قوم کو جو کماتے تھے)۔ یعنی اَے محبوب! آپ اہلِ ایمان کو فرمائیں کہ وہ کفار ومشرکین اور منافقین کی بُرائیوں سے درگزر کریں اور اُن سے بدلہ لینے کی تدابیر نہ بنائیں، تا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں اُن کی برائیوں کی کامل سزا دے۔

اِسی معنی پر آنے والی آیت بھی دلالت کرتی ہے۔۔علاوہ ازیں۔۔قرآن میں کسب کا لفظ اکثر کفار کے لیے مستعمل ہوا ہے۔۔نیز۔۔یہ مطلب بھی ہے کہ انہیں وقت مقرر پر سزا دے،

جیسے بدر وغیرہ میں۔اور بعضوں نے کہا کہ یہ آیت، آیتِ قتال سے منسوخ ہے۔ظاہر ہے کہ ضابطہءِ فضل وعدل کا تقاضا یہی ہے کہ۔۔۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۵﴾

جس نے کیا نیک کام، تو اپنے بھلے کو۔اور جس نے کیا بُرا کام، تو اپنے بُرے کو۔ پھر تم لوگ اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

(جس نے کیا نیک کام تو اپنے بھلے کو)، تو اُس کے نفس کے واسطے ہے اُس کا ثواب۔(اور جس نے کیا بُرا کام تو اپنے بُرے کو)، تو اُس پر ہے اُس کا وبال۔یاد رکھو! کہ اِس دُنیا میں جو کرنا ہو کر لو،(پھر تم لوگ اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے) اپنے اپنے اقوال وافعال کی جزا کے واسطے۔تو جو کفار نبی کریم ﷺ اور مومنین کو ناحق ایذاء پہنچاتے ہیں، تو اُس کا نقصان دُنیا وآخرت میں صرف اُن ہی کو ہوگا۔اور جو لوگ نبی ﷺ اور ایمان والوں کی عزت اور نصرت کرتے ہیں، تو اُس کا نفع بھی صرف اُنہی کو پہنچے گا۔

اِس آیت میں نیک اعمال کرنے کی ترغیب دی ہے اور بُرے اعمال سے ڈرایا ہے۔

پس جو مسلمان مجرموں کو معاف کردیں گے اور اُن کو بخش دیں گے، تو وہ سنتِ خداوندی پر چلنے والے ہوں گے۔اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کریں گے اور لوگوں پر ظلم کریں گے، تو وہ شیطانی صفات کے ساتھ متصف ہوں گے۔سو جو شخص ابرار اور نکوکاروں میں ہوگا، تو ابرار دائمی جنتوں میں ہوں گے، اور جو شخص فجار اور بدکاروں میں ہوگا تو بدکار دوزخ میں ہوں گے۔

اب اگلی آیت سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بنو اسرائیل کا طریقہ اپنے پیش رو کفار کے طریقہ کے موافق تھا، اللہ تعالیٰ نے اُن کو طرح طرح کی کثیر نعمتیں دیں اُس کے باوجود وہ سرکشی اور عناد سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے رہے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ

اور بے شک دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب وحکمت ونبوت، اور روزی دی اُنہیں

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶﴾

پاکیزہ، اور بزرگی دی ہم نے تمام اہلِ زمانہ پر●

(اور بے شک دی ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب وحکمت ونبوت)، یعنی توریت، امورِ دین میں حکم کرنا، اور پیغمبری، یعنی اُن میں سے بعض کو ہم نے پیغمبر کیا اور کسی قبیلے میں اس قدر پیغمبر نہیں ہوئے جتنے بنی اسرائیل میں ہوئے، حضرت یوسف کے زمانے سے حضرت عیسیٰ کے زمانے تک۔ (اور روزی دی انہیں پاکیزہ) حلال چیزوں میں سے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ طَيِّبٰتِ سے من وسلویٰ مراد ہے۔

(اور بزرگی دی ہم نے تمام اہلِ زمانہ پر)، یعنی اُن کے زمانے کے اہلِ عالم پر۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ

اور دی ہم نے اُنہیں صاف صاف باتیں امرِ دین کی۔ تو نہیں پھوٹے، مگر بعد اِس کے کہ آچکا اُن کے پاس علم،

بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۷﴾

باہمی بڑھ چڑھ کی ہوس سے۔ بے شک تمہارا رب فیصلہ فرمائے گا اُن کے درمیان قیامت کے دن، جس جس چیز میں فرقہ بندی کرتے تھے●

(اور دی ہم نے انہیں صاف صاف باتیں امر دین کی)، کھلی ہوئی دلیلیں دین اور ملت کے کام میں سے۔۔یا۔۔کھلے ہوئے معجزات۔۔یا۔۔ظاہر آیتیں محمد ﷺ کے باب میں، یہاں تک کہ انہیں جو پہچاننے کا حق ہے اُس طرح پہچان لیا اور آپ کا امر اُن پر خوب محقق ہو گیا، (تو نہیں پھوٹے) اور اختلاف نہیں کیا اُنہوں نے آپ کے امر میں، (مگر بعد اِس کے کہ آچکا اُن کے پاس علم) حقیقتِ حال کا۔ یعنی خوب تحقیق کے ساتھ انہوں نے جانا کہ حضرت پیغمبر ﷺ وہی پیغمبر ہیں جن کا حال توریت میں مذکور ہو چکا ہے۔

اور آپ کا حال انہوں نے پوشیدہ کیا (باہمی بڑھ چڑھ کی ہوس سے)۔ یعنی عداوت اور حسد کی راہ سے جو کہ اُن کے درمیان میں رہی ہے۔ اَے محبوب! (بے شک تمہارا رب فیصلہ فرمائے گا اُن کے درمیان قیامت کے دن جس جس چیز میں فرقہ بندی کرتے تھے)۔ یعنی توریت کے صاف کلموں میں کہ ان میں سے بعضے خبر دینے والے تھے نعتِ مصطفیٰ ﷺ سے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰی شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

پھر کر دیا ہم نے تمہیں ایک کھلی راہ پر امرِ دین کے، تو چلتے رہو اُسی راہ، اور مت چلو اُن کی خواہشوں پر جو علم ہی نہیں رکھتے●

(پھر کر دیا ہم نے) اَے محبوب! (تمہیں ایک کھلی راہ پر امر دین کے، تو چلتے رہو اُسی راہ) پر

(اور مت چلو اُن کی خواہشوں پر جو علم ہی نہیں رکھتے) کہ توحید کی حقیقت کیا ہے؟ یعنی رؤساءِ قریش جو تم سے کہتے ہیں کہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف پھر آؤ، تو اَے محبوب! تم اُن کی خواہش کی متابعت نہ کرنا۔۔۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ

بے شک وہ نہ بچاسکیں گے تمہیں اللہ سے کچھ بھی۔اور بے شک اندھیر والے ایک دوسرے کے دوست ہیں،

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑲

اور اللہ اپنے ڈرنے والوں کا دوست ہے●

(بے شک وہ نہ بچاسکیں گے تمہیں اللہ) تعالیٰ (سے کچھ بھی)، یعنی یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں آپ کے کچھ کام نہ آسکیں گے۔ (اور بے شک اندھیر والے ایک دوسرے کے دوست ہیں)۔ اُن کی دوستی ایک دوسرے کے ساتھ آپس میں ہم خیال ہونے کی وجہ سے ہے، اور جب کچھ تمہیں اُن کے ساتھ ہم خیالی اور طبعی مناسبت نہیں ہے، تو تم اُن کی آرزوؤں کی پیروی نہ کرو اور اپنا مصاحب اپنے ہم خیالوں میں ڈھونڈو۔ اور وہ اللہ سے ڈرنے والے پرہیزگار لوگ ہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (اپنے ڈرنے والوں کا دوست ہے) تو تم بھی انہیں کو دوست رکھو۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ⑳

یہ قرآن آنکھیں کھول دینے والی باتیں ہیں لوگوں کی، اور ہدایت ورحمت ہے اُن کے لیے جو یقین پائیں●

(یہ قرآن آنکھیں کھول دینے والی باتیں ہیں لوگوں کی)، یعنی اُس کی آیتیں لوگوں کے لیے بصیرت افروز ہیں، (اور) وہ سب کی سب خدا کی طرف سے (ہدایت ورحمت ہے اُن کے لیے جو یقین پائیں)، یعنی گمان کے جنگل سے نکل کر یقین کی منزل کے طالب ہوں۔

معالم میں ہے کہ مشرکوں میں سے ایک شخص نے مؤمنوں سے یہ بات کہی کہ یہ جو تم بعث اور حشر کے باب میں کہتے ہو اگر سچ ہو اور ہمیں واقعی دوسرے عالَم میں لے جائیں، تو وہاں بھی ہم مال وجاہ میں تم سے زیادہ ہوں گے جس طرح اِس عالَم میں ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

کیا گمان کرلیا ہے جنہوں نے کی ہیں برائیاں کہ "کردیں گے ہم انہیں جیسے، وہ ہیں جو ایمان لائے

وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْیَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ؕ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ع ۲ / ۱۰ / ۱۸

اور لیاقت کے کام کیے، برابر برابر اُن کی زندگی اور اُن کی موت۔" کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہیں!●

(کیا گمان کرلیا ہے جنہوں نے کی ہیں بُرائیاں، کہ کردیں گے ہم انہیں، جیسے وہ ہیں جو ایمان لائے اور لیاقت کے کام کیے)، یعنی مشرک لوگ بزرگی میں مؤمنوں کے مثل نہ ہوں گے (برابر برابر اُن کی زندگی اور اُن کی موت) دُنیا وآخرت میں، یعنی جو کوئی ایمان پر مرے گا وہ ایمان پر اٹھے گا اور کفر پر مرے گا وہ کفر پر اٹھایا جائے گا۔ (کیسا بُرا فیصلہ کرتے ہیں) جو وہ کرتے ہیں اور شرک اور توحید کے نتیجے کو برابر رکھتے ہیں۔

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ

اور پیدا فرمایا اللہ نے آسمانوں اور زمین کو بالکل حق، اور تاکہ بدلہ دیا جائے ہر ایک، جو اُس نے کمار کھا ہے

وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور وہ ظلم نہ کیے جائیں●

(اور پیدا فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے آسمانوں اور زمین کو بالکل حق) راستی اور عدل کے ساتھ۔ اور مقتضائے عدالت یہ ہے کہ نیک کام کرنے والے اور بدکار اور موحد اور مشرک میں تفاوت ہو۔ (اور) یہ اس لیے بھی، (تاکہ بدلہ دیا جائے ہر ایک جو اُس نے کمار کھا ہے) بھلائی۔۔یا۔۔بُرائی۔ (اور وہ ظلم نہ کیے جائیں)، یعنی نیک لوگوں کے ثواب میں کمی اور بُروں کے عذاب میں زیادتی نہ ہو ۔۔بلکہ۔۔ ہر ایک کو اُس کے عمل کے موافق جزا ملے۔

اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ

ذرا دیکھو تو! جس نے بنالیا اپنا معبود اپنی خواہش کو، اور گمراہ رکھا اُس کو اللہ نے علم کے ہوتے، اور مہر لگادی اُس کے کان،

وَ قَلْبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ یَّهْدِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ

اور اُس کے دل پر، اور ڈال دیا اُس کی آنکھ پر پردہ۔ تو کون راہ دے اُسے اللہ کے بعد،

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۳﴾

تو کیا تم لوگ سوچ سے کام نہیں لیتے ؟●

(ذرا دیکھو تو! جس نے بنالیا اپنا معبود اپنی خواہش کو) یعنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا حکم اِس طرح مانتا ہے جس طرح خدا کا حکم ماننا چاہیے۔۔یا یہ کہ۔۔اپنے معبود کو اپنی آرزو بنالیتا ہے یعنی ایک بت پوجتا ہے اور جب دوسرا بت اُس سے بہتر دیکھتا ہے تو پہلے کو چھوڑ دیتا ہے اور دوسرے کی پرستش کرنے لگتا ہے۔(اور گمراہ رکھا اس کو اللہ) تعالیٰ (نے علم کے ہوتے)۔

یعنی جس شخص نے اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے نفس کی اطاعت کی اور اپنی خواہش کے آگے سر جھکایا، حالانکہ اُس کو علم تھا کہ اللہ تعالیٰ اِن کاموں سے راضی نہیں ہے اور اُس نے اِن کاموں سے منع فرمایا ہے، اُس کے باوجود اُس نے اپنے علم کے تقاضے پر عمل نہیں کیا اور اُس نے علم کے باوجود گمراہی کو اختیار کرلیا، تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے اندر گمراہی کو پیدا کردیا۔

۔۔یا یہ کہ۔۔اللہ تعالیٰ کو اُس کے متعلق علم تھا کہ اُس کی روح کا جوہر نیکی اور پرہیز گاری کو قبول نہیں کرے گا، اور جب اُس کو اختیار دیا جائے گا، تو وہ ہدایت کے مقابلہ میں گمراہی کو اختیار کرے گا، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اُس علم کی بنیاد پر جو اُس کے انجام کے باب میں اُسے تھا اُس کے لیے کفر اور گمراہی کو مقدر کردیا۔

(اور مہر لگادی اُس کے کان) پر تا کہ حق بات نہ سنے (اور اُس کے دل پر) تا کہ آیاتِ حق نہ سمجھے۔(اور ڈال دیا اُس کی آنکھ پر پردہ) اور پوشش تا کہ عبرت حاصل کرنے کی نظر سے نہ دیکھے۔(تو کون راہ دے اُسے اللہ) تعالیٰ (کے) چھوڑ دینے کے (بعد، تو کیا تم لوگ سوچ سے کام نہیں لیتے) اور نصیحت نہیں پکڑتے۔تو نصیحت پکڑو اور متنبہ ہو جاؤ۔

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ

اور وہ لوگ بولے کہ "نہیں ہے مگر ہماری یہی زندگی دُنیاوی، کہ مرتے جیتے رہتے ہیں، اور نہیں ختم کرتا ہمیں مگر زمانہ۔"

وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۲۴﴾

اور اُنہیں اُس کا کچھ علم نہیں۔بس وہ گمان دوڑاتے پھرتے ہیں●

(اور وہ لوگ) جو بعث و حشر کے منکر ہیں (بولے، کہ نہیں ہے مگر ہماری یہی زندگی دُنیاوی) جو

ہمیں حاصل ہے، (کہ مرتے جیتے رہتے ہیں)۔ یعنی ہم میں سے بعضے مرتے ہیں اور بعضے جیتے ہیں۔

اور احتمال رکھتا ہے کہ اس بات کے قائل 'مذہب تناسخ' رکھتے ہوں اور اُن کے نزدیک یہ ہو کہ جو مرتا ہے اُس کی روح دوسرے جسم سے تعلق پکڑ لیتی ہے، اور دُنیا ہی میں پھر ظہور کرتا ہے، یہاں تک کہ دوبارہ مرجاتا ہے۔ پھر اور کسی جسم کے ساتھ روح وابستہ ہوجاتی ہے۔

(اور) مشرکوں نے کہا کہ (نہیں ختم کرتا ہمیں مگر زمانہ) گزرنا اور پرانا ہوجانا اور بوڑھاپا، (اور انہیں) یعنی اُن کافروں کو (اِس کا کچھ علم نہیں) کہ اِن زمانوں کو اُلٹنے والا اور اُن میں تصرف کرنے والا حق تعالیٰ ہے، اور زمانے کو کسی کام میں کچھ اختیار نہیں۔ (بس وہ گمان دوڑاتے پھرتے ہیں) اور نری تقلید سے بے دلیل بات کہتے ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری روشن آیتیں، تو نہیں رہتی کٹ حجتی اُن کی مگر یہ کہ بول پڑے کہ

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

"لاؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر سچے ہو"●

(اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری روشن آیتیں) جو بالکل واضح اور صاف دلالت کرنے والی ہوں بعث ونشر کے باب میں، (تو نہیں رہتی کٹ حجتی اُن کی مگر یہ کہ بول پڑے کہ لاؤ ہمارے باپ دادوں کو اگر سچے ہو)۔ یعنی اگر ہو تم سچ کہنے والے خلق کو زندہ کرنے میں مرنے کے بعد قیامت کے دن۔ اور یہ بات وہ جہل اور عناد سے کہتے ہیں، اس واسطے کہ مُردوں کو زندہ کرنے کا وقت مقرر کیا گیا ہے خاص وقت کے ساتھ، ایسی وجہ پر جو مقتضائے حکمت ہے۔ پس اگر فرمائش کے وقت نہ موجود ہوجائیں، تو عاجزی پر گمان نہ کرنا چاہیے۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

کہہ دو کہ "اللہ زندگی دے تمہیں، پھر موت دے تمہیں، پھر اکٹھا کرے گا تمہیں قیامت کے دن، جس میں کوئی شک نہیں،

ع ۵ ۱۹ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

لیکن بہتیرے لوگ علم ہی نہیں رکھتے●

اَے محبوب! (کہہ دو کہ اللہ) تعالیٰ (زندگی دے تمہیں) ماں کے پیٹ میں، (پھر موت دے

تمھیں) دُنیا میں، (پھر اکٹھا کرے گا تمھیں قیامت کے دن، جس) کے آنے (میں کوئی شک نہیں لیکن بہتیرے لوگ) نظر وفکر کی کمی اور قصور کے سبب (علم ہی نہیں رکھتے)۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَىٕذٍ یَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور اللہ کی ہے شاہی آسمانوں اور زمین کی۔ اور جس دن قیامت کھڑی ہوگی، خسارے میں رہیں گے باطل والے●

(اور) اگر یہ فکرِ سلیم اور فہم مستقیم سے کام لیں، تو اِن پر ظاہر ہو جائے کہ (اللہ) تعالیٰ (کی ہے شاہی آسمانوں اور زمین کی)۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی رب العالمین، مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، قادرِ مطلق اور مختارِ کل ہے۔ (اور جس دن قیامت کھڑی ہوگی خسارے میں رہیں گے باطل والے) اور اُن کا نقصان یہ ہوگا کہ دوزخ میں پھریں گے۔

وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ تُدْعٰۤى اِلٰى كِتٰبِهَا ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور دیکھو گے ہر امت کو زانو کے بل گری پڑی۔ ہر امت بلائی جائے گی اپنے نامہء اعمال کی طرف کہ
"آج کے دن بدلہ دیے جاؤ گے جو کچھ کرتے تھے●

(اور) اُس دن (دیکھو گے ہر امت کو زانو کے بل گری پڑی)۔ اور (ہر امت بلائی جائے گی اپنے نامہء اعمال کی طرف) اور اُن کو کہیں گے (کہ آج کے دن بدلہ دیے جاؤ گے) اُن کرتوتوں کا (جو کچھ کرتے تھے)۔

هٰذَا كِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

یہ ہے ہمارا دفتر جو بول رہا ہے تم پر بالکل ٹھیک۔ بلاشبہ ہم درج کرتے تھے جو کچھ تم کیا کرتے تھے●

اور دیکھو (یہ ہے ہمارا دفتر) جس کے لکھنے کا حکم ہم نے کراماً کاتبین کو دیا تھا (جو بول رہا ہے تم پر بالکل ٹھیک)، یعنی ظاہر کر رہا ہے تم پر تمھارے اعمال سچائی کے ساتھ، نہ کم نہ زیادہ۔ (بلاشبہ ہم درج کرتے تھے)، یعنی لکھواتے تھے اِس میں وہ (جو کچھ تم کیا کرتے تھے)۔

معالم میں ہے کہ جب دونوں فرشتے بندوں کے عمل آسمان پر لے جاتے ہیں، تو حق تعالیٰ اُس لکھے میں وہ عمل ثابت رکھتا ہے جس پر ثواب۔۔یا۔۔ عذاب ہو اور لغو اور بیہودہ کو مٹا دیتا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ لکھوانا لوحِ محفوظ میں سے ہے، اس واسطے کہ آدمیوں کے نامہء اعمال سال بسال لوحِ محفوظ سے فرشتوں کو سپرد کرتے ہیں۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ

توجس نے ایمان قبول کرلیا تھااور کرنے کے کام کیے تھے، توانہیں داخل فرمائے گا اُن کا رب اپنی رحمت میں، یہی ہے

الْمُبِیْنُ ﴿۳۰﴾ وَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْكُمْ

روشن کامیابی● اور جنہوں نے انکار کیا تھا۔ تو سنیں گے کہ" کیا نہیں پڑھی جاتی تھیں میری آیتیں تم پر؟

فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَ ﴿۳۱﴾

تو غرور کرتے تھے تم" اور تم جرائم پیشہ تھے●

(توجس نے ایمان قبول کرلیا تھااور کرنے کے) لائق (کام کیے تھے، توانہیں داخل فرمائے گا اُن کا رب اپنی رحمت میں) کہ منجملہ اُس کے بہشت ہے۔ اور (یہی) رحمت میں داخل کرنا (ہے روشن کامیابی) اور بامراد ہونا۔ (اور جنہوں نے اِنکار کیا تھا۔ تو سنیں گے) کہ اُن سے کہا جارہا ہے (کہ کیا نہیں پڑھی جاتی تھیں میری آیتیں تم پر؟ تو غرور کرتے تھے تم) اور ایمان لانے سے اِنکار کرتے تھے، (اور) یہ اس لیے کہ (تم جرائم پیشہ) مشرک (تھے)۔

وَاِذَا قِیْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ لَا رَیْبَ فِیْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِیْ مَا السَّاعَةُ ۙ

اور جب کہا گیا کہ" اللہ کا وعدہ حق ہے، اور قیامت میں کوئی شک نہیں،" تو تم کہتے تھے کہ" ہمارے قیاس میں نہیں آتا، کہ کیا ہے قیامت۔

اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَیْقِنِیْنَ ﴿۳۲﴾

ہمارا خیال ہے کہ بس وہ خیال ہی خیال ہے اور ہم یقین کرنے والے نہیں"●

(اور) تمہاری سرکشی کا عالَم یہ تھا کہ (جب کہا گیا) تم سے (کہ اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ حق ہے) حشر، حساب اور ثواب وعذاب کے باب میں، (اور قیامت میں کوئی شک نہیں، تو تم کہتے تھے کہ ہمارے قیاس میں نہیں آتا کہ کیا ہے قیامت؟ ہمارا خیال ہے کہ بس وہ خیال ہی خیال ہے)۔ یعنی اَے مسلمانو! تم بھی اِس کا صرف گمان ہی رکھتے ہو، اور تم کو بھی قیامت قائم ہونے کا یقین نہیں۔ (اور) رہ گئے ہم مشرکین تو (ہم) تو (یقین کرنے والے نہیں)۔

وَبَدَا لَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَقِیْلَ الْیَوْمَ نَنْسٰكُمْ

اور ظاہر ہوگئیں اُنہیں بُرائیاں اُس کی جو کرتوت کیے تھے، اور گھیر لیا اُنہیں اُس عذاب نے جس کا ٹھٹھا کرتے تھے● اور حکم دیا گیا کہ" آج

كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٣٤﴾

ہم تمہیں بھولا جیسا قرار دیں گے، جس طرح تم بھولے تھے اپنے اُس دن کے ملنے کو، اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے، اور نہیں ہے تمہارا کوئی مددگار●

بالآخر روزِ قیامت نمایاں (اور ظاہر ہو گئیں انہیں بُرائیاں اُس کی جو کرتوت کیے تھے، اور گھیر لیا انہیں اُس عذاب نے جس کا ٹھٹھا کرتے تھے● اور حکم دیا گیا کہ آج ہم تمہیں بھولا جیسا قرار دیں گے) اور چھوڑ دیں گے تم کو جہنم میں، جیسے بھولی ہوئی چیز کو چھوڑ دیتے ہیں۔ (جس طرح تم بھولے تھے اپنے اس دن کے ملنے کو)۔ یعنی تم نے اِس دن کو یاد رکھنے سے غفلت برتی۔۔ الغرض۔۔ غافل رہے (اور) اب (تمہارا ٹھکانہ آگ ہے)۔ (اور نہیں ہے تمہارا کوئی مددگار) جو اِس آگ سے بچالے۔

ذَٰلِكُم بِأَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَغَرَّتْكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ

یہ اس لیے کہ بلاشبہ بنا رکھا تھا تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق، اور دھوکہ دیا تھا تمہیں دُنیاوی زندگی نے، "تو آج کے دن

لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٣٥﴾

نہ نکالے جائیں گے وہ اُس سے، اور نہ وہ رضامند کیے جائیں گے●

(یہ اس لیے کہ بلاشبہ بنا رکھا تھا تم نے اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو مذاق)۔ اُس پر تم ہنستے تھے اور اُس کے تعلق سے غور و فکر نہیں کرتے تھے۔ (اور دھوکا دیا تھا تمہیں دُنیاوی زندگی) کے عیش و آرام (نے)۔ تم حیاتِ فانی پر پھولے تھے اور حیاتِ جاودانی کو بھولے تھے۔ (تو آج کے دن نہ نکالے جائیں گے وہ اس) آتشِ جہنم (سے، اور نہ وہ رضامند کیے جائیں گے)۔ یعنی اُن سے یہ نہ کہا جائے گا کہ تم عذر خواہی کر دو تا کہ تم سے ہم خوش ہو جائیں، کیونکہ خدا کی خوشنودی اُن سے بہت دُور ہے۔

فَلِلَّهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الْأَرْضِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٣٦﴾ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ

تو اللہ ہی کے لیے حمد ہے، پالنے والا آسمانوں کا اور پالنے والا زمین کا، پالنے والا سارے جہان کا● اور اُسی کے لیے ہے بڑائی

فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٣٧﴾ ع۲۰

آسمانوں اور زمین میں۔ اور وہی عزت والا حکمت والا ہے●

(تو اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے حمد ہے، پالنے والا آسمانوں کو اور پالنے والا زمین کا، پالنے والا

سارے جہان کا)۔ بزرگی اور بڑائی سب اُسی کے واسطے ہے، تو اُسی کی فرمانبرداری کرنی چاہیے اور اُس کے آثارِ قدرت ظاہر ہیں ساری کائنات میں۔ (اور اُسی کے لیے ہے بڑائی آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت والا) ہے اور غالب ہے ساری مخلوق پر۔ اور (حکمت والا ہے)، یعنی سب کاموں کا جاننے والا ہے۔

الحمدللہ، ثم الحمدللہ، بعونہٖ تعالیٰ و بفضلہٖ سبحانہ، آج بتاریخ
۲۵ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۱۸ر اپریل ۲۰۱۲ء
بروز چہارشنبہ، پچیسویں ۲۵ پارہ اور 'سورہ الجاثیہ' کی تفسیر مکمل ہوگئی۔
دُعاگو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کو مکمل کرنے
کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ،
بِحَقِّ نٓ وصٓ وَبِحَقِّ یَابَدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ
سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

٢٦

حٰمٓ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ

٢٧ر جمادی الاولیٰ ١٤٣٣ھ۔۔مطابق۔۔٢٠ر اپریل ٢٠١٢ء

بروز جمعہ مبارکہ چھبیسویں (٢٦) پارہ اور 'سورہ الاحقاف' کی تفسیر شروع کردی

مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور اِس کے بعد باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کو مکمل کر

سعادت مرحمت فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت خاص میں ر

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وصٓ و

وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ

سورۃ الاحقاف ۴۶ مکیۃ ۶۶ — آیاتہا ۳۵ ۔۔ رکوعاتہا ۴

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ

اِس سورت کا نام 'الاحقاف' ہے، جو اِسی سورہ کی آیت ۲۱ سے ماخوذ ہے ۔۔ نیز ۔۔ احادیث میں بھی اس سورت کو 'احقاف' سے تعبیر کیا ہے۔ اِس سورت کی آیت ۲۱ میں جو 'الاحقاف' کا ذکر ہے، اُس سے مراد بلند اور طویل ٹیلے ہیں۔ دراصل اِس سے مراد قوم عاد کے گھر ہیں۔ یہ ٹیلے یمن میں ہیں جہاں قوم عاد رہتی تھی۔ یہ سورت 'الذاریات' سے پہلے اور 'الجاثیہ' کے بعد نازل ہوئی۔ اِس سورہ کا اور 'سورہ الجاثیہ' کا زمانہ نزول ایک ہی ہے۔ اِس سورۂ مبارکہ کا بھی اِفتتاح اُنہیں آیات سے کیا گیا ہے جن سے 'سورۃ الجاثیہ' کا اِفتتاح کیا گیا۔ قرآنِ کریم کی اِس ہدایت مآب سورۂ مبارکہ کو ۔۔ یا ۔۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝

ح م ● اُتارنا کتاب کا عزت والے حکمت والے اللہ کی طرف سے ہے ●

(ح م)۔

امام قشیری نے فرمایا ہے کہ 'حاءٗ اشارہ ہے 'حکم الٰہی' کی طرف اور 'میم' کنایہ ہے 'مجد پادشاہی' کی جانب۔ حق تعالیٰ اپنے حکم کامل اور مجد شامل کی قسم ارشاد فرما کر کہتا ہے کہ جو مجھ پر ایمان لایا اُس پر عذاب نہ کروں گا، اور اِن کلمات کی قسم یہ تنزیل یعنی (اتارنا کتاب کا) بعض کے بعد بعض، (عزت والے حکمت والے اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے ہے) جو قوی اور غالب ہے، حکم صائب دینے والا افعال اور اقوال میں۔ اُس کے غیر کی طرف سے کتاب کا اتارنا نہیں ہے۔

اور چونکہ یہ کتاب بے حد حکمت والے نے نازل کی ہے اس لیے اِس کی ہر ہر آیت میں بے حد وحساب حکمتیں ہیں۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ۔۔۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى

نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین اور اُن کے درمیان کی چیزوں کو مگر حق، اور مدتِ مقررہ کے لیے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝۳

اور جنہوں نے کفر اختیار کیا اُس سے جس سے ڈرائے گئے ہیں، رُوگرداں ہیں●

(نہیں پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین، اور اِن کے درمیان کی چیزوں کو)، یعنی اقسام مخلوقات اور انواعِ موجودات کو (مگر حق، اور مدت مقررہ کے لیے) راستی کے ساتھ۔ ایسی وجہ پر جو اُس کی حکمت اور عدالت کی چاہی ہوئی ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ تخلیقِ کائنات غرضِ صحیح اور حکمتِ بالغہ کے ساتھ فرمائی گئی ہے۔ اِس زمین کو مکلفین کے لیے دارِ قرار بنا دیا تاکہ قیامت کے دن اُن کو جزا دے جنہوں نے نیک عمل کیے اور اُن کو سزا دے جنہوں نے بُرے عمل کیے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کسی کو عبث اور بے فائدہ نہیں بنایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اِس جہان کو اس لیے بھی پیدا نہیں کیا کہ یہ ابدالآباد تک باقی رہے، بلکہ اِس جہان کو مکلفین کے لیے دارالعمل بنایا ہے کہ وہ اس دُنیا میں نیک عمل کریں اور آخرت میں اُس کی اچھی جزا پائیں۔ پھر ایک مقررہ وقت پر اللہ تعالیٰ اِس جہان کو فنا کردے گا۔ اِس آیت میں 'مدت معینہ' سے وہی وقت مراد ہے۔

اِس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ قیامت کا واقع ہونا اور مرنے کے بعد اٹھنا برحق ہے، کیونکہ اگر قیامت قائم نہ ہو اور مُردوں کو زندہ نہ کیا جائے، تو جن مظلوموں کا دُنیا میں ظالم سے بدلہ نہیں لیا گیا وہ بغیر جزا کے رہ جائیں گے اور ظالم بغیر سزا کے رہ جائیں گے۔ اسی طرح کفار بغیر عذاب کے اور مؤمنین بغیر ثواب کے رہ جائیں گے۔ اور یہ اُس حقیقت کے خلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو اور اِن کے درمیان کی چیزوں کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

(اور جنہوں نے کفر اختیار کیا اُس سے جس سے ڈرائے گئے ہیں) یعنی ایمان نہیں لاتے آخرت کا اور جس چیز سے انہیں ڈرایا جاتا ہے اُس سے (روگرداں ہیں) اور منہ پھیرنے والے ہیں۔ نہ اُسے تسلیم کرتے ہیں اور نہ اُس میں غور و فکر کرتے ہیں۔ اَے محبوب! اُن سے۔۔۔

قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَرُوۡنِيۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ

کہہ دو کہ "ذرا بتاؤ تو کہ جس کی دُہائی دیتے ہو اللہ کے خلاف، دکھا تو دو مجھے کیا پیدا کیا اُنہوں نے کچھ زمین سے،

اَمۡ لَهُمۡ شِرۡكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ؕ اِيۡتُوۡنِيۡ بِكِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ هٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَةٍ

یا اُن کا کچھ بھی حصہ ہے آسمانوں میں۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اِس سے پہلے کی، یا کوئی روایت اگلوں کا

مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۴

بچا بچایا علم، اگر سچے ہو"●

(کہہ دو کہ ذرا بتاؤ تو کہ جس کی دُہائی دیتے ہو) اور جسے پوجتے ہو (اللہ) تعالیٰ (کے خلاف) وراُس کے سوا، جیسے بت، فرشتے اور جن وغیرہ، (دکھا تو دو مجھے کہ کیا پیدا کیا انہوں نے کچھ زمین سے؟) یعنی اُس کے اجزا سے کون سا جز ہے جو اُن کی مخلوق ہے۔۔ (یا ان کا کچھ بھی حصہ ہے آسمانوں) کی پیدائش (میں)۔ اور چونکہ ظاہر ہے کہ تمہارے معبود عاجز ہیں اور اُن کو زمین و آسمان میں کچھ تصرف نہیں، تو انہیں پرستش میں میرا شریک کیوں کرتے ہو؟

(لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اِس) قرآنِ کریم کے اُترنے (سے پہلے کی) کہ اُس کتاب میں تم کو شرک کرنے کا حکم ہو۔ (یا) لاؤ (کوئی روایت اگلوں کا بچا بچایا علم)۔ یا کوئی روایت اگلے انبیاء علیہم السلام سے جو اِس بات پر دلالت کرے کہ وہ تمہارے معبود عبادت کے مستحق ہیں، (اگر) تم (سچے ہو) اپنے دعویٰ میں۔

جب مشرکین اِس دلیل میں عاجز آئے، تو حق تعالیٰ نے اُن کی گمراہی کے باب میں فرمایا۔۔۔

وَمَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ يَّدۡعُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَنۡ لَّا يَسۡتَجِيۡبُ لَهٗۤ

اور اُس سے زیادہ کون بے راہ ہے، جو دُہائی دے اللہ کے خلاف والوں کی جو نہ کہنا کرے اُس کا

اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ وَهُمۡ عَنۡ دُعَآئِهِمۡ غٰفِلُوۡنَ ۝۵

قیامت تک، اور وہ اُن کی دُہائی سے نرے بے خبر ہیں●

(اور) واضح فرمادیا کہ (اُس سے زیادہ کون بے راہ ہے جو دُہائی دے اللہ) تعالیٰ (کے خلاف والوں کی) اور اُسے پوجے۔۔ نیز۔۔ معبود سمجھ کر پکارے، اور وہ بھی ایسے کو (جو نہ کہنا کرے اُس کا قیامت

تک)۔اُس کی بات کوقبول کرنا تو بڑی بات ہے اُسے جواب تک نہ دے۔(اور) جواب دینے کا سوال ہی کیا ہے، اس لیے کہ (وہ) بت (اُن کی دُہائی سے نرے بے خبر ہیں)۔

۔۔الحاصل۔۔اگر مشرک اپنے معبودِ باطل کو عمرِ دُنیا کی مدت تک پکاریں تو اجابت کا اثر اُس سے ظاہر نہ ہوگا، اس لیے کہ وہ بت اپنے پکارنے والے بت پرستوں کی پکار سے غافل و بے خبر ہیں۔ اور جب وہ اُن کا پکارنا سنتے ہی نہیں تو جواب کیونکر دیں۔ پس بدبخت ہے وہ جو سننے والے اور قبول کرنے والے خداوند کی عبادت سے دست بردار ہو اور چند بے حس جماد، جو نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں اُن کی عبادت کی طرف متوجہ ہو۔ بت پرست اپنے باطل معبودوں سے شفاعت اور مددگاری کی امید میں رہے۔۔۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۶

اور جب حشر میں لائے گئے لوگ، تو ہو گئے اُن کے دشمن، اور ہو گئے اُن کی پوجا پاٹ سے منکر●

(اور جب حشر میں لائے گئے لوگ تو ہو گئے اُن کے دشمن، اور ہو گئے اُن کی پوجا پاٹ سے منکر)۔

یعنی بت کہیں گے کہ انہوں نے ہماری پرستش نہیں کی، جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۔۔یا۔۔بت پرست کہیں گے کہ ہم نے تو بتوں کی پرستش نہیں کی، جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ۔ آخرت میں تو وہ حشر ہوگا جو ابھی مذکور ہوا، مگر دُنیا میں اِن کا حال۔۔۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اُن پر ہماری روشن آیتیں، بولے جنہوں نے اِنکار کر دیا حق کا جب کہ آچکا اُن کے پاس کہ

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ

"یہ کھلا ہوا جادو ہے"● یا بک دیتے ہیں کہ "گڑھ لیا ہے اُس کو،" جواب دو کہ "اگر میں نے گڑھ لیا ہوتا اُسے، تو تم بھی سکت

لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا

نہیں رکھتے میری بھلائی کی اللہ کے آگے کچھ۔ وہ خوب جانتا ہے جس میں تم پڑے رہتے ہو۔ کافی گواہ ہے

بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ⑧

وہ میرے درمیان اور تمہارے درمیان۔ اور وہی غفور رحیم ہے"●

(اور) اُن کی خردماغی یہ ہے کہ (جب تلاوت کی جاتی ہیں ان پر ہماری روشن آیتیں) اِس حال میں کہ کھلی ہوئی ہیں اِس سے اعجاز کی دلیلیں، تو (بولے جنہوں نے اِنکار کردیا حق کا جبکہ آچکا ان کے پاس، کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے● یا بک دیتے ہیں)، یعنی صرف جادو ہی کہنے پر بس نہیں کرتے، بلکہ یہ بکواس بھی کرتے ہیں (کہ گڑھ لیا ہے اِس کو)۔ یعنی پیغمبر نے اپنے طور پر اِس کلام کو تیار کرلیا ہے اور پھر اِس کو خدا کا کلام کہہ کر پیش کیا ہے۔ (جواب دو کہ اگر میں نے)۔۔ بفرضِ محال۔۔ (گڑھ لیا ہوتا ہے)، پھر (تو) یہ بہت بڑا گناہ ہوتا اور پھر اِس کی جزا میں عذاب بھی بہت بڑا مقرر کیا جاتا، ایسا کہ (تم بھی سکت نہیں رکھتے میری بھلائی کی اللہ) تعالیٰ (کے آگے کچھ)۔ یعنی اگر خدا نے مجھ پر عذاب کرنا چاہا تو، تو تم اس میں سے کچھ بھی دفع کرنے پر قادر نہیں۔ تو تم خود ہی سوچو کہ جب صورتِ حال یہ ہے تو میں کیونکر جرأت کروں گا اور کس مددگار کے بھروسے یہ کام کروں گا۔

یاد رکھو کہ (وہ خوب جانتا ہے جس میں تم پڑے رہتے ہو) اور غور وخوض کرتے رہتے ہو، تو تم اپنی اِن خام خیالیوں سے باز آؤ اور قرآنِ کریم کو سحر اور افتراء کیا ہوا نہ قرار دو۔ یاد رکھو کہ حق تعالیٰ گواہ ہے کہ یہ نہ سحر ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ پر افتراء۔ اور (کافی گواہ ہے وہ) یعنی حق تعالیٰ (میرے درمیان اور تمہارے درمیان)۔ وہ میری گواہی دے گا کہ میرا کلام سچ تھا اور میں نے تم کو احکام پہنچادیے۔ اور تم پر گواہی دے گا کہ تم جھوٹ بولے اور تم نے عناد وانکار اور فساد کیا۔ (اور وہی غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے اُسے جو شرک سے توبہ کرے اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے اُس پر جو ایمان میں پکا ہو۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ ۭ

اعلان کردو کہ "نہیں ہوں میں کچھ بدعت رسولوں کی جماعت سے، اور نہ میں اٹکل لگاؤں کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ⑨

میں بتانے میں نہیں پیروی کرتا مگر اُس کی جس کی وحی کی جاتی ہے میری طرف، اور میں کھلا کھلا ڈر سنانے والا ہی ہوں"●

اَے محبوب! (اعلان کردو کہ نہیں ہوں میں کچھ بدعت رسولوں کی جماعت سے)۔ یعنی میں تم پر پہلا پیغمبر نہیں آیا ہوں، مجھ سے پہلے بھی پیغمبر ہوئے تھے، تو تم میری نبوت کے کیوں منکر ہو؟ (اور

نہ میں اٹکل لگاؤں کہ کیا کیا جائے گا میرے ساتھ اور) کیا کیا جائے گا (تمہارے ساتھ)۔اِن باتوں کو
از خود میں نہیں جانتا، اور اُس کے تعلق سے اپنے اٹکل اور قیاس کی بنیاد پر کچھ نہیں کہتا، بلکہ (میں بتانے
میں نہیں پیروی کرتا، مگر اُس کی جس کی وحی کی جاتی ہے میری طرف)۔

---یا یہ کہ---

اِن امور کا اجمالی علم مجھے دیا جاچکا ہے مگر ابھی اِس کے تفصیلی علم سے مجھے وحی الٰہی کے ذریعہ باخبر نہیں کیا گیا ہے۔۔الختصر۔۔اب تک مجھے اپنی اور اپنے فرمانبرداروں اور ایمان والوں کی عاقبت بخیر ہونے کا جو اجمالی علم دیا گیا ہے، وہ وحی الٰہی سے ہی حاصل ہوا ہے۔رہ گیا اِن امور کا تفصیلی علم اب تک جس سے مطلع نہیں کیا گیا ہوں، اُس کے بھی حصول کا ذریعہ صرف وحی ربانی ہی ہے۔۔الغرض۔۔ نہیں پیروی کرتا ہوں میں مگر اُس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف اور میں اُس سے درگزر نہیں کرسکتا۔(اور) یہ اس لیے کہ (میں کھلا کھلا ڈرسنانے والا ہی ہوں) اور یہ نذارت خدا کا عطا کردہ میرا منصب ہے، اِس کے تقاضے کو پورا کرنا میرا فریضہ ہے۔۔الحاصل۔۔میں کاموں کے انجام کی خبر بے وحی کے نہیں دے سکتا۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ

کہہ دو کہ "کیا تم نے انجام پر نظر کرلی ہے، اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوئی، اور تم لوگوں نے اِنکار کر رکھا ہے اِس کا، اور گواہی دے دی

بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ایک اسرائیلی گواہ نے ایسی کتاب پر، پھر ایمان کا اعلان کردیا، اور تم بڑائی کی ڈینگ لیتے رہے۔بے شک اللہ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۠ ۱۰ ع ۱

نہیں راہ دیتا اندھیر مچانے والوں کو"●

اَے محبوب! (کہہ دو کہ کیا تم نے) اپنے اِنکار واستکبار کے (انجام پر نظر کرلی ہے؟) کہ (اگر یہ کتاب) جو (اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے) وحی کی (ہوئی) ہے، وہ واقعی قرآن من عند اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو، نہ جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ وہ جادو ہے۔۔یا۔۔میری من گھڑت باتیں ہیں۔ (اور) باوجود منجانب اللہ ہونے کے (تم لوگوں نے اِنکار کر رکھا ہے اِس کا، اور) صورتِ حال یہ ہے کہ (گواہی دے دی ایک اسرائیلی گواہ نے ایسی)، یعنی توحید، وعدووعید وغیرہا کے مسائل پر مشتمل

س جیسی (کتاب پر)، کیونکہ جیسے اِس میں معانی ہیں ایسے ہی تورات میں تھے، یعنی اُس کے علوم قرآن کے مطابق تھے، گویا تورات کے جملہ مضامین اِسی میں ہیں۔ اب معنی یہ ہوا کہ گواہی دینے والے اسرائیلی حق شناس نے گواہی دے دی کہ یہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور بے شک یہ وحی ربانی کے جنس سے ہے۔ یہ کسی فردِ بشر کا کلام نہیں۔ (پھر) اس اسرائیلی حق شناس نے اپنے (ایمان کا اعلان کر دیا اور تم) اَے یہودیو! اپنی (بڑائی کی ڈینگ لیتے رہے)، تو سن لو کہ تم اِس کام میں اپنے اوپر فلاح نہ پاؤ گے، کیونکہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نہیں راہ دیتا اندھیر مچانے والوں کو)۔

جمہور مفسرین کے نزدیک وہ مردِ حق شناس جن کا اوپر ذکر ہوا ہے حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ تھے۔ مفسرین کا کہنا ہے کہ یہ سورہ زیرِ تفسیر اگرچہ مکی ہے لیکن اس کی یہ آیت مدنی ہے جسے نبی کریم ﷺ کے حکم سے مکی سورہ کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ غزالیٔ دوراں قدس سرہ نے اِس آیتِ کریمہ کا یہ مطلب خیز ترجمہ کیا ہے "فرما دیجیے ذرا بتاؤ تو کہ اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اِس کے ساتھ کفر کیا، تو سوچو تمہارا انجام کیا ہوگا حالانکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس قرآن پر گواہی دے چکا، تو وہ ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا۔"

حضرت عبداللہ ابن سلام ان خوش نصیب اصحاب میں ہیں جن کو حضور آیہ رحمت ﷺ نے خصوصی طور پر جنت کی بشارت دی۔ اُن کے ایمان لانے کا مختصر واقعہ یہ ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تشریف لے آئے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ میں آپ سے تین۳ ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کروں گا جس کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا: ﴿۱﴾۔۔قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ ﴿۲﴾۔۔اہلِ جنت کا پہلا طعام کون سا ہوگا؟ ﴿۳﴾۔۔بچہ اپنے باپ۔۔یا۔۔ماں سے کیسے مشابہ ہوتا ہے؟

نبی ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کی سب سے پہلی نشانی ایک آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب تک جمع کرے گی۔ اور اہلِ جنت کا پہلا کھانا مچھلی کی کلیجی کا ٹکڑا ہوگا۔ اور جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے، تو وہ بچہ کی شبیہ اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے، تو وہ بچہ کی شبیہ اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن سلام نے کہا **اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ** اور عرض کیا یا رسول اللہ! یہود بہت بہتان تراش قوم ہے۔ اگر اُن کو میرے اسلام کا اِس

سے پہلے علم ہوگیا کہ آپ اُن سے میرے متعلق سوال کریں، تو وہ مجھ پر بہتان لگائیں گے۔ پھر یہود آئے، تو نبی ﷺ نے اُن سے سوال کیا کہ تم میں عبداللہ کیسے ہیں؟ انہوں نے کہا وہ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور اُن کے والد بھی ہم میں سب سے بہتر ہیں۔ وہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے سردار کے بیٹے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ بتاؤ کہ اگر عبداللہ ابن سلام مسلمان ہو جائیں؟ تو یہود نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اُن کو اِس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ پھر حضرت عبداللہ باہر نکلے اور کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ، تو یہود نے کہا کہ وہ ہم میں سب سے بُرے ہیں اور سب سے بُرے شخص کے بیٹے ہیں اور اُن کی بُرائیاں کیں۔ حضرت عبداللہ نے کہا کہ یارسول اللہ! مجھے اِسی چیز کا خدشہ تھا۔

مذکورہ بالا واقعہ سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام اُسی وقت اسلام لائے جب نبی ﷺ مدینہ میں تشریف لائے۔۔ لہٰذا۔۔ یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت عبداللہ ابن سلام رسول اللہ ﷺ کے وصال کے دو سال پہلے اسلام لائے تھے۔ بلاشبہ یہ قول شاذ اور مردود ہے۔

جن اندھیر مچانے والوں کا اوپر ذکر ہوا ہے اُن بیوقوفوں کا خیال تھا کہ دینی مراتب وعہدے بھی دُنیوی اسباب سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہ اُن کی سخت غلطی تھی کیونکہ مراتبِ دینی کا دار و مدار کمالاتِ نفسانیہ و ملکاتِ روحانیہ پر ہے، اور یہ مراتب دُنیا کے نقش ونگار سے رُوگردانی اور آخرت کی طرف بالکلیہ متوجہ ہونے سے حاصل ہوتے ہیں۔ جسے ایسے مراتب حاصل ہوتے ہیں وہ آخرت کے جملہ عہدے ومراتب پر فائز ہو جاتا ہے، اور جو اِن سے محروم رہا اُسے کچھ نصیب نہ ہوگا۔ ایسے مراتب ومقامات فضلِ الٰہی سے نصیب ہوتے ہیں۔ اِن میں اسباب وعلل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ہاں جو اِن اسباب وعلل کو پالیتا ہے، تو وہ بھی عطائے الٰہی سے ہوتا ہے، انسان کی اپنی ذاتی قابلیت کو اِس میں کسی قسم کا دخل نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ ۭ

اور بولے جنھوں نے کفر کیا ہے اُن کے لیے جو ایمان لا چکے ہیں کہ "اگر یہ بہتر ہوتا، تو یہ ہم سے پہلے نہ پہنچتے اِس کی طرف۔"

وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ⑪

اور جب کہ راہ نہ پائی اِس کی، تو اب کہیں گے کہ "پرانی گڑھت ہے"۔

لیکن اندھیر والے اِن حقائق (اور) دقائق کو کیا جانیں۔۔چنانچہ۔۔(بولے جنہوں نے کفر کیا ہے)، یعنی بنوعامر وغیرہ (ان کے لیے جو ایمان لا چکے ہیں)، یعنی قبیلہ جہینہ وغیرہ کے لیے (کہ اگر یہ بہتر ہوتا) یعنی اگر یہ ایمان لانا بہتر ہوتا اور اپنے اندر راستی اور درستی رکھتا، (تو یہ) کمتر و مسکین اور غریب ولا چار لوگ (ہم سے پہلے نہ پہنچتے اُس کی طرف)، کیونکہ ہمارا رتبہ ان سے بہت بڑا ہے اور ہماری بزرگی اور شہرت بہت ہے۔

--یا--

ابن سلام اور ان کے دوستوں رضی اللہ عنہم کے اسلام کے بعد یہود نے کہا کہ جو کچھ محمد ﷺ کہتے ہیں کہ میں لایا ہوں اگر وہ خوب ہوتا، تو اور لوگ ہم پر سبقت نہ لے جا سکتے اس واسطے کہ ہمیں ان سے زیادہ علم ہے۔(اور جب کہ راہ نہ پائی اس کی)، یعنی نبی کریم جو کچھ لائے اس تک پہنچنے کی اور اس کو قبول کرنے کی توفیق نہ مل سکی، (تو اب) اِس کے سوا اور کیا (کہیں گے کہ پرانی گڑھت ہے)۔

--چنانچہ--انہوں نے ایسا کہا بھی کہ یہ جھوٹ پرانا ہے، یعنی اگلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔۔حالانکہ وہ قرآنِ مجید کی روح سے جاہل اور اُس کے اسرار و رموز سے بے خبر تھے۔اور قاعدہ ہے کہ لوگ جن امور سے بے خبر ہوتے ہیں اُس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا

اور اِس کے پہلے موسیٰ کی کتاب، رہنما اور رحمت۔اور یہ کتاب تصدیق فرمانے والی ہے زبانِ عربی میں،

لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾

تاکہ ڈرسنا دے اُنہیں جو اندھیر مچایا کیے۔اور خوشخبری احسان والوں کے لیے●

(اور) حال یہ ہے کہ (اِس کے پہلے موسیٰ کی کتاب) توریت تھی۔کیا ہم نے اُس کو (رہنما)، اہلِ دین کا پیشوا، (اور رحمت) کا سبب اُن لوگوں کے واسطے جو اُسے باور کرتے ہیں۔(اور یہ کتاب) یعنی قرآنِ کریم، اُسی کتاب توریت بلکہ تمام آسمانی کتابوں کی (تصدیق فرمانے والی ہے زبانِ عربی میں)، عرب کی آسانی کے لیے جسے خطۂ عرب میں رسولِ عربی پر نازل فرمایا گیا، (تاکہ ڈرسنا دے انہیں جو اندھیر مچایا کیے) کفر اور معصیت کر کے۔(اور) یہ کتاب (خوشخبری) ہے (احسان والوں) اور نیک کام کرنے والوں (کے لیے)۔یہ خوش بخت وہی ہیں۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۳﴾

بے شک جو قائل ہو گئے کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر اس پر جم گئے، تو نہ کوئی ڈر ہے انہیں، اور نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں●

(بے شک جو قائل ہو گئے کہ ہمارا رب اللہ) تعالیٰ (ہے، پھر اس پر جم گئے)۔ یعنی قائم رہے اُس پر اور اُس سے پھرے نہیں، یعنی توحید پر کہ خلاصۂ علم ہے اور استقامت کہ منتہائے عمل ہے، انہوں نے دونوں کو جمع کرلیا۔ ذہن نشین رہے کہ استقامت پر کی ہمراہی بغیر منزلِ مقصود پر پہنچنا نہایت باطل فکر ہے اور بہت محال خیال ہے۔ اور صحیح معنوں میں استقامت والے ہو گئے (تو نہ کوئی ڈر ہے انہیں) اُس جہان میں کوئی مکروہ اور ناگوار چیز پہنچنے کا، (اور نہ وہ رنجیدہ ہوتے ہیں) اِس جہان میں کوئی محبوب اور مرغوب چیز فوت ہوجانے پر۔

اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴﴾ وَ وَصَّیۡنَا

وہ لوگ جنتی ہیں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں، ثواب اُس کا جو عمل کرتے تھے● اور تاکید فرمائی ہم نے

الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ اِحۡسٰنًا ؕ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ کُرۡہًا وَّ وَضَعَتۡہُ کُرۡہًا ؕ وَ حَمۡلُہٗ

انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کی۔ پیٹ میں رکھا اُس کی ماں نے مشقت سے، اور جنا اُسے درد سے۔ اور پیٹ میں رہنے

وَ فِصٰلُہٗ ثَلٰثُوۡنَ شَہۡرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَ بَلَغَ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً ۙ

اور دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینہ ہے۔ یہاں تک کہ جب پہنچا اپنے زور کو، اور ہو گیا چالیس سال کا،

قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ

دُعا کی کہ "پروردگارا! میرے دل میں اُتار دے کہ شکر کرتا رہوں تیری نعمت کا، جو انعام فرمایا تُو نے مجھ پر، اور میرے ماں باپ پر،

وَ اَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىہُ وَ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚؕ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ

اور یہ کہ کرتا رہوں قابلیت کے کام جس سے تُو خوش رہے۔ اور قابلیت رکھ میرے لیے میری اولاد میں۔ بے شک میں رجوع لایا تیری طرف،

وَ اِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۵﴾

اور بے شک میں مسلمان ہوں"●

(وہ لوگ جنتی ہیں ہمیشہ رہنے والے اُس میں)۔ یہ سب ہے اجر (ثواب اُس کا جو) نیک (عمل کرتے تھے)۔ اُن نیک اعمال میں عظیم ترین، دُنیا و آخرت میں نفع بخش اور اہم ترین نیک اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا ہے، (اور) اُن کی خدمت کر کے اُن سے دُعائیں حاصل کر

لیے۔ اِسی لیے (تاکید فرمائی ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان کی)، خود جن کے احسانات کے تحت یہ دبا ہوا ہے، ایسا کہ اُس کا صلہ دینے سے عاجز ہے۔

ماں کا یہی احسان اُس کے سارے احسانوں پر غالب ہے کہ (پیٹ میں رکھا) اُس کو (اُس کی ماں نے) رنج اور سختی کی (مشقت سے، اور جنا اُسے درد سے)۔ ایسا درد جس کی تکلیف کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ (اور پیٹ میں رہنے اور دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینہ ہے)۔ اِس مدت کی ساری تکالیف اور ساری پریشانیوں کو برداشت کرتی رہی۔ (یہاں تک کہ جب پہنچا اپنے زور کو)۔

جس کا آغاز ایک قول کی بنیاد پر اٹھارہ۱۸ برس کی عمر سے ہوجاتا ہے۔ تو وہ اٹھارہ۱۸ برس کا ہوا۔

(اور) پھر (ہوگیا چالیس سال کا)۔ پھر (دُعا کی کہ پروردگارا! میرے دِل میں اتار دے)، مجھے الہام دے اور توفیق عطا کر (کہ شکر کرتا رہوں تیری نعمت کا جو انعام) اپنے کرمِ عمیم سے (فرمایا تُو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر)۔ اور وہ انعام زندگی اور قدرت ہے۔ (اور) توفیق عطا فرما (یہ کہ کرتا رہوں قابلیت کے کام جس سے تُو خوش رہے اور قابلیت رکھ میرے لیے میری اولاد میں)۔ یعنی نیکی اور صلاح جاری کردے میری اولاد میں۔ (بے شک میں رجوع لایا تیری طرف)، یعنی ہر اُس چیز سے باز آیا جس میں تیری رضا نہیں ہے۔ (اور بے شک میں مسلمان ہوں) یعنی گردن جھکائے ہوئے ہوں تیرے حکم کے سامنے۔

اکثر مفسر اِس بات پر ہیں کہ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ آیت خاص ہے، اس واسطے کہ آپ چھ۶ ماہ ماں کے پیٹ میں رہے اور دو۲ برس کامل دودھ پیا۔ اور اٹھارہ۱۸ برس کی عمر میں حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ اور اُس وقت حضرت علیہ السلام کا سن شریف بیس۲۰ برس کا تھا۔ پس اُس زمانے سے حضرت صدیقِ اکبر سفر اور حضر میں آپ کے رفیق اور مصاحب رہے۔

اور جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سن شریف چالیس۴۰ برس کو پہنچا، تو آپ فریضۂ رسالت ادا کرنے کے منصب پر فائز ہوئے، اُس وقت حضرت صدیق کا سن اڑتیس۳۸ برس کا تھا۔ اور جب چالیس۴۰ برس کی آپ کی عمر پہنچی، تو دُعا کی کہ پروردگارا! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں شکر کروں تیری نعمت کا جو تُو نے اپنے فضل سے مجھے دی ہے، اور وہ اسلام کی نعمت ہے۔ اور شکر کروں اُس نعمت پر جو تُو نے میرے ماں باپ کو دی ہے، وہ زندگی اور قدرت ہے۔ اور بعض نے نعمت اسلام بھی کہی ہے اس واسطے کہ حضرت صدیق کے سوا مہاجرین وانصار میں

کوئی وہ نہیں جس کے ماں باپ کو بھی اسلام کی دولت حاصل ہوئی ہو۔

اور پروردگارا! مجھے ایسے نیک عمل کی توفیق دے جس سے تُو راضی ہو۔آپ کی یہ دُعا بھی قبول ہوئی۔۔ چنانچہ۔۔ متعدد غلاموں کو جن میں حضرت بلال اور عامر بن فہیرہ بھی تھے اُن کے مالکوں سے خرید کر آزاد فرمادیا اور اپنے رب کی رضا حاصل کرلی۔اور آپ ﷺ نے اپنی ذریت کی صلاح وفلاح کی جو دُعا کی وہ بھی قبول ہوگئی، اس واسطے کہ حضرت صدیق اکبر کی بٹی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت رسول اکرم ﷺ کے نکاح اور صحبت اور خدمت میں آکر سرفراز ہوئیں۔

حضرت صدیقِ اکبر کے سوا اور کسی صحابی کی چار پشتوں نے ایمان کے ساتھ آنحضرت ﷺ کو نہیں دیکھا۔ حضرت ابوقحافہ، اِن کے فرزند صدیقِ اکبر، اور صدیقِ اکبر کے فرزند حضرت عبدالرحمٰن، اور حضرت عبدالرحمٰن کے فرزند حضرت ابوعتیق محمد بن عبدالرحمٰن ﷺ۔ یہ سب شرفِ صحابیت سے مشرف تھے۔آپ کی نسل میں بہت بڑے بڑے قابل عالم آج دُنیا میں موجود ہیں، اور اِن میں اکثر علم اور صلاح سے آراستہ ہیں۔۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ

یہ ہیں کہ قبول فرمالیں گے ہم اُن سے جو خوب کام کیے اُنہوں نے، اور درگزر کردیں گے اُن کی خامیوں سے

فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

جنتیوں میں، سچ کا وعدہ جو انہیں دیا جاتا تھا۔

تو (یہ) ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے اور شکرِ نعمت بجالانے والے، اور ان کی اتباع کرنے والے، وہ (ہیں کہ قبول فرمالیں گے ہم اُن سے جو خوب) یعنی اچھے میں اچھا (کام کیے انہوں نے، اور درگزر کردیں گے اُن کی خامیوں سے)، اور وہ شمار کیے جائیں گے (جنتیوں میں)۔ وعدہ دیا اللہ تعالیٰ نے، (سچ کا وعدہ)، نیکی قبول کرنے اور گناہوں سے درگزر کرنے میں۔ وہ وعدہ دُنیا میں (جو انہیں دیا جاتا تھا)۔

وَ الَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ

اور جس کسی نے کہا اپنے ماں باپ سے کہ "تُف ہے تم پر، کیا تم دونوں وعدہ دیتے ہو مجھے کہ نکالا جاؤں گا، حالانکہ گزر چکیں قومیں

مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَهُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ

مجھ سے پہلے"۔ اور وہ دونوں فریاد کرتے ہیں اللہ سے کہ "تجھ پر افسوس ہے، مان جا کہ بے شک اللہ کا وعدہ ٹھیک ہے"۔

فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۷﴾

تو وہ جواب دیتا ہے کہ "یہ نہیں ہیں مگر اگلوں کی کہانیاں"●

(اور) اس اپنے والدین کے نافرمان سرکش کافر کا حال اُن سے مختلف ہے (جس کسی نے کہا اپنے ماں باپ سے)، جب وہ دونوں اُسے ایمان کی طرف بلاتے تھے (کہ تف ہے تم پر)، یعنی میں تم سے بیزار ہوں۔ (کیا تم دونوں وعدہ دیتے ہو مجھے کہ نکالا جاؤں گا) اپنی قبر سے؟ یعنی مجھے مرنے کے بعد اٹھائیں گے اور زندہ کر کے قبر سے نکالیں گے، (حالانکہ گزر چکیں قومیں مجھ سے پہلے) اور اب تک اُن میں سے ایک بھی واپس نہیں آیا۔

اُس کی یہ بات سن کر (اور) اُس کے خیالات سے واقف ہونے کے بعد، (وہ دونوں) ماں باپ (فریاد کرتے ہیں اللہ) تعالیٰ (سے) کہ حق تعالیٰ اُسے صحیح سمجھنے کی سمجھ عطا فرمائے، اور پھر اُس بیٹے سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں (کہ تجھ پر افسوس ہے۔ مان جا!) کیوں (کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (کا وعدہ) بعث ونشر کے باب میں بالکل (ٹھیک ہے) سچ ہے۔ (تو وہ) اپنے ماں باپ کو اذیت دینے والا نافرمان بیٹا (جواب دیتا ہے کہ) جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو، (یہ نہیں ہے مگر اگلوں کی کہانیاں)، جنہوں نے باطل اور جھوٹی باتیں لکھ دی ہیں۔ یہ نافرمان اور منکر لوگ۔۔۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ

یہی ہیں کہ درست ہوگئی جن پر وہ بات اُن جمعیتوں میں، کہ جو پہلے گزر چکیں،

مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۸﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ

جنات وانسان کی۔ بے شک وہ گھاٹے والے تھے● اور ہر ایک کے درجے ہیں اُس عمل سے جو اُنہوں نے کیا،

وَلِیُوَفِّیَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

اور تا کہ بھرپور دے انہیں اللہ اُن کے اعمال کو، اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے●

(یہی ہیں کہ درست ہوگئی جن پر وہ بات)، یعنی واجب ہوگئی اُن پر عذاب کی بات۔ اور وہ ہوں گے (اُن جمعیتوں میں) یعنی اُن کے ساتھ (کہ جو پہلے گزر چکیں جنات وانسان کی)، یعنی جو اِن

کے اگلے باپ دادوں کا حشر ہوگا وہی اُن کے پیچھے اِن چلنے والوں کا بھی ہوگا۔ (بے شک وہ گھاٹے والے تھے) تو پھر یہ کیسے اُخروی نقصان سے بچ سکیں گے۔ (اور ہر ایک کے) واسطے ان دونوں فریق میں سے، یعنی مؤمن فرمانبردار اور کافر نافرمان کے لیے، (درجے ہیں اُس عمل سے جو انہوں نے کیا)۔ دونوں کو آخرت میں اپنے اپنے اعمال کی جزا ملے گی۔

اِس آیت کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس شخص کا ذکر کیا جو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا ہے۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کے مختلف درجات ہیں۔ سو جو شخص اپنے ماں باپ کے ساتھ جس مرتبہ اور جس درجہ کی نیکی کرے گا، اُس کو اُسی مرتبہ اور اُسی درجہ کا آخرت میں اجر وثواب حاصل ہوگا۔

(اور) حق تعالیٰ نے یہ اِس حکمت کے تحت کیا ہے (تا کہ بھر پور دے انہیں اللہ) تعالیٰ (اُن کے اعمال) کی جزا (کو، اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے)۔

۔۔چنانچہ۔۔نیک کام کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق عزت اور کرامت عطا فرمائے گا، اور بُرے کام کرنے والوں کو اپنی وعید کے مطابق سزا دے گا، اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بُرے کام کرنے والے کو اُسی کی بُرائی کے مطابق ہی سزا دے گا اور جو کام اُس نے نہیں کیا ہے اُس کو اُن کی سزا نہ ملے گی، اور نہ دوسروں کے گناہ اُس پر لاد دے جائیں گے۔ اور نہ ہی نیکی کرنے والوں کی نیکیوں کے اجر وثواب میں کوئی کمی کی جائے گی۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا

اور جس دن کہ پیش کیے جائیں گے کافر لوگ آگ پر کہ "ختم کر چکے تم اپنی اچھی چیزوں کو اپنی دُنیاوی زندگی میں،

وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ

اور مزے لُوٹے اُن کے۔ اب آج کے دن بدلہ دیے جاؤ گے تم ذلت کا عذاب جو بڑے بنا کرتے تھے تم

فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿٢٠﴾ ع ۲

زمین میں ناحق، اور جو نافرمانی کرتے تھے"۔

(اور) اَے محبوب! یاد کرو اُس دن کو، (جس دن کہ پیش کیے جائیں گے کافر لوگ آگ پر) اور اُن کے موافق لوگوں کو دوزخ میں انہیں دکھائیں گے، تا کہ اُن کا رنج اور حسرت زیادہ ہو، اور اُن

سے کہیں گے (کہ ختم کر چکے تم اپنی اچھی چیزوں کو اپنی دُنیاوی زندگی میں، اور مزے لُوٹے اُن کے) اور دُنیا ہی میں ساری لذتیں پوری کرلیں، اور آخرت کے واسطے کچھ نہ چھوڑا۔

(اب آج کے دن بدلہ دیے جاؤ گے تم ذلت کا عذاب) بہ سبب اُس کے (جو بڑے بنا کرتے تھے تم زمین میں ناحق) بے استحقاق۔ یعنی تکبر کرتے تھے باطل دُنیا کے ساتھ (اور) بسبب اُس کے (جو نافرمانی کرتے تھے)، تم فسق کرتے تھے اور اُس پر فخر بھی کرتے تھے۔

اِس میں طالبینِ نجات کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ کسی حال میں بھی اپنے قدم شرعی حدود سے باہر نہ نکالیں۔

وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ

اور یاد کرو عاد کی برادری والے کو، جب کہ ڈرسنایا تھا اپنی قوم کو وادی احقاف میں، اور بے شک گزر چکے تھے بہت سے ڈرسنانے

وَمِنْ خَلْفِهِ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٢١﴾

والے اُن کے پہلے اور بعد میں کہ "مت پوجو سوا اللہ کے، بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کو" ●

(اور) اَے محبوب! (یاد کرو عاد کی برادری والوں کو) اور قریش کے معاندین کو اُن کا حال سنادو، (جبکہ ڈر سنایا تھا) ہود علیہ السلام نے (اپنی قوم کو وادی احقاف میں)۔

وہ ایک ریگستان تھا حضرموت کے قریب ولایتِ یمن میں، اور بعضے کہتے ہیں کہ عمان اور مہرہ کے درمیان۔۔۔

(اور) حال یہ ہے کہ (بے شک گزر چکے تھے بہت سے ڈرسنانے والے اُن کے پہلے اور بعد میں)۔ یعنی حضرت ہود علیہ السلام کے مبعوث ہونے سے پہلے خلق میں پیغمبر مبعوث ہوتے رہے اور اُن کے بعد بھی پیغمبر آتے رہے۔ سب کا یہی پیغام تھا جو حضرت ہود علیہ السلام نے مبعوث ہونے کے بعد اپنی قوم کو پیش کیا، (کہ مت پوجو سوا اللہ) تعالیٰ (کے، بے شک میں ڈرتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب کو)، یعنی اُس دن کے عذاب کو جو بہت بڑا ہولناک ہے۔

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَأْفِكَنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ

سب بولے کہ "کیا آئے ہو تم ہمارے پاس تاکہ باز رکھو ہمیں ہمارے معبودوں سے، تو لے ہی آؤ جس کا وعدہ دیتے ہو ہمیں

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾

اگر سچے ہو"●

(سب بولے کہ) اَے ہود! (کیا آئے ہو تم ہمارے پاس تاکہ باز رکھو ہمیں ہمارے معبودوں سے) بتوں کی پرستش سے تہدید کر کے اور وعید سنا کر، (تو لے ہی آؤ جس کا وعدہ دیتے ہو ہمیں اگر سچے ہو)۔ یعنی اگر تم اپنے وعدہ میں سچے ہو، تو اُس عذاب کو ہمارے اوپر نازل کراؤ جس عذاب کے نازل ہونے کی باتیں کرتے رہتے ہو۔ حضرت ھود نے۔۔۔

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ

جواب دیا کہ "اُس کا علم اللہ کو ہے۔ اور میں پیغام سنائے دیتا ہوں تمہیں جس کے ساتھ بھیجا گیا ہوں، لیکن میں دیکھ رہا ہوں تمہیں

قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

کہ جہالت کر رہے ہو"●

(جواب دیا کہ) جلدی نہ کرو عذاب طلب کرنے میں، کیونکہ (اُس کا علم اللہ) تعالیٰ (کو ہے)۔ یعنی عذاب تو حسب وعدہ یقینی قطعی اور لازمی طور پر نازل ہوگا، مگر اُس کے نازل ہونے کے وقت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے مجھے اس میں دخل نہیں۔ خدا نے صرف عذاب نازل فرمانے کا وعدہ فرمایا، اور نازل ہونے کے وقت کو اپنی مرضی پر رکھا، جب چاہے گا اچانک نازل فرما دے گا۔ (اور میں) تو (پیغام سنائے دیتا ہوں تمہیں جس کے ساتھ بھیجا گیا ہوں)۔ میرے ذمہ صرف حکم پہنچا دینا ہے۔ (لیکن میں دیکھ رہا ہوں تمہیں کہ جہالت کر رہے ہو) اور عذاب نازل ہونے کی جلدی کرتے ہو۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ

پھر جب دیکھ لیا اُن سب نے اُس عذاب کو کہ اَبر آتا ہوا سامنے سے اُن کی وادیوں کی طرف، بولے کہ "یہ اَبر ہے برسنے والا ہم پر،"

بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾

"بلکہ وہ وہی ہے جس کی جلدی مچائی تھی تم نے۔ ہوا ہے جس میں دکھ والا عذاب ہے●

(پھر جب دیکھ لیا اُن سب نے اُس عذاب کو کہ اَبر آتا ہوا) نظر آیا (سامنے سے اُن کی وادیوں کی طرف)، تو وہ لوگ اُسے عذاب نہ سمجھ سکے، اور (بولے کہ یہ اَبر ہے برسنے والا ہم پر) جس کے لیے قَیل نام کے ایک شخص کے ساتھ ہماری قوم کے ایک گروہ نے حرم میں جا کر دُعا کی تھی۔

اُن کے مینہ برسنے کی دُعا پر تین اَبر ظاہر ہوئے اور منادی نے ندا کی کہ اُن میں سے ایک اختیار کرلو۔ انہوں نے سیاہ اَبر اختیار کیا۔ وہ اَبر اُن کے شہر کی طرف چلا۔ اُس کو انہوں نے اپنے حق میں اَبرِ رحمت سمجھا اور بہت خوش ہوگئے اُس پر۔ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا نادانو! یہ ابرِ رحمت نہیں ہے، (بلکہ وہ وہی ہے جس کی جلدی مچائی تھی تم نے)۔ یہ (ہَوا ہے جس میں دُکھ والا عذاب ہے)۔ اور وہ ایک ایسی ہَوا ہے کہ نہایت تندی کے سبب سے۔۔۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ۚ

اُلٹ پلٹ دیتی ہے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے" اب صبح کی انہوں نے کہ نظر نہیں آتے مگر اُن کے گھر۔

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾

اِسی طرح سزا دیتے ہیں ہم مجرموں کو●

(الٹ پلٹ دیتی ہے ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے)۔ القصہ۔۔۔ پھر وہ ہَوا آئی شدت اور تندی اور سرکشی کے ساتھ، اور احقاف کے ریت کے پشتے اُن پر ڈال دیئے۔ سات دن رات اُس میں دبے رہے۔ پھر ریت اُن پر اُڑا دی اور ان کے بدنوں کو دریا میں ڈال دیا۔ (اب صبح کی انہوں نے)، یعنی ہوگئے اِس حال میں (کہ) اگر کوئی اُن کے شہر و دیار میں پہنچتا، تو اُسے (نظر نہیں آتے مگر اُن کے گھر)۔ سارے گھر والے ہلاک ہوگئے اور اُن کے خالی گھر باقی رہ گئے۔ جس طرح ہم نے اُن کو سزا دی ہے (اُسی طرح سزا دیتے ہیں ہم مجرموں کو)۔ ابتداءً اُن پر ہماری کیا نوازش تھی۔۔۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِن مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً

اور بے شک مقدرت والا کیا تھا ہم نے اُنہیں اُس میں جس میں تمہیں مقدرت نہیں دی، اور بنایا تھا اُن کے بھی کان اور آنکھیں اور دل۔

فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُم مِّن شَيْءٍ إِذْ كَانُوا

پھر بھی نہ کام آئے اُن کے اُن کے کان اور نہ اُن کی آنکھیں اور نہ اُن کے دِل کچھ، کیونکہ

يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٢٦﴾ ع ۳

وہ اِنکار کیا کرتے تھے اللہ کی آیتوں کا، اور گھیر لیا اُنہیں جس کی ہنسی اُڑایا کرتے تھے●

(اور) کیا عنایت تھی کہ (بے شک مقدرت والا کیا تھا ہم نے انہیں اس میں)، یعنی قوم عاد

کو ہم نے اُس چیز میں قدرت دی تھی اَے کفارِ قریش! (جس) چیز (میں تمہیں مقدرت نہیں دی)۔ چنانچہ۔۔قومِ عاد کی قوت وشوکت، مال کی کثرت، تصرف وحکومت کے سامنے کفارِ قریش کی قوت وشوکت اور مال ودولت کسی شمار میں نہیں۔

(اور بنایا تھا اُن کے بھی کان) تا کہ سنیں (اور آنکھیں) تا کہ دیکھیں (اور دِل) تا کہ فکرِ سلیم سے سمجھیں، مگر انہوں نے گوشِ ہوش سے حق بات نہ سنی اور دیدۂ دِل سے قدرت کی دلیلیں نہ دیکھیں اور دِل سے خدا کی وحدانیت میں تفکر نہ کیا۔۔الختصر۔۔نعمتیں تو ملیں (پھر بھی نہ کام آئے اُن کے اُن کے کان اور نہ اُن کی آنکھیں اور نہ اُن کے دل کچھ)۔

انہوں نے اپنی اُن تمام قوتوں کو دُنیا کی رنگینیوں اور اُس کی لذتوں اور عیش وعشرت کی طلب میں استعمال کیا۔اور اُن کی یہ تمام قوتیں اُن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے میں کام نہ آسکیں، اور جس عذاب کا وہ یہ کہہ کر مذاق اڑاتے تھے کہ وہ عذاب کب آئے گا؟ جب وہ عذاب آیا، تو اُس نے اُن کا پوری طور پر احاطہ کرلیا۔۔الختصر۔۔وہ ہلاک ہوگئے (کیونکہ وہ اِنکار کیا کرتے تھے اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کا) یعنی پیغمبروں کے معجزوں کا، (اور) بالآخر (گھیر لیا انہیں) اُسی عذاب نے (جس کی ہنسی اڑایا کرتے تھے)۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور بے شک برباد فرمادیا ہم نے جو تمہارے اردگرد کی آبادیاں ہیں، اور بار بار پھیرتے رہے اپنی نشانیاں کہ توبہ کرلیں●

(اور) اَے اہلِ مکہ! (بے شک برباد فرمادیا ہم نے جو تمہارے اردگرد کی آبادیاں ہیں) جیسے حجر، مؤتفکہ وغیرہا۔ (اور بار بار پھیرتے رہے اپنی نشانیاں) اور معجزے ان دیہاتیوں کی ہدایت کے لیے تا (کہ) وہ کفر سے (توبہ کرلیں)، مگر وہ نہ پھرے اور ہلاک ہوگئے۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ

تو کیوں نہ مدد کی اُن کی انہوں نے جن کو بنا رکھا تھا اللہ کے خلاف قربِ الٰہی کے لیے معبود۔

بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۸﴾

بلکہ وہ کھسک گئے اُن سے، اور یہ اُن کا گڑھا جھوٹ، اور وہ ہے جو تاویلیں بنایا کرتے تھے●

(تو کیوں نہ مدد کی اُن کی انہوں نے جن کو بنا رکھا تھا اللہ) تعالیٰ (کے خلاف قرب الٰہی) حاصل کرنے (کے لیے) اپنا (معبود)۔ یعنی جن بتوں کو انہوں نے تقرب کے واسطے خدا ٹھہرالیا تھا اُن بتوں نے عذاب کے وقت اُن بت پرستوں کی مدد کیوں نہ کی؟ (بلکہ وہ کھسک گئے اُن سے) اور ناامید ہوگئے اُن کی مدد کرنے سے، یعنی اُن کی یہ امید منقطع ہوگئی کہ بت ہماری مدد کریں گے۔ (اور) بتوں کو تقربِ الٰہی کے لیے خدا ٹھہرالینا (یہ ان کا گڑھا جھوٹ) ہے، (اور وہ ہے جو تاویلیں بنایا کرتے تھے) اور افترا کرتے تھے اور ایک عاجز مخلوق کی طرف خدائی کی نسبت کرتے تھے اور خالق قادر کی طرف توجہ کرنے سے منہ پھیرتے تھے۔

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ

اور جب کہ ہم پھیر کر لائے تیرے پاس چند جنّات کو کہ سنیں قرآن کو، تو جب وہ حاضر ہوئے وہاں،

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

بولے کہ "خاموش رہو"۔ پھر جب ختم کردیا گیا، پھرے اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے والے●

اِس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو خطاب فرما کر فرمایا تھا کہ آپ اپنی قوم کو قومِ عاد کا تذکرہ سنائیے تاکہ وہ اُس سے عبرت حاصل کریں کہ جب قومِ عاد نے نافرمانی کی اور سرکشی کی اور اللہ کے رسول کو جھٹلایا اور اللہ کی توحید پر ایمان نہیں لائی، تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر آندھیوں کا عذاب مسلط کرکے اُن کو ہلاک کردیا۔

اور اِن اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ اپنی قوم کو وہ قصہ سنائیے جب ہم نے جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، تاکہ وہ آپ سے قرآنِ مجید کی تلاوت سنیں اور وہ اپنے جہل پر متنبہ ہوں اور قرآنِ کریم سن کر اپنے کفر سے تائب ہوں۔

وہ پہلے اِس بات سے ناواقف تھے کہ سیدنا محمد ﷺ اللہ سبحانہ کے رسول ہیں۔ اہلِ مکہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہم زبان اور وہ آپ کی جنس سے انسان اور بشر تھے، اس کے برخلاف جنات نہ آپ کے ہم زبان تھے اور نہ ہی آپ کی جنس سے انسان اور بشر تھے۔

تو جب وہ قرآنِ کریم سن کر آپ کی نبوت اور رسالت پر ایمان لے آئے، تو اہلِ مکہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ آپ سے قرآنِ مجید سن کر اس پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور آپ کی رسالت کا اقرار کریں۔

ارباب سیر اس بات پر ہیں کہ رسولِ مقبول ﷺ طائف سے پھرتے وقت 'بطن النخل' میں اُترے اور رات کو اُٹھ کر نمازِ تہجد میں قرآن پڑھتے تھے۔ایک گروہ جن نصیبین سے یمن کو جاتا تھا۔وہاں قرأت کی آواز سن کر حضرت ﷺ پر اپنے کو ظاہر کیا،تو حق تعالیٰ اُس قصہ کی خبر دیتا ہے۔

اَے محبوب! یاد کرو (اور) ذہن میں حاضر کرلو اُس واقعے کو (جبکہ ہم پھیر کر لائے تیرے پاس چند جنات کو)۔

وہ ساتؔ۔۔یا۔۔نوؔ۔۔یا۔۔دسؔ۔۔یا۔۔بارہؔ۔۔یا۔۔سترؔ جن تھے، بہر تقدیر حق تعالیٰ نے انہیں اکٹھا کر دیا۔۔۔

(کہ سنیں قرآن کو) خود صاحبِ قرآن کی زبان سے۔(تو جب وہ حاضر ہوئے وہاں) رسول کریم کے پاس،تو ادب کی راہ سے آپس میں ایک دوسرے سے (بولے کہ خاموش رہو) چپ رہو، اور کمالِ ادب کے ساتھ قرآن کو غور سے سنو۔قرآنِ کریم کے سننے کے شوق میں وہ ایک دوسرے پر گرے جا رہے تھے۔(پھر جب ختم کر دیا گیا) یعنی تلاوت پوری کر دی گئی۔۔۔

تو وہ جنات آنحضرت ﷺ پر ایمان لائے اور آپ سے مزید ہدایت چاہی،تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں اُن کی قوم کی طرف اپنا نائب اور رسول کیا۔۔۔

اور وہ (پھرے اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے والے) اور اسلام کی طرف بلانے والے ہو کر ۔۔چنانچہ۔۔اپنی قوم میں پہنچ کر۔۔۔

قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا

سب بولے کہ "اَے ہماری قوم! بے شک ہم سن آئے ایک کتاب کو جو اُتاری گئی ہے موسیٰ کے بعد تصدیق کرتی ہوئی

بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اپنی اگلی کی، راہ بتاتی ہے حق کی طرف، اور سیدھے راستہ کی طرف۔

(سب بولے کہ اَے ہماری قوم! بے شک ہم سن آئے ایک کتاب کو جو اُتاری گئی ہے) خدا کی طرف سے (موسیٰ کے بعد)، یعنی موسیٰ کی کتاب توریت کے بعد، (تصدیق کرتی ہوئی اپنی اگلی) آسمانی کتابوں (کی)۔۔یا۔۔اگلی کتابوں کے موافق۔

وہ جنات یہودی تھے اور انجیل نازل ہونے کی اُن کو خبر نہ تھی ۔۔یا۔۔اُس کا اعتقاد نہ رکھتے تھے، جیسا کہ یہود کا اعتقاد ہے، اِس جہت سے اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی کہا۔
(راہ بتاتی ہے حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف) جو منزلِ مقصود تک پہنچا دینے والی ہے۔۔تو۔۔

يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

اَے ہماری قوم! کہا مان لو اللہ کے داعی کا، اور اُس کو مان جاؤ کہ وہ بخش دے تمہیں، یعنی تمہارے گناہوں کو،

وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اور بچالے تمہیں دکھ والے عذاب سے●

(اَے ہماری قوم! کہا مان لو اللہ) تعالیٰ (کے داعی کا، اور اُس کو مان جاؤ)، یعنی محمد ﷺ کی دعوت کو قبول کرلو اور ان پر ایمان لاؤ اور ان کی جملہ خبروں کو سچ یقین کرلو، تا (کہ وہ بخش دے تمہیں یعنی تمہارے گناہوں کو، اور بچالے تمہیں دکھ والے عذاب سے)۔

وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ

اور جس نے کہا نہ مانا اللہ کے داعی کا، تو وہ نہیں ہے بے قابو کردینے والا زمین میں، اور نہیں اُس کا اللہ

مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۚ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

کے خلاف کوئی مددگار۔ وہ لوگ کھلی بے راہی میں ہیں"●

(اور جس نے کہا نہ مانا اللہ) تعالیٰ (کے داعی کا، تو وہ نہیں ہے بے قابو کردینے والا زمین میں)۔ یعنی جو خدا کی طرف بلانے والے کو قبول نہ کرے گا اس پر عذاب نازل ہوگا اور وہ عذاب کرنے سے خدا کو عاجز نہ کرسکے گا۔ (اور نہیں اُس کا اللہ) تعالیٰ (کے خلاف کوئی مددگار) دوست اور والی۔ (وہ لوگ) یعنی یہ نہ قبول کرنے اور ایمان نہ لانے والے (کھلی بے راہی میں ہیں)، ایسی بے راہی جو سب پر واضح ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ

کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ، جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، اور نہیں تھکا اُن کے پیدا کرنے میں،

بِقٰدِرٍ عَلٰۤی اَنۡ یُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰی ؕ بَلٰۤی اِنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۳۳﴾

قدرت رکھتا ہے اِس پر کہ جِلا دے مُردوں کو، کیوں نہیں۔ بے شک وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

قرآنِ مجید کے تین اہم مقاصد ہیں؛ توحید، رسالت اور حشر یعنی مرنے کے بعد انسانوں کو زندہ کرنا۔ اِس سے پہلی آیات میں توحید اور رسالت کو ثابت فرمایا تھا، اور اِس آیت سے مقصود یہ کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مرے ہوئے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے کی بہ نسبت آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنا بہت مشکل، دشوار اور عظیم کام ہے۔ اور جو زیادہ مشکل اور زیادہ دشوار کام پر قادر ہو وہ اُس سے کم مشکل اور کم دشوار کام پر بہ طریق اولیٰ قادر ہوگا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اِس آیت کو اِس جملہ پر ختم فرمایا کہ "کیوں نہیں؟ وہ ہر چیز پر قادر ہے" یعنی ہر ممکن پر قادر ہے اور انسان کا مر کر دوبارہ زندہ ہونا ممکن ہے، تو پھر اللہ تعالیٰ مرے ہوئے انسان کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

(کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ) تعالیٰ (جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو، اور نہیں تھکا اُن کے پیدا کرنے میں، قدرت رکھتا ہے اِس پر کہ جِلا دے مُردوں کو، کیوں نہیں؟) ہاں ہے! کیونکہ (بے شک وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے)۔ اَے محبوب! یاد کرو۔۔۔

وَیَوۡمَ یُعۡرَضُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا عَلَی النَّارِ ؕ اَلَیۡسَ هٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰی

اور جس دن پیش کیے جائیں گے جنہوں نے کفر کیا تھا آگ پر۔ کہ "کیا نہیں ہے یہ بالکل حق؟" اُنہیں بولنا پڑا کہ "کیوں نہیں،

وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَکۡفُرُوۡنَ ﴿۳۴﴾

اپنے رب کی قسم"۔ فرمان ہوا کہ "اب چکھو عذاب۔ جو انکار کیا کرتے تھے"●

(اور) ذہن میں حاضر کرلو اُس دن کو (جس دن پیش کیے جائیں گے جنہوں نے کفر کیا تھا آگ پر) یعنی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ پھر اُن سے کہا جائے گا (کہ کیا نہیں ہے یہ بالکل بر (حق؟) جس کو تم باور نہیں کرتے تھے۔ (انہیں بولنا پڑا کہ کیوں نہیں! اپنے رب کی قسم) یہ عذاب سچ تھا۔ (فرمان ہوا کہ اب چکھو عذاب) بہ سبب اُس کے (جو انکار کیا کرتے تھے) اور پیغمبروں کی بات باور نہ رکھتے تھے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ

توتم صبر کرتے رہو جس طرح ہمت والے رسولوں نے صبر کیا، اور مت جلدی کرو اُن کے لیے جس دن

يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ

وہ دیکھ لیں گے جس کا وعدہ کیا جاتا ہے، تو وہ لوگ گویا کہ نہیں ٹھہرے تھے مگر گھڑی بھر دن کو۔ یہ پیغام رسانی ہے۔

فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ۟ ع

تو نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر نافرمان لوگ●

(تو) اَے محبوب! دشمنوں کی ایذاء اور جفا پر (تم صبر کرتے رہو جس طرح ہمت والے رسولوں نے صبر کیا)، یعنی حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے مشکلات و شدائد میں جس صبر و تحمل اور عزم و ثبات کا مظاہرہ فرمایا، اُسی کا مظاہرہ فرمانا آپ کی شایانِ شان ہے۔

(اور مت جلدی کرو اُن کے لیے) یعنی کفارِ قریش کے واسطے عذاب نازل ہونے میں۔ بے شک وہ اپنے وقت پر نازل ہوگا۔ گویا کہ (جس دن وہ دیکھ لیں گے) وہ چیز (جس کا وعدہ کیا جاتا ہے) عذاب میں سے، یعنی جب قیامت کے ہَول دیکھیں گے (تو) انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ (وہ لوگ گویا کہ نہیں ٹھہرے تھے) دُنیا میں (مگر گھڑی بھر دن کو)۔ یعنی دُنیا میں اپنا رہنا بہت تھوڑا شمار کریں گے۔ اور دوزخ کے عذابوں کی تھوڑی سی ہیبت جو اِس سورہ میں بیان کی گئی ہے (یہ پیغام رسانی ہے)، یعنی قرآن کا پیغام ہے نصیحت کے طور پر، (تو نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر نافرمان لوگ) جو دائرہ فرمان سے باہر نکل گئے ہیں۔

الاحقاف۔۔۔۳/۶/۱۴۳۳ھ۔۔۔ چہار شنبہ۔۔۔۲۵/۴/۲۰۱۲ء

۳/۶/۱۴۳۳ھ۔۔۔ چہار شنبہ۔۔۔۲۵/۴/۲۰۱۲ء

سورۂ محمد ﷺ

سورۂ محمد (ﷺ)۔۔۔۴۷ مدنیہ ۹۵ آیاتہا ۳۸۔۔۔رکوعاتہا ۴

اِس سورہ کا نام 'محمد' ہے، یہ بیان کرنے کے لیے کہ یہ قرآن سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے

۔۔علاوہ ازیں۔۔اِس سورت کی دوسری آیت میں سیدنا محمد ﷺ کا نام مذکور ہے۔اگرچہ 'سورہ آلِ عمران' آیت ۱۴۴، 'سورہ الاحزاب' آیت ۴۰، اور 'سورہ الفتح' آیت ۲۹ میں بھی یہ اسمِ گرامی موجود ہے، لیکن چونکہ وجہ تسمیہ جامع مانع نہیں ہوتی، تو صرف اِسی سورہ زیرِ تفسیر کا نام 'محمد' رکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اِس سورت کا نام 'سورۃ القتال' بھی ہے۔کیونکہ اِس سورت میں کفار کے ساتھ میدانِ جہاد میں قتال کے احکام اور اُن کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔تو اِس سورۂ مبارکہ 'محمد مدنی' صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شروع کرتا ہوں میں۔۔یا۔قرآنِ کریم کی تلاوت کا آغاز کرتا ہوں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ ①

جنہوں نے کفر کیا، اور روکتے رہے اللہ کی راہ سے، اللہ نے غارت کردیا اُن کے عملوں کو●

(جنہوں نے کفر کیا اور روکتے رہے) لوگوں کو (اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے) یعنی اسلام میں داخل ہونے سے منع کیا۔۔۔

اِس سے قریش کے شیطان جیسے ابوجہل اور نضر اور عتبہ مراد ہیں۔۔یا۔۔جنگِ بدر کے دن کافروں کو کھانا دینے والے مراد ہیں جو رؤسائے قریش میں سے بارہ کافر تھے۔۔۔

(اللہ) تعالیٰ (نے غارت کردیا اُن کے عملوں کو) جن کو وہ اچھا جانتے تھے، جیسے صلہ رحمی، قیدی کو چھڑانا، پڑوسیوں کی حفاظت اور حسنِ ضیافت وغیرہ۔۔الغرض۔۔اسلام وایمان کے بغیر بظاہر جو نیکیاں سمجھ میں آتی ہیں، وہ درحقیقت نیکی نہیں صرف صورتاً نیکی ہیں۔ فائدہ آخرت میں ملنے والا ہے جن کی بنیاد ایمان ہو اسی لیے۔۔۔

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ

اور جو ایمان لائے، اور نیکیاں کیں، اور مان گئے جو اُتارا گیا ہے محمد پر، اور وہی بالکل ٹھیک ہے

مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ﴿۲﴾

اُن کے رب کی طرف سے، تو اُتار دیا اللہ نے اُن سے اُن کی بُرائیوں کو، اور درست فرما دیا اُن کے حال کو●

وہ خوش نصیب (اور) فیروز بخت (جو ایمان لائے اور) ایمان پر ثابت قدم رہتے ہوئے نیکیاں کیں، اور مان گئے جو اُتارا گیا ہے محمد پر)، یعنی اس قرآن پر بھی ایمان لائے جو اُس ذاتِ ستودہ صفات پر نازل کیا گیا ہے، جو خوب تعریف کیا گیا ہے اور جس کی مسلسل تعریف کی جارہی ہے۔ (اور وہی) قرآن (بالکل ٹھیک) اور سراسر حق (ہے ان کے رب کی طرف سے)۔۔یا۔۔محمد ﷺ صاحب حق اور صاحب حقیقت آئے اپنے رب کے پاس سے۔ پھر جو لوگ ایمان لائے قرآن یا محمد ﷺ پر (تو اُتار دیا اللہ) تعالیٰ (نے اُن سے اُن کی بُرائیوں کو اور درست فرما دیا اُن کے حال کو)، یعنی اُن کے گناہوں کو چھپا دیا اور مٹا دیا اور اُن کے دِل کو درست فرما کر اُن کے حال کی اصلاح کر دی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ

یہ اس لیے کہ جنہوں نے کفر اختیار کیا اُنہوں نے پیروی کی باطل کی، اور بلاشبہ جو ایمان لائے اُنہوں نے پیروی کی

مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿۳﴾

اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے حق کی۔ اِسی طرح اُن کے ضرب المثل فرماتا ہے اللہ، لوگوں کے لیے●

(یہ) گمراہ رہنے دینا اور درست کر دینا (اس لیے) اور اِس سبب سے ہے (کہ جنہوں نے کفر اختیار کیا انہوں نے پیروی کی باطل کی) یعنی شیطان کی، (اور بلاشبہ جو ایمان لائے انہوں نے پیروی کی اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے حق کی) یعنی قرآنِ کریم کی جو اُن پر نازل کیا گیا۔ (اُسی طرح اُن کے ضرب المثل فرماتا ہے اللہ) تعالیٰ (لوگوں کے لیے) یعنی دونوں فریق کے احوال ظاہر فرماتا ہے۔

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ

تو جب مُڈبھیڑ ہوگئی تمہاری اُن سے جنہوں نے کفر کیا ہے، تو گردن پر مار دینا ہے۔ یہاں تک کہ جب خوب کاٹ کر رکھ دیا تم نے،

رکوع ۱۳ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ڎ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاۗءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ڔ

گرفتاروں کو باندھو مضبوط۔ اب، یا احسان کر دینا ہے اُس کے بعد یا فدیہ لے کر چھوڑنا ہے، یہاں تک کہ رکھ دے جنگ اپنے ہتھیاروں کو۔۔

ذٰلِكَ ۛ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ

حکم یہی ہے۔اوراگر چاہتااللہ! تو خود بدلہ لے لیتااُن سے،لیکن تاکہ آزمائے تمہارے ایک کو دوسرے سے۔

وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ④

اور جو مارے گئے اللہ کی راہ میں،تو نہ اکارت کرے گااللہ اُن کے عملوں کو۔

(تو جب مُڈبھیڑ ہوگئی تمہاری اُن سے جنہوں نے کفر کیا ہے)۔یعنی پھر جب دیکھو اے مؤمنو! اُن لوگوں کو جو کافر ہوئے محاربہ اور مقاتلہ کے وقت،(تو) اب تمہارا کام (گردن پر ماردینا) ہے، یہاں تک کہ جب خوب کاٹ کر رکھ دیا تم نے) تو (گرفتاروں کو باندھو مضبوط) تاکہ قید سے بھاگ نہ جائیں۔جب انہیں قید کرلیا تو (اب یا احسان کردینا ہے اُس) قید کرلینے (کے بعد) یعنی بدلہ لیے بغیر آزاد کردینا ہے،(یا فدیہ لے کر چھوڑنا ہے)۔یعنی تم کفار کے خلاف اِسی طرح جہاد کرتے رہو (یہاں تک کہ رکھ دے جنگ اپنے ہتھیاروں کو)،یعنی سب جگہ دینِ اسلام پہنچ جائے اور قتال کا حکم نہ باقی رہے،یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوجائے۔

ایک قول یہ ہے کہ اِس آیت کا معنی یہ ہے کہ تم اُس وقت تک اُن کو قید میں رکھو حتی کہ کفار سے تمہاری جنگ ختم ہوجائے اور تمہارے دشمن اپنے ہتھیار رکھ دیں۔۔یا۔۔ان کو کھلی شکست ہوجائے۔۔یا۔۔تمہارا اِن سے صلح کا معاہدہ ہوجائے۔ہر چند کہ اسیرانِ جنگ کو غلام بنانا جائز ہے لیکن اسلام میں جنگی قیدیوں کے بارے میں دو صورتیں اور بھی ہیں:﴿۱﴾۔۔قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑ دینا،﴿۲﴾۔۔مال کے بدلہ میں۔۔یا۔۔جنگی قیدیوں سے تبادلہ میں چھوڑ دینا۔اِس سلسلے میں امامِ اعظم کا بھی صحیح مسلک یہی ہے جو صاحبین کا مسلک ہے۔

(حکم یہی ہے) اِسے یاد رکھو۔(اور اگر چاہتا اللہ) تعالیٰ (تو خود بدلہ لے لیتا اُن سے) بغیر اِس کے کہ تم کو اُن سے لڑنا پڑے۔(لیکن) اللہ نے جہاد کا حکم کیا اِس حکمت کے تحت (تاکہ آزمائے تمہارے ایک کو دوسرے سے)،یعنی بعض کو بعض کے ساتھ آزمانے والوں کا معاملہ کرے کہ مؤمن کو کافر کے ساتھ مبتلا کرے،تاکہ مؤمن جہاد کرکے ثوابِ عظیم پائے اور کافر کو مؤمن سے آزمائے تاکہ کافر کی اُن کے فتنوں پر گوشمالی ہو اور وہ کفر سے باز آجائے۔(اور جو مارے گئے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں تو نہ اکارت کرے گا) یعنی ضائع نہیں کرے گا (اللہ) تعالیٰ (اُن کے عملوں کو)۔۔اور۔۔

سَيَهۡدِيۡهِمۡ وَيُصۡلِحُ بَالَهُمۡ ۚ وَيُدۡخِلُهُمُ الۡجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمۡ ۝٦

جلد راہ دے گا اُنہیں اور درست فرمادے گا اُن کا حال ● اور داخل فرمائے گا اُنہیں جنت میں، جس کی پہچان کرادی ہے اُنہیں ●

(جلد راہ دے گا انہیں) حق تعالیٰ دُنیا میں اچھے کاموں کی اور عقبیٰ میں کامیابی اور ثواب کے درجوں کی۔ (اور درست فرمادے گا ان کا حال) ان کا کام بنا کر۔ (اور داخل فرمائے گا انہیں جنت میں جس کی پہچان کرادی ہے انہیں) تا کہ وہ کمالِ اشتیاق کے ساتھ اس کی طرف چلیں۔۔یا۔۔اُن کے مکان جنت میں داخل ہونے کے قبل اُن کو دکھاتا رہے گا۔۔یا۔۔جنت کی خوشبو انہیں سونگھا کر اُن کو خوش کرتا رہے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ يَنۡصُرۡكُمۡ وَيُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ ۝٧

اَے ایمان والو! اگر مدد کرو گے تم دینِ الٰہی کی، تو مدد فرمائے گا وہ تمہاری، اور ثابت قدم کردے گا تمہیں ●

(اَے ایمان والو! اگر مدد کرو گے تم دینِ الٰہی کی) اور اُس کے پیغمبر کی جہاد اور اطاعتِ پیغمبر کے ذریعہ، (تو مدد فرمائے گا وہ تمہاری) کہ تمہیں دشمنوں پر غالب کردے گا، (اور ثابت قدم کردے گا تمہیں) تا کہ تمہارے قدم معرکۂ جہاد سے پسپا نہ ہوں۔

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّهُمۡ وَاَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ ۝٨

اور جنہوں نے کفر کیا، تو وہ تباہ ہوں، اور غارت کردیا اُن کے عملوں کو ●

(اور جنہوں نے کفر کیا تو وہ تباہ ہوں)۔ پس ذلت اور شرمندگی اور ہلاکت اور رنج اور خرابی اور ناامیدی اُن کے واسطے ہے۔ (اور غارت کردیا) اور نیست ونابود کردیا خدا نے (ان کے عملوں کو)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَرِهُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ۝٩

یہ اِس لیے کہ ناگوار رکھا اُنہوں نے جو کچھ اُتارا اللہ نے، تو اُس نے ملیامیٹ کردیا اُن کے عملوں کو ●

(یہ) ذلت اور اعمال کی بربادی (اس لیے) ہے، یعنی اس سبب سے ہے (کہ ناگوار رکھا اُنہوں نے جو کچھ اُتارا اللہ) تعالیٰ (نے) اپنے پیغمبر پر، توحید کا حکم اور احکامِ شرع پر قیام کرنا۔ (تو اُس نے ملیامیٹ کردیا) یعنی باطل وضائع کردیا (ان کے عملوں کو) جس کو وہ حساب میں رکھتے تھے اور اچھا گمان کرتے تھے۔۔مثلاً: مسجدِ حرام بنانا، خانۂ کعبہ کا طواف، مہمان داری، مظلوموں کی اعانت

اور یتیموں پر مہربانی۔ اِن کاموں کا آخرت میں انہیں کوئی اجر ملنے والا نہیں۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

تو کیا نہیں سیر کی زمین میں؟ کہ دیکھیں کہ کیسا رہا انجام اُن کا جو اِن لوگوں کے پہلے ہوئے؟

دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ﴿۱۰﴾

تباہی ڈال دی اللہ نے اُن پر، اور اِن کافروں کے لیے بھی اُسی طرح ہونا ہے●

(تو کیا نہیں سیر کی زمین میں؟) یعنی اُن کو چاہیے کہ سیر کریں تا (کہ دیکھیں کہ کیسا رہا انجا اُن کا جو اِن لوگوں کے پہلے ہوئے؟) کافر، تکذیب کرنے والے اور گنہ گار۔ (تباہی ڈال دی اللہ تعالیٰ (نے اُن پر) اور انہیں نیست و نابود کر دینے والا عذاب ان پر نازل فرما دیا۔ اُن کی تباہی کے آثا اُن کے رہائشی علاقوں میں آج ادھر کے سفر کرنے والے معلوم کر سکتے ہیں۔ جو اُن کافروں (اور تکذیب کرنے والوں کے ساتھ ہوا، (اِن کافروں کے لیے بھی اُسی طرح ہونا ہے)۔ یعنی یہ بھی اُسی طرح کے عذاب کے مستحق ہیں۔

یہ بات کفارِ مکہ کے واسطے تہدید اور دھمکی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ﴿۱۱﴾ ع

یہ اِس لیے کہ بلا شبہ اللہ مولیٰ ہے اُن کا جو ایمان لائے، اور یقیناً کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں●

(یہ) جو کچھ اوپر ذکر کیا گیا، یعنی دشمنوں پر عذاب اور دوستوں کی مدد کرنے کا حال (اس لیے) اور اِس سبب سے ہے، (کہ بلا شبہ اللہ) تعالیٰ (مولیٰ ہے اُن کا جو ایمان لائے)، پس اُن کی مدد کرتا ہے۔ (اور یقیناً کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں) جو ان پر سے عذاب دفع کرے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

بے شک اللہ داخل فرمائے گا اُنہیں جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، باغوں میں، جن کے نیچے نہریں

الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ

بہتی ہیں۔ اور جنہوں نے کفر کیا، وہ رہتے سہتے ہیں اور کھاتے رہتے ہیں جس طرح کھاتے ہیں چوپائے،

وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ⑫

اور آگ ٹھکانہ ہے اُن کا●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (داخل فرمائے گا انہیں جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں)، یعنی کیے جنہوں نے نیک کام غرض اور ریاء سے پاک، (باغوں میں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں بہتی ہیں)۔ اُنہیں باغوں میں اُن کو ہمیشہ رہنا ہے۔ (اور جنہوں نے کفر کیا وہ رہتے سہتے ہیں اور کھاتے رہتے ہیں جس طرح کھاتے ہیں چوپائے)۔ یعنی اُن کی تمام ہمت صرف کھانے میں مصروف ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ صرف کھانے کے لیے ہی پیدا کیے گئے ہیں۔

عاقل کو چاہیے کہ اُس کا کھانا جینے کے واسطے ہو، یعنی بدن قائم رکھنے اور قوائے نفسانی کو قوت دینے کے لیے کھانا کھائے۔ اور اُس کی نظر اِس بات پر رہے کہ بدن قوی رہے اور قدرتِ ربانی پر دلیل پکڑنے میں نفسانی قوتیں مدد اور معاون رہیں۔ یہ نہیں کہ اپنی عمر کھانے کے واسطے جانے، اور چراگاہ میں چارپایوں کی طرح چرے، کہ کھانے اور سونے کے سوا کسی چیز پر اُس کی نظر نہیں۔۔ الختصر۔۔ یہ کافر لوگ دُنیا میں تو جانوروں کی طرح چرتے پھر رہے ہیں۔۔۔ (اور) آخرت میں (آگ ٹھکانہ ہے ان کا)۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجَتْكَ ۚ

اور کتنی آبادیاں ہیں زیادہ زوردار تمہاری اُس آبادی سے جس نے تم کو باہر کردیا، کہ برباد کردیا ہم نے اُنہیں،

أَهْلَكْنَاهُمْ فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ⑬

تو نہ رہا کوئی مددگار اُن کا●

(اور) اے محبوب! مکہ کے اطراف میں (کتنی آبادیاں ہیں) جو (زیادہ زوردار) ہیں (تمہاری اُس آبادی سے) یعنی تمہاری اُس بستی کے لوگوں سے (جس) بستی کے لوگوں (نے تم کو باہر کردیا)۔۔ الحاصل۔۔ مکہ کے اطراف کی آبادیوں اور قریوں کے لوگ جسمانی قوت کی حیثیت سے مکہ والوں سے زیادہ قوی تھے، مگر اُن کا حشر یہی ہوا (کہ برباد کردیا ہم نے انہیں، تو نہ رہا کوئی مددگار ان کا) جو ہلاک ہوتے وقت ان کی فریاد کو پہنچے۔۔ الغرض۔۔ ہم نے اُن کے نام ونشان کو مٹادیا۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم ﴿١٤﴾

تو کیا جو ہو روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے، ایسا ہے جیسا وہ جس کی نگاہ میں بھلی کر دی گئی اُس کی بدکرداری؟ اور پیروی کی اپنی خواہشوں کی●

(تو کیا جو ہو روشن دلیل پر اپنے رب کی طرف سے) جیسے پیغمبر، جن پر وحی خداوندی کا نزول ہوتا رہتا ہے اور مؤمن لوگ، جنہیں پیغمبر سے ہدایت ملتی رہتی ہے (ایسا ہے جیسا وہ جس کی نگاہ میں بھلی کر دی گئی اُس کی بدکرداری اور پیروی کی اپنی خواہشوں کی)۔ یعنی شیطان۔۔یا۔۔اس کے نفس نے اُس کے کام یعنی شرک و معصیت اس کے لیے آراستہ کر دیا اور اُسے اِن کاموں میں بُرائی ہی نظر نہیں آئی، جیسے ابوجہل وغیرہ مشرک۔

اوپر کے بیان میں مؤمنین کے لیے جس جنت کا وعدہ فرمایا گیا ہے، اب آگے اُس کے مزید اوصاف بیان کیے جا رہے ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۖ فِيهَا أَنْهَارٌ مِّن مَّاءٍ غَيْرِ آسِنٍ وَأَنْهَارٌ

جنت کی صورت، جس کا وعدہ دیے گئے ہیں اللہ سے ڈرنے والے، یہ ہے کہ اُس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جو خراب ہونے والا نہیں۔ اور نہریں

مِّن لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشَّارِبِينَ وَأَنْهَارٌ مِّنْ

دودھ کی کہ جس کا ذائقہ نہیں بدلا۔ اور نہریں ہیں شراب کی مزہ دار پینے والوں کے لیے۔۔ اور نہریں ہیں صاف کیے ہوئے

عَسَلٍ مُّصَفًّى ۖ وَلَهُمْ فِيهَا مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ

شہد کی۔ اور اُن کے لیے اُس میں ہر طرح کے پھل ہیں، اور مغفرت ہے اُن کے رب کی طرف سے۔

كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٥﴾

کیا یہ اُن کی طرح ہیں، جو ہمیشہ رہنے والا ہے آگ میں؟ اور پلائے گئے کھولتا پانی، تو اُس نے ٹکڑے کر دیے اُن کی آنتوں کے●

(جنت کی صورت) اور اُس کی صفت (جس کا وعدہ دیے گئے ہیں اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والے) پرہیزگار اور تقویٰ شعار (یہ ہے، کہ اُس میں نہریں ہیں ایسے پانی کی جو خراب ہونے والا نہیں)۔ اُس کا رنگ، بو اور مزہ خراب نہ ہوگا۔ وہ دُنیا کے پانی کی طرح اپنے حال سے متغیر نہ ہوگا۔ (اور نہریں) ہیں (دودھ کی کہ جس کا ذائقہ نہیں بدلا) میٹھے ہونے سے۔ یعنی زمانہ گزرنے سے تیز اور کھٹا نہیں ہوا۔ (اور نہریں ہیں شراب کی مزہ دار پینے والوں کے لیے) کہ اس کے پینے سے خوشی ہوگی،

ار اور نشہ نہیں۔ (اور نہریں ہیں صاف کیے ہوئے شہد کی) جسے آگ پر صاف نہیں کیا گیا ہے، بلکہ
سے موم وغیرہ سے صاف ہی پیدا کیا گیا ہے۔ (اور اُن کے لیے اُس میں) ان پینے کی چیزوں کے
علاوہ (ہر طرح کے پھل ہیں)۔

جنت میں بھوک پیاس نہ ہوگی، اس لیے بھوک پیاس مٹانے کے لیے وہاں ایسی غذاؤں کی ضرورت نہ ہوگی جس کو لوگ بھوک پیاس مٹانے کے لیے کھاتے پیتے ہیں۔ چونکہ وہاں صرف لذت حاصل کرنے کے لیے کھایا پیا جائے گا اس لیے وہاں وہی چیز ہوگی جس کو لوگ لذت حاصل کرنے کے لیے کھاتے پیتے ہیں، اور وہ میوے اور پھل ہیں جو صرف لذت کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔

(اور) وہاں یعنی جنت میں (مغفرت ہے اُن کے رب کی طرف سے)۔

مغفرت 'ستر' کو کہتے ہیں۔ جب بندے کی مغفرت ہوتی ہے، تو اُس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے۔ تو دُنیا میں کھانے پینے کے بعد چند قبیح اور بُری چیزوں کا ظہور ہوتا ہے۔۔ مثلاً: پیشاب اور پاخانہ آتا ہے، بدبودار ہوا خارج ہوتی ہے۔ بعض اوقات غذائیں ناموافق ہوتی ہیں اور مختلف بیماریاں ہو جاتی ہیں۔ جنت میں کھانے پینے سے ایسا کچھ نہیں ہوگا، اور کھانے پینے کے یہ تمام قبیح اور بُرے عوارض مستور ہو جائیں گے۔ گویا کہ جنت میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کے لوازم کی مغفرت کردی ہے، اور دُنیا میں کھانے پینے کے لوازم بہرحال پیش آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جنت میں اِن لوازم کو پردۂ فنا میں مستور رکھے گا۔

۔۔یا یہ کہ۔۔ اِس آیت میں مغفرت سے مراد رفع تکلیف ہے۔ یعنی اب وہ مکلّف نہیں ہیں اور ان سے کوئی محاسبہ نہ ہوگا، تو وہ جنت کے پھلوں اور وہاں کے مشروبات کو بے فکر ہو کر کھائیں پئیں گے۔۔ المختصر۔۔ جنت میں ہمیشہ ان کا حال بفضلہٖ تعالیٰ وہی رہے گا جو مغفور و مرحوم لوگوں کا رہنا چاہیے۔ اب حق تعالیٰ بہشت کے ناز و نعمت حاصل کرنے والوں کے ذکر کے بعد دوزخ کی مصیبت کھینچنے والوں کے حال کی خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جو ایسی نعمتوں میں ہو جو ہم نے ذکر کیں۔۔۔

(کیا یہ اُن کی طرح ہیں جو ہمیشہ رہنے والا ہے آگ میں اور پلائے گئے) جنت کے شربت کی جگہ (کھولتا پانی، تو اُس نے ٹکڑے کر دیے اُن کی آنتوں کے)۔

روایت ہے کہ جب رسولِ مقبول ﷺ خطبہ پڑھتے اور منافقوں کا عیب بیان کرتے، تو منافقوں کا ایک گروہ مسجد سے باہر نکل کر ہنسی کے طور پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پوچھا کرتا کہ

اِس مردنے کیا کہا۔حق تعالیٰ اُن منافقوں کے حال سے خبر دیتا ہے۔۔۔

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّىٰٓ إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِندِكَ قَالُوا لِلَّذِينَ

اوراُن کے بعض ہیں کہ کان رکھتے ہیں تمہاری طرف، یہاں تک کہ جب نکلے تمہارے پاس سے، بولے اُنہیں

أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنِفًا ۚ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ

جوعلم دیے گئے ہیں، کہ "کیا کہا تھا اُس نے ابھی"۔وہی لوگ ہیں کہ چھاپ لگادی اللہ نے اُن کے دِلوں پر،

وَاتَّبَعُوٓا أَهْوَآءَهُمْ ﴿١٦﴾

اور پیروی کی اُنہوں نے اپنی خواہشوں کی●

(اور) فرماتا ہے کہ (اُن کے بعض ہیں کہ کان رکھتے ہیں تمہاری طرف) جمعہ وغیرہ کو خطبہ پڑھتے وقت، (یہاں تک کہ جب نکلے تمہارے پاس سے) تو بالکل بہروں اور بے شعوروں جیسے بن گئے۔ ایسا ظاہر کرتے ہیں کہ جیسے انہوں نے کچھ سنا ہی نہیں۔۔یا۔۔کچھ سمجھا ہی نہیں۔۔چنانچہ۔۔وہ منافقین (بولے اُنہیں جو علم دیئے گئے ہیں)۔

جیسے حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت ابوالدرداء اور حضرت عبداللہ ابن عباس اور اُن کے مثل دوسرے اصحاب رضی اللہ عنہم۔۔الغرض۔۔اِن حضرات سے پوچھنے لگتے۔۔

(کہ کیا کہا تھا اُس نے ابھی) وہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

یہ بات وہ مسخرہ پن کے طور پر کہتے تھے۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

یہ (وہی لوگ ہیں کہ چھاپ لگادی) ہے (اللہ) تعالیٰ (نے اُن کے دِلوں پر) نفاق کی، تو یہ چھپے ہوئے کافر ہیں۔(اور) اُن کا حال یہ ہے کہ (پیروی کی انہوں نے اپنی خواہشوں کی)۔اِس جہت سے کہ حضرت سید الانام کے کلام کی اہانت کرتے ہیں۔

وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿١٧﴾

اور جنہوں نے ہدایت پائی، بڑھادی اللہ نے اُن کی ہدایت، اور دیا اُنہیں اپنا خوف●

(اور) اِن کے برعکس وہ ایمان والے لوگ (جنہوں نے ہدایت پائی، بڑھادی اللہ) تعالیٰ (نے اُن کی ہدایت)۔یعنی کلام رسول سننے سے اُن کی بصیرت اور یقین میں اضافہ ہوا۔(اور) حق تعالیٰ نے (دیا انہیں اپنا خوف) اور انہیں ایسی چیز عطا فرمائی جو اُن کے دِل میں خوفِ الٰہی اور تقویٰ

زیادہ ہونے اور اُن کی ذات میں ہمیشہ رہنے میں مدد کرے۔۔۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ

تو کس کا انتظار کررہے ہیں یہ کافرلوگ؟ مگر قیامت کا، کہ آجائے اُن پر اچانک۔ تو بلاشبہ آچکی ہیں اُس کی علامتیں۔

فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿۱۸﴾

تو کہاں رہے گا اُن کا سمجھ جانا جب قیامت ہی آگئی اُن پر●

(تو کس کا انتظار کررہے ہیں یہ کافرلوگ مگر قیامت کا، کہ آجائے اُن پر اچانک)۔ اُن کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہدایت و نصیحت قبول کرنے کے لیے اِس کے منتظر ہیں کہ قیامت اچانک آجائے اور ہم دیکھ لیں پھر نصیحت قبول کریں۔ (تو) قیامت کا یقین دلانے کے لیے (بلاشبہ آچکی ہیں اُس کی علامتیں) جیسے رسولِ کریم ﷺ کا مبعوث ہونا، چاند کے ٹکڑے ہوجانا، وغیرہ وغیرہ۔

اور یہ بھی (تو) سوچنے کی بات ہے کہ (کہاں رہے گا اُن کا سمجھ جانا جب قیامت ہی آگئی اُن پر)، یعنی قیامت آجانے کے بعد اُن کو نصیحت قبول کرنے کا موقع ہی کہاں میسر آئے گا؟ اور اُس وقت کا ایمان لانا اُن کے لیے نفع بخش کیسے ہوسکتا ہے؟

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ

تو جان رکھو کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا اللہ کے، اور مغفرت چاہو اپنوں کی اور ایمان والے مردوں اور عورتوں کی۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ ع ۸ ۶

اور اللہ جانتا ہے تمہارے چل پھر کو اور تمہارے ٹھکانہ لینے کو●

(تو) اَے محبوب! (جان رکھو) اور اپنے علمِ وحدانیتِ حق پر ثابت قدم رہو، (کہ بلاشبہ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا اللہ) تعالیٰ (کے)۔ یعنی اَے محبوب! موحدوں کی سعادت اور مشرکوں کی شقاوت کا حال تجھ کو معلوم ہوگیا، تو جو علم خدا کی وحدانیت کا تجھے حاصل ہے اور تُو نے جان لیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، تو اب اِس علم اور دانش پر ثابت رہو۔

یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ جب کسی عالم یعنی جاننے والے سے کہیں کہ اِعْلَمْ یعنی جان! تو اِس سے اُس کا یاد کرنا مقصود ہوتا ہے جو اُس نے جانا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اَے محبوب! کہ توحیدِ الٰہی کا جو علم تم کو حاصل ہے اس کو اپنے دِل و نظر میں رکھو۔

(اور مغفرت چاہو اپنوں کی) یعنی اپنی اہلِ بیت کی، (اور ایمان والے مردوں اور عورتوں کی)۔
۔۔یا۔۔ یہاں طلبِ مغفرت سے طلبِ عصمت مراد ہے کہ خدا سے عصمت مانگو تاکہ گناہ سے تمہیں بچائے رکھے۔ اِس صورت میں اہلِ بیت کے لیے طلبِ مغفرت مؤمنین ومؤمنات کے لیے طلبِ مغفرت کے ضمن میں ہوگی۔ معالم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ باوصف اِس کے کہ مغفور ہیں، طلبِ مغفرت پر مامور ہوئے، تاکہ استغفار سنت ہوجائے اور اِس امر میں امت کے لوگ آپ کی پیروی کریں۔

خدا کی طرف سے اپنے محبوب کو مؤمنین اور مؤمنات کے لیے طلبِ مغفرت کا حکم فرمایا، اِس امت کے لیے ایک بڑا انعام اور اکرام ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے رسول کو اس کے گناہوں کی مغفرت طلب کرنے کا حکم فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حکم الٰہی کے خلاف متصور نہیں، تو آپ نے امت کے واسطے ضرور مغفرت طلب فرمائی ہے۔

اور حق تعالیٰ کی شان اس سے بڑی ہے کہ اپنے حبیب کو حکم کرے کہ کچھ مجھ سے مانگو اور اُس کا حبیب جب مانگے تو وہ عطا نہ فرمائے۔ پس معلوم ہوا کہ امتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دولتِ مغفرت ضرور حاصل ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔۔ المختصر۔۔ حق تعالیٰ کے ہر حکم میں حکمت اور مصلحت ہے۔۔۔

(اور) ایسا کیوں نہ ہو، اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے تمہارے چل پھر کو اور تمہارے ٹھکانہ لینے کو)، یعنی دن کو تمہارا اِدھر اُدھر پھرنا اور سفر کرنا اور رات میں آرام لینا، یہ سب کچھ علمِ الٰہی سے باہر نہیں۔

'متقلب' اُس مکان کو کہتے ہیں جہاں دُنیا کے کاروبار اور معاشی امور طے کرنے کے بعد ٹھہرا جائے، کیونکہ تجارتی اور معاشی امور میں مراحل ہوتے ہیں جنہیں طے کرنا پڑتا ہے۔
خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ دُنیا میں تمہارے چلنے پھرنے کو جانتا ہے کہ تم ایک حال سے دوسرے حال کی طرف کیسے لوٹتے ہو۔ **مَثْوٰی** سے آخرت میں ٹھہرنے کی جگہ بھی مراد ہوسکتی ہے۔
اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں تمہاری ٹھہرنے کی جگہ جانتا ہے کہ وہ بہشت ہے۔۔یا۔۔ دوزخ، اس لیے وہ تمہیں اُن امور کا حکم فرماتا ہے جو تمہارے لیے دُنیا وآخرت میں بہتر ہیں۔
لہٰذا تم اس سے جلدی کرو جس کا تمہیں حکم ہو، یہی تمہارے لیے دونوں جہاں میں اہم ہے۔
اِس سے پہلی آیات میں مؤمنوں اور کافروں اور منافقوں کے معتقدات اور نظریات کو

بیان فرمایا تھا اور اب ان اگلی آیتوں میں مؤمنوں اور منافقوں کے اعمال سے متعلق کیفیات کو بیان فرمایا۔۔۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ

اور کہتے ہیں وہ جو ایمان لاچکے کہ "کیوں نہیں نازل کی جاتی کوئی سورت؟" پھر جب اُتاری گئی کوئی کھلی صاف سورت،

وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يَنظُرُونَ

اور ذکر کیا گیا اُس میں جہاد کا۔تو دیکھ چکے ہو تم اُنہیں جن کے دِلوں میں بیماری ہے، کہ دیکھتے رہ جاتے ہیں

إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۖ فَأَوْلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٠﴾

تمہاری طرف، موت کی بے ہوشی والوں کی طرح۔تو اولیٰ ہے اُن کے لیے●

(اور) ارشاد فرمایا کہ (کہتے ہیں وہ جو ایمان لاچکے) یعنی اصحابِ اخلاص مؤمنین جو وحی کے شوق میں اور جہاد اور اس کے ثواب کے حرص میں یہ کہتے ہیں، (کہ کیوں نہیں نازل کی جاتی کوئی سورت) کافروں سے قتال کرنے کے باب میں، (پھر جب اُتاری گئی کوئی کھلی صاف سورت) جو محکم ہو متشابہ نہ ہو، (اور ذکر کیا گیا اُس میں جہاد کا، تو دیکھ چکے ہو تم انہیں جن کے دِلوں میں) شک اور نفاق کی (بیماری ہے)۔۔یا۔۔دین میں سستی و کاہلی ہے (کہ دیکھتے رہ جاتے ہیں تمہاری طرف موت کی بے ہوشی والوں کی طرح)، یعنی اُن کا حال اُس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جس پر موت کے غم اور رنج سے بے ہوشی جیسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور جنگ میں شرکت نہ کرنی پڑے اس کے لیے مختلف حیلے بہانے کرنے لگتے ہیں اور لچر اور ناقابلِ قبول عذر پیش کرنے لگتے ہیں۔(تو اولیٰ ہے) اور قریب ہے ہلاکت (ان کے لیے) یعنی دوزخ ہے ان کے لیے۔۔یا۔۔وائے ہے اُن کی حالت پر۔اُن کے لیے لائق بات تو یہ تھی کہ وہ۔۔۔

طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ ۚ فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ

فرمانبرداری اور اچھی بولی۔۔پھر جب حکم ناطق ہو گیا۔۔تو اگر سچے رہتے اللہ سے،

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿٢١﴾

تو ہوتا بہتر اُن کے لیے●

(فرمانبرداری) کرتے (اور اچھی بولی) بولتے۔۔مثلاً: سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہتے۔(پھر جب حکم ناطق ہوگیا) اور صحابہ نے عزم جہاد کرلیا تو ان لوگوں نے خلاف کیا اور عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہے۔(تو اگر سچے رہتے اللہ) تعالیٰ (سے) یعنی اللہ تعالیٰ سے انہوں نے جو جہاد کا حرص ظاہر کیا تھا اُس میں صادق القول ہوتے، (تو ہوتا بہتر اُن کے لیے)۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾

تو کیا یہ ہونہار ہے کہ "اگر تم نے حکومت پالی، تو فساد مچاتے پھرو زمین میں، اور کاٹتے رہو اپنے رشتوں کو؟"●

(تو) اَے منافقو! (کیا یہ ہونہار ہے) یعنی کیا یہ ہونے والا ہے؟ اور تم اِس بات کے قریب ہو؟ (کہ اگر تم نے حکومت پالی تو فساد مچاتے پھرو زمین میں) یعنی حکومت حاصل ہونے کے سبب سے طرح طرح کی تباہیاں اور خرابیاں تم سے واقع ہونے لگیں؟ (اور کاٹتے رہو اپنے رشتوں کو؟) تو کیا تمہیں خود اپنے سے ان باتوں کی امید ہے؟ اور جب نہیں ہے اور واقعتاً ایسا ہونے والا نہیں ہے، تو پھر جہاد میں عدم شرکت کے لیے 'فساد فی الارض' اور 'قطع رحمی' کا نام لے کر کیوں بکواس کر رہے ہو۔۔ہاں ۔۔اگر تم قرآن سے اِنکار کردو اور اِس کے احکام سے منہ پھیر لو، تو تم سے یہ بات وقوع میں آئے گی کہ پھر جاہلیت کے امور اختیار کرلو، اور تباہی اور قرابت قطع کرنا اور خوں ریزی اور ایسی باتیں کرنے لگو۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾

یہی فسادی ہیں جنہیں پھٹکار دیا اللہ نے، تو بہرا کردیا اُنہیں اور پھوڑ دیا اُن کی آنکھوں کو●

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾

تو کیا نہیں سوچا کرتے قرآن کو؟ یا اُن کے دِلوں پر اُن کے قفل ہیں●

(یہی) مذکورہ بالا بکواس کرنے والے (فسادی ہیں) اور ایسے مفسد و منکر ہیں (جنہیں پھٹکار دیا اللہ) تعالیٰ (نے، تو بہرا کردیا انہیں) تاکہ حق بات نہ سنیں۔(اور پھوڑ دیا اُن کی آنکھوں کو) تاکہ قدرت اور عبرت کی دلیلیں نہ دیکھ سکیں۔(تو کیا نہیں سوچا کرتے قرآن کو؟) یعنی قرآنی نصیحتوں اور تنبیہوں میں تفکر نہیں کرتے، تاکہ نافرمانی سے درگزریں (۔۔یا۔۔ان کے دلوں پر ان کے قفل) لگے ہوئے (ہیں)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى

بے شک جو مرتد ہو گئے بعد اِس کے کہ روشن ہو چکی اُن کے لیے ہدایت، تو شیطان نے چرکا دے دیا اُنہیں،

الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾

اور مہلت کی سجھائی اُنہیں●

(بے شک جو مرتد ہو گئے بعد اِس کے کہ روشن ہو چکی اُن کے لیے ہدایت)۔

وہ یہود جو توریت کی ہدایت کے مطابق رسولِ عربی کی نبوت پر ایمان لا چکے تھے اور آپ کے اوصافِ حمیدہ سے واقف ہو چکے تھے، بلکہ اُس سے لوگوں کو باخبر کرتے تھے۔ تو جب نبی آخر الزماں مبعوث ہو گئے اور مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو سب اپنے اقوال سے پھر گئے اور توریت میں مذکور نبی کریم کی نعتیں چھپانے لگے اور آپ کی نبوت کے منکر ہو گئے۔

(تو شیطان نے چرکا دے دیا انہیں) اور اُن کے واسطے اِنکار و عناد کو آراستہ کر دیا اور آسان کر دیا۔ (اور مہلت کی سجھائی انہیں) یعنی انہیں دُنیا میں طویل زندگی کی امید دلائی ۔۔یا۔۔ خدا نے مہلت دی اُن کو اور اُن پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کی، تا کہ گناہ میں اور زیادتی کریں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ ۚ

یہ اِس لیے کہ وہ بولے اُنہیں جو نا گوار رکھا کیے اُس کو جسے اُتارا اللہ نے کہ "اب کہا مانیں گے تمہارا بعض معاملہ میں"،

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾

اور اللہ جانتا ہے اُن کے بھید کو●

(یہ اس لیے کہ وہ) منافقین (بولے انہیں) یعنی یہود کو، (جو نا گوار رکھا کیے اُس کو جسے اُتارا اللہ) تعالیٰ (نے) یعنی قرآن اور دین کے احکام، (کہ اب کہا مانیں گے تمہارا بعض معاملہ میں)۔

۔۔الغرض۔۔ یہود نے منافقوں سے پوشیدہ یہ بات کہی کہ اگر تم پیغمبر کے ساتھ لڑو تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔۔۔

(اور اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے اُن کے بھید کو) یعنی اُن کی چھپی باتوں کو۔

فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾

تو کیسا ہو گا جہاں روح قبض کی اُن کی فرشتوں نے؟ مار رہے ہیں اُن کے منہ اور پیٹھوں پر●

(تو کیسا ہوگا) اُن کا حال (جہاں) یعنی جس وقت (روح قبض کی اُن کی فرشتوں نے) ج
(مار رہے ہیں اُن کے منہ اور پیٹھوں پر)۔ وہ منہ جس کو انہوں نے حق سے پھیرا ہے اور وہ پیٹھ ج
انہوں نے اہلِ حق سے موڑی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَاۤ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ۠ ﴿۲۸﴾ ع ۹

یہ اس لیے کہ اُنہوں نے پیروی کی اُس کی جس نے ناراض کر دیا اللہ کو، اور ناگوار جانا اُس کی خوشنودی کو، تو اُس نے غارت کر دیا اُن کے اعمال کو۔

(یہ اس لیے کہ انہوں نے پیروی کی اُس کی جس نے ناراض کر دیا اللہ) تعالیٰ (کو) اور غضبِ الٰہی کا موجب ہوا، جیسے رسولِ مقبول کی نعت چھپانا اور منافقوں کافروں اور مشرکوں کی مدد کرنا۔ (اور) نیز بسبب اِس کے کہ انہوں نے (ناگوار جانا اُس کی خوشنودی کو)۔ یعنی ایسے کام کو جس سے خدا راضی ہو جیسے کہ رسولِ مقبول ﷺ کی نعت ظاہر کرنا اور آپ کی نبوت کا اقرار کرنا اور آپ کی فرمانبرداری کرنا۔ (تو اُس نے غارت کر دیا اُن کے اعمال کو) یعنی اُن کے کاموں کو باطل کر دیا۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

کیا گمان کر لیا ہے اُنہوں نے جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ "ہرگز نہ ظاہر کرے گا اللہ اُن کے چھپے عناد کو؟"۔

وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ

اور اگر ہم چاہیں تو دکھا دیں تمہیں اُن کو۔ اب تو یقیناً تم پہچان چکے اُنہیں اُن کی صورت سے۔ اور یقیناً پہچانتے رہو گے اُنہیں

فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾

بات چیت کے انداز سے۔ اور اللہ جانتا ہے تمہارے اعمال کو۔

(کیا گمان کر لیا ہے انہوں نے جن کے دِلوں میں) نفاق کی (بیماری ہے کہ ہرگز نہ ظاہر کرے گا اللہ) تعالیٰ (اُن کے چھپے عناد کو، اور) اے محبوب! (اگر ہم چاہیں تو دکھا دیں تمہیں اُن کو) یعنی ان کی علامتیں اور نشان ظاہر کر دیں۔ (اب تو یقیناً تم پہچان چکے انہیں ان کی صورت سے) یعنی علامت سے جو دلالت کرنے والی ہے اُن کے نفاق پر (اور) آئندہ بھی (یقیناً پہچانتے رہو گے انہیں بات چیت کے انداز سے) کیونکہ وہ بات کا رخ صواب کی طرف سے پھیر کر تعریض و توبیخ کی جانب موڑ دینے کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔ اُن کا یہ طرزِ کلام ہی اُن کی منافقت کو ظاہر کر دیتا ہے۔ (اور

(اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے تمہارے اعمال کو) تو وہ اُن کے موافق جزا دے گا۔

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ یہ آیت نازل ہونے کے بعد کوئی منافق ایسا نہ تھا کہ رسول ﷺ اُس کے نشان اور بات سے اُسے پہچان نہ لیتے ہوں۔ تفسیر مطالع اور عین المعانی میں حضرت انس ہی سے منقول ہے، بعض لڑائیوں میں نو منافق ایک رات سوئے اور صبح کو جب اٹھے تو اُن کی پیشانیوں پر لکھا تھا 'هٰذَا مُنَافِقٌ'، یعنی یہ منافق ہے۔ ذہن نشین رہے کہ جہاد اور اُس کی تکالیفِ شاقہ پر مامور کرنے میں حق تعالیٰ کی ایک حکمتِ بالغہ ہے۔۔ چنانچہ۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾

اور یقیناً ہم آزمائیں گے تم سب کو، یہاں تک کہ ہم پچھوا دیں تمہارے جہاد والوں اور صبر والوں کو، اور جانچ لیں تمہارے دعووں کو●

(اور یقیناً ہم آزمائیں گے تم سب کو، یہاں تک کہ ہم پچھوا دیں تمہارے جہاد والوں اور صبر والوں کو، اور جانچ لیں تمہارے) ایمان واخلاص کے (دعووں کو)، تاکہ تمہارا سچ اور جھوٹ سب پر ظاہر ہو جائے۔ اور مؤمنین کی جماعت سے باآسانی منافقین الگ اور ممتاز ہو جائیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ

بے شک جس نے کفر کیا اور روکتا رہا اللہ کی راہ سے اور ضد باندھی رسول کی، بعد اس کے

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾

کہ روشن ہو چکی اُن کے لیے ہدایت، نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا کچھ۔ اور جلد اکارت کردے گا اُن کے اعمال کو●

(بے شک جس نے کفر کیا اور) اپنی قوم کو (روکتا رہا اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے) یعنی دین اسلام سے (اور ضد باندھی رسول کی) یعنی آپ ﷺ سے معاندانہ مخالفت کی، (بعد اِس کے کہ روشن ہو چکی اُن کے لیے ہدایت) یعنی راہِ حق۔ اور توریت میں انہوں نے پڑھا تھا اور جان لیا تھا کہ یہ اپنے کفر کے سبب سے (نہ بگاڑ سکیں گے اللہ) تعالیٰ (کا کچھ)۔ لوگوں کو راہِ حق سے باز رکھنے کے ضرر کا اثر خدا کے دین کو اور پیغمبر کو نہ پہنچے گا، بلکہ ان کا شر ان کی طرف پھرے گا۔ (اور) حق تعالیٰ (جلد اکارت کردے گا اُن کے اعمال کو) اور باطل کردے گا اُن کے کاموں کے ثواب کو۔ اُن کو اُن کے اعمال کا کوئی اجر ملنے والا نہیں۔۔ تو۔۔۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾

اُے ایمان والو! کہامانتے رہواللہ کا، اور کہامانتے رہورسول کا، اور نہ برباد کرڈالواپنے اعمال کو•

(اُے ایمان والو! کہامانتے رہواللہ) تعالیٰ (کا) اور فرمانبرداری کرواللہ کی اُس چیز میں کہ اُس نے حکم کیا ہے۔ (اور کہامانتے رہورسول کا) اس چیز میں کہ وہ فرمائیں۔ (اور نہ برباد کرڈالواپنے اعمال کو) ریااور سُمعہ کے سبب سے ۔۔یا۔۔عجب اور تکبر کی وجہ سے، اس واسطے کہ عجب کے سبب سے کام مذموم اور مردود ہو جاتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ

بے شک جنہوں نے کفر کیا، اور روکا اللہ کی راہ سے، پھر مرگئے، اور وہ کافر ہی ہیں،

فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾

توہرگزنہ بخشے گا اللہ انہیں•

(بے شک جنہوں نے کفر کیا) یعنی قوم قریش اور ان کے تابع لوگ، (اور روکا اللہ) تعالیٰ (کی راہ) پر چلنے (سے، پھر مرگئے)۔۔مثلاً: جنگِ بدر کے دن قتل ہو گئے، (اور) اِس حال میں کہ (وہ کافر ہی ہیں، توہرگزنہ بخشے گا اللہ) تعالیٰ (انہیں)۔

یہ آیت اگرچہ مخصوص لوگوں کی شان میں نازل ہوئی، مگر اِس کا حکم عام ہے اور جو کافر مرے اس کو شامل ہے۔ چونکہ اِس سے پہلی آیات میں یہ بتایا تھا کہ منافقین کفار کے خلاف جہاد کرنے کو زمین میں فساد پھیلانے اور رشتوں کو توڑنے سے تعبیر کرتے تھے، اور جہاد میں شرکت نہ کرنے کے لیے حیلے بہانے تراشتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کرنے پر اُبھارا کہ تم منافقوں کی طرح موت سے ڈر کر جہاد سے نہ کترانا اور ہمت نہ ہارنا، اور کفار کو صلح کی دعوت نہ دینا۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسلمانو! جب جہاد کا موقع آجائے۔۔۔

فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ

تو تم اپنے کو کمزور نہ جانو کہ دعوت دینے لگو صلح کی، حالانکہ تم ہی اونچے ہو، اور اللہ تمہارے ساتھ ہے،

وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

اور وہ ہرگز کمی نہ کرے گا تم سے تمہارے اعمال میں•

(توتم اپنے کو کمزور نہ جانو کہ دعوت دینے لگو صلح کی)۔
اور اُس وقت مسلمان بہت کمزور تھے اور جنگ کے مادی اسباب وآلات بہت کم تھے،
اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حوصلہ اور ہمت کو بڑھانے کے لیے فرمایا۔۔۔
(حالانکہ تم ہی اونچے ہو اور اللہ) تعالیٰ (تمہارے ساتھ ہے)۔اور جب اللہ تمہارے ساتھ ہے تو تم کو ہی غلبہ حاصل ہوگا۔(اور وہ ہرگز کمی نہ کرے گا تم سے تمہارے اعمال میں) یعنی جب کافروں سے جنگ ہوگی اور وہ مارے جائیں گے، تو اُن کے دُنیا میں کیے ہوئے وہ کام جو ان کے نزدیک نیک کام تھے وہ سب ضائع ہوجائیں گے۔اِس کے برخلاف جو مؤمنین جہاد میں شہید ہوجائیں گے اُن کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوگا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو بہت زیادہ اجروثواب عطا فرمائے گا۔جان لو کہ۔۔۔

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ

دُنیاوی زندگی بس کھیل کود ہے۔اور اگر ایمان لاؤ اور خدا سے ڈرو، تو دے گا تمہیں تمہارے ثوابوں کو،

وَلَا يَسْـَٔــلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ؀۳۶

اور نہ مانگ لے گا تمہارا سارا مال●

(دُنیاوی زندگی بس کھیل کود ہے) یعنی ناپائدار ہے جس میں مشغولی بے اعتبار ہے۔
اس آیت میں دُنیا کی زندگی کو **لَعِبٌ** اور **لَهْوٌ** قرار دیا ہے۔ذہن نشین رہے کہ وہ کام جو فرائض اور لازمی کاموں سے غافل کردے، تو وہ **لَهْوٌ** ہے اور اگر غافل نہ کرے، تو وہ **لَعِبٌ** ہے۔
(اور اگر ایمان لاؤ اور خدا سے ڈرو) یعنی گناہ اور فضول کاموں سے پرہیز کرو، (تو دے گا تمہیں تمہارے ثواب کو) آخرت میں۔(اور نہ مانگ لے گا تمہارا سارا مال) یعنی ایسا نہیں کہ تمہیں دینے کے لیے وہ تمہارا سارا مال چاہتا ہے۔۔الحاصل۔۔حق تعالیٰ تمہارا سب کا سب مال نہیں چاہتا نہ اس میں سے تمہاری ضروریات میں خرچ ہونے کے بعد تھوڑا خرچ کرنے کا حکم کیا ہے۔
۔۔الغرض۔۔وہ تمہارے مال کا بہت قلیل حصہ طلب کرتا ہے، جیسے روپے پیسے کی زکوٰۃ میں اڑھائی فی صد اور بارانی زمین میں 'عشر' یعنی دسواں حصہ اور ڈول وغیرہ سے سیراب ہونے والی زمین میں 'نصف عشر' یعنی بیسواں حصہ اور جہاد میں تو معین بھی نہیں فرمایا، جتنا تم اپنی خوشی سے کرسکتے ہو کرو۔

إِن يَسْأَلْكُمُوهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ ﴿٣٧﴾ هَا أَنتُمْ هَٰؤُلَاءِ تُدْعَوْنَ

اگر مانگ لے تم سے وہ، پھر بے انداز طلب کرے، تو بخل کرنے لگو گے • اور یہ بخل ظاہر کر دے گا تمہاری بدنیتوں کو۔

لِتُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنكُم مَّن يَبْخَلُ ۖ وَمَن يَبْخَلْ فَإِنَّمَا يَبْخَلُ عَن نَّفْسِهِ ۚ

یاد رکھو کہ "یہ تم لوگ بلائے جاتے ہو کہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں"، تو کوئی تمہارا ہے کہ بخل کرے۔ اور جو بخل کرے، تو وہ بخیلی کرتا ہے اپنے حق میں۔

وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ ۚ وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

اور اللہ تو بے نیاز ہے، اور تم لوگ اُس کے حاجت مند ہو۔ اور اگر تم لوگ رُوگردانی کرو، تو وہ بدل لے گا دوسری قوم کو تمہارے سوا،

ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم ﴿٣٨﴾ ع ۱۰/۸

پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح •

(اگر مانگ لے تم سے وہ، پھر بے انداز طلب کرے تو بخل کرنے لگو گے) اور خوشی کے ساتھ نہ دو گے۔ (اور یہ بخل ظاہر کر دے گا تمہاری بدنیتوں کو) اور تمہاری قلبی کدورتوں اور کینوں کو۔ (یاد رکھو کہ یہ تم لوگ بلائے جاتے ہو کہ خرچ کرو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) یعنی مال کی زکوٰۃ۔۔یا۔۔جہاد کے اسباب میں صرف کرو، (تو کوئی تمہارا ہے کہ بخل کرے، اور جو بخل کرے تو وہ) دراصل (بخیلی کرتا ہے اپنے حق میں) کیونکہ اپنے کو ثواب سے محروم کرتا ہے، (اور اللہ) تعالیٰ (تو بے نیاز ہے) تمہارے صدقوں اور خرچوں سے۔ (اور تم لوگ اُس کے حاجت مند ہو) اس چیز کے لیے جو اُن کے پاس ہے یعنی نعمتیں اور کرامتیں۔

تو آج ایک فنا ہو جانے والی چیز دو، اور کل اُس کے عوض دس باقی رہنے والی نعمتیں اور بزرگیاں لو، اِس واسطے کہ اُس کے خزانۂ رحمت میں کوئی چیز کم نہ ہوگی، اور تم اپنی مرادوں اور مقصدوں کو پہنچ جاؤ گے۔ (اور) اب (اگر تم لوگ رُوگردانی کرو) گے اس چیز سے جو تم پر فرض کیا ہے۔۔یا۔۔انکار کرو گے اسلام اور قبولِ احکام سے، (تو وہ بدل دے گا دوسری قوم کو تمہارے سوا) یعنی تم کو ہلاک کر کے تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا فرما دے گا جو بڑے فرمانبردار اور پرہیزگار ہوں گے، (پھر وہ نہ ہوں گے تمہاری طرح)۔

روایت ہے کہ بعض صحابہ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ حضور وہ کون لوگ ہیں؟ حضرت سلمان فارسی آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے، آپ نے اُن کی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا، یہ اور ان کی قوم کے لوگ۔ یعنی فارسی لوگ۔۔ المختصر۔۔ [illegible]

کی خدمت رب تعالیٰ جس سے چاہے جب چاہے لے لے۔اور جس کو چاہے اس فضل سے نوازدے۔

اختتام سورۂ محمد۔۔۶رجمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۲۸راپریل ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ

ابتداء سورۂ الفتح۔۔۷رجمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۲۹راپریل ۲۰۱۲ء، بروز یکشنبہ

سورۃ الفتح ۴۸ مدنیۃ ۱۱۱ — آیاتہا ۲۹ رکوعاتہا ۴

سُوْرَةُ الْفَتْح

سورۂ فتح۔۔۴۸ مدنیہ ۱۱۱ — آیا تہا ۲۹۔۔رکوعا تہا ۴

اِس سورۂ مبارکہ کا نام 'الفتح' ہے جو اِسی سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔صحیح روایت سے ثابت ہے کہ ہجرت کے چھٹیں برس رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ بعضے صحابہ کے ساتھ آپ مکہ معظّمہ کی زیارت کوتشریف لے گئے اور عمرہ ادا کیا ہے۔ صحابہ نے جب سنا، تو سمجھے کہ اِسی سال اِس خواب کی تعبیر ظاہر ہوگی۔رسولِ کریم بھی سامانِ سفر تیار کرنے میں مشغول ہوگئے، اور اِسی سال ماہِ ذیقعدہ میں مدینہ منورہ سے باہر نکل کر عمرہ کا احرام باندھا، اور ستر اونٹ قربانی کے لیے اپنے ساتھ لیے اور اکثر اصحاب آپ کے ساتھ چلنے پر تیار ہوگئے۔

رسولِ مقبول کی مکہ معظّمہ کی طرف متوجہ ہونے کی خبر مکہ کے مشرکوں کو پہنچی۔زیارتِ خانۂ خدا سے آپ کو روکنے کے واسطے سب نے متفق ہوکر مکہ کے باہر آکر ایک مقام کو لشکر گاہ ٹھہرایا۔جب رسولِ مقبول کو یہ خبر ملی تو آپ حدیبیہ میں اُترے اور وہیں ٹھہر گئے۔

عروہ بن مسعود ثقفی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا کہ آپ کے آنے کا سبب دریافت کرے، بعد اُس کے جلیس کنانی آیا اور معلوم کرلیا کہ حضرت کو لڑائی کا داعیہ نہیں ہے، فقط خانۂ کعبہ کی زیارت کی قصد سے آئے ہیں، مگر کفارِ قریش حمیتِ جاہلیت پر اَٹکے اور کسی طرح راضی نہ ہوئے کہ حضرت رسولِ مقبول صحابہ سمیت مکہ میں داخل ہوں۔

رسولِ مقبول نے حضرت عثمان کو اُن کے پاس بھیجا۔کافروں نے اُن کو نظر بند کرلیا اور

اُن کے قتل کی خبر لشکرِ اسلام کو پہنچی۔ اِس سبب سے 'بیعت الرضوان' واقع ہوئی۔ کفار بیعت کا حال سن کر گھبرائے اور سہیل بن عمرو کو بھیجا، تو رسولِ مقبول اور کفارِ مکہ کے درمیان اِس بات پر صلح ہوئی کہ دس برس تک مسلمانوں اور کافروں میں لڑائی نہ ہو۔ ایک دوسرے سے نہ ظاہر میں تعرض کریں نہ ایک دوسرے کے حلفاء سے متعرض ہوں اور یہ بات ٹھہر گئی کہ اگلے برس مسلمان آئیں اور عمرہ کی قضاء کرلیں اور اور شرطیں بھی ہوئیں۔

اور اکثر صحابہ اِس صلح سے غمگین اور ملول ہوئے اور حضرت ﷺ کے حکم سے اسی مقام حدیبیہ میں آپ کے سرِ مبارک سے بال جدا کیے گئے، اور بعضے اونٹ آپ نے وہیں قربان کیے۔ بعضے ناہیہ اسلمی کے ساتھ کر کے مکہ معظمہ میں بھیج دیے کہ مقام مروہ میں ذبح کریں اور وہاں کے فقراء و مساکین کو اُن کا گوشت تقسیم ہو۔

اور صحابہ نے بھی وہیں سر منڈائے، بال کٹوائے اور اپنی قربانیوں کے جانور ذبح کیے اور حضرت ﷺ نے بیس دن تک حدیبیہ میں توقف فرمایا۔ پھرتے وقت ایک شب یہ سورت نازل ہوئی، اور حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے صحابیو! آج کی رات یہ سورت ایسی مجھ پر نازل ہوئی کہ میں اسے اس سے زیادہ دوست رکھتا ہوں جس پر آفتاب طلوع کرتا ہے۔ پھر سورۂ فتح کو صحابہ کے سامنے پڑھا اور اُن کو مبارک باد دی۔ صحابۂ کرام نے بھی آپ کو مبارک باد دی۔ ایسی مبارک سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔یا۔۔۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور ایمان والوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ﴿۱﴾

بے شک ہم نے فتح دے دی تمہیں، روشن فتح۔

(بے شک ہم نے) صلح حدیبیہ کرا کے (فتح دے دی تمہیں، روشن) کھلی ہوئی واضح (فتح)۔ حضور ﷺ سے صحابہ نے پوچھا کہ کیا مکہ ہمارے واسطے فتح کر دیا گیا؟ آپ نے جواب

عطا فرمایا کہ "ہاں۔" اور در حقیقت یہ صلح بہت فتوح کی ابتداء تھی، اس واسطے کہ جو مسلمان مکہ معظمہ میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھتے تھے انہوں نے چھپانا چھوڑ دیا اور کافروں کے ساتھ مجاہدہ کیا۔ اُن کے سامنے قرآن پڑھا اور بہت لوگ مسلمان ہو گئے۔

اور مکہ معظمہ کی فتح کا سبب بھی یہی صلح ہوئی اور اسی وجہ سے بعض مفسرین نے اِس آیت کی یہ تفسیر کی ہے کہ ہم فتح کر دیں گے تیرے واسطے مکہ، اور لفظ ماضی لانا تحقیق وقوع کے جہت سے ہے۔ اور بعضوں نے کہا کہ اِس فتح سے مراد خیبر اور فدک کی فتح ہے۔ اس سلسلے میں اور بھی اقوال ہیں۔

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ

تا کہ بخش دے تمہارے سبب سے اللہ جو پہلے ہوئے تمہارے اور جو پچھلے ہیں، اور پوری فرمادے اپنی نعمت کو تم پر،

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿٢﴾ وَيَنصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿٣﴾

اور چلاتا رہے تمہیں سیدھی راہ ● اور مدد فرمائے تمہاری اللہ، زبردست مدد ●

پس اَے محبوب! خدا سے بخشش طلب کر (تا کہ بخش دے تمہارے سبب سے اللہ) تعالیٰ (جو پہلے ہوئے تمہارے اور جو پچھلے ہیں)۔ بظاہر خلافِ اولیٰ سب کام جو آپ کے کمالِ قرب کی وجہ سے محض صورتاً ذنب ہیں، حقیقتاً وہ 'حسنات الابرار' سے افضل ہیں۔

۔۔الختصر۔۔فتح مکہ سے پہلے اور بعد۔۔یا۔۔اِس آیت کے نزول سے پہلے اور بعد صادر ہونے والے آپ کے وہ کام جو مقربینِ بارگاہِ خداوندی کے شایانِ شان نہیں تھے، اُن کو حق تعالیٰ نے اپنی ردائے مغفرت میں پوشیدہ کر رکھا ہے، تا کہ کسی بے بصیرت اور عقل سے تہی دامن شخص کو بھی آپ کی چادرِ عصمت پر ہلکا سا داغ بھی نظر نہ آئے۔

اِس آیت کریمہ کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں۔۔چنانچہ۔۔امام ابواللیث علیہ الرحمۃ نے کہا کہ **مَا تَقَدَّمَ** سے مراد حضرت آدم اور حضرت حواء کی زلت وخطا ہے، جنہیں حق تعالیٰ نے آپ کی برکت سے بخش دیا، کیونکہ آپ اُس وقت اُن کی پشت میں تھے۔ اور **مَا تَأَخَّرَ** سے مراد امت کے گناہ جس کو حق تعالیٰ آپ کی شفاعت سے بخشے گا۔ چونکہ آپ امت کے پیشوا اور کارساز ہیں اور اُن کے شفیع و وکیل ہیں، اس لیے امت کے گناہ کی اسناد آپ کی طرف کر دی گئی۔

اِس کے سوا بھی بہت سارے اقوال ہیں، مگر ہر قول میں اِس بات کا خیال بہر حال رکھا

گیا ہے کہ رسولِ کریم کی چادرِ عصمت پر داغ نہ لگنے پائے۔ اِسی لیے جنہوں نے آیت میں مذکور لفظ **ذَنْبٌ** سے 'ذنبِ رسول' مراد لیا ہے انہوں نے بھی **ذَنْبٌ** کو معروف ومتعارف گناہ کے معنی میں نہیں لیا ہے۔ اور ہر ایک مفسر نے اِس آیت کی ایسی ہی توجیہ کی ہے جس کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کسی گناہِ صغیرہ کے بھی مرتکب نہیں ٹھہرتے۔

اوپر کے بیان سے ظاہر ہوا کہ مذکورہ بالا مغفرت خود حضرت ﷺ کی دُعائے مغفرت کا ثمرہ ہے۔۔لیکن۔۔اِس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ فتحِ مکہ اس حیثیت سے کہ وہ دشمن سے جہاد ہے، غفران کا سبب ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ فتح سببِ غفران نہیں ہے بلکہ ان امور کا سبب ہے جن کا ذکر غفران کے ذکر کے بعد فرمایا گیا ہے، لیکن ان میں غفران عظیم نعمت تھی، تو اُس کو بھی ذکر میں ملادیا گیا ہے۔ اب کلام کا حاصل یہ ہوا۔۔حق تعالیٰ نے اپنے محبوب کو فتح وغفران سے نوازا۔۔۔

(اور) یہ اس لیے تاکہ اَے محبوب! وہ **(پوری فرمادے اپنی نعمت کو تم پر)** بہت سے شہر فتح کر کے۔۔یا۔۔دین بلند فرما کر۔۔یا۔۔نبوت اور سلطنت کو ملا کر۔۔یا۔۔شفاعت قبول فرما کر۔ **(اور چلاتا رہے تمہیں سیدھی راہ)** یعنی صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے، **(اور مدد فرمائے تمہاری اللہ)** تعالیٰ **(زبردست مدد)** جس میں عزت اور غلبہ ہو۔ یعنی تم اُس مدد کے سبب سے غالب ہو جاؤ گے۔

چونکہ صلح حدیبیہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دغدغہ اور تردد سے خالی نہ تھے، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْۤا اِیْمَانًا

وہی ہے جس نے اُتارا تسکین کو دلوں میں مسلمانوں کے، تاکہ بڑھ جائیں اپنے ایمان پر

مَّعَ اِیْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۟ۙ ④

ایمان میں۔ اور اللہ ہی کا ہے سارا لشکر آسمانوں اور زمین کا۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(وہی ہے جس نے اُتارا تسکین کو دِلوں میں مسلمانوں کے، تاکہ بڑھ جائیں اپنے ایمان پر ایمان میں)، یعنی جس قدر اُن کو یقین ہے اُس پر اور یقین زیادہ کریں۔۔یا۔۔جو ایمان اصولِ دین کے ساتھ رکھتے ہیں اُسے زیادہ کریں فروعِ شرع پر ایمان لانے کے ساتھ۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(ہی کا ہے سارا لشکر آسمانوں اور زمین کا)**۔

آسمانی لشکر فرشتے ہیں اور زمینی لشکر مومنین مجاہدین ہیں۔

پس اَے ایمان والو! جہاد کرو اور نصرتِ الٰہی میں یقینِ واثق رکھو کہ آسمان اور زمین کے لشکر جس کے حکم کے ہوں بلکہ کونین کے ذرّے جس کے سپاہ ہوں وہ اپنے دوستوں کو دشمنوں سے لڑتے وقت چھوڑ نہ دے گا۔ (اور اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے، وہ خلق کی مصلحتیں جانتا ہے۔ اور (حکمت والا ہے) پختہ کار جو کچھ کرے، ازانجملہ ایک کام یہ ہے کہ ایمان والوں کے دلوں میں اس نے سکینہ اُتاردی۔۔۔

لِيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

تاکہ داخل فرمائے ایمان والے مَردوں اور عورتوں کو باغوں میں، کہ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے

فِيْهَا وَيُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝۵

اُس میں، اور اُتار دے اُن سے اُن کی بُرائیوں کو۔ اور یہ اللہ کے یہاں بڑی کامیابی ہے●

(تاکہ داخل فرمائے ایمان والے مردوں اور عورتوں کو) دین میں مضبوط اور عقیدے میں ثابت ہونے کی برکت سے، ایسے (باغوں میں کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں)۔ حال یہ ہے کہ (ہمیشہ رہنے والے) ہیں وہ (اس میں)۔ (اور) جنت میں داخل کرنے سے پہلے ہی (اتار دے اُن سے اُن کی بُرائیوں کو)، یعنی اُن کی بُرائیوں کا نام ونشان مٹادے تاکہ پاک اور پاکیزہ روضۂ رضوان میں داخل ہوں۔ (اور یہ) وعدہ اُن کے واسطے (اللہ) تعالیٰ (کے یہاں) یعنی حکمِ الٰہی میں (بڑی کامیابی ہے)۔ اِس سے بڑھ کر کامیابی اور کیا ہے کہ وہ لوگ مکروہات سے بے خوف ہوں گے اور اپنی مرادوں کو پہنچیں گے۔

وَّيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْمُشْرِكِيْنَ وَالْمُشْرِكٰتِ الظَّاۗنِّيْنَ

اور عذاب دے منافق مَردوں اور عورتوں کو، اور مشرک مَردوں اور عورتوں کو، رکھنے والے

بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۚ وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ

اللہ سے بدگمانی۔ اُنہیں پر ہے بدی کا چکر۔ اور غضب فرمایا اللہ نے اُن پر اور پھٹکار دیا اُنہیں،

وَاَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۶

اور تیار کر رکھا ہے اُن کے لیے جہنم۔ اور کتنا بُرا ہے پھرنے کا ٹھکانہ●

(اور) اس لیے کہ (عذاب دے منافق مَردوں اور عورتوں کو) جو مدینہ میں ہیں، (اور مشرک مردوں اور عورتوں کو) جو مکے میں ہیں۔ اور یہ سب کے سب (رکھنے والے) ہیں (اللہ) تعالیٰ (سے بدگمانی)۔

یعنی اسد اور غطفان کے مشرک لوگ اور بعضے منافقوں نے گمان کیا تھا کہ رسولِ مقبول جو حدیبیہ جاتے ہیں وہاں قتل ہو جائیں گے، مدینہ میں صحیح سلامت پھر کر نہ آئیں گے اور آپ کا لشکر پسپا ہو جائے گا۔ حق تعالیٰ اُن بدگمانوں کے تعلق سے فرماتا ہے کہ۔۔۔

(انہیں پر ہے بدی کا چکر)، یعنی یہ لوگ خود مغلوب ہوں گے۔ (اور غضب فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے اُن پر اور پھٹکار دیا انہیں) یعنی اپنی رحمت سے دُور کر دیا۔ (اور تیار کر رکھا ہے اُن کے لیے جہنم۔ اور کتنا بُرا ہے پھرنے کا ٹھکانہ) یہ دوزخ۔

وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝

اور اللہ ہی کے ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے●

(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے ہیں سارے لشکر آسمانوں اور زمین کے)۔ سب اسی کے مملوک اور مسخر ہیں، جیسے لشکر اپنے سردار کے مطیع ہوتے ہیں۔

اور یہ بات مکرر فرمانا مؤمنوں کے ساتھ وعدہ ہے تا کہ نصرتِ الٰہی پر قوی دِل رہیں اور منافقوں اور مشرکوں کے واسطے وعید ہے، تا کہ تکذیبِ ربانی سے ڈریں۔

(اور اللہ) تعالیٰ (زبردست حکمت والا ہے) یعنی اپنے ہر حکم میں غالب ہے اور دانا ہے اُس چیز میں جو حکم فرماتا ہے۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝

بے شک بھیجا ہم نے تم کو چشم دید گواہ، اور خوشخبری دینے والا، اور ڈر سنانے والا●

(بے شک بھیجا ہم نے تم کو چشم دید گواہ) تیری امت کے اقوال وافعال پر، اور اپنی وحدانیت پر۔

چونکہ نورِ محمدی ﷺ اوّل مخلوق ہے، اور اُس کی اوّلیت اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ اس لیے کہ تخلیق نورِ محمدی سے پہلے کسی مخلوق کا وجود نہیں تھا بلکہ ساری مخلوقات کی اصل نورِ محمدی ہی ہے۔ اسی حقیقت کو خود حضور ﷺ نے یوں ظاہر فرمایا، "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے

میرے نور کو پیدا فرمایا اور ساری مخلوق میرے ہی نور سے پیدا فرمائی گئی، اور میں اللہ تعالیٰ کے نور سے ہوں" یعنی ساری مخلوق اللہ تعالیٰ سے میرے واسطے سے فیض لے رہی ہے اور میں خدا سے براہِ راست فیض لے رہا ہوں۔

اِسی اولیت کی بنیاد پر حضور ﷺ سے قرآنِ کریم میں یہ کہلایا گیا کہ اگر بالفرض خدائے مہربان کا کوئی بیٹا ہوتا، تو اُس کا سب سے پہلا پجاری میں ہوتا، اس لیے کہ سب سے پہلی مخلوق میں ہوں۔۔قصہ مختصر۔۔جب 'نورِ محمدی' پیدا ہوا، تو اس وقت کوئی دوسری مخلوق تھی ہی نہیں، تو اُس نور نے کیا دیکھا؟ بلاشبہ واحد کو دیکھا اور اُس کی وحدانیت کو دیکھا۔ اَحد کو دیکھا اور اُس کی اَحدیت کو دیکھا۔ الحتصر۔۔بے مثل کو دیکھا اور اُس کی بے مثلی دیکھی، تو محمد رسول اللہ ﷺ وحدانیتِ حق کے چشم دید گواہ ہیں۔ آپ کے سوا سارے گواہوں کی گواہی آپ ہی کی گواہی پر جاکر تمام ہوتی ہے۔ جیسے کہ سن کر گواہی دینے والوں کی گواہی اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک دیکھنے والے کی گواہی سے اُس کی تصدیق وتائید نہ ہوجائے۔

اِس وضاحت سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی، چونکہ حضور ﷺ اوّل مخلوق ہیں تو جو بھی عدم سے وجود میں آتا گیا، 'نورِ محمدی' اس کا مشاہدہ کرتا رہا، تو وہ شاہدِ کائنات بھی ہوگیا۔

(اور) اُس کے سوا (خوش خبری دینے والا) بنایا، خاص کر کے ان کو جن کے دِل پر سکینہ نازل ہوئی۔ (اور ڈر سنانے والا) بنایا، خاص کر کے ان لوگوں کو جنہوں نے بُرا گمان کیا۔ پس اَے ہمارے حبیب! تم اپنی امت سے کہو کہ خوشخبری سنانے اور ڈرانے کے واسطے میرا بھیجا جانا اس واسطے ہے۔۔۔

لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ ۚ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَّاَصِيلًا ۝۹

تاکہ تم لوگ مان ہی جاؤ اللہ اور اُس کے رسول کو، اور تعظیم کرو اُن کی، اور توقیر کرو اُن کی، اور پاکی بولو اُس کی صبح وشام●

(تاکہ تم لوگ مان ہی جاؤ اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کو، اور تعظیم کرو اُن کی اور توقیر کرو اُن کی) اس لیے کہ آپ کی تعظیم حقیقت میں تعظیمِ حق ہے۔ (اور پاکی بولو) یعنی پاکی کے ساتھ یاد کرو (اس کی صبح وشام)۔۔یا۔۔اُس کے لیے نماز پڑھو صبح وشام۔

اس آیت کی تفسیر یوں بھی کی گئی ہے کہ۔۔۔

یہ رسول کی بعثت اس لیے ہے "تاکہ تم تصدیق کرو اللہ کی یعنی وحدانیت کے ساتھ اُس پر ایمان لاؤ، اور تصدیق کرو اس کے رسول کی اُس دعوے میں جو وہ کرتا ہے، اور تقویت دو اُس کے دین

کواور بزرگ رکھواس دین کے حکم کو، اور پاکی کے ساتھ یاد کرو اُسے ۔۔یا۔۔اس کے واسطے نماز پڑھو صبح وشام۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

بے شک جو بیعت کریں تمہاری، وہ بیعت کرتے ہیں اللہ ہی کی۔اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے،

فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ

تو جس نے عہد شکنی کی، تو وہ عہد شکنی کرتا ہے اپنے بُرے کو۔اور جس نے پورا کردیا جس پر عہد کیا تھا اللہ سے،

فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع ۹

تو جلد دے گا اُسے بڑا ثواب●

اَے محبوب! (بے شک جو بیعت کریں تمہاری) حدیبیہ وغیرہا میں (وہ بیعت کرتے ہیں اللہ) تعالیٰ (ہی کی)، اس واسطے کہ بیعت سے مقصود وہی ہے اور بیعت اُسی کی رضامندی ڈھونڈھنے کو ہے۔

اِس بیعت کا نام 'بیعتِ رضوان' ہے اور اِس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ آگے آتا ہے۔بعض عارفین کہتے ہیں کہ یہ 'مقامِ جمع' میں ہے اور حق تعالیٰ نے 'جمع' کا مرتبہ کسی کے واسطے تصریح نہیں فرمایا، مگر اُسی کے واسطے جو تمام موجودات میں 'اخص' اور 'اشرف' ہے، اور اُسی مقام سے ہے کہ۔۔۔مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔

(اللہ) تعالیٰ (کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے)، یعنی قوت اللہ کی اپنا وعدہ وفا کرنے میں کہ وہ ثوابِ آخرت ہے۔

۔۔یا۔۔

پیغمبر کی نصرت کے باب میں اُن کے ہاتھوں پر ہے عہد وفا کرنے،

۔۔یا۔۔

رسولِ مقبول ﷺ کی نصرت اور موافقت کرنے میں۔

معالم میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیعت کے وقت رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑتے تھے اور يَدُ اللّٰهِ اُن کے ہاتھوں پر تھا بیعت لینے اور بیعت کرنے میں۔

(تو جس نے عہد شکنی کی) اور اپنے عہد کو توڑا (تو وہ عہد شکنی کرتا ہے اپنے بُرے کو) اس لیے کہ اُس کا ضرر اُسی کو پہنچے گا۔

تین چیزیں اپنے کرنے والے کی طرف پھرتی ہیں: ا۔مکر،۲۔ظلم اور ۳۔عہد شکنی۔مکار، ظالم اور عہد شکن اپنے مکروظلم اور عہد شکنی کے ضرر کا خود ہی شکار ہو جاتے ہیں۔

(اور جس نے پورا کر دیا جس پر عہد کیا تھا اللہ) تعالیٰ (سے، تو جلد دے گا) حق تعالیٰ بہشت میں (اُسے بڑا ثواب)۔

روایت ہے کہ جب رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم عمرہ کی نیت سے مکہ شریف کی طرف متوجہ ہوئے، تو بعضے دیہاتیوں کو جیسے اسلم، جہینہ، مزینہ، غفار اور اشجع قبیلے والوں کو آپ نے مکتوب تحریر فرمایا کہ اس سفر میں میری موافقت اور مرافقت کرو، وہ قریش کے ساتھ لڑنے سے ڈرے اور بہانہ کر کے پیچھے رہ گئے۔حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو خبر دی کہ جب مدینے میں تم پہنچو گے۔۔تو۔۔

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا

اب کہیں گے تمہیں جو پیچھے رہ گئے تھے گنوار کہ "پھنسائے رکھا ہم کو ہمارے مال اور ہمارے اپنوں نے،

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَنْ

تو مغفرت کی دُعا کیجیے ہمارے لیے۔" بولتے ہیں اپنی زبانوں سے جو نہیں ہے اُن کے دِلوں میں۔پوچھو کہ "پھر کون

يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ

مجال رکھتا ہے تمہارے لیے اللہ کے آگے کچھ، اگر اُس نے چاہا تمہیں بگاڑنے کو، یا اُس نے چاہا تمہاری بنانے کو؟"

بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١١﴾

بلکہ اللہ جو کچھ کرتے رہتے ہو اُس سے خبردار ہے●

(اب کہیں گے تمہیں جو پیچھے رہ گئے تھے گنوار کہ پھنسائے رکھا ہم کو ہمارے مال اور ہمارے اپنوں نے)۔یعنی ہمارے مالوں کا کوئی نگہبان نہ تھا، تو اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ لاحق ہو گیا کہ ہماری عدم موجودگی میں اُسے کون بچائے گا، اور یہ بھی خیال دامن گیر ہو گیا کہ ہماری عدم موجودگی میں ہماری اولاد کا کوئی نگراں اور سرپرست نہ رہ جائے گا، اور وہ بیکسی کے سبب سے بے برگ اور بے نوا

ہو کے رہ جائے گی۔ (تو مغفرت کی دُعا کیجیے ہمارے لیے) اِس بات میں کہ ہم پیچھے رہ گئے اور آپ کی رفاقت میں حاضر نہیں رہے۔

(بولتے ہیں) یہ عذر کرنے والے (اپنی زبانوں سے جو نہیں ہے اِن کے دِلوں میں)۔ یعنی اِن کی یہ عذر خواہی اور مغفرت طلبی زبانی ہے اور اِن کے دِل کو نہ اس کی کچھ خبر ہے نہ اس کا کچھ اثر ہے دل سے وہ خوب سمجھ رہے ہیں کہ یہ ہماری بہانہ بازی ہے۔ تو اَے محبوب! اُن کی عرض کے جواب میں اُن سے (پوچھو کہ پھر کون مجال رکھتا ہے تمہارے لیے اللہ) تعالیٰ (کے آگے کچھ، اگر اُس نے چاہا تمہیں بگاڑنے کو یا اُس نے چاہا تمہاری بنانے کو)۔

یعنی اَے منافقو! تم نے اپنے اموال اور گھروں کو ضرر سے بچانے کی فکر کی، اور اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کو نظر انداز کر دیا۔ اور تم اپنے اموال اور گھروں کی حفاظت کی خاطر گھروں میں بیٹھے رہے۔ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں ضرر پہنچانا چاہے، تو تمہارا گھروں میں بیٹھنا تم کو اللہ کے ضرر سے بچا نہیں سکتا۔

۔۔یا۔۔تم اس لیے گھروں میں بیٹھے رہے کہ تم کو مسلمانوں کے ساتھ جہاد نہ کرنا پڑے، اور تمہارا یہ خیال تھا کہ تمہارے گھر تم کو دشمن سے بچالیں گے۔ اگر بالفرض تم نے دُنیا میں اپنے آپ کو خطرے سے بچالیا، تو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی بنا پر تم کو آخرت میں جو عذاب ہوگا، اُس سے تم کیسے بچ سکو گے؟ تم جو عذر پیش کرتے ہو وہ صحیح نہیں، (بلکہ اللہ) تعالیٰ (جو کچھ کرتے رہتے ہو اُس سے خبردار ہے) اور تمہارے تمام کاموں کی خبر رکھنے والا ہے۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّزُيِّنَ

بلکہ سمجھے تھے تم کہ "ہرگز نہ لوٹیں گے رسول اور مسلمان لوگ اپنے اپنوں کی طرف کبھی"، اور سنوار دی گئی تھی

ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۲﴾

یہ بات تمہارے دلوں میں، اور رکھ لی تھی تم نے بدگمانی۔ اور تم برباد ہونے والے لوگ تھے●

(بلکہ) صحیح بات یہ ہے کہ (سمجھے تھے تم کہ ہرگز نہ لوٹیں گے رسول اور مسلمان لوگ اپنے اپنوں کی طرف کبھی)۔۔چنانچہ۔۔منافقین کہہ رہے تھے کہ رسول اور مومنین کبھی بھی اپنے گھر کی طرف لَوٹ نہیں سکیں گے۔ آپ ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ موت کے منہ میں چلے گئے ہیں اور اب کبھی

واپس نہ آسکیں گے، اور یہ نفاق اُن کے دِلوں میں راسخ ہو چکا تھا۔ اور ان کا یہ بُرا گمان تھا کہ اللہ اپنے رسول کی مدد نہیں کرے گا، اور تم ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔

(اور سنواردی گئی تھی یہ بات تمہارے دلوں میں اور رکھ لی تھی تم نے بدگمانی)۔ یعنی شیطان نے پیغمبر اور اُن کے اصحاب کے نیست ونابود ہو جانے کا خیال تمہارے دِلوں میں راسخ کردیا تھا، اور دینِ خدا کے باطل ہو جانے اور ملتِ اسلام کے بے بنیاد ہو جانے کا تمہیں یقین ہو گیا تھا۔ اور تم نے یہاں تک سوچ لیا تھا کہ مشرکین، رسول اور اصحابِ رسول کو قتل کر ڈالیں گے اور اب آپ کی مدینہ واپسی نہ ہو سکے گی۔ اپنی اِس نیت **(اور)** عقیدے کی خرابی سے **(تم برباد ہونے والے لوگ تھے)**۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۳﴾

اور جس نے نہ مانا اللہ اور اُس کے رسول کو، تو ہم نے تیار کر رکھی ہے کافروں کے لیے دہکتی آگ●

سنو **(اور)** یاد رکھو! کہ **(جس نے نہ مانا اللہ)** تعالیٰ **(اور اُس کے رسول کو)** اور خدا اور رسول کے حکم کی دِل سے تصدیق نہیں کی **(تو ہم نے تیار کر رکھی ہے)** اُن **(کافروں کے لیے دہکتی آگ)**۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ

اور اللہ ہی کی ہے شاہی آسمانوں اور زمین کی۔ بخشے جسے چاہے اور عذاب دے

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۴﴾

جسے چاہے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے●

(اور) اللہ تعالیٰ کو عذاب دینے۔۔یا۔۔ مغفرت فرمانے سے کون روک سکتا ہے، اس لیے کہ **(اللہ)** تعالیٰ **(ہی کی ہے شاہی آسمانوں اور زمین کی)**۔ علوی اور سفلی امور سب اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ **(بخشے جسے چاہے اور عذاب دے جسے چاہے)**۔ اگر وہ چاہے تو بڑے بڑے گناہ بخش دے، اور اگر چاہے تو چھوٹے گناہ پر سزا دے۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ **(غفور رحیم ہے)** یعنی توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے اور اُن پر مہربان ہے۔

منقول ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ذی الحج ۶ھ میں حدیبیہ سے پھرے اور محرم ۷ھ میں جنگِ خیبر کی طرف متوجہ ہوئے اور حکم ہوا کہ جو کوئی حدیبیہ میں حاضر تھا وہی

اِس لڑائی میں چلے، اُس کے سوا اور کوئی ہمراہ نہ ہو۔ اور جب عزم بالجزم ہوا، تو مخالف بولے کہ اجازت دیجیے تا کہ ہم بھی ساتھ دیں اور خیبر میں آئیں۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انْطَلَقْتُمْ إِلَىٰ مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا

اب کہیں گے جو پیچھے بیٹھ رہے تھے، جہاں چل پڑے تم اموالِ غنیمت کی طرف کہ لے لو تم اُسے کہ" ہمیں آزادی دو کہ ہم بھی

نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ ۚ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ

چلیں تمہارے ساتھ۔" چاہتے ہیں کہ" بدل دیں اللہ کے وعدہ کو۔" کہہ دو کہ" ہرگز نہیں چل سکتے تم ہمارے ساتھ۔ ایسا ہی

قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ ۖ فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا ۚ

فرماچکا ہے اللہ پہلے سے۔" تو اب کہیں گے کہ" بلکہ تم حسد رکھتے ہو ہم سے۔"

بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾

بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں، مگر کم●

(اب کہیں گے جو پیچھے بیٹھ رہے تھے) یعنی وہ گنوار لوگ جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، جنگ حدیبیہ کے موقع پر جو اپنے گھروں ہی میں بیٹھے رہ گئے تھے، (جہاں چل پڑے تم اموالِ غنیمت کی طرف کہ لے لو تم اُسے)۔ اُس وقت وہ منافقین خواہش ظاہر کریں گے (کہ ہمیں آزادی دو کہ ہم بھی چلیں تمہارے ساتھ)۔ یہ مخالف لوگ (چاہتے ہیں کہ بدل دیں اللہ) تعالیٰ (کے وعدہ کو) یعنی اللہ تعالیٰ کے اُس حکم کو کہ اہلِ حدیبیہ کے سوا اور لوگ اِس لڑائی میں نہ جائیں۔ اِن سے (کہہ دو کہ ہرگز نہیں چل سکتے تم ہمارے ساتھ۔ ایسا ہی فرماچکا ہے اللہ) تعالیٰ (پہلے سے)۔ یعنی ہمارے مدینے میں پہنچنے سے پہلے۔۔ یا۔۔ ان لوگوں کے اکٹھا ہو کر اپنی عرض پیش کرنے سے پہلے۔

(تو اب کہیں گے کہ بلکہ تم حسد رکھتے ہو ہم سے) تا کہ غنیمت میں ہم تمہارے شریک نہ ہوں۔ اور ایسا نہیں ہے جیسا کہ مخالفین کہیں گے، (بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں مگر کم)۔

اُن کو شرکتِ جہاد سے روکنے کی خاص وجہ یہ ہے کہ مسلمان جو حدیبیہ سے خالی ہاتھ واپس آئے تھے اُس کی تلافی اور تدارک کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے خیبر کی غنیموں کا وعدہ فرمایا تھا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ جن لوگوں نے محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا

کے لیے سفر کی مشقتوں اور کفار کے ظاہری دباؤ کو برداشت کیا، ان کو آخرت میں جو اجرِ عظیم ملے گا وہ تو الگ ہے، اللہ تعالیٰ انہیں دُنیا میں بھی محروم نہیں رکھے گا، اور اُن کو اس سفر کے بدلہ میں خیبر کی غنیمتیں عطا فرمائے گا۔ حق تعالیٰ کی اِس حکمتِ بالغہ کو منافقین سمجھنے سے قاصر رہے اور اپنی کم عقلی اور بے شعوری کا مظاہرہ کر دیا۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ

کہہ دو پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے کہ "اب بُلائے جاؤ گے تم سخت جنگجو قوم کی طرف

تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ

کہ جہاد کرو اُن سے، یا وہ مسلمان ہو جائیں۔ اب اگر کہا مانو گے، تو دے گا تمہیں اللہ اچھا ثواب۔

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۹﴾

اور اگر پھر گئے تم جیسا کہ پھر گئے تھے پہلے، تو دے گا تمہیں دکھ والا عذاب"●

اَے محبوب! (کہہ دو پیچھے رہ جانے والے گنواروں سے، کہ اب بُلائے جاؤ گے تم سخت جنگجو قوم کی طرف)۔

جنگجو قوم سے کیا مراد ہے؟ اُس کے متعلق چند اقوال ہیں:

﴿۱﴾۔۔اہل یمامہ: مسیلمہ کذاب کے متابعوں میں سے۔

﴿۲﴾۔۔عرب کے وہ قبیلے جو نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے۔

﴿۳﴾۔۔ہوازن اور غطفان جنہوں نے آپ کی حیات میں حنین کے میدان میں جنگ کی۔

﴿۴﴾۔۔بعضوں نے کہا کہ فارس اور روم کے لوگ مراد ہیں۔

آیت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تم کو بڑے لڑنے والے لوگوں سے لڑنے کو بلائیں گے۔

تا (کہ) تم (جہاد کرو اُن سے یا) دوسری شکل یہ ہے کہ **(وہ مسلمان ہو جائیں)**۔ اگر یہ لوگ مرتد۔۔یا۔۔مشرک ہوں تو اُن کا حکم قتل ہے۔۔یا۔۔اسلام۔ اور اگر اُن کے سوا اہلِ کتاب ہوں تو اُن کا حکم قتل۔۔یا۔۔جزیہ ہے۔

اور اس تقدیر پر اسلام اُنقیاذ کے معنی میں ہے۔

(اب اگر کہا مانو گے) اُس کا جو تم کو ان لوگوں سے لڑنے کے لیے بُلانے والا ہے، **(تو دے گا تمہیں اللہ)** تعالیٰ **(اچھا ثواب)** دُنیا میں غنیمت اور عقبیٰ میں جنت۔ **(اور اگر پھر گئے تم، جیسا کہ**

پھر گئے تھے پہلے) سفرِ حدیبیہ کے موقع پر، (تو دے گا تمہیں دکھ والا عذاب)۔
مخالفوں کے حق میں جب یہ سب وعیدیں واقع ہوئیں تو ضعیف عاجز مسلمانوں نے اندیشہ کیا کہ ہم عاجزی اور ضعف کی وجہ سے جہاد میں نہیں جاسکتے ہیں، تو ہمارا حال کیا ہوگا؟ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ

نہیں ہے کوئی جرم اندھے پر، اور نہ لنگڑے پر، اور نہ بیمار پر۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ

اور جو کہا مانے اللہ اور اُس کے رسول کا، داخل کرے گا اُسے باغوں میں، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيْمًا ﴿۱۷﴾ ع

اور جو پھر جائے گا، دے گا اُسے دکھ والا عذاب●

(نہیں ہے کوئی جرم اندھے پر اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر)، یعنی یہ معذورین اگر لڑائی پر نہ جائیں تو اُن پر کوئی گناہ نہیں۔ (اور جو کہا مانے اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کا) جہاد وغیرہ میں، (داخل کرے گا) حق تعالیٰ (اُسے باغوں میں بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں۔ اور جو پھر جائے گا) خدا و رسول کے حکم سے، (دے گا اُسے) اللہ تعالیٰ (دکھ والا عذاب) جس کی تکلیف تمام ہی نہ ہو۔

اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ معذبین ایک طرف خدا کی مخالفت کے سبب دیدارِ خداوندی سے محروم رہیں گے، تو دوسری طرف رسول کی مخالفت کے سبب شفاعتِ رسول سے بھی محروم رہیں گے۔ نعوذ باللہ من الحرمان۔ اِن محرومیوں سے خدا کی پناہ۔

منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ میں اُترے، تو آپ نے حراش بن امیہ رضی اللہ عنہ کو مکہ معظمہ میں بھیجا، تا کہ اہلِ مکہ کو یہ بات بتادیں کہ رسول اللہ ﷺ عمرہ کے واسطے آئے ہیں لڑنے کے ارادے پر نہیں۔ اہلِ مکہ نے حراش رضی اللہ عنہ کو داخل ہونے اور بات کرنے سے روکا، تو آنحضرت نے دوسری بار حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو بھیجا، تو کافروں نے انہیں مکہ میں نظر بند کرلیا اور اُن کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اصحاب کو بلایا۔ یہ لوگ صحیح قول کے مطابق پندرہ سو بیس ۱۵۲۰ آدمی تھے۔ اُن سب نے اِس بات پر بیعت

کی کہ قریش کے ساتھ قتال کریں اور لڑائی سے منہ نہ پھیریں۔

آنحضرت ﷺ ببول کے درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ کشاف میں ہے کہ حضرت جب درخت کے نیچے بیٹھے، تو اُس کی ایک شاخ آپ کی پشتِ مبارک پر جھک پڑی۔ عبداللہ معقل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں کھڑا تھا حضرت ﷺ کے سر مبارک کے قریب اُس شاخ کو ہاتھ سے پکڑ کر پشت پر سے میں نے اٹھایا اور صحابہ نے بیعت کی قتل کرنے اور قتل ہو جانے پر کہ ہم ہرگز نہ بھاگیں گے۔ حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم آج تمام زمانہ کے لوگوں سے بہتر ہو۔

معالم میں حضرت جابر سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جن لوگوں نے درخت کے نیچے بیعت کی اُن میں سے ایک بھی دوزخ میں نہ جائے گا، اور اس بیعت کو 'بیعتِ رضوان' بھی کہتے ہیں، اس واسطے کہ حق تعالیٰ ان بیعت کرنے والوں سے راضی ہوا ،جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ

یقیناً ضرور راضی ہو گیا اللہ مسلمانوں سے جب بیعت کر رہے تھے تمہاری درخت کے نیچے۔ تو اُسے معلوم تھا

مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾

جو کچھ اُن کے دِلوں میں ہے، پھر اُتاری تسکین اُن پر، اور ثواب دیا اُنہیں جلد فتح پانے کا●

وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾

اور بہت سامالِ غنیمت جس کو وہ لوگ لیں۔ اور اللہ زبردست حکمت والا ہے●

(یقیناً راضی ہو گیا اللہ) تعالیٰ (مسلمانوں سے) یعنی بیعت کرنے والے صحابہ سے، (جب بیعت کر رہے تھے تمہاری) ببول کے (درخت کے نیچے۔ تو اُسے) یعنی حق تعالیٰ کو (معلوم تھا جو کچھ اُن کے دِلوں میں) اخلاص و وفا اور صدق و صفا (ہے۔ پھر اتاری تسکین) اور آرام (اُن پر اور ثواب دیا انہیں جلد فتح پانے کا)۔ فَتْحًا قَرِيْبًا سے مراد خیبر کی فتح ہے۔۔یا۔۔ مکہ معظّمہ کی۔۔یا۔۔ ہجر کی۔ (اور بہت سامالِ غنیمت جس کو وہ لوگ لیں) نقد و جنس اور باغ و مکان کی شکل میں خیبر وغیرہ کے یہود سے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (زبردست) ہے یعنی غالب اور اپنے دوستوں کو غلبہ دینے والا ہے۔ اور (حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے دشمنوں کے مغلوب ہونے کا۔۔اور۔۔

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ

وعدہ دیا تمہیں اللہ نے بکثرت غنیمتوں کا کہ لیتے رہو گے جنہیں، پھر جلدی فرمادی تمہارے لیے اُس کی، اور روک دیا

النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲۰

لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے۔ اور تا کہ ہو جائے نشانی مسلمانوں کے لیے، اور چلاتا رہے تم لوگوں کو سیدھی راہ●

(وعدہ دیا تمہیں اللہ) تعالیٰ (نے بکثرت غنیمتوں کا) روم اور فارس کے شہروں میں، بلکہ تمام عالَم کے اطراف میں (کہ لیتے رہو گے جنہیں) قیامت تک، جب جب اہلِ اسلام اور اہلِ کفر کی جنگ ہوتی رہے گی۔ (پھر جلدی فرمادی تمہارے لیے اس کی) یعنی خیبر کی غنیمتیں تم کو جلد عطا فرمادی۔

(اور روک دیا لوگوں کے ہاتھوں کو تم سے)، یعنی اہلِ خیبر اور اُن کے حلفاء کہ بنی اسد اور غطفان تھے۔ یہاں تک کہ یہود کے حلفاء بھی سب کے ہاتھ تم سے مقابلہ کرنے سے کوتاہ ہو گئے، اور کوئی بھی دست درازی کا مظاہرہ نہ کر سکا۔ چنانچہ۔۔ ڈر کر کوئی سامنے لڑائی کے لیے نہ آسکا اور تمہارے خوف سے قلعہ بند ہو گئے، یہاں تک کہ تم اُن سے صحیح وسالم بچے۔

(اور) خیبر کی غنیمتوں کو جلد از جلد تمہیں اس لیے عطا فرمادیا گیا، (تا کہ ہو جائے نشانی مسلمانوں کے لیے) فتح خیبر کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا قول سچ ہونے پر۔۔۔یا۔۔۔ غنیمتوں کے وعدہ میں اللہ جل شانہ کی بات سچ ہونے پر، یعنی تا کہ خدا اور سول کے وعدے کی سچائی ہر ایک پر ظاہر ہو جائے، اور کفار بھی دیکھ لیں کہ خدا اور سول نے فتح وغنیمت کے تعلق سے جو ارشاد فرمایا وہی بالکل سچ ثابت ہوا۔

(اور) مذکورہ بالا تعجیل میں نشانی ہونے کے سوا، یہ بھی حکمت تھی کہ تا کہ (چلاتا رہے تم لوگوں کو سیدھی راہ)۔ اور وہ توکل کی شاہراہ ہے اور فضلِ ازلی پر یقین اور وثوق کرنا اور لطف لم یزلی پر کام چھوڑنا ہے۔

اربابِ سیر اِس بات پر ہیں کہ جب حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے سفرِ حدیبیہ سے مراجعت فرمائی تو وعدہ: وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا اور ثواب دیا انہیں جلد فتح پانے کا۔۔۔کے حکم کے مطابق جنگِ خیبر کا سامان کیا اور ایک ہزار چار سو آدمی کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر تشریف لاکر خیبر کے قلعوں کی طرف متوجہ ہوئے اور 'منزلِ صہبا' سے 'مرجبہ' کی راہ پر روانہ ہوئے۔ ایک صبح کو 'وادی حرضہ' کی راہ سے خیبریوں کے قلعوں کے درمیان میں داخل ہوئے۔

وہ لوگ جس طرح بیلچہ وغیرہ کھیت اور باغ درست کرنے کے اوزار لے کر روز جاتے تھے، اُس دن بھی اُسی طرح بے خبری کے ساتھ اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئے، کہ ناگاہ لشکرِ اسلام

انہیں نظر آیا، وہ بولے کہ "قسم خدا کی محمد ﷺ ہیں اور اُن کا لشکر" اور اپنے قلعہ میں چلے گئے اور پھر قلعہ بند ہو کر قتل پر دِل مضبوط کرلیا۔ اور مسلمانوں نے پہلے 'نطاۃ' والوں سے جنگ کی اور وہ قلعہ لے لیا، پھر 'حصار شق' فتح ہو گیا۔

مغازی محمد بن اسحاق میں مذکور ہے کہ خیبر میں حضرت ﷺ نے 'حصن ناعم' فتح کیا، پھر 'نطاۃ' اور 'شق'۔ بعد اس کے یہود نے صعب بن معاص کے قلعہ میں پناہ لی، اور وہ بھی ایک سخت لڑائی کے بعد اُن سے لے لیا گیا۔ اُن کا کپڑا اور غلہ اور بہت کچھ مال و متاع مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ پھر 'حصار قموص' کے محاصرہ میں مشغول ہوئے، اور وہ قلعہ نہایت مستحکم تھا۔ وہاں بڑی سخت لڑائی ہوئی، آخر کو حضرت علی شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ہاتھ پر یہ قلعہ فتح ہوا۔

اُس قلعہ میں آپ نے مرحب خیبری کو قتل کیا اور قلعہ کا آہنی دروازہ اکھاڑ کر آپ نے اپنا سپر کیا اور یہود نے پناہ مانگی۔ یہاں بہت غنیمتیں صحابہ کے ہاتھ آئیں اور 'ابوالحقیق' کا خزانہ پایا۔ وہاں آنحضرت ﷺ کو زہر دیا گیا۔ بکری کا بچہ بھنا ہوا جس میں زہر ملا تھا، بولا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھ میں سے نہ کھایئے اس واسطے کہ مجھ میں زہر ملایا ہے۔ آگے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ فتح و غنیمت کے تعلق سے پہلا وعدہ تو وہ تھا جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔۔۔

وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرًا ۝۲۱

اور دوسری، کہ نہیں بس تھا تمہارا جس پر، بے شک گھیرے میں رکھا تھا اللہ نے جس کو۔ اور اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے ●

(اور دوسری) بات جس میں وعدہ کیا ہے تم سے غنیمتوں اور شہروں کی فتحوں کا **(کہ)** ابھی **(نہیں بس تھا تمہارا جس پر)**، یعنی ابھی تم اس پر قادر نہیں ہوئے تھے اور اُسے تم نہیں جانتے تھے۔ **(بے شک گھیرے میں رکھا تھا اللہ)** تعالیٰ **(نے جس کو)**۔

اِس سے ہوازن ۔۔یا۔۔ فارس اور روم اور شام کے شہروں کی غنیمتیں مراد ہیں، اور مجاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ قیامت تک جو فتح اِس اُمت کو حاصل ہو وہ سب اس میں داخل ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ **(ہر چاہے پر قدرت والا ہے)** جو چاہے کرے۔ جتنے شہروں پر چاہے فتح دلادے اور جتنی بھی غنیمتیں چاہے مسلمانوں کو عطا فرمادے۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۲۲

اور اگر جنگ کی تم سے جنہوں نے کفر کیا ہے، تو بھاگیں گے پیٹھ دکھا کر، پھر نہ پائیں گے کوئی یار اور نہ مددگار ●

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِىْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿۲۳﴾

اللہ کا دستور جو ہوتا رہا پہلے سے۔اور ہرگز نہ پاؤ گے اللہ کے دستور میں تبدیلی●

(اور اگر جنگ کی) حدیبیہ میں (تم سے جنہوں نے کفر کیا ہے) اور صلح نہ کی، (تو) یہی ہونے والا ہے کہ وہ (بھاگیں گے پیٹھ دکھا کر، پھر نہ پائیں گے کوئی یار) جو ان کا کارساز ہو اور ان کی نگہبانی کرے، (اور نہ مددگار) ہی کوئی ایسا ملے گا جو اُن کی مددگاری کرے۔(اللہ) تعالیٰ (کا دستور جو ہوتا رہا پہلے سے) یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ اپنے مخالف پر غالب رہے ہیں۔(اور ہرگز نہ پاؤ گے اللہ) تعالیٰ (کے دستور میں تبدیلی)، اور جو کچھ ازل میں مقدر اور مقرر ہوا، لامحالہ وہ ظاہر ہوگا اور کوئی اس میں تغییر وتبدیل نہیں کرسکتا۔

روایت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ حدیبیہ میں تھے تو اسی۸۰ آدمی اہلِ مکہ میں سے نماز کے وقت 'جبلِ تنعیم' پر سے نیچے دوڑے اور شب خوں مارا تاکہ صحابہ کو قتل کریں۔صحابہ نے غلبہ کرکے اُن کو گرفتار کرلیا اور حضرت ﷺ کی خدمت میں لائے۔آنحضرت ﷺ نے انہیں آزاد فرمادیا، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ

وہی ہے جس نے روک رکھا اُن کے ہاتھوں کو تم سے، اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے، وادئ مکہ میں۔

مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۲۴﴾

بعد اس کے کہ جتادیا تم کو اُن پر۔اور اللہ جو کچھ کرتے ہو اُس کا نگراں ہے●

اللہ تعالیٰ (وہی) قادرِ مطلق (ہے جس نے روک رکھا اُن کے ہاتھوں کو تم سے) محض اپنے فضل وکرم سے، یہاں تک کہ انہوں نے صلح کرلی۔(اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے وادئ مکہ میں) یعنی حدیبیہ میں، (بعد اس کے کہ جتادیا تم کو اُن پر)، یعنی تم کو اُن کے شب خوں مارنے والے اسی۸۰ سواروں پر غالب کردیا۔(اور اللہ) تعالیٰ تم (جو کچھ کرتے ہو اُس کا نگراں ہے)۔یعنی تمہارا کافروں سے خدا اور رسول کے حکم سے مقاتلہ کرنا اور خانۂ خدا کی تعظیم کی جہت سے اُن پر قابو پاکر بھی معاف کردینا اور چھوڑ دینا، یہ سارے تمہارے اعمال اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے۔وہ تم کو اُس کے سبب سے جزا دے گا۔

هُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ وَ الۡہَدۡیَ مَعۡکُوۡفًا

وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور روکا تمہیں مسجدِ حرام سے، اور قربانی کے جانور رُکا ہوا،

اَنۡ یَّبۡلُغَ مَحِلَّہٗ ؕ وَ لَوۡ لَا رِجَالٌ مُّؤۡمِنُوۡنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤۡمِنٰتٌ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡہُمۡ

کہ پہنچ جائے اپنی جگہ۔ بتادیا جاتا اگر نہ ہوتی یہ بات کہ" کچھ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، جنہیں تم لوگ نہیں جانتے،

اَنۡ تَطَـُٔوۡہُمۡ فَتُصِیۡبَکُمۡ مِّنۡہُمۡ مَّعَرَّۃٌۢ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ۚ لِیُدۡخِلَ اللّٰہُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ

یہ کہ روند ڈالو گے تم اُنہیں، پھر پہنچے تمہیں اُن کی طرف سے کوئی ضرر انجانی میں۔ تاکہ داخل فرمائے اللہ اپنی رحمت میں

مَنۡ یَّشَآءُ ۚ لَوۡ تَزَیَّلُوۡا لَعَذَّبۡنَا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمًا ﴿۲۵﴾

جسے چاہے۔" اگر وہ الگ ہوجاتے، تو یقیناً ہم عذاب دیتے اُنہیں جنہوں نے کفر کیا اُن میں سے، دکھ والا عذاب●

(وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور روکا تمہیں مسجدِ حرام سے) یعنی مسجدِ حرام کے طواف سے باز رکھا، **(اور قربانی کے جانور)** جو اونٹ قربانی کے واسطے لائے تھے **(رکا ہوا)**، یعنی جسے قربانی ہی کے لیے وقف کردیا گیا ہو اور محل قربانی تک پہنچنے کے لیے محبوس کردیا گیا ہو، **(کہ پہنچ جائے اپنی)** قربانی کی **(جگہ)** یعنی منیٰ میں۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ کفارِ مکہ نے چونکہ تم کو عمرہ سے منع کیا اور قربانی کو اُس کے محل پر نہ جانے دیا، اس وجہ سے قتال اور استیصال کے مستحق ہو گئے، مگر ہم تم کو امسال اُن کے قتال سے باز رکھتے ہیں ان مؤمنوں کی جہت سے جو مکہ میں ہیں۔

۔۔الغرض۔۔ **(بتادیا جاتا اگر نہ ہوتی یہ بات کہ کچھ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں)** جو مکہ میں ہیں جو اپنی کمزوری کے سبب سے ہجرت نہیں کرسکے ہیں اور اپنے ایمان کو چھپا رکھا ہے **(جنہیں تم لوگ نہیں جانتے)**، تو امکان ہے **(یہ کہ)** اپنی لاعلمی میں **(روند ڈالو گے تم انہیں پھر پہنچے تمہیں اُن کی طرف سے کوئی ضرر انجانی میں)** یعنی لاعلمی میں ایمان والوں کے قتل ہوجانے کا رنج وغم اور اس پر کافروں کی طرف سے یہ تکلیف دہ طعنہ کہ مسلمانوں نے اپنے دینی بھائیوں اور ہم مذہب لوگوں کو قتل کرڈالا۔ اور پھر تم پر قتل خطاء کا کفارہ لازم آتا۔

کیونکہ اگر مسلمان 'دارالحرب' میں رہنے والے کسی مسلمان کو قتل کردیں، جو اپنے ضعف کی وجہ سے دارالاسلام کی طرف ہجرت نہیں کرسکا ہو، تو اُس پر 'قتلِ خطاء' کی دیت لازم نہیں آتی، صرف 'کفارہ' لازم آتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ سورۂ نساء آیت ۹۲ میں ہے کہ "پس اگر وہ مقتول

تمہارے دشمن کی قوم میں رہنے والا ہواور وہ مقتول مؤمن ہوتواس کا کفارہ ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہے۔"

۔۔المختصر۔۔البتہ ہم تمہارے ہاتھ نہ روکتے، پس منع کیا ہم نے تم کو اہلِ مکہ کے قتل سے اُن ایمان والوں کی نگہبانی کے لیے جو اُن میں ہیں اور یہ اِس واسطے ہے، (تاکہ داخل فرمائے اللہ) تعالیٰ (اپنی رحمت میں جسے چاہے)۔

یہاں رحمت سے مراد نیکیوں کی زیادتی کی توفیق ہے اور بعض نے فرمایا اِس سے مقصود دینِ اسلام ہے۔

(اگر وہ) مؤمن (الگ ہو جاتے) اور جدا ہو جاتے کافروں سے اور مکہ میں نہ ہوتے، (تو یقیناً ہم عذاب دیتے انہیں جنہوں نے کفر کیا اُن) اہلِ مکہ (میں سے دکھ والا عذاب) عقبیٰ میں اور دُنیا میں قید وقتل کے سبب سے۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ

جب کہ کی کافروں نے اپنے دِلوں میں ہٹ، جاہلیت کی ہٹ، تو اُتارا اللہ نے

سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا

اپنی تسکین کو اپنے رسول پر، اور مسلمانوں پر اور لازم کر دیا اُن پر خوفِ خدا کے کلمہ کو، اور تھے وہ

أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٦﴾ ع ۹ ۱۱

زیادہ حقدار اور اہلیت والے اُس کے، اور اللہ ہر ایک کا جاننے والا ہے●

اَے محبوب! یاد کرو (جبکہ کی کافروں نے اپنے دلوں میں ہٹ) یعنی تعصب، تکبر اور (جاہلیت کی ہٹ) اور غیرت کا مظاہرہ کیا، اور انہوں نے باہم یہ بات کہی کہ محمد ﷺ کو اور اُن کے یاروں کو مکہ میں ہم آنے کی اجازت نہ دیں گے، اس واسطے کہ انہوں نے بدر اور اُحد میں ہمارے باپ بھائیوں کو قتل کیا ہے۔ قسم لات اور عزیٰ کی کہ ہم یہی چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے مکانوں اور ہمارے شہر میں نہ آئیں۔

جب انہوں نے اپنا یہ جھگڑا پیش کیا، (تو اتارا اللہ) تعالیٰ (نے اپنی تسکین) یعنی آرام اور وقار (کو اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر)، کہ انہوں نے مقابلہ اور مقاتلہ نہیں کیا اور صلح پر راضی ہو کر

معاودت اور واپسی کی۔ اور سہیل بن عمرو جو صلح نامہ کا باعث تھا، اُس نے ہرگز اجازت نہ دی کہ صلح نامہ پر بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ لکھیں اور راضی نہ ہوا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ تحریر کریں، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے (اور لازم کر دیا ان پر خوفِ خدا کے کلمہ کو) یعنی انہیں کلمۂ تقوی پر مستحکم کر دیا۔

کلمۂ تقویٰ سے مراد کلمۂ شہادت ہے۔۔یا۔۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ہے کہ اہلِ مکہ نے اُس کو پسند نہ کیا۔۔یا۔۔کلمہ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ کہ اس کو لکھنے کی اجازت نہ دی۔

(اور تھے وہ زیادہ حقدار اور اہلیت والے اس کے)۔۔الغرض۔۔کلمۂ اخلاص کے حقدار مسلمان ہی ہیں نہ کہ کفار، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دین کے لیے اور اپنے نبی کی رفاقت کے لیے مختص فرمالیا ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کا جاننے والا ہے)۔

حدیبیہ کی واپسی کے بعد کوئی اپنی قلتِ تامل سے یہ سوچ سکتا ہے کہ ہمارے رسول کے خواب کی تعبیر سچ نہ ہوئی، اور ہم نے خانۂ خدا کا طواف نہ کیا، اور اُس جگہ پر سر منڈانا، بال کٹوانا ہم ادا نہ کر سکے، ممکن ہے کہ بعض منافقین نے ایسا سوچا بھی ہو اور کہا بھی ہو، تو اِس طرح کی سوچ کا قلع قمع کرنے کے لیے آیتِ کریمہ نازل ہوئی کہ۔۔۔

لَقَدۡ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوۡلَهُ الرُّءۡيَا بِالۡحَقِّ ۚ لَتَدۡخُلُنَّ الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ

بے شک اللہ نے سچ دکھادیا اپنے رسول کو خواب بالکل ٹھیک کہ "ضرور داخل ہوگے تم مسجدِ حرام میں،

اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيۡنَ ۙ مُحَلِّقِيۡنَ رُءُوۡسَكُمۡ وَمُقَصِّرِيۡنَ ۙ لَا تَخَافُوۡنَ ؕ

ان شاء اللہ امن وامان سے۔ منڈاتے اپنے سروں کو، اور کترواتے۔ نہ خوف کھاؤ گے تم۔

فَعَلِمَ مَا لَمۡ تَعۡلَمُوۡا فَجَعَلَ مِنۡ دُوۡنِ ذٰلِكَ فَتۡحًا قَرِيۡبًا ۝

تو اللہ نے جان لیا جو تم لوگوں نے نہ جانا۔ تو کر دیا اُس کے پہلے ایک قریب کی فتح کو۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (نے سچ دکھادیا اپنے رسول کو خواب بالکل ٹھیک، کہ ضرور داخل ہوگے تم مسجدِ حرام میں)، حق تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کے مطابق اگلے برس، (انشاء اللہ امن وامان سے۔ منڈاتے اپنے سروں کو اور کترواتے) یعنی بعض منڈائیں گے اور بعض کتروائیں گے، اور حال یہ ہوگا کہ (نہ خوف کھاؤ گے تم) کسی سے، (تو اللہ) تعالیٰ (نے جان لیا) ازل میں (جو تم لوگوں نے نہ جانا) کہ حکمت عمرہ کی تاخیر میں ہے۔

(تو کر دیا اس کے پہلے)، یعنی عمرۂ قضا کے لیے مسجد حرام میں داخل ہونے سے پہلے (ایک قریب کی فتح کو) تمہارے واسطے مقرر۔ اور وہ خیبر کی فتح ہے تاکہ عمرہ کی تاخیر کا رنج مسلمانوں کے دلوں سے جاتا رہے اور اس فتح کے سبب سے خوشدل ہو جائیں۔۔ الختصر۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایک سال کی تاخیر سے عمرہ کرنے میں مسلمانوں کے لیے خیر اور صلاح ہے اور تم اُس چیز کو نہیں جانتے تھے۔

کیونکہ نبی ﷺ حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد خیبر کی طرف گئے اور اس کو فتح کر لیا، اور خیبر سے مسلمان بہت زیادہ اموالِ غنیمت لے کر آئے اور حدیبیہ کے بعد اگلے سال مسلمانوں کی تعداد اور اُن کی قوت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

پھر جب فتح مکہ کرنے گئے، تو آپ کے ساتھ دس۱۰ ہزار مسلمان تھے، اور قریشِ مکہ چند گھنٹوں کی لڑائی میں دس بارہ ہزار آدمی قتل کرا بیٹھے، اور پھر انہوں نے اجتماعی طور پر شکست قبول کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فاتحانہ شان سے مسجدِ حرام میں داخل ہو گئے، اور مکہ میں نصب سارے بت توڑ ڈالے اور **جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ** کا نعرہ بلند فرمایا۔ اور حضرت بلال نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی۔۔۔

اِس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ مسلمانوں کو کس سال عمرہ کے لیے مسجد حرام میں داخل ہونا ہے، اور مسلمانوں کو یہ علم نہیں تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ کو علم تھا کہ مکہ میں مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ہیں اور حدیبیہ پر حملہ کی صورت میں وہ روندے جائیں گے اور مسلمانوں کو یہ علم نہ تھا۔

بعض مفسرین نے 'فتح' سے 'فتح مکہ' مراد لیا ہے۔ اور اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ **فَتْحًا قَرِيبًا** سے 'صلح حدیبیہ' مراد ہے جس کے بعد اسلام میں بہت فتوحات ہوئیں، کیونکہ اُس صلح کے بعد قریش کے ساتھ جنگ ختم ہو گئی، لوگ امن اور عافیت میں آ گئے۔ دین اسلام کے برحق ہونے اور شرک کے باطل ہونے پر گفتگو اور بحث شروع ہو گئی۔ اور جو شخص بھی اسلام پر غور کرتا وہ مسلمان ہو جاتا، اور اُس کے بعد دو۲ سالوں میں اِس قدر لوگ اسلام میں داخل ہوئے کہ اِس سے پہلے کبھی اتنے داخل نہ ہوئے تھے۔

چھ۶ ہجری میں مسلمانوں کی تعداد چودہ۱۴۰۰ سو تھی اور اِس دو۲ سال کے بعد فتح مکہ کے سال مسلمانوں کی تعداد دس۱۰۰۰۰ ہزار تھی، اور یہ مسلمانوں کی بہت بڑی فتح تھی۔ یہ فتح مبین عطا فرمانے والا خدا۔۔۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ

وہ وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ، تاکہ غالب کردے اُسے

عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۲۸﴾

ہر ایک دین پر۔ اور اللہ کافی گواہ ہے●

(وہ وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ) یعنی ہدایت حق اور احکام بیان کرنے کے ساتھ۔۔نیز۔۔دینِ حق یعنی اسلام کے ساتھ، (تاکہ غالب کردے اُسے) یعنی اُس دین کو (ہر ایک دین پر)۔ یعنی اور دین اگر حق ہو تو اُس کے احکام منسوخ کردے، اور اگر باطل ہو تو اُس کو جڑ سے اکھاڑ دے۔

غلبہ کی تین۳ شکلیں ہیں:

﴿۱﴾۔۔آپ کو تمام ادیان کے اوپر دلائل کے ساتھ غلبہ عطا فرمائے۔

﴿۲﴾۔۔آپ کی شریعت تمام شریعتوں کے لیے ناسخ ہوجائے۔ بحمدہٖ تعالیٰ اسلام کے غلبے کی یہ دونوں شکلیں آج بھی موجود ہیں اور انشاء المولیٰ تعالیٰ قیامت تک موجود رہیں گی۔

﴿۳﴾۔۔غلبہ کی تیسری شکل یہ ہے کہ جہاد کے ذریعہ آپ کو غلبہ عطا فرمائے۔ مختلف مقامات پر اور مختلف اوقات میں یہ غلبہ بھی حاصل ہوتا رہا، اور انشاء المولیٰ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کے بعد اِس خبر کا ظہورِ کامل بھی ہوجائے گا اور ساری دُنیا میں اسلام کے سوا کوئی دین یا تو موجود ہی نہ ہوگا، یا ہوگا مگر مقہور و مغلوب ہوگا۔

اَے محبوب! اگر سہیل بن عمرو قرشی کا اِس بات پر اصرار ہے کہ صلح نامہ میں 'محمد رسول اللہ ﷺ' نہ لکھیں، بلکہ 'محمد ابن عبداللہ' لکھیں، تو اُس کا غم نہ کریں اس لیے کہ آپ کی نبوت (اور) رسالت پر (اللہ) تعالیٰ (کافی گواہ ہے)۔ وہ تو ارشاد فرما ہی رہا ہے۔۔۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ

کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو اُن کے اصحاب ہیں، سخت ہیں کافروں پر، رحم دِل ہیں آپس میں،

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ

اُنہیں دیکھو گے رکوع کرتے ہوئے، سجدہ میں پڑے ہوئے، چاہتے ہیں فضل کو اللہ سے اور خوشنودی کو۔ اُن کی پہچان ہے

فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ښ وَمَثَلُهُمْ

اُن کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے۔ یہ بیان ہے اُن کا توریت میں، اور ذکر ہے اُن کا

فِي الْاِنْجِيْلِ ښ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي

انجیل میں کہ "جیسے کھیتی ہے جس نے نکالی اپنی سوئی، پھر اُسے قوت دی، پھر موٹی ہوئی، پھر اپنی جڑ پر

سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

کھڑی ہوگئی، بھلی لگنے لگی کاشتکاروں کو" تاکہ جل بھنیں اُس سے سارے کافر۔ وعدہ دیا اللہ نے اُنہیں، جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝۲۹ ع

اور نیکیاں کیں اُن میں سے، مغفرت اور بڑے ثواب کا●

(کہ محمد اللہ) تعالیٰ (کے رسول ہیں۔ اور جو اُن کے اصحاب ہیں سخت) اور کڑے (ہیں کافروں پر) اور (رحم دل ہیں آپس میں)۔ یعنی ایک دوسرے پر مہربان ہیں۔ (انہیں دیکھو گے رکوع کرتے ہوئے سجدہ میں پڑے ہوئے)، یعنی وہ اکثر اوقات نماز میں مشغول رہتے ہیں۔

یہ سب صفتیں صحابہ کرام کی ہیں مگر اِن الفاظ میں اشارہ خواصِ اصحاب کی طرف ہے، جو اِن صفات سے بدرجہ کمال متصف ہیں۔۔ چنانچہ۔۔ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صفت ہے، اس واسطے کہ قرب اور معیت اور مصاحبت اور رفاقت کے ساتھ گھر اور غار اور سفروں میں آپ مخصوص ہیں۔ اور اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صفت ہے، اس واسطے کہ مشرکوں اور منافقوں کے ساتھ آپ نہایت سخت اور کڑے تھے۔

اور سارے علماء اِس بات پر متفق ہیں کہ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ حضرت عثمان ذوالنورین کی صفت ہے، اس واسطے کہ آپ کی نرم دلی اور حیاء اور دلنوازی اور وفا مشہور و معروف ہے۔ خالق اور خلائق، سب کے نزدیک آپ اِن صفتوں اور نشانوں سے موصوف اور موسوم ہیں۔ اور رُكَّعًا سُجَّدًا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے حال کی شرح ہے، اس واسطے کہ آپ کے اکثر اوقات عبادت ہی میں گزرتے تھی، یہاں تک کہ ہر شب ہزار بار نماز شروع کرنے میں اللہ اکبر کہنے کی آواز خلوت سے آپ کے آستانِ عالی کے خادموں کے کان میں پہنچتی تھی۔ یہ سارے بزرگ۔۔۔

(چاہتے ہیں فضل کو اللہ) تعالیٰ (سے اور) اس کی (خوشنودی کو۔ اُن کی پہچان ہے اُن کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے)، یعنی نماز کا اثر ان حضرات کی نورانی پیشانیوں سے ظاہر تھا، اس

سطے کہ نمازی کا چہرہ اہلِ دِل کی نظر میں آفتابِ تاباں ہے، کیونکہ جورات کو بہت نماز پڑھتا ہے دن کو
کا چہرہ اورنورانی ہوتا ہے۔

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ جب روحیں قربِ الٰہی کی برکت سے صاف ہوگئیں، تو معرفت کے نور چہروں سے ظاہر ہوجاتے ہیں۔

(یہ بیان ہے اُن کا توریت میں اور ذکر ہے اُن کا انجیل میں)۔ یعنی اُن بزرگوں کے تعلق سے یہ وصف جو مذکور ہوا انہیں صفتوں کے ساتھ ان کا توریت وانجیل میں بھی ذکر ہے۔۔چنانچہ۔۔ ریت وانجیل میں ان کے تعلق سے یہ مثال دی گئی ہے۔۔۔

(کہ جیسے کھیتی ہے جس نے نکالی اپنی سوئی)۔ یعنی اس کی چھوٹی شاخ میں اکھوا پھوٹتا ہے اور ئی نکلتی ہے، (پھر اُسے قوت دی)، یعنی اپنی اس شاخ کو قوی کیا، (پھر موٹی ہوئی پھر اپنی جڑ پر) سیدھی کھڑی ہوگئی)۔ پہلے بیج تھا، پھر نرم گھاس ہوتی ہے، اور آخر کو درخت ہوجاتا ہے۔ (بھلی لگے کاشتکاروں و)۔ یعنی اُس کی قوت اور تیاری اور سیدھا کھڑا ہونا ان امور نے کاشتکاروں کو خوش کردیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی محنت ضائع نہیں ہونے دی اور ان کی کھیتی ان کے سامنے لہلہاتی بارآور نظر آئی۔

اِس مثال میں یہ خوبی ہے کہ اس میں رسولِ کریم اور آپ کے اصحاب کے مساعیٔ جمیلہ کی طرف بہت لطیف انداز میں اشارہ ہوجاتا ہے، اس واسطے کہ پہلے دعوتِ اسلام ضعیف تھی، پھر کسی قدر بڑھی اور قوت پکڑی اور پھر مضبوط ہوکر سیدھی قائم ہوگئی، اور اہلِ عالم کے تعجب کا سبب ہوئی۔ تو اِس مثال میں سیدنا محمد ﷺ گویا کھیت ہیں، اور اس کی کونپلیں آپ کے اصحاب ہیں جو پہلے کم تعداد میں تھے پھر بتدریج زیادہ ہوتے گئے۔ اور اُس کھیت کو بڑھانا اور پروان چڑھانا یہ کام اللہ تعالیٰ نے آپ کے اور آپ کے اصحاب کے لیے کیا۔۔۔

(تاکہ جل بھنیں اُس سے سارے کافر)۔

امام قشیری نے فرمایا کہ یہ آیت اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں ہے، تو جوکوئی اُن پر غصہ کرے اور اُن کے ساتھ دشمنی رکھے وہ کافروں کی رَوِش اپنا رہا ہے۔

(وعدہ دیا اللہ) تعالیٰ (نے انہیں جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں اُن میں سے) یعنی ان سب سے حق تعالیٰ نے (مغفرت اور بڑے ثواب کا) وعدہ فرمایا ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا اور وہ جنت ہے۔

اختتام سورۃ الفتح ۔۔ ۱۱ر جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۳ر مئی ۲۰۱۲ء، بروز پنج شنبہ

ابتداء سورۃ الحجرات ۔۔ ۱۱؍جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۳؍مئی ۲۰۱۲ء

سورۃ الحجرات ۴۹ مدنیۃ ۱۰۶ — اٰیاتہا ۱۸ رکوعاتہا ۲

سُوْرَۃُ الْحُجُرٰتِ

سورۂ حجرات ۔۔ ۴۹ مدنیہ ۱۰۶ — آیاتہا ۱۸ ۔۔ رکوعاتہا ۲

اِس سورۂ مبارکہ کا نام 'الحجرات' ہے، جو اِسی سورت کی آیت ۴ سے ماخوذ ہے۔ اِس سورہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ کا ادب اور احترام تمام فرائض سے بڑھ کر فرض ہے، بلکہ 'جزوِایمان' ہے۔ اِس کے سوا بعض معاشرتی آداب کی وضاحت ہے اور ان کے سوا بھی بہت ساری صلاح وفلاح سے متعلق ہدایتیں ہیں۔ ایسی بارگاہِ نبوت کے آداب اور باعزت زندگی گزارنے کا طریقہ سکھانے والی سورۂ مبارکہ کو ۔۔ یا ۔ تلاوتِ قرآن کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ

اَے ایمان والو! نہ بڑھو اللہ اور اُس کے رسول کے آگے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ①

اور ڈرتے رہو اللہ کو۔ بے شک اللہ سننے والا علم والا ہے●

(اَے ایمان والو! نہ بڑھو) یعنی نہ آگے بڑھاؤ اپنے اقوال (اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کے) قول کے (آگے)۔ یعنی بات نہ کرو رسولِ مقبول ﷺ کے بات کرنے سے پہلے ۔۔ یا ۔ آپ سے امر ونہی میں جلدی نہ کرو ۔۔ یا ۔ قرآن اور حدیث کے معنی اور تاویل میں رسول اللہ ﷺ پر سبقت نہ کرو، اس واسطے کہ آپ اس کے معنی اور تاویل خوب جانتے ہیں۔ (اور ڈرتے رہو اللہ) تعالیٰ (کو) قول اور فعل میں پہل اور جلدی کرنے سے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (سننے والا) ہے تمہاری باتیں اور (علم والا ہے)، یعنی جاننے والا ہے تمہارے کام۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ

اَے ایمان والو! نہ اونچی کروا پنی اپنی آوازوں کو، آنحضرت کی آواز پر۔ اور نہ چلّاؤ وہاں

بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ

بات کرنے میں ایک دوسرے سے چلّانے کی طرح، کہ اکارت ہوجائیں گے تمہارے اعمال،

وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝۲

اور تم بے خبر ہی رہو گے●

(اَے ایمان والو! نہ اونچی کروا پنی اپنی آوازوں کو آنحضرت کی آواز پر)۔ یعنی یہ ادب ہے کہ جب بات کرو تو آپ کی آواز سے بلند آواز نہ نکالو۔ **(اور نہ چلّاؤ وہاں بات کرنے میں ایک دوسرے سے چلّانے کی طرح)**۔ یعنی اُس بارگاہ میں اِس طرح چلّا کر مت بولو جس طرح تم ایک دوسرے سے آپس میں چلّا کر بات کرتے ہو۔

بعض مفسرین نے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو نام اور کنیت کے ساتھ نہ پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو، بلکہ آپ کو یا نبی اللہ، یا رسول اللہ، یا حبیب اللہ، کہہ کر پکارا کرو۔

۔۔الختصر۔۔ ہر حال میں لوازم ادب کی رعایت کرتے رہو، کیوں (کہ) تمہاری جسارت اور بے ادبی کے سبب **(اکارت ہوجائیں گے تمہارے اعمال اور تم بے خبر ہی رہو گے)**۔

بے شک: من ترك الادب رد عن الباب جس نے بے ادبی کی وہ مردودِ درگاہ ہے۔ تو لاکھوں برس ابلیس نے جو طاعت اور عبادت کی تھی، ایک بے ادبی میں ضائع ہوگئی۔

روایت ہے کہ ثابت بن قیس جو بلند آواز تھے ہمیشہ آنحضرت سے باآوازِ بلند ہی بات کرتے، جب یہ آیت نازل ہوئی تو اپنے گھر بیٹھ رہے اور گریہ وزاری میں مشغول ہوئے۔ یہ خبر آنحضرت ﷺ کو پہنچی، آپ نے اُن کو بلایا اور فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ عرض کی یا رسول اللہ! میرے کان میں گرانی ہے اور میں اونچا سنتا ہوں، اس لیے میں آپ کی مجلس میں بلند آواز سے بات کرتا ہوں۔ میں ڈرا کہ میرے عمل حبط اور ضبط ہوگئے ہوں گے۔ حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تُو اِس پر راضی نہیں ہے کہ زندہ بھی خیر کے ساتھ رہے اور مرنے پر بھی خیر کے ساتھ رہے، یعنی شہید ہو اور تُو جنتی ہو۔ ثابت نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اس خوشخبری سے بے شک خوش ہوا، اور ہرگز آپ کے سامنے آواز بلند نہ کروں گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَہُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ

بے شک جو پست رکھیں اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے پاس، تو وہی ہیں کہ

امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۳﴾

کھرا کر دیا اللہ نے اُن کے دِلوں کو خوفِ خدا کے لیے۔ اُنہیں کے لیے مغفرت ہے اور بڑا ثواب●

(بے شک جو پست رکھیں اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے پاس) اور ادب کے ساتھ آہستہ سے بات کریں، (تو وہی ہیں کہ کھرا کر دیا اللہ) تعالیٰ (نے اُن کے دِلوں کو)۔ یعنی آزمائش کرلی ہے (خوفِ خدا کے لیے)۔ یعنی اُن کے دِلوں کو قبولِ تقویٰ کے واسطے چن لیا ہے۔

'کشف الاسرار' میں ہے کہ پاکیزہ کیا ہے اللہ نے اُن کے دِلوں کو، اور امتحان کا معنی پاکیزہ کرنا ہے۔ جس طرح جس سونے کو گھریا میں رکھتے ہیں تا کہ اُس کی میل جل جائے اور خالص سونا رہ جائے، تو اُسے کہتے ہیں کہ یہ سونا آزمایا ہوا ہے۔

(انہیں) پاک دِلوں (کے لیے مغفرت ہے) گناہوں سے (اور بڑا ثواب) یعنی اجرِ عظیم ہے۔

روایت ہے کہ رسولِ مقبول نے ایک لشکر 'بنی العنبر' کے قبیلوں میں سے ایک قبیلے کی طرف بھیجا، وہ لشکر چند قیدی مدینہ منورہ میں لایا۔ بنی تمیم کے کچھ لوگ اُن قیدیوں کے پیچھے پیچھے مدینے میں آئے۔ دوپہر کا وقت تھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آرام فرمارہے تھے۔ یہ لوگ حجرہ شریفہ کے دروازے پر جاتے تھے اور چلاتے تھے، کہ اَے محمد ﷺ باہر آیئے، ہمارے قیدیوں کا فیصلہ فرمایئے۔ آخر حضرت جاگ پڑے اور باہر تشریف لائے۔ اور انہی لوگوں میں سے ایک کو حکم کیا۔ اُس نے حکم دیا کہ نصف قیدیوں سے فدیہ لیجیے اور نصف آزاد کردیجیے۔ آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ ﴿۴﴾ وَ لَوۡ

بے شک جو پکاریں تم کو حجروں کے باہر سے، اُن کے بہتیرے عقل نہیں رکھتے● اور اگر

اَنَّہُمۡ صَبَرُوۡا حَتّٰی تَخۡرُجَ اِلَیۡہِمۡ لَکَانَ خَیۡرًا لَّہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵﴾

وہ رُکے رہتے، یہاں تک کہ برآمد ہوتے تم خود اُن کی طرف، تو یقیناً بہتر ہوتا اُن کے لیے۔ اور اللہ غفور رحیم ہے●

(بے شک جو پکاریں تم کو حجروں کے باہر سے اُن کے بہتیرے عقل نہیں رکھتے) اور ادب کی حمایت نہ جانتے ہیں اور نہ کرتے ہیں۔ (اور اگر وہ رُکے رہتے) اور صبر کرتے (یہاں تک کہ برآمد ہوتے تم خود اُن کی طرف، تو یقیناً بہتر ہوتا اُن کے لیے) کیونکہ اس طرح وہ بے ادبی سے بچ جاتے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے اُن لوگوں کو جو بے ادبی سے توبہ کریں۔ اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے اہلِ ادب پر جو سید الانبیاء کی تعظیم کرتے ہیں، اِس واسطے کہ ادب رحمت کو کھینچتا اور رحمت نعمت کو کھینچتی ہے۔

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے نوّیں برس ولید بن عقبہ کو قبیلہ بنی المصطلق کے پاس بھیجا تا کہ اُن سے زکوٰۃ تحصیل لائیں۔ ان لوگوں اور ولید کے درمیان زمانہء جاہلیت میں خون ہو گیا تھا۔ جب انہوں کے ولید کے آنے کی خبر سنی تو پرانی عداوت سے درگزرے اور نئی محبت کی بنیاد ڈالی۔

بہت لوگ تعظیم کی راہ سے استقبال کے واسطے باہر آئے۔ ولید سمجھے کہ مقابلہ اور مقاتلہ کے لیے آتے ہیں۔ پس بھاگ کر رسولِ مقبول ﷺ کے پاس آئے اور عرض کی کہ بنی المصطلق مرتد ہو گئے ہیں، انہوں نے میرے قتل کا ارادہ کیا تھا اور زکوٰۃ دینے سے انکار کیا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک گروہ کے ساتھ اُن پر بھیجا اور فرمایا کہ اُن کے کام میں بڑی احتیاط کرنا اور جلدی نہ کرنا۔ حضرت خالد گئے اور ایک شخص کو ان لوگوں میں روانہ کیا کہ اُن کا حال دریافت کر آئے۔ اُس نے جا کر دیکھا کہ اذان کہتے ہیں، جماعت سے نماز پڑھتے ہیں، اسلام کا طریقہ اُن سے ظاہر ہے۔ وہ پھر آیا اور حضرت خالد سے کیفیت کہی، حضرت خالد نے رسولِ مقبول ﷺ سے حال عرض کیا، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا

اے ایمان والو! اگر لے آیا تمہارے پاس کوئی فاسق کسی خبر کو، تو خوب تحقیق کر لو، کہ مصیبت ڈال بیٹھو

قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۝۶

کسی قوم پر بے خبری میں، تو رہ جاؤ جو کر گزرو اُس پر پچھتانے والے●

(اَے ایمان والو! اگر لے آیا تمہارے پاس کوئی فاسق) یعنی جھوٹا، فرمانبرداری سے باہر نکلا ہوا (کسی خبر کو) جو وحشت دلانے والی ہو اور رنج کی باعث ہو اور وہ خبر خلاف واقع کے کہے، (تو) سنتے ہی یقین نہ کرلو بلکہ (خوب تحقیق کرلو)۔ ایسا نہ ہو (کہ مصیبت ڈال بیٹھو کسی قوم پر بے خبری میں)، یعنی انہیں کافر سمجھ کر قتال کر بیٹھو اور حقیقت میں وہ مسلمان ہوں۔ (تو رہ جاؤ جو کر گزرو اُس پر پچھتانے والے)۔۔ الحاصل۔۔ کسی فاسق کی دی ہوئی خبر پر اعتماد کر کے کام میں جلدی نہ کر بیٹھا کرو تاکہ ندامت ہونے کا نشان تم پر نہ ظاہر ہو جائے۔۔۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ

اور جان لو کہ "بلاشبہ تم میں رسول اللہ ہیں، اگر مان لیا کریں تمہاری بہت سے کاموں میں، تو یقیناً تم مشقت میں پڑ جاتے،

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ

لیکن اللہ نے محبوب بنا دیا تمہیں ایمان کو، اور سجا دیا اُسے تمہارے دِلوں میں، اور ناگوار کر دیا تمہیں کفر

وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۝ۙ

و نافرمانی و بے حکمی کو۔" وہی ہیں رشد و ہدایت والے ●

(اور جان لو کہ بلاشبہ تم میں رسول اللہ ہیں)، اُن کی تعظیم مقتضی اِس کو ہے کہ اُن کے حضور میں جھوٹ اور بے ہودہ باتیں نہ عرض کرو، تو (اگر مان لیا کریں تمہاری بہت سے کاموں میں) بلا تحقیق اور تمہاری رائے پر کام کیا کریں، (تو یقیناً تم مشقت میں پڑ جاتے) اور ہلاک ہو جاتے۔ (لیکن) ایسا نہیں ہوا، اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (نے محبوب بنا دیا تمہیں ایمان کو اور سجا دیا اُسے تمہارے دلوں میں، اور ناگوار کر دیا تمہیں کفر و نافرمانی و بے حکمی کو)۔۔ المختصر۔۔ تم خدا کی حفاظت و نگرانی میں ہو، تو بھلا تم ایمان و توحید کو چھوڑ کر کفر و فسق اور نافرمانی کی راہ پر کیسے چل سکتے ہو۔ (وہی ہیں رشد و ہدایت والے)۔ یعنی جنہوں نے خبریں تحقیق کرلیں، وہ ہیں راہ پائے ہوئے صلاح کی طرف۔ اور ایمان کو زینت دینا اور کفر سے پاک کرنا یہ سب۔۔۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۸

اللہ کا فضل و کرم۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے ●

(اللہ) تعالیٰ (کا فضل وکرم) ہے، یعنی اُس فضل کے سبب سے ہے جو کچھ اس کی طرف سے پہنچا اور نعمت ہے اُس کی بارگاہ سے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے وہ جانتا ہے خبر دینے والوں کا سچ اور جھوٹ۔ اور (حکمت والا ہے) حکم کرنے والا اور محکم کار ہے بندوں کے امور میں۔ اُس کی حکمتوں میں یہ بھی ایک حکمت ہے کہ خبروں کی تحقیق کا حکم فرمایا، اس واسطے کہ جھوٹی خبروں سے انواع و اقسام کے فتنے اور فساد پیدا ہوتے ہیں۔

روایت ہے کہ عبداللہ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ اور ابن ابی سے آنحضرت ﷺ کے حضور جھگڑا ہوا اور یہاں تک نوبت آئی کہ دونوں کی قوم سے مدد پہنچی، اور سخت سست کہنے سے حرب و ضرب تک مہم کھنچی۔ ابن ابی اگرچہ کھلا ہوا منافق تھا مگر اُس کی برادری کے اکثر لوگ مسلمان تھے، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔۔۔

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ

اور اگر دو گروہ مسلمانوں کے باہم لڑ پڑیں، تو صلح کرادو اُن کے درمیان۔ پھر اگر زیادتی کی

اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ

ایک نے دوسرے پر، تو لڑ جاؤ اُس سے جو زیادتی کر رہا ہے، یہاں تک کہ وہ رجوع لائے اللہ کے حکم کی طرف۔

فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ

تو اگر رجوع لائے تو صلح کرادو اُن کے درمیان انصاف سے، اور انصاف سے کام لیا کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۹

بے شک اللہ پسند فرماتا ہے انصاف والوں کو●

(اور) ارشاد فرمایا کہ (اگر دو گروہ مسلمانوں کے باہم لڑ پڑیں تو صلح کرادو اُن کے درمیان) نصیحت کر کے، اور اُنہیں بلاؤ خدا اور رسول کے حکم کی طرف۔ (پھر اگر زیادتی کی ایک نے دوسرے پر) اور صلح سے عدول کرے اور خدا کے حکم پر راضی نہ ہو، (تو لڑ جاؤ اُس سے جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ رجوع لائے اللہ) تعالیٰ (کے حکم کی طرف) اور خدا کا حکم مان لے۔

(تو اگر رجوع لائے) وہ باغی گروہ حق کی طرف اور ظلم چھوڑ کر وہ لوگ احکام شرع کے مطیع ہو جائیں، (تو صلح کرادو اُن کے درمیان انصاف سے) اور ان کی اصلاح کرو دو راستی کے ساتھ۔

(اور) اس طرح کے معاملات میں ہمیشہ (انصاف سے کام لیا کرو)، یعنی راہِ حق سے نہ ہٹو اور کسی ایک طرف جھک نہ جاؤ۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (پسند فرماتا ہے انصاف والوں کو) جو قول اور فعل میں قاعدۂ عدالت کی رعایت کرتے ہیں، اس واسطے کہ بادشاہی اور دین کا مدار کار عدل پر ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ

سارے مسلمان بھائی ہی ہیں، تو صلح کرادو اپنے بھائیوں میں، اور اللہ کو ڈرو کہ تم رحم کیے جاؤ•

جب (سارے مسلمان بھائی ہی ہیں) ایک دوسرے کے دین میں، اس لیے کہ سب منسوب ہیں ایک ہی اصل کی طرف اور وہ ایمان ہے، (تو صلح کرادو اپنے بھائیوں میں) ان کے درمیان جب کسی طرح کا خلاف واقع ہو۔

ذکر کرنے میں دُو بھائیوں کی تخصیص اِس جہت سے ہے کہ جس کے درمیان لڑائی ہوتی ہے، وہ کم از کم دُو آدمی ہوتے ہیں۔۔۔یا۔۔اوس اور خزرج کی اولاد مراد ہو اور وہ دُو بھائی تھے۔ آیتِ کریمہ کا شانِ نزول عموم کے منافی نہیں، تو یہ حکم قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (کو ڈرو) یعنی عذابِ الٰہی سے ڈرو حکم کی مخالفت کرنے میں، تا (کہ تم رحم کیے جاؤ) یعنی تمہیں اپنے تقویٰ پر امید رکھنی چاہیے کہ تم پر رحم کیا جائے جیسے تم رحم کے مستحق ہو۔

روایت ہے کہ بنی تمیم کا ایک گروہ فقیر صحابہ پر ہنستا تھا، جیسے حضرت عمار بن یاسر، حضرت سلمان فارسی، حضرت بلال، حضرت خباب اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہم پر، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی کہ۔۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ عَسَىٰ أَن يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ

اَے ایمان والو! نہ ہنسی اڑائیں مَرد کسی مَرد کی، بہت ممکن ہے کہ وہ بہتر ہوں اُن ہنسی اڑانے والوں سے۔

وَلَا نِسَاءٌ مِّن نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَن يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۖ وَلَا تَلْمِزُوا أَنفُسَكُمْ

اور نہ عورتیں عورتوں سے، ہوسکتا ہے وہ بہتر ہوں ہنسی اڑانے والیوں سے۔ اور نہ طعنہ دیا کرو اپنوں کو،

وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ۖ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ ۚ

اور مت بُرے بُرے رکھو آپس میں نام۔ کتنا بُرا نام ہے نافرمانی کرنے کا ایمان لانے کے بعد۔

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١١﴾

اور جس نے توبہ نہ کی، تو وہی زیادتی کرنے والے ہیں●

(اَے ایمان والو!) خیال رہے کہ (نہ ہنسی اڑائیں مرد کسی مرد کی، بہت ممکن ہے کہ وہ بہتر ہوں اُن ہنسی اڑانے والوں سے۔ اور نہ عورتیں عورتوں سے) تمسخر کریں، (ہوسکتا ہے وہ بہتر ہوں ہنسی اڑانے والیوں سے۔ اور نہ طعنہ دیا کرو اپنوں کو) یعنی اپنے دین والوں کو، اِس واسطے کہ سب مؤمن ایک ذات کے مثل ہیں، تو جس نے دوسرے کی عیب جوئی کی اُس نے خود اپنی عیب جوئی کی۔

(اور مت بُرے بُرے رکھو آپس میں نام)۔ اگر کوئی نصرانی اور کوئی یہودی مسلمان ہو جائے، تو اُن کو ایمان والا کہہ کر ہی پکارو، اَے یہودی! اَے نصرانی! کہہ کر آواز نہ دو۔ ازراہِ مذاق بھی ایسا کہنا صحیح نہیں۔ اِسی طرح کسی مؤمن کو فاسق اور منافق کہنا بھی جائز نہیں، کیونکہ (کتنا بُرا نام ہے نافرمانی کرنے کا ایمان لانے کے بعد)۔ یعنی مؤمن کو فسق کے ساتھ یاد کرنا اور اُسے یہود و نصاریٰ کہنا کتنا بُرا نام دینا ہے اور کیسی زبردست بدنامی ہے، جبکہ وہ ایمان قبول کر چکا ہے۔ (اور جس نے توبہ نہ کی) اِن منع کی ہوئی باتوں سے، (تو وہی زیادتی کرنے والے ہیں) اپنے نفس پر کہ اپنے کو محلِ عتاب میں لاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ

اَے ایمان والو! بچو بہتیرے گمان سے۔ بلاشبہ کوئی کوئی گمان گناہ ہوتا ہے، اور عیب جوئی نہ کیا کرو،

وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ

اور نہ غیبت کرے ایک دوسرے کی۔ کیا پسند کرے گا تم میں کوئی کہ "کھائے اپنے مرے

اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢﴾

بھائی کا گوشت۔" اُس کو تو تم نے ناگوار قرار دیا۔ اور ڈرتے رہو اللہ کو۔ بے شک اللہ توبہ قبول فرمانے والا رحم والا ہے●

(اَے ایمان والو! بچو) اور پرہیز کرو (بہتیرے گمان سے۔ بلاشبہ کوئی کوئی گمان گناہ ہوتا ہے)، یعنی اُن سے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔

گمان کی چار قسمیں ہیں:

ایک وہ جس کا حکم ہو: وہ نیک گمان کرنا ہے خدا کے ساتھ اور مؤمنوں کے ساتھ۔ حدیث

میں ہے کہ نیک گمان کرنا ایمان میں سے ہے۔

دوسرا احرام: اور وہ خدا اور مؤمنوں کے ساتھ بُرا گمان کرنا، کیونکہ یہ موجب گناہ ہے۔

تیسرا مستحب: وہ قبلہ کے باب میں اپنے دِل سے حکم لینا ہے اور امورِ اجتہادی میں غلبہ ظن پر بنیاد قائم کرنا۔

چوتھا مباح: اور وہ امورِ دُنیا میں اور معیشت کے کاروبار میں گمان اور خیال کرنا ہے۔ اِس صورت میں بھی وہی گمان ہونا چاہیے جو سلامتی اور کاموں کے انتظام کا موجب ہو۔

روایت ہے کہ 'آیاتِ حرمت غیبت و تجسس' کے نزول سے پہلے اکابر صحابہ سے دو آدمیوں نے بعض سفر میں سلمان رضی اللہ عنہ کو رسولِ مقبول ﷺ کے پاس بھیج کر کچھ خرچ۔۔یا۔۔کھانا مانگا۔ حضرت ﷺ نے حضرت اسامہ پر حوالہ فرمایا۔ حضرت اسامہ نے کہا کہ میرے پاس تو کوئی کھانے کی چیز نہیں۔ حضرت سلمان واپس آئے اور حال بیان کر دیا۔

اُن دونوں صحابی نے حضرت سلمان کی غیبت میں کہا کہ سلمان کا قدم ایسا ہے اگر چاہ سمیحہ پر جائیں تو اُس کا پانی خشک ہو جائے، اور حضرت اُسامہ کی غیبت میں کہا کہ اُن کے پاس کھانا تھا مگر انہوں نے بخل کیا۔ پھر کھوج میں پڑے کہ آیا اسامہ نے سچ کہا واقعی اس کے پاس کھانا نہ تھا یا ہم سے بخل کیا۔ دوسرے روز جب دونوں صحابی جنہوں نے غیبت کی تھی رسولِ مقبول ﷺ کی خدمت میں آئے، تو آپ نے فرمایا یہ گوشت کی سرخی کیا ہے جو میں تمہارے دانتوں میں دیکھتا ہوں؟ وہ بولے کہ ہم نے تو گوشت نہیں کھایا۔ حضرت نے فرمایا میں کھانے کا گوشت نہیں کہتا ہوں۔ اور یہ آیت نازل ہوئی کہ اَے ایمان والو! دھیان رکھو۔۔۔

(اور عیب جوئی نہ کرو) جیسا کہ اُسامہ کے امر میں تم بدگمان ہوئے اور کھوج کیا۔ (اور) چاہیے کہ (نہ غیبت کرے ایک دوسرے کی) جیسا کہ سلمان کے باب میں کی۔ اور یہ [illegible] کوئی غائبانہ ایسی بات دوسرے کو کہے کہ اگر اُن کے [illegible]

غیبت بُری چیز ہے حق تعالیٰ اُس کی یہ مثال دیتا ہے کہ۔۔۔

(کیا پسند کرے گا تم میں) سے (کوئی کہ کھائے اپنے مرے بھائی کا گوشت، اُس کو تو) نے ناگوار قرار دیا)۔ اسی طرح غیبت میں کراہت کرتے رہو۔

مُردے کی مثال شاید اس لیے دی گئی ہو کہ جس طرح غائبانہ طور پر جس کی بُرائی کی گئی،

تو وہ عذر و معذرت نہیں کرسکتا، نہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکتا۔ تو بالکل ایسا ہی ہے جیسے کسی مُردہ کا کوئی گوشت نوچے اور وہ مزاحمت نہ کرسکے۔ اس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اگر بالفرض کسی کی صحیح اور واقع کے مطابق ایسی بات اس کے غائبانہ بیان کریں جو آپ اس کے سامنے بیان کرتے، تو اس کو بُری لگتی تو یہی غیبت ہے۔

اور مذکورہ مثال کا تعلق اُسی سے ہے۔ اور اگر آپ نے کسی کے تعلق سے غلط بات کہہ دی تو یہ بہتان ہے جو اُس سے بھی بدتر ہے۔۔ہاں۔۔ کسی فاسق و فاجر اور ظالم و جابر کے فسق و فجور، ضلالت و گمراہی ظلم و جبر کو اس لیے بیان کرنا کہ لوگ اُس کے شر سے اپنے کو بچا سکیں، اس کا شمار ممنوع غیبت میں نہیں ہے۔

۔۔الحاصل۔۔اَے ایمان والو! تقویٰ کی زندگی اختیار کرو (اور ڈرتے رہو اللہ) تعالیٰ کے غضب (کو) غیبت کرنے کے سبب سے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (توبہ قبول فرمانے والا) ہے اُن کی جو غیبت کرنے سے توبہ کریں۔ اور (رحم والا ہے) اُس پر جو غیبت کرنے سے باز آئے۔

فتح مکہ کے دن زبان درازوں کے ایک گروہ نے حضرت بلال کی غیبت اُس وقت کی جب وہ بیت الحرام "زادھا اللہ تعظیما اشرفا" کی چھت پر اذان کہنے میں مشغول تھے، اور ان غیبت کرنے والوں نے ایک یہ بات کہی کہ کیا محمد ﷺ کو اس کالے کوّے کے سوا اور کوئی اذان کہنے والا نہیں ملا، اور حضرت بلال کے نسب پر اعتراض کرنے لگے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ

اَے لوگو! بلاشبہ ہم نے پیدا فرمایا تم سب کو ایک مَرد اور ایک عورت سے، اور بنا دیا تمہیں کئی شاخیں اور کئی قبیلے، تا کہ باہم

لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

پہچان رکھو۔ بے شک تمہارا زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے، بے شک اللہ علم والا خبردار ہے●

(اَے لوگو! بلاشبہ ہم نے پیدا فرمایا تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے)، یعنی حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام سے۔ جب تم سب ایک ہی ماں باپ سے ہو تو اپنے نسب پر فخر اور دوسرے کے نسب پر طعن کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ لہٰذا جو کوئی قبیلوں اور قرابت داروں پر ناز کرتا ہے اُسے چاہیے کہ سمجھ لے کہ یہ باہمی پہچان کے واسطے ہیں، تفاخر کے واسطے نہیں۔

جیسا کہ حق تعالیٰ خود فرماتا ہے۔۔۔

(اور بنا دیا تمہیں کئی شاخیں اور کئی قبیلے تا کہ باہم پہچان رکھو) ایک دوسرے کی اور تمیز کر لیے جاؤ۔

یعنی اگر دو آدمی ہمنام ہو تو 'قبیلے' سے تمیز کر لیے جاؤ، جیسے زید قریشی اور زید تمیمی اور جاننا چاہیے کہ 'شعبے' مشتمل ہیں 'قبیلوں' پر۔ مثلاً: خزیمہ شعبی چند 'قبیلوں' پر مشتمل ہے کہ ایک اُس میں سے کنانہ ہے، اور قبیلہ 'عمائر' پر مشتمل ہے، جیسے قریش 'عمارہ' ہے کنانہ سے۔ 'عمارہ' چھوٹے قبیلے کو کہتے ہیں۔

اور 'عمائر' کے بعد 'بطون' ہیں، جیسے لوئی کہ قریش میں سے ایک 'بطن' ہے۔ اُس کے بعد 'افخاذ' ہیں جیسے ہاشم کہ ایک 'فخذ' ہے لوی سے۔ پھر 'عشائر' ہیں عباس ہاشم سے۔ اُس کے بعد 'فصیل' ہوتا ہے، اور وہ اہلِ بیت ہیں جیسے بنی عباس۔ اور بعضوں نے کہا کہ 'شعوب' قحطان سے ہوئے ہیں اور 'قبائل' عدنان سے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ 'شعبے' عجم سے ہیں اور 'قبیلے' عرب سے۔

اور بہر تقدیر **(بے شک تمہارا زیادہ عزت والا اللہ)** تعالیٰ **(کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے)** اور پرہیزگار ہے، اُس واسطے کہ پرہیزگاری سے نفسوں کو کمال کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ جو پرہیزگاری میں بہت بڑھ کر ہے، اس کا قدم مرتبۂ کمال میں بہت بڑھا ہوا ہے کہ:

اَلشَّرَفُ بِالْعِلْمِ وَالْاَدَبِ لَا بِالْاَصْلِ وَالنَّسَبِ

حقیقتاً علم وادب ہی باعثِ شرف ہے صرف اور صرف اصل ونسب کی وجہ سے شرافت نہیں حاصل ہوتی۔

۔۔۔ہاں۔۔۔ یہ ضرور ہے علم وادب اور تقویٰ و پرہیزگاری سے بزرگ ہو جانے والے کی بزرگی میں، اصل ونسب کی شرافت چار چاند لگا دیتی ہے [illegible] کی ہو جاتی ہے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ **(علم والا)** ہے تمہاری اصل کا اور تمہارے نسب کا، اور **(خبردار ہے)** تمہارے علم اور ادب سے۔

روایت ہے کہ بنی اسد کا ایک گروہ مدینہ منورہ میں آیا اور یہ لوگ کلمۂ شہادت کا اظہار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یا رسول اللہ! تمام عرب آپ کے پاس تنہا آئے ہیں، اور ہم اہل

وعیال کے ساتھ آئے ہیں۔اکثر عرب نے آپ کے ساتھ قتال کیا اور ہم باگ روکے رہے ۔۔غرضیکہ۔۔ایمان لاکر رسولِ مقبول پر احسان جتاتے تھے۔حق تعالیٰ نے فرمایا کہ۔۔۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ

بولے گنوار کہ "ہم نے مان لیا۔" کہہ دو کہ "تم نے مانا نہیں،" لیکن کہو کہ "ہم دب گئے۔" "اور ابھی نہیں داخل ہوا

الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا یَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَیْــٴًـا ؕ

مان جانا تمہارے دِلوں میں۔" اور اگر کہا مانو اللہ اور اُس کے رسول کا، تو نہ کمی فرمائے گا تمہاری تمہارے اعمال سے کچھ،

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾

بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(بولے) بنی اسد اور غطفان کے (گنوار کہ ہم نے مان لیا)۔اَے محبوب! اُن سے (کہہ دو کہ تم نے مانا نہیں)۔اس لیے کہ ایمان کہتے ہیں 'تصدیقِ قلبی' کے ساتھ 'زبانی اقرار' کو، اور تم کو 'اقرار' ہے اور 'تصدیق' نہیں، تو تم یہ نہ کہو کہ ہم ایمان لے آئے، (لیکن کہو کہ ہم دب گئے) یعنی قید وقتل سے ڈر کر بظاہر اطاعت قبول کر لی اور کلمہء اسلام پڑھ دیا۔

(اور) حقیقتِ حال یہ ہے کہ (ابھی نہیں داخل ہوا مان جانا تمہارے دلوں میں)، تو تمہارے دِل تمہاری زبان کے موافق نہیں۔ (اور اگر کہا مانو اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کا) یعنی اگر فرمانبرداری کرو گے اللہ اور اُس کے رسول کی اخلاص کے ساتھ اور نفاق سے درگزر و گے، (تو نہ کمی فرمائے گا) حق تعالیٰ (تمہاری تمہارے اعمال سے کچھ)، بلکہ تمام وکمال تم کو پہنچائے گا۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے وہ گناہ جو اطاعت کرنے والوں سے صادر ہوا ہو، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے اُن پر کہ اُن کو پورے اجر عطا فرماتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا

مان جانے والے وہی ہیں جو مان گئے اللہ اور اُس کے رسول کو، پھر ذرا شک نہ کیا، اور جہاد کیا

بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴿۱۵﴾

اپنے اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں۔ وہی ہیں سچے●

حقیقت میں (مان جانے والے وہی) لوگ (ہیں جو مان گئے اللہ) تعالیٰ (اور اس کے رسول کو) خلوصِ نیت کے ساتھ۔ (پھر ذرا شک نہ کیا) دِل میں زبان سے اقرار کرنے کے بعد۔ (اور) اپنے ایمان کی حقیقت کو ظاہر کرنے کے لیے (جہاد کیا اپنے مال) سے، یعنی غازیوں کی مالی مدد کی اور اُن کے لیے ہتھیار خریدے۔ (اور جان سے) اپنی ذاتوں سے کفار کی لڑائی میں شریک ہوئے (اللہ) تعالیٰ (کی) رضا و خوشنودی (کی راہ میں)، تو (وہی ہیں سچے) اپنے دعویٰ ایمان میں۔

یہ آیت نازل ہونے کے بعد اُسی گروہ نے آکر قسم کھائی کہ ہم سچے مؤمن ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِیْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ

کہہ دو کہ "کیا جتاتے ہو اللہ کو اپنا دین۔" اور اللہ جان رہا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔

وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۶﴾

اور اللہ ہر ایک کا جاننے والا ہے●

اَے محبوب! (کہہ دو کہ کیا جتاتے ہو اللہ) تعالیٰ (کو اپنا دین) اور ایمان پر جھوٹی قسم کھاتے ہو؟ (اور) حال یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (جان رہا ہے جو کچھ آسمانوں) میں علوی خلائق ہیں (اور جو کچھ زمین میں ہے) یعنی سفلی مخلوق۔ (اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کا جاننے والا ہے)۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ

احسان دھرتے ہیں تم پر کہ مسلمان ہوگئے۔ کہہ دو کہ "مت احسان رکھو مجھ پر اپنے اسلام کا۔" بلکہ اللہ

یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۷﴾

احسان رکھتا ہے تم پر کہ راہ دی تمہیں ایمان کی، اگر تم سچے ہو●

اور اَے محبوب! یہ لوگ (احسان دھرتے ہیں تم پر کہ مسلمان ہوگئے) اور اسلام قبول کرلیا۔ (کہہ دو کہ مت احسان رکھو مجھ پر اپنے اسلام کا بلکہ اللہ) تعالیٰ (احسان رکھتا ہے تم پر کہ راہ دی تمہیں ایمان کی اگر تم سچے ہو) اپنے دعویٰ ایمان میں۔

ع ۲ ۸ ۱۴

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

بے شک اللہ جانتا ہے سارا غیب آسمانوں اور زمین کا۔ اور اللہ نگراں ہے جو کچھ تم کر رہے ہو●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (جانتا ہے سارا غیب آسمانوں اور زمین کا)، یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں پوشیدہ ہے اللہ تعالیٰ اُن سب سے باخبر ہے۔ (اور) یقیناً (اللہ) تعالیٰ (نگراں ہے جو کچھ تم کر رہے ہو)۔ یعنی ایمان ظاہر کرنا اور نفاق چھپانا اللہ تعالیٰ اِن سب باتوں کو دیکھ رہا ہے۔

سورۂ حجرات۔۔۱۳/ جمادی الآخری ۱۴۳۳ھ۔۔ مطابق۔۔۵/ مئی ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ

سورۂ ق۔۔۱۴/ جمادی الآخری ۱۴۳۳ھ۔۔ مطابق۔۔۶/ مئی ۲۰۱۲ء، بروز یکشنبہ

سورۃ ق ۵۰ مکیۃ ۳۴ | **سُوْرَةُ ق** | ایاتہا ۴۵ رکوعاتہا ۳

سورۂ ق۔۔ ۵۰ مکیہ ۳۴ — آیاتہا ۴۵۔۔ رکوعاتہا ۳

اِس سورہ کا نام 'ق' ہے۔ اِسی حرف مقطعہ سے اِس کا آغاز فرمایا گیا ہے۔ اِس سے پہلے 'سورہ حجرات' میں اعراب کا ذکر فرمایا گیا تھا جنھوں نے زبان سے کہا تھا کہ ہم ایمان لائے اور درحقیقت وہ ایمان نہیں لائے تھے، اس لیے کہ وہ نبوت اور مرنے کے بعد اُٹھنے کا اِنکار کرتے تھے۔ اور اِس سورہ میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ مکہ کے مشرکین نبوت کا اور مرنے کے بعد اُٹھنے کا اِنکار کرتے تھے۔ اِس کلمہءمبارکہ سے رب تعالیٰ کی اپنی مراد کیا ہے، وہ وہی جانتا ہے۔۔یا۔۔ اُسی کے بتانے سے وہ محبوب جانیں جن پر اِس کلمہ کو نازل فرمایا گیا۔۔یا۔۔ اُس محبوب کے خبر دینے سے حق تعالیٰ کے دوسرے محبوبین جانیں۔

اہلِ تاویل کے نزدیک یہ بعینہٖ خدا کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔۔یا۔۔ قرآن کا نام ہے۔۔یا۔۔ اسم قادر، قدیر، قہار، قدوس اور قیوم کی کنجی اور ابتداء ہے۔۔یا۔۔ کلمہ قِف کی طرف اشارہ ہے، یعنی اَے محبوب! جس پر تُو مامور ہوا ہے اس عمل پر ٹھہر اور قائم رہ۔ امام ابواللیث نے کہا کہ 'قاف' کا معنی یہ ہے "اللّٰہ قائم بالقسط"۔۔یا یہ۔۔ قسم ہے قدرتِ خدا اور قربِ الٰہی کی، کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ کا بھید اِس سورت میں اس کی خبر دیتا ہے۔۔یا۔۔ اپنے حبیب کی قوتِ قلب کی قسم ارشاد فرماتا ہے۔ ایسی سورۂ مبارکہ کو

(الفرقان ۷)

جس کے نام ہی میں اسرار ورموز کے سمندر کو سمودیا گیا ہے۔۔یا۔قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور ایمان والوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

قٓ ۚ وَالۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۚ﴿۱﴾ بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ

ق۔۔۔قسم ہے قرآن مجید کی • بلکہ اچنبے میں پڑ گئے لوگ کہ آ گیا اُن کے پاس ڈرسنانے والا اُنہیں میں سے،

فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۚ﴿۲﴾

تو بولے کافر لوگ "یہ عجیب چیز ہے •

(قٓ)۔۔۔قسم ہے قادر وقدیر اور قہار وقدوس وقیوم کی،اور (قسم ہے) اُس کے کلام (قرآنِ مجید کی)،سب لوگ مرنے کے بعد پھر اٹھائے جائیں گے اور کافر اس بات پر ایمان نہیں لاتے ہیں۔ (بلکہ اچنبے میں پڑ گئے) یہ کافر (لوگ، کہ آ گیا اُن کے پاس ڈرسنانے والا انہیں) کی جنس (میں سے، تو بولے کافر لوگ یہ) محمد ﷺ کو رسالت کے واسطے برگزیدہ کرلینا (عجیب چیز ہے) اور عجب کام ہے،اور مرنے کے بعد پھر دوبارہ اٹھائے جانے والی اُن کی بات نہایت حیرت میں ڈال دینے والی بات ہے۔

ءَاِذَا مِتۡنَا وَکُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ ﴿۳﴾

کیا جب ہم مر چکے،اور ہو گئے مٹی؟ یہ دوبارہ واپسی دُور ہے" •

(کیا جب ہم مر چکے اور ہو گئے مٹی)،تو ہم کو کیا پھر عالَمِ حیات کی طرف پھیریں گے اور ہماری روح جسم میں کیا پھر آئے گی؟ (یہ) ہماری (دوبارہ واپسی) زندگی کی طرف عادت وامکان سے بہت (دُور) کی بات (ہے)۔

تو حق تعالیٰ نے اُن کی بات رد کرنے کو فرمایا کہ۔۔۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ﴿٤﴾

بے شک ہم جانتے رہے جو کچھ گھٹادے گی زمین اُنہیں۔اور ہمارے یہاں نوشتہ ہے یادداشت والا●

(بے شک ہم جانتے رہے جو کچھ گھٹادے گی زمین انہیں)۔یعنی ایک شخص جب مرنے کے بعد زمین میں دفن کردیا جاتا ہے، تو اُس کے گوشت، پوست اور ہڈی میں زمین جو اور جتنی کمی کرتی ہے اُن سب کی تفصیلات (اور) ذرّے ذرّے کی تشریحات کو محفوظ رکھنے کے لیے (ہمارے یہاں نوشتہ ہے یادداشت والا)۔

یعنی ایک کتاب ہے اُن تمام تفصیلات پر نگاہ رکھنے والی۔تو جو کچھ اُن میں سے خاک ہوگیا ہے ہم جانتے ہیں۔۔۔یا۔۔لوحِ محفوظ میں اُن کے مندرس اور متغیر ہونے کا حال، ان کی تعداد اور ناموں کے ساتھ مفصل لکھا ہے، اُسے بھی ہم نہیں بھولتے۔تو فنا کے بعد اُن کو پھر دوبارہ زندہ کردینا ہم پر کچھ دشوار نہیں ہے۔اور ایسا نہیں ہے جو وہ کہتے ہیں۔۔۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ﴿٥﴾

بلکہ جھٹلایا اُنہوں نے حق کو جب کہ آچکا اُن کے پاس، تو وہ، "کبھی یہ کبھی وہ" میں پڑے ہیں●

(بلکہ جھٹلایا انہوں نے حق کو)، یعنی قرآن کو جو حق ہے۔۔۔یا۔۔صاحبِ قرآن کو جو سرتاپا حق ہیں، (جبکہ آچکا اُن کے پاس) اور معجزہ دکھایا اور دلیل لازم کردی، (تو وہ، کبھی یہ اور کبھی وہ، میں پڑے ہیں)۔قرآن وصاحبِ قرآن دونوں کے بارے میں اُن کی باتیں مختلف ہیں۔

قرآن کریم کے بارے میں اُن کی ذہنی الجھن اور قلبی اضطراب کا عالَم یہ ہے کہ کبھی اُس کو شعر کہتے ہیں اور کبھی سحر کہتے ہیں اور کبھی کہانی کہتے ہیں۔ایسے ہی صاحبِ قرآن کے تعلق سے کبھی آپ کو مجنون کہتے ہیں، کبھی کاھن، کبھی مفتری اور کبھی بالکل اپنی ہی طرح کا بشر۔۔۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا

تو کیا نہیں نگاہ کی آسمان کی طرف اپنے اوپر؟ کہ کیسا قبہ بنایا ہم نے اُسے، اور سنوارا اُس کو،

وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ﴿٦﴾

اور نہیں ہے اُس میں کوئی شگاف●

(تو) ان بعث وحشر کے منکرین نے تدبر وتفکر کے ساتھ (کیا نہیں نگاہ کی آسمان کی طرف) جس کو وہ (اپنے اوپر) پاتے ہیں (کہ کیسا قبہ بنایا ہم نے اُسے) محض اپنی قدرت سے ایک طبقہ پر دوسرا طبقہ۔ (اور سنوارا اس کو) ہم نے ستاروں سے (اور نہیں ہے اس میں کوئی شگاف) اور دراڑ۔ اتنی بڑی چیز بے شگاف و دراڑ وعلت کے پیدا کرنا ہمارے کمالِ قدرت وعلم اور نہایتِ حکمت پر دلیل ہے۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ

اور زمین کو پھیلا دیا ہم نے، اور گاڑ دیے اِس میں پہاڑ، اور اُگایا اِس میں سے ہر طرح کے

بَهِيْجٍ ۝ تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۸

خوشنما جوڑے ● دیکھنے اور سمجھنے کو ہر بندہ کے لیے جو رجوع لانے والے ●

(اور) ایسے ہی اپنی قدرتِ کاملہ سے (زمین کو پھیلا دیا ہم نے) اور پانی پر بچھا دیا، (اور گاڑ دیے اس میں پہاڑ) اونچے، اور اپنی جگہ پر جمے ہوئے۔ (اور اگایا اس میں سے ہر طرح کے خوشنما جوڑے)، یعنی خوشنما پودے جسے دیکھنے والے کا دِل باغ باغ ہو جائے۔ یہ سب عبرت لینے اور دلیل پکڑنے کی نظر سے (دیکھنے اور سمجھنے کو ہر بندہ کے لیے جو رجوع لانے والے) اور خدا کی طرف پھرنے والے ہیں۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝۹

اور اُتارا ہم نے آسمان سے بابرکت پانی، پھر اُگائے اُس کے سبب سے باغ، اور کھلیان کا غلہ ●

(اور اُتارا ہم نے آسمان) کی جانب (سے) یا اَبر سے (بابرکت پانی) بڑے فائدے والا، (پھر اُگائے اُس) پانی (کے سبب سے باغ) درختوں اور پھل والے (اور کھلیان کا غلہ)، یعنی اگایا ہم نے پانی کے سبب سے دانہ کو کہ اُس کی شان سے یہ ہے کہ اُسے کاٹتے ہیں جیسے گیہوں اور جو وغیرہ۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰ رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ

اور کھجور کے اونچے اونچے درخت، جس کے تہ بہ تہ گچھے ● روزی سارے بندوں کی، اور زندہ کر دیا ہم نے اُس سے

بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱

مردہ آبادی کو۔ اُسی طرح سے تمہارا نکلنا ہوگا ●

(اور) اُگائے ہم نے (کھجور کے اونچے اونچے درخت جس کے تہ بہ تہ گچھے) یعنی خوشے ہیں جو میووں سے بھرے ہوئے ہیں۔۔الغرض۔۔یہ سب چیزیں ہم نے اگائیں (روزی) کے واسطے ہمارے بندوں کی،اور زندہ کر دیا ہم نے اُس سے مُردہ آبادی کو) یعنی خشک اور افسردہ زمین کو سرسبز شاداب کر دیا۔

تو جس طرح مری ہوئی زمین کو ہم نے زندگی عطا کی اور اُسے جمادیت سے نکال کر حیاتِ باتی مرحمت فرمائی (اُسی طرح سے تمہارا نکلنا ہوگا) قبروں سے۔یعنی زندہ ہو کر میدانِ حشر میں تمہارا حاضر ہونا اُسی سے ملتا جلتا ہے۔۔چنانچہ۔۔اگر کوئی غور کرے دانہ کے زندہ ہونے میں کہ مردہ کی طرح خاک میں دفن ہے۔اور پوشیدہ ہونے کے بعد اس کے ظاہر ہونے میں جو کوئی غور کرے تو بعید نہیں کہ مرنے کے بعد آدمی کے زندہ ہونے کا ایک شمہ پا سکے۔

پھر رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دِل مبارک کی تسلی کے لیے کہ قوم کی تکذیب کی جہت سے ملول تھا،اگلی امتوں کے مکذبوں کے حال سے خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ۔۔۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿۱۲﴾

جھٹلایا اُن کے پہلے نوح کی قوم نے،اور چاہ رس والوں نے،اور ثمود نے●

(جھٹلایا اِن) اہلِ مکہ (کے پہلے نوح کی قوم نے) حضرت نوح علیہ السلام کو،(اور چاہ رس والوں نے) یعنی اندھے کنویں والوں نے،یعنی چاہِ یمامہ کے لوگوں نے۔۔یا۔۔بیر معطلہ۔۔یا۔۔جبل فتح کے لوگوں نے اپنے نبی حنظل بن صفوان علیہ السلام کی تکذیب کی۔(اور ثمود نے) اپنے پیغمبر حضرت صالح علیہ السلام کی۔

وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿۱۳﴾ وَّأَصْحٰبُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ

اور عاد نے،اور فرعون نے،اور لوط کی برادری والوں نے● اور جھاڑی والوں نے،اور تبع کی قوم نے،سب نے

كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿۱۴﴾

جھٹلایا رسولوں کو،تو درست نکلا ہمارا عذاب کا دعدہ●

(اور عاد نے) حضرت ہود علیہ السلام کی،(اور فرعون نے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی،(اور لوط کی

برادری والوں نے) اور ان کے سسرالیوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی، (اور جھاڑی والوں نے) حضرت شعیب علیہ السلام کی، (اور تبع کی قوم نے) تبع کی۔

سورۂ دخان میں جس کے تعلق سے کچھ لکھا جا چکا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔سب نے اپنے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی اور اس راہ سے (سب نے جھٹلایا) سب (رسولوں کو)، اس واسطے کہ انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے کی تصدیق کرنے والے ہیں، تو اُن میں سے کسی ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہوتی ہے۔ پس جب اُن قوم کے لوگوں نے انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی، (تو درست نکلا ہمارا عذاب کا وعدہ)۔ یعنی مسلّم ہوگئی اور نازل ہوئی ان پر میری وعید، یعنی جو کچھ وعدہ میں نے عذاب کا کیا تھا وہ اُن تک پہنچ گیا۔

أَفَعَيِينَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ ۚ بَلْ هُمْ فِي لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٥﴾ ع ۱۵

تو کیا ہم تھک گئے تھے پہلی بار بنانے میں؟ بلکہ وہ شبہ میں ہیں نئے بننے سے●

مکہ کے مشرک یہ اقرار کرتے تھے کہ حق تعالیٰ اوّل میں خلق کا خالق ہے اور خدا ہی نے ساری مخلوق کو پیدا کیا۔۔۔

(تو) حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُن سے پوچھو کہ (کیا ہم تھک گئے تھے پہلی بار بنانے میں؟) کہ اب دوسری بار بنانے کی سکت نہ رہی؟ (بلکہ وہ) کافر شیطانی وسوسوں کے سبب سے (شبہ میں ہیں نئے بننے سے)، یعنی بعث وحشر ونشر سے، اس واسطے کہ انہیں خلافِ عادت جانتے ہیں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ ۖ وَنَحْنُ أَقْرَبُ

اور بے شک پیدا فرمایا ہم نے انسان کو، اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ ڈالا کرتا ہے اُس کا نفس۔ اور ہم

إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿١٦﴾

کہیں زیادہ نزدیک ہیں اُس کے رگِ جان سے●

(اور بے شک پیدا فرمایا ہم نے انسان کو، اور ہم جانتے ہیں جو وسوسہ ڈالا کرتا ہے اُس کا نفس) بُرے اندیشے۔ (اور ہم کہیں زیادہ نزدیک ہیں اُس کے رگِ جان سے)۔

یہ حق تعالیٰ کی نزدیکی انسان کے ساتھ اُس کے علم اور قدرت کے سبب سے ہے کہ

اور مسافت کی راہ سے نہیں۔ رگِ جان یعنی شہ رگ، اُس رگ کو کہتے ہیں جس کے کٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ یہ رگ حلق کے ایک کنارے سے کندھے تک ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قریب ہونے سے مراد یہ ہے کہ اُس کو ہماری ہر ظاہر اور باطن چیز کا علم ہے، حتیٰ کہ اُس کو ہمارے دِل میں آنے والے خیالات کا بھی علم ہے۔

دِل میں کسی خیال کے آنے سے پہلے اُسے اس خیال کا علم ہو جاتا ہے۔ انسان کے بعض اعضاء اُس کے علم کے لیے حجاب بن جاتے ہیں اور اللہ کے علم کے لیے کوئی چیز حجاب نہیں بنتی۔ صاحبِ بحرالحقائق کہتے ہیں کہ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ نفس انسانی کے بہت قریب ایک جزء ہے، تو اس کلام میں اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ اِس سے زیادہ بندے کے قریب ہے۔ تو جس طرح جب بندہ اپنے کو ڈھونڈھتا ہے تو پاتا ہے، اِسی طرح جب حق تعالیٰ کو ڈھونڈھتا ہے تو پاتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "آگاہ ہو! جس نے مجھے ڈھونڈھا اُس نے مجھ کو پایا۔"

جاننا چاہیے کہ حق تعالیٰ کا قرب بے چون و چگوں ہوتا ہے تو وہ جان جو جسم سے ملی ہوئی ہے اس کے قرب کی کیفیت نہیں دریافت ہو سکتی، تو حق تعالیٰ کا قرب جو کیفیت سے پاک اور منزہ ہے کیونکر دریافت ہو سکتا ہے۔ قربِ الٰہی کی پہلی منزل ایمان اور تصدیق کے سبب سے ہے اور آخری منزل احسان اور تحقیق کے باعث۔ یہی وہ مقام مشاہدہ ہے کہ بندہ جب خدا کی عبادت کرتا ہے تو گویا اس کو دیکھ رہا ہے۔

اور حق تعالیٰ کا قرب بندوں کو دو۲ قسم پر ہے: ایک تو تمام خلق کو علم اور قدرت کے سبب سے، دوسرے خواصِ درگاہ کو خاص نیکیوں اور لطفوں کی وجہ سے، کہ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَیۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِیۡدِ پہلے اُسے قرب دیتا ہے یہاں تک کہ جہان سے اُس کو رِہا کرتا ہے پھر قربِ حقیقی عطا فرماتا ہے، یہاں تک کہ آب و گل سے چھڑا لیتا ہے اور بندہ کی ہستی موہوم میں سے گھٹاتا ہے اور اصل ہستی کے ساتھ زیادہ ظہور فرماتا ہے۔

جس طرح اوّل میں خود تھا آخر میں بھی خود ہوتا ہے۔ یہاں علاقے مرتفع، اسباب منقطع و رسوم باطل، حدود پراگندہ، اشارات متناہی، عبارات منتفی اور حق یکتا اور باقی رہتا ہے۔

اِذۡ یَتَلَقَّی الۡمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیۡدٌ ﴿۱۷﴾ مَا یَلۡفِظُ

جب لیتے رہتے ہیں دو لینے والے داہنے بائیں بیٹھے • نہیں بولتا

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴿۱۸﴾

کوئی بول، مگر اُس کے پاس نگراں مستعد●

اَے محبوب! یاد کرو (جب لیتے رہتے ہیں) مکلف لوگوں کے اقوال وافعال واعمال کو (لینے والے) فرشتے، اوران کو لکھتے رہتے ہیں (داہنے) جانب سے ایک ہم نشین فرشتہ اور (بائیں) جانب سے دوسرا ہم نشین فرشتہ۔۔الغرض۔۔دونوں فرشتے دائیں بائیں (بیٹھے) ہوئے۔کوئی بندہ مکلف (نہیں بولتا کوئی بول، مگراس کے پاس) ایک فرشتہ (نگراں مستعد) اوراس کو محفوظ کر لینے پر آمادہ ہے۔۔چنانچہ۔۔وہ فوراً لکھ لیتا ہے۔

تو آدمیوں سے یہ بات کتنی عجیب ہے کہ [illegible] اُس کی ہر ہر بات لکھ رہے [illegible] رہتا ہے۔سوچنے کی بات ہے کہ فرشتے اپنا لکھنے والا کام کرتے رہیں گے۔۔۔

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ﴿۱۹﴾

اور آگئی جاں کنی کی سختی حق کے ساتھ۔کہ اِسی سے تُو بھاگتا تھا●

(اور آگئی) اِسی اثناء میں (جاں کنی کی سختی)، یعنی موت کی غشی (حق کے ساتھ)، یعنی خدا کے حکم سے کہ وہ حکم حق ہے اور اُسے اجل رسیدہ بندے سے فرشتے کہیں گے (کہ اِسی) موت (سے تُو بھاگتا تھا) اور اِس سے بچنا چاہتا تھا اور اِس سے بے پناہ خوف کھاتا تھا۔آخر اِس سے دوچار ہونا ہی پڑا۔

وَنُفِخَ فِى الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ﴿۲۰﴾

اور پھونکا گیا صور میں۔یہ ہے وعدۂ عذاب کا دن●

(اور) پھر (پھونکا گیا صور میں)۔

اِس سے نفخ ثانی مراد ہے، یعنی وہ صور جو قبر سے اٹھ کر میدانِ حشر میں حاضر ہونے کے لیے پھونکا جائے گا اور صور پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔اُس پھونک سے مُردے زندہ ہوکر قبر سے نکلیں گے اور فرشتے کہیں گے۔۔۔

(یہ ہے وعدۂ عذاب کا دن)، یعنی ایفائے وعدہ کا دن ہے۔ جس دن کا دُنیا میں تمہیں وعدہ کیا گیا تھا اور کہا گیا کہ وہ دن یقیناً آئے گا اور اس سے وعیدیں سنائی گئیں۔

۔۔یا۔۔ اِس سے وقوع الوعید مراد ہے، جبکہ وعید سے عذابِ موعود مطلوب ہو۔ چونکہ اِس ارشاد میں ہولناکی کا اظہار مطلوب ہے اس لیے صرف وعید کا ذکر کیا گیا اور وعد کا ذکر نہیں کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اِس کے بعد کفار کے حالات سے ابتداء کی گئی۔

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيدٌ ﴿٢١﴾

اور آئی ہر جان، اُس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہے، اور ایک گواہ ہے●

(اور) فرمایا گیا (آئی ہر جان) حشر کے دن میدانِ محشر میں۔ (اُس کے ساتھ ایک) فرشتہ (ہانکنے والا ہے اور ایک) فرشتہ (گواہ ہے)۔ تو جو ہانکنے والا ہے اُسے موقفِ حساب میں لے جائے گا، اور جو گواہ ہے وہ اُس کے نیک اور بد اعمال کی گواہی دے گا۔ گواہی دینے والا یا تو فرشتہ ہے۔۔یا۔۔ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ ہیں۔۔اور۔۔ ظاہر ہے کہ نہ تو ہنکانے والے سے بھاگنا میسر آسکے گا اور نہ ہی گواہ کے سامنے اِنکار متصور ہے۔ ہر ایک کو حق تعالیٰ کی طرف سے خطاب پہنچے گا۔۔۔

لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾

کہ بلاشبہ تُو غفلت میں پڑا تھا اس سے۔ اب ہٹا دیا ہم نے تجھ سے تیرے پردہ کو، تو تیری نگاہ آج تیز ہے●

(کہ بلاشبہ تُو غفلت میں پڑا تھا) دُنیا میں (اِس) دن (سے۔ اب ہٹا دیا ہم نے تجھ سے تیرے پردہ کو)۔ جو کچھ تُو نے سنا تھا اب آنکھوں سے دیکھتا ہے، (تو) پردہ اٹھ جانے کے سبب سے (تیری نگاہ آج تیز ہے)۔

بعضوں نے کہا کہ 'بینائی' یہاں 'دانائی' کے معنی میں ہے۔

یعنی جو کچھ تجھ پر پوشیدہ تھا بعث وحشر کے احوال کے تعلق سے وہ آج ہم نے تجھے دکھا دیا اور اُسے تو نے جان لیا۔

وَقَالَ قَرِينُهُ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾

اور بولا اُس کے ساتھ رہنے والا کہ "یہ نامۂ اعمال ہے جو ہمارے پاس تیار ہے"●

(اور بولا اُس کے ساتھ رہنے والا) فرشتہ، یعنی وہ فرشتہ جو اُس پر موکل اور متعین تھا، (کہ یہ) تیرا (نامہ اعمال ہے جو ہمارے پاس تیار ہے)، یعنی تیرے اعمال کا دفتر حاضر ہے۔ پھر حق تعالیٰ کی طرف سے ہنکانے والے فرشتے اور گواہ دونوں کو حکم پہنچے گا کہ۔۔۔

اَلْقِيَا فِىْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ﴿٢٥﴾

تم دونوں جھونک دو جہنم میں سب بڑے ناشکرے ضدی کو • بہت روکنے والا خیر خیرات سے، سرکش شک میں پڑا رہنے والا •

(تم دونوں جھونک دو جہنم میں سب سے بڑے ناشکرے ضدی کو) یعنی عناد کرنے والے کافر کو جو سرکش ہو۔ (بہت روکنے والا خیر خیرات سے) یعنی مال کو اُن حقوں سے روکنے والا جن کا ادا کرنا فرض تھا۔

اور بعضوں نے کہا کہ یہ آیت ولید ابن مغیرہ سے متعلق ہے اور 'خیر' سے دینِ اسلام مراد ہے۔ وہ اپنی اولاد اور قرابت داروں کو دینِ اسلام قبول کرنے سے منع کرتا تھا اور کفر وعناد کی صفت کے ساتھ بھی موصوف تھا۔

اُس کی دوسری صفت یہ ہے (سرکش شک میں پڑا رہنے والا) یعنی حدودِ الٰہی سے گزرنے والا اور وحدانیت میں شک کرنے والا۔۔اور۔۔

الَّذِىْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِى الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ﴿٢٦﴾

جس نے بنالیا اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو، تو ڈال دو اُسے سخت عذاب میں •

(جس نے بنالیا) یعنی شریک کرلیا (اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ دوسرے معبود کو، تو ڈال دو) تم دونوں (اُسے سخت عذاب میں) جو ہمیشہ رہے گا۔ اور جب کافر کو دوزخ میں ڈالنا چاہیں گے، تو وہ کہے گا کہ میرا کیا گناہ ہے؟ جو شیطان مجھ پر مسلط تھا اُس نے مجھے گمراہ کردیا۔ پھر وہ شیطان حاضر کیا جائے گا تو وہ اِنکار کرے گا۔۔چنانچہ۔۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾

بولا اُس کا ساتھی شیطان کہ "پروردگارا! نہیں سرکش کیا میں نے اِس کو، لیکن یہ تھا خود ہی دُور کی گمراہی میں" •

(بولا اُس کا ساتھی شیطان کہ پروردگارا! نہیں سرکش کیا میں نے اِس کو) اور اِس کے باب میں

ں حد سے نہیں گزرا، (لیکن یہ تھا خود ہی دُور کی گمراہی میں)، یعنی دُور دراز گمراہی میں۔ وہ گمراہی
س نے اُسے راہِ حق سے بہت دُور کر دیا اور اُس سے نہ پھرا۔ حق تعالیٰ کا۔۔۔

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَقَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْكُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿۲۸﴾

فرمان ہوا کہ "تم لوگ مت جھگڑو ہمارے پاس، حالانکہ بلاشبہ پہلے بھیج چکا میں تمہاری طرف عذاب کا وعدہ •

(فرمان ہوا کہ تم لوگ مت جھگڑو ہمارے پاس)، اس واسطے کہ اب اِس جھگڑے اور
خصومت سے کچھ بھی فائدہ نہیں، (حالانکہ بلاشبہ پہلے بھیج چکا میں تمہاری طرف عذاب کا وعدہ)، اپنی
کتابوں میں اپنے رسولوں کی زبانی اور اب تم کو کوئی حجت نہیں رہی اور تمہارا کوئی عذر نہ سنا جائے گا
۔۔۔اور۔۔۔

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَمَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿۲۹﴾ ع

نہیں پلٹتی بات میرے یہاں، اور نہ میں زیادتی کرنے والا ہوں بندوں پر" •

(نہیں پلٹتی بات میرے یہاں) یعنی ہم جو وعدہ وعید کر چکے اُس میں تبدیلی و تغییر کی گنجائش
نہیں۔ (اور نہ میں زیادتی کرنے والا ہوں بندوں پر) کہ بے استحقاق اُن کو سزا دوں۔ اَے محبوب!
یاد کرو اُس دن کو۔۔۔

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ﴿۳۰﴾

جس دن کہ ہم پوچھیں گے جہنم سے کہ "کیا تو بھر چکی؟" اور وہ جواب دے گی کہ "کچھ اور زیادہ ہے؟" •

(جس دن کہ ہم پوچھیں گے جہنم سے کہ کیا تو بھر چکی؟)، یعنی میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا
کہ کافر آدمیوں اور جنوں سے تجھ کو بھر دوں گا، تو تُو بھری کہ نہیں؟

یہ استفسار خود جہنم کے بیان سے اُس کی اپنی وسعت و گنجائش ظاہر فرمانے کے لیے ہے،
اور یہ بھی ظاہر فرمانے کے لیے کہ جہنم کے بھرنے کا مطلب یہ نہیں کہ اُس میں کچھ اور کی
گنجائش نہ ہو، بلکہ صرف یہ واضح کرنا ہے کہ کوئی کافر انسان اور کوئی کافر جن ایسا نہ ہوگا جہنم
جس کا دائمی ٹھکانہ نہ ہو۔ الختصر۔ جہنم سے پوچھا جائے گا کہ کیا تُو بھر چکی؟۔۔۔
تو بولے گی (اور وہ جواب دے گی کہ) کیا (کچھ اور زیادہ ہے)۔

--یا-- یہ استفہام سوال کے معنی میں ہے یعنی مجھ میں اور زیادہ کردے۔ حق تعالیٰ اور کافروں کو دوزخ میں بھیج دے گا۔ خدا کی عطا کردہ قوتِ گویائی سے دوزخ ہر بار یہ کہتی رہے گی کہ کیا کچھ اور زیادہ لوگ ہیں؟ اور حق تعالیٰ کافروں کو دوزخ میں بھیجتا رہے گا، یہاں تک کہ آخر میں ربِّ قدیر دوزخ پر اپنے دونوں قدم رکھ دے گا، پھر دوزخ کے بعض حصے بعض کی طرف سکڑ جائیں گے اور وہ کہے گی، "بس بس تیری عزت اور کرم کی قسم"، یعنی میں بھر گئی اب مجھ میں زیادہ گنجائش نہیں۔

دوزخ پر اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے سے کیا مراد؟ اِس میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔ متقدمین کے نزدیک قدم میں کوئی تاویل اور تحریف نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قدم ہے جو اُس کی شان کے لائق ہے، اور مخلوق میں اُس کی کوئی مثال نہیں۔ اور کسی چیز پر قدم رکھنا اُس چیز کی اہانت کو مستلزم ہوتا ہے۔ سو جب دوزخ مزید بھراؤ کا مطالبہ کرے گی، تو اللہ تعالیٰ اُس میں اپنا قدم رکھ دے گا جو اُس کی شان کے لائق ہے۔

متاخرین نے جب یہ دیکھا کہ قدم --یا-- رِجل کا لفظ جسم وجسمانیات کی طرف اشارہ کررہا ہے، تو انہوں نے اس کی تاویل کردی اور تاویلیں مختلف ہیں، جو ہر محقق کی اپنی فکر و نظر کے مطابق ہیں۔ اِس تعلق سے یہ تاویل عام لوگوں کے فہم سے زیادہ قریب نظر آتی ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے پُر جلال حکم کو ظاہر فرمایا جس کی اطاعت میں دوزخ سکڑ گئی اور اس میں کوئی جگہ خالی نہ رہ گئی۔ تو نہ تو دوزخ کے باہر کوئی کافر بچا اور نہ ہی دوزخ کے اندر کسی کافر کی گنجائش رہی۔

وَاُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿۳۱﴾

اور نزدیک لائی جائے گی جنت خدا سے ڈرنے والوں کے، کہ دُور نہ رہے●

(اور نزدیک لائی جائے گی جنت خدا سے ڈرنے والوں کے کہ دُور نہ رہے)۔ یعنی بہشت متقیوں کے نزدیک ہوگی دُور نہیں۔ اور یہ قبل اس کے ہوگا کہ اُن کو بہشت میں لے جائیں۔ پہلے بہشت اُن کو دکھائیں گے اور ہر ایک کے مقام اور جو نعمتیں اُس کے ساتھ مقرر ہیں اس کی نظر کے سامنے کردیں گے، تاکہ اُس کی لذت زیادہ ہو۔ پھر حق تعالیٰ فرمائے گا--

هٰذَا مَا تُوۡعَدُوۡنَ لِکُلِّ اَوَّابٍ حَفِیۡظٍ ﴿۳۲﴾

یہ ہے جس کا وعدہ دیے گئے تھے تم، ہر توبہ کرنے والے لحاظ رکھنے والے کے لیے●

(یہ ہے) وہ چیز (جس کا وعدہ دیئے گئے تھے تم) دُنیا میں اور یہ ہم نے تیار کی ہے (ہر توبہ کرنے والے) کے لیے، جو شرک سے توحید کی طرف پھر آیا، معصیت سے طاعت کی طرف۔۔یا۔۔خلق سے پھر کر حق تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اور (لحاظ رکھنے والے کے لیے)، جو شرعی حدوں پر نگاہ رکھنے والا ہے۔۔یا۔۔امر و نہی کی رعایت کرنے والا ہے۔

بعضوں نے کہا کہ نفس کو گناہ سے نگاہ رکھنے والا۔۔یا۔۔حکمِ الٰہی کی حفاظت کرنے والا۔۔یا۔۔اپنی ساعتوں اور وقتوں کا نگاہ رکھنے والا، یعنی کسی وقت حق تعالیٰ سے غافل نہیں رہتا۔

مَنۡ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ وَجَآءَ بِقَلۡبٍ مُّنِیۡبِۣ ﴿۳۳﴾ اُدۡخُلُوۡهَا بِسَلٰمٍ ؕ

جو ڈر گیا خدائے مہربان کو بے دیکھے، اور لایا رجوع کرنے والا دِل● "جاؤ اُس میں سلامتی سے۔

ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُلُوۡدِ ﴿۳۴﴾

یہ ہے ہمیشگی کا دن"●

(جو ڈر گیا خدائے مہربان کو بے دیکھے)۔

بعضوں نے کہا کہ جس کا ظاہر باطن یکساں ہو۔

(اور لایا رجوع کرنے والا دِل) حق کی طرف۔ یعنی طاعت کی طرف متوجہ اور نفس کی متابعت سے منکر، تو اُس شخص کو اور اُس کے مثل لوگوں کو کہیں گے۔۔۔(جاؤ اس) بہشت (میں سلامتی سے) یعنی بے خوفی اور اطمینان کے ساتھ۔۔یا۔۔خدا اور فرشتوں کے سلام سے بزرگی پاتے ہوئے۔ (یہ ہے ہمیشگی کا دن)، یعنی ہمیشہ باقی رہنے کا دن، یعنی اُس میں موت نہ ہوگی۔

لَهُمۡ مَّا یَشَآءُوۡنَ فِیۡهَا وَلَدَیۡنَا مَزِیۡدٌ ﴿۳۵﴾

اُن کے لیے ہے جو چاہیں اُس میں، اور ہمارے یہاں اور زیادہ ہے●

(ان) جنتیوں (کے لیے ہے جو چاہیں) اُس میں طرح طرح کی نعمتیں اور قسم قسم کی لذتیں۔۔علاوہ ازیں۔۔(اُس میں اور ہمارے یہاں اور زیادہ ہے) اس سے جو وہ چاہیں۔

اکثر مفسر اس بات پر ہیں کہ 'مزید' سے دیدار اور ہمیشہ کے لیے اپنی رضا اور خوشنودی مراد ہے۔جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔اب آگے حق تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی تسلی کے لیے ارشاد فرماتا ہے جس کا حاصل یہ ہے۔۔۔

کہ اَے محبوب! ہم آپ سے پہلے کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، جو اہلِ مکہ سے زیادہ طاقتور تھیں۔انہوں نے ہمارے ہلاک آفریں عذاب سے بچنے کے لیے بہت شہروں میں پناہ ڈھونڈنا چاہی، لیکن اُن کو کسی جگہ ہمارے عذاب سے پناہ نہیں مل سکی۔

۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا

اور کتنی برباد کر دیں ہم نے اِن کے پہلے کئی امت جو زیادہ سخت تھے اِن سے پکڑ میں۔تو چھان ڈالا اُنہوں نے

فِى الْبِلَادِؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ ۝

شہروں میں کہ "کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے"●

(اور کتنی برباد کر دیں ہم نے اِن) اہلِ مکہ (کے پہلے کئی امت جو زیادہ سخت تھے اِن سے پکڑ میں) جیسے قومِ عاد اور قومِ ثمود وغیرہ۔ (تو چھان ڈالا انہوں نے شہروں میں) یعنی تجارت کر گئے اور سفر کیے اور مال ومتاع جمع کیا۔لیکن جب ان کے فنا ہونے کا حکمِ الٰہی نازل ہوا، تو کسی چیز نے ان کی دستگیری نہ کی۔وہ تو سارے شہروں کو کھنگالتے رہے، (کہ کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے) جہاں موت سے ۔۔یا۔۔قضائے الٰہی سے پناہ مل جائے، لیکن انہیں ایسی جگہ نہ مل سکی۔

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ

بے شک اُس میں یقیناً نصیحت ہے اُس کے لیے جس کے دِل ہے، اور اُس نے کان لگایا،

وَهُوَ شَهِيْدٌ ۝

اور وہ متوجہ ہے●

(بے شک) جو اِس سورت میں مذکور ہوا (اُس میں یقیناً نصیحت ہے اُس کے لیے جس کے دل ہے)، جو فکر کرنے والا ہے چیزوں کی حقیقتوں میں۔۔یا۔۔عقل ہو خوابِ غفلت سے بیدار۔

حضرت شبلی فرماتے ہیں کہ قرآن کی نصیحت کے واسطے دل چاہیے خدا کے ساتھ حاضر کہ پلک مارنے کی قدر بھی غافل نہ ہو۔

(اور اس نے کان لگایا)، یعنی کان لگائے رہتا اور عبرت حاصل کرنے کی راہ سے سنتا ہے۔

(اور وہ متوجہ ہے)، یعنی وہ حاضر رہتا ہے سننے کے وقت تا کہ اُس کے معنی سمجھ سکے۔

بعض عارفین نے فرمایا کہ قرآن سنتے وقت اس طرح کان لگانا چاہیے کہ گویا پیغمبر علیہ السلام سے سنتا ہے۔۔ پھر۔۔ فہم میں اور اوپر بڑھ جائے، گویا حضرت جبرائیل علیہ السلام سے سنتا ہے ۔۔ پھر۔۔ فہم کو اور بلند کرے، ایسا سمجھے کہ خدا سے سنتا ہے۔ اِس معنی پر لفظ **شَهِيدٌ** سے بھی اشارہ ہوتا ہے، اس واسطے **شَهِيدٌ** اُسے کہتے ہیں جو حاضر ہو اور کہنے والے سے سنے، خبر دینے والے سے نہیں ۔۔ المختصر۔۔ حاضر ہو کر صاحبِ کلام ہی سے اُس کا کلام سننے والا **شَهِيدٌ** ہے۔

آگے یہود کے قول کا رَد فرمایا جا رہا ہے، جو کہتے ہیں کہ ہفتے کے دن خدا نے استراحت کی اور ستایا۔ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب یہود مردود کا یہ قول سنا، تو غصہ کے مارے چہرۂ مبارک کا رنگ سرخ ہو گیا۔۔ چنانچہ ۔۔حق تعالیٰ نے اس کے رَد میں فرمایا۔۔۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ

اور بے شک پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں، اور زمین کو اور اُن کے درمیان کو، چھ دن میں۔

وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿۳۸﴾

اور نہیں چھوگئی ہمیں کوئی تکان●

(اور بے شک پیدا فرمایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور اُن کے درمیان) کی چیزوں (کو چھ دن میں اور نہیں چھوگئی ہمیں کوئی تکان)، یعنی رنج اور تھکن انہیں پیدا کرنے میں۔

تو اَے محبوب! یہود خدا کے تعلق سے جو استراحت و تکان کی بات کرتے ہیں۔۔یا۔۔ مشرکین بعث وحشر سے جو اِنکار کرتے ہیں۔۔یا۔۔ تمہاری شان میں جو بات اُن سے صادر ہوتی ہے۔۔یا۔۔ تمہاری طرف سحر و شعر و جنون کی جو نسبت کرتے ہیں۔ اور ہماری جانب اولاد اور شریک کی جو بات کرتے ہیں، اُن ساری باتوں کے تکلیف دہ اور اذیت رساں ہونے میں شک نہیں، لیکن ان ساری خفیف الحرکاتیوں کے جواب میں تم پیغمبرانہ شان کا مظاہرہ کرو۔۔۔

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ

تو صبر کرتے رہو اُس پر جو وہ بکتے ہیں، اور پاکی بولو اپنے رب کی حمد کے ساتھ، سورج نکلنے سے پہلے،

وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿۴۰﴾

اور ڈوبنے سے پہلے• اور رات کو بھی پاکی بولتے رہو اُس کی، اور ہر سجدہ والی عبادتوں کے بعد•

(تو صبر کرتے رہو اُس پر جو وہ بکتے ہیں اور پاکی بولو اپنے رب کی حمد کے ساتھ)، یعنی نماز پڑھو (سورج نکلنے سے پہلے)۔ یہ فجر کی نماز ہے۔ (اور ڈوبنے سے پہلے)۔ یہ عصر کی نماز ہے۔ (اور رات کو بھی پاکی بولتے رہو اُس کی)۔ یہ مغرب وعشاء کی نماز ہے۔ (اور ہر سجدہ والی عبادتوں کے بعد)۔

اَدْبَارَ السُّجُوْدِ سے کون سی نماز مراد ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔ امام زاہد حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے نقل کرتے ہیں کہ وہ نماز مغرب کے بعد ۲ دو رکعت ہے۔ بعضوں نے کہا کہ عشاء کے بعد وتر مراد ہے۔ اور بعض کہتے ہیں فرض کے بعد نفلیں مقصود ہیں۔

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۴۱﴾

اور خوب سن رکھو جس دن پکارے گا پکارنے والا قریب جگہ سے•

(اور) اَے مخاطبو! (خوب) غور سے (سن رکھو! جس دن پکارے گا پکارنے والا قریب جگہ سے)۔ یعنی قیامت کی چیخ پر کان لگائے رکھو جس دن ندا کریں گے حضرت اسرافیل علیہ السلام اُس جگہ سے جو آسمان کے قریب ہے، یعنی بیت المقدس کے صخرہ پر سے۔۔۔

کہ ایک قول کے مطابق تمام زمین کی بہ نسبت آسمان سے ۱۸ اٹھارہ میل قریب ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ 'مکان قریب' کے یہ معنی ہیں کہ حضرت اسرافیل صخرہ پر کھڑے ہو کر کانوں میں انگلی دے کر پکاریں گے، کہ اَے چور چور ہڈیو! اور اَے چھوٹے ہوئے گوشتو! اور اَے پریشان بالو! حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب جمع ہو جاؤ جزا اور فیصلہ کے واسطے۔

يَوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿۴۲﴾

جس دن سنیں گے چیخ کو حق کے ساتھ۔ یہ ہے قبر سے نکلنے کا دن•

(جس دن سنیں گے چیخ کو) یعنی 'صیحہ بعث' کو، کہ وہ دوسری بار صور پھونکنا ہے (حق کے ساتھ)، یعنی اُس چیز کے ساتھ جو حق ہے، یعنی 'بعث' اور کہیں گے سننے والوں سے کہ (یہ ہے قبر سے

نکلنے کا دن) اور حساب کے لیے جمع ہونے کا دن۔ مُردے اُس چیخ کی آواز کو سن کر زندہ ہو جائیں گے
اور اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ حشر کی طرف دوڑیں گے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿۴۳﴾

بے شک ہم ہی جلائیں، اور ہم ہی ماریں، اور ہماری ہی طرف پھر کر آنا ہے●

(بے شک ہم ہی جلائیں) یعنی زندہ کریں مُردوں کو، یعنی مُردہ نطفوں کو ہم ہی زندگی دیتے
ہیں۔ (اور ہم ہی ماریں) دُنیا میں۔ (اور ہماری ہی طرف پھر کر آنا ہے) اُن کو، یعنی حساب کے لیے
ہم انہیں زندہ کریں گے۔ یاد کرو اُس دن کو۔۔۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ۚ ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾

جس دن کہ پھٹ جائے گی زمین، اُن سے جلدی جلدی نکل پڑنے والے۔ یہ حشر ہم پر آسان ہے●

(جس دن کہ پھٹ جائے گی زمین) اور دُور ہو جائے گی (اُن سے) یعنی مُردوں سے، پس
وہ مُردے قبروں سے (جلدی جلدی نکل پڑنے والے) ہوں گے۔ (یہ حشر)، جمع کرنا، اٹھانا، (ہم
پر آسان ہے)۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۖ

ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے رہتے ہیں، اور تم نہیں ہو اُن پر زبردستی کرنے والے۔۔۔

فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴿۴۵﴾

تو نصیحت سناؤ قرآن سے جو ڈرے میرے ڈرانے کو●

(ہم خوب جانتے ہیں جو کچھ وہ کہتے رہتے ہیں) اِنکارِ قیامت کے باب میں، اور اے
ہمارے حبیب! تیرے حق میں بُری باتیں اور میرے حق میں افتراء۔ (اور تم نہیں ہو اُن پر زبردستی
کرنے والے) کہ قہر و جبر سے انہیں ایمان والا بناؤ۔ آپ کا کام تو حکمت و نصیحت کے ساتھ دعوت
دینا ہے، (تو نصیحت سناؤ قرآن سے) اور قرآنی وعد و وعید اُن پر پیش کرو۔ (جو ڈرے میرے ڈرانے
کو)، یعنی جن کے دِلوں میں میری وعیدوں کا خوف ہے وہی اِس سے ڈرنے والے ہیں اور قرآن کی
نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جب لوگوں کو زندہ کیا جائے گا اور اُن کو اُن کی قبروں سے اٹھایا جائے گا، تو اُس وقت اُن سب کی ایک حالت نہیں ہوگی، اور نہ اُن سب کے قیام کی جگہ واحد ہوگی۔ اُن کے قیام کی جگہیں بھی مختلف ہوں گی اور اُن کے احوال بھی مختلف ہوں گے۔ اُن کے احوال کی پانچ قسمیں ہیں:

﴿۱﴾۔۔جس وقت قبروں سے نکالا جائے گا۔

﴿۲﴾۔۔جب اُن کو حساب کی جگہ کی طرف روانہ کیا جائے گا۔

﴿۳﴾۔۔جس وقت اُن سے حساب لیا جائے گا۔

﴿۴﴾۔۔جس وقت اُن کو دارالجزاء کی طرف روانہ کیا جائے گا۔

﴿۵﴾۔۔جب اُن کو دارالجزاء میں ٹھہرایا جائے گا۔

مذکورہ بالا ترتیب سے نمبر وار اُن کے احوال کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

﴿۱﴾۔۔اِس وقت کفار کے اعضاء اور حواس کامل ہوں گے۔

﴿۲﴾۔۔اِس وقت بھی اُن کے اعضاء اور حواس سلامت ہوں گے۔

﴿۳﴾۔۔اِس وقت بھی اُن کے اعضا سلامت ہوں گے۔

﴿۴﴾۔۔اِس وقت اُن کی بصارت سماعت اور گویائی سلب کر لی جائے گی، اور اُن کو اندھا، بہرا، گونگا بنا کر جہنم کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔

﴿۵﴾۔۔اِس وقت اُن کی حالت کی دو قسمیں ہیں: ایک ابتداء کی اور ایک اس کے بعد قیام کی۔ تو وہ حساب کی جگہ سے دوزخ کے کنارے تک کی مسافت اندھے گونگے بہرے ہونے کے حال میں طے کریں گے، تاکہ اُن کی ذلت دکھائی جائے اور اُن کو دوسروں سے ممیز و ممتاز کیا جائے۔

پھر اُن کے حواس لوٹا دیے جائیں گے تاکہ وہ دوزخ کی آگ کو دیکھ سکیں، اور ان کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے اس کو محسوس کر سکیں، اور ہر اُس چیز کا مشاہدہ کر سکیں جس کی وہ دُنیا میں تکذیب کرتے تھے۔ اور وہ اِس حال میں دوزخ میں رہیں گے کہ وہ بولیں گے اور سنیں گے اور دیکھیں گے۔

مذکورہ بالا تفصیل صرف اِس مقصد سے پیش کر دی گئی ہے کہ سرسری نظر سے قرآنِ کریم کا مطالعہ کرنے سے آیاتِ حشر میں بظاہر جو تعارض کا شبہ ہو رہا ہے اُس کا جواب ہو جائے۔

اختتام سورۂ قٓ ۔۔ ۱۷ ر جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۹ رمئی ۲۰۱۲ء، بروز چہارشنبہ

آغاز سورۃ الذّٰرِیٰت ۔۔ ۱۷ ر جمادی الاخری ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۹ رمئی ۲۰۱۲ء، بروز چہارشنبہ

سُوْرَةُ الذّٰرِيٰت

سورۃ الذّٰرِیٰت ۵۱ مکیۃ ۶۷ — ایاتہا ۶۰ رکوعاتہا ۳

سورۂ ذاریت ۔۔ ۵۱ مکیہ ۶۷ — آیاتہا ۶۰ ۔۔ رکوعاتہا ۳

'سورۂ قٓ' کا اختتام حشر ونشر کی آیات پر ہوا تھا، اور اِس سورت کی ابتداء ہواؤں اور بادلوں کے ذکر سے ہوئی ہے۔اور اِس میں حشر ونشر پر دلیل ہے کہ جس طرح ہوائیں سمندر کے قطرات کو اُٹھاتی ہیں پھر بارش کے ذریعہ اُس پانی کو دوبارہ زمین پر پہنچادیتی ہیں، اُسی طرح انسان مرکر خاک اور مٹی ہوجائے گا اور اُس کے ذرّات زمین میں بکھر جائیں گے، تو اللہ تعالیٰ دوبارہ اُن کو مجتمع کر کے انسانی پیکر بنادے گا۔

یہ پہلی مناسبت ہے جو 'سورۂ ذاریات' کو اپنی ماسبق 'سورۂ قٓ' سے حاصل ہے۔اور دوسری مناسبت یہ ہے کہ 'سورۂ قٓ' میں اجمالی طور پر تکذیب کرنے والی امتوں کا ذکر فرمایا تھا اور اِس سورہ میں انبیاء علیہم السلام کے قصص میں اُن کا تفصیل سے ذکر ہے۔اِن حقائق سے بھری، حکمتوں سے معمور، اور بصیرت افروز سورۂ مبارکہ کو ۔۔یا۔۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں ہیں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿١﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿٢﴾ فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿٣﴾ فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿٤﴾

قسم ہے ہواؤں کی پھیل کر غبار اُڑانے والیاں ● پھر بادل کا بوجھ اُٹھانے والیاں ● پھر نرم چلنے والیاں ● پھر حکم کے موافق بانٹنے والیاں ●

(قسم ہے ہَواؤں کی پھیل کر غبار اڑانے والیاں)، یعنی خاک وغیرہ میں پراگندہ ہوکر اور دانے کو گھاس، پیال اور بُھس سے جدا کرنے والیاں۔ یا اُن فرشتوں کی جو ہَوائیں چلانے والے ہیں۔ (پھر) قسم اُن کی جو (بادل کا بوجھ اٹھانے والیاں) ہیں یعنی جو بہت پانی برساتی ہیں، (پھر) قسم اُن کشتیوں کی جو (نرم) یعنی بآسانی (چلنے والیاں) ہیں اور پانی پر رواں دواں ہیں۔ (پھر) قسم اُن کی جو (حکم) الٰہی (کے موافق بانٹنے) اور تقسیم کرنے (والیاں) ہیں۔ یعنی وہ فرشتے جن سے مینھ اور روزیوں وغیرہ کی تقسیم متعلق ہے۔

بعضوں نے کہا کہ ان سے وہ چاروں فرشتے مراد ہیں کہ جن کے سپرد ایک ایک بڑا کام ہے۔ جبرائیل علیہ السلام سے وحی متعلق ہے۔ میکائیل علیہ السلام رحمت اور روزی تقسیم کرنے کے واسطے خاص ہیں۔ عزرائیل علیہ السلام کے نامزد موت ہے، اور اسرافیل علیہ السلام صور پھونکنے پر مقرر ہیں۔ حق تعالیٰ اِن عجیب اور بڑی چیزوں کی قسم یاد کر کے فرماتا ہے۔۔۔

إِنَّمَا تُوعَدُونَ لَصَادِقٌ ۝۵ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ۝۶ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۝۷

کہ جس کا وعدہ دیے جاتے ہو، یقیناً سچ ہی ہے● اور بے شک انصاف ضرور ہونے والا ہے● قسم ہے جالی دار آسمان کی●

(کہ جس کا وعدہ دیے جاتے ہو یقیناً سچ ہی ہے)، یعنی حشر نشر ثواب وعذاب، ضرور سچ اور صحیح ہے اور اِس میں کچھ خلاف نہیں۔ (اور بے شک انصاف ضرور ہونے والا ہے)، یعنی جزاء اور حساب کا دن آئے گا ہی، اِس میں کچھ شک وشبہ نہیں۔ (قسم ہے جالی دار آسمان کی) جو سختی اور مضبوطی والا ہے۔۔یا۔۔ بڑی زینت والا۔۔یا۔۔ اچھی صورت والا اور اچھا معلوم ہونے والا ہے۔۔یا۔۔ راہوں والا یعنی وہ راہیں جن میں ستارے سیر کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ اِس سے ساتوں آسمان مراد ہیں۔

حق تعالیٰ اس کی قسم ارشاد فرما کر فرماتا ہے کہ۔۔۔

إِنَّكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۝۸ يُؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ أُفِكَ ۝۹

بے شک تم لوگ یقیناً 'کبھی ہاں، کبھی نہیں' کی بولی میں پڑے ہو● اوندھایا جاتا ہے اُس سے وہی جو جنم کا اوندھا گیا ہے●

اَے اہل مکہ! (بے شک تم لوگ یقیناً، کبھی ہاں اور کبھی نہیں، کی بولی میں پڑے ہو)، البتہ مخالف باتوں میں ہو میرے پیغمبر کے تعلق سے، یعنی اُن کو کبھی ساحر کہتے ہو اور کبھی شاعر۔ کبھی کاہن

کہتے ہو کبھی مجنون۔۔یا۔۔قرآن کی شان میں تمہاری باتیں مختلف ہیں۔اُسے سحر کہتے ہو اور شعر، اور کاہنی اور افتراء کیا ہوا، اور اگلوں کی کہانیاں۔۔۔

(اوندھایا جاتا ہے اُس سے وہی جو جہنم کا اوندھا گیا ہے)، یعنی جو شخص خدا کے علم میں قرآن اور پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لانے سے محروم ہو وہی محروم ہے۔

قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۝۱۰

گردن ماری جائے اٹکل اُڑانے والوں کی●

(گردن ماری جائے اٹکل اُڑانے والوں کی)، یعنی یہ جھوٹے اور مختلف باتوں والے گردن زدنی اور ملعون ہیں۔

اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو قافلے اترنے کے وقت مکہ معظمہ کی گھاٹیوں پر اور اس میں داخل ہونے والے مختلف راستوں پر بیٹھتے، اور ہر ایک آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حال آنے جانے والوں سے نئی طرح پر کہتا، اور لوگوں کو آپ کی محبت سے باز رکھنے کے لیے جھوٹی باتوں کا سہارا لیتا۔حق تعالیٰ نے اُن پر لعنت کی اور فرمایا کہ وہ جھوٹے لوگ۔۔۔

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۝۱۱ يَسْـَٔلُوْنَ اَيَّانَ يَوْمُ الدِّيْنِ ۝۱۲ يَوْمَ هُمْ

جو خود اپنی غفلت میں بھولے ہیں● پوچھتے ہیں کہ "کب ہے انصاف کا دن؟"● اُس دن

عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ ۝۱۳ ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝۱۴

کہ وہ آگ پر رکھے جائیں گے● کہ چکھو اپنا فتنہ۔یہی ہے جس کی جلدی مچاتے تھے تم●

(جو خود اپنی غفلت میں بھولے ہیں) اور اوامر ونواہی سے غافل ہیں، (پوچھتے ہیں کہ کب ہے انصاف کا دن)۔یعنی یہ غافل، پیغمبر اور مؤمنوں سے پوچھتے ہیں کہ "کب ہوگا روزِ جزاء؟ جسے تمہارے خدا نے قسم کے ساتھ کہا ہے کہ انصاف کا دن آکے رہے گا۔"

یہ بات کفار ہنسی اور تکذیب کی راہ سے کہتے تھے۔حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جزا ہونے والی ہے۔۔۔

(اُس دن کہ وہ آگ پر رکھے جائیں گے)، جلائے جائیں گے اور عذاب کیے جائیں گے اور دوزخ کے فرشتے اُن سے کہیں گے (کہ چکھو اپنا فتنہ) یعنی اپنا عذاب۔(یہی ہے جس کی جلدی

مچاتے تھے تم)، اور کہتے تھے کہ آخر یہ وعدۂ عذاب کب پورا ہوگا؟

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝١٥ اٰخِذِيْنَ مَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ

بے شک اللہ سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہیں● لینے والے جو کچھ دیا انہیں اُن کے رب نے۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِيْنَ ۝١٦

بے شک یہ تھے اِس سے پہلے احسان والے●

اِس سے پہلی آیات میں کفار کے اُخروی انجام کا ذکر فرمایا تھا اور اب اِن آیات میں مسلمانوں کے اُخروی انجام کا ذکر فرما رہا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والے باغوں اور چشموں میں ہیں)، یعنی ایسے باغوں میں جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ (لینے والے) اور قبول کرنے والے اُسے (جو کچھ دیا انہیں اُن کے رب نے)، یعنی اُن کے اپنے اعمال واقوال کا ثواب۔ (بے شک یہ تھے اِس) جنت میں داخل ہونے (سے پہلے احسان والے) یعنی نیک کام کرنے والے اور فرمانبردار۔

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝١٧

یہ تھے رات کو کم سوتے●

(یہ) وہ (تھے) جو (رات کو کم سوتے) تھے۔ بلکہ رات کو اکثر عبادت میں مشغول ہوتے۔

اِس تعلق سے حضرت انس سے منقول ہے کہ وہ مغرب اور عشاء کے درمیان نفلیں پڑھا کرتے۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ اِس کے معنی یہ ہیں کہ اُن پر ایسی رات کم گزرتی تھی کہ اُس کے اوّل۔۔یا۔۔ درمیان۔۔یا۔۔ آخر میں نماز نہ پڑھتے ہوں۔ ایک قول پر اِس کا معنی یہ ہے کہ بے عشاء کی نماز پڑھے ہوئے سوتے نہ تھے اور عشاء کے وقت کو آدھی رات تک موخر کرتے تھے۔

وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝١٨

اور پچھلی رات میں یہ استغفار کرتے تھے●

(اور پچھلی رات میں یہ استغفار کرتے تھے)، یعنی باوجود اِس کے کہ رات کو وہ لوگ اکثر نماز

پڑھتے اور کم سوتے تھے، جب صبح ہونے کو ہوتی تھی تو وہ استغفار کرتے تھے، اِس طور پر کہ گویا تمام شب گناہ کیا کیے تھے، اور اُس نماز کو کچھ حساب میں نہ لاتے تھے۔

وَفِیْٓ اَمْوَالِہِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾

اور اُن کے مالوں میں حق تھا سوالی اور بے سوالی کا●

(**اور اُن کے مالوں میں حق تھا سوالی اور بے سوالی کا**)۔

محروم اُس مستحق کو کہتے ہیں جو کسی سے کچھ سوال نہ کرے، اور لوگ گمان کریں کہ وہ غنی اور مالدار ہے، اور اُسے صدقہ نہ دیں۔۔یا۔۔محروم وہ شخص ہے جس کی کھیتی وغیرہ کو نقصان پہنچے۔۔یا۔۔وہ فقیر جس کے لڑکیاں ہوں۔۔یا۔۔وہ لونڈی غلام جس کا آقا خرچ نہ دے۔

بہر تقدیر اُن لوگوں نے اپنے مالوں میں حق مقرر کر رکھا تھا، سوال کرنے والے اور نہ سوال کرنے والے کے لیے۔

پہلے اللہ تعالیٰ نے کفار کے احوالِ آخرت بیان فرمائے، اُس کے بعد کی آیتوں میں مؤمنین کے احوالِ آخرت بیان فرمائے، اُس کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر عقائد کا ذکر فرمایا، اور اُن عقائد میں اہم عقیدہ انسانوں کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے، اور اللہ تعالیٰ بار بار مختلف پیراؤں سے اِس پر دلائل قائم فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اِس پر قدرت ہے کہ انسانوں کے مرنے کے بعد اُس کو زندہ کردے، اور اُن میں ایک دلیل یہ ہے کہ زمین میں ایسی نشانیاں ہیں جو 'حیات بعد الموت' پر دلالت کرتی ہیں اور قادرِ مطلق کی قدرتِ بے پایاں کی شہادت دیتی ہیں۔جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد۔۔۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ﴿۲۰﴾

اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کے لیے●

(**اور**) فرمان ہے کہ (**زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کے لیے**) قدرتِ الٰہی پر دلیل پکڑنے کو۔

جو نشانیاں روئے زمین پر ہیں اُن میں کھانیں ہیں کہ اُن میں سے انواع واقسام کے جواہر نکلتے ہیں، اور اگنے والے دانے اور ساگ اور درخت اور اِن کے اقسام۔اور حیوانات

ہیں چرند پرند درند کیڑے مکوڑے اور اِن کے اقسام۔اور زمین کی ذات میں نشانیاں ہیں وہ اِس کے اجزاء کی کیفیتوں اور خاصیتوں اور منفعتوں کا اختلاف ہے۔

وَفِيٓ أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾

اور خودتم لوگوں میں۔تو کیا نظر سے کام نہیں لیتے ؟●

(اور خودتم لوگوں) کی ذاتوں (میں) قدرتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں۔(تو کیا نظر سے کام نہیں لیتے)،یعنی نظرِ عبرت سے دیکھواور اپنی ذات میں کمالِ صنعت کی علامت مشاہدہ کرو،اس واسطے کہ عالم میں کوئی چیز نہیں مگر اُس کا نمونہ تمہاری ذات میں ہے۔اور باوصف اِس کے اچھی ہیئت اور خوب ترکیبیں اور دلچسپ صورتیں اور عجیب غریب کام اور مختلف صنعتیں نکالنے اور انواع و اقسام کے کمالات جمع کرنے میں منفرد اور بے مثل ہو۔

اربابِ عقل ودانش کا کہنا ہے کہ جوکوئی یہ نشانیاں اپنی ذات میں نہ دیکھے اور اپنے صحیفہ وجود میں قدرت کے آثار مطالعہ نہ کرے،اُس نے اپنا حظ ضائع کیا ہوگا اور زندگی سے بے بہرہ رہا ہوگا۔

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾

اور آسمان میں تمہاری روزی ہے،اور وہ جس کا وعدہ دیے جاتے ہو●

(اور آسمان میں تمہاری روزی ہے)،یعنی رزق کے اسباب ہیں جیسے بارش وغیرہ۔۔یا۔۔ جو رزق تمہاری قسمت میں ہے اُس کا ذکر لوحِ محفوظ میں ہے۔

ایک قول کے مطابق لوح چوتھے آسمان میں ہے۔

(اور) آسمان میں (وہ) بھی ہے (جس کا وعدہ دیے جاتے ہو)،یعنی ثواب،اس واسطے کہ جنت اور اُس کی نعمتیں ساتویں آسمان میں ہیں 'سدرۃ المنتہیٰ' کے قریب۔

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُۥ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾ ع ۱۸

توقسم ہے آسمان وزمین کے رب کی کہ بے شک یہ یقیناً حق ہے اسی طرح جیسے تم بولتے ہو●

(توقسم ہے آسمان وزمین کے رب کی،کہ بے شک یہ) یعنی جو مذکور ہوا روزی اور ثواب کا

مثل (یقیناً حق ہے اسی طرح جیسے تم بولتے ہو)، یعنی جس طرح تمہارے بات کرنے میں کوئی شک نہیں، اُسی طرح میرے روزی دینے میں کوئی شک نہیں۔

میں جو دیکھتا ہوں۔۔۔یہ۔۔۔جو میں سنتا ہوں اُس کے واقع کے مطابق ہونے میں تو شک ہوسکتا ہے، لیکن جو میں بولتا ہوں وہ میں ہی بولتا ہوں اور وہ میری ہی بولی ہے، اس میں کیا شک ہوسکتا ہے؟

آگے کی آیات میں نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے دل کو تسلی دینے کی طرف اشارہ ہے کہ پچھلی امتوں میں بھی کفار، انبیاء علیہم السلام کے پیغام کی تکذیب کرتے تھے، تب ہی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل فرمانے کے لیے فرشتے بھیجے گئے، اس لیے اگر آپ کی قوم کے کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ پریشان نہ ہوں۔ اور اُن فرشتوں کو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا گیا، تاکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عزت افزائی اور اُن کا مقام اور مرتبہ ظاہر ہو۔۔۔الغرض۔۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

وقف لازم

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ الْمُكْرَمِيْنَ ﴿۲۴﴾

کیا آچکی تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات۔۔۔●۔۔

اَے محبوب! (کیا آچکی تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات)۔

چونکہ حضرت ابراہیم نے اُن آنے والوں کو پہلے مہمان ہی گمان کیا تھا اس لیے مہمان کہہ کر اُن کا تعارف کرایا گیا۔ یہ آنے والے گیارہ فرشتے تھے جو قومِ لوط کو ہلاک کرنے کے واسطے نازل ہوئے تھے۔ ایک قول کے مطابق چار فرشتے تھے، جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور زردقائیل علیہم السلام۔ حضرت ابراہیم نے اُن کی تکریم کی اور اُن کی خدمت و مہمان نوازی کے لیے مستعد ہوگئے۔۔۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

کہ جب وہ داخل ہوئے اُن پر، تو بولے سلام، جواب دیا 'سلام'، انجان لوگ●

یاد کرو (کہ جب وہ داخل ہوئے اُن پر، تو بولے سلام!) یعنی سلام کیا ہم نے تجھ کو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے (جواب دیا سلام!) یعنی تم پر سلام۔ تم میرے لیے (انجان لوگ) ہو، یعنی تمہاری

شکل وصورت اور قد وقامت سے تمہیں پہچان نہ سکا۔۔ الختصر۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُن کو مسافر
اور مہمان خیال کیا۔

فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِیْنٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَیْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۷﴾

پھر چلے گئے اپنے گھر والوں کی طرف، تو لے آئے بھنا ہوا بچھڑا • پھر نزدیک کر دیا اُسے اُن مہمانوں کی طرف، بولے کہ "کیا تم لوگ نہیں کھایا کرتے؟" •

(پھر چلے گئے اپنے گھر والوں کی طرف) اِس طرح کہ اُن کے مہمانوں کو معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کہاں جاتے ہیں۔ (تو لے آئے بھنا ہوا بچھڑا • پھر نزدیک کر دیا اُسے اُن مہمانوں کی طرف) ۔ مہمانوں نے اُس کی طرف رغبت نہ کی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام (بولے، کہ کیا تم لوگ نہیں کھایا کرتے؟) ۔۔ الختصر۔۔ آپ علیہ السلام نے اُن سے کھانے کو کہا تو انہوں نے کھانے سے اِنکار کیا۔

چونکہ اس زمانے میں یہ عادت تھی کہ جو کوئی کسی سے دشمنی رکھتا، تو اُس کا کھانا نہ کھاتا، تو حضرت ابراہیم کو خیال ہوا کہ کہیں یہ ہمارے دشمن نہ ہوں جو ہمیں ہلاک کرنے آئے ہیں۔

فَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ ؕ وَ بَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾

تو دل میں لگے ڈرنے اُن سے، وہ بولے کہ "ڈریے نہیں۔" اور خوشخبری دی علم والے بیٹے کی •

(تو دل میں لگے ڈرنے اُن سے) ۔ جب فرشتوں نے اُن پر خوف کا اثر دیکھا، تو (وہ بولے کہ ڈریے نہیں) ہم خدا کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ (اور خوش خبری دی علم والے بیٹے کی) ، تا کہ اِس بشارت سے دِل میں خوف کی جگہ مسرت اور خوشی لے لے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا، تم نے پہلے کیوں نہ کہا کہ میں بچھڑا ذبح نہ کرتا اور اُس کو اُس کی ماں سے نہ چھڑاتا۔ پس حضرت جبرائیل نے اپنا پر مبارک اُس بھنے ہوئے بچھڑے پر ملایا، وہ زندہ ہو کر کودنے لگا اور اپنی ماں کی طرف چلا گیا۔ جب مذکورہ بالا خوشخبری کو آپ کی اہلیہ حضرت سارہ نے سنا کہ اُن کو اسحاق نام کے ایک فرزند کی خوشخبری دی گئی ہے جو جوان ہو کر زبردست عالم ہوگا۔۔۔

فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِیْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَ قَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِیْمٌ ﴿۲۹﴾

تو سامنے آئیں اُن کی بی بی شور کرتی، پھر اپنا ماتھا ٹھونکا، اور بولیں کہ "بڑھیا بانجھ کے؟" •

قَالُوْا كَذٰلِكِ ۙ قَالَ رَبُّكِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْحَكِیْمُ الْعَلِیْمُ ۝۳۰

اُن مہمانوں نے کہا کہ "ایسا ہی فرمایا ہے آپ کے رب نے۔" بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے●

(تو سامنے آئیں اُن کی بی بی شور کرتی، پھر اپنا ماتھا ٹھونکا) اور اس طرح اپنی کمالِ مسرت اور غایت حیرت کا مظاہرہ کیا، (اور بولیں کہ بڑھیا) اور وہ بھی (بانجھ کے)؟ وہ کیا جنے گی؟ (اُن مہمانوں نے کہا کہ ایسا ہی فرمایا ہے آپ کے رب نے۔ بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے)۔ یعنی بے شک وہ حکم کرنے والا ہے تیرے بیٹا پیدا ہونے کا، اور خوب جانتا ہے تیرا بانجھ ہونا۔ اور جو کوئی حکمت والا علم والا ہو، وہ ضرور تیری دُرستی اور اصلاح پر بھی قادِر ہے۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ

۱۸/ جمادی الآخر ۱۴۳۳ھ۔۔ مطابق۔۔ ۱۰/ مئی ۲۰۱۲ء

بروز پنجشنبہ، چھبیسویں ۲۶ پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ

مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کو مکمل کرنے کی توفیق

وسعادت مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وصٓ وَبِحَقِّ یَاۤ بُلُوْغَ

مَرْتَبَةِ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

۲۷

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ

باسمہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ
۲۹/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۲۰/جون ۱۲ء
بروز چہار شنبہ، ۲۷ویں پارہ کی تفسیر کا آغاز کر دیا ہے۔ دُعا گو ہوں
مولیٰ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس کی اور اس کے بعد باقی قرآن کریم
کی تفسیر کی تکمیل کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی حفاظت میں رکھے
آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، بِحَقِّ
نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ

پوچھا کہ "کیا مہم ہے تم لوگوں کی اے قاصدو؟"● سب نے جواب دیا کہ "ہم بھیجے گئے ہیں

مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ﴿۳۳﴾ مُّسَوَّمَةً

جرائم پیشہ لوگوں کی طرف ● تاکہ چھوڑیں اُن پر مٹی کے بنے پتھر● نشان دیے ہوئے آپ کے

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۴﴾

رب کے یہاں، حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے"●

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جانا کہ وہ فرشتے ہیں اور اکٹھا ہو کر اُن کا اترنا صرف خوش خبری ہی کے لیے نہیں بلکہ کسی بڑے کام کے واسطے ہوگا۔۔تو۔۔

(پوچھا کہ کیا مہم ہے تم لوگوں کی اے قاصدو؟● سب نے جواب دیا کہ ہم بھیجے گئے ہیں جرائم پیشہ لوگوں کی طرف)، یعنی کافروں کی جانب، اِس واسطے کہ سب گناہوں کا سردار کفر ہے۔اور جو لوگ ہزار سمجھانے اور ڈرانے کے باوجود کفر سے باز آنے کو آمادہ نہ ہوں، تو اتمامِ حجت کے بعد وہ عذابِ الٰہی کے مستحق ہو جاتے ہیں۔۔چنانچہ۔۔ہم آئے ہیں **(تاکہ چھوڑیں اُن پر مٹی کے بنے پتھر)** یعنی پتھر کی سی پکی ہوئی مٹی، جیسے اینٹ۔

یہ اینٹ کے پتھر جیسے ٹکڑے **(نشان دیے ہوئے آپ کے رب کے یہاں)**، یعنی آپ کے رب کی طرف سے وہ عذاب کے لیے نشان والے تھے۔۔یا۔۔اُن پر سفید۔۔یا۔۔سرخ نشان تھا تاکہ وہ زمین کے ڈھیلوں سے ممتاز محسوس ہوں۔۔یا۔۔ہر ڈھیلے پر اُس کا نام لکھا ہوا تھا جس کے لیے وہ چھوڑا گیا تھا، تاکہ وہ ہلاک و تباہ ہو جس پر اُس کا نام تھا۔ یہ عذاب تھا **(حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے)** جو اپنے فسق و فجور میں حد سے گزر جانے والے تھے، کہ اپنی منکوحہ عورت پر اکتفاء نہ کیا اور لڑکوں سے لواطت کے مرتکب ہوئے۔

بعض تفسیروں میں اِس قول کو صحیح قرار دیا گیا ہے کہ وہ پتھر اُن لوگوں پر برسے جو اُس شہر میں نہ تھے۔سب کافر وہ پتھر برسنے سے ہلاک نہیں ہوئے، بلکہ پتھروں کو برسانے سے پہلے ہی انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ پھر اُن کی تذلیل و تحقیر کے لیے اُن پر پتھروں کی بارش بھی کی گئی۔اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ یہ فرشتے مؤتفکہ میں قومِ لوط کو ہلاک کرنے جاتے ہیں، تو آپ کا دِلِ مبارک اپنے بھتیجے لوط علیہ السلام کے سبب ملول اور غمگین

ہوا، کہ اُس کا حال اِس بلاء میں کیا ہوگا۔ فرشتے بولے کہ رنج نہ کیجیے، کیونکہ لوط علیہ السلام اور اُن کی بیٹیاں نجات پائیں گی۔۔۔

فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝٣٥ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا

تو نکال لیے ہم نے جو تھے اُس میں ایمان والے ● تو نہ پایا ہم نے اُس میں

غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ۝٣٦ وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ

ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان ● اور رکھ چھوڑی ہم نے اُس میں نشانی اُن کے لیے

يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝٣٧

جو ڈریں دکھ والے عذاب کو ●

(تو نکال لیے ہم نے جو تھے اُس میں ایمان والے ● تو نہ پایا ہم نے اُس میں ایک گھر کے سوا کوئی مسلمان)۔ لوط علیہ السلام اور اُن کی بیٹیاں اُسی گھر والوں میں سے تھیں۔ (اور رکھ چھوڑی ہم نے اُس میں نشانی اُن کے لیے جو ڈریں دکھ والے عذاب کو)، تا کہ وہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ اور نشانی، سیاہ پانی اور قومِ لوط کے مکانوں کا الٹ پلٹ ہو جانا ہے۔

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝٣٨

اور موسیٰ میں بھی، جب کہ بھیجا تھا ہم نے اُنہیں فرعون کی طرف روشن سند کے ساتھ ●

فَتَوَلَّىٰ بِرُكْنِهِ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ۝٣٩

تو وہ پھر گیا مع اپنے ارکان کے، اور بولا کہ "جادوگر ہے یا پاگل ہے" ●

(اور موسیٰ) علیہ السلام کے قصے (میں بھی) نشانی ہے ڈرنے والوں کے واسطے، (جبکہ بھیجا تھا ہم نے اُنہیں فرعون کی طرف روشن سند کے ساتھ)، جیسے یدِ بیضاء اور عصا، (تو وہ پھر گیا مع اپنے ارکان کے)۔ چونکہ وہ لشکر اور خزانے کے باعث زور رکھتا تھا، اُس وجہ سے اُس نے ایمان لانے سے اِنکار کیا۔ (اور) حضرت موسیٰ کے تعلق سے (بولا کہ جادوگر ہے) جو نظر بندی کر کے لوگوں کو خلافِ عادت کام دکھاتا ہے، (یا پاگل ہے) جو اتنی بڑی قوت و طاقت رکھنے والی حکومت سے ٹکراتا ہے اور اپنا انجام کار نہیں سوچتا۔

محققین کا کہنا ہے کہ حضرت موسیٰ پر فرعون کی طعن اُس کے کمالِ نادانی کی دلیل ہے، اِس واسطے کہ اُن پر دو مخالف چیزوں سے طعن کی، اس لیے کہ یہ امر ثابت شدہ ہے کہ جادو کرنے کو کمالِ عقل، ذہن رسا اور اِس فن میں پوری مہارت چاہیے۔اور دیوانہ ہونا زوالِ عقل کی دلیل ہے۔اور کمالِ عقل اور زوالِ عقل ایک دوسرے کی ضد ہیں، تو یہ دونوں چیزیں ایک ہی وقت میں ایک ذات میں کیسے اکٹھا ہوسکتی ہیں؟۔۔۔

۔۔الغرض۔۔فرعون جب حضرت موسیٰ سے پھر گیا اور اُن پر طعن کی اور اُس کی قوم اِس بات میں اُس کے ساتھ متفق تھی۔۔۔

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَهُوَ مُلِیْمٌ ﴿٤٠﴾

تو پکڑا ہم نے اُسے اور اُس کے لشکروں کو، تو جھونک دیا اُنہیں دریا میں، اور وہ اپنی ملامت کر رہا تھا●

(**تو پکڑا ہم نے اُسے اور اُس کے لشکروں کو، تو جھونک دیا اُنہیں دریا میں،** اور) اِس حال میں کہ (**وہ اپنی ملامت کر رہا تھا**) کہ میں نے ایمان کیوں نہ قبول کیا؟ اور موسیٰ سے پھر کر اُن پر طعن کیوں کی؟

عذابِ الٰہی کو دیکھ کر اور اپنی ہلاکت کو یقینی سمجھ کر وہ بھی بول پڑا تھا:

آمَنْتُ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآئِیْلَ

"میں مان گیا کہ بے شک نہیں ہے کوئی معبود اُس ذات کے سوا بنی اسرائیل جس کو مان گئے۔"

۔۔۔اُس کا یہ 'ایمانِ یاس' اُس کے لیے سببِ نجات نہ ہوسکا۔اِس میں بھی اُس نے یہ غلطی کی تھی کہ اُس کو پہلے اپنے عہد کے رسول یعنی حضرت موسیٰ پر ایمان لانا چاہیے تھا۔اس لیے کہ 'ایمان بالرسول' کے بغیر 'ایمان باللہ' معتبر نہیں۔فرعون کی سرکشی اور تمرد کا عالم یہ تھا کہ اِس حال میں بھی اُس کی زبان سے آمَنْتُ بِاللّٰهِ۔۔یا۔۔آمَنْتُ بِرَبِّ مُوْسٰی نہ نکل سکا۔گو اُس نازک صورتِ حال میں اِن کلمات کا نکلنا بھی اُس کے صاحبِ ایمان ہوجانے کے لیے کافی نہ تھا۔

وَفِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴿٤١﴾ مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ

اور عاد میں بھی، جب کہ چھوڑ دی ہم نے اُن پر بے برکت آندھی● نہیں چھوڑتی کچھ

اَتَتۡ عَلَیۡہِ اِلَّا جَعَلَتۡہُ کَالرَّمِیۡمِ ؕ﴿۴۲﴾

جس پر گزری، مگر کردیا اُسے جیسے گلی سڑی●

(اور عاد) کی قوم (میں بھی) یعنی اس کے ہلاک ہونے میں بھی نصیحت اور عبرت ہے عبرت لینے والوں کے لیے، (جبکہ چھوڑ دی ہم نے اُن پر بے برکت آندھی) جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ یعنی وہ ہَوا جس سے نہ درخت بار آور ہو اور نہ اَبر اُٹھے۔ ایسی آندھی، جو (نہیں چھوڑتی کچھ جس پر گزری، مگر کردیا اُسے جیسے گلی سڑی) ہڈی کے مانند۔۔یا۔۔سوکھی ہوئی گھاس کی طرح۔

وَفِیۡ ثَمُوۡدَ اِذۡ قِیۡلَ لَہُمۡ تَمَتَّعُوۡا حَتّٰی حِیۡنٍ ﴿۴۳﴾ فَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہِمۡ

اور ثمود میں بھی، جب کہ کہا گیا اُنہیں کہ "رہ سہہ لو ایک وقت تک"● تو سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے،

فَاَخَذَتۡہُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ ہُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

تو پکڑا اُنہیں خاص کڑک نے اور وہ دیکھ رہے ہیں●

(اور ثمود) کے قصے (میں بھی) ایک نشانی ہے ڈرنے والوں کے لیے، (جب کہ کہا گیا انہیں) حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب اور اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کے بعد، (کہ رہ سہہ لو ایک وقت تک)۔ یعنی زندگی اور دُنیا کے کاموں سے فائدہ لے لو عذاب آنے کے وقت تک، کہ تین۳ دن گزرنے کے بعد وہ وقت ہوگا۔

(تو سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے) اور اپنے حال کے تدارک میں مشغول نہ ہوئے، (تو پکڑا انہیں خاص کڑک نے) تین۳ دن کے بعد، (اور وہ دیکھ رہے ہیں)۔۔الغرض۔۔اُن کی ہلاکت اُن کے دیکھتے سنتے خود اُن کے سامنے ہوگئی۔

فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مِنۡ قِیَامٍ وَّ مَا کَانُوۡا مُنۡتَصِرِیۡنَ ﴿۴۵﴾ وَ قَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ

تو نہ سکت تھی اُنہیں کھڑے ہونے کی، اور نہ تھے بدلہ لے سکنے والے● اور نوح کی قوم پہلے سے۔

اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۴۶﴾ ع۲

بلاشبہ وہ تھے نافرمان لوگ●

(تو) اُن کی بے چارگی کا عالم یہ تھا کہ (نہ سکت تھی انہیں کھڑے ہونے کی) کہ عذاب سے

بھاگ جائیں، (اور نہ تھے بدلہ لے سکنے والے) کہ حق تعالیٰ سے انتقام لیں اور عذاب روکنے میں ایک دوسرے کی مدد کرسکیں۔

اِس جگہ عذاب سے مراد حضرت جبرائیل علیہ السلام کی چیخ ہے جس کا ذکر متعدد مقامات پر کیا جاچکا ہے۔

(اور) ہلاک کیا ہم نے (نوح کی قوم) کو قوم عاد اور قوم ثمود کے (پہلے سے)، کیونکہ (بلاشبہ وہ تھے نافرمان لوگ) کفر وعصیان کے سبب سے دائرۂ استقامت سے نکل جانے والے تھے۔

اب آگے کے ارشادات میں رب حکیم وقدیر اپنی قدرت وحکمت اور اپنی تخلیق کا ذکر فرما کر اپنی توحید کو واضح فرمارہا ہے۔۔چنانچہ۔۔

وَالسَّمَاۤءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور آسمان کو بنایا ہم نے ہاتھوں سے، اور بے شک ہم اُس کو وسیع کرنے والے ہیں●

ارشادِ خداوندی (اور) فرمانِ الٰہی ہے کہ (آسمان کو بنایا ہم نے) اپنے (ہاتھوں سے)، یعنی اپنی قوتِ الوہیت اور زورِ خدائی سے۔۔یا۔۔اُس قوت سے جو ہم اُس کے پیدا کرنے پر رکھتے ہیں۔ (اور بے شک ہم اِس کو وسیع کرنے والے ہیں)۔ یعنی اِس کی جو وسعت ہے وہ ہماری ہی عطا کردہ ہے ۔۔یا۔۔ہم اس بات کی قدرت رکھتے ہیں کہ اگر چاہیں تو اس کو اور بھی وسیع کردیں۔۔یا۔۔جس طرح ہم نے آسمان کو کشادہ کر رکھا ہے اُسی طرح بندوں پر روزی کشادہ کرنے والے ہیں۔

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور زمین کو بچھایا ہم نے، تو کتنا اچھا ہم بچھانے والے ہیں● اور ہر چیز سے پیدا فرمایا ہم نے دو جوڑے، کہ تم لوگ دھیان کرو●

(اور زمین کو بچھایا ہم نے، تو کتنا اچھا ہم بچھانے والے ہیں)۔ (اور ہر چیز سے)، یعنی موجودات کی جنسوں میں سے ہر جنس سے، (پیدا فرمایا ہم نے دو جوڑے) یعنی دو قسم، کہ ایک دوسرے کی جوڑا ہونے والی ہے۔۔یا۔۔شکل کے لحاظ سے، جیسے مرد عورت۔۔یا۔۔تخالف کی راہ سے، جیسے اُجالا اندھیرا۔۔یا۔۔آگے پیچھے آنے کی راہ سے، جیسے دن رات۔۔یا۔۔مخالفت کی وجہ سے، جیسے خشک، تر۔اور

اِسی طرح قیاس کر لینا چاہیے۔۔آسمان، زمین۔۔پہاڑ، میدان۔۔بحر و بر۔۔کفر و ایمان۔۔شقاوت
سعادت۔۔جاڑا، گرمی۔۔جن و انس۔۔اور صفات میں سے جیسے حلم و قہر۔۔نامردی اور مردانگی۔۔
سخاوت اور بخل اور اِسی کے مثل ہیں حق و باطل۔۔شیرینی، تلخی۔۔بیماری، صحت۔۔غنی ہونا، فقیر ہونا۔۔
ہنسنا، رونا۔۔خوشی، غم۔۔موت و زندگی اور علیٰ ھٰذا القیاس، جس قدر خیال کیجیے خدا کی مخلوقات میں جوڑ
نکلیں گے۔اور یہ جوڑے اس واسطے پیدا کیے گئے تا (کہ تم لوگ دھیان کرو) نصیحت پاؤ اور یہ بات جان
کہ وحدانیت اور فردانیت خاص میری ہی صفت ہے، اِس واسطے کہ تعدد ممکنات کے خاصوں میں سے
ہے، اور میں 'واجب الذات' ہوں۔اور واجب، تعدد اور انقسام نہیں قبول کرتا۔۔۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ؗ وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ

تو بھاگ چلو اللہ کی طرف۔بے شک میں تمہیں اُس سے کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں ● اور مت بناؤ اللہ کے ساتھ

اِلٰـهًا اٰخَرَ ۭ اِنِّىْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ؚ

دوسرا معبود۔بے شک میں تمہارے لیے اُس سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں●

(تو بھاگ چلو اللہ) تعالیٰ (کی طرف)، یعنی رجوع کرو خدا کی توحید کی طرف۔

--یا-- اُس کے عذاب سے اُس کے ثواب کی جانب۔

--یا-- اُس کی معصیت سے اُس کی اطاعت کی طرف۔

--یا-- بقولِ حضرت شیخ سہل تستری: بھاگو اُس کی طرف اُس کے ماسوا سے۔

--یا-- بقولِ امام قشیری: اپنے وصف سے بھاگو حق کے وصف کی طرف، بلکہ اپنے سے فرار
کرو اور حق کے ساتھ قرار پکڑو۔

(بے شک میں تمہیں اُس سے) یعنی عذابِ الٰہی سے، (کھلا کھلا ڈرانے والا ہوں)۔۔یا۔۔
وہ بات بتانے والا ہوں جس سے بچنا چاہیے۔(اور مت بناؤ اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ دوسرا معبود، بے
شک میں تمہارے لیے اس سے صاف صاف ڈرانے والا ہوں)۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ

اِسی طرح نہ آیا اُن کے پاس جو پہلے تھے، کوئی رسول، مگر وہ کہا کیے کہ "جادوگر ہے

أَوْ مَجْنُونٌ ﴿٥٢﴾ أَتَوَاصَوْا بِهِ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿٥٣﴾

یا پاگل ہے"۔ کیا وہ ایک دوسرے کو اُس کی وصیت کر کے مرا کیے؟ بلکہ وہ لوگ سرکش ہیں۔

اَے محبوب! جس طرح تیری قوم کے لوگ تجھے سحر اور جنون کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اسی طرح نہ آیا اُن کے پاس جو) کفار مکہ کے (پہلے تھے کوئی رسول، مگر وہ کہا کیے کہ جادوگر ہے یا پاگل ہے)۔ اگر رسول نے اُن لوگوں کو معجزہ دکھایا تو اُن لوگوں نے اُسے سحر کہا، اور اگر رسول نے بعث وحشر کی خبر دی، تو اُن کے قول کو اُن لوگوں نے دیوانوں کی بات سے مشابہت دی۔ (کیا وہ ایک دوسرے کو اس کی وصیت کر کے مرا کیے؟)۔ حقیقت یہ ہے کہ وصیت نہیں کی، (بلکہ وہ لوگ) بذاتِ خود (سرکش ہیں) یعنی نافرمانی کرنے والے اور حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور اُن کی نافرمانی اور سرکشی یہ بات کہلواتی ہے۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ ﴿٥٤﴾

تو منہ پھیر لو اُن سے، کہ تم پر کوئی الزام نہیں۔

(تو منہ پھیر لو اُن سے) اور بدلہ نہ لو تا وقتیکہ قتال پر مامور نہ ہو، کیوں (کہ تم پر کوئی الزام نہیں) خدا کے نزدیک اُن سے منہ پھیرنے کی وجہ سے۔۔ الحتصر۔۔ جب تک آپ کو اُن کے ساتھ جنگ و جہاد کا حکم صادر نہ ہو، ان کو مکافاتِ عمل یعنی اُن کے کردار کا بدلہ دینے سے روگردانی فرمایئے۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٥﴾

اور سمجھاتے بجھاتے رہو، کیونکہ بلاشبہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کے۔

(اور سمجھاتے بجھاتے رہو)۔ یعنی انہیں بالکل نہ چھوڑو، بلکہ وعظ و نصیحت کرتے رہو، (کیونکہ بلاشبہ سمجھانا کام آتا ہے ایمان والوں کے)، اُن لوگوں کو جن کے لیے ایمان مقدر ہے۔۔ یا۔۔ انہیں جو بالفعل مؤمن ہیں، کیونکہ وعظ و نصیحت سے اُن کی بصیرت و یقین میں اضافہ ہوتا ہے۔۔ الحتصر۔۔ کافروں کی سرکشی و عناد اور اِنکار سے اہلِ ایمان کی نصیحت سے دست بردار نہ ہو، بلکہ ایسے ہی وعظ و نصیحت میں مصروف رہو، کہ وعظ و نصیحت کے بہت بڑے فوائد ہیں۔۔ مثلاً: نصیحت قلوب کو نرم کرتی ہے۔

فصول میں ہے کہ وعظ کہنے والے کے کلام میں دس چیزیں ہونی چاہئیں، تاکہ سننے

والے کو فائدہ پہنچے:

﴿۱﴾۔۔لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائے، تا کہ وہ رب کا شکر کریں۔

﴿۲﴾۔۔دکھ اور تکالیف کا ثواب بتائیں تا کہ صبر کر سکیں۔

﴿۳﴾۔۔گناہوں کی سزا و عذاب سنائیں، تا کہ گناہوں سے باز آجائیں اور اُن سے توبہ کریں۔

﴿۴﴾۔۔شیطان کے مکر و فریب بتائیں، تا کہ اُس سے ڈر کر بچ جائیں۔

﴿۵﴾۔۔دُنیا کی بے ثباتی اور بے وفائی سمجھائیں، تا کہ اُس میں دِل نہ لگائیں۔

﴿۶﴾۔۔موت کو ہر وقت یاد رکھا جائے، تا کہ روانگی کی تیاری جاری رکھی جا سکے۔

﴿۷﴾۔۔قیامت کو زیادہ سے زیادہ یاد دلایا جائے، تا کہ اُس کے لیے زادِ راہ جمع کی جا سکے۔

﴿۸﴾۔۔دوزخ کے عذاب کے حالات بتائے جائیں، تا کہ اُس سے بچ سکیں۔

﴿۹﴾۔۔بہشت کی نعمتیں سنائی جائیں، تا کہ اُنہیں رغبت ہو۔

﴿۱۰﴾۔۔ہر بات کو خوف و رجاء کے درمیان میں رکھا جائے، یعنی کبھی اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت کا تصور دلایا جائے، تا کہ اُس کا خوف دِل میں پیدا ہو اور کبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مہربانی بتائی جائے، تا کہ اُس سے امیدوار ہو۔

جو پند و نصیحت اِن دس امور پر مشتمل ہو، تو اہلِ ایمان کو اُس سے بہت بڑا فائدہ نصیب ہوگا، بالخصوص وہ عالمِ دین ایسی باتیں بتائے جو خود اُن کا عامل ہو، کیونکہ عالم باعمل کی بات زیادہ مؤثر ہوتی ہے بہ نسبت اُس کے جو بے عمل ہو۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۵۶﴾ مَا أُرِيدُ مِنْهُمْ

اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن اور انسان کو، مگر تا کہ پوجیں مجھے ● میں نہ مانگوں اُن سے

مِنْ رِزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَنْ يُطْعِمُونِ ﴿۵۷﴾

کوئی روزی، اور نہ چاہوں کہ کھانا دیں مجھے ●

(اور نہیں پیدا فرمایا میں نے جن اور انسان کو، مگر تا کہ پوجیں مجھے)۔ یعنی اِن سب کو ہم نے نہیں پیدا کیا مگر اس واسطے کہ اُن کو اپنی عبادت کا ہم حکم کریں۔۔ چنانچہ۔۔اُن سب کو حکم کیا ہے جیسا کہ "**وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا**۔۔الآیہ" سے ظاہر ہے۔

۔۔یا۔آیت کا معنی یہ ہے کہ۔۔۔

جن وانسان میں جو اہلِ ایمان ہیں، انہیں نہیں پیدا کیا ہم نے مگر اس واسطے کہ میری عبادت کریں۔حضرت مجاہد نے یہ معنی کیے ہیں کہ نہیں پیدا کیا ہم نے اُن کو مگر اس واسطے کہ ہم کو وہ پہچانیں اور سب اُسے پہچانتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ بعضے حکم نہیں مانتے اور بعضے اُس کی عبادت میں شریک ٹھہراتے ہیں۔حق تعالیٰ اُن سے صرف اپنی عبادت چاہتا ہے۔۔چنانچہ۔۔فرماتا ہے کہ (میں نہ مانگوں ان سے کوئی روزی اور نہ چاہوں کہ کھانا دیں مجھے)، یعنی میں اپنے پیدا کیے ہوؤں سے رزق و روزی نہیں چاہتا، اس لیے کہ رزق دینا اور کھانا کھلانا تو میری ہی صفت ہے۔۔الغرض۔۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ﴿۵۸﴾

بے شک اللہ ہی روزی دینے والا، قوت والا قدرت والا ہے●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (ہی روزی دینے والا، قوت والا، قدرت والا ہے)۔

اُس کی قدرتِ قاہرہ اُس کی قوتِ بالغہ کی دلیل اور اُس کی شدتِ قوت اُس کی متانتِ قدرت پر حجت ہوگئی۔نہ کارسازی میں اُس کی متانت کو فتور ہے اور نہ رزق رسانی اور بندہ نوازی میں اُس کی قدرت کو کمی اور قصور ہے۔

فَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذَنُوْبًا مِّثْلَ ذَنُوْبِ اَصْحٰبِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۵۹﴾

تو بلاشبہ جنہوں نے اندھیر مچایا ہے، اُن کے لیے ایک باری ہے، جیسے اُن کے اگلے ساتھیوں کی باری تھی، تو جلدی نہ مچائیں●

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ يَّوْمِهِمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع۱۴۴

تو ہلاکی ہے اُن کی جنہوں نے کفر کیا اُن کے اُس دن کی، جس کا وعدہ دیے جاتے ہیں●

(تو بلاشبہ جنہوں نے اندھیر مچایا ہے اُن کے لیے ایک باری ہے، جیسے اُن کے اگلے ساتھیوں کی باری تھی)۔یعنی جو عذاب اُن پر پہنچا تھا وہ ان اندھیر مچانے والے مکہ والوں پر بھی پہنچے گا۔(تو جلدی نہ مچائیں) اُسے طلب کرنے میں۔(تو ہلاکی ہے اُن کی جنہوں نے کفر کیا اُن کے اُس دن کی، جس کا وعدہ دیے جاتے ہیں)۔اور وہ قیامت کا دن ہے۔

اور یہی زیادہ مناسب ہے، جیسا کہ آنے والی سورت میں ہے۔۔اور۔۔اگر 'یوم موعود' سے دُنیوی عذاب کا دن مراد لیا جائے، تو 'دن' سے یوم بدر مراد ہوگا۔وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعْلَمُ۔

اختتام سورۃ الذٰریٰت ـــ ﴿ ۲ر شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ـــ مطابق ـــ ۲۳ر جون ۲۰۱۲ء بروز شنبہ

ابتداء سورۃ الطور ـــ ﴿ ۳ر شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ـــ مطابق ـــ ۲۴ر جون ۲۰۱۲ء بروز یکشنبہ

سُوْرَةُ الطُّوْرِ

سورۃ الطور ـــ ۵۲ مکیہ ۷۶ — آیاتہا ۴۹ ـــ رکوعاتہا ۲

سورۂ مبارکہ 'الطور' جس کا نام اُسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے، اور جو 'سورۂ نوح' کے بعد اور 'سورۃ المومنین' سے پہلے نازل ہوئی۔ جس کی آیت ۳۵ اور آیت ۳۷ کو حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے جب نبی کریم کو ایک مرتبہ نمازِ مغرب میں پڑھتے ہوئے سن لیا، تو انہیں ایسا لگا کہ اُن کا دِل سینے سے نکل کر اُڑ جائے گا۔ ایسی پُر جلال اور پُر ہیبت سورۂ مبارکہ کو ـــ یا ـــ قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں ـــ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالطُّوْرِ ۝۱ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳

قسم ہے طور کی • اور اُس نوشتہ کی • جو کھلے دفتر میں ہے •

(قسم ہے طور) سینا پہاڑ (کی) یعنی جبلِ زبیر کی ـــ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق تعالیٰ کا کلام سنا، اور بعضوں نے کہا کہ مطلق پہاڑ مراد ہیں کہ زمین کی میخیں ہیں ـــ (اور) قسم (اُس نوشتہ کی • جو کھلے دفتر میں ہے)۔ یعنی صحیفے میں ہے جو پڑھتے وقت کھولا جاتا ہے۔

صحیح قول کی بنیاد پر اُس کتاب سے مراد قرآنِ کریم ہے، کیونکہ جو کتاب آسمانی کتابوں میں سب سے زیادہ عظیم ہے اور جس کتاب کی اللہ تعالیٰ نے قسم ارشاد فرمائی ہے، وہ قرآن

مجید ہی ہے۔۔نیز۔۔نبی کریم ﷺ حاملِ قرآن تھے، حاملِ تورات وغیرہ نہ تھے۔اور جس کتاب کو آپ مشرکین کے سامنے پیش کررہے تھے اور جس کتاب کی آپ تعلیم دے رہے تھے، وہ تورات وانجیل وغیرہ نہیں۔ویسے بھی تورات وانجیل وزبور آپ کے زمانے میں محرف اور مبدل ہوچکی تھیں، اُن کی عظمت کی قسم ارشاد فرمانے کا کیا موقع تھا۔اِس سلسلے میں دوسرے اقوال بھی ہیں:

﴿۱﴾۔۔اُس کتاب سے مراد وہ چیز ہے جو لوحِ محفوظ میں لکھی گئی ہے۔اِس تقدیر پر **رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ** مجاز ہوگا، اِس واسطے کہ لوحِ محفوظ 'زمردِ سبز' کی ہے۔

﴿۲﴾۔۔اُس کتاب سے مراد حضرت موسیٰ کی تختیاں ہیں، کہ اُن پر لکھتے وقت قلم کی آواز سنتے تھے۔

﴿۳﴾۔۔اُس کتاب سے مراد توریت ہے، اس واسطے کہ اُس میں حضرت سید عالم ﷺ کی نعت لکھی تھی ۔۔یا۔۔

﴿۴﴾۔۔اعمال لکھنے والے فرشتوں کے نوشتے مراد ہیں ۔۔یا۔۔

﴿۵﴾۔۔وہ کتاب مقصود ہے جو حق تعالیٰ نے فرشتوں کے واسطے لکھی ہے کہ اُس میں جو کچھ ہو۔۔ہے۔۔اور ہوگا۔۔اُس کا علم پڑھتے ہیں۔

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ ۝ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ ۝

اور بیت المعمور کی● اور اُس اونچی چھت کی●

(اور) قسم ہے (بیت المعمور کی)، آباد گھر کی، یعنی کعبہ کی، کہ حاجیوں کی زیارت اور مجاوروں کی خدمت سے اُس کی آبادی ہے۔

۔۔یا۔۔

اِس محل کی جو ساتویں آسمان پر کعبہ شریف کے مدمقابل اور محاذی واقع ہوا ہے۔اور آبادی اُس سے ہے کہ فرشتے کثرت سے اُس کا طواف کرتے ہیں۔**(اور) قسم ہے (اُس اونچی چھت کی)** یعنی آسمان کی، کہ انوارِ حکمت جمع ہونے اور اسرارِ فطرت چھپے رہنے کی جگہ ہے۔

۔۔یا۔۔

قسم عرشِ اعظم کی۔

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ۝۶

اور بھڑکائے ہوئے سمندر کی●

(اور) قسم ہے (بھڑکائے ہوئے سمندر کی)۔

اِس سے 'بحرِ محیط' مراد ہے، جو دُنیا کے تمام دریاؤں کا مادہ ہے۔ وہ متصل ہیں یا منفصل۔ یہ وہ دریا ہے جس کا کنارہ معلوم نہیں، جس کی گہرائی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور تمام دُنیا کے دریا اُس سے نکلے ہیں۔ اُس میں آباد جزیرے ہیں اور کچھ خالی جزیرے بھی، جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فی الحال سمندر پانی سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن قیامت کے دن اُن میں آگ بھڑک اٹھے گی۔ حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ سمندر کا سفر صرف وہی کرے جو حج کرنے والا ہو یا عمرہ کرنے والا ہو یا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو، کیونکہ سمندر کے نیچے آگ ہے اور آگ کے نیچے سمندر ہے۔ الختصر۔ سمندر تہہ در تہہ ہے اور سمندر کی آفتوں کا اس میں سفر کرنے والوں تک پہنچنے کا خطرہ ہے۔

اِس ارشاد میں یہ اشارہ ہے کہ سمندر کی آفات ایک دوسرے کے پیچھے لگاتار آ رہی ہیں، لہٰذا کسی فانی غرض کے لیے سمندر کا سفر اختیار کرنا بے وقوفی اور جہالت ہے کیونکہ اس میں جان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اور جان کو خطرہ میں ڈالنا صرف اللہ کے قرب حاصل کرنے کے لیے محمود ہے۔ مذکورہ بالا قسموں کا جواب یہ ہے۔۔۔

إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷ مَّا لَهُ مِن دَافِعٍ ۝۸ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ

کہ بلاشبہ تمہارے رب کا عذاب یقیناً ہونے والا ہے● نہیں ہے اُس کا کوئی ٹالنے والا● جس دن کہ گھومتے پھریں گے آسمان

مَوْرًا ۝۹ وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝۱۰

ہل ہل کر● اور چلیں گے پہاڑ اُڑ اُڑ کر●

(کہ بلاشبہ تمہارے رب کا عذاب یقیناً ہونے والا ہے) اور اُترنے والا ہے۔ (نہیں ہے اُس کا کوئی ٹالنے والا) دفع کرنے والا، بلکہ ہر حال میں وہ واقع ہوگا (جس دن کہ گھومتے پھریں گے آسمان ہل ہل کر) یعنی اضطراب میں آخر پھٹ جائیں گے۔ (اور چلیں گے پہاڑ) ہوا میں روئی کی طرح (اُڑ اُڑ کر)۔

فَوَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝١١ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِيۡ خَوۡضٍ يَّلۡعَبُوۡنَ ۝١٢

تو ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے • جو بیہودگی میں پڑے کھیل رہے ہیں--•--

يَوۡمَ يُدَعُّوۡنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝١٣

جس دن کہ ڈھکیلے جائیں گے جہنم کی آگ کی طرف دھکادے کر•

(تو ہلاکی ہے) اور عذاب کی سختی ہے (اُس دن جھٹلانے والوں کے لیے) جنہوں نے خدا و رسول کی بات کو جھوٹ جانا اور تکذیب کی، اور (جو بے ہودگی میں پڑے کھیل رہے ہیں) اور قرآن شریف پر ہنسی، نبی کریم کی تکذیب، اور بعث وحشر کا اِنکار کررہے ہیں اور از راہِ غفلت بیہودہ کلامی کرتے رہتے ہیں۔۔نیز۔۔۔ یہ لوگ نہیں ڈرتے اُس دن سے (جس دن کہ ڈھکیلے جائیں گے جہنم کی آگ کی طرف دھکادے کر)۔

روایت ہے کہ کافروں کا ہاتھ اُن کی گردنوں میں باندھیں گے اور اُن کی پیشانیاں پیروں کی پشت سے چپکائیں گے اور دوزخ میں جھونک دیں گے اور کہیں گے۔۔۔

هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيۡ كُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ۝١٤ اَفَسِحۡرٌ هٰذَاۤ اَمۡ اَنۡتُمۡ

کہ "یہ ہے وہ آگ! جس کو جھٹلایا کرتے تھے تم • تو کیا یہ جادو ہے؟ یا تم لوگ

لَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝١٥ اِصۡلَوۡهَا فَاصۡبِرُوۡۤا اَوۡ لَا تَصۡبِرُوۡا‌ۚ

نظر بندی میں پڑے ہو؟ • جاؤ اس میں خواہ صبر کرو یا نہ کرو۔

سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ‌ؕ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝١٦

یکساں ہے تمہیں۔ اُسی کا بدلہ دیے جاتے ہو جو کیا کرتے تھے" •

(کہ یہ ہے وہ آگ! جس کو جھٹلایا کرتے تھے تم) اور باور نہ رکھتے تھے اور پیغمبر کی وحی کو سحر جانتے تھے، (تو) اب بولو! کہ (کیا یہ جادو ہے؟ یا تم لوگ نظر بندی میں پڑے ہو؟) جس طرح دُنیا میں کہتے تھے کہ ہماری نظر بندی کردی ہے۔ (جاؤ اس میں! خواہ صبر کرو یا نہ کرو۔ یکساں ہے تمہیں) صبر اور بے صبری۔ یعنی کسی صورت میں بھی نہ بچ سکتے ہو، نہ بھاگ سکتے ہو، اور ہمیشہ عذاب میں رہو گے۔ اِس عذاب سے (اُسی کا بدلہ دیے جاتے ہو جو کیا کرتے تھے)۔ اِن معذبین کے برعکس۔۔۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ ﴿١٧﴾ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ

بے شک اللہ سے ڈرنے والے، باغوں اور آرام میں ہیں ● خوش خوش جو دے رکھا ہے انہیں اُن کے رب نے۔اور بچالیا انہیں

رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿١٨﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

اُن کے رب نے عذابِ جہنم سے ● کہ" کھاؤ اور پیو مزے سے، بسبب اُس کے جو عمل کیا کرتے تھے" ●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والے، باغوں اور آرام میں ہیں ● خوش خوش، جو دے رکھا ہے انہیں اُن کے رب نے) ہمیشہ کے واسطے بزرگیاں۔۔الغرض۔۔اللہ تعالیٰ کے فضل وعطا سے وہ بہت ہی مزے میں ہیں۔(اور) یہ اِس سبب سے ہے کہ (بچالیا انہیں اُن کے رب نے عذابِ جہنم سے)۔اور جنت کے فرشتے برابر اُن سے کہیں گے (کہ کھاؤ اور پیو مزے سے) ایسا کھانا پینا جو ہضم ہو جایا کرے کہ نہ بدہضمی ہو اور نہ کمی کرے، (بہ سبب اُس کے جو عمل کیا کرتے تھے)۔

ہر چند وعدہ بندے کے کام پر ہے، مگر اصل اِس کا فضلِ خداوندی ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ ہمارے کام کی کیا مزدوری ہوگی۔ یہ تو ربِّ اکرم کا کرم ہے کہ عطا فرماتا ہے اپنے فضلِ بے پایاں سے، اور ارشاد فرماتا ہے کہ یہ تمہارے عمل کا نتیجہ ہے۔ورنہ ہمارے عمل میں وہ قوتِ بازو کہاں؟ جو فضلِ خداوندی کی ہمسری کر سکے۔ربِّ کریم سے یہی دعا کرنی چاہیے کہ اے صاحبِ فضلِ عظیم! بس اپنے فضل و رحمت اور لطف و کرم سے میری یاوری فرما اور میرے افعال کو اپنے عدل کے حوالے نہ فرما۔۔المختصر۔۔

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ سُرُرٍ مَصْفُوفَةٍ ۖ وَزَوَّجْنَاهُمْ بِحُورٍ عِينٍ ﴿٢٠﴾

تکیہ لگائے اپنے اپنے تختوں پر برابر بچھائے ہوئے۔اور بیاہ دیا ہم نے اُنہیں بڑی بڑی آنکھ والی گوریوں سے ●

متقی لوگ جنت میں (تکیہ لگائے اپنے اپنے تختوں پر) ہوں گے جو (برابر بچھائے ہوئے) ہوں گے۔یعنی ایک دوسرے سے ملے ہوئے بچھے ہوں گے۔۔یا۔۔جو سونے سے منڈھے ہوں گے۔ (اور بیاہ دیا ہم نے انہیں بڑی بڑی آنکھ والی گوریوں سے)، یعنی اُن کا جوڑا کر دیا اُن عورتوں کے ساتھ جن کا رنگ گورا اور آنکھیں کشادہ ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

اور جو ایمان لائے اور پیچھے پیچھے رہی اُن کے اُن کی نسل ایمان کے ساتھ، تو ملا دیا ہم نے اُن کے ساتھ اُن کی نسل کو

وَمَآ اَلَتۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَمَلِهِمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ کُلُّ امۡرِیًٔ بِمَا کَسَبَ رَهِیۡنٌ ﴿۲۱﴾

اور نہیں کمی کی ہم نے اُن کی اُن کے اعمال سے کچھ۔ ہر ناکس نے جو کمائی کی اُس میں پکڑا ہوا ہے●

(اور) اُن کو یہ شرف بھی حاصل ہوا کہ (جو ایمان لائے) خدا اور رسول کا (اور پیچھے پیچھے رہی اُن کے اُن کی نسل ایمان کے ساتھ، تو ملا دیا ہم نے اُن کے ساتھ اُن کی نسل کو)۔ یعنی اُن کی اولاد کو دخول بہشت میں۔۔یا۔۔اُن کے درجوں پر پہنچنے میں۔

یعنی اگر باپ دادا کے درجے بلند ہوں گے، تو اُن کی اولاد کے درجے بھی ہم بلند کر دیں گے، تا کہ باپوں کی آنکھیں اولاد کے دیدار سے روشن ہوں۔

(اور نہیں کمی کی ہم نے اُن کی اُن کے اعمال سے کچھ)۔ یعنی اِس ملا دینے کے سبب سے باپوں کے کاموں کے ثواب میں کچھ کمی نہیں کی جائے گی اور اولاد کو اُن کے باپوں کے درجوں تک پہنچا دیا جائے گا بے اِس کے کہ باپوں کا ثواب کچھ کم ہو جائے، بلکہ اپنے فضل و کرم سے ربِّ اکرم اولاد کے رتبے میں بلندی عطا فرمائے گا۔

بعض عارفین فرماتے ہیں کہ 'ایمان اور عمل' بہشت اور درجاتِ بہشت کے واسطے علت نہیں ہیں، اور بہشت اور اُس کے درجات کا وعدہ ایمان اور عمل پر ہے، ایمان و عمل کے بغیر نہیں۔ اور ایمان و عمل کا وعدہ فضلِ لم یزل پر ہے۔

(ہر ناکس نے جو کمائی کی اُس میں پکڑا ہوا ہے) یعنی ہر ناکس و نالائق جو مکلّف و عاقل و بالغ ہو قیامت کے دن اپنے کاموں کی جزا کے ساتھ بندھا ہوا ہے، کہ اُس سے رہائی کی شکل نہیں رکھتا۔ اور دوسرے کے کام پر مواخذہ نہیں اور مکلفہ عورت کا بھی یہی حکم ہے۔ جنتیوں کو ہم نے جو کچھ دیا ہے وہ تو دیا ہی ہے۔۔۔

وَاَمۡدَدۡنٰهُمۡ بِفَاکِهَةٍ وَّلَحۡمٍ مِّمَّا یَشۡتَهُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اور مدد فرمائی ہم نے اُن جنتیوں کی میوہ اور گوشت سے، جو چاہیں●

(اور) مزید برآں (مدد فرمائی ہم نے اُن جنتیوں کی میوہ اور گوشت سے جو چاہیں)۔ یعنی صرف چاہنے ہی سے اُن کے پسندیدہ میوے اور حسبِ خواہش گوشت ان کے لیے حاضر کر دیئے جائیں گے۔ انہیں اِس بات کی ضرورت نہ ہوگی کہ وہ طلب کریں پھر ان کو یہ چیزیں دی جائیں۔

يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ ﴿٢٣﴾

چھین جھپٹ کی تفریح کیا کریں گے اُس میں جام کی، جس میں نہ بیہودگی ہے، اور نہ جرم کاری●

(چھین جھپٹ کی تفریح کیا کریں گے اُس میں جام کی) یعنی ایک دوسرے کو دیں گے ا لیں گے اور اِس عمل میں ایسی تیزی دکھائیں گے، کہ لگے گا کہ ایک دوسرے پر جھپٹ رہے ہیں، شائستگی کے ساتھ، (جس میں نہ بیہودگی ہے اور نہ جرم کاری)۔

--یا-- جام وکاسہ سے مراد شراب ہے۔ چیز کا نام برتن کے نام پر رکھ دیا۔ یعنی--

سبھوں کو ایسی شراب پلائیں گے کہ نہ کوئی بیہودہ بات ہوگی اُس میں، یعنی اُسے پیتے وقت نہ لغو بکیں گے، نہ جھگڑے کریں گے، جیسے دُنیا میں فاسقوں اور شرابیوں کی عادت ہے اور نہ گنہگار ہوں گے یعنی اُن سے ایسا کوئی کام نہ ہوگا جو گناہ کا موجب ہو۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ ﴿٢٤﴾

اور دَورہ کریں گے اُن پر اُن کے غلام، گویا کہ وہ موتی ہیں محفوظ●

(اور دورہ کریں گے اُن پر) خدمت کے لیے (اُن کے غلام) جو لڑکوں کی صورت میں پید کیے گئے، (گویا کہ وہ) صفائی اور لطافت میں (موتی ہیں محفوظ) چھپے ہوئے سیپ میں، کہ اُن تک کس کا ہاتھ نہیں پہنچا۔

حضرت قتادہ سے منقول ہے کہ کسی نے کہا کہ خادم جو ایسے ہوں گے تو مخدوم کیسے ہوں گے؟ فرمایا کہ خادم پر مخدوم کی ایسی فضیلت ہوگی، جیسے تاروں پر چودھویں رات کے چاند کی ہوتی ہے۔

وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿٢٥﴾ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا

اور سامنے آئے ایک دوسرے کے پوچھ گچھ کرتے● کہنے لگے کہ "بلاشبہ ہم تھے پہلے اپنے لوگوں میں

مُشْفِقِينَ ﴿٢٦﴾ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ ﴿٢٧﴾

ڈرتے ہوئے● پھر احسان فرمایا اللہ نے ہم پر، اور بچا لیا ہمیں گرم ہوا کے عذاب سے●

(اور) جنتی (سامنے آئے ایک دوسرے کے) اُن کے افعال واحوال کی (پوچھ گچھ کرتے

آپس میں (کہنے لگے کہ بلاشبہ ہم تھے پہلے اپنے لوگوں میں ڈرتے ہوئے) عذاب الٰہی سے۔۔یا۔۔
حکم کی بُرائی۔۔یا۔۔دشمنوں کے بُرا کہنے۔۔یا۔۔انجام کار سے، (پھر احسان فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے ہم
پر) اپنی رحمت۔۔یا۔۔توفیقِ عصمت سے (اور بچالیا ہمیں گرم ہوا کے عذاب سے)۔
ایک قول ہے کہ **سموم** جہنم کا نام ہے۔

اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ۟ؑ ﴿۲۸﴾

ع ۲۸ / ۳

بلاشبہ ہم تھے پہلے سے کہ دُہائی دیتے تھے اُس کی، بے شک وہ بڑا احسان فرمانے والا رحم والا ہے"●

(بلاشبہ ہم تھے پہلے سے کہ دُہائی دیتے تھے اُس کی) یعنی اِس سے پہلے دُنیا میں عبادت کرتے تھے خدا کی اور اُسے پکارتے تھے اور دوزخ سے بچاؤ مانگتے تھے، تو اُس نے ہماری دُعا قبول فرمائی۔
(بے شک وہ بڑا احسان فرمانے والا) ہے اور (رحم والا) مہربان (ہے) اپنے بندوں پر۔
روایت ہے کہ کافر مکہ معظمہ کی گھاٹیوں پر کھڑے ہوتے اور حضرت رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عرب کے قافلوں کے سامنے کاہن، مجنون، شاعر اور ساحر کہتے، اور آنحضرت ﷺ اُن کی اِن باتوں سے بہت غمگین ہوتے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ؕ﴿۲۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ

تو نصیحت کرتے رہو کہ "نہیں ہو تم اپنے رب کے فضل سے کاہن اور نہ مجنوں● کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ "ایک شاعر ہے؟

نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾

ہم دیکھ رہے ہیں اُن کے لیے بھی حوادثِ زمانہ کو"●

(تو نصیحت کرتے رہو، کہ نہیں ہو تم اپنے رب کے فضل سے کاہن) جو بغیر وحی الٰہی کے غیب کی خبر دینے کا دعویٰ کرتا ہے، (اور نہ مجنون)، جس کی عقل پوشیدہ ہوتی ہے۔۔یا۔۔جس پر جن مسلط ہوتا ہے۔ (کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک شاعر ہے) نبی نہیں (ہم دیکھ رہے ہیں اُن کے لیے بھی حوادث زمانہ کو)۔ یعنی ہم اُن کی موت کے منتظر ہیں۔ جیسے اور شاعر مر گئے۔۔یا۔۔ہم امید رکھتے ہیں کہ اس کی موت بھی اِس کے باپ دادا کی موت کے مثل ہو، یعنی جلدی مر جائے اور بڑھاپے تک نہ پہنچنے پائے۔ اے محبوب!

قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿٣١﴾ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ

کہہ دو کہ "دیکھتے رہو، کہ بلاشبہ میں بھی دیکھنے والوں سے ہوں" ● کیا بتاتی ہے اُنہیں

بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿٣٢﴾

اُن کی عقلیں یہ؟ یا وہ سرکش لوگ ہیں ●

(کہہ دو، کہ دیکھتے رہو) اور میری موت کا انتظار کرتے رہو، کیوں (کہ بلاشبہ میں بھی دیکھنے والوں سے ہوں) یعنی تمہاری ہلاکت کا منتظر ہوں، جس طرح تم میرے ہلاک ہونے کے منتظر ہو۔ (کیا بتاتی ہیں انہیں اُن کی عقلیں یہ؟) متضاد باتیں، جو ایک دوسرے کی نقیض ہیں، کہ تجھ کو کاہن کہتے ہیں اور کاہن ہونے کو تیز عقل ہونا لازم ہے اور پھر مجنون بھی کہتے ہیں، اور جنون کے ساتھ عقل اکٹھا نہیں ہوتی، اور شعر کے ساتھ منسوب کرتے ہیں اور شاعر کا کلام موزوں اور خیالی ہونا چاہیے اور وہ بھی جنون کے ساتھ میسر نہیں ہوتا۔ پس کافروں کی یہ باتیں عقل کے موافق نہیں ہیں، تو وہ بے عقل اور فہم و فراست سے عاری لوگ ہیں۔ (یا وہ سرکش لوگ ہیں) جو جھگڑے اور عناد میں حد سے گزرے ہوئے ہیں۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ

آیا یہ کہتے ہیں کہ "خود ہی بنالیا ہے اُس قرآن کو،" بلکہ وہی بے ایمان ہیں ● اچھا تو لے آئیں ایک بات بھی اِس کے مثل،

اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿٣٤﴾

اگر وہ سچے ہیں ●

(آیا یہ کہتے ہیں کہ خود ہی بنالیا ہے اِس قرآن کو) اپنی طرف سے۔ اور ایسا نہیں ہے جیسا وہ کہتے ہیں، (بلکہ وہی بے ایمان ہیں) جو تکبر اور حسد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔ (اچھا تو لے آئیں ایک بات بھی اِس کے مثل، اگر سچے ہیں) اِس بات میں کہ قرآن اپنی طرف سے بن سکتا ہے۔ یعنی اگر قرآن بنالینے کی چیز ہے تو یہ لوگ عرب کے فصیح و بلیغ ہیں، اِن سے کہہ دو کہ اِس کے مثل ایک بات بناؤ۔ کیا وہ اتنی بھی سمجھ نہیں رکھتے۔۔۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٣٥﴾

آیا وہ پیدا کیے گئے ہیں بے کسی کے؟ یا وہی خود کو پیدا کرنے والے ہیں؟ ●

(آیا وہ پیدا کیے گئے ہیں بے کسی کے؟) یعنی بے ماں باپ کے۔مراد یہ ہے کہ یہ لوگ آدمی ہیں،آدمی سے پیدا ہوئے۔یہ پتھر نہیں ہیں کہ اِن امور کو نہ سمجھیں۔

بعضوں نے اِس آیت کا معنی اِس طرح کہے ہیں۔۔۔

کہ کیا وہ مخلوق ہیں بے خالق کے؟اور محال ہے کہ کوئی پیدا کیا ہوا بے پیدا کرنے والے کے ہو۔(یا وہی خود) اپنے (کو پیدا کرنے والے ہیں؟)۔اور یہ بات صاف باطل ہے، کہ کوئی معدوم کسی چیز کو کیونکر پیدا کر سکتا ہے؟

اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا یُوْقِنُوْنَ ﴿۳۶﴾ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ

کیا اُنہیں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟ بلکہ بے یقین لوگ ہیں● کیا اُنہیں کے پاس ہیں

رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

تمہارے رب کے خزانے؟ کیا یہی آزاد داروغہ ہیں؟●

(کیا انہوں نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو؟) ایسا نہیں ہے، (بلکہ بے یقین لوگ ہیں) جو یقین نہیں کرتے اور شک میں پڑے ہوئے ہیں۔(کیا اُنہیں کے پاس ہیں تمہارے رب کے خزانے؟) کہ جس کو چاہیں نبوت دیں۔۔یا۔۔علم کے خزانے کہ جان لیں کہ منصبِ نبوت کے لائق کون ہے؟(کیا یہی آزاد داروغہ ہیں) یا وہ سرکش وغالب اور مسلط ہیں کہ جو چاہیں کریں۔

اَمْ لَهُمْ سُلَّمٌ یَّسْتَمِعُوْنَ فِیْهِ ۚ فَلْیَاْتِ مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۳۸﴾

یا اُن کا ہے کوئی زینہ آسمان کا کہ سن آتے ہیں جس سے۔تو پھر لائے اُن کا سننے والا کوئی کھلی سند●

(یا اُن کا ہے کوئی زینہ آسمان کا کہ) اُس پر چڑھ کر آسمان تک چلے جاتے ہیں،اور (سن آتے ہیں جس سے) فرشتوں کی باتیں جو کہ غیب میں سے فرشتوں کی جانب وحی کی جاتی ہیں۔اور اگر ایسا ہے،(تو پھر لائے اُن کا سننے والا کوئی کھلی سند) جو اِس بات پر گواہ ہو کہ اُس کا سن آنا سچ ہے۔

اَمْ لَهُ الْبَنٰتُ وَلَكُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۳۹﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ

کیا اُس اللہ کے لیے بیٹیاں اور تمہارے اپنے لیے بیٹے؟● کیا تم مانگتے ہو اُن سے کوئی اُجرت؟ تو وہ تاوان سے

مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۰﴾ اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَیْبُ فَهُمْ یَكْتُبُوْنَ ﴿۴۱﴾

بوجھل ہیں• یا اُن کے پاس غیب ہے؟ تو وہ جنم پتر قلمبند کرتے رہتے ہیں•

(کیا اُس اللہ) تعالیٰ (کے لیے بیٹیاں) ہیں (اور تمہارے اپنے لیے بیٹے؟)۔

اِس کلام میں مشرکوں کی حماقت اور جہالت بیان فرماتا ہے اور یہ کئی بار اوپر گزرا۔

(کیا تم مانگتے ہو اُن سے) احکام پہنچانے پر (کوئی اجرت، تو وہ تاوان سے بوجھل ہیں) اور تجھ سے منہ پھیرتے ہیں۔ (یا اُن کے پاس غیب ہے)، یعنی وہ چیز جس میں غیب لکھا ہوا ہے یعنی لوحِ محفوظ، (تو وہ جنم پتر قلمبند کرتے رہتے ہیں) اور لکھتے ہیں کہ قیامت اور بعث کے باب میں پیغمبر کی خبر باطل ہے۔۔یا یہ۔۔لکھتے ہیں کہ تمہاری موت کب ہوگی؟

اَمْ یُرِیْدُوْنَ كَیْدًا ؕ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِیْدُوْنَ ﴿۴۲﴾

یا وہ چاہتے ہیں چالبازی؟ تو جنہوں نے کفر کیا وہی داؤں کے مارے ہیں•

(یا وہ چاہتے ہیں چالبازی)۔ یعنی اَے محبوب! تیرے بارے میں مکر اور کید۔

اِس سے وہ مکر مراد ہے جو 'دارالندوہ' میں پیغمبر ﷺ کی نسبت کرتے تھے کہ آپ کو قتل کردیا جائے۔۔یا۔۔قید۔۔یا۔۔شہر بدر کردیا جائے۔

(تو جنہوں نے کفر کیا وہی داؤں کے مارے ہیں)۔ یعنی اُس کید اور مکر کی سزا اور وبال انہیں پر پڑے گا اور جنگ بدر میں قتل کیے جائیں گے۔

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا اُن کا کوئی معبود ہے اللہ کے سوا؟ پاکی ہے اللہ کی اُس سے جو شرک کرتے ہیں•

(کیا اُن کا کوئی معبود ہے اللہ) تعالیٰ (کے سوا؟) کہ جو عذاب اُن کے مکر کی مکافات ہے، وہ اُن سے روک رکھے۔ (پاکی ہے اللہ) تعالیٰ (کی اُس سے جو شرک کرتے ہیں)، یعنی اُس چیز سے جسے اُس کا شریک لاتے ہیں۔۔یا۔۔اس کے واسطے شریک پکڑتے ہیں۔

قریش کے معاندین پیغمبر علیہ السلام سے کہتے ہیں کہ آسمان کا ٹکڑا ہم پر اتار دو اگر اپنے وعدہ میں سچے ہو، تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ﴿۴۴﴾

اور اگر دیکھ ہی لیں کوئی ٹکڑا آسمان سے گرتا ہوا، تو بھی کہیں گے کہ "بادل ہے نیچے اوپر"●

(اور اگر دیکھ ہی لیں کوئی ٹکڑا آسمان سے گرتا ہوا، تو بھی) اپنی دشمنی اور تکبر کی راہ سے (کہیں گے کہ) یہ آسمان کا ٹکڑا نہیں ہے بلکہ (بادل ہے نیچے اوپر)، ایک پر ایک بندھا اور تہہ بہ تہہ چپکا ہوا۔ یعنی باوصف اِس کے کہ عذاب کے آثار دیکھیں گے، تو بھی کفر سے باز نہ آئیں گے۔

فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ﴿۴۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ

تو چھوڑو انہیں یہاں تک کہ ملیں اپنے اُس دن سے جس میں بے ہوش کیے جائیں گے● وہ دن کہ نہ کام آئے

عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اُن کے اُن کی چالبازی کچھ، اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے●

(تو چھوڑو انہیں) اُن کے حال پر اور فی الحال اُن سے جنگ نہ کرو، کیونکہ ابھی تمہیں اُن سے قتال کا امر نہیں فرمایا گیا ہے۔۔الغرض۔۔انہیں سزا نہ دیں (یہاں تک کہ ملیں اپنے اُس دن سے) اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اُس دن کو (جس میں) نفخہ اولیٰ سے (بے ہوش کیے جائیں گے)۔۔یا۔۔ ہلاک کیے جائیں گے۔ (وہ دن کہ نہ کام آئے اُن کے اُن کی چالبازی کچھ)۔ اُن کا مکر اُن پر سے عذاب کا کوئی حصہ کم نہ کر سکے گا۔ (اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے)۔ یعنی کوئی مدد کر کے اُن کے عذاب کو نہ روکے گا۔

اُس دن سے قیامت کا دن مراد ہے اور بعضوں نے کہا روزِ بدر مراد ہے۔

وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور بے شک اُن کے لیے جنہوں نے اندھیر مچا رکھا ہے ایک عذاب ہے، اُس عذابِ آخرت سے اِدھر ہی، لیکن اُن کے بہتیروں کو علم نہیں●

(اور بے شک اُن کے لیے جنہوں نے اندھیر مچا رکھا ہے ایک عذاب ہے، اُس عذابِ آخرت سے اِدھر ہی) اور وہ عذابِ قبر ہے۔۔یا۔۔ دُنیا میں جنگِ بدر میں قتل ہونا اور سات برس کے قحط میں مبتلا ہونا ہے۔ (لیکن اُن کے بہتیروں کو علم نہیں) اُس کا۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ﴿۴۸﴾

اور جمے رہو اپنے رب کے حکم کے لیے، کیونکہ تم ہماری آنکھوں کی نگرانی میں ہو، اور پاکی بولتے رہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ جب تم اٹھ کھڑے ہو●

(اور) اَے محبوب! (جمے رہو اپنے رب کے حکم کے لیے) جواُن کے بارے میں نازل اُن کومہلت دے کر، اور خود اُن سے تکلیف اٹھا کر۔ اور کچھ فکر نہ کرو (کیونکہ تم ہماری آنکھوں کی نگرانی میں ہو)، یعنی ہماری حفاظت میں ہو۔ ہم تجھ کو دیکھتے ہیں اور تیری حفاظت کرتے ہیں۔ (اور پاکی بولتے رہو اپنے رب کی حمد کے ساتھ جب تم اٹھ کھڑے ہو)۔ یعنی جس وقت تُو اٹھے خواب سے۔۔یا۔۔جب نماز پر کھڑا ہو، تو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ کہو۔۔یا۔۔جب مجلس سے تم اٹھو، تو کہو سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

حدیث میں ہے کہ مجلس سے اٹھتے وقت جب یہ کلمات کہتے ہیں، تو جولغواور لہواُس مجلس میں واقع ہوا ہے، یہ کلمات اُن سب کا کفارہ ہوجاتے ہیں۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ﴿۴۹﴾

ع ۲۱ ۴

اور کچھ رات کو بھی پاکی بولتے رہو اُس کی، اور تاروں کے پیٹھ دیتے وقت●

(اور کچھ رات کو بھی پاکی بولتے رہو اُس کی)۔ اِس واسطے کہ رات کو عبادت کرنا ریاء سے بہت دُور ہے اور نفس پر بہت سخت ہے۔ (اور تاروں کے پیٹھ دیتے وقت)، یعنی جب صبح کے اُجالے میں تارے غائب ہوجائیں، تو تم خدا کی پاکی بولنے میں مصروف رہو۔ یعنی فجر کے قبل کی دوسنتیں پڑھتے رہو۔

اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ اِس سے فجر کی نماز مراد ہے۔

اختتام سورۃ الطور۔۔ ﴿ ۵/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۶/جون ۲۰۱۲ء

آغاز سورۃ النجم۔۔ ﴿ ۶/شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۷/جون ۲۰۱۲ء بروز چہار شنبہ

سُوْرَةُ النَّجْمِ

سورۃ النجم۔۔۵۳ مکیہ ۲۳ — آیاتہا ۶۲۔۔رکوعاتہا ۳

وہ پہلی سورت جس کا رسول اللہ ﷺ نے حرم مکہ میں اعلان فرمایا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق 'سورہ النجم' ہے۔ یہ نام اِس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اِس سورہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد ﷺ نے اِس قرآن کو از خود بنالیا ہے، اور معاذ اللہ محمد ﷺ اپنے باپ دادا کے دین سے گمراہ ہوگئے ہیں، تو حق تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمائی۔ ایسی چشم کشا، بصیرت افروز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالنَّجۡمِ اِذَا هَوٰی ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمۡ وَمَا غَوٰی ۚ﴿۲﴾ وَمَا یَنۡطِقُ

قسم ہے نجم کی، جب کہ نیچے اُترے۔ کہ نہ بہکا تمہارے ساتھ رہنے والا مالک، اور نہ بھٹکا۔ اور نہیں بولتے

عَنِ الۡهَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَهٗ شَدِیۡدُ الۡقُوٰی ۙ﴿۵﴾

اپنے جی سے۔ اُن کی ہر بات وحیٔ الٰہی ہے جو کی جاتی ہے۔ سکھایا اُس کو سخت قوتوں والے

ذُوۡ مِرَّۃٍ ؕ فَاسۡتَوٰی ۙ﴿۶﴾

طاقتور نے، پھر متوجہ ہوا۔

(قسم ہے نجم کی، جبکہ نیچے اُترے)۔

یہاں نجم سے مراد کے تعلق سے بہت سے اقوال ہیں۔ بعضوں نے کہا کہ یہاں سب ستارے مراد ہیں، جو تری اور خشکی میں مسافروں کو راہ بتانے والے ہیں، خواہ طلوع کریں ۔۔یا۔۔غروب۔۔یا۔۔وہ ستارے مراد ہیں، جو حضرت رسولِ مقبول کی ولادت کے وقت زمین کے نزدیک آئے تھے۔۔یا۔۔وہ ستارے مقصود ہیں جن سے شیطانوں کو مارتے ہیں جب کہ وہ آسمان کے قریب چھپ کر فرشتوں کی باتیں سننے جاتے ہیں۔ اور بعضوں کے نزدیک 'نجم' ثریا ہے جو ستاروں میں سب سے زیادہ روشن ہے۔

بعضوں نے کہا کہ 'نجم' سے قرآن مراد ہے، یعنی قسم ہے قرآنِ کریم کی سورتوں اور آیتوں کی جب وہ نازل ہوتی ہیں۔ اور ایک گروہ کے نزدیک وہ گھاس ہے جس کی ٹہنی نہیں ہوتی،

یعنی قسم ہے اُس گھاس کی جب وہ گر پڑتی ہے اور بارگاہِ خداوندی میں سر بہ سجود ہو جاتی ہے۔
اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ستارے سے محمد ﷺ کی ذاتِ شریفہ مراد ہے، جب شبِ معراج میں آپ آسمان پر سے اُترے۔ اور لباب میں کہا ہے کہ آنحضرت ہی مراد ہیں، جب شبِ معراج آپ آسمان پر گئے۔ اور **هَوٰى** سے دونوں معنی لے سکتے ہیں۔ اور محققوں کے نزدیک یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے رسولِ مقبول کے ستارۂ دِل کی قسم ارشاد فرمائی ہے جو آسمانِ توحید پر ماسویٰ سے منقطع ہوا ہے۔ اور جوابِ قسم یہ ہے۔۔۔

(کہ نہ بہکا تمہارے ساتھ رہنے والا مالک)۔

یہاں آپ کو 'صاحب' اس لیے فرمایا کہ آپ دعوتِ اسلام کرنے کی غرض سے کافروں کی صحبت میں بیٹھنے پر مامور تھے۔

(اور نہ بھٹکا) یعنی اُس نے خطا نہ کی اور کسی باطل امر کا اعتقاد نہ رکھا۔ **(اور)** اُن کی شان یہ ہے کہ **(نہیں بولتے اپنے جی سے)**، یعنی اپنے نفس کی خواہش سے۔۔یا۔۔اپنی طبیعت کی آرزو سے، یعنی باطل کلام نہیں کرتے۔ مقصودِ کلام یہ ہے کہ آپ کا بولنا قرآن کے ساتھ ہے، اپنی خواہشِ نفس کے ساتھ نہیں۔۔چنانچہ۔۔**(اُن کی ہر بات وحی الٰہی ہی ہے، جو کی جاتی ہے)**، جسے **(سکھایا اس کو سخت قوتوں والے ● طاقتور)** حضرت جبرائیل **(نے)** جو اُن کی خدمت میں وحی لانے والے ہیں۔

۔۔الغرض۔۔حضرت جبرائیل نے وحی الٰہی کو آپ ﷺ تک پہنچایا۔ جن کی قوت کا عالم یہ ہے کہ قومِ لوط کے شہر کو زمین سے اکھاڑ کر اپنے بازو پر اٹھا لیا اور آسمان کے قریب لے جا کر اُلٹ دیا۔۔اور۔۔اُن کی ایک چیخ سے تمام قومِ ثمود مر گئی۔

(پھر متوجہ ہوا) راستی کے ساتھ اُس کام پر جس پر مامور کیے گئے۔۔یا۔۔اپنی اصل صورت پر ٹھہرے۔

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹

اور وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھے ● پھر قریب ہوا، پھر اور اُتر آیا ● تو رہ گیا دو کمانوں کا فاصلہ، بلکہ اُس سے بھی کم ●

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝۱۰

تو وحی کی اپنے بندہ کو جو وحی کی ●

(اور وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھے)، یعنی مطلعِ آفتاب کے قریب یہاں تک کہ رسول

مقبول نے انہیں دیکھا۔

آپ ﷺ کے سوا حضرت جبرائیل کو کسی نے صورتِ مَلَکی میں نہیں دیکھا۔ آپ نے اُن کو دُوبار دیکھا ہے۔ پہلی بار تو جب اُن کو اصلی صورت پر دیکھا تو بے ہوش ہوگئے۔ اور جب آپ ہوش میں آئے تو حضرت جبرائیل کو اپنے قریب دیکھا کہ ایک ہاتھ آپ کے سینۂ مبارک پر، دوسرا آپ کے شانہ پر رکھے ہوئے بیٹھے تھے۔ حق تعالیٰ اُسی بات سے خبر دیتا ہے کہ۔۔۔

(پھر قریب ہوا) فرشتہ یعنی حضرت جبرائیل **(پھر اور اتر آیا ● تو)** حضرت جبرائیل اور پیغمبر علیہ السلام کے درمیان **(رہ گیا دو کمانوں کا فاصلہ، بلکہ اُس سے بھی کم ● تو وحی کی)** اللہ تعالیٰ نے بواسطہ جبرائیل **(اپنے بندہ کو جو وحی کی)**، یعنی جو کچھ خدا نے جبرائیل امین سے کہا۔

اور بعض قول پر بعضے ضمیریں حق تعالیٰ کی طرف پھرتی ہیں اور بعضے محمد ﷺ کی طرف۔ اِس صورت میں تشریح یہ ہوگی کہ پھر نزدیک ہوئے محمد ﷺ حضرتِ احدیت کے ساتھ، یعنی مقربِ درگاہِ الٰہی ہوئے۔ مرتبہ میں، مکان میں نہیں۔ پھر فروتنی کی یعنی خدمت کا سجدہ بجالائے، اور چونکہ وہ مرتبہ خدمت کے واسطے سے پایا تھا، تو دوبارہ زیادہ خدمت ادا کی۔ اور سجدہ میں قرب کا وعدہ بھی ہے کہ بندہ سجدہ ہی میں اپنے رب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

اور مکان **قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ** کنایہ ہے تاکیدِ قربت اور تقریرِ محبت سے فہموں سے قریب ہوجانے کے واسطے تمثیل کی صورت میں ادا ہوا، اِس واسطے کہ عرب کے بڑے آدمیوں کی عادت تھی کہ جب کوئی عہد پکا کرنا چاہتے کہ یہ عہد ٹوٹنے نہ پائے، تو دونوں عہد کرنے والے اپنی کمان لاتے اور ایک دوسرے سے ملاتے، اور دونوں عہد کرنے والے دونوں قبضے پکڑ کے ایک ہی بار کھینچ کر متفق ہو کے ایک تیر اُس سے پھینکتے۔ اور اُن دُو عہد کرنے والوں سے یہ صورت ظاہر ہونا اِس معنی کی طرف اشارہ تھا کہ ہمارے درمیان موافقتِ کلی محقق ہوگئی، اور ایسا اتحاد ہوگیا کہ اِس کے بعد ایک کی رضامندی اور ناراضی دوسرے کی رضامندی اور ناراضی کا سبب ہوگی۔

تو گویا اِس آیت۔۔۔یا۔۔۔عنایت میں یہی معنی ادا کیے گئے ہیں، کہ رسولِ مقبول ﷺ کی قربت اور محبت حق تعالیٰ کے ساتھ اِس مرتبہ کی ہے، کہ **جو مقبولِ رسول ہے وہ مقبولِ خدا ہے، اور جو مردودِ جنابِ مصطفیٰ ہے وہ مردودِ بارگاہِ خدا ہے۔**

بعض محققین کا یہ کہنا ہے کہ **دَنَا** اشارہ ہے آپ کے مکانِ نفس کی طرف اور **فَتَدَلَّىٰ**

آپ کے دِل مطہر کی منزل کی جانب، اور **فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ** آپ کی روحِ مطیب کے مقام کی طرف، اور **اَوْ اَدْنٰى** آپ کے سرِ مبارک کے مرتبہ کی جانب، اور آپ کا نفس مقامِ خدمت میں تھا اور آپ کا دِل منزلِ محبت میں اور آپ کی روح مقامِ قربت میں، اور آپ کا سر مرتبہ مشاہدہ میں۔ حضرت شیخ ابوالحسن نوری قدس سرہ سے اِس آیت کے معنی پوچھے گئے، جواب دیا کہ جہاں حضرت جبرائیل کی گنجائش نہیں، نوری کون ہے کہ اُس کی بات کہہ سکے۔ پھر وحی کی خدا نے اپنے بندے کو جو کچھ وحی کی۔ بعضے علماء کہتے ہیں کہ اولیٰ یہ ہے کہ اُس وحی سے ہم تعرض نہ کریں اور اُسے پردے ہی میں رکھیں۔ اور ایک گروہ عالموں کا کہتا ہے کہ اُس وحی میں سے جو کچھ کسی حدیث۔۔یا۔۔قولِ صحابہ میں ہم کو پہنچا ہو اُس کا ذکر کچھ نقصان نہیں کرتا۔ اور اِس باب میں بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں جن میں صرف تین ۳ وجہ پر اختصار کیا جاتا ہے:

ایک یہ کہ وحی کا یہ مضمون تھا کہ۔۔۔

اگر یہ نہ ہوتا کہ دوست رکھتا ہوں میں 'معاتبہ' یعنی 'عتاب کرنا' تیری امت کے ساتھ، تو ان کے محاسبہ کی بساط میں طے کر دیتا۔

دوسری یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ:

اَے محمد اَنَا وَاَنْتَ وَمَاسِوٰی ذٰلِكَ خَلَقْتُهٗ لِاَجْلِكَ

یعنی اَے محبوب! میں ہوں اور تُو ہے اور اِس کے سوا جو کچھ ہے سب میں نے تیری وجہ سے پیدا کیا۔

آپ نے جواب عرض کیا:

رَبِّ اَنَا وَاَنْتَ وَمَا سِوٰی ذٰلِكَ تَرَكْتُ لِاَجْلِكَ

اَے میرے رب میں ہوں اور تُو ہے اور اِس کے سوا جو کچھ ہے
وہ سب میں نے تیرے لیے ترک کر دیا۔
صرف تجھی سے وابستہ رہا اور سب سے قلبی طور پر کنارہ کش ہو گیا۔

تیسری یہ ہے۔۔۔

اَے ہمارے حبیب کہ تیری امت میری اطاعت بجالاتی ہے اور میرا گناہ بھی کرتی ہے، اُن کی اطاعت میری رضا سے ہے اور اُن کی معصیت میری قضا سے ہے، تو جو کچھ میری رضا کے ساتھ اُس سے صادر ہوا اگرچہ تھوڑا اور قصور کے ساتھ ہو قبول کروں گا، اس واسطے کہ کریم ہوں۔ اور جو کچھ میری قضا یعنی حکم کے سبب سے اُس سے ظہور میں آتا ہے اگرچہ بہت اور بڑا ہو اُس کو درگزر کروں گا

اس واسطے کہ رحیم ہوں۔۔الحاصل۔۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ﴿۱۱﴾

دل نے جھوٹ نہ کہا، جو کچھ آنکھوں نے دیکھا●

محمد ﷺ کے (دل نے جھوٹ نہ کہا) اور تکذیب نہ کی اس کی (جو کچھ) آپ ﷺ کی (آنکھوں نے دیکھا)۔

یہ دیکھی ہوئی چیز پہلے قول پر حضرت جبرائیل ہیں اور دوسرے قول پر حق سبحانہ تعالیٰ ہے۔ اکثر صحابہ اِس بات پر ہیں کہ رسولِ مقبول ﷺ نے شبِ معراج میں حق تعالیٰ کو دیکھا۔ معالم میں ہے کہ مفسروں کا ایک گروہ اِس بات پر ہے کہ حق تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بینائی دِل میں رکھ دی تھی کہ آپ نے دل کی آنکھ سے حق تعالیٰ کو دیکھا۔ اور چشم سر سے بہت سارے عجائباتِ قدرت کا مشاہدہ فرمایا۔ شک کرنے والوں سے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾

تو کیا تم لوگ جھگڑتے ہو اِن سے اِن کی چشم دید پر؟● اور بے شک دیکھا اُسے انہوں نے دوبار● سدرۃ المنتہیٰ کے پاس●

(تو کیا تم لوگ جھگڑتے ہو اُن سے اُن کی چشم دید پر)۔۔ چنانچہ۔۔ کفار نے بیت المقدس کی صفت اور قافلے کا حال پوچھا۔ (اور بے شک دیکھا اُسے) یعنی حضرت جبرائیل کو (انہوں نے دوبار● سدرۃ المنتہیٰ کے) درخت کے (پاس)۔ وہ ایک درخت ہے کہ خلائق کا علم وہاں منتہی ہو جاتا ہے اور اُن کے اعمال بھی وہیں تک پہنچتے ہیں آگے نہیں بڑھتے۔

اور مشہور تفسیر کے موافق یہ معنی ہیں کہ حق تعالیٰ کو دوسری بار دیکھا جس وقت خود سدرہ کے نزدیک حضرت تھے۔ حضرت ابن عباس کا قول اِسی کی تائید کرتا ہے اس واسطے کہ انہوں نے کہا کہ پیغمبرِ خدا نے شبِ معراج میں دل کی آنکھ سے دُوبار خدا کو دیکھا۔ اور معالم میں ہے کہ شبِ معراج میں نماز کی تخفیف چاہنے کے واسطے آپ کو کئی عروج ہوئے۔ شاید دوبارہ دیکھنا اُن عروجوں میں سے کسی عروج میں ہوا ہو۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ

اُسی کے پاس جنت الماوٰی ہے● جب کہ چھائے ہے سدرہ کو جو چھائے ہے● نہ پھری آنکھ،

وَمَا طَغٰى ۝۱۷ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝۱۸

اور نہ حد سے باہر گئی۔ بے شک دیکھا اپنے رب کی نہایت بڑی بڑی نشانیاں۔

(اُسی) سدرہ (کے پاس جنت الماویٰ ہے) جو متقیوں کی آرام گاہ۔۔یا۔۔ارواحِ شہداء کے رہنے کی جگہ ہے۔

۔۔المختصر۔۔رسول مقبول ﷺ نے جبرائیل امین۔۔یا۔۔حق تعالیٰ کو دیکھا اُس وقت۔۔۔

(جب کہ چھائے ہے سدرہ کو جو چھائے ہے)۔

یعنی اُس درخت پر بہت سے فرشتے جمع تھے، اور ہر پتے پر ایک فرشتہ تھا اور بعضے کہتے ہیں کہ اُس درخت کے گرد فرشتے اِس طرح اُڑتے تھے جیسے سنہرے پروانے۔۔یا۔۔نورِ کبریاء اس درخت کو چھپائے تھا۔ رسولِ کریم کا مشاہدہ اس شان کا تھا کہ۔۔۔

(نہ پھری آنکھ اور نہ حد سے باہر گئی) یعنی آپ نے دائیں بائیں نہیں دیکھا، بلکہ جس کو دیکھنا مقرر تھا نگاہ اُس حد سے آگے نہ بڑھی۔

اِس آیت میں رسولِ مقبول ﷺ کے حسنِ ادب اور علو ہمت کی تعریف ہے، کہ اُس رات تمام کائنات میں سے کسی کی طرف آپ نے التفات نہیں فرمائی اور دِل کی آنکھ مشاہدۂ جمالِ الٰہی کے سوا کسی پر نہیں کھولی۔

(بے شک دیکھا اپنے رب کی نہایت بڑی بڑی نشانیاں)۔

جیسے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو چھ سو بازو سمیت۔ ہر ایک بازو مشرق سے مغرب تک اور 'سبز رفرف' اور 'سدرۃ المنتہیٰ' اور 'عرشِ عظیم' اور 'کرسی' اور سب عجائبِ مُلکی اور ملکوتی۔

اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝۱۹ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝۲۰

تو کیا تم لوگوں نے دیکھا ہے لات اور عزیٰ۔ اور اُس تیسری منات کو؟۔

النجم کے آغاز سے لے کر آیت ۱۸ تک اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی عظمت اور رفعت بیان فرمائی اور شب معراج جو آپ پر اپنا خصوصی انعام اور اکرام فرمایا، اور آپ کو اپنے قرب خاص سے نوازا اور اپنا دیدار عطا کیا، اُس کا تفصیل سے بیان فرمایا۔ اُس کے بعد اگلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو جو پیغام دے کر بھیجا تھا اُس پیغام کا ذکر فرمایا، اور وہ پیغام ہے شرک کا ابطال اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا احقاق۔

مشرکینِ مکہ لات، عزیٰ اور منات نام کی دیویوں کی پرستش کرتے تھے اور اُن کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دیتے تھے، اللہ تعالیٰ اُن کے بطلان کو ظاہر فرماتا ہے کہ۔۔۔
اُن کو دیکھو تو سہی! کیا یہی اِس کائنات کو پیدا کرنے، پالنے اور رزق دینے میں اللہ سبحانہ کے شریک ہیں؟ اِن دیویوں کو تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا، تو یہ تمہاری اور ساری کائنات کی خالق اور رازق کیسے ہو گئیں؟ ذرا بتاؤ (تو، کیا تم لوگوں نے) اچھی طرح غور سے (دیکھا ہے لات اور عزیٰ ● اور اُس تیسری منات کو) اور سمجھ لیا ہے کہ یہ سب وہ کر سکتے ہیں جو خدا نے کیا ہے؟

'لات' ایک بت تھا ثقیف کا طائف میں یا قریش کا نخلہ میں، اور 'عزیٰ' ایک درخت ہے غطفان نے اُسے پوجا ہے، اور 'منات' ایک بڑا پتھر ہے کہ ہذیل اور خزاعہ اُس کے گرد طواف کرتے تھے۔۔۔یا۔۔۔ایک بت تھا کہ بنو کعب اُس کی عبادت کرتے تھے۔ اور کافر یہ اعتقاد کیے ہوئے تھے کہ ہر بت کے اندر ایک جن ہے اور یہ جن۔۔۔یا۔۔۔فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ۔۔۔

أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثَىٰ ﴿٢١﴾ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿٢٢﴾ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ

کیا تمہارے لیے بیٹا اور اُس اللہ کے لیے بیٹی؟ ● یہ تو پھر بے ڈھنگی تقسیم ہے ● نہیں ہے وہ، مگر چند نام،

سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ

کہ رکھ لیا جسے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے نہیں نازل فرمایا اللہ نے اُس کی کوئی سند۔ نہیں چلتے یہ لوگ

إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۖ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَىٰ ﴿٢٣﴾

مگر اپنے خیال پر اور جس کو اُن کا جی چاہے۔ حالانکہ یقیناً آچکی اُن کے پاس اُن کے رب کی طرف سے ہدایت ●

(کیا تمہارے لیے بیٹا اور اُس) یعنی (اللہ) تعالیٰ (کے لیے بیٹی؟ ● یہ تو پھر بے ڈھنگی تقسیم ہے)۔ یعنی یہ بانٹ نادرست اور بے اعتبار ہے، اس واسطے کہ خدائی میں جس چیز سے کہ تم ننگ و عار رکھتے ہو اُسے اپنے خالق کی طرف نسبت کرتے ہو۔ (نہیں ہے وہ مگر چند نام، کہ رکھ لیا جسے تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے) اپنی خواہش کے مطابق۔ یعنی خداؤں کے نام تم اُن پر بولے ہو، اور خدائی کے معنی میں سے اُن میں کچھ نہیں ہے۔ (نہیں نازل فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے اُس کی کوئی سند) کہ یہ عبادت کے لائق ہیں۔

۔۔الغرض۔۔(نہیں چلتے یہ لوگ مگر اپنے خیال پر)۔یعنی انہوں نے تو ہم کیا کہ اُن کا کام حق ہے۔(اور) متابعت نہیں کرتے مگر اُس کی (جس کو اُن کا جی چاہے)۔یعنی نفس کی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اُس کی جو کچھ شیطان اُن کی نظر میں آراستہ کرتا ہے، (حالانکہ یقیناً آچکی اُن کے پاس اُن کے رب کی جانب سے ہدایت) یعنی رسولِ کریم اور کتابِ عظیم، جو ہدایت کا سبب ہیں۔

أَمْ لِلْإِنسَانِ مَا تَمَنَّىٰ ﴿٢٤﴾ فَلِلَّهِ الْآخِرَةُ وَالْأُولَىٰ ﴿٢٥﴾ وَكَم مِّن مَّلَكٍ

کیا ہر آدمی کے لیے وہی ہو جائے جس کی اُس نے آرزو کی؟● تو اللہ ہی کی ہے آخرت اور دُنیا● اور کتنے فرشتے ہیں

فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِن بَعْدِ

آسمانوں میں کہ نہ کام آئے گی اُن کی سفارش کچھ، مگر اُس کے بعد

أَن يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَن يَشَاءُ وَيَرْضَىٰ ﴿٢٦﴾

کہ اجازت دے دے اللہ جسے چاہے اور پسند فرمائے●

(کیا ہر آدمی کے لیے وہی ہو جائے جس کی اُس نے آرزو کی؟) جیسے کہ بتوں کی شفاعت۔۔یا۔۔یہ جو کہتے ہیں کہ نبوت فلاں فلاں شخص کو کیوں نہ دی، (تو اللہ) تعالیٰ (ہی کی ہے آخرت اور دُنیا) یعنی آخرت کا ملک اور دُنیا کی مملکت اللہ ہی کے واسطے ہے، جو کچھ جسے چاہے دے، کسی کو اُس پر تحکم نہیں پہنچتا۔(اور کتنے فرشتے ہیں آسمانوں میں کہ) کافر اُن کی شفاعت کے امیدوار ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ (نہ کام آئے گی اُن کی سفارش) کسی کے لیے (کچھ، مگر اِس کے بعد کہ اجازت دے دے اللہ) تعالیٰ (جسے چاہے) فرشتوں میں سے کہ وہ شفاعت کریں۔۔یا۔۔لوگوں میں سے جس کے لیے ارادہ کرے کہ وہ لوگ اپنے لوگوں کی شفاعت کریں۔(اور پسند فرمائے) حق تعالیٰ اُسے شفاعت کرنے والا ہونے کے واسطے۔۔یا۔۔شفاعت قبول کیا گیا ہونے کے لیے۔

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ لَيُسَمُّونَ الْمَلَائِكَةَ تَسْمِيَةَ الْأُنثَىٰ ﴿٢٧﴾

بے شک جو نہیں مانتے آخرت کو، یقیناً نام رکھتے ہیں فرشتوں کا عورتوں جیسا نام●

وَمَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ ۖ وَإِنَّ الظَّنَّ

اور نہیں ہے اُنہیں اس کا کچھ بھی علم۔ نہیں چلتے مگر خیال پر۔اور بے شک وہم و گمان

لَا يُغْنِىْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا ﴿۲۸﴾

نہیں کام آتا حق کے بجائے کچھ •

(بے شک جونہیں مانتے آخرت کو یقیناً نام رکھتے ہیں فرشتوں کا عورتوں جیسا نام) یعنی کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (اور) حقیقتِ حال یہ ہے کہ (نہیں ہے انہیں اس کا کچھ بھی علم)۔ یعنی فرشتوں کو عورتیں کہنا کچھ علم ویقین کی بنیاد پرنہیں ہے، بلکہ (نہیں چلتے مگر) وہم و (خیال پر)۔ یعنی وہ اپنی اِس فاسد بات میں صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ حقائق کی معرفت میں گمان کا کچھ اعتبار نہیں۔ (اور بے شک وہم وگمان نہیں کام آتا حق کے بجائے کچھ) اور دفع نہیں کرتا سخنِ حق سے کچھ۔ یعنی دفع نہیں کرتا عذابِ الٰہی میں سے کسی چیز کو اگر عذاب نازل ہو۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾

تو رخ پھیر لو اُس سے جو پھر گیا ہماری یاد سے، اور نہ چاہا مگر دُنیاوی زندگی •

ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ۭ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ

یہی پہنچ ہے اُن کے علم کی۔ بے شک تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے جو بہکا اُس کی راہ سے۔

وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾

اور وہ خوب جانتا ہے جس نے راہ پائی •

(تو) اَے محبوب! (رُخ پھیر لو اُس سے جو پھر گیا ہماری یاد سے) یعنی ہمارے ذکر قرآنِ کریم سے (اور نہ چاہا مگر دُنیاوی زندگی)۔ اُس کا سبب یہ ہے کہ (یہی) یعنی دُنیا کی محبت اور اُسے اختیار کرنا ہی (پہنچ ہے اُن کے علم کی)، تو وہ اِس سے تجاوز نہیں کر سکتے، بلکہ اُن کی ہمت اِسی کو جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے میں مصروف اور موقوف ہے۔

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ منہ پھیر لینے کا حکم آیتِ قتال سے منسوخ ہے۔

(بے شک تمہارا رب ہی خوب جانتا ہے جو بہکا اُس کی راہ سے) یعنی دینِ اسلام سے، (اور وہ خوب جانتا ہے) اُس شخص کو (جس نے راہ پائی)۔ وہ ہر ایک کو جزا اُس کے لائق دے گا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۙ لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ تا کہ بدلہ دے اُنہیں جنہوں نے بُرائی کی اُس کا جو انہوں نے کیا،

وَيَجْزِيَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَى ﴿٣١﴾ الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْإِثْمِ

اور ثواب دے اُنہیں جنہوں نے نیکی کی اچھا• جو بچا کرتے ہیں کبیرہ گناہوں سے

وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ۚ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ

اور بے حیائیوں سے، مگر معمولی بھول چوک پر رُک جانا۔ بے شک تمہارا رب وسیع مغفرت والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے تم لوگوں کو کہ جب تمہیں

إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ ۖ

پیدا فرمایا مٹی سے، اور جب تم حمل کی صورت تھے اپنی اپنی ماں کے پیٹوں میں۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ ۖ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى ﴿٣٢﴾ ع

تو مت پاکیزہ قرار دو خود اپنے کو۔ وہ خوب جانتا ہے جو اُس سے ڈرا•

(اور اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے) یعنی مخلوقاتِ علوی اور مخلوقاتِ سفلی، وہ سب کا مالک ہے اور سب کو جزا دینے پر قادر ہے، تو اُن سب کو قیامت میں لائے گا۔ (تا کہ بدلہ دے اُنہیں جنہوں نے بُرائی کی اُس کا جو انہوں نے کیا)، یعنی تا کہ برائیاں کرنے والوں کو اُن کے عمل کا بدلہ دے۔ (اور ثواب دے اُنہیں جنہوں نے نیکی کی اچھا)، یعنی نیکی کرنے والوں کو اچھا اجر عطا فرمائے۔ (جو بچا کرتے ہیں کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائیوں سے)۔

کبیرہ گناہ اُسے کہتے ہیں جن کے باب میں وعید واقع ہوئی ہو۔۔یا۔۔جن کی کچھ حد مقرر ہوئی ہو۔ اور بے حیائیوں میں سب سے بڑی بے حیائی زنا ہے۔۔۔

تو جو اپنے کو اُن گناہوں سے بچاتے رہیں وہ اجرِ عظیم کے مستحق ہیں۔ (مگر معمولی بھول چوک پر رُک جانا)۔ یعنی اگر کوئی وہ گناہ کرے جو تھوڑا سا اور چھوٹا سا گناہ ہو۔۔یا۔۔اُس کے دِل میں آئے اور وہ کرے نہیں، تو یہ گناہ معاف ہے۔ (بے شک تمہارا رب وسیع مغفرت والا ہے)، اُس کی مغفرت سب گنہ گاروں کو پہنچتی ہے۔

(وہ خوب جانتا ہے تم لوگوں) کے احوال (کو، کہ جب تمہیں پیدا فرمایا مٹی سے) یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو اُس نے خاک سے پیدا کیا اور افعال واقوال واحوال سب اُس نے جان لیا۔ (اور جب تم حمل کی صورت تھے اپنی اپنی ماں کے پیٹوں میں)، تو وہ تمہارے امور کی کیفیت جانتا تھا۔

(تو مت پاکیزہ قرار دو خود اپنے کو) [illegible]

گناہی اور کثرت خیر اور خوبی اوصاف کا چرچانہ کرو، اور اپنے روزہ ونماز اور حج وزیارت کی اپنی زبان سے تشہیر نہ کرو، اور یہودیوں کی اُس روش کو مت اپناؤ کہ جب اُن کا لڑکا مرتا، تو وہ یہ کہتے تھے کہ وہ صدیق ہے۔

رسولِ کریم نے جب یہودیوں کی یہ بات سنی تو فرمایا یہود جھوٹ کہتے ہیں۔ ہر لڑکا اپنی ماں کے پیٹ میں سعید ہے۔۔یا۔۔شقی ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

وہ تمہارا حال خوب جانتا ہے۔ اُس وقت کے حالات سے باخبر ہے جب ابھی تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے تم کو زیب نہیں دیتا کہ اپنا تفوق اور برتری جتانے کے لیے تم اپنی تعریف کرو، اور اپنے کو متقی اور خدا سے ڈرنے والا ظاہر کرو، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ اور (وہ خوب جانتا ہے) اُس کو (جو اُس سے ڈرا) اور پرہیزگاری اختیار کی اور اپنے کام میں خلوص رکھتا ہے۔

روایت ہے کہ ولید ابن مغیرہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر آپ کا کلام سنا کرتا تھا، تو مشرکین نے اُسے عار دلائی اور طعن وتشنیع کی اور اُس سے کہا، کہ تُو اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ رہا ہے اور گمراہ ہوگیا ہے۔ اُس نے کہا کہ میں تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

اِس پر ایک مشرک نے کہا کہ تجھ پر جو عذاب آئے گا اُس کو میں اٹھالوں گا، اور آخرت کی جتنی تکلیفیں تجھ پر آئیں گی میرے ذمہ ہوگئیں بشرطیکہ اُس کے عوض میں مجھ کو تھوڑا سا مال دے دے۔

اُس کے بعد اُس نے حضور ﷺ کے پاس آنا جانا چھوڑ دیا اور آپ کے وعظ اور کلامِ مبارک کو سننا ترک کر دیا، اور جس سے وعدہ کیا تھا اُسے بھی پوری شرط کے مطابق مال نہ دیا۔ یہ نہ دینا بوجہ بخل تھا، اِسی لیے اللہ تعالیٰ نے اُس کی مذمت فرمائی۔ اس لیے کہ بخل جس میں بھی ہو وہ مذموم ہے، کافر ہو۔۔یا۔۔غیر کافر۔

۔۔الحاصل۔۔ولید کی مذمت اس لیے نہیں کی گئی کہ اُس نے شرط کے مطابق مال نہیں دیا، اس لیے کہ یہ مال نہ دینا فی نفسہٖ مذموم نہیں تھا بلکہ لائقِ مذمت اُس کا وہ بخل تھا جو مال نہ دینے کا سبب ہے۔ تو اس کے تعلق سے یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ تَوَلّٰى ﴿٣٣﴾ وَاَعْطٰى قَلِيْلًا وَّاَكْدٰى ﴿٣٤﴾ اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَيْبِ

کیا تم نے دیکھا اُسے جو پھر گیا ● اور کچھ دیا اور بند کر دیا ● کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے؟

فَهُوَ يَرٰى ﴿۳۵﴾ أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسٰى ﴿۳۶﴾ وَإِبْرٰهِيمَ الَّذِي وَفّٰى ﴿۳۷﴾

تو وہ دیکھتا رہتا ہے۔ کیا نہیں باخبر کیا گیا جو موسیٰ۔ وابراہیم کے صحیفوں میں ہے، جنہوں نے پوری وفاداری کی۔

أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى ﴿۳۸﴾ وَأَنْ لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾

یہ کہ "نہیں اُٹھاتی کوئی بوجھل جان دوسرے کے بوجھ کو"۔ اور یہ کہ "نہیں ہے انسان کے لیے مگر یہی کہ کوشش کر دی"۔

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفٰى ﴿۴۱﴾

اور یہ کہ اُس کی کوشش جلد ہی دیکھی جائے گی۔ پھر بدلہ دیا جائے گا اُس کا پورا پورا۔

(کیا تم نے دیکھا اُسے جو پھر گیا) یعنی حق کی پیروی سے منہ پھیرا (اور) جتنا مال دینے کا وعدہ کیا تھا اس میں سے (کچھ دیا اور) باقی (بند کر دیا)، یعنی اُس کو دینے سے باز رہا اپنے بخل کی وجہ سے۔ اور اُس نے جو سمجھا تھا کہ وہ مال دے کر عذاب سے بچ جائے گا۔ (کیا اُس کے پاس غیب کا علم ہے، تو وہ) اپنی نجات کو (دیکھتا رہتا ہے)۔

تو (کیا) اُسے اُس چیز سے (نہیں باخبر کیا گیا جو موسیٰ۔ وابراہیم کے صحیفوں میں ہے، جنہوں نے پوری وفاداری کی)۔ اُن وفاشعاروں کے صحیفوں میں بیان کر دیا گیا ہے (یہ کہ نہیں اُٹھاتی کوئی بوجھل جان دوسرے کے بوجھ کو)، تو ولید اپنے گناہوں کا بوجھ دوسرے کو کیونکر حوالہ کرتا ہے۔ (اور یہ کہ نہیں ہے انسان کے لیے مگر یہی کہ کوشش کر دی)۔ اپنی اس ذاتی سعی وعمل کے نتیجے میں اُسے جو حاصل ہوا وہ ہو گیا۔ دوسروں کے کیے ہوئے پر اُسے آس نہیں لگانی چاہیے۔ اس لیے کہ جس طرح کسی کو کسی کے گناہ پر نہیں پکڑتے، اِسی طرح اُسے کسی دوسرے کا ثواب بھی نہیں دیتے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے، اس واسطے کہ سورۂ طور میں مذکور ہوا کہ باپ دادا کی نیکی کے سبب سے درجہ کی بلندی عطا کریں گے۔

(اور یہ کہ اس کی کوشش جلد ہی دیکھی جائے گی) یعنی اس کام کو جس میں اُس نے کوشش کی ہو قریب ہے کہ دیکھیں قیامت کے دن عدل کے ترازو میں۔ (پھر بدلہ دیا جائے گا اُس کا پورا پورا)۔ اگر نیک کام ہے تو نیک جزاء اور اگر بُرا کام ہے تو بُری سزا۔

وَأَنَّ إِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾ وَأَنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكٰى ﴿۴۳﴾

اور بے شک تمہارے رب کی طرف آخری منزل ہے۔ اور بے شک اُسی نے ہنسایا اور رُلایا۔

(اور بے شک تمہارے رب کی طرف آخری منزل ہے)، یعنی تمام خلائق کی نہایت اور سب کا رجوع بارگاہِ رب الارباب ہی کی طرف ہے۔ **(اور بے شک اُسی نے ہنسایا اور رلایا)**، وہی ہنساتا ہے اور رلاتا ہے، یعنی وہی خوش کر دیتا ہے اور غمگین کر دیتا ہے۔۔یا۔۔ ہنساتا ہے اہلِ بہشت کو بہشت میں، اور رلاتا ہے اہلِ دوزخ کو دوزخ میں۔۔یا۔۔ زمین کو ہنساتا ہے نباتات اُگا کر اور ابر کو رلاتا ہے پانی برسا کر۔

اور بعضوں کے نزدیک ہنسی اور رونا وعدو وعید کے سبب سے ہے۔۔یا۔۔ طاعت اور معصیت کی وجہ سے۔۔یا۔۔ حق کی طرف متوجہ ہونے اور اُس کی طرف سے منہ پھیرنے سے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝

اور بے شک اُسی نے مارا اور جلایا●

(اور بے شک اُسی نے مارا اور جلایا)۔ یعنی زندہ کرنے اور مار ڈالنے پر وہی قادر ہے۔

اور بعضوں نے کہا کہ کافروں کو مُردہ کرتا ہے اِنکار کے ساتھ، اور مؤمنوں کو زندہ کرتا ہے معرفت عطا فرما کر۔ اور ایک گروہ کے قول پر مار ڈالنا اور جلانا جہل و علم کے سبب سے ہے۔۔یا۔۔ بخل اور سخاوت کی وجہ سے ہے۔۔یا۔۔ عدل و فضل کر کے۔ اور محققین کے نزدیک ہیبت اور اُنس کے سبب سے۔۔یا۔۔ پوشیدگی اور تجلی کے ساتھ۔ امام قشیری نے فرمایا کہ مار ڈالتا ہے زاہدوں کے نفسوں کو آثارِ مجاہدہ سے۔ اور زندہ کرتا ہے عارفوں کے دلوں کو انوارِ مشاہدہ سے۔۔یا۔۔ جس کو مقام فنا فی اللہ میں پہنچاتا ہے اُسے جام بقا باللہ سے ایک گھونٹ چکھاتا ہے۔

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ۝ وَاَنَّ عَلَيْهِ

اور بے شک اُسی نے پیدا فرمایا جوڑا، نر اور مادہ● نطفہ سے، جب ڈالا جائے● اور بے شک اُس پر ہے

النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَاَقْنٰى ۝

آخری اُٹھانا● اور بے شک اُس نے مالدار و غنی کیا●

(اور) حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے صحیفوں میں مذکورہ بالا ارشادات کے سوا یہ بھی تھا، کہ **(بے شک اُسی نے پیدا فرمایا جوڑا نر اور مادہ● نطفہ سے)**، یعنی آبِ منی سے **(جب ڈالا جائے)** اور گرایا جائے رحم میں۔

اِس حکم سے حضرت آدم، حضرت حواء اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام مستثنیٰ ہیں۔ یہ بات اکثر و بیشتر کا لحاظ کرتے ہوئے فرمائی گئی ہے۔

(اور) جس طرح پیدا کرنا اُسی کے اختیار میں ہے اِسی طرح (بے شک اُس پر ہے آخری اٹھانا) یعنی بعثِ آخر، قیامت کے دن۔ (اور بے شک اُس نے مالدار و غنی کیا)۔ یعنی مال و متاع بکثرت عطا فرمایا۔۔یا۔ قناعت کے سبب سے غنی کرتا ہے، اور جو کچھ عطا فرماتا ہے اُس پر راضی کر دیتا ہے۔

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾

اور بے شک وہی شعریٰ نام کے ستارے کا بھی رب ہے۔ اور بے شک اُس نے برباد کر دیا عاد نام کی پہلی قوم کو۔

(اور بے شک وہی شعریٰ نام کے ستارے کا بھی رب ہے)، قبیلہ خزاعہ جس کی پرستش کرتا ہے اور ابو کبشہ نے جس کی پرستش کی رسم ڈالی۔ اِسی لیے تمہیں چاہیے کہ رب کی عبادت کرو، نہ کہ مربوب کی۔ (اور) یہ کہ (بے شک اُس نے برباد کر دیا عاد نام کی پہلی قوم کو)۔

یہ حضرت ہود کی امت تھی اور اُس میں سے ایک قوم جو قومِ عادِ اولیٰ کے ہلاک ہونے کے وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھی اُس نے اُن کے بعد کفر ظاہر کیا اور اُسے 'عادِ اخریٰ' کہتے ہیں، یعنی دوسری قوم عاد۔ ایک قول یہ ہے کہ عادِ اولیٰ قومِ ہود اور عادِ ثانیہ ارم کو کہتے ہیں۔

وَثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾ وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى ﴿۵۲﴾

اور ثمود، تو نہ باقی چھوڑا۔ اور نوح کی قوم کو اُن سے پہلے کہ بلاشبہ وہ سب تھے بڑی اندھیر والے اور بڑے سرکش۔

(اور) یہ کہ ہلاک کر دیا قبیلہ (ثمود) کو (تو نہ باقی چھوڑا) اُن میں سے کسی کو، (اور) ہلاک کیا (نوح کی قوم کو اُن سے) یعنی عاد و ثمود سے (پہلے)، کیوں (کہ بلاشبہ وہ سب تھے بڑی اندھیر والے اور بڑے سرکش)۔ ظلم و تعدی اور شرک و عداوت میں حد سے بڑھے ہوئے، اس واسطے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو بہت رنج پہنچاتے۔ نوسو پچاس ۹۵۰ برس حضرت نوح نے دعوتِ اسلام کی اُس میں وہ لوگ بہت تھوڑے سے ایمان لائے۔ یوں ہی ہلاک کر دیا۔۔۔

وَالْمُؤْتَفِكَةَ اَهْوٰى ﴿۵۳﴾ فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى ﴿۵۴﴾ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكَ تَتَمَارٰى ﴿۵۵﴾

اور اُلٹ پلٹ کی جانے والی بستی کو گرا دیا۔ تو اُس پر چھایا جو کچھ چھایا۔ تو اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں مادشا سے شک کر سکتا ہے؟

(اورالٹ پلٹ کی جانے والی بستی کوگرادیا) بعد اِس کے کہ حضرت جبرائیل نے اُسے اٹھالیا تھا۔۔الختصر۔۔حضرت لوط کے شہر کو الٹ پلٹ دیا، (تو اس پر چھایا جو کچھ چھایا)، یعنی نشان والے پتھر اُس شہر پر برسائے، (تُو اپنے رب کی کن کن نعمتوں میں ماوشما سے شک کرسکتا ہے؟)۔

اِس آیت میں ولید ابن مغیرہ مخاطب ہے۔۔یا۔۔ہرایک سے خطاب ہے اور جو کچھ کہ معدودات میں ہے اُسے حق تعالیٰ نے نعمت فرمایا، اس واسطے کہ اس میں نصیحت ہے عبرت لینے والوں کو اور دشمنوں سے انبیاء علیہم السلام کا انتقام بھی اُس کے ضمن میں ہے، اور وہ حضرت رسول اللہ ﷺ کے دِل مبارک کی تسلی اور مؤمنوں کے دِلوں کی تقویت کا سبب ہے۔

هٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿٥٦﴾ أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿٥٧﴾ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿٥٨﴾

یہ ڈرسنانے والے ہیں اگلے ڈرسنانے والوں سے● جلد آگئی تیز آنے والی● نہیں ہے اُس کا اللہ کے خلاف کوئی ہٹانے والا●

(یہ) یعنی پیغمبر علیہ السلام '(ڈرسنانے والے ہیں) جو (اگلے ڈرسنانے والوں) کے جنس (سے) ہیں۔یعنی یہ پیغمبر بھی وہی فرماتے ہیں جو اگلے پیغمبروں نے فرمایا، جس سے ہر عہد میں ڈرایا جاتا ہے۔ (جلد آگئی) وہ (تیز آنے والی) یعنی قیامت۔اُس کا آنا اِس قدر یقینی ہے کہ گویا وہ آ ہی گئی۔(نہیں ہے اُس کا) یعنی اُس آنے کے وقت کا (اللہ) تعالیٰ (کے خلاف) اور اُس کے مدمقابل (کوئی ہٹانے والا)۔یعنی اُس کو نہ تو خدا کے سوا اپنے وقت پر آنے سے کوئی ہٹا سکتا ہے اور نہ ہی وقت معین پر خدا کے سوا اُسے کوئی ظاہر ہی کرسکتا ہے۔

أَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿٥٩﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿٦٠﴾ وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿٦١﴾ فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿٦٢﴾

تو کیا اُس بات سے تم لوگ تعجب کرتے ہو؟● اور ہنستے ہو، اور روتے نہیں● اور تم کھیل میں پڑے ہو● تو سجدہ کرو اللہ کا، اور پوجتے رہو●

(تو کیا اِس بات سے) اور اِس کلام پر (تم لوگ تعجب کرتے ہو؟● اور ہنستے ہو) مسخرے

پن سے، (اور روتے نہیں) اِس وعید کے خوف سے۔ (اور تم کھیل میں پڑے ہو) یعنی کھیلنے والے۔۔یا۔۔غافل۔۔یا۔۔گانے والے ہو۔

کافروں کا حال یہ تھا کہ جب قرآن پڑھا جاتا، تو وہ گانے بجانے لگتے تا کہ قرآن سننے سے لوگوں کو باز رکھیں۔

(تو سجدہ کرو اللہ) تعالیٰ (کا اور پوجتے رہو) اُسی کو اور باطل معبودوں کی پرستش نہ کرو۔

معالم میں ہے کہ پہلی سورت جو اُتری اور جس میں سجدہ تھا وہ یہی سورت ہے۔ اور حضرت رسولِ مقبول ﷺ نے یہ آیت پڑھ کے سجدہ کیا۔ مؤمن مشرک جن انسان سب نے سجدہ کیا اور قرآنی سجدوں میں سے یہ بارھواں سجدہ ہے۔ فتوحات میں اِس سجدہ کو 'سجدۂ عبادت' کہا ہے، اِس واسطے کہ حکمِ الٰہی اِس امر سے ملا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ عاجزی اور مسکینی کرو، اور راہِ عبادت چلنے والوں کے سوا اِس سجدہ کے بھید کی سرِ منزل پر کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

اختتام سورۃ النجم۔۔ ﴿۱۲رشعبان المعظم ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۳رجولائی ۲۰۱۲ء بروز سہ شنبہ

ابتداء سورۃ القمر۔۔ ﴿۱۲رشعبان المعظم ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۳رجولائی ۲۰۱۲ء بروز سہ شنبہ

سُوْرَۃُ الْقَمَر

سورۃ القمر۔۔۵۴ مکیہ ۳۷ | آیاتہا ۵۵۔۔رکوعاتہا ۳

'سورہ الطارق' کے بعد اور 'سورہ ص' سے پہلے نازل ہونے والی یہ سورت ہے، جس کا نام اِسی کی آیت اِسے ماخوذ ہے۔ رسولِ کریم ﷺ کے ایک عظیم معجزہ کو ظاہر کرنے والی اور قربِ قیامت کی ایک اہم نشانی کو آشکارا کرنے والی اِس سورتِ مبارکہ کو۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اگلی آسمانی کتابوں میں مذکور تھا کہ قربِ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت چاند کا پھٹنا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ بروایت امام زاہد علیہ الرحمۃ ایک شب ابوجہل اور ایک یہودی دونوں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچے، ابوجہل بولا کہ اَے محمد ﷺ کوئی معجزہ ہمیں دکھاؤ ورنہ تمہارا سر تلوار سے اڑاتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کیا معجزہ چاہتا ہے؟ اُس نے داہنے بائیں دیکھا کہ کیا معجزہ چاہوں جس کا وقوع محال اور متعذر ہو۔

یہودی بولا کہ محمد ﷺ ساحر ہیں اُن سے کہو کہ چاند کو پھاڑ دیں، اس واسطے کہ سحر زمین پر متحقق ہوتا ہے اور ساحر آسمان پر تصرف نہیں کر سکتے۔ ابوجہل بولا اَے محمد ﷺ چاند کو ہمارے واسطے پھاڑ دو۔ پس آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ کی انگلی اٹھائی اور اشارہ فرمایا چاند کو کہ پھٹ جا! فوراً چاند ۲ دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا اپنے مقام پر رہا اور دوسرا ٹکڑا بہت دُور ہٹ گیا۔ پھر ابوجہل بولا کہ اُس سے کہو کہ مل جائے۔ آپ نے اشارہ فرمایا دونوں ٹکڑے مل گئے۔

یہودی تو ایمان لایا، ابوجہل بولا کہ محمد ﷺ نے جادو کر کے میری آنکھ باندھ دی اور چاند ۲ دو ٹکڑے ہم کو دکھا دیا۔ مسافر لوگ جو دُور دُور سے ہمارے یہاں آئیں گے ہم اُن سے پوچھیں گے، کہ کیا انہوں نے بھی چاند ۲ دو ٹکڑے دیکھا ہے کہ نہیں؟ جب آنے جانے والوں سے پوچھا سب نے یہی جواب دیا کہ ہاں فلاں شب چاند کو ہم نے ۲ دو ٹکڑے دیکھا۔ پس باوجود اِس کے کہ ابوجہل نے خود دیکھا اور دوسروں سے بھی سنا مگر ایمان نہ لایا، اور یہی کہتا رہا کہ محمد ﷺ کا جادو بہت سخت ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ① وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا

قریب پہنچی قیامت، اور شق ہو گیا چاند ● اور اگر دیکھ بھی لیں کوئی نشانی، تو رُوگردانی ہی کریں، اور کہہ دیں کہ

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ② وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ③

"جادو ہے ہمیشہ والا" ● اور جھٹلا دیا، اور چلے اپنی خواہشوں پر، اور ہر کام اپنے وقت پر ہونے والا ہے ●

(قریب پہنچی قیامت اور شق ہو گیا چاند)۔۔ نیز۔۔ قربِ قیامت کی نشانی ظاہر ہو گئی۔ (اور)

واضح کردیا گیا کہ یہ کفار، (اگر دیکھ بھی لیں کوئی نشانی) ہماری قدرت کی نشانیوں میں سے جس
ہمارے حبیب کے دعویٰ کی تصدیق ہو اظہار معجزہ میں، (تو رُوگردانی ہی کریں) اُس پر ایمان لانے
--یا--اُس میں غور و تامل کرنے سے، (اور کہہ دیں کہ جادو ہے ہمیشہ) رہنے (والا) اور زمین سے آسمان
تک جانے والا۔ ایسا جادو جو آسمانی مخلوق پر بھی چل جائے۔ (اور جھٹلا دیا) پیغمبروں کو (اور چلے اپنی
خواہشوں پر)۔ یعنی اپنی اُن خواہشوں کی پیروی کی جسے شیطان نے اُن کی نگاہوں میں آراستہ کردیا
--یا-- عناد اور اِنکار پر اڑے رہے۔ (اور ہر کام اپنے وقت پر ہونے والا ہے)۔ یعنی جو کام مقرر کیا
جاچکا ہے اُس کو ہونا ہی ہے، یعنی کافروں کی شقاوت اور مؤمنوں کی سعادت جو مقرر ہوچکی ہے وہ اُن
کو ضرور پہنچے گی۔

بعض مفسرین کا کہنا یہ ہے کہ شق قمر دُوبار واقع ہوا۔ ایک تو یہی جس کا ذکر اوپر ہوا اور دوسرا غالبًا وَالعِلْمُ عِنْدَاللهِ تَعَالٰی وہ ہو جس کا ذکر قصیدہ بردہ کی شرح خرپوتی میں ہے، جس میں آنحضرت ﷺ نے حضرت حبیب یمنی کی خواہش پر چاند کو اشاروں سے جبل ابوقبیس پر دُو ٹکڑے فرمادیا تھا۔

حبیب یمنی کو کفار مکہ نے یمن سے بُلا کر نبی کریم کی خدمت میں آپ کی نبوت کی صداقت کو سمجھنے کے لیے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔ اِس معجزہ کو دیکھ کر حبیب یمنی تو ایمان لائے، لیکن جن کے مقدر میں ایمان سے محرومی تھی وہ محروم ہی رہے۔ حبیب کے قصے میں اور بھی چند ایمان افروز باتیں ہیں مگر زیرِ بحث موضوع کے مناسب اِسی قدر ہے جو مذکور ہوا۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ قرآنی ارشاد کے مطابق 'شق القمر' یقینی طور پر واقع ہوا، اِس بحث سے قطع نظر کہ یہ ایک بار ہوا--یا--دُوبار؟، اور اگر دُوبار ہوا تو کب کب؟ اِن امور کے تعلق سے مختلف تحقیق ہوسکتی ہے، مگر کم از کم ایک بار ہونا تو قطعی ہے۔ کچھ نام نہاد صاحبانِ عقل و دانش 'معجزہ شق القمر' پر اپنے شکوک و شبہات کا ذکر کرتے ہیں اور فلسفیوں کے نظریات و خیالات کی روشنی میں اُس کے وقوع کے تعلق سے عقلی استحالہ پیش کرتے ہیں اور اِس کے متعلق سوالات کرکے عوام کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ خدائے قادرِ مطلق کی قدرتِ بے پایاں کا اِدراک نہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

ظاہر ہے کہ جو حقیقی معنوں میں مسلمان ہے، وہ 'معجزہ شق القمر' کے واقع ہونے میں شک کر ہی نہیں سکتا۔ اس لیے کہ جو مسلمان ہوگا وہ بنیادی طور پر اللہ تعالیٰ پر، اُس کے فرشتوں

پر، اُس کی نازل فرمودہ کتابوں پر، اُس کے رسول پر اور قیامت کے دن پر۔۔الحاصل۔۔
جملہ ضروریاتِ دین پر ایمان لانے والا ہوگا، اور انہیں سچے دِل سے قبول کر لینے والا ہوگا۔
ایسے لوگوں کے لیے شق القمر کے واقع ہونے کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ قرآنِ کریم میں
ہے 'وانشق القمر'۔ اب اگر کوئی اِس کا اِنکار کرے۔۔یا۔۔اِس ارشادِ قرآنی کے وقوع میں
شک کرے، تو وہ مسلمان ہی کہاں رہا؟

اب رہ گیا کہ اگر کوئی کافر اِس کے متعلق سوال کرے، تو ہم اُس سے اِس مسئلے سے ہٹ
کر اسلام کی حقانیت کے تعلق سے بحث کریں گے اور ثابت کریں گے کہ اسلام دین برحق
ہے۔ جب ہم اُس سے اسلام کی حقانیت منوالیں گے، تو پھر قدرتِ خداوندی اور معجزۂ نبوی
وغیرہ کو منوالینا آسان ہوگا۔

اِس اجمال میں جو مخصوص بات ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے، کہ جو شخص خدا کے وجود ہی کا
قائل نہ ہو ہم اُس کو خدا کی توحید کیسے منوا سکتے ہیں؟ یوں ہی جو خدا کی توحید کا منکر ہو اُس کو
رسالت پر ایمان کی دعوت دینا کیسے مفید ہوسکتا ہے؟ اِسی طرح جو نبی کریم کی نبوت ہی کا
منکر ہو، تو ہم اُس سے آپ کو خاتم النبیین کیسے منوا سکتے ہیں؟۔۔المختصر۔۔منکر کا اِنکار جہاں
سے شروع ہو بحث کا آغاز وہیں سے ہونا چاہیے۔

تو جو مسلمان ہی نہیں اُس کو ہم اسلام و ایمان کی دعوت دیں، یہ تو معقول بات ہے، لیکن
اُس سے شق القمر۔۔یا۔۔دوسرے معجزوں کو منوانے کی کوشش کرنا ایک سعی لاحاصل ہے۔
جو بہ نظرِ استحسان دیکھے جانے کے لائق نہیں۔ قرآن کریم نے بھی اِسی حکمتِ تبلیغ کے تحت
لوگوں کو ان کے مناسب حال ہدایات سے نوازا ہے۔۔۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌۙ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُۙ

اور بے شک آئیں اُن کے پاس کتنی خبریں، جن میں تنبیہ تھی • نہایت درجہ کی حکمت، تو کیا کریں ڈر سنانے والے؟ •

(اور) انہیں راستہ دکھایا ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے کہ (بے شک آئیں اُن) اہل مکہ (کے
پاس) قرآن میں (کتنی خبریں جن میں تنبیہ تھی) کہ منہیات سے باز رہیں اور تمرد وسرکشی کے قریب
نہ جائیں۔ یہ (نہایت درجہ کی حکمت) تھی جو حد کمال کو پہنچنے والی تھی۔ اب اگر وہ اُس کو نہ سنیں اور اُس
کا خیال نہ کریں، (تو کیا کریں ڈر سنانے والے) پیغمبر اور کس طرح نفع وفائدہ پہنچائیں۔ اِسی لیے

قرآنی نصیحتیں اُن کے پاس ایک کے بعد ایک آئیں، تو وہ اُن سے کچھ فائدہ حاصل نہ کرسکے۔ تو اَے محبوب!۔۔۔

فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ ۘ يَوۡمَ يَدۡعُ الدَّاعِ اِلٰى شَىۡءٍ نُّكُرٍۙ‏ ﴿۶﴾ خُشَّعًا اَبۡصَارُهُمۡ يَخۡرُجُوۡنَ

ابھی منہ پھیرے رکھو اُن سے۔۔۔ جس دن بلائے گا بلانے والا، ناگوار شے کی طرف ● جھکائے اپنی آنکھوں کو نکلیں گے

مِنَ الۡاَجۡدَاثِ كَاَنَّهُمۡ جَرَادٌ مُّنۡتَشِرٌۙ‏ ﴿۷﴾ مُّهۡطِعِيۡنَ اِلَى الدَّاعِ‌ؕ

قبروں سے، گویا وہ ٹیڑی ہیں پھیلی ہوئی ● دوڑتے ہوئے بلانے والے کی طرف۔

يَقُوۡلُ الۡكٰفِرُوۡنَ هٰذَا يَوۡمٌ عَسِرٌ‏ ﴿۸﴾

کہیں گے کافرلوگ کہ "یہ دن بڑا دشوار ہے" ●

(ابھی منہ پھیرے رکھو اُن سے) اُن سے قتال کا حکم ہونے تک، اور اُن کی جزاء کے منتظر رہو اُس دن **(جس دن بلائے گا بلانے والا ناگوار شے کی طرف)**۔ یعنی حضرت اسرافیل علیہ السلام اُن کو پکاریں گے سخت اور تکلیف دہ چیز کی طرف اور وہ قیامت کی ہَولیں ہیں جس وقت **(جھکائے اپنی آنکھوں کو نکلیں گے قبروں سے، گویا وہ ٹیڑی ہیں پھیلی ہوئی)** یعنی بہت اور پراگندہ ہونے سے تلے اوپر ہوں گے اور ہر طرف حیران اور سرگرداں جائیں گے **(دوڑتے ہوئے بُلانے والے کی طرف)**۔ یعنی جدھر سے آواز آئے گی اُدھر کو دوڑتے ہوں گے۔ اُس وقت **(کہیں گے کافرلوگ، کہ یہ دن بڑا دشوار ہے)** اور ہم پر نہایت سخت ہے۔ اَے محبوب!۔۔۔

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ فَكَذَّبُوۡا عَبۡدَنَا وَقَالُوۡا مَجۡنُوۡنٌ وَّازۡدُجِرَ‏ ﴿۹﴾

جھٹلایا تھا اِن سے پہلے نوح کی قوم نے، تو جھٹلایا ہمارے بندے کو، اور بولے کہ "پاگل ہے،" اور وہ نوح جھڑکے گئے ●

(جھٹلایا تھا اِن سے) یعنی تیری قوم سے **(پہلے نوح کی قوم نے)**۔۔ چنانچہ۔۔ اُس نے بعث وقیامت کی تکذیب کی تھی، **(تو جھٹلایا ہمارے بندے)** نوح **(کو، اور)** اُن کے تعلق سے **(بولے کہ)** یہ **(پاگل ہے، اور وہ نوح جھڑکے گئے)**۔ یعنی حضرت نوح جب اپنی قوم کے لوگوں کو توحید کی طرف بلاتے، تو وہ آپ کو ایذاء پہنچاتے، دھمکاتے، اتنے پتھر مارتے کہ آپ بے ہوش ہوجاتے اور دعوت وتبلیغ نہ کرسکتے۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ⑩ فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ⑪

تو دُہائی دی اپنے رب کی کہ "میں مظلوم ہوں، تو تُو ہی بدلہ لے" ● تو کھول دیا ہم نے آسمان کے دروازوں کو موسلا دھار پانی سے ●

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُیُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ⑫

اور پھاڑ نکالے ہم نے زمین میں چشمے، تو مل گیا سب پانی اُس مقدار میں، جو مقدر تھا ●

(تو) حضرت نوح نے (دُہائی دی اپنے رب کی کہ میں مظلوم ہوں) اور مغلوب ہوں، اور اِن کا مقابلہ نہیں کرسکتا ہوں، (تو تُو ہی بدلہ لے) لے، اور میرے واسطے اِن سے انتقام لے لے۔ (تو کھول دیا ہم نے آسمان کے دروازوں کو موسلا دھار پانی سے ● اور پھاڑ نکالے ہم نے زمین میں چشمے) کہ اُن سے بھی پانی اُبلا، (تو مل گیا سب پانی اُس مقدار میں جو مقدر تھا) قومِ نوح کی ہلاکت کے لیے، اور اٹھالیا ہم نے نوح علیہ السلام کو اُن لوگوں سمیت جو اُن کا ایمان لائے تھے۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ⑬ تَجْرِیْ بِاَعْیُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ⑭

اور سوار کیا ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی سواری پر ● کہ بہتی رہے ہماری نگہداشت میں، صلہ اُن کا جن کا اِنکار کیا گیا تھا ●

(اور سوار کیا ہم نے نوح کو تختوں اور کیلوں والی سواری پر) یعنی کشتی پر، جس کو کیلوں اور بندھنوں سے مضبوط کرتے ہیں، تا (کہ بہتی رہے ہماری نگہداشت میں) اور ہماری نگہبانی میں۔ اور یہ طوفان آیا (صلہ اُن کا جن کا اِنکار کیا گیا تھا)۔ یعنی اُس کا بدلہ لینے کے لیے جس کے ساتھ کفر کیا گیا تھا اور ان کی سزا کے لیے جنہوں نے کفر کیا تھا، اور حضرت نوح کا وجودِ مسعود پاکر بھی خدا کا شکر ادا نہیں کیا تھا۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰیَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑮

اور بے شک چھوڑ رکھا ہم نے اُسے نشانی کو، تو ہے کوئی نصیحت لینے والا؟ ●

(اور بے شک چھوڑ رکھا ہم نے اُسے نشانی کو)۔ یعنی بے شک ہم نے اُس قصے کو چھوڑ رکھا ہے ایک نشانی کے طور پر لوگوں کے درمیان ۔۔یا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کو زمین میں بچا کر ایک علامت اور عبرت چھوڑا۔

ایک روایت ہے کہ اِس امت کے اگلے لوگوں نے وہ کشتی دیکھی ہے۔

(تو ہے کوئی نصیحت لینے والا) جو اُس سے نصیحت پکڑے اور عبرت حاصل کرلے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٦﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿١٧﴾

تو کیسا رہا میرا عذاب اور خوفناک احکام؟● اور بے شک ہم نے آسان فرمادیا قرآن یاد کرنے کے لیے، تو ہے کوئی یاد کرنے والا؟●

(تو کیسا رہا میرا عذاب) دُنیا میں، کہ میں نے سب کو طوفان میں مبتلا کیا۔ (اور) کیسے رہے میرے (خوفناک احکام؟) جو ہم نے قومِ نوح کو حضرت نوح کے ذریعے بھیجے۔ (اور بے شک ہم نے آسان فرمادیا قرآن یاد کرنے کے لیے) اور نصیحت قبول کرنے کے لیے، اور اگلی امتوں کے حالات سے باخبر ہونے کے لیے، (تو ہے کوئی یاد کرنے والا) اور نصیحت سننے والا، اور اِس کو قبول کرنے والا؟ اور ایسے ہی جب۔۔۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿١٨﴾ اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا

جھٹلایا عاد نے، تو کیسا رہا میرا عذاب اور ڈراوَنے احکام؟● بے شک ہم نے چھوڑا اُن پر ہوا سخت آندھی،

فِيْ يَوْمِ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿١٩﴾ تَنْزِعُ النَّاسَ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿٢٠﴾

ہمیشہ کے منحوس دن میں● اُکھاڑ پھینکتی لوگوں کو، گویا وہ اُکھڑی کھجوروں کے تنے ہیں●

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِيْ وَنُذُرِ ﴿٢١﴾

تو کیسا رہا میرا عذاب اور ہیبت ناک فرمان؟●

(جھٹلایا عاد نے، تو کیسا رہا میرا عذاب) اُس قومِ ھود پر سخت ہَوا بھیج کر، (اور) کیسے رہے میرے (ڈراوَنے احکام؟) جو ہودؑ علیہ السلام کے ذریعے ہم نے اُن تک پہنچائے، یعنی قیامت کی وعیدیں۔ (بے شک ہم نے چھوڑا اُن پر ہَوا، سخت آندھی) اُن کے حق میں (ہمیشہ کے منحوس دن میں)، یعنی صفر کے آخری چہار شنبہ میں۔

ایسی سخت آندھی کہ (اُکھاڑ پھینکتی لوگوں کو) یعنی کسی کا پیر زمین پر جمنے نہ دیتی۔۔ چنانچہ۔۔اُس نے جڑ سے اکھاڑ پھینکا قومِ عاد کو (گویا وہ اکھڑی کھجوروں کے تنے ہیں● تو کیسا رہا میرا عذاب؟) اِسی سے اندازہ لگاؤ کہ آخرت کا عذاب کیسا ہوگا۔ (اور) کیسا رہا میرا (ہیبت ناک فرمان؟)، یعنی وہ وعید جس سے میں نے اُن کو ڈرایا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٢٢﴾ كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ﴿٢٣﴾ ع ۲/۸

اور بے شک آسان فرمادیا ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لیے، تو ہے کوئی یاد کرنے والا؟● جھٹلایا ثمود نے ڈر سنانے والوں کو●

فَقَالُوٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۲۴﴾

چنانچہ بولے کہ "کیا ہم میں سے ایک بشر کی ہم تابعداری کریں؟ جب تو ہم یقیناً بیوقوفی اور جنون میں پڑے●

ءَاُلْقِیَ الذِّكْرُ عَلَیْهِ مِنْۢ بَیْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ﴿۲۵﴾

کیا نصیحت کی ذمہ داری اُن پر ڈالی گئی ہم سب میں سے؟ بلکہ وہ بڑے جھوٹے شیخی باز ہیں"●

(اور بے شک) عربی زبان میں نازل فرما کر (آسان فرمادیا ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لیے) اور نصیحت قبول کرنے کے لیے، (تو ہے کوئی یاد کرنے والا) اور سمجھ کر نصیحت قبول کرنے والا؟ (جھٹلایا ثمود نے ڈرسنانے والوں کو) یعنی اپنے پیغمبر کو، جس نے اُن کو نصیحت کی اور انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ (چنانچہ بولے کہ کیا ہم میں سے ایک بشر کی ہم تابعداری کریں)، اور حال یہ ہے کہ اُس کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں۔ تو اگر ہم نے اُن کی متابعت کی (جب تو ہم یقیناً بے وقوفی اور جنون میں پڑے)۔

ذرا غور تو کرو کہ (کیا نصیحت کی ذمہ داری اُن پر ڈالی گئی ہم سب میں سے) اور نزول وحی کے واسطے اُسے خاص کرلیا گیا ہے؟ (بلکہ وہ بڑے جھوٹے اور شیخی باز ہیں) یعنی خود پسند ہیں جو چاہتے ہیں ہم پر ترقی اور بلندی کر جائیں۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ۔۔۔

سَیَعْلَمُوْنَ غَدًا مَّنِ الْكَذَّابُ الْاَشِرُ ﴿۲۶﴾ اِنَّا مُرْسِلُوا النَّاقَةِ فِتْنَةً لَّهُمْ

جلد جان لیں گے یہ لوگ کل ہی کہ "کون بڑا جھوٹا ڈینگ مارنے والا ہے"● بے شک ہم ہیں بھیجنے والے اونٹنی کو اُن کی آزمائش کے لیے،

فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ ﴿۲۷﴾ وَنَبِّئْهُمْ اَنَّ الْمَآءَ قِسْمَةٌۢ بَیْنَهُمْ ۚ كُلُّ شِرْبٍ مُّحْتَضَرٌ ﴿۲۸﴾

تو اے صالح! تم دیکھتے رہو انہیں، اور صبر سے کام لیتے رہو● اور انہیں بتادو کہ "پانی ایک ایک دن کو اُن میں بانٹا ہوا ہے، ہر پینے کی باری میں باری والا حاضر ہو"●

(جلد جان لیں گے یہ لوگ کل ہی) جب ان پر عذاب نازل ہوگا۔۔یا۔۔قیامت کے دن معلوم کرلیں گے، (کہ کون بڑا جھوٹا ڈینگ مارنے والا ہے)۔

جب قوم ثمود نے حضرت صالح کی تکذیب کی اور معجزہ مانگا کہ پتھر سے اونٹنی نکال۔۔

چنانچہ۔۔اونٹنی نکال دیا، اور اُس کے تعلق سے فرمایا کہ۔۔۔

(بے شک ہم ہیں بھیجنے والے اونٹنی کو اُن کی آزمائش کے لیے) تاکہ دُنیا جان لے کہ اُن پر عذاب کا سبب کیا تھا؟ اور صالح علیہ السلام سے ہم نے کہا کہ یہ ہماری طرف سے آزمائش ہے، (تو اے

صالح! تم دیکھتے رہو انہیں) کہ یہ اونٹنی کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟ (اور) قوم کی ایذاء رسانی پر (صبر
سے کام لیتے رہو● اور انہیں بتادو کہ پانی ایک ایک دن کو اُن میں بانٹا ہوا ہے)۔ یعنی ایک دن اُن
اور اُن کے چار پایوں کا حصہ ہے، اور ایک روز فقط اونٹنی کا حصہ ہے۔ تو (ہر پینے کی باری میں باری والا
حاضر ہو) یعنی اپنی باری کے دن وہ حصہ لینے والا ہے اور اپنا حصہ لے جائے۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ﴿۲۹﴾

تو اُس قوم نے آواز دی اپنے ساتھی کو، تو اُس نے پکڑ کر کوچیں کاٹیں●

(تو اُس قوم نے آواز دی اپنے ساتھی) قدار بن سالف (کو) اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کے لیے
تو پکڑی اُس نے تلوار اور اونٹنی جدھر سے نکلتی تھی اُس راہ پر گھات میں بیٹھا۔ تو جب اونٹنی اُدھر سے گزری
(تو اُس نے پکڑ کر کوچیں کاٹیں)۔

اونٹنی کی کوچیں کاٹنے کے باب میں تحریک کرنے والی دو عورتیں تھیں۔ ایک عنیزہ اور
دوسری صدوق اور اُس کا سبب کچھ تو پہلے سورۂ ہود میں مذکور ہوا۔ صدوق نے اپنے چچا کے
بیٹے مصدع بن مہرج کو اپنے وصال کا وعدہ دیا، اور عنیزہ نے اپنی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی
قدار بن سالف کے نامزد کی۔

وہ دونوں اونٹنی کی راہِ گزر پر گھات میں بیٹھے۔ جب اونٹنی پانی پی کر پھری، تو پہلے مصدع
کے سامنے پہنچی، اُس نے ایک تیر مارا کہ اونٹنی کے پاؤں چھد گئے۔ قدار بھی سامنے آیا اور
تلوار سے اونٹنی کی کوچیں کاٹیں۔ جب اونٹنی گری تو اُس کے ٹکڑے کر کے قوم کے لوگوں
نے بانٹ لیے۔ اُس کا بچہ کوہِ صنوبر پر چڑھا اور تین بار چلایا اور وہاں سے آسمان پر چلا گیا
۔۔یا۔۔ غائب ہوگیا۔ اور بعضے کہتے ہیں وہ مارڈالا گیا۔ بعدہٗ قوم ثمود پر عذاب نازل ہوا۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ﴿۳۰﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا

تو کیسا رہا میرا عذاب اور دہشت ناک فرمان؟● کہ بے شک بھیج دی ہم نے اُن پر ایک چنگھاڑ، تو ہو گئے جیسے بیڑھا بنانے والوں

كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۳۲﴾

کی روندی گھاس● اور بے شک آسان فرمادیا ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لیے، تو ہے کوئی یاد کرنے والا؟●

(تو کیسا رہا میرا عذاب) قوم ثمود پر (اور) میرا (دہشت ناک فرمان) اور میرا ڈرانا صالح

کو بھیج کر؟ (کہ بے شک بھیج دی ہم نے اُن پر ایک چنگھاڑ، تو ہو گئے جیسے بیڑھا بنانے والوں کی روندی گھاس) جو ریزہ ریزہ ہو کہ بکریوں کی جگہ بنانے والے نے اُسے تلے اوپر کر کے رکھا ہو۔ (اور بے شک آسان فرمادیا ہم نے قرآن کو یاد کرنے کے لیے) کہ بآسانی اُسے حفظ کر لیتے ہیں۔ (تو ہے کوئی یاد کرنے والا) اور اس کی نصیحتوں کو قبول کرنے والا، اور اس کی ہدایات سے سبق حاصل کرنے والا؟

۔۔یوں ہی۔۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ بِالنُّذُرِ ﴿۳۳﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ

جھٹلایا لوط کی قوم نے ڈرسنانے والوں کو● بے شک بھیجا ہم نے اُن پر پتھراؤ والے کو، مگر لوط کی آل

نَّجَّيْنَاهُمْ بِسَحَرٍ ﴿۳۴﴾ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا كَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ﴿۳۵﴾

جنہیں بچالیا ہم نے پچھلی رات● رحمت ہماری طرف سے۔ اِسی طرح ثواب دیتے ہیں ہم اُسے جس نے شکر ادا کیا●

(جھٹلایا لوط کی قوم نے ڈرسنانے والوں کو) جنہوں نے حضرت لوط کی تکذیب کے ضمن میں سارے پیغمبروں کی تکذیب کر دی، تو (بے شک بھیجا ہم نے اُن پر پتھراؤ والے کو)، یعنی پتھر برسانے والی ہوا۔۔یا۔۔ بدلی کو، اور سب کو ہلاک کر دیا (مگر لوط کی آل) اور اُن کی بیٹیوں کو (جنہیں بچالیا ہم نے پچھلی رات)، یعنی اُس صبح کو جب عذاب واقع ہونا تھا۔ یہ تھی (رحمت ہماری طرف سے۔ اِسی طرح ثواب دیتے ہیں ہم) اپنی نعمت اور رحمت کے ساتھ (اُسے جس نے شکر ادا کیا)۔ ایسوں کے پاس رسولوں کو بھیجنا اور کتابیں نازل کرنا یہ ہماری خاص رحمت ہے۔۔چنانچہ۔۔ ہم نے ان کے پاس اپنے پیغمبر لوط علیہ السلام کو بھیجا۔۔۔

وَلَقَدْ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا بِالنُّذُرِ ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ رَاوَدُوهُ

اور بلاشبہ اُنہوں نے ڈرایا سب کو ہماری پکڑ سے، پھر بھی اُنہوں نے شک کیا خطرناک فرمان میں● اور بے شک اُن لوگوں نے

عَنْ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۷﴾

پھسلایا اُنہیں مہمانوں کے بارے میں، تو ہم نے چوپٹ کر دی اُن کی آنکھیں کہ "اب چکھو میرا عذاب اور ڈر کے احکام کو"●

(اور بلاشبہ انہوں نے ڈرایا سب کو ہماری پکڑ سے، پھر بھی انہوں نے شک کیا خطرناک فرمان میں)۔ یعنی جس امر سے انہیں ڈرایا گیا اُس کے وقوع میں انہوں نے شک کیا۔ (اور بے شک اُن لوگوں نے پھسلایا اُنہیں مہمانوں کے بارے میں) اور حضرت لوط سے کہا کہ اپنے اِن مہمانوں کو جو

فرشتے تھے ہمارے سپرد کردو، اور لوط علیہ السلام اِس بات سے اِنکار کرتے تھے اور قوم کے لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔ وہ ظالم گھر کا دروازہ توڑ کر گھس آئے، **(تو ہم نے چوپٹ کردی اُن کی آنکھیں)**۔۔یا۔۔ اُن کا چہرہ ہم نے برابر کردیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضرت جبرائیل نے اپنا پَر اُن کی آنکھوں پر مَلا، تو وہ سب اندھے ہو گئے۔

اور ہم نے فرشتوں کی زبانی اُن سے کہا، **(کہ اب چکھو میرا عذاب اور ڈر کے احکام کو)** حضرت لوط جس سے تم کو ڈراتے تھے۔

وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳۸﴾ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ ﴿۳۹﴾

اور بے شک صبح تڑکے اُن پر ٹھہرنے والا عذاب آیا● کہ "اب چکھو میرا عذاب اور ڈر کے احکام کو"●

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۴۰﴾ ع ۱۸ ۹

اور بے شک ہم نے آسان فرمادیا قرآن کو یاد کرنے کے لیے، تو ہے کوئی یاد کرنے والا؟●

(اور بے شک صبح تڑکے اُن پر ٹھہرنے والا عذاب آیا)، جب تک اُن کو ہلاک نہ کیا اُن پر سے نہ پھرا اور قائم رہا۔ اور ہم نے اُن سے کہا **(کہ اب چکھو میرا عذاب اور ڈر کے احکام کو)**۔ یعنی وہ عذاب جس سے تم کو میرے حکم کے موافق لوط ڈراتے تھے اور تم اُس سے نہیں ڈرے، تو اُس نہ ڈرنے کے نتیجے میں جس عذاب کے مستحق ہو چکے، اُس کا مزا چکھو۔ **(اور بے شک ہم نے آسان فرمادیا قرآن کو یاد کرنے کے لیے، تو ہے کوئی یاد کرنے والا)** جو عربی زبان میں نازل ہونے والی اِس کتاب کے معنی کو سمجھے اور اِس میں جو اگلوں کی خبریں ہیں اُس سے باخبر ہو کر اُسی سے نصیحت حاصل کرے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ

اور بے شک آئے فرعونیوں کے پاس ڈرسنانے والے● اُنہوں نے جھٹلایا ہماری ساری نشانیوں کو، تو پکڑا ہم نے اُن لوگوں کو

أَخْذَ عَزِيزٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿۴۲﴾

عزت والے قدرت والے کی پکڑ●

(اور) اسی طرح **(بے شک آئے فرعونیوں کے پاس ڈرسنانے والے)**، یعنی حضرت موسیٰ

اور ہارون علیہما السلام نشانیوں اور معجزوں سمیت۔ان معجزوں کے سبب سے قبطیوں کو ڈرایا اور وہ نو۹ نشانیاں تھیں، تو (انہوں نے جھٹلایا ہماری ساری نشانیوں کو، تو پکڑا ہم نے اُن لوگوں کو، عزت والے قدرت والے کی پکڑ)، جو کسی سے مغلوب نہ ہو اور مشرکوں کو ہلاک کر دینے پر قادر ہے۔تو ان سب کو غرق کر کے ہلاک کر دیا۔تو اے گروہِ عرب!۔۔۔

أَكُفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أُولَٰئِكُمْ أَمْ لَكُم بَرَاءَةٌ فِي الزُّبُرِ ﴿٤٣﴾ أَمْ يَقُولُونَ

کیا تمہارے کفار بہتر ہیں اُن کافروں سے، یا تمہاری معافی ہے کتابوں میں؟● آیا یہ کہتے ہیں کہ

نَحْنُ جَمِيعٌ مُّنتَصِرٌ ﴿٤٤﴾

"ہم سب مل کر بدلہ لینے والے ہیں"●

(کیا تمہارے کفار بہتر ہیں اُن کافروں سے؟) یعنی یہ کافر اُن اگلے کافروں سے قوت، تیزی، حشمت اور سطوت میں بہتر اور بڑھ کر نہیں ہیں۔(یا تمہاری معافی ہے) آسمانی (کتابوں میں) اور تمہارے لیے برأت نامہ لکھا ہوا ہے کہ تم پر عذاب نہیں ہوگا؟ (آیا یہ) عرب کے کفار (کہتے ہیں کہ ہم سب مل کر بدلہ لینے والے ہیں)۔یعنی ہم سب اکٹھا ہو رہے ہیں ایک دوسرے کے مددگار اور ایک دوسرے سے بلا روکنے والے ہو کر، تو اچھا اُن کو اکٹھا ہو لینے دو۔۔۔

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ﴿٤٥﴾

ابھی ابھی بھگائی جائے گی جمعیت اور پیٹھ پھیر دیے جائیں گے●

(ابھی ابھی بھگائی جائے گی) اُن کی (جمعیت اور پیٹھ پھیر دیے جائیں گے)۔یعنی قریب ہے کہ ہر ایک معرکۂ قتال سے پیٹھ پھیریں اور بھاگ جائیں۔

یہ صورت جنگِ بدر کے دن واقع ہوئی، تو یہ آیت دلائلِ نبوت میں سے ایک دلیل ہے اور اعجازِ قرآن میں سے ایک معجزہ ہے۔حضرت فاروقِ اعظم فرماتے ہیں کہ جنگِ بدر کے دن میں نے دیکھا آنحضرت ﷺ زرہ پہنتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں **سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ** تو میں نے جانا کہ آیت کے یہ معنی تھے۔

اور اسی قتل اور قید اور شکست پر بس نہیں۔۔۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾ اِنَّ الْمُجْرِمِیْنَ فِیْ ضَلٰلٍ

بلکہ قیامت بھی اُن کے وعدہ کا مقام ہے، اور قیامت نہایت کڑی اور بے حد کڑوی ہے۔ • بے شک یہ مجرم لوگ حماقت

وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾ یَوْمَ یُسْحَبُوْنَ فِی النَّارِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ ؕ ذُوْقُوْا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾

ودیوانگی میں ہیں --•-- جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں اپنے اپنے منہ کے بل کہ "چکھو دوزخ میں آنے کو"•

(بلکہ قیامت بھی اُن کے وعدہ کا مقام ہے) جو اُن کے عذابِ کُلّی کی وعدہ گاہ ہے۔ (اور قیامت نہایت کڑی اور بے حد کڑوی ہے)، یعنی بہت سخت، بہت ہولناک اور بہت ناگوار ہے دُنیا کے عذاب سے۔ اور (بے شک یہ مجرم لوگ حماقت اور دیوانگی میں ہیں) جبھی دُنیا میں راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں اور عناد و مشقت میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور آخرت میں جلانے والی آگ میں ہوں گے۔ (جس دن گھسیٹے جائیں گے آگ میں اپنے اپنے منہ کے بل) یعنی ان کو ان کے مونہوں کے بل کھینچ کر دوزخ میں ڈالیں گے، اور کہیں گے (کہ چکھو دوزخ میں آنے کو) یعنی اِس کی آگ کی گرمی اور دکھ سہو۔

بے شک اللہ تعالیٰ مختارِ کل اور قادرِ مطلق ہے، اُس نے جو چاہا کیا، جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جو چاہے گا کرے گا۔۔ چنانچہ۔ فرماتا ہے کہ۔۔۔

اِنَّا كُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾ وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ﴿۵۰﴾

بے شک ہم نے ہر چاہے کو پیدا فرمایا اندازے سے • اور نہیں ہے ہمارا کام مگر ایک بات کی بات، جیسے پلک مارنا•

(بے شک ہم نے ہر چاہے کو پیدا فرمایا اندازے سے) جو مقرر اور مرتب ہے مقتضائے حکمت پر۔۔یا۔۔ جو کچھ ہم نے پیدا کیا وہ اندازہ کیا ہوا اور لکھا ہوا ہے لوحِ محفوظ میں، اور اُس کے واقع ہونے سے قبل حکمِ ازلی اس سے متعلق ہے، تو ضرور بالضرور تغییر اور تبدیل سے دُور ہے۔ (اور نہیں ہے ہمارا کام مگر ایک بات کی بات)، یعنی ایک لفظ۔ اور وہ کُنْ ہے ۔۔یا۔۔ نہیں ہے قیامت قائم ہونے کا ہمارا حکم مگر ایک فعل (جیسے پلک مارنا)، یعنی دیکھنا آنکھ سے جلدی اور سہولت کے ساتھ۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو پلک مارتے ہی قیامت قائم کردیں۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَاۤ اَشْیَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۵۱﴾ وَكُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ ﴿۵۲﴾

اور بے شک برباد کردیا ہم نے تم لوگوں کے شیعوں کو، تو ہے کوئی سوچنے والا؟• اور ہر کام جسے اُنہوں نے کیا نوشتوں میں ہے•

وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ﴿٥٣﴾

اور ہر چھوٹی بڑی لکھی ہوئی ہے●

(اور بے شک برباد کردیا ہم نے تم لوگوں کے شیعوں کو)، یعنی اگلے زمانے میں جو کافر تمہارے مثل تھے اُن کو ہم نے ہلاک کیا جیسا کہ اِس سورت میں اُس کا بیان ہے۔ (تو ہے کوئی سوچنے والا؟) کہ اُن کے حال سے عبرت پکڑے۔ (اور ہر کام جسے انہوں نے کیا نوشتوں میں ہے) یعنی لوحِ محفوظ میں ہے۔

یہاں لوحِ محفوظ کو **زُبُر** اس لیے فرمایا کہ سب کتابوں کی اصل ہے۔۔یا۔۔خود اُن کے سب اعمال ان کے نامہء اعمال میں لکھے ہیں جو فرشتوں کے ہاتھ میں ہے۔

(اور ہر چھوٹی بڑی لکھی ہوئی ہے)۔ یعنی اولین و آخرین سے صادر ہونے والا ہر چھوٹا بڑا فعل اور قول لکھا ہوا ہے جس کی وجہ سے جزا پائیں گے۔

ع ٣
١٥
١٠

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ﴿٥٤﴾ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ﴿٥٥﴾

بے شک اللہ سے ڈرنے والے باغوں اور نہر میں ہیں● سچائی کی بیٹھک میں، قدرت والے بادشاہ کے یہاں●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والے باغوں اور نہر میں ہیں)۔ یعنی ایسے باغوں میں جن میں نہریں اور چشمے ہیں۔

بعضوں کے قول پر 'نہر' روشنی اور کشادگی کے معنی میں ہے، یعنی۔۔۔

متقی لوگ جنت میں ہوں گے نہایت وسعت اور روشنی میں بخلاف کافروں کے، کہ وہ تنگی اور تاریکی میں گزاریں گے۔ اور متقی لوگ ہوں گے (سچائی کی بیٹھک میں)۔ یعنی پسندیدہ مکان میں، کہ اُس میں نہ لغویات ہوگی نہ گناہ۔

حضرت امام جعفر صادق ﷺ سے منقول ہے کہ حق تعالیٰ نے اُس مکان کا وصف **صِدْقٍ** کے ساتھ فرمایا ہے، تو وہاں نہ بیٹھیں گے مگر اہلِ صدق۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ وہ وہ مکان ہوگا جس میں حق تعالیٰ وہ وعدے سچ کرے گا جو اُس نے اپنے دوستوں کے ساتھ کیے ہیں اور خدا کے دوست وہاں ہوں گے۔

(قدرت والے بادشاہ کے یہاں) جو قادر ہے سب چیزوں پر۔

بحر الحقائق میں فرمایا کہ مَقْعَدِ صِدْقٍ 'وحدت قربت' کا مقام ہے کہ 'عندیت' کے مرتبہ میں متحقق ہوتا ہے۔ کشف الاسرار میں لکھا ہے کہ عِنْدَ کا کلمہ تقریب اور تخصیص کی علامت رکھتا ہے، یعنی اہلِ قربت کل اُس گھر میں اِس مرتبہ کے ساتھ اختصاص رکھیں گے، اور آنحضرت ﷺ اِسی عالم میں اُس مرتبے کے ساتھ مخصوص تھے کہ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ۔

اور جب وہ مرتبہ جس کے سبب سے خاص لوگ کل ناز کریں گے، آج آپ ﷺ کا ادنیٰ مرتبہ تھا، تو کل قیامت میں جو مرتبہ اعلیٰ آپ کو حاصل ہوگا، اُس کا کون نشان دے سکتا ہے؟

اختتام سورۃ القمر ۔۔ ﴿ ۱۸ر شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۸ر جولائی ۲۰۱۲ء بروز یکشنبہ ﴾

ابتداء سورۃ الرحمٰن ۔۔ ﴿ ۱۹ر شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۹ر جولائی ۲۰۱۲ء بروز دوشنبہ ﴾

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ ۵۵ مدنیۃ ۹۷ | آیاتہا ۷۸ رکوعاتہا ۳

سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ

سورۂ رحمٰن ۔۔ ۵۵ مدنیہ ۹۷ | آیاتہا ۷۸ ۔۔ رکوعاتہا ۳

جمہور صحابہ وتابعین کے نزدیک یہ سورت مکی ہے، اور ایک جماعت نے حضرت ابن عباس سے یہ روایت کیا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے اور صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی، جبکہ حضرت ابن عباس کا دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ ترجمہ 'معارف القرآن' میں حضرت ابن عباس کی پہلی روایت کو ترجیح دے کر اِس سورت کو مدنی قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اِس کا نام 'سورۂ رحمٰن' ہے، جو اِسی سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

جب آنحضرت ﷺ نے کافروں کو اسم 'رحمٰن' کی خبر دی، تو کافر بولے کہ ہم تو 'رحمٰن' کو نہیں پہچانتے، تو یہ سورت نازل ہوئی۔ اور بعضوں نے کہا کہ مکے کے کافر طعن کرتے تھے، کہ فلاں فلاں شخص محمد ﷺ 'کو قرآن تعلیم کرتے ہیں، تو یہ سورت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ کی اہم ترین نعمتوں کا ذکر ہے۔ ایسی سورۂ مبارکہ کو ۔۔ یا ۔۔ قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲

مہربان اللہ نے ● سکھادیا قرآن ●

(مہربان اللہ) تعالیٰ (نے) جس کی رحمت سب چیزوں کو پہنچی ہے (سکھادیا) اور تعلیم کیا ہے (قرآن) اپنے حبیب کو، تو کفارِ مکہ کا یہ گمان غلط ہے کہ یہ جبیر اور یسار نے سکھایا ہے۔۔الختصر۔۔خدا نے اپنے حبیب کو قرآن سیکھنا اور اوروں کو سکھانا آسان کردیا ہے۔ مکہ کے کوتاہ فکر یہ نہ سمجھ سکے کہ اگر یہ قرآن کسی انسان کا سکھایا ہوا ہوتا، تو وہ انسان اِس کا جواب لاسکتا تھا اور پھر جب کافروں کو چیلنج کیا گیا تھا کہ اُس کے مثل ایک ہی سورت لیتے آؤ، تو پھر وہ اس سکھانے والے سے پورے قرآنِ کریم کا مثل تیار کراکے پیش کردیتے، لیکن یہ اُن سے نہیں ہوسکا۔ اور قیامت تک کسی سے نہ ہوسکے گا۔

اِس ارشاد میں یہ بھی اشارہ ہے، کہ ایک ہے قرآن کے کلمات اور ایک ہے قرآن کا علم۔ تو قرآنی الفاظ وکلمات کو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تک پہنچانے والے حضرت جبرائیل علیہ السلام ہیں لیکن بلاواسطہ اپنے حبیب کو قرآن کا علم دینے والا اللہ مہربان ہے۔

اِس مقام پر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ علم میں کمال اُسی صورت میں حاصل ہوسکتا ہے جب معلم اپنے متعلم پر مہربان ہو، اس لیے کہ اگر وہ مہربان نہ ہوگا، تو سکھانے میں پوری توجہ نہیں فرمائے گا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شاگرد کا علم ناقص ہوکر رہ جائے گا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ شاگرد صلاحیت واستعداد اور حصولِ علم کے ذوق وشوق میں کامل واکمل ہو۔ اور اس سلسلے کی یہ بات بھی ضروری ہے کہ سکھانے والا جس کتاب کو سکھائے وہ خود بذاتِ خود کامل ہو اور اپنے کمال میں بے نظیر و بے مثال ہو۔

اِس مقام پر ساری باتیں موجود ہیں۔ سکھانے والا وہ ہے جو عالم الغیب والشہادہ اور قادرِ مطلق ہے۔ اور سیکھنے والا اُس کا وہ حبیب ہے جو صلاحیتوں کا بحرِ ناپیدا کنار ہے۔ اور جو کتاب پڑھائی گئی وہ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ ہے یعنی ہر شے کا واضح بیان ہے۔ جس کی ہر ہر آیت میں اَسرار ومعارف کے خزانے مستور ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔ نہ سکھانے والے میں کمی، نہ سیکھنے والے میں کسی طرح کی کمی اور کوتاہی۔

اور نہ سکھائی گئی کتاب میں کوئی نقص۔تو اب سیکھنے والے کے علم میں کسی طرح کا نقص اور کسی طرح کی کمی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔۔الحتصر۔۔خدا کو علیم وخبیر اور قادرِ مطلق ماننے والا اور نبی کریم کو باصلاحیت یقین کرنے والا اور قرآن کریم کے کامل ہونے پر ایمان لانے والا، نبی کریم کے علم میں کمی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔۔الحتصر۔۔قادرِ مطلق خدائے مہربان نے۔۔۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۙ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

پیدا فرمایا اِس انسان کو• اور بتادیا اِسے کھول کر•

(پیدا فرمایا اس انسان کو) یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو (اور بتادیا اُسے کھول کر) جو کچھ تھا، اور ہے، اور ہوگا۔۔الحتصر۔۔سب اُس کو تعلیم کردیا۔

۔۔چنانچہ۔۔عُلِّمْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ کا مضمون اس کی خبر دیتا ہے۔۔یا یہ کہ۔۔

تعلیم کردیا اُس کو یعنی انسان کو بیان، یعنی جو کچھ اُس کے دِل میں ہے اُسے کہہ کر۔۔یا۔۔لکھ کر ظاہر کرنا سکھادیا۔

۔۔یا۔۔

آدم کو پیدا کیا اور انہیں علم اَسماء تعلیم کردیا۔

ذہن نشین رہے کہ خدائے مہربان نے اپنی ساری نعمتوں میں سے اوّلاً اِس نعمت کا ذکر فرمایا جو سب نعمتوں پر سبقت رکھتی ہے، اور وہ ہے قرآنِ کریم اور اُس کی تنزیل و تعلیم کی نعمت، جو ابوابِ دین میں مرتبہ اور منزل کے لحاظ سے دوسری نعمتوں سے اعلیٰ واحسن ہے۔

ظاہر ہے کہ دین سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں، اور قرآنِ کریم ہی اُس نعمت کا سرچشمہ ہے، اور دین کی تعلیم کا ایک قطعی، حتمی اور عظیم وشاندار ذریعہ ہے۔اور کتب سماویہ میں سب سے بلند وبالا مقام رکھنے والا ہے۔

۔۔پھر۔۔انسان کی تخلیق کا ذکر فرما کر واضح کردیا کہ انسان کی تخلیق بنیادی طور پر دین کے لیے فرمائی گئی ہے تاکہ وہ آسمانی کتابوں اور وحی الٰہی کا علم حاصل کرے۔اِسی لیے تخلیق کے ذکر پر تعلیم کے ذکر کو مقدم فرمایا گیا۔اور پھر سارے انسانوں کو حیوانات پر ممتاز کرنے کے لیے اُن کو من جانب اللہ نطق فصیح کی تعلیم پانے والا بتایا۔

آگے دو آسمانی نعمتوں کا ذکر فرماتا ہے اور اپنی قدرت کے جلوے دکھاتا ہے۔۔چنانچہ۔۔ فرماتا ہے کہ۔۔۔

اَلشَّمۡسُ وَالۡقَمَرُ بِحُسۡبَانٍ ۝ وَّالنَّجۡمُ وَالشَّجَرُ يَسۡجُدٰنِ ۝

سورج اور چاند حساب سے ہیں● اور بیل بوٹے اور درخت سجدہ میں پڑے ہیں●

(سورج اور چاند حساب سے ہیں) ایک حسابِ معلوم سے، یعنی اِس طرح پر کہ حق تعالیٰ نے مقرر کردیے اُن کی سیر کے واسطے برجوں اور منزلوں میں اور اُس کے سبب سے فصلیں اور وقت پہچانے جاتے ہیں۔ **(اور)** زمین میں **(بیل بوٹے اور درخت سجدہ میں پڑے ہیں)**، یعنی فرمانبرداری کرتے ہیں خدا کی اپنی طبیعت اور خوشی سے جیسے مکلّف سجدہ کرنے والوں کا سجدہ۔

۔۔یا۔۔

ان گھاسوں کا سجدہ اُن کے سایہ سے ہے۔

اور بعضوں نے کہا کہ جس طرح ان چیزوں کی تسبیح کی ہم کو تمیز اور وقوف نہیں، اُسی طرح اُن کے سجدہ کی بھی تمیز نہیں، جیسا کہ خود حق تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تَفۡقَهُوۡنَ تَسۡبِيۡحَهُمۡ

"ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے"

۔۔۔یہ تخم وشجر زمین کی نعمتیں ہیں جو کہ رزق کی اصل ہیں، یعنی دانے، پھل، گھاس، جانوروں کی اُنہیں سے ہے۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الۡمِيۡزَانَ ۝ اَلَّا تَطۡغَوۡا فِى الۡمِيۡزَانِ ۝ وَاَقِيۡمُوا الۡوَزۡنَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تُخۡسِرُوا الۡمِيۡزَانَ ۝

اور آسمان کو اُس نے بلند فرمایا اور اُسی نے رکھی ترازو کو● کہ نہ گھٹ بڑھ کرو تول میں● اور قائم رکھو تول کو انصاف سے، اور نہ گھٹاؤ وزن کو●

(اور آسمان کو اُس نے بلند فرمایا) یعنی 'محلاً' بلند و بالا بنایا ہے، جیسا کہ محسوس و مشاہد ہے۔۔ اور۔۔'رتبۃً' بھی، کہ اس کے احکام وقضایا کا مرکز بھی آسمان ہے، کہ وہیں سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور فیصلے زمین میں اترتے ہیں اور وہ ملائکہ کی رہائش گاہ بھی ہے۔ **(اور اُسی نے رکھی ترازو کو● کہ نہ گھٹ بڑھ کرو تول میں)**۔ یعنی عدل جاری کیا اور اِس کا حکم فرمایا کہ ہر حقدار کو پورا حق ملے، تاکہ امرِ عالم کا نظام صحیح اور مضبوط ومستحکم ہو۔۔۔

جیسے حضور ﷺ نے فرمایا کہ عدل ہی سے آسمان وزمین قائم ہیں۔
۔۔تو۔۔ترازو میں لیتے دیتے وقت عدل سے تجاوز نہ کرو اور راستی کے ساتھ معاملہ کرو (اور قائم رکھو تول کو انصاف سے) یعنی ترازو درست رکھو، (اور نہ گھٹاؤ وزن کو) یعنی لینے دینے میں کم نہ تولو۔

یہ نوح علیہ السلام سے شروع ہوا اور نہ اُس سے پہلے وزن اور کیل نہ تھا اور نہ ہی ناپ تھی۔
ترازو والوں کو یہ سب تاکید اس واسطے ہے کہ قیامت میں جب ترازو کھڑی ہو تو اس وقت شرمندہ نہ ہوں۔

'میزان' سے برابری کا آلہ ہی مراد نہیں جس کے دو پلڑے ہوتے ہیں، بلکہ ہر وہ چیز 'میزان' ہے جس سے ناپ تول کی جاسکے اور کسی شے کا وزن ومقدار معلوم کی جاسکے۔۔لہٰذا ۔۔عہد حاضر کے وہ سارے الیکٹرانک آلات میزان ہی کے حکم میں ہیں جن سے کسی چیز کا وزن معلوم کیا جاسکتا ہو، اُس میں دو پلڑے ہوں یا نہ ہوں۔رہ گئیں میدانِ قیامت کی ترازو میں تولی جانے والی چیزیں، تو خواہ اعمالِ نیک وبد کے دفتر ہوں۔۔یا۔۔اعمالِ نیک وبد کے حسین وقبیح مجسمے۔۔یا۔۔خالقِ کائنات کی قدرت کی تجزیہ کاری، ان میں سے ہر صورتِ حال ممکن ہے۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿١٠﴾ فِيْهَا فَاكِهَةٌ ۙ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿١١﴾

اور زمین کو اُس نے رکھا مخلوق کے لیے۔ جس میں میوہ ہے۔اور کھجور ہے غلافوں والی۔

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿١٢﴾

اور اناج بھوسے والے، اور خوشبودار پھول۔

(اور زمین کو اُس نے رکھا) پانی پر (مخلوق) کے رہنے (کے لیے) تاکہ اُس پر قرار پکڑیں (جس میں میوہ ہے اور کھجور ہے)، یعنی انواع واقسام کے میوے ہیں اور خرمے کے درخت ہیں جن میں کھجوریں ہیں (غلافوں والی)۔

اِس واسطے کہ خرما جب تک پھٹا نہیں غلاف میں رہتا ہے۔یعنی وہ غلاف جو کھجور کے ثمرات کے اوپر اُن کے ابتدائی ظہور کے وقت ہوتا ہے۔جب تک ثمرات ظاہر نہیں ہوتے وہ غلاف اُن کے اوپر ہوتے ہیں۔اور میووں میں خرمے کی تخصیص اُس کی فضیلت کی جہت

سے ہے اور اُس مشابہت کی وجہ سے ہے جو اُسے مردِ مؤمن سے حاصل ہے جس میں سے چند یہ ہیں:

﴿۱﴾۔۔کھجور پر خزاں نہیں آتی اور اُس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے، بلکہ وہ سدا بہار درخت ہے۔جیسے مؤمن پر کبھی خزاں نہیں طاری ہوتی اور وہ مایوس نہیں ہوتا، بلکہ سدا بہار رہتا ہے۔مصیبت آئے تو صبر کر کے خوش ہوتا ہے اور راحت ملے تو شکر کر کے شادرہتا ہے۔

﴿۲﴾۔۔کھجور کے پھل بہت شیریں ہوتے ہیں۔۔یوں ہی۔۔مؤمن کے اخلاق بہت ہی میٹھے ہوتے ہیں جو دشمن کو دوست اور کافر کو مؤمن بنا لینے والے ہوتے ہیں۔

﴿۳﴾۔۔کھجوریں لوگ دُور دُور تک لے جاتے ہیں اور اُس سے مستفیض ہوتے رہتے ہیں۔۔یوں ہی۔۔مؤمن کا فیض بھی دُور دُور تک پہنچتا ہے۔کوئی کہیں بھی ہو وہ اپنے سے بہت دُور رہنے والے بزرگانِ دین اور اولیاءِ کاملین کے فیض سے مستفیض ہوتا رہتا ہے۔

﴿۴﴾۔۔کھجور کے پتے بہت نوکیلے ہوتے ہیں،تو مؤمن بھی اگر ایک طرف **رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ** کی مٹھاس رکھتا ہے،تو دوسری طرف **اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ** کے نیزے سے بھی اپنے کو آراستہ رکھتا ہے۔۔الختصر۔۔اللہ تعالیٰ نے زمین کو میووں اور کھجوروں سے مالا مال کر دیا۔۔۔

(اور اناج بھوسے والے) جیسے گیہوں اور جو وغیرہ **(اور خوشبودار پھول)** کہ اُن سے غم پاس نہیں آتا۔حاصلِ کلام یہ ہے کہ زمین میں ہم نے تم کو بہت نعمتیں دی ہیں،بعضے کھانے کی بعضے سونگھنے کی۔۔۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۱۳﴾

تو اَے جن وانس اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(تو اَے جن وانس!اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) کہ اُس کی طرف سے نہیں ہیں۔

اِس سورت میں اکتیس[۳۱] بار یعنی ابجد کے حساب سے 'الرحمٰن' کے 'ال' کی تعداد کے مطابق یہ مذکورہ بالا کلمات آئے ہیں،اس جہت سے کہ اِس سورت میں خدا کی نعمتیں مذکور ہیں،تو ہر

نعمت کے بعد یہ الفاظ لائے گئے اور یہ کلمات فرمائے گئے تاکہ پڑھنے اور سننے والے نعمتوں کی کثرت سے آگاہ ہو جائیں۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ ان الفاظ کا مکرر لانا غفلت دفع کرنے پر حجت قائم کرنے اور نعمت یاد دلانے کے واسطے ہے۔

حضرت جابر سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ سورت اخیر تک ہم لوگوں کے سامنے پڑھی، بعدہٗ فرمایا کہ مجھے کیا ہے کہ میں تم کو چپ دیکھتا ہوں، البتہ جن اس سوال کا جواب دینے میں تم سے بہتر ہیں۔ میں نے جتنی بار پڑھا **فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ** تو انہوں نے جواب دیا اور یہ عرض کیا کہ "وَلَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعْمَتِكَ رَبَّنَا لَا نُكَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ" یعنی ہم کسی چیز کی اے ہمارے رب! تکذیب نہیں کرتے ہیں۔ پس تیرے ہی واسطے ہے حمد وثنا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿١٤﴾ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ﴿١٥﴾

اُس نے پیدا فرمایا عام انسان کو کھن کھناتی مٹی سے، ٹھیکری کی طرح ● اور اُس نے پیدا فرمایا جنات کو آگ کی لپٹ سے ●

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿١٦﴾

تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ●

(اُس نے پیدا فرمایا عام انسان کو) ۔۔یا۔۔ آدم علیہ السلام کو جو انسان کے باپ ہیں (کھن کھناتی مٹی سے ٹھیکری کی طرح)، کہ اگر اس پر ہاتھ مارے تو وہ بجے اور آواز دے۔ (اور اُس نے پیدا فرمایا جنات کو) ۔۔یا۔۔ 'جان' کو جو جنوں کا باپ ہے (آگ کی لپٹ سے)، یعنی شعلے سے جو صاف ہوتا ہے بے دھویں کا۔

بعضوں نے کہا کہ 'مارج' سے وہ آگ مراد ہے جو شعلہ سرخ اور سبز اور زرد ملا ہوتا ہے۔ تو 'جان' دو عنصر سے مخلوق ہے آگ سے اور ہوا سے، اور 'آدم' بھی دو عنصر سے پیدا ہوئے خاک اور پانی سے۔ جب خاک اور پانی باہم ملتا ہے تو اُسے 'طین' کہتے ہیں، اور جب ہوا اور آگ ملتی ہے تو اُسے 'مارج' کہتے ہیں۔ جس طرح رحم میں پانی یعنی آب منی ڈالنے سے آدمی کی نسل بڑھتی ہے، اُسی طرح رحم میں ہوا ڈالنے سے جن کی نسل بڑھتی ہے۔ اور 'جان' اور 'حضرت آدم' کی پیدائش میں ساٹھ ہزار برس کا فرق تھا۔

(تو تم دونوں کن کن نعمتوں کو اپنے رب کی جھٹلاؤ گے؟)۔ تم دونوں جن وانس کہ اُس نے تم

کو 'طین' اور 'مارج' سے پیدا کیا اور زندگی کی دولت عطا فرمائی۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۱۸﴾

دونوں مشرق کا رب، اور دونوں مغرب کا رب ● تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ●

(دونوں مشرق کا رب)، یعنی ایک گرمی میں آفتاب نکلنے کی جگہ دوسرے جاڑے میں، (اور دونوں مغرب کا رب)، ایک گرمی میں آفتاب ڈوبنے کی جگہ دوسرے جاڑے میں۔ اور دو مشرقین اور مغربین مختلف ہونے میں طرح طرح کے فائدے ہیں۔ فصلیں نئی پیدا ہونا اور بدلنا، اور جو کچھ ہر فصل سے تعلق رکھتا ہے، بلکہ آفتاب کا نکلنا طلبِ معاش کا موجب، اور اُس کا ڈوب جانا آسائش اور راحت کا سبب، (تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) اور اُس کے نعمتِ خداوندی ہونے سے اِنکار کرو گے؟

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ﴿۱۹﴾ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ﴿۲۰﴾

اُس نے بہائے دو دریا جو مل جاتے ہیں ● تو اُن کے درمیان روک ہے، کہ باہم چڑھ نہیں سکتے ●

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۲۱﴾

تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ●

(اُس نے بہائے دو دریا)، ایک اچھا اور شیریں اور دوسرا کھاری اور کڑوا، (جو) اُس کے حکم سے (مل جاتے ہیں)۔ اور وہ فارس اور روم کے دریا ہیں کہ محیط ہیں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ (تو اُن کے درمیان روک ہے) یعنی ایک مانع، حاجب اور پردہ ہے خدا کی قدرت سے زمین کا۔۔۔یا۔۔۔ کسی جزیرے کا (کہ) اُس کے سبب سے (باہم چڑھ نہیں سکتے)۔ یعنی باہم ملتے نہیں تا کہ ہر ایک کی خاصیت باطل نہ ہو جائے۔

۔۔۔یا۔۔۔ ایک حد مقرر ہو گئی ہے تو اُس سے تجاوز نہیں کرتے، تا کہ جو کچھ اُن کے درمیان میں ہے وہ غرق نہ ہو جائے، اور ایک دریا دوسرے پر غلبہ کرے تو نفع برطرف ہو جائے۔ اور بہت سے فائدے اُن دریاؤں سے حاصل ہیں۔ (تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن) مصلحت آمیز (نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) اور اِنکار کرو گے؟

يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٢٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٣﴾

نکلتا رہتا ہے اُن دونوں سے موتی اور مونگا۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔

(نکلتا رہتا ہے اُن دونوں) دریاؤں میں سے۔۔یا۔۔دریائے شور میں **(سے موتی اور مونگا)** یعنی بڑے اور چھوٹے ریزہ ریزہ موتی، یعنی جواہر کہ اُن کے سبب سے آسائش کرتے ہو اور اُن کی خرید وفروخت سے فائدے پاتے ہو اور یہ نعمتیں ظاہر ہیں۔ **(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)**۔

امام قشیری نے کہا کہ دو دریا، خوف و رجاء ہیں۔۔یا۔۔قبض و بسط ہیں۔۔یا۔۔انس و ہیبت ہیں۔ اور برزخ قدرت بے علت ہے اور موتی احوالِ صافیہ اور مرجان لطائف وافیہ۔ صاحب کشف الاسرار شرح فرماتے ہیں کہ خوف ورجاء دو دریا عام مسلمانوں کو ہیں اور ان سے زہد و ورع کا موتی نکلتا ہے۔ اور قبض وبسط کے دو دریا خاص مؤمنوں کو ہیں اُن سے فقر اور وجد کے جواہر پیدا ہوتے ہیں۔ اور اُنس اور ہیبت کے دریا انبیاء اور صدیقوں کے واسطے ہے، اُن سے فنا کا موتی نکلتا ہے، تاکہ اس موتی کا جوہری منزلِ بقاء میں آسائش کرے۔

وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴿٢٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٥﴾ النصف ع ۲۵

اور اُسی کی ہیں چلنے والی کشتیاں اونچی اونچی، دریا میں جیسے پہاڑ۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔

(اور اُسی کی ہیں چلنے والی کشتیاں اونچی اونچی، دریا میں جیسے پہاڑ)۔ کشتیاں پیدا کرنا اور دریا میں رواں کرنا بندوں کے فائدے کے لیے ہے کہ بہت مسافت تھوڑے زمانے میں قطع ہو جاتی ہے اور کشتیوں کے ذریعے تجارتیں اور معاملے ہوتے ہیں اور یہ بڑی نعمتیں ہیں۔ **(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے)** اور اِنکار کرو گے؟

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ﴿٢٧﴾

ہر ایک جو اس زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے۔ اور باقی رہے گی تمہارے رب جلال وعزت والے کی ذات۔

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٢٨﴾

تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔

(ہرایک) ذی روح (جو اِس زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے) یعنی انجام کار سب فنا ہو جائیں گے (اور باقی رہے گی تمہارے رب جلال وعزت والے کی ذات) جو خداوندِ بزرگی وعظمت ہے اور اپنے فضلِ عام اور کرمِ تام سے بزرگ کردینے والا ہے اُسے جو بزرگی کا مستحق ہو۔ (تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)۔ اُس نے تمہیں تمہارے فنا ہو جانے کی خبر دی تاکہ آمادہ ہو جاؤ اور اُس کی مخلصانہ اطاعت کرتے رہو، اور اُس نے اپنی بقا سے تم کو آگاہ کردیا تاکہ اُس کی طرف رجوع کرو اور اُس کے غیر پر اعتماد نہ کرو۔

يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾

مانگتا رہتا ہے اُس سے ہر آسمان والا اور زمین والا۔ ہر دن وہ ایک شان میں ہے●

فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾

تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(مانگتا رہتا ہے اُس سے ہر آسمان والا اور زمین والا) اپنی حاجتیں، اِس واسطے کہ سب اپنی ذات اور صفات میں اُسی کے محتاج ہیں۔ (ہر دن وہ ایک شان میں ہے) اور نیک کام بنانے میں ہے۔ دُعا کرنے والے کی دُعا قبول کرتا ہے، سائل کو عطا فرماتا ہے، عاجز کو نجات بخشتا ہے، غمگین کو خوش کرتا ہے، بیمار کو صحت دیتا ہے، کسی قوم کو توبہ پر رکھتا ہے اور کسی گروہ کو بخشتا ہے۔ (تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) اور اِنکار کرو گے؟

ابن عیینہ نے فرمایا کہ خدا کے نزدیک سراسر زمانہ دو دن ہیں۔ ایک دن دُنیا کی مدت ہے اور دوسرا دن آخرت کی مدت ہے۔ دُنیا کی مدت میں اُس کی شان، امر ہے، نہی ہے، عطا کرنا، روکنا، پیدا کرنا، روزی دینا، موت دینا، زندگی عطا فرمانا، عزت دینا اور ذلیل کرنا وغیرہ۔

اور آخرت کی مدت میں اُس کی شان، حساب ہے، عذاب ہے، جزا دینا، سوال کرنا، ثواب دینا اور عقاب کرنا وغیرہ ہے۔ محققین کے نزدیک **یوم** 'آن' کے معنی میں ہے، اور وہ زمان کا ایک 'جزءِ اقل' ہے۔ اور بحر الحقائق میں ہے کہ اِس ہر نشانی میں حق کی تجلی مراد ہے اُس کے موافق جس کے واسطے تجلی کی جائے اور اُس کی استعداد کے مناسب۔ اور تجلیات کی کوئی نہایت نہیں۔

سَنَفۡرُغُ لَكُمۡ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ ۚ﴿۳۱﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾

جلد ہی نبٹا دیں گے ہم تمہیں اے دونوں گروہ! • تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ •

(جلدی نبٹا دیں گے ہم تمہیں اے دونوں گروہ)، یعنی قریب ہے کہ حساب کر دیں گے تمہارے واسطے۔

'فراغ' یہاں حساب کرنے اور جزا دینے کے قصد کے معنی میں ہے۔ اُس 'فراغ' کے معنی میں نہیں ہے جو 'شغل' کے بعد ہوتا ہے۔ یہ کلام تہدید اور وعید کی راہ سے ہے، جیسے کوئی۔۔ مثلاً: کسی کو کہے کہ ٹھہر کہ میں تیرے ساتھ مشغول ہوں۔ حالیکہ کہنے والا کچھ کام نہیں کرتا ہے، تو وہاں سننے والے کو ڈرانا منظور ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی وعید کی رُو سے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میں تمہارے حساب کا قصد کروں گا اے دو بڑے گروہ یعنی جن اور انسان۔

اور جس کی قدر و قیمت بڑی ہوتی ہے عرب اس کو 'ثقل' کہتے ہیں۔ نبی کریم کا ارشاد ہے کہ ''اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْن'' یعنی تحقیق کہ چھوڑتا ہوں میں تم میں دو چیزیں بڑی قدر والی۔ بعضوں نے کہا کہ 'ثقل' گراں بار ہے، اور جن وانس مکلف ہونے کے سبب سے گراں بار ہیں، یہاں تک کہ بھاری گناہوں کے بوجھ سے عاجز اور ماندے ہیں۔

(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)۔

یہ حساب کے سبب سے تہدید ہے تاکہ بُرے کاموں میں دھمکی مانتے رہو اور خطاب کے سبب سے تعریف ہے، تاکہ کرم بے حد سے امیدوار رہو۔

يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اِنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ اَنۡ تَنۡفُذُوۡا مِنۡ اَقۡطَارِ السَّمٰوٰتِ

اے گروہ جن وانس! اگر سکت ہو تم میں، کہ نکل جاؤ کناروں سے آسمانوں

وَالۡاَرۡضِ فَانۡفُذُوۡا ؕ لَا تَنۡفُذُوۡنَ اِلَّا بِسُلۡطٰنٍ ۚ﴿۳۳﴾ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾

اور زمین کے، تو نکل جاؤ۔ نہ نکل سکو گے بے قوت بن کر • تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ •

(اے گروہِ جن وانس اگر سکت ہو تم میں کہ نکل جاؤ کناروں سے آسمانوں اور زمین کے، تو نکل جاؤ)، لیکن حقیقت یہ ہے کہ (نہ نکل سکو گے بے قوت بن کر) یعنی نکلنے کے لیے جس قوت وقہر اور تسلط وغلبہ کی ضرورت ہے اُس سے تم یکسر محروم ہو، تم جہاں بھی جاؤ گے وہاں میرا ہی حکم چل رہا ہوگا اور میری ہی سلطنت ہوگی، اور تمہاری موت تمہارے ساتھ رہے گی جس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت

ہوگی۔۔الختصر۔۔میری سلطنت کی حدود سے نکل جانے کی تمہیں قدرت نہیں۔
بعضوں نے کہا کہ قیامت کے دن اہلِ محشر کے گرداگرد فرشتے صفیں کھینچیں گے اور منادی ندا کرے گا، کہ اے آدمیو! اور جنو! یہ میدانِ حشر ہے، اگر تم نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ، مگر تم نہیں نکل سکتے۔لیکن دلیل وحجت سے اور تمہارے واسطے نہ یہ ہے نہ وہ۔
(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)۔اُس نے تم کو خبر کردی کہ تم دُنیا میں عاجز ہو اور آخرت میں درماندے، تاکہ تم جان لو کہ دونوں جہاں میں اُس کے سوا کوئی یار اور مددگار نہیں اور یہ سمجھ کر اُس کی طرف متوجہ ہو۔

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۚ﴿۳۵﴾ فَبِاَيِّ
چھوڑی جائے گی تم دونوں پر آگ، خالص لپٹ۔۔اور کالا دھواں، تو بدلہ نہ لے سکو گے● تو تم دونوں

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾
اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(چھوڑی جائے گی تم دونوں پر)، یعنی تم میں سے اُن پر جو گنہگار اور مشرک ہوں، **(آگ خالص لپٹ اور کالا دھواں)**، یعنی ایک بار آگ کا شعلہ پہنچے گا اور ایک بار دھواں۔۔۔اور بعضے کہتے ہیں کہ **نُحَاسٌ** پگھلا ہوا تانبا ہے کہ اُن کے سروں پر ڈالیں گے۔۔۔
(تو بدلہ نہ لے سکو گے) اور نہ ہی مدد دے سکو گے ایک دوسرے کو، اور ایک دوسرے سے عذاب نہ روک سکو گے۔ **(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)**، کہ اُس نے تم کو شعلہ اور دھواں سے ڈرایا تاکہ نافرمانی سے باز آؤ اور اُسی کی عبادت میں مشغول رہو۔

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ﴿۳۷﴾ فَبِاَيِّ
تو جہاں پھٹ گیا آسمان، تو ہو گیا گلاب کا پھول، جیسے لال نری● تو تم دونوں

اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾
اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(تو جہاں پھٹ گیا آسمان) فرشتوں کے اُترنے کے واسطے، **(تو ہو گیا گلاب کا پھول جیسے**

لال نری) یعنی وہ گلابی رنگ کا ہو گیا، بکری۔۔یا۔۔بھیڑ کے رنگے ہوئے سرخ چمڑے کی طرح۔۔یا
روغن زیتون کے مثل کہ ہر ساعت دوسرے رنگ پر نظر آتا ہے۔۔الحاصل۔۔آسمان تپ کر آگ کی تپش
سے پگھل جائے گا اور دوزخ کی آگ کی حرارت سے کچے چمڑے کی طرح سرخ ہو جائے گا اور تیل
کی طرح بہہ رہا ہوگا۔

۔۔المختصر۔۔قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے آسمان متغیر ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ مخلوق کو حساب کا حکم دے گا اور اُس دن قیامت کی ہولناکیوں سے صرف اللہ تعالیٰ ہی تم کو نجات دے گا۔

(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) اور تم اس نعمت کا کیسے اِنکار کر سکتے ہو۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْـَٔلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾

تو اُس وقت حاجت نہ ہوگی کہ پوچھے جائیں اپنے گناہ کے بارے میں انسان اور جنات●

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾

تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(تو اُس وقت حاجت نہ ہوگی کہ پوچھے جائیں اپنے گناہ کے بارے میں انسان اور جنات) یعنی اُن سے علم حاصل کرنے کا سوال نہ کریں گے کہ تم نے کیا کیا؟ بلکہ جھڑکی کے ساتھ سوال ہوگا کہ کیوں کیا؟

۔۔یا۔۔

گناہ گاروں کو علامت سے پہچان لیں گے اور سوال کی حاجت ہی نہ ہوگی۔

۔۔یا۔۔قبروں سے نکلتے وقت اُن سے نہ پوچھیں گے۔اور وہ جو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے **لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ** وہ موقفِ حساب ہوگا کہ سب سے سوال کریں گے۔

(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) کہ اُس نے تم کو اُس روز کے احوال کی خبر کر دی، تاکہ ایمان اور تقویٰ پر ثابت رہو کہ تمہاری نجات کا سبب ہے۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿٤١﴾

پہچان لیا جائے گا ہر ہر مجرم اپنی اپنی نشانی سے، تو پکڑا جائے گا پیشانیوں اور قدموں سے●

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٢﴾

تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(**پہچان لیا جائے گا ہر ہر مجرم اپنی اپنی نشانی سے**) کہ منہ کی سیاہی اور آنکھوں کا نیلا ہونا ہے ۔۔یا۔۔اُن کے چہرے سے غم اور رنج کے آثار ظاہر ہوں گے۔(**تو پکڑا جائے گا پیشانیوں اور قدموں سے**)، یعنی کبھی تو اُن کی پیشانی کے بال پکڑ کر دوزخ کی طرف کھینچیں گے اور کبھی پاؤں پکڑ کر سر نیچے اور پاؤں اوپر کر کے کھینچتے ہوئے دوزخ میں ڈال دیں گے۔(**تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟**) کہ اُس نے تم کو کافروں کے پکڑے جانے اور دوزخ میں ڈال دِیے جانے کی خبر کر دی تا کہ تم کفر سے پرہیز کرو۔اور مشرکوں کو دوزخ میں ڈال کر فرشتے کہیں گے۔۔۔

وقف لازم

هَٰذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿٤٣﴾ يَطُوفُونَ بَيْنَهَا

یہ ہے جہنم! جسے جھٹلاتے تھے جرائم پیشہ لوگ۔۔●۔۔ مارے پھریں گے اُس جہنم میں

وَبَيْنَ حَمِيمٍ آنٍ ﴿٤٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٥﴾

ع ۲

اور بے حد کھولتے پانی میں● تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(**یہ ہے جہنم! جسے جھٹلاتے تھے جرائم پیشہ لوگ**) اور اُسے باور نہ کرتے تھے۔(**مارے پھریں گے اُس جہنم میں اور بے حد کھولتے پانی میں**)۔یعنی جب کافر آگ سے پناہ چاہیں گے، تو اُن کی فریاد رسی اِس طرح کی جائے گی کہ آگ سے نکال کر ایسے گرم پانی میں ڈال دیں گے کہ اُن کے جوڑ ایک دوسرے سے کھل جائیں گے۔تو وہ ہمیشہ آگ اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان میں رہیں گے۔(**تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟**) کہ اُس نے تم کو دوزخیوں کے عذاب سے آگاہ کیا تا کہ کفر سے پرہیز کر کے ایمان سے آراستہ ہو کر اُس سے نجات پاؤ۔

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ﴿٤٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٧﴾

اور اُس کے لیے جو ڈرا کھڑے ہونے کو اپنے رب کے حضور، دو باغ ہیں● تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

ذَوَاتَآ اَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾

بکثرت شاخوں والے۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔

(اور اُس کے لیے جوڈرا کھڑا ہونے کو اپنے رب کے حضور دو باغ ہیں)۔یعنی جو شخص موقف حساب سے ڈرے اور گناہ چھوڑ دے، اُس کو دو جنتیں دیں گے: ایک جنتِ عدن دوسری جنتِ نعیم۔ ایک بہشت تو خوفِ الٰہی کے واسطے ہے، اور ایک ترکِ مناہی کے واسطے ہے۔ایک خاص خائف کے واسطے اور ایک اس کے خادموں اور متعلقوں کے لیے۔

۔۔الحاصل۔۔ بہشت میں اُن کو دو باغ دیں گے۔اُن میں سے ہر ایک سو برس راہ کی قدر لمبا اور اتنا ہی چوڑا ہوگا۔ اور ہر باغ میں مکانات خوب اور میوے مرغوب اور حوریں خوبصورت ہوں گی۔ (تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) کہ ادائے طاعت اور ترکِ معصیت کے واسطے دو بہشتیں عطا فرماتا ہے۔ (بکثرت شاخوں والے)، یعنی اُن دو باغوں میں بہت درخت ہوں گے۔ ہر ایک درخت میں طرح طرح کے میوے۔ (تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) جو اطاعت شعار بندوں کو بہشتیں عطا فرماتا ہے جن میں سایہ دار فرحت بخش درخت اور لذیذ میوے ہوں گے۔

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ تَجْرِیٰنِ ﴿٥٠﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾

اُن دونوں میں دو چشمے بہہ رہے ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔

(اُن دونوں میں دو چشمے بہہ رہے ہیں)۔ایک کا نام ہے 'تسنیم' اور ایک کا نام ہے 'سلسبیل'۔ ایک صاف پانی کا چشمہ ہے اور ایک شرابِ لذیذ کا۔ مکانات اونچے ہوں۔۔یا۔۔ نیچے، یہ چشمہ ہر جگہ جاری ہوگا۔ (تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) کہ جس نے ایسے چشمے تمہاری راحت اور لذت کے واسطے جاری کیے ہیں۔

فِیْهِمَا مِنْ کُلِّ فَاکِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾ مُتَّکِـِٕیْنَ

اُن دونوں میں ہر میوہ کے دو جوڑے ہیں۔ تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟۔ تکیہ لگائے

عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍؕ وَ جَنَا الْجَنَّتَیْنِ دَانٍ﴿۵۴﴾

ایسے فرشوں پر جن کے اُستر دبیز ریشمی کپڑے کے، اور دونوں باغ کے پھل قریب جھکے●

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴿۵۵﴾

توتم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(اُن دونوں) باغوں کے درختوں (میں ہر میوہ کے دو جوڑے ہیں) یعنی دو قسم ہیں۔ ایک تو پہچانا ہوا کہ دُنیا میں دیکھا ہوگا، اور دوسرا عجیب غریب کہ کسی نے نہ دیکھا ہو نہ سنا ہو۔ (توتم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) جو انواع واقسام کے پھل اور میوے بندہ کو عطا فرماتا ہے۔

خدا سے ڈرنے والے لوگ ان بہشتوں میں بیٹھیں گے (تکیہ لگائے) ہوئے (ایسے فرشوں پر جن کے اُستر دبیز ریشمی کپڑے کے) ہوں گے۔

ایک بزرگ سے پوچھا کہ اُس بچھونے کا استر تو ایسا عمدہ ریشمی ہوگا، تو اَبرا کیسا ہوگا؟ اَبرا کہتے ہیں دوہرے کپڑے کی اوپری پرت کو، تو انہوں نے فرمایا، نور سے بنا ہوا جو انسانی فہم وادراک سے پوشیدہ ہے۔

(اور دونوں باغ کے پھل قریب جھکے) ہوئے ہوں گے۔ تاکہ کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر ایک کا ہاتھ اُس وقت بآسانی پہنچ سکے۔

اور بعضوں نے کہا کہ جو شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہوگا، اور میوے کی آرزو کرے گا، تو درخت شاخ جھک آئے گی اور جس میوے کی خواہش ہے وہ اُس کے منہ میں آجائے گا۔

(توتم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) کہ تم کو بادشاہانہ تختوں اور فرشوں پر بٹھائے گا اور لذیذ ولطیف میوے عطا فرمائے گا۔

فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِۙ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَ لَا جَآنٌّ﴿۵۶﴾

اُس میں ہیں اپنے شوہر تک آنکھ رکھنے والیاں، کہ نہیں ہاتھ لگایا اُنہیں کسی انسان نے اُن سے پہلے، اور نہ جنات نے●

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴿۵۷﴾

توتم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

اور (اُس میں ہیں اپنے شوہر تک آنکھ رکھنے والیاں) یعنی حوریں جو اپنے شوہروں کے سوا

اور کو دیکھنے سے آنکھ بند رکھیں گی۔ اُن کی شان یہ ہے (کہ نہیں ہاتھ لگایا انہیں کسی انسان نے ان سے پہلے اور نہ جنات نے)۔ یعنی جو حوریں آدمیوں کے لیے مقرر ہیں اُن کے دامن تک کسی آدمی کا ہاتھ نہ پہنچا ہوگا۔ اور جو حوریں جنوں کے لیے مقرر ہیں اُن پر کسی جن نے نہ تصرف کیا ہوگا۔ (تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) کہ اِس لطافت کے ساتھ اُس نے اپنے بندوں کے واسطے حوریں عنایت کیں۔۔۔

كَأَنَّهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٩﴾

گویا وہ یاقوت اور مونگا ہیں • تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ •

(گویا وہ) حوریں صفائی اور سرخی میں (یاقوت اور) سفیدی اور چمک میں (مونگا ہیں) اور پاکیزہ موتی ہیں۔ (تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) کہ اُس نے اِس صفائی اور پاکیزگی کے ساتھ تمہارے واسطے حوریں پیدا کیں۔

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦١﴾

کیا ہے احسان کا بدلہ؟ بجز احسان کے • تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ •

(کیا ہے احسان کا بدلہ؟ بجز احسان کے)۔

اِس آیت کا حاصل یہ ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی ہے، تو طاعات کی جزا درجات ہیں، اور شکر کا بدلہ نعمت کی زیادتی، اور تقویٰ کا فرحت، اور توبہ کا قبولیت، اور دُعا کا اجابت، اور سوال کا عطا، اور استغفار کا مغفرت، اور دُنیا میں خوف کا امن آخرت، اور خدمت کا سلطنت بدلہ اور جزاء ہے۔ بحر الحقائق میں ہے کہ فنا فی اللہ کی جزا نہیں ہے مگر بقاء باللہ۔

(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) کہ اُس نے نیکی کرنے کی توفیق دی اور اُس کی جزا مقرر کی۔

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ ﴿٦٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٣﴾ مُدْهَامَّتَانِ ﴿٦٤﴾

اور اُنہیں چھوڑ کر دو اور باغ ہیں • تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ • گہری سبزی سے سیاہی مائل •

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۵۹﴾

تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(اور انہیں چھوڑ کر دو اور باغ ہیں)۔ یعنی ۲ دو بہشتوں کے سوا جو مذکور ہوئیں ۲ دو جنتیں اور ہیں
۔یا۔ اُن سے کمتر ۲ دو باغ اور ہیں۔

بعضوں نے کہا کہ ۲ دو جنتیں جو پہلے مذکور ہوئیں سونے کی ہیں جو سابقوں کے واسطے ہیں، اور یہ ۲ دو جنتیں چاندی کی ہیں جو اصحابِ یمین کے لیے ہیں۔

(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) کہ یہ جنتیں بندوں کے نامزد کرتا ہے۔ یہ دونوں جنتیں **(گہری سبزی سے سیاہی مائل)** ہیں۔ **(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)** کہ ایسے سبز رنگ کے باغ عطا فرماتا ہے اور سبزی سے آنکھوں کی روشنی بڑھتی ہے اور آنکھوں کو سکون ملتا ہے۔

فِیْهِمَا عَیْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿۶۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۷﴾ فِیْهِمَا فَاکِهَةٌ

اُس میں دو چشمے ہیں جوش مارتے ہوئے● تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟● اُن دونوں میں ہیں میوہ،

وَّ نَخْلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿۶۸﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۶۹﴾

اور کھجور، اور اَنار● تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(اُس میں دو چشمے ہیں جوش مارتے ہوئے)، یعنی ہر چند اس میں سے پانی لیں پھر اور پانی جوش مارے گا۔ **(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)** کہ ایسے ۲ دو چشمے بہت پانی کے تم کو دیتا ہے۔ **(ان دونوں)** بہشتوں **(میں ہیں میوہ اور کھجور اور انار)۔**

کل میووں میں خرما اور انار کی تخصیص بسبب اُن کی فضیلت کے ہے، اور اِس واسطے کہ خرما میوہ بھی ہے اور غذا بھی، اور انار میوہ بھی ہے اور دوا بھی۔

(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) جو کہ ایسے میوے اپنے بندوں پر انعام کرتا ہے۔

فِیْهِنَّ خَیْرٰتٌ حِسَانٌ ﴿۷۰﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۷۱﴾ حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ

اُن میں ہیں عورتیں نیک خصلت خوبصورت● تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟● گوری گوری پردہ نشین،

فِي الْخِيَامِ ﴿٧٢﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٣﴾

خیموں میں● تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(اُن میں ہیں عورتیں نیک خصلت خوبصورت) یعنی برگزیدۂ خوبصورت اور خوب سیرت، **(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)** کہ تم کو حوریں دے گا ایک دوسری سے بہتر **(گوری گوری پردہ نشین خیموں میں)**، جو موتیوں کے ہیں۔

اور بعضوں نے کہا کہ **خیام** سے گھر مراد ہیں اور بعضوں نے تخصیص کی 'حجلوں' کے ساتھ، اور 'حجلہ' وہ گھر ہے جو آراستہ ہو دولہا دلھن کے لیے۔

(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟) جو ایسی پاکیزہ حوریں جنتیوں کو دیتا ہے کہ۔۔۔

لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٧٤﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٧٥﴾

نہیں ہاتھ لگایا اُنہیں کسی انسان نے اُن سے پہلے اور نہ جنات نے● تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟●

(نہیں ہاتھ لگایا انہیں کسی انسان نے اِن سے پہلے) یعنی کسی آدمی نے اُن کے شوہروں سے پہلے جن کے ساتھ نامزد ہوئی ہیں۔ **(اور نہ جنات نے)** اُن کو ہاتھ لگایا۔۔الغرض۔۔حق تعالیٰ نے کنواریوں کو ایمان والوں کے لیے نامزد کیا ہے۔ **(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)** کہ ایسی حوریں محفوظ رکھ کر عطا فرمائے گا۔

مُتَّكِئِينَ عَلَىٰ رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَعَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿٧٦﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

تکیہ لگائے ہرے ہرے بستر، اور نفیس و نادر فرش پر● تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو

تُكَذِّبَانِ ﴿٧٧﴾

جھٹلاؤ گے؟●

اصحابِ یمین **(تکیہ لگائے)** ہوں گے **(ہرے ہرے بستر اور نفیس و نادر فرش پر)** یعنی اُن کے بچھونے بہت خوب اور قیمتی ہوں گے۔ **(تو تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟)** جو مذکور ہوئیں۔

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾

بڑی برکت والا ہے نام تمہارے رب کا، جلال والا عزت والا●

(بڑی برکت والا ہے نام تمہارے رب کا جلال والا عزت والا)۔

اور ظاہر ہے کہ جب نام اِتنی عظمت والا ہے کہ اُس عظیم کی ذات پر بولا جاتا ہے، تو اُس کی ذات کی بزرگی کس درجے پر ہوگی۔ اور اِسی سے ہے کہ کسی نے اُس کی ذات کی عظمت سے خبر دی ہے نہ دے سکتا ہے۔ بے شک حق تعالیٰ ذوالجلال ہے کہ صفاتِ جلال میں سے جن کا ثابت کرنا کمال کو مستلزم ہے، وہ صفات اُس خداوند کی ذاتِ بے مثال کے واسطے ثابت ہیں اور جن صفتوں کا سلب عزتِ کبریائی کو مقتضی ہے وہ جنابِ مقدس ان صفتوں سے منزہ اور مبرا ہے۔

اکثر محقق اِس بات پر ہیں کہ 'جلال' اشارہ ہے صفتِ قہر کی طرف، اور 'اکرام' عبارت ہے اوصافِ لطیفہ سے، تو **ذِي الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ** یہ نام سب صفاتِ الٰہی کو جامع ہے اور اِسی سبب سے اِسے اسمِ اعظم کہا گیا ہے۔

تفسیر سورۃ الرحمٰن -- ﴿ ۲۴ رشعبان المعظم ۱۴۳۳ھ -- مطابق -- ۱۴ رجولائی ۲۰۱۲ء بروز شنبہ ﴾

سورۃ الواقعہ -- ﴿ ۲۸ رشعبان المعظم ۱۴۳۳ھ -- مطابق -- ۱۸ رجولائی ۲۰۱۲ء بروز چہارشنبہ ﴾

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ

سورۃ الواقعہ -- ۵۶ مکیہ ۴۶ | آیاتہا ۹۶ -- رکوعاتہا ۳

اِس سورہ کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ 'سورۂ رحمٰن' میں خداوندی نعمتوں کا ذکر ہے، اُنہیں نعمتوں میں یہ سورۂ مبارکہ بھی ہے جس کے تعلق سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نے ہر رات 'سورۂ واقعہ' پڑھی وہ کبھی فاقے سے نہیں رہے گا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی عورتوں کو 'سورۂ واقعہ' سکھاؤ کیونکہ یہ خوشحال کرنے والی سورہ ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ جس نے ہر رات 'سورۂ واقعہ' پڑھی وہ کسی چیز کا محتاج نہ ہوگا۔ ایسی مبارک و بابرکت اور باعثِ

رحمت سورۂ مبارکہ کو۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١ لَیْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۝٢ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ۝٣

جس وقت واقع ہوگئی واقع ہونے والی ساعت ● نہ رہی اُس کے واقع ہونے کو جھٹلانے والی ہستی۔۔● سرکشوں کو پست کرنے والی، پستوں کو بلند کرنے والی●

اَے محبوب! جب آپ کفارِ قریش کو قیامت، حشر و نشر، حساب و کتاب اور جنت و دوزخ کی خبریں سناتے ہیں، تو وہ کہتے ہیں کہ یہ سب خیالی اور فرضی باتیں ہیں، اِن میں سے کسی کا بھی وقوع نہیں ہوگا۔ قیامت واقع ہوگی نہ ہی حساب و کتاب ہوگا۔ تو اَے محبوب! اُن کو سنادو کہ جب قیامت واقع ہو جائے گی، تو پھر اُس کے وقوع کو جھٹلانے والا کوئی نہیں ہوگا۔۔چنانچہ۔۔ارشادِ خداوندی ہے کہ۔۔۔

(جس وقت واقع ہوگئی ہونے والی ساعت)، یعنی یاد کرو جب واقع ہوگی یعنی پیدا ہوگی اور آئے گی قیامت، تو (نہ رہی اُس کے واقع ہونے کو جھٹلانے والی ہستی) جو اُسے جھوٹ قرار دے سکے۔۔یا۔۔قیامت کا اپنے وقت پر واقع ہوجانا قطعی جھوٹ نہیں اور جو اس کی خبر دیتا ہے وہ بالکل سچا ہے۔ قیامت کی ساعت ایسی ساعت ہوگی، جو (سرکشوں کو پست کرنے والی) ہوگی اور عدل کی رو سے ایک گروہ کو **اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ** پر پہنچا دینے والی ہوگی اور (پستوں کو بلند کرنے والی) ہوگی۔

اور فضل کی رُو سے ایک گروہ کو 'اعلیٰ علیین' تک پہنچا دینے والی ہوگی۔۔یا۔۔وہ ساعت دھنسانے والی ہے دشمنوں، اہلِ شقاق اور منافقوں کو اور بلند کرنے والی ہے اولیا کو جو اخلاص اور موافقت والے ہیں۔۔یا۔۔حق تعالیٰ نیچا رکھے گا اُن لوگوں کو جو دُنیا میں اپنے کو بلند اور اونچا رکھتے تھے، اور سر بلند کرے گا اُن لوگوں کو جو دُنیا میں جھکے اور نیچے رہتے تھے اور فروتنی کرتے تھے۔ یاد کرو کہ۔۔۔

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ۝٤ وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝٥ فَكَانَتْ هَبَآءً

جس وقت کہ ہلائی گئی زمین تھر تھر● اور ریزہ ریزہ کردیے گئے پہاڑ چور چور● تو ہوگئے روزن والی دھوپ کے

مُّنۢبَثًّا ۝ وَّكُنۡتُمۡ اَزۡوَاجًا ثَلٰثَةً ۝

غبار پریشان• اور ہو نکلے تم لوگ تین قسم کے•

(جس وقت کہ ہلائی گئی زمین تھرتھر) یعنی ایسی جنبش دی جائے گی کہ اُس پر جو بناء اور عمارت ہے جب منہدم ہو جائے گی (اور ریزہ ریزہ کردیے گئے پہاڑ چُور چُور• تو ہو گئے روزن والی دھوپ کے غبار پریشان) یعنی وہ غبار جو آفتاب کی شعاعوں میں نظر آتا ہے جب وہ شعاع روشن دان وغیرہ میں پڑتی ہے (اور ہو نکلے تم) اَے مکلف (لوگ تین قسم کے)۔ یعنی تم سب تین مرتبہ پر تین گروہ ہو گئے۔

فَاَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَيۡمَنَةِ ۝

تو داہنے ہاتھ والے۔۔کیا کہنا ہے داہنے ہاتھ والوں کا•

ایک (تو) ہوں گے (داہنے ہاتھ والے۔۔ کیا کہنا ہے داہنے ہاتھ والوں کا)۔

حق تعالیٰ اُن کی عظمت ظاہر فرماتا ہے جیسے کہ کوئی کہے، 'فلانی قوم کے لوگ بزرگ ہیں اور کیا ہی بزرگ ہیں۔' اِس استفہام میں تعجب کے معنی بھی ہیں، اگر یہ بندوں کی طرف سے ہو۔ مگر اگر حق تعالیٰ کی طرف سے ہو، تو مرتبہ کی بلندی اور عظمت کے اظہار کے لیے ہوگا۔

'اصحابِ یمین' سے مراد یہاں حضرت آدم کی وہ ذریت ہے، جو اُن کی پشت سے نکال کر اُن کے داہنے طرف رکھی گئی۔۔یا۔۔جن کے داہنے ہاتھ میں اُن کا اعمال نامہ دیا گیا۔۔یا۔۔جو عرش کی داہنی طرف سے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ بعضوں نے کہا کہ میمنہ برکت کے معنی میں ہے، یعنی اُن لوگوں کا قدم مبارک ہے۔

وَاَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡمَشۡـَٔمَةِ ۝

اور بائیں ہاتھ والے۔۔کیسی شامت ہے بائیں ہاتھ والوں کی•

(اور بائیں ہاتھ والے۔ کیسی شامت ہے بائیں ہاتھ والوں کی)۔

یہ لوگ ذریت نکالتے وقت حضرت آدم کے بائیں ہاتھ کی طرف تھے۔۔یا۔۔اُن کے نامہء اعمال اُن کے بائیں ہاتھ میں دیں گے۔۔یا۔۔ یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے اور دوزخ عرش کے بائیں طرف ہے۔۔یا۔۔ بعضوں کے نزدیک **مَشۡـَٔمَة** تشام سے ماخوذ ہے، یعنی وہ لوگ 'شوم' اور نامبارک ہیں۔

وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ﴿١٠﴾ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿١١﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿١٢﴾

اور سبقت لے جانے والے تو آگے بڑھ جانے والے ہیں● وہی اللہ کے نزدیکی ہیں● راحت کے باغوں میں●

(اور سبقت لے جانے والے)! تو اُن کا کیا کہنا، یہ **(تو آگے بڑھ جانے والے ہیں)** سب قوموں پر۔۔یا۔۔بہشت میں آگے جانے والے ہیں۔۔یا۔۔ایمان لانے میں سبقت لے جانے والے ہیں۔۔۔

جیسے آلِ فرعون کے مؤمن اور حبیب نجار اور صدیقِ اکبر اور علی مرتضٰی۔۔یا۔۔وہ لوگ جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔۔یا۔۔پیغمبر لوگ۔۔یا۔۔قرآنِ کریم نبی کریم سے سننے والے۔۔یا۔۔صفِ جہاد میں آگے بڑھنے والے۔۔یا۔۔نمازِ جماعت میں پہلی تکبیر کے وقت سبقت کرنے والے۔

(وہی اللہ) تعالیٰ **(کے نزدیکی ہیں)** رحمت اور بزرگی سے۔اور وہی **(راحت کے باغوں میں)** ہیں جن میں طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٣﴾ وَقَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ﴿١٤﴾ عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ﴿١٥﴾

ایک جتھا اگلوں سے● اور کچھ پچھلوں سے● جڑاؤ تختوں پر●

مُّتَّكِئِيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ﴿١٦﴾

تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے●

سابقین کا **(ایک جتھا اگلوں سے)** یعنی انبیاءِ سابقین کی امت کا وہ گروہ جس نے اپنے نبی کو دیکھا اور اُن پر ایمان لایا اور تاحیات اُن کی اطاعت کرتا رہا۔

یہ سابقین نبی آخرالزماں ﷺ کی امت کے سابقین سے زیادہ ہوں گیں، جیسا کہ ارشاد ہے کہ۔۔۔

(اور کچھ پچھلوں سے) یعنی امتِ محمدی میں سے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اگلی امت کے سبقت لے جانے والے اِس امت کے سبقت لے جانے والوں سے زیادہ ہیں۔رہ گئے مؤمنین اور اطاعت کرنے والے، تو امتِ محمدی کے مؤمنین و مطیعین انبیاءِ سابقین پر ایمان لانے والوں سے کہیں زیادہ ہوں گے، جیسا کہ ارشادِ رسول ہے کہ:"انا اکثر الناس تبعا یوم القیامه" قیامت کے دن ہمارے متبعین سب سے زیادہ ہوں گے۔حدیث میں مذکور ہے کہ جنتیوں کی ایک "١٢٠" سو بیس صفیں ہوں گی،

اسی۸۰ صفیں میری امت کی اور چالیس۴۰ اور سب امتوں کی۔

اور سابق لوگ اولین اور آخرین جنت میں ہوں گے، موتی، یاقوت اور زمرد کے (جڑاؤ) سونے کے (تختوں پر تکیہ لگائے) شاہانہ انداز سے (آمنے سامنے بیٹھے) تاکہ ایک دوسرے کے دیدار سے بھی خوش اور مسرور رہیں۔

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴿١٧﴾ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ ۙ وَكَأْسٍ

دَور چلائیں گے اُن پر ہمیشہ رہنے والے لڑکے ● کوزوں اور آفتابوں۔۔۔اور بہتی ہوئی

مِّن مَّعِينٍ ﴿١٨﴾ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ﴿١٩﴾ وَفَاكِهَةٍ

شراب سے بھرے جام کا ● نہ دردِ سر دیے جائیں اُس سے، اور نہ بے ہوش کیے جائیں گے ● اور میوہ جسے

مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾

پسند کریں ● اور پرند کا گوشت جسے چاہیں ●

(دَور چلائیں گے اُن پر) یعنی خدمت کے لیے اُن کا چکر لگائیں گے (ہمیشہ رہنے والے لڑکے) اور (کوزوں اور آفتابوں۔۔۔اور بہتی ہوئی شراب سے بھرے جام کا) دَور چلائیں گے۔ یہ پاک وصاف شراب ایسی ہوگی کہ (نہ دردِ سر دیے جائیں گے اُس سے اور نہ بے ہوش کیے جائیں گے)۔۔۔الغرض۔۔۔اُس شراب میں خمار نہ ہوگا جو انہیں بے عقل و بے ہوش کردے۔

بچوں کا انتخاب خدمت کے لیے اس لیے کیا گیا ہے کہ چھوٹوں کا بڑوں کی خدمت کرنا زیادہ مناسب ہے۔ وہ بچے سنہرے گوشواروں سے آراستہ ہوں گے، جنہیں جنتیوں کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ مشرکوں کے لڑکے ہیں جو عالم شعور سے پہلے ہی انتقال کرگئے۔ یہ جنتیوں کی خدمت کے لیے نامزد کردیئے گئے ہیں، تو وہ جنتیوں کے اردگرد خدمت کے لیے پھرتے رہیں گے۔

اور حسبِ خواہش پاکیزہ شراب (اور میوہ جسے پسند کریں) گے اور چاہیں گے وہ انہیں پیش کرتے رہیں گے۔ (اور پرند کا گوشت جسے چاہیں) وہ اُن کے لیے لے کر حاضر رہیں گے۔

چونکہ پرند کا گوشت سب گوشتوں میں سب سے زیادہ لطیف ہے، تو یہ جیسا چاہیں شوربہ۔۔۔یا۔۔۔بھنا ہوا انہیں پیش کیا جائے گا۔

وَحُوْرٌ عِيْنٌ ﴿۲۲﴾ كَاَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُوْنِ ﴿۲۳﴾ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور بڑی بڑی آنکھ والی گوریاں • جیسے محفوظ پوشیدہ موتی کی مثال • ثواب اُس کا، جو عمل کرتے تھے •

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ﴿۲۵﴾ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴿۲۶﴾

نہ سنیں گے اُس میں کوئی شور اور نہ بے جابات • مگر یہ بولی کہ "سلام سلام" •

اور سابق لوگوں پر جنت میں طواف کریں گی (اور) پھرتی رہیں گی (بڑی بڑی آنکھ والی گوریاں)۔ اور صفا اور لطافت میں (جیسے محفوظ پوشیدہ موتی کی مثال) جو سیپ کے اندر پوشیدہ ہوتا ہے کہ اُس پر گرد وغبار نہ بیٹھا ہو اور غیروں کا ہاتھ نہ لگا ہو۔ یہ سب فضل وکرم ہے (ثواب اُس کا جو عمل کرتے تھے • نہ سنیں گے اُس میں کوئی شور اور نہ بے جابات)۔ یعنی جنت میں بیہودہ گوئی۔۔یا۔۔چیخنا چلانا۔۔یا۔۔جھوٹی قسم۔۔یا۔۔ایسی بات کہ جس کا کہنا موجبِ گناہ ہو، جیسے فحش گالی وغیرہ، کا وجود نہ ہوگا۔ (مگر یہ) مؤمنین کی (بولی کہ سلام سلام) وہاں رائج ہوگی۔

اِس لفظ کا مکرر لانا اس بات کی دلیل ہے کہ جنتی لوگ برابر ایک دوسرے کو سلام کہیں گے۔

وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ﴿۲۷﴾ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ﴿۲۸﴾ وَّطَلْحٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿۲۹﴾

اور داہنے ہاتھ والے۔۔کیا کہنا ہے داہنے ہاتھ والوں کا • کانٹوں سے صاف بیریوں میں • اور کیلے کے گھود میں •

وَّظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ ﴿۳۰﴾

اور لمبے لمبے دوامی سایہ میں •

(اور داہنے ہاتھ والے۔۔کیا کہنا ہے داہنے ہاتھ والوں کا)۔ وہ بزرگ، معزز اور مکرم ہوں گے۔ اور وہ ہوں گے (کانٹوں سے صاف بیریوں میں) بخلاف دُنیا کی بیری کے، کہ اُس میں کانٹے ہوتے ہیں۔ (اور کیلے کے گھود میں) کہ اُس کے میوے تلے اوپر پھلے ہوتے۔ یعنی جڑ سے پھنگی تک درخت میں سب میوہ ہی میوہ ہوگا۔ (اور لمبے لمبے دوامی سایہ میں)۔ یعنی سایہ برابر اور ملا ہوا کہ کبھی زائل نہ ہو۔۔۔یہاں ظِلٍّ سے راحت مراد ہے۔

وَّمَآءٍ مَّسْكُوْبٍ ﴿۳۱﴾ وَّفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ ﴿۳۲﴾ لَّا مَقْطُوْعَةٍ وَّلَا مَمْنُوْعَةٍ ﴿۳۳﴾

اور چلتے ہی رہنے والے پانی میں • اور بکثرت میوہ میں • جو کبھی نہ ختم ہوں، اور نہ رکاوٹ کی جائے •

وَّ فُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ ﴿۳۴﴾

اور اونچے اونچے بستروں میں●

(اور چلتے ہی رہنے والے پانی میں)، جو پانی 'باغِ عدن' سے بہہ کر اور باغوں میں آتا ہوگا۔ (اور بکثرت میوہ میں● جو کبھی نہ ختم ہوں) بخلاف دُنیا کے میووں کے، جو صرف فصل میں ہوتے ہیں بے فصل نہیں۔ (اور نہ رکاوٹ کی جائے)۔ یعنی کھانے والے سے کسی طرح نہ روکیں گے۔ دُنیا کے میووں کی طرح نہیں کہ بے قیمت ہاتھ نہیں آتے۔ (اور اونچے اونچے بستروں میں)، جو بلند کیے گئے ہیں قیمت کی رُو سے۔۔یا۔۔اُن کی قدر بلند ہے۔

اور بعضوں کے قول کے موافق فُرُش کنایہ ہے بلند کی ہوئی عورتوں سے جو اونچے تخت پر بیٹھی ہوں گی۔

اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً ﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ عُرُبًا اَتْرَابًا ﴿۳۷﴾

بے شک ہم نے بنایا اُن حوروں کو خوب● پھر کر دیا اُنہیں کنواریاں● چہیتیاں ہم عمر●

(بے شک ہم نے بنایا اُن حوروں کو خوب● پھر کر دیا انہیں کنواریاں)۔ یعنی یہ ہمیشہ کنواری ہی رہیں گی، یعنی جب اُن کے شوہر اُن سے قربت کریں گے تو ان کو کنواری پائیں گے۔۔یوں ہی۔۔ دُنیا کی بوڑھیوں کو ایک سن پر ہم جوان کر دیں گے۔ سب تینتیس ۳۳ برس کی عمر کی لگیں گے اور اُن کے شوہر بھی اُسی عمر کے نظر آئیں گے۔۔الغرض۔۔یہ سب اپنے شوہروں کی (چہیتیاں ہم عمر) ہوں گی اور اپنے شوہروں کی عاشقِ زار ہوں گی۔۔یا۔۔ناز و ادا والی اور شیریں کلام ہوں گی۔

روایت ہے کہ لڑکیوں کو بھی جنت میں اِسی سن کا کر کے شوہروں کو دیں گے، اور بوڑھیوں کو بھی اسی سن کا کر دیں گے۔ اور اگر دُنیا میں اُس کا شوہر نہ ہوگا، تو کسی جنتی کے حوالہ کریں گے۔ اور اگر دُنیا میں اس کا شوہر ہو مگر جنتی نہ ہو جیسے فرعون کی جورو، تو ایسی عورت کو بھی کسی جنتی کو دیں گے۔ اور اگر اُس کا شوہر بھی جنتی ہوگا، تو اُسی کو اُس کی جورو عنایت کی جائے گی۔ اور اگر کسی عورت نے کئی شوہر کیے ہوں اور سب جنتی بھی ہوں تو آخیر شوہر کو وہ عورت دی جائے گی۔

اور یہ عورتیں ہم پیدا کریں گے۔۔۔

ع ۱ ۱۴

لِّاَصۡحٰبِ الۡيَمِيۡنِ ﴿۳۸﴾ ثُلَّةٌ مِّنَ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الۡاٰخِرِيۡنَ ﴿۴۰﴾

داہنے ہاتھ والوں کے لیے۔ ایک جتھا اگلوں سے ہیں۔ اور ایک جتھا پچھلوں سے۔

(داہنے ہاتھ والوں کے لیے)۔وہ داہنے ہاتھ والے کون ہیں؟(ایک جتھا اگلوں سے ہیں ● اور ایک جتھا پچھلوں سے)۔

حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آدم سے مجھ تک ایک گروہ اور مجھ سے قیامت تک ایک گروہ۔آپ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ اہلِ جنت میں سے آدھے تم لوگ ہو گے۔یہ کم از کم کی وضاحت ہے۔پہلے یہ عرض کیا جا چکا ہے کہ جنتی لوگ ایک سو بیس ۱۲۰ صف ہوں گے اُن میں اسّی ۸۰ صفیں امتِ محمدیہ کی ہوں گیں۔اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی امت کی متابعت میں کوئی شخص دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔اِنۡ شَاءَ اللّٰهُ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡم۔

وَاَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الشِّمَالِ ﴿۴۱﴾ فِىۡ سَمُوۡمٍ وَّحَمِيۡمٍ ﴿۴۲﴾

اور بائیں ہاتھ والے۔کیسی شامت ہے بائیں ہاتھ والوں کی۔ جلتی لُو اور کھولتے پانی میں۔

وَّظِلٍّ مِّنۡ يَّحۡمُوۡمٍ ﴿۴۳﴾ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيۡمٍ ﴿۴۴﴾

اور کالے دھوئیں کے سایہ میں۔ نہ ٹھنڈی، نہ باعزت۔

(اور) اصحابِ یمین کے برعکس (بائیں ہاتھ والے۔۔۔کیسی شامت ہے بائیں ہاتھ والوں کی؟)۔اور یہ کس قدر ذلیل اور بے قدر ہیں جو اُس دن ہوں گے (جلتی لُو اور کھولتے پانی میں)۔ہوا ایسی گرم جس کی گرمی جسموں اور کلیجوں میں اثر کرے گی اور پانی انتہا درجہ کا گرم جس کی شدت کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔گرم ہوا کی گرمی سے پناہ چاہتے ہوئے وہ پانی چاہیں گے،تو انہیں گرم پانی میں ڈال دیا جائے گا،تو اور بھی زیادہ ایذاء ہوگی،تو سایہ میں پناہ چاہیں گے۔(اور) راحت کے طلبگار ہوں گے، تو انہیں (کالے دھوئیں کے سایے میں) پہنچا دیا جائے گا جس میں (نہ ٹھنڈی) ہوا اور سایوں کی طرح اور (نہ) کوئی (باعزت) مقام ہے جو اُن کو راحت اور کسی طرح کا فائدہ پہنچائے۔اور یہ عذاب اُن پر اِس جہت سے ہے کہ۔۔۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِينَ ۝٤٥ وَكَانُوا يُصِرُّونَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيمِ ۝٤٦

بے شک یہ لوگ تھے اُس کے پہلے آسودہ حال● اور اصرار کرتے رہے بڑے جرم پر●

وَكَانُوا يَقُولُونَ ۙ أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝٤٧

اور کہا کرتے تھے۔۔کہ "کیا جب مر گئے اور ہو گئے خاک اور ہڈیاں، تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے؟●

أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ۝٤٨

اور ہمارے اگلے باپ دادے●

(بے شک یہ لوگ تھے) دُنیا میں (اِس کے پہلے آسودہ حال)، اور اُن کی آرام طلبی حرام چیزوں اور خواہشوں کی پیروی کے ساتھ تھی، (اور اصرار کرتے رہے بڑے جرم پر)، یعنی اپنے شرک پر۔۔یا۔۔جھوٹی قسم کھاتے تھے اِس بات پر کہ حشر نہیں ہوگا۔ (اور کہا کرتے تھے۔۔۔کہ کیا جب مر گئے اور ہو گئے خاک اور ہڈیاں، تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے؟● اور ہمارے اگلے باپ دادے) مبعوث ہوں گے؟

قُلْ إِنَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ۝٤٩ لَمَجْمُوعُونَ إِلَىٰ مِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝٥٠

کہہ دو کہ "بے شک اگلے اور پچھلے● یقیناً اکٹھا کیے جائیں گے جانے بوجھے دن کی معیاد پر"●

اَے محبوب! اُن کے جواب میں (کہہ دو کہ بے شک اگلے اور پچھلے● یقیناً اکٹھا کیے جائیں گے جانے بوجھے دن کی میعاد پر) کہ وہ قیامت کا دن ہے۔۔یا۔۔سب قبروں میں جمع کیے گئے ہیں میقات میں حشر کے واسطے کہ وہ روز معلوم ہے۔۔یا۔۔سب حشر کیے جائیں گے حساب کے مکان۔۔یا ۔۔زمان میں اُس روز جو کہ خدا کو معلوم ہے۔

ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۝٥١ لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ ۝٥٢

پھر بلاشبہ تم لوگ اَے بے راہو جھٹلانے والو!● یقیناً کھانے والے ہو تھوہڑ کے درخت سے●

فَمَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ۝٥٣ فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ۝٥٤

تو بھرنے والے ہو اُسی سے اپنے پیٹ● پھر پینے والے ہو اُس پر کھولتا پانی●

(پھر بلاشبہ تم لوگ اَے بے راہو! جھٹلانے والو!)، یعنی راہِ حق سے دُور رہنے والو! اور بعث

ونشر کی تکذیب کرنے والو! مکہ کے کافرو! اور اِن جیسے کفر کرنے والے لوگو! تم سب (یقیناً کھانے والے ہو تھوہڑ کے درخت سے) یعنی تم کو زندہ کر کے اُس درخت سے کھلائیں گے، (تو بھرنے والے ہو اس سے اپنے پیٹ • پھر پینے والے ہو اُس پر کھولتا پانی)۔

روایت ہے کہ دوزخیوں پر بھوک کا عذاب ڈالیں گے، یہاں تک کہ وہ اپنا پیٹ زقوم سے بھرلیں گے۔ پھر اُن پر پیاس غلبہ کرے گی تو کھولتا ہوا پانی اُن کے سامنے کریں گے، اُس میں سے وہ بہت سا پانی پی جائیں گے۔

فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ﴿٥٥﴾ هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٥٦﴾

تو پینے والے ہو پیاسے اونٹ کی طرح • یہ ہے اُن کی مہمانی، جزا کے دن •

(تو پینے والے ہو پیاسے اونٹ کی طرح) جنہوں نے مدتوں پانی نہ پایا ہو۔۔۔یا۔۔زمین ریگستان کی طرح کہ کتنا ہی پانی پیے اُس کا اثر اُس پر ظاہر نہیں ہوتا، یعنی دوزخی کتنا ہی کھولتا ہوا پانی پئیں گے اُن کی پیاس نہ بجھے گی۔ (یہ ہے اُن کی مہمانی جزا کے دن)۔ یہ کھانا پانی اُس ابتدائی ماحضر کے طور پر پیش کیا جائے گا جو مہمانوں کے سامنے پہلے پیش کیا جاتا ہے، اور اُس کے بعد دوزخ میں اُن کے واسطے طرح طرح کے کھانے پینے ہوں گے جس کی سختی اور عذاب کی شرح بیان نہیں کی جاسکتی۔ اَے بعث وحشر کے منکرو!۔۔۔

نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ﴿٥٧﴾ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ﴿٥٨﴾

ہم نے پیدا فرمایا تمہیں، تو تم کیوں نہیں تصدیق کرتے؟ • تو ذرا بتاؤ کہ جو منی رحم میں پہنچاتے ہو •

ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ﴿٥٩﴾

کیا تم لوگ اُسے پیدا کرتے ہو، یا ہم پیدا فرمانے والے ہیں؟ •

(ہم نے پیدا فرمایا تمہیں) ابتداء میں اور تم اس کا اقرار کرتے ہو، (تو) پھر (تم کیوں نہیں تصدیق کرتے) اور باور نہیں رکھتے اپنی پیدائش انتہا میں اِس واسطے کہ ہر عقلمند پر یہ بات ظاہر ہے کہ جو کوئی پہلے پہل پیدا کرنے پر قادر ہے، وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگا۔ (تو ذرا بتاؤ کہ جو منی رحم میں پہنچاتے ہو)، یعنی جو پانی عورت کے رحم میں تم ڈالتے ہو، (تو کیا تم لوگ اُسے) یعنی اُس سے

بچے کو (پیدا کرتے ہو؟ یا ہم پیدا فرمانے والے ہیں)۔ تو تم اقرار کرنے والے رہو اس بات کے کہ خالق میں ہی ہوں، اس واسطے کہ جس صورت اور جس طرح پر تم اولاد چاہتے ہو پیدا نہیں ہوتی ہے، بلکہ ہمارے ارادے اور مشیت کے موافق پیدا ہوتی ہے۔

نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿٦٠﴾

ہم نے قرار دے دیا تم میں مرنے کو، اور نہیں ہیں ہم پچھڑے •

(ہم نے) تمہیں پیدا کر کے (قرار دے دیا تم میں مرنے کو)، یعنی تمہارے درمیان موت اور ہر ایک کی موت کا زمانہ ہم نے مقرر کر دیا۔ (اور نہیں ہیں ہم پچھڑے) سبقت لے گئے ہوئے، یعنی ہمارے حکم پر کوئی سبقت نہیں لے جا سکتا، تو جو موت مقرر ہو چکی ہے اُس سے کوئی نہیں بھاگ سکتا۔ اور ہم نے یہ موت مقرر اور مقدر کی۔۔۔

عَلَىٰ أَن نُّبَدِّلَ أَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِي مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦١﴾

اِس پر کہ بدل دیں تم جیسے، اور بنا دیں تمہیں ایسی صورت میں، جن کو تم جانتے ہی نہیں •

(اس پر) یعنی اس واسطے (کہ بدل دیں تم جیسے) تمہارے مانند۔ یعنی تم کو ہم مار ڈالیں اور اوروں کو پیدا کریں۔ (اور بنا دیں تمہیں ایسی صورت میں جن کو تم جانتے ہی نہیں)۔ یعنی پیدا کریں ہم دوبارہ تم کو اُس صورت و ہیئت پر جو تم نہیں جانتے ہو، یعنی کافروں کو بہت بُری صورت پر اور مؤمنوں کی بہت اچھی ہیئت پر۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْأُولَىٰ فَلَوْلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٦٢﴾ أَفَرَأَيْتُم مَّا

اور بے شک جان چکے ہو تم پہلی اٹھان کو، تو کیوں نہیں سوچتے؟ • ذرا بتاؤ تو جو

تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾ أَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿٦٤﴾

بویا کرتے ہو • کیا تم کھیتی بناتے ہو؟ یا ہم بنانے والے ہیں؟ •

(اور بے شک جان چکے ہو تم پہلی اٹھان کو) کہ تم نطفہ تھے، پھر تھکا ہوئے الیٰ آخرہ، اور تم اِس کا اقرار بھی کرتے ہو، (تو کیوں نہیں سوچتے) اور یاد کرتے خدا کی قدرت دوبارہ پیدا کرنے پر، اس واسطے کہ جو اُس پر قادر ہے وہ اِس سے عاجز نہیں ہو سکتا۔ (ذرا بتاؤ تو جو بویا کرتے ہو) تو (کیا تم

کھیتی بناتے ہو؟) اور پودے اگاتے ہو؟ (یا ہم بنانے والے) اور اگانے والے (ہیں)۔

ایک چیز ہے زمین میں بیج بونا، یہ بندے کا کام ہے، اور دوسری چیز ہے اُس بیج سے کھیتی اگانا، یہ خدا کا کام ہے۔۔لہٰذا۔۔بندے کو یہ نہیں کہنا چاہیے کہ زَرَعۡتُ یعنی میں نے اُگایا ۔۔بلکہ۔۔اُس کو کہنا چاہیے حَرَثۡتُ یعنی میں نے بویا۔ اس واسطے کہ زمین جوتنا اور اس میں بیج ڈالنا بندہ کا کام ہے، اور اگانا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کھیتی بنانے والے ہم ہیں۔۔تو۔۔

لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنٰهُ حُطٰمًا فَظَلۡتُمۡ تَفَكَّهُوۡنَ ﴿۶۵﴾ اِنَّا لَمُغۡرَمُوۡنَ ﴿۶۶﴾

اگر ہم چاہیں تو یقیناً کر دیں اُسے روندی ہوئی، تو رہ جاؤ باتیں بناتے ● کہ "بے شک ہم تو تاوان میں پڑ گئے ●

بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ ﴿۶۷﴾

بلکہ ہم تو محروم ہی رہ گئے" ●

(اگر ہم چاہیں تو یقیناً کر دیں اُسے) جو تم نے بویا ہے (روندی ہوئی) اپنی مراد کو پہنچنے سے قبل ۔۔یا۔۔گھاس بے دانہ کی، (تو رہ جاؤ باتیں بناتے) اور تمام دن رہو تم اس سے تعجب کرتے۔۔یا۔۔اِس بلاء اور آفت پر غمگین رہو۔۔یا۔۔اپنی محنت اور مشقت سے پشیمان ہو، اور کہو (کہ بے شک ہم تو تاوان میں پڑ گئے ● بلکہ ہم تو محروم ہی رہ گئے) اور روزی سے بے نصیب ہو گئے۔

اَفَرَءَيۡتُمُ الۡمَآءَ الَّذِىۡ تَشۡرَبُوۡنَ ﴿۶۸﴾ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡزَلۡتُمُوۡهُ مِنَ الۡمُزۡنِ اَمۡ

تو ذرا یہ تو بتاؤ کہ جو پانی تم لوگ پیتے ہو ● کیا تم لوگوں نے برسایا ہے اُسے بادل سے، یا

نَحۡنُ الۡمُنۡزِلُوۡنَ ﴿۶۹﴾ لَوۡ نَشَآءُ جَعَلۡنٰهُ اُجَاجًا فَلَوۡلَا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾ اَفَرَءَيۡتُمُ

ہم برسانے والے ہیں؟ ● اگر ہم چاہیں تو کر دیں اُسے تلخ، تو کیوں نہیں شکر ادا کرتے ہو؟ ● ذرا یہ تو بتاؤ

النَّارَ الَّتِىۡ تُوۡرُوۡنَ ﴿۷۱﴾ ءَاَنۡتُمۡ اَنۡشَاۡتُمۡ شَجَرَتَهَاۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡمُنۡشِـُٔوۡنَ ﴿۷۲﴾

کہ جس آگ کو تم جلاتے ہو ● کیا تم لوگوں نے بنایا اُس کے درخت کو، یا ہم ہی بنانے والے ہیں؟ ●

(تو ذرا یہ تو بتاؤ کہ جو پانی تم لوگ پیتے ہو) اور اپنی پیاس بجھاتے ہو اور جس پر تمہاری زندگی کا انحصار ہے، (تو کیا تم لوگوں نے برسایا ہے اُسے بادل سے۔۔یا۔۔ہم برسانے والے ہیں) شیریں

اور لطیف۔(اگر ہم چاہیں تو کردیں اُسے تلخ) کڑوا اور کھاری اور اس کا فائدہ اُس سے ہم زائل کردیں۔ (تو کیوں نہیں) خدا کی اس نعمت پر (شکر ادا کرتے ہو● ذرا یہ تو بتاؤ کہ جس آگ کو تم جلاتے ہو● کیا تم لوگوں نے بنایا ہے اُس کے درخت کو) یعنی عفار و مرخ کو، جس سے چقماق کی لکڑی لی جاتی ہے۔

عرب کا دستور تھا کہ وہ ۲ لکڑیوں کو رگڑ کر آگ نکالتے تھے۔

تو اَے لوگو! جن درختوں سے تم آگ نکالتے ہو تو کیا تم اس درخت کو پیدا کرنے والے ہو؟ (یا ہم ہی بنانے والے ہیں)۔

عرب کے دیہاتی لوگ درختِ مرخ کو مرد کہتے ہیں اور عفار کو عورت۔اُس کی ہری شاخ اِس کی سبز شاخ پر رگڑتے ہیں، حق تعالیٰ اپنی قدرت سے اُن ہری شاخوں میں آگ پیدا کردیتا ہے جن سے پانی ٹپکتا ہے۔

اُن آگ حاصل کرنے والے درختوں کے سوا بھی جن جن درختوں کی لکڑیوں کو جلا کر اُن سے آگ حاصل کرتے ہوں، ان سارے درختوں کا خالق خدا ہی ہے۔

آگے اس بنانے کی حکمت ظاہر فرمانے کے لیے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ ﴿۷۳﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

ہم نے بنایا اُس کو یادگار اور کارآمد، مسافروں کے لیے● تو پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی●

(ہم نے بنایا اُس کو یادگار) کہ جب بھی اُسے دیکھو دوزخ کی آگ کو یاد کرو۔۔یا۔۔اُس کو ہم نے تبصرہ کردیا تاکہ اہلِ بصیرت جان لیں کہ جو کوئی سبز اور تر درخت سے آگ پیدا کرنے پر قادر ہے، باوصف اُس تری کے جو اُس میں موجود ہے، اور تری کیفیت میں آگ کی ضد ہے، یقیناً وہ انسان کی ہستی کے درخت کو خشک اور پژمردہ ہوجانے کے بعد بھی تر و تازہ کردینے پر قادر ہے۔(اور) ہم نے کردیا آگ کو (کارآمد مسافروں کے لیے) اور مقیموں کے لیے۔

حق تعالیٰ نے ۲ ضدوں میں سے ایک کے بیان پر اکتفاء کی، جس سے دوسری ضد کے تعلق سے بھی معرفت ہوجاتی ہے۔

(تو پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی) اور اُسے پاکی کے ساتھ یاد کرو۔

متعدد دلائل و براہین اور نبوی فہمائش کے باوجود کفارِ قرآن کریم کے 'منزل من اللہ' ہونے میں شک کرتے رہے، تو عرب کے اسلوبِ کلام پر قسم ارشاد فرما کر قرآنِ کریم کے

کلامِ الٰہی ہونے کی توثیق فرمائی گئی اور فرمایا گیا کہ۔۔۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾

نہیں کیا میں قسم یاد کرتا ہوں چمکتوں کے اُترنے کی جگہ کی●

(نہیں کیا میں قسم یاد کرتا ہوں چمکتوں کے اترنے کی جگہ کی)، نجومِ قرآنی کے مواقع کی، یعنی اُس کے منزل کے وقتوں کی۔۔یا۔۔تاروں کے غروب ہونے کی جگہوں کی۔

'مغارب' کی تخصیص اِس جہت سے ہے کہ غروب زوال کی دلیل ہے، اور اثر زوال سے دلیل پکڑ سکتے ہیں اُس مؤثر کے ہونے پر جس کی تاثیر کو زوال نہیں ہے۔۔یا۔۔تاروں کے طلوع ہونے یا جاری ہونے کی جگہوں کی قسم۔عین المعانی میں ہے کہ اُس سے صحابہ کے سجدہ کرنے اور قبروں کی جگہیں مراد ہیں، کہ وہ ارشادِ رسول "اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْم" میں تاروں کے ساتھ تشبیہ دیے گئے ہیں۔۔یا۔۔تاروں کی منزلیں مراد ہیں کہ وہ آسمانوں کے بروج ہیں۔۔یا۔۔وہ وقت مراد ہے جب سے تارے شیاطین کو رجم کرنے اور ہانکنے پر مامور ہوئے۔اور وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا وقت ہے، اور آپ کے مبعوث ہونے کا زمانہ۔

بعض عارفین نے فرمایا کہ نجوم سے قرآن مراد ہے اور اس کے مواقع رسولِ کریم ﷺ کا دلِ مقدس ہے، ہر چند آپ کا دِل ایک ہے مگر نجومِ قرآنی بہت ہیں، اور ہر نجم کا ایک موقع ہے۔اِس نظر سے مواقع بصیغۂ جمع ارشاد ہوا، اور امام حمزہ اور امام کسائی کی قرأت کہ انہوں نے 'موقع النجوم' پڑھا ہے، اس قول کی تائید کرتی ہے اور آپ کے قلبِ مبارک پر قرآن کا نازل ہونا نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِكَ کی نص سے ثابت ہوا۔

وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِیْمٌ ﴿۷۶﴾ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِیْمٌ ﴿۷۷﴾ فِیْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾

اور بلاشبہ یقیناً یہ قسم اگر جانو تو بڑی ہے● کہ بلاشبہ یہ یقیناً قرآن شریف ہے● محفوظ نوشتہ میں●

لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾

نہ چھوئیں اُس کو، مگر بالکل پاک●

(اور بلاشبہ یقیناً یہ قسم اگر جانو تو بڑی ہے)، اس لیے کہ 'مقسم بہٖ' میں عظمت قدرت وکمال

حکمت اور زیادتی رحمت کی دلیل ہے۔اور یہ بھی اُس کی رحمت کی مقتضیات سے ہے کہ بندوں کو کتاب کے بغیر بیکار نہیں چھوڑا۔ مذکورہ بالا قسم کا جواب یہ ہے۔۔۔(کہ بلاشبہ یہ یقیناً قرآن شریف ہے) بڑے فائدے والا، اس واسطے کہ اصولِ علوی پر مشتمل ہے کہ معاش اور معاد کے مصالح میں کام آئے ۔۔یا۔۔ بزرگ ہے حق تعالیٰ اور فرشتوں اور مؤمنوں کے نزدیک ۔۔یا۔۔اُسے حفظ کرنے والا اور اس کی قرأت کرنے والا معزز اور مکرم ہے۔ یہ قرآن لکھا ہوا ہے (محفوظ نوشتہ) یعنی لوح محفوظ (میں ● نہ چھوئیں اُس کو مگر) وہ لوگ جو حدثوں سے (بالکل پاک) ہوں۔

بظاہر یہ آیت 'نفی' ہے اور حقیقت میں 'نہی' مراد ہے، یعنی وہ شخص جو بے وضو ہو۔۔یا۔۔جسے غسل کی ضرورت ہو اُسے چاہیے کہ قرآن نہ چھوئے۔ یہ گفتگو اُس صورت میں ہے جب کہ قرآن سے مصحف مراد ہو، لیکن جنہوں نے اِس سے لوحِ محفوظ مراد لیا ہے، ان کا کہنا ہے کہ نہیں چھوتے لوح کو یعنی جو کچھ اُس میں ہے اُس پر مطلع نہیں ہوتے، مگر پاکیزہ فرشتے جو ردی اوصاف کی کدورتوں سے پاک ہیں۔لہٰذا مُطَهَّرُوْنَ سے مراد سفرہ اور کرام بررہ ہیں۔

بعض محققین فرماتے ہیں کہ 'مس' سے اعتقاد مراد ہے، یعنی قرآن کے معتقد نہیں ہوتے مگر وہ لوگ جن کے دِل پاکیزہ ہیں کہ وہ مؤمن لوگ ہیں۔۔یا۔۔قرآن پر عمل اور اس کے احکام کی نگہداشت نہیں کرتے مگر وہی لوگ جو توفیق کی بدولت بے نصیبی کے لوث سے پاکیزہ ہوں۔۔یا۔۔قرآن کا علم اور اس کی تفسیر اور تاویل نہیں جانتے مگر وہ لوگ جن کا دِل اور سر پاک ہوتا ہے۔

حضرت جنید نے فرمایا کہ پاکی ماسوی اللہ کی نفی کے سبب سے ہوتی ہے۔ بحر الحقائق میں ہے کہ قرآن کے اسرار نہیں کھلتے مگر اس پر جو غیر اور غیریت کے توہم کے لوث سے پاک ہو جائے اور یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوتا بجز اُس کے کہ 'شاہد' اور 'شہود'، 'مشہود' میں فنا ہو جائے۔ یہ قرآن کریم جو اوپر مذکور ہوا، یہ۔۔۔

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾

اُتارا ہوا رب العٰلمین کی طرف سے● تو کیا اِس بات سے تم لوگ سستی برتنے والے ہو؟●

وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور بناتے ہو اپنی روزی، کہ تم لوگ جھٹلاتے رہتے ہو●

(اُتارنا ہوارب العالمین کی طرف سے ● تو کیا اِس بات سے) یعنی اِس کلام کے ساتھ کہ قرآن ہے، (تم لوگ) اَے مکہ والو! (سستی برتنے والے ہو)، یعنی اس کے منکر ہواور اس پر ایمان لانے والے نہیں ہو، (اور بناتے ہواپنی روزی کہ تم لوگ جھٹلاتے رہتے ہو)، یعنی تم نے تکذیب کواپنا رزق بنالیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پرشکر کرنے کے بجائے اللہ کی تکذیب کرتے ہواور اسی تکذیب کو اپنا شکر بنالیا ہے۔

شکر کورزق فرمایا ہے کیونکہ رزق کا شکر کرنے سے اُس میں زیادتی ہوتی ہے، اِس اعتبار سے شکر بھی رزق ہے۔ روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک سفر میں نکلے اور ایک جگہ قیام کیا، لوگوں کو پیاس لگی اور وہاں پانی نہیں تھا، اُنہوں نے نبی کریم سے پیاس کی شکایت کی، آپ نے فرمایا، یہ بتاؤ کہ اگر میں نے تمہارے لیے دُعا کی اور تمہارے لیے بارش ہوگئی، تو تم کہو گے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے؟

لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ یہ ستاروں کا تو وقت نہیں ہے، آپ نے دُو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کی تو بادل اُمڈ آئے اور بارش ہوگئی اور وادیاں بہنے لگیں، اور لوگوں نے اپنی مشکیں بھرلیں۔ پھر نبی کریم ﷺ ایک شخص کے پاس سے گزرے، وہ پیالے میں پانی بھر کر کہہ رہا تھا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی، اور یہ نہیں کہا کہ یہ اللہ سبحانہ کا دیا ہوا رزق ہے، تو اللہ سبحانہ نے یہ آیت نازل فرمائی، "اور تم اپنے رزق کی تکذیب کرتے ہو" یعنی اللہ نے جو تم کو رزق دیا ہے تم اس رزق کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنے کے بجائے ستاروں کی طرف نسبت کرتے ہو۔ اور ظاہر ہے کہ یہ خدا کی بات کو جھٹلانا ہے۔۔۔

فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿۸۳﴾ وَاَنْتُمْ حِیْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَنَحْنُ اَقْرَبُ

پھر کیوں نہ ہو کہ روح گلے تک کسی کے پہنچے ● اور تم لوگ اُس وقت دیکھا کرتے ہو ● اور ہم تم سے زیادہ قریب ہیں

اِلَیْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اُس کے، لیکن تم نہیں دیکھتے ●

(پھر کیوں نہ ہو کہ روح گلے تک کسی کے پہنچے) موت کے وقت (اور تم لوگ اس وقت دیکھا کرتے ہو) مُردے کو، (اور ہم تم سے زیادہ قریب ہیں اس) مرنے والے (کے، لیکن تم نہیں دیکھتے) اور نہیں جانتے، اور وہ قرب علم اور قدرت اور رویت کی راہ سے ہے۔

فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾ تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾

تو کیوں نہیں ہوتا، اگر ہو تم لوگ پوچھ گچھ نہ کیے جانے والے● کہ لوٹا لاؤ اُس روح کو اگر سچے ہو●

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿٨٨﴾ فَرَوْحٌ وَّرَيْحَانٌ ۙ وَّجَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿٨٩﴾

پھر اگر وہ مرنے والا اللہ کے نزدیکوں سے ہے● تو راحت ہے اور پھول ہے۔۔اور راحت کا باغ ہے●

(تو کیوں نہیں ہوتا اگر ہو تم لوگ) قیامت میں (پوچھ گچھ نہ کیے جانے والے) اور جزا نہ دیئے جانے والے، (کہ لوٹا لاؤ اُس روح کو) جسم میں (اگر سچے ہو)۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر تم حشر اور جزا کے اِنکار میں سچے ہو، تو جس وقت روح حلق میں پہنچتی ہے تو اُسے بدن میں پھیر کیوں نہیں لاتے۔

(پھر اگر وہ مرنے والا اللہ) تعالیٰ (کے نزدیکوں سے ہے● تو) اُس کے لیے (راحت ہے) ۔۔یا۔۔رحمت۔۔یا۔۔غم سے خلاصی۔۔یا۔۔مغفرت۔۔یا۔۔فرحت ہے۔ اور یہ باتیں قبر میں ہوں گی ۔۔یا۔۔قیامت میں۔ (اور پھول ہے) یعنی خوشبو ہے۔۔یا۔۔ہمیشہ کی روزی۔۔یا۔۔فرشتوں کی دُعا اور یہ چیزیں بہشت میں ہوں گیں۔ (اور راحت کا باغ ہے) یعنی جنت میں نعمت کا پانا۔

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩٠﴾ فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿٩١﴾

اور اگر داہنے ہاتھ والوں سے ہے● تو اپنا سلام لو داہنے ہاتھ والوں سے●

وَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٩٢﴾ فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿٩٣﴾

اور اگر ہے جھٹلانے والوں بے راہوں سے● تو مہمانی ہے کھولتے پانی سے●

وَّتَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾

اور جھونک دینا ہے جہنم میں●

(اور اگر) وہ وفات یافتہ آدمی (داہنے ہاتھ والوں سے ہے● تو اپنا سلام لو) اَے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم (داہنے ہاتھ والوں سے) کہ وہ تیرے ایمانی بھائی ہیں۔۔یا۔۔اُن سے تم کی سلامتی کو خوش خبری پہنچے، یعنی تم خوش ہو کہ وہ سب آفتوں سے صحیح وسالم ہیں۔ (اور اگر ہے) وہ مُردہ خدا اور رسول کے (جھٹلانے والوں) اور گمراہوں (بے راہوں سے● تو) اُن کے واسطے قبر میں (مہمانی ہے کھولتے پانی

سے) جو دوزخ میں گرم کیا گیا ہے۔۔یا۔ آتشِ دوزخ کا دھواں، (اور جھونک دینا ہے) قیامت کے دن (جہنم) کی آگ (میں) جو جلتی اور جلاتی ہے۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿٩٥﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿٩٦﴾ ع ۳ ۱۴

بے شک یہی یقیناً ٹھیک یقین کی بات ہے• تو پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی•

اوپر جو تینؔ گروہوں کے باب میں کہا گیا، (بے شک) اُن کے تعلق سے (یہی یقیناً ٹھیک یقین کی بات ہے)۔اس کے صحیح اور درست ہونے میں شک نہیں۔ (تو پاکی بولو اپنے عظمت والے رب کے نام کی) اُس چیز سے جو اُس کی عظمت کبریائی کے لائق نہ ہو۔۔یا۔ نماز پڑھو اپنے رب کو یاد کرنے کے ساتھ۔۔یا۔ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيم کہا کرو۔اِس آیتِ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم کے فرمان کے مطابق سارے مؤمنین کے رکوع کی تسبیح یہی قرار پائی۔

اختتام سورۃ الواقعہ۔۔ ﴿ ۲؍رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۳؍جولائی ۲۰۱۲ء بروز

ابتداء سورۃ الحدید۔۔ ﴿ ۳؍رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۴؍جولائی ۲۰۱۲ء بروز

سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ

سورۃ الحدید۔۔۵۷ مدنیہ ۹۴ — آیاتہا ۲۹۔۔رکوعاتہا ۴

سورۃ الحدید کی شروع کی آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں اور اِس کی باقی آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہیں۔اور چونکہ اِس کی اکثر آیات مدینہ منورہ میں نازل ہوئیں اس لیے جمہور نے اِس سورت کو مدنی کہا ہے۔سورۂ واقعہ کا تسبیح ربانی کے حکم پر اختتام فرمایا گیا، اور پھر اُسی سے متصل سورۃ الحدید کا تسبیح ربانی کے ذکر سے آغاز فرمایا گیا۔رسول اللہ ﷺ سونے سے پہلے جن مسبحات کی آیات کو پڑھا کرتے تھے اُس میں الحدید بھی ہے۔

الحدید کے سوا الحشر، الصف، الجمعہ اور التغابن ہیں جن کو آنحضرت ﷺ روزآنہ پڑھا کرتے تھے اور آپ نے اُن کے تعلق سے فرمایا ہے کہ ان کی ایک آیت ہزار آیات سے افضل

ہے۔ اِس سورۂ مبارکہ کا نام اِس سورہ کی آیت ۲۵ سے ماخوذ ہے جس میں 'الحدید' کے خواص و فوائد کا ذکر ہے۔ ایسی مبارک سورۂ شریفہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ①

پاکی بولی اللہ کی سب نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہی زبردست حکمت والا ہے●

(پاکی بولی اللہ) تعالیٰ (کی)۔۔۔ یعنی ایک قول کی بنیاد پر نماز ادا کی اور خدا کی عبادت کی ۔۔۔ (سب نے جو کچھ آسمانوں) میں فرشتے ہیں (اور) جو کوئی (زمین میں) مؤمن (ہے)۔

اس کی تفسیر میں مشہور بات یہ ہے کہ خدا کی تسبیح کی اور اُسے پاکی سے یاد کیا اُس چیز نے جو آسمانوں میں ہے، فرشتے، ستارے، آفتاب اور ماہتاب وغیرہ اور جو کچھ زمین میں ہے حیوان، جماد اور نبات وغیرہ۔ تو تسبیح عام ہے ہر چیز میں جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ مگر بعض کی زبان تسبیح کرتی ہے اور بعض کا سایہ، جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا وَظِلٰلُهُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَالۡاٰصَالِ۔

(اور وہی) یعنی خدا ہی (زبردست) اور غالب ہے ہر چیز میں جو چاہے اور (حکمت والا ہے) ہر حکم میں جو فرمائے۔

لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ يُحۡیٖ وَيُمِيۡتُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیۡءٍ قَدِيۡرٌ ②

اُسی کی شاہی ہے آسمانوں اور زمین کی۔ جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اور وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

(اُسی کی شاہی ہے آسمانوں اور زمین کی)، وہی اُن کا پیدا کرنے والا ہے اور اُن میں تصرف کرنے والا ہے، (جلاتا ہے) زندہ رہنے دیتا ہے۔۔۔یا۔۔۔ آخرت میں جلانے والا ہے، (اور مارتا ہے) یعنی دُنیا میں وفات دیتا ہے۔ (اور وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے)، چاہے مار ڈالے اور چاہے جلائے۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳﴾

وہی اوّل ہے اور آخر ہے، اور ظاہر ہے اور باطن ہے۔ اور وہ ہر ایک کا جاننے والا ہے●

(وہی اوّل ہے) سب چیزوں سے اور اُن کو ظاہر کرنے والا ہے، یعنی وہ ایسا قدیم ازلی ہے کہ اُس کی ابتداء نہیں، (اور آخر ہے) یعنی سب موجودات فنا ہو جانے کے بعد بھی وہ رہے گا کیونکہ اس کے آخر ہونے کی نہایت نہیں۔ (اور) اس کی ہستی (ظاہر ہے) دلیلوں کی کثرت کے سبب سے، (اور باطن ہے) کہ ہر عاقل اس کی ذات اور صفات کی حقیقت سمجھنے سے قاصر ہے۔

صاحبِ کشف الاسرار نے فرمایا کہ زبانِ رحمت بطور اشارہ کہتی ہے، کہ اَے انسان! مخلوقات میں تجھ سے متعلق چار گروہ ہیں۔ ایک وہ گروہ جو اوّل حال میں تیرے کام آئے، جیسے ماں باپ۔ دوسرا وہ گروہ جو اخیر عمر میں دستگیری کرتا ہے، جیسے بیٹے پوتے۔ تیسرا وہ گروہ جو تیرے ساتھ ظاہر رہتا ہے، جیسے دوست آشنا خدمت گار۔ چوتھا وہ گروہ جو پوشیدہ تیرے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے، جیسے عورتیں اور لونڈیاں۔ پس رب العالمین فرماتا ہے کہ۔۔۔

ظاہر خلق اور پوشیدہ خلق پر اعتماد نہ کر اور ان کو اپنا حقیقی کارساز نہ جان، اس واسطے کہ 'اوّل' میں ہوں، کہ میں نے تجھے معدوم سے موجود کیا، اور 'آخر' میں ہوں کہ تیری رجوع میری طرف ہوگی 'ظاہر' میں ہوں کہ تیری صورت بہت اچھی طرح پر میں نے آراستہ کی، اور 'باطن' میں ہوں کہ حقائق کے بھید تیرے دِل میں میں نے امانت رکھے ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔حق تعالیٰ اول وآخر اور ظاہر وباطن ہے۔

(اور وہ ہر ایک کا جاننے والا ہے)۔ اوّل وآخر اُس کے علم میں برابر ہے اور ظاہر وباطن اس کے علم کے سامنے یکساں ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى

وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں، پھر متوجہ ہوا

الْعَرْشِ ۚ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ

عرش پر۔ وہ جانتا ہے جو کچھ داخل ہو زمین میں، اور جو کچھ نکلے اُس سے، اور جو کچھ نازل ہو آسمان سے،

وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ۚ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ۚ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۴﴾

اور جو کچھ چڑھے اُس میں۔ اور وہ تم لوگوں کے ساتھ ہے جہاں رہو۔ اور اللہ جو کچھ تم کرو نگراں ہے●

(وہی ہے جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو) اپنی قدرتِ کاملہ سے (چھ دن میں) تاکہ فرشتے اُن کا پیدا ہونا ایک کے بعد ایک دیکھیں، (پھر متوجہ ہوا عرش پر)، یعنی پھر اُس نے قصد کیا عرش کی تدبیر کا اور اپنے ارادے کے موافق اُس کے متعلق امور جاری کرنے کا۔

(وہ جانتا ہے جو کچھ داخل ہو زمین میں)، جیسے وہ بیج جسے بوتے ہیں اور مینھ کے قطرے اور خزانے اور مُردے، (اور جو کچھ نکلے اُس سے) یعنی وہ جانتا ہے اس چیز کو جو زمین سے نکلتی ہے جیسے نبات اور معدنیات اور کچھ دفینے دُنیا میں اور باقی بعض خزانے اور سب مُردے آخرت میں۔

(اور) وہ جانتا ہے (جو کچھ نازل ہو آسمان سے) جیسے مینھ، برف، اولا، فرشتے اور احکام۔ (اور جو کچھ چڑھے اُس میں) جیسے اعمال، دُعائیں اور وہ فرشتے جو بندوں کا عمل لکھتے ہیں۔ (اور وہ تم لوگوں کے ساتھ ہے جہاں رہو)۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے ساتھ ہے علم اور قدرت کی راہ سے عموماً اور فضل ورحمت کی راہ سے خصوصاً۔ (اور اللہ) تعالیٰ (جو کچھ تم کرو نگراں ہے)، اُن کا دیکھنے والا ہے اور اُس پر جزا دے گا۔

علم وقدرت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی مذکورہ معیت کو عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ ارباب کشف صحیح ہی اُس سے کچھ باخبر ہوتے ہیں۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾ يُوْلِجُ الَّيْلَ

اُسی کی شاہی ہے آسمانوں اور زمین کی۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام ● سمو دیتا ہے رات کو

فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ؕ وَهُوَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾

دن میں، اور سمو دیتا ہے دن کو رات میں۔ اور وہ جاننے والا ہے سینوں کی بات کو ●

(اُسی کی شاہی ہے آسمانوں اور زمین کی)۔

اس کلام کو مکرر لانا اِس جہت سے ہے کہ اوّل، ابتداءً پیدا کرنے سے تعلق رکھتا ہے، اور دوسرا دوبارہ پیدا کرنے سے جیسا کہ اس کا فرمان ۔۔۔

(اور) ارشاد ہے، کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے سارے کام)۔ اُس کی شان یہ ہے کہ (سمو دیتا ہے رات کو دن میں)، یعنی رات کی گھڑیوں میں سے دن میں بڑھا دیتا ہے، (اور سمو دیتا ہے دن کو رات میں) یعنی دن کی گھڑیوں میں سے رات میں بڑھا دیتا ہے، چاروں فصلوں

کے اختلاف کے موافق۔(اور وہ جاننے والا ہے سینوں کی بات کو) یعنی وہ باتیں جو دلوں میں پوشیدہ ہیں۔تو اے کافرو!۔۔۔

اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَاَنۡفِقُوۡا مِمَّا جَعَلَكُمۡ مُّسۡتَخۡلَفِيۡنَ فِيۡهِ‌ؕ

مان جاؤ اللہ اور اُس کے رسول کی،اور خرچ کرو اُس مال سے کہ کر دیا تمہیں جس میں جانشین۔

فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَاَنۡفَقُوۡا لَهُمۡ اَجۡرٌ كَبِيۡرٌ‏ ۞

تو جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور خرچ خیرات کیا،اُنہیں کے لیے بڑا ثواب ہے●

(مان جاؤ اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کی)۔یعنی خدا کی توحید اور اس کے رسول کی رسالت پر ایمان لاؤ اور اُن کو سچ مانو۔(اور خرچ کرو اُس مال سے کہ کر دیا تمہیں جس میں جانشین)۔یعنی وہ مال جو پہلے اگلوں کے تصرف میں تھا،بعد میں تمہارے تصرف میں آیا،اُس مال میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرو۔(تو) سن لو کہ (جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور خرچ خیرات کیا) مالِ زکوٰۃ،جہاد اور سب خیرات میں،(انہیں کے لیے بڑا ثواب ہے) اور وہ جنت اور اُس کی نعمت ہے۔

وَمَا لَـكُمۡ لَا تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ‌ۚ وَالرَّسُوۡلُ يَدۡعُوۡكُمۡ لِتُؤۡمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ

اور کیا ہے تمہیں کہ نہ مانو اللہ کو؟ حالانکہ رسول بلائیں تمہیں تا کہ مان جاؤ اپنے رب کو۔

وَقَدۡ اَخَذَ مِيۡثَاقَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ‏ ۞

اور بے شک وہ بھی لے چکا ہے تمہارے مضبوط عہد کو اگر ایمان والے ہو●

(اور کیا ہے تمہیں کہ نہ مانو اللہ) تعالیٰ کی توحید (کو،حالانکہ رسول بلائیں تمہیں) دلیل وحجت کے ساتھ (تا کہ مان جاؤ اپنے رب کو۔اور بے شک وہ بھی لے چکا ہے تمہارے مضبوط عہد کو) 'روزِ الست' میں اپنی ربوبیت کے اقرار اور شرک کی نفی پر (اگر ایمان والے ہو)،اور اُس عہد کو باور رکھنے والے ہو۔

هُوَ الَّذِىۡ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبۡدِهٖۤ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخۡرِجَكُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ

وہی ہے جو اُتارتا ہے اپنے بندہ پر روشن آیتیں،تا کہ نکال دے تمہیں اندھیریوں سے

إِلَى النُّورِ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٩﴾

اُجالے کی طرف۔ اور بے شک اللہ تم پر یقیناً مہربان رحم والا ہے●

(وہی) خدا (ہے جو اُتارتا ہے اپنے بندہ پر روشن آیتیں) یعنی قرآن۔۔یا۔۔کھلے ہوئے معجزے، (تاکہ نکال دے تمہیں) قرآن کے سبب سے۔۔یا۔۔رسول کی دعوت کی وجہ سے کفر کی (اندھیریوں سے) ایمان کے (اجالے کی طرف)۔۔یا۔۔جہل سے علم کی طرف۔۔یا۔۔ضلالت سے ہدایت کی طرف۔۔یا۔۔مخالفت سے موافقت کی جانب (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (تم پر یقیناً مہربان رحم والا ہے) کہ تمہاری طرف قرآن بھیجتا ہے اور رسول کو دعوت کا حکم فرماتا ہے۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ

اور کیا ہے تمہیں کہ نہ خرچ کرو اللہ کی راہ میں؟ اور اللہ ہی کی ہے وراثت آسمانوں اور زمین کی۔

لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ

نہیں برابر ہے تم میں سے وہ، جس نے خرچ خیرات کیا فتح مکہ سے پہلے اور جہاد کیا۔ وہ لوگ بہت بڑے ہیں

دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا ۚ وَكُلًّا

درجہ میں، اُن لوگوں سے جنہوں نے خرچ خیرات کیا بعد میں اور جہاد کیا۔ اور ہر ایک سے

وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿١٠﴾ ع ۱۷

وعدہ فرمایا اللہ نے اچھے گھر کا۔ اور اللہ ہر چیز سے جو کرتے ہو باخبر ہے●

(اور کیا ہے تمہیں) یعنی تم کیا فائدہ دیکھتے ہو؟ اور تمہارے پاس کون سا عذرِ معقول ہے کہ جس کی بنا پر (کہ نہ خرچ کرو اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں)، حالانکہ خدا ہی کے واسطے ہے، اور (اللہ) تعالیٰ (ہی کی ہے وراثت آسمانوں اور زمین کی)۔ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ اہلِ زمین اور اہلِ آسمان کے فنا ہو جانے کے بعد اُسی کی طرف رجوع کرے گا، اور آج بھی اُسی کے واسطے ہے مگر خلق اُس میں تصرف کرتی ہے۔ آخر میں اُس سے اوروں کا دستِ تصرف کوتاہ ہو کر وہ سب حق تعالیٰ کی طرف پھرے گا۔

اِس کلام میں نیک کام کے لیے خرچ کرنے کی رغبت دلانا ہے۔۔۔

یعنی اے بندو! جب تم نے یہ بات جان لی کہ یہ مال تمہارے ہاتھ میں باقی نہ رہیں گے، تو

اس کے بارے میں جو خدا کا حکم ہو اُس میں نگاہ رکھو، اور اُس میں سے اپنے واسطے ذخیرہ آخرت کرو
اور یہ بات اچھی طرح یاد رکھو کہ (نہیں برابر ہے تم میں سے وہ جس نے خرچ خیرات کیا فتح مکہ سے
پہلے) کیونکہ فتح مکہ سے پہلے اہلِ اسلام بے برگ و بار اور بے نوا ہیں (اور جہاد کیا) خدا اور سول کے
دشمنوں سے۔

ایسا مؤمن جان اور مال قربان کرنے والا فتح مکہ کے قبل اُس کے برابر نہیں ہے، جو فتح مکہ
کے بعد مال خرچ کرے اور قتال کا داعیہ رکھے، اس واسطے کہ جب تو مال بہت ہوگا اور خرچ اور قتال
کرنے کی چنداں حاجت نہ پڑے گی۔ تو (وہ لوگ بہت بڑے ہیں درجہ میں اُن لوگوں سے جنہوں
نے خرچ خیرات کیا بعد میں) یعنی فتح مکہ کے بعد، (اور جہاد کیا اور) بایں ہمہ (ہر ایک سے وعدہ فرمایا
اللہ) تعالیٰ (نے اچھے گھر کا)۔ یعنی بہشت کا، مگر اُن کے درجے متفاوت ہوں گے۔

تو فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے اور خرچ و قتال کرنے والے اور فتح مکہ کے بعد
ایمان لانے والے اور خرچ و جہاد کرنے والے، اُن سب سے اللہ تعالیٰ نے مغفرت ونجات
اور جنتی ہونے کا وعدہ فرمالیا ہے، تو پھر بندوں پر بھی لازم ہے کہ اپنے دِل و دماغ کو اُن کے
تعلق سے صاف رکھیں، اور اُن سب کی عقیدت ومحبت کو اپنے دِلوں میں برقرار رکھیں۔

اور کوئی ایسی حرکت نہ کریں جن سے اُن کی اہانت ہو اور یہ سمجھے رہیں کہ جب عالم الغیب
والشھادہ، علیم وخبیر خدائے قادرِ مطلق نے اُن کے تمام معاملات ومشاجرات کو جانتے ہوئے
بھی اُن سے حسنِ خاتمہ اور آخرت کی بھلائی کا وعدہ فرمالیا ہے، تو اب اُن کو کسی طرح بھی
طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا اگر ایک طرف اپنی روحِ سعادت کا خون کرنا ہے، تو دوسری طرف
خود بارگاہِ خداوندی کا بہت بڑا مجرم بننا ہے اور اپنی آخرت کو برباد کرنا ہے۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ
مِنْ ذٰلِکَ۔ یاد رہے کہ حق تعالیٰ بے خبر نہیں ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (ہر چیز سے جو کرتے ہو باخبر ہے)۔ اُسے خوب معلوم ہے کہ تم جو خرچ و
قتال کرتے ہو اُس میں اخلاص ہے۔۔یا۔۔ ریاکاری؟۔

اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں ہے،
اِس واسطے کہ مَردوں میں پہلے جو شخص ایمان لائے اور خرچ کیا اور کافروں سے جھگڑا کیا، وہ
حضرت صدیق اکبر ہی تھے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَ لَهٗۤ اَجْرٌ كَرِیْمٌ ﴿۱۱﴾

کون ہے جو دے اللہ کو قرضِ حسنہ، کہ دونا فرمادے اُس کے لیے اُس کو، اور اُسی کے لیے باعزت ثواب ہے •

(کون ہے جو دے اللہ) تعالیٰ (کو قرضِ حسنہ) یعنی خرچ کرے اپنا مال راہِ خدا میں بدلے کی امید پر، اس واسطے کہ وہ بدلے کا طالب ویسا ہی ہے جیسا قرض دیتا ہے اور وہ بھی جی کی خوشی سے اخلاص کے ساتھ، تا (کہ دونا فرمادے اُس کے لیے اُس کو)، یعنی اس کا اجر مضاعف کردے۔ (اور اُسی کے لیے باعزت ثواب ہے)، یعنی بزرگ و برتر جنت اُس کا صلہ ہے۔ ان قرضِ حسنہ دینے والے مخلصین کی کیا شان ہے؟۔۔۔

یَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ یَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ بِاَیْمَانِهِمْ

جس دن تم دیکھو گے ایمان والے مَردوں اور عورتوں کو، کہ دوڑ رہا ہے اُن کا نور اُن کے سامنے، اور داہنے،

بُشْرٰىكُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ

خوشخبری ہو تمہیں آج کے دن، وہ باغ ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۲﴾

یہی بڑی کامیابی ہے •

(جس دن تم دیکھو گے ایمان والے مَردوں اور عورتوں کو، کہ دوڑ رہا ہے اُن کا نور) توحید (اُن کے سامنے) تاکہ وہ آسانی سے گزریں، (اور داہنے) یعنی اُن کی داہنی طرف سے، تاکہ ان کو بہشت کی راہ دکھائے۔

حضرت ابن مسعود سے منقول ہے کہ ہرایک نور اُس کے عمل کی قدر ہوگا۔ کسی کا نور ایسا وسیع ہوگا کہ کوہِ صفا سے عدن تک اور دوسرے کا نور ایک پہاڑ کے برابر، اور کسی کا ایک درخت کی قدر۔ کم سے کم نور اتنا ہوگا کہ وہ نور والا اپنے قدم رکھنے کی جگہ دیکھ لے۔۔ المختصر۔۔ کوئی ایمان والا بے نور نہ ہوگا۔

اور فرشتے اُس سے کہیں گے (خوش خبری ہو تمہیں آج کے دن)، کہ آج تمہیں جس میں داخل ہونا ہے یہ (وہ باغ ہیں، بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔ یہی) یعنی ہمیشہ کے واسطے جنتوں کی خوش خبری (بڑی کامیابی ہے)، اس واسطے کہ

قیامت کے تمام ہولوں سے بے خوف ہوکر دار الجلال میں پہنچو گے، اور حضرت ملک متعال کا دیدار کرو گے۔

ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مؤمنوں کی صراط پر نور دیں گے اور کافروں اور منافقوں کو بے نور چھوڑیں گے۔ اور مؤمن جب منہ پھیریں گے تو سب صراط روشن ہوجائے گا، تو منافق ان سے نور مانگیں گے اور اُن کو نور نہ پہنچے گا، جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یاد کرو اُس دن کو۔۔۔

يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ

جس دن کہیں گے منافق مرد اور عورتیں، اُنہیں جو ایمان لاچکے تھے کہ "ہم پر بھی نگاہ کرلو، کہ ہم بھی لے لیں تمہاری

مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ۭ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ

روشنی سے کچھ۔" جواب دیا گیا کہ "واپس جاؤ اپنے پیچھے، تو وہاں تلاش کرو روشنی کو۔" پھر کھڑی کردی گئی فریقین کے درمیان

بَابٌ ۭ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ؁۱۳

ایک دیوار۔ جس کا ایک دروازہ ہے کہ اُس کے اندر رحمت ہے، اور اُس کے باہر کی سمت عذاب ہے●

(جس دن کہیں گے منافق مرد اور عورتیں، انہیں جو ایمان لاچکے تھے)، یعنی مؤمنین سے التماس کریں گے (کہ ہم پر بھی نگاہ کرلو) یعنی ہماری طرف نظر کرو، تا (کہ ہم بھی لے لیں تمہاری روشنی سے کچھ)۔ فرشتوں کے ذریعہ انہیں (جواب دیا گیا کہ واپس جاؤ اپنے پیچھے) دُنیا میں (تو وہاں تلاش کرو روشنی کو)، اس واسطے کہ محشر میں نور نہیں حاصل کرسکتے، دُنیا سے اپنے ساتھ لانا چاہئے تھا۔

منافق لوگ یہ بات نہ سمجھ کر اِس خیال سے کہ نور اُن کے پیچھے ہے، پیچھے کی طرف منہ پھیریں گے۔ (پھر) حکم الٰہی سے فرشتوں کے ذریعہ (کھڑی کردی گئی فریقین) یعنی مؤمن و منافق (کے درمیان ایک دیوار) جیسے شہر پناہ، (جس کا ایک دروازہ ہے) کہ اس میں مؤمن جاتے ہیں (اُس کے اندر رحمت ہے)، اس واسطے کہ بہشت کے نزدیک ہے۔ (اور اس کے باہر کے سمت عذاب ہے)، اس لیے کہ دوزخ کے نزدیک ہے۔

پس منافق جب پیچھے دیکھیں گے اور نور نظر آئے گا تو پھر مؤمنوں کی طرف متوجہ ہوں گے، تو ایک دیوار دیکھیں گے اپنے اور مؤمنوں کے درمیان آڑ ہوگئی ہے اور ایک دروازہ اُس میں ہے۔ اُس

دروازے سے مؤمنوں کو دیکھیں گے کہ ٹہلتے ہوئے باغِ جنت کی طرف چلے جاتے ہیں۔۔تو۔۔

يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ

وہ پکاریں گے انہیں کہ "کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ،" انہوں نے جواب دیا کہ "تھے کیوں نہیں، لیکن تم نے خود فتنہ میں ڈال

وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۱۴﴾

دیا اپنے ہی کو، اور تاک میں لگے رہتے تھے، اور شک کیا کرتے تھے، اور دھوکہ دیا تھا تم کو تمہاری جھوٹی امیدوں نے، یہاں تک کہ آ پہنچا اللہ کا حکم، اور فریب دے رکھا تھا تمہیں اللہ کے ساتھ اُس بڑے دغاباز شیطان نے•

(وہ پکاریں گے انہیں) عجز و زاری کے ساتھ، (کہ کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ) دُنیا میں، تمہاری جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، تمہارے ساتھ روزے رکھتے تھے۔ (انہوں نے جواب دیا کہ) بظاہر (تھے کیوں نہیں، لیکن تم نے خود فتنہ میں ڈال دیا اپنے ہی کو)۔ نفاق کے سبب سے گناہوں کا مزہ چکھا اور عذاب کے مستحق ہو گئے۔

(اور) یہی نہیں بلکہ (تاک میں لگے رہتے تھے) اور دیر کی تم نے توبہ میں (اور شک کیا کرتے تھے) محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں۔ (اور دھوکا دیا تھا تم کو تمہاری جھوٹی امیدوں نے)۔ بڑی بڑی لمبی امیدیں تم نے کر رکھی تھیں، (یہاں تک کہ آ پہنچا اللہ) تعالیٰ (کا حکم) تمہاری روح قبض کرنے کو۔ (اور فریب دے رکھا تھا تمہیں اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ اُس بڑے دغاباز شیطان نے)۔۔

یا۔۔ناپائدار دُنیا نے۔

فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ

اب آج کے دن نہ لیا جائے گا تم سے کوئی مالی معاوضہ، اور نہ اُن سے جو کھلے کافر تھے۔

مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۵﴾

تمہارا ٹھکانہ آگ ہے۔ وہ آگ ہی تمہاری ساتھی ہے۔ اور کیا بُرا پھرنے کا ٹھکانہ ہے"•

(اب آج کے دن نہ لیا جائے گا تم سے کوئی مالی معاوضہ) جو اپنا فدیہ کر و عذاب سے چھوٹنے کو، (اور نہ اُن سے جو کھلے کافر تھے)۔ اُن کا (اور تمہارا ٹھکانہ آگ ہے۔ وہ آگ ہی تمہاری ساتھی ہے)، اور تمہیں سزاوار ہے، (اور کیا بُرا پھرنے کا ٹھکانہ ہے)۔

مؤمنوں نے مکہ معظمہ میں فقر و فاقہ کے ساتھ قواعدِ اطاعت کی تمہید بحد تمام کی ہجرت

کے بعد کہ بہت مال ان کے ہاتھ آیا اور ان پر نعمت کشادہ ہوئی، تو فتور اور قصور کے آثار اُن کے وظائف عبادت میں ظاہر ہوئے، تو یہ آیت نازل فرمائی گئی کہ۔۔۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَ مَا نَزَلَ

کیا وہ وقت نہیں آیا اُن کے لیے جو ایمان لا چکے کہ جھک جائیں اُن کے دِل اللہ کی یاد کے لیے، اور جو کچھ نازل ہوا

مِنَ الْحَقِّ ۙ وَ لَا یَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَیْهِمُ

حق اُس کے لیے۔ اور نہ ہوں اُن کی طرح کہ جو دیے گئے کتاب پہلے، تو دراز ہوئی اُن پر

الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ كَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ⑯

مدت، تو سخت ہو گئے اُن کے دِل۔ اور اُن کے بہتیرے نافرمان ہیں●

(کیا وہ وقت نہیں آیا اُن کے لیے جو ایمان لا چکے کہ جھک جائیں اُن کے دِل اللہ) تعالیٰ (کی یاد کے لیے، اور جو کچھ نازل ہوا حق اس کے لیے)۔ یعنی اُن کے دِل نرم ہو جائیں ذکرِ خداوندی اور کلامِ الٰہی کے لیے، تا کہ اُن کی مومنانہ شان میں ضعف نہ پیدا ہو۔

ایک قول یہ ہے کہ بعضے صحابہ میں مزاح بہت زیادہ ہوئی پھر یہ آیت اتری۔۔۔ یا۔۔۔ صحابہ نے نصیحت اور موعظت طلب کی تو یہ آیت آئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ آیت اُن کے لیے نازل فرمائی گئی، جو زبان سے تو ایمان کا اقرار کرتے تھے لیکن دِل سے ایمان والے نہ تھے ۔۔۔ المختصر۔۔۔ سب کو خدا سے ڈرنا چاہیے اور اخلاص کو اپنا شعار بنا لینا چاہیے۔

(اور نہ ہوں اُن کی طرح جو دیے گئے کتاب پہلے)، یعنی یہود و نصاریٰ کے مثل نہ ہوں کہ ان کو توریت اور انجیل دی، (تو دراز ہوئی اُن پر مدت) یعنی بڑی عمر پائی اور امید بڑھائی، (تو سخت ہو گئے اُن کے دِل) اور ان میں خشوع اور خضوع نہ رہا۔ (اور اُن کے بہتیرے نافرمان ہیں)، خارج ہیں اپنے دین سے اور چھوڑے ہوئے ہیں اپنی کتاب کے احکام سخت دِلی کی شدت سے۔

اور بعضوں نے کہا کہ سخت دلی کا نتیجہ غفلت اور نرم دلی کی علامت [illegible]

اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ

جان رکھو کہ بلاشبہ اللہ، زندہ فرماتا ہے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد۔ بے شک بیان فرما دیا ہم نے تمہارے لیے نشانیوں

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۷﴾

کہ عقل سے کام لو●

اَے بعث کے منکرو! (جان رکھو کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (زندہ فرماتا ہے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد)۔ تو جس طرح وہ مُردہ وافسردہ زمین کو سرسبز وشاداب فرمادیتا ہے، اُسی طرح مُردوں کو زندہ فرمادے گا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے اَے میرے بندو! (بے شک بیان فرمادیا ہم نے تمہارے لیے نشانیوں کو) اور تم پر اپنی قدرت کی نشانیاں ظاہر کردیں، تا (کہ عقل سے کام لو)۔ یعنی دلیل پکڑنے میں اپنی عقل سے کام لو اور اعمالِ خیر وخیرات کو انجام دینے میں کوتاہی نہ کرو۔۔ کیوں کہ۔۔

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا

بے شک صدقہ دینے والے مَرد اور عورتیں، اور جنہوں نے قرض دیا اللہ کو قرضِ حسنہ،

يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۸﴾

دونا کیا جائے گا اُن کے لیے، اور اُنہیں کے لیے باعزت ثواب ہے●

(بے شک صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں، اور جنہوں نے قرض دیا اللہ) تعالیٰ (کو، قرضِ حسنہ) اچھا بہت پاکیزہ مالوں سے، (دونا) اور زیادہ (کیا جائے گا اُن کے لیے) ان کا اجر دس سے سات سو تک، بلکہ اور زیادہ۔ (اور انہیں کے لیے باعزت ثواب ہے) یعنی بہشت، جو کہ بہت بزرگ صلہ ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصِّدِّيقُونَ ۖ وَالشُّهَدَاءُ

اور جو مان گئے اللہ اور اُس کے رسولوں کو، وہی ہیں صدیق، اور شہید

عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ أَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا

اپنے رب کے نزدیک۔ اُنہیں کے لیے اُن کا ثواب ہے، اور اُن کا نور ہے۔ اور جنہوں نے اِنکار کردیا اور جھٹلایا

بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۹﴾ ع ۱۸

ہماری آیتوں کو، وہ جہنم والے ہیں●

اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین اور منافقین کا ذکر فرمایا تھا اور اِس آیت

میں مؤمنوں اور کافروں کا ذکر فرمایا ہے۔

--چنانچہ-- حق تعالیٰ کا فرمان (اور) ارشاد ہے کہ (جو مان گئے اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسولوں کو) اور ان کے احکام اور ان کی دی ہوئی خبروں پر ایمان لے آئے، (وہی ہیں صدیق) یعنی بڑے ہی سچے، (اور شہید) اور گواہ ہیں قیامت کے (اپنے رب کے نزدیک) انبیاء پر اور اگلی امتوں پر۔

جن لوگوں نے وَالشُّهَدَآءُ کو مبتدا مانا ہے، اُن کے نزدیک آیت کا یہ معنی ہوگا، کہ جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوئے وہ خدا کے پاس ہیں اور قرب کے درجوں میں ہیں۔

(اُنہیں کے لیے اُن کا ثواب ہے) جو ہم نے وعدہ کیا ہے، (اور اُن کا نور ہے) جو روزِ حشر اُن کے ساتھ ہوگا۔ (اور جنہوں نے) پیغمبروں کی نبوت کا (انکار کردیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو) جو محمد ﷺ پر ہم نے اتاریں، (وہ جہنم) میں رہنے (والے ہیں)۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ

جان رکھو! کہ دُنیاوی زندگی بس کھیل کود ہے، اور سنگار ہے، اور باہم اِترانا ہے، اور بڑھنے کی ہوس ہے

فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ

مال واولاد میں۔ جیسے ابر کی مثال، کہ اچھا لگا کاشتکاروں کو اُس کا اُگنا، پھر سوکھ

يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

جاتی ہے، تو دیکھو گے اُسے زرد۔ پھر ہوجاتی ہے روندی چور چور۔ اور آخرت میں

شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ

سخت عذاب ہے۔ اور اللہ کی طرف سے مغفرت ہے اور رضامندی ہے۔ اور نہیں ہے دُنیاوی زندگی

اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ⑳

مگر دھوکے کی پونجی۔

(جان رکھو کہ دُنیاوی زندگی بس کھیل کود ہے) جو بیہودہ ہے اور [illegible] کی طلب میں رنج کھینچتا ہے، اور لڑکوں کے کھیل کے مثل بے حاصل چیز ہے (اور سنگار ہے) یعنی [illegible] اور عمدہ کپڑوں اور پاکیزہ مکانوں اور راہوار سواریوں میں، (اور باہم اِترانا ہے) [illegible] باہم فخر کرنا، (اور بڑھنے کی ہوس ہے مال واولاد میں) یعنی کثرت [illegible] اور جان لو کہ تھوڑے ہی زمانے میں یہ کھیل برطرف [illegible]

قوم سے بدل جائے گی، اور آرائشیں جاتی رہیں گی اور زیادتی چاہنا اور فخر کرنا آگ کی چنگاری کی طرح نیست و نابود ہو جائے گا، تو اُس کی مثل جلد زائل ہونے اور منتقل ہو جانے میں، (جیسے اَبر کی مثال) جو پیاسی زمین میں برستا ہے۔ اور جو بیج زمین پر پڑے ہیں اُس کے سبب سے جلد اُگ جاتے ہیں، اور درخت کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسا (کہ) خوبی اور خوشنمائی کی وجہ سے (اچھا لگا کاشتکاروں کو اُس کا اُگنا) یعنی اُس کی پیداوار۔

(پھر) ارضی وسماوی آفت کے سبب سے وہ کھیتی (سوکھ جاتی ہے، تو دیکھو گے اُسے زرد) ہری ہونے کے بعد۔ (پھر ہو جاتی ہے روندی چورچور) ریزہ ریزہ، یعنی بھوسا۔ یہ تو رہا دُنیا میں اُن کافروں کا حال (اور آخرت میں سخت عذاب ہے) اُن خدا کے دشمنوں کے لیے جو تمام عمر دُنیا طلبی میں بسر کر کے حق کو بھولے رہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (کی طرف سے مغفرت ہے اور رضامندی ہے) خدا کے دوستوں کو جنہوں نے طلبِ مولا میں دُنیا اور عقبیٰ دونوں کو ترک کر دیا۔ (اور) جان لو کہ (نہیں ہے دُنیاوی زندگی مگر دھوکے کی پونجی)، یعنی ایسی مَتاع جو فریب دے اور باقی نہ رہے۔

ذہن نشین رہے کہ دُنیا 'مَتاعِ غرور' اس شخص کی نسبت سے ہے، جو دُنیا کو اخروی نعمتیں حاصل کرنے کا ذریعہ نہ کرے، اور نفس اور خواہش کی لذتوں میں پھنس کر آخرت کے کام میں مشغول نہ ہو۔ لیکن اگر کسی صاحبِ دولت کو مددتوفیق رفیق ہوئی اور وہ اسبابِ دُنیا کے سبب سے مقاصد عقبیٰ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور خدا کو راضی کر کے بہرہ مند ہوتا ہے، تو اُس کی نسبت دُنیا 'مَتاعِ سرور' ہے 'مَتاعِ غرور' نہیں۔۔۔تو۔۔۔

سَابِقُوْۤا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ

بڑھ چلو اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف، جس کی چوڑائی ہے جیسے آسمان وزمین کی چوڑائی۔

اُعِدَّتْ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ

مہیا کی گئی ہے اُن کے لیے جو مان چکے اللہ اور اُس کے رسولوں کو۔ یہ اللہ کا فضل ہے، دے اُسے

مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۱﴾

جسے چاہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

(بڑھ چلو اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف)، یعنی اُن کاموں کی طرف جو موجبِ

مغفرت اور باعثِ دخولِ جنت ہیں۔

موجباتِ مغفرت تو بہت ہیں، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ سبیلِ مغفرت رسول مقبول ﷺ کی متابعت ہے۔ تو حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

کہ آنحضرت ﷺ کی پیروی اور متابعت کرنے میں جلدی کرو کہ یہی سبب مغفرت ہے اور دخولِ جنت کی موجب ہے۔ وہ جنت (جس کی چوڑائی ہے جیسے آسمان و زمین کی چوڑائی)، اِس شرط پر کہ سب کو باریک باریک ورق کر کے باہم جوڑ دیں۔

یہ بات عام مشاہدہ کے اعتبار سے فرمائی گئی ہے۔ دیکھنے والا صرف ایک آسمان اور ایک زمین دیکھ رہا ہے اور اُسی کو وہ بہت وسیع سمجھتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کو جو وسعت حاصل ہے تنہا جنت کو وہ حاصل ہے۔

اور یہ جنت (مہیا کی گئی ہے اُن کے لیے جو مان چکے اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسولوں کو)۔ اور (یہ) ایمان لانا (اللہ) تعالیٰ (کا فضل ہے، دے اُسے جسے چاہے) اپنی عنایت سے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (بڑے فضل والا ہے) مؤمنوں پر دُنیا میں ایمان کی توفیق دے کر اور آخرت میں مغفرت اور رضامندی کے سبب سے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ

نہیں پہنچی کوئی مصیبت زمین میں، اور نہ خود تم لوگوں میں، مگر یہ کہ وہ ایک نوشتہ میں ہے،

مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾

قبل اُس کے کہ ہم پیدا کریں اُسے۔ بے شک یہ اللہ کو آسان ہے●

(نہیں پہنچی کوئی مصیبت زمین میں) جیسے قحط، گرانی، مال اور کھیتی کا نقصان اور اس کے سوا، (اور نہ خود تم لوگوں میں) یعنی تمہاری ذاتوں میں، جیسے بیماری اور ضعف اور محتاجی اور اولاد کی موت وغیرہ وغیرہ، (مگر یہ کہ وہ ایک نوشتہ میں ہے) یعنی لوحِ محفوظ میں اس کا ذکر ہے، (قبل اِس کے کہ ہم پیدا کریں اُسے)، یعنی اُس مصیبت کو۔۔یا۔۔زمین کو۔۔یا۔۔تمہاری ذاتوں کو۔۔الغرض۔۔اُن تمام چیزوں کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اُن کا ذکر لوحِ محفوظ میں موجود ہے۔ (بے شک یہ) یعنی لوح پر مقدرات لکھنا باوصف اُس کی کثرت کے (اللہ) تعالیٰ (کو آسان ہے)۔ اُس نے رحمت اور مہربانی

کی راہ سے اَزل میں یہ حکم فرمایا اس جہت سے کہ لوگوں کے دِلوں میں یہ بات قرار پکڑے اور بندے یہ امر جان لیں کہ احکامِ ازلی مندفع نہیں ہوتے۔۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔اَزل میں لوح پر نوشتہ، اِس ہمارے حکم میں حکمت یہ ہے۔۔۔

لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ

تاکہ غمگین نہ ہو اُس پر جو جاتا رہا تم سے، اور نہ مچلو اُس پر جو دے دیا تم کو۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ﴿۲۳﴾

اور اللہ نہیں پسند فرماتا کسی اترے بڑھا نکنے والے کو●

(تاکہ) اَے بندو! تم (غمگین نہ ہو اُس پر جو جاتا رہا تم سے) اور فوت ہوا جیسے مال، اولاد، صحت اور عافیت (اور نہ مچلو اُس پر جو دے دیا تم کو) دُنیا کی پونجی۔ یعنی اگر دُنیا تمہاری طرف متوجہ ہو تو تم خوش نہ ہو اور اگر دُنیا تم سے منہ پھیرے تو تم غمگین نہ ہو، اس واسطے کہ نہ اُس کا اعتبار ہے اور نہ اُسے قرار ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (نہیں پسند فرماتا کسی اِترے بڑھا نکنے والے کو)۔

مُخْتَال متکبر کو کہتے ہیں جو دُنیا کی نعمت کے سبب سے دوسرے پر زیادتی کرے۔ اور **فَخُوْر** دُنیا کے سبب سے اِترانے والے کو کہتے ہیں جو دُنیا کے سبب سے اپنے رشتہ داروں اور ہمسروں پر فخر کرتا ہے۔ پھر حق تعالیٰ اُن کا حال بیان فرماتا ہے کہ یہ **مُخْتَال** اور **فَخُوْر** وہ لوگ ہیں کہ باوصف دُنیا داری اور اسبابِ دُنیا جمع ہونے کے۔۔۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ

جو خود کنجوسی کریں، اور مشورہ دیں لوگوں کو کنجوسی کا۔ اور جو رُوگردانی کرے، تو بلاشبہ اللہ ہی

هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

بے نیاز حمد والا ہے●

(جو خود کنجوسی کریں اور مشورہ دیں لوگوں کو کنجوسی کا)۔

بخل کی ایک شکل وہ بھی ہے جو یہودیوں نے اختیار کر رکھی تھی، کہ اُن کو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی صفات اور احوال کا جو علم حاصل تھا اُسے ظاہر کرنے میں انہوں نے بخل کیا اور اسے پوشیدہ کر کے اوروں کو بھی پوشیدہ کرنے کا حکم کیا۔ اس لیے ایک قول یہ بھی ہے کہ اِس آیت

سے یہود مراد ہیں۔

سنو (اور) یاد رکھو کہ (جو رُوگردانی کرے) مال خرچ کرنے سے۔۔یا۔۔پیغمبر اسلام ﷺ پر ایمان لانے سے، (تو) وہ جان لے کہ (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ہی) اُس سے اور اُس کے خرچ کرنے سے (بے نیاز حمد والا ہے)، جس کی ذات وصفات کی تعریف ساری کائنات میں ہوتی ہی رہتی ہے، تو اعداءِ دین کا منہ پھیرنا اور اِنکار کرنا اُسے کچھ ضرر نہیں کرتا۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ

بے شک بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کو روشن دلیلوں کے ساتھ، اور اُتارا اُن کے ساتھ کتاب اور انصاف کا ترازو،

لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ

تا کہ قائم ہو جائیں لوگ انصاف پر۔ اور اُتارا ہم نے لوہا، جس میں سخت حرج بھی ہے اور فائدے بھی ہیں

لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ

لوگوں کو، اور تا کہ علم کرا دے اللہ کہ کون مدد کرتا ہے اُس کے لیے اُس کے رسولوں کی بے دیکھے۔

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٢٥﴾ ع ١٩

بے شک اللہ قوت والا زبردست ہے۔

(بے شک بھیجا ہم نے اپنے رسولوں) یعنی فرشتوں (کو) انبیاء کی طرف (روشن دلیلوں کے ساتھ)، کھلے ہوئے معجزات اور شرائع واضحہ کے ساتھ۔

اِس مقام پر فرشتوں کے ساتھ معجزات آنے کا مطلب یہ ہے کہ جب معجزہ کا اظہار ہوتا، تو اُس کی خبر نبی علیہ السلام کو ملائکہ کرام کے واسطے سے ہوتی تھی۔۔۔

(اور اُتارا اُن کے ساتھ کتاب) یعنی وحی۔

یہاں ایک اشارہ مل گیا کہ اِس مقام پر 'رسولوں' سے مراد 'فرشتوں' لینا اولیٰ ہے، اس لیے کہ کتاب فرشتوں کے ساتھ آئی اور انبیاء کے اوپر نازل ہوئی اور یہاں **مَعَهُمْ** یعنی اُن کے ساتھ کا لفظ ہے، نہ کہ **عَلَيْهِمْ** یعنی اُن کے اوپر کا لفظ۔ یہ کتاب جو دینی اور دنیوی مصالح کو شامل تھی۔

(اور انصاف کا ترازو) نازل فرمایا۔

ترازو کے انزال سے اُس کے اسباب کا انزال مراد ہے نہ کہ خود ترازو، کیوں کہ یہ تو انسان کی ساخت ہے اُس کا آسمان سے نزول کیسا؟ ویسے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک ترازو آسمان سے جبرائیل علیہ السلام لے آئے اور حضرت نوح علیہ السلام کو دی، اور فرمایا اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ حقوق کو برابر رکھیں اور معاملات میں ایک دوسرے پر زیادتی نہ کریں۔۔۔

(**تا کہ قائم ہو جائیں لوگ انصاف پر**)۔ ایک دوسرے کے درمیان اس کے سبب سے حقوق برابر کرلیں۔ اب ترازو کے نازل کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اُس کے اسباب کو نازل فرما کر اُسے بنانے کا حکم دیا۔ (**اور اتارا ہم نے لوہا**)۔

پہلے عدل کا ذکر کیا پھر لوہا اُتارنے کی بات کی، اس لیے کہ عدل سیاست سے چلتا ہے اور سیاست لشکر کی محتاج ہے، اور لشکر آلاتِ حرب یعنی لوہے کا ضرور تمند ہے۔ اور لوہے کی اصل پانی ہے اور پانی آسمان سے نازل ہوا ہے، اِسی لیے فرمایا **وَاَنْزَلْنَا**۔

معالم میں ہے کہ خدا نے چار بابرکت چیزیں آسمان سے بھیجیں: پانی، آگ، نمک، لوہا۔

(**جس میں سخت حرج بھی ہے**) کیوں کہ اُس سے جنگ کی جاتی ہے۔۔یا۔۔اس میں سخت قوت ہے یعنی لوہا جنگ کا ہتھیار ہے، اس لیے کہ جنگ کے لیے ہتھیار اُسی سے بناتے ہیں، خواہ دفاع کے لیے ہوں جیسے سنان و نیزہ، تلوار اور پیکان اور خنجر وغیرہ۔۔یا۔۔اپنی حفاظت کے آلات جیسے زرہ، خود اور جوشن وغیرہ۔

(**اور**) لوہے میں دوسرے اور (**فائدے بھی ہیں لوگوں کو**)، اس واسطے کہ جنگ وضرب کی سب صناعت کا قیام لوہے کے ساتھ متعلق اور بندھا ہوا ہے، اور کوئی حربہ وہ نہیں جس میں لوہے کا دخل نہ ہو۔ اور خود پورا نفع اس کا یہ ہے کہ کافر مسلمان کے تیر اور تلوار سے ڈرتے ہیں اور مسلمان اکثر شہروں میں کافروں سے بے خوف رہتے ہیں۔

پس حق تعالیٰ نے لوہا اس واسطے بھیجا تا کہ دین کے دشمن ڈریں اور ترازو بھیجی تا کہ تول کے معاملات سچائی کے ساتھ فیصل ہوا کریں۔ اور کتاب اس واسطے نازل فرمائی تا کہ حق اور باطل میں تمیز اور فرق ہو جائے (**اور تا کہ علم کرا دے اللہ**) تعالیٰ اور ظاہر فرما دے (**کہ کون مدد کرتا ہے اُس کے**) دین کی سربلندی کے (**لیے اُس کے رسولوں کی بے دیکھے**)۔

اِس سے مردِ مؤمن مراد ہے، تو کافروں کے ساتھ جہاد کرنے میں ہتھیار استعمال کرنے

کے سبب سے مدد دیتا ہے پیغمبر کو، اُس وقت بھی جب کہ پیغمبر موجود نہ ہوں، اس واسطے کہ منافق لوگ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں آپ کے سامنے بظاہر مددگار نظر آتے تھے مگر آپ کی غیر موجودگی میں یار و ہوادار نہ تھے۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (قوت والا) ہے اور دشمنوں کو ہلاک کرنے پر قادر ہے اور (زبردست ہے) یعنی غالب ہے سب پر حکم کے ساتھ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ

اور بے شک بھیجا ہم نے نوح وابراہیم کو، اور کر دیا ہم نے ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب کو،

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِیْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

تو اُن کے کچھ راہ پائے ہوئے ہیں۔ اور بہتیرے اُن کے نافرمان ہیں●

اِس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم نے اپنے رسولوں کو قوی دلائل کے ساتھ بھیجا اور مخلوق کو ان کی مدد کرنے کا حکم دیا، اور اِس آیت میں اُس اجمال کی تفصیل ارشاد فرمائی ہے۔

(اور) فرمایا کہ (بے شک بھیجا ہم نے نوح وابراہیم کو) یعنی نوح علیہ السلام کو بنی قابیل کی طرف اور ابراہیم علیہ السلام کو نمرودیوں کی طرف۔ (اور کر دیا ہم نے ان دونوں کی نسل میں نبوت اور کتاب کو)۔ اور وحی بھیجی اُن کی طرف وہ کتاب جو اُن کے نامزد تھی، (تو اُن کے کچھ راہ پائے ہوئے ہیں)، یعنی ایمان لائے کتاب اور نبی پر۔ (اور بہتیرے اُن کے نافرمان ہیں) اور باہر نکل جانے والے ہیں راہِ حق سے یعنی رسولوں اور کتابوں پر ایمان نہ لائے۔

ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَى ابْنِ مَرْیَمَ وَاٰتَیْنٰهُ

پھر پیچھے لگا دیا ہم نے اُنہیں کی راہوں پر اپنے اور رسول، اور اُن کے پیچھے بھیجا عیسیٰ ابن مریم کو، اور دی اُنہیں

الْاِنْجِیْلَ ۙ۬ وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ

انجیل۔۔۔ اور کر دیا ہم نے اُن کے دِلوں میں جنھوں نے تابعداری کی اُن کی، مہربانی اور رحمت۔

وَرَهْبَانِیَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَیْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ

اور راہب بننا، یہ اُنہوں نے خود بدعت نکالی تھی، ہم نے نہیں لکھا تھا اُن پر، مگر اللہ کی خوشنودی چاہنے کی نیت سے۔

فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ

پھر نہیں نباہ سکے اُسے جو نباہ کا حق ہے۔تو دیا ہم نے اُنہیں جو مان چکے تھے اُن میں سے،اُن کا ثواب۔

وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور بہتیرے اُن کے نافرمان تھے●

(**پھر پیچھے لگادیا ہم نے انہیں کی راہوں پر اپنے اور رسول**)۔۔الغرض۔۔انبیاءِ بنی اسرائیل ایک کے پیچھے ایک مبعوث ہوتے رہے۔(**اور اُن**) سب (**کے پیچھے بھیجا عیسیٰ ابن مریم کو**) اور اس طرح پورے کردیئے ہم نے انبیاءِ بنی اسرائیل عیسیٰ ابن مریم پر۔

(**اور دی انہیں**) کتاب (**انجیل**۔۔۔**اور کردیا ہم نے اُن کے دلوں میں جنہوں نے تابعداری کی اُن کی مہربانی اور رحمت**) ایک دوسرے پر،یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کرنے والوں کو ہم نے باہم ایک دوسرے پر مشفق ومہربان کردیا۔(**اور راہب بننا، یہ اُنہوں نے خود بدعت نکالی تھی**) جسے (**ہم نے نہیں لکھا تھا**) یعنی فرض نہیں کیا تھا (**اُن پر، مگر اللہ**) تعالیٰ (**کی خوشنودی چاہنے کی نیت سے**) یہ کام انہوں نے ازخود شروع کیا تھا۔

اور وہ اِس طرح پر تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھ جانے کے بعد اُن کی امت میں سے بعض نے احکامِ انجیل سے ہاتھ اٹھایا اور کافر ہوگئے،اور بعضے اُسی دین پر رہے اور لوگوں میں سے نکل کر پہاڑوں پر چلے گئے،اور کھانا، پینا، اچھا کپڑا، نکاح چھوڑ کر بڑی ریاضتیں اور مشقتیں اختیار کیں،اور اُن پر یہ فرض نہ تھا،مگر خدا کی خوشنودی طلب کرنے کے لیے انہوں نے نفس کشی کے لیے رہبانیت اختیار کی۔

(**پھر**) وہ (**نہیں نباہ سکے اُسے جو نباہ کا حق ہے**)۔یعنی بعض لوگوں نے اُسے نبھایا نہیں۔

اور چونکہ تعداد ایسے ہی لوگوں کی زیادہ تھی اس لیے لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ، یعنی اکثریت کے عمل کو کل کی طرف منسوب کردینا عرفِ عام ہے۔اِس قاعدہ کے موافق قرآن نے عام بنی اسرائیل کی طرف یہ منسوب کیا کہ انہوں نے جس رہبانیت کو اپنے اوپر لازم کرلیا تھا اُس کو نبھایا نہیں اور اُس کے شرائط کی رعایت نہیں کی۔۔مزید برآں۔۔تین۳ خداؤں کے قائل ہوکر قرآن اور صاحبِ قرآن کے منکر ہوگئے۔

اُن میں سے بہت تھوڑے آدمیوں نے حضرت مسیح کی اطاعت سے انحراف نہ کر کے

جناب خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی زیارت اور اسلام کی دولت سے سرفراز ہوکر آنحضرت ﷺ کی متابعت سے مشرف ہوئے۔۔۔

(تو دیا ہم نے انہیں جو مان چکے تھے اُن میں سے) یعنی راہبوں میں سے، (ان کا ثواب) اور بے حد بزرگی سے انہیں نوازا۔ (اور بہتیرے اُن کے) یعنی نصاریٰ کے اکثر (نافرمان تھے) اور دائرہ ایمان سے باہر نکلے ہوئے تھے۔

پھر اہلِ کتاب سے ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَءَامِنُوا۟ بِرَسُولِهِۦ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ

اُے ایمان والو! ڈرو اللہ کو اور مان ہی جاؤ اُس کے رسول کو، دے گا تمہیں دو حصے

مِن رَّحْمَتِهِۦ وَيَجْعَل لَّكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِۦ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۚ

اپنی رحمت سے، اور کردے گا تمہارے لیے ایک نور، چلو گے جس میں، اور بخش دے گا تمہیں۔

وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٨﴾

اور اللہ غفور رحیم ہے●

(اُے ایمان والو! ڈرو اللہ) تعالیٰ (کو اور مان ہی جاؤ اُس کے رسول کو)، تو حق تعالیٰ (دے گا تمہیں دو حصے اپنی رحمت سے)۔ ایک حصہ محمد ﷺ پر ایمان لانے کے سبب سے، اور ایک حصہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے سے۔ (اور کردے گا تمہارے لیے ایک نور) کہ صراط پر (چلو گے جس) کی روشنی (میں، اور بخش دے گا تمہیں۔ اور اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے مؤمنین کا، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے ان پر۔

روایت ہے کہ دو حصے رحمت کی امید پر اہلِ کتاب کا ایک گروہ ایمان لایا، اور اُن میں جو ایمان نہ لائے تھے انہوں نے اُن پر حسد کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنے کرم سے اُن کو دو حصے رحمت اور نور اور مغفرت عطا فرماتا ہے۔۔۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ ٱلْكِتَٰبِ أَلَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَىْءٍ مِّن فَضْلِ ٱللَّهِ

تاکہ نہ رہ جائیں اہلِ کتاب بے خبر اس سے، کہ وہ نہیں قدرت رکھتے کچھ بھی اللہ کے فضل پر،

وَاَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اور بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، دے اُسے جسے چاہے۔

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ ع

اور اللہ بڑے فضل والا ہے●

ع ۲۰

(تاکہ نہ رہ جائیں اہلِ کتاب بے خبر اِس سے)، یعنی تاکہ وہ اہلِ کتاب جو آخری نبی پر ایمان نہیں لائے وہ جان لیں، (کہ وہ نہیں قدرت رکھتے کچھ بھی اللہ) تعالیٰ (کے فضل پر)۔ یعنی اُن بزرگیوں میں جو اُن کے ایمان والوں کے واسطے مذکور ہوئیں اُن کے لیے کوئی چیز بھی نہ ہوگی اور انہیں نہ پہنچے گی۔ (اور بے شک فضل) یعنی ثواب اور جزاء کی زیادتی (اللہ) تعالیٰ کی قدرت (کے ہاتھ میں ہے، دے اُسے جسے چاہے۔ اور اللہ) تعالیٰ (بڑے فضل والا ہے)، یعنی اتنی بڑی نعمت والا جو سب خاص و عام کو پہنچی ہوئی ہے۔

ثم الحمد للہ! صاحبِ فضل عظیم ربِّ کریم کے فضل و کرم سے آج بتاریخ ۸ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ۔ مطابق۔ ۲۸ر جولائی ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ [illegible] پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی ہے۔ دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ یا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَیٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَا بُدُوْحٌ [illegible] سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

تشریحِ لغات

-- ﴿ ا ﴾ --

اَبطال: باطل کرنا۔۔غلط قرار دینا۔۔جھوٹا کرنا۔

اِتباع: پیروی۔

اِتمامِ حجت: آخری دلیل۔۔انتہائی کوشش۔

اِثبات (ابطال کی ضد): ثبوت۔۔دلیل۔۔تصدیق۔

اِجابت: قبول کرنا۔۔مقبولیت۔

اجتناب: کنارہ کشی۔۔علیحدگی۔۔پرہیز۔

اِجمال: اختصار کے ساتھ۔۔مختصر۔

اِحتراز: پرہیز۔۔کنارہ کشی۔۔علیحدگی۔

اِحقاق: کسی کا حق قائم یا ثابت کرنا۔۔ثبوت دینا۔

اختصاص: خصوصیت رکھنا۔۔خاص ہونا۔

اَخص: نہایت خصوصیت۔۔خاص الخاص۔۔اعلیٰ۔۔افضل۔

اِدراک: عقل۔۔فہم۔۔رسائی۔

اَرذال: بہت ذلیل۔۔نہایت کمینے۔

اَسباب وعلل: وجوہات۔۔ذرائع۔

اِستحالہ: حالت تبدیل ہوجانا۔۔ایک حالت سے دوسری حالت پر ہوجانا یا کردینا۔

اِستحقاق: سزاوار ہونا۔۔مستحق ہونا۔

اِستدلال: دلیل لانا۔

اِستراحت: آرام چاہنا۔۔راحت طلب کرنا۔

اِستعداد: لیاقت۔۔قابلیت۔۔صلاحیت۔

اِستفسار: دریافت کرنا۔۔پوچھنا۔۔پوچھ گچھ کرنا۔

اِستفہام: دریافت کرنا۔۔پوچھنا۔

اِستکبار: گھمنڈ۔۔غرور۔۔فخر۔۔شیخی۔۔زعم۔

اِستیصال: جڑ سے اکھیڑ دینا۔۔بیخ کنی۔

اَشراف (شریف کی جمع): عالی خاندان وذی عزت لوگ۔

اِضطراب: بےقراری۔۔بےچینی۔۔بےتابی۔۔گھبراہٹ۔

اِعانت: مدد۔۔سہارا۔

اِعتراف: اقرار کرنا۔۔تسلیم کرنا۔۔مان لینا۔

اَعداءِ دین: دین کے دشمن۔۔بدخواہ۔۔مخالف۔

اعراض: منہ پھیرنا۔۔روگردانی کرنا۔

اِکتفاء: کفایت کرنا۔۔کافی سمجھنا۔۔کافی ہونا۔

اَکھوا: بیج سے پھوٹ کر نکلی ہوئی ٹیڑھی نوک جس سے پہلی پتیاں نکلتی ہیں۔

اِلتفات: رغبت۔۔خیال۔۔دھیان۔۔متوجہ ہونا۔

اِنحراف: پھر جانا۔۔برخلاف ہونا۔۔انکار۔۔مخالفت۔۔نافرمانی۔

انقسام: حصہ حصہ ہونا۔۔منقسم ہونا۔

اَنقیاد: فرماں برداری۔

اِہانت: توہین کرنا۔۔ذلیل کرنا۔

اہلِ شقاق: دشمنی رکھنے والوگ۔۔مخالف لوگ۔

ایذارسانی: دُکھ دینا۔۔تکلیف پہنچانا۔

ایمانِ یاس: خوف کے وقت کا ایمان۔۔آخری وقت جب امید ختم ہوگئی زندگی کی تو ایمان لانا۔

-- ﴿ ب ﴾ --

بارآور: پھلنا۔۔پھل لانا۔

باگ: لگام۔۔عنان۔

بالمشافہ: رُوبرو۔۔آمنے سامنے۔

باور: یقین۔۔اعتبار۔

برانگیختہ: اُکسانا۔۔آمادہ کرنا۔

بساط: حوصلہ۔۔ہمت۔۔وُسعت۔۔طاقت قدرت۔

بَسط: فراخی۔۔کشادگی۔

بطلان: تردید۔۔باطل ہونا۔
بعث وحشر: مرنے کے بعد زندہ ہونا اور قیامت۔
بعث: دوبارہ زندہ ہونا۔
بعید: دُور
بقا: باقی رہنا۔
بہ نظرِ استحسان: اچھی نظروں سے دیکھنا۔۔پسندیدہ ہونا۔۔ بھلائی کی نظر سے۔
بے ثباتی: ناپائیداری۔۔کمزوری۔۔متزلزل ہونا۔

-- ﴿ پ ﴾ --

پراگندہ: بکھرا ہوا۔
پوشش: غلاف۔۔اوپر منڈھنے کا کپڑا۔

-- ﴿ ت ﴾ --

تامل: سوچ بچار۔۔فکر۔
تاوان: عوض۔۔ہرجانہ۔۔جرمانہ۔
تائب: توبہ کرنے والا۔۔گناہ کی معافی مانگنے والا۔
تبدیل: تغیر۔۔فرق۔۔بدل۔۔پلٹ۔۔پھیر پھار۔
تجاوز: حد سے آگے بڑھنا یا گزرنا۔
تحکم: زبردستی۔۔زبردستی کی حکومت۔
تخصیص: خصوصیت۔۔حق مخصوص۔
تخفیف: کمی۔۔گھٹاؤ۔۔افاقہ۔۔آرام۔
تدابیر (تدبیر کی جمع): سوچ بچار۔۔کوشش۔۔بندوبست۔
تدارک: درستی۔۔اصلاح۔۔تدبیر۔
تردد: شش وپنج۔۔سوچ۔۔فکر۔
تصرف: قبضہ۔۔اختیار۔۔استعمال۔
تصریح: واضح کرنا۔۔صاف طور سے بیان کرنا۔
تصفیہ: فیصلہ۔۔صلح صفائی۔۔صاف کرنا۔
تطہیر: پاک کرنا۔۔پاس۔۔طہارت۔
تعب: دکھ۔۔محنت ومشقت۔۔تکلیف۔
تعجیل: جلدی کرنا۔۔جلدی۔۔عجلت۔
تعدد: کئی ایک ہونا۔

تعدی: حد سے بڑھ جانا۔۔ظلم وستم۔۔جور وجفا۔۔ناانصافی۔
تعرض: مزاحمت۔۔روک۔۔سامنے آنا۔
تعریض: تعریض اس کو کہتے ہیں کہ صراحتاً ایک شخص کی طرف اسناد کیا جائے اور اشارہ کسی دوسرے کی طرف ہو۔۔ اشارے کنائے سے بات کہنا۔
تغیر: بدلنا۔۔پلٹنا۔۔ایک حالت سے دوسری حالت میں جانا۔
تغییر: حالت بدل دینا۔۔پلٹ دینا۔۔تبدیل کرنا۔
تفاوت: فاصلہ۔۔دُوری۔
تفضیل: ترجیح۔۔فوقیت۔۔فضیلت۔
تفوق: برتری۔۔فوقیت۔۔فضیلت۔۔بڑائی۔
تقریب: قربت۔۔قریب کرنا۔۔نزدیک آنا۔
تکذیب: جھٹلانا۔۔جھوٹ بولنے کا الزام لگانا۔
تمثیل: مثال۔۔تشبیہ دینا۔
تمرد: سرکشی۔۔بغاوت۔۔گستاخی۔۔نافرمانی۔
تمسخر: مسخرہ پن۔۔ہنسی مذاق۔
تمہید: کسی بات کا آغاز۔
تناقض: ایک دوسرے کی ضد یا مخالف ہونا۔
تندی: تیزی۔۔سختی۔
توبیخ: ملامت۔۔جھڑکی۔۔سرزنش۔
توہم: وہم۔۔گمان۔
تہدید: ڈرانا۔۔دھمکانہ۔

-- ﴿ ث ﴾ --

ثبات: مضبوطی۔۔پائیداری۔

-- ﴿ ج ﴾ --

جارحیت: حملے میں پہل۔۔ناجائز چڑھائی۔
جماد: بے جان چیز۔۔پتھر۔۔جس چیز میں بڑھنے کی قوت نہ ہو۔
جنم پتر: وہ کاغذ جس پر بچے کی پیدائش کا وقت دن اور مہینہ لکھا جاتا ہے (اس میں پیدائش کے وقت ستاروں کی حالت کا نقشہ بھی بنواتے ہیں۔ اسی سے بچے کی تقدیر کا زائچہ تیار کیا جاتا ہے تاکہ اُس کی قسمت کا حال معلوم کیا جاسکے۔

جوشن: زرہ۔۔بکتر۔۔جنگ میں چوٹ لگنے سے اپنے کو بچانے کے لیے ایک لباس۔

-- ﴿ چ ﴾ --

چرکا: دھوکا دینا۔۔جُل دینا۔

-- ﴿ ح ﴾ --

حاجب: پردہ۔
حدثوں: گندگی۔۔پلیدی۔۔ناپاکی۔
حرص: لالچ۔۔طمع۔
حشمت: سازوسامانا۔۔فوج۔۔لشکر۔۔جلوس۔۔سواری۔
حصر: گھیرنا۔۔احاطہ کرنا۔۔منحصر کرنا۔
حضرت واھب العطایا: اللہ تعالیٰ، جو ہر چیز کا عطا کرنے والا ہے۔
حظ: حصہ۔۔بخرہ۔۔لطف۔۔مزہ۔
حکم صائب: درست اور ٹھیک حکم۔
حکمت باہرہ: روشن، واضح، صاف صاف حکمت۔
حوادث (حادثہ کی جمع): واردات۔۔واقعہ۔۔صدمہ۔۔سانحہ۔۔ ایکسیڈنٹ۔

-- ﴿ خ ﴾ --

خائب وخاسر: ناکام ونامراد۔
خصومت: عداوت۔۔دشمنی۔۔جھگڑا۔
خفت: خجالت۔۔شرمساری۔۔ندامت۔
خفیف الحرکاتیوں: اوچھی حرکتیں۔۔کم ظرفیاں۔
خواستگار: امیدوار۔۔سائل۔

-- ﴿ د ﴾ --

دارالعمل: عمل کی جگہ، یعنی دُنیا۔
داعیہ: خواہش۔۔مرضی۔
دانا: عقل مند۔۔ہوشیار۔۔دانشمند۔
درماندے: تھکے ہوئے۔۔بے چارے۔۔مصیبت زدہ۔
دغدغہ: تشویش۔۔خدشہ۔۔کھٹکا۔

دقائق (دقیقہ کی جمع): باریکیاں۔۔نکتے۔
دقیقے (دقیقہ کی جمع کے طور پر): باریکیاں۔
دوام: ہیشگی۔۔مداومت۔

-- ﴿ ذ ﴾ --

ذریت: اولاد۔۔نسل۔

-- ﴿ ر ﴾ --

راجع: رجوع کرنے والا۔۔پھرنے والا۔
راستی: سچائی۔۔درستی۔۔ایمان داری۔۔دیانت۔
رتوندھی: شب کوری۔۔آنکھ کی ایک بیماری جس کے سبب رات کو دکھائی نہیں دیتا۔
رکیک: ناچیز۔۔ادنیٰ۔۔گھٹیا۔
روا: جائز۔۔مباح۔۔درست۔۔ٹھیک۔

-- ﴿ ز ﴾ --

زائل: دُور ہونے والا۔۔کم ہونے والا۔
زجر وتوبیخ: ڈانٹ ڈپٹ۔۔لعنت ملامت۔۔جھڑکی دھتکار۔
زندیقوں: وہ اشخاص جو خدا کی وحدانیت کے قائل نہ ہوں۔
زہد وورع: تقویٰ و پرہیزگاری۔

-- ﴿ س ﴾ --

سبقت: کسی سے آگے نکل جانا۔۔پیش قدمی۔۔پہل کرنا۔
سبک: تیز۔
سپر: ڈھال۔۔آڑ۔۔روک۔
سراسیمہ: حیران۔۔پریشان۔۔گھبرایا ہوا۔
سطوت: دبدبہ۔۔رعب۔۔قہر۔
سعید: نیک بخت۔۔خوش قسمت۔۔مبارک۔
سفلیات (علویات کی ضد): پستی کی چیزیں۔۔نیچے کی چیزیں۔۔ زمین کی چیزیں۔
سوکھی: فصل اور ہریالی جو زمین میں تھی۔

-- ﴿ ش ﴾ --

شادکام: بامراد۔۔کامیاب۔۔خوش حال۔
شاذ: عجیب۔۔انوکھا۔۔گڑھا ہوا۔
شرائع واضحہ: دینِ اسلام کے واضح یعنی کھلے قوانین۔
شرائع (شرع کی جمع): دین اسلام کے قوانین۔
شقاوت: بدبختی۔۔بدنصیبی۔۔بدمعاشی۔۔سنگدلی۔
شقی: بدبخت۔
شمہ: تھوڑی سی چیز۔۔قلیل مقدار۔
شوم: منحوس۔

-- ﴿ ص ﴾ --

صادر: جاری ہونے والا۔۔نکلنے والا۔۔نافذ۔
صانع: پیدا کرنے والا۔۔خالق۔۔اللہ تعالیٰ۔
صائب: رَسا۔۔پہنچنے والا۔۔ٹھیک۔۔درست۔
صفات بہیمی: حیوانی صفات۔
صناعت: کاریگری

-- ﴿ ض ﴾ --

ضعف: کمزوری۔

-- ﴿ ظ ﴾ --

ظرف: جگہ۔۔برتن۔۔مکانیت۔

-- ﴿ ع ﴾ --

عار: غیرت۔۔شرم۔۔بُرائی۔۔عیب۔
عاری: خالی۔
عاصی: گناہ گار۔۔خطا کار۔
عبث: بے کار۔
عجب: غرور۔۔تکبر۔۔گھمنڈ۔۔خود بینی۔
عدول: منہ پھیر لینا۔۔انکار۔۔رُوگردانی۔
عقوبت: دکھ۔۔سزا۔۔تکلیف۔
علت: وجہ۔۔سبب۔۔باعث۔
علوہمت: عالی ہمتی۔۔بلند ہمتی۔۔ارادے کی بلندی۔
علویات: فلکی چیزیں۔۔اعلیٰ درجے کی۔۔بلند۔۔
آسمانی بلندی کی چیزیں۔
عناد: دشمنی۔۔نفرت۔

-- ﴿ ف ﴾ --

فتور: خرابی۔۔نقص۔۔فساد۔
فراخ: کشادہ۔۔وافر۔
فروتر: کمتر۔
فروتنی: عاجزی۔۔خاکساری۔

-- ﴿ ق ﴾ --

قبض: قابو۔۔بس۔۔دخل۔
قرین: قریب۔۔نزدیک۔۔ملا ہوا۔
قریہ: گاؤں۔
قصہ و پارینہ: پُرانہ قصہ۔۔پُرانی داستان۔
قضاء و قدر: وہ حکم جو خدائے تعالیٰ نے کائنات کی نسبت روزِ ازل سے لگا دیے ہیں۔۔تقدیرِ الٰہی۔۔خدا کی رضاء۔۔
نصیب۔
قفل: تالا۔

-- ﴿ ک ﴾ --

کاسب: کسب کرنے والا۔۔کام کرنے والا۔
کٹ حجتی: بے جا حجت۔۔فالتو کی بحث۔
کجی: ٹیڑھا پن۔
کفایت: کافی ہونا۔
کنایہ: اشارہ۔۔مبہم بات۔
کنکھیوں: آنکھوں کے کنارے۔۔آنکھ بچا کر۔
کوتاہ فکر: کم فہم۔۔کم عقل۔۔کم سوچنے والا۔
کوتاہ: چھوٹا۔۔کم۔۔تنگ۔۔پست۔
کھانیں: زمین میں جہاں معدنیات ہوتی ہیں۔

کید: مکر۔۔فریب۔۔دھوکا۔۔دغا۔
کیفرِ کردار: کیے کی سزا۔۔بُرے کام کا بدلہ۔

--﴿گ﴾--

گراں بار: ناگوار وزن۔۔تکلیف دہ کام۔۔بھاری۔۔بوجھ سے لدا ہوا۔
گریزگاہ: بچنے کی جگہ۔
گزران: گزارا۔۔بسر اوقات۔
گوشمالی: تنبیہ۔۔تادیب۔۔سزا۔

--﴿ل﴾--

لغو ولہو: بیہودہ۔۔فضول۔۔واہیات۔۔نامعقول۔
لکنت: ہکلاپن۔۔رُک رُک کر بولنے کا مرض۔
لواطت: اغلام۔۔لڑکوں کے ساتھ بدفعلی۔
لہو ولعب: کھیل کود۔۔سیر تماشہ۔۔عیش ونشاط۔۔ہنسی مذاق۔

--﴿م﴾--

مافی الضمیر: مطلب۔۔مقصد۔۔مدعا۔۔غرض۔
ماندے: تھکے ہوئے۔۔عاجز۔
مانع: سدِّراہ۔۔روک۔۔روکنے والا۔
مبادا: ایسا نہ ہو۔۔خدا نہ کرے۔۔خدانخواستہ۔
مبالغہ: کسی کام میں سخت کوشش کرنا۔۔کسی بات کو بڑھا چڑھا کر بولنا یا لکھنا۔۔حد سے زیادہ تعریف و بُرائی کرنا۔
مبدل: بدلا ہوا۔۔پلٹا ہوا۔۔تبدیل شدہ۔۔متغیر۔
مبرا: پاک۔۔بے عیب۔۔صاف۔۔منزہ۔
مبہم: مشکوک۔۔وہ جس کا مطلب صاف نہ ہو۔۔گول مول (بات)۔
متابعت: پیروی۔۔فرمانبرداری۔۔اطاعت۔
متاخرین: بعد کو آنے والے۔۔آخیر زمانے والے۔
متاع: پونجی۔۔اَساسہ۔۔تجارت کا سامان۔
متانت: سنجیدگی۔۔پختگی۔۔خیالات کی آراستگی اور درستگی۔
متبعین (متبع کی جمع): اتباع کرنے والے۔۔پیروی کرنے والے۔

متجاوز: اپنی حد سے بڑھنے والا۔۔تجاوز کرنے والا۔
متردد: تردد کرنے والا۔۔پریشان۔۔پس وپیش۔
متصف: صفت رکھنے والا۔
متصل: پاس۔۔قریب۔۔لگا ہوا۔۔نزدیک۔۔برابر ملنے والا۔
متضاد: برعکس۔۔خلاف۔۔اُلٹا۔
متضمن: داخل کیا ہوا۔۔شامل کیا ہوا۔
متعذر: مشکل۔۔دشوار۔۔محال کے قریب۔
متعرض: روکنے والا۔۔آگے آنے والا۔
متغیر: بدلا ہوا۔۔پلٹا ہوا۔۔تبدیل شدہ۔
متفاوت: فرق کیا گیا۔۔دُور کیا ہوا۔۔ایک دوسرے سے دُور ہونے والا۔
متفرق: جدا جدا۔۔الگ الگ۔۔پراگندہ۔۔منتشر۔
متقدمین (متقدم کی جمع): اگلے زمانے کے۔۔سابقین۔
متقضاہ: چاہا گیا۔۔خواہش کیا گیا۔
متمنی: تمنا کرنے والا۔۔آرزو رکھنے والا۔۔خواہشمند۔
متوکلوں: توکل کرنے والے۔۔بھروسا کرنے والے۔۔صابرین۔
مجتمع: اکٹھا۔۔جمع کیا ہوا۔
محافظت: حفاظت۔۔پاسبانی۔۔رکھوالی۔
محالاتِ خرد: عقلاً ناممکن۔
محامل (محمل کی جمع):
محبوس: اسیر زندانی۔۔مقید۔۔قید میں رکھا گیا۔
محرف: تحریف کیا گیا۔۔مطلب سے پھرا ہوا۔۔بدلا ہوا۔
محل نظر: فکر وتامل کی جگہ۔۔جائے غور۔۔موقع اعتراض۔
محیط: احاطہ کرنے والا۔۔گھیر لینا۔۔حاوی ہونا۔۔غالب ہونا۔۔چھا جانا۔
مذموم: بُرا۔۔خراب۔۔قبیح۔
مراجعت: واپس۔۔واپس ہونا۔۔لوٹنا۔۔رجوع۔
مربوب: جسکی پرورش کی جائے۔۔پرورده۔۔بندہ۔۔مملوک۔
مزخرفات: دنیا کی جھوٹی چیزیں۔۔واہیات باتیں۔
مزین: زینت دیا گیا۔۔سجایا ہوا۔۔آراستہ۔
مژدہ: خوشخبری۔۔بشارت۔

مستعد: آمادہ۔۔تیار۔۔کمربستہ۔
مستفیض: فیض چاہنے والا۔۔فیض کا خواہاں۔
مستلزم: کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا۔
مستور: چھپا ہوا۔۔پوشیدہ۔۔مخفی۔
مسرف: فضول خرچ۔
معاند: عناد رکھنے والا۔۔دشمن۔۔مخالف۔
مشاجرات: لڑائی۔۔جھگڑے۔
مشفق: شفقت کرنے والا۔۔مہربان۔۔شفیق۔
مصاحب: ساتھی۔۔ہم نشین۔۔ہم صحبت۔
مصالح (مصلحت کی جمع): نیک صلاح۔۔اچھا مشورہ۔۔مناسب تجویز۔۔حکمت۔۔پالیسی۔
مصائب: مصیبت کی جمع
مصر: اصرار کرنے والا۔۔کسی چیز پر اڑ جانے والا۔
مضاعف: دُگنا۔۔دُونا۔۔دوچند۔
مضطرب: بے چین۔۔بے قرار۔
مطیب: خوشبو میں بسا ہوا۔۔معطر۔
مطیعین (مطیع کی جمع): اطاعت کرنے والے۔۔فرمانبردار۔
معاد: لوٹ کر جانے کی جگہ۔۔واپس جانے کا مقام۔۔عقبیٰ۔۔آخرت۔۔قیامت۔۔حشر۔
معاندین (معاند کی جمع): دشمن۔۔مخالف۔۔عناد رکھنے والے۔
معاودت: واپسی۔۔واپس آنا۔۔لوٹنا۔۔پھر آنا۔
معتقدات: وہ امور جن پر ایمان لایا گیا ہو۔
معدودات:
معدوم: نابود۔۔ناپید۔۔وجود میں نہ ہونا۔
معذبین: سزا دیے گئے اور عذاب دینے گئے لوگ۔
معرا: پاک۔۔صاف۔
معصیت: گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔نافرمانی۔۔انحراف۔
معیت: ساتھ۔۔ہمراہ ہونا۔
مغلوب: دبا ہوا۔۔عاجز۔۔زیر۔۔شکست خوردہ۔
مفضول: فضیلت دیا گیا شخص۔۔فضیلت دی گئی چیز۔
مقتضی: تقاضہ کرنے والا۔
مقدرات (مقدر کی جمع): قسمت کا لکھا۔۔تقدیر۔

مقدرت: بساط۔۔حیثیت۔
مقدم: آگے کیا گیا۔۔پہلا۔
مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہوا۔
مکافات: عوض۔۔بدلہ پاداش۔۔سزا۔
مکذبوں: جھوٹے۔
مکرر: دوبارہ۔۔پھر سے۔۔دوسری دفع۔
مکلف: تکلیف دیا گیا۔۔عاقل۔۔بالغ۔
مکلفین: مکلف کی جمع۔
ملمع کاری: سونا چاندی چڑھانا۔۔یعنی کسی چیز پر سونے چاندی کا پانی چڑھانا تا کہ وہ چمکدار سونے چاندی کی طرح لگے۔
ملول: اداس۔۔رنجیدہ۔۔غمگین۔
ملیح: نمکین۔۔سلونا۔۔سانولا۔
ممد: مدد کرنے والا۔۔مددگار۔۔معاون۔۔ساتھی۔
ممیز: تمیز کیا گیا۔۔پہچانا گیا۔
منادی: پکارنے والا۔۔اعلان کرنے والا۔
منتشر: پھیلا دینا۔۔پھیلا ہوا۔۔بکھرا ہونا۔
منتہی: نتیجہ۔۔انجام۔
مندرس: مٹا ہوا۔۔کاٹا ہوا۔۔گھسا ہوا۔
مندفع: دفع ہونے والا۔۔دُور ہونے والا۔
منزہ: عیبوں سے بَری۔۔پاک۔۔مبرا۔
منفصل: جدا کیا گیا۔۔علیحدہ کیا گیا۔
منفعتوں (منفعت کی جمع): نفع۔۔فائدہ۔
منہیات (منہی کی جمع): منع کی گئی۔۔ممانعت کی گئی۔
مواخذہ: جواب طلبی۔۔گرفت۔۔باز پرس۔
موزوں: گڑھا ہوا۔
موضع: گاؤں۔
موقوف: انحصار کیا گیا۔
مہتمم: اہتمام کرنے والا۔۔منتظم۔۔سربراہِ کار۔

-- ﴿ ن ﴾ --

ناکس: شخص۔۔آدمی۔
ندا: آواز۔۔صدا۔۔پکار۔

نذارت: ڈرانا۔۔خوف دلانا۔
نزاعی: جس میں جھگڑا۔۔فساد اور اختلاف ہو۔
نزھت: خوشی۔۔انبساط۔۔فرحت۔
نفخۂ اولی: قیامت میں جو صور پہلے پھونکی جائے گی۔
نقیض: اُلٹا۔۔برعکس۔۔ضد۔

-- ﴿ و ﴾ --

واثق: مضبوط۔۔پکا۔۔پختہ۔
وجہ تسمیہ: نام رکھنے کی وجہ۔
وعید: سزا دینے کی دھمکی۔۔سزا دینے کا وعدہ۔
وقوف: علم۔۔آگاہی۔۔فہم۔۔سمجھ۔

-- ﴿ ہ ﴾ --

ہکلی: رُک رُک کے بات کرنے والی۔۔لکنت والی۔
ہَوا وہَوَس: حرص ولالچ۔۔عیاشی۔۔شہوت پرستی۔
ہَول: خوف۔۔اندیشہ۔۔گھبراہٹ۔

-- ﴿ ی/ے ﴾ --

یاس وقنوط: ناامید و مایوسی۔
یاوری: مدد۔۔دستگیری۔۔حمایت۔۔سہارا۔۔اعانت۔
یکتائی: یکتائی۔۔ندرت۔

ہماری دوسری مطبوعات:

اردو ترجمہ قرآن بنام 'معارف القرآن'

مترجم: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

قرآن کریم کا اردو زبان میں نہایت ہی آسان، سلیس اور انوکھا ترجمہ جسکا مطالعہ کرنے سے قرآنِ کریم کا مفہوم دل و دماغ میں اترتا چلا جاتا ہے۔ مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت الشاہ احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ نے اس ترجمہ کا شروع کا حصہ دیکھ کر فرمایا،

'شہزادے، آپ اردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔۔۔'

'مسئلہ قیام وسلام اور محفل میلاد' ﴿۶۴ صفحات﴾

تالیف: مخدوم الملۃ علامہ سید محمد اشرفی جیلانی المعروف بہ حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

'الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی ﷺ' ﴿۲۰۷ صفحات﴾

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'محبت رسول ﷺ روح ایمان' ﴿۹۵ صفحات﴾

('حدیث محبت' کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

'تعلیم دین وتصدیق جرائیل امین' ﴿۱۱۰ صفحات﴾

('حدیث جرائیل' کی فاضلانہ تشریح)

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’مقالاتِ شیخ الاسلام‘ ﴿۱۴۰ صفحات﴾

تصنیف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ‘ ﴿۳۲ صفحات﴾
’حدیث نیت‘ کی محققانہ تشریح‘

شارح: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’نظریہء ختم نبوت اور تحذیر الناس‘ ﴿۴۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’فریضہء دعوت وتبلیغ‘ ﴿۳۶ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

’دین کامل‘ ﴿۳۲ صفحات﴾

مصنف: حضور شیخ الاسلام والمسلمین، حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی، جیلانی مدظلہ العالی

مزید براں ادارے کے اشاعتی پروگرام میں مندرجہ ذیل کتابیں شامل ہیں۔

☆۔۔۔معارف القرآن کا گجراتی اور ہندی میں علیحدہ علیحدہ ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔معارف القرآن کا تفصیلی تقابلی جائزہ۔۔۔☆

☆۔۔۔مضامین معارف القرآن۔۔۔☆

☆۔۔۔تفسیر اشرفی کا گجراتی میں ترجمہ۔۔۔☆

☆۔۔۔حضور محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ کی دیگر تصنیفات۔۔۔☆

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب

'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد نہم﴾

کی طباعت کے وقت اس کے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔۔علاوہ ازیں ۔۔۔۔کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری

ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر

(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیر اشرفی

شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

سید التفاسیر

المعروف بہ

تفسیرِ اشرفی

جلد دہم

قد سمع اللہ ۲۸ — تبٰرک الذی ۲۹ — عمّ ۳۰

شیخ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

نام کتاب: 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد دہم﴾

مفسر: شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

کورڈیزائن و کمپیوٹرائزڈ کتابت: منصور احمد اشرفی ﴿نیویارک، یو ایس اے﴾

اشاعت اول: پاکستان، ذوالحجہ ۱۴۳۳ھ بمطابق اکتوبر ۲۰۱۲ء

ناشر: محمد حفیظ البرکات شاہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور فون: 37221953 فیکس:۔ 042-37238010
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون: 37247350 فیکس: 042-37225085
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی فون: 021-32212011 فیکس: 021-32210212

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید محمد مدنی اشرفی جیلانی

اجازت نامہ طباعت واشاعت برائے اردو تفسیر قرآن، بنام سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی (کامل)

[illegible]

نمبر شمار	مضامین	صفحہ

حسبِ معمول ایک دلچسپ نوٹ: تفسیرِ اشرفی کی اِس جلد دہم کے متنِ تفسیر میں ۹،۷۳،۵۴۹ (نو لاکھ تہتر ہزار پانچ سو انچاس) حروف ۔۔۔۱،۰۷،۵۱۰ (ایک لاکھ سات ہزار پانچ سو دس) الفاظ ۔۔۔۸،۹۶۱ (آٹھ ہزار نو سو اکسٹھ) سطریں۔۔۔اور ۴،۳۳۷ (چار ہزار تین سو سینتیس) پیراگراف شامل ہیں۔۔۔

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ۔۔۔اَمَّا بَعْدُ

عرض ناشر

رب تبارک وتعالیٰ کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے کہ اُس نے تمام دُعا گو حضرات جن میں بزرگانِ دین، علماء ومشائخ اور مریدین ومعتقدین شامل ہیں، کی دُعاؤں کو اور خود مفسرِ محترم کی اُن دُعاؤں کو جو وہ ہر پارے اور تقریباً ہر سورت کی تفسیر کی ابتداء وتکمیل پر رب تعالیٰ سے کرتے رہے، قبولیت کا درجہ عطا فرماتے ہوئے شیخ الاسلام والمسلمین علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی کو قرآنِ کریم کی تفسیر کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سعادت مرحمت فرمائی۔

اِس تفسیرِ قرآن کی ابتداء آپ کے والدِ ماجد حضور محدثِ اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی قدس سرہ نے ۱۹۴۶ء میں ترجمۂ قرآن بنام معارف القرآن مکمل کر لینے کے بعد اور اپنے وصال ۱۹۶۱ء کے درمیان کسی وقت میں فرمائی تھی۔ آپ نے تفسیر کے تقریباً ۳ پارے مکمل کیے مگر صرف اُن میں سے ایک پہلا پارہ ہی دستیاب ہو سکا، لہٰذا حضور شیخ الاسلام نے پیرانہ سالی کے باوجود اِس عظیم کام کا بیڑا اُٹھاتے ہوئے تقریباً چھ سے سات سال میں 'پارہ سیقول' سے 'پارہ عمّ' تک ۲۹ پاروں کی تفسیر کو اپنے والدِ بزرگوار قدس سرہ ہی کے اندازِ تفسیر میں قلمبند فرما کر امتِ مسلمہ پر احسانِ عظیم فرمایا۔ اور نام پسند فرمایا سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی، جس سے عالمِ اسلام میں اہلسنّت کی طرف سے اردو زبان میں ایک آسان اور مختصر تفسیر کا اضافہ ہوا۔ یہ موقع تفسیرِ اشرفی کے محاسن کے بیان کرنے کا نہیں جس کے لیے ایک دفتر درکار ہے، بلکہ صرف اظہارِ تشکر کا ہے۔

مفسرِ محترم کے طفیل گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، یو ایس اے) کے تمام خادمان وکارکنان بھی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں شکرگزار ہیں کہ اُنہیں کسی نہ کسی انداز میں اِس تفسیر کے ذریعے کلامِ الٰہی کی کچھ خدمت کرنے کا موقع میسر آیا۔ چند سالوں کے مختصر سے عرصے میں تفسیرِ اشرفی کا قلمبند ہونے کے ساتھ ساتھ ۳،۳ پارے فی جلد کر کے شائع ہوتے رہنا اور تکمیل سے پہلے ہی مقبولیتِ عامہ پالینا تائیدِ الٰہی وتوفیقِ الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ انڈیا میں، احمد آباد اور کچھوچھہ شریف کے حضرت کے قیام کے دوران اِس کا لکھا جاتا رہنا، امریکہ میں کمپوزنگ وتزئین کاری، انگلینڈ میں کمپوزنگ کی نظرِ ثانی اور

پھر کرجن، گجرات سے ہوتے ہوئے انڈیا میں۔۔ مزید برآں۔۔ پاکستان میں شائع ہوتے رہنا، یقیناً فیضِ محدثِ اعظم وشیخ الاسلام کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔ ہم شیخ الاسلام کے شکرگزار ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت سے دُعا گو ہیں کہ وہ مفسرِ محترم حضور شیخ الاسلام والمسلمین کی عمر وصحت میں برکت عطا فرمائے، اِس تفسیری خدمت کو اُن کے لیے دونوں جہان میں درجات کی بلندیوں کا ذریعہ بنائے اور مسلمانانِ عالم کو اِس تفسیر سے زیادہ زیادہ مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

ادارہ دِل کی گہرائیوں سے بہ ترتیب کاردگی، اپنے تمام کارکنان ومعاونین اور خاص طور پر میں اپنے صاحبزادے جناب منصور احمد اشرفی (نیویارک، امریکہ) کا، جنہوں نے اَن تھک محنت سے متن کی کمپوزنگ وتزئین انجام دی؛ جناب علامہ محمد فخر الدین علوی اشرفی (امریکہ) کا، جنہوں نے مختلف معاملات میں رہنمائی فرمائی؛ جناب علامہ مفتی محمد ایوب صاحب اشرفی سنبھلی (بولٹن، انگلینڈ) کا، جنہوں نے نظرِ عمیق سے متنِ تفسیر کی نظرِ ثانی انجام دی؛ انڈیا کے تعلق سے جناب سید شوکت علی صاحب اشرفی (کرجن، گجرات) وجناب مولانا عبد الرزاق اشرفی (بھروچ، گجرات) وجناب مولانا ساجد صاحب اشرفی (پادرا، گجرات) وجناب خالد اشرفی (موزنبیق) کا، جن کی دن رات کی محنت سے انڈیا میں تفسیرِ اشرفی کی ہر جلد خوبصورت انداز میں نہ صرف طبع ہو کر سامنے آتی رہی بلکہ اُن کی ترسیل میں بھی انہوں نے اور اُن کے دوسرے معاونین نے اپنے دن رات ایک کردیئے؛ جناب غلام رازق صاحب (احمد آباد، انڈیا) کا، جنہوں نے اردو املا کی نظرِ ثانی میں مدد دی۔ اور ساتھ میں سرور اشرفی (احمد آباد، انڈیا) کا شکر گزار ہے اور دُعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

پاکستان سے، خاص طور پر پہلی اور دوسری جلد کی اشاعت وطباعت کے لیے جناب سید ریاض علی اشرفی صاحب، جناب مسرور علی قریشی صاحب، جناب سلیم الدین صاحب، جناب عبد القادر صاحب، جناب عزیز علی صاحب کے بھی ہم ممنون ومشکور ہیں کہ ابتدائی کام اُن ہی سب کے تعاون سے انجام پایا۔

ترسیل وتقسیم، رابطے اور اسپانسرشپ وغیرہ کے لیے انگلینڈ میں محدثِ اعظم مشن کی تمام شاخوں کے ممبران، خاص طور پر جناب شبیر احمد پٹیل وشریف احمد پٹیل (بولٹن، انگلینڈ)، جناب افروز اشرفی، اقبال احمد آبادی اشرفی وامتیاز امین ودوسرے مقتدر احباب واصحاب (ڈیوزبری، انگلینڈ) کہ جن کی ہر قسم کی سپورٹ سے انڈیا میں شیخ الاسلام ٹرسٹ کے تحت کام آسان ہوا۔ ہم اُن سب کے مشکور ہیں۔

۔۔علاوہ ازیں۔۔ جناب علامہ سید محمد قاسم میاں اشرفی صاحب (لکھنؤ) کے، جناب سید محمد احمد میاں اشرفی صاحب (لکھنؤ) کے، اور نائب سجادہ آستانۂ عالیہ حضور محدث اعظم ہند قدس سرہٗ جناب

علامہ سید محمد حسن عسکری میاں (لکھنؤ، انڈیا) کے ہم تہہ دِل سے ممنون و مشکور ہیں۔ مولانا سیف خالد اشرفی صاحب (بھاگلپور، انڈیا)، جناب علامہ سید احسن اشرف اشرفی جیلانی صاحب (بلیک برن، انگلینڈ)، جناب سید محمد عربی میاں اشرفی صاحب (لکھنؤ) سمیت ادارہ تمامی مذکورہ وغیر مذکورہ صاحبانِ علم وفن و خادمانِ مذہب و مسلک اور جن بزرگوں نے ہمیں صرف اپنی دُعاؤں ہی میں شامل رکھا اُن سب کے بھی شکر گزار ہیں۔ اللہ رب العزۃ سے دُعا ہے کہ وہ سب کو جزائے خیر کے ساتھ ساتھ دونوں جہانوں کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار فرمائے۔

۔۔نیز۔۔گلوبل اسلامک مشن (نیویارک، یو ایس اے) کو اِس تفسیر کو عام کرنے اور دین و مسلک کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیقِ رفیق مرحمت فرمائے۔

آمِین یَامُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِ طٰهٰ وَ یٰسٓ، بِحَقِ نٓ وصٓ، بِحَقِ یَابُدُّوحُ
وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرسَلِینَ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

۷ر جمادی الاول ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۹ر مارچ ۲۰۱۳ء

چیئرمین
گلوبل اسلامک مشن، انک
نیویارک، یو ایس اے

ناچیز
محمد مسعود احمد
سہروردی، اشرفی

نوٹ: اِس بات کو پھر یاد دلا دیا جائے کہ تفسیر کے متن میں جو الفاظ قوسین میں ہیں اور گاڑھی سیاہی سے واضح کیے گئے ہیں وہ کلام پاک کی آیتوں کے ترجمے کے ہیں جن کو تفسیر میں اس طرح پرو دیا گیا ہے کہ تفسیر بامحاورہ بھی بن جائے اور کلام الٰہی کا ترجمہ بھی انہیں میں شامل ہو جائے اور پڑھنے والے کو کوئی رکاوٹ بھی محسوس نہ ہو۔ یہ اِس تفسیر کی انفرادیت بھی ہے اور انوکھا انداز بھی۔ قارئین کو یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ ہر جلد کے آخر میں اُن کی آسانی کے لیے 'تشریحِ لغات' کے عنوان سے مشکل الفاظ کے معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔ ہماری طرف سے ہر ممکنہ کوشش کر لی گئی ہے کہ یہ کتاب اغلاط سے زیادہ زیادہ پاک ہو سکے، اِس کے باوجود اگر کوئی غلطی سامنے آئے تو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ طباعت میں اُس کی تصحیح کر لی جائے۔۔۔شکریہ۔

اطلاعِ عام: قارئین کو مطلع کیا جاتا ہے کہ بہ اجازتِ مفسرِ محترم اب سے ضیاء القرآن پبلی کیشنز پاکستان میں اِس تفسیر کو شائع کرنے کی مجاز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کی یہ خدمت ان کے لیے مبارک کرے۔

۲۸

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ

باسمہٖ تعالیٰ وبعونہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ

۹؍رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۳۰؍جولائی ۲۰۱۲ء، بروز دو

سورۂ مجادلہ اور ۲۸ ویں پارہ کی تفسیر شروع کردی ہے۔دُعا گو ہوں کہ مولیٰ

اپنے فضل وکرم سے اِس کی اور پورے باقی قرآنِ کریم کی تفسیر کی تکمیل کی

سعادت مرحمت فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

آمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِ طٰهٰ وَ یٰسٓ، بِحَقِ نٓ وصٓ

بِحَقِ یَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ

سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحابہٖ وسلم

سُوْرَةُ الْمُجَادَلَة

سورۃ المجادلہ۔۔۵۸ مدنیہ ۱۰۵ — آیاتہا ۲۲۔۔رکوعاتہا ۳

اِس سورت کا نام 'المجادلہ' ہے، جس کا معنی ہے 'بحث اور تکرار کرنے والی عورت'، اور یہ نام اِس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ سورہ 'سورہ المنافقین' کے بعد اور 'سورہ التحریم' سے پہلے نازل ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ سورۂ مبارکہ 'سورۂ احزاب' کے بعد نازل فرمائی گئی۔ 'سورۂ احزاب' کی آیت ۴ میں حق تعالیٰ نے جو اجمالی حکم دیا ہے اُس کی تفصیل سورۂ مجادلہ میں بیان فرمائی ہے۔ روایت ہے کہ ایک دن اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ خولہ بنت ثعلبہ کے ساتھ صحبت کی رغبت کی، خولہ نے روکا، اُوس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: اَنْتِ عَلَیَّ کَظَھْرِ اُمِّی یعنی 'تُو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت'۔ اور اِسے 'ظہار' کہتے ہیں۔ جاہلیت میں 'ظہار' طلاق تھی۔

خولہ جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اِس باب میں دادخواہی کی۔ حضرت نے فرمایا تُو اُس پر حرام ہوگئی۔ خولہ لڑکوں کی کثرت اور کم سنی اور قدیم انیس کی مفارقت کے سبب سے نہایت غمگین ہوئیں۔ خولہ نے عرض کی، یارسول اللہ! اُس نے مجھ کو طلاق نہیں دی۔ اِس پر رسولِ کریم نے فرمایا کہ میرا گمان یہی ہے کہ تُو اُس پر حرام ہوگئی۔ دوبارہ رسول اللہ ﷺ سے وہی سوال کیا اور وہی جواب پایا۔ پھر روئے نیاز آسمان کی طرف کرکے دُعا کی کہ اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَشْکُوْ اِلَیْكَ۔ اَے اللہ! میں تجھ سے شکایت کرتی ہوں۔ پس فوراً یہ آیت نازل ہوئی۔ تو اِس کلام بلاغت نظام اور چارہ سازِ بے چارگاں کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖ

بے شک سن لی اللہ نے بات اُس کی جو بحث کرتی ہے تم سے اپنے شوہر کے بارے میں، اور فریاد کرتی ہے اللہ سے،

(الجزء ۲۸)

وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ①

اور اللہ سن رہا ہے تم دونوں کی بات چیت۔ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے●

(بے شک سن لی اللہ) تعالیٰ (نے بات اُس کی جو بحث) وتکرار (کرتی ہے تم سے اپنے شوہر کے بارے میں، اور فریاد کرتی ہے اللہ) تعالیٰ (سے)، اور بارگاہِ خداوندی میں اپنی شکایت پیش کرتی ہے، (اور) حال یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (سن رہا ہے تم دونوں کی بات چیت)۔ یعنی اَے ہمارے حبیب! تم کہتے تھے کہ تُو اُس پر حرام ہوگئی، وہ کہتی تھی کہ اُس نے مجھ کو طلاق نہیں دی۔ (بے شک اللہ تعالیٰ (سننے والا) ہے لوگوں کے اقوال اور (دیکھنے والا ہے) اُن کے احوال۔ یعنی یہ کلمہ کہنے سے کسی کی زوجہ اُس کی ماں نہیں ہو جاتی۔۔تو۔۔

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ

جو لوگ اپنی زوجہ کو ماں کی جگہ بنائیں تم میں سے، تو وہ اُن کی ماں نہیں ہیں۔ اُن کی ماں وہی ہیں

اِلَّا الّٰٓـِٔىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ

جنہوں نے جنا ہے اُنہیں۔ اور بے شک یہ لوگ یقیناً کہتے ہیں ناگوار بات اور جھوٹ۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②

اور بے شک اللہ یقیناً معافی دینے والا مغفرت فرمانے والا ہے●

(جو لوگ اپنی زوجہ کو ماں کی جگہ بنائیں تم میں سے)، یعنی تم مردوں میں سے جو 'ظہار' کرتے ہیں اپنی عورتوں سے اور کہتے ہیں کہ تیری پشت مجھ پر میری ماں کی پشت کے مثل ہے، (تو وہ اُن کی ماں نہیں ہیں)، بلکہ (اُن کی ماں وہی ہیں جنہوں نے جنا ہے انہیں)۔ اور رسولِ کریم کی ازواجِ مطہرات اور دودھ پلانے والیاں ماں کے حکم میں ہیں۔ (اور بے شک یہ لوگ یقیناً کہتے ہیں ناگوار بات) یعنی بے جانی بوجھی بات (اور جھوٹ) بات، کیونکہ ہرگز جورو ماں نہیں ہوتی۔ (اور بے شک اللہ) تعالیٰ (یقیناً معافی دینے والا) ہے، یعنی معاف فرمانے والا ہے اُن کے گناہ جو اِس قول سے توبہ کرتے ہیں۔ اور (مغفرت فرمانے والا ہے) یعنی اُن پر کفارے واجب کر کے اُن کو بخشنے والا ہے۔

'ظہار' کو زمانۂ جاہلیت میں سب سے شدید طلاق قرار دیا جاتا تھا، کیوں کہ اُس میں بیوی کی پشت کو ماں کی پشت سے تشبیہ دی جاتی تھی، اور عربوں میں نکاح وطلاق کے جو احکام تھے

وہ اسلام میں اُس وقت تک معتبر رہتے تھے جب تک اسلام میں اُن احکام کو منسوخ نہیں کر دیا جاتا۔ اور اسلام میں 'ظہار' کا یہ پہلا واقعہ تھا، اِس واسطے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے عرف کے موافق ابتداءً اُس کو برقرار رکھا، پھر جب حضرت خولہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اِس مسئلہ سے دوچار ہوئیں اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اِس میں بہت بحث اور تکرار کی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی، تو اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کی اُس رسم کو منسوخ فرما دیا اور 'ظہار' کی مذمت میں زیرِ تفسیر سورہ کی آیت ۲ نازل ہوئی۔

اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے "کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسی میری ماں کی پشت ہے،" اِس کو فقہ کی اصطلاح میں 'ظہار' کہتے ہیں۔ 'ظہار' کی تعریف یہ ہے کہ بیوی۔۔یا۔۔اُس کے کسی عضو کو اپنی ماں۔۔یا۔۔کسی اور محرم کی پشت ۔۔یا۔۔کسی اور عضو سے تشبیہ دینا، اُس کا حکم یہ ہے کہ اُس پر بیوی سے 'جماع' اور 'بوس و کنار' وغیرہ حرام ہو جاتا ہے جب تک وہ 'کفارۂ ظہار' نہ ادا کرے۔

اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کا پیٹ۔۔یا۔۔اُس کی ران ہے، تو یہ بھی 'ظہار' ہے۔ اور اگر اُس نے ماں کے علاوہ اپنی بہن۔۔یا۔۔اپنی پھوپھی ۔۔یا۔۔رضاعی ماں۔۔یا۔۔کسی اور محرم کی پشت سے اپنی بیوی کو تشبیہ دی، تو یہ بھی 'ظہار' ہے۔ اور اگر اُس نے اپنی بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں سے تشبیہ دی۔۔مثلاً: اپنی بیوی سے کہا کہ تمہارا سر میری ماں کی پشت کی طرح ہے۔۔یا۔۔تمہاری شرمگاہ۔۔یا۔۔تمہارا چہرہ۔۔یا۔۔ تمہاری گردن یا تمہارا نصف۔۔یا۔۔تمہارا ثلث میری ماں کی طرح ہے تو یہ بھی 'ظہار' ہے۔

اور اگر اُس نے کہا کہ تم میری ماں کی مثل ہو، تو اِس کا حکم اُس کی نیت پر موقوف ہے۔ اگر اُس کی نیت یہ تھی کہ تم میری ماں کی طرح معزز ہو، تو طلاق۔۔یا۔۔ظہار کچھ بھی نہیں۔ اور اگر اُس نے کہا کہ میری نیت 'ظہار' کی تھی تو یہ 'ظہار' ہے۔ اور اگر اُس نے کہا میری نیت طلاق کی تھی، تو اِس سے 'طلاقِ بائن' واقع ہو جائے گا۔ جب کوئی شخص 'ظہار' کر کے رجوع کرنا چاہے، تو پھر اُس کا کیا طریقہ ہے؟ اِس کے بعد کی آیات میں اُس کی وضاحت فرمائی ہے۔۔۔

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ

اور جو بیوی کو ماں کی جگہ بتائیں اپنی عورتوں میں، پھر لوٹیں اُسی طرف جس کے لیے ایسی بولی بول چکے، تو اُن پر ایک غلام کو آزاد کرنا ہے

مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ③

قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ یہ ہے جس کی نصیحت کی جاتی ہے تمہیں۔ اور اللہ جو کچھ کرو خبر دار ہے●

(اور) ارشاد فرمایا ہے کہ (جو بیوی کو ماں کی جگہ بنائیں اپنی عورتوں میں، پھر لوٹیں اُسی) عملِ زوجیت کی (طرف جس کے لیے ایسی بولی بول چکے)۔۔۔

یعنی جو انہوں نے کہا ہے اُسے توڑنے کے واسطے اُس سے 'وطی' کا قصد کریں، مسلکِ امامِ اعظم پر۔۔یا۔۔روک رکھیں اپنی عورت کو جورو پنے پر 'ظہار' کے بعد، اگرچہ ایک لحظہ بھی ہو، باوجود امکانِ طلاق کے، امام شافعی کے مسلک پر۔۔یا۔۔وطی کرے امام مالک کے مسلک پر، کیونکہ اُن کے نزدیک 'عود' وطی ہی کے سبب سے ہوتا ہے۔ بہر تقدیر کفارہ دینا چاہیے۔۔۔

(تو اُن پر ایک غلام کو آزاد کرنا ہے) یعنی ایک بندہ جو مؤمن ہو۔۔یا۔۔ذمی چھوٹا ہو۔۔یا۔۔بڑا۔۔۔امامِ اعظم کے قول پر، اور امام شافعی کہتے ہیں کہ بندہ مؤمن آزاد کرنا چاہیے۔۔۔(قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں) اور باہم فائدہ اٹھائیں۔

اور بعضے اِس بات پر ہیں کہ مَسّ جماع سے کنایہ ہے۔

اور جس عورت سے 'ظہار' کیا گیا ہو اُس سے 'جماع' حرام ہے کفارہ دینے کے قبل۔ (یہ ہے جس کی نصیحت کی جاتی ہے تمہیں) یعنی یہ حکم کفارہ کا جس کے تم مامور ہوئے تمہارے لیے نصیحت ہے، تاکہ ایسے الفاظ کہنے سے باز رہو۔ (اور اللہ) تعالیٰ (جو کچھ کرو) اُس سے (خبر دار ہے)۔ اُس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔

فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ

تو جس نے نہ پایا، تو روزے ہیں دو مہینے کے لگا تار قبل اس کے کہ باہم ہاتھ لگائیں۔ تو جسے

لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ

اس کی بھی سکت نہیں، تو پورا کھانا کھلانا ہے ساٹھ مسکینوں کو۔ یہ اس لیے کہ مانتے رہو اللہ اور اُس کے رسول کو۔

وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ④

اور یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں۔ اور منکروں کے لیے دکھ والا عذاب ہے●

(تو جس نے نہ پایا) بندہ۔۔یا۔۔بندہ کا مالک ہو مگر اُس سے خدمت لینے کا محتاج ہو۔۔یا۔۔

اُس کے پاس بندہ کی قیمت ہے مگر خرچ کی احتیاج رکھتا ہے، (تو) اُس کے لیے اُس کی جگہ (روزے ہیں دو مہینے کے لگاتار) یعنی پے در پے کہ اُس کے درمیان افطار نہ کرے، اور اگر افطار کرے گا تو پھر نئے سرے سے روزے رکھے۔ اگر دو ماہ کے درمیان ایک۔۔یا۔۔اُس سے زائد دن ناغہ ہوا، عذر سے یا بلا عذر، تو نئے سرے سے روزہ شروع کرنا ہوگا۔ اور پہلے جو روزے رکھے وہ اِس شمار میں نہیں ہوں گے۔ تو روزے لگاتار رکھے (قبل اِس کے کہ باہم ہاتھ لگائیں) اور ایک دوسرے پر پہنچیں مباشرت کے ساتھ۔

(تو جسے اِس کی بھی سکت نہیں) کمالِ ضعف و ناتوانی کے سبب۔۔یا۔۔اُسے دائمی مرض لاحق ہے، یعنی ایسی بیماری کہ تا دمِ زیست اُس سے صحت کی امید نہیں، تو یہ بمنزلہ اُس عاجز کے ہے جسے بڑھاپا ہے۔ اگر اُس سے صحت کی امید ہے لیکن 'وطی' کی ضرورت شدت سے ہے، تو بھی صحت کا انتظار کرے یہاں تک کہ روزے رکھنے کی قدرت پائے۔ یہی مذہب مختار ہے۔ اگر ایسا شخص بلا انتظار، طعام کھلا کر کفارہ ادا کردے تو بھی جائز ہے۔

۔۔الختصر۔۔ مسلسل لگاتار دو مہینے روزے نہ رکھ سکے (تو) کفارہ کی ادائیگی کے لیے (پورا کھانا کھلانا ہے ساٹھ مسکینوں کو)۔ خواہ ساٹھ۶۰ مسکینوں کو ایک ساتھ کھلائے۔۔یا۔۔ایک مسکین کو ساٹھ۶۰ دن کھلاتا رہے۔۔لیکن۔۔ایک مسکین کو یکبارگی ساٹھ۶۰ مساکین کا کھانا دے دینا ناجائز ہے۔

(یہ) ظہار کا بیان اور احکام کی وضاحت (اس لیے) ہے (کہ مانتے رہو اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کو) اور اُن کے اوامر و نواہی قبول کرتے رہو۔ (اور یہ) احکام (اللہ) تعالیٰ (کی حدبندیاں ہیں) کہ اس سے نہیں گزر سکتے۔ (اور منکروں کے لیے) جو حکم نہیں مانتے (دکھ والا عذاب ہے)۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

بے شک جو مخالفت کریں اللہ اور اُس کے رسول کی، ذلت دیے گئے جس طرح ذلت دیے گئے وہ، جو اُن سے پہلے تھے،

وَقَدْ أَنزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ۚ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝٥

اور بے شک اُتارا ہم نے روشن آیتوں کو۔ اور منکروں کے لیے ذلت دینے والا عذاب ہے●

اور (بے شک جو مخالفت کریں اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کی) اور امر و نہی کی حدوں سے تجاوز کریں، (ذلت دیئے گئے) اور خوار و رسوا کر دیئے گئے، (جس طرح ذلت دیئے گئے وہ)

کافر (جو ان سے پہلے تھے، اور بے شک اُتارا ہم نے روشن آیتوں کو) یعنی قرآن، اور وہ معجزے جو رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سچے ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ (اور منکروں کے لیے) قیامت میں (ذلت دینے والا عذاب ہے) اور دُنیا میں بھی اُن کے لیے ذلت ورسوائی ہے۔ اَے محبوب! یاد کرو اُس دن کو۔۔۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ؕ

جس دن کہ اُٹھائے گا اُن سب کو اللہ، پھر بتادے گا اُنہیں جو کرتوت کیے۔ شمار کرلیا ہے اُسے اللہ نے، اور وہ لوگ بھول چکے اُسے۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدٌ ۝۶ ع۱

اور اللہ ہر ایک کا نگراں ہے●

(جس دن کہ اٹھائے گا ان سب کو اللہ) تعالیٰ ان کی قبروں سے۔۔۔ اور ایسا کوئی بھی نہ ہوگا جسے اُس کی قبر سے نہ اٹھایا جائے۔۔۔ (پھر بتادے گا انہیں) دُنیا میں (جو کرتوت کیے۔ شمار کرلیا ہے اسے اللہ) تعالیٰ (نے) اور اپنی نگاہِ علم وخبر میں رکھا ہے، (اور) ان کا حال یہ ہوگا کہ (وہ لوگ بھول چکے) ہوں گے (اسے)۔ یعنی اُن کے حافظے سے اُن کی نازیبا حرکتیں نکل چکی ہوں گیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک) کے اعمال واحوال واقوال (کا نگراں ہے) اور گواہ ہے اور اس کے مناسب بدلا دے گا کہ کوئی اُس کی گواہی کو رد نہ کرسکے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى

کیا نہیں دیکھا تُو نے؟ کہ اللہ جان رہا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ نہیں ہوتی

ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَاۤ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ

تین شخصوں کی کوئی سرگوشی مگر وہ اُن کا چوتھا ہے، اور نہ پانچ شخصوں کی مگر وہ اُن کا چھٹا ہے، اور نہ اُس سے کم کی

وَلَاۤ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا

اور نہ زیادہ کی، مگر وہ اُن کے ساتھ ہے جہاں بھی ہوں۔ پھر بتادے گا اُنہیں جو کرتوت کیے اُنہوں نے

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۝۷

قیامت کے دن۔ بے شک اللہ ہر ایک کا جاننے والا ہے●

(کیا نہیں دیکھا تُو نے؟) اور نہیں جانتا تُو، یہ (کہ اللہ) تعالیٰ (جان رہا ہے جو کچھ آسمانوں) میں فرشتے، تارے، روحیں ہیں، (اور جو کچھ زمین میں ہے) از قسم جمادات، نباتات اور حیوانات وغیرہ۔ (نہیں ہوتی تین شخصوں کی کوئی سرگوشی مگر وہ اُن کا چوتھا ہے) علم میں۔ یعنی اُن کو چار کر دیتا ہے اِس حیثیت سے کہ اُن کا رفیق ہے اور اُن کے کلام پر مطلع ہے۔ (اور نہ پانچ شخصوں کی مگر وہ اُن کا چھٹا ہے) افعال اور اقوال دیکھنے اور جاننے کے سبب سے۔ یعنی اُن کو چھ کر دیتا ہے۔ (اور نہ اِس سے کم کی اور نہ زیادہ کی، مگر وہ اُن کے ساتھ ہے جہاں بھی ہوں)۔

تین[۳] سے پانچ[۵] تک کی تخصیص اس لیے ہے کہ ایک واقعہ میں ایسی بات کرنے والے منافقین تین[۳] تھے پھر پانچ[۵] تھے۔ بعض نے کہا کہ چونکہ عموماً مشورہ تین[۳] میں ہوتا ہے۔۔۔یا۔۔ زیادہ سے زیادہ پانچ[۵] میں تاکہ الفاظ تھوڑے اور جچے تلے اور رائے کے عین موافق اور راز کو چھپانے والے ہوں۔۔الختصر۔۔راز دارانہ سرگوشی کے لیے کم سے کم تین[۳] اور زیادہ سے زیادہ پانچ[۵] ہی مناسب ہیں۔ اُس کی کیفیت عام مجلسِ شوریٰ کی نہیں ہوتی، بلکہ اُس میں عموماً ایسے ہی مسائل پر راز دارانہ طور پر گفتگو ہوتی ہے جن کا کمال اخفاء مقصود ہوتا ہے۔

۔۔الختصر۔۔ان سرگوشی کرنے والوں اور چھپ چھپ کر اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف پلاننگ کرنے والوں کی حرکتوں سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں۔ فی الحال تو انہیں چھوٹ دے رکھی ہے۔۔۔ (پھر بتادے گا انہیں جو کرتوت کیے انہوں نے قیامت کے دن) تاکہ وہ وہاں اہلِ محشر کے سامنے ذلیل و رسوا ہوں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کا جاننے والا ہے)۔ اُس کے علم کی نسبت سب معلومات کے ساتھ یکساں ہے۔ اہلِ آسمان کے حالات اُسی طرح جانتا ہے جیسے اہلِ زمین کے۔ اور اُس کا علم چھپے ہوئے امور کو اِس طرح گھیرے ہوئے ہے جیسے ظاہری امور کو۔

روایت ہے کہ یہود و منافقین آپس میں سرگوشی کرتے اور تین[۳] تین[۳] اور پانچ[۵] پانچ[۵] کی ٹولی بنالیتے۔ جب اہلِ ایمان کو دیکھتے تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کرتے۔ اس سے اُن کا پروگرام یہی تھا کہ وہ اہلِ ایمان کو غصہ دلائیں تاکہ جھگڑا برپا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایسا کرنے سے روکا۔ ایک عرصہ رک کر پھر وہی پروگرام شروع کر دیا تو یہ آیت نازل فرمائی گئی، کہ اَے محبوب!۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ

کیا نہیں دیکھا تم نے اُنہیں جو روکے گئے سرگوشی سے، پھر وہی کرتے ہیں جس سے روکے گئے،

وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ

اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ اور قانون شکنی اور رسول کی گنہگاری کی۔ اور جب آئے تمہارے پاس تو سلام کیا ایسے لفظوں میں

بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ

کہ سلام قرار نہیں دیا تمہارا جس کو اللہ نے۔ اور کہتے ہیں اپنے اپنے جی میں کہ "کیوں نہیں عذاب دیتا ہمیں اللہ

بِمَا نَقُوْلُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصْلَوْنَهَا فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۸﴾

بسبب اُس بولی کے جو ہم بولتے ہیں۔" کافی ہے اُنہیں جہنم۔ جائیں گے اُس میں، تو کیا بُرا پھرنے کا ٹھکانہ ہے●

(کیا نہیں دیکھا تم نے انہیں جو روکے گئے سرگوشی سے، پھر وہی کرتے ہیں جس سے روکے گئے۔ اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ اور قانون شکنی اور رسول کی گنہگاری کی) جن کا مقصد ایمان والوں سے عداوت کا اظہار، مؤمنین کی غیبت اور اہلِ ایمان کو غمگین کرنا ہے، اور رسولِ کریم کی بارگاہ میں نازیبا کلمات نکال کر آپ کی گستاخی کرنا ہے۔

--چنانچہ-- روایت ہے کہ یہود رسولِ مقبول کی خدمت میں آئے اور کہا کہ اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ۔ حضرت نے فرمایا وَعَلَيْكُمْ۔ حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہود کا کلام سنا اور کہا کہ اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَ لَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ۔ پس حضرت ﷺ نے فرمایا آہستہ رہ اَے عائشہ! اور عادت نرم کر۔ حضرت بی بی عائشہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ آپ نے سنا نہیں کہ انہوں نے کیا کہا۔ حضرت نے فرمایا کہ اَے عائشہ! مگر تم نے وہ نہیں سنا کہ میں نے کیا کہا اور رَد کیا۔ یعنی میں نے بھی تو کہا کہ وَعَلَيْكُمْ، اُن کی بات اُن پر رَد کر دی، اور میری بات اُن کے حق میں مقبول ہے، اُن کی بات میرے باب میں نہیں۔ تو حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی، کہ اَے محبوب!---

(اور جب آئے تمہارے پاس تو سلام کیا ایسے لفظوں میں کہ سلام قرار نہیں دیا تمہارا جس کو اللہ) تعالیٰ (نے)۔ حق تعالیٰ نے تو تجھ کو کہا کہ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اور یہ کہتے ہیں اَلسَّامُ عَلَيْكَ۔ اور سام زبانِ یہود میں موت ہے۔ یا۔ تلوار سے قتل ہونا ہے۔ (اور) یہ یہود (کہتے ہیں اپنے جی میں، کہ کیوں نہیں عذاب دیتا ہمیں اللہ) تعالیٰ (بسبب اس بولی کے جو ہم بولتے ہیں)

یعنی ہم پیغمبر کی شان میں گستاخیاں کررہے ہیں پھر بھی ہم پر کوئی عذاب نہیں آتا۔ اگر وہ نبی ہوتے، تو چاہیے تھا کہ ہم یہ جو اُن کی اہانت کرتے ہیں اُس کے سبب سے خدا ہم پر عذاب کرتا۔ (کافی ہے انہیں جہنم) عذاب کے لیے۔ (جائیں گے اُس میں۔ تو کیا بُرا پھرنے کا ٹھکانہ ہے) جہنم۔۔تو۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ

اَے ایمان والو! جب تم نے سرگوشی کرنی چاہی، تو مت سرگوشی کرو گناہ اور قانون شکنی

وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَ تَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ

اور رسول کی گنہگاری کی، اور سرگوشی کرو نیکی اور خوفِ خدا کی۔ اور ڈرتے رہو اللہ کو،

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾

جس کی طرف حشر کیے جاؤ گے●

(اَے ایمان والو! جب تم نے سرگوشی کرنی چاہی، تو مت سرگوشی کرو گناہ اور قانون شکنی اور رسول کی گنہگاری کی) جیسا کہ منافق اور یہود کرتے ہیں۔ (اور سرگوشی کرو نیکی اور خوفِ خدا کی۔ اور ڈرتے رہو اللہ) تعالیٰ (کو) اپنے ہر کام میں جو تم کرتے ہو۔ ایسا اللہ، کہ تم (جس کی طرف حشر کیے جاؤ گے) اور وہ تم کو تمہارے کاموں پر جزا دے گا۔ سوا اُس کے نہیں کہ گناہ و معصیت اور ظلم و جور والی۔۔۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا

بُری سرگوشی تو شیطان کی طرف سے ہے، تاکہ رنج دے اُنہیں جو ایمان لائے، حالانکہ نہیں ہے بگاڑ سکنے والا اُن کا کچھ،

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾

بغیر اللہ کے حکم کے۔ اور اللہ ہی پر بھروسہ رکھے رہیں ایمان والے●

(بُری سرگوشی تو شیطان کی طرف سے ہے) اور اُسی کے وسوسے سے ہے، جو اس غلط کام کو تمہاری نگاہ میں آراستہ کرتا ہے اور اُس کام پر تم کو رکھتا ہے (تاکہ رنج دے اُنہیں جو ایمان لائے، حالانکہ نہیں ہے بگاڑ سکنے والا ان کا کچھ بغیر اللہ) تعالیٰ (کے حکم کے) اور اس کی مشیت کے۔۔الحتصر۔۔اُن بری سرگوشیوں سے بغیر حکم خداوندی ایمان والوں کا کچھ بگڑنے والا نہیں۔ تو بے فکر رہیں (اور اللہ) تعالیٰ (ہی پر بھروسہ رکھے رہیں ایمان والے) نہ کہ غیر خدا پر۔

اہلِ بدر میں سے ایک گروہ آنحضرت ﷺ کی مجلس میں آیا اور بعضے صحابہ حضرت کے گرداگرد بیٹھے تھے اور جگہ نہ تھی، بدریوں نے سلام کیا اور مسجد کے درمیان میں کھڑے رہے، کسی نے اُن کو جگہ نہ دی، تو حضرت نے فرمایا کہ قُمْ یَا فُلَاں یَا فُلَاں، یعنی اَے فلاں فلاں شخص تم کھڑے ہو جاؤ، وہ لوگ کھڑے ہو گئے اور اہلِ بدر کے واسطے جگہ چھوڑ دی۔ منافقوں نے موقع پا کر اِس باب میں شکایت اور اشارہ بازی شروع کی، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ

اَے ایمان والو! جہاں کہا گیا تمہیں کہ "جگہ دو مجلسوں میں"، تو جگہ دے دیا کرو، تمہیں اللہ جگہ دے گا۔

وَاِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ

اور جہاں کہا گیا کہ "اُٹھ پڑو"، "تو اُٹھ پڑا کرو، بلند فرمادے گا اللہ اُنہیں جو ایمان لائے تم میں سے، اور جو

اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾

دیے گئے ہیں علم درجوں۔ اور اللہ جو کچھ کرو باخبر ہے●

(اَے ایمان والو جہاں کہا گیا تمہیں کہ جگہ دو مجلسوں میں، تو جگہ دے دیا کرو)۔ یعنی جب ذکر، تلاوت اور نماز وغیرہ مجلسوں میں تم سے جگہ کشادہ کرنے کی بات کی جائے تو جگہ کشادہ کر دیا کرو۔ اُس کے عوض (تمہیں اللہ) تعالیٰ (جگہ دے گا) قبر میں۔۔۔یا۔۔۔ بہشت میں، مکان وسیع تم کو عطا فرمائے گا ۔۔۔یا۔۔۔ تنگی اور زحمت دور کر کے تمہارے دِل کو کشادہ فرمادے گا۔ (اور جہاں کہا گیا کہ اٹھ پڑو تو اٹھ پڑا کرو)۔ یعنی اَے مسلمانو! جب تمہیں کہا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس کو چھوڑ دو، تو چھوڑ دو اور اُس پر ملال بھی نہ کرو کہ تمہیں اٹھایا گیا ہے۔۔۔یا۔۔۔ معنیٰ یہ ہے کہ جب کہا جائے کہ نماز۔۔۔یا۔۔۔ جہاد۔۔۔یا۔۔۔ شہادت۔۔۔یا۔۔۔ اِسی طرح کے دوسرے اعمالِ خیر کی طرف چلو، تو چل پڑو اور سستی نہ کرو اور نہ ہی کوتاہی کرو۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضور ﷺ اہلِ بدر کی عظمت کو سمجھانے کے لیے اُن کا خاص لحاظ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک ایسی جماعت آئی جنھوں نے انہیں جگہ نہ دی، تو آپ نے خود بعض یاروں سے فرمایا کہ وہ اٹھ کھڑے ہو جائیں۔ پھر اتنے ساتھیوں کو وہاں سے اٹھا کر جگہ بنائی جتنے حضراتِ اہلِ بدر تھے۔ اِس سے منافقین اشارے کرنے

لگے اور کہا کہ یہ کوئی انصاف ہے کہ ایک کو اٹھا کر دوسرے کو بٹھایا جائے، اٹھنے والے پر کیا گزری گی؟ رسول اللہ ﷺ نے منافقین کی یہ قلبی کارروائی اُن کے چہروں سے پہچان لی اور پھر اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

اِس سے ظاہر ہوا کہ صاحبانِ منصب اور اربابِ اعزاز کے لیے جگہ کشادہ کردینا۔۔یا۔۔ جگہ کشادہ کرادینا، سعادتمندی اور نیک سیرتی کے زمرے میں آتا ہے۔ یہاں تک کہ مجلسِ نبوی میں بیٹھنے والوں کو بھی ہدایت کی جارہی ہے کہ وہ ایمانی صاحبانِ منصب کا لحاظ کریں اور اُن کا احترام کریں۔ چونکہ منافقین ایک بے ادب قوم ہے اس لیے ان کو آداب کے قوانین سمجھ میں نہیں آتے۔

تو اَے ایمان والو! آداب کے قوانین پرعمل کرنے سے (بلند فرمادے گا اللہ) تعالیٰ (انہیں جو ایمان لائے تم میں سے، اور) بلند فرمادے گا انہیں (جو دیئے گئے علم درجوں) ایمان کے ساتھ۔ اُن مؤمنوں کے درجوں پر جو بے علم ہوتے۔ اس واسطے کہ مؤمن عالم افضل ہے مؤمن بے علم سے۔

عالمِ خواب میں امام اوزاعی سے پوچھا کہ قربِ خداوندی حاصل کرنے کے لیے سب سے بہتر عمل کون ہے؟ فرمایا کہ عالموں کے درجے سے زیادہ بلند میں نے کوئی درجہ نہیں دیکھا۔ اُس سے اتر کراندوھناکوں کا درجہ ہے۔ تو یہ خواب اِس آیت کے موافق ہے۔ بے شک علمائے دین کے درجے بہت بلند ہیں دُنیا میں مرتبہ اور شرف اور وراثتِ انبیاء کے سبب سے، اور عقبیٰ میں بھی فضل اور قدرِ اصفیاء کے ساتھ موافقت کی وجہ سے۔

(اور) ذہن نشین رکھو کہ (اللہ) تعالیٰ (جو کچھ کرو) اُس سے (باخبر ہے)۔

اِس کلام میں امید وخوف اور وعدو وعید سب کچھ ہے۔ روایت ہے کہ لوگ آنحضرت ﷺ سے سرگوشیوں میں ہر قسم کی خبریں پوچھتے اور بکثرت سوالات کرتے اور اس کا جواب چاہتے، تو اُن کو بارگاہِ نبوی کا وقار سمجھانے کے لیے اور بکثرت سوال کرنے سے روک لگانے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی گئی۔۔کہ۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ

اَے ایمان والو! جب تم پوشیدہ بات کرنی چاہو رسول سے، تو پہلے دے لو اپنی سرگوشی سے آگے کچھ

صَدَقَةً ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾

صدقہ۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور نہایت پاکیزہ۔ پھر اگر نہ پایا تم نے، تو بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے●

(اے ایمان والو! جب تم پوشیدہ بات کرنی چاہو رسول سے، تو پہلے دے لو اپنی سرگوشی سے آگے کچھ صدقہ)۔(یہ) صدقہ دینا راز کہنے سے قبل (بہتر ہے تمہارے لیے) اس لیے کہ طاعت زیادہ کرتا ہے (اور نہایت پاکیزہ) اِس واسطے کہ گناہ مٹاتا ہے۔(پھر اگر نہ پایا تم نے) کوئی چیز صدقہ دینے کو، (تو بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے۔یعنی بخشنے والا ہے اُسے جو یہ گناہ کرے، یعنی بے صدقہ دیئے راز کہے۔اور (رحیم ہے)، یعنی مہربان ہے کہ بندہ کو وہ تکلیف نہیں دیتا جس کی اٹھانے کی طاقت نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ یہ ممانعت دس۱۰ دن رات رہی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے پاس سونے کا ایک دینار تھا آپ نے اُسے دس۱۰ درم میں بھنایا۔ ہر روز ایک درم پہلے صدقہ دے کر رسولِ مقبول سے سرگوشی کرتے اور کچھ پوچھتے۔اُس کے بعد یہ حکم منسوخ ہوگیا۔۔الغرض۔۔جب یہ حکم نازل ہوا، تو حضرت علی مرتضیٰ کے سوا اور کسی نے اُس کی تعمیل نہیں کی۔اور یہ بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے مناقب میں سے ہے۔ایک قول یہ بھی ہے یہ حکم ایک ساعتِ دن کو رہا، حضرت علی مرتضیٰ نے اُسی ساعت اِس کی تعمیل کرلی، پھر یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۚ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا

کیا ڈر گئے تم اُس سے، کہ پہلے دے دو، اپنی پوشیدہ بات کہنے کے آگے کچھ صدقے؟ تو جب تم یہ نہ کرسکے، اور معافی دے

وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ

دی اللہ نے بھی تمہیں، تو پابندی کرتے رہو نماز کی، اور دیتے رہو زکوٰۃ کو، اور کہا مانتے رہو اللہ

وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

اور اُس کے رسول کا۔اور اللہ باخبر ہے جو عمل کرتے رہو●

(کیا ڈر گئے تم اس سے کہ پہلے دے دو اپنی پوشیدہ بات کہنے کے آگے کچھ صدقے)؟ یعنی تمہیں یہ کام دشوار لگا، (تو جب تم یہ نہ کرسکے اور معافی دے دی اللہ) تعالیٰ (نے بھی تمہیں، تو پابندی کرتے رہو) فرض (نماز کی)، یعنی فرض نماز کماحقہٗ، ادا کرتے رہو۔(اور دیتے رہو زکوٰۃ کو) جن کا دینا تم پر واجب ہو، (اور کہا مانتے رہو اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کا) ہر حال میں، کہ یہ اس کی درستی

اور تلافی کر دے۔(اور اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے) اُس سے (جو عمل کرتے رہو)۔

حدیث میں ہے کہ عبداللہ ابن نبتل ایک منافق تھا جو رسولِ مقبول ﷺ کے پاس بیٹھتا تھا اور آپ کی باتیں یہود سے کہہ دیا کرتا تھا۔ ایک دن آنحضرت ﷺ حجراتِ طاہرات میں سے ایک حجرے میں تشریف فرما تھے اور صحابہ کا ایک گروہ بھی حاضر تھا، حضرت نے فرمایا کہ ایک مَرد آتا ہے اُس کا دِل سرکش اور متکبر ہے اور وہ شیطان کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ ناگاہ ابن نبتل آیا۔ حضرت نے فرمایا تُو مجھے گالی کیوں دیتا ہے اور فلاں فلاں تیرے یار کیوں مجھے سخت کہتے ہیں۔ پس ابن نبتل اور اُس کے یاروں نے قسم کھالی کہ ہم نے ہرگز یہ بے ادبی نہیں کی ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اَے محبوب!۔۔۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ

کیا نہیں دیکھا تم نے اُنہیں جنہوں نے دوستی کی ایسی قوم کی جن پر غضب فرمایا اللہ نے۔ نہ وہ تم میں سے ہیں

وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ⑭

اور نہ اُن میں سے۔ اور وہ قسم کھایا کرتے ہیں جھوٹ، حالانکہ وہ جان رہے ہیں●

(کیا نہیں دیکھا تم نے اُنہیں جنہوں نے دوستی کی ایسی قوم کی جن پر غضب فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے۔ نہ وہ تم میں سے) مسلمان (ہیں اور نہ) ہی (ان میں سے) یہودی ہیں۔ (اور وہ قسم کھایا کرتے ہیں جھوٹ) دعویٰ اسلام اور سید انام کے اعزاز و احترام پر، (حالانکہ وہ جان رہے ہیں) کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔۔ الغرض۔۔ جان بوجھ کے جھوٹ بولنے کی عادت بنالی ہے۔ آخر وہ کس خام خیالی میں ہیں۔۔۔

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑮ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ

تیار کر چکا ہے اللہ اُن کے لیے سخت عذاب۔ بے شک اُنہوں نے بُرا کیا جو کرتوت کرتے ہیں● بنالیا اُنہوں نے

جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ⑯

اپنی قسموں کو ڈھال، تو روکتے رہے اللہ کی راہ سے، تو اُنہیں کے لیے ہے ذلت والا عذاب●

(تیار کر چکا ہے اللہ) تعالیٰ (اُن کے لیے سخت عذاب) دُنیا میں ذلت و رسوائی، اور آخرت میں آتشِ دوزخ کے سبب سے۔ (بے شک انہوں نے بُرا کیا جو کرتوت کرتے ہیں) اور اُس پر اصرار

کرتے ہیں۔(بنالیا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال) سپر، آڑ اور پناہ کہ اُس کے سبب سے اُن کی جان اور مال امن میں رہے، (تو) اپنی بے خوفی کے وقت وہ (روکتے رہے اللہ) تعالیٰ (کی راہ سے) فتنہ انگیزی اور نکتہ چینی کرکے۔۔یا۔۔لوگوں کو بددل کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ لوگ جہاد میں نہیں جاتے گھر بیٹھے رہتے ہیں، (تو انہیں کے لیے ہے ذلت والا عذاب) یعنی رسوا کردینے والا عذاب۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۭ

نہ کام دیں گے اُنہیں اُن کے مال، اور نہ اولاد، اللہ کے حضور کچھ۔ وہ جہنم والے ہیں۔

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں●

(نہ کام دیں گے انہیں ان کے مال اور نہ اولاد) قیامت میں (اللہ) تعالیٰ (کے حضور کچھ)۔ یعنی اُن کے مال اولاد انہیں عذابِ الٰہی سے چھٹکارا نہ دلاسکیں گے۔ بلکہ (وہ جہنم والے ہیں) اور (وہ اُس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں)۔ منافق بھی ہمیشہ دوزخ کے اندر رہنے میں کافر کا حکم رکھتے ہیں، بلکہ اُن کا درکہ مشرکوں سے بھی بہت نیچے ہوگا اور اُن پر عذاب بہت سخت ہوگا۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ

جس دن کہ اُٹھائے گا اُن سب کو اللہ، تو قسم کھائیں گے اُس کے یہاں بھی، جس طرح قسم کھاتے ہیں تمہارے پاس،

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ عَلٰي شَيْءٍ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور خیال کرتے ہیں کہ وہ کچھ فائدہ پر ہیں۔ یاد رکھو! کہ بلاشبہ وہی جھوٹے ہیں●

یاد کرو اے محبوب وہ دن! (جس دن کہ اٹھائے گا اُن سب) منافقوں (کو اللہ) تعالیٰ اُن کی قبروں سے، (تو) یہ (قسم کھائیں گے اُس کے یہاں بھی) اپنے اسلام اور اخلاص پر، (جس طرح قسم کھاتے ہیں تمہارے پاس، اور خیال کرتے ہیں کہ وہ کچھ فائدہ پر ہیں) یعنی نفع پارہے ہیں۔۔یا۔۔ نقصان دفع کررہے ہیں۔ جیسے وہ دُنیا میں سمجھتے تھے کہ جھوٹی قسموں کے ذریعہ اپنے سے اور مال سے مدافعت کرتے اور اس طرح دُنیوی فوائد حاصل کرتے، تو انہیں گمان ہے کہ جس طرح دُنیا میں جھوٹی قسم کھاکر ہم اپنا کام بنالیا کرتے تھے آخرت میں بھی اِسی طرح جھوٹی قسم کھاکر اپنے کو بچالے جائیں گے۔

(یادرکھو بلاشبہ وہی جھوٹے ہیں)، بہت سخت جھوٹے۔ جھوٹ کی ایسی انتہا کہ اس کے بعد کوئی جھوٹ نہیں، یعنی ظاہر و باطن جاننے والے علام الغیوب کے سامنے بھی جھوٹ کی جسارت کریں گے اور گمان کریں گے اُن کی جھوٹی قسموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی اُن کا جھوٹ کامیاب ہو جائے گا۔ اُن کی اِس فکری کجی اور عقلی بے راہ روی کی وجہ یہ ہے کہ۔۔۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ

چڑھ پڑا اُن پر شیطان، تو بھلا دیا اُنہیں اللہ کی یاد کو۔ وہ ہیں شیطان کا گروہ۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

یادرکھو! کہ شیطان کا گروہ، وہی خسارہ والے ہیں●

(چڑھ پڑا اُن پر شیطان) یعنی اُن پر غالب آگیا۔ چنانچہ۔۔ وسوسہ دے کر اُنہیں گناہوں کی رغبت دیتا ہے، (تو بھلا دیا اُنہیں اللہ) تعالیٰ (کی یاد کو)۔ نہ وہ دِل سے یاد کرتے ہیں نہ زبان سے۔ (وہ) بھول جانے والے لوگ (ہیں شیطان کا گروہ) اور شیطان کی پیروی کرنے والے ہیں۔ اور (یادرکھو کہ شیطان کا گروہ، وہی خسارہ والے ہیں) کہ انہوں نے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہاتھ سے کھوئیں اور ہمیشہ رہنے والے عذاب میں مبتلا ہوئے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾ كَتَبَ اللّٰهُ

بے شک جو مخالفت کریں اللہ اور اُس کے رسول کی، وہ بڑے ذلیلوں میں ہیں● لکھ چکا ہے اللہ

لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

کہ "ضرور غالب رہوں گا میں اور میرے رسول۔" بے شک اللہ قوت والا زبردست ہے●

(بے شک جو مخالفت کریں اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کی وہ بڑے ذلیلوں میں ہیں)۔ یعنی دُنیا میں تو قتل و قید ہونے کی ذلت و خواری میں گرفتار ہیں اور عقبیٰ میں رُسوا اور رُوسیاہ اور بے اعتبار ہیں۔ (لکھ چکا ہے اللہ) تعالیٰ لوحِ محفوظ میں (کہ ضرور غالب رہوں گا میں اور میرے رسول)۔ رسول اگر جہاد کے مامور ہیں، تو اُن کا غلبہ قہر اور زجر کے سبب سے ہے۔ اور اگر جہاد کے مامور نہیں ہیں، تو اُن کا غلبہ دلیل اور حجت ہے۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (قوت والا) ہے یعنی انبیاءِ کرام کی نصرت پر

قادر وقوی ہے، اور (زبردست ہے) یعنی غالب ہے ہر حکم کرنے پر جو کچھ چاہے، اور کوئی اُسے روکنے پر قادر نہیں۔

حق تعالیٰ منافقوں کا ذکر اور خدا کے دشمنوں کے ساتھ اُن کی دوستی بیان کر چکا، تو اُس کے بعد مخلصوں کی صفت فرماتا ہے کہ وہ مطلق کسی دشمن کے ساتھ دوستی نہیں کرتے اگرچہ چند در چند قرابتیں واقع ہوں۔۔ چنانچہ۔۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

تم نہ پاؤ گے اُن لوگوں کو جو مان جائیں اللہ اور پچھلے دن کو، کہ دوستی کریں اُن کی جنہوں نے مخالفت کی اللہ اور اُس کے رسول کی،

وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ

گو وہ ہوں اُن کے باپ دادے، یا بیٹے، یا بھائی، یا کنبہ والے۔ وہ ہیں کہ نقش کر دیا

فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

اللہ نے اُن کے دلوں میں ایمان کو، اور تائید فرمائی اُن کی روح سے اپنی طرف سے۔ اور داخل فرمائے گا اُنہیں باغوں میں،

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔ اللہ اُن سے راضی، وہ اللہ سے خوش۔ وہ ہیں

حِزْبُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۲۲ ع ۳

اللہ کی جماعت۔ یاد رکھو! کہ اللہ کی جماعت کامیاب ہے۔

(تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو مان جائیں اللہ) تعالیٰ (اور پچھلے دن کو) یعنی روزِ آخرت کو (کہ دوستی کریں اُن کی جنہوں نے مخالفت کی اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کی گو وہ ہوں اُن کے باپ دادے۔۔یا۔۔ بیٹے۔۔یا۔۔ بھائی۔۔یا۔۔کنبہ والے)۔ یہی (وہ ہیں کہ نقش کر دیا اللہ) تعالیٰ (نے اُن کے دِلوں میں ایمان کو) یعنی ایمان کو اُن کے دِلوں میں ثابت کر دیا ہے۔۔یا۔۔ ایمان کو اُس کے لوازم یعنی اخلاص اور استقامت وعدہ کے ساتھ اُن کے دِلوں میں اکٹھا کر دیا ہے۔ (اور تائید فرمائی اُن کی روح سے) یعنی رحمت یا نصرت یا نورِ ہدایت سے (اپنی طرف سے)۔

ایک تفسیر یہ ہے کہ مدد دی اُن کی جبرائیل علیہ السلام۔۔یا۔۔ قرآن کے سبب سے۔

(اور داخل فرمائے گا انہیں) حشر کے دن (باغوں میں، بہتی ہیں جن) کے مکانوں اور

درختوں (کے نیچے نہریں) دودھ، شراب اور شہد کی۔ (ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔ اللہ) تعالیٰ (اُن سے راضی) اُس اطاعت کے سبب جو انہوں نے دُنیا میں کی، اور (وہ اللہ) تعالیٰ (سے خوش) اُس نعمت اور کرامت کے سبب سے جو اُس نے انہیں عقبیٰ میں عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ (وہ ہیں اللہ) تعالیٰ (کی جماعت)، اُس کا لشکر اور اُس کے دین کی مدد کرنے والے۔ (یاد رکھو کہ اللہ) تعالیٰ (کی جماعت کامیاب ہے) اور چھٹکارا پانے والے فائز المرام ہیں۔

امام ثعلبی جرجانی اپنے مشائخ کا قول نقل کرتے ہیں، کہ حضرت داوٗد علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے پوچھا کہ الٰہی تیرا لشکر کون ہے؟ خطاب آیا جنہوں نے محارم پر نگاہ ڈالنے سے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اور خلق کو آزار پہنچانے اور حرام کا مال لینے سے اپنے ہاتھ روکے، اور اپنے دِل ماسوی اللہ سے پاک کیے۔ وہ لوگ میرا لشکر ہیں اور میرے عرش کے گرد طواف کریں گے۔۔۔

اِس آیت ۲۲ کے ابتدائی جملوں کی صداقت کا عملی مظاہرہ اسلامی جنگوں میں ہو چکا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ابوعبیدہ جراح نے اپنے باپ عبداللہ جراح کو جنگ اُحد میں قتل کیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے جنگِ بدر کے دن اپنے فرزند عبدالرحمٰن کو لشکرِ کفار سے طلب کیا کہ اُن کے ساتھ مقابلہ اور مقاتلہ کریں، مگر اللہ کے رسول نے آپ کو اُس مقابلے سے روک لیا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی عبید کو جنگ اُحد میں قتل کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں عاص بن ھشام کو قتل کیا۔ اور حضرت علی اور حضرت حمزہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم نے عتبہ اور شیبہ اور ولید کو جنگِ بدر میں قتل کیا۔

۔۔الحاصل۔۔ خدا اور رسول کی محبت اُن نفوسِ قدسیہ والوں پر ایسی غالب تھی کہ آیتِ کریمہ کے ارشاد کے مطابق انہوں نے باپ، بیٹے، بھائی اور کنبہ والوں کے رشتوں کی کوئی پرواہ نہ کی اور خدا اور رسول کے رشتوں کو مضبوط کرنے کے لیے ہر رشتے کو کاٹ کے رکھ دیا، اور عملی طور پر بتا دیا کہ ہم اللہ کے رسول کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے ہر رشتے کو کاٹنے والے ہیں۔

اختتام سورۃ المجادلہ ۔۔ ﴿ ۱۱ ررمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ یکم اگست ۲۰۱۲ء، بروز چہارشنبہ ﴾

--- ﴿ ۱۲/رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ --- مطابق --- ۲/اگست ۲۰۱۲ء --- بروز پنجشنبہ ﴾ ---

سُوۡرَۃُ الحشر

سورۃ الحشر -- ۵۹ مدنیہ ۱۰۱ — آیاتہا ۲۴ -- رکوعاتہا ۳

اِس سورہ کا نام 'الحشر' اسی سورت کی آیت ۲ سے ماخوذ ہے۔ اِس سورہ کا نام 'سورۂ بنی النضیر' بھی ہے۔ اِس سورہ کا نام 'الحشر' اِس لیے ہے کہ 'حشر' کا معنی لوگوں کو اکٹھا کرنا ہے، اور بنونضیر کو اکٹھا کر کے مدینہ سے نکالا گیا، پھر اُن کو خیبر اور شام کی طرف جلا وطن کر دیا گیا۔ اِس سورہ میں اُن کی اُسی جلا وطنی کا ذکر ہے، اِسی لیے اِس کو 'سورہ بنونضیر' بھی کہا گیا ہے۔

روایت ہے کہ حضرت رسولِ مقبول ﷺ سن چار ۴ ہجری میں خواصِ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ اُن دو ۲ مرد عامری کی دیت لینے کے لیے یہود بنی نضیر کے محلّہ میں تشریف لے گئے جو آپ کے عہد میں تھے اور عمرو بن امیہ بن ضمری نے انہیں قتل کیا تھا۔ جب آپ یہود کے گھر کی دیوار سے پیٹھ لگا کے بیٹھے، یہود ایک بڑا پتھر چھت پر لے گئے کہ حضرت ﷺ پر ڈال دیں، فوراً حضرت جبرائیل نے آپ کو خبر کر دی اور آپ مدینہ منورہ واپس آ گئے، اور یہود کے پاس کسی کو بھیجا کہ چونکہ تمہاری غداری ظاہر ہو چکی، تو تم ہمارے شہر و دیار سے نکل جاؤ۔ اور اُن کو آپ نے دس ۱۰ دن کی مہلت دی اور وہ سامانِ سفر مہیا کرنے میں مشغول ہوئے۔

اُدھر ابن ابی جو منافقوں کا پیشوا تھا اُس نے کسی کو اُن یہود کے پاس بھیجا کہ تم لوگ اپنے گھروں سے نہ نکلو، اپنے قلعوں میں پناہ لیے رہو، میں اپنی قوم سے دو ہزار ۲۰۰۰ آدمیوں سمیت تمہارا معین اور مددگار رہوں۔ یہود اُس منافق کی بات پر مغرور ہو کر باغی ہو گئے اور یہ خبر حضرت ﷺ کو پہنچی، آپ ایک گروہ لے کر اُن کے سر پر پہنچے اور پندراہ ۱۵ دن تک اُن کو گھیرے رہے۔ اُس منافق نے یہود سے وعدہ وفا نہ کیا اور کچھ مدد نہ کی۔ آخر یہود نے اُس خوف و ہراس کی وجہ سے جلا وطنی قبول کی جو خدا نے اُن کے دِلوں میں ڈال دیا تھا۔

اور جب شہر بدر ہونا انہوں نے قبول کر لیا، تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ شرط ہے کہ اپنے ہتھیار چھوڑ جاؤ اور تمہارے جانور جس قدر مال اُٹھا سکیں اُن پر لاد لے جاؤ۔ یہ امر قرار پایا اور حق تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ ایسے تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرنے والی اِس سورۂ مبارکہ کو --- یا --- قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں ---

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ①

پاکی بولی اللہ کی سب نے، جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور وہی زبردست حکمت والا ہے●

(پاکی بولی) اور تسبیح کی (اللہ) تعالیٰ (کی سب نے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے)، کیونکہ وہی حمد وثنا کا مستحق ہے (اور وہی زبردست) ہے جس کا حکم سب پر غالب ہے، اور (حکمت والا ہے) یعنی پکا اور محکم کام کرنے والا ہے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَخْرَجَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِیَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ

وہی ہے جس نے نکال بھگایا اہلِ کتاب کافروں کو اُن کے گھروں سے پہلی ہانک کو۔۔

مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ یَّخْرُجُوْا وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ

تم لوگوں کو خیال نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے، اور وہ خیال کر رہے تھے، کہ اُن کی حفاظت کو اُن کے قلعے ہیں اللہ کے عذاب سے،

فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَیْثُ لَمْ یَحْتَسِبُوْا ۗ وَقَذَفَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ یُخْرِبُوْنَ

تو آیا اُن کے پاس حکم الٰہی جہاں سے اُنہیں وہم بھی نہ تھا۔ اور ڈال دیا اُن کے دِلوں میں دبدبہ،

بُیُوْتَهُمْ بِاَیْدِیْهِمْ وَاَیْدِی الْمُؤْمِنِیْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ ②

کہ کھودنے لگے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے، اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے۔ تو عبرت لو اے آنکھ والو!●

(وہی ہے جس نے نکال بھگایا اہلِ کتاب کافروں کو اُن کے گھروں سے پہلی ہانک کو)۔

یعنی پہلی بار انہیں جزیرۂ عرب سے نکالنے کے واسطے، اور اُن کا دوسرا نکالنا خیبر سے ہوگا۔۔یا۔۔اُن لوگوں کا پہلا حشر ہے ملک شام کی طرف، اس واسطے کہ آخر زمانہ میں ایک آگ مشرق کی جانب سے آئے گی اور لوگوں کو زمینِ شام کی طرف ھنکا دے گی، اور وہیں قیامت ہوگی اور وہ دوسرا حشر قائم ہوگا۔

(تم لوگوں کو خیال نہ تھا) اَے مؤمنو! (کہ وہ نکل جائیں گے) اُن کی کثرت اور شجاعت و

شوکت کو دیکھ کر، (اور وہ خیال کر رہے تھے کہ اُن کی حفاظت کو اُن کے قلعے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے عذاب سے)، یعنی باز رکھنے والے ہیں اُن کے قلعے اُن پر حکم اور قضائے الٰہی نازل ہونے سے، (تو آیا اُن کے پاس حکم الٰہی) یعنی عذابِ خداوندی کا دن (جہاں سے اُنہیں وہم بھی نہ تھا اور ڈال دیا ان کے دلوں میں دبدبہ کہ کھودنے لگے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے)۔ یعنی انہوں نے عہد شکنی کی یہاں تک کہ اُن کے گھر اہلِ ایمان کے ہاتھوں سے خراب ہوئے، تو گویا انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے خراب کیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ یہود جب وطن چھوڑنے پر آمادہ ہوئے اور سمجھے کہ ہمارے مکانات مؤمنوں کے قبضے میں آئیں گے، تو اپنے مکان کھودتے تھے اور جو دروازے اور لکڑی اور پتھر انہیں اچھا معلوم ہوتا اُسے اپنی جگہ سے اکھاڑ کر چاہتے تھے کہ اپنے ساتھ لے جائیں، تو چھ سو اونٹ لاد کر اپنے کو آراستہ کیا اور بناوٹ اور تصنع کا مظاہرہ کرتے ہوئے دف بجاتے اور گاتے ہوئے مدینہ منورہ کے بازار سے نکلے، بعضے تو ولایتِ شام میں چلے گئے اور بعضے خیبر میں۔

(تو عبرت لو اے آنکھ والو!)، یعنی اُن کا حال دیکھو اور عبرت پکڑو۔

وَلَوْلَآ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا

اور اگر نہ لکھ چکا ہوتا اللہ اُن پر جلا وطن ہو جانے کو، تو ضرور عذاب دیتا اُنہیں دُنیا میں۔

وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۝۳

اور اُن کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے●

(اور اگر نہ لکھ چکا ہوتا اللہ) تعالیٰ لوحِ محفوظ میں اور نہ طے کر چکا ہوتا اپنے حکمِ ازلی میں (اُن پر جلا وطن ہو جانے کو، تو ضرور عذاب دیتا انہیں دُنیا میں) قتل ہونے اور لونڈی غلام بننے کے سبب سے۔ (اور) باوصف اِس کے کہ دُنیا میں شہر بدر ہوئے، (اُن کے لیے آخرت میں آگ کا عذاب ہے)۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ

یہ اِس لیے کہ پھٹے پھٹے رہے اللہ اور اُس کے رسول سے۔ اور جو پھٹا پھٹا رہے اللہ سے،

شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴

تو بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے●

(یہ) عذاب اُن پر (اس لیے) ہے (کہ پھٹے پھٹے رہے اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول سے)، یعنی خدا اور رسول کی دشمنی کی اور اُن کے حکم کی مخالفت اختیار کی۔ (اور جو پھٹا پھٹا رہے اللہ) تعالیٰ (سے) یعنی جو کوئی دشمنی رکھے اللہ تعالیٰ سے، (تو بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (سخت عذاب) کرنے (والا ہے) اُس پر، اور جو اُس کے مثل ہیں اُن پر۔

روایت ہے کہ محاصرہ کے زمانے میں حکم ہوا کہ اُن کے خرموں کے باغ کاٹے جائیں نخل عجوزہ کے سوا، اور حضرت عبداللہ بن سلام اور ابولیلی مازنی رضی اللہ عنہما اِس کام پر مامور ہوئے، تو ابولیلی رضی اللہ عنہ اچھے درخت کاٹتے اور کہتے کہ میں انہیں کاٹ کر منافقوں کا دِل توڑتا ہوں۔ اور عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ اُن میں سے برے برے درخت کاٹتے اور کہتے کہ میں جانتا ہوں کہ حق تعالیٰ یہ خرمے کے درخت مسلمانوں کے ہاتھ میں پھیر دے گا، تو جو درخت بہتر ہیں وہ میں مسلمانوں کے واسطے چھوڑتا ہوں، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ۔۔۔

مَا قَطَعۡتُمۡ مِّنۡ لِّيۡنَةٍ اَوۡ تَرَكۡتُمُوۡهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوۡلِهَا

جو کچھ کاٹ ڈالا تم نے کوئی درخت، یا چھوڑ دیا اُسے کھڑا اپنی جڑوں پر،

فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ وَلِيُخۡزِىَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿٥﴾

تو اللہ کے حکم سے ہوا، اور تاکہ رسوا کردے نافرمانوں کو●

(جو کچھ کاٹ ڈالا تم نے کوئی درخت۔۔یا۔۔چھوڑ دیا اُسے کھڑا اپنی جڑوں پر، تو) یہ سب کچھ (اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے ہوا) اور اُس کی پسند کے موافق ہوا، اِس واسطے کہ تم کو مدد دے (اور تاکہ رسوا کردے نافرمانوں کو) جو دائرۂ ایمان سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔

روایت ہے کہ جب بنی نضیر شہر بدر ہوئے تو پچاس زرہیں اور پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں اُن کی اور ان کے مال اور باغ سب 'فیئ' ہوئے، یعنی سب خاص رسول مقبول ﷺ کا حصہ ہوا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے جو چیز جسے چاہی عطا کی اور باغات بعضے لوگوں کو بخشے۔ اور اکثر روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پانچ حصے کر دیئے۔ حضرت امام اعظم اسی صورت پر گئے ہیں۔ اور حق تعالیٰ اِس باب میں فرماتا ہے۔۔۔

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ

اور جو کچھ مالِ غنیمت دلایا اللہ نے اپنے رسول کو اُن لوگوں سے، تو نہ دوڑایا تھا تم لوگوں نے اُس پر گھوڑے اور نہ اونٹ،

وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶

لیکن اللہ مسلط فرمادے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے۔ اور اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے●

(اور جو کچھ مالِ غنیمت دیا اللہ) تعالیٰ (نے اپنے رسول کو اُن لوگوں سے)، یعنی اُن کے مال اور ملک میں سے۔ یعنی جو غنیمت رسول ﷺ کو عطا کی (تو نہ دوڑایا تھا تم لوگوں نے اُس پر گھوڑے اور نہ اونٹ)۔ یعنی تم نے اُن کو حاصل کرنے کے لیے اُن پر چڑھائی نہیں کی، بلکہ تم اُس حصار پر پیادہ آئے تھے اور زیادہ لڑائی بھی نہیں ہوئی، کہ تم کو کچھ کلفت اور دقت ہوئی ہو۔

۔۔ الختصر۔ تم نے لڑ بھڑ کر اُس حصار کو فتح نہیں کیا (لیکن اللہ) تعالیٰ (مسلط فرمادے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے) اور اپنی مدد سے انہیں غالب کردے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قدرت والا ہے)، تو وہ پیغمبروں کو غالب اور دشمنوں کو مغلوب کرنے پر قادر ہے۔ کبھی سببِ ظاہری جیسے جدال اور قتال سے اُن کو غلبہ دیتا ہے، اور کبھی سببِ باطنی جیسے اُن کے دِلوں میں خوف و ہراس ڈالتا ہے۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ

جو کچھ مالِ غنیمت دلایا اللہ نے اپنے رسول کو دوسری آبادی والوں سے، تو وہ اللہ کے لیے اور رسول کے لیے ہے،

وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ

اور اُن کے قرابت مندوں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور مسکینوں کے لیے اور مسافر کے لیے، تاکہ نہ رہ جائے وہ ہاتھوں ہاتھ

دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ

تمہارے دولت مندوں ہی کے درمیان۔ اور جو کچھ دے دیا تم کو رسول نے تو لے لو اُسے، اور جس سے روک دیا تمہیں

فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷ وقف لازم

تو رک جاؤ، اور ڈرتے رہو اللہ کو۔ بے شک اللہ سخت عذاب فرمانے والا ہے ۔۔●۔۔

(جو کچھ مالِ غنیمت دلایا اللہ) تعالیٰ (نے اپنے رسول کو دوسری آبادی والوں سے) لڑے بھڑے بغیر۔ یعنی دیہاتیوں اور اہلِ شہر کے اموال اور املاک میں سے جو لڑ کر نہیں لیے جاتے، (تو وہ اللہ) تعالیٰ (کے لیے اور رسول کے لیے ہے، اور اُن کے قرابت مندوں کے لیے اور یتیموں کے لیے)

یعنی بے باپ کے محتاج بچوں کے لیے (اور مسکینوں کے لیے اور مسافر کے لیے) جو مال نہ رکھتے ہوں۔

علماء اِس بات پر ہیں کہ 'فئے' خاص رسولِ مقبول کے واسطے تھا اور اُس کی تقسیم آپ سے متعلق تھی۔ اپنی زندگی میں اہل وعیال کے واسطے سال بھر کا خرچ آپ اُس سے کرتے تھے، اور باقی میں جس طرح حق تھا آپ تقسیم فرماتے تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد بعض علماء ظاہر آیت پر حمل کر کے چھ ۶ حصوں پر تقسیم کرتے ہیں۔

جو حصہ خدا کے نامزد ہے اُسے کعبہ شریف اور سب مسجدوں کی تعمیر میں صَرف کرتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا نام فقط تعظیم کے واسطے ہے اور پانچ ۵ ہی حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، اور رسولِ مقبول کے حصے میں اختلاف کیا ہے۔ بعضے کہتے ہیں امام اُس کا 'مصرف' ہے۔ بعضوں کے نزدیک مسلمانوں کے مصالح میں صَرف کرنا چاہیے اور بعضوں کے نزدیک مجاہدوں کے ہتھیاروں وغیرہ میں صَرف کرنا چاہیے۔

اور معالم میں ہے کہ زمانہء جاہلیت کے لوگ جب غنیمت لیتے تو اس کا سردار اس میں سے چوتھائی لیتا، اور باقی میں سے اپنے واسطے تحفہ اختیار کرتا اور اُسے 'صفی' کہتے اور باقی قوم پر چھوڑتا، اور قوم کے تونگر لوگ اُسے فقیروں میں تقسیم کرنے میں حیف کرتے اور انہیں افسوس ہوتا۔

رؤساءِ اہلِ ایمان کے ایک گروہ نے یہی خیال کر کے بنی النضیر کی غنیمتوں کے باب میں رسولِ مقبول ﷺ سے عرض کی کہ یارسول اللہ! ﷺ آپ اِس مالِ غنیمت میں سے ایک چوتھائی اور 'صفی' لے لیجیے اور باقی چھوڑ دیجیے کہ ہم تقسیم کرلیں۔ حق تعالیٰ نے اُس کو رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا خاص حصہ کر کے اُس کی تقسیم اِس طور پر فرمادی جو مذکور ہوئی۔ اور فرمایا۔۔۔

ہم نے فئے کا حکم ظاہر کردیا (تاکہ نہ رہ جائے وہ ہاتھوں ہاتھ تمہارے دولت مندوں ہی کے درمیان) کہ اپنے حق سے زیادہ لے لیں اور فقیروں کو کم دیں۔۔۔یا۔ محروم رکھیں جیسے زمانہء جاہلیت میں تھا۔ (اور جو کچھ دے دیا تم کو رسول نے) مالِ غنیمت میں سے (تو لے لو اُسے) کیونکہ وہ تمہارا حق ہے، (اور جس سے روک دیا تمہیں تو رک جاؤ)۔ یعنی غنیمت میں خیانت کرنے سے روک دیا ہے تو اُس میں خیانت کرنے سے باز رہو۔

محقق لوگ اِس بات پر ہیں کہ اِن کلمات کا حکم عام ہے اور اِس کے معنی یہ ہیں۔۔۔

کہ رسول کریم ﷺ جس بات کا حکم کریں اُسے قبول کرلو اور حکم مانو اور جس بات سے منع

کریں اُس سے باز رہو کہ اُن کا امر و نہی برحق ہے۔ جو کوئی اُن کے حکم کی تعمیل کرے گا نجات پائے گا اور جو اُن کی نہی سے پرہیز نہ کرے گا وہ ہلاکت میں پڑے گا۔

(اور ڈرتے رہو اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی ڈرتے رہو عذابِ الٰہی سے رسول کی مخالفت کرنے میں۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (سخت عذاب فرمانے والا ہے) اُن لوگوں کو جو رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتے ہیں۔ 'فئ' کی تقسیم یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔۔اور۔۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا

اُن فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے، جو بے دخل کیے گئے اپنے گھروں اور مالوں سے، چاہتے رہتے ہیں اللہ کے فضل

مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾

کو اور خوشنودی کو، اور مدد میں رہتے ہیں اللہ اور رسول کی، وہی سچے لوگ ہیں۔

(ان فقیر ہجرت کرنے والوں کے لیے جو بے دخل کیے گئے اپنے گھروں اور مالوں سے، چاہتے رہتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے فضل کو اور خوشنودی کو)۔ یعنی اُن کی ہجرت تجارت اور دنیوی غرضوں کے واسطے نہ تھی، بلکہ ہجرت سے حق تعالیٰ کی رحمت اور خوشنودی کے وہ طالب تھے اور خدا اور رسول کی محبت میں انہوں نے اپنے گھر اور مال چھوڑے۔ (اور) وہ (مدد میں رہتے ہیں) اپنے جان و مال سے (اللہ) تعالیٰ کے دین کی (اور رسول کی۔ وہی) ہجرت کرنے والے (سچے لوگ ہیں) دینِ اسلام میں قول کے رُو سے بھی اور فعل کی راہ سے بھی۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ

اور جنہوں نے اپنا ٹھکانہ رکھا اُس دارالاسلام اور ایمان میں اُن سے پہلے، دوست رکھتے ہیں اُسے جس نے ہجرت کی اُن کی طرف،

وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں کوئی حاجت اُس کی جو مہاجرین دیے گئے، اور ترجیح دیتے ہیں اُنہیں اپنے اوپر

وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾

گو ہو اُنہیں سخت حاجت۔۔اور جو بچا لیا جائے اپنے نفس کی لالچ سے، تو وہی کامیاب ہیں۔

(اور جنہوں نے اپنا ٹھکانہ رکھا اس دارالاسلام اور ایمان میں ان سے پہلے) یعنی مہاجرین سے پہلے مدینہ منورہ میں رہنے والے۔۔۔ اِس سے مراد حضراتِ انصار ہیں۔۔۔ یہ (دوست رکھتے

ہیں اُسے جس نے ہجرت کی اُن کی طرف اور نہیں پاتے اپنے سینوں میں) حسد، کپٹ، دغدغہ اور (کوئی حاجت اُس کی جو مہاجرین دیئے گئے)۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے انصار کو طلب فرمایا اور انہوں نے مہاجروں کے ساتھ جو اعانت کی اور امداد و احسان کیا تھا وہ بیان فرمایا۔ پھر فرمایا اَے گروہِ انصار! اگر تم چاہو تو بنی نضیر کے مال تم سب کو میں تقسیم کر دوں اور مہاجر لوگ بدستورِ سابق تمہارے گروہ میں رہیں، اور اگر چاہو تو یہ مال خاص مہاجروں کو میں دیدوں اور وہ تمہارے گھروں سے نکل کر اپنے امورِ معیشت کے بندوبست میں مشغول ہوں۔

پس حضرت سعد بن ابی وقاص اور سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم کہ اہلِ مدینہ کے پیشوا تھے بولے، کہ یارسول اللہ! ﷺ کہ ہمارا جی یہ چاہتا ہے کہ یہ مال بھی آپ مہاجرین کو تقسیم فرمادیں اور جس طرح وہ ہمارے گھروں میں رہتے ہیں اُسی طرح ہمارے گھروں میں رہیں۔ اس واسطے کہ ہمارے گھروں میں انہی کے سبب سے نور و برکت ہے۔ پس رسولِ مقبول ﷺ نے انصار کے حق میں دُعا فرمائی اور حق تعالیٰ نے اُن کی شان میں یہ ارشاد فرمایا۔۔۔

کہ یہ گروہِ انصار ایثار کرتے ہیں (اور ترجیح دیتے ہیں اُنہیں) یعنی مہاجرین کو (اپنے اوپر، گو ہو انہیں سخت حاجت) اُس چیز کی جو ایثار کرتے ہیں۔

جن صفتوں کو 'جود' شامل ہے، اُس میں 'صفتِ ایثار' بہت کامل اور فاضل صفت ہے۔

اور ایثار یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کا محتاج ہو اور دوسرے کو اُس کا مستحق دیکھے، تو اپنے صَرف میں نہ لائے اور اُسے دے دے۔

(اور جو بچالیا جائے اپنے نفس کی لالچ سے) یعنی اپنے نفس کو مال کی محبت اور خرچ کرنے کی عداوت سے باز رکھے، (تو وہی کامیاب ہیں) اور دُنیا میں نقد نیک نامی کا حصہ پانے والے ہیں اور آخرت میں وعدہ کیے ہوئے ثواب حاصل کرنے والے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا

اور جو آئے اُن کے بعد، دُعا کرتے ہیں کہ "پروردگارا! بخش دے ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو جو پہلے لائے ہم سے

بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع

ایمان، اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کچھ بھی کینہ اُن کے لیے جو ایمان لاچکے، پروردگارا! بلاشبہ تُو مہربان رحم والا ہے"۔

(اور جو آئے اُن) مہاجرین وانصار (کے بعد) اُن کے تابعین قیامت تک، (دُعا کرتے ہیں کہ پروردگارا! بخش دے ہمیں اور ہمارے بھائیوں کو جو پہلے لائے ہم سے ایمان، اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں کچھ بھی کینہ اُن کے لیے جو ایمان لاچکے)۔

اور یہ رسولِ کریم کے صحابہ ہیں جو پہلے ایمان لانے والے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ جس کسی کو اصحاب میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی دِل میں کینہ ہو وہ اِس آیت والوں میں سے نہیں ہے اور اس وعدہ سے محروم ہے۔ صاحبِ انوار نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کے تین[۳] مرتبے کیے ہیں: مہاجر، انصار اور تابعین کہ یہ حضرات دِل کی سادگی اور طینت کی پاکی سے موصوف ہیں، تو جو شخص اِس صفت پر نہ ہو، تو وہ مؤمنوں کی قسموں سے باہر ہو جائے گا۔

تو اُن نفوسِ قدسیہ والوں کی دُعا یہی ہے کہ ہمارے سینوں کو مؤمنین کے کینوں سے پاک رکھ۔ (پروردگارا! بلاشبہ تُو مہربان) ہے ہماری دُعا کو قبول فرما اور (رحم والا ہے)، اپنی رحمت سے ہم کو سابقین کے گروہ میں داخل کر۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ

کیا تم نے نہیں دیکھا منافقوں کو کہ کہتے ہیں اپنے بھائی اہلِ

الْكِتٰبِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا

کتاب کافروں کو، "اگر تم نکالے گئے، تو ہم بھی نکل جائیں گے ضرور تمہارے ساتھ، اور نہ کہا مانیں گے تمہارے بارے میں کسی کا بھی،

وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿۱۱﴾

اور اگر تم سے لڑائی کی گئی، تو ہم ضرور مدد کریں گے تمہاری۔" اور اللہ گواہ ہے کہ بلاشبہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں●

(کیا تم نے نہیں دیکھا منافقوں کو) یعنی اُن لوگوں کو جو نفاق کرتے ہیں اور جو کچھ اُن کے دِل میں ہے اُس کے خلاف ظاہر کرتے ہیں۔

۔۔چنانچہ۔۔ابن ابی، ابن نبتل اور رفاعہ اور ان کے لشکر نے بنی نضیر کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ تم جو محمد ﷺ کے ساتھ لڑائی کیا چاہتے ہو اس میں ہم تمہارے شریک ہیں اور تمہاری پوری اعانت ہم کریں گے، اور ہم تمہارے ساتھ ایسے متحد ہیں کہ اگر وہ تم کو اِس شہر و دیار سے نکال دیں گے اور تم پر غالب آجائیں گے تو بھی ہم تمہاری رفاقت کریں گے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

کہ اَے محبوب! ﷺ کیا تم نے نہیں دیکھا منافقوں کو (کہ کہتے ہیں اپنے بھائی) جو کفر میں اُن کے مثل ہیں (اہلِ کتاب کافروں کو) کہ غم نہ کرو، (اگر تم نکالے گئے) اپنے شہر و دیار سے (تو ہم بھی نکل جائیں گے ضرور تمہارے ساتھ)، تمہارے ساتھ حمیت اور محبت کی وجہ سے، (اور نہ کہا مانیں گے تمہارے بارے میں کسی کا کبھی)، گو وہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہوں، اُن کے کہنے سے بھی ہم تمہیں رنج اور ایذاء نہ پہنچائیں گے۔۔یا۔تمہارے برخلاف کسی مسلمان کی ہم اطاعت نہ کریں گے۔(اور اگر تم سے لڑائی کی گئی) یعنی اگر مسلمان تمہارے ساتھ قتال کریں گے، (تو ہم ضرور مدد کریں گے تمہاری۔ اور اللہ) تعالیٰ (گواہ ہے کہ بلاشبہ وہ) منافق (یقیناً جھوٹے ہیں)۔۔تو۔۔

لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا یَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ ۚ وَ لَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا یَنْصُرُوْنَهُمْ ۚ

یقیناً اگر وہ نکالے گئے، تو یہ نہ نکلیں گے اُن کے ساتھ۔اور یقیناً اگر اُن سے لڑائی کی گئی، تو نہ مدد دیں گے اُنہیں۔

وَ لَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَیُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور اگر مدد بھی کی اُن کی، تو ضرور بھاگیں گے پیٹھ دکھا کر۔۔پھر نہ مدد کیے جائیں گے●

(یقیناً اگر وہ) یہود (نکالے گئے) مدینہ سے (تو یہ نہ نکلیں گے اُن کے ساتھ) اور ان کی موافقت اور مصاحبت نہ کریں گے۔(اور یقیناً اگر اُن سے لڑائی کی گئی، تو نہ مدد دیں گے اُنہیں) اور اگر بالفرض مدد دیں منافق یہود کو اور لڑائی میں اُن کے ساتھ موجود بھی ہوں (تو ضرور بھاگیں گے پیٹھ دکھا کر)، یعنی شکست پا کر بھاگ جائیں گے۔(پھر) اُن کے پسپا ہو جانے کے بعد بنی نضیر (نہ مدد کیے جائیں گے)۔یعنی جب اُن کے مددگار ہی پسپا ہو جائیں گے تو پھر وہ کیونکر مدد پائیں گے۔اَے مؤمنو!۔۔۔

لَاَنْتُمْ اَشَدُّ رَهْبَةً فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ﴿۱۳﴾

بے شک تم زیادہ خوفناک ہو اُن کے سینوں میں اللہ سے۔یہ اس لیے کہ وہ لوگ کچھ سمجھ ہی نہیں رکھتے●

(بے شک تم زیادہ خوفناک ہو اُن کے سینوں میں اللہ) تعالیٰ (سے)، یعنی منافق لوگ تم سے بہت ڈرتے ہیں کہ اس قدر خدا سے نہیں ڈرتے۔(یہ) یعنی خدا سے زیادہ تم سے ڈرنا (اس لیے) ہے (کہ وہ لوگ کچھ سمجھ ہی نہیں رکھتے) یعنی خدا کی عظمت نہیں جانتے، ورنہ چاہیے تھا کہ اُس سے ڈرتے۔

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُّحَصَّنَةٍ أَوْ مِن وَرَاءِ جُدُرٍ ۚ بَأْسُهُم بَيْنَهُمْ

نہ جنگ کر سکیں گے تم سے سب مل کر بھی، مگر قلعہ بند آبادیوں میں یا شہر پناہ کے پیچھے سے۔ اُن کی جنگ آپس ہی میں

شَدِيدٌ ۚ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾

سخت ہے۔ تم خیال کرو گے اُنہیں ایک جتھا، اور اُن کے دِل جدا جدا ہیں۔ یہ اس لیے کہ وہ لوگ عقل ہی نہیں رکھتے●

(نہ جنگ کر سکیں گے تم سے سب مل کر بھی، مگر قلعہ بند آبادیوں میں۔۔یا۔۔شہر پناہ کے پیچھے سے)۔ یعنی اُن کی یہ قوت نہیں ہے کہ میدان میں روبرو ہو کر تم سے مقابلہ کر سکیں، تو چھپ چھپ کر آڑ کے پیچھے سے پتھر پھینکنے اور نیزہ چلانے کے سوا اُن کے لیے کوئی چارہ کار نہیں۔ تم سے یہ اتنا خوفزدہ ہیں کہ سامنے کھل کر آنے کی ہمت نہیں۔

اُس کا راز یہ ہے کہ (اُن کی جنگ آپس ہی میں سخت ہے) یعنی جب آپس میں وہ ایک دوسرے سے لڑائی کرتے ہیں تو بڑی شدت اور سختی کا مظاہرہ کرتے ہیں، مگر وہی شجاعت والے جب خدا اور سول سے لڑتے ہیں تو ڈرپوک اور بزدل ہو جاتے ہیں اُس خوف کے سبب سے جو خدا نے اُن کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ روبرو ہو کر مقابلہ کی طاقت نہیں رکھتے۔

(تم خیال کرو گے اُنہیں ایک جتھا) یعنی یہود و منافقین کے تعلق سے تمہیں یہ خیال آ سکتا ہے کہ یہ اپنی رائے اور تدبیر میں متفق و مجتمع ہیں، (اور) حقیقت یہ ہے کہ (اُن کے دِل جدا جدا ہیں)۔ یعنی اُن کا دِل پراگندہ اور پریشان ہے اس لیے کہ اُن کے عقائد اور مقاصد مختلف ہیں۔ (یہ اس لیے) ہے یعنی یہ بُرے اوصاف جو اُن میں ہیں بسبب اِس کے ہیں (کہ وہ لوگ عقل ہی نہیں رکھتے)، اِسی لیے دریافت نہیں کر پاتے اُس چیز کو جس میں اُن کی صلاح و فلاح ہو۔ پس یہود کی مثال۔۔۔

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ۖ ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۵﴾

جیسے اُن کی مثال جو ان سے پہلے تھے قریب زمانہ میں، اُنہوں نے چکھا اپنے کرتوت کا وبال۔ اور اُنہیں کے لیے دکھ والا عذاب ہے●

كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ

جیسے شیطان کی مثال، جب کہ بولا انسان کو کہ "کفر کر"، پھر جب کفر کر لیا، تو بولا کہ "میں الگ ہوں تم سے، بے شک میں

إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾

ڈر رہا ہوں اللہ رب العلمین کو"●

(جیسے اُن کی مثال جو اِن سے پہلے تھے قریب زمانہ میں، اُنہوں نے چکھا اپنے کرتوت کا وبال) یعنی ضَرر اپنے گناہ کا۔ (اور انہیں کے لیے) دُنیا کی ذلت ورسوائی اور آخرت میں (دکھ) دینے (والا عذاب ہے) اور یہود کو فریب دینے اور اُن سے مدد کا وعدہ کرنے میں منافقوں کی (جیسے شیطان کی مثال، جبکہ بولا) کافر (انسان کو کہ کفر کر)، یعنی کفر پر ثابت اور قائم رہ کہ میں تیرا یار ومددگار ہوں۔ (پھر جب) اُس نے (کفر کرلیا) اور اپنے کفر پر ثابت قدم ہوگیا اور شرک کے درخت کی جڑ اُس کے دِل کی زمین میں خوب جم گئی، (تو بولا کہ میں الگ ہوں تم سے) اور تم سے بیزار ہوں، اور (بے شک میں ڈر رہا ہوں اللہ) تعالیٰ (رب العالمین کو) جو رب ہے سارے اہلِ عالَم کا۔

یہاں شیطان سے ابلیس مراد ہے اور انسان سے ابوجہل۔ اور یہ گفتگو اس وقت تھی جب ابوجہل جنگِ بدر کی طرف متوجہ ہوا اور وہ قبیلہ کنانہ سے اچھا گمان رکھتا تھا۔ اُن سے اُس کا یارانہ تھا اور سراقہ جو بنی کنانہ کا رئیس تھا اس کی صورت میں ابلیس ظاہر ہوکر ابوجہل سے بولا، کہ اَے ابوالحکم! تُو نہ ڈر کیونکہ میں تیرا یار ومددگار ہوں۔ اور جب مقام بدر پر پہنچے اور ابلیس نے دیکھا کہ مسلمانوں کی مدد کو آسمان سے فرشتے اترتے ہیں، تو بھاگا اور کافروں سے بولا کہ میں تم سے بیزار ہوں۔

بعضے اِس بات پر ہیں کہ شیطان سے 'ابیض'، ابلیس کا بیٹا مراد ہے اور 'انسان' سے برصیصا راہب مقصود ہے۔ ابیض نے اُس راہب کو کفر پر رکھا اور آخر میں اپنی بیزاری ظاہر کی۔ اور یہ حکایت مجملاً اِس طور پر ہے، کہ برصیصا نے ستّر برس خدا کی عبادت کی اور شیطان اُس کے امر میں عاجز آئے، تو ابیض اُسے اغوا اور گمراہ کرنے کا ذمہ دار ہوکر آیا اور آدمی کی شکل میں اُس کے صومعہ میں ریاضت کرنے لگا۔ راہب اُس کی شدتِ مجاہدہ سے متعجب ہوکر اُس کا مرید ہوگیا۔ اور ابیض نے وہاں سے جانے کا ارادہ کیا تو بیماروں کی صحت اور جو لوگ مبتلائے بلاء ہوں اُن کی عافیت کے واسطے چند کلمہ راہب کو تعلیم کیے۔

پھر شہر میں آکر ایک شخص کا گلا دبایا اور اُس پر سوار ہوگیا، اور ایک طبیب کی صورت میں ظاہر ہوکر اُس شخص کے عزیزوں سے کہا کہ جب تک برصیصا اس کے حق میں دُعا نہ کریں گے یہ اچھا نہ ہوگا۔ لوگ اُسے برصیصا کے صومعہ کے دروازے پر لے گئے۔ برصیصا نے اُس پر دم کیا، شیطان نے اُس سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور اُس کے سر سے اُتر گیا اور اُسے صحت ہوگئی۔

غرض کہ ابیض اسی طرح لوگوں کو بلاء میں مبتلا کر کے برصیصا کے پاس لے جانے کی راہ بتایا کرتا۔ جب وہ وہی کلمات پڑھ کردم کرتا، تو یہ اُس مبتلا کو چھوڑ دیتا یہاں تک کہ اسی طرح بادشاہ کی بیٹی بیمار ہوئی، اُسے برصیصا کے صومعہ پر لائے، برصیصا نے دُعا کی ابیض نے اُسے چھوڑ دیا اور وہ اچھی ہوگئی۔ پس اُس لڑکی کو برصیصا کے سپرد کیا۔ ابیض نے برصیصا کو وسوسہ دیا یہاں تک کہ اُس نے اُس شہزادی سے زنا کی اور رسوائی کے خوف سے اُسے قتل کرڈالا۔

ابیض نے شہزادی کے بھائیوں کو اِس بات سے مطلع کر دیا۔ انہوں نے برصیصا کو پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا۔ اُس وقت ابیض اس پہلی صورت پر ظاہر ہوا اور برصیصا سے کہا کہ مجھے سجدہ کر کہ میں تجھے چھڑاؤں۔ برصیصا نے سجدہ کیا، تو ابیض نے اُس سے بیزاری ظاہر کی اور وہ بے سعادت اُس عبادت کے بعد شقاوتِ ابدی میں گرفتار ہوا۔

فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِى النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۷﴾ ع ۵

تو ہوا انجام اُن دونوں کا کہ دونوں آگ میں ہیں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔ اور یہ سزا ہے اندھیر والوں کی●

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

اَے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ کو، اور دیکھا کرے ہر ایک کہ کیا آگے بھیجا کل کے لیے۔ اور ڈرا کرو اللہ کو۔

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

بے شک اللہ باخبر ہے جو عمل کرتے ہو●

(تو ہوا انجام اُن دونوں کا کہ دونوں آگ میں ہیں) اور (ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اس میں۔ اور یہ) آگ اور ہمیشہ اُس میں رہنا (سزا ہے اندھیر والوں کی) یعنی کافروں کی۔ تو (اَے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی اُس کے عذاب کو، (اور) چاہیے کہ (دیکھا کرے ہر ایک کہ کیا آگے بھیجا کل کے لیے)، یعنی کل قیامت کے واسطے، تا کہ اگر نیکیاں اور طاعتیں کی ہیں تو شکر کرے اور اُس کی زیادتی میں کوشش کرے اور اگر بُرائیاں اور گناہ آگے بھیجے ہیں، تو توبہ کرے اور پشیمان ہو۔ تو اَے ایمان والو! آگے کے لیے کیا بھیجا اُس پر بھی دھیان رکھو (اور ڈرا کرو اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی قہرِ خداوندی کو۔

اِس حکم کا مکرر لانا تاکید کے واسطے ہے۔ یا۔ پہلا حکم ادائے واجبات میں ہے اِس قرینہ سے کہ عملاً اس کے ساتھ ملا ہوا ہے، اور دوسرا حکم حرام چیزیں چھوڑ دینے میں اس

دلیل ہے کہ فرماتا ہے کہ۔۔۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے جو عمل کرتے ہو)۔

کشف الاسرار میں ہے کہ اوّل اشارہ ہے اصل تقوی کی طرف اور دوسرا کمالِ تقویٰ کی جانب۔۔یا۔۔ پہلا تقویٰ عوام کا ہے اور وہ چیزوں سے پرہیز کرنا ہے، اور دوسرا خواص کا تقویٰ ہے اور وہ بچنا ہے ماسویٰ اللہ سے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١٩﴾

اور مت ہو جاؤ اُن کی طرح جو بھول گئے اللہ کو، تو اُن کی بھول میں ڈال دیا اللہ نے خود انہیں کو۔ وہی ہیں نافرمان ●

(اور) اے ایمان والو! (مت ہو جاؤ اُن کی طرح جو بھول گئے اللہ) تعالیٰ (کو، تو اُن کی بھول میں ڈال دیا اللہ) تعالیٰ (نے خود انہیں کو) تو وہ اپنی بھول ہی میں پڑے رہے، اور انہیں خدا یاد نہ آیا۔۔یا۔۔خدا نے بھلا دیں اُن پر اُن کی جانیں کہ اپنے واسطے انہوں نے کچھ نیکی پہلے سے نہ بھیجی۔

یہ بھلانے والے یہود و منافقین و مشرکین ہیں جنہوں نے اپنی عاقبت کی بھلائی کا کچھ خیال نہیں کیا۔ حضرت سہل ابن عبداللہ تستری نے یہ تفسیر کی ہے کہ گناہ کے وقت وہ خدا کا حکم بھول گئے تو حق تعالیٰ نے توبہ بھی انہیں بھلا دی۔

اور (وہی ہیں نافرمان) یعنی فرمانبرداری سے باہر ہونے والے۔ اور خدا کے نزدیک۔۔۔

لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿٢٠﴾

نہیں برابر ہیں جہنم والے اور جنت والے۔ کہ جنت والے ہی بامراد ہیں ●

(نہیں برابر ہیں جہنم والے) جو اپنے نفس کو ذلیل و خوار کر کے آتشِ دوزخ کے مستحق ہو گئے (اور جنت والے) یعنی جنت میں رہنے والے، کیوں (کہ جنت والے ہی بامراد ہیں) جو عذابِ دوزخ سے چھٹکارا پانے والے ہیں اور قائم رہنے والی نعمتوں سے ملے ہوئے ہیں۔

لَوْ أَنزَلْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لَّرَأَيْتَهُ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ۚ

اگر اُتارتے ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر، یقیناً دیکھتے تم کہ جھکا ہوا ریزہ ریزہ اللہ کے خوف سے۔

وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي

اور یہ مثالیں بتاتے ہیں ہم لوگوں کے لیے کہ وہ سوچیں ● وہی اللہ ہے جس کے سوا

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۲﴾

کوئی معبود نہیں۔ جاننے والا غیب وشہادت کا۔ وہی مہربان بخشنے والا ہے●

(اگر اُتارتے ہم اِس قرآن کو کسی پہاڑ پر) اور اُس پہاڑ کو ہم فہم اور اِدارک دیتے، تو (یقیناً دیکھتے تم، کہ جھکا ہوا) ہے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں، اور ہے (ریزہ ریزہ اللہ) تعالیٰ (کے خوف سے)، اور اس وعید کے سبب سے کہ جو اُس میں ہے۔ یعنی پہاڑ باوصف اس بڑائی اور سختی کے، اگر قرآن سمجھتا تو ڈرتا اور حکم مانتا اور آنکھوں سے چشمے بہاتا اور کافروں کے سخت دِل اس سے اثر قبول نہیں کرتے۔

(اور یہ مثالیں بناتے ہیں ہم لوگوں کے لیے) اُن کی تنبیہ کے لیے، تا (کہ وہ سوچیں) اور اس سے حصہ لیں۔ وہ خدا جس نے قرآن بھیجا (وہی اللہ) تعالیٰ (ہے جس کے سوا کوئی معبود) برحق (نہیں)۔ جو (جاننے والا) ہے (غیب وشہادت کا) یعنی پوشیدہ اور آشکارا کا۔

اور بعضوں نے کہا کہ جاننے والا ہے معدوم وموجود کا۔۔یا۔۔زندگی اور موت۔۔یا۔۔

رزق اور اجل کا۔۔یا۔۔دُنیا اور آخرت کا۔۔یا۔۔اُس چیز کا جو ہے اور اُس چیز کا جو ہوگی۔

(وہی مہربان بخشنے والا ہے) کہ اُس کی رحمتِ عام سبقت لے جانے والی ہے دُنیا میں سب خلق کو گھیر لیا ہے، اور اُس کی خاص رحمت مؤمنوں کو پہنچے گی آخرت میں عفو ومغفرت، رضامندی اور رویت کے ساتھ۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی پوجنے کے قابل نہیں۔ بادشاہ نہایت پاک، سلامتی والا، امان والا، نگہبان

الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۲۳﴾

عزت والا، زبردست تکبر والا، پاکی ہے اللہ کی اُس سے جو شریک بناتے ہیں●

(وہی اللہ) تعالیٰ (ہے جس کے سوا کوئی پوجنے کے قابل نہیں، بادشاہ)، کہ اُس کی ذات کا جلال احتیاج سے محفوظ ہے اور اُس کی صفات کا کمال استغنائے مطلق سے ملا ہوا ہے۔ (نہایت پاک)، نقصان اور عیبوں کے شائبوں سے اور منزہ آفتوں کے راہ پانے سے۔ (سلامتی والا)، یعنی سالم عیبوں اور علتوں سے اور مبرا ضعف اور عجز اور خلل سے۔ (امان والا)، یعنی مؤمنوں کو امن دینے والا عقوبتِ نیران سے۔۔یا۔۔پکارنے والا خلق کو ایمان اور امان کی طرف۔۔یا۔۔رسولوں کی تصدیق کرنے والا

معجزے اور دلیلیں ظاہر فرما کے۔ (نگہبان)، یعنی سچا گواہ اُس پر جو کچھ خلق کرتی ہے۔۔یا۔۔عدل کے ساتھ قائم۔۔یا۔۔پوشیدہ باتوں پر مطلع۔۔یا۔۔حق حق حکم کرنے والا۔

اور بعضوں نے کہا کہ مھیمن اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے کہ اس کے معنی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(عزت والا)، غالب حکم میں۔۔یا۔۔عزت دینے والا۔ (زبردست)، بزرگوار، بگڑے کام بنانے والا۔۔یا۔۔سر توڑنے والا۔ (تکبر والا)، یعنی عظمت و کبریائی کا مستحق۔ (پاکی ہے اللہ) تعالیٰ (کی اُس سے جو شریک بناتے ہیں) اس واسطے کہ واجب الوجود شرکت نہیں قبول کرتا۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ

وہی اللہ ہے بنانے والا، پیدا کرنے والا، صورت دینے والا ہے، اُسی کے سب اچھے نام ہیں۔ پاکی بولتے ہیں اُس کی

مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۲۴

آسمانوں اور زمین والے۔ اور وہی عزت والا حکمت والا ہے●

(وہی اللہ) تعالیٰ (ہے بنانے والا)، یعنی خلق کی تقدیر اور اندازہ کرنے والا مشیت اور حکمت کے موافق۔ (پیدا کرنے والا)، یعنی ظاہر کرنے والا اور نیست سے ہست کرنے والا۔ (صورت دینے والا ہے) مخلوقات کو۔ (اُسی کے سب اچھے نام ہیں) جو شرع و عقل کے نزدیک پسندیدہ ہیں اور مستحسن ہیں۔

(پاکی بولتے ہیں اُس کی) یعنی پاکی کے ساتھ اُسے یاد کرتے ہیں (آسمانوں اور زمین والے)، اور اسے منزہ اور مقدس جانتے ہیں۔ (اور وہی عزت والا) ہے، یعنی غالب ہے اپنی بادشاہی میں کہ مقہور اور مغلوب نہیں ہوتا۔ اور (حکمت والا ہے)، پکا کام کرنے والا اپنے قول اور فعل میں کہ جو کچھ کہتا ہے۔۔یا۔۔کرتا ہے، وہ حکمت کے موافق ہوتا ہے۔

عین المعانی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل سے اسم اعظم پوچھا، حضرت جبرائیل نے کہا عَلَيْكَ بِاٰخِرِ سُوْرَةِ الْحَشْرِ۔ دوبارہ پوچھا یہی جواب پایا۔ الختصر۔۔سورۂ حشر کی آخری آیت میں اسم اعظم مستور و پوشیدہ ہے۔

اختتام سورہ الحشر ۔۔ ﴿ ۱۴ر رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۴ر اگست ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ ﴾

ع ۳

-- ﴿ ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ -- مطابق -- ۵ اگست ۲۰۱۲ء، بروز یکشنبہ ﴾ --

سُوْرَةُ المُمْتَحِنَة

سورۃ الممتحنہ -- ۶۰ مدنیہ ۹۱ — آیاتہا ۱۳ -- رکوعاتہا ۲

اِس سورت کے نام کے تعلق سے دو قول ہیں۔ زیادہ مشہور قول یہ ہے کہ اِس سورہ کا نام 'مُمْتَحِنَہ'، یعنی 'ح' کے زیر کے ساتھ ہے، اِس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اِس سورہ کی آیت ۱۰ میں اُن مؤمن خواتین کا امتحان لینے کا ذکر ہے جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئی تھیں۔ اگرچہ اُن عورتوں کا امتحان رسولِ کریم ﷺ اور مؤمنین نے لیا، لیکن بطورِ اسنادِ مجازِ عقلی اس سورہ کو ہی امتحان لینے والی کہہ دیا گیا۔ اِس کا یہ نام کتبِ تفسیر اور کتبِ سنّۃ میں زیادہ مشہور ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اِس کا نام 'مُمْتَحَنَہ'، 'ح' کے زبر کے ساتھ ہے، کیونکہ یہ سورت ام کلثوم بنت عقبہ بن معیط کے سبب سے نازل ہوئی کیونکہ اس کا امتحان لیا گیا تھا۔ اِس تقدیر پر یہ سورت کی صفت ہے۔ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور اِس کی بالاتفاق ۱۳ آیتیں ہیں۔

۸ھ میں رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے پوشیدہ طور پر مکہ معظمہ کا قصد کیا، حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو مہاجروں میں سے تھے انہوں نے ایک خط قریش کے نام لکھ کر آنحضرت ﷺ کے اس قصد سے آگاہ کردیا۔ حضرت جبرائیل نے آنحضرت ﷺ کو اِس حال سے مطلع کیا۔

حضرت علی، حضرت مقداد، اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم ہوا اور وہ روضہ خاخ میں گئے اور وہ خط بنی ہاشم کے خاندان کی ایک مغنیہ، آزاد کردہ لونڈی، مسماۃ سارہ سے لے لیا اور حضرت علیہ السلام کی خدمت میں لائے۔

آنحضرت ﷺ نے حاطب کو طلب کیا اور پوچھا کہ تم سے کس چیز نے یہ کام کروایا۔ عرض کی یارسول اللہ! خدا کی قسم میں مؤمن ہوں، خدا اور اُس کے رسول پر ایمان رکھتا ہوں اور دینِ اسلام سے پھرا نہیں ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ میں قریش کا حلیف ہوں مگر اُن کی قوم کا نہیں، اور مکہ میں کوئی شخص ایسا میں نہیں رکھتا ہوں کہ میرے لوگوں اور اولاد اور مال کی حفاظت کرے بخلاف اور مہاجروں کے، کہ مکہ میں اُن کے قرابت دار ہیں۔ میں نے یہ خط لکھ کر چاہا کہ قریش پر اپنا حق ثابت کرلوں تا کہ اُس کے ملاحظہ سے میرے لوگوں کی حفاظت کریں۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یارو! حاطب نے تم سے سچ کہہ دیا، اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ غصے میں آئے اور عرض کی یارسول اللہ! مجھے حکم دیجیے کہ میں اِس منافق کی گردن ماروں۔ حضرت نے فرمایا اَے عمر! اُس کو رنج نہ دو کہ وہ اہلِ بدر میں سے ہے، اور حق تعالیٰ نے بدریوں کو خوش خبری دی ہے کہ جو چاہو کرو بے شک میں نے تم کو بخش دیا، اُس وقت یہ آیت نازل ہوئی جس کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کو (بخشنے والا) ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ

اَے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو اپنا دوست، کہ پیغام رسانی کرو اُن کی

بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا

طرف دوستی سے، حالانکہ وہ انکار کر چکے جو آیا ہے تمہارے پاس حق۔ گھر سے الگ کرتے ہیں رسول کو اور تم لوگوں کو، کہ تم مان چکے ہو

بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۗ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۖ تُسِرُّوْنَ

اللہ اپنے رب کو۔ اگر تم نکلے تھے جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری خوشنودیوں کو چاہنے کے لیے، تو خفیہ پیغام رسانی بھی

اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۗ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ

کرتے ہو اُن کی طرف دوستی کی، حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو تم نے چھپایا اور جو علانیہ کیا۔ اور جو کرے یہ تم میں سے،

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ①

تو بے شک وہ بہک گیا سیدھے راستہ سے ●

(اَے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو اپنا دوست)۔ ایسا دوست (کہ پیغام رسانی کرو اُن کی طرف دوستی سے، حالانکہ) وہ دوستی کے لائق ہی نہیں، کیونکہ (وہ اِنکار کر چکے جو آیا تمہارے پاس حق) سچی بات، کہ وہ قرآن ہے۔۔یا۔۔ درست کام کہ دینِ اسلام ہے۔۔یا۔۔ متابعت کے لائق کہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ ان کافروں کی دشمنی کا حال یہ ہے کہ (گھر سے الگ کرتے ہیں رسول

کو) یعنی آپ کو مکہ بدر کرتے ہیں۔ (اور) صرف آپ ﷺ ہی کو نہیں، بلکہ (تم لوگوں کو) بھی شہر بدر کرتے ہیں صرف اِس وجہ سے (کہ تم مان چکے ہو اللہ) تعالیٰ (اپنے رب کو)۔

یعنی اُن کو خاندانی طور پر کوئی خلش نہیں ہے، بلکہ یہ تمہارے صرف اس لیے دشمن ہیں کہ خدا و رسول پر ایمان لانے والے ہو۔ تو جب یہ لوگ ایمان کی وجہ سے تمہیں دشمن بناتے ہیں، تو کیا تمہارے لیے مناسب ہے کہ اُن ایمان کے دشمنوں سے دوستی کرو؟

ذرا تم خود سوچو کہ (اگر تم نکلے تھے جہاد کے لیے میری راہ میں اور میری خوشنودیوں کو چاہنے کے لیے، تو) ایک طرف تم خدا کی خوشنودی چاہتے ہو اور دوسری طرف (خفیہ پیغام رسانی بھی کرتے ہو ان کی طرف دوستی کی) نصیحت کے پردے میں، (حالانکہ میں خوب جانتا ہوں جو تم نے چھپایا) یعنی دشمنوں کی دوستی، (اور جو علانیہ کیا) یعنی جو تم نے عذر ظاہر کیا۔ تو سن لو! (اور) یاد رکھو! کہ (جو کرے یہ) کام، یعنی ان میں سے کسی کو دوست بنائے۔۔۔یا۔۔اُن کو خبر بھیجے (تم میں سے، تو بے شک وہ بہک گیا سیدھے راستے سے)۔ اور اچھی طرح یقین کرلو کہ اُن سے محبت کی طرح ڈالنا کچھ فائدہ نہ دے گا، کیوں کہ۔۔۔

اِنْ یَّثْقَفُوْكُمْ یَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّ یَبْسُطُوْۤا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَ اَلْسِنَتَهُمْ

اگر وہ پا جائیں تمہیں تو ہوں گے تمہارے دشمن، اور دراز کریں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھوں اور اپنی زبانوں کو

بِالسُّوْٓءِ وَ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَؕ۝۲

بُرائی کے ساتھ، اُنہوں نے یہی چاہا کہ کاش تم کافر ہو جاؤ●

(اگر وہ پا جائیں تمہیں، تو ہوں گے تمہارے دشمن)۔ یعنی اگر کافر تم پر قادر ہو جائیں اور فتح پا کر تم کو قید کرلیں، تو وہ تمہارے ساتھ کھلم کھلا دشمنی کریں گے، (اور دراز کریں گے تمہاری طرف اپنے ہاتھوں اور اپنی زبانوں کو بُرائی کے ساتھ)۔ یعنی وہ تمہیں اپنے ہاتھوں سے قتل کریں گے اور زبانوں سے گالیاں دیں گے اور فحش کہیں گے۔ اُن کی دِلی تمنا یہی ہے اور (انہوں نے یہی چاہا کہ کاش تم کافر ہو جاؤ) جیسے کہ وہ خود ہیں۔ یاد رکھو کہ جن رشتہ داروں اور جس اولاد کی محبت میں ایسا کرتے ہو۔۔۔

لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ ۚۛ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۚۛ یَفْصِلُ بَیْنَكُمْ

نہ کام آئیں گے تمہارے، تمہارے رشتے اور نہ تمہاری اولاد۔ قیامت کے دن۔ وہ جدا جدا کردے گا تم سب کو۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۳

اور اللہ جو کچھ کرو دیکھنے والا ہے●

(نہ کام آئیں گے تمہارے، تمہارے) وہ (رشتے) دار (اور نہ تمہاری اولاد)۔ یعنی آج مال اور اولاد کی محبت کے سبب سے مشرکوں سے محبت کرتے ہو اور ملتے ہو، تو وہ مال اور فرزند نہ نفع دیں گے۔ (قیامت کے دن وہ جدا جدا کردے گا تم سب کو) یعنی اُس دن خدا تمہارے اور تمہاری اولاد و قرابت داروں کے درمیان جدائی ڈال دے گا، اِس طور پر کہ کافروں کو دوزخ میں بھیجے گا اور مؤمنوں کو جنت میں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (جو کچھ کرو) دوستی۔۔یا۔۔دشمنی سب کو (دیکھنے والا ہے)، اُس کے مطابق جزا دے گا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا

بے شک تھا تمہارے لیے اچھا نمونہ ابراہیم میں اور جو اُن کے ساتھ تھے۔ جب کہ بولے وہ سب اپنی قوم کو کہ "بلاشبہ ہم

بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا

الگ ہیں تم سے اور اُن سے جنہیں پوجتے ہو اللہ کے خلاف۔ ہم لوگوں نے اِنکار کردیا تم سب سے، اور ظاہر ہو چکی ہمارے

وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ

تمہارے درمیان دشمنی اور عداوت ہمیشہ کو، یہاں تک کہ تم لوگ مان جاؤ ایک اللہ کو،" مگر ابراہیم کی ایک بات

لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا

اپنے بابا سے کہ "میں استغفار کروں گا تمہارے لیے اور میں نہیں اختیار رکھتا تجھ کافر کے لیے اللہ کے حضور کچھ بھی۔" "پروردگارا!

عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝۴

تجھی پر ہم نے بھروسہ رکھا، اور تیری ہی طرف ہم رجوع ہوئے، اور تیری طرف پھرنا ہے"●

اَے ایمان والو! (بے شک تھا تمہارے لیے اچھا نمونہ) اتباع و پیروی کے لیے (ابراہیم میں اور جو اُن کے ساتھ تھے) اُن میں، (جبکہ بولے وہ سب اپنی قوم کو)۔ یعنی یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام نے اور اُن کی قوم کے مؤمنوں نے اپنی قوم کے مشرکوں سے کہا کہ تم ہم سے دوستی اور محبت نہ ڈھونڈھو، کیوں (کہ بلاشبہ ہم الگ ہیں تم سے اور اُن سے جنہیں پوجتے ہو اللہ) تعالیٰ (کے خلاف) ۔۔الغرض۔۔ہم تم سب سے بیزار ہیں۔ یعنی ہم بت پرستوں اور بتوں کسی کے بھی دوست نہیں۔

۔۔الغرض۔۔(ہم لوگوں نے اِنکار کردیا تم سب سے،اور ظاہر ہوچکی ہمارے تمہارے درمیان دشمنی اور عداوت ہمیشہ کو)۔کبھی بھی ہم تمہارے دوست نہیں ہوسکتے (یہاں تک کہ تم لوگ مان جاؤ ایک اللہ) تعالیٰ (کو، مگر ابراہیم کی ایک بات) جوانہوں نے کہی (اپنے بابا) یعنی بڑے باپ (سے)،اُس وعدہ کی وجہ سے جو مغفرت طلب کرنے کا اُن سے کیا تھا اور ایمان لانے کا وعدہ جو اُن کے بابا نے اُن سے کیا تھا۔تو اُسی وعدۂ دُعائے مغفرت کی بناپر حضرت ابراہیم نے اپنے عرفی باپ سے کہا (کہ میں استغفار کروں گا تمہارے لیے،اور میں نہیں اختیار رکھتا تجھ کافر کے لیے اللہ) تعالیٰ (کے حضور کچھ بھی)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کافروں سے بیزار ہونے میں تُو ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کر،مگر اُن کی مغفرت چاہنے میں نہیں،اس واسطے کہ ابراہیم علیہ السلام سے یہ امر وعدہ کے سبب سے واقع ہوا تھا،اور جب ابراہیم اور اُن کے یاروں نے قوم سے بیزاری ظاہر کی تو بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ۔۔۔ (پروردگارا! تجھی پر ہم نے بھروسہ رکھا)۔یعنی خلق سے ہم کٹے اور خالق کے کرم پر اعتماد رکھا۔(اور تیری ہی طرف ہم رجوع ہوئے،اور تیری طرف پھرنا ہے) آخرت میں۔

اور ایک قول یہ ہے کہ یہ دُعا حضرت ابراہیم کے قول کا تتمہ نہیں ہے،بلکہ مومنوں کو کافروں سے دوستی رکھنے کو منع فرما کر فرماتا ہے کہ جب تم نے دشمنوں سے قطع تعلق کرلیا،تو کہو"یا اللہ! اُن سے ہم کٹے اور تیری مہربانی کے ساتھ ملے"۔۔۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

"پروردگارا! نہ رکھ ہمیں آزمائش میں اُن کے جنہوں نے کفر کیا،اور بخش دے ہم سب کو،پروردگارا! بے شک تُو ہی زبردست حکمت والا ہے۔"

(پروردگارا! نہ رکھ ہمیں آزمائش میں)،یعنی ہمیں محل تسلط نہ بنا (اُن کے جنہوں نے کفر کیا)۔یعنی اُن کو ہم پر مسلط نہ کر اور اُن کے ہاتھوں ہم پر عذاب نہ کر۔(اور بخش دے ہم سب کو۔ پروردگارا! بے شک تُو ہی زبردست) ہے یعنی غالب ہے حکم میں،تو اُن کا شر دفع کردے اور (حکمت والا ہے) یعنی دانا ہے اپنے کام میں پس ہم کو بخش دے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ ؕ

بے شک تھا تم لوگوں کے لیے اُن میں اچھا نمونہ،اُس کے لیے جو امید رکھتا ہو اللہ اور پچھلے دن کی۔

وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿٦﴾

اور جو بے رخی کرے، تو بلاشبہ اللہ ہی بے نیاز حمد والا ہے●

(بے شک تھا تم لوگوں کے لیے اُن میں) یعنی ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی قوم میں (اچھا نمونہ)، یعنی اچھی خصلت کہ اُس کی پیروی کرو۔

اِس مضمون کا مکرر لانا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے میں تاکید کے واسطے ہے۔۔یا پہلی اقتدا اقوال میں ہے اور دوسری افعال میں۔اور یہ پیروی ہے (اس کے لیے جو امید رکھتا ہو اللہ) تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی (اور پچھلے دن کی) جزا کی۔۔یا۔۔جو خدا سے اور روزِ قیامت سے ڈرتا ہے۔(اور جو بے رخی کرے) اور منہ پھیرے حکم سے اور دشمنوں سے محبت کرے، (تو بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ہی بے نیاز) ہے اُس سے اور اُس کی نصرت دین کرنے سے، اس واسطے کہ وہ خود اپنے دین کا مددگار ہے، اور (حمد والا ہے)۔یعنی خلق کی تعریف کے بغیر بھی تعریف کیا ہوا ہے۔

منقول ہے کہ یہ آیت نازل ہونے کے بعد مسلمانوں نے مکہ میں رہنے والے اپنے مشرک قرابتداروں سے قطع محبت کی اور اللہ تعالیٰ کے رشتے کو مضبوط کرنے کے لیے سارے رشتوں کو کاٹ کے رکھ دیا، تو حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ۔۔۔

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً ط

قریب ہے کہ اللہ کردے تمہارے درمیان اور اُن کے درمیان کہ دشمنی کا برتاؤ کرنے لگے، اُن سے دوستی۔

وَاللَّهُ قَدِيرٌ ط وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٧﴾

اور اللہ قدرت والا ہے۔اور اللہ غفور رحیم ہے●

(قریب ہے کہ اللہ) تعالیٰ (کردے تمہارے درمیان اور اُن) لوگوں (کے درمیان کہ) جن کو تم نے دشمن رکھا اور (دشمنی کا برتاؤ کرنے لگے اُن سے، دوستی)۔۔۔

اور یہ اس طرح تھا کہ ابوسفیان، سہل بن عمرو اور حکیم بن حزام وغیرہ رؤسائے عرب جو مسلمانوں کے بڑے دشمن تھے انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور اُن کے لوگوں کو اُن کے ساتھ محبتِ کامل پیدا ہوگئی۔

(اور اللہ) تعالیٰ (قدرت والا ہے) اِس بات پر کہ دشمنی کو دوستی میں بدل دے۔(اور اللہ)

تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے اُسے جس نے مشرکوں کے ساتھ 'نہی' کے قبل دوستی کی، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے ان پر جنہوں نے 'نہی' کے بعد قطع محبت کی۔

روایت ہے کہ قوم خزاعہ کو رسولِ مقبول ﷺ کے ساتھ عہد و پیمان تھا اور انہوں نے ہرگز مسلمانوں کا قصد نہیں کیا اور دین کے دشمنوں کو مدد نہیں دی، حق تعالیٰ نے اُن کے باب میں فرمایا کہ۔۔۔

لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ

نہیں روکتا تمہیں اللہ اُن لوگوں سے، جنہوں نے جنگ نہیں کی تم سے دین میں اور نہ نکالا تمہیں تمہارے

دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْۤا اِلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۸

گھروں سے، کہ حسن سلوک رکھو اُن سے اور انصاف برتو اُن سے۔ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے انصاف والوں کو●

(نہیں روکتا تمہیں اللہ) تعالیٰ (اُن لوگوں سے جنہوں نے جنگ نہیں کی تم سے دین) کے کام (میں، اور نہ نکالا تمہیں تمہارے گھروں سے) یعنی خزاعہ نے تم سے مقاتلہ نہیں کیا اور تمہارے اخراج میں دخل نہیں دیا۔۔یا۔۔لڑکے اور عورتیں مراد ہیں کہ اُن کو تمہارے قتل اور اخراج میں چنداں دخل نہیں ہے، تو خدا باز نہیں رکھتا تم کو (کہ حسنِ سلوک رکھو اُن سے) یعنی ان کے ساتھ نیکی کرو (اور انصاف برتو اُن سے) اِس بات سے کہ عدل کرو۔۔یا۔۔اُن کے واسطے حصہ بھیجو۔ (بے شک اللہ) تعالیٰ (پسند فرماتا ہے انصاف والوں کو) جو کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتے۔ اُن کے برعکس۔۔۔

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

اللہ تو تمہیں منع کرتا ہے بس اُنہیں لوگوں سے، جنہوں نے جنگ کی تم سے دین میں اور نکالا تم لوگوں کو تمہارے گھروں سے،

وَظٰهَرُوْا عَلٰۤى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۹

اور مدد کی تمہارے نکالنے پر، یہ کہ دوستی کرو اُن سے۔ جو دوستی کرے اُن کی تو ظالم وہی ہیں●

(اللہ) تعالیٰ (تو تمہیں منع کرتا ہے بس انہیں لوگوں سے جنہوں نے جنگ کی تم سے دین) خدا (میں، اور نکالا تم لوگوں کو تمہارے گھروں سے، اور مدد کی) دشمنوں کی (تمہارے نکالنے پر)۔ تو اللہ تعالیٰ روکتا ہے اور باز رکھتا ہے تم کو (یہ کہ دوستی کرو اُن سے)۔ اور (جو دوستی کرے اُن کی، تو ظالم وہی ہیں) کہ بے محل دوستی کرتے ہیں، اِس واسطے کہ محبت خدا اور اُس کے دوستوں سے ہونی چاہیے۔

ان کافروں کی دوستی سے کچھ نہیں ہوتا۔

روایت ہے کہ جب حدیبیہ میں صلح واقع ہوئی تو شرائطِ صلح میں ایک بات یہ تھی کہ جو مسلمان مکہ سے مدینہ میں آئے حضرت ﷺ اُسے کافروں میں بھیج دیں، اور اگر کوئی مسلمان مدینہ منورہ سے منہ پھیر کر مکہ معظمہ کی جانب جائے، تو قریش اُسے واپس نہ کریں۔ ہنوز آنحضرت ﷺ حدیبیہ میں تھے کہ مؤمنوں کی ایک جماعت مکہ سے بھاگ کر حضرت کی بارگاہ میں حاضر ہوئی، اُس میں سبیعہ اسلمیہ تھیں، اُن کے پیچھے پیچھے اُن کا شوہر مسافر مخزومی پہنچا، اور یہ بات کہی کہ شرط صلح یہ تھی کہ ہم میں سے جو کوئی تم میں آئے اُس کو پھیر دو۔

پس حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور یہ بات کہی کہ یارسول اللہ! وہ شرط مردوں کے باب میں تھی عورتوں پر یہ بات روا نہیں ہے کہ ایمان والی عورت کو مشرک کے حوالے کر دیجیے، اور یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

اُے ایمان والو! جہاں آگئیں تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کی نیت سے تو تحقیقات کرلو اُن کی۔ اللہ خوب جانتا ہے

بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ

اُن کے ایمان کو۔ تو اگر معلوم کرلیا تم نے اُنہیں کہ ایمان والی ہیں تو واپس نہ کرو اُنہیں کفار کی طرف۔ نہ وہ مسلمان عورتیں

حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْ

حلال ہیں اُن کافروں کے لیے، اور نہ وہ کافر حلال ہیں اُن مسلمان عورتوں کے لیے۔ اور دے ڈالو جو مہر خرچ کیا ہے اُن کافروں نے، اور کوئی

هُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ

الزام نہیں تم پر کہ نکاح کرلو اُن کے ساتھ، جب کہ دے چکے اُنہیں اُن کا مہر۔ اور روک تھام نہ کرو کافر عورتوں کے نکاح کی، اور مانگ لو جو تم

وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾

نے خرچ کیا، اور وہ مانگ لیں جو اُنہوں نے خرچ کیا۔ یہ ہے اللہ کا حکم۔ وہ فیصلہ دیتا ہے تمہارے درمیان۔ اور اللہ علم والا حکمت والا ہے●

(اُے ایمان والو! جہاں آگئیں تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کی نیت سے، تو تحقیقات کرلو اُن کی) اِس طرح پر کہ اُنہیں قسم دے کر دریافت کرو کہ اُن کا نکل آنا اپنے شوہر کی عداوت۔۔۔یا۔۔۔ کسی اور مرد کی محبت کے سبب سے تو نہیں، اور دنیوی غرضوں میں کوئی غرض تو نہیں لگی ہوئی ہے۔ خاص

خدااور رسول کے واسطے اور دین اسلام کو قبول کرنے کے لیے آئی ہیں۔اور (اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے اُن کے ایمان کو) اس واسطے کہ وہ دِل کی چھپی باتوں پر مطلع ہے۔

مگر چونکہ حکم شرع ظاہر پر ہے تو تم اُن کو قسم دو، (تو اگر) غلبہ ظن سے (معلوم کرلیا تم نے انہیں کہ ایمان والی ہیں، تو واپس نہ کرو انہیں کفار کی طرف) یعنی اُن کے کافر شوہروں کی طرف۔ کیونکہ (نہ وہ مسلمان عورتیں حلال ہیں اُن کافروں کے لیے اور نہ وہ کافر حلال ہیں اُن مسلمان عورتوں کے لیے) اِس واسطے کہ دُوگھر: ایک دارالاسلام دوسرا دارالحرب، اور مقام کی دوری اور اختلافِ دین اُن کے درمیان جدائی کردینے والا ہے۔(اور دے ڈالو جو مہر خرچ کیا ہے اُن کافروں نے)۔

آنحضرت ﷺ نے سبیعہ کو قسم دی اور اُس کے شوہر مسافر نے جو مہر اُسے دیا تھا وہ لے کر واپس ہوگیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

(اور کوئی الزام نہیں تم پر کہ نکاح کرلو اُن کے ساتھ) یعنی اُن مہاجرہ عورتوں سے، (جبکہ دے چکے انہیں اُن کا مہر)۔ پس حضرت فاروقِ اعظم نے اُس مہاجرہ عورت سے نکاح کرلیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔(اور روک تھام نہ کرو کافر عورتوں کے نکاح کی)، یعنی کافرہ عورتوں کے نکاح کو باقی نہ چھوڑو، بلکہ اُن کو طلاق دے دو اگر ایمان نہ لائیں۔

تو اصحاب کے نکاح میں جو کافرہ عورتیں تھیں اصحاب نے اُن کو طلاقیں دے دیں، اور حکم ہوا (اور مانگ لو) اُس شخص سے جو کافروں میں سے اُس عورت کو اپنے عقد میں لائے (جو تم نے خرچ کیا) مہر اُس پر۔(اور) چاہیے کہ (وہ) کافر (مانگ لیں) تم سے (جو انہوں نے خرچ کیا) اپنی ہجرت کر آنے والی جورو پر مہر۔

یعنی عصمت اور عقدِ زوجیت منقطع ہوگیا مؤمن مرد اور کافرہ عورت میں اور کافر مرد اور مؤمنہ عورت میں، تو ہر ایک کو چاہیے کہ جو مہر اپنی جورو کو دیا ہے پھیرے اور واپس لے لے۔ یہ جو اوپر ذکر کیا گیا، (یہ ہے اللہ) تعالیٰ (کا حکم۔ وہ فیصلہ دیتا ہے تمہارے درمیان۔ اور اللہ) تعالیٰ (علم والا ہے، وہ تمہارے مصالح جانتا ہے، اور (حکمت والا ہے) یعنی حکم کرنے والا ہے وہ جو محض حکمت ہے۔

یہ آیت نازل ہونے کے بعد مؤمنوں نے مہاجرہ عورتوں کے مہر اُن کے شوہروں کو ادا کیے اور کافروں نے مرتدہ عورتوں کے مہر ادا کرنے سے اِنکار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَاِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِيْنَ ذَهَبَتْ

اور اگر نکل جائیں تمہارے ہاتھوں سے چند عورتیں کافروں کی طرف، تو تم نے سزا دی اُن کافروں کو، تو دو اُنہیں

اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

جن کی بیبیاں نکل گئیں اُتنا ہی جو اُنہوں نے خرچ کیا تھا۔ اور ڈرتے رہو اللہ کو جس کے تم لوگ ماننے والے ہو●

(اور اگر نکل جائیں تمہارے ہاتھوں سے چند عورتیں کافروں کی طرف) یعنی عورت دار الحرب میں جا کر عقد کرلے اور اُس کا مہر تمہارے ہاتھ نہ آئے (تو تم نے سزا دی اُن کافروں کو)، یعنی اُن سے قتال کیا اور انجامِ کار فتح یاب ہوئے اور بہت سارا مالِ غنیمت تمہارے ہاتھ لگا، (تو دو انہیں جن کی بیبیاں نکل گئیں) دار الحرب میں اور اُن لوگوں نے اُن عورتوں کے کافر شوہروں سے مہر نہیں پایا (اتنا ہی جو انہوں نے خرچ کیا تھا)۔

معالم میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ چھ۶ عورتیں مؤمن مہاجروں کی عورتوں میں سے مرتدہ ہو کر کافروں کے پاس چلی گئیں اور آنحضرت ﷺ نے اُن کے مہر مالِ غنیمت میں سے ان کے شوہروں کو دیئے۔

(اور) اَے ایمان والو! (ڈرتے رہو اللہ) تعالیٰ کے عذاب (کو جس کے تم لوگ ماننے والے ہو) یعنی جس خدا پر تم ایمان لاچکے ہو اُس کے قہر و عذاب سے ڈرو۔

اِس آیت کا حکم بقاءِ عہد تک باقی تھا اور جب عہد اٹھ گیا تو یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ روایت ہے کہ جب فتح مکہ کے دن رسولِ مقبول ﷺ مردوں کی بیعت لینے سے فارغ ہوئے تو عورتوں نے بھی بیعت کی رغبت کی، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا

اَے آنحضرت! جہاں آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں کہ بیعت کریں تمہاری اُس پر کہ "شریک نہ بنائیں گی اللہ کا کسی

وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ

کو، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی، اور نہ مار ڈالیں گی اپنی اولاد کو، اور نہ بنائیں گی وہ بہتان کہ گڑھ لیں جسے

بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ

اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان، اور نہ بے حکمی کریں گی کسی حکم میں،" تو بیعت لے لو اُن کی، اور مغفرت

لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑫

مانگو اُن کی اللہ سے۔ بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(اے آنحضرت! جہاں آئیں تمہارے پاس ایمان والی عورتیں کہ بیعت کریں تمہاری اس پر، کہ شریک نہ بنائیں گی اللہ) تعالیٰ (کا کسی کو، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ بدکاری کریں گی، اور نہ مار ڈالیں گی اپنی اولاد کو)، جیسا زندہ خاک میں توپ دیتی تھیں۔۔یا۔۔جو بچہ اپنے پیٹ میں رکھتی تھیں اُس کو گرا کر ضائع کر دیتی تھیں، (اور نہ بنائیں گی وہ بہتان، کہ گڑھ لیں جسے اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان)۔یعنی ایسا نہ کریں کہ حرامی لڑکا جنیں اور شوہروں پر جھوٹ لگائیں۔

اِس میں دو چیزیں ہیں: ایک بدکاری اور دوسری بدکاری کے نتیجے میں ہونے والے بچہ کو اپنے شوہر کا بیٹا قرار دینا۔ بدکاری کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اب اس میں خاص طور سے اُس بہتان کا ذکر ہے جو اُس حرامی بچے کو اپنے شوہر کا بچہ قرار دینے کا ثمرہ ہے۔۔۔اِس کا ایک معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی 'لقیط' بچے کو جو غیر ازواج سے ہے اپنے شوہر کی طرف منسوب کر کے نہ لائیں، کیونکہ یہ افترا اور بہتان ہے اور یہ اُن کبائر سے ہے جو شرک کے بالکل قریب ہیں۔

اِس ارشاد میں اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان اُس بات کی طرف اشارہ ہے کہ 'موضع حمل' دونوں ہاتھوں کے درمیان ہے، اور 'موضع ولادت' دونوں پیروں کے درمیان ہے۔تو یہ بہتان ایسا کذبِ صریح ہے جو خود بہتان تراشنے والی عورت کے 'موضع حمل' اور 'موضع ولادت' سے متعلق ہے، کیونکہ 'لقیط' کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کرنا خود اُس کا اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان سے پیدا ہونے والا قرار دینا ہے، جو یقیناً جھوٹ ہے اور اپنے شوہر پر بہتانِ صریح بھی ہے۔

۔۔الغرض۔۔مذکورہ بالا باتوں سے اپنے کو بچانے کا وعدہ کریں (اور) اِس بات کا بھی وعدہ کریں کہ (نہ بے حکمی کریں گی کسی حکم میں)۔یعنی اُن کو جس نیکی کا حکم دیا جائے اُس کو تسلیم کریں اور اس پر عمل کریں اور بے صبری کے رونے پیٹنے کو چھوڑ دیں اور منہ نوچنے اور بال پراگندہ کرنے سے باز آئیں۔ جب اِن شرطوں سے بیعت کریں (تو بیعت لے لو اُن کی اور مغفرت مانگو اُن کی) یعنی بیعت کرنے والی عورتوں کی (اللہ) تعالیٰ (سے)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے زبانی ارشاد فرما کر عورتوں سے بیعت لی مگر کسی کا ہاتھ نہیں چھوا۔ اور ایک قول ہے کہ پانی کے پیالے میں عورتیں ہاتھ

ڈالتیں پھر رسولِ مقبول ﷺ اُس میں ہاتھ ڈالتے، اس طرح سے عورتوں کی بیعت ہوتی۔ اور بعضوں نے کہا کہ حضرت خدیجہ کی بہن کو آپ نے حکم کیا اور انہوں نے عورتوں سے بیعت لی۔

تو اَے محبوب! اُن بیعت کرنے والی عورتوں کی اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہو، (بے شک اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی ان کے گناہوں کا بخشنے والا ہے جو خدا کی توحید پر بیعت کریں، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے اُن پر کہ توبہ اور ایمان کی توفیق دی۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ لوگ کہتے ہیں کہ 'رحمت ایمان پر موقوف ہے'، یعنی جب تک بندہ ایمان نہیں لاتا رحمت کا مستحق نہیں ہوتا۔ اور میں کہتا ہوں کہ 'ایمان رحمت پر موقوف ہے'، کیونکہ جب تک حق تعالیٰ اپنی رحمت سے توفیق نہیں دیتا کسی کو دولتِ ایمان نہیں حاصل ہوتی۔ بعضے محتاج مسلمان فائدہ حاصل کرنے کو یہود سے دوستی کرتے تھے اور مسلمانوں کی خبر اُن سے کہتے تھے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لَا تَتَوَلَّوۡاْ قَوۡمًا غَضِبَ ٱللَّهُ عَلَيۡهِمۡ قَدۡ يَئِسُواْ مِنَ ٱلۡأٓخِرَةِ

اَے ایمان والو! نہ دوستی کرو اُس قوم کی، جن پر غضب فرمایا اللہ نے، بے شک وہ لوگ ناامید ہو گئے آخرت سے،

كَمَا يَئِسَ ٱلۡكُفَّارُ مِنۡ أَصۡحَٰبِ ٱلۡقُبُورِ ﴿١٣﴾

ع ٢ ٨ (الصف)

جس طرح کافر لوگ ناامید ہو چکے قبر والوں سے●

(اَے ایمان والو! نہ دوستی کرو اُس قوم کی جن پر غضب فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے، بے شک وہ ناامید ہو گئے آخرت) کے ثواب (سے) اس واسطے کہ انہوں نے جان لیا کہ رسول کریم کی نعت چھپانے اور آپ کے ساتھ عناد اور عداوت رکھنے سے اُن کو کسی طرح اخروی ثواب میں سے کچھ حظ اور حصہ نہ ہوگا۔ تو ضرور وہ ناامید ہیں (جس طرح کافر لوگ ناامید ہو چکے قبر والوں سے) یعنی دُنیا میں اُن کے پھر آنے سے۔

--یا--

یہود ثواب آخرت سے ایسے ناامید ہیں جیسے کافر مرے ہوئے کہ انہوں نے اپنا حال صاف جان لیا اور اُس جگہ کی نعمتوں سے بالکل امید قطع کی۔

اختتام سورہ الممتحنہ -- ﴿ ١٦ ر رمضان المبارک ١٤٣٣ھ -- مطابق -- ٦ ر اگست ٢٠١٢ء، بروز دوشنبہ ﴾

-- ﴿ ۱۸ ررمضان المبارک ۱۴۳۳ھ --مطابق-- ۸ راگست ۲۰۱۲ء، بروز چہارشنبہ ﴾ --

سورۃ الصّف ٦١ مدنیۃ ١٠٩ — آیاتہا ١٤ — رکوعاتہا ٢

سُوۡرَةُ الصَّفِّ

سورۃ الصّف--٦١ مدنیہ١٠٩ — آیاتہا ١٤--رکوعاتہا ٢

اِس سورہ کا نام 'الصّف' ہے، جو اِسی کی آیت ۴ سے ماخوذ ہے۔ یہ سورت غزوۂ اُحد کے بعد نازل ہوئی۔ اِس سورت کا مرکزی مضمون اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے قتال اور جہاد کرنا ہے، اور اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے اور دیگر احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا ثواب بیان کرنا ہے۔ ایسے عظیم مقاصد پر مشتمل اِس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں---

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِۚ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ①

پاکی بولی اللہ کی سب نے جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، اور وہی زبردست حکمت والا ہے●

(پاکی بولی اللہ) تعالیٰ (کی جو کچھ آسمانوں) میں ہے از قسم علویات (اور جو کچھ زمین میں ہے) از قسم سفلیات --المختصر-- سبھوں نے خدا کو پاک اور بے عیب کہا، (اور وہی زبردست) ہے یعنی غالب ہے۔ اس کا حکم کسی طرح سے رَدّ نہیں ہوتا۔ اور (حکمت والا ہے) یعنی درست کار ہے کہ اُس کے کاموں میں کسی طرح خلل راہ نہیں پاتا۔

روایت ہے کہ صحابہء کرام نے کہا کہ کیا کام ہم کریں جو ہم کو دوزخ سے بچا کر جنت میں پہنچائے، تو حق تعالیٰ نے وہ آیت کریمہ نازل فرمائی جس میں عَذَابٍ اَلِيۡمٍ سے بچانے والی تجارت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے، وہ ایمان اور جہاد ہے۔ یہ وہ کام ہے جو بندہ کو 'سجن سجین' سے رہائی دے اور 'اعلیٰ علیین' پر پہنچائے۔ صحابہء کرام کو موت ناگوار لگی، تو یہ آیت نازل ہوئی---

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲﴾

اَے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ، جو خود نہیں کرتے ●

(اَے ایمان والو! کیوں کہتے ہو وہ، جو خود نہیں کرتے)۔ یعنی ایسی باتوں کی خواہش ہی کیوں کرتے ہو جس پر عمل شاق گزرے۔

ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو بظاہر ایمان والے تھے اور قتال و جہاد کی تمنا رکھتے تھے، اور جب اللہ تعالیٰ نے قتال کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ "اَے ہمارے رب! تُو نے ہم پر قتال کیوں فرض کر دیا؟" ابن زید نے کہا کہ یہ آیت اُن منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو کہتے تھے کہ اگر تم اللہ کے دشمنوں سے مقابلہ کے لیے نکلے اور تم نے اُن سے قتال کیا تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور ان کے ساتھ قتال کریں گے۔ اور مسلمان جب کفار سے مقابلہ کے لیے نکلے تو وہ پیچھے لوٹ گئے اور قتال نہیں کیا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو کسی کام کی نذر مانتے تھے اور پھر اس کو پورا نہیں کرتے تھے۔ یعنی وہ ایک بات کہتے ہیں اور پھر اس کو پورا نہیں کرتے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر کا پورا کرنا واجب ہے۔ اسی طرح انسان جب کسی شخص سے کسی چیز کو دینے کا وعدہ کرے۔۔۔یا۔۔۔ اس کے لیے کسی کام کو کرنے کا وعدہ کرے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے وعدہ کو پورا کرے ورنہ وہ اللہ کے غضب کا مستحق ہوگا۔

اسی طرح اس آیت کے مصداق وہ علماء اور واعظین ہیں جو لوگوں کو بُرائی سے روکتے ہیں اور خود بُرائی سے نہیں رکتے۔ آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں دیکھا کہ ایسے عالموں کی زبانیں قینچی سے کاٹی جاتی ہیں کیونکہ۔۔۔

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ

نہایت ناگوار ہے اللہ کے نزدیک کہ کہو وہ جسے خود نہ کرو ● بے شک اللہ پسند فرماتا ہے اُنہیں

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ﴿۴﴾

جو جہاد کریں اُس کی راہ میں صف باندھ کر، گویا کہ وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی ●

(نہایت ناگوار ہے اللہ) تعالیٰ (کے نزدیک کہ کہو وہ جسے خود نہ کرو)۔ اور یاد رکھو کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (پسند فرماتا ہے اُنہیں جو جہاد کریں اُس کی راہ میں صف باندھ کر، گویا کہ وہ دیوار ہیں

سیسہ پلائی ہوئی)۔

یہ کنایہ ہے معرکہء حرب میں اُن کی ثابت قدمی سے اور ایک دوسرے کے ساتھ ملے اور بھڑے رہنے سے۔

وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖ یٰقَوۡمِ لِمَ تُؤۡذُوۡنَنِیۡ وَ قَدۡ تَّعۡلَمُوۡنَ اَنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ

اور جب کہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو کہ "اے میری قوم! کیوں ستاتے ہو مجھے، حالانکہ یقیناً تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں

اِلَیۡکُمۡ ؕ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوۡبَہُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ لَا یَہۡدِی الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِیۡنَ ﴿۵﴾

تمہاری طرف۔" پھر بھی جب ٹیڑھے رہ گئے، تو ٹیڑھا ہی رکھا اللہ نے اُن کے دِلوں کو۔ اور اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو●

(اور) یاد کرواُسے (جبکہ کہا موسیٰ نے اپنی قوم کو کہ اَے میری قوم! کیوں ستاتے ہو مجھے) اور رنج دیتے ہو تم لوگ میرا حکم نہ سن کر، (حالانکہ یقیناً تم جانتے ہو کہ میں اللہ) تعالیٰ (کا رسول ہوں تمہاری طرف) اور اپنی رسالت پر کھلے ہوئے معجزوں کی گواہی قائم کر چکا ہوں، اور تم کو میری رسالت معلوم ہوگئی اور کچھ شبہ نہیں رہا، تو رسول کو معزز اور مکرم ہونا چاہیے تو تم میری فرمانبرداری کرو۔

قوم کے لوگ اُسی جہالت اور ضلالت پر قائم رہے اور حضرت کلیم کی بات نہ سنی۔

(پھر بھی) یعنی ان ہدایات کے بعد بھی (جب ٹیڑھے رہ گئے) بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کا حکم قبول کرنے سے، (تو ٹیڑھا ہی رکھا اللہ) تعالیٰ (نے اُن کے دِلوں کو)۔ یعنی ان کے دلوں سے یقین نکال دیا (اور) انہیں شک ہی میں رہنے دیا، کیونکہ (اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو) اپنی معرفت کی طرف۔

وَ اِذۡ قَالَ عِیۡسَی ابۡنُ مَرۡیَمَ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰہِ اِلَیۡکُمۡ

اور جب کہ کہا عیسیٰ ابن مریم نے کہ "اَے بنی اسرائیل! بے شک میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف،

مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوۡرٰىۃِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوۡلٍ یَّاۡتِیۡ مِنۡۢ

تصدیق کرنے والا اپنے سے پہلے کی توریت کا، اور خوشخبری دینے والا اُس عظیم رسول کا، جو آئیں گے میرے

بَعۡدِی اسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ قَالُوۡا ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۶﴾

بعد، اُن کا نام ہے احمد۔" پھر جب آگئے وہ بھی اُن کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ، تو سب بول پڑے کہ "یہ کھلا جادو ہے"●

(اور) یاد کرو اُسے بھی (جبکہ کہا عیسیٰ ابن مریم نے، کہ اَے بنی اسرائیل! بے شک میں اللہ) تعالیٰ (کا رسول ہوں تمہاری طرف) دلیل اور رحمت کے ساتھ۔ اور حال یہ ہے کہ (تصدیق کرنے والا) ہوں (اپنے سے پہلے کی)، یعنی اپنے آنے سے پہلے نازل ہونے والی (توریت کا)۔ اور جس کی میں نے تصدیق کی ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آئی ہے۔ (اور) میں (خوش خبری دینے والا) ہوں (اُس عظیم رسول کا جو آئیں گے میرے بعد) دینِ کامل اور شرعِ شامل کے ساتھ۔ (اُن کا نام ہے احمد) یعنی بڑی تعریف کرنے والے۔

حضرت عیسیٰ کے کلام کا ترجمہ یہ ہے کہ "یقینی میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف اور احمد ﷺ آئے" یعنی میرے بعد یقینی آئیں گے۔

(پھر جب آگئے وہ بھی) یعنی حضرت عیسیٰ بھی (اُن کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ) جیسے مُردہ زندہ کرنا، مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینا، (تو سب بول پڑے کہ یہ کھلا جادو ہے)، یعنی کسی پر یہ بات پوشیدہ نہیں کہ وہ سحر کرتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ

اور اُس سے زیادہ ظالم کون ہے؟ جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ، اور وہ بُلایا جارہا ہے اسلام کی طرف۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اللہ نہیں راہ دیتا اندھیر والی قوم کو●

(اور اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے باندھا اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ) یعنی اُس کے پیغمبر کی تکذیب کی اور اُن نشانیوں کو جادو گمان کیا۔

بعضے علماء یہ فرماتے ہیں کہ نضر بن حارث نے کہا کہ قیامت کے دن لات اور عزیٰ میری شفاعت خدا سے کریں گے اور خدا اُن کی شفاعت قبول فرمائے گا، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ "اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے کہ کافروں کے حق میں وہ بتوں کی شفاعت قبول فرمائے گا۔"

(اور) حال یہ ہے کہ (وہ) مفتری (بلایا جارہا ہے اسلام کی طرف) جو مشتمل ہے خیر و صلاح اور فوز و فلاح پر دُنیا اور عقبیٰ میں۔ ایسے عظیم دین کی طرف رسول ﷺ انہیں بلارہے ہیں پھر بھی ان کے

بہتیرے اِدھر نہیں آرہے ہیں۔ (اور) یہ اس لیے کہ (اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا اندھیر والی قوم کو)۔

لباب میں ہے کہ چندروز رسولِ مقبول ﷺ پر وحی نہیں اُتری تو کعب بن اشرف نے کہا کہ خوشخبری ہو تم کو اے گروہِ یہود! کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خدا نے اُس کا نور بجھا دیا اور اُس کا کام پورا نہ ہوگا۔ یہ بات آنحضرت ﷺ سے لوگوں نے عرض کی، آپ کے دِلِ مبارک کو رنج وملال ہوا۔ پس حضرت جبرائیل وہ رنج دفع کرنے کے لیے یہ آیت لائے کہ یہود۔۔۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ⑧

چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے، اور اللہ پورا فرمانے والا ہے اپنے نور کا، گو بُرا مانیں کافر لوگ •

(چاہتے ہیں کہ بجھادیں اللہ) تعالیٰ (کے نور کو اپنے مونہوں سے) یعنی ناپسندیدہ اور بے ادبانہ باتوں سے، (اور اللہ) تعالیٰ (پورا فرمانے والا ہے اپنے نور کا گو بُرا مانیں کافر لوگ)۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے دین، اپنی کتاب قرآن اور اپنے رسول کی ہدایات کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والا ہے خواہ کفار اُسے بُرا ہی مانیں۔۔ چنانچہ۔۔ وہ خدا۔۔۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دستورِ حق کے ساتھ، تا کہ غالب کردے اُسے سب دینوں پر

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ⑨ ع ۹

گو بُرا مانیں مشرک لوگ •

(وہی ہے جس نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دستورِ حق کے ساتھ)، یعنی قرآن اور دینِ حق کے ساتھ کہ ملتِ حنیف ہے، (تا کہ غالب کردے اِسے) یعنی اِس دینِ اسلام کو (سب دینوں پر)۔

انشاء المولیٰ تعالیٰ حضرت [redacted]
دینِ اسلام کو قبول کرلیں گے۔ اور ایک [redacted]
ساری دُنیا پر آج [redacted]۔۔۔

(گو بُرا مانیں مشرک لوگ)۔ اُن کے بُرا ماننے سے دین کے عروج وارتقاء پر فرق نہیں آتا۔

ظاہر ہے کہ مشرکین دینِ محمدی کے اظہار وغلبہ کو کیسے پسند کریں گے، اس لیے کہ یہ مشتمل ہے توحید ثابت کرنے اور شرک باطل کرنے پر۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَٰرَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۱۰﴾

اے ایمان والو! کیا باخبر کردوں تمہیں اُس تجارت پر جو بچالے تمہیں دکھ والے عذاب سے●

تُؤْمِنُونَ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَتُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ بِأَمْوَٰلِكُمْ

مانتے رہو اللہ کو اور اُس کے رسول کو، اور جہاد کیا کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں

وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾

اور جانوں سے۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر جانو مانو●

(اے ایمان والو! کیا باخبر کردوں تمہیں اُس تجارت پر جو بچالے تمہیں دکھ والے عذاب سے) اور وہ یہ ہے کہ (مانتے رہو) دِل کی سچائی کے ساتھ (اللہ) تعالیٰ (کو اور اُس کے رسول کو، اور جہاد کیا کرو) کافروں سے (اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں اپنے مالوں) سے یعنی مجاہدین کے لیے زادِ راہ، سواریاں اور ہتھیار خریدو، (اور جانوں سے) کہ قتل اور حرب پر آمادہ رہو۔ (یہ) یعنی جو کچھ مذکور ہوا ایمان اور جہاد (بہتر ہے تمہارے لیے) نفع دینے والے معاملات سے (اگر جانو مانو) تم حقیقی تجارت کا طریقہ۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ اِس تجارت میں اصل معاملہ یہ ہے کہ غیرِ حق کو دے دو اور حق کو لے لو۔

پس اگر ایمان لاؤ گے اور جہاد کرو گے۔۔تو۔۔

يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ

بخش دے گا تمہارے گناہوں کو اور داخل فرمائے گا تمہیں باغوں میں، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں،

وَمَسَٰكِنَ طَيِّبَةً فِى جَنَّٰتِ عَدْنٍ ۚ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿۱۲﴾

اور پاکیزہ گھروں میں بسے رہنے کے باغوں میں۔ یہی بڑی کامیابی ہے●

(بخش دے گا) حق تعالیٰ (تمہارے گناہوں کو) دُنیا میں (اور داخل فرمائے گا تمہیں) آخرت میں ان (باغوں میں، بہتی ہیں جن) کے مکانوں اور درختوں (کے نیچے نہریں، اور پاکیزہ گھروں میں

بسے رہنے کے باغوں میں)۔ یعنی ہیشگی کی جنتوں میں اقامت کے لیے صاف وشفاف پاکیزہ گھر ہے اور مغفرت اور جنت میں داخل ہونا۔ (یہی) بہت (بڑی کامیابی ہے)۔

وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا ۖ نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٣﴾

اور دوسری وہ نعمت، جس کی دِلی خواہش رکھتے ہو، اللہ کی مدد اور جلد ہی فتح یابی۔ اور بشارت دے دو مسلمانوں کو●

(اور) تمہارے لیے دُنیا میں (دوسری وہ نعمت) ہے (جس کی دلی خواہش رکھتے ہو) یعنی (اللہ) تعالیٰ (کی مدد اور جلد ہی فتح یابی) فَتْحٌ قَرِيبٌ سے مراد 'فتح مکہ' ہے۔۔یا۔۔فارس اور روم کی فتح۔

حضرت ابن عطا قدس سرہ نے فرمایا، نصرت توحید ہے اور فتح ملک مجید کے جمال پر نظر کرنا۔ محققوں کے نزدیک فَتْحٌ قَرِيبٌ دِل کے دروازہ کا کھلنا ہے مقامات نفس کی ترقی کے سبب سے اور اُس فتح کی غنیمتیں معارفِ یقینیہ ہوتے ہیں اور سب مؤمنوں کو اس مرتبہ میں شرکت ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

(اور) اَے محبوب! (بشارت دے دو مسلمانوں کو) دُنیا میں نصرت کی اور آخرت میں جنت کی۔۔تو۔۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيِّينَ

اَے ایمان والو! ہو جاؤ دینِ الٰہی کے مددگار، جیسا کہ کہا تھا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں کو

مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ ۖ فَآمَنَت طَّائِفَةٌ

کہ "کون ہے میری مدد پر اللہ کی طرف ہو کر۔" بولے حواری لوگ کہ "ہم دینِ الٰہی کے مددگار ہیں۔" تو مان گئی ایک جماعت

مِّن بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَت طَّائِفَةٌ ۖ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا

بنی اسرائیل کی، اور اِنکار کر دیا ایک جمعیت نے۔ تو تائید فرمائی ہم نے اُن کی جو مان گئے تھے

ع ۵ ۱۰ عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَأَصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿١٤﴾

اُن کے دشمنوں پر، تو وہ ہو گئے غالب●

(اَے ایمان والو! ہو جاؤ دینِ الٰہی کے مددگار) یعنی نصرت کرنے والے خدا کے دین کے اور رسول کے۔

تقدیرِ کلام یوں ہے، کہ۔۔۔

اَے محمد ﷺ ' اپنی قوم سے نصرت طلب کرو (جیسا کہ) نصرت طلب کی تھی اور (کہا تھا عیسیٰ ابن مریم نے اپنے حواریوں کو) جو اُن کے خواص تھے اور اُن کے دین میں سب پر سبقت لے گئے تھے، (کہ کون ہے میری مدد پر اللہ کی طرف ہو کر؟ بولے حواری لوگ، کہ 'ہم دینِ الٰہی کے مددگار ہیں') اور فی الواقع حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھ جانے کے بعد خلق کو خدا کی طرف حواریوں نے دعوت کی، (تو مان گئی) اُن کی دعوت سے (ایک جماعت بنی اسرائیل کی اور انکار کر دیا ایک جمعیت نے)۔

اِس دوسرے گروہ نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا اور جب حضرت خاتم الانبیاء ﷺ مبعوث ہوئے، تو آپ نے سب مؤمنوں کے موافق فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کے رسول ہیں۔ اور اس گروہ مؤمن نے مدد پائی۔۔ چنانچہ۔۔حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

(تو تائید فرمائی ہم نے اُن کی جو مان گئے تھے)، یعنی قوت دی ہم نے اور غالب کر دیا ہم نے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ' پر اور اُن کے رسول اور بندے ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے (اُن کے دشمنوں پر) جو حضرت عیسیٰ کے خدا ہونے کے قائل تھے۔ (تو وہ) ایمان والے (ہو گئے غالب) کافروں پر۔

اختتام سورہ الصف ۔۔ ﴿ ۱۸ر رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۸راگست ۲۰۱۲ء، بروز چہارشنبہ ﴾

۔۔ ﴿ ۱۹ر رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۹راگست ۲۰۱۲ء۔۔۔بروز پنجشنبہ ﴾ ۔۔

سُوْرَۃُ الْجُمُعَۃِ

سورۃ الجمعہ۔۔٦٢ مدنیہ ۱۱۰ — آیاتہا ۱۱۔۔رکوعاتہا ۲

اِس سورہ کا نام 'الجمعہ' ہے جو اس کی آیت ۹ سے ماخوذ ہے۔ ہفتہ کے سات دنوں میں سے ایک دن کا نام 'جمعہ' ہے۔ 'جمعہ' کے دن جو نماز شروع ہوئی اُس پر بھی 'جمعہ' کا اطلاق ہوتا ہے، اور 'جمعہ' کے دن پر بھی 'جمعہ' کا اطلاق ہوتا ہے۔ جمعہ کے دن 'نمازِ جمعہ' پڑھنے کو اہلِ مصر

پر فرض قرار دیا گیا ہے، اور اِس دن نماز کے وقت کا [illegible]
اور اُن مسلمانوں پر عتاب فرمایا ہے جو نمازِ جمعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو دورانِ خطبہ چھوڑ کر شام سے آئے ہوئے قافلے سے غلہ خرید نے چلے گئے تھے۔

یہ اُس وقت کی بات ہے جب خطبہ 'نمازِ جمعہ' کے بعد دیا جاتا تھا، پھر آیت ۱۱ کے نزول کے بعد خطبہ پہلے دیا جانے لگا، اور پھر ہمیشہ کے لیے اُسی کو معمول بنا دیا گیا۔ اِس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور اُس کی عظیم صفات کا بیان فرمایا اور پھر رسول اللہ ﷺ کی صفات بیان فرمائی ہیں۔ ایسے عظیم الشان ذکر پر مشتمل اِس سورۂ مبارکہ کو۔۔۔یا۔۔قرآنِ کریم کی تلاوت کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

پاکی بولتا رہتا ہے اللہ کی جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، بادشاہ نہایت پاک زبردست حکمت والا●

(پاکی بولتا رہتا ہے اللہ) تعالیٰ (کی) یعنی پاکی کے ساتھ یاد کرتا اور تنزیہہ کرتا رہتا ہے (جو کچھ آسمانوں) میں از قسم علویات (اور جو کچھ زمین میں ہے) از قسم سفلیات۔ کیسی شان والی ذات؟ کہ (بادشاہ) ہے۔ اور اُس کی بادشاہی ہمیشہ رہنے والی ہے، یعنی بے زوال ہے۔ (نہایت پاک) ہے عیب اور خلل پڑنے سے۔ (زبردست) ہے، یعنی غالب ہے کہ مثل اور نظیر نہیں رکھتا۔ (حکمت والا) ہے یعنی راستی اور درستی کے ساتھ حکم فرمانے والا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ

وہی ہے جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں رسول اُنہیں سے، جو تلاوت کریں اُن پر اُس کی آیتوں کی، اور پاک کردیں اُنہیں،

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ②

اور سکھادیں اُنہیں کتاب وحکمت۔ اور بلاشبہ وہ لوگ تھے اُن سے پہلے کھلی گمراہی میں●

(وہی ہے جس نے بھیجا اُن پڑھوں میں) یعنی قومِ عرب میں، کہ اُس میں اکثر آدمی بے لکھے پڑھے تھے۔۔یا۔۔ 'اُمّ القریٰ' میں رہنے والوں میں ایک عظیم (رسول انہیں سے)، یعنی انہیں کے نسب اور انہیں کی جنس سے۔

اور بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے، اس لیے کہ اُس نے نوعِ انسان اور بشر میں سے رسول بھیجا۔ فرشتے۔۔یا۔۔جن کو اُن میں سے رسول بنا کر نہیں بھیجا، ورنہ انسان اُس سے استفادہ نہ کرسکتے اور اُس کے افعال اُن کے لیے نمونہ اور حجت نہ ہوتے۔

وہ رسول (جو تلاوت کریں اُن پر اُس کی آیتوں کی)۔ اور دلائل بیان کرتے ہیں اور معجزات پیش کرتے ہیں جن سے آپ کی نبوت اور رسالت ثابت ہوتی ہے، اور اُن آیات سے احکامِ شرعیہ بیان کرتے ہیں۔ (اور) آپ کی شان یہ ہے کہ (پاک کردیں انہیں)، یعنی اُن کے باطن کو صاف کردیں جن کے دِلوں میں برسوں سے بت پرستی اور شرک کی محبت چڑھی ہوئی تھی۔

آپ کی نگاہِ کیمیا اثر سے اُن کی کایا پلٹ گئی تھی اور وہ توحید کے متوالے بن گئے تھے جو لُوٹ مار، بدکاری اور قتل وغارت گری کے عادی تھے۔ اُن کی سیرت رشکِ ملائکہ بن گئی اور وہ تقویٰ و پرہیزگاری کا پیکر بن گئے۔

(اور سکھادیں انہیں کتاب وحکمت)۔

کتاب سے مراد قرآنِ مجید کی آیات اور حکمت سے مراد قرآنِ مجید کے معانی اور ان سے احکامِ شرعیہ کا استنباط اور اجتہاد۔۔یا۔۔حکمت سے مراد نبی ﷺ کے اقوال اور افعال اور آپ کی سنتِ مبارکہ اور قرآن مجید کے احکام کا عملی نمونہ۔

(اور بلاشبہ وہ لوگ تھے اُن سے پہلے کھلی گمراہی میں)۔ یعنی وہ کھلم کھلا شرک اور بت پرستی کرتے تھے، مُردار کھاتے تھے، چوریاں کرتے اور ڈاکے ڈالتے تھے، اور پرائی عورتوں کی عزت لُوٹتے تھے۔۔المختصر۔۔رسول کریم اُن اُمّیّن کی ہر پہلو سے ہدایت فرماتے رہے۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③

اور دوسروں کو بھی اُن میں سے جو ابھی نہیں ملے ان کے ساتھ۔ اور وہی زبردست حکمت والا ہے●

(اور) صرف انہی کو نہیں، بلکہ (دوسروں کو بھی ان میں سے جو ابھی نہیں ملے ان کے ساتھ)۔

یعنی نبی کریم، صحابہ کے علاوہ قیامت تک کے ذی استعداد علماء اور اولیاء کے سامنے

قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے ہیں۔اُن کا باطن صاف کرتے ہیں اوران کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔۔الغرض۔۔نبی کریم کو مبعوث کیا دوسروں کے درمیان مؤمنین سے جو نہ پہنچے ان لوگوں تک جو ان سے سابق تھے،مگر لاحق ہوں گے اُس سے تابعین مراد ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اِس سے عجمی فارسی لوگ مراد ہیں۔اور بہت صحیح قول یہ ہے کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اسلام میں داخل ہوا اور ہوتا ہے وہ ان آخرین میں داخل ہے۔اور جس کسی کو بھی [illegible] علم وہدایت، تزکیہ وطہارت۔۔الغرض۔۔جو کسی کو بھی [illegible] کریم ہی کی عطا ہے۔۔علاوہ ازیں۔۔بعض خوش بخت اور فیروز قسمت [illegible] کریم بلاواسطہ اپنے کرم بے پاں اور فضل بیکراں کی بارش فرماتے رہتے ہیں، اس لیے کہ یہ جس ذات کے رسول ہیں۔۔۔

(اور) جس سے بلاواسطہ فیض لینے والے ہیں، (وہی زبردست) اور غالب ہے۔امر بعثت میں جس کسی کو چاہتا ہے رسول بنا کر بھیجتا ہے۔اور (حکمت والا ہے) ہر پیغمبر کو ہر امت کے واسطے اختیار کرنے میں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۴

یہ اللہ کا فضل ہے، دے اُسے جسے چاہے۔اور اللہ بڑا فضل والا ہے●

(یہ) نبوت۔۔یا۔۔بعثت (اللہ) تعالیٰ (کا فضل ہے) اور اُس کا مزید کرم ہے۔(دے اُسے جسے چاہے۔اور اللہ) تعالیٰ (بڑا فضل والا ہے)۔اور اُس کے فضل کے سامنے دُنیا اور آخرت کی سب نعمتیں حقیر اور ناچیز ہیں۔

یہود رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور رسالت کے عموم میں شبہہ پیش کرتے تھے کہ آپ صرف اُمِّیّین اور مکہ والوں کے رسول ہیں، حالانکہ رسول کریم نے خود فرمایا ہے کہ مجھے ساری مخلوق کی طرف رسول بنایا گیا ہے اور مجھ پر انبیاء کو ختم کر دیا گیا ہے۔اب اِس آیت سے مقصود یہودیوں کی اِس بات پر مذمت کرنا ہے کہ اُن کو تورات دی گئی اور انہوں نے تورات کی آیات پر عمل نہیں کیا۔

تورات میں ہمارے نبی ﷺ کی آمد کے متعلق لکھا ہوا تھا اور آپ کی نشانیاں بیان کر دی

گئی تھیں، اور انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب آپ کا ظہور ہو تو وہ آپ پر ایمان لے آئیں، لیکن انہوں نے اِس حکم پر عمل نہیں کیا۔۔الختصر۔۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ

مثال اُن کی جو گراں بار کیے گئے توریت کے، پھر نہ برداشت کرسکے اُس کی، جیسے گدھے کی مثال جو لادے کتابوں کو۔

بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

کتنی بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیتوں کو، اور اللہ نہیں راہ دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵

اندھیر والوں کو●

(مثال اُن لوگوں کی جو گراں بار کیے گئے توریت کے)، یعنی جنہیں حکم دیا گیا تھا کہ احکام توریت کا بار تکلیف اٹھائیں، (پھر نہ برداشت کرسکے اُس کی) اور نہ اٹھایا انہوں نے بار، اور فقط زبانی توریت پڑھنے پر قناعت کی اور جو احکام اُس میں تھے اس پر عمل نہ کیا۔ اُن کی مثال (جیسے گدھے کی مثال جو لادے کتابوں کو)۔ یعنی علمی کتابوں کے بوجھ کی مشقت اٹھائے مگر ان سے فائدہ حاصل نہ کرسکے، یہی حال یہود کا ہے کہ توریت پڑھتے ہیں اور اُس سے فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ (کتنی بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا اللہ) تعالیٰ (کی آیتوں کو) جو محمد ﷺ کی نبوت پر دلیل تھیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (نہیں راہ دیتا اندھیر والوں کو)۔ کیونکہ حق کے ساتھ عناد کرکے انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور باوصف اس کے کہتے ہیں کہ "ہم ہیں اللہ کے بیٹے اور اُس کے دوست" اور یہ ڈینگیں ہانکتے ہیں کہ "یہودیوں کے سوا کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔" تو اَے محبوب! اُن یہودیوں سے۔۔۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْۤا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ

کہہ دو کہ "اَے یہودیو! اگر ڈینگ لی ہے تم نے کہ تم دوست ہو اللہ کے اور لوگوں کو چھوڑ کر،

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۶

تو آرزو کرو موت کی اگر سچے ہو"●

(کہہ دو کہ اَے یہودیو! اگر ڈینگ لی ہے تم نے کہ تم دوست ہو اللہ) تعالیٰ (کے اور لوگوں کو چھوڑ کر) عرب اور عجم میں جو ایمان لائے ہیں، (تو آرزو کرو موت کی اگر سچے ہو) اِس بات میں کہ تم

ہی خدا کے دوست ہو، تا کہ اُن درجات وکرامات تک پہنچو جو حق تعالیٰ نے اپنے دوستوں کے واسطے مقرر کیے ہیں۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗۤ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

اور نہ آرزو کریں گے موت کی کبھی بوجہ اُس کے جو پہلے بھیج چکے اُن کے ہاتھ۔ اور اللہ اندھیر والوں کا جاننے والا ہے●

(اور) حالت یہ ہے کہ یہودی (نہ آرزو کریں گے موت کی کبھی، بوجہ اس کے جو پہلے بھیج چکے اُن کے ہاتھ)، یعنی ان کاموں کے سبب جو انہوں نے کیے، جیسے احکام توریت کی تحریف اور حضرت خاتم الانبیاء کی نعت کو بدل دینا۔ اور وہ جانتے ہیں کہ مرنے کے بعد اِن کاموں کے سبب سے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (اندھیر والوں کا جاننے والا ہے) جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى

کہہ دو کہ "بلاشبہ موت، جس سے بھاگتے ہو تم، تو ضرور وہ ملنے والی ہے تمہیں۔ پھر لوٹائے جاؤ گے

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ع ۱۱

عالم الغیب والشہادۃ کی طرف، تو وہ بتادے گا تمہیں جو کچھ کرتے رہے"●

اَے محبوب! (کہہ دو کہ بلاشبہ موت، جس سے بھاگتے ہو تم) اور اُس کی تمنا نہیں کرتے اور اُس کے وقوع سے کراہت رکھتے ہو، (تو ضرور وہ ملنے والی ہے تمہیں) یعنی وہ ضرور تمہیں آ پکڑے گی اور تم اُس کا مزہ ضرور چکھو گے۔ (پھر لوٹائے جاؤ گے عالم الغیب والشہادہ کی طرف) جو ہر ظاہر اور پوشیدہ کا جاننے والا ہے، (تو وہ بتادے گا تمہیں جو کچھ کرتے رہے) یعنی جیسا تمہارا عمل ہوگا اس کے مطابق جزادے گا، تو اُن سے تم سمجھ لو گے کہ یہ ہمارے کس عمل کی جزاء ہے۔۔ تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا

اَے ایمان والو! جہاں اذان دی گئی نماز کی جمعہ کے دن، تو چل پڑو

اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

اللہ کے ذکر کی طرف اور چھوڑ دو خرید وفروخت۔ یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر جانو مانو●

(اَے ایمان والو!) اور احکام شرع کو ماننے والو! (جہاں اذان دی گئی نماز کی جمعہ کے دن،)

یعنی نداء کیے جاؤ نماز کے واسطے جمعہ کے دن، (تو چل پڑو اللہ) تعالیٰ (کے ذکر کی طرف)۔ یعنی نماز وخطبہ کی طرف رغبت کرو اور اُس میں کوشش کرو (اور چھوڑ دو خرید وفروخت)۔

قولِ صحیح مذہب امامِ اعظم پر یہ ہے کہ نماز کی رغبت کرنا اور خرید وفروخت ترک کر دینا جمعہ کے دن پہلی اذان واجب کر دیتی ہے، اگر اذان دینے والے متعدد ہوں۔

(یہ) کوشش کرنا اور خرید وفروخت ترک کر دینا (بہتر ہے تمہارے لیے اگر جانو مانو)۔ یعنی اگر تم نفع وضرر اور خیر وشر کو اچھی طرح پہچانو، تو تمہیں علم ہو جائے گا کہ نماز کی طرف سعی اور اس وقت خرید وفروخت کا ترک، اس میں آخرت کی بھلائی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ آخرت کا نفع جو باقی رہنے والا ہے وہ دُنیا کے فائدے سے بہتر ہے جو فنا ہو جانے والا ہے۔

فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَ ابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ

پھر جب پوری ہوگئی نماز تو پھیل جاؤ سرزمین میں، اور تلاش کرو اللہ کے فضل کو،

وَ اذْكُرُوا اللّٰہَ كَثِیْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ⑩

اور یاد کرو اللہ کو بہت کہ کامیاب ہو جاؤ۔

(پھر جب پوری ہوگئی نماز، تو) اب اجازت ہے کہ جائز خرید وفروخت ۔۔یا۔۔ کسی مقصد حسن کے حصول کے لیے (پھیل جاؤ سرزمین میں)۔ یعنی اگر تم چاہو تو نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد اپنے جائز کام میں مصروف ہو جاؤ (اور تلاش کرو اللہ) تعالیٰ (کے فضل کو) یعنی رزقِ حلال کو، اور اسبابِ معاش کو مہیا کرنے پر لگ جاؤ ۔۔یا۔۔ کسی بھی کارِ خیر میں لگ جاؤ جس سے خدا کے فضل کے مستحق قرار پاؤ۔

(اور یاد کرو اللہ) تعالیٰ (کو بہت)۔ یعنی نماز ہی کے وقت اُسے یاد نہ کرو بلکہ نماز کے اوقات کے علاوہ دوسرے اوقات میں بھی اُسے بکثرت یاد کرتے رہو، تا (کہ کامیاب ہو جاؤ) اور دونوں جہان خیر کو پہنچو کیونکہ اُس کا ذکر جمعیت ظاہر وباطن کا سبب اور نجاتِ دُنیا وآخرت کا باعث ہے۔

روایت ہے ایک دن رسول کریم ﷺ خطبہ پڑھتے تھے، ناگاہ دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کا قافلہ ملک شام کی طرف سے پہنچا بہت سا غلہ لیے ہوئے، اُس وقت مدینہ منورہ میں تنگی تھی اور قافلہ صحیح سلامت آ پہنچا تو خوشی کا طبل بجاتے تھے۔ طبل کی آواز حاضرینِ مجلس کے کانوں

میں پہنچی، غلہ خریدنے کے واسطے لوگ مسجد سے نکل آئے اور قافلہ کی طرف چلے۔ بارہ آدمیوں کے سوا کوئی مسجد میں نہیں رہا۔ اُن نہ نکلنے والوں میں خلفاءِ راشدین علیہم الرحمۃ والرضوان بھی تھے۔ حضرت رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم سب ایک کے پیچھے ایک چلے جاتے اور مسجد میں کوئی نہ رہتا، تو یہاں سے تمہاری طرف آگ رواں ہوتی۔ اِس حال کے ساتھ ہی اس آیت کا نزول اجلال ہوا۔۔۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ۭ قُلْ مَا

اور جب دیکھ پایا اُنہوں نے کسی تجارت یا تماشہ کو تو چل دیے اُدھر، اور چھوڑ دیا تمہیں خطبہ میں کھڑا۔ کہہ دو کہ

عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ع ۱۲ ۲

"جو اللہ کے پاس ہے، بہتر ہے تماشہ اور تجارت سے۔" اور اللہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے●

(اور جب دیکھ پایا انہوں نے کسی تجارت) یعنی فائدہ کی چیز کو (یا تماشہ کو) یعنی طبل کی آواز سن لی جو قافلہ پہنچنے کی جہت سے بجاتے ہیں (تو چل دیئے اُدھر، اور چھوڑ دیا تمہیں خطبہ میں کھڑا) منبر پر۔

ذہن نشین رہے کہ یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ خطبہ نماز کے بعد دیا جاتا تھا، تو یہ سب نکلنے والے نماز پڑھ چکے تھے، صرف خطبہ سن رہے تھے اور انہوں نے خطبہ سننے کو لازمی اور ضروری نہیں خیال کیا۔ خطبہ کے لازمی طور پر سننے کا حکم اُن کو نہیں ملا تھا۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوگئی تو خطبہ نماز سے پہلے کر دیا گیا، جو اب تک معمول ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ اَے محبوب! دورانِ خطبہ اُن چل دینے والوں سے (کہہ دو کہ جو اللہ) تعالیٰ (کے پاس ہے) یعنی نماز پڑھنے، خطبہ سننے میں مسجد میں حاضر رہنے کا ثواب، (بہتر ہے تماشہ) یعنی طبل کی آواز سننے سے (اور تجارت) کے نفع (سے۔ اور اللہ) تعالیٰ (سب سے بہتر روزی دینے والا ہے)۔ یعنی اُن سے بہتر روزی دینے والا ہے جو رزق کے وسائط ہیں، اس واسطے کہ کوئی وقت ہوتا ہے کہ وہ جلدی کرتے ہیں اور شاید کہ مصلحت وقت نہیں جانتے۔

نقل ہے کہ ایک خلیفہء بغداد نے حضرت بہلول دانا سے یہ بات کہی کہ آؤ کہ تمہاری ہر روز کی روزی مقرر کر دوں تا کہ تمہارا دِل اُس سے متعلق نہ رہے۔ بہلول نے کہا اگر تجھ میں چند عیب نہ ہوتے تو میں ایسا کرتا: ایک تو تُو یہ نہیں جانتا کہ مجھے کیا دینا چاہیے، دوسرے تُو یہ نہیں جانتا کہ مجھے کب دینا چاہیے، تیسرے تجھے یہ نہیں معلوم کہ مجھے کتنا دینا چاہیے، اور حق

تعالیٰ رزق کا کفیل ہے اور یہ سب باتیں جانتا ہے اور اپنی حکمت کاملہ کی راہ سے مجھے روزی پہنچاتا ہے۔ اور شاید تُو مجھ پر غصہ کرے اور وہ روزینہ موقوف کردے، اور حق تعالیٰ گناہ کے سبب سے میری روزی بند نہیں کرتا۔

﴿ اختتام سورہ الجمعہ ۔۔ ﴿ ۱۹؍رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۹؍اگست ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ ﴾

۔۔ ﴿ ۲۰؍رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۰؍اگست ۲۰۱۲ء۔۔۔ بروز جمعہ مبارک ﴾ ۔۔

سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْنَ

سورۃ المنافقون ۔۔ ۶۳ مدنیہ ۱۰۴ — آیاتہا ۱۱ ۔۔ رکوعاتہا ۲

اِس سورہ کا نام المنٰفقون اِسی سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ ۵ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے ایک غزوہ سے مراجعت فرمائی اور ایک کنویں کے قریب اترے، تو دُو صحابیوں میں کسی بات پر نزاع ہوگئی اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ مہاجر اور انصار کے درمیان فتنہ اور فساد قائم ہوجائے۔ ابن ابی منافق نے اِس محل پر ناشائستہ باتیں کی، از انجملہ یہ کہ مہاجروں کو کچھ نہ دوتا کہ وہ مدینہ سے چلے جائیں اور پراگندہ ہوجائیں۔ دوسری بات یہ کہ جب ہم مدینہ میں واپس جائیں گے، تو جو بہت عزت دار ہے وہ اُسے نکال دے گا جو بہت ذلیل وخوار ہے۔

حضرت زید بن ارقم نے جناب رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوکر یہ خبر کردی۔ حضرت نے سنا اور فتنہ وفساد فرو کرنے کو گرمی کی شدت میں دن کے وقت کوچ کا حکم دیا۔ اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے سبب پوچھا اور حال دریافت کرکے رسول اللہ ﷺ کی تسلی خاطر عاطر کے واسطے بہت خوب کوششیں کیں، اور ابن ابی کو یہ خبر پہنچی۔

حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر اُس خبر کے غلط ہونے پر قسم کھائی۔ لوگوں نے ملامت شروع کرکے حضرت زید بن ارقم کو جھوٹی خبر کہنے کی تہمت لگائی، تو حق تعالیٰ نے حضرت زید کی بات کی سچائی ظاہر فرمانے کے لیے یہ سورت نازل کی۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فیصلہ فرمانے میں اسلامی اصول کی پاسداری کی، کہ جب مدعی بینہ اور گواہ نہ پیش کرسکے اور

منکر قسم کھالے تو منکر کے حق میں فیصلہ کردیا جاتا ہے۔ اس سے حقیقت میں واقعہ کا جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا۔

ہاں اُس کے ساتھ وہی سلوک کیا جاتا ہے جو جھوٹوں کے ساتھ کیا جانا چاہیے، اور وہ یہ کہ قاضی اُس کی بات کو تسلیم نہ کرے۔ ایسے موقع پر تکذیب کا معنی بات کو تسلیم نہ کرنا ہے۔ اِس مقام پر یہ بات بھی خالی از فائدہ نہیں کہ حضرت زید نے جو شکایت کی وہ غیبت نہیں جس سے روکا گیا ہے، اس لیے کہ ممنوعہ غیبت کا مقصد فتنہ وفساد اور دُو انسانوں کے درمیان تنفر پیدا کرنا ہے اور یہاں بات پہنچانا صرف اس لیے تھا کہ دشمن کی دشمنی کے چہرے سے پردہ ہٹادیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر فاسق وفاجر لوگوں کے خطرات سے کیسے بچا جاسکتا ہے؟

۔۔الختصر۔۔ کسی شخص کا وہ عیب جس کا نقصان صرف اسی کی ذات کو پہنچتا ہے اس کو چھپانا چاہیے، لیکن وہ عیب جو دوسروں کو نقصان پہنچانے والا ہو اُسے ظاہر کردیا جانا چاہیے تاکہ دوسرے اپنے کو اُس کے شر سے بچاسکیں۔ ۔قصہ مختصر۔۔ حضرت زید کی سچائی ظاہر کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے مکمل ایک سورت ہی نازل فرمادی، تو اِس چشم کشا بصیرت افروز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ

جب آئے تمہارے پاس منافق لوگ، بولے کہ "ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک تم یقیناً اللہ کے رسول ہو"۔۔اور اللہ خوب جانتا ہے

لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ ①

کہ بلاشبہ تم یقیناً اُس کے رسول ہو۔ اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ منافق لوگ یقیناً جھوٹے ہیں●

اَے محبوب! (جب آئے تمہارے پاس) ابن ابی اور اُس کے یار (منافق لوگ، بولے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک تم یقیناً اللہ) تعالیٰ (کے رسول ہو)۔۔الغرض۔۔ہم منافق نہیں ہیں اور

دِل سے آپ کی رسالت کے معتقد ہیں، (اور اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے کہ بلاشبہ تم یقیناً اُس کے رسول ہو) اس لیے کہ اُسی نے تو تم کو رسول کیا ہے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (گواہی دیتا ہے کہ بلاشبہ منافق لوگ یقیناً جھوٹے ہیں) اپنی گواہی میں، اِس جہت سے کہ اُن کا اعتقاد اُن کی بات کے موافق نہیں، ہے تو اُن کی یہ گواہی کہ ہمارا دِل آپ کی رسالت کا معتقد ہے جھوٹی ہے۔

اور بعضوں نے کہا کہ گواہی سے یہاں قسم مراد ہے، یعنی قسم کھا کر منافق کہتے ہیں کہ ہمارے دِل میں آپ کی رسالت کا اعتقاد ہے، تو خدا جانتا ہے کہ انہوں نے یہ جھوٹی قسم کھائی ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ

بنالیا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال، تو روکا کیے اللہ کی راہ سے۔ بلاشبہ وہ کتنا بُرا ہے

مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۲

جو کچھ کرتے رہے●

(بنالیا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال) یعنی بچاؤ کا ذریعہ کہ اُس کی بدولت قتل اور قید ہونے سے بے خوف رہتے ہیں، (تو روکا کیے) لوگوں کو گواہی دے کر (اللہ) تعالیٰ کے دین (کی راہ سے) یا خود راہِ خدا میں جہاد کرنے سے منہ پھیرتے ہیں۔ (بلاشبہ وہ کتنا بُرا ہے جو کچھ کرتے رہے) یعنی جو کچھ وہ کرتے ہیں جھوٹی قسم اور راہِ حق سے منہ موڑنا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝۳

یہ اِس لیے کہ انہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا پھر کفر بکنے لگے، تو چھاپ لگادی گئی اُن کے دِلوں پر تو وہ سمجھتے ہی نہیں●

(یہ) حکم حق اُن کے کام بُرے ہونے کا (اس لیے) ہے یعنی اِس سبب سے ہے، (کہ انہوں نے ایمان کا دعویٰ کیا، پھر کفر بکنے لگے) اور تنہائی میں اپنے رؤساء کے سامنے اپنی زبان سے کلماتِ کفر نکالنے لگے، (تو چھاپ لگادی گئی اُن کے دِلوں پر، تو وہ سمجھتے ہی نہیں) کہ ایمان کہتے ہیں زبان سے اقرار کرنے اور دِل سے تصدیق کرنے کو۔

روایت ہے کہ ابن ابی مرد جسیم خوبصورت، شیریں سخن اور فصیح تھا، اور دوسرے منافقوں کی صورت بھی اُس کے قریب قریب تھی۔ جب یہ منافق رسولِ کریم کی مجلس میں آتے، تو

آپ اُن کی شکلوں اور باتوں سے متعجب ہوتے، تو حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی۔۔۔

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۖ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۖ كَأَنَّهُمْ

اور جب دیکھ پایا تم نے اُنہیں تو اچھے لگیں گے اُن کے جسم۔ اور اگر بات چیت کریں تو سننے لگو اُن کی گفتگو، گویا وہ

خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ ۖ يَحْسَبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ۚ هُمُ الْعَدُوُّ

لکڑی کے ہیں دیوار سے لگے ہوئے۔ خیال لے جاتے ہیں ہر بلند آواز اپنے ہی اوپر۔ وہ دشمن ہیں،

فَاحْذَرْهُمْ ۚ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۖ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ ﴿۴﴾

تو اُن سے بچے رہا کرو۔ اللہ اُنہیں غارت کرے۔ کہاں اوندھائے جاتے ہیں●

(اور) فرمایا کہ (جب دیکھ پایا تم نے انہیں، تو اچھے لگیں گے اُن کے جسم) نرمی اور نازکی کی وجہ سے، (اور اگر بات چیت کریں تو سننے لگو اُن کی گفتگو) یہاں تک کہ اُن کی قَسم باور کرلو یعنی ایسا لگے کہ باور کرلیا، حالانکہ بے عقلی اور کم فہمی کی وجہ سے (گویا وہ لکڑی کے ہیں دیوار سے لگے ہوئے)، یعنی اجسام ہیں علم ونظر سے خالی۔ (خیال لے جاتے ہیں ہر بلند آواز اپنے ہی اوپر) یعنی مدینہ میں لوگ جو آواز نکالتے ہیں اور شور فریاد کرتے ہیں، تو یہ منافق ایسے بددِل اور ڈرپوک ہیں کہ اُس آواز کو سن کر گمان کرتے ہیں کہ ہمارا نفاق پیغمبر اور مسلمانوں پر ظاہر ہوگیا، یہ اُسی کا شوروغل ہے اب ہم ذلیل و رسوا ہوں گے۔

(وہ دشمن ہیں) تمہارے اَے حبیب! اور سارے مسلمانوں کے، (تو اُن سے بچے رہا کرو) یعنی اُن کے مکروفریب سے اپنے کو بچاتے رہو اور اُن کے شر سے غافل نہ ہو۔ (اللہ) تعالیٰ (انہیں غارت کرے) اور لعنت کرے اُن پر (کہاں اوندھائے جاتے ہیں) اور راہِ حق سے پھرے جاتے ہیں۔

معالم میں ہے کہ یہ آیتیں نازل ہونے کے بعد ابن ابی کی قوم نے اُس سے کہا کہ یہ آیتیں تیری شان میں نازل ہوئیں، تُو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جاتا کہ تیرے واسطے مغفرت چاہیں، تو وہ منافق گردن گھما کر بولا کہ تم لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ایمان لا میں ایمان لایا، زکوٰۃ مال دینے کی تکلیف دی میں نے زکوٰۃ بھی دی۔ اب یہی بات باقی ہے کہ محمد ﷺ کو سجدہ کرنا چاہیے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ

اور جب کہا گیا اُنہیں کہ "آجاؤ معافی دلا دیں تمہیں اللہ کے رسول"، تو گھمالیا اُنہوں نے اپنے سروں کو،

وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ⑤

اور دیکھ پڑے تمہیں کہ باز رہتے ہیں، اور وہ بڑی بول بولنے والے ہیں●

(اور جب کہا گیا انہیں کہ آجاؤ معافی دلا دیں تمہیں اللہ) تعالیٰ (کے رسول، تو گھمالیا انہوں نے اپنے سروں کو) جیسے کوئی کسی مکروہ بات سے منہ پھیرتا ہے۔ (اور دیکھ پڑے تمہیں کہ باز رہتے ہیں، اور وہ بڑی بول بولنے والے ہیں)۔ یعنی اَے ہمارے پیغمبر! تُو دیکھتا ہے کہ وہ اِنکار کرتے ہیں تیری خدمت میں حاضر ہونے سے اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔

سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ

یکساں ہیں اُن پر کہ تم نے اُن کی معافی چاہی یا نہ چاہی۔ اللہ ہرگز نہ بخشے گا اُنہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑥

بلاشبہ اللہ راہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو●

(یکساں ہے اُن پر کہ تم نے اُن کی معافی چاہی یا نہ چاہی، اللہ) تعالیٰ (ہرگز نہ بخشے گا انہیں) نفاق میں اُن کے پکے ہونے کی وجہ سے۔ (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (راہ نہیں دیتا) فلاح ونجات کا راستہ نہیں دکھاتا (نافرمان لوگوں کو) جو دائرۂ اصلاح سے باہر ہو چکے ہوں اور اپنا کام بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ

وہی ہیں جو بکتے ہیں کہ "مت خرچ کیا کرو اُن پر جو رسول کے نزدیکی ہیں، یہاں تک کہ وہ خود منتشر ہو جائیں"۔

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ⑦

حالانکہ اللہ ہی کا ہے آسمانوں اور زمین کے خزانے، لیکن منافق لوگ سمجھتے ہی نہیں●

(وہی ہیں جو بکتے ہیں کہ مت خرچ کیا کرو اُن پر جو رسول کے نزدیکی ہیں) یعنی مہاجرین کو کچھ مت دو (یہاں تک کہ وہ خود منتشر ہو جائیں) یعنی غلام اپنے آقاؤں کے پاس چلے جائیں اور بیٹے

اپنے باپوں سے جا ملیں۔۔الغرض۔۔منافق لوگ انصار کو منع کرتے تھے کہ مہاجروں کو خرچ نہ دو، (حالانکہ اللہ) تعالیٰ (ہی کا ہے آسمانوں اور زمین کے خزانے) اور اُن خزانوں کی کنجی اُس کے دستِ قدرت میں ہے جسے چاہتا ہے روزی دیتا ہے، (لیکن منافق لوگ سمجھتے ہی نہیں) کہ رزّاق مطلق حق تعالیٰ ہے، آدمی نہیں ہیں۔

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۭ

بکتے ہیں کہ "یقیناً اگر ہم واپس ہوئے میدان سے مدینہ کی طرف، تو ضرور نکال دے گا بڑی عزت والا اُس سے نہایت ذلیل کو،"

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸ ع ۸ / ۱۴

اور اللہ ہی کے لیے عزت ہے، اور اُس کے رسول کے لیے، اور ایمان والوں کے لیے، لیکن منافق لوگ علم ہی نہیں رکھتے۔

(بکتے ہیں) منافق لوگ، خاص طور سے اُن کا سردار ابن ابی، (کہ یقیناً اگر ہم واپس ہوئے میدان) جنگ اور اپنے اِس سفر (سے مدینہ کی طرف، تو ضرور نکال دے گا بڑی عزت والا اُس) شہر (سے نہایت ذلیل کو)۔

عزت دار سے اُس کی مراد اپنی ذات تھی اور اُس دوسرے لفظ سے حضرت اشرف مخلوقات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی ذاتِ جامع الکمالات مقصود تھی۔

اُسے کیا خبر؟ (اور) کیا پتا؟ کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے عزت ہے) اور وہی قدرتِ حقیقی اور ربوبیت والا ہے۔ (اور اُس کے رسول کے لیے) عزت ہے نبوت اور شفاعت والی (اور ایمان والوں کے لیے) عزت ہے ایمان اور طاعت والی، (لیکن منافق لوگ علم ہی نہیں رکھتے) جو اِس نکتے کو سمجھ سکیں۔

نقل ہے کہ جب لشکر ظفر پیکر رسول اللہ ﷺ کا وادی عقیق میں پہنچا، تو ابن ابی کا بیٹا عبد اللہ نام کہ مؤمن مخلص تھا راستہ پر ٹھہرا رہا یہاں تک کہ اُس کا باپ بھی وہاں پہنچا، عبد اللہ نے اُس کے اونٹ کو بٹھایا اور اونٹ کے پاؤں پر پاؤں رکھ کر اپنے باپ سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم تجھے میں نہ چھوڑوں گا کہ تُو مدینہ میں جائے جب تک رسول اللہ ﷺ تجھے اذن نہ دیں گے، اور تُو یہ بات خوب جان لے کہ بڑا ذلیل تُو ہے اور بڑے عزت دار آنحضرت ﷺ ہیں۔ جب حضرت کی سواری وہاں پہنچی تو آپ کو یہ حال معلوم ہوا، آپ نے ابن ابی کو مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ حق تعالیٰ مؤمنین پر ایمان کا مقتضا ظاہر فرمانے کے لیے فرماتا ہے کہ۔۔۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ
اَے ایمان والو! نہ غافل کر سکے تمہیں تمہارا مال اور نہ تمہاری اولاد،
ذِكْرِ اللّٰهِۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑨
اللہ کے ذکر سے۔ اور جو کرے ایسا، وہی خسارہ والے ہیں●

(اَے ایمان والو! نہ غافل کر سکے تمہیں تمہارا مال، اور نہ تمہاری اولاد، اللہ) تعالیٰ (کے ذکر سے)۔ اِس واسطے کہ ایمان کا مقتضا یہ ہے کہ خدا کی محبت سب چیزوں کی محبت پر غالب ہو، کہ اگر دُنیا کے تمام مال اور آخرت کی سب نعمتیں اُس کے سامنے کریں تو نظرِ قبول سے کسی کو نہ دیکھے۔ (اور جو کرے ایسا)، یعنی مال اور اولاد کے سبب سے حق تعالیٰ کی یاد سے باز رہے، (وہی خسارہ والے ہیں) اور نقصان پانے والے ہیں۔ کیونکہ جو چیز حقیر اور فانی ہے اُس کے سبب سے باز رہتے ہیں بڑی نعمت سے جو باقی رہے گی۔

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
اور خرچ خیرات کرتے رہو اُس سے جو روزی دی ہم نے تمہیں، اس سے پہلے کہ آجائے تم میں سے کسی کی موت،
فَیَقُوْلَ رَبِّ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنِیْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍۙ فَاَصَّدَّقَ وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ⑩
تو کہنے لگے کہ "پروردگارا! کیوں نہ مہلت دی تُو نے مجھے تھوڑی سی کہ میں صدقہ دیتا اور ہو جاتا لیاقت مندوں سے"●
وَ لَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَاؕ وَ اللّٰهُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑪ ع۱۴
اور ہرگز نہ مہلت دے گا اللہ کسی جان کو، جب آگیا اُس کا وقتِ مقرر۔ اور اللہ باخبر ہے جو تم کرو●

(اور خرچ خیرات کرتے رہو) یعنی جو حق واجب ہے وہ نکالو (اُس سے جو روزی دی ہم نے تمہیں)، اور ذخیرہ آخرت کرو (اِس سے پہلے کہ آجائے تم میں سے کسی کی موت) کے اسباب، (تو کہنے لگے کہ پروردگارا! کیوں نہ مہلت دی تُو نے مجھے تھوڑی سی کہ میں صدقہ دیتا اور ہو جاتا لیاقت مندوں سے) اور نیک مردوں سے۔ (اور ہرگز نہ مہلت دے گا اللہ) تعالیٰ (کسی جان کو جب آگیا اُس کا وقتِ مقرر) یعنی جب عمر تمام ہو جاتی ہے، نہ اُس میں کچھ بڑھاتے ہیں اور نہ اُس میں سے کچھ گھٹاتے ہیں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (باخبر ہے جو تم) خیر و شر (کرو)۔

اختتام سورہ المنافقون ۔۔ ﴿ ۲۱ر رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۱۱راگست ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ ﴾

-- ﴿ ۲۱ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ --مطابق-- ۱۱/اگست ۲۰۱۲ء--- بروز شنبہ ﴾ --

سورۃ التغابن ۶۴ مدنیۃ ۱۰۸ | آیاتہا ۱۸ رکوعاتہا ۲

سورۃ التغابن

سورۃ التغابن --۶۴ مدنیہ ۱۰۸ آیاتہا ۱۸--رکوعاتہا ۲

اِس سورہ کا نام اِسی سورہ کی آیت ۹ سے ماخوذ ہے۔ اِس سے پہلی سورت میں منافقین کے اوصاف ذکر فرمائے تھے اور اُن کے اوصاف سے اجتناب کی ہدایت دی تھی، اور اِس سورہ میں کفار کے اوصاف ذکر فرمائے ہیں اور اُن سے اجتناب کی ہدایت فرمائی ہے۔ اور واضح فرمادیا ہے کہ کفار کے لیے دوزخ ہے اور مسلمانوں کے لیے جنت ہے۔ اِس سورہ کا نام 'التغابن' اس لیے ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن کی یاد دلائی جائے۔ 'غبن' کا معنی ہے خرید وفروخت میں نقصان پہنچانا۔ کفار نے اپنے نفس کو شیطان اور 'نفسِ امارہ' کے ہاتھ فروخت کردیا، اور اِس بیع میں اُن کا جو نقصان ہوا اُس کا ظہور قیامت کے دن ہوگا۔ اس لیے قیامت کے دن کو 'یوم التغابن' فرمایا۔

اور ایک طرح سے یہ مؤمنوں کے لیے بھی نقصان کا دن ہوگا کیونکہ اگر وہ ایمان لانے کے بعد گناہِ کبیرہ نہ کرتے، تو اُن کو عتاب یا عذاب کا سامنا نہ کرنا پڑتا، اور مؤمنین کاملین اگر زیادہ نیکیاں کرتے تو اُن کو زیادہ اجر وثواب ملتا اور زیادہ اونچے درجات ملتے۔ اور مکمل خسارے اور نقصان کا دن یہ صرف کفار کے لیے ہوگا۔ ایسی انسانی خساروں سے باخبر کرنے والی ہدایت افروز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں---

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى

پاکی بولتا رہتا ہے اللہ کی جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے۔ اُسی کی شاہی ہے اور اُسی کے لیے حمد۔ اور وہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ

ہر چاہے پر قدرت والا ہے ● وہی ہے جس نے پیدا فرمایا تمہیں، تو کوئی کافر ہے اور کوئی مومن۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲

اور اللہ جو کچھ کرو اُس کا نگراں ہے●

(پاکی بولتا رہتا ہے اللہ) تعالیٰ (کی جو آسمانوں میں) ہے از قسم روحانیات (اور جو زمین میں ہے) از قسم جسمیات۔ (اُسی کی شاہی ہے) زمین و آسمان کی اور جو کچھ زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ (اور اُسی کے لیے حمد) اور تعریف ہے پیدا کرنے کی نعمت پر۔ (اور وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے) جو چاہے کرے۔ (وہی ہے جس نے پیدا فرمایا تمہیں) اے آدمیو! (تو) تم میں (کوئی کافر ہے اور کوئی مؤمن)۔ بعض جو کافر ہے وہ اُس کے خالق ہونے کا ایمان نہیں رکھتے، جیسے 'دہریے' اور 'طبیعے' اور جو مؤمن ہیں وہ اُس کے خالق ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، جیسے اہلِ اسلام اور اہلِ ایمان۔ (اور اللہ) تعالیٰ (جو کچھ کرو اُس کا نگراں ہے)۔ یعنی جو کچھ کرو حق تعالیٰ اُسے دیکھتا ہے، تو بندوں کے ساتھ معاملہ اُن کے اعمال کے موافق کرے گا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ

پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ، اور صورت دی تمہیں، تو خوب دیں صورتیں تمہیں۔

وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ۝۳

اور اُس کی طرف پھر کر جانا ہے●

(پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ) راستی کے ساتھ۔۔یا۔۔اپنی حکمتِ بالغہ کے موافق۔۔یا۔۔کلمہ **کُنْ** سے۔۔یا۔۔حق بیان کرنے کو، یعنی یہ مخلوق اُس کی وحدانیت کی دلیلیں ہیں اور حق ان کے سبب سے ظاہر ہوتا ہے۔ (اور صورت دی تمہیں تو خوب دیں صورتیں تمہیں) قد کشیدہ اور خلقت اعتدال کے ساتھ کر کے۔

امام قشیری نے یہ معنی کیے ہیں کہ اُس نے تمہارا ظاہر آراستہ کر دیا کمال قدرت کے ساتھ، اور تمہارے باطن کو زینت دی جمال قربت سے۔ اور محققوں کے نزدیک 'حسنِ انسان' یہ ہے کہ اس کو 'اوصافِ کائنات' کی صورت سے آراستہ کر دیا اور 'خصائصِ مبدعات' کے خلاصہ کے ساتھ شرفِ اختصاص بخشا، تاکہ سب موجوداتِ علوی اور سفلی، ملکی اور ملکوتی کا نمونہ ہو، تو 'حسنِ معنوی' مراد ہے 'حسنِ صوری' نہیں۔

(اور اُس کی طرف پھر کر جانا ہے) یعنی سب کی بازگشت اُسی کی طرف ہے۔

یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَیَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ؕ وَاللّٰهُ

جان رہا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور جان رہا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو۔ اور اللہ

عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؗ

جاننے والا ہے سینوں کی بات کو● کیا نہیں آئی تمہارے پاس خبر اُن کی جنہوں نے کفر کیا تھا پہلے؟

فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

تو چکھا اپنے کام کا وبال، اور اُن کے لیے دکھ والا عذاب ہے●

(جان رہا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جان رہا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو۔ اور اللہ) تعالیٰ (جاننے والا ہے سینوں کی بات کو) یعنی جو کچھ سینوں میں ہیں خطرے اور فکریں۔ اَے مکہ کے کافرو! (کیا نہیں آئی تمہارے پاس خبر اُن کی جنہوں نے کفر کیا تھا پہلے؟)۔ مثلاً: اولادِ قابیل اور عاد وثمود، اصحابِ ایکہ وغیرہ۔ (تو چکھا اپنے کام کا وبال)، یعنی اپنے کفر کا ضرر دُنیا میں۔ مثلاً: غرق ہونا، آندھی، سخت آواز اور عذاب 'یوم الظلہ' وغیرہ۔ (اور) آخرت میں (اُن کے لیے دکھ والا عذاب ہے) جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا ؗ

یہ اس لیے کہ واقعہ یہ ہے کہ لایا کرتے تھے اُن کے پاس اُن کے رسول روشن دلیلیں، تو یہ بولا کرتے تھے کہ "کیا بشر ہماری رہنمائی

فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝

کریں گے،" تو انکار کر دیتے تھے اور پھر جاتے تھے، اور بے نیازی برتی اللہ نے۔ اور اللہ بے نیاز حمد والا ہے●

(یہ اِس لیے کہ واقعہ یہ ہے کہ لایا کرتے تھے اُن کے پاس اُن کے رسول روشن دلیلیں) اور ظاہر معجزے، (تو یہ بولا کرتے تھے کہ کیا بشر ہماری رہنمائی کریں گے)۔ انہوں نے تعجب کیا کہ حق تعالیٰ آدمی کی طرف وحی بھیجتا ہے، (تو اِنکار کر دیتے تھے اور پھر جاتے تھے) یعنی منہ پھیر لیتے تھے اُن دلیلوں اور معجزوں کو غور وفکر کرنے سے جو اُن رسولوں کے ساتھ تھے۔ بس خدا نے اُن کو ہلاک کر دیا (اور بے نیازی برتی اللہ) تعالیٰ (نے) خلق کے ایمان سے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (بے نیاز) ہے مخلوق کی عبادت سے، اور (حمد والا ہے) یعنی تعریف کیا ہوا ہے بے تعریف کرنے والوں کی تعریف کے۔۔۔

اپنی جہالت ونادانی کی بنیاد پر۔۔۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّىْ لَتُبْعَثُنَّ

گھمنڈ میں رہے کافرلوگ کہ ہرگز نہ اُٹھائے جائیں گے۔ کہہ دو کہ "کیوں نہیں، مجھے اپنے رب کی قسم! یقیناً ضرور اُٹھائے جاؤ گے تم،

ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝۷ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ

پھر یقیناً بتادیے جاؤ گے جو کرتوت کرچکے، یہ اللہ پر آسان ہے" ● تو مان جاؤ اللہ

وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِىْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۸

اور اُس کے رسول کو، اور اُس نور کو جو ہم نے اُتارا۔ اور اللہ جو کرو باخبر ہے ●

(گھمنڈ میں رہے کافرلوگ) اور بکتے ہیں (کہ ہرگز نہ اٹھائے جائیں گے)۔ اَے محبوب! (کہہ دو کہ کیوں نہیں) اٹھائے جاؤ گے۔ (مجھے اپنے رب کی قسم یقیناً ضرور اٹھائے جاؤ گے تم، پھر یقیناً) حساب اور جزاء کے ذریعہ (بتادیے جاؤ گے جو کرتوت کرچکے۔ یہ) اٹھانا اور خبر دینا (اللہ) تعالیٰ (پر آسان ہے ● تو مان جاؤ اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کو، اور اُس نور کو جو ہم نے اُتارا) یعنی قرآنِ کریم کو۔

اُسے نور اس واسطے کہا کہ اعجاز میں اپنی ذات سے ظاہر ہے اور حلال وحرام کے احکام کی حقیقتیں ظاہر کرنے والا ہے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (جو کرو) اُس سے (باخبر ہے)، یعنی تمہارا اقرار اور اِنکار اُس سے پوشیدہ نہیں۔ یاد کرو اُس دن کو۔۔۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ

جس دن کہ اکٹھا کرے گا تمہیں جمع ہونے کے دن، یہ ہے ہار کے ظاہر ہونے کا دن۔ اور جو مان جائے اللہ کو

وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ

اور نیک کام کرے، اُتار دے گا اُن سے اُن کے گناہ، اور داخل فرمائے گا اُسے باغوں میں کہ

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹

بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے اُس میں، یہی بڑی کامیابی ہے ●

(جس دن کہ اکٹھا کرے گا تمہیں جمع ہونے کے دن) قیامت میں حساب وجزاء کے لیے۔

حق تعالیٰ نے 'روزِ جمع' اس لیے فرمایا کہ اُس دن سب آدمی اولین وآخرین جمع ہوں گے ۔۔یا۔۔سب انبیاء اور سب امتیں جمع ہوں گی ۔۔یا۔۔ظالم اور مظلوم ۔۔یا۔۔اہلِ ہدایت اور اہلِ ضلالت ۔۔یا۔۔جنتی اور دوزخی۔ اور بہت مشہور بات یہ ہے کہ فرشتے اور جن اور آدمی سب جمع ہوں گے۔

(یہ ہے ہار کے ظاہر ہونے کا دن)۔یعنی جب مؤمن کو جنت میں کافر کا متوقع مقام میراث میں ملے گا اور کافر دوزخ میں مؤمن کے متوقع مقام میں داخل ہوں گے، تو نقصان ظاہر ہوگا اور اُس دن کافر اپنے کو جان لیں گے کہ ہم بڑے زیاں کار ہیں۔

اور بعضوں نے کہا کہ کافر اپنا نقصان دیکھیں گے ایمان ترک کرنے کے سبب سے، اور مؤمن اپنا نقصان دیکھیں گے نیکیاں کم کرنے کی وجہ سے ۔۔یا۔۔ وہ نقصان ڈھونڈنے کا دن ہے یعنی ہر شخص اپنا فائدہ ڈھونڈے گا اور دوسرے کا نقصان۔

(اور جو مان جائے اللہ) تعالیٰ (کو اور نیک کام کرے، اُتار دے گا) حق تعالیٰ (اُن سے اُن کے گناہ)۔یعنی اُن کی بُرائیاں معاف فرمادے گا۔(اور داخل فرمائے گا اُسے باغوں میں، کہ بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں، ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے اُس میں، یہی) یعنی گناہ معاف ہوجانا اور بہشت میں داخل ہونا (بڑی کامیابی ہے)۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ

اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو وہ جہنم والے ہیں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٠ ع

اور کتنی بُری پھرنے کی جگہ ہے●

(اور جنہوں نے کفر کیا) اور وحدانیت پر ایمان نہیں لائے (اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو)، یعنی قرآن کو اور رسولِ کریم کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والے معجزات کو، (وہ جہنم والے ہیں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔ اور کتنی بُری پھرنے کی جگہ ہے) دوزخ جس میں مرنا بھی نہیں کہ اُس کی تکالیف و مصائب سے چھٹکارا مل جائے۔ کافروں کی یہ خام خیالی ہے جو وہ کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کا دین برحق ہوتا تو اللہ اُن کو دُنیاوی مصائب سے محفوظ رکھتا، اس لیے کہ۔۔۔

ع التغابن ١٥

مَاۤ اَصَابَ مِنۡ مُّصِیۡبَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ یُّؤۡمِنۡۢ بِاللّٰہِ

نہیں پہنچی کوئی مصیبت مگر اللہ کے حکم سے۔اور جو مان جائے اللہ کو

یَہۡدِ قَلۡبَہٗ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱﴾

تو ہدایت دے گا اُس کے دِل کو۔اور اللہ ہر ایک کا جاننے والا ہے●

(نہیں پہنچی کوئی مصیبت مگر اللہ) تعالیٰ (کے حکم سے)۔۔الحاصل۔۔مسلمانوں کو اُن کی جان، اُن کی اولاد، اور اُن کے اموال میں، جو بھی مصیبت پہنچتی ہے، تو وہ اللہ کے فیصلہ یا اُس کے امر یا اُس کے علم سے پہنچتی ہے۔اگر چاہتا ہے اُس سے سالم رکھتا ہے بندوں کے حال کی درستی کے لیے، اور صبر کے ساتھ اُن کے امتحان کرتا ہے اور ثواب کی زیادتی اور گناہوں سے پاک کرنے کے واسطے بندوں پر مصیبت ڈالتا ہے۔اللہ تعالیٰ اُن کے دِلوں کو صبر کی ہدایت دیتا ہے۔۔چنانچہ۔۔وہ مصیبت کے وقت کہتے ہیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ۔وہ یہ یقین رکھیں کہ جو مصیبت اُن پر آئی ہے وہ اُن سے ٹل نہیں سکتی تھی، اور جس مصیبت سے وہ بچ گئے وہ اُن پر آنہیں سکتی تھی۔

(اور جو مان جائے اللہ) تعالیٰ (کو) اور جان لے کہ مصیبت اُس کے ارادے اور مشیت سے ہے، (تو) حق تعالیٰ (ہدایت دے گا اُس کے دِل کو) یعنی راہ دکھائے گا اُس کے دل کو صبر اور ثبات کی۔ظاہر ہے کہ جب اُس کو معلوم ہوگا وہ بلاء اللہ کی مراد ہے یعنی ارادہ کی ہوئی ہے، تو اُسے دِل وجان سے قبول کرلے گا اور اُس کے واقع ہونے سے مضطرب نہ ہوگا۔

بزرگوں نے کہا کہ بلاء 'جمالِ مولیٰ' کا آئینہ ہے، تو آئینہ کو اُس کے جمال کا نور دیکھنے کے لیے دوست رکھنا چاہیے۔

(اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کا جاننے والا ہے)۔وہ صبر کرنے والوں اور شکایت کرنے والوں سب کو خوب جانتا ہے۔تو مصائب کا مردانہ وار سامنا کرنا چاہیے۔

وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ

اور کہا مانو اللہ کا اور کہا مانو رسول کا۔اب اگر تم پھرے،

فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۲﴾

تو ہمارے رسولوں پر صرف صاف صاف پہنچادینا ہے●

(اور) خدااوررسول کی اطاعت میں مشغول رہنا چاہیے، تو (کہا مانو اللہ) تعالیٰ (کا، اور کہا مانو رسول کا۔ اب اگر تم) اطاعت سے (پھرے) اور انحراف کیا، (تو ہمارے رسولوں پر صرف صاف صاف پہنچادینا ہے) جبراً اطاعت کرانا نہیں ہے۔ اُن کے ذمہ تو صرف وضاحت کے ساتھ احکام کا پہنچادینا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٣﴾

اللہ! نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا، اور اللہ ہی پر تو بھروسہ رکھیں ایمان والے●

(اللہ) تعالیٰ، (نہیں ہے کوئی معبود) برحق (اُس کے سوا)۔ یعنی اُس کے سوا کوئی مستحقِ عبادت (اور) پرستش کے لائق نہیں، تو چاہیے کہ (اللہ) تعالیٰ (ہی پر تو بھروسہ رکھیں ایمان والے)۔ ایمان یہی چاہتا ہے کہ اپنا کام حق تعالیٰ پر چھوڑ دیں اور 'کفایتِ مہمات' میں اُسی پر بھروسہ کریں۔

حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد مسلمانوں نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا، مگر اُن کے زن وفرزند نالہ وزاری، گریہ وبیقراری کر کے اُن کو نہ چھوڑتے تھے، اور وہ لوگ بھی اُن پر کمالِ شفقت اور مہربانی کی وجہ سے عاجز ہوکر رہ گئے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس کے باب میں آیت بھیجی کہ۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَاَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ

اَے ایمان والو! بے شک تمہاری کچھ بیبیاں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے، تو اُن سے بچتے رہو۔

وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤﴾

اور اگر معافی دو اور درگزر کرو اور بخش دو، تو بلاشبہ اللہ غفور رحیم ہے●

(اَے ایمان والو! بے شک تمہاری کچھ بیبیاں اور اولاد دشمن ہیں تمہارے) بہ سبب اس کے کہ وہ ہجرت سے مانع ہوتی ہیں، (تو اُن سے بچتے رہو) اور اُن کی گریہ وزاری پر فریفتہ ہوکر ہجرت نہ چھوڑو۔

یہ آیت اُن مسلمانوں کو پہنچی تو انہوں نے ہجرت کی۔ اور جب مہاجروں کو دیکھا کہ ان میں سے ہر ایک احکامِ دین میں فقیہ کامل اور عالم فاضل ہوگیا ہے، تو ان مسلمانوں نے اپنے زن وفرزند پر سختی کرنے کا ارادہ کیا کہ ہم تمہارے ہی سبب سے علم سے بے بہرہ رہے ہیں،

اور اسی وجہ سے انہیں خرچ دینا روکا، مہربانی کی رسمیں اُن کے ساتھ چھوڑ دیں، تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

(اور اگر معافی دو، اور درگزر کرو) یعنی جو جرم انہوں نے کیا ہے اُسے معاف کردو اور اُس کو صرفِ نظر کردو، **(اور بخش دو)** اُن کو اور اُن کا عذر قبول کرلو، **(تو بلاشبہ اللہ)** تعالیٰ **(غفور رحیم ہے)** بخشنے والا مہربان ہے، تمہارے ساتھ عفو و مغفرت کا معاملہ کرے گا۔

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑮

تمہارے مال اور اولاد، بس فتنہ ہی ہیں۔ اور اللہ! اُس کے یہاں بڑا ثواب ہے●

(تمہارے مال اور اولاد بس فتنہ ہی ہیں) یعنی سخت آزمائش ہیں، تا کہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ تم میں کون حق کو اُن پر ایثار کرتا ہے اور اُن پر ترجیح دیتا ہے۔ اور کون اپنے دِل کو مال اور اولاد سے لگا کر محبتِ الٰہی سے کنارہ کرتا ہے۔ **(اور اللہ)** تعالیٰ، **(اُس کے یہاں بڑا ثواب ہے)** اس کے واسطے جس کے دل میں خدا اور رسول کی محبت غالب ہو مال اور اولاد کی محبت پر۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ۭ

تو ڈرتے رہو اللہ کو جہاں تک ہو سکے، اور حکم سنو، اور کہا مانو، اور خرچ خیرات کرو، اپنے بھلے کو۔

وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ⑯

اور جو محفوظ رکھا جائے اپنی طبیعت کی کنجوسی سے، تو وہی لوگ کامیاب ہیں●

(تو ڈرتے رہو اللہ) تعالیٰ **(کو)** یعنی بچو عذابِ الٰہی سے اور بچو اُن چیزوں سے جو موجب عذاب ہیں **(جہاں تک ہو سکے)** اور جس قدر بچ سکو۔

یہ آیت اُس آیت کے حکم کی ناسخ ہے کہ۔۔۔ **اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ** یعنی خدا سے ڈرو جیسا ڈرنے کا حق ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ عام انسانوں کا بس نہیں۔۔ الغرض۔۔ حسبِ استطاعت خدا سے ڈرو **(اور حکم سنو)** اللہ تعالیٰ کا **(اور کہا مانو)** اُس کا، **(اور خرچ خیرات کرو)** جو بہتر ہو خدا کی راہ میں **(اپنے بھلے کو)**۔ اس لیے کہ اُس کے فائدے تمہیں کو پہنچتے ہیں۔ **(اور جو محفوظ رکھا جائے اپنی طبیعت کی کنجوسی سے)** تا کہ وہ خدا واسطے بخل نہ کرے اور خدا کی راہ میں خرچ کرے، **(تو وہی)** راہِ حق میں خرچ کرنے

والے (لوگ کامیاب ہیں) اور فلاح پانے والے ہیں، دُنیا میں خوف کی چیزوں سے اور عقبٰی میں عذاب اور سختیوں سے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا یُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْؕ

اگر دو گے اللہ کو قرضِ حسنہ، تو دُونا کردے گا اُسے تمہارے لیے، اور بخش دے گا تمہیں،

وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِیْمٌۙ﴿۱۷﴾

اور اللہ قدردان بُردبار ہے●

(اگر دو گے اللہ) تعالیٰ (کو قرضِ حسنہ) یعنی جس چیز میں وہ حکم کرتا ہے اُس میں اپنا مال خرچ کرو گے اور صدقہ دو گے دِل کی خوشی کے ساتھ اور کمالِ اخلاص سے، (تو دونا کردے گا اُسے تمہارے لیے) اور زیادہ کردے گا تمہارے واسطے۔ایک کو دس۔۔یا۔۔سات سَو تک۔یا ہزار بار چار لاکھ تک۔۔یا۔۔بے حساب۔(اور بخش دے گا تمہیں)، یعنی تمہارے گناہ جو اُس سے پہلے ہوئے ہوں بخل کرکے ۔۔یا۔۔خرچ نہ کرکے۔(اور اللہ) تعالیٰ (قدردان) ہے یعنی جزا دینے والا ہے شکر گزاروں کو، کہ تھوڑے سے صدقہ سے بہت کچھ دیتا ہے۔اور (بردبار ہے) یعنی بخیلوں اور ممسکوں پر عذاب کرنے میں جلدی نہیں کرتا۔۔اور۔۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۠﴿۱۸﴾ ع ۲

جاننے والا غیب وشہادت کا، زبردست حکمت والا●

(جاننے والا) ہے (غیب وشہادت کا)، یعنی جانتا ہے جو ظاہر میں بندے تصدیق کرتے ہیں اور جو دِل میں رکھتے ہیں ریاء اور اخلاص۔(زبردست) ہے، یعنی غالب ہے، اُس سے بدلہ لے سکتا ہے جس کا صدقہ خالص نہ ہو۔اور (حکمت والا) ہے، یعنی حکم کرنے والا ہے اُن کی کرامت اور عزت کا جو صدق کے رُو سے تصدق کرتے ہیں۔

اختتام سورہ التغابن۔۔ ﴿ ۲۲ ررمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۲راگست ۲۰۱۲ء، بروز یکشنبہ ﴾

-- ﴿ ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ -- مطابق -- ۱۲ اگست ۲۰۱۲ء، بروز یکشنبہ ﴾ --

سورۃ الطلاق ۶۵ مدنیۃ ۹۹ — آیاتہا ۱۲ رکوعاتہا ۲

سُورَةُ الطَّلَاقِ

سورۃ الطلاق -- ۶۵ مدنیہ ۹۹ آیا تہا ۱۲ -- رکوعاتہا ۲

اِس سورۂ مبارکہ کا نام 'الطلاق' ہے، اس لیے کہ اِس کی پہلی آیت میں طلاق دینے اور طلاق کی عدت کا ذکر ہے۔ اِس سے پہلی والی سورت یعنی 'سورت تغابن' میں بعض بیویوں اور بعض اولاد کی عداوت کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ عداوت بعض اوقات طلاق تک پہنچا دیتی ہے، اور اولاد کی عداوت بعض اوقات اِس حد تک پہنچا دیتی ہے کہ انسان اپنی اولاد پر خرچ کرنا بند کردیتا ہے۔

پس مصحفِ کریم میں 'سورہ تغابن' کے بعد 'سورہ الطلاق' رکھی گئی کیونکہ اِس میں طلاق اور مطلقہ عورتوں اور اولاد پر خرچ کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ان دونوں سورتوں میں دوسری مناسبت یہ ہے کہ اِن دونوں کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی وسعت اور عموم کو بیان فرمایا ہے۔ اِس سورت کے نزول کا سبب اِس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔۔۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اُن کی بیوی حائض تھیں اور انہوں نے اُن کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے اِس واقعہ کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ اِس پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اس کو چاہیے کہ اِس طلاق سے رجوع کرے، پھر اُس کو اپنے پاس روکے رکھے حتی کہ وہ حیض سے پاک ہوجائے۔ پھر اُس کو دوبارہ حیض آئے۔ پس وہ اُس سے پاک ہوجائے، پھر اگر اُس کی رائے یہ ہو کہ اُس کو طلاق دے، تو اُس کو اُس طہر میں طلاق دے جس میں اُس نے جماع نہ کیا ہو۔ سو یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ ایسی ہدایت افروز اور علم آموز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا

اے آنحضرت! جب طلاق کی نوبت آئے تمہیں عورتوں کو، تو مسلمانو! طلاق دو انہیں اُن کی عدت کا لحاظ رکھ کر، اور شمار رکھو

الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ

عدت کا۔ اور ڈرتے رہو اللہ اپنے رب کو۔ نہ نکال باہر کرو انہیں اُن کے گھروں سے اور نہ وہ خود نکلیں، مگر یہ کہ

اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ

کرلائیں کھلی بے شرمی۔ اور یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں۔ اور جو بڑھے اللہ کی حد بندیوں سے،

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①

تو بے شک اُس نے اندھیر کیا خود اپنے اوپر، نہیں اٹکل لگا سکتے تم کہ شاید اللہ نیا بھیجے اِس کے بعد کوئی حکم●

(اے آنحضرت!) اور نبی مکرم! ایمان والوں کو فرما دیں کہ (جب طلاق کی نوبت آئے تمہیں عورتوں کو، تو) اے (مسلمانو طلاق دو انہیں اُن کی عدت کا لحاظ رکھ کر، اور شمار رکھو عدت کا)، یعنی جب چاہو کہ طلاق دو اپنی ان عورتوں کو جو تمہاری مدخولہ ہو چکی ہیں، تو طلاق دو اُن کی عدت یعنی 'طہر بے جماع' میں کہ اُسے عدت میں شمار کر سکیں اور یہ طلاق موافقِ سنت ہے، اس واسطے کہ عورت طلاق کے بعد عدت میں داخل ہوتی ہے۔ اور طلاقِ بدعت یہ ہے کہ حالتِ حیض میں ۔۔یا۔۔ اُس طہر میں جس میں مجامعت کی ہو طلاق دے، اس واسطے کہ وہ ایام عدت میں حساب نہیں ہو سکتے اور عورت اس محل میں نہ عدت والی ہوتی ہے نہ شوہر والی۔

اِس مقام پر یہ بات خالی از فائدہ نہیں کہ طلاق کی تین۳ قسمیں ہیں: ﴿۱﴾۔۔احسن، ﴿۲﴾۔۔حسن، ﴿۳﴾۔۔بدعی۔ طلاقِ احسن یہ ہے کہ جن ایام میں عورت ماہواری سے پاک ہو اور اُن ایام میں بیوی سے مقاربت بھی نہ کی ہو، اُن ایام میں صرف ایک طلاق دی جائے۔ اس میں دورانِ عدت مرد کو رجوع کا حق رہتا ہے، اور عدت گزرنے کے بعد عورت 'بائنہ' ہو جاتی ہے اور فریقین کی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

'طلاقِ حسن' یہ ہے کہ جن ایام میں عورت پاک ہو اور مقاربت بھی نہ کی ہو، اُن ایام میں ایک طلاق دی جائے اور جب ایک ماہواری گزر جائے، تو بغیر مقاربت کے دوسری طلاق دی جائے، اور جب دوسری ماہواری گزر جائے تو بغیر مقاربت کے تیسری طلاق دی جائے، اُس کے بعد جب تیسری ماہواری گزر جائے تو عورت 'مغلظہ' ہو جائے گی، اور اب

'شرعی حلالہ' کے بغیر اُس سے دوبارہ عقد نہیں ہوسکتا۔

رہ گئی 'طلاق بدعی' اُس کی تین۳ صورتیں ہیں: ﴿۱﴾۔۔ایک مجلس میں تین۳ طلاقیں دفعۃً دی جائیں، خواہ ایک کلمہ سے، مثلاً: تم کو تین۳ طلاقیں دیں یا کلمات متعددہ سے، مثلاً: کہے تم کو طلاق دی، تم کو طلاق دی، تم کو طلاق دی۔ ﴿۲﴾۔۔عورت کی ماہواری کے ایام میں اس کو ایک طلاق دی جائے۔اُس طلاق سے رجوع کرنا واجب ہے اور یہ طلاق شمار کی جاتی ہے۔ ﴿۳﴾۔۔جن ایام میں عورت سے مقاربت کی ہو اُن ایام میں عورت کو ایک طلاق دی جائے۔ 'طلاق بدعی' کسی صورت میں ہو اُس کا دینے والا گناہ گار ہوتا ہے۔

اِس مقام پر کسی کو یہ خیال آسکتا ہے کہ حاملہ عورت کو جماع کے بعد طلاق دینا جائز ہے، تو غیر حاملہ کو اُس طہر میں طلاق دینا کیوں جائز نہیں؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ اِس میں فرق واضح ہے کہ جس طہر میں شوہر نے اپنے بیوی سے جماع کرلیا، اُس طہر کے بعد جب تک حیض نہ آجائے یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اُس جماع کے نتیجے میں استقرار حمل ہوا کہ نہیں، اور عورت کے حاملہ یا غیر حاملہ ہونے کا پتا نہیں چلے گا اور تعین نہیں ہوسکے گا کہ اُس کی عدت تین۳ حیض ہے۔۔یا۔۔وضع حمل ہے، اس لیے یہ قید لگائی گئی کہ اگر شوہر کو طلاق دینی ہو، تو طہر کے اُن ایام میں طلاق دے جس میں اُس نے جماع نہ کیا ہو۔

آگے ارشاد ہے اور شمار رکھو عدت یعنی شمار کروائے مرد عورتوں کی عدت کو، کہ وہ اس کے حساب اور یادداشت سے عاجز اور غافل ہیں۔عدت نام ہے اُن ایام کا جن کے گزر جانے کے بعد مطلقہ عورت کے لیے نکاح کرنا جائز ہوجاتا ہے۔تو مطلقہ عورتیں اپنے کو تین۳ حیض تک روکے رکھیں اور جس عورت کو حیض نہ آتا ہو وہ اپنے کو تین۳ ماہ تک نکاح سے روکے رکھے۔

(اور) اَے ایمان والو! **(ڈرتے رہو اللہ)** تعالیٰ **(اپنے رب کو)** اور طلاق سنت کے موافق دو۔اور طلاق کے بعد **(نہ نکال باہر کرو انہیں اُن کے گھروں سے)** جب تک عدت منقضی نہ ہوجائے۔ **(اور)** عورتوں کو چاہیے کہ **(نہ وہ خود نکلیں)** یعنی باہر نہ آئیں۔پس اُن کو تم نہ نکالو۔ **(مگر یہ کہ کرلائیں کھلی بےشرمی)** اور بُرے کام جوان عورتوں کا حال بدکاری میں ظاہر کرنے والا ہو۔اِس سے وہ گناہ مراد ہے جس میں حد مقرر ہو جیسے زنا چوری وغیرہ، اس واسطے کہ حد جاری کرنے کے واسطے ان عورتوں کو گھر سے باہر لانا چاہیے۔۔یا۔۔فحش اور سفاہت کے سبب سے ان گھر والوں کو ایذاء دیں، تو اس حال میں ان کو گھر سے نکال دینا حلال ہے۔اِس واسطے سے یہ امر مخالفت کا حکم رکھتا ہے حق ساقط ہوجانے میں۔

(اور یہ) حکم جو مذکور ہوا (اللہ) تعالیٰ (کی حد بندیاں ہیں) کہ اُس نے مقرر فرمائیں جن سے بندے باہر نہیں ہو سکتے۔ (اور جو بڑھے) اور گزر جائے (اللہ) تعالیٰ (کی حد بندیوں سے، تو بے شک اُس نے اندھیر کیا خود اپنے اوپر) یعنی اپنے کو عذاب کا مستحق کر لیا۔ اَے طلاق دینے والے! (نہیں اٹکل لگا سکتے تم)۔۔یا۔۔کوئی بھی نہیں جان سکتا (کہ شاید اللہ) تعالیٰ (نیا بھیجے اُس کے بعد کوئی حکم) یعنی شاید مرد کو پشیمان کرے۔۔یا۔۔عورت کی محبت اُس کے دِل میں آئے اور وہ رجوع کر لے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا

پھر جب وہ پہنچ گئیں اپنی مدت کو تو روک رکھو اُنہیں حسن سلوک سے، یا الگ ہی کر دو خوبی کے ساتھ، اور گواہ بنا لو

ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ

دو عادل کو اپنے میں سے، اور قائم کرو گواہی کو اللہ واسطے۔ یہ ہے جس کی نصیحت کی جاتی ہے اُسے جو

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۬ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝۲

مانے اللہ اور پچھلے دن کو۔۔اور جو ڈرتا رہے اللہ کو، پیدا کر دیتا ہے اُس کے لیے نکال●

(پھر جب وہ پہنچ گئیں اپنی مدت کو) یعنی عدت کے آخری مرحلے تک پہنچنے والی ہوں۔ اور تین حیض کی تکمیل ہونے کو قریب ہو، (تو) تمہارے لیے دو شکل ہے، (روک رکھو انہیں حسن سلوک سے) رجوع کر کے، (یا الگ ہی کر دو خوبی کے ساتھ) مہر وغیرہ حقوق ادا کر کے۔ (اور گواہ بنا لو دو عادل کو اپنے میں سے) جو فاسق نہ ہوں، کہ وہ رجوع پر گواہ ہوں۔ اور یہ امر مستحب ہے، اور امام شافعی کے نزدیک واجب ہے۔

(اور قائم کرو گواہی کو) اَے گواہو! بوقتِ حاجت (اللہ) تعالیٰ کے (واسطے)، یعنی رضائے الٰہی اور طلب ثواب کے لیے۔ (یہ ہے جس کی نصیحت کی جاتی ہے اُسے جو مانے اللہ) تعالیٰ اور اس کے احکام (اور پچھلے دن کو)، اس لیے کہ ایمان والے ہی ایسی نصیحتیں قبول کر سکتے ہیں۔ (اور جو ڈرتا رہے اللہ) تعالیٰ (کو)، خوف الٰہی کے سبب سے منہیات کا مرتکب نہ ہو، تو حق تعالیٰ (پیدا کر دیتا ہے اُس کے لیے نکال)۔ یعنی وہ نجات پاتا ہے دُنیا اور آخرت کے غم سے۔۔یا۔۔جب کوئی حرام پرہیز کرتا ہے، تو حق تعالیٰ اُسے وجہ حلال سے پہنچاتا ہے۔

وَيَرۡزُقۡهُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَحۡتَسِبُ ؕ وَمَنۡ يَّتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسۡبُهٗ ؕ

اور روزی دے اُسے جہاں سے سان وگمان نہ ہو، اور جو بھروسہ رکھے اللہ پر تو وہ اُسے کافی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمۡرِهٖ ؕ قَدۡ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَىۡءٍ قَدۡرًا ﴿۳﴾

بے شک اللہ پورا فرمادینے والا ہے اپنے کام کو۔ بے شک مقرر کر دیا اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ●

(اور روزی دے اُسے جہاں سے سان وگمان نہ ہو)۔

اِس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ مشرکوں نے عوف بن مالک کے بیٹے کو قید کیا، اُس کا باپ پیغمبر کی خدمت میں آیا اور عرض کیا یارسول اللہ! ﷺ میرا بیٹا کافروں کی قید میں گرفتار ہو گیا، اور اُس کی ماں بہت بے صبری اور بے قراری کرتی ہے، اور اُس کے ساتھ فقر وفاقہ کی بھی نوبت آچکی ہے۔ جو چیز سدرمق ہو سکے اُس کی بھی قدرت نہیں۔ حضرت ﷺ نے فرمایا، تُو تقویٰ اختیار کر اور صابر رہ، اور تُو اور اُس کی ماں اکثر کہا کرے 'لَاحَوۡلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ'۔ عوف نے اپنی عورت سمیت آنحضرت ﷺ کی ہدایت پر عمل کیا۔ تھوڑی مدت میں عوف کا بیٹا مشرکوں کی قید سے چھوٹ گیا، اور اُن کی چار ہزار بکریاں ہنکاتے ہوئے صحیح سلامت مدینہ منورہ میں آیا اور یہ آیت نازل ہوئی کہ جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے وہ حلال روزی پاتا ہے۔

(اور جو بھروسہ رکھے اللہ) تعالیٰ (پر، تو وہ اُسے کافی ہے۔ بے شک اللہ) تعالیٰ (پورا فرمادینے والا ہے اپنے کام کو)۔ یعنی خدا جس بات کا اِرادہ فرمالیتا ہے اور اُس کی جو مراد ہوتی ہے وہ پوری ہو کر رہتی ہے۔ **(بے شک مقرر کر دیا اللہ) تعالیٰ (نے ہر چیز کا ایک اندازہ)**۔ اُس سے وہ چیز بڑھتی نہیں۔ فقیری ہو۔ یا۔ تونگری دونوں ہی تقدیرِ الٰہی سے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اُسے مضبوط پکڑیں یعنی اس پر کاربند ہوں، تو ان سب کو کافی ہو۔ پھر آیہ **وَمَنۡ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجۡعَلۡ لَّهٗ** پڑھی اور چند بار اس کا اعادہ فرمایا۔ اِس آیت کی بنیاد تقویٰ اور توکل پر ہے۔ تقویٰ 'بوستانِ قرب' کی خوشبو ہے اور رتبہ معیت سے خبر دیتا ہے کہ **اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا**۔ اور توکل گلزارِ 'کفایت' کی خوشبو ہے اور اس سے 'ریحانِ محبت' کی خوشبو مہکتی ہے کہ **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَوَكِّلِيۡنَ** اور بے اِن دو صفتوں کے 'طریقِ تحقیق' میں قدم نہیں رکھ سکتے۔ جب طلاق دی ہوئی عورتوں کی عدت کا

حکم نازل ہوا کہ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ تو صحابہ نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ جن عورتوں کے حیض نہیں ہوتا، اُن کی کیا عدت ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَالّٰٓیِٔ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ

اور جو تمہاری عورتیں ناامید ہوچکیں حیض سے، اگر اب تک تم شک کررہے تھے، تو اُن کی عدت تین

اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓیِٔ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ

مہینہ ہے۔ اور اُن کی بھی جنہیں ابھی حیض نہ آیا۔ اور حمل والیاں، اُن کی مدت یہ ہے کہ جن لیں

حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ﴿۴﴾

اپنا حمل۔ اور جو ڈرے اللہ کو، وہ کردے گا اُس کے لیے اُس کے کام میں آسانی●

(اور جو تمہاری عورتیں ناامید ہوچکیں حیض سے، اگر اب تک تم شک کررہے تھے) اُن کے حکم میں یعنی ان کا حکم نہیں جانتے تھے، (تو) جان لو کہ (اُن کی عدت تین مہینہ ہے اور اُن کی بھی جنہیں ابھی حیض نہ آیا۔ اور حمل والیاں، اُن کی مدت یہ ہے کہ جن لیں اپنا حمل) خواہ وہ طلاق دی ہوئی ہوں ۔۔یا۔۔ بیوہ ہوگئی ہوں۔ (اور جو ڈرے اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی اُس کے عذاب کو اور اُس کا حکم مانے، (وہ کردے گا اُس کے کام میں آسانی)۔

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗٓ اِلَیْكُمْ ؕ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یُكَفِّرْ عَنْهُ سَیِّاٰتِهٖ

یہ ہے اللہ کا حکم جس کو نازل فرمایا تمہاری طرف، اور جو ڈرے اللہ کو، وہ اُتار دے گا اُس سے اُس کے گناہ،

وَیُعْظِمْ لَهٗٓ اَجْرًا ﴿۵﴾

اور بہت بڑا دے گا اُس کو ثواب●

(یہ ہے اللہ) تعالیٰ (کا حکم جس کو) لوحِ محفوظ سے (نازل فرمایا تمہاری طرف اور جو ڈرے اللہ) تعالیٰ (کو) یعنی عذابِ الٰہی کو اور اس کے حکم کی تعمیل کرتا رہے، تو (وہ اُتار دے گا اس سے اس کے گناہ اور بہت بڑا دے گا اس کو ثواب)، یعنی اس کو بہت زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔ مطلقہ عورتوں کے تعلق سے حکمِ الٰہی یہ ہے کہ طلاق دی ہوئی۔۔۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا

عورتوں کو عدت میں رکھو جہاں خود رہنے لگے اپنی حیثیت بھر، اور نہ نقصان پہنچاؤ اُنہیں کہ تنگی ڈال دو

عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ

اُن پر۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں، تو بھی نان نفقہ دو اُنہیں، یہاں تک کہ جن لیں

حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ

اپنا حمل۔ پھر اگر دودھ پلائیں تمہارے بھلے کو، تو دیتے رہو اُنہیں اُن کی اُجرتوں کو۔ اور مشورہ کیا کرو آپس میں

بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى ؕ ﴿۶﴾

خوبی کے ساتھ۔ اور اگر دشوار جانا تم نے، تو قریب ہے کہ دودھ پلادے گی اُسے کوئی دوسری •

(عورتوں کو عدت میں رکھو جہاں خود رہنے لگے اپنی حیثیت بھر)، یعنی اپنی طاقت وسکت کے مطابق اُن کے رہنے کی جگہ مقرر کردو۔ (اور نہ نقصان پہنچاؤ اُنہیں) گھر اور خرچ کی طرف سے، (کہ تنگی ڈال دو اُن پر) اِس خیال سے کہ وہ تنگ آکر گھر سے نکل جائیں۔ (اور اگر وہ حاملہ ہوں، تو بھی نان نفقہ دو اُنہیں یہاں تک کہ جن لیں اپنا حمل) علاقہ نکاح منقطع ہوجانے کے بعد۔ (پھر اگر دودھ پلائیں تمہارے بھلے کو) تمہارے بچے کو، (تو دیتے رہو اُنہیں اُن کی اجرتوں کو) دودھ پلانے پر۔ (اور مشورہ کیا کرو آپس میں خوبی کے ساتھ) فرزند کے دودھ پلانے اور اُس کی اجرت کے باب میں۔ (اور اگر دشوار جانا تم نے) یعنی شوہر اجرت دینے پر راضی نہ ہو اور بیوی دودھ پلانا نہ چاہے ۔۔۔یا۔۔ کسی وجہ سے پلا نہ سکے، (تو قریب ہے کہ دودھ پلادے گی اُسے کوئی دوسری)۔ ایسی صورت میں اپنے بچے کے لیے انا کا انتظام کرلو اور ماں پر جبر اور زبردستی نہ کرو۔ چاہیے کہ۔۔۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ

نفقہ دیا کرے وسعت والا اپنی وسعت کے موافق۔ اور جس پر تنگ ہے اُس کی روزی، تو وہ نفقہ دیا کرے اُس سے جو دیا ہے

اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ

اُسے اللہ نے۔ نہیں بار رکھتا اللہ کسی پر مگر جو دے رکھا ہے اُسے۔ قریب ہے کہ کردے گا اللہ

بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ﴿۷﴾ ع ۱۷

دشواری کے بعد آسانی •

(نفقہ دیا کرے وسعت والا اپنی وسعت کے موافق)۔یعنی اپنی مطلقہ عورت کو خرچ دیا کرے اپنی حیثیت کے مطابق۔(اور جس پر تنگ ہے اُس کی روزی) یعنی وہ شخص فقیر اور تنگدست ہو، (تو وہ نفقہ دیا کرے اُس سے جو دیا ہے اُسے اللہ) تعالیٰ (نے) یعنی اپنی طاقت کے موافق طلاق دی ہوئی عورت کو خرچ دے۔(نہیں بار رکھتا اللہ) تعالیٰ (کسی پر مگر جو دے رکھا ہے اُسے)۔یعنی حق تعالیٰ اُس چیز کی تکلیف بندوں کو نہیں دیتا جس کی طاقت اُن کو نہ ہو۔(قریب ہے کہ کردے گا اللہ) تعالیٰ (دشواری کے بعد آسانی)، یعنی تنگدستی کے بعد فراخ دستی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا

اور کتنی آبادیاں تھیں کہ سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور اُس کے رسولوں سے،، تو ہم نے حساب لیا اُن کا،

حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ⑧

سخت حساب۔اور عذاب دیا اُنہیں، ناگوار عذاب●

اِس سے پہلے رکوع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام بیان کیے تھے اور اِس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ کے احکام نہ ماننے سے دُنیا اور آخرت میں عذاب ہوتا ہے۔۔چنانچہ۔فرمان۔۔۔

(اور) ارشاد ہے کہ (کتنی آبادیاں تھیں کہ) اُن میں رہنے والوں نے نادانی اور عناد کے رُو سے (سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور اُس کے رسولوں) کی بات (سے، تو ہم نے حساب لیا اُن کا، سخت حساب)۔دُنیا میں اُن پر سختیاں ہوئیں اور اُن کے چھوٹے بڑے گناہوں کی انہیں سزا ملی، مثلاً: کبھی قحط میں مبتلا ہوئے اور کبھی امراض اور درد وغیرہ میں گرفتار ہوئے، اور کبھی اُن کے سر تلواروں سے قلم کیے گئے اور کبھی اُن پر اُن کے دشمنوں کو مسلط کیا گیا، اور دیگر بلیات اور آفات ان پر نازل ہوئیں کہ جن سے ان کا نام ونشان تک نہیں رہا۔

یہ اس لیے ہوا تا کہ آنے والی نسلیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب ایسی بلائیں نازل ہوتی ہیں تو مجرم کے لیے کوڑے کا کام کرجاتی ہیں جن سے اُسے عبرت نصیب ہوتی ہے۔اگر وہ اس سے عبرت حاصل نہیں کرتا، تو اُس سے بڑھ کر اور عذاب نازل ہوتا ہے جس سے اُس کی جڑ کٹ جاتی ہے، یہاں تک کہ اس کا نام ونشان بھی ختم کردیا جاتا ہے۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسوں کا ہم نے سختی سے حساب لیا۔۔۔

(اور عذاب دیا انہیں ناگوار عذاب) جسے سن کر طبائع گھبرا جائیں اور ایسی سخت تکلیف کہ جیسی مجرم نے دیکھی نہ سنی، اور نہ ہی اُسے اِس قسم کی توقع تھی۔ اگر مجرم کو اس قسم کا عذاب بتایا جاتا تو تصدیق کو تیار نہ تھا، لیکن اب اس میں مبتلا ہے۔

ذہن نشین رہے کہ قہرِ غیر متوقع سے زیادہ سے زیادہ درد محسوس ہوتا ہے، جیسے غیر متوقع لطف میں بہت زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے جلدی کا عذاب مراد ہے کہ جب آیا تو مجرموں کی جڑ کٹ گئی، جیسے طوفان میں غرق ہونا اور دریا میں ڈوب کر مرنا، آگ میں جل جانا، تیز آندھی، سخت سے سخت چیخیں۔ **نُكْرًا** کا معنی وہ سخت امر جس کا عرفان نہ ہو۔ 'الانکار' عرفان کی نقیض ہے۔۔ الختصر۔۔ جب انہوں نے سرکشی کی۔۔۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٩﴾ أَعَدَّ اللَّهُ

تو چکھا اپنے کام کے وبال کو، اور اُن کے کام کا انجام ہوا خسارہ میں ● تیار کر چکا ہے اللہ

ع۱۲ **لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ**

اُن کے لیے سخت عذاب۔ تو ڈرا کرو اللہ کو اَے عقل والو!۔۔۔ جو ایمان لا چکے۔۔

قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿١٠﴾

بے شک نازل فرمایا اللہ نے تمہاری طرف یادگار ●

(تو چکھا اپنے کام کے وبال کو) اور اُس کے نقصان کو۔ **(اور اُن کے کام کا انجام ہوا خسارہ میں)**۔ اور اِس سے بڑھ کر اور بدتر کون خسارہ ہے کہ جنت اور دیدارِ الٰہی سے محروم ہوں گے، اور قید خانۂ دوزخ اور عذابِ دردناک میں مبتلا ہوں گے۔ **(تیار کر چکا ہے اللہ)** تعالیٰ **(ان)** مشرکین **(کے لیے سخت عذاب)** دونوں جہان میں۔ **(تو ڈرا کرو اللہ)** تعالیٰ **(کو)** یعنی اُس کے عذاب کو **(اَے عقل والو۔۔ جو ایمان لا چکے۔۔۔ بے شک نازل فرمایا اللہ)** تعالیٰ **(نے تمہاری طرف یادگار)** یعنی نصیحت ۔۔۔یا۔۔ شرف کہ قرآن شریف ہے اور بھیجا تمہارے پاس۔۔۔

رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ مُبَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا

وہ رسول جو تلاوت فرمائے تم پر اللہ کی روشن آیتیں، کہ نکال باہر کرے اُنہیں جو مان گئے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ

اور نیکیاں کیں، اندھیریوں سے روشنی کی طرف۔ اور جو مان جائے اللہ کو اور کرے

صَالِحًا يُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ

لیاقت مندی، داخل فرمائے گا اُسے باغوں میں بہتی رہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے اُس میں۔

قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝۱۱

بے شک خوب کردی اللہ نے اُس کی روزی۔

(وہ رسول جو تلاوت فرمائے تم پر اللہ) تعالیٰ (کی روشن آیتیں) قرآن کی کہ خدا کا کلام ہے۔ قرآن کو حق تعالیٰ نے شرف فرمایا، اس واسطے کہ دُنیا میں شرف اور عقبیٰ میں بزرگی قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے سے وابستہ ہے۔ بعضوں نے کہا کہ **ذِکْرٌ** قرآن ہے اور رسول یعنی خدا کے فرستادہ جبرائیل امین ہیں۔ اور بعضوں نے کہا کہ رسول بدل ہے ذکر سے اور ذکر وہی رسول ہے یعنی ذاکر اور نصیحت کرنے والا۔ اور بہت صحیح اور مشہور بات یہ ہے کہ **ذِکْرٌ** پر کلام تمام ہوا، اور رسول منصوب ہے محذوف کے سبب سے۔ تقدیر کلام یہ ہے، کہ۔۔۔ متابعت کرو رسول کی جو قرآنی آیات تلاوت فرماتے ہیں۔ تا (کہ نکال باہر کرے انہیں جو مان گئے اور نیکیاں کیں اندھیریوں سے روشنی کی طرف)۔ یعنی تاکہ نکالے خدا۔۔یا۔۔قرآن۔۔یا۔۔ رسول اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک کام انجام دیئے۔

(اور جو مان جائے اللہ) تعالیٰ (کو اور کرے لیاقت مندی)۔ یعنی ایسے کام انجام دے جو ریاء، بناوٹ اور غرض سے پاک وصاف ہوں، (داخل فرمائے گا) حق تعالیٰ (اسے) ایسے (باغوں میں بہتی رہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں، ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے اُس میں) بے زوال اور بے انتقال۔ (بے شک خوب کردی ہے اللہ) تعالیٰ (نے) بہشت میں (اس) مؤمن (کی روزی) اور وہ بھی کیا خوب روزی۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ؕ يَتَنَزَّلُ

اللہ ہے جس نے پیدا فرمایا سات آسمانوں کو، اور زمینیں اُسی قدر۔ اُترتا رہتا ہے

الْاَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ

حکم اُن کے درمیان، تاکہ جان لو کہ بلاشبہ اللہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔۔

ع ۲ ۱۸

وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

اور بے شک اللہ نے گھیر لیا ہر ایک کو علم میں●

(اللہ) تعالیٰ وہ (ہے جس نے پیدا فرمایا سات آسمانوں کو) ایک پر ایک۔ (اور) پیدا کیں (زمینیں اُسی قدر) سات عدد۔۔یا۔۔اُسی کی طرح ایک کے نیچے ایک۔ (اترتا رہتا ہے حکم) الٰہی اور اُس کی قضا و قدر (اُن کے درمیان)۔ یعنی اُس کا حکم آسمان و زمین میں سب جگہ جاری ہے (تا کہ جان لو کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (ہر چاہے پر قدرت والا ہے) جو چاہے پیدا کرے۔ (اور) اللہ تعالیٰ نے اپنا حکم سب پر جاری کیا ہے تا کہ تمہیں علم ہو جائے، کہ (بے شک اللہ) تعالیٰ (نے گھیر لیا ہر ایک کو علم میں) یعنی علم کی رُو سے، یعنی اُس کا علم اور اُس کی قدرت سب چیزوں کو گھیرے ہے۔ 'موجوداتِ عینی' اور 'موجوداتِ غیبی' میں سے کوئی اُس کے علم اور قدرت سے خالی نہیں ہے۔

اختتام سورہ الطلاق ۔۔ ﴿ ۲۴ر رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۴ر اگست ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ ﴾

--- ﴿ ۲۴ر رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۴ر اگست ۲۰۱۲ء۔۔۔بروز سہ شنبہ ﴾ ---

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ ۶۶ مَدَنِيَّةٌ ۱۰۷ — اٰیاتُها ۱۲ رکوعاتُها ۲

سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ

سورۃ التحریم ۔۔۶۶ مدنیہ ۱۰۷ — آیاتہا ۱۲۔۔رکوعاتہا ۲

نقل ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ شہد کے شربت کو دوست رکھتے تھے۔ ایک وقت میں حضرت زینب بنت جحش کے پاس کسی قدر شہد تھا، جب آنحضرت ﷺ اُن کے گھر رونق افروز ہوتے، تو حضرت زینب شربت بناتیں اور آپ ﷺ کو اس سبب سے اُن کے گھر زیادہ توقف ہوتا۔ یہ بات اپنی غیرت طبعیہ کی وجہ سے بعض ازواج طاہرات کو گراں گزری۔

ام المومنین حضرت بی بی عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اِس بات پر اتفاق کیا اور یہ امر ٹھہرالیا کہ جب حضرت ﷺ وہاں سے شربت پی کر تشریف لائیں، تو ہم میں سے ہر ایک کہے کہ آپ کے دَھنِ مبارک سے 'مغافیر' کی بُو آتی ہے۔ اور 'مغفور' ایک درخت کا گوند ہے اُس میں بُری بُو آتی ہے، اور حضرت اچھی بُو کو دوست رکھتے تھے اور 'بری بُو' سے

احتراز فرماتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی درخت کے گوند کا رس چوسنے کے بعد شہد کی مکھیوں سے جو شہد نکلتا تھا اُس میں اُس کی زیادہ نہ محسوس ہونے والی ہلکی بوٗ آجاتی ہو، تو گمان کیا جاسکتا تھا کہ نبی کریم علیہ السلام اگر یہ سن لیں گے کہ اُس کی بوٗ دوسرے بھی محسوس کررہے ہیں، تو اپنے کمالِ نظافت کی وجہ سے اُس کو ترک فرمادیں گے۔ اور پھر اسی شربت پینے کے خیال سے آپ حضرت زینب کے پاس زیادہ ٹھہر جاتے تھے وہ سلسلہ ختم ہوجائے گا۔

میں نے یہ وضاحت اِس لیے کردی ہے تاکہ ازواجِ مطہرات پر دیدہ ودانستہ کذب بیانی کا الزام نہ لگایا جاسکے۔

۔۔الختصر۔۔ حضرت ایک دن شہد کا شربت پی کر جس جس بی بی کے پاس آپ تشریف لائے، ہر ایک نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ میں 'مغفور' کی بوٗ آتی ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں نے تو 'مغفور' نہیں کھایا، مگر زینب کے گھر شہد کا شربت پیا ہے۔ بیبیاں بولیں کہ شہد کی مکھیوں نے اُس درخت کی کلی چوسی ہوگی۔

جب یہ صورت مکرر واقع ہوئی، تو حضرت نے فرمایا:

حَرَّمْتُ العسل علی نفسی فواللہ لا اکلہ ابداً

یعنی میں نے حرام کرلیا شہد اپنی ذات پر۔ پس قسم اللہ کی نہ کھاؤں گا میں اُسے کبھی۔

اور یہ قسم آپ نے اِس لیے کھائی کہ دوبارہ کوئی آپ کو شہد نہ کھلائے پلائے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔ شانِ نزول کے تعلق سے یہ روایت بھی مشہور ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی باری کے دن آپ اُن کے گھر تشریف لے گئے، وہ آپ کی اجازت سے اپنے والد ماجد کو دیکھنے گئی تھیں۔ آپ نے حضرت ماریہ قبطیہ کو طلب فرماکر اپنی خدمت سے سرفراز کیا۔ حضرت حفصہ اس بات پر مطلع ہوئیں اور رنج ظاہر کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اَے حفصہ تُو راضی نہیں ہے کہ میں اُسے اپنے اوپر حرام کرلوں۔ حضرت حفصہ نے عرض کی میں راضی ہوں یارسول اللہ! ﷺ۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات تمہارے پاس امانت ہے تمہیں چاہیے کہ کسی سے نہ کہو، انہوں نے قبول کیا۔ جیسے ہی حضرت اُن کے گھر سے باہر آئے وہ فرطِ مسرت میں غرق ہوگئیں اور اپنی مسرت میں شریک کرنے کے خیال سے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ بات کہہ دی اور اُن کو مبارک باد دی کہ قبطیہ کی باری سے ہم نے نجات پائی۔ جب

حضرت علیہ السلام حضرت بی بی عائشہ کے گھر تشریف لے گئے، تو انہوں نے رمز و کنایہ میں یہ حکایت کہی اور یہ سورت نازل ہوئی۔

۔۔الحاصل۔۔اِس سورت میں اُن احکام کا بیان ہے جو ازواجِ مطہرات کے ساتھ مخصوص ہیں، تا کہ وہ دوسری مسلم خواتین کے لیے نمونہ ہوں۔ اِس سورہ کا نام 'تحریم' اِسی کی آیت اِ کے کلمہ لِمَ تُحَرِّمُ سے ماخوذ ہے۔ایسی مبارک، معنی خیز، اور ہدایت آموز سورۂ پاک کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبۡتَغِیۡ مَرۡضَاتَ اَزۡوَاجِكَ ؕ

اَے آنحضرت! کیوں پرہیز کرو تم اُس سے کہ حلال فرمادیا جسے اللہ نے تمہاری خاطر۔تم چاہتے ہو اپنی بیبیوں کی خوشی۔

وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ①

اور اللہ غفور رحیم ہے●

(اَے آنحضرت!) نبی مکرم ﷺ '(کیوں پرہیز کرو تم اُس سے کہ حلال فرمادیا جسے اللہ) تعالیٰ (نے تمہاری خاطر)۔تمہیں ملک یمین۔۔یا۔۔عسل سے پرہیز و اجتناب کی ضرورت نہیں، اور وہ بھی اس لیے کہ (تم چاہتے ہو اپنی بیبیوں کی خوشی)۔اَے محبوب! یہ تمہارا مقام نہیں ہے کہ تم اپنی ازواج راضی کرو۔ بلکہ اُن ازواج کو یہ چاہیے کہ وہ تمہاری رضا کو تلاش کریں۔ (اور اللہ) تعالیٰ (غفور) ہے یعنی بخشنے والا ہے تمہارے قسم کھانے کو، اور (رحیم ہے) یعنی مہربان ہے کہ اُس نے قسم کا کفارہ مقرر کردیا ہے۔۔اور۔۔

قَدۡ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمۡ تَحِلَّةَ اَیۡمَانِكُمۡ ۚ وَ اللّٰهُ مَوۡلٰىكُمۡ ۚ وَ هُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَكِیۡمُ ②

بے شک مقرر فرمادیا اللہ نے تمہاری خاطر کو، تم سب مسلمانوں کی قسموں کا کفارہ، اور اللہ تم لوگوں کا مولیٰ ہے۔اور وہی علم والا حکمت والا ہے●

(بے شک مقرر فرمادیا اللہ) تعالیٰ (نے تمہاری خاطر کو تم سب مسلمانوں کی قسموں کا کفارہ)

توجو کچھ قسم کے سبب سے باندھتے ہوا سے کفارہ سے کھول سکتے ہو۔۔۔اور قسم کے کفارہ کا بیان سورۂ مائدہ میں آچکا ہے۔۔۔(اور اللہ) تعالیٰ (تم لوگوں کا مولیٰ ہے)، یعنی تمہارا دوست ہے اور تمہارے کاموں کا متولی ہے۔ وہی کرتا ہے جس میں تمہارے کام کی درستی ہو۔ (اور وہی علم والا) ہے اور جانتا ہے بندوں کی مصلحتیں۔ اور (حکمت والا ہے) یعنی پکا کام کرنے والا ہر چیز میں جو کہ بندوں کی نسبت کہتا ہے یا کرتا ہے۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ

اور جبکہ پوشیدہ کی آنحضرت نے اپنی ایک بی بی سے بات۔ پھر جب کہہ ڈالا اُن بی بی نے اُس کو، اور ظاہر فرمادیا اُسے اللہ نے

عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ

آنحضرت پر، تو انہوں نے جتادیا کچھ اور چشم پوشی کی کچھ سے۔ تو جب بتایا آنحضرت نے اُن بی بی کو، انہوں نے پوچھا

مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ③

کہ "کس نے خبر دی آپ کو اُس کی؟" جواب دیا کہ "خبر دی مجھے اللہ علم والے بتانے والے نے"●

(اور) یاد کرو اے ایمان والو! (جبکہ پوشیدہ کی آنحضرت نے اپنی ایک بی بی سے بات) یعنی ام المومنین حضرت حفصہ سے رازدارانہ طور پر فرمایا، کہ بی بی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لینا ہے یعنی اُن سے پرہیز کرنا ہے۔۔یا۔ شہد پینے سے اجتناب کرنا ہے۔۔یا۔ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خلافت کا ذکر۔

یہ باتیں آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوشیدہ طور پر فرمائی تھیں اور انہوں نے حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے ظاہر کر دیا۔

(پھر جب کہہ ڈالا ان بی بی نے اُس کو اور ظاہر فرمادیا اُسے اللہ) تعالیٰ (نے آنحضرت پر)، یعنی اس افشائے راز کی خبر دے دی، (تو انہوں نے) حضرت بی بی حفصہ کو (جتادیا کچھ)۔ یعنی میں نے تم سے جو فلاں فلاں بات کہی تھی اور تم نے ان میں سے اس قدر بات ظاہر کر دی یعنی بی بی ماریہ قبطیہ کو حرام کر لینا، (اور چشم پوشی کی کچھ سے)۔

مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کرم کی راہ سے سب باتیں نہیں جتائیں، حالانکہ حضرت بی بی حفصہ نے رسولِ مقبول کی سب پوشیدہ باتیں کہہ دی تھیں، تو آپ وہ سب

باتیں حضرت حفصہ کے سامنے منہ پر نہیں لائے۔

(تو جب بتایا آنحضرت نے ان بی بی کو) اس بات سے جس کی اطلاع خدا نے آپ کو دی تھی، تو **(انہوں نے پوچھا کہ کس نے خبر دی آپ کو اس کی؟)** کہ میں نے آپ کا راز فاش کر دیا۔

چونکہ یہ راز کی بات انہوں نے حضرت عائشہ سے کی تھی اور یہ تاکید بھی کر دی تھی کہ وہ کسی کو نہ بتائیں، تو انہیں خیال ہوا کہ شاید حضرت عائشہ ہماری تاکید کا خیال نہ کر سکیں اور آنحضرت ﷺ سے اُسے کہہ دیا۔ اسی لیے آنحضرت سے پوچھ لیا کہ آپ کو یہ بات کس نے بتائی۔ آپ علیہ السلام نے۔۔۔

(جواب دیا کہ خبر دی مجھے اللہ) تعالیٰ **(علم والے)** نے جو جاننے والا ہے دِل کی چھپی باتیں، اور **(بتانے والے نے)** جو پوشیدہ باتوں کو جس کو چاہتا ہے اُس کو بتا دیتا ہے۔

اِنْ تَتُوْبَاۤ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ

بے شک تم دونوں بیبیاں توبہ کر ڈالو اللہ کی طرف، کہ تمہارے دِل ہٹ گئے ہیں، اور اگر چھائی رہوگی اُس پر، تو بے شک اللہ ہی

هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝۴

آنحضرت کا مولیٰ ہے، اور جبرائیل، اور لائق مسلمان۔ اور پھر فرشتے اُن کی پشت پر حاضر ہیں●

(بے شک تم دونوں بیبیاں) اُے حفصہ! اور اُے عائشہ! **(توبہ کر ڈالو اللہ)** تعالیٰ **(کی طرف)** اور آنحضرت کا دِل ستانے میں باہم پشت پناہ نہ ہو، تو تمہارے واسطے بہتر ہوگا۔ یہ ہدایت اس لیے ہے **(کہ تمہارے دِل ہٹ گئے ہیں)** صواب سے کہ رسول کے بھید کی محافظت نہیں کرتیں۔۔۔یا۔۔۔ رسول کی پسند کا خیال نہیں کرتیں، اور صرف اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے رسولِ کریم کی پسندیدہ چیز سے آپ کو پرہیز کرانے کی تدبیر میں لگی رہتی ہیں۔

(اور اگر چھائی رہوگی اِس پر) یعنی رسولِ کریم کے دِل کو ستانے پر ایک دوسرے کی مددگار و پشت پناہ رہوگی، **(تو بے شک اللہ)** تعالیٰ **(ہی آنحضرت کا مولیٰ ہے)** یعنی یار و مددگار ہے اپنے پیغمبر کا۔ وہی آپ کو نصرت فرمائے گا **(اور جبرائیل)** اُن کے رفیق ہیں جو اُن کی مددگاری کریں گے۔ **(اور لائق مسلمان)** ان کے تابع اور معین ہیں۔

ان مؤمنوں سے سارے صحابہ مراد ہیں۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر اور

حضرت فاروق اعظم مراد ہیں، جو حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کے والد ہیں اور آپ کے معاون ہیں، کہ آپ کی خوشی اپنی اولاد کی خوشی پر اختیار کریں گے۔ بقول حضرت مجاہد اس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو حقیقی مددگار ہے باقی سب اُسی کی مدد و نصرت کے مظاہر ہیں۔

(اور) اس کے باوجود کہ خدا، جبرائیل اور صحابہ آپ کے یار ہیں (پھر) مزید برآں (فرشتے اُن کی پشت پر حاضر ہیں) یعنی آسمان و زمین کے سب فرشتے بھی آپ کی یاری اور خدمت گزاری کے لیے مستعد ہیں۔

اب آگے آپ کی بیبیوں کو خوف دلانے کی غرض سے ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

عَسٰى رَبُّهٗۤ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ یُّبْدِلَهٗۤ اَزْوَاجًا خَیْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ

قریب ہے کہ اُن کا رب، اگر طلاق دے دی آنحضرت نے تم کو، یہ کہ بدل دے اُن کی خاطر تم سے بہتر بیبیاں نیاز مند،

مُّؤْمِنٰتٍ قٰنِتٰتٍ تٰٓىٕبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓىٕحٰتٍ ثَیِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا۝

مان دان کرنے والیاں، فرمانبردار، توبہ والیاں، پجاریاں، روزہ دار، بیوہ اور کنواریاں●

(قریب ہے کہ اُن کا رب اگر) بالفرض (طلاق دے دی آنحضرت نے تم کو، یہ کہ بدل دے اُن کی خاطر تم سے بہتر بیبیاں)۔

یہ قدرت سے خبر دینا ہے، اس امر کے واقع ہونے سے خبر دینا نہیں ہے۔ اس واسطے کہ خدا چاہتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ طلاق نہ دیں۔۔ نیز۔۔ جانتا تھا کہ آپ طلاق نہ دیں گے۔

پھر ان بیبیوں کی تعریف فرماتا ہے جو اس کی قدرت میں اپنے رسول کے واسطے بدل دینا تھیں، وہ کیسی ہوں گی؟۔۔۔

(نیاز مند) وحدانیت کا اقرار کرنے والیاں۔۔یا۔۔ حکم الٰہی ماننے والیاں، (مان دان کرنے والیاں) تصدیق کرنے والیاں۔۔یا۔۔ باور رکھنے والیاں۔۔یا۔۔ اخلاص لانے والیاں، (فرمانبردار) نمازی، (توبہ والیاں) یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والیاں۔۔یا۔۔ بارگاہِ خدا میں رجوع لانے والیاں، (پجاریاں) یعنی بندگی بجالانے والیاں۔۔یا۔۔ زاری کرنے والیاں، (روزہ دار)۔۔یا۔۔ ہجرت کرنے والیاں۔ (بیوہ) شوہر کو دیکھے ہوئیں (اور کنواریاں)۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ شوہر دیکھی ہوئی تو آسیہ فرعون کی جورو ہے، اور کنواری حضرت مریم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں۔ حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ قیامت کے دن جنت میں اُن دونوں بیبیوں کو رسولِ مقبول ﷺ کی بی بی بنائے گا۔ اب آگے یہ وضاحت کی جارہی ہے کہ قریبی رشتہ داروں کو درجہ بدرجہ امر بالمعروف ضروری ہے۔۔ چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ

اُے ایمان والو! بچالو اپنی جانوں کو اور اپنے والوں کو اُس آگ سے، جس کا ایندھن انسان ہیں

وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ

اور پتھر۔ جس پر فرشتے ہیں سخت کرّے۔ نہیں نافرمانی کرتے اللہ کی، جو کچھ حکم دے دیا اُس نے،

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ⑥

اور کرتے رہتے ہیں جو بھی حکم دیے جاتے ہیں●

(**اُے ایمان والو! بچالو اپنی جانوں کو**) گناہ ترک کر کے، (**اور اپنے والوں کو**) یعنی اپنے لوگوں اور اپنی اولاد کو نصیحت کر کے، (**اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان ہیں**) یعنی کافر جن اور انسان (**اور پتھر**) یعنی گندھک کہ اُس کی گرمی تیز کرے گا۔۔یا۔۔پتھر کے بت جنہیں کافر پوجتے ہیں ۔۔یا۔۔احبار و رہبان کے خزانے سونے چاندی کے جن کا اصل اور منشا پتھر ہے۔ (**جس پر فرشتے ہیں سخت کرّے**) یعنی دوزخ پر متعین اور موکل فرشتے سخت کلام کرنے والے، سخت کام کرنے والے قوی، کہ دوزخیوں کو نہ ان سے لڑنے کی قوت اور نہ ان کے قبضے سے بھاگ جانے کی مجال اور طاقت ہوگی۔ وہ فرشتے (**نہیں نافرمانی کرتے اللہ**) تعالیٰ (**کی، جو کچھ حکم دے دیا اُس نے**) وہی کرتے ہیں اور خدا کی مخالفت نہیں کرتے۔ (**اور کرتے رہتے ہیں جو بھی حکم دیئے جاتے ہیں**)۔

تبیان میں لکھا ہے کہ دوزخ کے فرشتوں کو کافروں کے عذاب کے سبب سے اتنی ہی لذت حاصل ہوگی، جتنی لذت جنتیوں کو جنت کی نعمتوں سے حاصل ہوگی۔ جب وہ فرشتے کافروں کو دوزخ کے کنارے لائیں گے تو کافر عذر کرنا شروع کر دیں گے اور اخلاص کا داعیہ کریں گے، تو حق تعالیٰ فرمائے گا۔۔یا۔۔فرشتے کہیں گے۔۔۔

ع ۱۹
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ۧ

اَے کافرو! نہ تاویل گڑھو آج۔ تم بدلہ دیے جاتے ہو اُسی کا جو کیا کرتے تھے●

(اَے کافرو! نہ تاویل گڑھو آج) کہ اب عذر قبول نہیں ہے اور عذر سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (تم بدلہ دیئے جاتے ہو اُسی کا جو کیا کرتے تھے) دُنیا میں۔

دوزخ کی ہولناکی اور کافروں کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد ایمان والوں کو متنبہ کیا جارہا ہے کہ۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ

اَے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی جانب کھری توبہ۔ قریب ہے کہ تمہارا رب اُتار دے تم سے تمہارے گناہ،

سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ

اور داخل فرمائے تمہیں باغوں میں، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں، جس دن کہ نہ رسوا کرے گا اللہ آنحضرت کو،

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ

اور جو ایمان لائے اُن کے ساتھ۔ اُن کا نور دوڑ رہا ہوگا اُن کے آگے، اور اُن کے داہنے۔ دُعا کریں گے

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۸

کہ "پروردگارا! پورا فرمادے ہمارے لیے ہمارے نور کو اور بخش دے ہمیں، بے شک تُو ہر چاہے پر قدرت والا ہے"●

(اَے ایمان والو! توبہ کرو اللہ) تعالیٰ (کی جانب، کھری توبہ)۔ کہ پھر گناہ کے پاس بھی نہ جاؤ۔

حضرت معاذ ابن جبل نے فرمایا کہ تَوْبَةً نَّصُوْحًا یہ ہے کہ توبہ کرلے گناہ کی طرف نہ پھرے، جیسے چھاتی سے نکلا ہوا دودھ چھاتی میں واپس نہیں جاتا۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا تَوْبَةً نَّصُوْحًا کے دو رکن ہیں۔ ایک تو ندامت گزرے ہوئے گناہ پر اور دوسرے عزیمت آئندہ گناہ نہ کرنے پر۔

تو اَے کھری توبہ کرنے والو! (قریب ہے کہ تمہارا رب اتار دے تم سے تمہارے گناہ)، یعنی تمہارے گناہ مٹا دے معاف فرما کر۔ (اور داخل فرمائے تمہیں) اُن (باغوں میں، بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں)۔ جنتوں میں داخل ہونا کب ہوگا؟۔۔۔

(جس دن کہ نہ رسوا کرے گا اللہ) تعالیٰ (آنحضرت کو، اور) اُن کو (جو ایمان لاتے) ہیں اُن کے ساتھ)۔ یعنی اللہ تعالیٰ رسولِ کریم کی ذات پر عذاب وعتاب نہ کرے گا، اور گنہگاروں کے باب میں اُن کی شفاعت رَدّ نہ فرمائے گا، اور ایمان والوں کی بھی شفاعت اُن کے دوستوں کے باب میں قبول فرمائے گا۔ اور (اُن کا) وہ (نور) جو حق تعالیٰ نے اُن کو عطا کیا ہے (دوڑ رہا ہوگا اُن کے آگے اور اُن کے داہنے) جب صراط پر گزریں گے۔ اور اس وقت منافقوں کا نور بجھ جائے گا۔

(دُعا کریں گے) ایمان والے (کہ پروردگارا! پورا فرمادے ہمارے لیے ہمارے نور کو)۔ یعنی ہمارا نور باقی رکھ تاکہ صراط سے صحیح سلامت ہم گزر جائیں۔ (اور بخش دے ہمیں) یعنی گناہوں کی تاریکی سے پاک کردے۔ (بے شک تُو ہر چاہے پر قدرت والا ہے)۔ جو چاہے کرے۔ تو نور پورا کرنے اور مغفرت کرنے وغیرہ پر تُو قادر ہے۔

اِسی سورہ مبارکہ کی آیت ۶ میں مسلمانوں کو یہ ہدایت ہے کہ وہ اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم سے بچائیں۔ ظاہر ہے کہ اِس سے مراد یہ ہے کہ اُن اسباب کو اپنانے سے بچائیں جو جہنم رسید کردینے والے ہوں۔ انہیں اسباب میں سے ایک سبب بے دینوں کے ساتھ میل ملاپ اور محبت وو داد کا تعلق رکھنا بھی ہے۔

دورِ حاضر میں لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ بدمذہب سے سختی کو تشدد و تعصب اور ان سے نرمی وغیرہ کو خوش خلقی کا نام دیے رہے ہیں یا وہ یہ نہیں سوچتے کہ حضور سرورِ کونین ﷺ رحمۃ للعالمین اور تمام مخلوق سے زیادہ رحم دلوں اور رقیق قلبوں کے سردار اور امام ہیں۔ حق تعالیٰ جب انہیں بے دینوں سے سختی کے ساتھ پیش آنے کا حکم فرماتا ہے پھر ہم تم کس شمار میں ہیں۔۔

چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔۔۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ

اے آنحضرت! جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے، اور سخت رہو اُن پر۔ اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۹

اور کتنی بُری پھرنے کی جگہ ہے۔

(اے آنحضرت! جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور سخت رہو اُن پر)، اِس کا منشا یہ ہے کہ دین میں شدت کو اختیار کیجیے۔ جہاد کا مطلب یہ ہے کہ آپ اُن کے خلاف تلواروں اور نیزوں اور

دیگر ہتھیاروں سے جہاد کیجیے، اور اپنے موقف کے ثبوت پر دلائل پیش کیجیے۔ اور انہیں اللہ کے دین کی دعوت دیجیے۔ اور جو منافقین حدود کا اِرتکاب کرتے ہیں سو آپ اُن پر اللہ کے حدود قائم کیجیے۔

جب نبی ﷺ کو منافقین کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا ہے تو ضروری ہے کہ آپ جانتے ہو کہ کون منافق ہے۔ اور ایمان اور نفاق دِل میں ہوتا ہے اور اس کا علم غیب سے ہوگا اس آیت میں یہ دلیل بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم غیب عطا فرمایا ہے۔

۔۔الختصر۔۔اَے محبوب! ان کافروں اور منافقوں کے ساتھ آپ قلبی محبت نہ فرمائیں اور ان کے ساتھ ایسا سلوک نہ کریں جو دِلی محبت کا تقاضہ ہوتا ہے کیونکہ یہ اُس کے لائق نہیں ہیں۔ (اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے)، اگر یہ کافر ایمان نہیں لاتے (اور) یہ منافق دین میں اخلاص نہیں برتتے۔ تو یہ جہنم (کتنی بُری پھرنے کی جگہ ہے)۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ

ضرب المثل فرمائی اللہ نے کافروں کے لیے، نوح کی عورت اور لوط کی عورت کی، دونوں تھیں ماتحتی میں

عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ

ہمارے دولیاقت والے بندوں کے، تو دونوں نے دغا کی اُن سے، تو نہیں کارآمد بنے اُن کے لیے اللہ کے حضور

شَيْـًٔا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝

کچھ بھی، اور کہا گیا کہ "تم دونوں چلی جاؤ آگ میں جانے والوں کے ساتھ"•

(ضرب المثل فرمائی اللہ) تعالیٰ (نے کافروں کے لیے) جو نہ ایمان لائے (نوح کی عورت اور لوط کی عورت کی)۔ یہ (دونوں) عورتیں (تھیں ماتحتی میں ہمارے دولیاقت والے بندوں کے، تو دونوں نے دغا کی اُن سے) اور اُن پر ایمان نہ لائیں اور اُن کے دین کو قبول نہ کیا۔

بلکہ نوح علیہ السلام کی عورت واعلہ قوم کے لوگوں سے کہتی تھی کہ وہ دیوانہ ہے اور لوط علیہ السلام کی عورت واہلہ قوم کو حضرت لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر کرتی کہ قوم کے لوگ ان مہمانوں کی آرزو اور خواہش بدفعلی کے واسطے کرتے، جیسا کہ ان کے قصے میں گزرا۔

(تو نہیں کارآمد بنے) یہ پیغمبر (ان کے لیے اللہ) تعالیٰ (کے حضور کچھ بھی)۔

۔۔چنانچہ۔۔حضرت نوح علیہ السلام کی عورت طوفان میں غرق ہوگئی، اور حضرت لوط علیہ السلام کی عوت پر پتھروں کی بارش ہوئی۔

یہ تو دُنیا میں ہوا (اور) آخرت میں (کہا گیا)، یعنی یقیناً کہا جائے گا، (کہ تم دونوں چلی جاؤ
[آ]گ میں جانے والوں کے ساتھ)۔

اِس مثال کا حاصل یہ ہے کہ کافروں پر عذاب ہونا ہے اور ان میں اور پیغمبر میں جو نسبت
ہے ان کے کفر کے موجود ہوتے ہوئے وہ نسبت کچھ فائدہ نہیں دیتی۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ

اور ضرب المثل فرمائی اللہ نے مسلمانوں کے لیے فرعون کی عورت کی۔۔جب کہ دُعا کی اُس نے کہ "پروردگارا!

لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ

بنا میرے لیے اپنے یہاں ایک گھر جنت میں، اور بچالے مجھے فرعون اور اُس کے کرتوت سے،

وَنَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور بچالے مجھے ظالم لوگوں سے"●

(اور) ایسے ہی (ضرب المثل فرمائی اللہ) تعالیٰ (نے مسلمانوں کے لیے فرعون کی عورت [کی]) یعنی آسیہ بنت مزاحم کی، (جبکہ دُعا کی اُس نے کہ پروردگارا! بنا میرے لیے اپنے یہاں ایک گھر [جن]ت میں)۔ یعنی مقام قرب میں مجھے جگہ دے۔

روایت ہے کہ جب آسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایمان لائیں، تو فرعون کے حکم سے لوگوں نے چومیخا کر کے انہیں دھوپ میں ڈال دیا، تو حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ اس کے گرداگرد اپنے پروں سے اس پر سایہ کرلیں اور فرعون کے حکم سے ایک پتھر لا کر ان کے سینے پر رکھ دیا، تو آسیہ نے دُعا کی کہ اَے اللہ! مجھے جنت میں گھر دے۔۔۔

(اور بچالے مجھے فرعون) کے نفسِ خبیث (اور اُس کے کرتوت سے)، یعنی اِس سختی اور عذاب سے جو وہ مجھ پر کرتا ہے تیری توحید پر ایمان لانے کے سبب سے۔ (اور بچالے مجھے ظالم لوگوں سے) [یع]نی ظالموں کی قوم قبطیوں اور فرعون کے ماننے والوں سے۔

حق تعالیٰ نے اُس بی بی کی دُعا قبول فرمائی اور پردہ اُس کے سامنے سے ہٹا کر اور جنت میں اُس کا گھر اسے دکھا کر اُس کی روح قبض کی۔ جب اُن کی چھاتی پر پتھر رکھا تو اُن کی روح نکل چکی تھی۔ بعض تفسیروں میں ہے کہ اُس بی بی کو حق تعالیٰ نے اُن کے جسم سمیت آسمان پر اٹھا لیا اور اب وہ جنت میں ہیں۔

اس مثال کا حاصل یہ ہے کہ ایمان ہونے کی بدولت کافروں سے ملے ہونے نے ان کو کچھ ضرر نہیں پہنچایا۔ جس طرح حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی عورتوں کو کفر کے سبب سے انبیاء سے ملے ہونے نے کچھ نفع نہیں دیا۔ اور یہ مثل حق تعالیٰ نے رسول مقبول ﷺ کی بیبیوں اور سب ایمان والیوں کے واسطے بیان فرمائی۔

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا

اور مریم دختر عمران کی، جس نے پاکدامنی کی، تو پھونکا ہم نے اُس میں اپنی طرف سے روح،

وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ ع ۲

اور تصدیق کی اپنے رب کی باتوں اور اُس کی کتابوں کی، اور ہوئی فرمانبرداروں سے●

(اور مریم دختر عمران کی جس نے پاکدامنی کی) اور اپنا دامن حرام اور بُرے کام سے بچا کے رکھا، (تو پھونکا ہم نے اس) کے گریبان (میں اپنی طرف سے روح) جو ہم نے پیدا کی تھی۔ (اور تصدیق کی) مریم نے (اپنے رب کی باتوں اور اُس کی کتابوں کی)، یعنی ان صحیفوں کی جو انجیل کے قبل نازل ہوئے تھے۔۔یا۔۔اُن وعدوں کی جو جبرائیل علیہ السلام نے خدا کی طرف سے اُن سے کیے کہ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔۔الختصر۔۔تصدیق کی مریم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی سب کتابوں کی (اور ہوئی فرمانبرداروں سے)۔۔یا۔۔ہمیشہ عبادت کرنے والیوں سے۔

اِس سے اشارہ ہے کہ حضرت مریم کی عبادت مردانِ کامل کی عبادت سے کم نہ تھی۔ حدیث میں ہے کہ مَردوں میں سے تو بہت کمال کو پہنچے، لیکن عورتوں میں کمال تک پہنچنے والیوں میں مریم بنت عمران اور آسیہ زوجہ فرعون کا ایک امتیازی مقام ہے۔

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ
۲۶ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ۔۔مطابق۔۔۱۶/اگست ۲۰۱۲ء
بروز پنجشنبہ کو ۲۸ ویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں
رب کریم اپنے فضل وکرم سے باقی پاروں کی تفسیر کی تکمیل کی سعادت
مرحمت فرمائے اور فکر وقلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

آمِین یَامُجِیبَ السَّائِلِینَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ
وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِینَ سَیِّدِنَا مُحَمَّد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ

۷/شوال المکرم ۱۴۳۳ھ۔۔ مطابق۔۔ ۲۶/اگست ۲۰۱۲ء

بروز یکشنبہ، ۲۹ ویں پارہ اور سورۂ ملک کی تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔ دُعا گو ہوں کہ مولیٰ تعالیٰ اِس کی اور پورے باقی قرآنِ کریم کی تفسیر مکمل کرنے کی سعادت اپنے فضل وکرم سے مرحمت فرمائے، اور فکر و قلم کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

اٰمِیْن یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ وَبِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

سُوْرَةُ الْمُلْكِ

سورۃ الملک ۔۔ ۶۷ مکیہ ۷۷ | آیاتہا ۳۰ ۔۔ رکوعاتہا ۲

اِس سورہ کا نام 'الملک' اِسی سورہ کی آیت ا سے ماخوذ ہے۔ اِس سورت کے اور بھی نام ہیں۔ اِس سورہ کو 'الواقیہ' اور 'المنجیہ' بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ عذابِ قبر سے بچاتی ہے اور نجات دیتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اِس سورت کا نام 'المجادلہ' رکھتے تھے کیونکہ یہ سورت قبر میں میت کی طرف سے بحث اور جدال کرتی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں ایک سورت ہے جس میں تیس۳۰ آیتیں ہیں، وہ اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرے گی یہاں تک کہ اُس کو جنت میں داخل کردے گی، اور وہ 'سورۂ تبارک' ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم کا ارشاد ہے، قرآن کی ایک سورہ میں تیس۳۰ آیتیں ہیں وہ جس کی شفاعت کریں گی اُسے بخش دیا جائے گا۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ 'سورۂ تبارک' اپنے پڑھنے والے کی طرف سے جھگڑا کرے گی حتی کہ اُس کو جنت میں داخل کردے گی۔ یہی سبب ہے کہ مہاجرین وانصار اِس سورت کو خاص طور پر سیکھتے تھے اور پڑھا کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ وہ شخص نقصان زدہ ہے جس نے اِس سورت، یعنی 'سورۂ ملک' کو نہیں سیکھا۔ ایسی نجات دہندہ شفاعت فرمانے والی سورۂ مبارکہ کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ
نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ بِیَدِهِ الۡمُلۡكُ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرُ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ (رکوع ۴)

بڑی برکت والا ہے وہ، جس کے قبضہ میں سارا ملک ہے، اور وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے ● جس نے

خَلَقَ الۡمَوۡتَ وَ الۡحَیٰوةَ لِیَبۡلُوَكُمۡ اَیُّكُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡغَفُوۡرُ ۙ﴿۲﴾

پیدا فرمایا موت اور زندگی کو تاکہ جانچے تمہیں کہ کون کام میں زیادہ اچھا ہے۔ اور وہی عزت والا مغفرت والا ہے ●

(بڑی برکت والا) اور بزرگ و برتر اور ہمیشہ کو ثابت رہنے والا (ہے وہ، جس کے قبضہ میں سارا ملک ہے)۔ یعنی جس کے دستِ قدرت میں ساری بادشاہی ہے اور امورِ ملک میں تصرف کرتا ہے، یعنی جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے۔ (اور وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے)۔ جو چاہا کیا، جو چاہتا ہے کرتا ہے، اور جو چاہے گا کرے گا۔ (جس نے پیدا فرمایا) دُنیا میں آدمیوں کی (موت اور) آخرت میں اُن کی (زندگی کو)۔

اور ایک قول کے مطابق موت و زندگی سے دُنیا اور آخرت مراد ہے، یعنی دُنیا اور آخرت کو پیدا کیا۔

(تاکہ جانچے تمہیں) یعنی تمہارے ساتھ آزمائش کرنے والوں کا معاملہ کرے، تاکہ ظاہر ہو جائے (کہ) تکلیف کا گھر یعنی دُنیا میں تم میں سے (کون کام میں زیادہ اچھا ہے) اور عمل کی جہت سے زیادہ نیک ہے، یعنی کس کا اخلاص بڑھا ہوا ہے۔ (اور وہی عزت والا) ہے کہ اپنی بادشاہت میں ڈرنے والوں کو شرمندہ نہیں کرتا۔ اور (مغفرت) فرمانے (والا ہے) اُن کی خطاؤں کا۔ وہ خدا۔۔۔

الَّذِیۡ خَلَقَ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ

جس نے پیدا فرمایا سات آسمانوں کو نیچے اوپر۔ نہ دیکھو گے اللہ مہربان کے بنانے میں کوئی چوک۔

فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ﴿۳﴾

تو پھیر دیکھو نگاہ کو، کہ کیا دیکھ پاتے ہو تم کوئی رخنہ؟ ●

(جس نے پیدا فرمایا سات آسمانوں کو نیچے اوپر)، یعنی طبقہ طبقہ ایک پر ایک۔
معالم میں ہے کہ آسمانِ دُنیا ایک موج مضبوط ہوگئی ہے۔ دوسرا آسمان سفید مرمر کا ہے۔ تیسرا لوہا۔ چوتھا سیسا، اور بعض کے نزدیک تانبا۔ پانچواں چاندی۔ چھٹا سونا۔ ساتواں یاقوت سرخ۔
(نہ دیکھوگے اللہ) تعالیٰ (مہربان کے بنانے میں کوئی چوک) کچھ خلل اور اختلاف اور تناقض اور عیب اور کجی۔ (تو پھیر دیکھو نگاہ کو)، یعنی آسمان کی طرف نگاہ پھاڑ کے دیکھو تاکہ اُس میں تم غور وفکر کرسکو، (کہ کیا دیکھ پاتے ہو تم کوئی رخنہ) یعنی کوئی دراڑ۔۔یا۔۔نقصان؟۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ ﴿٤﴾

پھر دوبارہ نگاہ کرو، لوٹ پڑے گی تمہاری طرف ناکام اِس حال میں کہ تھکی ماندی ہے●

(پھر دوبارہ نگاہ کرو) اور بار بار دیکھو اور بتاؤ کہ کیا تمہیں کوئی کمی نظر آرہی ہے؟۔۔الختصر۔۔ اگر ایک بار دیکھنے سے معلوم نہ ہو، تو بار بار دیکھو جس کا انجام کار یہی ہونے والا ہے کہ (لوٹ پڑے گی تمہاری طرف ناکام) ہوکر تمہاری آنکھ (اِس حال میں کہ تھکی ماندی ہے)۔۔چنانچہ۔۔وہ عیب نہ پاسکے گی اور آسمان کی طرف دیکھنے سے تھک جائے گی۔۔یا۔۔وہ پشیمان ہوگی بہت نگاہ پھیرنے سے کہ ہر چند دیکھتی ہے مگر اُس میں کوئی عیب نہیں پاتی۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ

اور یقیناً بلاشبہ سنوارا ہم نے نزدیک والے آسمان کو چراغوں سے، اور کردیا ہم نے اُسے شیطانوں کے لیے مار،

وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ ﴿٥﴾

اور تیار کر رکھا ہے ہم نے اُن کے لیے بھڑکتی آگ کا عذاب●

(اور یقیناً بلاشبہ سنوارا ہم نے نزدیک والے آسمان کو)، یعنی اُس آسمان کو جو زمین سے بہت نزدیک ہے۔ زمین سے دیکھنے والوں کو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے۔ اور آرائش دی ہم نے اُس کو (چراغوں سے) یعنی ستاروں سے، کہ راتوں کو چراغوں کی طرح روشن ہوتے ہیں۔ (اور کردیا ہم نے اُسے شیطانوں کے لیے مار)۔ اُن شیطانوں کے لیے جو چھپے چوری باتیں سننے کو آسمان کا قصد کرتے ہیں۔

(اور تیار کر رکھا ہے ہم نے اُن کے لیے) دُنیا میں آگ کے تیروں سے جلنے کے بعد آخرت میں (بھڑکتی آگ کا عذاب)۔

وَلِلَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝٦ إِذَا أُلْقُوا فِيهَا

اور اُن کے لیے جنہوں نے اِنکار کر دیا اپنے رب کا، جہنم کا عذاب ہے۔ اور کتنی بُری پھرنے کی جگہ ہے• جب ڈالے گئے اُس میں

سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَهِيَ تَفُورُ ۝٧

تو سنا اُس کی گدھے کی چیخ، اور وہ جوش مار رہی ہے•

(اور اُن کے لیے) بھی (جنہوں نے اِنکار کر دیا اپنے رب کا) اور کافر ہو گئے شیطان وغیرہ (جہنم کا عذاب ہے۔ اور کتنی بُری پھرنے کی جگہ ہے) یہ دوزخ۔ (جب ڈالے گئے اُس میں تو سنا اُس کی گدھے کی چیخ)۔ یعنی گدھے ایسی آواز جو بہت بُری اور مکروہ آواز ہے۔۔ الختصر۔۔ جب کافروں کو دوزخ میں ڈالیں گے تو دوزخ شور اور فریاد کرے گی، (اور) کفار دیکھیں گے کہ (وہ جوش مار رہی ہے) اور وہ اُن کو اپنے اندر لے لے گی جیسے گوشت جوش کھائی ہوئی دیگ میں۔ اُس کے جوش کا عالم یہ ہے۔۔۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ

کہ پھٹا چاہتی ہے غصہ سے۔ جب جب ڈالی گئی اُس میں کوئی جمعیت، پوچھا اُنہیں اُس کے داروغوں نے کہ "کیا نہیں آیا تھا تمہارے پاس کوئی ڈرسنانے والا؟"•

(کہ) کافروں پر (پھٹا چاہتی ہے غصہ سے)، ایسا کہ قریب ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے (جب جب ڈالی گئی اُس میں کوئی جمعیت) یعنی مشرکوں۔۔یا۔۔فاسقوں۔۔یا۔۔ظالموں کا کوئی گروہ، جو گناہ اُن کے دوزخ میں داخل ہونے کا سبب ہوگا اُس کے تعلق سے (پوچھا اُنہیں اُس کے داروغوں نے) ملامت کے رُو سے، (کہ) اَے مشرکو! اَے گنہ گارو! اَے ظالمو! (کیا نہیں آیا تھا تمہارے پاس کوئی ڈرسنانے والا؟) یعنی کیا کوئی پیغمبر تمہاری طرف مبعوث نہیں ہوا جو تم کو خدا کی طرف بلاتا اور اُس کے عذاب سے ڈراتا، اور اِس فضیحت سے تم کو بچاتا؟ اُس کے جواب میں۔۔۔

قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِيْرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ

سب کو بولنا پڑا کہ "کیوں نہیں، بے شک آئے تھے ہمارے پاس ڈرانے والے۔ تو ہم نے جھٹلایا، اور جواب دیا کہ نہیں اُتارا

اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ ﴿٩﴾

اللہ نے کچھ، تم بس کھلی گمراہ میں ہو"۔

(سب کو بولنا پڑا کہ کیوں نہیں، بے شک آئے تھے ہمارے پاس ڈرانے والے۔ تو ہم نے جھٹلایا) اور پیغمبر کی تکذیب میں ہم نے زیادتی کی اور خدا کے اُن کو رسول کرنے اور اُن کے رسول ہونے کی ہم نے تکذیب کی۔ (اور) ہم نے اُن پیغمبروں کو اُن کی دعوت کا یہ (جواب دیا کہ نہیں اُتارا اللہ تعالیٰ (نے کچھ) جو جو تم کہتے ہو وعدہ، وعید، امر، نہی وغیرہ۔ اور ہم نے یہاں تک کہا کہ اَے رسولو! (تم بس کھلی گمراہی میں ہو) کہ باوجود آدمی ہونے کے نبوت کا دعویٰ کرتے ہو۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿١٠﴾

اور بولے کہ "اگر ہم سنتے یا سمجھتے، تو نہ رہتے جہنم والوں میں"۔

بعضوں نے کہا ہے کہ یہ خطاب دوزخ کے فرشتوں کا ہے کافروں سے، یعنی دوزخ کے فرشتے اُن سے جواب میں کہیں گے کہ تم نہ تھے مگر بڑی گمراہی میں۔۔۔یا۔۔نہیں ہو تم اب مگر بڑے عذاب میں۔

(اور بولے کہ اگر ہم سنتے) پیغمبروں کی بات دُنیا میں اور اُن سے بحث نہ کرتے اور مطلبوں اور معنوں کی تفتیش نہ کرتے، اِس واسطے کہ اُن کے معجزات سے اُن کے سچے ہونے کی علامتیں اُن کے احوال سے ظاہر تھیں، (یا سمجھتے) ہم اُن کے کلام کے معنی اور فکر کرتے اُن کی حکمت کے نوروں میں، اِس واسطے کہ اُن کے اقوال اور افعال ہم معائنہ کرتے تھے، (تو نہ رہتے) ہم (جہنم والوں میں)۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴿١١﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

تو اقرار کرلیا اُنہوں نے اپنے گناہوں کا۔ تو دُور ہوں جہنم والے۔ بے شک جو ڈریں اپنے رب کو

بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١٢﴾

بے دیکھے، اُن کے لیے مغفرت ہے اور بڑا ثواب۔

(تو اقرار کرلیا انہوں نے اپنے گناہوں کا)۔لیکن اُس وقت کا اقرار سودمند نہ ہوگا۔(تو دُور ہوں) حق تعالیٰ کی رحمت سے (جہنم والے)۔اور (بے شک) وہ لوگ (جو ڈریں اپنے رب) کے عذاب (کو بے دیکھے) یعنی نزولِ عذاب سے پہلے۔۔یا۔۔پوشیدگی کے ساتھ، یعنی خوف کے آثار خلق سے چھپاتے ہیں اور تنہائیوں میں نالہ وفریاد کرتے ہیں روتے ہیں۔

۔۔یا۔۔'غیب' سے مراد 'دِل' ہے کہ خلق سے پوشیدہ ہے اور خدا پر ظاہر ہے، یعنی دِل میں ڈرتے رہتے ہیں۔

(اُن کے لیے مغفرت ہے) گناہوں کی (اور بڑا ثواب) ہے بہشت کی صورت میں۔

بعضوں نے کہا کہ وہ بڑا ثواب سختیوں اور مکروہات سے بے خوف ہونا ہے۔یعنی ڈرنے والوں کو اُس چیز سے امان کی خوشخبری ہے جس سے ڈرتے ہیں۔روایت ہے کہ کفارِ قریش شہواتِ عیش میں مسرور اور مغرور ہوکر رسولِ مقبول کی شان میں بے اَدبانہ باتیں کہتے تھے، اور چونکہ قرآن اُترنے کے ذریعہ سے کئی مرتبہ اُن کی باتوں کا پردہ کھل گیا، تو باہم انہوں نے یہ تدبیر کی اور یہ رائے قرار دی کہ آپس میں 'محمد ﷺ' کی باتیں آہستہ آہستہ کیا کریں، تا کہ اُن کا خدا نہ سنے اور اُن کو آگاہ نہ کرے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۳﴾ اَلَا یَعْلَمُ

اور آہستہ کرو اپنی بات یا زور سے، بے شک وہ جاننے والا ہے سینوں کی بات کو ● کیا وہ نہ جانے

مَنْ خَلَقَ ؕ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۴﴾ ع ۱

جس نے پیدا فرمایا؟ اور وہی باریک بیں خبردار ہے ●

(اور آہستہ کرو اپنی بات یا زور سے)، دونوں باتیں اُس کے نزدیک یکساں ہیں۔(بے شک وہ جاننے والا ہے سینوں کی بات کو) قبل اِس کے کہ وہ زبان پر آئے۔تو جو دِل کی چھپی باتوں سے واقف ہے اُس پر کچھ پوشیدہ نہ ہوگا۔وہ دِل کی بات زور سے کہیں۔۔یا۔۔آہستہ۔(کیا وہ نہ جانے جس نے پیدا فرمایا) دِل کو کہ اس میں کیا ہے؟ (اور وہی باریک بیں خبردار ہے)۔یعنی چیزوں کے باطن اور اُن کی حقیقتیں وہ جانتا ہے اور موجودات کے ظاہر اور حقائق سے وہ آگاہ ہے۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا

وہی ہے جس نے کردیا تمہارے لیے زمین کو رام کہ چلو پھرو اُس کے راستوں میں،

وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

اور کھاؤ اُس کی روزی، اور اُسی کی طرف اُٹھنا ہے●

(وہی ہے جس نے کردیا تمہارے لیے زمین کو رام) یعنی نرم، تا (کہ) اس پر تم کو سیر کرنا اور چلنا آسان ہو، اور تم (چلو پھرو) بآسانی (اس کے راستوں میں)، اور رزقِ حلال وغیرہ حاصل کرنے کے لیے ہر طرف تجارتی سفر کرتے رہو۔ (اور کھاؤ اُس کی روزی) خدا کی دی ہوئی جو اُس نے تمہارے واسطے مقرر و مقدر فرمادی ہے۔ (اور اُسی کی طرف اُٹھنا ہے) تو اُس کی شکرگزاری کرو۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿۱۶﴾

کیا نڈر ہو گئے تم آسمان والے سے کہ دھنسا دے تمہیں زمین میں، تو اُس وقت وہ تھرتھراتی ہو●

اَے کافرو! (کیا نڈر ہو گئے تم آسمان والے سے)، یعنی حق تعالیٰ سے جو تمہارے زعم میں آسمان پر ہے۔۔یا۔۔ مقرب فرشتے سے جو عذاب پر مقرر ہے کہ وہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تم بے خوف ہو گئے ہو اِس بات سے، (کہ) حق تعالیٰ۔۔یا۔۔ جبرائیل اُس کے حکم سے (دھنسا دے تمہیں زمین میں، تو اُس وقت) تمہارے دھنسنے کے بعد (وہ تھرتھراتی ہو) اور اضطراب کرتی ہوئی تم کو بہت نیچے ڈال دے۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ

یا نڈر ہو گئے تم آسمان والے سے کہ چھوڑ دے تم پر پتھروں کی بارش، تو اب جانو گے

كَیْفَ نَذِیْرِ ﴿۱۷﴾

کہ کیسا تھا میرا ڈرانا●

(یا نڈر ہو گئے تم آسمان والے سے) جس میں اُس کا عرش ہے۔۔یا۔۔ جو تمہارے گمان میں آسمان پر ہے۔۔یا۔۔ مقرب فرشتہ حضرت جبرائیل جو آسمان پر ہیں، تو کیا تم اُن سے بے خوف ہو چکے ہو، (کہ) یہ حق تعالیٰ خود۔۔یا۔۔ بواسطہء جبرائیل (چھوڑ دے تم پر پتھروں کی بارش) جیسے کہ قومِ لوط پر پتھر برسائے تھے، (تو اب جانو گے کہ کیسا تھا میرا ڈرانا)۔ مگر اب اس جان لینے سے تمہارا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۱۸

اور بے شک جھٹلایا جو اِن سے پہلے تھے، تو کیسا ہوا میرا اِنکار کر دینا●

(اور بے شک جھٹلایا) اور تکذیب کی اپنے رسولوں کی انہوں نے (جو اِن سے پہلے تھے)، یعنی اِس زمانے کے کافروں سے پہلے تھے اگلی امتوں کے تکذیب کرنے والے اور اپنی تکذیب کی شامت سے ہلاک ہوئے، (تو کیسا ہوا میرا اِنکار کر دینا) یعنی میری سختی۔۔یا۔۔اُن پر میرا عذاب نازل کرنا۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؕۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ

کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا پرندکو اپنے اوپر پر کھولے، اور سمیٹ بھی لیں۔۔۔نہیں روکے ہے اُنہیں مگر اللہ مہربان۔

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ ۱۹

بے شک وہ ہر ایک کا نگراں ہے●

(کیا انہوں نے نہیں دیکھا پرندکو اپنے اوپر پَر کھولے) صف کھینچے اور قطار باندھے، (اور) جو (سمیٹ بھی لیں) بازو پھیلانے کے بعد۔ (نہیں روکے ہے انہیں) اور نگاہ رکھے ہے اُن کو ہَوا میں خلاف طبع۔۔یا۔۔بازو پھیلانے اور سمیٹنے کے وقت (مگر اللہ) تعالیٰ (مہربان)، کہ اُس نے ہر ایک قسم کی چڑیا کو ایک خاص شکل صورت ہیئت طبیعت دی ہے، اور اُن کے اُڑنے کے اسباب ہَوا میں مہیا کیے ہیں۔ (بے شک وہ ہر ایک کا نگراں ہے)۔ ذرا غور کرو اور سوچو کہ۔۔۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ ؕ

وہ کون ہے جو لشکر ہو تمہارا، مدد کرے تمہاری اللہ رحمٰن کے خلاف؟

اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ۲۰ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ

کافر لوگ بس دھوکے میں ہیں● کون ہے وہ جو روزی دے تمہیں؟ اگر روک لیا اللہ نے اپنی روزی کو۔

بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ۲۱

بلکہ جمے پڑے ہیں سرکشی اور نفرت میں●

(وہ کون ہے جو لشکر ہو تمہارا) جو تمہارا مددگار بن کر (مدد کرے تمہاری اللہ) تعالیٰ (رحمٰن کے خلاف) اُس کے عذاب اور غضب سے؟ حقیقت یہ ہے کہ (کافر لوگ بس دھوکے میں ہیں) شیطان

کے، جو اِن کو یہ باور کرائے ہوئے ہے کہ تم پر عذاب نازل نہ ہوگا۔ ذرا سوچو کہ (کون ہے وہ جو روزی دے تمہیں؟ اگر روک لیا اللہ) تعالیٰ (نے اپنی روزی کو) بارش روک کر کے۔۔یا۔۔وہ اسباب باطل اور زائل کر کے جو رزق حاصل ہونے کے وسیلے اور واسطے ہیں۔ یعنی اگر خدا تم سے رزق روکے تو وہ کون ہے جو تم کو روزی دے سکے۔ اور کافر جانتے ہیں کہ خالق اور رازق وہی ہے اور اُن کا کفر نادانی کے سبب سے نہیں ہے (بلکہ جمے پڑے ہیں سرکشی اور نفرت میں)، یعنی حق سے بھاگنے اور راستی سے نفرت کرنے میں۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا

تو کیا جو چلے اوندھا منہ کے بل بڑی ہدایت والا ہے، یا وہ جو چلے سیدھا؟

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٢٢﴾

سیدھے راستہ پر●

(تو کیا جو چلے اوندھا منہ کے بل) اپنے منہ پر سر جھکائے، یعنی سر جھکائے چلتا ہے آگے پیچھے داہنے بائیں نہیں دیکھتا، (بڑی ہدایت والا ہے) یعنی بہت راہ پائے ہوئے ہے (یا وہ، جو چلے سیدھا) کھڑا سب طرف دیکھتا ہوا۔ بے شک یہی ہے جو چلتا ہے (سیدھے راستے پر)، یعنی اُس راہ پر جو مقصد اور منزلِ مقصود تک پہنچانے والی ہے۔

یہ مثل گمراہ کافر کے واسطے ہے جو گمراہی کے جنگل میں حیران اور سرگرداں جاتا ہے اور مؤمن راہ پایا ہوا کہ راہِ حق پر بصیرت کی رُو سے چلتا ہے۔

اَے محبوب! کافروں سے۔۔۔

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ

کہہ دو کہ "وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں اور بنایا تمہارے لیے کان، اور آنکھیں، اور دل،

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٣﴾

تم کم شکر گزار ہوتے ہو"●

(کہہ دو کہ) جس خدا کی طرف میں تم کو بلاتا ہوں (وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں) اپنی

قدرتِ کاملہ سے، (اور بنایا تمہارے لیے کان) اور تمہیں سماعت عطا فرمائی تا کہ حق باتیں سنو، (اور آنکھیں) بنائیں اور بصارت عطا فرمائی تا کہ قدرت کی دلیلیں دیکھو، (اور دِل) عطا فرمایا تا کہ کلماتِ الٰہی کے معنوں اور مصنوعاتِ بادشاہی کی باریکیوں میں غور وفکر کرو۔ اور (تم) بہت کچھ دیکھنے سننے کے باوجود (کم شکرگزار ہوتے ہو)، یعنی اُن نعمتوں کا کماحقہٗ شکر ادا نہیں کرتے۔

قُلْ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

کہہ دو کہ "وہی ہے جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین میں، اور اُس کی طرف حشر کیے جاؤ گے"●

اے محبوب! (کہہ دو کہ) پیدا کرنے کے بعد (وہی ہے جس نے پھیلا دیا تمہیں زمین میں)، یعنی ہر ایک کو ایک منزل اور ایک مکان اور راہ اور کام دیا تا کہ تم عبادت کرو اور فرمانبرداری کرتے رہو، (اور اُسی کی طرف حشر کیے جاؤ گے)، یعنی اُسی کی طرف پھیرے جاؤ گے تا کہ اپنے کاموں اور اپنی باتوں کی جزا پاؤ۔

وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ

اور پوچھتے ہیں کہ "کب ہے یہ وعدہ، اگر سچے ہو؟"● جواب دو کہ "بتانا

عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۶﴾

اللہ ہی کا کام ہے۔ اور میں بس صاف صاف ڈر سنانے کا ذمہ دار ہوں"●

(اور پوچھتے ہیں) مشرک لوگ پیغمبر اور اُن کے یاروں سے (کہ کب ہے یہ وعدہ) حشر کا اور جزا پانے کا، یعنی اس وعدہ کے پورا ہونے کا وقت بتاؤ، (اگر سچے ہو)؟ اے محبوب! (جواب دو کہ بتانا اللہ) تعالیٰ (ہی کا کام ہے)۔ یعنی اِس کا علم خدا ہی کے پاس ہے، وہی جب چاہے گا جس کو چاہے گا اُسے باخبر فرمائے گا۔ (اور میں) تو (بس صاف صاف ڈر سنانے کا ذمہ دار ہوں)۔ یعنی قیامت کے آنے سے تم کو ڈراتا ہوں، میرا فریضۂ نبوت اِسی قدر ہے۔

۔۔الختصر۔۔قیامت کے آنے کے دن کا بتانا میرے فریضۂ نبوت میں داخل نہیں، بلکہ میرے فریضۂ نبوت میں یہ ہے کہ اگر خدا کے بتانے سے مجھے اِس کا علم ہو بھی تو اِس کو میں ظاہر نہ کروں، اس لیے کہ ارشادِ خداوندی ہے کہ "قیامت اچانک آئے گی،" اور ظاہر ہے کہ بتا دینے کے بعد اُس کا آنا

چانک نہ رہ جائے گا۔۔الحاصل۔۔میرے فریضہ نبوت میں قرآنِ کریم کی تصدیق ہے اُس کی تکذیب نہیں۔اِن کافروں کا بھی عجیب حال ہے کہ آج تو یہ قیامت کے آنے کے دن کے منتظر بن رہے ہیں۔۔۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِیْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قِیْلَ هٰذَا الَّذِیْ

پھر جہاں دیکھ پائے اُسے پاس، تو بگڑ گئے چہرے اُن کے جنہوں نے کفر کیا تھا، اور کہہ دیا گیا کہ "یہ ہے جس کو

كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾

تم لوگ مانگا کرتے تھے"●

(پھر جہاں دیکھ پائے اُسے) اپنے (پاس، تو بگڑ گئے چہرے اُن کے جنہوں نے کفر کیا تھا)۔ یعنی رنج اور غم کا اثر اُن کے چہروں سے ظاہر ہوگا۔(اور) دوزخ کے فرشتوں کے ذریعہ اُن سے (کہہ دیا گیا کہ یہ ہے جس کو تم لوگ) ہمیشہ (مانگا کرتے تھے) اور اُس کی تمنا کرتے تھے اور اس کی طلب میں جلدی کرتے تھے۔

امام زاہد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ کافر ہمیشہ رسولِ کریم ﷺ کی موت کی تمنا اور آپ کے اصحاب کے ہلاک ہونے کی آرزو رکھتے تھے۔حق تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا اے محبوب!۔۔۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِیَ اللّٰهُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ

کہو کہ "ذرا یہ بتاؤ کہ خواہ ہلاک کردے مجھے اللہ اور میرے ساتھیوں کو، خواہ رحم فرمائے ہم سب پر، تو وہ کون ہے

یُّجِیْرُ الْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾

جو پناہ دے دے کافروں کو دکھ والے عذاب سے؟"●

(کہو کہ ذرا یہ بتاؤ کہ خواہ ہلاک کردے مجھے اللہ) تعالیٰ (اور میرے ساتھیوں کو، خواہ رحم فرمائے ہم سب پر)، یعنی بخشے ہم کو اور ہماری اَجل میں تاخیر کرے، (تو وہ کون ہے جو پناہ دے کافروں کو دکھ والے عذاب سے)۔یعنی ہماری موت سے تم کو کچھ فائدہ نہیں اور ہماری زندگی تم پر سے عذاب نہ دفع کرے گی۔مراد یہ ہے کہ ایمان اور توحید کے سوا عذابِ الٰہی سے تم کو کوئی نجات دینے والا نہیں، تو اوروں کی موت کے انتظار میں رہنا کیا فائدہ دے گا۔اے محبوب!۔۔۔

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۹﴾

کہہ دو کہ "وہی مہربان ہے، ہم مان گئے اُس کو اور اُسی پر بھروسہ رکھا۔۔تو جلد جان لوگے جو کھلی گمراہی میں ہے"●

(کہہ دو کہ) جس پر ایمان لانا نجات کا سبب ہے وہ (وہی) خدائے (مہربان ہے) کہ (ہم مان گئے اُس کو اور اُسی پر بھروسہ رکھا) اُس کے غیر پر نہیں۔۔الختصر۔۔اپنا کام اُسی پر ہم نے چھوڑ رکھا ہے۔(تو جلد جان لوگے) عذاب دیکھنے کے بعد کہ کون ہے (جو کھلی گمراہی میں ہے)، ہم یا تم؟۔

اِس سورۂ مبارکہ کی آخری آیت سے مقصود یہ ہے کہ کفار سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اقرار کرایا جائے، تا کہ وہ اندازہ کریں اور دِل میں سوچیں کہ اتنے زبردست منعم کا شکر اَدا نہ کرنا اور اُس کی نعمتوں کے احسانات کو نہ ماننا اور اُس کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنا کتنی بُری بات ہے۔کافروں کو چاہیے کہ یہ اعتراف کرتے کہ اگر زمین میں پانی دھنس جائے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بہتا ہوا پانی نہیں لاسکتا۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے کہ اَے محبوب! ان سے۔۔۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ﴿۳۰﴾ ع ۲

پوچھو کہ "ذرا تم بتاؤ کہ اگر صبح کی تمہارے پانی نے کہ غائب ہے، تو کون لائے گا تمہارے پاس بہتا پانی"●

(پوچھو کہ ذرا تم بتاؤ کہ اگر صبح کی تمہارے پانی نے) اِس حال میں (کہ غائب ہے)۔

تمہارے پانی سے مراد ماءِ زمزم ہے۔۔یا۔۔میمون حضرمی کے کنویں کا پانی ہے۔۔یا۔۔کسی بھی کنویں وغیرہ کا پانی ہو۔۔۔

(تو کون لائے گا تمہارے پاس بہتا پانی) یعنی جاری پانی۔۔یا۔۔ظاہر ایسا کہ سب دیکھیں۔

بعض صحابہ کا قول یہ ہے کہ اِس آیت کو پڑھنے کے بعد کہنا چاہیے کہ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔تفسیرِ زاہدی میں مذکور ہے کہ ایک زندیق نے سنا کہ ایک معلم اپنے شاگرد کو پڑھاتا تھا کہ فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ، تو اُس ملعون زندیق نے جواب دیا کہ بِالْمِعْوَلِ وَالْمُعِیْن، یعنی بیلچہ اور مددگاروں کے سبب سے پانی کو پھر نکال لیں گے، اُسی رات کو اندھا ہوگیا اور ہاتف نے آواز دی کہ یہ تیری آنکھ کے چشمہ کا پانی غائب ہوگیا، کہہ کہ بیلچہ اور مددگار کی مدد سے اُسے پھیر لائیں۔

اختتام سورۃ الملک ۔۔ ﴿ ۱۱/شوال المکرم ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۳۰/اگست ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ ﴾

۔۔﴿ ۱۳؍شوال المکرم ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ یکم ستمبر ۲۰۱۲ء، بروزشنبہ ﴾۔۔

سورۃ القلم ۶۸ مکیۃ ۲ — آیاتہا ۵۲ رکوعاتہا ۲

سُوْرَۃُ الْقَلَمِ

سورۂ القلم۔۔۶۸ مکیہ۲ — آیاتہا ۵۲۔۔رکوعاتہا۲

اکثرمفسرین کے نزدیک اِس سورہ کا نام 'سورۃ القلم' ہے۔امام بخاری اورامام ترمذی نے اِسے 'سورۃ ن والقلم' کے نام سے یادکیا ہے۔یہ دونوں نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہیں۔'نٓ' حروفِ مقطعہ سے ہے،جس کے تعلق سے بہت سے اقوال ہیں:

﴿۱﴾۔۔یہ اسماءِ الٰہی 'نور'اور'ناصر' کا اوّل ہے۔

﴿۲﴾۔۔یہ اسمِ الٰہی 'رحمان' کا آخر ہے۔

﴿۳﴾۔۔یہ اِس سورت کا نام ہے۔۔یا۔۔بہشت میں ایک نہرکانام ہے۔۔یا۔۔مؤمنین کے واسطے نصرتِ الٰہی کی قسم ہے۔

﴿۴﴾۔۔مشہور بات یہ ہے کہ 'نون' مچھلی کا نام ہے،اور اِس سے مچھلی کی جنس مراد ہے ۔۔یا۔۔وہ مچھلی مراد ہے جس کی پشت پر زمین ہے جسے 'لیوتا'۔۔یا۔۔'بہموت' کہتے ہیں۔امام رازی نے اِس قول کوضعیف قراردیا ہے۔

﴿۵﴾۔۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے رسولِ مقبول ﷺ سے سنا ہے کہ پہلی چیز خدانے جو پیدا کی وہ قلم تھا،پھر'نون' کو پیدا کیااوروہ دوات ہے،اور قلم نے اُس دوات سے لکھا جو کچھ تھااور ہے اور ہوگا۔اِس تقدیر پرحق تعالیٰ نے قسم ارشادفرمائی دوات کی اور قلمِ اعلیٰ کی کہ نور سے ہے،اوراُس کا طول مابین السماءِ والارض ہے۔

﴿۶﴾۔۔بعضوں نے کہا کہ وہ قلم مراد ہے جس سے کتابت کرتے ہیں اوردین ودُنیا کے مصالح ہیں۔اِس کے فائدے بہت ہیں۔۔المختصر۔۔بڑے ہی اہتمام سے شروع کی جانے والی اِس سورۂ مبارکہ کومیں شروع کرتاہوں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑامہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پراورمؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ۙ﴿۱﴾ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲﴾

ن ا قسم ہے قلم کی، اور جو وہ لکھیں • کہ تم نہیں ہوا پنے رب کے فضل سے مجنوں •

قسم ہے (نٓ) یعنی نصرتِ الٰہی اور نورِ خداوندی کی، اور (قسم ہے قلم کی، اور) اُس کی (جو وہ) یعنی محافظین ملائکہ (لکھیں) از قسمِ احکامِ الٰہی ۔۔یا۔۔ جو کچھ اُن کو حکم ہوتا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ نٓ دہن ہے اور قَلَم زبان اور مَا يَسْطُرُوْنَ وہ ہے جو محافظین ملائکہ بندے پر لکھتے ہیں۔ حق تعالیٰ ان چیزوں کی قسم ارشاد فرما کر فرماتا ہے۔۔۔

(کہ تم) اَے محبوب! (نہیں ہوا پنے رب کے فضل سے مجنون) اور دیوانہ، جیسا کہ ولید ابن مغیرہ بکواس کرتا ہے اور آپ ﷺ کو معلم مجنون کہتا ہے، بلکہ آپ کی شانِ رفیع یہ ہے کہ آپ پر اَزل اور اَبد کے اسرار پوشیدہ نہیں کیے گئے ہیں۔

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۚ﴿۳﴾ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴿۴﴾

اور بلاشبہ تمہارے لیے ثواب ہے بے حد • اور بلاشبہ تم یقیناً بڑے خلق پر ہو •

(اور بلاشبہ تمہارے لیے) بارِ نبوت اُٹھانے کا (ثواب ہے بے حد) اور یہ وہ فضلِ خداوندی ہے جس کو پانے میں تم خدا کے سوا کسی کے بھی احسان مند نہیں، اور آپ کے لیے یہ فضل غیر مقطوع ہے، یعنی ہمیشہ کے لیے ہے کہ منقطع ہو جانے کو ہرگز اس میں دخل ہی نہیں۔ (اور بلاشبہ تم یقیناً بڑے خلق پر ہو)، یعنی بڑے دین پر ہو کہ وہ دینِ اسلام ہے۔۔یا۔۔ تم بزرگ خو ہو کہ وہ خو کسی کو نہ تھی، اس واسطے کہ اپنی قوم سے تم سختیاں اُٹھاتے ہو کہ کسی کو اُس کے اُٹھانے کی قوت نہیں۔

اور بعضوں نے کہا کہ خُلُق سے قرآن مراد ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا۔ ام المومنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے خلق کی کیفیت پوچھی گئی، تو آپ نے فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا کہ کوئی خلیق سیدنا محمد ﷺ سے بڑھ کر نہ تھا، اس واسطے کہ آپ نے اپنی خواہش سے ہاتھ اُٹھایا اور اپنے کو بالکل حق تعالیٰ کے لیے چھوڑا۔ امام قشیری قدس سرہ نے کہا ہے کہ آپ نہ بلاء سے منحرف ہوئے اور نہ عطا سے پھرے۔ اور بعضوں نے کہا کہ آپ کا کوئی مقصد اور مقصود خدا کے سوا نہ تھا۔

آیتِ کریمہ کہ آپ "خلق پر ہو" سے یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ 'خلق' کا تعلق آپ کی ذات سے ایسا ہی ہے جو خادم کا مخدوم سے ہوتا ہے۔۔یا۔۔جو سواری کا سوار سے ہوتا ہے، گویا 'خلق' آپ کے ماتحت ہے۔آپ جو کریں وہی 'خلق' ہے اور جس سے رخ پھیر لیں وہی بداخلاقی ہے۔۔چنانچہ۔۔اگر آپ کی شانِ رحمۃ للعالمینی کے مظاہر آپ کے خلق کے جلوے ہیں، تو اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ہونا اور ایک موقع پر منافقین کو ذلیل کر کے مسجد سے نکال دینا وغیرہ وغیرہ بھی آپ کے خُلُقٍ عَظِيْمٍ ہی کا حصہ ہے۔

تو اب ہمارے لیے مناسب طرزِ فکر و عمل یہی ہے کہ نبی کریم کے مقام کو صفات کے ذریعہ پہچاننے کی بجائے، صفات کے مقام و مرتبہ کو نبی کی ذات سے پہچانیں۔وہ جو کریں۔۔یا ۔۔جسے اچھا کہیں وہ اچھا ہے، اور وہ جس سے باز رہیں۔۔یا۔۔اُسے بُرا فرمائیں وہ بُرا ہے ۔۔الختصر۔۔نبی کریم کی ذاتِ کریمہ ہی میں ہمارے لیے اچھا نمونہ ہے۔

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝٥ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝٦

تو جلد دیکھو گے، اور وہ لوگ بھی دیکھ لیں گے ● کہ کسے جنون ہوا ہے ●

(تو) اُے محبوب! (جلد دیکھو گے، اور وہ لوگ بھی دیکھ لیں گے) جو اہلِ مکہ میں تمہارے معاند ہیں، یعنی جس وقت اُن پر عذاب نازل ہو گا تو معلوم ہو جائے گا سب کو (کہ کسے جنون ہوا ہے) اور کس گروہ میں دیوانہ ہے۔یعنی اُس وقت انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ دیوانے ہیں۔۔یا۔۔تم۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۖ وَهُوَ اَعْلَمُ

بے شک تمہارا رب، وہ خوب جانتا ہے جو بھٹکا اُس کی راہ سے۔اور وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝٧ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝٨

جو راہ پانے والے ہیں ● تو نہ مانا کرنا اِن جھٹلانے والوں کی ●

(بے شک تمہارا رب، وہ خوب جانتا ہے جو بھٹکا اُس کی راہ سے) اور حقیقت میں یہی بھٹکنے والا آدمی ہی دیوانہ ہے۔(اور وہ خوب جانتا ہے جو راہ پانے والے ہیں) کمالِ عقل کے ساتھ، اور وہ مومنین ہیں۔(تو نہ مانا کرنا اِن جھٹلانے والوں کی)، یعنی مکہ کے مشرکوں کی جو آپ کو باپ دادا کے دین کی طرف بلاتے ہیں۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾

اُنہوں نے آرزو رکھی کہ اگر چکنی چپڑی کرو تم، تو وہ بھی چکنی چکنی باتیں کریں• اور نہ مانا کرنا کسی بڑے قسم کھانے والے ذلیل کی

(انہوں نے آرزو رکھی کہ اگر چکنی چپڑی کرو تم، تو وہ بھی چکنی چکنی باتیں کریں)۔ یعنی اُن کی آرزو یہ ہے کہ آپ اُن کے ساتھ بات میں نرمی اختیار فرمائیں، اور شرک پر اُن کی ملامت نہ کریں اِس کے عوض میں وہ بھی تیرے دین پر طعنہ نہ کریں۔ تو اَے محبوب! اُن کی نہ سُنیں (اور نہ مانا کرنا کسی بڑے قسم کھانے والے ذلیل) وخوار، سست رائے، بے حقیقت اور بے مقدار (کی)۔ وہ خواہ ابوجہل ہو۔۔یا۔۔اخنس بن شریف ہو۔۔یا۔۔اسود بن عبد یغوث ہو۔۔یا۔۔صحیح اور مشہور قول پر ولید بن مغیرہ ۔۔یا۔۔اُن کے علاوہ کوئی بھی ہو۔۔۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴿۱۱﴾ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾ عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿۱۳﴾

چوٹ کی بات کرنے والا، چغلی لے کر اِدھر اُدھر چلنے والا• خیرات سے بڑا منع کرنے والا،
حد سے بڑھ جانے والا گنہگار• بدمزاج، اِن سب کے بعد نطفہ ء ناتحقیق•

(چوٹ کی بات کرنے والا) یعنی لوگوں کے پیٹھ پیچھے عیب کرنے والا۔۔یا۔۔طعن کرنے والا اُن کے منہ پر (چغلی لے کر اِدھر اُدھر چلنے والا) لوگوں کے درمیان۔۔یا۔۔چغلی کھانے والا۔ (خیرات سے بڑا منع کرنے والا)۔۔یا۔۔منع کرنے والا ایمان اور احسان سے۔ (حد سے بڑھ جانے والا گنہگار ○ بدمزاج)، بدرو، زشت خو، (اِن سب کے بعد نطفہ ء ناتحقیق) یعنی ولد الزنا، حرام زادہ کہ اُس کا باپ معلوم نہیں۔

روایت ہے کہ ولید ابن مغیرہ اٹھارہ[۱۸] برس کا تھا اُس وقت مغیرہ نے دعویٰ کیا کہ میں اُس کا باپ ہوں اور اُسے اپنے ساتھ لیا۔ تفسیرِ زاہدی میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت قریش کی محفل میں ولید کے سامنے پڑھی، تو ولید نے اِن سارے عیوب کو اپنے اندر پایا، صرف خود کا حرام زادہ ہونا اُسے معلوم نہ ہوسکا۔ اپنے جی میں کہا کہ میں قریش کا سردار ہوں اور میرا باپ مشہور ومعروف ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ محمد ﷺ جھوٹ نہیں کہتے۔ مجھے انہوں نے حرام زادہ کہا تو یہ مہم کیوں کر میں طے کروں۔

تلوار کھینچ کر اپنی ماں کے پاس آیا۔ غرضیکہ۔۔اُسے بہت دھمکایا کہ سچ بتا۔ آخر اُس

نے اقرار کیا کہ تیرا باپ عورتوں کے حق میں بے حرارت بے طاقت اور سرد تھا، یعنی بالکل نامرد تھا۔ اور اُس کے بھتیجے اُس کی میراث کی تاک میں تھے۔ مجھے رشک آیا، فلاں شخص کے غلام کو میں نے مزدوری پر ٹھہرایا۔ اُس سے تیرے باپ کا کام لیا۔ اِس طرح تجھے پیدا کیا۔ تُو اُس کا نطفہ ہے۔ بے شک تُو حرام زادہ ہے۔ اور اُس عورت کی بات سچ ہونے پر کھلی ہوئی دلیل یہ ہے، کہ ولید کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بڑی ہی خصومت اور عداوت تھی۔

تو اَے حبیب! اُس کی بات ہرگز نہ مانیں۔۔۔

أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿١٤﴾ إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٥﴾

اِس پر کہ مال والا اور بیٹوں والا ہے● جب تلاوت کی گئیں اُس پر ہماری آیتیں، بولا کہ "اگلوں کی کہانیاں ہیں"●

سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ ﴿١٦﴾

جلد ہم داغ دیں گے اُس کے تھوتھنے پر●

(اس پر کہ) یعنی اس واسطے کہ وہ (مال والا اور بیٹوں والا ہے)۔۔یا۔۔اِس جہت سے کہ وہ صاحبِ مال اور صاحبِ اولاد ہے۔ اُس کا حال یہ ہے کہ (جب تلاوت کی گئیں اُس پر ہماری آیتیں)، تو (بولا کہ) یہ (اگلوں کی کہانیاں ہیں● جلد ہم داغ دیں گے اُس کے تھوتھنے پر) یعنی سونڈ ایسی ناک پر۔۔یا۔۔سور جیسے منہ پر جس سے وہ بکواس کرتا رہتا ہے۔۔یا۔۔ہم اس کو رُوسیاہ کر دیں گے۔۔یا۔۔اُس کا عیب ہم ایسا کھول دیں گے کہ پھر وہ چھپا نہ سکے۔

تو ایک طرف حق تعالٰی نے اُس کا عیب کھول دیا اور وہ بھی اُس کے تمام عیوب میں سے اُس عیب کو بھی ظاہر کر دیا جس کا علم اُس کی ماں کے سوا کسی کو بھی نہیں تھا۔ اور دوسری طرف جنگِ بدر میں اُس کی ناک پر ایسا زخم لگا کہ اُس کا اثر ہمیشہ باقی رہا۔ اِس مقام پر چند نکتے قابلِ لحاظ ہیں وہ ذہن نشین رہیں۔

﴿۱﴾۔۔۔ولید نے اپنی بکواس میں رسولِ کریم کو مجنون کہا۔ اُس کے جواب میں قرآنِ کریم نے اِس وضاحت کے باوجود کہ 'اَے محبوب! آپ اپنے رب کے فضل و کرم سے مجنون نہیں'، ولید کے بہت سارے عیبوں کو بھی ظاہر فرما دیا۔ تو اس سے ولید کو ترکی بہ ترکی جواب دینا ہی مقصود نہیں، بلکہ اُس پر واضح کر دینا ہے کہ اَے ولید! تُو جس کو مجنون کہہ رہا ہے، اُسی کی زبانِ فیضِ ترجمان سے

تیرے عیبوں کو کھولا جا رہا ہے۔

اُن عیبوں میں کچھ تو ایسے ہیں جن کا تجھے پتا ہے، لیکن انہیں میں ایک ایسا عیب ہے جس کی خبر تیری ماں کے سوا کسی کو نہیں، اور وہ ہے تیرا حرام زادہ ہونا۔ اب اُس عیب کو جو ظاہر کردے وہ مجنون نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ ایسی ذات ہوگی جو غیب پر مطلع ہوگی۔۔۔ المختصر۔۔۔ اُن عیوب کا ظاہر کرنا بھی رسولِ عربی کے سچے نبی ہونے کی دلیل ہے۔

﴿۲﴾۔۔۔ اِس ارشادِ قرآنی نے ظاہر کردیا کہ اگر کسی لفظ کا اِطلاق اُس کے سچے مصداق پر کیا جائے تو اُس میں کوئی بُرائی نہیں اور نہ ہی وہ گالی ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ولید جن جن لفظوں کا سچا مصداق تھا اُس کا ذکر اُنہیں لفظوں سے کیا گیا، یہاں تک کہ اُس کو 'ولدالزناء' کہا گیا اور اُس کے منہ کو سور کی تھوتھنی سے تشبیہہ دی گئی۔ اِس سے پتا چلا کہ جو جس لفظ کا صحیح مصداق ہو، اُس کی ذات پر اُس لفظ کا اِطلاق معیوب نہیں۔

قرآنِ کریم میں جابجا کافر کو کافر، مشرک کو مشرک، منافق کو منافق، خبیث کو خبیث، مردود کو مردود، نجس کو نجس، شیطان کو شیطان، وغیرہ وغیرہ کہہ کر ذکر کیا گیا ہے۔ اور **قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ** میں کافروں سے انہیں کافر کہہ کر خطاب کیا گیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوگیا کہ اِن کلمات کا اُن کے صحیح مصداق پر اِطلاق معیوب نہیں اور اُسے گالی نہیں سمجھنا چاہیے۔۔۔ ہاں۔۔۔ اگر کسی لفظ کا اطلاق اُس کے صحیح مصداق کے سوا پر کیا جائے تو اُسے ضرور گالی قرار دیا جاسکتا ہے۔۔۔ مثلاً: کسی مسلمان کو نصرانی۔۔۔ یا۔۔۔ یہودی۔۔۔ یا۔۔۔ ہندو کہنا یقیناً اُس مسلمان کے نزدیک گالی ہے۔۔۔ یوں ہی۔۔۔ اگر کسی نصرانی۔۔۔ یا۔۔۔ یہودی، ہندو کو مسلمان کہہ دیا جائے، تو وہ اُسے ضرور اپنے لیے گالی سمجھے گا۔

اِسی اصول پر چور کو چور، جھوٹے کو جھوٹا، شرابی کو شرابی، بدکار کو بدکار کہنا گالی کے زمرے میں نہیں آتا۔ اب کسی بھی لفظ کے اطلاق کے بارے میں فیصلہ کرنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اُس کا اطلاق اُس کے صحیح مصداق پر کیا گیا ہے یا نہیں۔ یہی ایک صحیح اور سلامتی والا راستہ ہے جس سے اپنی فکر ونظر کو قرآنی اسلوب کے مطابق بنایا جاسکتا ہے اور اپنی سوچ کو قرآنی ہدایت کے سایے میں رکھا جاسکتا ہے۔۔۔ آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

إِنَّا بَلَوْنَٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ أَصْحَٰبَ ٱلْجَنَّةِ إِذْ أَقْسَمُوا۟ لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِينَ ﴿١٧﴾

شک ہم نے آزمایا انہیں جس طرح آزمایا تھا ایک باغ والوں کو، کہ قسم کھائی تھی کہ ضرور کاٹیں گے اپنے کھیت کو صبح ہوتے●

وَلَا يَسْتَثْنُونَ ﴿١٨﴾

اور انشاء اللہ نہیں کہتے●

(بے شک ہم نے آزمایا انہیں) یعنی اہلِ مکہ کو قحط اور گرانی اور زوالِ نعمت سے، (جس طرح زمایا تھا ایک باغ والوں کو) یعنی باغ ضروان والوں کو میوے زائل کر دینے سے، جنہوں نے یہ کیا تھا کہ قسم کھائی تھی کہ ضرور کاٹیں گے اپنے کھیت کو صبح ہوتے) یعنی صبح سویرے۔ (اور) اُن کی صورتِ ل یہ تھی کہ سب قسم تو کھاتے مگر (انشاء اللہ) تعالیٰ (نہیں کہتے)۔۔۔ الختصر۔۔۔ انہوں نے مذکورہ کام رنے کے لیے قسم تو کھائی مگر انشاء اللہ نہ کہا۔

اِس واقعہ کے تعلق سے اجمالی بات یہ ہے کہ ولایتِ یمن میں صنعاء کے نواح میں ایک مردِ صالح کا باغ تھا، میوے توڑنے کے دن فقیروں کو بلاتا اور درختوں کے نیچے فرش بچھاتا۔ جس میوے تک ہاتھ نہ پہنچتا۔۔۔یا۔۔۔ہوا جس کو درخت سے گراتی۔۔۔یا۔۔۔جو میوہ فرش کے کنارے گرتا وہ سب فقیروں کو دے دیتا۔ اور اُس باغ کے حاصلات کا دسواں حصہ بھی فقیروں کو بانٹتا۔

جب اُس نے وفات پائی تو اُس کے بیٹوں نے آپس میں کہا کہ مال تھوڑا ہے اور عیال بہت۔ اگر ہم ایسا کریں گے جیسا کہ ہمارا باپ کرتا تھا، تو ہم پر زندگی اور معیشت تنگ ہو جائے گی۔۔۔لہٰذا۔۔۔اب ایسا کیا جائے کہ صبح سویرے جب فقیروں کو خبر بھی نہ ہو ہم جائیں اور میوہ توڑ لائیں اور اِس بات پر باہم قسم بھی کھائی جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد اوپر مذکور ہوا کہ انہوں نے قسم تو کھائی، مگر انشاء اللہ نہیں کہا۔۔۔

فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَآئِمُونَ ﴿١٩﴾ فَأَصْبَحَتْ كَٱلصَّرِيمِ ﴿٢٠﴾

تو گھوم پڑا اُن پر ایک گردش والا تمہارے رب کی طرف سے، اور وہ سو رہے ہیں● تو صبح کی کھیتی نے جیسے کٹی ہوئی●

فَتَنَادَوْا۟ مُصْبِحِينَ ﴿٢١﴾ أَنِ ٱغْدُوا۟ عَلَىٰ حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَٰرِمِينَ ﴿٢٢﴾

تو اُنہوں نے ایک دوسرے کو آواز دی صبح کرتے ہوئے● کہ "سویرے ہی چلو اپنی کھیتی کو اگر کاٹنا چاہتے ہو"●

(تو گھوم پڑا اُن پر ایک گردش والا تمہارے رب کی طرف سے، اور) اِس حال میں کہ (وہ) وارث بیٹے (سورہے ہیں ● تو صبح کی کھیتی نے جیسے کٹی ہوئی)۔ یعنی اُس بلاء کے سبب سے اُن کا باغ ایسا ہو گیا جس کا میوہ ٹوٹ چکا ہو اور چن لیا گیا ہو، ایسا کہ اس میں کچھ باقی نہ رہ گیا ہو۔ وہ سب اِس حال سے بے خبر ہو کر جب سو کر جاگے، (تو انہوں نے ایک دوسرے کو آواز دی صبح کرتے ہوئے) یعنی صبح تڑکے ایک نے دوسرے کو پکارا (کہ سویرے ہی چلو اپنی کھیتی کو) کاٹنے کے لیے اور اُس کے پھلوں کو توڑنے کے لیے (اگر کاٹنا چاہتے ہو)۔ اُس باغ میں خرمے کے درخت تھے۔۔۔

فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ﴿۲۴﴾

تو چل پڑے اور وہ آہستہ آہستہ کہہ رہے ہیں ● کہ "نہ گھسنے پائے کھیتی میں آج تم پر کوئی مسکین" ●

(تو) اُن خرموں کو توڑنے کے لیے (چل پڑے اور) اِس حال میں کہ (وہ) آپس میں (آہستہ آہستہ کہہ رہے ہیں) کہ کوئی سن نہ لے اور فقراء بے خبر رہیں، تا (کہ) بے خبری کے سبب (نہ گھسنے پائے کھیتی میں آج تم پر کوئی مسکین) کہ تمہارے باغ میں آکر سابق کی طرح حصہ پائے اور ہمارے حصے کم ہو جائیں۔

وَّغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قٰدِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْٓا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ﴿۲۶﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ

اور سویرے ہی پہنچے اپنی نیت بخل پر قدرت والے بن کر ● تو جب انہوں نے دیکھی کھیتی، بولے کہ "بلاشبہ ہم یقیناً بھٹکے ہوئے ہیں ● بلکہ ہم تو محروم ہی ہیں" ●

(اور) پھر یہ سب (سویرے ہی پہنچے اپنی نیت بخل پر قدرت والے بن کر)۔۔یا۔۔فقیروں کو محروم اور باز رکھنے کے قصد سے اپنے اعتقاد میں میوے توڑنے اور چننے پر قادر بن کر۔ (تو جب انہوں نے دیکھی کھیتی) اُس کے برخلاف جیسا کہ چھوڑا تھا، تو ایک دوسرے سے (بولے کہ بلاشبہ ہم یقیناً بھٹکے ہوئے ہیں)۔ یعنی ایسا لگتا ہے کہ ہم بھٹک کر دوسرے کے باغ میں چلے آئے ہیں کیونکہ ہمارا باغ تو کل میوے سے بھرا ہوا تھا۔ پھر بعض نے غور و تامل کیا تو در و دیوار کے نشانوں سے پہچانا کہ وہ باغ تو اُنہیں کا ہے، تو بولے کہ ہم راہ نہیں بھولے (بلکہ ہم تو محروم) اور بے نصیب (ہی ہیں) اُس کے حاصلات اور میوے سے، بایں جہت کہ ہم نے فقیروں کو باز رکھا اور انشاء اللہ نہیں کہا تھا۔۔اور۔۔

قَالَ اَوۡسَطُهُمۡ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ لَوۡلَا تُسَبِّحُوۡنَ ﴿۲۸﴾

بولا اُنہیں کا ایک غنیمت آدمی کہ "کیا نہیں کہہ دیا تھا میں نے تمہیں، کہ تسبیح کیوں نہیں کیا کرتے"●

(بولا اُنہیں کا ایک غنیمت آدمی) جو اُن میں فاضل تر تھا عقل کی رُو سے۔۔یا۔۔بڑا تھا سن میں ۔۔یا۔۔بہت صائب اور پختہ تھا رائے میں، (کہ کیا نہیں کہہ دیا تھا میں نے تمہیں کہ تسبیح کیوں نہیں کیا کرتے)۔یعنی خدا کو بزرگی کے ساتھ کیوں نہیں یاد کرتے اور انشاءاللہ کیوں نہیں کہتے۔

قَالُوۡا سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيۡنَ ﴿۲۹﴾ فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ يَّتَلَاوَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾

سب بولے "پاکی ہے ہمارے رب کی، بے شک ہم تھے اندھیر والے"● توسامنا کیا ایک نے دوسرے کا کہ ملامت کر رہے ہیں●

(سب بولے پاکی ہے ہمارے رب کی) اُس نے اِس بلاء کو نازل فرما کر ہم پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ اللہ (بے شک ہم) ہی (تھے) اپنے اوپر (اندھیر) کرنے (والے● توسامنا کیا ایک نے دوسرے کا کہ ملامت کر رہے ہیں)۔ایک دوسرے سے کہتا کہ تُو نے یہ خیال کیا تھا، دوسرا بولتا کہ تُو بھی تو اِس سے راضی تھا۔غرضیکہ۔۔اپنے گناہ کے مقر ہوئے اور عجز و نیاز کی راہ سے۔۔۔

قَالُوۡا يٰوَيۡلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا طٰغِيۡنَ ﴿۳۱﴾ عَسٰى رَبُّنَاۤ اَنۡ يُّبۡدِلَـنَا خَيۡرًا مِّنۡهَاۤ اِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوۡنَ ﴿۳۲﴾

بولے کہ "ہائے افسوس ہم پر! بے شک ہم تھے سرکش● قریب ہے کہ ہمارا رب بدلہ میں دے ہمیں بہتر اس سے، بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں"●

(بولے کہ ہائے افسوس ہم پر! بے شک ہم تھے سرکش)۔یعنی حد سے گزرنے والے گنہگاری میں کہ ہم نے انشاءاللہ نہ کہا اور فقیروں کو محروم رکھنے کا ارادہ کیا۔اور اب ہمیں اپنے رب کریم کے فضل و کرم سے امید ہے کہ (قریب ہے کہ ہمارا رب بدلہ میں دے ہمیں بہتر اُس سے، بے شک ہم اپنے پروردگار کی طرف رغبت رکھنے والے ہیں)۔

توبہ وطلب عفو کے بعد حق تعالیٰ نے اُن کو بخش دیا اور باغ انگور سے لدا ہوا 'حیوان' نام کا انہیں عطا کیا۔اِس واقعہ میں یہ ہدایت ہے اور یہ سبق ہے کہ اگر کوئی بلاء میں گرفتار ہو اور اُس کا مال ومتاع تلف ہو، تو اُسے چاہیے کہ وہ غور اور تامل کرے اور جان لے کہ یہ بلاء اُس کے استحقاق کے سبب سے اس پر نازل ہوئی۔ پھر اپنے گناہ کا اعتراف کرے اور حضرت

ربّ العزۃ کی طرف پھرے، تو اللہ جل شانہ اُس سے بہتر اور بڑھ کر اُسے عطا فرماتا ہے جو اُس سے تلف ہوا ہو، جیسے ان لوگوں کو 'باغِ ضروان' کے بدلے اُس نے 'باغِ حیوان' عطا فرمایا۔ اوپر جس عذاب کا ذکر ہوا ہے۔۔۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ؀ رکوع ۴

ایسا ہی ہوتا ہے عذاب۔ اور یقیناً آخرت کا عذاب کہیں بڑا ہے۔۔ اگر وہ لوگ جانتے۔

(ایسا ہی ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ کا (عذاب) دُنیا میں۔ (اور یقیناً) اِس کے مقابلے میں (آخرت کا عذاب کہیں بڑا ہے) اِس جہت سے کہ یہ عذاب جلد جاتا ہے اور زوال پاتا ہے، اور اُس جہان کا عذاب ابدالآباد باقی رہتا ہے۔ تو یہ بات (اگر وہ لوگ جانتے) تو ہمیشہ موجباتِ عذاب سے پرہیز کرتے۔ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے۔۔۔ یہ متقین ہی ہیں جن کی یہ شان ہے کہ۔۔۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ؀

بے شک اللہ سے ڈر جانے والوں کے لیے اُن کے رب کے پاس راحت کے باغ ہیں۔

(بے شک اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والوں کے لیے اُن کے رب کے پاس) یعنی آخرت میں ۔۔یا۔۔ جوارِ رحمت میں (راحت کے باغ ہیں)، جس میں ہمیشہ کے لیے راحت ہی راحت ہے۔

کافر کہتے تھے کہ یہ جنت اور نعمت جن کا ذکر مسلمان کرتے ہیں، اوّل تو پیدا ہی نہیں کی گئیں اور اگر۔۔ بالفرض۔۔ ہوں بھی تو پہلے ہمیں ملیں گی جس طرح دُنیا میں مسلمانوں سے زیادہ ہم خوشحال ہیں، اِس طرح عقبیٰ میں بھی ہوں گے۔ حق تعالیٰ اُن کے قول کو رد فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ؀ مَا لَكُمْ ۪ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ؀

تو کیا ہم کر دیں گے مسلمانوں کو مجرموں کی طرح؟۔ کیا ہوا تمہیں۔ کیسی زبردستی کرتے ہو۔

(تو کیا ہم کر دیں گے مسلمانوں کو مجرموں کی طرح) حصولِ نجات اور وصولِ درجات میں (کیا ہوا تمہیں) اَے مشرکو! (کیسی زبردستی کرتے ہو؟) اور یہ بے تکا حکم کرتے ہو کہ مشرکوں کو موحدوں کے برابر قرار دیتے ہو؟ بلکہ اُن کو موحدوں پر فضیلت دیتے ہو؟

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾

کیا تم لوگوں کی بھی کوئی کتاب ہے جسے پڑھتے ہو• کہ تمہارا بھی کچھ اُس میں ہے جس کو تم پسند کرو•

(کیا تم لوگوں کی بھی کوئی کتاب ہے جسے پڑھتے ہو؟)۔یعنی کیا تم پر بھی آسمان سے کوئی نوشتہ ...ل ہوا ہے جس میں یہ بات ہو کہ کافر جزاء اور سزا میں مسلمانوں کے مثل ہوں گے؟۔۔یا یہ۔۔(کہ ...ہارا بھی کچھ) حصہ (اس) نوشتے (میں ہے جس کو تم پسند کرو)۔یعنی کیا بے شک تمہارے واسطے ہے ...ں نوشتے میں جو کچھ تم چاہتے ہو کہ اختیار کرلو اور آرزو کرو۔

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾

یا تم لوگوں کے لیے ہم پر کچھ قسمیں ہیں قیامت تک کی، کہ بلاشبہ تمہارا ہے جو تم فیصلہ کرو•

(یا تم لوگوں کے لیے ہم پر کچھ قسمیں ہیں قیامت تک کی کہ بلاشبہ تمہارا ہے جو تم فیصلہ کرو)۔ ...ن قسموں کے ذریعہ ہم سے تم سے کوئی ایسا عہد و پیمان ہوا ہے جو قیامت کے دن تک رہنے والا ہے، ...لہ آخرت کی بزرگی اور بہتری تمہارے لیے ہے؟ تو اے محبوب!۔۔۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾ اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ

پوچھو اُن لوگوں سے کہ "کون اس کا ذمہ دار بنتا ہے؟"• یا اُن کے معبود ہیں، تو لے آئیں اپنے معبودوں کو،

اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾

اگر سچے ہیں•

(پوچھو اُن لوگوں سے) یعنی کفار و مشرکین سے ان کو ذلیل کرنے کے طور پر، (کہ کون اس کا ...ہ دار بنتا ہے)۔یعنی اے مشرکو! تم اپنے حق میں جو فیصلہ کرتے ہو کون سا شخص اس کا ضامن ہے؟ جو ...ا کی تصحیح کے درپے ہو کر قائم ہو، جیسے کہ قوم کا زعیم یعنی لیڈر اُن کے امور کی اصلاح کے لیے قائم ہوتا ...ہے۔۔۔ زعیم وہ ہوتا ہے جو دعویٰ اور اس پر حجت قائم کرنے کے لیے مستعد ہو۔۔۔(یا اُن کے معبود ...ں) جن کو وہ شریک کرتے ہیں، (تو لے آئیں اپنے معبودوں کو) اپنی مدد کے واسطے (اگر) وہ (سچے ...ں) اس بات میں کہ جنّٰت النعیم انہیں کو ملیں گی۔ تو لائیں ان شریکوں کو اُس دن۔۔۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾ خَاشِعَةً
جس دن کہ کشف ساق کیا جائے گا، اور بُلائے جائیں گے سجدہ کی طرف، تو نہ کرسکیں گے ● جھکی پڑی اُن کی

اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾
آنکھیں اور چھائی جاتی ہے اُنہیں رسوائی، اور بے شک یہ بُلائے جاتے تھے سجدہ کی طرف جب کہ تندرست ہیں ●

(جس دن کشف ساق کیا جائے گا)، یعنی جس دن اُٹھادیا جائے گا پردہ ہَول بھرے کام --یا-- امر صعب اور مہم سخت سے --یا-- کھل جائے گی اور دکھائی دے گی ساق عرش --یا-- تجلی فرمائے گا حق تعالیٰ (اور بلائے جائیں گے) لوگ خدا کے (سجدہ کی طرف)۔

لباب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ اُس دن بڑا نور دکھائے گا اور خلق سجدے میں گر پڑے گی۔ معالم میں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا رب ساق عرش سے نور کھول دے گا اور ہر ایک مؤمن مرد اور مؤمن عورت اُس کو سجدہ کرے گی۔ اور وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جنہوں نے دُنیا میں دکھانے سنانے کے لیے سجدہ کیا ہوگا۔ تو جب ریاکار سجدہ کرنا چاہے گا تو اُس کی پیٹھ تختہ ہوجائے گی اور وہ سجدہ نہ کرسکے گا۔ اور حدیث میں ہے کہ منافق اور کافر کی پیٹھ ایک ڈال ہوجائے گی۔۔۔

(تو) وہ سجدہ (نہ کرسکیں گے ● جھکی پڑی اُن کی آنکھیں) ہوں گی، یعنی آنکھوں والے جھکائے ہوئے شرمندہ ہوں گے۔ (اور چھائی جاتی ہے انہیں رسوائی) یعنی پکڑ لے گی ان کو ذلت خواری اور نگوں ساری۔ (اور بے شک یہ بُلائے جاتے تھے سجدہ کی طرف جبکہ تندرست ہیں) اور اِ[...] پر قادر ہیں۔ جب فرصت کا وقت اُنہوں نے فوت کیا تو اب اِس حشر کے دن حسرت اور ندامت کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں۔ اور جب ان کا قیامت میں یہ حال ہوگا۔۔۔

فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ
تو رہنے دو مجھے اور جو جھٹلاتا ہے اِس بات کو۔ جلد ہی ہم بتدریج لے جائیں گے اُنہیں جہاں سے جان نہ سکیں ●

(تو رہنے دو مجھے اور جو جھٹلاتا ہے اِس بات کو) یعنی قرآن کریم کی تکذیب کرتا ہے، تو [...] اور انہیں چھوڑ دیئے اور میرے اور اُن کے درمیان نہ آیئے، اور اپنا دِل اُن سے مشغول نہ رکھئے، اور [...]

سے بدلہ لینے کا معاملہ مجھ پر چھوڑ یئے، کیونکہ میں ہی جانتا ہوں کہ اُن میں کون عذاب کا مستحق ہے اور کون اس کی طاقت رکھتا ہے۔ اور میں ہی اس کے معاملے کی کفایت کرنے والا ہوں۔ (جلد ہی ہم درتیج لے جائیں گے انہیں جہاں سے جان نہ سکیں)۔ یعنی ہم انہیں مہلت دیں گے اور تھوڑا سا وقفہ دے کر عقوبت وعذاب میں مبتلا کریں گے۔

اب معنی یہ ہوا کہ۔۔۔

ہم اِسے احسان اور تندرستی اور ازدیادِ نعمت سے مہلت دے کر عذاب وعقوبت میں مبتلا کریں گے، اس حیثیت وجہت سے کہ وہ جانیں گے بھی نہیں کہ یہ استدراج ہے۔ یعنی اُن پر انعام ہوگا سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نعمت کے لیے ہمیں چن لیا اور دوسروں پر ہمیں فضیلت بخشی۔ یہی ان کی ہلاکت اور تباہی وبربادی کا سبب بنا۔

۔۔المختصر۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿٤٥﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُم مِّن مَّغْرَمٍ

اور ڈھیل دوں گا انہیں۔ بے شک میری پوشیدہ تدبیر مضبوط ہے● کیا تم اُن سے اُجرت چاہتے ہو، تو وہ تاوان سے

مُّثْقَلُونَ ﴿٤٦﴾ أَمْ عِندَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُونَ ﴿٤٧﴾

گراں بار ہیں● یا اُن کے پاس غیب ہے، تو وہ جنم پترا بناتے ہیں●

میں مہلت دوں گا (اور ڈھیل دوں گا انہیں) یہاں تک کہ مغرور ہوں، پھر اُن کو پکڑ لوں گا۔ (بے شک میری پوشیدہ تدبیر مضبوط ہے)۔ یعنی ہمارا عذاب محکم ہے کہ کسی چیز سے دفع نہیں ہوتا، اس واسطے کہ ہماری پکڑ سخت ہے کسی کو اس کی طاقت اور تحمل نہیں۔ آخر ان کافروں کی سرکشی کا سبب کیا ہے۔۔۔ (کیا تم اُن سے اُجرت چاہتے ہو، تو وہ تاوان سے گراں بار ہیں) اور اِس سبب سے تجھ سے منہ پھیرتے ہیں۔ (یا اُن کے پاس غیب ہے، تو وہ جنم پترا بناتے ہیں) اور اُس میں سے لکھ لیتے ہیں جو کچھ حکم کرتے ہیں مؤمن وکافر کے برابر ہونے کا؟

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ إِذْ نَادَىٰ وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿٤٨﴾

وقف لازم

تو منتظر رہو اپنے رب کے حکم کے لیے، اور نہ ہونا مچھلی کے واقعہ والے کی طرح۔۔ جب کہ پکارا اور وہ غمناک ہے●

(تو) اَے محبوب! (منتظر رہو اپنے رب کے حکم کے لیے) اور صبر کرتے رہو تبلیغ احکام کافروں کی ایذاء سہنے کے ساتھ، (اور نہ ہونا مچھلی کے واقعہ والے کی طرح)۔ یعنی حضرت یونس علیہ السلام کی طرح جو اپنی قوم کی اذیت رسانی پر صبر نہ کر کے قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے یہاں تک کہ مچھلی کے پیٹ میں ایک عرصہ رہنا پڑا۔ (جبکہ پکارا) درآنحالیکہ مچھلی کے پیٹ میں اپنے رب سے دُعا مانگ رہے تھے، کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تیرے لیے پاکی ہے، بے شک میں اپنے نفس پر اندھیر کرنے والوں میں سے ہوں۔ (اور) اس حال میں (وہ) 'صاحبِ حوت' (غمناک ہے) جس کا دِل غیظ وغضب سے گھٹ رہا تھا اور غم سے بھرپور تھا۔ ایسی صورتِ حال میں۔۔۔

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ فَاجْتَبٰهُ

اگر نہ تدارک کرتی اُن کے رب کی طرف سے نعمت، تو وہ یقیناً پھینک دیے جاتے چٹیل میدان میں زبوں حال ● تو چن لیا اُنہیں

رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾

اُن کے رب نے، تو کر دیا اُنہیں لیاقت والوں سے ●

(اگر نہ تدارک کرتی اُن کے رب کی طرف سے نعمت) اور رحمت توبہ قبول ہونے کے سبب سے، (تو وہ یقیناً پھینک دیے جاتے چٹیل میدان میں زبوں حال)۔ ایسا میدان جہاں درخت اور گھاس وغیرہ کچھ نہ ہوتا، اور اُن کی حالت ملامت و مذمت کیے ہوئے والوں کی طرح ہوتی۔ (پھر) اپنے فضل و کرم سے (چن لیا اُنہیں اُن کے رب نے) نبوت اور رسالت دے کر اور وحی بھیج کر، (تو) کر دیا اُنہیں لیاقت والوں سے) یعنی پیغمبروں میں سے۔

بعضوں نے کہا کہ یہ آیت اُس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ثقیف کے حق میں دُعائے ہلاکت کرنی چاہی، تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارے حبیب صبر کرو اور اِس دُعا کو موقوف رکھو کہ صبر کرنے سے کام خوب ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ قریش کے کوتاہ نظروں نے قبیلہ بنی اسد میں سے ایک گروہ جو حسد اور بد نظری میں مشہور تھا، تجویز کر کے اُن کو بہت کچھ وعدوں سے تقویت دی، تاکہ آنحضرت ﷺ کے پرتو جمال کو نظرِ بد کا صدمہ پہنچا کر اِس عالَم سے مٹا دیں۔ تو حق تعالیٰ نے نظرِ بد سے آپ کی حفاظت اور عصمت کے واسطے یہ آیت نازل فرمائی۔۔۔

وَإِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَيَقُوْلُوْنَ

اور واقع میں کافر لوگ ضرور گرانے لگتے ہیں تم کو اپنی اپنی نظرِ بد سے، جب جب انہوں نے سنا نصیحت کو، اور کہتے ہیں کہ "بے

إِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٥١﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٥٢﴾

شک یہ مجنوں ہے"۔ ۔۔●۔۔ اور وہ بس نصیحت ہے سارے جہان کے لیے●

(اور واقع میں کافر لوگ ضرور گرانے لگتے ہیں تم کو اپنی اپنی نظر بد سے، جب جب انہوں نے سنا نصیحت کو)۔ یعنی قرآنِ کریم جب جب آپ تلاوت فرماتے تو کفار بکواس کرتے (اور کہتے ہیں کہ بے شک یہ مجنون ہے)۔ یعنی اِن پر جن مسلط ہے جو اِنہیں سکھاتا ہے۔ (اور) حقیقتِ حال یہ ہے کہ (وہ) یعنی قرآن کریم (بس نصیحت ہے) حق تعالیٰ کی طرف سے (سارے جہان) والوں (کے لیے)۔۔یا۔۔نہیں ہیں محمد ﷺ مگر اشرف تمام اہلِ عالم کے۔

حضرت حسن بصری نے کہا ہے کہ چشم زخم یعنی نظرِ بد کی دوا نہیں ہے، مگر یہ آیت۔

اختتام سورۃ القلم ۔۔ ﴿ ٢٢ رشوال المکرم ١٤٣٣ھ ۔۔مطابق۔۔ ١٠ رستمبر ٢٠١٢ء ۔۔۔بروز دوشنبہ ﴾ ۔۔

۔۔ ﴿ ٢٣ رشوال المکرم ١٤٣٣ھ ۔۔مطابق۔۔ ١١ رستمبر ٢٠١٢ء ۔۔۔بروز سہ شنبہ ﴾ ۔۔

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ

سورۃ الحاقۃ ۔۔ ٦٩ مکیہ ٧٨ — آیاتہا ٥٢ ۔۔ رکوعاتہا ٢

'سورہ تبارک الذی' کے بعد اور 'سورہ المعارج' سے پہلے نازل ہونے والی مکی سورۂ مبارکہ 'الحاقۃ' کو جس کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے، اور جس میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر ہے اور مکذبین کو قیامت کے وقوع سے ڈرایا گیا ہے، کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

اَلْحَآقَّةُ ۝۱ مَا الْحَآقَّةُ ۝۲ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝۳

وہ ہونے ہی والی ● اور کیسی کچھ ہے وہ ہونے ہی والی ● اور کیا تم سمجھے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے ہی والی ●

(وہ ہونے ہی والی) یعنی وہ حالت جس کا ہونا حق ہے۔۔یا۔۔وہ ساعت جس سے ڈرنا بہت سزاوار ہے (اور کیسی کچھ ہے وہ ہونے ہی والی)۔کیا حالت ہے؟ اور کیا ساعت ہے؟ (اور کیا تم سمجھے کہ کیسی کچھ ہے وہ ہونے ہی والی)۔یعنی کس چیز نے تمہیں بتایا اور تم کو علم دیا کہ کیا چیز ہے اور کیا حالت اور کون سی ساعت ہے جس سے عملوں کے مکافات اور جزا واقع ہوگی۔۔۔اِس سے قیامت کا دن مراد ہے اور حَآقَّةُ بھی اُسی کا ایک نام ہے۔۔۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝۴ فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ۝۵

جھٹلایا ثمود اور عاد نے اُس دِل ہلا دینے والی گھڑی کو ● تو ثمود تو برباد کر دیے گئے حد سے بڑھی چنگھاڑ سے ●

(جھٹلایا ثمود اور عاد نے اُس دِل ہلا دینے والی) قیامت کی (گھڑی کو) جو لوگوں کو ٹھوکنے والی اور توڑنے والی ہے۔(تو) اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ (ثمود تو برباد کر دیئے گئے حد سے بڑھی چنگھاڑ سے)، یعنی حضرت جبرائیل کی چیخ سے۔یہ آواز اتنی سخت تھی کہ کسی نے ویسی آواز نہ سنی تھی، اور نہ ہی اس طرح کی آواز کا اثر دیکھا تھا۔۔یا یہ کہ۔۔وہ ہلاک کر دیئے گئے زیادتی کرنے کے سبب سے۔۔یا۔۔اُن میں فرقہ طاغیہ کی وجہ سے، جیسے کہ قدار بن سالف اور اُس کے ساتھی جنہوں نے اونٹنی کی کوچیں کاٹی تھیں۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝۶ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ

اور رہے عاد! تو وہ تباہ کر دیے گئے نہایت تیز آندھی سے ● مسلط کر دیا اُسے اُن پر سات رات

وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ

اور آٹھ دن۔متواتر۔تو دیکھو قوم کو اُس میں گرائے پچھاڑے، گویا کہ وہ کھجور کے

نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝۷ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ۝۸

گرے درخت کے تنے ہیں ● تو کیا دیکھتے ہو اُن کا کوئی بچا ہوا؟ ●

(اور رہے عاد، تو وہ تباہ کر دیئے گئے نہایت تیز آندھی سے) جسے (مسلط کر دیا اُسے اُن پر سات رات اور آٹھ دن متواتر)۔ایک بدھ کی فجر سے دوسرے بدھ کی شام تک جو دن رات برابر چلتی

رہی قوم عاد پر، تو اس وقت اگر وہاں موجود ہو (تو دیکھو قوم) عاد (کو اُس میں گرائے بچھاڑے، گویا کہ کھجور کے گرے درخت کے تنے ہیں) زمین پر پڑے جو خالی، کھوکھلے اور بے ڈول ہیں۔ (تو کیا دیکھتے ہو اُن کا کوئی بچا ہوا) یعنی اُن میں کوئی نہ بچا اور سب جڑ سے اکھڑ کر نیست و نابود ہو گئے۔

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ بِالْخَاطِئَةِ ۝٩ فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ

اور لے آیا فرعون اور اُس کے پہلے والے، اور الٹائی پلٹائی بستیوں والے جرم ● چنانچہ گناہ کیا اپنے رب کے رسول کا،

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝١٠ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝١١

تو پکڑا انہیں بڑھی چڑھی پکڑ ● بے شک ہم نے جب بڑھ چڑھ گیا پانی، سوار کرایا تھا تم سب کو چلتی کشتی میں ●

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝١٢

تاکہ کردیں ہم اُسے تمہارے لیے یادگار، اور یاد رکھیں اُسے یاد رکھنے والے کان ●

(اور لے آیا فرعون اور اس کے پہلے والے)، یعنی جو لوگ اس کے پہلے تھے دیہات موتفکہ کے لوگ، (اور اُلٹائی پلٹائی بستیوں والے جرم) وخطا، یعنی انہوں نے شرک کیا۔ (چنانچہ گناہ کیا اپنے رب کے رسول کا، تو پکڑا انہیں بڑھی چڑھی پکڑ) نے، یعنی اُن پر اور امتوں سے زیادہ عذاب کیا۔ (بے شک ہم نے جب بڑھ چڑھ گیا پانی) تو (سوار کرایا تھا تم سب کو چلتی کشتی میں) یعنی سفینۂ نوح میں جو پانی پر رواں تھی، (تاکہ کردیں ہم اُسے) یعنی اُس کشتی کو (تمہارے لیے یادگار)۔ یعنی ایک نصیحت اور عبرت مؤمنوں کی نجات اور کافروں کی ہلاکت کے باب میں۔ (اور یاد رکھیں اُسے یاد رکھنے والے کان) جو بات سن کر فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا کہ اَے علی! میں نے حق تعالیٰ سے دُعا کی ہے کہ تیرے کان کو وہ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ کردے۔ حضرت علی کہتے ہیں اُس دن کے بعد میں کوئی بات نہیں بھولا۔

فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝١٣ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ

تو جہاں پھونکا گیا صور میں ایک دم ● اور اُٹھالی گئی زمین اور پہاڑ،

فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً ۝١٤ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۝١٥

پھر ریزہ ریزہ کردیے گئے دونوں ایک ہی پٹک میں ● تو اُس دن واقع ہوگئی، واقع ہونے ہی والی گھڑی ●

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾

اور پھٹ گئے آسمان، تو وہ اُس دن بے زور ہے●

(تو جہاں پھونکا گیا صور میں ایک دم)، وہ 'نفخہ صعقہ' ہے، (اور اُٹھالی گئی زمین اور پہاڑ) اپنی جگہوں سے محض قدرتِ کاملہ سے۔۔یا۔سخت زلزلوں اور ہواؤں کے باعث سے، (پھر ریزہ ریزہ کردیئے گئے دونوں ایک ہی پٹک میں)، تو سب روئی کے گالوں کی طرح ہوجائیں گے۔ (تو اُس دن واقع ہوگئی واقع ہونے ہی والی گھڑی) یعنی قیامت قائم ہوجائے گی۔ (اور پھٹ گئے آسمان تو وہ) یعنی آسمان (اُس دن بے زور ہے)، یعنی سست اور ضعیف ہوجائے گا قوت اور مضبوطی کے بعد۔

وَّالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾

اور فرشتے اُس کے کناروں پر ہیں۔اور اُٹھائیں گے تمہارے رب کے عرش کو اپنے اوپر اُس دن آٹھ فرشتے●

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿۱۸﴾

اُس دن تم لوگ پیش کیے جاؤ گے، نہ چھپ سکے گی تم میں سے کوئی چھپنے والی ہستی●

(اور فرشتے اُس کے) یعنی آسمان کے (کناروں پر ہیں) خدا کے حکم کے منتظر، کہ حکم ہو تو وہ نیچے اُتر آئیں۔ (اور اُٹھائیں گے تمہارے رب کے عرش کو اپنے اوپر اُس دن آٹھ فرشتے)۔

بعضوں نے کہا ہے کہ فرشتوں کی آٹھ صفیں عرش کو اُٹھائیں گی کہ اُن کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

(اُس دن تم لوگ پیش کیے جاؤ گے) خدا کے سامنے محاسبہ کے واسطے۔ (نہ چھپ سکے گی تم میں سے کوئی چھپنے والی ہستی) یعنی حق تعالیٰ تمہارے پوشیدہ کاموں پر مطلع ہے، تو پیش کیا جانا اور حساب ہونا اس پر اطلاع کے واسطے نہیں ہے بلکہ عدل کے واسطے ہے، اور خلق پر افشاءِ احوال کے لیے ہے۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ﴿۱۹﴾

تو جو دیا گیا اُس کا نامہءاعمال داہنے ہاتھ میں، تو وہ کہے گا کہ "لو پڑھو میرا نامہءاعمال●

(تو جو دیا گیا اُس کا نامہءاعمال داہنے ہاتھ میں، تو وہ کہے گا کہ لو پڑھو میرا نامہءاعمال)۔

اِس میں ایسا عمل کوئی نہیں ہے جس کو ظاہر کرنے میں میں شرم کروں۔ دراصل اپنی خوشی اور مسرت کو ظاہر کرنے کے لیے وہ یہ کہے گا۔

تبیان میں ہے کہ یہ دوسری کتاب ہے نامہء اعمال کے سوالکھی ہوئی کہ اس میں جنت کی خوشخبری ہے۔ بس اس واسطے کہ فرشتوں کالکھا ہوانامہء اعمال خدااور بندے کے درمیان ہے کوئی اُسے نہ دیکھے گااور نہ پڑھے گا۔ پھر صاحبِ کتاب کہے گا کہ۔۔۔

اِنِّیۡ ظَنَنۡتُ اَنِّیۡ مُلٰقٍ حِسَابِیَہۡ ﴿۲۰﴾ فَهُوَ فِیۡ عِیۡشَةٍ رَّاضِیَةٍ ﴿۲۱﴾ فِیۡ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ﴿۲۲﴾

بے شک میں سمجھتا تھا کہ بے شک میں پاؤں گا اپنا حساب"● تو وہ اپنے پسندیدہ آرام میں ہے● فردوسِ عالی میں●

قُطُوۡفُهَا دَانِیَةٌ ﴿۲۳﴾ كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِیۡٓـئًۢا بِمَاۤ اَسۡلَفۡتُمۡ فِی الۡاَیَّامِ الۡخَالِیَةِ ﴿۲۴﴾

جس کے خوشے قریب ہی ہیں● کہ کھاؤاور پیوخوش خوش، صلہ اُس کا جو پہلے بھیج چکے تم گزرے زمانہ میں●

(**بے شک میں سمجھتا تھا کہ بے شک میں پاؤں گا اپنا حساب**)۔ یعنی میں نے تو جانا ہی تھا کہ میرا حساب کریں گے اور اس پر میں آمادہ ہوں۔ (**تو وہ اپنے پسندیدہ آرام میں ہے**) یعنی ایسی زندگی میں جو کدورت سے صاف اور حرمت اور حشمت سے ملی ہوگی (**فردوسِ عالی میں**) بلندو بالا جنت میں، (**جس کے خوشے قریب ہی ہیں**) کہ کھڑے بیٹھے اور لیٹے اُس تک ہاتھ پہنچ جائے، اور حضرت رضوان اُن سے کہیں گے (**کہ کھاؤ اور پیو خوش خوش، صلہ اُس کا جو پہلے بھیج چکے ہو تم گزرے زمانہ میں**)۔ یعنی دُنیا میں کہ گرمی کے دنوں میں تم نے روزے رکھے اور بھوکے پیاسے رہے۔

وَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَیَقُوۡلُ یٰلَیۡتَنِیۡ لَمۡ اُوۡتَ كِتٰبِیَهۡ ﴿۲۵﴾ وَلَمۡ

اور رہا وہ، جو دیا گیا نامہء اعمال بائیں ہاتھ میں۔ تو کہے گا کہ" اے کاش! نہ دیا جاتا میں اپنا نامہء اعمال● اور نہ جانتا

اَدۡرِ مَا حِسَابِیَهۡ ﴿۲۶﴾ یٰلَیۡتَهَا كَانَتِ الۡقَاضِیَةَ ﴿۲۷﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَهۡ ﴿۲۸﴾

کہ کیا حساب میرا ہے● اے کاش! وہ موت ہوتی ہمیشہ کے لیے● نہ کام آیا میرے میرا مال●

هَلَكَ عَنِّیۡ سُلۡطٰنِیَهۡ ﴿۲۹﴾

جاتی رہی مجھ سے میری قوت"●

(**اور رہا وہ، جو دیا گیا نامہء اعمال بائیں ہاتھ میں**)، اور وہ اُس میں اپنی بُرائیاں اور گناہ لکھے دیکھے گا، (**تو کہے گا**) ندامت کے مارے (**کہ اَے کاش! نہ دیا جاتا میں اپنا نامہء اعمال**) اور میں نہ دیکھتا تا کہ بر ملا فضیحت سے دوچار نہ ہوتا۔ (**اور**) کاش (**نہ جانتا**) میں (**کہ کیا حساب میرا ہے**) آج، اس واسطے کہ عذاب اور شدت کے سوا مجھے تو کچھ حاصل ہی نہیں۔ (**اَے کاش! وہ موت ہوتی ہمیشہ کے**

لیے) جس کے سبب سے میں دُنیا میں مرا تھا۔کاش وہ موت ہمیشہ کے فنا کا حکم کرتی کہ اُس کے بعد
میں زندہ ہی نہ ہوتا، تو (نہ کام آیا میرے میرا مال) میرے مکانات اور میرے غلام، جو مجھ سے عذاب
دفع کرتے۔(جاتی رہی مجھ سے میری قوت) یعنی لوگوں پر تسلط اور حکومت۔۔یا۔۔وہ دلیل وحجت جسے
دُنیا میں میں نے مضبوط پکڑا تھا۔پھر دوزخ کے فرشتوں کو حکم پہنچے گا کہ۔۔۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ﴿۳۱﴾ ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ

پکڑو اُسے، پھر طوق پہنا دو اُس کو۔ پھر جہنم میں جھونک دو اُس کو۔ پھر زنجیر، جس کی پیائش ستر گز ہے،

ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ﴿۳۲﴾

تو اُس میں پرو دو اُس کو۔

(پکڑو اُسے، پھر طوق پہنا دو اُس کو) اور اُس کے ہاتھوں کو گردن میں باندھو، (پھر جہنم) کی بڑی آگ (میں جھونک دو اُس کو۔ پھر زنجیر جس کی پیائش ستر گز ہے، تو اُس میں پرو دو اُس کو) یعنی اُس کے جسم پر اُس زنجیر کو خوب کس کر لپیٹ دو کہ ہل نہ سکے۔

ایک قول پر یہاں 'گز' سے 'نوشیروانی گز' مراد ہے، کہ ہر گز سات باغ کے برابر ہے اور ہر باغ ہے کوفہ سے مکہ تک۔کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دُنیا میں جتنا لوہا ہے اگر جمع کریں، تو اُس زنجیر کے ایک حلقہ کے برابر نہیں ہے، اور اگر اُس کا ایک حلقہ عالم کے پہاڑوں پر رکھ دیں تو یہ رانگے کی طرح پگھل جائیں۔زنجیر والا یہ عذاب اس پر اس لیے ہے کہ۔۔

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾

یہ نہیں مانتا تھا عظمت والے اللہ کو۔ اور نہیں اُبھارتا تھا مسکین کے کھانا دینے پر۔

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾

تو نہیں ہے اس کا آج یہاں کوئی دوست۔ اور نہ کوئی غذا، مگر زخموں کی نچوڑی پیپ۔

لَّا يَاْكُلُهٗٓ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ﴿۳۷﴾

نہ کھائیں گے اُسے مگر وہ خطا کار۔

ع ۵

(یہ) شخص (نہیں مانتا تھا عظمت والے اللہ) تعالیٰ (کو۔ اور نہیں اُبھارتا تھا) اپنے کو (مسکین کے کھانا دینے پر)۔یعنی رغبت نہ کرتا تھا، اور حرص نہ رکھتا تھا محتاج کو کھانا دینے پر۔(تو نہیں ہے اس

کا آج یہاں کوئی دوست) یعنی یگانہ جو اس کی حمایت کرے۔ (اور نہ کوئی غذا مگر زخموں کی نچوڑی پیپ) جو دوزخیوں کے بدن سے بہتی ہے، (نہ کھائیں گے اُسے مگر وہ خطا کار) مشرک۔۔۔اس لیے کہ سب گناہانِ کبیرہ کا سردار شرک ہے۔۔۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾

تو نہیں کیا میں تو قسم کھاتا ہوں اُن چیزوں کی، جسے تم لوگ دیکھتے ہو● اور جسے نہیں دیکھتے●

کہ بے شک یہ بات چیت ہے رسولِ کریم سے●

(تو نہیں کیا میں تو قسم کھاتا ہوں اِن چیزوں کی جسے تم لوگ دیکھتے ہو) یعنی دیکھی ہوئی چیزوں میں سے (اور جسے نہیں دیکھتے) یعنی غائب چیزیں۔۔یا۔۔اُس کی قسم جو زمین کے اوپر اور زمین کے اندر ہے۔۔یا۔۔اجسام اور ارواح کی قسم۔۔یا۔۔اِنس اور جن کی قسم۔۔یا۔۔کعبہ اور بیت المعمور کی قسم۔۔یا۔۔بحر و بر کی قسم۔۔یا۔۔محمد ﷺ کے حکم پہنچانے اور جبرائیل علیہ السلام کے وحی لانے کی قسم۔۔یا۔۔میرے حبیب کے آثارِ رسالت اور انوارِ ولایت کی قسم (کہ بے شک یہ بات چیت ہے رسولِ کریم سے)، تو ایسا نہیں ہے جو کافر کہتے ہیں کہ قرآن محمد ﷺ کا بنایا ہوا ہے۔

اِس آیت میں رسولِ کریم سے مراد وہ ذات ہے جو خدا کے نزدیک بزرگ ہے اور وہ محمد ﷺ ہیں، اور بعض نے کہا کہ وہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔

وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ

اور نہیں ہے وہ کسی شاعر کی بات۔ کس قدر کم مانا کرتے ہو● اور نہ کسی کاہن کی بات۔

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾

کس قدر کم دھیان کرتے ہو● اِس کا اُتارنا ہے رب العٰلمین کی طرف سے●

(اور نہیں ہے وہ کسی شاعر کی بات) جیسا کہ ابوجہل کہتا ہے۔ تو ایسی بکواس کرنے والو! تم (کس قدر کم مانا کرتے ہو)، یعنی مکمل تصدیق نہیں کرتے۔ (اور نہ) قرآن (کسی کاہن کی بات) ہے، جیسا کہ عقبہ ابن ابی معیط گمان کرتا ہے۔ تو اِس طرح کا گمان کرنے والو! تم (کس قدر کم دھیان کرتے ہو)، اور ذرا بھی نصیحت قبول نہیں کرتے۔ تو سن لو! کہ قرآن وہ کتاب ہے کہ (اِس کا اُتارنا ہے رب العالمین کی طرف سے) یعنی اہلِ عالم کے رب کی جانب سے یہ نازل فرمایا گیا ہے۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا

اور اگر بنالیتے ہم پر کوئی بات • تو ہم پکڑ چکے ہوتے اُن کو قوی ہاتھ سے • پھر یقیناً کاٹ چکے ہوتے

مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاِنَّهٗ

اُن کی رگِ دِل کو • پھر نہ ہوتا تم میں کوئی روک سکنے والا • اور بے شک یہ

لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾

یقیناً نصیحت ہے ڈروالوں کے لیے •

(اور اگر بنالیتے ہم پر کوئی بات) یعنی اگر وہ رسول اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے، (تو ہم پکڑ چکے ہوتے اُن کو قوی ہاتھ سے)، یعنی ہم اُن کو پوری قوت سے پکڑ لیتے۔ (پھر یقیناً کاٹ چکے ہوتے اُن کی رگِ دِل کو) یعنی شہ رگ کو۔ (پھر نہ ہوتا تم میں کوئی روک سکنے والا) جو ہمیں اپنے اُس عمل سے روک دیتا اور انہیں بچالیتا۔ (اور بے شک یہ) قرآن (یقیناً نصیحت ہے ڈروالوں کے لیے) اس واسطے کہ وہ اِس سے نفع اُٹھاتے ہیں۔

وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾

اور بے شک ہم یقیناً جانتے ہیں کہ بے شک تم میں جھٹلانے والے ہیں • اور بے شک یقیناً وہ حسرت ہے کافروں پر •

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۵

اور بے شک وہ حق یقینی ہے • تو پاکی بولتے رہو اپنے عظمت والے رب کے نام کی •

(اور بے شک ہم یقیناً جانتے ہیں، کہ بے شک تم میں جھٹلانے والے ہیں) اور قرآن کریم کی تکذیب کرنے والے ہیں۔ (اور بے شک یقیناً وہ حسرت ہے کافروں پر)، کہ قیامت کے دن قرآن کا ثواب دیکھیں گے اور خود اُس سے محروم ہوں گے۔ (اور بے شک وہ) یعنی قرآن (حق یقینی ہے)۔ یعنی 'حق الیقین' ہے کہ یہ حق تعالیٰ کے پاس سے نازل ہوا ہے۔ (تو پاکی بولتے رہو اپنے عظمت والے رب کے نام کی)۔ یعنی اپنے رب تعالیٰ کو اُس کی صفاتِ تمجیدی اور اُس کی صفاتِ تنزیہی کے ساتھ یاد کرتے رہو۔

اختتام سورۃ الحاقہ ۔۔ ﴿ ۲۴رشوال المکرم ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۲ر ستمبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔ بروز چہار شنبہ ﴾

-- ﴿ ۲۵ر شوال المکرّم ۱۴۳۳ھ --مطابق-- ۱۳ر ستمبر ۲۰۱۲ء --- بروز پنجشنبہ ﴾ --

سُوْرَةُ الْمَعَارِج

سورۃ المعارج --۷۰ مکیۃ ۷۹ آیاتھا ۴۴ -- رکوعاتھا ۲

اِس سورہ کا نام 'المعارج' ہے جو اِس کی آیت ۳ سے ماخوذ ہے۔ اِس سورہ کے پہلے 'سورہ الحاقۃ' میں قیامت، جنت اور دوزخ کے احوال اور مؤمنین اور کافرین کا اخروی انجام ذکر فرمایا تھا، اُسی طرح اِس سورت میں بھی اُنہیں امور کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ سورت 'سورۃ الحاقۃ' کے بعد اور 'سورۃ النبا' سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ تو اِس سورت کو جو بالاتفاق مکی ہے شروع کرتا ہوں میں ---

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

نضر بن حارث نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ خدایا اگر محمد ﷺ حق پر ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اگر تیری طرف سے ہے تو تو ایک پتھر مجھ پر برسا --یا-- مجھ کو دردناک عذاب میں مبتلا کر، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ---

---

سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ① لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ②

مانگا ایک مانگنے والے نے اُس عذاب کو جو ہونے ہی والا ہے ● کافروں کو، نہیں ہے اُس کا کوئی ہٹا سکنے والا ●

مِّنَ اللّٰهِ ذِی الْمَعَارِجِ ③

بلندیوں والے اللہ کی طرف سے ●

(مانگا ایک مانگنے والے نے اُس عذاب کو جو ہونے ہی والا ہے ● کافروں کو)، دُنیا میں جنگِ بدر کے دن کا قتل ہے --یا-- آخرت میں دردناک عذاب۔

بعضوں نے کہا کہ عذاب مانگنے والا ابوجہل تھا کہ اُس نے کہا کہ "فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا۔" اور ایک قول یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے کفار پر عذاب نازل ہونے کی

درخواست اور جلدی کی، بہر تقدیر۔۔۔

(نہیں ہے اُس کا کوئی ہٹا سکنے والا) جو اُسے روکے اور دفع کر سکے۔ (بلندیوں والے اللہ تعالیٰ (کی طرف سے) آنے سے، اس واسطے کہ ارادۂ ازلی اُس سے متعلق ہو چکا ہے اور اللہ کا ارا کیا ہوا امر دفع نہیں کیا جاتا۔

پھر آگے اللہ جل شانہ کی صفت ہے کہ وہ خداوند ہے بلند درجوں کا، یعنی جنت میں اونچے اونچے محل اپنے دوستوں کے واسطے اُس نے مہیا کیے ہیں۔۔یا۔۔ بلند مقامات کلمات طیبات کے بلند ہونے کو مقرر فرمائے ہیں۔۔۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِیْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۟

کہ عروج کرتے ہیں فرشتے اور روح الامین اُس کی طرف اُس دن میں، جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے●

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۟

تو تم خوب صبر سے کام لو●

(کہ عروج کرتے ہیں فرشتے اور روح الامین اُس کی طرف)، یعنی حکم الٰہی کی طرف یعنی اُس جگہ جہاں پہنچنے کا حکم ہو (اُس دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے) دُنیا کے برسوں سے۔ یعنی اگر کوئی چاہے کہ دُنیا میں سیر کرے وہاں تک کہ جہاں تک فرشتوں کو جانے کا حکم ہے اور وہ ایک دن میں جاتے ہیں، تو وہ سیر کرنے والا پچاس ہزار برس میں جا سکے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اُس دن سے قیامت کا دن مراد ہے کہ کافروں پر اِس درازی کے ساتھ گزرے گا۔ اور بعضوں نے کہا کہ میدانِ قیامت میں پچاس موقف اور موطن ہوں گے اور ہر موقف میں ہزار برس ٹھہرائیں گے۔

(تو) اے محبوب! (تم خوب صبر سے کام لو) جو کسی طرح کے قلق اور شکایت کے بغیر ہو۔

اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۟ وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا ۟ يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ

بلاشبہ وہ سمجھتے ہیں اُس کو دُور از نہونی● اور ہم دیکھ رہے ہیں اُس کو قریب ہونے ہی والی● جس دن ہوگا آسمان

كَالْمُهْلِ ۟ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۟

جیسے پگھلی چاندی● اور ہوں گے پہاڑ جیسے دھنی اُون●

(بلاشبہ وہ) کافر (سمجھتے ہیں اُس کو دُور اَنہونی)۔ یعنی وہ اُس کو امکان سے بعید سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قیامت کا دن نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ جیسا کہ عرف میں کہتے ہیں کہ فلاح کام کا وقوع دُور ہے یعنی محال معلوم ہوتا ہے۔ (اور ہم دیکھ رہے ہیں اُس کو) یعنی قیامت کو (قریب ہونے ہی والی ہے واقع ہونے کے۔ (جس دن ہوگا آسمان جیسے پگھلی چاندی) یعنی آسمان پگھل جائے گا۔ (اور ہوں گے پہاڑ جیسے دھنی اُون)، نرم اور ریزہ ریزہ۔

وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿١٠﴾ يُبَصَّرُونَهُمْ ۚ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ

ورنہ پوچھے گا کوئی دوست کسی دوست کی ● حالانکہ وہ لوگ باہم پیشِ نظر کیے جائیں گے۔ آرزو کرے گا مجرم کہ اگر فدیہ دے دے

يَوْمِئِذٍ بِبَنِيهِ ﴿١١﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿١٢﴾ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿١٣﴾

اُس دن کے عذاب سے بچنے کو اپنے بیٹے ● اور بیوی اور بھائی ● اور اپنا کنبہ، جو ٹھکانہ دیتا رہا ہے اُسے ●

(اور نہ پوچھے گا کوئی دوست کسی دوست کی)۔ سب کو اپنی ہی فکر ہوگی، کوئی کسی کے گناہ اور اُس کے افعال کے تعلق سے سوال نہ کرے گا۔ اور وہ ہے ہی ایسا مقام جہاں ہر ایک سے اُسی کے افعال واقوال اور اعمال واحوال کے بارے میں پوچھا جائے گا، (حالانکہ وہ لوگ باہم پیش نظر کیے جائیں گے)۔ یعنی ہر ایک اپنے قرابت دار کو پہچانے گا اور اُس کا احوال دیکھے گا اور جانے گا کہ ہر ایک اپنے اعمال کے سبب سے مواخذہ میں ہے۔ یہ ایسا دن ہوگا کہ۔۔۔

(آرزو کرے گا مجرم کہ اگر فدیہ دے دے اُس دن کے عذاب سے بچنے کو اپنے بیٹے) جو بہت عزیز تھے اُس کے نزدیک (اور بیوی) جو اُس کی یار اور ہَوادار تھی، (اور بھائی) جو اس کا قوتِ بازو اور مددگار تھا۔ (اور اپنا کنبہ جو ٹھکانہ دیتا رہا ہے اُسے) اور اُس کے پناہ کی جگہ بنا رہا۔

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿١٤﴾ كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿١٥﴾ نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ﴿١٦﴾

اور سارے زمین والے کو، پھر بھی یہ فدیہ دینا اُسے بچالے گا؟ ● ہرگز نہیں۔ بے شک وہ بھڑکتی آگ ہے ● کھال تک اُتار دینے والی ●

(اور) صرف اِسی قدر نہیں، بلکہ (سارے زمین والے کو)۔۔ الغرض۔۔ عذابِ الٰہی سے اپنی بچت کے لیے اگر اُن سب کو فدیہ دینا کام آجائے تو وہ مجرم اس کو بھی گوارا کرنے کو تیار ہے۔ (پھر بھی

یہ فدیہ دینا اُسے بچالے گا● ہرگز نہیں)، حاشا کہ نجات نہ پائے گا عذاب سے، اور وہ بھی کیسا سخت عذاب؟ (بے شک وہ بھڑکتی آگ ہے● کھال تک اُتار دینے والی) یعنی مشرکین کے ہاتھ پاؤں ۔۔یا۔۔اُن کے سر کی کھال کو سو برس اور دو سو برس کی راہ سے، یعنی دوزخ کا شعلہ کافروں کو اپنے میں اِس طرح کھینچے گا جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ وہ آگ۔۔۔

تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۷﴾ وَجَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ

بُلاتی رہتی ہے اُسے جس نے پیٹھ دکھائی تھی اور منہ پھیرا تھا● اور جمع جتھا کیا تھا اور صندوق میں رکھا تھا● بے شک انسان

خُلِقَ هَلُوْعًا ﴿۱۹﴾ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ﴿۲۰﴾ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ﴿۲۱﴾

پیدا کیا گیا ہے بے صبرا● جب پہنچی خرابی تو گھبراہٹ والا ہے● اور جب پہنچی اُسے بھلائی تو روک رکھنے والا ہے●

اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ﴿۲۲﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

مگر نمازی لوگ● جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں●

(بُلاتی رہتی ہے اُسے جس نے پیٹھ دکھائی تھی) یعنی حق کو پس پشت ڈال دیا تھا (اور) حکمِ الٰہی سے (منہ پھیرا تھا● اور) دُنیا کا مال (جمع جتھا کیا تھا اور صندوق میں رکھا تھا) اور خدا کا حق ادا نہ کیا (بے شک انسان پیدا کیا گیا ہے بے صبرا) اور حریص فانی مال جمع کرنے پر، اور بخیل حقوقِ ربانی ادا کرنے پر۔ (جب پہنچی خرابی)، جیسے محتاجی و مفلسی وغیرہ (تو گھبراہٹ والا ہے) اور چیختا چلاّتا ہے۔ (اور جب پہنچی اُسے بھلائی)، جیسے تندرستی اور مالداری وغیرہ (تو روک رکھنے والا ہے) اپنے نفس کو اطاعتِ الٰہی سے اور مال کو راہِ خدا میں خرچ کرنے سے۔ اور سب آدمی اِسی حال پر مخلوق ہوئے ہیں (مگر نمازی لوگ● جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں) اُس کو کماحقہٗ ادا کرنے والے ہیں، یعنی کسی بھی شغل کی وجہ سے اس سے باز نہیں رہتے، اور نماز ادا کرتے وقت خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرتے ہیں اور دائیں بائیں التفات نہیں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ﴿۲۴﴾ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ

اور جن کے مالوں میں حق مقرر ہے● منگتا کے لیے● اور نہ مانگ سکنے والے کے لیے● اور جو تصدیق کریں

بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

روزِ جزا کی● اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں●

إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿۲۸﴾

بے شک اُن کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں●

(اور جن کے مالوں میں حق مقرر ہے منگتا کے لیے● اور نہ مانگ سکنے والے کے لیے)، جیسے کہ زکوٰۃ، کہ اندازہ کی ہوئی ہے اور صدقے، جو معمول ہیں سوال کرنے والوں کے واسطے اور اس محتاج کے واسطے جو سوال نہ کرے، (اور جو تصدیق کریں روزِ جزا کی)۔ اور روزِ قیامت کی تصدیق کی نشانی طاعت اور عبادت میں مشغول ہونا ہے۔ (اور جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں)۔ عذابِ الٰہی سے ڈرنے کی علامت ممنوعاتِ شرعی سے بچنا ہے۔ (بے شک اُن کے رب کا عذاب نڈر ہونے کی چیز نہیں)۔ یعنی اُس سے بے خوف نہیں ہو سکتے کیونکہ البتہ گناہ گاروں کو وہ عذاب پہنچے گا۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۲۹﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں● مگر اپنی بیبیوں پر یا جو اُن کے دستِ ملکیت میں لونڈیاں ہیں،

فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۳۰﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿۳۱﴾

کہ بے شک وہ مجرم نہیں ہیں● تو جس نے چاہا اُس کے سوا، تو وہی حد سے بڑھ جانے والے ہیں●

(اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں● مگر اپنی بی بیوں پر یا جو ان کے دستِ ملکیت میں لونڈیاں ہیں)، کیونکہ ہاتھ کا مال ہونے کے سبب سے ان میں تصرف کر سکتے ہیں، کیوں (کہ بے شک) ان میں تصرف کرنے سے (وہ مجرم نہیں ہیں● تو جس نے چاہا) دخول کرنے کی جگہ (اُس کے سوا) جو کہا گیا، یعنی اپنے لونڈی اور جورو کے سوا، (تو وہی حد سے بڑھ جانے والے ہیں) یعنی مَردوں اور جانوروں سے وطی کرنے والے حد سے گزر جانے والے ہیں، اور بعض کے قول پر جلق لگانا بھی حد سے گزرنے میں داخل ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿۳۲﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ

اور جو اپنی امانتوں اور عہد کے لحاظ رکھنے والے ہیں● اور جو اپنی گواہیوں پر

قَائِمُونَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۳۴﴾

ٹھیک رہنے والے ہیں● اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرنے والے ہیں●

اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

وہ ہیں جنتوں میں، باعزت●

(اور جو اپنی امانتوں اور عہد کے لحاظ رکھنے والے ہیں)۔عہد خالق کا ہو۔۔یا۔مخلوق کا س
کی حفاظت کرنا چاہئے اور امانت اُدا کرنا اور عہد پورا کرنا نہ چھوڑنا چاہیے۔(اور جو اپنی گواہیوں
ٹھیک رہنے والے ہیں)، یعنی قائم ہیں۔۔یا۔۔گواہی دیتے ہیں اُس چیز میں جو بندوں کے حقوق
جانتے ہیں۔(اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرنے والے ہیں)، یعنی آداب وشرائط کے ساتھ ہمیشہ نماز
پڑھتے ہیں۔

نماز کا ذکر اِن آیتوں کے شروع اور خاتمہ میں مکرّر فرمانا اِس بات کی دلیل ہے کہ نماز
سب عبادتوں میں افضل ہے۔اور بعضوں نے کہا کہ ہمیشہ پڑھنا فرض نمازوں سے تعلق
رکھتا ہے، اور محافظت کرنا نفلوں سے متعلق ہے۔

اور (وہ) لوگ جو اِن صفتوں سے موصوف ہیں، (ہیں جنتوں میں باعزت) ثوابِ ابدی
اور جزائے سرمدی کے سبب سے۔

یہ آیت نازل ہونے کے بعد مشرکوں نے رسولِ کریم ﷺ کے گردا گرد حلقہ باندھا اور
ہنسی اور مسخرے پن کی راہ سے بولے کہ محمد ﷺ کے اصحاب عقبیٰ میں جنتوں کی طمع رکھتے
ہیں، تو ہم کو بھی یہ طمع ہے کہ ہم اِن سے پہلے جنتیں پائیں گے، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾

تو کیا ہوا کافروں کو؟ کہ تمہاری طرف گھورنے والے ہیں● داہنے اور بائیں سے، گروہ در گروہ● کیا للچاتا اُن کا ہر شخص

اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾ كَلَّا ۭ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

کہ داخل کیا جائے راحت کے باغ میں● ہرگز نہیں! بے شک ہم نے پیدا فرمایا اُنہیں اُس سے جسے وہ جانتے ہی ہیں●

(تو کیا ہوا کافروں کو کہ تمہاری طرف گھورنے والے ہیں● داہنے اور بائیں سے گروہ در گروہ)
حلقہ کیے ہوئے۔(کیا للچاتا) ہے (ان کا ہر شخص کہ داخل کیا جائے راحت کے باغ میں) اور نعمت
لازوال میں؟ یعنی مشرکوں کو یہ داعیہ ہے کہ بے ایمان قبول کیے ہوئے جنتوں میں نعمت پر دخل پائیں
گے۔ایسا (ہرگز نہیں) ہونے والا۔(بے شک ہم نے پیدا فرمایا انہیں اُس سے جسے وہ جانتے

ہیں)، یعنی نطفہ سے کہ اِس کو کسی طرح عالم قدس سے مناسبت نہیں ہے، پس اگر کوئی کدورتوں کے ث سے صاف نہ ہو اور اخلاقِ ملکی سے متخلق نہ ہو جائے، وہ جنت میں داخل ہونے کی استعداد اور قت نہ رکھے گا۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَالْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾

تو نہیں کیا میں قسم یاد کرتا ہوں تمام پوربوں اور سارے پچھموں کے رب کی، کہ بے شک ہم یقیناً قدرت والے ہیں●

عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ﴿۴۱﴾

اِس پر کہ بدل دیں اِن سے بہتر، اور نہیں ہیں ہم عاجز●

(تو نہیں کیا میں قسم یاد کرتا ہوں تمام پوربوں اور سارے پچھموں کے رب کی، کہ بے شک ہم یقیناً قدرت والے ہیں● اِس پر کہ بدل دیں ان سے بہتر، اور نہیں ہیں ہم عاجز)۔۔الحاصل۔۔ہم کو اِس بات کی قدرت ہے کہ اِن کافروں کو ہلاک کر کے اِن کے بدلے دوسری مخلوق پیدا کریں۔ہم پر کوئی سبقت اور پیشی نہیں لے جا سکتا، اگر ہم کسی امر کا ارادہ کریں تو ہم کو کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اُسے ظاہر کرنے میں۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۲﴾ يَوْمَ

تو چھوڑو انہیں کہ بے ہودگی میں پڑے رہیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ ملیں اپنے اُس دن کو، جس کا وعدہ دیے گئے ہیں● جس دن

يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ﴿۴۳﴾ خَاشِعَةً

نکلیں گے قبروں سے جھپٹتے ہوئے، گویا وہ اپنے اپنے کسی نشان تک دوڑ لگا رہے ہیں● جھکی جھکی

ع ۹ ۸ اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

اُن کی آنکھیں، چھائی اُن پر ذلت۔ یہ ہے وہ دن جس کا وعدہ دیے جاتے تھے●

(تو چھوڑو انہیں کہ بے ہودگی میں پڑے رہیں اور کھیلا کریں یہاں تک کہ ملیں اپنے اُس دن کو جس کا وعدہ دیے گئے ہیں)۔ وہ جنگِ بدر کا دن ہے۔۔یا۔۔قیامت کا روز۔۔۔اِس آیت کا حکم آیتِ قتال کے حکم سے منسوخ ہے۔۔۔وہ کیا دن ہوگا؟ (جس دن نکلیں گے قبروں سے جھپٹتے ہوئے) تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت اسرافیل کا پکارنا قبول کر کے، (گویا وہ اپنے اپنے کسی نشان

تک دوڑ لگا رہے ہیں) جیسے سپاہ پراگندہ جو اپنا جھنڈا قائم دیکھتی ہے اور اُس کی طرف دوڑتی ہے۔
صورتِ حال یہ ہوگی کہ اُس وقت (جھکی جھکی) ہوں گی (اُن کی آنکھیں)، یعنی آنکھوں والے اپنے
سر جھکائے ہوں گے۔ اور ہوگی (چھائی اُن پر ذلت۔ یہ ہے وہ دن جس کا) وہ (وعدہ دیئے جاتے
تھے) دُنیا میں۔

اختتام سورۃ المعارج -- ﴿ ۲۷ رشوال المکرم ۱۴۳۳ھ --مطابق-- ۱۵ ستمبر ۲۰۱۲ء ---بروز شنبہ ﴾ --

---

-- ﴿ ۲۹ رشوال المکرم ۱۴۳۳ھ --مطابق-- ۱۷ ستمبر ۲۰۱۲ء ---بروز دوشنبہ ﴾ --

سُورۃ نوح

سورۂ نوح -- ۷۱ مکیہ ۷۱ | آیاتہا ۲۸ -- رکوعاتہا ۲

'سورہ نوح' جس کا نام اِسی کی آیت اسے ماخوذ ہے۔ 'سورہ النحل' کی چالیس آیتوں کے نازل ہونے کے بعد اور 'سورہ الطور' سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی۔ اِس سورت کو اپنی سابقہ سورت 'المعارج' سے مناسبت یہ ہے کہ 'سورہ المعارج' میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم اِس پر قادر ہیں کہ مشرکینِ مکہ سے بہتر لوگ لے آئیں اور اُس کے بعد 'سووہ نوح' میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عالمگیر طوفان بھیجا جس سے اُن کی قوم کے تمام کافر غرق ہو کر ہلاک ہو گئے، صرف وہ اسّی افراد بچے جو اللہ کی توحید اور حضرت نوح علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لا چکے تھے۔ اور پھر اُنہیں باقی ماندہ لوگوں سے دُنیا آباد ہوئی۔ اِس سے اُس پر دلیل قائم ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ جب چاہے، تو ایک قوم کو ہلاک کر کے اُس کی جگہ دوسری قوم کو لے آئے۔ ایسی حقیقت افروز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں ---

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ أَنْ أَنذِرْ قَوْمَكَ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ

بے شک بھیجا ہم نے نوح کو اُن کی قوم کی طرف کہ ڈرسنادو اپنی قوم کو، قبل اُس کے کہ آئے اُن کے پاس دکھ والا عذاب●

أَلِيمٌ ﴿۱﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲﴾ أَنِ ٱعْبُدُوا۟ ٱللَّهَ وَٱتَّقُوهُ وَ

انہوں نے کہا کہ "اے میری قوم! بلاشبہ میں تمہارے لیے کھلا کھلا ڈرسنا دینے والا ہوں● کہ پوجو اللہ کو اور ڈرو اُسے، اور

أَطِيعُونِ ﴿۳﴾ يَغْفِرْ لَكُم مِّن ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى

کہا مانو میرا● بخش دے گا تمہارے گناہوں کو، اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقرر مدت تک۔

إِنَّ أَجَلَ ٱللَّهِ إِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴﴾

بلاشبہ اللہ کا مقرر کردہ وقت، جب آگیا تو نہیں ہٹایا جاتا۔ اگر تم جانتے ہوتے"●

(بے شک بھیجا ہم نے نوح کو اُن کی قوم) آلِ قابیل (کی طرف) اِس حکم کے ساتھ (کہ ڈرسنادو اپنی قوم کو)، اور انہیں ڈرادو (قبل اِس کے کہ آئے اُن کے پاس دکھ والا عذاب) طوفان کی شکل میں۔۔یا۔عذابِ آخرت کی صورت میں، تو (انہوں نے کہا کہ اَے میری قوم) کے لوگو! (بلاشبہ میں تمہارے لیے کھلا کھلا ڈرسنا دینے والا ہوں)، یعنی میرا ڈرسنانا بالکل ظاہر ہے۔ پہنچاتا ہوں میں تم کو یہ حکم (کہ پوجو اللہ) تعالیٰ (کو اور ڈرو اُسے) یعنی اُس کے عذاب سے۔۔یا۔۔پرہیز کرو اُس کی نافرمانی سے۔

(اور کہا مانو میرا)، یعنی میری اطاعت کرو اُس چیز میں جو میں حکم کروں اور منع کروں۔ اللہ تعالیٰ (بخش دے گا تمہارے گناہوں کو) قبل اسلام جس کے مرتکب ہوئے ہو، (اور مہلت دے گا تمہیں ایک مقرر مدت تک)، کہ وہ زندگی کی مدت ہے۔ یعنی عقوبت اور مہلکات سے بچا کر زندہ رکھے گا۔ (بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (کا مقرر کردہ وقت جب آگیا تو نہیں ہٹایا جاتا)۔ یعنی جس کی وہ اَجل اور مدت ہے اُسے مہلت نہیں ہوتی۔ (اگر تم جانتے ہوتے) اور فکر ونظر سے کام لیتے، تو خود ہی سمجھ لیتے کہ اَجل میں تاخیر اور مہلت کی گنجائش نہیں۔

۔۔غرضیکہ۔۔حضرت نوح علیہ السلام نے نوسو پچاس[۹۵۰] برس اپنی قوم کو دعوت کی اور انہوں نے سرکشی اور عناد اختیار کر کے اُن کی ایذاء رسانی میں حد سے زیادہ کوشش کی۔ اور ہرگز اپنی طرف سے ایذاء رسانی میں کمی نہ کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت نوح تنگ آگئے۔۔اور۔۔

وقف لازم

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ۙ﴿۵﴾ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَاۗءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ﴿۶﴾ وَ

دُعا کی کہ "پروردگارا! بلاشبہ میں نے تو بُلایا اپنی قوم کو رات دن ● تو نہیں بڑھا اُن میں میرے بُلانے سے، مگر بھاگتے رہنا ● اور

اِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ

بے شک جب جب میں نے بُلایا اُنہیں کہ تُو بخش دے اُنہیں، تو دیتے رہے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں،

وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۚ﴿۷﴾

اور اوڑھ لیے اپنے کپڑے، اور ضد کرتے رہے، اور بڑے بنتے رہے بے حد ●

(دُعا کی کہ پروردگارا! بلاشبہ میں نے تو بُلایا اپنی قوم کو رات دن) ایمان اور اطاعت کی طرف، (تو نہیں بڑھا اُن میں میرے بُلانے سے مگر بھاگتے رہنا) ایمان اور اطاعت سے۔ (اور بے شک جب جب میں نے بُلایا اُنہیں) توحید اور تیری عبادت کی طرف، تا (کہ تُو بخش دے اُنہیں) عبادت قبول کرنے کے سبب سے، (تو دیتے رہے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں) اور میرے پکارنے اور دعوت سننے کی راہ اُنہوں نے بند کرلی۔ (اور اوڑھ لیے اپنے کپڑے) تاکہ مجھ کو نہ دیکھیں۔ (اور ضد کرتے رہے)، یعنی اپنے کفر و معصیت پر اَڑ گئے۔ (اور بڑے بنتے رہے بے حد) اور میری متابعت سے سرکشی کی۔

ثُمَّ اِنِّىْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۙ﴿۸﴾ ثُمَّ اِنِّىْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ۙ﴿۹﴾

پھر بے شک میں نے بُلایا اُنہیں بلند آواز سے ● پھر بے شک میں نے علانیہ بُلایا اُنہیں، اور خفیہ باتیں بھی کیں اُن سے خوب ●

(پھر) باوصف ان کے اصرار اور استکبار کے (بے شک میں نے بُلایا اُنہیں بلند آواز سے) ان کی محفلوں میں، (پھر بے شک میں نے علانیہ بلایا انہیں)، یعنی ان کے بعض کو علانیہ پکار کر مکرر میں نے دعوت دی۔ (اور خفیہ باتیں بھی کیں ان) کے بعض (سے خوب)۔۔ الغرض۔۔ جس طرح میں دعوت کر سکا دعوت کرنے سے باز نہیں رہا۔ محفلوں میں، خلوتوں میں، پوشیدہ علانیہ، حق کی طرف میں نے بُلایا۔ اور جب تیری قہاری نے اُن سے بارانِ رحمت روکا اور ان کی عورتوں کو بانجھ کر دیا، کہ ان کے اولاد ہونا موقوف ہوگئی، تو انہوں نے میری طرف رجوع کیا۔۔۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۖ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾

چنانچہ میں نے کہا کہ مغفرت مانگو اپنے رب کی۔ بے شک وہ مغفرت والا ہے• برسائے گا اوپر سے تم پر موسلا دھار بارش•

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ﴿۱۲﴾

اور بڑھائے گا تمہیں مال اور بیٹوں میں، اور بنادے گا تمہارے لیے باغ، اور کردے گا تمہارے لیے نہریں•

(چنانچہ میں نے کہا) ان سے (کہ مغفرت مانگو اپنے رب کی)، یعنی کفر سے توبہ کرو۔ (بے شک وہ مغفرت) فرمانے (والا ہے) اپنی طرف متوجہ ہونے والوں کی۔ اور اگر تم توبہ کرلو گے تو حق تعالیٰ (برسائے گا اوپر سے تم پر موسلا دھار بارش) ابر بھیج کر، جو برسے گا جھڑی لگا کر۔ (اور بڑھائے گا تمہیں مال اور بیٹوں میں)، یعنی مال اور اولاد بہت عطا فرمائے گا۔ (اور بنادے گا تمہارے لیے) میوہ دار (باغ اور کردے گا تمہارے لیے نہریں) پانی کی۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

کیا ہوا تمہیں کہ امیدواری نہیں کرتے اللہ سے وقار کی؟• حالانکہ بے شک اُس نے پیدا فرمایا تمہیں ڈھنگ ڈھنگ کے"•

(کیا ہوا تمہیں کہ امیدواری نہیں کرتے تم اللہ) تعالیٰ (سے وقار کی)، یعنی اُس کی عظمت و بزرگی کو نہیں پہچانتے اور اُس کی بزرگی کا اعتقاد نہیں کرتے، تاکہ اُس کی نافرمانی سے ڈرو۔۔یا۔۔ تم کو کیا ہے کہ اُس کی عظمت وقہاری سے نہیں ڈرتے؟ (حالانکہ بے شک اُس نے پیدا فرمایا تمہیں ڈھنگ ڈھنگ کے) یعنی طرح طرح کا، صورت اور سیرت میں مختلف۔۔یا۔۔ نطفہ کے طور سے، تھکے کے طور پر، پھر لوتھڑے کے طور پر کردیا آخر تک۔ یہ اُس کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ شاملہ کی دلیل ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا

کیا تم لوگوں نے نہ دیکھا، کہ کیسا پیدا فرمایا اللہ نے سات آسمانوں کو نیچے اوپر• اور بنایا چاند کو اُن میں روشن،

وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾

اور بنایا سورج کو چراغ•

(کیا تم لوگوں نے نہ دیکھا کہ کیسا پیدا فرمایا اللہ) تعالیٰ (نے سات آسمانوں کو نیچے اوپر)

طبقہ بر طبقہ (اور بنایا چاند کو اُن میں روشن)۔

بعض تفسیروں میں ہے کہ چاند کا 'جرم' آسمانِ دُنیا میں ہے، یعنی چاند پہلے آسمان میں ہے اور اُس کا نور سب آسمانوں میں پھیلتا ہے اُسی طرح جیسے زمین میں پھیلتا ہے اور اُس کو روشن کر دیتا ہے۔

(اور بنایا سورج کو چراغ) اہلِ زمین کا، کہ جس طرح چراغ اندھیرے کو اپنے گرد سے دُور کر دیتا ہے آفتاب رات کی تیرگی زمین پر سے ہٹا دیتا ہے۔

اور حضرت رسولِ مقبول ﷺ کو اِس جہت سے 'چراغ' فرمایا کہ آپ کے نور نے کفر اور نفاق کے اندھیرے کو عالَم سے زائل کر دیا۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ آفتاب کے نور کا کام یہ ہے کہ رات کی ظلمت کو فنا کر دے، مگر اُس کا کام یہ نہیں ہے کہ اگر کسی در و دیوار وغیرہ میں سیاہی لگی ہو تو وہ اُس کو صاف کر دے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ رات کے اندھیرے میں یہ پتا ہی نہیں لگتا سیاہی کہاں ہے، سپیدی کہاں ہے، سرخی کہاں ہے، سبزی کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

لیکن سورج نے نکل کر ظاہر کر دیا کہ دیوار کے کس حصے پر کون سا رنگ ہے، اب نگاہیں دھوکا نہیں کھاسکتیں کہ سیاہی کو سفیدی سمجھ لیں۔۔یا۔۔سبزی کو سرخی باور کر لیں۔ یہ [illegible] امتیاز دلاتا ہے۔ نورِ مصطفیٰ ﷺ کے ظہور سے پہلے پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ کفر کدھر ہے، ایمان کدھر ہے، اِخلاص کدھر ہے اور نفاق کدھر ہے، علم کدھر ہے جہالت کدھر ہے، وغیرہ وغیرہ۔

آفتابِ رسالت نے طلوع ہو کر اچھے اور بُرے کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا۔ اب کوئی کسی کو سمجھنے کے تعلق سے دھوکا اور فریب کا شکار نہیں ہوسکتا۔ یہی ہے حق و باطل کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دینے والی روشنی جس نے ساری دُنیا کے اذہان و افکار کو روشن کر دیا ہے۔

وَاللّٰهُ اَنۡۢبَتَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾

اور اللہ نے اُگایا تمہارے لیے زمین سے سبزہ●

(اور اللہ) تعالیٰ (نے اُگایا تمہارے لیے زمین سے سبزہ) یعنی عجیب سبزے، اور تمہیں اُن سے عجیب و غریب طریقے سے پیدا فرمایا، تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے واسطے سے۔۔یا۔۔سب کو اُس سے پیدا کیا، اس لیے کہ تمہیں نطفوں سے پیدا کیا اور نطفے غذاؤں سے اور غذائیں زمین سے پیدا شدہ۔

'انبات' انشاء سے استعارہ ہے کیوں کہ وہ حدوث وتکون ازارض پر زیادہ دلالت کرتا ہے، کیونکہ جب انہیں یقین ہو جائے کہ اُن کی اصل تو سبزیاں ہیں، تو وہ مان جائیں گے کہ وہ حادث اور نئی مخلوق ہیں، ایسے جیسے سبزیاں۔ حضرت مترجم قدس سرہ نے معارف القرآن میں جو ترجمہ اختیار فرمایا ہے مذکورہ بالا وضاحت اُس کی روشنی میں ہے۔

اِس آیت زیرِ تفسیر کا ترجمہ یہ بھی کیا گیا ہے کہ۔۔۔"اور اللہ نے تمہیں زمین سے ایک طرح کی روئیدگی کے ساتھ اُگایا۔۔۔" یعنی تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو پیدا کیا زمین سے، یعنی خاک سے اُن کا نہالِ ہستی اُگایا اچھا اُگانا۔ اور جب ہمارے باپ آدم علیہ السلام خاک سے پیدا ہوئے تو ہم سب خاک سے مخلوق ہیں۔

ثُمَّ يُعِيدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ إِخْرَاجًا ۝١٨ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا ۝١٩

پھر دوبارہ لے جائے گا تم لوگوں کو اُس میں، اور نکالے گا تمہیں دوبارہ• اور اللہ نے کر دیا تمہارے لیے زمین کو بستر•

ع ۱ ۔ ۲۰ ۔ ۹

لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ۝٢٠

تاکہ چلو پھرو اُس کے کشادہ راستوں میں"•

(پھر دوبارہ لے جائے گا تم لوگوں کو اُس میں) یعنی موت کے بعد زمین قبر میں۔ (اور نکالے گا تمہیں دوبارہ) حساب اور جزاء کے لیے۔ (اور اللہ) تعالیٰ (نے کر دیا تمہارے لیے زمین کو بستر) بچھونے کے مثل بچھی ہوئی، (تاکہ چلو پھرو اُس کے کشادہ راستوں میں)۔

اِن نصیحتوں کے بعد قوم نوح علیہ السلام نے غور و تامل کیا اور اُن کے خواص اور رئیسوں نے اُن کو بھڑکایا کہ جس حال پر تھے اُس سے بھی بدتر ہو گئے، اور پہلے سے بھی زیادہ ظلم کر کے نافرمانی اور عناد زیادہ کیا، تو اُن کا یہ حال دیکھ کر۔۔۔

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ

عرض کیا نوح نے کہ "پروردگارا! بلاشبہ اِن لوگوں نے گناہ کیا میرا، اور چلے اُس کے پیچھے کہ نہیں بڑھایا جس کے مال واولاد نے،

إِلَّا خَسَارًا ۝٢١ وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝٢٢

مگر خسارہ کو• اور چالبازی کرتے رہے وہ بڑی سخت•

(عرض کیا نوح نے کہ پروردگارا! بلاشبہ اِن لوگوں نے گناہ کیا میرا) یعنی میری امت کے

لوگ میرے باب میں عاصی ہوگئے، (اور چلے اُس کے پیچھے کہ نہیں بڑھایا جس کے مال واولاد نے مگر خسارہ کو)۔ یعنی اُنہوں نے میرا حکم نہ مانا اپنے رئیسوں اور سرداروں کی متابعت کی جو اپنے مال اور اولاد پر مغرور تھے، جن سے اُن کا دینی نقصان اور گمراہی بڑھتی رہی۔ (اور چالبازی کرتے رہے بڑی سخت) کہ اُس کے سبب سے کمینوں اور نادانوں کو اپنی طرف کھینچا اور مجھ کو ایذاء دینے کی ترغیب اور تحریص کی۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ

اور کہتے رہے کہ مت چھوڑنا اپنے معبودوں کو، اور مت چھوڑنا ود، اور نہ سواع۔۔

وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾

نہ یغوث ویعوق، ونسر ناموں کے بتوں کو●

(اور کہتے رہے کہ مت چھوڑنا اپنے معبودوں کو، اور مت چھوڑنا 'وَدّ'، اور نہ 'سواع' نہ 'یغوث' 'یعوق' 'ونسر' ناموں کے بتوں کو)۔ وَدّ ایک بت تھا مَرد کی صورت پر بنایا ہوا، 'سواع' ایک بت عورت کی صورت کا، 'یغوث' ایک بت تھا شیر کی صورت، 'یعوق' ایک بت تھا گھوڑے کی صورت پر، اور 'نسر' ایک بت کرگس کی شکل پر تھا۔

اور بہت مشہور بات یہ ہے کہ یہ پانچ[۵] مَردانِ صالح کے نام تھے کہ یہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ کے درمیان میں گزرے تھے اور لوگوں کو اُن سے اعتقاد تھا۔ اُن کے مرنے کے بعد شیطان نے اُن کی صورتیں لکڑی اور پتھر سے بنادی تھیں، لوگ اُن کی تعظیم کیا کرتے۔ جب زمانہ گزرا تو پرستش کرنے لگے۔ طوفانِ نوح کے بعد شیطان نے وہ بت نکال کر عرب کو اُن کی پرستش کا حکم کیا۔

قبیلہ 'بنی کلب' نے 'وَدّ' کو دومۃ الجندل میں رکھا، اور 'سواع' قبیلہ 'ہذیل' میں تھا دریا کے کنارے، اور 'یغوث' کو 'مذحج' اور 'بنی غطیف' اور 'بنی مراد' نے اختیار کیا، اور 'یعوق' ہمدان میں جا پڑا، اور 'نسر' 'اہلِ حمیر' اور 'آلِ ذی الکلاع' کا معبود تھا۔

۔۔غرضیکہ۔۔نوح علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے مناجات کی کہ خدایا! قوم کے بڑے آدمیوں نے غریب آدمیوں سے کہا کہ اُن بتوں سے ہاتھ نہ اُٹھاؤ۔۔۔

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ۝٢٤ مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ

اور بے شک اُنہوں نے بے راہ کیا بہتوں کو۔۔۔اور نہیں بڑھاتے اندھیر والے مگر بے راہی کو● اپنی کیسی خطاؤں کے سبب،

اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ۝٢٥

وہ لوگ ڈبو دیے گئے، پھر داخل کیے گئے آگ میں۔۔تو نہ پایا اپنا اللہ کے خلاف مددگاروں کو●

(اور بے شک انہوں نے بے راہ کیا بہتوں کو)۔یعنی ان بتوں کے سبب سے بہتیرے آدمیوں اور کمزور لوگوں کو قوم کے رؤساء نے گمراہ کیا۔(اور نہیں بڑھاتے اندھیر والے مگر بے راہی کو)۔۔یا یہ کہ۔۔"اے میرے رب! نہ زیادہ کر ظالموں کے لیے مگر عذاب اور ہلاکت۔" تو (اپنی کیسی عظیم (خطاؤں کے سبب وہ لوگ ڈبو دیئے گئے) طوفان میں، (پھر داخل کیے گئے آگ میں) قبروں کے اندر۔۔اور بعضوں نے کہا کہ آخرت میں داخل کیے جائیں گے۔۔۔(تو نہ پایا اپنا اللہ) تعالیٰ کے خلاف مددگاروں کو)۔یعنی پھر نہ پایا انہوں نے اپنے واسطے اُن میں سے جنہیں خدا ٹھہرایا تھا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار، جو عذابِ طوفان کو اُن پر سے روکے۔

روایت ہے کہ "حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو خبر دی کہ اب اور کوئی تیری قوم سے ایمان نہ لائے گا اور اُن سے کوئی لڑکا بھی ایسا پیدا نہ ہوگا جو ایمان لائے۔" تو مناجات کی۔۔۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝٢٦ اِنَّكَ اِنْ

اور دُعا کی نوح نے کہ "پروردگارا! نہ چھوڑ زمین پر کافروں سے کوئی بسنے والا● بے شک تُو نے اگر

تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝٢٧

چھوڑ رکھا اُنہیں، تو بے راہ رکھیں گے تیرے سب بندوں کو، اور نہ جنیں گے مگر بدکار ناشکرے"●

(اور دُعا کی نوح نے کہ پروردگارا! نہ چھوڑ زمین پر کافروں سے کوئی بسنے والا)۔۔۔اس سے ہلاکِ عام مراد ہے، یعنی کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ، کیونکہ۔۔۔(بے شک تُو نے اگر چھوڑ رکھا اُنہیں، تو بے راہ رکھیں گے تیرے سب بندوں کو)، یعنی مؤمنوں کو بہکاتے اور بھڑکاتے رہیں گے (اور نہ جنیں گے مگر بدکار ناشکرے)۔یعنی اُن کے لڑکے پیدا ہو کر جب بالغ ہوں گے تو کفار و فجار و غدار ہوں گے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ

"پروردگارا! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو اور اُسے جو داخل ہوا میرے گھر میں مانتا ہوا، اور مسلمان مَردوں اور عورتوں کو،

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

اور مت بڑھا ان اندھیر والوں میں مگر بربادی"●

(پروردگارا! بخش دے مجھے اور میرے ماں باپ کو)۔ چونکہ دونوں مؤمن تھے اس لیے حضرت نوح نے اُن کی مغفرت کی دُعا فرمائی۔ (اور) بخش دے (اُسے جو داخل ہوا میرے گھر میں) یعنی میرے ٹھہرنے کی جگہ۔۔یا۔۔میرے کھیت۔۔یا۔۔مسجد میں (مانتا ہوا)، یعنی اس حال میں کہ مؤمن ہو۔ (اور) بخش دے سارے ہی (مسلمان مَردوں اور عورتوں کو) جو قیامت تک ہوں۔

اور بعضوں نے کہا کہ اِس سے امتِ مرحومہ کے لوگ مراد ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا کافروں کے باب میں مقبول ہوئی، اُسی طرح مؤمنوں کے باب میں بھی قبول ہوئی۔ حضرت نوح کی دُعا کے آخری کلمات یہ تھے۔

(اور مت بڑھا اُن اندھیر والوں میں مگر بربادی)، یعنی کافروں کو سختی کے ساتھ ہلاک فرمادے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اختتام سورۂ نوح ۔۔ ﴿۳۰ رشوال المکرم ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۸ رستمبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔بروز سہ شنبہ﴾ ۔۔

۔۔ ﴿۱۸ رذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۵ راکتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔بروز جمعہ﴾ ۔۔

سُوْرَۃُ الْجِنّ

سورۂ الجن۔۔۷۲ مکیہ ۴۰ — آیاتہا ۲۸۔۔رکوعاتہا ۲

اِس سورۂ مبارکہ کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے جس میں جنوں کے ایک گروہ کا ذکر ہے۔ یہ سورۂ مبارکہ 'الاعراف' کے بعد اور 'یٰسین' سے پہلے بعثتِ نبی کریم ﷺ کے ابتدائی عشرہ میں نازل ہوئی۔ جن کا ایک گروہ 'بطن نخلہ' میں رسولِ مقبول ﷺ کی ملازمت سے شرف اندوز ہوا، اور آپ کی زبانِ مبارک سے قرآن شریف سن کر وہ سب جن ایمان لے آئے۔ اور وہ نو جن تھے۔۔یا۔۔سات۔ اُن میں سے تین نجران کے تھے،

چار نصیبین کے۔ وہ اپنے قبیلے میں بڑے اور بزرگ تھے اور ابلیس کا تمام لشکر انہیں سے ہے۔
اور وہ گروہ جو ایمان لایا تھا اُس نے اپنی قوم میں جا کر انواع واقسام کی باتیں کہیں۔ حق تعالیٰ
اِس سورت میں اُن کی خبر دیتا ہے، تو اِس مبارک سورت کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین
کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

قُلۡ اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسۡتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الۡجِنِّ فَقَالُوۡۤا اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۝١

کہہ دو کہ "وحی بھیجی گئی ہے میری طرف کہ بلاشبہ یہ واقعہ ہوا کہ خوب سنا چند جنوں نے، تو بولے کہ بے شک ہم نے سنا نادر قرآن •

یَّهۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ؕ وَلَنۡ نُّشۡرِكَ بِرَبِّنَاۤ اَحَدًا ۝٢

جو راہ دیتا ہے ہدایت کی طرف، لہٰذا امان لیا ہم نے اُس کو، اور ہرگز نہ شریک بنائیں گے اپنے رب کا کسی کو•

اَے محبوب! (کہہ دو) اور سب کو باخبر کر دو (کہ وحی بھیجی گئی ہے میری طرف کہ بلاشبہ یہ
واقعہ ہوا کہ خوب سنا چند جنوں نے) جو دس سے کم تھے اور تین سے زیادہ، (تو بولے) جب اپنی قوم
میں گئے (کہ) اَے قوم کے لوگو! (بے شک ہم نے سنا نادر قرآن) جو آدمی کے کلام سے نہیں ملتا اور
کوئی ایسی عبارت بنانے کی قدرت نہیں رکھتا، (جو راہ دیتا ہے ہدایت کی طرف) یعنی راستی اور صواب
اور دین دُنیا کی صلاح کی طرف۔ (لہٰذا امان لیا ہم نے اُس کو اور) اب (ہرگز نہ شریک بنائیں گے
اپنے رب کا کسی کو) یعنی بت اور شیطان وغیرہ کو، جس طرح پہلے ہم شرک کرتے تھے۔

وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝٣ وَّ اَنَّهٗ كَانَ

اور بے شک واقعہ ہے کہ بلند وبالا ہے ہمارے رب کی شان، اُس نے نہیں رکھا کوئی بی بی اور نہ اولاد • اور بے شک

یَقُوۡلُ سَفِیۡهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا ۝٤

بکا کرتے تھے ہم میں کے بے وقوف، اللہ پر جھوٹ •

(اور بے شک واقعہ ہے کہ بلند وبالا ہے ہمارے رب کی شان)۔۔۔یا۔۔۔برتر ہے اُس کی
عظمت وجلال مخلوقات کے ساتھ ہم جنس ہونے سے، تو (اُس نے نہیں رکھا کوئی بی بی) جیسا کہ بنو ملیح

کہتے ہیں، (اور نہ اولاد) جیسا کہ یہود ونصاریٰ عزیر اور عیسیٰ علیہما السلام کی نسبت فرزندِ خدا ہونے کا اعت
کرتے ہیں۔ (اور بے شک بکا کرتے تھے ہم میں کے بے وقوف) خاص کر کے ان کا سردار ابلیس
(اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ)، کہ اُس کی طرف جورو اور لڑکوں کی نسبت کرتا ہے۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۙ وَّاَنَّهٗ كَا

اور بے شک ہم سمجھے تھے کہ نہ بولیں گے انسان اور جن، اللہ پر جھوٹ بولی • اور بے شک

رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ⑥

کچھ مرد آدمی تھے، کہ پناہ لیتے تھے کچھ جن مَردوں کی، تو بڑھا دی اُن کی ڈینگ •

(اور بے شک ہم سمجھے تھے کہ نہ بولیں گے انسان اور جن اللہ) تعالیٰ (پر جھوٹ بولی)۔
لیے ابلیس جو کہتا تھا ہم باور کر لیتے تھے۔ جب ہم نے قرآن سنا تو معلوم ہوا کہ وہ خدا پر جھوٹ باند
تھا۔ (اور بے شک) جنوں کی سرکشی کا سبب یہ بھی تھا کہ (کچھ مَرد آدمی تھے کہ پناہ لیتے تھے کچھ ج
مَردوں کی) اِس طرح پر کہ جب کوئی مَرد ہولناک میدان میں پہنچتا تو کہتا کہ میں پناہ لیتا ہوں اِس جن
کے سردار کی قوم کے نادانوں کے شر سے۔
اور اعتقاد یہ تھا کہ اِس پناہ مانگنے سے وہ شخص سالم اور امن میں رہتا ہے۔ اور اہلِ مکہ ہولنا
مقام میں کہتے تھے کہ پناہ مانگتے ہیں ہم حذیفہ بن بدر کی اِس جنگل کے جن کے شر سے۔۔ (تو بڑھا دی
آدمیوں نے جنوں کے واسطے اِس پناہ مانگنے کے سبب سے (اُن) جنوں (کی ڈینگ)۔ یعنی ان
تکبر اور اُن کی سرکشی اور جہالت یہاں تک کہ جن کہتے تھے کہ ہماری بزرگی اِس درجہ ہے کہ آدمی
سے پناہ ڈھونڈتے ہیں۔

وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ⑦

اور اُنہوں نے سمجھ رکھا تھا جیسا کہ تم لوگوں نے سمجھ رکھا ہے، کہ ہرگز نہ بھیجے گا اللہ کسی نبی کو •

(اور انہوں نے) یعنی کافر آدمیوں نے (سمجھ رکھا تھا جیسا کہ) اے جنو! (تم لوگوں نے
رکھا ہے کہ ہرگز نہ بھیجے گا اللہ) تعالیٰ (کسی نبی کو) جو حشر ونشر کی باتیں بتائے۔۔ یا یہ کہ۔۔ نہ اٹھائے
خدا کسی کو حساب اور جزا کے واسطے۔

وَّاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝۸

اور بلاشبہ ہم نے چھوا آسمان کو، تو پایا ہم نے اُسے کہ بھر دیا گیا ہے سخت پہروں اور شعلوں سے●

(اور بلاشبہ ہم نے چھوا آسمان کو) یعنی مَس کیا آسمان کو، چُرا کر بات سننے کو ہم اوپر گئے اور ہم نے چاہا کہ آسمان میں ہم چلے جائیں، تو جب ہم نے اوپر جانے کی کوشش کی، (تو پایا ہم نے اُسے کہ بھر دیا گیا ہے سخت پہروں) سے، یعنی قوی پہریدار فرشتوں سے جو جنوں کو اوپر جانے سے روکنے کے لیے نامزد ہیں، (اور شعلوں سے) جو شیطانوں کو ہانکنے کے واسطے متعین ہوئے ہیں۔ پیغمبر اسلام کی بعثت سے پہلے صورتِ حال کچھ اور تھی۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ہم آسمانوں پر جاتے اور بیٹھنے کی جگہوں پر بیٹھتے تھے، نہ پاسبان روکتے تھے نہ ستاروں کی آگ سے ہم ہنکائے جاتے تھے۔۔۔

وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ

اور بے شک ہم بیٹھا کرتے تھے وہاں جابجا سننے کو۔ تو اب جو سننا چاہے، پائے گا اپنے لیے

شِهَابًا رَّصَدًا ۝۹ وَّاَنَّا لَا نَدْرِيْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِى الْاَرْضِ

شعلہ کو گھات میں● اور بے شک ہم نہیں قیاس کر سکتے کہ آیا بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے زمین والوں سے،

اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝۱۰

یا ارادہ فرمایا ہے اُن کے لیے اُن کے رب نے بھلائی کا●

(اور بے شک ہم بیٹھا کرتے تھے وہاں جابجا) آسمانی خبریں (سننے کو۔ تو اب جو) جن (سننا چاہے، پائے گا اپنے لیے شعلہ کو گھات میں● اور بے شک ہم نہیں قیاس کر سکتے کہ آیا بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے زمین والوں سے، یا ارادہ فرمایا ہے اُن کے لیے) یعنی اُن کے حق میں (اُن کے رب نے بھلائی کا)۔ یعنی ہم کو یہ معلوم نہیں کہ چوری چھپے فرشتوں کی بات سننے سے زمین والوں کے ساتھ کسی خیر کا ارادہ کیا گیا ہے۔۔۔یا۔۔۔شر کا۔

۔۔۔یا یہ کہ۔۔۔

سیدنا محمد ﷺ کی بعثت سے زمین والوں کے ساتھ شر کا ارادہ کیا گیا ہے تاکہ وہ آپ کی نبوت کی تکذیب کر کے ہلاک ہو جائیں جس طرح پچھلی امتیں اپنے نبیوں کی تکذیب کر کے ہلاک ہو گئیں ۔۔۔یا۔۔۔ آپ کی بعثت سے اُن کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا گیا ہے تاکہ وہ آپ پر ایمان لا کر ہدایت پا جائیں

اور دُنیا وآخرت میں سرفراز ہوں۔

وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ﴿۱۱﴾

اور بے شک ہم میں بعض نیک ہیں، اور بعض اُن کے خلاف ہیں، ہم الگ الگ راہ رہے●

(اور بے شک ہم میں) یعنی ہماری جنس میں (بعض نیک ہیں) یعنی مؤمن ہیں، اور نیک کام کرنے والے خیر میں سبقت لے جانے والے ہیں، (اور بعض اُن کے خلاف ہیں) یعنی اُن سے کمتر ہیں یعنی خیر اور شر میں اوسط راہ چلنے والے ہیں۔۔المختصر۔۔(ہم الگ الگ راہ رہے) یعنی ہم ہیں مختلف اور متفرق طریقوں اور مذہبوں والے۔

حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ جس طرح آدمیوں میں مختلف مذہبوں کے لوگ ہیں، جیسے قدریہ، مرجیہ، رافضی وغیرہ، اِسی طرح جنوں میں بھی ہیں۔

وَّاَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ﴿۱۲﴾

اور بے شک ہم نے سمجھ لیا کہ ہم ہرگز نہیں بے قابو کر سکتے اللہ کو زمین میں کہیں، اور نہ بے قابو کر سکتے ہیں اُسے بھاگ کر●

(اور بے شک ہم نے سمجھ لیا کہ ہم ہرگز نہیں بے قابو کر سکتے اللہ) تعالیٰ (کو زمین میں کہیں)۔ یعنی اگر حق تعالیٰ ہمارے ساتھ کچھ کیا چاہے، تو ہم اُسے اُس میں عاجز نہ کر سکیں گے اپنے مقام میں مقابلہ اور مقاومت کے واسطے ثابت قدم اور ساکن رہ کر۔ (اور نہ) ہی (بے قابو کر سکتے ہیں اُسے بھاگ کر) زمین کے اطراف اور کوہ قاف کے حوالی میں۔۔الحاصل۔۔اگر حق تعالیٰ ہمارے ساتھ کچھ کرنا چاہے، تو ہم میں طاقت نہیں کہ اُس کام کے کرنے سے اُسے عاجز کر دیں اور اُس کام سے باز رکھیں۔۔یوں ہی۔۔اگر وہ ہمیں اپنی گرفت میں لینا چاہے، تو ہم اِدھر اُدھر بھاگ کر اپنے کو اُس کی پکڑ سے بچا نہیں سکتے۔

وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ

اور بے شک جب سن لیا ہم نے ہدایت کو تو مان گئے اُس کو۔ کہ جو مانے گا اپنے رب کو،

فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا ﴿۱۳﴾

تو نہ ڈرے گا کسی کمی کو نہ بیشی کو●

(اور بے شک جب سن لیا ہم نے ہدایت کو) یعنی قرآن کو جو سارے اہلِ عالم کے لیے سببِ ہدایت ہے، (تو مان گئے اُس کو)۔۔یا۔۔جس سے سنا یعنی رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم، تو اُن پر ایمان لائے۔

چونکہ یہ بات مقرر ہے کہ جنوں کی طرف کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوا مگر جناب رسول اکرم ﷺ، کہ آپ کی دعوت جن اور انس دونوں کو پہنچی ہوئی ہے۔

۔۔المختصر۔۔قرآن سنانے والے پیغمبر پر ہم ایمان لائے اور خدا کو ماننے کی جو انہوں نے دعوت دی اُس کو ہم نے قبول کیا۔ کیوں (کہ جو مانے گا اپنے رب کو، تو نہ ڈرے گا کسی کمی کو، نہ بیشی کو)۔ نہ اُس کی جزا میں کوئی کمی ہوگی اور نہ ہی اُس پر کوئی ظلم وزیادتی ہوگی۔۔الغرض۔۔کسی طور پر بھی اُس کو اپنی حق تلفی کا خوف نہ ہوگا، اور نہ ہی ظلم وزیادتی کا ڈر ہوگا۔

وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾

اور بے شک ہم میں کچھ مسلمان ہیں اور کچھ ظالم ہیں، تو جس نے اسلام قبول کیا، تو انہوں نے مقصود بنایا ہدایت کو●

وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾

اور رہے ظالم، تو وہ ہوئے جہنم کے ایندھن●

(اور بے شک ہم میں کچھ مسلمان ہیں) جو پیغمبر پر ایمان لائے ہوئے ہیں اور دینِ اسلام کو قبول کیے ہوئے ہیں، (اور کچھ ظالم ہیں) جو شرک کرتے ہیں اور خدا کا حکم نہیں مانتے، (تو جس نے اسلام قبول کیا) جس طرح ہم نے قبول کرلیا ہے، (تو انہوں نے مقصود بنایا ہدایت کو)۔ یعنی سیدھی راہ کا قصد کیا تو وہ اُس راہ سے مقصد تک پہنچیں گے۔ (اور رہے ظالم!) جو حق پر ایمان نہ لائے، (تو وہ ہوئے جہنم کے ایندھن)۔ اُن کے سبب سے آگ بھڑکائی اور دہکائی جائے گی، جیسے کہ کافر آدمیوں سے سلگائی جائے گی۔

وَّاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّاۗءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾

اور یہ بھی وحی کی گئی ہے کہ "اگر لوگ سیدھے چلتے راہ پر، تو یقیناً ہم سیراب کرتے اُنہیں پانی سے بافراط●

(اور یہ بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر) مکہ کے (لوگ سیدھے چلتے راہ پر) اور ایمان لے آتے،

(تو یقیناً ہم سیراب کرتے انہیں پانی سے بافراط) بہت قحط اور تنگ سالی کے بعد، یعنی ہم ان پر روزی کشادہ کردیتے۔

--یا--

اگر جن اسلام پر استقامت اختیار کریں، تو اُن کو ہم بہت صاحبِ نعمت کریں گے۔ یعنی دوزخ کی وعید سے اُن کو ہم امان دیں گے اور یہ بہت بڑی نعمت ہے۔

اور مفسروں کے ایک گروہ نے 'عام' لیا ہے، یعنی اگر جن اور انس اسلام پر مستقیم رہیں، تو ہم اُن پر معیشت کشادہ کردیں گے۔۔۔

لِّنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَمَن يُعْرِضْ عَن ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٧﴾

تاکہ آزمائیں اُنہیں اُس بارے میں۔ اور جو منہ پھیرے اپنے رب کے ذکر سے، تو گھسیٹے گا اُسے بڑھتے چڑھتے والے عذاب میں●

(تاکہ آزمائیں انہیں اِس بارے میں) کہ وہ نعمت کا شکر ادا کرنے میں کیونکر قیام کرتے ہیں۔ (اور جو منہ پھیرے اپنے رب کے ذکر سے)، یعنی اُس کی نعمت یاد کرکے اُس کی شکرگزاری نہ کرے، (تو گھسیٹے گا اُسے بڑھتے چڑھتے والے عذاب میں) جس میں راحت ہوگی نہ فرحت، یعنی اُسے دوزخ میں داخل فرمادے گا۔

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ﴿١٨﴾

اور بے شک مسجدیں اللہ کے لیے ہیں، تو مت دُہائی دو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی●

(اور) مجھ پر یہ بھی وحی آئی ہے کہ (بے شک مسجدیں اللہ) تعالیٰ (کے لیے ہیں) اور اُسی کی عبادت کے لیے خاص ہیں، (تو مت دُہائی دو اللہ) تعالیٰ (کے ساتھ کسی اور معبود کی)، جس طرح یہود و نصاریٰ اپنے کنیسوں اور صومعوں میں حضرت عزیر اور مسیح علیہما السلام کو خدائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ اور جس طرح بیت الحرام کے گرداگرد کہتے ہیں کہ "لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ اِلَّا شَرِيْكٌ هُوَلَكَ"۔

اور بعضوں نے کہا کہ اُن مساجد سے تمام روئے زمین مراد ہے کہ حضرت سید المرسلین ﷺ کی مسجد ہے، اس واسطے کہ آپ نے فرمایا "جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا" یعنی کردی گئی میرے واسطے تمام زمین مسجد اور پاک، تو زمین کے کسی قطعہ اور کسی بقعہ میں

خدا کی یاد کے ساتھ کسی دوسرے کی اُسے معبود سمجھ کر دُہائی باطل ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی الٰہیت اور اُلوہیت والا سمجھنا کفر و شرک ہے۔ ...لیے کسی جگہ بھی اور کسی کو بھی خدا کے سوا مستحقِ عبادت نہ سمجھو۔۔۔

ع ۱ ۱۹ ۱۱

وَّاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾

اور بے شک جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ، کہ معبود کی دُہائی دے، تو ہو جانے لگی اُس پر بھیڑ"•

(اور بے شک جب کھڑا ہوا اللہ) تعالیٰ (کا بندہ) محمد رسول اللہ ﷺ 'بطنِ نخلہ میں، (کہ ...بود کی دُہائی دے) اور نماز پڑھے۔۔ چنانچہ۔۔اُس نے نماز کی قرأت شروع فرمادی (تو) قرأت سننے ...ے لیے (ہو جانے لگی اُس پر) جنوں کی (بھیڑ) کلامِ الٰہی کے سننے کے شوق میں۔

اِس ارشاد میں رسولِ کریم کو 'عبداللہ' کے نام سے یاد فرمایا گیا ہے اس لیے بعض صحابہء کرام کے بقول، رسولِ خدا ﷺ پر اُس سے زیادہ کوئی نام پسند نہیں آیا، اس واسطے کہ شرطِ عبادت اور عبودیت پر جس طرح آنحضرت ﷺ نے قیام فرمایا، اُس طرح کسی کو اُس پر قیام کرنے کی قدرت نہ تھی۔ تو لاجرم منازلِ ملکی پر عروج کے وقت آپ اِس نام سے ذکر کیے گئے **سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ** اور مدارجِ فلکی سے قرآن اترنے کے وقت بھی آپ کو اُسی نام سے یاد فرمایا **تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ**۔

مکہ کے کافروں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ تم نے عجب کام اختیار کیا ہے اور بڑا مہلکہ شروع کیا ہے، اِس مہم سے پھرو اور اِس کام سے رجوع کرو تاکہ ہم تم کو پناہ دیں اور تمہاری حمایت کریں، تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اَے محبوب!۔۔۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾

کہہ دو کہ "میں دُہائی دیتا ہوں بس اپنے رب ہی کی، اور نہیں شریک بناتا اُس کا کسی کو"• کہہ دو کہ "میں خود مختار نہیں ہوں تمہارے کسی بُرے کا اور نہ بھلے کا"•

(کہہ دو کہ میں دُہائی دیتا ہوں بس اپنے رب ہی کی اور نہیں شریک بناتا اُس کا کسی کو)۔ یعنی ...میں اپنے رب کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتا، تو یہ کون سی عجیب بات ہوئی جو ہلاکت آفریں ہو۔ اور

اَے محبوب! رہ گئی دفع ضرر اور جلبِ منفعت کی بات، تو اس کے تعلق سے (کہہ دو کہ میں خودمختار نہیں) ہوں تمہارے کسی بُرے کا اور نہ بھلے کا)۔ یعنی تمہارے لیے اَز خود کسی ضرر اور بھلائی کا مالک نہیں۔ میں بندہ ہوں اور بندے کا کام خدا کی عبادت ہے۔۔اور۔۔

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۙ

کہہ دو کہ "بے شک نہیں بچا سکتا مجھے اللہ سے کوئی دوسرا۔۔اور ہرگز نہ پا سکتا اُس کے خلاف کوئی پناہ گاہ●

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِسٰلٰتِهٖ ؕ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ

سوا اللہ کی پیغامبری اور رسالتوں کے۔" اور جو گناہ کرے اللہ اور اُس کے رسول کا، تو بلاشبہ اُس کے لیے

نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ﴿۲۳﴾

جہنم کی آگ ہے، ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے اُس میں●

(کہہ دو کہ بے شک نہیں بچا سکتا مجھے اللہ) تعالیٰ (سے کوئی دوسرا)۔۔۔ یعنی اگر خدا مجھ پر عذاب کرنا چاہے تو کوئی میری حمایت نہیں کر سکتا۔ (اور ہرگز نہ پا سکتا اُس کے خلاف کوئی پناہ گاہ) جس کی طرف ہم متوجہ ہوں۔ یعنی بے شک مجھے ہرگز اللہ سے کوئی نہ بچائے گا اور میں ہرگز اُس کے سوا کوئی پناہ نہ پاؤں گا (سوا اللہ) تعالیٰ (کی پیغامبری اور رسالتوں کے)۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ کے پیغاموں کو پہنچانا اور اُس کی رسالت کی امانت کو اَدا کرنا میرے ذمہ ہے۔

(اور جو گناہ کرے اللہ) تعالیٰ (اور اُس کے رسول کا، تو بلاشبہ اُس کے لیے جہنم کی آگ ہے) وہ (ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے) ہیں (اُس میں)۔ اَے محبوب! آج یہ کافر تجھ کو کمزور اور بے یار و مددگار جانتے ہیں اور تیرے باب میں عاصی اور گنہگار ہوتے ہیں، تو یہ اَبدی کافر کبھی نہ مانیں گے۔۔۔

حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا

یہاں تک کہ جب دیکھ پائے جس کا وعدہ دیے جاتے ہیں، اب جلد جان لیں گے، کہ کون کمزور رکھتا ہے مددگار،

وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

اور کم بھی شمار میں●

(یہاں تک کہ جب دیکھ پائے) یعنی دیکھیں گے اُس عذاب کو (جس کا وعدہ دیے جا

ں،اب جلد جان لیں گے کہ کون کمزور رکھتا ہے مددگار اور کم بھی شمار میں)۔یعنی کس کے مددگار کمزور
ں اور گنتی میں کم ہیں،اور کس کے مددگار قوت اور شمار میں زیادہ ہیں۔
یہ آیت سن کر کافروں نے کہا کہ" آخر وہ وعدہ کب پورا ہوگا اور وہ امر عذاب کب ظاہر ہوگا،" تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْۤ اَمَدًا ﴿۲۵﴾

کہہ دو" میں اٹکل سے نہیں کہہ سکتا، کہ قریب ہے جو وعدہ دیے جاتے ہو، یا کردے گا اُس کو میرا رب دراز"●

(کہہ دو) کہ جو کچھ وعدہ کیا ہے صحیح اور درست ہے، مگر اُس کا وقت ابھی مجھ پر پوشیدہ رکھا گیا ہے،تو (میں) اپنی (اٹکل سے نہیں کہہ سکتا کہ قریب ہے) وہ عذاب (جو وعدہ دیئے جاتے ہو)، یعنی جس کے نازل ہونے کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، (یا کردے گا اُس کو میرا رب دراز)، یعنی اُس کے نزول کے زمانے کو دُور کردے گا۔ المختصر۔ حسب وعدہ وہ عذاب ضرور آئے گا، خواہ جلدی آئے ۔۔یا۔۔دیر میں۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ

اور وہ غیب کا جاننے والا ہے، تو نہیں مکمل آگاہی دیتا غیب پر کسی کو● مگر جسے چن لیا رسول سے،

فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

کہ بلاشبہ وہ لگا دیتا ہے رسول کے آگے پیچھے پہرہ●

(اور) بے شک (وہ) یعنی حق تعالیٰ (غیب کا جاننے والا ہے، تو نہیں مکمل آگاہی دیتا) اپنے (غیب پر کسی کو● مگر جسے چن لیا) اور پسند کر لیا اپنے (رسول سے)، اُسے اُن میں سے بعض پر اطلاع دیتا ہے تاکہ اُس رسول کا معجزہ ہو۔۔۔اور 'مرتضیٰ رسولوں' میں سب سے اعلیٰ محمد ﷺ ہیں۔۔۔(کہ بلاشبہ وہ لگا دیتا ہے رسول کے آگے پیچھے پہرہ)، یعنی نگہبان مقرر فرما دیتا ہے۔۔۔

لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی

تاکہ بتادے کہ اُنہوں نے پہنچادیا اپنے رب کے پیغام کو، اور گھیر لیا جو کچھ اُن کے پاس ہے، اور شمار کرلیا

ع ۱۶ / ۱۲

كُلَّ شَيۡءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾

ہر چیز کو گنتی میں•

(تا کہ) حق تعالیٰ (بتادے) اور ظاہر فرمادے (کہ انہوں نے) یعنی اُن سب رسولوں نے (پہنچادیا اپنے رب کے پیغام کو اور گھیر لیا جو کچھ اُن کے پاس ہے)، یعنی جو کچھ اُن کے پاس ہے سب کا اللہ تعالیٰ نے احاطہ فرمالیا (اور شمار کرلیا ہر چیز کو گنتی میں)، یعنی ہر چیز کی گنتی کو اُس نے پورا کرلیا۔ کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ احاطہ کرلیا خدا کے علم نے اُس چیز کا جو رسولوں اور فرشتوں کے پاس ہے اور گن لیا ہے عدد کی رُو سے یہاں تک کہ مینھ کے قطرے اور میدان کی ریت اور اُس کے امثال۔۔الغرض۔۔ سب کو جانتا ہے۔

اس سے سب معلوم کے ساتھ اُس کا کمالِ علم مراد ہے، یعنی مطلقاً کوئی معلوم اُس کے دائرۂ علم سے باہر نہیں ہے۔

اختتام سورۃ الجن ۔۔ ﴿ ۱۹؍ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۶؍اکتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔بروز شنبہ ﴾ ۔۔

۔۔ ﴿ ۱۹؍ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۶؍اکتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔بروز شنبہ ﴾ ۔۔

سُوۡرَۃُ الۡمُزَّمِّلِ

سورۃ المزمل ۷۳ مکیۃ ۳ — آیاتہا ۲۰ رکوعاتہا ۲

سورۃ المزمل ۔۔۷۳ مکیہ ۳ — آیاتہا ۲۰ ۔۔رکوعاتہا ۲

اِس سورۂ مبارکہ کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے، جس میں آپ ﷺ کو لطف و مہربانی اور پیار و محبت کے ساتھ مخاطب فرمایا گیا ہے۔ روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ جب مبعوث ہوئے تو اس زمانہ کی ابتداء میں آپ نماز پڑھتے اور ایک کمل اوڑھے رہتے، ام المؤمنین حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ وہ کمل چادر کے مثل تھا چودہ گز کا۔ نصف مجھ پر رہتا اور نصف رسول اللہ ﷺ اوڑھ لیتے۔ اور اُسی کو اوڑھے ہوئے نماز پڑھتے، تو حق تعالیٰ نے آپ سے خطاب فرمایا اور خطاب میں آپ کے اسم شریف کے ذکر کی بجائے، آپ کو آپ کی پیاری اَدا سے مخاطب فرمایا، تو ایسی لطف و کرم اور پیارے اندازِ تخاطب پر مشتمل ہونے والی سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الۡمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّیۡلَ اِلَّا قَلِیۡلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصۡفَهٗۤ اَوِ انۡقُصۡ مِنۡهُ قَلِیۡلًا ۙ﴿۳﴾

اے چادر کی جھرمٹ مارنے والے! جاگو رات کو عبادت میں، مگر کچھ حصہ آدھی رات یا اُس سے کم کردو

اَوۡ زِدۡ عَلَیۡهِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ﴿۴﴾

یا بڑھادو اُس پر کچھ، اور قرآن کو پڑھو ٹھہر ٹھہر کر

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

(اے چادر کی جھرمٹ مارنے والے! جاگو رات کو عبادت میں)۔ یعنی رات کو نماز کے واسطے اُٹھو، (مگر کچھ حصہ) یعنی تھوڑی رات۔

رات کو اُٹھ کر نماز پڑھنا ابتدائے اسلام میں فرض تھا، اور تین مقداروں میں اختیار دیا گیا تھا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ شب کو نماز کے واسطے اُٹھو مگر تھوڑی رات یعنی۔۔۔

(آدھی رات یا اِس سے کم کردو) جو تہائی رات ہو اور اِس سے کم نہ چاہیے (یا بڑھادو اس پر کچھ) یعنی آدھی رات پر بڑھادو کہ دو تہائیوں تک پہنچے۔۔۔ اور یہ نہایت تھی۔۔۔ (اور قرآن کو پڑھو ٹھہر ٹھہر کر) آہستگی کے ساتھ۔۔۔ یا۔۔۔ اُس کے حروف تلاوت کے وقت ظاہر کر۔ ظاہر کرنا ایسا کہ سننے والا اُس کو شمار کر سکے۔

حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے منقول ہے کہ ترتیل سے وقفوں کو یاد رکھنا اور حرفوں کا اَدا کرنا مراد ہے۔

اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡكَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ﴿۵﴾

بے شک ہم اب اُتاریں گے تم پر گراں وزن بات

(بے شک ہم اب اتاریں گے) اور وحی فرمائیں گے (تم پر گراں وزن بات)۔ یعنی ایسا کلام جو تکالیفِ شاقہ پر مشتمل ہوگا، ایسا کہ مکلفوں پر اُس کا اُٹھانا گراں ہو۔

--یا--

گراں ہوامرونہی، وعدہ وعید، حلال حرام حدوداحکام کی جہت سے۔

--یا--

اُس کا سننا کافروں کو گراں ہو اور اُس کا سمجھنا منافقوں پر بھاری ہو۔

--یا--

ثقیل ہو تجھ پر اُسے لینا۔

اور وہ وحی کی سخت صورت ہے کہ حضرت ﷺ 'جرس' کی سی آواز سنتے تھے اور فقط آواز سے مخرجوں پر بے اعتماد کیے ہوئے حروف اور کلمات کا لینا عادت کیے ہوئے طریقہ سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ اور اس جہت سے اُس حال میں حضرت سید عالم ﷺ پر نہایت گرانی پہنچتی تھی۔۔ چنانچہ۔۔ اُم المومنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے کہ ایک دن نہایت شدت سے جاڑا تھا، میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ پر وحی اترتی ہے اور آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرے ٹپکتے ہیں۔

اس طرح پر جو اوپر ذکر کی گئی، جب وحی آتی اور آپ اونٹ پر سوار ہوتے، تو اونٹ کے ہاتھ پاؤں ٹیڑھے ہو جاتے۔ اور اپنے اصحاب میں سے اگر کسی کی ران کا تکیہ آپ لگائے ہوتے، تو اُسے ران ٹوٹ جانے کا خوف ہوتا، اور ایسے محل میں چہرۂ مبارک زیادہ منور اور روشن ہو جاتا۔

بحرالحقائق میں ہے کہ قرآن کریم فی نفسہٖ مفصل ہے اور سب آسمانی اُتری ہوئی کتابوں کی بہ نسبت اجمالی صورت رکھتا ہے، اس واسطے کہ سب کی تصدیق کرنے والا اور سب کے مطابق ہے۔ پس قرآن کا ثقل اُس کی جمعیت کی طرف اشارہ ہے، کہ وہ 'صورتِ اجمالی' اور 'صورتِ تفصیلی' دونوں کو جمع کرنے والا ہے۔ اور دو امروں کو جمع کرنے والا یقیناً بہت بھاری اور بہت بزرگ اور بہت کامل اور بہت بڑا ہوگا۔ اور ایسا بوجھ اُٹھانے والا 'صاحب جمعیت' کے سوا اور کوئی نہ چاہیے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۞

بے شک رات کا اُٹھنا، یہ زیادہ ہے نفس پر دباؤ ڈالنے کو، اور بہت ٹھیک ہے کچھ بولنے کو۔

(بے شک رات کا اُٹھنا، یہ زیادہ ہے نفس پر دباؤ ڈالنے کو) اور بہت سخت ہے رنج اور کلفت

کرو سے، اس واسطے کہ راحت اور نیند کو چھوڑ دینا نفس پر نہایت شاق ہے۔

--یا--

شب کو عبادت کرنے میں فراغت بڑی ہے، اس واسطے کہ دن کو بابِ معیشت میں دِل مشغول مصروف رہتے ہیں، اور رات کو طرح طرح کے خطروں سے فارغ ہو کر محرابِ عبادت میں متوجہ ہو تے ہیں۔ (اور بہت ٹھیک ہے کچھ بولنے کو)، یعنی رات کو قرآن پڑھنا بہت خوب بات ہے اور پختہ کام ہے۔ دِل فارغ ہوتا ہے اور زبان دِل کے ساتھ موافق ہوتی ہے۔ زبان سے پڑھتا ہے اور دِل میں تفکر کرتا ہے۔

بعضوں نے کہا ہے کہ **نَاشِئَةَ الَّيْلِ** مغرب اور عشاء کا درمیان ہے۔۔یا۔۔عشاء کے بعد صبح تک۔ اور ام المؤمنین بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول پر **نَاشِئَةَ** یہ ہے کہ سو کر اُٹھے۔

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۝ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ۝

بے شک تمہارے لیے دن میں بہتیرے کام ہیں ● اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرو، اور اُسی کے ہو رہو سب سے الگ ہو کر ●

اَے محبوب! (بے شک تمہارے لیے دِن میں بہتیرے کام ہیں)، خلق کو دعوتِ اسلام کرتے اور اُن کے کاموں میں مشغول رہتے ہو، تو راتوں کو تہجد ادا کرنا اولیٰ ہے، تو تہجد ادا کرتے رہو۔ (اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرو)، یعنی اسماءِ حسنٰی کے ساتھ اُسے پکارتے رہو۔ (اور اُسی کے ہو رہو سب سے الگ ہو کر)، یعنی اپنے نفس کو ماسویٰ اللہ کے خیال سے خالی کرو اور بالکل اُسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ، جو۔۔۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ۝ وَاصْبِرْ

مشرق و مغرب کا رب، نہیں ہے کوئی معبود اُس کے سوا، تو بنائے رہو اُسی کو کارساز ● اور صبر کرو

عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝

اُس پر جو لوگ بک دیتے ہیں، اور ابھی چھوڑے رہو اُنہیں خوبصورتی سے ●

(مشرق و مغرب کا رب) ہے۔ (نہیں ہے کوئی معبود) عبادت کے قابل (اُس کے سوا، تو بنائے رہو اُسی کو کارساز) اور مہمات اُسی پر چھوڑ دو۔ (اور صبر کرو اُس پر جو لوگ بک دیتے ہیں) واہیات

اور خرافات باتیں۔ (اور ابھی چھوڑے رہو انہیں خوبصورتی سے)، یعنی اُن سے انتقام نہ لو اور
نصیحتیں کرتے رہو۔۔۔ یہ حکم آیتِ قتال سے منسوخ ہے۔۔ الغرض۔ اُن سے فی الحال نرمی برتو۔

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾

اور رہنے دو مجھے اور اُن جھٹلانے والے سرمایہ داروں کو، اور مہلت دے دو انہیں ذراسی●

(اور رہنے دو مجھے اور اُن جھٹلانے والے سرمایہ داروں کو)۔ یعنی سردارانِ قریش کا کام میرے
ساتھ چھوڑ دو، (اور مہلت دے دو انہیں ذراسی)۔ یعنی تھوڑے ہی زمانہ میں اُن کی تکذیب کا بدلہ دو
گا۔

امام زاہد نے لکھا ہے کہ اِس آیت کے نازل ہونے اور جنگِ بدر اور سردارانِ عرب کی
ہلاکت میں تھوڑا ہی زمانہ گزرا۔ آگے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾

بے شک ہمارے پاس بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے● اور غذا اٹکنے والی، اور دکھ والا عذاب●

(بے شک ہمارے پاس) آخرت میں دین کے دشمنوں کے واسطے (بھاری بھاری بیڑ
اور بھڑکتی آگ ہے)۔ وہ بیڑیوں میں مقید ہوں گے اور آگ میں جلتے رہیں گے، (اور غذا) گلے
(اٹکنے والی) ہے۔۔۔ وہ ضریع اور زقوم کے خاردار درخت ہیں۔۔۔ (اور) بے پناہ (دکھ وا
دردناک (عذاب) ہے۔ اور اُس کے سوا بھی کافروں کے لیے بہت سی سختیاں ہیں کہ خدا کے سوا
اُس کی حقیقت نہیں پہچانتا، اور بے شک یہ سارے وعدے سچ ہوں گے۔۔۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ

جس دن کہ کانپ پڑیں گے زمین اور پہاڑ، اور ہو گئے پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے● بے شک ہم نے بھیجا

اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۵ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

تم لوگوں کی طرف رسول کو۔۔ چشم دید گواہ تم پر۔ جس طرح کہ بھیجا تھا ہم نے فرعون کی طرف رسول کو●

(جس دن کانپ پڑیں گے زمین اور پہاڑ، اور ہو گئے پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے)۔۔ الغرض
اُس دن تھرتھرائے گی زمین اور جنبش میں آئیں گے پہاڑ، اور اُس روز کی ہیبت سے سخت پہاڑ

وں کے مثل ہوجائیں گے۔ انہیں حقائق کو بتانے کے لیے (بے شک ہم نے بھیجا تم لوگوں کی طرف)
ے مکہ والو! ایک عظیم (رسول کو)، یعنی پیغمبر اسلام نبی آخرالزماں سیدنا محمد ﷺ کو، جو (چشم دید گواہ)
وں گے (تم پر)۔۔ چنانچہ۔۔ وہ تمہارے اقوال وافعال پر قیامت کے دن گواہی دیں گے۔۔ نیز۔۔
عوتِ اسلام تمہارے قبول کرنے اور نہ کرنے پر بھی گواہ ہوں گے۔ (جس طرح کہ بھیجا تھا ہم نے
رعون کی طرف رسول کو)، یعنی موسیٰ علیہ السلام کو۔۔۔

فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِیْلًا ﴿۱۶﴾ فَكَیْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ

تو گناہ کیا فرعون نے اپنے رسول کا، تو پکڑا ہم نے اُسے وبال والی پکڑ • تو کیسے بچو گے تم لوگ اگر کفر میں رہ گئے

یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبَا ﴿۱۷﴾

اُس دن؟ جو کردے گا بچوں کو بوڑھا •

(تو گناہ کیا فرعون نے اپنے رسول کا) یعنی فرعون اُس پیغمبر کے باب میں عاصی ہوگیا، اور
ان کی دعوت قبول نہ کی اور اُن کا کہنا نہ مانا، (تو پکڑا ہم نے اُسے وبال والی پکڑ)۔ یعنی پانی میں اُسے
رق کیا اور پانی کی راہ سے آگ میں پہنچا دیا۔۔۔ اِس آیت میں کفارِ قریش کی تہدید مندرج ہے۔۔۔
(تو کیسے بچو گے تم لوگ) اَے کافرو! (اگر کفر میں رہ گئے اُس دن، جو کردے گا بچوں کو بوڑھا)۔ یعنی
اُس کے ہَول سے بچوں کے بال سفید ہوجائیں گے۔

اِس سے قلق اور غم کی کثرت مراد ہے، اِس واسطے کہ شدتِ غم آدمی کو جلد بوڑھا کردیتی
ہے۔ اور ہوسکتا ہے کہ اُس کے طُول اور درازی میں یہ مبالغہ ہو، یعنی قیامت کا دن اِتنا طویل
اور دراز ہوگا کہ بچے بھی بوڑھے کی عمر کو پہنچ جائیں گے۔ اور وہ دن ایسا ہوگا کہ۔۔۔

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۚ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ

آسمان تو پھٹ جانے والا ہے اُس سے، اُس کا وعدہ کیا دھرا ہی ہے • بے شک یہ نصیحت ہے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِیْلًا ﴿۱۹﴾ ع ۱۹/۱۴

تو جس نے چاہا بنالیا اپنے رب کی طرف راستہ •

(آسمان تو پھٹ جانے والا ہے اُس) کی ہیبت اور سختی (سے۔ اُس کا) یعنی حق تعالیٰ کا اِن
واقعات کے حادث ہونے کا (وعدہ کیا دھرا ہی ہے)۔ یعنی ایسا یقینی ہے کہ اُس کے ہونے میں ذرا

بھی شک وشبہ نہیں۔ (بے شک یہ) جو کچھ آیتوں میں پیش کیا گیا ہے (نصیحت ہے) اور عبرت ہے (تو جس نے چاہا) اِس نصیحت کے پیش نظر (بنالیا اپنے رب کی طرف راستہ) اور ایمان وطاعت سے اُس کا قرب حاصل کرلیا، کیونکہ یہی راستہ اُس کی رضا تک اوراُس کے مقامِ قرب تک پہنچاتا ہے۔

روایت ہے کہ آیت قُمِ الَّيۡلَ اِلَّا قَلِيۡلًا کے نازل ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ اور صحابہ راتوں کو اُٹھتے اور چونکہ رات کی مقداریں نصف اوراُس سے کم اور زیادہ مشتبہ تھیں، تو اُس خوف سے کہ ایسا نہ ہو کہ قدرِ واجب کی محافظت کی رعایت نہ رہے، دن تک نماز پڑھا کرتے۔ یہاں تک کہ آپ کے قدمِ مبارک ورم کرگئے اور جسمِ مبارک پر ضعف ونقاہت غالب ہوئی، اور منکروں نے بھی بطورِ استہزا آواز بلند کی، تو حق تعالیٰ نے سال بھر کے بعد مؤمنوں پر سے وہ بارِ گراں اُٹھا کر یہ آیت بھیجی، کہ۔۔۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعۡلَمُ اَنَّكَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰى مِنۡ ثُلُثَىِ الَّيۡلِ وَنِصۡفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ

بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم شب بیداری کرتے ہو، قریب دو تہائی رات کے، اور آدھی رات تک، اور ایک تہائی رات تک، اور وہ جماعت

مِّنَ الَّذِيۡنَ مَعَكَ‌ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ‌ؕ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ

جو تمہارے ساتھی ہیں۔ اور اللہ اندازہ فرماتا ہے رات اور دن کا۔ اُسے معلوم ہے کہ تم لوگ نہیں شمار کرسکو گے،

فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ‌ؕ عَلِمَ اَنۡ سَيَكُوۡنُ مِنۡكُمۡ

تو کرم فرمایا تم پر، اب پڑھ لیا کرو جو آسان ہو قرآن سے۔ اُسے معلوم ہے کہ عنقریب ہوں گے تم میں سے

مَّرۡضٰى‌ۙ وَاٰخَرُوۡنَ يَضۡرِبُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ يَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ‌ۙ

کچھ بیمار۔ اور کچھ لوگ سفر کریں گے زمین میں، تلاش کریں گے اللہ کا فضل۔

وَاٰخَرُوۡنَ يُقَاتِلُوۡنَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ۖ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنۡهُ‌ۙ وَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ

اور کچھ لوگ جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں۔ اب پڑھ لیا کرو جو آسان ہو قرآن سے۔ اور پابندی کرو نماز کی،

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقۡرِضُوا اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا‌ؕ وَمَا تُقَدِّمُوۡا لِاَنۡفُسِكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ

اور دیتے رہو زکوٰۃ کو، اور دو اللہ کو قرضِ حسنہ۔ اور جو آگے بھیج دو گے اپنے بھلے کو کوئی بھلائی،

تَجِدُوۡهُ عِنۡدَ اللّٰهِ هُوَ خَيۡرًا وَّاَعۡظَمَ اَجۡرًا‌ؕ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ‌ؕ

تو پاؤ گے اُسے اللہ کے یہاں بہتر اور بہت بڑا ثواب میں۔ اور مانگتے رہو بخشش اللہ سے۔

ع ۱ / ۱۴

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۲۰

بے شک اللہ غفور رحیم ہے●

(بے شک تمہارا رب جانتا ہے کہ تم شب بیداری کرتے ہو قریب دو تہائی رات کے، اور
...ی رات تک، اور ایک تہائی رات تک، اور) اِسی طرح اُٹھتی ہے (وہ جماعت جو تمہارے ساتھی
...) یعنی تیرے اصحاب۔ (اور اللہ) تعالیٰ (اندازہ فرماتا ہے رات اور دن کا۔ اُسے معلوم ہے کہ تم
... نہیں شمار کرسکو گے، تو کرم فرمایا تم پر) اور حکم میں تخفیف نازل فرمائی۔ (اب پڑھ لیا کرو جو آسان
...رآن سے)۔

اِس آیت کا معنی یہ ہے کہ۔۔۔

اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کے لیے دو تہائی رات سے کچھ کم بھی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں۔ اور کبھی آدھی رات تک بھی تہجد کی نماز پڑھتے ہیں، اور کبھی ایک تہائی رات تک تہجد کی نماز پڑھتے ہیں، اور آپ کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت بھی تہجد کی نماز پڑھتی ہے، لیکن ایک تو ہر رات کو اتنا قیام کرنا بہت مشکل اور بھاری کام تھا، دوسرے وقت کا اندازہ کرنا بھی مشکل تھا، کہ دو تہائی رات تک قیام ہوا ہے۔۔یا۔۔نصف رات تک قیام ہوا ہے۔۔یا۔۔تہائی رات تک قیام ہوا ہے، کیونکہ اللہ ہی رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُس حکم میں تخفیف نازل فرمائی اور رات کے اُس قیام کی فرضیت کو منسوخ فرمادیا۔

اب رسول اللہ ﷺ پر تہجد کی نماز فرض نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اب دو تہائی رات۔۔یا۔۔نصف رات۔۔یا۔۔تہائی رات تک تہجد کی نماز فرض نہیں ہے، بلکہ جتنے وقت میں بھی آپ آسانی کے ساتھ تہجد پڑھ سکیں فرض ادا ہو جائے گا۔ پھر جب پانچ نمازیں فرض ہوئیں، تو تہجد کی اتنی مقدار کی فرضیت بھی منسوخ ہوگئی۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ اِن آیات سے ابتداءً نمازِ تہجد کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔ اب آگے کی آیت کے ابتدائی حصہ میں اللہ تعالیٰ تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی حکمت بیان فرمارہا ہے۔ تو واضح فرمارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تہجد کی نماز کی فرضیت کو اس لیے منسوخ فرمایا کہ۔۔۔

(اُسے معلوم ہے کہ عنقریب ہوں گے تم میں سے کچھ بیمار) تو وہ لوگ تہجد نہ پڑھ سکیں گے۔

(اور کچھ لوگ) تجارت کے لیے (سفر کریں گے زمین میں)، اور اس طرح (تلاش کریں گے اللہ تعالیٰ (کا فضل)۔ یعنی حلال طریقوں سے کسبِ معاش کریں گے، تو وہ حالتِ سفر میں تہجد نہیں پڑھ سکیں گے۔

(اور کچھ لوگ جہاد کریں گے اللہ) تعالیٰ (کی راہ میں) تو وہ مشقت کے کاموں میں مصروف ہوں گے۔ پس اگر وہ دن کی تھکن رات کی نیند سے نہ اُتاریں اور رات کو پھر آدھی رات۔۔یا۔۔تہائی رات تہجد پڑھیں، تو پھر اُن کو دِن میں جہاد کی مشقت اُٹھانا بہت مشکل ہوگا۔

اور جہاد بہت اہم فریضہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے تہجد کی فرضیت کو منسوخ کر دیا اور تہجد کی فرضیت کو منسوخ کرنے کی جو وجوہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے متعلق بیان فرمائی ہیں، وہ وجوہ نبی ﷺ میں بھی متحقق ہیں، بلکہ اُن وجوہ پر ایک زائد وجہ آپ کا امورِ تبلیغ میں مصروف اور مشغول ہونا ہے۔ اس لیے جس طرح امت سے تہجد کی فرضیت ساقط ہوگئی اُسی طرح آپ ﷺ سے بھی تہجد کی فرضیت ساقط ہوگئی۔ اِس مقام پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ جائز طریقے سے رزقِ حلال تلاش کرنے والے تاجروں کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ [illegible] والوں کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔

۔۔الغرض۔۔(اب پڑھ لیا کرو جو آسان ہو قرآن سے)۔ اور یہ حکم نماز میں قرآن پڑھنے کی فرضیت کے طور پر ہے، یعنی نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے۔

اور بعضوں نے کہا کہ قرآن پڑھو نماز کے باہر، اور یہ حکم بطور مندوب اور مستحب ہونے کے ہے۔ جس مقدار میں قرآن پڑھنا مندوب اور مستحب ہے اُس میں اختلاف کیا ہے اور وہ تین۳ آیتیں ہیں۔۔یا۔۔سو۱۰۰۔۔یا۔۔دو سو۲۰۰۔۔یا۔۔ہر مہینے ختم قرآنِ کریم۔

حضرت عبداللہ ابن عمر کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو حکم کیا کہ ہر مہینے میں ختمِ قرآن کرو۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے میں قوت پاتا ہوں، یعنی میں جلد ہی پڑھ سکتا ہوں۔ فرمایا بیس۲۰ راتوں میں ختم کرو۔ پھر عرض کی کہ مجھے زیادہ قوت ہے۔ فرمایا کہ سات دن میں پڑھو اور اس سے زیادہ [illegible]

صاحب معالم اپنی اسناد کے ساتھ حضرت انس سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی ایک دن یا رات میں پچاس۵۰ آیتیں پڑھے اُسے غافلوں میں نہیں لکھتے، اور اگر سو۱۰۰ آیتیں پڑھے تو اُسے فرمانبرداروں میں لکھتے ہیں، اور اگر دو سو۲۰۰ آیتیں پڑھے، تو

اُس کے ساتھ قرآن دعویٰ اور خصومت نہ کرے گا قیامت کے دن۔ اور اگر پانچ سو آیتیں پڑھے تو اُس کے لیے ایک قنطار ثواب لکھتے ہیں۔ قنطار ایک وزن جس کی مقدار مختلف زمانوں میں مختلف رہی، سو رطل اور مالِ کثیر کو بھی قنطار کہتے ہیں۔ یہاں قنطار سے مراد گائے بیل کی کھال سونے سے بھری ہوئی ہوسکتی ہے۔۔ الختصر۔ قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہو۔

(اور پابندی کرو نماز کی)، یعنی فرض نماز کو کماحقہٗ ادا کرتے رہو۔ **(اور دیتے رہو)** واجب **زکوٰۃ کو، اور دو اللہ)** تعالیٰ **(کو قرضِ حسنہ)**۔ یہ راہِ خیر میں مستحب اخراجات کرنے اور اُس کے عوض جزا پانے کا اشارہ ہے۔ **(اور)** اچھی طرح یاد رکھو کہ **(جو آگے بھیج دو گے اپنے بھلے کو کوئی بھلائی، تو پاؤ گے اُسے اللہ)** تعالیٰ **(کے یہاں بہتر اور بہت بڑا، ثواب میں)**۔ ایک کا دس اور سات سو اور اس سے بھی زیادہ۔۔ یا۔۔ بے حساب۔

(اور مانگتے رہو بخشش اللہ) تعالیٰ **(سے)** ہر حال میں، **(بے شک اللہ)** تعالیٰ **(غفور رحیم ہے)**۔ یعنی بندوں کا بخشنے والا اور اُن پر مہربان ہے کہ اُس کی شفقت اور مہربانی ماں باپ سے بڑھ کر ہے۔

اختتام سورۃ المزمل ۔۔ ﴿ ۲۲ رذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۹ راکتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔ بروز سہ شنبہ ﴾ ۔۔

۔۔ ﴿ ۲۲ رذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۹ راکتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔ بروز سہ شنبہ ﴾ ۔۔

سورۃ المدثر

سورۃ المدثر ۔ ۷۴ ۔ مکیہ ۴ | سورۃ المدثر ۷۴ مکیۃ ۴ | آیاتہا ۵۶ رکوعاتہا ۲

سورۃ المدثر۔ ۷۴۔ مکیہ ۴   آیاتہا ۵۶۔۔ رکوعاتہا ۲

اِس سورۂ مبارکہ کا نام اِسی کی آیت ا سے ماخوذ ہے۔ اپنی ماقبل سورہ سے اِس کی ایک مناسبت تو یہ ہے، کہ دونوں میں آپ ﷺ کو آپ کے لباس کے ایک وصف کے ساتھ ندا کی گئی ہے۔ دوسری مناسبت یہ ہے کہ اِس سے پہلے والی سورت میں تہجد پڑھنے کا حکم ہے، اس طرح اُس میں اپنے نفس کی تکمیل کا حکم ہے اور اِس سورت میں خدا کے عذاب سے ڈرانے کے حکم سے ابتداء کی گئی ہے، تو اس میں دوسروں کی تکمیل کا حکم ہے۔

اِس سورۂ مبارکہ کی شانِ نزول کے تعلق سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید

عالم ﷺ نے فرمایا کہ میں کوہِ حراء پر تھا، مجھے ندا کی گئی یَا مُحَمَّدُ اِنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھا کچھ نہ پایا، اوپر دیکھا ایک شخص آسمان زمین کے درمیان بیٹھا ہے، یعنی وہی فرشتہ جس نے ندا کی تھی۔

یہ دیکھ کر مجھ پر رعب طاری ہوا اور میں خدیجہ کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ مجھے بالا پوش اُڑھاؤ، انہوں نے اُڑھا دیا۔ اور کہا کہ مجھ پر پانی ڈالو، اُس وقت حضرت جبرائیل تشریف لائے اور کہا **یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ**۔ بالا پوش اس لیے کہ سارا جسم لرز رہا تھا اور کاندھے مبارک بھی اُترنے والے فرشتے کے رعب سے۔

آج سے پہلے آپ نے اُسے نہیں دیکھا تھا اور نہ ہی ابھی اُس سے مانوس ہوئے تھے، تو اچانک اتنی عظیم الجثہ ذات کو دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔ اور بعضوں نے کہا کہ دثارِ نبوت مراد ہے، یعنی اَے لباسِ رسالت پہننے والے! ایسے پیارے خطاب پر مشتمل اِس سورۂ مبارکہ کو ۔۔یا۔۔ تلاوتِ قرآنِ کریم کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝۲ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝۳ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝۴

اَے چادر اوڑھنے والے! ● کھڑے ہو جاؤ، پھر ڈر سنا دو ● اور اپنے رب کی بڑائی بولو ● اور اپنے کپڑوں کو پاک ہی رکھو ●

(اَے چادر اوڑھنے والے!) اپنی خواب گاہ سے (کھڑے ہو جاؤ) ۔۔یا۔۔ قائم ہو جاؤ مراسمِ نبوت اُدا کرنے میں۔ (پھر ڈر سنا دو) خلق کو عذابِ الٰہی کا اگر اُس کے سوا اور کی عبادت کریں۔ (اور اپنے رب کی بڑائی بولو)، یعنی اپنے رب کو تعظیم کے ساتھ یاد کرو۔ (اور اپنے کپڑوں کو پاک ہی رکھو) میل وکچیل سے ۔۔یا۔۔ کوتاہ کر سرداران عرب کے خلاف، کہ وہ لباس لمبا پہنتے ہیں، تا کہ اُن کی عادت ترک پر پہلی علامت ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اپنا لباس کوتاہ کر، بے شک وہ بہت پاک اور بہت پسندیدہ اور بہت باقی رہنے والا ہے۔ اور بعضوں نے یہ معنی کہے ہیں کہ جو کچھ نہ چاہیے اُس سے اپنے

نفس کو پاک رکھ۔ نفحات میں شیخ ابوالحسن علی شاذلی مغربی قدس سرہ سے نقل ہے، کہتے ہیں کہ حضرت رسول کریم ﷺ کو میں نے خواب میں دیکھا، آپ نے مجھ سے فرمایا کہ "اے علی! اپنے کپڑے میل سے پاک کرتا کہ تُو بہرہ مند ہو مددِ الٰہی اور تائید خداوندی سے ہر دم۔"

میں نے عرض کی "یارسول اللہ! میرے کپڑے کیا ہیں؟" فرمایا کہ "حق تعالیٰ نے تجھے پانچ خلعت پہنائے ہیں: ﴿۱﴾۔۔خلعتِ محبت ﴿۲﴾۔۔خلعتِ معرفت ﴿۳﴾۔۔خلعتِ توحید ﴿۴﴾۔۔خلعتِ ایمان ﴿۵﴾۔۔خلعتِ اسلام۔ اور جو کوئی خدا کو دوست رکھتا ہے اُس پر ہر چیز آسان ہو جاتی ہے۔ اور جو خدا کو پہچانتا ہے اُس کی نگاہ میں سب چیزیں چھوٹی معلوم ہوتی ہیں۔ اور جو کوئی خدا کو وحدانیت اور یگانگی کے ساتھ جانتا ہے وہ اُس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا۔ اور جو خدا پر ایمان لاتا ہے وہ ہر چیز سے ایمن ہو جاتا ہے۔ اور جس کو صفتِ اسلام حاصل ہو جاتی ہے وہ خدا کا گناہ نہیں کرتا۔ اور اگر گنہگار ہو جاتا ہے تو عذر کرتا ہے۔ اور جب عذر کرتا ہے تو عذر قبول ہوتا ہے۔" تو شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہاں پر سے میں نے وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ کے معنی جانے۔ حق تعالیٰ آگے ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

اُے محبوب! مذکورہ طہارت کو اپنا لو۔۔۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿۶﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿۷﴾ فَإِذَا نُقِرَ فِي

اور بت کو تو بالکل چھوڑے رکھو● اور اِس لیے احسان نہ کرو کہ بدلہ زیادہ چاہو● اور اپنے رب ہی پر جمے رہو● کہ جہاں

النَّاقُورِ ﴿۸﴾ فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿۱۰﴾

پھونکا گیا صور میں● تو وہ دن دشوار دن ہے● کافروں پر آسان نہیں ہے●

(**اور بت کو تو بالکل چھوڑے رکھو**)۔۔یا۔۔سب گناہوں سے کنارہ کش ہو جاؤ، یعنی جس تقویٰ پر ہو اُسی پر رہو۔ (**اور اِس لیے احسان نہ کرو کہ بدلہ زیادہ چاہو**)۔۔یا۔۔نیک کام کر کے خدا پر احسان نہ رکھ، کہ اُس کو تُو بہت شمار کرے۔۔یا۔۔تبلیغ احکام کر کے لوگوں پر احسان نہ جتا کہ اُن سے بہت بدلا تُو طلب کرے۔ (**اور اپنے رب ہی پر جمے رہو**)، یعنی اپنے رب کی رضا مندی کے واسطے صبر کرو۔۔یا۔۔ مواردِ قضا کے تحت میں خدا کے واسطے صابر رہو اور جان لو (**کہ جہاں پھونکا گیا صور میں**)، یعنی دوسرا نفخہ کہ بعث اُس کا اثر ہے، (**تو**) یہ پھونکنا جس دن ہو گا (**وہ دن دشوار دن ہے● کافروں پر آسان نہیں ہے**)۔

اگرچہ ہَول ہیبت شدت اُس دن عام ہوگی مگر حق تعالیٰ اپنے کرمِ عام سے مؤمنوں پر سے سختی اور دشواری اُٹھالے گا، اور کافروں پر سختی باقی رہے گی اور حساب میں اُن کے ساتھ سختی اور تنگی کریں گے اور اُن کا منہ سیاہ ہوجائے گا اور اُن کے نامہءِ اعمال اُن کے بائیں ہاتھ میں ملیں گے۔

روایت ہے کہ ولید ابن مغیرہ لعنہ اللہ تعالیٰ، رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے 'سورہ حٰم' اور 'مؤمن' کے شروع کی آیتیں سن کر قوم میں پھر آیا اور یہ بات کہی کہ قسم خدا کی کہ اب محمد ﷺ سے میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ نہ آدمی کا کلام ہے نہ جن کا۔ اُس میں وہ حلاوت اور شیرینی ہے کہ کسی کلام میں نہیں ہوتی اور اُس میں وہ طراوٹ اور تازگی ہے کہ کسی کلام میں نہ ہوگی۔

اُس نہالِ اقبال کی پھنگیاں کلّیہ سعادتوں کی پھل دینے والیاں ہیں، اور اُس شجرۂ طیبہ کی جڑ فضیلتوں اور حکمتوں کی رگوں سے خوب محکم اور مضبوط ہوگئی ہے۔ یہ کلام غالب آئے گا مغلوب نہ ہوگا، اور بلندی سے پستی کی طرف نہ جھکے گا۔ قریش نے یہ بات سن کر گمان کیا کہ ولید ایمان لایا، پس ابو جہل طرح طرح کی باتیں کر کے اُسے حمیتِ جاہلیت میں پھیر لایا، یہاں تک کہ قرآن کو سحر کہا۔ یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو پہنچی، آپ نہایت غمگین ہوئے تو حق تعالیٰ نے آیت بھیجی کہ۔۔۔

ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیْنَ

رہنے دو مجھے اور جسے پیدا کیا میں نے اکیلا۔ اور دیا میں نے اُسے لمبا چوڑا سرمایہ۔ اور حاضر باش

شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ

بیٹے۔ اور سامان دیا اُسے خوب۔ پھر بھی للچاتا ہے کہ میں اور بھی دوں۔ ہرگز نہیں! بے شک یہ

لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾

ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔

(رہنے دو مجھے اور جسے پیدا کیا میں نے اکیلا) بے آل اولاد اور بے یار و مددگار۔۔۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اُسے 'وحید القوم' کہتے تھے، یعنی قوم میں ایک۔۔۔ (اور دیا میں نے اُسے لمبا چوڑا سرمایہ) یعنی بہت مال۔

روایت ہے کہ اُس کے پاس زرِ نقد دس لاکھ دینار تھے، اور مکہ اور طائف کے درمیان

اُس کے اونٹ گھوڑے بکریاں بہت تھیں، باغ اسباب لونڈی غلام بے شمار تھے۔

(اور) دیا ہم نے اُسے (حاضر باش بیٹے) جو مکہ میں اُس کے پاس حاضر و موجود رہتے تھے، تجارت وکسبِ معاش کے واسطے سفر کے محتاج نہ تھے۔۔ چنانچہ۔۔ ہمیشہ اپنے باپ کے ساتھ محفلوں میں حاضر ہوتے۔

روایت ہے کہ اُس کے دس۱۰ بیٹے تھے اُن میں خالد اور عمارہ اور ہشام رضی اللہ عنہم ایمان لائے۔۔ القصہ۔۔ اُسے مالا مال کر دیا۔

(اور سامان دیا اُسے خوب) یا بچھایا ہم نے اُس کے واسطے جاہ و ریاست کا بچھونا، اور ایسا بنایا کہ 'ریحانۂ قریش' اُس کا لقب ہو گیا تھا۔ اِتنا کچھ ہونے کے بعد (پھر بھی للچاتا ہے کہ میں اور بھی دوں)، یعنی ہم زیادہ کریں اپنے عطیے اُس کے باب میں۔ (ہرگز نہیں!) یعنی ہم ایسا ہرگز ہرگز نہ کریں گے، کیونکہ (بے شک یہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے)، اُن میں جھگڑا کرنے والا اور اُن کو جادو کے ساتھ نسبت دینے والا ہے۔

اکثر تفسیروں میں ہے کہ یہ آیت نازل ہونے کے بعد اُس کا جاہ و مال گھٹنے لگا اور اُس کے فرزند اُس سے برگشتہ ہو گئے اور بعضے مرگئے اور وہ محتاج و رسوا ہوا۔۔ المختصر۔۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾

جلدی چڑھاؤں گا اُسے صعود نام کے جہنمی پہاڑ پر • بے شک اُس نے سوچا اور اندازہ لگایا • تو غارت کیا جائے، کیسا اندازہ لگایا •

ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾

پھر غارت کیا جائے، کیسا اندازہ لگایا • پھر نگاہ ڈالی • پھر تیوری چڑھالی اور منہ بگاڑا • پھر پیٹھ دکھائی اور بڑا بنا •

(جلدی چڑھاؤں گا اُسے صعود نام کے جہنمی پہاڑ پر)۔ وہ ایک پہاڑ ہے آگ کا، بہتر۷۲ برس میں اُس کے اوپر چڑھ سکتے ہیں اور اُس کے اوپر چڑھتے ہی پھر نیچے گر پڑتے ہیں۔

تبیان میں ہے کہ۔۔ تکلیف دوں گا میں اُس کو صعود پر۔۔۔ اور صعود وہ ایک پتھر ہے دوزخ میں کہ اُس پر نہیں جا سکتے، تو اُس کو آگ کی زنجیروں میں جکڑ کر آگے سے کھینچیں گے اور پیچھے سے آگ کے گرز ماریں گے کہ اُس جگہ پر جائے۔ اور ولید کے واسطے جزا اور سزا کی یہ بڑی وعید ہے۔۔ کیونکہ۔۔

(بے شک اُس نے سوچا) اور فکر کی کہ قرآن پر کیا طعن کرے (اور اندازہ لگایا) کہ کیا ک
یعنی جب اُسے کسی طور پر یہ گنجائش نظر نہیں آئی کہ پیغمبرِ اسلام کو مجنون، شیطان کے زیر اثر، کاہن
کذاب اور شاعر کہا جا سکے، اور پھر قریش نے اُسی سے پوچھ لیا کہ جب محمد ﷺ کو یہ سب کچھ نہیں
جا سکتا، تو اب تُو ہی سوچ کر بتا کہ انہیں کیا کہا جائے۔ تو اُس نے سوچا اور اپنے دِل میں خیال با
کہ محمد ﷺ ساحر ہیں۔

(تو غارت کیا جائے، کیسا اندازہ لگایا ● پھر غارت کیا جائے، کیسا اندازہ لگایا)، یعنی اُس
مسلسل لعنت برسائی جائے اُس کی اِس متعصّبانہ اور معاندانہ فکر وسوچ کے سبب سے۔ (پھر) اُ
ملعون نے (نگاہ ڈالی)، یعنی اُس نے نظر کی قرآن کے باب میں دوبارہ، (پھر تیوری چڑھالی) لی
منہ سکوڑا کیونکہ اُس میں طعن کا موجب نہ پایا۔

پھر نبی علیہ السلام کی ذات پر تنقیدی نظر ڈالی (اور منہ بگاڑا) کیونکہ وہاں بھی کوئی عیب نظر
آیا، تو شرمندگی والی ہنسی ہنسا۔ (پھر پیٹھ دکھائی) یعنی پھرا حق سے۔۔یا۔۔پیغمبرِ حق سے (اور بڑا بنا
یعنی تکبر کیا اُن کی متابعت سے۔

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿٢٤﴾ اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢٥﴾ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿٢٦﴾

پھر بولا کہ "یہ بس جادو ہی کی نقل کی جاتی ہے ● یہ نہیں ہے مگر بشر کا کلام" ● جلد جھونک دوں گا میں اُسے جہنم میں ●

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿٢٧﴾ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿٢٨﴾ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿٢٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٣٠﴾

اور تم نے کیا اٹکل لگایا، کہ کیا ہے جہنم؟ ● نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے ● جھلسا دینے والی چہروں کو ● اُس پر مقرر ہیں اُنیس

(پھر بولا کہ یہ) جو محمد ﷺ کہتے ہیں (بس جادو ہی کی نقل کی جاتی ہے)۔ یعنی یہ قرآ
وہی جادو ہے جو پہلے سے نقل ہوتا چلا آتا ہے۔ (یہ نہیں ہے مگر بشر کا کلام)۔
ولید بن مغیرہ نے یہ محض سرکشی وعناد سے کہا نہ کہ اعتقاد سے، کیونکہ مروی ہے کہ اُس نے
پہلے اقرار کیا تھا کہ یہ کلام کسی اِنس وجن کا نہیں۔ بشر سے اُس کی مراد: ۱۔۔یسار، ۲۔۔جبیر،
۳۔۔ابوفکیہہ ہے۔ پہلے دُو فارس کے دُو غلام تھے، وہ مکہ معظمہ میں رہتے تھے۔ رسول اللہ
ﷺ کا اُن کے یہاں اُٹھنا بیٹھنا ہوتا تھا۔ اور ابوفکیہہ رومی غلام تھا، وہ مسیلمہ الکذاب یمامہ

والے کی طرف سے مکہ معظمہ میں آیا جایا کرتا تھا۔

(جلد جھونک دوں گا میں اُسے جہنم میں) یعنی **سَقَرْ** میں۔۔۔جو بقول حضرت ابن عباس جہنم کا چھٹا طبقہ ہے۔ایک قول کے مطابق **سَقَرْ** دوزخ کا پانچواں درکہ ہے۔۔۔(اور تم نے کیا عقل لگایا کہ کیا ہے جہنم)؟ یہ ایسی آگ ہے جو(نہ باقی رکھے) کسی دوزخی پر گوشت و پوست، رگ پٹھے ہڈیوں کو، بلکہ سب کو جلا دے گی۔۔۔اور پھر حق تعالیٰ اُن کے اجزا نئے پیدا کردے گا تو اُن کو بھی جلا دے گی۔۔۔(اور نہ چھوڑے) گی دوبارہ جب تک جلا نہ دے۔وہ آگ (جھلسا دینے والی) ہے کافروں کے (چہروں کو) اور اُن کی کھالوں کو۔(اُس) آگ (پر مقرر ہیں انیس) فرشتے۔۔یا۔۔ انیس قسم کے فرشتے۔

تبیان میں ابن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ یہود کے ایک گروہ نے حضرت علیہ السلام سے دوزخ کے فرشتوں کو پوچھا۔آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اشارہ کیا، دوسری بار داہنا انگوٹھا بند کرلیا۔اور یہ آیت آپ کے کلام کی تصدیق میں نازل ہوئی اور یہود نے مان لیا کہ یہ بات توریت کے موافق ہے۔یہ آیت نازل ہونے کے بعد ابوجہل بولا کہ ''اے گروہِ قریش! دوزخ کے فرشتے انیس سے زیادہ نہیں ہیں، کیا تم میں سے دس آدمی اُن میں سے ایک فرشتے کو دفع نہ کرسکیں گے؟''

ابوالاسد بن کلدۃ الجمحی بن علی بولا'' کہ سترہ کو تو میں کافی ہوں۔دس کو پیٹھ سے اور سات کو پیٹ سے، باقی دو کو تم کفایت کرتے ہو۔'' اور ایک روایت یہ ہے کہ وہ بولا کہ ''صراط پر میں تمہارے آگے دس کو داہنے ہاتھ سے اور نو کو بائیں ہاتھ سے ڈھکیل کر صحیح وسلامت بہشت میں ہم چلے بھی جائیں گے۔'' تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ

اورنہیں مقرر کیا ہم نے جہنم کے داروغے مگر فرشتوں کو۔اورنہیں قرار دیا اُن کے شمار کو مگر آزمائش اُن کے لیے جنہوں نے

كَفَرُوْا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا وَّلَا

کفر کیا، تاکہ یقین کرلیں جنہیں دی گئی ہے کتاب، اور قوی ہوجائے جو ایمان لاچکے ہیں اُن کا ایمان، اور شک نہ

يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۙ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

کرسکیں وہ جو دیے گئے ہیں کتاب اور مسلمان۔اور تاکہ بکا کریں وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے

وَالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ

اور کافر لوگ، کہ کیا منشا ہے اللہ کا اِس عجیب بات سے۔ اُسی طرح بے راہ رکھتا ہے اللہ جسے چاہے۔

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝۳۱ ع ۱۵

اور راہ دیتا ہے جسے چاہے۔ اور نہیں بتا سکتا تمہارے رب کے لشکروں کو سوا اُس کے۔ اور نہیں ہے وہ، مگر نصیحت بشر کے لیے۔

(اور نہیں مقرر کیا ہم نے جہنم کے داروغے مگر فرشتوں کو) جو تمام خلق میں بہت قوی ہیں۔

معالم میں ہے کہ دوزخ کے خازنوں کا رئیس 'مالک' ہے اور مالک کے ساتھ اٹھارہ [18] اور ہیں۔ اُن کی آنکھیں بجلی کی طرح چمکتی ہیں اور اُن کے دانت اونچے اونچے مضبوط اور مستحکم قلعے کے مانند۔ آگ کے شعلے اُن کے مونہوں سے نکلتے ہوں گے اور اُن کے دونوں کاندھوں کے درمیان سال بھر چلنے کی مسافت ہے۔ اُن میں سے ایک ایک بار میں ستر ہزار کافروں کو دوزخ کے جس کونے میں چاہے گا ڈال دے گا۔ اور فرشتوں کا ذکر کافروں کا وہ کلام دفع کرنے کو کیا کہ وہ جان لیں کہ دوزخ کے خازن آدمی نہیں ہیں فرشتے ہیں سخت اور تند۔ سب آدمی ایک فرشتے کو دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے، مقابلہ کا ذکر کیا۔ حق تعالیٰ کا فرمان۔۔۔

(اور) ارشاد ہے کہ (نہیں قرار دیا اُن کے شمار کو مگر آزمائش اُن کے لیے جنہوں نے کفر کیا)، یعنی وہ ہنسی اور تعجب کریں کہ انیس [19] کیسے جن وانس پر عذاب کریں گے۔ اور اِس میں یہ بھی حکمت ہے (تاکہ یقین کرلیں جنہیں دی گئی ہے کتاب)، اس واسطے کہ قرآن کو توریت کی تصدیق کرنے والا پاتے ہیں۔ (اور) تاکہ (قوی ہو جائے جو ایمان لاچکے ہیں اُن کا ایمان) اِس کلام کے سبب سے۔ یا۔۔اہل کتاب کی تصدیق کی وجہ سے۔

(اور) تاکہ (شک نہ کرسکیں وہ جو دیئے گئے ہیں کتاب) توریت، (اور مسلمان) جو دوزخ کے خازنوں پر ایمان لائے ہیں، (اور تاکہ بکا کریں وہ) لوگ (جن کے دِلوں میں بیماری ہے) شک ونفاق کی۔ (اور کافر لوگ، کہ کیا منشاء ہے اللہ) تعالیٰ (کا اِس عجیب بات سے) اور اس عدد سے، جو مثل کی رُو سے عجیب وغریب ہے؟ (اِسی طرح بے راہ رکھتا ہے اللہ) تعالیٰ (جسے چاہے۔ اور راہ دیتا ہے جسے چاہے)۔

روایت ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ "اے گروہِ قریش! اب تو محمد ﷺ 'انیس [19]' یار اور مددگار سے زیادہ نہیں رکھتا،" تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔۔۔

(اور نہیں بتا سکتا تمہارے رب کے لشکروں کو سوا اُس کے)۔ یعنی رب کے یہ سارے لشکر فرشتے ہیں جو پیغمبروں کے معین و مددگار ہیں۔ اور یہ کتنے ہیں؟ یہ خدا ہی جانے جو سب معلومات کا عالم ہے۔ (اور نہیں ہے وہ) یعنی سَقَر کی تمثیل ۔۔یا۔۔ خازنوں کی تعداد ۔۔یا۔۔ یہ سورتِ مبارکہ (مگر نصیحت بشر کے لیے)۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ إِنَّهَا لَإِحْدَى

نہیں کیا قسم ہے چاند کی● اور رات کی جب پیٹھ پھیرے● اور صبح کی جب روشنی پھیلادے● بے شک جہنم

الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ نَذِيرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۷﴾

بڑی چیزوں کی ایک ہے● ڈراونی بشر کے لیے● جس نے چاہا تم میں سے کہ آگے بڑھ جائے یا پیچھے پڑا رہے●

(نہیں کیا)، یعنی ایسا نہیں کہ کوئی سَقَر کا انکار کر سکے۔ (قسم ہے چاند کی) کہ وقتوں اور مدتوں کی پہچان اُس سے متعلق ہے، (اور رات کی جب پیٹھ پھیرے) یعنی جب جاتی ہے دن کے آگے سے، (اور صبح کی جب روشنی پھیلادے) اور عالم کو روشن کردے، (بے شک جہنم بڑی چیزوں کی ایک ہے)۔ یعنی ایک درکہ دوزخ کے بڑے درکوں میں سے ہے۔ اور (ڈراونی بشر کے لیے)، یعنی ہم نے کیا ہے اُسے ایک چیز کہ اُس سے ڈرائیں آدمی کو۔

لباب میں ہے کہ حق تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو فرماتا ہے کہ **قُمْ نَذِيرًا** یعنی کھڑا ہو ڈرانے والا آدمیوں کے واسطے تاکہ تجھ سے نصیحت پکڑ کر گناہ سے پرہیز کریں۔ اِس قول پر رسول ڈرانے والے ہیں اور پہلے قول پر دوزخ ڈرانے والی ہے اُسے۔

(جس نے چاہا تم میں سے کہ آگے بڑھ جائے) جزا اور طاعت میں، (یا پیچھے پڑا رہے) بُرائیوں میں مبتلا ہو کر۔ یعنی اَے ہمارے حبیب! تم سب گروہوں کو نصیحت کرنے والے ہو۔۔یا۔۔ سب کو دوزخ نصیحت کرنے والی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّا أَصْحَابَ الْيَمِينِ ﴿۳۹﴾ فِي جَنَّاتٍ

ہر جان جو کچھ کمایا اُس میں گرو ہے● مگر داہنے ہاتھ والے● باغوں میں ہیں۔۔

يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۰﴾ عَنِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۱﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرَ ﴿۴۲﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ

دریافت کریں گے● مجرموں سے● کہ "کیا چیز لے گئی تمہیں جہنم میں؟"● اُنہوں نے جواب دیا کہ

مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿٤٣﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿٤٤﴾

"ہم نہ تھے نمازیوں سے• اور نہیں کھلایا کرتے تھے مسکین کو•

(ہر جان جو کچھ کمایا اُس میں گرو ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر نفس اپنے اعمال کا قیدی ہو گا---بعض تفاسیر میں ہے کہ ہر نفس بسبب اپنے بُرے اعمال کے قیدی ہوگا---(مگر داہنے ہاتھ والے) جن کے اعمال صالحہ ہوں گے۔ وہ لوگ اعمالِ صالحہ کی وجہ سے آزاد ہوں گے، جیسے راہن شے کو آزاد کر دیتا ہے جو قرض اُدا کر دے۔

یہ اصحابِ یمین ایسے (باغوں میں) رہنے والے (ہیں) جن کی حقیقت کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی کوئی اُس کی وسعت کو بیان کر سکتا ہے۔ یہی اہلِ یمین جنتوں کے اونچے محل پر ہوں گے اور دوزخ کو دیکھنے والے ہوں گے، جو (دریافت کریں گے• مجرموں سے) یعنی مشرکین سے اُن کے احوال (کہ کیا چیز لے گئی تمہیں جہنم میں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم نہ تھے نمازیوں سے) یعنی اُس کے فرض ہونے کا ہم اعتقاد نہ رکھتے تھے، (اور نہیں کھلایا کرتے تھے مسکین کو) یعنی اُن کو مالِ زکوٰۃ نہیں دیتے تھے، اور زکوٰۃ کی فرضیت کے ہم منکر تھے۔

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٤٦﴾ حَتّٰٓى

اور بے ہودہ بحثیں کرتے تھے، بے ہودہ گویوں کے ساتھ ساتھ• اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روزِ جزا کو• یہاں تک کہ

اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ﴿٤٧﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ﴿٤٨﴾

آ گئی ہمیں موت"• اب نہ فائدہ دے گی اُنہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت•

(اور بے ہودہ بحثیں کرتے تھے بے ہودہ گویوں کے ساتھ ساتھ)، یعنی محمد عربی ﷺ کی شان میں ہم بحث کرتے تھے اور اُن کی غیبت میں مشغول ہوتے تھے۔ (اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روزِ جزا کو) اور اُسے ہم باور نہ کرتے تھے (یہاں تک کہ آ گئی ہمیں موت) اور موت سے پہلے جو حالتیں تھیں جن میں سے بعض اوپر مذکور ہوئیں اُسی حال میں ہم مر گئے، توبہ کی توفیق نہ مل سکی اور ہم ایمان نہ لا سکے۔

(اب) اگر بفرضِ محال کوئی اُن کی شفارش بھی کرے، تو (نہ فائدہ دے گی انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت)۔

شفاعت کے باب میں بنیادی بات یہ ہے کہ شفاعت وہی کرے گا جس کو ربّ کریم شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائے گا۔اور وہ اُسی کے لیے شفاعت کرے گا جس کی شفاعت کرنے کا خدائے مہربان اِذن عطا فرمائے گا،اس لیے کوئی شفاعت کرنے والا مشرکین کی شفاعت کرے، یہ بات محال ہے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾

تو انہیں کیا ہے کہ نصیحت سے رُوگردانی کرنے والے ہیں • گویا کہ وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہیں • بھاگے ہیں شیر سے •

(تو انہیں کیا ہے کہ نصیحت سے رُوگردانی کرنے والے ہیں)، یعنی قرآن اور اُس کی ہدایات سے منہ پھیرتے ہیں (گویا کہ وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہیں • بھاگے ہیں شیر سے)۔۔یا۔۔شکاری سے ۔۔یا۔۔ پھندے سے ۔۔یا۔۔ تیرانداز آدمی سے ۔۔یا۔۔مختلف آوازوں سے، یعنی جس طرح جنگلی گدھے اِن چیزوں سے بھاگتے ہیں، اِس طرح وہ قرآن سننے سے بھاگتے ہیں اس واسطے کہ بات سننے والے کان اور نصیحت قبول کرنے والے دِل نہیں رکھتے ہیں۔۔۔

بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ؕ

بلکہ چاہتا ہے ہر شخص اُن کا، کہ دیے جاتے الگ الگ صحیفے • ہرگز نہیں!

بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٥٣﴾

بلکہ وہ ڈرتے ہی نہیں آخرت کو•

(بلکہ چاہتا ہے ہر شخص اُن کا کہ دیئے جاتے الگ الگ صحیفے) سر کھلے بے مہر اس مضمون کے کہ "اَے فلاں! محمد علیہ السلام کی پیروی کر۔" (ہرگز نہیں) دیئے جائیں گے اُن کو یہ نامے، اور اگر دیئے بھی جائیں تو بھی وہ ایمان نہ لائیں گے۔ پس اُن کا انکار اس واسطے نہیں کہ نامہ نہیں دیا جاتا، (بلکہ وہ ڈرتے ہی نہیں آخرت) کے عذاب (کو)۔

كَلَّآ إِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُوْنَ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ

نہیں کیا بلاشبہ یہ نصیحت ہے • تو جس نے چاہا نصیحت لی اِس سے • اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر یہ کہ اللہ چاہے۔

هُوَ أَهْلُ التَّقْوٰى وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

وہی ڈرنے کے لائق اور مغفرت والا ہے•

ع ۱۶ ۲۵

(نہیں کیا)، ہاں ہاں بے شک! یہ قرآن وہ نہیں جو کفار کہتے ہیں کہ آدمی کا کلام ہے۔۔یا سحر ہے، بلکہ (بلاشبہ یہ نصیحت ہے ● تو جس نے چاہا نصیحت لی اُس سے ● اور) یہ بھی اپنی جگہ پر ایک حقیقت ہے، کہ (نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (چاہے)۔

۔۔ ایں سعادت بزور بازو نیست۔۔ تانہ بخشد خدائے بخشندہ ۔۔

۔۔تو (وہی ڈرنے کے لائق) ہے۔تو چاہیے کہ اُسی کا خوف رکھا جائے، (اور) وہی (مغفرت) فرمانے (والا ہے) یعنی مغفرت فرمانا اُسی کی شان ہے۔

اختتام سورۃ المدثر ۔۔ ﴿ ۲۳/ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۰/اکتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔بروز چہارشنبہ ﴾ ۔۔

۔۔ ﴿ ۲۴/ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔بروز پنجشنبہ ﴾ ۔۔

سورۃ القیٰمۃ

سورۃ القیامۃ ۔۔۷۵ مکیہ ۳۱ — آیاتہا ۴۰ ۔۔رکوعاتہا ۲

اِس سورہ کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔چونکہ قیامت کے مباحث بہت زیادہ اہم تھے کیونکہ کفار اور مشرکین قیامت کے وقوع کا بہت شدت سے اِنکار کرتے تھے، اس لیے اِس سورہ کا نام 'القیامہ' رکھا گیا۔اِس سورہ کو اُس سے پہلی سورت 'المدثر' سے مناسبت یہ ہے کہ 'سورہ المدثر' کی آیت ۵۳ میں صراحۃً آخرت کا ذکر ہے، اور آخرت کا وقوع قیامت کے بعد ہوگا۔

اِس سورہ میں مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے کا ذکر فرمایا ہے اور قیامت کے اوصاف، اہوال اور احوال کا ذکر فرمایا ہے۔پھر قیامت کے مقدمات اور اُس کے پہلے پیش آنے والے امور کا تذکرہ فرمایا ہے کہ انسان کے بدن سے روح کس طرح نکلے گی اور انسان کی ابتداء کی تخلیق کس طرح کی گئی ہے۔۔۔ایسی معلومات افزا اور حقائق کو واضح فرمانے والی سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝

نہیں کیا میں قسم یاد کرتا ہوں قیامت کے دن کی • اور قسم ہے اُس جان کی، جو اپنی بے حد ملامت کرتی رہتی ہے •

لَآ نفی کا فعل قسم میں تاکید کے واسطے ہوتا ہے، تو معنی یہ ہیں کہ۔۔۔

البتہ قسم کھاتا ہوں میں، تو پھر (نہیں کیا میں قسم یاد کرتا ہوں قیامت کے دن کی)، اُس کی عظمت و ہیبت اور اپنی شانِ قدرت کو ظاہر کرنے کے لیے (اور قسم ہے اُس جان کی جو اپنی بے حد ملامت کرتی رہتی ہے)۔

اِس سے 'نفسِ متقیہ' مراد ہے کہ 'نفسِ مقصرہ' تو تقصیرِ طاعت کے سبب سے ملامت کرتا ہے۔۔۔یا۔۔۔وہ نفس مقصود ہے جو اپنے کو ہمیشہ تقصیروں میں ملامت کیا کرتا ہے، اگرچہ عبادتوں میں اُس کی کوششیں اور محنتیں بہت ہوں۔۔۔یا۔۔۔ 'نفسِ مطمئنہ' مراد ہے جو 'نفسِ امارہ' کو ہمیشہ ملامت کیا کرتا ہے۔ روایت ہے کہ عدی بن ربیعہ نے آنحضرت ﷺ سے قیامت کا حال پوچھا۔ جب حضرت علیہ السلام نے اُس کو خبر دی، تو وہ بولا کہ اگر اُس روز کو میں آنکھوں سے دیکھوں تو بھی باور نہ کروں۔ کیا یہ متفرق ہڈیاں باہم مجتمع ہونگیں، تو 'نفسِ لوامہ' کی قسم یاد فرما کر حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، کہ۔۔۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰٓى

کیا سمجھ رکھا ہے انسان نے کہ ہم نہ جمع کرسکیں گے اُس کی ہڈیاں • کیوں نہیں، ہم قدرت والے ہیں

اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝

اِس پر کہ ٹھیک کردیں اُس کے پور پور •

(کیا سمجھ رکھا ہے انسان نے کہ ہم نہ جمع کرسکیں گے اُس کی ہڈیاں) جو پراگندہ ہوگئیں؟ (کیوں نہیں!) ہاں ہم جمع کریں گے۔ اُس کم فہم کو سمجھنا چاہیے کہ (ہم قدرت والے ہیں اِس پر کہ

ٹھیک کریں اُس کے پور پور) یعنی چھوٹے اور لطیف ہونے کے باوجود اُس کی انگلیوں کی پوریں اور سرے اکٹھا کرنے پر ہم قادر ہیں، تو بڑی بڑی ہڈیوں کا اِکٹھا کرنا کیا بات ہے۔

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۵ يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۶ فَاِذَا

بلکہ انسان چاہتا ہے کہ بدی کرتا رہے اس کے آگے ● کہ پوچھتا ہے کہ "کب ہے قیامت کا دن؟" ● تو جب

بَرِقَ الْبَصَرُ ۷ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ۸ وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۹

آنکھ چوندھیا پڑی ● اور گہن میں پڑا چاند ● اور ملا دیا گیا سورج اور چاند ●

(بلکہ) عدی اور اُس جیسا ہر (انسان چاہتا ہے کہ بدی کرتا رہے اِس کے آگے)۔ یعنی وہ چیز جو اُس کے سامنے ہے، یعنی بعث اور حساب، اُس کے تعلق سے جھوٹ بولتا رہے، کیوں (کہ) از راہِ تمسخر (پوچھتا ہے کہ کب ہے قیامت کا دن؟ ● تو جب آنکھ چوندھیا پڑی) یعنی پتھرا گئی (اور گہن میں پڑا چاند) یعنی تیرہ و تاریک ہو گیا، (اور ملا دیا گیا سورج اور چاند)، یعنی دونوں ہی بے نور کر دیئے گئے۔۔ الختصر۔۔ جب قیامت آئے گی تو نظامِ شمسی و قمری سب کے سب درہم برہم کر دیئے جائیں گے اور ظاہر ہے کہ اُن حالات میں قیامت کے وجود پر کسی کو شک و شبہ نہ ہوگا۔ اور جب یہ صورتِ حال پیش آئے گی۔۔ تو۔۔

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۱۰ كَلَّا لَا وَزَرَ ۱۱ اِلٰى رَبِّكَ

کہے گا انسان اُس دن کہ "کہاں بھاگ کر بچوں" ● ہرگز نہیں! کوئی پناہ گاہ نہیں ● تمہارے رب ہی کی طرف

يَوْمَىِٕذِ ۨالْمُسْتَقَرُّ ۱۲ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۱۳

اُس دن ٹھہرنے کی جگہ ہے ● بتا دیا جائے گا انسان اُس دن، جو کچھ آگے پیچھے کیا تھا ●

(کہے گا انسان)، یعنی تکذیب کرنے والا کافر، (اُس دن کہ کہاں بھاگ کر بچوں ● ہرگز نہیں!) ایسوں کے لیے (کوئی پناہ گاہ نہیں) اور (تمہارے رب ہی کی طرف)، یعنی اُس کے حکم کی طرف (اُس دن ٹھہرنے کی جگہ ہے)۔ یعنی حق تعالیٰ ہی اپنی مشیت سے جنتیوں اور دوزخیوں کے ٹھہرنے کی جگہ مقرر کرے گا۔ (بتا دیا جائے گا انسان اُس دن جو کچھ آگے پیچھے کیا تھا)۔ یعنی اُس کے اعمال جو آگے پہنچ گئے اور اُس کے اموال جو پیچھے رکھے رہ گئے۔ گیا وہ [illegible]

اور مال پیچھے رکھتا ہے حسرت کے ساتھ۔ تو چاہیے کہ گناہ کو توبہ سے نیست و نابود کردے کہ باقی
ہے، اور مال صدقہ دے کر آگے بھیجے کہ ہمیشہ باقی رہے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾

بلکہ انسان اپنے اوپر خود ہی نظر رکھنے والا ہے● گولا ڈالے اپنے بہانے●

(بلکہ انسان اپنے اوپر خود ہی نظر رکھنے والا ہے) یعنی اپنا حال جانتا ہے اور اپنے افعال و اقوال پر گواہ ہے، (گولا ڈالے اپنے بہانے)۔ یعنی ہر چند مقدور بھر گناہ پر عذر کرے اور اُسے دفع کرنے کی تدبیر سوچے مگر وہی اپنے گناہ کا گواہ ہے، اور اپنے جھوٹے عذر اور باطل حیلوں کا جاننے والا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ جب حضرت جبرائیل حضرت سید انام ﷺ پر قرآن پڑھتے، تو حضرت بھی زبان سے اُن کے ساتھ پڑھتے کہ بھول نہ جائیں۔ تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اَے محبوب!۔۔۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾

مت حرکت دو قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو، کہ جلد یاد کرلو● بلاشبہ ہم پر ہے اِس کا جمع کرنا، اور اِس کا تمہارے پڑھنے میں رکھنا●

فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾

تو جب ہم اسے پڑھ چکیں، تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو●

(مت حرکت دو قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو، کہ جلد یاد کرلو● بلاشبہ ہم پر ہے اِس کا جمع کرنا) تمہارے دِل میں، تاکہ تم یاد رکھو (اور اِس کا تمہارے پڑھنے میں رکھنا)، یعنی اِس کی قرأت کو تمہاری زبان پر ثابت کردینا۔ (تو جب ہم) جبرائیل کی زبانی (اِسے پڑھ چکیں تو اُس پڑھے ہوئے کی اِتباع کرو)، یعنی اُسی طرح تم بھی پڑھو اور اِس میں غور و فکر کرو۔ یعنی اِس کے مطالب و معانی کا سمجھانا بھی ہمارے ہی ذمہ ءکرم میں ہے۔ تو اِس کا مطلب بھی حضرت جبرائیل سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، تم خود ہی غور و فکر کرو۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے تمہارے دِل میں اِس کا مطلب القاء فرمادے گا، اور اِس کلام میں جو مشکل ہوگا اُس کو تم پر ظاہر فرمادے گا۔۔ الغرض۔۔ تمہارا کام صرف حضرت جبرائیل کی قرأت کی اتباع ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿٢١﴾

پھر بلاشبہ ہم پر ہے اس کا تم پر روشن کردینا• کچھ بھی نہیں، بلکہ تم لوگ چاہنے لگے ہو جلد جلدی والی دُنیا کو• اور چھوڑے ہو آخرت کو•

(پھر بلاشبہ ہم پر ہے اُس کا تم پر روشن کردینا) اور اَے آدمیو! جو تم نے عقبیٰ کے امر میں گمان کرلیا ہے ایسا (کچھ بھی نہیں، بلکہ تم لوگ چاہنے لگے ہو جلد جلدی والی دُنیا کو) یعنی تمہاری رغبت اُسی میں ہے جو تمہیں جلد حاصل ہوجائے، (اور چھوڑے ہو آخرت کو) جو ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یعنی فانی [illegible] کے پیچھے تو دِل وجان سے دوڑ رہے ہیں اور باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف دھیان نہیں دیتے، اور چاہیے تو یہ تھا کہ تم اِس کے برعکس عمل کرتے کہ فنا ہوجانے والی نعمتوں کو نظرانداز کردیتے اور باقی رہنے والی نعمتوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ قیامت کا دن وہ ہے کہ۔۔۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾

کچھ چہرے اس دن تروتازہ ہیں• اپنے رب کی طرف دیکھنے والے•

(کچھ چہرے اُس دن تروتازہ ہیں)۔ یہ انبیاء اولیاء اور مؤمنین کے چہرے ہیں، جو (اپنے رب کی طرف دیکھنے والے) ہوں گے ظاہر میں بے حجاب۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کم سے کم رتبہ جنّتی کا اپنے باغوں نعمتوں، کنیزوں اور خدمتگاروں پر نظر کرے گا، اور ہزار برس کی راہ سے اُنہیں دیکھے گا اور بہت بزرگ خدا کے نزدیک وہ ہے جو وجہ الٰہی پر نظر کرے صبح وشام، یعنی اپنی استعداد کے موافق۔ پھر یہ آیت پڑھی: وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾

بعض عارفین کا کہنا ہے کہ 'اوتاد' میں سے ہر ایک کے اوراد میں یہ کلمات ہیں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ النَّظَرَ اِلٰی وَجْھِكَ الْكَرِيْم ۔ ہر شخص جنت میں کوئی نہ کوئی آرزو رکھے گا مگر عاشق کی آرزو سوائے دیدار کے نہ ہوگی۔

وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۢ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾

اور کچھ منہ اُس دن بگڑے ہوئے• سمجھتے ہوں گے کہ کیا جائے گا اُنہیں کمر توڑ دینے والا عذاب•

(اور کچھ منہ اُس دن بگڑے ہوئے) ہوں گے، یعنی منافقوں اور مشرکوں کے چہرے تاریک اور ترش ہوں گے، (سمجھتے ہوں گے، کہ کیا جائے گا انہیں کمر توڑ دینے والا عذاب)۔ یعنی پہنچائی

ے گی انہیں ایسی بلاء اور رنج جواُن کی ہڈیاں توڑدے۔

یہ اُن پر عذابِ عظیم نازل ہونے سے کنایہ ہے، اور اربابِ معرفت کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ وہ بلاء حجاب ہے دیدارِ رب الارباب سے، کیونکہ 'عشاق' کے لیے 'فراق' سے بدتر عالَم میں کوئی آزمائش اور مصیبت نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ دِل دُنیا پر رکھ سکے اور آخرت سے غافل ہو سکے، ایسا۔۔۔

كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَقِيْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾

یوں نہیں! جب پہنچی جان گلے تک● اور کہا گیا کہ "کوئی جھاڑ۔۔۔ پھونک والا ہے؟"● اور اُس نے سمجھا کہ اب جدائی ہے●

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ ع

اور لپٹ گئی پنڈلی سے پنڈلی● تمہارے رب ہی کی طرف اُس دن ہانک جانا●

(کیوں نہیں) اس لیے کہ (جب پہنچی جان گلے تک) اور گردن کی ہڈیوں میں (اور کہا گیا)، یعنی جو لوگ مرنے کے قریب ہیں اُن لوگوں نے کہا۔۔یا۔ موت کے فرشتے بولے (کہ) کیا (کوئی۔۔۔ جھاڑ پھونک والا ہے) اور شفاء دینے والا ہے، (اور اُس نے) یعنی موت جس کے پیش نظر ہے (سمجھا کہ اب جدائی ہے)۔ یعنی جو چیز اِس پر نازل ہوئی وہ دُنیا اور دُنیا کے لوگوں سے جدائی کا سبب ہے۔ (اور لپٹ گئی) مرنے والے کی (پنڈلی سے پنڈلی)، یعنی موت کے ہَول سے اُس کے پاؤں آپس میں لپٹ اور سمٹ جاتے ہیں اور اُن میں حرکت نہیں رہتی۔۔یا۔ موت کی شدت آخرت کی شدت کے ساتھ جمع ہوجاتی ہے۔ (تمہارے رب ہی کی طرف اُس دن ہانک جانا) یعنی تیرے رب کی جزا کی طرف اُس روز بازگشت ہوگی۔

اکثر مفسرین اِس بات پر ہیں کہ ابوجہل ملعون کو حضرت سید المرسلین ﷺ کے ساتھ شدت سے عداوت تھی، تو اُس کے تعلق سے یہ آیت نازل ہوئی۔ اِس میں یہ بھی واضح فرمادیا گیا کہ حق مواخذہ میں کفار بھی 'فروعِ شرعیہ' کے مخاطب ہیں، یعنی کفار بھی ایمان کے ترک کی طرح نماز وغیرہ کے ترک پر مذمت اور عقاب کے مستحق ہیں، اگرچہ دُنیا میں اُن پر اُدائیگی واجب نہیں۔۔۔

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾

تو نہ تصدیق کی، اور نہ نماز پڑھی ● لیکن جھٹلایا اور باز رہا ● پھر گیا اپنے والوں کی طرف اکڑ رہا ہے ●

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾

تیرا بُرا ہو، اب بُرا ہو ● پھر بُرا ہو، تو پھر بُرا ہو ●

(تو) ابوجہل نے (نہ تصدیق کی) قرآن کی -- یا -- نہ صدقہ دیا جو کچھ مال میں سے د[ینا] واجب تھا، (اور نہ نماز پڑھی) خدا کے واسطے -- یا -- نہ پیروی کی پیغمبر کی (لیکن جھٹلایا) پیغمبر کو (او[ر] باز رہا) راہِ حق سے۔

تکذیب کا ذکر خاص طور پر اس لیے کر دیا کیونکہ تصدیق نہ کرنا تکذیب کو مستلزم نہیں، تو اُس بدبخت نے تصدیق نہ کرنے کے ساتھ ساتھ تکذیب بھی کر ڈالی۔

(پھر گیا اپنے والوں کی طرف) اِس حال میں کہ (اکڑ رہا ہے) اور فخر و افتخار کی راہ سے ٹہل ر[ہا] ہے کہ میں نے ایسا ایسا کام کیا ہے، یعنی تکذیب بھی کی ہے اور بے رخی بھی برتی ہے۔ تو اَے ابوجہل سن لے! کہ سزاوار ہے تجھ کو موت سخت، تو (تیرا بُرا ہو) موت کے وقت -- نیز -- (اب بُرا ہو) یعنی قبر میں دردناک عذاب ہو، (پھر بُرا ہو) یعنی ہَولِ قیامت تجھے سزاوار ہے (تو پھر برا ہو)، یعنی [تجھے] دوزخ میں ہمیشہ رہنا سزاوار ہے۔

اِس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابوجہل کو بطحا میں دیکھا اور اُس کا کپڑا پکڑ کر فرمایا کہ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى، ابوجہل بولا کہ اَے محمد! ﷺ تم مجھے ڈراتے ہو۔ اور بعضے علماء کے نزدیک 'اَوْلٰى' 'وَیل' کے معنی میں ہے، حق تعالیٰ نے تاکید کے واسطے چار بار ابوجہل کو فرمایا کہ وائے تجھ پر، یعنی ہلاکت ہو تجھ پر ---

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾

کیا خیال کر رہا ہے یہ انسان کہ چھوڑ دیا جائے گا بے کار؟ ● کیا نہ تھا قطرہ منی کا جو ٹپکایا جاتا ہے ●

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾

پھر ہوا لوتھڑا، تو پیدا فرمایا، اب سڈول کیا ● پھر کر دیا اُس سے جوڑے، مرد و عورت ●

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ﴿۴۰﴾ ع ۲ ۱۸

کیا نہیں ہے ایسا خالق قدرت والا اِس پر، کہ زندہ کر دے مُردوں کو؟ ●

(کیا خیال کر رہا ہے یہ) بعث وحشر کا منکر (انسان، کہ چھوڑ دیا جائے گا بے کار) مہمل،
[باطل] اور ضائع کہ دُنیا میں مکلّف اور عقبیٰ میں مبعوث اور معذب نہ ہوگا۔قدرتِ خداوندی کو نہ سمجھ
[سمجھ]نے والو! سوچو کہ۔۔۔
(کیا نہ تھا) یہ انسان (قطرہ منی کا جو ٹپکایا جاتا ہے) رحم میں، (پھر ہوا لوتھڑا) یعنی جما ہوا
[خو]ن، (تو پیدا فرمایا) اُس کے اجزاء اور اعضاء، (اب سڈول کیا) یعنی راست اور درست کر دیا اُس
[کی] صورت اور اُس میں روح پھونکی، (پھر کر دیا اُس) منی (سے جوڑے) دو۲ قسم (مرد وعورت) یعنی
[نر] اور مادہ۔ (کیا نہیں ہے ایسا خالق قدرت والا اِس پر کہ زندہ کر دے مُردوں کو)۔

حدیث میں ہے کہ یہ سورت پڑھنے کے بعد کہنا چاہیے۔۔۔بَلٰی، اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔۔۔کیوں نہیں! وہ ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔۔دوسری روایت میں ہے: سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بَلٰی: ہر طرح کی بے چارگی، ناطاقتی اور بے اختیاری سے پاک ہے تیری ذات اَے خدائے قادرِ مطلق! بے شک تو ہر چاہے پر قدرت والا ہے۔۔۔بعض عارفین اِس موقع پر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہا کرتے تھے۔

۔۔[اختتام] ۔۔ ﴿ ۲۴؍ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۱؍اکتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔بروز پنجشنبہ ﴾ ۔۔

۔۔[آغاز] ۔۔ ﴿ ۲۶؍ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۳؍اکتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔بروز شنبہ ﴾ ۔۔

سُوْرَةُ الدَّهْرِ

سورۃ الدھر۔۔۷۶ مدنیہ ۹۸ | آیاتہا ۳۱۔۔رکوعاتہا ۲

اِس سورہ کا نام 'سورہ الدھر' ہے، اور بعض مصاحف میں اِس کا نام 'سورۃ الانسان' مذکور ہے۔ اور یہ دونوں نام اِسی کی آیت ا سے ماخوذ ہیں۔ اِس سورت کو اپنی ماقبل کی 'سورہ القیامہ' سے چند مناسبتیں ہیں:

ا۔۔اِس سے پہلے 'سورہ القیامہ' میں ارشاد فرمایا گیا تھا کہ انسان کی تخلیق کی ابتداء نطفہ سے کی گئی ہے، پھر اُس کی دو۲ قسمیں بنائیں مرد اور عورت، اور اِس سورت کی ابتداء میں بتایا کہ تمام انسانوں کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور اُن کو سمیع

وبصیر بنادیا۔ پھر بشر کی دو قسمیں ہیں: بعض شکر گزار ہیں اور بعض ناشکرے ہیں۔

۲۔۔دوسری مناسبت یہ ہے کہ اِس سے پہلی سورت میں جنت اور دوزخ کا حال اِجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور اِس سورت میں جنت اور دوزخ کے اوصاف کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

۳۔۔تیسری مناسبت یہ ہے کہ 'سورہ القیامہ' میں کفار و فجار کو قیامت کے دن دہشتناک امور پیش آئیں گے اُن کا ذکر فرمایا، اور اِس سورت میں قیامت کے دن نیک مسلمانوں کو جو نعمتیں ملیں گی اُن کا ذکر فرمایا ہے۔۔۔ایسی معلومات افزا اور بصیرت افروز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ لَمۡ یَکُنۡ شَیۡئًا مَّذۡکُوۡرًا ①

بے شک آچکا انسان پر ایسا وقت بھی زمانہ میں، کہ نہ تھا کچھ قابلِ تذکرہ●

(بے شک آچکا انسانِ) اوّل حضرت آدم (پر ایسا وقت بھی زمانہ میں کہ) وہ (نہ تھا) انسانیت کے عنوان سے (کچھ قابلِ تذکرہ)، اور کوئی انسان ہونے کے ساتھ انہیں یاد نہ کرتا تھا اور وہ روح پھونکنے کے قبل چالیس برس تک مکہ اور طائف کے درمیان پڑے رہے، کوئی انہیں انسان کے نام سے یاد نہ کرتا تھا اور نہ اُن کے عناصر کا تذکرہ ہوتا تھا۔

کسی کو خبر نہ تھی کہ اُس کا نام کیا ہے اور اُسے پیدا کرنے میں کیا حکمت اور فائدہ ہے۔ اور اِس مطلب کی بھی خبر نہ تھی کہ قدرتِ کاملہ والا ایسا آئینہ بناتا ہے کہ جو اُن شعاعوں کا مظہر ہو جو 'مفاتیح الغیب' میں ہیں اور خلافتِ کبریا کے مرتبہ کے لائق ہو۔ اور وہ عین مقصودِ ذات اور منتہائے غایت ہو اور سب پوشیدہ باتیں اُس کے وجودِ باوجود سے ظاہر ہو جائیں۔

ایک قول یہ ہے کہ یہاں انسان سے مراد اولادِ آدم علیہ السلام جو شکمِ مادر میں رہنے کی مدت میں لوگوں کے درمیان ذکر و تذکرہ کے قابل نہیں ہوتا، اور نہ ہی اُس کے حالات و اوصاف کے تعلق سے کوئی چرچا ہوتا ہے۔ بعض نے پہلے لفظ 'انسان' سے آدم علیہ السلام اور دوسرے

سے آپ کی اولاد مراد لی ہے، اور یہ اُس وقت ہے کہ حِیْنٌ زمانہ طویل اور دراز کے لیے ہو جس کی مقدار معلوم نہ ہو۔ لیکن ہر دونوں میں جنس انسان مراد لینا موزوں اور زیادہ ظاہر ہے، اس لیے کہ اِس سے مقصود ہے انسان کو اُس کی تخلیق ظاہر کر کے پند و نصیحت کرنا کہ وہ بالکل نہ تھا لیکن اب کیا ہے۔ اِس لیے جب سنے گا کہ وہ کوئی شے ہی نہ تھا اور نہ کہیں اُس کا ذکر تھا پھر وہ مذکور ہوا اور پیدا ہوا ایک حقیر و خسیس پانی سے، اِس طرح وہ مرنے کے بعد اُٹھنے کو بعید نہ سمجھے گا اور نہ ہی اِس کا اِنکار کر سکے گا۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ﴿۲﴾

بے شک ہم نے پیدا فرمایا انسان کو ملے جلے قطرہ سے، کہ آزمائیں اُسے، تو بنا دیا ہم نے اُسے سننے والا دیکھنے والا●

(بے شک ہم نے پیدا فرمایا انسان کو ملے جلے قطرہ سے)۔

چونکہ مرد اور عورت کی منی مختلف الاجزاء ہے رقت اور قوام اور خاصیت میں، اس وجہ سے نطفہ جو مفرد ہے اُس کی صفت جمع لائی گئی۔۔ یا۔۔ اُس سے رنگ مراد ہیں اس واسطے کہ مرد کی منی سفید ہوتی ہے اور عورت کی زرد اور دونوں اکٹھا ہونے کے بعد سبز ہو جاتی ہے۔۔ یا۔۔ امشاج 'اطوار' کے معنی میں ہے، یعنی نطفہ 'تھکا' ہو جاتا ہے، پھر 'لوتھڑا' ہو جاتا ہے آخر خلقت تک۔

اور بہر تقدیر انسان کو ہم نے پیدا کیا تا (کہ) امر و نہی سے (آزمائیں اُسے، تو بنا دیا ہم نے اُسے سننے والا دیکھنے والا) تاکہ دلیلیں دیکھے اور آیتیں سنے۔۔ اور۔۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَاۡ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ﴿۴﴾

بے شک ہم نے ہدایت کی اُسے راستہ کی، کہ یا شکر گزار اور یا ناشکرا● بے شک ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق، اور بھڑکتی آگ●

(بے شک) دلیلیں قائم کر کے اور آیتیں نازل کر کے **(ہم نے ہدایت کی اُسے)** سیدھے **(راستے کی، کہ)** اب **(یا)** مؤمن سعید ہو کر **(شکر گزار)** ہو، **(اور یا)** کافر شقی ہو کر **(ناشکرا)**۔ سب کو معلوم رہنا چاہیے کہ **(بے شک ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے لیے زنجیریں)** جن میں باندھ کر

کافروں کو دوزخ میں کھینچیں گے (اور طوق)، کہ اُن کے گلوں میں ڈالیں گے۔ (اور بھڑکتی آگ جس میں ہمیشہ جلا کریں گے۔ اُن کافروں کے برعکس۔۔۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِن كَأْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿٥﴾

بے شک ابرار کا طبقہ، یہ لوگ پئیں گے اُس جام سے، جس میں آمیزش کافور کی ہے●

(بے شک اَبرار کا طبقہ)، تو (یہ لوگ پئیں گے اُس جام سے جس میں آمیزش کافور کی ہے)۔ یعنی اُسے جنت کے کافور سے ملا کر بنائیں گے تا کہ ٹھنڈی، اور خوشبو اور شیریں ہو۔

اور بعضوں نے کہا کہ جنت میں ایک پانی کا چشمہ خوشبودار اور سفید ہے جیسے کہ کافور، تو کافور سے ہمرنگ ہونے کے سبب سے اُس کا نام کافور رکھ دیا۔ اور اِسی قول کی تائید کرتا ہے یہ کہ کافور کا بدل لایا گیا ہے کہ وہ۔۔۔

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا ﴿٦﴾ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ

ایک چشمہ ہے، پیتے رہیں گے اُس میں اللہ کے بندے، بہا کرلے جائیں گے اپنے یہاں● وہ پوری کریں منت کو،

وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿٧﴾

اور ڈرتے رہیں اُس دن کو جس کی تباہی پھیل جانے والی ہے●

(ایک چشمہ ہے پیتے رہیں گے اُس میں اللہ) تعالیٰ (کے بندے بہا کرلے جائیں گے اپنے یہاں)، یعنی جہاں چاہیں گے اُسے بآسانی بہالے جائیں گے۔ جہاں چلنے کو کہیں گے وہ چشمہ اُن کے ساتھ ساتھ چلے گا۔ اُن ابرار کی شان یہ ہے کہ (وہ پوری کریں منت کو)۔

یہ آیتِ کریمہ خاص طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان میں نازل فرمائی گئی۔۔ چنانچہ۔۔ تفسیروں میں ہے کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے گھر تشریف لائے، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بیمار دیکھا، تو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا کہ کچھ نذر کرو تا کہ تمہارے فرزند صحت پائیں۔ انہوں نے نذر کی کہ تین ۳ روز روزہ رکھیں گے۔ حق تعالیٰ نے حسنین علی جدہما وعلیہما السلام کو شفا بخشی اور حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے روزے رکھے، اور کسی قدر جَو قرض لے کر۔۔یا۔۔ مزدوری کر کے حاصل کیے اور آٹا پیس کر روٹی پکائی۔ مغرب کے وقت چاہا کہ

افطار کریں، پس ایک فقیر گھر کے دروازے پر آیا اور آواز دی کہ اے اہل بیتِ نبوت! میں ایک فقیر مسلمان ہوں مجھے روٹی دو کہ حق تعالیٰ بہشت کی نعمتوں سے تم کو عوض دے۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنا حصہ اُس فقیر کو دے دیا، سب اہل بیت نے بھی اپنے اپنے حصے دے دیئے اور فقط پانی سے روزہ کھول کر رات بسر کی۔ دوسرے دن روزہ رکھا افطار کے وقت ایک یتیم دروازے پر آیا اور سوال کیا سب کھانا اُسے دے دیا۔ تیسری شام کو ایک قیدی بَروقت آیا سب کھانا اُس کو عطا فرمایا۔ حق تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی کہ ابرار کی شان یہی ہے کہ اپنی نذر پوری کرتے رہیں۔۔۔

(اور ڈرتے رہیں اُس دن کو جس کی تباہی) یعنی شدت اور محنت **(پھیل جانے والی ہے)**۔
ن فاش اور ظاہر اور سب کو پہنچی ہوئی۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿٨﴾

اور کھانا کھلائیں اُس کی محبت پر مسکین اور یتیم اور قیدی کو●

(اور کھانا کھلائیں اُس کی محبت پر) یعنی خدا کی محبت پر۔۔یا۔۔کھانے کی محبت پر، یعنی باوصف اس کے کہ وہ اُس کھانے کے محتاج ہیں اور اُسے دوست رکھتے ہیں مگر ایثار کرتے ہیں۔ اوروں کو کھلا دیتے ہیں خود نہیں کھاتے، اور فانی کھانے باقی کھانے کے واسطے دیتے ہیں **(مسکین)** یعنی فقیر محتاج کو **(اور یتیم)** کو، یعنی اُس بچے کو جو بے باپ کا ہو گیا۔ **(اور قیدی کو)** جسے کفارِ مکہ میں سے گرفتار کیا ہے۔

حدیث میں ہے کہ جب کسی قیدی کو آنحضرت ﷺ کے حضور میں لاتے، تو آپ اُسے کسی مسلمان کے سپرد کرتے یہاں تک کہ آپ کی رائے اُس کے باب میں کسی امر پر قرار پائے۔ اور اُس مسلمان سے حکم فرماتے کہ اُس کے ساتھ نیکی کرنا۔ بعضے علماء اِس بات پر ہیں کہ فقیر قیدی جو کسی حق پر قید ہو گیا ہے اور مملوک لونڈی غلام اور عورت یہ سب قیدیوں کا حکم رکھتے ہیں، یعنی اُن کے ساتھ احسان اور نیکی کرنا چاہیے۔

اور یہ کھانا کھلانے والے لسانِ مقال۔۔یا۔۔زبانِ حال سے جو بات اُن کے اعتقاد میں ہے کہتے ہیں۔۔۔

إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿٩﴾ إِنَّا نَخَافُ

کہ ہم کھلاتے ہیں تمہیں بس اللہ ہی کے لیے، ہم نہیں چاہتے تم سے کوئی معاوضہ، اور نہ شکر گزاری کو● بے شک ہم ڈرتے ہیں

مِنۡ رَّبِّنَا یَوۡمًا عَبُوۡسًا قَمۡطَرِیۡرًا ﴿۱۰﴾

اپنے رب سے اُس دن کو، کہ تلخ اور نہایت سخت ہے●

(کہ ہم کھلاتے ہیں تمہیں بس اللہ) تعالیٰ (ہی کے لیے، ہم نہیں چاہتے تم سے کوئی معاوضہ بدلا اور جزا (اور نہ شکر گزاری کو) اور نہ رنج و تکلیف دفع کرنا، اِس واسطے کہ احسان کر کے احسان اور بدلے کی توقع کرنا ثواب گھٹا دیتا ہے۔۔۔ چنانچہ۔۔ حکمِ خداوندی ہے کہ "اَے ایمان والو! احسان جتا کر اور رنج پہنچا کر اپنے صدقات کو باطل نہ کرو۔" اور اپنی نیکیوں کو ضائع نہ کرو۔ (بے شک ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اُس دن کو) جو (کہ تلخ اور نہایت سخت ہے)۔

حضرت حسن بصری سے پوچھا کہ قَمۡطَرِیۡرًا کیا ہے؟ فرمایا کہ سبحان اللہ! کیا سخت ہے قیامت کے دن کا نام، اور وہ دن اپنے نام سے زیادہ سخت ہے۔

فَوَقٰهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الۡيَوۡمِ وَلَقّٰهُمۡ نَضۡرَةً وَّسُرُوۡرًا ﴿۱۱﴾ وَجَزٰهُمۡ

تو بچالیا اُنہیں اللہ نے اُس دن کی خرابی سے، اور عطا کی اُنہیں تروتازگی اور خوشی● اور ثواب دیا اُنہیں

بِمَا صَبَرُوۡا جَنَّةً وَّحَرِيۡرًا ﴿۱۲﴾

جو اُنہوں نے صبر کیا تھا، جنت اور ریشمی لباس کا●

(تو بچالیا انہیں اللہ) تعالیٰ (نے اُس دن کی خرابی سے اور عطا کی انہیں تروتازگی) یعنی خوبروئی (اور خوشی) یعنی دِل کی فرحت۔ (اور ثواب دیا انہیں) بسبب اُس کے (جو انہوں نے صبر کیا تھا) طاعت پر معصیت سے۔۔ یا۔۔ خود ضرورتمند ہوتے ہوئے دوسرے محتاجوں کو کھانا کھلا دیا اور خود صرف پانی پی کر رہ گئے، تو اُس صبر کا انہیں بدلہ دیا (جنت اور ریشمی لباس کا) تاکہ وہ جنت کے میوے کھائیں اور ریشمی کپڑے پہنیں اور رہیں اِس حال میں کہ۔۔۔

مُّتَّكِـِٕيۡنَ فِيۡهَا عَلَى الۡاَرَآئِكِ‌ۚ لَا يَرَوۡنَ فِيۡهَا شَمۡسًا وَّلَا زَمۡهَرِيۡرًا ﴿۱۳﴾ وَدَانِيَةً

تکیہ لگائے اُس میں تختوں پر۔ نہ دیکھیں گے اُس میں دھوپ، اور نہ کڑکڑاتی ٹھنڈ● اور جھکے ہوئے

عَلَيۡهِمۡ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُهَا تَذۡلِيۡلًا ﴿۱۴﴾

اُن پر اُس کے سائے، اور نیچے کر دیے گئے اُس کے خوشے بالکل●

(تکیہ لگائے) ہوں (اُس میں تختوں پر) یعنی جنت میں آراستہ تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھیں۔اور (نہ دیکھیں گے اُس میں) یعنی جنت میں (دھوپ اور نہ کڑکڑاتی ٹھنڈ)۔مراد یہ ہے کہ بہشت کی ہوا معتدل ہوگی اور وہاں جاڑا گرمی کچھ نہ ہوگا کہ گرمی کی شدت۔۔یا۔۔جاڑے کی تیزی سے ایذا پائیں۔(اور جھکے ہوئے اُن پر اُس کے) درختوں (کے سائے اور نیچے کردیے گئے اُس کے خوشے بالکل) مسخر کرکے، کہ اُس کے میوے توڑنا آسان ہوگا اور میوے توڑنے والے کو کوئی توڑنے سے منع نہیں کرے گا۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا ۝١٥ قَوَارِيرَا

اور دَور چلایا جائے گا اُن پر چاندی کے برتن کا، اور جاموں کا، کہ ہوں گے شیشے۔ شیشے بھی

مِن فِضَّةٍ قَدَّرُوهَا تَقْدِيرًا ۝١٦

چاندی کے، جس کا اندازہ کرلیا اُنہوں نے خوب۔

(اور دَور چلایا جائے گا اُن پر چاندی کے برتن کا اور جاموں کا کہ ہوں گے شیشے) اور (شیشے بھی چاندی کے) یعنی چھوٹے بڑے جام چاندی کے ہوں گے شیشے کی طرح صاف کہ اُن کے اندر جو چیز ہو باہر سے نظر آئے (جس کا اندازہ کرلیا اُنہوں نے) یعنی پلانے والوں نے (خوب)۔۔چنانچہ۔۔ وہ اُس کو ٹھیک اندازے پر رکھیں گے اور ہر ایک کو اُس کے حوصلہ کے موافق جام دیں گے کہ اس میں وہ سیراب ہوجائے اور اُس دَورہ میں کمی زیادتی نہ ہوگی۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنجَبِيلًا ۝١٧ عَيْنًا فِيهَا تُسَمَّىٰ سَلْسَبِيلًا ۝١٨

اور پلائے جائیں گے اُس میں جام جس میں آمیزش ہے ادرک کی۔ چشمہ ہے اُسی جنت میں جس کا نام رکھا گیا 'سلسبیل'۔

(اور پلائے جائیں گے اُس میں) اُنہیں ایسے (جام) بھی (جس میں آمیزش ہے ادرک کی)، یعنی اُس مشروب میں 'زنجبیلِ بہشت' ملائیں گے، اِس واسطے کہ 'زنجبیل' بہت خوشی لانے والی اور بہت لذت بخشنے والی ہے۔دراصل یہ زنجبیل (چشمہ ہے اُسی جنت میں جس کا نام رکھا گیا سلسبیل) اور وہ اختیار میں ہوگا جنتی کے، جہاں جاری کرنا چاہیں جاری کرسکیں گے۔۔۔اور بعضے کہتے ہیں کہ اُس کا پانی حلق سے بآسانی اُتر جائے گا اور جلد ہضم ہوجائے گا۔۔۔

وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ۚ إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ⑲

اور دَور چلائیں گے اُن پر لڑکے، جو ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ جہاں تم نے دیکھا اُنہیں، سمجھے اُن کو کہ موتی ہیں بکھیرے ہوئے●

(اور دَور چلائیں گے اُن پر) یعنی دورہ کریں گے ابرار اور نیک لوگوں کے گرد (لڑکے جو ہمیشہ رہنے والے ہیں) اپنے بچپنے کی حالت پر جو کانوں میں بندے بالے پہنے ہوئے ہوں گے۔ (جہاں تم نے دیکھا انہیں) اَے دیکھنے والے! تُو (سمجھے) گا اور گمان کرے گا (اُن کو کہ) وہ (موتی ہیں بکھیرے ہوئے) سیپ سے نکلے ہوئے، تر و تازہ کہ ہنوز کسی کا ہاتھ اُن تک نہیں پہنچا ہے اور ان کی رونق اور آبداری میں کچھ کمی نہیں پیدا ہوئی۔

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ رَأَيْتَ نَعِيمًا وَمُلْكًا كَبِيرًا ⑳

اور جہاں دیکھا تم نے وہاں، تو دیکھا آرام اور بڑے ملک کو●

(اور جہاں دیکھا تم نے وہاں تو دیکھا آرام) اور ایسی نعمتیں کہ وصف میں نہیں آسکتیں (اور بڑے ملک کو)، یعنی ایسی بڑی بادشاہی کو کہ زوال کو اُس میں دخل نہیں۔

حدیث میں ہے کہ جنتیوں میں کم سے کم رتبہ والا جو اپنے ملک اور بادشاہی پر نظر کرے گا، تو ہزار برس کی راہ تک دیکھے گا۔ اور اپنی مملکت کی منتہا اُسی طرح دیکھے گا جس طرح اس کی ابتداء کو دیکھتا ہے۔ اور ایک قول کے موافق مُلْكًا كَبِيرًا خواہش جاری کرنا ہے، کہ جو کچھ چاہے میسر آئے۔۔ یا۔۔ داخل ہونے کے وقت اُن کے سامنے فرشتوں کا کھڑا ہونا۔

فصول میں ہے کہ نَعِيمًا راحت اجسام ہے اور مُلْكًا كَبِيرًا لذتِ ارواح ہے۔ نَعِيمًا گھر کا دیکھنا ہے اور مُلْكًا كَبِيرًا صاحبِ خانہ کو مشاہدہ کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ گھر بے صاحبِ خانہ کے کچھ کام نہیں آتا۔

عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ۖ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ

اُن کے بدن پر ہیں سبز ریشم کے کپڑے، اور دبیز ریشم اور پہنائے گئے ہیں کنگن چاندی کے۔

وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ㉑

اور پلایا اُن کو اُن کے رب نے پاک صاف شراب●

(ان) جنتیوں (کے بدن پر ہیں سبز ریشم کے کپڑے اور دبیز ریشم) مضبوط، (اور پہنائے گئے

گئے ہیں کنگن چاندی کے)۔

یہ اُس ارشاد کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ سونے کے کنگن پہنائے گئے، اِس واسطے کہ دونوں کو اکٹھا کرنا اور آگے پیچھے پہننا ممکن ہے۔

(اور پلایا اُن کو اُن کے رب نے پاک صاف شراب) جو میلوں اور نجاستوں سے پاک ہے۔ یا۔ پاک کرنے والی غل وغش اور کینہ کپٹ سے۔

مقاتل کہتے ہیں کہ **طَهُورًا** ایک چشمہ ہے بہشت میں، جو کوئی اُس میں سے پیئے گا اُس کے دِل میں کینہ کپٹ اور کوئی بُری صفت نہ رہے گی۔ ویسے بھی جو جنت میں پہنچ جائے گا وہ تمام صفاتِ قبیحہ سے پاک ہو کر ہی جائے گا۔ بااین ہمہ۔ شراب طہور کی یہ خصوصیت ہے کہ جو بھی پی لے اُس کا دِل مجلّٰی اور مصفّٰی ہو جائے۔ لیکن چونکہ یہ جنت میں جنتیوں ہی کے لیے ہے تو اُس سے جنت کے باہر کسی کو بہرہ مند نہ کیا جائے گا، اور یہ صرف جنتیوں کے دِل کی صفا اور جلاء میں اضافے کا باعث ہوگا۔

اور بعضے کہتے ہیں کہ **شَرَابًا طَهُورًا** دِل کو ماسویٰ اللہ کی طرف میل کرنے سے پاک کرنے والی ہے، تاکہ اُس کے لقاء اور دیدار سے لذت پائے اور اُس کی بقا کے ساتھ باقی رہے۔

وَالْبَقَاءُ فِی اللِّقَاءِ تَمَامُ الْعَطَا

یعنی: لقاء میں بقا ہی عطائے کامل ہے۔

جاننا چاہیے کہ نہرِ کوثر جنت میں خاص آنحضرت ﷺ کے واسطے ہے اور اُس کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ سورۂ کوثر میں آئے گا۔

اور چار نہریں، یعنی پانی کی، دودھ کی، شراب کی، شہد کی، دوسرے متقیوں کی ہیں۔ اور دو چشمے اُن لوگوں کے واسطے ہیں جن کو خوفِ الٰہی غالب ہے، اور دو چشمے 'اصحابِ یمین' کے لیے ہیں۔ اور یہ چاروں چشمے 'سورۂ رحمٰن' میں مذکور ہیں۔ اور 'شراب رحیق' یعنی خالص شراب ابرار کے لیے ہے، اور 'چشمۂ تسنیم' مقربوں کا ہے۔ اِن دونوں کا ذکر 'سورۂ مطففین' میں ہے۔

اور دو چشمے اہلِ بیت کے واسطے ہیں 'کافور' اور 'زنجبیل' کہ اُسی کو 'سلسبیل' کہتے ہیں اور 'شراب طہور' بھی اُنہی کے واسطے ہے۔ اور محقق لوگ اُسے 'شرابِ شہود' کہتے ہیں، اس واسطے کہ یہ شراب پینے والے کے آئینۂ دِل کو 'اسرارِ قدم' کے 'لوامع انوار' سے روشن کر کے ازل

اور ابد کے نقوش کے عکس قبول کرنے والا کر دیتی ہے، اور وقت اور حال کو ایسا صاف کر دیتی ہے کہ مطلق دوئی کے میل اور غیریت کے شائبے راہِ وحدت میں نہیں باقی رہتے۔ اور دورنگی کے رنگ کو بدل کر جام اور شراب کو یک رنگ کر دیتی ہے۔

ایک عارف نے کہا کہ اگر کل دار القرار کے بزم نشینوں کو نعمتوں اور سرور کے تختوں پر بٹھا کر شراب طہور چکھائیں گے تو آج خمخانہ افضال کے بادہ نوشوں کو اُس سے کامل حصہ نقد دیا ہے۔

پھر ابرار کو کہیں گے۔۔۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ ع ۱/۲۲ ۱۹

بے شک یہ ہے تمہارا ثواب، اور تمہاری محنت مقبول ہوئی●

(بے شک یہ ہے تمہارا ثواب)، یعنی بزرگیوں کے ساتھ یہ ہے تمہارے واسطے تمہارے کاموں کی جزا۔ (اور تمہاری محنت مقبول ہوئی)، یعنی کارِ خیر میں تمہارا دوڑ ناپسندیدہ اور بدلا دینے کے قابل ہے۔

پھر اِس کے بعد اللہ تعالیٰ نے احوالِ دُنیا بیان فرمائے اور اطاعت کرنے والوں کے احوال کو نافرمانی کرنے والوں کے احوال پر مقدم رکھا۔ اطاعت کرنے والوں میں رسول اللہ ﷺ ہیں اور آپ کی امت ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اپنے رسول کو مخاطب کر کے فرمایا کہ۔۔۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾

بے شک ہم نے اُتارا تم پر قرآن کو بتدریج●

(بے شک ہم نے اُتارا تم پر قرآن کو بتدریج)۔

اس آیت سے مقصود رسول اللہ ﷺ کے دِل کو مضبوط کرنا ہے اور آپ کو تسلی دینا ہے کیونکہ قریشِ مکہ آپ پر تہمت لگاتے تھے کہ آپ جو کلام پیش کرتے ہیں وہ کہانت اور جادو ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اُس کے رَد میں فرمایا کہ یہ اللہ کا نازل کیا ہوا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اِس کلام کو تھوڑا تھوڑا کر کے جو نازل کیا اُس میں بھی حکمت بالغہ ہے کہ جس وقت کے لیے جو حکم مقرر ہے اُس وقت میں وہ حکم دیا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ کفار سے قتال کا حکم ہجرت کے بعد دیا گیا اور ہجرت سے پہلے کفار کی

ایذاء کے مقابلہ میں آپ کو صبر کرنے کا حکم دیا گیا۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی صورتِ حال پیش آئے۔۔۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿٢٤﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً

تو انتظار رکھو اپنے رب کے حکم کا، اور نہ کہا مانو اُن میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کا● اور یاد کرو اپنے رب کے نام کو صبح

وَّاَصِيْلًا ﴿٢٥﴾ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿٢٦﴾

وشام● اور کچھ رات میں اُس کا سجدہ کرو، اور پاکی بولو اُس کی زیادہ رات تک●

(تو انتظار رکھو اپنے رب کے حکم کا، اور نہ کہا مانو اُن میں سے کسی گنہگار۔۔یا۔۔ ناشکرے کا)۔ یعنی کسی ایسے کا جو تجھ کو گناہ کی طرف بُلائے، جیسے کہ عتبہ نے کہا کہ دعوتِ اسلام سے باز آؤ کہ میں اپنی بیٹی تم کو دوں۔۔یا۔۔ کسی ایسے ناشکرے کی جو تجھ کو کفر کی طرف بلائے، جیسے کہ ولید ابن مغیرہ، کہ اُس نے کہا کہ اپنے باپ دادا کے دین کی طرف رجوع کرو تا کہ تم کو مالدار کر دوں۔

(اور یاد کرو اپنے رب کے نام کو صبح وشام)، یعنی ہمیشہ اُس کی یاد میں مشغول رہو۔ **(اور کچھ رات میں اُس کا سجدہ کرو)**، یعنی اُس کے واسطے نماز اَدا کرو۔

بعضوں نے کہا ہے کہ **بُكْرَةً** فجر کی نماز کا وقت ہے، اور **اَصِيْلًا** ظہر اور عصر کے وقت کو شامل ہے، اور 'کچھ رات' سے مغرب وعشاء مراد ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ پانچوں وقت کی نماز ہمیشہ پڑھا کرو۔۔۔

(اور پاکی بولو اُس کی زیادہ رات تک)، یعنی رات میں تہجد میں مشغول رہو۔ رہ گئے یہ گروہِ کفار۔۔تو۔۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿٢٧﴾

بے شک یہ لوگ پسند کرتے ہیں جلدی والی دُنیا کو، اور چھوڑ بیٹھے ہیں اپنے پیچھے گراں بار دن کو●

(بے شک یہ لوگ پسند کرتے ہیں جلدی والی دُنیا کو اور چھوڑ بیٹھے ہیں اپنے پیچھے گراں بار دن کو) کہ وہ قیامت کا دن ہے۔ نہ اُس پر ایمان لاتے ہیں اور نہ اُس کے واسطے کام کرتے ہیں۔ بس وہی کرتے ہیں جس کا فائدہ انہیں دُنیا ہی میں مل جائے۔

یہ کفار یہ نہیں سوچتے کہ اگر انہیں دُنیا میں جلد ملنے والی نعمتوں سے محبت ہے، تو اِس کا بھی

تقاضہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو مانیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا۔ جیسا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿٢٨﴾

ہم نے پیدا فرمایا اُنہیں اور مضبوط کیا اُن کے جوڑ بند کو۔ اور جب بھی چاہتے ہم بدل دیتے اُن جیسوں کو، خوب●

(ہم نے پیدا فرمایا اُنہیں اور مضبوط کیا اُن کے جوڑ بند کو)۔ اِس کے علاوہ اُن کو دُنیا میں زندہ رہنے کے تمام اسباب عطا کیے۔ سو اگر وہ اُن دُنیاوی نعمتوں سے محبت کرتے ہیں تو اُس کا تقاضہ بھی ہے کہ وہ اُن نعمتوں کے عطا کرنے والے سے محبت کریں، اُس کا شکر ادا کریں، اور اُس کی طاعت عبادت کریں۔۔ نیز۔۔ اُن کو اُس سے ڈرنا بھی چاہیے کہ جو اُن نعمتوں کو عطا کرتا ہے وہ اُن نعمتوں کو چھین بھی سکتا ہے، تو ان نعمتوں کے زائل ہو جانے کے خوف کا بھی یہ تقاضہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں اور اُس کی عبادت کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اوّل تو ان لوگوں کو آخرت کی دائمی نعمتوں سے محبت کرنی چاہیے اور ان نعمتوں کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا چاہیے اور اُس کی اطاعت اور عبادت کرنی چاہیے۔ اور اگر وہ دُنیا کی جلد ملنے والی عارضی نعمتوں سے محبت کرتے ہیں تو ان نعمتوں کے زوال کے خطرہ سے بچنے کے لیے اور ان نعمتوں کی بقاء کے لیے اور ان نعمتوں کے پیدا کرنے اور عطا کرنے والے کا شکر ادا کرنے کے لیے بھی، ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانا چاہیے اور اُس کی اطاعت اور عبادت کرنی چاہیے۔ اس لیے کہ وہی عبادت کا مستحق، واحدِ حقیقی اور قادرِ مطلق ہے ۔۔ چنانچہ۔۔ اُس کا ارشاد۔۔۔

(اور) فرمان ہے کہ ہماری قدرت کا حال یہ ہے کہ (جب بھی چاہتے ہم) تو (بدل دیتے ان جیسوں کو خوب)۔ جس کی ایک شکل یہ ہے کہ انہیں دُنیا میں مار ڈالیں اور دوسرے عالم میں اُسی صورت اور ہیئت کے مانند پھیر لائیں ۔۔ یا۔۔ اُن کو ہم ہلاک کر دیں اور ان کے سوا فرمانبردار بندے پیدا کر دیں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿٢٩﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ

بے شک یہ نصیحت ہے۔ تو جس نے چاہا اختیار کیا اپنے رب کی طرف راہ کو● اور تم لوگ کیا چاہو گے، مگر

...نْ یَّشَآءَ اللّٰهُؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًاۗ ﴿۳۰﴾ یُّدْخِلُ مَنْ یَّشَآءُ فِیْ رَحْمَتِهٖؕ

یہ کہ اللہ چاہے۔بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے● داخل کرے جسے چاہے اپنی رحمت میں۔

ع ۲ ۹ ۲۰ وَ الظّٰلِمِیْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۠ ﴿۳۱﴾

اور ظالموں کے لیے تیار کر رکھا ہے دکھ والا عذاب●

(بے شک یہ) سورت۔۔یا۔۔اہل بیت کا وہ ایثار جو اس میں مذکور ہے (نصیحت) وعبرت ...ہے) مؤمنوں کے واسطے، تاکہ اُس کے مثل عمل کریں اور ایسی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں۔(تو جس ...نے چاہا اختیار کیا اپنے رب کی طرف) پہنچا دینے والی (راہ کو) طاعتِ خداوندی اختیار کر کے۔(اور ...لوگ کیا چاہو گے مگر یہ کہ اللہ) تعالیٰ (چاہے۔بے شک اللہ) تعالیٰ (علم والا) ہے جو ہر شخص کی ...ستعداد اور استحقاق کو جانتا ہے، اور (حکمت والا ہے) پکا کام کرنے والا، جو چیز چاہتا ہے حکمت کے ...اتھ چاہتا ہے۔اِسی لیے بہ تقاضۂ حکمت۔۔۔

(داخل کرے جسے چاہے اپنی رحمت میں) ہدایت اور توفیق کے ساتھ۔۔یا۔۔بہشت میں ...پنے فضل وکرم سے۔(اور ظالموں) یعنی مشرکین (کے لیے تیار کر رکھا ہے دکھ والا عذاب)، ہمیشہ ...ہنے والا دردناک عذاب۔

...م سورۃ الدھر ۔۔ ﴿ ۲۶رذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۳را کتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔بروز شنبہ ﴾ ۔۔

۔۔ ﴿ ۲۷رذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۴را کتوبر ۲۰۱۲ء ۔۔۔بروز یکشنبہ ﴾ ۔۔

سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰت

سُوْرَۃُ الْمُرْسَلٰت ۷۷ مکیۃ ۳۳ | اٰیاتہا ۵۰ رکوعاتہا ۲

سورۂ المرسلات۔۔۷۷ مکیہ ۳۳ | آیاتہا ۵۰۔۔رکوعاتہا ۲

اِس سورۂ مبارکہ کا نام 'المرسلات' ہے جو اِس کی پہلی آیت کا پہلا لفظ ہے۔اِن آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کی قسم یاد فرمائی ہے، لیکن اُن کی صفات کا ذکر فرمایا ہے اور اُن کے موصوف کے متعلق مفسرین سے مختلف اقوال منقول ہیں۔بعض نے کہا ان کا موصوف ہوائیں ہیں۔بعض نے کہا کہ اُن کا موصوف فرشتے ہیں۔بعض کے کہا کہ اُن کا موصوف

انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور جمہور مفسرین نے یہ کہا ہے کہ پہلی تین صفات کا موصوف ہوائیں ہیں، اور بعد کی دو صفات کا موصوف فرشتے ہیں۔ حضرت مترجم قدس سرہٗ نے اپنے ترجمہ میں جو کلمات رکھے ہیں اُن میں ہر قول کی رعایت ملحوظ رکھی ہے، تو شروع کرتا ہوں میں اِس سورۂ مبارکہ کو۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالۡمُرۡسَلٰتِ عُرۡفًا ۞ فَالۡعٰصِفٰتِ عَصۡفًا ۞ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشۡرًا ۞ فَالۡفٰرِقٰتِ فَرۡقًا ۞

قسم ہے اُن کی جو چھوڑی جاتی ہیں خوب ● پھر جھونکے دینے والی سخت ● اور قسم ہے خوب اُٹھانے والی ہستیوں کی● پھر حق ناحق کو خوب جدا کرنے والی شخصیتوں کی●

(قسم ہے اُن کی جو چھوڑی جاتی ہیں خوب) یعنی اُن فرشتوں کی مبارک ہیئتوں کی جو نیکی کے ساتھ بھیجی جاتی ہیں، یعنی جو فرشتے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر امر و نہی۔۔یا۔۔قرآن کی آیتوں کے ساتھ بھیجے گئے ۔۔یا۔۔اُن ہواؤں کے ساتھ جو پے بہ پے چلائی گئیں ہیں۔ (پھر) وہ ہستیاں (جھونکے دینے والی) ہیں (سخت)، یعنی پھر قسم اُن فرشتوں کی جو تیز سخت اور جلد جاتے ہیں ا احکام الٰہی تیزی سے بجالاتے ہیں ۔۔یا۔۔احکام کلام اللہ کی قسم جو اور احکام کو محو کردینے والے ہیں یعنی اگلی شریعتوں اور دینوں کو منسوخ کردینے والے ہیں ۔۔یا۔۔اُن ہواؤں کی قسم جو سختی کے سا کسی قوم پر عذاب کے لیے چلنے والی ہیں۔

(اور قسم ہے خوب اُٹھانے والی ہستیوں کی)، یعنی قسم اُن فرشتوں کی جو ظاہر کرنے وا ہیں شریعتوں اور کتابوں کے جیسا کہ ظاہر کرنے کا حق ہے۔۔یا۔۔قرآن کی جو آیتیں خواص و عوام واسطے ہدایت کے آثار منتشر کرتی ہیں اُن کی قسم ۔۔یا۔۔جو نرم ہوائیں لوگوں کی راحت و آرام کے وا چلتی ہیں اُن کی قسم۔ (پھر حق ناحق کو خوب جدا کرنے والی شخصیتوں کی) قسم۔ یعنی پھر اُن فرشتو قسم جو حق کو باطل سے جدا کرنے والے ہیں۔۔یا۔۔قرآن کی آیتوں کی قسم جو خیر کو شر سے جدا کرتی ۔۔یا۔۔جو ہوائیں بدلیوں کو پراگندہ کرتی ہیں اُن کی قسم ۔۔یا۔۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝۵

پھر ذکر کا اِلقا کرنے والی ہستیوں کی●

(پھر ذکر کا القاء کرنے والی ہستیوں کی)، یعنی اُن فرشتوں کی قسم جو پیغمبروں پر القاء کرنے
لے اور ڈالنے والے ہوں وحی کو۔۔یا۔۔کلام اللہ کی آیتیں جو اہلِ عالم میں حق تعالیٰ کا ذکر ڈالتی ہیں
ں کی قسم۔۔یا۔۔جو ہوائیں کہ یادِ الٰہی کا سبب ہوتی ہیں اُن کی قسم۔اس واسطے کہ ہواؤں کے چلنے کا
اہدہ خدا کی یاد کا اور اُس کی قدرت پر دلیل پکڑنے کا موجب ہے۔۔اب رہا سوال کہ یہ القاءِ
ر کس لیے؟ تو یہ۔۔۔

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝۶

حیلہ ختم کرنے یا ڈرانے کو●

(حیلہ ختم کرنے۔۔یا۔۔ڈرانے کو)، یعنی اہلِ حق کے عذر کے واسطے۔۔یا۔۔اُن کے ڈرانے
ے لیے جو باطل پر ہیں۔تو جو فرشتے اللہ تعالیٰ کی وحی اور اُس کے پیغام کو انبیاء علیہم السلام تک پہنچاتے
ں۔۔یا۔۔انبیاء علیہم السلام مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں، وہ اِس لیے
ہے کہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے تاکہ کل قیامت کے دن جب کسی شخص سے پوچھا جائے کہ
اللہ تعالیٰ پر ایمان کیوں نہیں لائے؟۔۔یا۔۔تم نے بُرے اعمال ترک کیوں نہیں کیے؟۔۔یا۔۔نیک
عمال کیوں نہیں انجام دیئے؟ تو وہ یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس تو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچے ہی نہیں تھے۔
۔۔یا۔۔رسولوں کو اس لیے احکام دے کر لوگوں کے پاس بھیجا کہ وہ اُن کو عذاب سے ڈرا کر
ے اعمال ترک کرنے اور نیک اعمال کرنے پر آمادہ کریں۔۔المختصر۔۔اوپر مذکور باعظمت ہستیوں،
متبرک اشیاء اور قدرتِ خداوندی کے مظاہر کی قسم۔۔۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝۷ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝۸ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝۹

کہ جو وعدہ دیے جاتے ہو یقیناً ہو کر رہنے والا ہے● تو جب تارے میٹ دیے گئے● اور جب آسمان میں رخنہ ڈال دیا گیا●

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝۱۰ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝۱۱

اور جب پہاڑ پھونک اُڑائے گئے● اور جب رسولوں کا وقت آ گیا●

(کہ جو وعدہ دیئے جاتے ہو یقیناً ہو کر رہنے والا ہے)، یعنی قیامت اور اُس کے متعلقات ظہور یقینی طور پر ہوگا۔ (تو جب تارے میٹ دیئے گئے) یعنی اُن کا نور لے لیا جائے گا، (اور جب آسمان میں رخنہ ڈال دیا گیا) یعنی آسمان کو پھاڑ دیا گیا، (اور جب پہاڑ پھونک اُڑائے گئے)، یعنی اپنی جگہوں سے پراگندہ کردیئے گئے اور ریزہ ریزہ کرکے اُڑا دیئے گئے، (اور جب رسولوں کا وقت آگیا) تو جمع کیے جائیں گے اُس وقت اور اُس جگہ پر جہاں اپنی امتوں کا ان کا گواہی دینا مقرر ہوگا پھر کہیں گے کہ۔۔۔

لِاَیِّ یَوۡمٍ اُجِّلَتۡ ۝۱۲ لِیَوۡمِ الۡفَصۡلِ ۝۱۳

"کس دن کے لیے ٹھہرائے گئے تھے؟" ● فیصلہ کے دن کے لیے ●

(کس دن کے لیے ٹھہرائے گئے تھے)۔ یعنی یہ ستاروں کا بے نور ہونا، آسمان کا پھٹ جانا اور پہاڑوں کا ریزہ ریزہ ہو کر اُڑ جانا۔۔ الغرض۔۔ قیامت کے بڑے بڑے آثار کے ظہور کے لیے کون سا دن مقرر فرمایا گیا تھا؟ اُس کا جواب یہ ہوگا کہ یہ سب کچھ (فیصلہ کے دن کے لیے) ٹھہرائے گئے تھے۔ یعنی جدا کرنے کے دن کے واسطے کہ وہ دن آج ہے۔ مؤمن اور کافر، مطیع اور عاصی کے درمیان جدا کرنا مکافات میں ہوگا۔۔ یا۔۔ اُس دن کے واسطے جب خلق کے درمیان حکم کرنا ہوگا۔

وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا يَوۡمُ الۡفَصۡلِ ۝۱۴ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝۱۵ اَلَمۡ نُهۡلِكِ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۱۶ ثُمَّ

اور کیا اٹکل ہو تمہیں کہ کیا ہے فیصلہ کا دن؟ ● ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ● کیا نہیں برباد کردیا ہم نے اگلوں کو ● پھر

نُتۡبِعُهُمُ الۡاٰخِرِيۡنَ ۝۱۷ كَذٰلِكَ نَفۡعَلُ بِالۡمُجۡرِمِيۡنَ ۝۱۸ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝۱۹

پیچھے لگادیں گے ہم اُن کے اِن پچھلوں کو ● اسی طرح کرتے ہیں ہم مجرموں کے ساتھ ● ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی

(اور کیا اٹکل ہو تمہیں کہ کیا ہے فیصلہ کا دن)؟ اس لیے کہ اُس کی کنہ کو بذاتِ خود کوئی نہیں جان سکتا۔ (ہلاکی ہے اُس دن) اُس دن کے (جھٹلانے والوں کی)۔ غور کرو کہ (کیا نہیں برباد کردیا ہم نے اگلوں کو) جیسے قوم نوح، قوم ھود اور قوم ثمود کو۔ (پھر پیچھے لگادیں گے ہم) ہلاکت میں (اُن کے اِن پچھلوں کو) یعنی کفارِ مکہ کو۔ (اسی طرح کرتے ہیں ہم مجرموں کے ساتھ) جو کفر و شرک کے جرائم کا اِرتکاب کرتے ہیں۔ (ہلاکی ہے اُس دن) اِس وعید کے (جھٹلانے والوں کی)۔ ہم قادرِ مطلق

جو چاہا کیا، جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، اور جو چاہیں گے کریں گے۔

اَلَمۡ نَخۡلُقۡكُّمۡ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ﴿۲۰﴾ فَجَعَلۡنٰهُ فِىۡ قَرَارٍ مَّكِيۡنٍ ﴿۲۱﴾ اِلٰى قَدَرٍ مَّعۡلُوۡمٍ ﴿۲۲﴾

کیا نہیں پیدا فرمایا ہم نے تمہیں ایک بے قدر قطرہ سے؟● پھر کر دیا ہم نے اُسے ایک محفوظ جگہ میں● وقتِ معلوم تک●

فَقَدَرۡنَا ۖ فَنِعۡمَ الۡقٰدِرُوۡنَ ﴿۲۳﴾

تو اندازہ مقرر کیا ہم نے۔تو کتنے اچھے ہم قادر ہیں●

(کیا نہیں پیدا فرمایا ہم نے تمہیں ایک بے قدر قطرہ سے)؟ یعنی ذلیل وخوار بے مقدار منی سے۔(پھر کر دیا ہم نے اُسے ایک محفوظ جگہ میں)، یعنی مضبوط قرار گاہ میں اور وہ رحم ہے (وقت معلوم تک) کے لیے، اور وہ پیدا ہونے کا زمانہ ہے۔(تو اندازہ مقرر کیا ہم نے۔تو کتنے اچھے ہم قادر ہیں) تو ہم کیسا اچھا اندازہ کرنے والے ہیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ بچہ کی پیدائش کے لیے جس مدت کا اندازہ فرماتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت اور بہت بڑا احسان ہے۔عام طور پر حمل کی مدت نو۹ ماہ ہوتی ہے۔اس مدت میں پیٹ میں بچہ بتدریج نشو ونما کے مراحل طے کرتا ہے، اور اُس کی ماں بتدریج اُس کا بوجھ اُٹھانے کی عادی ہو جاتی ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمت ہے کہ عورت کو سخت اور جان لیوا مصیبت سے بچالیتا ہے، تو یہ بتدریج پیدائش بھی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے۔تو اس کا تقاضہ یہ تھا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید کی تصدیق کرتا۔تو۔۔

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ﴿۲۴﴾ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾ اَحۡيَآءً وَّاَمۡوَاتًا ﴿۲۶﴾

ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی● کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی؟● زندوں اور مُردوں کو●

(ہلاکی ہے اُس دن) خدا کی توحید کو (جھٹلانے والوں کی) اور قدرتِ خداوندی کو باور نہ کرنے والوں کی۔(کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی● زندوں اور مُردوں کو)؟ یعنی زندوں کو اپنے اوپر اور مُردوں کو اپنے اندر رکھتی ہے۔۔ چنانچہ۔۔زندہ انسان زمین پر گھروں میں رہتے ہیں، اور مُردہ انسان زمین میں بنائی ہوئی قبروں میں رہتے ہیں۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے زمین کا ذکر فرمایا، کیونکہ ہمارے باہر کی چیزوں میں جو چیز ہم سے سب سے زیادہ قریب ہے وہ زمین ہے۔

وَّ جَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾

اور کردیا ہم نے اِس میں پہاڑ اونچے اونچے، اور پلایا ہم نے تم لوگوں کو میٹھا پانی●

وَیْلٌ یَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۲۸﴾

ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی●

(اور کردیا ہم نے اس میں پہاڑ اونچے اونچے، اور پلایا ہم نے تم لوگوں کو میٹھا پانی)۔ تو جو لوگ خدا کی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے اور اپنے منعم کو نہیں پہچانتے اور اُس کی تکذیب کرتے ہیں، تو (ہلاکی ہے اُس دن) اُن خدا ناشناس (جھٹلانے والوں کی)۔ اور تکذیب کرنے والوں سے اُس دن کہیں گے۔۔۔

اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِنْطَلِقُوْۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾

چلو اُدھر جسے جھٹلاتے تھے● چل پڑو ایک سایہ کی طرف تین شاخوں والا●

لَّا ظَلِیْلٍ وَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ اللَّهَبِ ﴿۳۱﴾

نہ سایہ دار اور نہ بچا سکے لپٹ سے●

(چلو اُدھر جسے جھٹلاتے تھے)، یعنی جہنم اور اُس کے عذاب کی طرف۔ اور (چل پڑو ایک سایہ کی طرف تین شاخوں والا)، جو (نہ) تو (سایہ دار) ہے کہ ٹھنڈا ہو اور اس میں رہنے میں راحت ہو، (اور نہ) ہی (بچا سکے) گا دوزخی کو جہنم کی (لپٹ سے)۔

اِس سے دوزخ کے دھویں کا سایہ مراد ہے کہ بڑائی اور زیادتی کے سبب سے متفرق ہوجائے گا کئی شاخ ہوکر، اور ہر شاخ ایک طرف جائے گی۔ انوار میں ہے کہ جہنم کے دھوئیں کے تین شعبے ہوں گے: ایک کافر کے سر پر ٹھہرے گا اور ایک اُس کے داہنے پر اور ایک اُس کے بائیں پر۔ اور اُس عذاب میں ڈالنے والی دماغ میں 'قوتِ واہمہ' ہے، اور قلب کے داہنی طرف 'قوت غضبیہ' ہے، اور بائیں طرف 'قوت شہویہ' ہے۔ تو جو چاہتا ہے کہ فردائے قیامت اُس دھویں کی آفتوں سے بے خوف ہوجائے، اُسے چاہیے کہ 'نورِ عقل' کو مضبوط پکڑ کے 'صفت بہیمی' اور 'صفت سبعی' سے گزر جائے۔

إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾ كَأَنَّهُ جِمَالَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾

بے شک وہ جہنم پھینکتی ہے چنگاریاں، جیسے بلند محل • گویا وہ اونٹ ہیں زرد زرد • ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی •

(بے شک وہ جہنم پھینکتی ہے چنگاریاں، جیسے بلند محل • گویا وہ) شرر (اونٹ ہیں زرد زرد) آتشِ دوزخ کے رنگ پر۔

بعض کہتے ہیں کہ صُفْرٌ 'سود' کے معنی میں ہے۔اور چونکہ دوزخ کی آگ سیاہ ہے، تو اس کا شرارہ بھی سیاہ ہوگا۔اور اونچے محل کے ساتھ شرارہ کی تشبیہ بڑائی کی جہت سے ہے۔اور زرد اور سیاہ اونٹوں کے ساتھ تشبیہ رنگ اور کثرت کے باعث سے۔اور ایک کے پیچھے ایک رہنے اور جلدی حرکت کرنے کی وجہ سے ہے۔

(ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی) جو دوزخ اور اُس کے شراروں کی کیفیت اور صفت باور نہیں رکھتے۔

هَٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾

یہ دن ہے اِس کا کہ بول نہ سکیں گے • اور نہ اجازت دی جائے گی اُنہیں کہ بہانے تراشیں •

ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی •

(یہ دن ہے اِس کا کہ) کفار (بول نہ سکیں گے) بعضے مواقف پر۔۔یا۔خدا کے سامنے دلیل اور حجت قائم کر کے بات نہ کریں گے۔(اور نہ اجازت دی جائے گی اُنہیں کہ بہانے تراشیں) اور عذر خواہی کریں۔اور عذر بھی کچھ فائدہ نہ دے گا۔(ہلاکی) یعنی سختی اور رنج (ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی) جو تکذیب کرتے ہیں اِن چیزوں کی۔

هَٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ ﴿٣٩﴾

یہ ہے فیصلہ کا دن، کہ اکٹھا کر دیا ہم نے تمہیں اور اگلوں کو • تو اگر ہو تمہارا کوئی داؤں، تو چلا لو مجھ پر •

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾

ع ۲۱

ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی •

(یہ ہے فیصلہ کا دن) اس میں جو حق پر ہے اور اس میں جو باطل پر ہے۔تو یہ دن ایسا ہے (کہ اکٹھا کر دیا ہم نے تمہیں) اے اِس امت کے تکذیب کرنے والو! (اور اگلوں کو) جنہوں نے

اگلے رسولوں کی تکذیب کی۔ (تو اگر ہو تمہارا کوئی داؤں) اور مکر وحیلہ جیسا کہ دُنیا میں مؤمنوں کی نسبت کرتے تھے، (تو چلالو مجھ پر) اور پیش لے جاؤ میرے ساتھ۔

یہ اُن کے عجز کے آثار ظاہر کرنا ہے، یعنی خدا کے ساتھ حیلہ پیش نہ جائے گا اور مکر وفریب کر کے اپنے اوپر سے عذاب نہ دفع کر سکو گے۔

(ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی) جو غم وغصہ کا شکار ہوں گے کہ حیلہ کر کے عذاب سے نہ رہائی پائیں گے۔ اِن کے برخلاف۔۔۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ﴿٤١﴾ وَفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾

بے شک اللہ سے ڈرنے والے سایوں اور چشموں میں ہیں ● اور میووں میں جو چاہیں ● کہ کھاؤ اور پیو فراغت سے، ثواب اُس کا جو کرتے تھے ● بے شک اِسی طرح ثواب دیتے ہیں احسان والوں کو ● ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ●

(بے شک اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والے) جنت کے درختوں کے (سایوں) میں (اور) اُس میں بہنے والے پانی کے (چشموں میں ہیں)۔ یعنی نہروں کے کنارے ہیں جن کے مکانوں کے ہر طرف نہریں بہہ رہی ہیں، تو گویا وہ نہروں کے درمیان ہیں۔ (اور میووں میں) یعنی میووں کے باغ میں (جو چاہیں)، یعنی جس چیز کی انہیں آرزو ہوگی اُن کے لیے موجود ملے گی۔ اور فرشتے اُن سے کہیں گے۔۔۔

(کہ کھاؤ) اُن میووں میں سے (اور پیو) اُن نہروں سے (فراغت سے)۔ ایسا کھانا پینا جو ہضم ہونے والا ہے۔ (ثواب اُس کا جو کرتے تھے) دُنیا میں نیک عمل۔ (بے شک اِسی طرح ثواب دیتے ہیں احسان والوں کو)۔ یعنی ایسی ہی جزا دیتے ہیں ہم نیک کام کرنے والوں کو۔ (ہلاکی) یعنی جہالت اور قباحت اور مذمت (ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی) جو جنت کی نعمتوں پر ایمان نہیں لائے۔

كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُم مُّجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾

یہاں کھالو اور رہ لو کچھ دن، بے شک تم لوگ مجرم ہو ● ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی ●

(یہاں کھالو) اَے جھٹلانے والو! دُنیا کی فانی نعمتیں، (اور رہ لو کچھ دن) اور فائدہ اٹھالو

تھوڑے زمانے تک، (بے شک تم لوگ مجرم ہو) اور شرک کرنے والے ہو، تمہارا انجام عذابِ دائمی ہے۔ تو (ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی)۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور جب حکم دیا گیا انہیں کہ "رکوع والی عبادت کرو، تو نہیں کرتے● ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی● تو کس

فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

بات کو اِس کے بعد مانیں گے؟●

ع ۲
۲۲

(اور جب حکم دیا گیا انہیں کہ رکوع والی عبادت کرو)۔۔۔اور ظاہر ہے کہ عمل کے وجود کے لیے ایمان شرط ہے، تو اُن کے لیے اِس حکم پر عمل ممکن نہیں جب تک ایمان نہ لائیں۔۔۔(تو) وہ اُس حکم پر عمل (نہیں کرتے) یعنی مسلمان نہیں ہوتے، اس واسطے کہ کلمہ شہادتین کے بعد اسلام میں رکنِ اعظم نماز ہے۔ نماز دین کا ستون ہے اور دین اُس کے سبب سے قائم ہے۔۔تو۔۔

(ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی) اور پھٹکار ہے اُن پر جو اسلام سے مشرف نہیں ہوتے۔ (تو کس بات کو اِس کے بعد) یعنی قرآن کے بعد (مانیں گے)۔ اگر قرآن پر ایمان نہیں لاتے کہ وہ ایک معجزہ ہے کھلی ہوئی دلیلوں اور روشن معنوں پر، تو پھر وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔

حدیث میں ہے کہ اِس آیت کو پڑھنے کے بعد کہنا چاہیے: اٰمَنَّا بِاللّٰہِ۔

الحمدللہ، ثم الحمدللہ، بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ

۲۸ر ذیقعدہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۵ر اکتوبر ۲۰۱۲ء، بروز دوشنبہ،

۲۹ ویں پارہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ دُعا گو ہوں کہ ربِّ کریم صاحبِ فضلِ عظیم اپنے فضل وکرم سے آخری پارہ یعنی ۳۰ ویں پارہ کی بھی تفسیر کی تکمیل کی سعادت مرحمت فرمائے، اور فکر وقلم کو اپنی خاص حفاظت میں رکھے۔

اٰمین یَا مُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وَصٓ، بِحَقِّ یَا بُدُّوْحُ
بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

۳۰

عَمَّ

بعونہٖ تعالیٰ وبفضلہٖ سبحانہٗ، آج بتاریخ

ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۰/اکتوبر ۲۰۱۲ء

تفسیر کا آغاز کردیا ہے۔ دُعاگوہوں کہ مولیٰ تعالیٰ

سعادت مرحمت فرمائے، اور فکروقلم کو اپنی خاص

ولیٓ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ، بِحَقِّ

سیدنا م

سورۃ النبأ ۷۸ مکیہ ۸۰ — آیاتہا ۴۰ — رکوعاتہا ۲

سُوْرَةُ النَّبَا

اِس سورت سے پہلے 'سورہ المرسلات' ہے۔ یہ دونوں سورتیں اِس حیثیت سے ایک دوسرے سے مربوط ہیں کہ دونوں ہی میں قیامت کا بیان ہے۔ اِس سورت کو 'سورۃ عم یتسآءلون'، 'سورہ تساؤل' اور 'سورہ معصرات' بھی کہتے ہیں لیکن اس کا سب سے زیادہ مشہور ومعروف نام 'سورۂ نبا' ہے جو اِسی سورت کی دوسری آیت سے ماخوذ ہے۔ اِس سورت میں اوّل سے آخر تک قیامت اور اُس کے متعلقات کا بیان ہے۔ اِس سورۂ مبارکہ کو۔۔یا۔۔ تلاوتِ قرآنِ کریم کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِیْمِ ۝۲ الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝۳

کس چیز کی پوچھ گچھ یہ لوگ کر رہے ہیں ● اُس بڑی خبر کی؟ ● جس میں یہ لوگ طرح طرح کی رائے رکھنے والے ہیں ●

روایت ہے کہ جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت آشکارا کی اور خلق پر قرآن پڑھا اور قیامت کے دن سے ڈرایا، تو کافروں نے آنحضرت ﷺ کی نبوت اور قرآن کے اُترنے اور بعث وحشر ہونے میں اختلاف کیا اور ایک دوسرے سے آپس میں ۔۔یا۔۔ پیغمبر ﷺ اور مؤمنوں سے پوچھتے تھے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ۔۔۔

(کس چیز کی پوچھ گچھ یہ لوگ کر رہے ہیں ● اُس بڑی خبر کی) یعنی قرآن کریم کو، **(جس میں یہ لوگ طرح طرح کی رائے رکھنے والے ہیں)** اور اُس کے تعلق سے اختلاف کرنے والے ہیں، یعنی اُسے سحر۔۔یا۔۔ شعر۔۔یا۔۔ کہانت سے نسبت دیتے ہیں، اور پیدا کیا ہوا اور اِفتراء کیا ہوا اور کہانیاں کہتے ہیں۔

بعضے کہتے ہیں کہ **نَبَاِ الْعَظِیْمِ** حضرت ﷺ کی نبوت ہے کہ کہتے ہیں "آیا وہ پیغمبر ہیں

۔۔یا۔۔نہیں؟ اور ساحر ہیں۔۔یا۔۔شاعر۔۔یا مجنون؟" اور بعض نے کہا کہ وہ 'بعث کی خبر ہے'، اور کافر اِس میں مختلف تھے، بعضے کہتے تھے کہ "قیامت ہے اور بت ہماری شفاعت کریں گے" اور بعضے اس سے بالکل منکر تھے اور اپنی دُنیاوی زندگی ہی کو آخری زندگی سمجھتے تھے۔ حیاتِ اخروی کا اُن کے ذہن میں کوئی تصور نہیں تھا۔ اور بعضے شک رکھتے تھے کہ قیامت ہوگی۔۔یا۔۔نہ ہوگی؟ تو یہ اسی شک میں مبتلا تھے۔

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿۴﴾ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿۵﴾

وہ سب ہرگز نہیں، جلد ہی جان لیں گے● پھر وہ سب ہرگز نہیں، جلد ہی معلوم کرلیں گے●

(وہ سب ہرگز نہیں، جلدی جان لیں گے) نزع کے وقت، کہ جس چیز میں اختلاف کرتے تھے حق ہے۔ (پھر وہ سب ہرگز نہیں، جلدی ہی معلوم کرلیں گے) قیامت کے دن اپنے قول کا باطل ہونا اور اپنے عقیدے کا خبیث ہونا۔ لہٰذا طنزیہ سوال ہرگز ہرگز نہ کریں کیونکہ اِس کا نتیجہ انہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔

'تفہیم' کے بعد بوقتِ ضرورت 'انذار' سے کام لینا بہت ہی مفید ثابت ہوتا ہے، اِس سے روحِ سعادت رکھنے والے جلد راہِ راست پر آجاتے ہیں۔۔الحاصل۔۔قیامت کا ذکر بہت ہی فائدہ بخش ہے اور اُس کے اِنکار کی کوئی بھی معقول وجہ نہیں بلکہ اُس کے تعلق سے طنزیہ سوال کرنا خطرناک انجام رکھتا ہے۔ منکرینِ قیامت کو سوچنا چاہیے کہ آخر قیامت کے اِنکار کی معقول وجہ کیا ہے؟ خدائے حکیم وقدیر کے لیے قیامت قائم کرنا مشکل اور دشوار ہی کب ہے؟ کیا انہوں نے قادرِ مطلق کی بے پایاں قدرت کے مظاہر پر غور نہیں کیا؟۔۔چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ اپنی قدرت کو ظاہر فرماتے ہوئے فرماتا ہے کہ۔۔۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا ﴿۶﴾ وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا ﴿۷﴾ وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا ﴿۸﴾ وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ﴿۹﴾ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ﴿۱۰﴾

کیا نہیں کردیا ہم نے زمین کو بچھونا● اور پہاڑوں کو میخیں؟● اور پیدا فرمایا ہم نے تم لوگوں کے جوڑے● اور کردیا ہم نے تمہاری نیند کو راحت● اور بنادیا ہم نے رات کو پردہ پوشی کے لیے●

(کیا نہیں کردیا ہم نے زمین کو بچھونا) بچھا ہوا تاکہ تمہارے ٹھہرنے کی جگہ ہو، (اور پہاڑوں

کو میخیں) کہ اس پر گڑے رہیں اور زمین اُن سے تھمی رہے؟ (اور پیدا فرمایا ہم نے تم لوگوں کے جوڑے) نراور مادہ تا کہ تمہاری نسل باقی رہے۔۔یا۔۔ہم نے تم کو طرح طرح پر پیدا کیا، کالا، گورا، لمبا، ٹھنگنا، خوبصورت اور بدشکل (اور کر دیا ہم نے تمہاری نیند کو راحت)، یعنی سونا حس وحرکت قطع کر دیتا ہے تا کہ قوائے حیوانیہ آسائش کریں اور تھکن اُس سے زائل ہو جائے۔ (اور بنادیا ہم نے رات کو پردہ پوشی کے لیے)، کیونکہ رات اپنی تاریکی میں سب چیزوں کو چھپا لیتی ہے۔

صاحبِ فتوحات فرماتے ہیں کہ رات شب بیداروں کا پردہ ہے، کہ اغیار کی نظر سے چھپا لیتی ہے تا کہ اپنی خلوت میں مکالمہ۔۔یا۔۔محاضرہ۔۔یا۔۔مشاہدہ کی لذت سے ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق مستفید ہو۔ بعض عارفین نے کہا کہ رات راہ چلنے والوں کا پردہ ہے، اور دن صبح کے جاگنے والوں کا بازار ہے۔ کاش! رات جو عاشقوں کی پردہ دار ہے ہمیشہ رہتی، یعنی دن نہ ہوتا۔

وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ﴿۱۱﴾ وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾

اور بنادیا ہم نے دن کو روزگار کے لیے● اور گنبد چنے تمہارے اوپر سات مضبوط●

(اور بنادیا ہم نے دن کو روزگار کے لیے)، یعنی کر دیا ہم نے دن کو طلبِ معیشت کا وقت تا کہ اُس کی تحصیل میں جستجو کریں۔ (اور گنبد چنے تمہارے اوپر سات مضبوط)، یعنی تمہارے سروں پر گنبد نما سات مضبوط آسمانوں کو کھڑا کر دیا جو بہت محکم ہیں، کیونکہ دراز اور سوراخ جو خلل اور زلل کا نشان ہوتا ہے اُس میں نہیں۔

انسان آسمان کے متعلق ہر زمانے میں اپنے مشاہدات اور قیاسات کے روٗ سے مختلف تصورات قائم کرتا رہا ہے جو برابر بدلتے رہے ہیں۔۔لہٰذا۔اُن میں سے کسی تصور کو بنیاد قرار دے کر قرآن کے کہے ہوئے سات مضبوط آسمان کا مفہوم متعین کرنا صحیح نہ ہوگا۔ بس مجملاً اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ **سَبْعًا شِدَادًا** سے سات آسمان مراد ہیں۔ حق تعالیٰ آگے ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وَّاَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ لِّنُخْرِجَ بِهٖ

اور روشن کیا ایک چمکدار چراغ● اور اُتارا ہم نے نچوڑنے والی بدلیوں سے پانی کو زوردار● تا کہ نکالیں اُس کے سبب سے

حَبًّا وَّنَبَاتًا ﴿۱۵﴾ وَّجَنّٰتٍ اَلْفَافًا ﴿۱۶﴾

اناج اور سبزہ کو● اور باغ گھنے●

(اور روشن کیا) آسمان میں (ایک چمکدار چراغ) یعنی آفتاب۔ (اور اُتارا ہم نے نچوڑنے والی بدلیوں سے پانی کو زوردار)، یعنی ہمیں نے بھرے بادلوں سے لگاتار پانی برسایا۔ (تاکہ نکالیں اُس کے سبب سے اناج اور سبزہ کو)، یعنی تاکہ نکالیں ہم اُس پانی سے دانہ جو غذا کو چاہیے۔۔ مثلاً: گیہوں اور جو وغیرہ اور اُگنے والی چیز جو چارے کو چاہیے جیسے گھاس بھوسا۔۔ اور بعضوں نے یہ تفسیر کی ہے کہ نکالیں ہم دریا سے دانہ موتی کا اور زمین سے سبزہ۔۔۔ (اور باغ گھنے)، یعنی باغوں کے درخت باہم لپٹے ہوئے اور ایک دوسرے سے بہت نزدیک۔

اوپر کی آیتوں میں جو نو۹ اقسام کے نمونۂ قدرت کو بیان کیا گیا ہے اُنہیں بار بار دیکھنے اور اُن پر غور وفکر کرنے سے اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے کہ جس قادرِ مطلق نے یہ کارخانۂ قدرت بنایا ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اِس کے دوبارہ پیدا کرنے پر قادر نہیں؟ یقیناً وہ تمام عالَم کو دوبارہ پیدا کرنے پر پوری طرح قادر ہے۔ اب بتایئے کہ کیا قیامت کے اِنکار کی کوئی بھی گنجائش ہے؟۔۔۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾

بے شک فیصلہ کا دن وقتِ مقرر ہے● جس دن پھونکا جائے گا صور میں، تو آؤ گے تم لوگ فوج فوج●

(بے شک فیصلہ کا دن)، اُس کے لیے ایک (وقت مقرر ہے)، یعنی قیامت اپنے وقتِ مقررہ پر آ کے رہے گی اس لیے کہ خلائق کے حساب لینے اور اُن کے اعمال کی جزا دینے کو خدا کے حکم میں ایک وقت مقرر ہے اور وہی قیامت کا دن ہے۔ (جس دن پھونکا جائے گا صور میں)۔ صورِ قیامت دو۲ مرتبہ پھونکا جائے گا۔ پہلی مرتبہ پھونکا جائے گا تو موجودہ نظامِ عالَم ٹوٹ پھوٹ جائے گا اور قیامت آ جائے گی۔ دوسری مرتبہ پھونکا جائے گا تو عالَم کا نیا نظام وجود میں آ جائے گا اور سب زندہ ہو کر اللہ کی عدالت میں حاضر ہو جائیں گے۔ پھر زندگی بھر کے عمل کا حساب ہوگا اور اُسی حساب سے جزا وسزا ملے گی۔۔ تو۔۔ جس دن پھونکا جائے گا دوسری بار صور میں (تو آؤ گے تم لوگ فوج فوج) اپنی قبروں سے میدانِ حشر میں۔

قیامت کے روز اللہ کی عدالت میں حاضر ہونے کی یہ صورت ہوگی کہ عقیدہ اور عمل کی بنا پر انسانوں کی الگ الگ جماعتیں بنیں گی۔ اہلِ توحید کی الگ، مشرکوں کی الگ، مؤمنوں کی الگ، کافروں کی الگ، متقیوں کی الگ، فاسقوں کی الگ۔ پھر درجہ کے لحاظ سے متقیوں اور فاسقوں کے زُمرہ میں بھی متعدد جماعتیں ہوں گی۔۔ چنانچہ۔۔ بکثرت نماز پڑھنے والوں کی الگ جماعت ہوگی، زیادہ خیر وخیرات کرنے والوں کی الگ، صابرین کی الگ، شاکرین کی الگ، ذاکرین کی الگ، شہداء کی الگ، صدیقین کی الگ، اِسی طرح فاسقین کی جماعت کو بھی سمجھ لیا جائے۔

غرضیکہ اس طرح ہر جماعت اللہ کی عدالت میں حاضر ہوگی۔ اس میں یہ انتباہ ہے کہ آج تم جس زمرہ میں رہوگے، کل قیامت میں اُسی جماعت کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا۔ جن ساتوں آسمانوں کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ اتنے مضبوط ہیں کہ ناقابلِ ادراک زمانہ سے قائم ہونے کے باوجود اُن کی مضبوطی کا عالم یہ ہے کہ کہیں بھی بال برابر شگاف تک نہ ہوسکا، لیکن قیامت کے دن اُن میں اِس طرح جابجا شگاف ہوجائیں گے کہ گویا پورے آسمان میں دروازے ہی دروازے ہیں۔ اِتنے مضبوط آسمان کو اسی طرح پارہ پارہ کردینا کتنی بڑی قوت وقدرت کا کام ہے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ اتنا بڑا کام بھی اُس قادرِ مطلق کے نزدیک بے حد آسان ہے۔ اتنا آسان جیسے ہمارے لیے کسی دروازے کا آسانی اور پھرتی سے کھول دینا۔ اِس حقیقت کو قرآن مجید اِن الفاظ میں بیان کرتا ہے۔۔۔

وَّفُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿١٩﴾ وَّسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ﴿٢٠﴾

اور کھول دیا گیا آسمان، تو ہوگئے دروازے● اور چلائے گئے پہاڑ، تو ہوگئے چمکتی ریت●

(اور) واضح فرماتا ہے کہ (کھول دیا گیا آسمان، تو ہوگئے دروازے)۔ یعنی آسمان کے اجزاء جو باہم خوب جڑے ہوئے ہیں اُن کو کھول دیا جائے گا۔ اب اِس کثرت سے شگاف ہوگا جیسے دروازے ہی دروازے ہیں۔

آسمان میں اتنے شگاف کردینا قدرتِ حق کے نزدیک ایسا ہی ہے جیسے کوئی بند چیز آسانی سے کھول دی جائے۔ قیامت میں زمین کا نظام اس طرح ٹوٹ پھوٹ جائے گا کہ مضبوط سے مضبوط چٹانوں کے پہاڑ بھی جڑ سے اکھڑ کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور فضا میں غبار کی طرح اُڑنے لگیں گے۔ اُس کے بعد زمین پر گریں گے اور ریگستان کا ایک طویل

پھیلاؤ ہوگا جو دُور سے پانی معلوم ہوگا۔ الحتصر۔۔

آسمان میں شگاف ڈال دیئے گئے (اور چلائے گئے پہاڑ، تو ہو گئے چمکتی ریت)، یعنی ریزہ ریزہ ہو کر غبار بن کر اڑے اور پھر ریت بن کر زمین پر آرہے۔ اگرچہ وہ دیکھنے میں پہاڑ ہوں گے مگر اجزاء پراگندہ ہونے کی وجہ سے پہاڑ ہونے کی اصلیت اور حقیقت پر باقی نہ رہیں گے۔

اب آگے اِس سوال کا جواب دیا جارہا ہے کہ قیامت کے روز سرکشوں کا کیا حال ہوگا۔ تو سن لو کہ۔۔۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝۲۱ لِّلطَّاغِيْنَ مَاٰبًا ۝۲۲ لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا ۝۲۳

بے شک جہنم تاک میں ہے● سرکشوں کا ٹھکانہ● وہ رہنے والے ہیں اُس میں بے انتہا مدتوں تک●

(بے شک جہنم تاک میں ہے) اور خلق کی گزرگاہ ہے، سب کو اُس پر سے گزرنا پڑے گا۔۔ یا۔۔ کمین گاہ، کہ دوزخ کے فرشتے وہاں منتظر کھڑے ہوں گے کافروں پر عذاب کرنے کو اور کافر اُن سے بھاگ نہ سکیں گے۔۔ یا۔۔ اُس مقام پر جہاں دوزخ کے فرشتے تو کافروں کے منتظر ہوں گے، وہیں جنت کے فرشتے مؤمنوں کی نگہبانی کرتے ہوں گے تا کہ صراط پر گزرتے وقت آگ کے تعرض سے محفوظ رہیں۔ اور یہ جہنم ہوگی (سرکشوں کا ٹھکانہ) جو سرکشی میں حد سے گزرے ہوئے ہیں۔ (وہ رہنے والے ہیں اُس میں بے انتہا مدتوں تک)۔

معالم میں مجاہد علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ یہ 'احقاب' جو حق تعالیٰ نے ذکر کیے تینتالیس ۴۳ 'حقبے' ہیں۔ ہر حقبہ 'ستر' 'خریف' کا، ہر خریف سات ۷۰۰ سو برس کا، ہر برس تین سو ساٹھ ۳۶۰ دن کا، اور ہر دن ہزار ۱۰۰۰ برس کا ہوتا ہے۔ اِس سے یہ مراد نہیں کہ کافروں کے عذاب کے واسطے مدت معین کر دی گئی ہو، بلکہ مراد یہ ہے کہ جو 'حقبہ' گزرتا ہے اُس کے بعد دوسرا 'حقبہ' آتا ہے۔ یہ ابدالآباد تک۔۔۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝۲۴ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ۝۲۵ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝۲۶

نہ مزہ چکھیں گے اُس میں ٹھنڈک کا، اور نہ پینے کا● مگر کھولتا پانی اور پیپ● بدلہ موافق کرتوت کے●

(نہ مزہ چکھیں گے اُس میں ٹھنڈک کا) ہوا کی، کہ اُس سے راحت پائیں۔ اور وہ ٹھنڈک دوزخ کی گرمی کو اُن سے روکے۔۔۔ اور بعضوں نے کہا کہ **بَرْدًا** سے خواب مراد ہے۔۔۔ یعنی اُن کو جہنم میں نیند نہیں ہے کہ اُس سے آسائش پائیں۔ (اور) یوں ہی وہ (نہ) مزہ پائیں گے (پینے کا)،

یعنی وہ نہ پئیں گے کوئی پینے کے لائق چیز (مگر کھولتا پانی)۔ایسا کھولتا پانی کہ جب اُسے منہ کے پاس لائیں گے تو منہ کی کھال اُس میں جل کر گر پڑے گی اور جب پئیں گے تو آنتیں ٹکڑے ہو جائیں گی (اور) دوسری چیز جو اُن کو پینے کو دی جائے گی وہ ہے (پیپ) جو اُن کے زخموں سے بہتی ہوگی۔۔یا۔۔ آنسو جو حسرت کے مارے برساتے ہوں گے۔۔یا۔۔ زمہریر کہ اُس سے عذاب کیے جائیں گے (بدلہ موافق کرتوت کے)، یعنی عمل کے مناسب سزا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ﴿٢٧﴾ وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَّابًا ﴿٢٨﴾

بے شک یہ لوگ نہیں مانتے تھے حساب کو● اور جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو بے حد●

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿٢٩﴾

اور ہر چیز کو شمار کرلیا تھا ہم نے لکھ کر●

(بے شک یہ لوگ نہیں مانتے تھے) آخرت کے (حساب کو)۔۔یا۔۔امیدوار نہ تھے اُس کے ثواب کے۔(اور جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو بے حد) جو انبیاء علیہم السلام نے اُن پر ظاہر کیں۔(اور ہر چیز کو شمار کرلیا تھا ہم نے لکھ کر)، یعنی لوگو! تم جو کچھ کرتے ہو اطاعت۔۔یا۔۔معصیت۔سن لو! کہ اللہ کے فرشتے اُسے قلمبند کرتے رہتے ہیں، اس طرح تمہارے اعمال کا ریکارڈ لکھا ہوا موجود ہے، یہی ہے تمہارا نامہء اعمال۔یہیں سے سمجھ لینا چاہیے کہ محاسبہء الٰہی سے نڈر ہو جانے کا اور آیاتِ الٰہی پر ایمان نہ رکھنے کا انجام کتنا خطرناک ہے، اور اس کے نتیجے میں ملنے والے عذاب میں ذرّہ برابر تخفیف نہ ہو گی بلکہ عذاب میں اضافہ ہوتا رہے گا۔۔۔آگے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

ع ۲

فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿٣٠﴾ إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿٣١﴾

اب چکھو! کہ ہم نہ بڑھائیں گے تمہارے لیے، مگر عذاب کو● بے شک اللہ سے ڈرنے کے لیے مقام کامیابی ہے●

حَدَائِقَ وَأَعْنَابًا ﴿٣٢﴾ وَكَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿٣٣﴾ وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿٣٤﴾

باغ اور انگور● اور دوشیزہ ہم سن● اور لبالب جام●

(اب چکھو! کہ ہم نہ بڑھائیں گے تمہارے لیے مگر عذاب کو)، یعنی عذاب پر عذاب کرتے رہیں گے۔

حدیث میں ہے کہ قرآن میں دوزخیوں کے واسطے جو وعید کی آیتیں ہیں اُن سب میں
یہ آیت سخت ہے۔

ان کافروں کے برعکس (بے شک اللہ) تعالیٰ (سے ڈرنے والوں کے لیے مقام کامیا
ہے) یعنی عذاب سے چھٹکارا ہے۔۔۔یا۔فوز وفلاح کی جگہ ہے، کہ وہ (باغ اور انگور) ہیں۔۔۔با
میں میوہ دار درختوں اور انگور کے درختوں کی تخصیص فضیلت کی جہت سے ہے۔۔۔(اور) اُن کے لـ
ہے (دوشیزہ ہم سن)۔۔۔اکثر تفسیروں میں ہے کہ جنت میں عورتیں اور مرد تینتیس[۳۳] تینتیس[۳۳] برس کی
عمر کے ہوں گے۔۔۔(اور) اُن کے واسطے ہیں (لبالب جام) جو پے در پے ان کو ملتے رہیں گے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝

نہ سنیں گے اُس میں بے ہودہ بات، اور نہ جھٹلانے کو ● ثواب تمہارے رب کی طرف سے، پوری پوری عطا ●

(نہ سنیں گے اُس میں بے ہودہ بات اور نہ جھٹلانے) والی بات (کو)، یعنی جنت کی شراب
کی یہ خصوصیت ہے جو اُسے پی لے وہ لغو اور عیب دار باتیں نہیں کر سکتا اور نہ جھوٹ بول سکتا ہے، اس
کے برخلاف حالت ہے اُن شرابیوں کی جو دنیا کی شراب پیتے ہیں کہ اُن کی مجلسوں میں ہذیان او
خلاف اور جنگ و جدال بہت ہوتا ہے۔جنتیوں پر یہ نوازش دراصل ہے (ثواب تمہارے رب کی
طرف سے) اپنے وعدے کے موافق (پوری پوری عطا)، یعنی عطا کی جائے گی اُن کو ربِّ کریم کے
فضل سے عطا وافی اور کافی، یعنی بس کرنے والی۔۔یا۔۔اُن کے اعمال کے موافق۔یہ عطا اُس ربّ
کریم کے طرف سے ہوگی جو۔۔۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ۝

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے درمیان ہے سب کا رب اللہ مہربان، نہ اختیار رکھیں گے اُس سے بولنے کا ●

يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ

جس دن کہ کھڑے ہوں گے روح الامین اور سب فرشتے صف باندھ کر۔نہ بولیں گے مگر وہ جسے اجازت دے چکا اللہ

الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝

مہربان، اور وہ بولتا رہا ٹھیک بولی ●

(آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا رب) ہے اور (اللہ مہربان)

جوایسا ذی اقتدار ہے کہ (نہ اختیار رکھیں گے اُس سے بولنے کا) اہلِ آسمان اور اہلِ زمین میں سے کوئی۔

اُس کے اِذن کے بغیر۔۔یا۔۔اس بات پر کہ خدا سے بات کریں اور اُس کے ثواب اور عذاب پر اعتراض کریں، اس واسطے کہ سب مملوک ہیں اور مملوک مالک نہیں ہوسکتا۔

۔۔چنانچہ۔۔(جس دن کہ کھڑے ہوں گے روح الامین) حضرت جبرائیل علیہ السلام (اور سب فرشتے صف باندھ کر)، تو وہ شفاعت کے باب میں (نہ بولیں گے مگر وہ جسے اجازت دے چکا اللہ مہربان)۔

یعنی شفاعت وہی کرے گا جس کو خدائے مہربان نے اجازت دے دی ہو کہ تم شفاعت کرو ۔۔یا۔۔کسی کی شفاعت نہ کریں گے مگر اُس کی کہ خدا جس کی شفاعت کے باب میں اِذن دے۔۔الختصر ۔۔شفاعت وہی کرسکے گا جس کو خدائے مہربان شفاعت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائے، اور وہ صرف اُسی کی شفاعت کرسکے گا جس کی شفاعت کرنے کا اِذن حق تعالیٰ عطا فرمائے (اور وہ بولتا رہا ٹھیک بولی)، یعنی شفاعت اُسی کی کی جائے گی جو دُنیا میں کلمہ توحید کو مانتا اور بولتا رہا۔ یعنی یہ شفاعت کرنے والے مؤمنوں کے سوا کسی اور کی شفاعت نہ کریں گے۔

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾ اِنَّآ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚ

وہ ہے روزِ حق۔ تو جس نے چاہا بنالیا اپنے رب کی طرف ٹھکانہ ● بے شک ہم نے ڈرادیا تمہیں اُس عذاب سے جو نزدیک ہے۔۔

يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَيَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا ﴿۴۰﴾ ع ۲

جس دن کہ دیکھ لے گا آدمی، جو کچھ پہلے بھیجا اُس کے ہاتھوں نے، اور کہے گا کافر کہ "اے کاش! میں ہوجاتا مٹی" ●

(وہ)، یعنی روزِ قیامت (ہے روزِ حق)، یعنی وہ دن ہونا ہے اور ضرور ہوگا۔ (تو جس نے چاہا بنالیا اپنے رب کی طرف ٹھکانہ)، یعنی ایمان اور طاعت کے سبب سے اپنے رب کے سایہ کرم میں آگیا۔۔آگے حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔(بے شک ہم نے ڈرادیا تمہیں) اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب کے ذریعہ (اُس عذاب سے)، یعنی عذابِ آخرت سے (جو نزدیک ہے)۔ اُس کا قرب تحقیق کی جہت سے ہے کہ اُس کا ہونا حق ہے (جس دن کہ دیکھ لے گا آدمی جو کچھ پہلے بھیجا اُس کے ہاتھوں نے)، یعنی اپنے اچھے بُرے کردار کے نتائج اُس کے سامنے ہوں گے۔ (اور) اپنا نتیجہ دیکھنے کے بعد (کہے گا کافر کہ "اے کاش! میں ہوجاتا مٹی")۔ یعنی ہرگز میں اس صورت میں پیدا ہی نہ ہوتا

۔۔یا۔۔آج خاک رہتا اور مجھ کو زندہ ہی نہ کرتے۔

اور بعضوں نے کہا کہ وحوش کو حشر کر کے جب خاک کریں گے تو کافر تمنا کریں گے کہ کاش ہمارا بھی یہی حال کر دیا جاتا۔ بعضے کہتے ہیں کہ اس کافر سے ابلیس مراد ہے اور وہ آدم علیہ السلام پر عیب رکھتا تھا کہ خاک سے پیدا کیے گئے ہیں اور اپنی تعریف اور بزرگی کرتا تھا کہ میں آگ سے پیدا ہوں۔ جب اُس روز آدم علیہ السلام اور اُن کی ایمان والی اولاد کی بزرگی اور اپنا عذاب اور سختی دیکھے گا تو آرزو کرے گا کہ کاش! میں بھی خاک سے ہوتا اور آدم علیہ السلام سے نسبت رکھتا۔ اَے عقل والو! دیکھو یہ دبدبہ اور طنطنہ جو خاکیوں کو ہے مخلوقات کے طبقوں میں سے کسی طبقہ کو نہیں ہے۔

اختتام سورۂ نبا ۔۔۔ ۴/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء [redacted]

[redacted] ۵/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۲/اکتوبر ۲۰۱۲ء [redacted]

سورۃ النّٰزعٰت ۷۹ مکیۃ ۸۱ — آیاتہا ۴۶ رکوعاتہا ۲

سُوْرَةُ النّٰزِعٰتِ

سورۃ النازعات۔۔ ۷۹ مکیہ ۸۱ — آیاتہا ۴۶۔۔رکوعاتہا ۲

اِس سورۂ مبارکہ کا نام اِسی سورت کی آیت اسے ماخوذ ہے۔اِس سورہ میں بھی اِس کے ماقبل والی 'سورۂ نباء' کی طرح قیامت کے حقائق بیان کیے ہیں، اِس سے دونوں کا ربط ظاہر ہے۔ ایک قول کے مطابق 'ترتیبِ نزول' اور 'ترتیبِ مصحف' دونوں ہی کے اعتبار سے اِس کا نمبر ۸۱ ہے۔۔نیز۔۔ایک قول کے مطابق اِس میں ۴۵ آیتیں ہیں۔ ایسی اہم مضامین پر مشتمل سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۝١ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝٢

قسم ہے اُن ہستیوں کی جو کھینچ لینے والی ہیں کافروں کی ڈوبی جان کو۔ اور آسانی سے بند کھولنے والی ہیں مسلمانوں کی۔

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۝۳ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۝۴ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۝۵

اور تیر کر چلنے والی ہیں چال میں ● پھر آگے بڑھ بڑھ جانی والی ہیں جلد ● پھر تدبیر کرنے والی ہیں کام کی --●--

(قسم ہے اُن ہستیوں کی جو کھینچ لینے والی ہیں کافروں کی ڈوبی جان کو)۔ یعنی اُن فرشتوں کی قسم جو کافروں کی جان سختی سے قبض کرتے ہیں۔ (اور) قسم ہے اُن ہستیوں کی بھی جو (آسانی سے بند کھولنے والی ہیں مسلمانوں کی)۔ یعنی قسم ہے اُن فرشتوں کی بھی جو مسلمانوں کے جسم و جان کا بندھن بڑی نرمی سے کھولتے ہیں۔ (اور) اُن ہستیوں کی قسم جو (تیر کر چلنے والی ہیں چال میں)۔ یعنی اُن فرشتوں کی بھی قسم جو روح کو لے کر ہوا میں تیرتے ہوئے جاتے ہیں (پھر آگے بڑھ بڑھ جانے والی ہیں جلد)۔ یعنی قسم اُن فرشتوں کی بھی جو حکم الٰہی کے بجالانے میں سبقت کرتے ہیں۔ (پھر تدبیر کرنے والی ہیں کام کی)۔ یعنی قسم اُن فرشتوں کی بھی جو بحکم الٰہی عالَم کی تدبیریں لگے ہیں-- چنانچہ-- حضرت جبرائیل علیہ السلام' جو ہواؤں اور لشکروں پر موکل ہیں، اور اسرافیل علیہ السلام' کہ امورِ قضا و قدر کے ساتھ نزول کرنے والے ہیں، اور میکائیل علیہ السلام' کہ مینھ اور گھاس کی تقسیم اُن سے متعلق ہے، اور عزرائیل علیہ السلام' کہ قابضِ ارواح ہیں-- الغرض-- اُن سب کی قسم۔

اور بعضوں نے کہا کہ قسم اُن تاروں کی جو دوڑتے ہیں مشرق سے مغرب تک، اور جانے والے ہیں ایک بُرج سے دوسرے بُرج میں، اور تیرتے ہیں آسمان میں اور ایک دوسرے پر پیشی لے جاتے ہیں سیر میں، اور تدبیر کرنے والے ہیں اُس امر کی جو اُن سے متعلق ہے اللہ کے حکم کے ساتھ، جیسے ہوا کا اختلاف اور فصلوں کا بدلنا-- یا-- غازیوں کے گھوڑوں کی قسم جو باگ کھنچے ہوئے جاتے ہیں دارِ اسلام سے، اور تسبیح کرتے ہیں چلنے میں، اور سبقت لے جاتے ہیں صفِ جہاد میں، اور اُن کے سبب سے خدا کے دشمنوں پر فتح و ظفر پانے کا کام تدبیر پاتا ہے۔

-- یا-- بزرگ نفسوں کی قسم جو چھوڑائے جاتے ہیں خواہشوں سے، اور خوشی کرتے ہوئے عالَمِ قدس میں جا کر بلندی کے مراتب میں پیرتے ہیں اور کمالات حاصل کرنے میں سبقت کرتے ہیں، یہاں تک کہ مکمل ہو کر ہدایت و ارشاد کے امور کے متکفل اور مدبر ہوتے ہیں۔ بہر تقدیر ہر قسم کا جواب یہ ہے کہ تم قبروں سے زندہ کر کے پھر اُٹھائے جاؤ گے اور تم سے حساب لیا جائے گا، تو یاد کرو وہ دن کہ---

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿۸﴾

جس دن تھرتھرادے گی تھرتھرانے والی● اُس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی● کتنے دِل اُس دن دھڑکنے والے ہیں●

أَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ﴿۹﴾

اُن کی آنکھیں جھکی ہیں--●--

(جس دن تھرتھرادے گی تھرتھرانے والی)، یعنی اُس دن کی ہیبت سے پہاڑ اور زمین سب تھرائیں گے اور یہ حال نفخہء اولیٰ کے وقت ہوگا، یعنی جب پہلی بار صور پھونکا جائے گا تو سب تھرائیں گے اور سارے زندے ہَول کے مارے مرجائیں گے۔ پھر (اُس کے پیچھے آئے گی پیچھے آنے والی) یعنی نفخہء ثانیہ، کہ اُس کے سبب سے خلق زندہ ہوگی۔ (کتنے دِل اُس دن دھڑکنے والے ہیں) کہ (اُن) دِل والوں (کی آنکھیں جھکی ہیں) یعنی نیچی بند ہوں گی۔

يَقُولُونَ أَإِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ؕ﴿۱۰﴾ أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿۱۱﴾

یہ لوگ کہتے ہیں کہ "کیا ہم واقعی واپس کیے جائیں گے پہلی حالت میں● کیا جب ہوگئے ہم ہڈیاں گلی ہوئی"●

قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿۱۲﴾

بولے کہ "یہ تو ایسا پلٹنا بڑا نقصان ہے"--●--

جو لوگ آج دُنیا میں بعث وحشر کے منکر ہیں (یہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا ہم واقعی واپس کیے جائیں گے پہلی حالت میں)، یعنی ہم کو کیا مرنے کے بعد اِسی حالت میں پھیریں گے جو ہم رکھتے ہیں۔ (کیا جب ہوگئے ہم ہڈیاں گلی ہوئی) پرانی خاک ہوجانے کے قریب، تو کیا ہم کو پھر زندہ کرکے اُٹھائیں گے؟ تو بطورِ استہزا (بولے کہ یہ تو ایسا پلٹنا بڑا نقصان ہے) یعنی اگر ہم کو حشر کی طرف رجوع ہوئی تو ہم نقصان اُٹھانے والے ہوں گے، اس واسطے کہ ہم نے تو ہمیشہ اُس کی تکذیب کی ہے---
حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم دشوار پکڑتے ہو امرِ قیامت کو---

فَإِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ فَإِذَا هُم بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾

تو وہ بس ایک ڈانٹ ہے● کہ اُسی وقت وہ لوگ میدان میں ہیں●

(تو وہ بس ایک ڈانٹ ہے) یعنی پس سوا اِس کے نہیں کہ وہ ایک چیخ ہے، یعنی اسرافیل علیہ السلام

کی ایک پھونک ہے کہ سب خلائق اُس کے سبب سے زندہ ہو جائے گی۔ پھر ایسا ہوگا کہ صاف نظر آئے گا (کہ اُسی وقت وہ لوگ میدان میں ہیں)۔ الحاصل۔ اُس وقت روئے زمین میں ہوں گے اور وہ زمین سفید ہوگی۔

اور بعضوں نے کہا کہ سَاهِرَة ایک زمین کا نام ہے بیت المقدس کے قریب جبلِ اریحا کے گرد، کہ محشر اُس جگہ پر ہوگا۔ حق تعالیٰ جس قدر چاہے گا اُس کو کشادہ کر دے گا۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ زمینِ سَاهِرَة کو خدا نے کچی چاندی سے پیدا کیا ہے اور اُس کا عرض وطول زمینِ دُنیا کی ایسی چالیس زمینوں کے برابر ہوگا۔۔۔ اب اِس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ دو مقاصد کے پیشِ نظر بیان کیا گیا ہے۔ ایک مقصد تو 'انذار' ہے کہ نبی کی دعوت میں ہٹ دھرمی اور بغاوت سے کام نہ لو اِس کا انجام بڑا خطرناک ہے، فرعون کے انجام سے عبرت پکڑو۔ دوسرا مقصد نبی کریم ﷺ اور مسلمانوں کو تسلی دینا ہے کہ کافر آج لاکھ قوت وشوکت رکھتے ہوں اور اِس گھمنڈ میں دینِ حق کو کچل دینا چاہتے ہوں، لیکن اُن کی تمام قوت وشوکت اُن کے لیے وبالِ عظیم بن جائے گی اور حق ہمیشہ بے بس نہیں رہ سکتا۔ تو اَے محبوب!۔۔۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ﴿١٥﴾ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿١٦﴾

کیا آیا تمہارے پاس موسیٰ کا واقعہ --● جب کہ ندا دی اُن کو اُن کے رب نے وادئ مقدس طویٰ نام میں●

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿١٧﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ﴿١٨﴾

کہ "جاؤ فرعون کی طرف، کہ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے"● پھر کہو کہ "کیا تُو چاہتا ہے کہ پاکیزہ ہو جائے؟●

وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿١٩﴾

اور میں ہدایت کروں تیری تیرے رب کی طرف کہ تُو ڈرنے لگے"●

(کیا آیا تمہارے پاس موسیٰ کا واقعہ) تاکہ اپنے دِل کو قوم کی تکذیب پر تسلی دے اور مومنوں کو وعدہ کی اور کافروں کو وعید کی خبر فرمادے۔ تو اَے محبوب! یاد کرو (جبکہ ندا دی اُن کو اُن کے رب نے وادئ مقدس طویٰ نام میں)۔ یعنی اُس مقدس پاکیزہ مقام میں جس کا نام 'طویٰ' ہے۔ (کہ جاؤ فرعون کی طرف کہ بے شک وہ سرکش ہو گیا ہے) اور تکبر میں حد سے گزر گیا ہے، (پھر کہو کہ) اَے تکبر وسرکشی میں حد سے گزر جانے والے! (کیا تُو چاہتا ہے کہ پاکیزہ ہو جائے؟) یعنی کیا کفر اور

گناہ سے پاکیزہ ہونے کی تجھ کو میل اور رغبت ہے؟ (اور) کیا تو چاہتا ہے کہ (میں ہدایت کردوں تیری تیرے رب کی طرف کہ تُو ڈرنے لگے) اُس کے عذاب سے اور بچے سرکشی اور اُس کی نافرمانی سے؟۔۔۔ موسیٰ علیہ السلام خدا کے حکم سے فرعون کے پاس گئے اور خدا کا پیغام پہنچایا، اُس نے معجزہ طلب کیا۔۔تو۔۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾

پھر دکھائی اُسے بڑی نشانی● تو جھٹلا دیا اُس نے اور نافرمانی کی● پھر پیٹھ پھیر لیا، اپنی کوشش کررہا ہے●

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾

چنانچہ ہانک لایا سب کو●

(پھر دکھائی اُسے بڑی نشانی) اور عصا کو سانپ سے بدل دیا، (تو جھٹلا دیا اُس نے اور نافرمانی کی)۔ یعنی فرعون نے جب دیکھا عصا اژدہا ہوگیا تو فرعون بولا کہ یہ خدا کے پاس سے نہیں ہے بلکہ موسیٰ کا جادو ہے، تو اُس نے حضرت موسیٰ کو جھٹلا دیا اور خدا کے حکم میں گنہگار ہوگیا۔ (پھر پیٹھ پھیر لیا) اِس حال میں کہ (اپنی کوشش کررہا ہے)۔ یعنی حضرت موسیٰ کی طرف سے رخ موڑ لیا اور اِس کوشش میں لگ گیا کہ اُن کے امر کو باطل کردے۔۔۔ اور بعضوں نے کہا کہ اژدہا دیکھ کر پیٹھ موڑی اور اُلٹا بھاگا اور بھاگنے میں دوڑتا تھا۔۔۔ (چنانچہ ہانک لایا سب کو) یعنی اپنی ساری قوم کو اکٹھا کرلیا۔

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾

پھر پکارنے لگا، تو بولا کہ "میں ہوں تمہارا سب سے بلند و بالا رب"● تو گرفتار کیا اُس کو اللہ نے آخرت اور دُنیا کے عذاب میں●

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ ع ۲

بے شک اِس میں یقیناً سبق ہے اُس کے لیے جو ڈرے●

(پھر) ندا دی اُن کو خود ہی اور (پکارنے لگا، تو بولا کہ میں ہوں تمہارا سب سے بلند و بالا رب)۔ یعنی جو بت میری صورت پر ہیں سب خدا ہیں اور میں سب سے بڑا خدا ہوں۔

امام قشیری نے لطائف میں لکھا ہے کہ ابلیس یہ بات سنتا تھا اور کہتا تھا کہ مجھ میں بھی یہ بات کہنے کی جراٗت نہیں۔ میں نے آدم پر اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کا دعویٰ کیا تھا مجھ پر یہ بلاء پہنچی، یہ

جو ایسی ڈینگ ہانکتا ہے دیکھیے اِس کا کام کس خرابی کو پہنچے۔۔۔

(تو گرفتار کیا اُس کو اللہ) تعالیٰ (نے آخرت اور دُنیا کے عذاب میں)۔ آخرت کا عذاب جلنا ہے اور دُنیا کا عذاب ڈوبنا ہے۔۔یا۔۔دو کلموں کے وبال میں اللہ تعالیٰ نے اُسے ماخوذ کیا۔ ایک تو یہی اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ہے اور دوسرا کلمہ یہ ہے جو اُس نے کہا تھا کہ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ۔۔ یعنی میں نہیں جانتا تمہارے لیے کوئی خدا اپنے سوا۔۔۔اور اِن دونوں کلموں میں چالیس برس کا فرق تھا۔

شیخ رکن الدین علاء الدولہ قدس سرہ نے فرمایا کہ ایک وقت مجھ کو جوش ہوا، تو میں منصور حلاج کی زیارت کو گیا۔ مراقبہ کیا تو اُن کی روح میں نے 'علیین' سے اعلیٰ مقام میں پائی، تو میں نے مناجات کی کہ خدایا یہ کیا حال ہے؟ فرعون نے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہا اور منصور نے اَنَا الْحَقّ۔ دونوں نے ایک دعویٰ کیا، حسین حلاج کی روح 'علیین' میں ہے اور فرعون کی روح 'سجین' میں ہے، تو مجھ کو ندا پہنچی کہ فرعون خود بینی میں پڑا، بالکل اپنے ہی کو دیکھا مجھ کو گم کر دیا، اور حسین حلاج نے مجھی کو دیکھا اپنے کو گم کر دیا، تو اُن دونوں دعووں میں بہت فرق ہے۔

(بے شک اِس میں) یعنی فرعون کے پکڑنے میں (یقیناً سبق ہے اُس کے لیے جو ڈرے) اور نافرمانی سے پرہیز کر کے حکم مانے۔ اَے بعث وحشر کے منکرو! بتاؤ۔۔۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰهَا ﴿٢٧﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿٢٨﴾

کیا تم لوگ زیادہ مضبوط ہو پیدائش میں، یا آسمان جسے گنبد بنایا اُس نے؟۔۔● ۔۔ بلند فرمایا اُس کی چھت کو، پھر سڈول کیا اُسے●

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿٢٩﴾

اور اندھیرا چھا دیا اُس کی رات پر، اور برآمد کیا اُس کے روشن دن کو●

(کیا تم لوگ زیادہ مضبوط ہو پیدائش میں یا آسمان جسے گنبد بنایا اُس نے) تمہارے سر پر اور (بلند فرمایا اُس کی چھت کو)، یعنی اُس کی بلندی کی مقدار کو زمین سے بلند کیا۔ (پھر سڈول کیا اُسے)، یعنی اُسے سیدھا اور برابر کر دیا بغیر کسی فتور اور قصور کے۔ (اور اندھیرا چھا دیا اُس کی رات پر)، یعنی اُس کی رات کو تاریک کر دیا (اور برآمد کیا اُس کے روشن دن کو)۔

رات دن کی اضافت آسمان کی طرف اِس جہت سے ہے کہ دن رات پیدا ہونے کا سبب آسمان کی گردش ہے۔ امام زاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دُنیا میں رات دن آسمان کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں اس وجہ سے کہ آسمان پر آفتاب اور ماہتاب پیدا ہیں۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾

اور زمین کو اُس کے بعد بچھا دیا● برآمد کیا اس سے اِس کے پانی اور اِس کے چارے کو●

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

اور پہاڑوں کو گاڑ دیا● پونجی تمہارے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے●

(اور زمین کو اُس کے بعد) یعنی آسمان پیدا کرنے کے بعد (بچھا دیا) اور پھیلا دیا۔

جمہور علماء اِس بات پر ہیں کہ زمین کی خلقت آسمان پیدا ہونے کے قبل ہے اور اِس کا بچھایا جانا آسمان پیدا ہونے کے بعد ہے۔

(برآمد کیا اُس سے) یعنی نکالا بچھائی ہوئی زمین سے (اُس کے پانی) کو چشمے اور نہریں جاری کر کے، (اور اُس کے چارے کو) زمین میں گھاس اُگنے کی جگہیں اور چراگاہ بنا کے۔ (اور پہاڑوں کو گاڑ دیا) زمین پر محکم اور پائدار کر دیا۔ اور یہ سب یعنی زمین کو بچھانا، پہاڑوں کا مضبوط جمانا اور چراگاہیں ظاہر کرنا، ہے (پونجی تمہارے لیے اور تمہارے چوپایوں کے لیے)۔۔ الغرض۔۔ یہ سب تمہارے ہی فائدہ کے واسطے ہیں۔

ان کے معاش کے بیان کے بعد اب ان کے معاد یعنی انجامِ آخرت کا ذکر شروع فرما دیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔۔۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾

تو جہاں آ گئی وہ بڑی مصیبت● جس دن یاد کرے گا انسان جس کی کوشش کرتا رہا●

وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ﴿۳۷﴾ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ

اور ظاہر کر دی گئی دوزخ ہر اُس کے لیے جو دیکھے● تو جس نے سرکشی کی تھی● اور اختیار کیا تھا

الدُّنْيَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۳۹﴾

دُنیاوی زندگی کو● تو بے شک جہنم ہی اُس کا ٹھکانہ ہے●

(تو جہاں آگئی وہ بڑی مصیبت) جو قیامت کی سب بلاؤں سے زیادہ سخت ہوگی۔ اور وہ وہ عت ہے کہ دوزخیوں کو دوزخ کی طرف ہنکائیں گے اور جنتیوں کو جنت میں پہنچائیں گے۔ اُس ت ہوگا جو کچھ ہوگا، (جس دن یاد کرے گا انسان جس کی کوشش کرتا رہا)، یعنی نامہء اعمال اُس کے ھ میں دیں گے کہ پڑھے۔ (اور ظاہر کردی گئی دوزخ ہر اُس کے لیے جو دیکھے)، یعنی اس طرح زخ ظاہر کی جائے گی کہ جو بینائی والا ہے وہ دیکھے۔ (تو جس نے سرکشی کی تھی اور اختیار کیا تھا دُنیاوی ندگی کو)، یعنی جو حد سے گزر گیا اور ایمان نہیں لایا، اور دُنیا ہی میں الجھ کے رہ گیا اور راہِ آخرت پر چلنا ول گیا، اور اپنی آخرت کے درست کرنے کا خیال بھی نہیں کیا، اسی لیے ایسے اعمال انجام ہی نہیں یئے جو آخرت کی صلاح وفلاح کے باعث ہوں، (تو بے شک جہنم ہی اُس کا ٹھکانہ ہے) اور دوزخ ں اُس کے رہنے کی جگہ ہے۔

وَاَمَّا مَنۡ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفۡسَ عَنِ الۡهَوٰى ﴿۴۰﴾

لیکن جو ڈرا کیا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کو اور روکا کیا نفس کو ہوائے نفس سے ●

فَاِنَّ الۡجَـنَّةَ هِىَ الۡمَاۡوٰى ﴿۴۱﴾

تو بلاشبہ جنت ہی اُس کا ٹھکانہ ہے ●

(لیکن جو ڈرا کیا اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے کو) عتاب اور عرض کے موقف میں، (اور روکا کیا نفس کو ہوائے نفس سے)، یعنی روکتا رہا اور منع کرتا رہا اپنے نفس کو اُس کی حرام اور ناشائستہ تمناؤں اور آرزوؤں سے، (تو بلاشبہ جنت ہی اُس کا ٹھکانہ ہے) اور اُس کے آرام کی جگہ ہے۔

فصول میں ہے کہ یہ آیت اُس کی شان میں ہے جو خلوت میں گناہ کا قصد کرے اور اُس پر قادر ہو اور نفس کے خلاف کر کے خدا سے ڈرے اور اُس کام سے باز رہے۔ اِس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کے امکان پر دلائل قائم فرمائے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے وقوع کی خبر دی، پھر قیامت کے دن رونما ہونے والے ہولناک اور دہشت ناک مناظر بیان فرمائے، پھر قیامت کے دن مؤمنوں اور کافروں کے انجام کی خبر دی اور اُس کے بعد اب 'النّٰزعٰت' آیت ۴۲ میں فرمایا ہے کہ یہ لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ اے محبوب!۔۔۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ﴿۴۲﴾ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ﴿۴۳﴾

پوچھتے ہیں تم سے قیامت کے بارے میں کہ" کب ہے اُس کا کھڑا ہونا؟" • کیا غرض تمہیں اُس کے بتانے سے •

اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ﴿۴۴﴾

تمہارے رب کی طرف اُس کا انجام کار •

(پوچھتے ہیں تم سے قیامت کے بارے میں کہ" کب ہے اُس کا کھڑا ہونا؟" • کیا غرض تمہیں اُس کے بتانے سے)۔ یعنی آپ کا اُس ذکر سے کیا تعلق ہے، آپ کے فریضۂ نبوت میں قیامت کا وقت بتانا نہیں ہے بلکہ اُن عقائد واعمال کو اپنانے کی دعوت دینا ہے جو قیامت کے عذاب سے بچانے والے ہیں۔ آپ کا یہ بھی منصب نہیں کہ اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتائیں کہ قیامت کب واقع ہوگی کیوں کہ ہے (تمہارے رب کی طرف اُس کا انجام کار)، یعنی قیامت کے وقوع کے علم کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق میں سے کسی کو اُس کے وقوع کا علم نہیں دیا۔

واضح رہے کہ ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے وقوع کی خبر نہیں دی تھی، پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُس کے وقوع کا علم عطا فرما دیا۔ مگر چونکہ اُس کی حکمتِ بالغہ یہی تھی کہ قیامت جس پر آئے اچانک آئے، تو اُس کے بتانے کو رسولِ کریم کے فریضۂ نبوت میں نہیں رکھا بلکہ کسی کو اُس کے وقوع کی خبر نہ دینا آپ پر لازم فرما دیا تا کہ قیامت حکمِ قرآنی کے مطابق جس پر آئے اچانک ہی آئے۔ نبی کریم قرآن کریم کی تصدیق فرمانے والے ہیں نہ کہ تکذیب کرنے والے۔ مذکورہ تفصیل کی روشنی میں آیتِ کریمہ کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے وقوع کے علمِ ذاتی کی انتہا اللہ تعالیٰ پر ہے۔

تو اے محبوب! آپ لوگوں کو قیامت کے وقوع کا وقت بتانے کے لیے نہیں مبعوث کیے گئے ہیں۔۔۔ بلکہ۔۔۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ﴿۴۵﴾ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا

تم ڈر سنا دینے والے ہی ہو، جو اُسے ڈرے • گویا وہ لوگ جس دن دیکھیں گے اُسے،

اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ﴿۴۶﴾ ع ۲

تو نہیں ٹھہرے تھے دُنیا میں مگر ایک شام، یا اُس کے دن چڑھے تک •

(تم ڈرسنا دینے والے ہی ہو جو اُسے ڈرے)، یعنی آپ کو اِس لیے بھیجا گیا ہے کہ آپ
لوں کو آخرت کے عذاب سے ڈرائیں اور آپ کا عذاب سے ڈرانا اِس پر موقوف نہیں ہے کہ آپ کو
مت کے وقوع کا علم ہو۔ رہ گئی یہ بات کہ آپ ڈرنے والوں کو ڈرانے آئے ہیں تو اِس کا مقصد
رف یہ ظاہر کرنا ہے کہ اَے محبوب! اگرچہ آپ سارے عالَم کے لیے نذیر ہیں اور سبھی کو ڈرانے والے
ں، مگر آپ کے ڈرانے سے وہی لوگ خاطر خواہ فائدہ حاصل کرسکیں گے جو خشیتِ الٰہی اور خوفِ
راوندی والے ہیں۔

رہ گئے وہ لوگ جنہوں نے عذاب سے اِنکار کیا تھا، جب اُن کو اُس عذاب میں مبتلا کیا جائے
، تو اُن کو یوں محسوس ہوگا کہ وہ ہمیشہ اِسی عذاب میں رہے ہیں اور دُنیا میں تو اُنہوں نے صرف دن کا
وڑا سا وقت گزارا تھا۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ (گویا وہ) مکہ کے (لوگ) جنہوں نے قیامت
کے آنے کا وقت پوچھا تھا (جس دن دیکھیں گے اُسے تو) محسوس کریں گے کہ (نہیں ٹھہرے تھے دُنیا
ں مگر ایک شام۔۔ یا۔۔ اُس کے دن چڑھے تک)، یعنی اُس روز کی ہَول سے اپنی زندگی کی مدت بھول
ئیں گے اور ایسا سمجھیں گے کہ دُنیا میں نہ رہے تھے مگر ایک شام۔۔ یا۔۔ صبح۔

سورۃ النّٰزعٰت ۔۔۔ ﴿ ۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۲۲/ اکتوبر ۲۰۱۲ء، بروز دوشنبہ ﴾ ۔۔

۔۔ ﴿ ۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ ﴾ ۔۔

سُوْرَةُ عَبَسَ

سورۂ عبس ۔۔ ۸۰ مکیہ ۲۴ | آیاتہا ۴۲ ۔۔ رکوعہا ۱

روایت ہے کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے،
اور آنحضرت ﷺ رؤسائے قریش کو دعوتِ اسلام کرنے میں مشغول تھے۔ عبداللہ ابن مکتوم
کو نابینا ہونے کے سبب سے یہ حال معلوم نہ ہوا کہ آپ کے پاس کوئی بیٹھا ہے اور آپ
اُس سے باتوں میں مشغول ہیں۔ آتے ہی بات کاٹ دی، آنحضرت ﷺ بات کاٹ دینے
سے رنجیدہ اور چیں بجبیں ہوئے اور عبداللہ کی طرف سے منہ پھیرلیا، تو حضرت جبرائیل
آیت لے کر حاضر ہوگئے۔ یہی اِس سورہ کی شانِ نزول ہے۔

اِس کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اِس سے پہلی والی 'سورہ النازعات' کا مرکزی مضمون قیامت ہے، اور اِس سورہ کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ قرآن سراپا تذکرہ ہے، جس کا ایک کام اعمال کی جزا اور سزا اور قیامت کا تذکرہ بھی ہے۔ اور اِس تقریب سے قیامت کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ اِن دونوں سورتوں کا یہ ربط ایک طرف بڑا گہرا ہے، دوسری طرف بڑے حقائق و معارف کا حاصل ہے۔ ایسی سورتِ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنوں کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ﴿۲﴾

تیوری چڑھائی اور رخ پھیر لیا● کہ آ گیا اِن کے پاس ایک نابینا●

(تیوری چڑھائی اور رخ پھیر لیا) اِس سبب سے (کہ آ گیا اُن کے پاس ایک نابینا)، یعنی عبداللہ ابن ام مکتوم۔

اُن کے نابینا ہونے کا ذکر کرنا رسول اللہ ﷺ کی بات کاٹ دینے میں اُن کا عذر ظاہر فرماتا ہے۔ اِس ارشاد میں بظاہر 'عتاب' محسوس ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ زجر کے معنی میں 'عتاب' نہیں بلکہ بڑے پیار کے ساتھ 'ایک نصیحت' ہے، اس لیے کہ نبی کریم نے کوئی ایسا 'عمل' نہیں کیا تھا جو آپ کی 'شانِ نبوت' کے خلاف ہو۔ آپ رؤسائے قریش کو دعوت دینے میں اپنا فریضۂ نبوت ہی اَدا کر رہے تھے اور قریش کے ایسے سرداروں سے محوِ گفتگو تھے جن کی مخالفت سے اسلام کی اشاعت میں دشواری ہو رہی تھی، اس لیے آپ انہیں بار بار سمجھایا کرتے تھے۔

ایک دن اُنہیں سمجھا رہے تھے کہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم حاضر ہوئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ! مجھے تعلیم دیجیے۔ یہ بات انہوں نے کئی بار کہی۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ آدابِ گفتگو کے خلاف ہے۔ تہذیبِ کلام یہ نہیں ہے کہ آدمی اپنی ہی کہے جائے اور مخاطب کے

احوال وظروف کالحاظ نہ رکھے۔اور یہ تو نہایت نامناسب ہے کہ آدمی کسی سے بات کررہا ہےاورکوئی دوسرا شخص اثنائے کلام میں اپنی بات چھیڑکر سلسلۂ کلام کاٹ دے۔

یہاں حضرت ابن ام مکتوم سے یہی غلطی ہوگئی ہے جس پر حضور ﷺ کی برہمی ایک قدرتی بات ہے،لیکن یہ آپ کا 'خلق عظیم' ہے کہ آپ نے اُن کوایک حرف بھی نہیں کہا۔پس چہرۂ مبارک پر برہمی کے آثار ظاہر ہوئے جس کا تذکرہ پہلی آیت میں ہے اوراس میں آپ کے اسی 'خلق عظیم' کی طرف اشارہ ہے۔اور جواُن کی طرف ملتفت نہ ہوئے اورصنادید قریش ہی کی طرف ملتفت رہے،اُس میں آپ کی مجبوری کوتیسری آیت میں بیان کردیا گیا ہے کہ آپ کومعلوم نہ تھا کہ اگراُس صحابی کواُس وقت تعلیم دی جائے گی تو سدھر کرنکھر جائے گا، ورنہ آپ ضرور ملتفت ہوتے۔

لیکن چونکہ مستقبل میں یہی ہوگا کہ صنادید قریش اپنی ضداور کفر پر جمے رہیں گے اور جاں نثار صحابہ آپ کی تعلیم وارشاد سے نکھرتے جائیں گے،اس لیے اللہ پاک اِس پورے واقعہ کو بیان فرما کر بڑے پیار سے آپ کونصیحت فرماتا ہے کہ دیکھئے اب ایسا نہ کیجیے گا کہ صنادید قریش ہی کوسمجھانے میں رہ جائیں بلکہ جاں نثاروں پرزیادہ توجہ کیجیے۔

جہاں تک صنادید قریش کوسمجھانے کا کام ہے وہ تو قرآن خود کررہا ہے کہ قرآن تو سراپا تذکرہ ہے۔اب جس کا جی چاہے اُس کوذہن نشین کرے اور یادرکھے۔۔الحاصل۔۔اگر آپ کا کوئی جاں نثار تعلیم کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتو آپ اُس پر خاص توجہ فرمائیں۔۔۔

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ ﴿٣﴾ أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿٤﴾ أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ﴿٥﴾

اور تمہیں کیا اٹکل کہ وہی پاکیزہ ہوجائے ● یانصیحت لے،توفائدہ دے اُسے نصیحت ● لیکن جس نے بے پرواہی برتی ●

فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ ﴿٦﴾ وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَن جَاءَكَ

توتم اُس کے لیے متوجہ ہوئے ● حالانکہ تمہارا کوئی نقصان نہیں اِس میں کہ وہ پاکیزہ نہ بنے ● لیکن جو آیا تمہارے پاس

يَسْعَىٰ ﴿٨﴾ وَهُوَ يَخْشَىٰ ﴿٩﴾ فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ﴿١٠﴾

دوڑتا ہوا ● اور وہ ڈررہا ہے ● توتم اُس کوٹال کراوروں سے مصروف رہے ●

(اور) یہ اس لیے کہ (تمہیں کیا اٹکل کہ وہی پاکیزہ ہوجائے) گناہوں سے (یانصیحت لے تو

فائدہ دے اُسے) تیرا (نصیحت) کرنا، (لیکن جس نے بے پرواہی برتی) اور بار بار نصیحت کرنے کے باوجود ایمان نہیں لایا، (تو) اس کے باوجود (تم اُس کے لیے متوجہ ہوئے) اس کے ایمان کے حرص پر کہ شاید وہ ایمان لائے۔ (حالانکہ تمہارا کوئی نقصان نہیں اُس میں کہ وہ پاکیزہ نہ بنے)۔یعنی نہیں ہے تم پر وبال اِس کا کہ وہ بے پرواپاک نہ ہوا اسلام قبول کر کے، اس واسطے کہ تم پر فقط حکم پہنچادینا ہے بس۔ (لیکن جو آیا تمہارے پاس دوڑتا ہوا) تعلیم کی طلب میں، یعنی عبداللہ ابن ام مکتوم (اور وہ ڈر رہا ہے) خدا سے۔۔یا۔۔ تیرے پاس آنے کی وجہ سے کافروں کی ایذاء سے، (تو تم اُس کو ٹال کر اوروں سے مصروف رہے)۔اب آئندہ۔۔۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿١١﴾

ایسا ہرگز نہ ہو، بے شک یہ آیتیں نصیحت ہیں●

(ایسا ہرگز نہ ہو) ورنہ جو مستفید ہوسکتا ہے وہ رہ جائے گا۔لہٰذا تعلیم وتربیت میں اغنیاء اور فقراء، اور اپنے پرائے کے درمیان کوئی تفریق نہ کی جائے۔

اِس فرمان میں غرباءِ امت کے لیے بے حد تسلی اور حوصلہ افزائی ہے۔روایت ہے کہ جب حضرت جبرائیل یہ آیتیں پڑھتے تھے تو آپ کا چہرۂ مبارکہ متغیر ہوتا تھا۔لباب میں لکھا ہے کہ اس سروجوئبارِ رسالت کی نرگس ایک ساعت بے آب وتاب ہوگئی، یعنی جہان آپ کی نگاہ میں تیرہ وتار ہوگیا کہ آپ چلتے تھے اور راہ نظر نہ آتی تھی، اور قریب تھا کہ چہرۂ مبارک کا رنگ مکہ معظمہ کی دیواروں کو مشرف فرمائے۔

امام زاہد نے فرمایا کہ حضرت سید عالم ﷺ عبداللہ ابن ام مکتوم کے پیچھے گئے اور اُن کو پھیر کر مسجد میں پھر لائے اور اپنی چادرِ مبارک بچھادی اور اُن کا دل خوش کیا اور اُن کو اپنی چادر پر بٹھایا اور پھر جب کبھی آپ اُن کو دیکھتے تو اُن کا لحاظ کرتے اور فرماتے کہ "مرحبا اُس شخص کو کہ عتاب کیا مجھے اُس کے باب میں میرے رب نے۔" اور جہاد میں جاتے وقت دُو بار آپ نے مدینہ منورہ میں اُن کو اپنا خلیفہ کیا۔

اور جاننا چاہیے کہ یہ صورت جو واقع ہوئی آنحضرت ﷺ سے خطا نہ تھی، اس واسطے کہ حکم اجتہاد سے آپ نے یہ کام کیا تھا اور آپ کی کراہت ابن ام مکتوم کے سوءِ ادب سے تھی کہ اُنہوں نے آپ کی بات کاٹ دی، مگر نابینا ہونے کے سبب سے وہ معذور تھے۔

۔۔الحاصل۔۔اَے محبوب! حق یہ ہے کہ۔۔۔(بے شک یہ) قرآنی (آیتیں) تو خود ہی تذکرہ اور (نصیحت ہیں)۔ان کے بعد آپ ان کفار کو اتنا سمجھانے کی کاوش نہ کیجیے۔اب۔۔۔

وقف لازم

فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِىۡ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾

تو جس نے چاہا اُس نے نصیحت پائی۔۔● ۔۔ صحیفوں میں جو باعزت● بلند رتبہ نہایت پاک ہیں●

بِاَيۡدِىۡ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾

ہاتھوں سے لکھے● بزرگ نیک لکھنے والوں کے●

(تو) یہی بات ہے کہ (جس نے چاہا اس سے نصیحت پائی)۔حکم ازلی میں اگر قرآن سے نصیحت پکڑنا اُن کے مقدر ہوگا تو یہ خود نصیحت حاصل کرلیں گے، آپ اُن کی ہدایت کے تعلق سے زیادہ فکرمند نہ ہوں۔ یہ نصیحتیں لکھی گئی ہیں اُن (صحیفوں میں جو باعزت) ہیں خدا کے نزدیک، اور (بلند رتبہ) اعلیٰ قدر اور سب عیبوں سے (نہایت پاک ہیں)، جو (ہاتھوں سے لکھے● بزرگ نیک لکھنے والوں کے)۔یعنی اُن صحیفوں کو 'لوحِ محفوظ' سے لکھنے والے فرشتے ہیں جو بزرگ ہیں خدا کے نزدیک ۔۔یا۔۔وہ فرشتے کریم اور مہربان ہیں مؤمنوں پر کہ اُن کے واسطے استغفار کرتے ہیں۔

سابقہ آیات میں حضرت ابن ام مکتوم والا واقعہ بیان فرما کر آنحضرت ﷺ کو نصیحت فرمائی گئی تھی کہ صنادید قریش کو اتنا سمجھانے کی کاوش نہ کیجیے بلکہ اُن کے مقابل مخلص صحابی کی طرف التفات کیجیے۔اور اب اگلے ارشاد میں صنادید قریش کی کافرانہ روش دکھا کر انہیں دعوتِ فکر دی جارہی ہے کہ یہ کتنی بڑی احسان فراموشی ہے کہ انسان اپنے خالق و مالک کو بھول جائے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہوتا ہے۔۔۔

قُتِلَ الۡاِنۡسَانُ مَاۤ اَكۡفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنۡ اَىِّ شَىۡءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنۡ نُّطۡفَةٍ ؕ

غارت ہوا ایسا آدمی، کتنا بڑا ناشکرا ہے● کس چیز سے پیدا فرمایا اُسے● ایک قطرہ سے پیدا فرمایا اُسے۔

خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيۡلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقۡبَرَهٗ ﴿۲۱﴾

پھر اندازہ کے موافق بنایا● پھر راہ کو آسان کردیا اُسے● پھر موت دی اُس کو، پھر قبر پہنچایا اُسے●

(غارت ہوا ایسا آدمی) جو (کتنا بڑا ناشکرا ہے) کہ یہ بھی خیال نہیں کرتا کہ حق تعالیٰ نے (کس چیز سے پیدا فرمایا اُسے● ایک قطرہ) آبِ منی (سے)، تو پانی کی ایک بوند سے (پیدا فرمایا

اُسے۔ پھر) اُس کے وجود کی ہر چیز کو (اندازہ کے موافق بنایا) یعنی ہر چیز کو مناسب مقدار اور تناسب سے رکھا جو حالت اور ضرورت کے مطابق ہے۔ (پھر) بالیدگی، زندگی اور انسانیت کی (راہ کو آسان کردیا اُسے) کہ پیدا ہوا اور نشو و نما پائی یہاں تک کہ اپنی عمر کو پہنچا۔ (پھر موت دی اُس کو) اُس کی انتہائے عمر میں۔ (پھر قبر پہنچایا اُسے) اور قبر میں رکھوا دیا اور اِس طرح عالمِ برزخ میں پہنچا دیا۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾

پھر جب مشیت ہوئی، تو اٹھایا اُس کو● ہرگز نہ ہوا کہ پورا کردے جس کا حکم ہوا اُسے●

(پھر جب مشیت ہوئی تو اُٹھایا اُس کو)۔ یعنی پھر جب چاہے گا زندہ کرے گا اُسے اور یہ زندہ کرنے کا وقت اُس کی مشیت سے متعلق ہے۔ (ہرگز نہ ہوا کہ پورا کردے جس کا حکم ہوا اُسے)۔ یعنی اُس کافر انسان نے ہرگز سوچ سمجھ سے کام نہیں لیا، اللہ نے اُسے جو حکم دیا اب تک اس کی تعمیل نہ کی اور عہدِ میثاق وفا نہ کیا اور ایمان اور طاعت کا حکم نہ مانا۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ سب آدمی مراد ہیں اس واسطے کہ کسی آدمی نے احکامِ الٰہی کے حقوق کماحقہٗ نہیں ادا کیے اور نہ ادا کر سکتا ہے۔

ذرا سوچو جو ایسا خالق و مالک ہو کہ موت و حیات سب اُس کے ہاتھ میں ہے، اشارہ کیا تو انسان پیدا ہو گیا، اور اشارہ کیا تو موت طاری ہو گئی، اب اگر انسان اُس کے احکام سے سرتابی کرے تو کیسی کور بختی اور کفر نگاہی ہے؟۔۔۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ اگر خدائی قدرت و حکمت کے جلوے دیکھنے ہیں۔۔۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا

تو انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف نظر کرے● کہ بے شک ہم نے ڈالا پانی کو خوب● پھر ہم نے شق کیا

الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾

زمین کو اچھی طرح● پھر ہم نے اُگایا اس میں دانہ● اور انگور اور سبزیاں● اور زیتون اور کھجور●

وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

اور گنجان باغ● اور میوہ اور گھاس● فائدے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے●

(تو انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف) نگاہِ عبرت سے **(نظر کرے)** اور دیکھے تو، کہ کس طور پر کھانا پیدا کیا جاتا ہے۔ اُسے صاف نظر آئے گا **(کہ بے شک ہم نے ڈالا پانی کو خوب)**، یعنی خوب ہی پانی برسایا۔ **(پھر ہم نے شق کیا زمین کو اچھی طرح)** اور طرح طرح کی چیزیں اُس میں اُگائیں ۔۔الحاصل۔۔ **(پھر ہم نے اُگایا اُس میں دانہ)** گیہوں، جَو اور اُس کے مثل، **(اور انگور اور سبزیاں)** اور پھل سیب وغیرہ، **(اور زیتون اور کھجور)** کے درخت، **(اور گنجان باغ)** چہار دیواری کھنچے ہوئے بہت سے بڑے بڑے درختوں والے، **(اور میوہ)** تر اور خشک **(اور گھاس)** یعنی چراگاہ۔ یہ سب ہم نے کیا **(فائدے کو تمہارے اور تمہارے چوپایوں کے)**۔

سابقہ آیات میں معاش کا بیان تھا اور اب آگے معاد کا بیان ہے۔ قرآن کریم کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ معاش کے ساتھ معاد کا بھی ذکر کرتا ہے۔ کائناتی علوم معاش ہی تک رہ جاتے ہیں معاد کی طرف رہنمائی نہیں کرتے، جس کی وجہ سے تعلیم میں بڑا خلا رہ جاتا ہے۔

معاش کے مسائل انسان خود اپنی عقل وفکر سے حل کرسکتا ہے اور کرتا ہی رہتا ہے، اس لیے معاش کے باب میں قرآنِ مجید انسان کی عقل وفہم کو بیدار کر کے کام میں لگا دیتا ہے اور اُس کی فنی تفصیل خود انسانی عقل ودانش کے حوالے کر کے وہ ہدایات دیتا ہے جو انسان کو معاشی معاملات میں خداترس اور نیک کردار بنائے رکھیں، باقی تمام توجہ معاد کی طرف مبذول کرتا ہے کیونکہ انسان اپنی عقل وفہم سے اُس کی تفصیل کا علم حاصل کرنے کی کوئی روشنی رکھتا ہی نہیں، اِس کو تو صرف وحی الٰہی بیان کرتی ہے۔

قرآنِ مجید کا نزول بالخصوص انہیں امور کے بیان کے لیے اور انسانیت کی تعمیر کے لیے ہوا ہے، اصالۃً اُن باتوں کو بیان کرنے کے لیے نہیں ہوا ہے جن کو انسان کی دانش وفکر بحسن وخوبی سمجھتی ہے اور اپنے ریسرچ اور تحقیق سے اُس کے مستقل فن بنا سکتی ہے۔۔الختصر۔۔ قرآنِ کریم کے نزول کا اولین مقصد یہ ہے کہ جن 'حقائقِ الٰہیہ' تک انسانی عقل وادراک کی رسائی نہیں اُن کا علم عطا فرمائے، اور اس کے ذریعہ انسان کو خداترس اور پاکباز بنائے ۔۔نیز۔۔ خداترس اور پاکبازی کی مکمل تعلیم دے کر انسانیت کو اعلیٰ ترین بلندی پر پہنچا دے، یہی ہے قرآن مجید کا نصب العین۔ تو اگلی آیات میں معاد کا بیان ہے اور اسلوبِ بیان اتنا پیارا ہے کہ جو شخص معاصی اور خدا کی نافرمانی میں بالکل بے باک اور نڈر ہے، وہ بھی سوچ سمجھ کے پڑھے تو اس میں بھی اللہ کا ڈر پیدا ہو جائے، زندگی کے لیل ونہار بدلنے لگیں اور

خدا ترس اور پاکباز بن کر اعلیٰ ترین انسانوں کے مقام پر پہنچ جائے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ ﴿۳۵﴾

توجب آپہنچی کان پھوڑ دینے والی چنگھاڑ ● جس دن کہ بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے ● اور اپنی ماں سے، اور اپنے باپ سے ●

وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِیْهِ ﴿۳۶﴾

اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے ●

(توجب آپہنچی کان پھوڑ دینے والی چنگھاڑ) یعنی ایسی سخت آواز کہ جو سنے گا بہرا ہو جائے گا۔۔۔ اِس سے دوسری بار صور پھونکنا مراد ہے۔۔۔ جب یہ آواز آئے گی تو دیکھو گے بہت ہَولیں اور شدتیں۔ وہ دن (جس دن کہ بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے) باوجود موانست اور مہربانی کے، (اور اپنی ماں سے) باوصف اِس کے کہ اُس کے حق بہت ہیں، (اور اپنے باپ سے) باوصف اِس کے کہ اُس کی شفقت اور مہربانی کا جوش اپنے اوپر دیکھا ہے، (اور اپنی بیوی سے) باوجود اِس بات کے کہ وہ اُس کی مونس تھی، (اور اپنے بیٹوں سے) باوجود اِس خیال کے کہ یہ ہمارے معین اور مددگار ہیں۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَئِذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾

ہر ایک آدمی کو اُن میں سے اُس دن ایک حال ہے، جو بس ہے اُس کے لیے ● کتنے چہرے اُس دن روشن ●

ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾

ہنستے ہوئے خوش خوش ہیں ● اور کچھ منہ اُس دن ہیں جن پر گردوغبار ہے ● چڑھ رہی ہے اُن پر سیاہی ●

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ ع۱۴ ۵

وہی ہیں کافر بدکار ●

(ہر ایک آدمی کو اُن) اہلِ قیامت (میں سے اُس دن ایک حال ہے جو بس ہے اُس کے لیے)، جو اُسے دوسروں کے کام سے باز رکھے گا۔ اُس وقت نفسی نفسی کا عالم ہوگا، ہر شخص اپنے حال میں ایسا مشغول ہوگا کہ اس میں دوسروں کا حال دیکھنے اور سمجھنے کی سُدھ ہی نہ رہے گی۔ [illegible] میں تین باتیں ضروری ہوتی ہیں: (۱)۔۔ ایمان ہو (۲)۔۔ عبادت [illegible]

تو قیامت کا دن وہ دن ہوگا کہ (کتنے چہرے اُس دن روشن) ہوں گے، یہ ایمان کا اثر ہے۔ اور کتنے چہرے (ہنستے ہوئے) ہوں گے، یہ عبادت کا اثر ہے۔ اور صاف نظر آئے گا کہ وہ (خوش ہیں)، یہ گناہوں سے اجتناب کا اثر ہے۔

کافر میں ۲ دو باتیں ضرور ہوتی ہیں: ﴿۱﴾۔۔عقیدہ میں کفر۔ ﴿۲﴾۔۔عمل میں فجور۔ قیامت میں اِن دونوں کا اثر کفار کے چہروں پر ظاہر ہو جائے گا، (اور) اِسی لیے (کچھ منہ اُس دن ہیں جن پر) ذلت وفسق وفجور کی (گرد وغبار ہے)۔ اور اُن کا حال یہ ہوگا کہ (چڑھ رہی ہے اُن پر) کفر کی (سیاہی)۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ اس لیے کہ (وہی ہیں کافر بدکار)، جھوٹے زیاں کار، تباہ کار بدکردار۔

اختتام سورہ عبس ۔۔۔ ﴿ ۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۴/ اکتوبر ۲۰۱۲ء، بروز چہار شنبہ ﴾ ۔۔

﴿ ۱۴/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۳۰/ اکتوبر ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ ﴾ ۔۔

سُوْرَةُ التَّکْوِیْر

سورۃ التکویر ۔۔ ۸۱ مکیۃ ۷ — آیاتہا ۲۹ ۔۔ رکوعہا ۱

تکویر **کُوِّرَتْ** کا مصدر ہے جو اِسی سورت کی پہلی آیت میں مذکور ہے، اِسی لیے اِس کو "سورہ تکویر" کہتے ہیں۔ اِس سے پہلے 'سورہ عبس' کے آخر میں قیامت اور احوالِ قیامت کا بیان ہے، اور اِس سورہ کی ابتداء بھی قیامت کے تذکرے سے ہو رہی ہے، اِس طرح دونوں سورتیں باہم خوب مربوط ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ اگر کسی کو خواہش ہو کہ روزِ قیامت کو یہیں سے دیکھ لے، یعنی اُس کے احوال وواقعات کا ایسا علم حاصل کرلے کہ گویا وہ اُس کو دیکھ رہا ہے، تو وہ **اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ**، **اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ** اور **اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ** کو پڑھ لے۔

یعنی اِن تین ۳ سورتوں میں قیامت کا ایسا منظر دکھایا گیا ہے کہ اُن کو بغور پڑھنے والے کی نگاہوں کے سامنے قیامت کا نقشہ آجاتا ہے۔ ایسی چشم کشا اور بصیرت افروز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ

جب سورج لپیٹ دیا گیا● اور جب تارے جھڑ گئے● اور جب پہاڑ

سُيِّرَتْ ۝۳ وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴

چلائے گئے● اور جب دس مہینہ کی گابھن اونٹنیاں آزاد چھوڑ دی گئیں●

(جب سورج لپیٹ دیا گیا)، یعنی بساطِ آفاق سے اُس کے نور کا انبساط، یعنی پھیلنا زائل ہو گیا۔ (اور جب تارے جھڑ گئے)، یعنی نیچے گر پڑے۔۔یا۔۔بے نور ہو گئے۔ (اور جب پہاڑ چلائے گئے)، یعنی زمین سے اکھڑ کر فضا میں اُڑنے لگے۔ (اور جب دس مہینہ کی گابھن اونٹنیاں آزاد چھوڑ دی گئیں)، یعنی عرب کے نزدیک اُن کا جو قیمتی اور محبوب مال ہے اُن کا بھی کوئی پرسانِ حال نہیں رہ گیا اور اُن کا بھی کوئی خیال کرنے والا نہ رہا۔ الغرض۔۔سب کے سب اپنے پسندیدہ، محبوب اور قیمتی مال کی طرف بھی توجہ دینے سے عاجز ہو گئے، اور کسی کو اُن کی بھی سدھ نہ رہی اور وہ بدحواسی میں اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ اور کوئی اُن کی خبر لینے والا نہ رہا۔

وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶

اور جب کہ وحشی جانور اکٹھا کیے گئے● اور جب سمندر بھڑکایا گیا●

وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷

اور جب جانیں جوڑی گئیں●

(اور جب کہ وحشی جانور اکٹھا کیے گئے)۔ آج شیر بکری اکٹھا نہیں بیٹھتے لیکن قیامت شروع ہوتے ہی وہ بدحواسی ہوگی کہ دونوں اپنی فطرت بھول جائیں گے اور اس طرح یہ جنگلی جانور اکٹھا ہو جائیں گے۔ یہ شدید بدحواسی کا ظہور ہے۔ (اور جب سمندر بھڑکایا گیا)، یعنی اُن کا پانی آگ اور بھاپ

میں تبدیل کردیا گیا۔(اور جب جانیں جوڑی گئیں)، یعنی جب جسم وجان کا پیوند پھر لگا دیا گیا۔
اِس کا مفہوم یہ ہے کہ مُردوں کا جسم پھر بنا دیا جائے گا اور اُن میں جان ڈالی جائے گی ۔۔یا۔۔ ہر ایک کو اُس کے مثلوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا، جیسے صالح کو صالح کے ساتھ۔۔ اور۔۔ بدکار کو بدکار کے ساتھ۔۔یا۔۔ مؤمنوں کو 'حورعین' کے ساتھ اور کافروں کو شیاطین کے ساتھ۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ﴿۸﴾ بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾

اور جب زندہ درگور لڑکی پوچھی گئی ● "کہ کس گناہ میں قتل کی گئی ہے؟" ●

(اور جب زندہ درگور لڑکی پوچھی گئی ● کہ کس گناہ میں قتل کی گئی ہے؟) یعنی اُن کے قاتلوں سے اُن کا حال پوچھیں گے کہ کس گناہ میں مار ڈالی گئیں۔
زمانہ جاہلیت میں اکثر عرب کی عادت یہ تھی کہ مفلسی کے خوف سے۔۔یا۔۔ ننگ وعار کے مارے لڑکیوں کو زندہ دفن کردیتے، تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کے قاتلوں سے سوال کریں گے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ لڑکی سے پوچھیں گے کہ تُو کیوں قتل کی گئی، اور اس سوال سے فائدہ یہ ہے کہ لڑکی جواب دے کہ مجھ کو بے گناہ قتل کیا ہے تاکہ اُس کا قاتل شرمندہ اور لاجواب ہو جائے۔

وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ﴿۱۱﴾ وَاِذَا الْجَحِیْمُ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾

اور جب اعمال نامے کھول دیے گئے ● اور جب آسمان کی کھال کھینچی گئی ● اور جب جہنم بھڑکائی گئی ●

وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ﴿۱۳﴾

اور جب جنت نزدیک کی گئی ●

(اور جب اعمالنامے کھول دیے گئے)، جو بندوں کی موت کے وقت لپیٹے ہوں گے کھول دیئے جائیں گے کہ لو! اپنے اپنے اعمال نامے پڑھو، دیکھو دُنیا میں کیا کچھ کیا تھا؟ (اور جب آسمان کی کھال کھینچی گئی)، یعنی آسمانوں کی اوپری سطح اُتاری گئی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آسمانوں کے اوپر جو چیزیں ہیں صاف نظر آنے لگیں گی۔ (اور جب جہنم بھڑکائی گئی)۔ اگرچہ جہنم آج بھی دہک رہی ہے لیکن قیامت کے روز اور بھی دہکائی جائے گی، اور زیادہ سے زیادہ غضبِ الٰہی کو ظاہر فرمایا جائے گا۔ (اور

جب جنت نزدیک کی گئی) خدا کے دوستوں سے۔

یہ کل بارہ۱۲ عظیم حادثات ہیں جن میں ابتدائی چھ۶ حادثات پہلی بار صور پھونکنے سے ظہور میں آئیں گے۔اور باقی چھ۶ حادثات دوسری بار صور پھونکنے سے ظہور میں آئیں گے،تو جب یہ بارہ۱۲ حادثات ظہور پذیر ہو گئے۔۔۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ﴿۱۴﴾

تو جان لیا ہر ایک نے جو کچھ حاضر کر چکا ہے●

(تو جان لیا ہر ایک نے جو کچھ حاضر کر چکا ہے) ازقسم نیکی۔۔یا۔۔بدی۔۔بارہ۱۲ حال جو مذکور ہوئے اُن میں چھ۶ زمینِ دُنیا پر چھ۶ زمینِ محشر پر جب تک نہ دیکھ لے گا آدمی نہ جانے گا کہ کیا کیا ہے۔اور جب جانے گا تو دیکھے گا کہ ہر نیکی پر ایک بزرگی اور عطا ہے اور ہر بُرائی پر ایک ملامت اور عتاب ہے،تو نیکی پر حسرت کرے گا کہ کیوں زیادہ نہ کی اور بدی پر غم کھائے گا کہ میں نے کیوں کی، اور وہ حسرت اور غم کچھ فائدہ نہ دے گا●

اب آگے حق تعالیٰ نے تین۳ چیزوں کی قسم یاد فرمائی ہے اور وہ چیزیں ایسی ہیں جن کا عالمِ بالا کے نظام سے تعلق ہے،جس نظام میں کسی شیطانی۔۔یا۔۔جناتی دَراندازی کا امکان نہیں۔تاروں کی مخصوص رفتار۔۔نیز۔۔شام وسحر کا ہونا یہ سب عالمِ بالا کے نظام ہیں۔کیا اُن میں کوئی شیطان تصرف کر سکتا ہے؟اور کیا اُن کو شیطانی کھیل تماشہ کہا جا سکتا ہے؟یہ وہ حقیقت ہے جس کی طرف تارے اور شام وسحر رہنمائی کرتے ہیں،تو قرآن مجید اُن کی قسم ارشاد فرماتا ہے کہ۔۔۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ

تو نہیں کیا مجھے قسم ہے اُلٹے پھرنے والے● سیدھی چال والے،رک جانے والے ستاروں کی● اور قسم ہے رات کی

اِذَا عَسْعَسَ ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾

جب رخصت ہو● اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے●

(تو نہیں کیا مجھے قسم ہے اُلٹے پھرنے والے● سیدھی چال والے رُک جانے والے ستاروں کی) جو دن کو چھپ جاتے ہیں،جانے والے ہیں اپنے غروب ہونے کی جگہوں میں اور چھپ جا

والے ہیں شعاعِ آفتاب میں۔(اور قسم ہے رات کی جب رخصت ہو)، یعنی جب پیچھے جائے اور اندھیرا جاتا رہے۔۔الحاصل۔۔رات کی قسم جب کہ جانے لگتی ہے۔(اور قسم ہے صبح کی جب وہ سانس لے)، یعنی جبکہ وہ نمودار ہو اور طلوع کرے، اور اس کا دم لینا اس کے طلوع کی ابتداء ہے۔۔۔حق تعالیٰ یہ قسمیں فرما کر ارشاد فرماتا ہے۔۔۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿١٩﴾ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿٢٠﴾

کہ بلاشبہ یہ یقیناً لایا ہوا پیغام ہے باعزت قاصد کا● قوت والا عرش والے کے یہاں، معزز●

مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ﴿٢١﴾

اُس کا کہا مانا جائے ہے، وہاں امانتدار●

(کہ بلاشبہ یہ یقیناً لایا ہوا پیغام ہے باعزت قاصد کا) یعنی حضرت جبرائیل کا جو (قوت والا) ہے، ایسا کہ ایک سخت آواز سے قومِ ثمود کو ہلاک کردیا ور اپنی طاقت سے موتفکات کو اکھاڑ پھینکا، اور (عرش والے کے یہاں معزز) ہیں۔اُن کی جاہ ومنزلت کا عالم یہ ہے کہ (اُس) ذات (کا کہا مانا جائے ہے)، یعنی جو کچھ وہ حکم فرماتے ہیں سب آسمانوں کے فرشتے ان کا حکم مانتے ہیں۔(وہاں امانت دار) وحی پہنچانے میں۔۔الحاصل۔۔یہ قرآن اُس فرشتے کی زبانی پیغامِ الٰہی ہے جو اللہ کا پیغام پہنچانے والا فرشتہ ہے، بڑا ہی معزز ہے، بڑی زبردست قوت والا ہے، مالک عرش کی جناب میں بڑا جاہ ومرتبہ رکھتا ہے، آسمان پر سردار ہے جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور بہت بڑا امین ہے۔

یہ سب قرآن مجید لانے والے فرشتے یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اوصاف ہیں۔

پہلے تو قسم کی روشنی میں اچھی طرح وضاحت فرمادی گئی کہ جب عالمِ بالا کے نظام میں شیطانی دراندازی ممکن نہیں، تو یقینی بات ہے کہ قرآن مجید کی تنزیل میں جو عالمِ بالا سے ہوتی ہے اُس میں کسی شیطانی۔۔یا۔۔جناتی دَراندازی کا امکان ہی نہیں۔مزید وضاحت کے لیے قرآن مجید لانے والے فرشتے کے وہ اوصاف بیان کردیئے جن میں ہر وصف ایک مستقل ثبوت ہے کہ وہ شخصیت جو اِس وصف کی حامل ہے اُس کے کام میں جناتی اور شیطانی مداخلت کا شائبہ بھی ناممکن ہے۔

غور فرمائیے کہ یہی حضرت جبرائیل امین اللہ کے نبیوں کے پاس پیغام لاتے رہے، اُن کا حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک طویل العہد منصبِ پیام رسانی ثبوت

ہے کہ یہ اپنے فریضے کو کس خوبی اور ذمہ داری سے انجام دیتے رہے ہیں۔ جب اُس طویل مدت میں شیطان کبھی اُن کی پیام رسانی میں دَراندازی نہ کرسکا، تو کیا اُن کے قرآن لانے میں دراندازی کرسکتا ہے؟ اور اس معزز پیغام رساں کی پیغام رسانی کیا درجہ اعزاز سے گرسکتی ہے؟ اور کیا اس میں شیطانی مداخلت کا کوئی بھی امکان ہوسکتا ہے؟ اور جب اُن کی قوت مخلوق کے لیے فوق الادراک ہوتو کیا اُس پر شیطان کا زور چل سکتا ہے؟

قوت کے بیان میں اِس کا بھی اشارہ ہے کہ اُن کی قوتِ حافظہ ناقابلِ ادراک حد تک قوی ہے۔۔لہٰذا۔۔ جو وحی وہ لاتے ہیں اُس میں نسیان کا وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا۔ یقیناً وہ وحی الٰہی کی خدمت پوری ذمہ داری سے انجام دیتے ہیں اسی لیے تو بارگاہِ حق میں قدرو منزلت والے ہیں، تو ایسی شخصیت کے کام میں کیا شیطان دَراندازی کی کچھ بھی جسارت کرسکتا ہے؟۔

اور پھر یہ عالَمِ ملکوت کے افسر اور مطاع ہیں۔ اُن کے تقدس اور برتری کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ معصوم فرشتوں کے افسر ہیں، تو یہ پیغام رسانی میں ہر جرم وخطا سے پاک ہیں۔ تو جس میں جرم وخطا کا امکان ہی نہیں کیا شیطان اُس پر دسترس پاسکتا ہے؟ اور پھر جب اُن کی معصومیت ہر طرح محفوظ ہے تو اُن کی امانتداری بھی شیطان کی دَراندازی سے سرتاپا محفوظ ہے۔۔الغرض۔۔اُن کے کاموں میں شیطان کی مداخلت بالکل ناممکن ممتنع اور محال ہے۔

ان تمام ذکر وبیان میں کفارِ عرب کے اس خیال کی اصلاح ہے جو کورفہمی سے یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید میں جو غیبی حقائق ہیں وہ محمد بن عبداللہ "ﷺ" خود تو جان نہیں سکتے، پس یہ کسی جن۔۔یا۔۔شیطان کا الہام ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔ اُن کی اصلاحِ فکر ونظر کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائی ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ مذکورہ بالا ارشاد میں "رسول کریم" سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں، تو وہ طاعت میں صاحب قوت ہیں، خدا کے نزدیک صاحب قدرومنزلت ہیں، مطاع یعنی 'مستجاب الدعوات' ہیں، امین یعنی اسرارِ غیب کے امانت دار ہیں۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝۲۲ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝۲۳ وَمَا هُوَ عَلَى

اور نہیں ہیں تمہارے ساتھ رہنے والے مالک مجنون ● اور یقیناً بے شک دیکھ چکے ہیں انہیں صاف کنارہ پر ● اور نہیں ہیں وہ

الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿٢٥﴾ فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ﴿٢٦﴾

غیب بتانے میں بخیل● اور نہیں ہے وہ بولی شیطان مردود کی● تو کہاں تم لوگ جارہے ہو؟●

(اور نہیں ہیں تمہارے ساتھ رہنے والے مالک مجنون) جیسا کہ تم گمان کرتے ہوائے کافرو! (اور یقیناً بے شک) یہ تمہارے مالک (دیکھ چکے ہیں انہیں) یعنی حضرت جبرائیل کو اُن کی اصل شکل میں (صاف کنارہ پر)، یعنی آفتاب طلوع ہونے کی جگہ پر۔ (اور نہیں ہیں وہ غیب بتانے میں بخیل) کہ جو کچھ اُنہیں وحی پہنچے وہ تم کو تعلیم نہ دیں اور تم سے چھپائیں۔ (اور نہیں ہے وہ) یعنی قرآن (بولی شیطان مردود کی)۔

کفارِ مکہ یہ کہا کرتے تھے کہ شیطان آپ کے پاس اِس قرآن کو لے کر آتا ہے اور آپ کی زبان پر اِن کلمات کا اِلقاء کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں اُن کے قول کا رد فرمایا ہے۔۔۔

(تو کہاں تم لوگ جارہے ہو)، یعنی اسلام کے اِس سیدھے اور واضح راستہ کو چھوڑ کر تم کہاں جارہے ہو؟ اور ذہن نشین کرلو کہ۔۔۔

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٢٧﴾ لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ ﴿٢٨﴾

وہ بس نصیحت ہے سارے جہان کے لیے● جس نے چاہا تم میں سے کہ سیدھی چال چلتا رہے●

ع ۱/۷۹ ۶ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٩﴾

اور کیا چاہو گے تم، مگر یہ کہ چاہے اللہ، رب العلمین●

(وہ) یعنی قرآن (بس نصیحت ہے سارے جہان کے لیے● جس نے چاہا تم میں سے کہ سیدھی چال چلتا رہے)۔ یعنی اگرچہ قرآن مجید اپنی ذات میں تمام مخلوق کے لیے ہدایت ہے لیکن اس سے فائدہ وہی لوگ اُٹھاسکتے ہیں جو خود بھی سیدھے راستہ پر چلنا چاہتے ہوں۔ (اور کیا چاہو گے تم مگر یہ کہ چاہے اللہ) تعالیٰ جو (رب العالمین) ہے۔

اِن دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ استقامت کا فعل استقامت کے ارادہ پر موقوف ہے اور یہ ارادہ اس پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ ارادہ عطا فرمائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں۔ اِس باب میں تحقیق یہ ہے کہ بندہ جس فعل کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُس میں وہ فعل پیدا فرمادیتا ہے۔ بندہ کے اختیار کو

'کسب' کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فعل کو 'خلق' کہتے ہیں۔ بندہ 'کاسب' ہے اور اللہ تعالیٰ 'خالق' ہے۔

اختتام سورہ التکویر ۔۔۔ ﴿ ۱۳/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۳۰/اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز ...

۔۔ ﴿ ۱۴/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء، بروز چہارشنبہ ﴾

سورۃ الانفطار ۸۲ مکیۃ ۸۲ — آیاتہا ۱۹ رکوعہا ۱

سُوْرَۃُ الْاِنْفِطَارِ

سورۂ انفطار ۔۔۸۲ مکیہ ۸۲ — آیاتہا ۱۹ ۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام 'انفطار' ہے کیونکہ اِس سورت کی پہلی آیت میں **انْفَطَرَتْ** کا لفظ ہے اور اِس کا مصدر انفطار ہے۔ یہ سورت اور اِس سے سابق سورت دونوں میں احوالِ قیامت اور مجازات کا بیان ہے، اس طرح دونوں باہم خوب مربوط ہیں۔ کفارِ مکہ ہر طرح کی بُرائیاں کیا کرتے اور جب کوئی نصیحت کرتا تو بے تامل کہہ دیتے کہ اللہ بڑا بخشنے والا ہے۔ اس فریبِ نفس نے فسق اور فجور میں اُن کو بڑا بے باک بنادیا تھا۔ یہ سورۂ پاک اُن کے فکروذہن کی اصلاح، بے لگام معصیتوں کے انسداد اور اعمال کے سدھار کے واسطے نازل ہوئی۔ شروع کی پانچ آیتوں میں قیامت کا ذکر ہے جس کا تصور انسان کو انسان بناتا ہے اور گناہوں کی بے باکی کی جڑ، بنیاد سے اکھڑ جاتی ہے، اور اِس بات پر تنبیہ ہو جاتی ہے کہ اللہ کا قانونِ مجازات اپنا کام کرے گا۔ ایسی مبارک اور حقائق افروز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝۱ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳

جب آسمان پھٹ پڑے ● اور جب تارے جھڑ گئے ● اور جب سارے دریا بہادیے گئے ●

وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾

اور جب قبریں اُکھیڑ دی گئیں●

(جب آسمان پھٹ پڑے● اور جب تارے جھڑ گئے)۔

'تبیان' میں ہے کہ تارے قندیلوں کی طرح طاقِ فلک کے سامنے سے نور کی زنجیروں میں لٹکتے ہیں، اور وہ زنجیریں فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں۔ جب اہلِ آسمان مر جائیں گے تو زنجیریں اُن کے ہاتھوں سے گر پڑیں گی اور تارے زمین پر آپڑیں گے، اور اِس طرح نظامِ سماوی درہم برہم ہو جائے گا۔

(اور جب سب سارے دریا بہا دیے گئے)، یعنی اُن کے حدود توڑ کر سب کو ایک کر دیا گیا اور دو دریاؤں کے درمیان جو برزخ ہے اُس کو ختم کر دیا گیا۔ (اور جب قبریں اُکھیڑ دی گئیں)، یعنی تلے اوپر کر دی گئیں۔ جس سے قبروں کا بھی یہ عالَم ہو جائے گا کہ نیچے کی مٹی اوپر اور اوپر کی مٹی نیچے جائے گی اور اِس طرح نظامِ اَرضی بھی ٹوٹ جائے گا۔

۔۔الختصر۔۔ عالَمِ آخرت کی بنیاد چار انقلاب پر ہے۔ اُن میں دو آسمان کے انقلاب ہیں: ﴿۱﴾۔۔آسمان کا پھٹ جانا، ﴿۲﴾۔۔ستاروں کا ٹوٹ کر زمین پر گر پڑنا۔۔۔ اور دو زمین کے انقلاب ہیں: ﴿۱﴾۔۔سمندروں کا حدود توڑ کر بہنا اور ایک ہو جانا، ﴿۲﴾۔۔زمین کا تہ و بالا ہو جانا جس سے قبروں کا بھی یہ عالَم ہو جائے گا کہ نیچے کی مٹی اوپر اور اوپر کی مٹی نیچے آجائے گی۔ انہیں چاروں انقلاب سے جسمِ انسانی کی جدید تکوین ہوگی اور روحِ انسانی میں وہ پاور آجائے گا جو عالَمِ آخرت کی زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔

۔۔الحاصل۔۔ آسمان کے پھٹ جانے اور ستاروں کے گر پڑنے سے ایسا ہوگا کہ یہاں کی روحیں یہاں سے نکل کر انسانی روحوں سے تعلق جوڑیں گے، اِس سے انسانی روحوں میں بڑی قوت آجائے گی، حتیٰ کہ اُن کا اشراق اِتنا بڑھ جائے گا کہ دُنیا میں جتنے کام کیے تھے اُن کا بھی علم ہو جائے گا اور جو کام چھوڑ دیے تھے اُن کا بھی۔۔۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ ﴿۵﴾

تو جان لیا ہر ایک نے جو آگے بھیجا، اور جو پیچھے کیا●

(تو جان لیا ہر ایک نے جو آگے بھیجا اور جو پیچھے کیا) یعنی جو پیچھے چھوڑا عمل۔۔یا۔۔توبہ کا

ترک کرنا۔

اور بعضوں نے کہا کہ جانے گا ہر شخص کہ اُس نے اوّل عمر میں کیا کیا اور آخر میں کیا کیا ۔۔قصہ مختصر۔۔ تمام سمندروں کے ایک ہو کر جوش وطغیانی سے بہنے پر ایسا ہوگا کہ اُن کا کچھ پانی آتشی مادہ بن کر جہنم کو بھڑکائے گا، اور کچھ پانی زمین میں جذب ہو جائے گا جس سے زمین میں رطوبت اور نرمی پیدا ہو جائے گی کہ انسانی جسم بننے کی صلاحیت آجائے۔۔ چنانچہ ۔۔اُس سے ہر شخص کا جسم بن کر تیار ہو جائے گا پھر اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے سے ہر روح اپنے جسم کے اندر آجائے گی، اس طرح 'نشأۃِ ثانیہ' اور جدید تکوین ہو جائے گی، جس کا مقصد اچھے بُرے اعمال اور اُن کے نتائج کا انسان کے سامنے آجانا ہے۔ پھر اچھے لوگوں کے لیے جنت اور بُروں کے لیے جہنم ہے۔ یہی حقیقت ہے جس کی بنا پر آسمان اور زمین کے اِن چاروں انقلابات کے بعد اعمالِ انسانی کے انکشاف اور اُن کے نتائج کو بیان فرمایا گیا ہے۔۔تو۔۔

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ ۝۶

اَے انسان! کس چیز نے دھوکہ دیا تجھے؟ اپنے کرم والے رب سے●

(اَے) دھوکہ میں پڑے ہوئے (انسان! کس چیز نے دھوکہ دیا تجھے اپنے کرم والے رب سے) کہ تُو کافر ہو گیا؟

آدمی گناہ میں کیوں منہمک ہے؟ اور معاصی میں بے باکی اور بے خوفی کیوں ہے؟ اُس کے اصلی اسباب دو ہی ہیں یا تو قیامت اور اس کے محاسبہ اور مواخذہ کا کوئی تصور ہی نہیں ۔۔یا۔۔ انسان نے اللہ کی شانِ کریمی کو بہت ہی غلط طور پر سمجھا ہے اور اِس دھوکہ میں پڑا ہے کہ ربِّ کریم مواخذہ کے موقع پر بھی نوازش ہی فرمائے گا، حالانکہ یہ تصور عدلِ خداوندی کا اِنکار ہے اور روزمرہ کے مشاہدہ کی تکذیب ہے۔

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے۔ ظالم اور جرم شعار قومیں کیوں تباہ ہوئیں؟ اور آج بھی اُس تباہی کے نظارے نگاہوں کے سامنے کیوں آتے جاتے ہیں؟ بتاؤ یہ تباہیاں اللہ کی پکڑ ہیں ۔۔یا۔۔ کرم فرمائی ہے؟ یہی حقیقت ہے جس کو قرآنی ارشاد میں یوں ظاہر کیا گیا ہے کہ اَے انسان! آخر کس چیز نے تجھے اپنے ربِّ کریم کے متعلق

دھوکہ میں رکھا ہے۔یعنی تُو نے یہ کیسے گمان کرلیا ہے کہ وہ مواخذہ کی جگہ پر بھی نوازش ہی فرمائے گا۔

شانِ کرم کا یہ مطلب ہی نہیں کہ کچھ بھی کرو اللہ کرم ہی فرمائے گا، بلکہ شانِ کرم یہ بھی ہے کہ مظلوم کی دادرسی کی جائے اور ظالم کو سزا دی جائے۔اگر اچھوں کو انعام واکرام سے نوازنا شانِ کرم ہے تو فاجروں کو اعمالِ بد کی سزا دینا بھی شانِ کرم ہے، تاکہ دُنیا کو عبرت ہو ، برائی نہ پھیلے اور عالَم تباہ وبرباد نہ ہو۔جس طرح دُنیا میں فاجروں کو سزا دینا شانِ کرم کی ایک نمود ہے اُسی طرح آخرت میں سزا دینا بھی شانِ کرم کا ایک ظہور ہے۔اگر تمہاری معصیت کا پردہ فاش نہیں ہوتا تو دھوکہ نہ کھاؤ کہ آئندہ بھی یہی معاملہ رہے گا۔

۔۔الحاصل۔۔اللہ کی کریمی کا تقاضہ یہی ہے کہ اطاعت گزاروں کو نوازا جائے، نافرمانوں اور اطاعت گزاروں کو ایک درجہ میں نہ رکھا جائے، مظلوم کی دادرسی کی جائے اور ظالم کو سزا دی جائے۔جب اللہ کی کریمی کا تقاضہ یہ ہے تو اُس کی کریمی پر کیوں بھولے ہو؟ اُس کی کریمی پر بھولے رہنا بہت بڑی بھول اور بہت بڑا دھوکہ ہے۔اُس کی کریمی ہم سے یہ چاہتی ہے کہ اُس لطف وکرم پر ہم حمد وشکر کریں اور فرمانبردار بنے رہیں اور نافرمانی سے بچیں۔یہی ہے انسان سے اللہ کی کریمی کا تقاضہ۔

۔۔الغرض۔۔یہ سمجھنا کہ ہم کچھ بھی کریں وہ کرم ہی فرمائے گا سمجھ کی بات نہیں ہے، کور فہمی ہے کج عقلی ہے، بدبختی ہے، شقاوت ہے، تباہی ہے، دُنیا اور آخرت کی رُوسیاہی ہے۔

تو لوگو! برائیوں سے بچو اور اللہ سے یہ دُعا مانگو:۔۔۔"یا اللہ! ہم تجھ سے اُن اعمال کی توفیق مانگتے ہیں جن کے کرنے سے تیری رحمت ضرور ہوتی ہے اور تیری مغفرت لازمی ہوجاتی ہے۔ہم تجھ سے دُعا مانگتے ہیں کہ ہر گناہ سے بچا، ہر طرح کی نیکی کے ثمرات عطا فرما، ہمیں جنت دے کر فائز المرام بنادے، اور جہنم سے نجات دے"۔۔۔اب آگے ربِّ کریم کی شانِ کرم کے چار مظاہر کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ ربِّ کریم وہ ہے۔۔۔

الَّذِیۡ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۙ﴿۷﴾

جس نے پیدا فرمایا تجھے، تو سڈول بنایا تجھ کو، پھر اعتدال پر لایا تجھ کو●

(جس نے پیدا فرمایا تجھے)، اور پیدا کرنے کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ آفرینش کے مادّے عدم

سے وجود میں لائے جائیں اور تشکیل دی جائے، انسان کی تخلیق بھی ایسی ہی ہے۔

اس کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان جس کام کے لیے پیدا کیا گیا ہے اُس کے لیے سراپا عمل بن جائے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی ہی کے لیے پیدا کیا ہے تو اس پر لازم ہے کہ بندگی سے باہر قدم نہ رکھے، اور کوئی کام ایسا نہ کرے جو بندگی کے خلاف ہو۔ جب ربِّ کریم ہمارا خالق ہے تو ہمارے وجود کی ہر چیز اُسی کی ہے ۔۔لہٰذا۔۔ سب کو اُسی کی بندگی اور اطاعت میں لگانا چاہیے۔۔الغرض۔۔ خدا نے تجھے پیدا فرمایا۔۔۔

(تو سڈول بنایا تجھ کو) یعنی جیسا چاہیے ٹھیک ویسا ہی بنایا، یعنی ویسے ہی اعضاء اور ویسے ہی قویٰ دیئے جیسے انسانی کمالات حاصل کرنے کے لیے درکار ہیں، تو اب لازمی ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء اور قویٰ کو صرف انہیں کاموں میں لگائے جن سے انسانی کمالات حاصل ہوں اور انسانیت ترقی کرتی جائے اور تمام بُرے کاموں سے بچے جن سے انسانیت، ایمان اور اخلاق تباہ ہوتے ہیں۔

(پھر اعتدال پر لایا تجھ کو)۔ اعتدال و تناسب کا آئین یہ ہے کہ تمام اعضا اور قویٰ میں ایسا توازن و تناسب رکھا گیا ہے کہ اعتدال کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔

تو اعتدال پر لانے کا معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے تیری خلقت میں 'تعدیل' رکھی ہے کہ بہترین حالت 'عدل و اعتدال' پر تیری تخلیق فرمائی ہے۔

اُسی اعتدال کی بنا پر تجھے ایسا بنایا ہے کہ تجھ میں قدرتِ عمل، عقل اور قوتِ فکر کی صلاحیت آ گئی ہے اور اُس کے ذریعہ تجھے حیوانات اور نباتات پر غالب اور متصرف بنا دیا، اور کمال کے اس درجے پر پہنچا دیا کہ عالَمِ عنصری کی کوئی مخلوق اِس درجہ پر نہ پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے۔ اسی کا نام ہے انسانی خلقت میں 'قانونِ تعدیل' اور 'آئین اعتدال و تناسب'۔ اِس کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان ہر کام میں اعتدال روی سے کام لے اور گناہوں میں مبتلا ہو کر اپنی معتدل فطرت کو مسخ نہ کرے۔۔المختصر۔۔ حق تعالیٰ نے تجھے اعتدال میں لا کر پھر۔۔۔

فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝۸

جس صورت میں چاہا تیری ترکیب فرمائی●

(جس صورت میں چاہا تیری ترکیب فرمائی)۔

ترکیب حسبِ مشیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کو منظور ہوا کہ انسان کو اپنا خلیفہ بنائے۔ اُس مشیت کی رو سے انسان کے لیے ایسی شکل وصورت کی ضرورت تھی جو تمام انسانی قویٰ، ادراک، شعور، عقل اور ضمیرِ انسانی کے اندرونی تحریکات، انبعاث وجذبات اور انسانی قوتِ عمل کا محل بن سکے، تاکہ انسان خلافتِ الٰہی کے امور کو انجام دے سکے۔ اِس کے لیے مشیتِ حق نے انسان کی موجودہ شکل وصورت تجویز فرمائی اور اُس کے اجزاء، عناصر اور قویٰ کی اِس طرح ترکیب وتشکیل کردی کہ بہترین پیکر میں انسان کی آفرینش ہوگئی۔

انسان کی اِس ترکیب وتشکیل کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا خلیفہ بن کر خلافتِ الٰہی کے فرائض انجام دے اور اچھی طرح سمجھ لے کہ اِسے جو قوتیں بخشی گئی ہیں اُن سے صحیح کام لے اور بار بار اِس کا تصور کرتا رہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے اُس کی جواب دہی اس کے ذمہ ہے۔ کیونکہ وہ مالک نہیں خلیفہ اور نائب ہے، جسے مالک کے سامنے ایک ایک چیز کا حساب دینا ہوگا۔

غور کیجیے کہ قرآن مجید نے اللہ کی شانِ کریمی کے اِن چار پہلوؤں یعنی تخلیق، تسویہ، تعدیل اور حسبِ مشیت ترکیب کو پیش فرما کر انسان کے سامنے کتنے بلند حقائق رکھے ہیں اور انسانیت کی کتنی بلند تعلیم دی ہے۔۔۔اب آگے یہ ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ اِن منکرین جزاء وسزا نے اللہ کی شانِ کریمی کا مفہوم غلط طور پر سمجھ لیا ہے، تو اَے منکرو!۔۔۔

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ﴿٩﴾ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿١١﴾

ہرگز نہ ہونا چاہیے تھا، بلکہ تم جھٹلاتے ہو انصاف ہونے کو● اور بے شک تم پر یقیناً نگراں ہیں● معزز لکھنے والے●

يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿١٢﴾

وہ جانتے ہیں جو کرتے ہو●

(ہرگز نہ ہونا چاہیے تھا) کہ تم ایسا سمجھو، اور صرف یہی نہیں (بلکہ تم جھٹلاتے ہو انصاف ہونے کو)، یعنی تم لوگ ازراہِ عناد جزاء وسزا کو جھوٹ سمجھتے ہو۔(اور) حقیقت یہ ہے کہ (بے شک تم پر یقیناً) فرشتے (نگراں ہیں) جو خدائے بزرگ کے نزدیک (معزز) ہیں اور روزانہ تمہارے اعمالنامے (لکھنے والے) ہیں۔اور (وہ) بخوبی (جانتے ہیں) تم (جو کرتے ہو) نیک اور بد، تو وہ اپنے علم کی رو سے لکھتے ہیں۔۔تو۔۔

اِنَّ الۡاَبۡرَارَ لَفِیۡ نَعِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الۡفُجَّارَ لَفِیۡ جَحِیۡمٍ ﴿۱۴﴾ یَّصۡلَوۡنَهَا

بے شک ابرارلوگ راحت میں ہیں● اور بدکارلوگ یقیناً جہنم میں ہیں● جائیں گے اُس میں

یَوۡمَ الدِّیۡنِ ﴿۱۵﴾ وَ مَا هُمۡ عَنۡهَا بِغَآئِبِیۡنَ ﴿۱۶﴾

روز جزا● اور نہیں ہیں وہ اُس سے غائب ہوسکنے والے●

(بے شک ابرارلوگ) یعنی فرمانبردار لوگ (راحت میں) یعنی بہشت میں (ہیں● اور) البتہ (بدکارلوگ) یعنی جھوٹے، حشر کے منکر (یقیناً جہنم میں ہیں)، یعنی (جائیں گے اُس میں روز جزاء● اور نہیں ہیں وہ اُس سے غائب ہوسکنے والے) یعنی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کبھی نہ نکلیں گے۔

وَ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۱۷﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا یَوۡمُ الدِّیۡنِ ﴿۱۸﴾

اور کیا اٹکل تمھیں، کہ کیا ہے روزِ جزا؟● پھر کیا اٹکل تمھیں، کہ کیا ہے روزِ جزا؟●

یَوۡمَ لَا تَمۡلِكُ نَفۡسٌ لِّنَفۡسٍ شَیۡـًٔا ؕ وَ الۡاَمۡرُ یَوۡمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ ع

جس دن کہ نہ اختیار رکھے گا کوئی ناکس کسی ناکس کا کچھ۔اور حکم اُس دن اللہ کا ہے●

(اور کیا اٹکل تمھیں کہ کیا ہے روزِ جزاء؟● پھر کیا اٹکل تمھیں کہ کیا ہے روزِ جزاء)۔۔۔یہ مبالغہ وتکرار اُس روز کی شان کی تعظیم کی جہت سے ہے۔یعنی اُس کی کیفیت اپنے گمان سے کوئی نہیں دریافت کرسکتا۔۔۔وہ دن ایسا دن ہوگا (جس دن کہ نہ اختیار رکھے گا کوئی ناکس) یعنی جسے اِذنِ شفاعت نہ ملے (کسی ناکس کا) یعنی اُس کا جس کے لیے اِذنِ شفاعت نہ ملے (کچھ)، یعنی کوئی یہ طاقت نہیں رکھے گا کہ اپنی ذاتی قوت۔۔یا۔۔قدرت سے کسی کو کچھ نفع۔۔یا۔۔ضرر پہنچاسکے۔(اور حکم اُس دن اللہ) تعالیٰ (کا ہے)، جسے اور جس کے حق میں چاہے گا مرتبۂ شفاعت عطا کرے گا۔جسے چاہے گا جنت میں داخل فرمائے گا اور جسے چاہے گا دوزخ میں بھجوائے گا۔

والانفطار ---- ۱۴/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ -- مطابق -- ۳۱/اکتوبر ۲۰۱۲ء

ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ --مطابق-- یکم نومبر ۲۰۱۲ء

آیاتہا ۳۶ ركوعہا ۱

سورة المطففين

سورۂ المطففین ۔۔۸۳ مکیہ ۸۶

اِس سورۂ مبارکہ کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔اس سورہ کی اپنے ماقبل کی سورت سے یہ مناسبت ہے کہ دونوں میں قیامت کا بیان ہے۔'انفطار' میں قیامت کے اُن احوال کا بیان ہے جو قیامت کے شروع میں پیش آئیں گے۔اُس کے بعد کیا ہوگا؟ اُس کا بیان 'سورہ المطففین' میں ہے کہ سب لوگ عدالتِ الٰہی میں کھڑے کیے جائیں گے اور اُن کے اعمال کے نتائج سامنے آئیں گے۔اِس طرح دونوں سورتیں باہم بہت ہی مربوط ہیں۔

دونوں کا ایک بڑا ارتباط یہ بھی ہے کہ دونوں میں تحریر اعمال کی 'دو' مختلف نوعیّتوں کا بیان ہے۔۔چنانچہ۔۔'سورۂ انفطار' میں کراماً کاتبین کی تحریر کا ذکر ہے، اور'سورۂ تطفیف' میں ابرار وفجار کے الگ الگ دفتروں میں اندراج کا بیان ہے۔اِس سورہ کے نمایاں مضامین حسب ذیل ہیں:

﴿۱﴾۔۔ناپ تول میں بددیانتی کرنے والوں کے لیے وعید۔

﴿۲﴾۔۔اُن کی تجارتی زندگی کے معائب۔

﴿۳﴾۔۔ناپ تول میں بددیانتی کی اصلی بنیاد یہ ہے کہ انہیں قیامت اوراُس کے مواخذہ کا خیال ہی نہیں آتا اوراُس کا تصور ہی نہیں ہوتا کہ اللہ کو منہ دکھانا ہے۔

﴿۴﴾۔۔'فجار' یعنی حدودِ الٰہی توڑنے والوں کا اندراج سجین کے دفتر میں ہے۔

﴿۵﴾۔۔'ابرار' یعنی جو لوگ مخلوق کو ایذاء نہیں دیتے۔۔مزید برآں۔۔اُن کی نیکیوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔اُن کا اندراج علیین کے دفتر میں ہے جس کا مشاہدہ مقربینِ الٰہی کو ہوا کرتا ہے۔

﴿۶﴾۔۔منکرین یوم جزا کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

﴿۷﴾۔۔قیامت کی تکذیب و اِنکار اُسی وقت ہوتا ہے جب کہ گناہ و معصیت کی کثرت سے دِل ودماغ کی ایمانی فطرت مسخ ہوجاتی ہے اور دِل پر غلط اَفکار اور معاصی کا زنگ چڑھ جاتا ہے کہ ایمانی صداقتیں اُن کے سامنے رکھا کرو

لیکن اُن کے دِل پر اُن کا عکس جمتا ہی نہیں۔

﴿۸﴾۔۔ایسے لوگ دیدارِ الٰہی سے محروم رہیں گے، کیونکہ جب دِل پر زنگ ہے تو آنکھوں میں نور کہاں؟

﴿۹﴾۔۔اُن کے لیے جہنم ہے کیونکہ ایمانی سچائیوں کے اِنکار و تکذیب کا لازمی نتیجہ یہی ہے۔

﴿۱۰﴾۔۔ابرار لوگ 'جنتِ نعیم' میں رہیں گے۔

﴿۱۱﴾۔۔جنت نعیم میں ابرار کی مسرت بھری زندگی کے کچھ مناظر۔

﴿۱۲﴾۔۔مقربین خاص کا کچھ تذکرہ اور اُن کے شادکامیوں کے کچھ حالات۔

﴿۱۳﴾۔۔اللہ کے باغی اور مجرم، ایمان داروں کا مضحکہ اُڑاتے ہیں کہ یہ کیسے احمق ہیں کہ آج کا عیش وآرام چھوڑ کر کل کے وعدہ پر پھولے ہوئے ہیں۔اور اپنے ایمان کے پیچھے بہت سی منفعتوں کو ناجائز کہہ کر چھوڑ دیا کرتے ہیں۔ یہ مضحکہ آج بھی اُڑایا جاتا ہے کہ سود وغیرہ سے بچنے والوں کو تاریک خیال کہا جاتا ہے، لیکن کل قیامت کے دن نقشہ اِس کے برعکس ہوگا۔

ایسی اصلاحِ معاشرہ کرنے والی اور خوفِ الٰہی کا درس دینے والی سورہٴ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

روایت ہے کہ اہلِ مدینہ ناپ تول میں بڑی خیانت رکھتے تھے۔ جب آنحضرت ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف متوجہ ہوئے تو اثنائے راہ یہ سورت نازل ہوئی کہ۔۔۔

وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ ۝۱ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ ۝۲

تباہی ہے کم تولنے والوں کی● کہ جب ناپ کر لیا اوروں سے، تو پورا لیں●

وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿٣﴾

اور جب ناپا اُن کے لیے یا تولا اُن کے لیے، تو کمی کریں●

(تباہی ہے کم تولنے والوں کی) بروزِ قیامت۔

روایت ہے کہ مدینہ میں ابوجہینہ نام کا ایک مرد تھا وہ دو صاع رکھتا تھا: ایک بہت بڑا کہ اُس سے مول لیتا تھا، ایک بہت چھوٹا کہ اُس سے بیچتا تھا۔ علاوہ ازیں۔۔ وہاں کے تجارت میں خیانت کرنے والے تولتے وقت ڈنڈی مارنے کے خوگر تھے، تو اِس طرح کے لوگ جو دو طرح کا پیمانہ رکھتے تھے اُن کا حال یہ تھا۔۔۔

(کہ جب ناپ کرلیا اوروں سے) اپنے واسطے (تو پورا لیں) اور اس میں کچھ کمی نہ ہونے دیں، (اور) اِس کے برعکس (جب ناپا اُن کے لیے یا تولا اُن کے لیے تو کمی کریں)، یعنی ان لینے والوں کا حق گھٹا دیں اور اُن کو نقصان پہنچائیں۔

أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَ ﴿٤﴾ لِيَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٥﴾

کیا نہیں مانتے یہ لوگ، کہ بے شک وہ اُٹھائے جانے والے ہیں● ایک بڑے دن کے لیے●

يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٦﴾

جس دن کہ کھڑے ہوں گے لوگ رب العلمین کے لیے●

(کیا نہیں مانتے) یعنی نہیں جانتے اور یقین نہیں رکھتے (یہ لوگ) جو بہت لیتے اور کم دیتے ہیں، (کہ بے شک وہ اُٹھائے جانے والے ہیں● ایک بڑے دن کے لیے● جس دن کہ کھڑے ہوں گے لوگ رب العالمین کے لیے)، یعنی جب تک حکم نہ پہنچے گا وہ کھڑے ہی رہیں گے۔

اور وہ ہیبت کا مقام ہوگا کہ اہلِ عرصات اُس میں سو برس کھڑے رہیں گے اور کسی کو بات کی مجال نہ ہوگی، یہاں تک کہ حضرت رحمۃ للعالمین ﷺ شفاعت کریں گے اور خلق کو مقامِ ہیبت سے محاسبہ کے موقف میں لائیں گے، اور یہ شفاعتِ کبریٰ ہوگی۔

كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ ﴿٧﴾

کیوں نہیں! بے شک بدکاروں کا نامہءاعمال یقیناً سجین میں ہے●

(کیوں نہیں) یہ بالکل حق اور صحیح بات ہے کہ (بے شک بدکاروں کا نامہءاعمال یقیناً سجین

میں ہے)۔ وہ ایک پتھر ہے اندر سے خالی دوزخ کے نیچے چھپا ہوا جو کافروں کی جگہ ہے اور کافروں کے نامہء اعمال وہاں ہوں گے۔

کعب الاحبار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فاجروں کے اعمالنامے فرشتے آسمان پر لے جائیں گے، آسمان اُس کو قبول کرنے سے اِنکار کردے گا، تو وہاں سے اُسے زمین پر لائیں گے، زمین بھی اُس کو قبول نہ کرے گی، تو پھر اُس کو ساتویں زمین کے نیچے لے جائیں گے اور وہیں رکھ دیں گے اور یہی سجین ہے جو ابلیس اور اُس کے لشکر کی جگہ ہے۔

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا سِجِّيۡنٌ ۸ كِتٰبٌ مَّرۡقُوۡمٌ ۹ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۱۰

اور کیا اٹکل تمہیں کہ سجین کیسی ہے؟● وہ ایک نوشتہ درج کیا ہوا● ہلاکی ہے اُس دن جھٹلانے والوں کی●

الَّذِيۡنَ يُكَذِّبُوۡنَ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ ۱۱ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ ۱۲

جو جھٹلائیں روزِ جزا کو● اور نہیں جھٹلاتا اُسے، مگر ہر سرکش گنہگار●

(اور کیا اٹکل تمہیں کہ سجین کیسی ہے) جو ہَول اور ہیبت اور کفار و فجار کے نامہء اعمال کی جگہ ہے۔ (وہ ایک نوشتہ درج کیا ہوا) مہر لگا ہوا اور نشان کیا ہوا ہے۔ ایسی نشانی کہ جو کوئی دیکھے گا جان لے گا کہ اس میں نیکی نہیں ہے۔ (ہلاکی ہے) یعنی عذاب، سختی، شدت اور محنت و مشقت ہے (اُس دن جھٹلانے والوں کی)۔ یعنی تکذیب کرنے والوں کے واسطے (جو جھٹلائیں روزِ جزا کو) اور اُسے باور نہ رکھیں (اور نہیں جھٹلاتا اُسے مگر ہر سرکش گنہگار)، حد سے گزرا ہوا ظالم و بے باک۔ اُس کی سرکشی، بے باکی اور گستاخی کا عالم یہ ہے کہ۔۔۔

اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۱۳ كَلَّا بَلۡ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ

جب تلاوت کی گئیں اُس پر ہماری آیتیں، بولا کہ "اگلوں کی کہانیاں ہیں"● ہرگز نہیں بلکہ○ زنگ چڑھا دیا اُن کے دِلوں پر،

مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۱۴ كَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ۱۵ ثُمَّ اِنَّهُمۡ

اُس نے جو کرتوت کماتے تھے● ہرگز نہیں! بلاشبہ وہ لوگ اپنے رب سے اُس دن محجوب رہنے والے ہیں● پھر بلاشبہ وہ یقیناً

لَصَالُوا الۡجَحِيۡمِ ۱۶ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ۱۷

جہنم میں جانے والے ہیں● پھر کہا جائے گا کہ "یہ ہے وہ، جسے تم جھٹلاتے تھے"●

(جب تلاوت کی گئیں اُس پر ہماری آیتیں) تو (بولا کہ) یہ (اگلوں کی کہانیاں ہیں) اور

اس طرح اُس نے اپنے جہل اور حق سے انکار کی شدت کا مظاہرہ کیا۔ (ہرگز نہیں) ایسا جو وہ کہتے ہیں (بلکہ o زنگ چڑھادیا اُن کے دِلوں پر اُس نے جو کرتوت کماتے تھے)، یعنی اُن کی بداعمالیوں نے اُن کے دِلوں کو زنگ آلود کردیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اُس کے دِل پر پڑتا ہے یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اُس کا تمام دِل سیاہ ہوجاتا ہے۔

تو اب اُس کے سوا کوئی حق (ہرگز نہیں) بلکہ حق وصحیح یہی ہے کہ (بلاشبہ وہ لوگ اپنے رب) کے دیدار (سے اُس دن محجوب رہنے والے ہیں)۔۔نیز۔۔کرامت ورحمت سے دُور رہنے والے ہیں۔ (پھر بلاشبہ وہ یقیناً جہنم میں جانے والے ہیں● پھر کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جسے تم جھٹلاتے تھے) یہ بات دوزخ کے فرشتے اُن سے کہیں گے۔

حضرت امام مالک سے **لَمَحْجُوْبُوْنَ** کا معنی پوچھا گیا، آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ اپنے دشمنوں کو آڑ میں رکھے گا تاکہ اُس کا دیدار نہ کرسکیں اور اپنے دوستوں پر تجلی فرمائے گا تاکہ وہ دولتِ دیدار سے مالا مال ہوں۔ امام شافعی نے فرمایا ہے کہ **لَمَحْجُوْبُوْنَ** کفار کی شان میں وارد ہونا اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مؤمنوں کو دولتِ دیدار حاصل ہوگی اور دوست محجوب نہ ہوں گے۔ اُس وقت دوست اور دشمن کے درمیان فرق ظاہر ہوگا۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾

کیوں نہیں! بے شک، نیکوں کے نامہء اعمال یقیناً علیین میں ہیں● اور کیا اٹکل تمہیں کہ کیا ہے علیین؟

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

ایک نوشتہ درج کیا ہوا● جس کو دیکھا کرتے ہیں اللہ کے نزدیکی لوگ●

(کیوں نہیں) ایسا تو ہے ہی کہ (بے شک نیکوں کے نامہء اعمال یقیناً علیین میں ہیں) ساتویں آسمان پر عرش کے نیچے۔۔۔اور بعضے کہتے ہیں کہ وہ عرش کا داہنا پایہ ہے، اور بعضوں نے کہا کہ سدرۃ المنتہیٰ۔۔۔(اور کیا اٹکل تمہیں کہ کیا ہے علیین)۔یعنی ایک بلند مقام۔۔یا۔۔مکان ہے۔۔یا۔۔نیکوں کی کتاب (ایک نوشتہ درج کیا ہوا) اور نشانی کی ہوئی، ایسی نشانی کہ جو کوئی دیکھے وہ جان لے کہ اس میں بالکل نیکیاں ہیں (جس کو دیکھا کرتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے نزدیکی لوگ)، یعنی ملائکہ

مقربین جو علیین میں رہتے ہیں، یعنی اس کے استقبال کو جاتے ہیں اور اس کی حفاظت کرتے ہیں اور قیامت کے روز اُس پر گواہی دیں گے۔۔اوپر کتاب الابرار میں جن نکوکاروں کا ذکر کیا گیا ہے۔۔۔

إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢٢﴾ عَلَى الْأَرَائِكِ يَنظُرُونَ ﴿٢٣﴾ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِهِمْ

بے شک نیکوکار یقیناً راحت میں ہیں● تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں● پہچان لوگے اُن کے چہروں میں،

نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٤﴾ يُسْقَوْنَ مِن رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ ﴿٢٥﴾ خِتَامُهُ مِسْكٌ ۚ وَفِي

راحت کی شادابی● پلائے جائیں گے خالص شراب، مہر کی ہوئی● اُس کی مہر اُس کی مشک ہے۔اور اُسی کے

ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢٦﴾ وَمِزَاجُهُ مِن تَسْنِيمٍ ﴿٢٧﴾

بارے میں للچائیں، للچانے والے● اور اُس کی آمیزش تسنیم سے ہے●

عَيْنًا يَشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢٨﴾

ایک چشمہ جس سے پیتے ہیں اللہ کے نزدیکی والے●

(بے شک) وہ (نیکوکار یقیناً راحت میں ہیں) یعنی بہشت میں ہیں۔آراستہ (تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں) ایسی چیز کو کہ اُس سے خوش ہوتے ہیں۔۔یا۔کافروں کو دوزخ میں دیکھتے ہیں اور ان کا عذاب مشاہدہ کرتے ہیں۔(پہچان لوگے) اَے دیکھنے والو! (اُن کے چہروں میں راحت کی شادابی) یعنی بہشت کی نعمتوں کی تازگی اور اُس کی لذتوں کی طراوت۔(پلائے جائیں گے خالص شراب) سفید خوشبودار (مہر کی ہوئی ● اُس کی مہر اُس کی مشک ہے) یعنی مہر اُس کی لاکھ کی جگہ پر مشک ہے۔

اور بعضوں نے کہا کہ اُس کے پینے کا ختم مشک کی خوشبو پر ہے اور مہر اِس جہت سے کریں گے تاکہ کسی کا ہاتھ اُس پر نہ پہنچے اور ابرار لوگ خود اُس کی مہر توڑیں۔

(اور اُسی کے بارے میں للچائیں للچانے والے)، یعنی چاہیے کہ رغبت کریں رغبت کرنے والے، یعنی ایسا عمل کریں کہ اُس کے سبب سے اُس کے پینے کے مستحق ہو جائیں۔(اور اُس کی آمیزش) چشمہء (تسنیم) کے پانی (سے ہے) جو (ایک) ایسا (چشمہ) ہے (جس سے پیتے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے نزدیکی والے)، یعنی خالص اُس چشمہ کا پانی بارگاہِ عنایتِ الٰہی کے مقرب لوگ ہی پئیں گے اور ملا ہوا ابرار لوگوں کو دیا جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ تسنیم اُس پانی کا نام ہے جو عرش کے نیچے سے

بہشت میں بہتا ہے اور جنت میں جنتی پینے کی چیزیں ہیں یہ پانی اُن سب میں اشرف اور بہتر ہے۔ یہ پانی بغیر کسی چیز کی ملاوٹ کے صرف مقربین کے لیے مخصوص ہوگا۔ اس میں راز یہ ہے کہ چونکہ مقرب لوگ ماسوا کی طرف مشغول نہیں ہوئے، یعنی غیر کی محبت کو خدا کی محبت کے ساتھ نہیں ملایا ہے اس لیے اُن کے پینے کی چیز خالص بے ملاوٹ ہے۔ اور وہ جن کی محبت ملی ہوئی ہے اُن کے پینے کی شراب میں بھی دوسری چیز ملی ہوگی۔

کافر و فاجر لوگ اُن مقربین و ابرار کی شانِ عالی کو کیا سمجھیں جو اُن کا تمسخر اُڑاتے ہیں۔۔

چنانچہ۔۔روایت ہے کہ رؤسائے قریش جب حضرت عمار، حضرت صہیب، اور حضرت بلال اور اُن کے مثل رضی اللہ عنہم کو دیکھتے تو اُن سے ہنسی اور مسخرا پن کرتے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾

بے شک جنہوں نے جُرم کیا، وہ مسلمانوں سے ہنسا کرتے تھے●

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور جب وہ مسلمان گزرتے اِن کے پاس، تو آنکھ مارتے تھے●

(بے شک جنہوں نے جرم کیا وہ مسلمانوں سے ہنسا کرتے تھے● اور جب وہ مسلمان گزرتے اُن کے پاس تو آنکھ مارتے تھے)، یعنی ہنسی کے واسطے اشارے کرتے تھے۔

کشاف میں ہے کہ ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ایک مسلمان کے ساتھ جاتے تھے، منافقوں کا ایک گروہ ہنسا اور چشم و ابرو سے اشارہ کر کے ہنسی اور مسخرا پن کیا، اور اپنے یاروں کے پاس جا کر بولے کہ ہمارا سردار ہمارا رئیس آج 'اصلع' تھا۔ 'اصلع' کہتے ہیں اُس کو جس کے سر پر سامنے بال نہ ہوں۔ اُس سے اُن کی مراد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات تھی، اور اس بات پر وہ منافقین خوب ہنسے۔ ہنوز حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں نہ پہنچے تھے کہ آیتیں نازل ہوگئیں کہ یہ منافقین لوگ جب مسلمانوں کے آگے سے گزرتے ہیں تو چشم و ابرو سے اشارے کرتے ہیں۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ

اور جب لوٹتے اپنوں کی طرف، تو لوٹتے کھلکھلاتے● اور جب دیکھتے اِن مسلمانوں کو، تو کہتے کہ "یہ لوگ یقیناً

هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾

گمراہ ہیں"● حالانکہ وہ نہیں بھیجے گئے اِن پر نگراں●

(اور جب لوٹتے) ہیں (اپنوں کی طرف، تو لوٹتے) ہیں (کھلکھلاتے) ہوئے خوش وخرم اُس بات پر جو کی ہے۔ (اور) صرف یہی نہیں بلکہ (جب دیکھتے اُن مسلمانوں کو) یہ کافر اور منافق لوگ (تو کہتے) ہیں آپس میں ایک دوسرے سے (کہ یہ لوگ) جو محمد ﷺ کی متابعت کرتے ہیں (یقیناً گمراہ ہیں● حالانکہ وہ نہیں بھیجے گئے ان پر نگراں) کہ مؤمنوں پر نگہبانی کریں اور ان کی ضلالت اور ہدایت پر گواہی دیں۔ دُنیا میں تو منافق اور کافر ہنستے رہے۔۔۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

تو آج کے دن مسلمان کافروں سے ہنس رہے ہیں● اپنے تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں●

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ ع ۸

کیوں کچھ بدلہ دیا گیا کافروں کو، جو کچھ وہ کیا کرتے تھے●

(تو آج) قیامت (کے دن مسلمان کافروں سے ہنس رہے ہیں) اور جواہر کے جڑاؤ (اپنے تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں) کہ دوزخ میں کس طرح اُن پر عذاب ہو رہا ہے اور زنجیروں طوقوں میں کیونکر جکڑے ہوئے ہیں۔

صحابہ کا قول ہے کہ بہشت کا ایک دروازہ کھول کر دوزخیوں سے کہیں گے کہ جنت میں چلے آؤ۔ وہ جلدی جنت کی طرف دوڑیں گے جب اُس کے دروازے پر پہنچیں گے تو جنت کے دربان دروازہ بند کر دیں گے اور وہ کافر رنجیدہ اور غمگین دوزخ کی طرف پھریں گے۔ مؤمن لوگ اس حال سے ہنسیں گے۔۔۔

(کیوں کچھ بدلہ دیا گیا کافروں کو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے)، یعنی مؤمنوں کے دِلوں کی تسلی کے واسطے ہم نے اُن کے دشمنوں کو جزا دی کہ دُنیا میں کافر جو مؤمنوں پر ہنستے تھے، آج قیامت کے دن مؤمن کافروں کے حال پر ہنستے ہیں۔

اختتام سورہ المطففین ۔۔۔ ﴿ ۱۵ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔۔ مطابق ۔۔۔ یکم نومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ ﴾ ۔۔۔

۱۶ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز جمعہ

سورۃ الانشقاق ۸۴ | اٰیاتہا ۲۵ رکوعہا ۱

سُوْرَۃُ الْاِنْشِقَاقِ

سورۃ الانشقاق۔۔۸۴ مکیہ ۸۳ | آیاتہا ۲۵۔۔رکوعہا ۱

'سورہ الانشقاق' اپنے ماقبل کی 'سورہ المطففین' سے بخوبی مربوط ہے اس لیے کہ ان دونوں سورتوں میں قیامت کا ذکر ہے۔علاوہ ازیں 'سورہ المطففین' میں فجار اور ابرار کے انجام کا زیادہ تذکرہ ہے،اور 'سورہ الانشقاق' میں قیامت کے ہولناک امور کا ذکر ہے، اور نیکوکاروں کے حساب میں آسانی اور بدکاروں کے حساب میں سختی کا ذکر ہے۔۔نیز۔۔ 'سورہ المطففین' میں صحیفہء اعمال لکھنے والے فرشتوں کا ذکر ہے۔اور 'سورہ الانشقاق' میں صحیفہء اعمال کے پیش کرنے کا ذکر ہے۔ایسی حقائق پر مشتمل اور بصیرت افروز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾

جب آسمان پھٹ گیا ● اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی، اور اُسے یہی زیبا ہے ● اور جب زمین بڑھائی گئی ●

وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ

اور ڈال دیا جو کچھ اس میں ہے، اور خالی ہوگئی ● اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی ہے، اور اسے یہی چاہیے ● اے انسان!

اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾

بے شک تُو بھی جانے والا ہے اپنے رب کی طرف دوڑ کر، پھر ملنے والا ہے اُس سے ●

اُس وقت کا تصور کرو (جب آسمان پھٹ گیا ● اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی، اور اُسے بھی زیبا ہے) کہ حکم الٰہی کی اطاعت کرے۔ (اور) اُس وقت کا بھی تصور کرو (جب زمین بڑھائی

گئی)، یعنی اُس کے دریاؤں اور پہاڑوں کو بیچ سے اُٹھالیا گیا (اور ڈال دیا) یعنی باہر نکال دیا زمین نے (جو کچھ اس میں ہے) خزانے اور مُردے وغیرہ (اور) سب سے (خالی ہوگئی • اور اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی ہے اور اُسے یہی چاہیے) کہ حکم ربانی سنے۔ تو جب ایسا ہوگا تو اپنا ثواب اور عذاب دیکھنے کے لیے۔۔۔ (اے انسان! بے شک تُو بھی جانے والا ہے اپنے رب کی) جزا کی (طرف دوڑ کر، پھر ملنے والا ہے) اپنے عمل کی (اس) جزاء (سے)۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۝۷ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۝۸ وَّ یَنْقَلِبُ

تو جسے دیا گیا اُس کا نامہء اعمال اُس کے داہنے ہاتھ میں • تو جلد حساب کیا جائے گا، برائے نام حساب • اور لوٹے گا

اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۹ وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۝۱۰

اپنے یگانوں کی طرف خوش • اور رہا وہ، جسے دیا گیا اُس کا نامہء اعمال اُس کے پیٹھ کے پیچھے سے •

فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۝۱۱ وَّ یَصْلٰى سَعِیْرًا ۝۱۲

تو جلد مانگے گا موت کو • اور جائے گا دہکتی آگ میں •

(تو جسے دیا گیا اُس کا نامہء اعمال اُس کے داہنے ہاتھ میں)، یہ وہ لوگ ہوں گے جو ایمان کے سچے اور راست باز ہوں گے، (تو) اُن کا (جلد حساب کیا جائے گا، برائے نام حساب) نہ اُس میں تنگی رہے گی اور نہ ہی کسی طرح کی سختی۔ (اور لوٹے گا اپنے یگانوں) یعنی اپنے جنتی شریکِ زندگی (کی طرف خوش)۔ (اور رہا وہ، جسے دیا گیا اُس کا نامہء اعمال اُس کے پیٹھ کے پیچھے سے) کیونکہ وہ ہمیشہ ایمان وتوحید اور اطاعتِ پیغمبر کو پسِ پشت ڈالتا رہا۔ (تو جلد مانگے گا موت کو) یعنی تمنا کرے گا ہلاکت کی۔۔۔یا۔۔۔'یا ثبورا'! 'یا ثبورا'! کے نعرہ لگائے گا۔ یہ کلمہ بھی طلبِ ہلاکت کا ہے (اور) نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ (جائے گا دہکتی آگ میں)۔

اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝۱۳ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۝۱۴ بَلٰۤى ۚۛ

بے شک یہ تھا اپنے والوں میں خوش • بے شک اُس نے سمجھا تھا کہ ہرگز واپس نہ ہوگا • کیوں نہیں!

اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ۝۱۵

بے شک اُس کا رب اُس کا نگراں رہتا تھا •

(بے شک یہ) شخص (تھا اپنے والوں میں) اپنے مالِ فانی اور جاہِ ناپائدار پر (خوش) اور نازاں۔ (بے شک اُس نے سمجھا تھا کہ ہرگز واپس نہ ہوگا) یعنی اُس کا بعث وحشر نہ ہوگا۔ (کیوں نہیں) ! ہاں اُس کا بعث وحشر ہوگا کیونکہ (بے شک اُس کا رب اس کا نگراں رہتا تھا) جواس کے احوال اعمال کو دیکھنے والا ہے۔ پس اُسے نہ چھوڑے گا بلکہ محشر میں لائے گا اور اس کے اعمال کی جزا اور سزا سے پہنچائے گا۔

فَلَآ اُقۡسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾ وَالَّيۡلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾ وَالۡقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾

نہیں کیا مجھے قسم ہے شام کی روشنی کی● اور قسم ہے رات کی، اور جو وہ اکٹھا کرے● اور قسم ہے چاندکی، جب وہ پورا ہو چکا●

لَتَرۡكَبُنَّ طَبَقًا عَنۡ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾

کہ ضرور چڑھو گے ایک مقام سے دوسرے مقام کو●

(تو نہیں کیا مجھے قسم ہے شام کی روشنی کی) یعنی شفق کی اور وہ ایک سرخی ہے کہ غروب آفتاب کے بعد مغرب کے کنارے میں دیکھی جاتی ہے۔۔

اور اُس کا غائب ہونا امام مالک، امام شافعی، اور صاحبین رضی اللہ عنہما کے مذہب میں وقتِ عشاء کی علامت ہے اور امام اعظم کے نزدیک اُس سرخی کے غائب ہونے کے بعد جو سفیدی دکھائی دیتی ہے وہ شفق ہے۔ پہلی کو 'شفقِ احمر' اور دوسری کو 'شفق ابیض' بھی کہتے ہیں۔

(اور قسم ہے رات کی، اور) اُس کی (جو وہ اکٹھا کرے)، یعنی جسے رات اپنی تاریکی میں چھپالیتی ہے۔ (اور قسم ہے چاندکی جب وہ پورا ہو چکا) یعنی بدرِ کامل کی قسم (کہ ضرور چڑھو گے ایک مقام سے دوسرے مقام کو)، یعنی البتہ پہنچو گے اور ملو گے تم ایک حال کو بعد ایک حال کے اُس کے مطابق شدت میں بہت سخت۔

اِس سے موت اور روزِ قیامت کی شدتیں اور اُس کے ہَولوں کے مقامات مراد ہیں کہ ایک کے بعد ایک دیکھے جائیں گے۔ تفسیرِ زاہدی میں ہے کہ بنی آدم کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پھرنا مراد ہے، یعنی نطفہ سے تھکے کی طرف پھر لوتھڑا اور ہڈی اور دوسری خلقت اور پیٹ کے اندر کا بچہ اور پیدا ہوا بچہ اور دودھ پیتا بچہ اور پیروں چلتا بچہ اور جوانی کے قریب پہنچا ہوا لڑکا اور جوان، ادھیڑ اور بوڑھا ہو جاتا ہے، آخر احوال تک۔۔ المختصر۔۔ یہ سب شاہد عدل ہیں کہ تم کو ایک منزل کے بعد دوسری منزل پر پہنچنا ہے۔

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَإِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْآنُ لَا يَسْجُدُونَ ﴿٢١﴾

تو کیا ہوا اُنہیں کہ نہیں مانتے؟● اور جب پڑھا جائے اُن پر قرآن، تو سجدہ نہیں کرتے●

بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكَذِّبُونَ ﴿٢٢﴾

بلکہ جنہوں نے کفر کیا وہ جھٹلاتے رہتے ہیں●

(تو کیا ہوا اُنہیں کہ) باوجود اِس حال کے (نہیں مانتے) اور خدا اور رسول اور روز جزا پر ایمان نہیں لاتے، (اور جب پڑھا جائے اُن پر قرآن تو سجدہ نہیں کرتے) اور اللہ کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔

قرآنی سجدوں میں یہ تیرھواں سجدہ ہے۔ صاحبِ فتوحات نے اِس سجدہ کو 'سجدہ جمع' کہا ہے کہ قرآن سننے کے بعد ہے اور قرآن جامع ہے تنزیہہ اور تقدیر کی صفتوں کو۔

اِتنا ہی نہیں کہ کفار سجدہ نہیں کرتے (بلکہ جنہوں نے کفر کیا وہ جھٹلاتے رہتے ہیں) قرآن کریم کے بتائے ہوئے عقائد کو۔ یہ جھٹلانا دلیل کی کمی اور انقطاعِ حجت کے سبب سے نہیں ہے بلکہ اِس سبب سے ہے کہ قرآنی آیتوں میں غور وفکر نہیں کرتے۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿٢٣﴾ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢٤﴾ إِلَّا الَّذِينَ

اور اللہ خوب جانتا ہے جو دِل میں رکھتے ہیں● تو خبر دے دو اُنہیں دکھ والے عذاب کی● مگر جو مان گئے

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿٢٥﴾ ع ۹

اور لیاقت مندی کی، اُنہیں کے لیے بے حد ثواب ہے●

(اور اللہ) تعالیٰ (خوب جانتا ہے جو دِل میں رکھتے ہیں) یعنی کفر اور مؤمنوں کے ساتھ کینہ۔ اِسی کفر وحسد کی وجہ سے ایمان نہیں لا رہے ہیں، (تو) اب یہی بات رہ گئی ہے کہ آپ (خبر دے دو اُنہیں دکھ والے عذاب کی)۔ (مگر) وہ لوگ اس عذاب سے مستثنیٰ ہیں (جو مان گئے اور لیاقت مندی کی)، یعنی ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ انجام دیتے رہے۔ (اُنہیں کے لیے بے حد ثواب ہے) نہ گھٹا ہوا، نہ کٹا ہوا اور نہ احسان رکھا ہوا۔

--- ۱۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ -- مطابق -- ۲/ نومبر ...

۱۸ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ --مطابق-- ۴ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ

سورۃ البروج ۸۵ مکیہ ۲۷ | آیاتہا ۲۲ -- رکوعہا ۱

سورۃ البروج

اِس سورۂ مبارکہ کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے اور اپنے ماقبل کی 'سورہ انشقاق' سے اِس کا ربط یہ ہے کہ دونوں میں افتتاحی کلمات کے بعد جنتیوں اور دوزخیوں کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں اور دونوں کے آخر میں اس کا ذکر ہے کہ کفار تکذیب میں مبتلا ہیں --علاوہ ازیں-- اِس سے پہلے سورت میں یہ بتایا تھا کہ مشرکین کے اپنے سینوں میں نبی ﷺ اور مومنین کے خلاف جو بغض اور عناد چھپا ہوا ہے اللہ تعالیٰ کو اُس کا علم ہے اور اِس سورت میں یہ بتایا کہ اِس سے پہلی امتوں کے کافروں کا بھی یہی طریقہ تھا۔ اِس میں مشرکین کے لیے نصیحت ہے اور مومنوں کے دِلوں کو مطمئن اور مضبوط رکھنا ہے، تو ایسی ہدایت سے وابستہ اور حقائق سے ہم رشتہ سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں---

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳

قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی ● اور وعدہ دیے ہوئے دن کی ● اور اُس دن کی، جو گواہی دینے والا اور عام حاضری کا ہے ●

(قسم ہے بُرجوں والے آسمان کی)۔ اِس سے بارہ[۱۲] بُروج مراد ہیں --یا-- قمر کی منزلیں --یا-- آسمانوں کے دروازے مراد ہیں۔ (اور) قسم ہے (وعدہ دیئے ہوئے دن کی) یعنی روزِ قیامت کی (اور اُس دِن کی جو گواہی دینے والا اور عام حاضری کا ہے)۔

شَاهِدٍ و **مَشْهُوْدٍ** اِن دونوں الفاظ کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

﴿۱﴾-- **شَاهِدٍ** سے مراد جمعہ ہے اور **مَشْهُوْدٍ** سے مراد یوم عرفہ ہے۔ یہ قول متعدد اکابر کا ہے۔

﴿۲﴾-- **شَاهِدٍ** سے مراد یوم جمعہ ہے اور **مَشْهُوْدٍ** سے مراد 'روزِ قیامت' ہے۔

﴿۳﴾۔۔ **شَاهِدٌ** سے مراد اللہ ہے اور **مَشْهُوْدٌ** سے مراد توحید۔۔یا۔۔نبوت۔۔یا۔۔خلائق۔

﴿۴﴾۔۔ **شَاهِدٌ** سے مراد آنحضرت ﷺ اور **مَشْهُوْدٌ** سے مراد دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام۔

﴿۵﴾۔۔ **شَاهِدٌ** سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور **مَشْهُوْدٌ** سے مراد اُن کی امتیں۔

﴿۶﴾۔۔ **شَاهِدٌ** سے مراد 'امت محمدیہ' ہے اور **مَشْهُوْدٌ** سے مراد دیگر امتیں۔

﴿۷﴾۔۔ **شَاهِدٌ** سے مراد 'یوم عرفہ'۔۔یا۔۔'یوم نحر' ہے اور **مَشْهُوْدٌ** سے مراد حجاج۔

﴿۸﴾۔۔ **شَاهِدٌ** سے مراد ہر ایک دن ہے اور **مَشْهُوْدٌ** سے مراد ہر ایک دن میں جو مخلوق ہے۔

حقیقت میں یہ اقوال تخصیص نہیں بلکہ تمثیل ہیں، یعنی **شَاهِدٌ** اور **مَشْهُوْدٌ** 'دو' الگ الگ مستقل حقائق ہیں جن کے امثال ونظائر بیان ہورہے ہیں۔۔۔یہ حقائق ہیں کیا؟ وہی جو اِن 'دو' الفاظ سے عصرِ نبوی کے مخاطبین کلام بے تکلف سمجھتے تھے، یعنی **شَاهِدٌ** سے مراد ہے 'حاضر وناظر' اور **مَشْهُوْدٌ** سے مراد ہے وہ چیز جو نگاہوں کے سامنے ہے۔۔یا۔۔سامنے آئے گی۔ بس یہی معنی ہے جو ان الفاظ کو سنتے ہی اہلِ زبان سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے متبادر معانی یہی ہیں۔

یوں تو **شَاهِدٌ** کے متبادر معنی 'گواہ' اور **مَشْهُوْدٌ** کے متبادر معنی وہ چیز بھی ہے 'جس کے متعلق گواہی دی جائے' لیکن اِس صورت میں **مَشْهُوْدٌ** کی بجائے **مَشْهُوْدٌ** علیه بولتے ہیں۔ اِسی لیے یہ لکھا گیا ہے کہ **شَاهِدٌ** کے متبادر معنی ہیں 'حاضر وناظر' اور **مَشْهُوْدٌ** کے متبادر معنی ہیں 'وہ چیز جو نگاہوں کے سامنے ہے۔۔یا۔۔سامنے آئے گی'۔

اِس سورہ میں قسم تو ہے مگر جوابِ قسم اکثر مفسرین کے نزدیک محذوف ہے۔ ان بزرگوں نے اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے اُس کو متعین کیا ہے۔ زیادہ تر رجحان اِس طرف ہے کہ جوابِ قسم اُس قسم کا محذوف جملہ ہے "اَنَّهُمْ مَلْعُوْنُوْنَ، يَعْنِي كُفَّارَ مَكَّةَ كَمَا لُعِنَ اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ"، یعنی ظالم قریشیوں پر اللہ کی مار جو بےبس مسلمانوں کو طرح طرح سے ستاتے ہیں، جیسا کہ آگ کی خندق والوں پر اللہ کی مار پڑی ہے۔ **قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ** کا فقرہ جوابِ قسم کے محذوف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔۔الختصر۔۔ان تمام چیزوں کی قسم ارشاد فرما کر فرمایا۔۔۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ﴿۴﴾ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ﴿۵﴾ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ﴿۶﴾

کہ غارت کردیے گئے کھائیوں والے ○ ایندھنوں والی آگ والے ○ جب کہ وہ لوگ اُس پر بیٹھے ہوئے تھے ○

وَّهُمْ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ شُهُوْدٌ ؕ

اور وہ، جو اس کام پر جو کرتے مسلمانوں کے ساتھ، گواہ تھے●

(کہ غارت کر دیئے گئے کھائیوں والے)۔

کھائیوں والوں کے تعلق سے مختصر تفصیل یہ ہے کہ یہ بت پرست تھے جو ذونواس یمنی کے لوگ تھے۔ ذونواس بادشاہ تھا، اُس کے زمانے میں ایک ساحر تھا کاھن، شعبدہ باز۔ بادشاہ کی سلطنت کا مدار اُسی ساحر پر تھا۔ جب وہ بوڑھا ہوا تو بادشاہ سے عرض کی کہ اب میں بوڑھا ہوا، میرے قویٰ میں بالکل ضعف آ گیا، صلاح اِسی میں ہے کہ ایک جوان اصیل عاقل، تیز فہم میرے سپرد کیجیے کہ جو کچھ میں جانتا ہوں اُسے سکھادوں اور میرے بعد وہ میرا خلیفہ ہو کہ سلطنت کے امور اُس کے سبب سے منتظم رہ سکیں۔ پادشاہ کو یہ بات پسند آئی، اُس کے مقصود کے مطابق ایک لڑکا اُس کے سپرد کیا۔ ساحر بڑے اہتمام کے ساتھ اُس کی تعلیم میں مشغول ہوا۔

ایک دن وہ لڑکا ایک راہب کے عبادت خانے میں گیا، اُس کے احوال سے مطلع ہو کر رہبانیت کا طریقہ پسند کیا اور راہب کے دین پر متدین ہو گیا اور خدا پرستی اختیار کی۔ ہر روز بہانہ کرتا کہ میں ساحر کے پاس تعلیم لینے جاتا ہوں اور راہب کے پاس آ کر اُس سے صحبت رکھتا، یہاں تک کہ مرد عاقل، کامل عامل، مستجاب الدعوات ہو گیا۔ قضائے کار ایک دن راہب کے پاس سے باہر نکلا، اپنے گھر جاتا تھا کہ اژدہے نے سرِ راہ آ کر لوگوں پر راستہ بند کر دیا تھا، خلق ہر طرف سے حیران تھی۔ جب وہ جوان آگے آیا تو 'اسمِ اعظم' پڑھ کر اژدہے کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور بولا کہ اَے اژدہے! راہ چھوڑ دے اپنے ٹھکانے پھر جا۔ پس اژدہا چلا گیا۔

اُس جوان کی خبر شہر میں مشہور ہوئی۔ پھر ایک اور وقت ایک شیر راہ پر آیا، جوان نے ایک بات اُس کے کان میں کہہ دی، وہ بھی راستے سے دُور چلا گیا۔ اب حاجت مند لوگ اُس جوان کے پاس آنے لگے اور اُس کی دُعا سے سب اپنی مراد پانے لگے، یہاں تک کہ بادشاہ کا دربان جو اندھا ہو گیا تھا وہ بھی اُس جوان کے پاس آیا اور دُعا کی استدعا کی۔ جوان نے کہا اگر تو میری متابعت کر اور میرا بھید چھپا، تو تیری آنکھیں روشن کر دوں۔

دربان نے بسر و چشم قبول کر لیا اور عہد کیا، جوان نے اُسے کلمۂ شہادت تلقین کیا اور اُس

کے حق میں دُعا کی اُس کی آنکھیں روشن ہوگئیں۔ دربان روشن چشم پادشاہ کے پاس آیا، ذونواس بادشاہ نے ازراہِ تعجب اُس سے پوچھا کہ تیری آنکھ کیوں کر اچھی ہوگئی؟ وہ بولا کہ خدا نے مجھے صحت بخشی۔ پادشاہ نے کہا کہ تیرا خدا کون ہے؟ دربان نے جواب دیا اَللّٰہُ الَّذِی لَااِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ یعنی میرا خدا اللہ تعالیٰ ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔

بادشاہ نے حیلے کی راہ سے کہا کہ تُو نے یہ تعلیم و تلقین کس سے پائی کہ میں بھی اُس کا گرویدہ ہوں۔ دربان کو بادشاہ کے اسلام قبول کرنے پر جو خوشی ہوئی، تو خوشی کے مارے جوان کا سارا قصہ کہہ دیا۔ بادشاہ نے جوان کو بلایا اور اُس کے عقیدے پر مطلع ہوا۔ ہر چند لوگوں نے کوشش کی مگر وہ جوان اپنے عقیدے سے نہ پھرا۔ حکم ہوا کہ اُسے دریا میں ڈبودو۔ لوگوں کی ایک جماعت اُسے دریا کے کنارے لے گئی اُس نے جو دُعا کی تو یہ سب لوگ ڈوب گئے اور وہ صحیح سلامت دریا کے کنارے سے پھرا۔

بادشاہ کو یہ خبر پہنچی، ایک گروہ کو خاص کیا کہ اُسے پہاڑ پر لے جائے اور نیچے ڈھکیل دیں۔ جب پہاڑ پر پہنچے تو جوان نے دُعا کی ایک ہَوا اٹھی اور اُس نے اُن لوگوں کو پہاڑ سے نیچے گرادیا اور وہ جوان صحیح سالم رہا۔ پھر بادشاہ نے حکم دیا اُسے آگ میں ڈال دو۔۔غرضیکہ۔۔ بادشاہ کے لوگ جلے اور اُس جوان پر آنچ نہ آئی۔ پھر اُسے سولی پر لٹکایا اور تیر مارے، کوئی تیر اُس پر کارگر نہ ہوا۔ جوان بولا کہ اَے بادشاہ! خدا پر ایمان لا کہ یہ سب قدرت کے آثار تُو دیکھ چکا۔

بادشاہ نے عداوت اور عناد اختیار کر کے کہا کہ میں تجھ کو قتل ہی کرنا چاہتا ہوں۔ جوان بولا کہ اگر تیری یہی مراد ہے تو ایک تیر کمان پر رکھ اور کہہ کہ اِس غلام کے خدا کے نام کے ساتھ میں یہ تیر مارتا ہوں، یہ کہہ کر مجھ کو تیر مار۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا تیر اُس کے مقتل پر پہنچا، جوان نے شربتِ شہادت پیا۔ جتنے آدمی وہاں حاضر تھے سب کے سب ایک ساتھ بولے کہ ہم اِس غلام کے رب پر ایمان لائے۔

پس بادشاہ غصہ میں آیا اور حکم دیا کہ اُس کے حکم سے زمین میں کئی جگہ گڑھے کھودے اور اُس میں آگ جلائی، اور پہاڑوں کے کناروں پر لوگ بیٹھے اور لوگوں کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ جسے لاتے وہ لوگ اُس سے پوچھتے، اگر وہ خدا پر ایمان رکھتا تو اُسے گڑھوں میں ڈال کر جلا دیتے۔ تو خدائے تعالیٰ نے اُن ظالموں کو گڑھوں والا اور پہاڑوں والا فرمایا ہے اور انہیں کو۔۔۔

(ایندھنوں والی آگ والے) فرمایا گیا (جبکہ وہ لوگ اُس پر بیٹھے ہوئے تھے)، یعنی آگ کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے (اور وہ جو اس کام پر جو کرتے مسلمانوں کے ساتھ، گواہ تھے)، یعنی وہ سب اپنی وہ حرکتیں دیکھ رہے تھے جو مؤمنوں کے ساتھ کیے جا رہے تھے۔ تو وہ اپنے اُس ظلم وستم پر خود ہی گواہ تھے۔

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝٨ الَّذِي لَهُ

اور نہیں اُنہیں ناگواری تھی اُن سے، مگر یہ کہ مان گئے تھے عزت والے حمد والے اللہ کو● وہ جس کی

مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝٩

شاہی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور اللہ ہر ایک کا گواہ ہے●

(اور نہیں انہیں ناگواری تھی اُن) ایمان والوں (سے مگر یہ کہ) یہ ایمان والے (مان گئے تھے عزت والے حمد والے اللہ) تعالیٰ (کو)، یعنی اُس اللہ کو جو غالب ہے، تو اُس کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ اور وہ تعریف کیا ہوا ہے، تو اُس کی رحمت سے امیدوار ہونا چاہیے۔ اور (وہ) خدا (جس کی شاہی ہے آسمانوں اور زمین میں۔ اور اللہ) تعالیٰ (ہر ایک کا گواہ ہے) خواہ مؤمن ہو۔۔یا۔۔کافر، اللہ تعالیٰ ہر ایک کے افعال واقوال کا مشاہدہ فرمانے والا ہے اور اُن پر گواہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ

بے شک جنہوں نے دُکھ دیا مسلمان مَردوں اور عورتوں کو، پھر توبہ نہ کی، تو اُن کے لیے

عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ۝١٠

جہنم کا عذاب ہے، اور اُن کے لیے آگ کا دکھ ہے●

(بے شک جنہوں نے دکھ دیا مسلمان مردوں اور عورتوں کو) یعنی اُن پر آگ کا عذاب کیا، (پھر توبہ نہ کی)، اور خدا کی طرف نہ پھرے، (تو اُن کے لیے) آخرت میں (جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے) حسب مشیت دُنیا میں (آگ کا) بھی (دکھ ہے)۔

۔۔چنانچہ۔۔ایک روایت ہے کہ وہی آگ جو انہوں نے موحدوں کے واسطے گڑھوں میں جلائی تھی وہی بھڑکی اور چالیس۴۰ گز اونچی ہوگئی اور اُسی نے سب کو گھیر کر جلا دیا۔ اُن کے برعکس۔۔۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ۬

بے شک جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، اُن کے لیے باغ ہیں، بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔۔

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ؕ﴿۱۱﴾ اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ؕ﴿۱۲﴾

یہی بڑی کامیابی ہے● بے شک تمہارے رب کی پکڑ یقیناً سخت ہے●

(بے شک جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، اُن کے لیے باغ ہیں، بہتی ہیں جن کے) مکانوں اور درختوں کے (نیچے نہریں۔۔ یہی بڑی کامیابی ہے) کہ دُنیا و مافیہا اُس کے مقابلے میں کم اور حقیر ہے۔ (بے شک تمہارے رب کی پکڑ یقیناً سخت ہے) اس واسطے کہ کفر کے سبب سے اُس نے جس کو عذاب میں پکڑا اُسے ہر گز نجات نہیں۔

اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَ یُعِیْدُ ﴿۱۳﴾ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ﴿۱۵﴾

بے شک وہ پہلے پیدا کرے اور وہی دوبارہ کرے● اور وہی مغفرت فرمانے والا بڑا پیار والا● عرشِ مجید والا ہے●

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ؕ﴿۱۶﴾

کر گزرنے والا جو چاہے●

(بے شک وہ پہلے پیدا کرے اور وہی دوبارہ کرے)، یعنی یقیناً وہی پہلی بار بھی یعنی دُنیا میں بھی پکڑتا ہے اور وہی دوسری بار بھی یعنی آخرت میں بھی پکڑے گا اور یہ عدل کی نشانی ہے۔ (اور وہی مغفرت فرمانے والا) ہے اُس کی جو توبہ کرے، اور (بڑا پیار والا) ہے۔ اور دوست رکھنے والا ہے اُسے جو حکم مانے اور یہ فضل کی علامت ہے۔ عدل کے سبب سے چھوڑتا ہے اور نابود کر دیتا ہے اور فضل کے سبب سے نوازتا ہے اور بلند کرتا ہے۔ (عرشِ مجید والا ہے)، یعنی عرش کا خداوند۔۔ یا۔۔ ملک کا مالک اور اپنی ذات وصفات میں بزرگ، (کر گزرنے والا جو چاہے)۔

یعنی اُس کے کام میں کوئی بھی دخل نہیں دے سکتا۔ وہ اطاعت گزاروں کو پیار کرتا ہے اور پوری طرح پیار کرتا ہے، کون ہے جو اُس میں دخل دے سکے؟ اِسی طرح نافرمانوں کو سزا دیتا ہے اور پوری طرح دیتا ہے، کون ہے جو زبان ہلا سکے؟ اِس کے علاوہ اور بھی کچھ کرنا چاہتا ہے کرتا ہے، کوئی بھی دم نہیں مار سکتا۔۔۔

یہ تصور کہ اللہ جو چاہتا ہے پورا کرتا ہے، اُس کے کام میں کوئی دخل نہیں دے سکتا، قرآنِ

کریم کی بہت اہم تعلیم ہے۔ مشرکانہ تصورات کی جڑیں جو شرک پسند دِلوں میں جم گئی ہیں، ان کو یہ تعلیم اس طرح اکھاڑ پھینکتی ہے کہ اب نہ کوئی دیوی ہے نہ دیوتا، اور نہ ہی اللہ کے سوا کوئی اور معبودِ برحق۔۔۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ پہلے یہ بتایا جاچکا ہے کہ "اللہ کی پکڑ بہت سخت ہے،" اب آگے اُس کے نظائر میں فرعون وثمود کے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ ارشاد ہے کہ۔۔۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾

کیا آئی تمہارے پاس لشکروں کی بات؟● فرعون وثمود کی● بلکہ کافر لوگ جھٹلانے میں ہیں●

(کیا آئی تمہارے پاس لشکروں کی بات) یعنی (فرعون وثمود کی) باتیں اور اُن کے واقعات۔

اِس سے بتانا یہ ہے کہ اَے محبوب! آپ کے پاس گزشتہ جماعتوں کے واقعات کا بیان آچکا اور فرعون وثمود کے واقعات بھی بیان کیے جاچکے، جن کو سن کر کفار بھی اچھی طرح واقف ہوچکے، لیکن اُس پر بھی یہ ظالم عبرت نہیں پکڑتے۔۔۔

(بلکہ) یہ کفر کا شیوہ اختیار کرنے والے (کافر لوگ جھٹلانے میں) ہی (ہیں)۔

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ ع ۱ ۲۲ ۱۰

اور اللہ اُنہیں اُن کے اِدھر اُدھر سے گھیرے میں رکھنے والا ہے● بلکہ وہ قرآن مجید ہے● لوحِ محفوظ میں●

(اور) حال یہ ہے کہ (اللہ) تعالیٰ (اُنہیں اُن کے اِدھر اُدھر سے گھیرے میں رکھنے والا ہے)، یعنی اُن کو ہر طرف سے گھیر رکھا ہے تو انکار وتکذیب کرنے والو! غور سے سنو کہ اللہ کے رسول ﷺ جو وحیِ الٰہی پیش فرماتے ہیں وہ شعر وشاعری نہیں، (بلکہ وہ قرآنِ مجید ہے) یعنی بڑی ہی عظمت والا قرآن ہے، جو (لوحِ محفوظ میں) لکھا ہوا ہے، اور ہر طرح کی تغییر اور تحریف سے محفوظ ہے۔ کفر کا مزاج کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ لاکھ سمجھاؤ مگر ایمان کی بات ماننے کے لیے تیار ہی نہیں، بس وہی اِنکار و تکذیب ہے۔ قرآن جیسی کتاب کا بھی اِنکار ہے، حالانکہ یہ بہت بڑی عظمت والی کتاب ہے جس کا اعتراف ہر منصف مزاج آدمی ہمیشہ کرتا رہا ہے۔ اور یہ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ کی خاص کتاب ہے۔

اختتام سورہ البروج۔۔۔ ﴿ ۱۷ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ۔۔ مطابق۔۔ ۳ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ ﴾۔۔

﴿۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۵؍نومبر ۲۰۱۲ء، بروز [redacted]

سورۃ الطارق ۸۶ — رکوعہا ۱ — آیاتہا ۱۷ — مکیۃ ۳۶

سُوْرَۃُ الطَّارِق

سورۃ الطارق ۔۔۸۶ مکیہ ۳۶ — آیاتہا ۱۷ ۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اِس سے پہلے والی سورت اوراس میں یہ مناسبت ہے کہ دونوں میں آسمان اور تاروں کا ذکر ہے اور دونوں میں 'مبدء ومعاد' کا بیان ہے۔ 'سورہ بروج' میں اللہ کی صفت 'محیط' کا تذکرہ ہے اور اس سورت میں اللہ کی صفت 'حفیظ' کا۔ اور اِس میں بھی یک گونہ 'احاطہ' کا مفہوم ہے۔ قدرتِ الٰہی اور حکمتِ خداوندی کو ظاہر کرنے والی اِس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾

قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی ● اور کیا اٹکل تمھیں کہ کیا ہے، رات کو آنے والا؟ ● ستارہ ہے چمکدار ●

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾

کوئی جان نہیں، مگر اُس پر ایک نگہبان ہے ●

(قسم ہے آسمان کی اور رات کو آنے والے کی)، یعنی رات کو ظاہر ہونے والے تارے کی۔ (اور کیا اٹکل تمھیں کہ کیا ہے رات کو آنے والا)، یعنی ہم تمھیں بتارہے ہیں ہمارے سوا تمھیں کون بتا سکتا ہے کہ رات کو نمودار ہونے والے تارے کی حقیقت کیا ہے؟ تو یہ رات کا آنے والا (ستارہ ہے چمکدار) جو اپنی شعاعوں سے ظلمتوں کو چاک کرتا ہے۔ تو یہ آسمان اور یہ ستارہ اپنی زبانِ حال سے شاہد ہے کہ جس طرح اِن کا کوئی محافظ ہے اُسی طرح (کوئی جان نہیں مگر اُس پر ایک نگہبان ہے)، جو اُس کے قول وعمل پر نگاہ رکھتا ہے اور شمار کرتا ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ

تو چاہیے کہ انسان نظر کرے، کہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟● پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے● جو نکلتا ہے

الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝

پیٹھ سے اور سینوں سے● بے شک وہ اُس کے واپس لانے پر یقیناً قادر ہے●

(تو) اب انجام کار کو سمجھنے کے لیے (چاہیے کہ انسان نظر کرے کہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے)۔ خاص کر کے جو کوئی بعث ونشر کا منکر ہو اُسے چاہیے کہ اصل ایجاد کو دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ وہ (پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے) جو گرایا گیا ہے رحم میں، اور (جو نکلتا ہے) مَردوں کی (پیٹھ) کے درمیان (سے اور) عورتوں کے (سینوں) کی ہڈی (سے)۔ اور حق تعالیٰ کی شانِ قدرت یہ ہے کہ (بے شک وہ اُس کے واپس لانے پر یقیناً قادر ہے)۔ یعنی جس نے انسان کو ایک قطرۂ آب سے پیدا کیا یقیناً وہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اُس دن کا تصور کرو۔۔۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ۝ وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝

جس دن کہ جانچے جائیں گے سارے چھپے ڈھکے● تو نہیں اُسے کوئی زور اور نہ مددگار● قسم ہے بارش والے آسمان کی●

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝

اور پھٹنے والی زمین کی● بے شک یقیناً یہ قولِ فیصل ہے● اور نہیں ہے ہنسی کی بات●

(جس دن کہ جانچے جائیں گے سارے چھپے ڈھکے)، یعنی سب چھپی ہوئی حقیقتیں کھل جائیں گی، (تو) اُس وقت (نہیں اُسے کوئی زور) اپنی ذات پر کہ اپنے سے عذاب کو روک سکے۔ (اور نہ ہی کوئی (مددگار) کہ اُس کی مددگاری سے بَلا رفع دفع ہو جائے۔ (قسم ہے بارش والے آسمان کی● اور پھٹنے والی) یعنی نباتات والی (زمین کی) کہ (بے شک) انسان کا دوبارہ زندہ ہونا (یقیناً یہ قولِ فیصل) اور قولِ برحق (ہے● اور نہیں ہے ہنسی کی بات) اور کوئی باطل بات۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۝ فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ

بے شک وہ داؤں کرتے ہیں خوب● اور میں جواب دیتا ہوں داؤں کا● تو ڈھیل دے دو ابھی کافروں کو،

ع ۱ ۱۷ ۱۱

اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝

اور مہلت دے دو تھوڑی سی●

(بے شک وہ) یعنی کفارِ مکہ اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے (داؤں کرتے ہیں خوب) اور بڑی بڑی تدبیریں کر رہے ہیں، (اور میں جواب دیتا ہوں داؤں کا) یعنی اسلام کے تحفظ کا بڑ انتظام کر رہا ہوں، (تو) اَے محبوب! (ڈھیل دے دو ابھی کافروں کو اور مہلت دے دو تھوڑی سی)۔ یعنی اُنہیں کچھ دنوں یوں ہی رہنے دیجیے اور اُن کے لیے دُعائے ہلاکت کرنے میں جلدی نہ کیجیے، وہ خود ہی عنقریب ہلاک ہو جائیں گے۔

اختتام سورہ الطارق --- ﴿ ۱۹/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ --- مطابق --- ۵/نومبر ۲۰۱۲ء، بروز دوشنبہ

--- ﴿ ۱۹/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ --- مطابق --- ۵/نومبر ۲۰۱۲ء، بروز دوشنبہ

سُوْرَةُ الْاَعْلٰی

سورۃ الاعلیٰ --- ۸۷ مکیہ ۸ آیاتہا ۱۹ --- رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ سابق سورہ سے اُس کی مناسبت یہ ہے کہ 'سورہ طارق' میں اِس طرف توجہ دلائی گئی تھی کہ انسان اپنے مادّہ تخلیق پر نظر ڈالے، اور اُس راہ سے سبق دیا گیا تھا کہ دیکھو اللہ بڑا قدیر ہے کہ ایک قطرۂ آب سے تم کو پیدا کیا اور اُس ایک معمولی قطرہ میں تمہارے تمام اعضاء اور خصائص ظاہری و باطنی اِس طرح رکھ دیئے کہ اپنے اپنے زمانہ میں سب ظہور میں آتے گئے۔ کیا ایسا قادرِ مطلق اِس پر قادر نہیں کہ تم کو دوبارہ پیدا کر دے؟

اور اب 'سورۂ اعلیٰ' میں اللہ کے قدیرِ مطلق ہونے کے اور حقائق پیش کیے جا رہے ہیں۔ یہ حقائق خَلق، تسویہ، تقدیر، اور ہدایت ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو یہ سورت بہت محبوب تھی، اِسی لیے آپ وتر نماز میں اکثر سورۂ اعلیٰ، سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھا کرتے، اور عیدین و جمعہ میں 'سورۂ اعلیٰ' اور 'سورۂ غاشیہ' کی تلاوت فرماتے۔

اگر اتفاق سے ایک ہی دن عید اور جمعہ دونوں پڑ گئے، تو اُن دونوں میں اِن سورتوں کو پڑھتے۔ حضور ﷺ کا یہ معمول تھا کہ جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى پڑھتے، تو اُس کے بعد سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ضرور پڑھ لیتے۔ اور حضرت علی نے بھی ایسا کیا ہے اور دیگر صحابہ سے بھی ایسا ثابت ہے۔ ایسی محبوب اور عزیز و جمیل سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں

میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

سَبِّحِ اسۡمَ رَبِّكَ الۡاَعۡلَى ۙ﴿۱﴾ الَّذِىۡ خَلَقَ فَسَوّٰى ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِىۡ قَدَّرَ فَهَدٰى ۙ﴿۳﴾

پاکی بولو اپنے بلند و بالا رب کے نام کی● جس نے پیدا فرمایا تو درست فرمایا● اور جس نے اندازہ پر رکھا، پھر راہ دی●

(پاکی بولو اپنے بلند و بالا رب کے نام کی)، یعنی اپنے رب کے نام کی تسبیح و تقدیس کرو جو نہایت بلند و برتر ہے، تو انہیں صفات سے اُس کی تعریف کرو جو اُس کی شایانِ شان ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے سجدوں میں یہی کہا کرو۔

وہ ربِ اعلیٰ (جس نے پیدا فرمایا) سب کو (تو درست فرمایا)، یعنی جیسا چاہیے ٹھیک ویسا ہی بنایا۔ (اور) وہی ہے (جس نے اندازہ پر رکھا)، یعنی ہر شے کی ساخت میں اُس کی تمام چیزوں کو مقدار و تناسب سے رکھا۔ (پھر) سب کے لیے مقصدِ تخلیق پورا کرنے کی (راہ) بھی کھول (دی) اور رہنمائی فرمائی۔۔۔

وَالَّذِىۡۤ اَخۡرَجَ الۡمَرۡعٰى ۙ﴿۴﴾ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحۡوٰى ؕ﴿۵﴾

اور جس نے نکالا چارا● پھر کر دیا اُسے خشک کالا●

(اور) وہی ہے (جس نے) سبزے اُگائے اور (نکالا چارا) کہ چار پائے چریں، (پھر کر دیا) اُس کے سبز ہونے کے بعد (اُسے خشک کالا) پژمردہ میلا۔

بعض محققین نے اِس آیت کے مضمون سے یہ سمجھا ہے کہ فائدہ لینے والوں کی چراگاہ دُنیا ہے، اگرچہ پہلے تو تازہ اور ہری اور اچھی معلوم ہوتی ہے مگر تھوڑی مدت میں حادثوں کی بادِ خزاں چلنے سے اندھیرا اور بے طراوت ہو جاتی ہے۔ اِس سورۂ مبارکہ میں اولاً اللہ کی تسبیح و تقدیس کا حکم دیا گیا تھا اور اللہ کے کچھ صفات بیان فرمائے گئے تھے، اب یہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے محبوب! مصائب کے ہجوم میں اور کثرتِ مشاغل میں حفظِ قرآن کی فکر نہ کیجیے،

کیونکہ۔۔۔

سَنُقۡرِئُكَ فَلَا تَنۡسٰۤی ۙ﴿۶﴾ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعۡلَمُ الۡجَهۡرَ وَمَا یَخۡفٰی ؕ﴿۷﴾

اب پڑھایا کریں گے ہم، تو نہ بھولو گے ● 'الا ماشاء اللہ'۔ بے شک وہ جانتا ہے ہر ظاہر کو، اور جو چھپے اُس کو ●

(اب پڑھایا کریں گے ہم) خود ہی، (تو) تم کچھ بھی (نہ بھولو گے ● الا ماشاء اللہ)، یعنی بس اُتنی ہی دیر جتنی اللہ کو منظور ہو۔ تو حضرت جبرائیل حکمِ الٰہی سے قرآنِ کریم کا دَور کراتے رہیں گے ---آپ کا کام ہے تسبیح کرنا، اور قرآن مجید اور تمام علوم پڑھا دینا ہمارا کام ہے ہم پڑھا دیں گے، تو آپ کچھ بھی نہ بھولیں گے الا ماشاء اللہ۔۔۔ لہٰذا آپ تبلیغ رسالت کیجیے اور لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے رہیے۔ (بے شک وہ) یعنی اللہ تعالیٰ (جانتا ہے ہر ظاہر کو)، یعنی آپ کے ظاہری احوال کو (اور جو چھپے اُس کو)، یعنی جو آپ کے پوشیدہ اطوار ہیں اُن کو بھی جانتا ہے۔

ظاہر سے مراد ہے نبی کریم ﷺ حضرت جبرائیل کے ساتھ جو قرآن مجید پڑھتے تھے، اور پوشیدہ سے مراد نبی ﷺ تنہائی میں جو اپنے طور پر قرآن مجید پڑھتے رہتے تھے۔ اس آیت کا دوسرا محمل یہ ہے کہ۔۔۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مصلحتوں سے واقف ہے، جس حکم پر عمل کرنا اُس کے لیے دشوار ہو گا وہ اُس حکم کو منسوخ کر دے گا، اور اُس آیت کی قرأت آپ سے بھلا دے گا کیونکہ وہ ظاہر و باطن کا جاننے والا ہے۔

وَنُیَسِّرُكَ لِلۡیُسۡرٰی ۚ﴿۸﴾

اور آسان کر دیں گے ہم تم پر اِس آسانی کو ●

(اور آسان کر دیں گے ہم تم پر اِس آسانی کو)، یعنی ہم آپ کو قرآن مجید کے حفظ کرنے کے آسان اور سہل طریقے کی توفیق دیں گے۔

---یا---

ہم آپ کو ایسے اعمال کی توفیق دیں گے جس سے آپ کے لیے جنت کا راستہ آسان اور سہل ہو جائے۔

---یا---

ہم آپ پر نزولِ وحی کو آسان کردیں گے تاکہ آپ سہولت سے وحی کو حفظ کرسکیں، جان سکیں، اوراُس پر عمل کرسکیں۔

---یا---

ہم آپ پر ایسے شرعی احکام نازل کریں گے جن پر عمل کرنا آسان ہوگا، اور لوگوں کے لیے شرعی احکام پر عمل کرنا مشکل اور دشوار نہیں ہوگا۔

اِس سے پہلی آیت میں یہ بتایا تھا کہ ہم نے آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے دین آسان کردیا ہے۔ اب اُس پر یہ متفرع کیا ہے کہ جب دین آسان ہے۔۔۔

فَذَكِّرْ إِنْ نَفَعَتِ الذِّكْرَىٰ ﴿٩﴾ سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَخْشَىٰ ﴿١٠﴾ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ﴿١١﴾

تو نصیحت کرتے رہو اگر نفع دے نصیحت● عنقریب نصیحت حاصل کرے گا جو ڈرتا ہے● اور بھاگے گا اِس سے بڑا بدبخت●

الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ﴿١٢﴾ ثُمَّ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿١٣﴾

جو جائے گا بڑی آگ میں● پھر نہ مرے گا اُس میں اور نہ جیے گا●

(تو نصیحت کرتے رہو اگر نفع دے نصیحت) یعنی اگر نصیحت مفید ہورہی ہو تو اُس کا سلسلہ جاری رکھو کیونکہ **(عنقریب نصیحت حاصل کرے گا)** وہ **(جو ڈرتا ہے)** اللہ تعالیٰ سے۔ اور جو اُس سے کترائے گا **(اور بھاگے گا اُس سے بڑا بدبخت)** وہ شخص **(جو جائے گا بڑی)** خطرناک **(آگ میں● پھر نہ مرے گا اُس میں اور نہ)** ہی جینے کی طرح **(جیے گا)**۔

بڑی آگ سے مراد اُس درکۂ جہنم کی آگ ہے جو بہت تیز اور بڑی جلانے والی ہے۔ یہ دُنیا میں تمہاری جو آگ ہے وہ اُس کے ستّر حصوں کا ایک حصہ ہے۔ بعضوں نے کہا ہے کہ 'نارِ کبریٰ' جہنم کے نیچے والے طبقہ میں ہے، جو جگہ ہے آلِ فرعون اور منافقین کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو مائدہ اُترا تھا اُس کے منکروں کی۔ اور 'نارِ صغریٰ' اوپر والے طبقہ میں ہے جو امتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے گنہگاروں کی جگہ ہے۔۔ الختصر۔۔۔ وہ بدبخت نہ مرے گا اُس بڑی آگ میں کہ آسائش پاجائے، اور نہ زندہ رہے گا ایسی زندگی جس سے راحت پائے۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ﴿١٤﴾ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ﴿١٥﴾ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ

بے شک کامیاب ہوا جو پاکیزہ ہوا● اور یاد کیا اپنے رب کے نام کو، پھر نماز پڑھی● بلکہ اختیار کرتے ہو تم

الدُّنۡيَا ﴿۱۶﴾ وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ﴿۱۷﴾

دُنیاوی زندگی کو● حالانکہ آخرت بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے●

(بے شک کامیاب ہوا جو پاکیزہ ہوا) اور کفر ومعصیت سے بچارہا۔ (اور یاد کیا اپنے رب کے نام کو) دل اور زبان سے، (پھر نماز پڑھی) جو اسلام کی علامت ہے۔۔یا۔۔کامیاب ہوا وہ شخص جس نے طہارت کی اور احرام کی تکبیر کہی اور پانچوں وقت کی نماز اَدا کی ۔۔یا۔۔صدقہءفطر دیا اور تکبیرِ عید کہی اور نمازِ عید پڑھی۔ مگر اَے منکرو! اور بدبختو! تمہارا تو یہ حال ہے کہ آخرت کی بھلائی کا خیال نہیں کرتے (بلکہ اختیار کرتے ہو تم دُنیاوی زندگی) کی راحت (کو● حالانکہ) دُنیاوی زندگی اور اُس کی راحتوں سے (آخرت) کی بھلائی (بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے) جس کو زوال نہیں۔

اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى ﴿۱۹﴾ ع ۱۲

بے شک یہ یقیناً اگلے صحیفوں میں ہے● ابراہیم وموسیٰ کے صحیفوں میں●

(بے شک یہ) بات (یقیناً اگلے صحیفوں میں ہے)، یعنی حضرت (ابراہیم وموسیٰ) علیہما السلام (کے صحیفوں میں)۔۔الحاصل۔۔یہ وہ حقیقت ہے جس کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تختیوں میں ہے۔

اختتام سورۂ اعلیٰ ۔۔۔ ۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۵؍نومبر ۲۰۱۲ء [redacted]

[redacted] ۲۰؍ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۶؍نومبر ۲۰۱۲ء، بروز [redacted]

سورۃ الغاشیۃ ۸۸ مکیۃ ۶۸	**سورۃ الغاشیۃ**	آیاتہا ۲۶ رکوعہا ۱
سورۃ الغاشیہ ۔۔۸۸ مکیہ ۶۸		آیاتہا ۲۶ ۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اِس سورہ کا اپنی سابق سورہ سے

ربط یہ ہے کہ 'سورہ اعلیٰ' کا اختتام اِس مضمون پر ہوا کہ دُنیاوی زندگی کو ترجیح دینا بُرا ہے اور آخرت بہرصورت بہتر ہے۔ اور 'سورہَ غاشیہ' میں اُن لوگوں کے حالات کی تفصیل ہے جو دُنیا کی لذتوں میں منہمک ہیں اور آخرت کو بھول بیٹھے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے حالات کی بھی تفصیل ہے جو آخرت کی زندگی بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ اس طرح دونوں سورتیں ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔

اِس کے سوا اور وجوہ ربط بھی ہیں۔۔ مثلاً: دونوں سورتوں میں 'تذکیر' کا حکم ہے۔ 'سورہَ اعلیٰ' میں ہے **فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى**۔ اِس سورہ میں ہے **فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَآ أَنْتَ مُذَكِّرٌ**۔ دونوں میں بدنصیبوں کا انجام بتایا گیا ہے اور اسلوب ایک ہے 'سورہَ اعلیٰ' میں ہے **يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى**، یعنی یہ شخص بہت بڑی سوزش والی آگ میں جلے گا۔ اور اِس سورہ میں ہے **تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً**، یہ لوگ نہایت شدید حرارت والی آگ میں جلیں گے۔

اِس سورہ کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ 'منکرینِ قیامت' اور 'منکرین جنت وجہنم' اُن حقائق کا بیان سن کر کہا کرتے تھے یہ سب عجیب وغریب باتیں ہیں، بھلا ایسا ہوگا؟ آنحضرت ﷺ انہیں سمجھاتے اور غیر متعصب روحیں اثر لیتیں۔ قرآن مجید شروع ہی سے ان باتوں کو سمجھاتا ہے، یہ سورہَ پاک بھی اُسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

اِس کا نزول اس لیے ہوا ہے کہ قیامت اور جنت وجہنم کے حالات بیان کیے جائیں ۔۔ نیز۔۔ جو لوگ اُن حقائق کے متعلق کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ عجیب وغریب باتیں ہیں، بھلا ایسا ہوگا؟ اُن کے سامنے یہ حقیقت کھول دی جائے کہ خود اپنے گردوپیش کی چیزوں پر نظر ڈالو جنہیں تم رات دن دیکھا کرتے ہو، اُنہیں کو اپنی نگاہوں میں رکھ لو۔ یہ تمہارے اونٹ، یہ آسمان، یہ پہاڑ، یہ زمین، بتاؤ کہ اِن میں سے کون سی چیز عجیب وغریب نہیں؟ کیا اِن کے وجود کا اِنکار کر سکتے ہو؟ پھر قیامت اور جنت وجہنم عجیب وغریب ہیں، تو اِنکار کی کیا وجہ ہے؟

ایسی چشم کشا اور بصیرت افروز سورہَ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین

کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

هَلْ أَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۝۱ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۝۲ عَامِلَةٌ

کیا آئی تمہارے پاس چھا جانے والی آفت کی بات؟ ● کتنے چہرے اُس دن سرنگوں ہیں ● جھیلنے والے

نَّاصِبَةٌ ۝۳ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝۴ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝۵

مشقت میں پڑے ● جائیں گے وہ جلتی آگ میں ● پلائے جائیں گے کھولتے چشمہ سے ●

(**کیا آئی تمہارے پاس چھا جانے والی آفت**)، یعنی قیامت (**کی بات**) جس کی ہیبت سب کو گھیرے گی؟ (**کتنے چہرے اُس دن سرنگوں ہیں**)، ذلت و رسوائی کے سبب بے وقار و بے مقدار ہوں گے (**جھیلنے والے مشقت میں پڑے**)، یعنی دوزخی وہ کام کریں گے جن سے اُن کو رنج اور محنت پہنچے گی، جیسے آگ کی زنجیریں کھینچنا، عذابِ دوزخ میں اوپر آنا نیچے جانا، یعنی غوطے کھانا۔ الغرض۔ (**جائیں گے وہ جلتی آگ میں**) جو گرمی کے نہایت درجہ پر پہنچی ہے۔ جب اُن پر پیاس غالب ہوگی تو وہ (**پلائے جائیں گے کھولتے چشمہ سے**) جس کا پانی نہایت گرم ہے۔۔۔ جس کی گرمی کا عالم بعض لوگوں کے قول کے مطابق یہ ہے کہ جس دن سے آگ پیدا کی ہے اُس پانی کو جوش دے رہے ہیں۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝۶ لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۝۷

نہیں ہے اُن کی کوئی غذا، مگر ضریع نام کا کانٹا ● جو نہ فربہی دے، اور نہ کام آئے بھوک کے ●

(**نہیں ہے اُن کی کوئی غذا مگر ضریع نام کا کانٹا**) جو ایک خاردار گھاس ہے۔ جب تک تر رہتی ہے، عرب اُس کو شِبرَق کہتے ہیں اور چار پائے اُسے چرتے ہیں۔ اور جب خشک ہو جاتی ہے تو اس کو 'ضریع' کہتے ہیں اور چرنے والا جانور بھی اُس کے سامنے نہیں پھٹکتا۔ آخرت میں اُس کی صورت آگ کا درخت ہوگا۔

ابوجہل نے جب یہ آیت سنی تو بولا کہ کیا **ضَرِيْع** ہم کو فربہ کر دے گی جس طرح ہمارے اونٹوں کو فربہ کر دیتی ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

(**جو نہ فربہی دے اور نہ کام آئے بھوک کے**)، یعنی دوزخ کی ضریع کسی کو فربہ نہیں کرتی اور نہ ہی کسی کی بھوک دفع کرتی ہے۔ کھانے کے یہی دو مقاصد ہوتے ہیں کہ کھانے والا فربہ ہو۔۔۔ یا اُس کی بھوک مٹ جائے، مگر دوزخ کی ضریع سے اِن دونوں میں سے کوئی بات حاصل نہ ہوگی

مذکورہ بالا چہروں کے برعکس۔۔۔

وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ﴿۹﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿۱۰﴾

کتنے چہرے اُس دن راحت والے ● اپنی کوشش سے خوش ● اونچے باغ میں ہیں ●

لَّا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾

کہ نہ سنیں گے اُس میں کوئی بے ہودہ بات ●

(کتنے چہرے ہیں اُس دن راحت والے)، وہ تروتازہ ہوں گے اور نعمت کا اثر ان سے ظاہر ہوگا۔ وہ **(اپنی کوشش سے خوش)** ہوں گے، یعنی جو کام اُنہوں نے کیا ہے اُسے پسند کریں گے اور چونکہ اُس کا ثواب دیکھیں گے تو اُس سے راضی ہوں گے۔ وہ دیکھیں گے کہ وہ **(اونچے باغ میں ہیں)** جو بہت بلند قدر ہیں، **(کہ نہ سنیں گے)** وہ بلند مرتبہ چہرے والے **(اُس میں کوئی بے ہودہ بات)**۔۔یا۔۔اَے مخاطب تُو نہ سنے گا اُس بہشتِ عالی میں بیہودہ بات، اس لیے کہ جنتیوں کا کلام سب ذکر اور حکمت ہوگا۔ جنت کا کیا کہنا۔۔۔

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿۱۴﴾

اُس میں بہتی نہر ہے۔۔●۔۔ اُس میں اونچے اونچے تخت ہیں ● اور باقاعدہ رکھے ہوئے کوزے ●

وَّنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ﴿۱۶﴾

اور لگے ہوئے گدّے ● اور بچھائی ہوئی چاندنیاں ●

(اُس میں بہتی نہر ہے) کہ اُس کا پانی منقطع نہ ہوگا، اور **(اُس میں اونچے اونچے تخت ہیں)**، اُن کی اصل سونے کی زمرد یاقوت موتی سے جڑاؤ۔

معالم میں ہے کہ وہ تخت ہوا میں بلند ہوں گے۔ جب صاحب تخت چاہے گا کہ اُس پر بیٹھے تو وہ تخت زمین پر اُتر آئیں گے۔ اور جب اُس پر بیٹھے گا تو وہ تخت پھر بلند ہوکر اپنی جگہ چلے جائیں گے۔

(اور) اُس جنت میں ہوں گے **(باقاعدہ رکھے ہوئے کوزے)** جنتیوں کے سامنے۔ **(اور لگے ہوئے گدّے)** تکیے برابر رکھے ہوئے، **(اور بچھائی ہوئی چاندنیاں)**۔ یہ سب قدرتِ خداوندی

اور مشیتِ الٰہی کی نشانیاں ہیں، یہ تعجب و حیرت کا محل نہیں۔ اور یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ صرف
چیز کے حیرتناک اور تعجب خیز ہونے کی وجہ سے اُس کے وجود کا اِنکار کردینا دانشمندی نہیں۔

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾

تو کیا نہیں دیکھتے یہ لوگ اونٹ کی طرف، کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے--●--

(تو کیا نہیں دیکھتے یہ لوگ اونٹ کی طرف کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے)، یعنی باوصف اِت
اونچے اور اِتنے بڑے ہونے کے، ایک ڈورے سے لڑکے کا مسخر اور تابع ہوجاتا ہے کہ لڑکا اُس پ
چڑھتا ہے اور اُترتا ہے، پھر جنت میں تخت اگر جنتی کا مسخر اور مطیع ہو تو اُس سے یہ کافر کیوں تعجب
کرتے ہیں۔

اہلِ نظر کے نزدیک اونٹ کی خلقت خالقِ کائنات کے کمالِ قدرت اور حسنِ تدبیر اور علم وحکمت پر دلالت کرتی ہے، اس واسطے کہ بڑا ہے، بھاری بوجھ اُٹھاتا ہے، مطیع ہے، سب کا حکم بجالاتا ہے، قانع ہے سب گھاس پات چرتا ہے، متحمل ہے پیاس کی حالت میں بے صبری نہیں کرتا، اِسی جہت سے بے پانی کا میدان طے کرجاتا ہے۔ اور جو کچھ حیوان سے چاہیے۔ مثلاً: نسل، بوجھ اُٹھانا، دودھ، گوشت، سواری یہ سب اُس سے حاصل ہے۔
تبیان میں ہے کہ مخاطب عرب ہیں، اُن میں اکثر بدو جنگلی ہوتے ہیں اور اُن کا مال اونٹ ہے، اور جدھر دیکھتے ہیں آسمان زمین پہاڑ کے سوا کچھ نہیں دیکھتے، تو اونٹ کے ذکر بعد فرماتا ہے کہ---

وَاِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾ وَاِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ﴿١٩﴾

اور آسمان کی طرف، کہ کیسا بلند کیا گیا--●-- اور پہاڑوں کی طرف، کہ کیسے گاڑدیے گئے--●--

وَاِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ ﴿٢٠﴾

اور زمین کی طرف، کہ کیسی بچھادی گئی ہے--●--

(اور) کیا نہیں دیکھتے (آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا) ہے بے ستون۔ (اور پہاڑو
کی طرف کہ کیسے گاڑدیئے گئے) زمین پر مستحکم۔ (اور زمین کی طرف کہ کیسی بچھادی گئی ہے) چوڑ
تاکہ خَلق کے آرام کی جگہ ہو۔ تو کیا یہ سب تعجب خیز باتیں نہیں ہیں؟

فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَنْ تَوَلَّى

نصیحت سنایا کرو کہ تم بس نصیحت سنانے کے ذمہ دار ہو● ابھی نہیں ہو تم اِن پر جواب دہ، داروغہ● مگر جس نے بے رُخی کی

وَكَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾

اور کفر کیا● تو دے گا اُسے اللہ بڑا عذاب● بے شک ہمارے طرف اُن کی واپسی ہے●

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

پھر بے شک ہمیں پر اُن کا حساب لینا ہے●

(ع ٣٤ / الربع / النصف)

(تو) اَے محبوب! تم انہیں (نصیحت سنایا کرو) اور سمجھاتے رہو کیوں (کہ تم بس نصیحت سنانے کے ذمہ دار ہو)۔ تمہارا کام یہی سمجھانا ہے۔ (ابھی نہیں ہو تم ان پر جواب دہ داروغہ)، یعنی تم انہیں مجبور کرنے کے لیے نہیں ہو (مگر) یہ ضرور ہے کہ (جس نے بے رُخی کی اور کفر کیا● تو دے گا اُسے اللہ) تعالیٰ (بڑا عذاب) جس سے وہ بچ نہیں سکتا۔۔ چنانچہ۔۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بالآخر۔۔۔ (بے شک ہمارے طرف اُن کی واپسی ہے● پھر بے شک ہمیں پر اُن کا حساب لینا ہے) محشر میں۔

۔۔۔ ﴿ ٢٠ ذی الحجہ ١٤٣٣ھ ۔۔۔ مطابق ۔۔۔ ٦ نومبر ٢٠١٢ء، بروز سہ شنبہ ﴾

۔۔۔ ﴿ ٢١ ذی الحجہ ١٤٣٣ھ ۔۔۔ مطابق ۔۔۔ ٧ نومبر ٢٠١٢ء، بروز چہار شنبہ ﴾ ۔۔۔

سُورَةُ الْفَجْرِ

سورۃ الفجر ۔۔ ٨٩ مکیہ ١٠ | آیاتہا ٣٠ ۔۔ رکوعہا ١

اِس کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اپنے سے سابق سورہ سے اِس کا ربط یہ ہے کہ دونوں میں جنت اور دوزخ کا بیان ہے مگر ہر ایک کا اُسلوب اپنی اپنی جگہ الگ ہے اور بے حد دلکش اور موثر ہے۔ اِس کے علاوہ اور بھی وجوہ ربط ہیں۔۔ مثلاً: 'سورۂ غاشیہ' میں 'اربابِ مجاہدہ' کے متعلق ارشاد ہے کہ یہ لوگ آخرت میں اپنی کوششِ عمل کی وجہ سے خوش وخرم رہیں گے۔ اور اِس سورہ میں اُن کے متعلق نَفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ فرما کر رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فرمایا، یعنی یہ لوگ اللہ کے پاس اِس طرح لوٹ کر آئیں گے کہ یہ اللہ سے راضی، اللہ اُن

سے راضی 'سورۂ غاشیہ' میں کافروں کے متعلق ارشاد ہے کہ اللہ اُن کو سب سے بڑا عذاب دے گا اور اِس سورہ میں اُس کی کچھ اور تفصیل فرمادی ہے۔۔چنانچہ۔۔ارشاد ہے کہ قیامت کے روز اللہ اِتنی سخت سزا دے گا نہ کسی نے ایسی سزا دی ہے نہ کوئی دے سکتا ہے، اور اس طرح جہنم میں مقید کردے گا کہ نہ کسی نے اِس طور پر مقید کیا ہے نہ کرسکتا ہے۔ اِس سورہ کے مرکزی مضامین میں یہ پانچ حقائق ہیں۔

﴿۱﴾۔۔زندگی کے لیل ونہار شاہد ہیں کہ ظالمو! تم پر اللہ کا عذاب آکے رہے گا، اب اُس کے وقت کا انتظار کرو۔ یہ حقیقت خاص خاص لیل ونہار کی قسم وشہادت سے پیش فرمائی گئی ہے۔ آیت ۱، آیت ۴۔

﴿۲﴾۔۔علم الٰہی کی نگاہ ہر انسان کی ایک ایک حرکت وسکون کو دیکھ رہی ہے اور اُس کی پکڑ اور مفسدوں کی تاک میں ہے۔ یہ حقیقت آیت ۱۴ میں بیان ہوئی ہے۔

﴿۳﴾۔۔اللہ کی پکڑ دُنیا میں بھی ہے آخرت میں بھی۔ بعض گناہ، مثلاً: ظلم وتعدی اور فتنہ و فساد کی سزا دُنیا میں بھی دی جاتی ہے اور آخرت میں بھی۔ دُنیا میں سزا کے نمونے عاد، ثمود اور فرعون وغیرہ کے واقعات ہیں۔ یہ حقیقت سلسلہ وار سات آیتوں میں مذکور ہے۔ آیات ۶۔تا۔۱۳۔

﴿۴﴾۔۔پوری سزا کی جگہ آخرت ہے۔ وہاں کی سزا کا اجمالی بیان آیت ۲۵ اور آیت ۲۶ میں ہے۔

﴿۵﴾۔۔جن نفوس کو یادِ الٰہی سے سکون ملا کرتا ہے وہ بندگانِ خاص میں ہیں اور مقام رضوان پر فائز ہیں۔ اُن کا خاص مقام قربِ الٰہی اور فردوسِ اعلیٰ ہے جسے اللہ نے اپنی جنت فرمایا ہے۔ آیات ۲۷۔تا۔۳۰۔

مذکورہ بالا ایسے عظیم حقائق پر مشتمل اِس سورۂ مبارکہ کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴

قسم ہے وقت فجر کی● اور دسوں رات کی● اور جفت وطاق کی● اور رات کی جب وہ چلے●

(قسم ہے وقت فجر کی) جو دوستوں کی مناجات کا وقت اور ساعت ہے۔

یہاں **الفجر** سے مراد کے تعلق سے دوسرے بھی اقوال ہیں، مثلاً: قسم ہے نمازِ فجر کی جس کے سبب سے سعادتمندوں کی جان کو آرام اور راحت ہے۔ اور ایک قول کے موافق فجر سے محرم کا روز مراد ہے کہ سال اُس سے شروع ہوتا ہے۔۔یا۔۔ ذی الحجہ کا پہلا روز مراد ہے کہ لیالی عشر اُس سے ملی ہوئی ہیں۔۔یا۔۔ جمعہ کی فجر مراد ہے۔۔یا۔۔ روزِ عرفہ کی صبح مراد ہے کہ اُس میں حاجیوں کی دُعا قبول ہوتی ہے۔۔یا۔۔ عیدِ اضحیٰ کی فجر جو کہ قربانی کا روز ہے مراد ہے، وغیرہ وغیرہ۔

(اور) قسم ہے ذی الحج کے پہلے عشرہ کی (دسوں رات کی) کہ عرفہ اُسی میں ہے۔۔یا۔۔ محرم کے پہلے عشرہ کی کہ اُس میں عاشورہ ہے۔۔یا۔۔ رمضان کے اخیر عشرہ کی کہ اُس میں شبِ قدر ہے ۔۔یا۔۔ شعبان کے درمیانی عشرہ کہ اُس میں شبِ قدر ہے۔ (اور) قسم ہے (جفت وطاق کی)، یعنی یوم نحر اور یوم عرفہ کی۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جفت سے وہ تضاد اور مخالفت مراد ہے جو مخلوق کے اوصاف میں ہوتی ہے، جیسے عزت و ذلت، قدرت و عاجزی، علم و جہل، قوت و ضعف، اور موت و زندگی۔ اور **وتر** سے صفاتِ الٰہی کا انفراد مقصود ہے، عزت بے ذلت، قدرت بے عجز، علم بے جہل، قوت بے ضعف، اور حیات بے موت۔۔یا۔۔ **شفع** خلق ہے کہ **مِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ**۔ اور **فرد** سے خالق مراد ہے کہ **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ**۔۔یا۔۔ **شفع** نمازِ فجر ہے اور **وتر** نمازِ مغرب۔۔یا۔۔ **شفع** مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی دو مسجدیں ہیں اور **وتر** مسجد اقصیٰ ہے۔۔یا۔۔ **شفع** صفا اور مروہ دو پہاڑ ہیں اور **وتر** بیت الحرام ہے۔

(اور) قسم ہے (رات کی جب وہ چلے)، یعنی قسم ہے پچھلی رات کی جب مسافر راستہ چلتا ہے، یعنی یہ لیل ونہار شاہد حق ہیں کہ جیسے اُن کا تمہیں انتظار رہا کرتا ہے اور اپنے وقت پر یہ ضرور آتے ہیں اسی طرح تمہارے ظلم وستم کا نتیجہ بھی اپنے وقت پر ضرور ظہور میں آئے گا، اس کا بھی انتظار کرو تمہیں اس کی سزا مل کے رہے گی۔

هَلْ فِیْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِیْ حِجْرٍ ۝۵ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝۶

کیا اِس میں مناسب قَسم ہوگئی عقل والوں کے لیے؟● کیا تم دیکھ نہیں چکے، کہ کیسا کیا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ؟●

اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝۸

ارم نام والے ستون جیسے لمبے قد کے● کہ نہیں پیدا کیا گیا اس طرح کوئی شہروں میں●

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹

اور ثمود کے ساتھ جنھوں نے کاٹا چٹانوں کو وادی میں●

(کیا اِس میں مناسب قَسم ہوگئی عقل والوں کے لیے) جن کی سمجھ بُرائی سے روکتی اور بچاتی ہے تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور جانیں کہ قَسم ہے تحقیق اور تاکید کی ہوئی۔ اور قَسم کا جواب یہ ہے کہ ہم تکذیب کرنے والوں کو عذاب کریں گے۔ اَے نبی! (کیا تم دیکھ نہیں چکے) اور جان نہیں چکے (کہ کیسا کیا تمہارے رب نے عاد کے ساتھ) جو (ارم نام والے ستون جیسے لمبے قد کے) تھے۔ (کہ نہیں پیدا کیا گیا اس طرح کوئی) عرب کے (شہروں میں● اور ثمود کے ساتھ) کیا معاملہ کیا؟ (جنھوں نے کاٹا چٹانوں کو) پہاڑوں کی (وادی میں) اور اُسے کاٹ کر پہاڑوں کے دامن میں سنگین مکانات بنائے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ۝۱۰ الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ۝۱۱ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا

اور فرعون کے ساتھ، جو میخا کرنے والا● جنھوں نے سرکشی کی تھی شہروں میں● تو بہت زیادہ فساد مچایا

الْفَسَادَ ۝۱۲ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝۱۳

اُن میں● تو نازل کیا اُن پر تمہارے رب نے عذاب کا کوڑا●

(اور) یوں ہی (فرعون کے ساتھ) کیا معاملہ کیا؟ جو قوی بادشاہی اور بہت لاؤ لشکر والا اور (چومیخا کرنے والا) تھا، یعنی لوگوں کو چومیخا کر کے سزا دیتا تھا۔ (جنھوں نے سرکشی کی تھی) اُن (شہروں میں) جہاں کے وہ حاکم تھے۔ یہ لوگ جہالت اور شرارت میں بندگی کی حد سے گزر گئے تھے، (تو بہت فساد مچایا اُن میں) اور حق کی مخالفت اور خَلق پر ظلم کرتے رہے، (تو نازل کیا اُن پر تمہارے رب نے عذاب کا کوڑا)، یعنی سخت عذاب۔

چونکہ عرب کوڑے کی مار کو سب عذابوں میں سخت جانتے تھے، تو ہر طرح کے عذاب کو **سَوْطَ** یعنی کوڑا کہتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اُن کے اسلوبِ کلام کی رعایت فرماتے ہوئے اپنے عذاب کو **سَوْطَ** فرمایا۔ اور بعضوں نے کہا کہ اِس کلمہ میں اُس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو دُنیا کا عذاب آخرت کے عذاب کے بہ نسبت کوڑے کی ضرب کی طرح ہے تلوار کی ضرب کے بہ نسبت، اِس واسطے کہ آخرت کا عذاب بہت سخت اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ

بے شک تمہارا رب یقیناً اُن کی نگرانی کرتا رہتا ہے ● لیکن انسان، تو جب آزمائش کی اُس کی اُس کے رب نے

فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾ وَاَمَّآ

کہ عزت دی اُسے اور نعمت سے نوازا اُسے۔ تو کہتا ہے کہ "میرے رب نے مجھے باعزت کیا" ● لیکن جب

اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿١٦﴾

آزمائش میں ڈالا کہ تنگ کر دی اُس پر اُس کی روزی کو۔ تو کہتا ہے کہ "میرے رب نے مجھے ذلت دی" ●

(**بے شک تمہارا رب یقیناً اُن کی نگرانی کرتا رہتا ہے**)، یعنی جو شخص گزرگاہ میں گھات لگا کر بیٹھتا ہے اور راہ چلتوں کی گھات میں رہتا ہے۔ جس طرح اُس سے راہ چلنے والے نہیں بچتے وہ سب کو دیکھتا ہے، بلا تمثیل صرف تقریبِ فہم کے لیے اُسی طرح حق تعالیٰ بھی سب بندوں کو دیکھتا ہے اور سب کے کلام سنتا ہے، اور اس پر کچھ پوشیدہ نہیں۔

فریب خوردہ اور کم ظرف انسان دولت اور جاہ و عزت پا کر اِترانے لگتا ہے اور سمجھتا ہے کہ قدرت نے ہمیں معزز ہی بنایا ہے۔ اور اگر تنگ دستی آگئی تو قسمت کا رونا روتا ہے، حالانکہ دولت اور جاہ و منزلت میں اترانا کم ظرفی ہے اور تنگ دستی میں قسمت کا رونا کم ہمتی اور کج روی ہے۔

یہ ہو۔۔یا۔۔وہ، دونوں حالتوں میں انسان کے ظرف کا امتحان ہے کہ آدمی دولت اور جاہ و منزلت میں اِتراتا ہے۔۔یا۔۔اللہ کا شکر اور مخلوق کی مدد کرتا ہے، اور تنگدستی میں قسمت کا شکوہ کرتا ہے یا صبر سے کام لے کر تسلیم و رضا کے اوپر چلتا ہے۔

(**لیکن**) اُبی ابن خلف جیسا (**انسان**) عجیب خصلت کا مظاہرہ کرتا ہے، (**تو جب آزمائش کی**

اُس کی اُس کے رب نے کہ عزت دی اُسے اور نعمت سے نوازا اُسے) اور معیشت اُس پر کشادہ کردیا اور اُس کا کام آسانی سے بنا دیا، (تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے باعزت کیا) اور مجھ پر عنایتیں اور کرامتیں فرمائیں، (لیکن جب آزمائش میں ڈالا کہ تنگ کردی اُس پر اُس کی روزی کو) اور اُس کو مفلسی میں مبتلا کردیا، (تو کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلت دی)۔۔ایسا۔۔

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿١٧﴾

ہرگز نہیں! بلکہ تم لوگ خود ہی نہیں عزت کرتے یتیم کی●

(ہرگز نہیں) ہے جیسا کہ کافروں نے گمان کیا ہے۔ حق یہ ہے کہ عزت وخواری طاعت ہے اور ذلت وخواری معصیت سے ہے۔ اور تم جان لو کہ حق تعالیٰ تم کو فقیری اور تنگدستی کے سبب سے ذلیل وخوار نہیں کرتا، (بلکہ) تمہاری ذلت اور اہانت اِس سبب سے ہے کہ (تم لوگ خود ہی نہیں عزت کرتے یتیم کی) اور اُس کی حرمت کا خیال نہیں کرتے اور اُسے خرچ نہیں دیتے۔

وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿١٨﴾ وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿١٩﴾

اور نہ شوق دلاؤ مسکین کو کھلانے کا● اور نگل جاتے ہو ترکوں کو ہڑپ کر●

وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿٢٠﴾

اور محبت کرتے ہو مال کی، بے حد محبت●

(اور نہ) ہی (شوق دلاؤ) اور نہ جذبہ پیدا کرو ایک دوسرے کو (مسکین کو کھلانے کا● اور نگل جاتے ہو ترکوں کو ہڑپ کر)، یعنی عورتوں اور لڑکوں کو میراث نہیں دیتے اور اُن کے حصے خود کھا جاتے ہو۔ (اور محبت کرتے ہو مال کی بے حد محبت)۔ کمزوروں اور غریبوں کی خبر نہ لینا، لوگوں کا حق مارنا، اور مال سے بہت زیادہ محبت کرنا، بس یہی باتیں ہیں جو انسانی معاشرہ کی تمام بُرائیوں کا سرچشمہ ہیں۔ اِن مفاسد کا علاج یہ ہے کہ قیامت کا موثر تصور کیا جائے اور اللہ کے محاسبہ اور مواخذہ کے موثر تصور میں رہا جائے۔

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿٢٢﴾

کیوں نہیں! جب کردی جائے گی زمین ریزہ ریزہ● اور آگیا تمہارے رب کا حکم، اور فرشتے صف بہ صف●

وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۙ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿٢٣﴾

اور لائی گئی اُس دن جہنم۔۔اُس دن سمجھے گا انسان، اور اب کہاں کا سمجھنا●

(کیوں نہیں) بے شک (جب) پاش پاش کر کے (کردی جائے گی زمین ریزہ ریزہ● اور آ گیا تمہارے رب کا حکم اور فرشتے صف بہ صف)، یعنی تمہارے رب کی قدرت اور ہیبت کی نشانیاں ظاہر ہو گئیں، اور آئیں گے فرشتے میدانِ حشر میں صف صف اپنی منزلت اور مرتبے کے موافق ایک کے پیچھے ایک۔۔۔ایک قول یہ ہے کہ ہر آسمان کے فرشتوں کی صف علیحدہ ہوگی۔۔۔(اور لائی گئی اُس دن جہنم) کہ ستر ستر ہزار لگا میں جہنم پر چڑھی ہوں گی اور ستر ستر ہزار فرشتے ہر لگام کو پکڑے ہوئے کھینچتے ہوں گے۔

اور دوزخ کافروں پر غصہ میں جوش خروش کرتی ہوگی، یہاں تک کہ میدانِ حشر میں لائیں گے اور عرش کے بائیں پر رکھیں گے۔اور اُس وقت سب کہیں گے 'یارب! نفسی نفسی'، اور ہمارے رسول ﷺ عرض کرتے ہوں گے 'یارب! امتی امتی'۔اور جہنم کہے گی "مَالِي وَمَالَكَ يَامحمد" ﷺ 'یعنی آپ کو مجھ سے اور مجھ کو آپ سے کیا کام، اس واسطے کہ حق تعالیٰ نے مجھے آپ پر حرام کر دیا ہے۔

(اُس دن) یاد کرے گا اور (سمجھے گا انسان) اپنے گناہ۔۔یا۔۔نصیحت پکڑے گا اور اپنے اعمال کی قباحت اور خرابی سے آگاہ ہو جائے گا۔(اور اب کہاں کا سمجھنا)، یعنی اب یاد کرنے اور نصیحت پکڑنے کا فائدہ اُسے کہاں ملنے والا ہے۔اس لیے کہ یاد کرنے کا محل دُنیا ہے، نہ کہ عقبیٰ۔جب بندہ دیکھے گا کہ اب نصیحت ماننا کچھ فائدہ نہیں دیتا تو حسرت کی رُو سے۔۔۔

يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿٢٤﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٥﴾

کہے گا کہ "اے کاش! میں نے بھیج دیا ہوتا کچھ اپنی اِس زندگی کے لیے● تو اِس دن نہ عذاب دے سکتا اِس کی طرح سے کوئی●

وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿٢٦﴾

اور نہ جکڑ سکتا اِس کی طرح کوئی"●

(کہے گا کہ اے کاش! میں نے بھیج دیا ہوتا کچھ اپنی اِس زندگی کے لیے)، یعنی آگے بھیجتا میں نیک کام اپنی زندگی کے واسطے اِس عالَم میں، (تو اِس دن نہ عذاب دے سکتا اِس کی طرح سے کوئی) لوگوں میں سے۔(اور نہ جکڑ سکتا اِس کی طرح کوئی)۔۔الغرض۔۔نہ اس کی طرح کوئی عذاب

دے سکتا ہے اور نہ ہی اِس کی طرح کوئی قید میں جکڑ سکتا ہے۔۔ہاں۔۔حق تعالیٰ کی رحمتِ خاصہ اُ
وقت بھی مؤمنین کے سروں پر سایہ گستر رہے گی۔۔چنانچہ۔۔حق تعالیٰ موت کے قریب مؤمن
فرمائے گا۔۔۔

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِيْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾

اَے اطمینان والی جان! ● واپس جا اپنے رب کی طرف، خوش پسندیدہ ●

فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿۳۰﴾

ع ۱۴

تو داخل ہو جا میرے بندوں میں ● اور چلی جا جنت میں ●

(اَے اطمینان والی جان) جو میرے ذکر سے سکون حاصل کرتی تھی اور میری نعمت میں شاکر تھی اور محنت میں صابر تھی، (واپس جا اپنے رب) کی وعدہ گاہ (کی طرف) اِس حال میں کہ تُو (خوش) ہو اپنے رب کی عطا سے اور اُن نعمتوں سے جسے تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لیے (پسندیدہ) قرار دیا گیا ہے۔۔تو جب قیامت کا دن ہوگا تو حق تعالیٰ فرمائے گا کہ۔۔اَے **نَفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ** تیرے سر پر میری خاص نوازشات کا سایہ ہے، (تو داخل ہو جا میرے) نیک (بندوں میں ● اور چلی جا) میری (جنت میں)، یعنی جنتوں میں میرے مقرب اور خاص لوگوں کے ساتھ داخل ہو۔

اِس مقام پر یہ بات فائدہ سے خالی نہیں کہ نفسِ انسانی کی تین حالتیں ہیں: ﴿۱﴾۔۔یا تو بُرائی کی تحریک کرتا ہے، ایسی حالت میں اس کا نام 'نفسِ امّارہ' ہے۔ ﴿۲﴾۔۔اتنا برا تو نہیں بلکہ بُرائی ہو جانے پر نادم ہوتا ہے، ایسی صورت میں اُس کو 'نفسِ لوامہ' کہتے ہیں۔ ﴿۳﴾۔۔یا اتنا پاکیزہ ہے کہ اللہ ہی سے لگن ہے اور اللہ ہی کی یاد سے اُس کو سکون ملتا ہے۔ ایسی صورت میں اُسے 'نفسِ مطمئنہ' کہا جاتا ہے۔

تمام سورہ الفجر ۔۔۔ ﴿ ۲۱رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۷رنومبر ۲۰۱۲ء بروز چہارشنبہ

﴿ ۲۱رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۷رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہارشنبہ

سُوْرَةُ الْبَلَدِ

سورۃ البلد۔۔۹۰ مکیہ ۳۵ — آیاتہا ۲۰۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔اپنی سابقہ سورہ سے اِس کا ربط یہ ہے کہ 'سورہ الفجر' میں بتایا گیا ہے کہ انسان کوخوش حالی اور زبوں حالی پیش آتی ہے۔اگر دولت ملی تو غافل انسان مگن ہے کہ بڑی عزت ملی،اور اگر ناداری سے دوچار ہوا تو سمجھا کہ کیسی ذلت کی زندگی ہے؟ غرض خدافراموش انسان کی نگاہ میں جو کچھ ہے دولت ہے، انسانیت کے مکارم وفضائل کی اہمیت نگاہ میں نہیں۔اِس کی بنا پراُس میں اتنی بے رحمی اور سنگ دِلی آجاتی ہے کہ یتیم اور مسکین کے فقروفاقہ پر بھی ترس نہیں آتا بلکہ مال ودولت کی اتنی محبت ہے کہ وارثوں کا حق بھی ہتھیالیتا ہے۔

اور اِس سورہ میں تعلیم دی گئی ہے کہ انسانیت کے کوہِ رفعت وعظمت کی چڑھائی کے راستے کو وہی مردِ مؤمن طے کرے گا اور اوپر پہنچے گا جو مال ودولت کو اچھے راستہ میں خرچ کرے،اور اُس سے اللہ کے بندوں کو وہ فائدہ پہنچائے جس سے اُن کی پریشانی، زبوں حالی اور مصیبت دُور ہوجائے، گردنیں آزاد ہوجائیں، یتیموں اور مسکینوں کو فاقہ کی نوبت نہ آئے۔اِس میں اپنے عزیز وقریب کا بھی لحاظ رکھا جائے اور دوسروں کا بھی۔اِن خوبیوں کے ساتھ یہ مردِ مؤمن ایمان کے اور تقاضوں پر بھی عمل کرتا ہے۔۔چنانچہ۔۔اہلِ ایمان کے زمرہ میں رہتا ہے جو صبر اور ضبطِ نفس اور رحم دِلی کی تاکید کرتے رہتے ہیں۔ یہ سورہٗ پاک حسبِ ذیل مقاصد پر مشتمل ہے۔

﴿۱﴾۔۔مشقت جھیلنا انسان کی فطرت ہے۔۔لہٰذا۔۔مشقت تو جھیلنی ہی پڑے گی۔ اگر راہِ حق میں صعوبتیں پیش آئیں، تو اُن کو خندہ پیشانی سے جھیلو۔

﴿۲﴾۔۔فریب خوردہ انسان اپنی قوت اور دولت پر ناز کرتا ہے۔ یہ عرفانِ الٰہی سے محرومی کا ہی نتیجہ ہے۔

﴿۳﴾۔۔اللہ نے انسان کو دو آنکھیں دیں،ایک زبان اور دولب عطا کیے،حق وباطل کی تمیز بخشی،انسان سوچے کہ اِن نعمتوں کا تقاضہ کیا ہے؟

﴿۴﴾۔۔اعلیٰ انسانیت کا راستہ محتاجوں کی خبر گیری ہے۔لیکن اُس کے ساتھ ایمان ضروری ہے۔اور ایمان میں ثابت قدمی اور نفس پر کنٹرول کی تاکید کرنا اور رحم وشفقت کی تاکید کرنا بھی ضروری ہے۔

﴿۵﴾۔۔انہیں کاموں کے کرنے کا نام فلاح وسعادت ہے، جو ان کو عمل میں لائے وہی خوش نصیب ہے۔

﴿۶﴾۔۔تعلیماتِ الٰہی اور آیاتِ ربانی کو نہ ماننا کفر اور بدنصیبی ہے، اور ایسا ہی شخص کافر اور بدنصیب ہے۔ یہ آج کفر کے گھیرے میں بند ہے کل جہنم کی آگ میں بند رہے گا۔

ایسے عظیم مقاصد پر مشتمل ہونے والی اس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝١ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝٢

نہیں کیا مجھے قسم ہے اُس شہر کی● کہ تم چلنے پھرنے والے ہو اُس شہر میں●

(نہیں کیا مجھے قسم ہے اس شہر) مکہ (کی) کیوں (کہ تم چلنے پھرنے والے ہو اس شہر میں) باوصف اس کے کہ مکہ معظمہ امن کی جگہ، خلق کے ثواب حاصل کرنے کا مقام، حج کا محل اور بیت الحرام کا مکان ہے، لیکن میں جو اِس کی قسم یاد فرماتا ہوں اُس کی وجہ ہے کہ تم اس میں چلتے پھرتے ہو۔۔۔ قسم کو آپ ﷺ کے نزول کے ساتھ مقید کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ [redacted]

۔۔۔یا۔۔

قسم ہے اس شہرِ مکہ کی جبکہ اس شہر میں آپ جیسے شخص کو مار ڈالنا حلال ٹھہرا لیا گیا ہے اور اس بلدِ حرام کی حرمت کو پامال کرنے کی اسکیم بنالی گئی ہے۔

۔۔۔یا۔۔

قسم ہے اِس شہرِ مکہ کی کہ مستقبل میں بعض لوگوں کا اس میں قتل کر دینا آپ کے لیے حلال قرار دے دیا گیا ہے، اور مکہ معظمہ کے فتح ہونے اور اس میں بعض کے قتل کر دینے کا آپ سے وعدہ فرما لیا گیا ہے۔۔۔ اور یہ فعل کے پہلے حکم کا نازل ہونا ہے۔۔۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ۝٣ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ كَبَدٍ ۝٤

اور قسم ہے باپ کی اور اُس کی اولاد کی● یقیناً بلاشبہ پیدا فرمایا ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے کو●

(اور قسم ہے باپ کی اور اُس کی اولاد کی)۔۔۔باپ سے مراد حضرت آدم۔۔یا۔۔حضرت ابراہیم علیہما السلام ہیں، اور اولاد سے اُن کی ذریت مراد ہے۔۔یا۔۔باپ سے آنحضرت ﷺ مراد ہیں، اولاد سے آپ کی امت مراد ہے۔۔۔تو حق تعالیٰ اپنے حبیب اور اُن کی امت کی قسم ارشاد فرما کر فرماتا ہے کہ۔۔۔(یقیناً بلاشبہ پیدا فرمایا ہم نے انسان کو مشقت میں رہنے کو)، تو کوئی انسان ایسا نہ ہوا اور نہ ہوگا جس نے کسی نہ کسی نوع کی مشقت نہ جھیلی ہو۔۔الغرض۔۔مشقت جھیلنا انسان کی فطرت ہے۔

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ۞ يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۞

کیا وہ سمجھتا ہے کہ نہ قدرت رکھے گا اس پر کوئی۔۔● ۔۔کہتا ہے کہ میں نے خرچ کر ڈالا مال ڈھیر کا ڈھیر●

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّمْ يَرَهٗۤ اَحَدٌ ۞

کیا وہ سمجھتا ہے کہ نہیں دیکھا اُسے کسی نے●

(کیا وہ) یعنی ظالم انسان یہ (سمجھتا ہے کہ نہ قدرت رکھے گا اُس پر کوئی)، یعنی اُسے کوئی زیر نہ کر سکے گا، اور اُس سے ہمارے پیغمبر کا بدلہ نہ لے سکے گا۔۔چنانچہ۔۔(کہتا ہے کہ میں نے خرچ کر ڈالا مال ڈھیر کا ڈھیر) پیغمبر کی عداوت میں، اس واسطے کہ لوگوں کو رشوت دیتا کہ پیغمبر ﷺ کو ایذا دیں۔(کیا وہ سمجھتا ہے کہ نہیں دیکھا اُسے کسی نے) خرچ کرتے وقت، تاکہ اُس سے سوال کرے کہ کیوں ایسا کرتا ہے؟ اُسے بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ خدا نے اُسے دیکھا اور اُس بے جا خرچ کرنے پر اُسے بدلہ دے گا۔

مذکورہ بالا آیات میں بہت سخت 'انذار' ہے اور اُس کا اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے اور ظالموں کی حرکتوں کو دیکھ رہا ہے اور اُن کو ضرور سزا دے گا۔ آگے حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ ان ناشکروں اور ظالموں نے غور نہیں کیا کہ ہم نے کیسی کیسی نعمتوں سے اپنے فضل و کرم سے انہیں نوازا ہے۔۔۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ ۞ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۞ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۞

کیا نہیں بنایا ہم نے اُس کی دو آنکھیں● اور زبان، اور دو ہونٹ● اور بتا دی ہم نے اُسے دو اُبھری راہیں●

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۞

تو نہ کود پڑا اُس گھاٹی میں●

(کیا نہیں بنایا ہم نے اُس کی دو آنکھیں) کہ اُن سے دیکھتا ہے، (اور زبان) کہ اُس سے بات کہتا ہے، (اور دو ہونٹ) کہ اُس کے دہن کو چھپاتے ہیں اور کھانے پینے پر اُس کی معاونت اور مدد کرتے ہیں۔ (اور بتادی ہم نے اُسے دو اُبھری اُبھری راہیں) حق و باطل اور خیر و شر کی کتابیں نازل کر کے اور پیغمبروں کو مبعوث فرما کے۔ (تو نہ کود پڑا اُس گھاٹی میں) یعنی اُس نے جو مال پیغمبر ﷺ کی عداوت میں صرف کیا، وہ یہ گھاٹی طے کرنے میں کیوں نہ صرف کیا؟ اور نفس اور خواہش کی مخالفت میں اُس نے رنج کیوں نہ کھینچا؟

عقبہ یعنی گھاٹی ایک مثال ہے جو شخص نفس اور شیطان کے ساتھ جہاد کرتا ہے اُسے اس شخص کے چلنے سے مثال دیتے ہیں جو رنج و تکلیف کے ساتھ گھاٹی کے اوپر چڑھتا ہے۔

وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾ فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ أَوْ إِطْعٰمٌ فِىْ يَوْمٍ ذِىْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾

اور تمہیں کیا اٹکل کہ گھاٹی کیا ہے؟ ● گردن کو آزاد کرانا ● اور کھانا کھلانا فاقہ والے دن میں ●

يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ أَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾

کسی یتیم رشتہ دار کو ● یا مسکین خاک نشین کو ●

(اور تمہیں کیا اٹکل کہ گھاٹی کیا ہے)، یعنی اُس پر گزر جانے کا سبب کیا ہے۔ تو اُس کے اسباب یہ ہیں (گردن کو آزاد کرانا) بندگی کی قید سے، یعنی مکاتب کے ثمن میں مدد کرنا، (اور کھانا کھلانا فاقہ والے دن میں)، اُس دن میں جو کہ بھوک کا ہو، یعنی جن دنوں میں خدا کے بندے دشواری کے ساتھ کھانا پاتے ہوں، تو وہ کھلائے (کسی یتیم رشتہ دار کو) جو اُس سے قرابت رکھتا ہو (یا مسکین خاک نشین کو)، یعنی فقیری اور مفلسی کے سبب سے خاک پر لیٹا ہو۔

اور یہ محتاجی اور تنگدستی اور عاجزی سے کنایہ ہے۔ اور ایسا آدمی صاحبِ عیال ہے ۔۔یا۔۔ قرضدار ۔۔یا۔۔ بیمار ۔۔یا۔۔ مفلس ۔۔یا۔۔ مسافر ہے ۔۔الحاصل۔۔ "مسکین خاک نشین" سے اُن تمام کی طرف اشارہ ہے۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾

پھر وہ ہو اُن میں سے، جو ایمان لائے اور وصیت کرتے رہے صبر کی، اور وصیت کرتے رہے رحم کھانے کی ●

(پھروہ) یعنی یہ آزاد کرنے والا۔۔یا۔۔کھانا کھلانے والا (ہواُن میں سے جوایمان لائے)، اس لیے کہ سب خیرات اورنیکیاں قبول ہونے میں ایمان شرط ہے۔ (اور وصیت کرتے رہے صبر کی) یعنی نصیحت کی انہوں نے ایک دوسرے کوصبر کی طاعت پر۔۔یا۔۔معصیت سے۔۔یا۔۔دینِ الٰہی کی نصرت میں انواع واقسام کی مشقت پر۔ (اور وصیت کرتے رہے رحم کھانے کی)، یعنی نصیحت کی اُنہوں نے باہم مرحمت اور مہربانی کرنے کی خدا کے بندوں پر۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿١٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا هُمْ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿١٩﴾

وہی ہیں داہنے والے ● اور جنہوں نے اِنکار کردیا ہماری آیتوں کا، وہ بائیں والے ہیں ●

ع ۱ / ۱۵

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُؤْصَدَةٌ ﴿٢٠﴾

اُن پر آگ ہے بند کی ہوئی ●

(وہی ہیں داہنے والے) جوعرش کی داہنی طرف سے جنت میں جائیں گے۔۔یا۔۔برکت والے لوگ ہیں۔ (اور جنہوں نے اِنکار کردیا ہماری آیتوں کا)، یعنی حق پر جونشانیاں ہم نے قائم کی ہیں کتاب اور دلیلیں، اُس پر جولوگ ایمان نہ لائے (وہ بائیں والے ہیں) کہ اُن کوعرش کی بائیں جانب سے دوزخ میں لے جائیں گے۔۔یا۔۔وہ لوگ شامت والے ہیں۔ (اُن پر آگ ہے بند کی ہوئی)، یعنی جس درکہ میں اُن پر عذاب ہوگا اُس کا سرپوش سے بند کر کے مضبوط کردیں گے۔ حاصلِ کلام یہ ہے اُن پر جہنم کی آگ ہر طرف سے محیط ہوگی اور یہ اُس میں موند دیئے جائیں گے۔

اختتام سورۃ البلد ۔۔۔ ﴿ ۲۱ رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۷ رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہارشنبہ ﴾ ۔۔۔

﴿ ۲۲ رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۸ رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ ﴾ ۔۔۔

سُوْرَةُ الشَّمْسِ

سورۃ الشمس ۔۔ ۹۱ مکیہ ۲۶ | آیاتہا ۱۵ ۔۔ رکوعہا ۱

اِس سورۂ مبارکہ کواپنے ماقبل کی سورہ سے یہ مناسبت ہے کہ اُس کے ماقبل کی 'سورہ البلد' میں 'اصحاب یمین' اور 'اصحابِ شمال' کا ذکر ہے، اور اِس سورہ میں اُس کے مصداق کی

طرف واضح رہنمائی ہے، کہ 'اصحابِ یمین' وہ فلاح یافتہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس کا تزکیہ کرلیا ہے، اور 'اصحابِ شمال' وہ ہیں جنہوں نے اپنے نفس کو گناہوں میں دبادیا ہے۔ اِس سورہ کے نمایاں مضامین حسبِ ذیل ہیں:

﴿۱﴾۔۔شروع میں نفس کی سعادت وشقاوت کے حقائق جن کا بیان قَسم کے اسلوب میں ہوا ہے۔

﴿۲﴾۔۔تکذیبِ نبوت اور طغیان وعصیان کا نتیجہ ہلاکت وبربادی ہے۔ مثال کے لیے قومِ ثمود اور اُس کی تکذیب وطغیان کی مختصر سرگذشت اور اُس کا انجام بیان فرمادیا۔

اِس بیان کا حاصل یہ ہے کہ نفس کی تطہیر وتکمیل میں لگ جاؤ کہ فلاح وسعادت کا راستہ یہی ہے، اور اُن کاموں سے بچو جن سے نفس میں دنائت اور خدا فراموشی پیدا ہوتی ہے، اور کمال کی بالیدگی مرجاتی ہے۔ ایسے بُرے کاموں سے شقاوت اور حرماں نصیبی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ حقائق سمجھو اچھے کام کرو، دُنیا سنوارو آخرت بناؤ، یہی ہے 'سورہ والشمس' کی قَسموں کا حاصل۔

ایسی حکیمانہ طرزِ اسلوب پر مشتمل سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالشَّمۡسِ وَضُحٰٮهَا ۞۱ وَالۡقَمَرِ اِذَا تَلٰٮهَا ۞۲ وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰٮهَا ۞۳

قسم ہے سورج کی اور اُس کی روشنی کی ● اور چاند کی جب پیچھے نکلے اُس کے ● اور دن کی جب نمایاں کردے اُس کو ●

وَالَّيۡلِ اِذَا يَغۡشٰٮهَا ۞۴ وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰٮهَا ۞۵ وَالۡاَرۡضِ وَمَا طَحٰٮهَا ۞۶

اور رات کی جب ڈھانپ لے اُس کو ● اور آسمان کی، اور اُس کی جس نے بنایا اُسے ● اور زمین کی، اور اُس کی جس نے اُسے پھیلا دیا ●

(قسم ہے سورج کی اور اُس کی روشنی کی) جب وہ بلند ہوتا ہے اور چاشت کے مقام پر ہوتا ہے۔ (اور چاند کی جب پیچھے نکلے اُس کے)، یعنی چاند رات کو جب آفتاب کے پیچھے ماہتاب غروب کرتا ہے۔۔یا۔۔جس رات کو چاند پورا ہوتا ہے، تو اُس کا طلوع سورج کے غروب سے ملا ہوا ہوتا ہے

(اور دن کی، جب نمایاں کر دے اُس کو) اور روشن کر دے اُسے۔ (اور رات کی، جب ڈھانپ لے اُس کو)، یعنی آفتاب کی روشنی کو۔ (اور آسمان کی اور اُس کی جس نے بنایا اُسے ● اور زمین کی، اور اُس کی جس نے اُسے پھیلا دیا)، یعنی بچھا دیا۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۙ﴿۷﴾ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۙ﴿۸﴾ قَدْ اَفْلَحَ

اور جان کی، اور جس نے اُسے درست فرمایا ● تو جی میں ڈال دی اِس کی بدکاری اور پرہیزگاری کو ● کہ بے شک کامیابی

مَنْ زَكّٰىهَا ۙ﴿۹﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ﴿۱۰﴾

حاصل کر لی جس نے اِس کو پاک کر لیا ● اور بے شک ناکام رہا جس نے گناہوں میں دبا دیا اِسے ●

(اور جان کی، اور جس نے اُسے درست فرمایا)، یعنی اس کے اعضاء درست کیے۔ (تو جی میں ڈال دی اُس کی بدکاری اور پرہیزگاری کو)، یعنی جھوٹ، ناپاکی اور بے باکی اور۔۔یوں ہی۔۔ پرہیزگاری، نکوکاری اور فرمانبرداری، اِن تمام باتوں کو اُس پر واضح کر دیا اور اُسے تعلیم کر دی۔۔۔حق تعالیٰ یہ قسمیں ارشاد فرما کر فرماتا ہے۔۔۔(کہ بے شک کامیابی حاصل کر لی جس نے اس کو پاک کر لیا) بُرائیوں کے میلوں سے۔۔یا۔۔اُس کو نشو و نما دی بزرگیوں کے انواع و اقسام کے ساتھ۔ (اور بے شک ناکام رہا) اور بے بہرہ رہا (جس نے گناہوں میں دبا دیا اُسے) فسق و جہالت کے سبب سے۔۔یا۔۔اُس کی قدر و منزلت گم کی معصیت اور ضلالت کے سبب سے۔

محققین کا کہنا ہے کہ نفس کو پاک کرنا دِل صاف ہونے کا سبب ہے۔ جس وقت نفس خواہش کے شائبوں سے پاک ہو جاتا ہے، تو دِل بھی تعلق ماسویٰ کے لوث سے صاف ہو جاتا ہے، اور اس طرح کی سرکشی سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے جس کا مظاہرہ قوم ثمود جیسوں نے کیا۔۔چنانچہ۔۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۙ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۙ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ

جھٹلایا تھا ثمود نے اپنی سرکشی سے ● جب کہ اُٹھ پڑا تھا اُن کا نہایت بدبخت ● تو بتایا اُنہیں اللہ کے رسول نے

نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ؕ﴿۱۳﴾

کہ "خیال رکھو اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کو" ●

(جھٹلایا تھا) قوم (ثمود نے اپنی سرکشی سے) اپنے نبی حضرت صالح علیہ السلام کو (جبکہ اُٹھ

پڑا تھا اُن) کے قبیلے (کا) ایک (نہایت بدبخت) قدار بن سالف ایک گروہ کے ساتھ اونٹنی کی کونچیں کاٹنے اور اُسے ہلاک کرنے کو، (تو بتایا انہیں اللہ) تعالیٰ (کے رسول) حضرت صالح علیہ السلام (نے، کہ خیال رکھو اللہ) تعالیٰ (کی اونٹنی اور اُس کے پینے کی باری کو)، یعنی اپنی باری کے دن جو وہ پانی پیتی ہے اُس کے پاس نہ جاؤ تا کہ تم پر عذاب نازل نہ ہو۔۔تو۔۔

فَكَذَّبُوهُ فَعَقَرُوهَا ۠ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ

جھٹلایا تھا اُن سب نے اُنہیں، چنانچہ کوچیں کاٹ ڈالیں اُس کی۔۔تو بربادی ڈال دی اُن پر اُن کے رب نے

بِذَنۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿١٥﴾ ع ۱ ۱۵ ۱۶

اُن کے گناہوں کے سبب، تو زمین برابر کر دیا اُسے ● اور نہیں خوف اُسے اُس کے پیچھا کرنے کا ●

(جھٹلایا تھا اُن سب نے انہیں) عذاب نازل ہونے کے باب میں۔(چنانچہ کوچیں کاٹ ڈالیں اُس کی۔۔تو بربادی ڈال دی اُن پر اُن کے رب نے) یعنی یکبارگی ہلاکت بھیج دی اُن پر اُن کے رب نے (اُن کے گناہوں کے سبب تو زمین برابر کر دیا اُسے)، یعنی پھر یکساں کر دیا اُس عذاب کو سب پر کہ اُن کے چھوٹے بڑے سب مر گئے۔(اور نہیں خوف اُسے اُس کے پیچھا کرنے کا)، یعنی حق تعالیٰ نے سب کو غارت کر کے برباد کر دیا اور اُسے اُن کے انجام کی کوئی پرواہ نہیں، کیونکہ کسی کو اُس پر قابو نہیں اور بدانجاموں کی اُس تک رسائی نہیں۔

اختتام سورہ الشمس ۔۔۔ ﴿ ۲۲رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۸رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ ﴾

--- ﴿ ۲۲رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۸رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ ﴾ ---

سُورَةُ اللَّيْل

سورۃ اللیل ۔۔۹۲ مکیہ ۹ — آیاتہا ۲۱ ۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔اِس کو اپنی سابق 'سورہ والشمس' سے بڑی گہری مناسبت ہے۔۔چنانچہ۔۔دونوں کی ابتداء قسم سے ہوئی ہے۔'سورہ والشمس' میں متقابل چیزوں کی قسم ہے اور اِس سورہ میں متضاد اشیاء کی۔'سورہ والشمس' میں بتایا گیا

ہے کہ فلاح وسعادت کی دولت کیسے ملتی ہے؟ اور ناکامی وشقاوت کیسے ہاتھ آتی ہے۔ اور اِس سورہ میں فلاح وسعادت کی بنیادِ کار کو بتایا گیا ہے کہ یہ نیکی کی توفیق ہے۔ اور بدبختی اور شقاوت کی بنیاد کو بھی بتایا گیا ہے کہ یہ بُرائی کی سہل کاری ہے۔ پھر اُس کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ توفیق اور یہ سہل کاری کن افعال سے نصیب ہوتی ہے؟

دونوں سورتوں میں ایک بڑی مناسبت یہ بھی ہے کہ 'سورہ والشمس' میں ثمود کے سب سے بڑے بدنصیب کا ذکر، اُس کی بدنصیبی کی روداد، اور دُنیا میں اُس کے بدترین انجام کا بیان تھا، اور اِس سورت میں وضاحت کی گئی ہے کہ سب سے بڑے بدنصیب کی علامت کیا ہے؟ اور آخرت میں اُس کا کیا انجام ہوگا؟ اِس سورہ کے نمایاں مضامین حسب ذیل ہیں:

﴿۱﴾۔۔اِس حقیقت کا بیان کہ کوششیں مختلف اور متضاد ہیں۔ اور اُن کے نتائج بھی باہم مختلف اور متضاد ہیں۔ اِس کی وضاحت کے لیے چاؔر متضاد چیزوں کی قسم ارشاد فرمائی گئی ہے، یعنی یہ چاروں متضاد چیزیں شاہد حق ہیں کہ تمہاری کوششیں مختلف نوع کی ہیں۔

﴿۲﴾۔۔اُن میں کچھ کوششیں ایسی ہیں جن کا نفس وضمیر پر ایسا اثر پڑتا ہے کہ نیکی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے، پھر اچھے کام بآسانی ہونے لگتے ہیں۔ اُن کے متوازی وہ کوششیں ہیں جو ضمیر ونفس پر ایسا اثر ڈالتی ہیں کہ بدی طبیعتِ ثانیہ بن جاتی ہے، پھر تو ایسا ہوجاتا ہے کہ جن بُرے کاموں کا کرنا آسان نہیں انسان انہیں بھی آسان سمجھ لیتا ہے اور کر بیٹھتا ہے۔

﴿۳﴾۔۔فلاح وسعادت کی راہ کھولنا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے۔

﴿۴﴾۔۔دُنیا اور آخرت دونوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿۵﴾۔۔اللہ تعالیٰ اُس آگ سے متنبہ کرچکا ہے جو بہت پاور سے بھڑک رہی ہے۔

﴿۶﴾۔۔اُس میں وہی بدبخت جائے گا جس نے دعوتِ حق کو صحیح نہیں مانا اور سرتابی کی۔

﴿۷﴾۔۔وہ شخص اُس سے دُور ہی رکھا جائے گا جو تزکیۂ نفس کے لیے اپنا مال راہِ حق میں صرف کرتا ہے، اور مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی ہے۔

ایسے اعلیٰ وارفع مضامین پر مشتمل اِس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۙ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۙ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰۤى ۙ﴿۳﴾

قسم ہے رات کی جب کہ ڈھانپ لے ● اور دن کی جب روشن ہو ● اور اُس کی جس نے پیدا فرمایا نر و مادہ کو ●

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ؕ﴿۴﴾

کہ بلاشبہ تم لوگوں کی کوشش مختلف ہے ●

(قسم ہے رات کی جب کہ ڈھانپ لے)، یعنی اُس کی تاریکی زمین کی چیزوں کو چھپالے، (اور دن کی، جب روشن ہو) سورج کی درخشانی سے، (اور اُس کی جس نے پیدا فرمایا نر و مادہ کو)، یعنی حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کو۔۔یا۔۔سب حیوانوں میں سے نر اور مادہ کو، (کہ بلاشبہ تم لوگوں کی کوشش مختلف ہے) آثار میں بھی اور نتائج میں بھی۔۔چنانچہ۔۔کام کے مناسب بعض کو ثواب اور کرامت ہے اور بعض کو عذاب اور ملامت ہے۔۔۔ پھر مختلف کاموں اور اُس کی مختلف جزاؤں کو بیان فرماتا ہے۔۔۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۙ﴿۵﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۶﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ؕ﴿۷﴾

تو جس نے بخشش کی اور اللہ سے ڈرتا رہا ● اور تصدیق کردی بڑی اچھی تعلیم کی ● تو جلد ہم سامان کردیں گے اُس کی آسانی کا ●

(تو جس نے بخشش کی)، اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیا (اور اللہ) تعالیٰ (سے ڈرتا رہا)، یعنی شرک اور کبیرہ گناہوں سے اپنے کو بچاتا رہا اور اُن سے پرہیز کرتا رہا، (اور تصدیق کردی بڑی اچھی تعلیم کی)، یعنی کلمۂ حق لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کو دل سے سچ مانتا رہا (تو جلد ہم سامان کردیں گے اُس کی آسانی کا)، یعنی اُس کے لیے اچھا طریقہ ضرور آسان کردیں گے۔

اکثر مفسرین کا کہنا ہے کہ اِس سورۂ مبارکہ کا کچھ حصہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصلت کی شان میں ہے اور کچھ حصہ امیہ بن خلف۔۔یا۔۔ابوجہل کی کیفیت میں۔ کشف الاسرار میں ہے کہ دو آدمیوں کے باب میں یہ سورت نازل فرمائی گئی: ایک اَلْاَتْقٰى یعنی بڑا

متقی کہ صدیقوں کا امام ہے اِس امت میں، یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں اور ایک **اَلْاَشْقَی** یعنی بڑا شقی کہ زندیقوں کا پیشوا ہے اہلِ ضلالت میں، یعنی ابوجہل۔

اور سورت کے شروع میں جورات دن کی قسم ارشاد فرمائی، یہ ایک کی ظلمت اور دوسرے کی نورانیت کی طرف اشارہ ہے، یعنی شبِ ضلالت میں کسی کو وہ گمراہی نہ تھی جو ابوجہل کذاب شقی کو تھی، اور روزِ دعوت میں کسی کو وہ نورِ ہدایت ظاہر نہ ہوا جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہوا۔

روایت ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ امیہ بن خلف کے غلام تھے وہ کافر ان کو طرح طرح کی تکلیفیں دیتا تاکہ دینِ اسلام سے پھر جائیں۔ اور اُن کے دِل میں ہر وقت محبتِ الٰہی کی آگ اور زیادہ بھڑکتی تھی۔ ایک دن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ اُمیہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جلتی ہوئی ریگ پر ڈال دیا ہے اور تپتے ہوئے پتھر اُن کے سینے پر رکھے ہیں، اور وہ اس حال میں اَحَـدٌ اَحَـدٌ کہہ رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دِل اُن پر جلا، فرمایا اَے امیہ! وائے تجھ پر، اِس خدا کے دوست پر تُو کتنا عذاب کرتا ہے۔ اُمیہ بولا کہ اَے ابوبکر! اگر تیرا دِل اِس پر جلتا ہے تو اِسے مجھ سے مول لے لے۔ پوچھا کہ کتنے کو بیچتا ہے؟ بولا کہ اُسے نسطاس رومی سے بدلتا ہوں۔

اور نسطاس رومی حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا غلام تھا اُس سے ہزار دینار قیمت مل سکتی تھی، اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اُس سے کہہ دیا تھا کہ اگر تُو ایمان لائے تو جو مال تیرے پاس ہے اور جو تجارت کرتا ہے سب تجھ کو بخش دوں۔ نسطاس ایمان نہ لایا اور حضرت صدیقِ اکبر کا دِل اُس سے رنجیدہ تھا۔ جب اُمیہ سے یہ بات سنی تو غنیمت جان کر نسطاس کو تمام استعداد اور مقدرت سمیت اُمیہ کے حوالے کیا۔ اور حضرت بلال کو لے لیا، اور اُسی وقت ثوابِ آخرت حاصل کرنے کی امید پر حضرت بلال کو آزاد کر دیا۔

حق تعالیٰ نے یہ سورت بھیجی اور حضرت صدیق کی سیرت سے خبر دی اور فرمایا کہ جس نے اپنا مال خرچ کیا اور اُس کا بدلا اور ثواب ملنے کی تصدیق کی، تو قریب ہے کہ آسانی دیں ہم اُس کو نیک طریقے کے واسطے کہ آسانی اور راحت کا سبب ہو، یعنی اُس کام میں جو اُسے جنت میں پہنچا دے کہ آسانی اور راحت وہیں ہے۔

وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰىۙ ⑧ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰىۙ ⑨ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰىؕ ⑩

اور رہے وہ جنہوں نے کنجوسی کی، اور بے پرواہی برتی • اور جھٹلایا نہایت اچھی تعلیم کو • تو ہم سامان کردیں گے اُس کی دشواری کا •

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ ⑪

اور نہ کام آئے گا اُس کے اُس کا مال جب ہلاکت میں پڑ چکا •

(اور رہے وہ، جنہوں نے کنجوسی کی اور بے پرواہی برتی) اپنے مال میں۔۔یا۔۔کلمۂ توحید کہنے میں اور اپنے کو ثوابِ الٰہی سے بے نیاز دیکھا، اور اس سبب سے جو کام ثواب حاصل کرنے کے موجب ہیں اُن کی طرف رغبت نہ کی، **(اور جھٹلایا نہایت اچھی تعلیم کو)** اور دینِ اسلام کے ساتھ متدین نہ ہوا۔۔یا۔۔حق تعالیٰ کے وعدہ کو باور نہ رکھا، **(تو ہم سامان کردیں گے اُس کی دشواری کا)**۔ یعنی ہم مہیا کردیں گے اُس کو اس صفت کے واسطے جو اُسے دشواری اور محنت میں ڈال دے، یعنی وہ کام جو اُسے دوزخ میں لے جائے۔

(اور نہ کام آئے گا اُس کے اُس کا مال جب ہلاکت میں پڑ چکا)، یعنی دفع نہ کرے گا اُس عذاب کو اُس کا مال جس میں اُس نے بخل کیا ہے جب کہ وہ مرجائے گا۔۔یا۔۔جب سر کے بل آئے گا یعنی قبر میں گرے گا۔۔یا۔۔دوزخ کے گڑھے میں۔۔الحتصر۔۔جب یہ شخص برباد ہوگا اور تباہی کے غار میں گر جائے گا تو اُس کا مال کچھ کام نہ آئے گا۔

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰىۖ ⑫ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ⑬ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰىۚ ⑭

بے شک ہم پر یقیناً ہے ہدایت فرمانا • اور بے شک ہماری ہی یقیناً ہے آخرت اور دُنیا • تو میں ڈرا چکا تمہیں اُس آگ سے

لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ⑮ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰىؕ ⑯

جو بھڑک چکی • نہ رہے گا اُس میں مگر نہایت بدبخت • جس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری •

(بے شک ہم پر یقیناً ہے ہدایت فرمانا)، یعنی حق و باطل اور وعدہ اور وعید کو بیان فرما دینا، **(اور بے شک ہماری ہی یقیناً ہے آخرت اور دُنیا)**، یعنی دونوں جہان کے مالک ہم ہی ہیں تو ہم جو کچھ چاہیں جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کریں۔ **(تو میں)** اَے اہلِ مکہ **(ڈرا چکا تمہیں اُس آگ سے جو بھڑک چکی)** اور شعلے مارتی ہے۔ **(نہ رہے گا اُس میں مگر نہایت بدبخت)** اُمیہ اور ابوجہل جیسا، **(جس نے جھٹلایا)** پیغمبر کو **(اور پیٹھ پھیری)** ایمان اور طاعت سے۔

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ

اور جلد ہی دور رکھا جائے گا اُس سے سب سے بڑا التقویٰ والا● جو دیتا ہے اپنا مال کہ خود پاکیزہ ہو جائے● اور نہیں ہے کسی کا

مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ ع ۱۷/۲۱

اس کے پاس کوئی احسان، کہ بدلہ دیا جائے● مگر اپنے بلند و بالا رب کی مرضی کو چاہنا● اور یقیناً عنقریب وہ خوش ہو جائے گا●

(اور جلد ہی دُور رکھا جائے گا اُس سے سب سے بڑا التقویٰ والا)، یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ **(جو دیتا ہے اپنا مال)** اِس نیت سے **(کہ خود پاکیزہ ہو جائے● اور نہیں ہے کسی کا اُس کے پاس کوئی احسان کہ بدلہ دیا جائے)**۔ یعنی وہ جو کسی کے ساتھ کوئی کارِ خیر کرتا ہے وہ اُس پر اُس کے کسی احسان کا بدلہ نہیں ہے، بلکہ اُس کا عملِ خیر خالصاً لوجہ اللہ ہے۔

۔۔الحتصر۔۔وہ جس کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا ہے اُس سے کچھ نہیں چاہتا۔ ہاں **(مگر اپنے بلند و بالا رب کی مرضی کو چاہنا)** ہے، اور خدا کی رضا سے بڑھ کر اور اُس سے برتر و بالا کوئی چیز نہیں۔ **(اور یقیناً عنقریب وہ خوش ہو جائے گا)**۔ اس لیے کہ اُس سے جس ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے وہ اُسے حاصل ہو جائے گا۔

اختتام سورہ الیل ۔۔۔ ﴿ ۲۲رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۸رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ ﴾ ۔۔

۔۔ ﴿ ۲۷رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۳رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ ﴾ ۔۔

سُوْرَةُ الضُّحٰى

سورۃ الضحیٰ ۔۔۹۳ مکیۃ ۱۱ — آیاتہا ۱۱۔۔رکوعہا ۱

اِس سورۂ مبارکہ کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اِس سورت اور اِس سے پہلی والی سورت میں بڑی گہری مناسبت ہے۔ چنانچہ دونوں کی ابتداء قسم سے ہوئی، 'سورہ والیل' میں بھی دن رات کی قسم وشہادت ارشاد فرمائی گئی ہے، اور 'سورہ والضحیٰ' میں بھی دن رات کی قسم وشہادت ہے، بس ذرا سی نوعیت بدلی ہوئی ہے۔ 'سورہ والیل' میں **وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى** کا بیان ہے اور 'سورہ والضحیٰ' میں **وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى** کا۔

دونوں بیان باہم عجیب مناسبت رکھتے ہیں، پہلے میں اللہ کی شانِ یکتائی ہے اور دوسرے

میں حضور ﷺ کی شانِ مصطفائی ہے۔ دونوں سورتوں میں رضوانِ الٰہی کا ذکر ہے۔ 'سورہ واللیل' میں اُس مقامِ رضوان کا بیان ہے جو امت کو ملتا ہے اور بتایا گیا کہ اُس کا حصول تین باتوں کی بدولت ہوتا ہے۔

﴿۱﴾۔۔اللہ سے ڈرنا۔

﴿۲﴾۔۔گناہوں سے بچنا۔

﴿۳﴾۔۔اللہ کی راہ میں مال صَرف کرنا اور صرف اللہ کی طلب ہونا۔

اور 'سورہ الضحیٰ' میں آنحضرت ﷺ کے مقامِ رضوان کا بیان ہے جس کا حصول کسی فعل پر موقوف نہیں، محض فضلِ الٰہی ہے۔

ایسی سورۂ مبارکہ کو جو اوّل سے لے کر آخر تک نعتِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک گلدستہ ہے، شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالضُّحٰى ۝۱ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝۳

قسم ہے اُس چمکیلے کی ● اور اُس سیاہی والی کی جب ڈھانپ لے ● کہ نہ چھوڑا تمہیں تمہارے رب نے، اور نہ ناپسند فرمایا ●

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝۴

اور یقیناً پچھلی بہتر ہے تمہارے لیے پہلی سے ●

روایت ہے کہ جب حضرت جبرائیل کئی روز حضرت رسولِ اکرم ﷺ کے پاس نہیں آئے اور وحی نازل نہ ہوئی تو کافروں نے طعن کرنا شروع کیا کہ 'محمد ﷺ' کے خدا نے اُنہیں چھوڑ دیا اور دشمن کر لیا، تو حق تعالیٰ نے اُن کا قول رَد کرنے کو یہ سورت بھیجی اور ارشاد فرمایا کہ۔۔۔

(قسم ہے اُس چمکیلے کی ● اور اُس سیاہی والی کی جب ڈھانپ لے)۔۔۔

یہاں چمکیلے سے محبوبِ خدا ﷺ کے چہرۂ انور کی طرف اشارہ ہے، اور سیاہی والی سے

آپ کے موئے مبارک کی سیاہی سے کنایہ ہے جب وہ بکھر جائے، یعنی زلفیں سنور جائیں تو چہرۂ محبوب کی قسم اور بکھر جائیں تو زلفوں کی قسم۔ اِس قسم میں دشمنوں کو یہ جواب بھی ملتا ہے کہ ایسے چہرے والے اور ایسی زلفوں والے کو اس لیے نہیں بنایا گیا ہے کہ اُن کو چھوڑ دیا جائے اور اُن سے دشمنی کی جائے۔

والضحیٰ کی تفسیر کے تعلق سے دوسرے اقوال بھی ہیں: ﴿١﴾۔۔قسم ہے چاشت کے وقت کی کہ آفتاب اُس وقت بلند ہوتا ہے اور روشنی زیادہ ہوتی ہے۔ اور بعضے کہتے ہیں **ضُحٰی** وہ وقت تھا جس وقت حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا اور فرعون کے ساحروں نے اُسی وقت خدا کا سجدہ کیا۔ اور بعض کے قول پر **ضُحٰی** سے رَبِّ ضُحیٰ یعنی وقت چاشت کے رب۔۔یا۔۔نمازِ چاشت مراد ہے۔

ایسے ہی **وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی** کا معنی یہ کیا گیا ہے کہ قسم ہے رات کی جس وقت وہ تاریک ہو اور تاریکی چیزوں کو چھپالے۔ امام قشیری فرماتے ہیں کہ شبِ معراج کی قسم ہے۔ صاحبِ کشف الاسرار نے فرمایا کہ دن رات سے کشف اور حجاب مراد ہے، کہ لطف اور قہر کی نشانی ہے۔۔یا۔۔انوارِ جمال اور آثارِ جلال کی علامت ہے۔۔الختصر۔۔حق اُن کی قسمیں یاد فرما کر فرماتا ہے۔۔۔

(کہ نہ چھوڑا تمہیں تمہارے رب نے اور نہ ناپسند فرمایا)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے رسولِ مقبول ﷺ کو خوشخبری دی اُس فتح کی جو آپ کی امت کو دُنیا میں ہوگی اور اکثر شہر اُن کی حکومت میں آئیں گے اور مسخر ہو جائیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ۔۔۔

(اور یقیناً پچھلی بہتر ہے تمہارے لیے پہلی سے)، یعنی تمہاری ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے اس لیے کہ آپ دمبدم بلندی کے درجے پر بلند ہونے والے ہیں اور رتبہء کمال پر ترقی کرنے والے ہیں۔

۔۔یا۔۔

آپ کی آخرت جہاں آپ کو مقام محمود عطا ہوگا اور آپ شفاعتِ کبریٰ کے درجے پر فائز ہوں گے، اُس وقت ساری مخلوق، اپنے پرائے، دوست دشمن، سب کے سب آپ کی تعریف وتوصیف کریں گے۔ کوئی آپ کے مقامِ محبوبیت کا منکر نہ ہوگا اور سبھی آپ کا وسیلہ چاہیں گے ۔۔الغرض۔۔وہ

بہتر ہے آپ کے لیے دُنیا سے۔ کچھ لوگ آپ کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرتے ہیں آپ سے حرب وضرب کے لیے آمادہ ہوتے ہیں۔ رہ گیا آخرت کا معاملہ تو وہاں تو صرف آپ کی محبوبیت کی شان دکھائی جائے گی۔۔۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴿٥﴾

اور یقیناً عنقریب دے گا تمہیں تمہارا رب، کہ تم راضی ہوجاؤ گے●

(اور یقیناً عنقریب دے گا تمہیں تمہارا رب، کہ تم راضی ہوجاؤ گے)، یعنی قریب ہے کہ عطا فرمائے تم کو تمہارا رب گناہ گاروں کے باب میں شفاعت کا مرتبہ، اور اس قدر عطا فرمائے گا کہ تم کہو کہ بس میں راضی ہوگیا۔۔۔اور یہ اُس وقت فرمائیں گے جب ہر اُس امتی کو بخشوالیں گے جس کے دِل میں ایمان کا کچھ بھی حصہ ہے۔۔۔

امام محمد باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اَے اہلِ عراق تم کہتے ہو کہ قرآن کی سب آیتوں میں بڑی امید کی آیت یہ ہے کہ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اور ہم اہلِ بیت اِس بات پر ہیں کہ آیہ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ میں اس کی بہ نسبت امید بہت زیادہ ہے اس واسطے کہ جب تک آپ کی امت میں سے ایک شخص بھی دوزخ میں رہے گا ہرگز آپ راضی نہ ہوں گے۔

حق تعالیٰ یہ واضح کرنے کے بعد کہ آپ پر آخرت میں یہ انعاماتِ خداوندی ہوں گے، دراصل ان انعامات کا سلسلہ انہیں نعمتوں سے جڑا ہوا ہے جو آپ پر ابتداء ہی سے ہوتی رہی ہیں۔ اَے محبوب! سوچو کہ۔۔۔

أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ﴿٦﴾ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ﴿٧﴾

کیا نہیں پایا تمہیں دُرِ یتیم، تو خود ٹھکانہ دیا؟● اور پایا تمہیں متوالا، تو اپنی راہ دے دی●

(کیا نہیں پایا تمہیں دُرِّ یتیم تو خود ٹھکانہ دیا)، یعنی ختمِ نبوت کی صدف میں تم کو جگہ دی۔

یہاں "دُرِ یتیم" کا ترجمہ بحرالحقائق سے منقول ہے۔ اِس آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ کیا یہ بات نہیں؟ کہ اللہ نے آپ کو یتیم پایا تو اپنے فضل وکرم سے حفظ وپناہ کی جگہ میں رکھا اور تاحیات دشمنوں کے قاتلانہ حملوں سے محفوظ رکھا۔

(اور) اَے محبوب! اپنے رب کا یہ بھی کرم دیکھو کہ (پایا تمہیں) اپنی محبت اور تلاش میں (متوالا، تو اپنی راہ دے دی) 'ضال' کے مفہوم میں مفسرین نے جو لکھا ہے اُن میں اہم معانی یہ ہے:

﴿۱﴾۔۔تلاش کرنے والا: اِس بناپر ترجمہ یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو حق کا متلاشی پایا، تو اُس کا راستہ کھول دیا۔

﴿۲﴾۔۔محبّ ۔۔یا۔۔محبت میں وارفتہ: اب ترجمہ ہوگا آپ کو محبّ خدا پایا۔۔یا۔۔محبتِ الٰہی میں خود رفتہ پایا، تو خصوصی راہ کھول دی۔

﴿۳﴾۔۔متحیر: اِس بناپر آیت کا ترجمہ ہوگا کہ آپ کو اُس باب میں متحیر پایا کہ لوگوں کو کیسے راہِ راست پر لایا جائے؟ تو اس کا راستہ بتادیا۔۔یا۔۔بقولِ سیدنا جنید بغدادی قدس سرہ آپ کو متحیر پایا کہ مفہومِ قرآنی کی تشریح کیسے کی جائے؟ تو اللہ نے اُس کی رہنمائی کردی۔

﴿۴﴾۔۔ناواقف: یعنی اللہ کو اَزل سے آپ کی جو محبت ہے آپ اُس سے ناواقف تھے، اللہ نے اُس کی اطلاع اور واقفیت بخشی ۔۔یا۔۔آپ کو اپنی شان و منزلت کی واقفیت نہ تھی، تو اللہ نے اُس کی واقفیت کا راستہ کھول دیا۔

﴿۵﴾۔۔عربی میں 'ضال' اور 'ضالۃ' اُس درخت کو بھی کہتے ہیں جو دشت و بیابان میں محض ایک ہی ہے اور راہ رو اُس کو نشانِ راہ بنا کر بھٹکنے سے محفوظ رہتا ہے: اِس بناپر ترجمہ یہ ہوگا کہ ''اللہ نے آپ کو ہدایت میں یکتا اور نشانِ ہدایت پایا، تو آپ کے ذریعہ لوگوں کو ہدایت بخشی۔

﴿۶﴾۔۔ضال کھوئی ہوئی چیز کو بھی کہتے ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بچپن میں آنحضرت ﷺ کھو گئے تھے، ابوجہل کہیں سے لُوٹ کا مال لیے آرہا تھا اُس نے آپ کو دیکھ لیا اور اپنے ساتھ لے کر حضرت عبدالمطلب کے پاس آیا۔کہا گیا ہے کہ اِس آیت میں اُس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔اِس بناپر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا ''ہم نے آپ کو کھویا ہوا پایا کہ بچپن میں کھو گئے تھے، تو گھر پہنچانے کا انتظام کردیا''۔۔۔

بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت حلیمہ آپ کو لے کر مکہ آرہی تھیں اُس وقت آپ بہت کمسن تھے، راہ میں ایک جگہ بیٹھا کر اپنی ضرورت سے گئیں، واپس آئیں تو آپ کو نہیں

پایا۔ بہت پریشان ہوئیں بڑی تلاش کے بعد ملے۔ کہا گیا ہے کہ آیت میں اُس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اِس بنا پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا "ہم نے آپ کو کھویا ہوا پایا کہ بچپن میں کھو گئے تھے، تو لوگوں کو راہ دکھادی کہ فلاں جگہ ہیں۔۔۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنٰى ﴿٨﴾

اور پایا تمہیں عیال والا، پھر غنی کر دیا●

(اور پایا تمہیں عیال والا) یعنی حاجت مند، (پھر غنی کر دیا) تم کو خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال کی وجہ سے کہ تم نے تجارت کی۔۔یا۔۔غنیمتوں کے سبب سے جو کافروں سے تم نے حاصل کیں۔

بعض عارفین نے یہ فرمایا ہے کہ۔۔۔

"اَے ہمارے حبیب! تُو فقیر تھا خلق کے مشاہدہ کی وجہ سے، تو تم کو غنی کر دیا اپنے انوارِ جمال کے مکاشفہ سے۔

۔۔یا یہ کہ۔۔

اَے محبوب! آپ فقر و فاقہ اور حاجت مندی کی حالت میں تھے، تو آپ کو مستغنی بنادیا۔

اِسی لیے آپ فقر و فاقہ میں بھی سب سے بے نیاز رہے ہیں، اور غنا کی اصل حقیقت یہی ہے۔ کیونکہ غنا دُنیا کے بکثرت ساز و سامان سے نہیں ہوتا۔ البتہ غنا دِل کا غنا ہے۔

ایک صورت یہ بھی ہے کہ یَتِیْمًا، ضَآلًّا اور عَآئِلًا کو اپنے بعد والے افعال کا مفعول مقدم قرار دے دیا جائے، اور اُن کی تقدیم کو رعایۂ سجع پر محمول کیا جائے، تو پھر ان تینوں آیتوں کے معنی یہ ہوں گے کہ۔۔۔

اَے محبوب! کیا نہیں پایا ہم نے تمہیں، تو تمہارے ذریعہ یتیموں کو ٹھکانہ دے دیا۔ اور پایا ہم نے تمہیں، تو تمہارے ذریعہ گمراہوں کو ہدایت دے دی۔ اور پایا ہم نے تم کو، تو تمہارے ذریعہ محتاجوں کو غنی کر دیا۔

اِس مقام پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہے کہ عموماً صحابہ اور تابعین۔۔یا۔۔دیگر مفسرین سے جو تفسیریں مروی و منقول ہوتی ہیں اُن کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ بس یہی مراد ہے، وہ تو ایک کلی حقیقت کی کوئی تمثیل ہوتی ہے تخصیص نہیں۔۔چنانچہ۔۔مفسرین کہیں کہیں تصریح کر دیتے ہیں کہ "یہ تمثیل ہے تخصیص نہیں" یہ نکتہ علم تفسیر کا بہت قیمتی نکتہ ہے۔ اِس کو ملحوظ رکھنے

سے بہت سی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں۔اور جہاں ایک آیت کی مختلف تفسیریں ملتی ہیں وہاں اُس کی روشنی میں بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ یہ سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں کہ سب ایک حقیقتِ کلیہ کے مختلف جزئیات ہیں۔

اِس زیرِ تفسیر سورۂ مبارکہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اِس میں کل گیارہ۱۱ آیتیں ہیں دو۲ تو قسم ہیں، باقی نو۹ آیات میں، تین۳ دعویٰ ہے اور تین۳ دلیل ہے اور تین۳ اُس کے مناسب نصیحت۔

پہلا دعویٰ یہ تھا کہ تمہارے رب نے تم کو نہیں چھوڑا اور نہ ہی تمہیں ناپسند فرمایا، اِس کی دلیل ہے کہ اُس نے تمہاری ہر حال میں حفاظت فرمائی، اور آپ جیسے دُرِّ یتیم کو خود ٹھکانہ دیا۔ دوسرا دعویٰ یہ تھا کہ یقیناً پچھلی بہتر ہے تمہارے لیے پہلی سے، اُس کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے آپ کو اپنی محبت میں متوالا پایا تو اپنے قرب کی راہ دے دی۔ اور ظاہر ہے کہ قرب سے پہلے والی گھڑی سے قرب کی گھڑی بہتر ہی ہے۔۔اور۔۔تیسرا دعویٰ یہ تھا کہ عنقریب تمہیں تمہارا رب اِتنا دے گا کہ تم راضی ہو جاؤ گے، اُس کی دلیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے پایا تمہیں عیال والا حاجت مند، تو غنی کر دیا۔

مذکورہ بالا تینوں دعووں کو تین۳ دلیلوں سے ثابت فرما کر اُس کی مناسبت سے رب تین۳ نصیحتیں ارشاد فرما رہا ہے۔۔۔

اَے محبوب اوپر کے ارشاد میں تم پر حق تعالیٰ کی تین۳ نوازشوں کا ذکر ہے۔۔۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝٩ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝١٠

تو یتیم پر تو دباؤ نہ ڈالو● اور رہے بھکاری، تو اُنہیں جھڑکو نہیں●

(تو) پہلی نوازش کا تقاضہ یہ ہے کہ (یتیم پر تو دباؤ نہ ڈالو) اور کسی حال میں بھی اُن پر سختی نہ کرو۔ کیا یہ بات نہیں کہ اللہ نے آپ کو یتیم پایا تو اپنے فضل وکرم سے حفظ وپناہ کی جگہ میں رکھا۔۔۔ حضور ﷺ نے اِس تقاضے کو جس طرح پورا کیا تاریخ انسانیت میں اُس کی نظیر نہیں۔۔۔(اور) دوسری نوازش کا تقاضہ یہ ہے کہ جو (رہے بھکاری، تو اُنہیں جھڑکو نہیں) اور اپنے اوپر حق تعالیٰ کی اُس نوازش کو یاد رکھو کہ اُس نے تمہیں عیال والا پایا تو مستغنی کر دیا۔

حضور ﷺ نے اِس تقاضے کو بھی جس طرح ادا کیا اُس کی بھی نظیر نہیں، یہاں تک کہ

آپ نے تمام عمر کسی کے سوال پر 'نہیں' کا لفظ فرمایا ہی نہیں۔ دُنیا کا سائل ہو۔۔یا۔۔آخرت کا سائل ہو۔ ہدایت کا سائل ہو۔۔یا۔۔مغفرت کا سائل ہو۔ دُنیا کی نعمتوں کا سائل ہو۔۔یا۔۔آخرت کی نجات کا سائل ہو۔۔المختصر۔۔آپ نے کسی سائل کو اپنے در سے محروم نہیں پلٹایا۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝۱۱ ع ۱۸

اور رہی اپنے رب کی نعمت، تو اُس کا خوب چرچا کرو●

(اور) اَے محبوب! اب (رہی اپنے رب کی نعمت) والی نوازش، (تو اُس کا خوب چرچا کرو)۔ یعنی آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت کی جو دولت بخشی ہے اُس کا خوب چرچا کرو اور اُس کی دعوت دیتے رہو۔ یہ تحدیثِ نعمت شکرِ الٰہی کا ایک نمونہ ہے۔ مگر اس میں نام و نمود اور نخوت و خود پسندی نہ ہو۔

اور ظاہر ہے کہ نبی سے اِن ناپسندیدہ اُمور کا اِمکان نہیں، لیکن غیر نبی کو چوکنا اور محتاط رہنا چاہیے اور نعمتِ الٰہی کے ذکر و اظہار میں فخر و نمود اور ریاکاری سے اپنے کو بچا کے رکھنا چاہیے اور اگر اِس کا اندیشہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ خاموش رہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ نعمت کے ذکر و بیان کے ساتھ نعمت دینے والے کا استحضار رکھا جائے، اس لیے کہ یہ یاد رکھنا ذکر بھی ہے اور شکر بھی۔ مبارک ہیں وہ ہستیاں جو نعمت پا کر فخر و رعونت کے بجائے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتی ہیں کہ کیسا بندہ نواز اور چارہ ساز ہے ہمارا رب جس نے ہم پر کرم فرمایا اور یہ نعمتیں بخشیں۔ کتنے بلند پایہ ہیں وہ حضرات جو نعمت کے پردہ میں نعمت دینے والے کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اُس کی نعمت پر اُس کی نوازش کے ذکر و بیان میں رطب اللسان رہتے ہیں۔

اختتام سورہ الضحیٰ ۔۔ ﴿ ۲۷رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۳رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ ﴾

۔۔ ﴿ ۲۸رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۴رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہار شنبہ ﴾

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ

سورۃ الم نشرح ۔۔۹۴ مکیہ ۱۲ | آیاتہا ۸ ۔۔رکوعہا ۱

اِس سورۂ مبارکہ کے تین۳ نام ہیں: ﴿۱﴾۔۔سورہ الم نشرح۔ ﴿۲﴾۔۔سورہ الشراح۔ ﴿۳﴾۔۔سورہ شرح۔اور یہ تینوں نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہیں۔اِس کی اِس کے ماقبل 'سورہ والضحیٰ' سے مناسبت یہ ہے کہ دونوں سورتوں میں اللہ کی اُن نعمتوں کا بیان ہے جو آنحضرت ﷺ کو عطا ہوئیں۔'سورہ والضحیٰ' میں اُن نعمتوں کا تذکرہ ہے جو سب کی نگاہوں کے سامنے ہیں اور 'سورہ الم نشرح' میں اُن نعمتوں کا بیان ہے جو عام نگاہوں سے پوشیدہ ہیں، کیوں کہ وہ آپ کی خصوصیاتِ باطنی ہیں۔۔مثلاً: 'شرح صدر' اور اُس کے بعد کی مذکور نعمتیں۔'شرح صدر' کے لیے 'شقِ صدر' کا واقعہ متعدد بار ہوا ہے۔

محدثین کا بیان ہے کہ ایک تو 'عہدِ طفلی' کا واقعہ ہے جب آپ چار۴ سال کے تھے۔دوسرا واقعہ جب عمر شریف دس۱۰ سال کی تھی، تیسرا واقعہ جب آپ بیس۲۰ سال کے ہوئے۔چوتھا واقعہ جب کہ آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔پانچواں واقعہ جبکہ معراج ہوتی ہے۔لیکن محققین کے نزدیک ۲۰ سال کا واقعہ قطعاً غیر ثابت ہے۔

امام سہیلی صرف دو۲ مواقع کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں: ایک صغرسنی میں، دوسرے معراج کے موقع پر۔صغرسنی میں اس لیے شقِ صدر ہوا ہے کہ بچپن ہی سے قبولِ وسوسہ کا مادّہ جو عموماً چار۴ برس میں کسی قابل ہوتا ہے قلبِ اقدس سے نکال دیا جائے۔۔چنانچہ۔۔چار۴ سال کی عمرِ شریف میں جو شقِ صدر ہوا ہے اُس میں حضرت جبرائیل نے قلبِ اطہر سے جمے ہوئے خون کی ایک پھٹکی نکال کر الگ کردی اور کہا "هٰذَا حَظُّ الشَّيْطَانِ مِنْكَ اِس جملہ کا ماحصل یہ ہے کہ اگر یہ رہ جاتا تو شیطان کو آپ کے اندر دَر اندازی کی ہمت ہوتی۔

اور معراج کے موقع پر اس لیے شقِ صدر ہوا ہے کہ اب 'مشاہدۂ حق' کے ساتھ 'مکالمہ ربانی' بھی ہے، اور 'مکالمہ ربانی' کے ساتھ 'مشاہدۂ حق' بھی۔یہاں انوار وتجلیات کی وہ فراوانی اور صدائے سرمدی کی وہ ہوش ربائی ہے کہ عالمِ ملکوت کی بڑی سی بڑی روحانیت بھی اُس کی ابتدائی نمود کا تحمل نہیں کرسکتی۔اُس کے برداشت کرنے کی قوت صرف ایک قلبِ منور میں رکھی گئی ہے، وہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا قلبِ انور۔یہ مقدس قوت ابتداء ہی سے قلبِ اطہر میں ودیعت تھی، شب معراج میں اُس کے اندر اضافہ کیا گیا۔اُس نورانی رات میں حضور کا جو شقِ صدر ہوا ہے وہ خاص اِسی مقصد کے لیے ہوا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شرح صدر کی حقیقت

کا عرفان وادراک تو یقیناً دائرۂ امکان سے باہر ہے، لیکن خاصانِ امت کو فیضان محمدی کے توسل سے جو شرح صدر ہوتا ہے اُس کی حقیقت یہ ہے کہ اُن کے ایمان میں بے حد توانائی آجاتی ہے۔ دینی معاملہ میں اُن کی عزیمت واستقامت کا یہ عالَم ہوتا ہے کہ خطروں اور ہولناکیوں کے بڑے سے بڑے طوفان بھی اُن کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتے۔ اُن کی بصیرتوں کا یہ عالَم ہے کہ فریب کدہ ہستی کی پوری حقیقت اُن پر آئینہ ہے، اِسی لیے وہ اِسے فریب کدہ ہی سمجھتے ہیں اور اس پر مفتوں نہیں ہوتے، اور اپنے قلب وروح کو عالَمِ فانی سے ہٹا کر عالَمِ جاودانی کی طرف پھیر لیتے ہیں۔۔ الغرض۔۔ اُن کی سیرت میں بڑی بلندی آجاتی ہے۔

اوپر جو مذکور ہوا یہ تو شرح صدر کی علامات ہیں اور اُس کے اسباب بکثرت، جن میں چند بنیادی اور عمودی ہیں جو حسبِ ذیل ہیں:

﴿۱﴾۔۔ شرح صدر کا سب سے بڑا اسبب توحید اور ایمان ہے۔ اُن میں جس قدر کمال، قوت اور فراوانی ہوتی ہے اُسی قدر شرح صدر میں کمال، زیادتی اور توانائی ہوا کرتی ہے، حتیٰ کہ سینہ نور سے لبریز ہو جاتا ہے۔

﴿۲﴾۔۔ شرح صدر کا اہم ترین سبب نورِ حق ہے۔۔ چنانچہ۔۔ سینہ جب اُس سے منور ہو جاتا ہے تو سینہ میں انشراح اور قبولِ حق کے لیے بڑی وسعت پیدا ہو جاتی ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ دِل فریب کدۂ دُنیا سے برگشتہ ہو جاتا ہے اور حیاتِ ابدی کے گھر کی طرف توجہ رہا کرتی ہے اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری کی جاتی ہے۔

﴿۳﴾۔۔ شرح صدر کا ایک سبب علم نبوت کا حصول بھی ہے۔ اِس سے دِل میں بڑا انشراح اور وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔۔ چنانچہ۔۔ اُس علم کے حاملین کے اندر اتنی فراخ دلی اور وسعتِ اخلاق ہوتی ہے جتنی کسی اور میں ہوتی ہی نہیں۔ یہی ہے وہ علم جس سے انابت اور محبتِ حق پیدا ہوتی ہے۔ اور محبتِ حق جتنی پُر زور ہوتی ہے اُسی قدر شرح صدر میں قوت اور کمال ہوتا ہے۔ یہی ہے وہ محبتِ الٰہی جو دُنیا کی تمام الجھنوں اور پریشانیوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ اِسی میں ہے نشاطِ روح، سرورِ قلب اور ابدی شادمانی، کہ اِس عالَم میں جو غم واندوہ ہوتا ہے اُس میں بھی حلاوت آجاتی ہے، اور دُنیا کا تلخابہ آبِ شیریں بن جاتا ہے۔

﴿۴﴾۔۔شرح صدر کا ایک سبب دوام ذکر ہے کہ دِل ہمہ وقت اللہ کی یاد میں رہے، اُس کے اثر سے فضول اَفکار کا ہجوم رہتا ہی نہیں۔ یہ ایک عام حقیقت ہے کہ دِل میں جب فکرِ دُنیا چھائی رہتی ہے تو دِل میں ایمان وانسانیت کی جگہ رہتی ہی نہیں، یہی دِل کی تنگی ہے جو صرف ذکرِ الٰہی سے دُور ہوتی ہے اور اُس کے دُور ہوتے ہی دِل میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر ایمان وانسانیت کی ایک ایک بات کے لیے سینہ کشادہ ہوتا جاتا ہے۔ اتنا کشادہ کہ ایک ایک ایمانی واخلاقی جوہر کے لیے خود بخود جگہ نکلتی آتی ہے۔

﴿۵﴾۔۔شرح صدر کا ایک سبب مخلوقات کے ساتھ حتی الامکان اچھا سلوک کرنا ہے کہ اپنے مال ودولت سے بھی اور اپنی جاہ ومنزلت سے بھی لوگوں کی امداد کرتے رہو۔

﴿۶﴾۔۔شرح صدر کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ دینی امور میں اِس عزم وعزیمت اور ہمت و شجاعت سے کام لو کہ کسی معاملہ میں سستی، کاہلی، عافیت پسندی اور بزدلی راہ نہ پائے۔

﴿۷﴾۔۔اُس کا ایک سبب دِل کی تطہیر اور اخلاق کا تزکیہ بھی ہے کہ قلب وضمیر کو بُرے جذبات وخیالات سے، نفس کو بُری خواہشات سے، اور سیرت وکردار کو بُرے افعال سے پاک ومطہر بنایا جائے۔ انسان میں جب یہ خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں تو اُس کی زندگی معیاری اور انسانیت کا شہکار بن جاتی ہے۔

یہ سب ہیں شرح صدر کے اسباب، ان سے اندازہ لگائیے کہ شرح صدر کا حامل کیسی اعلیٰ سیرت وکردار اور کیسی پاکیزہ زندگی کا انسان ہوتا ہے۔ تو ایسی سورتِ مبارکہ کو جس کا آغاز سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب فرما کر آپ کے شرح صدر کے بیان سے فرمایا گیا ہے، شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَے محبوب!۔۔۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝۱ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝۲ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝۳

کیانہیں کھول دیا ہم نے تمہارے لیے تمہارا سینہ؟• اور اُتار رکھا تم سے تمہارا بوجھ• جس نے توڑ رکھی تھی تمہاری پشت کو•

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴

اور بلند فرمادیا ہم نے تمہارے لیے تمہارے ذکر کو•

(کیانہیں کھول دیا ہم نے تمہارے لیے تمہارا سینہ) تاکہ حق کی مناجات اور خلق کی دعوت اور امت کا غم اُس میں سمائے۔

--یا-- یہ معنی ہیں کہ--- کیا تیرے دل کو ہم نے گنجائش نہیں دی کہ وحی کے اسرار جو تجھ پر وارد ہوں اُنہیں قبول کر سکے۔

اور بعض نے کہا کہ سینہ کا کشادہ کردینا اُس طرف اشارہ ہے جو حدیثوں میں آپ کا سینہ چاک ہونا آیا ہے جس کا ذکر مختصراً کیا جاچکا ہے۔ اِس مقام پر معراج کی رات والے شق صدر کے تعلق سے ایک مختصر سی وضاحت مطلوب ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات جبرائیل علیہ السلام نے مجھ کو تکیہ لگادیا اور میرے سینے کے اوپر سے ناف تک چاک کردیا۔ اور میکائیل علیہ السلام ایک طشت میں آبِ زمزم لائے میرے سینے کا اندر اور میری رگیں اور میرا حلق اُس پانی سے دھویا۔ اور جبرائیل علیہ السلام نے میرا دِل نکال کر چاک کیا، آخر کو ایک سونے کا طشت حکمت اور ایمان سے بھرا ہوا لائے، اور میرے دِل کو اُس سے بھرا، پھر اپنی جگہ پر اُسے رکھ دیا۔ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے دل پر نور کی ایک انگوٹھی سے مہر کردی-- چنانچہ-- اُس کی راحت اور لذت کا اثر اب تک اپنی رگوں اور جوڑوں میں میں پاتا ہوں-- قصہ مختصر-- حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اَے محبوب! میں نے تمہارا شرح صدر کیا---

(اور اُتار رکھا تم سے تمہارا بوجھ)۔ وہ بارِ گراں (جس نے توڑ رکھی تھی تمہاری پشت کو)۔ وہ کافروں کا غم تھا اور کفر پر اُن کا اصرار اور آنحضرت ﷺ کا تعرض۔

اور بعضوں نے کہا کہ امت کے گناہ کا غم ہے کہ---

اَے ہمارے حبیب! تُو اُس سے گرانبار تھا، وہ بوجھ تجھ پر سے ہم نے اُٹھالیا اور تیری شفاعت اُن کے باب میں ہم نے قبول فرمائی۔ (اور بلند فرمادیا ہم نے تمہارے لیے)، تمہاری قدر و منزلت

کو ظاہر کرنے کے لیے (تمہارے ذکر کو) نبوت، رسالت اور خاتم ہونے کے ساتھ۔

---یا---اِس طور پر کہ---

اذان، اقامت، تشہد، خطبہ میں تیرا نام اپنے نام سے ہم نے ملا رکھا تا کہ بندے جب مجھ کو یاد کریں تو تجھ کو بھی یاد کریں۔

---یا---

خود میں نے تجھ پر سلام بھیجا اور اوروں کو بھی تجھ پر درود بھیجنے کا حکم دیا۔

حضرت ذوالنون مصری قدس سرہ نے فرمایا کہ 'رفعتِ ذکر' اس طرف اشارہ ہے کہ سب انبیاء علیہم السلام عرش کے گرد پھرتے تھے اور آپ کی ہمتِ عالی عرش کے اوپر تھی۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝۶ فَاِذَا فَرَغْتَ

تو بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے ● بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے ● تو جب نماز سے فراغت پالی تم نے،

ع ۸/۱ ۱۹

فَانْصَبْ ۝۷ وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝۸

تو دُعا کے لیے محنت کرو ● اور اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھو ●

(تو) اَے محبوب! صبر کر۔ (بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے)، یعنی اگر دُنیا میں دشواری ہے تو آخرت میں آسانی ہے۔ (بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے)، یعنی اُس دشواری کے ساتھ جو مکہ میں تجھ پر ہے مدینہ میں تیرے واسطے آسانی ہے۔ اور جو سختی اور کلفت مدینہ میں تجھ پر ہوتی ہے، اُس کے بعد آسانی اور راحت جنت میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہ "مشکل کے ساتھ آسانی ہے" اِس لیے مکرر فرمائی ہے تا کہ وعدہ کو موکد اور امید کو قوی تر بنا دیا جائے۔ اُس ارشاد میں **اَلْعُسْرِ** جو معرفہ ہے اور **یُسْرًا** جو نکرہ ہے، دونوں مکرر آئے ہیں۔ تو یہاں مفسرینِ کرام یہ بھی لکھتے ہیں کہ مشکل تو ایک ہے کہ کفار دعوتِ اسلامی کی راہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں، لیکن آسانی دو طرح کی ملے گی: ایک تو دُنیا میں فتح و کامرانی ہے اور دوسری عاقبت میں فلاح و شادمانی ہے۔۔۔

(تو جب نماز سے فراغت پالی تم نے تو دُعا کے لیے محنت کرو)، یعنی دُعا میں کوشش کرو۔

---یا---

جب تم فارغ ہو چکے تبلیغِ احکام سے تو مشقت اُٹھا عبادت میں۔

---یا---

جب پہنچا چکا تُو احکام، تو امت کے گناہوں کی مغفرت چاہنے میں مشغول ہو۔

--یا--

بقولِ حضرت شیخ ابو مدین مغربی قدس سرہ:

جب تُو فارغ ہوا مشاہدۂ اکوان سے تو اپنا دِل جما مشاہدۂ جمالِ رحمٰن کے واسطے۔(اور) اَے محبوب! (اپنے رب ہی کی طرف توجہ رکھو) اور اپنے رب کو ہر وقت پکارنے میں رغبت رکھو، اور جو کچھ تُو چاہتا ہے اُسی سے چاہ، اِس واسطے کہ حقیقی حاجت روا اور مراد پوری فرمانے والا وہی ہے۔اور اَے محبوب! تیری بات درگاہِ قرب میں مقبول ہے اور تیری پاکیزہ دُعائیں محلِ قبول میں ہیں۔

اختتام سورہ الم نشرح -- ۲۸/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ --مطابق-- ۱۴/نومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہار

۲۸/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ --مطابق-- ۱۴/نومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہارش

سُوْرَۃُ التِّیْن

سُوْرَۃُ التِّیْن ۹۵ مکیۃ ۲۸ — آیاتہا ۸ رکوعہا ۱

سورۂ التین -- ۹۵ مکیہ ۲۸ — آیاتہا ۸ -- رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔سابق 'سورہ الم نشرح' سے اِس کا ربط یہ ہے کہ 'سورہ الم نشرح' میں کارِ خیر کی مسلسل جدوجہد کا حکم دیا گیا ہے، اور یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اپنے رب ہی سے رغبت کی لَو لگاؤ۔انسان سے یہ مطالبہ کیوں ہے؟ اِس کے لیے 'سورہ والتین' پڑھو، جس میں بتایا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ پر ہوئی ہے، یعنی بہترین حالتِ عدل و اعتدال پر، کہ اُس میں جسمانی ساخت یعنی مخصوص شکل و صورت اور نقشہ، اور معنوی ساخت یعنی قلب و ذہن کی قوتوں اور بہترین صفات کی تعدیل آگئی ہے جس سے انسان میں وہ تمام باتیں اکٹھا ہوگئی ہیں جو خلافتِ الٰہی کے لیے ناگزیر ہیں۔اِس طرح اس منصبِ عظیم کے لائق یہی ہے۔انسان کی ایسی تخلیق کا نام ہے احسن تقویم جو 'سورہ والتین' کا موضوع ہے۔

اِس بیان سے ظاہر ہے کہ 'سورۂ الم نشرح' میں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے 'سورہ التین' بتا رہی ہے کہ انسان کی ساخت ایسی ہوئی ہے کہ وہی اِن کاموں کو انجام دے سکتا ہے۔اس مقام سے دیکھو تو اِن دونوں سورتوں میں کتنا حکیمانہ ارتباط ہے۔سنن ترمذی میں حضرت

ابوہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ جب کوئی شخص سُوْرَۃُ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ پڑھے اور اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ پڑھے، تو یہ کہے بلیٰ، یعنی یہ کہے کہ اَے رب! بے شک تُو اَحْکَمُ الْحٰکِمِیْنَ ہے۔۔ایسی حقائق افروز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ﴿۳﴾

قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی ● اور مقام سینا کے طور کی ● اور اُس امان والے شہر کی ●

(قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی)۔

اِن دونوں میووں کی تخصیص اِس جہت سے ہے کہ انجیر پاک میوہ ہے اور بے فُضلہ، لطیف غذا، جلد ہضم ہوجانے والی ہے، اور شریف دوا بہت فائدہ والی، طبیعت کو نرم کرتی ہے بلغم کو تحلیل، گردوں کو پاک، ریگِ مثانہ کو دُور کردیتی ہے۔جگر اور تلی کے مدوں کو کھول دیتی ہے۔گردہ کو اور تمام بدن کو فربہ کرتی ہے۔حدیث میں ہے کہ انجیر بواسیر کو قطع کرتا ہے اور نقرس کو فائدہ دیتا ہے۔اور زیتون میوہ بھی ہے اور روٹی کے ساتھ کھانے کی چیز بھی اور دوا بھی۔اِس میں روغن ہوتا ہے بہت فائدہ والا۔اور بعضوں نے کہا ہے کہ انجیر اور زیتون سے اُن کے اُگنے کی جگہ مراد ہے، اور زمینِ مقدس میں وہ دُو پہاڑ ہیں: ایک 'طورِ زیتا' دوسرا 'طور تینا'، کہ ہر ایک اُن میں سے انبیاء علیہم السلام میں سے ایک ایک کی عبادت گاہ تھی۔۔یا۔۔ دُو مسجدیں مراد ہیں: ایک دمشق کی، ایک بیت المقدس کی۔معالم میں فرمایا ہے کہ 'تین' اصحاب کہف کی مسجد ہے، اور 'زیتون' مسجدِ ایلیا ہے۔تبیان میں ہے کہ جبل جودی اور جبلِ بیت المقدس ہے۔

(اور) قسم ہے (مقام سینا کے طور کی)، یعنی اُس زمین کی جو حضرت کلیم اللہ کی مناجات کا مقام ہے۔(اور) قسم ہے (اُس امان والے شہر کی)، یعنی مکہ معظّمہ کی کہ حضرت سید عالم ﷺ کا مولدِ مبارک ہے، یعنی آپ وہاں پیدا ہوئے ہیں۔اور قسم کا جواب یہ ہے۔۔۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿۴﴾ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ﴿۵﴾

کہ یقیناً بے شک پیدا فرمایا ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں ● پھر پھیر دیا ہم نے اُسے نیچے سے زیادہ نیچے حال میں

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۶﴾ؕ

مگر جو ایمان لائے، اور نیکیاں کیں، تو اُن کے لیے بے حد ثواب ہے●

(کہ یقیناً بے شک پیدا فرمایا ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچے میں)، یعنی اچھی تصویر اور ترکیب میں، یعنی حیوانات میں سے قد مناسب، صورت اچھی، مزاج معتدل، خواصِ مخلوقات کو جمع کر لینے کے ساتھ اُسے ہم نے مخصوص کیا۔۔یا۔۔پیدا کیا ہم نے اُسے مظہرِ اتم و اکمل، تجلی گاہِ اعم و اشمل، تاکہ حاملِ امانتِ الٰہی اور منبعِ فیضِ نامتناہی ہو سکے۔ (پھر پھیر دیا ہم نے اُسے نیچے سے زیادہ نیچے حال میں)۔

بعضوں نے کہا کہ آیت کا معنی یہ ہیں کہ ہم نے آدمی کو بہت اچھی صورت پر پیدا کیا، پھر لے گئے ہم اس کو بڑھاپے کی وجہ سے 'فاسد العقل' ہو جانے والی سن پر کہ ارذل عمر ہے۔ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ سے اُسی طرف اشارہ ہے اور ظاہر ہے کہ وہ اُس وقت کچھ کام نہیں کر سکتے اور کسی کو اُس میں کچھ اجر نہیں ہوتا۔

(مگر) وہ لوگ (جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں، تو اُن کے لیے بے حد ثواب ہے) جو غیر منقطع ہو گا اور کبھی نہ کم کیا جائے گا۔ یعنی جس طرح جوانی اور تندرستی میں اُن کی عبادت کا اجر لکھتے تھے، بڑھاپے اور ضعیفی میں بھی باوصف اِس کے کہ وہ عمل نہیں کرتے ہیں اُسی طرح اُن کا اجر ثابت ہے۔

فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ ﴿۷﴾ؕ اَلَیْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۸﴾ؑ ع ۸ / ۲۰

تو اب کیا چیز اُبھارتی ہے تجھے جھٹلانے پر دین کو● کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم؟●

(تو) اَے بعث و حشر کے منکر! (اب کیا چیز اُبھارتی ہے تجھے جھٹلانے پر دین کو)، یعنی جب دلیلیں ظاہر ہو گئیں تو تُو روزِ جزا اور روزِ حساب کا مقر کیوں نہیں ہوتا؟ تو (کیا نہیں ہے اللہ) تعالیٰ (سب حاکموں سے بڑا حاکم؟) اِس کا جواب یہی ہے کہ کہا جائے کہ "بَلٰی! وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكَ مِنَ الشَّاهِدِیْنَ"۔ کیوں نہیں! ہم اس پر گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ہے۔

اختتام سورۃ التین۔۔ ۲۸ر ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۴ر نومبر ۲۰۱۲ء بروز

۲۹رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۵رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنج شنبہ

سورۃ العلق ۹۶ — آیاتہا ۱۹ — رکوعہا ۱

سُوْرَۃُ الْعَلَقِ

سورۃ العلق ۔۔۹۶ مکیۃ ۔۔ آیاتہا ۱۹ ۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام 'العلق' ہے، کیونکہ اِس سورت کی دوسری آیت میں 'العلق' کا لفظ ہے۔ اِس کو سُوْرَۃُ اِقْرَاْ بھی کہتے ہیں جو اِسی سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ یہ سب سے پہلی سورت ہے جو سیدنا محمد ﷺ پر نازل ہوئی۔حضرت ابن عباس ﷺ بیان کرتے ہیں قرآن کریم کی سب سے پہلی آیت جو مکہ میں نازل، ہوئی اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ہے۔اِس سے پہلی صورت میں انسان کی تخلیق کی صورت بیان کی گئی تھی کہ اُس کو سب سے عمدہ ساخت میں پیدا فرمایا۔اور اِس سورت میں انسان کی تخلیق کا مادہ بتایا ہے کہ اُس کو جمے ہوئے خون سے پیدا فرمایا۔ جمہور علماء اِس بات پر ہیں کہ قرآن میں پہلے جو خبر نازل ہوئی وہ اِس سورت کے ابتداء کی پانچ آیتیں ہیں۔تو قرآنِ کریم کی سب سے ابتدائی آیات سے جس سورۂ مبارکہ کا آغاز ہوا اُس کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سب بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ

پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا● اُس نے پیدا کیا انسان کو لوتھڑے سے● پڑھو،

وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴿۵﴾

اور تمہارا رب بڑا کریم ہے● جس نے تعلیم دی قلم سے● سکھایا اُس انسان کو جو کچھ وہ نہیں جانتا تھا●

مذکورہ بالا آیات کے نزول کے حال کا بیان مجملاً یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ غارِ حرا میں ٹیک لگائے ہوئے تھے۔۔یا۔۔ پہاڑ پر کھڑے ہوئے تھے کہ ناگاہ حضرت جبرائیل امین

آپ پر ظاہر ہوئے اور کہا کہ اِقْرَاْ یعنی پڑھئے، آپ نے فرمایا مَا اَنَا بِقَارِئٍ یعنی میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ پس حضرت جبرائیل نے آپ سے لپٹ کر زور سے معانقہ کیا اور پوری طاقت سے دبایا پھر آپ کو چھوڑ دیا، اور کہا کہ پڑھئے۔ آپ نے وہی جواب دیا پھر حضرت جبرائیل آپ سے ملے اور زور کیا اور چھوڑ دیا اور کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۔۔۔ کہ اگر آپ پڑھے ہوئے نہیں ہیں تو کیا ہوا؟ وحی الٰہی کا پڑھنا آپ کے لیے آسان ہو جائے گا، ذرا اپنے رب کا نام تو ساتھ لے کر پڑھئے۔ جب حضور نے رب کا نام ساتھ لے کر پڑھا تو اسم 'رب' کی محبت واستحضار سے یہ عالم ہو گیا کہ وحی الٰہی پڑھنے کی تمام سہولتیں پیدا ہو گئیں۔ حتیٰ کہ یہ بات بھی میسر ہو گئی کہ آپ وحی الٰہی کے یاد کرنے کا بھی اہتمام نہ کیجیے اللہ سب کچھ کر دے گا۔ ارشادِ الٰہی ہے کہ "قرآن کو جلدی لینے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دو، حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کا تمہارے سینہ میں جمع کر دینا اور اُس کو مُدوَّن کرنا سب ہمارے ذمہ کرم میں ہے۔"

ایک قول یہ ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے اپنے پر کے نیچے سے ایک نامہ حریر بہشت میں لکھا ہوا کہ اُس میں یاقوت اور موتی لگے ہوئے تھے نکالا، اور حضرت سرورِ عالم ﷺ کے سامنے رکھ دیا اور کہا کہ پڑھئے، آپ نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔ پس حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت ﷺ کو اپنے سے ملایا اور زور کیا۔ یہاں تک کہ دبانے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دی پھر آپ کو چھوڑ دیا، اور یہ قرآن کی آیتیں پڑھیں کہ۔۔۔

(**پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا**) سب چیزیں کو۔۔۔یا۔۔۔آدم علیہ السلام کو خاک سے پیدا کیا۔ اور (**اُس نے پیدا کیا انسان کو لوتھڑے سے**)، یعنی جمے ہوئے خون سے۔ (**پڑھو**)۔۔۔ تکرار مبالغہ کے واسطے ہے۔۔۔ (**اور تمہارا رب بڑا کریم ہے**)، یعنی سب بزرگوں سے بزرگ ہے اور اُس کا کرم سب کریموں کے کرم سے بڑھ کر ہے (**جس نے تعلیم دی قلم سے**) بھی۔ یعنی جس نے قلم کے ذریعہ لکھنا سکھایا تا کہ علم کو خط میں مقید کر لیں اور دُور رہنے والوں کو خط کے ذریعہ آگاہی دیں۔

تبیان میں ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو لکھنا تعلیم فرمایا اور بہت مشہور یہ بات ہے کہ پہلے جس نے لکھا وہ ادریس علیہ السلام تھے۔

اور حق تعالیٰ نے (**سکھایا اُس انسان کو جو کچھ وہ نہیں جانتا تھا**)۔ یعنی خدا نے علم دیا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا۔۔۔یا۔۔۔محمد ﷺ کو احکام شریعت تعلیم فرمائے جو آپ نہ جانتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۙ﴿۶﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ؕ﴿۷﴾ اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ؕ﴿۸﴾

کیوں نہیں بے شک، انسان یقیناً سرکشی کرتا ہے● اس پر کہ سمجھ لیا اپنے کو کہ سرمایہ دار ہو گیا ہے●
بے شک تمہارے رب ہی کی طرف واپسی ہے●

(کیوں نہیں بے شک) ابوجہل اور اُس خصلت کا **(انسان یقیناً سرکشی کرتا ہے● اِس پر کہ سمجھ لیا اپنے کو کہ سرمایہ دار ہو گیا ہے)** اور دوسروں سے بے نیاز ہو گیا ہے۔۔۔ مال اور تونگری کے سبب سے کیوں کوئی حد سے بڑھے اور حق تعالیٰ کی عبادت میں سرکشی کرے، اس لیے کہ۔۔۔ **(بے شک تمہارے رب ہی کی طرف واپسی ہے)** سب کی آخرت میں۔ اور وہاں اعمال کام آئیں گے اموال نہیں۔

روایت ہے کہ ابوجہل نے یہ بات کہی کہ اگر میں محمد ﷺ کو سجدہ میں دیکھوں گا تو اُن کی گردن پر لات ماروں گا۔ ایک دن آنحضرت ﷺ نماز پڑھتے تھے، اُس کو خبر کی۔ جلدی سے حضرت ﷺ کی طرف چلا۔ آپ تک نہ گیا، بیچ سے پھرا، چہرے کا رنگ اُڑا ہوا، اعضاء پر لرزہ چڑھا ہوا، لوگوں نے پوچھا تجھ کو کیا ہوا؟ بولا کہ میں نے اپنے اور محمد ﷺ کے درمیان آگ کی ایک خندق دیکھی اور ایک اژدہا منہ پھیلائے ہوئے اور پرند جانور پر سے پر ملائے ہوئے۔ یہ خبر حضرت ﷺ کو پہنچی، فرمایا کہ اگر وہ میرے پاس آتا تو فرشتے اُس کا ایک ایک عضو اُڑا لے جاتے اور یہ آیت نازل ہوئی۔۔۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ﴿۹﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ؕ﴿۱۰﴾ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ﴿۱۱﴾

ذرا بتانا تو، کہ جو روکتا ہے● بندہ کو جب اُس نے نماز ادا کی● ذرا بتانا، کہ اگر وہ ہوتا ہدایت پر●

اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ؕ﴿۱۲﴾

یا حکم دیتا پرہیزگاری کا●

(ذرا بتانا تو کہ جو روکتا ہے● بندہ کو) یعنی بندۂ کامل محمد ﷺ کو باز رکھنا چاہتا ہے نماز سے۔ **(جب اُس نے نماز ادا کی)** تو وہ سرکش انسان اُس بندۂ کامل کے ساتھ جبکہ وہ نماز پڑھ رہا ہو خفیف الحرکاتی کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ **(ذرا بتانا کہ اگر وہ)** سرکش انسان **(ہوتا ہدایت پر)** اور خدا ترسی کی تاکید کرتا، **(یا حکم دیتا پرہیزگاری کا)** تو کیا اچھی بات ہوتی۔

أَرَءَيْتَ إِن كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰٓ ﴿١٣﴾ أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ ٱللَّهَ يَرَىٰ ﴿١٤﴾

ذرا بتانا، کہ اگر جھٹلایا اور رُوگردانی کی ● تو کیا نہیں جانا اُس نے کہ بلاشبہ اللہ دیکھ رہا ہے ●

(ذرا بتانا کہ اگر جھٹلایا) مطلقاً حق بات کو (اور رُوگردانی کی) ایمان اور اطاعتِ پیغمبر سے، تو وہ کس قسم کے عذاب کا مستحق ہوگا۔ (تو کیا نہیں جانا اُس نے)، یعنی کیا ابوجہل کو خبر نہیں (کہ بلاشبہ اللہ) تعالیٰ (دیکھ رہا ہے) تو وہ نبی کی شان کے خلاف جو کچھ سوچ رہا ہے ہرگز ہرگز اُس کی جرأت نہ کرے۔

كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًۢا بِٱلنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾ نَاصِيَةٍ كَٰذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾

کیوں نہیں! یقیناً، اگر وہ نہ رکا، یقیناً کھینچیں گے ہم پیشانی کا بال پکڑ کر ● جھوٹی خطا کار پیشانی ●

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُۥ ﴿١٧﴾ سَنَدْعُ ٱلزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾

تو مچائے دُہائی اپنی جمعیت کی ● ہم بھی جلد طلب کرتے ہیں اپنے پیاروں کو ●

(کیوں نہیں یقیناً، اگر وہ نہ رکا) اور اِس سے باز نہ رہا۔ تو۔ (یقیناً کھینچیں گے ہم پیشانی کا بال پکڑ کر ● جھوٹی خطا کار پیشانی) والے ابوجہل کو اور اُسے گھسیٹ کر دوزخ میں ڈال دیں گے۔ (تو مچائے دُہائی اپنی جمعیت کی)، یعنی ابوجہل اپنے ہم نشینوں کو بُلائے کہ وہ اگر آکر بچا سکیں تو بچائیں۔ (ہم بھی جلد طلب کرتے ہیں اپنے پیاروں کو)، یعنی دوزخ کے سخت گیر فرشتوں کو کہ آکے اُس کو دوزخ میں لے جائیں۔ اَے محبوب! وہ سرکش لوگ آپ سے جو یہ کہتے ہیں۔۔۔

كَلَّا لَا تُطِعْهُ وَٱسْجُدْ وَٱقْتَرِب ۩ ﴿١٩﴾

کہ ہرگز ہرگز، نہ کہا سنو اُن کا، اور سجدہ کرو اور نزدیکی ہو جاؤ ●

(کہ) نماز نہ پڑھو، تو (ہرگز ہرگز نہ کہا سنو اُن کا، اور سجدہ کرو) ہمیشہ خدا کو (اور) حضرتِ احدیت کے (نزدیکی ہو جاؤ)، کیونکہ بندہ جس وقت سجدہ میں ہوتا ہے اُس وقت خدا سے بہت قریب ہوتا ہے۔ یہ قرآنی سجدوں میں چودھواں[۱۴] سجدہ ہے جس کو فتوحات میں 'طلبِ قربت' کا سجدہ کہا ہے۔

اختتام سورۂ العلق ۔۔ ﴿ ۲۹؍ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۱۵؍ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنج شنبہ ﴾ ۔۔

۲۹ رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۵ رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنج شنبہ

سورة القدر ۹۷ مکیۃ ۲۵ — آیاتہا ۵ رکوعہا ۱

سُوْرَةُ الْقَدْرِ

سورۃ القدر۔۔۹۷ مکیہ ۲۵ — آیاتہا ۵۔۔رکوعہا ۱

اِس کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ 'سورۂ اِقرا' اور 'سورۃ قدر' کا ربط بہت نمایاں ہے کہ اِقرا آغازِ نزول ہے اور 'سورۂ قدر' میں اس کا بیان ہے کہ نزولِ قرآن شبِ قدر میں ہوا۔ اور یہ سورت مکی ہی ہے۔ کسی خاص حکمت اور مصلحت کے پیشِ نظر مدینہ منورہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، اور اِس سورہ کو تلاوت کیا۔ اسی دوبارہ تلاوتِ جبرائیل کو کہیں کہیں دوبارہ نزول کے لفظ سے تعبیر کردیا گیا ہے، اِس سے یہ سورت مدنی نہیں ہوجاتی بلکہ مکی ہی رہتی ہے۔ بعض محققین اِسی کے قائل ہیں کہ کسی سورہ کے مکرر نازل ہونے کا مطلب ہے کہ پہلی بار تو نزول ہوا اور اُس کے بعد صرف تلاوتِ جبرائیلی کا کسی مصلحت کے پیشِ نظر ظہور ہوا۔ اِس سورہ کی ایک شانِ نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کو خبر دی کہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص ہزار مہینے تک ہتھیار باندھے رہا اور خدا کی راہ میں جہاد کیا۔ اصحاب متعجب ہوکر بولے کہ ہم ایسی چھوٹی عمر میں اِتنی بڑی دولت کیونکر حاصل کرسکتے ہیں، تو یہ سورت نازل فرمائی گئی اور اس میں بتایا گیا کہ امتِ محمدی کے لیے سال میں ایک شب ایسی ہے جو ہزار مہینہ سے بہتر ہے۔

۔۔۔ایسی سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ①

بے شک نازل فرمایا ہم نے اِس قرآن کو شبِ قدر میں●

(بے شک نازل فرمایا ہم نے اِس قرآن کو شبِ قدر میں)، یعنی اُس کے اُترنے کی ابتداء

اُس شب میں تھی۔۔یا۔۔تمام قرآن لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر اُسی شب میں اُترا، اور حضرت جبرائیل علیہ السلام تیئیس [۲۳] برس میں آیت آیت اور سورت سورت وقت کی مصلحت کے موافق دُنیا میں لائے۔

آیتِ کریمہ میں صراحتاً قرآن کا ذکر نہیں ہے، اِس سے قرآنِ کریم کی عظمت، قدر اور شہرت پر دلالت ہوتی ہے کہ وہ اپنی بزرگی اور شرف کے سبب سے اپنی تصریح سے مستغنی ہے۔ اور مزید برآں اِس کی عظمت و بزرگی کو ظاہر کرنے کے لیے حق تعالیٰ نے اُسے اُتارنے کی نسبت اپنی طرف کی اور فرمایا کہ اُسے ہم نے اُتارا متبرک وقت میں۔۔۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝۲ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝۳

اور کیا اٹکل تمہیں، کہ کیا ہے شب قدر؟● شبِ قدر۔۔بہتر ہے، ہزار مہینہ سے۔۔●۔۔

(اور کیا اٹکل تمہیں کہ کیا ہے شبِ قدر؟)۔ یہ بات تو تمہیں ہم ہی بتا سکتے ہیں۔ تو سنو! (شبِ قدر۔۔بہتر ہے ہزار مہینے سے)، یعنی یہ ایسی عزت اور شرافت والی رات ہے کہ اِس میں جو عبادت کرتا ہے، وہ معزز و مشرف ہو جاتا ہے۔۔یا۔۔اِس رات کو جو نیک کام وقوع میں آتا ہے وہ خدا کے نزدیک قدر والا ہے۔

اور بعضوں نے کہا کہ **قَدْرِ** حکم کے معنی میں ہے، یعنی اِس رات میں ہر ایک کام کو تقسیم کرتے ہیں حکمت کے ساتھ کہ اس میں نقص راہ نہیں پاتا۔۔یا۔۔ **قَدْرِ** تنگی کے معنی میں ہے، اس واسطے کہ اُس رات فرشتے اِس کثرت سے اُترتے ہیں کہ اُن پر زمین تنگ ہو جاتی ہے۔ یہ اُن کی کثرت کی طرف اشارہ ہے، تو یہ شب اس شخص کے لیے بہتر ہے جو اس شب کو پائے اور عبادت میں فجر کر دے۔۔۔حضرت امام اعظم کے قول پر شبِ قدر تمام سال میں دورہ کرتی رہتی ہے۔ اور حضرت شیخ قدس سرہ نے فتوحات میں فرمایا کہ میں نے اس رات کو شعبان اور ربیع الاوّل میں دیکھا ہے، اور اکثر رمضان میں پایا ہے۔

اور اکثر علماء اِس بات پر ہیں کہ شبِ قدر ماہِ رمضان میں ہے، اخیر عشرہ میں غالباً طاق شبوں میں۔ اصحابِ شافعی اکیسویں [۲۱] اور تیئیسویں [۲۳] شب کو اختیار کرتے ہیں، اور حنفی ستائیسویں [۲۷] شب کو۔ شب قدر کو پوشیدہ رکھنے میں حکمت یہ ہے کہ سب شبوں کی تعظیم کی جائے اور اُن میں بندے عبادت کرتے رہیں۔

آنحضرت ﷺ کو خواب میں دکھایا گیا تھا کہ شبِ قدر فلاں رات ہے، آپ نے خوشخبری

کے طور پر اصحاب کو سنانا بھی چاہا، مگر اُسی وقت مسجد کے دروازے پر دو آدمی آپس میں سخت کلامی کر رہے تھے، آپ اُن کو سمجھانے میں لگ گئے تو شبِ قدر آپ کے ذہن سے نکل گئی۔ تو آپ نے صرف یہ ہدایت فرمادی کہ شبِ قدر کو رمضان شریف کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

کچھ دنوں کے بعد آپ ﷺ کو اِس کا علم عطا فرما دیا گیا لیکن امت سے پوشیدہ رکھنے ہی میں آپ کو امت کے حق میں بہتری نظر آئی، اور یہ کوئی ایسی چیز بھی نہیں تھی کہ جس کا بتانا فریضۂ نبوت میں داخل ہو۔ شب قدر کی پہلی خوبی تو یہ ہے کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اور دوسری عظیم القدری یہ ہے کہ۔۔۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ﴿۴﴾

اُترا کرتے ہیں فرشتے اور روح الامین اِس میں، اپنے رب کے حکم سے۔ ہر کام کے لیے●

(اُترا کرتے ہیں فرشتے اور روح الامین) سیدنا جبرائیل (اس میں)۔

اِس آیتِ کریمہ کو ایک سوال مقدر کا جواب قرار دے کر اُس کو مستقل ایک کلام قرار دیا جاسکتا ہے۔ سوال یہ ہوگا کہ شبِ قدر ہزار راتوں سے بہتر کیوں ہے؟ جواب یہ ہوگا کہ اس میں فرشتوں اور روح الامین کا نزول ہوتا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ بصائر میں فرمایا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام اُن فرشتوں کے ساتھ زمین پر آتے ہیں جن کو اہلِ زمین کے ساتھ علاقہ اور آشنائی ہے اور مؤمنوں کے گھر میں جاتے ہیں، اور جبرائیل امین مؤمنوں سے مصافحہ کرتے ہیں۔ اور اُن کے مصافحہ کی علامت یہ ہے کہ جھجک اُٹھنا، بدن پر روئیں کھڑے ہوجانا، قلب کی رقت آنکھوں سے آنسو۔

اور اس رات کے شرف کے واسطے ہے کہ ملائکہ روح الامین سمیت زمین پر آتے ہیں (اپنے رب کے حکم سے) ایسے (ہر) بڑے (کام کے لیے) جس کا خدا نے حکم فرمایا تھا۔۔یا۔۔ ہر کام کے لیے جو خیر و برکت والے ہیں۔

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾

ع ۵ ۲۲

سلامتی ہے۔۔ یہ صبح نکلنے تک●

(سلامتی ہے) سب آفتوں سے شب قدر کو۔ **(یہ صبح نکلنے تک)** یعنی سپیدہ صبح نمودار ہونے

تک۔۔الحقر۔۔یہ رات سلامتی ورحمت کی رات ہے طلوعِ فجر تک۔انوار وتجلیات کی بارش، ملائکہ کا نزول، اُن کا مؤمنین کو سلام کرنا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور رحمتوں اور برکتوں کا نزول، اِن تمام باتوں کا سلسلہ طلوعِ فجر تک جاری رہتا ہے۔

اختتام سورہ القدر ۔۔ ۲۹رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۵رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز

۔۔ یکم محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۶رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز جمعہ

سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ

سورۃ البینۃ ۔۔۹۸ مدنیہ ۱۰۰ — آیاتہا ۸ ۔۔ رکوعہا ۱

اِس سورہ کو ’سورہ البینۃ‘ کے ساتھ ساتھ ’سورہ لم یکن‘ اور ’سورہ منفکین‘ بھی کہتے ہیں۔ تینوں نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہیں۔ اِس میں اور اِس سے سابق ’سورہ القدر‘ میں علت ومعلول کا رابطہ ہے۔۔چنانچہ۔’سورہ القدر‘ میں نزولِ قرآن کا ذکر ہے اور ’سورت البینۃ‘ میں ضرورتِ نزول کا، کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو ’بینہ‘ اور ’سراپا معجزہ‘ بن کر آنے اور لوگوں کو قرآنِ مجید سنانے کی ضرورت یہ ہوئی کہ منکرینِ حق، خواہ اہل کتاب ہوں ۔۔یا۔۔ دیگر مشرک اقوام، سب کے سب اپنی باطل روش میں اتنے اٹل ہو چکے تھے کہ راہِ ہدایت پر آ ہی نہیں سکتے تھے۔۔

۔۔لہٰذا۔اُن کی ہدایت کے لیے آپ سراپا معجزہ بن کر تشریف لائے اور قرآنی ہدایتیں عطا فرمائیں جس کی بدولت انہیں لوگوں میں سے ایک جماعت بہترین جماعت بن گئی جن کو دیکھ کر ہمیشہ یہی کہا گیا جو قرآنِ حمید نے فرمایا کہ ”یہ لوگ بہترین خلائق ہیں۔“ ورنہ منکرینِ حق تو اپنی ذہنیت اور کردار کے لحاظ سے بدترین انسان ہیں، انہیں کو قرآن نے کہا کہ ”یہ لوگ بدترین خلائق ہیں۔“

دُنیا میں بہتر مخلوق کون ہے؟ اور بدتر مخلوق کون ہے؟ اُن کا تعارف کرانے والی اور آخرت میں اُن دونوں کے انجام کو واضح فرمادینے والی اِس سورہ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى

نہ تھے اہلِ کتاب کافر لوگ اور بت پرست باز آنے والے اپنے دین سے، یہاں تک کہ

تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝٢

آجائے اُن کے پاس روشن دلیل● اللہ کا رسول، تلاوت کرے پاکیزہ صحیفے●

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝٣

جس میں لکھی ہیں سیدھی باتیں●

(نہ تھے اہلِ کتاب کافر لوگ اور بت پرست باز آنے والے اپنے دین سے)، یعنی اپنی باطل روش سے ہٹنے والے نہ تھے، (یہاں تک کہ آجائے اُن کے پاس روشن دلیل) یعنی (اللہ) تعالیٰ (کا) عظیم (رسول) محمد ﷺ جو (تلاوت کرے) اپنی امت پر (پاکیزہ صحیفے) جو جھوٹ اور بہتان سے پاک ہوں۔۔۔ صحیفے سے مراد قرآن ہے اور اُسے تعظیم کے واسطے صحیفے جمع کے صیغہ کے ساتھ فرمایا اِس لیے کہ سب صحیفوں کے اسرار اِس میں جمع ہیں۔۔۔ (جس میں لکھی ہیں سیدھی باتیں) یعنی صحیح اور درست احکام اور نصیحتیں۔ جو ہر طرح کی کجی سے پاک ہیں۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝٤

اور نہ پھوٹے یہ اہلِ کتاب، مگر بعد اِس کے آگئی ان کے پاس وہ روشن دلیل●

(اور نہ پھوٹے یہ اہلِ کتاب مگر بعد اِس کے) کہ (آگئی اُن کے پاس وہ روشن دلیل)، یعنی اہلِ کتاب نے اِس سچائی کو نہ مان کر جو تفرقہ پیدا کیا ہے، وہ **الْبَيِّنَةُ** کے آنے کے بعد ہی کیا ہے۔ یعنی آپ کے مبعوث ہونے کے قبل سب آپ کی تصدیق میں متفق تھے، جب آپ مبعوث ہوگئے تو مختلف ہوگئے۔۔۔ چنانچہ۔ بعضے ایمان لائے اور بعضے اپنے کفر ہی پر رہے حالانکہ وہ نہیں ہدایت دیے گئے۔۔۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ

اور نہیں حکم دیے گئے مگر اس کا، کہ "پوجیں اللہ کو مخلصانہ عقیدہ کے ساتھ۔۔ یکسو ہو کر،

وَ يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝

اور پابندی کریں نماز کی، اور دیتے رہیں زکوٰۃ کو، اور یہ ہے سیدھا دستور"●

(اور نہیں حکم دیئے گئے مگر اِس کا کہ پوجیں اللہ) تعالیٰ (کو مخلصانہ عقیدہ کے ساتھ) جو شک سے پاک ہو اور اُن کی اپنی خود ساختہ ایجاد نہ ہو، یعنی دین کو ملاوٹ سے خالص رکھتے ہوئے (یکسو ہو کر)، یعنی باطل سے کنارہ کش ہو کر۔ (اور پابندی کریں نماز کی) یعنی فرض نمازیں اُن کے اوقات میں کما حقہ ادا کرتے رہیں۔ (اور دیتے رہیں) واجب (زکوٰۃ کو) اُس کے محل پر۔ (اور یہ ہے سیدھا دستور) جس پر وہ مامور ہیں۔ یہی دین وملت صحیح اور درست ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

بے شک کفار، اہلِ کتاب، وبت پرست لوگ، جہنم کی آگ میں ہیں، ہمیشہ رہنے والے

فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

اُس میں۔ وہی بدتر مخلوق ہیں● بے شک جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝

وہی بہتر مخلوق ہیں●

(بے شک کفار، اہلِ کتاب، وبت پرست لوگ) قیامت کے دن (جہنم کی آگ میں) جانے والے (ہیں، ہمیشہ رہنے والے اُس میں، وہی بدتر مخلوق ہیں)۔ اُن کے برعکس (بے شک جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں)، یعنی اچھے اور پاک کام کیے (وہی بہتر مخلوق ہیں) سب مخلوقات میں۔

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

ان کا ثواب اُن کے رب کے پاس، بسے رہنے والے باغ ہیں، کہ بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں، ہمیشہ ہمیشہ

فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝ ع ۸/۲۲

رہنے والے اُس میں۔ راضی ہوا اللہ اُن سے، اور وہ راضی اُس سے۔ یہ اُس کے لیے جو ڈرا اپنے رب کو●

(اُن کا ثواب اُن کے رب کے پاس بسے رہنے والے باغ ہیں، کہ بہتی ہیں اُن) کے مکانوں اور درختوں (کے نیچے نہریں) جن سے باغ کی شان وشوکت اور دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے۔

(ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے اُس میں)۔اور سب سے بڑی دولت تو یہ ہے کہ(راضی ہوا اللہ) تعالیٰ (اُن سے) اور اُن کے نیک اعمال سے،(اور وہ راضی) ہوئے (اُس سے) یعنی خدا سے بے حساب ثواب پانے کے سبب سے،اور 'منتہائے مرادات' اور 'غایت غایات'، یعنی 'دولتِ دیدار' کہ 'مطلبِ اعلیٰ' اور 'مقصدِ اقصیٰ' ہے، وہ اُن کو عطا فرمائیں گے۔

(یہ) جو ابھی مذکور ہوا، یعنی بہشت اور خدا کی رضامندی، (اُس کے لیے) ہے (جو ڈرا اپنے رب کو'. یعنی خدا کے غضب اور عذاب سے ڈرا اور جو کام ثواب کے موجب ہیں اُس میں مشغول رہا۔

اختتام سورۃ البینۃ ۔۔ ﴿ یکم محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۶/نومبر ۲۰۱۲ء، بروز جمعہ مبارکہ ﴾ ۔۔

آغاز ﴿ یکم محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۶/نومبر ۲۰۱۲ء، بروز جمعہ ﴾ ۔۔

سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ

سورۃ الزلزال ۔۔ ۹۹ مدنیہ ۹۳ آیاتہا ۸ ۔۔ رکوعہا ۱

'سورۃ البینۃ' میں منکرین حق کی سزا اور اہلِ ایمان کی جزا بیان کی گئی تھی، اور اِس سورہ میں قانونِ مجازات یعنی جزا اور سزا کے قانون کا جامع اصول بیان فرمایا گیا ہے، کہ نیکی اور بدی ذرہ برابر بھی ہو جب بھی نظر انداز نہ کی جائے گی اور انسان کی آنکھوں کے سامنے لائی جائے گی ۔۔لہٰذا۔۔ یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ کھجور کی خیرات ایسی چیز نہیں جس پر ثواب ملے، اور معمولی خطا کوئی ایسی بات نہیں جس پر باز پرس ہو۔ چونکہ اِس خیال کے بُرے نتائج بہت دُور رس ہیں لہٰذا اصلاح ضروری تھی۔ بعض مسلمانوں کو مذکورہ بالا خیال ہوا تھا، اُسی کی اصلاح کے لیے اِس سورۂ پاک کا نزول ہوا۔

تو اِس دہلا دینے والی اور چوکنا کر دینے والی سورۂ مبارکہ کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١ وَ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝٢

جب زلزلہ ڈال دیا گیا زمین میں، سخت زلزلہ ● اور نکال دیا زمین نے اپنے گراں خزانوں کو ●

وَ قَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝٣

اور کہنے لگا انسان کہ "کیا ہوا اُسے" ●

(جب زلزلہ ڈال دیا گیا زمین میں، سخت زلزلہ) اور یہ نفخہ اولیٰ ۔۔یا۔۔نفخہ ثانیہ کے قریب ہونے والا ہے کہ اُس کے سبب سے زمین ٹوٹ پھوٹ جائے گی اور زبردست ہچکولے کھائے گی۔تو جب زلزلہ آ گیا (اور نکال دیا زمین نے اپنے گراں خزانوں کو)، یعنی زمین نے دفینوں اور خزانوں کو اپنے اندر سے نکال کر باہر ڈال دیا۔ (اور) یہ منظر دیکھ کر (کہنے لگا انسان، کہ کیا ہوا اُسے؟) کہ اس میں جو کچھ پوشیدہ ہے اُسے باہر کیے دیتی ہے۔اِس منظر کو دیکھنے والا ہر انسان یہی کہے گا۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝٤ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝٥ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ

اُس دن بتادے گی وہ اپنی خبریں ● کیونکہ تمہارے رب نے حکم بھیجا اُسے ● اُس دن واپس ہوں گے لوگ

اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝٦

الگ الگ طرح سے۔۔تاکہ دکھادیے جائیں اپنے اپنے کیے کو ●

(اُس دن بتادے گی وہ اپنی خبریں ● کیونکہ تمہارے رب نے حکم بھیجا اُسے)۔۔الختصر۔۔ اللہ تعالیٰ زمین کو گویائی عطا فرمائے گا اور وہ خبریں بیان کرے گی، اپنا ہلنا اور مدفون چیزوں کا باہر پھینک دینا۔۔یا۔۔جو عمل اُس پر بندگانِ خدا نے کیے ہیں وہ بیان کردے گی۔ (اُس دن واپس ہوں گے لوگ الگ الگ طرح سے)، یعنی اُس دن انسانی افراد حسبِ اعمال مختلف حالتوں میں محشر میں آئیں گے، اور حساب کے بعد وہاں سے واپس ہوں گے۔ یہ اس لیے ہوگا (تاکہ دکھادیے جائیں اپنے اپنے کیے کو)۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝٧ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

تو جو کرے ذرہ بھر بھلائی، تو دیکھے گا اُسے ● اور جو کرے ذرہ بھر بُرائی،

شَرًّا يَّرَهٗ ۝٨ ع٨ ١٢

تو دیکھے گا اُس کو ●

(تو) اب خوب سمجھ لو کہ (جو کرے ذرّہ بھر بھلائی، تو) قیامت میں (دیکھے گا اُسے ● اور جو کرے ذرّہ بھر بُرائی تو دیکھے گا اُس کو)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کوئی مؤمن اور کافر نہیں جو دُنیا میں کچھ نیکی۔۔یا۔۔ بدی کرتا ہے مگر حق تعالیٰ اُس کا عمل قیامت کے دن اُسے دکھائے گا، مگر مؤمن کے بُرے کام بخش دے گا اور اُس کے نیک کاموں کی جزا عطا فرمائے گا۔ اور کافر کی صورتاً نیکیاں رَد کر دے گا اور بدیوں پر اُس کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔

اربابِ بصیرت اور صاحبانِ فراست جب اِس ارشاد کو بہ نظر غائر دیکھیں گے، تو پکار اُٹھیں گے کہ بس سب کی ہدایت کے لیے یہی کافی ہے، کیونکہ جب کسی نے یہ بات جان لی کہ اُس میدانِ عظیم الشان میں ذرّہ ذرّہ پوچھیں گے، اور پوچھنے کو کسی طرح کچھ نہ چھوڑیں گے، تو وہ ضرور آج ہی سے اپنے حساب میں مشغول ہو جائے گا۔ اور "اپنا حساب خود ہی کرلو اِس سے پہلے کہ تمہارا حساب کیا جائے" کا نکتہ ہر وقت پیشِ نظر رکھے گا۔

۔۔ ﴿ یکم محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۶؍ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز جمعہ مبارکہ ﴾ ۔۔

﴿ ۲؍ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۷؍ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ ﴾ ۔۔

سورۃ العٰدیٰت ۱۰۰ مکیۃ ۱۴		ایاتہا ۱۱ رکوعہا ۱
سورۃ العادیات۔۔۱۰۰ مکیہ ۱۴	# سُوْرَۃُ الْعٰدِیٰت	آیاتہا ۱۱۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اسی سورت کی آیت ۱ سے ماخوذ ہے۔ اِس سے پہلی سورت یعنی سورۂ زلزلۂ میں نیکی و بدی کی جزا سے متنبہ فرمایا گیا تھا، اور اِس سورہ میں یہ شعور بیدار کیا جا رہا ہے کہ ایک ایسا دن بھی آئے گا جب ہر مردہ زندہ کیا جائے گا اور سینے کی چھپی بات بھی کھل جائے گی۔ اِس سورۂ مبارکہ کی شانِ نزول کے تعلق سے مروی ہے کہ بنو کنانہ کے لوگوں کی طرف لشکر بھیجا، اُس پر امیر لشکر منذر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، اور یہ نقباء میں سے تھے۔ اُن کی ایک ماہ تک کوئی خبر نہ آئی۔

منافقین نے خبر اُڑا دی کہ وہ سب کے سب مارے گئے۔ اُن کے رَد میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں حضور سرورِ عالم ﷺ کو خبر دی گئی کہ وہ بہ سلامت زندہ ہیں اور بشارت ہے کہ اُنہوں نے کفار سے کافی مالِ غنیمت پایا ہے اور حد سے تجاوز کرنے والے منافقین پر

تعریض ہے کہ یہ ناشکرے ہیں۔۔۔فتح ونصرت کی خوشخبری دینے والی اِس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کے گناہوں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالۡعٰدِيٰتِ ضَبۡحًا ۙ﴿۱﴾ فَالۡمُوۡرِيٰتِ قَدۡحًا ۙ﴿۲﴾ فَالۡمُغِيۡرٰتِ صُبۡحًا ۙ﴿۳﴾

قسم ہے دوڑنے والوں کی ہانپتے۔ پھر پتھر سے آگ نکالنے والے ٹاپ مار کر۔ پھر تاراج کرنے والے صبح کو۔

فَاَثَرۡنَ بِهٖ نَقۡعًا ۙ﴿۴﴾ فَوَسَطۡنَ بِهٖ جَمۡعًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوۡدٌ ۚ﴿۶﴾

پھر اُڑایا وہاں غبار کو۔ پھر گھس پڑے وسط لشکر میں۔ کہ بلاشبہ انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

(قسم ہے دوڑنے والوں کی ہانپتے)، یعنی قسم ہے مجاہدین کے اُن گھوڑوں کی جو اپنے مالک کی اطاعت میں دوڑ رہے ہیں اور دوڑتے دوڑتے ہانپ جاتے ہیں۔ (پھر پتھر سے آگ نکالنے والے ٹاپ مار کر)، یعنی پھر ایسا بھی ہے کہ ٹاپ مار کر چنگاریاں بھی نکال رہے ہیں۔ (پھر تاراج کرنے والے صبح کو)، یعنی پھر یہ بات بھی ہے کہ صبح کو دشمنوں پر دھاوا بھی کر رہے ہیں۔ (پھر اُڑایا وہاں غبار کو) یعنی پھر اُس وقت گرد وغبار بھی اُڑا رہے ہیں۔ (پھر گھس پڑے وسط لشکر میں)، یعنی پھر اِس گرد وغبار کے ساتھ ساتھ دشمنوں کے غول کے اندر گھس بھی جاتے ہیں۔ ایسے فرمانبردار اور اطاعت شعار گھوڑوں کی قسم ہے، یعنی مجاہدین کے گھوڑوں کی اطاعت شعاری اور خدمت گزاری کی صورتِ حال اشارہ کرتی ہے کہ انسان اپنے مالک کا ناشکرا ہے۔ یعنی اُن کی دلالتِ حال شہادت دیتی ہے (کہ بلاشبہ انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے) اور بڑا ہی احسان فراموش ہے کہ اُس کی بات نہیں مانتا۔

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيۡدٌ ۚ﴿۷﴾ وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الۡخَيۡرِ لَشَدِيۡدٌ ؕ﴿۸﴾ اَفَلَا يَعۡلَمُ

اور بے شک وہ اُس پر یقیناً خود ہی گواہ ہے۔ اور بے شک وہ مال کی محبت میں اکھڑ ہے۔ تو کیا نہیں جانتا،

اِذَا بُعۡثِرَ مَا فِى الۡقُبُوۡرِ ۙ﴿۹﴾

کہ جب اُٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں۔

(اور بے شک وہ اُس پر یقیناً خود ہی گواہ ہے)، یعنی اُس پر تو خود اُس کی ذات بھی گواہ ہے اس لیے کہ ناشکرے ہونے کا اثر اُس سے ظاہر ہے۔ (اور) یہ بھی حقیقت ہے کہ (بے شک وہ مال کی محبت میں اکھڑ ہے)، یعنی انتہائی درجہ کا بخیل ہے۔ (تو کیا نہیں جانتا) اُس وقت کو (کہ جب اُٹھائے جائیں گے) وہ (جو قبروں میں ہیں) یعنی جو مدفون ہیں اُن کو اُٹھا کر قبروں سے باہر کر دیا جائے گا۔

ع ۱۱/۲۵

وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِ ﴿١٠﴾ إِنَّ رَبَّهُم بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿١١﴾

اور ظاہر کردی جائے گی سینوں کی چیز ● تو بے شک اُن کا رب اُنہیں اُس دن یقیناً بتا دینے والا ہے ●

(اور ظاہر کردی جائے گی سینوں کی) مخفی (چیز)، یعنی سینوں کی مخفی چیزوں کو بھی برآمد کیا جائے گا۔ ظاہری اعمال کے پیچھے جو نیتیں اور اغراض و مقاصد چھپے ہیں وہ سب کھول دیے جائیں گے، اور اچھے اور بُرے کو الگ الگ کر کے جانچا جائے گا۔۔ الغرض۔۔ اُس روز پوشیدہ اسرار کی جانچ ہوگی کہ یہ کیسے ہیں؟ اور کیسے اعمال کے محرک ہیں؟ (تو بے شک اُن کا رب انہیں اُس دن یقیناً بتا دینے والا ہے) اور اُن کے اقوال و افعال کی جزا دینے والا ہے۔

اختتامِ سورۃ العٰدیٰت --- ۲ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ --- مطابق --- ۱۷ رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ ---

آغاز ۲ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ --- مطابق --- ۱۷ رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ ---

سُورَةُ الْقَارِعَة

سورۃ القارعۃ ۔۔ ۱۰۱ مکیہ ۳۰ — آیاتہا ۱۱ ۔۔ رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ سورہ اور اِس سے پہلی سورہ دونوں میں بہت گہرا ارتباط ہے کہ دونوں آخرت کا ڈر پیدا کرتی ہیں۔ دونوں کی ترتیب مضامین کی ترتیب کے عین موافق ہے، کہ 'سورۂ عادیات' میں قیامت کا ایک عالم یہ بتایا گیا ہے کہ سینوں میں جو جو باتیں چھپائی گئی ہیں، وہ سب اُس روز الگ الگ کر کے آشکارا کر دی جائیں گی۔ اب اُس کے بعد کیا ہوگا؟ اعمال وزن کیے جائیں گے۔ اِس حقیقت کو اُس کے بعد والی سورہ یعنی 'قارعہ' میں بیان فرمایا گیا ہے۔

اِس میں قیامت کے دِل دہلانے والے بیان کے ضمن میں یہ تصور بھی ہے کہ یہ حادثہ ،'اجرامِ سماوی' اور 'اجرامِ ارضی' کے عظیم ترین ٹکراؤ کا حادثہ ہے جس سے آسمان کے تارے ٹکرا کے زمین پر گر پڑیں گے اور پہاڑ اس طرح ریزہ ریزہ ہوکر دُھن جائیں گے کہ فضا میں دُھنی ہوئی اوُن کی طرح اُڑیں گے۔ اُس ٹکراؤ کی وہ ہولناک آواز ہوگی جس کے سنتے ہی تمام مخلوق چیخ مار کر مرجائے گی۔ دہشت اور ہولناکی کا وہ عالَم ہوگا کہ الامان الحفیظ۔

جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہے اُسی کو آخر میں دِل پسند عیش وراحت نصیب ہوگی، اور جس کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہے اُس کے لیے جہنم کا 'غارِ عمیق' ہے جو نیچے سے اوپر تک آگ ہی آگے ہے، حد درجہ گرم آگ۔۔۔خوفِ آخرت پیدا کرنے والی اِس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اَلْقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ؕ﴿۳﴾ يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ

دِہلا دینے والی ● کیا ہے دِہلا دینے والی؟ ● اور کیا اٹکل تمہیں، کہ کیا ہے دِہلا دینے والی؟ ● جس دن ہوں گے لوگ،

كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۙ﴿۴﴾ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ﴿۵﴾

جیسے پریشان پتنگے ● اور ہوں گے پہاڑ، جیسے دُھنی ہوئی اُون ●

(دِہلا دینے والی ● کیا ہے دِہلا دینے والی؟ ● اور کیا اٹکل تمہیں کہ کیا ہے دہلا دینے والی؟)، یعنی ہمارے سوا کون بتائے گا کہ یہ حادثہ کیا ہے؟ یہ حادثہ اُس روز ہوگا (جس دن ہوں گے لوگ) سراسیمہ (جیسے پریشان پتنگے)۔۔یا۔۔ٹڈیوں کی طرح جو اکٹھا نکلتی ہیں اور پامال اور پریشاں حال ہو جاتی ہیں۔ (اور ہوں گے پہاڑ، جیسے دھنی ہوئی اوُن)، یعنی اُس دن کے ہَول سے پہاڑ اجزا سے متفرق ہوکر ہَوا پر اُڑ جانے میں رنگین دھنی ہوئی اوُن کے مثل ہوں گے، اس واسطے کہ رنگنے سے اوُن نرم اور سست ہوجاتی ہے اور پھر دُھنکنے سے جلد متفرق اور منتشر ہوجاتی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۶﴾ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ؕ﴿۷﴾ وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ

تواب جس کی بھاری ہوئیں تولیں● تو وہ اپنے پسند کے عیش میں ہے● اور رہے وہ، جن کی ہلکی

مَوَازِيْنُهٗ ۙ﴿۸﴾ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ؕ﴿۹﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ؕ﴿۱۰﴾ نَارٌ حَامِيَةٌ ﴿۱۱﴾

ع ۱۱ / ۲۶

ہوئیں تولیں● تو اُس کی گود ہاویہ ہے● اور کیا اٹکل تمہیں، کہ وہ کیا ہے● آگ ہے، نہایت تیز گرم●

(تواب جس کی بھاری ہوئیں تولیں) یعنی اُس کی نیکیوں کا پلہ جھک گیا، (تو وہ اپنے پسند کے عیش میں) رہنے والا (ہے● اور) اُن کے برعکس (رہے وہ، جن کی ہلکی ہوئی تولیں)، خواہ اِس وجہ سے کہ وہ نیکیاں رکھتا ہی نہ ہو۔۔یا۔۔اُس کی برائیاں اُس کی نیکیوں پر غالب ہوں، (تو اُس کی گود) یعنی رہنے کی جگہ (ہاویہ ہے) جو دوزخ کے سب درکوں کے نیچے والا درکہ ہے۔ (اور کیا اٹکل تمہیں کہ وہ کیا ہے؟) اُس کو میرے سوا تم کو کون بتائے گا؟ تو وہ (آگ ہے نہایت تیز گرم) یعنی سوزش میں انتہا ہے۔

۔۔۔ ۲رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۷رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ

۔۔۔ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۷رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ

سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ

سورۃ التکاثر۔۔۱۰۲ مکیہ ۱۶ — آیاتہا ۸۔۔رکوعہا ۱

اِس سورت کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی اپنے ماقبل کی 'سورۂ قارعہ' سے مربوط ہے اس حیثیت سے کہ دونوں میں امورِ آخرت یاد دِلائے گئے ہیں۔۔نیز۔۔ 'سورۂ قارعہ' میں جو فرمایا گیا ہے کہ جس کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہے وہ هَاوِيَةٌ میں جائے گا، جو نیچے سے اوپر تک آگ ہی آگ ہے اور انتہا درجہ کی حرارت والی ہے۔ اُس کو پڑھ کر ایمان پکارتا ہے کہ اُس سے بچنے کی سبیل کیا ہے؟ اس کا جواب ہے 'سورہ تکاثر' کہ اللہ سے غافل نہ بنو اور ضرورت سے زیادہ کی طلب اور ہوس میں نہ پڑو کہ ایسی طلب حجاب ہے اور حجاب کے پیچھے عذاب ہے۔

یہی حرص وہوس ہے، جس سے آدمی برائیوں میں سن جاتا ہے اور اُس کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہو جاتا ہے۔ یہ ایسی مبارک سورت ہے کہ جو اِس کو توجہ سے پڑھے اُسے ہزار آیتوں کی

تلاوت کا ثواب ملتا ہے۔خطیب بغدادی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ 'سورہ تکاثر' ہزار آیتوں کے برابر ہے۔۔۔ایسی باعظمت سورہ کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲

غافل کر دیا تم کو مال بڑھانے کے حرص وفخر نے ● یہاں تک کہ تم نے اپنی اپنی قبر دیکھی ●

(غافل کر دیا تم کو مال بڑھانے کے حرص وفخر نے) اور بہتات کی طلب نے اللہ اور اُس کی اطاعت سے (یہاں تک کہ تم نے اپنی اپنی قبر دیکھی)، یعنی تم مال اور اولاد کی زیادتی میں غافل اور مشغول ہوئے اور اُمورِ معیشت میں مستغرق ہوئے یہاں تک کہ مر کر قبرستان میں آئے۔اور قبروں میں آنا بھی ہمیشہ کے لیے نہیں بلکہ کچھ وقت کے لیے جیسے کوئی زیارت کے لیے کہیں جاتا پھر اُس جگہ کو چھوڑ کر واپس ہو جاتا ہے، تو تمہیں بھی آخرت کے لیے قبر سے نکلنا ہوگا۔۔۔اس سے مر کر اُٹھنے کے عقیدے کی طرف بھی اشارہ ہو گیا۔الحاصل۔۔ایسا نہ چاہیے کہ عاقل کی ہمت دُنیا میں مصروف ہو اور آخرت کو بھول جائے، کہ ناگاہ اجل آپہنچے اور پھر ندامت سے کچھ فائدہ نہ ہو۔اس میں۔۔۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵

شک ہرگز نہیں، جلد ہی جان لوگے ● پھر نہیں کیا، جلد ہی جان لوگے ● نہیں کیا، کاش جانتے تم لوگ، یقین کا جاننا ●

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷

یقیناً تم لوگ دیکھو گے جہنم کو ● پھر یقیناً تم لوگ دیکھو گے اُسے، یقین کا دیکھنا ●

(شک ہرگز نہیں) کہ یقیناً (جلد ہی جان لوگے) کہ اس تفاخر وتکاثر کا انجام کیسا ہے۔(پھر) سن لو! (نہیں کیا) یقیناً (جلد ہی جان لوگے)، یعنی تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ اُس کا انجام کیسا ہے۔پہلے تو مرتے وقت ہی انجام کا پتا چل جائے گا، اور دوسری بار قبروں سے اُٹھ کر منتشر ہوتے وقت اپنے اپنے انجام سے باخبری ہو جائے گی۔(نہیں کیا) حقیقت تو یہ ہے کہ (کاش جانتے تم

لوگ یقین کا جاننا)، یعنی مرنے کے بعد کے حالات کو علم الیقین کے درجے پر جانتے تو تم سے غفلت نہ ہوتی۔

عِلْمَ الْیَقِیْنِ وہ علم ہے جو صحیح دلیل سے حاصل ہو اور یقین ہو جائے۔۔نیز۔۔کسی چیز کے علم الیقین ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اُسے اِس طرح جان لیا جائے جیسے اپنی یقینی باتوں کو جانا جاتا ہے۔

۔۔الحاصل۔۔علم الیقین جاننا یقین کا کہ کچھ شک وشبہ نہ رہے تو البتہ مفاخرت اور مکاثرت سے تم کو باز رکھے، تو (**یقیناً تم لوگ دیکھو گے جہنم کو**) اوّل دُور سے جس وقت اُسے میدانِ حشر میں لائیں گے، (**پھر یقیناً تم لوگ دیکھو گے اُسے یقین کا دیکھنا**) یعنی یقین کی آنکھ سے دیکھنا جب کہ اُس میں دوزخیوں کو داخل کیا جائے گا۔

ع ۱ / ۸ / ۲۷

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ۝۸

پھر یقیناً پوچھے جاؤ گے اُس دن نعمتوں کے بارے میں●

(**پھر یقیناً پوچھے جاؤ گے اُس دن نعمتوں کے بارے میں**) جن میں مشغول ہو کر عبادتوں سے باز رہے۔

اِس صورت میں یہ خطاب خاص اُس دُنیادار کی طرف ہے جس کو دُنیا نے دین سے باز رکھا۔ بعضوں نے کہا کہ کافر مخاطب ہیں۔ اور بہت صحیح بات یہ ہے کہ عام رکھیں، اس واسطے کہ جسے جو نعمت حاصل ہے اُس سے اُس کے شکر کا سوال ہوگا۔ اور بعض نے نعمت کو ٹھنڈے پانی کے ساتھ خاص کیا ہے اور تر خرمے۔۔یا۔۔ٹھنڈے سایے۔۔یا۔۔نیند کے مزے۔۔یا۔۔اعتدالِ خلق۔۔یا۔۔اسلام۔۔یا۔۔تخفیفِ شرائع۔۔یا۔۔قرآن کے ساتھ۔ اور بہت مشہور بات یہ ہے کہ وہ نعمت، صحت اور فراغت ہے۔ 'عین المعانی' میں ہے کہ نعمت 'محمد ﷺ' ہیں، اور سب سے اُن کی ملت اور اتباعِ سنت کا سوال کیا جائے گا۔

۔۔ التکاثر ۔۔ ﴿ ۲ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۷ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز شنبہ ﴾ ۔۔

۔۔ ۳ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۸ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز یکشنبہ ﴾

سورۃ العصر ۱۰۳ | مکیۃ ۳ | آیاتہا ۳ | رکوعہا ۱

سُوْرَۃُ الْعَصْرِ

سورۃ العصر ۔۔۱۰۳ مکیہ ۳ — آیاتہا ۳ ۔۔رکوعہا ۱

اِس سورت کا نام اِسی سورہ کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اِس سے پہلی 'سورہ التکاثر' میں یہ بیان فرمایا تھا کہ دُنیاوی امور میں زیادہ مشغول ہونا مذموم ہے، اور اِس سورت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ مؤمنین کو اعمالِ صالحہ اور ایک دوسرے کی خیر خواہی میں مشغول رہنا چاہیے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ اگر سوائے اِس 'سورہ العصر' کے اور قرآن نازل نہ ہوتا، تب بھی یہ سورت کافی تھی۔

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا 'سورہ والعصر' قرآن کے جمیع علوم پر مشتمل ہے۔ اِس قول کا مقصد بھی یہی ہے جو امام شافعی نے فرمایا۔ اس سورت کی ظاہری اور باطنی خوبیوں کا عالَم یہ ہے کہ صحابہ میں دو شخص ایسے بھی تھے کہ جب اُن کی ملاقات ہوتی تو ایک صاحب دوسرے کو 'سورہ العصر' ضرور سناتے، اُس کے بغیر یہ جدا ہی نہ ہوتے، کبھی یہ سناتے کبھی وہ ۔۔۔ایسی جامع پیغامِ الٰہی والی سورۂ مبارکہ کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَالْعَصْرِ ۝۱

قسم ہے اِس عصر و زمانہ کی●

(قسم ہے اِس عصر و زمانہ کی) اَے محبوب! جو تمہارا عصر و زمانہ ہے، یعنی تمہاری نبوت، تمہارے ظہور، اور تمہارے فیض کا زمانہ ہے۔

۔۔یا۔۔ایسا زمانہ ہے جو بہت عجیب و غریب چیزوں پر مشتمل ہے اِس میں خوشی اور غم، صحت اور بیماری، خوشحالی اور تنگدستی کا ظہور ہوتا ہے۔ زمانہ سال، مہینہ، ہفتہ، دن، اور گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے۔۔نیز۔۔کم اور زیادہ ہوتا ہے تو اُسے معدوم بھی نہیں کہہ سکتے۔ اور زمانہ۔۔یا۔۔ماضی ہے۔۔یا۔۔مستقبل۔ ماضی گزر چکا ہے وہ موجود نہیں، اور مستقبل

ابھی آیا نہیں تو وہ بھی موجود نہیں۔

اور رہا حال، تو وہ نا قابلِ تقسیم ہے تو اُس کو موجود کہنے کی کوئی صاف اور واضح صورت نظر نہیں آتی۔ زمانہ گزر گیا، ظاہر ہے کہ جو گزرا وہ ضرور آیا، لیکن یہ آنا اور گزرنا ایسا لمعاتی ہے کہ اِس کو کم زیادہ۔۔یا۔۔چھوٹا بڑا کہنے میں مفروضات کا سہارا لینا ہی پڑتا ہے۔۔الختصر۔۔ زمانہ عجائبِ قدرت کا ایک عجوبہ ہے۔ حضرت مترجم قدس سرہ نے **وَالْعَصْرِ** کی جس توجیہہ کو راجح قرار دیا ہے وہ یہی ہے جو اوپر مذکور ہوئی۔ **وَالْعَصْرِ** کی تفسیر میں دوسرے اقوال بھی ہیں: ﴿۱﴾۔۔اِس سے مراد ربِّ عصر کی قسم۔﴿۲﴾۔۔اِس سے مراد دن اور رات ہے۔ ﴿۳﴾۔۔اِس سے مراد زوالِ شمس سے لے کر غروبِ شمس تک کا وقت ہے۔﴿۴﴾۔۔اِس سے مراد دن کی ساعات میں سے آخری ساعت ہے۔﴿۵﴾۔۔اِس سے مراد عصر کی نماز ہے جو 'صلوٰۃ وسطیٰ' ہے۔۔الحاصل۔۔حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔

قسم ہے عصر وزمانہ کی، گردشِ لیل ونہار شاہد ہے کہ۔۔۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴿۲﴾ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

بے شک انسان یقیناً گھاٹے میں ہیں● مگر جو ایمان لائے، اور نیکیاں کیں،

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿۳﴾

ع ۱ ۲۸

اور باہم وصیت کی حق کی۔۔اور باہم وصیت کی صبر کی●

(بے شک انسان یقیناً گھاٹے میں ہیں●مگر جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں اور باہم وصیت کی حق کی) یعنی حق پر قائم رہنے کی۔۔یا۔۔قرآن پر ثابت قدم رہنے کی۔ **(اور باہم وصیت کی صبر کی)**، یعنی طاعت پر صبر کرنے کی۔۔یا۔۔معصیت سے اجتناب پر ثابت رہنے کی۔

بعض کافروں نے جو یہ سمجھ رکھا تھا کہ مسلمانوں نے جو اپنے اجداد کا دین چھوڑ دیا ہے اور بتوں کی عبادت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے یہ انہوں نے اپنے لیے بہت نقصان کیا ہے۔۔ چنانچہ۔۔ایک کافر نے صدیقِ اکبر سے یہی بات کہی تو آپ نے اُس کو جواب دیا کہ وہ زیاں کار نہیں جو خدا اور رسول کی بات سنے اور نیک کام کرے بلکہ بڑا زیاں کار وہ ہے جو بت پوجے اور شیطان کی متابعت کرے، تو حق تعالیٰ نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے جواب باصواب کے موافق یہ سورت بھیجی۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسی بکواس کرنے والے شرک و کفر میں ملوث لوگ سب کے سب عمر ضائع کرنے والے زیاں کار ہیں، مگر وہ لوگ جو ایمان لائے، نیک عمل انجام دیے اور حق و صبر کی وصیت کرتے رہے۔ بعض مفسر کہتے ہیں کہ لَفِيْ خُسْرٍ ابو جہل کے حال سے کنایہ ہے، اور اٰمَنُوْا حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی صفت کی طرف ایماء ہے، اور عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے فعل کی طرف اشارہ، اور وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کی بات سے خبر دینا ہے، اور تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی عادت سے حکایت کرنا ہے۔

اِس مقام پر یہ نکتہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ آج ہم جو انسانوں کو ترقی یافتہ اور کامیاب سمجھ رہے ہیں یہ ایک بہت بڑا دھوکا اور فریب ہے، اس لیے کہ یہ جو ترقی ہے انسانیت کی ترقی نہیں بلکہ حیوانیت کی ترقی ہے۔ اِس کو یوں سمجھا جائے کہ حق تعالیٰ نے انسانوں کو دو۲ صفتیں عطا فرمائی ہیں: ایک ہے حیوانیت اور دوسری ہے انسانیت۔ کچھ حیوانیت کے تقاضے ہیں اور کچھ انسانیت کے۔

حیوانیت کے تقاضے وہی ہیں جو دوسرے حیوانوں میں بھی ہیں؛ چلنا، پھرنا، کھانا، پینا، تیرنا، اُڑنا، سونا، جاگنا، رہنا، سہنا، لڑنا، بھڑنا، وغیرہ وغیرہ۔ تو جہاں تک حیوان اور اُس کے حیوانی تقاضوں کی بات ہے اُس میں حیوانوں نے بڑی ترقی کی۔ حیوان فضاؤں میں اُڑ رہا ہے، دریاؤں کا کلیجہ چیر رہا ہے، اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے نت نئی ایجادات کر رہا ہے، کھانے پینے، رہنے سہنے کا معیار بہت بلند کرلیا ہے، چاند پر دستک دے رہا ہے، مریخ پر کمندیں ڈال رہا ہے، سورج کی شعاعوں کی تسخیر کر رہا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب حیوانی تقاضے ہیں جس میں انسان کے اندر کا حیوان دوسرے حیوانوں سے آگے بڑھ گیا ہے۔ لیکن انسانیت کراہ رہی ہے۔ ظلم و ستم کا دَور دَورہ ہے لُوٹ کھسوٹ کا عالم ہے، عدل و انصاف، شرم و حیا، عفو و درگزر، شرافت و مروت، یہ سب عنقاء ہیں۔

انسانیت و حیوانیت کا فرق ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی کی منہ کی بوٹی اور ہاتھ کی روٹی کو جبراً چھین کر کھانا یہ حیوانیت ہے، اور کسی بھوکے کو اپنے آگے کی روٹی کھلا دینا اور بھوکا رہ جانا یہ انسانیت ہے۔ حیوانیت کے نمونے تو بہت مل رہے ہیں، کہیں ایسی انسانیت کی مثال بھی نظر آرہی ہے؟ اسی لیے قرآن یہ نہیں کہتا کہ 'حیوان' گھاٹے میں ہے، بلکہ وہ یہ فرماتا ہے کہ 'انسان' گھاٹے میں ہے۔ حیوان تو ترقی کر رہا ہے مگر انسانیت سسک رہی ہے۔

آج لوگوں نے انسانوں کی ترقی کے لیے جو مفروضہ راستے نکال رکھے ہیں وہ حیوانیت کی ترقی کی راہیں ہیں۔ انسان کی کامیابی تو صرف ایمان وعملِ صالح ہی سے ہوسکتی ہے۔ یہی اسلام کا پیغام ہے اور یہی قرآنِ کریم کی ہدایت ہے۔ اور مؤمنین پر باہم اِسی حق کی وصیت کرنے کی ذمہ داری ہے۔

سورۃ العصر --- ﴿ ۳/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ -- مطابق -- ۱۸/نومبر ۲۰۱۲ء، بروز یکشنبہ ﴾ --

---

﴿ ۴/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ -- مطابق -- ۱۹/نومبر ۲۰۱۲ء، بروز دوشنبہ ﴾ --

سورۃ الھمزۃ

سورۃ الھمزۃ ۱۰۴ مکیۃ ۳۲ — آیاتہا ۹ رکوعہا ۱

سورۂ الھمزہ -- ۱۰۴ مکیہ ۳۲ — آیاتہا ۹ -- رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ یہ سورہ 'سورہ القیامہ' کے بعد نازل ہوئی۔ 'سورۂ عصر' میں فرمایا گیا تھا کہ انسان خسارہ میں گھرا ہوا ہے، اب اِس سورۂ مبارک میں شدید خسارہ والوں کے چار اوصاف بیان کیے جارہے ہیں: ۱۔ غیبت کرنا، ۲۔ نیک لوگوں پر طعن وتعریض کرنا، ۳۔ مال کی شدید محبت جس سے بخل وحرص پیدا ہوگئی کہ بس مال جمع کرنے کی دُھن ہے اور ذخیرہ اندوزی سے کام ہے، ۴۔ طولِ اَمل کا جنجال، کہ حصولِ دُنیا کے لیے خوب خوب منصوبے بن رہے ہیں اور سمجھا جارہا ہے کہ مال ہی ہر آفت سے بچائے گا۔ اس لیے ایمانی اور اخلاقی خوبیوں کے حاصل کرنے کی بجائے تمام تر کوشش حصولِ زر کی ہے۔۔۔ یہ بڑی بدبختی اور بہت بڑا خسارہ ہے۔

اِس سورۂ پاک میں ایسے ہی خسارہ کا اور اس خسارہ میں مبتلا لوگوں کا حال اور انجام بتایا گیا ہے کہ ایسا شخص جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا جو حد درجہ مہلک ہے کہ جوڑ جوڑ اور ہڈی ہڈی کو توڑ دے گی مگر پھر بھی موت نہ آئے گی، کہ جہنم میں موت نہیں۔ پھر اُس کو آگ کے لمبے لمبے شعلوں کے بیچ میں رکھ کر جکڑ دیا جائے گا۔۔۔ ایسی کردار ساز، چشم کشا اور درسِ عبرت دینے والی سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیۡ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہٗ ۙ﴿۲﴾

ہلاکی ہے ہر غیبت کرنے والے، طعنہ دینے والے کی● جس نے جمع کیا مال، اور گنتار ہا اُسے●

(ہلاکی ہے) اخنس بن شریق اور ولید بن مغیرہ جیسے (ہر غیبت کرنے والے طعنہ دینے والے کی) جو بطورِ طعن ہاتھ اور آنکھ سے اشارہ کرنے والا ہے۔ اور کسی کے جسم کی قدرتی ساخت کی نقل اُتارتا ہے، اور آواز کی ایسی محاکات کرتا ہے کہ لوگ ہنس پڑیں۔۔۔ الغرض۔۔۔ پیٹھ پیچھے بدگوئی اور غیبت کرتا ہے اور منہ پر طعنہ زنی اور تذلیل کرتا ہے۔ (جس نے) نیکیوں کو جمع کرنے کی بجائے (جمع کیا مال) جسے سینت کر رکھا ہے (اور گنتار ہا اُسے)، اور ہمیشہ اُس کے شمار کو نگاہ میں رکھا اور گاہے بگاہے شمار کرتا رہا۔۔۔

یَحۡسَبُ اَنَّ مَالَہٗۤ اَخۡلَدَہٗ ۚ﴿۳﴾ کَلَّا لَیُنۡۢبَذَنَّ فِی الۡحُطَمَۃِ ۫﴿۴﴾

سمجھتا ہے کہ اُس کا مال ہمیشہ رکھ لے گا اُسے● ہرگز نہیں! یقیناً وہ جھونکا جائے گا حطمہ میں●

(سمجھتا ہے کہ اُس کا مال ہمیشہ رکھ لے گا اُسے) یعنی ہمیشہ اُس کو زندہ رکھے گا دُنیا میں۔ یہ (ہرگز نہیں) ہوگا بلکہ یہ بھی مرے گا اور یہ اتنا بُرا ہے کہ (یقیناً وہ جھونکا جائے گا حطمہ میں) جو جوڑ جوڑ اور ہڈی ہڈی کو توڑ دینے والی آگ ہے۔ اُس میں جو کچھ پڑتا ہے فوراً شکست اور سوخت ہو جاتا ہے۔

وَ مَاۤ اَدۡرٰىکَ مَا الۡحُطَمَۃُ ؕ﴿۵﴾ نَارُ اللّٰہِ الۡمُوۡقَدَۃُ ۙ﴿۶﴾ الَّتِیۡ تَطَّلِعُ عَلَی الۡاَفۡـِٕدَۃِ ؕ﴿۷﴾

اور کیا اٹکل تمہیں کہ کیا ہے حطمہ؟● اللہ کی بھڑکائی آگ ہے● جو چڑھ جائے گی دِلوں پر●

(اور کیا اٹکل تمہیں کہ کیا ہے حطمہ؟) اِس کا علم تو میرے ہی بتانے سے تم کو ہوگا۔ تو سنو! حُطَمَۃُ (اللہ) تعالیٰ (کی بھڑکائی آگ ہے) اور خدا جس کو اپنی قدرت سے جَلائے اُسے کوئی بجھانے والا نہیں۔ یہ آگ وہ ہے (جو چڑھ جائے گی دِلوں پر) یعنی جسم کو جَلاتے ہوئے دِلوں پر غالب ہو جائے گی اور دِلوں کے اندر سما جائے گی۔ اور کافروں کے دِل کے ساتھ اُس آگ کا خاص ہونا اِس جہت سے ہے کہ کافروں کے دِل عقائدِ ناباَستہ اور اخلاقِ ناشائستہ کی جگہ ہیں۔

ع ۱ / ۹ / ۲۹

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ﴿۸﴾ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ﴿۹﴾

بلاشبہ وہ اُن پر بند کر دی گئی ہے● لمبے لمبے کھمبوں میں●

(بلاشبہ وہ اُن پر بند کر دی گئی ہے ● لمبے لمبے کھمبوں میں)۔یعنی اُس آگ کا مکان کافروں پر بند کیا گیا ہے لمبے ستونوں سے، یعنی اُس درکہ کا دروازہ بند کیا ہے اور ستون اَڑا کر مضبوط کر دیا ہے کہ ہر ایک نہ کھول سکے۔اور یہ اشارہ ہے آگ میں اُن کے ہمیشہ رہنے کا۔۔الختصر۔۔یہ لوگ آگ کے لمبے لمبے ستونوں میں رکھ کر جکڑ دیئے جائیں گے۔

۔۔الحاصل۔۔اِس سورۂ مبارکہ نے واضح فرمادیا کہ غیبت، طعن وتعریض، حرص اور بخل، اجتماعی زندگی کے چاؔر مہلک امراض ہیں اور اجتماعی زندگی کی حلاوت دُوؔ باتوں میں ہے:

﴿۱﴾۔۔آپس میں خلوص ومحبت ہو، بغض وعداوت نہ ہو۔

﴿۲﴾۔۔ضرورت کے وقت ایک دوسرے کا تعاون کیا جائے۔

اگر خلوص ومحبت کے بجائے غیبت اور طعن وتعریض ہونے لگتی ہے تو بغض وعداوت کا بیج پڑ جاتا ہے۔اگر باہمی تعاون کے بجائے مطلب پرستی اور خودغرضی آجاتی ہے جس کی سب سے بڑی وجہ حرص اور بخل ہے، تو آدمی سماج کی نظر سے گر جاتا ہے، لوگ نفرت کرنے لگتے ہیں اور معاشرہ میں بدنام ہوجاتا ہے۔اچھے بُرے سب اُس کو بُرا سمجھنے لگتے ہیں کہ بڑا خودغرض اور مطلبی ہے۔اس طرح غیبت اور طعن وتعریض کرنے والوں کی اجتماعی زندگی کانٹوں سے بھری ہے اور نفرتوں اور عداوتوں سے گھری ہے اور یہ لوگ اجتماعی زندگی کی حلاوتوں سے محروم ہیں۔

۔۔۔اختتام سورۃ الھمزۃ۔۔۔ ﴿ ۴؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۹؍نومبر ۲۰۱۲ء، بروز دوشنبہ ﴾ ۔۔

۴؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۱۹؍نومبر ۲۰۱۲ء، بروز دوشنبہ ﴾

سُوْرَةُ الْفِيْلِ

سورۂ الفیل۔۔۱۰۵ مکیہ ۱۹ — آیاتہا ۵۔۔رکوعہا ۱

جولوگ غیبت اور طعنہ زنی کی راہ سے آنحضرت ﷺ کے خلاف سازش کرتے تھے 'سورۂ ہمزہ' میں بتایا کہ اُن کا انجام بہت ہی بڑی خرابی اور جہنم ہے۔اور 'سورۂ فیل' میں ہاتھی

والوں کی سازش کا انجام بتایا جارہا ہے۔اس میں یہ تعلیم ہے کہ جب آپ کی نبوت کے شرف وعظمت کے اہتمام میں ہاتھی والوں کی سازش اتنی ناکام ہوئی، تو آپ کے خلاف کرنے والوں کی سازش کتنی ناکام ہوگی؟ ان کا کیا حشر ہوگا؟ فکر ونظر کے اس مقام سے دیکھوتو اُن دونوں سورتوں میں عجیب عرفان آفریں ربط ہے جس سے بڑی بصیرت ملتی ہے۔

اس سورہ مبارکہ میں رَبُّكَ آپ کا رب بڑا اہم پرزہ ہے اس میں اشارہ ہے کہ اللہ نے ہاتھی والوں کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ آپ کی ربوبیت کے سلسلے میں کیا ہے۔ یہ عظیم حادثہ آپ کی نبوت کا ارہاص ہے یعنی ایک علامت ہے کہ یہ سب آپ کی نبوت کے شرف وعظمت کے اہتمام کے لیے ہے کیونکہ اسی سال آپ عالم قدس سے عالم شہود میں جلوہ افروز ہوئے ہیں گویا یہ سب آپ کی ولادت پاک کی برکت ہی سے ہوا ہے۔ حادثہ فیل حضور انور ﷺ کا ارہاص بھی ہے اور اس میں بیت اللہ شریف کی حرمت وشرف کا بھی اظہار ہے۔

اصحابِ فیل کا مختصراً قصہ یہ ہے کہ ابرھہ جو نجاشی کی طرف سے یمن کا والی تھا اُس نے حج کے موسم میں دیکھا کہ لوگ اطراف وجوانب سے مکہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور معلوم کیا کہ اُن کا مقصد خانہ کعبہ کی زیارت ہے۔ نخوت اور تکبر کی ہَوا اُس کے دماغ میں سمائی، داعیہ کیا کہ خانۂ خدا کے مقابلہ میں ایک گھر بنائے اور حاجیوں کو اُس کی طرف متوجہ کرے۔

صنعا میں سنگِ مرمر سے ایک کلیسا منقش بنایا اور 'قلیس' نام رکھا، اور اُس کے دَرودیوار زَرو جواہر سے مرصع اور مزین کیے اور ملک یمن میں لوگوں کے گروہ کو اُس کے طواف کی تکلیف دی۔ یہ صورت اگرچہ قریش کو شاق تھی مگر صبر کے سوا اُن کو چارہ نہ تھا۔ بنی کنانہ میں سے ایک شخص اُس گھر کی خدمت میں مشغول ہو کر وہاں کا مجاور بنا اور ایک شب موقع پا کر اُس نئے بنائے ہوئے گھر کو غلاظت سے آلودہ کر کے بھاگا۔ یہ خبر شہرہ آفاق ہوئی اور لوگوں کی طبیعت اُس گھر کے طواف سے متنفر ہوئی۔

ابرھہ یہ حال سن کر بہت غصے میں آیا اور لشکر بڑے بڑے قوی اور مہیب ہاتھیوں سمیت جمع کیا اور حرم محترم کو خراب کرنے کے قصد سے مکہ معظمہ کی طرف چلا۔ اُس کے لشکر میں ایک ہاتھی اتنا بڑا تھا جیسے پہاڑ کی چٹان جس کو 'محمود' کہتے تھے۔ اُس ہاتھی کو ابرھہ نے اپنے ساتھ لیا اور اپنا رعب جمانے اور اپنی دہشت پھیلانے کی غرض سے مکہ معظمہ کے گردا گرد قریش کے مواشی لوٹ لیے۔

مکہ معظمہ کے بڑے آدمی اور بزرگ لوگوں نے پہاڑوں پر آڑ پکڑی۔ ابرھہ نے صبح

سویرے سے لشکر مہیا کیا اور ہاتھیوں کو اُبھارا اور سب کو لے کر مکہ معظمہ کی طرف چلا۔ پس محمود ہاتھی نے شہر مکہ کے دیوار کی طرف سے منہ پھیرا اور لشکر گاہ کی طرف منہ کیا۔ یہ ہاتھی بڑا خوش نصیب تھا کہ جب اصحابِ فیل کعبہ ڈھانے کے لیے حدودِ حرم میں داخل ہوئے، تو یہ ہاتھی اَڑ گیا اور کسی طرح قدم نہ اُٹھایا۔ کسی اور طرف لے جاتے تو چلنے لگتا، حدودِ حرم میں لے جانا چاہتے تو زمین تھام لیتا۔ فیلبان نے مار مار کر زخمی بھی کیا مگر اُس نے قدم تک نہ اٹھایا۔

اس میں اللہ کی طرف سے بصیرت دی جا رہی تھی کہ جانور بھی کعبہ کا ادب واحترام کر رہا ہے، پھر انسان ہو کر کعبہ ڈھانے کو چلے تو کتنی بڑی بدبختی ہے؟ لیکن اُن بدبختوں نے کوئی سبق نہیں لیا اور اُس ہاتھی کو چھوڑ کر اپنے ملعون ارادے سے حدودِ حرم میں داخل ہوئے اور فوراً عذابِ الٰہی برسنے لگا۔

اُس کی تفصیل یہ ہے کہ اُن بدنصیبوں نے مکہ معظمہ کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ ابرھہ نے قریش کے پاس خباطہ نامی ایک شخص کو بھیجا کہ قریش کے سردار کو لیتے آؤ اور سنادو کہ ہمارے بادشاہ کا مقصد کعبہ ڈھانا ہے، اہلِ مکہ سے لڑنا نہیں ہے۔ اگر تم لوگوں نے مداخلت نہ کی تو تمہاری جان و مال کو امان ہے۔ اگر مداخلت کی تو نتیجہ دیکھو گے۔

خباطہ قریش کے پاس گیا، معلوم ہوا کہ سردارِ قریش عبدالمطلب ہیں، اُس نے حضرت عبدالمطلب کو ابرھہ کا پیغام سنایا اور ساتھ چلنے کو کہا۔ حضرت عبدالمطلب بے کھٹک ساتھ ہو لیے۔ ابرھہ کے پاس پہنچے تو آپ کے بلند و بالا قد و قامت اور چہرہ کی وجاہت کا اُس پر بڑا اثر پڑا۔ چنانچہ۔ آپ کو اپنے برابر بیٹھایا، عزت کی اور کہا آپ کو کچھ کہنا ہو تو کہیے۔

حضرت عبدالمطلب نے فرمایا کہ "بادشاہ کی فوج نے میرے سَو اونٹ پکڑ لیے ہیں وہ مجھے واپس دیئے جائیں۔" ابرھہ نے کہا کہ تعجب ہے آپ کو اپنے اونٹوں کی فکر ہے لیکن اپنے کعبہ کی فکر نہیں۔ آپ نے فرمایا میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور کعبہ کا جو مالک ہے وہ خود اُس کی حفاظت کرے گا۔ ابرھہ نے اونٹ آپ کے حوالے کر دیے۔

آپ نے واپس آکر قریش سے فرمایا کہ تم لوگوں کو اُس فوج سے مقابلہ کی طاقت نہیں، بہتر ہے کہ بال بچوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جاؤ۔ کعبہ کا مالک کعبہ کی خود حفاظت کرے گا۔ یہ فرما کر کعبہ شریف کے دروازے پر آئے اور اُس کا حلقہ تھام کر کچھ دُعائیں کیں۔ ایک دُعا یہ ہے کہ "الٰہی تیرے بندے اپنے اہل وعیال کو اغیار سے بچاتے ہیں تو اپنے حرم کے مکینوں کی حفاظت فرما۔ صلیب والوں کی صلیب اور اُن کی چالبازی جو ظلم وعدوان ہے

تیری تدبیر پر غالب ہو ہی نہیں سکتی۔" قریش بال بچوں کو لے کر حرا پہاڑ پر چڑھ گئے اور وہاں سے دیکھنے لگے کہ ابرھہ کی فوج کیا کرتی ہے؟ اور کیا ہوتا ہے؟

ہوا یہ کہ جوں ہی فوج آگے بڑھنے لگی آناً فاناً فضا میں چڑیوں کے غول جھنڈ کے جھنڈ نظر آنے لگے۔ چڑیاں کبوتر سے کچھ چھوٹی تھیں۔ سب کے دونوں پنجوں میں اور چونچ میں چنے کے برابر ایک ایک پتھری تھی۔ یہ غول ابرھہ کی فوج پر اُمڈ پڑا اور پنجوں اور چونچ سے فوجیوں پر کنکریاں گرانی شروع کر دیں، جس پر ایک کنکری پڑی بدن توڑ کر باہر ہو گئی۔

بھگدڑ مچ گئی، بظاہر تو یہ چھوٹی چھوٹی پتھریاں تھیں لیکن حقیقت میں عذابِ الٰہی کی مشین گن کی گولیاں تھیں جو فضا سے برس رہی تھیں، اور قدرتِ خداوندی چڑیوں کے پنجوں سے اور چونچ سے برسا رہی تھی، پوری فوج آناً فاناً غارت ہو گئی اور سب تہس نہس ہو گئے۔ صرف وہی لوگ بچے جو محمود ہاتھی کے اَڑ جانے سے سہم گئے اور فوج سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ لیکن چونکہ اپنے ساتھیوں کو سمجھایا نہیں اس لیے اُن کی زندگی مجسم عبرت بن گئی تھی۔ اندھے لنگڑے، لولے ہو گئے تھے۔

اور ابرھہ کا ایک روایت کے مطابق یہ حشر ہوا کہ کنکریوں کے عذاب سے جو بھگدڑ ہوئی اور کعبۂ الٰہی کے دشمن بھگدڑ کی بدحواسی میں پہاڑوں کی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر گرنے لگے اور غاروں میں بھی گر گر پڑے، تو ابرھہ جان بچانے کے لیے بھاگ نکلا اور یمن کی راہ لی۔ یمن پہنچتے پہنچتے سارا بدن مسموم ہو چکا تھا، سڑ کر مر گیا اور تمام یمن والوں کے لیے عبرتِ عظیم بن گیا۔

اور دوسری روایت کے مطابق ابرھہ شکست کھا کے تنہا بھاگا اور نجاشی کے سامنے جا کر گر پڑا۔ چونکہ چڑیوں کی کنکریوں پر ایک ایک کا نام تھا جنہوں نے کعبہ شریف کو خراب کرنے کا ارادہ کیا تھا، تو ابرھہ کو ہلاک کرنے والی اُس کے نام کی کنکری جس چڑیا کے پاس تھی وہ اُسے مارنے کو مکہ سے حبشہ تک اُس کے ساتھ تھی اور نجاشی کے دربار میں ابرھہ کے سر پر وہ چڑیا اُڑتی تھی۔

جب ابرھہ نے کیفیت بیان کی اور نجاشی نے تعجب کی راہ سے پوچھا کہ کیسی چڑیاں تھیں جنہوں نے اِتنے لڑنے والوں کو ہلاک کر ڈالا؟ اُس حال میں ابرھہ کی نظر اُس چڑیا پر پڑی بولا کہ اَے بادشاہ! اُن میں سے ایک چڑیا یہ ہے پس اُسی دم اُس چڑیا نے اُس کے نام کی کنکری اُس کے سر پر چھوڑ دی جو اُس کے بدن کے آر پار ہو گئی۔ اور نجاشی کے دیکھتے

ہی دیکھتے ابرھہ ہلاک ہوگیا اور یہ حال دیکھ کر نجاشی کے دل میں عبرت جم گئی۔ اِسی واقعہ کی طرف اِس سورۂ مبارکہ میں اشارہ ہے۔

ایسی حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے شرف وعظمت کے اہتمام میں ہاتھی والوں کی سازش کی ناکامی کو بیان کرنے والی سورہ مبارکہ کوشروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اَلَمۡ تَرَ کَیۡفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصۡحٰبِ الۡفِیۡلِ ؕ﴿۱﴾ اَلَمۡ یَجۡعَلۡ کَیۡدَہُمۡ

کیا تم نے نہیں دیکھا، کہ کیسا کیا تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ • کیا نہیں کردیا اُن کے

فِیۡ تَضۡلِیۡلٍ ﴿۲﴾ وَّ اَرۡسَلَ عَلَیۡہِمۡ طَیۡرًا اَبَابِیۡلَ ﴿۳﴾ تَرۡمِیۡہِمۡ بِحِجَارَۃٍ

داؤں کو بے اثر • اور چھوڑ دیا اُن پر پرندوں کی ٹکڑیاں • جو پھینکتی تھیں اُن پر

مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ﴿۴﴾ فَجَعَلَہُمۡ کَعَصۡفٍ مَّاۡکُوۡلٍ ﴿۵﴾

کنکر کی کنکریاں • تو کردیا اُنہیں، جیسے کھایا ہوا بھوسہ •

اَے محبوب! (کیا تم نے) اپنی نگاہِ علم وخبر سے (نہیں دیکھا کہ کیسا کیا تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ)، یعنی ابرھہ اور اُس کے لشکر کے ساتھ۔ (کیا نہیں کردیا اُن کے داؤں کو بے اثر)، تو اُن کی سوچ باطل اور کوشش برباد ہوگئی (اور چھوڑ دیا اُن پر پرندوں کی ٹکڑیاں • جو پھینکتی تھیں اُن پر کنکر کی کنکریاں • تو کردیا اُنہیں جیسے کھایا ہوا بھوسہ)۔

اختتام سورہ الفیل ۔۔۔ ﴿ ۴ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۱۹ر نومبر ۲۰۱۲ء، بروز دوشنبہ ﴾ ۔۔

۵ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۲۰ر نومبر ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ ﴾ ۔۔

سُوْرَۃُ قُرَیْش

سورۂ قریش ۔۔ ۱۰۶ مکیہ ۲۹

آیاتہا ۴ ۔۔ رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔'سورۂ قریش' اور'سورۂ فیل' دونوں سورتوں میں اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں۔سورہ فیل میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اُس دشمن کو ہلاک کردیا جو بیت اللہ کو گرانے کے لیے آیا تھا جس کی وجہ سے پوری عرب دُنیا میں اُن کی عزت اور اُن کا وقار تھا۔اور اِس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی ایک اور نعمت یاد دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن میں تجارت کرنے کی رغبت پیدا کی اور موسم سرما اور موسم گرما دونوں میں اُن کو دوسرے شہروں میں تجارت کے لیے سفر کرنے پر تیار کیا جس کی وجہ سے وہ خوشحال ہوگئے۔گرمیوں میں وہ شام کی طرف سفر کرتے تھے اور سردیوں میں وہ یمن کی طرف سفر کرتے تھے۔

اِس سورت کا'سورہ الفیل' کے ساتھ شدید اتصال ہے۔ **لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ** سے پہلے ایک جملہ ہے،جس سے یہ متعلق ہے۔پوری عبارت کی یہ شکل بنتی ہے کہ:"اَھْلَکَ اللّٰہُ اَصْحَابَ الْفِیْلِ لِاِیْلَافِ قُرَیْشٍ" اللہ تعالیٰ نے قریش کو رغبت دلانے کے لیے اصحاب فیل کو ہلاک کردیا۔

یہ مکمل سورت اللہ تعالیٰ کی متعدد نعمتوں کے بیان میں ہے۔اللہ تعالیٰ کی قریش پر نعمت عظمیٰ یہ تھی کہ قریش جو پہلے بکھرے ہوئے تھے اور منتشر تھے اُن کو مجتمع اور متحد کردیا اور اُن میں باہم محبت پیدا کردی،اور ان کو گرمیوں میں شام کی طرف تجارتی سفر پر تیار کیا اور سردیوں میں یمن کی طرف تجارتی سفر پر آمادہ کیا،جس کی وجہ سے اُن کی ضرورتیں پوری ہوگئیں اور وہ خوش حال ہوگئے۔اور اُن کے شہر کو اللہ تعالیٰ نے امن کا گہوارہ بنادیا۔

تو خدا کی نعمتوں کو یاد دلا کر خدا کی عبادت کی طرف مائل کرنے والی اِس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۚ﴿۲﴾ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ

قریش کے دِل کے جھکاؤ کے لیے● اُن میں خواہش ہوجانے کے لیے جاڑے اور گرمی کے سفر کا● اُنہیں چاہیے کہ پوجیں

هٰذَا الْبَيْتِ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

اِس بیت کعبہ کے رب کو• جس نے کھانا دیا اُنہیں بھوک میں۔۔اور امن دیا اُنہیں خوف سے•

(قریش کے دِل کے جھکاؤ کے لیے• اُن میں خواہش ہو جانے کے لیے جاڑے اور گرمی کے سفر کا)، یعنی حق تعالیٰ نے قریش کو رغبت دلائی اُنہیں تجارت کے لیے اور جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کیا، تو (اُنہیں چاہیے کہ) وہ شکر اَدا کریں اور (پوجیں اُس بیت کعبہ کے رب کو• جس نے کھانا دیا اُنہیں بھوک میں) تجارت کے لیے دُوسفروں کی بدولت اور بھوک سے بچایا۔ (اور امن دیا اُنہیں خوف سے)، یعنی اُس حرم محترم کی بدولت اُن کے خوف سے جو مکہ معظمہ کے گرد ہیں اور ایک دوسرے کو لوٹتے مارتے ہیں۔

سورۂ قریش ۔۔۔ ﴿۵؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۰؍نومبر ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ﴾ ۔۔

۵؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۰؍نومبر ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ﴾ ۔۔

سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ

سورۃ الماعون۔۔۔۷۔۱۰ مکیہ ۱۷ — آیاتہا ۷۔۔ رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی سورہ کی آیت ۷ سے ماخوذ ہے۔ اِس سے پہلی سورت 'قریش' میں اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کی مذمت کی تھی جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اَدا نہیں کرتے تھے اور اِس میں اُن لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ 'سورہ القریش' میں اللہ تعالیٰ کا حکم تھا اُس بیت اللہ کے رب کی عبادت کریں، اور اِس سورت میں اُن لوگوں کی مذمت ہے جو سستی اور کاہلی سے نماز پڑھتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کو دی ہوئی نعمتیں بتائیں اور وہ اُس کے باوجود مرنے کے بعد دوبارہ اُٹھنے سے اِنکار کرتے تھے اور آخرت میں جزا اور سزا کا انکار کرتے تھے، اور اِس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے۔ اِس سورت میں نصف اوّل کافروں سے متعلق ہے اور نصف اخیر منافقوں کے باب میں ہے۔

تو اِس سبق آموز اور نفاق سوز سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مومنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ﴿١﴾ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ﴿٢﴾

ذرا بتاؤ تو، کہ جو جھٹلاتا ہے دین کو● پھر وہ ایسا ہے، کہ دھکے دے یتیم کو●

وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿٣﴾

اور نہ اُبھارے مسکین کے کھانا کھلانے پر●

(ذرا بتاؤ تو کہ جو جھٹلاتا ہے دین کو) یعنی روزِ جزا کو۔

یہ ابوجہل تھا جو اپنے قول وفعل سے آخرت کو بڑی شد ومد کے ساتھ جھٹلاتا تھا اور جب کسی یتیم کا وصی ہوتا اور یتیم اپنے مال میں سے کھانا کپڑا مانگتا، تو یہ ظالم اُس یتیم کو مار کر نکال دیتا اور ہمیشہ لوگوں کو خرچ کرنے سے باز رکھتا۔

(پھر وہ) جھٹلانے والا یعنی ابوجہل (ایسا ہے کہ دھکے دے یتیم کو)، یعنی ظلم وجبر کے ساتھ دفع کرے یتیم کو، اور اُس کو ڈانٹ کر بھگادے (اور نہ اُبھارے) یعنی اپنے لوگوں میں سے کسی کو رغبت نہ دے (مسکین کے کھانا کھلانے پر)۔ یعنی نہ تو خود دیتا ہے اور نہ ہی کسی کو دینے کے لیے کہتا ہے۔ بلکہ نیک کام کرنے کو منع کرتا ہے۔۔۔ یہاں تک تو کھلے کافروں کا ذکر تھا اور اب منافقوں کے تعلق سے ارشاد فرما رہا ہے۔۔۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ﴿٤﴾ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿٥﴾

تو ہلاکی ہے اُن نمازیوں کی● جو اپنی نمازوں کو بھول جانے والے ہیں●

(تو) ارشاد ہے کہ (ہلاکی ہے اُن نمازیوں کی) یعنی ابن ابی اور اُس کے یاروں کی (جو اپنی نمازوں کو بھول جانے والے ہیں)، یعنی جو اپنی نماز سے بے خبر ہیں اور غفلت کرنے والے ہیں، یعنی نماز کو شمار میں نہیں لاتے، اور فقط لوگوں کے سامنے ہی نماز ادا کرتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ منافق لوگ تنہائی میں نماز کی پرواہ نہیں کرتے، اور جب مسلمانوں کی صحبت میں پہنچتے ہیں تو تمام شرائط و آداب کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

ع ۱/۷ ۲۲

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

جو دکھاوا کرتے رہتے ہیں● اور مانگنے پر نہیں دیتے، برتنے کی چیز●

(جو دکھاوا کرتے رہتے ہیں) یعنی وہ لوگ ریا کرتے ہیں اپنے کام میں لوگوں کی تعریف کی امید پر (اور مانگنے پر نہیں دیتے برتنے کی چیز) یعنی زکوٰۃ مستحقین کو نہیں دیتے۔

بعض نے کہا **مَاعُوْن** گھر کا اسباب ہے کہ لوگ باہم اُس سے ایک دوسرے کا کام نکالتے ہیں جیسے دیگ، کاسہ، کلہاڑی، بیلچہ اور ڈول، وغیرہ۔ ایک قول یہ ہے کہ **مَاعُوْن** تین چیزیں ہیں کہ انہیں روک رکھنا نہ چاہیے: آگ[۱]، پانی[۲] اور نمک[۳]۔

اختتام سورۃ الماعون ـــ ﴿ ۵ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ ـــ مطابق ـــ ۲۰ رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ ﴾ ـــ

ـــ ﴿ ۵ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ ـــ مطابق ـــ ۲۰ رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ ﴾ ـــ

سورۃ الکوثر ۱۰۸ مکیۃ ۱۵ | آیاتہا ۳ رکوعہا ۱

سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ

سورۃ الکوثر ـــ ۱۰۸ مکیہ ۱۵ — آیاتہا ۳ ـــ رکوعہا ۱

جو کفار حضور کے شدید دشمن تھے وہ اِس کے منتظر رہا کرتے تھے کہ کسی طرح آپ کا نام و نشان مٹے۔ مکہ معظمہ میں جب آپ کے صاحبزادے حضرت قاسم علی ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ السلام کے وصال کے بعد دوسرے صاحبزادے حضرت عبداللہ علی ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا، تو اُن دشمنوں کو بڑی خوشی ہوئی۔۔ چنانچہ۔۔ عاص بن وائل خوشیاں منا منا کر کہنے لگا محمد ﷺ '**اَبْتَر**' ہوگئے، جہاں آنکھیں بند ہوئیں کوئی نام لینے والا بھی نہ ہوگا۔ یہ حالات تھے کہ 'سورۃ کوثر' کا نزول ہوا اور فرمایا گیا کہ اَے محبوب! جو آپ کا دشمن ہے وہی **اَبْتَر** ہے، اُس کا نام ونشان مٹ جائے گا۔

اِس تفصیل سے ظاہر ہے کہ اِس سورۂ پاک کا نزول مکہ معظمہ میں ہوا ہے۔ بعض اربابِ تحقیق کا بیان ہے کہ اِس کا نزول مکہ میں بھی ہوا ہے اور مدینہ میں بھی۔ مکہ کی شانِ نزول اوپر مذکور ہوئی۔ مدینہ کی شانِ نزول یہ ہے آپ کے فرزندِ اصغر حضرت ابراہیم علی ابیہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا تو آپ کے کسی دشمن نے کہا کہ اب تو اِن کی کوئی نرینہ اولاد نہ رہی بس یہ **اَبْتَر** ہوگئے، جہاں آنکھ بند ہوئی نام ونشان مٹا۔ اُس کی تردید میں سورۂ کوثر

نازل ہوئی۔ اِس کے نزول کی تفصیل یہ ہے: حضرت انس کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے درمیان تھے کہ آپ پر غنودگی طاری ہوگئی، پھر آپ نے مسکراتے ہوئے سر اُٹھایا اور فرمایا ابھی مجھ پر ایک سورہ نازل ہوئی، پھر آپ نے 'سورۂ کوثر' تلاوت فرمائی۔ اُس کے بعد فرمایا جانتے ہو کوثر کیا ہے؟ راوی کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے کہا اللہ اور رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ ایک 'نہر' ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ یہ مجھے عطا فرمائے گا، اُس میں خیرِ کثیر ہے۔

یہ ایک حوض بھی ہے، یہاں قیامت کے روز میری امت میرے پاس وارد ہوگی، اُس کے ظروف آسمان کے تاروں کی تعداد میں ہوں گے۔ یہاں آنے والوں میں وہ بندے بھی ہوں گے جن کو گھسیٹ کر دُور کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا "میرے رب یہ میرے امتی ہیں،" اللہ فرمائے گا "آپ کو پتا نہیں کہ آپ کے بعد اِنہوں نے کیا حرکت کی ہے؟"

یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ خدا تو اُن کا حال پہلے ہی سے جانتا تھا، تو اُس کو حوض کے قریب آنے ہی کیوں دیا۔ اِس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اُن کو حوض کے پاس پہنچا کر حاضرین لوگوں میں رسوا اور ذلیل کرنا ہے۔ پہلے آنے دینا پھر گھسیٹ کر کے باہر کردینے میں رسوائی زیادہ ہے، تو یہ لوگ اپنے عقیدہ وعمل کے لحاظ سے ایسے ہی ہوں گے جو اس سلوک کے مستحق ہوں گے۔ اور نبی کریم کا اُن کو امتی کہنا خود اُن پر اُن کی حقیقت کھول کر اُنہیں دکھ پہنچانے کے لیے ہوگا کہ اچھا یہی تھے جن کو دعویٰ تھا کہ وہ میرے امتی ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جو نبی کریم کے سچے امتی ہیں! اُن کے اعضاءِ وضو تو ویسے ہی چمک رہے ہوں گے اور اللہ کے رسول اپنوں کو اُسی چمک دمک سے بخوبی پہچان لیں گے، تو پھر کسی سیاہ رُو کو اپنا امتی سمجھنے کا سوال ہی کہاں رہ جاتا ہے؟

مذکورہ بالا شانِ نزول کے پیش نظر اِس سورہ کو مدنی بھی کہا گیا ہے مگر جمہور اُس کو مکی ہی قرار دیتے ہیں۔ اب اِس کے تعلق سے صاف بات یہی کہی جاسکتی ہے کہ یہ سورہ مکی ہے، اور مدینہ منورہ میں اِس کا نزول جو روایت بالا میں مذکور ہے، وہ عالَم رویا کا نزول ہے، جس کی تصریح خود اُس روایت کے ابتدائی جملوں میں ہے۔ اِس سورہ میں حضورِ اکرم ﷺ کی محبوبیتِ عظمیٰ کا بیان ہے کہ اللہ نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے۔ کوثر جو 'خیرِ کثیر' ہے، جس میں نہرِ کوثر، حوضِ کوثر، بکثرت ذریتِ طاہرہ، نبوتِ عظمیٰ، وحی قرآن وحکمت اور تمام فضائل ہیں۔

'سورۂ ماعون' اور 'سورۂ کوثر' میں یہ ربط ہے کہ 'سورۂ ماعون' میں ابوجہل اور عاص بن وائل جیسے لوگوں کی اخلاقی گراوٹوں پر تنبیہ اور سرزنش کی گئی ہے، اور 'سورۂ کوثر' میں عاص بن وائل جیسے لوگوں کی دریدہ دہنی پر خداوندی سزا کا اعلان کیا گیا ہے کہ دشمن رسول جو رسولِ پاک کو **اَبتر** کہتا ہے وہ خود **اَبتر** ہوجائے گا۔ اُس کا کوئی نام لیوا اور ذکرِ خیر کرنے والا نہ رہ جائے گا۔۔اور۔۔نہ ہی کوئی اچھی یادگار رہے گی۔ غرض 'سورۂ ماعون' میں اُن گستاخوں اور شریروں کے کردار پر سرزنش ہے، اور 'سورۂ کوثر' میں اُن کی گفتار پر سزا ہے۔

اِن دونوں سورتوں میں ایک بڑا علمی ربط یہ بھی ہے کہ 'سورۂ ماعون' میں چار اخلاقی ذمائم کی خرابی بیان کی گئی ہے جو اپنی جگہ بنیادی ہیں اور یہ منکرینِ جزا اور منافقین کے اوصاف ہیں، اور 'سورۂ کوثر' میں اُن کے مقابل چار اخلاقی محاسن اور فضائلِ اعلیٰ کا ذکر ہے جو اپنی جگہ بنیادی ہیں، اور اُن کے سرچشمہ سیدنا محمد ﷺ ہیں۔۔۔تو اُن محاسن وفضائل پر مشتمل سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ **(کے)** جو **(بڑا)** ہی **(مہربان)** ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا **(بخشنے والا)** ہے۔

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَ انۡحَرۡ ؕ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ﴿۳﴾ ع ۱ ۲۲

بے شک دے چکا میں تم کو کوثر● تو نماز پڑھو اپنے رب کی، اور قربانی کرو● بے شک تمہارا گستاخ ہی ابتر ہے●

اَے محبوب! **(بے شک دے چکا)** اور عطا فرما چکا **(میں تم کو کوثر)** ہر ہر کمال کا، خواہ وہ کوثرِ علم وعمل ہو۔۔یا۔۔کوثرِ حسن وجمال ہو۔۔یا۔۔کوثرِ فضل وکمال ہو۔۔یا۔۔کوثرِ جاہ وجلال ہو۔۔یا۔۔کوثرِ جود ونوال ہو، وغیرہ وغیرہ۔ اور جو نعمت آپ کو بعد میں ملنے والی ہے اُس کا ملنا اِتنا ہی قطعی اور یقینی ہے گویا کہ وہ مل چکی اور میں اُسے عطا فرما چکا، جیسے نہرِ کوثر اور حوضِ کوثر اور جنت کی نعمتیں وغیرہ۔۔۔

(تو) اَے محبوب! اِن نعمتوں کے پانے پر تم خدا کا شکر اَدا کرو اور شکرانے کی **(نماز پڑھو اپنے رب کی)**، خاص اُس کی رضامندی کے واسطے **(اور)** خطۂ عرب کے بہترین مال یعنی اونٹ کی **(قربانی کرو)** خدا ہی کی رضا کے لیے۔۔۔ الختصر۔۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد اَدا کرتے رہو اور جان لو کہ۔۔۔

(بے شک تمہارا گستاخ ہی ابتر ہے) یعنی خیر سے منقطع اور بے نسلی اور بے ذریت ہے۔
فی الحال یہ اپنے جن بیٹوں پر ناز کرتا ہے یعنی عمرو بن عاص اور ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ یہ دونوں بیٹے اَے محبوب! تیری غلامی اختیار کرلیں گے، اور تیرے ہی دین کی سربلندی کے لیے جدو جہد کرتے رہیں گے۔ اُس کے برعکس تمہاری ذریت کثیر ہوگی اور شہرت و بزرگی کے اعلیٰ مقام پر ہوگی۔ اُس کی بزرگی کے آثارِ بے شمار، قیامت تک باقی رہیں گے۔

اختتام سورہ الکوثر ۔۔۔ ﴿ ۵رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق ۔۔ ۲۰رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز سہ شنبہ ﴾

۔۔ ﴿ ۶رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق ۔۔ ۲۱رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہارشنبہ ﴾

سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ

سورۃ الکافرون ۔۔۱۰۹ مکیہ ۱۸ — آیاتہا ۶ ۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔ اِس کی شان نزول یہ ہے کہ قریش کے ایک گروہ جیسے ابوجہل، عاص، ولید، اُمیہ، اسود بن عبد یغوث، اور اسد بن عبد المطلب، نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی زبانی رسولِ مقبول ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ ایک سال ہمارے خداؤں کی پرستش کیجیے، تو ہم بھی ایک برس آپ کے خدا کی عبادت کریں۔ جیسے ہی آنحضرت ﷺ کے پاس یہ پیغام پہنچا اُس کے ساتھ ہی حضرت جبرائیل نازل ہوئے اور یہ سورت لائے۔ تو ایسی قولِ فیصل پیش کرنے والی سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں ۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝۱ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝۲ وَلَاۤ اَنْتُمْ

کہہ دو کہ" اَے کافرو! ● نہ پوجوں میں جس کو تم پوجو ● اور نہ تم

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۳﴾ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ﴿۴﴾ وَلَآ اَنْتُمْ

پوجنے والے اُس کے، جس کو میں پوجوں● اور نہ میں پوجنے والا اُس کا، جس کو تم نے پوجا● اور نہ تم

عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ﴿۵﴾ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ﴿۶﴾ ع

ع ۱ / ۳۴

پوجنے والے اُس کے، جس کو میں پوجوں● تمہارے لیے تمہارا اپنا بنایا دستور ہے، اور میرے لیے الٰہی دستور"●

تو اُے محبوب! (کہہ دو کہ اُے کافرو!)، یعنی اُن منکرینِ حق کو کافر کہہ کر خطاب کرو۔

اور یہ خطاب بطورِ سب وشتم نہیں ہے بلکہ اظہارِ امرِ واقعی کے طور پر ہے۔ اور اِس خاص خطاب کے مخاطب صرف وہی لوگ ہیں جنہوں نے حضرت عباس کو اپنا قاصد بنایا تھا اور جن کے تعلق سے اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ یہ لوگ کبھی ایمان نہ لائیں گے۔۔۔

تو اُے کافرو جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ (نہ پوجوں میں جس کو تم پوجو● اور نہ تم پوجنے والے اُس کے جس کو میں پوجوں● اور) مستقبل میں بھی یہی ہوگا کہ (نہ میں پوجنے والا اُس کا جس کو تم نے پوجا● اور نہ تم پوجنے والے اُس کے جس کو میں پوجوں)۔۔ الختصر۔۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے معبود کو پوجنے والے نہیں اس لیے کہ میں معبودِ برحق کا پرستار ہوں، اور تم باطل معبودوں کے پجاری ہو۔ یہ اس لیے ہے کہ ہمارا تمہارا راستہ الگ الگ ہے کیونکہ۔۔۔

(تمہارے لیے تمہارا اپنا بنایا دستور ہے، اور میرے لیے الٰہی دستور)۔ جب تم کفر وشرک کا خود ساختہ دستور جو ہلاکت آفریں بھی ہے کو چھوڑنے کو تیار نہیں، تو میں خدائی دستور سے کیسے رُوگردانی کر سکتا ہوں، اور وہ بھی ایسا پاکیزہ دستورِ دین و دُنیا کی صلاح وفلاح اور نجات وفیروز بختی جس سے وابستہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ قرآن میں اِس سورت سے زیادہ سخت شیطان پر کوئی سورت نہیں، اس واسطے کہ یہ سورت توحید محض ہے اور اس سورت کے پڑھنے کا ثواب چوتھائی قرآن پڑھنے کے ثواب کے برابر ہوتا ہے۔ اِس سے پہلے کی سورہ یعنی 'الکوثر' نے یہ واضح کر دیا تھا کہ آپ کا دشمن اَبْتَر ہے جس کا نام ونشان مٹ جائے گا اور اُس کی طاقت پاش پاش ہو جائے گی، تو اِس کا تقاضہ ہی یہی ہے کہ آپ ایسوں کی پرواہ نہ کریں اور اگر کوئی غلط مصالحت پیش کرے تو اُس کو ٹھکرا دیں۔

تمام سورۃ الکافرون ۔۔۔ ﴿ ۶ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۲۱ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہار شنبہ ﴾ ۔۔

۲ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۱ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہا

سُورَةُ النَّصْرِ

سورۃ النصر ۔۔۱۱۰ مدنیہ ۱۱۴ — آیاتہا ۳ ۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی کی آیت ا سے ماخوذ ہے۔ اِس سے پہلی سورت میں یہ بتایا گیا تھا کہ دینِ اسلام کفار کے دین کے خلاف ہے، اور اِس سورت میں یہ بشارت دی ہے کہ کفار کا دین عنقریب مٹ جائے گا اور نبی کریم ﷺ کو عنقریب بہت بڑی فتح اور بہت بڑی نصرت حاصل ہوگی۔ مکہ مکرمہ فتح ہوجائے گا اور اردگرد کے قبائل فوج درفوج اسلام میں داخل ہوں گے اور اِس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سیدنا محمد ﷺ کا مشن پورا ہورہا ہے اور عنقریب آپ کی وفات ہوجائے گی۔

چونکہ یہ سورت ہجرت کے بعد نازل ہوئی اس لیے اِس سورت کو مدنی سورتوں میں شمار کیا جاتا ہے، تو یہ سورت بالاجماع مدنی ہے اور اس میں فتح مکہ اور مشرکین کے خلاف نبی ﷺ کی نصرت کی طرف اشارہ ہے۔۔۔ تو فتح و نصرت کا مژدہ سنانے والی اِس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ

جب آ گئی اللہ کی مدد اور فتح ● اور دیکھا تم نے لوگوں کو کہ داخل ہورہے ہیں اللہ کے دین میں

اَفْوَاجًا ۝٢ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝٣ ع ۱

فوج فوج ● تو پاکی بولو اپنے رب کی حمد کے ساتھ، اور بخشش چاہو اُس کی۔۔۔ بے شک، وہ توبہ کا بہت قبول فرمانے والا ہے ●

(جب آ گئی اللہ) تعالیٰ (کی مدد اور فتح) اور قبائلِ عرب کے دِلوں میں آنحضرت ﷺ کے تابع ہونے کا جوش عالمِ شباب کو پہنچ گیا۔۔۔ چنانچہ۔۔۔ ہر قبیلے کے لوگ اطراف و اکناف سے آ کر اور

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہونے لگے۔۔۔(اور) اَے محبوب! (دیکھا تم نے لوگوں کو کہ داخل ہورہے ہیں اللہ) تعالیٰ (کے دین میں فوج فوج) یعنی گروہ گروہ، (تو) خدائے کریم کا شکر اَدا کرو اور (پاکی بولو اپنے رب کی حمد کے ساتھ)، یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ کہو۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سورت نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو جب نماز پڑھتے دیکھا تو آپ یہ بھی کہتے تھے "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي"

(اور) ساتھ ہی ساتھ کسرِ نفسی کا مظاہرہ کرو، اور کماحقّہٗ، تنزیہہ و تسبیح اور تحمید و تہلیل نہ کرسکنے پر (بخشش) اور مغفرت (چاہو اُس کی)۔۔۔یا۔۔۔مغفرت طلب کرو امت کے گناہوں کی۔ (بے شک وہ توبہ کا بہت قبول فرمانے والا ہے) صدقِ دِل سے مغفرت چاہنے والوں کی۔

سورۃ النصر۔۔۔ ﴿ ۶ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۱ رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہار شنبہ ﴾۔۔۔

محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۱ رنومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہار شنبہ ﴾۔۔۔

سورۃ اللھب ۱۱۱ مکیۃ ۶ — آیاتہا ۵ رکوعہا ۱

سُوْرَةُ اللَّهَب

سورۃ اللھب۔۔۱۱۱ مکیہ ۶ — آیاتہا ۵۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی سورہ کی آیت ا سے ماخوذ ہے۔ 'سورۂ نصر' میں اسلام کے عہد فتح و کامرانی کا ذکر ہے اور 'سورۂ لہب' میں بے بسی کے زمانہ کا بیان ہے، اِس طرح 'سورۂ نصر' کے بعد 'سورۂ لہب' کی ترتیب عہدِ فتح و کامرانی میں عہدِ بے کسی کی یاد دلاتی ہے، اور یہ چیز شکرِ الٰہی اور یادِ الٰہی کی بڑی زبردست محرک ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہیے کہ عہدِ عروج میں اپنی بے بسی کا زمانہ یاد کرے۔

یہ تصور بہت سے انسانی اور اخلاقی محاسن کا سرچشمہ ہے اور انسان کو فتح و کامرانی کے گھمنڈ سے بچاتا ہے۔ یہ فوائد امت کے لیے ہیں۔ رسول کی شانِ اقدس اِن باتوں سے بالاتر ہے کیونکہ وہ معصوم ہیں، تمام ایمانی واخلاقی محاسن کا مجموعہ ہیں، اور ہر کبر وغرور سے اُن کی ذات منزہ ہے، یہاں کسی انسانی کمزوری کا امکان ہی نہیں۔

اِس سورۂ مبارکہ کی شانِ نزول یہ ہے کہ جب حکمِ خداوندی ہوا کہ اَے محبوب! اپنے

قریبی رشتہ داروں کو شرک وکفر کے انجام سے متنبہ کرو، تو آنحضرت ﷺ نے صفا پہاڑی پر چڑھ کر اُن قبائلِ قریش کو پکارا جو آپ کے قریبی رشتہ دار تھے۔لوگ آگئے تو فرمایا، اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے دامن میں سواروں کا ایک دستہ ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم اِسے مان لوگے؟ لوگوں نے کہاہاں! کیونکہ ہمارا تجربہ یہی ہے کہ آپ ہمیشہ سچ بولے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ سامنے بڑا ہی سخت عذاب ہے۔اِتنا سننا تھا کہ ابولہب بگڑ گیا اور دونوں ہاتھ جھٹکار کر بولا "تیرا ستیاناس ہو کیا اِسی لیے ہمیں جمع کیا۔" اُس کی اِس دریدہ دہنی اور گستاخی پر یہ سورہ پاک نازل ہوئی جس میں اُس کے بُرے انجام کی خبر دی گئی اور اس کی بیوی کی ایذاء دہی کا انجام بھی بیان فرمایا گیا۔

تو نبی کریم کے گستاخوں کے انجام سے باخبر کرنے والی اِس سورہ مبارکہ کو میں شروع کرتا ہوں۔۔۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴿۱﴾ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ ؕ﴿۲﴾

برباد ہوں ابولہب کے دونوں ہاتھ، اور وہ برباد ہو چکا● نہ کام آیا اُس کے اُس کا مال، اور جو کچھ کمایا●

سَیَصۡلٰی نَارًا ذَاتَ لَہَبٍ ۚ﴿۳﴾ وَّ امۡرَاَتُہٗ ؕ حَمَّالَۃَ الۡحَطَبِ ۚ﴿۴﴾

جلد ہی جائے گا شعلہ والی آگ میں● اور اُس کی عورت۔لکڑیوں کا بوجھ اُٹھائے●

فِیۡ جِیۡدِہَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ٪﴿۵﴾ ع ١ ٢٦

اُس کی گردن میں رسّی ہے، کھجور کے چھال کی●

(برباد ہوں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ برباد ہو چکا)، یعنی اُس کی دُنیا و آخرت دونوں ناچیز ہوگئی۔ اِس دُعائے ہلاکت کی تاثیر کو زائل کرنے میں (نہ کام آیا اُس کے اُس کا مال اور جو کچھ کمایا)۔۔۔اِس سے تجارت اور معاملات کے منافع مراد ہیں۔۔۔یعنی جو کچھ اُس کے پاس ہے اور جو دیگر تجارتی منافع اُسے حاصل ہونے والے ہیں اور اُس کی اولاد اور اُس کا جاہ ومنصب کوئی بھی

اُس کو ہلاکت سے بچا نہ سکا۔ یہ تو دُنیا کا معاملہ رہا، عنقریب آخرت میں (جلد ہی جائے گا شعلہ والی آگ میں) وہ بھی (اور اُس کی عورت) بھی، جس کا حال یہ ہے کہ وہ (لکڑیوں کا بوجھ اُٹھائے) ہے، اور (اُس کی گردن میں رسّی ہے کھجور کے چھال کی)۔

ابولہب کی بیوی کا نام ام جمیل تھا جو حرب کی بیٹی تھی۔ اُس کے تعلق سے مختصر قصہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اُس کا گھر رسول اللہ ﷺ کے پڑوس میں تھا۔ وہ دن پھر کانٹے دار لکڑیوں کے بوجھ جمع کرتی اور رات کو لاتی اور رسولِ کریم ﷺ کی راہ میں ڈال دیتی تا کہ دامنِ مبارک میں کانٹا اٹکے۔۔یا۔۔آپ کے پائے نازک میں گڑے۔ اور حضرت نماز کے لیے باہر تشریف لاتے، تو اُن کانٹوں اور تنکوں کو اُٹھاتے اور نرمی کے ساتھ فرماتے کہ یہ کس قسم کی ہمسائیگی ہے، جس کا حق تم میرے ساتھ یہ اَدا کرتے ہو۔

اور بعضوں نے کہا کہ لکڑیاں چننا سخن چینی سے عبارت ہے کہ دو۲ آدمیوں میں خصومت اور عداوت کی آگ لگا دیتی ہے، اور ام جمیل سخن چینی کی عادت رکھتی تھی۔۔یا۔۔جہنم کا ایندھن اُٹھانے والی تھی، اس واسطے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی عداوت کے سبب سے بارِ گناہ اُٹھاتی تھی۔۔اور۔۔بعضوں نے کہا ہے کہ حقیقت میں اپنے واسطے لکڑیاں ڈھوتی تھی جیسا کہ عرب کی عورتوں کا معمول ہے۔ ایک دن لکڑی کا گٹھا پیٹھ پر رکھے تھی تھک گئی، لکڑیوں کی رسی اُس کی گردن میں پڑی تھی، گٹھا کو ایک پتھر پر رکھ دیا کہ ستائے۔ ایک فرشتے کو حکم ہوا اور اُس نے آ کر اُس گٹھے کو پیٹھ کے پیچھے سے پتھر کے نیچے گرا دیا۔ رسّی اُس کے گلے میں رہی اور پھانسی ہوگئی اور وہ کم بخت جہنم کو چل دی۔ اور حق تعالیٰ نے خبر دی کہ اُس کی گردن میں رسّی ہے کھجور کے پوست کی کہ اُس میں لکڑیاں باندھے تھی۔۔۔بعضوں نے کہا کہ دوزخ میں زنجیر مراد ہے کہ قیامت کے دن اُس کی گردن میں باندھ کر کھینچیں گے۔

اختتام سورۃ اللھب۔۔۔ ﴿۶ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ۔۔مطابق۔۔ ۲۱ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز چہار شنبہ﴾۔۔

﴿۷ محرم الحرام ۱۴۳۴ھ۔۔مطابق۔۔ ۲۲ نومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ﴾۔۔

سورۃ الاخلاص ۱۱۲ مکیہ ۲۲ — آیاتہا ۴ — رکوعہا ۱

سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ

سورۃ الاخلاص۔۔۱۱۲ مکیہ ۲۲ — آیاتہا ۴۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کے متعدد نام ہیں۔ تفسیر کبیر میں ۲۰ نام مذکور ہیں۔ اُن میں یہ چار نام بہت مشہور ہیں: ﴿۱﴾۔۔سورۃ الاخلاص۔ ﴿۲﴾۔۔سورۂ قل ھواللہ احد۔ ﴿۳﴾۔۔سورۃ الصمد۔ ﴿۴﴾۔۔سورۃ التوحید۔ اِن میں سے پہلا اور دوسرا نسبتاً زیادہ مشہور ہے۔ 'سورہ لہب' سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ابولہب کا وہ روگ جس کی وجہ سے اس نے نبی کریم کی توہین کی تھی وہ اُس کا شرک ہی تھا، تو 'سورۂ لہب' میں شرک کی مہلک بیماری کا انجام دکھایا گیا ہے، اور 'سورۂ اخلاص' میں شرک کا مکمل علاج ہے اور اِسی لیے اِس کا نام سورۂ اخلاص ہے۔

اخلاص کے معنی ہیں توحید کو خالص بنانا اور ہر طرح کی آمیزش سے بچانا۔ حقیقت میں اِس سورہ پاک سے شرک کی بیماری یک لخت فنا ہو جاتی ہے۔ اِس کی شانِ نزول یہ ہے کہ قریش کے ایک گروہ نے کہا کہ اَے محمد! "صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم" اُس خدا کی صفت بیان کرو جس کی عبادت کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو۔ اور معالم میں ہے کہ یہود کے ایک گروہ نے کہا کہ اَے ابو القاسم! خدا کا وصف بیان کرو تاکہ تم پر ایمان لائیں، اس واسطے کہ ہم نے توریت میں اُس کی صفت لکھی دیکھی ہے اور ہم جانتے ہیں۔ تو ہمیں دیکھنا ہے کہ تمہارا بیان توریت کے مطابق ہے کہ نہیں، تو کہو کہ خدا کیا کھاتا ہے؟ کیا پیتا ہے؟ کس کی میراث اُس نے لی ہے؟ اُس کی میراث کون لے گا؟ تو یہ سورت نازل ہوئی۔

ایسی صفاتِ الٰہی اور اوصافِ خداوندی کو واضح انداز میں پیش کرنے والی سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ لَمْ یَلِدْ ۙ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝۳ وَ

تم کہتے رہو کہ "وہی اللہ ہی یکتا ہے ● اللہ ہی بے نیاز ہے ● نہ بچہ جنا۔۔اور نہ خود جنا گیا ● اور

لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴

نہ اُس کا کوئی کفو ہے" ●

تو اَے محبوب! (تم کہتے رہو کہ وہی اللہ) تعالیٰ (ہی یکتا ہے) اپنی ذات میں اور منفرد ہے

پنی صفات میں۔اور (اللہ) تعالیٰ (ہی بے نیاز ہے) سب سے اور وہ نیاز مندوں کی پناہ ہے۔نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔باقی ہے، کہ ہرگز فنا اور نیست نہ ہوگا۔

ماوردی نے کہا کہ **صمد** وہ ہے کہ جو کچھ چاہے کرے۔عین المعانی میں حضرت امام علی بن موسیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ **صمد** وہ ہے جس کی کیفیت پر اطلاع پانے سے عقلیں ناامید ہوں۔

(نہ بچہ جنا) یعنی نہ پیدا کیا اُس نے کسی کو۔۔۔ یہ یہود کا رَد ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ عزیر علیہ السلام 'اُس کے بیٹے ہیں۔۔نیز۔۔یہ نصاریٰ کا رَد ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم خدا کے بیٹے ہیں۔۔۔(اور نہ خود جنا گیا)۔۔المختصر۔۔وہ نہ والد ہے نہ مولود اور ممکنات کی صفات سے مجرد اور منزہ ہے۔(اور نہ) ہی (اُس کا کوئی کفو ہے) جو اُس کا ہمسر ہو، کیونکہ کوئی شخص اُسی کو بیوی بناتا ہے جو اُس کی کفو ہو اور اُس کی ہم پلہ ہو۔اِس کائنات میں کوئی بھی خدا کا ہم پلہ نہیں تو وہ کسی کو بیوی کیسے بنائے گا۔۔۔اس سے اُن مشرکین کا رَد ہو گیا جو بتوں کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر مانتے ہیں۔

۔۔الحاصل۔۔'سورۂ اخلاص' انسان کو ہر طرح کے شرک، بت پرستی، تثلیث، نظریہ اہرمن، اور فلاسفہ کے مشرکانہ خرافات، سے نکال کر توحید کو کس بلندی پر پہنچاتی ہے اور کیسا خالص موحد اور حقیقی خداپرست بناتی ہے، اِسی لیے اِس کا نام 'سورۂ اخلاص' اور 'سورۂ توحید' بھی ہے۔اِس کی تعلیم وہدایت نے تمام دُنیا پر بہت ہی بڑا احسان کیا کہ مشرکانہ خرافات اور توہم پرستیاں جو خداشناسی اور خودشناسی کی راہ میں خلیجِ اعظم ہیں، اُن کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب کا استیصال فرما کر انسان کو خداشناس اور خودشناس بنادیا۔

سورۃ الاخلاص ۔۔۔ ﴿ ۷ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۲ر نومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ ﴾ ۔۔

۷ر محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔مطابق۔۔ ۲۲ر نومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ ﴾ ۔۔

سُوْرَۃُ الفَلَق

سورۃ الفلق ۔۔۱۱۳ ۔۔مدنیہ ۲۰ | آیاتہا ۵ ۔۔رکوعہا ۱

اِس سورہ کا نام اِسی کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک یہودی تھا لبید ابن اعصم، اُس نے اور اُس کی لڑکیوں نے مل کر حضور ﷺ پر جادو کیا تھا۔

جادو خطرناک تھا مگر حضور کا بال بیکا نہ ہوسکا، صرف اتنی بات ہوئی کہ آپ بیمار سے ہو گئے، جس پر 'سورہ الفلق' اور 'سورہ الناس' کا ایک ساتھ نزول ہوا۔

اللہ نے آپ کو اطلاع دی کہ لبید اور اُس کی لڑکیوں نے آپ پر جادو کیا ہے، اور یہ عمل آپ کی داڑھی کے بالوں اور کنگھی کے دندانوں پر کیا ہے، اور یہ سب چیزیں کھجور کے گابھے کے بنے ہوئے ڈھکن میں رکھ کر بنی زریق کے کنویں میں ڈال دی گئی ہیں۔ مسند عبد بن حمید میں یہ تفصیل ہے کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھیج کر یہ چیزیں منگوائیں۔ اُن میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں۔ حضور نے فرمایا کہ اِن سورتوں کی ایک ایک آیت پڑھتے جاؤ اور گرہ کھولتے جاؤ۔ دونوں سورتوں میں مجموعی آیتیں گیارہ ہیں۔ حضرت علی نے تعمیل کی اور جادو کا اثر بالکل ختم ہو گیا۔

بعض روایتوں میں یہ تفصیل بھی ہے کہ اُن سامانوں میں ایک تانت بھی تھی جس میں گیارہ گرہیں لگی ہوئی تھیں اور اُن میں سوئیاں چبھوئی گئی تھیں۔ اِس مقام پر یہ ذہن نشین رہے کہ حضور پر جادو کا اثر ایسا نہیں پڑا تھا کہ ہوش وحواس متاثر ہو جاتے، محض اتنا اثر پڑا تھا کہ آپ بیمار سے ہو گئے تھے۔ اُس سے فریضۂ نبوت کی ادائیگی میں کسی طرح کا کوئی خلل نہیں پڑا تھا۔ کفار از راہِ طنز جو رسولِ کریم کو مسحور کہتے تھے، اُس سے مراد ایسا سحر زدہ ہے جو سحر کے اثر سے عقل و ہوش کھو دے اور مجنون ہو جائے، اور اِس طرح کے سحر کا اثر نبی کریم پر کبھی نہیں ہو سکتا۔

اوپر نبی کریم پر جس سحر کا ذکر ہے اُس کا اثر نبی کی ذات پر اُس نوعیت کا نہیں پڑا جس سے نبی اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھیں۔ اب جو لوگ اِس بات کے قائل ہیں کہ نبی پر جادو کا اثر ہو ہی نہیں سکتا، اُن کی مراد اگر یہ ہے کہ ایسا اثر جو نبی کو مجنون بنا دے تو بات بالکل صحیح ہے۔ اور اس کو مان لینے کی صورت میں بھی اِس بات کو ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نبی پر بھی جادو کا ہلکا اثر ہو سکتا ہے، ایسا اثر جو نبی کو مجنون و مفتور العقل نہ بنا دے۔

سابق سورہ یعنی 'سورۃ اخلاص' سے اِس کا ربط یہ ہے کہ 'سورہ اخلاص' میں جو حقائق مضمر ہیں اُن میں سے ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی سے رشتہ ناتہ نہیں، کیونکہ نہ کوئی اُس کی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ جب اللہ کا کسی سے رشتہ نہیں تو ہم کو اُس سے کس قسم کا تعلق ہے؟ اِس کا جواب 'سورہ فلق' اور 'سورۂ ناس' میں ہے جو ایک ساتھ نازل ہوئی ہیں، کہ یہ تعلق ربوبیت اور چارہ سازی کا ہے۔ وہی سب کا رب ہے، اور وہی سب کا

چارہ ساز ہے۔اور ظاہر ہے کہ ربوبیت کا تعلق خون کے رشتے سے کہیں زیادہ محکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہر ہر لحہ ہماری پرورش کررہی ہے، اور اِس طرح کہ ہر حالت کی رعایت ہے اور ہر ضرورت کالحاظ ہے۔کیا خون کے رشتے میں ایسی پرورش کا تصور بھی کیا جاسکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ کی چارہ سازی اور بیکس نوازی کو ظاہر فرمانے والی اِس سورۂ مبارکہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ① مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ②

دُعا کرو کہ "پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی ● اُس کی مخلوق کے شر سے ●

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ③ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ④

اور اندھیرا کرنے والے کے شر سے، جب چھپ گیا ● اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے ●

ع ۱ ۵ ۲۸ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ⑤

اور حسد کرنے والے کے شر سے، جب اُس نے حسد کیا" ●

تو اَے محبوب! **(دُعا کرو کہ پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی ● اُس کی مخلوق کے شر سے)**، یعنی میں صبح کے پیدا کرنے والے کی پناہ لیتا ہوں، کیونکہ جو ذات رات کے اُس شدید اندھیرے کو اِس جہاں سے زائل کرنے پر قادر ہے۔وہ ذات پناہ طلب کرنے والے سے اُس چیز کو زائل کرنے پر قادر ہے جس سے وہ ڈر رہا ہے اور خوفزدہ ہے۔

ویسے بھی صبح کا وقت بہت سعادت اور استجابت کا وقت ہے۔اُس وقت رات اور دن کے فرشتے جمع ہوتے ہیں اس لیے اُس وقت پناہ طلب کرنے والے کی قبولیت زیادہ متوقع ہے۔۔نیز۔۔یہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دُعا کرنے اور استغفار کرنے کا وقت ہے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرنے کے بہت مناسب ہے۔آخر کس چیز سے پناہ؟ اُس کی بنائی

ہوئی ہر چیز کے شر سے جیسے موذی آدمی، جن، درندے، وحشی جانور اور سانپ بچھو وغیرہ کے شر سے۔۔۔

(اور اندھیرا کرنے والے کے شر سے جب چھپ گیا) یعنی آفتاب کے شر سے جب وہ غروب کرے جب کہ اندھیری رات اپنی تاریکیوں کے ساتھ آجاتی ہے۔ **(اور گرہوں میں پھونک مارنے والیوں کے شر سے)** یعنی اُن عورتوں کے شر سے جو جادو کے کلمے کہتی ہیں اور پھونکتی ہیں گرہوں میں۔۔۔

اِس سے لبید بن اعصم یہودی کی بیٹیاں مراد ہیں۔ گو آیت کا نزول اُنہیں کے تعلق سے ہوا تھا لیکن عمومِ لفظ کے لحاظ سے ہر ایسی ذات مراد ہے جو جادو کرتی ہو اور اس کے لیے پھونک مارتی ہو، وہ عورت ہو۔۔یا۔۔ مرد۔ چونکہ عورتیں اِس کام میں زیادہ حصہ لیتی ہیں خواہ خود جادو کریں۔۔یا۔۔ کسی سے کرائیں۔ عہدِ رسالت میں لبید کی لڑکیوں ہی نے یہ حرکت کی تھی۔۔ الغرض۔۔ حق تعالیٰ ہم کو اُن سب کے شر سے بچائے۔۔۔

(اور) خاص طور پر **(حسد کرنے والے کے شر سے)** محفوظ رکھے **(جب)** کہ **(اُس نے حسد کیا)**، یعنی اُس کے موافق عمل کیا اس واسطے کہ اگر چھپائے تو وہ خود اپنے حسد کے ضرر کا شکار ہو جائے۔

اِس سے یہود مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ پر حسد رکھتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اِس سورت میں جن جن بُرائیوں کا ذکر فرمایا ہے، اُس میں 'حسد' کے ذکر پر اِس سورت کو تمام فرمایا ہے، کیونکہ یہ ذکر کردہ صفات میں سب سے بُری صفت ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اگر 'حسد' کی بُرائی سے زیادہ بُری چیز عالم میں ہوتی تو یہ سورت اُس پر ختم ہوتی۔ پہلی خطا جو آسمان پر ابلیس سے ہوئی، وہ حضرت آدم علیہ السلام پر ابلیس کا حسد تھا۔ اور پہلا گناہ جو زمین پر صادر ہوا وہ ہابیل پر قابیل کا حسد تھا۔

سورۃ الفلق ۔۔۔ ۷ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۲۲ رنومبر ۲۰۱۲ء

---

۷ رمحرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۲۲ رنومبر ۲۰۱۲ء

سورۃ الناس

سورۃ الناس ۔۔ ۱۱۴ مدنیہ ۲۱ — آیاتہا ۶ ۔۔ رکوعہا ۱

اِس سورۂ مبارکہ میں پانچ مرتبہ **النَّاس** کا لفظ ہے اور ہر جگہ **النَّاس** سے مراد الگ الگ ہے جیسا کہ انشاء المولیٰ تعالیٰ اِس کا ذکر آگے آئے گا۔ اِس کی شانِ نزول وہی ہے جو سورۂ فلق کی ہے۔ اپنی سابق سورہ سے اِس کا ربط بالکل ظاہر ہے کہ دونوں میں اللہ سے پناہ مانگنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ اِسی لیے دونوں کو مُعَوِّذَتَیْن کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ مُعَوِّذَتَیْن میں واؤ کو کسرہ ہے فتحہ نہیں، یعنی زیر ہے زبر نہیں۔ دونوں سورتیں ایک ساتھ نازل ہوئیں۔ اِس سورۂ پاک میں تعلیم دی گئی ہے کہ:

﴿۱﴾۔۔شیطانی وسوسے کے شر سے اور بُرے خیالات سے اللہ کی پناہ مانگو۔

﴿۲﴾۔۔انسان کے دِل میں جو شیطانی وسوسے آتے ہیں اُن کے محرک جناتی اور انسانی دونوں قسم کے شیطان ہیں۔

﴿۳﴾۔۔شیطانی وسوسہ سے اللہ کی پناہ لینے کے لیے اللہ کو ان تین ناموں سے یاد کرو۔ پہلا **رَبِّ النَّاس** یعنی تمام انسانوں کا رب۔ دوسرا **مَلِكِ النَّاس**، یعنی تمام انسانوں کا بادشاہ، تیسرا **اِلٰهِ النَّاس**، یعنی تمام انسانوں کا معبود۔

'سورۂ فلق' میں تمام مخلوقات کے شر سے بچنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، اس لیے یہ سورتِ پاک تمام دینی اور دُنیوی مضرتوں سے بچنے کے لیے جامع استعاذہ ہے۔ اور 'سورہ النّاس' میں سینہ کو شیطانی وسوسہ اور بُرے خیالات سے بچانے کے لیے اللہ کی پناہ میں آنے کا طریقہ بتایا گیا ہے، اس لیے یہ سورۂ پاک تمام دینی اور دُنیوی مضرتوں سے بچنے کے لیے مرکزی استعاذہ ہے، کہ جب بُرے خیالات ہی دینی اور دُنیوی مفاسد کے محرک اور ہر بُرائی کا سرچشمہ اور مرکز ہیں تو اُس سے بچنے کے لیے جو استعاذہ ہے وہ مرکزی اور بنیادی ہے۔

تمام ہدایات مل جانے کے بعد آخری بات یہی ہے کہ دِل اور سینہ کی حفاظت کرو۔ سینہ پاک ہے تو زندگی میں نکھار ہے نہیں تو زندگی میں پاکیزگی آہی نہیں سکتی۔ سینہ کیسے پاک ہو؟ خیالات کو پاکیزہ بناؤ، سب کچھ کرنے کے بعد اِس راہ میں آخری کام یہی ہے کہ اللہ سے دُعا مانگو کہ الٰہی، ہمارے سینہ کو شیطانی وسوسہ اور بُرے خیالات سے پاک کردے۔

حیاتِ بشری کا جو بہترین نظام ہوسکتا ہے اُس کا آخری باب یہی ہے۔ اسی لیے 'سورہ النّاس' جو اس قسم کی بہترین دُعا ہے قرآن مجید کی آخری سورہ ہے، اور اسی پر قرآن مجید کا اختتام ہوا ہے۔۔۔ اِس مرکزی اور بنیادی استعاذہ کو شروع کرتا ہوں میں۔۔۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نام سے اللہ کے بڑا مہربان بخشنے والا

(نام سے اللہ) تعالیٰ (کے) جو (بڑا) ہی (مہربان) ہے اپنے سارے بندوں پر اور مؤمنین کی خطاؤں کا (بخشنے والا) ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳

دُعا کرو کہ "پناہ لی میں نے سب لوگوں کے رب ● سب کے بادشاہ ● ہر ایک کے معبود کی ●

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝۴ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ

وسوسہ ڈالنے والے۔۔دبک جانے والے کے شر سے ● جو وسوسہ ڈالتا ہے

صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝۶

لوگوں کے سینوں میں ● جن وانسان سے" ●

(دُعا کرو کہ پناہ لی میں نے سب لوگوں کے رب)، بالخصوص بچوں کے رب۔۔ربوبیت کے معنی یعنی پرورش اُس پر دلالت کرتی ہے۔۔(سب کے بادشاہ)، بالخصوص جوانوں کے بادشاہ۔۔۔ اُس کی طرف لفظ **مَلِك** اشارہ کرتا ہے کہ قہر اور سیاست کی دلیل ہے اور یہ جوانوں پر ہوتی ہے۔۔۔ (ہر ایک کے معبود کی) بالخصوص بوڑھوں کے، اور **اِلٰہ** کا اسم کہ آگاہ کرنے والا ہے طاعت اور عبادت سے اس کے مناسب ہے کہ بوڑھاپا عبادت کرنے کا وقت ہے۔۔الحاصل۔۔میں نے پناہ لی اللہ تعالیٰ کی (وسوسہ ڈالنے والے) جس وقت بندہ یادِ الٰہی سے غافل ہو، اور (دبک جانے والے) جب بندہ ذکرِ الٰہی کرنے لگے، (کے شر سے ● جو وسوسہ ڈالتا ہے) نیک (لوگوں کے سینوں میں ● جن) (و) ر مفسد (انسان سے)۔

یہ اللہ کا بہت بڑا کرم ہے کہ دِل میں وسوسہ ڈالنے والا پیچھے ہٹنے پر مجبور بھی ہوتا ہے، اِسی لیے قرآن وسوسہ ڈالنے والے کو **اَلْخَنَّاس** کہتا ہے جس کے معنی ہیں، "پیچھے ہٹنے کا خوگر۔" یہ کس طرح پیچھے ہٹتا ہے؟ اللہ کو یاد کرو اور اُس کے ذکر میں لگ جاؤ، اِتنا کرو تو وہ پیچھے ہٹ جائے گا۔

حدیث پاک میں ہے کہ "جیسے چڑھیا بیٹھتی ہے اُسی طرح شیطان آدمی کے دِل پر

بیٹھتا ہے۔ آدمی جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے، اور غافل رہتا ہے تو وسوسہ پیدا کرتا ہے"۔۔۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ دِل میں بُرا خیال ڈالنا شیطان کا کام ہے، لیکن یہ شیطان ہے کون؟ قرآن مجید فرماتا ہے کہ یہ جناتی شیطان بھی ہے اور بشری شیطان بھی۔ بشری شیطان اپنی گفتگو اور تحریر وغیرہ سے دِلوں میں ناپاک خیالات پیدا کیا کرتے ہیں۔ اِس کے بہت سے شعبے ہیں۔۔ مثلاً: ملحدانہ لٹریچر، فحش مضامین، عریاں تصاویر، کردار واخلاق کو بگاڑنے والے ناول، افسانے اور رسالے، عقائد سے برگشتہ کرنے والی جادو کلامی، پیٹ اور روٹی وغیرہ کا مسئلہ رکھ کر ایمان سے محروم کردینے والی سحر بیانی، زنا، شراب، اور رقص و سرور وغیرہ کی ترغیبات، اور نفسانی ہیجان پیدا کرنے والے ٹیلی ویژن، فوٹو وغیرہ وغیرہ۔

اختتام سورہ الناس ۔۔۔ ﴿ ۷/محرم الحرام ۱۴۳۴ھ ۔۔ مطابق ۔۔ ۲۲/نومبر ۲۰۱۲ء، بروز پنجشنبہ ﴾ ۔۔

تعالیٰ سارے مؤمنین ومؤمنات اور مسلمین ومسلمات
کو ہر طرح کے شیاطین کے شر سے محفوظ رکھے۔

یَامُجِیْبَ السَّائِلِیْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَ یٰسٓ، بِحَقِّ نٓ وصٓ، بِحَقِّ یَابُدُّوْحُ
بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

حَامِداً وَمُصَلِّیاً وَمُبَسمِلاً

تھدیۃ

﴿۱﴾۔۔ والدِ محترم، مخدوم الملت ابوالمحامد سید محمد اشرفی جیلانی محدث اعظم ہند قدس سرہ العزیز۔۔ کے نام۔

﴿۲﴾۔۔ والدۂ محترمہ، سیدہ فاطمہ خاتون بنت سلطان العرفاء، فرزندِ اکبر شبیہ غوث الثقلین، مولانا سید احمد اشرف علیہم الرحمۃ والرضوان۔۔ کے نام۔۔ جن کی جاندار تعلیم وتربیت نے اِس خدمت کے لائق بنایا۔

﴿۳﴾۔۔ پیرومرشد، پروردۂ چہار محبوباں، ابوالمسعود سید مختار اشرف اشرفی جیلانی، سجادہ نشین سرکارِ کلاں قدس سرہ العزیز۔۔ کے نام۔۔ جن کی نیک دُعاؤں اور روحانی تصرفات کا یہ ثمرہ ہے۔

﴿۴﴾۔۔ اپنی اہلیہ مرحومہ سیدہ شمیمہ خاتون۔۔ کے نام۔۔ تفسیرِ اشرفی کی تکمیل اُن کے دل کی ایسی تمنا تھی کہ اپنے انتقال سے ۲ دوروز پہلے میرے پاس پیغام بھیجا کہ "مولانا سے کہہ دو کہ میری فکر نہ کریں اور ذہن کی یکسوئی کے ساتھ تفسیرِ اشرفی کی تکمیل کی کوشش میں لگے رہیں، انشاء اللہ تعالیٰ میں تو اچھی ہو ہی جاؤں گی" ۲ دوروز کے بعد مجھ پر ظاہر ہوا کہ اُس اچھے ہونے کا مطلب کیا تھا۔

بارگاہِ خداوند کریم میں دُعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ اِس تفسیر کو سب کے لیے فیض بخش بنائے، اور اِس خاکسار کے لیے توشۂ آخرت قرار دے۔ اور اُن سب کے لیے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے اور اُن کے سارے اصول وفروع، آباء واجداد، اولاد وبنات، خواہران وبرادران، اساتذہ ومشائخ اور اعزہ واقارب کے لیے صدقۂ جاریہ بنادے۔

فقط
۔۔ طالبِ دُعا ۔۔

محمد مدنی اشرفی جیلانی

فقیر اشرفی، گدائے جیلانی ابوالحمزہ **محمد مدنی** اشرفی جیلانی غفرلہ

حامداً و مصلیاً و مبسملاً

اِظہارِ تشکر

رب تعالیٰ کا احسان ہے کہ قرآنِ مجید و فرقانِ حمید کی تفسیر بنام 'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیرِ اشرفی' جس کا آغاز ﴿۸؍رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ۔۔مطابق۔۔۱۳؍اکتوبر ۲۰۰۵ء﴾ کو دوسرے پارے سے کیا گیا تھا، پارہ پارہ کرکے آج توفیقِ الٰہی سے اختتام کو پہنچی۔ الحمد للہ! والدِ بزرگوار مخدوم الملت حضور محدثِ اعظم قدس سرہ کے تفسیر شدہ پہلے پارے کے ساتھ، تین تین پارے فی جلد کر کے اب تک نو جلدیں شائع بھی ہو چکی ہیں اور اب انشاء اللہ دسویں جلد طباعت کے لیے تیار ہے۔ تفسیر قلمبند ہونے کے ساتھ ساتھ بغیر کسی رکاوٹ کے نہایت ہی احسن طریقے سے اشاعتی مراحل سے بھی گزرتی رہی، یہ توفیقِ الٰہی اور اُن بزرگانِ دین واحباب، جنہوں نے مجھے اپنی دُعاؤں میں یاد رکھا، کی دُعاؤں کا ثمرہ ہے، جس کے لیے رب تبارک وتعالیٰ کا جتنا بھی شکر اَدا کیا جائے کم ہے کہ اُس نے اپنے نبی محترم ورسولِ مکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہء جلیلہ کے طفیل مجھ فقیرِ اشرفی وگدائے جیلانی کو اپنی کتاب، قرآنِ کریم کی خدمت کی یہ عظیم سعادت بخشی۔ تفسیرِ ھٰذا کی اشاعت وطباعت کے سلسلے میں جن احباب واصحابِ علم وفن کی خدمات بہ استقامت شاملِ حال رہیں اُن کو بھی ہدیہ تشکر پیش کرنا ضروری ہے۔

دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق متنِ تفسیر کی کمپوزنگ، صفحات میں بذریعہء کمپیوٹر عربی اردو عبارت کو خوبصورتی سے رکھنا اور سرِ ورق کی تزئین وغیرہ کے لیے منصور احمد اشرفی سلمہ (نیویارک، امریکہ) کی انتھک محنت قابلِ صد ستائش ہے کہ امریکہ میں پیدائش اور اردو زبان سے ناواقفیت کے باوجود اِس اہم کام کو پایہء تکمیل تک پہنچایا۔ ۱۴ سال کی عمر میں پہلے پارے کی تفسیر اور پھر ۱۸ سال کی عمر میں دوسرے پارے سے لے کر اختتام تک یہ محنت امریکہ میں اپنی تعلیم وغیرہ کے ساتھ ساتھ جاری رکھنا، قرآن، صاحبِ قرآن اور اپنے شیخِ طریقت سے محبت کا بھرپور ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ منصور احمد اشرفی

سلمہ کو جزائے خیر اور دین و دُنیا کی کامیابی و کامرانی عطا فرمائے اور دینِ متین کی بیش از بیش خدمت کی توفیقِ رفیق مرحمت فرمائے۔

کسی بھی کتاب کی کتابت اور خاص طور پر دورِ حاضر میں ہونے والی کمپوزنگ کو جب تک عمیق نظروں سے نہ گزارا جائے وافر مقدار میں اغلاط کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ عام طور پر تقریباً ہر کتاب میں اور خاص طور پر کتب تفاسیر میں یہ مرحلہ نہایت نازک اور غور طلب ہوتا ہے۔ علامہ مفتی محمد ایوب صاحب اشرفی (بولٹن، برطانیہ) نے اپنی مسجد و مدرسہ کی مصروفیات سے اپنا قیمتی وقت نکال کر جب کئی مرتبہ کے پروف شدہ متنِ تفسیر کا عالمانہ ومحققانہ انداز میں بالاستیعاب جائزہ لیا تو تفسیر کی کمپوزنگ کو اغلاط سے حتی الامکان پاک صاف فرمادیا۔ مولانا محمد ایوب صاحب اشرفی کی محنت کو تفسیرِ اشرفی سے کبھی جدا نہیں کیا جاسکتا۔ آپ دل کی گہرائیوں سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وفضل میں ترقی عطا فرمائے۔

کتاب کو تمام تر مراحل سے گزار کر طباعت کے مرحلے کے لیے تیار کردینے کے باوجود اگر اس آخری مرحلے میں ذرا سی بھی فروگزاشت روا رکھی جائے تو ایک خوبصورت کتاب قاری کے ہاتھ میں نہیں پہنچ پاتی۔ امریکہ سے تفسیری جلد پر کام مکمل ہو کر سی ڈی کی صورت میں جب سید شوکت علی صاحب اشرفی (کرجن، گجرات) کو موصول ہوتا تھا تو آپ اپنی بالغ نظری، کفایت شعاری، کاغذ کے چناؤ، پرنٹرز کی دیکھ بھال سے اور اپنے معاونین، مولانا ساجد اشرفی، مولانا عبدالرزاق اشرفی، جناب خالد اشرفی اور دوسرے احباب کو اُن کی صلاحیتوں کے مطابق کام بانٹ کر چند ہی دنوں میں ایک خوبصورت مجلد کتاب سامنے لاتے رہے۔ تفسیر اشرفی کی طباعت وغیرہ کے تعلق سے ہندوستان میں آپ کی اور آپ کے معاونین کی خدمات قابلِ تحسین اور شکریہ کے لائق ہیں جو ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے تمام مذکورہ وغیر مذکورہ معاونین کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔

رہ گئے برادرِ طریقت محمد مسعود احمد سہروردی اشرفی سلمہ، تو انہیں تفسیرِ ھٰذا کی خدمت کے کس ایک مرحلے میں رکھا جائے، اِس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ لہٰذا مجموعی طور پر یوں کہیے کہ اِس تفسیرِ قرآن کے محرک وہی ہیں۔ کس کام کو کس انداز میں کرنا ہے اور کس سے کیا کام لینا ہے، یہ فن انہی کا حصہ ہے۔ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ کام لینا اور کرنا اُن کی طبیعتِ ثانیہ اور دین کے کام کاج کے دوران

آرام سے نہ بیٹھنا اُن کی عادت ہے۔ تفسیرِ قرآن کے تعلق سے ہمارا کام تو پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا مگر اُن کا کام ابھی جاری ہے کیونکہ وہ معارف القرآن اور تفسیرِ اشرفی کو انگریزی زبان میں لانے کے خواہشمند ہیں۔ اللہ رب العزت اُن کی صحت اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ اِس محنت کو اُن کے لیے، اُن کے اہل خانہ اور اہلِ خاندان کے لیے توشۂ آخرت بنائے۔

جب اظہارِ تشکر کی بات آتی ہے تو تمامی احباب جنہوں نے کسی بھی انداز میں تفسیرِ ھٰذا کی خدمت انجام دی، چاہے وہ تکمیلِ تفسیر اور میری صحت کے لیے دُعا ہی ہو، کا ذکرِ خیر ضروری ہے۔ لہٰذا اِسی جلد میں "عرضِ ناشر" کے تحت جن احباب واصحاب کو فرداً فرداً یاد کر کے اُن کو خراجِ تحسین پیش کیا گیا ہے میں اُن سب کا نا صرف شکر گزار ہوں بلکہ اُن جمیع معاونین کے لیے صمیمِ قلب سے بدستِ دُعا ہوں کہ مولیٰ کریم اُن سب کو صحت وعافیت سے رکھے اور آخرت میں اجرِ عظیم سے سرفراز فرمائے۔ آمین!

فقط

-- طالبِ دُعا --

فقیر اشرفی، گدائے جیلانی ابوالحمزہ **محمد مدنی** اشرفی جیلانی غفرلہ

تشریحِ لغات

--- ﴿۱﴾ ---

اِتباع: پیروی۔
اَثنائے راہ: راستے میں جاتے ہوئے، منزل کی جانب۔۔ سفر کے دوران۔
اِجتناب: کنارہ کشی۔۔علیحدگی۔۔پرہیز۔
اَجداد (جد کی جمع)**:** باپ دادا۔۔پرکھے۔
اَجرام (جرم کی جمع)**:** ستاروں اور جواہرات کے جسم۔
اَجل: موت۔۔مرگ۔۔قضا۔
اِجمالی: مختصر۔۔سرسری۔
اَحبار و رہبان: یہودیوں اور نصرانیوں کے علماء۔
اِحتراز: پرہیز۔۔کنارہ کشی۔۔علیحدگی۔
اِخفاء: پوشیدہ کرنا۔۔چھپانا۔
اِدراک: عقل۔۔فہم۔۔رسائی۔
اِذن: اجازت۔
اِرتباط: ربط۔۔تعلق۔
اِرتکاب (کوئی غلط یا ناجائز)**:** کام کرنا۔
اِزدیادِ نعمت: نعمت کی زیادتی اور کثرت۔
اِستجابت: التجا کو سننا اور قبول کرنا۔
اِستحضار: یاد۔۔یادداشت۔
استحقاق: مستحق ہونا۔۔سزاوار ہونا۔
استدعا: خواہش۔۔درخواست۔۔التجا۔
استعاذہ: پناہ چاہنا۔۔پناہ حاصل کرنا۔
استعارہ: علم بیان کی اصطلاح میں مجاز کی ایک قسم جس میں کسی لفظ کے مجازی اور حقیقی معنی کے درمیان تشبیہ کا علاقہ ہوتا ہے اور بغیر حروفِ تشبیہ کے، حقیقی معنی کو مجازی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔۔مثلاً: نرگس کہہ کر آنکھ مراد لینا۔
اِستعداد: لیاقت۔۔قابلیت۔۔فطری صلاحیت۔
اِستفادہ: فائدہ حاصل کرنا۔۔نفع اٹھانا۔
اِستقرارِ حمل: بچے کا ماں کے پیٹ میں پڑ جانا، قائم ہونا۔
اِستکبار: گھمنڈ۔۔غرور۔۔فخر۔۔شیخی۔۔زعم۔
اِستنباط: نکالنا۔۔چننا۔۔نتیجہ اخذ کرنا۔۔چھانٹنا۔
اِستہزاء: ہنسی اُڑانا۔۔ہنسی مذاق۔
اِستیصال: جڑ سے اکھیڑ دینا۔۔بیخ کنی۔
اُسلوب: طریقہ۔۔طرز۔۔روش۔
اِشراق: حکمت۔۔روشن ضمیر۔۔تصفیۂ باطنی۔
اصالۃً: بذاتِ خود۔۔اس وجہ سے۔
اِصرار: ضد۔۔اَڑ۔
اَصیل: شریف۔۔نجیب۔۔عالی خاندان۔
اِضافت: نسبت۔۔لگاؤ۔۔میل۔
اِضطراب: بے چینی۔۔گھبراہٹ۔
اِطلاق: کہنا۔۔بولا جانا۔
اطوار (طور کی جمع)**:** طریقے۔۔ڈھنگ۔
اِعادہ: لوٹانا۔۔دُہرانا۔۔بار بار کرنا۔
اِعانت: مدد۔۔سہارا۔
اِعتراف: اقرار کرنا۔۔تسلیم کرنا۔۔مان لینا۔
اِفتراء: بہتان۔۔جھوٹا الزام۔۔اپنی طرف سے گڑھی ہوئی بات۔
اِفشاءِ حال: حال احوال کو ظاہر کرنا، کھولنا، آشکار کرنا۔
اکابر (اکبر کی جمع)**:** بڑے لوگ۔۔مقتدر آدمی۔۔بزرگ۔
اکوان (کون کی جمع)**:** ہستی۔۔عالَم۔۔جہان۔
التفات: رغبت۔۔خیال۔۔دھیان۔۔متوجہ ہونا۔
اِلقاء: غیب سے دِل میں ڈالنا۔۔وہ بات جو خدا دل میں ڈال دے۔
اِنابت: رجوع۔۔واپس آنا (اللہ کی طرف) توبہ وزاری کرنا۔
انبات: اُگانا۔
اِنبساط: خوشی۔۔شادمانی۔۔کھلنا۔۔پھیلنا۔

انسداد: روک تھام۔۔بندش۔۔روکنے کا بندوبست۔
انبعاث: اُٹھنا۔۔کھڑا ہونا۔۔برانگیختہ ہونا۔۔روانہ ہونا۔۔بھیجا جانا۔
انتباہ: خبردار کرنا۔۔آگاہ کرنا۔۔وارننگ۔
اندوہناکوں: رنج وغم سے بھرے ہوئے۔
انذار: تنبیہ کرنا۔۔آگاہی۔
انشراح: کھلنا۔۔کشادہ ہونا۔۔واضح ہونا۔
انقطاع: بریدہ ہوجانا۔۔کٹ جانا۔
انّا: دایہ۔۔دودھ پلانے والی عورت۔
اوامرونواہی: احکامات وممنوعات۔
اوتاد: اولیاءاللہ کا ایک خاص درجہ۔
اہانت: توہین کرنا۔۔ہتک۔۔ذلت۔۔بےعزتی۔
اہوال (ہول کی جمع): خوف وہراس۔۔خدشات۔
ایثار: دوسرے کے نفع کو اپنے نفع پر ترجیح دینا۔
ایما: اشارہ۔۔منشا۔
ایمن: بےخوف۔۔امن دیا ہوا۔
آزار: دُکھ۔۔تکلیف۔۔سختی۔
آشکارا: ظاہر۔۔نمایاں۔۔کھلا ہوا۔۔فاش۔
آفرینش: پیدائش۔۔مخلوق۔۔دُنیا۔

--- ﴿ ب ﴾ ---

بار: تکلیف۔۔ذمہ داری۔
بازپرس: پوچھ گچھ ہونا۔۔تحقیقات۔۔محاسبہ ہونا۔۔مواخذہ ہونا۔
بازگشت: واپسی۔۔لوٹنا۔۔واپس ہونا۔۔پلٹنا۔
باگ: لگام۔۔عنان۔۔راس۔۔انتظام۔
بالیدگی: افزائش۔۔روئیدگی۔
باور: یقین۔۔بھروسا۔۔اعتبار۔۔اعتماد۔
بایں جہت: اسی وجہ سے۔
برگشتہ: پھرا ہوا۔۔مخالف۔۔منحرف۔۔سرکشی۔۔باغی۔
بعث وحشر: مرنے کے بعد زندہ ہونا اور قیامت۔
بعث: مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا۔
بعید: دُور فاصلے پر۔۔علیحدہ۔
بقعہ: زمین کا ٹکڑا۔۔یا۔۔حصہ۔
بہ نظرِ غائر: سرسری نظر سے۔
بےباک: شوخ۔۔شریر۔۔بےحیا۔

--- ﴿ پ ﴾ ---

پراگندہ: بکھرا ہوا۔
پژمردہ: کملایا ہوا۔۔مرجھایا ہوا۔
پیادہ: پیدل، جو سوار نہ ہو۔

--- ﴿ ت ﴾ ---

تادمِ زیست: زندگی کے آخری سانس تک۔
تامل: سوچ بچار۔۔فکر۔
تاوان: عوض۔۔جرمانہ۔۔ہرجانہ۔
تتمہ: بقیا۔۔بچا ہوا۔۔کسی چیز کا آخری حصہ۔
تجاوز: حد سے آگے بڑھنا۔۔یا۔۔گزرنا۔
تحریص: لالچ دینا۔۔حرص دلانا۔۔ترغیب۔
تحریف: بدل دینا۔۔تحریر میں اصل الفاظ بدل کر کچھ اور لکھ دینا۔
تحصیل: حاصل کرنا۔۔جمع۔
تحمل: برداشت۔۔صبر۔
تخصیص: خصوصیت۔۔حقِ مخصوص۔
تخفیف: کمی۔۔گھٹاؤ۔۔افاقہ۔۔آرام۔
تدارک: درستی۔۔اصلاح۔
ترغیب: رغبت دلانا۔۔کسی کام کے کرنے پر آمادہ کرنا۔
ترکوں (ترکہ کی جمع): ورثہ۔۔میراث۔۔وہ جائیداد جو انسان مرنے کے بعد چھوڑے۔
تصرف: قبضہ۔۔اختیار۔۔استعمال۔
تصنع: دکھاوا۔۔مکر۔۔فریب۔
تطہیر: پاک کرنا۔۔تزکیہ۔۔پاکی۔۔طہارت۔
تعرض: روکنا۔
تعدیل: برابر کرنا۔۔ٹھیک کرنا۔۔درست کرنا۔
تعدی: حد سے بڑھ جانا۔۔ظلم وستم۔۔جور جفا۔۔ناانصافی۔
تعرض: روکنا۔۔مزاحمت کرنا۔۔سامنے آنا۔

تعریض: اعتراض کرنا۔۔اشارے کنائے سے بات کہنا۔
تغییر: حالت بدل دینا۔۔پلٹ دینا۔۔تبدیل کرنا۔
تفاخر: ڈینگ مارنا۔۔فخر کرنا۔۔غرور کرنا۔
تفہیم: سمجھانا۔
تقریبِ فہم: سمجھانے کی وجہ سے۔۔بات سمجھانے کے لیے۔
تقریب: باعث۔۔سبب۔۔وجہ۔۔موقع۔۔محل۔
تقویت: طاقت۔۔قوت۔۔مدد۔
تکاثر: بہت مال و دولت پر فخر کرنا۔
تکذیب: جھٹلانا۔۔جھوٹ بولنے کا الزام لگانا۔
تکونِ ارض: زمین کے وجود میں آنے کے تعلق سے۔
تکوین: پیدا کرنا۔۔وجود میں لانا۔
تلافی: نقصان کا عوض۔۔پاداش۔۔بدلہ۔۔تدارک۔
تلخابہ: کڑوا پانی۔
تلف: برباد۔۔تباہ۔۔رائیگاں۔۔گم۔۔ضائع۔
تناقض: ایک دوسرے کی ضد۔۔یا۔۔مخالف ہونا۔
تند: تیز۔۔غضبناک۔۔سخت۔۔شدید۔
تنزیہہ: پاکی۔
تنفر: نفرت۔۔بیزاری۔۔کراہت۔۔گھن۔
تونگری: دولتمندی۔۔امارت۔۔مالداری۔
تونگر: دولتمند۔۔امیر۔۔مالدار۔
تہدید: ڈرانا۔۔دھمکانا۔
تیرہ و تار: بہت باریک۔۔اندھیرا گھپ۔

--- ﴿ ث ﴾ ---

ثبات: مضبوطی۔۔پائداری۔
ثمن: قیمت۔۔قدر۔
ثوابِ ابدی: ہمیشہ باقی رہنے والا نیک صلہ۔

--- ﴿ ج ﴾ ---

جاڑا: سردی۔۔ٹھنڈ۔
جدال: جھگڑا۔۔تکرار۔۔قبضہ۔
جرس: گھنٹا۔۔گھڑیال۔۔گھنٹی۔
جرم: جسم۔
جزائے سرمدی: ہمیشہ رہنے والا انعام۔۔الٰہی انعام۔
جسارت: حوصلہ۔۔جرأت۔۔بے باکی۔
جلبِ منفعت: نفع حاصل کرنا۔
جلق: ہاتھ کی مدد سے انزال کرنا۔۔مشت زنی۔
جماع: مرد کا عورت سے صحبت کرنا۔۔ہم بستر ہونا۔۔مباشرت۔
جود: بخشش۔۔سخاوت۔۔فراخ دِلی۔۔کرم۔
جورو: بیوی۔۔گھر والی۔۔زوجہ۔۔رفیقۂ حیات۔
جہت: وجہ۔۔سبب۔۔باعث۔
جھڑی لگا کر: لگاتار بارش ہونا۔

--- ﴿ چ ﴾ ---

چارہ سازِ بے چارگاں: بے چاروں اور مجبوروں کا کام بنانے والا۔
چومیخا: ایک قسم کی سزا جس میں چار میخیں یعنی کیلیں گاڑ کر مجرم کے ہاتھ پاؤں اُن کے ساتھ باندھ دیئے جاتے تھے۔۔۔
چیں بجبیں: تیوری پر بل ڈالنا۔۔ماتھے پر شکن ڈالنا۔۔ ناراض ہونا۔

--- ﴿ ح ﴾ ---

حاشا (حرف تردید): ہرگز نہیں۔۔بالکل نہیں۔۔اِنکار اور لاعلمی کے لیے بطورِ قسم استعمال ہوتا ہے۔
حاملین (حامل کی جمع): کسی چیز کو لے جانے والا۔۔ بوجھ اُٹھانے والا۔
حدوث (قدیم کی ضد): نیا۔۔تازہ۔۔پیدائش و وجود میں آنا۔
حرماں نصیبی: بدقسمتی۔
حشمت: بزرگی۔۔عظمت۔۔مرتبہ۔
حظ: حصہ۔۔بخرہ۔۔لطف۔۔مزہ۔
حلاوت: لذت۔
حلیف: وہ فریق جنہوں نے ایک دوسرے کی مدد کا معاہدہ کیا ہو۔
حمل: مراد لے کر۔
حوالی: گردونواح۔۔آس پاس۔
حیف: ظلم وستم۔۔جبر۔۔تعدی۔
حیلے: بہانے۔

--- ﴿ خ ﴾ ---

خام خیالی: غلط گمان۔۔جھوٹا خیال۔۔وہم۔
خصومت: عداوت۔۔دشمنی۔۔جھگڑا۔
خفیف الحرکاتی: اوچھی حرکت۔۔کم ظرفی۔
خلش: رنجش۔۔بغض۔۔جھگڑا۔۔مناقشہ۔
خوگر: جسے کسی بات کی عادت پڑگئی ہو۔
خو: عادت۔۔خصلت۔

--- ﴿ د ﴾ ---

دادرسی: فریادرسی۔۔چارہ سازی۔۔انصاف۔۔حق رسی۔
دادخواہی: انصاف چاہنا۔۔فریاد۔۔استغاثہ۔
داعیہ: خواہش۔۔مرضی۔۔
دثارنبوت: وہ کپڑا جو دوسرے کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے جیسے چغہ، چادر، وغیرہ۔
دخول: داخل ہونا۔۔یا۔کرنا۔۔خلوت صحیحہ۔
دراندازی: چوری چھپے کسی کے علاقے میں گھس جانا۔
درآنحالیکہ: اس صورت میں۔۔حالانکہ۔
درخشانی: چمک دمک۔۔روشنی۔
درکہ: دوزخ کا طبقہ۔
دریدہ دہنی: گستاخی۔۔بدزبانی۔
دسترس: پہنچ۔۔رسائی۔۔قدرت۔
دغدغہ: تشویش۔۔کھٹکا۔۔خدشہ۔
دفع ضرر: تکلیف۔۔یا۔۔نقصان کا دُور کرنا۔
دلالت: دلیل۔۔ثبوت۔۔علامت۔۔نشان۔
دنایت: کمینہ پن اور رذالت۔
دیت: خوں بہا۔

--- ﴿ ذ ﴾ ---

ذمائم (ذمیمہ کی جمع): بُرائیاں۔۔خرابیاں۔

--- ﴿ ر ﴾ ---

راہن: رہن کرنے والا۔۔گروی رکھنے والا شخص۔
رجوع: واپس ہونا۔۔مڑنا۔۔لوٹنا۔۔توجہ۔
رطب اللسان: بہت تعریف کرنے والا۔
رعونت: غرور۔۔تکبر۔۔گھمنڈ۔
رفاقت: دوستی۔
رمزو کنایہ: پوشیدگی۔۔اشارہ۔
روسیاہ: کالے منہ کا۔
روضۂ خاخ: مکہ اور مدینہ سے درمیان میں ایک جگہ کا نام ہے۔
روئیدگی: اُگنا۔
رویت: دیدار۔۔نظارہ۔
ریگ رواں: اُڑنے والی ریت۔۔سراب۔

--- ﴿ ز ﴾ ---

زائل: دُور ہونے والا۔۔کم ہونے والا۔
زبوں حال: بے چارگی۔۔رُسوا۔۔تباہ حال۔
زجروتوبیخ: ڈانٹ ڈپٹ۔۔لعنت ملامت۔۔جھڑکی دھتکار۔
زجر: روک۔۔ڈانٹ۔۔ڈپٹ۔۔دھمکی۔۔تنبیہ۔
زشت خو: بُری عادت والا۔۔بدخصلت۔بدخو۔
زلل: کمی۔۔نقصان۔
زمرہ: جماعت۔۔گروہ۔۔حلقہ۔
زمرے: جماعت۔۔گروہ۔۔حلقہ۔
زندیق: وہ شخص جو خدا کی وحدانیت کا قائل نہ ہو۔
زیاں کار: نقصان اُٹھانے والا۔

--- ﴿ س ﴾ ---

ساقط: گراہوا۔۔متروک۔۔مسترد۔۔نامنظور شدہ۔
ساق: کنارہ۔۔درخت کا تنا۔
سب وشتم: گالی گلوچ۔
سپاہ: فوج۔۔لشکر۔
سجع: ایسا موزوں فقرہ۔۔یا۔۔مصرع جس کے کچھ ظاہری معنی بھی ہوں اور اُس میں کسی شخص کا نام بھی آجائے۔
سدرمق: قلیل۔۔تھوڑی۔۔اتنا کھانا کہ زندگی قائم رہ سکے۔
سُدھ: پرواہ۔۔فکر۔۔خیال۔

سڈول: متناسب۔۔زیبا۔۔موزوں۔۔خوشنما۔
سراسیمہ: حیران۔۔پریشان۔۔گھبرایاہوا۔
سرپوش: وہ کپڑا جو خوان پر ڈالتے ہیں۔۔ڈھکنا۔
سرتابی: سرکشی۔۔نافرمانی۔۔حکم عدولی۔۔بغاوت۔
سرزنش: ملامت۔۔برابھلا کہنا۔
سرگذشت: قصہ۔۔داستان۔۔حکایت۔
سرنگوں: شرمندہ۔۔خجل۔
سزاوار: لائق۔۔مناسب۔۔واجب۔
سعید: نیک۔۔بھلا۔۔نیک بخت۔
سفاہت: کمینہ پن۔۔رذالت۔
سن: عمر۔۔مقدارِعمر۔۔سال۔۔برس۔
سوخت: جلن۔۔سوزش۔۔تکلیف۔
سوزش: جلن۔۔تکلیف۔
سہل: آسان۔
سینت: ناحق جمع کرنا۔۔جوڑنا۔

۔۔۔﴿ ش ﴾۔۔۔

شادکاموں (شادکام سے): بامراد۔۔کامیاب۔۔خوش حال۔
شاق: مشکل۔۔دشوار۔۔دُوبھر۔۔ناگوار۔
شاہدعدل: سچے گواہ۔
شرر: آگ کی چنگاریاں۔
شقاوت: بدبختی۔۔بدنصیبی۔۔بدمعاشی۔۔سنگ دلی۔
شقی: بدبخت۔۔سنگ دل۔
شگاف: دراڑ۔۔جھری۔۔سوراخ۔
صادر: جاری ہونے والا۔۔نکلنے والا۔۔نافذ۔
صائب: رَسا۔۔پہنچنے والا۔۔درست۔۔ٹھیک۔
صدف: سیپ۔۔ایک قسم کا سمندری گھونگا جس میں سے موتی نکلتا ہے۔
صعب: سخت۔۔دشوار۔۔کٹھن۔۔تکلیف دہ۔
صعوبتوں: سختی۔۔مشکلات۔۔مصیبتیں۔۔دقتیں۔
صغرسنی: کم عمری۔۔چھوٹی عمر۔
صفات قبیحہ: بُری عادتیں۔۔نازیباحرکتیں۔

صلاح: نیکی۔۔بھلائی۔۔بہتر۔۔اچھائی۔
صنادید: سردار۔
صومعوں (صومعہ کی جمع): گرجا۔۔عبادت خانہ۔
صومعہ: گرجا۔۔عبادت خانہ۔

۔۔۔﴿ ض ﴾۔۔۔

ضرر: نقصان۔۔تکلیف۔
ضعف: کمزوری۔

۔۔۔﴿ ط ﴾۔۔۔

طبائع (طبیعت کی جمع): فطرت۔۔عادت۔۔خصلت۔
طغیان: بڑی زیادتی۔۔ظلم۔۔نافرمانی۔۔سرکشی۔
طنطنہ: کروفر۔۔شان وشوکت۔۔دبدبہ۔
طولِ امل: حرص کی درازی۔۔امید کی زیادتی۔
طینت: سرشت۔۔طبیعت۔۔خو۔۔عادت۔

۔۔۔﴿ ظ ﴾۔۔۔

ظروف (ظرف کی جمع): برتن۔
ظفر: خوش نصیبی۔۔کامیابی۔

۔۔۔﴿ ع ﴾۔۔۔

عاصی: گناہ گار۔۔خطاکار۔
عالم رویا: خواب کی حالت۔
عدوان: دشمنی۔۔بدخواہی۔۔رقابت۔
عرفان: شناخت۔۔پہچان۔
عزیمت: ارادہ۔۔قصد۔
عسل: شہد۔
عصیان: گناہ۔
عظیم الجثہ: بڑے جسم والا۔
عقاب: دکھ۔۔تکلیف۔۔عذاب۔۔سزا۔
عقوبت: عذاب۔۔سزا۔۔تکلیف۔۔دکھ۔
عمودی: سیدھی۔۔لمبی ستون جیسی۔

عناد: دشمنی۔۔نفرت۔

عنقاء: نایاب۔۔نادرو کمیاب ہونا۔

--- ﴿غ﴾ ---

غارعمیق: گہرا گڑھا۔

غایت غایات: آخرغرض۔۔انتہائی مطلب۔

--- ﴿ف﴾ ---

فائزالمرام: مراد پانے والا۔۔کامیاب۔

فتور: خرابی۔۔نقص۔۔فساد۔

فربہ: موٹا۔۔موٹا تازہ۔

فرو: دبانا۔۔بٹھانا۔۔بجھانا۔۔کم کرنا۔

فریب کدہ ہستی: دھوکا دینے والی زندگی۔

فریفتہ: عاشق۔۔دلدادہ۔

فضیحت: ذلت۔۔بدنامی۔۔رسوائی۔

فوق الادراک: سمجھ سے بالاتر۔

فیروز بختی: خوش نصیبی۔

فیلبان: مہاوت۔۔ہاتھی چلانے والا۔

--- ﴿ق﴾ ---

قانع: قناعت کرنے والا۔۔جو مل جائے اُس پر راضی رہنے والا۔

قباحت: بُرائی۔۔عیب۔۔نقص۔

قصد: ارادہ۔۔نیت۔۔مقصد۔

قصور: خطا۔۔بھول۔۔چوک۔

قطعہ: حصہ۔۔ٹکڑا۔

قلق: حسرت۔۔افسوس۔۔پچھتاوا۔

قوائے حیوانیہ: جسم کے اعضاء۔

--- ﴿ک﴾ ---

کبائر (کبیرہ کی جمع): بڑے گناہ۔

کپٹ: نفاق۔۔کدورت۔

کج عقلی: بدعقلی۔۔عقل کی کمی اور ٹیڑھا پن۔

کجی: ترچھاپن۔۔ٹیڑھاپن۔

کذب صریح: صاف جھوٹ۔

کفر نگاہی: آنکھوں دیکھی چیزوں کا اِنکار۔۔ظاہر کا اِنکار۔

کفو: مانند۔۔برابر۔۔ہم قدم۔۔ہم خاندان۔

کلفت: رنج۔۔تکلیف۔۔مصیبت۔

کمین گاہ: گھات کی جگہ۔۔وہ جگہ جہاں چھپ کر شکار۔۔یا۔۔دشمن کو ماریں۔

کنایہ: اشارہ۔۔مبہم بات۔

کنہ: کسی چیز کی انتہا۔۔تہہ۔۔حقیقت۔۔باریکی۔

کوتاہ نظروں: تنگ نظر۔

کوتاہ: چھوٹا۔۔کم۔۔تنگ۔۔پست۔

کور بختی: بدقسمتی۔۔بدنصیبی۔

کورفہمی: کندفہم۔۔کم ذہن۔۔ناسمجھ۔

کوزے: ڈونگا۔۔مٹی کا آب خورہ۔۔وہ برتن جو کسی چیز کے پینے کے لیے استعمال کیا جائے۔

کہانت: غیب کی بات بتانا۔۔فال گوئی۔

--- ﴿گ﴾ ---

گرانبار: ناگوار وزن۔۔تکلیف دہ کام۔۔بھاری۔

گرانی: بوجھ۔۔مہنگائی۔

گرز: ایک ہتھیار جو اوپر سے گول، موٹا اور نیچے سے پتلا ہوتا ہے۔

گرو: گروی ہونا۔۔رہن رکھا جانا۔۔بندھا ہوا۔

گرویدہ: فریفتہ۔۔عاشق۔۔شیفتہ۔

گنجان: گھنا۔۔پاس پاس۔۔متصل۔

گھات: تاک۔۔داؤں۔۔موقع۔۔شکار۔۔یا۔۔دشمن کے انتظار میں بیٹھنا۔

--- ﴿ل﴾ ---

لغو: بیہودہ۔۔فضول۔

لوث: آمیزش۔۔ملاوٹ۔۔آلودگی۔

لوجہ اللہ: اللہ کے واسطے۔

لیاقت: قابلیت۔۔استعداد۔۔خوبی۔۔عمدگی۔

لیالی عشر: دس راتیں۔

--- ﴿م﴾ ---

ماخوذ: اخذ کیا گیا۔۔حاصل کیا گیا۔

مافیہا: جو کچھ اس میں ہے۔۔جو کچھ دُنیا میں ہے۔

مامون: محفوظ۔۔بے خوف۔

مانع: سدراہ۔۔روک۔۔روکنے والا۔

مباشرت: عورت مرد کی ہم بستری۔۔جماع۔۔صحبت۔۔مجامعت۔

مبالغہ: کسی کام میں سخت کوشش کرنا۔کسی بات کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔حد سے زیادہ تعریف یا برائی کرنا۔

مبذول: خرچ کیا گیا۔

مبرا: پاک۔۔بے عیب۔۔منزہ۔۔صاف۔

مبعوث: بھیجا گیا۔۔نبی کا بھیجا جانا۔

متابعت: پیروی۔۔فرمانبرداری۔۔اطاعت۔

متبادر: جلد ذہن میں آنے والا۔

متحقق: تحقیق کیا گیا۔۔ٹھیک۔۔درست۔۔صحیح۔

متحمل: تحمل کرنے والا۔۔برداشت کرنے والا۔۔مستقل مزاج۔۔صابر۔

متحیر: حیران۔

متخلق: اخلاق سے آراستہ۔

متدین: قائم ہوجانے والا۔۔پکے ہوجانے والے۔۔پکڑ لینے والے۔

متصرف: قبضہ کرنے والا۔۔قابض۔

متضاد: برعکس۔۔خلاف۔۔اُلٹا۔

متعجب: تعجب کرنے والا۔۔حیران۔۔متحیر۔۔دنگ۔

متعدد: بہت۔۔کئی۔۔چند مختلف۔

متغیر: بدلا ہوا۔۔پلٹا ہوا۔۔تبدیل شدہ۔

متفرع: کسی چیز سے اُس کی شاخ کی طرح نکلنے والا۔

متقابل: مقابلہ کرنے والا۔۔آمنے سامنے۔

متکفل: کفالت کرنے والا۔۔کفیل۔۔ضامن۔۔ذمہ دار۔

متوازی: برابر فاصلے پر رہنے والا۔۔ساتھ ساتھ۔

مجازات: سزا۔۔کیفر کردار کو پہنچنا۔

مجامعت: ہم بستری۔۔جماع۔۔صحبت۔۔ہم خوابی۔

مجتمع: اکٹھا۔۔جمع کیا ہوا۔

مجلیٰ و مصفیٰ: پاک صاف۔۔ستھرا ہوا۔۔چمکا ہوا۔

مجملاً: مختصراً۔

محاسبہ: حساب۔۔شمار۔۔پڑتال۔۔حساب کی پوچھ گچھ۔

محاضرہ: یاد رکھی ہوئی باتیں۔۔یا۔۔چیزیں۔

محاکات: کسی چیز۔۔یا۔۔حالت کی نقل کرنا۔

محال: غیر ممکن۔

محجوب: پوشیدہ۔مخفی۔

محذوف: حذف کیا گیا۔۔علیحدہ کیا ہوا۔۔الگ کیا گیا۔

محرک: اُبھارنے والا۔۔اُکسانے والا۔

محکم: مضبوط۔۔مستحکم۔

محل: موقع۔۔وقت۔

مدافعت: دفع کرنا۔۔مزاحمت کرنا۔روک تھام۔

مدبر: تدبیر کرنے والا۔۔عاقل۔۔دانش۔

مدون: جمع کیا ہوا۔۔ترتیب دیا ہوا۔

مذموم: بُرا۔۔خراب۔۔قبیح۔۔وہ جس کی بُرائی کی جائے۔

مراجعت: واپس۔۔واپس ہونا۔۔لوٹنا۔۔رجوع۔

مربوط: ربط کیا گیا۔۔بندھا ہوا۔۔لگا ہوا۔۔وابستہ۔

مرصع: جڑاؤ۔۔موتی۔۔یا۔۔جواہرات سے جڑا ہوا۔

مزین: زینت دیا گیا۔۔سجایا ہوا۔۔آراستہ۔

مستثنیٰ: استثناء کیا گیا۔۔الگ کیا گیا۔۔ماسوا۔۔بجز۔

مستجاب الدعوات: جس کی دعائیں درگاہِ الٰہی میں شرف قبولیت پائیں۔

مستحسن: نیک۔۔پسندیدہ۔۔خوب۔۔بہتر۔

مستعد: آمادہ۔۔تیار۔۔کمربستہ۔

مستغرق: ڈوبا ہوا۔۔نہایت مصروف۔

مستغنی: آزاد۔۔بَری۔۔بے پرواہ۔

مستفید: فائدہ چاہنے والا۔۔فائدہ طلب کرنے والا۔

مستلزم: کوئی کام اپنے اوپر لازم کرنے والا۔

مستور: چھپا ہوا۔۔مخفی۔۔پوشیدہ۔

مسحور: جس پر جادو کیا گیا ہو۔
مسموم: وہ جس نے زہر کھالیا ہوا۔
مشتبہ: مشکوک۔۔جس میں شبہ ہو۔۔شبہ والا۔
مصاحبت: ہم نشینی۔۔ساتھ رہنا۔۔ساتھ اُٹھنا بیٹھنا۔
مصالح (مصلحت کی جمع): نیک صلاح۔۔اچھا مشورہ۔۔
مناسب تجویز۔۔حکمت پالیسی۔
مصائب: مصیبت کی جمع۔
مصداق: آلہء تصدیق۔۔ثبوت صداقت۔
مصرف: خرچ کرنے کی جگہ اور موقع۔۔مطلب۔۔کام۔۔
غرض۔
مضحکہ: ہنسی مذاق۔
مضرتوں (مضرت کی جمع): ضرر۔۔نقصان۔۔زیاں۔
مضطرب: بے چین۔۔بے قرار۔
مطاع: اطاعت کیا گیا۔۔وہ شخص جس کی اطاعت کی جائے۔
مطلع: اطلاع دیا گیا۔۔خبردار کیا ہوا۔۔واقف۔۔آگاہ۔
معاصی (معصیت کی جمع): گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔پاپ۔
معاند: عناد رکھنے والا۔۔دشمن۔۔مخالف۔
معانقہ: باہم بغلگیر ہونا۔۔گلے ملنا۔
معاونت: مدد۔حمایت۔۔امداد۔۔سہارا۔۔تائید۔
معائب (معیب کی جمع): عیوب۔۔نقائص۔۔خرابیاں۔۔
کھوٹ۔۔بُرائیاں۔
معدوم: مٹایا گیا۔۔فنا کیا گیا۔۔نابود۔۔ناپید۔
معذب: سزا دیا گیا۔۔عذاب دیا گیا۔
معصیت: گناہ۔۔قصور۔۔خطا۔۔نافرمانی۔انحراف۔
معین: مقرر کیا گیا۔۔مقررہ۔
معیوب: قابل شرم۔۔باعث ندامت۔
مغلوب: دبا ہوا۔۔عاجز۔۔زیر۔۔شکست خوردہ۔
مفاخرت: بڑائی۔۔شیخی۔۔ڈینگ۔۔فخر۔۔ناز۔۔گھمنڈ۔
مفارقت: جدائی۔۔فرقت۔۔علیحدگی۔
مفاسد (مفسدہ کی جمع): فساد۔۔خرابیاں۔۔بُرائیاں۔۔
فتنے۔۔جھگڑے۔
مفتری: افترا پرداز۔۔الزام لگانے والا۔۔بہتان لگانے والا۔

مفتوں: مبتلا۔۔شیدا۔۔فریفتہ۔۔عاشق۔
مفرد: تنہا۔۔اکیلا۔۔علیحدہ۔۔غیر مرکب۔
مفروضات: وہ باتیں جو استدلال کی بنیاد کے طور پر مان لی جائیں۔
مقاربت: قریب آنا۔۔قربت۔۔قرب۔۔نزدیکی۔
مقاومت: مقابلہ۔۔برابری۔
مقتضا: تقاضہ کیا گیا۔۔مطلب۔
مقر: اقراری۔۔معترف۔۔اعتراف کرنے والا۔۔
تسلیم کرنے والا۔
مقطوع: تراشا ہوا۔۔کٹا ہوا۔
مقہور: قہر کیا گیا۔۔جس پر غصہ ہوا۔
مقید: قید کیا گیا۔۔قیدی۔۔اسیر۔۔پابند۔
مکاتب: وہ غلام جسے کچھ معاوضہ لے کر آزاد کر دیا گیا ہوا۔
مکارم: بزرگیاں۔۔خوبیاں۔۔محاسن۔۔اچھے اوصاف۔۔
قابل تعریف کام۔
مکاشفہ: امورِ غیبی کا انکشاف کرنا۔۔اظہار۔۔افشاء۔
مکافات: سزا۔۔عوض۔۔بدلہ۔۔پاداش۔
مکذبین: جھوٹے۔۔جھوٹ بولنے والے۔
مکرر: دوبارہ۔۔پھر سے۔۔دوسری دفعہ۔
ملازمت: کسی بڑے کی ملاقات۔
ملتفت: التفات کرنے والا۔۔متوجہ ہونے والا۔
ممتنع: باز رکھا گیا۔۔روکا گیا۔
ممسکوں (ممسک کی جمع): کنجوس۔۔بخیل۔۔شوم۔
مملوک: جس پر قبضہ کیا جائے۔۔مقبوضہ۔۔غلام۔۔بندہ۔
مناجات: دُعا۔۔عرض۔۔التجا۔
منحرف: پھرنے والا۔۔باغی۔۔سرکشی۔۔غدار۔
مندرج: درج کیا گیا۔۔لکھا گیا۔
مندوب: نمائندہ۔
منزہ: عیبوں سے بَری۔۔پاک۔۔مبرا۔
منعم: نعمت دینے والا (یہاں اللہ تعالیٰ مراد ہے)۔
منفعتوں (منفعت کی جمع): نفع۔۔فائدہ۔
منقضی: بیت جائے۔۔گزر جائے۔۔پوری ہو جائے۔
منہمک: کسی کام میں بہت مصروف۔۔انہماک کرنے والا۔

منہیات (منی کی جمع): منع کی گئی۔۔ممانعت کی گئی۔
مواخذہ: جواب طلبی۔۔گرفت۔۔بازپرس۔
موارد (مورد کی جمع): وارد ہونے کی جگہیں۔۔مواقع۔۔صورتِ حال۔
موانست: باہمی اُنس رکھنا۔۔اُنس۔۔محبت۔۔دوستی۔
موثر: تاثیر کرنے والا۔۔اثر کرنے والا۔۔کارگر۔
موضع حمل: ماں کے پیٹ میں وہ جگہ جہاں بچہ ٹھہرتا ہے۔
موضع ولادت: وہ جگہ جہاں سے بچے کی ولادت ہوتی ہے۔
موکد: تاکید کیا گیا۔
موند: بند کرنا۔۔ڈھانپنا۔
مونس: اُنس رکھنے والا۔۔آرام دینے والا۔۔ساتھی۔۔دوست۔۔یار۔
مہلکات: ہلاکت کرنے والا۔۔سخت ضرررساں۔
مہلکہ: ہلاکت کی جگہ۔
مہمل: چھوڑا ہوا۔۔ترک کیا ہوا۔۔بے کار۔
میل: رغبت۔۔رجحان۔۔میلان۔۔توجہ۔

--- ﴿ ن ﴾ ---

ناشائستہ: نامناسب۔۔غیرضروری۔
نابود: نیست۔۔معدوم۔۔فانی۔۔ناپید۔
نخوت: گھمنڈ۔۔غرور۔۔خود بینی۔۔تکبر۔
ندا: آواز۔۔صدا۔۔پکار۔
نرینہ: نر سے متعلق۔
نزاع: تکرار۔۔تنازعہ۔۔جھگڑا۔
نزع: جاں کنی۔۔دم ٹوٹنا۔۔قریب مرگ۔
نسیان: بھول چوک۔
نشاۃِ ثانیہ: دوبارہ پیدائش۔۔نئی زندگی۔
نظافت: پاکیزگی۔۔صفائی۔
نفخہ اولیٰ: پہلا صور جو پھونکا جائے گا قیامت میں۔
نفخہ: صور۔۔جو قیامت میں پھونکا جائے گا۔
نقاہت: ضعف۔۔کمزوری۔۔ناطاقتی۔۔ناتوانی۔
نقباء (نقیب کی جمع): قائد۔۔رئیس۔

نقیض: اُلٹا۔۔برعکس۔۔ضد۔
نگوں ساری: شرمندگی۔۔شرم سے سر جھکائے ہوئے۔۔شرمساری۔
نمود: علامت۔۔نشان۔
ننگ و عار: غیرت شرم۔
نوع: قسم۔۔جنس۔
نیران: آگ۔
نیست: عدم۔۔نابود۔۔معدوم۔۔فنا۔

--- ﴿ و ﴾ ---

وارد: آنے والا۔۔پہنچنے والا۔۔موجود۔
وحوش: جنگلی جانور۔
وداد: چاہت۔۔الفت۔۔دوستی۔۔اُنس۔
ودیعت: امانت۔۔سپردگی۔
وسائط: واسطہ کی جمع۔
وطی: جماع کرنا۔

--- ﴿ ہ ﴾ ---

ہاتف: غیب کی آواز۔۔غیب کی آواز دینے والا۔
ہانکنے: پاس سے دور کرنے۔
ہذیان: شدتِ بخار کی حالت میں بے معنی گفتگو۔
ہست: ہستی۔۔زندگی۔۔حیات۔۔وجود۔
ہنکائے: پاس سے دور کیے گئے۔
ہنکا: پاس سے دور کرنا۔
ہنوز: ابھی تک۔۔اب تک۔۔اس وقت تک۔۔ابھی۔
ہوادار: خیرخواہ۔۔دوست۔
ہوائے نفس: نفس کی خواہشات۔۔عیاشی۔۔شہوت پرست۔
ہول: خوف۔۔اندیشہ۔۔گھبراہٹ۔
ہیئت: بناوٹ۔۔صورت۔۔شکل۔

تصدیق نامہ

میں نے گلوبل اسلامک مشن، انک، نیویارک، یو ایس اے کی کتاب

'سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی' ﴿جلد دہم﴾

کی طباعت کے وقت اس کے ہر صفحہ کو حرفاً حرفاً بغور پڑھا ہے۔

تصدیق کی جاتی ہے کہ اس میں موجود قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ اور احادیث شریفہ کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں۔ اور میرا یہ سرٹیفکیٹ درستگی اور اغلاط سے پاک ہونے کا ہے۔ دورانِ طباعت اگر کوئی زیر، زبر، پیش، جزم، تشدید یا نقطہ چھپائی میں خراب ہو جائے تو اسکا متن کتابت کی صحت سے تعلق نہیں ہے۔۔۔ علاوہ ازیں ۔۔۔ کتاب ھذا میں کوئی مضمون ملک وملت کے خلاف نہیں ہے۔

فقط

المصدق

سید محمد عظمت علی نوری
ریسرچ و رجسٹریشن آفیسر
(محکمہ اوقاف، سندھ) کراچی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور کراچی پاکستان